مدارج النبوت

جلد اوّل

تصنیف

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

علّامہ مفتی سیّد غلام معین الدّین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

شبیر برادرز

۴۰۔ اُردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ○ لاہور

باسمہٖ تعالٰی

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا
نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نام کتاب	—	مدارج النبوۃ (جلد اوّل)
تصنیف	—	حضرت شیخ محقق علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ
مترجم	—	الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ
سن اشاعت	—	جولائی 2004ء
کمپوزنگ	—	words maker Lhr.
باہتمام	—	ملک شبیر حسین
مطبع	—	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر	—	شبیر برادرز لاہور
قیمت	—	روپے (مکمل سیٹ)

ملنے کے پتے

ادارہ پیغام القرآن زبیدہ سینٹر اُردو بازار لاہور
مکتبہ اشرفیہ مریدکے (ضلع شیخوپورہ)

فہرست مضامین

مصنف کتاب

مستطاب مدارج النبوت شیخ المحققین سیّد العلماء المدققین سند الفضلاء برکات النبلاء

حضرت علامہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا

مختصر تذکرہ

حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ ترک دہلوی بخاری ہے۔آپ کی کنیت ابوالمجد تھی۔ آپ کے آباواجداد اصل میں بخارا کے رہنے والے تھے جو دہلی میں آ کر سکونت پذیر ہوئے اور آپ شہر دہلی میں سن ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔اپنے زمانے کے فقیہہ‘محقق‘محدث‘مدقق‘بقیۃ السلف‘حجۃ الخلف‘مورخ اضبط‘فخر مسلمانان برصغیر (پاک وہند) اور جامع علوم ظاہری وباطنی تھے۔

آپ ہی وہ شیخ الکامل ہیں جنہوں نے عرب سے علم حدیث لاکر اس ملک کو مالا مال کیا اور نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہان بھر کو منور فرمایا اور اپنی تصنیفات جلیلہ ورفیعہ سے فن حدیث کو تمام ممالک ہندو پاکستان کے خطہ خطہ میں پھیلایا۔آپ کے فن حدیث میں آپ کی تصانیف وتنقیدات سے کسی موافق ومخالف کو اصلاً شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ان سے ہمیں سروکار نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چشم بینا سے بے بہرہ کردیا ہے یا آنکھوں میں تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے۔اعاذنا اللہ تعالیٰ عنہا۔

آپ نے بائیس سال کی عمر میں اکثر وبیشتر علوم دینیہ‘عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کرکے اور حفظ قرآن کرکے مسند اقادت پر تمکن واجلاس فرمایا اور عین عالم شباب میں جذبہ الٰہی نے ایسا سرشار کیا کہ دفعتاً یار و دیار سے دل اٹھا کر حرمین شریفین کو متوجہ ہوگئے اور عرصہ دراز تک وہاں قیام فرما کر وہاں کے اولیاء کبار اور اقطاب زمانہ خصوصاً شیخ عبدالوہاب متقی‘ خلیفہ شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کرکے فن حدیث کی تکمیل کی اور مع برکات فراواں وطن مالوف (دہلی) مراجعت فرمائی اور باون سال کی عمر میں ظاہر وباطن کی جمعیت سے تمکنت حاصل کرکے تکمیل فرزندان وطالبان میں مصروف ہوئے۔اخبار الاخیار مطبع مجتبائی دہلی سن ۱۳۰۹ھ صفحہ ۲۸۹ کے خاتمہ میں شیخ نے اپنا حال اس طرح لکھا ہے کہ (ترجمہ)

’’میں تین چار سال کا بچہ تھا کہ والد ماجد نے اہل حقیقت کی باتیں اس فقیر کے کام جان میں ڈالیں اور تربیت باطنی کو ضمیمہ شفقت ظاہری فرمایا۔ان میں سے کچھ باتیں جو اس وقت میرے گوش ہوش میں ڈالی گئی تھیں۔اب تک خزانہ خیال میں یاد ہیں۔جو ندرت وغرابت سے خالی نہیں ہیں اور عجیب تربات یہ ہے کہ جس وقت میرا دودھ چھڑایا گیا تھا اور میری عمر اس وقت دو ڈھائی سال کی تھی۔اس وقت کی بات ایسی یاد ہے کہ گویا کل کی بات ہے۔والد ماجد قرآن مجید‘ سبق سبق لکھتے تھے اور میں پڑھا کرتا تھا۔یہاں تک کہ دو تین مہینے میں تمام قرآن کریم میں نے پڑھ لیا اور ایک ماہ میں کتابت کی قدرت اور انشاء کا سلیقہ حاصل ہوگیا اور نظم واشعار کی کتابوں سے بھی میں

نے چیدہ چیدہ ہدایت وارشاد کو مطالعہ کیا۔ بارہ سال کا تھا کہ شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھتا تھا اور پندرھویں سال میں مختصر اور مطول ختم کی۔ بعدازاں حفظ قرآن پاک کیا اور اسی قیاس پر باقی کتابوں پر عبور حاصل کیا۔ سات آٹھ سال تک فقہا ماوراء النہر کے درس میں رہا۔ وہ فرمایا کرتے تھے ''ہم نے تجھ سے فائدہ اٹھایا ہے ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے''۔ بچپنے سے ہی میں نہیں جانتا تھا کہ کھیل کیا ہوتا ہے اور خواب وآرام کیا چیز ہے۔ تحصیل علم کے شوق میں کبھی وقت پر کھانا کھایا نہ وقت پر سویا۔ موسم گرما ہو یا موسم سرما دو میل کی مسافت طے کر کے دہلی میں روزانہ مدرسہ جایا کرتا تھا اور چراغ کی روشنی میں روزانہ ایک جز ولکھا کرتا تھا۔ باوجود تقسیم اوقات کے میں مطالعہ کتب وابحاث میں مصروف رہتا اور علم حاضر کے مطابق ان پر حواشی وشروح کو قید کتابت میں لاتا جس طرح کہ مقولہ ہے کہ ''**العلم صید' والکتابته قید' تعلیم التعلم**''۔

مطالعہ کتب وغیرہ کے انہماک میں کئی مرتبہ میری دستار اور بالوں میں چراغ سے آگ لگی اور مجھے اس وقت پتہ چلتا جب کہ حرارت دماغ کو محسوس ہوتی۔ اس کے باوجود بچپنے سے ہی درود وسلام' اوراد ووظائف' شب خیزی اور مناجات میں اس قدر عملی جہد وسعی رہتی تھی کہ لوگ حیران تھے۔ اب تک تعلیم واستفادہ کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں اور حضور وجمعیت میرے اختلاط پر موقوف نہیں اور زید وعمر کے ذکر سے بھی جو نحوی ترکیبوں میں مذکور ہوتا ہے ملال ہے اور بموجب والد ماجد کی نصیحت وصیت کے کہ ''خبر دار خشک ملانہ بننا'' ہمیشہ عشق ومحبت رسول ﷺ میں سرشار رہنا۔ یہاں تک کہ حق تبارک وتعالی اپنی طرف بلائے اور اپنے گھر کی طرف لے جائے اور جو کچھ حضور اکرم ﷺ کی بشارت سے انعام پایا ہے بیان نہیں کر سکتا انتہی۔ یہ بھی واضح کر دینا مناسب ہے کہ آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جن کا اسم گرامی سیف الدین تخلص سیفی تھا وہ ہندوستان کے اجل افاضل اور اکابر علماء کرام میں سے تھے جو سلامت سخن اور درستگی زبان میں ممتاز تھے۔ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والد ماجد کا سر سے ظاہری سایہ کا اٹھ جانا حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے اس مرثیہ کے مطابق تھا جو انہوں نے اپنے والد ماجد کے انتقال کے وقت فرمایا تھا۔

سیف از سرم گزشت ودل من دونیم ماندہ دریائے رواں شد ودر یتیم ماندہ

آپ کی تصانیف وتالیفات کے بہت سے رسالے طریقہ تصوف' توحید اور اشعار میں تھے۔ حضرت شیخ محقق شاہ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات وتصنیفات صغیر وکبیر کی سو جلدیں ہیں اور بحسب شمار ابیات کے پانچ لاکھ تک پہنچتی ہیں۔ آپ کی مشہور تر تصانیف یہ ہیں۔

(۱) لمعات التنیقح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ' اَسی ہزار ابیات کے قریب ہیں۔ اور عربی زبان میں ہے یہ کتاب ابھی تک نہیں چھپی ہے۔ قلمی نسخے' بانکی پور' رامپور' حیدر آباد دکن' دہلی اور علی گڑھ میں موجود ہیں۔

(۲) اشعتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ' یہ فارسی زبان میں ہے۔ افسوس ہے کہ بعض حضرات دونوں کتابوں میں فرق نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ایک ہی کتاب ہے۔ حالانکہ لمعات التنقیح ابھی تک چھپی ہی نہیں صرف قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔

(۳) شرح سفر السعادۃ یا طریق القویم فی شرح صراط مستقیم یا طریق الافادہ فی شرح سفر السعادہ' (۴) اخبار الاخیار (۵) جذب القلوب الی دیار المحبوب (۶) جامع البرکات (۷) مرج البحرین فی جمع بین الطریقین در جمع بیان شریعت وطریقت (۸) زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار' در مناقب غوث اعظم رضی اللہ عنہ (۹) زاد المتقین (۱۰) فتح المنان فی مناقب النعمان (۱۱) تحصیل التعرف فی معرفتہ الفقہہ والتصوف (۱۲) توصیل المرید الی المراد بیان الاحکام والاضراب والاوراد (۱۳) شرح فتوح الغیب (۱۴) تکمیل الایمان وتقویت

الایقان (۱۵) ماثبت من السنۃ فی ایام السنۃ' عربی زبان میں ہے (۱۶) مدارج النبوت ومراتب الفتوۃ فارسی میں ہے جس کا ترجمہ یہ مترجم غفرلہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے بایمائے حضرت مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی مدظلہ شائع فرما رہے ہیں۔

حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات اور تصنیفات کی تفصیل ''حدائق الحفیہ'' اور التالیف قلب الانیف بکتابتہ فہرس التوالیف میں ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ محقق کی تصنیفات پاکستان اور ہندوستان وغیرہ میں مقبول خاص وعام ہیں اور شہرت تمام رکھتی ہیں اور تمام مفید ومحققانہ ہیں۔ آپ نے حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قصیدہ ساٹھ ابیات کا لکھا ہے اور مدینہ منورہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ان کو پڑھا جس کا پہلا بیت یہ ہے

بیا اے دل دے از ہستی خود ترک دعوی کن
میفکن چشم برصورت نظر درعین مفتی کن

آپ کی ولادت کی تاریخ ''شیخ اولیاء'' ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء اور تاریخ رحلت ''فخر العلماء'' ۱۰۵۲ھ اور فخر العالم ۱۰۵۲ھ ہے۔ آپ کا مقبرہ حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہرولی واقع دہلی میں حوض شمسی کے کنارہ پر واقع ہے۔

اولاد: آپ کے ایک صاحب زادے حضرت مولانا نورالحق رحمۃ اللہ علیہ بڑے فقیہہ' محدث' جامع کمالات صوری ومعنوی اور فاضل متجر اور عالم ماہر تھے جو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے تمیذ ومرید' خلف السعید اور یگانۂ روزگار تھے۔ چونکہ صاحب قران' شاہجہاں ایام شہزادگی سے آپ کے جوہر استعداد عالی سے اطلاع رکھتے تھے۔ جب وہ دکن جانے لگے تو آپ کو اکبرآباد کا قاضی مقرر کر گئے۔ چنانچہ آپ نے ایک مدت تک منصب قضاء کو باحسن وخوبی ادا کیا۔ آپ نے تصانیف بھی بہت فرمائیں جس طرح کہ آپ کے والد رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ وتشریح مشکوۃ میں دست احسان دراز فرمایا اسی طرح آپ نے ترجمہ فارسی صحیح میں صلائے فیض عام دے کر تیسیر القاری فی شرح البخاری اور نیز شرح مسلم تصنیف فرمائی اور نوے سال کی عمر میں ۱۰۷۳ھ میں دہلی میں وفات پائی ''شیخ الاسلام'' سن ۱۰۷۳ھ مادۂ تاریخ ہے (حدائق حنفیہ)

اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض وبرکات سے طابع وناشر' مترجم' کمپوزر اور تمام مسلمانوں کو مالا مال فرمائے اور صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھے آمین

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وبارک وسلم آمین۔

فقیر پر تقصیر غلام معین الدین النعیمی غفرلہ المرادآبادی

بِسۡمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

هُوَالۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيۡمٌ

وہی ذات اوّل وآخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔

یہ کلمات اعجاز اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں حمد وثنا پر بھی مشتمل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی کبریائی کے ذکر و بیان کے خطبہ میں ارشاد فرمایا اور حضور اکرم سیّد عالم ﷺ کی نعت وصفت کو بھی شامل ہیں کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان اسماء وصفات کے ساتھ آپ کی توصیف فرمائی باوجود یکہ یہ اسماء منجملہ اسماء حسنیٰ بھی ہیں۔ اور وحی متلو (جس کی تلاوت کی جاتی ہے جو کہ بواسط جبریل علیہ السلام خدا کا ارشاد ہوتا ہے) وحی غیر متلو (جس کی تلاوت نہ کی جائے جو بغیر کسی واسطہ کے القاء' خواب اور براہ راست کلام الٰہی کا نزول ہو) ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کا نام نامی اسم گرامی قرار دے کر آپ کے حلیہ مبارک' حسن و جمال اور کمال وخصال کا آئینہ دار بنایا۔ اگرچہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء صفات سے متخلق ومتصف ہیں اس کے باوجود خصوصیت کے ساتھ ان میں سے کچھ صفات کو نامزد کر کے گنایا۔ مثلاً نورٌ' علیمٌ' حکیمٌ' مؤمنٌ' مھیمنٌ' ولیٌ' ھادیٌ' رؤف اور رحیمٌ وغیرہ اور یہ چاروں مذکورہ اسماء صفات یعنی اول' آخر' ظاہر' باطن بھی انہیں قبیل سے ہیں۔

حضور ﷺ کی شان اوّلیت: اب رہا یہ امر کہ حضور اکرم ﷺ کا اسم موجودات میں سب سے اوّل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوۡرِیۡ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا۔ ۲- یہ کہ آپ مرتبہ نبوت میں بھی اوّل ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے: كُنۡتُ نَبِيًّا وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنۡجَدِلٌ فِيۡ طِيۡنَتِهٖ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم اپنے خمیر میں ہی تھے)۔ ۳- یہ کہ آپ ہی روز میثاق سارے جہان سے پہلے جواب دینے والے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ (کیا میں تمہارا رب نہیں؟) قَالُوۡا بَلٰی سب نے کہا: ہاں؟ ۔۴- یہ کہ آپ ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں چنانچہ فرمایا: وَاَوَّلُ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (اللہ پر جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس کے حکم کی تعمیل کی ان میں سب سے پہلے مومن ہوں) ۵- یہ کہ جب زمین شق ہوگی اور لوگ اس سے نکلیں گے تو میرے لیے سب سے پہلے زمین شق ہوگی۔ ۶- یہ کہ (روزِ قیامت) سب سے پہلے میں ہی سجدہ کرنے کی اجازت پاؤں گا۔ ۷- یہ کہ باب شفاعت سب سے پہلے میرے لیے ہی کھلے گا۔ ۸- یہ کہ سب سے پہلے میں ہی جنت میں داخل ہوں گا۔

شانِ آخر: اس سبقت واولیت کے باوجود بعثت ورسالت میں آپ آخر ہیں چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (لیکن آپ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں) اور ۲- یہ کہ کتابوں میں آپ کی کتاب قرآن کریم آخری اور دینوں میں آپ کا دین آخری ہے چنانچہ فرمایا: نَحۡنُ الۡاٰخِرُوۡنَ السَّابِقُوۡنَ تمام سبقتوں کے باوجود بعثت میں ہم آخری ہیں۔ کیونکہ بعثت میں یہ آخریت وخاتمیت اور فضیلت میں اولیت وسابقیت کا موجب ہے۔ اس لیے کہ آپ ہی گزشتہ تمام کتابوں اور دینوں کے ماحی اور ناسخ ہیں۔

شانِ ظاہر و باطن: اب رہا آپ کا ظاہر و باطن ہونا تو آپ ہی کے انوار نے پورے آفاق کو گھیر رکھا ہے جس سے سارا جہاں روشن ہے کسی کا ظہور آپ کے ظہور کی مانند اور کسی کا نور آپ کے نور کے ہم پلہ نہیں اور باطن سے مراد آپ کے وہ اسرار ہیں جن کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور قریب اور بعید کے لوگ آپ کے جمال اور کمال میں کھو کر رہ گئے۔

ہر شئی کے جاننے والے: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٍ (وہی ہر شے کا جاننے والا ہے) کا ارشاد بلاشبہ حضورِ اکرم ﷺ ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ: فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٍ (ہر صاحب علم کے اوپر اور زیادہ جاننے والا ہے) کی صفات آپ ہی میں موجود ہیں۔ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

امابعد! بعد حمد و صلوٰۃ کے بندۂ مسکین (حضرت شیخ محقق شاہ) عبدالحق (محدث) بن سیف الدین دہلوی قادریؒ ''وفقہ اللہ لما یحب ویرضاہ وجعل اخراہ خیر من اولاہ''۔ اس کتاب کے جمع و تالیف کے اسباب میں کہتا ہے کہ یہ کتاب جس کا نام ''مدارج النبوۃ ودرجات الفتوۃ'' ہے عرصہ سے میری روح او دل وفور شوق اور ایمانی ذوق اس کی خواہش کر رہے تھے کہ سیر مصطفوی ﷺ اور شرح احادیث نبوی ﷺ میں کوئی کتاب ہونی چاہیے جس کی اس بندہ نے حق خدمت ادا کر کے غلامی کی ہے اور اس کی تکمیل و تتمیم کی طرف مشغول ہونا چاہیے۔ ادھر فرزند عزیز نور نظر چشم بصر (مولانا) نورالحق ''خصہ اللہ تعالیٰ عزوجل بغیضہ المطلق'' کا تاکید و اصرار برابر بڑھتا رہا مگر چونکہ ہنوز امر الٰہی مساعد نہ ہوا تھا یعنی توفیق رب شامل حال نہ ہوئی تھی۔ اس بنا پر شاہد مقصود کے جلوۂ جمال' توقف میں تھا اور جب اس دور میں فساد کی بنا پر اس زمانہ کے کچھ مغرور درویشوں کے مزاج میں انحراف و روگردانی نے راہ پکڑ لی اور صلاحیتوں کے آبگینے میں تیرگی نمودار ہوئی اور حضورِ اقدس ﷺ کے بلند و ارفع مقام کے سمجھنے میں تنگی و کوتاہی ہونے لگی اور آپ کی شان و مرتبت کے علم و معرفت میں انہیں دشواری لاحق ہونے لگی اور حق اعتقاد کی ادائیگی میں ان سے کمی و قصور سرزد ہونے لگا اور وہ جادۂ دین قویم اور صراط مستقیم سے دور ہونے لگے تو ایسے مسلمانوں کے لیے حق نصیحت ادا کرنا لازم ہو گیا۔ حالانکہ سرور انبیا ﷺ کے احوال و صفات قدسیہ کا بیان کوئی کیا کر سکتا ہے۔ تاہم بے خبروں کو حقیقت حال سے روشناس کرانا' غافلوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا' طالبان راہ حق کو راہ پر لانا اور عاشقوں کو ذوق و شوق میں برقرار رکھنا ہی ضروری تھا لہٰذا اس کتاب کو مرتب کیا جس میں حضورِ اکرم ﷺ کے فضل و کرم' حسن و جمال اور مبدأ و مآل کے احوال کا ذکر و بیان ہے۔ چونکہ اس تالیف کا منشاء و مقصد ذوق و محبت کا پیدا کرنا تھا اس بنا پر حسب عادت قلیل عرصہ میں یہ کتاب منصۂ شہود میں آ گئی اور فم الحروف کو پتہ بھی نہ چلا کہ کب آغاز ہوا اور کب اختتام' واللہ ولی الرشاد الیہ المبدأ والمعاد۔ اس کتاب کی ترتیب پانچ قسموں پر مبنی ہے۔

قسم اوّل: حضورِ اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات کا بیان اس میں آپ کی حسن خلقت' جمالِ صورت' اخلاقِ عظیمہ' صفاتِ کریمہ' وہ فضل و شرف جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں' آپ کا اور آپ کی امت مرحومہ کا وہ ذکر جو گزشتہ کتابوں میں مذکور ہے' آپ کے ان فضائل کا تذکرہ جو آپ کے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے درمیان مشترک ہیں' ان کمالات کا ذکر جو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً معراج وغیرہ' معجزات قاہرہ اور آیات باہرہ کا ذکر' آپ کے اسماء گرامی کا ذکر' ان فضائل و کرامات اور درجات و مقامات کا بیان جو روز آخرت آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔ جیسے عمومی شفاعت اور مخصوص وسیلہ وغیرہ' آپ کے ان حقوق کا تذکرہ جن کی رعایت و پائیداری تمام مخلوق پر واجب ہے۔ مثلاً ایمان' اطاعت اور اتباع وغیرہ' اور آپ کی ان معظم عبادتوں کا تذکرہ جو بارگاہ الٰہی میں تقرب کا موجب ہیں اور ان مکرم عادتوں کا ذکر جو حق تعالیٰ کو محبوب و پسند ہیں یہ قسم گیارہ ابواب پر منقسم ہے۔

قسم دوم: حضورِ اکرم ﷺ کے نسب شریف' حمل' ولادت' شیر خوارگی (رضاعت) کا بیان' حضرت عبدالمطلب کی کفالت اوران کی وفات' حضرت ابوطالب کی امداد واعانت' ان کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ کا ملک شام کی جانب سفر کرنا' وہاں بحیرہ راہب کا آپ کو پہچاننا اوراس کا آپ کی نبوت پر ایمان لانا' ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح' بنائے کعبہ کا تذکرہ' ابتدائے وحی' ظہور دعوت اسلام' ابوطالب کی رحلت' کفار کی ایذارسانی' صحابہ کی بجانب حبشہ ہجرت' حضور ﷺ کا طائف تشریف لے جانا' جنات کا بیعت کرنا' انصار مدینہ کی بیعت کرنا' مدینہ منورہ کی طرف ہجرت پر انگیز کرنا' مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے جانا وغیرہ یہ قسم چار ابواب پر منقسم ہے۔

قسم سوم: ان ابواب کا ذکر و بیان جو باعتبار سن وسال ابتدائے ہجرت سے مرض وفات تک وقوع پذیر ہوئے۔ چونکہ ہر سال وسن کے واقعات جداگانہ ہیں اس لحاظ سے یہ قسم باعتبار معنی گیارہ ابواب پر مشتمل ہوگی مگر ابواب کے عنوانات کا ذکر نہ ہوگا۔

قسم چہارم: حدوث وامتداد مرض اوران واقعات کا بیان جو ایام مرض اور روز وفات وقوع پذیر ہوئے اُس میں غسل' تجہیز و تکفین' نماز' دفن اوراثبات حیات انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ یہ قسم تین ابواب پر مشتمل ہے۔

قسم پنجم: حضورِ اکرم ﷺ کے اولاد اطہار' ازواج مطہرات اور اہل بیت مسکن (باندیاں وغیرہ) کا ذکر اس میں آپ کے چچا' پھوپھیاں' اجداد اور دودھ شریک (رضاعی) بھائی بہن' خدام وحوائی نگہبان ودبیر' امراء' ایلچی' عمال' خطباء' شعراء' موذنین اور جنگی ساز وسامان وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ اس ترتیب سے یہ قسم گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

تکملہ: نبی کریم ﷺ کے بعض صفات کاملہ کا بیان برطریق اہل معرفت وطریقت اور آپ سے استمداد کا کرنے کا ذکر ہے۔

قسم اول: فضائل وکمالات حضورِ اکرم ﷺ اس قسم میں گیارہ باب ہیں۔

باب اوّل

در بیان حسن خلقت و جمال صورت یعنی سراپا مبارک ﷺ

چہرۂ انور: حضورِ اکرم ﷺ کا چہرۂ انور' آئینہ جمال الٰہی ومظہر انوار لامتناہی بخاری ومسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوش خو تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین وبہتر کسی چیز کو نہ دیکھا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا (کسی چیز کو نہ دیکھا) فرمایا اور مَا رَأَيْتُ اِنْسَانًا يَا رَجُلًا (کسی انسان یا مرد کو نہ دیکھا) نہیں فرمایا کیونکہ اس میں بہت زیادہ مبالغہ ہے مطلب یہ کہ آپ کی خوبی وحسن ہر چیز پر فائق تھی اور انہوں نے فرمایا کہ چہرۂ انور ایسا روشن وتاباں تھا کہ گویا آفتاب آپ کے رخ انور میں تیر رہا تھا۔

تا شب نیست روز ہستی زاد   آفتابے چو تو ندارد یاد

یعنی کسی رات کے بعد ایسا دن طلوع نہ ہوا جیسا آپ کا چہرۂ انور روشن وتاباں تھا۔ مقصود یہ ہے کہ آپ کے چہرۂ انور' روئے روشن کی آب وتاب بہت ہی زیادہ تھی۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضورِ اکرم ﷺ کا روئے روشن صفائی وتابانی میں شمشیر کی مانند تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی مانند تھا۔ کیونکہ شمشیر کی تشبیہہ میں گولائی مفقود ہے اس لیے انہوں نے چاند سے تشبیہہ دی۔ چاند میں چمک دمک بھی ہے اور گولائی بھی۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے جواب دیا نہیں! بلکہ آفتاب وماہتاب کی مانند تھا یعنی مستدیر اور گولائی میں' اگرچہ ماہتاب کے مقابلہ میں آفتاب میں چمک دمک زیادہ ہے لیکن ماہتاب میں جو ملاحت ہے وہ آفتاب میں نہیں اور ملاحت ایسی خوبی ہے جو دیکھنے میں پرلطف اور دل نشین ہے جس کا ذوق سلیم ہی ادراک کرسکتا ہے۔

شاہد آں نیست کہ موئے دمیانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اہل سیر صباحت وملاحت کے درمیان فرق کرتے ہیں کہ صباحت حضرت یوسف علیہ السلام کی صفت تھی اور ملاحت حضورِ انور ﷺ کی نسبت مبارکہ ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: اَنَـا اَمْـلَـحُ وَاَخِـیْ اَصْبَـحُ (مجھ میں ملاحت ہے اور میرے بھائی یوسف میں صباحت)

نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور کے مستدیر (گول) ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دائرہ کی مانند گول تھا کیونکہ دائرہ کی مانند گولائی حسن

وجمال کے برخلاف ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ یک گونہ مستدیر تھا طویل و پردراز نہ تھا۔ یہ خوبی حسن وجمال اور عظمت وہیبت میں داخل ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ آپ کا چہرۂ انور نہ مکلثم تھا نہ مطہم وہ ہے جس کی ٹھوڑی (ذقن) چھوٹی ہو اور یہ چہرہ کی گولائی کو مستلزم ہے۔ اس لیے کہ چہرہ کی لمبائی ٹھوڑی کی لمبائی سے ہوتی ہے اور ''مطہم'' بروزن معظم اس چہرے کو کہتے ہیں جو پر گوشت اور سوجا ہوا (متورم) معلوم ہو۔ قاموس میں تدویر و اجتماع کے معنی میں بھی آیا ہے اور وہیں سے معنی اخذ کیے ہیں اس کے معنی کمزور ناتواں کے بھی ہیں اور یہ دونوں معنی حسن وجمال کے منافی ہیں۔ ایک روایت میں سہل الخدین (نرم رخسار) بھی آیا ہے۔ سہل نرم وہموار زمین کو کہتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ''سیل الخدیت'' (رواں رخسار) بھی آیا ہے جو سیلان سے ماخوذ ہے۔ ''مواہب لدنیہ'' میں ابن اثیر سے منقول ہے کہ اسالہ درخدین بمعنی استطالہ ہے یعنی رخسار مبارک ایسے لابنے تھے کہ بلند و باہر نہ تھے۔

شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اسی روایت کے بموجب یہ بات ہر ایک کے لیے موجب استفسار بنی کہ کیا نبی کریم ﷺ کا چہرۂ انور مثل شمشیر تھا۔ یہ مقام غور وفکر ہے۔

بعض احادیث میں تشبیہہ وجہہ کریم بقعۂ قمر وشقۂ قمر بمعنی پارۂ قمر اور نصف قمر واقع ہوئی ہے اور اشعار میں بھی ایسی تشبیہہ کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ مصرعہ ہے۔

ہر دیدہ جائے آں ماہ پارہ نیست!

گویا کہ یہ تشبیہہ دیکھنے والوں کے لیے چاند کی بلندی' اس کے حجم کی فراوانی اور اس کی گولائی سے ہے اور یہ خوبی دیگر اشخاص کی بہ نسبت حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور میں زیادہ غالب تھی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ فصیح ترین شعراء صحابہ میں سے ہیں ان کے کلام میں یہ تشبیہہ آتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی مناسب توجیہہ کی جائے۔ چنانچہ کسی نے کہا کہ یہ تشبیہہ حضور اکرم ﷺ کے کمال توجہ والتفات یا بعض اوقات قدرے رخ انور پھیر کر توجہ فرمانے پر محمول ہے۔ اس کی تائید میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث لاتے ہیں جو طبرانی میں ہے۔ فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے ہماری جانب اس شان سے توجہ فرمائی کہ گویا چاند کا نصف پارہ ہے''۔ زیادہ عمدہ توجیہہ یہ ہے کہ یہ تشبیہہ آپ کی پیشانی مبارک کی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا!

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سُرَّ اِسْتَنَارَ وَجْهُهُ كَاَنَّهُ قِطْعَتُهُ قَمَرٍ

رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر جب شکن پڑتی تو آپ کا چہرۂ انور پارۂ قمر کی مانند چمکنے لگتا۔

کسیکہ تشنہ لب تست باز میداند کہ عین موج حیات است چین پیشانی

اور صراح (لغت کی کتاب) میں ہے کہ سرر بفتحتین شکن پیشانی اور اس کی جمع اسرار اور جمع الجمع اساریر ہے اور حدیث میں ہے کہ كَانَ تَبْرِقُ اَسَارِيْرُ وَجْهِهٖ یعنی آپ کے چہرۂ انور کی پیشانی کی شکنیں چمکنے لگتی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ پارۂ قمر سے تشبیہہ دینے سے چاند میں جو سیاہی اور جھائی ہے اس سے احتراز کی بنا پر ہے۔ یہ توجیہہ کمزور ہے۔ اس لیے کہ جب کسی چیز کی چاند سے تشبیہہ دی جاتی ہے تو اس کی سیاہی یا جھائی سے قطع نظر محض چمک دمک سے دی جاتی ہے۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور دائرۂ قمر کی مانند تھا''۔ دائرۂ قمر ہالہ کو کہتے ہیں جسے فارسی میں خرمن ماہ کہا جاتا ہے۔

(شیخ محقق شاہ عبدالحق دہلوی ''نور اللہ قلبہ بنور الیقین'' فرماتے ہیں) کہ چاند کے نورانی جسم سے مشابہت یا ہالہ قمر سے تشبیہہ کا

صریح اشارہ آپ کے چہرۂ انور کے اس نور کی طرف ہے جو انوار واضواء کی شکل میں بمنزلہ ہالہ احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ تشبیہہ آپ کے رخ انور کے کمال ضیاء ونورانیت اور اس کی عظمت وہیبت وجلال کا طریقۂ اظہار ہے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے نظر ومشاہدہ میں کیا چیز آتی ہے اور اس تشبیہہ میں مشاہدہ کرنے والے کی نظر میں حضور اکرم ﷺ کا جمال وجلال کیسے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ آنکھوں کو سیراب کرتا اور دل کو نور عظمت ومحبت سے بھرتا ہے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی دائرۂ قمر سے تشبیہہ موجود ہے۔ قمر کے ساتھ تشبیہہ میں بہت ظاہر ومشہور چودھویں رات کے چاند (لیلۃ البدر) کی تشبیہہ ہے۔ جسے بیہقی نے ابواسحاق سے روایت کیا۔ وہ یہ کہ ایک ہمدانی عورت نے مجھ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا ہے میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کی کیفیت تو بیان کر واس نے کہا!

كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ چودھویں رات کے چاند کی مانند تھا جس کی مانند نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں۔

طالبان مشتاق ہمیشہ جمال آراء ﷺ کے مشاہدہ میں ایام بیض کی راتوں میں مشرف رہتے تھے اور اس مشاہدہ سے وہ کبھی غافل وفارغ نہ ہوتے تھے کیونکہ دیدار نقد ہے اور ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُّفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ كَتَلَأْلُؤِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں حضور اکرم ﷺ عظیم بزرگ، معظم اور مہیب تھے۔ گویا کہ آپ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن وتاباں تھا۔

اور جمال جہاں آراء ﷺ کو آفتاب کے مقابلے میں چاند سے تشبیہہ دینے کی ترجیح میں اہل سیر فرماتے ہیں کہ چاند چونکہ اپنے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت بخشتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے دل کو انس ولذت حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ اس کی طرف نظر کرنا ممکن ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہ آنکھوں کو خیرہ کرتا اور دل کو ذوق نہیں پہنچاتا ہے۔ ہاں حضور اکرم ﷺ کی ذات عظیم الصفات کو سطوت وجلالت میں آفتاب سے تشبیہہ اور فرواتِ عالم میں آپ کے نور وظہور کو اور ذات محمدیہ ﷺ کی کنہ حقیقت کے عدم ادراک اور دور ونزدیک سے آپ کے فضل وکمال کی انتہا کے مطالعہ میں افہام وعقول کے عاجز ودرماندہ رہ جانے کی وجہ سے آفتاب سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے جیسا کہ یہ شعر ہے۔

اَعْيَا الْوَرٰى فَهْمَ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرٰى ... فِي الْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْفَحِمٖ
كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بُعْدٍ ... صَغِيْرَةً وَّتُكِلُّ الطَّرْفَ مِنْ اُمَمٖ

مطلب یہ کہ آپ کی کنہ حقیقت فہم وادراک سے بہت بلند ہے کوئی بھی دور ونزدیک سے پوری طرح معرفت نہیں کر سکتا۔ گویا آپ آفتاب کی مانند ہیں جو دور ہو کر بھی آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے۔ اسی طرح ساری مخلوق آپ کی کنہ حقیقت کے ادراک میں عاجز وسرگرداں رہی ہے۔

یہ تشبیہہ حسب حال ہے لیکن مشاہدہ عینی وحسی میں چاند سے تشبیہہ دنیا قرین ومناسب ہے۔ مواہب لدنیہ میں نہانیہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب مسرور ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور آئینہ کے مانند ہو جاتا جس میں درودیوار کے نقوش اور لوگوں کے چہروں کا عکس جھلکنے لگتا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاندنی راتوں میں دیکھا ہے اس وقت آپ

کے جسم اطہر پر سرخ جوڑا تھا میں کبھی آپ کے روئے انور کو دیکھتا اور کبھی چاندنی کی تابانی کو خدا کی قسم میرے نزدیک چاند سے زیادہ بہتر آپ معلوم ہوتے تھے۔ ان کے الفاظ ''میرے نزدیک'' میں حضورِ اکرم ﷺ کے حسن وجمال سے لذت اندوز ہونے کا اظہار موجود ہے۔ یہ ان کا اپنا اظہار تلذذ ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آپ کا حسن وجمال سب سے بڑھ کر حسین تھا۔

تنبیہہ: حلہ کپڑے کے اس جوڑے کو کہتے ہیں جس میں چادر اور تہ بند ہوتا ہے اور حمراء سے سرخ دھاریوں والا کپڑا مراد ہے۔ یہ محدثین کی تحقیق ہے جو لوگ حلے کو ریشمی جامے اور حمراء کو محض سرخی پر محمول کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی صفات عالیہ کو شاعرانہ انداز میں بیان کرنا شعری مزاج وعادت کے ماتحت ہے ورنہ اس دنیا کی کوئی چیز بھی آپ کے اخلاقی خوبیوں اور خلقی صفتوں کے نہ تو مماثل ہوسکتی ہے اور نہ ہم پلہ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ وَحُسْنِهٖ وَاَجْمَلِهٖ وَاَتَمِّهٖ وَاَكْمَلِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔

چشم مبارک: حضورِ اکرم ﷺ کی چشم مبارک پر دو وجہوں پر بحث کی جاتی ہے پہلی وجہ خانۂ چشم اور اس کی شکل وہیئت کے صف میں ہے چنانچہ سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے فرمایا کہ آپ کی چشم مبارک بڑی اور بھنویں دراز تھیں۔ چشم مبارک کے بڑی ہونے کا مطلب تنگی اور کوتاہی کی نفی کرنا ہے نہ کہ اتنی بڑی کہ آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ آپ کے اعضائے شریف کے اظہار میں قاعدۂ کلیہ توسط واعتدال ہے کیونکہ مدار حسن وجمال اور بنائے فضل وکمال یہی توسط واعتدال ہے۔

ایک اور حدیث میں ''اشکل العینین'' آیا ہے یعنی آپ کی چشم مبارک سفیدی میں سرخی لیے ہوئے تھیں۔ مطلب یہ کہ آنکھوں کی باریک رگیں سرخ تھیں اور ''شہلہ'' یعنی سیاہی میں سرخی ہونا۔ یہ صفت آپ کی چشم مبارک کی تعریف میں بہت ہی کم مذکور ہے لیکن نہایہ میں کہا گیا ہے کہ

كَانَ اَشْهَلَ الْعَيْنَيْنِ وَكفته اَشْهَلُ حُمْرَةٌ فِىْ سَوَادٍ حضور ﷺ کی دونوں چشم مبارک اشہل تھیں اور سیاہی میں سرخی کو اشہل کہا جاتا ہے۔

یہ بھی محبوبوں کے آنکھ کے حسن کی ایک قسم ہے لیکن مشہور اشکل العینین (سفیدی میں سرخی) ہے اور اشعار میں جوانان تنگ وتاز کی تعریف میں ''شہلا'' آیا ہے۔ قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے کہ اشکل وہ ہے جس میں سرخی وسفیدی ممتزج ہو اور سفیدی میں سرخی کی جھلک نمودار ہوتی ہو اور شکلہ کو ''سحرہ'' بھی کہتے ہیں جو سحر سے مشتق ہے۔ ایسی آنکھ کو چشم سحرکار اور فسوں کار بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ دلوں کو موہ لیتی ہے اور بعض حضرات اشکل العینین کو طویل شق العینین یعنی درازو باریکی چشم (پھٹا دیدہ) سے تفسیر کرتے ہیں۔ قاموس نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ بھی بیان کرتے ہیں۔ شمائل ترمذی میں بھی اسی قسم کی روایت ہے اور امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا قول عظیم العینین (بڑی آنکھیں) بھی بظاہر اسی معنی ومراد میں ہے۔ واللہ اعلم

ایک روایت میں ''اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ'' بھی آیا ہے ادعج گہری سیاہ آنکھ کو کہتے ہیں اور قاموس نے اس کے معنی فراخ وکشادگی کے بھی لیے ہیں اور ایک روایت میں اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ ہے یعنی سرگیں آنکھیں تھیں۔

دو چشم تو کہ سیاہ ہند سرمہ نا کردہ — بساں سرمہ سیاہ کردہ خانہ مردم

یعنی آپ کی چشم مبارک بغیر سرمہ لگائے سرگیں نظر آتی تھیں۔

دوسری وجہ: حضورِ اکرم ﷺ کی بصارت وبینائی کی تعریف میں ہے چنانچہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم

ﷺ رات کی تاریکی میں بھی ویسا ہی دیکھتے تھے جیسا دن کی روشنی میں (رواہ البخاری) بیہقی نے بھی سیّدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایسا ہی روایت کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الشفا'' میں بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ ثریا میں گیارہ ستارے ملاحظہ فرماتے تھے اور سہیلی کے نزدیک بارہ منقول ہیں۔ آپ کی نظریں آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھیں یہ حد درجہ شرم وحیا کی دلیل ہے۔ حدیثوں میں جو یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تھے۔ کبھی کم اور کبھی زیادہ! تو ایسا انتظار وحی کے سلسلے میں ہوتا تھا۔ ورنہ نظر مبارک کا زمین کی طرف رکھنا روزمرہ کے معمولات میں تھا۔ حضورِ اکرم ﷺ اکثر گوشۂ چشم سے نظر فرماتے تھے جو نظر براہ راست ہوا سے جوق وماق کہتے ہیں۔ آپ کا گوشۂ چشم سے ملاحظہ فرمانا انتہائی حیاء ووقار کے سبب تھا لیکن جب آپ کسی کی جانب التفات فرماتے تو مکمل طور پر گھوم جاتے تھے۔ دائیں بائیں پہلو بدلنے یا محض گردن گھما لینے اور دزدیدہ نظری سے آپ گریز فرماتے تھے۔ کیونکہ یہ متکبروں اور سہل انگاروں کا شیوہ ہے آپ کی نظر مبارک سامنے اور پس پشت یکساں تھی۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ آپ مقتدیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ رکوع وسجود میں مجھ سے پہل نہ کیا کرو کیونکہ میں تمہیں اپنے آگے اور پیچھے سے یکساں دیکھتا ہوں اور مجھ سے تمہارا رکوع وسجود پوشیدہ نہیں ہے۔ اس روایت کی حقیقت کو خدا ہی جانتا ہے کہ کیا تھی۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے تمام اعضائے شریفہ کا یہی حال ہے۔ کیونکہ ان کی کنہ حقیقت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اور ان کی کنہ تک جاننے کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسا کہ متشابہات کی تاویل وتفسیر کا حکم ہے۔ عقل وقیاس اور فکر ونظر کی رو سے یہ آپ کی فضیلت ہے لیکن آپ کی یہ بینائی چشم رخ سے ہے یا دل کی آنکھ سے؟ یا تو یہ حالت نماز کے ساتھ مخصوص ہوگی جو محل انکشاف نام اور موجب از دیار نور ہے یا پھر یہ صفت تمام احوال واوقات میں عام ہوگی اور یہ روایت بصری چہرہ مبارک کی چشم میں ہی ہوگی۔ ورنہ پروردگار عالم اس پر بھی قادر ہے کہ قوت بصر یہ بدن کے ہر حصہ اور جزو میں پیدا فرمادے یا یہ کہ یہ بینائی آپ کو بطریق اعجاز بلاشرط مقابلہ حاصل تھی۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان سوئی کے ناکہ کی مانند دو آنکھیں تھیں جن سے آپ پس پشت بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ آپ اسے کپڑوں سے نہیں ڈھانپتے تھے یا یہ کہ قبلہ کی دیوار پر مثل آئینہ مقتدیوں کی صورتیں منعکس ہوجاتی تھیں اور آپ ان کے افعال کا مشاہدہ فرمالیتے تھے۔ یہ دونوں باتیں عجیب وغریب ہیں۔ اگر یہ کسی صحیح روایت میں ہوں تو ہم ان پر ایمان لے آئیں گے ورنہ محل تامل ہے کیونکہ اہل سیر کے نزدیک باسناد صحیحہ ثابت نہیں ہیں۔

اگر یہاں رویت قلبی مراد ہے تو یہ وہ علم ہے جو بطریق وحی واعلام اور کشف والہام آپ کو حاصل تھا اہل سیر کے نزدیک درست بات یہی ہے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب اطہر کو معقولات کے علم وادراک میں وسعت اور احاطہ عنایت فرمایا ہے اسی طرح آپ کے حواس لطیف میں بھی محسوسات کے ادراک میں احاطہ مرحمت فرمایا ہو اور شش جہات کو ایک ہی جہت بنادیا ہو۔ واللہ اعلم

کچھ لوگ اس جگہ یہ اشکال لاتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں بندہ ہوں میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے'' اس کلام کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ اس قسم کی کوئی صحیح روایت وارد ہے۔ بفرض محال اگر ہو بھی تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ انکشاف حالت نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر علم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے اور آپ میں ایسا علم پیدا فرمانے کے ساتھ موقوف ہے جس طرح تمام غیوبات کے حال کا علم ہے۔ اس لیے ایسے موقع پر یہ لوگ اس روایت سے استدلال لاتے ہیں جو اونٹنی کی گمشدگی کے سلسلے میں منقول ہے۔ چنانچہ کچھ منافقوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) آسمان کی خبریں تو دیتے ہیں مگر (معاذ اللہ) اتنا نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟'' جب منافقوں کی یہ بدگوئی حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں (از خود) نہیں

جانتا اور نہ (از خود) پاتا ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے مجھے علم دیا اور عنایت فرمایا اور آپ برابر یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے الجھی ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگ وہاں پہنچے تو اونٹنی کو اسی مذکورہ حال میں پایا گویا ثابت ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ ذاتی علم نہیں رکھتے تھے مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا خواہ یہ نماز میں ہو یا نماز کے سوا' اس میں کوئی اشکال و دشواری نہیں ہے۔

گوشہائے مبارک: حضورِ اکرم ﷺ کی سماعت شریفہ کے بارے میں ایک حدیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں ان آوازوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سن سکتے۔ میں آسمان کی اطیط (خاص قسم کی آواز ہے) کو سن رہا ہوں اونٹ کے پالان کی آواز' خالی معدہ کی آواز' درد و کرب سے اونٹ کے بلبلانے کی آواز یا کسی قسم کی آواز ہو ان سب کو ''اطیطہ'' کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: آسمان کو بھی لائق ہے کہ آواز نکالے کیونکہ آسمان میں ایک بالشت (ایک روایت میں چار انگل) کی جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کسی فرشتے نے سجدہ نہ کیا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ بکثرت فرشتے سجدے میں ہیں یا قیام میں سیر کی کتابوں میں آپ کے گوش مبارک کے تمام صفات و ہیئت کا تذکرہ نہیں ہے۔ ہاں جامع صغیر میں ایک روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے گوشہائے مبارک کامل و مکمل تھے۔

جبین مبارک: حضورِ اکرم ﷺ کی جبین مبارک کی تعریف و توصیف میں سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ واضح الجبین (کشادہ پیشانی) تھی۔ ایک دوسری روایت میں ''صلت الجبین'' بمعنی کشادہ پیشانی آیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ''واسع الجبین'' ایک روایت میں ''واسع الجبهہ'' منقول ہے۔ ان سب کے معنی فراخ پیشانی ہے۔ چہرۂ انور کے تذکرہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے گزر چکا ہے کہ جب آپ کی پیشانی شکن آلود ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ کی پیشانی مبارک سے نیک بختی' سعادتمندی اور نورانیت مترشح ہوتی رہتی تھی اور سرنوشت (جو شکم مادر میں لکھا جاتا ہے) کا مقام پیشانی ہے۔ بسا اوقات اس معنی کا مشاہدہ خانۂ کعبہ کے دروازے میں ہوتا ہے۔ جب یہاں عادتاً پیشانی کو اس سے رگڑتے اور ملتے ہیں تو پیشانی سے نیک بختی و سعادت مندی کے آثار خوب واضح طریقہ پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔

حواجب شریف بھنویں: حضورِ اکرم ﷺ کے بھنوؤں کی توصیف میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی حدیث میں بیان فرمایا وَاضِحُ الْجَبِيْنِ مَقْرُوْنُ الْحَاجِبِيْنِ۔ یعنی پیشانی کشادہ اور بھنویں ملی ہوئی تھیں۔ قرن ابرو کا مطلب بھنوؤں کے بالوں کا ملا ہوا ہونا ہے لیکن ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو کہ واصفان حلیہ شریف میں سے ہیں ان کی حدیث میں من غیر قرن (ابرو کے بال ملے ہوئے نہ تھے) آیا ہے ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ صحیح روایت یہ ہے کہ آپ غیر متصل ابرو تھے اور بظاہر یہ اتصال بہت گہرا نہ تھا جس سے دونوں ابرو کے بال باہم خوب پیوست ہو گئے ہوں اور نہ درمیان میں اتنی خالی جگہ تھی جسے غیر متصل کہا جائے بلکہ چند خفیف بالوں کا اتصال تھا۔ اس بنا پر اتصال و عدم اتصال کا اطلاق بادی النظر والخیال میں صحیح ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

اہل سیر فرماتے ہیں کہ دونوں ابرو کے درمیان ایک رگ تھی جو حالت غضب میں نمودار ہوتی تھی۔ نیز ابن ابی ہالہ کی حدیث میں ''اَزَجُّ الْحَوَاجِبِ'' آیا ہے۔ ازج کے معنی لمبی کمان' کثیر بال اور کشیدہ ابرو کے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ''اَزَجُّ الْحَوَاجِبِ وَسَوَابِغُ'' (کشیدہ ابرو و گھنے بال) آیا ہے۔ قاموس اور صحاح میں زج کے معنی باریکی ابرو یا درازی ابرو کے ہیں۔ جیسے فارسی میں کمان

ابرو کہتے ہیں اور بیہقی میں بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ''اَحْسَنُ الْوَجْهِ عَظِيْمُ الْجَبْهَةِ دَقِيْقُ الْحَاجِبَيْن'' دیکھا ہے یعنی آپ کا چہرہ نہایت حسین، عظیم پیشانی اور ابرو باریک تھے۔ باریکی کا مطلب یہ ہے کہ ابرو کے بالوں کا گھنا نہ تھا اور بالوں کی کثرت کا یہ مطلب ہے کہ بال کم اور کہیں کہیں نہ تھے۔ یہ نہ تو پراگندہ تھے نہ چھدرے۔

بینی شریف: حضور اکرم ﷺ کی بینی مبارک کے بارے میں ''اَقْنَى الْاَنْفِ وَاَقْنَى الْعِرْنِيْنِ'' وارد ہے۔ عُرْنِيْن (بکسر عین مہملہ وسکون راء وکسر نون) بمعنی بلندی جو موئے ابرو کے اتصال کے نیچے ہے اور اقنی کی تفسیر ''سائل الحاجبین'' یعنی مرتفع الوسط سے کی گئی ہے۔ سائل سیلان سے مشتق ہے جس کے معنی ناک کی لمبائی اور باریکی میں یک گونہ ہمواری کے بھی منقول ہیں اور لفظ دقت (باریکی) سیلان کے ہم معنی بھی آتا ہے جس کا مطلب ناک کے موٹاپے کی نفی کرنا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بینی مبارک ایسی نورانی اور روشن تھی کہ دیکھنے والا جب تک بغور نہ دیکھے یہی گمان کرتا تھا کہ آپ کی بینی شریف بلند ہے حالانکہ بلند نہ تھی بلکہ یہ بلندی نور کی تھی جو ہر ایک شئے کو نمایاں دکھاتا تھا۔ نیز اس خوبی میں سے نیک بختی اور سعادت مندی کی نشانی بھی ہے۔

دہن شریف: حضور اکرم ﷺ کے دہن مبارک کے بارے میں صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيْعُ الْفَمِ رسول اللہ ﷺ فراخ دہان تھے۔ اس طرح حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے جو شمائل ترمذی میں حلیۂ مبارک کی طویل حدیث میں مذکور ہے۔ اہل عرب مردوں کے لیے فراخ دہنی کو قابل تعریف اور تنگ دہنی کو لائق مذمت ٹھہراتے تھے۔ عرب کے شعراء تنگ دہن کو معشوق اور محبوب سے نسبت دیتے تھے۔ گویا کہ ان کے نزدیک وہ عورتوں کے حکم میں تھے۔ لیکن بعضوں نے کہا کہ یہ کم سخنی اور محبوبی سے کنایہ ہے۔ دوسری حدیث میں لفظ ''ضلیع الفم'' (فراخ دہنی) کے بعد یہ عبارت زیادہ کی ہے جس سے فراخ دہن مراد لیتے ہیں۔ ''يَفْتَحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهٗ بِاَشْدَاقِهٖ'' یعنی حضور اکرم ﷺ کلام کو کشادگی دہن سے آغاز فرماتے اور اپنے شدق سے اسے ختم کرتے۔ شدق بکسر شین کنج دہاں اور شدق بتحریک فراخی دہاں کو کہتے ہیں۔ ''خطیب اشدق'' تالو کشادہ اور متشدق فصاحت سے بولنے والے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کے دہن مبارک سے کلام تام کامل اور بھرا ہوا نکلتا تھا۔ شکستہ وناقص الفاظ نہ نکلتے تھے۔ لہٰذا اس بیان سے فصاحت اور اثبات فصاحت دونوں کا اجتماع حاصل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ آپ فصیح کامل تھے۔ ایسا تشدق لسانی مذموم وقبیح ہے جو بطریق تکلف، بناوٹ اور ناحق ہو۔ بعض اہل سیر نے کشادگی دہن سے ہونٹوں کی نزدیکی مراد لی ہے۔

آپ ''مُفْلَجُ الْاَسْنَانِ'' تھے یعنی سامنے کے دانت کشادہ تھے۔ صراح میں فلج کے معنی سامنے کے دانتوں کی کشادگی ہے۔ ایک اور حدیث میں ''اشنب مفلج الثنایا'' یعنی سامنے کے دانت روشن تر، آبدار اور کشادہ مروی ہے۔ اشنب کے معنی دانتوں کی آبداری وتابانی کے ہیں اور قاموس میں اشنب بحرکت باء ''ورقہ وبرد غذ دبتہ فی الاسنان'' کے معنی بیان کیے ہیں۔ علی مرتضیٰ کی حدیث میں مبلج الثنایا (سامنے کے دانت روشن وتاباں) آیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے انہوں نے بیان کیا کہ آپ کے لبہائے مبارک کشادہ تھے جب گفتگو فرماتے تو ایسا دیکھا جاتا کہ گویا سامنے کے دندانہائے مبارک کی کشادگی کے درمیان سے نور نکل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بوصیری پر رحم فرمائے کیا خوب شعر کہا ہے

كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِيْ صَدَفٍ   مِنْ مَّعْدَنَيْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَمُبْتَسَمِ

گویا کہ دندانہائے مبارک صدف میں چھپے ہوئے ہیں جو اپنے معدن میں بولتے اور تبسم فرماتے ہیں۔ طبرانی نے اوسط میں

روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لبہائے مبارک اور دہن شریف کا مہرہ تمام لوگوں سے زیادہ حسین ولطیف تھا اور ایک روایت میں عظیم الاسنان (دندانہائے مبارک عظیم تھے) بھی آیا ہے۔ ان سب روایتوں کا مفہوم یہی ہے کہ آپ کا دہن شریف (حسن وجمال کے مطابق) درست وصحیح تھا۔

لعابِ دہن شریف: حضور اکرم ﷺ کا لعاب دہن بیماروں اور دلفگاروں کے لیے شفائے کامل تھا۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں روز خیبر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے آشوب میں لعاب دہن لگانا اور اسی وقت صحیح وتندرست ہو جانا مذکور ہے' مشہور ہے۔ آپ ﷺ کے حضور پانی کا ایک ڈول لایا گیا اور آپ نے پانی کا ایک گھونٹ لے کر اس میں کلی کر دی پھر جب اس ڈول کے پانی کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو اس کنویں سے کستوری کی مانند خوشبو پھیل گئی تھی اور یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان کے کنویں میں جب آپ نے لعاب دہن ڈالا تو مدینہ طیبہ میں کوئی کنواں اس سے زیادہ شیریں نہ تھا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ شیر خوار بچے لائے گئے آپ نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ پھر تو وہ ایسے سیراب ہوئے کہ اس دن انہوں نے دودھ ہی نہ پیا۔ ایک دن حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سخت تشنگی میں تھے آپ نے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں دے دی۔ وہ اسے چوستے رہے پھر وہ سارے دن سیراب رہے۔ اس قسم کے بے شمار معجزات مروی ہیں۔

تبسم شریف: صحیح بخاری میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے کبھی بھی آپ کو اس طرح قہقہہ لگا کر ہنستے نہ دیکھا جس سے آپ کے لہوات نظر آ جائیں۔ لہوات تمام حروف کے فتح کے ساتھ لہاۃ کی جمع ہے اور فتح لام سے وہ گوشت کا ٹکڑا جو خجرے کے اوپر منہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ (جسے اردو میں کوا کہتے ہیں)

حضور اکرم ﷺ ہمیشہ متبسم رہا کرتے تھے اور یہ جو بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ اتنا ہنسے کہ آپ کے نواجذ یعنی سب سے پچھلی داڑھ ظاہر ہوگئی۔ نواجذ اس آخری داڑھ کو کہتے ہیں جس کا نام عقل داڑھ ہے اور جو بعد بلوغ اور کمال عقل پر نکلتی ہے۔ اس بیان ضحک میں مبالغہ ہے۔ حقیقت کا اظہار نہیں' کیونکہ اس کو شدت ضحک کے بیان میں مثال کے طور پر بولتے ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اس جگہ نواجذ سے مراد عام داڑھ اور دانت ہیں۔ آپ کی ہنسی زیادہ تر مسکرانے تک تھی۔ ضحک کا بالکل ابتدائی مرحلہ مسکرانا ہے۔ جس میں فرط خوشی سے دانت نمایاں ہو جاتے ہیں اگر ہنسی کی یہ آواز قلقہ سے سنی جائے تو اسے قہقہہ کہیں گے۔ ورنہ اسے ضحک کہیں گے اور اگر آواز بالکل ہی نہ ہو تو اسے تبسم یا مسکرانا کہتے ہیں اور صراح میں لبوں کے ملانے کو تبسم کہا گیا ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ دانتوں کی سفیدی ظاہر ہو جانے کا نام تبسم ہے۔

حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تمام حدیثوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ بڑی سے بڑی حالتوں اور اکثر اوقات میں تبسم سے آگے تجاوز نہیں فرماتے تھے۔ ممکن ہے کبھی اس سے تجاوز بھی کیا ہو مگر ضحک (تبسم) کی حد سے آگے نہ بڑھے ہوں گے لیکن یہ قہقہہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ کثرت کے ساتھ ہنسنے اور اس میں زیادتی کرنے سے آدمی کا وقار جاتا رہتا ہے (بیہقی) نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ ضحک فرماتے تھے تو دیواریں روشن ہو جاتی تھیں اور ان پر آپ کے دندانہائے مبارک کا نور آفتاب کی شعاعوں کی طرح جلوہ افروز ہوتا تھا۔ یہی حال آپ کی گریہ کا تھا۔ آواز قطعاً بلند نہ ہوتی تھی۔ البتہ! چشم مبارک سے آنسو جاری ہو جاتے اور سینہ اطہر سے ایک مخصوص آواز سنائی دیتی تھی۔ ایسی آواز جیسے تانبے کی دیگ میں جوش آ گیا ہو۔ بعض روایتوں میں اسے چکی کی آواز کی مانند کہا گیا ہے آپ کا فعل گریہ فرمانا اللہ تعالیٰ کے جلالی صفت کی تجلی یا امت مرحومہ پر شفقت فرمانے یا میت پر طلب رحمت کی بناء پر ہوتا تھا۔ یہ کیفیت اکثر قرآن کریم سنتے وقت یا بعض اوقات رات کی نماز میں طاری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے

آپ کو جماہی لینے سے محفوظ رکھا ہے۔ کیونکہ جماہی کسلمندی اور اعضاء کی سستی کی نشانی ہے۔ تاریخ بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے کہ لَمْ یَتَثَاءَبْ نَبِیٌّ قَطُّ نبی کریم ﷺ نے کبھی جماہی نہ لی۔ بعض روایتوں میں کم تثاءب نبی قط یعنی کسی نبی نے کبھی جماہی نہ لی تھی وارد ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جماہی شیطان کی طرف سے ہے اور اگر جماہی غلبہ کرے تو چاہیے کہ بایاں ہاتھ منہ پر رکھے یا لبوں کو دانتوں میں دبائے۔ وہ لوگ جو ہاہاہایا آہ آہ کی آواز نکالتے ہیں۔ وہ حد درجہ فعل قبیح کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو ایسا کرتا ہے شیطان اس کے منہ میں ہنستا ہے۔

آواز مبارک: حضورِ اکرم ﷺ کی آواز مبارک غایت درجہ پیاری تھی۔ آپ کی آواز اور اس کی شیرینی تمام آوازوں سے زیادہ حسین و دلکش تھی اور کوئی شخص بھی آپ سے بڑھ کر خوش آواز و شیریں کلام نہیں گزرا۔ آپ کے کلام کی توصیف میں آیا ہے ''اَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً'' آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کیونکہ آپ کی زبان مبارک مخارج سے کلام فرمانے میں جیسا کہ اس کا حق ہے سب سے بڑھ کر راست تر، درست تر اور بہتر تھی۔ آج تک کوئی ایک بھی اس پر قادر نہ ہوسکا۔ فصاحت کے ساتھ کلام فرمانے کو صدق لہجہ کہتے ہیں۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہ بھیجا مگر خوش آواز اور خوش روحتیٰ کہ ہمارے نبی ﷺ ان اوصاف میں سب سے فائق تھے۔ اسی مقام پر کسی نے کہا ہے کہ

دردل ہر امتی گر حق مزہ است　　　روئے آواز پیغمبر معجزہ است

جہاں تک کسی کی آواز نہ پہنچ سکتی تھی وہاں تک آپ کی آواز مبارک بے تکلف پہنچ جاتی تھی۔ خصوصاً ایسے خطبوں کی آواز جس میں نصیحت، تخویف یا خدا سے ڈرانا ہوتا تھا۔ چنانچہ پردہ میں بیٹھی ہوئی مستورات بھی آپ کی آواز سنتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ایام حج میں منیٰ میں جو خطبہ دیا تھا اس نے تمام لوگوں کے کان کھول دیئے اور ہر ایک نے اس خطبہ کو اپنی اپنی منزلوں میں سنا۔ (منیٰ میں دور و نزدیک جو بھی تھا ہر ایک نے سنا) وہ جو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ منیٰ میں خطبہ دیتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور ﷺ سے آگے اس کی تعبیر کرتے جاتے تھے تو اس سے مراد کلام کی تفسیر و توضیح اور شرح و بیان اور اس سے رفع اشتباہ ہے نہ کہ آواز کو سنوانا۔

بیان فصاحت شریف: حضورِ اکرم ﷺ کی زبان مبارک کی فصاحت، جوامع کلم، انوکھا اظہار بیان اور عجیب و غریب حکم و فیصلے اتنے زیادہ ہیں کہ شاید ہی کوئی فکر و اندیشہ کا محاسب اس کے حصر و احاطہ کے گرد پھر سکے۔ آپ کے اوصاف کا بیان اور ان کے بیان کا زبان کے ساتھ اظہار ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ سے زیادہ فصیح و شیریں بیان دوسرا پیدا ہی نہ فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ نہ تو آپ کہیں باہر تشریف لے گئے اور نہ آپ نے لوگوں میں نشست و برخاست رکھی پھر آپ ایسی فصاحت کہاں سے لے آئے۔ آپ نے فرمایا: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی لغت اور اصطلاح جو ناپید اور فنا ہو چکی تھی اسے میرے پاس جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے جسے میں نے یاد کر لیا ہے نیز آپ نے فرمایا:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ　　　میرے رب نے مجھے ادب سکھایا تو میرے ادب کو بہت اچھا کر دیا۔

عربیت کا وہ علم جو زبان عرب اور اس کی فصاحت و بلاغت سے تعلق رکھتا ہے اسے ادب کہتے ہیں نیز آپ نے فرمایا: میری نشو و نما قبیلہ بنی سعد بن بکر میں ہوئی ہے۔ یہ آپ کی دائی حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے۔ بنی سعد کے لوگ پورے عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے اور یہ جو منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں ضاد کو اس کے مخرج سے ادا کرنے میں اس سے زیادہ فصیح ہوں جو ضاد کو ادا کرتا ہے''۔ اگرچہ اس حدیث کی صحت میں بعض اپنی مقرر کردہ اصطلاح حدیث کے تحت کلام کرتے ہیں لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔ حاصل کلام اس

طرف راجع ہے کہ آپ نے فرمایا: میں تمام عرب میں افصح ہوں کیونکہ حرف ضادٔ عرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ دنیا کی کسی دوسری زبان میں یہ حرف نہیں ہے۔ اور حضور اکرم کے سوا اہل عرب میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اس حرف کو کماحقہ ادا کر سکے۔ اس حرف ضاد کا مخرج داہنے یا بائیں اضراس یعنی عقل داڑھ ہے۔ کہتے ہیں کہ بائیں طرف سے اس کی ادائیگی زیادہ آسان ہے لیکن صحابہ کبار میں سے کچھ حضرات اس کا دونوں جانب سے اخراج کرتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ خوب واضح اور مفصل کلام کے ساتھ تکلم فرماتے تھے اور جدا جدا ان کلمات کو گنا جا سکتا تھا۔ آپ ایک کلمہ کی تین تین بار تکرار فرمایا کرتے تھے تاکہ خوب سمجھ لیا جائے۔ یہ تکرار گفتگو کے ابہام واشتباہ کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہوگی ورنہ آپ ہر بات اور ہر کلام میں ایسا نہ کرتے ہوں گے۔ واللہ اعلم

بیان جوامع الکلم: خاتم الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کے کلام مبارک کے خصائص میں آپ کا ارشاد ہے فرمایا:

اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَاُخْتُصِرَ لِیَ الْکَلَامُ مجھے جوامع الکلم دیا گیا اور میرے لیے کلام مختصر کیا گیا۔ جوامع الکلم سے مراد وہ کلمات ہیں جو غایت اختصار میں ہوں اور معانی کثیرہ کے حامل ہوں۔ علماء نے اپنی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے بعض ایسے کلمات جمع فرمائے ہیں اور خاص کر وہ خطوط و پیغامات جن کو حضور ﷺ نے بادشاہوں، حاکموں اور بڑے بڑے امرائے وقت کو ارسال فرمایا تھا ان میں ہر قوم کو اسی کی زبان میں مخاطب فرمایا تھا۔ علماء نے انہیں جمع کر کے ان کی شرح و تفسیر بیان کی ہے۔ ان میں سے کچھ کلمات جو آپ کے حلیہ کمال اور زینت جمال کے حکم میں ہیں۔ تصور وخیال سے بیان کرتا ہوں کہ یہ کلمات آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوئے ہوں گے۔

حرف از دہان دوست شنیدن چہ خوش بود ... با از دہاں آنکہ شنید از دہان دوست

اوّل حدیث: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ... ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے

یہ حدیث اصول دین سے اصل عظیم اور تمام حدیثوں میں جامع تر اور مفید ترین ہے۔ بعض حضرات تو اسے علم دین کا تہائی حصہ کہتے ہیں بایں لحاظ کہ دین، قول و عمل اور نیت پر مشتمل ہے اور بعض نے اسے نصف علم دین قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے کہ اعمال دو قسم کے ہیں ایک عمل بالقلب دوسرا عمل بالجوارح۔ اعمال قلب میں نیت سب سے زیادہ افضل ہے۔ اس بنا پر عمل، اس نصف علم (نیت) سے متعلق ہوگا۔ بلکہ دونوں نصفوں میں بہت بڑا۔ دراصل نیت ہی قلبی، جسمانی اعمال اور جملہ عبادات کی اصل بنیاد ہے اگر اس اعتبار سے اسے تمام علم کہیں تو یہ مبالغہ بھی درست ہوگا۔

(۲) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ ... جو مرد عمدہ طریق پر اسلام لایا اس نے ہر لغویت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

(۳) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَدِهٖ وَلِسَانِهٖ ... مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔

(۴) لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ... تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۵) اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ کُلُّهٗ ... دین، اوّل تا آخر نصیحت و بھلائی ہے۔

(۶) اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالنُّطْقِ ... گویائی مصیبتیں پیدا کرتی ہے۔

(۷) اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ ... محفلوں کی باتیں امانت ہیں۔

(۸) اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ — جس سے مشورہ لیا جائے وہ بات کا امین ہے۔

(۹) تَرْكُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ — برائی کو چھوڑنا صدقہ ہے۔

(۱۰) اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ — حیاء کامل بھلائی ہے۔

(۱۱) فَضْلُ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِّنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ — علم کی فضیلت' عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے۔

(۱۲) اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنَتَانِ فِيْهِمَا اَكْثَرُ النَّاسِ — صحت وفراغت خسارے کی نعمتیں ہیں ان دونوں میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔

(۱۳) مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا — جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

(۱۴) اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ — نیکی کی راہ دکھانے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے نیکی کی۔

(۱۵) حُبُّ الشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ — کسی چیز کی محبت اسے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

(۱۶) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ — آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔

(۱۷) لَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَنْ اَهْلِكَ — اپنی اہل سے اپنی لاٹھی کو نہ اٹھاؤ۔

(۱۸) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ — تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی اہل کے لیے بہتر ہے۔

(۱۹) مَنْ اَبْطَأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ — جس کا عمل سست ہے اس کا نسب چست نہ کریگا۔

(۲۰) زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا — زیارت کرنا غہ کے ساتھ تو شہ کر محبت کے ساتھ۔

(۲۱) اِيَّاكُمْ وَخَضْرَ الدِّمَنِ — بچو تم امن کی فراخیوں سے

(۲۲) لَنْ يَّشَاءَ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ — ہرگز نہیں چاہتا کوئی دین داری مگر وہ اس پر غالب ہوتا ہے۔

(۲۳) اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ — جو اپنے نفس کو دین دار بنا کر تھیلی تیار کرے وہ عمل کرے موت کے بعد کے لیے

(۲۴) اَلْفَاجِرُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ — فاجر وہ ہے جو اپنی خواہش کی پیروی کرے۔

(۲۵) لَيْسَ الشَّدِيْدُ مَنْ غَلَبَ النَّاسَ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ مَنْ غَلَبَ نَفْسَهٗ — لوگوں کا غالب ہونا شدید نہیں البتہ! اپنے نفس کا غالب ہونا شدید ہے۔

(۲۶) اَلثَّنَاءُ رَبِيْعُ الْمُؤْمِنِ — حمد وثناء کرنا مومن کی بہار ہے۔

(۲۷) اَلْقَنَاعَةُ كَنْزٌ لَا يَفْنٰى — قناعت ایسا خزانہ ہے جو کبھی ناپید نہیں ہوتا

(۲۸) اَلْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ — خرچ میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔

(۲۹) اَلتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ — لوگوں سے محبت کا برتاؤ کرنا آدھی عقلمندی ہے۔

(۳۰) حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ — عمدہ طریق سے پوچھنا آدھا علم ہے۔

(۳۱) لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ — تدبیر کی مانند عقل نہیں ہے۔

(۳۲) لَا وَرَعَ كَالْكَفِّ — زبان روکنے کی مانند پارسائی نہیں ہے۔

(۳۳) لَاحُبَّ كَحُسْنِ الْخُلُقِ — خوش اخلاقی کی مانند محبت نہیں ہے۔

(۳۴) اَلرَّضَاعُ بِغَيْرِ الطِّبَاعِ — رضاعت غیر طبعی ہے۔

(۳۵) اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ — ایمان حفاظت ہے۔

(۳۶) لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ — جو امانت دار نہیں وہ ایمان دار نہیں۔

(۳۷) لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ — جو عہد کو پورا نہ کرے وہ دیندار نہیں۔

(۳۸) جَمَالُ الرَّجُلِ فَصَاحَةُ لِسَانِهٖ — آدمی کی خوبصورتی اس کی زبان کی فصاحت ہے۔

(۳۹) لَا فَقْرَ اَشَدُّ مِنَ الْجَهْلِ — جہالت سے بڑھ کر سخت محتاجی نہیں ہے۔

(۴۰) لَامَالَ اَعَزُّ مِنَ الْعَقْلِ — عقل سے زیادہ پیاری تونگری نہیں ہے۔

(۴۱) مَا جَمَعَ شَيْءٌ اَحْسَنَ مِنْ عِلْمٍ اِلٰى عِلْمٍ — کسی چیز کو کسی چیز سے جمع کرنا علم کو علم سے زیادہ اچھا نہیں ہے۔

(۴۲) كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ كَعَابِرِيْ سَبِيْلٍ وَّعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ — دنیا میں مثل مسافر یا راہ چلنے کی مانند رہو اور اپنے آپ کو صاحب قبر شمار کرو۔

(۴۳) اَلْعَفْوُ لَا يَزِيْدُ الْعَبْدَ اِلَّا عِزًّا — درگزری بندے میں عزت کو بڑھاتی ہے۔

(۴۴) اَلتَّوَاضُعُ لَا يَزِيْدُ اِلَّا رِفْعَةً — نگونساری درجہ کی بلندی ہی کو زیادہ کرتی ہے۔

(۴۵) مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنْ صَدَقَتِهٖ — صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

(۴۶) كُنُوْزُ الْبِرِّ كِتْمَانُ الْمَصَائِبِ — نیکی کا خزانہ مصائب کے چھپانے میں ہے۔

(۴۷) لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِيْكَ فَيُعَاقِبُهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ — اپنے بھائی کو شرمسار نہ کرو کہیں خدا تمہاری گرفت نہ کرے اور تمہیں بھی اس میں آلودہ کر دے۔

ان کلمات سے ہر ایک کلمہ عجائب وغرائب اور دین ودنیا کے آداب پر مشتمل ہے اور یہ قاعدے دنیا وآخرت میں نیک بختی کو شامل ہیں۔ اس قسم کے کلمات بے شمار اور بے اندازہ ہیں۔ بالفعل اس وقت جو نظر میں آئے انہیں لکھ دیا۔ ان میں سے ہر ایک کی شرح اور تفصیل اگر بیان کی جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں لیکن کام ختم نہ ہو۔

حدیث مبارک: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ كُلُّهٗ (دین اوّل تا آخر نصیحت وبھلائی ہے) یہ اولین وآخرین کے تمام علوم پر مشتمل ہے۔ اگر دنیا کے تمام علماء جمع ہو کر اس کی تشریح میں لب کشائی کریں تو اس کے ایک حصہ سے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ کیونکہ وہ جو کچھ بھی کہیں گے اپنے علم وحوصلہ اور فہم کی سطح کے مطابق کہیں گے۔ فارسی کے رسالے میں اس کا اشارہ کیا گیا ہے۔

سر مبارک: حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک کی توصیف میں ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مرقوم ہے کہ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَظِيْمُ الْهَامَةِ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک عظیم تھا۔ سر کی بزرگی وفورِ عقل اور جودت فکر کی اس بنا پر دلیل ہے کہ سر جوہر دماغ کا حامل ہوتا ہے یہاں پر سر کو عظیم کہنے سے کوتاہی اور اس کی چھوٹائی کی نفی کرنا مقصود ہے۔ ورنہ آپ کے تمام اعضاء وجوارح میں وجود اعتدال کی رعایت کی گئی ہے جیسا کہ پہلے بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اور ہر جگہ اس قاعدہ کلیہ کو یاد رکھنا چاہیے۔

موئے مبارک: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کے بارے میں دریافت

کیا تو فرمایا آپ کے بال رَجل (نرم) تھے۔ رجل بفتح راوکسر جیم اور فتح سے بھی آیا ہے۔ اسی طرح سبط وقطط مراد ہے۔ سبط بفتح سین وسکون باءوکسر باء بمعنی نرم و لٹکے ہوئے بال اور قطط بفتح قاف وکسر طاءوفتح طاء ایسے بال جو سخت اور پیچیدہ ہوں جیسے حبشیوں کے ہوتے ہیں اردو میں انہیں گھونگریالے بال کہا جاتا ہے۔ بعض حدیثوں میں آپ کے موئے مبارک کو'' جعد'' بمعنی سخت پیچیدہ بتایا گیا ہے حالانکہ مکمل جعد نہ تھے۔ بلکہ قطط اور جعد یعنی نرم، دراز اور گھونگریالے تھے۔ سبط وقطط کی ضد کے معنی میں جعد کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور بعض حدیثوں میں جعد کی نفی کی گئی ہے۔ جعد بہت سخت اور بل کھائے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں اور صراح میں جعد بمعنی مرغول اور قطط بمعنی مرغول اور بسط بمعنی لٹکے ہوئے بال لکھا ہے۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے بال بسط تھے نہ قطط بلکہ دونوں کے درمیان تھے جسے رجل کہتے ہیں۔

آپ کے بالوں کی لمبائی کانوں کے درمیان تک دوسری روایت میں کانوں تک اور ایک تیسری روایت کے بموجب کانوں کی لو تک تھی۔ ان کے علاوہ کندھوں کے قریب تک کی روایتیں بھی ہیں۔ ان سب روایتوں میں باہمی مطابقت اس طرح ہے کہ آپ کبھی تیل لگاتے یا کنگھی فرماتے تو بال دراز ہو جاتے ورنہ اس کے برعکس رہتے یا پھر بال ترشوانے سے پہلے اور بعد ان میں اختصار طول ہوتا رہتا تھا۔ مواہب لدنیہ میں اور اس کے موافق ''مجمع البحار'' میں یہ مذکور ہے کہ جب بالوں کے ترشوانے میں طویل وقفہ ہو جاتا تو بال لمبے اور جب ترشواتے تو چھوٹے ہو جاتے تھے۔ اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ بالوں کو ترشواتے تھے۔ مونڈواتے نہ تھے لیکن حلق (مونڈوانے) کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ آپ حج وعمرہ کے دوموقعوں کے سوا بال نہیں منڈواتے تھے۔ واللہ اعلم

اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ کے بالوں کی چار لٹیں تھیں اور سر کے بالوں کا چھوڑنا سنت ہے۔ زمانہ قدیم سے عربوں میں یہ عادت تھی لیکن یہ ضروری ہے کہ بالوں کی نگہداشت کی جائے۔ یعنی تیل اور کنگھی وغیرہ ہوتی رہنی چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ بالوں میں کثرت سے کنگھی کیا کرتے تھے۔ آپ جس کسی کے پراگندہ اور ابتر بال دیکھتے تو کراہت سے فرماتے کہ تم میں سے کسی کو وہ نظر آیا ہے یہ اشارہ شیطان کی طرف ہے۔ اسی طرح آپ بہت زیادہ بنے سنورے اور لمبے بالوں والوں سے بھی کراہت فرماتے تھے۔ اعتدال اور درمیانہ روی آپ کو بہت پسند تھی۔ جو کوئی بالوں میں تیل کنگھی نہیں کرسکتا اس کے لیے بالوں کا ترشوانا بہتر ہے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: کہ میں نے سر کے بالوں کو اس وقت سے دشمن جانا ہے جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ہر بال کے پیچ میں جنابت یعنی ناپاکی ہے۔ ورنہ ہر اہل زمانہ خصوصاً مشائخ وزہادہ عباد میں بالوں کے ترشوانے کا جو رواج ہوا ہے اس کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ یا تو بالوں میں تیل و کنگھی کی استطاعت نہ رکھتے تھے یا انہیں اس کی فرصت نہ ملتی ہوگی۔

فائدہ: بالوں کے بارے میں سنت وہی ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے اور سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ بالوں میں ''سدل'' فرماتے تھے۔ اہل کتاب بھی سدل کرتے تھے لیکن مشرکین اپنے بالوں میں ''فرق'' کرتے تھے۔ ''سدل'' سے مراد بالوں کا پیشانی کے اطراف پر لٹکانا ہے اور ''فرق'' کا مطلب بالوں کو ایک دوسرے سے جدا کرکے اس طرح سنوارنا کہ درمیان میں مانگ نکل آئے اسے مفرق یعنی تارک سر کہتے ہیں۔ جسے مانگ کہا جاتا ہے۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ ان امور میں جن کا حکم الٰہی نہ ہوا اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ ''فرق'' فرمانے لگے۔ یعنی بالوں کے درمیان سے مانگ نکالنے لگے۔ اس بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ فرق کرنا سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ''سدل'' سے ''فرق'' کی طرف رجوع فرمایا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ آپ کو ایسا حکم دیا گیا۔ لہٰذا ''سدل'' منسوخ ہوگیا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ ''فرق'' کو اختیار فرمانا اجتہاد سے ہے کہ اس

صحابہ رضی اللہ عنہم کبارلبوں کے گوشوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔اس لیے کہ وہ منہ کو نہیں ڈھانپتے اور نہ کھانے سے آلودہ ہوتے ہیں اور مونڈانے اور زیر لب جسے عنفقہ کہتے ہیں ان کے بالوں کے چھوڑنے میں بھی اختلاف ہے اور افضل ان کا چھوڑنا ہے لیکن عنفقہ کے دونوں کناروں کے مونڈنے میں مضائقہ نہیں ہے اور داڑھی کے بڑھانے کے حد میں بھی اختلاف ہے۔ مذہب حنفی میں چار انگل ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اس سے کم نہ ہو۔لیکن ایک روایت میں یہ ہے کہ اس سے زائد بالوں کو کاٹنا واجب ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اگر علماء ومشائخ اس سے زائد بڑھائیں تو بھی درست ہے۔جس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں کتاب اللباس کے آخر میں مذکور ہے کہ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے کر اس سے زائد بال قطع کرادیا کرتے تھے۔

كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا حَجَّ اَوِاعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَهٗ

حضرت ابن عمر جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے اور جو اس سے زائد بال ہوتے قطع کرادیتے۔

حضرت نافع نے بروایت ابن عمر حدیث نقل کی ہے کہ:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْهِكُوْ الشَّوَارِبَ وَاعْفُو اللُّحى

لبوں کے تراشنے میں مبالغہ کرو اور داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔اس سے تعرض نہ کرو۔

جب داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑنا ماموربہ ہے تو پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کیوں مابعد القبضہ کترواتے تھے حالانکہ وہی اس حدیث کے راوی ہیں۔شارحین اس کا یہ جواب دیتے تھے کہ ان کا کتروانا حج وعمرہ کے ساتھ مخصوص تھا اور عجمیوں کی مانند عمل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس باب میں سلف کی عادت مختلف تھی۔ بیان کرتے ہیں کہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی داڑھی ان کے سینوں کو بھرتی تھی۔اسی طرح سیّدنا عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے اور حضرت سیّدنا غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی داڑھی طویل وعریض تھی۔

عانہ شریف: موئے زیرناف صاف کرنے کے بارے میں بعض حدیثوں میں آیا ہے مونڈتے تھے اور بعض میں آیا ہے کہ نورہ استعمال کرتے تھے۔دونوں جانب کی حدیثیں ضعیف ہیں۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ حمام تشریف لے گئے نہ اسے دیکھا۔حمام کا ظہور آپ کی رحلت کے بعد بلادِ عجم فتح ہوتے وقت ہوا۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام کے ہونے کی خبر دے دی تھی اور عورتوں کو حمام میں جانے کی ممانعت کردی تھی مگر کسی ضرورت کے تحت جیسے فصد اور علاج وغیرہ ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن بعض روایتوں میں جمعرات کے دن لبیں اور ناخونہائے مبارک ترشواتے تھے۔ناخونوں کے کاٹنے کی کیفیت میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے لیکن انتخابات پائی جاتی ہے کہ ناخونوں کے کاٹنے کی ابتداء سبابہ یعنی انگشت شہادت سے فرماتے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرتے تھے اور وہ نظم جو حضرت علی مرتضٰی سے منسوب ہے اس میں ہے کہ

قَلِّمِ الْاَظْفَارَ بِالسُّنَّةِ وَالْاَدَبِ لِمَنَها خواسب يسار ها او خسب

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک اور کنگھی کبھی جدا نہ فرماتے تھے۔جب تیل ملتے تھے تو داڑھی شریف میں کنگھی فرماتے اور اپنے جمال شریف کو آئینہ میں ملاحظہ فرماتے تھے۔''الحق'' آئینہ دیکھنا آپ ہی کو سزاوار ہے کیونکہ آپ کا جمال جہاں آراء نور، مطلع نور الٰہی اور مظہر اسرار نامتناہی ہے۔

زآئینہ حسن ترا جدائی نیست: غرض تجلی حسن است خودنمائی نیست صلی اللہ علیہ وآلہ بقدر حسنہ وجمالہ۔

گردن شریف: حضور اکرم ﷺ کی عنق یعنی گردن شریف کے بارے میں ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

كَانَ عُنُقَهٗ جِيْدٌ دُمْيَةٌ فِيْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ — آپکی گردن مبارک چاندی کی صفائی میں چمکدار اور دمیہ کی مانند تھی۔

''دمیہ'' بضم دال وسکون میم' وہ مجسمہ جو ہاتھی دانت سے تراشا گیا ہو''کذافی النہایہ'' قاموس میں ہے وہ مجسمہ جو خام یعنی سنگ سفید سے تراشا گیا ہو۔ اگرچہ آپ کی گردن مبارک کو صنم یا مجسمہ سے تشبیہہ دینے میں شان کیخلاف نظر آتا ہے لیکن چونکہ اس کی کاریگری میں خوب آراستگی اور مبالغہ کیا جاتا ہے اس لیے اس کی تحسین میں اس سے تشبیہہ دی گئی ہے۔''کذافی النہایہ'' اور شمائل ترمذی کے حاشیہ میں ہے کہ''اَلدُّمْيَةُ الْغَزَالُ'' یعنی دمیہ غزال یعنی ہرن کو کہتے ہیں اور دوسرے حاشیہ میں دمیہ ہرن کے بچہ کو کہتے ہیں لیکن لغت کی کتابوں میں یہ معنی نہیں پائے گئے۔ واللہ اعلم

اور حدیث میں الفاظ فی صفاء الفضة (چاندی کی صفائی میں) ظاہر عبارت سے گردن کی صفت معلوم ہوتی ہے اور مواہب کی دوسری حدیث میں ہے کہ

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ كَانَ جِيْدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْيَضَ كَاَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ — ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آپ کی گردن مبارک سفید تھی گویا کہ چاندی سے بنائی گئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صفات میں سے یہ صفت علیحدہ ہے۔

منکبین شریف: منکب بفتح میم وکسر کاف بمعنی سر' شانہ اور بازو کے اجتماع کی جگہ جسے کندھا کہتے ہیں اور صراح میں منکب' بعنی بن وبازو وشانہ ہے اس کے وصف میں واقع ہوا ہے کہ بَعِيْدٌ مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنَ دونوں منکب کے درمیان دوری تھی بَعِيْدٌ کو بصیغہ تَصْغِيْرُ بُعَيْد بھی پڑھا ہے۔ اور بعضوں نے اس کی تفسیر''عریض الصدر''(سینہ کی چوڑائی) سے کی ہے۔ حالانکہ عرض صدر ایک علیحدہ صفت ہے جو کہ مروی ہے کہ عَرِيْضُ الصَّدْرِ بَعِيْدًا مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ اور یہ دونوں صفتیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں چونکہ یہ صفت دو عضو سے متعلق ہیں اس لیے جدا جدا ذکر کیے گئے ہیں۔

صدر شریف: حضور اکرم ﷺ کا صدر مبارک یعنی سینہ شریف سینہ کشادہ اور محسوس تھا۔ یہ صورت ظاہری کے حلیہ کے بیان میں داخل ہے اس لیے اس قدر بیان ہے ورنہ صدر معنوی وہ ہے جس کا ذکر آیت کریمہ میں یوں آیا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ اے محبوب! کیا ہم نے آپ کو شرح صدر عطانہ فرمایا؟ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کا مقام بہت عالی ہے کیونکہ اس کا تمام وکمال ذات بابرکات حضرت سیّد السادات ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔

قلب اطہر: مواہب لدنیہ میں قلب اطہر کا بھی ذکر آیا ہے (چونکہ دل باطنی اعضاء سے ہے اور یہاں اس کی ظاہری صورت سے بحث نہیں اس لیے غور وفکر کرنا چاہیے اور بعض راویتوں میں''عظیم مشاش المنكبين والكتد'' بھی آیا ہے کتد بفتح کاف وکسر تاء فوقانیہ اور فتح تاء وہ جگہ جہاں دونوں مونڈھے ملتے ہیں اور مشاش بضم میم سر کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔

بطن اطہر: نیز ایک روایت میں''سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ'' بھی آیا ہے یعنی نہ شکم سے بلند اور نہ شکم سینہ سے دونوں برابر اور ہموار تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں''مغاض البطن'' بیان ہوا ہے جس کی تفسیر''واسع البطن'' سے کی گئی ہے جو کہ عریض الصدر کو

لازم ہے اور بعض حضرات ''مُسْتَوِی الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ'' سے تفسیر کرتے ہیں۔

حضرت ابن ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ کے بطن شریف کی توصیف میں کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے شکم اطہر کو دیکھا ہے وہ گویا کاغذ تھا جنہیں لپیٹ کر تہ کر کے ایک دوسرے پر رکھ دیا ہے۔

سینہ کے موئے مبارک: حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سینہ مبارک کے موئے مبارک کی توصیف میں فرماتے ہیں کہ ''ذومسربۃ'' تھے اور حدیث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ میں دقیق مسربۃ ہے مسربۃ ان بالوں کو کہتے ہیں جو سینہ کے اوپر سے ناف تک ہوں یہ باریک تھے لہٰذا اسے خیط (ڈورا یا شاخ) سے تعبیر کرتے ہیں اور صراح میں مسربۃ بضم را' سینہ وناف کے درمیان بالوں کو لکھا ہے بظاہر ''مسربۃ'' کا اشتقاق سرب ہے جس کے معنی راستے کے ہیں۔ صدر شکم کے علاوہ کہیں بال نہ تھے۔ لہٰذا اسی حدیث میں کہا گیا ہے عَارِیُ الثَّدْیَیْنِ وَالْبَطْنِ سِوٰی ذٰلِكَ یعنی آپ کے سینہ پر دونوں طرف اور شکم اطہر بجز اس قدر بالوں کے جنہیں سرنبہ کہا جاتا ہے خالی تھے اور بیان کرتے ہیں کہ اَلذِّرَاعَیْنِ وَالسَّاعِدَیْنِ وَالْمَنْكِبَیْنِ وَاعَالِی الصَّدْرِ وَالسَّاقَیْنِ یعنی دونوں کلائیاں دونوں بازو دونوں کندھے' سینہ مبارک کا بالائی حصہ' دونوں پنڈلیاں ٹخنے تک بال والے تھے اور وہ جو آپ کے وصف شریف میں ''اجرد'' یعنی بالوں سے خالی ہونا واقع ہے وہ اشعر کے مقابل ہے۔ یعنی اشعر اسے کہتے ہیں جس کے سارے بدن پر بال ہوں۔

بغل شریف: آپ کی بغل شریف سارے بدن مبارک کی مانند سفید تھی۔ طبری کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے ورنہ آنحضرت ﷺ کے سوا تمام لوگوں کی بغل کا رنگ جدا اور اس میں سیاہی کی جھلک ہوتی ہے۔ اسی طرح قرطبی کے بیان میں اتنا زیادہ ہے کہ آپ کی بغل میں بال ہی نہ تھے لیکن کچھ لوگ اس میں کلام کرتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے جلد کی سفیدی سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغل میں بال ہی نہ ہوں اور بعض حدیثوں میں نَتَفَ اِبْطَیْهِ بھی آیا ہے یعنی حضور ﷺ بغل کے بالوں کو اکھیڑ ڈالا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

اور بعض حدیثوں میں عَفَرَ اِبْطَیْهِ واقع ہوا ہے عفرہ غیر قابض سفیدی کو کہتے ہیں كَذَا قَالَ الْهَرْوِی اور صراح میں ''اعفر'' ایسی سرخی وسفیدی جس میں سرخی کی جھلک ہو لکھا ہے۔

ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے بغل گیر ہوئے تو آپ کے بغل شریف کے پسینہ سے مشک کی مانند خوشبو مہکنے لگی۔

ظہر شریف یعنی پشت: آپ کی ظہر شریف یعنی پشت مبارک ایسی تھی جیسی پگھلی ہوئی چاندی یعنی پاک وصاف اور سفید ہموار۔

مہر نبوت: بَیْنَ كَتِفَیْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ یعنی حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ مہر نبوت ایک ایسی ابھری ہوئی چیز تھی جو ہمرنگ بدن' مشابہ جسد اطہر اور صاف ونورانی تھی۔ اسی کو خاتم النبوۃ یا مہر نبوت کہتے ہیں۔ ''خاتم'' بکسر تاء ختم کا فاعل ہے جس کے معنی اتمام رسیدن بآخر یعنی آخر میں پہنچ کر مکمل کرنا اور فتح تاء سے بمعنی مہر وانگشتری کے ہیں یعنی وہ چیز جو دلیل اس پر ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور آپ کو اسی نام کے ساتھ موسوم کرنے کا سبب یہ ہے کہ کتب سابقہ میں آپ کی تعریف اسی کے ساتھ کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ وہ علامت ہے جس سے آپ پہچان لیے جائیں کہ آپ ہی وہ نبی آخر الزماں ہیں جس کی بشارت دی گئی ہے۔ مہر نبوت اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں وہ عظیم نشانی ہے جس سے حضور ﷺ کو مخصوص فرمایا۔ حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت وہب بن منبہ سے روایت کیا کہ کوئی نبی مبعوث نہ ہوا مگر یہ کہ ان کے داہنے ہاتھ میں کوئی علامت

نبوت ہوتی لیکن ہمارے نبی ﷺ کی علامت نبوت' آپ کے دونوں شانوں کے درمیان تھی کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے

نبوت را تواں آں نامہ در مشت که از تعظیم دارد مہر بر پشت

حضرت شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ آپ کی مہر نبوت میں لکھا ہوا تھا۔

اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ تَوَجَّہُ حَیْثُ کُنْتَ فَاِنَّکَ مَنْصُوْرٌ اللہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں آپ جس حال میں بھی ہیں توجہ فرمایئے بلاشبہ آپ ہی فتحیاب ہیں۔

روایتوں میں مرقوم ہے کہ مہر نبوت نوری تھی جو چمکتی تھی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد وہ مہر نبوت روپوش ہوگئی تھی اور اسی علامت سے معلوم ہوا کہ آپ نے وفات پائی ہے کیونکہ لوگوں میں شبہ اور اختلاف واقع ہوگیا تھا یا اس لیے کہ یہ دلیل نبوت تھی۔ اب اس کے اثبات کی حاجت نہ رہی تھی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص بھید ہو جسے وہی خوب جانتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کہ بعد از وفات نبوت باقی نہ رہی۔ کیونکہ نبوت و رسالت موت کے بعد بھی برقرار رہتی ہے۔

اکثر روایتوں میں ''بین الکتفین'' (یعنی دونوں شانوں کے درمیان) وارد ہے کہ عِنْدَنَا غِضِ کَتِفِہِ الْیُسْرٰی یعنی مہر نبوت بائیں شانہ کے ناغض (نرم گوشت جسے غضروف کہتے ہیں) کے پاس تھی۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ دونوں شانوں کے درمیان ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بالکل بیچ میں ہے اگر بائیں شانہ کے جانب بھی ہے تو ''بین الکتفین'' ہے۔ یہی حال اس روایت کا ہے جس میں عِنْدَ کَتِفِہِ الْیُمْنٰی (دائیں شانہ کے پاس) آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ راویوں نے مہر نبوت کی صورت وشکل کا بھی ذکر کیا ہے اور سمجھانے کے لیے تشبیہ استعمال کی ہے۔ چنانچہ کسی نے اسے بیضہ کبوتر سے اور کسی نے سرخ غدود سے جو عام طور پر جسم پر ہوتا ہے تشبیہ دی ہے۔ ''صراح'' میں ہے کہ غدہ جس کی جمع غدود ہے گوشت کی سخت گرہ کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ غدہ کے مشابہ اور سرخ سے مطلب مائل بہ سرخی ہے۔ لہٰذا یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مہر نبوت کا رنگ جسم اطہر کے رنگ کے ہم رنگ تھا اس سے اس قول کا رد کرنا مقصود تھا جس میں ہے اس کا رنگ سیاہ یا سبز تھا جیسا کہ ابن حجر مکی نے شرح شمائل میں کہا ایک اور روایت میں ہے کہ مہر نبوت زرحجلہ کی مانند تھا۔ ''زر'' بتقدیم زاء مکسورہ بررائے مشددہ بمعنی تکمہ (گھنڈی) جو پیرہن کے گریبان میں ہوتا ہے اور ''حجلہ'' بفتح حاء وجیم بمعنی وہ گوشہ جہاں دلہن کو (مائیوں) بٹھایا جاتا ہے اس کی جمع حجال ہے۔ ''کذاقال الجمهور'' اور بعض کہتے ہیں کہ حجلہ ایک مشہور پرندہ اور زر اس کا انڈہ ہے۔ یہ اس حدیث کے موافق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے بیضہ کی مانند تھی۔ لیکن زر لغت میں بمعنی بیضہ نہیں آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رزایت بتقدیم راء برزاء بھی آیا ہے جس کے معنی بیضہ کے ہیں اور ترمذی کی ایک اور حدیث ہے جس میں ''شعرات مجتمعات'' ہے یعنی مہر نبوت گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ ایک اور حدیث میں مشت (مٹھی) کی مانند آیا ہے جس میں ثاکیل کی مانند تل تھے۔ ثاکیل ان دانوں کو کہتے ہیں جو جلد کے نیچے چنے کے دانے کی مانند نکل آتے ہیں یہ سب کچھ مہر نبوت کی ظاہری شکل وصورت کے بارے میں تھا لیکن اس کے پیچھے خدا کا عظیم اثر کارفرما ہے جو حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا اور جو کسی نبی کو حاصل نہ تھا۔ واللہ اعلم

دستہائے مبارک: حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کی توصیف میں شمائل ترمذی میں کہا گیا ہے کہ ''طویل الزندین'' یعنی پنجہ (مٹھی بند) دراز تھا۔ ''زند'' بفتح زاء وسکون نون (پنجہ) کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ ''الزند موصل الزراع والکف وہما زندان'' یعنی کلائی اور ہتھیلی کے ملنے کی جگہ کو زند کہتے ہیں اور اس کا تثنیہ ''زندان'' ہے۔ مٹھی بند (پنجہ) کی درازی کی تفصیل واضح نہیں کی گئی باوجودیکہ

ممکن ہے کہ یہ مٹھی بند آپ کے دست مبارک میں دراز واقع ہوا ہو اور ایک روایت میں ''عبل الزراعین'' اور ایک روایت میں ''عبل العضدین'' آیا ہے یعنی دونوں بازو اور کلائیاں فربہ (موٹی) تھیں اور صراح میں ''ذرائع'' کے معنی رحب الراحۃ یعنی ہاتھ کی ہتھیلی کے ہیں اور ایک روایت ''بسط الکفین'' یعنی فراغ ہتھیلی آیا ہے۔ مطلب یہ کہ ہتھیلی بھرپور اور مکمل تھی۔ یہ ''رحب الراحۃ'' کی روایت کے موافق تھی اور صراح میں ''بسط'' بالکسر دست کشادہ کے معنی میں ہے اور قراۃ عبداللہ میں آیہ کریمہ ''بل یداہ بسطان'' آیا ہے اور ایک اور روایت میں ''سبط الکفین'' (نرم ہتھیلیاں) بتقدیم سبق بر با بمعنی نرم آیا ہے یعنی آپ کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں نرم تھیں اور موئے مبارک کی توصیف میں پہلے گزر چکا ہے کہ ''سبط'' یعنی لٹکے ہوئے نرم بال جو کہ ''جعد'' کے مقابل ہوں۔ گویا ''سبط الکفین'' کو اس جگہ سے لیا ہے اور ''سبط الجسم'' بمعنی مرد خوش قد متناسب القامت بھی آیا ہے اور قاموس میں ''رجل'' سبط الیدین (مرد کشادہ ہاتھوں والا ہے) سبط کے معنی سخی کے ہیں یہ بھی کہا کہ سخی فراخ دست ہوتا ہے اور ''ششن الکفین'' بھی تفسیر کی گئی ہے۔ بفتح شین وسکون ثلثہ بمعنی بہت سخت جس کی سختی پکڑنے میں محسوس ہو۔ احادیث میں کف دست کی توصیف میں سین ونرم وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ''طبرانی'' نے مستورد بن شداد سے روایت کیا ہے کہ اس نے اپنے والد سے پوچھا انہوں نے کہا کہ میں رسول خدا ﷺ کے حضور میں پہنچا اور میں نے آپ کے دست اقدس کو چھوا (مصافحہ کیا) آپ کا دست مبارک ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ سرد تھا۔ اور بخاری میں حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول خدا ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم حریر و دیبا کو نہ پایا۔ حالانکہ حریر تمام ریشمی کپڑوں میں سب سے زیادہ نرم ہوتا ہے اپنے ہاتھ میں درشتی اور سختی کس طرح جمع ہو سکتی ہے۔ ہاں نرمی' فربہی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے جس طرح کہ آپ کا تمام بدن اقدس نرم' لطیف' فربہ اور قوی تھا اسی طرح دست مبارک کی ہتھیلیاں بھی نرم اور پر گوشت تھی۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ کے دست مبارک کی نرمی وسختی کا انحصار وقت اور حالات پر موقوف تھا۔ چنانچہ آپ گھر میں دست مبارک سے یا جہاد میں اسلحہ استعمال کرتے یا کاروبار کرتے تو ہتھیلیاں سخت ہوتیں جب چھوڑ دیتے تو وہ اپنی اصلی اور جبلی نرمی اور ملائمت کی حالت میں آ جاتیں۔

منقول ہے کہ جب اصمعی نے جو لغت کے امام ہیں ''ششن'' کی خشونت اور سختی سے تفسیر کی تو ان سے کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک کی توصیف میں تو نرمی وملائمت وارد ہے اور آپ نے چونکہ خشونت وسختی سے تفسیر کی ہے تو اس کے بعد اصمعی نے عہد کر لیا کہ وہ حدیث کی تفسیر ہی نہیں کریں گے مگر بعد از حزم واحتیاط اصمعی غایت درجہ منصف تھے اور رسول اکرم ﷺ کی جناب میں ادب وانصاف کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث مبارک ''لیغان علی قلبی'' (بعض وقت میرے دل پر حجابات آ جاتے ہیں) کی تفسیر دریافت کی پوچھا کہ یہ غین کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے جواب میں فرمایا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کے غین (حجاب) کے علاوہ کسی اور شخص کے غین (حجاب) کے بارے میں پوچھو تو میں بتا سکتا ہوں لیکن اب جو کچھ میں جانتا ہوں آپ کے سامنے اس کے بیان کرنے کی مجھ میں تاب وطاقت نہیں اس کی حقیقت بجز علام الغیوب کے کوئی نہیں جان سکتا۔

حضرت ابوعبیدہ نے ششن کی تفسیر غلط وقصر یعنی فربہی اور کوتاہی سے کی ہے۔ قاضی عیاض (صاحب شفاء) فرماتے ہیں کہ یہ تعریف مردوں میں محمود ہے نہ کہ عورتوں میں' اس کی انہوں نے نفی کی ہے۔ یہ قول اس روایت کے بموجب ہے جس میں آیا ہے کہ ''سائل الاطراف'' یعنی اعضاء کی گرہیں دراز تھیں۔ یہ انگشت ہائے مبارک کی تعبیر ہے۔ مراد یہ کہ آپ کی انگلیاں لمبی اور رواں تھیں اور شفا میں ''طویل الاصبع (لمبی انگلیاں)'' اور ایک دوسری روایت میں ''شائل الاطراف'' بشین معجمہ جو کہ ''شول'' سے ماخوذ ہے جس کے

معنی پتھر کھینچنا' زمین سے بوجھ اٹھانا اور اونٹنی کا اس کی طاقت بھر بوجھ اٹھانا'' وارد ہوا ہے اور ایک روایت میں ''شاین الاطراف'' بہ تبدیل لام بنون مثلاً جبریل کو جبرین آیا ہے اسے ابن الانباری نے بیان کیا ہے اور یہ صفت قصر (کوتاہی) کے منافی ہے ششن بمعنی غلیظ (فربہ) جو بغیر کوتاہی اور سختی کے ہے۔ اگرچہ صحاح اور قاموس سے بمعنی خشونت بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن آپ کے دست مبارک کے صفات' آثار' برکات اور معجزات اتنے زائد ہیں کہ حیطہ تحریر میں نہیں لائے جا سکتے۔ تاہم مسلم کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے رخساروں پر دست اقدس پھیرا تو جابر رضی اللہ عنہ کو آپ کے دست اقدس سے ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس ہوئی جیسے آپ نے ابھی عطار کی ڈبیہ سے اپنا ہاتھ نکالا ہے۔ بیہقی اور طبرانی میں ہے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی حضور ﷺ سے مصافحہ کرتا ہوں تو میرا ہاتھ آپ کے جسم اطہر سے مس ہونے کی وجہ سے ایسا معطر ہو جاتا ہے کہ میں تمام دن اپنے ہاتھوں کو سونگھتا رہتا ہوں اور اس میں سے مشک نافہ سے بہتر خوشبو پاتا رہتا ہوں۔

یزید بن اسود فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھوں میں دیا تو میں نے آپ کا دست اقدس برف سے زیادہ سرد اور مشک سے زیادہ خوشبودار پایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے اور اپنا دست مبارک میری پیشانی پر رکھا پھر آپ نے میرے چہرے' سینہ اور شکم پر مسح فرمایا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں آج تک آپ کے دست اقدس کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کرتا ہوں لیکن اس کو نہیں بھولنا چاہیے کہ خوشبوئے مبارک آپ ﷺ کے جسم اطہر میں موجود تھی۔ چنانچہ آپ کے پسینہ مبارک اور بول کی خوشبو کا بیان آگے آئے گا۔

اب رہا آپ کے دست اقدس سے ٹھنڈک کا محسوس ہونا اور یہ کہ اس کا مطلب کیا ہے تو یہ صحت و تندرستی کی نشانی ہے۔ کیونکہ آپ گرم و معتدل ہیں۔ لہٰذا یہ ٹھنڈک وہ ٹھنڈک نہیں ہے جو مزاج و طبیعت کی برودت و خنکی سے ہوتی ہے اور سرد پسینہ آنے لگتا ہے اور اس کے چھونے کو لوگ ناپسند کرتے ہیں بلکہ یہ اعتدال مزاج اور عدم غلبہ حرارت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ کے دست اقدس کے چھو جانے سے لذت اور راحت میسر آ جاتی تھی جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث اور دیگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ فافہم وباللہ التوفیق

قدم مبارک: حضور اکرم ﷺ کے قدم مبارک کی توصیف میں بھی ''ششن القدمین'' (یعنی دونوں قدم مبارک مزید تھے) وارد ہوا ہے جس طرح ششن الکفین (دونوں دست اقدس نرم و فربہ تھے) واقع ہوا ہے لیکن مواہب میں ''غلظ اصابع'' (فربہ و نرم پاؤں کی انگلیاں) بیان ہوا ہے۔ اور ''مشارق'' میں دونوں کے معنی فخیم یعنی فربہ کے لکھے ہیں۔ ایک روایت میں ''خمصان الاخمصین'' آیا ہے۔ ''خمص'' قدم کے اس باطنی حصہ کو کہتے ہیں جو زمین پر قدم رکھتے وقت زمین سے نہ ملے اور صراح میں کف پا کی باریکی لکھا ہے اور خمصان بضم خاء خمص کا تثنیہ ہے۔ الاخمص اسے کہتے ہیں جس کے پاؤں زمین سے بہت بلند ہوں۔ اس جگہ یہ اضافت مبالغہ کے لیے ہے جیسا کہ ابن الاثیر سے منقول ہے اور ایک روایت میں ''مسیح القدمین'' آیا ہے یعنی آپ کے دونوں قدم مبارک ہموار تھے۔ جن میں آلودگی اور شکستگی بالکل نہ تھی۔ ''ینبو عنہما الماء'' اگر اس پر پانی ڈالا جائے تو اپنی لطافت و پاکیزگی کی وجہ سے بہہ جائے اور تیزی سے پانی گزر جائے اور ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ زمین پر قدم مبارک رکھ کر چلتے تو پورے قدم رکھ کر چلتے اور اخمص یعنی ابھری ہوئی جگہ نہ تھی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے پائے اقدس میں اخمص یعنی ابھار نہ تھا اور

زمین پر پورا قدم مبارک رکھتے۔ اسے ابن عسا کر نے بیان کیا اور مسیح القدمین (ہموار قدم) کے بھی یہی معنی و مطلب ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح اسی معنی میں کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے پائے مبارک میں بھی اخمص یعنی ابھار نہ تھا۔ واللہ اعلم اور ان کے نزدیک ''ینبو عنہما الماء'' (تیزی سے پانی بہہ جانا) یہ جداگانہ وصف ہے۔ مسیح القدمین سے متضمن نہیں ہے۔ اس حدیث میں منافات ظاہر ہے غایت وہ کہ جو کہا گیا اور توفیق روایت اس طرح ممکن ہے کہ قدرے اخمص یعنی ابھار تھا۔ نچلا حصہ ہموار نہ تھا اور بہت بلند بھی نہ تھا لیکن بایں تقدیر کہ اخمص (ابھار) میں مبالغہ کا اعتبار کیا جائے جیسا کہ بعض شارحوں نے کیا ہے اچھا نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ الْبَشَرِ قَدَمًا رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ

رسول خدا ﷺ کے قدم مبارک کی ظاہری شکل بہت حسین تھی۔

اور آپ کی ایڑیوں کے بارے میں ''منہوس العقب'' مروی ہے یعنی آپ کی ایڑیوں پر گوشت کم تھا۔ اکثر لوگوں نے لفظ منہوس کو سین مہملہ سے روایت کیا ہے اور صاحب ''البحرین'' اور ''ابن الاثیر'' نے سین مہملہ اور شین معجمہ دونوں سے روایت کیا ہے۔ ''شارق'' میں بھی دونوں لکھے ہیں اور بعض حضرات نے منہوش بمعنی ابھری ہوئی ایڑی کہا ہے اور صراح میں منہوس بمعنی کم گوشت لکھا ہے۔

کاتب الحروف عفی اللہ عنہ (یعنی شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے کہ میرے پیر و مرشد سیّد الشیخ موسیٰ (پاک شہید ملتانی) الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایڑیاں صفاء و لطافت میں اس حد تک تھیں کہ کسی حسین و جمیل کے رخسار بھی ایسے نہ ہوں گے اور وہ حضور اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت کرزم سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا ہے میں آپ کے پائے اقدس میں انگشت سبابہ کی درازی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آپ کی انگشت سبابہ (پاؤں کے انگوٹھے کے برابر کی انگلی) پاؤں کے تمام انگلیوں سے بڑی تھی۔ اسے احمد و طبرانی نے روایت کیا ہے اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کے پاء اقدس کی چھنگلیا متظاہر تھی اور مروی ہے کہ یہ لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے کہ آپ کے دست مبارک کی انگشت شہادت بہ نسبت بیچ کی انگلی کے لمبی تھی۔ اس پر حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے بھی یہ کہا ہے غلط ہے البتہ! پاؤں کی انگلیوں میں قدم مبارک کی انگشت سبابہ دراز تھی۔ ''مقاصد حسنہ'' میں کہا گیا ہے کہ یہ غلطی ہے جو حضرت میمونہ بنت کرزم رضی اللہ عنہا کی مطلق روایت پر بے سوچے سمجھے اعتماد کر لینے سے پیدا ہوئی ہے لیکن یہ روایت مسند امام احمد میں پاؤں کی انگشت سبابہ کے ساتھ مقید ہے۔ اسی طرح بیہقی کے نزدیک ہے۔

(حضرت شیخ) عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں مروی ہے آنحضرت ﷺ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر فرمایا کہ بھیجا گیا ہوں میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند''۔ آپ نے قیامت پر اپنی بعثت کے مقدم ہونے کو اسی قدر تفاوت کے ساتھ اشارہ فرمایا جتنا کہ ان دونوں انگلیوں کے درمیان تفاوت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بعثت اور قیامت کی معیت سے مبالغہ کی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ دونوں انگلیوں کے ملانے کی کیا حاجت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں انگلیوں کے ملانے سے تقدم و تاخر کا تفاوت ظاہر ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ انگشت شہادت اور بیچ کی برابر تھی اور ایک جماعت کہتی ہے کہ بطریق معجزہ اظہار معیت و مبالغہ کے لیے اس وقت میں برابر ہو گئی ہوں گی۔ واللہ اعلم

پنڈلیاں شریف: حضورِ اکرم ﷺ کی پنڈلیوں کے بارے میں ہے کہ کَانَ فِیْ سَاقَیْہِ حَمُوْشَۃٌ یعنی آپ کی دونوں پنڈلیاں باریک ولطیف تھیں پُر گوشت نہ تھیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نَظَرْتُ اِلٰی سَاقَیْہِ کَاَنَّھَا جُمَّارَۃٌ یعنی میں نے آپ کی پنڈلی کی طرف نظر ڈالی تو وہ گویا درخت خرما تھا۔ ''جُمَّارَۃٌ'' بضم جیم وتشدید میم بمعنی درخت خرما جسے شحم النخل بھی کہتے ہیں جو کہ ہموار صاف لطیف اور سفید ہوتی ہے ''ضخم الکرادیس'' جن کے جوڑ فربہ کردوس بضم ان دو ہڈیوں کو کہتے ہیں جو جوڑ میں پیوستہ ہوں کہتے ہیں کہ اس سے فربہی اور اعضا کا قوی ہونا مراد ہے۔ صراح میں ہے کہ کردوس جوڑوں کی دوگانہ ہڈیوں کو کہتے ہیں دوشانے' بازو اور زانو وغیرہ۔

قامت زیبا: حضورِ اکرم ﷺ کا قامت زیبا یعنی قد مبارک' باغ قدس اور بوستان انس کی شاخ تھا۔ یعنی لطیف' درست اور چست تھا' نہ کوتاہ نہ بہت دراز لیکن مائل بہ درازی تھا لہٰذا حدیث میں آیا ہے کہ کَانَ رَبْعَۃً مِنَ الْقَوْمِ قوم میں متوسط القامت تھے۔ رَبْع بفتح راء وسکون باء معنی متوسط القامت' ایک اور حدیث میں ہے کہ اَطْوَلُ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرُ مِنَ الْمُشَذَّبِ پستہ قد سے طویل قامت اور طویل قامت سے کوتاہ تھے۔ مطلب یہ کہ پستہ قد سے دراز تر اس بنا پر کہ مائل بجانب درازی تھے۔

''مشذب'' بضم میم وفتح شین وذال معجمہ باتشدید بمعنی بسیار دراز جس کے کھڑے ہونے میں خوف واضطراب لاحق رہے اور ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ لَمْ یَکُنِ الطَّوِیْلُ الْمُمَغَّطُ بہت زیادہ دراز قد نہ تھے۔ الممغط بضم میم اوّل وفتح میم ثانی' مشدد وکسر غین معجمہ' نیز مہملہ سے بھی آیا ہے اور بغین مشددہ ومعجمہ طاء مہملہ بروزن اسم مفعول از باب تفعیل بھی پڑھا گیا ہے۔ اسے کہتے ہیں جو دراز قد میں غایت درجہ طویل ہے۔ وَلَا بِالْقَصِیْرِ الْمُتَرَدِّدِ نہ متردد کی مانند کوتاہ قد' متردد اسے کہتے ہیں جس کے جسم کے کچھ اعضاء باہر نکل آئیں مثلاً کوبڑ وغیرہ' بعض حضرات اس عبارت سے اثبات قصر بھی کرتے ہیں مگر زیادہ نہیں جتنا کہ توسط واعتدال کو لازم ہے اور ایک اور حدیث میں ہے: لَمْ یَکُنْ بِالطَّوِیْلِ الْبَائِنِ یَعْنِیْ مُفْرَطٌ یعنی طول میں سب سے جدا اور دراز قد نہ تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے ''لَیْسَ بِالذَّاھِبِ طُوْلاً وَفَوْقَ الرَّبْعَۃِ اِذَا جَاءَ مَعَ الْقَوْمِ غَمَرَھُمْ یعنی آپ بہت زیادہ دراز قد نہ تھے لیکن مائل بطول ہونے کے اعتبار سے ''ربعہ'' سے بلند تھے۔ جب آپ کسی قوم میں تشریف لاتے تو انہیں چھپا لیتے اور ان کے پست وکوتاہ قد لوگ آپ کے قریب چھپ جاتے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب تنہا ہوتے تو ''ربعہ'' یعنی متوسط القامت معلوم ہوتے اور جب قوم کے درمیان ہوتے تو سب سے بلند وبالا معلوم ہوتے اور اس وقت منسوب بہ طویل القامت کہلاتے اور اگر دو آدمی داہنے بائیں ہوتے تو آپ دونوں سے بلند نظر آتے اور جب ان کے درمیان سے جدا ہو جاتے تو پھر منسوب بہ متوسط القامت (ربعہ) ہوتے نیز مجلس میں آپ کے دونوں شانے مبارک بلند سے بلندتر ہوتے۔ ﷺ

بے سایہ وسائبان عالم: حضورِ اکرم ﷺ کا سایہ نہ تھا' نہ آفتاب کی روشنی میں نہ چاند کی طلعت میں' اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے ''نوادر الاصول'' میں روایت کیا ہے۔ ان بزرگوں پر تعجب ہے کہ چراغ کی روشنی کا ذکر نہ فرمایا ''نور'' آپ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا (مولانا جامی نے خوب کہا ہے)

امی ودقیقہ دان عالم بے سایۂ وسائبان عالم

رنگ مبارک: حضورِ اکرم ﷺ کا رنگ مبارک روشن وتاباں تھا۔ جمہور صحابہ کا اتفاق ہے کہ آپ کا رنگ مبارک مائل بہ سفیدی تھا۔ سفیدی کے ساتھ ہی آپ کی تعریف وتوصیف کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ''کان ابیض ملیحا'' ایک اور روایت میں ''ابیض ملیح الوجہ''

آیا ہے یعنی سپید رنگ، ملیح بشرہ تھا۔ اس توصیف سے مراد سفیدی وملاحت ہے حالانکہ ملاحت' آپ کے حسن وجمال اور دیدار جانفزا کی دلربائی ولذت بخشی کے اظہار بیان کے لیے علیحدہ صفت ہے۔ یا خالص سفیدی بغیر نمکینی جسے ابہق کہتے ہیں اسے سے بچنے کے لیے ہو اور ابہق کی تفسیر وہ اس طرح کرتے ہیں کہ ابہق وہ سفیدی ہے جس میں نہ سرخی ہو نہ زردی اور نہ گندم گوں ہو اور اس سفیدی کے مشابہ ہے جو برص کے مریضوں کے چہرہ پر ہوتی ہے اور جست کے ہم رنگ ہو۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کا چہرۂ انور بہت سفید اور آپ کے موئے ہائے مبارک سخت سیاہ تھے۔ ابوطالب کے اس شعر میں جو انہوں نے آپ کی مدح میں کہا ہے اس میں ہے کہ

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

یعنی آپ کے چہرۂ انور کی سفیدی سے برسنے والا سفید بادل بارش کی بھیک مانگتا ہے اور آپ یتیموں بیواؤں کی پرورش فرمانے والے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے کہ اَبْیَضُ مُشْرَبٌ وَاَنَّهٗ شَرَابٌ خَلَطَ لَوْنٌ بِلَوْنٍ یعنی آپ کا رنگ سفید مشربی تھا۔ مشرب اس شراب کو کہتے ہیں جس میں ایک رنگ میں دوسرے رنگ کی آمیزش ہو۔ گویا ایک رنگ پلا کر دوسرا رنگ پلایا گیا ہو۔ اس جگہ مشرب سے مراد سرخی ہے دوسری روایت میں تصریح بھی آئی ہے۔ ابیض مشرب بحمرۃ یعنی آپ کا رنگ سرخ وسفید تھا اور بعض نے ''ازہر اللون'' کہا ہے جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس کی بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے ان کی مراد چمک اور تابانی ہے۔

نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے ایک بدوی ایلچی بن کر آیا اور اپنی سادگی ومحبت اور تعجب سے پوچھنے لگا ''اَیْنَ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ'' یعنی فرزند عبدالمطلب کہاں ہیں اور تم میں سے وہ کون ہیں؟ یعنی وہ ذات کریم جس کے حسن وجمال نے عالمگیر شہرت حاصل کی ہے اور اس کے جاہ وجلال کے غلغلہ سے سارے جہان کے کان گونج رہے ہیں۔ صحابہ فرمانے لگے **هذا الامغر المرتفق** یہ مرد سرخ وسفید رو جو اپنی کہنی کو تکیہ بنا کر ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ قَدْرَ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ'' قاموس میں امغر بغین معجمہ بمعنی وہ شخص جس کے چہرے پر سرخی وسفیدی ہو اور مرفق وہ ہے جو اپنی کہنی کو تکیہ بنا کر ٹیک لگائے ہوئے ہو۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''لیس بابیض ابهق'' وہ برص کی مانند سفید نہ تھے۔ ابہق کے معنی گزر چکے ہیں از روئے قاموس ابہق کے معنی ہیں وہ سفیدی جس میں سرخی کی آمیزش نہ ہو اور اس میں رنگ کی چمک بھی نہ ہو۔ اس کے علاوہ آپ کے رنگ مبارک کی توصیف میں ''اسمر'' بھی آیا ہے۔ ''سمرہ'' سفیدی وسیاہی کے درمیان ایک رنگ ہوتا ہے اور سمراء گندمی رنگ کو بھی کہتے ہیں لیکن صراح میں سمرہ بمعنی گندمی رنگ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مشربی سفیدی کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور اہل عرب سمراء (گندمی) کا اطلاق اسی پر کرتے ہیں اور دوسری حدیث میں ابیض آیا ہے یعنی آپ کے جسم انور کی سفیدی مائل بسمرہ (گندم گوں) کہتے ہیں کہ مشرب جب ''مبشع'' ہو تو مشابہ اسمر کے ہے لیکن ''ادمہ'' کی نفی کی گئی ہے۔ ادمہ وہ رنگ ہے جس میں سیاہی بہت گہری ہو۔ چنانچہ ترمذی کی حدیث میں آیا ہے: لَیْسَ بِالْاَبْیَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ آپ کا رنگ نہ تو مبروص کی مانند سفید تھا اور نہ بالکل سیاہ قاموس وصراح سے معلوم ہوتا ہے کہ ''آدمہ'' بمعنی سمرہ ہے اور آدم بمعنی ''اسمر'' ہے۔ اس قول کے بموجب ''لابالادم'' کا مطلب ادمہ یعنی سخت سیاہی ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''سمرہ'' سے مراد آمیزش شدہ سفیدی ہے اور سفیدی کے اثرات سے مراد وہ سفیدی ہے جس میں سرخی کی آمیزش ہو۔ اس خالص سفیدی کی نفی کی

ہے جسے ابہق یا مبروص کہتے ہیں۔ اس سے وہ قول ساقط ہو جاتا ہے جس حدیث میں ابن جوزی کے بقول کہا گیا ہے کہ ''کان اسمر'' یہ اس لیے غلط ہے کہ یہ مخالف احادیث ہے کیونکہ احادیث میں صریحاً ''ابیض مشرف'' (سرخی مائل سفیدی) اور لا بالآ دم واقع ہوا ہے۔ اس ادم سے اسمر (گندمی) مراد ہے اور ابن جوزی نے بیاض وسمرہ کی جمع کے سلسلے میں کہا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کے وہ حصے جو دھوپ سے متاثر ہوتے رہتے تھے اسمر (گندم گوں) تھے اور جو حصے کپڑوں کے اندر رہتے تھے سفید تھے لیکن علماء کو اس سے اختلاف ہے کیونکہ آفتاب کی شعاعیں اور ہوا آپ کے جسم اطہر کا رنگ متغیر نہیں کر سکتی تھیں جس طرح کہ ''انوار المتجر د'' ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقع ہوا ہے کہ بدن اطہر کا جو حصہ باہر اور کپڑوں سے کھلا رہتا تھا وہ عام لوگوں کے برعکس روشن اور سفید تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت اور شیفتگی اس در کے خادم ہیں پھر یہ کس طرح کوئی ایسی توصیف بیان کر سکتا ہے جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آخر عمر شریف میں آپ کا رنگ مبارک پختہ ہو چکا تھا۔ اس وقت ''حمرة'' مائل بسمرہ ہو گیا تھا۔

مشی ورفتار مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار مبارک کے متعلق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو جھک جھک کر چلتے گویا کہ اوپر سے اتر رہے ہیں۔

''تکفوء'' کی تفسیر میل کردی، بجانب مشی یعنی آگے کی جانب جھک کر چلنا سے کی ہے جس طرح پھولوں والی ٹہنی جھکتی ہے اور قدم مبارک چستی، طاقت اور سرعت کے ساتھ اٹھاتے تھے۔ بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر ہمیشہ پورا قدم رکھتے تھے ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ کی رفتار مجمعاً یعنی قوت سے بھرپور بے استرخاء وسستی اعضاء تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ آپ چلتے میں زمین سے پورا قدم اٹھاتے اور کشادہ رکھتے اور آسان وسبک اور تیز بغیر حرکت واضطراب کے چلتے اور ان کا قول ''كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ'' گویا کہ زمین کی بلندی سے اس کے نشیب وپستی میں اتر رہے ہیں۔ صبب بفتحتین وصبوب زمین منحدر کو کہتے ہیں اور ''انحدار'' بلندی سے نشیب کی طرف اترنے کو کہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ تمثیل پورے قدم پاک کے اٹھانے کی قوت کے لیے ہے نہ کہ سبکی تحرک اور اضطراب کے لیے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو راہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز تر چلتے نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ کے قدموں کے نیچے پھٹی جاتی تھی اور ہم آپ کی ہمراہی میں تکان اور محنت محسوس کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کے لیے ہمیں دوڑنا پڑتا تھا جس سے ہمارے سانس پھول جاتے تھے لیکن آپ کو کچھ بھی محسوس نہ ہوتا تھا اور آپ معمول کے مطابق بے تکلف چلتے تھے اور اصلاً اضطراب نہ فرماتے تھے۔ یہ چلنا اولوالعزم، اہل ہمت اور شجاعت کا آئینہ دار ہے اور یہ چلنا اقسام رفتار میں قوی واعتدال پر ہے۔ اس سے اعضاء کو راحت وآرام ملتا ہے۔ آپ کبھی نعلین مبارک پہن کر چلتے اور کبھی بغیر نعلین کے کبھی آپ پاپیادہ چلتے اور کبھی سواری پر، خصوصاً غزوات میں

سرو پیادہ خوش بود اندر چمن بناز آں سرو من پیادہ خوش است وسوار خوش

اور جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ چلتے تو صحابہ کو اپنے آگے آگے چلاتے اور خود ان کے پیچھے رہتے۔ فرماتے میری پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ''كَانَ يَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ'' آپ اپنے اصحاب کو آگے چلاتے تھے۔ ''سوق'' کے معنی سواری کے جانور کو پیچھے سے ہنکانا اور ''قود'' کے معنی جانور کو آگے سے کھینچنا۔ آپ سفر میں تمام صحابہ کو بھیجنے کے بعد روانہ

ہوتے اور ناتواں وکمزوروں کو سہارا دیتے اور رہ جانے والوں کو سوار فرماتے کبھی اپنا ردیف یعنی پیچھے بٹھاتے تھے ﷺ

اقسام رفتار: فائدہ: انواع رفتار دس ہیں۔ایک تحادت ہے۔یہ افسردہ اور مریل مانند خشک لکڑی کے لوگوں کی مٹھی چال ہے۔ دوسری ''ازعاج'' ہے یعنی طیش وخفت سبک سری اور اضطراب و پریشانی کی چال۔یہ دونوں مذموم وقبیح قسمیں ہیں جو مردہ دلی پر دلالت کرتی ہیں۔تیسری چال ''ہون'' ہے جو مکمل حرکت اور قدرے سرعت کی چال ہے اور یہی حضورِ اکرم ﷺ کی چال تھی جو سکون ووقار اور بلاتکبر وتحادت کی علامت ہے۔چوتھی چال ''سعی'' ہے جو تیزی سے چلی جائے۔پانچویں چال ''رمل'' بفتح راء ہے جو جلدی جلدی قدم اٹھا کر اور مونڈھوں کو جنبش دے کر چلی جائے' جس طرح پہلوان چلتے ہیں۔چھٹی چال ''نسلان'' ہے جو دوڑ کر تیزی سے چلی جائے۔یہ رفتار سعی سے تیز تر ہے۔ساتویں چال ''خوزی'' بفتح خاء وسکون راء بازاءآ خر الف مقصورہ ہے جو پنجوں کے بل چلی جائے۔آٹھویں چال ''قہقری'' ہے جو پشت کی طرف الٹے قدم چلی جائے۔نویں چال ''جمزی'' بفتح جیمہ ہے جو کود کر چلی جائے۔اونٹنی کو ''جمارہ'' اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔دسویں چال ''تبختر'' ہے جو آہستہ خرامی سے ٹہلتے ہوئے گردن اٹھا کر متکبروں کے انداز میں چلی جائے۔رفتار کی ان دس قسموں میں سب سے اکمل وافضل ''ہون'' ہے قرآن کریم میں بھی اس رفتار کی مدح فرمائی موجود ہے چنانچہ فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا   اللہ کے وہ بندے ہیں جو زمین پر ''ہون'' کی رفتار سے چلتے ہیں۔

پسینہ وفضلات کی خوشبو: حضورِ اکرم ﷺ کی نرالی وعجیب صفتوں میں سے ایک پاکیزہ وطیب خوشبو ہے۔یہ آپ کی ذاتی تھی کسی قسم کی خوشبو استعمال کیے بغیر ہی دنیا کی کوئی خشبو آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے ہمسری نہ کر سکتی تھی۔سیّدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہر ایک خوشبو خواہ مشک ہو یا عنبر سونگھی ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کی خوشبوئے اطہر سے زیادہ کوئی نہ تھی اور ام عاصم رضی اللہ عنہا زوجہ عتبہ بن فرقد سلمی بیان کرتی ہیں کہ ہم چار عورتیں عتبہ کی زوجیت میں تھیں اور ہم میں سے ہر ایک یہی کوشش کرتی کہ زیادہ سے زیادہ خوشبو میں بس کر عتبہ کے قریب جائیں۔ہم سب اس کوشش میں خوب خوشبو کا استعمال کرتیں لیکن ہم میں سے کسی کی خوشبو عتبہ کی خوشبو تک نہ پہنچتی تھی۔حالانکہ عتبہ رضی اللہ عنہ خوشبو کو بھی اسی حد تک استعمال کرتے تھے کہ روغن کو اپنے ہاتھوں سے چھواتے اور اسے اپنی داڑھی پر ملتے مگر اس کی خوشبو ہم سب پر غالب رہتی اور جب عتبہ رضی اللہ عنہ باہر جاتے تو لوگ کہتے کہ ہم خوشبو استعمال کرتے ہیں لیکن کوئی خوشبو عتبہ رضی اللہ عنہ کی خوشبو سے زیادہ تیز نہیں ہے۔ام عاصم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ایک دن عتبہ سے کہا ہم سب خوشبو کے استعمال میں خوب کوشش کرتی ہیں ہیں لیکن تمہاری خوشبو تک ہماری خوشبو نہیں پہنچتی۔اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسولِ خدا ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ مجھے ''شری'' یعنی گرمی دانے جسے پت کہتے ہیں نکل آئے تھے (اس مرض میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سارے بدن میں چنگاریاں لگی ہوئی ہیں) تو میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر اپنے اس مرض کی شکایت کی تاکہ علاج فرما دیں۔اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے بدن سے کپڑے اتار دو تو میں نے کپڑے اتار کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔پھر آپ نے اپنا دست مبارک میری پشت وشکم پر ملا اس وقت سے یہ خوشبو مجھ میں پیدا ہوگئی ہے۔اسے طبرانی نے معجمہ صغیر میں روایت کیا۔

ایک شخص نے اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے گھر بھیجنے کے لیے خوشبو کی جستجو کی مگر اسے نہ مل سکی تو اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس لیے عرض حال کیا کہ حضور ﷺ کوئی خوشبو عطا فرما دیں مگر کوئی خوشبو موجود نہ تھی تو حضور ﷺ نے شیشی طلب فرمائی تاکہ اس میں خوشبو ڈال دی جائے۔پھر آپ ﷺ نے اپنے جسم اقدس سے پسینہ لے کر اس شیشی میں بھر دیا اور فرمایا: جا کر اسے اپنی لڑکی کے جسم پر مل دو جب اسے ملا گیا تو سارا مدینہ اس کی خوشبو سے مہک گیا تھا اور اس گھر کا نام ہی ''بیت المطیبین'' خوشبو کا گھر رکھ دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت قیلولہ فرمایا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بہت پسینہ آیا کرتا تھا تو میری والدہ نے جن کا نام ''ام سلیم'' ہے شیشی لے کر آپ کا پسینہ مبارک اس میں جمع کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا: اے ام سلیم! رضی اللہ عنہا کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا پسینہ مبارک جمع کر رہی ہوں تا کہ میں بطور خوشبو استعمال کروں کیونکہ اس کی خوشبو سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب کوئی صحابی بقصد حضوری آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور آپ کو کاشانۂ اقدس میں نہ پاتا تو وہ راہ میں آپ کی اس خوشبو کو سونگھتے جو آپ کی گزرگاہ ہونے کے سبب راہ میں پھیلی ہوتی۔ مدینہ منورہ کے جس کوچے میں وہ خوشبو محسوس کرتے چلتے جاتے تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ سے گزرے ہیں۔

آج بھی مدینہ منورہ کے در و دیوار سے آپ کی خوشبوئے جانفزا کی لپٹیں آ رہی ہیں جس سے مجنوں کے دماغ محبت معطر ہو جاتے ہیں۔ شاید کہ ایک شمہ اس خوشبو کا بعض غریب و مشتاق اور مفلس و نادار مسافروں کے شامۂ ذوق کو بھی میسر ہو۔ ابو عبد اللہ عطار مدینہ طیبہ کی مدح میں کہتے ہیں۔

بِطِيبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ طَابَ نَسِيْمُهَا فَمَا الْمَسْكُ وَالْكَافُوْرُ الْمَنْدل الرَّطَب

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے مدینہ طیبہ کی فضا مہک رہی ہے۔ مشک و کافور کیا ہیں ان کی مانند تو وہاں کھجوروں میں خوشبو ہے۔ حضرت شبلی جو علمائے صاحب وجدان میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی خاک پاک میں خاص قسم کی خوشبو ہے جو مشک و عنبر میں قطعاً نہیں اور فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایسی خوشبو کا ہونا عجائب و غرائب میں سے ہے۔

ہداں زمیں کہ نسیمے درز دز طرۂ دوست چہ جائے دم زدن نافہائے تاتاریست

بروایت ابو نعیم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کے چہرۂ انور پر پسینہ مبارک موتی کی مانند اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ ہوتی تھی۔

دست مبارک کی خوشبو: آپ کے دست مبارک کی توصیف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر اپنا دست اقدس پھیرا تو میں نے ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا آپ نے ابھی عطر کی ڈبیہ سے اپنا دست اقدس نکالا ہے جو کوئی بھی آپ سے معانقہ کرتا وہ تمام دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو پاتا۔ آپ جس بچے کے سر پر دست شفقت رکھتے وہ آپ کی خوشبو کی وجہ سے تمام بچوں میں ممتاز و معروف ہو جاتا۔

فائدہ: بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے گلاب کا پھول پیدا ہوا ہے۔ ایک اور جگہ مروی ہے آپ نے فرمایا: گل سفید یعنی چنبیلی میرے پسینے سے شب معراج پیدا ہوئی' گل سرخ گلاب جبریل علیہ السلام کے پسینہ سے اور گل زرد یعنی چمپا براق کے پسینہ سے' نیز مروی ہے کہ فرمایا معراج سے واپسی پر میرے پسینہ کا قطرہ زمین پر گرا تو اس سے گلاب کی روئیدگی ہوئی جو کوئی میری خوشبو سونگھنا چاہے وہ گلاب کو سونگھے ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب میرے پسینے کا قطرہ زمین پر گرا تو زمین ہنسی اور گلاب کے پھول کو اگایا لیکن محدثین ان حدیثوں کو اپنی ان اصطلاحوں کے بموجب جو وہ رکھتے ہیں کلام کرتے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں ابو الفرح نہروانی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ان حدیثوں میں جو کچھ آیا ہے وہ نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے فضل و کرم کا ایک قطرہ ہے اور ان کثرت میں سے بہت تھوڑا ہے جن سے پروردگار نے اپنے حبیب کو مکرم فرمایا' محدثین کا ان میں کلام

کرنا اپنی ان اصطلاحات وضاعت کے مطابق ہے جوانہوں نے اسناد کی تحقیق وتصحیح میں منضبط فرمائے ہیں ایسا استبعاد ومحال یا ناممکن ہونے کی بنا پر نہیں ہوا ہے۔ واللہ اعلم

بوقت قضائے حاجت زمین کا شق ہو جانا: جب حضور اکرم ﷺ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین میں شگاف پڑ جاتا اور زمین آپ کا بول و براز اپنے اندر سمو لیتی اور اس جگہ ایک خوشبو پھیل جاتی تھی۔ آپ کے براز کو کسی نے بھی نہ دیکھا۔ سیّدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ استنجا کر کے بیت الخلا سے تشریف لاتے تو میں جا کر دیکھتی تو اس جگہ از قسم براز کچھ نہ دیکھتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) تم نہیں جانتیں انبیاء کرام علیہم السلام سے جو کچھ ان کے بطن اطہر سے نکلتا ہے زمین اسے نگل جاتی ہے چنانچہ اسے دیکھا نہیں جاتا۔

ایک صحابی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ قضائے حاجت کے لیے ایک جگہ تشریف لے گئے جب آپ واپس تشریف لے گئے تو میں اس جگہ گیا جہاں حضور ﷺ نے فراغت فرمائی تھی۔ میں نے اس جگہ بول و براز شریف کا کوئی نشان تک نہ دیکھا۔ البتہ! چند ڈھیلے وہاں پڑے تھے میں نے اسے اٹھالیا تو اس سے نہایت لطیف و پاکیزہ خوشبو آ رہی تھی۔ ﷺ

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں فرمایا ہے کہ اہل علم کی جماعت حضور اکرم ﷺ کے ''حدثین'' یعنی بول یا براز فرمانے کے بعد وضو کرنے کے قائل ہے اور یہی قول بعض اصحاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

بول مبارک: اب رہی بول مبارک کی کیفیت تو اس کا بکثرت صحابہ نے مشاہدہ کیا ہے اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھیں انہوں نے اسے پیا بھی ہے چنانچہ منقول ہے کہ رات کے وقت حضور ﷺ کے تخت مبارک کے نیچے پیالہ رکھا جاتا کہ رات میں اس میں بول مبارک فرمادیں۔ چنانچہ ایک رات جب آپ نے اس میں بول مبارک فرمایا اور صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس تخت کے نیچے ایک پیالہ ہے اسے زمین کے سپرد کردو۔ مگر انہوں نے کچھ نہ پایا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا خدا کی قسم رات مجھے پیاس معلوم ہوئی میں نے اسے پی لیا تھا اس پر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور نہ انہیں اپنا منہ دھونے کا حکم فرمایا اور نہ دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اب تمہیں کبھی پیٹ کا درد لاحق نہ ہوگا (خوش نصیب)

ایک عورت تھی جس کا نام برکہ رضی اللہ عنہا تھا وہ بھی آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھی اس نے بھی آپ کا بول شریف پی لیا تھا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''اصحمت یا ام یوسف'' اے ام یوسف! (برکہ اس کی کنیت تھی) تم ہمیشہ کے لیے تندرست بن گئیں۔ کبھی بیمار نہ ہو گی۔ چنانچہ وہ عورت کبھی بیمار نہ ہوئی بجز اس بیماری کے جس میں اس نے دنیا سے کوچ کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کا بول شریف پی لیا تھا تو اس کے جسم سے ہمیشہ خوشبو مہکتی رہی۔ حتی کہ اس کی اولاد میں کئی نسلوں تک یہ خوشبو رہی۔ مواہب اور شفا میں یہ دونوں روایتیں مذکور نہیں ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام آپ کے بول مبارک اور لہو شریف کو تبرک گردانتے تھے۔ لہو شریف کا پینا صحابہ سے متعدد بار واقع ہوا ہے چنانچہ اس حجام نے جس نے آپ کے پچھنے لگائے تھے تو سنگھی یا چسکی سے جتنا لہو شریف نکلتا وہ اسے حلق میں اپنے شکم میں اتارتا جاتا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم خون کا کیا کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا میں خون نکال کر اپنے شکم میں پنہاں کرتا جاتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ حضور ﷺ کا خون مبارک زمین پر بہے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ تم نے اپنی پناہ تلاش کر لی اور اپنے نفس کو محفوظ بنالیا یعنی بلا اور امراض سے بچ گئے۔

غزوۂ احد کے دن جب حضورِ اکرم ﷺ مجروح ہوئے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ کے زخموں کو اپنے منہ سے چوس کر زبان سے زخموں کو پاک وصاف کیا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ اپنے منہ سے خون باہر نکالو انہوں نے کہا نہیں! خدا کی قسم زمین پر آپ کے خون کو ہرگز نہ گرنے دوں گا۔ وہ خون کو نگل گئے اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص خواہش رکھتا ہے کہ وہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ انہیں دیکھ لے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے اور اپنا خون مبارک مجھے دے کر فرمایا کہ اسے کسی ایسی جگہ غائب کر دو جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ میں نے اسے پی لیا کیونکہ اس سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں نہیں پاتا تھا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: وائے تمہیں لوگوں سے اور وائے لوگوں کو تم سے یہ ان کی قوت 'مردانگی' شجاعت اور بہادری سے کنایہ تھا جو انہیں اس خون مبارک کے پی لینے سے حاصل ہوئی۔ یہی وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے یزید پلید کی بیعت نہ فرمائی اور مکہ مکرمہ میں اقامت رکھی اور ان کے حلقہ میں حجاز ویمن اور عراق وخراساں کے لوگ آ کر جمع ہوئے لیکن عبدالملک بن مروان کے عہد امارت میں حجاج بن یوسف نے ان کو شہید کیا اور دار پر کھینچا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے خونِ مبارک کے پی لینے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: لَاتَمَسَّكَ النَّارُ اِلَّا قَسَمٌ الْيَمِيْنِ یعنی تمہیں دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی مگر قسم کے لیے۔

یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کا بول ودم طیب وطاہر ہے اور اسی قیاس پر آپ کے تمام فضلات کا حکم ہے اور عینی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے اور شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے فضلات طہارت پر بہت زیادہ اور کثرت سے روشن دلائل ہیں اور ہمارے ائمہ کرام اسے حضور ﷺ کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں ﷺ

ازدواجی زندگی مبارک: اب رہا حضورِ اکرم ﷺ کا اپنی بیویوں سے مباشرت فرمانے کا ذکر' اگرچہ اس وصف کا ذکر بظاہر پشت وسینہ اور شکم کے ذکر کے بعد مناسب تھا لیکن سلسلہ وسیاق کلام اور نظم وضبط مضامین کی وجہ سے بعض ان مقامات کے سبب کہ اس ذکر کو آخر میں لے جاتے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کا یہ مقام بہتر ہے۔ نکاح کے فوائد میں سے پہلا فائدہ نسل کی حفاظت' نوع انسانی کے دوام کے بعد' حصول لذت' انتفاع نعمت اور حفظ صحت ہے۔ اس لیے کہ مادۂ تولید یعنی منی کو عرصہ تک روکے رکھنے اور جماع نہ کرنے سے امراض شدیدہ کے پیدا ہونے اور قویٰ واعضاء کے ضعف کرنے کا سبب اور انسداد مجازی کا موجب ہے۔ عورتوں سے محبت کرنا اور کئی کئی نکاح کرنا از قسم کمال ہے اور ایک ان مقامات میں سے ہے جہاں کوتاہ اندیشوں کی عقل اس کمالیت کی حقیقت سے در پردہ اور محجوب ہے۔ بیویوں سے جماع ومباشرت کو عاقبت نااندیش نقصان وعیب کی صورت اور لہوولعب کی قبیل سے شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ فہم کی کمی اور رہبانیت کی طرف طبیعت مائل ہونے کی وجہ سے ہے اور نظر بحقیقت وجامعیت' فعل وانفعال اور تاثیر وتاثر جو کہ ظہور عالم کی علت غائیہ ہے جتنا اس میں ہے اور کسی دوسرے فعل میں نہیں ہے۔ حضور سیّد انبیاء ورسل ﷺ کا فعل مبارک اس کی سند وحجت کے لیے کافی ہے۔ اس بحث کا بقیہ حصہ انشاءاللہ تعالیٰ آخر کتاب میں ذکر ازواج مطہرات کے ضمن میں آئے گا۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضورِ انور ﷺ ایک شب میں اپنی (گیارہ) بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا حضور اتنی طاقت رکھتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ حضورِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تیس مردوں کی طاقت عطا فرمائی تھی اسے بخاری نے روایت کیا اور ایک روایت میں جنتی چالیس مردوں کی قوت بتایا گیا ہے اور مروی ہے کہ ہر جنتی مرد کی قوت سو (دنیاوی) مردوں کی قوت کے برابر ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ

ان کوشریک فرمالیتے۔اس کی صورت یہ تھی کہ آپ کے مخصوص اصحاب' عام لوگوں کی ضروریات اوران کی حاجتوں کی اطلاع فرماتے پھر خواص صحابہ آپ کی مجلس مبارک کے فوائدان عام لوگوں میں پہنچاتے مطلب یہ کہ سب سے پہلے بے واسطہ فوائدان خواص کو پہنچتے۔ پھر دوبارہ ان خواص کے واسطے سے عام لوگوں کو پہنچتے تھے اور فوائد ونصائح میں سے حضور ذخیرہ کر کے اور لوگوں سے بچا کر کچھ نہیں رکھتے تھے۔یعنی جو کچھ ان کے حال واستعداد کے مناسب ہوتا آپ انہیں پہنچا دیتے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور عادات کریمہ میں ایثار اور اہل فضل وعلم اور صاحبان صلاح وشرف کو اجازت کے ساتھ اختیار تھا یعنی ان کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرماتے اور اپنی مجلس شریف کی حاضری میں مخصوص گردانتے اور ان کے فضل ومرتبت کے مطابق دین میں تقسیم فرماتے۔مطلب یہ کہ جو شخص آپ کی مجلس میں یا دین داری میں جتنا زیادہ مخصوص وممتاز ہوتا وہ اپنے نصیب میں حضور ﷺ کی عنایت ورعایت کا بہت زیادہ مستحق ہوتا تھا۔آپ لوگوں کی حاجت روائی اور اصحاب کے مقاصد کی تحصیل میں مشغول رہتے اور ان کو اپنے احوال کی درستگی واصلاح کے کاموں میں مشغول رکھتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ تم پر لازم ہے کہ جو اس مجلس مبارک میں حاضر ہو کر سنے وہ دوسرے غیر موجود لوگوں کو پہنچائے۔آپ فرماتے تم سب پر فرض ہے کہ مجھ تک ان لوگوں کی حاجتیں پہنچاؤ جو میرے حضور حاضر ہو کر خود نہیں پہنچا سکتے۔

فائدہ: آپ نے فرمایا: جو کسی ایسے شخص کی حاجت' سلطان حاجت یعنی حاجت روا کے پاس پہنچائے جو اپنی حاجت خود اس کے سامنے نہیں پہنچا سکتا تھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے قدم کو ثبات عطا فرمائیں گے۔اس ارشاد میں حضور ﷺ نے اپنے حضور پیش کرنے کا ذکر نہیں فرمایا مگر چونکہ آپ کے حضور ایسی ہی حاجتیں پیش کی جاتی تھیں جن کی دنیا ودین میں ضرورت ہوتی ہے۔ان کے سوا آپ کی بزم شریف میں کوئی ذکر نہ ہوتا۔خاص کر لغو وبیکار باتیں' لوگ آپ کی بارگاہ سے علم اور خیر وبرکت کا حصہ لے کر لوگوں میں جاتے اوران کی رہنمائی کرتے۔

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے کاشانۂ اقدس سے حضور ﷺ کے باہر تشریف لے جانے اور صحابہ کرام کے نشست فرمانے کے بارے میں دریافت کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهٗ اِلَّا فِيْمَا يَعْنِيْهِ یعنی رسولِ خدا ﷺ اپنی زبان مبارک کو بند رکھتے اور اس کی حفاظت فرماتے مگر اس چیز میں اور اس بات میں جو مفید وسودمند ہوتی۔''یخزن'' خزن سے ہے جس کے معنی خزانہ میں مال رکھنا ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی زبان مبارک اس دل کی جو حقائق ومعرفت سے مالا مال ہے کنجی تھی۔یعنی امت کے لیے جو سودمند ومفید ہوتا' اس کے لیے آپ زبان مبارک کھولتے ورنہ اپنی زبان کو بند رکھتے۔آپ امت کی دلجوئی فرماتے اور اپنے قرب سے دور بھاگنے سے انہیں محفوظ رکھتے۔درحقیقت یہ فعل الٰہی سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ الآیۃ یعنی حق تعالیٰ ایسا مہربان ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں محبت فرمائی...... آپ ضعیف الایمان لوگوں پر بہت زیادہ احسان وعطا فرماتے۔ان لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہا جاتا ہے۔اسی طرح ہر قوم کے معزز فرد کی عزت واحترام فرماتے اور انہیں کو ان پر حاکم مقرر فرماتے' اور آپ لوگوں سے بچتے اور ان سے اپنا تحفظ فرماتے' اور دشمنوں سے اپنی نگہداشت فرماتے تا کہ اعداء ضرر نہ پہنچائیں۔یہ تحفظ آیہ کریمہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔قطع نظر اس کے اس میں علم وحکمت اور امت کے لیے تعلیم وارشاد ہے۔درحقیقت یہ اپنا رعب ودبدبہ قائم رکھنے اور لوگوں سے عدم اختلاط وانبساط کی جانب کنایہ ہے۔تا کہ وہ بے خوف اور بے باک نہ ہو جائیں۔باوجود اپنا تحفظ فرمانے کے اپنی کشادہ روئی اور خوش خلقی کا رویہ ترک نہ فرماتے۔ان کے احوال کو دریافت کرتے اور اپنے اصحاب کی دلجوئی اور باز پرس فرماتے اور لوگوں سے

ایک دوسرے کے احوال پوچھتے تا کہ ہر ایک اچھے حال میں رہے اور باہم حسن سلوک کرتے رہیں اور اچھے کام و احوال پر ان کو شاباشی دیتے اور تقویت و تائید فرماتے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اصلاح فرماتے برے کاموں کی مذمت فرماتے اور باز رہنے کی تلقین فرماتے۔ آپ کی عادت کریمہ ہی یہ تھی کہ اچھائی کی تعریف فرماتے اور برائی کی مذمت کرتے اور جس سے بھی یہ برائی سرزد ہوتی اس کی سرزنش فرماتے اور اس بدکار کی نہ پرواہ کرتے اور نہ اس سے خوف کرتے خواہ وہ کتنا ہی بظاہر بلند مرتبہ اور طاقتور ہوتا۔

لوگوں کے احوال ایک دوسرے سے دریافت کرنا ''تجسس'' کی قبیل سے نہ تھا۔ کیونکہ تجسس اسے کہتے ہیں کہ کسی کے پوشیدہ عیبوں کو بقصد اشاعت اور برائی پوچھا جائے۔ احوال کی یہ پرسش بقصد تربیت و اصلاح ایک دوسرے کے ظاہری احوال کی تھی' اور آپ ہر چیز میں معتدل الامر یعنی آپ کے تمام افعال کریمہ اور اوصاف شریفہ معتدل اور ہموار اور متمکن و مستقل اور پائیدار تھے۔ آپ کے کاموں میں نشیب و فراز نہ تھا' نہ اختلاف اور افراط و تفریط کی راہ پیدا ہوتی تھی' اور امت کی تعلیم و تربیت اور تادیب و تہذیب سے غافل نہ رہتے تھے' اور ہمیشہ ان کی سیاست و رہنمائی اور تدبیر کار میں مشغول رہتے' اور اس سے خوف رکھتے کہ کہیں وہ غافل نہ ہو جائیں۔ سخت شاق عبادت کا التزام دوام' اس خوف سے نہ فرماتے کہ کہیں امت پر فرض نہ کر دیئے جائیں اور حضور ﷺ ہر حال میں ہر کام کے لیے آمادہ و تیار رہتے مثلاً جنگی اسلحہ اور حربی ساز و سامان وغیرہ میں' اور ان کے مصلحتی امور کے لیے جس چیز کی ضرورت لاحق ہوتی اسے تیار کرتے اور حق میں نہ کوتاہی کرتے نہ حق سے تجاوز کرتے۔ ہمیشہ اقامت حق اور اثبات حق میں منہمک رہتے اور آپ کے تمام مقربین و ہم نشین حضرات اخیار و ابرار یعنی برگزیدہ و نیکوکار تھے۔ آپ کے حضور میں وہی فاضل تر اور مقرب تر ہوتا جو لوگوں کے لیے ناصح تر اور خیر خواہ تر ہوتا۔

سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی مجلس مبارک کے آداب اور طور طریق کیا تھے اور ان کے ساتھ حضور ﷺ کی ہم نشینی کس طرح تھی۔ فرمایا: حضور اکرم ﷺ نہ بیٹھتے نہ اٹھتے مگر ذکر خدا کے ساتھ یعنی نشست و برخاست میں ہمیشہ ذکر خدا کرتے تھے اور جب مجلس مبارک میں تشریف لاتے تو جہاں بھی جگہ ہوتی بیٹھ جاتے اور کسی بلند و ممتاز جگہ کا قصد نہ فرماتے اور نہ اپنے لیے کوئی خاص جگہ متعین کر رکھی تھی' اور آپ امت کو اسی کی تلقین فرماتے اور بلند و بالا جگہ کی خواہش سے منع فرماتے تھے اور آپ اپنی عنایت اور توجہ و التفات کا حصہ تمام اہل مجلس کو مرحمت فرماتے اور کوئی بھی یہ گمان نہ کر سکتا کہ وہ ہم نشینی میں دوسرے سے بزرگ تر اور آپ سے زیادہ قریب ہے۔ ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ اور قابلیت اور اس کے حال کے مطابق عنایت فرماتے جو بھی آپ کے پاس کوئی حاجت یا ضرورت لاتا تو آپ اس وقت تک انتظار فرماتے کہ وہ شخص خود ہی واپس جائے۔ مجلس سے آپ خود اس وقت تک تشریف نہ لے جاتے جب تک کہ وہ خود اٹھ کر نہ چلا جاتا۔ آپ سے جو کوئی بھی سوال کرتا یا کسی حاجت و ضرورت کو پیش کرتا تو آپ اسے نہ منع کرتے اور نہ رد کرتے بلکہ اس کی حاجت براری فرماتے اور اگر بالفرض اس وقت کچھ موجود نہ ہوتا تو خوش خلقی سے دل جوئی کر کے میٹھی بات سے اس کو لوٹا دیتے۔ اس عادت کریمہ کی تفصیل آپ کے اخلاق شریفہ کے باب میں آپ کے جود و سخا کے ضمن میں آئے گی۔

آپ تمام لوگوں کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے اور حق میں آپ کے نزدیک سب برابر تھے۔ آپ کی مجلس' علم' حلم' حیاء اور صبر و امانت کی مجلس تھی جہاں نہ کسی کی آواز بلند ہی ہوتی اور نہ اس میں حرام و ناشائستہ بات ہوتی تھی۔ اہل مجلس کی کسی ذلیل حرکت کو نہ تو ظاہر کیا جاتا اور نہ اسے پھیلایا جاتا۔ مطلب یہ تھا کہ بتقاضائے بشریت اگر کسی سے ذلیل یا ناشائستہ حرکت سرزد بھی ہو جاتی تو اس سے چشم پوشی کی جاتی۔ تمام اہل مجلس متساوی و موافق اور برابر تھے۔ ان میں باہم فضیلت تقوے کے اعتبار سے تھی۔ وہ باہم ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ بڑے چھوٹوں پر شفقت کرتے اور چھوٹے بڑوں کی تعظیم کرتے اور محتاجوں پر ایثار کر کے اور غریب و مسافر کی رعایت کرتے تھے۔ ﷺ و رضی اللہ عنہم

باب دوم

دربیان اخلاق عظیمہ وصفات کریمہ ﷺ

اخلاق، خلق کی جمع ہے اور خلق بضم خاء، باطنی سیرت کو کہتے ہیں اور خلق بفتح خاء ظاہری صورت کو قاموس میں ہے ''خلق'' خاء اور لام کے ضمہ اور سکون کے ساتھ بمعنی خصلت وطبع ہے اور صراح میں خلق بمعنی خوئے حسن اور کبھی بمعنی جوانمردی، شگفتہ رو اور لوگوں سے حسن سلوک آتا ہے، لیکن اس کے معنی اس سے کہیں زیادہ عام اور وسیع ہیں اور نبی کریم ﷺ کے خلق شریف انہیں معنوں پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ جہاں آپ مسلمانوں کے ساتھ رحیم ورفیق تھے مہربان وشفیق تھے وہاں کفار پر اقامت حق وحجت میں بہت سخت وشدید تھے اور دانشمندوں کے نزدیک خلق کے معنی ایسا ملکہ ہے جس کی وجہ سے بہ سہولت وآسانی افعال صادر ہوتے ہیں۔ خلق کی تعریف وتوضیح معقولات کی کتابوں میں مستقلاً ذکر کی گئی ہے۔ البتہ! اس میں اختلاف ہے کہ خلق غریزی یعنی طبعی اور پیدائشی خصلت ہے یا یہ اکتسابی خصلت ہے جس کو بندہ ریاضت ومجاہدے اور کسب وہنر سے حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ عزیزی یعنی طبعی وپیدائشی ہے ان کی دلیل سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں تمہارے اخلاق کو اسی طرح مقدر فرمایا جس طرح تمہارے رزق کو مقدر فرمایا۔ (رواہ النجاری) اور فرمایا: کہ ''اگر تمہیں یہ خبر پہنچے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے جنبش کر گیا ہے تو تم اس کی تصدیق کر دو اور اگر یہ اطلاع ملے کہ فلاں آدمی نے اپنی عادت وخصلت بدل دی ہے تو اسے قبول نہ کرو'' لیکن پھر بھی خدا کے اختیار میں سب کچھ ہے۔

یہ متحقق ہے کہ لوگوں کے احوال مختلف ومتفادت ہیں۔ کچھ لوگ تو وہ جن کے بعض اخلاق ایسے راسخ اور پختہ ہو گئے ہیں کہ ان میں تغیر وتبدل متعذر ہے۔ بلکہ ان کا چھوڑنا ناممکن ہے ورنہ وہ مجاہدہ وریاضت کے ساتھ مامور ہیں اگر ان کے زوال کی کوشش کرے اور انہیں محمود بنانا چاہے تو ممکن ہے اور بعض اخلاق ضعیف کمزور ہیں جو ریاضت سے قوی ہو جاتے ہیں اور بعض قوت سے ضعف میں آتے ہیں اور شریعت میں اخلاق کو اچھا بنانے کا حکم آیا ہے اور انبیائے کرام صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم کو اخلاق کو سنوارنے بنانے اور خلق کی ہدایت فرمانے کے لیے بھیجا گیا۔ اگر اخلاق میں تغیر وتبدل ممکن نہ ہوتا تو ان کو عمدہ بنانے اور نبیوں کو بھیجنے کا کیا فائدہ، دعائے ماثورہ میں مروی ہے کہ اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ یعنی اے اللہ! جس طرح تو نے میری تخلیق اچھی بنائی اسی طرح میری خصلت کو اچھا بنا۔ دوسری حدیث میں فرمایا: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَايَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا وَلَا يُصْرِفُ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ یعنی اے اللہ! مجھے اچھے اخلاق کی رہنمائی فرما۔ تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی توفیق نہیں دے سکتا اور مجھے بری عادتوں سے پھیر دے تیرے سوا کوئی بری عادت سے نہیں پھیر سکتا۔ یہ سب تعلیم وتلقین کے لیے ہے۔

اور شیخ عبدالقیس کی حدیث میں مروی ہے: اِنَّ فِيْكَ الْخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاءَةُ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: اے عبدالقیس تجھ میں دو خصلتیں ہیں جو خدا کو بہت پیاری ہیں ایک بردباری اور دوسرا وقار۔ اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ! قدیما کان

حدیثاً'' اے اللہ کے رسول ﷺ! میری یہ خصلت ہمیشہ سے ہے یا اب نمودار ہوئی ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا: ''قدیما'' ہمیشہ سے ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ اس نے میری جبلت وطبیعت میں ایسی دو خصلتیں پیدا فرمائی ہیں جن کو وہ محبوب رکھتا ہے۔تو سوال میں تردید کا اشارہ اس طرف ہے کہ بعض اخلاق جبلی و پیدائشی ہیں اور بعض اکتسابی واختیاری۔

اس جگہ تطبیق کی ایک اور صورت بھی ہے وہ یہ کہ اخلاق صحبت اور عادت کے سبب حاصل اور پیدا ہوتے ہیں۔ان کا تغیر وتبدل آسان ہے لیکن بعض اخلاق جبلی، طبعی اور دائمی ہوتے ہیں ان کا تغیر وتبدل دشوار ہے۔اس کے باوجود حیطۂ امکان سے باہر نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

اور یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صورت وسیرت میں مکارم اخلاق ومحامد صفات اور ہر قسم کے کمالات وفضائل اور محاسن موجود ہوتے ہیں اور انہیں تمام بنی نوع انسان اور افراد بشری پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہوتی ہے۔رتبوں میں ان کا رتبہ سب سے بڑا اور درجوں میں ان کا درجہ سب سے بڑا ہوتا ہے اور ان حضرات قدس کا درجہ اور مقام کتنا بلند و بالا ہوگا جن کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے برگزیدگی میں منتخب فرمایا اور درجہ اجتہاد واصطفا سے سرفراز فرما کر اپنی کتاب میں ان کی فضیلت اور مدح وثنا بیان فرمائی۔ صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

عقائد میں یہ ثابت شدہ ہے کہ کوئی ولی نبی کا درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔شیخ امام حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں کہ بلاشبہ بعض لوگوں کے قدم ولی کو نبی پر فضیلت دینے میں بھٹک گئے ہیں۔حالانکہ یہ کھلا کفر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے چنانچہ فرماتا ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ان رسولوں میں سے ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

شفائے قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق کریمہ سب کے سب فطری، جبلی اور پیدائشی ہیں نہ کہ ملکیتی اور اعمال سے حاصل کردہ ہیں۔ بلکہ اوّل خلقت اور اصل فطرت میں بغیر اکتساب وریاضت کی محنت اٹھائے حاصل ہیں اور وہ سب وجود الٰہی کے اجتباء اور اس کے نامتناہی فضل کے فیض سے ہیں۔

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسِبٍ   وَلَا نَبِيٌّ عَلَى الْغَيْبِ بِمُتَّهَمِ

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے۔کسی نبی کی وحی کسبی نہیں ہے اور نہ کوئی نبی غیبی خبریں بتانے پر متہم بالکذب ہے۔اس شعر میں وحی سے مراد نبوت ورسالت ہے جو کہ وحی القاء اور حکمت کا مبداء اور سرچشمہ ہے۔ورنہ اکتساب نفس وحی بیان کی حاجت نہیں رکھتا۔

بعض نبیوں کے بچپنے کی حالت کا بیان: اور بعض انبیاء کرام علیہم السلام سے اخلاق کریمہ اور منصب نبوت کا ظہور ان کی خورد سالی ہی میں ہوا جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا یعنی ہم نے انہیں خوردسالی ہی میں حکمتیں عنایت فرمادی تھیں۔مروی ہے کہ ان کی عمر شریف دو یا تین سال کی تھی کہ بچوں نے ان سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کھیل کود کیوں نہیں کرتے۔آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے کھیل کود کے لیے پیدا نہیں فرمایا اور آیہ کریمہ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والے) کی تفسیر میں منقول ہے کہ حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تصدیق اس عمر میں فرمائی کہ ان کی عمر شریف تین سال کی تھی اور گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلمہ اور اس کی روح ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پنگھوڑے میں فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب عطا فرما کر نبی بنایا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام

اپنا فتادیٰ ارشادفرماتے وقت بچوں کے درمیان عمرصبی رکھتے تھے۔طبری بیان کرتے ہیں کہ آپ عنان مملکت کوسنبھالتے وقت بارہ برس کے تھےاورآیۂ کریمہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے عقل کی پختگی عنایت فرمادی تھی کی تفسیر میں مروی ہے اَیْ هَدَيْنَاهُ الصَّغِيْرَ یعنی ہم نے انہیں بچپنے میں ہی ہدایت فرمادی تھی اورایک قول یہ ہے کہ ابداءِ خلق سے پہلے ولادت کے وقت ایک فرشتے کوان کے پاس بھیجا کہ وہ کہے اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے کہ دل سے مجھے پہچانواورزبان سے میراذکرکرو۔توانہوں نے کہا بجان ودل قبول ہےاور جب نمرود نے آپ کوآگ میں ڈالااس وقت آپ کی عمرشریف سولہ سال کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کافرعون کی داڑھی پکڑنا بھی اسی قبیل سے ہےاورحضرت یوسف علیہ السلام کوجس وقت ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالاتواللہ تعالیٰ نے ان پروحی فرمائی اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا بوقت ولادت شریف اپنے دونوں ہاتھ اوراپناسرمبارک آسمان کی طرف اٹھانے کا واقعہ تومشہورہی ہےاورفرمایا: زمانۂ جاہلیت کے افعال کی طرف دومرتبہ کے سوامیں نے کبھی قصدوارادہ نہ فرمایاتواس وقت بھی حق تعالیٰ نے مجھےمحفوظ فرمایااورمیرے دل میں شروع ہی سے بتوں اورشعرگوئی کیخلاف نفرت پیدا کردی گئی تھی۔اس کے بعدانبیاءعلیہم السلام کے امور پر متمکن وگامزن فرمایا گیااوران پرمتواترنفحات ربانی ہوتی رہی۔یہاں تک کہ مرتبۂ قصویٰ یعنی غایت درجہ مقام بلنداور درجۂ کمال میں انتہاتک فائزہوئے یہ سب بغیرمحنت وکاوش اورریاضت ومجاہدے کے تھا۔

ارشادربانی ہے:وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا اور جب وہ عقل کے کمال پرپہنچ کرمستحکم ہوئے تو ہم نے ان کوعلم وحکمت عطافرمایا۔

بعض اولیاءکوبھی ان سے بعض صفات حاصل ہوتے ہیں لیکن تمام صفات میں نہیں اورعصمت تو انبیاءعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہی ہے۔(دراصل یہ اس پہلےقول کی دلیل ہےجس میں کہاتھا کہ کوئی ولی نبی کے درجہ کونہیں پہنچ سکتا۔فافہم مترجم)

حضوراکرم ﷺ سیّدعالم ﷺ کی ذات بابرکات‘عالی صفات‘منبع البرکات اپنے تمام اخلاق وخصائل‘صفات جمال وجلال میں اس قدراعلیٰ واشرف‘اتم واکمل‘احسن واجمل اورخوب روشن واقوی ہیں جوحدوعدداورحیطۂ ضبط وحصرسے باہر ہیں اورکمالات میں جوکچھ خزانۂ قدرت اورمرتبۂ امکان میں متصورہےوہ تمام آپ کوحاصل ہیں اورتمام انبیاءومرسلین آپ کے آفتاب کمال کے چانداورانوار جمال کے مظاہرہیں۔اللہ ہی کے لیےتمام خوبیاں ہیں۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیاخوب کہا۔

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ
فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ
وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

یعنی تمام انبیاءومرسلین جونشانی بھی لے کرتشریف لائے وہ سب آپ ہی کے انوار جمال وجلال کاپرتو ہیں۔بلاشبہ آپ ہی فضل کے آفتاب ہیں اوروہ سب آپ کے ستارے ہیں۔جن کے انوارتاریکی میں لوگوں کے لیےمشعل نوربنے۔وہ تمام رسول اللہ کے خوشہ چین ہیں اورآپ کے دریائےفضل کے ایک گھونٹ اورسمندرکے ایک قطرہ ہیں۔وصلی اللہ علیہ وآلہ قدرحسنہ وجمالہ وکمالہ وبارک وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ذات کریم میں مکارم اخلاق‘محامدصفات اوران کی کثرت وقوت اورعظمت جمع ہونے کے لحاظ سے قرآن کریم میں مدح وثنافرمائی ہے۔ارشادہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ بلاشبہ آپ بڑے ہی صاحب اخلاق ہیں اورفرمایا: آپ پر اللہ کا

عَظِيْمًاO بہت بڑا فضل ہے۔

اور خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُكْمِلُ مَحَاسِنَ الْاَفْعَالِ یعنی مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی اچھے کاموں کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ذات شریف میں تمام محاسن و مکارم اخلاق جمع تھے اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کا معلم حق تعالیٰ سب کچھ جاننے والا۔

حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ کی ایک جھلک

وصل: سیّدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مبارک میں ہے کہ رسول خدا ﷺ کے اخلاق کریمہ کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن کریم میں مکارم اخلاق اور صفات محمودہ مذکور ہیں آپ ان سب سے متصف تھے۔ ''شفا'' میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید ذکر فرماتے ہیں کہ يَرْضٰى بِرَضَاهُ وَيَسْخَطُ بِسَخَطِهٖ یعنی آپ کی خوشنودی قرآن کی خوشنودی کے ساتھ اور آپ کی ناراضگی قرآن کی ناراضگی کے ساتھ تھی۔ مطلب یہ کہ آپ کی رضا امر الٰہی کی بجا آوری میں اور آپ کی ناراضگی حکم الٰہی کی خلاف ورزی اور ارتکاب معاصی میں تھی۔ بادی النظر میں اس کے یہی معنی ہیں جو مذکور ہوئے۔ اور ''عوارف المعارف'' میں مذکور ہے کہ سیّدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ قرآن کریم حضور ﷺ کا مہذب اخلاق تھا۔ حضرت شیخ نے اسے طویل بیان کے ساتھ ذکر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے قلب اطہر سے حصہ شیطان کے نکالنے کے بعد اور اسے غسل و تطہیر دے کر آپ کے نفس ذکیہ کو نفوس بشریہ کی حد پر برقرار رکھ کے اس میں بشری صفات و اخلاق اس حد تک باقی رکھے کہ اس کا ظہور نزول قرآن کا موجب بنے۔ (اس لیے کہ نبی ہوتا ہی وہ ہے جس میں صفات بشریہ علی وجہ الکمال ہوں اور جو منافی کمال بشریت صفات تھے ان کا اخراج کر دیا گیا) اور وہ صفات جو تادیب و تہذیب شان نبوی ہوں باقی رکھے گئے تاکہ موجب رحمت خلق اور تہذیب اخلاق امت ہوں (مطلب یہ کہ آپ میں بعض صفات بشریہ اس لیے باقی رکھے گئے کہ لوگ آپ کے ہم شکل و صورت اور ہم جنس جان کر انس و محبت رکھیں۔ اگر خالص ملکی صفات ہی کے حامل ہوتے تو لوگ دہشت زدہ ہو کر انس و محبت سے دور ہو جاتے گویا آپ کی صفات بشریہ رحمت خلق کا موجب اور امت کے اخلاقی تہذیب و آراستگی کا باعث ہے مترجم) اس لیے کہ انسانی نفوس میں اصل صفات بشری مزید ظلمت و کثافت کے جڑ پکڑنے اور برقرار رکھنے کا موجب بناتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ (تاکہ تمہارے دل کو اس سے ہم ثابت و برقرار رکھیں) اور ثبات قلب، اضطراب قلب کے بعد ہوتا ہے کیونکہ حرکت نفس اس کے صفات ظہور کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ قلب و نفس کے درمیان ایک تعلق و ربط ہے۔ جیسے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات شریف اس وقت حرکت میں آئی جب کہ آپ کا دندان مبارک شہید ہوا اور خون بہہ کر آپ کے چہرۂ انور پر آیا اور اس وقت آپ نے فرمایا:

كَيْفَ يَصْلُحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ — وہ قوم کس طرح اصلاح پائیگی جس کے نبی کے چہرۂ پاک کو لہولہان کیا گیا ہو حالانکہ وہ نبی ان کو اپنے رب کی طرف بلاتا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ثبات قلب اطہر کے لیے نازل فرمایا:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ — اے محبوب! کسی معاملہ کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر نے صبر کا جامہ پہنا اور اضطراب کے بعد سکون و قرار حاصل ہوا۔ چنانچہ انہیں اسباب

وعلل کی بنا پر آیات قرآنیہ مختلف اوقات میں نازل ہوتی رہیں اور حضور ﷺ کے قلب اطہر کی مہذب ومصفا بناتی رہیں اور قرآن آپ کا اخلاق بن گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا کہ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنَ قرآن ہی آپ کا اخلاق تھا۔ اس کے یہی معنی ومطلب ہیں۔ حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ کسی کا فہم اور کسی کا قیاس حضور سیّد عالم ﷺ کے مقام حقیقت اور آپ کے حال کی کنہ عظیم تک نہیں پہنچ سکتا اور بجز خدا کے کوئی نہیں پہچان سکتا جس طرح خدا کو حضور ﷺ کی مانند کما حقہ کوئی نہیں پہچان سکتا لَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ اس کی تاویل کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

جز خدا نشناخت کس قدر تو زانکہ کس خدا را ہمچو تو نشناختہ؟

خدا کے سوا آپ کی قدر ومنزلت کوئی نہیں جان سکتا اس لیے کہ جس طرح آپ کی مانند خدا کو کوئی نہیں جان سکتا۔

جب کہ آپ کا مقام سب سے بلند تر ہے تو اس کی دریافت بھی لوگوں کے فہموں سے اونچی ہے۔

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک

آپ کو جیسے کچھ کہ آپ ہیں نظر کہاں دیکھ سکتی ہے۔

ہر شخص اپنی فہم ادراک کے مطابق ہی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

تحقیق معنی میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ حیطۂ ادراک سے ماوراء تھے۔ اگر آپ محسوس ہیں (یعنی ظاہری جسم شریف میں نظر بھی آتے ہیں) تو قوت باصرہ کے ادراک کی قوت سے بلند وبالا ہیں جس طرح کوہ عظیم کہ احساس باصرہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اور آپ عقول ہیں (یعنی نظر سے نہیں بلکہ عقل وفہم سے تعلق ہے) تو عقل آپ کے ادراک میں احاطہ کرنے سے عاجز ہے جس طرح کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا حال ہے۔ (کہ کوئی عقل اس کی کنہ حقیقت کی رسائی نہیں کر سکتی) لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلق کریم کو عظیم فرمایا اور جو فضیلت اس نے آپ ﷺ کو عنایت فرمائی اسے بھی عظیم فرمایا تو اس کے کنہ کے ادراک کرنے میں عقل قاصر ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق حمیدہ اور صفات حسنہ جبلی، فطری اور پیدائشی ہیں اور ان اخلاق عظیمہ کے حصول میں کسب وریاضت کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ اس کی احتیاج، خصوصاً سیّد انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم جو کہ تمام اخلاق عظیمہ اور صفات حمیدہ سے آراستہ وپیراستہ تشریف لائے ہیں۔

بتعلیم وادب اوراچہ حاجت کہ اوخود زآغاز آمد مودب

ان کو تعلیم وادب کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ خود ہی شروع سے سیکھے ہوئے تشریف لائے۔

اور آپ کے سرپردۂ عزت کے گرد تغیر وتبدل کی کوئی راہ نہیں ہے۔ بعض احکام وآثار جبلت بشری کو ظاہر نہیں کرتے مگر وہ بھی گاہ بہ گاہ کبھی کبھی مخصوص مواضع میں تھے کہ جن پر قیاس کو دائر وسائر نہیں بنا سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ رب العزت جل جلالہ ہی جانتا ہے کہ ان مواضع میں بھی کسی عالم شہود اور تجلیات ربانی میں تھے۔

ادبر تر از آنست کہ آید بخیال یعنی آپ اس سے برتر ہیں کہ کوئی خیال میں لاسکے۔

اسی سلسلہ میں غزوۂ احد کا قصہ مذکور ہے کہ جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ کا سر مبارک مجروح ہو کر آپ کے چہرۂ انور پر خون جاری ہوا تو صحابۂ کرام کو آپ کی یہ حالت سخت دشوار اور ناگوار معلوم ہوئی۔ وہ عرض کرنے لگے کہ کاش آپ ان پر بددعا فرماتے تاکہ وہ اپنے کرتوت کی سزا کو پہنچتے۔ اس پر آپ نے فرمایا: مجھے لعنت وبددعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ مخلوق خدا کو خدا

سے ملانے اور ان پر رحمت وشفقت کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اور یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ اے خدا! میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ جانتے نہیں۔

اس جگہ خود کمال صبر وحلم اور بردباری ہے اس جگہ جزع وفزع اور اضطراب ووحشت کہاں ہے لہٰذا شیخ صاحب عوارف المعارف کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ کی ذات شریفہ حرکت واضطراب میں آئی اور بے صبری کا ظہور ہوا پھر آیت کریمہ کے نزول نے صبر واستقامت کا جامہ پہنایا اور اضطراب کے بعد زبان حال وقال میں سکون وقرار آیا۔ یہ مسکین (شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) ان لفظوں کے اطلاق سے وحشت زدہ ہے (کیونکہ شان ادب کیخلاف ہے) اگرچہ علمی قاعدے اور قیاسی بنیاد سے یہ بات ٹھیک درست ہو سکتی ہے۔ نیز صاحب عوارف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا کہ بعید نہیں ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ ''کان خلقه القرآن'' اس میں اخلاق ربانی کی جانب ایک گہرا رمز اور باریک اشارہ ہے لیکن ام المومنین نے عظمت برقرار رکھی یعنی وہ چاہتی تھیں کہ یہ کہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق عظیمہ اخلاق الٰہی کے مظہر تھے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حق عز اسمہ کی جلالت شان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا کہ ''متخلق باخلاق اللہ'' یعنی اخلاق ربانی پر پیدا فرمائے گئے۔ لہٰذا انہوں نے اسی معنی کو اس طرح ادا فرمایا کہ ''کان خلقه القرآن'' یعنی قرآن آپ کا خلق تھا۔ یہ تعبیر حق تعالیٰ جل اسمہ سے حیاء اور حقیقت حال کو لطیف کنایہ سے مخفی کر کے بیان فرمایا۔ یہ ان کا وفور عقل اور کمال ادب ہے۔ رضی اللہ عنہا' یہ معنی حضور ﷺ کے اخلاق کی عظمت اور اس کے لامتناہی ہونے کے بیان میں بہت زیادہ داخل ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن کے معنی غیر متناہی ہیں اسی طرح حضور انور ﷺ کے انوار وآثار اور اخلاق واوصاف جمیلہ غیر متناہی ہیں اور آپ کے مکارم اخلاق اور محاسن جمیلہ ہر آن اور ہر حال میں تازہ بہ تازہ نو بہ نو ہوتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ پر علوم ومعارف کا افاضہ فرماتا ہے اسے بجز خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ لہٰذا آپ کے اوصاف کے جزئیات کے احاطہ کی طرف درپے ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسی چیز کی طرف جو انسان کے مقدور میں نہ ہو اور نہ وہ ممکنات عادیہ میں سے ہو۔ درپے ہو۔ واللہ اعلم

بعض عرفاء سے حدیث پاک: اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ بیشک میرے دل پر بعض اوقات حجاب غینی آجاتا ہے کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ اس حجاب غینی اور حضور اکرم ﷺ سے اس حالت کی نسبت کی حقیقت کیا ہے' تو اس عارف نے فرمایا: اے سائل! اگر تو رسول کریم ﷺ کے قلب اطہر اور اس کے حجاب غینی کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں دریافت کرتا تو جو کچھ میں جانتا ہوں اسے بیان کر دیتا لیکن اس جگہ غین ایسے غین یعنی ذات کے ساتھ ہے جہاں غین دم نہیں مار سکتا۔ اس حدیث کی شرح رسالہ ''مرج البحرین'' میں مفصل موجود ہے۔ ہاں نبی کریم ﷺ پر بحار قدرت کے تلاطم امواج سے تقلبات اور تجلیات وارد ہوتے تھے جو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف لے جاتے تھے۔ نیز احکام میں ناسخ ومنسوخ ہونا بھی اسی کی فرع ہے اور حضور اکرم ﷺ ہر حال میں ہمیشہ ترقی وکمال میں تھے اور آپ میں کسی عظیم حال سے کمی وتنزل کی راہ نہ تھی۔ لیکن بعض احوال فاضل تر اور عالی تر ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ تمام انبیاء کامل ومعصوم ہیں مگر باوجود اس کے ''فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت بخشی گئی'' اور حضور اکرم کے اعمال وطاعات اور عبادات نہ سب مجرد تعلیم ومحض تشریع کے لیے تھے بغیر اس کے کہ آپ کی ذات شریف میں ان کے آثار وانوار رونما ہوں۔ (یہ صورت نہیں ہے) ہاں نبوت اور اس کے مقامات محض موہبی اور اصطفاء واجتباء تھے اور اس میں کسی کسب وریاضت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ دن ورات اسرار وانوار کا ظہور' متواتر اور مسلسل اور اد واذکار پر مترتب ہے اور تمام کمالات کے حصول کی کفالت اور تمام انوار کے ظہور کی ضمانت' نزول قرآن' تعلیم ربانی' تادیب رحمانی اور الٰہی اوامر ونواہی تھے اور ذات کی خاصیت اور بشری طبیعت کا اثبات جو حسن بصری

سے تعلق رکھتا ہے یقیناً انحطاط ونقصان کا اثبات ہے جو اچھا نہیں ہے۔ (مطلب یہ کہ آپ چونکہ لباس بشری میں بحکمت الٰہی تشریف لائے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اب اس بشری لباس کے اقتضاء پر عوارض بشریہ کے اثبات کے درپے ہونا اور بشری مقتضیات کو موضوع بحث بنانا یقیناً آپ کی شان ارفع اعلیٰ میں کمی اور اس کے گھٹانے کے درپے ہونا ہے جو کہ ایک مومن و مسلم کی شان سے بعید ہے۔ مترجم

اور اگر تہذیب سے مراد یک گونہ آگاہ وخبردار کرنا ہو۔ کسی سستی کے عارض ہونے کے سبب بایں طور کہ مقام عالی میں استغراقی کیفیت ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا استغفار کرنا یا نسیان کا طاری ہونا وغیرہ' علماء فرماتے ہیں اگر ان کی یہ مراد ہے تو کوئی صورت بیان جواز کی بن سکتی ہے۔ ورنہ ایسی استغراقی کیفیتوں کا تذکرہ کرنا اور تہذیب واصلاح کے اطلاق پر مبنی سابقہ آلائش سے ہے بیان کرنا یقیناً مرتبہ ارفع کو گھٹانے اور فساد کرنے کا موجب ہے جو مناسب نہیں ہے۔

قاموس میں ہے کہ ''تہذیب'' ہذبہ سے ہے جس کے معنی لطافت' صفائی' درستگی اور اصلاح کے ہیں اور صراح میں ہے تہذیب کے معنی آدمی کو پاکیزہ کرنا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے رجل مہذب یعنی آدمی مظہر الاخلاق ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ مرتبہ کمال کے اعلیٰ واکمل پر محمول کرنا اور حقیقت حال کے ادراک سے عاجز ہونے کا اعتراف کرنا آپ کے ادب وجلالت شان کے زیادہ قریب ہے۔ واللہ الموفق

بیان رسالت عامہ: حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کریمہ چونکہ اعظم الاخلاق تھے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کی رسالت کو محض انسان پر محدود ومقصود نہ گردانا بلکہ سارے عالم کے جن وانس اور سارے جہان کی مخلوق پر رسالت عام فرمائی۔ جس طرح حق تعالیٰ کی ربوبیت تمام اہل عالم کو شامل ہے خلق محمدی ﷺ بھی ان سب کو شامل ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ نے بعض علماء عظام سے یہ سب نقل فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ بعثت اس حد تک پھیلتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رسالت ملائکہ کی طرف بھی ہے۔ جیسا کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے اور ان کی دلیل قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا تاکہ آپ سارے جہاں کے لیے نذیر یعنی ڈرانے والے ہوں۔ لفظ عالمین تمام اہل عقل کو شامل ہے اور سنت حدیث سے ثابت ومسلم ہے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً ''مجھے ساری مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا''۔ بعض نے کہا کہ آپ کی رسالت بعض ملائکہ پر ہے گویا ان کی مراد بعض ملائکہ سے زمین کے فرشتے ہیں۔ تخصیص کی وجہ ظاہر نہیں ہے کیونکہ دلیل عام ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِلنَّاسِ (آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کی طرف) یہ بھی تخصیص پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسا کہ مذہب مختار آیہ کریمہ کے مفہوم عمومی پر ہے۔ ورنہ جنوں کی طرف بھی مبعوث نہ ہونا لازم آتا ہے۔ یہ بات اجماع کیخلاف ہے۔ بلکہ آیہ کریمہ میں ''الناس'' کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ بعض ناس کی طرف تخصیص رسالت کے قول کی تردید ونفی مقصود ہے جس طرح کہ یہود گمان رکھتے تھے کہ آپ کی رسالت اہل عرب کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح آیۃ کریمہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف' واللہ اعلم

(حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علی طریق الحق والیقین فرماتے ہیں) کہ بعض محققین اہل بصیرت فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام اجزائے عالم کے ساتھ ہے جس میں حیوانات' نباتات اور جمادات بھی شامل ہیں لیکن اہل عقل کی طرف بھیجنا تعلیم وتکلیف اور انہیں بشارت دینے اور غضب الٰہی سے ڈرانے کے لیے ہے اور غیر ذی العقول کی طرف بر بنائے افاضہ اور اس کمال پر پہنچانا جو ان کے حال کے لائق ہے اور تمام ذی العقول کی طرف رسالت کی عمومیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے کہ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ نہیں بھیجا آپ کو مگر سارے جہان کے لیے رحمت

یہ بر طریق تغلیب شامل ہے اور جمادات کا حضور ﷺ کو سلام کرنا اور ان کا کہنا کہ "السلام علیکم یا رسول اللہ" آپ کی رسالت پر ان کا اقرار ہے۔ ابیات

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار که اگر خاروگل ہمہ پروردۂ تست

اے غنچۂ عروس باغ درپردۂ تست آخر اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

اگر کوئی کہے کہ رسالت کو تو امر و نہی کی دعوت اور تبشیر و انذار لازم ہے۔ اس کا وقوع ملائکہ سے کہاں ہے۔ مواہب لدنیہ میں اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ دعوت شب اسریٰ (معراج کی رات) میں ہوئی ہو۔ یہ بات مخفی نہ رہنی چاہیے کہ شب اسریٰ کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ تمام اوقات میں احتمال رکھتا ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اکثر اوقات میں ملائکہ کا نزول ہوتا رہا ہے۔ نیز جس طرح جنات کو دعوت دی اور قرآن کریم میں جنات کا خاص طور پر ذکر کرنا ان کی تمرد و سرکشی کی بنا پر ہے۔ (واللہ اعلم) اور ملائکہ میں نہی و انذار کی حاجت ہی نہ تھی کیونکہ ان سے معصیت کا ارتکاب ہوتا ہی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ O وہ کسی بات میں پہل نہیں کرتے وہ خدا کے امر و حکم ہی کو جانتے ہیں۔

اسی بناء پر عالم ملکوت کو عالم امر کہا جاتا ہے کہ وہاں نہی و ممانعت کی گنجائش ہی نہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے سوا دیگر ملائکہ کا حاضر ہونا کتب احادیث میں اوقات النبی ﷺ کے باب میں مذکور ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جبریل آئے اور ان کے ساتھ اسمٰعیل نامی فرشتہ تھا جو ایک لاکھ ایسے فرشتوں کا سردار ہے جن میں سے ہر فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے اور فضائل قرآن کے باب میں اور سورۃ فاتحہ کی فضیلت میں اور سورۃ بقر کی آخری آیتوں کی فضیلت میں مروی ہے کہ ایک فرشتہ حاضر ہوا جس کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ فرشتہ ہے جو زمین پر آج کے دن کے سوا کبھی نہیں آیا۔ سبحان اللہ اور حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے روضۂ انور پر تعظیم بجالانے کے لیے صبح و شام ستر ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ لہٰذا زمانہ حیات میں حضور ﷺ کے پاس کیوں نہیں آتے ہوں گے۔

<u>علم و عقل مبارک: وصل</u>: دربیان عقل کامل و علم نبوی ﷺ مذکورہ دلائل سے تحقیق کے ساتھ جان لیا ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق حمیدہ اعظم و اتم اور کامل تر اخلاق ہیں اور ان اخلاق کی اصل و منبع اور جائے نشو عقل ہے۔ کیونکہ عقل ہی سے علم و معرفت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور اسی سے رائے کی قوت، تدبیر میں جودت، فکر و نظر میں اصابت، انجام کار پر صحیح نتیجہ کی برآمد، مصالح نفس، مجاہدہ شہوت، حسن سیاست و تدبیر، خوبیوں کی اشاعت اور رذائل سے اجتناب جیسی صفات متفرع ہوتی ہیں۔

عقل کی حقیقت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ قاموس میں کہا گیا ہے کہ عقل چیزوں کے حسن و قبح اور اس کے کمال و نقصان کی صفات کے علم کا نام ہے اور یہ علم عقل کے نتائج و ثمرات سے حاصل ہوتا ہے اور عقل ایسی قوت ہے جو اس علم کا مبدأ اور سرچشمہ ہے اور بیان کیا کہ کہا جاتا ہے کہ انسان کی حرکات و سکنات میں ہیئت محمودہ کا نام عقل ہے۔ حالانکہ یہ بھی عقل کے خواص و آثار کے قبیل سے ہے۔

قول حق جسے علماء نے بیان کیا یہ ہے کہ عقل ایک روحانی نور ہے جس سے علوم ضروریہ اور نظریہ معلوم ہوتے ہیں اور عقل کا آغاز وجود بچے کی پیدائش کے ساتھ ہے پھر وہ رفتہ رفتہ نشوونما پاتا جاتا ہے یہاں تک کہ بلوغ کے وقت کامل ہو جاتا ہے۔

اور حضور اکرم ﷺ کمال عقل و علم میں اس مرتبہ پر تھے کہ کوئی بشر آپ کے سوا اس درجہ تک نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر

افاضہ فرمایا ان میں سے بعض پر عقول وافکار حیران ہیں اور جو بھی آپ کے احوال کی کیفیتوں اور آپ کی صفات حمیدہ اور محاسن افعال کی تلاش وجستجو کرتا ہے اور جوامع الکلم' حسن شمائل' نادر ولطیف خصائل' لوگوں کی سیاسی تدبیر' شرعی احکام کا اظہار و بیان' آداب جلیلہ کی تفصیل' اخلاق حسنہ کی ترغیب وتحریص' آسمانی کتابوں اور ربانی صحیفوں پر آپ کا علم' گزشتہ امتوں کے تاریخی حالات' ایام ماضیہ کے احوال' کہاوتوں اور ان کے وقائع واحوال کا بیان' اہل عرب جو مانند درندوں اور چوپائے کے تھے جن کے طبائع جہل و جفا اور نادانی وشقاوت کی بنا پر متنفر اور دور رہنے والی تھیں۔ ان کی اصلاح وتدبیر ان کے ظلم و جفا اور ایذا وتکلیفوں پر آپ کا صبر وتحمل' پھر ان کو علم وعمل' حسن اخلاق واعمال میں غایت درجہ تک پہنچانا' انہیں دنیا وآخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنا پھر کسی طرح ان سعادتوں کو اپنے نفسوں پر ان کا اختیار کرنا اور اپنے گھروں' دوستوں' عزیزوں کو آپ کی خوشنودی کی خاطر ان کا چھوڑنا' ان سب کا اگر کوئی مطالعہ کرے تو وہ جان لے گا کہ حضور ﷺ کی عقل کامل اور آپ کا علم کس مرتبہ ومقام پر تھا۔

نگار من کہ بمکتب نرفت وخط بنوشت بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

جو بھی آپ کے احوال شریف کو ابتداء سے انتہا تک مطالعہ کرے گا دیکھے گا کہ پروردگار عالم نے آپ کو کتنا علم عطا فرمایا اور آپ پر اس کا کتنا فیضان ہے اور ما کان وما یکون یعنی گزشتہ وآئندہ کے علوم واسرار بدیہی طور پر کس طرح حاصل ہیں تو وہ بے شک وشبہہ اور بغیر وہم وخیال علم نبوت کو جان لے گا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی مدح وثنا اور وفور علم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ حَسْبَ وَصْلِهٖ وَكَمَالِهٖ

اور جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ سب نے سکھا دیا اور اللہ کا فضل آپ پر عظیم ہے۔

حضرت وہب ابن منبہ تابعی' جو ثقہ فی الاسناد' علامہ صدوق' صاحب کتب واخبار تھے فرماتے ہیں کہ میں نے متقدمین کی اکہتر کتابیں پڑھی ہیں میں نے ان تمام کتابوں میں پایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آغاز دنیا سے انجام دنیا تک تمام لوگوں کو جس قدر عقلیں مرحمت فرمائی ہیں ان سب کی عقلیں' نبی کریم ﷺ کی عقل مبارک کے پہلو میں دنیا بھر کے ریگستانوں کے مقابلہ میں ذرہ کی مانند ہیں۔ آپ کی رائے ان سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ اسے ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا۔

عوارف المعارف میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ پوری عقل کے سو حصے ہیں ان میں سے ننانوے حصے حضور اکرم ﷺ میں ہیں اور ایک حصہ تمام مسلمانوں میں' بندۂ مسکین کہتا ہے (یعنی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ورزقہ اللہ الثبات والیقین فرماتے ہیں) کہ اگر وہ یوں کہیں کہ عقل کے ہزار حصے ہیں جن میں سے نوسو ننانوے حصے حضور میں ہیں اور ایک حصہ تمام لوگوں میں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس لیے کہ جب آپ میں بے نہایت کمال ثابت ہے تو جو کچھ بھی کہا جائے گا بجا ہوگا۔

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

بیشک ہم نے آپ کو خیر کثیر مرحمت فرمائی اور آپ کے بدگو ہی ذلیل خوار ہیں۔

اب بعض اخلاق کریمہ میں سے جو دیکھنے میں آتے ہیں اس کتاب میں لکھتا ہوں اور اکثر بیان کتاب الشفاء مواہب لدنیہ' روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ سے ہے۔ والتوفیق من اللہ المعام

صبر' حلم اور عفو: وصل: یہ حضور اکرم ﷺ کے صبر' بردباری اور درگزر کرنے کے صفات میں ہیں۔ یہ نبوت کی عظیم صفتوں میں سے ہے اور ان صفتوں کی قوت کے بغیر بار نبوت نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا — بیشک آپ سے پہلے تمام رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے ان کے کذب وایذا پر صبر فرمایا۔

نیز ارشاد باری ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ — تو آپ بھی اولوالعزم رسولوں کی مانند صبر فرمایئے۔

اورارشاد ربانی ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ — تو آپ انہیں معاف فرمائیں اوردرگزرفرمائیں۔

صبر کی خوبی تمام طاعات وعبادات کی جائے صدور اور تمام خیرات وحسنات کا منبع ہے کیونکہ ہر نیکی میں جب تک اس کے غیر وضد پر صبر نہ کرے اس وقت تک وجود میں نہیں آتی۔ اسی بنا پر صبر کو پورا ایمان کہا گیا ہے اور جس جگہ صبر کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔ وہاں صبر سے معاصی کو چھوڑنا اور اس سے اجتناب کرنا مراد ہے کیونکہ اقتضائے ایمان کا نصف حصہ معاصی سے اجتناب اور دوسرا نصف حصہ طاعات بجالانا ہے اور اس جگہ صبر سے مرادلوگوں کے ایذاء پر صبر اور ان کے ظلم وجفا کو برداشت کرنا ہے اور سیدالانبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم کا بلاوایذا پر صبر فرمانا ان سب سے بڑھ کر زیادہ اور سخت تر تھا چنانچہ فرمایا:

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَآ اُوْذِیْتُ اَوْ كَمَا قَالَ — کسی نبی کواتنی ایذا نہ پہنچائی گئی جتنی مجھے دی گئی۔

یہ اس لیے کہ حضور ﷺ امت کے اسلام لانے پر سب سے بڑھ کر خواہش مند تھے۔ اسی بناء پر ان کی ایذا رسانی ان کے کفر سے زیادہ تر تھی۔

مروی ہے کہ جب آیت کریمہ معاف کرنے، امر بالمعروف اور جاہلوں سے درگزر کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے اس کی توضیح دریافت کی۔ انہوں نے کہا جب تک میں رب العزت عزاسمہ سے دریافت نہ کرلوں عرض نہیں کرسکتا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام گئے اور آئے اور کہا: اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو آپ سے دور ہو اس سے قریب ہوں اور جو آپ کو محروم رکھے اسے عنایت فرمائیں اور جو آپ پر ظلم وستم کرے اسے معاف فرمائیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے کبھی بھی اپنے ذاتی معاملہ اور مال ودولت کے سلسلے میں کسی سے انتقام نہ لیا۔ مگر اس شخص سے جس نے خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا تو اس سے خدا کے لیے بدلہ لیا اور حضور ﷺ کا سب سے زیادہ اشد وسخت صبر غزوۂ احد میں تھا کہ کفار نے آپ کے ساتھ جنگ ومقابلہ کیا اور آپ کو شدید ترین رنج والم پہنچایا مگر آپ نے ان پر نہ صرف صبر وعفو پر ہی اکتفا فرمایا بلکہ ان پر شفقت ورحم فرماتے ہوئے ان کو اس جہل وظلم میں معذور گردانا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (یعنی اے خدا! میری قوم راہ راست پر لا کیونکہ وہ جانتے نہیں) اور ایک روایت میں ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ (اے خدا! انہیں معاف فرما دے) اور جب صحابہ کو بہت شاق گزرا تو کہنے لگے یارسول اللہ! کاش ان پر بددعا فرماتے کہ وہ ہلاک ہوجاتے۔ آپ نے فرمایا: میں لعنت کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ میں حق کی دعوت اور جہان کے لیے رحمت ہوکر مبعوث ہوا ہوں۔

فائدہ: تعجب ہے کہ جس کسی نے یہ کہا کہ نفس نبوی ﷺ اس جگہ حرکت میں آئی اور بے صبری کا اظہار فرمایا اور فرمانے لگے "كَيْفَ يَفْلَحُ قَوْمٌ (الحدیث)" (وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جو اپنے نبی کو مجروح کرے)۔ (آخر حدیث تک) اس پر آیۂ کریمہ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (آپ پر کسی معاملہ کی کوئی ذمہ داری نہیں) نازل ہوئی۔ حالانکہ حضور ﷺ کے ارشاد "کیف یفلح" اور حق تعالیٰ کے

فرمان: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ میں کوئی چیز ایسی نہیں جو صبر وحلم کیخلاف اور اس کے منافی ہو بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد میں اظہار تعجب ہے جو کچھ انہوں نے سلوک کیا اور حق تعالیٰ کے ارشاد میں آپ کے لیے تسلی وتشفی ہے۔ یہ بات آپ کی ذات شریف کے حق میں خاص تھی کہ آپ نے صبر وعفو سے کام لیا لیکن کفار نے جب روز احزاب نماز سے باز رکھا تو حضور ﷺ نے ان پر دنیا وآخرت کے عذاب کی دعا کی اور فرمایا: مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا اللہ تعالیٰ ان کافروں کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے عرب کے ان قبائل پر بددعا کی جو کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو قسم قسم کے عذاب دیتے تھے اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (آپ کے اوپر کسی معاملہ کی ذمہ داری نہیں ہے) اسی موقع پر نازل فرمائی۔ اسی طرح ان کفار پر بددعا کی جو فرار ہو گئے تھے۔ کفار پر یہ بددعائیں، دین اسلام کے حق اور مسلمانوں کے حقوق کے فوت ہونے کی وجہ سے تھیں اور اسی امر الٰہی کی بجا آوری میں تھی کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اے نبی! کفار ومنافقین پر جہاد کیجئے اور ان پر خوب شدت کیجئے۔

اسی طرح حضور ﷺ نے ان اشقیاء کے گروہ پر یہ دعا کی جنہوں نے نماز کی حالت میں آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی تھی۔

احبار یعنی علمائے یہود میں سے ایک شخص ابن سعنہ تھا اس سے روایت کرتے ہیں اس نے بتایا کتب سابقہ میں سے علامات نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور میں جب کہ میں نے آپ کی طرف نظر ڈالی نہ دیکھ لی ہو لیکن دو باتوں کا میں امتحان نہ کر سکا تھا ایک یہ کہ توریت میں لکھا ہوا تھا کہ اس کا حلم اس کے جہل کو زیادہ نہیں کرے گا اور شدت جہل اس کے حلم ہی کو بڑھائے گی۔ چنانچہ میں نے آپ سے تلطف کیا۔ یہاں تک کہ میں نے معاملہ میں خلط ملط کیا۔ اس طرح میں نے آپ کے علم وحلم کو پہچانا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں نے ایک معینہ مدت کے لیے آپ سے کھجوریں خریدیں اور اس کی قیمت مال کے قبضے سے پہلے آپ کو دے دی پھر میں وقت مقررہ سے دو تین دن پہلے آیا اور آپ کے گریبان اور چادر کو پکڑ کر غیظ وغصہ کی نظر سے آپ کو دیکھا اور میں نے کہا ''اے محمد! (ﷺ) میرا حق کیوں ادا نہیں کرتے۔ خدا کی قسم تم آل عبدالمطلب حق کی ادائیگی میں تاخیر کرتے اور ٹال مٹول کرتے ہو''۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ کہنے لگے ''او دشمن خدا! رسول اللہ ﷺ سے ایسی بات کہتا ہے۔ تیری بدتمیزی کی جو باتیں میں نے سنی ہیں اگر مجھے حضور کی نافرمانی کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو اپنی تلوار سے تیری گردن اتار دیتا''۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف آرام وآہستگی کے ساتھ نظر فرمائی اور تبسم کناں ہو کر فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! میں اور یہ شخص تمہاری زبان سے ایسی بات کے برعکس بات سننے کا متمنی تھے۔ مطلب یہ کہ مجھ سے تو حق کی عمدہ طریق سے ادائیگی کو کہتے اور اس مرد سے حسن تقاضا کی تلقین کرتے۔ اب اے عمر رضی اللہ عنہ! جاؤ اس کا حق ادا کرو اور جو کچھ تم نے اسے ڈرایا دھمکایا ہے اس کے بدلے میں اسے بیس صاع کھجوریں مزید دو''۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمان رسول ﷺ کے مطابق عمل کیا۔ پھر اس یہودی نے کہا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! میں حضور ﷺ کے چہرۂ انور میں نبوت کی تمام علامتوں کو پہچانتا تھا مگر ان دو خصلتوں کے بارے میں نہیں جانتا جس کا میں نے ابھی امتحان کیا۔ اب تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ نے واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ اپنی مجلس مبارک سے اٹھے اور ہم بھی اٹھ کھڑے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے قریب ایک اعرابی آیا۔ اس نے حضور ﷺ کی گردن مبارک سے چادر کو اس سختی سے کھینچا کہ چادر کی درشتی سے آپ کی گردن مبارک چھل گئی۔ پھر حضور ﷺ نے اس اعرابی کی طرف نظر اٹھائی کہ وہ کیا کہتا ہے۔

اس نے کہا میرے پاس جو دو اونٹ ہیں اس پر مال لاد دو کیونکہ میں بال بچے رکھتا ہوں اور آپ نہ اپنا مال لاویں گے نہ اپنے باپ کا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں ہرگز اس وقت تک مال نہیں دوں گا جب تک تو مجھے اس چادر کی گرفت سے نہ چھوڑے گا جسے تو نے کھینچ رکھا ہے''۔ اعرابی نے کہا ''خدا کی قسم میں ہرگز چادر کو نہ ڈھیل دوں گا۔ جب تک آپ میرے ان دونوں اونٹوں کو نہ لدوا دیں''۔ حضور ﷺ نے کسی شخص کو بلا کر فرمایا ''اس کے ایک اونٹ پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لاد دو''۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا اور حضور ﷺ کی گردن مبارک میں نجرانی سخت حاشیہ دار چادر تھی ایک اعرابی نے قریب آ کر چادر کو پکڑ کر حضور ﷺ کو کھینچا اور چادر کو سخت لپیٹنے لگا۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی گردن مبارک کی طرف دیکھا تو سخت حاشیہ دار چادر کی لپیٹ نے آپ کی گردن مبارک کو چھیل دیا تھا۔ اس کے بعد اعرابی کہنے لگا ''اے محمد! (ﷺ) خدا کے اس مال میں سے جو آپ کے پاس ہے مجھے دینے کا حکم فرما دیں''۔ پھر حضور ﷺ نے اس کی طرف ملاحظہ فرمایا۔ اور تبسم فرمایا اور مجھے اسے دینے کا حکم فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کے حلم و بردباری کا یہ بیان ہے کہ کس طرح آپ اپنی جان و مال کی ایذاؤں پر صبر فرماتے اور ظلم و جفا سے درگزر کرتے تھے۔ یہ سب اس خواہش میں تالیف قلوب تھی کہ یہ لوگ اسلام لے آئیں اور آپ کے اوصاف حمیدہ میں مذکور ہے کہ آپ نہ خود سخت کلامی فرماتے تھے اور نہ کسی کی سخت کلامی کا بدلہ لیتے تھے۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ نہ گالی دینے والے تھے نہ فحش کلامی اور لعنت کرنے والے تھے۔ فحش میں قول و فعل اور خصلت سب شامل ہیں لیکن اس کا استعمال اکثر قول و کلام پر ہوتا ہے اور یہ صفت بیان کرنا کہ آپ کا قول نہ فاحش ہوتا نہ متفحش۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ آپ کی عادت ایسی تھی اور نہ آپ قصد و ارادہ سے سخت کلامی فرماتے۔ ''متفحش'' اسے کہتے ہیں جو قصد و ارادہ اور کثرت و تکلف سے سخت کلامی کرے اور ''فاحش'' اس سے زیادہ عام ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث پایۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عقبہ بن معیط اور عبداللہ بن خطل اور ان کے سوا وہ لوگ جو ایذائیں پہنچاتے تھے آپ نے ان کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تو یہ کہنا کہ مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِہٖ (اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا) کیسے صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ ''اِنْتِهَاكِ حُرُمَاتِ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرتے تھے اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ایذا رسانی کا بدلہ نہ لینے سے مراد یہ ہے کہ ایسا سبب ہو جو حد کفر کو نہ پہنچے اس میں بدلہ نہ لیتے تھے۔ مثلاً یہی مذکورہ واقعہ جس نے آپ کی چادر مبارک کھینچی اور اس کی مثل دیگر واقعات اور داؤدی نے عدم انتقام کو ان چیزوں پر محمول کیا ہے جو مال کے ساتھ خاص ہے اور عزت و ناموس کے قبیل سے نہ ہو اور آپ کے عفو و درگزر کی مثالوں میں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے لبید بن الاعصم یہودی کو جس نے جادو کیا تھا اور خیبر کی اس یہودیہ کو جس نے زہر آلود بکری کی ران دی تھی' معاف فرمایا۔ اسی طرح آپ قیلولہ فرما رہے تھے جب حضور ﷺ نے چشم مبارک کھولی تو دیکھا کہ ایک اعرابی تلوار کھینچے آپ کے سرہانے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے اب آپ کو کون بچائے گا اور مجھ سے آپ کو کون محفوظ رکھے گا آپ نے فرمایا: ''اللہ'' اس کے بعد اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور حضور ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا: اب بتا تجھے اب کون بچائے گا۔ پھر وہ کانپنے اور لرزنے لگا پھر حضور ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور معاف کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم میں آیا اور کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس سب سے زیادہ بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ اسی طرح آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص ارادہ رکھتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کو قتل کر دے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا نہ ڈر' اگر تو میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو مجھ پر قابو نہیں پا سکتا۔ یہ تمام مثالیں حضور ﷺ کے وسعت اخلاق اور آپ کے حلم پر مبنی ہیں۔

اب رہا وہ معاملہ جو منافقوں کے ساتھ حضور ﷺ کا تھا کہ غیبوبیت میں وہ آپ کو ایذا پہنچاتے اور جب حاضر ہوتے تو خوشامد و چاپلوسی کرتے۔ منافقوں کی یہ حرکت ایسی ہے جس سے ہر انسان کا دل نفرت کرتا ہے مگر جسے تائید ربانی حاصل ہے۔ اگرچہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر شدت و تغلیظ کا ارشاد آ چکا تھا چنانچہ فرمایا:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ — اے نبی! کفار و منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر شدت برتیے۔

مگر حضور ﷺ نے ان کے لیے عفو و رحمت اور استغفار کا دروازہ کھلا رکھا اور ان کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ — اے محبوب! آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔

پھر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے مختار رکھا ہے اب میں استغفار کو اختیار کرتا ہوں اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً — اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو......

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ ان کی بخشش کی درخواست کروں گا آپ کی یہ عادت کریمہ ان کے جرم و ایذا رسانی سے چشم پوشی اور عفو و درگزر کی بے مثل مثال ہے۔ قطع نظر اس کے کہ آیۂ کریمہ کی عبادت سے تکثیر و مبالغہ کا مفہوم بھی نکلتا ہے نہ کہ کسی خاص شمار کی تحدید و تعیین، لیکن حضور سیّد عالم ﷺ نے آیۂ کریمہ کو غایت عفو و درگزر کی بنیاد پر ظاہر الفاظ پر ہی محمول فرمایا۔ یہاں تک کہ حضورِ اکرم ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے لڑکے کو جو کہ مخلص مسلمان تھے اپنے باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم فرمایا اور جب وہ مر گیا تو حضور ﷺ نے اپنا پیراہن مبارک جسم اطہر سے اتار کر اس کو کفن بنایا اور نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا دامن اقدس پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ ایسے منافق پر نماز پڑھ رہے ہیں جو تمام منافقوں کا سردار تھا اس پر حضور نے اپنا دامن مبارک چھڑا کر فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! تم دور رہو۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ — اے محبوب! آپ کسی منافق کی موت پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

اس وقت حضور ﷺ نے یہ ارادہ ترک فرمایا۔ یہ آپ کا انتہائی صبر و حلم اور شفقت و مہربانی امت پر تھی لیکن جب بارگاہ الٰہی سے ہی ممانعت آ جائے تو کیا کریں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ اس کے لڑکے کی دلدہی کے لیے تھا کیونکہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ کے مخلص و صالح صحابی تھے اور انہوں نے درخواست کی تھی جس کی پذیرائی فرمائی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافق کو قمیص مبارک پہنانا اس بنا پر تھا کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس وقت قمیص پہنائی تھی جب کہ وہ بدر کے قیدیوں میں برہنہ اسیر ہوئے تھے اور ان کے جسم پر طویل القامت ہونے کی وجہ سے کوئی قمیص نہ آتی تھی۔

غرض کہ اس بیان میں حضورِ اکرم ﷺ کے مکارم اخلاق کی عظمت کا اظہار ہے باوجودیکہ منافقین ہمیشہ آپ کو برا جانتے اور اذیتیں پہنچاتے تھے مگر اس کے مقابلہ میں حضور ﷺ ان کے ساتھ حسن سلوک ہی فرماتے تھے تو اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مخلص مسلمانوں کے ساتھ حضور ﷺ کا کیا حال ہوگا؟ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بلاشبہ آپ کی خو بو بہت بڑی ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مطلب یہ کہ یہ ممانعت اس بنا پر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے باغی وسرکش ہیں۔

حضور سیّد عالم ﷺ کا امت پر شفقت ومہربانی فرمانے کے قبیل سے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ امت کے کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے گناہوں اور اذیتوں کی پردہ پوشی کی جائے اور فرمایا: جس سے محرمات کے ساتھ مباشرت کا گناہ سرزد ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ گناہ کو چھپائے افشانہ کرے اور امت پر حکم فرمایا جن لوگوں پر حد شرعی قائم ہو جائے ان کے لیے خدا سے بخشش کی دعا مانگیں اور ان پر شفقت ومہربانی کریں اور کسی پر تبرا کرنے' گالی دینے اور لعنت کرنے کی ممانعت فرمائی' چنانچہ فرمایا:

لَاتَلْعَنُوْهُ فَاِنَّهٗ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کسی مسلمان پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہے۔

اس میں اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باطنی حالت پر نظر فرماتا ہے اگر چہ ظاہر میں اس سے کوئی خطا یا ذلیل حرکت سرزد ہوئی ہو۔

صحیح بخاری میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حاضر بارگاہ ہونے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جب دیکھا تو فرمایا یہ شخص اپنے قبیلہ کا برتر شخص ہے اور جب وہ بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے کشادہ روی فرمائی اور خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔ پھر جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جب حضور ﷺ نے اوّل نظر مبارک ڈالی تھی تو اس کے بارے میں ایسا ایسا فرمایا تھا اور جب وہ بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے کشادہ روئی اور اس کے ساتھ خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا یہ کیا بات تھی۔ فرمایا: اے عائشہ! رضی اللہ عنہا تم نے مجھے ''فحاشی'' (سخت کلام) اور درشت خو کب پایا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ خدا کے نزدیک وہ شخص بہت برا ہے جسے لوگ ڈر اور خوف کی بناء پر چھوڑ دیں اور اس کے شروفساد سے بچتے رہیں۔ یہ عبارت دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ اس میں اپنی ذات گرامی کی طرف اعتذار کے طور پر اور اس شخص سے تلطف وخوشی کے اظہار کرنے میں اشارہ فرمایا اور سخت کلامی اور درشت خوئی سے منع فرمایا تا کہ لوگ قریب آنے سے نہ گھبرائیں اور دور نہ بھاگیں اور دوسرا احتمال یہ کہ اس شخص کے حال کی طرف نسبت واشارہ فرمایا اور بیان کیا کہ وہ ایسا برا شخص ہے جس کے شر سے لوگ ڈرتے ہیں اور اس کی برائی کو اس کے سامنے نہیں لا سکتے اور اس کے شر کے خوف سے اس کی مدارات کرتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضور سیّد عالم ﷺ کا اس شخص کے ساتھ حسن سلوک فرمانا تالیف قلب کے لیے تھا تا کہ وہ اس کی قوم اور اس کا قبیلہ اسلام لے آئے کیونکہ وہ اپنی قوم اور قبیلہ کا سردار تھا اور حضور ﷺ کا اسے برا کہنا غیبت کے باب سے نہیں ہے اس لیے کہ شارع یعنی نبی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی امت کے عیوب اور اس کی برائیوں کو دیکھے اور اس کا اظہار کرے۔ نبی کا ایسا کرنا' امت کی نصیحت وشفقت کے زمرہ میں سے ہے۔ بخلاف امت کے کہ وہ ایک دوسرے کی غیبت کرتے اور عیب جوئی کرتے ہیں اور یہ بھی معلن مجاہر یعنی کھلے عام فسق وفجور کرنے والے کا اظہار عیب کرنا جائز ہے باوجود ان باتوں کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی طبعی خو بو ہی ایسی بنائی ہے جو کرم وحسن خلق پر ہے اور آپ میں تلطف وبشارشت اور خندہ پیشانی ہے۔ نیز اس میں امت کے لیے تنبیہ ہے کہ جن سرکشوں کی ایسی حالت ہو ان سے بچیں اور ان کے ساتھ تواضع ومدارات سے پیش آئیں تا کہ ان کے شروفساد سے سلامت رہیں لیکن مداہنت کی حد تک ہرگز نہ پہنچیں اور مدارت ومداہنت میں فرق یہ ہے کہ مدارت وہ ہے جو شر سے بچنے اور اپنی عزت محفوظ رکھنے کے لیے ہے اور مداہنت وہ ہے جو دنیاوی منفعت کے لیے ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ وہ اسی معنی کی طرف راجع ہے۔ مثلاً یہ کہ مدارات یہ ہے کہ دنیاوی اخراجات' دنیا کی اصلاح یا دین کی اصلاح یا دونوں کی اصلاح کے لیے ہے اور یہ مباح ہے اور بسا اوقات یہ مستحسن وممدوح بھی

ہوتا ہے اور مداہنت یہ ہے کہ دینی تصرفات کو دنیاوی صلاح وحصول کے لیے استعمال کیا جائے (اللہ تعالیٰ مداہنت سے محفوظ رکھے) اور حضور ﷺ نے اس شخص پر اپنی ان دنیاوی معاملات سے سلوک فرمایا جو اچھے برتاؤ اور نرم گفتاری سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے باوجود اپنی زبان مبارک سے اس کی مدح وتعریف نہ کی تاکہ مناقض یعنی واقعہ حال کے برخلاف نہ ہو۔ لہٰذا آپ کا قول حق کے اظہار میں تھا اور آپ کا فعل اچھے برتاؤ کے زمرہ میں، حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ شخص اس وقت مسلمان تھا یا نہیں، اگر مسلمان نہ تھا تو آپ کا قول یعنی اسے ''براجاننا'' غیبت نہ ہوگا اور اگر وہ مسلمان تھا تو اس کا اسلام خالص اور ناصح نہ تھا تو حضور ﷺ نے چاہا کہ اس کا حال بیان کر دیا جائے تاکہ کوئی ناواقف شخص اس سے دھوکا نہ کھائے اور اس شخص کے حالات میں مرقوم ہے کہ اس شخص سے حضور ﷺ کی حیات ظاہرہ میں اور بعد وصال ایسی حرکتیں واقع ہوئی ہیں جو اس کے ایمان کی کمزوری پر دلالت کرتی ہیں۔ اس بناء پر حضور ﷺ کا فرمانا اخبار بالغیب غیبی خبر دنیا اور علامات نبوت میں سے ہوگا۔ لیکن آپ کا اس سے ترقی فرمانا اور انبساط کا اظہار کرنا مذکورہ قباحت کی موجودگی میں بر سبیل تالیف قلب تھا۔

تنبیہ: اس شخص کا نام عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر بن فراری تھا اور اسے لوگ ''احمق المطاع'' کہتے تھے۔ احمق اس کی حماقت اور تکبر کی بنا پر اور ''مطاع'' اس لیے کہ وہ اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب عیینہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس بن حصین کے پاس آیا یہ حر بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جو امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقرب اور آپ کی مجلس شوریٰ کے اصحاب میں سے تھے عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے بھتیجے! امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی جناب میں تمہاری قدر ومنزلت ہے۔ تو میرے لیے ان سے اپنی نزدیکی کی درخواست کرو کہ میں بھی ان کے مقربوں میں ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا میں درخواست کروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حر بن قیس نے عیینہ کے بارے میں درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حاضری کا شرف بخشا اور اجازت مرحمت فرمائی۔ جب عیینہ حضرت فاروق اعظم کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا کہ اے خطاب کے فرزند! ہمیں بھی کچھ مال ومنال دیجئے۔ خدا کی قسم آپ ہمیں بہت نہیں دیتے اور ہمارے درمیان انصاف نہیں فرماتے۔ اس پر حضرت فاروق اعظم کو غصہ آیا۔ یہاں تک کہ ارادہ فرمایا کہ اسے اس کی سزا دی جائے۔ اور تعزیری حد قائم کی جائے تو حر بن قیس نے کہا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ارشاد فرمایا:

خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَO درگزر سے کام لیں اور بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔

اور کہا کہ یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں خدا کی قسم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آیت سے سر مو تجاوز نہ کیا۔

اور ''فتح الباری'' میں منقول ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عیینہ مرتد ہوگیا تھا اور اس نے مسلمانوں کیخلاف جنگ بھی کی تھی اس کے بعد وہ دوبارہ اسلام لایا اور ارتداد سے توبہ کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بعض فتوحات میں شریک ہوا اور اس کتاب کے آخر میں غزوات کے باب میں اس کے ایسے کوائف وحالات انشاء اللہ آئیں گے جو اس کی بدخوئی اور شدت جفا پر دلالت کریں گے۔

تواضع، ادب اور حسن معاشرت: وصل: اس سلسلہ بیان میں حضور اکرم ﷺ کا اہل وعیال اور خدام اور اصحاب کے ساتھ جو

تواضع، ادب اور حسن معاشرت ہے اس کا ذکر ہے۔ صراح میں تواضع کے معنی انکساری دکھانے اور گردن کو جھکانے کے ہیں اور قاموس میں تواضع کے معنی تذلل وایضاع ہیں۔

اہل عرب اس کو اس وقت استعمال کرتے ہیں جب وہ اونٹ کی گردن کو نیچا کر کے اس پر پاؤں رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔ تواضع وضع سے مشتق ہے اور وضع کے معنی نیچے رکھنے کے ہیں اور متواضع شخص چونکہ اپنے آپ کو اپنے مرتبہ اور مقام سے نیچے اتارتا ہے اس کی ضد تکبر ہے کہ متکبر خود کو اپنے مرتبہ سے بلند جانتا ہے اور جو اپنے مرتبہ سے کمتر رہے تو اسے تصنع اور بناوٹ کہتے ہیں۔ تواضع، تکبر اور تصنع کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔ لیکن چونکہ آدمیوں کو تکبر کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ کبھی تصنع کو تواضع کا مقام دیتے ہیں چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ تواضع کیا ہے فرمایا "خفض الجناح ولین الجانب" (بازوؤں کا جھکانا اور پہلو پر جھکنا) اور فرمایا: تَخَضَّعُ لِلْحَقِّ وَتَنْقَادُلَهُ وَتَقَبَّلُهُ لِمَنْ قَالَهُ وَتَسْمَعُ مِنْهُ (حق کے آگے جھک جائے اور اس کا فرمان بردار بن جائے جو حق کہے اسے قبول کرے اور سنے) اور آپ نے فرمایا: مَنْ رَاٰی لِنَفْسِهٖ قِیْمَةً فَلَیْسَ لَهٗ فِی التَّوَاضُعِ نَصِیْبٌ (جس نے اپنے آپ کو قیمتی جانا اس کے لیے تواضع کا کوئی حصہ نہیں ہے) عرفاء فرماتے ہیں کہ کوئی بندہ اس وقت تک تواضع کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کے دل میں مشاہدۂ نور کی تابانی نہ ہو۔ کیونکہ مشاہدہ نفس کو پگھلاتا اور اسے نرم کرتا ہے اور نفس کا پگھلنا تکبر وعجب کی کھوٹ سے صفائی ہے۔ چنانچہ نفس ملائم ہو جاتا ہے۔ جمال حق مثل آئینہ منطبع اور منقش ہو جاتا ہے اور کبر وعجب کے آثار فنا اور کدورت کا غبار چھٹ جاتا ہے اس کا وافر حصہ اور بلند رتبہ حضور اکرم سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے کیونکہ آپ کمال کے مرتبہ اعلیٰ پر فائز تھے۔ اس کے باوجود آپ تواضع اختیار فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار مرحمت فرمایا کہ آپ یا تو نبی بادشاہ ہونا پسند فرمائیں یا نبی بندہ ہونا تو آپ نے نبی بندہ ہونا اختیار فرمایا۔ لہٰذا آپ بحکم مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اس کا مقام بلند فرمائے گا) تمام خلائق سے افضل وبرتر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قدر ومنزلت سب سے رفیع وبلند گردانی اور آپ کو نوع انسانی کا سردار بنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مدح وثناء میں نہ مبالغہ کرنا اور نہ حد سے تجاوز کرنا جس طرح کہ نصاریٰ، حضرت ابن مریم عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا (معاذ اللہ) کہنے لگے۔ میں بایں فضل وکمال خدا کا بندہ ہی ہوں لہٰذا مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہو۔

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا: جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح تم نہ کھڑے ہوا کرو اور فرمایا: میں خدا کا بندہ ہوں اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندے بیٹھتے ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا آپ کی بردباری اور متواضعانہ عادت کریمہ کی وجہ سے ہے۔

آپ کی اسی متواضعانہ شان میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنے خادم کو نہ جھڑکتے اور نہ سخت وسست فرماتے بلکہ یہ بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا اور اہل وعیال کے ساتھ تو آپ سے بڑھ کر کوئی مہربان نہ تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کسی کو ہاتھ سے نہ مارا اور آپ نے کسی سے دین خدا کے سوا اپنا بدلہ نہ لیا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے دریافت کیا کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کی خلوت کی کیا حالت تھی۔ فرمایا: آپ لوگوں میں سب سے زیادہ نرم گفتار اور بہت زیادہ متبسم وخوش اطوار تھے اور کسی نے کبھی بھی آپ کو اپنے صحابہ کے

درمیان قدم مبارک دراز کرتے نہ دیکھا اور آپ کے صحابہ میں سے کوئی یا آپ کے اہل خانہ میں سے کوئی آپ کو مخاطب کرتا تو آپ لبیک (حاضر ہوں) کہہ کر جواب دیتے۔

حضور اکرم ﷺ کے حسن معاشرت میں یہ ہے کہ آپ لوگوں کی دلجوئی فرماتے اور ان سے بیزاری کا اظہار نہیں فرماتے تھے اور آپ ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے اور ان کو انہیں پر حاکم مقرر فرماتے آپ اپنے صحابہ کے احوال کی جستجو فرماتے اور ان کی دلجوئی کرتے اور اپنی التفات وعنایت کا حصہ اپنے تمام ہم نشینوں کو مرحمت فرماتے اور کوئی بھی یہ گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپ کے قرب میں اس سے زیادہ اور کوئی بزرگ ہے۔ گویا مجلسی حق سب کو برابر دیا جاتا تھا اور جو خود بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا اور آپ کی خدمت میں کچھ عرصہ ٹھہرتا تو آپ اس وقت تک اس کے پاس سے نہ اٹھتے جب تک کہ وہ خود نہ اٹھتا اور جب کوئی آپ کے گوش مبارک میں راز کی بات کرتا تو آپ سر مبارک نہ ہٹاتے یہاں تک کہ وہ خود نہ ہٹالے اور جو کوئی آپ کے دست مبارک کو تھام لیتا تو آپ اپنا دست مبارک ڈھیلا چھوڑ دیتے اور اس کے ہاتھ سے نہ کھینچتے۔ جب تک وہ خود آپ کا دست مبارک نہ چھوڑے اور آپ لوگوں سے حذر کرتے اور اپنا بچاؤ کرتے۔ بغیر اس کے کہ کسی سے آپ کی پیشانی میں شکن آئے یا آپ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی میں فرق آئے اور آپ کی کشادہ روی اور خوش خلقی سے لوگ سیراب ہو جاتے تھے اور آپ سب کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے (بلکہ اس سے کہیں زیادہ شفیق ومہربان) اور آپ کے نزدیک حصول حق میں سب برابر تھے اور آپ ہمیشہ تازہ رو خوش خلق اور نرم گفتار تھے اور آپ درشت خو، سخت گو، بلند آواز، فحش کلام اور عیب گو نہ تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خوش اخلاقی میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی نہ تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے اور مجھے کبھی اف تک نہ فرمائی اور نہ یہ فرمایا کہ ایسا کیوں کیا یا ایسا کیوں نہ کیا۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ ہی رسول اللہ ﷺ کو تبسم کناں دیکھا ہے اور کبھی بھی آپ کو اپنے صحابہ کے سامنے اپنا زانوئے مبارک پھیلاتے نہ دیکھا اور جو بھی آپ کے پاس آتا آپ اس کا اعزاز فرماتے اور اس کے لیے اپنی چادر مبارک پھیلاتے اور اس کے لیے ایثار فرماتے اسے سرہانے بٹھاتے اور خود نچلی جانب تشریف رکھتے اور کسی بات کو نہ کاٹتے جب تک کہ وہ حد سے تجاوز نہ کر جاتا۔ اس وقت کھڑے ہو کر یا کسی اور طرح سے بات ختم فرماتے اور کبھی کسی آنے والے کی خاطر نماز کو ہلکا کر دیتے اور اس سے اس کی حاجت دریافت فرماتے اور جب اس کی حاجت روائی فرما دیتے تو نماز کی طرف مشغول ہو جاتے۔ ناداروں کی بیمار پرسی (عیادت) کرتے اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے اور غلاموں کی دعوت کو قبول فرمالیا کرتے تھے۔ ان کی دعوت میں جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی کہنہ چربی ہوتی تھی۔ مگر آپ اسے ہی قبول فرماتے اور اپنے صحابہ کے ساتھ گھل مل کر بیٹھتے اور مجلس کے آخری کنارے پر جہاں جگہ ہوتی تشریف رکھتے اور کبھی دراز گوش (حمار) پر سواری فرماتے اور کسی کو ردیف بناتے۔ یعنی سواری پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھا لیتے۔ بنی قریظہ کے دن آپ ایسے دراز گوش پر سوار تھے جس کی لگام رسن کی تھی اور پالان یعنی سواری کی نشست گاہ کھجوروں کے پوست کی تھی اور آپ نے ایسے اونٹ پر حج کیا جس کا کجاوا بہت پرانا تھا اور اس پر چار درہم قیمت کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ یہ حج مبارک آپ کے عہد مبارک میں تھا جب کہ متعدد ممالک اور شہر مفتوح ہو چکے تھے جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے اس وقت آپ نے سو اونٹوں کی قربانی کی تھی اور جب آپ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع وانکسار کی یہ شان تھی کہ آپ کا سر مبارک کجاوہ کے اگلے سرے کی لکڑی کے قریب جھکا ہوا تھا حالانکہ شاہان جابرہ فتح کے وقت سر کو اونچا کرتے اور اکڑ کر چلتے ہیں۔

حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ جو خود بھی اور ان کے والد بھی اکابر انصار میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ واپسی کے لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دراز گوش پیش کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس پر سوار ہوئے اور حضرت سعد نے کہا اے قیس حضور کی ہمرکابی میں جاؤ قیس کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا اے قیس سوار ہو جاؤ۔ میں نے ادب کی خاطر انکار کیا۔ فرمایا: یا تو تم سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے آگے سوار ہو جا کیوں کہ جانور کے مالک کا حق ہے کہ وہ آگے رہے۔

ایک اور مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک صحابی سوار جا رہے تھے۔ جب انہوں نے حضور کو دیکھا تو اتر پڑے اور حضور ﷺ کو سوار کیا۔ حضور ﷺ نے ان کو اپنے آگے بٹھایا۔ اس سے زیادہ عجیب وغریب بات یہ ہے جسے محب طبری نے مختصر السیر میں نقل کیا ہے کہ ایک روز حضور ﷺ بغیر پالان کے دراز گوش پر سوار قبا کی طرف تشریف لیے جا رہے تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پیدل رکاب میں تھے۔ فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! میں تمہیں سوار کرلوں عرض کیا جیسی حضور ﷺ کی مرضی ہو۔ فرمایا: سوار ہو جاؤ انہوں نے سوار ہونے کے لیے زقند لگائی مگر چنگل حضور ﷺ پر لگا اور دونوں زمین پر آ گئے۔ پھر حضور ﷺ سوار ہوئے اور فرمایا: کیا تمہیں بھی سوار کرلوں عرض کیا جیسی حضور ﷺ کی مرضی وہ پھر سوار ہونے کی قدرت نہ پاسکے اور حضور ﷺ سے چمٹ گئے اور دوبارہ پھر زمین پر دونوں آ گئے۔ جب تیسری مرتبہ حضور ﷺ نے سوار ہونے کے لیے ان سے کہا تو وہ عرض کرنے لگے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اب میں نہیں چاہتا کہ حضور ﷺ کو تیسری مرتبہ سواری سے زمین پر لاؤں۔

طبری بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سفر میں تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایک دنبہ تیار کرنے کا حکم فرمایا صحابہ اٹھے ایک کہنے لگا میں ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں اس کی کھال اتاروں گا تیسرے نے کہا میں اسے پکاؤں گا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: لکڑیاں جمع کرنا میرا کام ہے۔ صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہم کافی ہیں۔ حضور ﷺ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا: میں جانتا ہوں تم کافی ہو لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ میں تم سے ممتاز وجدا رہوں اور تمہارے درمیان متمیز ہو کر بیٹھا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرماتا ہے کہ کوئی بندہ اپنے ساتھیوں کے درمیان ممتاز ہو کر بیٹھے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی نعلین مبارک کا بند ٹوٹا ہوا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے کہا یا رسول اللہ مجھے عنایت فرمائیے۔ میں اسے درست کردوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا میں ممتاز ہو کر رہوں اور کسی کو اپنے کام کے لیے فرماؤں (ﷺ)۔

ایک مرتبہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے کچھ ایلچی آئے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی خاطر مدارات کے لیے کھڑے ہو گئے تو صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ان کی خدمت کی سعادت ہمیں عنایت فرمائیے فرمایا انہوں نے ہمارے صحابہ کی بڑی خدمت وتکریم کی ہے میں پسند کرتا ہوں کہ ان کا بدلہ ادا کروں۔

حضور اکرم ﷺ اہل خانہ کے خود کام کاج کرتے اور اپنے کپڑے خود سیتے۔ اپنی نعلین مبارک خود درست فرماتے اور اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے اور اپنے کپڑوں میں جوں وغیرہ کی خود نگہداشت فرماتے تھے۔ حدیث میں ''وَیُفْلِیْ ثَوْبَہٗ'' آیا ہے۔ ''فلی'' کے معنی ہیں کپڑے اور سر میں جوں تلاش کرنا' حالانکہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ کے بدن مبارک میں نہ جوں پڑتی تھی اور نہ جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی تھی۔ گویا لفظ یفلی (جوں تلاش کرنے) کے معنی یہ ہیں کہ آپ کپڑوں پر ایسی نگاہ مبارک دوڑاتے تھے جیسے جوں تلاش کر رہے ہوں اور مقصود یہ ہوتا تھا کہ کپڑوں سے گرد وغبار اور خس وخاشاک کو صاف کیا جائے۔ واللہ اعلم (نیز ایک وجہ امت کی تعلیم بھی ہو سکتی ہے

کہ وہ اپنے کپڑوں وغیرہ سے جوں کو ڈھونڈا کریں اور امت اس سنت پر عمل کر کے ثواب کی مستحق بنے مترجم غفرلہ)۔

آپ اپنی سواری کے اونٹ کو خود باندھتے اور خود ہی اس کے لیے چارہ وغیرہ ڈالتے تھے۔ آٹا گوندھنے میں خادم کی مدد فرماتے اور خادم کا ساتھ دے کر مدد فرماتے تھے۔ اس کے ساتھ کھانا کھاتے۔ مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ باتیں بعض اوقات کے ساتھ محمول ہیں یعنی کبھی کبھی ایسا بھی کیا کرتے تھے اس لیے کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ آپ بکثرت خدام اور دس غلام رکھتے تھے۔ لہٰذا بنفس نفیس کام سرانجام دیتے اور کبھی انہیں حکم فرمادیا کرتے اور کبھی ان کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور بازار سے اپنا سامان خود اٹھا کر لاتے اور کسی دوسرے پر اٹھانے کے لیے نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار آیا اور ایک سراویل (پائجامہ) کو چار درہم میں خریدا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کرنے والے سے فرمایا: قیمت میں مال کو خوب خوب..... کھینچ کر تولو (یعنی وزن میں کم یا برابر نہ لو بلکہ زیادہ لو) وہ شخص وزن کرنے والا حیرت زدہ ہو کر بولا میں نے کبھی بھی کسی کو قیمت کی ادائیگی میں ایسا کہتے نہیں سنا۔ اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا افسوس ہے تجھ پر کہ تو اپنے نبی کو نہیں پہچانتا پھر تو وہ شخص ترازو کو ہاتھ سے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ کر فرمایا یہ عجمیوں کا دستور ہے وہ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو تم میں سے ایک شخص ہوں (یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ تواضع فرمایا جیسا کہ آپ کی عادت کریمہ تھی) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراویل کو اٹھا لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر ارادہ کیا کہ آپ سے سراویل کو لے لوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سامان کے مالک ہی کو حق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے مگر وہ شخص جو کمزور ہے اور اٹھا نہ سکے تو اپنے اس بھائی

---

[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازار پائے کو پہنا ہے۔ اگر ازار پاء سے وہی مراد ہے جو چادر کی مانند بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے اسے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور اگر مراد سراویل یعنی پائجامہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے پہننے میں اختلاف ہے۔ بعض اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ آپ نے سراویل نہیں پہنی لیکن شمنی شرح شفا میں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراویل پہنی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراویل خریدنا معلوم و متفق علیہ ہے چنانچہ ''جامع الاصول میں ترمذی و ابوداؤد کی حدیث میں مروی ہے کہ سراویل کا یہ خریدنا مکہ مکرمہ میں تھا اور ابویعلیٰ موصلی اپنی مسند میں بہ سند ضعیف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراویل چار درہم میں خریدی اور بازار والوں کا ایک وزان یعنی تولنے والا تھا جو قیمت کو وزن کرتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: خوب خوب کھینچ کر (زیادہ) تولو۔ اس شخص نے کہا میں نے کبھی بھی کسی کو ایسا کہتے نہیں سنا کہ وہ قیمت کی ادائیگی ایسا کلمہ کہہ کر کرے اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا افسوس ہے تجھ پر تو اپنے نبی کو نہیں پہنچانتا پھر وہ شخص ترازو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ کر فرمایا: یہ عجمیوں کا دستور ہے کہ وہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ از قبیل شما ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراویل لے کر روانہ ہوئے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے سراویل کو لے لوں اور خود اٹھا کر لے چلوں۔ فرمایا: سامان کا مالک زیادہ لائق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے مگر وہ جو کہ کمزور و ناتواں ہو تو اسے اس کا بھائی مدد دے۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول کیا آپ سراویل کو پہنیں گے۔ فرمایا: ہاں، میں سفر و حضر اور شب و روز پہنتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے ستر چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس سراویل سے زیادہ ستر پوش کوئی جامہ نہیں پاتا اور طبرانی و دار قطنی اور عقیلی بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں لیکن سند ضعیف کے ساتھ اور اس حدیث کا دارومدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے جو کہ بہت ہی ضعیف ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خریدنا صحیح و ثابت ہے اور ابن قیم اپنی کتاب ''ہدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں کہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ خریدنا پہننے کے لیے تھا اور روایت بھی کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراویل پہنی اور آپ کے صحابہ نے بھی آپ کے زمانہ اقدس میں آپ کی اجازت سے پہنی اور امام بخاری اپنی صحیح میں ترجمہ لائے ہیں لیکن کوئی حدیث اس کے پہننے کی نہیں لائے اس لیے کہ صحیح نہ ہوگی اور اسی طریقہ اور شرط کے ساتھ جو امام بخاری کے نزدیک معتبر تھی محدثین روایت لاتے ہیں کہ امیر المومنین

کی مدد کرنی چاہیے۔

تنبیہ: سراویل سے مراد تنبان یعنی پائجامہ ہے جو عجمیوں کا پہناوا ہے۔ اس حدیث سے حضورِ اکرم ﷺ کا خریدنا تو معلوم ہو گیا لیکن آپ کا اس کے پہننے میں اختلاف ہے چنانچہ ابن قیم جو کتاب الہدیٰ میں کہتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ خریدنا پہننے کے لیے ہی تھا اور ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے بھی سراویل کو پہنا اور صحابہ کرام نے آپ کے زمانہ مبارک میں آپ کی اجازت سے پہنا لیکن ابن قیم کی اس بات کو محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

بعض روایتوں میں باسناد ضعیف آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ سراویل کو پہنیں گے فرمایا ہاں میں اسے سفر و حضر اور شب و روز پہنتا ہوں کیونکہ مجھے ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ ستر پوش دوسرا جامہ نہیں پاتا۔ ابن حبان، طبرانی اور عقیلی بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں لیکن ضعیف سندوں کے ساتھ اس حدیث کا دارومدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے اور وہ بہت ہی ضعیف ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو جس دن شہید کیا گیا تو وہ سراویل پہنے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں ''شرح سفر السعادت'' میں اس سے زیادہ بحث کی گئی ہے وہاں مطالعہ کریں۔ (سفر السعادت کا ترجمہ حاشیہ میں مذکور ہے)

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ کی ہیبت سے وہ لرزنے اور کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اپنے پر قابو رکھو لرزو نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ مجھے والدہ نے تولد کیا ہے اور میں قریش سے ہوں جو کہ ''قدید'' کھاتے ہیں۔ ''قدید'' اس خشک کردہ گوشت کو کہتے ہیں جو فقراء و مساکین کا کھانا ہے۔ آپ کی خدمت میں ایک ایسی عورت آئی جس کی عقل میں فتور تھا۔ وہ کہنے لگی مجھے آپ سے حاجت ہے آپ نے فرمایا: بیٹھو۔ مدینہ طیبہ کے جس کوچہ و بازار میں تو چاہے میں تیرے ساتھ بیٹھوں گا اور تیری حاجت پوری کروں گا۔ حضور ﷺ اس کے پاس بیٹھے اور اس کی جو حاجت تھی اسے پورا فرما دیا۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ مدینہ طیبہ کی باندیاں آتی تھیں اور حضورِ انور ﷺ کا دست مبارک پکڑتی تھیں جہاں وہ چاہتیں حضور ﷺ ان کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔ اس جگہ تواضع میں یک گونہ مبالغہ ہے اس لیے کہ عورت ہو یا مرد، باندی ہو یا آزاد جو بھی کوئی آپ کو لے جانا چاہتا آپ تشریف لے جاتے۔ اگرچہ مدینہ کے باہر ہی لے جائے۔ اس سے زیادہ تواضع اور کبر سے تنفر و بیزاری متصور نہیں ہے اور حضورِ انور ﷺ اسے عار نہ جانتے تھے کہ کسی مسکین بیوہ کے ساتھ جائیں۔

عبداللہ بن ابی الحسماء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور ﷺ کوئی چیز خریدی کچھ رقم باقی رہ گئی۔

سیّدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جس دن شہید ہوئے وہ سراویل پہنے ہوئے تھے اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سراویل (پائجامہ) پہننے کو لازم کر لو اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ تمہارا استر پوش ہے اور عورتیں جو باہر نکلتی ہیں ان کو محصن و محفوظ بنانا ہے یعنی سراویل ان کے لیے زیادہ لائق و مناسب ہے۔ خصوصاً گھر سے باہر نکلنے کی حالت میں، اسی طرح بعض مصنفین رحمہم اللہ بھی روایت لاتے ہیں اور اس حدیث کو علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ''جمع الجوامع'' میں امیر المومنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ان لفظوں کے ساتھ لائے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسولِ خدا ﷺ کے پاس بقیع میں بارش کے دن بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت گدھے پر سوار گزری اس کے ساتھ بوجھ تھا گدھے کا پاؤں زمین کے نشیب میں پھسلا اور وہ عورت زمین پر گر پڑی۔ حضورِ انور ﷺ نے اپنا رخ انور ادھر سے پھیر لیا۔ صحابہ کہنے لگے یارسول اللہ وہ سراویل پہنے ہوئے ہے۔ پھر دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُتَسَرْوِلَاتِ مِنْ اُمَّتِیْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّخِذُوْا السَّرَاوِیْلَاتِ فَاِنَّھَا مِنْ اَسْتَرِ ثِیَابِکُمْ وَخُصُّوْا بِھَا مِنْ نِّسَآءِکُمْ یعنی اے خدا! میری امت کے پائجامہ پہننے والوں کو بخش دے۔ اے لوگو! پائجامہ پہننے کو لازم کر لو۔ یہ تمہارے کپڑوں میں سب سے زیادہ ستر پوش ہے اور تمہاری عورتیں تو اسے خاص ہی کر لیں اس حدیث کو ترمذی اور العقیلی نے ''الضعفا'' میں اور ابن عدی نے ''الآداب'' میں اور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں روایت کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس حدیث کو ابن جوزی ''موضوعات'' میں لائے ہیں لیکن انہوں نے یہ درست نہیں کیا کیونکہ میرے نزدیک یہ حدیث متعدد سندوں سے ثابت ہے (انتہی واللہ اعلم شرح سفر السعادت)

حضور ﷺ سے وعدہ کیا کہ اسی جگہ لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کرتا رہا ہوں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اس میں تواضع، صبر اور صدق وعدہ کی انتہا ہے۔ سیّدنا اسمٰعیل نبی اللہ علیہ السلام کے بارے میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: **انہ کان صادق الوعد** (بلاشبہ حضرت اسمٰعیل وعدے کے سچے تھے)۔ بعض متبعین شریعت نبوی ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک سال کامل کسی شخص کے وعدہ کے مطابق اس کے انتظار میں اسی جگہ بیٹھے رہے اور وہ شخص خضر علیہ السلام تھے۔

دستور تھا کہ مدینہ طیبہ کی باندیاں برتنوں میں پانی لے کر آتیں اور حضور اکرم ﷺ اپنا دست مبارک پانی میں ڈال دیتے اور وہ اس پانی کو بیماروں پر چھڑک دیتیں اور وہ کبھی موسم سرما میں صبح کے وقت ٹھنڈا پانی لاتیں تو حضور ﷺ ان کی خاطر اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیتے۔ یہ دلیل ہے کہ بزرگوں سے تبرک حاصل کیا جائے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک: حضور اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بہت ہی بہتر سلوک فرماتے۔ ان کی پاسداری کرتے ان کے ساتھ استراحت فرماتے اور انصار کی بچیوں کو کھیلنے کے لیے حضرت عائشہ کے پاس چھوڑ دیتے۔ آپ جب پانی پیتے تو برتن کے اس جانب اپنا دہن مبارک رکھتے جس جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منہ رکھ کر پانی پیا ہوتا اور حضرت عائشہ کی کلائی کو پکڑ کر برتن کے اس جانب سے پیتے جہاں سے انہوں نے پیا ہوتا اور حضور ﷺ اپنی مسواک صاف کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتے تو وہ اسے لے کر اپنے منہ میں چبا کر نرم کرتیں۔ پھر حضور ﷺ ان کے منہ سے مسواک لے کر اپنے دہن مبارک میں لے لیتے۔ یہ غایت درجہ تواضع اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انتہائی محبت کی دلیل ہے اور حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں ٹیک لگاتے اور ان کا بوسہ لیتے۔ حالانکہ حضور ﷺ روزہ دار ہوتے اور حضور ﷺ ان کو حبشیوں کے کھیل (یعنی تیراندازی وغیرہ) دکھاتے اور وہ اپنا رخسار حضور ﷺ کے شانۂ مبارک پر رکھے ہوتیں۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صغرسنی میں تھیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مسالقت فرمائی اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوڑ میں آگے نکل گئیں۔ پھر کچھ زمانہ بعد دوسری مرتبہ دوڑ ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ آگے نکل گئے وجہ یہ تھی کہ پہلی مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عام جسم کی تھیں دوسری مرتبہ وہ تنومند بھاری جسم کی ہوگئی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پہلی مرتبہ [illegible] سے تمہارے آگے نکل جانے کا آج تم سے میرے آگے نکل جانے میں بدلہ ہے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ کھانے کے برتن میں لگ گیا برتن گر کر ٹوٹ گیا اور کھانا زمین پر بکھر گیا۔ حضور [illegible] نے برتن کے ٹکڑوں کو چنا اور کھانا اٹھا کر برتن میں رکھا اور معذرت خواہی کے طور پر حاضرین سے کہا ہمیں تمہارے اس [illegible] کے معاملے میں افسوس ہے۔ بیتابی کا اظہار ہوا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے درست پیالہ لے کر اور ایک روایت میں ہے کھانا بھی لے کر ان کے گھر خادم کے ہاتھ بھجوایا اور فرمایا: پیالہ کے بدلہ میں پیالہ اور کھانے کے بدلہ میں کھانا ہے۔ اس حدیث میں غیرت کے موقع پر عورتوں سے مواخذہ نہ کرنے پر دلیل ہے۔ اس لیے کہ ایسی حالت میں شدت غضب کی بنا پر عقل چھپ جاتی ہے کیونکہ اس معاملے میں غیرت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ عورت رشک وغیرت کی حالت میں اونچ نیچ کو نہیں پہنچانتی۔

ایک مرتبہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں شوربا لائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا اسے پی لو تو انہوں نے نہ پیا۔ پھر کہا اسے پی لو ورنہ میں تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ انہوں نے پھر بھی نہ پیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر مل دیا اور حضورِ اکرم ﷺ ہنستے رہے آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم بھی اسے کے منہ پر مل دو۔ چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر مل دیا اور حضور ﷺ ہنستے رہے۔ ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا یہ حال تھا کہ آپ ان کی غیرت و مزاج پر مواخذہ نہ فرماتے اور انہیں اس میں معذور رکھتے تھے اور جب ان پر عدل کی ترازو اور شریعت کے احکام قائم فرماتے تو نرمی و ملائمت کے ساتھ کرتے۔

اور جو شخص حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کو اہل و عیال' اصحاب' فقراء' مساکین' یتامیٰ' بیوگان' مہمان اور آنے جانے والوں کے ساتھ سلوک کو بغور وفکر دیکھے گا تو وہ جان لے گا کہ حضور ﷺ کے قلب انور میں غایت درجہ رقت' نرمی اور مہربانی تھی جو کسی مخلوق میں متصور نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود آپ اللہ تعالیٰ کے حدود اور دین کے حقوق کے معاملہ میں اتنے شدید تھے کہ کوئی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا اور حضور ﷺ کے اخلاق و اعمال تک کسی کی رسائی ممکن نہیں کیونکہ وہ سب کے سب معجزات اور آپ کی نبوت کی نشانیاں تھیں۔

حضورِ اکرم ﷺ ایک دوسرے کے ساتھ خوش طبع' گھلے ملے اور صحابہ کے ساتھ مل جل کر باتیں کرتے تھے اور ان کے ساتھ مزاح فرماتے مگر اس سے مقصود صرف ان کی دلجوئی اور خوشنودی ہوتی تھی۔ اگر مزاح بھی فرماتے تو کلام کا مضمون و مفہوم بھی حق اور سچا ہوتا تھا۔ بچوں کے ساتھ کھیلتے اور ان کو اپنی گود میں بیٹھاتے تھے اور ہر آزاد و غلام اور باندی و مسکین کی دعوت کو قبول فرماتے اور مدینہ منورہ کے آخری کناروں تک بیماروں کی عیادت فرماتے تھے۔ بعض حدیثوں میں جو مزاح اور ملاعبت یعنی کھیل وغیرہ کی ممانعت آئی ہے وہ کثرت اور زیادتی پر محمول ہے۔ کثرت وزیادتی کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی یاد اور دین کی مہمات پر غور وفکر سے غافل کردے اور جو اس میں صحیح و درست رہے اس کے لیے مباح ہے اور اگر اس سے مقصود کسی کی خوشی اور قلبی الفت و دل جوئی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا فعل مبارک تھا تو وہ مستحب ہوگا۔

درحقیقت اگر حضورِ اکرم ﷺ کے خلق عظیم میں تواضع و موانست اور خوش طبعی نہ ہوتی تو کس میں تاب وتواں اور قدرت و مجال ہوتی کہ آپ کے حضور بیٹھ سکتا یا آپ سے کلام کرسکتا۔ کیونکہ آپ میں انتہائی درجہ کی جلالت' ہیبت' سطوت' عظمت اور دبدبہ تھا۔ اس کی حکمت میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ فجر کی سنت ادا فرمانے کے بعد اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوتیں تو ان سے گفتگو فرماتے ورنہ زمین پر پہلو کے بل قدرے آرام فرماتے پھر باہر تشریف لاتے اور فرض ادا فرماتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائے رات سے قیام' تلاوت قرآن' ذکر رحمٰن میں مشغول رہنے کی بنا پر حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے آپ پر انوار و اسرار' قرب و اختصاص اور حضرت جبار سے سماع کلام و مناجات کی قبولیت وغیرہ سے آپ کی ایسی حالت ہوتی کہ اس کے بیان و اظہار کی کسی زبان میں تاب و طاقت نہیں۔

اور اس حالت میں کوئی شخص ملاقات کرنے یا ہم صحبت ہونے کا متحمل نہ ہوسکتا تھا۔ حضور ﷺ اپنی اس حالت کو بدلنے کے لیے یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو فرماتے یا پہلو کے بل زمین پر استراحت فرماتے تاکہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موانست حاصل ہو جائے یا اس زمین کے ذریعہ جو خلقت کی اصل ہے۔ اس کے بعد جب اس علو مقام سے آپ باہر آتے تو مخلوق خدا کی طرف متوجہ ہوتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ نرم اور مہربان تھے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا اور آپ مسلمانوں کے ساتھ مہربان

تھے یہ نکتہ وہ ہے جو مواہب لدنیہ میں ''مدخل'' میں ابن الحاج سے نقل ہوا ہے۔

بندۂ مسکین یعنی حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ثبتہ اللہ علی الطریق والیقین فرماتے ہیں کہ یہ حال اس مقام کے ساتھ ہی خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ حضورِ اکرم ﷺ ہمیشہ ہی ''اعلیٰ علیین'' میں ''قرب وتمکین'' کے مقام میں رہتے تھے اور باطن میں کسی مخلوق سے علاقہ واتصال نہ رکھتے تھے۔ البتہ! بحکم الٰہی دعوت وتبلیغ احکام پر مامور ہونا اور اس رحمت وشفقت کی بنا پر جو مخلوق خدا سے آپ کو تھی مقام احدیت کی بلندی سے تخصیص بشریت کی طرف نزول فرماتے تھے اور ان کے ساتھ ہم جلیس ہوتے تھے اور بمصداق اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کے سینۂ مبارک کو کشادہ نہ فرمایا) آپ میں یہ کمال ودیعت فرمادیا گیا تھا کہ حضور ﷺ حق کے ساتھ دعوت خلق بطریق اتم واکمل جمع فرماسکیں۔ رات کا قیام اور صبح کا وقت آپ کے اوقات شریف میں ایک مخصوص وقت ہے اور یہ مقام بسبب کمال وتمام حضور سیّدنا علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے سوا اولیاء کرام کو آپ کی اتباع میں اس کا کچھ حصہ ملا ہے۔

کیفیت مزاح وملاعبت: حضورِ اکرم ﷺ کے مزاح وملاعبت کے آثار وبرکات حد وشمار سے باہر ہیں۔ ان کا شمار وحصر ناممکن ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی جو کہ حضور ﷺ کی ربیبہ تھیں وہ حضور ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ غسل فرما کر تشریف ہی لائے تھے آپ نے مزاحاً ان کے چہرے پر پانی کی چھینٹیں ماریں اس کی برکت سے آپ کے چہرے پر وہ حسن وجمال رونما ہوا جو کبھی بھی نہ ڈھلا شباب کا عالم ہمیشہ برقرار رہا۔

محمود بن ربیع جو نوعمر صحابیوں میں ہیں جب وہ پانچ برس کے تھے تو حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے ان کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ حضور ﷺ نے ڈول سے پانی پیا اور بطریق مزاح آب دہن مبارک کو ان کے چہرے پر ڈالا۔ اس کی برکت سے ان کو ایسا حافظہ حاصل ہوا کہ اسی بنا پر ان کا شمار صحابہ میں ہوا ان کی حدیث بخاری میں مذکور ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے مزاحی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ دیہاتیوں میں ایک شخص ''زاہر'' نام کا تھا۔ کبھی کبھی وہ حضور ﷺ کی خدمت میں دیہات کی ایسی ترکاریاں ہدیہ میں لایا کرتا جو حضور ﷺ کو پسند تھیں اور حضور ﷺ اس کی واپسی پر شہر کی چیزیں مثلاً کپڑا وغیرہ عنایت فرمایا کرتے تھے اور حضور ﷺ اس کو دوست رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ''زاہر'' سے ہمارا دوستانہ ہے۔ ہم اس کے شہری دوست ہیں۔ ایک روز حضور ﷺ بازار تشریف لے گئے تو زاہر کو وہاں میں نے کھڑا دیکھا۔ حضور ﷺ نے اس کی پشت سے اپنا دست مبارک اس کی آنکھوں پر رکھ کر اسے اپنی جانب کھینچا اور لپٹا لیا اور اپنا سینہ مبارک اس کی پشت سے ملا دیا۔ وہ حضور ﷺ کو نہیں دیکھ سکا تھا کہنے لگا یہ کون ہے؟ اور جب پہچان لیا کہ حضور ﷺ ہیں تو اس نے اپنی پشت کو حضور کے سینۂ مبارک سے اور ملا دیا اور نہیں چاہا کہ وہ جدا ہو۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے۔ زاہر نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مجھے کھوٹا اور کم قیمت مال تصور کرلیا ہے۔ فرمایا: تم خدا کے نزدیک تو کھوٹے نہیں ہو اور نہ کم قیمت بلکہ گراں بہا ہو۔

آپ کی تواضع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کھانے میں کبھی عیب نہ بتاتے تھے۔ اگر چاہا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا اور یہ کبھی نہیں فرمایا کہ یہ کھانا برا ہے ترش ہے نمک زیادہ یا کم ہے شوربا گاڑھا یا پتلا ہے۔

فائدہ: اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں عیب نکالنا غلطی اور خلاف اتباع سنت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر طعام میں بتانے کی رو سے برائی بتائیں اور کہیں کہ برا پکا ہے اور مال ضائع کردیا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اس میں بھی پکانے والی کی دل شکنی ہے اگر ایسا نہ کریں تو بہتر ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے تواضع اور حسن خلق میں سے یہ بھی ہے کہ عام طور پر لوگوں کی زبانوں پر دنیا کی اہانت اور اس کی تحقیر و مذمت جاری ہے مگر حضورِ اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ دنیا کو برا نہ کہو اسے گالی نہ دو کیونکہ دنیا اچھی سواری ہے جو مومن کو شر سے خیر و نجات کی طرف لے جاتی ہے۔

فائدہ: اسی طرح حضور ﷺ نے زمانہ (دہر) کو گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاَنَا الدَّهْرُ ''یعنی زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں''۔

حضورِ اکرم ﷺ دررو دزبان نہ رکھتے تھے جس طرح بادشاہوں اور دنیا داروں کے ہوتے ہیں۔ ہاں! حضورِ اکرم ﷺ کے حضور میں حاضری اجازت پر موقوف تھی۔ تاکہ کوئی خلوت میں اہل وعیال میں نہ داخل ہو جائے اور آپ کی مشغولیت میں دخل انداز نہ ہو۔

حضور ﷺ کی تواضع میں سے یہ بھی تھا کہ آپ نے فرمایا: لَاتُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنَ مَتّٰی وَلَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی مجھے یونس علیہ السلام ابن متی پر فضیلت نہ دو اور موسیٰ علیہ السلام پر مجھے فوقیت نہ دو (علیہم السلام) اسی کے مثل اور بھی روایتیں ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ انا سیّد ولد آدم (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں) یا اس کی مانند دیگر ارشادات تو یہ بیان واقع اور تحدیث نعمت وغیرہ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے حکم فرماں برداری میں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثیں اس کے ثابت ہونے سے پہلے کی ہیں۔ جب کہ آپ کا تمام انبیاء و مرسلین پر افضل ہونا ثابت ہوا اور اس بارے میں وحی نازل ہوئی۔ اس مبحث کی تحقیق انشاء اللہ اس کے محل میں آئے گی۔

ابتداء بالسلام: آپ کی تواضع میں یہ بھی ہے کہ جو بھی آپ کے پاس آتا آپ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے اور آنے والے کو سلام کا جواب بھی دیتے تھے۔ اس جگہ حضورِ انور ﷺ کے قبر انور کی زیارت کرنے والوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ جب آپ اپنی ظاہری حیات میں اس خوبی کے ساتھ متصف رہے تو اب بھی ہر زیارت کرنے والا آپ کے سلام سے مشرف ہوتا ہوگا۔ چنانچہ بعض مقربین بارگاہ عالی ایسے ہوئے ہیں جو بطریق کرامت اپنے کانوں سے حضور ﷺ کا سلام سننے سے مشرف ہوئے ہیں۔ بلاشبہ حضور ﷺ امت کے لیے اس دنیاوی حیات میں بھی رحمت ہیں اور بعد از وفات بھی رحمت۔

جود و سخاوت

جود و سخا لغت میں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ قاموس میں ہے جود' سخا ہے اور سخا' جود ہے۔ صراح میں جود و سخا کے معنی جوانمردی کے بیان ہوئے ہیں۔ منقول ہے کہ سخاوت صفت عزیزیہ یعنی بالطبع خوبی ہے۔ اور اس کا مقابل شح یعنی بخل ہے اور یہ طبعی لوازم میں سے ہے کیونکہ یہ شح یعنی بخل آدمی کا ذاتی اور خلقی ہے اور سخی کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز نہیں کیونکہ وہاں غریزہ یعنی طبع و نفس نہیں ہے۔ جود کا مقابل بخل ہے اور بخل بطریق عادت اکتساب کے ذریعہ راہ پاتا ہے۔ لہٰذا ہر سخی جواد ہے اور ہر جواد سخی نہیں اور جواد کی حقیقت یہ ہے کہ بے غرض اور بدلہ طلبی کے بغیر داد و دہش ہو اور یہ صفت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہے کیونکہ حق تبارک و تعالیٰ بغیر کسی غرض اور بدل کے تمام ظاہری و باطنی نعمتیں اور حسی و عقلی کمالات مخلوق کو مرحمت فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے بعد تمام جوادوں کے جواد اجود الا جودین اس کے رسول ﷺ ہیں اور آپ کے بعد امت کے علماء کرام ہیں کہ علم دین کو پھیلاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ ؕ اللہ سب سے بڑا جواد ہے پھر میں بنی آدم میں سب سے بڑا جواد ہوں

مِّنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلَّمَ عِلْمًا وَنَشَرَہٗ اِلٰی آخِرِا الحدیث اور میرے بعد بنی آدم میں وہ مرد جو علم کو سکھائے اور اسے پھیلائے.....

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس عنوان کے تحت کرم اور سماحت کو زیادہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جود و کرم، سخاوت اور سماحت ان سب کے معانی قریب قریب ہیں مگر علماء فرق کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک ایسی چیز جو قدر و منزلت والی ہو اگر یہ خوش دلی کے ساتھ خرچ کی جائے تو یہ کرم ہے اسی کا نام ''حریت'' بھی رکھا ہے جس کے معنی مرد آزاد کے ہیں اور یہ ''نذالت'' کی ضد ہے۔ صراح میں نذالت کے معنی فرومایہ ہونا یعنی کمینہ پن ہے۔ نذل اور نذیل اسی سے ماخوذ ہیں اور قاموس میں ہے کہ اَلنَّذْلُ وَالنَّذِیْلُ الْخَسِیْسُ مِنَ النَّاسِ الْمُحْتَقِرُ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ یعنی نذل اور نذیل وہ ہے جو لوگوں میں خسیس اور اپنے تمام احوال میں ذلیل و کمینہ ہے اور کہا کہ ''سماحت'' وہ خوبی ہے جو کسی ایسی چیز کو جو اپنے زیادہ مستحق ہونے کے باوجود خوش دلی سے دوسرے کو دلوا دے۔ اس کی ضد ''شکاس'' ہے جس کے معنی سخت عادت کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے رَجُلٌ شَکْسٌ یہ مرد سخت طبیعت کا ہے وَقَوْمٌ شَکْسٌ فلاں قوم سخت عادت کی ہے۔

منقول ہے کہ سخاوت نام ہے بآسانی خرچ کرنے اور جو چیز اچھی نہ ہو اس کے حاصل کرنے سے پرہیز کرنے کا اور یہی جود کے معنی ہیں۔ اس کی ضد ''التقتیر'' ہے جس کے معنی خرچ میں تنگی کرنے کے ہیں۔ صراح میں ہے کہ ''التقتیر'' عیال پر خرچ کی تنگی کو کہتے ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ایسے اخلاق و صفات جن سے سب واقف ہوتے تھے اس میں کسی کے ساتھ ہمسری و برابری نہیں کی جاتی تھی۔ انتہی

بخاری و مسلم میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، بہادر اور اجود تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی ذات، اشرف نفوس اور آپ کا مزاج سب سے زیادہ معتدل المزاج تھا اور جو ان خوبیوں سے متصف ہو اس کا فعل احسن افعال، اس کی صورت املح اسکال اور اس کا خلق احسن اخلاق ہوگا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ جسمانی و روحانی کمالات کے جامع اور خوبصورتی و خوب سیرتی پر حاوی تھے اور سب سے زیادہ کریم سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جود والے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اور احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسا سوال نہ کیا گیا اور نہ کوئی چیز ایسی مانگی گئی جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا یعنی ''نہیں'' فرمائی ہو۔ ہر شخص آپ سے جو کچھ مانگتا قبول کرتے اور مرحمت فرماتے۔ فرزدق شاعر نے آپ کی نعت میں کہا کہ

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِہٖ لَوْلَا التَّشَهُّدُ کَانَتْ لَاؤُہٗ نعم

آپ نے بجز اپنی تشہد میں پڑھنے کے ''لا'' کبھی نہیں فرمایا۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کی ''لا'' نعم ہوتی۔

اس بیت کا فارسی ترجمہ کسی شاعر نے کیا ہے افسوس کہ اس نے اپنے کسی ظالم کی تعریف میں کہا ہے جو اس تعریف کا مستحق نہ تھا۔ اللہ اسے معاف کرے وہ یہ ہے کہ

نرفت لا بزبان مبارکش ہرگز مگر باشهدان لااله الا الله

یعنی اس کی زبان مبارک پر کبھی ''لا'' نہیں مگر اشهدان لااله الاالله میں۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سائل کے سوال کے موقع پر بفرض کوئی چیز نہ ہوتی تو توقف فرماتے اور اچھی باتوں کے ساتھ سائل کی دلجوئی فرماتے اور معذرت چاہتے لیکن صراحت کے ساتھ یہ نہ فرماتے کہ میں نہیں دے سکتا۔

علماء فرماتے ہیں کہ ''لا'' کے ساتھ کلام فرمانا حضورِ اکرم ﷺ سے عطا سے منع کرنے کی ہی غرض سے نہ ہوتا تھا اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ معذرت خواہی کے طور پر لا نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا ایک جماعت سے معذرت کے طور پر حضور سے ''لا'' منقول ہے۔ اس جماعت نے آپ سے غزوہ جانے کے لیے سواری مانگی تھی آپ نے فرمایا:

لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ کوئی سواری ایسی نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں۔

باوجود اس کے علماء بیان کرتے ہیں کہ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ کوئی سواری ایسی نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں اور لَا اَحْمِلُكُمْ (میں تمہیں سوار نہیں کرتا) کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ اگرچہ اشعریوں کے باب میں ان کے سواری کے سوال پر لَا اَحْمِلُكُمْ بھی فرمایا ہے بلکہ بعض روایتوں میں قسم بھی یاد فرمائی ہے۔ فرمایا: وَاللّٰهِ لَا اَحْمِلُكُمْ (خدا کی قسم میں سوار نہیں کروں گا) اس مقام کی خصوصیت اس کا اقتضا کرتی ہے کہ کوئی سواری موجود نہ ہوگی اور سائلوں کو بھی معلوم ہوگا کہ کوئی سواری نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ ضد اور ہٹ دھرمی دکھاتے اور گستاخی کرتے تو ان کی طمع کو قطع کرنے کے لیے تاکید فرمائی تو یہ صورت عموم کے مقابلہ میں مستثنیٰ اور مخصوص ہوگی جیسا کہ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے۔

بندۂ مسکین یعنی حضرت شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ثبتہ اللہ فی مقام الصدق والیقین فرماتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر کلمۂ ''لا'' جاری نہ ہونے سے مراد بخل وخست کی نفی ہے جو کہ آپ کی وسعت قلبی اور فراغ دستی سے تعلق رکھتی ہے اور جس طرح بخیل وکمزور لوگ کرتے ہیں۔ ویسے آپ نہ کرتے تھے۔ یہ عبارت یعنی عدم استعمال لفظ لاء کنایہ واشارہ ہے اسی مفہوم کی طرف نہ یہ کہ یہ کلمہ آپ کی زبان پر کسی اور غرض کے لیے بھی نہ آیا۔

نیز یہ جو آیا ہے کہ ''ہر کوئی جو مانگتا اسے مل جاتا'' تو اس سے جود وسخا کا اثبات ہے اور اس کا یہ مطلب ہے کہ سائل کے لائق جو چیز ہوتی اس کی لیاقت کے مطابق عطا فرماتے تھے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حضور ﷺ سائل کی مصلحت کی خاطر نہ دینے میں مصلحت وقت ملاحظہ فرماتے۔ مثلاً عمل اور حکومت وغیرہ کے مانگنے کے باوجود نہ عطا فرمائی تاکہ مسلمانوں کے معاملات کے انتظام اور اس شخص کے حال کی درستگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو جائے اور کبھی مخالفت اس غرض سے ہوتی کہ وہ شخص طمع سوال اور حرص کی ذلیل عادتوں میں مبتلا نہ ہو جائے جس طرح کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے باوجودیکہ وہ مقبول بارگاہ اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن کے صاحبزادے تھے۔ انہوں نے کوئی چیز مانگی حضور ﷺ نے عطا نہ فرمائی اور فرمایا: میں خود بھی دے سکتا ہوں لیکن ایک قسم کی کدورت اور کراہیت اس کے ہمراہ ہوگی اور انہیں نصیحت فرمائی کہ جہاں تک ہو سکے کسی شخص سے سوال نہ کرنا بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہو گیا کہ اگر کوڑا زمین پر گر جاتا تو کسی سے نہ کہتے کہ اسے اٹھا کر دے دو۔

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کسی عمل کی خواہش کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر رضی اللہ عنہ تم ضعیف و ناتواں ہو۔ عمل کی خواہش نہ کرو اور کسی چیز کا سوال نہ کرو۔ یہاں تک کہ اگر تمہارا کوڑا زمین پر گر جائے تو اسے بھی کسی سے نہ اٹھواؤ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ اور ان میں بہت بڑے زاہد تھے اور ان کا مذہب یہ تھا کہ مال جمع کرنا اور ذخیرہ اندوزی کرنا حرام ہے۔ اگرچہ ادائے زکوٰۃ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے کوئی چیز کسی جماعت کو دینے کے لیے عطا فرمائی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں سفارش کی جس کے حال اور اس کے مستحق ہونے کو جانتے تھے کہا کہ هُوَ مُؤْمِنٌ فِيمَا اَعْلَمُ يَا

رَسُوْلَ اللّٰہِ اے اللہ کے رسول! اس کو اپنے علم کے مطابق مومن جانتا ہوں۔ ایسا تین مرتبہ عرض کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے ایسے ہیں جن کے بارے میں پسند کرتا ہوں کہ ان کے حال کی درستگی کی خاطر جسے میں دیکھ رہا ہوں انہیں نہ دیا جائے اور دو مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے برابر وہ مومن ہے یا مسلم ہے فرمایا: تیسری مرتبہ جب اصرار حد سے گزر گیا تو وہ فرمایا جو اوپر گزرا۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ اپنا اخلاق بنانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جب دوست رکھتا ہے تو اسے دنیاوی آسائش سے محروم رکھتا ہے اور جس کو خدا دوست نہیں رکھتا اسے خوب دیتا ہے۔ ہاں اس کا احتمال ہے کہ ان لفظوں میں لفظ ''لا'' آپ کی زبان مبارک پر نہ آیا ہو اور کسی اور طریقے سے مدعا بیان فرمادیا ہو لیکن مفہوم و معنی پر نظر رکھنی چاہیے۔ لفظوں کا ہیر پھیر تو آسان ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۂ کلام یہ کہ حضور اکرم ﷺ سائل کو رد نہ فرماتے۔ اگر کوئی چیز نہ ہوتی تو فرماتے ہمارے نام پر قرض لے لو جب ہمارے پاس کچھ آجائے گا تو ادا کردیں گے۔ ایک مرتبہ ایک سائل آیا فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے تم جاؤ قرض لے لو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا مکلف نہیں بنایا جو آپ کی مقدرت میں نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات حضور ﷺ کو ناگوار معلوم ہوئی پھر ایک انصاری نے عرض کیا یارسول اللہ خوب داد و دہش فرمایئے اور مالک عرش سے (کمی) کا خوف نہ کھایئے۔ تو حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت تازگی اور خوشحالی نمودار ہوگئی اور فرمایا: مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔

ترمذی روایت کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں نوے ہزار درہم لائے گئے آپ نے انہیں چٹائی پر رکھ کر تقسیم کرنا شروع کردیا اور کسی سائل کو محروم نہ رکھا۔ یہاں تک کہ سب تقسیم فرمادیئے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ''بحرین'' سے کچھ مال لایا گیا آپ نے فرمایا: اسے مسجد میں پھیلا دو' پھر آپ مسجد سے باہر تشریف لے آئے اور اس مال کی طرف نظر تک نہ ڈالی اور جب واپس تشریف لائے تو نماز سے فارغ ہوکر مال کے نزدیک تشریف فرما ہوئے اور ہر کسی کو وہ مال عطا ہوا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا یارسول اللہ مجھے بھی اس مال میں سے عنایت فرمایئے۔ کیونکہ میں نے اپنا اور عقیل رضی اللہ عنہ کا فدیہ دیا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کی چادر میں اتنا بھر دیا کہ وہ اٹھا نہ سکتے تھے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ کسی کو فرمایئے کہ اسے میرے لیے اٹھا کر لے چلے فرمایا: نہیں اے چچا! جتنا تم اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے طمع کے مادہ کو فنا کرنے اور ان کی تہذیب و تادیب کے لیے تھا۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر اٹھا کر چل دیئے اور حضور اکرم ﷺ ان کی طرف دیکھتے رہے اور ان کے حرص پر تعجب فرماتے رہے۔ پھر جب حضور ﷺ اٹھے تو ایک درہم بھی باقی نہ رہا تھا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ یہ ایک لاکھ درہم تھے جسے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے بحرین کے خراج سے بھیجا تھا اور یہ پہلا مال تھا جو حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تھا۔ ﷺ

حضور ﷺ کی جود و سخا کے اثر کا ظہور اور ابواب کرم و بخشش کا فتح حنین کے دن' حد و شمار اور حصر و قیاس سے زیادہ تھا کیونکہ اس دن ہر عربی کو سو سو اونٹ اور ہزار ہزار بکریاں ملی تھیں۔ اس دن کی بیشتر عطا تالیف قلب کے لیے تھی تاکہ ضعیف الایمان اشخاص دنیاوی امداد کے ذریعہ دین میں ثابت قدم ہوجائیں۔ صوان رضی اللہ عنہ بن امیہ بھی اسی زمرہ کا ایک فرد تھا۔ اسے پہلے سو بکریاں' دوبارہ سو بکریاں پھر سہ بارہ سو بکریاں دی گئیں۔ واقدی کی کتاب المغازی میں منقول ہے کہ اس دن صفوان رضی اللہ عنہ کے اونٹ بکریوں سے اس کی وادی بھر گئی تھی۔ اس پر صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا بخشش و عطا میں کوئی اتنی جوانمردی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس عطا کے ساتھ حضور ﷺ نے اس کے اس کفر کا علاج فرمایا جو اس میں تھا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب اور اس کے بیٹے بھی انہیں مؤلفۃ القلوب میں

سے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ آئے اور کہا یارسول اللہ! آج قریش میں سب سے زیادہ مالدار آپ ہی ہیں۔ اس مال میں سے کچھ ہمیں بھی عطا فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ چالیس وقیہ چاندی اور سو اونٹ انہیں دے دو۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا میرے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ عنایت فرمائیے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام یزید رضی اللہ عنہ تھا اور یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام اسی نام پر یزید رضی اللہ عنہ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس وقیہ چاندی اور سو اونٹ دوبارہ اسے کے حصے میں عنایت فرمائے۔ پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے دوسرے بیٹے معاویہ کا بھی حصہ عنایت ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید اتنا ہی مال اور مرحمت فرمایا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ خدا کی قسم جنگ کے زمانہ میں بھی آپ کریم تھے اور امن کے زمانے میں بھی آپ کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جائے خیر دے۔ یہ واقعات ہوازن وحنین کے فتح کے زمانے میں بھی بیان ہوں گے جو مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد پیش آئے اگرچہ یہ مکرر ہوں گے مگر یہ مکرر نہیں **هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ** یہ مشک نافہ ہے جتنی بار کھولا جائے خوشبو کی مہک زیادہ ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن پر ان کی چھ ہزار باندیاں واپس کر دیں۔ اس غزوہ میں غنیمتوں کا مجموعہ یہ ہے چھ ہزار آدمی تقریباً چوبیس ہزار اونٹ تقریباً چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار وقیہ چاندی ایک وقیہ کا وزن چالیس درہم ہے۔ (اور ایک درہم کا وزن ساڑھے تین ماشہ یا سوا چار ماشے کا ہوتا ہے) صاحب مواہب لدنیہ نے حساب لگایا ہے کہ حنین کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو مال عطا فرمایا ان کی تعداد تقریباً پانچ ہزار تھی۔

بندۂ مسکین یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جود وسخا حد وشمار اور اندازہ وقیاس سے باہر تھا اور جو کچھ موجود تھا اسی پر آپ کی جود وسخا منحصر نہ تھی لاکھ در لاکھ گنا بھی ہوتا تو بھی ان کا یہی حال ہوتا۔

حقیقت جود وسخا اور کرم وعطا کے متحقق ہونے کے لیے بالفعل صفت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ یہ صفت ذاتی، طبعی اور پیدائشی ہے اور اس کے اثر کا ظہور اور ہے جو کچھ ہاتھ میں آتا عطا فرما دیتے اور اس شان سے عطا کرتے کہ فقر اور مال نہ رہنے کا خوف کرتے اور نہ اندیشہ رکھتے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت مند محتاج کو ملاحظہ فرماتے تو اپنا کھانا پینا تک اٹھا کر عنایت فرما دیتے۔ حالانکہ اس کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ عطا وتصدق میں تنوع فرمایا کرتے۔ کسی کو ہبہ فرماتے کسی کو حق دیتے، کسی کو بار قرض سے چھڑاتے، کسی کو صدقہ دیتے، کسی کو ہدیہ فرماتے اور کبھی کپڑا خریدتے اور اس کی قیمت ادا کر کے اس کپڑے والے کو وہی کپڑا بخش دیتے اور کبھی قرض لیتے اور مبلغ سے زیادہ عطا فرما دیتے اور کبھی کپڑا خرید کر اس کی قیمت سے زیادہ رقم عنایت فرما دیتے اور کبھی ہدیہ قبول فرماتے اور اس سے کئی گنا انعام عطا فرما دیتے۔

ایک عورت طباق میں ایسی کھجوریں جس پر دھاریاں اور نرم روئیں تھے لے کر آئی ایسی کھجوروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین سے آئے ہوئے سونے کے زیورات سے اس کے دونوں ہاتھ بھر دیئے۔

بہرنوع جس طرح بھی ممکن ہے آپ طرح طرح کی صورتوں میں خیرات وعطیات تقسیم فرمایا کرتے باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگانی فقیرانہ طور پر بسر ہوتی، ایک ایک، دو دو مہینے گزر جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں آگ تک نہ جلتی اور بسا اوقات شدت بھوک سے اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھ لیا کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر، تنگی ومجبوری اور نہ ہونے کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس کا سبب زہد

اور جود وسخا تھا اور کبھی اپنی ازواج کے لیے ایک سال کا گزارہ مہیا فرما دیتے لیکن اپنے لیے کچھ بچا کر نہ رکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ بنی آدم میں علی الاطلاق سب سے زیادہ صاحب جود وسخا تھے۔ آپ کی جود وسخا کی مختلف قسمیں تھیں۔ یہ خواہ علم و مال کی للہ میں ہو یا بندھں کی ہدایت کے لیے دین حق کے اظہار میں ذاتی جہد وکوشش میں ہو۔ (وجزاہ عنا افضل ما جزی نبیا عن امتہ)

شجاعت اور بازوؤں کی قوت وطاقت: **وصل:** حضورِ اکرم ﷺ کی شجاعت اور آپ کے بازوؤں کی قوت وطاقت کا بیان صراح میں ہے کہ شجاعت' دلاوری اور خوف کی جگہ دلیری دکھانے کو کہتے ہیں۔ کتاب الشفاء میں ہے کہ شجاعت' قوت غضب کی فراوانی اور عقل کو اس کے تابع بنانے کا نام ہے۔ قاموس میں ہے کہ شجاعت' خوف کے وقت دل کو مضبوط رکھنے کا نام ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ میں یہ صفت' صفت سخاوت کے کمال کی مانند تھی۔ بسا اوقات ایسے سختی اور شدت کے موقعوں میں جہاں دلاوروں اور دلیروں کے قدم اکھڑ گئے تھے اور وہاں حضورِ اکرم ﷺ ثابت وقائم رہے تھے اور اپنی جگہ سے جنبش تک نہ فرمائی تھی بلکہ بڑھ بڑھ کر آگے آتے تھے اور پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ حنین کے موقع پر کفار کی تیروں کی بوچھاڑ سے صحابۂ کرام میں ایک قسم کا ہیجان' پریشانی' تزلزل اور ڈگمگاہٹ پیدا ہوگئی تھی مگر حضورِ اکرم ﷺ نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ فرمائی حالانکہ گھوڑے پر سوار تھے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑے تھے اور حضور ﷺ چاہتے تھے کہ حملہ کریں۔ چنانچہ آپ گھوڑے سے اترے اور خدا سے مدد مانگی اور زمین سے ایک مشت خاک لے کر دشمنوں کی طرف پھینکی تو کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھ اس خاک سے بھر نہ گئی ہو۔ حضور ﷺ نے اس وقت یہ رجز پڑھا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں اس میں کذب نہیں میں عبدالمطب کی اولاد سے ہوں

اس روز آپ سے زیادہ بہادر' شجاع اور دلیر کوئی نہ دیکھا گیا۔ منقول ہے کہ جب مسلمان اور کافر باہم گتھم گتھا ہوئے اور مسلمانوں نے ہزیمت کھائی تو حضورِ اکرم ﷺ نے اس وقت حملہ کیا۔ اسی وقت انصار کو ندا دی گئی اور مسلمان واپس ہو کر حضور ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے بالآخر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ پورا واقعہ اس کے اپنے مقام پر ان شاء اللہ آئے گا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر میں نے کسی کو بہادر' دلیر' سخی اور خدا سے زیادہ راضی نہ دیکھا۔

حضرت امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب گرم ہوگئی جنگ کی آگ اور سرخ ہوگئیں اس کی آنکھیں (یہ کنایہ جنگ کی سختی وشدت کی طرف ہے) تو ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ کو ڈھونڈتے تھے۔ یعنی حضور ﷺ کی پناہ میں آجاتے تھے۔ دشمنوں کے قریب حضور ﷺ سے زیادہ کوئی نہ تھا اور جنگ میں آپ سخت ترین شخص ہوتے تھے۔

ارباب سیر فرماتے ہیں کہ لوگ اسے شجاع وبہادر شمار کرتے تھے جو دشمنوں سے نزدیکی کے اعتبار سے حضورِ اکرم ﷺ کے زیادہ قریب ہوتا تھا۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا لشکر ایسا نہ آیا مگر یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اس لشکر پر حملہ نہ کیا ہو۔

حکایت: ایک رات مدینہ طیبہ میں شور وفغاں ہوا اور خوف وہراس پھیل گیا شاید کوئی چور یا دشمن گھس آیا تھا۔ آپ جلدی سے سب سے پیشتر اٹھے۔ شمشیر حمائل فرمائی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ کیونکہ ان کا گھوڑا تیز رو اور سبک رفتار تھا۔ پھر جدھر سے آواز آئی تھی اس جانب تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ کو واپسی میں وہ لوگ ملے جو آپ کے بعد نکل کر اس طرف جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: لوٹ چلو کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ گھوڑا پہلے بہت سست رفتار تھا مگر حضور ﷺ کی سواری میں آنے کے

بعد اتنا تیز رفتار ہوا کہ کسی کا گھوڑا اس کے ساتھ نہ چل سکتا تھا۔ یہ حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ قوت' زور بازو اور مضبوطی میں ایسے تھے کہ جہان بھر کے کشتی گیر (پہلوان) آپ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ محمد بن اسحاق اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں مکہ مکرمہ میں ''رکانہ'' نامی ایک پہلوان تھا جو شدید القوت اور فن پہلوانی میں بے مثل و منفرد تھا۔ دور دور سے لوگ اس کے مقابلے کے لیے آتے تھے۔ وہ سب کو پچھاڑ دیتا تھا۔ اچانک مکہ کی کسی گھاٹی سے وہ حضورِ اکرم ﷺ کے سامنے آ گیا۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: اے رکانہ! خدا سے کیوں نہیں ڈرتا اور میری دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتا۔ رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے محمد! (ﷺ) اپنی صداقت پر کوئی شہادت لاؤ؟ آپ نے فرمایا: اگر میں کشتی میں تجھے پچھاڑ دوں تو کیا تو ایمان لے آئے گا؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: پھر کشتی کے لیے تیار ہو جا۔ چنانچہ رکانہ رضی اللہ عنہ کشتی کے لیے تیار ہو گیا۔ حضورِ اکرم ﷺ اپنے عام لباس چادر و تہہ بند ہی میں رہے۔ حضور ﷺ اس کے قریب آئے اور اسے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ رکانہ رضی اللہ عنہ حیران و متعجب ہو کر درخواست کرنے لگا کہ چھوڑ دیا جائے۔ اس نے پھر دوبارہ اور سہ بارہ کشتی کی آپ نے اسے ہر بار گرا دیا۔ پھر تو رکانہ رضی اللہ عنہ تعجب کے ساتھ کہنے لگا آپ کی شان عجیب ہے آپ اتنی قوت و طاقت کے حامل ہیں۔ حدیث میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ وہ ایمان لایا یا نہیں۔ (واللہ اعلم) حضورِ اکرم سے رکانہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی کشتی لڑی ہے اور آپ سب پر غالب رہے ہیں۔ چنانچہ ابوالاسد جمحی ایک شخص بڑا شہ زور تھا۔ وہ گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا اور لوگ اس کے نیچے سے کھال کھینچنے کی پوری قوت صرف کرتے کھال پھٹ جاتی مگر اس کے نیچے سے نکال نہ سکتے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہلتا تک نہ تھا۔ ایک روز اس نے حضور ﷺ کو پکارا کہ آپ اس کے ساتھ کشتی لڑیں۔ اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے زمین پر گرا دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ تو حضور ﷺ نے اسے زمین پر چت کر دیا مگر وہ ایمان پھر بھی نہ لایا۔ یہ طویل قصہ ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔

حیائے مبارک: وصل: اس میں حضورِ اکرم ﷺ کی حیائے مبارک کا ذکر ہے۔ حیا کے معنی شرمیلا پن اور شرم رکھنے کے ہیں۔ اس کا مادہ حیات ہے۔ اسی لحاظ سے حیاء بمعنی بارش کے آتے ہیں کہ بارش حیات کا موجب و سبب ہے لیکن یہ متصور رہے اور شرم بھی دل کی زندگی اس کے اندازہ کے مطابق ہے جس میں جتنا زیادہ دل زندہ ہوگا اس میں حیا بھی اتنی ہی زیادہ قوی اور بیشتر ہوگی۔ لغت میں حیا کے معنی تغیر و انکساری کے ہیں۔ جو انسان کو خوف اور از قسم معیوب چیز سے عارض ہوتا ہے۔ شریعت میں حیا اس خوبی کا نام ہے جو برائی کے ارتکاب سے بچانے کا موجب اور حق دار کے حق میں کوتاہی سے محفوظ رکھنے کا باعث ہے۔ حیاء کو ایمان کا جز بھی کہا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے ''اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ'' (حیا ایمان کا جز و ہے) اگرچہ یہ صفت غریزی یعنی طبعی و خلقی ہے لیکن اس کا استعمال بقصد علم و اکتساب قانون شریعت پر لازمی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس حیا سے مراد اکتساب یعنی حاصل کرنے والی صفت ہے۔ شارع نے اسے ایمان کا حصہ بتایا ہے اور اس کے حصول پر مسلمان کو مکلف گردانا ہے۔ اگر یہ غریزی یعنی طبعی و خلقی ہوتی تو تکلیف اس میں جاری نہ ہوتی لیکن جس میں یہ خوبی غریزی اور طبعی ہے تو اسے اس کے حصول پر معاون بن جاتی ہے اور رفتہ رفتہ غریزی کے حکم میں لے جاتی ہے۔ واضح رہنا چاہیے کہ یہ بحث تمام صفات غریزیہ میں جاری ہوتی ہے مثلاً سخاوت اور شجاعت وغیرہ کیونکہ ان کے بجالانے کا حکم ہے اور اس کی ضد پر ممانعت واقع ہے اور ان صفتوں میں وعد و وعید دونوں وارد ہیں اور سب ہی ایمان کی شاخیں ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ میں دونوں قسم کی حیاء بدرجہ کمال تھی۔ اس لیے کہ آپ کے قلب اطہر کی حیات اور اس کا مکروہات شرعیہ سے اجتناب سب سے زیادہ قوی' اتم' اکمل اور افضل تھا۔

صحیح بخاری میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زن دوشیزہ اوراس کے حجاب سے سخت تر حیاء فرماتے تھے۔صراح میں مخدرہ کے معنی پردہ نشین عورت کے ہیں۔حدیث پاک میں ''خدرہا'' کا استعمال عرف وعادت کی بناء پر ہے۔کیونکہ زن باکرہ پردہ نشین ہوتی ہے۔بعض شراح کہتے ہیں کہ یہ قیداس بناء پر ہے کہ پردہ نشین حیاء میں بہت زیادہ ہوتی ہے یا یہ کہ باہر پھرنے والی عورت کے مقابلہ میں خلوت نشین عورت میں زیادہ شرم وحیا ہوتی ہے۔اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ قید دیگر بھی حضور کی خوبی ہے۔یعنی جب کوئی شخص آپ کے پاس آتا تو تشریف لے آتے ورنہ خلوت میں مقیم رہتے۔کیونکہ خلوت میں موجب حیا نہیں ہے مگران تکلیفوں کا ذکراس مقام رفیع میں بشاشت یعنی بے مزگی سے خالی نہیں ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس تشبیہ کا ذکر بھی ادب وتعظیم کے ذوق کے لحاظ سے بھلا نہیں معلوم ہوتا لیکن مقصود کے اظہار و بیان میں مبالغہ کے قصد وارادہ سے واقع ہوا ہے۔

حیا کے بارے میں مشائخ کا مذہب: مشائخ طریقت قدس اللہ ارواحہم کے حیاء کی تشریح وتفسیر میں کچھ اقوال ہیں۔چنانچہ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم نے حق تعالیٰ کے حضور بھیجا ہے دل میں وحشت کے ساتھ ہیبت کے پائے جانے کا نام حیاء ہے۔فرمایا: اَلْحُبُّ يَنْطِقُ وَالْحَيَاءُ يَسْكُتُ وَالْخَوْفُ يَقْلَقُ مطلب یہ ہے کہ محبت،محبوب کی مدح وثنا کے ساتھ محبوب کو قوت گویائی دیتی ہے اور حیاء محبوب کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے مشاہدہ کی بناپر ساکت بناتی ہے اور خوفزدہ اور بے آرام بناتی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص طاعت میں خدا سے شرم رکھتا ہے خدا معصیت میں اس سے شرم رکھتا ہے اور حیاء کبھی کرم اور خوف سے رونما ہوتی ہے۔جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جماعت سے حیا فرمانا جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں حاضر ہوئی تھی۔اور آپ کی مجلس میں وہ دیر تک ٹھہرے رہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیا فرماتے تھے کہ ان کو کیونکر اٹھائیں اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا جب تم کھانا کھا چکو تو چلے جایا کرو۔

اور فرمایا: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ بیشک تمہارا دیر تک بیٹھے رہنا نبی کریم کو تکلیف پہنچاتا ہے۔اور نبی تم سے حیاء فرماتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بیان حق سے حیا نہیں فرماتا۔''

اور کبھی حیا بندگی میں ہوتی ہے کہ معبود کی عظمت وکمال کے لائق وہ بندگی کو نہیں پاتا۔

حیا کی ایک قسم اپنی ذات کے لیے خود سے ہوتی ہے ایسی حیاء شریف وبزرگ شخصوں میں ہوتی ہے۔جو نقص اور مرتبہ کی کمی سے راضی ہونے میں ہے۔لہٰذا لازم ہے کہ اپنے آپ کو حیادار بنائے یعنی وہ اپنی ذات سے شرم وحیا کرلے گویا کہ اس میں دو ذاتیں ہیں جو ایک ذات دوسری ذات سے حیا کرتی ہے۔یہ حیا کی قسموں میں سب سے زیادہ کامل ہے اس لیے کہ آدمی جب اپنی ذات سے حیا کرتا ہے تو وہ دوسرے سے بطریق اولیٰ حیا کرے گا جیسا کہ مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَيَاءُ لَا يُعْطِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ .یعنی حیا نہیں دیتا مگر بھلائی''ایک اور روایت میں ہے اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ۔ حیاء سراسر بھلائی ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کو حیاء نہ کرنے کی نصیحت کرتا تھا۔گویا کہ اس کا بھائی لوگوں سے شرم وحیا کی بنا پر اپنے حقوق نہیں مانگتا تھا۔(اس بنا پر بھائی نصیحت کرتا تھا کہ اپنے حقوق مانگنے میں شرم وحیا نہ کرے۔)اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔کیونکہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔

حیا کے آثار میں سے'لوگوں کے عیبوں سے اور ان چیزوں سے جو انسان اپنے لیے ناپسند ومکروہ رکھتا ہے تغافل وچشم پوشی کرنا

ہے'اس معاملے میں حضورِ اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ شدید تھے۔

ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص آیا جس کے چہرے پر زرد رنگ مانند زعفران کے لگا ہوا تھا۔ جو کسی عورت سے لگا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے کچھ نہ فرمایا (کہ وہ شرمندہ ہوگا کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ کسی کے منہ پر ایسی بات نہ فرماتے تھے جو آپ کو ناگوار معلوم ہوتی ہو۔ اگر کسی کو کچھ کہنا ضروری ہوا اور اس کہنے پر آپ مجبور ہوتے تو اشارہ کنایہ میں فرمایا کرتے) پھر جب وہ باہر گیا تو کسی سے فرمایا کہ اس سے کہو کہ چہرے کی زردی کو دھو ڈالے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ کہہ دو اپنے جسم سے کپڑے اتار دے۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ یہ ارشاد غیر واجب اور حرام میں ہوگا۔ ورنہ محض مخفی زردی کی اباحت میں روایتیں ہیں۔

منقول ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی حیاء کی یہ شان تھی کہ کسی چہرے پر بھرپور نظر نہ ڈالتے تھے۔ اگر کسی میں کوئی بات نظر آتی جو آپ کو ناپسند و مکروہ ہوتی تو آپ یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص ایسا کہتا ہے یا ایسا کرتا ہے بلکہ اس طرح فرماتے کہ اس قوم کی کیا حالت ہوگی جو ایسا کرتی ہے یا ایسا کہتی ہے اور اس کی مخالفت فرماتے۔ مگر کسی کرنے والے یا کہنے والے کا خاص طور پر نام نہ لیتے۔ آپ کی عادت کریمہ میں یہ عبارت قاعدہ کلیہ کا حکم بتاتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضورِ اکرم ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ کسی کو برا کہتے تھے۔ اور نہ اونچی آواز سے بولتے اور نہ بازاروں میں شور و غوغا کرتے تھے۔ اور نہ بدی کا بدلہ بدی سے دیتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے اور اسی کلام کے مطابق توریت سے حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نقل فرماتے ہیں۔

شفقت' رافت اور رحمت: وصل: حضورِ اکرم ﷺ کی شفقت' رافت اور رحمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○ نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت۔

اور ارشاد فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان رحمت فرمانے والے۔

شفقت مہربانی کو کہتے ہیں اور حضورِ اکرم ﷺ شفیق یعنی مہربانی فرمانے والے ہیں۔ اشفاق کے لغوی معنی ڈرانے کے ہیں۔ اور شفقت میں بھی یہی معنی پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ مشفق اس بات سے ڈرتا ہے کہ اسے کوئی گزند یا ضرر نہ پہنچے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی تعریف حرص سے فرمائی گئی۔ کہ آپ صلاح و درستگی کی نصیحت فرمانے والے ہیں۔ نصوح و رافت اشد رحمت ہے۔ صراح میں ہے رحمت کے معنی بخشش کرنا اور مہربانی کرنا ہے اور رافت کے معنی بہت زیادہ بخشنا۔ اور مہربان ہونا ہے۔

حضورِ انور ﷺ امت پر شریعت و احکام اور اس کے ترک میں آسانی و تخفیف کا لحاظ فرماتے اور بعض افعال اس خوف سے کہ امت پر فرض نہ قرار دے دیئے جائیں ترک فرما دیتے۔ جیسے ہر نماز کے لیے مسواک کا ترک فرمانا یا عشا میں تاخیر کو ترک فرمانا یا صوم وصال (پے در پے روزے رکھنے) کو ترک فرمانا' اسی قسم کے اور احکام ہیں۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے کہ سب و لعن کو رحمت و قربت اور موجب طہارت بنا دے۔ جب کبھی آپ نماز باجماعت میں بچے کے رونے کی آواز سنتے اور اس کی ماں نماز میں ہوتی تو آپ نماز کو ہلکا فرما دیتے۔ تاکہ اس کی ماں فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔ اور آپ فرمایا کرتے کہ تم میں سے کوئی شخص میرے پاس کوئی ایسی بات نہ پہنچائے جو مکروہ اور ناپسندیدہ ہو۔ اس لیے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ پاک و صاف ہو جب قریش

نے آپ کو جھٹلایا اور حد سے زیادہ آپ کو ایذائیں پہنچائیں تو حضرت جبرائیل نے حاضر ہو کر کہا اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو حکم فرمایا ہے جو پہاڑوں پر مقرر ہے۔ اور تمام پہاڑ اس کے قبضہ وتصرف میں ہیں کہ جو کچھ محمد (ﷺ) فرمائیں ان کا حکم بجالاؤ۔ چنانچہ پہاڑوں کے فرشتے نے عرض کیا کہ اے محمد! (ﷺ) حکم فرمایئے آپ کیا چاہتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو اخشبین نامی دونوں پہاڑوں کو ان پر زیروزبر کردوں۔ اخشبین مکہ مکرمہ میں دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان آبادی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہوں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں میں سے ایسے لوگ نکالے گا جو خدا کی عبادت کریں گے اور اس کا شریک نہ گردانیں گے۔ یہ قصہ طویل ہے جو حصہ دوم کے سال دوم میں مذکور ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ اسلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کریں اور جو آپ فرمائیں اسے بجالائیں اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں پسند کرتا ہوں کہ صبر کروں اور اپنی امت سے عذاب کی تاخیر کروں شاید کہ حق تعالیٰ انہیں بخش دے۔ اور انہیں توبہ کی توفیق دے کر ان پر رحمت فرمائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو باتوں کے درمیان حضورِ انور ﷺ کو اختیار نہیں دیا گیا مگر یہ کہ آپ ان دونوں باتوں میں سے آسان کو اختیار فرماتے اس قول کے معانی وتاویلات بہت ہیں۔ اظہر واقرب یہ ہے کہ آسان تر سے مراد امت کے لیے ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ انور ﷺ تذکیر وموعظہ کے لیے ہماری مزاج پرسی اور تیمارداری فرماتے مطلب یہ کہ یہ کبھی کبھی کرتے ہمیشہ نہ کرتے۔

<u>وفا وحسن عہد، صلہ رحمی اور عبادت:</u> حضورِ اکرم ﷺ کے اخلاق وخصائل میں سے وفا، حسن عہد، صلہ رحمی اور عیادت ومزاج پرسی بھی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی چیز ہدیہ میں لائی جاتی تو حضورِ اقدس ﷺ فرماتے اسے فلاں عورت کے پاس لے جاؤ۔ کیونکہ وہ حضرت خدیجہ کی سہیلی ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جتنا رشک کرتی تھی اتنا کسی عورت سے میں نے رشک نہ کیا۔ کیونکہ حضور ﷺ انہیں بہت یاد کیا کرتے تھے۔ اگر حضور ﷺ کوئی بکری بھی ذبح فرماتے تو اس میں سے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو ضرور بھجوادیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی۔ آپ نے اسے دیکھ کر بڑی خوشی وشادمانی کا اظہار فرمایا۔ اور اس کی خوب خاطر ومدارت فرمائی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو فرمایا یہ عورت حضرت خدیجہ کے زمانہ میں یہاں آیا کرتی تھی۔ اور فرمایا حسن العھد من الایمان یعنی وضعداری کو عمدہ طریق سے پورا کرنا ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔

حضورِ انور ﷺ ذوی الارحام یعنی قربتوں کا لحاظ وپاس فرماتے اور ان کی مدد فرماتے تھے۔ آپ فرماتے ابوفلاں کی آل میری دوست نہیں ہے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ فرمایا نہیں ہے کوئی میرا دوست بجز خدا کے اور مسلمانوں میں سے نیکوکاروں کے۔ ہاں ان لوگوں کے لیے رحم ہے کہ میں نرمی کرتا ہوں ان سے رحمی قرابت کی بنا پر۔ مطلب یہ کہ ان کے ساتھ بہت کم احسان کرتا ہوں جس طرح کہ کسی کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ابوفلاں سے مراد ابن ابوالعاص ہے اس جماعت کا حال معلوم ہے۔

اور حضورِ اکرم ﷺ امامہ بنت زینب کو گود میں لیتے اور نماز میں اپنے کندھے پر بٹھاتے اور جب سجدہ میں جاتے تو زمین پر اتار دیتے۔ پھر جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے تھے۔ آپ کی یہ عادت کریمہ اولاد کی شفقت اور مہربانی کی وجہ سے تھی۔ اور امامہ کا اٹھانا اور ان کا زمین پر رکھنا حضور ﷺ کا اپنا فعل نہ تھا بلکہ وہ خود آتیں اور لپٹ جاتیں اور جب وہ سجدہ میں جاتے تو اتر جاتیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ نماز میں یہ فعل کثیر تھا۔ یہ نفلی نماز میں تھا واللہ اعلم۔

حضورِ انور ﷺ کی رضاعی بہن جن کا نام شیما تھا اور وہ آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کیساتھ حضور ﷺ کی خدمت و تربیت بجالاتی تھیں۔ ان کا ذکر ابن اثیر نے صحابیات میں کیا ہے۔ جب وہ ہوازن کی باندیوں میں حضور ﷺ کے پاس آئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو پہنچوایا تو حضور ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھائی۔ اور فرمایا اگر تم پسند کرو تو ہمارے ساتھ رہو عزت و اکرام سے رہو گی اور مال و منال سے بھی بہرہ مند ہو گی۔ یا اگر تم اپنی قوم کی طرف جانا چاہتی ہو تو کہ دو انہوں نے اپنی قوم کی طرف جانا پسند کیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو ساز و سامان کے ساتھ بھیج دیا۔

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کو دیکھا ہے اس وقت میں بچہ تھا کہ اچانک ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی۔ حضور ﷺ نے اس عورت کے لیے اپنی چادر مبارک بچھائی وہ عورت اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ عورت کون ہے۔ تو صحابہ نے کہا یہ وہ عورت ہے جس نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا ہے ظاہر ہے کہ حلیمہ سعدیہ ہوں گی۔ اور ابن عبدالبر استیعاب میں کہتے ہیں کہ وہ حلیمہ تھیں۔ اور علماء یہ بھی بیان کرتے ہیں حضور ﷺ کو چونکہ آٹھ عورتوں نے دودھ پلایا تھا انہیں میں سے کوئی ہو گی۔ واللہ اعلم۔

عمرو بن سائب بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ ایک روز تشریف فرما تھے کہ حضور ﷺ کے رضاعی والد آئے۔ آپ نے ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھائی وہ اس پر بیٹھے۔ پھر آپ کی رضاعی والدہ آئیں تو چادر شریف کے ایک کونے پر انہیں بٹھا دیا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں سامنے بٹھایا۔

حضورِ اکرم ﷺ ابولہب کی باندی 'ثوبیہ کو بطور صلہ' کھانا' اور کپڑے وغیرہ بھی بھجوایا کرتے تھے۔ کیونکہ اس نے بھی آپ کو دودھ پلایا تھا۔ ثوبیہ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے دریافت کیا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار باقی ہے لوگوں نے کہا کوئی باقی نہیں ہے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ کی حدیث میں مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے فرمایا:

اَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ لَايُحْزِنُكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُقْرِيْ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اے میرے سرتاج! آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی غمگین نہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے یتیموں کا بوجھ اٹھاتے معدوم کا کسب فرماتے۔ مہمان کو ٹھہراتے اور حق کی دستگیری فرماتے ہیں۔ ﷺ

عدل و امانت اور عفت و صدق کلامی: حضورِ اکرم ﷺ غایت درجہ عادل و امانت دار اور سب سے زیادہ مہربان اور راست گو تھے۔ جن کا اعتراف آپ کے اظہار نبوت سے پہلے آپ کے دشمن و بیگانے سب ہی کرتے تھے اور وہ آپ کو ''محمد الامین'' کہا کرتے تھے۔

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کا اسم گرامی ''امین'' اسی بنا پر رکھا گیا کہ آپ میں تمام اخلاق صالحہ جمع کر دیے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ کی تفسیر میں بیشتر مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے ﷺ۔ ایسا ہی شفا میں کہا گیا ہے۔

جب قریش کے چار قبیلوں میں تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے میں اختلاف رونما ہوا۔ تو سب کا اس پر اتفاق ہوا کہ علی الصباح جو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو وہ جو کچھ حکم کرے اس پر ہم سب راضی ہوں گے۔ تو اس وقت سب سے پہلے حضورِ اکرم ﷺ داخل ہوئے اس پر وہ سب کہنے لگے۔ یہ تو محمد ہیں' یہ امین ہیں۔ (ﷺ) یہ جو کچھ فرمائیں گے ہم سب کو منظور ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک چادر منگوائی اور اس کے درمیان حجر اسود کو رکھا۔ اور چادر کے چار کونوں کو چاروں قبائل کے سرداروں کو تھما

دیا اور خود اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی اپنی جگہ نصب فرما دیا۔ یہ واقعہ اظہار نبوت سے پہلے اور حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے تولد کے سال کا ہے۔ زمانہ اسلام سے پہلے قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حکم اور ثالث بناتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَمِیْنٌ فِی السَّمَآءِ وَاَمِیْنٌ فِی الْاَرْضِ۔ خدا کی قسم! میں یقیناً آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں۔' صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ابوجہل لعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا ہم نہ تو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور نہ آپ کو دروغ گو جانتے ہیں۔ اور نہ آپ ہم میں جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن ہم اسے جھٹلاتے ہیں۔ جو دین کی باتیں آپ لے کر آئے ہیں۔'' یعنی اس کی یہ بات کتنی لغو' نامعقول اور متناقض ہے۔ اس لیے کہ جب تم آپ کو صادق وراست جانتے ہو تو جو کچھ وہ فرمائیں تم اس کی تصدیق کرو پھر یہ عناد واستکبار کیسا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ O

بیشک یہ اے محبوب! تمہاری تکذیب نہیں کرتے لیکن یہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی اور بھی تفسیر ہے مطلب یہ کہ اے محبوب! تم فارغ ہو اس کا غم نہ کھاؤ یہ تو مجھ پر بہتان باندھ رہے ہیں۔ میں ہی ان کو سزا دوں گا۔ جس طرح کوئی جماعت کسی کے غلام کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائے پھر آقا اپنے غلام سے کہے کہ یہ لوگ تمہیں آزار نہیں پہنچاتے۔ یہ مجھے ایذا پہنچاتے ہیں میں جانوں۔ میں ہی ان سے بنوں گا۔

منقول ہے کہ اخنس بن شریک روز بدر ابوجہل سے ملا۔ اخنس نے کہا اے ابوالحکم! (ابوجہل کی کنیت ہے) اس جگہ میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔ جو کہ تمہاری باتوں کو سنے۔ مجھے بتاؤ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں یا کاذب؟ تو اس معلون نے کہا ''خدا کی قسم! بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم راستی پر ہیں اور وہ صادق ہیں ہرگز دروغ گو نہیں۔''

ہرقل بادشاہ نے ابوسفیان سے اس حدیث میں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف واحوال کے بارے میں اس نے سوال کیے اور آپ کی نبوت پر اس نے استدلال کیا ہے۔ دریافت کیا۔ کیا تم ان میں سے تھے کہ اس مرد کو متہم بالکذب گرادنتے تھے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دعویٰ نبوت سے پہلے ایسا جانتے تھے۔ ابوسفیان نے جواب دیا خدا کی قسم! انہوں نے کبھی بھی دروغ گوئی نہیں کی۔ ہرقل نے کہا جب یہ بات ہے تو یہ ذات خدا پر دروغ کیسے باندھ سکتی ہے۔ ہرقل کی یہ بات علامات نبوت کی معرفت میں مفید ترین چیز ہے۔ بخاری شریف اول میں مذکور ہے اور مشکوٰۃ کی شرح میں اس کا ترجمہ اور شرح بیان کی گئی ہے۔

نضر بن حارث نے قریش سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے ہی خوردسالی سے جوان ہوئے۔ تمہارے سب کاموں میں تمہارے محبوب وپسندیدہ' قول وقرار میں تم سب سے زیادہ صادق ترین اور دیانت وامانت میں تم سب سے زیادہ عظیم ترین رہے۔ اور اب جب کہ تم ان کی کنپٹیوں کے بالوں میں آثار پیری دیکھ رہے ہو اور تمہارے پاس دین وملت کی باتیں لے کر تشریف لائے ہیں تو تم انہیں جادوگر (ساحر) کہتے ہو نہیں خدا کی قسم! وہ ساحر نہیں ہیں۔ یہ نضر بن حارث کافر تھا اور اس کے دل پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ لیکن سمجھدار تھا اور انصاف رکھتا تھا۔ لیکن دوسروں کے اوپر تو غلیظ پردے پڑے ہوئے تھے۔ جب کبھی یہ پردے اٹھ بھی جاتے تھے تو پہلے سے زیادہ غلیظ پردے پھر پڑ جاتے تھے۔

ولید بن مغیرہ روساء کفار قریش سے تھا اس نے بارہا قرآن پاک سنا' رویا اور کہنے لگا' یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔ اس کلام میں جو شیرنی اور دل نشینی ہے وہ کسی دوسرے کلام میں نہیں۔ بیشک اس میں حلاوۃ اور طلاوۃ ہے۔ صراح میں طلاوۃ کے معنی خوبی اور دل میں اثر کرنے

کے ہیں۔

اور حارث بن عامران شریر لوگوں میں سے تھا جو لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

لیکن جب یہ گھر والوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتا تو کہتا خدا کی قسم! محمد ﷺ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے۔

ایک روز ابو جہل حضور ﷺ کے پاس آیا اور مصافحہ کیا۔ لوگوں نے کہا۔ کیا تم محمد ﷺ کے ساتھ مصافحہ کرتے ہو؟ کہنے لگا خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ محمد ﷺ پیغمبر ہیں لیکن کیا کریں، ہم عبد مناف کی اولاد کے پیروکار کب تھے۔ اور مشرکین جب بھی حضور ﷺ کو دیکھتے تو کہتے خدا کی قسم! وہ نبی ہیں۔ یہ تھا مشرکوں کا حال۔

اور یہود و نصریٰ اہل کتاب تو خود حضور ﷺ کی رسالت کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ اور یقین کیساتھ حضور ﷺ کو پہچانتے تھے۔ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَ ھُمۡ وہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ اور یہ پشت در پشت سے نبی آخر الزماں کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مرتے وقت اپنے لڑکوں کو وصیت نامے لکھ کر دے جاتے تھے کہ جب نبی آخر الزماں تشریف لائیں تو ہمارا اسلام پہنچائیں اور عرض کریں کہ ہم نے آپ کے انتظار میں جانیں دے دیں ہیں۔ ہمارے اسلام کو قبول فرمائیں اور ہمیں اپنے غلاموں میں قبول فرمائیں۔

بیان کرتے ہیں کہ شاہان یمن میں سے تبع نامی مسلمان بادشاہ تھا اور اس کی قوم کافر تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تبع بنی تمیم تھا یا نہیں وہ اپنی جماعت کے ساتھ آخر الزماں کا نشان پہچانتے مدینہ منورہ آیا۔ اور اس شہر مکرم میں ٹھہر گیا۔ اس کے ساتھیوں نے تبع سے کہا کہ انہیں اپنی صحبت سے معاف رکھیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ انصار انہیں کی اولاد سے ہیں اور جب نور مبارک نے ظہور فرمایا تو وہ سب کفر کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہ گئے۔ نعوذ باللہ من اخذلان۔

عفت: عفت کے معنی حرام سے بچنے کے ہیں۔ اور قاموس میں ہے اَلۡعِفَّۃُ عَمَّا لَایَحِلُّ وَلَا یَحۡمَلُ عفت اسے کہتے ہیں جو چیز حلال اور اچھی نہ ہو اس سے بچنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ میں وجود عفت اور اس کے کمال کا کس زبان سے بیان ہو سکتا ہے۔ جہاں عصمت آ گئی وہاں سب کچھ آ گیا۔ حدیث مبارک میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی عورت کا ہاتھ تک نہ چھوا جس کے آپ مالک نہ ہوں۔ یہ ایک عبارت ہے جسے اہل عرف و عادت عفت و پارسائی کے بیان میں کہتے ہیں ورنہ حضور ﷺ کے لیے عفت کی حقیقت ہی نہیں آپ کے تمام اخلاق و اوصاف کی حقیقت اس سے بالاتر ہے۔ جتنا کہ بیان کیا جا سکتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی صفت مبارک راست گوئی اور صدق کلامی بار بار بیان کی جا چکی ہیں۔

عدل: لیکن عدل کے معنی خواہ عدالت وانصاف اور دادگستری کے لیے جائیں یا اخلاق وصفات میں اعتدال توسط لیے جائیں۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی میں دونوں معنی تھے اور دونوں ہی متصور ہیں۔

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ مال تقسیم فرما رہے تھے تو ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا عدل فرمایئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا جو تقسیم فرما رہے ہیں مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر اگر میں عدل نہیں کروں گا تو دوسرا کون کرے گا۔ یہ قصہ طویل ہے۔

ابوالعباس مبرد جو علم نحو کا امام ہے کہا کہ کسریٰ شاہ فارس نے اپنے دنوں کی تقسیم کر رکھی ہے۔ ہوا کا دن سونے کے لیے ابر آلود کا دن شکار کے لیے اور بارش والا دن شراب پینے کے لیے موزوں ہے اور روز آفتاب یعنی کھلا دن، لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اچھا ہے۔ بیان کرتے ہیں کسریٰ لوگوں کی سیاسی سوجھ بوجھ میں عقلمند نہ تھا تو وہ اپنے دین میں کہاں ہوگا۔ لیکن ہمارے نبی

سیّدِ عالم ﷺ نے اپنے دن کو تین جزء پر تقسیم فرما رکھا تھا۔ دن کا ایک حصہ عبادت کے لیے اور ایک حصہ اہل وعیال کے لیے اور ایک حصہ خاص اپنے لیے پھر اس تیسرے حصے کو بھی اپنے لیے اور لوگوں کی حاجتیں پوری فرمانے کے لیے تقسیم کر دیا تھا۔ اس بیان کی تفصیل حلیہ شریف کے آخر باب میں گزر چکی ہے۔ ابو جعفر طبری سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے نقل کرتے ہیں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے کبھی دو مرتبہ کے سوا کبھی بھی جاہلیت کے اعمال کا قصد نہ کیا اور ان دو مرتبہ میں بھی ہر بار اللہ تعالیٰ میرے اور میرے ارادے کے درمیان حائل ہو گیا پھر میں نے کبھی ایسا قصد نہ کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ میں نے ایک رات اپنے اس ساتھی سے کہا، جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہ تم میری بکریوں کا خیال رکھنا۔ میں مکہ مکرمہ ہو آؤں اور افسانے کہوں اور سنوں۔ جس طرح نوجوان لوگ کہتے اور سنتے ہیں۔ میں وہاں سے چلا اور مکہ مکرمہ کی ایک سرائے میں آیا وہاں لوگ نشانہ بازی کر رہے تھے۔ اور دف ومزامیر بجا رہے تھے۔ اس دن کسی کے گھر میں شادی تھی۔ میں بیٹھ گیا تاکہ اسے سنوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے سلا دیا۔ اور مجھے اس وقت بیدار کیا جبکہ آفتاب کی گرمی پھیل چکی تھی میں لوٹ آیا اور دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پھر میں نے کبھی بھی اس برائی کا قصد نہ کیا۔ ﷺ

وقار و دبدبہ، خاموشی اور راہ وروش: وصل: وقار وتوءدت کے لغوی معنی آہستگی کے ہیں لیکن مراد رعب، ہیبت اور دبدبہ ہے۔ اور صمت کے معنی خاموش رہنے کے ہیں۔ اور مروت کے معنی مردی وانسانیت کے ہیں۔ اور ہدی بمعنی سیرت اور راہ روش ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک میں حلم ووقار تھا اور آپ کی حرکات وسکنات میں بردباری وآہستگی ایسی تھی جو کسی دوسرے میں ممکن نہیں۔ حدیث مبارک میں مروی ہے آپ مجلس مبارک میں سب لوگوں سے بڑھ کر باوقار تھے۔ اور آپ کے جسم واعضاء کا کوئی عضو باہر نہ نکلتا تھا۔ جس طرح عام طور پر کوئی ہاتھوں کو گھماتا ہے کوئی پاؤں پھیلاتا ہے۔ وغیرہ۔

اکثر آپ کی نشست مبارک احتباء کے وضع پر ہوتی۔ احتباء اس نشست کو کہتے ہیں جو سرین پر بیٹھ کر گھٹنے اٹھا کر پنڈلیوں کو ملا کر بیٹھا جائے۔ آپ اس طرح کبھی چادر مبارک لپیٹ کر کبھی بغیر اس کے تشریف رکھتے۔ اور کبھی مربع (جہاں زانوں) نشست ہوتی۔ صبح کی نماز کے بعد اس وضع پر تشریف رکھ کر وظائف واوراد پڑھتے اور کبھی بوضع فرقصا تشریف رکھتے۔ اس کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ سرین پر نشست فرماتے یعنی رانوں کو اٹھاتے اور انہیں شکم اطہر سے ملاتے۔ اور دونوں ہاتھوں سے احتباء کرتے یعنی لپیٹتے۔ اور ان کو زانوں یا پنڈلیوں پر رکھتے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ رکبتین یعنی زانوؤں کا احتباء فرماتے اور رانوں کو شکم سے ملاتے۔ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اپنی بغل میں لاتے۔ احتباء کی یہ ایک خاص نوع ہے کہتے ہیں کہ ایسا بیٹھنا اعراب وعرب کا ہے۔

قیلیہ بنت مخرمہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو حالت خشوع میں بوضع فرقصا بیٹھے دیکھا تو میں خوف سے کانپ گئی۔ مطلب یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ کو حالت خشوع میں اس طرح دیکھنے سے مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ خشوع کے معنی عاجزی کے ساتھ آنکھیں بند کرنا ہے۔ خضوع کے بھی قریب قریب یہی معنی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ خشوع کا تعلق بدن سے ہے اور خضوع کا تعلق آواز وبصر سے ہے۔

اور بعض حدیثوں میں خشوع کو باطن پر اور خضوع کو ظاہر پر محمول کیا گیا ہے اور یہ دونوں لفظ سکون وتذلل کے معنی میں مشترک ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ بہت زیادہ خاموش پسند تھے اور ضرورت کے وقت ہی کلام فرمایا کرتے تھے۔ اور جو کوئی غیر جمیل یعنی بغیر حسن وخوبی کے بات کرتا آپ اس سے رخ پھیر لیا کرتے۔ آپ کا کلام قول فیصل ہوتا۔ اظہار مطلب میں الفاظ نہ زیادہ ہوتے اور نہ کم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اس طرح کلام فرماتے کہ آپ کے کلمات کو شمار کیا جاسکتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ترتیل وترسیل کے ساتھ تھا۔ صراح میں ہے کہ ترتیل کے معنی آرام کے ساتھ ہموار اور خوب واضح لفظوں سے پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا۔ یعنی قرآن کو خوب واضح حروف' آرام وسکون اور ہموار لفظوں سے پڑھو۔''ترسیل کے بھی یہی معنی ہیں۔ ان کے معانی کی تحقیق ''رسالہ تجوید'' میں کی گئی ہے۔

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموش پسندی کا سبب چار چیزیں تھیں۔ حلم' حذر یعنی خشیت الٰہی' تقدیر اور تفکر یعنی غور وخوض' آپ کا ہنسنا مسکرانے کی حد تک تھا۔ اور آپ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کا ہنسنا بھی آپ کی پیروی اور اجتماع ہی میں تھا۔ آپ کی مجلس مبارک' حلم وحیا اور خیر وامانت کی مجلس تھی جس میں آوازیں بلند واونچی نہ ہوتیں۔ بری باتوں سے اجتناب کیا جاتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو تمام صحابہ اپنے سروں کو جھکا لیتے۔ گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر سر اٹھایا تو وہ اڑ جائیں گے۔ صاحب الشفا نے صحابہ کرام کی اس حالت کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام فرمانے کی حالت کے ساتھ مخصوص ومقید کیا ہے۔ حالانکہ دیگر کتابوں میں مطلقاً آیا ہے کہ مجلس نبوی کی حاضری میں صحابہ کرام کی ہمہ وقت یہی حالت رہتی تھی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں منہ میں سنگریزہ رکھ کر بیٹھا کرتے تھے تاکہ سانس نہ گھٹنے پائے اور بات نہ کرسکیں۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر محبت کی لڑی میں پرو کر نظر جمائے رکھتے تھے۔

آپ کی رفتار مبارک اور چلنے کی کیفیت حلیہ مبارک کے ضمن میں معلوم ہوگئی ہوگی۔ آپ کی مروت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے کھانے پینے کو پھونک پھونک کر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور سامنے رکھا ہوا سے کھانے کا حکم فرمایا اور مسواک کرنے' منہ' انگلیوں کے پوروں' گھائیوں اور جوڑوں کو خوب صاف کرنے کا حکم فرمایا۔

آپ کی سیرت مبارکہ یعنی رہ وروش بہترین سیرت تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

خَيْرُ الْحَدِيْثِ كَلَامُ اللّٰهِ وَ خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — بہترین کلام کلام اللہ ہے اور بہترین سیرت حضورِ انور کی سریت مبارک ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو اور معطر فضا کو محبوب رکھتے۔ خود بھی استعمال فرماتے۔ اور دوسروں کو ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا:

حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ اَلنِّسَآءُ وَالطِّيْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ — تمہاری دنیا میں مجھے تین چیزیں محبوب کی گئی ہیں۔ بیویاں' خوشبو اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک گردانی گئی۔

مطلب یہ کہ انہیں حق تعالیٰ نے میرے لیے محبوب بنایا ہے نہ یہ کہ میں نے اپنے اعمال واختیار سے انہیں محبوب جانا ہے۔ نماز میری آنکھوں کے لیے آرام وقرار گردانا گیا یا میری آنکھوں کی خنکی وٹھنڈک قرار دی گئی ہے۔ بیان کرتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں خوشی ومسرت اور روشنی وخوشدلی پاتے اور جو ذوق وشہود حالت نماز میں آپ کو حاصل ہوتا وہ کسی دوسری عبادت اور کسی وقت نہ ہوتا۔

''قرۃ العین'' فرحت وسرور' دریافت مقصود اور انکشاف غیب سے کنایہ ہے۔ ''قرۃ'' قر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی قرار وثبات کے ہیں۔ چونکہ نظارہ محبوب کی دید سے قرار اور راحت وآرام حاصل ہوتا ہے۔ آپ سرور کی حالت میں دائیں بائیں دیکھتے۔ اور خوش حالی میں اپنی جگہ پر ساکن رہتے۔ محبوب کے غیر پر نظر ڈالنے سے پریشانی اور حیرانی ہوتی ہے۔ اس طرح حزن وملا کی حالت میں بھی سرگردانی اور پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ اور آنکھیں ایسی وہ جاتی ہیں گویا ان پر موت طاری ہوگئی ہے۔'' یہ اس کی دلیل ہے۔

یا قرۃ'' قر سے مشتق ہے۔ بمعنی سردی وٹھنڈک۔ چونکہ محبوب کے مشاہدہ سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی بناء پر فرزند کو قرۃ العین کہتے ہیں اور یہ کہ فرمایا: فِي الصَّلٰوةِ (نماز میں) الصلوٰۃ (نماز) نہ فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ آنکھوں کا سرور وآرام مشاہدہ حق سے ہے کہ بحکم ''کانک تراہ'' گویا کہ تم نماز میں اسے دیکھ رہے ہو'' یہ مشاہدہ حق حالت نماز میں حاصل ہے۔ اور نماز حق کا غیر ہے۔ اگر چہ اسی کی نعمت اور اسی کا فضل ہے۔ اور حق کی نعمت اور فضل سے خوش ہونا بھی ایک مقام بلند ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا فرمادو اللہ کے فضل ورحمت ہی کے ساتھ انہیں چاہیے کہ وہ مسرور ہوں۔

فضل ورحمت کا مقام مفضل ومنعم یعنی ذات باری تعالیٰ کے مشاہدے سے کم ہے اور فضل ورحمت کے ساتھ فرح وسرور ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ کا مقام کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔ اسی بنا پر فَلْيَفْرَحُوْا (انہیں خوش ہونا چاہیے) فرمایا اور فلتفرح نہ فرمایا کیونکہ ان میں حضور ﷺ کو خطاب ہوتا ہے۔ (مطلب یہ کہ امت کو چونکہ مقام ودرجہ بمقابلہ نبی کے کمتر ہوتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت پر ہی خوشی ومسرت کرنی چاہیے۔ اور نبی کا مقام اس سے بلند ہوتا ہے۔ خاص کر سیّد عالم ﷺ کا مقام جو کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ ہے ﷺ اس لیے ان کی خوشی ومسرت مشاہدہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ (فت برازمترجم غفرلہ)۔

تنبیہ: واضح رہنا چاہیے کہ یہ کلمہ جو مذکور ہوا اس حدیث کا جزو ہے حُبِّبَ اِلَيَّ الطِّيْبُ وَالنِّسَآءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد ونسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور سخاوی ''مقاصد حسنہ'' میں فرماتے ہیں کہ طبرانی اسے ''اوسط'' اور ''الصغیر'' میں مرفوعاً لائے ہیں۔ اسی طرح خطیب ''تاریخ بغداد'' میں اور ابن عدی ''الکامل'' میں لائے ہیں۔ اور مستدرک میں بھی ہے۔ لیکن بغیر لفظ ''جعلت'' کے ہے اور کہا گیا ہے برشرط مسلم صحیح ہے۔ نسائی کے نزدیک بروایت انس ایک اور سند سے بزیادتی لفظ ''من الدنیا'' ایک مروی ہے اور بکثرت محدثین نے اسی وجہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ اسے امام احمد نے ''کتاب زہد'' میں بزیادتی لطیف روایت کیا ہے۔ وہ اضافہ یہ ہے کہ

اَصْبِرُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَلَا عَنْهُنَّ کھانے پینے سے رک سکتا ہوں لیکن بیویوں سے نہیں رک سکتا۔

(وجہ یہ ہے کہ کھانا پینا اپنا ذاتی حق ہے اور ازواج کے حقوق' دوسرے کا حق ہے اپنے حق کو باختیار خود چھوڑا جاسکتا ہے لیکن دوسروں کے حقوق اپنی مرضی سے کسی حال میں بھی ترک نہیں کیے جاسکتے۔ فافہم مترجم) سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ اس حدیث میں لفظ ثلث (تین) کی زیادتی کے ساتھ ہے تو میں اس سے واقف نہیں ہوں مگر دو جگہ پر ایک ''احیا'' میں دوسرے کشاف کے سورۂ آل عمران میں۔

......اور میں نے اس اضافہ کو اسناد حدیث میں سے کسی سند میں باوجود بہت جستجو وتلاش کے نہیں دیکھا۔ زرکشی نے اس معنی کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں لفظ ''ثلث'' وارد نہیں ہوا ہے حالانکہ یہ اضافہ معنی میں خلل انداز ہوتا ہے۔ اس لیے کہ صلوٰۃ از قبیل اشیاء دنیا نہیں۔ اگر چہ اس کی تاویل بھی کی گئی ہے۔ شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے رافعی کی روایت کردہ میں کہا ہے کہ لوگوں کی زبانوں پر لفظ ''ثلث'' مشہور ہوگیا ہے۔ لیکن میں نے اس لفظ کو اسناد میں کہیں نہیں پایا۔ اور ولی الدین عراقی بھی اپنی کتاب ''امالی'' میں فرماتے ہیں کہ لفظ ثلث کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے اور صلوٰۃ از امور دنیا نہیں ہے۔

(انتہی کلام سخاوی) لہٰذا معلوم ہوا کہ اصل متن حدیث جس پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے اسی لفظ کے ساتھ ہے کہ

حُبِّبَ اِلَيَّ الطِّيْبُ وَالنِّسَآءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ میرے لیے تین چیزیں محبوب کی گئی ہیں۔ خوشبو۔ ازواج اور نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور آرام بنائی گئی۔

یہ متن بغیر اشکال کے ہے۔اور بعض روایتوں میں ''من الدنیا'' یا ''من دنیا کم'' آیا ہے۔اور بعض کتابوں میں لفظ ثلث بھی آیا ہے۔اگر ان دونوں میں ایک نہ ہوتو اشکال نہیں ہوتا۔اگر دونوں ہوں جیسا کہ لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے تو اشکال وارد ہوتا ہے۔اور اس کی تاول میں کوئی کہتا ہے کہ ''من الدنیا'' سے مراد دنیا میں ہوتا ہے۔

اور اس کا وجود اس جہان کی زندگانی سے ہے۔لہٰذا حاصل معنی یہ ہوئے کہ اس جہان میں مجھے تین چیزیں اچھی لگیں۔دو تو دنیاوی امور سے ہیں اور تیسرا امر اختیاری دینی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ از روئے ملال' تیسرا امر امور دنیا سے ہے۔اس کا ذکر نہیں کیا اور عدول کیا امر دینی سے بر طریق تکمیل اور دفع توا ہم اس سے کہ اس میں لذت و محبت ہے اور معاشرت ازواج میں انہماک' حق اور اس کی مناجات سے مشغولیت نہیں رکھتا۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ امر ثالث جس کا اس حدیث میں ذکر نہیں وہ خیل (گھوڑا) ہے۔والعلم عند اللہ جیسا کہ دوسری حدیث میں بروایت انس وارد ہے کہ

لَمْ یَکُنْ اَحَبَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ النِّسَآءِ مِنَ الْخَیْلِ

حضور ﷺ کو ازواج کے بعد گھوڑے سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ تھی۔

اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ تیسرا امر' طعام ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کو دنیا کی تین چیزیں اچھی معلوم ہوئیں۔کھانا' ازواج اور خوشبو۔تو آپ نے ان میں سے دو سے تو حظ اٹھایا اور ایک سے نہیں یعنی ازواج اور خوشبو سے تو محفوظ ہوئے اور کھانے سے نہیں اسے امام احمد نے روایت کیا (واللہ اعلم)۔

زُہد: حضورِ اکرم ﷺ کی صفت زہد اور اس کے کمال کا ذکر احادیث و اخبار میں کافی و وافی ہے۔حضورِ اکرم ﷺ دنیاوی ملمع کاری سے کلیۃً مجتنب رہتے تھے۔حالانکہ آپ کے سامنے دنیا پوری چمک دمک کے ساتھ لائی گئی۔اور پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں مگر جب آپ کا دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آیا تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی تھی جس سے اپنے اہل و اعیال کے نفقہ کے لیے روپیہ حاصل کیا تھا۔حالانکہ آپ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا اے خدا! میرے اہل و عیال کے جان کی رمق باقی رہنے کے لیے رزق عطا فرما۔وفات کے وقت تک اس زرہ کو چھڑایا نہ جاسکا۔اور یہ سب کچھ زہد و سخاوت اور ایثار کی وجہ سے تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے کبھی مسلسل تین دن شکم سیر ہو کر روٹی نہ کھائی۔ایک اور روایت کے مطابق کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی ملاحظہ نہ فرمائی۔اگر آپ چاہتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا دیتا کہ کسی کے وہم و خیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے اہل و عیال نے کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہ کھائی۔یہاں تک کہ حضور ﷺ وصال بحق ہوئے۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے درہم چھوڑا نہ دینار۔نہ بکری نہ اونٹ اور عمرو بن حارث کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا بجز ہتھیار' گھوڑا اور زین کے۔اور اسے بھی صدقہ یعنی بحق بیت المال میں دے دیا تھا۔سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اس حال میں رحلت فرمائی کہ گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا کھا سکے مگر نصف کیل جو۔جو گھر کے ایک طاق میں پڑے ہوئے تھے۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً مجھ پر پیش کیا گیا کہ اگر چاہیں تو مکہ کی وادی بطحا کو میرے لیے سونا کر دیا جائے۔تو میں نے عرض کیا نہیں اے رب! بس تو اتنا کر دے کہ ایک دن تو بھوکا رہوں اور دوسرے دن کھاؤں۔اور جس دن بھوکا رہوں تیرے حضور ﷺ یہ گریہ وزاری کروں اور تجھ سے مانگوں۔اور جس دن کھاؤں اس دن تیرا شکر بجالاؤں۔اور تیری حمد وثنا

کروں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جبریل نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد سلام ارشاد فرمایا ہے کہ کیا آپ کو پسند ہے کہ ان سب پہاڑوں کو سونا کر دیا جائے۔ اور جہاں آپ تشریف فرما ہوں ساتھ جایا کریں۔ اس پر حضور ﷺ نے کچھ دیر سر مبارک کو جھکائے رکھا پھر فرمایا اے جبریل! دنیا اسکا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو۔ اور اسے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو''۔ جبریل نے حضور ﷺ سے عرض کیا اے حبیبِ خدا! اللہ تعالیٰ قول ثابت پر آپ کو قائم و ثابت رکھے۔

سیّدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضورِ اکرم ﷺ کی آل میں سے ہیں ہمارا یہ حال تھا کہ ہم ایک ایک مہینہ آگ نہیں جلاتے تھے اور ہمارے پاس بجز کھجور اور پانی کے کوئی خوراک نہ ہوتی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک بہت بڑا طباق کھانے کا لائے۔ اس پر آپ پر گریہ طاری ہوا اور فرمانے لگے۔ ''ہلاک شد رسولِ خدا ﷺ'' اور جو کی روٹی سے خود اور آپ کی ازواج مطہرات سیر نہ ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات مسلسل راتیں بغیر کھائے پیے گذارتے تھے۔ اور رات کا کھانا موجود نہ ہوتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورِ انور ﷺ نے کبھی دسترخوان یا سینی پر کھانا نوش نہ فرمایا۔ اور نہ آپ کے لیے پتلی چپاتی تیار کی گئی۔ کبھی بھی گوسفند ملیمہ یعنی دم پخت بکری آپ کے سامنے نہ دیکھی گئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کبھی آسودہ خاطر نہ ہوئے اور نہ کبھی کسی سے اس کی شکایت فرمائی اور آپ کے نزدیک غنیٰ سے فاقہ کشی بہت زیادہ محبوب تھی اور حضورِ انور ﷺ فاقہ سے دن گزارتے۔ اور رات کو تمام شب بھوک سے شکم اطہر ملا کرتے۔ یہ شدت بھوک سے کنایہ ہے۔ آپ کی یہ حالت دن کے روزوں سے نہ روکتی۔ اگر آپ پروردگار سے مانگتے تو وہ آپ کو زمین کے تمام خزانے اور اس کے تمام میوے عنایت فرما دیتا۔ مجھے آپ کی محبت و شفقت کی بنا پر رونا آجاتا تھا جو کچھ کہ میں آپ کی حالت دیکھتی یا اپنے ہاتھ سے آپ کے شکم اطہر کو ملتی۔ اور بھوک سے جو کیفیت آپ پر ہوتی تو میں عرض کرتی روحی فداك يا رسول الله اے اللہ کے رسول! آپ پر میری جان قربان کاش کہ آپ دنیا سے اتنا لینا پسند فرماتے جو آپ کے کھانے کے لیے کافی ہوتا۔ اور قوت دیتا۔ اس پر آپ فرماتے: اے عائشہ! دنیا سے مجھے کیا سروکار؟ میں دنیا کا کیا کروں؟ میرے برادران جو کہ اولوالعزم رسول ہیں انہوں نے اس سے زیادہ سختیوں اور شدتوں پر صبر فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے حال سے گذر گئے۔ اور اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ اور ان کی اس مراجعت ربی کو حق تعالیٰ کے گرامی قدر بنایا اور انہیں بہت کچھ ثواب وصلہ رحمت فرمایا۔ لہٰذا میں اپنے آپ کو پاتا ہوں اور تن آسانی سے شرماتا ہوں کہ اپنی زندگی ایسی گزاروں۔ پھر کل کو مجھے ان سے جدا کیا جائے۔ حالانکہ میرے نزدیک اپنے بھائیوں کے زمرہ میں شامل رہنے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہے۔ میں ہوں اور میرے محبوب برادران۔ (ﷺ) سیّدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضورِ اکرم ﷺ دنیا میں ایک ماہ سے زیادہ اقامت نہ فرمائی۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا کوئی خاص بستر نہ تھا۔ فقط ایک ایسا بچھونا جس میں روئی کی جگہ کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ کے خانہ اقدس میں دوسوتی (پلاسی) تھی جسے میں دوتہہ کر کے بچھایا کرتی تھی۔ آپ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے اس کی چار تہہ کر دیں تاکہ کچھ نرم ہو جائے۔ چنانچہ جب صبح بیدار ہوئی تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: آج رات تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا۔ میں نے عرض کیا وہی بستر تھا جو روز بچھایا کرتی تھی۔ لیکن

آج رات میں نے اس کی چار تہہ کر دی تھیں۔ فرمایا اسے اسی حال پر رکھو اس لیے کہ اس کی نرمی مجھے رات کی نماز سے باز رکھتی ہے۔ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ کبھی تخت پر آرام فرماتے یا کبھی اس کھجور کے پتوں کی چٹائی پر چٹائی کے نشانات آپ کے پہلوئے اقدس پر مرتسم ہو جاتے تھے۔ ﷺ

خوف وخشیتِ الٰہی وسختی طاعت اور شدتِ عبادت

وصل: حضورِ اکرم ﷺ کا خوف وخشیت الٰہی اور اس کی طاعت وعبادت حق تعالیٰ جل شانہ کے علم ومعرفت کے مطابق تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ جاننے والا اور حق تعالیٰ کے حقیقت کا شناسا ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ اس کا خائف اور اس کا عبادت گزار ہوگا۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا حقیقت یہ ہے کہ اس کی بندوں میں سے علماء ہی اللہ کی خشیت رکھتے ہیں

صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے رسول ﷺ نے فرمایا اگر تم وہ جانو جو کچھ کہ میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روگے" ترمذی کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا میں وہ تمام کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور میں وہ کچھ سن رہا ہوں جو تم نہیں سن سکتے۔ اور فرمایا کہ آسمان خاص قسم کی آواز نکالتا ہے اور اسی لائق ہے کہ آواز اطیط نکالے۔ "اطیط" پالان اور اونٹ کے درد وکرب سے کراہنے کی آواز کو کہتے ہیں اور آسمان کا "اطیط" کرنا ملائکہ کی کثرت واژدہام کی گراں باری کی بنا پر ہے۔ یہ کنایہ ہے اور فرمایا آسمان میں چار انگل بھی ایسی جگہ نہیں ہے۔ جہاں خدا کی حضور ﷺ فرشتے پیشانی رکھے سجدہ نہ کر رہے ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا خدا کی قسم! اگر تم وہ کچھ جانو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روگے۔ اور اپنی بیویوں سے ہم بستری سے لذت نہ اٹھاؤ گے۔ اور زمینوں اور اس کی بلندیوں اور راہوں کی طرف نکل کھڑے ہو گے۔ اور خدا کے حضور ﷺ گڑگڑاؤ گے۔ اور فریاد کرو گے۔ اور دعاؤں میں اونچی آوازوں سے پکارو گے۔ مطلب یہ کہ میں صبر وتحمل کی قوت سے ان کے بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔ اگر تم جان لو تو ہرگز وہ بوجھ نہ اٹھا سکو گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ہمہ وقت تمنا کرتا ہوں کہ کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ ڈالا جاتا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیا ملاحظہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا میں دیکھ رہا ہوں بہشت ودوزخ کو۔

لہٰذا حق تعالیٰ نے آپ میں خشتیہ قلبیہ اور استحضار عظمت الٰہیہ کے ساتھ علم الیقین اور عین الیقین کو اس شان سے جمع فرمایا کہ کوئی دوسرا ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کا نماز میں قیام اس طرح ہوتا کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے اس پر صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اتنی محنت اور مشقت کس لیے برداشت فرماتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کے سبب تمام اگلوں اور پچھلوں کے گناہوں کو معاف فرمایا ہے۔ اور آپ تو مغفور ہیں ہی۔ فرمایا کہ خدا کی اس عنایت وکرم پر کہ اس نے مغفور بنایا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ ﷺ

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کا ہر عمل لزوم ودوام لیے ہوئے ہے تم میں سے کس کی طاقت ہے جو حضور ﷺ جیسی مشقت برداشت کر سکے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ حضور ﷺ خواب استراحت سے بیدار ہوئے۔ مسواک کی اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تو میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ نے سورۂ

بقر کی تلاوت شروع فرمائی تو کوئی رحمت والی آیت ایسی نہ گزری جس میں حضور ﷺ نے توقف کر کے خدا کے حضور ﷺ رحمت کی درخواست نہ کی ہو۔اور ایسی کوئی عذاب والی آیت نہ گزری جس میں حضور ﷺ نے توقف کر کے خدا سے اس عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔پھر آپ نے قیام کے برابر طویل رکوع فرمایا۔اور پڑھا سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظْمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ۔ پھر رکوع سے سر مبارک اٹھا کر اتنا ہی قیام فرمایا۔اور اس میں یہی کلمات پڑھے۔اس کے بعد سجدہ کیا اس میں بھی یہی کلمات پڑھے۔پھر دونوں سجدوں کے درمیان جلوس فرمایا۔اس میں بھی اسی کی مانند کلمات پڑھے۔(اس کے بعد بقیہ رکعتوں میں) سورۂ آل عمران' سورۂ نسا اور سورۂ مائدہ کی تلاوت کی۔اور کبھی آپ ایک ہی آیت پر ساری رات قیام میں گزار دیتے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ آیت یہ ہوتی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُO اگر تو ان پر عذاب فرمائے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

اس سے مقصود امت کا عرض حال اور ان کی مغفرت کی درخواست تھی۔منقول ہے کہ حضور ﷺ نماز ادا فرماتے ہوتے اور آپ کا شکم اطہر دیگ کے جوش مارنے سے آواز کی مانند آواز دے رہا ہوتا۔

ابن ابی ہالہ کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ پر پے در پے غم آتے اور مسلسل آپ کو حزن وملال پہنچتا رہتا تھا۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے رب سے روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں اور ایک روایت میں سو بار ہے یہ سارا اندوہ وغم اور استغفار امت کے لیے تھا اس کے ماسوا اور بھی وجوہ علما بیان کرتے ہیں جسے رسالہ ''مرج البحرین'' میں ذکر کیا گیا ہے۔

سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ سے آپ سے وصال حق کے طریقے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا میرے مال کی راس معرفت ہے۔میرے دین کی اصل عقل ہے۔محبت میری اساس ہے۔شوق میری سواری ہے ذکر اللہ میرا انیس ہے شفقت میرا خزانہ ہے' غم میرا رفیق ہے' علم میرا ہتھیار ہے' صبر میری چادر ہے' رضا میری غنیمت ہے۔فقر میرا فخر ہے۔زہد میری حرفت ہے۔یقین میری قوت ہے۔صدق میرا شفیق ہے۔طاعت میری محبت ہے۔جہاد میری خوبو ہے۔اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک وآرام نماز میں ہے۔میرے دل کا پھل ذکر میں ہے اور میرا غم' اپنی امت کے لیے ہے اور میرا شوق اپنے رب کی طرف ہے۔ﷺ

قرآن پاک میں مذکورہ صفات وخصائل مبارک

وصل: صحیح بخاری میں بروایت عطاء ؓ ایسی حدیث منقول ہے جو حضورِ اکرم ﷺ کے اکثر اخلاق کریمہ کی جامع ہے اور ان میں سے آپ کے کچھ صفات عالیہ قرآن کرم میں بھی مذکور ہیں۔چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ یعنی آگاہ ہو۔اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو بھیجا گواہ اس کتاب پر جو ہم نے ان کی طرف بھیجی۔ان کی تصدیق وتکذیب اور ان کی نجات وگمراہی پر گواہی دینے والا اور فرماں برداروں کو بشارت دینے والا اور نافرمانوں کو ڈرانے والا اور امیوں کے لیے یعنی اہل عرب کے لیے جو کہ حضور ﷺ کی قوم تھی ان کو پناہ دینے والا بھیجا۔صراح میں ''حرز'' کے معنی ہموار اور اچھی جگہ کے ہیں اَنْتَ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ یعنی تم میرے بندہ خاص ہو اس مقام کی حقیقت اور اس مرتبہ خاص کا آپ کے سوا کوئی سزاوار نہیں۔اور میں نے تمام مخلوق کی طرف رسول فرمایا: سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا کیونکہ تمام کار اور اپنا بار تم نے میرے سپرد کر دیا۔اور اپنی ہر ایک قوت وطاقت سے دستکش ہو گئے۔اور تمام کاموں میں ہی

تمہارے ہر امر کا متولی ہوا لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ۔ میرا یہ بندہ خاص ایسا ہے کہ نہ درشت خو ہے اور نہ سخت کو وَلَا سَخَابٍ فِي الْاَسْوَاقِ نہ یہ بازاروں میں آوازیں بلند کرتا ہے۔ بازار کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ بازاروں میں اکثر اونچی آوازیں ہوتی ہیں۔ اور معنوی لحاظ سے مراد یہ ہے کہ بازار میں آنے سے اجتناب فرماتے ہیں۔ کیونکہ وہ دنیاوی کاروبار کی جگہ ہے اور اہل آخرت کے لیے بلا ضرورت جانا ان کے حال کے لائق نہیں وَلَايَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ اور بدی کو بدی سے دور نہیں فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے۔ اگر حد سے تجاوز نہ کیا جائے تو شریعت میں درست ہے وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَغْفِرُ لیکن وہ معاف فرماتے' چھپاتے اور بخشش کی دعا مانگتے ہیں بلکہ احسان فرماتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ خود ہی ارشاد فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ وَلَا يَقْبِضُهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ — بدی سے جو بہت اچھی ہو اس سے دور کرو اور اللہ روح قبض نہیں فرمائے گا جب تک آپ کے ذریعہ ٹیڑھے لوگ سیدھے نہ ہو جائیں۔

اور یہ کج رو اور ٹیڑھے لوگ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر سیدھے ہو جائیں۔ وَيَفْتَحُ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو بینا فرمائے گا وَاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا۔ اور بہرے کان اور دلوں کے پردے کھولے گا۔ اس حدیث میں بعض روایتوں میں اتنا زیادہ مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اُسَدِّدُهٗ بِكُلِّ جَمِيْلٍ میں نے انہیں ہر خوبو اور خصلت کے ساتھ درست فرمایا ہے۔ صراح میں سداد کے معنی راست گفتاری اور راست کرداری کے ہیں وَاَهِبُ لَهٗ كُلَّ خُلُقٍ كَرِيْمٍ اور میں نے ان کو ہر اچھی خصلت عطا فرمائی ہے: وَاَجْعَلُ السَّكِيْنَةَ لِبَاسَهٗ وَالْبِرَّ شِعَارَهٗ اور آرام واطمینان کو ان کا لباس بنایا۔ جو انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ اور نیکی اور بھلائی کو ان کی علامت شعار بنایا۔ مانند اندرونی کپڑے کے جو آپ کے ساتھ چسپاں ہے: وَالتَّقْوٰى ضَمِيْرَهٗ اور پرہیز گاری کو ان کا ضمیر اور ان کا دل بنایا ہے۔ اس لیے کہ تقویٰ کی جڑوں میں ہوتی ہے اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا: اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا۔ سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقوی کی جگہ یہ ہے۔ اس کو ضمیر کے ساتھ تعبیر فرمایا کیونکہ ''اضمار'' دل میں بات چھپانے کو کہتے ہیں۔ وَالْحِكْمَةَ مَعْقُوْلَهٗ اور میں نے حکمت کو ان کی عقل مبارک بنایا۔ حکمت نام ہے اشیاء کے احوال کو جس طرح نفس الامر میں ہے۔ جاننے کا اور اس کے معنی راست گفتاری اور راست کرداری میں بھی آیا ہے۔ وَالصِّدْقَ وَالْوَفَاءَ طَبِيْعَتَهٗ اور میں نے سچائی اور ایفائے عہد کو ان کی طبیعت بنائی۔ والعفو والمعروف خلقه درگزر فرمانا اور نیکی کا حکم کرنا ان کی خصلت رکھی وَالْعَدْلَ سِيْرَتَهٗ وَالْحَقَّ شَرِيْعَتَهٗ وَالْهُدٰى اِمَامَهٗ وَالْاِسْلَامَ مِلَّتَهٗ اور میں نے انصاف یا میانہ روی کو ان کی سیرت اور حق کو ان کی شریعت اور ہدایت کو ان کا امام اور اسلام ان کی ملت بنائی۔ و احمد اسمه ان کا اسم گرامی احمد ہے۔ حضور اکرم ﷺ پچھلی امتوں میں محمد واحمد دونوں ناموں سے یاد کیے جاتے تھے۔ وَاَهْدِيْ بِهٖ بَعْدَ الضَّلَالَةِ۔ اور میں نے ان کے ذریعہ گمراہی کے بعد راہ راست دکھائی وَاُعَلِّمُ بِهٖ بَعْدَ الْجَهَالَةِ اور جہالت کے بعد ان کے ذریعہ مینارۂ علم روشن فرمایا وَاَرْفَعُ بِهِ الْخَمَالَةَ۔ اور ان کے ذریعہ مخلوق کو پستی سے بام عروج پر پہنچایا۔ وَاُسَمِّيْ بِهٖ بَعْدَ النَّكِرَةِ۔ اور ان کو بلند کیا اور شناسا کیا۔ جہالت اور ناشناسائی کے بعد ان کے ذریعہ وَاُكَثِّرُ بِهٖ بَعْدَ الْقِلَّةِ۔ اور کمی کے بعد انہیں زیادہ کیا ان کے ذریعہ۔ وَاُغْنِيْ بِهٖ بَعْدَ الْعَيْلَةِ۔ اور ان کے ذریعہ انہیں بے نیاز کیا۔ فقر واحتیاج کے بعد وَاُؤَلِّفُ بِهٖ بَيْنَ قُلُوْبٍ مُّخْتَلِفَةٍ وَّاَهْوَاءٍ مُّتَشَتِّتَةٍ وَّاُمَمٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ اور مختلف دلوں' پراگندہ خیالوں اور جدا جدا ٹولوں کے درمیان ان کے ذریعہ الفت ومحبت پیدا فرمائی۔ وَجَعَلَ اُمَّتَهٗ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور بنایا ان کی امت کو بہترین امت ان سب میں جنتی لوگوں میں امتیں نکالیں گئیں۔ صلی اللّٰہ علیه وسلم وعلیٰ آله واصحابه واجمعین۔

باب سوم

در بیان فضل وشرف از آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ

اس باب میں حضورِ اکرم ﷺ کے ان فضل وشرف کا بیان ہے جو آیات قرآنیہ سے ثابت اور احادیث صحیحہ سے حاصل ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں نبی ﷺ کی عظمت وتعظیم امر علوشان، توقیر رہتی اور آپ کی مدح وثنا صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ پہلی دلیل کلمہ ''شاہد'' ہے جو رفعت مقام علوم مرتبت، عظمت شان اور حفظ ادب پر صادق ہے۔ اور دلالت کرتا ہے کہ کوئی بزرگی آپ کی بزرگی کے برابر اور کوئی قدر آپ کی قدر کے مساوی نہیں ہے۔ کتنی عظیم قدر ومنزلت ہے جس کی مدح وثنا پروردگارِ عالم مالک عرش عظیم فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں حضورِ اکرم ﷺ کے صفات، مراتب اور درجات کی جو تفصیلات ہیں ان کو حد وشمار میں لانا ناممکن ہے۔ پہلی وہ آیۃ کریمہ جو حضور ﷺ کے وجود رسالت، شفقت اور آپ کی رحمت کی خبر دیتی ہے اور بشارت بخشتی ہے۔ وہ یہ کہ فرمایا۔

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌO

بیشک تشریف لایا تمہیں میں سے وہ رسول جن کو تمہاری مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری فلاح کے خواہشمند مسلمانوں کے ساتھ بہت مہربانی ورحمت فرمانے والے ہیں۔

مطلب یہ کہ تمہارے پاس اس نبی کریم کی تشریف آوری تمہارے ہی قبیل اور تمہاری ہی جنس سے ہے۔ اور تم ان کے صدق وامانت کے مقام ومرتبہ کو خوب جانتے ہو اور تمہارے درمیان وہ کبھی بھی متہم بالکذب نہ ہوئے اور تم ان کے آباؤ واجداد کو بھی جانتے ہو کہ وہ عرب میں سب سے اشرف، افضل، ارفع اور طاہر ومطہر تھے کہ ان میں نہ سفاح (فحاشی وزنا کاری وغیرہ تھی)۔ اور نہ جہالیت کی خباثتیں۔ چنانچہ فرمایا: اُخْرِجْتُ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّاهِرَاتِ اِلَی الْاَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ یعنی مجھے اصلاب طاھرہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل کر کے عالم ظہور میں لایا گیا۔ اور تم ان کے شرف ذاتی، محامد صفاتی، عظایم اخلاقی اور محاسن افعالی کو دیکھتے رہے ہو۔ بعد ازاں ان کے بعض صفات کریمہ کو بیان بھی کرتے رہے ہو۔ اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتا ہے ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا اور دنیا وآخرت میں تمہارا زیاں کار ہونا سخت دشوار ہے۔ یہ تمہاری رشد وہدایت پر غایت حرص اور نہایت ہمت رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ کمال رافت ورحمت اور شفقت ومہربان رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ.

بیشک اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ انہیں میں سے ان میں رسول کو مبعوث فرمایا۔

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ

خدا کی یہ شان ہے کہ اس نے امیوں میں انہیں میں سے رسول کو

مبعوث فرمایا۔

اور فرمایا:

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں رسول تمہیں میں سے۔

اور انہیں کی جنس سے رسول کا بھیجنا' انسیت' تصدیق' ایمان واتباع اور امتنان میں زیادہ داخل واقرب ہے۔

سیّدنا امام جعفر صادق سلام علیہ اللہ علیہ وعلی آباء الکرام فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی معرفت وطاعت میں مخلوق کے عجز کو جانتا ہے۔اس نے چاہا کہ معرفت کرائی جائے اور تعلیم دیجائے تو اس نے ان کے مابین ایسی مخلوق پیدا فرمائی جو انہیں جنس سے ہے۔اور اپنی صفت میں رحمت ورأفت کا لباس پہنا کر ان کا نام نبی صادق اور رسول برحق رکھا۔اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے موافق گردانا۔چنانچہ فرمایا: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کریم کی پیروی کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور نہیں بھیجا ہم نے مگر سارے جہاں کے لیے رحمت (انتہی کلام الامام)

حق تعالیٰ نے آپ کے ذاتی وجود کو اور آپ کے شمائل وصفات کو تمام مخلوق پر رحمت بنا کر بھیجا۔لہٰذا جسے بھی رحمت کا حصہ پہنچا۔اس کے نصیب میں دنیا وآخرت میں نجات ملی۔اور ہر برائی سے محفوظ رہا۔اور محبوب حقیقی سے واصل وفائز المرام ہوا۔جیسا کہ کتاب الشفا میں ہے اس تقدیر سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کا مومنوں پر رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ مظہر ومصدر رحمت ہیں۔اگر کوئی انکار وعناد اور استکبار کے مرض میں مبتلا ہو کر شقاوت وضلالت اور حرمان وخذلان میں پڑا رہے تو اس کا اپنے اوپر ہی ظلم ہوگا۔

یہ تقریر اس توجیہہ کے موافق ومطابق ہے جو اس ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر میں کی گئی ہے کہ فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (ہم نے انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ عبادت کریں) مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کا اس صورت پر پیدا فرمانا کہ وہ عبادت کی طرف متوجہ ہوں گویا ان میں ایسی صلاحیت واستعداد رکھی گئی ہے کہ وہ عقلوں کے ذریعہ غور وفکر کریں۔اور عقل ہی غلبہ غضبیہ کے لیے روک اور مانع ہے۔اور عقل ہی اسباب وآلات اور اجسام منقادہ اور تمام اسباب عبادت کے ایجاد کا ذریعہ ہے۔لہٰذا حضورِ اکرم ﷺ مسلمانوں کے لیے بالفعل اور تمام لوگوں کے لیے بالقوہ رحمت ہیں۔اور بعض سب کے لیے بالفعل رحمت شمار کرتے ہیں۔چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مومن کے لیے رحمت ہیں ہدایت کا ذریعہ اور منافق کے لیے رحمت ہیں قتل سے امان کے سبب اور کافروں کے لیے رحمت ہیں عذاب سے تاخیر ہونے کی وجہ سے۔دنیا میں ان پر عذاب کی جلدی کرنا اور حضور ﷺ کا ان کو قتل ونہب کرنا اور مفسدوں کو ہلاک کرنا بھی رحمت ہے۔کیونکہ اس میں نظام عالم اور درستی واصلاح کا ترتب موقوف ہے۔جس طرح کہ درخت سے خراب خشک شاخوں کا کاٹنا کہ وہ دیگر شاخوں کی درستگی واصلاح اور پھل لانے کا سبب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مسلمانوں کے لیے بھی رحمت ہیں۔اور کافروں کے لیے بھی۔اس لیے کہ انہیں سلامت رکھا ہے اس عذاب سے جو ان کے سوا جھٹلانے والی امتوں کو پہنچا تھا۔

احادیث میں مذکور ہے کہ حضورِ اکرم خدا کی یہ شان ہے کہ اس نے امیوں میں انہیں میں سے رسول کو نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں بھی میری رحمت کا حصہ ملا ہے۔عرض کیا ہاں! میں خوفزدہ رہتا تھا اپنے انجام سے اب میں بیخوف ہوگیا ہوں۔کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں (جو کہ آپ پر نازل ہوا) میری تعریف فرمائی ہے۔فرمایا: ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ قوت والا عرش کے پاس مقیم اطاعت گزار وہاں امانتدار اور جبریل علیہ السلام کا یہ خوف بارگاہ قدس کی شان بے نیازی کی وجہ سے ہے جو کہ مقربان بارگاہ سے کبھی بھی جدا نہیں ہوسکتا۔

عرفاء فرماتے ہیں کہ جس دن سے ابلیس ملعون راندۂ درگاہ ہوا۔ عالم ملکوت کے رہنے والوں کا سکون جاتا رہا۔ ہمیشہ خوف زدہ رہنے لگے۔ اگرچہ بموجب وعدہ صادق امن وسکون میں رہنے کا بھروسہ ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام کے اصحاب مشورۃ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے' کوئی کہتا ہے کہ ''کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ ڈالا جاتا۔ اور کوئی کہتا ہے'' کاش میں گوسفند ہوتا کہ لوگ ذبح کر کے کھا جاتے''۔

فائدہ: انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے یہ اقوال کہ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (میں خوف نہیں کرتا اس سے جسے تم شریک گردانتے ہو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔) اور یہ کہ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبُّنَا. (اور نہیں ہے ہمارے لیے یہ کہ ہم اس میں محفوظ رہیں مگر یہ کہ میرا رب چاہے) یہ اسی قبیل سے ہیں۔

صاحب کشاف زمخشری کا اس آیت سے حضورِ اکرم ﷺ سے جبریل کی افضلیت پر تمسک واستدلال کرنا کتنا ضعیف وکمزور ہے وہ اتنا نہ جان سکا کہ جبریل علیہ السلام کو یہ صفات حضورِ اکرم ﷺ کی رحمت کے طفیل میں حاصل ہوئی ہیں۔ اور اتنا نہ سمجھا کہ حضورِ اکرم ﷺ کو جتنا کمال صفت حاصل ہے اس کے پہلو میں جبریل علیہ السلام کی یہ صفت ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مضمحل اور کم حیثیت ہے اور جبریل علیہ السلام کی صفات گنتی کی ہیں اور حضورِ اکرم ﷺ کی صفات کا تو احصار وشمار دشوار اور ناممکن ہے۔

نیز یہ کہ دو شخص میں سے کسی ایک میں کسی خاص صفت کے بیان کرنے سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے شخص میں بھی وہ صفت نہیں ہے۔ ہاں اقتضائے مقام کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان کی فضلیت قرآن کریم میں۔ بیان کر کے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ اور جب کہ نص قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور ملائکہ بھی از زمرہ عالمیان ہیں تو ثابت وواجب ہوا کہ حضور ﷺ ان سے افضل ہیں۔ اور خود مفسرین رحمہم اللہ کی ایک جماعت ان صفات کو یعنی ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ کو حضورِ اکرم ﷺ پر محمول کرتے ہیں اور اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (یہ عزت والے رسول کا فرمان ہے) میں رسول کریم سے مراد حضورِ اکرم ﷺ کو قرار دیتے ہیں۔

بعض علماء حضورِ اکرم ﷺ کے وجود گرامی سے اجزائے عالم میں رحمت کے حاصل ہونے کے بارے میں کہتے ہیں کہ مٹی کو آپ کی رحمت یہ ملی کہ وہ مطہر یعنی پاک کرنے والی ہوگئی اور پانی کو طوفان سے روک دیا گیا۔ اور ہوا شیاطین کے راستے سے سلامت ہوگئی اور آندھی کے ذریعہ کفار کو ہلاک کرنے سے محفوظ ہوگئی اور آگ صدقات کے جلانے سے بچ گئی۔ اور آسمان شیاطین کا اس تک پہنچنے اور باتوں کو چوری چھپے سننے سے محفوظ ہوگیا۔

ایک شخص نے اس بندہ مسکین (یعنی شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ) سے دریافت کیا کہ ابلیس کو اس رحمت سے کیا چیز ملی۔ میں نے جواب دیا کہ حضورِ اکرم ﷺ کے دبدبہ' شوکت ہیبت اور حقانیت کے صدمے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (حق آیا اور باطل نابود ہوا) ورحسب ارشاد باری تعالیٰ: فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ تو اس سے ملعون کا وجود ناپید ونابود ہوجاتا۔ اور قیامت تک اس کے باقی رہنے کے لیے انتظار کا حکم جو واقع ہے وہ متغیر ومنسوخ ہوجاتا۔ لہٰذا یہ رحمت ہی کا اثر ہے کہ وہ باقی رہا۔

بیان نور وسراج: حق سبحانہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کا اسم گرامی انتہائی روشن اور منور ہونے کی بناء پر نور اور سراج منیر رکھا۔ اس لیے کہ آپ کے ذریعہ قرب ووصال حق کا۔ طریقہ روشن وظاہر ہوا اور آپ کے جمال وکمال سے آنکھوں میں بینائی اور روشنی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ○ بیشک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور روشن کتاب آئی۔

اورفرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّـآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا.

اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا (حاضر و ناظر) بشارت دینے والا ڈرانے والا اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بھیجا۔

علماء فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو چراغ (سراج) سے تشبیہ دی۔ باوجودیکہ تشبیہ میں مبالغہ شمس وقمر سے زیادہ ہے۔ چراغ سے تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ آپ کو وجود عنصری ارضی ہے۔ دوسری حکمت یہ کہ چراغ اپنا قائم مقام بناتا ہے۔ چنانچہ ایک چراغ سے لاکھوں چراغ روشن کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے برعکس چاند وسورج قائم مقام نہیں رکھتے۔ بیت

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا می نگری انجمن ساختہ اند

بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ نے جو سراج سے تشبیہ دی ہے اس سے مراد تشبیہ ہے تو بعید نہ ہوگا اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آفتاب کو سراج فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: وَجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا (اور بنائے آسمان میں آفتاب و ماہتاب روشن) اور فرمایا وجعلنا سراجاً وھاجا اور بنایا آفتاب کو چمکتا دمکتا) لہٰذا جس طرح عالم اجسام میں آفتاب افادہ نور کرتا ہے اور اپنے غیر سے مستفید نہیں ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی ذات قدسی تمام نفوس بشریہ کے لیے افادہ انوار عقلیہ فرماتا ہے اور بجز ذات باری تبارک وتعالیٰ کے کسی سے استفادہ نہیں فرماتا۔ اس اعتبار سے کہ حضور ﷺ کی ذات الٰہی سے استفادہ فرماتے ہیں۔ اگر چاند سے تشبیہ دی جائے تو بھی درست ہوگا۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

اور حضور اکرم ﷺ کو 'نور' فرمانے میں اپنے اس ارشاد سے تلمیح ہے کہ 'اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ لہٰذا آسمان وزمین میں نہیں ہے مگر نور الٰہی جو تمام موجودات میں ہویدا ہے اور وہی وجود حیات کا مالک ہے اور حضور اکرم ﷺ کا جمال وکمال اس نور الٰہی کا مظہر اتم ہے اور اس کے ظہور کا واسطہ ہے چنانچہ 'مَثَلُ نُوْرِهٖ الایۃ' کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ قلب محمدی ﷺ میں ایمان کی مثال' اس مشکوٰۃ کی مانند ہے جس میں شمع روشن ہو۔ مشکوٰۃ' آپ کے صدر مبارک کی مثال ہے اور زجاجہ' آپ کے قلب اطہر کی مثال ہے اور مصباح' آپ کے قلب شریف میں جو نور معرفت وایمان ہے اس کی مثال ہے۔

اور فرمایا: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کیا ہم نے آپ کا انشراح صدر نہ فرمایا

آپ کے انشراح صدر میں جو عظیم نعمت ہے۔ اس نعمت کے اظہار احسان کے لیے فرمایا گیا اس سے مراد حضور اکرم ﷺ کے سینہ مبارک کی وسعت وکشادگی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ سے تمام مناجات ودعوت خلق کے مابین' معارف کے انوار اور علوم' توحید' معرفت اور عجیب وغریب اسرار اور جہل ونکرت کی تنگی اور اعراض عن الحق اور اس کے ماسویٰ سے عدم تعلق خاطر اور القائے وحی میں آسانی اور رسالت وتبلیغ کے بارہائے گراں کے برداشت کی طاقت مرحمت فرمانے کے لیے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ○ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ○

اور ہم نے آپ سے اس بوجھ کو دور کردیا جس نے آپ کی کمر دوہری کر رکھی تھی۔

انشراح صدر کی سب سے بڑی علت وغرض وہ نور ہے جو بندہ کے دل میں تاباں ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَاِذَا دَخَلَ النُّوْرُ الْقَلْبَ اِنْفَسَحَ وَانْشَرَحَ اور جب نور دل میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ اسے کشادہ اور وسیع کردیتا ہے اور اس کی بہترین خوبی یہ ہے کہ وہ دل کو صفات ذمیمہ اور بری خصلتوں سے پاک وصاف کردیتا ہے۔ چنانچہ اس صفت میں سب سے کامل واتم اور اعلیٰ وافضل'

سید السادات فخر موجودات ﷺ کی ذات گرامی ہے۔اور آپ کی متبعین میں بقدر متابعت ومحبت ان کو بھی اس میں سے حصہ ملتا ہے۔اس بحث کو تفصیل کے ساتھ کتاب ''سفر السعادۃ'' اور بعض رسائل فارسیہ میں بیان کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ہم نے آپ کے نام اور آپ کے ذکر کو دنیا وآخرت میں نبوت وشفاعت کے ساتھ بلند فرمایا ہے۔اور آپ کے اسم گرامی کو اپنے اسم جلالت کے ساتھ کلمہ اسلام' اذان' نماز اور تمام خطبات میں شامل وجز وقرار دیا۔کوئی خطبہ دینے والا' تشہد پڑھنے والا اور نماز ادا کرنے والا ایسا نہ ہوگا جو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. نہ کہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا جبریل نے آ کر عرض کیا کہ پروردگار عالم فرماتا ہے آپ جانتے ہیں کہ کس چیز کے ساتھ آپ کے ذکر کو میں نے بلند فرمایا ہے۔میں نے کہا اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہا اس طرح پر کہ اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتُ مَعِیَ ۔جب آپ کا ذکر ہو تو میرے ساتھ ذکر کیا جائے۔اور میں نے پورے ایمان کو آپ کے ذکر کے ساتھ اپنے ذکر کی معیت میں لازم کیا ہے۔یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور کہا۔میں نے آپ کے ذکر کو اپنا ذکر' آپ کی اطاعت میری ہی اطاعت ہوگی۔مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔اور آپ کی متابعت کو اپنی محبت کا مستلزم قرار دیا۔فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ فرما دو میرا اتباع کرو۔اللہ تمہیں محبوب بنالے گا۔

ندا بذکر صفات: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اکرم ﷺ کی جو قدر ومنزلت اور اعزاز واکرام ہے اس کا اثر یہ ہے کہ حق تعالیٰ ندا کے وقت آپ کو وصف نبوت اور رسالت کے ساتھ مخاطب فرماتا ہے چنانچہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ (اے نبی! اے رسول! ﷺ) اور دیگر تمام نبیوں کو ان کے ناموں کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔چنانچہ فرمایا۔یا آدم' یا نوح' یا موسیٰ یا عیسیٰ اور يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (اے جھرمٹ مارنے والے! يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. (اے چادر اوڑھنے والے!) جیسے محبت آمیز الفاظ سے مخاطب فرمانا یہ ارباب ذوق اور اہل محبت پر ظاہر ہے کہ اس میں کتنی محبت' پیار اور مہربانی جلوہ گر ہے۔ابونعیم نے بروایت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نقل کیا کہ فرمایا جب آدم علیہ السلام کو زمین ہند میں اتارا گیا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔جبریل علیہ السلام نیچے آئے۔اور اذان شروع کی اور کہا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ دوبار اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوبار وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دوبار آخر حدیث تک۔اور آپ کا اسم شریف عرش پر' ہر آسمان پر جنت میں ہر جگہ اور حوروں کی گردنوں میں لکھا ہوا ہے۔اور جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں ہے جس کے پتے پتے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ لکھا ہو۔

بزار بروایت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو کوئی آسمان نہ گزرا مگر یہ کہ میں نے اپنا نام وہاں پایا وہاں لکھا تھا'' محمد رسول اللہ' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم گرامی سے آپ کے نام کو مشتق فرمایا جیسا کہ حسان بن ثابت فرماتے ہیں۔ع فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ لہٰذا صاحب عرش کا نام محمود ہے۔اور آپ کا نام محمد ﷺ اور یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے ستر ناموں کو حضور ﷺ کے نام سے موسوم فرمایا جیسا کہ انشاء تعالیٰ اسماء شریف کے باب میں آئے گا۔

حق تعالیٰ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یاد فرمانا: وصل: حضور اکرم ﷺ کے مناقب جلیلہ میں سے حق تعالیٰ اسمہ کا آپ کی عظمت اور قدر ومنزلت کی قسم یاد فرمانا ہے۔چنانچہ فرمایا: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ قسم ہے آپ کی عمر کی' بے شک یہ اپنے نشے میں بہک رہے ہیں جمہور مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی مدت حیات وبقا کی قسم یاد فرمائی ہے۔اس میں انتہائی تعظیم اور غایت درجہ احسان وبزرگی ہے۔جس طرح محب اپنے محبوب کی قسم کھاتے وقت کہتا ہے تیرے سر کی قسم' تیری زندگی کی

قسم وغیرہ۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کوئی ذات' حضورِ اکرم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ گرامی تر پیدا نہ فرمائی۔ کیونکہ اس نے آپ کی حیات طیبہ کی قسم یاد فرمائی حالانکہ کسی اور کی ذات اور اس کی حیات کی قسم نہ فرمائی۔

اور ابوالجوزاء جو کہ بزرگ ترین تابعین میں سے ہے فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کسی کی ذات کی قسم یاد فرمانا بجز سیّد عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقع نہیں ہے۔ اس لیے اس کے نزدیک آپ کی ذات گرامی ساری مخلوق سے بزرگ تر اور افضل ہے۔

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی قسم یاد فرمانا بیان صریح ہے ہمیں کب جائز ہے کہ ہم آپ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائیں۔

فائدہ: امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کی قسم کھائی اس پر ایفا واجب ہوجاتا ہے۔ اور اس قسم کے توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی' شہادت کے دو رکنوں میں ایک رکن ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے قسم کا رواج آج تک جاری ہے۔ اور اہل مدینہ ہمیشہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھایا کرتے ہیں۔ اور ان کا معمول ہے وہ کہتے ہیں کہ اسی ذات کی قسم جو اس قبر انور میں پوشیدہ ہے۔ اور اس ذات کی قسم جسے اس قبر انور نے چھپایا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے ایک قسم اس طرح یاد فرمائی کہ اپنی ربوبیت کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے قسم یاد کی۔ جیسے ''فَوَرَبِّكَ'' قسم ہے آپ کے رب کی۔

اور ''یٰسین والقران الحکیم'' (قسم ہے حکمت والے قرآن کی) میں مفسروں کا اختلاف ہے اکثر کا مذہب یہ ہے کہ یٰس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے جس طرح ''طٰہٰ'' ہے۔

سیّدنا امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وسلم وعلی آباۂ واولادہ الکرام سے منقول ہے کہ یٰس سے مراد حضور کا اسم گرامی اور خطاب ہے یعنی اے سید وسردار! بعض کہتے ہیں کہ لغت نبی طے میں اس کے معنی ''اے رجل!'' یا ''اے انسان!'' ہے۔ بہر تقدیر اس سے مراد ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ خواہ اس سے قسم مراد ہو یا فدا۔ یہ بھی آپ کی تعظیم اور علوشان کو متضمن ہے اور قرآن حکیم کے ساتھ قسم یاد کرنا۔ آپ کی رسالت کے تحقیق اور آپ کی ہدایت پر شہادت وگواہی کے لیے ہے۔ یعنی آپ صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ اور اس میں نہ کجی ہے اور نہ حق سے انحراف۔

شہر حرام کی قسم: علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کسی نبی کی رسالت کی قسم یاد نہ فرمائی بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور سورۃ مبارکہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ (قسم ہے مجھے اس شہر کی کیونکہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔) اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کی زیادتی ہے کہ حق تعالیٰ نے قسم کو اس شہر سے جس کا نام بلد حرام اور بلد ایمن ہے۔ مقید فرمایا ہے اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر مبارک میں نزول اجلال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شہر معزز ومکرم ہوگیا۔ اور اسی مقام سے یہ مثل مشہور ہوئی کہ ''شَرَفُ الْمَكَانِ بِالْمَكِيْنِ یعنی مکان کی بزرگی رہنے والے سے ہے۔

اور آیت کریمہ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (قسم ہے والد کی اور جوان کے فرزند ہیں ان کی قسم) میں اگر والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ''وَمَا وَلَدَ'' سے مران ان کی نسل ہو تو حضورِ اکرم عموم نسل میں داخل ہیں۔ اور اگر والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ''ما ولد'' سے ان کی اولاد ہو تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں گے۔ غرض کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مرتبہ قسم یاد

فرمائی ہے۔

مواہب مدینہ میں علماء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا بابی انت وامی یارسول اللہ' اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ کی فضلیت خدا کے نزدیک اس مرتبہ تک متحقق ہوگئی ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی زندگانی کی قسم یادفرماتا ہے اور کسی نبی کی زندگانی کی قسم یادنہیں فرماتا۔ اور حق تعالیٰ کے نزدیک آپ کی فضلیت اس حدتک ہے وہ فرماتا ہے' لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ''قسم ہے مجھے اس شہر کی یعنی اس کے زمین کی قسم یادفرماتا ہے۔ جو آپ کے قدموں کے نیچے پامال ہوتی ہے۔ گویا کہ آپ کے خاک پا کی قسم یادفرمائی ہے۔ ظاہر نظر میں یہ لفظ جناب باری عزاسمہ کی نظر میں سخت معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ انہوں نے کہا'' رسالت مآب کے خاک پا کی قسم یادفرماتا ہے'' لیکن نظر تحقیقت' ہر غبار سے یہ معنی پاک وصاف ہیں اس کی تحقیق یہ ہے کہ رب العزت جل جلالہٗ کا اپنی ذات وصفات کے سوا کسی غیر چیز کی قسم یادفرمانا' اظہار شرف وفضلیت دیگر اشیاء کی مقابلے میں اس چیز کو ممتاز کرنے کے لیے ہے جو لوگوں میں موجود ہے۔ تا کہ لوگ جان سکیں کہ یہ چیز نہایت عظمت وشرافت والی ہے تفصیل کلام یہ ہے کہ رب العزت جل وعلا نے کئی مرتبہ معتدد چیزوں پر قسم یادفرمائی ہے۔ کبھی اپنی ذات وصفات کے ساتھ قسم یادفرمائی اور کبھی ان بعض مخلوقات کی قسم یا کی جو ذات وصفات باری تعالیٰ کی عظمت پر دلیل ونشان کے قبل سے ہیں۔ جیسے آسمان' زمین' دن اور رات وغیرہ کہ یہ اس کی آیاتِ عظیمہ اور دلائل قدرت خارجہ میں ہیں۔ نجوم' کواکب' شمس وقمر یہ سب مطالع انوار' مظاہر اسرار اور عالم کو روشن کرنے' نسل انسانی کی مصلحتوں کو منضبط کرنے اور راہ معلوم کرنے کے اسباب وعلل اور شیاطین کو مار بھگانے کے موجب ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے اسرار کے ادراک سے کوتاہ بینوں کی نظریں عاجز وقاصر ہیں۔ پرودگار عالم جل جلالہٗ نے ان کی قسم یادفرمائی ہے۔ مثلاً وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ (الآیہ) قسم ہے انجیر کی اور قسم ہے زیتون کی۔ کون جان سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کتنی حکمتیں ودیعت فرمائی ہیں اور کتنے اسرار پنہاں ہیں۔ یہ سب اظہار فضلیت اور بہ نسبت دیگر اشیاء کے انہیں ممتاز فرمانے کے لیے ہے۔ یہی حال آدمیوں کی قسم کا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کے ساتھ قسم یادفرمائی۔

زمانہ کی قسم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ قسم ہے عصر کی بلاشبہ انسان یقیناً نقصان میں ہے الآیات۔

عصر کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عصر سے مراد زمانہ ہے لیکن صراح میں ہے کہ دن رات کی گردش کا نام عصر ہے اور اسی کو دہر یعنی زمانہ بھی کہتے ہیں۔ اور دہر عجیب وغریب واقعات وحادثات پر مشتمل ہے۔ جن کے بیان احصار سے زبان قاصر ہے۔ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاَنَا الدَّهْرُ. (زمانہ کو برا نہ کہو۔ کیونکہ زمانہ میں ہوں) سے دہر مشرف ہے۔ اس میں خوشی وضرر' صحت وبیماری' آفات وخطرات' برکات وکمالات توام ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ — بلاشبہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

لہٰذا حق تعالیٰ نے اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی قسم فرمائی ہے۔ جس طرح لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (قسم ہے مجھے اس شہر کی) میں آپ کے مکان کی اور'' لَعَمْرُكَ '' میں آپ کی زندگانی کی قسم فرمائی گئی ہے اور الم کی تفسیر میں بھی کئی قول ہیں ایک قول یہ ہے: الف سے مراد اللہ کی طرف اشارہ کرنا اور لام سے جبریل اور میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور'ق' میں ایک قول کے بموجب اس سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ہے۔ اس بناء پر کہ مشاہدہ ومکالمہ میں آپ تحمل فرماتے ہیں۔ اور' وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى '' (قسم نجم کی کہ جب اترے) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ'' النجم '' سے مراد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور' اذھوی '' سے انشراح صدر بالانوار اور انقطاع عن غیر اللہ

مراد ہے۔اور ہویٰ کے معنی اترنے کے بھی آتے ہیں۔

اور سورۂ ''والفجر'' (قسم ہے صبح روشن کی) تفسیر میں کہتے ہیں فجر سے مراد حضور اکرم ﷺ ہیں کہ آپ سے نور کی جھڑیاں برستی ہیں اور قول حق سبحانہ وتعالیٰ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ (اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے خوب چمکتا ہے تارا) اس سے بھی مراد حضور ﷺ کی ذات قدسی لیتے ہیں۔اور سورۂ نون میں نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ. (قسم ہے قلم کی اور جو وہ لکھے۔) حق تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے نفی جنون پر قسم یاد فرمائی ہے اور ثبوت ''اَجْرً غَيْرَ مَمْنُوْنٍ'' یعنی غیر مقطوع اجر یعنی نہ ختم ہونے والا اجر ثابت ہے اور خلق عظیم پر آپ کا ثبات استقرار ثابت ہے۔ ''نون'' اسماء حروف سے ہے جس طرح الم وغیرہ یا تو یہ سورتوں کے نام ہیں یا یہ اسماء الٰہی میں سے ہیں۔جیسا کہ حروف مقطعات کی تاویل میں مفسرین کے اقوال ہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ نون مچھلی کا نام ہے۔اور وہ مچھلی مراد ہے جس کے لیے اوپر زمین ہے اور اس کا نام بہموت ہے۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا نون سے مراد دوات ہے لہٰذا دوات وقلم اور جو کچھ وہ لکھے کہ اس کی منفعت بہت عظیم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نون نور کی ایک تختی ہے جس پر فرشتے قلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو انہیں حکم فرمائے لکھتے رہتے ہیں۔حدیث میں آیا ہے کہ قلم یکے از آیات الٰہی ہے۔اور اولین مخلوقات میں سے ہے۔اور اس کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں قلم بند کرائیں۔

فائدہ: اس جہان کا قلم اسی قلم کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کے ساتھ خدا کی شریعت اور حق تعالیٰ کی وحی لکھی جاتی ہے۔اسی کے ذریعہ دین وملت کو احاطہ میں لایا جاتا ہے۔اور اس کے ذریعہ علوم کو منضبط اور تدوین کیا جاتا ہے۔پچھلوں کی خبریں اور ان کے مقالات اس سے قلم بند کیے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ نازل کردہ کتابیں اور آسمانی صحیفے لکھے جاتے ہیں۔اگر قلم نہ ہوتا تو دنیا وآخرت کے امور دینی اور دنیوی برقرار نہ رہتے۔صاحب کشاف نے تفسیر سورۂ اقراء اور دربیان عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (سکھایا قلم سے) میں لکھتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی دقیق حکمتوں اور اس کی لطیف تدبیروں پر قلم اور خط کے سوا دوسری کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہی کافی ہوتا اور قلم کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ حمد الٰہی اور نعت مصطفوی کتاب اللہ کی تفسیر رسول اللہ کی حدیثوں کی شرح اولیاء کرام کے مقالات اور ان کی نصیحتیں لکھی گئی ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ○	تو افسوس ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ ان سے کچھ رقم لے سکیں۔افسوس ہے۔ان کے لیے جو وہ کمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (اعاذنا من ذلك)	اور کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں۔اور کہتے ہیں اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ۔(اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے۔آمین)۔

کفار غایت جہل وحماقت اور عناد وتکبر سے حضور اکرم ﷺ کی طرف جنون وغیرہ کو منسوب کرتے تھے۔حالانکہ آپ کے معارضہ ومقابلہ میں کفار کے تمام عقلاء وفصحاء عاجز آ گئے تھے۔حبیب خدا ﷺ نے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے وہ کچھ سیکھا اور سمجھا جہاں تک تمام عالم کی عقلوں کا گزر نہ ہوسکتا تھا اور آپ وہ کتاب لے کر تشریف لائے جس کے مقابلہ ومعارضہ سے فصحاء وبلغا عاجز رہ گئے۔اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس عطا کی تعریف وثنا فرمائی جو اس کے تمام عطیوں میں سب سے عظیم ہے۔فرمایا: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ بلاشبہ آپ کی خوبو بہت بڑی ہے۔یہ آپ کی نبوت ورسالت کی سب سے بڑی نشانیوں میں سے ہے۔سیّدہ عائشہ خلق عظیم کی تفسیر میں

فرماتی ہیں: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن آپ کا خلق قرآن تھا۔

تکریم وتنزیہہ اور تعظیم الٰہی وعدہ اعطائے نعم: اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی قدر ومنزلت آپ کی تعظیم وتکریم اور تنزیہہ و پا کی پر مشتمل ہے۔ یہ اس کی نعمتوں اور رحمتوں پر دلالت کرتی ہے۔ اور نعمت غیر متناہی عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ''سورۃ الضحیٰ'' میں حق تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم یاد فرمائی۔ جو کہ مظہر آیات الٰہی ہیں۔ اور اس میں اپنے حبیب ﷺ کے دنیا وآخرت میں احوال شریف کی خبر دی گئی ہے۔ فرمایا: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى اے حبیب! آپ کو آپ کے رب نے نہ چھوڑا۔ اور نہ دشمن بنایا جب سے کہ آپ کو برگزیدہ فرمایا۔ مفسرین ''ضحیٰ'' کو آپ کے روئے عالم آراء ہے اور ''دلیل'' کو آپ کے گیسوئے عنبرین سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ امام فخر الدین نے نقل کیا ہے۔ اس سورت کے بہ سلسلہ شان نزول اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ تک سلسلہ وحی کسی سبب یا کسی مصلحت کے بناء پر بند رہا۔ اس پر مشرکین چہ مگوئیاں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ان کے رب نے محمد کو چھوڑ دیا اور ان کو دشمن بنا دیا (معاذ اللہ) وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى اور آپ کی مرنے کی گھڑی پچھلی سے افضل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر آن مراتب' درجات اور وہ نعمتیں جو حق تعالیٰ نے آخرت میں رکھی ہیں مثلاً شفاعت ومقام محمود وغیرہ۔ وہ دنیا میں عطا کردہ نعمتوں سے بہتر وعالی تر ہیں۔ کیونکہ دنیا اپنی تشنگی اور گنجائش نہ رکھنے کی بنا پر اس کی جگہ نہیں رکھتی اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا. جب آپ دیکھیں گے تو اس جگہ بڑی بڑی نعمتیں اور بہت بڑا ملک دیکھیں گے۔

یا یہ کہ آپ کے امر کی انتہا' ابتدا سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ آپ کی ہر گھڑی' مراتب کمال اور فیضان عطا کس ترقی وعروج پر ہے۔ اور دنیا وآخرت میں جود وکرم اور بخشش وعطا اور وجوہ کرامت' انواع سعادت میں یہ آیۂ کریمہ جامع ہے کیونکہ فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى. عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے حبیب ﷺ سے وعدہ کیا جا رہا ہے کہ میں آپ کو اتنا عطا کروں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اس کا بیان حد وشمار اور حصر واحصار سے باہر ہے۔ اور شفا شریف میں بعض اہل بیت نبوت سلام علیہ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ قرآن کریم میں اس آیت سے زیادہ کوئی دوسری آیت موجب رضا نہیں ہے اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ اس وقت تک راضی نہ ہوں گے۔ جب تک کہ ایک ایک امتی کو آتش دوزخ سے نہ نکال لیں۔

بندہ مسکین یعنی شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

بھی موجب رجا اور باعث امید واری ہے۔

فائدہ: لیکن یہ آیت گناہوں کی مغفرت پر منحصر ہے اور وہ آیت یعنی وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى رفع درجات اور حصول مراتب کی امید رکھنے میں بہت ہے۔ بُشْرٰى لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اے گروہ مسلمان! ہمارے لیے خوشی ہو۔

اِنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمٍ بیشک ہمارے لیے عنایت کا ایسا کنارہ ہے جو غیر متزلزل ہے۔ صاحب مواہب الدنیہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے کہا یہ جو جاہل لوگ ''حضور اکرم ﷺ پر افترا کرتے ہیں کہ حضور اپنے کسی امتی کو دوزخ میں داخل کیے جانے پر راضی نہ ہوں گے۔'' یہ شیطان کا دیا ہوا فریب ہے وہ ان کے ساتھ کھیل وتمسخر کرتا ہے۔ اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ ہر اس چیز پر راضی ہیں جس پر اللہ تعالیٰ عزوجل راضی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ گناہ گاروں کو دوزخ میں رکھے گا۔ اور رسول خدا ﷺ خدا کو اور اس کے حق کو

خوب پہچانتے ہیں۔ وہ اس سے بری ہیں کہ وہ خدا سے یہ کہیں کہ میں اس پر رضا مند نہیں ہوں کہ میری امت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل کرے یا اس کا وہاں ٹھکانہ بنا دے۔ بلکہ رب العزت حضور کو شفاعت کا اذن دے گا۔ لہٰذا حضور ہر اس شخص کی شفاعت کریں گے۔ جسے خدا چاہے گا۔ حضور اسی شخص کی شفاعت کریں گے۔ جس کے بارے میں اذن و رضا حاصل ہوگی۔ انتہی کلامہ۔

پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے کہ شفاعت والی حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ مختلف گناہگاروں لوگوں مثلاً زنا کار' چوری کرنے والے اور شراب پینے والے وغیرہ کی شفاعت کریں گے۔ پھر ان میں سے وہ لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جنہیں رائی کے دانہ کے برابر یا حبہ کے برابر ایمان ہوگا۔ اور کوئی نیکی بجز رائی کے برابر ایمان کے نہ ہوگی۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ میرے بندے ہیں اور میرے خاص ہیں ان کے لیے اپنے آپ سے شفاعت کروں گا تو وہ بخشے جائیں گے اور دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ یہ سب حضور ہی کی شفاعت کبریٰ کا ثمرہ ہوگا۔ ﷺ

فائدہ: یہ ظاہر ہے کہ شفاعت باری تعالیٰ کے اذن اور رضا کے بغیر نہ ہوگی لیکن حق تعالیٰ اپنے اس وعدہ کے بموجب جو دنیا میں آپ کے راضی کرنے کا دیا ہے۔ شفاعت کا اذن اور رضا مرحمت فرمائے گا۔ اور مواہب لدنیہ جس کا قول نقل ہوا ہے اس کی مراد دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے ہے اور یہ مسلم ہے کہ گناہ گار ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہ رہیں گے اور اس قول میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حضورِ اکرم اپنے کسی امتی کے دوزخ میں داخل ہونے سے راضی نہ ہوں گے دوسرے یہ کہ اپنے کسی امتی کے دوزخ میں باقی رہنے پر راضی نہ ہوں گے۔

اس کے بعد سورۂ ''والضحیٰ'' میں ان نعمتوں کا بیان ہے۔ جو آپ کے ابتدائی احوال کے مطابق انعام و اکرام فرمائی گئیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ آخر میں بھی ایسا ہی ہے اور اسی طرح خدا کا انعام و اکرام رہے گا۔

لَقَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ فِیْمَا مَضٰی وَ کَذٰلِکَ یُحْسِنُ فِیْمَا بَقٰی بلاشبہ اللہ نے ماضی میں بہت خوب کیا اسی طرح حال و مستقبل میں بھی خوب کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کے ہاتھ کھینچ جانے اور یتیمی و بیکسی کے بعد بھی اپنی شفقت و عنایت کے دامن میں پرورش فرمائی اور مقام عطا فرمایا۔

بعض کہتے ہیں کہ یتیم کے معنی بیگانہ اور بے نظیر کے ہیں۔ گویا آپ کی ذات گرامی کو ان جاہلوں کے درمیان جو جہالت کی گھاٹیوں اور گمراہی کے گڑھوں میں پڑے ہوئے تھے نفیس تر اور بے نظیر پایا۔ اور ان میں سے آپ کو نکال کر علم اور مقام ہدایت کی فضا میں داخل فرمایا۔ اور آپ کے قلب انور کو قناعت و بے نیازی کی دولت سے مالا مال کر کے اموال و غنائم عطا فرما کر غنی بنایا۔ اور جب آپ کو صغرسنی' بیکسی اور یتیمی میں مجبور اور محروم نہ چھوڑا تو نبوت و رسالت سے اختصاص کے بعد آپ کو کیوں چھوڑے گا۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ تو اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

اس لیے کہ اظہار نعمت اور تحدیث نعمت' شکر گزاری اور احسان شناسی کا موجب ہے۔ اور شرائع و احکام کا پہنچانا اور لوگوں کی تعلیم و ہدایت فرمانا بھی تحدیث نعمت ہی کے قبیل سے ہے۔

سورۂ النجم: ''سورۂ النجم'' حضورِ اکرم ﷺ کے فضل و شرف اور آپ کی علامتوں پر اس طرح مشتمل ہے کہ ان کا شمار و احصار ناممکن ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم یاد فرمائی۔ نجم سے مراد ستاروں کی جنبش یا ثریا ہے اکثر اسے بنات یا قرآن کے نام سے بولتے ہیں۔ نجما نجما یعنی تھوڑا تھوڑا نازل ہوا یا محمد ﷺ شب معراج آسمان سے نیچے تشریف لائے یا قلب محمد ﷺ کو مشرح بانوار اور منقطع از اغیار ہے۔ اور وہ آسمان قدس سے زمین انس پر حضور کے ثبات پر نیچے آیا۔ اور ہدایت کا طریقہ بتایا۔ اور نفسانی

خواہشات سے اسے پاک وصاف فرمایا اور حق وصداقت سے لبریز کیا۔ جیسا کہ اس پر آیت کریمہ شاہد ہیں۔ اور ارادہ قلب جو کہ محل صدق وہدایت ہے۔ بہت ہی مناسب ہے کہ اس پر قسم اٹھائی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى. وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں سنائی جاتی ہے۔

اس سے مراد قرآن ہے۔ اور اگر حضور کا کلام اور حدیث مراد لی جائے جو کہ وحی خفی کہلاتی ہے تو دو تین مقامات کا استثنا کرنا ہوگا۔ مثلاً بدر کے قیدیوں کا واقعہ، ماریہ قبطیہ اور شہد کا واقعہ اور تابیر نخل کا قصہ اسی استثناء کے زمرہ میں آئیں گے۔ کیونکہ اس پر آگاہی واقع ہوئی ہے۔

نیز درست ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى. حق تعالیٰ فرماتا ہے ان کا اپنا نہیں ہے بلکہ وحی ہے۔ مواہب لدنیہ میں کہتے ہیں کہ قرآن کی طرف اعادۂ ضمیر سے یہ بہتر ہے اس سے کہ نطق یعنی گویائی قرآن وسنت دونوں کو شامل ہے۔ اور دونوں ہی وحی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (ہم نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی) کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے سنت مراد ہے۔

اوزاعی حسان بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سنت لے کر اس طرح آتے ہیں جس طرح قرآن لے کر آتے۔ اور آپ کو تعلیم دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نطق قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آپ کا اجتہاد بھی وحی حق ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے بعد آپ کے فضائل میں قصہ اسریٰ یعنی شب معراج کا ذکر سورۂ والنجم میں کیا گیا ہے کہ حضور ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک پہنچے۔ یہ مقام مخلوق کے علوم کے پہنچنے کی انتہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بصر مبارک یعنی چشم مبارک کی تشریح فرمائی کہ وہ آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی اور حضور نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا اور جو کچھ آپ پر مقام جبروت ولاہوت سے منکشف ہوا اور جو عجائب ملکوت کا مشاہدہ فرمایا ان کو عبارت والفاظ میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ اور افہام وعقول میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ کم سے کم کو بھی سن کر برداشت کر سکیں۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ایسے رمز وکنایہ اور اشارہ سے بیان فرمایا جو آپ کی عظمت وتوقیر پر دلالت کرے۔ چنانچہ فرمایا:

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى تو وحی فرمائی اپنے بندہ کو جو وحی فرمائی۔

اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ سے تین قسم کا کلام فرمایا ایک اس عبارت کے ساتھ جو لغت عرب پر ہے۔ اور جس کا ظاہر مخلوق کی سمجھ میں آتا ہے۔ دوسرے اشاروں میں جیسے قرآن کے حروف مقطعات جن کے سمجھنے اور تحقیق کرنے کی کسی میں صلاحیت اور طاقت نہیں اور تیسرے خالص ابہام میں کلام فرمایا جو کسی کے تصور وخیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ چنانچہ فرمایا:

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى تو وحی فرمائی اپنے بندہ کو جو وحی فرمائی۔

اب رہا رویت کا مسئلہ! جس کا اثبات اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔ تو اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ آیا یہ رویت جبریل کی ہے یا یہ رویت حق، دل سے ہے یا آنکھ سے۔ محقق قول آخر کا ہی ہے یعنی رویت حق بچشم سر۔

کعب احبار فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے رویت اور کلام کو حضور اکرم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم فرمایا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دوبار کلام فرمایا اور حضور اکرم ﷺ کو دوبار دیدار کروایا۔ سیّدنا ابن عباس اور اکثر صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ کے خلاف گئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: بہر تقدیر یہ سورۃ مبارکہ حضور اکرم ﷺ کے انتہائی فضل وکمال پر دلالت کرتی ہے۔ جو آپ کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اور سورۂ اذا الشمس کورت میں:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۝ — بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے۔ مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیۂ کریمہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر محمول ہے۔ کیونکہ آپ ان صفات اور تمام فضائل و کرامات کے جامع ہیں۔ جس طرح کہ سورۂ ''الحاقہ'' میں اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے) سے حضور ﷺ کی ذات شریف مراد ہے۔ ﷺ

سورۂ طٰہٰ ویٰسین: اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا: طٰهٰ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى. اے محبوب! ہم نے قرآن اس لیے نازل نہ فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کا سبب ''سورۂ یٰس'' ہے یعنی اس کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ کیونکہ سورۂ یٰس میں فرمایا گیا۔

یٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ. — اے سیّد عالم! قسم ہے حکمت والے قرآن کی۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

''طٰہٰ'' کو بھی آپ کے اسماء مبارک میں شمار کرتے ہیں۔ اور انسان اور مرد بھی مراد لیتے ہیں۔ جس طرح کہ یٰسین کو ''یا سید'' پر محمول کرتے ہیں۔ اسی طرح طٰہٰ کو بمعنی یا طاہر یا ہادی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بحساب ''ابجد'' طا کے نو اور ہا کے پانچ کل چودہ عدد بنتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اے چودھویں رات کے چاند! جیسا کہ شعر ہے۔

رخت را خواندہ طٰہٰ رامر در گاہ — چو ماہ چاردہ بل چاردہ ماہ

لیکن مفسرین اس قسم کی تفسیر و تاویل کو بدعت کہتے ہیں۔ اور طٰہٰ کو اسم الٰہی بھی شمار کرتے ہیں۔ غرض کہ دونوں سورتیں حبیب خدا ﷺ کی مدح وثنا کا افادہ کرتی ہیں۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے۔

تراعر لولاک تمکیں بس است — ثنائے تو طٰہٰ ویٰس بس است

''ویٰس'' نبی کریم ﷺ کے صراطِ مستقیم اور دین قویم پر قسم شہادت ہے۔ اور طٰہٰ میں محبت شفقت کے طریقہ پر آپ کا اعزاز واکرام ہے۔ جب حضورِ اکرم ﷺ نے طاعت وعبادات اور خصوصاً تہجد اور قیام لیل میں سخت ترین مشقتیں اٹھانی شروع فرمائی کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر جاتے اور کبھی ایک پاؤں سے قیام فرماتے اس وقت طٰہٰ اتری فرمایا:

طٰهٰ۝ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى. — اے محبوب! ہم نے یہ قرآن اس لیے تو نازل نہ فرمایا کہ آپ مشقتیں جھیلیں۔

''طٰہٰ'' اگر آپ کا اسم ہے تو بطریق ندا ہے۔ اور اگر اسم الٰہی ہے تو بطریق قسم ہے۔ اور اگر اسے حضور اکرم کا اسم مبارک شمار کر کے قسم کے طور پر مان لیا جائے۔ تو بھی جائز ہے۔ اور اس التفات میں خطاب سے جہاں غیبت حاصل ہوتی ہے تو اس میں بھی خاص شفقت واکرام ہے جو محبت کی چاشنی کی طریق پر لذیذ ہے فرماتا ہے: اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى نہیں ہے قرآن مگر حق یاد دلانے کے لیے اسے

جوخدا سے ڈرتا ہے۔اس سے مراد آپ کی ذات شریف ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ رات میں قیام فرماتے تو اپنے سینہ مبارک کو رسی سے باندھتے تاکہ نیند نہ آئے۔اور تمام رات بیدار رہتے تھے۔

صاحب مواہب لدنیہ نے اسے بعید از قیاس بتایا ہے۔واللہ اعلم۔اور بعض فرماتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے کو مشقت میں نہ ڈالیں اور کفار کے کفروانکار پر غم وغصہ فرما کر خود کو تکلیف نہ دیں۔کیونکہ ہم نے قرآن کو آپ پر اسی لیے نازل فرمایا ہے کہ آپ انہیں خدا سے ڈرائیں اور تبلیغ فرمائیں جو بھی ایمان لائے گا اپنی ہی بھلائی کے لیے لائے گا اور جو بھی کفر پر قائم رہے گا وہ اپنے ہی لیے کرے گا۔آپ کا فرض کو حکم کا پہنچانا ہے اور بس۔جیسا کہ دوسری جگہ بھی بطریق شفقت ومہربانی ارشاد فرمایا گیا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا. تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اور اس وہ بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔

مطلب یہ کہ اے محبوب! اگر وہ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ اپنی جان کو غم وغصہ سے ان کی پیچھے ہلاکت میں ڈالدیں گے۔''الحدیث'' سے مراد قرآن ہے۔اور فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ O اور بلاشبہ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان کی باتوں سے تنگ ہوتا ہے۔

اور یہ لوگ آپ اور حق تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور آپ کو جادوگر اور دیوانہ کہتے ہیں اور خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور قرآن پر طعن کرتے ہیں۔لہٰذا صبر فرمایئے کہ کفار کا یہی حال رہا ہے۔اور آپ خوش رہئے۔کہ آخر کار مدد آپ ہی کی ہوئی ہے۔اور ہم نے قرآن کو آپ پر مشقت کے لیے تو نازل نہیں فرمایا کہ آپ ہمیشہ ہی غمگین رہیں جس طرح کہ تمام انبیاء رہے ہیں۔اس جگہ غالباً تم کو شرح صدر کے ساتھ ضیق صدر (سینہ کی تنگی) خلجان میں ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کو انشراح صدر عطا نہ فرمایا۔) ممکن ہے یہ حال اس سے آگے کا ہو باوجود اس کے تلطف' محبت اور حق کی جانب سے دل جوئی' اس حال کے اقتضاء اور اس کلام کے صدور میں باقی ہے۔

بعض ارباب ذوق ووجدان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ عبادت اور تکالیف شرعیہ میں باوجود غایت محبت وعنایت کے جو مشقت اٹھاتے تھے یہ اس قبیل سے ہے کہ محبوب قوی وتوانا ہو اور محب ضعیف وناتواں ہے۔محبوب سے بغلگیر ہو کر اسے دبائے تو یہ ضعیف وناتواں محب لامحالہ خاص قسم کی مشقت وتکلیف پائے گا۔لیکن اس ضمن میں یہ جانا جاسکتا ہے کہ اس میں کس قدر ذوق ولذت پنہاں ہے۔جاننے والا ہی جانتا اور سمجھنے والا ہی سمجھتا ہے۔ع گرنکتہ داں عشقے خوش بشنو ایں حکایت۔

درود وسلام: وصل: اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم' اعلائے شان' اظہار فضل وکرامت' اور رفع قدر ومنزل کے سلسلے میں یہ ایک آیت کریمہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجو۔

مسلمانو! تم اپنے خدا کی اطاعت کرو اور فرشتوں کی موافقت کرو اور اپنے نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجو۔تمہارا فرشتوں کا درود بھیجنا یہی ہے کہ تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ ان پر درود بھیجے اور رحمت فرمادے۔تم میں کہاں قدرت وطاقت ہے کہ تم ان پر درود بھیج سکو اور تم کو اتنی

کہاں پہچان کہ حضور ﷺ کی قدرومنزلت اور شان کو جان سکو اور اس کے مطابق درود بھیج سکو۔ ہاں پروردگار عالم تقدس شانہ پہچانتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ كَمَا يَنْبَغِيْ اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً اَنَّهٗ لَهَا اَهْلٌ وَّهُوَ لَهَا اَهْلٌ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ. لہٰذا حق تعالیٰ نے عالم علوی و سفلی سب کو حضور ﷺ کی دعا و ثنا میں مجتمع فرما کر آپ کے فضائل و مناقب کا اولین و آخرین میں اعلان فرمایا۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی محبت ایسی جاگزیں فرمائی کہ آپ کے ذکر سے ان کی روحیں راحت و سرور پاتیں اور آپ کا ذکر سننے سے خوشی میں ایسی لطف اندروز ہوتیں کہ آپ کی یاد میں جھوم جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کی اتباع میں تمام موجودات کو لبریز کر دوں گا تاکہ وہ آپ کی ثنا اور پیروی کریں۔ اور آپ پر درود وسلام بھیجیں۔ فرض نمازوں میں کوئی فرض ایسا نہیں ہے جس کو آپ نے سنت نہ بنایا ہو۔ یعنی فرض ادا کرنا آپ کی سنت کو پورا کرنا ہے۔ لہٰذا ان کی فرضیت میرے حکم سے فرض ہونے اور آپ کے حکم سے سنت ہونے میں متمسک ہے۔ حقیقت میں دونوں ہی میرے حکم اور آپ کے حکم کے ساتھ پیوست ہیں۔ یعنی ہر فرض میرے حکم اور آپ کے حکم کو شامل ہے۔ اور میں نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت' آپ کی بیعت کو اپنی بیعت بنایا۔ آپ کی فرامین کے لفظوں کو حفظ کریں گے۔ مفسرین میرے قرآن کے معنی تفسیر آپ سے کریں گے۔ واعظین آپ کی نصیحتوں کو لوگوں تک پہنچائیں گے۔ شاہان و سلاطین اور فقراء و مساکین دور دراز سے سفر کر کے آپ کے در پر حاضر ہو کر سلام عرض کریں گے۔ اور آپ کے روضہ انور کی خاک پاک کو اپنے چہروں پر ملیں گے اور آپ کی شفاعت کے امیدوار ہوں گے۔ آپ کی بزرگی اور شرافت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ **و الحمد لله رب العلمین.**

اور بعض علماء حضور انور کے ارشاد مبارک: وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ (اور صلوٰۃ میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی) کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مطلب آپ پر درود وسلام بھیجنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ لیکن محقق قول یہی ہے کہ اس سے مراد نماز ہے جیسا کہ حسن ہدیٰ اور سیرت حضور پاک کے بیان میں گزر چکا ہے۔

سورہ فتح: بارگاہ قدس جل اسمہ کی جانب سے حضور اکرم ﷺ پر جو اتم نعمت اور اکمل اکمال جاہ وجلال و کرامت و برکات و مرتبت وارد و فائز ہیں۔ سورہ فتح ان سب پر مشتمل ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے رسول پاک کی مدح وثنا کا اس میں خطبہ پڑھا ہے فرماتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًاO لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاO وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًاO	بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے۔ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھائے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔

واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سبحٰنہ وعزاسمہ کی جانب سے حضور اکرم ﷺ پر فتوحات و فیوضات صوریہ و معنویہ اور کرامات و برکات ظاہرہ و باطنہ جو فائض و صادر ہیں وہ غیر متناہی اور حدوشمار سے باہر ہیں۔ ان میں سے ایک تو شہروں کی فتوحات' بندگان خدا کی تسخیر حصول غنائم' تقویت دین' کثرت امت اور احکام اسلام کی اشاعت ہے اور سب سے بڑی مکہ مکرمہ کی فتح ہے۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد تمام عرب قبائل اور لوگوں کی جماعتیں فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگیں۔ اور رسول خدا ﷺ عالم قدس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سورۃ میں اس کے فتح ہونے کا وعدہ فرمایا گیا۔ اور یہ فتح یقینی طور پر واقع ہونے کا تذکرہ ماضی کے صیغہ اور ''فتح مبین'' کے ساتھ کیا گیا۔ فتح مبین کے معنی عزت و شوکت کو ظاہر کرنے والی اور دین اسلام کو غلبہ مرحمت فرمانے والی فتح بھی مروی ہے۔

اور آیہ کریمہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کی تفسیر و تشریح میں بکثرت اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس

سے مراد وہ چیز ہے جو آپ کی بعثت نبوت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں واقع ہوئی۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے اس لیے نبی کریم ﷺ کو جاہلیت کی ہوا تک نہ لگی۔ اور یہ کہ آپ قبل از نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ اور مجاہد نے کہا ماتقدم قبطیہ ''ماریہ'' میں اور ''مَـا تَـاَخَّـرَ'' حضرت زید کی زوجہ سے عقد کا ارادہ فرمانے کے بارے میں ہے۔ امام سبکی فرماتے ہیں یہ قول باطل ہے اس لیے کہ قبطیہ ماریہ اور حضرت زید کی زوجہ کے بارے میں اصلاً ذنب ہے ہی نہیں جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ زمخشری نے کشاف میں اور تبعیت میں بیضاوی نے بھی اس کو نقل فرمادیا کہ اس سے مراد وہ تمام لغزشیں ہیں جو محل عتاب ہیں۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول بھی مردود ہے۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام والصلوٰۃ کی عصمت ثابت ہے۔ البتہ ایسے صغائر جو ان کے مرتبہ وشان کو کم نہ کرنے والے ہوں۔ اس میں اختلاف ہے۔ معتزلہ اور بہت سے غیر معتزلہ اس کے جواز کی طرف گئے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مسلک مختار ممانعت ہے۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قول وفعل کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان سے ایسا فعل کیسے ہوسکتا ہے۔ جو ناشائستہ اور ناسزا ہے اور حشویہ'' حضرات انبیاء علیہم اسلام پر جرأت وجسارت کرتے ہیں۔ اور وہ ان پر مطلقاً بغیر کیسی قید کے جائز رکھنے کے قائل ہیں۔ اگر ان حشویوں کی طرف ان کے اس قول کی نسبت صحیح ہے تو یہ مجوج یعنی لائق التفات اور صحت کے قابل نہیں ہے کیونکہ امت کا اجماع اس کے خلاف ہے اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کو جائز رکھتے ہیں ان کے پاس نہ کوئی نص ہے اور نہ کوئی دلیل۔ بلکہ وہ صرف اسی آیت کو یا اس کی دوسری آیتوں کو اپنا آخذ ٹھہراتے ہیں اور ان کا جواب بخوبی ظاہر کردیا گیا ہے۔

صغائر غیر رذیلہ کو جائز رکھنے کے بارے میں ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ آیا صغائر غیر رذیلہ میں سے کچھ حضور اکرم ﷺ سے واقع ہوئے ہیں یا نہیں وہ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ حضور ﷺ سے ان میں سے کچھ بھی واقع نہ ہوا۔ امام سبکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں اس میں ذرّہ بھر بھی شک وشبہ نہیں رکھتا کہ آپ سے کچھ واقع نہیں ہوا۔ اور آپ کے اس قول وحال کے برخلاف کوئی گمان بھی کیسے لاسکتا ہے۔ جب کہ آپ کی صفت میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى○ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى○ یہ نبی اپنی خواہش سے فرماتے ہی نہیں' نہیں ہے یہ مگر وحی جو کی گئی۔

اب رہا آپ کا فعل مبارک' تو صحابہ کرام کا اجماع معلوم ہے کہ وہ آپ کی قطعیت کے ساتھ پیروی کرتے اور آپ سے جو کچھ قلیل وکثیر یا صغیر وکبیر عمل کرنا ظاہر ہوتا وہ ہر ایک میں آپ کی اقتداء کرتے تھے حتیٰ کہ حضور ﷺ پوشیدگی وخلوت میں جو عمل فرماتے اس کے علم کی بھی وہ حرص وخواہش رکھتے اور اس کی متابعت کرتے تھے خواہ حضور ﷺ کے علم میں آئے یا نہ آئے۔ جو بھی صحابہ کرام کے ان احوال پر جو رسول کریم ﷺ کی متابعت کے سلسلے میں ہے غور وفکر کرے گا۔ بخوبی جان لے گا۔ اور جو شخص بھی حضور اکرم ﷺ کے احوال مبارکہ کو اوّل سے آخر تک جانے گا اور مشاہدہ کرے گا وہ اس قسم کی بات اپنے منہ سے حضور ﷺ کے بارے میں نکالنے یا اپنے دل میں اس قسم کا وہم وخیال تک لانے میں شرم محسوس کرے گا۔ (اعیاذ نا اللہ منہا)

امام سبکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسی بات نہ کہی ہوتی تو میں اس کا ذکر نہ کرتا۔ اور اس آیت کی تفسیر میں زمخشری نے جو قول نقل کیا ہے ہم اس سے نہ صرف بیزار ہیں بلکہ خدا سے انصاف چاہتے ہیں۔ یہ امام سبکی کا کلام زمخشری کے مقالہ کے رد میں ہے جسے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے سوا اور بھی اقوال بیان کئے ہیں جو گیارہ بلکہ اس سے زیادہ تک پہنچتے ہیں۔ جسے امام سبکی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں میں جب اس آیۂ کریمہ لِيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ پر تامل اور اس کے ماقبل ومابعد پر غور وفکر کرتا ہوں تو میں ایک وجہ کے سوا اور کوئی وجہ اور احتمال کی گنجائش نہیں پاتا۔ اور وہ وجہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتکریم ہے بغیر اس کے اس جگہ کوئی گناہ متصور ہو۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ جب میں اس معنی ووجہ کے مآخذ کے درپے ہوا تو ابن عطیہ کو بھی اس کا قائل پایا۔ چنانچہ

کہا کہ ''آیت کے معنی اس حکم کے ساتھ حضور ﷺ کی شرافت و بزرگی کا ظاہر فرمانا ہے۔ اور اس میں کوئی گناہ مقصود نہیں ہے''۔ ابن عطیہ نے ایسا خدا کی توفیق پانے سے کہا ہے۔ انتہی۔

یہ کلام مجمل ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ آقا کبھی اپنے غلاموں کو اپنے خواص و مقربوں کے ذریعہ نوازتا اور بزرگی بخشتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمہیں بخشا اور تمہارے تمام اگلے پچھلے گناہوں سے درگزر کیا۔ حالانکہ آقا خوب جانتا ہے کہ ان سے آگے پیچھے کسی وقت بھی کوئی گناہ اور غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی لیکن اس کا یہ کلام غلاموں کے لیے باعث عزت و افتخار ہے۔ فافہم وباللہ التوفیق۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جگہ مغفرت کا عصمت سے کنایہ ہے اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ — تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخشے

اَیْ لِیَعْصِمَكَ اللّٰهُ فِیْمَا تَقَدَّمَ مِنْ عُمْرِكَ وَفِیْمَا تَاَخَّرَ مِنْهُ. — یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی پچھلی حیات میں بھی اور اگلی حیات میں بھی اپنی عصمت و پناہ میں رکھے۔

یہ قول انتہائی حسن قول میں ہے۔

بلاشبہ بلغاء نے قرآن کے اسلوب کو بلاغت میں شمار کیا ہے کہ تخفیف و کمی کے مقامات کو لفظ مغفرت' عفو اور توبہ سے قرآن میں کنایہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قیام لیل کے نسخ و کمی کرنے کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ — اللہ جانتا ہے کہ اے مسلمانو! تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا۔ (اور تم ضبط اوقات نہ کر سکو گے)

تو اس نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمایا۔ (یعنی شب کا قیام معاف فرمایا) اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو۔ نیز تقدیم صدقہ کی منسوخیت میں فرمایا:

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ — تو جب تم نہ کر سکو تو اللہ نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمایا (یعنی تقدیم صدقہ معاف فرمایا)

نیز رمضان مبارک کی راتوں میں جماع کے حرام ہونے کی منسوخیت میں فرمایا:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ. — روزے کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال کیا گیا......

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ — تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا۔ تو اب ان سے صحبت کرو۔

مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جس جگہ انبیاء علیہم السلام کی توبہ (مغفرت کا ذکر فرمایا ہے وہاں ان کی ان لغزشوں و خطا کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ان سے صادر ہوئیں جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) اور حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (ہم نے تمہیں عطا فرمایا تم تو بے خبروں میں سے تھے) اور حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں: فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ (تو انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر قابو نہ پا سکیں گے) اور حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا: فَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى. (تو تم اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو۔) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا: فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى لیکن سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وسلم اجمعین کی شان میں فتح کو

مقدم رکھا۔ اور اس کے بعد گزشتہ و آئندہ کے غفران ذنوب کا ذکر فرمایا اور ذنب کو پوشیدہ رکھا۔

شیخ عزیز الدین عبد السلام اپنی کتاب المسمّٰی بہ "نہایت السول فیما سخ من تفضّل الرسول" میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی تمام نبیوں پر بکثرت وجوہ بخشش ہے۔ پھر انہوں نے ان وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے ایک وجہ یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی اگلے پچھلے ذنوب کی مغفرت کی خبر دے دی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی نبی کو اس جیسی خبر نہیں دی۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ انہیں سرے سے اس سے باخبر کیا ہی نہیں گیا۔ اسی بنا پر جب عرصات محشر میں امتیں ان سے شفاعت کی درخواست کریں گی تو وہ اپنی لغزشوں کا بیان کریں گے۔ اور اس مقام کی ہیبت سے شفاعت میں پہل کا اظہار نہیں فرمائیں گے۔ اور جب وہ تمام مخلوق اس مقام حضور اکرم ﷺ سے درخواست کریں گے تو حضور فرمائیں گے' ہاں یہ میرا ہی کام ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفصیل یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کے لیے پہلے فتح مبین کا اثبات فرمایا کہ اس کے بعد مغفرت ذنوب کا ذکر فرمایا۔ بعد ازاں اتمام نعمت' اثبات ہدایت صراط مستقیم اور نصر عزیز یعنی غالب مدد کا ذکر فرمایا لہٰذا فرمایا ثابت اور متعین ہوا کہ مقصود اثبات ذنوب نہیں ہے بلکہ اس کی نفی ہے فافہم وباللہ التوفیق۔ یہ ساری بحث علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔[1]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (اور تم پر اپنی نعمتیں تمام وکمال فرمائیں) مخفی نہ رہنا چاہیے۔ کہ ہر قسم کے فضائل وکمالات' اور کرامات و برکات اس کلمہ میں داخل ہیں۔ اور خاص وعام نعمتوں میں سے جتنا کچھ ذکر کیا جائے یا تصور وخیال میں آئے وہ سب اندیشہ وخیال اور عدد شمار کے محاسبہ سے عاجز وقاصر ہے اس کے ذکر وبیان سے حال وقال کی زبان گونگی ہے۔ حیطۂ اظہار وبیان میں جو کچھ ہے وہ سب اجمال ہے اور اس کی تفصیل امکانی قدرت سے باہر ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا. وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ

اگر سمندر سیاہی بنیں اپنے رب کے کلمات لکھنے کے لیے تو یقیناً سمندر خشک ہو جائے اور رب کے کلمات ختم نہ ہوں اگرچہ اس کی مدد کے لیے اس کی مثل اور لائیں اور اگر زمین کے ہر شجر کو قلم بنائیں اور سات سمندر کو روشنائی بنائیں تب بھی رب کے کلمات ختم نہ ہوں۔

ان کلمات سے مراد محققین کے نزدیک اللہ عزوجل کی طرف سے وہ فضائل وکمالات وحقائق ومعارف ہیں جو درگاہ قدس کے بندگان خاص انبیاء واصفیاء خصوصاً سید الانبیاء وسند الاصفیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر افاضہ ہوتے ہیں۔ ورنہ جو کچھ صفت حق اور شیون ذات مطلق جل وعلا ہے۔ وہ اس تمثیل سے منزہ وپاک ہے۔ اس کا کوئی نظیر نہیں۔ اور بعد از تعمیم نعمت اور دینوی واخروی نعمتوں کی شمولیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ دو نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ ایک ہدایت صراط مستقیم ہے جو کہ اصل اصول نعیم اور مشرفوز وفلاح اور لوگوں کی ہدایت ہے۔ کیونکہ بعثت اور رسالت کا یہی مقصد اصلی ہے۔ دوسرا دینوی ہے۔ جس کا مقصد بھی دین ہے جس طرح

---

[1] افادہ خاص از مترجم غفرلہ: اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے یہ اقوال وتوجیہات اس بناء پر محمول ہیں کہ انہوں نے آیۂ کریمہ کے "لیغفر لك الآیۃ" میں حروف جر لام کو تخصیص کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ لیکن اس لام کو اگر بجائے تخصیص کے "تعلیل وسبب" معنی میں لیتے تو ان بعید از کار تاویلات وتوجیہات کے جھمیلے سے بچ جاتے۔ اور لام سببیہ کو (جو کہ حرف جر لام کے معانی مشترکہ اور خواص میں سے ہے) مان لینے کے بعد حضور اکرم ﷺ کی عظمت شان اور رفعت مقام میں بے نظیر دلیل بن جاتی ہے چنانچہ لام تعلیل اور سببیہ کو صاحب تفسیر جلالین نے تسلیم کیا ہے اور اس صدی کے مجدد اعظم اعلیٰحضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خانصاحب' فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے قرآن المسمّٰی "بہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" لام سببیہ ہی مان کر ترجمہ کیا ہے جیسا کہ شروع باب میں اس آیۂ کریمہ کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

کہ پہلا ہے۔اور جو صلاح عالم اور کارخانہ موجودات انتظام پر منتج۔ چنانچہ فرمایا:

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاO وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًاO اور تمہیں سیدھی راہ دکھائے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔

ابن عطاء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حضور اکرم ﷺ کے لیے متعدد عظیم نعمتیں جمع فرمائی ہیں۔ایک کھلی فتح جو اجابت اور قبول کی نشانیوں میں سے ہے۔دوم مغفرت جو محبت کی علامتوں میں سے ہے۔سوم اتمام نعمت جو اختصاص کی نشانیوں میں سے ہے۔چہارم ہدایت جو ولایت کی علامتوں میں سے ہے۔چنانچہ مغفرت تمام نقائص وعیوب سے تبری وتنزیہہ یعنی آلائش سے پاکی وصفائی سے کنایہ ہے اور اتمام نعمت بدرجہ کامل آپ کی تبلیغ رسالت ہے۔اور ہدایت' مشاہدہ کی طرف دعوت ہے۔اور آپ کی شان اتنی بلند فرمائی کہ کوئی چیز قرب حق میں اس مرتبہ اونچی وفائق متصور نہیں ہے۔اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ. بیشک جنہوں نے آپ سے بیعت کی ہے بلاشبہ انہوں نے اللہ سے بیعت کی ہے۔اللہ کا ہاتھ (دست قدرت) ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

جس طرح کہ فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهِ جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ اطاعت کی۔

اگرچہ باصطلاح اہل عرب یہ از قبیل مجاز ہے۔لیکن اہل حقیقت جانتے ہیں کہ اس میں کیا رمز ہے۔واللہ اعلم۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں پر سکینہ' طمانیت اور آرام ویقین (جو نعمتوں کا خلاصہ ہے۔) کے نازل فرمانے کا احسان جتلایا۔اور آخر سورۃ میں آپ کے اصحاب کامل النصاب کی مدح وثنا حضور اکرم ﷺ کی معیت کی فضیلت کے ساتھ فرمائی۔کیونکہ یہ محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ان اصحاب کا کفار پر شدت کرنا اور ان کے خلاف چلنا اور باہم مسلمانوں کے ساتھ محبت ومودت کا برتاؤ کرنا کہ اس پروین وملت کے کارخانہ کا انتظام ہے۔ان کی تعریف فرمائی۔اور ان کی اس صفت کو بمصداق "يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ" (وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے) بنایا۔جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ. (مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔) اور ان سے دنیا وآخرت میں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا۔یہ سب موجب امتنان اور حضور کے فضل وشرف کا بیان ہے۔

سورۃ کوثر: بارگاہ رب العزت کی جانب سے جو ہر قسم کے فضائل وکمالات اور کرامات وبرکات فائز ہوئے ہیں وہ سب ایک کلمہ جوامع الکلم میں داخل ہیں۔چنانچہ فرمایا:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

کیونکہ اَلْكَوْثَرِ سے مراد دنیا وآخرت میں خیر کثیر ہے۔اور یہ کلمہ اپنے اس اختصار وایجاز کے باوجود اس راز کے اظہار وبیان کو شامل ہے۔اور اگر جہان بھر کے علماء وعرفا اس کلمہ کی شرح کریں تو اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ ہی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔تاہم فی الحال جو کچھ میری نظر میں ہے۔لکھتا ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" یعنی ہم نے آپ کو بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔جن میں کی ہر نعمت ساری دنیا سے بڑی ہے۔جب ہم نے آپ کو اتنی عظیم خوبیاں عطا فرمائیں تو فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ. تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔عبادت کی دو قسمیں ہیں ایک عبادت بدنی دوسرے عبادت مالی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فَصَلِّ لِرَبِّكَ (اپنے رب کے لیے نماز پڑھو) عبادت بدنی کی طرف اور "وَانْحَرْ" (قربانی کرو) سے عبادت مالی کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ کہ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ (بیشک ہم نے

آپ کو عطا فرمایا) کو لفظ ماضی سے ذکر فرمایا اور لفظ مستقبل یعنی سَنُعْطِیْكَ (عنقریب آپ کو عطا فرمائیں گے۔) فرمایا تا کہ اس پر دلالت کرے کہ یہ تمام عطائیں قبل از وجود عنصری آپ کو حاصل ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے۔

گویا حق تعالیٰ کہتا ہے اے محمد ﷺ آپ کے لیے تمام اسباب سعادت' آپ کے دائرہ وجود میں داخل ہونے سے پہلے ہم نے عطا فرما دیے ہیں۔ تو اب آپ کو بعد از وجود کیسے بے عطا چھوڑیں گے رہا آپ کا عبادت میں مشغول رہنا تو یہ فضل عمیم آپ کی اطاعت وعبادت کے سلسلے میں نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ بغیر وجوب اور بے سبب' محض فضل واحسان ہے' یہی اجتباء (برگزیدگی) کے معنیٰ کا حاصل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ تمام نبیوں کو بلکہ تمام انسانوں کو جو کچھ بھی دیا گیا وہ ان کے وجود عنصری سے پہلے دیا گیا۔ اور ان کی تقدیر میں لکھا گیا ہے تو فضیلت تو اس میں ہونی چاہیے کہ آپ کو ان میں سب سے زیادہ عطا کیا گیا نہ یہ کہ سب سے پہلے دیا گیا تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور آپ کے کمالات عالم ارواح میں ظاہر کیے گئے اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ نے آپ سے استفاضہ کیا ہے جیسا کہ فرمایا۔

كُنْتُ نَبِيًّا الحدیث اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت علم الٰہی میں تھی نہ کہ خارج میں۔

ایک روایت میں کہ کہ ''کوثر'' سے مراد جنت کی ایک نہر ہے جیسا کہ اس کی صفت میں احادیث میں مروی ہے کہ ''کوثر'' نام اس بناء پر ہے کہ کثرت سے لوگ جائیں گے۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے جنت کی سیر کو بیان کرنے کے دوران فرمایا کہ میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو اچانک میری نظر اس کی ایک نہر پر پڑی۔ دیکھا کہ اس کے ہر طرف گنبد ہی گنبد ہیں جو کھوکھلے موتیوں کے ہیں۔ اور اس کی مٹی مشک اذخر کی ہے۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ بتایا کہ یہ کوثر ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ اسے بخاری میں روایت کیا۔ سلف کے درمیان مشہور و مستفیض یہی تفسیر ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد آپ کی اولاد طیبہ ہے اس لیے یہ سورۃ اس شخص کے رد میں نازل ہوئی ہے جس نے حضور اکرم ﷺ کو 'بے اولاد' ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے تم کو ایسی اولاد مرحمت فرمائی ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔

فائدہ: بعض فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے۔ اور کوثر لغت میں بمعنی کثرت درود ہے۔ منجملہ اس کے ایک یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بدگویوں نے ''ابتر'' یعنی ''بے اولادہ'' ہونے کا طعنہ دیا تھا۔

عین المعانی میں کہتے ہیں کہ کوثر بروزن فوعل کثرت سے ہے۔ جیسے انفل سے توفل' جہر سے جوہر وغیرہ اور اس کے مقابلہ میں خبر آئی کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ مطلب یہ کہ جو آپ پر بے نسل ہونے کا عیب لگاتے ہیں۔ آخر کار وہی ابتر ''بے نسلے'' ہیں۔ ابتر اسے کہا جاتا ہے جس کی نسل نہ ہو۔ اور کشاف میں ہے کہ کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس کے معنی کثرت کے ہیں۔ اور اس میں مبالغہ ہے یعنی بہت بہت۔ کسی بدوی کا لڑکا سفر سے واپس آیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا تیرا لڑکا کس حال میں لوٹا۔ اس نے کہا ''جَاءَ بِالْكَوْثَرِ'' یعنی خیر کثیر کے ساتھ واپس آیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کوثر کے معنی خیر کثیر کے کرتے ہیں اس پر ان سے حضرت سعید بن جبیر نے کہا لوگ ایسا کہتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بھی از قسم خیر کثیر ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو دونوں جہاں کی اتنی بھلائیاں عطا فرمائی ہیں کہ اس کی کثرت کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ اور آپ کے سوا کسی کو اتنا نہیں دیا گیا۔ اور ان کا دینے والا میں ہوں۔ جو کہ اپنے تمام جہانوں کا مالک و رب ہوں۔ لہٰذا آپ کے لیے سب سے بڑھ کر بزرگی دینے

والا' سب سے زیادہ عطا فرمانے والا' اورسب سے زیادہ بخشش کرنے والا اور عظیم ترین انعام فرمانے والا میں ہوں فَصَلِّ لِرَبِّكَ تو اپنے رب کی اطاعت کیجئے کہ اس نے آپ کو اپنی عطا کا مستحق بنا کر نوازا اور ان لوگوں کے احسان سے جو اپنے گمان پر غیر خدا کو پوجتے ہیں۔آپ کو محفوظ رکھا وَانْحَرْ اور خدا کے لیے اس کے نام کے ساتھ قربانی دیجئے اور ان لوگوں کے برخلاف کیجئے کہ یہ لوگ بتوں کے نام سے ذبح کرتے ہیں۔اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بلاشک وشبہ جو بھی اپنی قوم میں سے آپ سے دشمنی رکھے اور آپ کی خلاف ورزی کرے وہی ابتر' بے نسلا اور بے برکتا ہے۔نہ کہ آپ! کیونکہ قیامت تک مسلمانوں میں سے جو بھی پیدا ہوگا۔وہ آپ کی معنوی اولاد اور خلف ہوں گے۔اور آپ کا ذکر منبروں پر بلند ہے۔اور جہاں بھر کی زبانیں قیامت تک آپ کے ذکر سے رطب اللسان رہیں گی۔وہ ابتدا تو خدا کے نام سے کریں گے اور مَثْنٰی یعنی دوسرا آپ کے نام کو بنائیں گے۔اور آخرت میں جو عنایت ہوں گی وہ تو قدرت بیان سے باہر ہیں آپ جیسے کو ''اَبْتَر'' (معاذ اللہ) کہنے والا درحقیقت خود ابتر ہے کہ دنیا و آخرت میں کوئی نام لینے والا تک نہیں۔اگر کوئی لیتا بھی ہے تو لعنت بھیجتا ہے۔ابوبکر عیاش رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد امت کی کثرت ہے۔اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ مراد قرآن ہے۔بقول عکرمہ نبوت' بقول مغیرہ' اسلام اور بقول حسین بن الفضل قرآن کی آسانی اور شریعت کی تخفیف مراد ہے۔بعض نے اکثر امت میں شفاعت' بعض نے معجزات نبوت' بعض نے نبوت وقرآن' ذکر عظیم اور دشمنوں پر مدد اور بعض نے علمائے امت مراد لیا ہے۔کیونکہ ''اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ'' علماء نبیوں کے وارث ہیں۔اسے امام احمد وابوداؤ داور ترمذی نے روایت کیا ہے۔بعض نے کوثر سے علم مراد لیا ہے۔اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فَصَلِّ لِرَبِّكَ (اپنے رب کی عبادت کیجئے) کا ذکر فرمایا ہے۔اور جو عبادت پر مقدم ہے۔نتیجتاً وہ علم ہے اور کوئی چیز کثرت وکشادگی میں علم کی صفت کو نہیں پہنچتی۔اور بعض کہتے ہیں کہ کوثر خلق حسن ہے۔صحیح یہ ہے کہ کوثر کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں ہے۔بلکہ تمام صفات کمال کو شامل ہے۔اور خیر کثیر' تمام معانی کو شامل ہے۔

اور ''مخاطبہ'' فرمانے کے سلسلے میں ان حضرات نے جن کے اسماء اوپر مذکور ہوئے مذکورہ معانی بیان کرنے کے بعد اور بھی اقوال فرمائے ہیں چنانچہ ابن عطاء فرماتے ہیں کہ اے محبوب! ہم نے تم کو اپنی ربوبیت کی معرفت اپنی وحدانیت کی یکتائی اور اپنی مشیت وقدرت کا اعلان عطا فرمایا۔سہل تستری نے فرمایا اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ یعنی ہم نے تمہیں وحدت کے ساتھ کثرت' علم توحید کی تفصیلات اور اپنی بے مثل تجلی کے ساتھ عین کثرت میں شہود وحدیت کے معرفت عطا فرمائی۔اور یہ تجلی جنت میں اس نہر کی مانند ہے کہ جو بھی ایک مرتبہ اس سے پانی پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔فَصَلِّ لِرَبِّكَ مطلب یہ ہے کہ جب مشاہدہ اور عین کثرت میں وحدت کو پالیا تو استقامت نماز کے ذریعہ مکمل طور پر شہود روح' حضور قلب' انقیاد نفس اور اطاعت بدن سے بار بار عبادات کی شکل اختیار فرما کر لطف اندوز ہوئے۔اس لیے کہ یہی نماز کامل اور ''جمع'' وتفصیل کے حقوق ادا کرنے کا طریقہ ہے۔وَانْحَرْ یعنی انانیت کے اونٹ اور گائے کو ذبح کیجئے تاکہ آپ کے شہود میں یہ انانیت تلون مزاج کی صورت میں ظاہر نہ ہو اور آپ سے مقام ''تمکین'' کو سلب نہ کرے اور حق تعالیٰ کے ساتھ قضائے محض میں رہیے۔اور اس کی بقا کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ آپ باقی رہیں۔تاکہ اپنے وصال حق اور اپنے حال میں اور آپ کے ساتھ جو آپ کی امت کا اتصال اور آپ کی ذرّیت ہے۔اس میں ابتری واقع نہ ہو بلاشبہ آپ سے دشمنی رکھنے والا حق سے منقطع اور پھٹکارا ہوا ہے اور وہی ابتر ہے نہ کہ آپ!

اور مولانا تاج الملت والدین اور المصدر البخاری'' حقائق میں فرماتے ہیں کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ بلاشبہ ہم نے آپ کو اعداد وشمار سے باہر بکثرت خوبیاں اور ہر نوع کی بیشمار فضائل عطا فرمائے۔

غرض کہ کوثر کی تفسیر میں ائمہ کبار رحمہم اللہ کے اقوال وتاویلات بہت ہیں۔جس نے اپنے نور باطن سے جتنا دیکھا بیان کردیا۔لیکن

تمام مخلوق کا علم کوثر کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس جمال کے پہلو میں تمام اقوال وتفصیلات' ایک دفتر کے مقابلہ میں بمنزلہ ایک حرف اور اس نہر کا ایک قطرہ ہے۔ انتہی کلام فصل الخطاب واللہ اعلم۔

آیۂ میثاق: یہ آیۂ کریمہ ﷺ کے غایت فضل وکرامت پر دلالت کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ آپ نبی الانبیاء اور سردار انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور تمام نبی آپ کی امت کے حکم میں آیۂ کریمہ یہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

فرماتا ہے اے محبوب! یاد کیجئے اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عہد وپیان لیا تھا کہ جس وقت میں تم کو کتاب وحکمت دوں پھر وہ رسول تشریف لائے جو تمہارے پاس کی ہر چیز کی تصدیق کرنے والا ہو (یہ صفت تمام نبیوں کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے اور اصول دین میں باہم اتفاق کرتے۔) تو اس وقت تم اس رسول پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

اور حضور کو خبر دی گئی کہ ہر نبی جو آدم علیہ السلام سے حضور سیّد عالم ﷺ تک بھیجا گیا اس سے عہد وپیان لیا گیا ہے۔ جمہور مفسرین کا مذہب یہی ہے کہ آیۂ کریمہ میں ''رسول'' سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات قدس ہے۔ اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا گیا جس سے حضور اکرم ﷺ کے اوصاف نہ بیان کیے گئے ہوں اور اس سے آپ کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اس پر عہد وپیان نہ لیا گیا ہو کہ تم اگر آپ کا زمانہ پاؤ تو آپ پر ایمان لانا لازمی ہے۔ جب نبیوں سے یہ عہد وپیان لیا گیا تو انہوں نے اپنے اپنے امتیوں سے بھی یہی عہد وپیان ضرور لیا ہوگا۔ چونکہ انبیاء کرام اصل اور متبوع ہیں اس لیے آیت میں انہیں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

سیّدنا علی ابن ابی طالب اور سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا۔ مگر یہ کہ اس پر عہد لیا گیا کہ اگر تم محمد ﷺ کو پاؤ تو آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عہد لیا کہ وہ نبی اپنی اپنی امتوں سے عہد لیں کہ جب محمد ﷺ مبعوث ہوں تو تم سب ان پر ایمان لے آنا۔ اور اس طرح اپنے بعد آنے والے کو بتاتے رہنا۔ یہاں تک کہ یہ عہد حضور اکرم ﷺ کے زمانے کے اہل کتاب یہودیوں تک پہنچا جب حضور اکرم مدینہ منورہ میں رونق افزا ہوئے تو یہود آپ کی تکذیب کرنے لگے۔ اس وقت حضور نے ان کو عہد ومیثاق کی یاد دہانی کرانے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور وہ جنہوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ وہ اپنی امتوں سے ایسا عہد لیں' اس سے یہ حجت پکڑی ہے کہ حضور کے مبعوث ہونے کے بعد اہل کتاب پر فرض ہو گیا تھا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام حضور اکرم کی بعثت کے وقت سب کے سب دنیا سے گذر چکے تھے۔ اور میت مکلف نہیں ہوتی۔ لہٰذا متعین ہو گیا کہ میثاق امتوں پر ماخوذ ہے۔ اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی کر رہا ہے کہ فرمایا:

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ تو جو اس عہد سے روگردانی کرے تو وہی فاسقوں میں سے ہے۔

ایسا وصف انبیاء کے لائق نہیں ہے بلکہ امت کے لائق ہے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اس آیت سے مراد برطریق فرض وتقدیر ہے۔ مطلب یہ کہ اگر بفرض وتقدیر انبیاء زندہ ہوں تو ان پر واجب ہے کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں نہ یہ کہ اس کا وقوع ان کے وجود کے درمیان ہونے کی خبر دینا ہے اور بہت سے احکام بفرض وتقدیر آئے ہیں۔ جیسے کہ۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارے اعمال اکارت ہوں گے) وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (اور اگر کوئی ہم پر اپنی مونھوں کی باتوں کی نسبت کرے) وَمَنْ يَّقُلْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ الآیات (اور کوئی کہے میں معبود ہوں) تو یہ

سب بفرض وتقدیر کی مثالیں ہیں۔اور حضورِ اکرم ﷺ کے فضل وشرف اور کرامت کے اظہار کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔جب کلام کی بنیاد فرض وتقدیر پر ہے تو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ’’جو کوئی اس کے بعد روگردانی کرے تو وہی فاسقوں میں سے ہے‘‘ یہ بھی درست ہے‘نیز جب نبیوں کو حکم فرمایا اور ان سے یہ عہد لیا بر تقدیر بر حیات‘ تو امتیوں پر اس کا وجوب بطریق اولیٰ ہوگا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔اور فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ o اس کی نسبت امتوں کے ساتھ ہے۔لہٰذا انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق‘ اور ان پر تاکید وتقریر اور تشدید فرمانا مقصود میں زیادہ قوی وداخل ہے۔

امام سبکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اشارہ ہے حضورِ اکرم ﷺ بر تقدیر حیات انبیاء علیہم السلام ان کے زمانہ میں ان کی طرف مرسل ہیں لہٰذا آپ کی نبوت ورسالت عام ہے۔اور تمام مخلوق کے لیے آدم علیہ السلام کے زمانہ سے قیامت تک شامل ہے اور تمام نبی اور ان کی امتیں سب آپ کی امت ہیں۔حضورِ انور کا یہ ارشاد کہ ’’میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں‘‘ اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ اور نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام لوگوں کی طرف‘‘ تو یہ ارشادات آپ کے زمانہ مبارک سے قیامت تک ہی لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔جو آپ سے پہلے گذر چکے ہیں۔اور انبیاء علیہم السلام سے آپ کے لیے اخذ میثاق اس لیے فرمایا گیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ آپ ان سب پر مقدم ومعظم ہیں۔اور آپ ان سب کے نبی ورسول ہیں ﷺ۔لہٰذا اے طالبان صادق !انصاف سے غور وفکر کرو کہ نبی ﷺ کی تعظیم وکریم حق تعالیٰ کی جانب سے کتنی عظیم ہے۔جب تم اسے جان لو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ سب محمد ﷺ کے نبی ہیں اور آپ نبی الانبیاء ہیں ﷺ۔اور اسی جگہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔جیسا کہ فرمایا: اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَآئِیْ. (آدم اور ان کے سوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔) اور بفرض اگر تمام نبی حضور کے ساتھ آپ کے زمانہ میں ہوتے یا حضور ان کے زمانہ میں ہوتے تو سب آپ پر ایمان لاتے۔اور آپ کی مدد کرتے۔اسی لیے تو فرمایا: لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَّا وَسِعَهٗٓ اِلَّا اتِّبَاعِیْ اگر موسیٰ دنیاوی حیات میں زندہ ہوتے تو ان کو بجز میری اتباع کے کوئی چارہ نہ ہوتا۔‘‘ اور یہ اسی میثاق کی بناء پر ہوتا جو ان سے لیا گیا۔لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں آپ کی شریعت پر تشریف لائیں گے۔حالانکہ وہ عزت وکرامت والے اور اپنی نبوت پر باقی ہیں اور ان سے کسی چیز کی کمی نہیں کی گئی۔اسی طرح دوسرے انبیاء کرام کی حیثیت ہے۔وہ اپنی نبوت اور امت کے باوجود آنحضرت کی امت ہیں۔لہٰذا آپ کی نبوت اعم۔اشمل اور اعظم ہے۔اس معنی میں خوب غور کرو۔تا کہ اس جگہ انبیاء علیہم السلام سے ان کی نبوت ورسالت کی نفی کا گمان نہ لے جاؤ۔اسی طرح صاحب مواہب لدنیہ نے کہا ہے۔جتنا کچھ کہا گیا ہے اس سے زیادہ اس کی تحقیق وتفصیل انہوں نے بیان فرمائی ہے۔

بندۂ مسکین یعنی شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ بقرینہ ظاہر‘ واضح طور پر انبیاء علیہم السلام سے اخذ میثاق ہے۔حق تعالیٰ نے فرمایا: لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (جب میں تم کو کتاب وحکمت دوں تو......)

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح سے ظاہر ہے کہ اخذ میثاق کے وقت انبیاء کرام علیہم السلام حضور علیہ السلام پر ایمان لاتے اور ان کی مدد کرتے کہ اس سے مراد ’موافقت‘ توثیق عہد یا قصد نصرت ہے جو عالم وجود میں آیا۔اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو حضور ﷺ کے وجود عنصری سے پہلے ایمان لائے تھے۔جیسے حبیب نجار وغیرہ۔اور زمانہ سابق میں بہت سے گزشتہ لوگ آپ کے فضائل وکمالات اور نبوت کی خبر سننے سے مشرف ہو چکے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کی امت کے حضورِ اکرم کی امت میں ہونے کے حکم میں اتنا ہی کافی ہے کہ آپ ان کی طرف بھی رسول

ہیں اور شب اسریٰ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام اور حضور اکرم ﷺ سب یکجا جمع ہوئے۔ حضور نے ان کی امامت فرمائی اور سب نے آپ کی اقتدا کی۔ اس وقت وہ سب آپ پر ایمان لائے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی حیات اور حیات حقیقی دنیاوی کے ساتھ ان کی بقاء پر امت کا اتفاق ہے۔ اگرچہ انبیائے کرام کا اپنی اپنی امتوں سے نبی آخر الزماں پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنے پر عہد و پیمان لینا بھی حضور اکرم ﷺ کا فضل و شرف ہے۔ جو کسی دوسرے نبی کو نہ حاصل تھا۔ لیکن حق تبارک وتعالیٰ کا انبیاء کرام سے اس پر عہد و میثاق لینا اعز و اعظم ہے۔ فافهم وبالله التوفيق۔

باہم تفصیل رسل: وصل: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ رسول ہیں جن کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ اور بیشک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی۔

یہ دونوں آیتیں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مراتب کے متفاوت و مختلف ہونے میں نص ہیں کہ بعض، بعض پر افضل ہیں۔ یہاں پر معتزلہ کا رد ہے۔ وہ قائل ہیں کہ بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت نہیں ہے۔ اور وہ سب برابر ہیں۔ اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حق ابوت یعنی باپ ہونے کی وجہ سے افضل ہیں۔ یہ قول فاسد ہے۔ اس لیے کہ گفتگو تو بحیثیت نبوت افضل ہونے میں ہے نہ کہ باپ ہونے میں۔ بسا اوقات فرزند باپ سے کمالات میں زیادہ فاضل ہوتا ہے۔ اگرچہ باپ حق ابوت رکھتا ہے۔ اور ایک جماعت یہ کہتی ہے اس مقام پر خاموشی زیادہ مناسب ہے۔ حالانکہ نص قرآنی کے بعد جو ایک دوسرے کی فضیلت پر ناطق ہے۔ خاموشی کی کون سی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ کچھ نبیوں میں سے وہ ہیں جن سے للہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان سے بے واسطہ کلام فرمایا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کے ساتھ تخصیص نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین سے شب معراج بیواسطہ کلام فرمایا۔ مگر یہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانا بوجہ خاص ہوا۔ اور غالباً اسی وجہ تخصیص اور اس نعمت سے نوازے جانے پر ان کا غالب نام کلیم ہوگیا۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کلام نفسی سنا یا کسی جہت سے سنا۔

اور جس وقت سیّد عالم ﷺ فوق عرش گئے اور اس جگہ پہنچے جہاں مخلوق کے علوم کی حد وانتہا ہے۔ اور جہاں تک حضور ﷺ کی رسائی ہوئی وہاں تک رسائی کسی کو میسر نہ ہوئی تو وہاں آپ کلام اور ان درجات و کمالات سے نوازے گئے کہ جس قدر دوسروں کو حاصل ہوئے ان سے اعلیٰ اور اتم ہوں گے۔ اور اسی معنی کی طرف حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (اور بعض کے درجات بلند ہوئے) مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد حضور سیّد عالم ﷺ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس ابہام میں آپ کی تعظیم فضل اور اعلائے قدر و منزلت ہے۔ اور جو کلام کے اسلوب کو جانتا ہے اس پر کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔

علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے جس فضیلت کا یہاں ذکر ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے معجزات اور نشانیاں اس قدر زیادہ ظاہر، مشہور، قوی اور روشن ایسی امت کے لیے ہوں جو ازکیٰ، اعلم، اور اکثر ہو۔ یا وہ اپنی ذات میں افضل و اکمل اور اظہر ہوں۔ فضل ذاتی ان خصوصیات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جو اس نبی میں کرامات اور مراتب علیا کلام وغیرہ سے اختصاص موجود ہو۔ یا وہ خلت یا رویت وغیرہ الطاف وتحائف سے نوازا گیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے معجزات اور نشانیاں تو بہت زیادہ ظاہر، اتم، روشن، اکثر باقی رہنے والی ہیں اور آپ کا منصب اعلیٰ، آپ کا دبدبہ اعظم واوفر اور آپ کی

امت ازکیٰ اعلم اور اکثر بحکم آیت قرآنی ہے کہ فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔ آپ کی امت اس خیر و بھلائی کے ساتھ موصوف ہے جس کا مفہوم تمام کمالات و فضائل کو شامل ہے اور آپ کی ذات قدس اکمل و اطہر ہے۔ اور آپ کی خصوصیات' کرامات اور کمالات زیادہ عظیم' مشہور تر اور ظاہر ہیں اور آپ کا درجہ تمام رسولوں کے درجات سے ارفع ہے اور تمام مخلوق سے ازکیٰ' اظہر اور افضل ہے۔ ﷺ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

شفاعت والی حدیث پر غور کیجئے کہ روز محشر ساری مخلوق خدا جمع ہو کر شفیع کی جستجو میں حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس آئیں گی اور شفاعت کی التجا کریں گی اور سب ہی اس مقام کی ذمہ داری قبول کرنے میں اپنی عجز و ناتوانی کا اعتراف کریں گے۔ اور فرمائیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔ آخر میں یہ مخلوق سید المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے حضور آئیں گی اور آپ فرمائیں گے یہ کام میرا ہے پھر بارگاہ قدس میں حاضری دیں گے۔ آخر حدیث تک۔ اور فرمایا: اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور فرمایا: اَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ میں اولاد آدم میں بہترین ہوں۔ گویا کہ خدا کے نزدیک میں بہترین و بزرگ ترین اولاد آدم ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ ولد ادم اور بنی ادم سے مراد عرف میں نوع انسانی ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ چنانچہ ایک اور روایت میں ہے کہ اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ میں روز قیامت انسانوں کا سردار ہوں۔ اور سب سے بہتر استدلال اس حدیث سے ہے کہ فرمایا: اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ. آدم اور ان کے ماسوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہیں اور بعض نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جس قدر لوگ گزرے ان میں تم سب سے بہتر امت ہو۔ اس میں شک نہیں کہ امت کی افضلیت و خیریت دین میں کمال کے اعتبار سے ہے۔ اور یہ اپنے نبی کے کمال کے تابع ہے۔ کہ امت ان کی پیروی کرتی ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی تعریف اوصاف حمیدہ سے فرمائی ہے۔ چنانچہ ان میں سے حضور اکرم ﷺ کو فرمایا گیا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ. یہ وہ حضرات ہیں جن کی حق تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے تو آپ ان کی راہ پر چلئے۔'' لہٰذا حضور کو ان سب کی راہ پر چلنے کا حکم فرمایا تو لامحالہ امتثال امر اس کا بجالانا واجب ہوا۔ جب آپ بجالائے تو وہ تمام خوبیاں اور کمالات جو تمام نبیوں میں تھیں بلاشبہ آپ میں جمع ہو گئیں اور ہر خوبی و کمال جو متفرق اور جدا جدا تھے آپ میں یکجا ہو گئے۔ اس طرح آپ ان سب سے افضل ہوئے۔ یہ استدلال لطیف ہے۔ اگرچہ بادی النظر و ہم میں ایسا آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی انبیاء کی اقتداء و اتباع کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اور آپ مفضول ہوئے لیکن اس جگہ اقتدا و اتباع سے مراد موافقت ہے۔ چونکہ انبیاء کرام آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس لیے لفظ اقتداء بولا گیا۔ اور یہی حال اس حکم کا ہے جس میں حضور کو ملت ابراہیم کے اتباع کا حکم فرمایا۔ نیز آپ کی دعوت تمام نبیوں کی دعوتوں سے زیادہ اکثر بلاد عالم میں پہنچی ہے۔ لہٰذا اہل دنیا کا آپ کی دعوت سے انتفاع کرنا بمقابلہ تمام نبیوں کی امتوں کے انتفاع دعوت' اکثر و اکمل ہے۔ حضور اکرم ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہوئے۔ خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ بہترین و افضل ترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچائے۔

فضائل صحابہ کے ضمن میں ایک حدیث ہے کہ سیّدنا علی مرتضیٰ ایک دروازے سے نمودار ہوئے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: هٰذَا سَيِّدُ الْعَرَبِ یہ عرب کا سردار ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ سیّد العرب نہیں ہیں۔ فرمایا: اَنَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ عَلِيٌّ سَيِّدُ الْعَرَبِ میں تمام جہانوں کا سردار ہوں اور علی عرب کے سردار ہیں۔

فائدہ: حاکم بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور ذہبی نے اس کے وضع ہونے کا حکم کیا

ہے۔(واللہ اعلم)

لیکن قرآن کریم میں واقع ہوا ہے کہ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ. ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔اور صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔اور ایک رویت میں ہے۔لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَآءِ نبیوں کے درمیان فضیلت نہ دو۔اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے۔لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَآءِ نبیوں کے درمیان فرق نہ کرو۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ''مسلم کے نزدیک آیا ہے'' کہ کسی بندہ کو ممتاز نہ کرو کہ تم کہنے لگو کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔تو وہ بلاشبہ جھوٹ کہتا ہے۔مروی ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں تو وہ بلاشبہ جھوٹ کہتا ہے۔ان کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے ارشاد: لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اس سے مراد ایمان میں فرق کرنا ہے۔مطلب یہ ہے کہ بعض پر لوگ ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں۔جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (بے شک جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کیا) وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ. (اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں) يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ. اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرتے ہیں) حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔اسی پر بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو محمول کیا ہے۔اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ. (اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔) انبیاء و مرسلین کے درمیان ایمان میں برابری اس کے منافی نہیں ہے۔کہ بعض افضل ہوں۔اور حدیثوں کے جوابات متعدد وجوہ سے دیئے گئے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ تفضیل و تخییر کی ممانعت اس سے پہلے تھی کہ وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آپ سیّدنا انبیاء افضل بشر اور سید ولد آدم ہیں۔لیکن اس کے قائل پر واجب ہے کہ اس کی تقدیم و تاخیر کو ثابت کرے۔بعض کہتے ہیں کہ ایسے طریقے پر فضیلت نہ دی جائے کہ مفضول کی تنقیص واہانت لازم آئے۔بعض کہتے ہیں کہ ممانعت تفضیل' نبوت و رسالت کی اصل میں ہے اس لیے کہ تمام نبی' اصل نبوت میں حد واحد ہیں اور بعض نبی واولو العزم ہیں۔لیکن یہ بات خطا سے خالی نہیں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ میں اسے فضیلت دیتا ہوں جس کے درجہ کو اللہ رب العزت نے خصائص قرب سے بلند فرمایا ہے۔اور امت کی سیاست ان کے ڈرانے' دین پر صبر کرنے' ادائے رسالت پر قائم رہنے اور گمراہوں کی ہدایت پر خواہش رکھنے پر کسی سے تعرض نہیں کرتا۔اس لیے کہ ہر ایک نے اپنی مقدور کی حد تک' اپنی جہد وسعی کو صرف فرمایا ہے۔اور اس سے زیادہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مکلف نہیں فرمایا۔فافہم۔بعض کہتے ہیں ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے درمیان ایک کو دوسرے پر اجمالی طور پر فضیلت دی ہے۔لیکن ہم اپنی ذاتی رائے فضیلت دینے سے باز رہتے ہیں اس لیے کہ ہم کسی کی فضیلت اپنی رائے سے نہیں بیان کر سکتے۔بلکہ بحکم کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ فضیلت دے سکتے ہیں۔جیسا کہ دلائل سے پہلے گذر چکا ہے۔

ابن ابی جمرہ جو کہ اعاظم علماء مالکیہ میں سے ہیں حدیث یونس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد جہت' تحدید' اور تکئیف کی نفی حق سبحانہ سے ہے۔چنانچہ ابن خطیب رے یعنی امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ فرمایا مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت اس حیثیت سے نہیں ہے کہ مجھے آسمان پر لے جایا گیا۔اور حضرت یونس کو دریا کی گہرائیوں میں اتارا گیا۔اور یہ کہ میں خدا کے قریب ہوں اور وہ دور تر لہٰذا اس حیثیت سے ان پر میری فضیلت کو ثابت کرنے سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کے لیے بھی جہت و مکان ثابت کیا جائے۔(اور یہ باطل ہے) اگرچہ مجھے آسمان کے ساتوں طبقوں پر لے جایا گیا اور جحت خرق کی گئی۔اور حضرت یونس کو دریا کی گہرائیوں میں اتارا گیا۔مگر حق تعالیٰ نے میرے اور ان کے قرب کی نسبت برابر ہے۔اور انبیاء و یونس علیہم السلام سے

افضلیت ثابت کرنے کے سوا میرے دیگر فضائل و کمالات ثابت ہیں۔اس طرح مجھے فضلیت دینے سے جہت لازم آتی ہے۔یہ بات امام دارالہجرۃ یعنی امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے اور امام الحرمین سے بھی ایسی ہی حکایت منقول ہے۔بعض فضلا کا اس میں اختلاف ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہم وجود باری تعالیٰ کے لیے اثبات مکان کی جہت سے فضلیت نہیں دیتے۔کیونکہ وجود باری تعالیٰ سے تمام جہتوں کی نسبت برابر ہے بلکہ ملاء اعلیٰ یعنی آسمانی مخلوق کو حضیض ادنیٰ یعنی اہل زمین پر جو فضلیت حاصل ہے اور اس عالم کی نسبت سے اس عالم کو جو شرف ہے اس جہت سے ہم حضور اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کو حضرت یونس علیہ السلام پر فضلیت دیتے ہیں۔گویا کہ یہ فضلیت مکانیت یعنی قدر و منزلت سے ہے نہ کہ مکان سے۔لہٰذا تفضیل کی ممانعت' مکان کے ساتھ مقید ہے کہ اس سے قریب مکانی کا مفہوم حاصل ہوتا ہے۔(یہ ہمارا مقصود نہیں)فلیتامل۔

مسئلہ افضل بشر بر ملک: فرشتوں پر بشر کی افضلیت کا مسئلہ جس پر جمہور اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔اس تفصیل سے مشہور ہے کہ خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام خواص ملائکہ پر یعنی حضرت جبریل۔میکائیل' اسرافیل' عزرائیل' حاملان عرش' مقربین' کروبیاں اور روحانیین پر فضلیت رکھتے ہیں۔اسی طرح مواہب لدنیہ میں تفسیر بیان کی گئی ہے اور عقائد (نسفی) کی عبارت یہ ہے کہ رُسُلُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ رُسُلِ الْمَلٰٓئِكَةِ یعنی رَسُوْلَانِ بَشَرٍ۔فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں۔فرشتوں کی وہ جماعت جن کا ذکر ہوا۔ظاہر ہے کہ یہ فرشتوں کے مرسلین ہیں۔کیونکہ یہ مرسلین ملائکہ' فرشتوں کی جماعتوں کو تبلیغ احکام الٰہی اور تعلیم دیتے ہیں۔اور عوام بشر جن سے مراد اولیاء و صلحاء و اتقیاء ہیں۔نہ کہ فساق و فجار (تو یہ عامہ ملک سے افضل ہیں جو کہ غیر مرسلین ملائکہ ہیں)

فائدہ: شعب الایمان میں اس پر عاصیوں' فاسقوں کی تنقیص کی گئی ہے۔اس کی عبارت جیسا کہ نقل کیا گیا ہے۔یہ کہ ملائکہ اور بشر کے پرانے لوگ اور آج کے لوگ بحث کرتے ہیں۔چنانچہ یہ فیصلہ کرنا ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔اور اولیاء بشر اولیاء ملائکہ سے افضل ہیں (انتہی) اور جمہور اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ بعض اشاعرہ ملائکہ کی افضلیت کی طرف گئے ہیں۔اور قاضی ابوبکر باقلانی جو اس مذہب کے بہترین فاضل اور شیخ ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ان کے نزدیک مسلک مختار یہی ہے۔عبداللہ حلیمی بھی اسی جانب ہیں اور امام غزالی کے کلام سے بھی بعض مقامات میں یہی مفہوم نکلتا ہے اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ بحیثیت مجرد اور قرب کے ملائکہ افضل ہیں۔اور کثرت ثواب کے لحاظ سے بشر افضل ہیں۔اہل سنت کی افضلیت سے مراد' کثرت ثواب ہے جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہا گیا ہے۔

شیخ تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ جو علمائے شافعی میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں فرماتے ہیں اگر کوئی شخص ساری عمر مسئلہ افضلیت کو خطرہ میں نہ لائے نہ اس کی نفی کرے اور نہ اثبات کرے تو میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن اس سلسلے میں کچھ بھی نہ پوچھا جائے گا۔

فرشتوں میں بھی بعض' بعض سے افضل ہیں۔اور ان میں سب سے افضل حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں کہ ان کو روح الامین کہا جاتا ہے۔وہ مظہر علم اور حامل وحی ہیں۔ان کے علاوہ تین فرشتے تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔تمام رسول' تمام نبیوں سے افضل ہیں۔اور بعض رسول بھی بعض سے افضل ہیں۔اور حضور اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔آپ سید المرسلین' خاتم النبیین اور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلَ مَا صَلّٰى عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ هُدَاةِ طَرِيْقِ الْحَقِّ وَمُحْيِ عُلُوْمِ الدِّيْنِ.

انبیاء علیہم السلام کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔اس باب میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث مشہور ہے۔جسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک سو چوبیس

ہزار۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں۔ فرمایا تین سو تیرہ (واللعلم عنداللہ تعالیٰ)۔

وہ نبی جن کے نام قرآن میں مذکور ہیں۔ یہ ہیں۔ حضرت آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، یوسف، ایوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، الیاس، الیسع، زکریا، یحییٰ عیسیٰ اسی طرح اکثر مفسرین کے نزدیک الکفل ہیں۔ اور قرآن مجید میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ بعض نبیوں کے قصے تو آپ پر بیان کردیئے ہیں۔ اور بعض کے ہم نے نہیں بیان کیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ پر تمام نبیوں کے قصے نہیں بیان کیے گئے۔

خصوصی قدر و منزلت وصل: اللہ رب العزت سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول سیّد عالم ﷺ کی جو منزلت و کرامت قرآن کریم میں ظاہر فرمائی گئی ہے ان میں سب سے اعظم واعلیٰ قصہ اسریٰ (معراج) سُوْرَۃِ سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی میں اور دَنٰی فَتَدَلّٰی (قریب ہوئے اور زیادہ قریب ہوئے) سورۂ والنجم میں مذکور ہے۔ یہ آپ کے اعظم قدر و منزلت اور علو درجت اور قرب ومشاہدہ آیات وعجائب قدرت جل وعلا پر مشتمل ہے۔ انہیں میں سے آپ کو اعداء خصوصاً مشرکین مکہ ومدینہ سے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ — اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کو حفاظت ونگہبانی کے لیے مقرر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس طرح آپ دشمنوں کے شر وفساد سے اجتناب اور بچاؤ کرتے تھے۔ اور یہ تحفظ بھی اگرچہ بحکم الٰہی اور اس کی حکمت بالغہ کے تحت تھا لیکن جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ دشمنوں کے مکر وفریب سے بے نیاز ہوگئے۔ چنانچہ فرمایا

اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ. — جب یہ کافر لوگ آپ کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ آپ کو یا تو محبوس کردیں یا قتل کردیں یا نکال دیں......

یہ کیفیت ہجرت کے ابتدائی دنوں کی تھی اور آپ کی ہجرت اسی بناء پر تھی۔ چنانچہ اس کا قصہ مشہور ہے۔ اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ. — اگر یہ آپ کی مدد نہ کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔

چنانچہ اس قصہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی جانب سے مشرکوں کی ایذاؤں کو ان کی بیعت کے بعد ان کی ہلاکت اور آپ کے بارے میں ان کی اختلاف آراء سے دفع فرمادیا۔ ان کے روبرو آپ کے نکلنے کے وقت اللہ نے کفار کی آنکھوں کو اندھا کردیا اور غار ثور میں اس یقین کے باوجود کہ حضور اس میں ہوں گے۔ آپ کی جستجو میں غفلت ڈال دی۔ اور ان کے ارادوں کو پھیر دیا۔ اور نشانیوں کا ظہور' سکینہ یعنی اطمینان وسکون کا نازل ہونا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی معیت کا مشاہدہ کرنا یہ ایسے عظیم ترین معجزات اور آیات ہیں جن کا تذکرہ اپنی جگہ پر آئے گا۔ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت وعصمت میں ارشاد ہے: اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا جب اپنے رفیق سے فرمارہے تھے کہ غم نہ کرو۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس سے ملتا جلتا معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جس وقت آپ بنی اسرائیل کے ساتھ نکلے اور فرعون اور اس کے لشکریوں نے ان کا پیچھا کیا تو بنی اسرائیل ڈرے کہ فرعونی انھیں پکڑ لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''نہ ڈرو ان معی ربی' بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے۔'' لیکن علماء فرماتے ہیں۔ کہ حضور کے مشاہدہ رب میں اور حضرت موسیٰ کے مشاہدہ رب میں فرق ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اول نظر وجود باری تعالیٰ پر پڑی۔ اس کے بعد دوسری نظر اپنے آپ پر۔ کہ فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' (اللہ ہمارے ساتھ ہے۔) اور موسیٰ علیہ السلام کی اول نظر اپنے آپ پر پڑی اس کے بعد دوسری نظر وجود باری تعالیٰ پر۔ اور فرمایا: اِنَّ مَعِیَ

رَبِّیْ (میرے ساتھ میرا رب ہے۔) یہ دونوں قسمیں مشہود وقرب کے اقسام سے ہیں۔ مگر اول اتم واقرب بمصداق مَا رَأَیْتَ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰهَ قَبْلَهٗ لَاثَانِیْ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰهَ یعنی میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ مگر یہ کہ سب سے پہلے اللہ کو دیکھا۔ اور دوسرے میں یہ کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا مگر اللہ کو اس کے بعد دیکھا۔ اوّل میں طریق جذب ہے۔ اور دوسرے میں طریق سلوک۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ. بلاشبہ میں نے سبع مثانی اور قرآن عظیم آپ کو عطا فرمایا۔

سبع مثانی سے مراد وہ سات لمبی سورتیں ہیں جو قرآن کی سورتوں میں پہلے مذکور ہیں۔ یعنی سورۂ بقرہ سے آخر سورۂ انفال یا سورۂ توبہ تک۔ کیونکہ یہ حکم میں ایک سورۃ کے ہیں۔ اس لیے ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ فصل نہیں کیا گیا۔

فائدہ: قرآن عظیم کی یہ سات آیتیں ام القرآن یا سبع مثانی ان کے سوا ہیں باقی کا نام قرآن عظیم ہے۔ چونکہ اس کی تکرار یا تو ہر رکعت میں ہے یا باعتبار تکرار نزول ہے۔ اس لیے ام القرآن کا نام سبع پڑا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے لیے ان سات آیتوں کا استثنا فرمایا اور آپ کے لیے ان کو ذخیرہ بنایا ہے۔ آپ کے سوا کسی نبی کو یہ مرحمت نہ فرمایا گا ی۔ اور قرآن کا ''مثانی'' سے موسوم کرنا یا تو اس بنا پر ہے کہ ان میں قصص بار بار دہرائے گئے ہیں۔ یا اس بناء پر کہ ان میں حق تعالیٰ جل جلالہ کی حمد وثنا کی گئی ہے یا اس بناء پر کہ اس کی حمد وثنا بلاغت واعجاز کے ساتھ کی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں ارشاد فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا. اور نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام لوگوں کی طرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔

اور ارشاد فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا. فرما دو اے لوگو! بیشک میں اللہ کی طرف سے رسول تم سب کی طرف ہوں۔

مزید ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ. اور ہم نے کسی رسول کو نہ بھیجا مگر ان کی اپنی قوم کی زبان میں تاکہ انہیں خوب خوب بیان فرمائے۔

یعنی رسولوں کی تخصیص فرمائی گئی کہ وہ انہیں کی قوم میں سے ہوں گے۔ لیکن سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری مخلوق کی طرف بھیجا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ. مجھے عرب وعجم کی طرف بھیجا گیا۔

اسود سے مراد عجم ہیں۔ کیونکہ ان کا رنگ سبزی مائل ہے۔ اور احمر سے مراد عرب ہیں کیونکہ ان کا رنگ سرخ وسفید ہے۔ اور ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ. نبی پاک مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ اور آپ کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ نبی پاک کا حکم نافذ وجاری ہے۔ جس طرح آقا کا حکم غلاموں پر نافذ ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے حکم کی پیروی، اپنی ذاتی رائے کی پیروی سے زیادہ بہتر ہے۔ حضور ﷺ کی محبت واتباع کے اعتبار سے وجوب کے باب میں تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ آپ کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ یہ حکم آپ کے بعد آپ کی خصوصیات وکرامت کی وجہ سے حرمت نکاح میں ہے اور ایسا اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ ازواج آخرت میں آپ کی بیبیاں ہیں اور ایک شاذ قرأت میں آیا ہے کہ هُوَ اَبٌ لَّهُمْ (نبی ان

کے باپ ہیں۔) حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کی مدح وثنا میں ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًاo اور اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ سب کچھ سکھادیا جو آپ نہ جانتے تھے۔ اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔

فضل عظیم کے ادراک اور اس کی اصل تک رسائی کسی کے لیے ممکن نہیں۔ کہتے ہیں کہ اس میں رویت الٰہی کی طاقت و برداشت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۃ اس کی تاب وطاقت نہ رکھ سکے تھے۔ ایسی آیات قرآنیہ جن میں آپ کے فضل وشرف کا بیان ہے بہت ہیں۔ درحقیقت قرآن سب کا سب بعد از احمد وثنائے الٰہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کے بیان کا مظہر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات اور فضائل میں سے ایک یہ بھی کہ مشرکین او دشمنان دین جس جگہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف طعن وتنقیص کی نسبت کی ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے بذات خود متکفل ہوکر آپ سے اس کا دفعیہ فرمایا ہے۔ محبّ کی ایسی ہی عادت ہوتی ہے۔ کہ جب وہ کسی سے اپنے حبیب کی بدگوئی سنتا ہے اسے وہ اپنے اوپر لے کر اس کے جواب اور اس کے الٹ دینے کے درپے ہوتا ہے۔ اور اپنے حبیب کو نصرت بخشتا ہے۔ درحقیقت اس کا رد زیادہ بلیغ اور اس کی نصرت واعانت زیادہ قوی وبلند ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کفار نے کہا: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ. اے وہ جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے یقیناً بلاشبہ تم دیوانے ہو۔ (معاذ اللہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍo وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍo وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍo اے محبوب! آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے اور یقیناً آپ کی خوبو بڑی اور عظیم ہے۔ اور جس کسی کی یہ خوبیاں ہوں وہ دیوانہ کیسے ہوسکتا ہے۔

چنانچہ جب عاص بن وائل سہمی نے دیکھا کہ حضور مسجد حرام سے باہر تشریف لا رہے ہیں اور وہ اندر جارہا تھا تو اس نے باب بنی سہم کے پاس حضور سے ملاقات کی اور کچھ باتیں کیں۔ اس وقت اشقیاء قریش یعنی کفار قریش مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب عاص مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہ کفار قریش اس سے پوچھنے لگے کہ تو کس سے باتیں کررہا تھا۔ اس نے کہا اسی ابتر (بے اولادے) سے۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرزند حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تولد ہوا تھا اور اس کا انتقال ہوچکا تھا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں کوئی فرزند نہ تھا اس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا کہ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ. جو آپ کا بدگو اور دشمن ہے وہی ابتر اور بے نسلا ہے۔ اور جب کفار نے کہا "لَسْتَ مُرْسَلًا" یعنی آپ رسول نہیں ہیں تو حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ. اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ. اے سیّد عالم! قسم ہے حکمت والے قرآن کی بلاشبہ یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔ اور کفار نے کہا: اَئِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ. یعنی کیا ہم دیوانے شاعر کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ تو اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ. بلکہ حق آیا اور رسولوں نے سچ فرمایا۔ اور فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ ہم نے ان کو شعر گوئی نہ سکھائی اور نہ وہ ان کے لائق ہے۔ اور جب کفار نے کہا: لَوْنَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ. یعنی اگر ہم چاہیں تو ایسا کہہ سکتے ہیں۔ نہیں ہے۔ مگر یہ پہلوں کی کہانیاں' اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَایَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ اے حبیب فرمادو! اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن کی مثل لانے پر جمع ہوجائیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔ اور جب کفار نے یہ کہا: مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ. نہیں ہے یہ رسول' یہ تو کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اَنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ. اور نہیں بھیجا آپ سے پہلے کسی رسول کو مگر یہ کہ وہ یقیناً کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ اور جب کفار نے انسانوں میں سے رسول کے معبوث ہونے کو بعید جانا تو حق تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلاً. تم فرماؤ۔ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو چین سے چلتے تو ان پر آسمان سے ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم جنسی میں انسیت ومحبت پیدا ہوتی ہے تو غیر جنس میں تباین اور غیریت۔ لہٰذا یہی قرین حکمت ہے کہ ملائکہ کے لیے ملک معبوث ہو اور زمین والوں کے لیے بشر معبوث ہو اور تمام نبی اپنی ذاتوں سے اپنے ہم جنس کی مدافعت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: لیس بی ضلالة. مجھ میں کج روی نہیں ہے۔ اور حضرت ہود نے فرمایا: لَيْسَ لِيْ سَفَاهَةٌ مجھ میں نادانی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ایسی مثالیں بہت ہیں۔ واللہ اعلم۔

ازالۂ شبہات از بعض آیات مبہمات

وصل: اب ان شبہات کو دور کیا جاتا ہے۔ جو قرآن کریم کی بعض مبہم اور موہم آیتوں سے جو لاعلمی یا کجروی سے بادی النظر میں رسول مقبول ﷺ کے درجہ رفیع میں نقص وخطا کا اشتباہ پیدا کرتی ہیں۔ یہ درحقیقت متشابہات کے قبیل سے ہیں اور علماء نے ان کی مناسب تاویلات اور لائق معانی کر کے حق تعالیٰ کی طرف راجع اور مؤدل ٹھہرایا ہے۔ اسی قبیل سے حق سبحانہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:
وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (اور آپ کو وارفتہ پایا تو راہ دی)۔

گویا اسے قبل بعثت کی (معاذ اللہ) ضلالت کی طرف منسوب کرتے۔ اور اس کا ازالہ ہدایت سے کرتے ہیں۔ حالانکہ علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت ہرگز ضلالت سے متصف وموسوم نہ ہوئے۔ آپ کی تخلیق اور نشو ونما، توحید، ایمان اور عصمت پر ہے۔ یہی حال تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا ہے۔ اور اہل اخبار میں سے کسی ایک نے بھی کسی ایسے شخص کے بارے میں بیان نہیں کیا ہے۔ جسے نبوت ورسالت اور اصطفا واجتباء کے ساتھ نوازا گیا ہو اور وہ اس سے پہلے (معاذ اللہ) کفر وشرک اور فسق وضلالت میں مبتلا ہو چکا ہو۔ ہاں اس میں البتہ! اختلاف ہے کہ آیا عقلاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ عقلاً جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تنفر اور دوری کا موجب ہے لیکن ہمارے اصحاب اہل سنت کے نزدیک یہ عقلاً جائز ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کسی کو ضلالت کے کنوئیں سے نکال کر ہدایت فرما کر مرتبہ نبوت تک پہنچا دے مگر نقل اور "دلیل سمعی" اسی پر ہے کہ یہ امر جائز کبھی عالم وقوع میں نہیں آیا۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت بھی خدا کی ذات وصفات کے عدم عرفان یا اس میں شک وشبہ کرنے سے بھی پاک ومعصوم ہیں۔ کفر ومعاصی اور ہر اس چیز سے جو موجب نقص ونفرت ہو محفوظ رہے۔ نبوت سے پہلے اور بعد میں سہو ونسیان، غلطی وغفلت بحالت جوش وغضب اور جملہ وہ چیزیں جو ملت کی تشریع اور امت کی تبلیغ سے متعلق ہیں اور کبائر سے مطلقاً اور صغائر سے عمداً معصوم اور مامون ہیں۔ خصوصاً سید انبیاء ﷺ کہ آپ کی عصمت اتم واکمل اور آپ کا مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے اور جو کوئی بھی آپ کی جناب میں اپنی رائے سے خلاف ادب دم مارے وہ ساقط ہے اور وہ ضلالت کے اسفل ترین تاریک گڑھے میں ہے۔ حضور کی ذات قدس تو اول سے ہی ایسی پاک اور آراستہ وپیراستہ ہے کہ عیب ونقص کا کوئی ہاتھ آپ کے عزت وجلال کے دامن سے مس ہونے کی تاب وطاقت ہی نہیں رکھتا۔ بیت ؎

بہ تعلیم وادب اوراچہ حاجت — کہ اوخود ز آغاز آمد مؤدب

لیکن حق تعالیٰ کی تربیت وتعلیم اور تائید قرآن بتدریج آہستہ آہستہ قوت سے فعل کی طرف لاتی ہے۔ یہاں تک کہ باری عزاسمہٗ کے وہ وعدے جو آپ سے کیے گئے تھے اوقات مخصوصہ میں جب ان کا ظہور ہوتا تو وہ موجب کمال یقین اور انکشاف تام ہوجاتا تھا۔ چنانچہ بسا اوقات ظہور معجزہ اور شہود قدرت باری عزوجل کے وقت آپ فرماتے: اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمام اہل کمال کا یہی حال ہے کہ جو کچھ ان کے ظرف واستعداد میں پیدا کیا گیا ہے۔ بتدریج اور بترتیب ظہور میں آتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ استعداد قرب وبعد کے تفاوت اور فرق کے اعتبار پر ہے کیونکہ اہل کمال کا کمال کسب ریاضت سے وجود میں آتا ہے۔ لیکن یہاں سب کا سب بالفعل موجود وثابت ہے۔ لیکن پردہ میں مستور ہے۔ (یعنی عالم غیب میں موجود ہے) جس کا ظہور وقت کے ساتھ موقوف ہے۔ اور جو بتقریب نزول قرآن' بغیر سبب کسب وریاضت ظہور میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا حضور ﷺ کو تہذیب وادب سکھانا یہ ہے کہ وہ آپ کو نقص وعیب سے کمال کی طرف اور عدم سے وجود کی طرف نہیں لاتا ہے۔

اس گروہ کے کچھ لوگ آپ کے جوہر قدس میں صفات بشریت کی بقا اور احکام طبیعت اور احکامِ نفس کی جزئیات کا اثبات کرتے ہیں۔ اور اسے بے صبری وتزلزل جیسے افعال کا مبداء ومنشا قرار دیتے ہیں۔ اور حکمت تشریع اور شرف اتباع کی دریافت کو اس کا باعث سمجھتے ہیں اور نزول قرآن کو تہذیب سکھانے اور اس کے ازالہ کا موجب کہتے ہیں۔ یہ لوگ با اقتضائے ذاتی علوم وفہم سید الکونین ﷺ کے احوال کی حقیقت جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ایسا گمان رکھتے اور ایسی بات کہتے ہیں جو اس مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) کے ذوق اعتقاد پر گراں ہیں۔ حقیقتاً آپ کے احوال کو دوسروں کے احوال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

اوبرتر از آنست کہ آید بخیال

اس بحث کا کچھ حصہ چونکہ اخلاق شریف کے باب میں گزر چکا ہے اس لیے تکرار کی حاجت نہیں ہے۔ اس جگہ وہ باتیں بیان کی جائیں گی جو گمراہ وکجرو لوگوں کو شک وشبہ میں ڈالتی ہیں۔ ان کے ذکر سے اس مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) کی زبان وقت' اگرچہ ان کے شبہ کے ازالہ اور دفع کرنے کے طریق پر ہے پھر بھی بیزاری ہے۔ لیکن جب علماء ان کے درپے ہوئے ہوں۔ اور انہوں نے اس میں مصلحت دیکھی ہو تو ہم بھی ان کی تبعیت میں چلنے پر مجبور ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ عاقبت بخیر ہو۔

جاننا چاہیے کہ اس جگہ اس ادب وقاعدے کو جسے بعض اصفیاء اور اہل تحقیق نے بیان کیا ہے۔ ذہن میں رکھنا اور اس کی رعایت کرنا موجب حل اشکال اور سبب سلامت حال ہے وہ قاعدہ اور ادب یہ ہے اگر حضرت ربوبیت جل وعلیٰ کی جانب سے' کوئی خطاب وکوئی عتاب' کوئی دبدبہ' کوئی غلبہ' کوئی استغنا اور کوئی برتری ایسی واقع ہے جیسی کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ (بیشک آپ بالذات ہدایت نہیں دے سکتے۔) لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (اور تمہارے کام ضرور باطل ہوجائیں گے۔) لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (اور نہیں ہے آپ پر کسی معاملہ کی ذمہ داری) تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (اور تم دینوی زندگی کی زیبائش کا ارادہ کرتے ہو۔) اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں۔ یا یہ کہ از جانب نبوت' بندگی' انکساری' احتیاجی' عاجزی اور مسکینی کا ظہور ہو جیسے: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (میں تو تم جیسا بشر ہی ہوں) وَاَغْضَبُ كَمَا یَغْضَبُ الْعَبْدُ (اور میں غصہ کرتا ہوں جیسے لوگ غصہ کرتے ہیں) وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ. (اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ خدا کیا کرے گا) وَلَا اَعْلَمُ مَا وَرَآءَ هٰذَا الْجِدَارِ (اور میں بالذات نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے) اس قسم کے تمام وہ اقوال جو وجود میں آئے ہمیں لازم نہیں ہے اور نہ ہمارا یہ مقام ہے کہ ہم اس میں دخل دیں یا اشتراک ڈھونڈیں اور خوشی کا اظہار کریں۔ بلکہ ہمیں ادب وسکوت کی حد پر رہتے ہوئے تحاشی (بیزاری) کا خاموشی کا اظہار کرنا چاہیے۔ آقا کو حق پہنچتا ہے

کہ وہ اپنے بندے کو جو کچھ چاہے کرے اور برتری وغلبہ کا اظہار فرمائے۔ اور بندہ بھی اپنے آقا کے حضور بندگی اور عاجزی کرتا ہے۔ کسی دوسرے کو کیا مجال اور کیا تاب وتواں ہے کہ وہ اس مقام میں داخل ہو۔ دخل اندازی کرے۔ اور حد ادب سے باہر ہو جائے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے کمزوروں، جاہلوں کے پاؤں کے ڈگمگا جانے سے خود انہیں کا نقصان ہوتا ہے۔ وَمِنَ اللّٰهِ الْعِصْمَةِ وَالْعَوْنِ. اسی کی جانب سے تحفظ اور نصرت ہے۔ اب واضح رہنا چاہیے کہ آیۂ کریمہ:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اور پایا آپ کو وارفتہ تو راہ دی۔

مفسرین نے اس کی تفسیر وتاویل میں متعدد وجوہ بیان کیے ہیں اول یہکہ پایا آپ کو معالم نبوت اور احکام شریعت سے ناواقف ووارفتہ' یہ قول سیّدنا ابن عباس، حسن، ضحاک اور شہر بن حوشب کا ہے۔ اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ. آپ نہیں جانتے کہ کتاب وایمان کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ وحی سے پہلے قرآن کریم کو پڑھنا اور مخلوق کو ایمان کی دعوت دینا نہ چاہتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ایمان سے مراد فرائض واحکام ہیں ورنہ حضور اکرم ﷺ وحی سے پہلے توحید حق پر ایمان رکھتے تھے اس کے بعد وہ فرائض نازل ہوئے۔ جو آپ کو دریافت نہ تھے۔ یا پھر ایمان سے مراد شریعت کی تفصیلات یا نماز مراد ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ. اللہ تمہارے ایمان یعنی نماز کو ضائع نہیں فرماتا۔

مطلب یہ کہ جو نمازیں تم نے تحویل قبلہ سے قبل بیت المقدس کی طرف رخ کرکے پڑھی ہیں ان کو اللہ ضائع نہیں فرمائے گا۔ حدیث پاک میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ خدا کی توحید بجالاتے، بتوں کو دشمن جانتے اور زمانہ جاہلیت میں حج وعمرہ ادا کرتے تھے۔ اور حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہ تو کبھی شراب پی۔ اور نہ کبھی بتوں کو پوجا اور میں جانتا تھا کہ قریش کفر پر ہیں حالانکہ میں قرآن پاک اور ایمان کی تفصیلات سے واقف نہ تھا۔ مروی ہے کہ قریش بھی دین اسمٰعیل کے کچھ بچے کچھے احکام پر عامل تھے۔ مثلاً حج، ختنے اور غسل جنابت وغیرہ۔

دوم یہ کہ مرفوعاً مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں اپنی صغرسنی میں اپنے دادا عبدالمطلب سے گم ہو گیا۔ اور قریب تھا کہ بھوک مجھے ہلاک کردے تو مجھے میرے رب نے راہ دکھائی۔ اسے امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا اور ایسا ہی ''مواہب لدنیہ'' میں بھی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حلیمہ سعدیہ رسول کریم ﷺ کو لے کر مدینہ مکرمہ آئیں تاکہ آپ کو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے سپرد کردیں مگر آپ راہ میں گم ہو گئے۔

سوم یہ کہ آیۂ کریمہ میں لفظ ضلال' ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ. (دودھ میں پانی ملانا) سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ کہ جس وقت آپ پانی کو دودھ میں مغمور ومغلوب کرتے (غالباً مٹھایا لسی بنانے کے لیے دودھ میں غالب واکثر پانی ملاتے تھے۔) یعنی آپ کفار مکہ میں مغمور ومغلوب تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت بخشی تاکہ خدا کے دین کو ظاہر وغالب فرمادیں۔

چہارم یہ کہ اہل عرب' اس درخت کو جو بیابان میں یکہ وتنہا ہوتا اسے ''ضالہ'' سے موسوم کرتے تھے۔ گویا حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب تم ان شہروں میں اس درخت کی مانند یگانہ وبے ہمتا اور منفرد تھے۔ جو بیابان میں اکیلا وتنہا ہو۔ تم نے ایمان وتوحید کے میوہ سے انہیں ثمرات بخشے۔ اور ہدایت فرمائی۔ اور حق تعالیٰ نے آپ کی طرف خلق کو راہ دکھائی۔ تاکہ وہ بہرہ ور ہوں۔ ﷺ

پنجم یہ کہ کبھی سرادر قوم اور ان کے سربراہ کو مخاطب کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ان کی قوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ آپ کی قوم کو گمراہ پایا تو ہم نے ان کو آپ کے ذریعہ آپ کی شریعت کے ساتھ ہدایت کی۔

ششم یہ کہ ضال سے مراد محبت ہے۔ مطلب یہ کہ آپ کو محب اور اپنا طالب معرفت پایا (تو اپنی راہ دی) اور محبت کو ضال (وارفتہ) کہنا بکثرت مستعمل ہے۔ کیونکہ محبت' خود کو اور اپنے اختیار وقرار کو گم کر دیتی ہے۔ اور کبھی معقول نہج پر قائم نہیں رہ سکتی۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّـا لَـنَـرٰهَـا فِـیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (بیشک ہم انہیں کھلی وارفتگی میں رکھتے ہیں) اور فرمایا: وَاِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ (اور آپ تو پرانی وارفتگی میں ہی ہیں۔ یہ تاویل عطاء سے مروی ہے جو کہ تابعین سے ہیں۔

ہفتم یہ کہ آپ کو ہم نے بھولا ہوا پایا تو آپ کو یاد دلایا۔ اسے شب معراج کی حالت پر محمول کرتے ہیں کہ اس مقام کی دہشت سے خود فراموشی طاری ہوگئی کہ کیا اور کیونکر عرض کریں اور حق تعالیٰ کی حمد وثنا کس طرح بجالائیں تو حق تعالیٰ نے آپ کو راہ دکھائی اور حمد وثنا کی کیفیت بتائی تو عرض کیا لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ. (تیری ثنا میں گھیر نہیں سکتا۔) مفسرین بھی ایسا ہی بیان کرتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ بعض دیگر اوقات میں بھی سہو ونسیان ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کی خطائے اجتہادی کے ضمن میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا جاری ہونا۔ آپ پر جائز ہے۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ آپ کو آگاہ فرما دیتا ہے۔ اور درستگی پر قائم فرما دیتا ہے۔ یہ آیت اسی تذکرہ احسان پر نازل ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ہشتم یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو گمراہوں کے درمیان پایا تو آپ کو ان سے معصوم کر کے ان کے ایمان وارشاد کی ہدایت فرمائی۔ ہمارے نزدیک یہی توجیہہ ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس گمراہ قوم سے علاقہ رکھا اور ان سے صحبت اختیار فرمائی تو ضلال میں واقع ہونے کا گمان ہوا۔ اور جہل واختلال کے بھنور میں پھنسنے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ اگر خدا کی عصمت وحفاظت آپ کے شامل حال نہ ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ '' (قریب تھا کہ آپ ﷺ کو فتنے میں ڈال دیتے) ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ (آپ قریب ہوگئے تھے کہ ان کی طرف جھک جائیں) تو اللہ تعالیٰ نے بطریق مبالغہ' ہدایت وعصمت کے تذکرۂ احسان میں اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تو مراد آپ کا ضلال ہے نہ کہ آپ کی قوم کا ضلال' فافہم۔

نہم یہ کہ کتاب الٰہی کی جو چیزیں آپ کی طرف نازل فرمائی گئیں آپ کو ان کے بیان کرنے میں متحیر پایا۔ تو حق تعالیٰ نے ان کے بیان فرمانے کی ہدایت فرمائی جیسا کہ فرمایا' ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ '' (اس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔) اور فرمایا: اِنَّـآ اَنْـزَلْنَـآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ (ہم نے آپ کی طرف ذکر اُتارا)۔ یہ توجیہہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

دہم یہ کہ سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے کسی وقت اور کسی حال میں بھی اہل جاہلیت کے کاموں کی طرف قصد نہ کیا بجز دو مرتبہ کے۔ اور ہر بار حق تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے اس سے باز رکھا۔ اور میری عصمت میرے اور میرے ان ارادوں کے درمیان جن کا قصد کیا تھا حائل ہوگئی اس کے بعد پھر کبھی بھی اس قسم کی چیزوں کی طرف قصد نہ کیا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ قریش کا ایک غلام جو میرے ساتھ مکہ کی پہاڑیوں میں بکریاں چرایا کرتا تھا ملا۔ میں نے کہا اگر تم میری بکریوں کی دیکھ بھال کر لو تو میں مکہ میں جا کر ان کی قصہ کہانیاں سنوں جس طرح مکہ کے جوان کرتے ہیں۔ میں چراگاہ سے نکل کر مکہ میں آیا اور ان کے گھروں میں سے ایک گھر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ گاتے بجاتے اور کھیل کر تے ہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر حق تعالیٰ نے مجھ پر نیند کا غلبہ اتارا اور میں اس وقت تک سوتا رہا جب تک کہ میرے سر پر دھوپ نہ آگئی۔ دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا اس کے بعد میں نے کبھی بھی ان کی طرف رُخ نہ کیا۔ اور کسی برائی کا قصد نہ کیا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے مکرم فرمایا۔ لہٰذا اس آیۂ کریمہ سے یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

رفع وزر وصل: ازالہ شہادت کے سلسلے میں آیہ کریمہ ہے کہ

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ. اور ہم نے آپ سے اس بوجھ کو دور کیا جس نے آپ کی کمر دوہری کر دی۔

بظاہر اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اثبات بار گناہ سخت ہے۔ حتیٰ کہ فقہا' محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت نے انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین پر صغائر کے جائز ہونے پر اس سے حجت اخذ کی ہے۔ اگر قرآن وحدیث کے ظاہر الفاظ کا التزام کیا جائے۔ اور انہیں اس کا ماخذ بنایا جائے۔ تو بکثرت لفظوں سے کبائر کا جواز اور خرق اجماع بھی لازم آتا ہے۔ اور قول کو کوئی مسلمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جماعت جس سے بھی محبت پکڑتی ہے ان سب کے معانی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اور ان کے اقتضاء میں' متعارض ومتقابل احتمالات ہیں۔ اور سلف صالحین کے اقوال ہر اس چیز کے خلاف منقول ہیں جن کی یہ جماعت التزام کرتی ہے۔ اور چونکہ ان کے مذہب کے برخلاف اجماع ہے جن پر یہ جماعت مجتمع ہوئی ہے وہ سب متحمل وماؤل ہیں اور باتفاق واجماع سلف' ان کے قول کے برخلاف دلائل قائم ہیں۔ اور ان کا ظاہر متروک ہے تو ظواہر پر قول کا ترک اور اقوال سلف کی طرف رجوع لازم ہے۔ بلاشبہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس بوجھ کے اندازہ کی تمثیل ہے جو حضور ﷺ پر گرایا گیا ہے۔ اور اس کا ہلکا کرنا یہ ہے کہ ان پر آپ کو صبر ورضا عطا فرمائی گئی۔ مشہور یہی ہے کہ اس سے نبوت کے بوجھ کو ہلکا کرنا مراد ہے۔ کیونکہ امر نبوت کے قیام' موجبات نبوت کی حفاظت اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی محافظت نے آپ کی پشت کی طاقت کو شکستہ کر رکھا تھا۔ جسے حق تعالیٰ کی نصرت وتائید نے آپ پر آسان وسہل فرما دیا۔ اور شرح صدر عطا فرما کر دعوت خلق کے ساتھ حضور حق جمع کر کے اس کے بوجھ کو اتار دیا۔ اور انشراح صدر ایسا بلند مقام ہے جس کا تمام وکمال' حضور سید السادات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کی ذات بابرکات کے سوا کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہے۔ البتہ! ارباب تمکین میں سے کامل ترین اولیاء کرام کو بقدر ادراک آپ کی متابعت کے شرف سے اس میں سے کچھ حصہ حاصل ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ صوفی قائم وبرقرار رہے اور اس کی ''جمع'' میں فرق کا کوئی خلل نہیں ہے۔ چنانچہ یہ مجوبوں میں ہوتا ہے اور نہ ''جمع'' کو فرق پر غلبہ ہے۔ جیسا کہ مجذوبوں کو ہوتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ''وزر'' (بوجھ) سے وہ ناپسندیدہ چیزیں مراد ہیں جو قریش حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت میں تغیر وتبدل کی شکل میں کیا کرتے تھے اور وہ آپ کی ذات پر ناگوار وگراں گزرتا تھا۔ اور آپ اس سے انہیں روکنے پر قابو نہ پاتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بعثت ورسالت اور امر وتوفیق وغیرہ سے قوی بنایا اور فرمایا: وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (آپ یکسو ہو کر ملت ابراہیم کی پیروی فرمائیں) اس اتباع سے مقصود اللہ عزوجل کی توفیق وتائید اور اس کی نصرت وقوت سے' اجراء شریعت اور اوامر واحکام الٰہی کا نفاذ ہے۔ اور سنت خلیل کے ذکر کی تخصیص' بیان واقع کے اعتبار سے ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد' وزر وذنب سے آپ کی عصمت وحفاظت ہے۔ کیونکہ بر تقدیر وجود وزر وذنب اس کی صفت نقص ظہر یعنی پشت کی شکستگی ہے لہٰذا وضع وزر یعنی بوجھ دور کرنے کا نام مجازاً عصمت رکھا گیا۔ عصمت کے معنی وزر وذنب کے نہ ہونے کے ہیں۔ جیسا کہ مغفرت ذنوب کے معنی میں دوسری آیت میں واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ قبل از نبوت حضور ایک ولیمہ میں موجود تھے وہاں گانا ہو رہا تھا' دف اور باجے بج رہے تھے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے آپ پر نیند کا غلبہ دے دیا۔ اور آپ اس کے سننے سے محفوظ رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''وزر'' سے مراد حضور کا غور وفکر اور شریعت کی طلب میں پریشانی کا بوجھ ہے۔ یہاں تک شریعت ظاہر ہوئی اور حق تعالیٰ نے شریعت کو بیان فرما دیا۔ اور آپ کی پشت اطہر سے اس کا بوجھ اتارا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد شریعت کے حفظ میں آسانی وسہولت مراد ہے جو حضور سے طلب کی گئی ہوگی۔ اور حفظ ایک بوجھ اور مشقت ہے۔ جس کا اٹھانا طبیعت پر سخت دشوار ہے۔ اور قریب ہے کہ پشت کی طاقت کو شکستہ کر دے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضوران امور کا بوجھ محسوس فرماتے تھے جن کا صدور قبل از نبوت ہوا۔ اور بعد از نبوت وہ آپ پر حرام قرار دے دی گئیں۔ ان کو حضور اپنے دل کی گرانی شمار فرماتے۔ حق تعالیٰ نے اس بوجھ کو دور فرما دیا۔ اس سے اس قوم کی ظاہر مراد وہ صغائر ہیں جنکا صدور وہ قبل از نبوت جائز قرار دیتے ہیں لیکن بعد از نبوت ہرگز ہرگز نہیں۔ اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے اور کیا خوب گئی ہے کہ اس بوجھ سے مراد اُمت کے گناہ ہیں۔ جو رسول کریم رؤف الرحیم ﷺ کے قلب انور پر ایک بوجھ تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے انہیں اس دنیا میں اپنے عذاب سے محفوظ و مامون قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ. اور نہیں ہے اللہ کہ انہیں عذاب فرمائے جب تک آپ ان میں رونق افروز ہیں۔

اور آخرت میں ان کے لیے آپ کی شفاعت قبول فرمانے کا وعدہ دیا۔ چنانچہ فرمایا۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے واللہ اعلم۔

لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخشے۔

یہ آیہ کریمہ اس مطلب کے لیے عمدہ اور مشہور ہے لیکن علماء نے اس کی متعدد تاویلات بیان کی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بر تقدیر وقوع اور بالفرض بامکان عقلی نہ کہ وجود فعلی' غفران ذنوب سے مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شہود سے اس کا وقوع مراد ہے۔ یہ وہ تاویلیں ہیں جنہیں طبری نے نقل کیا اور قشیری نے اختیار کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ماتقدم سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کا خطبہ اور ''وما تاخر'' سے مراد اُمت کے گناہ ہیں اسے سمرقندی نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ذنب سے مراد ترک اولیٰ ہے۔ حالانکہ ترک اولیٰ حقیقت میں ذنب نہیں ہے۔ اس لیے اولیٰ اور ترک اولیٰ دونوں اباحت میں شریک ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ یہ کلمہ اظہارِ بزرگی و کرامت کے لیے ہے۔ بغیر اس کے کہ اس جگہ کوئی ذنب (گناہ) ہو۔ اس آیت کریمہ کی مراد اور مکمل بحث ''باب سوم میں در ذکر فضل و کرامت از آیات قرآنی'' گزر چکی ہیں۔

کفار اور منافقین کی عدم اطاعت کا مسئلہ: لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اے نبی اللہ سے تقویٰ کرو اور کفار ومنافقین کی اطاعت نہ کرو

اس سے عدم تقویٰ اور بمقتضائے صغیر امر ونہی وجود اطاعت کفار ومنافقین کا امکان موہوم ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد تقویٰ اور عدم اطاعت پر ہیشگی ودوام ہے جیسے کہ بیٹھنے والے کو کہتے ہیں کہ بیٹھو ہم تمہارے پاس ابھی آئے۔ یا خاموش رہنے والے سے کہا جاتا۔ خاموش رہو تمہاری خواہش پوری کی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹھے رہو اور خاموش رہو۔ اس سے مقصود استقامت اور تاکید ہے نہ کہ اس کی طلب۔

بعض کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کا علم ومرتبہ ہر آن بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کا پہلا حال موجودہ حال کے مقابلہ میں ماضی اور ترک اولیٰ وافضل کے حکم میں ہو جاتا تھا۔ لہٰذا آپ کا علم ومرتبہ ہر آن اور ہر گھڑی ترقی واضافہ میں اور تقویٰ نو بنو تازہ بتازہ ہوتا رہتا تھا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ بظاہر خطاب نبی سے ہے۔ مگر مراد امت سے خطاب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آخر آیت میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۔ (اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے) اور ''بِمَا تَعْمَلُ'' (جو تم کرتے ہو) نہ فرمایا اور اسی حکم میں اس کے مشابہ یہ ارشاد باری ہے ''وَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ'' (اور جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرو) حقیقت میں اس سے مقصود حضور انور کے قلب اطہر کی تقویت اور ایسے لوگوں سے خدا کا اظہار ناراضگی اور ان کی مخالفت پر قرار وثبات ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر وواضح ہے تعجب ہے۔ کہ یہ نادان ان آیتوں کو ظاہر پر محمول کر کے بارگاہ نبوی میں نقص وصدور ذنوب کی نسبت کا توہم پیدا کرتے ہیں۔ آپ کی بارگاہِ عالی ان سب سے پاک ومنزہ ہے۔

نزول قرآن پر شک وتردد کا مسئلہ: اب رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَاسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝

اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہے اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ۔ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں بیشک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہو اور ہرگز ان میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں۔ کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کلام کا مخاطب کون ہے آیا حضور ﷺ یا دوسرے لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ خطاب حضور اکرم ﷺ سے ہے وہ تین وجہوں پر اختلاف کرتے ہیں اول یہ کہ خطاب اگرچہ حضور سے ہے لیکن مراد آپ کے غیر کی تعریض ہے جیسے کہ اس کا ارشاد ہے: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (اگر تم نے خدا کا شریک ٹھہرایا تو تمہارے عمل اکارت ہو جائیں گے) یا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنانا) کلام میں ایسی روش بکثرت ہے جیسے بادشاہ اپنا گورنر کسی قوم پر مقرر کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ رعیت کو کوئی حکم دے تو خطاب میں توجہ اس قوم کے ساتھ نہیں کرتا بلکہ اپنے گورنر سے کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ایسے کرو اور ایسا نہ کرو۔ اگر ایسا کیا یا ایسا نہ کیا تو ایسا کروں گا۔ ویسا کروں گا اس کا بظاہر خطاب تو امیر وگورنر سے ہوتا ہے۔ لیکن مقصود ومراد قوم ورعیت ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ حقیقت میں خطاب امت سے کرتا ہے۔

قراء فرماتے ہیں کہ خدا خوب جانتا ہے کہ اس کا رسول شک کرنے والا نہیں ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وحی اور تنزیل کی نورانیت کے باوجود رسول شک میں مبتلا ہو یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے فرزند سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو مجھ سے بھلائی کر (حالانکہ باپ اپنے فرزند کے بیٹا ہونے میں شک نہیں کرتا۔) یا آقا غلام سے کہے اگر تو میرا غلام ہے تو میری فرماں برداری کر'' جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ خوب جانتا ہے وہ اس کا بیٹا یا اس کا غلام ہے۔ لیکن شک کے صیغہ میں کہتا ہے۔ اور ایسا کہنا فرزند غلام کی توبیخ وسرزنش کے لیے ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حضور انور شک میں مبتلا نہیں ہیں۔ لیکن خطاب میں اظہار شک فرماتا ہے۔ یہ تعریض وکنایہ کی ادائیگی کے لیے ہے۔ یہ دوسری وجہ ہے۔ پہلی میں مخاطب حضور ہیں اور دوسری میں آپ کے سوا دوسرے ہیں۔ فافہم۔

تیری وجہ یہ کہ اس جگہ شک سے مراد سینہ کی تنگی اور دل کی گرفتگی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر آپ اس سے تنگ آ گئے ہیں کہ کوئی آپ سے کافروں کی ایذا اور دشمنی کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو صبر فرمایئے اور ان لوگوں سے دریافت کر دیکھیئے جن کو کتاب دی گئی ہے

کہ نبیوں نے اپنی قوم کی ایذا و دشمنی پر کیسا صبر کیا ہے۔ اور کافروں کا انجام کیسا ہوا ہے؟ اور نبیوں پر اللہ تعالیٰ کی کیسی مدد و نصرت ہوئی ہے۔ یہ بر سبیل فرض و تقدیر ہے۔ گویا فرماتا ہے کہ اگر بغرض و تقدیر' جو کچھ آپ پر گذشتہ قصے بھیجے گئے ہیں اس میں شک واقع ہوتا ہے یا شیطان خیال میں خلل ڈالتا ہے تو ان لوگوں سے جو خدا کی سابقہ کتابیں پڑھتے ہیں پوچھ دیکھئے اس لیے کہ یہ قصے ان کے نزدیک بھی محقق وثابت ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں ویسا ہی ہے جیسا کہ آپ پر وحی فرمایا گیا۔ اس سے تحقیق حال اور گواہی لینا مراد ہے۔ اور اس کا بیان ہے کہ قرآن پاک ہر اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کی کتابوں میں ہے کہ اس سے رسول پاک کو انگیز کرنا اور ان کے یقین میں اضافہ کرنا مراد ہے نہ کہ امکان و وقوع شک۔ لہٰذا جس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لَا اَشُكُّ وَلَا اَسْئَالُ (نہ مجھے شک ہے اور نہ میں ان سے دریافت کرتا ہوں۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! رسول کریم ﷺ نے پلک جھپکنے کے برابر بھی شک نہیں کیا۔ اور نہ ان میں سے کسی ایک سے کچھ پوچھا۔

بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین (محدث دہلوی رحمۃ اللہ) خَصَّهُ اللّٰهُ بِمَزِيْدِ الصِّدْقِ. وَالْيَقِيْنِ وَعَصَمَهٗ عَنِ الشَّكِّ وَالتَّخْمِيْنِ. کہتے ہیں کہ اس جگہ شک سے وہ ظاہری معنی مراد نہیں ہے جو تصدیق و یقین کے منافی و خلاف ہے۔ بلکہ وہ حالت مراد ہے جو معائنہ و مشاہدہ سے پہلے اطمینان قلب کا موجب ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت خلیل اللہ کے سوال کی حدیث کو ''شک'' نام رکھا گیا ہے کیونکہ انہوں نے عرض کیا: رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اے میرے رب تو مردے کو کیسے زندہ کرتا ہے اس جگہ حضور نے بطریق تواضع اور حضرت خلیل کے درجہ کی بلندی کے لیے فرمایا: نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْهُ ہم ان سے زیادہ شک کے مستحق ہیں۔

حضور اکرم سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِیْ کو اس سب سے دوست رکھتے تھے کہ اس میں یہ ہے

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی○ — بیشک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

اور دجال کے وجود کے بارے میں تمیم داری کا خبر دینا اس ارشاد کے موافق جس کی رسول ﷺ نے خبر دی تھی اور حضور کا صحابہ کرام کو بلانا اور ان کو اس قصہ کو سنوانا اسی معنی میں ہے۔ اور بعد ظہور معجزہ حضور کا فرمانا کہ اشھد انی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) یہ بھی اسی باب سے ہے لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لَئِنْ اَشْرَكْتَ (اگر تم نے شرک کیا) میں خطاب رسول پاک کے سوا سامعین کے لیے ہے تو ممکن ہے اس جگہ یعنی فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ الآیہ میں بھی خطاب سننے والوں ہی کے لیے ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ مبارک میں لوگوں کے تین فرقے تھے۔ مصدقین' مکذبین اور منافقین یا متوقفین۔ اور یہ آپ کے کام میں شک رکھتے تھے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے ان کو بطریق خطاب عام جو عام طور پر بصیغہ واحد ہوتا تھا خطاب کیا اور فرمایا اے متوقف! یعنی جو شک میں مبتلا ہے۔ اگر تو اس شک میں ہے کہ ہم نے جو اپنے نبی سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے اور آپ جو دین لے کر تشریف لائے ہیں تو تو اہل کتاب سے پوچھ دیکھ تا کہ تجھ آپ کی نبوت کی صحت پر رہنمائی ہو اور امت کے لیے نزول قرآن کی نسبت ثابت ہو جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا

اَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ○ — اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور کو نازل فرمایا۔

اور جب حق تعالیٰ نے ان کے لیے اس چیز کا ذکر فرمایا جو ان کے شک کا ازالہ کرتا ہے تو اس نے ان کو اس سے ڈرایا کہ اب وضوح حق کے بعد تم قسم ثانی یعنی مکذبین (جھٹلانے والوں) میں ہو جاؤ گے چنانچہ فرمایا۔

لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ — ان لوگوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہ تو

الْخَاسِرِیْنَo — خسارے والوں میں ہو جائے۔

اور حق تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنَاھُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَo — وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق نازل کیا ہوا ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اسے جانتے ہیں کہ خدا کی طرف سے رسول و نبی آتے ہیں اور کتابیں نازل ہوتیں ہیں۔ یا یہ مراد کہے ہ قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِمَنِ افْتَرٰی لَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ. اے نبی جو شک میں ہو اس سے فرما دو کہ تم شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔ لہٰذا حضور ﷺ نے اپنے سوا اوروں کو مخاطب فرمایا۔ حضور کے سوا خطاب کو محمول کرنے کی تائید حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ جو اس کے بعد کا ہے۔ غور وفکر کرو۔ فرماتا ہے۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ. — فرما دو اے لوگو! میرے دین کے بارے میں تم شک میں ہو تو......

نسب جہل کا مسئلہ: لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ. — اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر جمع کر دیتا تو تم جاہلوں میں نہ ہونا۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مراد نہیں ہے کہ تم اس سے جاہل نہ ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں ہدایت پر جمع کر دیتا۔'' اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں ایک صفت جہل کا اثبات ہے۔ اور صفات خدا میں یا انبیاء پر جہل کا اثبات جائز نہیں ہے۔ اس سے مقصود حضور کو نصیحت ہے کہ اپنے کاموں میں جاہلوں کے طور وطریق اختیار نہ کریں۔ نیز آیت میں کسی ایسی صفت کے ہونے پر دلیل نہیں ہے۔ جس کے ہونے سے آپ کو منع کیا گیا ہے بلکہ قوم کی روگردانی اور ان کی مخالفت پر صبر کو لازم کرنے کا حکم ہے اسے ابوبکر بن فورک نے بیان کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ معناً امت کے ساتھ خطاب ہے یعنی تم لوگ جاہلوں سے نہ ہونا جیسا کہ دیگر مقامات میں کہا گیا ہے۔ اور اس کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے کہ فرمایا:

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ — اگر تم نے زمین میں بہتوں کی پیروی کی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

یہ خطاب دوسروں سے ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ وَاِنْ تُطِیْعُو الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور اگر تم لوگوں نے کافروں کی پیروی کی تو......''

اسی طرح حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمُ عَلٰی قَلْبِكَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (اگر اللہ چاہتا تو تمہارے دل پر مہر کر دیتا اور یہ کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ضرور اکارت ہو جائیں گے۔) اس قسم کی تمام مثالوں میں ہر جگہ حضور کے ماسوا دوسرے لوگ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جس طرح چاہے امر ونہی فرمائے حالانکہ آپ سے ان کا صدور محال ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ. اور ان لوگوں کو جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اپنے قرب سے دور نہ کیجئے۔'' حالانکہ حضور ہرگز ان کو نہ اپنے قرب سے دور فرماتے اور نہ اپنے سامنے سے ہٹاتے تھے۔ کیونکہ آپ ظالموں میں سے نہ تھے۔ اور حق تعالیٰ کا ارشاد کہ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغَافِلِیْنَ اور یہ کہ تم اس سے پہلے یقیناً غافلوں میں سے تھے۔'' تو اس سے مراد آیات حق سے غفلت نہیں

ہے۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے لاعلمی مراد ہے۔اس لیے کبھی اس کا نہ تو آپ کے دل میں خیال آیا اور نہ آپ کے کانوں نے اس سے پہلے یہ قصہ سنا تھا۔اور نہ اسے آپ نے ازخود جانا مگر اللہ تعالیٰ کی وحی سے معلوم ہوا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ. اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی وسوسہ دے تو اللہ کی پناہ مانگ۔

بظاہر الفاظ وہم میں ڈالتے ہیں۔حالانکہ شیطان کا وسوسہ حضور کے لیے نہ تھا۔لیکن اس سے مراد شیطان کا قصد وارادہ ہے کہ وہ وسوسہ میں مبتلا کرے۔مگر حق تعالیٰ نے اسے آپ سے پھیر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم کوکسی پر ایسا غصہ آئے جو اسے ترک اعراض اور اس کے سامنے نہ آنے پر برانگیختہ کرے تو خدا سے پناہ مانگو تاکہ خدا اس سے آپ کو پناہ میں رکھے۔نزغ شیطان کی ادنیٰ حرکت ہے۔جیسا کہ زجاج نے کہا ہے۔معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ جب آپ کو کسی دشمن پر غصہ آئے یا شیطان آپ کو ورغلانے کا ارادہ کرے یا وہ دل میں وسوسے ڈالے تو حق تعالیٰ سے پناہ مانگیں تاکہ وہ آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔یہ آپ کی عصمت کی تکمیل کے لیے ہے کہ حق تعالیٰ نے شیطان کو حضورِ اکرم ﷺ پر غلبہ پانے کی قدرت نہ دی۔یہ اسی آیت کریمہ کا مدلول ہے۔جس میں فرمایا کہ

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ. بیشک میرے بندوں میں ایسے ہیں کہ نہیں ہے تجھے ان پر غلبہ۔

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَo بیشک وہ لوگ جو خوف خدا رکھتے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے تو ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اس کا بھی یہی مطلب ہوگا۔لیکن حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ (لیکن شیطان نے تم کو بھلا دیا) نسیان ٗنزع کے سوا ہے۔اور یہ صحیح نہیں ہے کہ شیطان رسالت سے پہلے یا رسالت کے بعد فرشتہ کی صورت وشکل میں آکر آپ کو دھوکا دے سکے۔اور مشیت الٰہی جس نے رسول کو صدق کے اظہار پر قائم رکھا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ نبی کے پاس جو آتا ہے وہ فرشتہ اور خدا کا بھیجا ہوا رسول ہی ہوتا ہے۔یا اس کے علم ضروری سے معلوم ہو جاتا ہے جسے حق تعالیٰ نبی میں پیدا فرماتا ہے۔یا اس دلیل وبرہان سے معلوم ہوتا ہے جسے حق تعالیٰ نبی میں ظاہر فرماتا ہے۔اس بیان کی مکمل تحقیق ابتدائے وحی کے بیان میں آئے گی تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ تمہارے رب کا کلمہ سچ وانصاف کے ساتھ مکمل ہوا اور کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا نہیں۔

تلاوت میں شیطان کی دخل اندازی کا مسئلہ وصل: لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِیْ اُمْنِیَّتِهٖ. اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر یہ واقعہ گذرا کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔

اس کی تفسیر وتشریح میں سب سے بہتر اور مشہور جمہور مفسرین کا یہ قول ہے کہ اس جگہ ''تمنیٰ'' سے مراد تلاوت ہے اور القائے شیطان کا مطلب 'تلاوت کرنے والوں کے دلوں میں دنیاوی باتیں یاد دلا کر اس سے پھیرنا ہے۔تاکہ اس میں وہم اور اس کی تلاوت میں نسیان پیدا کرے۔یا یہ کہ سننے والوں کے فہموں میں ''تحریف اور فاسد تاویلات جیسی چیزوں کو داخل کر دے جسے اللہ تعالیٰ زائل اور منسوخ

کر دیتا ہے۔ اور التباس واشتباہ کو کھول دیتا ہے۔ اور آیات الٰہیہ کو محکم وثابت بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔ اس سلسلے میں مفسرین کی بحث بہت کچھ ہے جس میں سے کچھ کا ذکر شفا میں کیا گیا ہے۔

اب رہا حضورِ اکرم ﷺ کا ''لیلہ التعریس'' کی وادی میں سونے سے متعلق ارشاد تو ''لیلۃ التعریس'' ایک وادی کا نام ہے جو شیطان کا مسکن تھی۔ حضور کے اس قول مبارک سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آپ پر غلبہ کیا یا آپ کو وسوسہ میں ڈال دیا تھا۔ اگر یہ ممکن ہو تو ایسا حضرت بلال پر ہوا ہوگا کیونکہ حضور نے حضرت بلال کو نماز فجر کی حفاظت کے لیے مقرر فرما دیا تھا۔ شیطان نے آ کر حضرت بلال کو گہری نیند میں سلا دیا تھا جس کی تفصیل ''لیلۃ تعریس'' کی حدیث میں مذکور ہے۔ اور یہ بھی اس تقدیر پر کہ حضور کا ارشاد نماز کے وقت سو جانے کی وجہ پر تنبیہ کے لیے نہ ہو۔ اور اگر تنبیہ کے لیے ہے بھی تو اس وادی سے کوچ کرنے اور اس میں ترک صلوٰۃ کی علت بیان کرنے کیلیے ہے۔ لہٰذا کوئی اعتراض واشکال ہی نہیں اور نہ اس کے دفع کرنے کی حاجت۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

حضرت ابن ام مکتوم نابینا کا واقعہ: اب رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (ترشروئی کی اور منہ پھیرا جب کہ نابینا آپ کے پاس آیا۔) کہتے ہیں کہ اس کا ظاہر مفہوم یہ وہم پیدا کرتا ہے۔ کہ جس وقت حضرت ابن ام مکتوم جو نابینا تھے اور طلب حق کے لیے آئے تھے اور وہ محل تذکرہ وخشیت تھے۔ اس وقت حضور نے ان سے ترشروئی اور اعراض کا اظہار فرمایا۔ اور وہ کفار جو حق سے روگرداں تھے اور آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ان کی طرف توجہ والتفات فرمائی۔ اس سے حضور کے لیے اثبات ذنب ہوتا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے شکایت کی۔ اور اس رویہ پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ تفسیر کی کتابوں میں اس سورۃ کا شان نزول یہی بیان ہوا ہے۔

اب رہا اس جگہ اثبات ذنب! تو ہم محض ہے۔ البتہ! ترک اولیٰ والیق سے بظاہر اظہار ناپسندیدگی کی صورت نکلتی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ اگر ان دو شخصوں کی حقیقت حال آپ پر مکشوف ومعلوم ہوتی تو نابینا کو آگے بٹھاتے۔ لیکن آپ نے جو کچھ کفار کے ساتھ توجہ والتفات فرمایا وہ آپ کی عین طاعت، تبلیغ احکام شریعت، تالیف قلوب اور ایمان پر تمنا وخواہش کا اظہار تھا۔ کیونکہ آپ کی بعثت ورسالت کا مقصد ہی یہ تھا کہ معصیت اور امر دین کی مخالفت اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے جو کچھ بیان کیا اور اپنے حبیب ﷺ سے یک گونہ اظہار ناپسندیدگی فرمایا اس سے مقصود تذکرہ ونصیحت ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا انہماک دعوت وتبلیغ برائے اسلام اس درجہ کو نہیں پہنچنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے کسی مسلمان سے عدم التفات لازم آئے۔ صرف پہنچانا اور خبردار کرنا ہی کافی ہے۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ رسول پر صرف پہنچانا ہی ہے۔ درحقیقت حضرت ابن ام مکتوم ہی اس زجر وتادیب کے مستحق ہیں۔ اس لیے کہ وہ اگرچہ دیکھ نہیں سکتے لیکن کافروں کے ساتھ حضور کا گفتگو فرمانا تو سن رہے تھے۔ اور یہ بھی خوب جانتے تھے کہ حضور ان کی دعوت وتبلیغ میں کتنا اہتمام وانہماک فرماتے تھے۔ لہٰذا ان کے آگے بڑھتے جانے سے حضور کے کلام میں رکاوٹ آ رہی تھی۔ اور مجلس میں اژدھام ہو رہا تھا۔ اور یہ حضور ﷺ کی ایذا کا موجب تھا۔ اور حضور کو ایذا پہنچانا بہت بڑی معصیت ہے تو معلوم ہوا کہ ابن ام مکتوم کی زجر وتادیب میں قرآن میں یہ نازل ہوا۔ جس طرح رسول پاک ﷺ کے پاس زور سے بولنے اور حضور کے حجروں کے پیچھے سے آواز دینے کے بارے میں قرآن کریم میں احکام نازل ہوئے۔ لیکن نابینا اور صدق نیت ہونے کی وجہ سے انہیں معذور رکھا گیا۔ اور نرمی ومہربانی کا اظہار فرمایا۔ واللہ اعلم۔

منافقین کو اجازت دینے کا مسئلہ۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (اللہ تمہیں معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی۔ اس سے بھی رسول کریم ﷺ سے ذنب کے وقوع کا وہم ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ عفو متدعی ہے

کہ پہلے کوئی تقصیر ہو۔ اور یہ بھی کہ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (آپ نے انہیں اجازت کیوں دی) میں استفہام انکاری ہے۔ لہٰذا منافقوں کے لیے یہ اجازت، منکر اور غیر رضائے الٰہی ہوگی۔ اگرچہ غایت تسلی و تسکین کے اظہار کے لیے انکار اذن پر عفو کو مقدم کیا۔ اور اظہار ناپسندیدگی سے پہلے عفو کی تقدیم بڑی ہی پیاری اور نادر ہے۔ جو کہ محبت و اکرام کی خبر دے رہی ہے۔ وہ جماعت کہتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کام ایسے کیے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے پہلے نہیں دیا تھا۔ ایک یہ کہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ لیا اور دوسرا یہ کہ منافقوں کو اجازت دے دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ عَفَا اللّٰهُ (اللہ معاف کرے) وہ نہیں ہے جہاں وقوع ذنب کے بعد ہوتا ہے۔ بلکہ یہ عبارت ایسی ہے جو تعظیم و توقیر کے مبالغہ پر دلالت کرتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے ایسے دوست سے جو عظیم المرتبت ہے کہے "خدا تجھے معاف کرے کیا کام کیا ہے۔" "تو نے میرے حق میں"؟ حق تعالیٰ تجھ سے راضی ہو۔ میری بات کا کیا جواب دیا ہے؟" خدا تجھے عافیت دے۔ میرے حق کو پہچان۔؟ وغیرہ ان باتوں کی غرض بجز اس کی عزت و تکریم کی زیادتی کے کچھ نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کے لیے گناہ وقصور کا ثابت کرنا مقصود ہے۔ اور اس جگہ...... بمعنی غفر نہیں ہے۔ اور اظہار ناپسندیدگی پر اس کی تقدیم' اس مذکورہ معنی کی خبر دینے' اور اس مراد پر دلالت کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے عَفَا اللّٰهُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ یعنی اللہ نے تمہارے لیے گھوڑے اور غلاموں سے زکوٰۃ معاف کردی ہے۔"

حالانکہ ان میں زکوٰۃ پہلے سے ہی واجب نہ تھی۔ مراد صرف یہ ہے کہ تم پر لازم نہیں ہے۔

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو یہ کہتا ہے کہ گناہ سے پہلے معافی ہوتی ہی نہیں وہ کلام عرب کے اسلوب کو نہیں پہچانتا۔ اور کہتے ہیں کہ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ اَیْ اَمْ يَلْزِمَكَ ذَنْبٌ مطلب یہ کہ اللہ تمہیں معاف کرے کے معنی یہ ہیں کہ تم پر کوئی ذنب والزام نہیں ہے۔ مواہب لدنیہ میں بھی اسی طرح ہے اب رہا دوسری بات کا جواب کہ "استفہام انکاری ہے" وہ کہتے ہیں کہ انکار و عتاب' ترک اولیٰ وافضل پر ہے۔ اس کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اگر آپ چاہیں تو اذن دینے میں رخصت عطا فرمائی ہے اور ارشاد ہے کہ

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ۔ اب اگر تم سے کسی کے لیے وہ اجازت مانگیں تو ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں۔

تو حق تعالیٰ نے اذن کو آپ کے سپرد فرما کر آپ کو بطریق عموم دیدیا ہے اور مواہب لدنیہ میں تفطونیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس آیت میں حضور معاتب ہیں۔ (معاذ اللہ) حاشا و کلا ہرگز ہرگز نہیں۔ بلکہ حضور تو مختار تھے۔ جب حضور نے ان کو اذن دے دیا تو حق تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ اگر آپ اذن نہ دیتے تب بھی یہ اپنے نفاق کی بنا پر بیٹھے ہی رہتے۔ آپ پر ان کو اذن دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ انتہیٰ۔

منافقین کی طرف میلان کا مسئلہ: اب رہا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَ ذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ اور اگر تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف تھوڑا سا جھکتے۔ اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے۔

یہ آیت بھی وقوع میلان اور منافقوں کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راغب ہونے اور ان پر اشد عذاب واقع ہونے کے سلسلے میں وہم پیدا کرتی ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف راغب ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ اس لیے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مجوز وقوع

ذنب ہے۔ حالانکہ یہ تو ہم ساقط ہے۔ اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثابت قدمی اور عصمت نہ ہوتی تو ان کی نزدیکی کی طرف ان کی خواہش کی پیروی میں جھک جاتے لیکن چونکہ ہماری عصمت آپ کے ساتھ تھی اس لیے اس نے آپ کو ان کی طرف مائل ہونے سے روکے رکھا۔ تو اس میں یہ بات خوب واضح ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے قبول کرنے کی طرف قصد نہ فرمایا۔ اور داعی اجابت کی قوت کے ساتھ ان کی طرف مائل نہ ہوئے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام سے وقوع معصیت کے سلسلہ میں خود ان کی بات گزر چکی ہے کہ شرعاً اور عقلاً اس کا وقوع ان پر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عصمت سے حفاظت الٰہی میں ہے اور عصمت اختیار کو باطل نہیں کرتی۔ اور عقلاً گناہ کو ممتنع نہیں بناتی۔ اور بحفظ الٰہی اس کے صدور وقوع سے مانع ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ تمام انبیاء معصوم ہیں اور حضور ثابت قدم ہیں۔ اور آیت میں حضور کے کمال تطہیر و تقدیس میں مبالغہ ہے اور یہ کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت، عصمت اور محبت ہے نہ کہ تہدید و تشدید اور عتاب و تعزیر (معاذ اللہ)

اسیران بدر سے فدیہ لینے کا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے سلسلے میں ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جس تک زمین میں ان کا خون نہ بہائے۔ تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب کرتا۔

اس آیت کو بھی ایک گروہ نے عتاب پر محمول کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینا اختیار فرمایا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر قتل کو اختیار نہ فرمایا۔ یہ اپنے اجتہاد سے تھا اور اجتہاد میں شریعت خطا کو جائز رکھتی ہے۔ لیکن اس خطا پر نبی کا قائم رہنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں بروایت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن کفار کو شکست دی اور مشرکوں کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی قید ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے ان قیدیوں کے بارے میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہ قیدی ہمارے چچاؤں کی اولاد اپنے بھائی اور آپ کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ جو کچھ ان سے وصول ہو وہ ہمارے لیے کفار کے مقابلہ کے وقت ساز و سامان کی تیاری میں کام آئے۔ اور یہ بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر انہیں ہدایت فرمادے تو یہ ہمارے قوت بازو اور مددگار بن جائیں۔ پھر رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر بن خطاب تم کیا رائے دیتے ہو۔ میں نے عرض کیا، خدا کی قسم! میری رائے ابوبکر کی رائے کے موافق نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اور مجھے حکم فرمائیے کہ میں فلاں کو قتل کروں۔ (اور میں نے اپنے عزیزوں کی طرف اشارہ کیا۔) اور علی کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو ماریں۔ اور حمزہ کو حکم دیجئے کہ وہ فلاں عزیز کو قتل کریں تاکہ اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے جان لے کہ ہمارے دل مشرکوں کی محبت و دوستی سے پاک ہیں مگر حضور اکرم ﷺ کو حضرت ابوبکر کی رائے پسند آئی اور اسی کو اختیار فرمایا اور آپ نے ان سے فدیہ لے لیا۔ پھر دوسرے دن جب میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں اور حضرت ابوبکر آپ کے قریب ہیں اور دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بتائیے آپ دونوں کو کس چیز نے رلایا ہے تاکہ اگر ہو سکے تو میں بھی روؤں۔ اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف زور ڈال کر رونے کی کوشش کروں۔ اس پر

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم اس وجہ سے رو رہے ہیں کہ تمہارے یاروں پر فدیہ لینے کے سلسلے میں بلاشبہ میرے آگے اس درخت سے قریب تر عذاب ظاہر کیا گیا اور آپ نے ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا جو ہمارے نزدیک تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ. کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کریں۔ جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہائے۔

''اثخان'' کے معنی زیادہ کرنا اور کسی چیز میں مبالغہ کرنا ہے۔ اور اس جگہ اثخان سے مراد قتل وجرح ہے۔ مطلب یہ کہ نبی کو چاہیے کہ جب ان کے ہاتھ قیدی آئیں تو وہ انہیں قتل کرائیں اور اس میں مبالغہ کریں تاکہ کفر زائل ہو اور اسلام غالب ہو۔

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. تم تو دنیاوی مال ومنال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔

مطلب یہ کہ تم دنیا میں غنیمت واموال کی خواہش رکھتے ہو اور خدا آخرت کو چاہتا ہے کہ اس پر دین اسلام کی قوت اور آخرت میں ان کا ثواب مترتب ہوگا۔

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○ اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔

مطلب یہ کہ اگر ازل سے حکم الٰہی ایسا نہ ہوتا کہ مجتہد کو خطا پر نہ پکڑا جائے تو اس وقت جو کچھ تم نے لیا یا اختیار کیا ہے تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر ہم پر عذاب اترتا تو بجز عمر کے کوئی نجات نہ پاتا۔ اسی بنا پر وہ جماعت کہتی ہے کہ اس میں حضورِ اکرم ﷺ پر (معاذ اللہ) عتاب اور عذاب کی تہدید ہے۔ اس کے جواب میں صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر اس میں کسی گناہ کا الزام نہیں ہے بلکہ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس سے تمام نبیوں کے سوا حضور کو مخصوص گردانا گیا ہے کہ حضورِ اکرم کے سوا کسی نبی کے لیے غنیمت جائز نہیں تھی۔ جیسا کہ فرمایا: اُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ میرے لیے غنیمتوں کو حلال بنایا گیا۔ انتہی۔

چاہے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم حضورِ اکرم کے سوا تمام نبیوں کے لیے ہے۔ لیکن حضورِ اکرم ﷺ کے لیے درست ہے کہ وہ قتل نہ کریں اور فدیہ لے لیں اور فدیہ غنیمتوں میں سے ایک قسم ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تریدون عرض الدنیا تم دنیاوی ساز و سامان چاہتے ہو) بعض کہتے ہیں کہ اس خطاب سے مراد وہ شخص ہے جو دنیا کا ارادہ کرے۔ اور دنیاوی غرض کے لیے دنیاوی ساز و سامان جمع کرے۔ اور اس آیت میں حضورِ اکرم ﷺ اور آپ کے اکثر صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ ضحاک سے مروی ہے کہ یہ آیت اس ہنگامہ کے وقت نازل ہوئی تھی جب کہ روز بدر مشرکین شکست کھا کر بھاگ رہے تھے۔ اور لوگ ساز و سامان کے لوٹنے اور غنیمتوں کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے تھے اور ان کے قتل سے ہاتھوں کو روک لیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہیں کفار پلٹ کر دوبارہ حملہ نہ کر دیں۔ اور ایسا ہی ہوا تو ان کے بارے میں نازل ہوا۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. کچھ تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور کچھ تم میں سے آخرت چاہتے ہیں۔

اب رہا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ (اگر روز ازل سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو) اس کے معنی میں مفسرین اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ اگر پہلے نہ لکھا جاتا کہ میں کسی پر عذاب نہیں کروں گا۔ مگر بعد از ممانعت تو ضرور میں تم کو عذاب دیتا''۔ تو یہ دلالت کرتی ہے کہ قیدیوں کا معاملہ گناہ نہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا تو مراد کتاب سابق

سے یہی ہے اور تم عفو کے مستوجب ہوئے تو غنایم پر عتاب کیے جاتے۔ یا یہ مراد ہے کہ لوح محفوظ میں یہ لکھا نہ ہوتا کہ غنیمتیں حلال ہیں''۔ یہ سب ذنب ومعصیت کی نفی کرتی ہیں۔ اس لیے کہ جس چیز کا کرنا حلال ہے وہ معصیت نہیں ہوتی۔ اس لیے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آخر آیت میں فرمایا۔ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال طیب ہے''۔ اور بعض کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل اور فدیہ میں اختیار دیا گیا ہے۔ بلاشبہ سیّدنا علی المرتضیٰ سے مروی ہے کہا رسول پاک ﷺ کے پاس جبریل آئے اور کہا کہ آپ کے صحابہ کو قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا ہے کہ اگر چاہیں تو انہیں قتل کر دیں اور نہ چاہیں تو اس شرط پر ان سے فدیہ لے لیں کہ آئندہ سال ان میں سے ستر مارے جائیں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے فدیہ کو اختیار کر لیا۔ تا کہ ہم میں سے مارے جائیں۔ بلاشبہ روز احد ستر صحابہ کا قتل واقع ہوا۔ یہ دلیل اس کی ہے کہ انہوں نے اذن واختیار پانے کے بعد ایسا کیا لہٰذا معصیت کہاں رہی۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر چہ قتل وفدیہ میں انہیں اختیار دیا گیا تھا لیکن قتل واثخان زیادہ بہتر تھا جن پر عتاب کیا گیا لیکن کوئی عاصی وگنہگار نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اظہار سطوت وغلبہٗ ربوبیت: لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ٥ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ٥ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ٥ اور اگر ہم پر کچھ باتوں کی یوں ہی نسبت کرتے تو یقیناً ہم ان کو داہنی جانب سے پکڑتے پھر ہم ان کی گردن کی رگ کاٹ دیتے۔

گویا فرماتا ہے اگر حضور اپنی طرف سے بات بنا کر اس کی نسبت ہماری طرف کرتے تو ضرور انہیں دائیں جانب سے پکڑتے۔ اور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ اور ہلاک کر دیتے۔ اس میں عذاب کا کنایہ ہے جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ جن پر انھیں غصہ آتا ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی راست گوئی اور حق تعالیٰ کا آپ کو کذب وافتراء سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں مبالغہ ہے لیکن اس عبارت میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کی مانند حضور ﷺ کی بزرگی وکرامت اور قدر ومنزلت کے باوجود اظہار سطوت اور غلبہٗ ربوبیت ہے۔ اور یہ آیت آپ کے مہتم بالشان حال اور کمال محبت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور در حقیقت مفتریوں اور کذابوں پر تعریض ہے تا کہ وہ خبردار ہو جائیں۔ بہر حال ہمیں ادب کا دامن نہ چھوڑنا چاہیے اور زبان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اس چیز میں جو محبوب ومحبّ کے درمیان ہو۔

• تفصیلی علم کا مسئلہ: لیکن حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرح کی تفصیل) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد احکام ایمان اور صفات ایمان کی تفصیلات کا حکم ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ کیونکہ اس کا وجود قرآن کے نازل ہونے اور دین شریعت کے مکمل ہونے کے بعد ہے۔ بلاشبہ یہ تو حد شہرت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ قبل نبوت خدا کی توحید کرتے اور بتوں کو اور ان کی پرستش کو دشمن جانتے اور حج وعمرہ کرتے تھے۔ آپ نے کبھی شراب نہ پی۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے بندوں کے لیے آپ کے ذریعہ جو شریعت مقررہ فرمائی ہے وہ اس وقت تک آپ پر نازل نہ ہوئی تھی۔ اس آیت کا یہی مفہوم ومراد ہے۔ ایمان کا ارادہ کرنے کا مطلب' تصدیق واقرار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ایمان واحکام کی دعوت مراد ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حذف مضاف کے باب سے ہے۔ یعنی مَا كُنْتَ تَدْرِيْ اَهْلَ الْاِيْمَانُ مطلب یہ ہے کہ تم اہل ایمان کو نہیں جانتے کہ اعمام واقارب یعنی عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے کون کون ایمان لائے گا۔ یہ معنی کلام کے سیاق وسباق سے بعید ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجَعُ وَالْمَاٰبُ۔

باب چہارم

اس باب میں کتب سابقہ توریت اور انجیل وغیرہ کی ان پیشین گوئیوں اور خبروں کو بیان کیا جارہا ہے۔ جو آنحضرت کی تعلیم وتوقیر اور رسالت سے متعلق ہیں۔ اور علمائے اہل کتاب نے اپنے اجمال اور تفصیل میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ.

جو لوگ اس رسول ونبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں وہ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا پاتے ہیں کہ وہ انہیں نیکی کا حکم فرمائیں گے اور انہیں برائی سے بچنے کی تلقین فرمائیں گے۔

حضورِ اکرم ﷺ کا ذکر شریف گزشتہ کتابوں میں بکثرت ہے۔ اور انبیاء ومرسلین کی مجلسوں میں حضور خاتم الانبیا علیہ السلام کا ذکر ہمیشہ رہتا تھا۔ چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو اس سے مطلع کیا ہے۔ تو لامحالہ آپ کا ذکر شریف انہوں نے بطریق اولیٰ اپنی مجلسوں میں کیا ہوگا۔ کیونکہ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ جو چیز بہت محبوب ہو اس کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے۔ یہ آیہ کریمہ حضورِ اکرم کی سچائی پر دلیل ہے۔ اگر یہ خبر واقعہ کے مطابق نہ ہوتی تو حضور سے ان کی نفرت وتکذیب کا موجب ہوتا اور یہود ونصاریٰ سے زیادہ کوئی اور قوم حضور کے احوال اور صدق نبوت سے واقف اور شناسا نہ تھی۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ توریت وانجیل میں آپ کے اوصاف پڑھ چکے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں مدتوں سے آپ کے منتظر تھے کیونکہ اس شہر میں آپ کے ظہور کی علامتیں اور نشانیاں پائی جاتی تھیں اور یہی یہود ونصاریٰ تھے جب ان سے مقابلہ اور جنگ کی نوبت آتی تو یہ آپ کی بعثت کا واسطہ دے کر فتح ونصرت طلب کرتے اور کہتے کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب ہم نبی آخر الزماں ﷺ کی سایۂ عافیت میں تم سے نبٹیں گے۔ ان کے آباء اپنی موت کے وقت اپنی اولادوں کے لیے وصیت نامے چھوڑ جاتے اور کہتے کہ ہمارا سلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا کر عرض کریں کہ ہم نے آپ کے انتظار میں جانیں دی ہیں۔ اور اس جہاں سے ایمان کے ساتھ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (یہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) مطلب یہ کہ کافر لوگ آپ کو خوب پہچانتے ہیں۔ لیکن جب آپ کا ظہور قدسی ہوا تو ان کی سابقہ شقاوت ازلی عود کر آئی اور حسد وعناد سے آپ کو جھٹلانے لگے اور جان بوجھ کر راہ حق کو چھپانے کی خاطر اپنی کتابوں میں تحریف وتغیر کرنے لگے۔ اور دنیا کی محبت اور حب ریاست نے ذلت وشقاوت اور خسران کے سبب سے پست درجے میں گرادیا۔ لیکن اس تحریف وتبدیلی کے باوجود ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ کی شریعت کی نشانیاں ان کی کتابوں میں اب بھی روشن وتاباں ہیں۔

بیان کرتے ہیں کہ سریانی زبان میں حضور کا نام ''مشفح'' ہے۔ اور مشفح کے معنی محمد ہیں۔ اس لیے کہ ان کی زبان میں شفح بمعنی حمد ہیں۔ اور جب وہ خدا کی حمد کرتے ہیں تو شفحا لا یعنی الحمد اللہ کہتے ہیں اور جب شفح بمعنی حمد ہوا تو مشفح بمعنی محمد ہوگیا۔ آپ کے احوال وصفات اور آپ کی نبوت کی علامات ونشانیاں صاف صاف اور آپ کی بعثت وہجرت کی جگہ متعین تھی۔ جس روز حضورِ انور مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے اسی دن حضرت عبداللہ بن سلام جو احبار واشراف یہود اور اولاد حضرت یوسف علیہ السلام سے تھے حاضر

ہوئے اور ایمان لائے اور جس دن سے مکہ مکرمہ سے حضورِ انور کی ہجرت کی خبر سنی تھی یہ اسی دن سے آپ کے لقائے شریف کی سعادت حاصل کرنے کے منتظر تھے۔

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم لاجرم روئے ترا دیدم واز جارفتم

جب وہ حضور کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم ہی ابن سلام' یثرب کے عالم ہو' عرض کیا ہاں! فرمایا میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے مجھے بھیجا کیا تم نے خدا کی کتاب توریت میں میری صفات کو پایا ہے؟ کہا ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو مظفر و غالب فرمائے گا۔ وہ آپ کے دین کو تمام دینوں پر غالب کرے گا۔ یقیناً بلا شک وشبہ میں نے خدا کی کتاب میں آپ کی خوبیاں اور صفتیں پائی ہیں۔ اور آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا اے نبی یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا امت پر گواہی دینے والا یعنی ان کی تصدیق و تکذیب اور نجات و ہلاکت کی۔

گواہی دینے والا اور فرمان برداروں کو ثواب و اجر کی بشارت دینے والا اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرانے والا۔ جو نر اللامیین امیــــون یعنی اہل عرب کو جن کی اکثریت پڑھنا لکھنا نہیں جانتی پناہ دینے والا' اور آپ سارے جہان کے لیے پشت پناہ ہیں۔ ﷺ۔ عرب کی تخصیص' ان میں آپ کی بعثت' اور آپ سے قریبی ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ پہلے جہل و نادانی اور شقاوت قلبی میں مشہور و منہمک تھے۔ اب آپ کی تعلیم و تربیت سے علم و ہدایت کے بلند مقام پر فائز ہوگئے۔ ''حرز'' اس محفوظ جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی آفت و تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے مراد ان کی حفاظت و پناہ آفتوں سے ہے۔ خواہ وہ آفت نفسانی ہو یا شیطانی وساوس وغیرہ جیسا کہ فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ اللہ وہ ہے جس نے امیوں میں رسول کو انہیں میں سے بھیجا جو ان پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا اور ان کا تزکیہ فرماتا۔ اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

ممکن ہے کہ اس سے مراد دائمی عذاب و ہلاکت اور انہیں نیست و نابود ہونے سے محفوظ و پناہ میں رکھنا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. اور نہیں ہے خدا کہ ان کو دائمی عذاب دے درآنحالیکہ آپ ان میں تشریف فرما ہوں۔

عبداللہ بن سلام کی حدیث کا تتمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ آپ میرے بندہ خالص ہیں کوئی اس صفت میں آپ کا ہمسر نہیں۔ اور آپ میرے رسول ہیں۔ جو ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہیں وَسَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ. اور میں نے آپ کا نام متوکل رکھا۔ کیونکہ آپ نے اپنے تمام کام مجھ پر چھوڑ دیے ہیں۔ اور آپ اپنی ذاتی قوت و طاقت سے باہر آگئے ہیں۔ کیونکہ بندگی کے معنی کی حقیقت یہی ہے ''لَسْتَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ اور آپ نہ درشت خو ہیں اور نہ سخت دل۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا:

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. یعنی اگر آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے آپ کے گرد سے یقیناً ہٹ جاتے۔

اور یہ جو دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ: وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. (ان منافقوں اور کفار پر سختی فرمائیے۔) تو اس کا جواب یہ ہے کہ مزاج کی خوبی اور دل کی نرمی آپ کی طبعی اور جبلی خصلت ہے' غلظت کا حکم' مخلوق کے علاج کے لیے ہے جس کی بہتر توجیہہ یہ ہے کہ عدم سختی اور نرم دلی مسلمانوں کے لیے ہے۔ اور کافروں اور منافقوں کے لیے سختی و غلظت کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ میں یہ دونوں صفتیں حق تعالیٰ کے

لیے ہیں۔ اَلْحَبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ (محبت بھی اللہ کے لیے اور دشمنی بھی اللہ کے لیے) اور فرمایا: اَنَا الضَّحُوْکُ الْقَتُوْلُ (خندہ روئی میری عادت ہے۔) باب اخلاق میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ وَلَا سَخَّابٍ فِی الْاَسْوَاقِ (اور بازاروں میں شور وشغب کرنے والے نہ تھے) جیسا کہ جاہلوں کی عادت ہے۔ یہ عقلمندی کی نشانی ہے کہ نرم خو ہو اور آواز بلند نہ کرے۔ اور کج خلقی سے احتراز کرے، مجلس میں بھی، گھر میں بھی اور بازاروں میں بھی۔

وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ وَلٰکِنْ یَعْفُوْ وَیَغْفِرُ وَلَنْ یَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰی یُقِیْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ یَّقُوْلَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

برائی کا بدلہ برائی سے نہ لے اور عفو و درگزر اور پردہ پوشی سے کام لے۔ اور اللہ تعالیٰ ہرگز دنیا سے آپ کو نہ اٹھائے گا، جب تک کہ کجرو لوگوں کی درستگی نہ فرمادے اور لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں اور توحید کا اقرار کرکے شرک کا ازالہ نہ کرلیں۔

فَیَفْتَحُ بِهٖ اَعْیُنًا عُمْیًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا (تو اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ایسی اندھی آنکھوں کو کھولے گا جو راہ راست نہیں دیکھتیں۔ اور ایسے کانوں کو کھولے گا جو حق بات نہیں سنتے اور ایسے دلوں کو کھولے گا جو نہیں سمجھتے۔ اور حقیقت حال کو نہیں پاتے۔

ایک اور روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ بازار میں فریاد اور فحش کلامی نہ کریں گے اور جو فرمائیں گے جھوٹ نہ ہوگا۔ اور ہر خوبی و کمال اور ہر صفت جمال سے آراستہ و پیراستہ ہوں گے۔ اور میں انہیں ہر خلق کریم عطا کروں گا اور اطمینان و سکون اور آرام و آہستگی کو ان کا لباس بناؤں گا اور تقویٰ و پرہیزگاری کو ان کا ضمیر کروں گا۔ حکمت ان کی عقل، صدق و وفا ان کی طبیعت، عفو و نیکی ان کی عادت، عدل ان کی سیرت، حق ان کی شریعت، ہدایت ان کا امام، اسلام ان کی ملت اور احمد ان کا نام رکھوں گا۔ لوگ گمراہی کے بعد ان سے ہدایت پائیں گے۔ اور آپ کے وسیلہ سے جہالت کے بعد لوگ عقلمند بنیں گے۔ اور گمنامی کے بعد ان کا نام چار دانگ عالم میں گونجے گا۔ اور کمی کے بعد انھیں کثرت و زیادتی عطا کروں گا اور جدائیگی کے بعد انہیں بلاؤں گا۔ اور مفلسی کے بعد انہیں تونگر کروں گا۔ اور مخالف دلوں اور پراگندہ خواہشوں اور جدا جدا بکھری ہوئی جماعتوں میں الفت و محبت ڈالوں گا۔ اور ان کی امت کو بہترین امت قرار دوں گا۔ کعب احبار سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیّدنا ابن عباس نے حضرت کعب سے دریافت فرمایا: تم نے توریت میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کیا کیا پائے۔ انہوں نے بیان کیا کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ محمد بن عبداللہ، عبدالمختار یعنی اللہ کے بندے، مکہ مکرمہ ان کی جائے پیدائش، مدینہ منورہ ان کا مقام ہجرت اور ملک شام ان کے زیر قبضہ ہوگا نہ وہ سخت گو ہوں گے نہ درشت خو۔ نہ بازاروں میں شور وغل کریں گے اور نہ برائی کا بدلہ لیں گے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں گے۔ اس روایت میں حضور ﷺ کی امت مرحومہ کی تعریف بھی آئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے بیان کیا۔ آپ کی امت غم و مسرت اور خوشی و ناخوشی میں شکر گذار ہوگی اور ہر پستی و بلندی پر حق تعالیٰ کی حمد و تکبیر کرے گی۔ نمازوں کے لیے آفتاب کی رعایت کریں گے۔ اور جب سورج کسی نماز کا وقت لائے تو وہ اس وقت نماز بجالائے گی اگرچہ وہ خاک نشین ہوں گے اور ٹخنے سے اوپر ازار بند اور پائجامے پہنیں گے۔ اور اپنے اعضاء کے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں اور چہرے کا وضو کریں گے۔ اور ان کا منادی یعنی مؤذن آسمان میں ندا کرے گا یعنی بلند و بالا برجوں میں اذان دے گا۔ ان کی صفیں جنگ اور نماز میں یکساں ہوں گی۔ وہ راتوں میں نغمہ سنج ہوں گی۔ اس نغمہ سنجی سے مراد ذرات کے اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن ہے۔

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے کہ فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی اور انہوں نے اسے پڑھا اور اس میں انہوں نے اس امت مرحومہ کا ذکر پایا تو عرض کیا کہ اے خدا میں توریت کی ان تختیوں

میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو آخر بھی ہے اور سابق بھی ہے۔ مطلب یہ کہ وجود زمانی میں تو وہ آخری امت ہوگی اور فضل وشرف میں سابق یعنی اول وفائق ہوگی۔ ان کے لیے شفاعت کی جائیگی۔ ان کی دعاؤں سے بارشیں ہوں گی ان کے سینوں میں کلام الٰہی محفوظ ہوگا۔ جنہیں وہ از بر بطور حافظہ پڑھیں گے۔ غنیمتوں کو کھائیں گے۔ اور صدقات کو ان کے اپنے ہی شکموں کے لیے گردانا گیا۔ یہ اسی امت کے خواص ہیں۔ جن پر احکام کو آسان کیا گیا ہے۔ اور غنیمتوں اور صدقات کو ان پر حلال کیا گیا۔ بخلاف پچھلی امتوں کے کہ یہ ان پر حلال نہ تھیں۔ اور جب وہ کسی بدی کا ارادہ کریں گے تو اسے نہ لکھا جائے گا اور جب وہ بدی کا ارتکاب کرلیں گے تو ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ اور جب نیکی کا قصد کریں گے تو اسے لکھا جائے گا۔ اور جب نیکی کرلیں گے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور انہیں اول وآخر کا علم دیا جائے گا۔ اور دجال کو وہ قتل کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتی ہونے کی تمنا کرنا: بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب توریت کی تختیوں میں امت نبی آخر الزماں ﷺ کی تقریباً ستر صفات کو پڑھا تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا ''اے خدا! اس امت کو میری امت بنا دے''۔ فرمان باری آیا کہ اے موسیٰ! اس امت کو تمہاری امت کیسے بناؤں وہ امت تو نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ ﷺ کی ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے رب تو مجھے ہی امت محمدیہ میں بنا دے۔ اس پر حق تعالیٰ نے انہیں اپنے اس ارشاد میں دو خوبیاں مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ فرمایا:

قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ۔

اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ برگزیدہ فرمایا تو تم لو جو میں نے تمہیں دیا شکر گزاروں میں ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا! میں اس پر راضی ہو گیا۔ ابونعیم بروایت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب نقل کرتے ہیں کہ کعب احبار سے ایک مرد نے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ حساب کتاب کے لیے جمع ہوئے ہیں اور تمام نبیوں کو بلایا گیا ہے جملہ نبی اپنی اپنی امت کے ساتھ آئے اور ہر نبی کے لیے دو نور اور ہر امتی کے لیے ایک نور جوان کے ساتھ ساتھ چلتا تھا دیکھا گیا۔ اس کے بعد حضور اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو بلایا گیا تو آپ کے ہر موئے تن کے ساتھ ایک ایک نور تھا۔ اور آپ کے ہر امتی کے ساتھ دو نور تھے۔ اس پر کعب احبار نے اس مرد سے دریافت کیا کہ تم نے جو اپنے خواب کی تفصیل بیان کی ہے کیا تم نے ایسا کہیں پڑھا ہے؟ اس شخص نے کہا خدا کی قسم! خواب میں ایسا دیکھنے کے سوا کہیں اور کسی جگہ ایسا نہ پڑھا۔ تو حضرت کعب فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں کعب کی زندگی ہے یہ صفت محمد مصطفیٰ اور ان کی امت کی ہے اور وہ صفت تمام نبیوں اور ان کی امتیوں کی ہے یہی کتاب الٰہی میں ہے گویا کہ تو نے توریت میں اسے پڑھا ہے۔

وہ خبریں جن میں یہود کو پہلے ہی سے حضور ﷺ کی نبوت کی صداقت کا علم تھا

وصل: اب رہیں وہ خبریں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو رسول اکرم سیدالابرار ﷺ کی نبوت وصداقت کا پہلے ہی سے علم تھا۔ اور ان شریروں نے ان کے ظہور کے بعد عناد وانکار کیا۔ بجز ان لوگوں کے جن کے حال کے ساتھ توفیق وہدایت ربانی شامل تھی۔ ایسی خبریں بے شمار ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ توریت کی تعلیم وتدریس کے وقت حضور کا ذکر کرتے اور اپنی اولاد میں برابر چرچا کرتے رہتے۔ آپ کا حلیہ شریف بتلاتے، ہجرت وبعثت کا مقام متعین کر کے کہتے کہ نبی آخرالزماں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ رونق افروز ہونگے۔ لیکن جب حضورِ انور ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے حسد وعناد کی راہ اختیار کی اور کہنے لگے یہ وہ شخص نہیں ہیں جن کے بارے میں ہم تمہیں بتلاتے آرہے ہیں۔ اور آپ کی صفات شریف میں تحریف کرنے لگے۔ لیکن ان کی اس تحریف وتغیر کے باوجود آپ کے دلائل وشواہد توریت میں روشن وتاباں تھے۔ قبیلہ اوس کا ایک شخص ابو عامر راہب تھا۔ اور قبیلہ اوس وخزرج میں اس سے زیادہ کوئی دوسرا شخص حضورِ اکرم ﷺ کے اوصاف بیان کرنے والا نہ تھا۔ وہ مدینہ کے یہودیوں سے محبت کرتا اور ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ وہ ان سے دین اسلام کے بارے میں پوچھتا وہ اسے رسول رب العالمین ﷺ کے اوصاف بتاتے اور کہتے کہ مدینہ ان کے ہجرت کا مقام ہے پھر وہ یہودیوں کے پاس سے مقام تیما گیا۔ انہوں نے بھی اسے ایسا ہی بتایا اس کے بعد وہ ملک شام گیا اور نصرانیوں سے اس نے دریافت کیا انہوں نے بھی حضور ﷺ کی یہی صفات بیان کیں تو ابو عامر گوشہ نشین ہو گیا اور راہب بن گیا۔ راہبوں جیسا لباس (پلاس) پہننے لگا۔ وہ برابر یہ کہتا رہا کہ میں ملت حنیفیہ، دین ابراہیم علیہ السلام پر ہوں۔ اور نبی آخرالزماں ﷺ کے ظہور کا منتظر ہوں۔ اور اسی ابو عامر سے جنات کی عورتوں نے بھی حضورِ انور ﷺ کی صفات ونشانیاں سنی تھیں۔ لیکن جب حضورِ انور ﷺ نے ظہور فرمایا تو وہ اپنے حال میں برقرار رہ کر بغاوت، حسد اور نفاق کا مظاہرہ کرنے لگا۔ وہ کہتا اے محمد ﷺ آپ کس چیز پر مبعوث کیے گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے ملت حنیفیہ پر مبعوث فرمایا گیا ہے۔ وہ کہنے لگا نہیں بلکہ اسے غیر کے ساتھ خلط ملط کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، بلکہ میں اسے روشن اور پاک وصاف لایا ہوں۔ پھر فرمایا اے ابو عامر! وہ خبریں کیا ہوئیں جو یہود نے تجھے میری صفات کے بارے میں بتائی تھیں۔ کہنے لگا! آپ وہ نہیں ہیں جن کے بارے میں یہود نے صفتیں بیان کی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عامر! تو جھوٹ بول رہا ہے۔ ابو عامر نے کہا میں جھوٹ نہیں بول رہا ''آپ دروغ فرما رہے ہیں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والے کو بیکس وناچار مسافرت کی حالت میں ہلاک کرے۔ چنانچہ اس کے بعد ابو عامر مکہ کی طرف لوٹ گیا اور قریش کے دین کی پیروی کرنے لگا۔ اس نے سابقہ طریقہ رہبانیت کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد وہ ملک شام جاتے ہوئے یکہ وتنہا بیکسی وناچاری اور مسافرت کی حالت میں حضور ﷺ کی بد دعا کے موجب مر گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق وہدایت نہ ہو علم ودانش کام نہیں آتا وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اسی ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہ تھے جنہیں ''غسیل ملائکہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ حضور ﷺ کی

بارگاہ میں حاضر ہوئے۔اور ایمان لائے۔اور ان کا اکابر صحابہ کرام میں شمار ہوا۔ان کے ''غسیل ملائکہ'' ہونے کا مشہور قصہ ہے۔چنانچہ ابن حبان اپنی ''صحیح'' میں اور حاکم ''مستدرک'' میں برشرط شیخین بیان کرتے ہیں کہ یہ نئے شادی شدہ تھے بلکہ اسی روز شادی کر کے اپنی بیوی سے ہمبستر ہو کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک روز احد کفار سے جنگ کی شدت کا غلغلہ سنا بے چین ہو گئے۔غسل جنابت کرنے کی بھی فرصت نہ پائی باہر نکل کر کفار سے مصروف پیکار ہو گئے۔یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔پھر حضورِ اکرم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔فرمایا کہ حنظلہ حقیقت حال کیا ہے اور کس سبب سے ان کو شہدا کے درمیان خاص طور پر فرشتے غسل دے رہے ہیں۔(کیونکہ مسئلہ ہے کہ شہید جب میدان جنگ میں قتل ہو جائے تو اسے نہ تو غسل دیا جائے گا اور نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے۔اور یہاں تو انہیں فرشتے غسل دے رہے ہیں؟)اور ایک روایت میں تصریح ہے کہ فرمایا وہ جنبی تھے اور اپنی بیوی کے پاس سے اسی طرح اٹھ کر چل دئے تھے۔اور جب ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا تو اس نے یہی حقیقت حال بیان کی۔اسی بنا پر امام اعظم ابوحنیفہ جنبی شہید کو غسل دینے کا حکم فرماتے ہیں لیکن صاحبین اور امام شافعی رحمتہ اللہ اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غسل جو جنابت کی وجہ سے فرض تھا وہ تکلیف کے دائرے سے نکلنے کے بعد ساقط ہو گیا اور وہ غسل جو موت کے سبب لازم ہوتا ہے اسے شہادت نے ساقط کر دیا۔اب اس پر کون سا غسل واجب ہے۔امام اعظم رحمتہ اللہ اپنی دلیل میں حضرت حنظلہ کے اسی قصے کو لاتے ہیں۔اور حضور کے اس ارشاد کو جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وہ جنبی تھے دلیل میں پیش کرتے ہیں۔اب ہم توریت' انجیل' زبور اور صحف آدم و ابراہیم وغیرہم علیہم السلام سے وہ خبریں نقل کرتے ہیں جو حضورِ اکرم ﷺ کے اوصاف میں ہیں۔

توریت وانجیل وغیرہ سے بشارتیں: **وصل:** مخفی نہ رہنا چاہیے کہ قرآن کریم کی اس خبر کے بعد کہ ان کتابوں میں حضورِ اکرم ﷺ کے احوال شریف اور آپ کی صفتیں موجود ہیں۔اس مدعا کے ثبوت میں کسی مزید دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔لیکن ان دشمن خدا کافروں کی الزام تراشی سے بچنے کے لیے ان کا لانا ضروری ہے۔اور اس سے مسلمانوں میں اطمینان کی زیادتی اور نورانیت ویقین پیدا ہوگا۔لیکن توریت میں حذف وتحریف' تغیر وتبدل اور ان خیانتوں کے بعد بھی جو ان بدبختوں نے اس امانت کی ادائیگی میں کی ہے۔موجود ہے کہ ''حق تعالیٰ نے سینا سے تجلی فرمائی اور ساغیر سے ظاہر ہوا اور فاران سے آشکارا ہوا''۔

''سینا'' اس پہاڑی کو کہتے ہیں جس کو طور سینا اور طور سینیں کہتے ہیں۔حق تعالیٰ نے اس پر تجلی فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اس پر ان کی نبوت ظاہر ہوئی۔ساغیر سے ان پر انجیل نازل ہوئی ''فاران'' عبرانی نام ہے اور مکہ مکرمہ میں بنی ہاشم کی ان پہاڑیوں کو کہتے ہیں جن میں سے ایک پہاڑی پر حضورِ اکرم ﷺ اظہار نبوت سے قبل عبادت فرماتے تھے۔اور اسی پہاڑی پر سب سے پہلے خدا کی وحی نازل ہوئی۔یہ تین پہاڑ ہیں۔ایک جبل ابوقبیس ہے جس کے نیچے مکہ مکرمہ کی آبادی ہے۔اس کے مقابل جبل قیقعان بطن وادی تک ہے اور اس کے مشرق جانب جبل قیقعان کے متصل شعب بنی ہاشم ہے۔اور اسی شعب میں حضورِ اکرم ﷺ کی جائے ولادت ہے۔

اور ابن قتیبہ جو کہ علمائے امت میں سے ہیں۔جنہوں نے کتب سابقہ پڑھی اور ترجمہ کی ہیں۔وہ ''اعلام النبوۃ'' میں فرماتے ہیں کہ اس جگہ ہر اس شخص کو جو ذرا بھی اس میں غور وفکر کرے کوئی دشواری نہ ہوگی۔اس لیے کہ جیسا کہ حقیقت الامر ہے کہ حق تعالیٰ کا طور سینا پر تجلی فرمانے کا مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت کا نازل فرمانا ہے۔اور جبل ساغیر سے اس کا ظہور فرمانے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نازل فرمانا ہے۔چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارض خلیل کے جبل ساغیر میں (جسے ناصرہ کہتے ہیں) سکونت واقامت فرماتے تھے۔اور اسی بنا پر ان کے پیروکاروں کا نام نصاریٰ رکھا گیا۔اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ساغیر سے حق تعالیٰ کا ظہور فرمانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نازل فرمانا مراد ہے تو فاران کی پہاڑیوں پر سے طلوع وآشکارا ہونے سے حضورِ اکرم ﷺ پر قرآن

کریم کا نازل ہونا مراد ہے۔اس بارے میں مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان کوئی اختلاف بھی نہیں ہے کہ فاران مکہ کی پہاڑیوں ہی کا نام ہے۔اور اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ فاران مکہ کے سوا پہاڑوں کا نام ہے تو یہ ان کا بہتان اور افتراء ہوگا۔اور اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ پھر ہمیں وہ دوسرا مقام بتاؤ جہاں خدا آشکارا ہوا ہو۔اور اس جگہ کا نام بھی فاران ہی ہو۔اور وہاں کسی نبی کی بعثت ہوئی ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس نبی پر خدا نے کتاب نازل فرمائی ہو۔اور ہمیں وہ دین دکھاؤ جو ظہور وانکشاف میں دین اسلام کی مانند ظاہر ومنکشف اور آشکارا ہو۔کیا تم جانتے نہیں کہ مشرق اور مغرب میں کوئی دین بھی اتنا آشکارا اور ظاہر نہیں ہوا جتنا کہ جہان بھر میں دین اسلام آشکارا اور ظاہر ہوا۔

تو ریت کی دوسری بشارت: نیز توریت میں یہ بھی موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ''سفر فامس'' میں یہ خطاب فرمایا کہ تمہارا رب بنی اسرائیل کے لیے تمہارے برادروں میں سے (اور ایک روایت میں ہے ان کے برداروں میں سے' نبی پیدا کر کے مبعوث فرمائے گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام رکھے ہوگا پھر وہ ان کے لیے وہی فرمائے گا۔جن کا میں حکم دوں گا۔اور جو کوئی ان کے ارشاد کی اطاعت وتعمیل نہ کرے گا میں اسے سزا دوں گا''۔

اس کلام توریت کی دلالت' سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر واضح ہے۔اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل' حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔اور ان کے بھائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اگر یہ نبی موعود' ابناء اسحٰق علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ہے تو وہ انہیں میں سے ہوں گے نہ کہ ان کے بھائیوں میں سے۔اور اگر وہ یہ کہیں بنی اسرائیل' بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔اس بنا پر اخوت کا اطلاق درست ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس طرح تم توریت کو جھٹلا رہے ہو اس لیے کہ توریت میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند قائم نہ ہوا۔اور توریت کے ایک اور ترجمہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی مانند بنی اسرائیل میں کبھی بھی کوئی قائم نہ ہوگا۔لہٰذا بعض یہودیوں کا یہ قول باطل ہوگیا کہ اس نبی موعود سے حضرت ''یوشع بن نون'' مراد ہیں۔اس لیے کہ حضرت یوشع' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نہ کفو تھے اور نہ ان کی مثل۔ بلکہ ان کی حیات میں ان کے خادم تھے۔اور وفات کے بعد ان کی دعوت کو مؤکد ومؤید کیا تھا۔چنانچہ ثابت ہوگیا کہ اس نبی موعود سے سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کفو ومثل ہیں۔اور یہ کہ آپ اقامت دعوت حق' تحدی معجزہ' تشریع احکام اور اجراء نسخ بر شرائع سابقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مماثل ہیں۔اور بجائے خود یہ بات بکثرت دلائل سے روشن ہے کہ نبی موعود اور نبی آخر الزماں حضور اکرم سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

فرماتے ہیں کہ توریت کا یہ فرمان کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں اپنا کلام ان کے منہ میں رکھوں گا''۔اس سے مقصود اور معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے کلام کی وحی ان کی طرف کریں گے اور وہ اس کلام وحی سے وہی خطاب فرمائیں گے جو انہوں نے سنا ہوگا۔اور ان کی طرف کوئی لکھا ہوا صحیفہ یا الواح نہیں اتاروں گا اس لیے کہ وہ اُمی ہیں لکھا ہوا نہ پڑھیں گے۔

انجیل کی بشارتیں: انجیل میں حضور انور ﷺ کی بشارت ہونے کے سلسلے میں ابن ظفر یل نے بیان کیا ہے کہ یوحنا جو حضرت عیسیٰ کا حواری تھا وہ اپنی انجیل میں حضرت مسیح کے حوالہ سے بتاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں اپنے باپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں دوسرا ''فارقلیط'' عنایت فرمائے جو تمہارے ساتھ تا ابد ثابت وقائم رہے۔وہ روح حق ہے۔اور وہ تمہیں ہر چیز سکھائے گا۔اور فرمایا بیٹا جانے والا ہے۔(اس سے کنایتہ اپنی ذات مراد لی ہے۔) کیونکہ اب اس کے بعد فارقلیط آنے والا ہے۔جو تمہارے بھیدوں کو زندہ کر کے ہر چیز کو بدل دے گا۔اور وہ میری

گواہی دیں گے۔جیسا کہ میں ان کی گواہی دے رہا ہوں۔میں تمہارے لیے ''امثال'' لایا ہوں اور وہ اس کی تاویل (یعنی تفسیر وتشریح) لائے گا۔(اس تاویل سے مراد قرآن ہے جو کہ محتمل تاویلات اور معانی کثیرہ کا حامل ہے بخلاف دیگر آسمانی کتابوں کے)اور دوسرا فارقلیط ایسا ہوگا جسے سارے جہان میں کوئی بھی توڑنے کی طاقت نہ رکھے گا۔اگر تم میری دعوت مانتے ہو اور مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری اس وصیت کو یاد رکھنا۔میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں فارقلیط عنایت فرمائے۔جو آخر زمانہ تک تمہارے ساتھ رہے''۔

اس میں اس کی وضاحت وصراحت ہے کہ حق تعالیٰ ان کی طرف کسی ایسے کو بھیجے گا جو حق تعالیٰ کی رسالت تبلیغ میں اور خلق کی سیاست اس کے مقام میں قائم فرمائے گا۔اور اس کی شریعت باقی اور تا ابد یعنی جب تک زمانہ قائم ہے رہے گی۔آیا ہے کوئی ایسا؟ بجز سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے۔

فارقلیط کی تفسیر میں نصاریٰ اختلاف کرتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ فارقلیط کے معنی حامد یعنی حمد کرنے والے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ بمعنی مخلص ہے۔اگر ہم مخلص کے معنی میں ان کی تائید کریں تو مخلص ایسا رسول ہوگا جو سارے جہان کی خلاصی اور رستگاری کے لیے تشریف لائے۔اور یہ تفسیر ہماری منشاء کے موافق ہے اس لیے کہ ہر نبی کفر سے امت کو نجات دلانے والا ہوتا ہے۔اور ان معنٰی میں انجیل میں حضرت مسیح کا قول شاہد ہے کہ ''میں لوگوں کو نجات دینے کے لیے آیا ہوں''۔جب ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح نے اپنی توصیف ''لوگوں کا نجات دہندہ'' فرمائی ہے تب انہوں نے باپ سے استدعا کی کہ دوسرا فارقلیط یعنی نجات دہندہ عنایت فرمائے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ایک فارقلیط تو گزر گیا اب دوسرا فارقلیط آتا ہے۔

اگر ہم بطریق تنزل یہ تسلیم کرلیں کہ ''فارقلیط'' کے معنی حامد کے ہیں تو یہ لفظ ''احمد'' سے کتنا زیادہ قریب ہے۔اسی بنا پر ابن ظفر نے کہا ہے کہ انجیل میں جس چیز کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ فارقلیط رسول ہے اس لیے آپ نے فرمایا کہ جو کلام مجھ سے تم سنتے ہو وہ میرا نہیں ہے بلکہ وہ باپ کا کلام ہے۔جو مجھ پر تمہارے لیے نازل فرمایا گیا ہے۔اور وہ ''فارقلیط'' جو روح القدس ہے باپ اسے میرے نام سے بھیجے گا تا کہ وہ تمہیں ہر چیز کی تعلیم دے۔اور تمہیں یاد دلائے اور نصیحت فرمائے جیسا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں'' لہٰذا کیا اس سے زیادہ واضح تر کوئی بیان ہے؟ کہ ''فارقلیط'' وہ رسول ہے جسے حق تعالیٰ بھیجے گا۔اور وہ خدا کی مخلوق کو ہر چیز کی تعلیم دے گا۔وہ انہیں وعظ ونصیحت فرمائے گا۔لیکن اس جگہ ''باپ'' کا بولنا معرف اور بدلا ہوا لفظ ہے۔اور اہل کتاب اس لفظ کے استعمال سے نا آشنا نہیں ہیں کہ یہ پروردگار سبحانہ وتعالیٰ کی جانب اشارہ ہے کیونکہ یہ تعظیم کا لفظ ہے۔اور اس لفظ سے شاگرد استاد کو مخاطب اور اس سے اپنے علم میں استمداد کرتا ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ نصاریٰ اپنے علمائے دین کو روحانی باپ سے مخاطب کرتے ہیں۔اور یہ کہ بنی اسرائیل اور بنی اعیض اپنے آپ کو ''نَحْنُ اَبْنَاءُ اللهِ'' کہتے ہیں۔یعنی ہم اللہ کے بیٹے ہیں۔اس وجہ سے وہ اپنے تئیں بدگمانی میں ڈالے ہوئے تھے۔

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ باپ اسے (فارقلیط) کو میرے نام سے بھیجے گا۔اس میں سیّد عالم محمد مصطفےٰ ﷺ کی رسالت وصدقت پر شہادت موجود ہے۔اور وہ آیات قرآنیہ جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مدح وتعریف اور اس پاکی وتنزیہہ کے سلسلے میں قرآن میں مذکور ہیں جن کے لیے بنی اسرائیل افتراء کرتے تھے ان کی طرف اشارہ ہے۔

انجیل کے ایک اور ترجمہ میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ

''فارقلیط نہیں آئے گا جب تک میں نہ جاؤں اور جب فارقلیط آئے گا تو جہان کو غلطی وخطا پر سرزنش وتوبیخ کرے گا۔اور وہ اپنے پاس سے کوئی بات نہیں فرمائے گا وہی فرمائے گا جو خدا سے سنے گا۔اور حق وصداقت کے ساتھ لوگوں کی سیاست

فرمائے گا اور حوادث کی ان کو خبریں دے گا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ وہی بات کرے گا جو کچھ خدا سے سنے گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے بھیجا ہے"۔

جیسا کہ قرآن کریم نے حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا: **وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى** یعنی وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے وہی فرماتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا "وہ (یعنی فارقلیط) میری بزرگی وعظمت بیان کرے گا اور میری نشانیوں کو معظم جانے گا"۔

اور یہ حقیقت واقعیہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی جتنی عظمت و بزرگی حضور سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے کسی نے بھی ایسی بیان نہ کی۔ حضور نے ان کے وصف رسالت کو بیان فرمایا اور ان کو ان چیزوں سے پاک ومنزہ بتایا۔ جن کو ان کی امت نے ان کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔

یہ تمام صفات حضورِ اکرم ﷺ کی ہیں۔ وہ کون ہے جس نے بنی اسرائیل کے علماء کو حق چھپانے اپنی جگہ سے کلمات ربانی کی تحریف کرنے اور تھوڑے داموں پر دین کو فروخت کرنے پر توبیخ فرمائی؟ اور وہ کون ہے جس نے حوادث کی اور غیبی حالات کی خبریں دی ہیں؟ بجز سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے۔

انجیل میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرو اور ان پر ایمان لاؤ۔ اور اپنی امت سے فرما دو کہ ہر وہ شخص جو آپ کا زمانہ پائے وہ آپ پر ایمان لائے"

اے فرزند بتول! تم جان لو کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم جنت اور دوزخ کسی کو بھی پیدا نہ فرماتا۔ اور جب میں عرش کو عالم وجود میں لایا تو وہ کانپتا تھا اسے قرار نہ تھا پھر میں نے عرش پر لکھا "**لا اله الا محمد رسول الله**" تو وہ ساکن ہو گیا۔

مواہب لدنیہ میں بیہقی سے بروایت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ جب جارود نصرانی حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا تو اس نے کہا کہ "اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بلا شبہ میں نے انجیل میں آپ کا وصف پڑھا ہے اور فرزند بتول نے آپ کی بشارت دی ہے۔ بیہقی دلائل النبوۃ میں از ابوامامہ باہلی از ہشام بن العاص اموی نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اور دیگر چند آدمیوں کو ہرقل قیصر روم کی طرف بھیجا گیا۔ تا کہ میں اسے دعوت اسلام دوں پھر پوری حدیث بیان کی اور کہا کہ ایک رات ہرقل نے ہمیں اپنے پاس بلایا ہم اس کے پاس گئے تو اس نے ایک بڑا زرنگار صندوق منگوایا جس میں چھوٹے چھوٹے خانے تھے۔ اور ہر خانہ کا دہانہ چھوٹا تھا۔ پھر اس نے اس صندوق کو کھولا اور ایک سیاہ رنگ کا ریشم کا پارچہ نکال کر پھیلا دیا۔ اس میں ایک تصویر نظر آئی جس کی آنکھیں بڑی بڑی سرین بھاری' گردن دراز اور گیسو گندھے ہوئے تھے۔ یہ خدا کی بہترین مخلوق کا پیکر تھا۔ اس نے پوچھا تم اس تصویر کو پہچانتے ہو۔ ہم نے کہا ہم نہیں پہچانتے۔ کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے دوسرا خانہ کھولا اور سیاہ رنگ کا رشیم کا پارچہ نکال کر پھیلایا تو اس میں سفید پیکر میں بڑی بڑی آنکھیں اور سر وحسین داڑھی والی تصویر نظر آئی۔ اس نے پوچھا تم انہیں پہچانتے ہو۔ ہم نے کہا نہیں۔ اس نے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی شبیہہ ہے۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا اور ایک ریشم کا پارچہ نکال کر پھیلایا تو اس میں ایک حسین شبیہہ سفید چہرے والی نظر آئی گویا بذات خود رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں اس نے پوچھا ان کو پہچانتے ہو ہم نے کہا ہاں! یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پھر ہم رونے لگے اور ہرقل کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا کیا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں۔ اس شبیہہ کو دیکھنے کے بعد گویا تم نے خاص انھیں کو دیکھ لیا۔ اس کے بعد ہرقل بہت دیر تک اس شبیہہ کو

دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا خدا کی قسم! یہ آخری نبی ہیں لیکن میں نے جلدی کی تا کہ تمہارے علم کو میں پا سکوں۔ ورنہ اس صندوق میں حضرت ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور سلیمان علیہم السلام وغیرہ کی صورتیں بھی ہیں۔ میں نے پوچھا تمہیں یہ صورتیں کہاں سے حاصل ہوئیں؟ اس نے کہا حضرت آدم علیہ السلام نے خدا سے درخواست کی تھی کہ تمام انبیاء اور ان کی اولاد کو دکھا دے تو حق تعالیٰ نے یہ صورتیں ان کے پاس بھیجیں۔ یہ سورج کے غائب ہونے کی جگہ حضرت آدم کے خزانہ میں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت ذوالقرنین نے مغرب شمس سے انھیں نکالا اور حضرت دانیال کے سپرد فرمایا۔

زبور کی بشارتیں: ''زبور کے چوالیس ویں باب میں حق تعالیٰ نبی آخر الزماں ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: فَاضَتِ النِّعْمَةُ مِنْ شَفَتَيْكَ آپ کے دونوں ہونٹوں سے دنیا و آخرت کی نعمتیں فائض ہیں مِنْ اَجَلِ هٰذَا بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اِلَى الْاَبَدَ اس کے لیے حق تعالیٰ نے آپ کو ابد تک برکت دی''۔

لفظ فائض فیض سے بنا ہے۔ اور صراح میں فیض کے معنی خبر کا پھیل جانا' پانی کا کثرت سے ہونا' ندی میں لباب ہو کر پانی کا بہنا اور پانی کا بہانا ہے۔ اور حدیث مستفیض کے معنی ہیں حدیث کا بہت زیادہ پھیل جانا۔ اور فیاض کے معنی جوانمرد اور بہت زیادہ بخشش کرنے والے کے ہیں۔

تَقَلَّدِيْ اَيُّهَا الْجَبَّارَ السَّيْفَ یعنی اے بزرگ اپنی شمشیر کو گردن میں حمائل کر و شکستہ بندوں کے کام سنوارو۔

(جبار ایسے بلند درخت کو کہتے ہیں جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچے۔ نخلہ جبارہ کے معنی ہیں کھجور کا بہت اونچا درخت) فَاِنَّ شَرَائِعَكَ وَسُنَّتِكَ مَقْرُوْنَةٌ بِهَيْبَةِ يَمِيْنِكَ. یعنی بلاشبہ آپ کی شریعت و حکمت اور آپ کی سنت آپ کے داہنے ہاتھ کی بزرگی کے ساتھ پیوست ہیں سَهَامُكَ مَسْنُوْنَةٌ اور آپ کے تیر تیز کیے ہوئے ہیں۔ وَجَمِيْعُ الْاُمَمِ يَخِرُّوْنَ تَحْتَكَ. اور ساری امتیں آپ کے تحت سرنگوں اور خمیدہ ہیں''۔

اس فرمودہ سے مراد سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور وہ نعمت جو آپ کے دونوں لبہائے شیریں سے رواں ہے وہ کلام ہے جو آپ فرماتے ہیں اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جو آپ پر نازل کی گئی ہے۔ اور سنت سے وہ عمل مراد ہے جسے آپ نے کیا ہے۔ اور ''گردن میں اپنی تلوار کا حمائل کرنا'' یہ قول دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی آخر الزماں عربی ہیں کیونکہ عرب کے ماسوا کسی امت میں تلوار گردن میں حمائل نہیں کی جاتی۔ گردن میں تلوار کا حمائل کرنا اہل عرب سے مخصوص ہے اور یہ کہ آپ کی شریعت اور آپ کی سنت آپ کے داہنے ہاتھ کی بزرگی کے ساتھ پیوست ہے۔'' یہ نص صریح ہے کہ آپ صاحب شریعت و سنت ہیں تو وہ نبی اپنی تلوار کے ساتھ مبعوث ہوتا ہے اور لوگوں کو تلوار سے درست کر کے حق پر مستحکم کرتا ہے۔ اور ان کو تلوار کے ذریعہ کفر سے نکالتا ہے۔ ﷺ۔ نیز زبور میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں تضرع و زاری کے ساتھ مناجات کی کہ

''اے رب! سنت کے ظاہر کرنے والے کو بھیج تا کہ لوگ جان لیں کہ مسیح بشر ہیں''۔

یہ خبریں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضور سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ان کے حال کے اظہار میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے خدا! محمد ﷺ کو بھیج تا کہ لوگوں کو معلوم کرائیں اور وہ پڑھیں کہ حضرت مسیح بشر ہیں الٰہ یعنی خدا نہیں ہیں گویا حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ لوگ حضرت مسیح کے بارے میں دعوئے الوہیت کریں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا حضور ﷺ کے ذکر و بیان کے سلسلے میں مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے (اس نبی آخر الزماں) کو راستی و درستی اور کردار و گفتار میں برگزیدہ فرمایا ہے۔ اور انہیں اور ان کی امت کو بزرگی و کرامت عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فیروزمندی

عطا فرمائی ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کو ایسی کرامت مرحمت فرمائی ہے کہ وہ خواب گاہوں میں خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔اور بلند آوازوں سے تکبیر کہتے ہیں۔ان کے ہاتھوں میں تیز تلواریں ہیں تا کہ وہ خدا کی طرف سے ان لوگوں سے بدلہ لیں جو خدا کی عبادت نہیں کرتے اور اس زمانے کے بادشاہوں کو مقید کرتے اور ان کے عزت داروں کے گلے میں طوق ڈالتے ہیں۔''

ایک اور بات زبور میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ''صیہون'' سے (صیہون سے مراد مکہ مکرمہ ہے) تاج مرصع محمود کا ظاہر ہونا مقرر فرمایا ہے۔تاج سے مراد عطا کردہ ریاست و امامت اور محمود سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

ایک اور میں ہے کہ ''وہ مالک ہوگا۔اور جود وسخا کرے گا۔دریا سے دریا تک اور نہروں سے زمین کے آخری کنارے تک اور ان کے روبرو اپنے زانوؤں پر اہل جزائر بیٹھیں گے۔ان کے سب دشمن مٹی کو اپنی زبان سے چاٹیں گے۔سلاطین زمانہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور سر کو زمین پر رکھتے ہوئے حاضر ہوں گے۔اور ان کی امت کی فرماں برداری پر وہ عجز و انکسار کریں گے۔اور گردن جھکانے سے انہیں نجات دے گا۔وہ نبی غمزدہ ستم رسیدہ لوگوں کو اس شخص سے جو اس سے بہت زیادہ قوی ہوگا رہائی عطا فرمائے گا۔اور ہر کمزور و ناتواں کو جس کا کوئی مددگار نہ ہو وہ مدد فرمائے گا۔اور ضعفاء و مساکین پر مہربانی کرے گا۔اور ان پر ہر وقت درود بھیجا جاتا رہے گا اور ان کے لیے ہمہ وقت دعائیں کی جاتی رہیں گی۔اور ابد الآباد تک ہمیشہ ہمیشہ ان کے ذکر کا چرچا رہے گا''۔ ﷺ

صحائف انبیاء میں ذکر جمیل: وصل: جس طرح کتب ثلاثہ یعنی توریت' انجیل اور زبور میں سیّد عالم ﷺ کے اوصاف مذکور ہیں اسی طرح ہر نبی کے صحیفوں میں بھی آپ کے اوصاف مذکور و مسطور ہیں۔یہاں تک کہ ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام کے صحیفے میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ

''میں مکہ کا خداوند ہوں۔اس کے رہنے والے میرے ہمسایہ ہیں اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والے اور وہاں تک پہنچنے والے میرے مہمان ہیں۔اور وہ میری عنایت و حمایت کی پناہ اور سایہ میں ہیں اور میری حفاظت و رعایت میں ہیں اور زمین و آسمان والوں سے اسے معمور کروں گا اور جوق در جوق جماعتیں بکھرے ہوئے اور گرد آلود بالوں سے لبیک پکارتے' تکبیر بلند آواز سے کرتے۔آنکھوں سے آنسو بہاتے آئیں گے۔اور جو بھی اس خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے گا اس کا مقصود بیت اللہ کی زیارت اور میری خوشنودی و رضا کے سوا کچھ نہ ہوگا۔کیونکہ میں ہی صاحب خانہ ہوں' گویا کہ ایسا ہوگا کہ اس نے میری ہی زیارت کی وہ میرا مہمان ہوگا۔اور میرے کرم کے لائق و مستحق ہونے کا یہ مطلب ہے کہ میں اس کی تکریم کروں گا اور محروم نہ چھوڑوں گا۔اور اس خانہ کعبہ کا انتظام تیرے فرزندوں میں سے اس نبی کے سپرد کروں گا۔جسے ابراہیم کہیں گے۔اس کے ذریعہ خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اونچا کراؤں گا اور اس کے ہاتھ سے اسے تعمیر کراؤں گا۔اور اس کے لیے زمزم کا چشمہ نکالوں گا۔اور اس کی حرمت و حل اس کی میراث میں دوں گا۔اور اس کے مشاعر کو اس کے ہاتھ سے آشکارا کروں گا۔(مشاعر سے مراد مشعر الحرام اور نشانات ہیں) پھر حضرت ابراہیم کے بعد ہر زمانہ میں لوگ اسے آباد رکھیں گے۔اور اس کی طرف قصد و ارادہ رکھیں گے۔یہاں تک کہ نوبت بہ نوبت تیرے فرزندوں میں سے اس نبی تک پہنچے گی جسے محمد ﷺ کہیں گے۔وہ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہوں گے۔اور اسی نبی کو میں اس کے گھر کے رہنے والوں' منتظموں' متولیوں اور حاجیوں میں بزرگ تر بناؤں گا۔جو بھی میرا متلاشی اور میرا چاہنے والا ہو۔اسے لازم ہے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ ہو۔جن کے بال بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں جو خدا کے حضور اپنی منتوں اور نذروں کو پورا کرتے ہیں۔

صحیفہ ابراہیم میں ذکر جمیل: حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ کے صحیفہ میں ہے کہ ''اے ابراہیم میں نے تمہاری دعا تمہارے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں قبول فرمائی ہے۔میں نے ان پر اور ان کی اولاد پر برکتیں جاری فرمائیں۔اور

ان میں سے ایک ایسا فرزند عالم وجود میں لاؤں گا جو معظم و مکرم ہوگا۔ جن کا اسم گرامی محمد ﷺ ہوگا۔ وہ میرے برگزیدہ اور مبعوث شدہ ہوں گے۔ اوران کی امت بہترین امت ہوگی۔''

کتاب حبقوق میں ذکر جمیل: حضرت حبقوق ایک نبی تھے جو حضرت دانیال نبی کے ہم زمانہ تھے۔ (علیہما السلام) ان کی کتاب میں مذکور ہے کہ

جَآءَ اللّٰهُ مِنَ التَّيْمُنِ وَالتَّقْدِيْسِ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ وَامْتَلَاتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْمِيْدِ اَحْمَدَ وَتَقْدِيْسِهٖ وَمَلَكَ الْاَرْضَ وَرِقَابَ الْاُمَمِ. لَقَدِ انْكَشَفَتِ السَّمَآءُ مِنْ بَهَاءِ مُحَمَّدٍ وَّامْتَلَاتِ الْاَرْضُ مِنْ حَمْدِهٖ

اللہ تعالیٰ نے برکت و پاکی کے ساتھ فاران کے پہاڑوں پر جلوہ فرمایا اور زمین کو احمد کی مدحت وثنا اور اس کی تقدیس سے بھر دیا جو کہ زمین اور امتوں کی گردنوں کا مالک ہے۔ بلاشبہ محمد ﷺ کی خوبیوں سے آسمان مجلّی ہوا اور اس کی مدحت سے لبریز ہوگئی۔

اور یہ بھی آیا ہے کہ:

يُضِئُ بِنُوْرِهِ الْاَرْضُ وَيَحْمِلُ خَيْلُهٗ فِى الْبَحْرِ.

ان کے نور سے زمین روشن ہوگئی اور ان کے گھوڑے سمندر میں دوڑیں گے۔

اور حضرت حبقوق کے کلام میں یہ بھی ہے کہ:

ضَنَزَعَ فِىْ فِيْكَ اِغْرَاقًا وَتَرْتَوِىْ السِّهَامُ بِاَمْرِكَ يَا مُحَمَّدُ اَرْتِوَاءً.

بہت جلد آپ کے کمان میں سخت تیر کھینچے جائیں گے۔ اور خوب سیراب ہوں گے تیر آپ کے حکم سے۔

یہ عبارت حکم میں مبالغہ اور کام کے انجام کی انتہا تک پہنچنے کی طرف کنایہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں دین وملت کے کام کمال واتمام تک پہنچیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ الخ

یعنی میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمتیں تمام فرما دیں۔

حضرت دہب بن منبہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہے کہ حق تعالیٰ یہ قسم ارشاد فرماتا ہے:

''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میں عرب کے پہاڑوں پر اپنے نور کو نازل فرماؤں گا جس سے مشرق ومغرب کا درمیان نور سے پرنور ہو جائے گا۔ اور اولاد اسمٰعیل میں سے ایک نبی عربی وامی پیدا فرماؤں گا جس پر آسمان کے ستاروں کی گنتی اور زمین پر جتنی روئیدگی ہے ان کے برابر لوگ ایمان لائیں گے۔ اور میری ربوبیت اور اس کی رسالت پر سب ایمان لائیں گے۔ اور اپنے باپ دادا کی ملتوں سے نفرت کرتے ہوئے نکلیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا پاکی ہے تجھے اور تیرے اسماء پاک ہیں۔ بلاشبہ تو نے اس نبی آخرالزماں کو بڑی ہی عزت وشرافت سے نوازا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ آیا۔ میں دنیا وآخرت میں اس کے دشمنوں سے انتقام وبدلہ لوں گا۔ اور تمام دعوتوں پر ان کی دعوت کو ظاہر وغالب کروں گا۔ جو ان کی شریعت کی مخالفت کرے گا میں اسے ذلیل وخوار کروں گا۔ وہ شریعت ایسی ہے جسے عدل سے آراستہ کیا ہے۔ اور عدل وانصاف کے قیام کے لیے ہی اس شریعت کو لاؤں گا۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت کی' میں تمام امتوں کو ان کے وسیلہ سے آتش دوزخ سے نجات دوں گا۔ اور دنیا کا آغاز میں نے ابراہیم سے کیا اور محمد ﷺ پر اسے ختم کروں گا اب جو کوئی ان کا زمانہ پائے اور ان پر ایمان نہ لائے اور ان کی شریعت کی پیروی نہ کرے تو اس سے خدا بیزار ہے''۔

صحیفہ شعیا علیہ السلام میں ذکر جمیل: وصل: حضرت شعیاء علیہ السلام کے صحیفوں میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اس طرح مذکور ہے کہ ''حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ بندہ میرا محبوب ہے کہ میں اس سے خوش ہوتا ہوں وہ میرا مختار ہے کہ وہ مجھ سے خوش ہوتا ہے۔ میں اس پر اپنی روح کا افاضہ کرتا ہوں اور فرمایا۔ میں اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہوں تو امتوں پر اس کا عدل ظاہر ہوتا ہے وہ ایسا بندہ ہے جو قہقہہ نہیں لگاتا۔ اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنی جاتی ہے۔ وہ بندہ اندھی آنکھوں کو بینائی بخشتا' بہرے کانوں کو کھولتا اور مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ میں اس کو وہ دوں گا جو میں نے کسی کو نہیں دیا۔ وہ بندہ احمد ہے کہ وہ اپنے رب کی تازہ حمد بجالاتا ہے۔ کوئی اسے کمزور نہ کر سکے گا اور نہ اسے مغلوب بنا سکے گا۔ وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا اور وہ نیکوکار' صلحاء جو کلک کی مانند کمزور و ناتواں ہیں ان کو وہ ذلیل وخوار نہیں جانتا۔ وہ صدیقوں کو قوی بناتا ہے وہ تواضع وانکساری کرنے والوں کا رکن ہے وہ خدا کا نور ہے جسے ہرگز کوئی نہ بجھا سکے گا۔ اس کے ذریعہ میری حجت' ثابت وبرقرار ہوتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ عذر منقطع ہوتا ہے اور اس کی توریت یعنی تلاوت قرآن سے جن وانس اطاعت گزار بنتے ہیں۔ (اس جگہ توریت سے مراد اس کتاب کی تلاوت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کا قائم مقام ہے یعنی قرآن پاک) نیز حضرت شعیاء نبی علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

> ''اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ خدا ہوں جس نے تمہیں حق کے ساتھ عظیم وقوی بنایا اور تمہیں ایسا نور بنایا جس سے تم امتوں کی اندھی آنکھوں کو بصارت عطا فرماؤ گے۔ اور تم ایسی دلیل ہو جس سے تم نفس وہوا کے قیدیوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے جاؤ گے۔''

نیز حضرت شعیاء علیہ السلام کی کتاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا:

> ''اے شعیاء اٹھ اور دیکھ اور جو کچھ نظر آئے اس کی لوگوں کو خبر دے تو میں اٹھا اور دیکھا کہ دو سوار سامنے سے آرہے ہیں۔ ایک گدھے پر سوار ہے اور دوسرا اونٹ پر۔ ایک سوار دوسرے سے کہتا ہے گرا دو بابل کو اور ان بتوں کو جو انہوں نے تراش رکھے ہیں''۔

ابن قتیبہ جو کہ علماء امت میں سے ہیں اور کتب سماوی کے زبردست عالم اور محقق ہیں فرماتے ہیں کہ گدھے پر سوار ہونے والے حضرت مسیح ابن مریم علیہم السلام مراد ہیں جس پر تمام نصاریٰ کا اتفاق ہے تو لامحالہ اونٹ پر سوار شخص' حضور سیّد عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ بابل کا سقوط اور وہاں کے بتوں کی شکستگی آپ ہی کے دست مبارک سے ہوئی ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے۔ کیونکہ اقلیم بابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہمیشہ ہی وہاں کے بادشاہ بتوں کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹ پر سواری اور حضرت مسیح علیہ السلام کی گدھے پر سواری بہت زیادہ مشہور ہے۔

اور حضرت شعیاء علیہ السلام کی کتاب میں مذکور ہے کہ

> ''آل قیدار کی محلات سے جنگلوں اور شہروں کو بھر دیں گے' وہ تسبیح کریں گے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اذانیں دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان کریں گے اور بحر و بر اور ہر خشکی وتری میں خدا کی پاکی اور اس کی تسبیح کو پھیلا دیں گے۔ اور زمین کے آخری کنارہ سے غلغلئہ تکبیر بلند کرتے تیزی کے ساتھ آئیں گے اور اپنے پاؤں کو ماریں گے جس طرح گل کاری کرنے والا مٹی کو پاؤں سے گوندھتا اور کوٹتا ہے۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ محبت کے ساتھ آئیں گے اور ان کا تیزی کے ساتھ آنا۔ حج کے لیے بسرعت آنا' آواز بلند کرنا' تلبیہ یعنی لبیک کہتے ہوئے آنا۔ اور طواف میں رمل یعنی اکڑ کر چلنا مراد ہے۔ ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ آل قیدار سے مراد اہل عرب ہیں اس لیے کہ

باجماع، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پوتے کا نام قیدار ہے۔ ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیاء کی کتاب میں مکہ مکرمہ خانہ کعبہ اور حجر اسود کا بھی ذکر ہے کہ وہ حجر اسود کا استیلام یعنی بوسہ دیں گے حضرت شعیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آگاہ رہو میں صیہون یعنی مکہ مکرمہ میں اپنا گھر (بیت اللہ) بنانے والا ہوں۔ جس کے گوشہ میں حجر اسود ہے۔ اور اسے عظمت و کرامت دی گئی ہے۔ اسے بوسہ دیا جائے گا۔ اور حق تعالیٰ نے مکہ سے ارشاد فرمایا: اے عاقر (یعنی بانجھ) تو خوش ہو اور تسبیح کے ساتھ گویائی کر کہ تیرے اہل (یعنی ماننے والے) میرے اہل سے زیادہ ہوں گے۔ اپنے اہل سے مراد اہل بیت مقدس بنی اسرائیل لیا ہوگا اور مکہ کے حج و عمرہ کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔ اور یہ کہ حق تعالیٰ نے مکہ کو عاقر یعنی بانجھ سے تشبیہہ دی ہے۔ بایں وجہ کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے پہلے اس میں کوئی آباد نہ تھا۔ اور نہ وہاں کوئی کتاب ہی نازل ہوئی۔ بخلاف بیت المقدس کے کہ وہاں بکثرت انبیاء علیہم السلام ہوئے۔ اور وہ مہبط وحی رہا۔ نیز کتاب شعیاء میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مکہ سے فرمایا: قسم ہے مجھے اپنی ذات کی جیسا کہ مجھے قسم تھی حضرت نوح کے زمانہ میں کہ میں نے اہل زمیں کو طوفاں سے غرق کیا اس طرح اب تیرے لیے مجھے اپنی ذات کی قسم ہے میں تجھ سے کبھی بھی ناراض نہ ہوں گا۔ اور نہ کبھی تجھے چھوڑوں گا۔ جب تک کہ تمام پہاڑ اپنی جگہ سے نہ جائیں اور اس کے قلعے پست نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک اپنی نعمتیں تجھ سے زائل نہ کروں گا۔ اے مسکینہ تو آگاہ رہ کہ میں تیری بنیادوں کو پتھر اور گچ سے بناؤں گا۔ اور تجھے زر و جواہر سے آراستہ کروں گا۔ اور تیری چھت کو آبدار موتیوں سے اور تیرے دروازوں کو زبرجد سے سجاؤں گا۔ ظلم کو تجھ سے دور رکھا جائے گا۔ اور کسی اوزار سے جس کا بنانے والا تجھے نقصان پہنچائے اس سے خوف نہ رکھ۔ اٹھ اور روشن ہو کہ تیرے نور کے پہنچانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ خدا کی عظمت و توقیر تجھ پر ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ کے نور کے ظہور کی بشارت ہے۔ اسی طرح حرم شریف کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ بھیڑیا اور بکری ایک جگہ چریں گے۔ اور اس کی راہوں کے بارے میں ہے کہ راہوں کی عظمت و بزرگی اتنی زیادہ ہے کہ تحریر و بیان سے باہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے صفات و احوال کتب متقدمہ میں اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس میں کوئی اخفا و اشتباہ نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ اعداء دین آپ کے نام نامی کو بدل دیں یا تحریف کر دیں۔ اس کے باوجود دلائل و شواہد روشن و ظاہر ہیں۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا ہی کرتا ہے خواہ کافر کتنا ہی برا مانیں۔

صلّی اللہ علی سیدالاولین والآخرین وخاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین.

بشارات پر مشتمل چند روایات: وصل: اجمال کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر شریف گذشتہ آسمانی کتابوں میں موجود و مذکور ہے۔ اور اہل کتاب کو اس کا علم قطعی اور یقینی حاصل تھا۔ اور انہوں نے حسد و عناد اور غلبۂ شقاوت و بدنصیبی سے راہ انکار و ارتداد اور طریقہ استبعاد اختیار کر کے تحریف اور تغیر و تبدل میں مبتلا ہو گئے۔ مناسب ہوگا کہ اس جگہ ان حکایتوں اور روایتوں کا ذکر کر دیا جائے جو ان کے بغض و عناد اور حسد و ارتداد پر مشتمل ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے والد مالک بن سنان سے جو شہداء اُحد میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک دن بنی عبدالاشہل کے پاس بات چیت کی غرض سے آیا۔ ان دنوں ہم نے یہودیوں سے صلح کر رکھی تھی۔ وہاں میں نے یوشع یہودی کو کہتے سنا کہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ نزدیک آ گیا ہے۔ جس کا نام احمد ﷺ ہے۔ وہ حرم مکہ سے ظاہر ہوں گے۔ اور اس شہر یعنی مدینہ میں ہجرت کر کے آئیں گے۔ پھر میں اپنی قوم کی طرف لوٹا۔ میں نے یوشع سے جو سنا تھا اس پر تعجب کرتا تھا۔ میں نے اپنی قوم کے ایک شخص کو یہ بات سنائی اس نے کہا یہ بات تنہا یوشع ہی نہیں کہہ رہا ہے بلکہ یثرب کے تمام یہودی یہی بات کہہ رہے ہیں پھر میں

وہاں سے چل دیا۔اور بنی قریظہ (ایک قبیلہ کا نام ہے) کے یہاں آیا تو وہ سب بھی حضورِ اکرم ﷺ کا یہی تذکرہ کررہے تھے۔چنانچہ زبیر بن باطانے کہا (یہ یہود کے روساء میں سے تھا۔) بلاشبہ وہ سرخ ستارہ طلوع ہوچکا ہے۔ جو کسی نبی کے ظہور کے بغیر کبھی طلوع نہیں ہوتا۔اور کہا کہ اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے بجز احمد (مجتبےٰ ﷺ) کے اور یہ شہر یعنی یثرب ان کی ہجرت کا مقام ہے۔حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ جب حضور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو میں نے حضور سے یہ حکایت بیان کی۔حضور ﷺ نے فرمایا اگر زبیر اور اس کے ساتھی رؤسائے یہود اسلام لے آتے تو سارے یہودی مسلمان ہوجاتے۔کیونکہ وہ سب اس کے تابع تھے۔

حدیث: قتادہ سے مروی ہے کہ جب یہودی کفارِ عرب کی جنگوں میں فتح وکامیابی کی دعائیں مانگتے تھے تو اپنی دعاؤں میں کہتے تھے کہ اے خدا اس نبی اُمّی کا ظہور فرما جن کا ذکر ہم توریت میں پاتے ہیں۔تا کہ ان کافروں کو سزا دیں اور ان کے ساتھ ہوکر انہیں قتل کردیں ان کی یہ روش اس بنا پر تھی کہ ان کا گمان تھا کہ وہ نبی آخرالزماں ان کی جنس یعنی بنی اسرائیل میں سے ظاہر ہوگا اور جب ان کی جنس کے سوا یعنی بنی اسمٰعیل میں مبعوث ہوئے تو حسد کرنے لگے اور کفر وانکار کے درپے ہوگئے۔

حدیث: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ وہ مقوقس بادشاہ کے پاس گئے اس نے ان سے کہا محمد ﷺ نبی ورسول ہیں۔اگر وہ قبط (مصر) یا روم میں ہوتے تو سب ان کی پیروی کرتے۔مغیرہ کہتے ہیں اس کے بعد میں نے اسکندریہ میں اقامت اختیار کی۔اور کوئی کنیسہ (گرجا) ایسا نہ چھوڑا جہاں میں نہ گیا ہوں۔میں نے قبط وروم کے تمام اسقفوں یعنی ان کے مذہبی پیشواؤں سے پوچھا کہ جو کچھ تم نے اپنی کتابوں میں حضورِ اکرم ﷺ کی صفتیں پائی ہیں بیان کرو۔وہاں ان کا ایک بڑا اسقف یعنی مذہبی پیشوا تھا۔لوگ اس کے پاس اپنے بیماروں کو لاتے اور وہ ان کے لیے دعا کرتا۔میں نے ان سے پوچھا کہ انبیاء میں سے کوئی نبی ایسا باقی ہے جو آنے والا ہو۔اور وہ ابھی تک نہ آیا ہو۔اس نے کہا ہاں! وہ آخری نبی ہیں۔ان کے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔صرف وہی نبی ہے بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں ان کے اتباع کا حکم فرمایا ہے۔وہ نبی عربیؐ اُمی ہے ان کا نام احمد ہے نہ دراز قد ہے نہ کوتاہ قد۔اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے نہ سفید رنگ ہے نہ سیاہ رنگ ہے۔اس کے بال گچھے دار ہیں۔وہ سخت وکھردرا لباس پہنتا ہے اور کھانے میں جو مل جائے اسی پر قناعت کرتا ہے۔اس کے کندھے پر تلوار ہے اور جو بھی اس کے مقابل آئے اس سے وہ خوف نہیں کرتا۔قتال میں وہ پہل نہیں کرتا۔اس کے اصحاب ہوں گے جو اپنے آپ کو اس پر فدا کریں گے۔وہ اپنے آباء وفرزندان سے کہیں بڑھ کر ان سے محبت رکھیں گے۔ان کا ظہور اس مقام میں ہوگا' جہاں ''سلم'' کے درخت ہیں۔وہ ایک حرم سے نکلیں گے اور دوسرے حرم کی طرف ہجرت کریں گے۔وہ زمین شور سے نخلستان کی طرف ہجرت کرے گا۔اور پنڈلی کے درمیان پر تہبند پہنے گا۔اور اعضاء کے کناروں کو دھوئے گا۔(یعنی وضو کرے گا) اور اس میں ایسی خاص صفتیں ہوں گی جو کسی نبی میں نہیں ہیں۔ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوا ہے مگر وہ سارے جہاں کے لیے مبعوث ہوں گے۔اور ساری زمین اس کے لیے سجدہ گاہ بنادی جائے گی۔اور زمین کو پاک کرنے والا جہاں بھی نماز کا وقت آئے وہیں مٹی سے (اگر پانی موجود نہ ہو یا قدرت نہ ہو تو) تیمّم کر کے نماز ادا کرے گا۔پھر جب مغیرہ اس سفر سے واپس آئے تو اسلام لے آئے۔اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو جو کچھ سنا تھا اس کی خبر دی۔

حدیث: سعید بن زید سے مروی ہے کہ ان کے باپ زید بن عمرو دین کی تلاش میں نکلے تو وہ موصل میں ایک راہب کے پاس پہنچے۔راہب نے زید سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ زید نے کہا بیت ابراہیم یعنی خانہ کعبہ سے۔اس نے کہا کس جستجو میں ہو۔زید نے کہا دین کی تلاش میں ہوں۔اس نے کہا واپس ہوجاؤ۔قریب ہے کہ وہ ظاہر ہو تمہاری زمین پر۔جس کی تم تلاش میں ہو۔اس لیے زید بن عمرو بن نفیل کو زمانہ جاہلیت کا موحد کہتے ہیں۔یہ مشرکوں کے ذبح کردہ جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اور توریت کو اپنی قوم پر نہ

پڑھتے تھے۔ان کا تذکرہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔

حدیث: سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایک مرد کے جنت میں داخل کرنے کے لیے بھیجا۔اس مقولہ کا اصل قصہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ ایک روز ایک یہودی کے کنیسہ میں تشریف لے گئے وہاں ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ اپنی قوم کو توریت پڑھ کر سنا رہا ہے۔جب وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی صفت پر پہنچا تو خاموش ہوگیا اور پڑھنے سے رک گیا۔پھر وہ بیمار بچوں کی مانند بڑبڑایا اور اس نے جا کر توریت لے کر حضور ﷺ کی صفت پڑھی اور کہنے لگا یہ آپ کی صفت ہے۔اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ. اسی کلمہ پر اس نے جان دے دی۔اس کے بعد حضور نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کرو۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب طائف کے بادشاہ تبع نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور اس نے اعلان کیا تھا کہ میں شہر مدینہ کو ویران کر دونگا۔اور اس کے رہنے والوں کو اپنے اس لڑکے کے انتقام میں قتل کر ڈالوں گا جسے انہوں نے فریب اور دھوکے سے قتل کیا ہے تو اس وقت سامول یہودی نے جو اس زمانے میں یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تھا اس نے کہا اے بادشاہ! یہ وہ شہر ہے جس کی طرف نبی اسمٰعیل سے نبی آخر الزماں کی ہجرت ہوگی اور اس نبی کی جائے ولادت مکہ مکرمہ ہے اس کا اسم گرامی احمد ہے' یہ شہر اس کا دار ہجرت ہے۔اور اس کی قبر انور بھی اسی جگہ ہوگی۔تبع یوں ہی واپس ہوگیا۔

محمد بن اسحاق کتاب مغازی میں نقل کرتے ہیں کہ تبع نے نبی آخر الزماں کے لیے ایک عالیشان محل تعمیر کرایا۔تبع کے ہمراہ توریت کے چار سو علماء تھے۔جو اس کی صحبت چھوڑ کر مدنیہ منورہ میں اس آرزو میں ٹھہر گئے کہ وہ نبی آخر الزماں کی صحبت کی سعادت حاصل کریں گے۔اور تبع نے ان چار سو علماء میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک مکان بنوایا۔اور ایک ایک باندی بخشی اور ان کو مال کثیر دیا۔تبع نے ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام لانے کی شہادت دی۔اس خط میں چند شعر یہ تھے

شَهِدْتُ عَلٰى اَحْمَدَ اَنَّهٗ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِى
النَّسَمِ فَلَوْلَا عُمْرِىْ اِلٰى عُمْرِهٖ لَكُنْتُ وَزِيْرًا لَّهٗ
وَابْنَ عَمٍّ.

میں حضور احمد مجتبیٰ کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اس اللہ کی جانب سے رسول ہیں جس نے مٹی سے انسان کو پیدا کیا۔اگر میں آپ کے ظہور مبارک کے زمانہ تک زندہ رہا تو میں ان کا وزیر اور ابن عم ہوں گا۔

پھر تبع نے اپنے اس خط کو سربمہر کر کے ان چار سو علماء کے سب سے بڑے عالم کے سپرد کر دیا اور وصیت کی کہ اگر وہ نبی آخر الزماں کو پائے تو یہ خط ان کی خدمت میں پیش کر دے ورنہ اپنی اولاد در اولاد کو اس وصیت کو پہنچاتے رہنا۔وہ مکان جو خاتم الانبیاء ﷺ کے لیے بنایا گیا تھا وہ حضورِ اکرم ﷺ کے قدم رنجہ فرمانے تک موجود رہا۔کہتے ہیں کہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا وہ مکان جس میں حضور نے ہجرت کے بعد نزول اجلال فرمایا تھا وہی مکان تھا۔

روایت: بیان کرتے ہیں کہ زبیر بن بطا جو یہودیوں کا بڑا عالم تھا اس نے کہا کہ میرے باپ نے ایک خط جس میں احمد مجتبیٰ ﷺ کا ذکر تھا مہر لگا کر مجھے دیا کہ وہ نبی ہیں جو زمین قرظ میں ظاہر ہوں گے۔ان کی صفات یہ ہیں۔پھر اس نے باپ کے مرنے کے بعد اس کا تذکرہ کیا۔ابھی حضورِ انور ﷺ مبعوث نہ ہوئے تھے۔مگر جب نے سنا کہ مکہ مکرمہ میں حضورِ انور ﷺ ظاہر ہو چکے ہیں تو اس نے اس خط کو تلف کر دیا۔اور حضور ﷺ کی شان وصفات کو چھپانے لگا۔

قبائل بنی قریظہ' نضیر' فدک اور خیبر کے یہودی اپنے پاس حضور ﷺ کی بعثت کے پہلے سے تعریف و پہچان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی ہجرت مدینہ ہوگی۔اور جب حضورِ انور مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تو وہ کہتے تھے کہ آج کی رات احمد مجتبیٰ پیدا ہوگئے اور ان کی ولادت کا ستارہ طلوع ہوگیا لیکن جب وہ مبعوث ہوئے تو وہ کافر و منکر ہوگئے۔ان کا یہ کفر و انکار محض سرکشی اور حسد و عناد کی بنا پر تھا۔

روایت: ہشام ابن عروہ اپنے باپ سے بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی بغرض تجارت مقیم تھا۔ جب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات آئی تو وہ یہودی قریش کی مجلس میں آ کر بیٹھا اور اس نے پوچھا آج کی رات کوئی بچہ تم میں پیدا ہوا ہے۔ قریش نے کہا ہمیں نہیں معلوم۔ اس نے کہا نہیں' اے قریشیو! جستجو و تلاش کرو جیسا کہ میں کہتا ہوں یقیناً آج کی رات وہ پیدا ہوا ہے۔ وہ اس امت کا نبی ہے اس کا نام احمد ہے۔ اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے جس میں بال ہیں۔ تو قریش اپنی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس یہودی کی بات پر حیرت و تعجب کرنے لگے۔ جب وہ اپنے اپنے گھروں میں آئے تو اپنے گھر والوں سے سنا کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے گھر ان کا فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام محمد رکھا گیا ہے۔ وہ یہودی کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہاں آج ہم میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی ہماری خبر سنانے سے پہلے یا بعد میں کہنے لگا۔ مجھ کو اس بچے کے پاس لے چلو۔ وہ اس کو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے کر آئے اور حضورِ انور کو باہر لائے تو اس یہودی نے آپ کی پشت مبارک میں وہ نشان (مہر نبوت) دیکھا۔ اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو قریش نے کہا افسوس تجھے کیا ہو گیا۔ اس نے کہا بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی۔ اور ان کے ہاتھوں سے کتاب (توریت) نکل گئی۔ یہ مولود (بچہ) انہیں مارے گا اور ان کے احبار و علماء کو قتل کرے گا۔ اور عرب نے نبوت کو پا لیا' اے معشر قریش! تمہیں خوشی مبارک ہو۔ آگاہ رہو۔ خدا کی قسم! مشرق سے مغرب تک تمہارا غلبہ و دبدبہ ہو گا۔ اس حکایت کا کچھ آخری حصہ بھی ہے۔ جو انشاء تعالیٰ ذکر ولادت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے گا۔

حدیث: سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت مدراس میں تشریف لائے اور فرمایا تم میں جو سب سے زیادہ عقلمند ہے اسے میرے پاس لاؤ۔ تو وہ عبداللہ بن سوریا کو لائے۔ حضور نے اس سے تنہائی میں گفتگو فرمائی۔ اور فرمایا میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتا ہوں اور اس نعمت کی جو بنی اسرائیل کو دی گئی۔ اور جو ''من وسلویٰ'' کھلایا۔ اور ان پر ابر کا سایہ کیا گیا کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ اس نے کہا اللھم نعم' یعنی بارالہ ہاں! میں اور میری ساری قوم خوب جانتی ہے اور جو کچھ آپ کی تعریف و توصیف اور آپ کی خوبیاں ہیں میں جانتا ہوں وہ توریت میں واضح طور پر مرقوم ہیں۔ لیکن یہ قوم آپ پر حسد کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تجھے کس چیز نے باز رکھا ہے کہ ایمان نہیں لاتا۔ اور مسلمان نہیں ہوتا۔ اس نے کہا میں اپنی قوم کے خلاف چلنے کو اچھا نہیں جانتا۔ میں خواہش رکھتا ہوں وہ سب آپ کی متابعت کریں اور اسلام لائیں تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔

حدیث: حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں ملک شام میں بصرے کے بازار میں موجود تھا کہ اچانک ایک صومعہ (عبادت خانے) سے کسی راہب کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا ان تاجروں سے دریافت کرو کیا تم میں کوئی اہل حرم یعنی مکہ کا باشندہ ہے۔ طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں! میں وہاں کا باشندہ ہوں۔ اس نے کہا کیا مکہ میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ میں نے کا کون احمد؟ اس نے کہا وہ عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔ یہی دن ہیں کہ وہ ان میں مبعوث ہوئے ہوں گے وہ آخری نبی ہیں ان کا جائے خروج' حرم ہے اور ان کی جائے ہجرت' خرما زار سنگستان اور زمین شور ہے جس کا نام یثرب ہے۔ حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ راہب کی بات نے میرے دل میں جگہ کر لی۔ پھر میں وہاں سے چل کر مکہ مکرمہ آیا۔ میں نے دریافت کیا۔ کیا کوئی حادثہ (نئی بات) یا سانحہ ہوا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں! محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور ابن ابی قحافہ یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی متابعت قبول کر لی ہے۔ پھر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ان سے راہب کی بات بیان کی اور کہا کیا تم نے اس شخص کی متابعت قبول کر لی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں! پھر حضرت صدیق' طلحہ کو لے کر حضور کے پاس آئے اور انھوں نے متابعت کی۔

حدیث: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا جس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا

اوران کی نبوت مکہ میں مشہور ہوئی تو میں جانب شام نکل گیا اور جب بصرے پہنچا تو وہاں نصاریٰ کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے پوچھنے لگی کیا تم حرم مکہ سے آئے ہو۔ میں نے کہا ہاں! وہ کہنے لگے کیا تم اس شخص کی صورت پہچانتے ہو۔ جس نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ میں نے کہا ہاں میں پہچانتا ہوں انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور مجھے ایک ایسے عبادت خانے میں لے گئے جس میں بیشمار تصویریں اور تمثیلیں آویزاں تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا انھیں بغور دیکھو کیا ان میں اس کی شبیہ ہے۔ جس نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو میں نے ایک ایک کر کے بغور نظر ڈالی لیکن ان تصویروں میں مجھے آپ کی شبیہ نظر نہ آئی۔ پھر وہ مجھے اس سے بڑے عبادت خانے میں لے گئے۔ وہاں پہلے سے کہیں زیادہ تصاویر و تماثیل آویزاں تھیں۔ انھوں نے دیکھو کیا تمہیں ان میں ان کی مبارک صورت نظر آتی ہے۔ میں دیکھنے لگا۔ اچانک حضور اکرم ﷺ اور حضور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صورت وصفت نظر آئی۔ کہ ابوبکر صدیق' حضور کا زانوئے مبارک پکڑے ہوئے ہیں انہوں نے پوچھا کیا تمہیں ان کی شبیہ نظر آئی۔ میں نے کہا ہاں! پھر میں نے دل میں کہا مجھے ابھی ان کی نشاندہی نہیں کرنی چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی تعریف وصفت بیان کی۔ میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ وہی ہیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا تم جانتے ہو وہ کون ہیں؟ جو آپ کا زانوئے مبارک پکڑے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا ہاں! میں گواہی دیتا ہوں وہ ان کے صحابی خاص اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ہیں اور میں نے کہا لیکن میں ڈرتا ہوں کہیں قریش انہیں قتل نہ کر دیں۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! وہ ان کو ہرگز قتل نہیں کر سکتے۔ وہ نبی آخر الزماں ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سب پر غالب فرمائے گا۔ ﷺ

حدیث: حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب یہودی سے جو کہ امہات المومنین میں سے ہیں۔ مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے قدم رنجہ فرمایا اور قبا میں قیام فرمایا تو میرے باپ حی بن اخطب اور میرے چچا ابو یاسر بن اخطب رات اندھیرے بوقت سحر حضور کے پاس گئے۔ پھر وہ نہ لوٹے۔ یہاں تک کہ شام ہوئی اور رات آ گئی۔ جب وہ گھر آئے تو میں نے دیکھا وہ انتہائی بوجھل' کسل مند اور حد درجہ غم واندوہ میں تھے۔ جس کا میں اندازہ نہیں کر سکتی۔ وہ گھر میں آ کر پڑ گئے۔ میں چونکہ ان کے نزدیک اولاد میں سب سے زیادہ پیاری اور محبوب تھی تو اپنی دیرینہ عادت کے موافق ان کے سامنے آ گئی مگر وہ غم واندوہ کے بوجھ تلے اتنے شکستہ اور محزون تھے کہ انہیں اتنی فرصت وطاقت نہ ہوئی کہ وہ میری طرف التفات کر سکتے۔ اسی حالت کے دوران میرے چچا نے میرے باپ سے پوچھا کیا یہ وہی ہیں؟ کیا یہ شخص وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی توصیف ہم توریت میں پڑھتے ہیں تو میرے باپ نے میرے چچا سے کہا ہاں یہ وہی ہیں۔ خدا کی قسم! یہ وہی ہیں' چچا نے پھر پوچھا کیا تم یقین سے جانتے ہو کہ وہی ہیں۔ میرے باپ نے کہا خدا کی قسم! یقین سے جانتا ہوں کہ یہ وہی ہیں اس نے کہا اپنے دل میں ان کی نسبت کیا پاتے ہو۔ محبت یا عداوت؟ اس نے کہا عداوت' واللہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی عداوت میں برابر کوشاں رہوں گا۔ چنانچہ یہ دونوں حضور اکرم ﷺ کی عداوت میں شقی ازلی' اور گرفتار وبال ونکال ابدی ہو گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک.

ان یہودیوں میں سے کچھ بد بخت وشقی حیلہ ونفاق کو دنیاوی ذلیل وحقیر مال کے جمع کرنے کا ذریعہ اور دنیاوی فانی زندگی کی حفاظت وصیانت کا وسیلہ بنا کر اسفل السافلین کے درجہ میں اتر گئے۔ اور ان ہی میں کچھ ایسے علماء واحبار بھی تھے جن کے اقبال کی پیشانی پر پہلے ہی سے ازلی رحمت وسعادت کے نقوش روشن تھے۔ انہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی۔ اور دولت آخرت اور سعادت کو جمع کر لیا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ مخیریق۔ جو علمائے یہود میں نہایت عالم' تونگر اور بہت دانشمند تھا وہ حضور اکرم ﷺ کی صفات کو بھی خوب پہچانتا تھا۔ اور اس پر قائم تھا۔ روز احد میں اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا ''اے معشر یہود! بخدا تم خوب جانتے

ہو کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد ہم سب پر واجب ہے لہٰذا تم اس سعادت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہودی کہنے لگے آج روز سبت یعنی ہفتہ کا دن ہے۔ اس نے کہا کوئی ہفتہ نہیں ہے۔ پھر انہوں نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور نکل آئے اور ایمان لا کر وصیت کی کہ اگر آج میں مارا جاؤں تو میرا تمام مال و منال حضورِ اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ وہ جو چاہیں کریں اور جسے چاہیں عنایت فرمائیں۔

پھر وہ شہید ہو گئے۔ حضور نے ان کا تمام مال قبضے میں لے لیا۔ حضور کا عام صدقہ فرمانا اسی مال میں سے تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو تین سو سال سے اور ایک روایت کے مطابق اس سے زیادہ عرصہ سے حضور ﷺ کی بعثت کی خبر سن کر روئے مقصود کو دیکھنے کے منتظر بیٹھے تھے۔ ان کا قصہ مشہور ہے۔

باب پنجم

ذکر فضائل مشترکہ مابین حضور وانبیاء کرام علیہم السلام ودیگر فضائل مختصّہ

حضورِ اکرم ﷺ کے کچھ فضائل تو آپ کے اور تمام انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے مابین مشترک ہیں اور کچھ فضائل وکمالات وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ان میں دنیا وآخرت میں کوئی نبی بھی آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ حق تبارک وتعالیٰ نے جواہر نفوس انسانیہ کو مختلف فرمایا ہے۔ بعض مرتبہ صفا کے انتہائی مقام وجودت وطہارت کے غایت درجہ میں ہیں۔ بعض متوسط ہیں اور بعض انتہائی کدورت اور غایت روایت میں ہیں۔ چنانچہ ہر قسم میں مراتب ودرجات جداگانہ ہیں۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے تمام نفوسِ قدسیہ سب سے زیادہ صاف وجید ہیں اور ان کے ابدان مبارکہ بھی جملہ نفوس بشری کے مقابلے میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور ہر نقص وعیب سے محفوظ ومنزہ ہیں۔ باوجودیکہ یہ انبیاء کرام دائرۂ کمال میں داخل اور اپنے غیر سے کامل وافضل ہیں مگر باہم ان کے درمیان بھی تفاوت وتفاضل ہے۔ اور حضور سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ ان سب سے ازروئے مزاج اصح واعدل اور اسلم' اور ازروئے بدن اطہر ان سب سے ازکی واصفا ہیں۔ اور باعتبار روحانیت سب سے اکمل واتم ہیں۔ اور تخلیق کے لحاظ سے بھی ان سب سے لطیف تر اور اشرف ہیں۔ آپ کے افضل البشر' سید ولد آدم' اور افضل الناس ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ انبیاء کرام کو از قسم کمالات وکرامات جو کچھ حاصل تھا وہ تمام یا اس کے مثل اور ان مخصوص فضائل وکمالات کے ساتھ جو خاص طور پر آپ کو حاصل ہیں دوسرا کوئی نبی آپ کو شریک وسہیم نہیں۔

حضرت آدم اور ہمارے نبی علیہما السلام: حضرت آدم علیہ السلام کو یہ فضیلت عطا فرمائی گئی کہ حق تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی گئی لیکن ہمارے نبی حبیب خدا ﷺ کو یہ کمال عطا فرمایا گیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے شرح صدر کا متولی وکارساز ہے۔ اور اس میں ایمان ورحمت رکھا اس طرح حق تعالیٰ آدم علیہ السلام کے خلق وجودی کا متولی ہوا اور ہمارے نبی حبیب خدمحمد رسول اللہ ﷺ کے خلق نبوی کا۔ اور آدم علیہ السلام کا سجود ملائک ہونا درحقیقت حضرت آدم کے جوہر روح میں نور محمدی ﷺ کو ودیعت کرنے کے سبب تھا۔ اور اس نور مبارک کو ان کی پیشانی میں تاباں کیا گیا۔ اور اس عظمت وشرافت سے حضور کو سرفراز کیا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

سجدہ کرنے میں حق تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ شامل نہ تھا۔ کیونکہ بجائے خود حق سبحانہ وتعالیٰ پر یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے میں حق تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ شامل ہے لامحالہ یہ فضیلت اشرف واتم واکمل واعلیٰ ہے۔ نیز فرشتوں کے سجدہ کرنے میں عظمت وشرافت زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک بار واقع ہوا۔ لیکن صلوٰۃ وسلام بھیجنے میں حق تعالیٰ کے رحمت کے انوار اور اس کے اسرار قدس کا افاضہ ہر زمانے میں نوبہ نو دایم ومستمر ہے اور اس میں مسلمانوں کو بھی اشتراک عمل کا حکم دیا گیا ہے۔

اب رہا حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کا تعلیم فرمانا تو دیلمی' مسند الفردوس میں بروایت ابورافع حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے لیے میری امت کو اس وقت جب کہ وہ پانی ومٹی کے درمیان تھی متمثل کیا گیا۔ اور مجھے ان سب

کے اسماء تعلیم کیے گئے۔ لہٰذا جس طرح آدم علیہ السلام کو تعلیم اسماء ہوا۔ اسی طرح ہمارے حضور کو بھی ہوا۔ اس زیادتی واضافہ کے ساتھ اور ذوات و مسمیات کا علم بھی دیا گیا۔ اور بلاشبہ اسماء سے مسمیات کا رتبہ بہت بلند واعلیٰ ہے۔ اس لیے کہ اسماء مسمیات کے اظہار و بیان کے لیے ہیں اور مسمیات مقصود بالذات اور اسماء مقصود بالغیر ہے اور یہ کہ علم کی فضلیت' اس کے معلوم کی فضلیت سے ہوتی ہے۔

حضرت ادریس اور ہمارے نبی علیہما السلام: حضرت ادریس علیہ السلام کی فضلیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا. ہم نے انہیں بلند مقام کی رفعت بخشی۔

اور ہمارے آقا سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کو معراج فرمائی گئی۔ اور آپ کے سوا کسی کو بھی ایسی رفعت نہ ملی۔

حضرت نوح اور ہمارے نبی علیہما السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ فضلیت عطا فرمائی کہ ان کے ذریعہ ایمانداروں کو غرقابی سے نجات ملی اور ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کو یہ فضلیت عطا فرمائی کہ آپ کی امت کسی آسمانی عذاب عام سے ہلاک نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ. اور نہیں اللہ تعالیٰ کہ انہیں عذاب فرمائے اور درآنحالیکہ آپ ان میں ہوں۔

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی عزت افزائی فرمائی کہ ان کی کشتی کو پانی میں محفوظ رکھا۔ اور ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کا اکرام اس سے عظیم تر فرمایا کہ ایک روز حضورِ اکرم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ عکرمہ بن ابی جہل پانی کے کنارے بیٹھا ہوا ہے۔ عکرمہ نے کہا اگر آپ صادق ہیں تو دوسرے کنارے کے پتھر کو حکم دیجئے کہ وہ پانی پر تیرتا ہوا اس کنارے پر آجائے اور غرق نہ ہو۔ حضور نے ارشاد فرمایا: وہ پتھر اپنی جگہ سے اکھڑا اور تیرتا ہوا حضور کے سامنے آگیا اور کھڑے ہوکر آپ کی رسالت کی شہادت دی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اے عکرمہ اب تم خوش ہو۔ اتنا کافی ہے۔ عکرمہ نے کہا اب اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ واپس چلا جائے۔ حضور نے پھر اشارہ فرمایا اور پتھر پانی پر تیرتا ہوا اپنی جگہ واپس جاکر نصب ہوگیا۔ چنانچہ پتھر کا پانی پر تیرنا اور اس کا غرق نہ ہونا لکڑی کی کشتی کے پانی پر تیرنے اور غرق نہ ہونے سے زیادہ عجیب ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ہمارے نبی علیہما السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو یہ فضلیت عطا فرمائی کہ نمرود کی آگ ان پر سلامتی کے ساتھ سرد ہوگئی۔ اور ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ نے کافروں کی آتش جنگ سرد کی۔ جنگ کی آگ میں تلواریں اس کی لکڑیاں اور ایندھن اور اس آگ کی لپٹ موت ہوتی ہے۔ اسے سلگانے والی شے حسد اور اس میں جلنے والی چیزیں روح اور جسم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (یعنی جب بھی کافروں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اللہ تعالیٰ نے اسے بجھادیا) کافروں نے بہت چاہا کہ کفر کی آگ سے دین کے نور کو سرد کریں مگر اللہ تعالیٰ نے جو جبار وقہار بھی ہے ہر بار فرمادیا۔ اور اپنے نور کو مکمل واتم فرمادیا۔ اور ان کی شرارت کی آگ کو بجھادیا۔ چنانچہ فرمایا: يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ یعنی اللہ انکار فرماتا ہے۔ مگر یہ کہ اپنے نور کو مکمل فرمائے اگرچہ کافروں کو برا معلوم ہو۔ اور یہ بھی مذکور ہے شب معراج حضورِ انور ﷺ نے دریائے آتش (کرہ نار) پر سے بہ سلامت گزر فرمایا۔

نسائی روایت کرتے ہیں کہ محمد بن حاطب نے بیان کیا کہ میں بچہ تھا میرے اوپر جوش مارتی ہوئی ہانڈی الٹ گئی جس سے میری تمام کھال جل گئی۔ میرے والد مجھے رسولِ خدا ﷺ کے پاس لے گئے تو آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک جلی ہوئی جگہ پر لگایا اور دعا کی اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ اے انسانوں کے رب اس کی تکلیف دور فرما۔ میں اسی وقت ایسا شفایاب ہوا گویا کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہی نہ تھی۔

مقام خلت ومحبت: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو مقام خلت عطا فرمایا اور ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کو مقام محبت مرحمت فرمایا۔ مقام محبت' مقام خلت سے عالی تر ہے۔

حبیب اس محبّ کو کہتے ہیں جو مقام محبوبیت تک پہنچا ہوا ہو۔ حضورِ اکرم ﷺ کو شفاعت عام سے خاص فرمانا اور اس مقام میں تکلم کی اجازت دینا آپ کی محبوبیت ہی کے زیر اثر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ میں مقام خلت اور مقام محبت دونوں جمع تھے۔ آپ کا مقام خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام خلت سے اکمل وافضل ہے۔ یہ بحث باب ہشتم میں ''بیانِ تخصیص آنحضرت بفضائل آخرت'' کے ضمن میں آئے گی۔

شکست اصنام: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تبر سے بتوں کو توڑنے کی عزت مرحمت فرمائی تو ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ نے ایسے مضبوط و مستحکم بتوں کو جو خانہ کعبہ کی دیواروں میں نصب تھے۔ لکڑی کے اشارہ سے توڑا اور فرمایا: جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ حق آیا اور باطل فرار ہوا۔

تعمیر خانہ کعبہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل کو تعمیر خانہ کعبہ کی بزرگی سے نوازا تو ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ نے حجر اسود کو اپنے مقام میں نصب فرمایا (جیسا کہ قریش کا جھگڑا چکانے کے سلسلے میں یہ قضیہ مذکور و مشہور ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ: اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ یعنی حجر اسود خدا کا داہنا ہاتھ ہے۔ کیونکہ اسے اس طرح بوسہ دیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ عہد و پیمان کے وقت داہنے ہاتھ کو بوسہ دیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن حجر اسود کی آنکھ اور زبان ہوگی۔ آنکھ سے اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانے گا۔ اور زبان سے ان کی شفاعت کرے گا۔ لہٰذا تعمیر بیت اللہ میں حضورِ انور کا عمل مبارک' فعل ابراہیم علیہ السلام سے قوی تر اور کامل تر ہے۔

حضرت موسیٰ اور ہمارے نبی علیہما السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ مرحمت فرمایا کہ ان کا عصا اژدھا بن جاتا تھا اور ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کو اس کی مانند یہ معجزہ مرحمت ہوا کہ: اُستنِ حنانہ (یعنی کھجور کا وہ تنا جس سے حضور ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ جب منبر بنا تو اسے علیحدہ کر دیا گیا) یہ استن حنانہ آپ کے فراق میں فریاد کرتا۔ اور بزبان فصیح روتا تھا۔ جیسا کہ اس کا قصہ معجزات کے باب میں آئے گا۔

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل لعین نے ارادہ کیا کہ حضور کو بڑا پتھر مار کر کچل دے۔ (معاذ اللہ) مگر اس نے دیکھا کہ حضور کے دونوں کاندھوں پر دو اژدھے ہیں وہ ڈر کر بھاگ گیا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور وہ چمک عطا فرمائی جس سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔

اور ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ سر تا بقدم مجسم نور تھے کہ دیدہ حیرت' آپ کے جمال باکمال سے خیرہ ہو جاتے تھے۔ اگر آپ بشریت کا نقاب نہ پہنے ہوتے تو کسی کے لیے تاب نظر اور آپ کے حسن کا ادراک ممکن نہ ہوتا۔ اور آپ کا جوہر نوری حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ میں منتقل ہو کر آتا رہا۔

فائدہ: معجزہ: حضرت قتادہ بن نعمان ﷛ جو کہ صحابہ کرام میں سے ہیں۔ ایک ابرو باراں کی اندھیری رات انہوں نے نماز عشا۔ حضور ﷺ کے ساتھ گذاری۔ حضور نے ایک کھجور کی ٹہنی ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا اسے لے جاؤ۔ یہ راستہ میں اردگرد دس دس گز رروشنی دیگی۔ جب تم گھر پہنچو گے تو اس میں ایک کالا سانپ دیکھو گے۔ تم اسے مار کر پھینک دینا۔ رواہ ابونعیم۔

معجزہ: صحیح بخاری اور دیگر کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت عباد بن بشر اور اسید بن حضیر ایک اندھیری اور تاریک رات میں حضور ﷺ کی خدمت میں سے نکلے ان دونوں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ راستہ میں ان میں سے ایک کی لاٹھی روشن ہوگئی۔ یہ اس کی

روشنی میں چلتے رہے جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ خود عین نور تھے۔ اور نور آپ کے اسماء شریف میں سے بھی ہے۔

معجزہ: امام بخاری اپنی تاریخ اور امام بیہقی وابونعیم بروایت حمزہ اسلمی نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ جب اندھیری رات میں ہم حضور سے جدا ہوئے تو میری انگلیاں روشن ہوگئیں۔ اور اس کی روشنیاں باہم مل گئیں۔ اور کوئی ایک ہلاک نہ ہوا۔

معجزہ: حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ انور ﷺ نے ایک صحابی کو ان کی قوم کو دعوت دینے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے کسی نشانی کی درخواست کی۔ جو ان کے لیے حجت بنے۔ حضورِ انور نے اپنی انگشت مبارک کو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ملا۔ اس جگہ سفیدی اور نور روشن ہوگیا۔ وہ صحابی عرض کرنے لگے مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسے برص نہ خیال کرنے لگیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے۔ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ یعنی ایسی روشنی جو بے عیب ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے اس روشنی کو ان کے تازیانے (کوڑے) کی طرف منتقل فرمادیا۔ اب رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پھٹ جانا تو ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کا چاند کے ٹکڑے فرمانا اس سے زیادہ عظیم ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف جہان آب و گل میں ہے اور آپ کا تصرف جہان سماپر ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق وامتیاز واضح ہے۔ روایتوں میں آیا ہے زمین و آسمان کے درمیان ایک دریا ہے۔ جسے ''مکفوف'' کہتے ہیں اور زمین کے دریا اس کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ دریا حضورِ اکرم ﷺ کے لیے پھاڑا گیا۔ اور حضور شب معراج اس میں سے گزرے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلیے دریا پھاڑنے سے زیادہ عظیم ہے۔

قبول دعا: اب رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیابی جو فرعون کے غرق کرنے کے لیے تھی۔ تو حضورِ انور ﷺ کی دعاؤں کا قبول فرمانا بے حد و بے حساب ہے۔

پانی بہانا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ کہ وہ پتھر سے پانی رواں فرمادیتے اور پتھر سے چشمہ برآمد کرتے تو ہمارے نبی ﷺ نے تو اپنی انگشت ہائے مبارک سے چشمہ جاری فرمادیا۔ پتھر تو زمین ہی کی جنس سے ہے۔ اور اس سے چشمے بہا ہی کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف گوشت پوست سے پانی کا چشمہ جاری کرنا حد درجہ عظیم ہے۔

کلام فرمانا: یہ جو حق تعالیٰ نے ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضلیت میں ارشاد فرمایا: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے براہ راست کلام فرمایا''۔ تو ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کو یہ فضلیت شب اسریٰ مرحمت فرمائی۔ مزید برآں یہ کہ قرب اور کلام دونوں سے خاص فرمایا نیز یہ کہ حضورِ انور ﷺ کی مقام مناجات آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے جہاں خلق کے علوم کی حد ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مقام مناجات طور سینا ہے۔ اور حضور ﷺ کی مناجات کی جگہ سمٰوات علیٰ ہے۔

فصاحت و بلاغت: اب رہی یہ بات کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو زبان کی فصاحت دی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اَخِیْ هَارُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا یعنی میرے بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔ اور ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کی فصاحت و بلاغت اتنی زیادہ ہے کہ اس سے زائد تو درکنار اس کے برابر کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں۔ حضرت ہارون کی فصاحت صرف عبرانی تک محدود تھی۔ لیکن عربی زبان اس سے زیادہ فصیح ہے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے افصح منی یعنی مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔'' فرمایا مطلقاً نہیں فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔

حضرت یوسف کا حسن و جمال اور ہمارے نبی علیہما السلام: حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا اور ہمارے نبی

سیّد عالم ﷺ کو اس کا کل دیا گیا۔ جو بھی آپ کے حلیہ شریف کے سلسلے میں منقولات پر غور وفکر کرے، گا وہ آپ کے حسن وجمال کی تفصیلات کو پالے گا۔ کیونکہ آپ جیسا باکمال حسن کسی انسان میں نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن وجمال اور چہرے کی صباحت وتابانی دی گئی تھی لیکن حضور ﷺ کی شکل وصورت مبارک کو ایسے ملاحت وجمال عطا ہوئے جو کہیں اور موجود نہ تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم قدر حسنہ وجمالہ۔

تعبیر خواب: وہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر بتانے اور ان تمام چیزوں کی تاویل جو منقول ومعلوم ہیں عطا کی گئی۔ وہ تین چیزیں ہیں ایک یہ کہ چاند سورج اور ستاروں کا اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھنا دوسری یہ کہ قید خانے میں دو ساتھیوں کے خواب کی تعبیر کا واقعہ تیسری یہ کہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر وتاویل بتانا مگر ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ کی تعبیرات وتاویلات رؤیا حد شمار سے باہر ہیں۔ جو بھی حدیثوں میں جستجو کرے گا اور روایتوں میں کدوکاوش اور عرق ریزی کرے گا اسے بڑے عجیب وغریب واقعات وحالات ملیں گے۔ جن کا کچھ حصہ اپنی اپنی جگہوں پر ذکر بھی کیا جا چکا ہے اور آگے بھی ہوگا۔

حضرت داؤد اور ہمارے نبی علیہما السلام: حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کو نرم کر دینے کا معجزہ عطا ہوا کہ (جب آپ لوہے پر ہاتھ پھیرتے تو وہ نرم ہو جاتا۔) اور آپ کے دست مبارک میں خشک لکڑی سبز ہو جاتی اور اس میں پتے نمودار ہو جاتے تو ہمارے نبی سیّد عالم ﷺ نے اُم معبد کی اس بکری پر اپنا دست مبارک پھیرا جو سوکھ کر لاغر وکمزور اور ناتواں ہو گئی تھی۔ آپ کے دست اقدس کی برکت سے اس کے تھن تروتازہ ہو گئے اور دودھ جاری ہو گیا۔ اور وہ اتنا وافر دودھ دینے لگی جو عام طور پر بکریوں کی عادت کے خلاف تھا۔ اگر داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہو جاتا تھا تو ہمارے نبی ﷺ کے لیے سخت پتھر کو نرم کیا گیا۔

حافظ ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ جب حضورِ اکرم ﷺ غار میں داخل ہوئے اور اپنے آپ کو اس میں پنہاں کرنے کا ارادہ فرمایا تو اپنا سر مبارک غار میں پہلے داخل فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کا سر مبارک داخل ہو گیا اور سخت پتھر کشادہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے لیے پتھر نرم کیا گیا۔ اور آپ کے بازوئے مبارک نے اس میں اثر کیا۔ اور صخرہ بیت المقدس گندھے ہوئے آٹے کی مانند نرم کیا گیا۔ پھر اس میں اپنی سواری کے جانور کو باندھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں نے تسبیح کی اور حضورِ اکرم ﷺ کے دست مبارک میں پتھروں نے تسبیح کی۔ ﷺ

حضرت سلیمان اور ہمارے نبی علیہما السلام: حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم، شیاطین اور ہوا کی تسخیر اور ایسی حکومت جو آپ کے بعد کسی کو بھی میسر نہ ہوئی عطا کی گئی۔ مگر ہمارے نبی سیّد عالم سلطان کونین ﷺ کو بھی اس کی مانند مع زیادتی واضافہ کے عطا فرمایا گیا۔ اب رہا پرندوں کا بات کرنا تو فرمایا: اُوْتِیْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (یعنی مجھے پرندوں کی بولیوں کی سمجھ عطا فرمائی گئی) تو حضورِ اکرم ﷺ کے دست اقدس پر پتھروں نے کلام کیا اور تسبیح کی۔ حالانکہ کنکریاں جمادات ہیں۔

تو پرندوں کے بولنے سے پتھر کا بولنا زیادہ نادر وعجیب ہے۔ اور آپ سے بھنی ہوئی زہر آلود بکری اور ہرن نے کلام کیا اور آپ سے دوسرے کی شکایت کی۔ جیسا کہ معجزات کے باب میں آئے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک پرندہ آیا اور حضور کے سر مبارک کے گرد چکر لگانے لگا۔ اور بات کی۔ آپ نے فرمایا: لوگو! تم میں سے کس نے اس پرند کو اس کے بچہ کو پکڑ کر اذیت پہنچائی ہے۔ اسے لازم ہے کہ اس کے بچے کو واپس لوٹا دے اسی طرح حضور سے بھیڑیے کے کلام کرنے کا قصہ بھی مشہور ہے۔

اب رہا ہوا کا مسخر ہونا جیسا کہ واقع ہے کہ: غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کا تخت روئے زمین پر جہاں چاہتا لیجاتا لیکن حضورِ اکرم ﷺ کو براق دیا گیا جو ان کی ہوا سے تیز تر بلکہ برق خاطف سے بھی تیز تر تھا۔ وہ حضور کو ایک لمحہ میں

فرش سے عرش پر لے گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کیا گیا تاکہ وہ آپ کو زمین کے کناروں اور گوشوں تک لے جائے اور ہمارے نبی ﷺ کے لیے زمین کو لپیٹا اور کھینچا گیا۔ تاکہ حضور ﷺ اس کے مشارق ومغارب کو ملاحظہ فرمالیں۔ یہ فرق وامتیاز ان دو شخصوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک زمین کی طرف کوشش کے ساتھ دوڑ کر جائے اور دوسرے شخص کی طرف خود زمین کھنچ کر آ جائے۔

اب رہا شیاطین کا مسخر ہونا تو صحیح حدیث میں آیا ہے ایک مرتبہ شیطان حضور ﷺ کی نماز میں سامنے آ گیا۔ تو حق تعالیٰ نے حضور کو اس پر قدرت عطا فرمائی۔ آپ نے چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دیں تاکہ گلی کوچے کے بچے اس سے کھیلیں۔ اور یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات مسخر کیے گئے تو ہمارے نبی ﷺ پر جنات ایمان لائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے خدمت لی، ہمارے نبی ﷺ نے جنات کو مسلمان بنایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکریوں میں جن وانس اور پرندوں کو شامل کر دیا گیا اور حضورِ اکرم ﷺ کے لشکر میں فرشتے یہاں تک کہ جبریل ومیکائیل علیہما السلام کو بھی شامل کیا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندوں کو شامل کر لینے سے زیادہ عجیب غارِ ثور کے کبوتر کا قصہ ہے کہ جب حضور نے غارِ ثور میں بوقت ہجرت اقامت فرمائی تو کبوتر نے اس کے دہانہ پر اپنا گھونسلہ بنایا انڈے رکھے اور اعدائے دین سے حضور ﷺ کی نگہداشت کی۔ لشکر کا مقصد تو بچانا اور حمایت کرنا ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ مقصد آسان ترین طریقہ سے حاصل ہو گیا۔

اب رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی حکومت عطا فرمائی گئی جو آپ کے بعد کسی کے لائق نہ تھی تو ہمارے نبی ﷺ کو بادشاہ ہونے یا بندہ ہونے کے درمیان اختیار دیا گیا مگر حضور نے بندگی کو اختیار فرمایا یہ ایک ایسا ملک عظیم ہے جس کے زائل ہونے کا خدشہ ہی نہیں اور حضور کے بعد ایسا ملک کسی کو بھی میسر نہ ہوا۔

حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی ﷺ: یہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندھے، کوڑھی کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا تو ہمارے نبی ﷺ کو بھی ایسا ہی معجزہ دیا گیا۔ چنانچہ حضور نے ابوقتادہ کی وہ آنکھ جو باہر نکل پڑی تھی دوبارہ اپنی جگہ لوٹائی تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئی۔ مروی ہے کہ حضرت معاذ بن عفرا کی بیوی برص میں مبتلا تھیں وہ حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس کی شکایت لائیں حضور نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے برص کے مقام پر ملا۔ حق تعالیٰ نے برص کو دور فرما دیا۔

مواہب لدنیہ میں امام فخر الدین رازی اور بیہقی دلائل النبوۃ میں یہ قصہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اس وقت ایمان لاؤں گا۔ جب میری مری ہوئی لڑکی کو آپ دوبارہ زندہ فرما دیں گے۔ حضور نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر آواز دی "اے فلاں" اسی وقت لڑکی قبر سے نکل کر کہنے لگی "لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (آخر حدیث تک)

حضورِ اکرم ﷺ کا مردوں کا زندہ فرمانا متعدد مرتبہ واقع ہوا ہے۔ نیز پتھروں اور کنکریوں کا آپ کے دست اقدس پر تسبیح کرنا اور حجر اسود کا آپ کو سلام کرنا اور استن حنانہ کا آپ کے فراق میں گریہ وزاری کرنا مردوں کے کلام سے زیادہ اتم وابلغ ہے۔ رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا تو ہمارے نبی کو شب معراج میں اس سے کہیں بالاتر مقامات پر لے جایا گیا۔ اور وہاں تک کوئی بھی نہیں لے جایا گیا۔ پھر آپ کو مزید درجات عالیہ سے مخصوص فرمایا گیا۔ مثلاً خلوت قدس میں مناجات کا سننا اور قسم قسم کے مشاہدات وکرامات سے سرفراز ہونا وغیرہ۔ الحاصل تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو جتنے بھی فضائل وکمالات اور معجزات دئے گئے تھے وہ تمام حضورِ انور ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ شعر

خوبی وشکل وشمائل حرکات وسکنات آنچہ خوباں ہم دارند تو تنہا داری

فضائل و معجزات مختصہ: وصل: مذکورہ بالا فضائل و معجزات وہ تھے جو حضورِ انور ﷺ اور تمام نبیوں کے درمیان مشترک تھے لیکن دیگر فضائل و معجزات جنہیں حضور کے خصائص میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ حدوشمار اور حصر سے باہر ہیں۔ لیکن جس قدر ظاہر اور علماء کے قید وضبط میں محصور ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو احکام شرع کے زمرہ میں ہیں' دوم وہ جو صفات و احوال اور معجزات کی قسم سے ہیں۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ پہلی قسم میں کلام کرنا اور اس پر بحث کرنا بے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ ایسا حکم ہے جو گزر چکا۔ مگر درست یہی ہے کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ ان سے آپ کے حال شریف کا علم ہوتا ہے۔ اور بلاشبہ اس کی تحقیق ایک ایسی سعادت ہے جو از قسم کمالات اور سب سے اہم اور اعظم ہے۔ اس کی اقتدا اور اتباع کے لیے ضروری ہے کہ اس کو جانا جائے۔ اس پہلی قسم کی مزید چار قسمیں کی گئی ہیں۔ اوّل وہ جو حضورِ انور ﷺ کے ساتھ بر طریق واجبات مخصوص ہیں۔ اور ان میں حکمت یہ ہے کہ قرب و درجات میں زیادتی ہو اس لیے کہ فرض کے ساتھ قرب پانا نوافل کے ساتھ قرب پا لینے سے زیادہ کامل ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک شاہد ہے اور امر مکلفہ کا بوجھ اٹھانا زیادہ قوی اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ ہم نے ہر قسم کے ساتھ چند مثالیں بیان کی ہیں۔

اور اس مثال کو مکمل طور پر معلوم کرنے کے لیے علماء کرام کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اس کا ذکر مواہب لدنیہ میں ہے وغیرہ۔ جیسے کہ ایک قول کے بموجب ضحیٰ کی نماز کا وجوب ہے مگر درست مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ اگرچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اُمِرْتُ بِرَكْعَتَيِ الضُّحٰى. مجھے ضحیٰ کی نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ ضحیٰ کی نماز سنت موکدہ ہے اور امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اور نماز ضحیٰ سے مراد وہ نماز ہے جو صبح سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد پڑھی جاتی ہے۔ جسے لوگ اشراق کی نماز کہتے ہیں۔ اور صلوٰۃ الضحیٰ چاشت کی نماز کو بھی کہتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ: مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَبِّحُ سُبْحَةَ الضُّحٰى اسی نماز پر محمول ہے جس طرح کہ نماز وتر اور فجر کی دو رکعت۔ جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں بیان کیا۔

امام احمد و طبرانی کی حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تم پر نفل وتر' فجر کی دو رکعتیں اور ضحیٰ کی دو رکعتیں۔ قول باختصاص وتر' امام شافعی کے قول پر ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک وتر سب پر واجب ہے جیسا کہ نماز تہجد حضور ﷺ پر فرض تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز تہجد امت پر بھی فرض تھی۔ پھر اس کی فرضیت امت پر سے اٹھالی گئی۔ اور بعض شافعی علما کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ سے بھی اس کی فرضیت اٹھالی گئی۔ اسی طرح مسواک کا حکم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ انور ﷺ ہر نماز کے قریب مسواک کے ساتھ وضو پر مامور تھے۔ اور جب دشواری لاحق ہوئی تو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دے دیا گیا (یعنی اگر وضو ہو تو وضو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں مگر مسواک ضرور کی جائے مترجم) اور دوسری حدیث میں بھی مسواک کے متعلق حکم آیا ہے۔ ایسی حدیثیں وجوب قطعی پر دلالت نہیں کرتیں۔

دوسری قسم ایسی حرمت میں ہے جو حضورِ انور ﷺ کے خصائص میں سے ہے یعنی وہ احکام جو حضورِ اکرم ﷺ پر تو حرام ہیں مگر دوسروں پر حرام نہیں ہیں۔ جیسے تحریم زکوٰۃ کہ حضور ﷺ پر مال زکوٰۃ حرام ہے۔ اسی طرح تحریم صدقہ۔ بر قول صحیح' مشہور' و منصوص بقول حضور ﷺ اَنَا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ یعنی ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے کھانے کی ممانعت' حرام ہونے کی بنا پر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے کھانے کی ممانعت سے حرام ہونا لازم نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ کھانے کی ممانعت' کراہتہ تنزیہی کی بنا پر ہو بر بنائے حرمت نہ ہو۔ بہر حال اموال صدقہ کے کھانے سے اجتناب' از قبیل ''خصائص'' ہے خواہ یہ ممانعت تحریمی ہو یا تنزیہی۔ اسی طرح حضور ﷺ کی آل اور غلاموں پر تحریم زکوٰۃ ہے۔ جیسا کہ فقہ میں مقرر کیا گیا ہے۔

فائدہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے ان کے زمانہ میں اس کی اباحت مروی ہے۔

اسی طرح ان چیزوں کا کھانا جن میں ناگوار بو پائی جاتی ہو۔جیسے لہسن اور پیاز۔جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے اسی طرح تحریم کتابت وشعر۔اور تحریم کا قول اس تقدیر پر ہے کہ آپ کتابت اور شعر کو جانتے ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ بحکم طبع وجبلت حضورِ اکرم ﷺ سے دو چیزیں نہیں آئی ہیں۔اس کی تحقیق صلح حدیبیہ کے قضیہ میں آئے گی۔انشاءاللہ تعالیٰ۔اسی طرح جنگ کے وقت ہتھیار باندھنے کے بعد پھر جنگ سے پہلے بدن سے ہتھیار اتارنا۔اسی طرح کتابیہ غیر مسلم عورت سے نکاح کی تحریم اس لیے کہ حضورِ انور ﷺ کی تمام بیویاں مسلمانوں کی مائیں اور جنت میں حضور ﷺ کی ازواج ہیں۔اسی بناپر آپ کا نطفہ پاک کافرہ کے رحم میں نہیں رکھا جاسکتا۔اسی طرح امۂ مسلمہ سے تحریم نکاح' لیکن تسری بامہ باتفاق جائز ہے۔تیسری قسم وہ مباحات جو حضورِ انور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں۔جیسے کہ نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا۔بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم تمام نبیوں کے ساتھ عام ہے۔اسی طرح بعد نماز عصر نماز کی اباحت' اسی طرح وجوب کے باوجود سواری پر وتر کی ادائیگی کا جواز' اسی طرح غائب پر نماز جنازہ (امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ اور شافعی کے نزدیک) ساری امت کے لیے عام ہے۔اسی طرح صوم وصال' اس کی تحقیق انشاءاللہ روزے کے باب میں آئے گی۔اسی طرح اجنبیہ عورتوں پر نظر ڈالنے کی اباحت اور جواز خلوت بااجنبیہ' اسی طرح چار سے زائد عورتوں سے نکاح اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اور ہمارے نبی ﷺ پر نو سے زیادہ تزوج جائز ہے۔اسی طرح عورت کی جانب سے جواز نکاح بلفظ ہبہ کہ وہ عورت بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے اپنے آپ کو ہبہ کردے۔اور مہر طلب نہ کرے۔لیکن حضورِ انور ﷺ کی جانب سے لفظ نکاح یا تزوج ضروری ہے۔(مطلب یہ کہ عورت خود کو ہبہ کرے اور عقد ونکاح کا لفظ اور شرائط استعمال کرے تو وہ کرسکتی ہے مگر حضور کے لیے ضروری ہے کہ آپ لفظ نکاح یا عقد ضرور فرمائیں تاکہ اجابت شرعی پائی جائے۔مترجم) اور حضور کو جائز تھا کہ کسی عورت کا نکاح کسی مرد سے بغیر اس کی اجازت یا بغیر اس کے اولیاء کی اجازت کے کردیں۔اسی طرح بغیر عورت کی رضا کے نکاح فرمانا اگر حضور کسی ایسی عورت کو نکاح میں لانے کی خواہش فرمائیں جو شوہر نہ رکھتی ہو تو اس عورت پر لازم ہے کہ اسے قبول کرے۔ایسی عورت اگر دوسرے لوگ چاہیں تو یہ ان پر حرام ہوگی۔اور اگر شوہر رکھتی ہے تو شوہر پر فرض ہوگا کہ وہ اسے طلاق دے دے کیونکہ اس جگہ اس کے ایمان کا امتحان ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ وَاَھْلِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

تم میں سے وہ مسلمان نہیں جسے میں اس کی جان' اس کی بیوی' اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

لہٰذا اس شخص پر واجب ہے جو کھانا اور پانی رکھتا ہے اور وہ اس کے صرف کرنے کا ضرورت مند ہے مگر جب حضور کو اس کی ضرورت ہو تو وہ آپ پر خرچ کرے۔اور اپنے آپ کو بھی حضور پر قربان کردے۔کیونکہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ نبی کریم مسلمانوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ مستحق ہیں۔حضرت زید اور سیّدہ زینب کے قصے کا مطلب بھی یہی ہے۔حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے سیّدہ زینب کا عقد اپنے حضورِ سیّد عالم ﷺ سے فرمایا اور حضرت زید کے دل میں زینب کی طرف سے کراہت پیدا فرمائی مگر حضورِ انور ﷺ نے ضعیف الایمان لوگوں کی وجہ سے وہ ہلاکت کے بھنور میں نہ پڑجائیں۔اس کے اظہار سے خوف کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی ''اے محبوب! تم میرا ہی خوف دل میں رکھو۔امر الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو۔لوگوں سے کیا ڈرنا ہے''۔تب حضورِ انور ﷺ نے ان سے عقد فرمایا اور گھر میں لائے۔بعض مفسرین اور ارباب سیر اس مقام میں کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ منصب نبوت کے لائق نہیں ہے۔اور اہل تحقیق اسے مفسرین کی لغزشوں میں شمار کرتے ہیں۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریاء کی بیوی کے قصے ہیں۔انبیاء علیہم السلام

کا مقام اس سے اعلیٰ ہے۔ عتق یعنی آزادی کو مہر کا قائم مقام گردانا جیسا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے فرمایا۔ اور حضور پر بیویوں کے نان ونفقہ کے واجب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ صحیح تر یہی ہے کہ واجب ہے اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ پر اپنی بیویوں کے درمیان باری کی رعایت واجب نہیں تھی۔ اکثر علماء احناف بھی اسی طرف ہیں۔ حضور نے جو کچھ برتاؤ فرمایا وہ برطریق تفضّل واحسان تھا نہ کہ بربنائے وجوب۔

علماء بیان کرتے ہیں کہ ان تمام خصائص کے جمع کرنے کی وجہ یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ کے حق میں نکاح تسری کے حکم میں ہیں اور تمام عورتیں اور مرد آپ کے لیے غلام اور باندی کے حکم میں ہیں۔ اور حضورِ اکرم ﷺ پر مالِ غنیمت میں سے باندیاں' تلواریں وغیرہ جتنا چاہیں لینا مباح تھا۔ اور حضورِ اکرم ﷺ کے لیے مکہ میں قتال کرنا اور بغیر احرام کے داخل ہونا مباح تھا۔ اس کی تحقیق وتفصیل انشاء اللہ فتح مکہ کے باب میں آئے گی۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی تھا کہ آپ اپنے علم سے اپنے لیے' اپنی اولاد کے لیے حکم دیتے اور اپنی گواہی اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے استعمال فرماتے تھے اور آپ کا کسی کو برا کہنا یا لعنت کرنا' قربت ورحمت اور مباح تھا۔ اور یہ حضور ﷺ کی خصوصیت تھی کہ فتح سے پہلے آراضی کو تقسیم فرماتے اس لیے کہ مالک الملک حق تعالیٰ نے آپ کو تمام آراضی اور ممالک کا مالک بنایا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ جب جنت کی زمینوں کو تقسیم فرماتے ہیں تو دنیاوی زمین تو بطریق اولیٰ تقسیم فرمانی چاہیے۔

ع مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

خصائص صفات واحوال: **وصل:** حضورِ اکرم ﷺ کے وہ خصائص جو احکام کے قبیل سے نہیں بلکہ صفات واحوال کے قبیل سے ہیں۔ ان کا کوئی حد وحساب نہیں۔ خصوصاً وہ صفات واحوال جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں کسی کا علم بھی ان کی کنہ تک نہیں پہنچا۔ ان میں سے چند ظاہری صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ علماء نے ان کا احصار کر کے شمار کیا اور انہیں بیان کیا ہے اور تمام معجزات اسی قبیل سے ہیں کہ ایسے کسی نبی سے ظاہر نہ ہوئے لیکن ان کو ان کی عظمت وکثرت کی بنا پر مستقلاً جداگانہ باب میں رکھا۔

حضورِ اکرم ﷺ کی سب سے اعلیٰ واکمل فضیلت یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کی روح پر انور کو ساری مخلوق کی ارواح سے پہلے پیدا فرما کر تمام مکونات کی روحوں کو آپ کی روح سے تخلیق فرمایا۔ اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام ہنوز روح وجسد کے درمیان تھے جیسا کہ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور عالم ارواح میں بھی انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ کو آپ کی روح پر انوار نے مستفیض فرمایا۔

جب تک حضور ﷺ کی روح کا آفتاب پردۂ غیب میں رہا انبیاء علیہم السلام کے ستارہائے درخشاں آپ کے نور سے منور ہو کر عالم ظہور میں جگمگاتے رہے۔ جب آپ کی نبوت کے آفتاب نے طلوع وظہور فرمایا۔ تو وہ روپوش اور مخفی ہو گئے۔ بعینہ اسی طرح جیسے رات میں ستاروں کا رنگ وروپ چمکتا دمکتا ہے اور جب سورج چمکتا دمکتا ہے اور یہ سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ ماند پڑ کر روپوش ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے کہ حضورِ انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عالم آفرینش میں میں سارے نبیوں سے پہلے اور عالم ظہور وبعثت میں ان سب سے آخر میں ہوں۔ آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ہی وہ اول ہیں جس نے روز الست میثاق لیا اور آپ ہی وہ اول ہیں جس نے اس روز سب سے پہلے "بلیٰ" (ہاں) کہا جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اور انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آدم وعالم اور آفرینش عالم کا مقصود اصلی' آپ ہی کا وجود گرامی ہے۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی عرش پر جنت کے دروازوں پر اور اس کی ہر جگہ پر لکھا گیا۔ انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ تمام نبیوں سے اس کا عہد لیا گیا کہ جب آپ مبعوث ہوں تو

وہ آپ پر ایمان لائیں۔ یہ عہد پاک اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے کہ وَاِذْاَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ. (اور یاد کرو جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ) جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ گذشتہ تمام آسمانی کتابوں میں آپ کے وجود گرامی کی خبریں اور آپ کی بشارتیں واقع ہیں۔ یہ کہ آپ کے نسب مبارک میں آدم علیہ السلام تک آپ کے سبب کبھی بھی سفاح یعنی زنا واقع نہیں ہوا۔ جیسا کہ عہد جاہلیت میں عادت تھی اس کا ذکر باب ولادت میں انشاء اللہ آئے گا۔

اور یہ کہ ہر زمانے میں بنی آدم کے بہترین قرن میں اٹھایا گیا اور بہترین قبائل کے بہتروں میں منتقل کیا جاتا رہا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو سرفرازی بخشی بنی کنانہ سے قریش کو قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم کو سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔ لہٰذا حضور سرفرازوں میں سرفراز اور بہتروں میں بہترین اور برگزیدگان میں برگزیدہ تر ہیں۔ بوقت ولادت مبارکہ تمام بت سرنگوں ہوکر گر پڑے۔ شکم مادر سے ختنہ شدہ غیر آلودہ اور پاک اور ناف بریدہ تولد ہوئے۔ پیدا ہوتے ہیں سجدہ کیا اس طرح کہ بجانب آسمان نظر بلند تھی۔ اور انگشت شہادت اٹھی ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نے جلوہ فرمایا جس سے شام کے تمام قصور اور محلات روشن ہوگئے۔ آپ کے جھولے کو فرشتوں نے جھلایا۔ اور مہد میں آپ نے کلام فرمایا۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ مہد میں چاند آپ سے باتیں کرتا۔ اور جدھر اشارہ فرماتے جھک جاتا تھا۔ انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دھوپ میں بادل سایہ کرتے تھے۔ ایسا ہمیشہ نہ تھا بلکہ متعدد اوقات میں ایسا ہوا۔ زمانہ طفلی میں جب کہ آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر میں تھے بحیر راہب نے آپ کو پہچانا۔ انہی خصائص میں سے آپ کا شق صدر ہے۔ اس کا وقوع چار مرتبہ ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ بچپن میں جبکہ آپ بنی سعد میں تھے۔ دوسری مرتبہ دسویں سال میں تیسری مرتبہ بعثت کے وقت چوتھی مرتبہ شب معراج میں اور انہی خصائص میں سے آپ کی خدمت ابتدائے وحی کے وقت جبریل کا آکر لپٹانا اور آپ کے وجود شریف میں تصرف کرنا ہے۔ اسے بھی علماء نے خصائص میں شمار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کسی نبی کے ساتھ ایسا نہ ہوا انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ نے ہر عضو مبارک کا قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کے قلب اطہر کا ذکر اس ارشاد میں ہے کہ: تَنَزَّلُ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ جبریل امین آپ کے قلب اطہر پر اسے لے کر اترتے ہیں'' اور آپ کی زبان مبارک کا ذکر اور ارشادات میں ہے کہ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ یقیناً ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان فرمایا اور فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اپنی خواہش سے زبان گویا نہیں ہوتی۔'' چشم مبارک کا ذکر مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى. آنکھ نہ تو جھپکی نہ بے راہ ہوئی۔ چہرہ مبارک کا ذکر قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ بے شک ہم نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بار بار دیکھا اور گردن اور دست مبارک کا ذکر وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ. اور نہیں کیا آپ کے ہاتھوں کو بندھا ہوا آپ کی گردن کی طرف اور سینہ اور پشت مبارک کا ذکر اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ اور تم سے تمہارا بوجھ اتار لیا۔ جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔'' ان آیات کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر عضو کا ذکر فرمانا۔ آپ پر کمال محبت اور عنایت حق جل وعلیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے اسم صفت ''محمود'' سے آپ کا اسم مبارک احمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکالا۔ آپ سے پہلے یہ نام کسی اور کے نہیں رکھے گئے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ومدح میں فرماتے ہیں شعر

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

بعض کہتے ہیں کہ یہ شعر حضرت ابوطالب کا ہے جیسا کہ بخاری نے ''تاریخ صغیر'' میں ذکر کیا۔ انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بہشتی کھانا پینا کھلایا اور پلایا ہے۔ اس کا ذکر صوم وصال میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) اور یہ کہ انہی خصائص میں

سے یہ بھی ہے کہ حضورِ انور ﷺ کی پشت کی طرف بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے۔اور رات کی تاریکی میں بھی ایسا ہی ملاحظہ فرماتے جیسا دن کی روشنی میں ملاحظہ فرماتے۔انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جب آپ پتھر پر چلتے تو آپ کے دونوں قدم مبارک پتھر میں نقش ہو جاتے۔جس طرح کہ مقام ابراہیم علیہ السلام میں ہے۔قرآن میں قطعی طور پر اس کا ذکر ہے اور آپ کی دونوں کہنیوں کا نشان مکہ کے پتھر میں مشہور ہے۔آپ کے گھوڑے کے سموں کا نشان مدینہ طیبہ میں بنی معاویہ کی مسجد میں واقع ہے۔آپ کا لعاب کھاری پانی کو شیریں بنا تا۔اور شیر خوار بچے کو دودھ سے بے نیاز کرتا۔(بیماروں کو شفا دیتا اور زخمیوں کے زخموں کو بھرتا تھا از مترجم) آپ کے بغلوں کا رنگ سفید و سرخ تھا۔جن میں بال نہ تھے۔اور نہ جسم اطہر کے رنگ سے مختلف تھا۔ان میں بو بھی نہ تھی۔حدیث استسقاء میں مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی گئی۔بعض کہتے ہیں کہ بغلوں کی سفیدی سے یہ لازم نہیں آتا ہے وہاں بال نہ ہوں۔اس لیے کہ جہاں سے بال اکھیڑ لیے جاتے ہیں وہ جگہ سفید ہو جاتی ہے۔اور یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور بغلوں کے بالوں کو اکھاڑا کرتے تھے۔اور بعض حدیثوں میں آیا ہے عبداللہ بن اقرم خزاعی کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔جب حضور سجدہ فرما رہے تھے تو میری نظر آپ کے بغلوں پر پڑی۔حدیث میں لفظ غفرۃ البطین آیا ہے۔کہتے ہیں کہ غفرہ خالص سفیدی کو نہیں بلکہ مٹیالے رنگ کو بولتے ہیں۔یہ اس کی دلالت کرتا ہے کہ اس جگہ بالوں کے نشانات موجود تھے۔اسی کو اغفر کہتے ہیں ورنہ بالوں سے خالی جگہ کو اغفر نہیں کہتے ہیں۔مواہب لدنیہ میں بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے ہاں اس جگہ یہ اعتقاد ضرور رکھنا چاہیے کہ حضورِ انور ﷺ کی یہ شان ہے کہ آپ کی بغلوں میں ناگوار بو نہ تھی۔بلکہ پاکیزہ اور طیب خوشبو تھی۔جیسا کہ بخاری میں ثابت شدہ امر ہے۔

آپ کی آواز مبارک اتنی دور تک سنائی دیتی تھی جہاں تک آپ کے سوا کسی کی آواز نہیں پہنچ سکتی اور یہ کہ آپ کی آنکھیں تو سوتی تھی لیکن دل نہ سوتا تھا۔(رواہ البخاری) اور جو بھی آپ کے پاس بات کرتا اس کی بات سنتے تھے۔یہی اس مسئلہ کی بنیاد ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کا وضو آپ کی نیند سے نہ ٹوٹتا تھا۔بعض کہتے ہیں کہ نیند سے وضو نہ ٹوٹنے کا حکم تمام انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہے۔اس جگہ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ پھر "لیلۃ التعریس" میں حضور نے آفتاب کے طلوع ہو جانے کو کیوں نہ جان لیا جس سے نماز فجر قضا ہو گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلوع وغروب کا جاننا آنکھوں کا کام ہے اور جب آنکھ نیند میں تھی تو نہ جانا گیا۔اور دل میں وحی اس حکمت کی بنا پر نہ کی گئی کہ نماز قضا ہونے کی صورت مشروعیت آ جائے یا کوئی ایسی وجہ جس سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہے۔

اور کہ یہ حضورِ انور ﷺ نے کبھی بھی انگڑائی نہ لی' اسے ابن ابی شیبہ اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا۔کبھی بھی جماہی نہ لینے کی روایت بھی ہے۔چونکہ کسی نبی نے انگڑائی نہیں لی اس لیے یہ روایت خصوصیات میں سے نہیں ہے۔اسکی تائید وہ روایت کرتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ جماہی شیطان سے ہے۔حضورِ انور کے جسم اطہر پر کبھی مکھی نہ بیٹھی اور نہ آپ کے کپڑوں میں جوں پڑی۔حضور کو کبھی احتلام نہ ہوا۔اور نہ کسی اور نبی کو۔اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔منقول ہے کہ احتلام بھی شیطان سے ہے۔اور بعض علماء نے انزال کو جائز رکھا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مادہ منویہ کے غلبہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہو نہ کہ شیطانی خواب سے۔کسی دوسرے مقام میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔

آپ کے سینہ مبارک کی خوشبو' مشک نافہ سے زیادہ تھی۔اور یہ کہ زمین پر حضور کا سایہ نہ پڑتا تھا۔کیونکہ محل کثافت ونجاست ہے۔اور سورج کی روشنی میں کبھی بھی آپ کا سایہ نہ دیکھا گیا۔علماء کی یہ عبارت بڑی ہی عجیب وغریب اور نادر ہے کہ انہوں نے چراغ کی روشن کا ذکر نہ کیا۔اور حدیث طویل میں اس دعا کا پڑھنا جو بعد نمازِ شب آپ پڑھتے تھے مروی ہے کہ اسے بعض مشائخ کرام فجر کی

سنت وفرض کے درمیان پڑھتے ہیں۔اس دعا میں حضور مناجات کرتے کہ اے خدا تمام اعضاء اور ہر جانب نور بخش دے۔اوراس کے آخر میں یہ ہے کہ واجعلنی نورا(اور مجھے سراپا نور بنادے)چونکہ حضور انور عین نور ہیں تو نور کا سایہ نہیں ہوتا۔اور یہ کہ جب آپ طویل القامت لوگوں کے درمیان چلتے تو آپ ان میں سب سے درازتر معلوم ہوتے اور یہ کہ آپ کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی جیسا کہ فخر الدین رازی نے بیان کی۔لامحالہ بطریق اولیٰ آپ کے جسم اطہر پر بھی نہ بیٹھتی ہوگی۔اور یہ کہ مچھر و پسو نے نہ کاٹا نہ خون چوسا اور کھٹمل آپ کو گزند نہ پہنچاتے تھے۔یہ ہیں علمائے کرام کی عبارتیں'اس سے مراد جوں وغیرہ کا نہ ہونا ہے۔اور یہ جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کَانَ یُفْلِیْ ثَوْبَہٗ آپ اپنے کپڑوں میں جوں دیکھا کرتے تھے تو اس سے جوں کا دیکھنا مراد نہیں ہے(بلکہ امت کی تعلیم مقصود ہے۔تاکہ امت اس پر عمل کرکے اجر وثواب کی مستحق بنے۔مترجم)اور آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت کے وقت سے کاہنوں اور شیاطین کا آسمان سے چوری چھپے خبریں سننے کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔اور آسمان کی حفاظت کی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شیاطین آسمانوں سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے نہ تھے۔وہ آسمانوں میں گھس کر وہاں سے چوری چھپے کچھ باتیں اور خبریں لے آیا کرتے تھے۔اور وہ ان کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے جن کی روحیں شیاطین کی خبیث روحوں کی مانند خبیث تھیں۔اور ان کا ان سے روحانی تعلق تھا۔کاہن لوگ ان سے خبریں حاصل کرکے ان میں اپنی طرف سے کذب وافتراء ملا کرسناتے تھے۔جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے مناسبت تھی۔اسی مناسبت سے وہ وحی اور سچی وصادق خبروں کے مورد اور مقام نزول وورود ہوتے تھے۔اور جب حضور سیّد السادات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو شیاطین کو آسمان پر چڑھنے اور داخل ہونے سے روک دیا گیا۔اہل علم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی برکت سے انہیں تمام آسمانوں سے روک دیا گیا۔جب بھی کوئی شیطان آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو آگ کی چنگاریوں یعنی شہاب سے انہیں مارا جاتا ہے۔یہ شہاب کبھی خطا نہیں جاتا۔کسی کو جلا ڈالتا ہے اور کسی کا چہرہ جھلسا دیتا ہے۔اور کسی کے اعضا کو تباہ اور ناکارہ بنا دیتا ہے اور ان کی عقلیں فاسد اور خراب ہوجاتی ہیں۔

فائدہ:یہ جو شیاطین کے غول' جنگلوں میں لوگوں کو راستے سے بھٹکاتے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت سے پہلے ایسا نہ ہوتا تھا اور نہ کسی نے آپ کے زمانہ بعثت سے قبل اس کا ذکر کیا ہے۔حضور کے ابتدائی امر عہد میں ایسا رونما ہوا۔یہ آپ کی نبوت کی اساس اور بنیاد کا مرکز تھی۔حضرت معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے پوچھا کہ کیا زمانۂ جاہلیت میں بھی ستارے یعنی شہاب گرا کرتے تھے۔انہوں نے کہا:ہاں!لیکن اس میں شدت اور زیادتی اسوقت سے ہوئی جب سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت فرمائی۔لیکن ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ شیاطین کو آگ کے شعلوں یعنی شہاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی مارا جاتا تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد اس میں شدت وزیادتی ہوگئی۔اور آسمان کی حفاظت سخت کردی گئی۔بعض کہتے ہیں کہ ستارے گرتے تھے اور شیاطین کو ان سے مارا جاتا تھا۔لیکن اپنی جگہ وہ پھر لوٹ آتے تھے۔اسے امام بغوی نے بیان کیا ہے انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شب اسریٰ میں زین ولگام کے ساتھ براق لایا گیا۔اہل علم فرماتے ہیں کہ اس پر دوسرے انبیاء کرام برہنہ پشت سوار ہوئے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا کہ انبیاء کے لیے بھی براق تھا۔روایتوں میں ایسا ہی آیا ہے کہ۔لیکن کیا یہی براق تھا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔یا ہر ایک نبی کے لیے جداگانہ براق تھا جو ان کے شان اور مرتبہ کے اندازہ پر تھا۔وہ حدیث جو معراج میں آئی ہے کہ''جب براق نے شوخ وسرکشی کی تو جبریل نے براق سے کہا آرام سے رہ' کوئی تجھ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند سوار نہیں ہوا۔''بظاہر اس سے پہلے قول کی ہی دلالت ہوتی ہے۔(واللہ اعلم)اور یہ کہ راتوں رات حضور کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔اور وہاں سے مقام اعلیٰ تک''اور آیات

کبریٰ' یعنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائی گئی اور نظر مبارک کو ماسویٰ سے بچایا گیا۔حتیٰ کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی .(نہ آنکھ جھپکی اور اور نہ بے راہ ہوئی۔) آپ کے لیے تمام انبیاء حاضر کیے گئے اور آپ نے ان کی اور فرشتوں کی امامت فرمائی۔آپ کو بہشت کی سیر کرائی گئی اور دوزخ کا معائنہ کرایا گیا اور اس مقام تک لے جایا گیا جہاں تک کسی کا علم نہ پہنچ سکا۔اور بچشم سر پرودگار عالم کی دید کی۔اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کے لیے کلام ورویت جمع فرمائے۔اور آپ کو اس عالم میں اپنے جمال کی رویت سے مشرف فرمایا۔اور کسی فرشتے اور نبی وولی کو یہ فضلیت میسر نہ ہوئی۔انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ سیر فرماتے تھے اور چہل قدمی کرتے فرشتے آپ کی پشت مبارک کے پیچھے چلتے تھے۔چنانچہ صحابہ کرام سے فرماتے تم آگے چلو اور میری پشت فرشتوں کے لیے چھوڑ دو۔اور یہ کہ فرشتے حضور ﷺ کی معیت میں قتال کرتے جیسا کہ غزوۂ بدر اور حنین میں واقع ہوا۔اور اس پر قرآن کریم ناطق ہے۔انہی خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو کتاب عزیز دی گئی۔حالانکہ آپ اُمی تھے نہ کسی سے کچھ پڑھا لکھا اور نہ کسی مدرسے میں گئے اور نہ کسی اہل علم کی مجلس میں حاضری دی۔یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیت آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہے۔کیونکہ آپ حضرت الوہیت کے مظہر خاص ہیں اور آپ کسی سبب اور ذریعہ کے محتاج نہیں۔انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کی کتاب مبارک کو تبدیل وتحریف سے محفوظ کیا گیا باوجودیکہ بکثرت ملحدوں' زندیقوں اور معطلہ وقرامطہ نے تغیر وتبدیلی کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور نہ اس کے کسی کلمہ اور حروف میں تغیر اور اشتباہ پیدا کر سکے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍo — کوئی باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے۔یہ حکمت والے سراہے کا نازل کردہ ہے۔

یہ کتاب عزیز ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے جن پر گذشتہ تمام کتب ربانی تھیں۔یہ کتاب' ازمنہ سابقہ کی خبروں وگذشتہ امتوں کی حالتوں اور ان کے ان احکام وشرائع کا جامع ہے جن کا آج نام ونشان نہیں اور اہل کتاب میں سے صرف ایک دو ہی ایسے ہیں جنہوں نے پڑھنے پڑھانے میں ساری عمریں ختم کر کے ان کا تھوڑا بہت حال جانا ہو۔بایں ہمہ اس کتاب کا ایجاز اور اختصار اور اس کی مکمل تعریف اور توصیف معجزات کے باب میں آئے گی انشاء اللہ۔اور اس کتاب کو ہر اس امتی پر جو خواہش کرے اس کا حفظ کرنا آسان کر دیا گیا۔اور دوسری امتوں میں سے کوئی بھی اپنی کتاب کو حفظ نہیں کر سکا۔چہ جائے کہ جم غفیر یاد کرے۔سالہا سال اور صدیاں گزر جانے کے باوجود بچوں اور جوانوں کے لیے قرآن آج بھی آسان وسہل ہے کہ تھوڑی مدت میں حفظ کر لیتے ہیں۔اور سہل وآسانی' شرافت وشفقت اور عزت افزائی کے لیے''سات حرفوں'' پر اسے نازل کیا گیا۔اس''سات حرفوں'' کی تحقیق مشکوٰۃ شریف میں شرح کی گئی ہے۔قرآن ہمیشہ وباقی رہنے والا معجزہ اور نشانی ہے۔یہ تا ابد رہے گا۔جنتی اسے جنت میں پڑھیں گے۔اور اس کے ذریعہ ترقی درجات کریں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے رَتِّلْ وَارْتَقِ یعنی تلاوت کریں گے اور ترقی درجات پائیں گے تمام نبیوں کے معجزے ختم ہو گئے اور ان میں سے بجز خبر کے کوئی معجزہ باقی نہ رہا۔مگر قرآن ایسا معجزہ ہے کہ اس کی حفاظت ونگہبانی کا ذمہ حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔چنانچہ فرمایا:

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ. — ہم ہی نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

اور توریت وانجیل کی حفاظت کو انبیاء واحبار پر چھوڑا گیا لامحالہ تحریف وتبدیلی نے اس میں راہ پائی۔چونکہ حق تعالیٰ نے چاہا کہ قرآن محفوظ رہے۔اس لیے صحابہ کرام کو اس پر مقرر فرما دیا۔تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ جب خدا اس کا محافظ تھا تو صحیفوں میں اسے جمع کرنے کی کیا حاجت تھی۔بعض شوافع کہتے ہیں کہ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ''کا ہر سورت کے جزو ہونے پر اس جگہ دلیل قوی ہے۔کیونکہ

قرآن کریم میں اسے ثابت و برقرار رکھا گیا ہے ورنہ زیادتی لازم آتی ہے پھر کمی کا گمان بھی ہوسکتا ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ کا ہر سورۃ کے شروع میں لکھنا باجماع صحابہ ہے اور بسم اللہ سورتوں کے فصل کے لیے نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ بعض متاخرین علماء سورتوں کے اسماء اور آیتوں کے شمار کو جائز رکھتے ہیں۔اور تغیر میں داخل نہیں ہے۔جس سے شبہ لاحق ہوسکے۔اور قرآن کریم کو اس کی حفاظت کے لیے لوگوں کے کلام سے بالکل مختلف و معجز بیان کیا گیا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ذرا بھی کمی وبیشی کرتا ہے تو اس کا نظر و اسلوب بدل جاتا ہے۔اور ہر ایک جان لیتا ہے کہ یہ کلمہ قرآن کا نہیں ہے۔اور لوگوں کو اس کا حفظ کرنا بھی اس کے اسباب حفاظت میں سے ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بڑے دبدبہ والا بزرگ بھی ایک حرف یا ایک نقطہ کی کمی بیشی بھی کرتا ہے تو چھوٹے سے لے کر جوان تک اس کی غلطی اور تبدیلی کو پکڑ لیتا ہے۔اور یہ کہ حق تعالیٰ نے حضورِ انور ﷺ کو سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی اور آمن الرسول یعنی سورۂ بقر کی آخری آیتوں سے مخصوص فرمایا کہ یہ عرش کے نیچے خزانوں میں سے ہیں۔اور کسی نبی کو ان کی مثل آیتیں نہیں دی گئیں۔انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کو خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔اس کا ظاہر یہ ہے کہ ملک فارس و روم کے خزانے صحابہ کرام کے قبضہ میں آئے۔اور اس کا باطن یہ ہے کہ خزائن سے مراد اجناس عالم ہیں کیونکہ تمام رزق آپ کے دست اقتدار کے سپرد فرمایا اور ظاہر و باطن کی تربیت وقوت آپ کو مرحمت ہوئی۔ جس طرح غیب کی کنجیاں در دستِ علمِ الٰہی ہیں۔اس کے سوا ذاتی علم غیب کوئی نہیں جانتا۔

اسی طرح ان کے رزق و قسمت کے خزانے حضورِ اکرم ﷺ کے دست مبارک میں عطا فرمائے۔سیّد عالم ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَالْمُعْطِیْ هُوَ اللّٰهُ یعنی میں ہی تقسیم فرمانے والا ہوں اور وہی اللہ عطا فرمانے والا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔اور آپ رسول الثقلین ہیں۔اور اجنہ اور انسان کی جانب مبعوث ہیں۔اور بعض ملائکہ کی جانب بھی اور بعض تمام اجزائے عالم کی جانب بھی فرماتے ہیں۔چنانچہ وہ آپ کی رسالت کی شہادت دیتے اور شجر و حجر آپ پر سلام عرض کرتے ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہونے پر حضرت نوح علیہ السلام سے یہ اشکال لاتے ہیں کہ طوفان نوح کے بعد صرف وہی ایماندار لوگ باقی رہ گئے تھے جو آپ کی کشتی پر سوار تھے۔ان کے سوا روئے زمین پر کوئی شخص باقی نہ رہا تھا۔تو ان کی بعثت تمام لوگوں کے لیے ہے؟ اس کے جواب میں شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ عمومی رسالت' ان کی بعثت میں نہ تھی۔ بلکہ اس کا اتفاق اس حادثہ کی بنا پر پڑ گیا جو طوفان سے واقع ہوا۔اور لوگ ایمانداروں کی جماعت میں منحصر ہو کر رہ گئے لیکن ہمارے نبی ﷺ کے رسالت کی عمومیت' اصل بعث اور اس کی ابتدا میں ہی تھی۔

بندہ مسکین یعنی شیخ محقق صاحب مدارج النبوۃ ثبتہ اللہ علی الطریق الحق والیقین ورحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضورِ انور ﷺ کا کافہ خلق کی طرف مبعوث ہونے کی عمومیت سے مقصود تمام عالم کا شرق سے غرب تک عرب اور عجم کا اس رسالت میں شامل ہونا ہے۔جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی خاص طور پر اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا رہا ہے مگر میری بعثت ہر احمر و اسود (کالے گورے) یعنی عرب و عجم کے لیے ہے۔احمر سے مراد عجم اور اسود سے عرب مراد ہے۔کیونکہ عرب رنگ میں سیاہی و سبزی مائل ہوتے ہیں۔اور قرآن کریم میں صاف طور پر اِنَّـآ اَرْسَلْـنَـا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ. بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف رسول بنایا۔واقع ہے۔نیز جماعت قلیلہ کو کافہ ناس نہیں کہا جاسکتا۔اگرچہ حادثہ کے پیش آنے کی وجہ سے صرف اتنے ہی باقی رہے ہوں۔گویا حضرت شیخ ابن حجر مکی کے جواب کا مفہوم و مطلب یہی ہے۔اور یہ بھی اشکال لایا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے تمام اہل زمین پر ہلاکت کی بددعا فرمائی۔اور ایمان داروں کے سوا جو آپ کی کشتی میں تھے۔آپ کی بددعا سے سب ہلاک ہوگئے۔اگر آپ ان

کی طرف مبعوث نہ ہوتے تو وہ سب کیوں ہلاک کیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا نہیں ہیں ہم عذاب کرنے والے جب تک کہ ہم رسول نہ بھیجیں اور بلاشبہ حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ وہ پہلے رسول تھے تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید ان لوگوں کو پہنچ گئی ہو۔ کیونکہ آپ کی عمر شریف اس جہان میں بہت طویل (یعنی طوفان سے قبل ساڑھے نوسو برس تھی)۔ اور حضرت نوح کی امت نے شرک پر سرکشی کی ہو جس وہ سے عذاب کے مستحق بن گئے ہوں۔ چنانچہ شیخ ابن وقیق العید فرماتے ہیں کہ بعض نبیوں میں توحید عام ہو۔ اور شریعت کے احکام فروعی عام نہ ہوں۔ اس لیے کہ بعض نبیوں نے اپنی قوم سے شرک پر قتال کیا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت نوح علیہ السلام کی موجودگی کے دوران ان کے سوا کوئی اور نبی بھی مبعوث ہوا ہو اور حضرت نوح کو معلوم ہو گیا ہو کہ لوگ ان پر ایمان نہیں لائے۔ اس بنا پر آپ نے ہر اس شخص پر بددعا فرمائی جو ایمان نہیں لایا۔ خواہ اپنی قوم کے ہوں۔ یا کسی اور قوم کے۔ یہ جواب اچھا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی اور نبی بھی آپ کے زمانے میں بھیجا گیا۔ حالانکہ ایسا منقول نہیں ہے۔ اور محض احتمال اور امکان کافی نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کے لیے بعثت عامہ کی خصوصیت سے مراد قیامت تک آپ کی شریعت کی بقا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہیں اور قیامت تک آپ کی شریعت یوں ہی برقرار رہے گی۔ اور حضرت نوح اور ان کے تمام انبیاء علیہم السلام ایک مدت کے لیے تھے۔ کیونکہ ان کے اپنے زمانہ میں یا ان کے بعد کوئی دوسرا نبی آتا اور ان کی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کر دیتا۔ لیکن آپ کی شریعت غراء کے منسوخ نہ ہونے پر دال ہے۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں۔ بعض یہودیوں کا یہ کہنا کہ محمد ﷺ خاص عرب کے لیے مبعوث ہیں فاسد اور متناقض ہے۔ اور جب بھی آپ کی رسالت کو مانیں گے تو وہ رسول کو صادق جانیں گے۔ اس لیے کہ رسول کاذب نہیں ہوتا۔ حالانکہ آپ خود دعویٰ فرماتے ہیں کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں' لامحالہ ضروری ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ صادق ہے اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو ایک ماہ کی مسافت میں رعب وخوف سے مدد فرمائی گئی۔ ایک ماہ کی مدد کی تخصیص اس لیے کہ آپ کے شہر مبارک اور اعدائے دین کے شہروں کی مسافت ایک ماہ سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ خصوصیت آپ کو علی الاطلاق حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر آپ تنہا ہوں اور کوئی لشکر نہ ہو تو بھی آپ کو یہ رعب حاصل ہے۔ مانا کہ یہ خصوصیت دیگر انبیاء علیہم السلام سے بھی منسوب ہے اور اگر بعض امراء وسلاطین کو یہ حاصل ہو تو یہ دوسری بات ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کو فتح ونصرت بالفعل رعب کے ساتھ حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ جنگ وقتال کے بعد حاصل کی جاتی ہے لیکن وہ جو دلوں رعب' خوف' دبدبہ اور اندیشہ ہوتا ہے وہ تمام انبیاء میں عام ہے۔ ممکن ہے کہ بعض امراء وسلاطین کو بھی حاصل ہو۔ فافہم وباللہ التوفیق۔ انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جنگ وقتال میں آپ کی تائید فرشتوں سے کی گئی ہے۔

یہ مرتبہ کسی نبی کو بھی نہ ملا۔ اس کی تفصیل غزوات کے بیان میں اور خاص کر غزوۂ بدر سے معلوم ہو گی۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے غنیمتوں کو حلال کیا گیا حالانکہ آپ سے پہلے کسی ایک کے لیے بھی غنیمتوں کو حلال نہ کیا گیا تھا اور بعضوں کو تو جہاد کا اذن نہ تھا کہ غنائم حلال نہ ہو جائیں۔ اور بعضوں کو جہاد کا اذن تھا مگر اس کا کھانا جائز وحلال نہ تھا۔ وہ مال غنیمت کو جمع کر کے کسی جگہ اکٹھا کر لیتے۔ آسمان سے آگ نمودار ہوتی اور اسے جلا دیتی۔ غنائم کا اس طرح جل جانا قبولیت کی علامت تھا۔ مگر اس امت مرحومہ کے لیے اسے حلال بنا دیا گیا۔ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو ہر وہ چیز جوامت کی طبیعت وخواہش کے موافق ہے عطا فرمائی گئی ہے۔ اس لے کہ ان کی طرف خواہشیں اپنی طبیعت سے لذت پاتی ہیں۔ اور انہیں وہ قہر وغلبہ' محنت ومشقت اور رنج وتکلیف اٹھا کر حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ نہ چاہیں گے کہ ان نعمتوں سے تلذذ وتمتع ان کے لیے

جاتا رہے۔ انہی خصائص میں یہ بھی ہے کہ حضور کے لیے اور آپ کی امت کے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی کہ ہر جگہ نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اور کسی خاص جگہ کو سجدہ کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ زمین کو ذریعہ پاکی بنایا گیا۔ اس سے مراد تیمّم ہے۔ دوسری شریعتوں میں پانی کے سوا کسی دوسری شے سے طہارت کرنا درست نہ تھا۔ اسی طرح دیگر امتوں کے لیے مخصوص مقامات کے سوا نماز ادا کرنا جائز نہ تھا۔ مثلاً کنیسہ' کلیساء وغیرہ میں۔ اگر ان سے دور ہوتے تو کیا کرتے ہوں گے۔ یا تو نماز ہی نہ پڑھتے ہوں گے یا کسی شے کو اس کی طرف نسبت دے کر خاص کر لیتے ہوں گے۔ مثلاً کوئی کپڑا یا لکڑی وغیرہ۔ (فائدہ) میں نے علماء کی کسی کتاب میں اس کا ذکر نہ پایا بجز اس کے کہ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ زمین میں چلتے تھے اور جس جگہ بھی نماز کا وقت آ جاتا وہیں نماز ادا کر لیتے۔ اسے س ''داؤدی'' اور ''ابن التبیین'' سے نقل کیا گیا ہے۔ اور فتح الباری میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مانند مروی ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام میں سے کوئی نبی نماز ادا نہیں کرتے جب تک کہ اپنے محراب (بیت المقدس یا کنیسہ وغیرہ) میں نہ پہنچ جاتے۔ مگر ان دونوں نقلوں میں امت کا ذکر نہیں۔ غرض کہ یہ مقام اشکال و اختلال سے خالی نہیں۔ (واللہ اعلم) بعض کہتے ہیں کہ زمین کا مسجد و طہور ہونا دوسروں کے لیے نہ تھا کیونکہ زمین مسجد تو تھی مگر طور نہ تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے ہر جگہ بجز اس جگہ کے جائز نہ تھی جس کے پاک ہونے پر انہیں یقین نہ ہوتا اور یہ امت کو جائز ہے کہ جہاں نجاست کے نہ ہونے کا یقین ہو' ظاہر حال پر نظر کرنا کافی ہے (واللہ اعلم)

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے بہت زائد تھے۔ اور قرآن کریم سراسر معجزہ ہے اور اس میں کم سے کم جو اعجاز ہے اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ میں صرف ایک یہی کہ انا اعطینک الکوثر (ہم نے آپ کو کثرت دی) تو اسی میں غور کرنا چاہیے کہ ''کثرت'' کی حد کہاں تک پہنچی ہے۔ یا اس کی مقدار میں کوئی اور آیت لے کر غور کریں۔ اس سلسلے میں شافی بیان باب معجزات کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء و مرسلین کے خاتم یعنی آخری ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا قرآن مجید اس پر ناطق و شاہد ہے۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ میرے قصہ و داستان اور انبیاء علیہم السلام کے قصہ و داستان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے محل بنایا۔ اور اس محل کو مکمل کر دیا۔ مگر اینٹ کی جگہ کسی گوشتے میں خالی رہ گئی۔ لوگ جوق در جوق اس محل کو دیکھنے آتے ہیں۔ اور چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھتے ہیں۔ اور تعجب کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس خالی جگہ میں اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو سمجھ لو میں وہی اینٹ ہوں۔ اور خاتم انبیاء ہوں۔ اب عمارت تمام ہوگئی۔ کسی شے کی حاجت نہ رہی۔ اور بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْاَفْعَالِ اور مجھے مکارم اخلاق اور محاسن افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا۔'' یہ اشارہ انبیاء کی ختمیّت کی طرف ہے۔ اور یہ کہ آپ کی شریعت دائمی ہے جو قیامت تک رہے گی۔ اور یہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اور یہ کہ آپ کی امت ان سب کی امتوں سے بہتر ہے اور آپ کی امت تمام نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام بھی آپ کا زمانہ پاتے تو وہ سب آپ کی پیروی کرتے۔ اس کی تحقیق باب فضائل میں گزر چکی ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ اگر رحمت سے مراد ہدایت لیں تو اس سے مقصود تمام لوگوں کی طرف رسول ہونا ہے۔ اگرچہ وہ تمام لوگ ہدایت نہ پائیں۔ اور شک و شبہ کی تاریکی میں پڑے رہیں' اگر عام تر مراد لیں تو آپ کے وجود گرامی کے واسطہ سے تمام کائنات کے لیے فیض وجودی میں شمولیت ہوگی۔ اور اس کا بیان باب سوم کے اول میں گزر چکا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا۔ مثلاً یا آدمؑ یا ابراہیمؑ یا داؤدؑ یا ذکریاؑ یا عیسیٰؑ یا یحییٰؑ وغیرہ مگر حضورِ انور ﷺ کو اس طرح خطاب نہ فرمایا بلکہ یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے خطاب فرمایا۔ آخر کے دو ناموں سے مخاطب فرمانا شفقت ومحبت سے ہے اور محبت والے اس لذت کی لذت کو جانتے ہیں۔ انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ امت کے لیے حضورِ اکرم ﷺ کا نام لے کر فریاد کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ یا محمد ﷺ کہہ کر پکاریں جس طرح کہ لوگ اپنے جیسوں کو پکارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔ (رسول کو اس کی طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔) بلکہ حضور کے کسی صفتی نام سے فریاد کرو۔ مثلاً یا حبیب اللہ' یا رسول اللہ' یا نبی اللہ وغیرہ۔ اور نہایت ادب واحترام' انکساری اور نیچی آواز سے۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ثقل سماعت کی شکایت تھی اور ان کی آواز بہت بلند تھی۔ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو وہ گھر میں بیٹھ گئے اور مجلس نبوی میں حاضر نہ ہوئے ایک دن سیّد عالم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے ثابت نہ ہمارے پاس آتے ہیں اور نہ کہیں شکل دکھاتے ہیں۔ آپ نے انہیں بلوایا اور حاضر نہ ہونے کا سبب دریافت فرمایا۔ عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوگئی۔ اور میں بلند آواز ہوں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے عمل اکارت نہ جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم اس آیت کے مصداق نہیں ہو۔ اور نہ ان میں سے ہوگے۔ اور حضور نے ان کے ادب واحترام پر خوش ہو کر فرمایا تمہاری زندگی کے ایام بھی اچھے ہیں۔ اور جب رحلت کرو گے تو تب بھی اچھے ہی رہو گے اور ان کو جنت کی بشارت دی۔ چنانچہ وہ جنگ یمامہ کے دن شہید ہوئے۔ ان کا ذکر آخر کتاب میں ذکر خطباء کے ضمن میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) اسی طرح حضورِ انور کو آپ کے حجرہ مبارک کے باہر سے آواز دینا بھی حرام تھا۔ اس میں حسن ادب یہ ہے کہ لوگ آئیں اور بیٹھ جائیں۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ خود باہر تشریف لا کر انہیں مشرف فرمائیں۔ غایت ادب میں تفصیلی ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زندگانی' حضور کے شہر مقدس اور حضور کے زمانہ مبارک کی قسم فرمائی۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے سیّد عالم ﷺ سے وحی کے تمام اقسام میں کلام فرمایا۔ اس کی تحقیق مبعث کے بیان میں آئے گی۔ (انشاء اللہ) انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اسرافیل علیہ السلام آپ کے حضور نیچے آئے حالانکہ آپ سے پہلے کسی نبی کے پاس نہ آئے تھے۔ طبرانی بروایت ابن عمر انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ میرے پاس اسرافیل آئے اور وہ پہلے کسی نبی کے پاس نہ آئے اور نہ آئندہ کسی پر آئیں گے۔ انہوں نے عرض کیا آپ کے رب نے مجھے بھیجا ہے اور آپ کو حکم دیا ہے کہ میں نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی اور بندہ رہیں اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ رہیں۔ پھر میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف بطریق مشورہ دیکھا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں اور تم کیا کہہ رہے ہو تو جبریل علیہ السلام نے میری جانب اشارہ کیا کہ متواضع رہو اور بندہ رہو۔ حضورِ انور فرماتے ہیں کہ اگر میں فرماتا کہ میں نبی اور بادشاہ رہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کرتے۔ اسی طرح مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔ اسرافیل علیہ السلام ایک دو بار نہیں آئے بلکہ وہ حضور کی مجلس مبارک کے ہمیشہ حاضر باشوں میں سے تھے۔

صاحب ''سفر السعادۃ'' لکھتے ہیں کہ جب حضورِ انور ﷺ کی عمر شریف سات سال کی ہوئی تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور آپ کی کفالت وتربیت کا شرف آپ کے چچا ابو طالب کو ملا۔ حضرت حق عزاسمہ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہیں تو اسرافیل علیہ السلام ہمیشہ آپ کے نزدیک رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے عمر شریف کا

گیارہواں سال مکمل فرمایا۔ اس وقت جبریل علیہ السلام کو فرمان ہوا کہ حضورِانور کی خدمت میں حاضر رہو۔ (ﷺ)
انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ بہترین اولاد آدم ہیں۔ مسلم نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار رہوں گا۔'' جب آپ روز قیامت سب سے بہتر وافضل ہوں گے تو دنیا میں بطریق اولیٰ ہیں اس لیے کہ وہ جگہ تو سیادت' عزت اور کرامت کے ظہور کی ہوگی وہاں کسی ایک کو بھی دم مارنے کی طاقت نہ ہوگی۔ بجز آپ کے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کی تفسیر میں اسی نکتہ کو مانند کہتے ہیں۔
ترمذی میں بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ وَلِوَآءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ. میں بروز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور یہ فخر نہیں' میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور یہ فخر نہیں۔'' مطلب یہ کہ حضورِ انور ﷺ حضرت عزت جل جلالہ کی ایسی حمد کریں گے کہ کسی نے ایسی نہ کی ہوگی۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ کی جتنی معرفت آپ کو حاصل ہے اتنی کسی اور کو نہیں۔ اور آپ پر اس کی نعمتیں جتنی شامل ہیں اتنی کسی اور کے لیے نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ حمد بمعنی محمودیت یعنی تعریف کے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روز قیامت جس قدر آپ کی مدح وثنا ہوگی کسی کی نہ ہوگی۔ وہ دن آپ ہی کا دن ہے۔ وہاں شان آپ کی ہی شان ہوگی۔ آپ کا ارشاد کہ ''ولا فخر'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ خصلت میری اپنی حاصل کردہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ فضل وکرامت' خدا کی جانب سے ہے) میں اسے از خود نہ پاؤں گا۔ اور نہ ایسی قوت از خود مجھے ہوگی۔ جس پر میں فخر کروں۔ (بلکہ یہ سب خدا کی طرف سے ہے) جیسا کہ اہل علم بیان کرتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ مجھ جو اولاد آدم کی سیادت کی نسبت حاصل ہے اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو اس نسبت پر فخر ہے جو مجھے حق تعالیٰ عزاسمہ سے حاصل ہے۔ جس طرح کہ بعض اہل علم' حضورِانور ﷺ کی ولایت کو آپ کی نبوت پر فضلیت دینے میں کہتے ہیں۔ اور بعض ارباب معانی یعنی اہل کلام کہتے ہیں کہ میرا فخر تو درحقیقت ذات احدیت میں فنا وگم ہونے پر ہے نہ کہ وہ جو آثار وجود اور تحت حیطہ تکوین سے ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ الفقر فخری' فقر میرا فخر ہے (واللہ اعلم) اسی طرح سید اولاد آدم اور سید تمامئہ خلق ہے اور خدا کے نزدیک تمام انبیاء ومرسلین' ملائکہ مقربین اور تمام زمین اور آسمان والوں سے زیادہ آپ معزز ومکرم ہیں۔ ﷺ
انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے سبب تمام اولین وآخرین کے ذنوب کے بخشا۔ چنانچہ فرمایا: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ شیخ عزالدین عبدالسلام رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی ہی خصوصیت ہے کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو آمرزش کی خبر دی۔ اور یہ نقل نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو ایسی بشارت نہ دی۔ یہاں تک کہ وہ روز قیامت نفسی نفسی کہیں گے۔ (انتہی) مطلب یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام اگرچہ مغفور ہیں اور انبیاء کی تعذیب جائز نہیں ہے۔ لیکن صراحت کے ساتھ کسی نبی کو اس فضلیت کی خبر دنیا میں نہ دی گئی۔ اور قیامت کے بارے میں ان سے اس کی تصریح کی گئی یہ حضور سیّد عالم ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ اپنے غم واندیشہ سے فارغ ہو کر جمع خاطر کے ساتھ اپنی امت کے حال کی غور وپرداخت کریں۔ اور امت کی شفاعت' مغفرت ذنوب اور ان کے درجات کی بلندی میں کوشش فرمائیں۔۔
انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کا قرین (جسے ہمزاد کہتے ہیں) اسلام لے آیا۔ اس بات کی تفصیل یہ ہے سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ موکل گردانا گیا ہے۔ اس کے ساتھ جنات میں سے اس کا ایک قرین اور فرشتوں میں سے اس کا ایک قرین۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کا بھی یہی حال ہے۔ فرمایا ہاں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد نصرت فرمائی تو وہ اسلام لے آیا۔ تو وہ بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں

اسلام لانے سے مراد انقیاد واطاعت اور حضور پر اس کے تصرف کا عدم نفاذ ہے اور اکثر کا یہی قول ہے کہ حقیقتاً اسلام ہی مراد ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِ انور ﷺ پر خطا جائز نہیں ہے۔ اسے ماوردی اور حجازی نے ''مختصر روضہ'' میں بیان کیا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نسیان یعنی بھول چوک بھی جائز نہیں ہے۔ امام نووی سے شرح مسلم میں اس قول کی حکایت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح صاحب مواہب لدنیہ نے بغیر تفصیل اور بغیر ذکر اختلاف بیان کیا ہے کہ وہ اقوال واخبار جو تبلیغ وشرائع اور وحی سے متعلق ہیں ان میں بھول چوک کے نہ ہونے یعنی عدم نسیان پر اجماع کرتے ہیں اور بسلسلہ اخبار بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور ان میں نسیان کو جائز رکھا ہے۔ یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ خلاف واقعہ کی خبر دینا کذب وعیب ہے۔ حالانکہ حضورِ اکرم ﷺ کے دامن عزت کو اس سے پاک وصاف ماننا واجب ہے۔ اور یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ وہ حضورِ انور ﷺ کے تمام اقوال کی تصدیق اور تمام خبروں پر اعتماد کرنے میں عجلت اور سبقت کرتے تھے۔ خواہ وہ کسی باب یا کسی چیز میں ہوں۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔ لیکن نسیان افعال میں جائز ہے۔ نماز میں اس کا وقوع درجہ صحت کو پہنچ چکا ہے۔ اب اس کے قائل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ البتہ! ضمناً یہ ضرور اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اس میں تشریعی حکمت اور امت کو اس کی اقتداء کی سعادت پانے کی مصلحت ہے۔ اور حضور ﷺ کے حصہ بشری اور جبلی احکام کے بقا اور اعضاء کے افعال اور جوارح کے حرکات اس عالم سے متعلق ہیں۔ **واللہ اعلم بحقیقتہ الحال.**

اب رہی خطا کی نسبت تو اگر اس خطا سے مراد خطائے اجتہادی ہے جو بعض مواقع پر رونما ہوئی مثلاً بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا تو حضور کو ایسی خطائے اجتہادی پر ثابت وقائم نہ رکھا گیا بلکہ اس سے باخبر کر دیا گیا۔ اسی طرح نسیاں میں بھی ہے اب رہا شک تو یہ حضور سے ہرگز واقع نہ ہوا۔ مثلاً کبھی اس میں شک ہوا ہو کہ دو رکعت پڑھی ہیں یا تین۔ آپ نے فرمایا: شک وشبہہ شیطان سے ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے مردے سے قبر میں حضورِ انور ﷺ کے بارے میں یہ سوال کیا جائے گا کہ ''اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تم میں مبعوث ہوئے تھے'' (آخر حدیث تک) جیسا کہ علماء خصائص میں بیان کرتے ہیں۔ اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اور امتوں سے دوسرے نبیوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ یعنی قبر میں ان سے اپنے اپنے نبیوں کے بارے سوال نہ ہوگا اور اس سے بعض علماء کہتے ہیں کہ سوال قبر امت محمدیہ کے خصائص میں سے ہے۔ اس لیے کہ انہیں عالم برزخ میں گناہوں سے پاک وصاف کر کے عالم آخرت میں لے جائیں گے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جائز ہے کہ خدا کی قسم! حضورِ انور ﷺ کے ساتھ کھائی جائے آپ کے غیر سے نہیں مثلاً فرشتے یا دیگر انبیاء وغیرہ۔ شیخ عزالدین ابن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ لازم ہے کہ یہ جواز حضور کے ساتھ مخصوص اور آپ سے مقصود ہے۔ کیونکہ کوئی دوسرا آپ کے درجہ میں نہیں ہے۔ ﷺ

مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔ انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کے بعد امت پر حرام قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ یعنی حرمت میں وہ ماؤں کے حکم میں ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی تکریم وتعظیم کے سبب اور بایں وجہ آپ کی ازواج جنت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی۔ اور ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا. تمہیں لائق نہیں کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ آپ کی ازواج سے نکاح آپ کے بعد کبھی بھی کرو۔

''روضۃ الاحباب'' میں مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا تھا جب حضورِ انور ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے تو میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیام دوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کتابوں میں کہا گیا کہ یزید شقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں طمع کی تو لوگوں نے اس پر آیت پڑھی۔ اور اس سے اُسے باز رکھا۔ یہ حرمت نکاح ان بیویوں کے بارے میں ہے جنہیں اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کر لیں۔ یا وہ چاہیں تو خدا اور اس کے رسول کو اختیار کر لیں۔ لہٰذا جن عورتوں نے دنیا کو چاہا وہ حضور سے جدا ہو گئیں۔ ان کے حلال ہونے میں اختلاف ہے۔ امام الحرمین اور امام غزالی ان کے حلال ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن وہ بیویاں جو حضورِ انور کی وفات کے وقت تک زندہ رہیں وہ حضور کے سوا غیر پر حرام ہیں۔ دیکھنے کے جواز میں دو وجہ ہیں۔ زیادہ مشہور تو ممانعت ہے۔ اور ''ماں'' کے حکم میں ہونے کا مطلب احترام واطاعت اور تحریم نکاح ہے نہ کہ خلوت' اور نفقہ ومیراث کے جواز میں اور یہ حکم ان کے غیر کے ساتھ متعدی ومتجاوز نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں مسلمانوں کی بہنیں ہیں۔ بر قول اصح' ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔

درحقیقت آپ کے ازواج مطہرات کی حرمت کا سبب' حضور کا قبر شریف میں زندہ ہونا ہے۔ اسی بنا پر علماء کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر وفات کی عدت نہیں ہے۔ اور وہ عورت جس کو حضور نے اختیار دے کر جدا فرما دیا۔ جیسے وہ عورت جس نے حضور سے استعاذہ کیا اور وہ عورت جس کے نچلے حصہ میں سفیدی دیکھ کر جدا فرما دیا تھا ان کے بارے میں کئی قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ اسی پر پختگی سے قائم ہیں اور دوسرا قول یہ ہے وہ حرام نہیں ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ اگر مدخول بہا یعنی ہم بستری ہو چکی ہے تو حرام ہے۔ روایت ہے کہ اشعث بن قیس نے مستعیذہ عورت سے سیّدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نکاح کیا۔ اس پر حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ اسے رجم کریں۔ پھر آپ کو باخبر کیا گیا کہ اس سے دخول واقع نہ ہوا تھا۔ تو حضرت عمر اس کے رجم کرنے سے رک گئے۔ اور اس باندی کے بارے میں جسے ہم بستری کے بعد جدا فرمایا اس میں بھی تین قول منقول ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔ اگر موت سے جدا ہوئی۔ جیسا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت ابراہیم فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہیں اور حرام نہیں ہیں اگر حیات میں فروخت کر دیا جائے (انتہی) یہ مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ جس کے ذکر سے اب کوئی فائدہ نہیں۔

انہی خصائص میں سے یہ آیت حجاب نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات کے کالبد کا دیکھنا بھی حرام ہے۔ اگرچہ وہ برقع وچادر میں مستور ہوں۔ اور کسی ضرورت سے مثلاً گواہی وغیرہ کے لیے چہرہ اور ہتھیلی کھولنا بھی حرام تھا۔ جس طرح کہ تمام عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اس کا فتویٰ قاضی خاں نے دیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ امہات المومنین پر بلا خلاف چہرہ اور ہتھیلیوں کا پردہ کرنا فرض کیا گیا ہے۔ اور گواہی وغیرہ میں بھی ان کا کھولنا جائز نہیں ہے اور نہ اظہار شخوص یعنی کالبد مستور در ثیاب وغیرہ مگر ان مواقع پر جو ضروریات بشری ہیں جیسے پیشاب' پاخانہ وغیرہ جائز ہے۔ اور موطا میں اس روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو عورتوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے وجود کو چھپالیا کہ کوئی ان کے وجود نہ دیکھ سکے۔ اور زینب بنت جحش نے ان کی نعش پر قبہ سا بنایا۔ تاکہ ان کا وجود پوشیدہ ہو جائے۔ صاحب مواہب لدنیہ نے شیخ ابن حجر عسقلانی سے نقل کیا ہے کہ جو کچھ فتاویٰ قاضی خان میں بیان کیا ہے اس کی فرضیت کے دعویٰ میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات متحقق ہے کہ ازواج مطہرات حج وطواف کے لیے باہر نکلتی تھیں۔ اور صحابہ وتابعین ان سے احادیث سنتے تھے ان کے بدن مبارک کپڑوں سے مستور ہوتے۔ اور کالبد متشخص وجودی پوشیدہ نہ ہوتے تھے۔ (انتہیٰ)

امہات المومنین کے حجاب کا مطلب متشخص وجود (ڈھانچے) کا عدم اظہار' اگرچہ وہ کپڑوں میں مستور ومحجوب ہوں۔ یہ کیوں مشہور وثابت ہوا۔ اور شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ کا اس باب میں بحث کرنے کا مطلب کیا ہے؟ آیا فرضیت کی نفی ہے جیسا کہ ان کے ظاہر کلام

سے ظاہر ہے یا وہ انہیں ''تحت ضرورت'' میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ امہات المومنین کے مشخص وجودی (ڈھانچے) کا حج وطواف میں ظاہر ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم حج کی راہ میں عورتوں کے جھرمٹ کے درمیان چلتیں تو ہم اپنے چہروں کے سامنے سے پردے اٹھادیتیں۔ اور جب ہم دیکھتیں کہ لوگ پہنچنے والے ہیں تو اپنے چہرہ پر پردہ الٹ لیتیں۔ اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ناتوانی کے باعث ہجوم میں طواف نہ کرسکتی تھیں۔ تو حضور نے فرمایا لوگوں کے پیچھے سے طواف کرو۔ بہرتقدیر یہ بالکل ظاہر ہے کہ ان کا کالبد (ڈھانچہ) ظاہر تھا اور یہ کہنا کہ قبہ یا عماری کی مانند کوئی چیز ان کے اوپر ہوتی ہوگی بعید ہے۔ اب رہا حدیث مبارک کے سنانے کی حالت تو ممکن ہے کہ وہ پس پردہ سناتی ہوں۔ چنانچہ حضرت عبدالواحد ایمن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو ان پر قطری اوڑھنی تھی۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ یہ اوڑھنی آپ کے جسم اطہر پر تھی۔ اور اگر حجاب سے یہ مراد لیں کہ وہ چیزیں جو عورتوں کو کھولنا جائز ہے مثلاً چہرہ، ہتھیلیاں تو یہ بھی ان پر حرام تھیں نہ کہ کالبد (ڈھانچہ) کا چھپانا۔ اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی اولاد کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے چنانچہ نے فرمایا: ''ہر نبی کے اولاد اس کے صلب سے ہے۔ اور میری اولاد علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے صلب سے ہے۔ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی شان مبارک کے سلسلے میں حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

هٰذَانِ ابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا.

یہ دونوں میری بیٹی کے فرزند ہیں اے خدا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ۔ اور جو انہیں محبوب رکھے تو انہیں بھی محبوب رکھ۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:

اِنَّ ابْنِیَّ هٰذَیْنِ رِیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا.

بیشک یہ میرے دونوں فرزند دنیا کے میرے دو پھول ہیں۔

نیز مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں میرے ان دونوں فرزندوں کو میرے پاس لاؤ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بو سونگھتے اور سینہ مبارک سے چپٹاتے۔ اور سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ بیشک میرا یہ فرزند سید ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا کہ امام حسن، امام حسین رضی اللہ عنہما میں سے کوئی صاحبزادے مسجد نبوی میں آئے اور بحالت سجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر بیٹھ گئے۔ حضور نے اپنا سر مبارک سجدہ سے نہ اٹھایا اور سجدہ دراز فرمادیا۔

بعد نماز صحابہ کرام نے اس سجدہ کی بابت دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا سجدہ میں وحی آئی تھی؟ فرمایا میری پشت اطہر پر میرا فرزند سوار ہوگیا تھا۔ میں نے اسے اچھا نہ جانا کہ جلدی کروں یہاں تک وہ خود نہ اترے اور مباہلہ والی آیت نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا (ہم اپنے فرزند کو بلائیں) بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک کا سبب ونسب منقطع ہوجائے گا۔ یعنی قیامت میں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ مگر میرا نسب اور سبب'' اور نسب سے مراد اولاد ہے۔ اور سبب سے مراد ازواج ہیں۔ اسی بنا پر سیّدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سے نکاح فرمایا بایں تمنا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ سبب متصل ہوجائے۔ یہ قصہ اپنی جگہ اس سے زیادہ تفصیل سے آئے گا۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح نہیں کیا گیا۔ مطلب یہ کہ جب کسی شخص کے نکاح میں آپ کی کوئی صاحبزادی ہوتو اسے جائز نہیں تھا کہ آپ کی صاحبزادی پر کسی اور عورت کو نکاح میں (سوت بنا کر) لا

سکے۔ دراصل اس باب میں سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے کہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ ابوجہل کی لڑکی سے جو مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آ گئی تھی نکاح کرنا چاہتے تھے۔ جب حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہنے لگیں، آپ کی قوم کہتی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں کے حق میں برا نہیں چاہتے ''حضرت علی ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کررہے ہیں اور آپ کچھ نہیں فرماتے۔'' اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور منبر پر رونق افروز ہوکر خطبہ فرمایا اور کہا۔ میں نے ابوالعاص کے نکاح میں اپنی بیٹی دی (یہ حضور کے داماد ہیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیّدہ زینب منسوب ہوئی تھیں اور اس وقت تک وہ انہی کے گھر تھیں۔) تو اس نے ہمارے ساتھ درست روی کو اختیار کیا اور ہماری رضا کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

سیّدہ فاطمۃ الزہرا میری جگر گوشہ ہے۔ میں ناپسند کرتا ہوں کہ اسے کوئی آزار و تکلیف پہنچے۔ اور انھیں کسی آزمائش میں مبتلا کیا جائے۔ اور جو چیز سیّدہ فاطمہ کو ایذا دیتی ہے اور اس سے مجھے ایذا ہوتی ہے اور میں نے سنا ہے کہ علی المرتضٰی ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں! خدا کی قسم رسولِ خدا کی بیٹی اور دشمن رسولِ خدا کی بیٹی ایک مرد کے عقد میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ پہلے فاطمہ کو طلاق دیں اس کے بعد اس سے نکاح کریں۔'' چنانچہ حضرت علی مرتضٰی حاضر ہوئے۔ معذرت چاہی اور ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی پر حرام فرمادیا کہ جب تک سیّدہ فاطمہ حیات ہیں ان کے اوپر کوئی سوت لائی جائے اور فرمایا ''اے علی! میں تمہیں اپنا محبوب رکھتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں کہ تم فاطمہ کو ایذا پہنچاؤ۔ اور اس سے مجھے ایذا پہنچانا لازم آئے۔'' یہ حدیث مبارک اگرچہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص و منطوق ہے لیکن آپ کی کسی بیٹی پر کسی اور کو سوت بنالانا ایذا کا موجب ہے۔ اس لیے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیٹیوں پر جاری گردانا گیا ہے۔

اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں تعیین قبلہ کے لیے ''محراب'' میں جو کہ مدینہ منورہ میں ہے۔ دائیں بائیں اجتہاد وتحری نہیں کی جائے گی۔ اور شیخ الاسلام ابوزرعہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا۔ جس نے محراب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نماز ادا کرنے سے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تعیین سمت قبلہ میں اجتہاد کرکے نماز پڑھوں گا۔ اگر اس نے یہ تحری و اجتہاد یہ جان کر کیا کہ یہ محراب وہ نہیں ہے جو نبی کریم کے زمانہ میں تھی تو مرتد ہوگیا (نعوذ باللہ منہا) اور اگر وہ یہ تاویل کرتا ہے کہ موجودہ محراب وہ نہیں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی بلکہ اس میں ردوبدل و تغیر کیا گیا ہے۔ تو اسے کافر و مرتد نہ بنائے گا۔ کیونکہ روایتوں میں آیا ہے کہ درمیان سے تمام حجابات یعنی پردے اٹھادئے گئے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش نظر خانہ کعبہ تھا۔ اور بالمشافہ عین کعبہ کے مقابل محراب تعمیر کی گئی اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جس نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بلاشبہ اس نے حق اور بے شک وشبہ آپ ہی کو دیکھا اس لیے کہ شیطان آپ کی صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا اور نہ اُسے اس کی قدرت دی گئی ہے کہ وہ حضور کا ہم شکل بن کر فریب و دھوکا دے سکے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ (جس نے مجھے دیکھا اس نے حق ہی دیکھا۔) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا'' مطلب یہ کہ اگرچہ حق تعالیٰ نے شیطان کو قدرت دی ہے کہ وہ جو صورت چاہے اختیار کرلے۔ لیکن اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں آنے کی قدرت نہ دی گئی اس لیے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ہدایت ہیں۔ اور شیطان مظہر ضلالت گمراہی اور ہدایت وضلالت ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ یہاں تک کہ شیطان بصورت پروردگار عالم تعالیٰ وتقدس آ سکتا ہے اور دھوکہ وفریب دے سکتا ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہدایت وضلالت کا خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک دونوں کے لیے محل اشتباہ نہیں ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ فضیلت تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے عام ہے اور شیطان کسی نبی کی صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ لیکن

صاحبِ مواہب لدنیہ اس فضلیت کو حضور ﷺ کے خصائص کے بیان میں لائے ہیں اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے میں کسی خاص شکل وصورت میں دیکھنے کی شرط نہیں ہے۔ جو شخص جس صورت میں بھی دیدار سے بہرہ ور ہو یقیناً اس نے آپ ہی کا دیدار کیا۔ اور بعض نے راہ شک اختیار کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ اس تقدیر پر ہے کہ اس نے بصورت خاص مجھے دیکھا ہو۔

مطلب یہ کہ اس نے اس شکل وصورت میں دیکھا ہو۔ جو واقعتاً حضور ﷺ کی صورت مبارکہ رہی ہے۔ اور بعض نے اس سے زیادہ تنگی اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ کو اسی خاص صورت میں دیکھا ہے جو صورت مبارکہ دنیا سے رحلت کے وقت تھی حتیٰ کہ وہ آپ کی داڑھی شریف میں سفید بالوں کی گنتی کا بھی شمار ملحوظ رکھتے تھے۔ یعنی آپ کی داڑھی شریف میں بیس سے زیادہ سفید بال نہ تھے۔ اور کہتے ہیں کہ ابن سیرین جو کہ خواب کی تعبیر میں ماہر تھے ان کے پاس اگر کوئی شخص آ کر کہتا کہ میں نے خواب میں حضور کا دیدار کیا ہے تو وہ اس سے پوچھتے بتاؤ کس صورت میں تم نے دیکھا ہے۔ اگر وہ ویسی صورت نہ بتاتا جیسی کہ حضور ﷺ کی صورت تھی تو ابن سیرین کہتے تو نے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (واللہ اعلم)

کسی شخص نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ کس صورت میں دیکھا اس نے کہا کہ میں نے سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا ہم شکل دیکھا ہے۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے حضور رسول اللہ ﷺ کو درست دیکھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ کی خاص صورت اور جانی پہچانی صفات کے ساتھ دیکھنا آپ کی حقیقت کا ادراک ہے۔ اور اس کے سوا میں دیکھنا مثال کا ادراک ہے لیکن درست بات یہی ہے جس پر تمام محدثین متفق ہیں کہ جس صورت میں بھی دیکھے حقیقتہً حضور ہی کا دیکھنا ہے۔ لیکن آپ کی خاص صورت میں دیکھنا اتم واکمل ہے۔ اور صورتوں مں تفاوت آئینہ خیال کا تفاوت ہے۔ جس کا آئینہ خیال نور اسلام سے جتنا صاف تر اور منور ہوگا اس کی رویت اتنی ہے درست اور کامل تر ہوگی۔ اس مقام کی تحقیق کی تفصیل مشکوٰۃ شریف کی شرح میں بیان کردی گئی ہے۔ وہاں دیکھنی چاہیے۔

مسلم کی حدیث میں ہے کہ مَنْ رَّآنِـیْ فِـیْ الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَةِ (جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو وہ بہت جلد مجھے بیداری میں دیکھے گا) اس حدیث کی چند وجوہات سے توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ آخرت میں دیکھے گا۔ حالانکہ علماء بیان کرتے ہیں کہ آخرت میں ساری امت ہی دیدار مصطفٰے سے بہرہ ور ہوگی۔ خواب میں رویت کی تخصیص کیا ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ ایسی رویت کے لیے ایک خاص قسم کی رویت اور مخصوص قسم کی قربت ہوگی۔ ممکن ہے بعض گنہگاران امت' بعض اوقات میں جمال جہاں آرا کی رویت سے اپنے گناہوں کی بدبختی سے محروم رہیں۔ بخلاف ایسی رویت کے۔ کہ وہ اس محرومی اور ناکامی سے محفوظ ہو جائیں۔

دوسری وجہ یہ کہ ''بیداری میں دیکھنے سے مراد خواب میں تاویل اور اس کی صحت ہے اور یہ حضور ﷺ کے اہل زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ گویا کہ انہیں بشارت دی گئی ہے کہ اہل زمانہ میں جو بھی خواب میں حضور کو دیکھنے سے مشرف ہوگیا امید ہے کہ وہ شرف صحبت سے بھی مشرف ہوگا۔ یہ معنی اظہر ہیں۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ حضور ﷺ کی صحبت میں حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لیکن وہ خواب میں حضور کے دیدار سے مشرف ہوگیا۔ فرمایا: مَنْ رَّآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَة (جس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا عنقریب وہ بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔) اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مستعد ومقربان بارگاہ اور سالکان راہ کے لیے بشارت ہو کہ وہ گاہ بہ گاہ اس نعمت سے مشرف ہو کر بیداری میں دیدار کرنے کے مرتبہ وسعادت سے ہمکنار ہو جائیں۔ مگر علماء کرام حضور ﷺ کی دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بیداری رویت ہونے کے خلاف ہیں۔ صاحب مواہب لدنیہ اپنے شیخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہم میں سے کوئی ایک بھی خواہ وہ

صحابہ کرام میں سے ہو یا ان کے بعد والوں میں سے بیداری میں شرف دیدار سے مشرف نہ ہوا۔ اور یہ بات تو بخوبی تحقیق سے ثابت ہے کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم ﷺ کی رحلت پر انتہائی غم واندوہ میں رہیں حتیٰ کہ بقول صحیح اسی غم نہانی میں گھل گھل کر حضور ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد دنیا سے رخصت فرما گئیں۔ حالانکہ آپ کا گھر قبر انور کے جوار میں تھا۔ مگر اس ساری مدت فراق میں کسی ایک نے بھی ان سے بیداری میں حضور کے دیدار کی روایت نقل نہیں کی۔ لیکن بعض صالحین نے اپنے نفوس کی حکایت بیان کی ہیں۔ جیسا کہ بازری کی ''توثیق عبرس الایمان'' میں ابن ابی حمیرہ نے کی۔

''بہجۃ النفوس'' میں عفیف یافعی کی ''روض الریاحین'' اور ان کی دیگر تصانیف میں اور شیخ صفی الدین بن المنصور کے اپنے رسالہ میں مذکور ہیں۔ نیز مواہب لدنیہ میں ابن ابی حمیرہ کی عبارت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سلف وخلف کی ایک ایسی جماعت نے ذکر کیا ہے جو اس حدیث کی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ (جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ بیداری میں مجھے دیکھے گا) کہ ہم نے حضور کو خواب میں دیکھا اس کے بعد بیداری میں دیدار سے مشرف ہوئے۔ اور انہوں نے حضور سے اپنی پریشانیوں اور مشکلات سے نجات پانے کا ذریعہ معلوم کیا۔ حضور نے انہیں ان سے روخلاصی کی راہیں ہدایات فرمائیں۔ اگر انسان کرامات اولیاء پر اعتقاد نہ رکھے تو اس سے بحث ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اس سے جو بھی کہا جائے گا وہ اس کی تکذیب کرے گا اور اگر وہ اعتقاد رکھتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو اس سے کہنا چاہیے کہ بیداری میں دیدار سے مشرف ہونا بھی انہی کرامتوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس لیے کہ اولیاء کرام کے لیے ایسے ایسے خرق عادات اور عجیب وغریب واقعات خواہ وہ عالم علوی سے ہوں یا عالم سفلی سے منکشف ہوتے ہیں جن پر کسی اور انسان کی دسترس ناممکن ہے'' نیز صاحب مواہب لدنیہ نقل کرتے ہیں کہ شیخ ابومنصور نے اپنے رسالہ میں ذکر فرمایا کہ ''اہل کمال بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ ابوالعباس قسطلانی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضو اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَخَذَ اللّٰہُ بِیَدَیْکَ اَحْمَدُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری دستگیری کرے اے احمد!''

اور شیخ ابوالسعود سے صاحب مواہب لدنیہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے تمہارے شیخ ابوالعباس اور دیگر مشائخ وصلحائے زمانہ کی زیارت کی ہے۔ پھر میں سب سے قطع تعلق کر کے مشغول ہو گیا اور مجھ پر انکشافات شروع ہو گئے۔ پھر میں نے شیخ کو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر دیکھا اور حضور نے سب کے بعد مجھ سے مصافحہ فرمایا۔''

حضرت شیخ ابوالعباس حرار فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضورِ انور اولیاء کرام کے لیے احکام وفرامین تحریر فرما رہے ہیں۔ میرے بھائی جن کا نام محمد ہے ان کے لیے بھی حضور نے ایک فرمان تحریر فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے حضور نے کوئی فرمان نہ لکھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اس کے سوا ان کا ایک مقام ہے۔

امام حجۃ الاسلام نے اپنی کتاب ''المنتقذ من الضلال'' میں فرماتے ہیں کہ ارباب قلوب' بیداری میں فرشتوں اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ان کی آوازیں سنتے اور ان سے انوار کا اقتباس اور فوائد کا استفادہ کرتے ہیں۔

حضرت سید نور الدین الحی والد ماجد سید صفی الدین وسید عفیف الدین سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے بعض اوقات بوقت زیارت' قبر شریف کے اندر سے جواب سلام یعنی علیك السلام یا ولدی کو سنا ہے۔

مواہب لدنیہ میں اس قسم کی بہت سی حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن سے دیدار بحالت بیداری اور خواب دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اور نقل کرتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز ''عوارف المعارف'' میں حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا میں نے اس وقت تک نکاح کرنے کا ارادہ نہ کیا جب تک رسولِ خدا ﷺ نے مجھ سے نکاح

کرنے کا حکم نہ فرمایا۔

راقم ایں حرف بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین (محدث دہلوی رحمتہ اللہ) ثبتہ اللہ فی مقام الصدق والیقین کہتا ہے کہ ''بہجۃ الاسرار'' میں جو کہ شیخ ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی رحمتہ اللہ کی تصنیف ہے۔ ان شیخ کے اور حضور سیّدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ وہ حضرت شیخ جلیل القدر ابوالعباس احمد بن شیخ عبداللہ ازہری حسینی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں حضور سیّدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مجلس شریف میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کی مجلس مبارک میں دس ہزار لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور شیخ علی بن ہیتی غوث الاعظم کے بالکل سامنے مواجہ میں تھے۔ اس لیے کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ یہی مقرر تھی۔ انہیں غنودگی نے گھیرا۔ اس وقت حضور غوث الاعظم نے فرمایا خاموش ہو جاؤ۔ چنانچہ تمام لوگ خاموش ہو گئے اور ان کی سانسوں کی آواز کے سوا کوئی دوسری آواز سنائی نہ دیتی پھر حضور غوث الاعظم منبر شریف سے اترے اور حضرت شیخ ہیتی کے سامنے باادب دست بستہ کھڑے ہو گئے اور خوب غور سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر جب شیخ علی نیند سے بیدار ہوئے تو فرمایا اے شیخ کیا تم نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے۔ وہ کہنے لگے ہاں! فرمایا میں اسی وجہ سے ادب بجالایا تھا۔ اور فرمایا حضور نے تمہیں کیا نصیحت فرمائی ہے۔ انہوں نے کہا: مجھے آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس وقت شیخ علی ہیتی نے لوگوں سے فرمایا کہ میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا۔ حضور غوث الاعظم نے اسے بیداری میں دیکھ لیا۔ اس روز اہل مجلس میں سے سات آدمی (خوف وخشیت الٰہی سے) فوت ہو گئے تھے۔ واضح رہنا چاہیے کہ صاحب مواہب لدنیہ نے بعد از نقل اقوال مشائخ در رویت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شیخ بدرالدین حسن بن اہرل سے روایت نقل کی ہے کہ بیداری کی حالت میں رویت شریف کا وقوع ان اولیاء کرام کی خبروں سے حد تواتر تک ثابت ہو چکا ہے۔ جن سے ایسا علم قوی حاصل ہوتا ہے۔ جس سے کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ وقوع رویت کے وقت ان اولیائے کرام کے حواس گم ہو جاتے ہیں اور ان پر ایسا حال وارد ہوتا ہے جس کو لفظوں میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس رویت میں ان کے مراتب واحوال مختلف ومتفاوت ہیں۔ کبھی وہ خواب میں دیدار سے مشرف ہوتے ہیں اور کبھی حواس کی غیبوبیت میں جسے وہ بیداری خیال کرتے ہیں اور دیدار سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اور کبھی اپنے ہی تصور وخیال کو دیکھ کر گمان کر لیتے ہیں حقیقتاً حضور کا دیکھنا نیند اور بیداری کے مابین ہوتا ہے۔ جسے ہم غنودگی کہتے۔ ہاں وہ ارباب قلوب جو ہمیشہ مراقبہ وتوجہ میں قائم رہتے ہیں اور نفسانی کدورتوں سے پاک وصاف اور دنیا واہل دنیا سے مطلقاً کنارہ کش اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جمال پرانوار کے عاشق اور مشتاق رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ولی اپنے تمام اہل وعیال اور مال ومنال سے جدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اس شان کے ساتھ کرتا ہے جس طرح کہ حضور سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے عالم شہود میں اپنی آنکھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت متمثلہ کی زیارت کی۔ اور ان کو اتنا اختیار تھا کہ وہ ہر عالم میں جہاں جسمانی علائق سے مبرا ہوتے ہیں حالت ذوق میں کلام کرتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی سے مروی ہے کہ کہا اگر مجھ سے ایک لحظہ کے لیے جمال جہاں آرا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن وآداب اور سلوک ومناہج میں دوامی مشاہدہ وحضور پر محمول ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ ارشاد پر ہے جس میں فرمایا الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ یعنی ''احسان'' یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور بدر اہلال نے شیخ ابوالعباس مرسی کے اس قول کے بعد کہا کہ مشائخ کرام کے کلام واقوال میں جو کچھ واقع ہے۔ اس کو جائز رکھنے کے بارے میں یہ قول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حجاب غفلت ونسیان سے حضور در پردہ نہیں ہیں اور دائمی طور پر اعمال واقوال میں مراقبہ وحضور اور استحضار کی جہت سے مشاہدہ میں ہیں۔ اور یہ مراد نہیں لیا کہ اپنی آنکھوں سے

حضورِ انور ﷺ کی روح پیکری سے محجوب نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے واللہ اعلم۔ مواہب لدنیہ کی عبارت کا یہ اختصار وخلاصہ ہے کہ جو انہوں نے چشمِ سر بیداری میں رویت کے انکار میں نقل کیا ہے۔

بندہ مسکین ثبتہ اللہ علیٰ طریق الصدق والیقین یعنی شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ دوامی مراقبۂ حضور غلبہ شوق ومحبت' رویت بچشم خیال اور مثال کا تصور کرنا یہ اہل طلب اور اصحاب سلوک کا ایک مرتبہ ہے۔ جس سے وہ متمتع اور محفوظ ہوتے ہیں۔ سلسلہ کلام صورت ومثال کی رویت پر چل رہا ہے۔ جیسا کہ خواب میں جائز ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کا جو ہر شریف متصور ومتمثل ہو جائے اور اس میں شیطان کے متصور ومتمثل ہونے کا شبہ تک نہ رہے۔ یہ بات بیداری میں بھی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ سونے والا نیند میں دیکھتا ہے۔ جاگنے والا بیداری میں دیکھتا ہے؟ ''بہجۃ الاسرار'' کی حکایت سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کئی ہزار بنی اسرائیل کے ساتھ احرام باندھتے' تلبیہ پڑھتے اور حج کرتے دیکھا ہے۔ اس کیفیت کو بھی خواب اور یقین میں مبالغہ پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ تمثیل ملکوتی بصورت ناسوتی یعنی انسانی شکل میں فرشتوں کا آنا حقیقت امری ہے اس سے یہ مستلزم نہیں کہ حضورِ انور ﷺ قبر شریف سے نکل آئے ہوں گے۔ اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بیداری میں دیدار سے مشرف ہونے والوں کو ''اصلاحی صحابہ'' کہا جائے۔ لیکن بعض وجوہ میں یہ صحابی کے حکم میں ضرور ہوں گے۔ اور اگر عالم حسی سے غلبہ ذکر کی وجہ سے غیبو بیت ثابت کریں اور نیند وخواب کا اثبات نہ کریں تو کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اس لیے کہ نیند نام ہے دماغ میں غلبۂ رطوبت مزاجی کی وجہ سے حواس کے معطل ہو جانے کا۔ اور اس جگہ حواس کی غیبو بیت' ذکر شہود کے غلبہ کی وجہ سے ہے اور یہ بیداری میں ہے نہ کہ نیند میں۔

خلاصہ مبحث یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کو بعد از رحلت دیکھنا مثالی ہے جیسا کہ نیند میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح بیداری میں بھی مشرف ہوا جا سکتا ہے اور وہ وجود مبارک جو مدینہ منورہ میں اپنی قبر شریف میں آسودہ ہے وہی متمثل ہوتا ہے۔ اور ایک آن میں متعدد مقامات پر جلوہ افروز ہوتا ہے جو عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں دیدار سے مشرف فرماتا ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ خود فرماتے ہیں کہ جو شخص اولیائے کرام کی کرامتوں کی تصدیق کرتا ہے اور یہ کہ اولیائے کرام اس قابل ہیں کہ ان پر زمین وآسمان کی کی ہر چیز بے شک وشبہ منکشف ہو جائے۔ تو یہ دیدار بھی اسی قبیل سے ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ عوام میں سے ہر وہ شخص جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے اسے خواص حالت بیداری میں پاتے ہیں اور عوام جو کچھ محنت ومشقت سے حاصل کرتے ہیں اولیاء کرام ان کو اللہ تعالیٰ کی موہبت یعنی عطا سے پاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ۔

تنبیہ: اگرچہ حضورِ اکرم ﷺ کا خواب میں دیدار سے مشرف ہونا حق وثابت ہے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ خواب میں جو کچھ از قبیل احکام سنے اس پر عمل نہ کرے۔ یہ اس بنا پر نہیں کہ رویت میں کوئی شک وتردد ہے بلکہ اس لیے ہے کہ خواب میں یعنی نیند کی حالت میں ضبط وحفظ ناپید ہے۔ جیسا کہ علماء فرماتے ہیں اور احکام سننے سے مراد ایسے شرعی احکام ہیں جو دین وشریعت کی مخالف ہوں (ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔) ورنہ بعض وہ علوم جو اس قبیل سے نہیں ہیں ان کے ماننے اور ان پر عمل کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ بکثرت محدثین کرام نے احادیث کریمہ کی تصحیح حضورِ اکرم ﷺ سے کی ہے اور عرض کیا ہے کہ کیا فلاں حدیث آپ سے روایت کی گئی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ہاں یا نہیں۔ اور بیداری میں رویت سے بھی مشائخ نے استفادہ علوم کیا ہے (واللہ اعلم)۔

اسم مبارک پر نام رکھنا: انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر نام رکھنا مبارک ونافع اور دنیا وآخرت میں حفاظت میں لینے والا ہے۔ چنانچہ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: بارگاہِ حق میں دو

بندے کھڑے کیے جائیں گے اس پر حق تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرنے کا حکم فرمائے گا۔ یہ دونوں بندے عرض کریں گے اے خدا کس چیز نے ہمیں جنت کا اہل اور مستحق بنایا حالانکہ ہم نے کوئی نیک عمل نہیں کیا بجز اس کے کہ تیری رحمت سے ہم جنت میں جانے کے امیدوار تھے۔ اس پر اللہ رب العزت جل وعلیٰ فرمائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس لیے کہ ہم نے اپنی ذات کی قسم اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ میں اسے ہرگز جہنم کی آگ میں نہ بھیجوں گا جس کا نام احمد یا محمد ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ سے فرمایا: مجھے قسم ہے اپنے عزت وجلال کی کسی ایک پر عذاب نہ کروں گا جس کا نام تمہارے نام پر ہے۔ سیّدنا علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا کوئی دستر خوان نہیں ہے کہ بچھایا گیا ہو اور اس پر لوگ کھانے کے لیے آئیں اور ان میں احمد یا محمد کے نام والے ہوں مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس گھر کو جس میں یہ دستر خوان کھانے کا بچھایا گیا ہو اسے روزانہ دو مرتبہ پاک نہ فرمائے۔ اسے ابو منصور دیلمی نے روایت کیا۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ کوئی گھر نہیں ہے جس میں نام محمد والے ہوں مگر یہ کہ حق تعالیٰ انہیں برکت دے۔ ایک حدیث میں ہے جو قوم کسی مشورہ کے لیے جمع ہوئی اور ان میں کوئی شخص ایسا موجود ہے جس کا نام محمد ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے نام میں برکت عطا فرمائے گا۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس کا نام محمد ہو گا حضور اس کی شفاعت کریں گے اور جنت میں داخل کرائیں گے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

فان لی ذمۃ منہ بِتَسْمِیَتِیْ محمد وھو اوفی الخلق بالذمم

صاحب مدارج النبوۃ نے ایک مرتبہ خواب میں حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔ حاضرین مجلس نے عرض کیا کہ محمد عبدالحق (محدث دہلوی رحمۃ اللہ) سلام عرض کر رہے ہیں۔ حضور غوث پاک کھڑے ہو گئے اور معانقہ فرمایا اور فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔'' بظاہر یہ بشارت اسی نام رکھنے کی برکت کا نتیجہ میں ہے۔ کیونکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ بعض علماء اسم مبارک اور آپ کی کنیت دونوں کو جمع کر کے نام رکھنے کو منع فرماتے ہیں اور ایک ایک کر کے رکھنے کو جائز کہتے ہیں۔ (یعنی یا تو ابوالقاسم نام رکھو یا محمد نام رکھو) یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کئی مذہب ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً ممنوع ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم نام رکھنا اس شخص کے لیے جائز ہے جس کا نام محمد نہیں ہے۔ اور جو حضرات مطلقاً جائز کہتے ہیں وہ ممانعت والی حدیثوں کو حضورِ اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کی حالت کے ساتھ مخصوص ومقید کرتے ہیں۔ یہ قول اقرب الی الصواب ہے۔ (انتہیٰ)۔

بارگاہِ نبوی میں بلند آوازی کی ممانعت: انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حدیث رسول پڑھتے وقت غسل کرنا اور خوشبو ملنا مستحب ہے۔ حدیث رسول ﷺ کو پڑھتے وقت آواز کو پست کیا جائے۔ جس طرح کہ حیاتِ طیبہ میں جب گفتگو ہوتی تو آواز پست رکھی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ اے ایمان والو نبی کی آواز سے اونچی اپنی آوازوں کو نہ بلند کرو۔

اس لیے کہ آپ کا کلام اور حدیث پاک مروی وماثور ہے اور یہ آپ کے بعد عزت ورفعت میں آپ ہی کی آواز کی مانند ہے۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ کسی اونچی اور بلند جگہ پر پڑھا جائے۔

حضرت مطرف سے مروی ہے کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو پہلے باندی کو بھیج کر دریافت کراتے

کہ شیخ سے کیا چاہتے ہو؟ آیا حدیث پاک یا مسائل شرعیہ؟ اگر لوگ مسائل کہتے تو فوراً باہر تشریف لے آتے۔ اور ان کو مسائل تعلیم فرماتے ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آپ اندر ہی سے مسائل کے جواب بھیج دیتے اور اگر لوگ حدیث پاک سننے کی استدعا کرتے تو پہلے آپ غسل خانے میں جاتے غسل کرتے سفید لباس پہنتے' سر پر عمامہ باندھتے۔ چادر اوڑھتے' خوشبو لگاتے' کرسی رکھی جاتی پھر آپ باہر تشریف لاتے اور کرسی پر جلوس فرماتے۔ اور عود وعنبر کی دھونی لگائی جاتی اور خشوع ووقار کے ساتھ حدیث مبارک پڑھتے حالانکہ قرأتِ حدیث مبارک فرمانے کے سوا آپ کرسی پر نہ بیٹھا کرتے تھے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمتہ اللہ نے یہ روش حضرت سعید بن مسیب سے حاصل فرمائی تھی۔

حضرت قتادہ اور مالک اور دوسری جماعت بے وضو قرأتِ حدیث کو مکروہ جانتے تھے۔ حضرت اعمش کی تو یہ عادت تھی کہ جب یہ بے وضو ہو جاتے تو تیمم کر لیتے تھے۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے ذکر مبارک' حدیث مبارک' اسم مبارک اور آپ کی سیرت پاک کے سننے کے وقت ویسا ہی احترام' تعظیم' اور توقیر لازم ہے۔ جیسی کہ آپ کی مجلس مبارک کی حاضری میں تھی۔

کسی آنے والے کی خاطر قرأت حدیث کے وقت کھڑا نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ حضور کے ادب واحترام پر دوسرے کو ترجیح ملتی ہے۔ اور یہ کہ غیر کی طرف متوجہ ہونے سے آپ کی حدیث میں رکاوٹ لازم آتی ہے۔ خاص کر فساق وفجار اور مبتدع لوگوں کے لیے تو ہرگز نہ کھڑا ہو۔ سلف صالحین کی یہ عادت مستمرہ تھی کہ احترام حدیث نبوی ﷺ کی خاطر نہ حدیث میں قطع کرتے اور نہ حرکت کرتے اگرچہ ان کے جسموں پر کوئی آفت یا ضرر ہی کیوں نہ پہنچتا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک رحمتہ اللہ کے جسم مبارک پر بچھو نے سترہ مرتبہ ڈنک مارا' مگر آپ نے جنبش تک نہ کی اور صبر وتحمل فرماتے رہے۔ اور حدیث نبوی ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی خاطر حدیث کو قطع نہ کیا۔ اسے ابن الحاج نے ''المدخل'' میں بیان کیا ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے حضورِ اکرم ﷺ سے ایک لمحہ کے لیے ملاقات کی یا آپ کی مجلس مبارک میں بیٹھا اور ایک لحظہ اور ایک نظر جمال مبارک کو دیکھا اس کے لیے صحابیت ثابت ہے۔ علماء اسے حضور ﷺ کے خصائص میں لکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عرف وعادت میں تو طویل عرصہ رہنے اور عرصہ دراز تک ہم نشینی حاصل ہونے کو مصاحبت کہتے ہیں مگر یہاں ایک لحظہ اور ایک نظر بھی میسر آ جاتے تو صحابیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور بقول صحیح ومختار ایسے ہی کو صحابی کہتے ہیں۔

علماء نے بکثرت ایسے خصائص کا بھی ذکر کیا ہے جو حضورِ اکرم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک ہیں۔ مثلاً نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا اور شیطان کا متمثل نہ ہونا اور جماہی وغیرہ کا نہ آنا وغیرہ۔ ممکن ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کو بیک نظر جمال انور دیکھنے اور صحبت اختیار کرنے سے نورانیت اور کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ صفات ان میں ظاہر ہو جاتی ہوں۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ حضو انور ﷺ کی محض ایک نظر مبارک کی یہ تاثیر ہے کہ بیوقوف نادان پر پڑ جائے تو وہ حکمت ودانائی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ اور قوت القلوب میں ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے جمال جہاں آرا پر ایک نظر پڑنے سے ایسا کچھ نظر آنے لگتا ہے اور ایسے ایسے انکشافات ہونے لگتے ہیں جو متعدد چلوں اور مراقبوں سے نہیں حاصل ہو سکتے۔ حضور سید الانبیاء ﷺ کے یہ ایسے خصائص ومعجزات ہیں جو کسی دوسرے نبی میں نہ تھے۔ اسے بھی حضور کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

نیز یہ بھی منجملہ خصائص میں سے ہے کہ حضور ﷺ کے تمام صحابہ کرام عادل ہیں کیونکہ ان کی مدح وتعدیل میں کتاب وسنت واضح طور پر شاہد ہیں ان کی عدالت میں کسی ایک کے بارے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث کی تمام راویوں میں تنہا صحابی کی (منفرد) روایت کو فرد وغریب نہیں کہتے۔ بلکہ صحابہ کے بعد تابعین اور ان کے بعد کے راویوں میں فرد وغریب بولا جاتا ہے۔ اہل سنت

وجماعت کا تمام صحابہ کے عادل ہونے پر اجماع ہے اگر چہ ان میں سے بعض پر فتنوں اور شورشوں کی نسبت ہے۔ مگر حسن ظن کی بناء پر کہتے ہیں کہ شورشیں اور فتنے ان کے اجتہاد اور تاویل میں خطا واقع ہونے کی بناء پر ہوئے ہوں گے۔ ان کے فضائل وکمالات میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حضور کے اوامر ونواہی کو غایت درجہ بجالاتے' حضور ﷺ کی صحبت میں حاضر رہتے۔ غزوہ جہاد میں حضور کے ہمرکاب رہتے' ممالک واقالیم کے فتح کرنے' لوگوں میں احکام وہدایت کرتے' نماز وروزہ اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات میں ہمیشہ مشغول رہتے اسمیں کوئی اشتباہ نہیں پایا جاتا۔ ان صحابہ کرام میں جرأت وشجاعت' بخشش وکرم اور اخلاق حمیدہ کے ایسے صفات کمال تھے کہ گزشتہ امتوں میں سے کسی امتی کو حاصل نہ تھے۔

نیز جمہور علماء کا مذہب ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیار امت اور افاضل ملت ہیں اور ان کے بعد والوں میں سے کوئی بھی ان کے مرتبہ ومقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور بعض علماء نے جیسے حضرت ابن عبداللہ (جو کہ مشہور محدثین میں سے ہیں) اور ان کی مانند اوروں نے بھی ان کے بارے میں یہی کہا ہے کہ اس جماعت میں وہ کون ہوگا جو ان کے بعد آئے۔ اور ان کے کمالات علمی وعملی میں ان سے افضل ہو؟ بعض صحابہ سے ارتکاب گناہِ کبیرہ ہوا۔ اور ان پر حد شرعی قائم کی گئی۔ ابن عبداللہ نے ان حدیثوں سے استدلال کیا۔ جو آخر امت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ اور بعض محدثین کہتے ہیں کہ صحابہ کی افضلیت اور سب سے بہتر ہونے کی فضیلت ان صحابہ کبار کے ساتھ خاص ہے جو حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں طویل عرصہ حاضر رہے۔ اور انہوں نے حضور سے بہت استفاضہ اور استفادہ کیا۔ قول مختار پہلا ہی قول ہے۔ اور حق یہ ہے کہ حضور ﷺ کی رویت کی فضیلت اور یقین کا حاصل ہونا اور بالمشاہدہ ایمان سے مشرف ہونا صحابہ کرام ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی دوسرا ایسی فضیلت نہیں رکھتا۔ اور وہ حدیثیں جو آخر امت کی فضیلت میں وارد ہیں ان کی حیثیت اور ہے۔ کیونکہ ان کا ایمان بالغیب ہے۔ جیسا کہ ''یومنون بالغیب'' (بے دیکھے ایمان لائیں) کی تفسیر میں مفسروں نے بیان کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

انہی خصائص میں سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مصلی یعنی نماز پڑھنے والا نماز میں یا درود وسلام بھیجنے والا حضور انور ﷺ کو صیغۂ خطاب سے اپنے قول میں ''السلام علیک ایہا النبی'' سے مخاطب کرتا ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کو ایسے صیغۂ خطاب سے مخاطب نہیں کرتا۔ اگر اس خطاب سے یہ مراد ہے کہ حضور انور ﷺ کے سوا کسی اور پر خاص کر کے سلام بھیجنا واقع نہیں ہوا ہے تو یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مبارک کے موافق ہے جس میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم کہتے ''السلام علی اللہ' السلام علی جبریل' السلام علی میکائیل' السلام علی فلان'' پھر جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو اپنا رخ انور ہماری طرف پھیر کر فرمایا ''السلام علی اللہ'' نہ کہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے یعنی ہر نقص سالم ومحفوظ جو خوف واحتیاج کا وہم پیدا کرتا ہے بے معنیٰ ہے۔ لہٰذا جو کوئی تم میں سے نماز کے قعدہ میں بیٹھے تو وہ کہے کہ **التحایت اللہ ولاصلوات والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمته اللہ وبرکاته السلام علینا وعلٰی عباد اللہ الصالحین.''**

جب بندے نے یہ کلمات کہے تو خدا کے ہر صالح بندے کو خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں سلام پہنچتا ہے۔ (آخر حدیث تک) لہٰذا اس جگہ خصوصیت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ پر سلام کا پیش کرنا واقع ہے اور دوسروں کو عمومیت کے زمرہ میں رکھا ہے۔ اور اگر ''التحیات'' میں باوجود غیبویت نظر کے حضور اکرم ﷺ کو صیغہ خطاب سے سلام عرض کرنا خصائص سے مراد لیں تو اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ کہ علماء فرماتے ہیں چونکہ شب معراج میں صیغہ خطاب سے رب العزت جل وعلیٰ کی جانب سے حضور اکرم ﷺ پر وارد ہوا تھا۔ اس کے بعد اسی صیغہ کو بحالہ برقرار رکھا گیا۔ اور ''کرمانی شرح صحیح بخاری'' میں کہا گیا ہے کہ رسول ﷺ کی رخصت کے بعد

صحابہ کرام السلام علی النبی کہتے تھے نہ کہ صیغہ خطاب سے (واللہ اعلم)۔
بعض عرفاء کے کلام میں واقع ہوا ہے کہ نمازی کا التحیات میں صیغہ خطاب سے حضور پر سلام عرض کرنا حضور اکرم ﷺ کی روح مقدس کے شہود وملاحظہ کرنے اور تمام موجودات میں روح مقدس کے ذراری سرایت کرنے خصوصاً نمازیوں کی روحوں میں جلوہ فگن ہونے کی بناء پر ہے۔ غرضیکہ نماز کی حالت میں حضور اکرم ﷺ کے شہود حضور اور وجود گرامی سے جلوہ فگن ہونے سے غافل و بے خبر نہ رہنا چاہیے۔ اور امید رکھنا چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ کی روح پُر فتوح پر فیوضات وارد ہوں۔ اور انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ ہر اس شخص پر واجب ہے جسے حضور انور ﷺ پکاریں کہ وہ جواب میں حاضر ہو۔ اگرچہ وہ نماز میں ہو جیسا کہ سعید بن معلّٰی کی حدیث شاہد وناطق ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نماز میں تھا کہ حضور انور ﷺ نے پکارا میں نے جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے نماز کے بعد بارگاہ قدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز میں تھا جواب عرض نہ کر سکا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ

اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ — اللہ اور رسول جب تمہیں پکاریں تو فوراً حاضر ہو کر قبول کرو بایں وجہ کہ تم دوست رکھتے ہو۔

لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی اجابت فرض ہے اور اس کے ترک سے گنہگار ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ نماز باطل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو ''صاحب مواہب'' فرماتے ہیں کہ علماء شوافع اور دیگر حضرات نے یہ تصریح کی ہے نماز باطل نہیں ہوتی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ باطل ہو جاتی ہے بہر حال حدیث سے کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی (واللہ اعلم)۔

انہی خصائص میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنا دوسروں پر جھوٹ باندھنے کے برابر نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص حضور اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھے اس سے کبھی کوئی بھی روایت قبول نہیں کی جاتی۔ اگرچہ وہ جھوٹ سے توبہ کر لے جیسا کہ محدثین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا اس پر حضور انور ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا ''جاؤ اگر وہ تمہیں مل جائے تو اسے قتل کر دو'' شیخ محمد جوینی جو کہ امام الحرمین کے والد ہیں وہ اس طرف گئے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر قصداً جھوٹ باندھنا کفر ہے لیکن ان کے اس قول میں ائمہ کرام نے موافقت نہیں کی ہے اور حق پر ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر عظیم ترین بدی اور گناہ کبیرہ ہے مگر کافر نہیں ہوتا۔ جب تک وہ اسے حلال نہ جانے اور توبہ اگر صحیح ہو اور اس کے آثار وقرائن ظاہر و عیاں ہوں تو مقبول ہے اور شہادت و روایت کے درمیان فرق نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور انور ﷺ ہر قسم کے گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔ عمداً ہوں یا سہواً ہر ایک سے معصوم ہیں۔ یہی مذہب مختار ہے اور ایسی ہی عصمت تمام انبیاء علیہم السلام میں ہے۔ اس کی تفصیل علم کلام کی کتابوں میں ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر جنون، دیوانگی اور طویل بے ہوشی کی نسبت جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ عیب ونقص ہے۔ اسی طرح تمام نبیوں پر بھی یہ جائز نہیں ہے۔ علامہ سبکی علیہ الرحمتہ نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بے ہوشی دوسروں کی بے ہوشی کے برخلاف ہے اور یہ کہ درد والم کا غلبہ ظاہری حواس پر ہوتا ہے نہ کہ دل پر۔ اس لیے کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کی آنکھیں محوخواب ہوتی ہیں نہ کہ ان کے دل۔ جب کہ ان کے دلوں کو نیند وخواب سے جو کہ بے ہوشی سے بہت ہی ہلکا اور سبک تر ہے۔ اس سے محفوظ رکھا گیا ہے تو بے ہوشی سے وہ بطریق اولیٰ محفوظ ہوں گے۔ نیز علامہ سبکی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر نابینائی یعنی آنکھوں کی روشنی کا زائل ہو جانا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ نقص وعیب ہے اور کوئی نبی بھی اعمٰی ونابینا کبھی نہیں

ہوئے۔اور وہ جو حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے وہ ثابت نہیں ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی چشم مبارک پر پردہ آ گیا تھا جس نے روشنی کو ڈھانپ لیا تھا۔(امام فخر الدین رازی) ارشاد باری تعالیٰ: وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ (ان کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ''ان پر گریہ و بکا غالب ہوگیا اور غلبۂ گریہ و بکا کے وقت ان کی آنکھ میں بہت پانی آ جاتا گویا کہ وہ سفید ہوگئیں اور وہ سفیدی پانی سے تھی۔ یہ اس قول کی صحت پر دلیل ہے۔ کیونکہ غلبۂ بکا میں غم اثر انداز ہوتا ہے نہ کہ نابینائی کے حصول میں۔اس کے بعد امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ کلیۃ نابینا ہوگئے تھے۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مبارک سر مبارک پر ڈالتے وقت بصارت واپس لوٹا دی تھی۔بعض کہتے ہیں کہ کثرت بکا و حزن سے ان کی بصارت کمزور ہوگئی تھی۔اور وہ بصارت کی کمزوری کو محسوس فرماتے تھے۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مبارک ان کے چہرۂ انور پر ڈالی گئی تو ان کی بصارت قوی ہوگئی۔اور کمزوری جاتی رہی۔(انتہیٰ کلامہ)۔

علامہ سبکی علیہ الرحمتہ نے نابینائی کے جائز نہ ہونے کی علت اس کا نقص و عیب ہونا قرار دیا ہے۔تو انبیاء علیہ السلام پر ایسے امراض میں مبتلا ہونا جو نقص و عیب ہیں ان کے اطلاق پر بھی یہ حکم داخل ہے۔خصوصاً وہ ابتلاء و امتحان جو حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں عارض ہیں (ان کے لیے ایسے مرضوں کے نسبت جو موجت نقص و عیب ہیں' جیسے کوڑھ' جذام' نابینائی ان کا گھوڑے پر ڈالنا وغیرہ ان سب کی نسبت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب امراض منافی شان نبوت اور موجب نقص و نفرت ہیں انبیاء علیہم السلام ان سب باتوں سے معصوم ہیں۔ فافہم۔مترجم) اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی نابینائی کا قصہ باوجود عدم ثبوت کے ان سے اس کی نسبت کرنا سراسر تحکم اور دیدہ دلیری ہے۔البتہ! حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت کے بارے میں صحیح ہے اس لیے حق تعالیٰ نے فرمایا فدرتد بصر (تو ان کی بصارت لوٹ آئی۔) مقاتل فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے چھ سال تک کچھ نہیں دیکھا حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے ان کی بصارت واپس آئی۔امام فخر الدین رازی کا قول ہے کہ تاثیر حزن غلبہ بکا میں ہے نہ کہ حصول عمیٰ میں' تو اس کا جواب یہ ہے تاثیر حزن غلبۂ بکا میں ہے اور تاثیر غلبۂ بکا عمیٰ میں ہے۔لہٰذا تاثیر حزن کے واسطہ سے عمیٰ بکا ہوگیا۔مشہور ہے کہ کوئی نبی گونگا نہ ہوا۔البتہ! ان میں سے بعض اعمیٰ ہوئے ہیں (واللہ اعلم)

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جو بھی نبی کریم ﷺ کو دشنام دیتا ہے یا کسی قسم کی تنقیص و توہین کرتا ہے خواہ صراحتہً ہو یا کنایتہً۔اس کا قتل کرنا واجب ہے اس میں سب کا اتفاق ہے۔البتہ! اختلاف اس میں ہے کہ یہ قتل کرنا بہ طریق حد ہے۔اور فی الفور قتل کر دینا چاہیے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کرنا چاہیے۔یا بہ طریق ردت یعنی مرتد ہو جانے کی وجہ سے ہے کیونکہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔اور اگر توبہ کرلے تو بخش دیا جاتا ہے مگر پہلا قول مختار ہے اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ وہ مسلمان ہو اور اگر کافر ہے اور اسلام لے آئے تو درگزر کیا جائے گا۔یہ بحث آخر کتاب میں تفصیل سے آئے گی۔(انشاءاللہ تعالیٰ)

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ احکام میں جس کے لیے جو چاہیں تخصیص فرما دیں۔اس جگہ دو قول ہیں۔ایک یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف احکام مفوّض ہونگے۔(یعنی تفویض احکام میں آپ مختار ہونگے۔) جو چاہیں آپ حکم فرما دیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ کسی کے لیے جدا وحی آتی ہوگی۔چنانچہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے تخصیص فرمائی کہ ان کی ایک شہادت دو شہادتوں کا حکم رکھتی ہے۔اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بدوی سے حضور نے ایک گھوڑا خریدا تھا پھر وہ بدوی گھوڑے کی فروختگی سے منکر ہوگیا۔اور کہنے لگا کوئی ایسا گواہ لاؤ جو یہ گواہی دے میں نے اسے آپ کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔جو بھی مسلمان آتا وہ بدوی سے کہتا ''افسوس ہے تجھ پر۔خدا کا نبی نہیں فرماتا مگر حق''،لیکن بدوی کسی کی بات نہ مانتا۔یہاں تک کہ حضرت خزیمہ آئے اور انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں

کہ تو نے فروخت کیا ہے۔'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے خزیمہ تم کیسے گواہی دیتے ہو حالانکہ میں نے تمہیں گواہ نہیں بنایا اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کی آسمان کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں تو کیا ہم اس بدوی پر تصدیق نہ کریں۔'' بنا بریں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔ اور اس فضیلت میں انہیں مخصوص فرمایا۔ خطابی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے غیر محل پر محمول کیا ہے اور اہل بدعت کے ایک گروہ نے اپنے کسی معروف و جانے پہچانے شخص کی گواہی کو حلال بنانے میں ذریعہ بنایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک وہ شخص معروف جو بھی دعویٰ کرے وہ صادق (بلا ثبوت شرعی سچا) ہے۔ حالانکہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے بدوی پر اس کے اپنے علم پر حکم فرمایا اور حضرت خزیمہ کی گواہی کو اپنے قول کی تاکید اور مخالف پر حصول غلبہ کے قائم مقام بنایا اس بنا پر معنیٰ ہیں میں دو گواہوں کے حکم میں ہو گیا۔ (فافہم)۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ام عطیہ کو جو فضلائے صحابیات میں سے ہیں بعد نزول آیہ مبایعت نساء کیونکہ اس جگہ واقع ہے وَلاَ يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ (نیکی میں نافرمانی نہ کرنا) انہیں نوحہ کی رخصت عطا فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! آل فلاں (یعنی فلاں قبیلہ) زمانہ جاہلیت میں نیاحت پر میری مدد کرتی تھیں۔ اب مجھے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ موافقت کروں اس پر حضور اکرم ﷺ نے ام عطیہ کو نیاحت میں رخصت دی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ام عطیہ کو رخصت عطا فرمانا اور نیاحت میں (خاص فلاں قبیلہ کے لیے) انہیں مخصوص کرنا ہے اور شارع کو حق پہنچتا ہے کہ جس کے لیے جو چاہے خاص فرما دے۔

اسی طرح حضرت اسماء بنت عمیس کو ان کے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب کے سوگ کو ترک کرنے پر نہیں رخصت عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تین دن تک ماتمی لباس پہنو اور سوگ کرو۔ اس کے بعد جو چاہو کرو۔

اسی طرح حضرت ابو بردہ بن نیاز کو قربانی کے لیے جذعہ بزغا یعنی بکری کے اس بچہ کو جس پر سال پورا نہ ہوا ہو اسکی قربانی دینے کو جائز قرار دیا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا جو نماز عید سے پہلے قربانی کرے اس کی قربانی شمار نہ ہوگی۔ حضرت ابو بردہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ میں ایک بکری رکھتا تھا میں نے اس کے ذبح کرنے میں جلدی جلدی (یعنی نماز عید سے پہلے ذبح کر دیا) اور عرض کیا کہ میں نے خیال کیا کہ چونکہ آج کا دن کھانے پینے کا ہے تو میں نے اپنے اہل وعیال اور اپنے ہمسایوں کو کھلا دیا اور اب میرے پاس سوائے بزغالہ کے کوئی جانور نہیں ہے مگر وہ بزغالہ (ایک سال سے کم بکری کا بچہ) فربہ اور دنبہ سے بہتر گوشت رکھتا ہے کیا میری طرف سے اس کی قربانی کفایت کرے گی۔'' حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری طرف سے وہ کفایت کرلے گا مگر تمہارے سوا دوسروں کے لیے نہیں۔

اسی طرح حضور انور ﷺ نے ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے اس چیز کے مقابلہ میں جو وہ مرد قرآن سے تعلق رکھتا تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہے اِمْرَاَةً وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ. ایک عورت نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنے آپ کو حضور پر ہبہ کر دیا۔ حالانکہ یہ حضور کے لیے جائز تھا مگر حضور نے قبول نہ فرمایا۔ پاس ہی ایک مرد مسکین کھڑا تھا اس نے کہا یا رسول اللہ اگر یہ عورت آپ کے قابل نہیں ہے تو اس کا عقد میرے ساتھ کر دیجئے۔ فرمایا: مہر میں دینے کے لیے کچھ تمہارے پاس ہے۔ کہا میرے پاس اس پہنے ہوئے تہبند کے سوا کچھ نہیں ہے فرمایا تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ عرض کیا قرآن مجید کی ان چند سورتوں کے سوا جو کہ یاد ہیں میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ فرمایا قرآن کا جتنا حصہ تجھے یاد ہے اس کے عوض نکاح کرلو۔ تم اسے تعلیم دینا اور اسی کو اپنا مہر قرار دے لو۔ حالانکہ تمہارے بعد کسی کے لیے قرآن نہ ہوگا۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور کو دو آدمیوں کے برابر بخار چڑھتا تا کہ اجر وثواب دوگنا ملے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِانور ﷺ کی بیماری میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی عیادت اوراحوال شریف کی پرسش کے لیے تین روز آئے۔انہی خصائص میں یہ ہے کہ حضورِاکرم ﷺ کی نماز جنازہ (جو کہ محض صلوٰۃ وسلام عرض کرنا تھا) بغیر امامت کے مسلمانوں کی فوج درفوج نے ادا کی اور یہ کہ بعداز وفات تین دن کے بعد دفن کیا گیا اور آپ کی لحد شریف میں اس قطیفہ کو بچھایا گیا جو آپ کے نیچے بچھا ہوا تھا۔حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور ﷺ کی سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔(یعنی نہ بغیر امامت کے نماز جنازہ اور نہ لحد میں کسی چادر وغیرہ کا بچھانا) بعض کہتے ہیں کہ لحد میں قطیفہ یعنی مخملی چادر کا بچھانا رسول اللہ ﷺ کے غلام شقران کی جانب سے تھا۔جس کا صحابہ کو علم نہ تھا یہ اس لیے کہ کوئی اور اس چادر کو اپنے نیچے نہ بچھائے۔انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِاکرم ﷺ کی رحلت کے بعد زمین تاریک ہوگئی جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تفصیل آئے گی۔انہی خصائص میں سے یہ کہ حضورِاکرم ﷺ کے جسد شریف کو زمین نہیں کھاتی اسی طرح تمام انبیاء علیہم کے اجسادِ طیبہ کو زمین نہیں کھاتی۔علماء نے اسے بھی حضور کے خصائص میں ہی شمار کیا ہے۔حالانکہ بعض اولیاء امت کے بارے میں بھی وہ نقل کرتے ہیں۔جیسا کہ شیخ علی متقی کی قبر کو ایک خاص تقریب کے موقع پر کھولا گیا تو وہ اسی طرح درست' کفن کے ساتھ باقی تھے۔وہ تقریب یہ تھی کہ ان کے بھتیجے نے جو کہ جوان اور صالح تھے خواہش ظاہر کی کہ انہیں ان کی قبر میں دفن کریں کیونکہ مکہ معظّمہ میں دستور رواج ہے کہ اموات کو بزرگوں کو قبر میں تبرکاً دفن کرتے ہیں۔

حضورِانور ﷺ کے جسد اطہر کو زمین کے نہ کھانے سے ظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ حیات طیبہ کی طرف اشارہ ہے۔اور یہ حیات حضورِانور ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِاکرم ﷺ کی رواثت' حیات وبقا کی وجہ سے پائی نہیں گئی۔آپ کا ترکہ آپ ہی کی ملکیت ہے۔بعض کہتے ہیں کہ صدقہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" ہم جو ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور اس ترکہ کو انہی مصارف پر خرچ کیا جائے گا جس پر حضور خرچ فرماتے تھے۔یعنی اہل وعیال' اولاد واحفاد' فقراء ووصایا اور مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔جیسا کہ حضورِانور ﷺ اپنی اس دنیاوی حیات میں خرچ فرمایا کرتے تھے۔اور یہ کہ حضورِانور ﷺ کو مباح ہے کہ اپنے تمام مال کے لیے وصیت فرمائیں اور آپ کے سوا دوسروں کے لیے تہائی مال کے سوا پر وصیت جائز نہیں ہے۔یہی حکم تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ ان کی میراث نہیں ہوتی۔اور حق تعالیٰ کے ان ارشادات کا مطلب کہ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِيْ. الخ (اے میرے رب! اپنی طرف سے میرا وارث بنا جو میری میراث لے۔) تو اس وراثت سے ارث نبوت وعلم مراد ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِاکرم ﷺ اپنی قبرانور میں زندہ ہیں اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام بھی۔حضورِانور اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

ابن زبالہ اور ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ (یہ وہ زمانہ ہے کہ یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ پر حملہ کر کے صدہا صحابہ کو شہید کیا۔عورتوں کی عصمتیں پامال کیں۔اور مسجد نبوی میں گدھے' گھوڑے باندھے۔العیاذ باللہ تعالیٰ) کے موقع پر مسجد نبوی شریف میں تین دن تک اذان نہ ہوئی اور لوگ مدینہ چھوڑ کر باہر نکل گئے تھے۔اس وقت حضرت سعید بن مسیّب مسجد نبوی شریف میں رہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جب ظہر کا وقت آیا تو میں متوحش وپریشان ہوگیا اور قبرانور کے پاس چلا گیا اور اذان کی آواز میں نے سنی اور نماز ظہر ادا کی۔اس کے بعد ہر نماز کے وقت قبر شریف سے اذان واقامت کی آواز سنتا رہا یہاں تک کہ تین راتیں گزر گئیں۔پھر جب لوگ واپس آئے تو انہوں نے بھی قبر شریف سے ویسی ہی آواز سنی جیسی کہ میں سنتا رہا۔

حضورِ اکرم ﷺ کے زندہ وحیات پر اتفاق کرنے کے بعد علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ قبرانور میں زندہ ہیں یا کسی خاص مقام میں۔ یا ہر وہ جگہ جہاں خدا چاہے۔ خواہ جنت میں یا آسمان میں یا کسی اور جگہ جیسا کہ مقید بجائے معین نہ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے جسد شریف کو قبر میں رکھا ہے۔ ہم وہاں سے نکلنے پر کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ آپ اسی بقعہ نور میں جلوہ افروز ہیں اور اگر کوئی کہے کہ وہ بقعہ انور تنگ ہے اس میں جسد شریف کا محبوس ہونا مناسب نہیں ہے تو اس کے جواب میں وہ حدیث پیش کریں گے جس میں ہے کہ مومن کی قبر کو ہر جانب' ستر گنا کشادہ کر دیا جاتا ہے تو حضورِ اکرم ﷺ کی قبرانور کی کشادگی کا کیا اندازہ! اس کی وسعت تو دائرہ قیاس اور وہم وگمان سے باہر ہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضورِ انور ﷺ کی تمکن واستقرار کے لیے آپ کے بقعہ قبر سے فردوس اعلیٰ انسب واولیٰ ہے تو اس کے جواب میں کہیں کہ قبر شریف سے کون سی جنت بہتر وشریف تر ہوگی۔ (کیونکہ جنت تو حضور کے غلاموں کے رہنے کی جگہ ہے۔) اگر حضورِ انور اسی جگہ رونق افروز ہیں تو امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس بقعہ کو جو حضور کے اعضائے شریف سے متصل ہے تمام مقامات اور ہر جگہ سے اسے ترجیح وفضیلت دیں حتیٰ کہ کعبہ معظمہ اور عرش عظیم سے بھی فوقیت دیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں کوئی مومن ومسلمان توقف کرے گا۔

ظاہر طور پر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کہ قبرانور سے اذان کی آواز سنی اور شب معراج کی وہ حدیث کہ حضور نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر شریف میں نماز پڑھتے دیکھا اس قول کی تائید کرتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو شب معراج میں آسمان میں دیکھنے والی حدیث اور دوسری حدیث کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستر بنی اسرائیل کے ساتھ حج کرتے اور تلبیہ کرتے دیکھا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ناظر در اطلاق مکان ہے۔

اور اگر کوئی کہے تو قرآن کریم حضورِ اکرم ﷺ کی موت پر ناطق ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ. (بیشک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔) اور حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: اِنِّیْ رَجُلٌ مَّقْبُوْضٌ. (میں ایک انتقال فرما جانے والا شخص ہوں) اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ (بلاشبہ محمد مصطفیٰ یقیناً انتقال فرما چکے ہیں) اور اس رحلت وموت کا اجماع ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضورِ انور ﷺ نے یقیناً موت کا درد والم اور اس کا ذائقہ چکھا اور رحلت فرما گئے لیکن بعد ازاں حق تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرمادیا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ مکرم ہوں کہ وہ مجھے قبر میں چالیس دن سے زیادہ رکھے۔'' نیز حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے لہٰذا حضورِ اکرم ﷺ حیات جسمانی' دنیاوی اور اس بدنی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جو آپ رکھتے تھے۔ یہ حیات شہدا کی حیات سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ شہدا کی حیات روحانی اور اخروی ہے۔ اور یہ روح کے لیے ثابت ہے۔ اور حق تعالیٰ قادر ہے کہ ان کی روحوں کے لیے اجسام مثالیہ اس عالم میں پیدا فرمائے یا انہیں بدنوں میں رکھے جو ان کے لیے ظروف کا حکم رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسلمانوں کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں ہیں جو عرش کی قندیلوں کے نیچے آسائش پاتے ہیں یا جنت میں۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ ان کے انہیں ابدان طیبہ میں لوٹا دی جاتی ہیں جو وہ دنیا میں رکھتے تھے۔ ان کے اجسام وابدان نہ بوسیدہ ہوتے ہیں اور نہ خاک بنتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ قادر ہے کہ ارواح کو بغیر بدنوں کے محفوظ رکھے۔ لیکن ان کے لئے بدنوں میں وجود رکھنے پر نقل وارد ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا' کیونکہ نماز کا ادا کرنا ان کے جیتے بدن کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور وہ صفات جو شب معراج انبیاء علیہم السلام کے بارے میں مذکور ہیں وہ صفات اجسام کی ہیں ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حیات حقیقی ہو جو وہ دنیاوی رکھتے

تھے۔اور کھانے پینے اور جسمانی دیگر ضروریات کی احتیاج جیسا کہ ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں رکھتے ہوں بلکہ برزخ میں ان کے احکام اور ہوں۔کھانے پینے اور دیگر جسمانی ضرورتوں کی احتیاج امر عادی ہے۔اور وہاں کا حال بخلاف عادت ہے اور ممکن ہے کہ وہاں روائح ونسائم اور ارزاق وغیرہ روحانی ہوں جیسا کہ شہدا کی شان میں واقع ہوا ہے کہ "یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ" (رزق دیے جاتے ہیں خوش ہیں) اور اگر جنتی کھانے دیے جاتے ہوں تو عجب نہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے **یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ** (مجھے وہ کھلاتا ہے اور مجھے وہ پلاتا ہے)۔

اب رہا علم وسماع یعنی جاننا اور سننا تو ان حضرات قدس کے لیے اس کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے بلکہ بہ تصریح علماء کرام یہ بات تو تمام مردوں کو حاصل ہے۔حدیثوں میں آیا ہے کہ نماز پڑھتے تلبیہ کہتے اور ذکر وتسبیح کرتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ برزخ نہ تو دار العمل ہے۔اور نہ وہاں احکام شرعیہ پر مکلف ہے تو یہ اعمال کس لیے کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عالم برزخ میں اجر وثواب کا اجراء ہے اور اس دنیاوی احکام مثلاً کثرت عمل اور زیاتی اجر وثواب کا حکم جاری ہے۔اور بسا اوقات بغیر تکلیف یعنی مکلف ہوئے بغیر بلحاظ تلذذ وشوق وذوق اعمال رونما ہوتے ہیں جیسا کہ نوافل وحسنات کا حال ہے۔وہاں بھی یہی ہے۔لہٰذا جنت میں تسبیح کریں گے۔اور قرآن پڑھیں گے۔چنانچہ قاری قرآن کی شان واقع ہے۔رتل وارتق یعنی تلاوت قرآن کرتے ہوئے بڑھتے چلے جاؤ۔اور اسی قبیل سے حضور کا باب شفاعت کھولنے کے وقت سجدہ فرمانا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا مال آپ کی ملک پر قائم ہے۔اور آپ کے نفقہ پر وعدہ کیا گیا ہے۔اور امام الحرمین نے اسے خصائص میں نقل کیا ہے کہ جو کچھ حضور نے چھوڑا ہے وہ آپ کی ملک پر باقی ہے۔اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی نیابت وخلافت کے طریقہ پر حضور کے اہل وعیال وخدام اور آپ کے تمام مصارف پر خرچ کیے جانے پر اتفاق کیا ہے۔اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ آپ کا مال آپ کی ملک پر باقی ہے۔یہ قول تقاضہ کرتا ہے کہ دنیاوی احکام میں آپ کی حیات ثابت ہے۔نیز حیات شہدا سے آپ کی حیات بہت زائد وارفع ہے۔(ﷺ) اور بعض زوال ملک کے قائل ہیں۔غرض کہ دونوں قسم کے اقوال پر بفحوائے ارشاد نبوی "مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ" ہم نے جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔'' حق وصادق ہے۔واللہ اعلم یہ بحث 'حیات انبیاء علیہم السلام اور حیات سیّد الانبیاء ﷺ کی مناسبت سے آ گئی ہے۔ورنہ آخر کتاب میں 'باب وفات النبی' میں دونوں باتیں مستقلاً ذکر کی جائیں گی۔اگر چہ موجب تکرار رہے مگر کوئی مضائقہ نہیں تاکہ یہ مسئلہ مؤکد ومستحکم ہو جائے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر انور پر فرشتے مقرر کیے گئے ہیں۔جو زائر کے صلوٰۃ وسلام کو پیش حضور کرتے ہیں۔اس حدیث کو امام احمد ونسائی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو ان لفظوں کے ساتھ صحیح بتایا ہے کہ

اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ عَنْ اُمَّتِیِ السَّلَامَ	بیشک اللہ نے فرشتوں کو زمین میں پھیلا دیا ہے جو میری امت کا سلام میرے حضور لا کر پیش کرتے ہیں۔

اور اصحاب کے نزدیک بروایت عمارہ حدیث میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ایک فرشتہ ہے اسے سماعت کی ایسی قوت عطا فرمائی گئی ہے جو کسی بندے میں نہیں ہے میری امت میں جو بھی جہاں بھی مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے وہ فرشتہ اس صلوٰۃ وسلام کو میرے حضور پیش کرتا ہے۔(ﷺ)

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے حضور امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔اور حضور ان کے لیے استغفار یعنی طلب آمرزش کرتے ہیں۔ابن مبارک نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی دن نہیں ہے مگر یہ کہ حضور ﷺ کی

بارگاہ میں صبح وشام امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو حضور انہیں ان کی پیشانیوں اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کہ مجھ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے جو بد ہیں انہیں چھپاتا ہوں اور جو نیک ہیں انہیں بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہوں ''چھپانے سے'' پیش نہ کرنا مراد ہوگا۔ گویا اس پر سنت الٰہی جاری ہے کہ پیش کرنے کے بعد اعمال ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جو پیش نہیں کیے جاتے وہ درجہ اعتبار سے محو وساقط کر دئے جاتے ہیں (فافهم و باالله التوفيق.)

کعب احبار کی حدیث میں ہے کہ ہر صبح وشام حضور ﷺ کی قبر شریف پر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور مزار پر انور کا طواف کرتے ہیں اور اپنے بازؤں کو ہلاتے ہیں۔ اور جب حضور اپنی قبر شریف سے (روز قیامت) مبعوث ہوں گے۔ تو ان فرشتوں کے جھرمٹ میں باہر تشریف لائیں گے۔ اور ان سے زفاف کریں گے'' زفاف کے اصلی معنی ''دلہن کو شوہر کے گھر لیجانا ہے۔'' مگر اس جگہ لازم معنی مراد ہیں کہ محبوب کو محبّ کے حضور لے جایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ فرشتے اپنے جھرمٹ میں حضور ﷺ کو درگاہ عزت میں لے جائیں گے۔ ﷺ

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ مسجد نبوی شریف میں حضور اکرم ﷺ کا منبر مبارک آپ کے حوض شریف کے اوپر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میرا منبر جنت کے ترعہ میں سے ایک ترعہ ہے۔ اور ترعہ کی تفسیر باب یعنی دروازہ سے کی گئی ہے۔ اور بعض نے درجہ سے اور بعض نے باغ کے بلند جگہ ہونے سے کی ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن سیّد عالم ﷺ منبر شریف پر ایستادہ تھے۔ آپ نے فرمایا: اس وقت میرا قدم جنت کے ترعہ میں سے ایک ترعہ پر ہے۔ اور ایک اور روایت میں یہ ہے کہ فرمایا میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اب میں اپنے حوض کے عقر پر ایستادہ ہوں۔ عقر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے حوض میں پانی آتا ہے۔ اور اس کی تاویل میں بعض علماء کہتے ہیں کہ ''حوض پر منبر ہونا'' اس سے اس کی جانب قصد کرنے' اس سے برکت لینے اور اس کے سامنے اعمال صالحہ کو ہمیشہ بجالانے کی طرف کنایہ ہے تاکہ وہ اس طرح حوض نبوی پر آنے اور اس سے جاں فزا شستہ پانی پینے کے سزاوار نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے سرور انبیاء ﷺ اپنے اس منبر کو جو شرافت بخشتی ہے کل قیامت کو تمام خلائق کے رنگ میں اعادہ فرمائیں اور حوض کوثر کے کنارے پر رکھیں رہا اسے ''ترعہ جنت فرمانا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کی عظمت وشان کے اظہار کے لیے اسے کھڑا کریں گے۔ ایک جماعت کی تاویل یہ ہے کہ یہ اس منبر کی خبریں دی جا رہی ہیں جو روز قیامت سرورِ عالم ﷺ کے لیے قائم کیا جائے گا نہ کہ یہ منبر جو مسجد نبوی شریف میں ہے۔ یہ قول تو سیاق لفظ حدیث سے بہت ہی بعید ہے۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ میرے حجرہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے اس ارشاد وکلام کا ظاہر وروشن پہلو اسی منبر شریف کی طرف ہے۔ جو روضہ مقدسہ کی تحدید کے لیے ذکر فرمایا گیا۔ اسی طرح ''تاریخ مدینہ'' میں مذکور ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک عالم نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرنے میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ اور یہی حق ہے۔ کیونکہ مخبر صادق ﷺ نے امور غیب کی جو کچھ خبریں دیں ہیں ان پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور کے منبر اور قبر شریف کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اسے بخاری نے لفظ ''ما بين بيتي ومنبري'' سے روایت کیا ہے اس مقام پر بھی علماء نے بحث کی ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ روضۂ جنت یعنی جنت کی کیاری سے اس بقعہ شریف کی تشبیہہ مراد ہے۔ نزول رحمت اور حصول سعادت اس شخص کے لیے جو وہاں ذکر ومجالست کو اختیار کرنے سے حاصل کرے۔ جیسا کہ مسجدوں کو ریاض جنت نام رکھنے میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا (جب تم ریاض جنت یعنی مسجدوں سے گزرو تو اس کے

آداب کی رعایت کرو) اس اشارہ کا پرتو بھی اسی جانب ہے۔ خصوصاً حضور انور ﷺ کے زمانہ سعادت نشان میں' کہ وہاں سے ثمرات علوم' انوار اذکار اور مجلس جنت آثار' تمام لوگ حاصل کرتے تھے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس مقام میں طاعت وعبادت بجالانا جنت میں پہنچنے کا موجب بنتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ یعنی جنت تلواروں کے سایوں میں ہے۔ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ یعنی جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔'' مذکورہ دونوں اقوال ضعیف وبعید ہیں۔ اس لیے کہ ریاض جنت سے تشبیہ' نزول رحمت' جنتی باغوں میں پہنچنا اور ان پر ثواب کا مترتب ہونا یہ تمام مسجدوں اور ہر خیر کی جگہوں کو شامل ہے۔ یہ بشارتیں مسجد نبوی شریف اور منبر مبارک کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں اور اگر انہیں رحمت خاص اور جنت کے مخصوص باغ کے ساتھ محمول کریں پھر بھی بعد وتکلف سے خالی نہیں ہے۔ حق یہی ہے کہ حضور کا کلام حقیقت اور اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ اور حجرہ نبوی اور منبر شریف کے درمیان کی جگہ حقیقتاً جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ بایں معنی کہ روز قیامت یہ جنت میں منتقل ہوگا۔ اور زمین کے تمام مقامات کی مانند فنا ونا پید نہ ہوگا۔ جیسا کہ ابن فرحون اور ابن جوزی نے حضرت امام مالک سے نقل کیا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت کے اتفاق کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا ہے۔ اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور اکثر محدثین اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اکابر علماء مالکیہ میں سے ابن ابی جمرہ نے فرمایا ہے کہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ بقعہ فی نفسہ جنت کے باغوں کی ایک کیاری ہے جسے وہاں سے دنیا کے اس مقام پر اتارا گیا ہے۔ جیسا کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کی شان میں واقع ہے اور بعد از قیام قیامت پھر اسے اس کے اصلی مقام میں لے جایا جائے۔ اور نزول رحمت اور استحقاق جنت اس مقام کے فضل وعلوم مرتبت کو لازم ومترتب ہے۔ یا یہ کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت کے ایک خاص پتھر سے مرتبہ جلیلہ امتیازی شان سے عطا فرمایا گیا۔ اسی طرح حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو روضة میں ریاض الجنة سے اختصاص فرمایا گیا۔ اگر وہ ظاہری آنکھوں سے تمام دنیائے ارضی کے اجزاء کی مانند نظر آئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ جب تک انسان اس دنیا میں طبیعت کے کثیف حجابوں اور بشریت کی عادت وخصلت کے حجاب میں محجوب ہے۔ اس وقت تک اس پر اشیاء کی حقیقتوں کا انکشاف اور امور آخرت کا ادراک اس سے ممکن نہیں۔ اور تمہیں یہ وہم نہ کرنا چاہیے کہ جب اس بقعہ طیبہ کی حقیقت ''روضہ من ریاض الجنة'' ہے تو تشنگی وبرہنگی وغیرہ دور ہونا جنت کے خواص اور لوازم میں سے ہے اس جگہ میں نہ ہو جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ لَکَ اَنْ لَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰی. بیشک تمہارے لیے جنت میں نہ بھوک ہوگی نہ برہنگی۔

اس لیے ممکن ہے کہ لوازم جنت نے اس بقعہ کے اخراج کے بعد انتقال وجدائی کی صورت قبول کر لی ہو' لہٰذا حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہو گے۔ اس جگہ بھی تو یہ آثار ظاہر نہیں ہیں۔

اگر تم یہ کہو اس قسم کی باتیں بغیر سماع خبر (حدیث) ثابت نہیں ہوتیں چونکہ رکن یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم کے لیے دلائل وشواہد بطریق تعبد وتسلیم واقع موجود ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہوگیا۔ اور ان کے سوا میں ایسا نہیں ہے تو جواب میں ہم کہیں گے کہ دلیل وشہادت خبر رسول اللہ ﷺ کے سوا نہیں ہے۔ جس طرح رکن ومقام کی حقیقت' اس صادق ومصدوق ﷺ کی خبروں سے معلوم ہوئی ہے۔ اسی طرح روضہ شریف اور منبر مبارک کا حال بھی معلوم ہوا ہے۔ اگر اس جگہ تاویل ہو سکتی ہے تو یہ دونوں جگہ ممکن ہے۔ اور اگر حقیقت کی جانب لے جاتے ہو تو بھی یہ دونوں جگہوں میں ثابت ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے سب سے پہلے قبر انور شق ہوگی اور سب سے پہلے باہر تشریف لائیں گے۔ اور مبعوث ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ روز قیامت موقف میں حاضر ہوں گے۔ اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے۔ جو' پل

صراط'' سے گزریں گے۔اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میں روز قیامت جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اسے کھلواؤں گا۔پھر خازن جنت کہے گا بك امرت لاافتح لاحد قبلك مجھے آپ ہی کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لیے باب جنت نہ کھولوں۔اور ممکن ہے کہ'' بک'' میں باقسم کے لیے ہو۔یعنی قسم ہے مجھے آپ کی الخ یہ معنی احسن اور ذائقہ محبت میں زیادہ لذیز ہیں۔اور آپ ہی وہ شخص ہیں جو جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے اور آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ براق پر سوار محشور ہوں گے۔اور آپ کو جنت کے نفیس ترین جوڑوں میں سے سب سے اعلیٰ خلعت ولباس عطا فرمایا جائے گا۔دوسری حدیث میں ہے کہ روز قیامت لوگ محشور ہوں گے۔اس وقت میں اور میری امت ''رتل'' یعنی مقام بلند پر ہوں گے۔اور حق تعالیٰ مجھے سبز حلہ (جوڑا) پہنائے گا۔اور حضور اکرم ﷺ مقام عرش پر اس جگہ کھڑے ہوں گے جہاں کوئی بھی کھڑا نہ ہوا ہوگا اور اس پر اگلے پچھلے رشک وغبطہ کریں گے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضور کو'' مقام محمود'' عطا فرمایا جائے گا۔مجاہد جو کہ ائمہ تفسیر سے ہیں کہتے ہیں کہ اس سے مراد عرش پر جلوس فرمانا ہے اور عبداللہ بن السلام سے مروی ہے کہ'' کرسی'' پر جلوس فرمانا ہے۔تفسیر بیضادی میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جو بھی وہاں کھڑا ہوگا اور آپ کو پہچانے گا آپ کی تعریف وثنا کرے گا۔یہ مطلقاً ہر مقام کے لیے ہے۔گویا آپ جہاں بھی قیام فرمائیں گے وہی مقام کرامت وبزرگی کو شامل ہے۔لیکن مشہور ہے کہ یہ مقام شفاعت ہے اس پر مزید بحث آپ کے فضائل کے ضمن میں آئے گی۔جو انشاء اللہ آخرت میں ظہور پذیر ہوں گے۔

انہی خصائص میں یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کو اہل موقف کے درمیان شفاعت عظمیٰ دی جائے گی۔جس وقت کہ تمام انبیاء ومرسلین کے بعد وہ آئیں گے۔کسی جماعت کو جنت میں بے حساب داخل کرائیں گے اور کسی کے درجات بڑھائیں گے۔اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ کا لواء حمد (حمد کا جھنڈا) ہوگا۔روز قیامت حضرت آدم اور ان کے ماسوا سب ہی اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور وسیلہ جو اعلیٰ درجہ جنت میں سے ہے وہ بھی مخصوص آپ کے لیے ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم وافضل ہیں اور روز قیامت سب کے پیشوا ہیں جیسا کہ فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا وَهُوَ تَحْتَ لِوَائِیْ.

روز قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ مکرم ہوں اور میرے ہاتھ لواء حمد ہوگا یہ فخر سے نہیں ہے اس دن کوئی نبی بھی آدم اور ان کے ماسوا ایسا نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ میرے جھنڈے تلے ہوگا۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ جنت کا دروازہ کھلوانے تشریف لے جائیں گے تو تعظیم وتکریم کے لیے خازن جنت کھڑے ہو جائیں گے۔اور آپ کا استقبال کریں گے اور جنت کا دروازہ کھولیں گے۔کہیں گے آپ سے پہلے کسی لیے نہ کھولتا۔اور نہ آپ کے بعد کسی کے لیے میں کھڑا ہوں گا۔اس میں حضور کے مرتبت کی زیادتی کا اظہار ہے۔ورنہ خزنہ جنت یعنی نگہبانانِ بہشت سب کے سب آپ کے خادم ہیں۔اور بحکم الٰہی آپ ان کے بمنزلہ بادشاہ کے ہیں۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے حوض کوثر کو آپ کے لیے مخصوص فرمایا جس میں شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید پانی بہتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ برف سے زیادہ سفید ہے۔اوراس کے پیالے ستاروں سے زیادہ ہیں بعض کہتے ہیں کہ آخرت میں ہر نبی کے لیے ایک حوض ہوگا۔جوان کے فضل ومرتبت کے لائق ہوگا اور حضور کا حوض کوثر ان سب سے عظیم تر اور شریف تر ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں چونکہ انبیاء علیہم السلام کے توبہ وغفران اوران سے واقع شدہ زلتہ وخطا کا ذکر فرمایا ہے تو نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں فرمایا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًاo لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَـاَخَّرَ تو فتح کو قدم رکھا اس کے بعد غفران ذنوب گزشتہ وآئندہ کا ذکر فرمایا۔اور ذنب کو مستور رکھا۔اس مقام کی تحقیق باب دوم میں گزر چکی ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کچھ سوال کرنے اور مانگنے کے بعد عطا فرمایا وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بے سوال وبغیر مانگے مرحمت فرمایا۔چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عرض کیا۔وَلَا تُـخْـزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے مجھے رسوانہ کرنا اور حضور ﷺ اور آپ کی امت کی شان میں فرمایا: يَوْمَ لَا يُـخْـزِي الـلّٰـهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَـنُـوْا مَـعَـهٗ اس دن اللہ رسوانہ فرمائے گا نبی کو اوران ایمانداروں کو جو آپ کے ساتھ ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: رَبِّ اشْـرَحْ لِـيْ صَدْرِيْ اے میرے رب میرے سینے کو کھول دے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان میں فرمایا: اَلَمْ نَشْـرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیّد عالم ﷺ کو مقام محبت سے نوازا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت سے ممتاز فرمایا۔مقام محبت' مقام خلت سے بالاتر ہے۔پہلے باب میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔بعض علماء عارفین' خلیل وحبیب کے درمیان فرق میں لطیف بحث فرماتے ہیں۔کہتے ہیں کہ خلیل' خلت سے بنا ہے' جس کے معنی حاجت کے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کی طرف سراپا محتاج ومفتقر تھے۔اسی لحاظ سے حق تعالیٰ نے انہیں خلیل فرمایا اور حبیب بروزن فعیل بمعنی فاعل یا مفعول ہے لہٰذا حضور بے واسطہ غرض محب بھی ہیں اور محبوب بھی اور کہتے ہیں کہ خلیل کا فعل خدا کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔اور حبیب کی رضا کے لیے خدا کا فعل ہوتا ہے۔چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: فَلَـنُـوَلِّيَـنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ضرور بالضرور ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔جس سے آپ راضی ہیں اور فرمایا: وَلَسَـوْفَ يُـعْـطِيْكَ رَبُّكَ فَتَـرْضٰى عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔'' اور خلیل کبھی لقائے محبوب کے لیے عجلت نہیں کرتا۔جیسا کہ مروی ہے کہ جب قبض روح کے لیے ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توقف فرمایا۔اوران سے کہا پروردگار عالم سے دریافت کرو کہ کیا حکم ہوتا ہے؟ آیا جلدی حاضری ہے یا کچھ توقف ہے۔لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اِخْتَـرْتُ الـرَّفِـيْـقَ الْاَعْـلٰى. یعنی میں نے رفیق اعلیٰ حق تعالیٰ کو اختیار کیا۔'' اور آپ اپنی دعا میں کہتے ہیں

اَللّٰهُـمَّ اِنِّـيْ اَسْـئَـلُكَ النَّظْـرَ اِلٰـى جَلَالِ وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ اے خدا! میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ نظر جو تیرے چہرہ جلال کی طرف ہے اور وہ شوق جو تیرے دیدار کی طرف ہے۔

اور خلیل وہ جس کی مغفرت' حد طمع میں ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ اور وہ جو طمع کرتا ہے کہ میری خطاؤں کی مغفرت قیامت کے دن ہو اور حبیب وہ جس کی مغفرت حد یقین میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ. تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے ذنب کی مغفرت کرے اور آپ پر اپنی نعمت تمام فرمائے۔

اور خلیل نے دعا کی وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ جس دن لوگ اٹھئے جائیں مجھے رسوانہ کرنا اور حبیب سے فرمایا گیا يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ جس دن اللہ نبی کو رسوانہ کرے گا۔ بندہ مسکین (شیخ محقق) کہتا ہے کہ اس پر مزید یہ فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اور وہ لوگ جو ایمان لائے آپ کے ساتھ۔'' اور خلیل وہ ہے جس نے کہا: اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنَ میں اپنے رب کے حضور جانے والا ہوں۔ عنقریب وہ رہنمائی فرمائے گا اور حبیب وہ ہے جس کے لیے فرمایا گیا: وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى اور آپ کو وارفتہ پایا تو رہنمائی فرمائی۔

خلیل وہ ہے جس نے کہا وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اور بنا میرے لیے سچی زبان پچھلوں میں۔'' اور حبیب کے لیے فرمایا: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا۔'' خلیل نے کہا: واجعلني حسن ورثة العجنة النعيم. اور بنا مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے۔ اور حبیب کے لئے فرمایا: اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔'' خلیل نے کہا: وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اور بچا مجھے اور میری اولاد کو بتوں کے پوجنے سے۔'' اور حبیب وہ ہے جس سے فرمایا گیا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمائے اور تمہیں پاک کر کے خوف ستھرا کر دے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ خلتِ خلیل اور محبتِ حبیب کی فضیلت میں موخر الذکر فائق ہے۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ جو نفلی نماز بیٹھ کر ادا کریں تو آپ کے لیے اس کا ثواب کھڑے ہو کر ادا کرنے کے برابر ہے۔ بخلاف دوسروں کے فرمایا: مَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ جو بیٹھ کر نماز پڑھے اس کے لیے کھڑے ہونے والے کے اجر کا آدھا ہے۔'' اگرچہ اس حدیث کا ظاہر عامہ ہے لیکن سیّد عالم ﷺ اس عموم سے مستثنیٰ اور مخصوص ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے حدیث مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں رسولِ خدا ﷺ کے حضور حاضر ہوا تو میں نے آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلٰوةِ قَائِمًا. بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے آدھی ہے اور اس وقت آپ بیٹھ کر ادا فرما رہے تھے۔'' فرمایا: ہاں! میرا ارشاد یہی ہے لیکن لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ تم میں سے کوئی بھی میرے برابر نہیں۔''

انہی خصائص میں سے یہ ہے جو کچھ دنیا میں زمانہ آدم سے نفخہ اولیٰ یعنی قیام قیامت تک ہے۔ وہ سب آپ پر منکشف کیا گیا یہاں تک کہ آپ کو اگلوں اور پچھلوں کے تمام احوال کا علم دیا گیا اور ان میں سے بعض کے احوال آپ نے اپنے صحابہ کرام کو بھی بتائے اور بعض صلحاء اہل فضل سے سنا گیا کہ بعض عارفوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کو تمام علوم الٰہی بتائے گئے تھے۔ یہ بات بظاہر بہت سے دلائل کے مخالف ہے مگر قائل نے اس سے کیا مقصد لیا ہوگا اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

امت محمدیہ کے فضائل وخصائص

وصل: امت مرحومہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فضائل وخصائص بھی بیشمار ہیں اور یہ فضائل وخصائص بھی حضور اکرم ﷺ ہی کی طرف راجع ہوتے ہیں کیونکہ آپ تابع وفرماں بردار امت رکھتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اگرچہ انسان وجنات سب ہی آپ کی امت ہیں۔ لیکن اس خصوصیت وقابلیت کے لحاظ سے جو انسان میں ہے عنایت ربانی انسانی رافت کے ساتھ ظاہر ہوئی اور آپ نے انسانوں میں ظہور فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم تمام امتوں سے بہترین امت ہو) یہ خطاب بے واسطہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے ہے۔ ایمان میں سبقت پانے والے مقربین بارگاہ ہیں۔ اور فرمایا کہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے بچاتے ہیں۔) درحقیقت یہی سبب افضلیت اور بہتری کی شرط ہے۔ صحابہ کرام میں یہ خوبی رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی فضلیت کی وجہ سے اتم واکمل اور سب سے فائق ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام مشاہدہ جمال جہاں آرا اور آپ کے انوار وآثار کا بے واسطہ اقتباس واستفاضہ کرنے میں مخصوص ہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس امت کے اولین بعد والوں سے افضل ہیں۔ اس کی ایک ترتیب بھی اس ضمن میں شارع علیہ السلام سے واقع ہے فرمایا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي الَّذِيْنَ اَنَا فِيْهِمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ. سب سے بہتر میرا وہ زمانہ ہے جس میں میں ہوں پھر وہ جوان سے متصل ہے پھر وہ جوان سے متصل ہے۔

مشہور یہ تین مرتبے ہیں۔ اوّل صحابہ دوم تابعین سوم تبع تابعین۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے مرتبہ چہارم بھی معلوم ہوتا ہے۔ جس کو اتباع تبع کہتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ثُمَّ يَفْشُوا الْكِذْبُ (پھر جھوٹ پھیل جائے گا) مطلب یہ کہ ان تین یا چار مرتبوں کے بعد جس طرح اوائل زمانہ میں دین، صدق تصوو اور یقین میں جو ربط وضبط تھا اس کے بعد کذب، جھوٹ اور افترا عام ہو جائے گا۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت تو وہ ہے جو ایک لحظہ کی شرفیابی دیدار مصطفےٰ کے بعد ایمان لاکر اپنے کام وکاج میں مشغول ہوگئی اور جسے عرصہ دراز تک آپ کی خدمت اور صحبت میں حاضر رہ کر استفادہ کا موقع نہ ملا۔ ان کے بارے میں بھی بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ انہیں اپنے بعد آنے والوں پر فضیلت حاصل ہے۔ معلوم نہیں ان کے اس کہنے کا مقصود کیا ہے؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی رویت ومشاہدہ کی برکت سے انہیں وہ تمام کمالات حاصل ہو جاتے ہیں جو متاخرین یعنی عرصہ دراز تک صحبت رکھنے والوں میں ہیں تو یہ محل توقف ہے اور صحابہ کرام کے مابین عدم تفاضل وتفاوت کو مستلزم ہے۔ اور یہ خلاف واقعہ ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رویت ومشاہدہ ایسی فضلیت ہے جو تمام فضائل وکمالات سے اتم واکمل ہے۔ اور کوئی فضلیت اس کی ہمسری نہیں کرسکتی۔ بہرحال کچھ بھی ہو وہ صحابہ کرام جنہوں نے آپ کی مختصر سی صحبت حاصل کرلی اپنے ان بعد کے آنے والوں سے افضل ہیں جو آنحضرت ﷺ کی صحبت ورویت سے محروم رہے۔ اہل اصول کی جماعت، اہم صحبت کے اطلاق کو بھی جماعت اولیٰ سے مخصوص جانتی ہے۔ حالانکہ یہ محدثین کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ اطلاق صحبت میں، رویت وملاقات کو اگرچہ ایک ہی بار ہو کافی رکھتے ہیں۔

اس امت کے فضائل وخصائص علی الاطلاق بیشمار اور اس بارے میں اخبار وآثار بکثرت ہیں ان کی سب سے بڑی اور اتم واکمل فضلیت یہی ہے کہ وہ امت محمد یہ میں ہیں۔ جس طرح یہ نبی آخر الزماں ﷺ خاتم النبیین اور تمام نبیوں کے فضائل وکمالات کے جامع ہیں اور آپ پر مکارم اخلاق اور صفات حمیدہ تمام ہیں اسی طرح آپ کی اُمت خاتم الامم ہے۔ اور کمال دین اور اتمام نعمت سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا۔ اور اپنی تمام نعمتیں تم پر تمام کر دیں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب تیرے نزدیک میری امت جیسی بھی کوئی امت ہے جس پر تو نے بادلوں کا سایہ فرمایا ہو۔ اور ان کے لیے من وسلویٰ اتارا ہو'' حق تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: اے موسیٰ! تم امت محمد ﷺ کی فضلیت کو نہیں جانتے۔ جتنا میرا فضل ہے تمام خلق پر اتنا تنہا اس امت پر ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب مجھے اس اُمت کو دکھا دے'' حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا تم ان کو دیکھ نہیں سکتے (کیونکہ وہ آخر زمانے میں ہے) لیکن میں تمہیں ان کا کلام سنواتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ندا فرمائی تو سب نے بیک آواز ہو کر جواب دیا: ''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ''. (حاضر ہوں اے خدا حاضر ہوں) حالانکہ اس وقت وہ سب اپنی ماؤں اور باپوں کے رحموں اور بطنوں میں تھے اس کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

صَلٰوتِيْ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ وَعَفْوِيْ سَبَقَ عَذَابِيْ — میرا کرم تم پر ہے اور میری رحمت میرے غضب پر اور میرا عفو میرے عذاب پر سبقت کر گیا۔

اس سے پہلے کہ تم دعا مانگو۔ میں نے تمہاری دعا کو قبول کیا اور جو کوئی میرا ادراک اس حال میں کرے کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دیتا ہو۔ میں اس کے تمام گناہوں کو بخش دوں گا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حق تبارک وتعالیٰ نے چاہا کہ مجھ پر اس نعمت کا اظہار احسان فرمائے تو حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَاهُ یعنی اے محمد! ﷺ نشاء عنصری میں جس وقت ہم نے تمہارے نور کو ندا کی اور ندا کی ہم نے تمہاری امت کو' تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کا کلام سنائیں تو اس وقت آپ طور پر تشریف فرما نہ تھے۔ اس حدیث کو قتادہ نے روایت کیا۔ اس میں اتنا اور زیادہ کیا گیا ہے کہ ''تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب تعجب ہے کہ امت محمد یہ ﷺ کی آواز کتنی اچھی اور پیاری ہے۔ اے پروردگار مجھے دوبارہ سنا۔

اور ابو نعیم ''حلیہ'' میں بروایت حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ جو کوئی مجھ سے اس حال میں ملے کہ وہ احمد (ﷺ) کا منکر ہے تو اسے آتش دوزخ میں جھونک دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا احمد (ﷺ) کون ہیں؟ فرمان باری تعالیٰ ہوا کہ احمد وہ ذات گرامی ہے کہ میں نے اپنے نزدیک اس سے بڑھ کر گرامی تر کسی کو پیدا نہ فرمایا۔ اور زمین وآسمان کی پیدائش سے قبل اس کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا اور اس وقت تک میری تمام مخلوق پر جنت حرام ہے جب تک کہ وہ اور اس کی امت اس میں پہلے داخل نہ ہو جائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی امت آپ کی تبعیت میں داخلہ جنت میں دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے ہے۔ اور جب مہمان عزیز ہے تو اس کا طفیلی بھی عزیز ہوگا۔ خلق سے مراد غیر انبیاء ہیں۔ حالانکہ جمیع خلق کہا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ امت انبیاء سے فاضل تر یا برابر ہے۔ حاشا وکلا ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا امت محمدی (ﷺ) کیسی ہے اور ان کی صفتیں کیا ہیں۔ تو حق تبارک وتعالیٰ نے ان کی صفات کا

ذکر فرمایا۔اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا مجھے اس امت کا نبی بنا دے۔حق تعالیٰ نے فرمایا امت کا نبی ان کی قوم سے ہوگا۔ پھر حضرت موسیٰ نے کہا خداوند مجھے اس نبی کی امت بنا دے۔''

حضرت وہب ابن منبہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضرت شعیا نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نبی اُمّی کو بھیجوں گا۔جو کہ بہرے کانوں' اندھی آنکھوں اور ان دلوں کو جو پردہ غفلت سے پوشیدہ ہیں کھولے گا۔ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ اور اس کا مقام ہجرت مدینہ طیبہ اور اس کا ملک شام ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں کا ذکر کیا۔اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمایا کہ میں ان کی امت کو تمام امتوں میں بہترین بناؤں گا۔وہ نیکی کا حکم دے گی اور بدی سے روکے گی۔میری وحدانیت کو مانے گی۔مجھ پر ایمان لائے گی۔مجھ س اخلاص برتے گی۔اور میں نے جو کچھ نبیوں پر نازل کیا ہے وہ سب کی تصدیق کرے گی۔آفتاب و ماہتاب کی حفاظت کرے گی۔یعنی عبادت کے اوقات کے لیے ان کی محافظت کرے گی۔خوش نصیب ہیں وہ دل' چہرے اور روحیں جو مجھ سے اخلاص برتتی ہیں۔میں انہیں تسبیح و تکبیر اور تحمید و توحید کو ان کی مجلسوں میں' ان کی آرام گاہوں اور ان کے سفر و حضر اور ہر حرکت و سکون میں الہام کروں گا۔مسجدوں میں ان کی صفیں' فرشتوں کی صفوں کی مانند ہیں۔فرشتے عرش کے گرد ہیں۔وہ میرے دوست اور میرے مددگار ہیں۔میں ان کے ذریعہ اپنا کینہ بت پرست دشمنوں سے نکالوں گا۔وہ میرے لیے کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور رکوع و سجود کے ساتھ نمازیں ادا کریں گے۔وہ میری خوشنودی کی خاطر اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکلیں گے۔اور میری راہ میں جہاد و قتال کریں گے اور میں ان کی کتاب یعنی قرآن مجید سے دیگر کتابوں کو' ان کی شریعت سے دیگر شریعتوں کو اور ان کے دین سے دیگر دینوں کو ختم کروں گا۔اور جو کوئی ان کے زمانہ کو پائے اور ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے اور ان کے دین و شریعت کو نہ مانے وہ میرا نہیں ہے میں اس سے بیزار ہوں۔میں نے انہیں ساری امتوں سے افضل اور امت وسط بنایا۔جو تمام لوگوں پر گواہ ہیں۔جب غضب میں آئیں گے تو میری تہلیل لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا نعرہ لگائیں گے اور جب نزاع کریں گے تو تسبیح کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہیں گے اور اپنے چہروں اور اعضاء کو پاک وصاف کریں گے۔اور ٹخنوں سے اوپر ازار باندھیں گے ہر چڑھائی و اُتار پر اللہ اکبر کہیں گے اور خون بہا کر قربانی دیں گے۔ان کی کتاب یعنی قرآن ان کے سینوں میں ہے۔رات میں عبادت گذار اور دن میں شیر یعنی مجاہد ہیں۔وہ کتنا خوش نصیب ہے جو ان کے ساتھ ہے۔ان کے مذہب اور ان کی راہ و رسم پر ہے۔یہ میرا فضل ہے جسے میں چاہتا ہوں اسے دیتا ہوں۔میں خداوند فضل عظیم ہوں۔اسے ابونعیم نے روایت کیا۔

عبادات میں اس امت کی خصوصیات: یہ فضائل اس امت مرحومہ کے ہیں جو پچھلی کتابوں میں ہیں لہٰذا امت کو چاہیے کہ ان صفات پر ہو کیونکہ بہتری اور افضلیت کی علت یہی صفات ہیں۔اور اس میں کوئی شک نہیں اس امت کے پہلے حضرات جو کہ صحابہ کرام اور ان سے متصل ہیں ان صفات میں اکمل و اتم ہیں۔اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر غنیمتوں کو حلال قرار دیا حالانکہ اس سے قبل کسی پچھلی امت کے لیے یہ حلال نہ ہوا تھا۔اور یہ کہ تمام زمین کو مسجد گردانا۔(کہ جہاں چاہیں نماز پڑھیں) اور یہ کہ مٹی کو پاک کرنے والا بنایا۔(یعنی اگر پانی میسر نہ ہو یا اس پر قدرت نہ ہو تو مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی جائے) جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں گزرا۔یعنی امت بھی آپ کے ساتھ ان صفات و احکام میں شریک ہے۔بعض علماء وضو کو بھی اس کے خصائص میں شامل کرتے ہیں۔اس سلسلے میں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اِنَّ اُمَّتِیْ یَدْعُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غُرًّا الْمُحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ. (بے شک قیامت کے دن آثار وضو سے میری امت کے اعضاء روشن و تاباں ہوں گے۔اس طرح آئے گی) اور ممکن ہے کہ یہ تابانی وضو کی جزاء میں ان کے ساتھ مخصوص ہو۔کیونکہ ''فتح الباری'' میں حضرت سارہ کے قصے کے درمیان

مذکور ہے کہ جب بادشاہ جابرو کافر نے انہیں گرفتار کرنا چاہا تو وہ اٹھیں' وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئیں۔ جریج راہب کے قصہ میں بھی آیا ہے کہ وضو کیا' نماز پڑھی اور بچے کے ساتھ کلام کیا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جو چیز اس امت کے ساتھ مخصوص ہے وہ غرہ اور تحجیل یعنی نورانیت اور تابانی ہے وضو نہیں۔ مسلم شریف کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پیشانی کی تابانی تمہارے سوا کسی میں نہیں۔

اس امت کے خصائص میں سے پانچ نمازیں بھی ہیں گزشتہ امتوں میں چار نمازیں تھیں نماز عشا نہیں تھی۔ سب سے پہلے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشا ادا کی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ نماز عشا میں تاخیر کرو۔ (ایک تہائی رات تک) اس لیے کہ تمہیں گزشتہ امتوں کی نمازوں پر فضلیت دی گئی ہے۔

اذان' اقامت اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا کہنا بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ کیونکہ کسی دوسری امت پر اس کا نزول نہیں ہوا تھا۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے مستثنٰی ہیں کیونکہ انہوں نے ملکہ سبا کو جو خط تحریر فرمایا وہ بسم اللہ سے شروع کیا تھا۔

اس امت کے خصائص میں سے ''آمین'' کہنا بھی ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود ہم پر کسی چیز پر حسد نہیں کرتے جیسا کہ وہ جمعہ پر حسد کرتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی۔ اور امام کے پیچھے ''آمین'' کہنے پر بھی وہ حسد کرتے ہیں۔ اس امت کے خصائص میں سے نماز میں رکوع کرنا بھی ہے۔ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ فرمایا سب سے پہلے جس نماز میں ہم نے رکوع کیا وہ نماز عصر تھی۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ رکوع کیا ہے جسے آپ نے آج کے سوا کبھی نہیں کیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے دین میں بھی ابتدائی وقت میں رکوع نہ تھا بعد میں اس کا حکم ہوا۔ البتہ! اس جگہ ہی حق تعالیٰ نے فرمایا یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ. (اے مریم اپنے رب کی اطاعت کرو اور سجدہ و رکوع کرو۔) یہ آیت وجود رکوع پر دلالت کرتی ہے کہ امم سابقہ میں رکوع تھا۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ قنوت سے مراد دائمی طاقت ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا اور قنوت کے معنی طاعت' قیام اور خشوع کے آتے ہیں۔ سجود سے مراد نماز ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا و ادبار السجود اور رکوع سے مراد' خشوع' عاجزی اور فروتنی ہے کہ رکوع پر سجدہ کو مقدم کرنا یہ ایک قسم کا قرینہ ہے۔ جو اس معنی پر دلالت کرتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ رکوع مقدم ہوتا ہے۔ یہ جواب وتوجیہہ اس تقدیر پر ہے کہ نص سے ثابت ہو ورنہ امم سابقہ میں رکوع شروع نہ ہونے پر علماء نے حضرت مرتضٰی کی حدیث سے استدلال کیا ہے اگرچہ یہ استدلال مکمل نہیں ہے۔

نماز وقتال میں ان کی صفوں کی قدر ومنزلت اور قرب بارگاہ میں فرشتوں جیسا تقرب بھی اس امت کے خصائص میں ہے۔ اگر یہ کہیں کہ جماعت بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے تحیہ سلام بھی ہے جیسا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا باخبر رہنا چاہیے کہ حدیث عائشہ کا ظاہر مطلب' نماز کے آخر میں سلام پھیرنا ہے اور تحیہ سلام کی عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ وقت ملاقات ایک دوسرے کو سلام کرنا۔

اس امت کے خصائص میں سے جمعہ بھی ہے جو دوسری امتوں میں نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِىْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ يَعْنِىْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ وَالنَّاسُ فِيْهِ لَنَا تَبَعٌ اَلْيَهُوْدُ غَدًا وَّالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ (رواہ البخاری) یہ ان کا وہ دن ہے جو اللہ نے ان پر فرض فرمایا تو یہ دن اللہ کا ہے۔ دوسرے لوگ اس میں ہمارے بعد ہیں یہود کے لیے سنیچر (ہفتہ) اور نصاریٰ کے لیے اتوار ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے جمعہ کی وہ گھڑی ہے کہ اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے ملتا ہے۔اس ضمن میں تقریباً چالیس اقوال ہیں جنہیں ''شرح سفر السعادۃ'' میں ہم نے اقوال میں مطابقت پیدا کر کے بیان کیا ہے۔ان میں صحیح تر دو قول ہیں۔اول یہ کہ وہ خاص مذکورہ گھڑی امام خطبہ کے لیے نکلنے کے وقت سے نماز جمعہ کے فارغ ہونے تک محیط ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ روز جمعہ کی آخری گھڑی ہے۔سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اسی جانب ہیں۔علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک خادم کو مقرر کر رکھا تھا کہ اس آخری گھڑی کی خبر دے۔(واللہ اعلم)

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جب رمضان مبارک کی پہلی رات آتی ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ ان کی طرف نظر عنایت سے دیکھتا ہے۔اور جس کی طرف حق تعالیٰ نظر عنایت فرمائے۔وہ پھر اس کو کبھی بھی عذاب نہیں دیتا۔اور جنت کو ان کے لیے مزین کرتا اور سنوارتا ہے۔اور یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بو کو اپنے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ بنایا اور رمضان کی ہر رات میں فرشتے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں اس وقت سے جب کہ وہ روزہ افطار کرتے ہیں اور جب رمضان کی آخری رات ہوتی ہیں تو ان سب کو بخش دیتا ہے اور اس امت کو ماہ رمضان میں پانچ ایسی خوبیاں مرحمت فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی نبی کی امت کو نہیں دی گئیں۔حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار جس وقت افطار کرتا ہے۔اس وقت سے فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں۔اور شیطانوں کو زنجیر میں جکڑ کر قید کر دیا جاتا ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے سحری کھانا' افطار میں جلدی کرنا مستحب کیا گیا ہے۔رات میں صبح صادق تک کھانے' پینے اور جماع کرنے کو مباح قرار دیا گیا۔حالانکہ ہم سے پہلے ہر ایک پر یہ چیزیں حرام تھیں اسی طرح شروع اسلام میں ہم پر بھی تھیں۔بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔

اس امت کے خصائص میں شب قدر ہے۔جیسا کہ امام نووی نے ''شرح مہذب'' میں کہا ہے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ہزار مہینہ تک راہ خدا میں جہاد کیا اور اپنے جسم سے ہتھیار نہ اتارے۔صحابہ کہنے لگے کیا ہم میں سے کسی میں اتنی طاقت ہے جو ایسا کر سکے۔اس وقت سورہ قدر نازل ہوئی کہ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔اور اس ایک رات میں قیام کرنا ہزار مہینے راہ خدا میں جہاد کرنے سے افضل ہے۔باقی بحث اپنے مقام میں آئے گی۔اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اس امت کی خصوصیتوں میں سے ہیں یا پچھلی امتوں پر بھی فرض تھے۔آیہ کریمہ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے۔

اس سے مراد رمضان کے روزے ہی ہیں۔اس میں ظاہر بات یہی ہے کہ پچھلی امتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے۔ابن ابی حاتم بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رمضان کے روزے پچھلی امتوں پر بھی فرض تھے۔اس حدیث کی اسناد میں ایک شخص مجہول ہے۔اگر ہم یہ کہیں کہ مطلق روزہ مراد ہے نہ کہ ان کی مقدار اور وقت تو یہ تشبیہ بھی مطلقاً روزوں پر ہو گی۔جمہور کا قول بھی یہی ہے۔

اعمال میں خصوصیت: اس امت کی خصوصیات میں سے مصیبت کے وقت استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہنا بھی ہے کہ جو کہ پرودگار عالم کی جانب سے فضل ورحمت کا مستوجب اور ان کے لیے سبب ہدایت ہے۔حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا اس امت کو مصیبت کے وقت وہ چیز دی گئی ہے جو کسی نبی کو اس کی مانند نہیں دی گئی۔اور وہ قول اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کو مصیبت کے وقت کہنا ہے۔اگر یہ چیز انبیاء کو دی جاتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی مرحمت ہوتی جس وقت کہ انہوں نے کہا:

يَا اَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ آہ مجھے یوسف پر رنج ہے۔

بندہ مسکین (یعنی شیخ محقق) ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین کہتا ہے کہ یہ قول اس امت کو انبیاء علیہم السلام پر ترجیح دینے کا وہم پیدا کرنے کا موجب ہے۔ حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَّاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ. (اب صبر جمیل ہے اور اللہ ہی مددگار ہے۔) تو یہ استرجاع کے ہی ہم معنی ہے۔ اور ان کا یہ فرمانا کہ ''یا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ'' اس کے منافی نہیں ہے۔ اگر یہ کہیں کہ ''اس امت کو استرجاع کی ایسی چیز دی گئی ہے جو کسی دوسری امت کو نہیں دی گئی۔'' تو بہتر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس امت کی تخصیص بہ نسبت امت سابقہ ہوگی نہ کہ بہ نسبت انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وسلامیہ علیہم اجمعین۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس امت سے اصر اور اغلال اٹھالیا ہے جو امم سابقہ پر تھا۔ (اصر اگر الف کے زیر سے ہے تو اس کے معنی عہد' بوجھ اور گناہ کے ہیں اور اگر الف کے زبر سے ہے تو اس کے معنے' توڑنے' بند کرنے اور باز رکھنے کے ہیں اور اغلال کے معنی کینہ رکھنا اور مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں۔) اس سے مراد تخفیف اور ان تکلیفوں کو دور کرنا ہے جو پچھلی امتوں پر لازم تھیں۔ مثلاً قتل عمد اور خطا کے درمیان تعیین قصاص' خطا کار کے اعضا کاٹنا' موضع نجاست کو کاٹنا اور توبہ میں اپنی جان کو ہلاک کرنا وغیرہ تھا۔ اگر بنی اسرائیل میں سے سے رات کو گناہ کرتا تو پچھلی صبح کے وقت اس کے گھر کے دروازے پر لکھا ہوتا کہ اس گناہ کا کفایہ یہ ہے کہ اپنی دونوں آنکھیں نکالے۔ چنانچہ وہ دونوں آنکھوں کو نکال دیتا۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان پر ان چیزوں کو آسان فرمایا جو ان کے ماسوا پر بہت سخت تھیں۔ اور ان کے دین میں کوئی دشواری لازم نہ رکھی۔ جیسے کہ اگر کوئی کھڑے ہوکر نماز ادا کرنے سے مجبور ہے تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے۔ اور حالت سفر میں افطار اور نماز فرض میں قصر کو مباح فرمایا اور ان پر توبہ کا دروازہ کھلا رکھا گیا۔ اور حقوق اللہ میں ان کے لیے کفارہ جات مشروع فرمائے اور حقوق العباد میں دیت وضمان کو مشروع فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا بنی اسرائیل پر جس قدر شدائد اور دشواریاں تھیں حق تعالیٰ نے اس امت سے اٹھالیں۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس امت کو خطا ونسیان (وسوسہ) اور ہر وہ عمل جو جبر واکراہ سے سرزد ہو ان سب کے مواخذہ سے بری فرمایا۔ بلاشبہ بنی اسرائیل کا یہ حال تھا کہ جس چیز کا انہیں حکم دیا جاتا جب وہ اس میں کچھ بھول جاتے یا خطا ہو جاتی تو ان پر عذاب میں جلدی کی جاتی تھی۔ اور ان کے گناہ کے قدر وانداز کے مطابق کھانے پینے کی کچھ چیزیں ان پر حرام کی دی جاتیں۔ بلاشبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی رَفَعَ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَاءَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ رواہ احمد وابن حبان والحاکم وابن ماجہ'' (یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا ونسیان اور جس پر مجبور کیا جائے اٹھالیا۔) خطا ونسیان کے درمیان فرق یہ ہے کہ نسیان میں مطلقاً بھول جانا ہے جیسے کہ روزہ دار روزے کو بھول کر کچھ کھا پی لے۔ اور خطا میں یادداشت ہوتی ہے لیکن غلط کر جاتا ہے مثلاً روزہ دار کو اپنا روزہ یاد ہے۔ مگر کلی کرنے میں پانی حلق میں اتر جائے اور اکراہ یہ ہے کہ کسی سے بزور اور جبر کوئی کام کرایا جائے۔ مثلاً کوئی ظالم زور وجبر کرے اور کہے کہ کلمہ کفر زبان سے بول ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس وقت اگر کلمہ کفر بول دے۔ اور دل میں اپنے ایمان پر برقرار رہے تو نقصان نہ ہوگا۔ اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن ''حدیث نفس'' جسے خیال و وسوسہ کہتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی چیز کا خیال بے اختیار دل میں یکا یک آجائے تو اسے ہاجس کہتے ہیں اس میں بالکل کوئی مواخذہ نہیں ہے خواہ کچھ بھی ہو اس کے بعد وہ دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اور دل کو برانگیختہ کرے تو اسے ''خاطر'' کہتے ہیں اس کے بعد قصد وارادہ ہے چاہے کرے یا نہ کرے۔ یہ امت سے مرفوع ہے۔ بلکہ اگر نہ کیا تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے اس کے بعد ''عزم وتہیہ'' ہے کہ ضرور کرنا چاہتا ہے مگر خارج میں کوئی چیز مانع پیدا ہے جس سے وہ کر نہیں سکتا۔ البتہ! اگر مانع نہ ہو تو کرے۔ اس صورت میں مواخذہ ہے۔ اس لیے کہ یہ

فعل قلب ہے۔ اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد محمول ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تمہارا محاسبہ کرے گا۔

لیکن عزم زنا کا زنا نہیں ہے۔ اس پر مواخذہ زنا کا سا نہیں بلکہ یہ اپنا ایسا مخفی گناہ ہے جس پر آدمی کا مواخذہ کیا جاتا ہے۔

اس امت کے کامل ترین خصائص میں سے اس کا خیر الامم ہونا ہے۔ کیونکہ اس کی شریعت تمام گزشتہ شریعتوں سے زیادہ کامل ہے اور یہ ظاہر ہے جو بیان کا محتاج نہیں۔ جب کہ حضورِ اکرم ﷺ مکارم اخلاق اور افعال حمیدہ کو پورا کرنے کے لیے مبعوث ہیں تو لامحالہ آپ کی شریعت اور آپ کا دین تمام ادیان اور شرائع سے اتم واکمل ہے۔ شریعت موسوی پر غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کتنی تکلیفیں شاقہ ہیں۔ مثلاً قتل نفوس' تحریم طیبات' تعجیل عقوبات' عہد ومیثاق اور ناقابل برداشت بوجھ کا اٹھانا اور اظہار قہر وجلال وغیرہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیبت وغضب اور گرفت ومواخذہ میں مخلوق خدا میں سب سے بڑھکر اعظم واشد تھے۔ چنانچہ خلق کو ان کی جانب نظر کرنے کی طاقت نہ تھی۔ بیان کرتے ہیں جس دن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام ربانی اور تجلی الٰہی سے مشرف وممتاز ہوئے تو اپنے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال لیا تا کہ اس کے دائمی قہر وجلال سے لوگ بے تاب نہ ہوں۔ اور آپ کی امت کے لوگ بھی سخت وشدید درشت خو اور کجرو تھے۔ بجز تکالیف غلیظ اور احکام شدیدہ کے اصلاح واستقامت پر نہیں آسکتے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً (پھر اس کے بعد تمہارے دل شدید سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں۔ یا اس سے زیادہ سخت تر)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں فضل واحسان اور لطف ونرمی تھی۔ لیکن اس میں مقاتلہ ومحاربہ نہ تھا۔ اور دین نصاریٰ میں قتال حرام ہے اگر وہ کریں گے تو گنہگار وعاصی ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لوگ ملائم ونرم خو تھے ان کے اوپر اصر واغلال' احکام شدیدہ اور امر غلیظہ نہ تھے۔ بلکہ انجیل میں ہے کہ "اگر کوئی تمہارے داہنے رخسار پر طمانچہ مارے تو اس کے آگے بایاں رخسار بھی کر دو"۔ اور جو کوئی تم میں کپڑے کے بارے میں جھگڑے اور کپڑے اتارنا چاہے تو اپنے کپڑوں کے ساتھ اپنی چادر بھی اسے دیدے۔ اور جو کوئی تمہیں ایک میل تک لے جائے تم اس کے ساتھ دو میل تک جاؤ"' اور یہ رہبانیت جو نصاریٰ نے پیدا کی ہے وہ بدعت جسے انہوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ بغیر اس کے کہ اسے حق تعالیٰ نے ان کے لیے انجیل میں لکھا اور واجب کیا ہو چنانچہ قرآن کریم ناطق ہے کہ: وَرَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنَاھَا عَلَیْھِمْ. (اور ان کی رہبانیت جسے انہوں نے اپنی طرف سے بطور بدعت دین قرار دیا۔ ہم نے ان پر اسے فرض نہ کیا۔) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالص جمال ولطف اور احسان کے مظہر تھے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام محض جلال وقہر اور دبدبہ کے مظہر تھے۔ لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ مظہر کمال اور جلال وجمال کے مابین جامع تھے۔ اور قوت' عدل' شدت' نرمی' مہربانی اور رحمت والے تھے۔ آپ کی شریعت شرائع میں اکمل' آپ کی امت کو تمام امتوں میں اکمل اور ان کے احوال ومقامات اکمل احوال ومقامات ہیں۔ لہٰذا آپ کی شریعت انتہائی توسط واعتدال وغایت جامعیت وکمال میں آئی۔ آپ کی شریعت میں کہیں فرض وایجاب ہے اور کہیں ندب واستحباب۔ اور شدت کے مقام میں شدید اور نرمی کی جگہ میں نرمی' کسی جگہ شمشیر زنی ہے تو کسی جگہ جود وعطا ہے۔ کہیں عدل وانصاف کا ظہور ہے تو کہیں فضل وکرم کی بارش ہے۔ چنانچہ ایک وقت میں جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا. (ایک بدی کے بدلے میں اس کے برابر بدی ہے۔) فرمایا جا رہا ہے اور یہ عدل وانصاف ہے اور ایک وقت میں فَمَنْ عَفٰی وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (جو معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔) ارشاد ہوتا ہے اور یہ فضل وکرم

ہے اِنَّہٗ لَایُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ. (بیشک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا) یہ ظلم کو حرام قرار دیتا ہے وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا مِثْلَ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ. (اور کوئی تمہیں ایذا پہنچائے تو تم اس کی ایذا کے برابر بدلہ لے لو) یہ عدل وانصاف کو واجب بھی کرتا ہے اور ظلم کو حرام بھی۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ (اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً وہ بہتر ہے صابروں کے لیے)۔ اس میں فضل وکرم پر خبر داری اور تنبیہ ہے۔ اور اس امت پر ہر ضرر دینے والی برائی کو حرام قرار دیا۔ اور ہر امر پسندیدہ ونافع کو مباح فرمایا۔ حرام قرار دینا اس شریعت میں رحمت ہے ورنہ پچھلی امتوں پر حق تعالیٰ نے ان کی وجہ سے ان پر عذاب فرمایا ھُوَا اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. فرمایا: (یہ تمہیں بچاتا ہے اور دین میں تم پر کوئی دشواری نہ رکھی۔)

اور اس امت پر لوگوں کو گواہ بنایا۔ اور رسولوں کے مقام میں انھیں کھڑا فرمایا کیونکہ وہ اپنی اپنی امتوں پر گواہ ہیں اور اس امت کو خَیْرَ اُمَّتٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (لوگوں میں جتنی امتیں گزریں ان سب میں بہتر) بنایا اور ان کو فضائل وکرامات اور مراتب ودرجات کے ساتھ مخصوص فرمایا: اَللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اللہ اپنی رحمت کو جہاں چاہے خاص فرمائے۔ وہی صاحب فضل عظیم ہے)۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ یہ ضلالت وگمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔ یہ حدیث کثیر سندوں سے مشہور ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت ضلالت وگمراہی پر مجتمع نہ ہو چنانچہ حق تعالیٰ نے میرے سوالوں کو قبول فرمایا۔ اور یہ عنایت فرمائی یہ "اجماع" کی حجت پر دلیل ہے۔ اور ان کا اجتماع حجت ہے۔ اور ان کا اختلاف رحمت ہے۔ جو پچھلی امتوں پر عذاب تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے "اختلاف صحابی لکم رحمتہ" (میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔) اور مشہور ان لفظوں سے ہے کہ اختلاف امتی رحمتہ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)

علماء صاحبان فتویٰ واجتہاد میں ہمیشہ یہ اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ کسی نے حلت کا فتویٰ دیا تو دوسرے نے حرمت کا۔ اور کسی نے عیب نہ لگایا۔ بعض علماء نے اس حدیث سے حرفت اور صنعت کے درمیان امت کا اختلاف مراد لیا ہے جو کہ موجب ہنر اور امور دنیا اور کارخانہ صنعت کے انتظام میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح مسائل فقہیہ میں علماء کے اختلاف سے رخصت اور دینی امور میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

اس امت مرحومہ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ طاعون ان کے لیے شہادت ورحمت ہے حالانکہ یہ دوسری امتوں پر عذاب تھا۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ "اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اُنْزِلَ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ." (طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر اترا) اور ایک روایت میں علی من قبلکم (تم سے پہلوں پر) آیا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ "اَلطَّاعُوْنَ شَھَادَۃٌ لِکُلِّ مُسْلِمٍ (طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔) ایک اور روایت میں یہ ہے کہ اَلطَّاعُوْنُ شَھَادَۃٌ لِاُمَّتِیْ وَرَحْمَۃٌ بِھِمْ وَرِجْزٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یعنی طاعون میری امت کے لیے شہادت اور ان کے ساتھ رحمت فرمانا ہے اور کافروں پر عذاب ہے اور اس سے بھاگنا لشکر سے بھاگنے کے حکم میں ہے۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ طاعون سے بھاگنا بلاشبہ معصیت وگناہ کبیرہ ہے۔ دوسرے مقام میں ہم اس سے زیادہ روشن وواضح کلام لائے ہیں۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جب کسی شخص کے لیے دو آدمی بھلائی کے ساتھ گواہی دیں تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ لیکن پچھلی امتوں میں جب سو آدمی گواہی دیتے تھے تو اس وقت جنت واجب ہوتی تھی۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ مَنْ

اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ بِخَيْرٍ وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ بِشَرٍّ وَّجَبَتْ لَهُ النَّارُ تم میں سے جس نے کسی کے لیے بھلائی سے تعریف کی تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس نے کسی پر برائی سے تعریف کی تو اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ گزشتہ امتوں کی بہ نسبت ان کی عمریں کم اور ان کے اعمال اقل ہیں۔ مگر ان کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا تمہاری داستان اور ان لوگوں کی داستان جو تم سے پہلے یہود ونصاریٰ تھے اس شخص کی داستان کی مانند ہے جس نے تین مزدور لیے ایک سے صبح سے دوپہر تک یعنی وقت ظہر تک کام لیا۔ دوسرے سے وقت ظہر سے وقت عصر تک کام لیا۔ اور تیسرے سے وقت عصر سے غروف آفتاب تک کام لیا اور ہر ایک کی ایک درہم اجرت مقرر کی۔ جب مزدوروں کو اجرت دینے کا وقت آ گیا تو تینوں مزدور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے عمل متفاوت وکم وبیش ہیں مگر یہ عجیب بات کہ اجرت سب کی برابر ہے۔ اس شخص نے کہا میں نے جو کچھ شرط کی تھیں وہ میں نے تم کو دے دی باقی میرا فضل ہے جس کو چاہوں میں دوں۔ پہلے مزدور کی مثال یہود کی ہے اور دوسرے مزدور کی مثال نصاریٰ کی ہے اور تیسرے مزدور کی مثال امت مرحومہ کی ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے اسناد حدیث کا عطا کیا جانا ہے۔ کیونکہ احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ باقی ہے۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ یوں ہی رہے گا۔ یہ ان کی خاص خصوصیت اور سنتِ سنیہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس اُمت کو یہ شرافت اور فضیلت اور اکرام عطا فرمایا کیونکہ پچھلوں میں سے کسی اُمت کو یہ بزرگی عطا نہ ہوئی تھی۔ باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ان کے ہاتھوں میں تھے مگر انہوں نے اپنی ان خبروں کو ان میں ملا دیا جو انھیں غیر ثقہ لوگوں سے حاصل ہوئیں۔ اور ان کے سامنے توریت وانجیل اور جو کچھ انہوں نے خبریں وغیرہ ملائیں ان کے درمیان فرق وامتیاز کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور اس امت فاضلہ شریفہ زادھا اللہ فضلاً وشرفاً نے احادیث نبوی کو ان ثقہ حضرات سے حاصل کیا جو اپنے زمانہ میں صدق ودیانت کے ساتھ مشہور تھے۔ اور انہوں نے ایسے ہی دوسروں سے یہاں تک کہ حضور سیّد عالم ﷺ سے حاصل کیا اور بحث وتفتیش کرتے رہے تا کہ مرتبہ میں احفظ واضبط کو پہچان سکیں اور امتیاز کرتے رہے۔ ان لوگوں کے درمیان جن کی صحبت ومجالست اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ طویل تھی اور ان کی جن صحبت ومجالست کم تھی اور مختلف سندوں اور متعدد طریقوں سے حدیثوں کو لکھتے رہے اور غلط وخطا اور زلتہ وخلل سے حدیثوں کے حروف ومسلم ہے کیونکہ کلمات کو ضبط کرتے رہے اور مسلسل تہذیب وتنقیح کرتے رہے۔ خصوصاً اصحاب صحاح کہ ان میں سے عمدہ بخاری یہ دونوں آسمان جلالت وعدالت کے آفتاب ہیں جَزَاهُمْ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا یہ خدائے عزوجل کا اس امت پر خاص فضل ہے۔ نَشْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى هٰذِهِ النِّعْمَةِ وَسَائِرِنِعَمِهٖ وَنَسْأَلُهُ الْمَزِيْدَ مِنْ فَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ.

ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ گزشتہ امتوں میں سے کسی ایک امت میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے ایسے علماء وامنانہ تھے جو اپنے نبیوں اور رسولوں کے آثار کی حفاظت کریں بجز اس امت مرحومہ کے۔

اور تواریخ وانسابِ کی معرفت میں بھی یہ امت مخصوص ہے اور یہ اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ چنانچہ علماء بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں علم انساب کے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہفتہ میں ایک دن اشعار تواریخ انساب اور ایام عرب کے بیان کرنے میں صرف کرتے تھے۔ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ شعراء عرب کے دیوانوں اور عرب کے لغات کو یاد کرنے اور التزام رکھنے کی وصیت کرتے تھے۔ تا کہ قرآن کی تفسیر کے وجوہات اور اس کے اعراب کے معرفت میں مددگار ہو۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ یہ امت دین کے بارے میں کتابیں تصنیف کرنے میں مخصوص اور توفیق الٰہی پائے

ہوئے ہے۔اور یہ اس حدیث کی مصداق میں ہے کہ

لَا يَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمُتَمَسِّكِيْنَ بِهٖ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

اس امت کے کچھ حضرات ہمیشہ حق کو ظاہر و غالب کرنے والے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آ جائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اللہ کے رسول کی سنت کو مضبوطی سے تھامنے والے رہیں گے۔

قرن اوّل اور قرنِ ثانی کے شروع میں لوگوں میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا اگرچہ کتابت علم' جمع احادیث کا سلسلہ موجود تھا مگر یہ تصنیف و تالیف اور اس کی ترتیب کے طریقہ پر نہ تھا۔اسی طرح تبویب و تفصیل' وضع و اصلاح' تدوین علوم' تعیین موضوع اور مسائل سلوک کا طریقہ بھی نہ تھا۔مگر اس کے بعد یہ اتنا ہوا گنتی و شمار اور حد و حصر سے باہر ہے۔جس کا بجز علام الغیوب کے سواء کوئی دوسرا احاطہ نہیں کرسکتا۔(قرن کی مدت کے تعین میں کئی قول ہیں)۔ایک قرن تیس سال کی مدت کو بھی کہتے ہیں۔بیس یا اسی یا سو برس کی مدت کو بھی کہتے ہیں۔اور آخری قول زیادہ درست ہے۔کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ نے ایک بچہ کو فرمایا عشق قرنا. (تو وہ بچہ سو سال تک زندہ رہا۔)

اولیاء کرام اور مردانِ غیب: اس امت کے خصائص میں سے ان میں اقطاب' اوتاد' بخباء اور ابدال کے وجود کا ہونا بھی ہے۔حدیث مرفوع میں بروایت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ ہے کہ ابدال چالیس مرد و زن ہیں۔جب ان مرد و زن سے کوئی مرجاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے بدلے کسی دوسرے مرد و زن کو پیدا فرماتا ہے۔ابن خلال نے کرامات اولیاء میں اسے نقل کیا ہے۔اور طبرانی اوسط میں اسے یوں روایت کرتے ہیں کہ زمین ایسے چالیس شخصوں سے خالی نہیں رہتی جو خلیل الرحمٰن (علیہ السلام) کی مانند ہیں۔ان کے ساتھ زمین قائم ہے۔اور ان کی برکت سے لوگوں کے لیے بارشیں ہوتی ہیں۔ان میں کوئی نہیں مرتا۔مگر یہ کہ حق تعالیٰ کسی دوسرے مرد کو اس کا بدل فرما دیتا ہے۔ان کا نام ''ابدال'' اسی بنا پر رکھا گیا ہے۔اور بعض مشائخ عظام نے فرمایا انہیں ابدال اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے بری صفتوں کو صفات حمیدہ سے بدل دیا ہے۔اور یہ صفات بشریت سے باہر آئے ہوئے ہیں۔اور جو یہ کہا گیا کہ وہ خلیل الرحمٰن کی مانند ہیں۔یہ ان کی کمالی صفتوں میں سے ایک خاص صفت کمال مراد ہے۔جو اخص صفات ہیں۔اور اس میں حضرت خلیل علیہ السلام سے مشارکت رکھتے ہیں۔اور یہی مطلب مشائخ کرام کے اس قول کا ہے کہ ''ہر ولی نبی کے قدم پر ہے۔'' حاشا وہ نبی کے تمام صفات میں ہم مثل مراد نہیں ہے۔اور ابن عدی ''کامل'' میں نقل کرتے ہیں کہ ان چالیس ابدال میں سے بائیس افراد ملک شام کے ہوتے ہیں اور اٹھارہ افراد ملک عراق سے اور جب حکم الٰہی ہوگا تو وہ سب انتقال کر جائیں گے۔اور قیامت قائم ہوجائے گی۔مسند احمد بھی یہی ہے۔

ابونعیم ''حلیہ'' میں سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیار امت پانچسو شخص ہیں۔اور ابدال چالیس ہیں نہ کہ پانچ سو۔یہ چالیس سے نہ کم ہوتے ہیں نہ زیادہ ہوتے ہیں۔جب ان میں سے کوئی مرتا ہے تو دوسرا اس کے بدل میں آ جاتا ہے۔یہ تمام روئے زمین میں ہوتے ہیں۔نیز ''حلیہ'' میں سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے چالیس مرد ایسے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے خلق کو بلاؤں سے محفوظ فرماتا ہے۔انہیں کو ابدال کہا جاتا ہے۔انہوں نے یہ درجہ روزہ و نماز اور صدقہ سے نہیں پایا۔حضرت ابن مسعود نے دریافت کیا پھر کس چیز سے یہ درجہ پایا۔فرمایا' مسلمانوں کی خیر خواہی اور سخاوت سے۔مطلب یہ کہ نماز روزہ و صدقہ میں تو وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہیں لیکن ان کی وہ خاص صفات جس کی بنا پر انہیں یہ درجہ ملا یہی دو صفتیں ہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو شخص روزانہ یہ دعا مانگے کہ: اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ (اے خدا امت محمد پر رحم فرما) تو حق تعالیٰ اسے ابدال میں لکھتا ہے۔ اور ''حلیہ'' میں ہے کہ جو روزانہ دس بار ان لفظوں کو کہے: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدَ اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ (اے خدا! امت محمد کی اصلاح فرما۔ اے خدا امت محمد پر کشادگی فرما۔ اے خدا امت محمد پر رحم فرما۔)

منقول ہے کہ ابدال کی نشانی یہ ہے کہ ان سے اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہ کسی چیز پر لعنت نہیں کرتے۔ زید بن ہارون سے مروی ہے کہ ابدال اہل علم ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ابدال اگر محدثین نہ ہوں گے تو پھر کون ہوں گے؟

خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں ایک کتاب سے نقل کیا ہے کہ فرمایا ''نقباء'' تین سو ہیں اور ''نجباء'' ستر ''ابدال'' چالیس ''اخیار'' سات ''عمد'' (غالباً اوتاد) چار اور ''غوث'' ایک ہے۔ نقباء کا مسکن مغرب اور نجباء کا مسکن مصر اور ابدال کا مسکن شام اور اخیار زمین میں سیاح ہیں۔ عمد زمین کے گوشوں میں ہیں اور غوث کا مسکن مکہ مکرمہ ہے۔ اور جب کوئی امر عام عارض ہوتا ہے تو نقبا دعا کرتے ہیں اور اس حاجت کے پورے ہونے کے لیے وہ عاجزی کرتے ہیں۔ ان کے بعد نقباء' ان کے بعد ابدال' ان کے اخیار' ان کے بعد عمد' اگر ان کی دعائیں مستجاب ہو جائیں تو فبہا ورنہ غوث عاجزی کرتے ہیں' گڑگڑاتے ہیں اور سوال کے تمام ہونے سے پہلے غوث کی دعا قبول کر لی جاتی ہے۔

قبر وحشر میں امت کے خصائص: اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوں گے اور بے گناہ ہو کر باہر نکلیں گے۔ مسلمانوں کے استغفار کرنے کی بنا پر انہیں گناہوں سے پاک وصاف کر دیا جائے گا۔ اسے طبرانی نے ''اوسط'' میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث سے خاص قسم کی انسیت ان سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے کہ ''عذاب قبر اس امت مرحومہ کے ساتھ خاص ہے تا کہ انہیں پاک وصاف کر کے آخرت میں لے جائیں اور ان پر کوئی دوسرا عذاب نہ ہو۔''

انہی خصائص امت میں سے یہ ہے کہ انہیں کے لیے سب سے پہلے زمین پھاڑی جائے گی۔ مطلب یہ کہ تمام امتوں سے پہلے یہ اپنی قبروں سے باہر آئیں گے۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ فرمایا میں پہلا ہوں گا کہ سب سے پہلے میرے لیے اور میری امت کے زمین شق ہوگی۔''

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جب اس امت کو بلایا جائے گا تو ان کے اعضاء وضو سے جو کہ روشن وتاباں۔ محجل) ہوں گے۔ غرہ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے چہرے پر ہو اور محجل گھوڑے کی اس سفیدی کو کہتے ہیں جو اس کے پاؤں پر ہوتی ہے۔ محجل اس بناء پر کہا گیا کہ وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور پاؤں کو ٹخنوں تک خوب دھویا جاتا ہے۔ اور ''غر'' اس لیے کہا گیا کہ وضو میں مقدم سر' گردن کا بالائی حصہ اور چہرہ دھویا جاتا ہے۔

انہی خصائص امت میں سے ہے کہ روز حشر موقف میں یہ بلند مقام پر ہوں گے۔ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور میری امت ایسی بلند جگہ پر ہوگی جو خلائق میں سے کسی کے لیے ایسی مشرف نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ ہم میں سے ہونے کو پسند کرے اور نہیں ہے کوئی نبی کہ اس کی امت نے ان کی تکذیب کی ہے مگر یہ کہ ہم گواہی دیں گے کہ انہوں نے حق تعالیٰ کی رسالت پہنچائی ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ میں اور میری امت ''رتل'' یعنی بلند جگہ پر ہوں گے۔

اس امت کے خصائص میں یہ ہے کہ ان کی پیشانیوں پر ایک نشان ہوگا جو ان کے سجدہ ریزی کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (ان کی پیشانیوں میں اثر سجدہ کا نشان ہے۔) لیکن یہ علامت دنیا میں ہے یا آخرت میں۔اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ سیما یعنی علامت دنیا میں ہے اور اس سے مراد حسن سیرت اور سیمائے اسلام وخشوع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے میں زردی کا نام ہے۔ جس سے لوگ گمان کرتے ہیں کہ شاید یہ بیمار ہیں۔ حالانکہ وہ بیمار نہیں ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سیما وعلامت آخرت میں ہوگا کہ ان کے مواضع سجود روشن ہوں گے جس سے وہ پہچانے جائیں گے کہ یہ دنیا میں سجدہ کرنے والے ہیں۔ شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ امت محمدیہ کے چہروں کے مواضع سجود چودھویں رات کے چاند کی مانند دمکتے ہوں گے۔ عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت ہر وہ شخص ہے جو نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ ان کو ان کے نامہ اعمال' ان کے داہنے ہاتھ میں دئے جائیں گے اسے امام احمد و بزار نے روایت کیا ہے۔ ایسا ہی مواہب میں بھی ہے' مشکوٰۃ میں بھی امام احمد کی حدیث بروایت ابوالدرداء مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اپنی اُمت کو روزِ قیامت اس سے پہچانوں گا کہ ان کے اعضاء وضو چمکتے ہوں گے اور ان کے نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ اور میں اس سے پہچانوں گا کہ ان کی اولاد ان کے آگے سعی کرے گی۔ شیخ ابن حجر شرح میں لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ان کا نامہ اعمال دوسروں سے پہلے داہنے ہاتھ میں دیا جائے۔ اب رہا ''اولاد کی سعی''؟ ممکن ہے یہ بھی خصائص میں سے ہو۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ اس امت کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنی جانب چلتا ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم ناطق ہے۔ انہی خصائص میں سے یہ کہ ہر وہ چیز ان کے لیے خاص ہے جو انہوں نے بذات خود سعی کی یعنی اعمال کیے۔ اور وہ بھی جو ان کے بعد لوگوں نے ان کے لیے سعی و اعمال کے لیے۔ (ایصال ثواب' صدقہ جاریہ اور استغفار وغیرہ) حالانکہ ان سے پہلی امتوں کے لیے صرف وہی اعمال تھے جو انہوں نے بذات خود کیے۔ ابن عکرمہ اسی جگہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد سے ایک اشکال بیان کرتے ہیں کہ فرمایا وان لیس للانسان الاماسعی (بیشک نہیں ہے انسان کے لیے وہی جو اس نے عمل کیے۔) کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ آدمی کے لیے بجز اس چیز کے جو اس نے خود عمل کیے کوئی نفع دینے والی چیز نہیں ہے۔ علماء نے اس اشکال کے کئی جواب دئے ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کریمہ اس ارشاد باری سے منسوخ ہے کہ فرمایا: وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ.

ایصال ثواب کا ثبوت: لہٰذا بچہ ماں باپ کے میزان میں گردانا جاتا ہے اور ان سے وہ خوشی و مسرت پاتے ہیں۔ اور حق تبارک وتعالیٰ' ماں باپ کی شفاعت بیٹوں کے لیے اور بیٹوں کی شفاعت ماں باپ کے لیے قبول فرماتا ہے اس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اٰبَآءُ كُمْ وَاَبْنَآءُ كُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (تمہارے والدین اور تمہاری اولاد' تم نہ ڈرو کہ نفع میں کون تمہارے زیادہ قریب ہے) قرطبی فرماتے ہیں کہ بکثرت احادیث اس قول پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کو عمل صالح کا ثواب اس کے غیر کی جانب سے اسے پہنچتا ہے۔ ''صحیح'' میں مروی ہے کہ فرمایا جو کوئی اسے حال میں مر جائے کہ اس کے ذمہ روزہ ہے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔ اور رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنے غیر کے لیے حج کرے اسے لازم ہے کہ پہلے اپنا حج کرے پھر اس کی طرف سے حج (بدل) کرے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی طرف سے اعتکاف کیا اور ان کی طرف سے غلام آزاد کیا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا یارسول اللہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے کیا میں ان کی طرف سے صدقہ دوں۔ فرمایا ہاں! عرض کیا کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا پانی دینا۔ اس پر حضرت سعد نے ایک کنواں بنوایا۔ اور کہا: هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (یہ سعد کی ماں کا کنواں ہے) حضرت عبداللہ بن بکر رضی اللہ عنہ کی دادی نے نذر مانی تھی کہ پاپیادہ مسجد قبا جائیں گی۔ پھر ان کا انتقال ہو گیا اور نذر پوری نہ کر سکیں۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ ان کے بیٹے ان کی جانب سے وہاں تک جائیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت کریمہ: لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اس میں انسان سے مراد ابوجہل ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک عقبہ بن ابی معیط اور ولید بن مغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ انسان سے مراد زندہ ہے نہ کہ مردہ۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ ہماری شریعت دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لیے اپنے عمل اور دوسروں کے عمل دونوں ہی نافع ہیں۔

صاحب کشاف (زمخشری جو کہ معتزلی ہے۔) کہ ''اپنی ذات کو غیر کے عمل نفع نہیں دیتے۔ مگر وہ جو مبنی ہوں اپنے نفس کے عمل پر۔ اور ہے وہ مومن ومصدق۔'' لہٰذا اس اعتبار سے غیر کے عمل خاص اس کے اپنے عمل تابع ہونے کی بناء پر حکم میں اپنے عمل اور اس کے قائم مقام کے ہوگا۔ اور نیز عمل نافع نہیں جب کہ وہ غیر اپنے لیے عمل کرتا ہے۔ لیکن جب اس نے دوسرے کے لیے نیت کر لی تو وہ حکم شرع میں اس کا نائب ووکیل ہو گیا۔ اور اس کا قائم مقام بن گیا۔ انتہیٰ۔ بلاشبہ کا اس میں اختلاف ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ مذہب شوافع کے اکثر مشہور علماء اور امام مالک اور احناف کی مختصر جماعت کے نزدیک نہیں پہنچتا۔ لیکن شوافع او احناف کے اکثر علماء کا یہ مذہب بھی ہے کہ پہنچتا ہے۔ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ بلکہ امام احمد سے تو یہ منقول ہے کہ میت کو ہر چیز پہنچتی ہے۔ خواہ صدقہ ہو یا نماز وحج اعتکاف وقرأت۔ اور ذکر وغیرہ لیکن کہا گیا ہے کہ قبر پر قرأت بدعت ہے۔ شیخ شمس الدین قسطلانی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ثواب پہنچنا صحیح ہے۔ قریب سے ہو یا اجنبی یا وارث یا غیر وارث کی طرف سے ہو جس طرح کہ باجماع صدقہ' دعا اور استغفار نفع دیتا ہے۔

امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ ''روض الریاحین'' کے تکلمہ میں ذکر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں حکم دیتے تھے کہ میت کو قرآن کی قرأت کا ثواب نہیں پہنچتا اب معلوم ہوا کہ پہنچتا ہے۔ قرآن پڑھو اور اس کا ثواب پہنچاؤ۔

قاضی حسین نے فتویٰ دیا ہے کہ قبر پر قرأت قرآن کی اجرت لینا جائز ہے۔ جس طرح کہ اذان وتعلیم قرآن کے لیے اجرت لینا جائز ہے۔ چاہیے کہ قرآن کے بعد میت کے لیے دعا کرے۔ اس لیے کہ دعا اس کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور بعد قرأت دعا کرنا قبولیت سے زیادہ نزدیک اور برکت کی رو سے زیادہ ہے۔

شیخ عبدالکریم سالوسی بیان کرتے ہیں کہ اگر قاری اپنی قرأت کے دوران نیت کرے کہ اس کا ثواب میت کے لیے ہے تو نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ یہ عبادت بدنی ہے۔ لہٰذا غیر سے واقع نہیں ہوگی۔ لیکن اگر نیت کرنے کے بعد قرأت کی اور جو کچھ حاصل ہوا ہے اسے میت کے لیے بخش دے تو یہ دعا ہے۔ اور اس کے حصول سے ثواب میت کو نفع دیتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ موضع قرآن' برکت اور نزول رحمت کی جگہ ہے۔ اور مردہ حکم میں زندہ کے موجود ہے۔ لہٰذا جس وقت قاری اسے ثواب پہنچائے تو نزول رحمت اور حصول برکت کی امید رکھنی چاہیے۔

صاحب ''غدہ'' بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی چشمہ نکالے' کنواں کھودے یا درخت لگائے یا قرآن کو اپنی زندگی میں وقف کرے یا ان کاموں کو دوسرے کے مرنے کے بعد کرے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اور وقف کرنا مصحف اور قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وقت اس کے ساتھ شامل ہے۔ اور یہ قیاس میت کی طرف سے قربانی کے جائز ہونے پر تقاضہ کرتا ہے اس لیے کہ یہ صدقہ کی ایک قسم ہے۔ لیکن ''تہذیب'' میں کہا گیا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر غیر کے لیے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی حکم میت کا ہے مگر یہ کہ اس پر وصیت کر دی گئی ہو۔

امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کی طرف سے قربانی دیتے تھے اور ابوالعباس محمد بن

اسحاق سے ''سراج'' میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ستر جانوروں کی قربانی دی ہے اب رہا رسولِ خدا ﷺ کی طرف ہدیہ کرنا تو اس کے انکار میں میرے پاس نہ کوئی حدیث ہے نہ کوئی اثر۔ ایک قلیل جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ اسے صحابہ کرام نے نہیں کیا۔ (حالانکہ اوپر حضرت علی مرتضیٰ کا عمل گزر چکا ہے) بعض فقہائے متاخرین نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ اور کچھ لوگ اسے بدعت جانتے کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضور اس سے غنی ہیں۔ اس لیے کہ حضور سے ثابت ہے بحکم ''من سن حسنته'' الی آخر حدیث۔ یعنی جس نے کوئی عمل خیر کیا آپ کی امت میں سے بغیر اس کے کہ عامل کے ثواب میں سے کچھ کمی ہو تو ان سب کے برابر ہے سے اجر ملے گا۔ الخ۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی چیز نہیں ہے کہ عمل کرے اسے کوئی امتی مگر یہ کہ نبی کریم ﷺ اس میں اصل بنیاد ہیں۔ نصرت کی تحقیق میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے تمام حسنات اور ان کے ہر عمل صالح حضور کے صحائف یعنی نامہ اعمال میں اس سے زیادہ ہیں۔ جو عامل کے اجر میں ہے اور اس زیادتی کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے کہ مہتدی یعنی ہدایت کا پانے والا اس کا اجر اور عامل قیامت تک ہوں گے۔ اور اس کا تازہ بتازہ اجر شیخ و معلم کے لیے اس کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔ اور استاد کے استاد کو دونا تیسرے استاد کو چار گنا اور چوتھے استاد آٹھ گنا' اسی طرح بعد داجور حاصلہ ہر مرتبہ میں اجر پہنچتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تک یہ سلسلہ پہنچ جاتا ہے اور اسی بنیاد پر بعد والوں پر پچھلے لوگوں کی فضیلت معلوم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کے بعد دس مراتب کو جب فرض کیے جائیں گے تو حضور ﷺ کے لیے ایک ہزار چوبیس گنا ثواب حاصل ہوگا۔ پھر جب دسویں سے گیارہواں ہدایت پائے گا تو حضور کا اجر وثواب دو ہزار اڑتالیس ہو جائے گا۔ اسی طرح جتنے زیادہ مرتبہ ہوتے جائیں گے اتنے ہی ماقبل سے دو چند اجر وثواب بڑھتا جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ جیسا کہ محققین جواب دیتے ہیں کہ حضور تمام اقسام شرف میں کامل ہیں لیکن چونکہ قاری کی قرأت کا ثواب اس کے معلم کو بھی پہنچے گا اور پھر معلم کے معلوم کو۔ یہ سلسلہ اسی طرح اوپر کو جاری ہوگا۔ یہاں تک کہ معلم اول جو کہ شارع علیہ السلام ہیں آپ کو ان سب کے برابر اجر پہنچے گا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور زمرہ میں اس دعا کی مشروعیت ہے جو خانہ خدا کی رویت کے وقت ہے۔ زائرین کہتے ہیں: اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا (اے خدا! اس گھر کی شرافت اور عظمت کو اور زیادہ فرما) یہ سب مواہب لدنیہ میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ: مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَھَا. (جس نے کوئی اچھی بات نکالی تو اس کے لیے اس کے عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ہے) یہ سنت حسنہ کے عمل کے سنت ہونے پر امت کو ترغیب و تحریص ہے۔ اور اس میں حضور کے لیے اجور غیر متناہی کے اثبات اور اپنے کمال کی طرف اشارہ ہے۔

اس امت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ طبرانی نے ''اوسط'' میں بروایت سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: حرام کردی گئی جنت انبیاء پر جب تک کہ میں داخل نہ ہوں۔ اور حرام کردی گئی دوسری امتوں پر جب تک کہ میری امت داخل نہ ہو۔

انہی خصائص میں سے یہ ہے کہ جنت میں اس امت کے ستر ہزار لوگ بے حساب داخل ہوں گے اسے شیخین نے روایت کیا اور بیہقی و طبرانی کے نزدیک ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار افراد کو بے حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں نے حق تعالیٰ سے اس سے زیادہ کے لیے سوال کیا حق تعالیٰ نے وہ بھی مجھے عنایت فرمایا یعنی ان ستر ہزار میں سے ہر ایک شخص مزید ستر ستر ہزار شخص کو بے حساب لے جائے گا۔

غرض کہ حق تبارک وتعالیٰ نے اس اُمت کو وہ کچھ عنایت فرمایا ہے جو کسی اُمت کو مرحمت نہ ہوا جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ نے اپنی

اطاعت کے لیے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام رسولوں میں مکرم فرمایا اور ہمیں تمام امتوں میں مکرم بنایا۔

صلی اللّٰہ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ آلہٖ واصحابہٖ وامتہٖ اجمعین۔

ذکر معراج مبارک

وصل: اخص خصائص، اشرف فضائل وکمالات، ابہر معجزات وکرامات میں سے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا حضور اکرم ﷺ کو اسریٰ ومعراج کے ساتھ مخصوص ومشرف فرمانا ہے کیونکہ کسی نبی یا رسول کو اس سے مشرف ومکرم نہ کیا گیا اور جس مقام علیا تک آپ کی رسائی ہوئی اور جو کچھ وہاں دکھایا گیا کوئی ہستی کبھی وہاں نہ تو پہنچی ہے اور نہ دیکھا ہے۔ فرماتا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ.

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ دکھائیں ہم انہیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

اسریٰ کے معنی ہیں لے جانا۔ مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کا منکر کافر ہے کیونکہ یہ اللہ کی کتاب سے ثابت ہے۔ پھر وہاں سے آسمان پر لے جانے کا نام معراج ہے۔ یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ اس کا منکر مبتدع، فاسق اور مخذول ہے۔ دیگر جزئیات اور عجیب وغریب احوال کا ثبوت حدیثوں سے ہے۔ اس کا منکر جاہل ومحروم ہے۔ مذہب صحیح یہی ہے کہ وجود اسریٰ ومعراج سب کچھ بحالت بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔ صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر علماء اور ان کے بعد محدثین، فقہا اور متکلمین کا مذہب اسی پر ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ متواتر ہیں۔ بعض اس پر ہیں کہ معراج خواب میں روح سے تھی۔ اس کی جمع وتطبیق اس طرح کی ہے کہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ بیداری میں اور دیگر اوقات خواب میں روح سے۔ کچھ مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور کچھ مرتبہ مدینہ طیبہ میں، اس کے باوجود اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی رویا یعنی خواب وحی ہے جس میں کسی شک وشبہ کو دخل نہیں۔ اور خواب میں ان کے دل بیدار ہیں۔ اور ان کی آنکھیں پوشیدہ ہوتی ہیں جیسے حضور ومراقبہ کے وقت آنکھیں پوشیدہ ہوتی ہیں تاکہ محسوسات میں سے کوئی چیز مشغول نہ کردے۔

قاضی ابوبکر بن العربی کہتے ہیں کہ اس کا وقوع خواب میں توطیہ وتیسیر یعنی سمجھانے اور آسان کرنے کے لیے تھا۔ جیسا کہ ابتدائے نبوت میں رویائے صادقہ دیکھتے تھے تاکہ وحی کا بوجھ جو ایک امر عظیم ہے اس کی برداشت آپ کو آسان وسہل ہو جائے۔ چنانچہ قوائے بشر یہ اس کی برداشت میں کمزور اور عاجز ہیں۔ ایسے ہی معراج پہلے خواب میں واقع ہوئی تاکہ بیداری میں اسے پانے کی قوت واستعداد حاصل ہو جائے بلکہ اس کے قائلین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ خواب میں اس کا وقوع بعثت سے پہلے تھا۔ (واللہ اعلم)

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اسرات اور معاریج بہت تھیں اور بعض نے چونتیس کہا ہے۔ جن میں سے ایک تو بچشم بیداری سے تھی۔ باقی خواب میں روحانی تھیں۔ (واللہ اعلم)۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اسریٰ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جسمانی بیداری میں تھی۔ اور وہاں سے معراج آسمانوں تک خواب میں روحانی تھی۔ اور وہ اسی آیت کریمہ سے دلیل لیتے ہیں کہ اس میں مسجد اقصیٰ کو اسراء کی غایت ٹھہرایا ہے۔ اگر اسراء جسمانی، مسجد اقصی سے آگے ہوتی تو ذکر فرمایا جاتا۔ یہ ذکر فرمانا رسول اللہ ﷺ کی بزرگی ومدح میں اور حق تبارک وتعالیٰ کی قدرت کی تعظیم وتعجب میں زیادہ بلیغ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں مسجد اقصیٰ کے ذکر تخصیص،

وقوع خلاف ونزاع اوراس میں قریش کے انکار کی بناء پر ہے اور حضور ﷺ سے منکرین قریش کا اس کی علامتوں اور نشانیوں کو دریافت کرنے کی وجہ سے اس کا ذکر ہے۔ اوران کا بغرض امتحان مسجد اقصیٰ کی صفتوں کے بارے میں باتیں معلوم کرنے کی بنا پر خصوصیت سے ذکر ہے۔ جیسا کہ آگے تذکرہ آئے گا۔ اس بارے میں احادیث مشہورہ اور اخبار صحیحہ بکثرت وارد ہیں بلکہ آیات قرآنیہ بھی ہیں۔ چنانچہ سورہ ''والنجم'' میں واقع ہے۔ اگرچہ سورہ والنجم میں جو کچھ واقع ہوا ہے اسے جبریل علیہ السلام کی رویت اوران کے نزدیک ہونے پر کچھ حضرات محمول کرتے ہیں لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ قصہ معراج پر محمول ہے۔

بندہ مسکین (شیخ محقق رحمۃ اللہ) ثبته الله في مقام الصدق و اليقين کہتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ یہ اشارہ کہ: لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيَاتِنَا (تاکہ ہم دکھائیں انہیں نشانیاں) معراج کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسجد اقصےٰ لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ وہاں سے آسمانوں پر لے جا کر نشانیوں کو دکھایا گیا۔ اس لیے کہ نشانیوں کا دکھانا اور غایت کرامات ومعجزات کا ظاہر فرمانا آسمانوں میں تھا۔ اور مسجد اقصیٰ میں جو واقع ہوا ہے اس پر انحصار نہ تھا۔ مسجد اقصیٰ لے جانا وہ اس معراج کا مبداء ہے۔ اسی بنا پر مسجد اقصیٰ کا ذکر فرمایا۔ اور واقعہ اگر خواب میں ہوتا تو کفار اسے مستبعد نہ جانتے۔ اور ضعفاء مومنین فتنہ میں نہ پڑتے نیز خواب میں واقعات وقضایا کے وقوع پذیر ہونے کو خارج میں حصر واحصاء غیر متعارف ہے۔ نیز صیغہ ''اسریٰ'' کا اطلاق خواب پر نہیں کرتے اور جب اسریٰ بیداری میں ہوا تو معراج جو اس کے بعد واقع ہوا بیداری میں ہوگا اوراس کے بعد خواب میں ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جولوگ وقوع معراج کو خواب میں ہونے کے قائل ہیں ان کے شبہات کے موجب چند چیزیں ہیں۔ ایک تو حق تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ. نہیں بنایا ہم نے اس خواب کو جو آپ کو دکھایا مگر لوگوں کے امتحان کے لیے۔ اس آیہ کریمہ کو بعض مفسرین قضیہ معراج پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ ''رویا'' نیند میں خواب دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ''رویا'' یا تو قضیہ حدیبیہ کے رویا پر یا واقعہ بدر کے رویا پر محمول ہے۔ اور اہل علم ورویت بصریٰ کے معنی میں بھی رویا استعمال کرتے ہیں اور وہ ''متنبی'' شاعر کے اس قول سے استناد کرتے ہیں کہ وَرُؤْيَاكَ اَحْلاً فِيْ الْعُيُوْنِ مِنَ الْغَمْضِ اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ چونکہ معراج رات میں واقع ہوئی اس بنا پر اس کا نام رویا رکھا۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا: فَاسْتَيْقَظْتُ (تو میں بیدار ہوگیا) اس میں بھی دلیل ہے کہ اسریٰ ومعراج نیند میں نہیں ہے۔ اس لیے یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ اس نیند سے بیداری مراد ہے جو فرشتے کے حاضر ہونے سے پہلے تھی۔ مطلب یہ کہ حضور اکرم ﷺ خواب میں تھے کہ فرشتے نے حاضر ہوکر بیدار کیا۔ اور براق پر سوار کیا اور لے گئے۔ اور اگر بیداری سے مراد قضیہ معراج کے مکمل ہونے کے بعد کی نیند سے ہے جیسا کہ واقع ہوا ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (پھر میں بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔) تو ممکن ہے کہ اِسْتَيْقَظْتُ بمعنی اصبحت ''یعنی میں نے صبح کی ہے'' یا یہ بیداری اس دوسری نیند سے ہے جو بیت الحرام آنے کے بعد واقع ہوئی ہے۔ اور ''اسریٰ'' تمام شب کی نہ تھی بلکہ رات کے مختصر حصے میں تھی۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ ''استیقاظ'' سے مراد افاقہ' ہشیاری اوراس حال سے اپنے حال پر آنا ہے۔ چونکہ جس وقت حضور ﷺ نے ملکوت سموات وارض کے عجائب وغرائب کا مطالعہ فرمایا اور ملاء اعلیٰ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں اوراسرار نامتناہی کا مشاہدہ کیا آپ کی حالت سخت ہوگئی تھی۔ اور آپ کا باطن' نیند کی حالت کے مشابہ ہوگیا تھا۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ مشاہدہ ملکوت اگرچہ بیداری میں ہے مگر وہ ایک قسم کی عالم محسوسات سے غیبو بیت ہے اسی کو وہ بين النوم و اليقظه یعنی نیند وبیداری کی درمیانی حالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ حالت بیداری میں ہے۔ لیکن غیبت کے عارض ہونے کے سبب اوراس کے زائل ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی اسے نیند سے تعبیر کردیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں وَاَنَا بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ (میں سونے اور جاگنے والے کی حالت کے مابین تھا) بھی آیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نوم سے مراد سونے کی مانند اور کروٹ سے لیٹنا

ہے۔اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بَیْنَ اَنَا نَائِمٌ فِی الْحِجْرِ وَرُبَّمَا قَالَ مُضْطَجِعٌ (حجر اسود کے قریب میں سونے کے قریب قریب تھا۔اور بعض نے روایت کیا میں کروٹ سے لیٹا ہوا تھا) باوجود اس کے حضرت انس نے اس حال کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ حضور ﷺ سے ہی سنا کیونکہ قصہ معراج ہجرت سے پہلے کا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بعد ہجرت بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اس وقت بھی وہ سات آٹھ سال کے بچے تھے۔جیسا کہ اہل علم تصریح کرتے ہیں۔یہی حال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ہے کہ مَا فَقَدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ. (حضور کا جسم اطہر بستر مبارک سے گم نہ ہوا) یہ ان لوگوں کے دلائل ہیں جو کہتے ہیں کہ ''اسریٰ'' خواب میں ہوئی۔سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ میں حضور ﷺ کے پاس نہ تھیں اور نہ قبط وحفظ کی عمر ہی تھی۔بلکہ ممکن ہے پیدا بھی نہ ہوئی نہوں۔اس قول کے بموجب جو کہتے ہیں کہ اول اسلام میں بعثت سے ایک یا ڈیڑھ سال کے بعد ''اسریٰ'' ہوئی (واللہ اعلم)۔مقصود یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان دوسری حدیثوں پر راجح نہیں ہے۔جو بطریق مشاہدہ حدیث روایت کرتے ہیں۔اور حدیث عائشہ میں واقع ہوا ہے کہ ''مَا فَقَدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ (حضور کا جسم اطہر بستر مبارک سے گم نہ ہوا) یہ ان لوگوں کے دلائل ہیں جو کہتے ہیں کہ اسریٰ خواب میں ہوئی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ میں حضور ﷺ کے پاس نہ تھیں اور نہ ضبط وحفظ کی عمر ہی تھی بلکہ ممکن ہے کہ پیدا بھی نہ ہوئی ہوں اس قول کے بموجب جو کہتے ہیں کہ اوّل اسلام میں بعثت سے ایک یا ڈیڑھ سال کے بعد اسریٰ ہوئی (واللہ اعلم) مقصود یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان دوسری حدیثوں پر راجع نہیں ہے جو بطریق مشاہدہ حدیث روایت کرتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں واقع ہوا ہے کہ مَا فَقَدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ (حضور ﷺ کا جسم اطہر گم نہ ہوا۔اس سے استدلال بے شبہہ خطا ہے۔اور وہ جو آیا ہے کہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاى. (دل نے نہیں جھٹلایا جو آنکھ نے دیکھا) یہ خواب پر دلالت نہیں کرتا۔اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ دل نے آنکھ کو غیر حقیقت کا وہم نہیں ڈالا۔بلکہ اس کی رویت کی تصدیق کیا اور جس چیز کو آنکھ نے دیکھا دل نے اس کا انکار نہ کیا۔بدلیل: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی. (نہ آنکھ جھپکی اور نہ بے راہ ہوئی) اب رہا فلسفیوں کے اباطیل ومزخرفات سے تمسک واستدلال کرنا کہ ''طبعی طور پر جسم ثقیل بلندی کی جانت نہیں جاسکتا اور آسمان میں خرق والتیام (پھٹنا اور ملنا) جائز نہیں ہے'' وغیرہ۔یہ باتیں طریقہ اسلام میں باطل ولغو ہیں۔

ایک اور جماعت اہل اشارات وتاویلات کی صورتوں کو معانی پر محمول کرتی ہے۔یہ معراج کو روحانی تصور کرتی ہے۔ان کے اس قیاس پر کہ حشر کو روحانی کہتے ہیں اس معنیٰ میں نہیں کہ روح کو خواب میں معراج ہوئی۔بلکہ اس معنی میں کہ معراج' ترقی کے مقامات واحوال اور عروج کمال کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ وہ جبریل سے روح محمدی اور براق سے آپ کا نفس مبارک جو روح کی سواری ہے جو اپنی خاصیت میں سرکش ہے اور رام نہیں ہوتا مگر روحانی قوت سے۔اور آسمان سے مراد مقام قرب اور سدرۃ المنتہی سے انتہائی مقامات ہیں' ان کے اسی قیاس کے مطابق یہ فرقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرعون' عصا' نعلین اور وادی مقدس کی تاویلات کرتا ہے اگر یہ صورتوں کا اثبات کریں (یعنی الفاظ وکلام کے ظاہری مطلب ومفہوم کو برقرار رکھیں) پھر وہ ان کو معانی کی طرف اشارہ کریں تو علم ومعرفت میں ایک چیز ہے اور اس کا کوئی مرتبہ ہے۔ان کے قیاس پر کہ حشر جسمانی وروحانی کے درمیان جمع کریں۔امام غزالی رحمتہ اللہ بھی اسی خیال کے بھنور میں ہیں اگر صرف معانی کا اعتقاد کریں اور الفاظ وصور کے قائل نہ ہوں تو یہ بجائے خود کفر والحاد ہے۔اور یہ مذہب باطنیہ ہے۔اس مسکین (شیخ محقق رحمتہ اللہ) کے ایمانی ذائقہ پر یہ طریقہ اولیٰ بھی استبعاد اور انکار کی طرف مشیر اور موہم ہے گویا انہوں نے وجود صور کو جب دائرہ امکان سے عادی سے بعید جانا تو تاویل کی طرف گھوم گئے۔حالانکہ ایمان اس کے سننے اور ماننے ہی کا نام ہے جیسا کہ اس واقعہ معراج کے سلسلے میں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا اور اسی دن سے آپ ''صدیق'' کے نام ولقب سے موسوم ہوئے

اور چند ایک ضعیف الاعتقاد مسلمان دائرہ ایمان سے نکل گئے۔علم الیقین' عین العین سے پہنچتا ہے۔جب بھی کلام کرنا اور زبان وتاویل اور اس کے امکان کا اثبات دلائل کلامیہ سے کھولنا عقل اور اس کے حیلوں میں گرفتار ہونا ایمان و بندگی سے بعید ہے۔اور ہم ایمانداروں کو خدا اور سول کے قول سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہے جو کچھ ہم ان سے سنیں گے کریں گے۔یہ فرقہ اسے تقلید کہتا ہے۔وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ تقلید کس کی ہے؟ یہ تقلید اس کی ہے جس کا تحقق معجزات قاہرہ سے ثابت ہے۔اور محقق کی تقلید عین تحقیق ہے۔اور حقیقۃً یہ تقلید بھی نہیں ہے یہ صراط مستقیم کا اتباع ہے۔مقلد تو تم ہو کہ عقل کی تقلید کرتے ہو اور اس کے کہے پر چلتے ہو۔جس کی تحقیق ثابت شدہ نہیں ہے۔اور اس کی راہ میں سراسر شکوک وشبہات ہیں۔فلاسفر اصلیت میں خود انبیاء علیہم السلام کے منکر ہیں۔ہمیں ان سے کیا کام۔ان کا نبی تو ان کی عقل ہے اور ان متکلمین خانہ خراب کو کیا ہو گیا ہے کہ باوجود راہ راست کے وہ گم گشتہ ہیں۔اور راہ میں گفتگو' شبہ اور جدال پیدا کرتے ہیں۔اگرچہ ان کی نیت' فلاسفہ کی مخالفت اور ان کا ورد ہے لیکن سلوک راہ میں عقل اور اس کی پیروؤں کی موافقت کرتے ہیں۔خود بھی گم راہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

اثبات معراج شریف: وصل: باخبر رہنا چاہیے کہ معراج مبارک کی حدیث کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت کثیرہ نے تواتر معنوی کے مرتبہ میں روایت کیا ہے اگرچہ بعض خصوصیات میں روایات مختلف ہیں۔ان میں مشہور وہ طویل حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں بروایت حضرت قتادہ' حضرت انس۔مالک بن صعصہ رضی اللہ عنہم ذکر فرمایا ہے اور حدیث میں نبی کریم ﷺ کے قلب انور کے شق کرنے اور اسے سونے کے طشت میں آب زم زم سے غسل دینے اور اسے حکمت و ایمان سے پر کرنے پھر اسے سینہ اطہر میں اپنی جگہ رکھنے اور اسے برابر کرنے کا ذکر ہے۔شق صدر شریف چار بار ہوا ہے۔سب سے پہلے عہد طفولیت میں جبکہ آپ حضرت حلیمہ سعیدہ کے پاس تھے' دوسری مرتبہ' وقت بلوغ کے قریب دسویں برس میں۔تیسری مرتبہ بعثت کے وقت اور چوتھی مرتبہ اس وقت جب کہ آپ کو ''اسریٰ'' یعنی معراج ہوئی۔تاکہ کمال طہارت وصفا کے ساتھ عالم ملکوت میں پہنچنے میں مستعد ومنتہی ہوں۔اسی قیاس پر وضو ہے کہ نماز سے پہلے پاکیزگی ہوتی ہے۔اس لیے نماز معراج کا نمونہ ہے۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (طور پر کلام الٰہی سے مشرف ہوتے وقت) اس تہیہ اور استعداد کا اتفاق نہ ہوا۔اسی وجہ سے رویت الٰہی سے مشرف نہ ہوئے۔یہ اس مقام کی خوبی ہے جس کا فطرت کے پرستار یعنی نیچری انکار کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ شق صدر اور اخراج قلب' موت کی علت ہے۔یہ زندگی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔اور ارباب عقل تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غسل وطہارت قلب سے مراد حدوث وامکان کے میل سے حضور ﷺ کی باطنی صفائی ہے۔اور اہل ایمان بغیر تاویل اور بغیر ظاہر سے انحراف کے تصدیق کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں یہ سب اسباب عادی ہیں اور حق تعالیٰ کے لیے کوئی چیز محال وممتنع نہیں ہے۔لیکن سونے کا طشت لانا اور غسل دینا یہ عرف وعادت کے اعتبار سے ایک قسم کی تکریم ہے۔اور اس طرف اشارہ ہے آپ تمام عالم میں معظم ومکرم ہیں لیکن یہ کہ آپ کی شریعت میں سونے کے برتن کا استعمال حرام ہے تو اس کے جواب میں اہل علم فرماتے ہیں کہ سونے کا حرام ہونا اس دنیا کے لیے ہے۔لیکن آخرت میں خالصاً مسلمانوں کے لیے ہی ہوگا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ.

اے نبی فرمادو یہ سونا (حرام ہے) دنیا میں ایمانداروں کے لیے اور یہ خالص ہے قیامت کے دن۔

اور حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ: هُوَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْاٰخِرَةِ سونا کفار کے لیے دنیا میں ہے اور ہمارے لیے آخرت میں۔قصہ اسراء درحقیقت عالم آخرت کے قبیل سے ہے نیز اس کا استعمال اور فائدہ اٹھانا حضور ﷺ کی جانب سے حاصل نہیں ہے بلکہ

ملائکہ نے کیا ہے جو اس کے مکلف نہیں ہے۔ بلکہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ واقعہ حرام ہونے سے پہلے کا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے اس لیے کہ اس کی تحریم مدینہ منورہ میں بعد از اسریٰ ہوئی ہے۔ بعض ارباب معانی نے سونے اور قلب نبوی میں مناسبتیں نکالی ہیں۔ یہ کہ سونا جنت کے ظروف میں سے ہے۔ اور معدنیات میں اثقل جواہر ہے۔ نہ اسے مٹی کھاتی ہے اور نہ اس میں زنگ لگتا ہے۔ اسی طرح ہر دل سے قلب نبوی ثقیل تر' زرین تر اور مزین تر ہے اس میں وحی کا بوجھ ہے اور اسے سفلیات کی خاک نہیں کھاتی۔ اور نہ اس پر کدورات کونیہ کا زنگ لگتا ہے اور لفظ ذہب (سونا) ذہاب الی اللہ (خدا کی طرف جانے) اور تطہیر اور اذہاب رجس (ناپاکی کو دور کرنے' پاک وصاف کرنے) کی طرف مشعر ہے اور یہ چمک' بقا' صفا اور رزانت کے معنی کو متضمن ہے۔ اور طشت کو حکمت و ایمان سے پر کرنے کا مطلب ان جواہر نورانیہ سے جو کہ ایمان وحکمت کے کمال کا خلاصہ ہے اس سے لبریز کرنا ہے اور احتمال رکھتا ہے کہ یہ معنوی اجسام کے قبیل سے ہوں۔ جیسا کہ سورہ بقر میں آیا ہے کہ روز قیامت ظلہ (سایہ دار چیز) اور موت بکری کی شکل میں لائی جائے گی اور اعمال حسنہ صور حسنہ سے متمثل کیے جائیں گے پھر یہ میزان عدل میں رکھے جائیں گے۔ اہل عرفاء فرماتے ہیں کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ ایمان وحکمت جواہر محسوسہ نہ کہ معنی معقولہ' اور نہ از قسم اعراض۔ جیسا کہ متکلمین کا مذہب ہے اور شارع علیہ السلام حقائق اشیاء اعلم واعرف ہیں۔ اہل عقل کی نظر ظاہر پر ہے کیونکہ جب وہ دیکھتے کہ یہ جواہر سے صادر ہوئے ہیں تو ان پر عرضیت یعنی قایم بالغیر کا حکم لگا دیتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کا اس واقعہ سے مشاہدہ فرمانا یقین وایمان کی تکمیل واضافہ اور عادات مہلکہ سے بیخوف ہونے کا موجب ہے۔ حضور اکرم ﷺ ہر حال ومقام میں سب سے بڑھ کر شجاع' ثابت قدم اور اقوی تھے۔ لیکن قلب اطہر کو آب زمزم سے پہلے غسل دینے کی حکمت میں اہل علم فرماتے ہیں کہ آب زمزم دل کو تقویت دیتا ہے۔ اس لیے قلب شریف کو غسل دیا کہ عالم ملکوت کے مشاہدہ پر قوی ہو جائے۔ اسی بناء پر علماء استدلال کرتے ہیں کہ آب زمزم آب کوثر سے افضل ہے۔ اس لیے کہ قلب شریف کو غسل نہیں دیا گیا مگر افضل پانی سے۔ یہ قول کہ آب زمزم قریب تھا اور آب کوثر دور''۔ تو یہ بہت ضعیف قول ہے اس لیے کہ یہاں قرب وبعد متصور نہیں ہے یہاں تو دونوں برابر ہے (واللہ اعلم)۔

ذکر براق: اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام ایک سفید چوپایہ لائے جس کا نام براق ہے۔ وہ خچر سے پست اور گدھے سے اونچا تھا۔ اور منتہائے نظر پر اس کا قدم پڑتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مجھے سوار کیا گیا اور حضرت جبریل مجھے آسمان پر لے گئے۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ آسمان تک براق پر تھے اور وہ ہوا میں اس طرح چلتا تھا جس طرح زمین پر چلتے ہیں۔ یہ بھی عادت کے خلاف ہے کیونکہ بشر ہوا پر نہیں چلتا چہ جائیکہ چارپایہ پر سوار ہو کر۔ یہ سب قدرت الٰہی کے ہاتھ میں ہے اور خدا کی قدرت عادت کے جاری ہونے میں مقید نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے براق کے دو بازو تھے جن سے وہ اڑتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ براق پر سواری مسجد اقصیٰ تک تھی۔ اس کے بعد ایک معراج یعنی سیڑھی رکھی گئی جس کے ذریعہ اوپر لے جایا گیا۔ یہ بھی ایک روایت میں ہے۔ ان دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ بعض راویوں نے ان تفصیلات کا ذکر نہیں کیا جسے دوسرے راویوں نے بیان کیا۔ پہلے راوی نے مسجد اقصیٰ تک براق پر سواری کا ذکر صراحت سے کیا۔ اور پھر اسی سواری کے ذریعہ آسمان پر جانے کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور دوسرے راوی نے آسمان پر عروج فرمانے کا ذکر کیا۔ ممکن ہے کہ یہ بے سواری ہو۔

(واللہ اعلم) براق کے بھیجنے میں حکمت' سیّد عالم محبوب رب العلمین ﷺ کی تعظیم وتکریم مقصود تھی جس طرح کہ محبین اپنے محبوبوں کے لیے گھوڑا بھیجتے ہیں اور اخص وخواص جو محرم وانیس مجلس خاص ہو اس کے بلانے کے لیے پیادوں کو بھیجتے ہیں اور رات کے وقت جو کہ خلوت خاص کا وقت ہے غیروں کی آنکھوں سے بچا کر بلاتے ہیں وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی وَتَعَالٰی وَتَقَدَّسَ. خچر سے پست اور حمار

سے بلند نہ بر شکل فرس، براق بھیجنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بلانا سلامتی وامن میں ہے نہ کہ حرب وخوف میں۔ اور براق کی ایسی تیز رفتاری جس کا عرف وعادت میں رواج نہیں ہے اظہار معجزہ کے لیے تھی۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اس کا نام براق ہے گھوڑا اور خچر نہیں ہے اور یہ براق بریق سے بنا ہے جس کے معنی روشنی کی شعاعوں کے ہیں۔ اسی جہت سے اس کی تیز رفتاری بھی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے براق اس بناء پر کہا گیا ہے کہ ﷺ سکے دو رنگ تھے جیسے ''شاۃ برقا'' (چمکدار بکری) کہا جاتا ہے جس کے بالوں میں سفیدی وسیاہی دونوں ہوں صاحب مواہب لدنیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے۔ براق بریق سے مشتق نہ ہوں۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ رکاب میں پائے اقدس رکھنے لگے تو براق نے شوخی کی اس وقت جبریل علیہ السلام نے براق سے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے کیوں شوخی کرتا ہے۔ تجھ پر حضور اکرم ﷺ سے زیادہ بزرگ تر سوار نہیں ہوا۔ پھر براق نے شوق کا اظہار کیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد حضور نے اس کی پشت پر سواری فرمائی۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ براق انبیاء علیہ السلام کی سواری کے لیے آمادہ تھا۔ بعض فرماتے ہیں ہر نبی کے لیے ان کے قدر ومرتبہ کے مطابق جداگانہ براق ہوتا ہے' چنانچہ روایتوں میں آیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس سے مکہ مکرمہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملاقات کے لیے براق پر سوار تشریف لائے تھے گویا حضرت جبریل علیہ السلام کا اشارہ جنس براق کی جانب ہے (واللہ اعلم)۔

اور براق کی شوخی اس وجہ سے تھی۔ اب تک اس پر کسی نے سواری نہیں کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ براق کی یہ شوخی' ناز وطرف اور افتخار سے تھی نہ کہ بطریق استبعادہ وسرکشی۔ جیسا کہ پہاڑ کے جنبش کرنے کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اُثْبُتْ يَا ثَبِيرُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ اے شبیر پہاڑ قائم رہ بلاشبہ تجھ پر نبی صدیق اور دو شہید ہیں۔ کہتے ہیں براق کی رکاب حضرت جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں اور لگام حضرت میکائیل کے ہاتھ میں تھی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام حضور کے ردیف یعنی پس پشت بیٹھے تھے۔ ممکن ہے کہ پہلے رکاب تھامی ہو۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اثنائے راہ میں اپنی محبت وعنایت کے اقتضاء میں اپنا ردیف بنالیا ہو۔ یا یہ کہ پہلے ردیف بنے ہوں گے۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم اور طریقہ ادب کی رعایت سے اتر کر رکاب تھام لی ہو۔ (واللہ اعلم) پھر جب حضور ﷺ کی سواری زمین نخلستان میں پہنچی تو جبریل نے عرض کیا یہاں دوگانہ پڑھیئے۔ یہ زمین یثرب ہے جسے بعد میں مدینہ منورہ کہا جائے گا۔ اس کے بعد جب ''مدین'' اور اس زمین میں پہنچے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ ان دونوں جگہوں میں بھی حضرت جبریل نے یہی عرض کیا کہ اتر کر دوگانہ ادا کیجئے۔ اس کے بعد حضور نے دیکھا کہ ایک جانب ایک بوڑھی عورت کھڑی ہے۔ حضور نے جبریل سے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ عرض کیا حضور بڑھے چلیے۔ پھر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جانب ایک شخص کھڑا ہے وہ آپ کو بلا رہا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا یہ کون ہے۔ عرض کیا حضور بڑھے چلیے۔ اس کے بعد ایک جماعت پر گزر ہوا جو حضور کو سلام عرض کر رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی السلام عليك يا اول' السلام عليك يا آخر' السلام عليك يا حاشر' اس پر جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ حضور ان کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیے۔ آپ نے ان کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا آخر حدیث تک۔ اس وقت حضرت جبریل نے عرض کیا وہ بوڑھی عورت جسے حضور نے ملاحظہ فرمایا وہ دنیا تھی اب اس کی عمر باقی نہیں رہی ہے مگر جتنی اس بڑھیا کی عمر باقی ہے اور وہ جس نے حضور کو مخاطب کیا تھا وہ ابلیس وشیطان تھا۔ اگر حضور اس کی طرف التفات فرماتے اور اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور شیطان انہیں گمراہ کر دیتا۔ اور وہ جماعت جو آپ پر سلام عرض کر رہی تھی وہ حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا گذر حضرت موسیٰ کی قبر انور پر ہوا تو وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ میں شہادت دیتا ہوں

یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو وہ خدا کے حضور عبادت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اصحاب جنت، جنت میں کریں گے۔ بغیر اس کے وہ اس کے مکلّف ہوں۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ ایسے نیک و بدلوگوں کے گروہوں اور قوموں پر گذرے جو عالم برزخ و مثال میں اپنے احوال وافعال کے ثمرات ونتائج میں مشغول وگرفتار ہیں ان کا ذکر طویل ہے۔ پھر حضور انور بیت المقدس پہنچے اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھا جسے اب باب محمد (ﷺ) کہتے ہیں اس کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت ادا کیں۔ ظاہر ہے کہ دوگانہ تحیۃ المسجد تھا۔ یہاں فرشتے حاضر ہوئے اور تمام انبیاء حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی ارواح مقدسہ متمثّل ہو کر حاضر ہوئیں۔ خدا کی حمد وثناء کی اور حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ اور سب ہی نے حضور ﷺ کی افضلیت کا اعتراف کیا پھر اذان کہی گئی اور نماز کے لیے اقامت ہوئی اور سب نے حضور ﷺ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ حضور نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء وملائکہ علیہم السلام نے اقتدار کی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ نماز نفل تھی یا فرض، اگر فرض تو نماز عشاء یا نماز فجر؟ سیاق حدیث سے ظاہر ہے کہ بیت المقدس میں تشریف آوری آسمانی عروج سے پہلے ہے تو یہ نماز عشا ہو گی۔ اور اس قول کے بموجب جس نے یہ کہا کہ یہ قضیہ بعد از نزول معراج ہے تو یہ نماز صبح ہو گی اور بعض نے اس کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ حضور انور ﷺ جب تمام کمالات وبرکات لے کر اترے تو انبیاء علیہم السلام پر اپنے فضل وشرف کے اظہار کے لیے یہ نماز پڑھی۔

اس مسکین (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ) کے دل میں یہ خیال گزرتا تھا کیوں نہ دونوں حالتوں میں ہوا ہو یعنی قبل از عروج بھی اور بعد از عروج بھی۔ لیکن بغیر ذکر علماء حدیث اس خیال کے لکھنے کی جرأت نہ ہوئی مگر جب ان روایتوں کے دیکھنے کا وقت آیا تو میری نظر سے شیخ کبیر عماد الدین بن کثیر جو کہ اعاظم علماء حدیث وتفسیر سے ہیں ان کا قول گزرا۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے قبل از عروج اور بعد از عروج دونوں حالتوں میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حدیث میں ایسے اشارے موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس کی کوئی مخالف بھی نہیں ہے۔ والحمد اللہ۔ لیکن شیخ ابن کثر رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضور نے آسمان میں اقامت کی ہے حالانکہ متاظہر ومتواتر راویتوں میں یہ ہے کہ بیت المقدس میں اقامت کی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بعد از رجوع فرمائی۔ اس جگہ شیخ کبیر کیوں نہ فرمائیں کہ یہ دونوں جگہوں میں تھی یا دونوں حالتوں میں تھی۔ اور کیوں نہ وہ متاظہر ومتواتر ردایات ودرایات سے قطع نظر فرمائیں (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام نے ایک پیالہ شراب کا اور ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا۔ اور عرض کیا حضور کو اختیار ہے جو پیالہ چاہیں نوش فرما سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دودھ کے پیالہ کو پسند فرمایا۔ جبریل نے دریافت کیا آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ اس جگہ فطرت سے مراد اسلام اور اس پر استقامت ہے۔ مطلب یہ کہ آپ نے اسلام کی علامت اور استقامت کو اختیار فرمایا۔ دودھ اسلام کی علامت اس لیے ہے کہ پینے والے کے لیے سہل وطیب اور ظاہر وشائع ہے اور اس عالم میں دودھ کو دین وعلم کی مثال جانتے ہیں۔ اور جو کوئی خواب میں دیکھے کہ دودھ پی رہا ہے تو اس کی تعبیر یہی ہو گی کہ علم ودین سے بہرہ ور ہو گا۔ الحمد اللہ کاتب حروف (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ) نے بعض خوابوں میں دیکھا کہ نیا پیالہ ہے۔ وہ شفاف، میٹھے اور سرد دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس سب کو پی لیا ہے'' بخلاف شراب کے وہ ام الخبائث اور حال ومآل میں گونا گوں شر وفساد کو پیدا کرنے والی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فطرت سے مراد خلقت ہے اور خلقت کی بناء پر دودھ سے ہے اور گوشت وپوست اور ہڈیوں کی نشوونما بھی اسی سے ہے۔ اور نومولود بچے کی پیٹ میں جو چیز سب سے پہلے جاتی ہے جس سے اس کے پیٹ کی رگیں کشادہ ہوتی ہیں وہ یہی دودھ ہے۔ اور

یہ بات بھی ہے کہ حضور ﷺ کو دودھ بہت مرغوب تھا۔اور شراب اگرچہ اس وقت تک مباح تھی اس لیے کہ قصہ اسریٰ مکہ میں ہوا۔اور شراب کی حرمت مدینہ منورہ میں ہوئی لیکن چونکہ اس کا آخر امر حرمت تھی یا یہ کہ حضور کا اس سے اجتناب فرمانا اور از روئے ورع وتقویٰ اور اس تعریض کی وجہ سے تھا کہ حرام کار اسے انجام ہونا ہی ہے اور یہ بات بھی تھی کہ علم الٰہی میں عین درست تھی۔اور جبریل نے عرض کیا۔اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ. آپ نے فطرت کو پالیا اور ایک روایت میں ہے کہ:اَصَبْتَ فَاَصَابَ اللّٰهُ بِكَ آپ نے راہ صواب کو اختیار فرمایا۔اللہ تعالیٰ آپ کے سبب راہ صواب دکھائے۔اگر کہیں کہ یہ شراب تو جنت کی تھی اس کے باوجود آپ نے مشابہت اور مماثلت کی بنا پر اس سے اجتناب فرمایا۔ایک روایت میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور اس کے پینے میں پڑ جاتی۔اور آپ کی امت اس خمر کے پینے میں یعنی دنیاوی شراب میں مبتلا ہو جاتی جو کہ مادہ فساد اور مادہ خباثت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ دو پیالے آئے۔ایک دودھ اور ایک شہد کا۔اور ایک روایت میں ہے کہ تین پیالے آئے ایک دودھ کا دوسرا پانی کا تیسرا شراب کا۔اس میں شہد کا ذکر نہیں ہے۔بہر تقدیر حضور ﷺ کی پسند دودھ کا اختیار فرمانا ہی ہے۔ان پیالوں کا آنا ''سدرۃ المنتہیٰ'' پہنچنے کے قریب ہی ہوا۔اس کی تصریح حافظ عماد الدین کثیر رحمۃ اللہ نے فرمائے ہے۔

مروی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے پرودگار کی حمد وثنا کی۔ان میں حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت داؤد' حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔اور ان کی یہ ثنا گستری اور بلیغ خطہ خوانی ان فضائل وکرامات اور معجزات پر مشتمل تھی۔جن سے حق تبارک وتعالیٰ وتقدس نے انہیں مخصوص فرمایا۔حق تعالیٰ نے ان کی زبان شکر گزاری کے لیے کھولی اس کے بعد سیّد عالم خاتم النبیین ﷺ نے اپنی زبان مبارک کھولی۔اور ارشاد فرمایا تم سب نے اپنے رب العزت جل وعلیٰ کی حمد وثنا کر لی اب میں بھی ان کی حمد وثنا کرتا ہوں۔اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا لِلنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ وَاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْهِ تِبْیَانُ كُلِّ شَیْءٍ وَّجَعَلَ اُمَّتِیْ وَسَطًا وَّجَعَلَ اُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَهُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِكْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا.

تمام تعریفیں اس خدا کو جس نے مجھے جہان بھر کے لیے رحمت اور سب لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا۔اور مجھ پر وہ فرقان اتارا جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور بنایا میری امت کو درمیانی اور گردانا میری امت کو کہ وہی اول ہیں اور وہی آخر ہیں۔اور کھولا میرے لیے میرا ذکر اور بنایا مجھے فاتح اور سلسلہ نبوت کا آخری نبی۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:بِهٰذَا اَفْضَلَكُمْ مُحَمَّدٌ. (اے محمد ﷺ) اسی بنا پر حق تعالیٰ نے تم کو سب سے افضل قرار دیا۔

اس کے بعد جنت الفردوس سے ایک سیڑھی لائی گئی۔جس کے داہنے بائیں فرشتے تھے آپ اس سے آسمانوں پر پہنچے۔وہاں آپ نے ان نبیوں کو دیکھا جنہیں آپ کے استقبال اور ملاقات کے لیے مامور کیا گیا تھا۔انہیں بیت المقدس میں تمثیل کے بعد آسمانوں میں متمثل فرمایا گیا ہوگا' اور اس طریق پر سلام عرض کیا۔جس طرح حدیثوں میں مذکور ہوا ہے۔اس واقعہ میں جو عجیب وغریب حالات وحکایات روایتوں میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں کہ جب حضور ﷺ چھٹے آسمان پر پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا وہاں سے جب

اوپر تشریف لے جانے لگے تو حضرت موسیٰ رونے لگے اور کہنے لگے ایک شخص جیسے میرے بعد بھیجا گیا اسے ایسا برگزیدہ فرمایا گیا کہ اس کی امت جنت میں میری امت کے جانے سے پہلے جائے گی۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا معاذ اللہ حسد کی بنا پر نہ تھا۔ اس لیے کہ اس عالم میں ہر ایک مومن کے دل سے حسد کے مادہ کو نکال دیا جائے گا۔ چہ جائیکہ اس شخص سے متصور ہو جسے حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام سے ممتاز فرمایا ہو۔ اور اپنی رسالت سے سرفراز کر کے اولعزم کیا ہو۔ بلکہ یہ اس چیز کے فوت ہونے پر اظہار افسوس وحسرت ہے جو درجہ کی بلندی پر مترتب ہوتی ہے۔ بایں سبب کہ ان کی امت سے ایسی بکثرت مخالفت واقع ہوئی جو ان کے اجر وثواب کے کمی کا مقتضی بن کر ان کے اجر وثواب کی کمی کا مستلزم ہے۔ اس لیے ہر نبی کے لیے اس کے اجر وثواب ہے جتنا ان کی اتباع کرنے والے کا اجر ہے۔ اور جتنوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا ہے وہ ہمارے نبی ﷺ کے اتباع کرنے والوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ایسا ہی شیخ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔

ابن ابی جمرہ جو کہ عرفائے مالکیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے ہر نبی کے دل میں اپنی امت کے لیے رحمت ومہربانی رکھی ہے۔ اور انہیں اسے طبعی طور پر خلق فرمایا اسی بنا پر بعض امورات پر ہمارے نبی ﷺ نے بھی گریہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اس پر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کو کس بات نے رلایا ہے۔ فرمایا رونا رحمت ہے اور حق تبارک وتعالیٰ رحمت کرنے والوں پر ہی رحمت فرماتا ہے۔ بلاشبہ انبیاء علیہم السلام نے رحمت خداوندی کا وافر حصہ لیا ہے تو ان کے دلوں میں رحمت بھی دیگر تمام لوگوں سے بڑھ کر اور وافر تر ہے۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر شفقت ورحمت کی خاطر روئے کیونکہ یہ وقت' افضال وجود وکرم اور وقت قدوم حبیب کریم ہے تا کہ فضل عمیم اور قرب کی خلعت سے فائز ہوں لہٰذا اس قبول وایصال کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امید رکھی کہ اس وقت کی ساعت وبرکت سے حق تعالیٰ ان کی امت پر رحمت فرمائے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لفظ ''غلام'' سے ذکر کرنا اس کے معنی کم عمری کے ہیں نہ کہ کسی اور معنی میں۔ یہ اس سبب سے دیگر انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت آپ صغیر السن تھے۔ اور اہل عرب' مرد مستجمع السن کو کہتے ہیں جب تک اس میں قوت ودانائی ہے ''غلام'' کہتے ہیں۔ (گویا لفظ ''غلام'' بمعنی جوان' صحت مند کے ہے۔)

فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لفظ ''غلام'' بول کر اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ رب العزت جل جلالہ کا افضال واکرام اور اس کا انعام دائمی قوت کے ساتھ شامل ہے حتیٰ کہ سن کہولت سے سن شیخوخت میں داخل ہو جائیں اس وقت بھی آپ کے بدن شریف میں ضعف پیری اثر انداز نہ ہوگی اور حضور ﷺ کی قوت ودانائی میں ضعف ودانائی کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ جب حضور انور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے آپ پر اسم ''شاب'' یعنی مرد جوان کا اطلاق کیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''اسم شیخ'' یعنی بوڑھے مرد سے مخاطب کیا۔ باجودیکہ حضور اکرم ﷺ کی عمر شریف حضرت ابوبکر سے زیادہ تھی (بندہ مسکین) یعنی شیخ محقق رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر آپ پر آثار پیری نمایاں نہ تھے۔ بجز ان چند سفید بالوں کے جو آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں تھے۔ تا کہ لوگوں کی نظروں میں آپ بوڑھے اور ضعیف نہ معلوم ہوں اُمت محمدیہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفقت اور اعتنا کا اثر بلاشبہ نمازوں کی کمی کے ضمن میں ظاہر ہوا کہ پچاس نمازوں سے پانچ نمازیں ہوئیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس امت مرحومہ پر اتنی رحمت وشفقت فرمانا اس بنا پر تھا کہ انہوں نے توریت میں اس امت کی صفات اور ان کی خوبیوں کو پڑھ لیا تھا اور آرزو کی تھی کہ اس امت کو ان کی امت بنا دے۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا یہ امت احمد مجتبےٰ ﷺ کی ہے۔ اس تمنا کو دل سے نکال دو۔ پھر حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے خدا تو مجھے اس احمد مجتبےٰ ﷺ کا امتی بنا دے۔

<u>سدرۃ المنتہیٰ پہنچنا: وصل</u>: اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کو ''سدرۃ المنتہیٰ'' کی جانب لے جایا گیا۔ اس جگہ مخلوق کے اعمال اور

ان کے علوم ختم ہو جاتے ہیں اور امر الٰہی نزول فرماتا ہے۔اور احکام حاصل کیے جاتے ہیں۔اور فرشتے اسی کے پاس ٹھہرتے ہیں اس سے آگے بڑھنے اور وہاں سے تجاوز کرنے کی کسی میں تاب وتواں نہیں ہے۔یہیں پر سب رک جاتے ہیں۔اور ہر چیز جو عالم سفلی سے اوپر جاتی ہے اور عالم علوی سے از قسم اوامر واحکام الٰہی نزول فرماتے ہیں ان سب کی انتہا یہی ہے۔اس سے آگے کسی مخلوق نے تجاوز نہیں کیا۔بجز سید المرسلین ﷺ کے۔حضرت جبریل بھی اس جگہ رک گئے۔اور آپ سے جدا ہو گئے۔حضور نے جبریل سے فرمایا: یہ کون سی جگہ ہے اور جدا ہونے کا کون سا مقام ہے؟ یہ جگہ تو ایسی نہیں کہ دوست' دوست کو چھوڑ کر جدا ہو جائے' جبریل نے عرض کیا اگر ایک انگلی کے برابر بھی نزدیک ہو جاؤں تو میں جل جاؤں

بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام
بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروی بالم نماند
اگر یک سرموئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے جبریل سے فرمایا: اگر کوئی حاجت رکھتے ہو تو مجھ سے عرض کرو میں جناب باری میں پیش کروں گا۔جبریل نے عرض کیا کیا میری تمنا یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں کہ روز قیامت میرے بازوؤں کو اور زیادہ کشادہ فرما دے۔تا کہ پل صراط سے اپنے بازوؤں کے ذریعہ آپ کی امت کو گزار سکوں۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' چھٹے آسمان میں ہے۔دوسری روایت میں آیا ہے کہ ساتویں آسمان میں ہے اور ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی جڑ تو چھٹے آسمان میں ہے اور اس کی شاخیں ساتوں آسمان میں۔سدرہ جس کے معنی بیری کے درخت کے ہیں۔اس سے اس کا نام رکھنے کی وجہ' علم شارع علیہ السلام پر مفوض وموقوف ہے۔کہتے ہیں کہ اس درخت کی تین طرح کی صفتیں ہیں۔ایک یہ کہ سایہ طویل ہے۔دوسرے یہ کہ اس کا مزہ لطیف ہے۔تیسرے یہ کہ اس کی بو لطیف ہے۔اور بمنزلہ ایمان کے ہے۔جو قول وعمل اور نیت کا مجموعہ ہے۔ممکن ہے یہ آسمان میں اسی طرح پیوست ہو جس طرح زمین میں درخت پیوست ہوتا ہے۔نیز قدرت الٰہی سے بعید نہیں ہے کہ جس طرح درخت زمین میں نشوونما پاتے ہیں اسی طرح ہوا میں ہو۔جس طرح حضور نے ہوا میں سیر فرمائی۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کی مٹی میں جما دیا گیا ہو۔جس طرح جنتی درختوں کی کیفیت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے جمایا ہی نہ گیا ہو۔واللہ علم بحقیقۃ الحال۔سدرۃ المنتہیٰ سے چار نہریں نکلتی ہیں دو ظاہر ہیں اور دو باطن ہیں۔باطن میں وہ ہیں جنت میں جاتی ہیں اور ظاہر میں وہ ہیں جو نیل وفرات کہلاتی ہیں۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں نہریں جنت کی ہیں۔نیل' فرات' سیحان اور جیحان۔اور بعض کہتے ہیں کہ جنت سے ان کے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کے منافع وثمرات دائمی اور بے شمار ہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ بہشت کی جنس سے نکلے ہیں۔(واللہ اعلم) نیل کے احوال میں بہت سی عجیب وغریب چیزیں لکھتے ہیں جن میں عقل حیران ہے اور پانی' دودھ' شہد اور شربت کی نہریں جدا ہیں جو جنت میں جاری ہیں۔جیسا کہ قرآن کریم منطوق ہے۔ابن ابی حاتم نے بروایت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ' حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ جب ساتویں آسمان سے نکلے تو ایک نہر ملاحظہ فرمائی۔جو یاقوت وزمرد کے سنگریزوں پر جاری ہے۔اس کے پیالے سونے چاندی' یاقوت وموتی اور زبرجد کے ہیں۔اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شریں ہے' فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ حوض کوثر ہے جسے حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جنت میں جو چشمہ جاری ہوتا ہے اور جس کا نام سلسبیل ہے اس سے دو نہریں پھوٹتی ہیں ایک کا نام کوثر اور دوسری کا نہر رحمت ہے۔یہ وہ نہر رحمت ہے کہ جب گنہگار (جرم کی سزا بھگتنے کے بعد یا شفاعت سے) دوزخ میں جلے بھنے سیاہ نکلیں گے پھر وہ اس نہر میں نہائیں گے اور وہ اسی وقت تر

وتازہ ہوجائیں گے۔ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کوانوار ڈھانپے ہوئے ہیں سونے کے پرندوں اور پتنگوں کی مانند۔ اور ہر ایک پتہ پر ایک فرشتہ ہے اس مقام کی تعریف وتوصیف حدقیاس وعقل سے باہر ہے۔ اس جگہ بھی یہ روایت مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو شراب' دودھ اور شہد کے پیالے پیش کیے گئے تو آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ اس کے بعد ''بیت المعمور'' نمودار ہوا اور اس سے پردہ اٹھایا گیا۔ حدیث کے الفاظ ایسے ہی ہیں کہ: ثُمَّ رُفِعَ اِلَیَّ الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ پھر بیت المعمور کی طرف لے جایا گیا اور اس کی تفسیریوں کی گئی ہے کہ گویا اس کے اور بیت المعمور کے درمیان بہت سے عالم تھے اور اس کے دریافت کرنے پر قدرت نہ تھی۔ لہٰذا ان پردوں کو اٹھایا گیا۔ اور حضور ﷺ کی بصیرت اور چشم مبارک میں لایا گیا اور آپ نے خوب ملاحظہ فرمایا۔ بیت المعمور وہ مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے محاذ ومقابل ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا زمین پر گرنا فرض کیا جائے تو وہ کعبہ معظمہ پر آکر گرے۔ یہ وہ گھر ہے' جسے آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر اترنے کے بعد بھیجا گیا۔ پھر آدم علیہ السلام کے بعد اٹھالیا گیا۔ اور آسمان پر اس کی قدر ومنزلت ایسی ہی ہے جیسے زمین میں خانہ کعبہ کی۔ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ اور اس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ جس طرح انسان کعبہ معظمہ کا طواف کرتے ہیں۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے بیت المعمور کی زیارت کو آتے اور واپس ہوتے ہیں تو دوبارہ اس کی طرف کبھی نہیں آتے۔ اسی طرح ہر روز آتے جاتے ہیں۔ یہ حال اس دن سے ہے جب سے اسے پیدا فرمایا اور ابد تک یوں ہی رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم تر قدرت پر دلیل ہے۔ اور کوئی مخلوق فرشتوں سے زیادہ اور بڑی نہیں ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آسمان وزمین میں ایک بالشت بھر جگہ بھی ایسا نہیں ہے جہاں کسی فرشتے نے سجدہ کے لیے اپنی پیشانی نہ رکھی ہو اور دریاؤں کا ایک قطرہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر کوئی فرشتہ موکل نہ ہو اور مروی ہے کہ آسمان میں ایک نہر ہے۔ جسے ''نہر الحیواۃ'' کہتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام روزانہ اس میں غسل کرتے ہیں۔ جب باہر آتے ہیں تو اپنے بال وپر کو جھاڑتے ہیں اور اس سے ستر ہزار پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتے پیدا فرماتا ہے تو یہی وہ فرشتے ہیں جو بیت المعمور کی حاضری دیتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ پھر دوبارہ اس کی طرف آنے کی نوبت نہیں آتی۔ مواہب لدنیہ میں ایسا ہی منقول ہے۔

امام فخر الدین رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں زیر تفسیر ارشاد باری تعالیٰ: یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (پیدا فرماتا وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے) کہتے ہیں کہ عطا' مقاتل اور ضحاک جو کہ ائمہ تفسیر میں سے ہے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا عرش کی داہنی جانب نور کی ایک نہر ہے جو سات آسمانوں' سات زمینوں اور سات دریا کے برابر ہے روزانہ علی الصباح جبریل علیہ السلام آتے اور اس میں غسل کرتے ہیں اور اپنے نور پر مزید نور کا اضافہ کرتے اور اپنے جمال کو بڑھاتے ہیں۔ جو وہ بازوؤں کو جھاڑتے ہیں تو حق تعالیٰ اس کے ہر قطرے سے کئی ہزار فرشتے پیدا فرماتا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ جتنے فرشتے وہاں حق تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں حق تعالیٰ ہر تسبیح سے فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔

بندہ مسکین (شیخ محقق رحمۃ اللہ) ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین فرماتے ہیں کہ اگر آسمانوں میں فرشتوں کی تسبیحات سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں تو کیا تعجب ہے کہ زمین پر بھی حضور اکرم ﷺ' خاصان بارگاہ قدس اور صلحائے امت کی تسبیحات وتہلیلات سے پیدا ہوتے ہوں گے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ صاحب مواہب فرماتے ہیں یہ فرشتے ان فرشتوں کے ماسوا ہیں جو دائمی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ان فرشتوں کے بھی ماسوا ہیں نباتات اور ارزاق اور نگہبانی بنی آدم کی تصویر کشی پر موکل ہیں۔ اور وہ فرشتے جو بادلوں کے ساتھ اترتے اور وہ جمعہ کے دن لوگوں کو لکھنے اور جنت پر خازن ومحافظ ہیں اور وہ جو رات ودن کی گردش میں آتے تاکہ دن اور راتمیں بندوں کے اعمال لکھیں اور وہ ستر ہزار فرشتے جو حضور سیّد عالم ﷺ کی روضہ انور پر حاضر ہوتے اور رعب وہیبت ڈالتے ہیں اور وہ جو نمازی کی قرأت پر آمین کہتے ہیں اور وہ جو رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے ہیں اور وہ جو نماز کے انتظار کرنے والوں پر دعائیں مانگتے

ہیں اور وہ جوان عورتوں پر لعنت کرنے پر مقرر ہیں جو جامہ خواب میں اپنے شوہروں سے دور رہتی ہیں۔ اور ہر ہر آسمان پر جو فرشتے مقرر ہیں ان میں سے ہر ایک کی تسبیح جدا ہے۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ وہ فرشتے جو حاملان عرش ہیں ان کے چہرے اور ان کے اجسام جدا ہیں جو ایک دوسرے سے مشتبہ نہیں ہوتے اگر ان میں سے کوئی ایک فرشتہ اپنا بازو پھیلائے تو اپنے بازو کے ایک پر سے دنیا کو ڈھانپ لے۔ اور حاملان عرش آٹھ فرشتے ہیں اتنے عظیم وجسیم کہ ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک دو سو برس کی مسافت ہے۔ اور ایک روایت میں سات سو برس کی راہ ہے۔ ابوالشیخ نے اپنی کتاب ''العظمۃ'' میں عجب العجائب چیزیں بیان کی ہیں۔ اس جگہ سے خالق و مالک باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا تصور کرنا چاہیے کہ اس کی قدرت وشان کتنی عظیم ہوگی۔ حدیث مبارک میں ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو سب نے حضرت خلیل اللہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا آپ کے پاس بہت خوشرو جماعت ہے۔ میں نے ان پر سلام کیا۔ انہوں نے بھی مجھ پر سلام بھیجا اور اپنی امت کو دو قسموں میں پایا ایک جماعت تو وہ جو سفید لباس میں ہے اور قراطیس (سفید کاغذ) کی مانند ہے اور دوسری جماعت ایسی ہے جو ملگجے کپڑے میں ملبوس ہے تو میرے ہمراہ جو سفید لباس میں تھے بیت المعمور آئے اور وہ لوگ جو ملگجے لباس میں تھے پیچھے رہ گئے۔ پھر میں نے ان سفید لباس والوں کے ساتھ بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ لباس کی سفیدی حسن اعمال سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. (اور اپنے لباس کو پاکیزہ رکھئے) کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک جماعت ایسی دیکھی جو سفید رو اور خوش رنگ مانند قراطیس تھی اور ایک اور جماعت تھی جن کی رنگت تیرگی و تاریکی مائل تھی۔ پھر یہ جماعت ایک نہر پر آئی اور غسل کیا تو ان کی رنگتیں کچھ صاف ہوگئیں پھر دوسری نہر میں آئے اور غسل کیا تو اب ان کی رنگتیں مکمل طور پر اس جماعت کی مانند ہوگئیں جو سفید رو اور خوشرنگ تھی۔ پھر حضور سیّد عالم ﷺ نے ان سفید چہروں کے بارے میں دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ اور وہ تیرہ رنگت والی جماعت کون ہے اور ٹیک لگائے کون صاحب بیٹھے ہیں اور یہ نہریں کون سی ہیں جس میں آکر انہوں کے غسل کیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ صاحب آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور یہ سفید لباس والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کی آمیزش سے محفوظ رکھا اور یہ تیرہ رنگ والے وہ ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کو اعمال بد سے ملا دیا۔ پھر انہوں نے توبہ کی اور حق تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی اور رہیں یہ نہریں تو پہلی نہر رحمت ہے اور دوسری نعمت اور تیسری نہر وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (اور پلایا ان کو ان کے رب نے پاکیزہ پانی) اس کے بعد حضور سیّد عالم ﷺ کی سواری اور بلند ہوئی یہاں تک کہ ان اقلام کی آوازیں سنائی دی جانے لگیں۔ جو فرشتے حق تعالیٰ کی تقدیروں کی کتابت کرتے ہیں۔ اگرچہ قضا و تقدیر الٰہی قدیم ہے لیکن ان کی کتابت حادث ہے۔ وَجَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ (اور قلم اسے لکھ کر خشک ہوگیا جو کچھ کہ آئندہ ہونے والا ہے۔) یہ اس طرف اشارہ ہے لیکن یہ کتابت (جس کی حضور نے سماعت فرمائی) فرشتوں کے صحیفوں میں ہے جو اصل سے نقل کر کے دوسری جگہوں پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ شب نصف شعبان (شب برات) اور دیگر راتوں میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں محو و اثبات کی گنجائش ہے: يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ. (اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے) اسی کتابت در صحف ملائکہ کی تعبیر ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے اور صاحب مواہب لدنیہ ابن قیم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا اقلام بارہ ہیں اور مرتبے میں جدا جدا ہیں اور سب سے اعلیٰ و اجل قلم قدرت ہے جس سے حق تبارک نے مخلوق کی تقدیروں کو تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ ''سنن ابوداؤد'' میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے سنا کہ: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ سب سے پہلے جو پیدا فرمایا وہ قلم ہے۔ اور اسے حکم فرمایا: لکھ! قلم نے عرض کیا کیا لکھوں؟ فرمان جاری ہوا قیامت تک کی مخلوق کی تقدیریں لکھ۔ یہ قلم اول القام اور اجلال اقلام ہے۔ بلاشبہ بکثرت علماء تفسیر نے اسی قلم

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہی وہ پہلا قلم ہے جس کی حق تبارک وتعالیٰ نے قسم فرمائی ہے۔ دوسرا قلم وحی ہے' تیسرا قلم توقیع ہے جو اللہ ورسول کی طرف سے نشان ہے۔ چوتھا قلم طب ابدان ہے جس سے بدنوں کے صحت کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور پانچواں وہ قلم توقیع ہے جس سے نوابوں' بادشاہ پر نشان ہوتا ہے اس سے امور ممالک کی سیاست واصلاح کی جاتی ہے۔ اور چھٹا قلم حساب ہے اس سے ان اموال کا حساب وکتاب ہوتا ہے جو نکالے جاتے اور خرچ کیے جاتے ہیں اسے قلم ارزاق بھی کہتے ہیں۔ اور ساتواں قلم حکم ہے اس سے حکم نافذ کیے جاتے اور حقوق باقی رکھے جاتے ہیں۔ آٹھواں قلم شہادت ہے جس سے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور نواں قلم تعبیر ہے یہ وحی خواب میں ہے اور اسے اور اس کی تعبیر وتفسیر کو لکھنے والا ہے دسواں قلم تاریخ ووقائع عالم اور گیارہواں قلم لغت اور اس کی تفصیلات کا لکھنے والا ہے اور بارہواں قلم جامع ہے جو مبطلین کا رد کرتا اور محرفین کے شبہات کو دور کرتا ہے۔ یہ وہ اقلام ہیں جن سے مصالح عالم کا انتظام ہے۔ اور اس قلم کی جلالت وفضیلت میں کہ جس سے کتاب الٰہی لکھی گئی ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا اس کی قسم یاد فرمانا کافی ہے۔ انتہی۔ واضح رہنا چاہیے کہ بعد از قلم الٰہی جو کہ اعلیٰ واجل ہے اور اس کی حقیقت کو بجز خدا رسول ورسول کے کوئی نہیں جانتا یہ دنیا کا قلم ہے کہ اس سے علوم لکھے جاتے ہیں۔ اور وہ چیزیں جو اس قائل نے بیان کیں یہ معلومات ہیں جو علوم کے متعلقات ہیں۔ اور اگر یہ سب باتیں جو کچھ اس قائل نے بیان کیں ان میں منحصر ہیں تو فبہا۔ نہیں تو یہ سب ان اقلام کے لیے مثالیں ہیں۔

اس کے بعد سیّد عالم ﷺ کے ملاحظہ میں جنت ودوزخ لائی گئی ان صفات وخوبیوں کے ساتھ جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔ چنانچہ آپ نے جنت کو رحمت الٰہی کا مظہر دیکھا اور دوزخ کو حق تعالیٰ کے عذاب وغضب کی جگہ۔ اور جنت کھلی ہوئی تھی اور دوزخ بند۔ آپ نے چشمہ سلسبیل میں غسل فرمایا اور آپ کے ظاہر وباطن سے کون وحدوث کی آلائشیں پاک وصاف کی گئیں۔ اور مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کا تاج عطا فرمایا گیا۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سیّد عالم ﷺ کو جنت کے درختوں میں سے ایک ایسے درخت پر کھڑا کیا گیا جو احسن واطیب تھا۔ پھر آپ کو اس کا پھل کھلایا گیا۔ جو آپ کی پشت میں نطفہ بن گیا۔ اور جب زمین پر تشریف لائے تو ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شب باشی فرمائی اور وہ خاتون جنت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے حاملہ ہوئیں۔

اس جگہ پر ایک واضح اور صریح اشکال واقع ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت اظہار بعوت سے سات سال اور کچھ پہلے ہے۔ اور واقعہ معراج واسراء بعد از نبوت ہے مگر یہ حضور ﷺ کے لیے قبل از اظہار نبوت بھی اسراء کو لازم قرار دیں اور وہ خواب میں سے ہوا ہو تو یہ حکایت حضور کے ساتھ اس خواب کی ہوگی جو اظہار نبوت سے پہلے آپ کو جنت میں لے گئی ہوگی۔ اور یہ بغیر اسراء کے ہوگی اور یہ واقعہ وہاں کا ہے لیکن اس جگہ اس کا ذکر کرنا درست نہ ہوگا۔

رویت الٰہی: وصل: جب سیّد عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرما چکے تو اب قرب واختصاص میں باریابی اور حضوری کا وقت آیا اور آپ آخر تک پہنچے اور تمام سے انقطاع تام ہوگیا۔ آپ تنہا رہ گئے۔ کوئی فرشتہ اور انسان آپ کے ساتھ نہ رہا۔ ہنوز ستر نورانی حجاب ایسے ہیں کہ ایک حجاب دوسرے حجاب کے ہم مثل نہ تھا۔ روایت میں آیا ہے کہ ہر حجاب کی تہ (موٹائی) پانچ سو برس کی راہ تھی۔ ابھی ان کا طے کرنا باقی تھا۔ چنانچہ آپ نے ان سب کو حق تعالیٰ عزاسمہ کی امداد واعانت سے قطع فرمایا۔ اس وقت خاص قسم کی حیرت ودہشت اور حق تعالیٰ کی جلالت وعظمت پیش آئی۔ منادی نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہم آوازی میں ندا دی کہ "قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيْ" (اے محمد ٹھہریئے بیشک آپ کا رب صلوٰۃ بھیجتا ہے) آپ متفکر ہوئے کہ ابوبکر کی آواز کہاں سے آئی۔ آپ کو اس آواز کے ایک انس معلوم ہوا اور اس وحشت سے باہر نکلے جو در پیش تھی۔ پھر حضرت حق جل مجدہ سے ندا آئی اُدْنُ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ اُدْنُ يَا اَحْمَدُ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ (اے ساری مخلوق سے افضل قریب ہوجئے' اے احمد قریب ہو۔ جئے محمد قریب ہو

جئے) پھر میرے رب نے مجھے اپنے سے اتنا قریب فرمایا اور میں اتنا نزدیک ہو گیا کہ جیسا کہ خود فرمایا: ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا تو اس جلوہ اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم) پھر میرے رب نے مجھ سے کچھ دریافت فرمایا تو مجھ میں اتنی تاب نہ تھی کہ جواب دے سکتا۔ اس وقت اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف وحد بڑھایا میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہ گنجینہ میں محسوس کی۔ اس وقت مجھے تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا اور طرح طرح کے علوم تعلیم فرمائے جن میں سے ایک علم ایسا تھا جس کے ظاہر نہ کرنے کا عہد مجھ سے لیا گیا کہ اسے کسی سے نہ کہوں اور ہر کوئی اس کے برداشت کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ بجز میرے۔ ایک علم ایسا تھا جس کے ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا گیا۔ اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی امت کو ہر خاص و عام میں تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب تیرے حضور حاضری کے وقت میں متوحش ہو گیا تھا اچانک میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ سنا کہ "قِفْ يَـا مُحَمَّدُ فَاِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيْ" (اے محمد ٹھہریئے بیشک تمہارا رب صلوٰۃ بھیجتا ہے۔) میں اس سے متعجب ہوں کہ ابوبکر اس جگہ کہاں سے آئے اور یہ کہ پروردگار نماز گزارنے سے بے نیاز ہے حکم رب ہوا میں دوسروں کے لیے نماز گزارنے سے بے نیاز ہوں اور میں فرماتا ہوں کہ سُبْحَانِيْ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ (پاکی ہے مجھے میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔) اے محمد! اس آیت کو پڑھیے هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا. (خدا وہ ہے جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے۔ تاکہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لائے اور وہ مسلمانوں کے ساتھ رحیم ہے) تو میری صلوٰۃ تم پر اور تمہاری امت پر رحمت ہے۔ اب رہا میرا تمہارے رفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز سنوانا۔ تو یہ انسیت کے لیے ہے۔ تاکہ تم انس گیر ہو کر اس پر ہیبت مقام میں اپنے حال پر آ سکو۔ اے محمد! جب ہم نے چاہا کہ ہم تمہارے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) سے ہم کلام ہوں تو ان پر ایک عظیم ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ اس وقت میں نے ان سے پوچھا: وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى (اے موسیٰ! وہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟) تو موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے ذکر سے انسیت ہوئی۔ اور اپنے حال پر آ گئے اسی طرح اے محمد ﷺ تمہارے لیے چاہا کہ انس پا سکو۔ تو تمہارے لیے تمہارے رفیق ابوبکر کی آواز پیدا فرمائی کیونکہ تم اور ابوبکر دونوں ایک ہی طینت پر پیدا کیے گئے ہو وہ تمہارا انیس دنیا اور آخرت میں ہے لہٰذا میں نے ایک فرشتہ کو ان کی صورت پر پیدا فرمایا کہ وہ ان کی مشابہ آواز میں ندا کرے تاکہ تم سے وحشت جاتی رہے۔ اور ہیبت سے وہ چیز تمہیں لاحق نہ ہو۔ جو تمہاری فہم کو اس سے باز رکھے جسے میں نے تمہارے لیے چاہا ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے دریافت فرمایا جبریل کی وہ حاجت جس کے بارے میں تم سے عرض کیا تھا وہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا خداوند! تو اسے خوب جانتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہوا میں نے ان کی حاجت قبول فرمائی لیکن ان لوگوں کے حق میں جو اے محبوب! تمہیں چاہتے، دوست رکھتے اور تمہاری صحبت میں رہتے ہیں۔" پھر حضور ﷺ نے فرمایا اس کے بعد میرے لیے سبز رنگ کی رفرف بچھائی گئی۔ جس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا۔ اس سے میری آنکھوں کا نور چمکنے لگا۔ مجھے اس رف رف پر بٹھایا گیا وہ مجھے لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا اس کے بعد ایک ایسا امر عظیم دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں۔ پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور وہ میری زبان پر گرا۔ میں نے اس چیز کو چکھا جسے کسی چکھنے والے نے کبھی اس سے زیادہ شیریں نہ چکھا ہو گا۔ اور مجھے اولین و آخرین کی خبریں حاصل ہوئیں۔ اور میرا دل روشن ہو گیا۔ اور عرش کے نور سے میری آنکھ کو ڈھانپ لیا اس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دل سے دیکھا۔ اور اپنے پس پشت بھی ایسا ہی دیکھنے لگا جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔" رف رف' بچھونے کو کہتے ہیں۔ دراصل یہ اس بچھونے کو کہا جاتا ہے جو نرم ہو اور دیبا وغیرہ سے بنایا گیا ہو۔

تنبیہہ: باخبر رہنا چاہیے کہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ اس محل رفیع میں حجابات تھے تو یہ حجابات مخلوق کے حق میں ہیں نہ کہ خالق وعزوجل کے حق میں۔حق تبارک وتعالیٰ پاک ومنزہ ہے کہ وہ محجوب ہے۔اوراس کے کوئی چیز چھپا سکے۔اس لیے کہ حجاب بمقدار محسوس محیط ہوتا ہے اور خلق خدا حق تعالیٰ سے اسماء وصفات اوران کے افعال کے معانی سے محجوب ہیں اور ساری مخلوق میں سے انوار وظلمات میں سے ہر ایک کے لیے حجاب کا ایک جانا پہچانا مقام ہے۔اور ادراک ومعرفت کا مقررہ حصہ ہے۔اور وہ ملائکہ مقربین جو عرش کے گرداگرد ہیں اور وہ کروبیاں جو مقربان بارگاہ قدس ہیں یہ سب حضرت حق قدوس وقیوم کی کبریائی' جلالت' عظمت اور ہیبت کے نور سے محجوب ہیں اور صفات حجاب ہیں۔فرشتے محجوب ہیں اوران کی طبقات مختلف ہیں اوران فرشتوں کے لیے ایک مقام معلوم اور درجہ معین ہے۔اور ساری مخلوق' خالق سے محجوب ودر پردہ ہیں کوئی مخلوق تو منعم کی نعمتوں کی رویت سے اور محول کے احوال کی رویت سے اور مسبب کے اسباب کی رویت سے محجوب ہے۔اور کوئی مخلوق علم سے علم میں' فہم سے فہم میں' اور عقل سے عقل سے محجوب ہے۔یہ سب منعم کی نعمتوں سے اور دہاب یعنی عطا فرمانے کی مواہب وعطایا سے معنی میں حجاب ہیں۔اور کوئی مخلوق مباح شہوتوں سے اور کوئی حرام شہوتوں سے اور کوئی معاصی وسیئات سے محجوب ہیں۔اور کوئی مخلوق مال واولاد اور دنیاوی زمینوں سے محجوب ہیں: اَللّٰهُمَّ لَاتَحْجُبْنَا عَنْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (اے خدا ہمیں دنیا وآخرت میں اپنے سے محجوب نہ کرنا۔) اس کلام کو بعض عارفوں نے (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) بیان فرمایا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی مذکور ہوا ہے اوراس کی تعبیر قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی سے کی گئی ہے یہ معراج کی حدیثوں میں مذکور ہے اور یہ اس کے سوا ہے۔جو سورہ والنجم میں مذکو ہے۔کیونکہ بقول مختار اس کی نسبت جبریل علیہ السلام کی رویت اور اس سے نزدیکی کی طرف کی گئی ہے۔اور آیت کریمہ کا ظاہر سیاق وسابق بھی یہی ہے۔بعض مفسرین نے پرودگار عالم کی رویت اوراس سے قرب کی طرف محمول کیا ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے۔اور بارگاہ ربوبیت میں اتم کمال اور غایت ادب واجلال' حدعبودیت کی نگہداشت ہے۔اور سکون قلب' طمانیت باطن اور علو ہمت کی نہایت' بصر وبصیرت کی موافقت ہے۔اس کے باوجود کہ بے شمار آیات کرامات کے ظہور ہوئے مگر کسی ایک کی جانب بھی توجہ والتفات نہ فرمائی اور رغبت ومیلان اظہار نہ فرمایا۔چنانچہ حق تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ تو آنکھ جھکی اور نہ بے راہ ہوئی) جس طرح کہ بندگان خاص بادشاہوں کے حضور میں حاضری دیتے ہیں اور یہ وہ کمال ہے جو اکمل بشر سید رسل صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ کے سوا کسی کو میسر نہیں۔لوگوں کی عام عادت یہ ہے کہ جب وہ کسی بلند مقام میں ٹھہرتے ہیں تو اس مقام عالی کے بارے میں معلومات حاصل کرتے اور بزرگی پانے کی خواہش رکھتے ہیں۔چنانچہ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام مقام مناجات اور مرتبہ کلام پر جائز ہوئے تو انہوں نے دیدار باری تعالیٰ کی خواہش ظاہر کی۔یہ ایک قسم کی مدہوشی وخوشی ہے کیونکہ مقام قرب میں ادب کی رعایت دور ہو جاتی ہے۔مگر ہمارے سردار سیّد عالم ﷺ جب مقام قرب میں فائز المرام ہوئے تو اس کے حقوق کو پورا فرمایا اور کسی چیز کی جانب اپنی بصر وبصیرت سے التفات نہ فرمایا۔بجز اس مقام کے جس پر آپ جلوہ افروز تھے۔اور کسی بات کی خواہش وتمنا نہ فرمائی۔لہٰذا مراتب ودرجات کے تمام منازل طے فرمائے۔اوران میں سب سے بلند واعلیٰ مرتبہ دیدار باری تعالیٰ ہے اور وہ مقام ہے جس میں حضور ﷺ کی اللہ تعالیٰ نے اقامت کرائی اور اہل صحو اور ارباب تمکین کے مقامات میں یہ مقام سب سے اونچا اور بلند ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جو آنکھ نے دیکھا دل نے اسے نہ جھٹلایا) اور بصیر وبصیرت دونوں ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کرتی رہیں جو کچھ بصیرت نے پایا آنکھ نے اس کا ادراک کیا۔اور جو کچھ آنکھ نے دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی۔اور سب ہی حق وصحیح تھا۔اور حضور اکرم ﷺ نے ایسا کمال پایا کہ تمام اولین وآخرین پر

سبقت لے گئے اور تمام انبیاء ومرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین غبطہ کرنے لگے اور آپ دنیا وآخرت میں صراط مستقیم پر مستقیم ہوئے اور آپ کے اس استقامت کو حق تعالیٰ نے قسم سے یاد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰسٓ Oوَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَO عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍO (اے سیّد عالم) قسم ہے حکمت والے قرآن کی یقیناً بلاشبہ آپ رسولوں میں سے ہیں، صراط مستقیم پر قائم ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے وہ جس کو چاہے نوازے۔ وہی بڑے فضل والا ہے اس کے بعد فرمایا: فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی (پھر وحی فرمائی اپنے بندہ خاص پر جو وحی فرمائی) اور تمام علوم ومعارف حقائق وبشارات، اشارات واخبار، آثار وکرامات اور وہ کمالات جو اس ابہام کے احاطہ میں ہیں سب داخل ہیں اور اس کی ہر کثرت وعظمت کو شامل ہے۔ کیونکہ مبہم صیغہ لایا گیا ہے اور اس اشارے کو بیان نہ فرمایا۔ اس لیے کہ بجز علام الغیوب اور رسول محبوب ﷺ کے کوئی اس پر احاطہ کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ مگر اتنا ہی جتنا حضور نے بیان فرمایا۔ اسی قدر، جتنا آپ کی روح اقدس کے مقابلہ ومحاذات کرنے سے باطنوں پر القا ہوا۔ چنانچہ بعض اکمل اولیاء کرام جنہوں نے آپ کے اتباع سے استعداد وشرافت حاصل کرلی وہ کچھ ان امور مبہمہ سے مشرف ہوئے۔ (واللہ اعلم)۔

بیان کرتے ہیں کہ جب حضور سیّد عالم ﷺ عرش پر پہنچے تو عرش نے دامن اجلال کو تھام کر زبان حال سے عرض کیا اور کہا آپ ہی ہیں اے محمد ﷺ کہ حق تعالیٰ نے اپنے جلال احدیت سے مشاہدہ کرایا اور اپنے جمال صمدیت سے مطلع فرمایا۔ اور میں غم زدہ آہیں بھرتا ہوں کوئی راہ نہیں پاتا کہ کس رستہ سے داخل ہوکر کیونکر اپنے کام کی گرہ کھولوں۔ باوجودیکہ حق تعالیٰ نے مجھے اعظم خلق بنایا اور میں ہیبت وتحیر اور خوف میں اے محمد ﷺ واقعتہً ہوں جب پروردگار نے مجھے پیدا فرمایا تو میں اس کی ہیبت وجلال سے کانپنے لگا۔ پھر میرے پایہ پر لکھا لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو ہیبت سے میں اور کانپنے لرزنے لگا پھر جب لکھا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو میرا قلق ٹھہر گیا۔ اور میرا اضطراب کم ہوگیا۔ آپ کا اسم گرامی میرے دل کے چین کا سبب اور میرے سر کے اطمینان کا باعث ثابت ہوا۔ مجھ پر آپ کے اسم گرامی کی یہ برکت رونما ہوئی۔ اب تو کیسی کچھ برکتیں حاصل ہوں گی اے محمد ﷺ آپ کی نظر مبارک مجھ پر پڑگئی۔ اَنْتَ الْمُرْسَلُ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ آپ تو سارے جہان کے لیے رسول رحمت ہیں لازمی آپ کی اس رحمت میں میرا بھی حصہ ہوگا۔ اے میرے حبیب میرا حصہ یہ ہے کہ آپ میری برات کی گواہی دیں۔ ان چیزوں سے جن کی طرف مکر وافترا والے نسبت کرتے ہیں۔ اہل غرور مجھ پر بہتان رکھتے ہیں کہ مجھ میں اتنی گنجائش ہے کہ میں اس ذات کو سما سکوں جس کا کوئی مثل نہیں۔ اور میں اس کا احاطہ کرسکوں جو حد وکیف سے خارج ہے۔ اے محمد ﷺ جس ذات قدس کی کوئی حد وکیف نہ اور جس کے صفات بے عد وشمار ہوں وہ ذات میری کیسے محتاج ہوگی۔ اور وہ کیونکر مجھ پر سوار ہوسکے گی۔ جب کہ رحمٰن اس کا نام ہے اور استوائی اس کی صفت ہے۔ اور اس کی صفت اس کی ذات سے متصل ہے تو وہ کس طرح مجھ سے متصل یا مفصل ہوسکتی ہے اے محمد ﷺ قسم ہے مجھے اس کی عزت وجلال کی میں وصل کے ساتھ اس سے قریب ہوں اور فصل سے اس سے بعید نہیں۔ اور نہ میں اس کا حامل ہوں اور نہ اس کو اپنے میں سمونے والا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے پیدا فرمایا اگر وہ مجھے اپنے عدل سے نیست ونابود کردے تو میں اس کی قدرت اور اس کی حکمت کا محمول ومعمول ہوں۔ سیّد عالم ﷺ نے اپنی زبان حال سے عرش کو جواب دیا۔ مجھ سے ایک طرف ہوجا۔ میں تجھ سے بے پروا اور تجھ سے بے نیاز ہوں۔ میرے صفائے وقت کو مجھ پر مکدر نہ کر اور میری خلوت وتنہائی کو پراگندہ نہ بنا۔ اس کے بعد آپ نے عرش کی جانب توجہ والتفات کی نظر ڈالی۔ مگر اس کی طرف مکمل طور پر مائل نہ ہوئے۔ اور جو کچھ اس پر لکھا ہوا تھا اسے نہ پڑھا۔ اور مَاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْہِ (جو کچھ ان کی طرف وحی کی گئی) اس بھید کا ایک حرف وکنایہ یہ بھی ہے وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ ان کی آنکھ بھٹکی اور نہ بے راہ ہوئی)۔

بیان کرتے ہیں کہ جب حضورِ انور ﷺ مرتبہ ''قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی'' پر فائز ہوئے تو آپ نے امت کے احوال پیش کیے۔ عرض کیا اے رب! تو نے بہت سی امتوں پر عذاب فرمایا۔ کسی کو پتھروں سے کسی کو خسف سے یعنی زمین دھنسا کر اور کسی کو مسخ سے یعنی صورتوں کو بگاڑ کے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا میں ان پر رحمت نازل کروں گا اور ان کی بدوں کو نیکی سے بدل ڈالوں گا۔ اور جو کوئی مجھ سے دعا کرے گا میں اسے لبیک کہوں گا اور جو مانگے گا اسے عطا فرماؤں گا۔ جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گا۔ اور دنیا میں اس کے گناہوں کو چھپاؤں گا اور آخرت میں تمہیں ان کا شفیع بناؤں گا اگر نہ ہوتا حبیب' تحت معاتبہ حبیب' تو میں ان سے حساب نہ لیتا۔

مراجعت از معراج شریف: جب حضورِ اکرم ﷺ نے اس عالم میں واپسی کا ارادہ فرمایا تو بارگاہ قدس میں عرض کیا اے رب! ہر مسافر کے لیے واپسی کا تحفہ ہوتا ہے۔ میری امت کے لیے اس سفر کا تحفہ کیا ہے۔ حق تبارک وتعالیٰ نے کہا زندگی بھر میں ان کا ہوں۔ مرنے کے بعد بھی ان کا ہوں اور قبروں میں بھی میں ان کا ہوں اور حشر میں بھی میں ان کا ہوں۔ غرضیکہ ہر حال میں ان کا مددگار ہوں۔

فَطُوْبٰی لَکُمْ یَا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ وَّبُشْرٰی لَکُم تو خوشی ہے تمہارے لیے اے امت محمد اور بشارت ہو تمہیں۔ اور جب رسول اکرم ﷺ واپس تشریف لائے اور صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں سے اس کا تذکرہ فرمایا تو کچھ ضعیف الایمان لوگ اس پر مرتد ہو گئے اور کچھ مشرکین دوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ کہنے لگے کچھ اپنے یار اور رفیق کی خبر ہے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ وہ فرماتے ہیں ''آج رات مجھے بیت المقدس لے جایا گیا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا یقیناً ایسا فرماتے ہیں؟ مشرکین نے کہا ہاں یہی فرماتے ہیں۔ ابوبکر صدیق نے فرمایا۔ پھر تو وہ جو فرماتے ہیں ٹھیک ہی فرماتے ہیں۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ مشرکین کہنے لگے کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ رات میں محمد ﷺ بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبح سے پہلے یہاں واپس تشریف بھی لے آئے۔ انہوں نے فرمایا ہاں۔ میں تو اس سے دور تر کی بھی تصدیق کرتا ہوں اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں آسمان پر گیا اور پھر واپس آ گیا تو میں اس کی بھی تصدیق کروں گا۔ بیت المقدس کیا چیز ہے؟ چنانچہ اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب ''صدیق'' مشہور ہو گیا۔ اس کے بعد سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' بارگاہ رسالت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حضور بیت المقدس کی علامات ونشانیاں ان لوگوں کو فرمائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں بتاؤں گا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بیان فرمایئے۔ میں وہاں گیا ہوں اور اسے میں نے دیکھا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے نشانیاں بیان فرمائیں اس پر حضرت صدیق نے کہا ''اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' (میں شہادت دیتا ہوں یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں)۔ حضرت صدیق کا یہ مطالبہ کرنا از طریق شک وتردد نہ تھا۔ وہ تو کفار کی زبانوں سے محض سنتے ہی تصدیق فرما چکے تھے بغیر اس کے کہ آپ سے نشانیاں دریافت کریں۔ بلکہ یہ یافتگی' حضور ﷺ کی صداقت کے اظہار میں اپنی قوم کے لیے تھی۔ اس لیے کہ قوم کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خبر پر وثوق تھا۔ اور آپ کی تصدیق ان کے لیے حجت تھی اس کے باوجود علامت دریافت کرنے اور حقائق واضح کرانے کے مقام میں آئے۔ اور حضور ﷺ سے بیت المقدس کے احوال واوصاف دریافت کیے تو حضور ﷺ نے سب باتیں بیان فرمائیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں کہ حضور ﷺ نے فرمایا بعض باتوں کا تفصیلی جواب مجھے حاضر نہ ہوا تو میں بہت زیادہ فکر مند ہوا۔ اور ایسا فکر مند ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا فکر مند نہ ہوا تھا۔ اس وقت بیت المقدس میرے پیش نظر کیا گیا تو جو کچھ انہوں نے پوچھا میں نے بتا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے دو احتمال ہیں یا تو مسجد اٹھا کر حضور ﷺ کے سامنے لائی گئی جس طرح کہ بلقیس کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لایا گیا تھا۔ یا اس کی مثل حضور ﷺ کے آگے لایا گیا۔ جس طرح کہ جنت

ودوزخ کو نماز میں متمثل کیا گیا۔ ایسا ہی علماء بیان کرتے ہیں۔ ایک اور احتمال یہ ہے کہ وہاں سے بیت المقدس تک تمام پردے اٹھادئے گئے۔ اور آپ کے پیش نظر بیت المقدس کر دیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام مسجد اقصےٰ کو عقیل کے گھر کے پاس میری نظر کے سامنے اٹھا کر لائے۔ میں اسے دیکھتا جاتا تھا اور جو وہ دریافت کرتے جاتے تھے جواب دیتا جاتا تھا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا بیت المقدس کے کتنے دروازے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے اس کے دروازوں کو نہیں گنا تھا۔ اب جو مجھ پر مکشوف ہوا اور اسے اٹھا کر لایا گیا تو میں نے گن کر انہیں بتایا۔

بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر اسریٰ سے تشریف لا رہے تھے تو قریش کا ایک قافلہ غلہ لاد کر لا رہا تھا اس قافلے میں دو غرارے تھے ایک سیاہ اور ایک سفید جب اٹھا کر اونٹ کے سامنے لائے تو اونٹ بھاگ گیا ان میں سے ایک اسے گھیر کر لے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے ان لوگوں پر سلام کیا۔ وہ کہنے لگے یہ آواز تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو آ رہا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل از صبح تشریف لائے اور اس قوم کو اس کی خبر دی۔ اور جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ اور فرمایا اس کی نشانی یہ ہے کہ میں نے تمہارے اونٹوں کو فلاں مقام پر آتے ہوئے چھوڑا ہے۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے فلاں شخص گھیر کر لایا تھا۔ اور قافلے کے آگے سفید وسیاہ رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ پالان ہے۔ اور دو غرارے فلاں روز یہاں پہنچیں گے۔ اور جب وہ دن آیا اور قافلہ نہ پہنچا تو لوگ انتظار کرنے لگے اور نصف دن تک قسم قسم کی چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ آدھا دن تھا کہ قافلہ پہنچ گیا اور اسی شان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ اور دشمنوں اور منکروں کے چہروں پر خاک پڑ گئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قافلہ بدھ کے دن آئے گا لیکن وہ سورج غروب ہونے تک نہ آیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور سورج کو غروب ہونے سے باز رکھا گیا اور قافلہ آ گیا۔

دیدار الٰہی میں اختلاف سلف: وصل: قدیم وجدید صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد والوں نے معراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت باری تعالیٰ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ وسلف رضی اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نفی کی جانب ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مسروق سے حدیث لائے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ اے مادر من! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: بلاشبہ میرے جسم کے رونگٹے تمہارے اس سوال سے کھڑے ہو گئے جو تم نے پوچھا۔ جو کوئی تم سے یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ یقیناً اس نے دروغ کہا۔ اس کے بعد انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کوئی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ وہ آنکھوں کا ادراک فرما رہا ہے اور وہی مہربان وخبردار ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ (جو تم سے یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا بیشک اس نے بہت بڑی بات کہی) امام نووی اور ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی مرفوع حدیث سے رویت الٰہی کے وقوع کی نفی نہیں کی۔ اگر حدیث مرفوع ہوتی تو اسے وہ بیان فرماتیں۔ اور انہوں نے اس آیت پر اعتماد واستنباط فرمایا۔ بلاشبہ بعض صحابہ رضی اللہ علیہم اجمعین نے ان کے اس اجتہاد کی مخالفت کی ہے۔ اور کوئی صحابی جب اپنی بات کہتا ہے اور کوئی دوسرا صحابی اس کی بات کی مخالفت کرتا ہے تو وہ قول باتفاق حجت نہیں ہوتا۔ آیہ کریمہ کی کئی توجیہات ہیں۔ ادراک، رویت سے اخص ہے۔ ادراک کی نفی سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ ادراک حقیقت کی معرفت ہے۔ اور یہ منفی ہے جس طرح کہ کوئی چاند کو دیکھتا ہے اور اس کی حقیقت وکنہ اور ماہیت کو نہیں پاتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ادراک کا مطلب احاطہ یعنی گھیرنا ہے۔ اور عدم احاطہ عدم رویت کو لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ عدم احاطہ سے عدم علم لازم نہیں آتا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ لَا اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اے رب! مجھ سے تیری ایسی ثنا نہیں ہو سکتی جیسے تو نے اپنی ثنا خود

فرمائی ہے۔''اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثنا کی ہی نہیں گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین رویت الٰہی کا اثبات کرتے ہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہاں! اور فرمایا' حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے اور سیّد عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت سے خاص فرمایا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہوے کہ وہ بقسم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔''اور ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ اس رویت باری پر کعب' زہری' معمر اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اثبات و جزم کیا ہے۔اور اشعری کا قول بھی یہی ہے۔اور امام مسلم علیہ الرحمۃ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پروردگار کی رویت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: هُوَ نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ. یعنی وہ نور ہے میں کیسے اسے دیکھ سکتا ہوں۔ یہ حدیث اس حدیث سے معارض ہے۔جس میں واقع ہوا ہے کہ ''رایت نورا'' میں نے نور کو دیکھا۔امام احمد سے بھی اثبات رویت منقول ہے۔امام احمد سے لوگوں نے کہا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کو کس چیز سے ہم اٹھائیں۔فرمایا قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا: رَاَيْتُ رَبِّىْ میں نے اپنے رب کو دیکھا اور قول نبی قول عائشہ رضی اللہ عنہا سے اکبر ہے اور نقاش امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں حدیث ابن عباس سے جواب دوں گا کہ فرمایا رَاٰهُ رَاٰهُ اسے دیکھا اسے دیکھا۔اور برابر کہتے رہے یہاں تک کہ ان کا سانس منقطع ہو گیا۔کچھ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ'' کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا فرمایا ہاں''!اور سلف کی ایک جماعت نے راہ توقف اختیار کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اثبات و نفی کی کسی جانب جزم نہیں کرتے اور قرطبی نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ کسی جانب کوئی قطعی دلیل نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دونوں گروہوں نے جس سے استدلال کیا ان کی ظاہری عبارات متعارض ہیں اور قابل تاویل نہیں ہیں اور نہ یہ اعمال سے متعلق ہیں جو دلائل وظنیہ پر اکتفا کیا جا سکے بلکہ یہ معتقدات سے ہے اس میں قطعیات ہی اکتفا کرتی ہیں (واللہ اعلم)۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ دیدار الٰہی دیدہ دل سے کیا ہے نہ کہ چشم سر سے۔اور دیدہ دل سے مراد نہ علم ہے نہ دانستن۔کیونکہ یہ تو بروجہ اتم ہمیشہ حاصل تھا۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے رویت کو دل میں پیدا فرمایا جیسا کہ آنکھ میں بینائی پیدا فرمائی۔لہٰذا دل کا جاننا اور ہے اور دل سے دیکھنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دونوں قول کی تطبیق کرتے ہیں کہ اس میں بظاہر اختلاف آنکھ سے دیکھنے میں ہے۔دل سے دیکھنے میں نہیں ہے۔اس میں سب متفق ہیں۔

بندہ مسکین (یعنی شیخ محقق) عبدالحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید صدق والیقین کہتا ہے کہ دلائل و اخبار اور آثار پر نظر کرتے ہوئے علماء کا کلام یہی ہے لیکن اتنا خلجان رہتا ہے کہ یہ معراج جو اتم مقامات اور اقصیٰ کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور کسی ایک نبی کی شرکت نہیں اور نہ اس مقام میں کسی انسان یا فرشتہ کی گنجائش ہے تو جائے تعجب ہے کہ اس مقام میں لیجایا جائے اور خلوت خاص میں حضوری کرائی جائے۔اور سب سے اعلیٰ واقصیٰ مطلوب جو کہ دیدار باری تعالیٰ ہے اس سے مشرف نہ کیا جائے۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار نہ کرنے پر راضی ہوں۔اگرچہ کمال بندگی اور حق تعالیٰ کی کبریائی کی سطوت کا ادب اس کا مقتضی ہے کہ سوال نہ کیا جائے اور ذوق کلام سے مست ہو کر خوشی و مسرت کا اظہار کریں۔اور دیدار کی خواہش نہ کریں۔جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔لیکن کمال محبت و محبوبیت جو کہ آپ کو جناب قدس سے ہے کہاں باز رکھتا ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب باقی رہے۔اور یہ دولت' طلب سے ہاتھ نہ آئے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے طلب' سوال اور انبساط' دیدار الٰہی سے مانع رہا۔کبھی بے مانگے دیا جاتا ہے اور کبھی مانگنے اور چاہنے سے بھی نہیں دیا جاتا۔نادر بات یہ ہے کہ ایک قوم کہتی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام طلب کے بعد بھی اس سے محروم رہے تو بیہوش ہو گئے اور اس وقت وہ دیکھا جو ہرگز نہیں دیکھ سکتے تھے۔یہ جزا ان کی بیتابی اور جلد بازی کی تھی۔تحقیق یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ ہنوز سید المحبوبین ﷺ کا دیدار نہ کیا تھا اور آپ اس دولت تک پہنچے نہ تھے۔دوسرے کی کیا مجال کہ طلب کرے اور دیکھ سکے۔اور خود تمام علماء بھی اس پر متفق ہیں کہ دنیا میں رویت باری ممکن ہے۔پھر بعد از امکان کیا چیز مانع ہے۔اور خود یہ مقام معراج درحقیقت عالم آخرت سے ہے۔اور جو کچھ عالم آخرت میں دیکھنا اور پانا ہوگا وہ اب دیکھ لیا اور پالیا تا کہ خلق کو بحکم عین الیقین دعوت فرما سکیں۔جیسا کہ کہا گیا ہے۔مصرعہ از دیدہ بسے فرق بود تا بشنیدہ۔(واللہ اعلم)

باب ششم

وہ معجزات جو رسول اللہ ﷺ کی صحتِ نبوت اور صداقت رسالت پر دلیل ونشان ہیں

معجزہ‘ خرق عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعی رسالت ونبوت کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے جس سے مقصود تحدی ہے۔ تحدی کے معنی کسی کام میں برابری کرنا۔ اور دشمن کو عاجز کر کے غلبہ حاصل کرنا ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ معجزہ میں تحدی شرط نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ سے ایسے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے جس میں تحدی نہیں تھی۔ مگر کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس کی شان سے تحدی ہو۔ اس تقدیر پر ”مدعی رسالت سے واقع“ ہونے کی قید کافی ہے۔ اور یہ بات مشہور ہے کہ جو کچھ مدعی رسالت سے واقع ہوتا ہے اسے معجزہ کہتے ہیں اور جو کسی غیر نبی سے واقع ہوتا ہے اگر اس کے ساتھ کمال ایمان وتقویٰ اور معرفت واستقامت جسے ولایت کہتے ہیں شامل ہے تو اس کا نام کرامت ہے۔ اور اگر کسی عام مومن وصالح سے صادر ہو تو اسے معونت کہتے ہیں اور وہ جو فاسقوں اور کافروں سے صادر ہوتا ہے اسے استدراج کہتے ہیں مگر یہ کہ توبہ واسلام پر منتج ہو۔ علم کلام میں معجزات کے ضمن میں بہت بحثیں ہیں اس جگہ اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور جتنی اس جگہ ضرورت تھی اسی قدر بیان ہمارا بیان کرنا بہتر ہے۔

تمام انبیاء ومرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین صاحب معجزات ہیں اور کوئی نبی بغیر معجزہ کے نہیں ہے۔ اور نبی سیّد عالم ﷺ کے معجزات ان سب سے زیادہ اور وافر واقویٰ اور روشن واظہر اور مشہور تر ہیں۔ اور کلام میں معجزات کی عبارتیں جو کہ دلائل وآیات پر مشتمل ہیں بکثرت واقع ہیں اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل توریت وانجیل اور دیگر تمام کتب سماوی میں بے شمار خبریں واقع ہوئی ہیں۔ ان میں آپ کا ذکر اور مکہ مکرمہ سے ہجرت کا تذکرہ اس کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے اور وہ جو امور غریبہ وعجیبہ آپ کی ولادت وبعثت کے دنوں میں ظاہر ہوئے۔ مثلاً آثار کفر کا مٹنا‘ مشرکانہ استھانوں کا ذلیل وخوار ہونا‘ اہل عرب کے شیون اور ان کی چہ میگوئیاں وغیرہ ان سب کا تذکرہ اپنی جگہ تفصیل سے آئے گا۔ چنانچہ اصحاب فیل کا قصہ‘ فارس کی ہزار سالہ آگ کا ٹھنڈا ہونا‘ کسریٰ کے محل کے کنگرے گرنا‘ دریائے ساویٰ کا پانی خشک ہونا‘ پجاریوں کا خوابیں دیکھنا‘ غیبی نداؤں اور آوازوں کا سننا وغیرہ یہ سب آپ کی نبوت وصفات کی علامتیں ہیں۔ اور اخبار مشہور میں بوقت ولادت مبارکہ اور شیر خوارگی کے زمانہ سے بعثت وظہور کے وقت تک اور بعد از بعثت غلبہ تصرف کے سلسلہ میں جو عجیب وغریب امور کا ظہور ہوا ان سب کو نقل کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضور سیّد عالم ﷺ کے پاس اتنا مال نہ تھا جس سے قلوب کو جھکایا جاتا اور لوگ اس کی طمع میں آپ کے گرویدہ ہو جاتے اور نہ قوت وطاقت ہی اتنی تھی کہ ان لوگوں پر قہر وغلبہ حاصل کیا جاتا۔ اور جس دین کو آپ نے فرمایا اور جس کی طرف آپ نے ان کو دعوت دی اس کو غالب کرنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس نہ لاؤ لشکر تھا اور نہ مال وزر وہ لوگ سب کے سب بت پرستی اور زمانہ جاہلیت کی رسموں اور عادتوں پر مجتمع ومتفق تھے۔ اور دین جاہلیت میں از حد تعصب وتباغض‘ فسق وفجور اور خونریزی میں انتہائی غلو اور انہماک تھا اور امر خیر میں اتفاق واتحاد مفقود تھا۔ اور وہ اپنے ان افعال میں عاقبت کی نظر ڈالتے ہی نہ تھے۔ نہ انہیں کسی عذاب وسزا کا خوف تھا اور نہ کسی ملامت وپشیمانی کا ڈر۔ ایسے لوگوں کے

احوال وافعال کی حضور سیّد عالم ﷺ نے اصلاح فرمائی۔اوران کے دلوں میں باہمی محبت والفت کی لہر دوڑائی اوران سب کوایک کلمہ پر جمع فرمادیا۔ یہاں تک ان کی آراء متفق اوران کے دل مجتمع ہوگئے۔حتیٰ کہ وہ سب مطیع وفرماں بردار بن گئے۔اور نصرت میں مختلف لوگ ایک دل ہوگئے۔اورآپ کے جمال جہاں آراء کی طلعت کے عاشق وفریفتہ ہوگئے۔اورآپ ﷺ کی محبت میں اپنے شہروں اپنے وطنوں اوراپنے گھروں کو چھوڑ دیا۔اوراپنی قوم اوراپنے کنبوں سے منہ موڑلیا۔اورآپ ﷺ کی نصرت میں اپنے جان ومال کوقربان اورآپ ﷺ کے اعزاز میں اپنی جانوں کوتلواروں کے مقابل کھڑا کردیااوراس پرطرفہ یہ کہ وہ بے ساز وسامان تھے نہ ان پر مال نچھاور کیا گیااور نہ مال ومنال ہی تھا کہ دنیامیں جس کے حصول کے لالچ میں انہیں ڈالا جاتااوران ممالک وبلاد کا جن کے حاصل کرنے کے لیے اس جہان میں بھیجا گیا تھا۔انہیں ان کا مالک ومتصرف نہ قرار دیا بلکہ خود ﷺ ان میں تصرف فرماتے غنی کوفقیر بناتے اورشریف کو برابرومتواضع کرتے تھے۔کیاایسی جملہ باتیں اورایسے تمام احوال کسی ایسے شخص میں جمع ہوسکتے ہیں۔اوراسے اتفاق پڑسکتا ہے جوباختیار عقلی اورتدبیرفکری بہ تکلف ان سب کوانجام دے سکے۔اوران کی کشود کارکرسکے؟ حالانکہ حضور ﷺ خود یتیم' بے زور وزر اور بے مال ومنال اور بے معاون ومددگاراور تنہا تھے۔لیکن حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کوایسی عزت'قدرت'تمکنت'مدد ونصرت اورقوت وشوکت عطا فرمائی کہ آپ ﷺ سب پرغالب رہے۔اورآپ ﷺ کواختیارات کی مضبوط گرفت عطا فرمائی۔''لا واللہ''قسم ہے خدائے عزوجل کی ان سب کومسخر وگرویدہ بنالیا۔یہ تمام وہ باتیں ہیں جن میں کوئی عقلمند شک کبھی نہیں کرتااورکامل یقین سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ امر الٰہی اورفیض سماوی ہے۔قوت بشری کے ساتھ اتنی رسائی پاناازروئے عادت عاجز ہیں اورخالق وقوی کے سوابشراس پرقادر نہیں۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

اُمی ہونا معجزہ ہے: حضوراکرم ﷺ کی دلائل نبوت میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ اُمی وناخواندہ تھےاورآپ ﷺ خط وکتابت بالکل نہیں جانتے تھے۔آپ ﷺ اس قوم میں جوتمام کی تمام اُمی جاہل وناخواندہ تھی آپ ﷺ ان میں اُمی مولود ہوئے آپ ﷺ کی نشوونمااس شہرمیں اوران ہی لوگوں میں ہوئی جن میں گذشتہ علوم کا جاننے والاکوئی بھی نہ تھااور نہ آپ ﷺ نے کسی ایسے شہر کی طرف سفرہی فرمایاجس میں جوئی عالم ہوتااورآپ ﷺ اس سے تحصیل علم کرسکتے اورتوریت انجیل اورگزشتہ امتوں کے اخبار وحالات جان سکتے۔بلاشبہ ان کتابوں کے بڑے بڑے عالم ایسے گزرے تھے جواپنی اپنی جگہ ان کتابوں کے ماہروشناور تھے اوران کتابوں کے علماء وعرفاء میں سے چند کے سواکسی کو باقی نہ چھوڑا' پھران ملتوں کے ہرفریق سے حضور ﷺ نے ایسی حجت فرمائی کہ اگرجہاں بھر کے تمام عالم ونقاد جمع ہوجاتے توبھی اس کی مثل کوئی دلیل نہ لاسکتے۔یہ اس امر پرپہلی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے پاس جوکچھ تھاآپ ﷺ سے اسے خدا کی طرف سے لائے تھے۔اب تصور کرنا چاہیے اوریہ معلوم ہونا چاہیے کہ بغیرتعلیم واکتساب علم' آپ ﷺ علم ومعرفت کے جتنے اعلیٰ مقام پرفائز تھے علوم اولین اورآخرین کی رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کیاخوب کہا ہے۔بیت

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانہ چندملت بشست

اورمولاناجامی علیہ الرحمتہ نے کیاخوب فرمایاہے:

امی ودقیقہ دان عالم بے سایہ وسائبان عالم

اوریہ بھی دیکھنا چاہیےاورغورکرنا چاہیے کہ وہ لوگ جوجہل ونادانی اورفسق وفجورکے اسفل السافلین میں تھے وہ آپ ﷺ کی صحبت آپ کی خدمت اورآپ ﷺ کی تعلیم وتربیت سے علم وعمل کے اعلیٰ علیین پرپہنچ گئےاوریہ سب کچھ خداتعالیٰ ہی کی جانب سے تھا۔

اوراگرتم آپ ﷺ کے اخلاق وصفات' کمالات واوضاع اورآداب واطوار میں غورکروگے توتم سب سے پہلی دلیل یہ پاؤ گے کہ

کوئی بشر آپ کی مثل ایسا پیدا نہ ہوا جس نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہو اور اسی طرح لوگوں کو مسخر کیا ہو تو اب کس چیز میں شک وشبہہ باقی رہتا ہے۔

اعظم معجزات قرآن کریم ہے: آپ ﷺ کے معجزات میں سب سے قوی، روشن اور باقی ومشہور تر، قرآن مجید ہے جو قیامت تک باقی و پائندہ رہے گا۔ قرآن کریم معجزات کثیرہ پر مشتمل ہے بایں حساب کہ ''اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ'' سب سے چھوٹی سورۃ ہے اس میں جتنے معجزات ہیں ان کو کوئی شمار نہیں کرسکتا چنانچہ قرآن کریم کے معجزات کا اس سورۃ سے اندازہ لگاؤ کہ ہر ایک میں کتنے معجزات ہوں گے۔

وجوہ اعجاز قرآن: وصل: قرآن کریم کے وجوہ اعجاز متعدد ہیں ان کے اعجاز کی تفصیلی معرفت، وجوہ اعجاز کی معرفت پر موقوف ہے۔ اور اجمالی طور پر معرفت اعجاز اس طرح ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے اس سے تحدی فرمائی اور انہیں اس کے ہم مثل مقابلہ میں ایک سورۃ ہی کے لانے کا چیلنج فرمایا ارشاد ہے۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ — اگر تمہیں شک ہے اس میں جو ہم نے اپنے بندہ خاص پر نازل فرمایا تو اس کی مثل ایک سورۃ ہی لے آؤ۔

چنانچہ لوگ اس کے معاوضہ ومقابلہ میں کچھ پیش کرنے سے عاجز ہوگئے۔

پہلی بحث تو یہی تھی اگر وہ اس کی مثل لانے کی قدرت رکھتے تو وہ ہرگز ان ہلاکتوں میں نہ پڑتے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے اہل عرب پر جو کلام پیش فرمایا وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ومجبور رہے۔ کیونکہ وہ کلام دلالت میں مردوں کے زندہ ہونے اور اندھوں اور بہروں کے تندرست ہونے کے سلسلہ میں عجیب وواضح تر ہے۔ اس لیے کہ اہل فصاحت، ارباب بلاغت اور تمام روسائے اہل زبان جو کلام لاتے ہیں وہ کلام، مطلب ومفہوم اور لفظ ومعنی میں ان کی اپنی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس کی مثل لانے سے عاجز رہے اور ان کا یہ عجز اس سے کہیں زیادہ عجیب ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو مردے زندہ کرتے اور اندھے اور کوڑھیوں کو تندرست کرتے دیکھا ہے اس لیے کہ دیکھنے والوں کے لیے اس میں کوئی چیلنج نہ تھا اور نہ اس تک پہنچنے کا انھیں کوئی علم ہی تھا۔ لیکن جہاں تک کلام فصیح، بلاغت اور خطابت کا تعلق ہے۔ یہ تو ان کا ہنر اور پیشہ تھا۔ اور اس میں ان کا عاجز ہوجانا مفید صحت رسالت اور یہ حجت قاطع اور برہان واضح ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اعاظم علماء حدیث میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ سیّد عالم ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ دانا اور عقلمند ہیں بلکہ علی الطلاق قطعی اور حتمی طور پر اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ عاقل تھے۔ وہ لوگ اس کی مثل لا ہی نہ سکتے تھے۔ لہٰذا اگر آپ کا علم ایسا نہ ہوتا تو بایں سبب کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تب بھی آپ ﷺ کی خبر میں یہ خلاف واقع نہ ہوتا۔ اس وقت بھی یہ لوگ آپ ﷺ کی عقل تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور یہ تحدی حتمی وقطعی رہتی جیسا کہ فرمایا: وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا (ہرگز ہرگز وہ نہ لاسکیں گے۔) غرضیکہ حضور ﷺ نے انہیں چیلنج دیا اور لوگ معارضہ میں آمنے سامنے آنے سے عاجز رہے۔ اور بوقت مناقضہ، بلاغب میں ان کے قاصر رہنے کا حکم فرمایا حتیٰ کہ انہیں ان کے تمام حمایتیوں سمیت مجتمع ہونے کا موقع دیا۔ لیکن ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو معارضہ کے میدان میں اترتا۔ اور اس مقام پر کھڑا ہوتا۔ چنانچہ فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا.

اگر تمام انسان وجنات اس قرآن کی مثل لانے میں اکھٹے ہو جائیں تب بھی اس کا مثل نہیں لا سکتے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ مسجد حرام کے ایک گوشہ میں تنہا تشریف فرما تھے کہ عتبہ بن ربیعہ جو اشقیاء قریش میں سے تھا۔ قریش کی مجلس میں کہنے لگا ''اے گروہ قریش! میں اس شخص (یعنی حضور ﷺ) کے پاس جاتا ہوں اور چند چیزیں عرض کرتا ہوں ممکن ہے ان میں سے کچھ کو قبول کرلیں اور اس کام سے باز آجائیں اور ہمارا پیچھا چھوڑ دیں۔ قریش نے کہا اے ابوالولید۔ ٹھیک ہے جاؤ۔'' عتبہ اٹھا اور حضور ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ وہ آپ ﷺ سے باتیں کرنے لگا۔ اور اس نے آپ ﷺ کو مال و دولت کا لالچ دیا اس نے کہا آپ ﷺ جو کچھ چاہیں گے حاضر ہے۔'' حضور ﷺ سب کچھ سنتے رہے اس کے بعد فرمایا اے ابوالولید! کیا تو نے اپنی بات ختم کر چکا؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا ''اب مجھ سے بھی کچھ سن۔'' اس نے کہا فرمایئے اور جو چاہیے کہیے حضور ﷺ نے پڑھا حم۔

حٰمٓ o تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ o بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

یہ اتارا ہوا ہے بڑے رحم والے مہربان کا۔ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل فرمائی گئیں عربی قرآن عقل والوں کے لیے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

الخ عتبہ اسے خاموشی سے کان دھرے سنتا رہا اور اپنے دونوں ہاتھ پس پشت لے جا کر اس پر ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ پھر جب حضور ﷺ تلاوت کرتے ہوئے اس سورۃ کی آیت سجدہ پر پہنچے تو حضور ﷺ نے سجدہ کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوالولید! تو نے سنا؟ اس نے کہا ''میں نے اس کلام کو سنا آپ اس میں مشغول رہیے اور کسی سے خوف مت کریئے۔'' اس کے بعد عتبہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔ جب اس کی قوم نے اسے دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم! عتبہ اترا ہوا منہ لے کر آیا ہے۔'' پھر جب عتبہ بیٹھ گیا تو کہنے لگا ''خدا کی قسم! میں نے آج وہ کلام سنا کہ اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم! نہ وہ شعر ہے نہ جادو نہ کہانت۔ اے گروہ قریش انھیں اپنے کام میں لگا رہنے دو۔ کیونکہ وہ راستی پر ہیں۔ میں اس کلام کے بارے میں قسم کھا کر کہوں گا کہ اس کی بہت بڑی شان ہے اور بخدا وہ بہت عجیب چیز ہے۔ تم جانتے ہو وہ جو کچھ کہتے ہیں جھوٹ نہیں ہوتا اور وہ جو دعا کرتے ہیں کبھی نا مقبول نہیں ہوتی۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں عذاب نہ نازل ہو جائے۔ اسے بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

حدیث میں بسلسلہ اسلام ابوذر رضی اللہ عنہ ہے خود ہونے سے پہلے اپنے بھائی انیس نامی کو حضور اکرم ﷺ کے حالات شریفہ معلوم کرنے اور جستجو کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بخدا میں نے اپنے بھائی انیس سے بڑھ کر کسی دوسرے شاعر کو نہ دیکھا اور نہ سنا اس نے بارہ شاعروں کو زمانہ جاہلیت میں شکست دی تھی اور ان میں ایک میں خود تھا۔ چنانچہ وہ مکہ مکرمہ گئے اور مجھ سے رسول اللہ ﷺ کا حال آکر بتایا میں نے پوچھا ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس نے کہا کہ لوگوں میں سے کوئی انھیں شاعر کہتا ہے کوئی کاہن۔ خدا کی قسم! میں خود شاعر ہوں اور میں نے کاہنوں کی باتیں بھی سنیں ہیں نہ تو وہ شاعر ہیں اور نہ ہی میں کاہنوں جیسی باتیں ہیں وہ صادق ہیں اور لوگ کاذب۔

اور ولید بن مغیرہ فصاحت و بلاغت میں قریش کا سب سے بڑا ہنر مند تھا اس نے بارہا قرآن کریم سن کر کہا: وَاللّٰهِ اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَّاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً خدا کی قسم! اس میں بڑی شیرینی ہے اور اس میں عجیب لذت ہے'' اس میں ایسی رونق و تازگی ہے جو کسی دوسرے

کلام میں نہیں ہے وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَهُ لَمُغْدِقٌ. یقیناً اس کا بالائی حصہ پھل دار ہے اور اس کا نچلا حصہ سیراب ہے۔وَمَا هُوَ قَوْلُ الْبَشَرِ. اور وہ انسان کا کلام نہیں ہے۔وَاِنَّهُ لَيَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى. بلاشبہ وہ بلند ہوگا اور کوئی چیز اس پر غالب نہ ہوگی۔اور ابن ولید اپنی قوم سے کہتا تھا کہ خدا کی قسم! تم میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ تمہارے شعروں کا جاننے والا نہیں۔اور نہ جنات کے شعروں کا جاننے والا ہی ہے۔خدا کی قسم! جو کچھ وہ بیان فرماتے ہیں ان سے بہتر کسی کا کلام نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حج کا ایک سال تھا اور قریش کے تمام قبیلے آئے ہوئے تھے۔اس وقت ولید بن مغیرہ نے کہا کہ عرب کے تمام وفود آئے ہوئے ہیں۔توقع ہے کہ سب کے سب ایک رائے پر مجتمع اور متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے کی تکذیب اور باہمی اختلاف رائے نہ کریں لوگوں نے کہا ''ہم سب متفقہ طور پر کہیں گے کہ وہ کاہن ہیں۔'' ولید بن مغیرہ نے کہا خدا کی قسم! نہ تو وہ کاہن ہیں اور نہ ان میں کاہنوں کی مانند گنگناہٹ اور سجع ہے۔پھر لوگوں نے کہا کہ ''ہم انہیں دیوانہ کہیں گے۔'' اس نے کہا'' خدا کی قسم! نہ وہ مجنون ہیں اور نہ دیوانے' وہ تو لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔پھر وہ کہنے لگے کہ ہم انھیں شاعر کہیں گے۔اس نے کہا وہ شاعر بھی نہیں۔ہم شعر اور اس کے اقسام کو جانتے ہیں اور رجز' ہزج' قرض' مبسوط اور مقبوض کو خوب پہچانتے ہیں۔'' پھر لوگوں نے کہا ہم کہیں گے کہ وہ ساحر یعنی جادوگر ہیں اس نے کہا خدا کی وہ جادوگر بھی نہیں ہیں وہاں جھاڑ پھونک اور گنڈا تعویذ نہیں ہے۔اور کہا تم انھیں جو کچھ بھی مذمت میں کہو گے ہم جانتے ہیں کہ وہ باطل ہے اسے ابن اسحاق اور بیہقی نے بیان کیا ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ قرآن اگر کسی جنگل و بیاباں میں کتابی شکل میں لکھا ہوا پایا جائے اور کوئی نہ جانے کہ کس نے رکھا ہے اور کون لایا ہے تو تمام عقل سلیم اور فہم مستقیم گواہی دیں گے۔یہ خدائے عزوجل کے حضور سے نازل کیا ہوا ہے اور کسی بشر کو اس کی تالیف پر قدرت نہیں ہے اور جب صادق العقول اور متقی لوگوں کے ہاتھوں میں آئے تو وہ کہیں گے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں لوگوں کو تحدی اور چیلنج کیا گیا ہے کہ اس کی مانند ایک سورۃ ہی بنا کر لے آئیں اور سب عاجز رہیں گے۔اب اور شک وشبہ کی کون سی گنجائش ہے۔اعجاز قرآن کی معرفت میں یہ اجمالی وجوہ ہیں۔اور اس پر آسان طریقہ ہے اور اس تحدی میں عالم و جاہل سب شریک ہیں اور اس روش سے جو مناسب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی قرآنیت کا ثبوت' نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے ہے اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا ثبوت دوسرے معجزات سے ہے۔

اب رہے دوسرے تفصیلی طریقے' جس میں اعجاز قرآن کا اثبات ہے۔مثلاً فصاحب' بلاغت عجیب وغریب اسلوب بیان اور غیبی خبریں دینا وغیرہ۔یہ دوسری روش کے ساتھ مناسب ہے جو کہتے ہیں کہ اعجاز قرآن اعجاز قرآن کا ثبوت ان وجوہ سے ہے ایسا اثبات ان علماء کے ساتھ مخصوص ہے جو فصاحت و بلاغت کے معنی جانتے اور پہچانتے ہیں۔لیکن معرفت اعجاز کے اقسام' متعدد ہیں۔اول ایجاز یعنی مختصر الفاظ اور معانی بیشمار اور بلاغت ہے جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ. اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔'' ان دو کلموں میں جو گنتی کے صرف دس حرف ہیں معانی کثیرہ جمع کر دیئے ہیں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے کسی سے سنا کہ اس نے پڑھا ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ'' تو وہ سجدہ میں گر گیا اور کہنے لگا میں اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کرتا ہوں۔ایک اور بدوی نے کسی دوسرے شخص سے سنا کہ اس نے: فَلَمَّا اسْتَيْاَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا جب اس سے وہ سب مایوس ہو گئے تو انہوں نے اس سے کنارہ کیا۔'' تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں لیٹے ہوئے سو رہے تھے تو اچانک ایک ایلچی روم کے حاکموں کی

طرف سے آپ کے سرہانے کھڑا ہوگیا اور دیکھتے ہی حق کی گواہی دینے لگا۔ یہ ایلچی عربی زبان کو خوب جانتا تھا اس نے کہا کہ میں نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک قیدی سے تمہارے قرآن کی ایک آیت پڑھتے سنی ہے پھر میں نے اس پر خوب غور کیا تو میں نے دیکھا اس میں تمام وہ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر دنیا و آخرت کے سلسلے میں اتری ہیں ان سب کو باوجود اختصار کے ایک آیت میں جمع کر دیا گیا ہے وہ آیت یہ ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ.

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس سے تقویٰ کرے تو یہی لوگ فائز المرام ہیں۔''

اصمعی سے ایک حکایت منقول ہے کہ انہوں نے ایک لڑکی کو غایت فصیح کلام کرتے سنا تو انہوں نے اس کی فصاحت پر اظہار تعجب کیا۔ اس پر اس لڑکی نے کہا کیا تم مجھے اس کلام الٰہی کے بعد فصیح خیال کرتے ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ○

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کی کہ اسے جنو۔ پھر جب تم خطرہ محسوس کرو تو (صندوق) میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دو تم نہ تو خوف کرو اور نہ غم کرو۔ ہم اسے تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے بنائیں گے رسولوں میں سے۔

اس ایک آیت میں دو حکم دو نہی دو خبر اور دو بشارتیں جمع فرمائی گئی ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ○

اسے خوب اچھی طرح سے دور کرو پھر جب وہ تمہارے اور اس کے درمیان عداوت ہو گویا کہ وہ ولی حمیم ہے......

اسی طرح یہ ارشاد کہ: يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان پھٹ جا'' اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جو اختصار و ایجاز الفاظ رکھنے کے باوجود معانی کثیرہ مفاہیم عظیمہ حسن ترکیب الفاظ اور اتصال کلمات کے حامی ہیں۔ اسی طرح ان طویل قصوں اور قرآن میں سابقہ کی خبروں کے بیان کا حال ہے۔ جن سے فصحائے کلام کی عادت میں سستی واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ طویل قصہ ہے جسے قرآن پاک نے بیان فرمایا کہ کس حسن و خوبی کے ساتھ باہم کلمات کا ارتباط والتیام اور عبارت میں روانی اور دلائل کا وہ سیل رواں ہے جو غور و فکر کرنے والوں اور ارباب فہم و بصیرت کے لیے عبرت و ندرت کا مقام ہے۔ اس قسم کے اعجاز کا دریافت کرنا اہل عرب کے سلیقے اور ان کے ذوق پر موقوف ہے اور ان کے کلام کا ماہر اور زبان داں ہونا شرط ہے۔ اگرچہ زبان عربی کے ماہروں نے اس فن میں علوم منضبط کیے اور کتابیں مدون کی ہیں۔ ان سب کے باوجود عرب کے جاہلوں ان کی عورتوں اور غلاموں میں جو ان کا اپنا خاص ذوق و وجدان اور سلیقہ پایا جاتا ہے وہ غیر عرب کے علماء فن مردان روزگار اور بزرگان ملت میں پایا جانا ممکن ہی نہیں۔

اور جو اعجاز کی دیگر قسمیں مثلاً نظم عجیب و اسلوب غریب کی صورت جو کہ فواصل و قواطع مخالف اور تمام کلام عرب کے مبائن ہے اور ان کی نظم و نثر خطابات و اشعار اور ارجاز و اسجاع کے طریقے جو ان کے روزمرہ کے معمولات ہیں۔ ان اعتبارات سے قرآن پاک کا ایک خاص زائد وصف ہے جو اہل عرب کے کلام سے ممتاز ہے اور یہ قرآن اہل عرب کے کلام میں نہ تو مختلط ہوتا ہے نہ مشتبہ۔ باوجودیکہ قرآن کے کلمات و حروف انہیں کے کلام کی جنس سے ہیں جو وہ اپنے نظم و نثر میں استعمال کرتے ہیں۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس سے ان کے عقلاء حیرت زدہ ہیں اور ان کے خطباء و بلغاء متحیر و سرگرداں ہیں۔ وہ اپنے کلام کی جنس میں اس جنس جیسی خوبیاں پیدا کرنے کی راہ نہیں

پاتے۔ اور حق تعالیٰ کے دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ و باہرہ کے ظہور کی بناء پر ان سے معارضہ اور مقابلہ کرنے کی طاقت پاتے ہی نہیں۔ لہٰذا جب ولید بن مغیرہ نے حضور ﷺ سے قرآن کریم سنا تو اس کا دل پگھل گیا اور اس کا اسے اعتراف کرنا پڑا۔ اس کے بعد اس کے پاس ابوجہل آیا اور اسے سخت وسست کہنے لگا اس پر بھی وہ انکار نہ کرسکا۔ یہی حال تمام اشقیاءِ قریش کا تھا۔ باوجودیکہ وہ بلاغت وفصاحت کی صنعتوں کے حاذق و ماہر اور عارف تھے۔ وہ سب اسلوب کلام اور طرز بیان سے متحیر ہو کر رہ گئے اور انہیں اعتراف کرنا پڑا۔ بعض مغرور و نادان لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا مگر وہ ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئے۔ جیسے یحییٰ بن غرائی جو بلاشبہ اپنے زمانے میں بے نظیر فصیح و بلیغ تھا اس نے قرآن سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا اور سورہ اخلاص پر نظر ڈالی۔ اور قصہ کیا کہ اس کی مثل کوئی عبارت بنائے۔ چنانچہ اس کوشش میں اس نے بڑی سختی و مشقت اٹھائی۔ مگر قادر نہ ہوسکا پھر اس میں ہیبت وخشیت الٰہی طاری ہوگئی۔ اور اس ارادہ سے توبہ کرلی۔ حالانکہ اس نے اپنے زمانے میں مقفی و مسجع اور افصح کلام بنایا تھا اور اس نے اپنے اس کلام کا نام قرآن کی سورتوں کے طرز پر ''مفصل'' رکھا تھا۔ وہ ایک دن بچوں کے مکتب کی طرف گزرا اس وقت بچے یہ آیت پڑھ رہے تھے: قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ. کہا گیا اے زمین اپنا پانی نگل لے'' تو وہ لوٹ کر گھر آیا اور اس نے اپنے لکھے ہوئے کو تلف کردیا۔ اور کہنے لگا خدا کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

وجوہ اعجاز قرآن کی تیسری صورت یہ ہے کہ ان غیبی خبروں پر متضمن و مشتمل ہے جو نہ واقع ہوئیں اور نہ رونما ہوئی تھیں۔ لیکن جب وہ واقع ہوئیں تو اس طرح وارد ہوئیں جس طرح ان کی خبریں دی گئیں تھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ. ضرور بالضرور انشاء اللہ مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ داخل ہوں گے۔

اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد:

وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ. اور وہ اپنے غلبہ کے بعد بہت جلد مغلوب ہوں گے۔

اور اس کا یہ ارشاد کہ:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ. تاکہ وہ تمام دینوں پر اسے غالب فرمائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ اور اللہ نے تم میں سے ایمانداروں اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ فرمایا کہ وہ زمین میں تمہیں خلیفہ بنائے گا'' اور یہ فرمایا کہ:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ. جب اللہ کی مدد اور فتح آئے گی۔ الخ اور اس کا یہ فرمان کہ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ بلاشبہ قرآن کو ہم نے ہی اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

چنانچہ یہی ہوا کہ بے شمار اعداء و ملاحدہ اور معطلہ و قرامطہ نے مجتمع ہو کر مکروحیلہ اور قوت و طاقت سے کوششیں کیں کہ قرآن کے نور کو بجھا دیں مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے اور اس کے کلمات میں سے ایک کلمہ میں بھی تغیر پیدا نہ کرسکے اور مسلمانوں کو اس کے کسی حرف کے بارے میں شک میں مبتلا نہ کرسکے۔ اور فرمایا کہ:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝ بہت جلد یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

اور اس کا ارشاد:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ. ان سے جنگ کرو اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان پر عذاب فرماتا ہے۔

اوراس کا یہ ارشاد کہ: وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ اَبَدًا. (وہ اس کبھی بھی آرزو نہ کریں گے) اور فرمایا: وَلَنْ تَفْعَلُوْا (وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے۔) اس قسم کے بے شمار آیات واخباء ہیں۔

وجوہ اعجاز قرآن میں چوتھی صورت میں گذشتہ لوگوں کے وہ واقعات وحوادث ہیں جنھیں کچھ لوگ تو جانتے تھے اور بہت سے نہیں جانتے تھے۔ جیسے اصحاب کہف کا قصہ اور حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی شان اور حضرت ذوالقرنین کے احوال اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ اور حضرت لقمان اور ان کے بیٹوں کا قصہ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ان کے ساتھ قصے اور اس قسم کی بے شماروہ خبریں جو گذشتہ زمانوں اور پچھلی امتوں اور ان کی شریعتوں اور اگلے پچھلے علوم سے متعلق ہیں ان واقعات کو اہل کتاب میں سے وہی لوگ جانتے ہیں جن کی عمریں اس قسم کی تحصیل میں کٹی تھیں۔ ان واقعات کو قرآن میں ایسے طریقے پر لایا گیا اور انہیں اس انداز سے بیان کیا گیا کہ ان لوگوں کو اس کے صدق وصحت کا اعتراف کرنا پڑا۔ درآں حالیکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ حضور ﷺ اُمی ہیں جنہوں نے پڑھنا لکھنا نہ تو سیکھا اور نہ کسی مدرسے میں درس وتدریس کی اور نہ ان کی مجلسوں میں شمولیت فرمائی وہ ان کے سامنے سے کبھی باہر نہ گئے اور اس کے باوجود وہ خبریں بیان فرماتے ہیں جو توریت وانجیل اور صحف ابراہیم وموسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں ہیں۔ وجوہِ اعجاز قرآن میں یہ چار صورتیں خوب ظاہر ہیں نہ اس میں کوئی خفا ہے نہ شک وشبہ اور نزاع وجدال کی گنجائش ہے اس کے سوا جو اور وجوہات اعجاز ہیں وہ از قبیل صفات قرآن ہیں جن کو علماء بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن ممتاز ومنفرد ہے اس کے ساتھ کوئی کلام مشارکت نہیں رکھتا۔ ان میں سے ایک صفت تو یہ ہے کہ بوقت سماع قرآن' سننے اور سنانے والوں کے خوف وہیبت پیدا کرتا ہے اور تلاوت کے وقت قاریوں پر ایک رعب طاری ہوتا ہے اور یہ کیفیت کافروں اور جھٹلانے والوں پر بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کا قہر وجلال ان پر بہت زیادہ غالب آجاتا ہے۔ اس کیفیت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ جھٹلانے والوں اور منکروں پر اس کا سننا بھاری ہوتا ہے اور اس سے ان میں اور نفرت بڑھتی ہے۔ اور ان کے سینے تنگ ہو جاتے ہیں۔ وہ اس سے دور رہنے کو پسند کرتے اور اس کے سننے کو ناپسند کرتے ہیں۔ مومن ومصدق کے دل میں بھی اس کی ہیبت اور دبدبہ جاگزیں ہو جاتا ہے اور اس کا ذوق شوق بڑھتا ہے اور اس کا باطن' انجذاب' خفت' راحت اور انشراح کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی یہ انجذاب وکشش کی کیفیت' اس کے میلان' محبت قلبی اور تصدیق کی بنا پر ہوتی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (قرآن سے ان لوگوں کے جسموں کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں) اور فرمایا: ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پھر ان کے اجسام اور قلوب ذکر الٰہی کی طرف جھک جاتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تم اسے خشیت الٰہی سے جھکتا اور کانپتا دیکھتے۔) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے قرآن کریم کی خاصیت وطبیعت عظیم ہے اگرچہ سننے والا اہل علم وفہم سے نہ ہو اور وہ اس کے معنی وتفسیر کو نہ جانتا ہو اس حالت کا صحیح مشاہدہ' عورتوں سے اور جاہل عوام ہوتا رہتا ہے۔ وہ اس کے سننے ہی سے کافی متاثر ومتنبہ ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کلام' دوسرے کلاموں کی مانند نہیں ہے۔ ایک حکایت میں ہے کہ ایک نصرانی کا قاری پر گزر ہوا۔ تو وہ کھڑا ہو گیا اور رونے لگا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کس چیز نے تمہیں رُلایا حالانکہ تم اس کا مفہوم تک نہیں جانتے۔ اس نے کہا میں اس اسلوب کلام کی لطافت سے رونے لگا۔ اس کے سننے سے عجیب لطف وسرور حاصل ہوتا ہے۔

سماعت قرآن کریم کا یہ رعب وہیبت' اسلام وایمان لانے سے پہلے ایک جماعت پر بھی طاری ہوا تھا جس سے وہ بے توقف ومہلت اس وقت ایمان لے لائے تھے چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز مغرب

میں سورہ طور کو تلاوت کرتے سنا۔ پھر جب حضور اس آیت پر پہنچے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ○ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ○ کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں۔

اسے سن کر قریب تھا کہ میرا دل نکل پڑے اور میری جان باہر آ جائے۔ میرا یہ حال اس وقت ہوا تھا جب کہ سب سے پہلے ایمان نے میرے دل میں اثر کیا تھا۔ اور عتبہ بن ربیعہ نے سیّد عالم ﷺ سے ''سورہ حم السجدہ'' کو سنا تو وہ مدہوش اور متاثر ہو گیا۔ پھر جب وہ اپنی قوم میں گیا تو کہنے لگا خدا کی قسم! میں نے (حضور سیّد عالم) محمد مصطفیٰ ﷺ سے وہ کلام سنا ہے جس کی مانند آج تک میں نے کوئی کلام نہ سنا۔ مجھ میں طاقت گویائی نہیں کہ کس طرح اس کی توصیف کروں۔ لیکن وہ کفر پر ثابت قدم رہا۔ ایمان نہ لایا بلکہ اس کا انکار و عناد اور زیادہ بڑھ گیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان عطائے باری تعالیٰ ہے۔ علم و دانش اس میں کفایت نہیں کرتا اور: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ (وہ آپ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ جانتے ہیں اس کے باوجود وہ اس کا انکار کرتے ہیں) اس کی دلیل ہے۔

وجوہات اعجاز قرآن میں سے ایک وجہ اعجاز یہ بھی ہے کہ قاری قرآن اکتاتا نہیں اور سننے والا اسے ناپسند نہیں کرتا۔ بلکہ یہ حلاوت' چاشنی' سرور' محبت' تروتازگی اور لذت کو بڑھاتا ہے اور تنہائی میں اس سے لذت اور اس کی تلاوت سے انس محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیت ہر حال میں ہے۔ بخلاف دوسرے کلاموں کے' اگرچہ وہ حسن و بلاغت میں کتنے ہی بلند پایہ ہوں مگر ان کی تکرار ناپسند معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ تجربہ شاہد ہے یہ سب ایمان و محبت کی شرط کے ساتھ ہے لیکن کفار' منافقین اور اعداء: فَلَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا خَسَارًا (تو ان کو سوائے خسارہ کے کچھ نہیں بڑھتا)۔

وجوہات اعجاز قرآن میں سے ایک وجہ اعجاز یہ بھی ہے کہ قرآن میں ان علوم و معارف کو جمع کیا گیا ہے جو عرب میں معمول نہ تھے۔ اور قبل از نبوت حضور ﷺ کو بھی ان کی معرفت نہ تھی اور پچھلی امتوں کے علماء میں سے کسی ایک نے بھی نہ انہیں قائم کیا اور نہ ان کا احاطہ کیا اور ان کی ایک کتاب بھی ان علوم و معارف پر مشتمل نہ تھی چنانچہ علم شرائع' محاسن آداب و شیم' مواعظ و حکم' سیر انبیاء و امم اور آخرت کے اخبار و آثار کو بروجہ اکمل و اُتم جمع فرما کر حق تعالیٰ جل جلالہ وعز اسمہ کی توحید اور صانع عالم کے صفات کمال پر حجج عقلیہ' براہین یقینیہ اور ادلہ مبینہ کے طریقہ پر تنبیہ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (ہم نے کسی چیز کو قرآن میں بیان سے نہ چھوڑا'') وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (اور ہم نے آپ پر ہر چیز کا خوب واضح بیان کرنے والا قرآن اتارا) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (اور بیشک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر ایک مثل بیان فرمائی۔) اور فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. (بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے وہ واقعات بیان فرماتا ہے جن سے ان کے اکثر لوگ اختلاف کرتے ہیں) اور فرمایا: هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ هُدًى (یہ لوگوں کے لیے بیان و ہدایت ہے۔)

سب سے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں دلیل و مدلول دونوں جمع کیے گئے ہیں۔ اس لیے نظم قرآن اور اس کے حسن وصف و بلاغت کے ساتھ احتجاج و استدلال کیا جاتا ہے اور اسی کے درمیان اس کا حکم' اس کی ممانعت اور وعدوعید کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جملہ غور و فکر کرنے والا جب اس بارے میں سوچتا ہے اور اس سے حجت حاصل کرتا ہے تو ساتھ ہی ایک ہی کلام میں حکم بھی معلوم لیتا ہے۔

انہیں وجوہات اعجاز میں ایک یہ ہے کہ قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے نظم کے پیرایہ میں رکھا ہے نہ کہ نثر کے۔ اس لیے منظوم نفوس پر زیادہ آسان، دلوں کو کھینچنے والا، کانوں کو سکتر، اور فہموں پر زیادہ مرصع ہے اس کی جانب طبیعتیں مائل ہوتیں اور خواہشیں دوڑتی ہیں۔

انہیں وجوہات اعجاز میں ایک یہ ہے کہ قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے متعلموں اور حافظوں پر اس کا حفظ کرنا آسان وسہل فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ. اور ہم نے یاد کرنے کے لیے قرآن کو آسان بنایا۔

پچھلی امتیں اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتی تھیں۔ بجز ایک دو شخص کے۔ چہ جائیکہ جماعت کثیرہ یاد کرے۔ باوجود درازی عمر اور مرور سنین کے، اور بچوں اور علماء کے لیے مختصر مدت میں اس کا حفظ کر لینا سہل وآسان ہے۔

انہیں وجوہات اعجاز میں سے یہ ہے کہ قرآن کریم کے اجزاء ایک دوسرے سے مشاکلت رکھتے ہیں اور انواع واقسام کے مضامین باہم پیوست ہیں اور نہایت حسن وخوبی کے ساتھ ایک قصہ سے دوسرے قصہ کی طرف اور ایک جملہ سے دوسرے جملہ کی طرف باوجود اختلاف معانی کے بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اور ایک ہی سورۃ میں امر، نہی، خبر، استخبار، وعد، وعید، اثبات نبوت وتوحید اور ترغیب وترہیب وغیرہ مضامین بغیر اس کے کہ ان کو فصلوں میں تقسیم کیا جائے موجود ہے۔ اور اگر کسی اور کلام فصیح میں۔ اس قسم کے اختلاف مضامین لاحق ہوں تو یہ اسے فصاحت کے ضعف کی طرف لے جاتا ہے اور اس کی روانی کو کمزور اور سست کر دیتا ہے۔ اور الفاظ کا تسلسل ختم ہو جاتا ہے۔ اور عبارتیں متزلزل ہو جاتی ہیں مگر قرآن پاک میں یہ انداز بیان نرالا ہی حسن وخوبی بڑھاتا اور اس کی شان کو دوبالا کرتا ہے۔

اور انہیں وجوہ اعجاز میں سے یہ ہے کہ اس کی آیتیں باقی رہنے والی ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ہم ہی نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔ حالانکہ دوسری کتابوں کی حفاظت رہبان واحبار کے سپرد کی گئی یقیناً انہوں نے اس میں تغیر وتبدل اور تحریف اور تصرف کیا۔ حق تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ کوئی باطل اس میں نہ سامنے سے نہ پیچھے سے آسکے گا۔ انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات اپنے اوقات وزمانہ گزارنے کے بعد منقضی اور ختم ہو گئے اور ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ لیکن قرآن کریم حضور ﷺ کا وہ معجزہ جس کی آیتیں روشن ہیں۔ جس کے معجزات ظاہر اور آج تک کہ ایک ہزار پینتیس سال گزر چکے ہیں (یہ مدارج النبوۃ کی تالیف کا سن ہے) باقی ہیں۔ ہر زمانہ میں اہل بیان، ماہرین زبان، ائمہ بلاغت، شہسوار خطابت اور ملاحدہ واعدائے دین دنیا میں موجود رہے۔ لیکن قرآن کے معارضہ ومقابلہ میں کوئی چیز نہ لا سکے۔ البتہ! اس کے مناقضہ میں کوئی تالیف پیش نہ کر سکے۔ اور نہ ہی طعن صحیح وقدح صریح پر قادر ہو سکے بلکہ جس نے بھی ایسا ارادہ کیا وہ عاجز ہو کر رہ گیا۔ اور میدان چھوڑ بھاگا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اعجاز قرآن میں ائمہ کرام نے وجوہ کثیرہ بیان کیے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر اس کی بلاغت وفصاحت ہی کی طرف راجع ہیں لیکن ہر شخص کا فصاحت وبلاغت میں ماہر ہونا واجب نہیں ہے۔ ہر ایک نے وجہ منفرد اور علیحدہ باب اختیار فرمایا ہے مگر فنون بلاغت اور حقیقت اعجاز کے ذکر کا مقصود وہی چار وجوہ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے ماسوا قرآن کے خواص اور اس کی صفات کے عجائب ہیں۔ (وباللہ التوفیق)۔

معجزہ شق قمر: وصل: تمہیں معلوم ہو چکا کہ حضور سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کے معجزات میں سے سب سے عظیم واعلیٰ معجزہ قرآن مجید ہے لیکن چاند کے ٹکڑے کرنا، پانی کا چشمہ بہانا، کھانے کو زیادہ کرنا اور جمادات کا بولنا وغیرہ بھی عظیم معجزے ہیں۔ ان میں سے بعض معجزے تو حد تواتر وشہرت تک پہنچ گئے ہیں اور بعض معجزے اگرچہ خبر واحد سے ہیں۔ لیکن تعدد طرق واسناد سے منجر بحد تواتر

ہیں۔حضور ﷺ کے کچھ معجزے تو قبل از زمان بعثت ظاہر ہوئے جنہیں ''ارہاصات'' کہا جاتا ہے۔ارہاص کے معنی بنیاد رکھنے کے ہیں۔گویا وہ نبوت ورسالت کے تاسیس کے حکم میں ہیں۔اور کچھ معجزے زمانہ اظہار نبوت میں ظاہر ہوئے۔معجزے کی ایک اور قسم بھی ہے۔یہ بعد از رحلت ظاہر ہوتے رہتے ہیں جیسے اولیائے کرام کی کرامات وغیرہ۔کیونکہ یہ سب حضور ہی کے معجزے ہیں اور وہ آپ کی نبوت کی صحت اور آپ کی رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔

لیکن شق قمر یعنی چاند کا ٹکڑے کرنا معجزات میں روشن وتابندہ تر ہے کیونکہ اس سے عالم علوی میں تصرف فرمایا گیا ہے۔جو کسی نبی سے واقع نہیں ہوا۔یہ معجزہ قرآن کریم میں بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا:اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (قیامت قریب آ گئی اور چاند ٹکڑے ہوگیا)اس آیت کریمہ کا اشارہ دنیا میں اسی واقعہ کی طرف ہے۔اور مفسرین اس کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔رہا اس کا روز قیامت انشقاق پر محمول کرنا تو اس کا رد اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کر دیتے ہیں کہ:وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (اگر وہ کسی نشانی کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا جادو ہے)اس لیے کہ کفار''سحر مستمر''روز قیامت کے لیے نہیں کہتے۔

یقیناً حدیث شریف میں آیا ہے کہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے ایک ٹکڑا پہاڑ کے ادھر اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے تھا۔اس روایت کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے نقل فرمایا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے حضور ﷺ سے معجزہ طلب کیا اور کہنے لگے اگر صادق ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو؟''حضور ﷺ نے چاند کی جانب اشارہ فرمایا وہ دو ٹکڑے ہوگیا اور لوگوں نے کوہ حرا کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا پھر حضور ﷺ نے فرمایا''اشہدو''گواہ رہو۔اس پر کفار کہنے لگے۔بلاشبہ ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کیا ہے ان میں سے ایک نے کہا اگر وہ جادو کر سکتے ہیں تو تم پر کر سکتے ہیں۔تمام روئے زمین والوں پر تو جادو نہیں کر سکتے چنانچہ جب آفاق سے مسافر وہاں آئے اور انہوں نے چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر دی تو ابوجہل علیہ اللعنۃ نے کہا''هٰذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ''یہ پرانا جادو ہے۔''

ابن عبدالبر جو اکابر علماء حدیث سے ہیں فرماتے ہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہونے والی حدیث کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے اور اسی طرح تابعین کی جماعت کثیرہ روایت کرتی ہے اور ان سے ایک جم غفیر نے اسی طرح ہم تک یہ روایت پہنچی اور آیہ کریمہ نے اس کی تائید فرمائی۔انتہی۔

اسی طرح متقدمین ومتاخرین کی حدیث کی کتابیں بکثرت طرق اور متعدد اسانید سے مملو اور بھری ہوئی ہیں۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ علامہ ابن سبکی رحمۃ اللہ مختصر ابن حاجب کی شرح میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ انشقاق قمر یعنی چاند کے ٹکڑے ہونا متواتر ہے اور قرآن میں منصوص علیہ ہے اور صحیحین وغیرہما میں بطرق کثیرہ صحیحہ مروی ہے جس کے تواتر اور اس کی صحت میں شک نہیں کیا جا سکتا۔البتہ!اس معجزہ کا بعض مبتدعہ نے انکار کیا ہے۔یہ ملت کے ان مخالفوں کی راہ میں موافقت میں ہے جو کہتے ہیں کہ اجرام علویہ خرق والتیام کو قبول نہیں کرتے۔اور ملت کے متبعین کے علماء اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں عقلاً کوئی استحالہ نہیں ہے۔اس لیے کہ چاند وسورج خدا کی مخلوق ہیں وہ جو چاہے اس میں کرتا ہے جیسے کہ نصوص میں احوال قیامت کے ضمن میں مذکور ہے۔

اب رہا بعض ملحدوں کا یہ کہنا کہ اگر اس معجزہ کی حدیث بطریق تواتر واقع ہوتی تو اس کی معرفت میں روئے زمین کے تمام لوگ شریک ہوتے اور یہ اہل مکہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوتے۔اس لیے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جو حس ومشاہدہ میں آتا ہے۔اور اس قسم کے عجیب وغریب ونرالی باتوں کے دیکھنے کی طرف لوگوں کو شوق ہوتا ہے اور غیر عاری چیز کی نقل میں خاص جذبہ کام کرتا ہے۔اگر اس کی کوئی صحت

واصلیت ہوتی تو ہمیشہ تاریخوں میں لکھی جاتی۔ نہ اس کا تذکرہ تاریخوں میں ہے نہ علم نجوم کی کتابوں میں۔ اس کا ذکر و بیان نہ کرنا اور ان کا اتفاقیہ طور پر چھوٹ جانا یا غفلت برتنا جائز نہیں ہوتا کیونکہ یہ معاملہ بہت عظیم اور واضح تھا۔

علمائے کرام اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قضیہ ان باتوں سے خارج ہے جن کا وہ تذکرہ کرتے ہیں، یہ وہ چیز ہے جس کا ایک قوم نے اور خاص لوگوں نے مطالبہ کیا تھا۔ اور یہ کہ واقعہ یہ رات میں ہوا تھا۔ رات میں اکثر لوگ سوئے ہوتے ہیں اگر کچھ لوگ جاگتے بھی ہوں تو وہ گھروں اور کونوں میں آرام کرتے ہیں۔ ان کی صحرا میں موجودگی اور بیداری اتفاقیہ اور شاذ شاذ ہے۔ اور یہ کہ یہ واقعہ ایک لحظہ کے لیے واقع ہوا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تمام لوگوں کے لئے اس کے مشاہدہ کی راہ میں رکاوٹیں ہوں۔ مثلاً بادل یا پہاڑ حائل ہوں یا لوگ کسی تفریحی مشغلہ میں ہوں۔ مثلاً قصے کہانیاں وغیرہ سنتے سناتے ہوں۔ اور وہ اس کے دیکھنے سے رہ گئے ہوں۔ اور یہ بات بھی عادتاً بعید ہے کہ لوگ چاند پر ٹکٹکی لگائے بیٹھے ہوں اور ایک لحظہ کے لیے صرف نظر نہ کرتے ہوں۔ ایسی صورت میں اسی وقت متصور ہوسکتی ہے جب کہ انھیں پہلے سے اسے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کے لیے تیار و آمادہ کیا گیا ہو۔ اور ایک تاریخ و وقت مقرر کر کے سارے جہان میں اس کا اعلان و اشتہار دے دیا گیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ چاند اپنی اس منزل میں ہو۔ جس سے افق پر کہیں تو ظاہر ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا۔ گویا کہ ایک قوم کے تو نظروں کے سامنے ہے اور دوسری قوم سے مستور و پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ چاند گرہن اور سورج گرہن میں ہوتا رہتا ہے کہ کسی شہر میں تو دیکھا جاتا ہے اور کسی میں نہیں۔ کہیں کچھ حصہ گرہن کا نظر آتا ہے اور کہیں کچھ حصہ۔ بعض شہر تو ایسے ہوتے ہیں جو گرہن کو جانتے ہی نہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو حساب سے اس علم کے دعویدار ہیں۔ اور یہ کہ اہل حق کے نزدیک دیکھنا یا نہ دیکھنا قدرت الٰہی میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دکھاتا ہے اور جسے چاہتا ہے نہیں دکھاتا۔ مقصود تو محض ان لوگوں کو دکھانا تھا جن سے تحدی کی گئی تھی اور جنہوں نے اس معجزہ و نشانی کا حضور ﷺ سے مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے دیکھ لیا تھا ممکن ہے کہ دوسروں نے دیکھا ہو۔ پھر یہ کہ جب گرد و پیش کے مسافر آئے تو انہوں نے اس کی خبر دی تو اب تمام عالم کے دیکھنے کی کیا حاجت ہے۔

تنبیہ: مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ بعض قصہ گو جو یہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ کے دامن مبارک میں چاند داخل ہو کر آپ کی آستین شریف سے باہر آیا" یہ بے اصل ہے۔ جیسا کہ شیخ بدرالدین زرکشی نے اپنے شیخ عمادالدین بن کثیر سے نقل کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

سورج کا لوٹانا: اب رہا ردِ شمس یعنی غروب ہونے کے بعد سورج کا لوٹانا تو یہ بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اس حالت میں وحی نازل ہوئی جب کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ران پر سر مبارک رکھے ہوئے تھے حضرت علی نے اس وقت تک نمازِ عصر ادا کی تھی۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے علی! کیا تم نے نمازِ عصر ادا کر لی تھی؟ عرض کیا نہیں۔ اس وقت حضور نے مناجات کی اور کہا اے خدا یہ تیرا (علی) تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو تو اس کے لیے سورج کو لوٹا دے۔ اسی وقت سورج لوٹ آیا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد میں نے بعد از غروب طلوع ہوتے بھی دیکھا اور اس کی شعاعیں پہاڑوں اور زمینوں پر پھیل گئیں۔ یہ واقعہ مقام "صہبا" کا ہے۔ اس حدیث کی مکمل بحث' غزوۂ خیبر میں انشاء اللہ آئے گی۔

انگشت ہائے مبارک سے پانی کا چشمہ جاری کرنا: وصل: نبی کریم ﷺ کے مشہور معجزوں میں سے ایک یہ پانی کا معجزہ بھی ہے۔ جو بار بار متعدد مقامات پر اجتماع عظیم کے سامنے رونما ہوا۔ اور یہ اس قدر کثیر سندوں سے مروی ہے جو علم قطعی بتواتر معنوی کا افادہ کرتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی انگشت ہائے مبارک کے درمیان پانی کا چشمہ جاری ہوا ہے۔ ایسا معجزہ کسی نبی کے بارے میں نہیں سنا

گیا۔ اگر چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک کے ذریعہ پتھر پر عصا مارنے سے پانی کے چشمے جاری ہوئے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ انگلیوں سے پانی نکالنا پتھر سے پانی نکالنے کے اعجاز کے مقابلہ میں زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ پتھر سے پانی عادتاً نکلا ہی کرتا ہے۔ بخلاف گوشت پوست اور ہڈیوں سے پانی نکالنا۔ بلاشبہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے حضرت انس، جابر، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے۔ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری و مسلم میں واقع ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز عصر کا وقت آ گیا اور لوگ چاروں طرف پانی کو تلاش کر رہے تھے لیکن پانی نہ پاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی لایا گیا آپ نے اپنا دست مبارک پانی کے برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے چشمہ کی مانند پانی ابل رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ انگلیوں اور اس کے پوروں سے پانی نکل رہا تھا۔ چنانچہ ساری جماعت نے وضو کر لیا لوگوں نے حضرت انس سے پوچھا تم کتنے آدمی تھے۔ فرمایا ہم تین سو اشخاص تھے۔

ابن شاہین کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا مسلمانوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! ہم اور ہمارے اونٹ اور جانور پیاسے ہیں۔ فرمایا تھوڑا بہت جتنا بھی پانی ہو لاؤ۔ وہ لوگ مشکیزوں میں سے جمع کر کے چند گھونٹ پانی لائے آپ نے فرمایا برتن میں لوٹ دو اس کے بعد آپ نے اپنا دست مبارک اس پانی میں رکھ دیا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت ہائے مبارک سے چشمے اُبل رہے ہیں۔ پھر ہم نے اپنے اونٹوں اور جانوروں کو پانی پلایا۔ اور باقی پانی ہم نے مشکیزوں میں بھر لیا۔

بیہقی سیّدنا انس رضی اللہ عنہ' سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا کی جانب تشریف لے گئے وہاں ایک شخص اپنے گھر سے چھوٹا سا پیالہ لے کر آیا۔ حضور نے اپنا دست اقدس پیالہ میں رکھا مگر پورا دست مبارک پیالہ میں نہ آ سکا تو آپ نے اپنی چار انگلیوں کو رکھا۔ انگوٹھا باہر رہا۔ پھر انگشت ہائے مبارک سے پانی بہنے لگا۔ (آخر حدیث تک)۔

بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم سب پیاسے تھے اور حضور کے سامنے ایک چھاگل تھی جس سے حضور وضو فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام نے حضور کے گرد حلقہ ڈال دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے۔ کیوں حلقہ بنائے کھڑے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پانی نہیں ہے جو وضو کریں اور پئیں بجز اس پانی کے جو حضور کے سامنے ہے۔ حضور نے اپنا دست مبارک چھاگل میں رکھ دیا جس سے پانی چشموں کی مانند جوش مارنے لگا۔ پھر ہم نے پانی پیا۔ اور وضو بھی کیا۔ لوگوں نے حضرت جابر سے پوچھا تم کل کتنے آدمی تھے۔ انہوں نے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کفایت کر جاتا لیکن ہم صرف پندرہ سو تھے۔ صحیح مسلم میں سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ' سے حدیث مروی ہے بیان کیا کہ ہم غزوہ بواط میں تھے ہمارے پاس مشکیزہ میں چند قطروں کے سوا پانی نہ تھا اسے پیالہ میں نچوڑا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت ہائے مبارک کو اس پیالے میں پھیلا دیا۔ تو انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مارنے لگا۔ تو پیالہ ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔ حضرت جابر سے امام احمد بیہقی اور ابن شاہین نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

اب رہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث! تو صحیح بخاری میں بروایت علقمہ مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہمارے پاس پانی نہ تھا۔ حضور نے ہم سے فرمایا کہ تلاش کر کے کسی کے پاس سے تھوڑا سا پانی لے آؤ۔ ہم پانی لے کر حضور کے پاس آئے اسے ایک برتن میں ڈالا۔ آپ نے دست مبارک پانی میں رکھ دیا (آخر حدیث تک) یہ حدیثیں اگر چہ ایک ایک صحابی مثلاً حضرت انس سے یا حضرت جابر وغیرہ سے منقول ہیں لیکن وہ تمام حضرات جو اس وقت موجود تھے۔ گویا وہ

سب راوی اور حکایت کرنے والے ہیں۔ اگر وہ اس کا انکار کرتے تو یقیناً ان سے خاموشی ناممکن ہے۔ جیسا کہ انسانی خصلت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت شریفہ ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خبر واحد اگر صحابہ کرام کی جماعت کے سامنے بیان کی جائے اور وہ سب خاموش رہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ گویا وہ سب روایت کرنے والے ہیں۔ (فتدبر)

سوال: اس طرح انگشت ہائے مبارک سے چشمے کے جاری ہونے کے سلسلے میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بطریق متعددہ حدیثیں مروی ہیں۔ اب اس حدیث میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تو پیالہ میں پانی ڈلواتے اس کے بعد اس میں دست اقدس رکھتے جس سے چشمے ظاہر ہوتے کیوں نہ پہلے ہی چشمے جاری ہو گئے۔

جواب: جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی کا ادب ملحوظ تھا۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ ہی بے اصل مادہ ومعدومات کے ایجاد وابداع (یعنی از سر نو کسی چیز کو وجود میں لانے) میں منفرد ویکتا ہے۔ بلکہ پانی اصل معجزہ تھا۔ معجزہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس میں برکت حاصل ہوئی۔ (کذا قالو واللہ اعلم)۔

کم پانی کو زیادہ کرنا: اسی کے مشابہ اور اسی زمرہ میں کم پانی کو زیادہ کرنے اور اس کے جاری کرنے کا معجزہ ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور برکت سے ہوتا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے غزوۂ تبوک کے سلسلے میں مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: تم انشاء اللہ طلوع آفتاب کے وقت چشمہ تبوک پر پہنچ جاؤ گے۔ تم میں سے جو بھی وہاں پہنچے پانی کو ہاتھ نہ لگائے جب تک میں وہاں نہ پہنچ جاؤں۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ جب ہم چشمہ پر پہنچے تو دو آدمی وہاں ہم سے پہلے پہنچے ہوئے تھے۔ اس چشمہ سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا پھر حضور نے ان دونوں سے دریافت فرمایا کیا تم نے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں'' !حضور نے انہیں ملامت فرمائی۔ اور فرمایا خدا جو چاہتا ہے ہوتا ہے۔ صحابہ نے اپنے ہاتھوں سے چشمہ کھودا کہ کچھ پانی اکٹھا ہو جائے۔ پھر اس پانی سے ایسی چیز نکلی جیسے تیز آندھی ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرۂ انور اور دونوں دستہائے مبارک دھوئے اور غسالہ شریف کا پانی اس چشمہ میں ڈال دیا جس سے چشمہ میں پانی بہت ہو گیا۔ اور لوگوں نے پانی پیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس جگہ میں عمارتوں اور باغوں کو دیکھو گے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ یہ خبر دینا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور غیبی خبریں دینے میں ہے۔ اس قسم کے معجزات تو انگنت اور بے حد وشمار ہیں۔

قضیہ حدیبیہ میں آیا ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم چار سو صحابہ کے ساتھ حدیبیہ کے کنویں پر تشریف لائے۔ اس کنویں سے پچاس بکریوں کو بھی پانی نہیں پلایا جا سکتا تھا۔ صحابہ نے اس کنویں کا تمام پانی کھینچ لیا اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں کی ایک جانب تشریف فرما ہوئے۔ ڈول سے پانی نکالا گیا۔ اس سے وضو فرمایا اور اپنے دہن مبارک کا پانی اس میں ڈالا اور دعا فرمائی تو اسی وقت پانی جوش مارنے لگا۔ اور سطح آب بلند ہو گئی۔ پھر تمام صحابہ سیراب ہوئے اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا۔ اور کنویں میں تیر مارا تو پانی جوش مارنے لگا۔ یہاں تک کہ سب سیراب ہوئے۔

حدیث جابر میں بھی ایسا ہی گزرا ہے اور مقام حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے چشمہ آب کے جاری ہونے کی روایت بھی آئی ہے۔ اور ان دونوں قصوں کے درمیان مغائرت ہے۔ علماء دونوں قصوں کو ایک وقت کے ساتھ جمع کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث جابر کا وقت وہ ہے جب کہ نماز کا وقت آیا تو حضور نے وضو فرمایا اور سب سیراب ہوئے اور ڈول کا بقیہ پانی کنویں میں ڈال دیا گیا جس سے اس کا پانی زیادہ ہو گیا اس طرح دونوں روایتوں کی تطبیق کرتے ہیں۔

حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سفر میں اطلاع بخشی اور فرمایا کہ تم رات بھر چلو

گے اور کل صبح انشاء اللہ تعالیٰ تم پانی پر پہنچ جاؤ گے تو لوگ ادھر ادھر پانی کی جستجو میں بھٹکتے رہے۔ اور حضور ﷺ کی مصاحبت کا بھی خیال نہ رکھا۔ اور پانی کی تلاش میں آگے نکل گئے۔ جب رات کا پچھلا پہر آیا تو حضور ﷺ اپنا سر مبارک رکھ کر محوخواب ہو گئے۔ اور صحابہ سے فرمایا: نماز فجر کا خیال رکھنا' یعنی بیدار رہنا اور نماز فجر کے وقت کا انتظار کرنا۔ تاکہ نماز فجر کا وقت فوت نہ ہو جائے مگر وہ سب کے سب سو گئے۔ سب سے پہلے بیدار ہونے والے نبی کریم ﷺ تھے اس وقت جب کہ آفتاب آپ کی پشت مبارک پر دھوپ ڈال رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ۔ یہ شیطان کی جگہ ہے تو سب سوار ہوئے۔ یہاں تک کہ سورج خوب اونچا ہو گیا۔ اس کے بعد پڑاؤ کیا اور پانی کا چھاگل طلب فرمایا۔ یہ میرے پاس تھی۔ اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ نے وضو فرمایا اور باقی ماندہ پانی کی چھاگل مجھے عنایت فرما کر فرمایا اس کو محفوظ رکھنا اس سے ایک عظیم معجزہ رونما ہو گا۔ اس کے بعد حضرت بلال نے نماز کے لیے اذان دی۔ پھر فجر کی نماز ادا فرمائی اور سوار ہو کر چل دیئے۔ جس وقت آفتاب کی گرمی تیز ہو گئی اور ہر چیز تپنے لگی تو ہم نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! ہم پیاس سے مرے جا رہے ہیں فرمایا ''تم پیاس سے ہلاک نہ ہو گے۔ پھر مجھ سے وہ چھاگل طلب فرمائی۔ اس کے دہانہ پر اپنا دہن مبارک رکھا۔ ہمیں معلوم نہیں آپ نے اس میں اپنا لعاب ڈالا یا پھونک ماری (واللہ اعلم) تو چھاگل سے پانی بہنے لگا اور مجھے پلانے کا حکم دیا۔ لوگ ہجوم کر کے آ گئے۔ فرمایا: ہجوم نہ کرو اطمینان رکھو سب کو پانی ملے گا۔ چنانچہ سب سیراب ہو گئے۔ اس قوت ہم تین سو آدمی تھے۔ اس کے بعد میں اور حضور دو ہی آدمی پانی کے پینے سے باقی رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے پانی میری طرف بڑھا کر فرمایا: ''پیو'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب تک آپ نہ پئیں گے میں نہ پیوں گا۔ فرمایا: اِشْرَبْ سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُھُمْ شُرْبًا۔ یعنی قوم کو پلانے والا آخر میں پیتا ہے۔ چنانچہ میں نے پیا اور آخر میں حضور نے پیا۔

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ''جیش عسرت'' کے ضمن میں مروی ہے کہ لوگوں کو پیاس نے اس حال پر پہنچا دیا کہ لوگ اپنا اونٹ ذبح کر کے اس کا اوجھ نچوڑ کر پینے لگے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں دعا کی استدعا کی۔ حضور نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ابھی حضور نے اپنے دست ہائے مبارک کو واپس نہ کیا تھا کہ بارش ہونے لگی۔ اور جس جس کے پاس برتن تھے پانی سے بھر گئے۔ کمال یہ ہے کہ اس بارش نے لشکر کے باہر تجاوز نہ کیا۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو طالب ایک سواری پر سوار سفر کر رہے تھے ابو طالب نے عرض کیا اے بھتیجے مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ اور میرے پاس پانی بھی نہیں ہے حضور اکرم ﷺ سواری سے نیچے اترے اور اپنا قدم مبارک زمین پر مارا۔ زمین سے پانی ابلنے لگا۔ فرمایا اے چچا لو پانی پیو۔

بخاری و مسلم میں حضرت عمر ابن حصین سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے پیاس کی شکایت کی تو آپ نے ان سے فرمایا اور اپنے دو صحابیوں کو بلایا ان میں سے ایک حضرت علی ابن ابی طالب تھے۔ ان سے فرمایا: جاؤ پانی کو تلاش کرو۔ تمہیں ایک عورت ملے گی جس کے اونٹ پر پانی کی دو مشکیں ملیں گی۔ یہ دونوں تلاش میں نکلے اور اس عورت کو پالیا جو پانی کی دو مشکیں لیے ہوئے تھی۔ یہ دونوں اس عورت کو مع پانی کے بارگاہ رسالت میں لے آئے۔ اور اس کے اونٹ سے مشکوں کو اتارا گیا اور حضور نے پانی کے برتن طلب فرمائے۔ اور پانی ان میں لوٹ دیا پھر لوگوں سے فرمایا: آؤ اور پانی پیو اور پلاؤ۔'' وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! حضور ﷺ نے اس عورت کا پانی لوٹایا اور میں نے خیال کیا کہ یہ پہلے سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اس عورت کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے کھجوریں' آٹا اور ستو جمع کر کے اس کی چادر میں باندھ کر اونٹ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد حضور نے اس عورت سے فرمایا: ''جاؤ۔ تم جانتی ہو

ہم نے تمہارا پانی کچھ کم نہیں کیا۔لیکن خدا نے ہمیں اپنی قدرت سے پانی عطا فرمایا۔'' جب وہ عورت اپنے قبیلہ میں پہنچی تو لوگوں سے اس نے کہا میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ دو شخص مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے وہ لوگ اپنا آقا کہتے تھے اس کے بعد اس نے تمام قصہ بیان کیا۔اور کہا خدا کی قسم! یا تو وہ لوگوں میں سب سے بڑا جادوگر ہے یا وہ خدا کا سچا رسول ہے پھر اس نے کہا کیا تم میں سے کسی کو اسلام لانے کی تمنا ہے۔(آخر حدیث تک جو کہ طویل ہے) کذا فی المواہب لدنیہ اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ لوگوں نے اس عورت کا کہنا مانا اور اسلام لے آئے۔(واللہ اعلم) اس ضمن میں احادیث بکثرت ہیں۔احادیث استسقاء بھی اسی زمرہ سے تعلق رکھتی ہیں جن کا ذکر انشاء اللہ اپنے مقام میں آئے گا۔

معجزات وطعام وغیرہ: جس طرح کم پانی کے زیادہ کرنے میں احادیث مروی ہیں اسی طرح کم کھانے کو زیادہ فرمانے میں بھی مروی ہیں۔ یہ دونوں معجزے نبی کریم ﷺ کی تربیت اور مالک نعمت ہونے کے اثرات کو ظاہر کرتے ہیں جس طرح کہ روحانیت کے اعتبار سے آپ عالم جسمانیت میں قلوب وارواح کی تربیت فرماتے اور انہیں کامل بناتے ہیں۔ نیز آپ ہی پرورش فرمانے والے اور جسموں کو کھانا پینا وغیرہ عطا فرمانے والے ہیں۔ بیت

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار   کہ اگر خار وگر گل ہمہ پروردہ تست

حدیث جابر: اس خصوصیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مشہور ہے۔ جسے غزوہ خندق کے ضمن میں بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے پاس آیا ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے کیونکہ میں نے حضور ﷺ کے چہرے پر سخت بھوک کے آثار دیکھے ہیں تو میری بیوی نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع کے قریب جو تھے اور ایک فربہ بکری کا بچہ تھا۔میں نے اسے ذبح کیا بیوی نے جو کا آٹا پیسا۔گوشت بنا کر دیگچی میں چڑھا کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے جو کا آٹا پیسا ہے۔حضور اپنے چند صحابیوں کو لے کر میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔حضور اکرم ﷺ نے باآواز بلند فرمایا۔جابر نے کھانا تیار کیا ہے آؤ ان کے یہاں چلیں۔(اس جگہ حضور نے بوقت اعلان لفظ ''سور'' بضم سین وسکون واو بمعنی طعام استعمال فرمایا یہ لفظ فارسی کا ہے جو کہ بے ساختہ حضور ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوا۔) پھر حضور نے حضرت جابر سے فرمایا: میرے پہنچنے تک دیگچی کو چولہے سے نہ اتارنا اور گوندھے ہوئے آٹے کو یونہی رکھنا۔پھر حضور ایک ہزار صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ہم آٹے اور دیگ کو حضور کے ملاحظہ میں لائے تو حضور نے اپنا لعاب دہن مبارک ان میں ڈالا۔اور برکت کی دعا فرمائی اور میری بیوی سے فرمایا: روٹی پکاؤ اور کسی ایک اور عورت کو اپنے ساتھ ملا لو۔اور دیگ سے گوشت نکالتے رہو مگر میں جھانک کر نہ دیکھنا۔وہ فرماتے ہیں خدا کی قسم ان ہزار آدمیوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور دیگ میں بدستور گوشت جوس مار رہا تھا اور آٹا بھی باقی تھا۔

حدیث انس: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی بخاری ومسلم میں مروی ہے۔وہ فرماتے ہیں: ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے یارسول اللہ ﷺ کی آواز میں سخت نقاہت محسوس کی ہے۔بھوک نے آپ کو بہت نڈھال کر دیا ہے تو کیا کھانے کی کچھ چیز ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ ام سلیم نے جو کی چند روٹیاں نکالیں۔اور کپڑے میں لپیٹ کر مجھے دیدیں۔میں انہیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس بہت سے آدمی جمع تھے۔حضور نے دریافت فرمایا کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے۔میں نے عرض کیا ''ہاں! یارسول اللہ!'' حضور نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اٹھو چلو! اور حضور نے انہیں اپنے ہمراہ لے کر چل دئے۔میں ان سے پہلے چل دیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی اطلاع ابوطلحہ کو دی کہ حضور تشریف لا رہے ہیں۔اس پر

ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا ''اے ام سلیم رسول اللہ ﷺ جماعت صحابہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔اور ہمارے پاس ان چند روٹیوں کے سوا ان کے کھلانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔میں نے ان چند روٹیوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔'' ام سلیم نے کہا خدا او راس کے رسول خوب جانتے ہیں۔یعنی جو کچھ کہ واقعتاً موجود ہے گویا رسول اللہ ﷺ کا ہمارے حال کے علم کے باوجود جماعت صحابہ کے ساتھ تشریف لانا حکمت کے بغیر نہیں ہے۔یقیناً کوئی معجزہ ظاہر ہوگا۔پھر ابوطلحہ رسول اللہ ﷺ کے خیر مقدم اور استقبال کے لیے چل دیے۔رسول خدا نے تشریف لا کر ام سلیم سے فرمایا: ''اے ام سلیم لاؤ جو کچھ تمہارے پاس ہے ام سلیم نے وہی بھیجی ہوئی چند روٹیاں پیش کر دیں۔آپ نے فرمایا: انہیں ریزہ ریزہ کر کے تھوڑا سا گھی ملا کر ملیدہ بنالو اور کسی برتن میں رکھ کر لے آؤ۔پھر حضور اکرم ﷺ نے اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور دعائے برکت فرمائی۔اس کے بعد فرمایا: دس دس کی ٹولیاں بنا کر کھاؤ یہاں تک کہ دس دس کی ٹولیاں آتیں اور خوب شکم سیر ہو کر چلی جاتیں۔تقریباً ستر یا اسی (شک راوی ہے) مسلم کی ایک روایت میں بغیر شک راوی اسی آدمی آئے ہیں۔سب کے بعد حضور نے اور ابوطلحہ کے گھر والوں نے باقی ماندہ ملیدہ کو کھایا۔ایک روایت میں آٹھ آٹھ آدمیوں کی ٹولیاں آیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہوگا۔اس لیے کہ بخاری و مسلم میں اکثر روایتیں دس دس کی ہیں۔(وکذا فی المواہب واللہ اعلم)۔

اور ایک ایک ٹولی کر کے بلانے اور سب کو یکبارگی نہ بلانے کی حکمت میں علماء فرماتے ہیں کہ اگر سب کو یکبارگی بلایا جاتا تو ان کی نظریں کھانے پر پڑتیں اور اسے کم جانتیں اور گمان رکھتیں کہ یہ کافی نہ ہوگا تو ان کی یہ سوئے ظنی برکت کے جانے کا موجب بنتی۔یا یہ وجہ ہے کہ جگہ تنگ ہوگی۔سب کے بیٹھنے کی گنجائش نہ ہوگی۔یا یہ کہ تھالی ایک ہوگی اور جماعت کثیر کی گنجائش دشوار ہوگی۔اور گڑبڑ و اژدھام کا اندیشہ ہوگا۔(واللہ اعلم)۔

حدیث ابو ہریرہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں (جو رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ تھا) جب لوگ بھوک سے بیتاب ہو گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کو حکم فرمایئے کہ جو کچھ بچا کھچا کھانا ہے جمع کر کے لائیں اور حضور ان پر دعائے برکت فرمائیں'' فرمایا ہاں ٹھیک ہے میں دعا کروں گا۔چنانچہ جب حضور نے اعلان فرمایا تو لوگ بچا کھچا توشہ لانے لگے کوئی ایک مٹھی ستو لایا کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا ایک شخص تھا جو ایک صاع (تقریباً ساڑھے چار سیر) کھجوریں لایا۔جب دسترخوان پر یہ تھوڑی چیزیں جمع ہو گئیں تو حضور نے برکت کی دعا فرمائی پھر حکم فرمایا کہ اپنے اپنے توشہ دانوں میں بھر لو تو لشکر اسلام کا کوئی فرد ایسا نہ رہا جس کا توشہ دان نہ بھر گیا ہو سب نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔پھر بھی دسترخوان پر کھانا بچ گیا۔اس غزوہ تبوک میں لشکری (ایک روایت کے مطابق) ستر ہزار تھے۔اور جب حضور اکرم ﷺ نے اس معجزے کا مشاہدہ فرمایا تو راوی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں۔'' فرمایا جو کوئی اس شہادت کے ساتھ حق تعالیٰ سے ملے گا یقیناً اس کا مسکن جنت ہوگا۔

بندۂ مسکین (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ) ثبتہ اللہ فی مقام الصدق والیقین کہتا ہے کہ امت جو مشاہدہ معجزہ کے وقت شہادت دیتی ہے تو وہ نبی کے دعویٔ نبوت میں تصدیق ویقین حاصل ہونے کی وجہ سے ہے۔لیکن نبی کریم ﷺ کا اس مقام میں شہادت دینا کس عالم سے ہے یا تو یہ حضور وغیب کی حالت میں ہے چونکہ یہ دونوں حالتیں متفاوت وجداگانہ ہیں اس میں یقین وایمان کی زیادتی حاصل ہونے کی وجہ سے ہے یا یہ شہادت امت کو تنبیہ وتلقین کے لیے ہے۔(واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)۔

حدیث انس: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام المومنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ام سلیم نے ''حیس'' کا ایک بڑا پیالہ میرے ہاتھ بھیجا۔حیس ایک خاص قسم کا کھانا ہے جسے کھجور، گھی اور ستو وغیرہ ملا کر بنایا جاتا ہے۔ام

سلیم نے انس سے فرمایا: اے انس! اسے حضور ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرو کہ یا رسول اللہ یہ طعام میری والدہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے اور سلام عرض کیا ہے اور حضور سے کم مقدار میں بھیجنے کی معذرت کرنا۔ حضرت انس اسے بارگاہ نبوی میں لائے آپ نے فرمایا رکھ دو۔ اور فرمایا فلاں فلاں لوگوں کی جماعت کو بلاؤ۔ اور نام بنام ارشاد فرمایا اور فرمایا راستہ میں جو بھی ملے اسے بھی بلاتے لاؤ چنانچہ میں نے ہر اس جماعت کو جس کا حضور نے نام بتایا تھا اور ہر اس شخص کو جو راستے میں ملا بلاتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ جب میں واپس آیا تو میں نے کاشانہ اقدس کو لوگوں سے بھرا ہوا دیکھا۔ صحابہ نے حضرت انس سے پوچھا کتنے حضرات ہوں گے؟ بتایا کہ تقریباً تین ہزار ہوں گے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک کو اس حیس کے برتن کے اوپر رکھ کر کچھ پڑھا اس کے بعد دس دس ٹولیوں کو اپنے پاس بلا کر انہیں کھانے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہر شخص بسم اللہ پڑھ کر اپنے آگے سے کھاتا جائے اسی طرح گروہ در گروہ لوگ آتے اور کھا کر چلے جاتے یہاں تک کہ سب کے سب شکم سیر ہو کر فارغ ہو گئے اس کے بعد فرمایا اے انس برتن اٹھا لاؤ۔ میں نے برتن اٹھایا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں حیس رکھتے وقت پہلے زیادہ تھا یا اب اٹھاتے وقت زیادہ تھا۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

حدیث ابوایوب انصاری: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے سیّد عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اتنا کھانا پکایا جتنا ان دونوں حضرات کے لیے کافی ہو۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے ابوایوب انصاری سے فرمایا: اشراف انصار میں سے تین آدمیوں کو بلا لاؤ، تو وہ بلا کر لائے انہیں کھلایا گیا مگر کھانا پھر بھی باقی رہا پھر ساٹھ آدمیوں کو بلایا گیا انھیں بھی کھانا کھلایا گیا لیکن کھانا پھر بھی باقی رہا۔ پھر ستر انصار کو طلب فرمایا۔ انہوں نے بھی آ کر کھانا کھایا اور کھانا باقی رہا۔ ان سب لوگوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو اسلام لا کر اور بیعت کر کے نہ نکلا ہو۔ حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ میرے اس کھانے کو ایک سو اسی آدمیوں نے کھایا تھا۔

حدیث سمرہ بن جندب: حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے خدا کی قسم! ہم نے یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک لوگوں کو کھانا کھلایا۔ دس آدمی کھڑے ہوتے اور دس آدمی بیٹھتے اور کھاتے رہتے۔ کسی نے پوچھا یہ برکت کہاں سے آتی تھی انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا وہاں سے آتی ہے۔ اسے دارمی، ابن ابی شیبہ، ترمذی، حاکم، بیہقی اور ابونعیم نے روایت کیا۔

حدیث عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق: حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سو تیس افراد تھے۔ تقریباً ساڑھے چار سیر آٹا گوندھا گیا اور ایک بکری کا سالن تیار کیا گیا۔ پھر بکری کا جگر گردہ اور دل بھنا گیا۔ خدا کی قسم! ہم ایک سو تیس اشخاص میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جسے حضور اکرم ﷺ نے اس کا ٹکڑا عنایت نہ فرمایا۔ اس کے بعد اس بکری کے سالن کو دو بڑے برتنوں میں رکھا گیا اور سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور دونوں برتنوں میں جو باقی بچا اسے اپنے برتنوں میں بھر کر اونٹ پر لاد لیا۔

دیگر حدیث ابوہریرہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اہل صفہ کو بلا کر لاؤں چنانچہ میں انہیں تلاش کر کے لایا۔ حضور کے سامنے ایک پیالہ کھانے کا رکھا ہوا تھا اسے ہم سب نے خوب سیر ہو کر کھایا جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے تو پیالہ ویسا ہی بھرا ہوا تھا جیسا کہ پہلے رکھا تھا بجز اس کے کہ اس میں انگلیوں کے نشان تھے، حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بہت سخت بھوکا تھا حضور ﷺ کے سامنے پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے ''اصحاب صفہ'' کو بلانے کا حکم فرمایا اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دودھ تو بہت کم ہے کاش مجھے عنایت فرما دیتے تو میں سیر ہو کر پی لیتا۔ لیکن اب شارع علیہ السلام

کے فرمان اور آپ کے حکم کی بجا آوری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تو میں حضور کے حکم سے باہر آیا اور اصحاب صفہ کو بلا کر لے گیا۔ ان سب نے پیا اور بجز میرے اور حضور علیہ السلام کے کوئی باقی نہ رہا۔ پھر پیالہ مجھے عنایت فرمایا۔ سب کے بعد حضور نے پیا اور فرمایا ساقی القوم اخرھم قوم کا ساقی ان کے آخر میں پیتا ہے۔

حدیث علی مرتضٰی: حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت عبدالمطلب کی اولاد کو جمع فرمایا یہ چالیس افراد تھے اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سالم ایک ایک بکرا چٹ کر جاتے تھے اور اس کا شوربہ تک پی جاتے تھے مگر حضور ﷺ نے ان کے لیے صرف ایک برتن کھانے کا تیار کرایا تو ان سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور کھانا اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا۔ پھر ایک پیالہ پانی کا طلب فرمایا ان سب نے پیا اور سیراب ہو گئے۔ لیکن پیالہ میں پانی جوں کا توں رہا۔ اسے الشفاء نے بیان کیا ہے۔

حدیث جابر: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام مالک انصاریہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک کپی گھی بھیجا کرتی تھیں اور وہ اس کپی کو ہمیشہ گھی سے بھرا ہوا پاتی تھیں۔ ایک روز ام مالک کے فرزندوں نے سالن مانگا گھر میں سالن کی قسم سے کچھ نہ تھا تو وہ اس کپی کی طرف گئیں جس میں حضور کو گھی بھیجا کرتی تھیں اور اس میں ہمیشہ گھی ملا کرتا تھا تو انہوں نے اس کپی سے تمام گھی نچوڑ لیا۔ (اس کے بعد اس میں گھی نہ ملا) پھر ام مالک نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی۔ حضور نے فرمایا تم نے اس کپی کو نچوڑ لیا اگر تم اسے نہ نچوڑتیں تو تم اس سے ہمیشہ گھی نکالتی رہتیں۔"

افادہ: بندۂ مسکین (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ کی جو بھی خدمت بجالائے اور آپ کی محبت میں جو کچھ بھی کچھ خرچ کرے اللہ تعالیٰ اپنے دئے ہوئے رزق میں برکت دیتا ہے۔

دیگر حدیث جابر: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضورِ اکرم ﷺ سے کچھ کھانا مانگا۔ حضور نے اسے ساٹھ صاع جو عنایت فرمادئے بعد میں وہ شخص ہمیشہ اپنے بیوی، بچوں اور مہمانوں کے ساتھ اسے کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن اسنے اسے ناپ لیا (تو وہ ختم ہو گیا) پھر اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا فرمایا اگر تم اسے نہ ناپتے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ تمہارے لیے باقی رہتا اور تم اسے کھاتے رہتے۔

افادہ: اہل علم بیان کرتے ہیں کہ کپی سے گھی نچوڑنے اور جو کے ناپنے سے جو برکت جاتی رہی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ نچوڑنا اور ناپنا، اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ رکھنے کے خلاف اور متضمن تدبیر و اخذ بحول وقوت ہے۔ چنانچہ اس کے فاعل کو رد النعمت کے ساتھ سزا دی گئی۔ اسے امام نووی نے بیان فرمایا ہے اور اسی کی مانند وہ نکتہ ہے۔ جس میں دیگ اور آٹے میں نظر نہ ڈالنے کی ممانعت ہے۔ جو تکثیر طعام کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ (واللہ اعلم بالاسرار والحکم)۔

اس سلسلہ میں وہ حدیث بھی مشہور ہے جسے بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ انصاری کے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں روایت کی ہے کہ قرض خواہوں نے اصل رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور کوئی عذر تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ ان کے کھجوروں کے باغ میں اتنی کھجوریں نہ تھیں جن سے ان کی اصل رقم ادا ہو سکتی۔ اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ خوب جانتے ہیں کہ میرے والد روز احد شہید ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے بہت قرضہ چھوڑا ہے۔ میری خواہش ہے کہ حضور کے ملاحظہ میں کھجوریں لائی جائیں لیکن وہ اتنی مقدار میں نہیں ہیں جس سے بار قرض اتارا جا سکے۔) حضور نے فرمایا "جاؤ کھجوروں کی ڈھیریوں کو علیحدہ علیحدہ ایک گوشے میں اکٹھا کر لو۔" چنانچہ جیسا کہ فرمان تھا اس کے مطابق میں نے کیا۔ پھر میں حضور کو لے کر چلا۔ جب

قرض خواہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو میرے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ جب حضور نے ان کو دیکھا تو آپ نے کھجوروں کی ڈھیریوں کے چاروں طرف چکر لگایا اور سب سے بڑی ڈھیری کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا ''اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ'' پھر حضور نے ان کو ناپ ناپ کر دینا شروع فرمایا یہاں تک کہ میرے والد مرحوم کا بار قرض اتر گیا اور میں خوش تھا کہ میرے والد کی امانت ادا کر دی جائے خواہ میری بہنوں کے لیے کوئی چیز باقی نہ رہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نو بہنیں تھیں۔ جن کو ان کے والد ماجد نے چھوڑا تھا۔ حضور نے اس بڑے ڈھیر ہی سے سب کا مطالبہ پورا فرما دیا۔ اور باقی تمام ڈھیریاں یوں ہی رہ گئیں۔ اور میں نے جب اس بڑے ڈھیر پر نظر ڈالی جس پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے تو وہ بھی جوں کا توں تھی۔ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں معلوم دیتی تھی۔ اس وقت تمام قرض خواہ بھی تعجب کرنے لگے۔

دیگر حدیث ابو ہریرہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ سخت بھوک میں مبتلا تھے۔ حضور ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارے پاس کچھ ہے عرض کیا ''ہاں'' یا رسول اللہ! توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں فرمایا انہیں میرے پاس لے آؤ۔ پھر حضور نے اپنا دست مبارک توشہ دان میں ڈالا اور ایک مٹھی کھجوریں نکال کر برکت کی دعا مانگی۔ پھر دس دس آدمیوں کو بلایا یہاں تک کہ تمام لشکر سیر ہو گیا۔ اس کے بعد حضور نے مجھ سے فرمایا: ''جو کچھ تم لائے تھے اسے لے جاؤ اور حفاظت سے رکھ لو جب تمہیں ضرورت ہو اس توشہ دان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرنا۔ نہ کبھی اسے شمار کرنا نہ کبھی توشہ دان کو الٹ کر جھاڑنا۔'' تو میں نے جتنا لایا تھا اس سے زیادہ پایا۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی تمام مدت حیات اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک کھایا اور کھلاتا رہا۔ پھر جب حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور میرے گھر کو لوٹا گیا تو وہ توشہ دان مجھ سے جاتا رہا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کتنے ہی وسق اس سے کھجوریں نکال کر راہ خدا میں تقسیم کی ہیں یا اونٹ پر لاد کر دی ہیں۔ خیال رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع ساڑھے چار سیر کا۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ توشہ دان میں کل کھجوریں دس دانوں سے زیادہ نہ تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ اکیس دانوں سے زیادہ نہ تھیں۔ (واللہ اعلم)

روضۃ الاحباب میں اس ضمن میں ایک بیت بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِیْ فِی الْیَوْمِ هَمَّانِ — هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمّ الشَّیْخ عُثْمَانَ (واللہ اعلم)

مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اونٹوں پر کھجوریں بار کرنے کا حکم فرمایا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں کھجوروں سے چار سو اونٹوں کو بار کر دیا اور وہ کھجوریں یوں ہی رہیں گویا ان میں سے ایک دانہ کم نہ معلوم ہوتا تھا۔

غرضیکہ تکثیر طعام کے سلسلے میں بکثرت حدیثیں ہیں۔ ان میں بالاتر غزوہ تبوک کی حکایت ہے کہ بچے کھچے کمتر زادراہ کو ایسی برکت عطا فرمائی کہ ستر ہزار لشکری اس سے نہ صرف شکم سیر ہوئے بلکہ اپنے اپنے برتنوں کو میں بھی محفوظ کر لیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سید کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کی برکتوں سے محروم نہ رکھے اور فقر و فاقہ کو حضور ﷺ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے متبدل فرما دے۔ (آمین) اس وقت مجھے وہ حکایت یاد آ گئی کہ مکہ مکرمہ زادہا اللہ تعظیماً وتکریماً کے بازار میں ایک ککڑی فروش اپنی ککڑیوں پر پانی چھڑکتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا:

یَا بَرکۃ النبی تعالٰی وانزلی ثم تر تحلی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

حیوانات کا کلام اور اطاعت بجالانا

جس طرح انسان پر حضور اکرم سیّد عالم ﷺ کے احکام اور آپ کے دین وشریعت کی اطاعت' فرمانبرداری اور امتثال امر واجب وفرض ہے اسی طرح جانوروں کو بھی حضور کا مطیع وفرماں بردار کیا ہے۔ کیونکہ سعادت مندی کا طغرہ انسانوں میں سے اہل ایمان کو حاصل ہوا۔ اسی طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بطریق اعجاز وخرق عادات' تمام حیوانات کو آپ کا مطیع ومنقاد بنایا۔ اسی بنا پر ارباب تحقیق واہل باطن فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت تمام حیوانات' نباتات' جمادات اور ساری مخلوق کی طرف ہے لیکن چونکہ وہ دائرہ عقل اور امر ونہی کی تکلیف سے خارج ہیں اس لیے ان سے بجز طاعت وایمان اور صدق رسالت کی شہادت کے کچھ اور مقصود نہیں اور وہ معصیت سے موسوم نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ آدمی ہوتے ہیں۔

<u>کلام حیوانات</u>: اب رہا حیوانات میں معجزات کا ظہور! تو ان میں سے ایک تو اونٹوں کا سجدہ کرنا اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں اپنی شکایتیں پیش کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر ایک اہل بیت انصار اونٹوں کو پالتے تھے ان میں سے ایک نے سیّد عالم ﷺ کی بارگاہ میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی لاد کر لاتے ہیں اب وہ سرکشی وسختی کرنے لگا ہے۔ اور وہ اپنی پشت پر بوجھ لادنے سے ہمیں منع کرتا ہے۔ ہمارے نخلستان اور باغات سب پیاسے ہیں۔ اس پر حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اٹھے اور اونٹ کی جانب تشریف لے چلے۔ جب باغ میں پہنچے اور کھڑے ہوئے تو اونٹ اس کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انصار عرض کرنے لگے یا رسول اللہ یہ ہے وہ اونٹ جو کتوں کی مانند کاٹتا ہے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں حضور کی ذات ستودہ صفات کو بھی یہ گزند نہ پہنچائے۔ فرمایا میرا کوئی خوف نہ کرو۔ پھر جب حضور ﷺ اونٹ کے سامنے آئے تو اس نے اپنا سر اٹھایا دیکھتے ہی سر کو آپ کے آگے سجدہ میں رکھ دیا۔ پھر حضور نے اونٹ کی پیشانی کے بال پکڑے اور اسے کام میں لگا دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ حیوان لایعقل یعنی بے سمجھ جانور ہے جب یہ آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم تو زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کسی بشر کو یہ نہ چاہیے اور نہ یہ اسے سزاوار ہے کہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے۔ اگر جائز ہوتا کہ ایک بشر دوسرے بشر کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کے عظیم حقوق کی بنا پر اسے سجدہ کریں اسے امام احمد ونسائی نے روایت کیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس مقام میں حضور ﷺ نے فرمایا آسمان وزمین میں کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو یہ نہ جانتی ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ بجز نافرمان جنات وانسان کے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ وہ لوگ اس اونٹ کو ذبح کرنا چاہتے تھے تو اونٹ نے حضور اکرم ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اونٹ نے حاضر ہو کر اپنی گردن کو حضور کے سامنے رکھ دی اور اپنی آواز میں فریاد کرنے لگا اس کے بعد حضور نے اس کے سر کے بال پکڑ کے اٹھایا اور اس کے مالک سے فرمایا: اس اونٹ کو میرے ہاتھ فروخت کر دو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے لیکن یہ اونٹ گھر والوں کے لیے ہے ان کے لیے اس کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے فرمایا یہ اونٹ کام کی زیادتی اور چارہ کی کمی کی شکایت کرتا ہے۔ تم اس کے ساتھ نرمی برتو اور اس کے حقوق کا خیال رکھو۔ یہ حدیث بطریق متعددہ بالفاظ مختلفہ مروی ہے اور صحیح ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک بکری تھی۔ اس نے حضور کو سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم زیادہ سزاوار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ فرمایا ''کسی بشر کو زیبا نہیں کہ وہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے (آخر حدیث تک)

ایک مرتبہ ایک اونٹ نے نبی کریم ﷺ کے حضور آ کر اپنی قوم کی شکایت کی کہ وہ نماز عشا پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ حق تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرے حضور نے اس قوم کو بلایا اور انہیں نماز عشا سے پہلے سو جانے کی ممانعت فرمائی۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک بکری تھی جب حضورِ انور ﷺ ہمارے یہاں خواب استراحت فرماتے تو وہ بکری خاموش پرسکون اور آرام وچین سے رہتی اور حضور باہر تشریف لے جاتے تو وہ بکری پریشان و بے قرار اور متوحش بن کر ادھر ادھر ماری ماری پھرتی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورِ انور ﷺ جب اونٹوں کی قربانی فرماتے تو ہر اونٹ ایک دوسرے کو ہٹا کر حضور کے قریب آنے کی کوشش کرتا تاکہ حضور پہلے اسے ذبح فرمائیں۔

مروی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک ام معبد کی بکری کے تھنوں پر پھیرا جن کا دودھ خشک ہو گیا تھا وہ اسی وقت دودھ سے لبریز ہو گئے۔ آپ نے انہیں دوھ کر خود بھی پیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا۔ ام معبد کی اس بکری کا مشہور قصہ انشاء اللہ باب ہجرت میں تفصیل سے آئے گا۔ اس قسم کی چند حدیثیں تکثیر طعام میں بھی ذکر کی گئیں ہیں اور حیوانات کی اطاعت وفرمانبرداری میں بھی مذکور ہیں۔

<u>کلام گرگ</u>: اسی ضمن میں بھیڑیئے کا کلام کرنا اور حضورِ اکرم ﷺ کی رسالت پر شہادت دینے کا واقعہ بھی ہے۔ بھیڑیئے کے کلام کرنے کی حدیث کو جماعت صحابہ نے بطریق متعددہ روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمتہ اللہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیا ایک بکری پر جھپٹا اور بکری کو اپنے چنگل میں لے لیا لیکن چرواہے نے دوڑ کر بکری کو اس کے چنگل سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد درندوں کی عام عادت کے مطابق بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا ''چرواہے تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ تو میرے اس رزق کو چھینتا ہے جسے خدا نے میرے قبضہ میں دیا تھا'' چرواہے نے کہا ''سبحان اللہ تعجب ہے کہ بھیڑیا آدمیوں کی مانند بات کرتا ہے۔'' اس پر بھیڑیئے نے کہا کیا تجھے اس سے تعجب خیز بات بتاؤں کہ محمد ﷺ مدینہ منورہ میں لوگوں کو گزری ہوئی باتوں اور خبروں کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اور لوگ ہیں کہ آپ پر ایمان نہیں لاتے۔'' پھر تو چرواہا ان بکریوں کو ایک گوشے میں اکٹھا کر کے چھوڑ کر چل دیا۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور حضور کو تمام احوال سنایا اس پر حضور نے لوگوں کو بلانے کے لیے اعلان عام کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہوئے تو حضور نے چرواہے سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے سنا اور دیکھا ہے انہیں بتاؤ۔ اسی طرح بیہقی نے سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بسند صحیح میں مذکور ہے کہ بھیڑیئے نے کہا اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ ایک شخص حرمین کے درمیان کھجوروں کے باغوں میں گزشتہ اور آئندہ کے حالات بتا رہا ہے۔'' یہ چرواہا یہودی تھا۔ تو وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور ایمان لے آیا۔ بعض اسناد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ بھیڑیئے نے چرواہے سے کہا کہ میرے مقابلے میں تیرا حال عجیب تر ہے کہ تو اپنی بکریوں کے ریوڑ پر کھڑا ہے اور ایسے برگزیدہ نبی کو چھوڑے ہوئے ہے جن سے بلند تر اور عظیم المرتبت کوئی نبی حق تعالیٰ نے مبعوث نہیں فرمایا۔ بلاشبہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دئے گئے ہیں۔ اور اہل جنت اور اس کے اصحاب مشرف ہو چکے ہیں۔ اور وہ ان کے شہداء کے منتظر ہیں۔ مطلب یہ کہ جنت کے حور وغلمان اور فرشتے حضور کے اصحاب کا استقبال کریں گے اور وہ منتظر ومشتاق ہیں کہ کب وہ مقتول وشہید ہو کر جنت میں داخل ہوں گے اس کے بعد بھیڑیئے نے چرواہے سے کہا تیرے اور ان کے درمیان بجز اس تو دہ پہاڑ کے کچھ حائل نہیں۔ تو پہاڑ سے حضرت کی بارگاہ میں جا اور اپنے آپ کو خدا کے لشکروں میں شامل کر۔ چرواہے نے کہا پھر بکریاں کون چرائے

گا۔ بھیڑیئے نے کہا میں اس کی نگہداشت کروں گا۔ تو وہ بارگاہِ نبوی میں آیا اور اسلام لایا اور ان میں سے ایک بکری اس نے بھیڑیئے کے لیے ذبح کردی۔

اسی کے مشابہ حضرت ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ سے بھی ایک روایت ہے کہ ایک بھیڑیا ایک ہرن کا پیچھا کررہا تھا۔ جب ہرن حدودِ حرم میں داخل ہوگیا تو بھیڑیا لوٹ گیا لوگ اس پر تعجب کرنے لگے۔ اس پر بھیڑیا نے کہا اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں محمد بن عبداللہ ﷺ تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم لوگوں کو جہنم کی طرف کھینچتے ہو؟ اس پر ابوسفیان نے صفوان سے کہا قسم ہے لات وعزیٰ کی اگر تم اس کا تذکرہ مکہ مکرمہ میں کردو تو مکہ کی عورتیں بغیر مردوں کے زندگی گزاریں اور ابوجہل اور اس کے ساتھیوں سے بھی اسی کی مانند لوگ حکایت کرتے ہیں۔

اسی قبیل سے ضب یعنی سوسمار (گوہ) کی حدیث ہے کہ اس نے کلام کیا اور حدیث مشہور ہے جسے بیہقی نے احادیث کثیرہ میں روایت کیا ہے اور قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ اپنے صحابہ کرام کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ اچانک بنی سلیم کا ایک بدوی گوہ کا شکار کرکے لایا اسے اس نے اپنی آستین میں اسی لیے چھپا رکھا تھا کہ وہ اسے اپنی قیام گاہ میں لے جاکر بھون کر کھائے گا۔ جب اس بدوی نے ایک جماعت کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا جماعت درمیان میں یہ کون شخص ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے گوہ کو اپنی آستین سے نکالا اور کہنے لگا قسم ہے لات وعزیٰ کی میں اس وقت تک ہرگز ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ کی شہادت نہ دے یہ کہہ کر گوہ کو حضور کے سامنے ڈال دیا۔ حضور نے گوہ کو آواز دی اے گوہ! گوہ نے سنجیدہ زبان میں جواب دیا "لبیك وسعدیك۔" حاضر ہوں فرماں بردار ہوں" جسے ساری جماعت نے سنا۔ پھر فرمایا اے گوہ! قیامت میں کون آئے گا؟ گوہ نے جواب دیا ساری مخلوق آئے گی۔ پھر پوچھا تو کس کی عبادت کرتی ہے۔ گوہ نے جواب دیا اس خدائے پاک کی جس کا عرش آسمان میں ہے اور جس کی سلطنت زمین میں ہے اور جس کا دریاؤں پر غلبہ ہے۔ اور جنت میں اس کی رحمت ہے اور جہنم میں اس کا عذاب ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا آپ رسول اللہ رسول رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ وَخَابَ مَنْ كَذَّبَكَ یقیناً وہ کامیاب ہے جس نے آپ کی تصدیق کی اور وہ نامراد ہے جس نے آپ کی تکذیب کی۔ یہ سن کر وہ بدوی اسلام لے آیا۔

کلام آہو: اسی باب سے حدیث غزالہ ہے جسے ائمہ حدیث متعدد طریقوں اور سندوں سے روایت کرکے ایک کو دوسرے سے قوی بناتے ہیں۔ قاضی عیاض نے الشفاء میں اور ابونعیم نے دلائل میں ام سلیم سے روایت کیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ صحرا میں گشت فرمارہے تھے کہ اچانک تین مرتبہ "یارسول اللہ" کی آواز سماعت فرمائی۔ حضور اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے دیکھا ہرنی بندھی ہوئی پڑی ہے اور ایک بدوی چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ آپ نے ہرنی سے دریافت فرمایا "بتا کیا حاجت ہے؟" ہرنی نے کہا مجھے اس بدوی نے شکار کرکے باندھ رکھا ہے۔ میرے دو بچے اس پہاڑ کی کھو میں ہیں اگر آپ مجھے آزاد کردیں تو میں اپنے بچوں کو دودھ پلاکر آجاؤں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تو ایسا کرے گی اور لوٹ آئیگی۔ ہرنی نے کہا اگر میں لوٹ کر نہ آؤں تو خدا مجھے وہ عذاب دے جو محصول لینے والوں پر عذاب کرتا ہے۔" اس پر حضور نے رہا کردیا اور وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئی اور حضور ﷺ نے اسے باندھ دیا۔ جب بدوی بیدار ہوا تو کہنے لگا یارسول اللہ کوئی خواہش ہے؟ فرمایا خواہش یہ ہے کہ تو اس ہرنی کو رہا کردے تو اس بدوی نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ خوش خوش جنگل میں دوڑتی اور چوکڑیاں بھرتی چلی گئی وہ کہتی جاتی تھی "وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

مروی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ ایک لشکر میں جلوہ افروز تھے۔لشکر کے تمام آدمی پیاسے تھے وہ پانی کی جگہ اترے اس وقت ایک ہرنی حضور کے قریب آئی آپ نے اس کا دودھ دوہا۔اور تمام لشکر کو سیراب فرمایا یہ لشکری تقریباً تین سو تھے۔اور حضرت رافع سے جو حضور کے غلام تھے فرمایا اس ہرنی کی نگہداشت کرو اس نے اسے باندھ دیا۔کچھ دیر بعد دیکھا تو وہ بھاگ گئی تھی۔حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْ جَآءَ بِهَا وَهُوَ الَّذِیْ ذَهَبَ بِهَا. جو اسے لایا تھا وہی اسے لے گیا۔

کلام حمار: انہیں میں سے حمار یعنی گدھے کا کلام کرنا ہے۔اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ جب حضورِ اکرم ﷺ نے خیبر فتح کیا تو ایک گدھے نے حضور سے باتیں کیں۔حضور نے گدھے سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام یزید بن شہاب ہے۔اللہ تعالیٰ نے میری جد کی نسل سے ساٹھ ایسے گدھے پیدا فرمائے ہیں جس پر بجز نبی کے کسی نے سواری نہیں کی ہے اور میں یہ تمنا رکھتا ہوں کہ حضور ﷺ کی سواری کا شرف حاصل کروں۔میرے جد کی نسل میں میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے اور آپ کے سوا کوئی نبی بھی اب آنے والا نہیں ہے۔اس نے کہا آپ سے پہلے میں ایک یہودی کے قبضہ میں تھا۔جب وہ مجھ پر سواری کا ارادہ کرتا تو میں قصداً اچھل کود کر اسے گرا دیتا اور اسے اپنے پر سوار نہ ہونے دیتا۔وہ یہودی غصے میں مجھے بھوکا رکھتا تھا۔اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: آئندہ تیرا نام ''یَعْفُوْر'' ہوگا۔یہ یَعْفُوْر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا۔حضورِ اکرم ﷺ جب اسے کسی کو بلانے بھیجتے تو وہ اس کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو جاتا اور اپنے سر سے دروازے کو کوٹتا جب مالک مکان باہر آتا تو وہ اشارہ کرتا کہ رسول اللہ ﷺ نے تجھے بلایا ہے اور وہ اسے لے کر آ جاتا۔جب حضورِ اکرم ﷺ نے رحلت فرمائی تو یَعْفُوْر نے رنج والم اور فراق وجدائی کے غم میں ابوالسہم بن السہان کے کنوئیں میں چھلانگ لگا کو خود کو مار ڈالا۔

تسخیر شیر: اور اسی باب سے شیر کا مسخر ہونا اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا اس کی چاپلوسی کرنا ہے۔جب کہ حضرت سفینہ لشکر سے دور ہو کر راہ بھٹک گئے تھے۔اور انہوں نے شیر سے کہا تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں مجھے راہ بتاؤ تو شیر نے ان کو لشکر تک پہنچا دیا تھا۔

ابن وہب روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ پر جن کبوتروں نے مکہ معظمہ پر سایہ کیا تھا پھر حضور نے ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔اسی طرح غار ثور میں ہجرت کے وقت مکڑی کا جالا بننے اور ان پر کبوتروں کا انڈے دینے کا واقعہ مشہور ہے۔کہتے ہیں کہ غار ثور میں جن کبوتروں نے انڈے دئے تھے اسی کی نسل سے حرم کے کبوتر ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹے سے درخت کو حکم دیا کہ وہ بقدر آدمی بلند ہو کر غار کو چھپا لے اسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے الشفاء میں بیان کیا اور فرماتے ہیں کہ کلام حیوانات اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں حدیثیں بکثرت ہیں۔ان میں سے جو مشہور تھیں اور ائمہ نے ان کا کتابوں میں ذکر کیا تھا۔ہم نے بھی انھیں کا ذکر کر دیا۔

اطاعت نباتات

وصل: جس طرح تمام حیوانات رسول اللہ ﷺ کے مطیع ومنقاد تھے اسی طرح آپ کی فرماں برداری وطاعت میں نباتات بھی ہیں۔اس باب میں حضور ﷺ سے درختوں کا کلام کرنا۔آپ پر سلام عرض کرنا' آپ کی رسالت کی گواہی دینا اور آپ کے حکم کی اطاعت کرنا ہے۔

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب سے میری طرف وحی بھیجی گئی اس وقت سے ہر شجر وحجر مجھ پر السلام علیک یا رسول اللہ عرض کرتا ہے۔

مولائے کائنات سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے بعض اطراف میں چلے‘ راہ میں جو بھی درخت یا پہاڑ ملتا وہ کہتا ''السلام علیک یارسول اللہ'' اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ یہ روایتیں وہ ہیں جو آپ کے ابتدائے عہد کی ہیں۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں گزرا یا یہ کسی اور زمانے کی ہیں۔ (واللہ اعلم)

حاکم نے مستدرک میں باسناد جید سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی سامنے آیا جب وہ حضور ﷺ کے قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا اپنے اہل وعیال کی طرف۔ فرمایا کیا تجھے بھلائی کی رغبت ہے۔ یعنی تو چاہتا ہے کہ نیکی وسعادت اپنے لیے حاصل کرے اس نے پوچھا وہ کیا ہے۔ فرمایا: گواہی دینا اس کی کہ: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ بدوی نے کہا کیا آپ اس پر کوئی شہادت رکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جو کچھ فرمایا کوئی اس کا گواہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ یہ درخت میرا گواہ ہے۔ پھر حضور نے اس درخت کو بلایا جو وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ درخت زمین کو چیرتا ہوا حضور کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ نے اس سے تین مرتبہ شہادت لی اور اس درخت نے گواہی دی۔ اس کے بعد وہ درخت اپنی جگہ پلٹ گیا۔ (آخر حدیث تک) دارمی بھی اسی کی مانند روایت کرتے ہیں۔

غزوہ احد کی لڑائی میں بدنہار کافروں نے رسول اللہ ﷺ کے رخسار مبارک کو گزند پہنچایا اور آپ کے دندان مبارک کو ضرر پہنچایا اور جسم اطہر خون آلود ہو گیا۔ اس وقت حضور ﷺ ایک گوشہ میں تشریف فرما ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر مزاج پرسی کی۔ جبریل نے آپ کو غمگین پا کر عرض کیا۔ کیا پسند فرمائیں گے کہ میں آپ کو ایک ایسی نشانی دکھاؤں جس سے حضور کو تسلی خاطر ہو۔ اس کے بعد جبریل نے اس درخت پر نظر ڈالی جو وادی کے پیچھے تھا۔ اور عرض کیا حضور اس درخت کو بلائیں چنانچہ حضور نے اس درخت کو بلایا تو وہ چلتا ہوا آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جبریل نے عرض کیا اب اسے اپنی جگہ لوٹ جانے کا حکم دیں آپ نے حکم دیا تو وہ لوٹ گیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسبی‘ حسبی‘ مجھے کافی ہے۔ اسے دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حضرت بریدہ اسلمی سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ ﷺ سے معجزہ مانگا تو حضور نے بدوی سے فرمایا: اس درخت سے کہو کہ رسول اللہ تجھے بلاتے ہیں اس درخت نے ادھر ادھر اور آگے پیچھے جنبش کی اور زمین سے اپنی پچھلی جڑوں کو نکالا اور پھر زمین کو چیرتا ہوا اور جڑوں کو گھسیٹتا ہوا حضور کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا السلام علیک یا رسول اللہ! پھر بدوی نے کہا اب درخت کو اپنی جگہ واپس ہونے کا حکم دیجئے تو وہ لوٹ کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اس کے رگ وریشے زمین میں پیوست ہو گئے اور زمین ہموار ہو گئی۔ اس کے بعد بدوی نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ حضور نے اس کی اجازت نہ دی۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے دست مبارک اور قدم شریف کے بوسہ لینے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ حضور نے اس کی اجازت دے دی۔

منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں ایک اونٹ پر سوار تاریک رات میں محو خواب تشریف لیے جا رہے تھے کہ سواری کے آگے بیری کا درخت آ گیا وہ فوراً دو ٹکڑے ہو گیا اور حضور کو سلامتی کے ساتھ گذرنے کی راہ چھوڑ دی۔ اس بنا پر اس واقعہ سے مستفاد اس بیری کے درخت کا نام ''سدرۃ النبی'' ﷺ مشہور و معروف ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں کس طرح جانوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا اس طرح کہ کھجور کی ٹہنی کو بلاتا ہوں۔ وہ گواہی دے گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ وہ ٹہنی درخت سے ٹوٹ کر گر پڑی۔ حضور نے اس ٹہنی سے فرمایا: ''اپنی جگہ قائم ہو جا''۔ تو وہ ٹہنی اٹھ کر اپنی جگہ نصب ہو گئی۔ پھر وہ بدوی اسلام لے آیا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور اپنی جگہ صحیح بتایا ہے۔ حضور کے پاس درختوں کے

آ نے سلام عرض کرنے پھر اپنی جگہ واپس جانے کے سلسلے میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ایک قصیدہ میں ہے۔

جَآءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً   تَمْشِىْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلاَ قَدَمٖ
كَاَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِمَا كَتَبَتْ   فُرُوْعُهَا مِنْ بَدِيْعِ الْخَطِّ فِى اللَّقَمِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے طویل صحیح حدیث مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ایک کھلے صحرا میں پڑاؤ کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے چلے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے پانی کا آفتابہ لیے چلنے لگا مگر کہیں بھی پردہ دار جگہ نہ تھی۔ اچانک وادی کے کنارے پر دو درخت نظر آئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف چل دئے۔ پھر آپ نے ایک درخت کی ٹہنیوں کو پکڑ کر کہا کہ اللہ کے حکم سے میری متابعت کر تو وہ ٹہنیاں آپ کی ایسی پیروی کرنے لگیں۔ جیسے وہ اونٹ جس کے نکیل پڑی ہو متابعت کرتا ہے۔ پھر وہ دوسرے درخت کی طرف کھنچ گیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی ٹہنیوں نے باہم مل کر مجھ سے حضور کو پوشیدہ کر لیا۔ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا اے جابر اس درخت سے کہو کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھ والے درخت سے مل جا تا کہ میں تم دونوں کے پیچھے بیٹھوں۔ میں گیا اور درخت سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہہ دیا تو وہ دوسرے سے مل گیا۔اور حضور ان دونوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔ میں نکل کر باہر آ گیا۔ اور دور جا کر دیکھنے لگا اور دل میں باتیں کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد جو دیکھتا ہوں تو حضور تشریف لیے آ رہے ہیں۔اور وہ دونوں درخت جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ کھڑے ہیں۔

اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے رسولِ خدا کی قضائے حاجت کے لیے کوئی جگہ دیکھی ہے۔ میں نے عرض کیا اس وادی میں لوگوں سے خالی کوئی جگہ نہیں دیکھی ہے۔ کھجوروں کے درخت یا کوئی پتھر دیکھا ہے۔ عرض کیا ہاں قریب قریب کھجوروں کے درخت دیکھے ہیں۔ فرمایا جاؤ ان درختوں سے کہو کہ رسولِ خدا تمہیں حکم دیتے ہیں کہ رسولِ خدا کی قضائے حاجت کے لیے باہم مل جاؤ وہ تمہیں حکم دیتے ہیں اور پتھروں سے بھی یہی کہنا۔ میں گیا اور یہی کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا۔ میں نے دیکھا وہ درخت ایک دوسرے کے قریب ہو گئے اور سنگریزے باہم پیوست ہو گئے۔ پھر جب حضور قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو فرمایا جاؤ ان سے کہو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ اس قسم کے معجزات بکثرت منقول ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے سوال کیا کون سی چیز ہے جو آپ کی رسالت کی گواہی دے فرمایا یہ درخت میری رسالت کی گواہی دے گا۔ پھر فرمایا اے درخت قریب آ۔ وہ درخت قریب آ گیا۔ اور گواہی دی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اعاظم واکابر صحابہ کرام کی ایک جماعت کثیرہ اس قصہ پر متفق ہے اور تابعین مزید ہیں۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

اطاعت جمادات

جس طرح نباتات کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا مطیع و فرماں بردار بنایا گیا اسی طرح جمادات بھی حکم کے مطیع و منقاد ہیں۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے ہیں اور آپ سے باتیں کرتے تھے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے کوئی شجر و حجر نہیں ہے مگر یہ کہ مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اور کہتا ہے ''السلام علیک یا رسول اللہ'' اور حضرت علی مرتضیٰ اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے بھی اس باب میں حدیثیں گزر چکی ہیں۔ اور حضرت جابر سے بھی مروی ہے۔ اسی طرح راہب والی وہ حدیث جب کہ حضورؐ ابو طالب کے ہمراہ قبل بعثت اوائل عمر شریف میں سفر کے لیے نکلے تھے تو کوئی شجر و حجر ایسا نہ تھا جس نے حضورِ اکرم درود شریف کو سجدہ نہ کیا ہو۔ انشاء اللہ یہ قصہ اپنی جگہ آئے

گا۔

صحیح مسلم میں بروایت جابر بن سمرہ مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ بلاشبہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مجھے سلام کرتا تھا۔ میں اسے خوب جانتا ہوں۔لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ پتھر کون سا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حجر اسود ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی پتھر اس کوچے کا ہے جسے زقاق الحجر کہتے ہیں جو کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے ہوئے راستے میں ایک دیوار میں لگا ہوا ہے۔اور لوگ اسے چھو کر برکت حاصل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی پتھر حضور کے گزرنے کے وقت اسلام پیش کرتا تھا۔

شیخ ابن حجر مکی ہاشمی فرماتے ہیں کہ اہل مکہ سے بتواتر منقول ہے کہ وہ پتھر زقاق الحجر میں ہے اور یہی پتھر حضور کو گزرتے وقت سلام کرتا تھا۔اس کے مقابل دوسری دیوار میں حضور ﷺ کی کہنیوں کا نشان ہے جو ایک پتھر میں بنا ہوا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے پتھر اور لوہا نرم کر دیا گیا ہے۔اور مکہ مکرمہ کے اس پہاڑ میں جہاں حضور ﷺ بکریاں چراتے تھے آپ کے قدم ہائے مبارک کے نشان ہیں۔ (واللہ اعلم)

صاحب مواہب لدنیہ' ابوحفص میانجی سے نقل کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے رہنے والوں میں سے جس سے بھی ملا ہوں اس نے یہی بتایا کہ وہ پتھر جو حضور کو سلام کرتا تھا یہی کوچہ ''زقاق الحجر'' کا پتھر ہے۔

اسی باب میں' رسول اللہ ﷺ کی دعا کے وقت گھر کے ہر در و دیوار اور ستونوں کا آمین کہنا بھی ہے۔ جب آپ نے حضرت عباس اور ان کے فرزندوں کے بارے میں دعا مانگی جسے بیہقی نے دلائل میں اور ابن ماجہ نے مختصر میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کل تم اور تمہارے فرزندان اس وقت تک گھر سے نہ نکلیں جب تک کہ میں نہ آؤں اس لیے کہ مجھے تم سے کام ہے تم سب میرا انتظار کرنا۔ حضور نے نماز چاشت کے وقت ان کے گھر تشریف فرما ہو کر فرمایا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ دریافت فرمایا کیسے صبح کی انہوں نے عرض کیا الحمدللہ صبح بخیر ہوئی۔ فرمایا تم سب مل کر بیٹھ جاؤ اس کے بعد حضور نے ان پر اپنی ردائے مبارک ڈالی اور دعا کی۔ ''اے رب یہ میرے چچا ہیں اور میرے والد کے ہم شبیہ ہیں۔ اور یہ سب میرے اہل بیت ہیں تو ان سب کو آتش دوزخ سے ایسا چھپا جیسا میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے۔'' اس پر گھر کے ہر در و دیوار اور ستونوں نے آمین کہی اور ان سب نے بھی آمین آمین کہی۔

ایک مرتبہ حضرت عقیل بن ابی طالب' حضور کے ساتھ ایک سفر میں پیاسے ہو گئے تو حضور نے ان کو اس پہاڑ پر جس پر حضور جلوہ افروز تھے بھیجا اور فرمایا اس پہاڑ سے کہو کہ پانی دے' وہ پہاڑ گویا ہوا کہ ''تم رسولِ خدا سے کہنا کہ جس دن یہ آیہ کریمہ کہ: فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (اور ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔) نازل ہوئی میں خوف خدا سے اتنا رویا کہ میرے اجزاء میں پانی ہی نہ رہا۔''

اس باب میں ''حنین جذع'' ہے۔ صراح میں حنین کے معنی آرزومندی' نالہ اور اس اونٹنی کی آواز کے ہیں جس سے بچہ جدا کر دیا گیا ہو اور جذع کو بکسر جیم وسکون ذال اس کے معنی درخت کے تنہ کے ہیں اور حنین جذع کی حدیث کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے نقل کیا ہے جو کہ مفید قطع ویقین ہے۔ مواہب لدنیہ میں شیخ تاج الدین سبکی سے منقول ہے کہ شرح مختصر ابن حاجب میں کہا گیا ہے میر نزدیک صحیح یہ ہے کہ حدیث حنین جذع متواتر ہے اور اسے بخاری ومسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے علماء حدیث سے بطرق کثیرہ متعددہ خارج از حد حصر واحصاء روایت کیا ہے کہ یہ متواتر ہے۔ ممکن ہے کسی اور کے لیے یہ غیر متواتر ہو۔ شیخ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں

کہ حنین جذع انشقاق قمر نقل کیا گیا ہے۔ اس کی ہر ایک نقل مشہور شائع ہوئی ہے اور ہر اس شخص کے لیے جو طرق حدیث پر مطلع ہے منید قطع ہے۔ یہ اس کے لیے نہیں جو فن حدیث سے لگاؤ نہ رکھتا ہو (واللہ اعلم)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حنین جذع کا قصہ امور ظاہر سے ہے جسے خلف نے سلف سے ان اکبر آیات اور ابہر معجزات پر محمول کیا ہے۔ جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو جتنا کچھ عطا فرمایا گیا ہے اتنا کسی نبی کو حق تعالیٰ نے نہیں عطا فرمایا۔ اس کے بعد امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا۔ اور ہمارے نبی ﷺ کو حنین جذع کا معجزہ مرحمت فرمایا یہاں تک کہ اس کھجور کے تنہ کی آہ و نالہ کی آواز کو سب نے سنا۔ یہ احیاء موتیٰ کے معجزے سے اعظم و اکبر ہے۔ بعد ازاں انہوں نے صحابہ کے ان علمائے حدیث کی گنتی بیان کی جنہوں نے اسے روایت کیا ہے اور ان کی اسانید وطرق اور روایات کا ذکر فرمایا ہے جو بہت طویل ہے۔

حنین جذع یعنی اُستن حنانہ کا بیان: مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی مسجد شریف کھجوروں کے تنوں پر مسقّف تھی۔ منبر شریف کی تعمیر سے پہلے اس کے ایک تنہ سے ٹیک لگا کر حضور اکرم ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر شریف بنایا گیا تو اسے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس تنہ سے رونے کی آواز سنی گئی۔ جیسے وہ اونٹنی روتی ہے جس کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس کے رونے کی آواز سے ساری مسجد لرز نے اور کانپنے لگی اور اس کی بے قراری اور بے چینی کو دیکھ کر لوگوں کی بھی چیخیں نکل گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ تنہ پھٹ کر ٹکڑے ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا اور اسے چپٹا لیا وہ خاموش ہو گیا۔ اور فرمایا یہ تنہ اس وجہ سے روتا ہے کہ وہ ذکر خدا سے دور ہو گیا۔ اگر میں اسے نہ چپٹاتا تو وہ قیامت تک رسول اللہ کے اظہار غم وحزن میں یوں ہی روتا رہتا۔ پھر فرمایا کہ اسے منبر شریف کے نیچے دفن کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضور اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں یہ ہے کہ اسے حضور نے اپنی طرف بلایا تو وہ زمین کو چیرتا ہوا حاضر ہوا۔ حضور نے اسے چپٹا لیا یہاں تک کہ وہ اس کے مقام میں پہنچا دیا گیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس تنے سے فرمایا: کہ اگر تو چاہے تو تجھے اس باغ میں بو دیا جائے جہاں تو پہلے تھا اور تیرے رگ و ریشے کو مکمل کر دیا جائے اور تیری شاخوں کو تر و تازہ کر دیا جائے۔ اور تجھ سے پھل نمودار ہوں۔ اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت میں جما دیا جائے تاکہ محبوبان خدا تیرے پھل کھائیں۔ اس کے بعد حضور نے اپنے مبارک کانوں کو اس کی جانب کیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ پھر فرمایا وہ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ مجھے جنت میں قائم کر دیا جائے تاکہ محبوبان خدا کو اپنا پھل کھلاؤں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں نہ میں پرانا ہوں گا اور نہ مجھے فنا ہو گی۔ ان باتوں کو برکہ نے بھی سنا جو کہ اس کے قریب تھے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا میں یہی کرتا ہوں اور فرمایا تو نے دار فنا پر دار بقا کو پسند کیا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو فرمایا کرتے اے خدا کے بندو! ایک لکڑی رسول اللہ ﷺ کے شوق میں اتنا روتی ہے تو تم تو اس سے کہیں زیادہ مستحق ہو کہ رسولِ خدا ﷺ کے لقا کے مشتاق بنو۔ بیت

سنگ و گیا ہے کہ در و منفعتی ہست ۔۔۔ بہ ز آدمی داں کہ نہ در د معرفتی نیست

اس حدیث کو بالفاظ مختلفہ بھی روایت کیا گیا ہے لیکن میں نے جتنا کچھ ذکر کر دیا ہے وہ کافی ہے۔

پہاڑ کا کلام کرنا: اس باب میں حضور اکرم ﷺ کا پہاڑ سے کلام فرمانا اور اس کا حضور سے باتیں کرنا ہے۔ حضرت انس

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم جبل احد پر تشریف لے گئے جبل احد مدینہ منورہ کا ایک پہاڑ ہے اور اس کی شان میں واقع ہے کہ: اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ. (احد ایسا پہاڑ ہے جو ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اسے محبوب رکھتے ہیں) جب یہ تینوں حضرات قدس پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ کانپنے لگا اس پر حضور نے اپنا پائے اقدس مار کر فرمایا اے احد اپنی جگہ قائم رہ تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔ اسے امام احمد بخاری ترمذی اور ابوحاتم نے روایت کیا۔

ایک اور حدیث حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''کوہ ثبیر'' بروزن کبیر پر جو کہ منیٰ کا پہاڑ ہے تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق' عمر فاروق اور میں تھا' وہ پہاڑ کانپنے لگا یہاں تک کہ اس کے سنگریزے گڑھوں میں لڑھکنے لگے۔ اس وقت حضور نے اپنا پائے اقدس مار کر فرمایا اے ثبیر اپنی جگہ قائم رہ! تجھ پر نبی و صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔ اسے بخاری' احمد' ترمذی اور ابوحاتم نے روایت کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''کوہ حرا'' بکسر حاء مہملہ جو کہ مکہ مکرمہ کا پہاڑ ہے اس پر تشریف فرما تھے' نزول وحی سے قبل اسی پہاڑ پر مشغول عبادت رہتے تھے اور یہیں سب سے پہلے وحی نازل ہوئی تھی' اس پہاڑ پر حضور کے ساتھ حضرت ابوبکر' عثمان و علی اور طلحہ و زبیر تھے۔ کوہ حرا نے جنبش کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حرا آرام سے رہ' نہیں ہے تجھ پر مگر نبی یا صدیق یا شہید۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے اور ایک روایت میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے سوا تمام عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ کیا تو ''ثبیر'' نامی پہاڑ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھ پر سے اتر جائیے اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر دشمنوں نے آپ کو شہید کر دیا تو حق تعالیٰ مجھ پر عذاب فرمائے گا۔ اس پر کوہ حرا نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھ پر تشریف لے آئیے۔ بشیر اور حرا دونوں مکہ مکرمہ میں آمنے سامنے پہاڑ ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان پہاڑوں کا کانپنا اس قسم کا نہ تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر اس وقت واقع ہوا تھا جب وہ کلمہ میں تحریف و تبدیل کر رہے تھے ان پر پہاڑ کا لرزنا' جھنجھوڑنا اظہار غضب کے لیے تھا۔ یہاں پہاڑوں کا کانپنا طرب و مسرت کے لیے تھا اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام نبوت' صدیقیت اور شہادت کے ذریعہ وضاحت فرمائی۔ کیونکہ یہ موجب سرور اور استقرار جبال ہیں۔

<u>کنکریوں کا تسبیح کرنا</u>: اور اسی باب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر کنکریوں کی تسبیح کرنا ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کو لیا۔ وہ حضور کے دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں۔ اور ہم نے انہیں تسبیح کرتے سنا۔ پھر ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا وہ برابر تسبیح کر رہی تھیں۔ اس کے بعد جب یہ ہمارے ہاتھوں میں آئیں تو ان کی تسبیح بند ہوگئیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے شفاء شریف میں اسی کی مانند حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں بھی وہ اسی طرح تسبیح کر رہی تھیں اس جمال کی تفصیل یہ ہے (جسے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے) کہ ولید بن سوید بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک بوڑھا شخص حضرت ابوذر کے مکان پر آیا جو کہ ربذہ میں تھا۔ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے حضور کو تشریف فرما دیکھا۔ اور آپ کے پاس اس وقت کوئی شخص نہیں تھا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ حضور پر وحی کی حالت طاری ہے تو میں نے سلام عرض کیا۔ حضور نے سلام کا جواب دے کر فرمایا

''اے ابوذر! تمہیں کیا ضرورت یہاں لے کر آئی ہے؟'' میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ'' میں آپ کی ایک جانب بیٹھ گیا۔ اور میں نے حضور سے نہ کچھ دریافت کیا اور نہ حضور نے مجھ سے کچھ دریافت کیا۔ کچھ دیر خاموشی کا عالم رہا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے انھوں نے بھی سلام عرض کیا۔ حضور نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کس واسطے آئے ہو۔ حضرت ابوبکر نے کہا مجھے خدا اور رسولِ خدا لایا تو آپ نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھ جانے کو فرمایا وہ حضور کے روبرو بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے ان سے بھی یہی معاملہ ہوا۔ اور وہ حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے وہ حضرت عمر کے برابر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضور نے کنکریوں کے سات یا نو دانے یا کچھ کم وبیش دست مبارک میں لیے تو وہ کنکریاں حضور کے دست مبارک میں اتنی آواز سے تسبیح کرنے لگیں کہ ہم سب نے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند اس تسبیح کو سنا۔ پھر ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور مجھے چھوڑ دیا۔ وہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں بھی تسبیح کر رہی تھیں۔ پھر ان کو ابوبکر کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح کرنے لگیں۔ جیسا کہ ابوبکر کے ہاتھ میں کر رہی تھیں۔ پھر حضرت عثمان کے ہاتھ میں دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ویسے ہی تسبیح کر رہی تھیں جیسے ابوبکر وعمر کے ہاتھ میں۔ اس کے بعد ان کنکریوں کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے زہری سے روایت کیا اور طبرانی کی حدیث میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کنکریاں ہمارے ہاتھوں میں دی گئیں تو ان میں سے کوئی بھی تسبیح نہ کر رہی تھیں۔ اسی کی مانند مواہب لدنیہ میں ہے۔ اور روضۃ الاحباب میں تمہید ابوشکور سلمی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بھی اس مجلس شریف میں تھے اور ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح کر رہی تھیں۔

تسبیح طعام: اسی باب سے طعام کا تسبیح کرنا ہے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور کھانے کی تسبیح کو سن رہے تھے۔ حضرت امام جعفر بن محمد باقر بن علی زین العابدین سلام اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو جبریل علیہ السلام ایک طباق انگور وانار کا لائے جب حضور تناول فرمانے لگے تو وہ آپ کے دست مبارک میں تسبیح کرنے لگے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر مبارک پر آیہ کریمہ: وَمَا قَدَرُو اللّٰـهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ''انہوں نے اللہ کی قدرت کو اس کی شان کے لائق نہ جانا'' پڑھی اس کے بعد فرمایا۔ جبار وقہار اپنی ذات اقدس کی ثنا میں فرماتا ہے: اَنَـا الْجَبَّارُ اَنَا الْجَبَّارُ اَنَا الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالُ. تو اس پر منبر شریف اتنا لرزا کہ ہمیں خطرہ ہوا کہیں حضور منبر سے نیچے نہ آ رہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جنہیں سیسہ سے پتھر میں جمایا گیا تھا۔ پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ اس چھڑی سے انہیں چھوتے اور فرماتے جاتے ''جَاءَ الْـحَقُّ وَزَهَـقَ الْبَاطِلُ'' اشارہ مکمل بھی نہ ہوتا کہ بت سر کے بل گر پڑتے اور وہ سب کے سب آپ کے دست مبارک کے قہر وسلطنت سے ذلیل وخوار ہوئے۔

شیر خوار بچوں کا بولنا اور شہادت دینا: اور اسی حکم میں شیر خوار بچوں کا بولنا اور ان سے اپنی رسالت کی شہادت لینا ہے۔ حضرت معیقب یمامی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع میں تھا۔ میں اپنے گھر گیا تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ افروز دیکھا اور ایک عجیب بات مشاہدہ میں آئی کہ ایک یمامی شخص ایک نوزائیدہ بچے کو لایا جو اسی وقت پیدا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس بچے نے کہا ''اَنْـتَ مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـهِ'' آپ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: صَدَقْتَ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ تو نے سچ کہا اللہ تیری عمر میں برکت دے۔ اس کے بعد وہ بچہ نہ بولا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا۔ ہم نے اس بچے کا نام "مبارک الیمامہ" رکھا۔ فہد بن عطیہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس ایک غلام کو لایا گیا جو قطعاً بات نہ کرسکتا تھا۔ یعنی گونگا تھا۔ اس سے حضور ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

بیماروں کو تندرست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا

وصل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت اپنے لڑکے کو لائی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا یہ بچہ دیوانہ ہے اور تکلیفیں پہنچاتا ہے۔ جب صبح وشام ہوتی ہے تو یہ میرا وقت خراب کرتا ہے۔ اس پر حضور نے اس بچے کے سینے پر اپنا دست اقدس پھیرا اس نے قے کی اور اس کے پیٹ سے ایک کالے رنگ کا کیڑا نکلا جو چلتا تھا اسے دارمی نے روایت کیا ہے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب کہا ہے شعر

كَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهُ وَاَطْلَقَتْ أَرَبًا مِنْ رِبْقَةِ اللَّمَمِ

قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت اپنے بچے کو جو بالکل گونگا تھا حضور ﷺ کی خدمت میں لائی۔ حضور نے پانی طلب فرمایا۔ اور اس میں کلی فرمائی اور پھر دونوں دست مبارک دھوئے پھر وہ پانی اس بچے کو پلا دیا۔ وہ بچہ اسی وقت گویا اور سمجھدار بن گیا۔ اور تمام لوگوں سے بڑھ کر عقلمند ہوگیا۔

حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ پر روز احد چوٹ لگی۔ یہاں تک کہ آنکھ کا ڈھیلا نکل کر رخسار پر آ گیا۔ حضرت قتادہ حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میری ایک بیوی ہے جو مجھے بہت پیاری ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ زخمی اور مکروہ آنکھ کے ساتھ اس کے سامنے جاؤں۔ اس پر حضور نے اپنے دست مبارک سے آنکھ کو پکڑ کر اس کے حلقے میں رکھا اور فرمایا اے خدا اس آنکھ کو خوب درست فرما دے۔ ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت و بہتر اور بینا تر ہوگئی۔ جب کبھی دوسری آنکھ میں درد ہوتا تو یہ آنکھ اس سے محفوظ رہتی۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند سے منقول ہے کہ وہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ تو اس فرزند نے جواب دیا شعر

اَبُوْنَا الَّذِیْ سَالَتْ عَلَى الْحَدِقِ عَيْنُهُ فَرُدَّتْ بِكَفِّ الْمُصْطَفٰى اَيَّمَا رَدَّ

فَعَادَتْ كَمَا كَانَتْ لِاَوَّلِ اَمْرِهَا فَيَا حُسْنَ عَيْنٍ وَيَا حُسْنَ مَا اَخَذِ

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے انعام دیا اور اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کی۔

طبرانی اور ابونعیم حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے چہرے سے حضورِ اکرم ﷺ کے روئے انور کی تیروں کی بارش میں حفاظت کر رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضور کے لیے ڈھال بنا رکھا تھا۔ بالآخر دشمن کا ایک تیر مجھے ایسا لگا کہ میری آنکھ حلقہ سے باہر نکل پڑی۔ میں نے اپنی آنکھ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کے حضورِ اکرم ﷺ کے جانب دیکھا۔ جب حضور نے میری آنکھ کو میرے ہاتھ میں ملاحظہ فرمایا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ بارگاہ الٰہی میں دعا کرنے لگے اے خدا جیسے اس نے اپنے چہرے سے تیرے نبی کے روئے مبارک کی حفاظت کی ہے اور اسے زخم پہنچا ہے اب اس آنکھ کو اس کی دوسری آنکھ سے بہتر بنا دے۔

ایک روایت میں ہے کہ استسقاء کے مریض نے کسی کو حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے مرض کی شفایابی کے لیے بھیجا۔حضور نے ایک مٹھی خاک دست مبارک میں لے کر اپنا لعابِ دہن اس میں ڈالا اور اس فرستادہ کو دے دیا۔وہ متعجب وحیران ہوا۔اس نے گمان کیا کہ شاید اس سے استہزا فرمایا گیا ہے مگر وہ اس خاک کو لے کر مریض کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ تو مرنے کے قریب ہے اس نے جلدی سے وہ خاک اسے چٹائی۔پھر وہ شفایاب ہو گیا۔

ایک اور شخص تھا جس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں تھیں۔اور اسے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔حضورِ اکرم ﷺ نے اس کی آنکھوں پر دم فرمایا جس سے اس کی دونوں آنکھیں ایسی روشن ہو گئیں کہ وہ اسی سال کی عمر میں سوئی کے ناکہ میں ڈورا ڈال لیتا تھا۔اس قسم کے بے شمار معجزات موجود ہیں۔

غزوۂ خیبر میں حضورِ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ علی مرتضٰی کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض ''موجود نہیں ہیں۔انہیں آشوب چشم ہے۔حضور نے کسی کو بھیج کر انھیں طلب فرمایا اور ان کا سر مبارک اپنے آغوش مطہر میں لے کر دونوں میں تفل یعنی لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی چنانچہ وہ اسی وقت تندرست ہو گئے گویا کہ انہیں درد ہی نہ تھا پھر ان کی دونوں آنکھیں کبھی نہ دُکھیں روزِ خیبر بنی سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر تین بار دَم فرمایا وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی۔اور پھر کبھی اس میں درد نہ ہوا اور زید بن معاذ کے پاؤں پر اس وقت تلوار کا زخم آیا تھا جب کہ انہوں نے کعب بن اشرف کو مارا تھا تو حضور نے تفل فرمایا یعنی تھتکارا۔جس سے اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ابورافع یہودی کو قتل کیا تو چاندنی رات تھی۔جب پاؤں زینہ پر رکھا تو پھسل گیا اور زمین پر گر پڑے جس سے ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔وہ حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔حضور نے اپنا دست مبارک ان کی پنڈلی پر پھیرا۔وہ اسی وقت شفایاب ہو گئے۔اس قسم کے واقعات وحکایات بہت کثرت کے ساتھ مشہور اور کتب حدیث میں مذکور و مسطور ہیں۔

احیائے موتیٰ: اب رہا مردے زندہ کرنے کے معجزات تو بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔اس شخص نے کہا میں اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری اس لڑکی کو جو مر چکی ہے زندہ نہ فرمائیں حضور ﷺ نے فرمایا مجھے ﷺ سکی قبر دکھاؤ۔اس نے اس کی قبر دکھا دی۔ایک اور روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا میں نے ایک لڑکی کو وادی میں ڈال دیا فرمایا مجھے وہ وادی دکھاؤ تو اس نے حضور کو وہ وادی دکھا دی۔پھر حضور نے اس لڑکی کو آواز دی۔لڑکی نے جواب میں کہا لبیک وسعد یک (حاضر ہوں فرماں بردار ہوں) پھر حضور نے اس سے فرمایا: کیا تو دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتی ہے اس نے کہا نہیں خدا کی قسم! یا رسول اللہ! میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ہے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے ماں باپ ایمان لا چکے ہیں اگر تو پسند کرے تو تجھے دنیا میں لوٹا دوں؟ اس نے کہا مجھے ماں باپ کی ضرورت نہیں ہے میں نے اپنے رب کو ان سے بہتر اور مہربان پایا ہے۔

اس حدیث کی روایت دلالت کرتی ہے کہ مشرکین کی اولاد پر (اگر وہ زمانہ فہم سے پہلے مر جائیں تو) عذاب نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے فرزندوں کو زندہ کرنے کا واقعہ ہے۔جب حضورِ اکرم ﷺ ان کے گھر مہمان بن کر تشریف لے گئے تھے حضرت جابر نے ایک بکرا ذبح کیا تھا۔ان کے بڑے لڑکے نے یہ دیکھ کر کہ باپ نے بکرے کو کیسے ذبح کیا ہے اپنے چھوٹے بھائی کو لٹا کر گلے پر چھری پھیر دی۔جب ان کی ماں نے یہ صورت حال دیکھی تو دوڑ کر ان کی طرف آنے لگیں۔بڑے لڑکے نے جب یہ دیکھا کہ ماں آ رہی ہے اس نے بالاخانہ سے چھلانگ لگا دی وہ بھی گر کر مر گیا۔پھر حضور نے ان دونوں بیٹوں کو زندہ فرمایا اس کا تذکرہ

شواہد النبوۃ میں مفصل مذکور ہے۔

اسی طرح احیاء ابوین شریفین ہے یعنی حضورِ اکرم ﷺ کا اپنے والدین کریمین کو زندہ فرمانا اور ان کا ایمان لے آنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لیکن محدثین ان حدیثوں کی صحت میں کلام کرتے ہیں اور بعض متاخرین انھیں ثابت کر کے درجہ اعتبار تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری جوان تھا اس نے وفات پائی اس کی اندھی بوڑھی ماں تھی تو لوگوں نے اس جوان پر کپڑا ڈال دیا۔ اور اس کی ماں سے لوگ افسوس کرنے لگے۔ اس نے پوچھا کیا میرا لڑکا مر گیا؟ لوگوں نے کہا ہاں! وہ کہنے لگی خداوندا! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف اس امید پر ہجرت کی تھی کہ تو میری مدد فرمائے گا۔ اور ہر شدت و سختی میں میری فریاد رسی کرے گا تو اے خدا مجھے اس مصیبت میں نہ ڈال۔ ابھی ہم وہاں سے ہٹے بھی نہ تھے کہ ہم نے مردے کے چہرے سے چادر کو اٹھا کر دیکھا تو وہ زندہ تھا۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔ اسے ابن عدی' ابن ابی الدنیا' بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ یہ اس عورت کا رسول اللہ ﷺ کے حضور میں استغاثہ کرنے کی برکت تھی۔

اسی طرح وہ روایت ہے جو ابی بکر بن ضحاک نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری مرد کا انتقال ہو گیا۔ جب لوگ تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر اٹھا کر لے جانے لگے تو اس نے کہا ''محمد رسول اللہ''۔

اسی طرح مروی ہے کہ زید بن خارجہ انصاری خزرجی اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے اور بیعۃ رضوان میں بھی شریک تھے انہوں نے خلافت عثمانی میں وفات پائی تھی۔ انہوں نے بعد از انتقال کلام کیا اور ان کا کلام محفوظ کر لیا گیا انہوں نے کہا:

اَحْمَدُ اَحْمَدُ فِی الْکِتٰبِ الْاَوَّلِ صَدَقَ اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ الضَّعِیْفُ فِیْ نَفْسِهٖ الْقَوِیُّ فِیْ اَمْرِهٖ فِی الْکِتَابِ الْاَوَّلِ صَدَقَ' صَدَقَ عُمَرُ بْنِ الْخَطَّابِ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ فِی الْکِتَابِ الْاَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ' عَلٰی مِنْهَا جِهِمْ' مَضَتْ اَرْبَعُ سِنِیْنَ وَبَقِیَتْ سَنَتَانِ' اَتَتِ الْفِتَنُ وَاَکَلَ الشَّدِیْدُ الضَّعِیْفَ وَقَامَتِ السَّاعَةُ. کَذَا فِیْ جَامِعِ الْاُصُوْلِ.

مواہب لدنیہ میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن خارجہ سرداران انصار میں سے تھے وہ مدینہ منورہ کی راہوں میں چلتے ہوئے ظہر و عصر کے درمیان کسی جگہ منہ کے بل گر پڑے اور ان کا انتقال ہو گیا۔ انصار عورتوں اور مردوں نے آ کر رونا شروع کر دیا۔ اور وہ اسی حال میں رہے۔ یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کے درمیان ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی خاموش رہو۔ اس کے بعد جب غور کیا تو چادر کے نیچے سے آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے ان کے چہرے اور سینے سے چادر اتار دی تو دیکھا وہ کہہ رہے تھے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِی الامی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِی بَعْدَهٗ وَکَانَ ذٰلِكَ فِی الْکِتٰبِ الاوّل وصدق صَدَقَ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ' اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

اسے ابو بکر ابن ابی الدنیا نے کتاب ''من عاش بعد الموت'' میں روایت کیا ہے۔ انتہی۔

حضرت عبد اللہ بن عبید اللہ انصاری سے منقول ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ میں اس جماعت میں شریک تھا جنہوں نے ثابت بن قیس بن شماس کو دفن کیا تھا اور وہ مکمل طور پر وفات پا چکے تھے۔ اس وقت جب کہ انہیں قبر میں اتار دیا گیا تھا میں نے انہیں یہ کہتے سنا ''محمد رسول اللہ' ابو بکر الصدیق' عمر الشہید' عثمان بن عفان البر الرحیم''۔ پھر جو میں نے غور سے دیکھا تو وہ مردہ تھے۔ اسی طرح الشفاء میں مروی

ہے۔

اگر کوئی شک کرے اور کہے کہ ممکن ہے زندہ ہوں اور کوئی پردہ لاحق ہوگیا ہو اور نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر واقع نہیں ہوا جسے معجزہ کہہ دیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرنا دکھاوا نہیں ہے جسے چھپایا جا سکے اور حضور ﷺ کے ذکر مبارک اور آپ کی مدح وثنا کرنے میں۔ یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کی برکت اور آپ کی عزت کے نتیجہ میں ہے۔ اگر کرامت بھی ہو تو یہ بھی حضور ہی کا معجزہ ہے۔

ابونعیم نے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے اسے سالم کو پخت کیا اور اسے حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے پھر ساری جماعت نے کھایا اور حضور ﷺ نے فرمایا تم سب کھاؤ لیکن اس کی ہڈیاں نہ توڑنا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ان سب ہڈیوں کو جمع فرمایا اور ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ بکری زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کان ہلانے لگی۔

اور بعض ایسے کامل ترین اولیاء کرام ہیں جو حضرت حق جل شانہ کی قدرت کے مظہر ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی متابعت کے شرف سے آپ کے پرتو میں ان سے خارق عادات ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ لوگوں نے ایک مرغ کھایا۔ ایک بزرگ نے اس کی ہڈیوں کو جمع فرمایا اور ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نام لیا مرغ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور چلایا۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ خیبر میں زہر آلو بکری کا کلام کرنے کو بعض علماء احیاء موتی کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایسا کلام ہے جو مجھ سے حق تعالیٰ نے مردہ بکری میں پیدا فرمایا جس طرح کہ شجر و حجر میں حروف و آواز کو حق تعالیٰ پیدا فرماتا ہے۔ اور انہیں بغیر تغیر اشکال اور ان کی ہیئت صوری بدلے بغیر سنواتا ہے۔ شیخ ابوالحسن اور قاضی ابوبکر باقلانی کا مذہب یہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حیات کی تخلیق کی مانند پہلے انھیں پیدا کرتا ہے پھر انھیں قوت گویائی دیتا ہے اور ان کا ظاہر قول یہی ہے۔ (واللہ اعلم)

<u>اجابت دعا:</u> حضور اکرم ﷺ کے معجزات کے انواع و اقسام میں اجابت دعا بھی شامل ہے کتاب الشفاء میں کہا گیا ہے کہ یہ باب بہت وسیع ہے اور حضور ﷺ کی دعا کی قبولیت کسی جماعت کے بارے میں خواہ نفع میں ہو یا ضرر میں بداہۃً متواتر المعنی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لیے دعا فرماتے تو اس کا اثر بیٹوں پوتوں اور پرپوتوں تک پایا جاتا۔ اس باب میں سب سے زیادہ مشہور حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے حضور کا دعا فرمانا ہے۔ انہوں نے دس سال خدمت کی۔ اور ظاہری و باطنی انعام و اکرام سے مخصوص ہوئے ان کو ان کی والدہ حضور ﷺ کی خدمت میں لائیں اور عرض کیا یارسول اللہ یہ آپ کا خادم انس حاضر ہے۔ اس کے لیے دنیا کی فراغت کی دعا فرمائیے یوں تو دینی دعائیں اس بارگاہ کے ہر خاص و عام کے لیے موجود ہیں حضور نے ان کے لیے دعا فرمائی اور کہا خداوندا اس کے مال اور اس کے اولاد میں خوب برکت عطا فرما اور جو نعمتیں تو نے اسے دی ہیں اس میں بھی برکت زیادہ فرما'' حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! میرا مال بہت ہے اور میری اولاد سو بچوں سے زیادہ ہے ایک اور روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں کسی اور کو نہیں جانتا جسے زندگانی کی اتنی عیش و خوشی میسر ہو۔ جتنی کہ مجھے حاصل ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ان دونوں ہاتھوں سے اپنی اولاد کے سو جسموں کو دفن کر چکا ہوں اور اسقاط حمل اور اولاد کی اولاد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے باغ کے کھجور سال میں دو مرتبہ پھل دیتے تھے۔ اسی باب میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا فرمانا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے تھے کہ اگر میں کسی پتھر کو اٹھانے کا ارادہ کرتا تھا تو میں امید رکھتا تھا کہ اس کے نیچے سونا ہوگا۔ ان پر رزق کے دروازے کھول دئے گئے تھے۔ حالانکہ جب انہوں

نے ہجرت کی تھی تو مفلس تھے۔ان کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھالیکن ان کے ترکہ میں سونے کو چھینیوں سے کاٹا گیا۔ان کی چار بیبیوں میں چوتھائی حق کے حساب سے ہر ایک کے حصے میں اسی ہزار اشرفیاں آئیں۔ایک روایت میں ایک لاکھ ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ان کی مطلقہ بیوی سے کچھ اوپر اسی ہزار اشرفیوں پر صلح کی گئی۔اور پچاس ہزار اشرفیوں کی وصیت کی گئی اور یہ سب ان بڑے بڑے خیرات وصدقات کے ماسوا ہیں۔جو وہ اپنی زندگی میں کرتے رہے تھے۔چنانچہ وہ ایک ایک دن میں تیس تیس غلام آزاد کیا کرتے تھے اور ایک مرتبہ تو انہوں نے اپنا پورا کاروان صدقہ کر دیا تھا اس کاروان میں سات سو اونٹ تھے۔جس میں ہر قسم کی جنس تھی۔ان اونٹوں کو اس پر لدے ہوئے مال اور مع ساز وسامان کے صدقہ کیا تھا۔اس کاروان کے صدقے کرنے کا باعث یہ خبر تھی کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت میں ایک محل خریدتے دیکھا ہے اس کے شکرانہ میں انھوں نے پورے کاروان کو صدقہ کر دیا۔(رضی اللہ عنہ)

حضور اکرم ﷺ نے حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے لیے ملکوں پر حکومت کرنے کی دعا فرمائی تھی چنانچہ انہیں امارت وحکومت ملی۔ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا: يَا مُعَاوِيَةُ اِذَا مَلَكْتَ فَاَسْجِحْ اے معاویہ! جب تمہیں حکومت دی جائے تو اپنی عادت وخصلت کو نرم رکھنا۔حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں کہ مجھے اسی روز سے حکومت کی امید وخواہش ہوگئی تھی۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے آپ نے دعا فرمائی جسے حق وتبارک وتعالیٰ نے قبول فرمایا۔آپ نے جس کے لیے بھی اچھی دعا فرمائی وہ ضرور مستجاب ہوئی۔اور دعا کو تیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔حضور ﷺ نے اعزاز اسلام کی خاطر حضرت عمر یا ابوجہل کے لیے دعا فرمائی تھی یہ دعا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول کی گئی۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ایمان لائے ہیں برابر اسلام کو عزت وغلبہ حاصل ہوتا رہا۔

حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں لوگوں پر پیاس کی بیتابی ہوئی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دعا کی استدعا کی اور حضور نے دعا فرمائی بادل نمودار ہوا اور سب کو پانی میسر آ گیا۔استسقا میں حضور ﷺ کی دعا اور بارش کا نزول اور اس کا کھلنا مشہور ومعروف ہے۔

نابغہ جعدی کے لیے دعا فرمائی: لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ. یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کے دانتوں کو نہ توڑے تو ان کا کبھی ایک دانت بھی نہ اکھڑا۔ایک روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کے معاملہ میں سب سے زیادہ خوش نصیب تھے۔جب کوئی دانت گرتا تو اس کی جگہ دوسرا نمودار ہو جاتا وہ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔بعضوں نے اس سے بھی زیادہ کہا ہے۔یہ نابغہ ان پرانے شاعروں میں سے ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا ان کا ذکر آخر کتاب میں درذکر شعراء آنحضرت ﷺ آئیگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ "خداوندا انہیں دین میں سمجھ دے اور تاویل میں ان کی مدد فرما۔" تو وہ جزم امت اور ترجمان قرآن کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔

اور حضرت عبداللہ بن جعفر کے لیے تجارت میں برکت کی دعا فرمائی تھی تو وہ جو بھی خریدتے اس میں انھیں خوب نفع ہوتا۔

اور مقداد کے لیے برکت مال کی دعا فرمائی تو ان کے پاس بکثرت مال رہتا اور اسی طرح غزوہ بن ابی الجعد کے لیے دعا فرمائی تھی۔غزوہ کہتے ہیں کہ میں بازار کے ایک گوشے میں کھڑا ہوتا تھا اور ایک دن میں چالیس چالیس ہزار نفع کماتا تھا۔بخاری کی ان کی حدیث میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مٹی خریدتا تو مجھے اس میں بھی نفع حاصل ہوتا تھا۔ایک مرتبہ حضور ﷺ کی اونٹنی بھاگ گئی تھی آپ نے اسے بلایا اور آواز دی لیکن میں نے اسے پکڑ کر حضور کے سپرد کر دیا۔اس وقت آپ نے مجھے یہ دعا دی تھی۔

حضور نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے لیے اسلام کی دعا فرمائی تو وہ فوراً مسلمان ہوگئی۔ باوجودیکہ وہ پہلے حضور ﷺ کی بہت بدگوئیاں کرتی تھی۔

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے لیے دعا فرمائی کہ وہ گرمی و سردی سے محفوظ رہیں تو ان کی یہ حالت تھی کہ گرمی میں سردی اور سردی میں گرمی کے کپڑے پہنتے تو انھیں گرمی و سردی کچھ نقصان نہ پہنچاتی۔

اور سیّدہ نساء عالم فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لیے دعا فرمائی کہ وہ کبھی بھوکی نہ ہوں۔ تو وہ اس کے بعد کبھی بھوکی نہ ہوئیں۔

اور طفیل بن عمرو نے حضورِ اکرم ﷺ سے اپنی قوم کے لیے کوئی نشانی و کرامت مانگی تو حضور نے ان کے لیے دعا فرمائی اور کہا خداوندا انہیں نور عطا فرما تو ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمکنے لگا اس پر انہوں نے عرض کیا میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اسے مثلہ یعنی برص خیال کرنے لگیں گے تو اسے بدل دیا گیا۔ اور وہ نور ان کے کوڑے کے دستہ میں آ گیا اور رات کی تاریکی میں ان کا کوڑا روشنی دیتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذوالنور یعنی روشنی والے مشہور ہوگیا۔ اور قبیلہ مضر کے لیے دعا کی تو وہ قحط میں مبتلا ہوگئے پھر قریش نے حضور ﷺ سے مہربانی کی خواہش کی تو دعا کی اور قحط دور ہوگیا۔

اور حضور نے کسریٰ کے لیے دعا کی تھی (اس نے حضور کا مکتوبِ گرامی پھاڑ دیا تھا) کہ اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوا تو اس کا کوئی ملک باقی نہ رہا۔ اور دنیا کے نقشے سے فارس کی ریاست ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

اور حضور نے اس شخص کے لیے دعا کی جس نے آپ کی نماز قطع کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی ٹانگوں کو توڑ دے تو وہ بیٹھا رہ گیا۔

ایک شخص کو حضور نے بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا فرمایا داہنے ہاتھ سے کھا۔ اس نے کہا میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا حالانکہ یہ اس نے جھوٹ بولا تھا فرمایا کبھی تو داہنے ہاتھ سے نہ کھا سکے گا تو وہ اپنے داہنے ہاتھ کو کبھی نہ اٹھا سکا۔

اور عتبہ بن ابولہب کے لیے فرمایا خداوندا اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما دے' تو اسے شیر نے پھاڑ ڈالا۔

اور قریش کے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نماز کی حالت میں آپ کی گردن پر اوجھ رکھ دی تھی آپ نے بدعا کی تھی۔ مشہور ہے کہ غزوہ بدر میں یہ سب کے سب مارے گئے اور حکم بن العاص نے ازراہ غرور و تکبر و استہزا حضور کا منہ چڑایا تھا اور اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں فرمایا تو ایسا ہی ہوگا تو وہ ایسا ہی ہوگیا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ اور محلم بن جثامہ کے لیے بدعا فرمائی کہ اسے زمین قبول نہ کرے تو جب وہ قبر میں دابا گیا تو زمین نے اسے نکال باہر کیا۔ متعدد بار ایسا ہی ہوا بالآخر اس کی لاش کو دو گڑھوں میں رکھ کر دیواریں کھینچ دیں لیکن وہاں سے بھی اسے نکال پھینکا گیا۔

عاصی براء بن عامر راہب پر بدعا کی کہ وہ یکہ و تنہا ذلیل و خوار مرے تو وہ ایسا ہی مرا (خدا اور اس کے رسول کے غضب و غصہ سے پناہ مانگنی چاہیے)

صاحب شفا قاضی عیاض رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ یہ باب حصر و احاطہ کرنے سے باہر ہے۔

کرامات و برکات حضور ﷺ وصل: حضورِ اکرم ﷺ نے جن چیزوں کو چھوایا شرف قرب بخشا انہیں کرامات و برکات حاصل ہونے کے سلسلے میں صحیح حدیث میں مروی ہے کہ سیّدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے ایک اطلسی جبہ نکالا اور فرمایا کہ اس جبہ شریف کو نبی کریم ﷺ نے زیب تن فرمایا ہے اور ہم بیماروں کے لیے اس کا دامن مبارک دھو کر پلاتے ہیں تو انہیں فی الفور شفا حاصل ہوتی ہے اور حضور ﷺ کا ایک پیالہ تھا اس میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے تو انہیں شفا حاصل ہوتی۔

اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضورِ اکرم ﷺ کے چند موئے مبارک تھے وہ اسے پہن کر جس جنگ میں شریک ہوتے

تو انہیں فتح ونصرت حاصل ہوتی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر کے کنویں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا تو بعد میں مدینہ طیبہ میں اس سے زیادہ شیریں پانی کسی کنویں کا نہ تھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی زمزم شریف کا ایک ڈول پانی نکال کر لایا آپ نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو وہ مشک سے زیادہ خوشبودار ہو گیا۔

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا امام حسن وامام حسین کے منہ میں اپنی زبان مبارک دی انہوں نے اسے چوسا تو وہ خاموش ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے پیاس سے وہ دونوں رو رہے تھے

اور آپ جن شیر خوار بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن شریف ڈالتے تو یہ انہیں رات تک کافی ہوتا۔ اور وہ بھوک سے نہ بلکتے۔ اس کا تذکرہ حلیہ شریف میں کیا جا چکا ہے اور ام مالک کی حدیث میں ہے کہ ان کے پاس گھی کی کپی تھی جس میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی بھیجا کرتی تھیں تو جب تک انہوں نے اسے نچوڑا نہیں اس میں سے گھی برابر نکالتی رہیں۔ اور وہ کم نہ ہوتا تھا۔

اور اسی دستِ مبارک اور اس کے چھونے کی برکتوں سے یہ ہے کہ ایک یہودی کے لیے آپ نے کھجور کا درخت بویا وہ اسی سال پھل لے آیا۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے قصہ میں ہے کہ ایک یہودی مالک نے چالیس اوقیہ سونا اور تین سو کھجوروں کے درخت اُگانے اور اس کے پھل لانے پر انہیں مکاتب کیا ان تین سو درختوں میں سے ایک کے سوا سب نے پھل دئے۔ اور وہ درخت بھی حضور کے سوا کسی اور نے بویا تھا۔ ابن عبدالبر بیان کرتے ہیں کہ غالباً اسی ایک درخت کو شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بویا تھا۔ اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان نے بویا تھا۔ ممکن ہے کہ دونوں نے مل کر اسے بویا ہو۔ اس کے بعد حضور نے اسے اکھیڑ کر دوبارہ بویا تو وہ اسی سال پھل لے آیا اور مرغی کے انڈے کے برابر سونا لے کر زبان مبارک سے مس فرما کر اس یہودی کو چالیس اوقیہ دے دیا۔ اس کے بعد بھی اس سونے کی ڈلی سے چالیس اوقیہ کے برابر سونا باقی رہ گیا۔ اس طرح حضرت سلمان فارسی مکاتبت سے آزاد ہوئے۔

اور حنش بن عقیل (ایک صحابی) فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ستو کا شربت پلایا۔ اس میں سے کچھ پہلے حضور نے پی لیا تھا اور آخر کار مجھے عنایت فرمایا تھا اور میں نے پیا۔ اس کے بعد ہمیشہ جب بھی بھوک لگتی اپنے میں سیرابی پاتا رہا اور جب گرمی معلوم ہوتی اور پیاس کی شدت ہوتی تو خنکی وٹھنڈک محسوس کرتا۔

آپ کی انھیں برکات سے بکریوں کے دودھ کے واقعات ہیں مثلاً ام معبد اور حضرت انس کی بکریوں کا قصہ اور دائی حلیمہ سعدیہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ ہیں ان کی بکری اور اونٹ کا قصہ یا حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس بکری کا قصہ جسے ابھی تک نر نے چھوا تک نہ تھا۔ اور حضرت مقداد کی بکری کا قصہ وغیرہ۔

آپ کی انہیں برکات میں سے یہ ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کو ایک مشکیزہ کا منہ باندھ کر سفر کے لیے توشہ دیا اور دعا فرمائی۔ جب نماز کا وقت آیا تو وہ اترے اور اس مشکیزہ کو کھولا تو دیکھا اس میں نہایت شیریں دودھ ہے اور اس کا جھاگ دہانے پر موجود ہے۔

اور عمر بن سعد کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور برکت کی دعا کی تو ان کی اسی سال کی عمر ہوئی مگر ہنوز جوان تھے۔ اور بحالت جوانی ہی جہان سے گزر ے۔ صاحب شفا فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بے شمار قصص وحکایات روایت کی گئی ہیں۔

اور قیس بن زید جذامی کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی چنانچہ سو سال کی عمر میں جب کہ ان کا تمام سر سفید ہو گیا تھا مگر وہ حصہ جہاں حضور نے دست مبارک پھیرا تھا سیاہ تھا اور عابد بن عمر روز حنین مجروح ہو گئے تھے تو حضور نے ان کے چہرے کو پاک وصاف فرمایا کر دعا

فرمائی۔ تو ان کا چہرہ ہمیشہ چمکا کرتا تھا۔ اور ''غر'' ان کا نام پڑ گیا۔ اور ایک اور شخص کے چہرے پر حضور نے دست مبارک پھیرا تھا تو اس کا چہرہ ہمیشہ نورانی رہتا تھا۔

اور عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب کے سر پر دست مبارک پھیرا۔ وہ کوتاہ قد تھے حالانکہ ان کے والد طویل قامت تھے۔ پھر حضور نے ان کے لیے برکت کی دعا مانگی تو لوگوں میں ان کا سر طویل، حسین وجمیل اور خوبصورت ہو گیا۔

سیّدہ زینب بنت ام سلمہ کے چہرے پر حضور نے پانی کے چھینٹے دیئے تو ان کا چہرہ ایسا حسین وجمیل ہو گیا کہ کوئی اور عورت ایسے حسن و جمال کی دیکھی نہ گئی کہتے ہیں کہ یہ پانی کے چھینٹے مارنا ازروئے مزاح و ہزل تھا۔ تعالیٰ اللہ وسبحان اللہ! جب آپ کے مزاح وہزل کا یہ حال ہے تو عزم وکوشش اور قصد وارادہ کی کیا تاثیر ہو گی۔ ﷺ۔

اور حضرت حنظلہ بن حذیم کے سر پر حضور نے اپنا دست مبارک رکھا اور برکت کی دعا فرمائی تو ان کا یہ حال تھا کہ وہ لوگ جن کے چہرے متورم ہوتے آتے یا ان بکریوں کو لایا جاتا جن کے تھن متورم ہو جاتے تو حضرت حنظلہ اس مقام سے مس کراتے جہاں حضور نے دست مبارک پھیرا۔ اور اسی وقت ان کا ورم جاتا رہا ایک اور بچے کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اُس کے سر میں گنج تھا وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا اور اس کے بال برابر ہو گئے اور دوسرے بچے جو بیمار و دیوانہ لائے جاتے اور کوئی بچہ بھی کہ جسے دیوانگی اور آسیب ہوتا حضور اس کے سینے پر دستِ مبارک مارتے تو اس کی دیوانگی اور آسیب جاتا رہتا۔

اور عتبہ بن فرقد ایک شخص تھا جس کی کئی بیویاں تھیں اور وہ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر خوشبوئیں ملا کرتی تھیں لیکن عتبہ کی خوشبو ان سب پر غالب رہتی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے عارضہ نملہ کی وجہ سے اس کے شکم اور پشت مبارک پر اپنا دست مبارک پھیرا تھا۔

اور آپ کے دست مبارک کے عظیم ترین معجزات میں ''روز حنین'' ایک مٹھی خاک لے کر کفار کے چہروں پر پھینکنا اور ان شریروں کی آنکھوں میں ڈالنا ہے اور کفار کے غلبہ پانے کے بعد اس معجزے کی وجہ سے ان کو ہزیمت اٹھانا اور بھاگ کھڑا ہونا پڑا۔ اور اس سے اسلام کو کامیابی کی راہ نصیب ہوئی۔

اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے میں حضور اکرم ﷺ کے سواری کرنے کے بعد آپ کی برکت سے اس میں تیزی اور سبک رفتاری پیدا ہو گئی، باوجودیکہ آپ کی سواری سے پہلے وہ گھوڑا انتہائی تنگ گام اور سست رفتار تھا۔ پھر وہ ایسا ہوا کہ چلنے اور مقابلہ کرنے میں کوئی گھوڑا اس کے مماثل نہ تھا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ میں تیزی اور سبکی کا بعد سستی اور ماندگی کے پیدا ہونا بایں وجہ کہ حضور نے اپنا دست مبارک سے سبز ٹہنی کھلائی تھی۔ پھر اس کی یہ حالت ہوئی کہ لگام سے اسے روکا نہ جا سکتا تھا۔

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سست رفتار دراز گوش (گدھے) پر سوار ہونا پھر واپسی کے وقت ترکی گھوڑے کی مانند اس میں تندی وتیزی پیدا ہونا اور کوئی جانور اس کی رفتار کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ گھوڑے کی پشت پر نہیں بیٹھ سکتے تھے جب حضور نے اس کے سینہ پر دست مبارک مارا تو وہ عرب میں سب سے بڑھ کر گھوڑ سوار اور جم کر بیٹھنے والے بن گئے۔

انہیں برکتوں میں سے یہ ہے کہ عکاشہ کو بدر میں ان کی تلوار ٹوٹ جانے کے بعد درخت کی ٹہنی دے دی گئی اور ٹہنی شمشیر برّاں بن گئی۔ پھر اس سے عکاشہ ہمیشہ ہر مواقف اور مشاہدے میں قتال کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مرتدین سے جہاد کرتے ہوئے شہید

ہو گئے۔انہوں نے اس تلوار کا نام ''عون'' یعنی مدد رکھا تھا۔اسی طرح جب روز احد عبداللہ بن جحش کو کھجور کی ٹہنی دی گئی تو وہ اس سے ان لوگوں کو قتل کرتے رہے جن کے ہاتھوں میں تلوار تھی۔

اور قتادہ بن نعمان کو اندھیری رات میں کھجور کی ٹہنی دینا اور اس کا راستہ میں روشن ہو جانا اور انہیں یہ خبر دینا کہ جب تم گھر پہنچو گے تو اس میں سیاہی دیکھو گے تو اس سے سیاہی جھاڑ دینا کیونکہ شیطان ہے۔چنانچہ جب وہ گھر پہنچے تو اس سیاہی کو جھاڑ کر پھینک دیا۔

اور یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حدیث کو بھول جانے کی شکایت کرنا اور انھیں چادر پھیلانے کا حکم فرمانا پھر اپنا دست مبارک اس چادر پر رکھنا اور ملا کر اٹھانے اور سینے سے لگانے کا حکم فرمانا اور انھیں دست مبارک کی برکت سے حفظ علوم کا حاصل ہونا مشہور ہے۔

اطلاع بر علوم غیبیہ

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن ترین معجزات میں آپ کا غیب پر مطلع ہونا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے۔ان علوم غیبیہ کی خبر دینا ہے۔اصالتہً اور بالذات علم غیب' اللہ تعالیٰ عزاسمہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہی علام الغیوب ہے اور وہ علم غیب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور آپ کے بعض متبعین سے ظاہر ہوا ہے خواہ وحی کے ذریعہ ہو یا الہام سے۔اس کے متعلق حدیث پاک میں آیا ہے کہ فرمایا: وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ خدا کی قسم! میں اپنے آپ سے کچھ نہیں جانتا مگر وہ سب کچھ جس کا میرے رب نے مجھے علم مرحمت فرمایا۔

علامہ قاضی عیاض رحمتہ اللہ شفا میں فرماتے ہیں کہ اقتضائے مافی الباب یہ ہے کہ ذاتی طور پر آپ کو یہ علم حاصل نہ تھا۔اور قطعی ویقینی طور پر بعطائے الٰہی آپ کو علم تھا اور یہ علم بحد تواتر پہنچ چکا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مغیبات کی خبریں دینا دو قسم کی ہیں ایک تو یہ کہ قرآن کریم ناطق وشاہد ہے مطلب یہ ہے قرآن کریم گذشتہ وآئندہ کی خبریں دیتا ہے اور گزشتہ وموجودہ امتوں کے احوال اور زمانہ حال کی باتیں بتاتا ہے اور مخلوق کے مبداء ومعاد کے احوال کی اطلاع بخشتا ہے۔

اور دوسری قسم یہ ہے کہ جو آئندہ ہونے والا ہے۔ان کا تذکرہ حدیثوں میں آچکا ہے۔

اب رہا یہ کہ جو کچھ قرآن کریم میں ارشاد ہے تو ان میں سے ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معارضہ قرآن کے وقت اس کی خبر دینا ہے کہ کوئی بھی قرآن کی مانند ایک سورۃ بھی نہیں لا سکتا۔جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ یعنی جو ہم نے اپنے بندہ خاص پر اتارا ہے اگر تمہیں اس میں شک ہے تو تم اس کی مانند ایک سورۃ ہی لے آؤ۔پھر حق تعالیٰ نے فرمایا: وَلَنْ تَفْعَلُوْا وَلَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وہ ہرگز نہ کر سکیں گے اور اس کی مانند نہ لاسکیں گے۔چنانچہ ان کافروں پر اس خبر کی صداقت ظاہر ہو گئی۔جیسا کہ اس کا بیان ''اعجاز قرآن'' کے ضمن میں گزر چکا ہے۔اور انہیں قرآنی غیبی خبروں میں سے ایک یہ ہے جسے قصۂ بدر کے سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ: وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ اور جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہ ہو۔

قریش کے دو گروہ یعنی قافلے تھے ان میں سے ایک میں غنیمت ومال زیادہ تھا اور کانٹا یعنی خطرات کم تھے۔اور دوسرا قافلہ اس کے برعکس تھا اور مسلمان اس قافلہ سے بھڑنا چاہتے تھے جس میں غنیمت زیادہ تھی اور خطرات بھی کم تھے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے جو ان کے

دلوں میں تھا اس کی خبر دی اور فتح وکامرانی اور اپنی نصرت ومدد کا ان سے وعدہ فرمایا۔ یہ سب باتیں دشمن سے مڈبھیڑ ہونے سے پہلے کی ہیں۔ تو یہ سب غیوب کی قسم سے ہیں۔ مکمل واقعہ قصہ بدر کے ضمن میں آئے گا۔

اور انھیں قرآن اخبار بالغیب میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. عنقریب کفار کی جماعت پراگندہ ہو کر پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ یہ آیہ کریمہ بھی کفار وقریش کے اظہار حال میں ہے۔ اور اس کا ظہور روزِ بدر میں ہوا۔ باوجودیکہ ان کی عددی طاقت ہزار سے زیادہ اور ہر قسم کے ساز وسامان سے مسلح تھی اور مسلمانوں میں تعداد تین سو تیرہ سے متجاوز نہ تھی ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیر کے پاس دوسرا حضرت مقداد کے پاس۔ اس کے باوجود حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ اور ان کے بڑے بڑے کافر سرداروں کے قتل پر قدرت دی اور ان کے ساز وسامان کو غنیمت بنایا۔

اور انہیں قرآنی اخبار بالغیب میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ" بہت جلد ہم ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔ یہ روز احد کفار مکہ کی حالت کے اظہار میں ہے باوجودیکہ اس روز انہیں یک گونہ غلبہ ہو چلا تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب وشوکت ڈالا کہ وہ مکہ کی جانب لوٹ پڑے۔ اور لوٹتے ہوئے ابوسفیان جو کہ اس وقت مشرکین مکہ کا سردار تھا آواز بلند کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ (اگر تم چاہو تو آئندہ سال مقام بدر میں پھر نبرد آزمائی ہوگی۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر خدا نے چاہا تو۔ کفار ومشرکین مکہ لوٹ جانے کے بعد راستے میں پشیمان ہوئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ پلٹ کر دوبارہ حملہ کر کے مسلمانوں کا استیصال وخاتمہ کر دیں مگر حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ پلٹ نہ سکے اور مکہ چلے گئے۔

اور انہیں قرآنی اخبار بالغیب میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (الی قولہ) لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ یہ لوگ اپنا غلبہ پانے کے بعد بہت جلد چند سالوں میں مغلوب ہوں گے۔ (یہاں تک کہ) اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا" اس آیت کریمہ کی شان نزول قیصر وکسریٰ کی جنگ ہے۔ جب کسریٰ نے قیصر پر غلبہ پالیا تو مشرکین مکہ کسریٰ کی محبت میں بڑے خوش ہوئے کیونکہ کسریٰ آتش پرست مجوسی تھے اور کتاب نہ رکھتے تھے۔ اور قیصر نصرانی اور اہل کتاب میں سے تھا۔ مشرکین مکہ کہنے لگے کہ ہمارے بھائی یعنی مجوسی تمہارے بھائی یعنی اہل کتاب پر غالب آگئے اس طرح ہم بھی تم مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔ مگر سات سال بعد جس سال حدیبیہ کا غزوہ ہوا کسریٰ پر قیصر غالب آگیا اور فارسیوں اور مجوسیوں کو نکال باہر کیا۔

اور انہیں قرآنی اخبار بالغیب میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اور وہ یہودی کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے کہ ان کوتکوں کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں حق تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے کہ یہودی کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے نہ دل سے نہ زبان سے۔ باوجودیکہ اس پر انہیں قدرت حاصل ہے۔ لہٰذا یہ سب کے سب ایسی غیبی خبریں ہیں کہ جیسا کہ فرمایا گیا ویسا ہی ہو کر رہا۔ اس لیے اگر انہوں نے موت کی تمنا کی ہوتی تو منقول ہوتا۔ اور اس کی شہرت بھی ہوتی۔ اور ایک مرفوع حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ تمنا کرتے تو اسی وقت مرجاتے۔ اور روئے زمین پر ایک یہودی باقی نہ رہتا۔ اگر آئندہ بھی وہ ایسی تمنا کریں گے تو انشاء تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی پاداش میں اسی وقت مرجائیں گے۔ گویا کہ وہ اس کے معترف ہیں کہ اگر تمنا کریں گے تو مرجائیں گے۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے یہود کے بارے میں ارشاد فرمایا: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ یہودیوں پر ذلت وخواری مسلط

کردی گئی۔ چنانچہ یہودی ہر زمان و مکان میں ذلیل ترین کافر ہیں جیسی کہ خبر دی گئی۔

اور انہیں قرآنی اخبار بالغیب میں سے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا۔ جیسی ان سے پہلوں کو دی......

یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کو وعدہ ہے کہ آپ کی امت میں سے زمین میں خلفاء' لوگوں کے امام اور صاحبان امر و صلاح بنائے گا اور ان کے ذریعہ ممالک صلاح پائیں گے۔ اور خدا کے بندے خدا کے حضور عاجزی و انکساری کریں گے۔ اور خوف وخطر کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں مامون و بے خوف بنا کر قوی بنائے گا اور ضعف و بے چارگی کے بعد انہیں حاکم کرے گا بلاشبہ حق وتعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا۔ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اور اللہ سے بڑھ کر ایفائے عہد کرنے والا کون ہے (وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ)

اور حضور اکرم ﷺ اُس جہاں سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے جب تک حق تعالیٰ نے مکہ مکرمہ' خیبر اور بحرین باقی جزیرہ عرب اور زمین یمن کو مکمل نہ فتح کرا دیا اور اطراف شام کے بعض حصوں کے مجوسیوں سے جزیہ لیا اور ہرقل شاہ روم اور حاکم مصر داسکندریہ کہ مقوقس نام ہے انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیشکش اور ہدایہ بھیجے۔ اور عمان ونجاشی اور ملک حبشہ کے بادشاہ ایمان لائے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس جہان سے کوچ فرمایا اور حق تعالیٰ نے آپ کے لیے وہ پسند فرمایا جو اس کے نزدیک حضور ﷺ کی عزت وکرامت کے لائق تھا تو آپ کے بعد قیام امر آپ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ انہوں نے اصلاح احوال کر کے ان لوگوں کو جو حضور کے بعد پریشان اور سست ہو کر بکھر گئے تھے انہیں جمع کر کے قوی بنایا اور ایسی شجاعت برروئے کار لائے جن کا بڑے سے بڑے صحابی میں سے کوئی ایک بھی مقابلہ کی تاب نہ رکھتا تھا اور ان فتنوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا وہ سب توقف کی ہی رائے دے رہے تھے مگر انہوں نے ہمت وشجاعت کی کمر باندھی اور جزیرہ عرب کو پیٹ کے رکھ دیا اور فارس کے ممالک میں حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی' اسلامی عساکر روانہ کر دیئے۔ انہوں نے فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے اور دوسرا لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں زمین شام کی طرف روانہ کر دیا اور تیسرا لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مصر کی جانب بھیج دیا تو شام کے لشکر نے ان زمانے میں بصریٰ' دمشق اور ان کے نزدیکی ممالک خوران وغیرہ میں فتح حاصل کی۔ پھر حق تبارک وتعالیٰ نے ان کو بھی جہان سے بلا لیا اور ان کے لیے وہ پسند فرمایا جو اپنی رحمت ومنت سے اس کے نزدیک بہتر تھا۔ اور اسلام ومسلمانوں پر خدا نے اس الہام کے ذریعہ کرم واحسان فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیام امر کے لیے اپنے بعد حضرت عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین وخلیفہ نامزد فرما دیا تو آپ کے سیرت کی قوت اور عدل کے کمال میں مکمل طریق پر قیام امر ہوا اور بلاد شام مکمل طور پر اور دیار مصر آخر تک اور اکثر بلاد فارس فتح ہوا۔ اور کسریٰ کی شوکت کو توڑ دیا۔ اسے انتہائی ذلیل وخوار کیا۔ اور اس کے ممالک کے تمام گوشوں پر قبضہ فرما دیا۔ قیصر روم کو بلاد شام سے نکال باہر کیا۔ اور قسطنطنیہ تک فتح یابی کے پھریرے اُڑا دیئے اور ان ممالک کی اموال کو راہ خدا میں مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تھی اور وعدہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد خلافت عثمانیہ میں ممالک اسلامیہ کا سلسلہ مشرق ومغرب کے کناروں تک پھیل گیا اور ان کے زمانہ خلافت میں اندلس' قیروان سبتہ اور اس کے متصل بحر محیط کو فتح کر کے مشرقی کناروں میں بلاد چین تک اسلامی سرحدات وسیع ہو گئیں اور کسریٰ کو مار کر ہلاک کیا اور مکمل طور اس کی حکومت فنا کر دی۔

مدائن، عراق، خراسان اور اہواز کو فتح کیا اور مسلمانوں نے ترکوں سے زبردست جنگ کی اور مشرق و مغرب سے خراج آنے لگا۔ یہ سب قرآن عظیم کی تلاوت اور اس کی برکت سے ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی بہت زیادہ اور بے مثال خدمت کی ہے اور ان پر اکثر و بیشتر بلاد اسلامیہ مفتوح ہوئے۔ ان کے بعد خلیفہ مطلق، امام برحق سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوئے لیکن لوگوں نے ان کی قدر و منزلت کو نہ پہچانا اور خلاف و نزاع کی روش کی جانب چل دئے اور ان کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ (فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

اور تورپشتی جو کہ فقہ و حدیث کے علماء میں سے حنفی المذہب گزرے ہیں اپنی کتاب عقائد میں لکھا ہے کہ سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مخالفوں کے تین گروہ ہیں ایک وہ جوان کو پہچان نہ سکا۔ دوسرا وہ جو دنیا کی محبت میں مبتلا رہا تیسرا وہ جس نے اجتہاد میں خطا کی اور فرماتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ حضرت طلحہ و زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسا گمان و اعتقاد نہ رکھنا چاہیے۔

انہیں قرآنی اخبار بالغیب میں سے حق تعالیٰ سبحانہ کا یہ ارشاد ہے کہ:

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ

وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔

یہ ارشاد بالکل عیاں ہے کہ دین اسلام جیسا کہ خبر دی گئی تمام دینوں پر غالب ہے۔ انہیں قرآنی اخبار بالغیب میں سے حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۝

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ بلاد عرب میں کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں اسلام کا حکم داخل نہ ہو چکا ہو۔ (وللہ الحمد)

اور اخبار بالغیب کی وہ دوسری قسم جو کہ حدیثوں میں مروی ہیں کہ ان میں سے ایک وہ روایت ہے جسے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں کوئی ایسی چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے بیان کرنے سے نہ چھوڑی۔ اس میں سے کسی کو کچھ یاد رہا اور کسی نے کچھ بھلا دیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کو بظاہر بھلا چکے ہوتے ہیں لیکن جب وہ سامنے آتی ہے اور اس کو دیکھتے ہیں تو جان لیتے اور بات یاد آ جاتی ہے جیسے کہ وہ شخص جس کا چہرہ عرصہ تک غائب رہا ہو مگر وہ سامنے آتا ہے تو اسے پہچان لیا جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ میرے ساتھیوں نے ان باتوں کو جان بوجھ کر بھلا دیا ہے بلکہ خدا کی قسم! انہیں بھلا دیا گیا ہے۔ یقیناً قیامت تک اٹھنے والے ہر ایک فتنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب واضح اور صاف صاف بیان فرما دیا یہاں تک کہ فتنہ گروں کے نام ان کے باپ کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام تک بیان فرما دئے۔ ابتداً فتنہ گروں کی تعداد تین سو تک ہوگی۔ لیکن ان کے پیرو کاروں کی کوئی حد نہیں۔

(۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی چیز بیان کرنے سے نہ چھوڑی حتیٰ کہ وہ پرندہ جو آسمان میں بازو پھیلاتا ہے اس کا علم بھی ہم سے بیان فرما دیا۔

(۳) صحیح مسلم میں بروایت سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما ذکر دجال کے باب میں مذکور ہے کہ مسلمانوں کو دس سواروں کا رسالہ پہنچے گا۔ میں ان کے ناموں اور ان کے باپوں کے ناموں کو جانتا ہوں۔ اور ان کے گھوڑوں کی رنگتوں کو بھی پہچانتا ہوں۔ وہ روئے زمین پر بہترین

گھوڑسوار ہوں گے۔(۴)اور بلاشبہ ائمہ حدیث نے احادیث صحیحہ میں بیان فرمایا ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے اپنی امت کو خبر دار کر دیا اور ان سے دشمنوں پر غلبہ پانے، مکہ مکرمہ، بیت المقدس، یمن، شام، عراق کے فتح ہونے اور راہ میں ایسا امن و امان کا وعدہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی عورت تنہا حرہ سے مکہ کی جانب سفر کرے تو اسے بجز خدا کے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور مدینہ منورہ میں قیام فرمانا اور حق تعالیٰ کا آپ کی امت پر دنیا کو فتح کرانا اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا ان میں تقسیم ہونا۔ اور کسریٰ و فارس کے جانے کے بعد نہ کسریٰ ہوگا نہ قیصر، اس کی خبر دینا تو کسریٰ اور اس کا ملک تو مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جیسا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے مکتوب گرامی کو پارہ پارہ کیا تھا۔ اور قیصر نے شام سے راہ فرار اختیار کی اور اس کے ممالک اسلامی سرحدوں میں شامل ہوگئے اور مسلمانوں نے اس کے دیگر ممالک کو فتح کیا اور یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ جیسا کہ آئندہ بھی ذکر آئے گا

اور یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے فتنوں کے پیدا ہونے، خواہشات کے پیرو بننے اور گزشتہ یہود و نصاریٰ کی روش پر چلنے اور امت کے تہتر فرقوں میں بٹنے اور ایک فرقہ کی نجات پانے اور عیش و عشرت کے خوگر ہونے اور صبح و شام جدا جدا لباس پہننے، زرق برق پوشاکیں پہننے۔ گھروں میں اچھے فرش وفروش بچھانے، چھت گیریاں اور دیواروں پر پردے لٹکانے جیسے کہ خانہ کعبہ میں لٹکے ہوئے ہیں۔ اترا اترا کر چلنے اور قسم قسم کے کھانے پکانے اور فارس و روم کی لڑکیوں کی مانند عورتوں سے خدمت لینے کی خبر دی ہے اور فرمایا جب وہ ایسا کریں گے تو حق تعالیٰ ان پر عذاب برپا کرے گا اور ان میں جنگ وجدال برپا ہوگا۔ اور نیکیوں کی جگہ بدلوگ لے لیں گے۔ اور نیک لوگوں کو ان کے درمیان سے اٹھا لے گا اور خبر دی کہ یہ وقت اور زمانہ بہت تیزی سے گزر رے گا اور قرب قیامت علم اُٹھ جائے گا اور اہل علم دنیا سے اٹھ جائیں گے اور فتنے ظاہر ہوں گے اور ہرج مرج رونما ہوگا جس کی ابتدا واقعہ عثمان رضی اللہ عنہ سے واقعہ حرہ تک ہے۔ اور واقعہ حرہ شناعتوں میں سب سے بدتر شنیع واقعہ ہے۔ جو کہ یزید کے زمانے میں رونما ہوا۔ اور ہم نے تاریخ مدینہ میں اسے بیان کیا ہے۔

اور مسیلمہ کذاب کی فتنہ وفساد کی خبر دی گئی اور اس کی روایت سے ڈرایا گیا اور فرمایا عرب پر افسوس ہے کہ اس کا نشان قریب آ گیا ہے اور فرمایا میرے لیے زمین کو لپیٹا گیا اور مجھے اس کے مشارق و مغارب دکھائے گئے۔ اور وہ زمانہ نزدیک ہے کہ جہاں تک مجھے زمین کو لپیٹ کر دکھایا گیا وہاں تک میری امت کا قبضہ ہے۔ اور اسی طرح مشرق و مغرب میں مابین ارض ہند کے حکومت دراز ہوگی جو کہ اقصائے شرق سے بحر طنجہ تک ہے جس کے بعد کوئی عمارت یا آبادی نہیں ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں سے کسی کی حکومت اتنی دراز نہ ہوئی نہ جنوب میں اور نہ شمال میں۔

اور فرمایا اہل عرب ہمیشہ حق پر رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔ اہل عرب سے مراد بعض عرب لیتے ہیں اس لیے عرب بعین معجمہ وسکون راء بمعنی دلو یعنی ڈول کے ہیں اور عرب ڈول سے پانی دینے میں مخصوص ہیں۔ کذا قیل اور بعض اہل عرب سے مغربی بلاد مراد لیتے ہیں کیونکہ ان میں کے اکثر لوگ حق پر قائم ہیں اور بعض روایتوں میں اہل مغرب بھی واقع ہوا ہے۔ یہ روایت معنوی اعتبار سے بھلائی اور خیر کے معنی میں۔ اور ایک حدیث میں بروایت ابی امامہ آیا ہے کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم اور دشمنان دین پر قاہر وغالب رہے گی یہاں تک کہ حکم رب یعنی قیامت آ جائے ان کا حال ہمیشہ حق پر ہی ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا بیت المقدس میں۔

اور نبی کریم ﷺ نے بنی اُمیہ کی حکومت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کی خبر دی۔ اور فرمایا آگاہ رہو آخر عمر میں تم میری امت کے حاکم ہوگے اور جب حاکم بنو تو نیکوں کی صحبت اختیار کرنا اور بدوں سے دور رہنا۔ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ مجھے اسی دن سے اُمید ہوگئی تھی کہ میں ملک داری میں مبتلا ہوں گا۔ مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ ابن عسا کر نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: معاویہ کبھی

بھی مغلوب نہ ہوں گے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ روز صفین فرماتے تھے کہ اگر میں اس حدیث کو پہلے سنتا تو میں ہرگز معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔ (واللہ اعلم)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ سے فرمایا: کہ تمہارے شکم میں لڑکا ہے وہ پیدا ہوا تو اسے میرے پاس لے آنا۔ چنانچہ بچے کی پیدائش کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں لائیں تو حضور نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی۔ اور اپنا لعاب دہن مبارک انہیں چٹایا اور ان کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا یہ ابوالخلفا ہیں۔ اور عرب پر ترکوں کے غالب آنے کی خبر دی۔ اور بنی عباس کے سیاہ جھنڈے کے ساتھ نکلنے اور ان کے ملک میں پہنچنے اور زیادہ علاقہ پر قبضہ کرنے اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی قتل کرنے، شدت وسختی کرنے کی خبر دی۔

اور سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے شہید ہونے کی خبر دی۔ اور فرمایا قوم کا وہ شخص بدبخت وبدتر ہے جو ان کے سر اور داڑھی کو خون سے لت پت کرے گا۔ اور فرمایا کہ علی مرتضیٰ جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کو جنت میں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور یہ ان خبروں پر مبنی ہے جو دیگر حدیثوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں مروی ہیں۔ اور کتاب الشفا میں کہا گیا ہے کہ علی مرتضیٰ کے دشمن دو گروہ ہیں ایک خارجی دوسرا ناصبی اور روافض کی وہ جماعت جو ان کی طرف نسبت کرتی ہے۔ علماء ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ (**کذا ذکرہ فی الشفا**)

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے انہیں ایک قسم کی مشابہت ہے کیونکہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمن جانتے اور ان کی والدہ ماجدہ پر بہتان دھرتے ہیں اور نصاریٰ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ انہیں اس مرتبہ تک لے جاتے ہیں جو ان کے لائق نہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک محب مفرط، جو کہ میری تعریف اس حد تک کرے گا جو مجھ میں نہیں ہے اور دوسرا مبغض، کہ جو مجھ سے عداوت رکھے اور مجھ پر بہتان باندھے۔

اور حضور ﷺ نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور فرمایا کہ اس حال میں شہید ہوں گے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہوں گے۔" اور کہتے ہیں کہ بلا آخر ان کا خون قرآن کریم کی آیہ کریمہ: **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ** پر گرا اور فرمایا یہ ظلماً شہید کیے جائیں گے۔ اور خبر دی کہ حق تعالیٰ حضرت عثمان کو ایک قمیص پہنائے گا اور لوگ چاہیں گے وہ اپنے جسم شریف سے اس قمیص کو اتار دیں۔ (قمیص پہنانے سے مراد خلافت ہے) ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور نے حضرت عثمان سے فرمایا: کہ جب حق تعالیٰ تمہیں قمیص پہنائے تو تم پر لازم ہے کہ تم اسے اپنے جسم سے نہ اتارنا اور حضور نے حضرت عثمان کو جنت کی بشارت دی اور اس امتحان کی خبر دی جو انہیں پہنچا۔

اور فرمایا جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ ہیں فتنے ظاہر نہ ہوں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیے جانے کی خبر دی اور فرمایا وہ شہید ہوں گے۔ اور حضرت علی سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جنگ کرنے اور اس کے بعد ان کے پشیمان ہونے کی خبر دی۔ اور ازواج نبی ﷺ میں سے کسی ایک پر مقام "حواب" میں جو مکہ مکرمہ اور بصرہ کے درمیان ایک موضوع ہے کتوں کی آواز بولنے اور وہاں مقتولوں کے انبار لگنے کی خبر دی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ حال گزرا جب کہ وہ بصرہ کی طرف جارہی تھیں جسے "واقعہ جمل" کہتے ہیں۔

اور حضرت عمار بن یاسر کو خبر دی کہ انہیں باغی قتل کریں گے تو ان کو حضرت معاویہ کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ اور یہ خبر تواتر کے قریب ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے فرمایا: تم سے لوگوں کو افسوس ہے اور لوگوں سے تم کو افسوس ہے چنانچہ حجاج کے حکم سے ایسا ہی ہوا۔

اور حضرت ابن عباس سے فرمایا: تم اپنی آنکھ کی بصارت گم کردو گے پھر روز قیامت حق تعالیٰ اسے تمہاری طرف لوٹائے گا۔

حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر دی اور غزوہ موتہ کی جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے فتح پانے کی خبر دی۔ حالانکہ موتہ ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔

اور قرنان (بضم قاف وسکون راء) ایک شخص تھا جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا تو اس کے جہنمی ہونے کی خبر دی اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک جنگ میں اس نے اتنی پامردی سے جنگ لڑی کہ لوگ حیران رہ گئے اور غالباً بعض صحابہ کو حضور کا اس کے بارے میں جہنمی ہونے کی خبر دینے پر شک بھی گزرا۔ بالآخر وہ زخموں سے چور ہوگیا اور تکلیف سے بے تاب ہوگیا تو اس نے اپنی تلوار سے اپنے آپ کو مار ڈالا۔ جب لوگوں نے اس کی خبر حضور کو پہنچائی تو فرمایا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

اور حضور نے ایک جماعت سے فرمایا: جن میں حضرت ابوہریرہ، سمرہ بن جندب اور خدیفہ رضی اللہ عنہم تھے کہ ان میں سے آخری مرنے والا شخص دنیاوی آگ سے جل کر مرے گا۔ تو ان سب میں آخری مرنے والے حضرت سمرہ تھے جو کہ بہت بوڑھے اور ناتواں تھے وہ بدن کو گرم رکھنے کے لیے آگ تاپتے تھے بالآخر اسی آگ نے ان کی جان لے لی۔ اور غزوہ احد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں فرمایا ان کے بیوی سے دریافت کرو کہ حقیقت حال کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ جنبی تھے انہیں غسل کی حاجت تھی۔ حضرت حنظلہ نے جب یہ سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت معرکہ درپیش ہے تو ان کو غسل کی فرصت نہ ملی وہ اسی حالت میں اٹھ کر چل دیئے اور شہید ہوگئے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے دیکھے ہیں۔ اور خبر دی کی ثقیف میں کذاب اور مبیر ہوں گے چنانچہ ان دونوں صفتوں کے شخص پائے گئے۔ کذاب مختار بن عبید کو کہتے ہیں اور مبیر بمعنی مہلک وقتال، حجاج بن یوسف کو۔ مختار کا قصہ اسماء الرجال کی کتابوں میں دیکھنا چاہیے۔

اور سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ فرزند سید ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دوگروہوں کے درمیان صلح کرائے گا اور اس قصہ کا مصدوق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت ہے جیسا کہ مشہور ہے۔

اور سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں خبر دی کہ میرے اہل بیت میں سے یہ سب سے پہلے مجھ سے ملیں گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے آٹھ مہینے یا چھ مہینے بعد وفات پائی (رضی اللہ عنہا)۔

اور فرمایا میری ازواج میں سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی وہ زوجہ ہے جس کے ہاتھ دراز ہیں۔ اس سے مراد ام المومنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں کہ ان کے ہاتھ کاروبار اور صدقہ دینے میں دراز تھے (آخر حدیث تک)۔

اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقام طف میں شہید ہونے کی خبر دی اور نشانی بھی دی کہ انہیں کلب ابقع قتل کرے گا۔ اس کا نام شمر بن ذی الجوشن تھا اور اپنے دست مبارک میں سے تھوڑی سی خاک نکال کر فرمایا یہ ان کے مقتل کی مٹی ہے۔

اور خبر دی کہ میرے بعد خلافت (مسلسل) تیس سال ہوگی اس کے بعد ملوکیت و بادشاہت ہوگی۔ اور ایک روایت میں ''ملک عضوض'' فرمایا اس امر کی ابتداء نبوت و رحمت ہے۔ اس کے بعد خلافت پر رحمت ہے پھر ''ملک عضوض'' اس کے بعد عبود جبروت اور فساد ہوگا اور اس کے ظہور کی خبر دی اس کے بعد ایک سینگ نکلے گا۔ اور امراء کو نشانی دی کہ نماز کی ادائیگی میں تاخیر وقت سے کام لیں گے اور فرمایا آخر زمانہ میں میری امت میں تیس دجال کذاب پیدا ہوں گے۔ اور ان میں چار عورتیں بھی ہوں گی اور ان میں کا ہر ایک خدا اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھے گا۔ ان کا آخر دجال کذاب سے ہوگا یعنی وہ جو آخر زمانے میں نکلے گا۔ اور ایک جگہ آیا ہے کہ وہ سب کے

سب نبوت کا دعویٰ کریں گے۔

اور فرمایا عنقریب تم میں بھی بکثرت عجمی لوگ ایسے ہوں گے جو تمہاری گردنوں کو ماریں گے۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ قحطان کا ایک شخص جو تم پر حاکم و بادشاہ ہوگا وہ لوگوں کو اپنی لاٹھی سے نہ مارے۔

اور فرمایا: خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

تم میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ جو اس کے متصل ہے۔ پھر وہ جو اس کے متصل ہے پھر وہ جو اس کے متصل ہے۔ اس سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ ہے اور بخاری کی ایک روایت میں بطریق شک راوی چار مرتبہ آیا ہے۔ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ لوگ از خود آ کر گواہی دیں گے بغیر اس کے کہ انہیں گواہی کے لیے بلایا جائے اور خیانت کریں گے اور امانت ادا نہیں کریں گے اور وعدہ کریں گے مگر اسے پورا نہیں کریں گے۔

اور فرمایا کوئی زمانہ ایسا نہیں مگر یہ کہ دست درازی اور ظلم و تشدد کے بعد اس سے بدتر آئے۔ علماء کرام، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے سے اس کی نقیض لاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا زمانہ آل مروان کے ظلم و تشدد کے دور کے بعد آیا۔ اور جواب دیتے ہیں کہ یہ حکم باعتبار اغلب ہے۔

اور فرمایا میری امت قریش کے بچوں کے ہاتھ پر ہلاک ہوگی (اس سے مراد یزید وغیرہ ہیں) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو ان کا نام بنام بیان کر دوں مگر میں نہیں چاہتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے کہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَمَارَةِ السِّتِّيْنَ" میں اللہ سے ۶۰ ھ کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں (جو کہ یزید کی تخت نشینی کا سن ہے) حضرت ابو ہریرہ اس جہان سے ۶۰ ھ سے پہلے ہی رحلت کر گئے۔

اور خبر دی کہ فرقہ قدریہ، مرجیہ، رافضیہ اور خوارج ظاہر ہوں گے اور خوارج کے بارے میں فرمایا وہ بہترین گروہ سے نکلیں گے بہترین گروہ سے مراد علی مرتضیٰ اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ اور فرمایا کہ ان کی یہ نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہوگا جسے "ذوالثدیہ" کہیں گے اور اس کا ایک بازو عورت کی پستان کی مانند ہے جسے وہ حرکت دے گا اور گھمائے گا اور ان کے سر منڈے ہوں گے۔ اور ان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ کریں گے ایک اور حدیث میں آیا ہے اگر میں انہیں پاتا تو عاد و ثمود کی مانند انہیں ہلاک کرتا۔

اور خبر دی کہ آنے والے لوگ پچھلوں کو برا بھلا اور گالیاں دیں گے جیسا کہ روافض کرتے ہیں۔

اور فرمایا کہ دین کے مددگار کم ہو جائیں گے یہاں تک کہ آٹے میں نمک کی مانند رہ جائیں گے اور ان میں ہمیشہ تشتت و افتراق رہے گا۔ اور اس افتراق سے کوئی جماعت نہ بچے گی۔ اور ان پر "اثرہ" ہوگا یعنی ان کے امراء و حکام لوگوں پر جبر و تشدد اور دراز دستی کریں گے اور جبراً حکومت و ولایت کو اختیار کریں گے اور دوسروں کے ساتھ ایسی رعایت کریں گے جو اپنوں کے ساتھ کریں گے اور شمنی، شرح شفا میں یعمری سے نقل کرتے ہیں کہ "یہ اثرہ" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا۔

اور خبر دی کہ آخر زمانے میں لوگ انتہائی ذلیل و کمینہ خصلت ہوں گے۔ بکریوں کے چرائیں گے ننگے بدن اور ننگے پاؤں رہیں گے۔ اور اپنی عمارتوں کو اونچا بنائیں گے۔ اور اس میں باریاں اور کھڑکیاں رکھیں گے۔ یہ کثرت مال و زر اور عیش پرستی سے کنایہ ہے۔

اور خبر دی کہ قریش اور احزاب حضور کے ساتھ غزوہ نہ کریں گے کیونکہ حضور ان کے ساتھ غزوہ کرتے تھے۔ اور یہ غزوہ خندق میں

فرمایا۔ کیونکہ اس کے بعد کفار قریش ہمارے سروں پر جنگ نہ لاسکیں گے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔

اور بیت المقدس کی فتح کے وقوع موتان کی خبر دی۔ لفظ ''موتان'' بضم میم وسکون واؤ اور لغت میں فتح سے بھی آیا ہے اس کے معنی وبا اور طاعون کے ہیں اور لفظ موتان کا اکثر استعمال مویشی کے مرنے پر ہوتا ہے مگر ظاہر مطلب وہ عام طاعون ہے جو امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب کے زمانے میں پھیلا تھا۔ کہتے ہیں کہ تین دن میں ستر ہزار آدمی طاعون سے مرے تھے (واللہ اعلم)۔

اور بصرہ کے آباد ہونے کا وعدہ فرمایا۔ اور ایک صحابی کو بشارت دی کہ وہ سمندر میں جنگ کریں گے جس طرح بادشاہ تختوں پر بیٹھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کا وقوع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا۔

اور خبر دی کہ اگر دین ثریا پر معلق ہو جائے تو ابنائے فارس کے لوگ اسے پالیں گے۔ کچھ لوگ اسے حضرت سلمان فارسی وغیرہ حضرات پر محمول کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اسے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی اصل ابنائے فارس سے ہے اور ایک روایت میں رجل من فارس آیا ہے (واللہ اعلم)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ایک ایسے عالم کی خبر دی جس کا اتباع علماء کی ایک جماعت کرے گی۔ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اس سے مراد مدینہ طیبہ میں عالم کے پاس جانے کی طرف ہے۔ اور آپ کی یہ خبر اپنے زمانہ کے لیے ہے نہ کہ ہمیشہ کے لیے۔ جیسا کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہ خبر بعد والوں کے لیے ہے۔

اور عالم قریش کی خبر دی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَسُبُّوْا قُرَيْشًا فَاِنَّ عَالِمَهَا يَمْلَأُ طِبَاقَ الْاَرْضِ عِلْمًا. قریش کو برا نہ کہو کیونکہ ان کا ایک عالم جہان بھر کو علم سے بھر دے گا۔ امام احمد وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ اس سے مراد امام شافعی ہیں اور جوزرقانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث لاتے ہیں کہ: يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ هُوَ سِرَاجُ اُمَّتِيْ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے ابوحنیفہ کہیں گے وہ میری امت کا آفتاب ہے۔ ''تنزیہ الشریعۃ'' میں کہا گیا ہے کہ امام احمد کی حدیث کی سند میں جو یباری ہے اور اس کا راوی مامون سلمی ہے ان دونوں میں سے کسی ایک نے اس حدیث کو وضع کیا ہے اور صاحب ''سفر السعادۃ'' فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کے ذم کے اسباب میں کوئی روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ اس باب میں جو کچھ مروی ہے وہ موضوع ومنکر ہے (واللہ اعلم) اور خبر دی کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ حکم خدا یعنی قیامت آجائے۔

اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے شروع میں ایسا مجدد پیدا فرمائے گا جو دین کی تجدید کرے گا اور الامثل فالامثل کے جانے کی خبر دی اور حاکم نے بلفظ الخیر فالخیر روایت کر کے صحیح کہا ہے اور بعض غزوات میں تند وتیز ہوا چلنے کی خبر دی اور فرمایا یہ ہوا مدینہ منورہ میں ایک منافق کے مرنے کے سبب چلی ہے۔ جب غزوہ سے واپس پہنچے تو ایسا ہی پایا۔

ایک اور شخص کے بارے میں خبر دی کہ اس نے مال غنیمت میں سے یہودی کے ایک منکہ کی خیانت کی ہے وہ اس کی جائے رہائش سے برآمد ہوا۔ اسی طرح ایک شخص کو چادر چرانے کی خبر دی اور وہ چادر اس کے سامان میں سے برآمد ہوئی۔

اور ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی گم شدگی کا پتہ فرمایا فلاں وادی میں اس کی مہار ایک درخت کی شاخ سے لپٹی ہوئی ہے۔

اور صحابہ کرام کو خبر دی کہ اہل مکہ کا لکھا ہوا خط لے جایا جا رہا ہے اور نشان بتایا کہ اس قسم کی عورت فلاں وادی میں جا رہی ہے اس سے وہ خط برآمد کرلو۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ایک دو ساتھیوں کے ساتھ اس عورت کی تلاش میں نکلے۔ اور اسے اسی جگہ پایا

جہاں کا آپ نے نشان و پتہ بتایا تھا۔ یہ قصہ کتب احادیث میں مذکور و مسطور ہے اور سورہ ممتحنہ کا شان نزول بھی یہی قصہ ہے۔

اور حضور نے اپنے چچا حضرت عباس کو اس مال کی خبر دی جو اپنی بیوی ام الفضل کے سپرد کر کے چلے تھے اور ان کی خبر ان کو اور ان کی بیوی کے سوا کسی کو نہ تھی۔ پھر وہ اسلام لے آئے جیسا کہ غزوہ بدر میں انشاءاللہ آئے گا۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس وقت جب کہ ان پر موت کی سی کیفیت طاری تھی فرمایا ممکن ہے کہ تم اس سے نجات پالو اور زندہ رہو یہاں تک کہ تم سے ایک قوم نفع پائے یعنی مسلمان اور دوسری قوم نقصان اٹھائے یعنی کفار۔ گویا انہیں طویل العمر پانے کی بشارت دی اور وہ عشرۂ مبشرہ میں سب کے آخر میں انتقال فرمانے والے تھے اور ۵۵ ھ یا ۵۷ ھ میں رحلت فرمائی اور بعض کہتے ہیں کہ ۵۸ ھ میں وفات پائی۔

اور خبر دی کہ ابی ابن خلف میرے ہاتھ پر مارا جائے گا۔ اور فرمایا عتبہ بن ابولہب کو اللہ کا کوئی کتا کھائے گا۔ چنانچہ اسے شیر نے کھایا۔

اور بدر کے دن کفار کے قتل ہو کر گرنے کی جگہ پر نشانات لگا کر بتلایا اور وہ ٹھیک اسی جگہ مر کر گرے جہاں حضور نے نشان لگائے تھے۔

اور نجاشی کے انتقال کی خبر دی اس دن جس دن کہ وہ حبشہ میں فوت ہوئے اور جنازہ گاہ میں تشریف لے جا کر چار تکبیر کے ساتھ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

اور فیروز ویلمی کو جب کہ وہ کسریٰ کا قاصد بن کر آیا تھا اسی دن کسریٰ کے مرنے کی خبر دی جب فیروز نے اس کی تحقیق کی تو اسلام لے آیا۔

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ لوگ انہیں مدینہ منورہ سے نکال دیں گے جب کہ وہ ایک دن مسجد نبوی میں سو رہے تھے۔ فرمایا اے ابوذر تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ تمہیں لوگ اس مسجد سے نکالیں گے۔ عرض کیا مسجد حرام میں اقامت گزیں ہو جاؤں گا فرمایا جب تمہیں وہاں سے بھی نکال دیں گے تو (آخر حدیث تک) اور انہیں خبر دی کہ تم یکہ و تنہا زندگی گزارو گے اور اسی حالت میں وفات پاؤ گے اور حضرت ابوذر کا ''ربذہ'' جانے کا واقعہ جہاں وہ قیام پذیر تھے اور وہاں اس جہان سے رخصت ہونے کا قصہ مشہور ہے اور کتب سیر میں مذکور ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ آخر کتاب میں حضرت ابوذر کے ذکر میں آئے گا۔

اور حضور کا پہاڑ سے فرمانا: کہ قائم رہ' نہیں ہے تجھ میں مگر نبی و صدیق و شہید۔ اور حضور کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ بھی مشہور ہے اور حضرت سراقہ سے یہ فرمانا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن پہنو گے تو جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسریٰ کے اموال آئے اور ان میں اس کے کنگن بھی تھے تو حضرت فاروق نے حضرت سراقہ کے ہاتھوں میں وہ دونوں کنگن پہنائے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کی تصدیق کے لیے اس وقت حضرت فاروق نے کہا حمد ہے اس خدا کی جس نے کسریٰ کے ہاتھوں میں سے چھین کر سراقہ کے ہاتھوں میں پہنائے۔''

اور دجلہ و دجیل کے درمیان ایک شہر آباد ہونے کی خبر دی۔ اس سے مراد بغداد کا شہر ہے۔ اور فرمایا کہ اس امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جسے لوگ ولید کہیں گے وہ اس امت کا بدترین شخص ہوگا اور یہ اپنی قوم کا فرعون ہوگا۔

اور فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہ ہوگی جب تک کہ دو گروہ آپس میں نہ لڑیں اور دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہوگا۔ یعنی دونوں مسلمان ہوں گے۔ علماء فرماتے ہیں اس سے مراد واقعہ صفین ہے اور قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ یہ پہلا معاملہ ہے جو آج تک

اسلام میں داخل ہوا اور قرطبی فرماتے ہیں کہ وہ پہلا حادثہ۔ جو رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام کو درپیش ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سلسلہ وحی ختم ہوا اور عرب وغیرہ میں روت کا فتنہ ظاہر ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنہ کی تلوار بے نیام ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس کے بعد قضا وقدر الٰہی سے جو ہوا وہ عیاں ہے۔

اور سہیل بن عمرو قریش کے سرداروں میں سے تھا اور ان کا خطیب تھا وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر سب وشتم کرتا رہتا تھا روز بدر جب وہ قید ہوکر سامنے آیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کے دانتوں کو توڑ دوں۔ اس پر حضور نے حضرت عمر سے فرمایا: عنقریب یہ ایسے مقام پر کھڑا ہوگا کہ اے عمر تم اس سے خوش ہوجاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اسلام لاکر مکہ مکرمہ میں رہنے لگا جب حضور اکرم ﷺ کی رحلت اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر پہنچی تو اس نے خطبہ دیا اور مسلمانوں کے دلوں کو ثابت وقوی اور ان کی بصیرتوں کو روشن کردیا۔

اور ثابت بن قیس بن شماس سے فرمایا: کہ کیا خوب زندگی گزاری اب موت بھی شہادت کی پاؤ گے تو وہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں شہید ہوئے۔

اور حضرت خالد سے فرمایا: کہ جب کہ انہیں ''اُکَیْدَر'' (بضم ہمزہ وفتح کاف وسکون یا) جو کہ ایک نصرانی کا نام تھا اس کی طرف بھیجا کہ تم اسے نیل گائے کا شکار کرتا ہوا پاؤ گے۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ نے غیبی اسرار ورموز کی ہر اعتبار سے خبریں دیں۔ اور آپ پر منافقین کے تمام اسرار اور مسلمانوں کے وہ تمام واقعات جو آپ کی حیات طیبہ اور بعد از وفات پیش آئے سب منکشف ومطلع تھے یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ خدا کی قسم! اگر خبر دینے میں کوئی جلدی نہ کرتا تو بطحا کے سنگریزے آپ کو خبر دیتے اور رسول اللہ ﷺ نے اس جادو کی خبر دی جسے لبید بن اعصم یہودی نے ان بالوں پر جو حضور ﷺ کی کنگھی کرتے ہوئے گرے تھے کیا تھا۔

اور حضور نے اس معاہدے کی تحریر کے دیمک کو کھا جانے کی خبر دی جسے قریش نے بنی ہاشم کے خلاف تحریر کیا تھا مگر جہاں اللہ کا نام تحریر تھا وہ محفوظ رہی۔ اور حضور نے بیت المقدس کی کیفیات اس وقت بیان فرمائیں جب کہ قریش نے شب معراج کے سلسلے میں آپ کی تکذیب کی تھی۔

اور آخر زمانے میں امت کے اندر برائیاں ظاہر ہونے کی خبر دی کہ امانت جاتی رہے گی' شیطان کا سینگ نکلے گا۔ خیانت پھیل جائے گی' ہم زمانوں سے حسد کریں گے۔ مردوں کی کمی ہوگی اور عورتوں کی کثرت ہوگی اور مال کے کم ہونے' فتنوں کے واقع ہونے' صلہ رحمی اٹھ جانے' زلزلے آنے' حجاز سے آگ ظاہر ہونے کی خبر دی۔ یہ ساری تفصیلات تاریخ مدینہ معظمہ میں مذکور ہیں اور علامات قیامت' حشر ونشر اور باقی احوال آخرت اور احوال قیامت تو یہ ایک بہت وسیع باب ہے جن کے اظہار وبیان کے لیے مستقل کتاب درکار ہے۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ آپ کی نبوت کی صداقت اور ظہور معجزات کے لیے بہت کافی ہے۔ (ﷺ)

حفظ وعصمت سیّد عالم ﷺ

وصل: حضور اکرم سیّد عالم ﷺ کے معجزات عظیمہ کے ظہور کے ابواب میں ایک' حق تبارک وتعالیٰ کی جانب سے آپ کو لوگوں کے شر اور اعدائے دین کے مکر وکید سے حفاظت وعصمت فرمانا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا آپ اپنے رب کے حکم کے لیے ثابت قدم رہیے کیونکہ آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور فرمایا: اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ہم ہی ان لوگوں کے مقابلہ

میں آپ کے لیے کافی ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا رکھا ہے اور فرمایا: وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا. اور یاد کیجئے جب کافر لوگ آپ کے ساتھ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔''

اور خود رسول کریم ﷺ اپنی نگہداشت فرماتے تھے۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی آپ کی پاسبانی کرتے تھے جب یہ آیہ کریمہ: وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ خیمہ سے باہر تشریف لائے اور ان اصحاب سے جو آپ کی پاسبانی کر رہے تھے فرمایا اے لوگو! اب پاسبانی چھوڑ دو اور چلے جاؤ اس لیے کہ میری حفاظت میرا رب عزوجل فرما رہا ہے۔ اب مجھے تمہاری نگہبانی کی حاجت نہیں ہے۔

مروی ہے حضور اکرم ﷺ ایک سفر میں کسی درخت کے نیچے قیام فرماتے تھے اور عادت شریفہ ایسی تھی کہ جب کوئی پہلے منزل آتی تو صحابہ کرام آپ کے لیے کوئی درخت پسند کرتے تاکہ حضور ﷺ اس کے سایہ میں دوپہر کا قیلولہ فرمائیں۔ ایک اعرابی آیا اس نے تلوار سونت کر کہا کون ہے جو تم کو مجھ سے بچائے گا فرمایا اللہ! اس پر اعرابی کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور یہ اس کے سر پر پڑی جس سے اس کا بھیجا کھل گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بلاشبہ یہ قصہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ حضور نے اس اعرابی کو معاف فرما دیا پھر وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس بہترین قوم کے سامنے سے آیا ہوں۔ نیز ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور نے اس کے ہاتھ سے تلوار پکڑ کے فرمایا تجھے کون میرے ہاتھ سے بچائے گا تو وہ قدموں میں گر پڑا۔

اسی کی طرح غزوہ بدر کے سلسلے میں بھی ایک حکایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لیے صحابہ جدا کر ہو کر دور تشریف لے گئے آپ کے تعاقب میں ایک منافق بھی چل دیا۔ آگے حکایت مذکورہ بیان کے مطابق ہے۔ اور اسی روایت کے مثل غزوہ غطفان میں بھی مروی ہے اس میں مشہور ہے کہ وہ حملہ آور جوان مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گیا وہ اپنی قوم کا سردار اور ان کا بڑا بہادر شخص تھا۔ قوم کے لوگ اس سے کہنے لگے کہ تجھے کیا ہو گیا تو تو کہتا تھا کہ میں انہیں ہلاک کر دوں گا۔ اور یہ تیرے امکان میں بھی تھا کہ پھر تو نے ایسا کیوں نہ کیا؟ اس نے کہا میں نے ایک سفید رو بلند شخص کو دیکھا جس نے میرے پر مارا جس سے میں اپنی پشت کے بل گر پڑا اور تلوار زمین پر گر گئی تو میں نے جان لیا کہ وہ فرشتہ ہے پھر میں اسلام لے آیا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ تلوار سونت کر حضور کے سر پر کھڑا ہو گیا تو حضور نے دعا کی خداوند مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ جس طرح کہ تو چاہے، وہ کمر کے درد میں مبتلا ہو کر چہرے کے بل گر پڑا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حق سبحانہ کا یہ ارشاد کہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ

اے ایمان والو یاد کرو اس نعمت الٰہی کو جو تم پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تم پر دراز دستی کرے۔

یہ خطاب مومنوں کی جانب ہے کیونکہ حضور ﷺ کا نفع و ضرر حقیقۃً انہیں کی طرف لوٹتا ہے۔

منقول ہے کہ جب سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی ابولہب کی بیوی لعنۃ اللہ علیہا جس کا نام ام جمیل بنت حرب تھا اور وہ ابوسفیان کی بہن تھی اور اسے ''حمالۃ الحطب'' یعنی لکڑیاں اٹھانے والی کہا گیا تو اس نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دے اور دشنام طرازی کرے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے دیکھا کہ ام جمیل آ رہی ہے تو عرض کرنے لگے یا رسول اللہ یہ عورت انتہائی بے حیاء اور بے ادب و بدزبان ہے اگر یہاں سے حضور تشریف لے جائیں تو بہتر ہے۔ فرمایا وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ پھر ام جمیل آئی اور اس نے کہا: اے ابوبکر! تمہارے آقا نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا آقا نہ شعر گوئی کرتا ہے اور نہ کسی کی برائی کرتا ہے تو وہ ملعون عورت خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئی۔ اور حضور اسی جگہ تشریف فرما رہے اور وہ نہ دیکھ

سکی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا تاکہ وہ مجھے اس سے اپنے پروں میں پوشیدہ کرلے۔ محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اس عورت کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا۔ اس نے کہا اگر محمد ﷺ کو دیکھتی تو اس پتھر سے ان کا منہ......'' (نعوذ باللہ)

کتاب الشفا میں مذکور ہے کہ بنی مغیرہ کا ایک شخص آیا تاکہ وہ حضور کو (نعوذ باللہ) قتل کردے تو اس کی آنکھیں اندھی ہوگئیں اور وہ حضور کو نہ دیکھ سکا۔ حالانکہ وہ حضور ﷺ کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف پلٹا تو وہ انہیں بھی نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے آواز دی۔

اور حضور کو نہ دیکھنا اور نہ پہچاننا ہجرت کی ابتدا میں بھی ہے کہ حضور اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور ان سے باتیں کیں اور ان کے آگے سے گزر بھی گئے تو وہ یا تو دیکھ نہ سکے یا دیکھا تو پہچان نہ سکے۔ اور ان کے سروں پر خاک ڈالنا بھی اسی ضمن میں ہے جیسا کہ انشاء اللہ اپنے مقام میں آئے گا۔ اور حضور کو نہ دیکھنا اور نہ پہچاننا غار ثور میں بوقت ہجرت اسی حال کے قریب ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات ابوجہم بن حذیفہ کے ساتھ وعدہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے قتل پر اتفاق کیا پھر ہم گھر آئے تو ہم نے حضور کو ان آیات کو تلاوت کرتے سنا کہ:

اَلْحَآقَّةُ ۝ مَا الْحَآقَّةُ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ (الی قولہ تعالیٰ) فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝

وہ حق ہونے والی، کیسی وہ حق ہونے والی، اور تم نے کیا جانا کیسی وہ حق ہونے والی (یہاں تک کہ) تو کیا تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔

اس پر ابوجہم نے حضرت عمر کے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ہمیں تو بچنا چاہیے اور دونوں وہاں سے بھاگے اور اپنے ارادوں سے باز رہے۔ یہ حکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے مقدمات میں سے تھی اور ان کے اسلام لانے کا قصہ بہت عجیب اور احسن قصص میں سے ہے۔ جیسا کہ اپنے محل میں انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

اور سراقہ بن مالک بن جعشم کا وقت ہجرت کا قصہ کہ انہیں اہل مکہ نے حضور ﷺ کی جستجو اور آپ کو پکڑنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور ان کا حضور تک پہنچنا اور گھوڑے کے پاؤں کا زمین میں دھنسنا اور حضور ﷺ کی دعا سے ان کا نکلنا اور پلٹ جانا مذکور ہے۔

اایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور کو اور حضرت ابوبکر صدیق کو ہجرت کے وقت پہچان لیا تھا وہ دوڑا دوڑا قریش کی طرف چلا تاکہ انہیں پتہ بتائے جب مکہ مکرمہ پہنچا تو دل سے وہ بات نکل گئی۔ اور یاد ہی نہ آیا کہ کیا کرنا تھا اور کس لیے آیا تھا وہ بالکل ہی بھول گیا کہ کس لیے گھر سے نکلا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر واپس چلا گیا۔

ابن اسحاق وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سجدہ میں تھے کہ ابوجہل لعین ایک پتھر لے کر چلا دوسرے ملاعنہ دیکھ رہے تھے اس نے چاہا کہ حضور پر پتھر مارے تو پتھر اس کے ہاتھ میں چپک کر رہ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ خشک ہو کر رہ گئے اور کچھ نہ کرسکا پھر وہ الٹے قدم جانب پشت پلٹ گیا اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے درگزر فرمانے کی دعا مانگی جس سے اس کے دونوں ہاتھ کھل گئے۔

ایک اور مرتبہ اس نے بہت بڑے اونٹ کو دیکھا کہ اتنا بڑا اونٹ کبھی دیکھا نہ گیا تھا تو اس نے اس کے کھانے کا قصد کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ جو اس شکل میں نمودار ہوئے تھے اگر کوئی بھی ان کے قریب جاتا تو وہ مار ڈالتے۔

اور ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ ایک دیوار کے نیچے تشریف فرما تھے تو ایک شقی القلب بدبخت نے چکی کا پاٹ اٹھا کر چاہا کہ آپ کے سر مبارک پر گرادے۔ حضور کھڑے ہوگئے اور جانب مدینہ تشریف لے گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے قریش سے وعدہ کیا کہ اگر میں محمد ﷺ کو نماز میں دیکھوں گا تو حالت نماز میں

ان کی گردن کو پائمال کردوں گا۔ پھر حضور نماز کے لیے نکلے تو لوگوں نے اس بد بخت کو خبر دی وہ آیا جب حضور کے قریب ہوا تو خود کو دونوں ہاتھوں سے ہٹاتا بچاتا بھاگا۔ جب اشقیاء نے پوچھا تو کہنے لگا میں جب نزدیک پہنچا تو میں نے آگ کی ایک خندق دیکھی کہ میں اس میں گرا پڑتا ہوں۔ اور میں نے ہولناک آوازیں اور پروں کی سنسناہٹ سنی جو زمین کو پر کیے ہوئے ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے اگر وہ اور نزدیک آتا تو اس کے جوڑ جوڑ ڈالتے۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ہرگز نہیں یقیناً بلاشبہ انسان ہی سرکش ہے۔ (آخر سورۃ تک)۔

مروی ہے کہ شیبہ بن عثمان حجبی اس کی قوم بیت اللہ الحرام کی دربان تھی اور خانہ کعبہ کی کنجی اس کے ہاتھوں میں تھی۔ قبل اس کے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہوں شیبہ رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا اور کہنے لگا ''میرے باپ اور چچا کو ان کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب نے مارا ہے۔ آج میں اپنا کینہ محمد ﷺ سے نکالوں گا۔ اور ان کے چچا حضرت حمزہ کے عوض ان سے اپنے باپ اور چچا کا بدلہ لوں گا۔ جب عرصہ کا رزار گرم ہوا تو اس نے تلوار سونتی تاکہ وہ حضور پر حملہ کرے مگر یکا یک چیختا چلاتا بھاگا اس نے بتایا کہ جب میں حضور کے قریب آیا تو دیکھا کہ آگ کا ایک بڑا شعلہ میری جانب لپکتا آرہا ہے۔ میں اسے دیکھ کر گھبرا کر بھاگ آیا۔ جب حضور نے مجھے دیکھا تو مجھے بلایا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا۔ حالانکہ حضور میرے نزدیک لوگوں میں سخت ترین دشمن تھے ابھی دست مبارک اٹھایا نہ تھا کہ حضور میرے نزدیک مخلوق میں محبوب ترین ہستی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قریب آؤ اور رسول خدا کے دشمنوں سے لڑو۔ میں حضور کے سامنے پہنچا در آں حالیکہ میں تلوار سونتے ہوئے تھا اگر اس وقت میرے سامنے میرا باپ بھی آتا تو اسے بھی حضور ﷺ کی خاطر تلوار سے اڑا دیتا۔

فضالہ بن عمر سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال جب کہ حضور طواف میں مشغول تھے میں نے دل میں چاہا کہ حضور کو شہید کر دوں۔ جب میں حضور کے قریب ہوا تو فرمایا اے فضالہ! تم دل سے کیا باتیں کر رہے تھے تم چاہتے تھے کہ رسولِ خدا کو شہید کر دو'' عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! اس پر حضور نے تبسم فرمایا۔ میرے لیے استغفار کی اور اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا تو میرے دل کو سکون محسوس ہوا۔ خدا کی قسم! حضور نے ابھی اپنا دست مبارک اٹھایا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری یہ حالت کر دی کہ کوئی چیز میرے نزدیک حضور سے زیادہ محبوب نہ معلوم ہوتی تھی۔

اس سلسلے میں مشہور ترین واقعہ عامر بن طفیل اور اربد بن قیس کا ہے۔ جس وقت یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تو عامر نے اربد سے کہا میں تیری طرف سے حضور ﷺ کی توجہ ہٹا کر باتوں میں اپنی طرف مشغول رکھوں گا اور تم حضور پر اپنی تلوار سے حملہ کر دینا تو عامر نے اربد کو کچھ کرتے نہ دیکھا۔ وہاں سے ہٹنے کے بعد عامر نے اس سے پوچھا کیا ہو گیا تھا تجھے۔ تو نے حملہ کیوں نہ کیا۔ اس نے کہا خدا کی قسم! میں نے جب بھی حملہ کا ارادہ کیا تو میں نے تجھے اور حضور کے درمیان پایا تو کیا میں تجھے مار ڈالتا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے اپنے حبیب ﷺ کی عصمت وحفاظت اس حد تک تھی کہ بہت سے یہودی کاہنوں نے قریش کو خبردار کیا۔ اور ان کو حضور سے طرح طرح کا خوف دلایا اور حضور کا ان پر غلبہ وسطوت پانے سے ڈرایا اور ان کو حضور کے قتل پر خوب ورغلایا اور ابھارا مگر حق تعالیٰ نے حضور کو ہمیشہ ہی ان کے شر سے بچائے رکھا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کے پھونکوں سے بجھا دیں۔ اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا چاہے کافر لوگ برا مانیں۔

علوم وخصائص مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

وصل: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی ذات جامع الکمالات میں معجزات باہرہ' آیات بیّنہ اور علوم ومعارف کے خزانے جمع فرمائے ہیں۔ اوران خصائص وخصائل اور اسوۂ کامل سے مخصوص فرمایا ہے جو تمام مصالح دنیا ودین اور معرفت الٰہی پر مشتمل ہیں جنہیں احکام شرعیہ' اصول دینیہ' سیاست مدنیہ اور مصالح عبادیہ کہا جاتا ہے اور امم سابقہ اور قرون ماضیہ زمانہ آدم سے تا ایندم احوال واخبار اوران کی شریعتوں' کتابوں' سیرتوں اور شخصی صنعتوں اوران کے مذاہب واختلاف آراء اوران کی معرفت اور طویل عمروں اوران کے دانشوروں کی حکمت کی باتوں اور ہر امت کی کفار پر حجتوں اور اہل کتاب کے ہر فرقہ کے ان معارضوں کو جوان کی کتابوں میں ہیں اور ان کے علوم واسرار ومخفیات اوران خبروں کو جو وہ چھپاتے ہیں اور انہیں بدلتے ہیں اور عرب کی لغتوں' نادر لفظوں اور احاطہ اقسام فصاحت اور حفظ ایام وامثال وحکم' ضرب امثال صحیحہ اوران کی مرادوں پر حکم گہری فہم رکھنے والوں کے انداز کے مطابق اوران کی مشکلات کے بیان وضاحت وغیرہ کے علوم کا علم عطا فرمایا اور آپ کی شریعت مطہرہ ان محاسن واخلاق' محامد وآداب' حفظ نفس کے اصول وقواعد اوران کے اعراض واحوال پر مشتمل ہے جو ارباب عقل کے نزدیک مستحسن ہیں۔ حتیٰ کہ ان کفار وجہال وملاحدہ کے نزدیک بھی مستحسن ہیں جو عقل سلیم وانصاف رکھتے ہیں۔ برخلاف ان کے جو معاند مخذول اور مخالف معقول ہیں۔ اور آپ کا کلام جوامع الکلم ہے۔ یعنی لفظوں میں اختصار ہوتا ہے اور یہ معانی بے شمار رکھتے ہیں۔ اور وہ جانے پہچانے علوم وفنون کے اقسام پر حاوی ہیں مثلاً طب' تعبیر' فرائض وحساب وغیرہ۔ یہ وہ علوم ہیں جنہیں ہر وہ شخص جانتا ہے جو معاملات علمیہ میں شغف رکھتا ہے اور کتب بینی کا مشغلہ رکھتا ہے۔ اور جو اہل کتاب کی مجلسوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے اوراس میں ریاضت ومشقت اٹھاتا ہے۔ باوجودیکہ حضور اکرم ﷺ نہ تو پڑھے لکھے تھے اور نہ ان مجلسوں میں بیٹھے اٹھے تھے جوان اوصاف کے ساتھ متصف ہیں۔ اور نہ اپنی قوم کے درمیان سے باہر نکلے اور نہ ان کے طلب وحصول کے لیے کوئی سفر کیا۔ اور اہل عرب کا زیادہ سے زیادہ عرفان' علم الانساب' پچھلوں کی کہانیاں اوران کے شعر وبیان پر ہے۔ اوران کا حصول بھی خوب اچھی طرح سیکھنے' مشغول رہنے اور اہل فن کے ساتھ بحث ومباحثہ کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ فن آپ کے کتاب فضل وکمال کے بحر علم ونقطہ کا ایک قطرہ ہے۔ شعر

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ الْاُمِّيِّ مُعْجِزَةً ... فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّادِيْبِ فِي الْيُتْمِ

نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کے دلائل وعلامات میں سے راہبوں' پادریوں کے مترادف ومتواتر خبریں اور علمائے اہل کتاب کا آپ کی صفات اور آپ کے امت کے اوصاف اوران کی علامات ونشانیاں بیان کرنا جیسا کہ حلیہ شریف کے ضمن میں مذکور ہو چکا ہے اور مہر نبوت اوراس قسم کی اور بھی نشانیاں ہیں اوراس طرح کی نشانیاں پچھلے موحد شاعروں کے اشعار میں بھی واقع ہیں جیسے کہ شعراء میں تبع' قیس بن ساعدہ اور سیف بن یزین وغیرہ ہیں۔ اور زید بن عمر بن نفیل نے آپ کی نبوت کی تعریف کی۔ ان لوگوں کو ''موحدہ جاہلیت'' کہتے ہیں۔ اور ورقہ بن نوفل نے تو دینداری وتنہائی اختیار کر رکھی تھی۔ اور آپ کا ذکر شریف کتب سابقہ میں ہونا اور علماء یہود کا اعتراف کرنا باوجوداس کے ان کا حسد وعناد کی راہ پر چلنا۔ یہ سب کچھ ابواب سابقہ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے اور وہ باتیں جو کہ جنات سے سنی گئیں اور بتوں کی زبانوں پر جاری ہوئیں اور جانوروں کے ذبیحوں اور پرندوں کے شکموں میں آپ کا اسم شریف دیکھا گیا ہے۔ اور قبروں اور پتھروں میں بخط قدیم آپ کی رسالت کی شہادت کا پایا جانا اوران کو مشاہدہ کرنے کے بعد کسی کا اسلام لانا یہ سب دلائل نبوت کے ضمن میں مذکور ومسطور ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر علامات ونشانیاں جو وقت ولادت' وقت وفات اور اسفار وغزوات میں ظاہر ہوئیں انھیں ان کے مقام میں انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔ اور حضور اکرم ﷺ کے خصائل وکرامات اور آیات واخبار کے ضمن میں فرشتوں' جنات اور حضرت حق عزاسمہ کا ملائکہ سے مدد فرمانا اور جنات کی اطاعت کرنا اور بکثرت صحابہ کا انہیں دیکھنا جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں ہوا تھا۔ یہ سب باتیں ظاہر ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک موقعہ تو وہ ہے جب کہ جبریل علیہ السلام اسلام' ایمان اور احسان کے معنی سکھانے کے لیے صورت بدل کر ظاہر ہوئے تھے اور صحابہ نے انہیں دیکھا تھا اس کے علاوہ حضرت ابن عباس' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم نے جبریل کو حضور کے پاس وحیہ کلبی کی صورت میں دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور کچھ صحابہ کرام نے فرشتوں کو گھوڑا ہنکاتے دیکھا اور کچھ صحابہ کرام نے دیکھا کہ کافروں کے سر تو اڑ رہے ہیں مگر مارنے والا نظر نہیں آتا۔ اور ابوسفیان بن حارث نے ایسے مردوں کو جن کے لباس سفید ہیں انہیں ابلق گھوڑوں پر سوار زمین وآسمان کے درمیان معلق دیکھا اور عمران ابن الحصین جو کہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں ان سے فرشتوں نے مصافحہ کیا۔ اور حضور ﷺ نے حضرت حمزہ کے ساتھ کعبہ میں جبریل کو دیکھا۔ پھر حضرت حمزہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے ایک جن کو لیلتہ الجن میں دیکھا اور جنات کی باتیں سنیں۔ یہ سب حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ہیں۔

منقول ہے کہ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ روز اُحد شہید ہو گئے تو ایک فرشتے نے ان کی صورت اختیار کر کے جھنڈے کو تھام لیا پھر جب حضور نے آواز دی کہ اے مصعب آگے آؤ تو فرشتے نے کہا میں مصعب نہیں ہوں اس وقت جانا کہ وہ کوئی فرشتہ ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک بوڑھا شخص لکڑی ہاتھ میں لیے آیا اس نے حضور ﷺ کو سلام کیا۔ حضور نے سلام کا جواب دیا اور کہا یہ جن کی آواز ہے فرمایا تو کون؟ اس نے کہا میں ہامہ بن الیم بن الاقیس بن ابلیس ہوں۔ میں نے حضرت نوح سے بھی ملاقات کی ہے اور ان کے بعد ہر نبی سے ملتا رہا ہوں۔ اسے قرآن کی سورۃ سکھائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شیطان کو دیکھا کہ وہ تین روز برابر صدقہ فطر کے اس مال پر آیا جو ان کے سپرد تھا اور وہ اس میں سے چراتا رہا۔ اور اس نے حضرت ابو ہریرہ کو آیت الکرسی سکھائی۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بت عزیٰ کو گراتے وقت سیاہ رنگ کی ایک عورت اس میں سے نکلی تھی جو برہنہ تھی اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے انہوں نے اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ عزیٰ تھی۔

اور حدیث میں...... ایک شیطان کا اچھلنا کودنا بھی آیا ہے تاکہ وہ حضور ﷺ کی نماز قطع کرے اور حضور کا یہ چاہنا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دیں۔ اور دعائے سلیمان کو جو تسخیر جن کے سلسلہ میں ہے یاد کرنا اور پھر اس شیطان کو چھوڑ دینا مشہور ہے۔

تتمہ بیان معجزات

وصل: وہ معجزات وآیات جو بوقت ولادت اور اس کے بعد ایام رضاعت وصغر سنی میں بعثت وظہور نبوت کے وقت تک اور تمام زمانہ عمر شریف میں ظاہر ہوتے رہے ان میں سے کچھ کا تو ذکر کر دیا گیا ہے مگر وقت وفات تک تمام کا بیان حصر واحصار کی حد سے باہر ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو مزید کچھ اپنے محل میں مذکور ہو گا۔

قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب ہم کچھ معجزات واضحہ کو اس باب میں بیان کرتے ہیں اور یہ ان کے معجزات باہرہ میں سے ایک شمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا اتنا ہی بیان کرنا زیادتی کی طلب سے بے نیاز وکفایت کر دے گا۔ حقیقت یہ

ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے معجزات تمام انبیاء ومرسلین کے معجزات سے بہت وافر وزیادہ اور خوب ظاہر وواضح ہیں بلکہ اکثر معجزے ایسے عطا ہوئے جو کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اور جتنے معجزات انبیاءؑ کو مرحمت ہوئے یا تو ان کی مثل یا ان سے زیادہ بلیغ ہمارے سردار سیّد عالم ﷺ سے ظاہر ہوئے ہیں اور ان وجوہ اکثریت میں سے ایک یہ قرآن کا معجزہ ہے جو تمام کا تمام معجزہ ہے اور اس قرآن پاک کے وجوہ اعجاز میں سے چھوٹی سے چھوٹی سورۃ 'بعض محققین کے نزدیک سورہ انا اعطینك الكوثر o ہے یا وہ آیتیں اس کی مقدار میں ہو۔ پھر اعجاز قرآن کے سلسلے میں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے دو وجہیں ہیں ایک بطریق فصاحت وبلاغت دوسرا بطریق نظم وتالیف۔ تو اس لحاظ سے ہر ایک جز میں دو دو معجزے ہوئے پھر اس گنتی پر دیگر وجوہات اعجاز کو بڑھاتے جایئے۔ جو از قسم اخبار بعلوم غیبیہ ہیں اور ممکن ہے کہ اس تجزیہ سے ایک سورۃ اشیاء متعددہ کے اجزاء مولف ہے اور ہر چیز معجزہ ہو تو گنتی میں اضافہ کیا یک اور کثرت کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اگر ان دیگر وجوہات اعجاز کا اعتبار کریں جو پہلے مذکور ہو چکے تو اضافہ اور کثرت کی کوئی حد ہی نہ رہے۔ یہ صورت صرف قرآن عظیم میں ہے۔ اس کے بعد وہ حدیثیں جو مروی ہیں اور وہ خبریں جو حضور ﷺ سے صادر ہیں اپنے حال پر ہیں۔

اب رہا حضور ﷺ کے معجزات کی اس جہت سے وضاحت کہ یہ انبیاء ومرسلین کے معجزات سے زیادہ ہیں۔ اس زمانہ میں جو علم وہنر کمال پر ہوتا ہے اس کے مطابق معجزات دیئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اہل زمانہ کے علم کی انتہا جادوگری تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس معجزے کے ساتھ مبعوث کیے گئے جو اس کے مشابہ تھا جس پر ان کے زمانہ کے لوگ قدرت رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ چیز پیش فرمائی جو ان کی عادتوں کو توڑتی تھی اور وہ ان کی قدرت سے باہر تھی۔ اور ان کے سحر کا ابطال کیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فن طب کی بڑی قدر ومنزلت تھی اور اہل طب فن میں فخر ومباہات کرتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا معجزہ لائے جو ان کی قدرت سے باہر تھا اور ایسی چیز انہوں نے پیش فرمائی جس کا وہ لوگ گمان تک نہ رکھتے تھے مثلاً مردے کا زندہ کرنا' اندھے کو بینا کرنا اور کوڑھی کو تندرست کرنا جن کا معالجہ طب سے ناممکن تھا۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا حال تھا۔ آخر میں حق تبارک وتعالیٰ نے سیّد عالم محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ کے زمانہ اقدس میں اہل عرب کے تمام معارف علوم چار تھے۔ فصاحت وبلاغت' شعر' خبر اور کہانت۔ تو حق تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا۔ جو ان چاروں کا خالق ہے جو ایسی فصاحت وبلاغت ایجاز ونظم غریب اور اسلوب عجیب پر مشتمل ہے جو ان کے طریقہ کلام سے خارج ہے اور وہ اس کے نظم وکلام تک کسی طریقہ سے راہ نہیں پاتے۔ اور اسالیب اوزان میں اس کے نہج کو نہیں جانتے اور آئندہ رونما ہونے والے حوادث کی خبروں اور اسراء وخفایا اور ان دلی بھیدوں کو جو قرآن میں پاتے ہیں اور جیسا بتایا گیا ویسا ہی رونما ہوا ان تک ان کی رسائی ممکن نہ ہوئی اور ہر ایک کو اس کی صداقت وصحت کا اعتراف کرنا پڑا۔ کہانت کو باطل قرار دیا۔ کیونکہ کبھی ان میں کی ایک آدھ بات سچی نکل آتی ہے اور دس جھوٹی۔ اور ان شیاطین کو شہاب مار کر جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ جو ان کے کانوں میں باتیں پھونکا کرتے تھے۔ ان شیاطین کو شہاب مار کر اور ستارے پھینک کر اوپر چڑھنے سے روک دیا گیا۔ اور ازمنہ ماضیہ انبیاء وامم سابقہ اور حوادث ماضیہ اور پچھلی امتوں کی ہلاکتوں کو ایسے طریقہ پر خبر دی کہ کوئی شخص اس سے جدا ہو کر تنہا بیان کرنے سے عاجز ہے۔ گویا یہ قصص باہم ایسے پیوست ہیں کہ ان سے علیحدہ کیے ہی نہیں جاسکتے۔ پھر یہ کہ قرآن اپنے تمام معجزات اور وجوہ اعجاز کی جامعیت کے ساتھ قیامت تک باقی وبرقرار رہنے والا ہے تاکہ بعد کا آنے والا بھی جو اس میں نظر ڈالے اور اس کے وجوہ اعجاز میں غور وتامل کرے۔ تو کوئی ایسا عہد وزمانہ نہیں گزرا مگر یہ کہ ہر زمانہ میں اس کی بتائی ہوئی خبروں کی صداقت ظاہر ہوتی رہی جس سے ایمان میں تازگی آتی رہی اور اس کے دلائل وبراہین غالب آتے رہے۔ ولیس

اَلْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ. (خبر' معائنہ کی مانند نہیں ہوتی۔) اور یقین زیادتی میں مشاہدے کی خاص تاثیر ہے اور ''علم الیقین'' کے مقابلے میں عین الیقین سے بہت زیادہ اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اگر چہ ہر صورت میں حقانیت ویقین حاصل ہے اور انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات ان کی مدت ختم ہونے کے بعد ختم ہوئے اور ان کے زمانوں کے خاتمہ کے ساتھ وہ معدوم ہو گئے۔ لیکن ہمارے آقا سیّد عالم ﷺ کا معجزہ نہ فنا ہوا اور نہ منقطع و مضمحل ہوا۔ ہر دم آپ کی نشانیاں متجدد و تازہ ہیں کیا خوب امام بوصیری نے فرمایا شعر

وَامَتُ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ　　　مِنَ النَّبِيِّيْنَ إِذْا جَاءَ تْ وَلَمْ تَدُمِ

ہمارے آقا سیّد عالم ﷺ کے معجزے کے ظہور و وضوح کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ آپ کے معجزات آپ پر وحی و کلام کے ہونے کے سبب ہیں۔ جس میں تخیل' حیلہ اور تشبیہ ممکن نہیں۔ کیونکہ آپ کے سوا تمام انبیاء و مرسلین کے معجزات کو معاندوں' مکاروں اور دشمنوں نے طلب کیا تھا۔ اور ان کی یہ طلب ان کے اپنے تخیل اور ضعیفوں اور احمقوں کے نمونے کے مطابق اپنی طمع میں ان چیزوں کی خواہش تھی جیسے کہ فرعون کے جادوگروں کا رسیاں اور لاٹھیاں ڈالنا اور حیلہ گری و جادوگری کرنا تو اس کے توڑ میں اژدھا لایا گیا جو دوڑتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ کوئی نادان و بیوقوف نہ کہے کہ انہیں کی جنس سے ہے حالانکہ قرآن ایسا کلام ہے جس میں کوئی حیلہ اور جادوگری نہیں ہے۔ اور نہ اس میں تخیل و تشبیہ کی گنجائش ہے۔ جس طرح غیر شاعر اور خطیب کے لیے ممکن نہیں ہے اور اسے حاصل نہیں ہوتا کہ بتکلف اور اپنے حیلہ سے شعر و خطابت کر سکے۔ واضح رہنا چاہیے کہ تمام علماء اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کی مثل لانا کسی کے مقدور میں نہیں ہے اگر مقدور میں ہوتا تو ضرور اس کا مثل لے آتے۔ اور معتزلہ اور ہمارے بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ مقدور تو تھا لیکن حق تبارک وتعالیٰ نے ان کی ہمتوں اور قوتوں کو جب وہ اس کی مثل لانے کے لیے ارادہ کر رہے تھے پھیر دیا اور انہیں آزاد نہ چھوڑا کہ اس کا مثل لاسکیں اگر چہ اس مذہب پر بھی اعجاز و وضوح حاصل ہے اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا اس کی مثل لانے سے جو ان کے مقدور کی جنس سے ہے انہیں روک دینا' اس کے صدق و اعجاز پر خوب واضح دلالت اور روشن نشانی ہے یہ بات بمنزلہ اس کے ہے کہ کوئی نبی فرمائے ''میری نشانی یہ ہے جس پر باوجود اس پر قدرت رکھنے کے لوگوں کو اس کے مشابہ نشانی لانے سے منع کر دیا ہے'' اور یہ محض احتمال و توہم ہے جو اس طرف لے جاتا ہے کہ جب قرآن ان کے کلام کی جنس سے ہے تو کیوں اس پر انہیں قدرت نہ ہوگی۔ بنابریں پہلا قول زیادہ قوی و محکم ہے۔ (و الله اعلم بحقيقته الحال).

عیادت مریض یعنی بیمار پرسی اور معالجہ

وصل: جاننا چاہیے کہ صاحب مواہب لدنیہ اپنی کتاب میں ساتویں مقصد کے بعد (جو وجوب محبت واتباع سنت رسول اللہ ﷺ اور محبت آل واصحاب اور اہل قرابت و عشیرات نبوی اور آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کے حکم میں ہے۔) آٹھواں مقصد طب و تعبیر رویا اور غیبی خبروں میں وضع کیا ہے۔ کاتب الحروف (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ) کی نظر میں یہ ترتیب وضع موقع و محل کے اتنا مناسب نہیں ہے اور اخبار مغیبات یعنی غیبی خبروں کو اس مقام پر پہنچنے سے پہلے معجزات کے باب میں ذکر کر دیا ہے اور طب و تعبیر رویا کو ان کی اپنی ترتیب کے اعتبار پر کوئی مقام نہ ملا تو اسے بھی اسی باب میں یعنی معجزات کے باب میں رکھ دیا۔ اور روحانی بلکہ جسمانی نظر والوں کے نزدیک جس طرح وہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہیں اسی طرح تعبیرات رویا بھی از قبیل معجزات اور حیطہ عادت سے خارج ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے تمام افعال مستقیمہ' اعمال قویمہ علوم و معارف' محاسن و آداب و فضائل' بدائع حکم' جوامع کلم اور تدبیر انام کے قواعد و قوانین احکام سب ہی طاقت اور ان کے حیطہ حیات سے خارج ہیں۔ (ﷺ)

مقدمہ: حضور اکرم ﷺ بیماروں کی عیادت اور ان کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جاتے اور بیمار کے قریب اس کے سرہانے کے نزدیک بیٹھتے اور اپنا دست مبارک اس کی پیشانی پر رکھتے اور کبھی درد و تکلیف کے مقام پر دست اقدس رکھ کر دریافت فرماتے کہ حال کیسا ہے اور فرماتے بسم اللہ۔ یہ بھی ایک قسم کی طب اور علاج ہے جو بیمار کے دل میں مسرت وخوشی داخل کرنے اور اس کے باطن میں اثر انداز ہونے کا ذریعہ ہے۔ بیت

گر قدم رنجہ کند باز پرسیدن ما   باز دارد سر پرسیدن بیمار غمش

مصرع: خوش طبیب است بیا تا ہمہ بیمار شویم

مریض کے لیے حصول شفا اور تخفیف مرض میں تفریح نفس' تطیب قلب اور مسرت وخوشی کے داخل ہونے کی عجیب تاثیر ہے اس لیے کہ ارواح قوی اس سے طاقت پکڑتیں اور طبیعت کو موذی کے دفعیہ میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً عزیزوں' بزرگوں اور دوستوں کی ملاقات سے۔ ایسے ہی موقعہ پر کہا گیا ہے کہ: لِقَاءُ الْخَلِيْلِ شِفَاءُ الْعَلِيْلِ دوست کی ملاقات مرض کی شفا ہے۔

ایک یہودی کا لڑکا تھا جو حضور ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ یکایک وہ بیمار ہو گیا حضور اس کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے اور اس کے قریب بیٹھ کر اسے سلام کیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ اس خدا کی حمد جس نے اسے نار جہنم سے نجات دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا اور مجھ پر بیہوشی طاری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے وضو فرمایا اور وضو کے پانی سے مجھ پر چھینٹے مارے تو میں ہوش میں آ گیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ میرے منہ پر دم فرمایا میں اسی وقت صحت یاب ہو گیا اور فرمایا عود والمرضی مریضوں کی عیادت کرو' یہ استحبابی حکم ہر مرض کے لیے عام ہے اور بعض اس حکم عام سے' آشوب چشم' پھنسی اور درد دنداں کا استثنا کرتے ہیں۔ یہ اس روایت کے بموجب ہے۔ جسے بیہقی نے روایت کیا اور صحیح اس کے برعکس ہے۔

اسی طرح روز شنبہ (سنیچر کے دن) عیادت کرنے کی ممانعت روایت کرتے ہیں۔ یہ خلاف سنت ہے اس کی بنیاد ایک یہودی طبیب سے ہے کہ ایک بادشاہ بیمار ہوا اس نے طبیب کو حکم دیا کہ شبانہ روز خدمت میں حاضر رہے لیکن یہودی نے چاہا کہ اپنی آسانی کے لیے چھٹکارا ملے تو اس نے افتراء کیا اور کہا روز شنبہ بیمار کے پاس نہ جانا چاہیے۔ اس کے بعد یہ بات لوگوں میں پھیل گئی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ موسم سرما میں رات کو اور موسم گرما میں دن کو عیادت کرنا مستحب ہے بایں وجہ کہ مریض کو ضرر نہ پہنچے کیونکہ سردیوں میں راتیں لمبی اور گرمیوں میں دن لمبے ہوتے ہیں اور اعداء دین اور بد مذہبوں کی عیادت ومزاج پرسی مکروہ ہے مگر بوقت ضرورت شدیدہ اور عیادت کے استحباب میں حدیثیں بکثرت ہیں۔ اور اس کے آداب ومسائل کتابوں میں مذکور ہیں۔

جاننا چاہیے کہ مرض کی دو قسمیں ہیں ایک دلوں کا مرض' دوسرا بدنوں کا مرض۔ لیکن امراض قلب کا علاج' یہ رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے۔ کسی اور سے اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ اور امراض بدن کا علاج' تو وہ اور کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کا حصول بطریق اتباع وطفیل ہے۔ آپ کی بعثت کا اصل مقصود دلوں کی بیماریوں کا معالجہ اور اس کی اصلاح ہے اور دلوں میں جو گناہوں کے ضرر اور امراض ہوتے ہیں ان کا ازالہ اسی طرح ہے جس طرح بدنوں میں زہروں کا زہر مختلف نوعیتوں کا ہوتا ہے اور اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ اور بندے کو دنیا وآخرت کی اکثر حالتوں میں جو ضرر ونقصان پہنچتا ہے ان کا اصل سبب یہی معاصی نافرمانی ہے اعاذنا اللہ منہا معاصی کے اثرات دل کو بھی شامل ہیں اور بدن کو بھی۔ اور اس کی ایک وجہ علم کی محرومی ہے۔

کیونکہ علم کا نور' معصیت کی ظلمت وتاریکی کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں شعر

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ ۔ فَاَرْشَدَنِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ
وَقَالَ اِعْلَمْ اَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ ۔ وَنُوْرُ اللّٰهِ لَايُؤْتٰى لِلْعَاصِيْ

مطلب یہ کہ میں نے استاد وکیع سے حافظہ کی کمی کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترک معاصی کی ہدایت فرمائی اور فرمایا جان لو علم ایک نور ہے۔ اور اللہ کا نور نافرمانوں کو نہیں ملتا۔ اس کی دوسری وجہ رزق سے محرومی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ بندہ گناہوں کی پاداش میں اس رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اسے تقویٰ کی بدولت رزق مزید حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔ اگر بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو یقیناً ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

جیسا کہ چنگھاڑ والی قوم کے سلسلے میں انقطاع رزق کا سلسلہ وارد ہو چکا ہے۔

اس جگہ ایک خلل وشبہ لاحق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ بہت سے گنہگاروں اور صبح کے وقت مانگنے والوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ رزق و نعمتیں پاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعید وخوف' مسلمانوں اور اسلام کی تصدیق کرنے والوں کے لیے ہیں اس جگہ میں اس کا خطرہ ہے کہ ایمان کا تخم اس کے حال کی زمین سے نکال پھینکا گیا ہو۔ یا یہ کہ یہ مکر واستدراج ہے۔ کیونکہ ارتکاب معصیت کے وقت دل میں خاص قسم کی ظلمت ووحشت پائی جاتی ہے یہ محسوس قطعی ہے۔ اور کبھی یہ بد نصیبی وسیاہی چہرے پر بھی سرایت کر جاتی ہے۔ یہ بھی ایمان کی فرع ہے۔ اور قلب وبدن کی سستی بھی معاصی کی علامتوں میں سے ہے۔ نیز معصیت عمر کو کم کرنے کا موجب ہے۔ جس طرح کہ طاعت اس کی زیادتی کا سبب ہے اور بعض اسے خیر وبرکت کے اٹھ جانے پر محمول کرتے ہیں کیونکہ یہ ذلت' فساد عقل' زوال نعمت اور شقاوت کے شامل ہونے کا موجب ہے۔ جس طرح کہ بدن کی صحت حفظ قوت' پرہیز' اور مواد فاسد واخلاط رویہ کے استفراغ سے ہوتا ہے۔

دل کا بھی یہی حال ہے۔ اس کا استفراغ توبہ اور اعضاء کو نواہی سے بچانا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں تمہارے درد اور اس کی دوا نہ بتاؤں۔ فرمایا تمہارا درد تمہارے گناہ ہیں اور اس کی دوا استغفار ہے تو معلوم ہوا کہ طب قلوب کی معرفت اور اس کا معالجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے اور طب قلوب کی معرفت اور اس کا معالجہ اکثر راجع تجربہ ہے اور گاہے وحی سے بھی ہوا ہے۔ جیسے کہ سفر ومرض میں افطار کی رخصت اور خوف ومرض یا پانی بہم نہ ہونے پر تیمم کی مشروعیت وغیرہ مسائل شرعیہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ نیز وہ معالجات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے ظاہر ہے کہ وہ وحی سے ہوئے ہوں گے اگر تجربہ وقیاس سے بھی ہو تو بعید نہیں۔ کیونکہ علاج تجویز کرنا اور اسباب کو ثابت کرنا صحیح ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح بھوک و پیاس کو کھانے پینے سے دور کیا جانا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ اور علاج ومعالجہ کے جائز ہونے پر سید المتوکلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دلیل ہے۔ کیونکہ غایت توکل تداوی فرماتے اور اسباب وعلل کا لحاظ فرماتے تھے۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض پیدا نہ فرمایا مگر یہ کہ اس کے لیے دوا بھی پیدا فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر مرض کے لیے شفا ہے مگر موت کی نہیں۔ مطلب یہ کہ وہ مرض جس میں موت مقدر کی جا چکی ہو اس کا کوئی علاج نہیں۔ اور بعض حدیثوں میں مداوات یعنی علاج کرانے کا حکم ہے۔ اور اشارہ ہے کہ مداوات میں حکم الٰہی اور اس کی تقدیر پر نظر رکھنی چاہیے اور دوا ہی کو شفایابی کا ذریعہ نہ سمجھ لینا چاہیے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے (بلکہ مسنون ومستحب ہے) اور تقدیر الٰہی پر اعتقاد کے ساتھ قائم رہنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ البتہ! بعض اوقات' تحقیق حال اور تحصیل مقام توکل کے لیے ترک اسباب بھی فرماتے ہیں یہ اشارہ

حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے کہ:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِي سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنْ غَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ بروایت دیگر وَلَا يَكْتَوُوْنَ.

میری امت کے ستر ہزار لوگ بے حساب جنت میں جائیں گے یہ وہ ہیں جو نہ علاج کراتے ہیں اور نہ بدفالی لیتے ہیں۔ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور وہ لباس نہیں پہنتے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان افعال کو بیماری کے لیے بطریق اعتماد و اعتقاد کامل نہ کرنا چاہیے۔

مواہب لدنیہ میں هل يتداوى المتوكل (کیا متوکل علاج کرائے) میں حارث محاسبی سے منقول ہے کہ فرمایا تداوی توکل کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا وجود سید المتوکلین ﷺ سے ہے۔ پھر کسی نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنِ اسْتَرْقٰى وَاكْتَوٰى بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ. (جس نے علاج کرایا یا داغ لگوایا وہ توکل سے نکل گیا)۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ مراد اس توکل سے نکلنا ہے جس کا ذکر حدیث پاک: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ. (جو اوپر مذکور ہوئی) میں ہے۔ اور فرمایا توکل کے مدارج ہیں جن میں بعض بعض سے افضل ہیں (انتہی) اور ''صاحب تمہید'' نقل کرتے ہیں کہ توکل سے نکلنا اس وقت سے مراد ہے جب کہ وہ خلاف شریعت علاج کرائے۔ اور داغ لگوانے میں اسے ایسی رغبت ہو کہ وہ اسی میں شفا کو منحصر جانے اور اس پر یقین کامل رکھے۔ اور وہ فعل الٰہی سے روگرداں ہو اور وہ شخص جو یہ اعتقاد رکھے کہ شفا من جانب اللہ ہے تو اس کے جواز میں قرآن پاک اور فاتحۃ الکتاب سے معالجہ کرنا اس کی دلیل ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

اور اس باب کی تحقیق یہ ہے کہ اسباب تین قسم کے ہیں ایک اسباب یقینیہ جس کی رعایت بحکم الٰہی وتقدیر ربی واجب ہے جیسے کہ کھاتے وقت لقمہ کو خوب چبا کر نگلنا اور پیالہ منہ سے لگا کر گھونٹ گھونٹ پانی پینا تو اس کا ترک داخل توکل نہیں بلکہ گناہ کا موجب ہے دوسری قسم اسباب ظنیہ ہیں جو بحکم تجربہ صحیح اور توکل میں اس کا داخل ہونا ثابت شدہ ہے جیسے گرمی میں سرد دوائیں اور سردی میں گرم دوائیں وغیرہ کا استعمال۔ اس قسم کے استعمال میں عادی بننا یہ بھی توکل کے منافی نہیں ہے۔ بجز تحصیل مقام توکل میں حال نفس کی تحقیق کے لیے۔ کیونکہ بعض متوکلین نے ایسا کیا ہے اس کے باوجود وہ فتوائے شریعت میں محل عتاب ہوئے ہیں اور تیسری قسم اسباب وہمیہ ہیں جو نہ یقینی ہوں اور نہ ظنی محض وہم وخیال ہے۔ تو ان کا ارتکاب واستعمال باتفاق منافی توکل ہے۔

اور حضور ﷺ کا جسموں کا علاج فرمانا تین قسم کا تھا ایک طبعی دواؤں سے جنہیں اجزائے جماداتی' نباتاتی اور حیوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرا روحانی اور الٰہی دواؤں سے جو کہ ادعیہ' اذکار' اور آیات قرآنیہ ہیں اور تیسرا دوا یہ مرکبہ سے جو ان دونوں قسموں سے مرکب ہیں۔ یعنی دواؤں سے بھی اور دعاؤں سے بھی۔

قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی شے اعم وانفع اور اعظم شفا نازل نہیں ہوئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ہم نے قرآن سے وہ نازل فرمایا جو مسلمانوں کے لیے شفا ورحمت ہے۔

امراض روحانیہ کے لیے مکمل قرآن شفا ہے خواہ امراض روحانی' اعتقادات فاسدہ کے ہوں یا اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ کے ہوں۔ قرآن کریم عقائد حقہ کے اثبات اور اخلاق حمیدہ اور اعمال محمودہ کے بیان وارشاد میں دلائل واضحہ قطعیہ پر مشتمل ہے۔

اب رہا امراض جسمانیہ کے لیے قرآن کریم کا شفا ہونا تو یہ اسی وجہ سے ہے کہ اس کی تلاوت کے ذریعہ برکت وتیمن حاصل کرنا بہت سے امراض وعلل میں نافع اور ان کا دافع ومزیل ہے۔

جب کہ مجہول افسون ومنتر کا پڑھنا اور پھونکنا جس کے مفہوم ومعانی کسی سمجھ نہیں اور وہ اہل فسق وفجور سے منقول ہیں۔ اوران لوگوں کو ہم ان ظاہری آنکھوں سے نجاست وکثافت میں آلودہ دیکھتے ہیں۔ پھران سے جلب منفعت اور دفع مفاسد میں عجیب وغریب آثار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ قرآن کریم جوجلال کبریائے الٰہی اور ذات وصفات باری تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہے ان لوگوں سے وہ صادر ہوتا ہے جن کی صفاو پاکیزگی اور عظمت وکمال ظاہر وثابت ہے۔ اور بذات خود یہ قرآن معجزات قاہرہ کا حامل ہے تو اس سے کیوں نہ شفا حاصل ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کوشفائے قرآن پڑھ کر بھی شفا نہ ہوا سے حق تعالیٰ کبھی شفا نہ دے گا۔ حدیث میں ہے کہ فاتحۃ الکتاب ہر مرض کی دوا ہے۔ زہریلے جانور کے کاٹے کا افسوں اور مجنون ومعتوہ کا فاتحۃ الکتاب سے علاج حدیثوں میں ثابت شدہ اور مسلمہ ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے جو ابن ماجہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ ''خَيْرُ الدَّوَاءِ الْقُرْآنُ'' بہترین علاج قرآن ہے۔

صاحب بیضاوی نے اپنی تفسیر میں قول باری تعالیٰ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ اور دیگر آیات شفا کا ذکر کیا ہے۔ اور چلپی نے ان آیات کی تعیین کی ہے۔ اور کتب معتبرہ میں مثلاً مواہب لدنیہ وغیرہ میں ان آیات شفا کے ضمن میں وہ حکایت بیان کی گئی ہے جو امام طریقت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کا ایک بچہ بیمار ہوگیا اس کی بیماری اتنی سخت ہوگئی کہ وہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچے کا حال پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آیتِ شفا سے کیوں دور ہوتے ہو۔ کیوں ان سے تمسک نہیں کرتے اور شفا نہیں مانگتے میں بیدار ہوگیا اور اس پر غور کرنے لگا تو میں نے ان آیات شفاء کوکتاب الٰہی میں چھ جگہ پایا۔

آیات شفا

(۱)وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ (۲)وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ (۳)يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (۴)وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (۵)وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (۶)قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَّشِفَاءٌ

میں ان آیتوں کولکھا اور پانی میں گھول کر بچے کو پلادیا وہ بچہ اس وقت شفا پا گیا گویا کہ اس کے پاؤں سے گرہ کھول دی گئی ہو۔

اور شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اعاظم علمائے شافعیہ میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے بکثرت مشائخ عظام کو بیماروں کی عافیت کے لیے ان آیات شفاء کولکھتے دیکھا ہے اور کاتب الحروف نے بھی حضرت شیخ عبدالوہاب متقی کو بیماریوں کے لیے اس عمل کو کرتے دیکھا ہے لیکن اس جگہ ایک بات ہے جسے جاننا اور دریافت کرنا چاہیے وہ یہ کہ یہ آیات کریمہ اور دیگر اذکار واد عیہ جن کو بطور علاج پڑھتے اوران سے شفا حاصل کرتے ہیں یقیناً یہ فی نفسہ نفع وشفا کے حامل ہیں لیکن قبول وصلاحیت کا محل اور فاعل کی قوت وہمت اوراس کی تاثیر بھی اس میں شرط ہے اور جہاں کہیں شفایابی میں اختلاف پڑے تو وہ یا تو فاعل کی تاثیر اوراس کی ہمت کی کمزوری ہوگی یا بسبب عدم قبول ہوگا یا اس جگہ کوئی ایسا قوی مانع ہوگا جو باوجود قوت فاعل اور صلاحیت محل کے وصول اثر اور ظہور تاثیر سے حاجب وحاجز آیا ہوگا اور یہ بات اور یہ حسیہ میں بھی رونما ہوتی ہے کیونکہ ان دواؤں کی عدم تاثیر کبھی دوا کے لیے بسبب عدم قبول طبیعت ہوتی ہے۔ اور کبھی اس تک دوا اثر کرنے اور وہاں تک پہنچنے میں کسی مانع کا وجود ہوتا ہے اس لیے کہ طبیعت جب دوا کو اچھی طرح قبول اور ہضم کر لیتی ہے تو اس کے ذریعہ بدن مکمل طور پر بحسب قبول انتفاع کرتا ہے۔ اسی طرح دل جب دعائے شفا اور تعویذوں کو پورے طور پر قبول کر لیتا ہے اور فاعل کی جانب سے ہمت قوی ہوتی ہے تو ازالۂ مرض میں خاص اثر دکھاتا ہے۔

اسی طرح ازالۂ مرض، دفع بلا اور حصول مطلوب میں دعا بہت قوی اسباب میں سے ہے لیکن کبھی کبھی اس کا اثر برخلاف ہوتا ہے اور یہ یا تو اس کے اس ضعف کی بنا پر ہوگا جو فی نفسہ اس میں موجود ہوگا جیسے کہ کوئی دعا مانگتا ہے اور حق تعالیٰ اس دعا کو اس بندے کے لیے بہتر نہیں جانتا بایں جہت کہ اس کی قبولیت میں حقانیت وانصاف کی حد سے تجاوز پایا جاتا ہے جو اس کی ذات اقدس سے بعید ہے یا اس ضعف کی بنا پر ہوگا جو دعا مانگنے والے کے دل میں ہے کہ وہ پوری دل سوزی اور کامل دلجمعی کے ساتھ دعا مانگتے وقت خدا کے حضور حاضر نہیں ہے یا اس بنا پر ہوگا کہ اس کی حالت میں حصول مدعا کے لیے کوئی امر مانع ہے مثلاً اکل حرام یا دل پر دین کی تاریکی کا عارض ہونا یا دل پر غفلت، سہو اور کھیل کود کا غالب ہونا وغیرہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ قلب لاہی، تباہی یعنی جس کا دل کھیل کود اور لغویت میں مبتلا رہے اور خدا سے غافل ہے اس کی دعا قبول نہیں فرماتا اور دعا بلا کی دشمن ہے وہ اسے دور کرتی اور درست بناتی اور دعا بلاؤں کے اترنے سے روکتی ہے اور اترنے کے بعد یا تو دفع کرتی ہے یا اس میں تخفیف کرتی ہے اور دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

اور اگر دعا حضور قلب، جمعیۃ کاملہ بر مطلوب کے ساتھ مانگی جائے اور قبولیت کے اوقات میں خشوع وخضوع، انکساری وتذلل اور تضرع وطہارت کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر حمد وصلوٰۃ کے ساتھ بعد از توبہ واستغفار، صدق والحاح وتملق، توسل باسماء وصفات الٰہی اور توجہ صادق بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دعا کی تمام شرائط کے ساتھ کرے تو ایسی دعا اس تیراندازی کی مانند ہے جس کا تیر وکمان ٹھیک ہو اور دن بھی درست ہو اور بازو میں بھی پوری قوت ہو اور نشانہ بھی سامنے ہو اور وہ قابل تاثیر وصلاحیت ہو اور درمیان میں نشانہ تک پہنچنے میں کوئی روک اور مانع نہ ہو اور تیراندازی کا علم رکھتا ہو اور اس کے آداب وشرائط سے بھی واقف ہو۔

اب رہا ان معوذات وغیرہ سے جو کہ اسماء الٰہی سے ہیں ان سے طلب شفا کرنا تو یہ بھی از قسم طب روحانی ہے اگر وہ نیکوں، متقیوں اور پرہیزگاروں کی زبان پر پوری ہمت وتوجہ کے ساتھ جاری ہوں لیکن چونکہ اس قسم کا وجود شاذ ونادر ہے اس لیے لوگ طب جسمانی کی طرف دوڑتے ہیں اور اس سے غافل وبے پرواہ بیٹھے رہتے ہیں۔ معوذات سے مراد وہ ہے جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' اور ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور بعض قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ بھی مراد لیتے ہیں۔ یا ہر وہ جگہ جہاں قرآن میں متضمن استعاذہ آیات واقع ہوئی ہیں مثلاً: رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنَ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ وغیرہ اور اس باب میں جس میں ہم بحث کر رہے ہیں اس سے بہت زیادہ عام مراد ہے اور استفادہ کے ضمن میں اوراد ووظائف بکثرت وارد ہیں۔

بلاشبہ علماء کرام نے تین شرطوں کے مجتمع ہونے کے وقت رقیہ یعنی دعائے شفا کے جائز ہونے پر اجماع کیا ہے پہلی شرط یہ کہ وہ دعا کلام خدا اور اس کے اسماء وصفات کے ساتھ ہو خواہ عربی زبان میں ہو یا کسی اور زبان میں مگر یہ کہ اس کے معنی جانے جاتے ہوں۔ اور اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ مؤثر حقیقی، حق تبارک وتعالیٰ ہی ہے اور اس رقیہ یعنی دعا کی تاثیر اس کی مشیت وتقدیر پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ دعائیں اور اوراد ووظائف اور دیگر وہ اسباب جو ہم کرتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل دیتے ہیں۔ فرمایا یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کہا ہم زمانہ جاہلیت میں منتر وجنتر پڑھا کرتے تھے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ضمن میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا اپنے منتر کو میرے سامنے پیش کرو۔ اگر اس میں شرکی باتیں نہ ہوئیں تو پڑھ سکتے ہو کوئی مضائقہ نہیں۔

نادزہر عقرب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ن منتروں کے پڑھنے سے منع فرمایا

ہے۔اس کے بعد کچھ صحابۂ کرام خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے یارسول اللہ ہمارے پاس بچھو کے کاٹے کا منتر ہے جسے ہم کرتے ہیں پھراس منتر کو سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے تم کرو اور فرمایا جس سے جتنا ممکن ہو اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔اسی عموم سے ایک گروہ نے تمسک واستدلال کیا ہے اور ہر مجرب و نفع دینے والے منتروں کو جائز رکھا ہے اگرچہ اس کے معنی معلوم نہ ہوں لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ جس کے معنی معلوم نہ ہوں نہ کریں۔ مبادا کہ متضمن شرکی ہو۔ یہ حکم غیر ماثور میں ہے ورنہ جو ماثور ہیں جیسا کہ بچھو کے کاٹے میں آیا ہے: بِسْمِ اللّٰہِ وَبِشَحَمَۃِ قَرِیْنِہٖ مَلْحِہٖ بَحْرِ قَفْطَا وہ جائز ہوگا بے شبہ اور یہ تو عوف رضی اللہ عنہ بن مالک کی حدیث سے یقیناً معلوم ہوگیا کہ ہر وہ رقیہ جو متضمن شرک ہے جائز نہیں ہے اسی طرح سریانی وعبرانی زبان کی وہ دعائیں اور اسماء جن کے معنی معلوم نہیں ہیں انہیں نہ پڑھنا چاہیے۔ حکایات مشائخ میں منقول ہے کہ ایک شخص کوئی دعا پڑھ رہا تھا ایک اور شخص اس جگہ موجود تھا اس نے کہا اسے کیا ہوگیا ہے کہ یہ مرد خدا اور اس کے رسول کو گالیاں دے رہا ہے۔ اتفاق سے اس دعا کا مضمون ہی ایسا تھا اور وہ شخص لاعلمی میں اسے پڑھ رہا تھا یارب (رب کی پناہ) مگر بعض کلمات ثقہ صفحات سے ایسے منقول ہیں جن کے معنی معلوم نہیں اور مشائخ عظام سے تواتر کے ساتھ ان کا پڑھنا مروی ہے جیسے کے حرز یمانی جیسے سیفی بھی کہتے ہیں اس کے ماسوا اور بھی ایسی دعائیں ہیں جنہیں وہ پڑھتے ہیں (واللہ اعلم)

ابن ماجہ وابوداؤد کی حدیث میں آیا ہے اور حاکم نے بروایت سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما اس کی تصحیح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایہ کے رقیہ، تمیمہ اور تولہ شرک ہے۔ رقیہ جاہلانہ منتروں پر بھی بولا جاتا ہے اور تمیمہ بجر بٹو وغیرہ کو کہتے ہیں جو کالے سفید دانے بچوں کے گلوں میں بلاؤں کے دور کرنے کی غرض سے لٹکا دیتے ہیں اور تولہ ٹو ٹکے اور ٹونے کو کہتے ہیں جو عورتیں مردوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے کرتی ہیں یہ ایک قسم کا جادو ہے اور دعا حزب اور رقیہ جیسے کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا جاتا ہے اسے ''تعویز'' کہتے ہیں اسے گردن یا بازو پر باندھتے ہیں۔ بعض علما ان کو بھی منع کرتے ہیں لیکن جن علما کے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف و پریشانی اور بے خوابی کے ازالہ کے لیے انہیں یہ کلمات تلقین فرمائے تھے کہ: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَۃِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ شَرِّعِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما ان بچوں کو جو عقل رکھتے سکھاتے، اور وہ بچے جو عقل وسمجھ نہیں رکھتے انہیں کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر گردن میں لٹکاتے وہ علماء اسے جائز رکھتے ہیں۔

اور تعویز کا لفظ حدیث میں آیا ہے جیسے: تَعْوِیْذُ الطِّفْلِ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَۃِ الْحَدِیْثِ۔ اور ''تعویذات النبی'' وغیرہ جیسا کہ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ تعویذ کے معنی اللہ عزوجل سے شر وخوف سے استعاذہ و پناہ مانگنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ نے میری گردن میں ایک ڈورا (یعنی گنڈا) دیکھا انہوں نے پوچھا اے زینب (رضی اللہ عنہا)! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ گنڈا ہے جسے میرے لیے اس پر پڑھ کر دم کیا گیا ہے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرمایا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے شرک سے بے نیاز ہیں انہیں اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جنتر منتر اور گنڈے، بجر بٹو اور ٹونے ٹوٹکے شرک ہیں۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ میری آنکھ درد کی شدت میں نکلی پڑتی تھی اور اس میں چیپڑ اور آنسو بھرے رہتے تھے تو میں فلاں یہودی کے پاس گئی اس نے کچھ پڑھ کر میری آنکھ پر دم کیا تو میری آنکھ کا دکھ درد اسی وقت جاتا رہا اور مجھے سکون مل گیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایہ تمہاری آنکھ کا یہ درد شیطان کے عمل سے تھا کہ اس نے تمہاری آنکھ میں چوکنے لگائے۔ جب اس نے منتر پڑھا تو وہ باز آگیا۔ حالانکہ تمہیں یہ لازم تھا کہ تم وہ پڑھتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ: اَذْھِبِ

الْبَاْسَ، رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لاَ شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُ كَ شِفَآءً لَّایُغَادِرُ سَقْمًا. (رواہ ابوداؤد)

شرک کی مانند انہیں کیوں کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت کے لوگ ان میں حقیقی اثر کا اعتقاد رکھتے اور غیر خدا کے نام پر کرتے ہیں تو وہ جو نام خدا اور کلام خدا سے ہو وہ اس حکم میں نہ ہوگا اور وہ کیسے شرک ہوسکتا ہے جب کہ اس بارے میں احادیث و اخبار صحیحہ وصریحہ وارد ہیں اور خدا کے حضور گڑگڑانے اور التجائیں کرنے کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے خواہ یہ کسی طرح ہے اور کسی موقع پر ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ان منتروں کی ممانعت ہے جو اہل عزائم اور مدعیان تسخیر جنات پڑھتے ہیں اور ان میں امور مشتبہ اور حق و باطل سے مرکب کلمات استعمال کرتے ہیں کیونکہ ذکر خدا اور اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ اسماء شیاطین اور ان کے ذکر کو ملاتے ہیں اور ان سے استغاثہ کرتے اور ان سے پناہ تلاش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنات تعلق کی بنا پر اپنی طبیعت میں انسان سے خاص دشمنی رکھتے ہیں۔ اور شیاطین سے دوستی رکھتے ہیں اور جب منتروں کو شیاطین کے ناموں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو وہ اسے قبول و پسند کرتے ہیں اور اپنی جگہ سے نکل جاتے ہیں۔ یہی حال جانور کے کاٹے کا ہے کیونکہ یہ بھی جنات کے اثر سے ہوتا ہے اور جنات سانپ بچھو کی طرح اختیار کر لیتے ہیں تو جب بھی شیاطین کے ناموں کے ساتھ منتر پڑھا جاتا ہے تو اس کا زہر ان کے بدنوں میں سرایت کر جاتا ہے اس بنا پر وہ منتروں سے بھاگتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو منتر کتاب اللہ اور اسماء وصفات باری تعالیٰ کے سوا ہیں وہ مکروہ ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس مقام کا حاصل یہ ہے کہ قرطبی جو فقہ و حدیث کے مشاہیر علماء میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''رقایا'' کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جس سے زمانہ جاہلیت میں رقیہ کرتے تھے اور اس کے معنی معلوم نہیں ہیں۔ اس قسم کے رقایا اور منتروں سے بچنا واجب ہے ممکن ہے کہ اس میں کوئی شرک ہو یا مؤدی بشرک ہو۔ دوسرا وہ جو کتاب اللہ اور اسماء وصفات باری تعالیٰ عزاسمہ سے ہو تو یہ جائز ہے اور اگر کوئی چیز ماثور ہے تو وہ مستحب ہے تیسرا وہ جو غیر خدا کے ناموں سے ہے مثلاً فرشتہ یا بندہ صالح یا کوئی اور معظم مخلوق جیسے عرش وکرسی وغیرہ تو اس قسم سے اجتناب واجب نہیں ہے اور اس کا ترک اس بنا پر اولیٰ ہے کہ اس میں غیر خدا سے التجا کا وجود ہے اور اگر متضمن تعظیم مرقی بہ ہے تو اس سے اجتناب لازم ہے جس طرح کہ غیر خدائے عزوجل سے قسم کھانا۔

بندہ مسکین (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ) عفی اللہ عنہ، کہتا ہے کہ محبوبان خدا اور اسماء الٰہی سے تمسک و توسل کرنا اس لیے جائز ہے کہ انہیں بارگاہِ حق اور درگاہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں قرب و منزل حاصل ہے اور اگر ہم ان کی تعظیم بھی کرتے ہیں تو اسی وجہ سے کہ انہوں نے خدا کی بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت خوب کی ہے یہ استقلال واستبداء کی طور پر نہیں ہے اس کو غیر خدائے عزوجل کے ساتھ قسم کھانے پر قیاس نہیں کر سکتے بلکہ بطریق توسل وتشفی ہے نہ کہ بطریق اشتراک جیسا کہ جہاں اور عوام الناس کرتے ہیں (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَسَلِّمْ)۔

حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے رقیہ یعنی دعائے شفا کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کوئی حرج نہیں اگر وہ کتاب اللہ اور جانے پہچانے ذکر الٰہی سے ہو میں نے کہا کیا یہ صحیح ہے کہ مسلمان اہل کتاب سے رقیہ کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب کہ وہاں کلمات سے جو جانے پہنچانے اور کتاب خدا اور ذکر الٰہی سے ہوں۔ انتہی۔ ظاہر یہ ہے کہ کتاب خدا سے مراد قرآن ہوگا ورنہ چونکہ توریت وغیرہ میں تغیر و تحریف واقع ہوگیا ہے تو ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ شرط یہ ہے کہ انکا مضمون حق کے موافق اور قرآن کے مطابق ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مؤطا میں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہودی عورت سے فرمایہ کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کتاب خدا سے رقیہ کر۔ نووی فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ کا یہود ونصاریٰ سے مسلمان کے لیے رقیہ کرانے کے قول میں علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل ہیں۔ ابن وہب امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ لوہے کی چیز اور نمک اور ڈورے میں گرہ لگانے سے رقیہ کرنا مکروہ ہے اور وہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے متعلق ہے لکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ قدیم زمانہ کے لوگوں کے معمولات میں نہ تھا۔ مطلب یہ کہ وہ بدعت و مکروہ ہے۔

تنبیہ: اکثر و بیشتر عامۃ الناس کی غلطیوں کی بنیاد اس سے یہ ہے کہ ان افسوں ہائے باطلہ اور شگوفہائے جاہلیت کی عجیب وغریب تاثیر پاتے ہیں اور حیران ہو کر رہ جاتے ہیں کہ رقیہ ہائے مشروعہ سے کبھی ایسے اثرات ظاہر نہیں ہوتے۔ ایسے موقع پر وہ انکار کی روش اور حیرت کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں جیسا کہ حضرت زینب زوجۂ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ظاہر ہوا ہے کہ انہوں نے کہا میں کیا کروں کہ جس وقت میری آنکھ درد سے نکل پڑتی تھی اس وقت فلاں یہودی سے افسوں کرایا تو اس وقت درد جاتا رہا۔ حالانکہ عام لوگ اتنا نہیں جانتے کہ درد و بطلان کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے ان کی ممانعت فرمائی ہے اور شارع کے نزدیک اس ممانعت کی حکمت اور ظاہری فائدہ مقصود یہ ہے کہ انہیں شرک اور کفر کے گڑے سے نکالیں۔ لہٰذا جن لوگوں کا قدم صدق و ایمان کے مقام میں ثابت و مستحکم ہے وہ کسی حال میں ان چیزوں کا ارتکاب نہیں کرتے خواہ وہ ہلاکت اور حیات فانی کے زوال کے خطرے میں ہی مبتلا کیوں نہ ہوں اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ سعادت ابدی اور باقی رہنے والی حیات وزندگی شارع علیہ السلام کے حکم کے بجالانے میں ہے اور جن لوگوں کا مطمح نظر دنیاوی زندگی ہے وہ مقام استقامت سے لڑھک جاتے ہیں اور کفر و معصیت کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ اِعَاذَنَا اللہُ مِنْ ذَالِكَ۔

ہمارے شہروں میں ایک افسوں ہے جس کی نسبت واضافت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ کی طرف کرتے ہیں۔ اور لوگ اس سے شغف رکھتے ہیں اور جب اس کی نسبت حضرت شیخ رحمۃ اللہ کی طرف لکھا پاتے ہیں تو اور زیادہ اس کے گرویدہ و متوالے ہو جاتے ہیں اور اس میں ایسے اسماء ہیں جو ہندوؤں کی زبانوں میں مشہور و معروف ہیں تو اس سے اجتناب لازمی و ضروری سمجھنا چاہیے (وَاللہُ اَعْلَمُ بِصِحَتِهَا)۔

رقیہ ہائے ماثورہ

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر باب میں رقیہ یعنی دعائے شفا مروی ہے خصوصاً آنکھ اور زہریلے جانور کے کاٹے کے سلسلے میں۔ حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے کہ نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹے اور نملہ یعنی اس پھوڑے پر جو انسان کے پہلو پر نکلتا ہے آپ افسوں کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: لَا رُقْيَةَ اِلَّا فِيْ نَفْسٍ اَوْ حُمَّةٍ افسوں کی اجازت نہیں ہے مگر نظر بد اور جانور کے کاٹے میں' حمہ سے مراد زہریلے جانور کا کاٹنا اور نفس سے مراد نظر بد ہے اور ایک روایت میں ''لدغ'' زیادہ کیا گیا ہے۔ لدغ سے مراد دانتوں والے زہریلے جانور کا کاٹنا ہے۔ جیسے سانپ وغیرہ اور حصر سے مراد مبالغہ ہے نہ کہ ان چیزوں کے ساتھ رقیہ کی تخصیص۔ اس لیے کہ رقیہ انہیں چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام امراض و آلام میں مشروع و مسنون ہے جیسے کہ تپ ولرزہ، درد سر' درد دندان وغیرہ ہیں۔

بد نظری: رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ''العین حق'' یعنی بدنظری اور اس کی کارفرمائی نفس الامر میں موجود ثابت ہے اور حق تعالیٰ نے بعض جانوروں میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ جب وہ کسی چیز کی طرف اچھی نظر سے دیکھتے ہیں تو وہ چیز نقصان پہنچاتی ہے جس طرح کہ جادو میں ہے اور فرمایا: لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدْرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ اگر کوئی چیز ایسی ہوتی کہ سبقت کرے اور قضا وقدر کے بعد اکثر لوگ بدنظری کا شکار ہوتے ہیں۔ علماء کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ عین یعنی بدنظری حق ہے۔ اور متبدعین کا ایک گروہ مثلاً معتزلہ اور ہر وہ شخص جو ان کی روش پر چلے اس میں شک وشبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ جب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دیدی ہے تو اس پر اعتقاد واجب اور انکار باطل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ سب کچھ تقدیر آلٰہی سے ہے بدنظری کا کیا اعتبار؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بد نظری بھی تقدیر الٰہی سے ہے اور آنکھ کی تاثیر ذاتی نہیں ہے۔ اور ہر شخص جو اہل سنت وجماعت کے طریقہ پر ہے کہے گا کہ یہ از اسباب عادی ہے بایں معنی کہ عادت الٰہیہ اسی طرح جاری ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے سامنے آئے اور اس کی طرف بنظر استحسان دیکھے تو حق تعالیٰ اس میں ضرر پیدا فرماتا ہے لیکن وہ چیز جو دیکھنے والے کی آنکھ سے نکلتی ہے اور شیئی مقابل کو پہنچتی ہے تو نفی واثبات کے کسی پہلو پر جزم نہیں کر سکتے یہ دونوں جانب متحمل ہے۔ اور بعض اصحاب طبایع کہتے ہیں کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے جواہر لطیفہ غیر مرئیہ پھوٹتی ہیں اور شیئی مقابل پر جا کر جم جاتی ہیں۔ اور باہر کی شئی مسامات کے ذریعہ اس کی آنکھ میں داخل ہوتی ہے اس وقت حق تعالیٰ ہلاکت کو اس کے نزدیک پیدا فرماتا ہے اسی طرح جس وقت کہ زہر پیتے وقت ہلاکت کو پیدا فرماتا ہے۔ یہ بات متحمل ہے کیونکہ قطعی ویقینی بات کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔ اور بعض نظروں سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں اور وہ چیز ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہے تو اپنی آنکھوں سے خاص قسم کی حرارت نکلتی پاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے زہریلی قوت پھوٹتی ہے جو دیکھی ہوئی شے پر چسپاں ہو جاتی ہے اور وہ ہلاکت وفساد کرتی ہے۔ اس زہر کی مانند جو سانپ کے ڈسنے سے ہے برپا کرتی ہے۔ اور بعض سانپ تو تیز نظر کے ذریعے زہر پہنچاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کوئی تیز چیز دیکھنے والے کی آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز کی طرف جاتی ہے اگر کوئی ایسی چیز مانع نہ ہو جو اسے اس سے محفوظ نہ کر سکے اور پہنچا سکے تو وہ پہنچ کر اثر انداز ہو جاتی ہے اور اگر درمیان میں کوئی مانع حائل ہے مثلاً کلمات، حرز، تعوذ اور دعا وغیرہ تو وہ سپر بن کر اس کے اصول ونفوذ سے محفوظ رکھتی ہے اور اگر سپر سخت وقوی ہوا تو ممکن ہے کہ اسی کے جانب تیر کی مانند پلٹا دے۔

اور اس علت یعنی بدنظری کا نبوی علاج، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب معوذات کے ذریعہ تھا یعنی وہ آیات وکلمات جن میں شرور سے استفاذہ ہے جیسے معوذتین، سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی وغیرہ۔ علماء کہتے ہیں کہ سب سے اہم واعظم رقیہ، سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور معوذتین کا پڑھنا ہے اور ان تعویذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں جو احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہیں ایک یہ ہے کہ

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَايُجَاوِزُ مِنْ بَرٍّ وَّلَا فَاجِرٍ وَّبِاَسْمَآءِ اللهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ أَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمَا بَرَأَ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا يَّطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ۔

اور نظر بد کے دفع کرنے کے لیے یہ کہنا چاہیے کہ: مَاشَآءَ اللهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔ اور اگر دیکھنے والا اس سے خوفزدہ ہے کہ اپنی ہی نظر کا ضرر اسے نہ پہنچے تو یہ کہے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْهِ یہ نظر بد کو دور کر دے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ بن ربیعہ نے سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف کو دیکھا کہ وہ غسل کررہے ہیں۔ اور وہ خوبرو اور حسین ہیں۔ اس پر عامر رضی اللہ عنہ کو ان کے حسن بدن پر تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے خدا کی قسم! میں نے اتنا خوش نما بدن نہ کسی پردہ نشین عورت کا دیکھا اور نہ کسی مرد کا۔ سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف اسی دم سرور میں آئے اور زمین پر گر پڑے اس کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچی تو فرمایا کسی پر تہمت دھرتے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ عامر رضی اللہ عنہ نے اس کے بدن کو دیکھ کر تحسین و تعریف کی اس کے بعد آپ نے عامر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا جب تمہیں اپنے بھائی کی کوئی چیز اچھی معلوم ہوئی اور تم نے اسے دیکھا اور تمہاری نظر میں وہ اچھا معلوم ہوا تو تم نے اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلَیْہِ کیوں نہ پڑھا۔ اس کے بعد فرمایا سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف کے لیے اپنے بدن کا غسالہ دو تو انہوں نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک اور دونوں ٹانگیں ران اور شرمگاہ تک دھوکر ایک پیالہ میں دیا پھر وہ غسالہ سہل رضی اللہ عنہ کے سر پر پشت پر ڈالا گیا وہ اسی وقت اچھے ہوکر لوگوں کے ساتھ چل دیئے گویا انہیں کوئی ضرر پہنچا ہی نہ تھا۔ مواہب لدنیہ میں بروایت ابن کثیر نہایہ سے نقل کرکے اعضاء کے دھونے اور اس کی خاص کیفیت کے بیان میں کہا ہے کہ قوم کی یہ عادت تھی جب کسی کو کسی کی بدنظری لگتی تو پانی کا ایک برتن دیکھنے والے کے پاس لاتے وہ اپنے داہنے ہاتھ سے پانی کو جسم پر ڈالتا اور کلی کرتا اور برتن میں پانی ڈالتا اس کے بعد اپنے چہرہ کو برتن میں دھوتا پھر بایاں ہاتھ برتن میں ڈالتا پھر پانی کو برتن سے جسم پر ڈالتا اور داہنے ہاتھ پر بہاتا پھر داہنا ہاتھ پانی میں ڈالتا اور بائیں ہاتھ پر بہاتا۔ پھر بایاں ہاتھ پانی میں ڈالتا اور داہنی کہنیوں پر بہاتا پھر بایاں ہاتھ ڈالتا اور بائیں کہنیوں پر بہاتا پھر بایاں ہاتھ ڈالتا اور داہنے قدم پر ڈالتا پھر داہنا ہاتھ ڈالتا اور بائیں قدم پر ڈالتا پھر بایاں ہاتھ ڈالتا اور داہنے زانو پر بہاتا پھر داہنا ہاتھ ڈالتا اور بائیں زانو پر بہاتا اس کے بعد تہبند کے اندر شرمگاہ کو دھوتا اور پاؤں زمین نہ رکھتا پھر اس آب غسالہ کو نظر بد لگنے والے کے سر پر پیچھے کی جانب بہایا جاتا تو وہ باذن خدا تندرست ہوجاتا (انتہی) مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ابن کثیر نے قوم کی جو عادت بیان کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی ایسا ہی کیا گیا (واللہ اعلم) بہر تقدیر اس کا بھید عقل کی راہ سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔

قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی متشرع اس میں توقف کرے تو اس سے کہنا چاہیے کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں تجربہ سے اس کی تائید اور معائنہ سے اس کی تصدیق کی گئی ہے اور اگر کوئی فلسفی توقف کرے تو اس کا رد بہت آسان ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مقرر و ثابت ہے کہ بعض دوائیں اپنی قوت سے تاثیر کرتی ہیں اور اپنی خاصیت سے کام کرتی ہیں تو یہ بھی اس قبیل سے ہے اور کہربا اور آہن ربا یعنی مقناطیس بھی اسی قبیل سے ہے۔ اب رہا یہ کہ داخلہ ازار یعنی شرمگاہ سے کیا مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ فرج مراد ہے جو کہ طرف ازار ہے اور جو داہنی جانب سے اس کے بدن سے ڈالا گیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد اس کا جسم ہے جو کہ ازار سے متصل ہے یا موضع ازار کا جسم مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ''مرار سرہ'' ہے جو کہ مقعد ازار ہے۔

سلف صالحین کی جماعت یہ جائز رکھتی ہے کہ آیاتِ قرآنیہ لکھ کر نظر بد لگے ہوئے کو پلایا جائے مجاہد فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ قرآن کو لکھ کر اور اسے دھوکر بیمار کو پلایا جائے۔ خواہ مطلق قرآن لکھ کر یا کوئی ایسی آیت جو مناسب شفا ہو یا مشتمل بر ذکر اسماء وصفاتِ باری تعالیٰ ہو وھوالانسب۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت دردِ زہ میں مبتلا تھی آپ نے ایک آیت یا دو آیتیں قرآن کی بتائیں اور فرمایا کہ انہیں لکھ کر اور دھوکر اسے پلادو۔ پہلے بھی شیخ امام ابوالقاسم قشیری کی حکایت آیات شفا میں گزر چکی ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے۔

حکایت: ابوعبداللہ نباحی سے ایک حکایت مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اونٹ پر سوار سفر میں جارہا تھا۔ میرے ہمراہیوں

کے درمیان ایک ایسا شخص تھا جو نظر بد لگانے میں منسوب تھا وہ جس چیز پر اچھی نظر ڈالتا وہ گر کر تلف ہو جاتی۔ اور عبداللہ نباحی سے لوگوں نے کہا اپنے اونٹ کو اس کے شر سے محفوظ رکھو۔ نباحی نے کہا اسے میرے اونٹ پر کوئی قدرت نہیں ہے جب اس بدنظر شخص کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اس گھات میں رہا کہ نباحی ادھر ادھر ہو تو اونٹ پر نظر لگائے۔ جس وقت نباحی دور ہوا تو وہ اس کی قیام گاہ پر آیا اور اس کے اونٹ پر نظر بد ڈالی۔ اونٹ اس طرح تڑپ کر گر پڑا جس طرح درخت جڑ سے اکھڑ کر گر پڑتا ہے۔ نباحی کو خبر کی گئی کہ بدنظر نے اونٹ پر نظر بد لگائی ہے۔ وہ آئے اور بدنظر شخص کو دیکھ کر یہ رقیہ پڑھا:

''بِسْمِ اللهِ حبس حَابِسٍ وَشَجرٍ يَابِسٍ وَشهاب قابسٍ رُدِّدَتْ عَيْنُ العائن عليه وعلى احب الناس اليه فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُتُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○''

جب نباحی نے یہ دعا پڑھی تو اس وقت اس نظر بد کی آنکھ اپنے حلقۂ چشم سے نکل کر باہر گر پڑی اور اونٹ تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دعا رقیہ بھی نظر بد کے لیے ہے۔

مواہب لدنیہ میں ابن قیم سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ بدنظری کے علاج کے سلسلے میں اس سے احتراز و اجتناب اور اس شخص سے جس کی نظر سے خطرہ خوبصورت چیز کو اس کی نظر سے بچانے کے سلسلے میں ایسی چیز لگانا جس سے اس کی نظر پلٹ جائے جائز ہے جیسا کہ بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی ٹھوڑی پر سیاہ نقطہ لگا دو تا کہ اسے نظر بد نہ لگے (کذا فی المواہب) مخفی نہ رہنا چاہیے کہ بچے کی ٹھوڑی میں سیاہ نقطہ لگانے سے اس کی خوبصورتی چھپانا نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی ایک بھید ہے جو بدنظری کے ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور رقیہ کا حکم رکھتا ہے (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کے گھر ایک لڑکی کو دیکھا جس پر جن کی نظر کا اثر تھا۔ صحیحین کے الفاظ ایسے ہی ہیں کہ لڑکی کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر زردی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لڑکی کے لیے افسوں پڑھو کیونکہ اس پر جن کی نظر کا اثر ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آدمی کی نظر لگتی ہے اسی طرح جن کی بھی نظر لگتی ہے اور کہتے ہیں کہ جن کی نظر تیر سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے وہاں ایک لڑکی کے چہرے پر زردی دیکھی لوگوں نے عرض کیا اسے نظر بد لگی ہے فرمایا نظر بد کا افسوں کیوں نہیں پڑھتے۔ کہتے ہیں کہ نظر لگنا عجب واستحسان ہوتا ہے اگرچہ دشمنی وحسد نہ ہو اور مرد صالح کی جانب سے محبت کے طور سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ عامر بن ربیعہ کی نظر سہل بن حنیف کو لگی۔ دیکھنے والے کو چاہیے کہ جب کوئی چیز اس کی نظر میں اچھی اور بھلی معلوم ہو تو وہ دعا اور برکت میں جلدی کرے یہ بمنزلہ رقیہ ہوگا اور حاکم پر لازم ہے کہ اس شخص کو جس کی نظر لگتی ہو اور وہ اس میں مشہور و معروف ہو اسے لوگوں سے ملنے جلنے سے باز رکھے۔ اور اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دے اور اگر وہ محتاج ہے تو اسے اتنی روزی دے کہ وہ زندگی گزار سکے۔ اس لیے کہ اس کا ضرر، کوڑھی کے ضرر سے زیادہ سخت ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کو لوگوں سے ملنے جلنے سے روکا۔ اور لوگوں کے ساتھ کھانے پینے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ علمائے کرام نے نظر بد سے ہلاک ہونے والے کی دیت وقصاص کے وجوب میں اختلاف کیا۔ اور قرطبی جو کہ علماء فقہ وحدیث میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر عائن کسی چیز کو نظر سے تلف کر دے تو اس پر ضمان ہے اور اگر کسی کو نظر سے مار ڈالے تو اس پر قصاص نہ دیت ہے۔ اور اگر اس شخص سے دوبارہ ایسا ہو تو وہ عادی کی مانند ہے اس کا حکم جادوگر کا سا ہے اور نووی روضہ میں فرماتے ہیں

کہ اس میں نہ دیت ہے نہ کفارہ۔ اس لیے کہ یہ کام منضبط وعام نہیں ہے اور بعض اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور بعض حالتوں میں اس سے یہ فعل واقع نہیں ہوتا بلکہ یہ خاصیت کی قبیل سے ہے اور وہ عمل بد جو اس سے سرزد ہوتا ہے وہ قتل وہلاک وزوال حیات میں متعین نہیں ہے اور کبھی وہ عمل بد حاصل ہو جاتا ہے بغیر اس کے کہ اسے ہلاک کرنے کا قصد ہو (انتہی) اورا کابر احناف کے اقوام اس جگہ معلوم نہ ہوئے۔ ناظرین متلاشی رہیں اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو اس جگہ لکھ دے (واللہ اعلم)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امراض جسمانی کے لیے رقیہ اور دعا کرتے تھے مثلاً بخار تپ ولرزہ مرگی، صداع، خوف، وحشت، بے خوابی، سموم، ہموم، الم، مصائب، غم واندوہ، شدت وسختی، بدن میں درد تکلیف، فقر وفاقہ، قرض، جلنا، درد دنداں، حبس بول، خراج، نکسیر، عسر ولادت اور تمام امراض وآلام اور تمام مصیبت د بلا وشدائد وغیرہ میں ان سب کی دعائیں، رقایا اور تعویذیں حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں وہاں سے تلاش کرنا چاہیے۔ اسی طرح جسمانی علاج کے سلسلے میں ادویہ حسیہ سے معالجہ کرنا بھی واقع ہوا ہے۔ اس جگہ ہم اپنے مقصد ومطلب کے لحاظ سے جادو اور اس کا حکم بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہودی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کرنے کا قصہ طویل کلام کے ساتھ واقع ہے۔

ذکر سحر: وصل: صراح میں سحر کے معنی افسوں کرنا اور جادو کرنا لکھا ہے۔ اور سحر حرام ہے اور یہ باجماع گناہ کبیرہ میں سے ہے کبھی کفر بھی ہوتا ہے اگر اس میں کوئی قول یا فعل ایسا ہے جو موجب کفر ہو۔ سحر کو سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہیں۔ بعض علما کہتے ہیں کہ سحر کو سیکھنا اس نیت سے کہ اپنے سے اسے دور کیا جائے تو حرام نہیں ہے۔ ساحر یعنی جادوگر اگر اس کے سحر میں کفر نہ ہو تو تعزیر کی جائے گی اور اگر کفر ہے تو قتل کیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ زندیق میں ہے۔ اور زندیق وہ ہے جو نبوت، دین، حشر ونشر اور قیامت کا منکر ہو۔

سحر کی حقیقت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ محض تخیل ووہم ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ مطلب یہ کہ سحر زدہ میں جو حالات وافعال نمودار ہوتے ہیں وہ محض وہم وخیال کی پیداوار ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ ابوبکر استر آبادی شافعیوں میں سے اور ابوبکر رازی حنفیوں میں سے اور کچھ اور لوگوں کا اختیار کردہ مسلک ہے۔ اور نووی فرماتے ہیں کہ مسلک صحیح یہ ہے کہ اس کی حقیقت ہے۔ اسی پر جمہور علما ہیں اور کتاب وسنت مشہورہ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ کذافی مواہب اور شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مقام نزاع یہ ہے کہ آیا سحر سے انقلاب ذات اور قلب حقیقت واضح ہوتی ہے یا نہیں۔ جو حضرات تخیل محض کہتے ہیں وہ ان اثرات کو منع کرتے ہیں اور جو حضرات اس کے قائل ہیں کہ وہ حقیقت رکھتی ہے وہ اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ آیا یہ محض تاثیر ہے جیسے کوئی خاص مرض مزاج کو بدل دیتا ہے یا وہ کسی حالت پر منتہی ہوتی ہے جیسے پتھر حیوان بن جائے یا حیوان پتھر ہو جائے۔ جمہور علما پہلی نوع کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سحر کا نہ ثبوت ہے نہ حقیقتاً اس کا کوئی وجود ہے یا بات مکابرہ وباطل ہے اور کتاب وسنت اس کے برخلاف ناطق ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنی تاثیر قرآن کریم میں سحر کی بیان کی گئی ہے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی ''یفرقون بین المرء وزوجه'' میاں بیوی کے درمیان جدائیگی کرتے ہیں، اگر اس سے زیادہ تاثیر ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا اور از جہت عقل ونقل صحیح یہ ہے کہ اگر سحر کی تاثیر واقع ہے اور قرآن کریم میں جو کچھ ہاروت وماروت کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے اتنا یا اس سے زیادہ بھی تاثیر واقع ہو تو زیادتی پر کوئی مخالفت دلالت نہیں کرتی لہٰذا اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

سحر از حِبل صاعیہ ہے یعنی بناوٹی رسی کی قسم سے ہے جو اعمال واسباب سے بطریق اکتساب حاصل ہوتا ہے اور ظاہری اعتبار سے ان کا شمار عادت مسامعہ کی توڑنے والی قسموں سے ہے اور اکثر اس کا وقوع فساق وفجار سے ہوتا ہے اور شرط یہ ہے کہ وہ جنبی اور ناپاک

ہے اور اگر وہ وطی حرام بلکہ محارم کیساتھ وطی سے جنبی و ناپاک ہوا تو زیادہ دخل انداز ہوتا ہے۔ (کذا فیل)

کہتے ہیں کہ فرعون کے جادوگروں نے جو رسیاں اور لاٹھیاں لپیٹی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام نے جو انہیں دوڑتا ہوا خیال فرمایا تھا وہ جادو نہ تھا بلکہ کھوکھلی لکڑیاں تھیں اور رسیاں چمڑے کی خالی تھیلیاں تھی اور ان میں پارہ پھرایا تھا اور ان کی تہہ میں آگ رکھ دی گئی تھی یا آفتاب کے آگے ڈال دیا گیا تھا تو پارہ جب گرم ہوا تو وہ حرکت کرنے لگا۔ ان کا ایسا کہنا عجیب وغریب ہے کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ نے متعدد مقامات میں سحر و جادو کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بعض جگہوں پر تو سحر عظیم فرمایا اور کرنے والوں کو سحرہ یعنی جادوگر فرمایا۔ اب اگر ان کو خیالی اور وہمی کہا جائے تو بعید نظر آتا ہے۔ مگر یہ کہ سحر سے مراد قرآن کریم میں لغوی ہوں تو یہ تو بہت ہی عجیب ہوگا حالانکہ حقیقۃ سحر پر محمول کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز میں زیادہ داخل ہے۔ بشرطیکہ یہ لغوی معنیٰ نقل صحیح سے ثابت کیا جائے کہ واقعتاً ایسا ہی تھا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

اور نقل صحیح سے ثابت ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اس کی تاثیر آپ کی ذات جلیلہ میں ظاہر ہوئی جس سے نسیان، تخیل اور ضعفِ قوتِ جماع وغیرہ عارض ہوا، اور اس حادثہ کا وقوع حدیبیہ سے واپسی کے بعد ۶ ہجری کے ماہ ذوالحجہ میں ہوا اور اس عارضہ کے باقی رہنے کی مدت ایک قول کے بموجب چالیس روز ہے اور ایک روایت میں چھ مہینے اور ایک روایت میں ایک سال ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ومعتمد ہے غالباً سحر کا زور دقوت چالیس دن تھا اور علامتوں کا وجود اور اس کی بقا اول سے آخر تک عرصہ دراز تک رہی۔ یہاں تک کہ ایک رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف فرما تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اور خوب دعا مانگی اس کے بعد فرمایا: اے عائشہ! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے مجھے جواب عنایت فرمایا ہے اور جس چیز کا میں نے سوال کیا تھا اسے قبول فرمالیا ہے۔ فرمایا: دو شخص آئے ان میں سے ایک میرے قریب بیٹھا اور دوسرا میرے پاؤں کی طرف۔ ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا اس شخص کا کیا حال ہے اور اسے درد کیسا ہے۔ اس نے کہا یہ مطبوب ہے یعنی مسحور وسحر زادہ ہے۔ لغت میں طب کے معنیٰ سحر کے آتے ہیں۔ اس نے پوچھا کس نے اس پر سحر کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن اعصم یہودی نے پوچھا کس چیز میں سحر کیا ہے؟ اس نے کہا کنگھی اور ان بالوں میں جو سر میں داڑھی میں کنگھا کرتے ہوئے گرتے تھے اور ''دعائے شگوفہ نخل'' میں ہے کہ اس نے پوچھا انہیں کہا رکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا دزدان کے کنویں میں! وہاں چھپا کر رکھا ہے۔ ایک روایت میں بیراز دان، الف کے ساتھ آیا ہے۔ علماء کہتے ہیں یہی اصح ہے۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لائے اور فرمایا کہ وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا اور اس کا پانی سرخ تھا گویا مہدی پانی میں گھول دی گئی ہے اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر شیاطین کے سروں کے مانند ہیں۔ پھر اس میں سے جادو کی چیزوں کو نکالا۔ ایسا ہی صحیحین میں روایت ہے۔

بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ جس نے یہ حرکت کی ہے اسے ظاہر کیوں نہیں فرماتے اور اسے رسوا کیوں نہیں کرتے فرمایا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں لوگوں میں کسی کی برائی پھیلاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تندرستی دے دی اور کسی سے کیا مطلب کہ ظاہر کر کے برائی پھیلاؤں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیہقی ''دلائل نبوت'' میں بسند ضعیف بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے اس میں وتر یعنی کمان کے چلہ کو پایا جس میں گیارہ گرہ تھیں اور سورۃ الفلق اور سورۃ والناس نازل ہوئی ان کی ہر آیت پڑھی جاتی تو ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو بھیجا انہوں نے کھجور کی کونپل پائی جس میں گیارہ گرہیں تھیں۔ فتح الباری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص اندر اترا اس نے اس میں کچھ کھجور کی کونپل پائی۔ جس میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہہ موم سے بنی ہوئی سوئیوں سے چبھی ہوئی اور گیارہ گرہوں کے ساتھ ڈورے سے بندھی ہوئی تھی اس وقت جبریل علیہ السلام ہر ایک گرہ کے لیے سورۂ معوذتین لے کر آئے اسے پڑھتے جاتے اور گرہ کھولتے جاتے اور سوئی نکالتے جاتے تھے۔ جب تمام سوئیاں نکال لی گئیں تو درد سے تسکین ملی اور خاص آرام وراحت حاصل ہوئی۔ان دونوں سورتوں کی آیتیں بھی گیارہ ہیں اور ہر آیت پر ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔

اور بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قضیہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے مسلک تسلیم وتفویض پر سلوک فرمایا اور اس بلا پر صبر فرما کر اجر طلب فرمایا جب اس بلا نے طول پکڑا اور طوالت سے خطرہ محسوس فرمایا کہ کہیں فنون طاعات اور امر دعوت وتبلیغ کے اجراء اور توجہ الی اللہ میں کمزوری نہ آ جائے تو دعا مانگی اس پر آپ کو حسی وروحانی علاج کے ذریعہ معالجہ دوا کرنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا روحانی علاج اس طرح کہ آپ پر سورۂ معوذتین نازل ہوئی اور حسی علاج اس طرح کہ سر مبارک پر پچھنے لگوائے۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ جو دین وامان سے بہرہ ور نہیں ہے یقیناً وہ اس علاج سے انکار کرے گا۔مطلب یہ کہ وہ کہے گا کہ پچھنے تو استفراغ کی قسم سے ہے یہ سحر کے علاج سے کیا مناسبت رکھتا ہے اور راس کا ازالہ کس طرح کیا جا سکتا ہے وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر کافر طبیبوں میں سے کوئی مثلاً جالینوس اور ارسطا طالیس وغیرہ اسے نقل کرتا اور تجویز کرتا تو وہ یقیناً انکار نہیں کرتے۔یعنی وہ کہتے کہ جب انہوں نے ایسا حکم دیا تو لازمی کوئی وجہ اور حکمت ہو گی۔حالانکہ انہیں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک میں کہنا انسب واولیٰ ہے۔باوجود یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد پچھنے لگوانے کے نفع میں اور سحر کے دفعیہ میں عقلی حکمت کے ساتھ بھی اشارہ فرمایا وہ جواب میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ چونکہ سحر کا مادہ سر مبارک میں بھی پہنچ گیا تھا یعنی یہ قوائے دماغیہ میں بھی اثر انداز ہو گیا تھا چنانچہ کسی ایسی چیز کا جسے کیا نہ ہو خیال فرماتے کہ کر لیا ہے۔اور یہ تصرف ساحر کی جانب سے آپ کی طبیعت اور مادۂ دموی میں ہے۔یہاں تک کہ اس مادہ نے بطن دماغ کے حصہ مقدم میں غلبہ پالیا اور اس کا مزاج' طبیعت اصلیہ سے بدل گیا اس لیے کہ سحر، ارواح خبیثہ از قسم جن وشیاطین اور خبیث نفوس بشریہ اور انفعال قوائے طبعیہ بدنیہ کی تاثیر سے مرکب ہے تو ان تاثیرات کی وجہ سے یعنی چونکہ تاثیر سحر بدن وروح حیوانی میں ہے جو اس کا مقام ہے وہ بعد انہضام تاثیرات' تجویف قلب سے ایک لطیف بخار بطون دماغ کی جانب متصاعد ہو کر قوائے دماغیہ میں حائل ہو جاتا ہے اور سحر کے مزاج وتصرف سے اس مقام کو ضرر رسیدہ اور خارجہ از طبیعت اصلیہ کر دیتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس مقام میں پچھنے لگوانا جو سحر سے ضرر رسیدہ ہے غایت حکمت اور نہایت بہتر معالجہ ہے۔

اور بعض مبتدعین، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جلیلہ میں سحر کی تاثیر کے وقوع کا انکار کرتے ہیں۔اور گمان لے جاتے ہیں کہ یہ آپ کے علو مرتبہ جلیلہ رفیعہ کے انحطاط کا موجب اور آپ کی نبوت میں شک کے داخل ہونے کا باعث ہے۔اور ہر وہ بات جو اس طرح لے جائے وہ باطل ہے اور یہ کہ شریعت پر عدم وثوق کا موجب ہے۔اس لیے کہ اس تقدیر پر احتمال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا ہو کہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہے اور وہ جبریل علیہ السلام نہ ہوں۔اور یہ خیال کیا ہو کہ وحی نازل ہوئی ہے اور واقع میں ایسا نہ ہوا اور یہ کہ جادو کا اثر ناقصوں میں ہوتا ہے نہ کہ ارباب کمال میں تو ان مبتدعین کی یہ تمام باتیں مردود ہیں اس لیے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوائے نبوت میں آپ کی صداقت پر برہان قائم ہو چکا ہے اور آپ اپنی تبلیغ میں جو کچھ خدا کی طرف سے پہنچاتے ہیں اس کی عصمت وحفاظت پر معجزات باہرہ شاہد ہیں اور وہ باتیں جو بعض دنیاوی امور سے متعلق ہیں اور جنکی طرف آپ مبعوث نہیں کیے گئے وہ آپ کے احاطۂ رسالت میں نہیں ہیں۔اور وہ ایسے عوارضات ہیں جو عام انسانوں کو عارض ہوتی ہیں جیسے مرض وغیرہ تو ایسی دنیاوی چیزوں میں بعید نہیں ہے کہ ان کی طرف خیال کیا ہو کیونکہ وہ حقیقت میں آپ کی عصمت میں امور دینیہ کے مانند داخل نہیں ہیں۔اور اس

سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے جس پر گمان کیا ہے کہ فلاح کام کرلیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہو لیکن اس کے کرنے پر یقین کرلیا ہو بلکہ یہ از جنس خاطر ہے کہ خدشات رونما ہوتے ہیں اور ثابت و برقرار نہیں رہتے۔ لہٰذا ملاحدہ کی اس پر کوئی دلیل وحجت باقی نہیں رہی۔ خلاصہ یہ کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بارے میں خبروں میں کوئی ایسی چیز منقول نہیں ہے جو کہ کسی چیز کے برخلاف کوئی چیز فرمائی ہو اور وہ خلافت واقعہ ہو۔

اب رہا ان کا یہ کہنا کہ یہ موجب منقصت ہے سو یہ ایسا نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں صحت کی تاثیر کا ظہور، دلائل نبوت اور صدق رسالت میں سے ہے اس لیے کہ کفار آپ کو ساحر کہتے تھے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ساحر میں سحر اثر نہیں کرتا اور آپ میں سحر کی تاثیر کا اظہار اسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ تاثیر سحر ناقصوں کے ساتھ مخصوص ہے یہ کوئی کلیہ نہیں ہے ممکن ہے کہ کاملوں میں بھی کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ظاہر ہو جائے اس بات میں صحیح حدیثیں آئی ہیں اور وہ قابل انکار نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

آگاہ ہو کہ رقیہ اور تعویذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہیں ان کا حصر و احاطہ طاقت کتاب ہذا اور کاتب حروف سے باہر ہے۔ اسی وجہ سے شروع میں امراض گنانے پر اجمالاً اکتفا کیا گیا لیکن برکت حاصل کرنے والی طبیعت اس سے آسودہ نہیں ہوتی۔ اس لیے قرار پایا کہ ان تمام ابتلاء و مصائب میں سے جو کہ کثیر الوقوع ہیں ان کے لیے کچھ اقتباس کر کے تبرک و تیمن کے لیے ذکر کر دیا جائے۔ (وباللہ التوفیق)

رقیہ ہائے برائے نظر بد اور برائے جمیع امراض وآلام وبلایا: ان میں سب سے زیادہ مشہور زیادہ نظر بد کا رقیہ ہے اور اس کے رقیہ بھی بکثرت ہیں ان میں سب سے افضل رقیہ اس کے لیے اور تمام بلاؤں مرضوں اور آفتوں کے لیے سورۂ فاتحہ، سورۂ معوذتین، آیۃ الکرسی کی قرأت اور یہ دعا ہے:

اَذْهِبِ الْبَاْسَ، رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُ كَ شِفَآءً لَّایُغَادِرُ سَقْمًا.

تمام امراض وآلام اور دردوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کلیتہً یہی دعا تھی۔

ان میں سے ایک دعا یہ ہے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ

اور ایک دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ بِوَجْهِكَ الْكَرِیْمِ وَبِكَلِمَاتِكَ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّمَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِیَتِهَا۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَكْشِفُ الْاِثْمَ وَالْمَغْرَمَ اَللّٰهُمَّ لَایُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا یُخْلَفُ وَعْدُكَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ.

اور ایک دعا یہ ہے:

اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللهِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّاتِ الَّتِیْ لَایُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا نَاجِرٌ وَبِاَسْمَآءِ اللهِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمَا ذَرَا وَمَابَرَا وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ لَا اُطِیْقُ شَرَّهٗ وَمِنْ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ لِیْ اٰخِذٌ بِنَا صِیَتِهٖ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

اور ایک اور دعا یہ ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَلَیْكَ تَوَكَّلْتَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ مَا شَآءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَمْ یَشَا

لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَّاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اور ایک دعا یہ ہے:

تَحَصَّنْتُ بِالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلٰهِيْ وَاِلٰهُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاعْتَصَمْتُ بِهٖ وَهُوَ رَبِّيْ وَرَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَّتَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَاسْتَدْفَعْتُ الشَّرَّ.

بِلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ حَسْبِيَ الرَّبُّ مِنَ الْعِبَادِ حَسْبِيَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِ وَحَسْبِيَ الرَّزَّاقُ مِنَ الْمَرْزُوْقِ وَحَسْبِيَ الَّذِيْ هُوَ حَسْبِيْ وَحَسْبِيَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَّلَا يُجَارُ عَلَيْهِ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَكَفٰى سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعٰى لَيْسَ وَرَآءَ اللّٰهِ مَرْمٰى. حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

ان میں سے ایک دعائے جبریل ہے جسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پڑھی اور صحیح مسلم میں ثابت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ رُقْيَةَ وَجْعِ جَسَدٍ.

صحیح مسلم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن العاص سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس درد کی شکایت کی جوان کے بدن میں تھا اور اس کے بعد وہ اسلام لائے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدن کے اس حصہ کو ہاتھ سے پکڑ کر جہاں درد ہے تین مرتبہ بِسْمِ اللّٰهِ اور سات مرتبہ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ" کو پڑھ کر دم کرو۔

خوف و بے خوابی کی دعا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف بیخوابی کی شکایت کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔ فرمایا: جب تم سونے کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ. وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِّيْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يُّفْرِطَ عَلَيَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَوْ يَنْبَغِيْ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ.

کرب وغم کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کرب و بے چینی کے وقت یہ دعا پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ. (رواہ الشیخان)

ابوداؤد نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الکروب میں فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَانِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ.

مسند امام احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کو اس دعا کے پڑھنے سے حزن وغم لاحق نہ ہوگا۔ وہ دعا یہ ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْئَلُكَ

بِکُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوِاسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَاءَ وَذِھَابَ ھَمِّیْ
اللہ تعالیٰ اس کے حزن وغم کو دور کر کے اس کی جگہ فرح وکشادگی لے آئے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسم نے فرمایا جوشخص ہمیشہ توبہ واستغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ اس کے غم کو خوشی سے بدل دے گا اور اسے ہر تنگی سے نجات فرمائے گا اور اسے وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔

لاحول ولاقوۃ کا عمل: نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا جسے غم وافکار گھیر لیں اسے چاہیے کہ ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' بکثرت پڑھے اور صحیحین میں انہیں سے مروی ہے کہ جنت کے خزانوں میں سے یہ ایک خزانہ ہے اور ترمذی میں مذکور ہے کہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے ساتھ ہر بار ایک فرشتہ اترتا ہے اور صحتمندی لاتا ہے اور مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کے عمل سے بڑھ کر کوئی چیز مددگار نہیں ہے۔

آیۃ الکرسی اور خواتیم سورۂ بقر کا عمل: حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی مصیبت وسختی کے وقت آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی فریادرسی کرے گا۔

جامع دعا: حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ اور یقیناً میں اس کلمہ کو جانتا ہوں کہ نہیں کہتا اسے ہر مصیبت زدہ مگر یہ کہ اس کلمہ کی بدولت حق تعالیٰ اس سے اسے نجات عطا فرما دیتا ہے۔ وہ کلمہ میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کا ہے کہ انہوں نے تاریکیوں میں ندا کی تھی کہ: لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ اور ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد مسلمان ایسا نہیں جو اس دعا کو کسی ضرورت میں پڑھے مگر یہ کہ حق تعالیٰ اسے ضرور مستجاب فرماتا ہے: لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ ایک اور روایت میں یہ دعا آئی ہے کہ:

اَسْئَلُکَ تَمَامَ الْعَافِیَۃِ وَاَسْئَلُکَ دَوَامَ الْعَافِیَۃِ وَاَسْئَلُکَ الشُّکْرَ عَلَی الْعَافِیَۃِ وَاَسْئَلُکَ الْغِنٰی عَنِ النَّاسِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

دُعائے فقر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا یا رسول اللہ دنیا نے پیٹھ پھیر لی ہے اور مجھ سے دنیا روگرداں ہوگئی ہے فرمایا تجھ سے ''صلوٰۃ ملائکہ'' یعنی فرشتوں کی دعا اور وہ تسبیح خلائق جس کی بدولت انہیں رزق دیا جاتا ہے کہاں گئی؟ پھر فرمایا طلوع فجر کے وقت اس دعا کو سو مرتبہ پڑھو: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ تو تیرے پاس دنیا پست وذلیل ہو کر آئے گی۔ پھر وہ شخص چلا یا اور عرصہ تک نہیں آیا۔ پھر وہ آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس دنیا اتنی وافر آئی کہ میں نہیں جانتا کہ اسے کہاں رکھوں۔ سلسلہ ''کبرویہ'' میں دعا نماز سنت فجر اور نماز فرض فجر کے درمیان پڑھتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ ایک تسبیح لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کی بھی پڑھیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے تو تمام گناہوں کی مغفرت کا موجب ہوگا اور یہ وسعت رزق کا سبب ہے اس لیے کہ استغفار اس کا باعث ہے کیونکہ معاصی تنگی رزق اور حزن وغم کا موجب ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

کیمیائے مشائخ: اس ضمن میں ایک وظیفہ ہے جسے ''کیمیائے مشائخ'' کہتے ہیں یہ بہت مجرب ہے وہ یہ کہ نماز جمعہ سے سلام پھیرنے کے بعد اور تشہد میں جس طرح پاؤں رکھے ہیں اس کے بدلنے سے پہلے سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات مرتبہ قل ہو اللہ احد، سات مرتبہ قل اعوذ برب الفلق، سات مرتبہ قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ یہ تعداد اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کے لیے وجود میں آئی ہے۔

اورمشائخ کرام اس کے بعداس دعا کو جوحدیث میں آئی ہے سات مرتبہ پڑھتے ہیں: اَللّٰهُمَّ يَا غَنِيُّ يَا حَمِيْدُ يَا مُبْدِئُ يَا مُعِيْدُ يَا رَحِيْمُ يَا وَدُوْدُ اَغْنِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِيَتِكَ وَبِفَضْلِكَ

آگ بجھانے کی دعا: طبرانی اورابن عساکر میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا رَأَيْتُمُ الْحَرِيْقَ فَكَبِّرُوْا جب تم آگ لگتی دیکھوتو تکبریں کہو(یعنی اذانیں دو) فَاِنَّ التَّكْبِيْرَ تُطْفِئُهٗ کیونکہ تکبیرا سے بجھادے گی اور تکبیر کے ذریعہ آگ کو بجھانا مجرب ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ آگ شیطانی مادہ ہے کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اوراس میں فساد عام ہے جو کہ شیطانی عمل سے مناسبت رکھتا ہے اور آگ اپنی طبیعت میں علوفساد کو چاہتی ہے۔اور شیطان نے بھی اسی کا دعویٰ کیا تھا اور چاہا تھا کہ نبی آدم کو ہلاک کرے۔لہٰذا آگ اور شیطان دونوں زمین میں فساد چاہتے ہیں اور حق تبارک وتعالیٰ کی کبریائی کے آگے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی چنانچہ جب مسلمان تکبیر کہتا ہے تو حق تعالیٰ خود آگ کو بجھاتا ہے اوراس عمل کے ساتھ تجربہ بھی شامل ہے۔

مرگی کی دعا: کہتے ہیں کہ مرگی کا مرض دوقسم سے ہوتا ہے ایک ارواح خبیثہ کے تصرف سے دوسرا اخلاط ردیہ سے۔اس دوسری قسم سے اطبا بحث کرتے ہیں لیکن ارواح خبیثہ سے مرگی کا علاج دعاؤں سے ہوتا ہے۔یہ دشمن سے جنگ کرنا ہے لڑنے والے کو چاہیے کہ اس کے ہتھیار صحیح اور بازوقوی ہوں۔یہاں تک کہ بعض معالجین اس کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ: اُخْرُجْ مِنْهُ مَا يَقُوْلُ بِسْمِ اللهِ وَمَا يَقُوْلُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے کہ اُخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ اَنَا رَسُوْلُ اللهِ اور بعض معالجین آیۃ الکرسی پڑھنے اور مرگی کے مریض کو آیۃ الکرسی اور معوذتین کے بکثرت پڑھنے کی تاکید کرتے اور بعض پڑھتے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ الخ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھلانا اسکے دفعیہ میں یہ مجرب ہے۔

دردسر کی دعا: حمیدی نے ''طب'' میں بروایت یونس بن یعقوب عبداللہ سے صداع یعنی دردسر کا رقیہ نقل کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دردسر میں اپنے اس ارشاد سے تعوذ فرماتے تھے: بِسْمِ اللهِ الْكَبِيْرِ وَاَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ

دعائے درد دنداں: بیہقی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دانتوں کے درد کی شکایت کی تو حضور نے اپنا دست مبارک ان کے اس رخسار پر جس میں درد تھا رکھ کر سات مرتبہ پڑھا: اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ مَا يَجِدُ وَاَشْفِهٖ بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ الْمَكِيْنِ الْمُبَارَكِ عِنْدَكَ دست مبارک اٹھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کا درد دور فرما دیا۔اور حمیدی روایت کرتے ہیں کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس درد دندان کی شکایت کرتی ہوئی آئیں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے دست مبارک کی انگشت شہادت اس دانت پر رکھ کر جس میں درد تھا پڑھا:

بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ اَسْئَلُكَ بِعِزِّكَ وَجَلَالِكَ وَقُدْرَتِكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِنَّ مَرْيَمَ لَمْ تَلِدْ غَيْرَ عِيْسٰى مِنْ رُّوْحِكَ وَكَلِمَتِكَ اَنْ تَكْشِفَ مَا تَلْقٰى فَاطِمَةُ بِنْتُ خَدِيْجَةَ مِنَ الضَّرِّ كُلِّهٖ.

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے درد سے آرام ملا۔

مواہب میں منقول ہے کہ ایک عجیب وغریب بات لوگوں میں محب طبری امام مقام خلیل مکی کے بارے میں مشہور ومعروف ہے اور میں نے انہیں بارہا دیکھا ہے کہ جس کے دانتوں میں درد ہوتا وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے۔اس سے اس کا اور اسکی ماں کا نام پوچھتے اور دریافت کرتے کہ کتنی مدت کے لیے چاہتا ہے کہ اس کا دانت درد نہ کرے مطلب یہ کہ وہ پوچھتے کتنے سالوں کے لیے درد کو باندھوں تو وہ شخص پانچ یا سات سال یا نو سال مثلاً طاق عدد میں کہتا تو وہ ہاتھ اٹھانے نہ پاتے کہ درجاتا رہتا اور مذکورہ مدت تک درد نہ ہوتا۔یہ بات

ان کے بارے میں مشہور و معروف ہے (انتہی) لیکن کسی خاص دعا کا ذکر نہ کیا ظاہر ہے کہ یہی دعائے ماثورہ ہوگی یا ان کی اپنی توجہ خاص اور دعا ہوگی (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ وہ دعا جس کا تجربہ کیا جاچکا ہے یہ دعا ہے جسے درد کی جانب رخسار پر ہاتھ سے لکھے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o قُلْ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ۔

یا اگر چاہے تو یہ لکھے۔

وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

پتھری اور حبس بول کی دعا: سنائی نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اس کے باپ کا پیشاب بند ہوگیا ہے اور اسے پتھری کا مرض ہے۔ اس پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے وہ دعا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی بتائی:

رَبُّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اسْمُکَ اَمْرُکَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ وَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَخَطَایَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ شِفَآءً مِّنْ شِفَآءِ کَ وَرَحْمَۃً مِّنْ رَّحْمَتِکَ عَلٰی ھٰذَا الْوَجْعِ فَیَبْرَئُ

اور اسے حکم دیا کہ اس دعا کو پڑھے اس نے اسے پڑھا اور وہ تندرست ہوگیا۔ یہ دعا ابوداؤد کی حدیث میں ہر مرض و شکایت کے لیے بھی مروی ہے۔

تپ یعنی بخار کی دعا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو وہ بخار میں مبتلا تھیں اور بخار کو برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار کو برا نہ کہو وہ حکم الٰہی کا تابع ہے۔ لیکن اگر تم چاہتی ہو تو میں تمہیں وہ کلمات سکھا دوں کہ جب تم پڑھو گی تو اللہ تعالیٰ اسے تم سے دور فرما دے گا۔ انہوں نے کہا مجھے سکھا دیجئے۔ فرمایا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ جِلْدِی الرَّقِیْقَ وَعَظْمِی الدَّقِیْقَ مِنْ شِدَّۃِ الْحَرِیْقِ یَا اُمَّ مِلْدَمٍ اِنْ کُنْتِ اٰمَنْتِ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَلَا تَصْدَعِی الرَّأْسَ وَلَا تُنْتِنِی الْفَمَّ وَلَا تَاْکُلِی اللَّحْمَ وَلَا تَشْرَبِی الدَّمَ وَتَحَوَّلِیْ عَنِّیْٓ اِلٰی مَنِ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ان کلمات کو پڑھا میرا بخار جاتا رہا صاحب مواہب لدنیہ فرماتی ہیں کہ یہ دعا مجرب ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے شیخ کے ہاتھوں سے لکھا دیکھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عَظْمِیَ الدَّقِیْقَ وَجِلْدِی الرَّقِیْقَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فَوْرَۃِ الْحَرِیْقِ یَا اُمَّ مِلْدَمٍ اِنْ کُنْتِ اٰمَنْتِ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا تَاْکُلِی اللَّحْمَ وَلَا تَشْرَبِی الدَّمَ وَلَا تَفُوْرِیْ عِلْمَ الْغَمِّ انْتَقِلِیْٓ اِلٰی مَنْ زَعَمَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ. فَاِنِّیْٓ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

صاحب ''الہدیٰ'' بیان کرتے ہیں کہ باری کے بخار کے لیے تین پتلے کاغذ پر لکھے'' بِسْمِ اللّٰہِ فَرَّتْ، بِسْمِ اللّٰہِ مَرَّتْ، بِسْمِ اللّٰہِ قَلَّتْ ''اور روزانہ ایک ایک پرچہ پانی سے نگل لے اور کتاب ''قران'' میں ہے کہ شفا کی غرض سے اس کا پینا سلف سے معمول ہے اور ابن الحاج سے مدخل میں مذکور ہے کہ شیخ ابو محمد مرجانی ہمیشہ نجار وغیرہ کے لیے کاغذ کے پرزوں پر اس دعا کو لکھ کر دروازہ کی دہلیز پر رکھ

دیتے تو جو کوئی بخار وغیرہ کا مریض آتا وہ اس میں سے لے کر مریض کو کھلا دیتے مریض بحکم الٰہی شفایاب ہو جاتا وہ یہ دعا لکھا کرتے تھے۔ اَزَلِیٌّ لَّمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ یُزِیْلُ الزَّوَالَ وَهُوَ لَا یَزَالُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔

خراج وخارش کی دعا: صاحب زاد المعانی فرماتے ہیں کہ کھجلی وخارش کے لیے اپنے بدن پر یہ لکھے وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا o فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا. یہ مجرب ہے۔

دعائے عسر ولادت: عسر ولادت کے لیے دعائیں تو بہت ہیں مگر مجرب دعا یہ ہے جسے عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد کو دیکھا ہے کہ جب کسی عورت پر بچہ کی ولادت دشوار ہوتی تو وہ سفید پیالہ یا کسی پاکیزہ چیز پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث لکھ کر دیتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَکِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا.

خلال کہتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر مروزی نے بتایا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! ایک عورت کے لیے کچھ لکھ دیجیے اس پر دو دن سے ولادت کی دشواری اور سختی ہے آپ نے فرمایا اس سے کہو کہ کشادہ پیالہ اور زعفران لائے۔ خلال کہتے ہیں کہ میں نے بہت سوں کے لیے لکھتے دیکھا ہے۔ مدخل میں ہے کہ انہوں نے نئے پیالہ پر لکھا:

اُخْرُجْ اَیُّهَا الْوَلَدُ مِنْ بَطْنٍ ضَیِّقٍ اِلٰی سِعَةِ هٰذِهِ الدُّنْیَا اُخْرُجْ بِقُدْرَةِ الَّذِیْ جَعَلَکَ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ.

اور اسے دھو کر پلانے اور کچھ چھینٹے منہ پر مارنے کا حکم فرمایا۔ شیخ مرجانی کہتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو کئی بزرگوں سے لیا ہے اور جس کو بھی میں نے یہ لکھ کر دیا ہے وہ اسی وقت بفضل خدا چھٹکارا پا گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا گزر ایسی عورت پر ہوا جس کا بچہ رحم میں مڑ گیا تھا۔ اس عورت نے کہا: اے کلمۃ اللہ! میرے لیے دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ مجھے اس دشواری سے نجات دے جس میں میں مبتلا ہوں اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: یَا خَالِقَ النَّفْسِ وَیَا مُخْلِصَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَیَا مُخْرِجَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ خَلِّصْهَا. اس عورت نے اس وقت بچہ تولد کر دیا اور کھڑی ہو گئی۔ شیخ مرجانی کہتے ہیں کہ جب کوئی عورت ولادت کی دشواری میں مبتلا ہو تو اس کے لیے اسے لکھ کر دیدے۔

نکسیر کی دعا: نکسیر کی یوں تو بہت دعائیں ہیں مگر مجرب دعا یہ ہے کہ نکسیر والے کی پیشانی پر لکھے کہ وَقِیْلَ یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ نکسیر کے خون سے اس کی کتابت جائز نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل کرتے ہیں اس لیے کہ خون نجس ہے اس وجہ سے کلام خدا لکھنا جائز نہیں۔

ہر درد و بلا کی دعا: حضرت ابان بن عثمان اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا ہے کہ جو کوئی تین مرتبہ شام کے وقت: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ پڑھے تو صبح تک کوئی ناگہانی بلا و مصیبت نہ پہنچے گی۔ اور جو اسے صبح کے وقت پڑھے تو شام تک اسے کوئی ناگہانی

بلاومصیبت نہ پہنچے گی۔راوی کہتا ہے کہ ابان ابن عثمان رضی اللہ عنہ پر فالج گرا تو اس شخص نے جس نے ان سے یہ حدیث سنی تھی بطریق تعجب وانکاران کی جانب سوچنے لگا اس پر انہوں نے فرمایا میری طرف کیا سوچ رہے ہو۔خدا کی قسم نہ میں نے اپنے والد عثمان پر جھوٹ باندھا ہے اور نہ عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا لیکن جس دن مجھ پر یہ فالج گرا ہے اس دن میں نے معصیت ونافرمانی کی تھی یعنی میں اسے پڑھنا بھول گیا تھا۔اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ذکرلاحول ولاقوۃ الا باللہ: وہ دعا جس سے ستر بلاؤں سے عافیت ملتی ہے وہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص: بِسْمِ اللهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ دس مرتبہ پڑھے وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور دنیا کی ستر بلاؤں سے مثلاً جنون وجذام وبرص وریح وغیرہ سے عافیت دی جاتی ہے۔ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کو زیادہ سے زیادہ پڑھو اس لیے کہ یہ جنت کا خزانہ ہے۔حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ وَلَا مَلْجَا مِنَ اللهِ اِلَّا اِلَيْهِ. کو جو کوئی پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے ضر کے سات دروازے جس میں سے ایک دروازہ محتاجی وفقر کا ہے دور کر دیتا ہے۔طبرانی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کہے تو یہ ننانوے مرض کی دعا ہے۔اور کم سے کم مرض غم والم ہے۔ایک اور حدیث میں حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ جو کوئی: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ. کو روزانہ سو مرتبہ پڑھے اسے کبھی بھی محتاجی نہ پہنچے گی۔نیز مروی ہے کہ جس پر روزی تنگ ہو اسے چاہیے کہ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کا ورد زیادہ سے زیادہ کرے۔

سیّدنا امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت از اب وجداز علی ابن طالب رضی اللہ عنہ اجمعین مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص روزانہ دن رات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ پڑھے وہ فقر ونسیان اور وحشتِ قبر سے امان میں رہے گا اور اس پر تونگری کا دروازہ کھل جائے گا۔اور جنت کا دروازہ بھی۔اس روایت کے بعض راوی کہتے ہیں کہ اگر اس دعا کے حصول کے لیے چین وختن تک سفر کرنا پڑے تو یہ زیادہ نہ ہوگا۔اس کا عبدالحق نے کتاب ''الطب النبوی'' میں ذکر کیا ہے۔

دعا بوقت طعام

امام بخاری اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کھانا سامنے آنے کے بعد: بِسْمِ اللهِ خَيْرِ الْاَسْمَآءِ فِى الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ دَاءٌ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْهِ رَحْمَةً وَّشِفَآءً. پڑھے اسے کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی۔

اُم الصبیان کی دعا: امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بچہ پیدا ہو تو بچے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے بچہ کو ام الصبیان کا مرض نہ ہوگا۔اسے اندلسی نے روایت کیا اور عبدالحق نے ''الطب النبوی'' میں ذکر کیا اور ام الصبیان ایک ریحی مرض ہے جو بچوں کو لاحق ہوتا ہے اور بسا اوقات ریح صعود کر کے دل ودماغ کو گھیر لیتی ہے اور بچہ اینٹھنے لگتا ہے۔اس کے کان میں اذان واقامت کہنے کی حکمت یہ ہے کہ بچے کے کان میں جو سب سے پہلی آواز پڑے وہ کلمہ شہادت اور حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کی آواز ہو۔گویا کہ یہ اس کے لیے دنیا میں داخل ہوتے وقت شعار اسلام کی تلقین ہے۔جس طرح کہ دنیا سے نکلتے وقت یعنی بوقت موت کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔نیز کلمات اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔

دعائے حفیظ رمضان

یہ ہے کہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَلآ ذَاكَ بِاللّٰهِ اِنَّكَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ بِاللّٰهِ مُحِيْطٌ بِهٖ عِلْمُكَ كَيَعْلَمُوْنَ وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ الخ

صاحب مواہب کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ یہ دعا' بلاد یمن ومکہ' مصر ومغرب اور تمام شہروں میں مشہور ہے وہ اسے ''حفیظ رمضان'' کہتے ہیں۔اس کی تاثیر یہ بتاتے ہیں کہ یہ غرق' حرق' سرق اور تمام آفتوں سے محفوظ رکھتی ہے۔اسے رمضان کے آخری جمعہ کے دن لکھتے ہیں اور عام لوگ اسے اس وقت لکھتے ہیں جب کہ خطیب منبر پر خطبۂ جمعہ دے رہا ہو۔اور بعض لوگ نماز عصر کے بعد لکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔اگرچہ بہت سے اکابر کے کلام میں یہ واقع ہوا ہے بلکہ بعض تو اس کا ورد کرنے کے لیے بھی اشارہ فرماتے ہیں۔یہ ضعیف حدیث میں سے ہے اور حافظ ابن حجر اسے بہت زیادہ منکر کہتے تھے۔خصوصاً اس وقت جب کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جا رہا ہو۔اس وقت اگر کسی کو لکھتا دیکھتے تو فرماتے: قَبَّحَكَ اللّٰهُ مَا هٰذِهِ الْبِدْعَةُ۔خدا تجھے روسیاہ کرے یہ کیسی بدعت ہے۔

طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بادواءِ طبیہ

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طبی دواؤں کے ذریعہ بھی اکثر مرضوں میں علاج کرتے تھے۔ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طب وحی کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی اگرچہ بعض مواقع میں قیاس واجتہاد اور تجربہ بھی ہوگا یہ کوئی بعید نہیں ہے۔لیکن ادویہ روحانیہ پر انحصار فرمانا اس بنا پر تھا کہ وہ اتم واعلیٰ اور اخص واکمل ہیں۔لیکن ایک حدیث شہد کے ساتھ دستوں کے علاج میں آئی ہے جس میں بہت کم بحث ہے اسے یہاں نقل کرتا ہوں۔

واضح رہنا چاہیے کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا میرا بھائی اپنے پیٹ کی شکایت کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا پیٹ جاری ہے یعنی دست آرہے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شہد پلانے کا حکم فرمایا۔اسے شہد پلایا گیا اس سے دست اور زیادہ آنے لگے۔اس پر فرمایا خدا نے سچ فرمایا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے۔مسلم کی روایت میں ہے کہ تیسری بار بھی اسے شہد پلانے کا حکم فرمایا ہے وہ چوتھی بار آیا اس پر بھی یہی فرمایا کہ اسے شہد پلاؤ۔اس کے دست اور زیادہ ہو گئے اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ چوتھی مرتبہ پھر شہد پلانے کا حکم فرمایا چنانچہ اسے پلایا گیا پھر وہ اچھا ہو گیا۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ میں فرمایا اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔اور اہل حجاز کذب کا اطلاق خطا کے مقام میں کرتے ہیں۔اور ''کذب سمعک'' یعنی تیرے کان نے جھوٹا سنا'' بولتے ہیں۔مطلب یہ کہ تجھ سے غلطی ہوئی اور جو کچھ کہا گیا اس کی حقیقت تک تیری رسائی نہ ہوئی۔لہٰذا پیٹ کے جھوٹا ہونے کے معنی یہ نہیں کہ وہ قبول شفا کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اس سے اس میں غلطی ہو رہی ہے کذا قیل۔امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی روشنی میں جان لیا تھا کہ اسے شہد سے نفع حاصل ہوگا۔اور جب فوری طور پر ظاہر نہ ہوا تو گویا وہ قائم مقام جھوٹ کے جاری تھا۔اس بنا پر اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا۔(انتہی)

بعض ملحدین اس جگہ اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شہد مسہل ہے تو کس طرح اس کے لیے بتایا جا سکتا ہے جسے خود اسہال ہوں تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ بات اس قائل کے جہل سے صادر ہوئی ہے اور اس آیت کے حکم کی مصداق ہے کہ: بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ۔ بلکہ وہ اس پر جھوٹ باندھتے ہیں جس کا ان کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔اس لیے کہ اطبا کا اتفاق ہے کہ ایک

مرض کا علاج' باختلاف عمر، عادت، زمانہ غذائے مالوف، تدبیر اور طبعی قوت کے مختلف ہوتا ہے اور اسہال کبھی غیر مرغوب غذا کے کھانے سے لاحق ہوتا ہے۔ اور بدہضمی پیدا کر دیتا ہے اور اس میں اطباء کا اتفاق ہے کہ اس کا اعلاج' بدہضمی کے اثرات کے ازالہ میں ہے۔ لہٰذا اگر اسہال کی ضرورت لاحق ہو تو اس کی اس سے مدد واعانت کی جاتی ہے۔ جب تک کہ بیمار میں قوت ہے گویا کہ اس مرد کو جو دست لاحق تھے وہ بدہضمی کے تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع شدہ فضلات کے اخراج کے لیے اسے شہد پلانے کا حکم فرمایا اور اس کے معدے سے ان لیسدار اخلاط کو باہر نکالا جو قبول وہضم غذا میں مانع تھا۔ چونکہ معدے میں ریشے اور خانے ہوتے ہیں جب اس میں لیسدار مادہ چپک جاتا ہے تو معدے کو فاسد کر دیتا ہے اور اس میں جو غذا ہوتی ہے یہ اسے خراب کر دیتا ہے لہٰذا اس کے لیے ایسی دعا کا استعمال ضروری ہے جو معدے کو اس سے پاک وصاف کر دے۔ لہٰذا اس خصوصیت میں شہد سے زیادہ کوئی اور چیز زیادہ نفع بخش نہیں ہے۔ خاص کر اس وقت جب کہ شہد میں گرم پانی ملا کر بار بار پلایا جائے۔ اور شہد کو بار بار پلانے میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ دوا ایسی ہونی چاہیے کہ اس کی کمیت اور مقدار مریض کے حال کے موافق ہو یہاں تک کہ اگر دوا کم ہو تو کلی طور پر مرض کو زائل نہ کرے گا اور اگر زیادہ ہو تو قوت کو زائل کر دے گا۔ اور مرض کو بڑھا کر دیگر نقصانات پیدا کر دے گا اور جب ہر مرتبہ اتنا شہد نہ دیا گیا جو مرض کا مقابلہ کر سکتا ہو تو لامحالہ اسہال میں زیادتی ہوتی گئی اور بار بار شہد کے پلانے کا حکم دیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی حد ومقدار کو پہنچ گیا تو اس وقت یقینی طور پر فرمایا: صَدَقَ اللّٰہُ وَ کَذَبَ بَطْنُ اَخِیْكَ۔ اللہ سچا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یہ مادہ فائدہ کی کثرت سے تعبیر ہے اور جب آخری مرتبہ اتنی مقدار پہنچ گئی جو مادہ کے اخراج اور دفع مرض میں کافی ووافی تھی تو اس کا نفع ظاہر ہو گیا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ''کَذَبَ بَطْنُ اَخِیْكَ'' سے اسی طرف اشارہ ہے کہ دوا نافع ہے اور بقائے مرض، شفا میں قصور دوا کی بنا پر نہیں ہے بلکہ مادہ فاسدہ کی کثرت کی بنا پر ہے تو اس بنا پر استفراغ کے لیے بار بار شہد پلانے کا حکم فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ شہد رگوں کی جانب بہت جلد رواں ہوتا ہے اور ان کو زیادہ غذا پہنچا دیتا ہے۔ پیشاب کو کھول کر لاتا ہے جس سے قبض پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی معدے میں جب یہ باقی رہ جاتا ہے تو معدے میں ہیجان پیدا کر کے آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ طعام یعنی فضلہ کو پھینک دے۔ اس طرح دست لے آتا ہے۔ لہٰذا شہد کی تعریف مطلقاً دست آور سے کرنا منکر کے عقل کا قصور ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مریض اسہال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہد بتانا چار باتوں پر ہے اول یہ کہ آیہ کریمہ کو شفا میں عموم پر محمول فرمایا اور یہاں اشارہ حضور کے اس ارشاد میں ہے کہ ''صدق اللہ'' یعنی اللہ نے سچ فرمایا مطلب یہ کہ آیۂ کریمہ میں جو ''فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ'' (شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے) فرمایا وہ ہر مرض کے لیے ہے۔ لہٰذا جب ان کو اس کی تنبیہ فرمائی اور اپنے قول سے انہیں اس کی حکمت کی طرف تلقین فرمائی تو وہ تندرست ہو گیا بحکم الٰہی۔ دوسرا یہ کہ چونکہ وہ تمام مرضوں میں شہد سے علاج کرتے تھے بنابریں ان کی عادت کے مطابق شہد کا استعمال بتایا۔ تیسرا یہ کہ اسہال ہیضہ سے تھا جیسا کہ گزرا۔ چوتھا یہ کہ ممکن ہے کہ پینے سے پہلے شہد کو پکا کر دینے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے کہ پکا ہوا شہد بلغم کو باندھتا ہے اور قبض کرتا ہے تو ممکن ہے کہ انہوں نے پہلے بے پکائے دیا ہے۔ دوسرا اور چوتھا قول ضعیف ہے اور قول اول کی تائید حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما کرتی ہے کہ: عَلَیْکُمْ بِالشِّفَائَیْنِ الْعَسَلُ وَالْقُرْآنُ شہد اور قرآن سے شفا کو لازم جانو۔ اسے ابن ماجہ وحاکم نے مرفوعاً اور ابن ابی شیبہ وحاکم نے موقوفاً روایت کیا ہے۔ اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

حضرت امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا جب آشکارا ہو جائے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شفا کو طلب کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کے مہر کی رقم سے کچھ اس سے مانگے اور اس سے شہد خریدے اور کتاب اللہ سے کوئی آیت شفا کو پیالہ میں لکھے اور بارش کے پانی سے اسے دھوئے اور شہد اس میں ملائے۔ اللہ تعالیٰ اسے شفا دے گا بعض علماء اس

حدیث میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ ۔(ہم نے قرآن میں وہ نازل فرمایا جو شفا ہے) اور فرمایا: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَكًا ۔(ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا) دوسری جگہ فرمایا: ماءً طهورا۔(پاک کرنے والا پانی اتارا) اور فرمایا: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا ۔ (اپنی بیوی خوش دلی سے اپنی مہر سے تمہیں کچھ دے تو اسے کھاؤ) اور شہد کے بارے میں فرمایا: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے) لہٰذا جب شفا کی یہ تمام باتیں اور اسباب جمع ہو جائیں تو بفضل خدا اس کا حصول ضرور ہوگا۔ اور وہی شفا دینے والا ہے: اَللّٰهُمَّ اشْفِنَا شِفَآءً عَاجِلًا بِحَقِّ الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَبِبَرَكَةِ نَبِيِّكَ الْكَرِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ.

ذکر تعبیر رؤیا یعنی خواب

وصل: تعبیر کے معنی تفسیر کے ہیں ''عبرت الرؤیا'' (خواب کی تعبیر دی) تخفیف وتشدید دونوں سے مروی وغ۔ اور تشدید کے ساتھ مبالغہ کے لیے ہے اور ''رؤیا'' بضم راء وسکون ہمزہ وہ ہے جو شخص خواب میں دیکھے۔ رؤیا کی حقیقت کا بیان برطریق متکلمین وحکماء مشکوٰۃ شریف کی شرح میں کر دیا گیا ہے اس جگہ محدثین کے طریقہ پر جو کچھ مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے اسے ذکر کیا جاتا ہے۔

قاضی ابوبکر بن العربی جو کہ اعاظم علماء مالکیہ سے ہیں فرماتے ہیں کہ رؤیا یعنی خواب وہ ادراک ہے جسے حق تبارک وتعالیٰ بندے کے دِل میں کسی فرشتے یا کسی شیطان کے ہاتھ سے اس کی حقیقتوں کے ساتھ یا اس کی تعبیرات کے ساتھ ظاہر فرماتا ہے۔

حاکم وعقیلی روایت کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملاقات کی اور کہا: اے ابوالحسن! ایک شخص خواب دیکھتا ہے تو اس کا کچھ حصہ تو صادق ہوتا ہے اور کچھ کاذب نکلتا ہے؟ فرمایا ہاں! میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہر مرد وعورت جب خوب گہری نیند سو جاتا ہے تو اس کی روح عرش کی جانب پرواز کر جاتی ہے تو اس عرش سے وہ رؤیا ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو روح عرش سے نیچے رہ جاتی ہے وہ جھوٹی ہوتی ہے۔'' اور ذہبی اس حدیث کو صحیح نہیں گردانتے۔

ابن قیم ایک حدیث لاتے ہیں کہ مسلمان کی رؤیا، وہ کلام ہے جسے حق تبارک وتعالیٰ اس سے فرماتا ہے اور حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین اس آیت کریمہ میں کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. کسی انسان کے لیے زیبا نہیں کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر بطور وحی یا پردے کے پیچھے سے

فرماتے ہیں کہ: مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ سے مراد خواب ورؤیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی رؤیا دوسروں کے مقابلہ میں وحی ہوتی ہے اور وحی ہمیشہ بغیر خلل وحجاب کے آتی ہے اس لیے کہ وہ خدا کی نگہبانی وعصمت میں ہے بخلاف انبیاء کے سوا دوسروں کے خواب کے، کبھی اسے غیر نبی کے لیے شیطان بنا دیتا ہے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مرد صالح کا خواب حسن، نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رویائے صالحین کی اکثریت مراد ہے۔ ورنہ مرد صالح تو بسا اوقات اضغاث یعنی پریشان خوابوں کو بھی دیکھتا ہے لیکن یہ نادر ہے بایں وجہ کہ صلحا پر شیطان کا تسلط بہت غالب ہے۔

اس جگہ یہ مشکل بیان کرتے ہیں کہ رویا یعنی خواب نبوت کا حصہ ہے اس کے کیا معنی ہیں حالانکہ نبوت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہو چکی؟ تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر خواب ورویائے نبی یعنی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے تو وہ حقیقتاً اجزائے نبوت

کا جزو ہے اور اگر غیر نبی نے دیکھا ہے تو بر سبیل مجاز باعتبار تشبیہ رویائے نبوت وافادۂ علم میں اجزائے نبوت کا جزو ہے اور بعض کہتے ہیں جزو سے مراد علم نبوت کا جزو ہے کیونکہ نبوت اگر چہ منقطع ہو چکی ہے مگر اس کا علم باقی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا ہر شخص خواب کی تعبیر دے سکتا ہے؟ فرمایا کیا نبوت سے کھیلا جاتا ہے؟ اس کے بعد فرمایا خواب نبوت کا جزو ہے۔ اس سے مراد وہی مشابہت ہے جو رویائے نبوی سے۔ بر بنائے اطلاع بر بعض غیوب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جزو شی، وصف کل کو جو کہ نبوت ہے مستلزم نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص با آواز بلند اشہدان لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اسے موذن نہیں کہیں گے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد سلسلہ مبشرات باقی نہیں رہے گا مگر رؤیا یعنی خواب۔

مسلم و ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض میں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے کاشانۂ اقدس کا پردہ اٹھا کر سر مبارک نکالا۔ اس وقت آپ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صف بستہ کھڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! مبشرات نبوت باقی نہیں رہیں گی۔ البتہ رویائے صالحہ رہیں گے جسے مسلمان دیکھے گا یا اسے دکھایا جائے گا۔ اور مبشرات کی تعبیر باعتبار غالب ہے ورنہ بعض رؤیا ڈراؤنے بھی ہوتے ہیں اور صادق بھی' جسے حق تبارک وتعالیٰ مسلمان کے لیے بر بنائے رفیق ومہربانی دکھاتا ہے اور اسے پہلے سے اس چیز کے لیے آمادہ کرتا ہے جو آگے ہونے والا ہے۔

قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ کوئی اسے حقیقتاً اجزاء نبوت نہیں جانتا مگر فرشتہ یا نبی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے جو کچھ مراد لیا ہے اس قدر ہے کہ رؤیا، فی الجملہ اجزائے نبوت کا ایک جزو ہے۔ اس لیے کہ اس میں من وجہٍ یک گونہ غیبو بات میں سے کسی غیب پر اطلاع ہے لیکن تفصیلی نسبت درجۂ نبوت اور اسکی معرفت کے ساتھ مخصوص ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کے لیے لازم ہے ہر چیز کو مکمل اور تفصیلی طور پر جانے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر عالم کے لیے واقفیت کی اس کے نزدیک ایک حد رکھی ہے لہٰذا ان میں سے کچھ کو تو وہ مکمل اور تفصیلی طور پر جان لیتا ہے اور کچھ کو مختصراً جان لیتا ہے (نہ کہ مکمل و تفصیلی طور پر) رؤیا یعنی خواب اسی قبیل سے ہے اور حدیث میں بھی روایتیں مختلف آئی ہیں۔ بعض میں پینتالیسواں حصہ ہے اور بعض میں سترواں حصہ۔ اور بعض میں چھہترواں اور بعض میں چھبیسواں اور بعض میں چوبیسواں۔ اس بنا ان کی صحت پر وثوق نہ رہا۔ لیکن مشہور چھیالیسواں ہے۔ اور بعض عدد کے لیے روایت مشہور جو کہ چھیالیسواں ہے خاص مناسبت ظاہر کرتی ہے۔

کہتے ہیں کہ حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چھ مہینے خواب میں وحی فرمائی اس کے بعد باقی تمام مدت حیات' بیداری میں وحی فرمائی' مکمل دور نبوت تیئس سال ہے۔ اور ان چھ مہینوں کی نسبت تیئس سال سے چھیالیسواں حصہ ہے یہ وجہ مناسب ومعقول ہے اگر ثابت ہو جائے کہ ابتداء میں خواب میں وحی کی مدت چھ مہینے ہے۔

خطابی فرماتے ہیں کہ اہل علم نے اس عدد کی تاویل میں چند قول کہے ہیں جو کہ ایک بھی پایۂ ثبوت تک نہ پہنچ سکا۔ اور نہ ہم نے ہی اس بارے میں کوئی حدیث یا اثر سنی اور نہ مدعی نے ہی اس باب میں کوئی چیز بیان کی۔ محض گمان سے ہی کچھ کہا ہے: وَالظَّنُّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ اور گمان حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔ اور ہم پر یہ بھی لازم نہیں کہ جس کا علم مخفی رکھا گیا ہوا سے ہم تعداد ورکعات' ایام صیام اور رمی جمار وغیرہ کی مانند جانیں۔ نیز تعداد بتانے میں اس مناسبت پر جو کہ دیگر روایتوں میں آئی ہیں جاری نہیں ہے لہٰذا اولیٰ بلکہ واجب ہے کہ علم کو شارع علیہ السلام پر تفویض کر دیں۔ (واللہ اعلم)

سچے خواب کا وقت: ایک اور بات بھی جان لینی چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ۔ سب سے سچا خواب صبح صادق کے وقت دیکھنا ہے' اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت زمانہ متقارب ہو جائے تو مسلم کے خواب جھوٹ نہیں ہوتے۔ اور جو تم میں راست گو ہے اس کا خواب سب سے سچا ہے۔'' اقتراب زمان میں دو قول ہیں اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ زمانہ شب اور زمانہ نہار جب متقارب ہو جائیں۔ یہ وقت ایام ربیع میں برابر ہوتا ہے کہ دن اور رات برابر ہوتے ہیں اور یہ وقت طبائع اربعہ کے اعتدال کا ہے ان لوگوں کا یہی مفہوم ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ایام خریف کو بھی کہتے ہیں کہ یہ وقت تحویل میزان ہے اور لیل ونہار کے اوقات میں برابری کا وقت ہے۔ تعبیر گویوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ سب سے سچا خواب لیل ونہار کے اعتدال کے وقت کا ہے۔ اس جگہ یہ بحث کی گئی ہے کہ اس وجہ پر مسلم کی قید لگانے کا کیا فائدہ ہے اس لیے کہ اس وقت میں اعتدال طبائع' مسلم کیساتھ مخصوص نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کا حال دائرہ اعتبار سے خارج ہے اور اس کے خواب پر صدق کا اطلاق ممنوع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اقتراب زمان سے مراد قرب قیام قیامت اس کی مدت کی انتہا ہے اور اس کی تائید ترمذی کی یہ حدیث کرتی ہے کہ: فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانَ لَا تَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنُ آخر زمانے میں مسلمان کے خواب جھوٹے نہ ہوں گے۔

اور اس مسکین نے یعنی صاحب مدراج النبوۃ نے اپنے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ اقتراب زمان سے مراد موت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ زمانہ مذکور سے مراد امام مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا ہے کیونکہ ان کے زمانے میں عدل وانصاف' امن وامان اور خیر ورزق عام ہوگا اس لیے کہ وہ زمانہ باعتبار وجود لذت اور خوشی ومسرت کے مختصر ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دجال کے ہلاک کر دینے کے بعد باقی رہیں گے اور وہ اپنے احوال میں اس امت کے تمام لوگوں میں صدر اول کے بعد بہترین اور سب سے زیادہ راست گو ہوں گے۔ اسی بنا پر اس حدیث کے آخر میں فرمایا: وَاَصْدَقُكُمْ رُؤْيَا اَصْدَقُكُمْ حَدِيْثًا اس کا خواب زیادہ سچا ہے تو تم میں سب سے زیادہ راست گو ہے۔ صدق رؤیا میں راست گفتاری کی شرط کی وجہ ظاہر ہے اس لیے کو جو سچ بولتا ہے اس کا دل روشن ہو جاتا ہے اور اس کا ادراک قوی ہو جاتا ہے اور صحیح طور پر اس کے خیالات ومعنی منقش ہوتے ہیں اور جو بیداری کی حالت میں صحیح وسالم ہے اس کا خواب بھی ایسا ہی ہوگا بخلاف جھوٹے اور ملی جلی باتیں کرنے والے کے کیونکہ اس کا دل تاریک وفاسد ہے تو اس کا خواب بھی ہمیشہ جھوٹا اور پریشان ہوتا ہوگا اور کبھی صادق' غیر صحیح اور کاذب صحیح بھی دیکھ لیتا ہے لیکن اکثر وغالب وہی ہے جو کہا گیا ہے۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی خواب میں ایسی چیز دیکھے جو اسے محبوب وپسند ہے تو وہ خدا کی جانب سے اس پر لازم ہے کہ حمد وشکر الٰہی بجالائے اور اس کی تحدیث کرے یعنی لوگوں کو بتائے اور اگر خواب میں ایسی چیز دیکھی ہو جو اسے ناپسند وناگوار ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوگی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ سے اس کے شر وفساد سے پناہ مانگے اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرے اور کسی کو ضرر نہ پہنچائے (رواہ البخاری)۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ خواب بد شیطان سے ہے اسے کسی کو نہ بتائے اور بائیں جانب تین مرتبہ تھوکتا رہے اور استعاذہ کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک پہلو سے دوسری پہلو کی طرف پھر جائے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نماز پڑھے اور کسی کو نہ بتائے مگر حبیب لبیب سے کہہ سکتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ نصیحت کرنیوالے عالم سے کہے اور آیۃ الکرسی پڑھے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ خواب' پریشاں خیالی ہے مطلب یہ کہ نا قابل اعتبار ہے اور واقع نہیں ہوتا جب تک کہ تعبیر نہ لی جائے اور جب تعبیر

لے لی جاتی ہے تو واقع ہو جاتا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جو خواب کی تعبیر دی جائے وہی پیش آتا ہے یہ حدیث ضعیف ہے باوجود اس کے لوگوں کی عادت ہے کہ تعبیر دینے والے سے پوچھتے ہیں۔ اگر تعبیر صحیح مل گئی تو فبہا ورنہ کبھی دوسرے سے پوچھتے ہیں۔ کذا قالوا۔ اور تعبیر دینے والے کو چاہیے بھلائی کی تعبیر دے اور جہاں تک ہو خیر پر محمول کرے۔

معبرین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت: سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اس نے عرض کیا کہ میرا شوہر غائب ہے اور میں حاملہ ہوں میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گھر کا ستون شکستہ ہے اور میں نے بھینگی آنکھ والا بچہ دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر دی کہ انشاء اللہ تیرا شوہر صحیح وسالم واپس آئے گا اور تو خوبصورت اور اچھی خصلت کا بچہ جنے گی یہ عورت پھر دوسری بار آئی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما نہ تھے میں نے اس خواب کا قصہ معلوم کیا تو اس نے اپنا خواب بیان کیا۔ میں نے اس کے خواب کی تعبیر یہ دی کہ اگر تیرا یہ خواب صحیح ہے تو تیرا شوہر مر جائے گا۔ اور تو بدکار بچہ جنے گی تو وہ عورت بیٹھ کو رونے پیٹنے لگی اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا: اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) ایسا نہ کرو جب تم کسی مسلمان کو اس کے خواب کی تعبیر دو تو اسے خیر پر محمول کرو اور اچھی تعبیر دو اس لیے کہ جیسی تعبیر دی جاتی ہے ایسا ہی خواب واقع ہوتا ہے۔

یہ بھی روایت میں ہے کے معبر لوگوں کو چاہیے کہ وہ تعبیر دینے سے پہلے کہے: خَيْرٌ لَّنَا وَشَرٌّ لِّاَعْدَائِنَا (ہمارے لیے بہتری ہو اور ہمارے دشمنوں کے لیے برائی ہو) اس کے بعد وہ تعبیر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

آداب معبرین: اہل علم کہتے ہیں کہ تعبیر دینے والوں کے آداب میں سے ہے کہ نہ تو طلوع آفتاب کے وقت تعبیر دیتے ہیں نہ زوال وغروب آفتاب کے وقت اور نہ رات میں' ایسا ہی صاحب مواہب نے بیان کیا ہے نہ تو اس کی کوئی وجہ ظاہر کی ہے اور نہ اس ضمن میں کوئی حدیث نقل کی ہے اگر کہیں کہ یہ وہ اوقات ہیں جن میں نماز مکروہ ہے تو استواء یعنی نصف النہار کا بھی ذکر کرنا چاہیے۔ مگر وقت زوال سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔ لیکن رات میں منع کرنے کی وجہ کیا ہے؟ حالانکہ یہ حدیث صحیح میں یقیناً ثابت شدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر ادا فرما چکتے تو رخ انور پھیر کر صحابہ سے دریافت فرماتے کہ کیا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات خواب دیکھا ہو؟ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حضرات جنہوں نے خواب دیکھا ہوتا عرض کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعبیر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ بخاری نے اپنی کتاب میں مستقل باب بعنوان ''تعبیر رؤیا بعد صلوٰۃ الصبح'' باندھا ہے لیکن یہ طلوع آفتاب سے پہلے ہے۔ اور وقت طلوع میں تعبیر کی ممانعت دلیل پر موقوف ہے۔ اور یہ دلیل کہ ان وقتوں میں نماز مکروہ ہے ظاہر نہیں ہے اور مواہب کی عبارت میں اس طرف اشارہ بھی موجود ہے اور یہ جو بعض کہتے ہیں کہ آفتاب جب خوب بلند ہو جائے اس وقت اور عصر سے قبل غروب آفتاب تک تعبیر دینا مستحب ہے۔ اس پر حدیث مذکور رد کرتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور پھیر کر صحابہ سے خواب دیکھنے کے بارے میں سوال کرنا، اس کے بارے میں اہل علم کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کی بشارت کے منتظر تھے اور چاہتے تھے کہ کہیں سے ظاہر ہو جائے تو معلوم نہیں انہوں نے یہ مطلب کہاں سے اخذ کیا۔ حالانکہ اس سوال کرنے کا ظاہر مطلب ومقصد یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے احوال کو جانیں کہ ہر ایک کا سلوک کہاں تک پہنچا ہے۔ اور اس کی تدبیر کیا ہونی چاہیے۔ مشائخ کرام کا جو یہ معمول ہے کہ وہ اپنے مریدوں سے واقعات ومعاملات پوچھتے ہیں۔ اور ان کا علاج کرتے ہیں تو وہ اسی سنت کے اتباع میں ہے (واللہ اعلم)

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ خواب کی تعبیر نماز صبح کے وقت دینا اولیٰ واقرب ہے بہ نسبت دیگر وقتوں کے' باعتبار خواب کی یادداشت

کے یا اس سبب کے خواب دیکھنے کے زمانے سے یہ قریب وقت ہے کیونکہ بسا اوقات خواب میں نسیان عارض ہو جاتا ہے۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ معبر کا ذہن اس وقت حاضر ہوتا ہے کیونکہ یہ وقت پاکیزہ ہوا اور نورانیت قلب کا ہوتا ہے اور امور معاش میں فکر کرنے سے اس کی مشغولیت کم ہوتی ہے۔

خواب دیکھنے والے کے آداب: خواب دیکھنے والے کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ راست گو ہو اور باوضو داہنے پہلو پر سوئے جیسا کہ سونے میں سنت ہے۔ اور سونے سے پہلے سورۂ والشمس، واللیل' والتین اور سورۂ اخلاص ومعوذتین پڑھے اور یہ دعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَیْءِ الْاَحْلَامِ وَاَسْتَجِیْرُ بِكَ مِنْ تَلَاعُبِ الشَّیْطَانِ فِی الْیَقْظَةِ وَالْمَنَامِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رُؤْیَا صَالِحَةً صَادِقَةً نَافِعَةً حَافِظَةً غَیْرُ مُنْسِیَّةٍ اَللّٰهُمَّ اَرِنِیْ فِیْ مَنَامِیْ مَا اُحِبُّ

اور چاہیے کہ خواب دشمن وجاہل سے بیان نہ کرے تاکہ وہ جہالت کی وجہ سے یا دشمنی کی بنا پر بھلائی کے سوا علاوہ دوسری جانب محمول کر دے۔

تمام رؤیا دو قسمیں منحصر ہیں۔ ایک اضغاث احلام، یعنی وہ خواب جو پراگندہ اور جھوٹے ہوں جس طرح بیداری میں خیالات فاسد و پریشان پیدا ہوتے ہیں یہی حال خواب کا ہے ضغث کے لغوی معنی خس وخاشاک اور پراگندگی کے ہیں اور صراح میں ضغث کے معنی ایک مٹھا گھاس کا جسمیں خشک وتر گھاس ہو اور ''احلام'' کے معنی خوابہائے شوریدہ کے ہیں۔ اور ''ضغث الحدیث'' کے معنی بات میں آمیزش کرنے کے ہیں اور ''احلام'' حلم کی جمع ہے جو کہ بالغ آدمی خواب دیکھتا ہے۔ رؤیا کی یہ قسم نامعتبر ہے یہ کوئی تعبیر نہیں رکھتا اور بسا اوقات اس قسم کا خواب شیطان کے دکھانے سے ہوتا ہے تاکہ وہ مسلمان کے خواب کو اندوہگیں کر کے اسے غمزدہ کرے۔ مثلاً یہ کہ کوئی دیکھے کہ اس کا سر کٹا ہوا ہے۔ یا کوئی اس کا درپئے آزار ہے یا مردہ ہے یا کسی ہولناک جگہ پر پڑا ہوا ہے جہاں سے اسے خلاصی نہیں ملتی (وغیرہ)۔

مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا ''یارسول اللہ'' میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کٹا ہوا ہے اور میں اس کے درپے جارہا ہوں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا کہ خواب میں تجھ سے شیطان نے جو مذاق کیا ہے اسے کسی سے نہ کہنا۔ یہ خواب ایسا ہی ہے جیسے کوئی دیکھے کہ فرشتہ اسے کسی فعل حرام کے کرنے کا حکم دے رہا ہے یا اس کی مانند ایسی بات کہہ رہا ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے یا وہ چیز جو بیداری کی حالت میں دل میں خیال کر رہا تھا اور اسے محال جان رہا تھا اسے وہ خواب میں دیکھتا ہے یا وہ چیز جو اس کے مزاج پر اخلاط اربعہ میں سے غالب ہے مثلاً بلغم یا صفرا یا خون یا سودا' اسے وہ خواب میں دیکھتا ہے جیسے بلغمی مزاج پانی کو دیکھے یا صفراوی مزاج آگ یا زرد رنگ کو دیکھے یا دموی مزاج' سرخ رنگ کو دیکھے یا سوداوی مزاج' سیاہ چیز کو دیکھے وغیرہ۔ تو یہ تمام خواب نامعتبر ہیں۔

خواب کی دوسری قسم رویائے صدقہ ہے مثلاً انبیاء علیہم اسلام کے رؤیا' یا صلحائے امت کے خواب اور کبھی برسبیل ندرت ان کے غیر کو بھی اس کا اتفاق پڑ جاتا ہے۔ اس جگہ دو عبارتیں ہیں ایک رویائے صادقہ دوسرے رویائے صالحہ اور حسنہ اور ظاہر ہے کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں لیکن بعض ان میں فرق کرتے ہیں۔ یعنی صادقہ وہ ہے جو سچا ہو اور صالحہ وحسنہ وہ ہے جو مقصود کے موافق حسب دل خواہ ہو یہ انبیاء وصلحاء کے خوابوں میں سے امور آخرت کی نسبتوں میں ایک ہوگا۔ لیکن امور دنیا کی نسبتوں میں عجیب ظاہر دلخواہ نہ پڑے گی۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روز احد خواب دیکھا کہ گائیں ذبح کر رہے ہیں اور جب اپنی شمشیر پر نظر ڈالی تو ٹوٹی پڑی تھی تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح بقر کی تعبیر وہ کی جو اس روز صحاب کرام کو پہنچی اور ٹوٹی ہوئی شمشیر کی تعبیر یہ فرمائی کہ ایک شخص آپ کے اہل بیت کا شہید ہوا یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بعدازاں عاقبت متقیوں کے لیے ہے اور فتح ونصرت ساری مخلوق پر۔

تمام لوگ تین قسموں کے ہیں ایک مستورالحال' ان پر صدق وکذب دونوں برابر ہے دوم فساق وفجاران پر اضغاث یعنی پراگندہ خیالی، جھوٹے خواب غالب ہیں۔ اوران پر صدق نادر ہے۔ اور سوم کفاران پر تو صدق غایت درجہ نادر ہے اور بعض کافروں سے سچا خواب بھی رونما ہوا ہے جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل خانہ میں دوقیدی ساتھیوں کا خواب۔ اوران کے بادشاہ کا خواب وغیرہ ذالک۔

حدیث میں آیا ہے کہ: اَصْدَقُ الرُّؤْیَا بِالْاَسْحَارِ. سب سے زیادہ سچا خواب صبح کا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ رات کے پہلے پہر کی خواب کی تاویل دیر میں پڑتی ہے اور نصف ثانی کا خواب متفاوت الاجزاء ہوتا ہے۔ خوابوں میں سب سے جلدی اور سرعت سے رونما ہونے والے خواب صبح کے وقت کا ہوتا ہے۔ خصوصاً طلوع فجر کے وقت کا خواب، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تاویل میں جلد تر ہونے والا خواب' قیلولہ کا خواب ہے اور محمد بن سیرین نقل کرتے ہیں کہ کہا' دن کا خواب' رات کے خواب کی مانند ہے۔ اور عورتوں کے خواب کا حکم مردوں کی مانند ہے بعض کہتے ہیں کہ عورت جب خواب میں ایسی چیز دیکھے جو اس کے اہل سے نہ ہو تو وہ خواب اس کے شوہر کا ہے۔ یہی حال غلام کے خواب کا کہ اس کے آقا کے لیے۔ اسی طرح بچوں کا خواب' ماں باپ کے لیے ہے (واللہ اعلم)۔

رویائے نبوی اور تعبیرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رؤیا وتعبیر بکثرت مروی ہیں۔ ان میں سے ایک دودھ کا دیکھنا اور اس کی تعبیر علم سے دینا ہے۔ بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سنا ہے کہ میں حالت نوم میں تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس میں سے اتنا پیا کہ ناخنوں سے اس کی سیرابی نمودار ہو رہی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اتنا پیا کہ میں اسے اپنے جسم کے رگ وریشے میں گردش کرتا دیکھ رہا تھا پھر اس میں جو کچھ باقی رہا اسے میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس کی تعبیر وتاویل کیا لی؟ فرمایا میں نے علم مراد لیا۔

شیخ ابن ابی جمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ سے یہ تعبیر کرنا اس بنا پر ہے جو شب معراج میں اول امر پر جو چیز ظاہر ہوئی تھی جس وقت کہ آپ کے پاس شراب کا پیالہ اور دودھ کا پیالہ لایا گیا تھا تا کہ وہ ان میں سے جو چاہیں پسند فرمائیں آپ نے دودھ کو پسند فرمایا تھا۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض کیا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا یعنی دین کو۔ اور بعض مرفوع حدیثوں میں دودھ کی تعبیر فطرت سے آئی ہے اور بعض روایتوں میں علم سے۔ اور دودھ کو علم سے تعبیر دینے کی وجہ اس کا کثرت نفع ہے اور یہ کہ بدن کی اصلاح کا سبب ہے۔ لہٰذا علم، ارواح کی غذائیں' بدن کی غذا اور اس کی اصلاح میں دودھ کی مانند ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اس جہان میں علم کی مثال دودھ ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس مسکین نے (صاحب مدارج نے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں بعض خوابوں میں اس سعادت وبشارت سے بہرہ مندی پائی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ میں نے دودھ سے زیادہ لطیف وشیریں خوش ذائقہ تازہ دودھ پیا ہے اور میں نے اس سب کو پی لیا ہے امیدوار ہے کہ علم دین کے حصے سے مشرف ومحفوظ ہوگا۔ ایک مرتبہ یہ دیکھا کہ کانسی کے بڑے برتن میں بہت سفید وشیریں لطیف ونظیف دودھ ہے۔ میں نے اسے پی لیا ہے۔ (والحمد للہ علی ذالک)۔

ان میں سے ایک خضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص دیکھنا بھی ہے اس کی تعبیر آپ نے دین سے لی تھی۔ بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ میرے حضور لوگ پیش کیے گئے۔ ان کے جسموں پر ایسی قمیصیں تھیں کہ بعض کے تو چھاتیوں تک تھی اور بعض اس سے ''وان'' اور میرے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو ان کی قمیص گھسٹ رہی تھی یعنی اتنی لمبی تھی کہ زمین تک پہنچ گئی تھی لفظ ''وان'' کے دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ حلق سے چسپاں ہوں گے اور دوسرا یہ کہ اس سے نیچے ہوں گے چنانچہ ناف تک پہنچے ہوں گے۔ اور دراز تر پہلے سے ہوں گے۔ اس احتمال کی تائید وروایت کرتی ہے جسے حکیم ترمذی نے نوادرالاصول میں بیان کیا ہے۔ ان میں کچھ لوگوں کی قمیصیں ناف تک تھیں اور کچھ لوگوں کی آدھی پنڈلی تک اور قمیص سے دین کے ساتھ تعبیر کرنا اس بنا پر ہے کہ قمیص دنیا میں ستر کو چھپاتا ہے۔ اور دین آخرت میں پردہ پوشی کرتا اور ہر مکروہ سے باز رکھتا ہے اور بنیاد اس باب میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۔تقویٰ کا لباس یہ بہتر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ دین جہالت کی شرمگاہ کو چھپاتا ہے جس طرح کہ قمیص بدن کے ستر کو چھپاتا ہے اور جس کی قمیص سینہ تک ہے وہ کفر سے دل کو ڈھانپتا ہے اگرچہ معاصی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور جن کی اس سے کچھ نیچے ہے اور ان کی شرمگاہ ننگی ہے اور ان کے پاؤں کھلے ہوئے ہیں وہ گناہ کی طرف چلتے ہیں اور جن کی قمیص پاؤں تک پہنچ گئی ہے یہ وہ شخص ہیں کہ تقویٰ کی تمام وجوہ سے پوشیدہ ہیں۔ اور جن کی قمیص گھسٹتی ہے اور ان کے جسموں سے زیادہ ہے وہ عمل صالح میں کامل ہیں اور لوگوں سے مراد یا تو تمام مسلمان ہیں یا مخصوص امت مرحومہ بلکہ ان میں سے بھی بعض لوگ اور ''دین'' سے مراد عمل اور اس کے مقتضیات ہیں۔ یعنی امر کو بجالانے نہی سے اجتناب کرنے کی خواہش رکھنا اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام بہت بلند و بالا تھا۔ اور اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل دین فضلیت میں کم و زیادہ اور دین میں قوی و کمزور ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا خواب میں دیکھنا محمود ہے۔ یہ باتیں بیداری میں بھی رونما ہوتی ہیں اور خبر میں جو یہ کہا گیا کہ قمیص گھسٹتی تھی تو یہ شرعاً مذموم ہے۔ اس لیے کہ تطویل میں وعید وارد ہے۔ اور نیند کی حالت، شرعی تکلیف سے باہر ہے۔ اور یہ اس امر کے مشابہ ہے جو معراج کے ضمن میں ہے کہ قلب شریف کو سونے کے طشت میں غسل دیا گیا۔

اور ان میں سے ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں اپنے دست مبارک میں دو کنگنوں کو پہنتے دیکھنا اور اس کی تعبیر دو کذابوں سے کرنا بھی ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حالت خواب میں تھا کہ یکایک مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے یہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی طرف کنایہ ہے جنہیں آپ کی امت پر فتح کیا گیا۔ اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ سونے چاندی کے معاون ہوں۔ فرمایا اس کے بعد جب میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنائے گئے تو مجھے یہ گراں اور ناگوار معلوم ہوا اور اس نے مجھے غمگین کر دیا پھر میری طرف وحی کی گئی کہ میں ان کنگنوں پر پھونک ماروں۔ چنانچہ جب میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ جاتے رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اڑ گئے۔ میں نے ان کنگنوں کی تعبیر و تاویل یہ کی کہ میں دو کذابوں کے درمیان ہوں۔ ایک کذاب کوہ صفا کے درمیان ہے دوسرا کذاب یمامہ کے نزدیک۔ جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں ان میں سے ایک اسود عنسی تھا جس نے یمن میں دعویٰ نبوت کیا اور وہ فیروز دیلمی کے ہاتھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی مارا گیا۔ اور آپ کی طرف قبل رحلت' مرض وفات میں اس کی وحی فرمائی گئی۔ اور آپ نے اس کے بارے میں جانے کی خبر دی۔ اور فرمایا: قَتَلَهُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ فِيْرُوْزُ دَيْلَمِيْ ۔یعنی اسے مرد صالح فیروز دیلمی نے قتل کر دیا اور فرمایا ''فَازَ فَيْرُوْز'' یعنی فیروز کامیاب ہو گئے اور دوسرا کذاب ''مسیلمہ کذاب'' تھا جس نے یمامہ میں دعویٰ نبوت کیا۔ یمامہ حجاز کا ایک شہر ہے۔ یہ کذاب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانہ میں مارا گیا۔

دو کذابوں اور دو کنگنوں کی تاویل میں اہل علم کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کی جگہ کے برخلاف رکھنے کو کذب کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں کلائیوں میں دو سونے کے کنگن دیکھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس عادیہ میں سے نہ تھے۔ اس لیے کہ یہ عورتوں کا زیور ہے اور وہ جوان لوگوں سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے وہ اہل ولائق نہ تھے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ سونا مردوں کے لیے ممنوع ہے اس کا پہننا کذب پر دلیل ہے۔ نیز ذہب (سونا) ذہاب سے بنا ہے جس کے معنی جانے کے ہیں تو جان لیا کہ یہ وہ چیز ہے جو جانے والی اور زائل ہونے والی ہے۔ اور یہ بات حکم الٰہی سے اور متاکد و مضبوط ہوگئی کہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس پر پھونک مارنے کا حکم فرمایا تو وہ چلی گئیں یا اڑ گئیں تو معلوم ہو گیا کہ آپ کے لیے وہ باقی رہنے والی چیز نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی سے کلام فرمانا کہ وہ آئی ہے ان کو اپنی جگہ سے دور کرتا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس رؤیا کے رویا میں مناسب تاویل یہ ہے کہ اہل صفا اور اہل یمامہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اسلام کے مددگار بن گئے تھے۔ پھر جب ان میں دو کذاب ظاہر ہوئے اور ان دونوں نے ان شہروں کے رہنے والوں پر اپنے مزین کلام اور باطل دعوؤں سے اثر اندازی کی تو وہاں کے اکثر شہری دھوکے میں آ گئے تو گویا دین میں وہ بمنزلہ دو شہروں کے ہو گئے اور دو کنگن بمنزلہ دو کذابوں کے بن گئے اور ان دو کنگنوں کا سونے کے ہونے میں اشارہ ہے۔ انہوں نے اپنے کلاموں کو آراستہ کیا اور ''زخرف'' سونے کا نام ہے (انتہی)۔

اور بعض اہل علم، دو کنگنوں اور دو کذابوں کی تاویل و تعبیر میں کہتے ہیں کہ ہاتھ میں کنگن ہونا، ہاتھ کو باندھ دینے کے مشابہ ہے جیسا کہ پاؤں میں ہوتا ہے۔ بندش ہاتھ کو عمل و تصرف کے نفع سے روکتی ہے گویا کہ دو کذابوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں دست مبارک کو گرفت میں لے لیا اور دونوں ہاتھوں کو عمل و تصرف کے لیے آزاد نہ چھوڑا (کذا ذکرہ الطیبی)

ان میں سے ایک کالے رنگ کی عورت کو ژولیدہ بالوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلتے دیکھنا بھی ہے۔ اس کی مدینہ طیبہ سے جحیفہ کی طرف وبا کے منتقل ہو جانے کی تعبیر کی گئی۔ بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے سیاہ رنگ کی ژولیدہ بالوں والی عورت کو مدینہ سے باہر نکلتے اور مہیعہ میں ٹھہرتے دیکھا ہے۔ مہیعہ جحفہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک موضع ہے جن میں یہودی رہا کرتے تھے تو میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ مدینہ طیبہ سے وبا جحفہ کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم مبارک سے پہلے وبا و بخار بہت زیادہ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہاں سے نکال کر کافروں کی بستیوں میں بھیج دیا۔

وبا کو کالے رنگ کی عورت سے تشبیہ و تعبیر دینے میں اہل علم یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سوداء (بمعنی سیاہ) سے لفظ ''سوء'' بمعنی برائی اور داء (یعنی بیماری و درد) کو نکالا۔ پھر تاویل فرمائی کہ میں نے اس چیز کو نکال باہر کیا جس میں یہ دونوں لفظ اس کے نام میں جمع تھے یعنی لفظ ''سوداء'' سے لفظ مرکب ''سوء داء'' (بری بیماری) بنا۔

اور ثوران، سوداء کے سر لفظ سے تاویل کرتے ہیں یعنی سو جس کے معنی بدی کے ہیں جو برائی و شر کو ابھاتا ہے۔ آپ نے اسے نکال پھینکا۔ اور قیروانی کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا منہ کالا ہو وہ اس کے منہ کو مکروہ و مذموم کر دیتا ہے اور کہتے ہیں کہ ثوران نے سر سو کی بخار کے ساتھ تاویل کی ہے اس لیے کہ وہ بدنوں کو جوش میں لاتا اور لرزہ پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً تپ سوداوی، کہ وہ تو بہت ہی وحشت لاتا ہے۔

اور انہیں میں سے ایک تلوار کا دیکھنا بھی ہے کہ آپ اسے گھما رہے ہیں اور وہ کبھی کند ہو جاتی اور پھر اپنے حال پر آ جاتی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تلوار کو گھما رہا ہوں وہ کند ہو جاتی ہے پھر میں گھماتا ہوں تو وہ دوبارہ پہلے سے بہتر حالت پر آ جاتی ہے۔ آپ نے اس کی یہ تعبیر فرمائی کہ حق تعالیٰ فتح اور

مسلمانوں کا اجتماع لایا ہے۔اس تعبیر میں اہل علم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو صحابہ سے تعبیر فرمائی۔اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام زور وغلبہ انہیں کے ساتھ تھا اور تلوار گھمانے کو انہیں حکم جہاد وحرب دئے جانے سے تعبیر فرمائی اور تلوار کے کند ہونے کو ان پر ہزیمت کے واقع ہونے سے تعبیر فرمایا۔اور دوبارہ گھمانے اور اپنی اصلی حالت سے بہتر ہو جانے کو ان کے اجتماع' فتح' حاصل ہونے اور ان کی جمعیت وطاقت بننے پر معمول فرمایا۔یہ خواب غزوۂ احد کے موقع کا ہے۔

مواہب میں ایک اور صاف مضمون کی حدیث بیان کی گئی جو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجوروں کے باغات ہیں تو میں نے خیال کیا کہ یہ زمین یا تو یمامہ ہوگی یا ہجر، کیونکہ ان بستیوں میں نخلستان بہت ہیں اس کے بعد بتلایا گیا کہ وہ یثرب یعنی مدینہ منورہ ہے اور امام احمد کی روایت ہے جو ان کے سوا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں بھی ایسا ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا کہ میں ''ورع حصینہ'' سے نکالا ہوں اور گائیں ذبح کیے جانے کو ان شخصوں سے تعبیر کیا جو روز احد شہید ہوئے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور حق تعالیٰ کا فتح وثواب اور صدق لانے کو روز بدر سے فتح مکہ تک جہاد وقتال پر صبر کرنے سے تعبیر کیا۔

مشکوٰۃ شریف میں ہجرت کا ذکر اور مقام ہجرت کو مخفی رکھے جانے اور شہر یثرب متعین ہونے اور تلوار گھمانے' اس کے کند ہونے پھر اپنی اصلی حالت پر آ جانے کو ایک حدیث میں جمع کیا گیا ہے لیکن گائیں ذبح کیے جانے کا ذکر اس حدیث میں مذکور نہیں ہے۔

انہیں میں سے ایک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں کنواں دیکھنا اور اس سے پانی نکالنا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں کے سرے پر کھڑا ہوں۔اس کنویں پر ایک ڈول ہے۔میں نے اس سے اتنا پانی نکالا جتنا خدا نے چاہا۔اس کے بعد ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے اس کنویں سے ایک دو ڈول پانی کے کھینچے۔ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تاکہ میں آرام لے لوں۔اس کے بعد میں نے ان سے زیادہ عجیب نہ دیکھا کہ وہ ان کی مانند عمل کر سکے اور اتنے بڑے ڈول کو پانی سے بھر کر نکال سکے۔ان کے پانی کے ڈول کے نکالنے میں خاص قسم کا ضعف ہے۔خدا انہیں معاف فرمائے۔اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ آئے تو میں نے ان جیسا بہادر' قوی وتوانا شخص کسی کو نہ دیکھا کہ کوئی ان کی مانند پانی نکال سکے۔ابن خطاب نے اتنا پانی نکالا کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے۔

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ''عبقری'' استعمال فرمایا ہے۔عبقری' قوم میں جو سردار' بزرگ اور قوی وتوانا ہوتا ہے اسے کہتے ہیں' عبقر دراصل پریوں کی زمین کو کہتے ہیں اور اہل عرب ہر اس چیز کو خواہ وہ آدمی ہو یا کپڑا' فرش ہو یا کچھ اور' جب وہ انتہائی مضبوط اور حسن ولطافت میں اعلیٰ ہو تو اسے عبقری سے نسبت دیتے ہیں۔(کذافی الصراح) اور قاموس میں ہے کہ:

اَلْعَبْقَرُ مَوْضِعُ كَثِيْرِ الْجِنِّ اَلْعَبْقَرِيُّ الْكَامِلُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَالسَّيِّدُ وَالَّذِيْ لَيْسَ فَوْقَهُ شَيْءٌ وَالشَّدِيْدُ

یعنی عبقر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں جنات زیادہ ہوں اور عبقری اسے کہتے ہیں جو ہر شئی میں کامل ہو اور سردار کو اور اس شخص کو جس سے زیادہ قوی تر نہ ہو اور شدت کو بھی کہتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے ڈول کھینچا یہاں تک کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے اور حوض بھر گئے اور پانی بہنے لگا۔

مواہب میں صاحب مواہب کہتے ہیں کہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ ان کی ایک مثال ہے جو کچھ ان دونوں خلفاء سے امر دین میں ظاہر ہوا اور آثار صالحہ رونما ہوئے اور ان سے خلائق کو جو نفع حاصل ہوا حقیقت میں یہ سب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ماخوذ ہے۔

اس لیے کہ صاحب امر آپ ہی ہیں لہٰذا سب سے اکمل واتم امرِ دین قائم ہوا۔اور دین کے قاعدوں کو برقرار کیا۔اور ملت کی بنیادوں کو مضبوط بنایا۔(صلی اللہ علیہ وآلہٖ واتباعہٖ وسلم)

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین ہوئے اور آپ نے مرتدین سے جہاد کیا اور اُن کی جڑوں کو کاٹ کر پھینک دیا۔اور ان میں سے کسی ایک کو باقی نہ رکھا۔ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ خلیفہ ہوئے تو ان کے مبارک و بزرگ تر زمانے میں اسلام کا دائرہ کشادہ ہوا۔اسی بنا پر امر دین اسلام کو اس کنویں سے تشبیہہ دی جس میں پانی ہے۔کیونکہ ان کی زندگی اور ان کے کاموں کی درستگی اسی سے وابستہ ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ارشاد میں یہ فرمانا کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ڈول لے لیا تاکہ وہ مجھے آرام پہنچائیں۔''اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے جو بعد از رحلت واقع ہوئی اس لیے کہ دنیاوی کدوکاوش سے موت راحت ہے۔تدبیر امت اور ان کے احوال کی درستگی کے ذریعہ قیام عمل میں آیا۔

اور یہ فرمانا کہ ان کے پانی نکالنے میں ضعف ہے اس میں ان کی ولایت کی مدت مختصر ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف دو سال چند ماہ خلافت کی ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ولایت شروع ہوئی چونکہ ان کی خلافت طویل رہی اس لیے لوگوں کو ان سے نفع حاصل ہونے کا خوب موقع ملا۔اور سرحداتِ اسلام میں بڑی وسعت ہوئی اور بکثرت ممالک و بلاد کی فتوحات ہوئیں اور دفتری نظام قائم فرمایا۔ان کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ضعف کا اشارہ نہیں ہے بلکہ تحسین واداے شکر فرمایا۔اور انہیں تعبیرات کے سلسلے میں ایک روایت ہے جسے مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے ہیں میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ عقبہ رضی اللہ عنہ بن رافع کے گھر سے ایک طشت ابن طاب کی کھجوروں کا لا کر صحابہ کے آگے رکھا گیا۔حضرت عقبہ بن رافع رضی اللہ عنہٗ ایک صحابی ہیں یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خالہ زند بھائی ہیں۔ابن طاب کی کھجور تر و تازہ کھجوروں کی ایک قسم ہے۔ابن طاب ایک شخص تھا یہ اس کی طرف منسوب ہے یا تو اس نے اسے بویا ہوگا یا وہ اسے پسند رکھتا ہوگا۔اس بنا پر اسے تمر ابن طاب کہا جانے لگا۔صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیرات ارشاد فرمائی کہ دنیا و آخرت میں اس کی عافیت بخیر ہوگی۔اس معنی کو ان کے نام کے لفظ عقبہ سے لیا۔اور جامع الاصول میں مسلم کی حدیث سے منقول ہے کہ ان کی رفعت و عافیت درست ہے اور رفعت کو لفظ رافع سے اخذ فرمایا۔اور وہ دین جسے انہوں نے اختیار کیا وہ حق تعالیٰ کو ان کی جانب سے شیریں وخوش آیا۔اس مفہوم کا لفظ کو ''رطب ابن طاب'' یعنی ''ابن طاب کی تر و تازہ'' کھجوروں سے اخذ فرمایا۔

یہ تمام وہ خواب ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیکھا اور خود ہی تعبیر لی۔لیکن یہ بات پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیریں محض استنباط اور مناسبتی نہیں ہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا۔اور نہ اہل تعبیر کی مانند کوئی مناسبت رکھتی ہیں جیسی ان کی روش ہے بلکہ یہ سب وحی والہام کے ذریعہ ہوتا رہا ہے۔اگر ان میں کسی مناسبت کی رعایت پائی جاتی ہے تو کوئی بعید نہیں جیسا کہ اس حدیث میں ''رطب ابن طاب'' کے دیکھنے سے ان کے ناموں سے معنی ماخوذ کر کے تعبیر بتائی گئی اہل علم فرماتے ہیں کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ناموں سے معانی اخذ کر کے تفاول ظاہر کرتے تھے جیسا کہ بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ ہجرت کے وقت مدینہ کے راستے میں سامنے آئے۔میں نے ان سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا ''بریدہ'' فرمایا ''بَـرَدَ اَمْـرُنَـا'' ہمارا معاملہ ٹھنڈا ہے،پھر دریافت فرمایا تمہاری نسبت کس سے ہے انہوں نے کہا ''اسلمی''۔فرمایا: ''سَـلِـمَ اَمْـرُنَـا'' ہمارا معاملہ درست وسالم ہے۔

پھر دریافت فرمایا کون اسلمی؟ انہوں نے کہا از بنی سہم یعنی سہم کی اولاد سے (سہم کے معنی تیر کے ہیں) فرمایا: اَصَبْتَ سَھْمَكَ اپنے تیر پر ٹھیک پہنچے۔ وغیرہ ذالک۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شمشیر کی تعبیر۔ مومنین سے فرمائی حالانکہ معبرین کے نزدیک شمشیر کی اور بھی تعبیریں ہیں' مثلاً اولاد' بھائی' بیوی، زبان اور ولادت وغیرہ جیسا کہ قرطبی نے بیان کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

رؤیائے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تعبیراتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

وصل: پہلے مضمون میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بذات خود دیکھے ہوئے خواب تھے لیکن وہ خواب جنہیں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دیکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعبیر بیان فرمائی وہ بھی بہت کثرت سے ہیں اور حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ نماز فجر کے بعد صحابۂ کرام کی جانب رُخِ انور پھیر کر فرماتے تم میں سے جس نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہو اسے میرے سامنے بیان کیا جائے تاکہ میں اسے اسکی تعبیر دوں۔ اگر کوئی کچھ بیان نہ کرتا تو بذات خود جو دیکھا ہوتا بیان فرماتے۔ چنانچہ حسب معمول ایک صبح دریافت فرمایا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ سب نے کہا ہم میں سے کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ فرمایا: لیکن میں نے آج رات دیکھا کہ میرے پاس دو شخص آئے ہیں اور دونوں میرا ہاتھ پکڑ کر ارض مقدس کی طرف لے چلے۔ یکا یک میری نظر ایک شخص پر پڑتی ہے جو بیٹھا ہوا اور ایک شخص کھڑا ہوا اس کے ہاتھ میں آہنی گرز ہے وہ اپنے آہنی گرز کو بغل سے نکالتا ہے اور بیٹھے ہوئے شخص کے رخسار پر مارتا ہے وہ گرز اس کی گدی تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جب وہ گرز اٹھالیتا ہے تو وہ رخسار پھر صحیح وسالم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دوبارہ گرز مارتا ہے ہر بار ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں نے اپنے ان دونوں ہمراہیوں سے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے کہا چلیئے یعنی اسے نہ پوچھئے اور چیزیں بھی دیکھنی ہیں۔ پھر ہم چل دیے پھر ہم ایک شخص پر گزرے جو پہلو پر سو رہا تھا۔ اور دوسرا شخص کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں پتھر ہے جس سے وہ اس کے سر کو کچل رہا ہے تو جب وہ پتھر مارتا ہے تو وہ سر میں گھس جاتا ہے پھر جب وہ پتھر اٹھاتا ہے تو اس کا سر پہلے کی مانند ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور اپنے حال پر آ جاتا ہے۔ وہ پھر سر کو کچلتا ہے۔ میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کا آگے چلیئے تو ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک تنور کی مانند سوراخ پر پہنچے جس کا دہانہ تنگ ہے اور اس کا پیٹ کشادہ ہے اس میں مرد وعورتیں ہیں جو ننگے ہیں اور ان کے نیچے آگ جل رہی ہے جب آگ بھڑک جاتی ہے تو وہ مرد اور عورتیں ان پر چلتی ہیں۔ یہاں تک کہ قریب نکلنے کے ہو جاتے ہیں اور جب آگ سرد پڑنے لگتی ہے تو اسے پھر بھڑکا دیتے ہیں۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلیئے تو ہم چلے یہاں تک کہ ایک نہر پر آئے جو خون کی ہے۔ اس میں مرد نہر کے درمیان کھڑے ہیں اور نہر کے کناروں پر کچھ لوگ ہیں ان کے آگے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ جو کوئی نہر میں سے اپنا منہ نکالتا اور کنارہ کی طرف بڑھتا اور وہاں سے نکلنا چاہتا ہے تو کنارے پر کھڑے ہوئے لوگ اس کے منہ پر پتھر مارتے تو وہ اسی جگہ پلٹ جاتا جہاں وہ تھا۔ اسی طرح جو بھی نکلنے کا ارادہ کرتا اس کے منہ پر پتھر مارا جاتا تو وہ پلٹ جاتا جہاں وہ تھا۔ میں نے کہا یہ کیا ہے انہوں نے کہا آگے چلیئے میں ہم چلے یہاں تک کے ہم ایک مرغزار سبزے پر پہنچے جہاں ایک بڑا درخت ہے اور اس کی جڑ میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا ہے اس کے قریب کئی بچے ہیں وہاں ایک مرد درخت کے قریب ہے۔ وہ اپنے آگے آگ جلا رہا ہے۔ پھر وہ دونوں مجھے اس درخت کے اوپر لے گئے اور ایک مکان میں داخل کیا جو اس درخت میں تھا میں نے اس سے بہتر گھر کبھی نہیں دیکھا۔ اس میں بوڑھے' جوان' مرد' عورتیں اور بچے ہیں۔ پھر مجھے وہاں سے لے جا کر اس کے اوپر کے مکان میں لے گئے وہ گھر پہلے گھر سے بڑا' بہتر اور خوشتر تھا اس میں بھی بوڑھے اور جوان لوگ ہیں۔ پھر میں نے ان دونوں

ہمراہیوں سے کہا کہ آج کی رات تم نے بہت پھرایا اب مجھے وہ بتاؤ جو کچھ کہ میں نے دیکھا۔انہوں نے کہا ہاں ہم بتاتے ہیں۔انہوں نے بتانا شروع کیا کہ وہ مرد جس کے رخساروں کو پارہ پارہ کیا جاتا تھا وہ دروغ گو ہے جھوٹی باتیں بناتا تھا اور وہ اس سے نقل ہو کر سارے جہاں میں پھیل جاتی تھیں تو اس کے ساتھ جو کچھ کیا جاتا آپ نے دیکھا ہے وہ قیامت تک یوں ہی ہوتا رہے گا۔اور وہ شخص جس کا سر کچلتے آپ نے دیکھا ہے یہ وہ شخص ہے جسے حق تعالیٰ نے قرآن سکھایا اور وہ رات میں قرآن سے غافل ہو کر سوتا رہا اور قرآن کو نہ پڑھا اور نہ رات کی نماز کے لیے اٹھا۔وہ دن میں قرآن پڑھتا لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تھا تو جو کچھ آپ نے دیکھا وہ قیامت تک یوں ہی ہوتا رہے گا اور جن لوگوں کو آپ نے تنور میں پڑے دیکھا وہ زنا کار ہیں۔اور جن لوگوں کو آپ نے خون کی نہر میں غوطہ زن دیکھا وہ سود خوار ہیں اور وہ بوڑھا شخص جس کو آپ نے ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھا دیکھا وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور جو بچے ان کے گرد تھے وہ ان کی اولاد ہیں اور وہ شخص جس کو آگ بھڑکاتے دیکھا وہ مالک ہے۔اور جہنم کا داروغہ ہے۔اور وہ مکان جو آپ نے پہلے دیکھا وہ عام مسلمانوں کی جگہ ہے اور وہ مکان جو اس کے اوپر دیکھا وہ شہداء کی جگہ ہے اور ہم جبریل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام ہیں''اس کے بعد انہوں نے کہا آپ اپنا سر اٹھایئے میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ کوئی چیز ابر کی مانند ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ ابر کی مانند سفید ہے جس سے ترشح ہو رہا ہے۔انہوں نے کہا یہ آپ کا مکان ہے میں نے کہا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنی منزل میں چلا جاؤں انہوں نے کہا ابھی آپ کی دنیاوی عمر باقی ہے وہ ختم نہیں ہوئی ہے جب آپ کی عمر پوری ہو جائیگی تو آپ اپنی منزل میں تشریف لے آئیں گے اسے بخاری نے روایت کیا اور بخاری کی دوسری روایت میں کچھ زیادتی ہے یہ دونوں روایتیں مشکوٰۃ میں مذکور ہیں۔

بہ سلسلۂ تعبیرات عجیب وغریب یہ روایت ہے کہ زرارہ ابن عمر ابن نخعی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نخع کے وفد میں آئے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہوئے راستے میں میں نے ایک خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ میری گدھی نے جسے میں قبیلہ میں چھوڑ کے آیا ہوں اس نے بکری کا بچہ دیا ہے جس کے دو رنگ ہیں سیاہ وسفید'اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیری کو باندی ہے جسے گھر میں چھوڑ کر آیا ہے اور وہ حاملہ ہو چکی ہے۔عرض کیا ہاں! گھر میں ایک باندی ہے جس پر میرا گمان ہے کہ وہ حاملہ ہوگئی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً وہ باندی اس بچے کو جنے گی جو تیرا لڑکا ہے۔زرارہ نے کہا پھر سفید وسیاہ رنگ کے بچے کو جننے کا کیا مطلب ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قریب ہو۔میں آپ کے قریب ہو گیا۔فرمایا: کیا تیرے بدن پر برص کا داغ ہے۔جسے تو لوگوں سے چھپاتا ہے۔میں نے کہا ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔اس برص کے نشان کو میرے سوا کسی نے نہیں دیکھا ہے اور نہ کوئی اسے جانتا ہے۔فرمایا: اس بچہ کے بدن میں یہ سیاسی وسفیدی تیرے برص کے اثر سے ہے اور اس میں نمودار ہو گیا ہے۔

اس کے بعد زرارہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خواب میں نعمان بن المنذر کو دیکھا۔یہ نعمان بن المنذر کسریٰ کے زمانے میں عرب کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ تھا میں نے دیکھا کہ اس کے کانوں میں دو بالیاں ہیں اور دونوں بازوؤں پر بازو بند اور کنگن ہیں۔حالانکہ یہ عورتوں کے زیوروں میں سے ہے فرمایا یہ ملک عرب ہے جو زیب وزینت اور پوشش وآرائش میں اپنی سابقہ حالت پر عود کرے گا۔اس کے بعد زرارہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے ایک خواب اور دیکھا ہے وہ یہ کہ ایک بوڑھا ہے جس کے بال سفید وسیاہ ملے جلے ہیں۔اور وہ زمین سے نکل رہا ہے۔فرمایا: یہ دنیا کی تشبیہہ ہے۔اس کے بعد ایک اور خواب یہ پیش کیا کہ میں نے ایک آگ دیکھی جو زمین سے نکلی ہے اور وہ آگ میرے اور میرے لڑکے کے درمیان حائل ہو گئی اور اس کا نام عمرو ہے اور میں نے دیکھا کہ وہ آگ کہہ رہی ہے لظی، لظی، لظی۔آگ کی لپیٹ کو کہتے ہیں اور لظی دوزخ کا بھی نام ہے۔وہ آگ کہتی ہے کہ میں بینا اور نابینا سب کو کھاتی

ہوں۔ میں تم کو اور تمہارے متعلقین کو اور تمہارے مال کو کھاؤں گی۔ فرمایا: وہ آگ ایک فتنہ ہے جو آخر زمانہ میں ہو گی۔ زرارہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ فتنہ کیا ہے اور وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! فرمایا وہ اپنے امام کو اچانک ہلاک کر دینگے۔ اس کے بعد شک وشبہہ اور اختلاف میں پڑ جائیں گے۔ اور وہ سر کی ہڈیوں کی مانند اشتباک کیے ہوئے نکلیں گے یہ ہرج ومرج سے کنایہ ہے کہ وہ باہم دست وگریبان ہو کر فساد کریں گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست ہائے مبارک کی انگلیوں کو باہم پیوست واشتباک کر کے دکھایا اور فرمایا اس وقت فتنہ پرواز یہ گمان کرے گا کہ وہ نیکی کا کام کر رہا ہے۔ مطلب یہ کہ بدیاں مشتبہ ہو جائیں گی۔ وہ انہیں نیکیاں گمان کریں گے اور اس وقت مسلمانوں کا خون' مسلمان کے لیے شیریں پانی سے زیادہ خوش ذائقہ ہو جائے گا۔ اس سے مراد قتل وغارت گری کی گرم بازاری ہے۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ زرارہ رضی اللہ عنہ کے خوابوں کی جو مشکوٰۃ نبوت سے تعبیرات دی گئیں ان پر غور کرنا چاہیے کہ یہ کس طرح حق کی شرینی سے مملو اور صدق کی چادر سے لپٹی ہوئی اور انوار وحی سے آراستہ وپیراستہ ہیں۔ اس عبارت سے ظاہر جاتا ہے کہ تعبیرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم محض اخذِ مناسبت ومشابہت اور ظن وتخمین سے نہیں ہیں اگر اس روش سے بھی ہوں تب بھی تخلف اور خلاف واقع کا احتمال نہیں رکھتیں۔

کنگنوں کی تعبیر میں آپ نے فرمادیا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ ملک عرب اپنی زینت وآرائش کی طرف لوٹے گا اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگنوں کو اپنے ہاتھ میں پہنے دیکھا تو آپ نے ناگواری اور کراہیت محسوس کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نعمان بن المنذر' کسریٰ کی جانب سے عرب کا بادشاہ تھا۔ اور شاہان کسریٰ والیان ملک کو کنگن پہناتے اور زیورات سے سجاتے تھے اور کنگن نعمان کا لباس تھا اس کے لیے وہ منکر ومکروہ نہ تھا اور نہ غیر محل میں عرفا اسے مقام دیا گیا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر امتی کے لیے سونے کے لباس کو ممنوع قرار دیا ہے یہ تو ایسا مقام تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین بنا دیا۔ کیونکہ یہ آپ کے لباس میں سے نہ تھا۔ اسی بنا پر اس سے ''کسی چیز کے غیر محل میں رکھنے'' کی تند استدلال فرمایا۔ لیکن بالآخر اس کے چلے جانے اور اڑ جانے کو پسند فرمایا۔

صحیحین میں حضرت قیس بن عباد سے مروی ہے کہ میں مدینہ کی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت عبداللہ بن سلام گزرے ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ایک شخص داخل ہوا جس کے چہرے پر خشوع کے آثار تھے تو وہ جماعت جو بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے پھر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز ادا کی اور جلدی سے باہر چلے گئے میں نے ان کے پیچھے پیچھے جا کر ان سے کہا کہ جس وقت آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو اس جماعت کے لوگوں نے یہ کہا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو انہوں نے فرمایا کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کسی کو نہیں چاہیے کہ وہ ایسی چیز کہے جس کا اس کے پاس علم نہیں ہے ان کی یہ بات ازراہ تواضع اور عجب وغرور کے خوف سے ہے اور اس ڈر سے کہ انگلیوں سے کوئی ان کی طرف اشارہ نہ کرنے لگے مطلب یہ کہ میں نہیں جانتا کہ انکو اس بات کا کہاں سے علم ہو گیا جو اس مفہوم ومطلب کی ایک چیز ہے وہ یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک سبز مرغزار ہے جو کشادہ اور فراخ ہے اس میں ایک آہنی ستون ہے جس کا نچلا حصہ زمین میں ہے اور بالائی حصہ آسمان میں اس کے اوپر ایک ''عروہ'' ہے۔ عروہ مضبوط رسی کو کہتے ہیں۔ جس کے ذریعہ بڑے ڈول سے پانی کھینچا جاتا ہے اور یہ کسی چیز کے مضبوط پکڑے رہنے سے استعارہ ہے پھر مجھ سے کہا گیا کہ اوپر چڑھ آؤ۔ میں نے عرض کیا مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ چڑھ سکوں پھر میرے لیے ایک خدمتگار ظاہر ہوا اس نے پیچھے سے میرے کپڑوں کو پکڑا اور میں ستون

ُ کے بالائی حصہ پر پہنچ گیا اور عروہ کو پکڑ لیا اور مجھ سے کہا گیا کہ عروہ کو مضبوط پکڑے رہنا پھر میں بیدار ہو گیا حالانکہ عروہ میرے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے خواب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا وہ مرغزار اسلام ہے اور وہ ستون اسلام کے ارکان ہیں اور وہ عروہ، ''عروہ وثقی ہے اور تم اس حال میں رحلت کرو گے کہ تم عروہ وثقی کو مضبوط تھامے ہو گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے تلمیح ہے: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى. تو جو کوئی شیطان کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو اسی نے عروہ وثقی کو مضبوط تھاما۔''

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اس نے کہا اٹھ اور میرا ہاتھ پکڑ لے۔ پھر میں اس کے ساتھ چل دیا ایک راستہ جانب شمال سامنے آیا میں نے چاہا کہ اس راہ پر ہولوں تو اس نے مجھ سے کہا مت چل۔ یہ راہ اصحاب شمال کی ہے اور تو ان میں سے نہیں ہے، آگے پھر ایک راہ داہنی جانب آئی اس وقت اس نے کہا اس راہ کو پکڑ لو پھر مجھ مرا ایک پہاڑ ملا اس نے کہا اس پر چڑھ میں نے اس پر چڑھنا چاہا لیکن جب بھی ارادہ کرتا نیچے گر جاتا۔ میں چڑھ نہ سکا۔ جب میں نے اس خواب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو فرمایا یہ عرصاتِ محشر ہے اور وہ پہاڑ شہادت کی منزل ہے۔ تم منزل شہادت نہ پاسکو گے۔

علماء کہتے ہیں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں اور غیبی خبروں میں سے ہے اس لیے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے شہید ہو کر انتقال نہیں فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے ابتدائی عہد میں اپنے بستر پر مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔

صاحبِ مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ تعبیرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے یہ ایک حصہ بطور نمونہ ہے ورنہ جو لطیف تعبیریں اور عجیب و غریب تاویلیں منقول ہیں وہ تو کئی جلدوں میں بھی نہیں سما سکتیں۔ اور جب تم غور و فکر کرو گے تو جان لو گے کہ ہر وہ کرامت جو آپ کی امت کے کسی فرد کو عطا کی گئی خواہ وہ علمی ہو یا عملی وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی معجزات کے اثرات اور تصدیق کے برکات میں سے ہے اور آپ کے طریقہ ہدایت سے ہدایت یافتہ ہونے کے ثمرات میں سے ہے اور از روئے صدق و صواب و عجب عجائب و بحر حباب ایسی کرامتوں سے زمین بھری ہوئی ہے۔ اگر تم صرف امام محمد بن سیرین کے واقعات ہی کو جمع کر لو کہ جو کچھ انہیں عطا فرمایا گیا ہے اور انہوں نے جو لطیف تعبیرات دی ہیں اور وہ مشہور و معروف ہیں اور ان سے لوگوں کے کان بھرے ہوئے ہیں انہیں اپنے سامنے رکھو تو جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم و معارف دیئے گئے ہیں جن کو نہ تو عبارتوں سے احاطہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان اشارات کی کنہ و حقیقت کو پہنچا جا سکتا ہے ان پر ان کے ذریعہ حکم کر سکتے ہو۔ حالانکہ ابن سیرین ایک امتی ہیں اور فن تعبیر میں جو کچھ ان سے منقول ہے وہ خود حد و شمار سے باہر ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بلند مقام ہو گا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

زادہ اللہ فضلا و شرفا و مدادا و افاض علینا سحایب علومہ و معارفہ و تعطف علینا بعواطفہ

استفسار رؤیا کو ترک فرمانے کا سبب

وصل: بخاری و ترمذی نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام سے بکثرت دریافت فرمایا کرتے تھے کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے تو ان میں سے جس نے خواب دیکھا ہوتا عرض کرتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر دیدیا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمانا ترک کر دیا اگر کوئی خود خواب بیان کرتا تو تعبیر دے دیتے۔ استفسار فرمانے کی حکمت تو پہلے بتائی جا چکی ہے لیکن اہل نقل ترک استفسار کے سبب میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک حضرت ابوبکر کی وہ حدیث ہے جو ترمذی و ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اُتری ہے پھر آپ کو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ راجح رہے پھر ابوبکر اور عمر کا وزن کیا گیا تو ابوبکر راجح رہے۔ پھر عمر و عثمان کا وزن کیا گیا تو عمر راجح رہے اس کے بعد ترازو اُٹھالی گئی۔ اس خواب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندوہگیں ہو گئے۔ ہم نے آپ کے چہرۂ انور میں ناگواری کے آثار دیکھے انتہیٰ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے خواب کے بارے میں استفسار نہ فرمایا۔

اہل علم اس خواب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کے بارے میں کہتے ہیں کہ ستر عواقب اور اخفاء مراتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایثار و اختیار رہے چونکہ یہ خواب بعض کی بعض پر فضیلت کو ظاہر کرنے والا منازل و مراتب کو کھولنے والا تھا تو آپ نے خوف فرمایا کہ کہیں وہ چیز پے در پے اور مسلسل رونما نہ ہونے لگے جن کا انکشاف ممنوع ہے۔ اور خلق کے احوال چھپانے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکمت بالغہ اور مشیت نافذ ہے۔ کذافی المواہب' مطلب یہ کہ تم نے تفاوتِ مراتب کے سلسلے میں جو کچھ دیکھا اگرچہ حق ہے لیکن اس کا انکشاف کوئی اچھی بات نہیں ہے کیونکہ کشف و اظہار سے اشاعت ہو جاتی ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کو بعض پر خصوصاً ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو فضیلت و ترجیح دیا کرتے لیکن اس خواب کا ظاہری مقصد ان کی خلاف میں دخل دینا اور ان کی ترجیح و تنقیص تھی۔ اس لیے مشکوٰۃ میں آخر حدیث میں لایا گیا کہ فرمایا: خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اَحَدُ الْمُلْكُ مَنْ يَّشَآءُ. ''یہ نبوت کی خلافت و قائم مقامی ہے۔ اس کے بعد کوئی بادشاہ آئے گا جسے خدا چاہے۔'' شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میزان اٹھ جانے سے یہ سمجھا کہ خلافت اس طرف چلی گئی جہاں طلب ملک مثاب نہیں ہے۔ اور خلاف و نزع جس کی حد ہے۔ اور خلافتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وہ منقضی ہو جاتی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غایت مرجوع ہونا دلالت کرتا ہے کہ ان کی خلافت میں متنازعت برپا ہو گی۔ اور یہ انتشار حضرت علی مرتضیٰ کے زمانہ میں داخل ہو جاتا ہے اس کے باوجود یہ خلافت ان کے زمانے تک ہے لیکن حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہ کے بعد ''ملک عضوض'' ہے۔ ان کے بعد خلافت نہ رہی: **کذاقال فی مجمع البحار و اللہ اعلم۔**

بعض کہتے ہیں کہ اس خواب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری اور کراہت کی وجہ یہ تھی (واللہ اعلم) کہ میزان کا اٹھ جانا آئندہ زمانہ میں بعد از عمر رضی اللہ عنہ امر دین کے رتبہ کی کمی ہو جانے پر دلالت رکھتی ہے اس لیے کہ وزن تول کی رعایت اشیائے متقاربہ میں ہوتی ہے۔ اور جب متباعد ہو جائیں تو موازنت نہیں ہوتی۔ ایسا ہی حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ابن قتیبہ نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استفسار رؤیا کو ترک فرما دینے کی وجہ ابن رمل کی حدیث ہے۔ ابن رمل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ بعد نماز فجر دوزانو کی حالت میں ہی رہتے ہوئے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا. ستر مرتبہ پڑھتے اور فرماتے یہ ستر مرتبہ پڑھنا برابر ہے۔ اس بشارت کے جس میں سات سو مرتبہ پڑھنے کی خبر دی گئی ہے کسی کو بھی معلوم نہیں کہ ایک دن میں سات سو سے زیادہ گناہ بندے سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رخ مبارک لوگوں کی جانب پھیر کر فرماتے تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ ابن رمل بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک دن میں نے خواب دیکھا تھا تو فرمایا: خَيْرٌ تَلَقَّاهُ وَشَرٌّ تَوَقَّاهُ وَخَيْرٌ لَّنَا وَشَرٌّ لِّاَعْدَائِنَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اب تم اپنا خواب بیان کرو۔ میں نے بیان کیا کہ تمام لوگ نرم فراخ شاہراہ پر چل رہے ہیں اور چلتے چلتے ایک عظیم چراگاہ پر پہنچے وہ ایسی چراگہ ہے کہ اس جیسی کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہو گی وہ چراگاہ ایسی درخشاں ہے گویا کہ اس سے تر و تازگی ٹپکی پڑتی ہے جیسے پانی ٹپکتا ہے۔ اسی چراگاہ میں قسم قسم کے پھول بوٹے ہیں میں انہیں دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں اور وہ لوگ بھی خوش

ہورہے ہیں۔ جو یہاں مجھ سے پہلے آئے ہوئے تھے۔ اور اس خوشی وانبساط میں سب اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگاتے اور اس کے حسن وخوبی پر حیرت وتعجب کرنے لگے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جو پہلے آئے تھے راہ منزل اختیار کی۔ اور داہنے بائیں راستوں میں گم نہ ہوئے' سیدھی شاہراہ پر چل دیئے' اس کے بعد دوسرا قافلہ آیا' یہ تعداد میں پہلے سے زیادہ تھا۔ چراگاہ کی حسن وخوبی پر اس نے بھی حیرت وتعجب کیا اور تکبیر بلند کی اس کے بعد یہ بھی اپنی منزل کی طرف چل دیئے لیکن ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے گھوڑوں کو چرایا اور چلتے وقت چارے کے گٹھر باندھ کرلے چلے اور اسے خراب وخستہ کر کے چھوڑ دیا اس کے بعد اس سے بھی بڑا قافلہ آیا ان میں لوگ اس سے بھی زیادہ تھے جب اس کی حسن وخوبی کو دیکھا تو تعجب کرنے اور تکبیر بلند کرنے لگے اور کہنے لگے یہ بہترین منزل ہے۔ مطلب یہ کہ اس جگہ قیام پذیر ہونا اور اسے اپنی منزل بنالینا اچھا ہے تو وہ مائل ہوگئے۔ اور چراگاہ کے ہر طرف پھرنے لگے پھر جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے اپنی راہ لی اور وہاں نہ ٹھہرا یہاں تک کہ میں چراگاہ کے آخر تک آ گیا اس وقت اچانک آپ پر یا رسول اللہ نظر پڑی دیکھا کہ ایک منبر ہے۔ جس کی سات سیڑھیاں ہیں۔ اور آپ سب سے اونچی سیڑھی پر تشریف فرما ہیں۔ اور آپ کی داہنی جانب گندم گوں اونچی ناک والا شخص ہے جب بات کرتا ہے تو بلند ہوجاتا ہے قریب ہے کہ درازی میں لوگوں سے اونچا ہوجائے۔ اور آپ کے بائیں جانب میانہ قد' فربہ جسم اور اس کے چہرے پر سرخ خال ہیں ایک شخص ہے جب وہ بات کرتا ہے تو آپ عزت واحترام کے ساتھ غور سے اس کی بات سماعت فرماتے ہیں اور اس کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اور آپ کے منبر کے آگے ایک بوڑھا بزرگ ہے گویا آپ اس کی اقتداء اور اس کی پیروی فرمارہے ہیں۔ اور اس کے آگے ایک اونٹنی ہے جو لاغر اور بڑی عمر کی ہے۔ گویا اسے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہانک رہے ہیں اور چلا رہے ہیں۔ اس خواب کو بیان کرنے والے ابن رمل ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کا رنگ تھوڑی دیر متغیر رہا اس کے بعد آپ اس حالت سے باہر آ گئے گویا اس وقت آپ پر وحی ہوئی جس سے آپ کا حال متغیر ہوگیا تھا۔ پھر جب کشادہ رُو ہوئے تو اس خوب کی تعبیر شروع فرمائی اور فرمایا وہ جو تم نے راہ نرم وفراخ اور شاہراہ دیکھی ہے وہ صراط مستقیم یعنی راہ راست ہے جس پر تم چل رہے ہو اور وہ چراگاہ جو تم نے دیکھی ہے وہ دنیا ہے اور اس کا حسن وتر وتازگی اس کی عیش وعشرت ہے جسے اس کے ساتھ ہمیں بخشا گیا ہے اور نہ ہم اسے چاہتے ہیں اور نہ وہ ہمیں چاہتی ہے۔ لیکن وہ دوسرا اور تیسرا قافلہ' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا: فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ ایک کلمہ ہے جسے مصیبت کے وقت پڑھتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ قافلے دنیا کی شہوات میں پڑ گئے اور دنیاوی زندگی کے ساز وسامان سے انتفاع ولذت میں آلودہ ہو کر افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئے۔ جس طرح کہ بادشاہ وامراء کا حال ہے۔ لیکن تم اے ابن رمل رضی اللہ عنہ! راہ راست اور خیر وفلاح پر ہو۔ اور ہمیشہ رہو گے یہاں تک کہ تم مجھ سے ملو جیسا کہ بیان کیا کہ میں یا رسول اللہ آپ کے ساتھ ہوں۔ اب رہا سات سیڑھیوں والا منبر' جسے تم نے دیکھا ہے وہ دنیا ہے کیونکہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور میں آخری ہزار سال میں ہوں جس کی سیڑھی سب سے اونچی ہے۔ اور وہ مرد دراز' گندم گوں جسے تم نے دیکھا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ میں ان کی اس بنا پر عزت کرتا ہوں کہ انہیں حق تعالیٰ سے بے لاگ کلام کرنے کی فضیلت حاصل ہے اور وہ مرد میانہ قد' فربہ جسم سرخ خال والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کی اس بنا پر عزت کرتا ہوں کہ خدا کے نزدیک ان کا مرتبہ زیادہ ہے۔ اور وہ ضعیف العمر شخص جس کو تم نے دیکھا کہ ہم ان کی اقتداء واتباع کر رہے ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور وہ اونٹنی لاغر وکہنہ سال جسے تم نے دیکھا کہ میں ہانک رہا ہوں وہ قیامت ہے جو مجھ پر اور میری امت پر قائم ہوگی۔ اور میرے بعد نہ کوئی امت ہے اور نہ کوئی نبی۔'' ابن رمل فرماتے ہیں کہ اس خواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے خواب کے بارے میں استفسار نہ فرمایا۔ بجز اس شخص کے جو خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خواب بیان کردے اس کی آپ تعبیر دے دیا کرتے تھے۔ اسے ابن قتیبہ طبرانی اور بیہقی نے ''الدلائل'' میں روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند ضعیف ہے (واللہ اعلم)

باب ہفتم

دراسماءِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اعظم کرامات اور جامع ترین فضائل وکمالات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی ہیں جو محامد اخلاق، محاسنِ افعال اور جامع جمال وجلال پر مبنی ہیں واضح رہنا چاہیے کہ حق تعالیٰ عزاسمہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی قران کریم اور دیگر آسمانی کتابوں میں اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے زبانوں پر بکثرت بیان فرمائے ہیں۔ اسماء کی کثرت مسمّیٰ کی عظمت وبزرگی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ اسماءِ صفات وافعال سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اور ہر اسم کی صفت وفعل سے ہی بنا ہے۔

سب سے زیادہ مشہور واعظم اسماء میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس طرح کہ ''اسم اللہ'' کہ وہ اسمِ ذات باری تعالیٰ ہے باقی اسماء صفات ہیں اور انہیں یہ محمول ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب جن کو ''شیتبہ الحمد'' کہتے ہیں کہ زبان مبارک پر رکھا۔ لوگوں نے عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ کیوں آپ نے اپنے فرزند کا نام محمد رکھا؟ حالانکہ یہ نام آپ کے اجداد اور آپ کے خاندان میں کسی کا نہ تھا۔ جواب میں فرمایا کہ اس بنا پر کہ میں امید رکھتا ہوں کہ سارا جہاں اس کی تعریف وستائش کرے۔

اور منقول ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا تھا کہ گویا ان کی پشت سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی ہے جس کا ایک سرا آسمان میں ہے اور دوسرا مشرق ومغرب میں اس کے بعد دیکھا کہ وہ زنجیر ایک درخت بن گیا ہے جس کے ہر پتے پر نور ہے اور مشرق ومغرب کے لوگ اس سے معلق ہیں۔ اس زمانے کے تعبیر گویوں نے تعبیر دی کہ ان کے صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی مشرق ومغرب والے پیروی کرینگے۔ اور آسمان وزمین کے لوگ اس کی حمد وستائش کریں گے۔ اس بناپر ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' نام رکھا یا وہ گفتگو ہے جو حضرت عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے فرمائی۔ آپ نے فرمایا مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ اے آمنہ! تم اُس مولود کی حاملہ ہوئی ہے جو اس امت کا سردار ہے جب تم سے وہ تولد ہو تو اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام محمد نہ رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے اس نام معظم کی حفاظت وصیانت اپنے ذمہ لے لی تھی تاکہ اس نامِ مبارک میں کسی کے ساتھ اشتراک واشتباہ نہ رہے۔ لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور عالم تاب کا زمانہ قریب آیا تو آپ کے قریبی زمانہ کے اہل کتاب کو بشارتیں دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف انہیں بتایا۔ بعض قبیلہ کے لوگوں نے اپنے بچوں کا یہ نام اس امید پر رکھا کہ شاید یہی وہ ہوجائے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ)

شیخین کی حدیث میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِیْ خَمْسَۃَ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیُ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ

بلاشبہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ محو کرے گا اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو۔ مطلب یہ کہ مکہ مکرمہ اور بلادِ عرب سے جو روئے زمین کا مرکزی نقطہ ہے وہاں کفر کو مٹائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا گیا کہ انہیں آپ کی امت کے ملک واختیار میں دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ محو ظہور غلبہ کے معنی میں عام ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ تاکہ آپ کو تمام دینوں پر غالب کرے اور حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی سے ایسا کفر نہ مٹا جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کفر کو محو استیصال ہوا۔ حالانکہ آپ کی بعثت ایسی حالت میں ہوئی کہ تمام اہل زمین کافر تھے۔ کوئی بت پرستی میں، کوئی ستارہ پرستی اور آگ پرستی میں، کوئی یہودی ونصرانی تھا اور کوئی ایسا دہریہ تھا کہ حق تبارک وتعالیٰ کو جانتا تک نہ تھا۔ اور مبداء ومعاد کے قائل ہی نہ تھے اور فلاسفر (عقل پرست) جو انبیاء کو جانتے ہی نہ تھے۔ وہ ان باتوں کے نہ تو قائل تھے اور نہ ان باتوں کے مقر ومعتقد تھے لہٰذا حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان سب کو مٹایا۔ یہاں تک کہ آپ کے دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر ظاہر وغالب فرمایا۔ اور اسے جہان کے اس جگہ تک پہنچایا جس جگہ سورج طلوع وغروب ہوتا ہے۔ اور جہان میں دن ورات کی گردش ہے حتیٰ کہ برصغیر ہندو پاکستان اور ترکستان میں جہاں کبھی دین اسلام نہ پہنچا تھا اگرچہ مدت حیات میں باوجود عرب میں گنجائش اوقات کے جو کہ حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے جائے ولادت اور مقامِ بعثت کے قریب ترین شہر تھے ان میں اظہار نہ ہوا اور دین کے اتمام واکمال کے قواعد وقوانین اور شرع متین کے احکام واوامر کی خود تمہید وتاسیس نہ ہوئی لیکن آپ کے بعد آپ کے اصحاب واتباع نے دین کو آفاق واکناف عالم میں پہنچا دیا۔ اور یہ روز بروز ترقی وتزاید میں ہے اور اگر مسلمانوں کے سینوں اور جو آپ کے گرویدہ ہوئے ان کے دلوں سے کفر فنا ہو کر انقیاد واطاعت کی ایک رمق پیدا ہو جائے تب بھی مراد حاصل ہے اور اس اسم کا اطلاق کافی ہے یہ اس معنی کے مطابق تقریر ہے جو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ماحی وہ ہے جن کے ذریعہ برائیاں مٹیں اور اس کا اتباع کیا جائے۔ غایت یہ کہ اس اسم کا اطلاق حضور کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا مگر باعتبار آپ کے غلبہ اور آپ کے تمام وکمال کے (واللہ اعلم)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ: وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ اور میرا نام حاشر ہے کیونکہ میرے قدم پر لوگ اٹھائے جائیں گے اور گھیر کر لائے جائیں گے۔ اس عبارت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مبعوث ومحشور ہوں گے اور تمام لوگ آپ کے قدم پر یعنی آپ کے بعد آپ کی نظر میں اور آپ کے سامنے اٹھائے جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: ھو اول من تنشق الارض آپ پہلے ہیں جن کے لیے زمین پھٹے گی۔ گویا آپ کے نقش قدم پر لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اور عرصاتِ محشر میں وہ آپ کی جانب ہی پناہ لیں گے۔ اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ معنیٰ یہ ہیں کہ لوگ میری زبان، میرے عہد اور میری رسالت پر اٹھائے جائیں گے مطلب یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے یہاں تک کہ آپ ہی کے عہد وزمانہ میں لوگ محشور ہوں گے تو یہ مضمون خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہونے پر مشتمل ہے۔ "کذاقال القاضی۔" اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ لوگوں پر آپ کی بعثت مقدم ہے۔ پھر لوگ آپ کے سامنے اور آپ کے گرد قیامت میں جمع ہوں گے۔ یہ مفہوم اس معنی پر مبنی ہے کہ حشر بعثت کے مغایر ہے۔ بعثت، قبر سے اٹھایا جانا ہے اور حشر، عرصات محشر میں پراگندگی کے بعد آپ کے گرد جمع ہونا ہے۔ اور حضور کا ارشاد: وَاَنَا الْعَاقِبُ اور میرا نام عاقب ہے۔ عاقب بعد میں آنے والے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں۔ اگرچہ بعض حضرات نے بعض وجوہ سے حاشر کے معنی خاتم الانبیاء لیے ہیں لیکن لفظ عاقب اسی معنی کے لیے ہے اور خاتم اسی معنیٰ کو مستلزم ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: لی خمسۃ اسماء میرے پانچ نام ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گزشتہ کتابوں میں اور پچھلی امتوں کے علماء

میں یہ موجود و مذکور ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لفظ خمسہ، راوی حدیث کے الفاظ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ نہیں ہیں مگر درست یہی ہے کہ یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ ہیں اور ممکن ہے کہ سماء سے باخبر کرنا اور اس بارے میں وحی کا آنا بتدریج ہوا ہے اور بعض حدیثوں میں چھ نام آئے ہیں پانچ تو یہی اور چھٹا اسم خاتم۔ نقاش روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن کریم میں میرے نام سات ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، احمد، یٰسں، طٰہٰ، المدثر اور المزمل (صاحب مدراج رحمۃ اللہ علیہ نے ساتواں نام نہیں لکھا) طٰہٰ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یا طاہر اور یا ہادی ہے اور یٰس کی تفسیر میں یا سید نقل کرتے ہیں اور اسے اسلمی، واسطی اور جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں۔

اور بعض حدیثوں میں دس نام آئے ہیں پانچ تو پہلی حدیث کے اور بقیہ میں فرمایا: اَنَـا رَسُوْلُ الـرَّحْـمَةِ وَرَسُوْلُ الـرَّاحَةِ وَرَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ ملاحم، ملحمہ کی جمع ہے، جس کے معنی حرب وشدت حرب اور اس جہاد کے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ خدا میں کیا اور کسی اور نے ایسا جہاد نہ کیا تھا اور فرمایا: وَاَنَا الْمُقَفِّى، بکسر فاو فتح فا جو قفا سے ماخوذ ہے جس کے معنی عاقب یعنی آخر کے ہیں۔ اور بعض فتح فا کے ساتھ قفاوت سے لیتے ہیں جس کے معنی کرم ولطف کے ہیں اور قفی کریم لطیف کو کہتے ہیں۔ مقفّي، بزیادتی تا بعد از قاف بھی آیا ہے اور فرمایا: وَاَنَا الْقَيِّمُ۔ اور میں جامع وکامل ہوں۔ صاحب شفا فرماتے ہیں کہ گمان یہ ہے کہ یہ نام ''قثم'' بضم قاف اور فتح ثاء ہے۔ کیونکہ حربی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے نے آ کر عرض کیا ''اَنْـتَ قُثَمُ'' آپ قثم یعنی جمع فرمانے والے ہیں اور کہا کہ: اَلْقُثُوْمُ الـرَّجُل الْجَامِعُ لِلْجُزْوِ۔ ''قثوم'' اس شخص پر بولا جاتا ہے جو جز کا جامع ہو۔ اور یہ وہ نام ہے جسے اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ لیکن قیم بھی اسی معنی کے قریب ہے جو انبیا علیہم السلام کی کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ''خداوندا ہم پر اسے مبعوث فرما جو محمد مقیم سنت ہے لہٰذا قیم بمعنی قائم کرنے والے کے ہوسکتا ہے۔

اور ''نبی الملحمه، ونبی المرحمة والراحة والرحمة'' بھی نام آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَـا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْـمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (نہیں بھیجا ہم نے مگر رحمت سارے جہان کے لیے) اور حق تعالیٰ نے فرمایا: بالمومنین رؤف رحیم۔ (مسلمانوں کے ساتھ مہربان ورحیم ہیں) یہ آپ کی امت مرحومہ کی صفت میں واقع ہوا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا: وَتَـوَاصَـوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَه ای يَرْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔ آپ کی امت صبر کی وصیت کرتی ہے اور ایک دوسرے پر مہربانی کرتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی صفت میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔ اور بیشک اللہ اپنے بندوں میں سے رحم وشفقت کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اور فرمایا: اَلـرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ وَارْحَمُوْا مَنْ فِى الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِى السَّمَآءِ۔ رحم کرنے والے وہ ہیں جن پر رحمٰن رحم فرماتا ہے تو تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔'' لہٰذا حضور اکرم اور آپ کی امت کے ساتھ رحمت کی صفت خاص ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ''نبی التوبہ'' بھی آیا ہے کیونکہ آپ کے دست مبارک پر خلقتِ کثیرہ نے توبہ کی اور حق تعالیٰ نے آپ کی برکت سے امت پر اور حضرت آدم صفی اللہ صلوات اللہ وسلامہ کی توبہ قبول فرمائی۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ ان کلمات سے مراد جو حق تعالیٰ نے خود آدم علیہ السلام کو تلقین فرمائے اور ان کی توبہ کا سبب بنایا یہ ہے کہ ''الٰہی بحرمت محمد وآلہ''

بلاشبہ قرآن کریم میں آپ کے اسماء والقاب میں نور، سراج منیر (روشن آفتاب) منذر، نذیر، مبشر، بشیر، شاہد، شہید الحق، المبین، خاتم النبیین، الامین، العزیز، الحریص، الروف الرحیم، قدم صدق، خدا کے ارشاد میں کہ:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى، اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ

طٰہٰ یٰسٓ اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ' اَلْكَرِيْمُ' اَلنَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ،اَلْحَقُّ اور اَلْبُرْهَانُ. آیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کثیرہ اور خصائص جلیلہ کتب سابقہ اور احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں چنانچہ مصطفٰے، مجتبٰی ،ابوالقاسم ،شفیع ،متقی ،مصلح ، طاہر، مہیمن ، صادق' مصدوق ، ہادیٔ سید ولد آدم ،سید المرسلین' امام المتقین' رسول رب العٰلمین ، قائد الغرالمحجلین ' حبیب اللہ، خلیل الرحمٰن' صاحب الحوض المورود، صاحب الشفاعۃ ، صاحب المقام المحمود، صاحب الوسیلہ والفضیلہ' الدرجۃ الرفیعہ، صاحب التاج والمعراج، صاحب اللواء، صاحب القضیب ،الراکب البراق ،النساقہ ،النجیب' صاحب الحجۃ ،السطان ،الخاتم ،العلامہٗ صاحب الہراوہ اور صاحب النعلین وغیرہ اسماء وصفات احادیث کریم میں مذکور ہیں ۔اور کتب سابقہ میں المتوکل' المختار' مقیم السنۃ' القدس اور روح القدس ہے اور اسی معنی میں ''فارقلیط'' انجیل میں آیا ہے اور کہتے ہیں کہ فارقلیط وہ ہے جو حق و باطل کے مابین فرق کرے اور کتب سابقہ میں آپ کے اسماء میں ''باوناذ'' اس کے معنی طیب ہیں اور حمطایا بمعنی حامی الحرام اور آپ کا اسم شریف بزبان سریانی مشفح اور المحنا ہے اور توریت میں آپ کا اسم شریف احید ہے اس کے معنی صاحب القضیب اور صاحب السیف ہے اور انجیل کی تفسیر میں ''یاجوبی'' آیا ہے۔ چونکہ آپ کے دست مبارک میں تلوار یا عصا رہتا تھا اور اسے خلفائے عباسیہ اپنے ہاتھوں میں رکھتے رہے اور ''ہرادت'' بمعنی عصا آیا ہے۔ صاحبِ شفا کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے خدا بہتر جانتا ہے کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جو حدیث حوض میں آیا ہے کہ فرمایا یمن والوں کے لیے اپنے عصا سے لوگوں کو روکوں گا تاکہ وہ آگے نہ بڑھیں ۔اور تاج سے مراد عمامہ ہے جو آپ سے پہلے اہل عرب کے سوا نہ تھا اور حدیث میں آیا ہے کہ ''اَلْعَمَائِمُ تِيْجَانُ الْعَرَبِ'' عمامے عرب کے تاج ہیں یہ وہ اسماء ہیں جو الشفاء میں مذکور ہیں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ آپ کے القاب وخصائص کتب سابقہ میں تو بہت ہیں لیکن جتنا نفع کے لیے مفید تھا اتنا ہم نے انہیں بیان کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب فرزند رسول' حضرت ابرہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا السلام علیک یا ابا القاسم انتہی بعض ''ابوالارامل'' اور ''ابوالمنین'' بھی بتاتے ہیں نیز اگر ابوالیتامیٰ'' بھی کہا جائے تو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت ابوطالب کے شعر میں آیا ہے۔ مصرعہ: لِلْيَتَامٰى عَصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء وصفات قرآن کریم میں بہت آئے ہیں۔ جن کو بعض نے شمار بھی کیا ہے اور بعض عدد مخصوص تک پہنچاتے ہیں چنانچہ وہ ننانوے تک موافق اسماء وصفاتِ الٰہی پہنچاتے ہیں۔ یہ تصریح کتاب ''مستوفی'' میں مذکور ہے کہ اگر کتب سابقہ اور قرآن وحدیث میں جستجو اور تلاش کیا جائے تو تین سو تک نام پہنچتے ہیں۔ میں نے قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب ''احکام القرآن'' میں دیکھا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں اور آپ کے اوصاف جدا جدا ہیں اور ہر وصف سے ایک نام بنتا ہے۔ بعض صفات آپ کے ساتھ مختص اور آپ پر غالب ہیں اور بعض مشترک اور جب آپ کی صفات کے ہر وصف کو ایک نام دیں تو آپ کے اوصاف اس عدد تک پہنچ جائیں گے بلکہ اس سے بھی بڑھ جائیں گے۔

عظیم تر اور مشہور تر اسمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم : وصل: صاحب مواہب لدنیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء شریفہ چار سو سے زیادہ شمار کرائے ہیں اور ان کا ذکر حروف تہجی پر کیا ہے جیسا کہ آئے گا۔ اور سب سے زیادہ مشہور واعظم ،اسم مبارک احمد ومحمد ہیں جو کہ بمنزلۂ اسم ذات ہیں اور دیگر اسماء صفاتی ہیں اور یہ دونوں نام بھی حقیقت میں ایک اسم ہے جو حمد سے مشتق اور مبالغہ کے معنی میں مقید ہے۔ پہلا نام باعتبار کیفیت ہے اور دوسرا نام باعتبار کمیت ۔تو آپ حق تعالیٰ کی حمدٗ افضل محامد سے کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کثرتِ محامد سے آپ کی حمد وستائش کی گئی۔ اور آپ احمد الحامدین (حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے) اور احمد

المحمودین (تمام تعریف کیے ہوؤں میں سب سے زیادہ تعریف کردہ) وافضل من حمد (جو بھی حمد کرے ان سب سے برتر حمد کرنے والے) ہیں۔ اور روز قیامت آپ کے ساتھ لواء الحمد ہوگا تا کہ آپ پر کمال حمد تمام ہو جائے اور حامدیت ومحمودیت کی صفت سے عرصاتِ محشر میں مشہور کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ جیسا کہ اپنے ارشاد میں وعدہ فرمایا ہے کہ: عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. اور بابِ شفاعت کھولتے وقت اگلے پچھلے سب ہی آپ کی حمد کریں گے اور حق تعالیٰ اس وقت آپ کو ایسے حمد کی تعلیم فرمائے گا جس کی کسی اور کو تعلیم نہ فرمائی گئی اور حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کی امت کا نام ''حمادون'' (بہت زیادہ حمد بجالانے والے) رکھا۔ لہٰذا سزاوار ہے کہ آپ کا اسم گرامی احمد ومحمد رکھا جائے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ احمد بمعنی حامدتر، اسم تفضیل برائے فاعل ہے جیسا کہ استعمال میں یہ معنی بہت زیادہ ہیں اور ممکن ہے کہ بمعنی محمودتر ہو' جو مفعول کے لیے مشتق ہے اس بنا پر یہاں بیان محمودیت مقصود ہوگا خواہ بلحاظِ کمال ہو خواہ باعتبار کثرت ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ پچھلوں میں نام احمد مشہور ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی نام سے یاد کرتے تھے اور کتب سابقہ میں یہی مذکور ہے اور قرآن کریم میں نام محمد بیان کیا گیا۔ اور حق یہ ہے کہ دونوں ہی نام پرانے ہیں۔ لیکن حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام نے کثرت تعظیم کے لحاظ سے نامِ احمد سے یاد کیا کیونکہ یہ صیغہ تفضیل کا ہے۔ اور حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور کی مدح میں کہتے ہیں کہ اشعار:

اَغَرُّ اِلَیْہِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَم ۔۔۔ مِنَ اللهِ مِنْ نُوْرٍ یَلُوْحُ وَیَشْهَدُ
وَضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِیِّ اِلٰی اِسْمِهٖ ۔۔۔ اِذْ قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ ۔۔۔ فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

بخاری نے تاریخ صغیر میں علی بن زید کی سند سے آخری شعر کو ابوطالب سے منسوب کیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ حق وتبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس اسم شریف کے ساتھ تخلیق عالم سے ہزار سال پہلے موسوم فرمایا اور ابن عساکر کعب الاحبار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا: ''اے فرزند! تم میرے بعد خلیفہ اور جانشین ہو۔ تم عماد تقویٰ اور عروۂ وثقیٰ کو تھامے رہنا اور جب بھی تم خدا کا ذکر کرو تو ساتھ ہی اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنا اس لیے کہ میں نے اس نامِ مبارک کو ساقِ عرش پر لکھا دیکھا ہے حالانکہ میں روح اور مٹی میں تھا اس کے بعد میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی۔ وہاں میں نے کوئی جگہ ایسی نہ دیکھی جہاں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھا ہو۔ بلاشبہ میرے رب نے مجھے جنت میں ٹھہرایا اور میں نے جنت کا کوئی محل اور کوئی دریچہ ایسا نہ دیکھا جس پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھا ہو اور میں نے حورالعین کی پیشانیوں پر اور طوبیٰ کے درخت کے پتوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے ہر پتہ پر اور اطراف حجابات پر اور فرشتوں کی آنکھوں پر نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا دیکھا ہے۔ لہٰذا اے فرزند! ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ کرنا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدم علیہ السلام اپنی مصیبت کے وقت پڑھتے اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ تقبل توبتی' خداوند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے میری حفاظت فرمادے۔ اور میری توبہ قبول فرما لے۔ حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں سے پہچانا؟ عرض کیا میں جنت میں ہر جگہ لکھا دیکھا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ایک روایت میں ہے کہ لکھا ہوا ہے کہ وہ میرا بندہ اور میرا رسول ہے تو میں نے جان لیا کہ وہ تیرے نزدیک ساری مخلوق سے افضل واکرم ہے اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور بعض کے نزدیک حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ کی تفسیر وتاویل ہے۔ کتاب الشفا میں عجیب وغریب لکھا ہے کہ عالمِ سفلیات یعنی نچلی دنیا بھی ثبوت اسم شریف پر دلالت

رکھتی ہے مثلاً ایک قدیم و پرانے پتھر پر مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُّصْلِحٌ اَمِیْنٌ لکھا ہوا پایا گیا اور منقول ہے کہ ایک پتھر پر عبرانی خط میں لکھا ہوا پایا گیا۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ جَآءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ كَتَبَهُ مُوْسٰى ابْنُ عِمْرَانَ۔ اسے ابن ظفر نے ''الیسر'' میں معمر از زہری سے ذکر کیا۔ اور خراسان کے ایک شہر میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ایک بچہ پیدا ہوا جس کے ایک پہلو پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ'' لکھا ہوا ہے۔ اور بلادِ ہند میں ایک پھول کی پتی ہے جس پر بہ خطِ سفید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا ہے۔

اور علامہ ابن مرزوق، عبداللہ بن صوحان سے نقل کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہم بحرِ ہند میں سفر کر رہے تھے کہ ہم پر تیز ہوائیں چلنے لگیں اور سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں تو ہم نے اپنی کشتی ایک جزیرے میں لنگر انداز کر دی وہاں ہم نے ایک گلاب کا پھول دیکھا جس کی تیز بھینی بھینی خوشبو تھی۔ اس پر بہ خطِ سفید لکھا ہوا تھا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ'' اور ایک اور سفید پھول دیکھا جس پر بہ خطِ زرد لکھا ہوا تھا: براءۃ من الرحمن الرحیم الیٰ جناتِ النعیم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔ اور تاریخ ابن العزیم میں علی بن عبداللہ ہاشمی شرقی سے منقول ہے کہ ہند کے ایک دیہات میں تیز خوشبو کا ایک بڑا پھول پایا گیا جس پر بہ خطِ سفید ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ' ابو بکر صدیق' عمر الفاروق لکھا ہوا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں شک گزرا اور خیال ہوا کہ یہ کسی کی کاریگری ہے اس کے بعد میں ایک اور پھول کی طرف متوجہ ہوا جو ابھی نہ کھلا تھا اور نہ پھیلا تھا۔ تو اس میں بھی میں نے اسی خط میں لکھا دیکھا میں نے اس شہر میں چیزیں بڑی ارزاں اور سستی دیکھیں۔ وہاں کے لوگ پتھروں کو پوجتے تھے اور اللہ عزوجل کو جانتے تک نہ تھے۔

ابو عبداللہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں بلادِ ہند گیا اور میں نے ایک شہر کی سیر کی جسے نمیلہ بنون یا تمیلہ بتا کہتے ہیں وہاں میں نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پھل بادام کی مانند ہیں اور اس کا چھلکا ہے یعنی پھل پر پوست ہے۔ پھر جب پھل کو توڑا گیا اور اس میں سے گری نکالی گئی اور اسے چیرا گیا تو بیچ میں ایک سبز پتہ نکلا۔ جس پر سرخ لکھا ہوا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ'' اہل ہند اس سے برکت حاصل کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ خشک سالی میں بارش مانگتے ہیں۔ اس کو ابو البقائن صافی نے اپنی کتاب ''مسک'' میں بیان کیا ہے۔

اور روضۃ الریاحین میں یافعی بعض علماء سے اس کی مانند نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ بات ابو یعقوب صیّاد نے سنائی کہ میں نہر اُبلہ میں شکار کر رہا تھا تو میں نے ایک مچھلی ایسی پکڑی جس کے داہنے پہلو پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور بائیں پہلو پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا ہے جب میں نے یہ دیکھا تو تعظیم و احترام کی خاطر پانی میں ہی اسے دفن کر دیا۔

بعض لوگ قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں ابن مرزوق سے نقل کر کے بیان کرتے ہیں کہ مچھلی لائی گئی جس کے ایک کان کی جلد پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور دوسرے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا تھا اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے زرد رنگ کا خربوزہ پایا جس پر سفید لکیریں تھیں۔ اور ہر لکیر پر عربی میں اس کی ایک جانب اللہ اور دوسری جانب ''احمد'' خوب واضح لکھا ہوا تھا جس میں کوئی عقلمند تحریر شناس شک نہیں کر سکتا تھا اور کہتے ہیں کہ 809ھ میں انگور کا ایک دانہ پایا گیا جس پر بہ خطِ ظاہر برنگ سیاہ ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔

اور ابن ظفر بن سیاف کی کتاب 'بطن مفہوم' میں کسی سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک بڑے درخت کو دیکھا جس کے پتے بڑے اور خوشبودار تھے۔ اور ہر پتہ پر پیدائشی طور پر سرخی و سفیدی سے خوب روشن اور واضح خط میں قدرت الٰہی سے تین سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دوسری سطر میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اور تیسری سطر میں: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ لکھا تھا۔

اسماء باری تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرمانا

وصل: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ سے موسوم ومشرف فرمایا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بہت سے نبیوں کو اپنے اسماء حسنیٰ میں سے بکثرت اسمائے انکی تخلیق میں کرامت فرمائے جیسے کے حضرت اسحٰق واسماعیل علیہ السلام کو علیم وحلیم فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم کہا اور حضرت نوح علیہ السلام کو شکور اور حضرت عیسیٰ ویحییٰ علیہم السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم وقوی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو حفظ وعلیم اور حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر جو بمعنی صبور ہے۔ حضرت عیسیٰ ویحییٰ علیہم السلام کو صابر جو بمعنی صبور ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد فرمایا۔ اوران سب پر قرآن کریم، ان کے ذکر کے مواقع میں ناطق وشاہد ہے۔ اور سیّد عالم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو اپنے بہت سے ناموں سے فضیلت بخشی، جن کو بتعلیم الٰہی ہم تیس کے قریب تحریر کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ پر بھی انشراح صدر فرمائے۔ انتہیٰ۔

واضح رہنا چاہیے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم، رب العزت جل وعلیٰ کے تمام اسماء وصفات کے کمالات کے جامع اور تمام اخلاقِ الٰہی عزاسمہ سے متخلق ومتصف ہیں۔ جیسا کہ بعض عرفاء نے ان کی تفصیل بیان کی ہے اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ تعداد کے ذکر کرنے کا مقصد وہ ہے جن کا کتاب مجید اور احادیث صحیحہ میں ذکر ہے جیسا کہ ان کا سیاق کلام بتارہا ہے۔

اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ''حمید'' ہے اس کے معنی محمود ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کی خود حمد فرمائی اور بکثرت آیات کلام مجید میں ہیں اور دلائل اس کے کمال پر علی الاطلاق جانوں اور جہانوں میں دلالت کرتی ہیں اور ساری مخلوق نے اس کی حمد کی ہے اور ممکن ہے کہ حمید بمعنی حامد ہو کیونکہ وہ اپنی ذات اور اعمالِ طاعات کی تعریف فرمانے والا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ حامد بھی ہے اور محمود بھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ''محمد'' رکھا جو بمعنی احمد ومحمود ہے۔ اور اسی کے ہم معنی حامد ومحمود ہیں۔ بلاشبہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں واقع ہوا ہے۔ وقد سبق بیان معنی ہذا الاسم الشریف، اسماء الٰہی میں سے ''الرؤف الرحیم'' ہے۔ حق تعالیٰ نے خود ان ناموں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی، فرمایا: وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ الرَّحِيْمُ یہ دونوں نام ہم معنی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ غایت درجہ رحمت کو رأفت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: رَؤُفٌ بِالْعَطِيْعُوْنَ رَحِيْمٌ بِالْمُذْنِبِيْنَ فرمانبرداروں کے ساتھ رؤف اور گناہگاروں کے ساتھ رحیم ہیں۔ اور اسماء الٰہی میں سے ''الحق المبین'' ہے نام حق موجود وثابت ہے کہ اس کا امر متحقق ہے اور مبین یہ ہے کہ اس کی الوہیت کا حکم اور اس کی حقانیت کی دلیل واضح وآشکارا ہے۔ بَانَ اور اَبَانَ ایک ہی معنی میں آتا ہے۔ مبین کے معنی ہیں بندوں کے لیے امرِ دین کو ظاہر کرنے والا اور ان کے مبدأ ومعاد کو ظاہر کرنے والا بھی کہنا جائز ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی نام رکھا اور فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق تشریف لے آیا اور فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ بلاشبہ کفار نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان میں تشریف لائے اور فرمایا: حتی جاء کم الحق والرسول مبین یہاں تک کہ تمہارے پاس حق تشریف لے آیا اور یہ رسول ظاہر فرمانے والا ہے اور فرمایا: اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ وَالْمُرَادُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں کھلا ڈرانے والا ہوں۔ نذیر ومبین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مراد ہے۔ اس جگہ حق کے معنی باطل کی ضد ہے مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت متحقق ہے اور آپ کا امر رسالت خوب ظاہر ہے اور خدا اور نبی دونوں مبین ہیں کیونکہ حق تعالیٰ آپ پر نازل فرمایا: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ تا کہ خوب

ظاہر کرے لوگوں پر وہ جوان کی طرف نازل ہوا۔ بعض اہل اشارات ارشاد باری تعالیٰ: وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا ۔ (اور جو کچھ آسمان وزمین اوران کے درمیان ہم نے پیدا فرمایا) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو پیدا فرمایا۔ یہ تفسیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر مبنی ہے کہ فرمایا اول ما خلق اللہ روح محمد ثم خلق منه العرش والکرسی والسمآء والارض وجميع الموجودات از اسماء الٰهی نو راست ومعنیٰ النور رُوخالق النور يا منور السموت والارض بالانوار ومنور قلوب العارفين بالهداية والاسرار (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ پھر اس سے عرش، کرسی، آسمان، زمین اور تمام موجودات پیدا فرمائیں) اور اسماء الٰہی میں سے نور ایک اسم ہے۔ نور کے معنی ہیں نوروالا نور کو پیدا کرنے والا، آسمان وزمین کو انوار سے منور کرنے والا اور عارفوں کے دلوں کو ہدایت واسرار سے منور فرمانے والا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نور فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ بیشک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب روشن آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا۔ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔ آپ نورانی آفتاب ہیں۔ اور حضور کا نور نام رکھنا اس بنا پر ہے کہ احکام الٰہی کی وضاحت، اس کی نبوت کا اظہار اور مسلمانوں اور عارفوں کے دلوں کو نورانیت مرحمت فرمانا اس چیز سے ہے جو آپ دین حق لے کر تشریف لائے اور اسماء الٰہی میں سے ایک نام ''الشہید'' ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی ''عالم'' جاننے والے کے بتاتے ہیں اور ایک قول میں اس کے معنی لوگوں پر گواہ ہونے کے گئے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شاہد اور شہید'' فرمایا گیا ہے ارشاد ہے: مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا شَاهِدًا (اور نہیں بھیجا آپ کو مگر شاہد) یعنی جاننے والا اور امت کی حالت اور ان کی تصدیق وتکذیب اور نجات وہلاکت کو حاضر ہو کر دیکھنے والا ارشاد ہے: وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یہ رسول تم پر گواہ ہیں۔ چنانچہ جب تمام امتیں اپنے نبیوں کی رسالت کا انکار کریں گی تو امت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ان پر گواہی دے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت و پاکیزگی امت کے لیے حدیث میں مذکور ہے۔

اور اسماء الٰہی میں سے ایک نام ''الکریم'' ہے۔ اس کے معنی کثیر الخیر، کثیر الفضل اور کثیر العفو کے ہیں۔ ایسا ہی قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ اور حدیث میں اسماء الٰہی کے ضمن میں ''اکرم'' بھی آیا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی کریم رکھا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ بے شک یہ رسول کریم کا پڑھا ہوا ہے۔ اس سے مراد سیّد عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام چونکہ اس کے بعد ارشاد ہے: وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ یہ شاعر کا کہا ہوا نہیں ہے بہت کم ہیں جو ایمان لائے اور نہ یہ کاہن کی باتیں ہیں بہت کم ہیں جو غور کرتے ہیں تو مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ، اس کا واضح قرینہ ہے اس لیے کہ کفار جبریل کو ایسا نہ کہتے تھے۔ لہٰذا متعین ہو گیا کہ رسول کریم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام اور یہ سورۃ الحاقہ میں ہے اور سورۂ تکویر میں جو یہ آیت ہے اس سے جبریل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں کیونکہ آپ پر یہ صفات صادق آتی ہیں۔ اور صواب یہی ہے کہ یہ آیت تکویر متحمل ہے (واللہ اعلم)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا اَكْرَمُ اَوْلَادِ اٰدَمَ ۔ میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔ اس اسم کے معانی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صحیح ہیں (یہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ) اہل علم کہتے ہیں کہ جب کسی کی ''کرم'' کے ساتھ تعریف کرتے ہیں تو اس کے تمام صفات خیر کی تعریف ہو جاتی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری، باطنی، ذاتی اور صفاتی محور پر صفات کرم کے ساتھ متصف ہیں۔

اور اسماء الٰہی میں سے ایک نام "العظیم" ہے اس کے معنی جلیل الشان ہیں۔ اور ہر وہ چیز جو اس کے سوا ہے کمتر ہے۔ اور یہ نام اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا گیا' فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ یقیناً آپ کی خو بو بہت بلند ہے۔ اور توریت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پہلے سفر کے ضمن میں واقع ہوا ہے کہ: سَتَلِدُ عَظِيْمًا لِاُمَّةٍ عَظِيْمَةٍ (عنقریب اس کی عظمت والی والدہ کے لیے عظیم فرزند پیدا ہوگا) لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس عظیم اور آپ کی خو بو بھی عظیم ہے اور جب کسی صفت عظیم ہو تو اس کی ذات بھی عظیم ہوگی۔ آپ کے اخلاق شریفہ کے باب میں اس کی کچھ بحث گزر چکی ہے۔

اسماء الٰہی میں سے ایک نام "الجبار" ہے اور جبار کے معنی مصلح' قاہر' برتر' عظیم الشان اور متکبر کے آتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور کے چالیسویں باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور فرمایا: تَقَلَّدْ اَيُّهَا الْجَبَّارُ سَيْفَكَ فَاِنَّ نَامُوْسَكَ وَشَرِيْعَتَكَ مَقْرُوْنَةٌ بِهَيْبَتِكَ اے جبار! اپنی تلوار کو گردن میں اس لیے آویزاں کر رکھی ہے کہ آپ کی ناموس اور آپ کی شریعت ہیبت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ پہلے اس کا تذکرہ کتب سابقہ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اور اس کے معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صادق ہیں۔ اس بنا پر کہ آپ نے ہدایت وتعلیم سے اپنی امت کی اصلاح فرمائی۔ اور اپنے قہر سے اعداد دین کو مغلوب فرمایا اور آپ کا علومرتبت اور عظیم منزلت تمام افراد بشر کے مقابلے میں عظیم کبر و بڑائی کو شامل ہے باوجود یہ کہ قرآن کریم میں جبر وتکبر کی آپ سے نفی کی گئی ہے کیونکہ یہ آپ کے حال ومقام کے لائق نہیں فرمایا: مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ اسماء الٰہی میں سے ایک نام "الخبیر" ہے اس کے معنی کنہ شے کے باخبر اور اس کی حقیقت کے جاننے والے کے ہیں۔ اس تقدیر پر یہ علیم کے معنی میں ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خبیر بمعنی مخبر یعنی خبر دینے والے کے ہیں اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں معنی میں خبیر ہیں۔ اس لیے کہ حق تبارک وتعالیٰ کائنات اور اپنی معرفت کا عظیم علم جو کچھ آپ کو مرحمت فرمایا ان تمام علوم سے آپ باخبر ومطلع ہیں اور آپ نے اپنی امت کو ان تمام خبروں کا علم دیا جن کے بتانے اور خبر دینے کی اجازت حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی۔ لہٰذا آپ خبیر بمعنی مطلع اور خبر دیئے ہوئے اور خبیر بمعنی مخبر یعنی خبر دینے والے دونوں ہیں۔ نام خبیر سے آپ کو موسوم فرمانا اس آیت کریمہ میں ہے کہ: فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ اسے تم خبیر سے معلوم کرو اور خبیر سے یہاں مراد ایک تفسیری قول کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اسماء الٰہی میں سے ایک نام "الفتاح" ہے اس کے معنی بندوں کے درمیان حاکم ہونا اور رزق ورحمت کے دروازوں کو کھولنے والے کے ہیں اور مخلوق پر کار ہائے بستہ کو کھولنے والے اور ان کے قلوب وبصائر کو معرفت حق کے لیے کھولنے والے کے بھی ہیں۔ اور ناصر ومددگار کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ اَىْ تَسْتَنْصِرُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ النَّصْرُ۔ اگر تم مدد مانگو تو بے شک تمہارے پاس مدد آ گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام فاتح رکھا۔ شب معراج کی حدیث میں ہے جو ابو عالیہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ: وَجَعَلْنٰكَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔ اور بنایا تم کو فاتح اور خاتم۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شکر نعمت حق کی ادائیگی میں فرمایا۔ ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا وخاتما۔ اور میرے ذکر کو رفعت بخشی۔ اور مجھے فاتح وخاتم بنایا۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے فاتح ابواب رحمت ہیں۔ (اور مجھے فاتح وخاتم بنایا۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے فاتح ابواب رحمت ہیں)۔ اور معرفت حق اور ایمان بخدا کے لیے ان قلوب وبصائر کے فاتح اور ناصر حق اور دین وایمان کے نصرت دہندہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسماء الٰہی میں سے ایک نام "الشکور" ہے اس کے معنی ہیں عمل قلیل پر جزائے کثیر ووافر دینا اور بعض کہتے ہیں فرماں برداری پر تعریف وتوصیف کرنا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شکور سے اپنی توصیف فرمائی ہے اور فرمایا "اَفَلَآ اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا"

کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔'' مطلب یہ کہ میں حق تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا معترف اور اس کی قدر و قیمت کا جانے والا ہوں اس پر حمد وشکر بجالانے والا ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ شکور سے اپنی توصیف فرمانا خدا کے اذن اور اس کے حکم سے ہے۔

اسماء الٰہی میں سے ''العلیم' علام اور عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف' علم کے ساتھ فرمائی۔ اور آپ کو اس میں فضیلت وخیریت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

اے حبیب! جو کچھ تم نہ جانتے تھے وہ سب تمہیں بتایا اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے اور فرمایا ویعلمکم الکتب والحلمة وہ تمہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے: وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور سکھایا تم کو وہ سب کچھ جو تم نہ جانتے تھے۔

اسماء الٰہی میں سے الاوّل اور لآخر ہیں۔ اول کے معنی سابق در وجود اور باقی بعد از فنائے مخلوق اور حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ اول ہے اور نہ آخر۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق عالم میں اول انبیاء ہیں اور بعث میں ان سب کے آخر اس کی طرف حق تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں اشارہ فرمایا کہ: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاهِيْمَ۔ اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا تم سے بھی اور نوح وابراہیم سے بھی.....' اس لیے کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو حضرت نوح وابرہیم علیہما السلام پر مقدم فرمایا۔ نیز فرمایا: نَحْنُ الْاَوَّلُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ ہم پچھلوں میں اوّلیت رکھتے ہیں اور امور کثیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت ثابت ہے اور فرمایا: اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ میں اول ہوں جس کے لیے زمین شق ہوگی وَاَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور اول شافع اور اول مقبول الشفاعۃ ہوں۔

اسماء الٰہی میں سے القوی اور ذوالقوۃ المتین ہیں ان کے معنی قادر کے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان اوصاف کے ساتھ آپ کی تعریف فرمائی ہے' فرمایا: ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ قوت والا صاحب عرش کے قریب قیام فرمانے والا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جبریل ہیں' یا اسے دونوں کے لیے مشترک گردانتے ہیں کیونکہ یہ صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اسماء الٰہی میں سے ایک نام' صادق' ہے اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف صادق ومصدوق سے آئی ہے۔ اسماء الٰہی میں سے ولی اور مولیٰ' ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اللہ اور اس کا رسول تمہارا ولی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ میں ہر مسلمان کا ولی ہوں اور فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ میں جس کا مولا ہوں اس کے مولا علی ہیں۔ اس جگہ مراد محبت کرنے والا اور مدد کرنے والا ہے اور اسماء الٰہی میں ایک نام ''عفو'' ہے اس کے معنی معاف کرنے والے اور تقصیر وگناہ سے درگزر کرنے والے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عفو ودرگذر فرمانے کا حکم قرآن وتوریت میں دیا ہے۔ فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ عفو کو لازم کرو اور نیکی کا حکم دو اور فرمایا: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ۔ ان کو معاف کرو اور درگذر کرو۔ توریت وانجیل میں آپ کی صفت میں ہے۔ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلٰكِنْ يَّصْفَحُ وہ نہ تند خو ہیں اور نہ بدمزاج بلکہ معاف فرماتے اور درگزر کرتے ہیں۔''

اسماء الٰہی میں سے ایک نام الہادی ہے۔ اس کے معنی ہیں بندوں میں سے جو مانگے اسے توفیق دینے والا۔ اور ہدایت بمعنی راہ دکھانا ہے۔ ارشاد باری ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ اور صراط مستقیم کی راہ دکھاتا ہے جسے چاہے۔'' اور فرمایا: وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بلاشبہ یقیناً آپ

صراط مستقیم کی راہ دکھاتے ہیں اور فرمایا: وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ اس کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والے، لیکن پہلے معنی حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور دوسرے معنی حق تعالیٰ اور اس کے نبی کے درمیان مشترک ہیں۔

اسماء الٰہی میں سے "اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ" ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں اسم کے ایک ہی معنی ہیں لہٰذا مومن کے معنی حق تعالیٰ کے لیے اپنے ان وعدوں کا پورا کرنا ہے جو اپنے بندوں سے کیے اور اپنے قول کی تصدیق کرنا ہے کہ وہ حق ہے۔ اور مومن رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنی ذات کی یکتائی اور اپنی الوہیت کے امین کے ہیں۔ اور یہ مومن کا صیغہ تصغیر ہے گویا ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مہیمن کے معنی شاہد و حافظ کے ہیں۔ اور یہ کہ جو دوسروں کو خوف سے محفوظ رکھے اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی امین مہیمن اور مومن ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کا نام امین رکھا اور فرمایا "مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ" اور حضور قبل از نبوت اور بعد از نبوت صفت امین سے مشہور و معروف تھے اور آپ کا نام آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں ایک شعر میں مہیمن لیا اور حق تعالیٰ نے فرمایا: وَيُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مطلب یہ کہ تصدیق فرماتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا اَمَنَةٌ لِّاَصْحَابِیْ۔ میں اپنے صحابہ کی جائے پناہ ہوں۔

صاحب مواہب کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور آپ اس پر نگہبان ہیں۔ مجاہد سے منقول ہے کہ اس جگہ مہیمن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں گویا فرمایا: جَعَلْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ہم نے اس پر نگہبان بنایا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اسماء الٰہی میں سے ایک نام "مقدس" ہے۔ اس کے معنی ہر عیب و نقص اور سمت و جہات حدوث سے پاک و منزہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارک میں مقدس بمعنی گناہوں سے پاک وصاف واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ یا یہ کہ عادات ذمیمہ اور صفات دنیہ سے مقدس ہیں یہاں تک کہ آپ کی اتباع سے لوگ مقدس و مطہر ہو گئے جیسا کہ فرمایا: وَيُزَكِّيْهِمْ لوگوں کو پاک وصاف فرماتے ہیں۔

اسماء الٰہی میں سے ایک نام العزیز ہے اس کے معنی یا تو کسی کا اس پر غالب آنا محال ہے یا یہ کہ "اس کا کوئی نظیر نہیں" یا یہ کہ وہ دوسروں کو عزت دیتا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو حق تعالیٰ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ مطلب یہ کہ جب یہ مسلّم ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے لیے عزت ہے اور خدا عزیز اور معز ہے تو رسول خدا بھی عزیز و معز ہوئے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے بھی عزت ثابت کی گئی اور اسی کے بعد فرمایا "وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" (اور مسلمانوں کے لیے عزت ہے) اس لحاظ سے یہ صفت اور یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اثبات اختصاص ہے۔ اور تعجب ہے کہ یہ نکتہ ان کے انداز بیان سے کیسے پوشیدہ رہ گیا۔ (انتہی) اور میں صاحب مدارج بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے اس کا اثبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث و طفیل میں ہے نہ کہ اصالۃً اور مستقلاً۔ لہٰذا یہ اختصاص کے منافی نہیں ہے۔ نیز قاضی عیاض کی غرض اثبات اختصاص نہیں ہے اور وہ بلاشبہ ثبوت کے ساتھ اس کے قائل ہیں کہ بعض حق تعالیٰ کے اسماء وصفات مشترک ہیں اور بعض دوسرے نبیوں میں بھی ہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے لیے شکور اور حضرت اسماعیل وابراہیم علیہما السلام کے لیے علیم وحلیم اور حضرت یوسف وموسیٰ علیہما السلام کے لیے حفیظ وعلیم اور کریم۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام عزیز کا اثبات اگر اس آیت سے کریں کہ: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ۔

اور عزیز پر وقف کریں جیسا کہ ایک قرأت میں ہے تو یہ واضح اور بے تکلف ہے اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو بشارت اور نذرات کے ساتھ موصوف فرمایا چنانچہ فرمایا' یُبَشِّرُهُمْ بِیَحْیٰی (اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے) اور فرمایا: یبشرک بکلمۃ منہ (تمہیں اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بھی مبشر' بشیر اور نذیر رکھے اور یہ ظاہر ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک طٰہٰ اور یٰسین حق تعالیٰ کے اسماء میں سے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں ان باتوں کے ہونے کا قول مشہور ہے کیونکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کر کے استنباط فرمایا ہے۔ اور یہ متحقق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوصاف الٰہی کے ساتھ متصف اور اخلاق الٰہی کے ساتھ متخلق ہیں اور یہ بات بعض اکمل اولیاء کو بھی آپ کے اتباع میں حاصل ہے اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اثبات تسمیہ کا قصد کیا ہے اور وہ جو آپ کا ذکر کتاب وسنت اور کتب مقدسہ میں ہے ان کا بیان کرنا مقصود ہے وہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اس بحث کا تتمہ جو اسماء حسنیٰ کی شرح میں لکھا ہوا ہے وہیں تلاش کریں۔ (واللہ اعلم)۔

تنبیہ: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس کلام کے بیان کرنے کے بعد ایک نکتہ پر تنبیہ فرماتے ہیں اور اسے اپنے کلام کا ضمیمہ بنا کر فرماتے ہیں کہ آگاہ ہو اور جانو کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اور اس فضل کو جس انداز سے بیان کیا اور جس پر میں نے اس باب کو قائم کیا ہے اب میں اس سے ہر ضعیف الوہم اور سقیم الفہم کے اشکال واشتباہ کو دور کرتا ہوں اور ان تشبیہ کے وسوسوں سے اسے چھٹکارا دلاتا ہوں۔ جو اسے مشبہ وغیرہ میں ڈالتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ عزاسمہ اپنی عظمت و کبریائی میں مخلوقات میں کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے۔ اور اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ میں کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے اور شریعت میں جن صفتوں کا خالق اور مخلوق میں اطلاق کیا گیا ہے ان میں تشابہ اور تماثل حقیقی معنی میں نہیں ہیں اس لئے کہ خالق کی صفات قدیم مخلوق کی صفات کے برخلاف ہیں کیونکہ مخلوق کی صفات حادث ہیں۔ اور یہ کہ مخلوق کی صفات اعراض واغراض سے جدا نہیں۔ اور حق تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے۔ اس مقصد میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد از بس کافی ہے کہ: لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (کوئی شئی اس کی مثل نہیں) اور حق تعالیٰ ان علماء عارفین اور محققین توحید کو جزائے خیر دے۔ جنہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ کی ذات میں نہ کوئی ذات مشابہ ہے اور نہ اس کی صفات میں کسی کی صفات مماثل ہیں۔ اس نکتہ میں مزید اضافہ کرنے کا ہمارا مقصد یہ ہے کہ بندہ اعتقاد رکھے کہ اس کی ذات کی مانند کوئی ذات ہے اور نہ اس کی صفات کے مانند کوئی صفت ہے۔ اور نہ اس کے نام کی مانند کوئی نام ہے۔ اور نہ اس کے فعل کی مانند کوئی فعل ہے مگر صرف اتنا کہ لفظ کی لفظ کے ساتھ ظاہری موافقت ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات قدیم برتر و منزہ ہے کہ اس کی صفت حادث ہے۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ کسی حادث ذات کے لیے کوئی قدیمی صفت ہو۔ یہ سب اعتقاد اہل حق وسنت و جماعت کا مذہب ہے (رضی اللہ عنہم) بلاشبہ امام ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ نے اس ذیلی قول کی تحقیق و تفسیر فرمائی ہے۔ اور اس پر اور زیادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ نقل اعتقاد تمام مسائل توحید پر مشتمل ہے کس طرح سے اس کی ذات مقدسہ کو ذوات محدثہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ اس کی ذات اپنے وجود میں سب سے مستغنی ہے۔ اور کس طرح سے اس کے فعل کو مخلوق کے افعال سے مشابہت دی جاسکتی ہے حالانکہ حق تعالیٰ کے افعال جلب کمال یا دفع نقص کے بغیر حاصل ہوئے۔ نہ اعراض واغراض کی موجودگی ہے اور نہ مباشرت و معالجہ کا ظہور ہے۔ برخلاف افعال مخلوق کے۔ وہ ان وجوہ سے باہر نہیں۔ مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے بارے میں تمہارے اوہام جو بھی خیال باندھیں اور تمہاری عقلیں جو بھی تصور کریں وہ سب تمہاری مانند محدث ہیں۔ امام ابوالمعالی جوینی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں جو شخص جس تصوری وجود سے مطمئن و سکون پائے اور ان کی فکر جہاں تک بھی پرواز کرے وہ سب مشبہ ہے اور جو اس کے نفی محض سے مطمئن ہو وہ معطلہ ہے اور جو شخص کسی تصوری وجود سے ماوریٰ جانے اور ادراک حقیقت سے اپنے عجز کا اعتراف کرے وہی موحد ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا اچھا قول ہے کہ حقیقۃ التوحید ان تعلم

قدرتہ معانی فی الاشیاء بلا علاج وصنعہ بہا بلا مزاج۔'' یعنی توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدرت کو ایسا جانے کے بغیر ذریعہ کے اشیاء میں معانی ہیں۔ اور بغیر آلات واسباب کے اس نے انہیں ناپا ہے: وَعِلَّةُ كُلِّ شَيْءٍ صُنْعُهُ وَلاَ عِلَّةَ بِصُنْعِهِ۔

ہر چیز کی علت اور سبب، حق تعالیٰ کا فعل اور اس کی کارگیری ہے اور اپنی صنعت سے اسے کوئی غرض وعلت نہیں ہے۔ اور وہ جو تمہاری عقل تصور باندھے تو اللہ اس کے خلاف ہے اور جو صورت تمہارا وہم وخیال بنائے وہ اس کے برخلاف ہے۔ یہ کلام عمدۂ یقینی اور محقق ہے اور فضیلت آخری قول کو ہے یعنی جو حضرت ذوالنون مصری نے کہا ہے کہ: مَا تَصَوَّرَ فِيْ وَهْمِكَ فَاللّٰهُ بِخِلاَفِهِ۔ یعنی تمہارے وہم میں جو تصور آئے تو وہ اس کے برخلاف ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ کی تفسیر ہے۔ اور وہ پہلا قول کہ: عِلَّتُ كُلِّ شَيْءٍ صُنْعُهُ وَلاَعِلَّةَ بِصُنْعِهِ۔ (ہر شی کی علت وسبب اس کی کارگیری ہے اور اسے اپنی صنعت سے کوئی علت وغرض نہیں) یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَايُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (جو وہ فعل کرتا ہے کوئی اسے سے پوچھنے والا نہیں اور ساری مخلوق جواب دہ ہے) کی تفسیر ہے اور تیسرا قول حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے کہ فرمایا: اِنَّمَا قَوْلُنَا بِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ کسی چیز کے لیے ہمارا فرمانا یہ ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہو جا' تو وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم سب کو توحید اور اثبات تنزیہہ پر ہمیشہ قائم رکھے اور ہر گمراہی وبے دینی اور تعطیل وتشبیہہ سے اپنی رحمت وکرم سے دور اور محفوظ رکھے۔ آمین۔ اس فصل میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا یہ ترجمہ ہے اور یہ کلام اصل اصول دین ہے' انتہی، مشکوٰۃ میں اسماء باری تعالیٰ کے ضمن میں مشائخ عظام کے کلام کو اس سے زیادہ نقل کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

چار سو سے زیادہ اسماء سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم

وصل: صاحب مواہب لدنیہ نے کتاب وسنت اور کتب سماویہ سے چار سو سے زائد اسماء شریفہ بترتیب حروف تہجی بیان کیے ہیں ہم بھی ان کا ذکر کر کے برکت حاصل کرتے ہیں اگرچہ طویل ہیں اور بعض اسماء مکرر بھی ہیں لیکن اس جگہ ذوق وحلاوت کا معاملہ ہے۔ طول وتکرار نظر میں نہیں ہے۔ مشتاق کو چاہیے کہ مونس جان اور ورد زبان خود بنائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ محمد رسول الله' الامر بالله' الابطحي، اتقى الناس، الاجود، اجود الناس، الاحد، الاحسن، احن الناس' احمد، احيد' الآخذ بالحجرات، اخذ الصدقات، الآخر' الاخشى، لله اذن خير' ارجح الناس عقلا، ارحم الناس بالعيال، الازهر، الاسلم' اسلم الناس، اشجع الناس' الاصدق فى الله' اطيب الناس ريحاً، الاغربالله' اكثر الناس تبعاً،الاكرم' اكرم الناس' اكرم ولد آدم، النص، امام الناس، امام المتقين' امام النبيين، الامام' الأمر' الأمن، امنة اصحابه' الامين' الامي' انعم الله' اول شافع' اول المسلمين، اول المشفع' اولىٰ للمسلبين، اول من نيشق الارض، (ب)البار، الباسط' الباطن، البر، البرهان' بشر، بشرىٰ، البشير، البصير، البليغ، بالغ البيان' البينه (ت)التالى، التذكره،' المتقى، التنزيل' التهامى' (ث) اثنين،(ج) الجبار، الجد،اجود، الجامع، جوامع الكلم،(ح)حاتم، حزب الله، الحاشر' الحافظ' الحاكم بما اراه الله' الحامد، حامل لو ا رالحمد' الحامذ لامة عن النار' الحبيب' حزب الله' الحفى، الحفيظ' الحق، الحكيم، الحليم، حماد' حمطايا، يا حمياطا، حمعسق، الحميد، الحنيف، (خ) خاتم النبيين' خاتم المرسلين، الخاتم' الخازن كمال الله' الخاشع، الخاضع' الخالص' خطيب الانبياء والا مم' خطيب الوافدين على الله' الخليل،

خلیل الرحمن، الخلیفه، خیر الا نبیاً خیر البریه، خیر خلق اللهٗ خیر العالمین، خیرالناس، خیر هذه الامه (د) دارالحکمه، الداعی الی اللهٗ دعوة ابراهیمٗ دعوة النبیین، دلیل الخیرات، (ذ) ذخیرة اللهٗ الذاکر الذکر، ذکر اللهٗ ذوالحوض المورود، ذوالخلق العظیمٗ ذوالصراط المستقم، ذوالقوةٗ ذوفضل، ذوالمعجزات، ذوالمقام المحمود، ذوالوسیلهٗ (ر) الراضع، الراضی، الرافعٗ راکب البراق، الراهبٗ راکب البعیرٗ راکب الجمل، راکب الناقه، راکب النجیبٗ الرحمةٗ رحمة الامته، رحمة للعلمین، رحمة مهداةٗ الرحیمٗ الرسولٗ الراحهٗ رسول الرحمته، رسول الله، رسول الملاحم، الرشیدٗ الرافیع، رافع المراتب، رفیع الدرجاتٗ الرقیبٗ روح الحقٗ روح القدسٗ الرؤفٗ رکن المتواضعین، (ز) الزاهدٗ زعیم الانبیاءٗ الزکیٗ زین العباد، الزمزمی، زین من وافی القیمٰه (س) السابقٗ السابق بالخیراتٗ سابق العربٗ الساجد، سبیل اللهٗ السراجٗ المنیرٗ السعید، سعدالله، سعد الخلائق، السمیعٗ السلامٗ اسیّد، سیدولدآدم، سید المرسلینٗ سید الناسٗ سید الکونینٗ سید الثقلین، سیف الله المسلولٗ سید الفریقین، (ش) الشارع، الشافع، الشفیع، الشاکرٗ الشاهد، الشکارٗ الشکورٗ الشمسٗ الشهیدٗ (ص) الصابر الصاحبٗ صاحب الآیات، صاحب المعجزات، صاحب البرهانٗ صاحب البیان، صاحب التاجٗ صاحب الجهادٗ صاحب الحجه، صاحب الخطیمٗ صاحب الحوض المورود، صاحب الخاتمٗ صاحب الخیرٗ صاحب الدرجة الرفیعه، صاحب الرداء،صاحب الازواج الطاهرات، صاحب السجودلرب المحمود، صاحب البرایا، صاحب السطانٗ صاحب السیفٗ صاحب الشرع، صاحب الشفاعة الکبریٰ صاحب العطایا، صاحب العلامات الباهرات، صاحب العلو والدرجات، صاحب الفضیلهٗ صاحب الفرحٗ صاحب النقیب، صاحب القضیب الاصغر، صاحب قول لااله الاللهٗ صاحب القدمٗ صاحب الکوثرٗ صاحب اللواءٗ صاحب المحشر، صاحب المقام المحمودٗ صاحب المنبر، صاحب المحرابٗ صاب النعلین، صاحب الهراده صاحب الوسیلهٗ صاحب المدینه، صاحب المظهرالمشهورٗ صاحب المعراجٗ صاحب المغفرٗ صاحب النعیمٗ صاحب الصادقٗ الصبورٗ الصدق، صراط اللهٗ صراط الذین انعمت علیهم، الصراط المستقیمٗ الصفوح عن الزلات الصفوة، الصفیٰ الصالح (ض) الضارب بالجام المثلومٗ الضحاك الضحوكٗ (ط) طالبٗ الطاهر، الطیب، طٰس، طمٗ طهٰ، الطیب، (ظ) الظاهر الظفورٗ الظاهر، (ع) العابدٗ العاید، العادلٗ العظیم، العافیٗ العاقبٗ العالمٗ علم الایمانٗ علم الیقین، العالم بالحق، العاملٗ عبداللهٗ العبد الکریمٗ عبدالجبارٗ عبد الحمید، عبدالمجیدٗ عبدالوهاب، عبدالغفارٗ عبدالغیاثٗ عبدالخالقٗ عبدالرحیم، عبدالرزاق، عبدالسلامٗ عبدالقادرٗ عبدالقدوسٗ عبدالقهار، عبدالمهیمن، العدل، العربیٗ العروة الوثقی، العزیزٗ العطوفٗ العفوٗ العلیمٗ العلی، عین الفرغ، (غ) الغالب،الغفورٗ الغنیٗ الغنی بالله، الغیثٗ الغوثٗ الغیاث (ف) الفاتحٗ الفانح، الفارقلیط، الفاروقٗ فاروقٗ الفتاح، الفخرٗ الفرطٗ الفصیحٗ فضل الله، فاتح النورٗ (ق) القاسمٗ القاضیٗ القانتٗ قائد الخیرٗ قاید الغرالمحجلینٗ القایلٗ القایمٗ القتالٗ القتولٗ قثم، القثوم ٗقدم الصدق، القرشیٗ القریبٗ القمرٗ القیم، وکنیتهٗ ابوالقاسم، لِاَنَّهٗ یقسم الجنة بین اهلها،(ك) کافة للناسٗ الکفیلٗ الکامل فی جمیع اموره، الکریمٗ کهٰیٰعص، (ل) اللسان، (م)الماجدٗ ماذونٗ الماحی، الماحولٗ المسانح، المبارك ٗالمبتهلٗ المبر،

المبشر' مبشر اليائسين' المبعوثبالحق' البلغ' المبين، المتين' الميل، المريض' المخصوص، المترحم، المتضرع، المتقى' المتلو عليه، المتجهد، المتوكل' المتثبت مستجاب' مجيب' المجتبىٰ' المجير' المحرص، المحرم' المحفوظ، المحلل' محمد' المحمود' المخير' المختار' المخصوص بالشرف' المخصوص' بالعز' المخصوص، بالمجد' المخلص، المدثر' المدنى' مدنية العلم' المذكر' المذكور' المرتضىٰ' المزمل، المرتحى، المرسوم' المترفع الدرجات' المر، المرده' المزكى' المسيح' المسعود' المستغفر' المستغنى، المستقيم' المسلم' المتبادر' المشفع' المشفوع، السفح' المشهر' الميسر، المصباع، المصارع المصافح' مصحح الحسنات، المصدوق' المصطفےٰ' المصلح' المصلح' المصلىٰ عليه المصاع' الامطهر' المطلع، المطيع' المظفر' المعزز' المعصوم' المعطى' المقسط، للقصوص عليه المقضى مفضل العشيرات' مقيم السنته، بعد انقرة، للكرم، امكتفى، المكفى' المكين' المكى' الملاحمى، ملقى' القرآن، المنوح' المنادى' الامنصر' المنجى' المنذر' المنزل عليه' المخها' المتصف' المتصور' المنيب' المنبر، المومن' المولىٰ الموحىٰ' اليه' مودود، الموصل' الموقر، المولى، الموىد، المومن، الموسر' المهاجر' المهتدى، المهدى، الميهمن، المبشر (ن) النابذ' الناجذ، الناس' الناسخ' الناشر' الناصح، الناطق' الناهى' نبى الاحمر' نبى الاسود، نبى التوبة، نبى الحرمين' بين الراحمة، النبى' الصالح' نبى الله' نبى المرحمه، نبى الملتحعه' نبى الملاحم' البنى، النجم، النجم الثاقب، نجى الله' النذير' انسيب' نصح، ناصح' النعمه، نعمة الله، النقيب' النقى، النور' النور الذى لايطفاء (ه) الهادى' هدى،' هدية الله، الهاشمى' (و) الوجيهه، الواسط، الواسع، الواصل، الواضح، الواعد، الواعظ، الورع' الوسيله، الوافى، الوفى، الولى' الفضل، (ى) يثربى' يٰس، صلى الله عليه وسلم وعلى آله واصحابه واتباعه اجمعين۔"

کعب احبار سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اہل جنت میں عبدالکریم اور اہل نار میں عبدالجبار' اہل عرش میں عبدالحمید اور فرشتوں میں عبدالمجید نبیوں میں عبدالوہاب شیاطین میں عبدالقہار اور حق کے نزدیک عبدالرحیم، پہاڑوں میں عبدالخالق' خشکی میں عبدالقادر' تری میں عبدالمہیمن' مچھلیوں میں عبدالقدوس' حشرات الارض میں عبدالغیاث' وحشیوں میں عبدالرزاق' درندوں میں عبدالسلام، چوپایوں میں عبدالمؤمن' پرندوں میں عبدالغفار' توریت میں موذموذ' انجیل میں طاب طاب' صحیفوں میں عاقب' زبور میں فاروق اور اللہ کے نزدیک طٰہٰ ویٰس اور مسلمانوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے کیونکہ آپ جنت کو اہل جنت میں تقسیم فرماتے ہیں اور ایسا ہی حسین بن محمد والدالمعالی سے کتاب ''سوق العروس وانس نفوس'' میں منقول ہے۔

آگاہ رہنا چاہیے کہ کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجمل الخلائق' اکرم بشر' سید ولد آدم اور افضل انبیاء ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو قسموں پر تقسیم فرمایا۔ اور مجھے ان دونوں میں بہتر میں رکھا۔ اور یہ دو گروہ وہ ہیں جن کے بارے میں فرمایا: اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ وَاَصْحَابُ الشِّمَالِ۔

اور میں اصحاب یمین اور اصحاب شمال میں سے بہترین میں رہا اس کے بعد ان دونوں قسموں کو تین پر تقسیم فرمایا۔ اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ اَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ اور اَلسَّابِقُوْنَ. تو میں سابقوں میں سے ہوں پھر ان قسموں کو قبیلوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے اس قبیلہ میں رکھا جو بہترین قبیلہ تھا۔ اور یہ اللہ کے اس قول میں ہے: وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ تو اولاد آدم کے اتقی میں ہوں اور اللہ عزوجل کے نزدیک اکرم ہوں وَلَا فَخْرَ اسکے بعد ان قبیلوں کو خاندانوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین

خاندان میں رکھا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

ایک اور حدیث میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزندوں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔ اور اولا د اسمٰعیل میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا اپنے رب کے نزدیک اور اولاد آدم میں میں مکرم ہوں اور یہ فخر یہ نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ میں اوّلین اور آخرین سب میں مکرم ہوں اور یہ فخر یہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے حاضر ہو کر کہا میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو چھان ڈالا ہے۔ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فاضل تر ہو اور کسی باپ کے فرزندوں کو نہ دیکھا کہ فرزندان ہاشم سے فاضل تر ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے حضرت آدم علیہ السلام کے صلب میں رکھ کر زمین پر اتارا۔ مطلب یہ کہ جب وہ زمین پر اتارے گئے تو میں ان کی صلب میں تھا اور مجھے حضرت نوح علیہ السلام کے صلب میں کشتی میں رکھا پھر مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلب میں منتقل فرمایا اس کے بعد مجھے اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل کیا جاتا رہا یہاں تک کہ میں اپنے والدین کریمین سے باہر آیا۔ اور میرے آباؤ اجداد کبھی زنا پر مجتمع نہ ہوئے۔ اور اس مفہوم کی طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اپنے اس قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں انتہائی فصیح وبلیغ کہا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ انتہائی غصہ میں حضور کے پاس آئے۔ گویا انہوں نے کافروں سے کوئی ایسی بات سنی تھی جو حضور کی نسبت طعن وتشنیع میں کہہ رہے تھے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے عباس! (رضی اللہ عنہ) کس بات نے تم کو غصہ دلایا، انہوں نے جو کچھ سنا تھا عرض کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور منبر پر تشریف لائے اور ان لوگوں سے فرمایا جو وہاں موجود تھے۔ میں کون ہوں۔ سب نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ بلا شک وشبہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے بہترین خلق میں رکھا، اور خلق کو دو فرقوں میں یعنی عرب وعجم میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ یعنی عرب میں برگزیدہ فرمایا۔ اور ان کو قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلہ میں گردانا اور جب ان کو گھروں میں خاندانوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین گھر اور خاندان میں رکھا۔ لہٰذا از روئے ذات، میں بہترین خلق ہوں اور از روئے نسب ان سب میں بہتر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کی طرف نظر ڈالی تو قلب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے پسند فرمایا۔ پھر آپ کو اپنے لیے برگزیدہ فرما کر اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان والوں اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی۔ لوگوں نے پوچھا آسمان والوں پر فضیلت کس طرح ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں سے فرمایا: مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ان میں سے جو یہ کہے گا کہ میرے سوا کوئی اور معبود ہے تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ گویا کہ تمام آسمان والے معرض خوف عقاب وعتاب میں ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ومامون ہیں۔ پھر ان سب لوگوں نے کہا انبیاء علیہم السلام پر آپ کو فضیلت کیسے حاصل ہے۔ فرمایا: حق تعالیٰ نے تمام نبیوں کے لیے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ہم نے رسول کو اسکی قوم کی زبان میں بھیجا اور تمام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارے میں فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ اور آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات وکرامات کچھ تو وہ ہیں جن کے انوار و آثار اس عالم میں ظاہر وروشن ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کا ظہور آخرت میں روز قیامت ہوگا۔ وہ درحقیقت اسی دن ظاہر ہوگا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب الٰہیٰ سرورِ کائنات اور مظہر فیوض نامتناہی باری تعالیٰ جل وعلیٰ ہیں اور یہ کہ حق تعالیٰ کی جانب سے خلیفہ رب العٰلمین اور نائب مالک یوم الدین ہیں اور اس دن جو مقام آپ کا ہوگا اور کسی کا نہ ہوگا اور جو عزت ومنزلت آپ کی ہوگی کسی کی نہ ہوگی۔ اور بحکم رب العٰلمین وہ دن آپ ہی کا دن اور حکم آپ ہی کا حکم ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ اور یقیناً آخرت آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہے اور بہت جلد آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔

ابواب سابقہ میں جو باتیں مذکور ہوئیں چونکہ وہ قسم اول یعنی اس جہاں سے متعلق تھیں اب ہم کچھ قسم ثانی یعنی آخرت سے متعلق حضور کے فضائل وکمالات بیان کرتے ہیں۔ (باللہ التوفیق)

باب ہشتم

عالم آخرت کے مخصوص درجات اور فضائل و کمالات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ابتدائے آفرینش خلائق میں فضیلت دی اور تخلیق عالم کا آپ کو مبدأ و منشاء قرار دیا اور عالم ارواح میں اول الانبیاء علیہم السلام بنایا اور روز الست ساری مخلوق سے پہلے آپ نے جواب الست دے کر اقرار ربوبیت باری تعالیٰ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معاد و آخرکار میں آپ پر فضل و کمال کی مہر ثبت فرمائی تو آپ ہی وہ اول شخص ہیں جن کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ زمین کو شق فرمائے گا اور آپ قبر انور سے اٹھیں گے اور عرصات محشر میں آپ ہی اول شفاعت کرنے والے اور مقبول الشفاعت ہوں گے۔ اور آپ ہی سب سے پہلے جمال رب العٰلمین کی زیارت سے مشرف ہوں گے اور ساری مخلوق اس وقت محجوب اور در پردہ ہوگی۔ اور آپ ہی وہ پہلے نبی ہیں جن کی امت کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور آپ ہی سب سے پہلے اپنی امت کے ساتھ صراط سے گزریں گے اور آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور داخلہ جنت میں آپ کی امت تمام امتوں سے مقدم ہوگی۔ اور حق تعالیٰ آپ کو لطیف تحائف اور نفیس ظروف عطا فرمائے گا جو حد عدد و شمار سے خارج ہے۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں جب وہ قبروں سے اٹھائے جائینگے۔ اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب کہ وہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے اور میں بشارت دینے والا ہوں گا جب کہ وہ ناامید ہوں گے لواء حمد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہوگا اور اپنے پروردگار کے نزدیک میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔ یہ فخریہ نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ میں ان کا قائد ہوں گا جب کہ وہ دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب کہ وہ خاموش ہو جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا جب کہ رہ وہ روک دیئے جائیں گے۔ اور لواء کرم میرے ہاتھ میں ہے اور میرے گرد ہزار ایسے خادم حلقہ باندھے ہوں گے گویا وہ مروارید ناسفتہ ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا مجھے حلہ بہشتی پہنایا جائے گا اس کے بعد میں جنت کی داہنی جانب کھڑا ہوں گا اس مقام میں میرے سوا کوئی مخلوق ایسی نہیں جو کھڑی ہو اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں روز قیامت بہترین اولاد آدم ہوں گا۔ اور میرے ہاتھ میں لواء حمد ہو گا۔ اور یہ فخریہ نہیں' اس دن تمام بنی آدم ہوں یا ان کے سوا' سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں روز قیامت لواء حمد اٹھائے ہوئے ہوں گا۔ سب سے پہلے میں ہی جنت کی زنجیر کھٹکھٹاؤں گا۔ پھر وہ میرے لیے کھولی جائے گی اور میں اپنے فقراء مومنین کے ساتھ داخل ہوں گا میں اکرم اولین و آخرین ہوں اور یہ فخریہ نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بہترین بنی آدم ہوں روز قیامت' اور تم مجھے اس حال میں پاؤں گے کہ اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا اس کے بعد حدیث شفاعت بیان کی جو آگے آرہی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ میں تمام نبیوں سے ازروئے اجر روز قیامت عظیم ترین ہوں گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا کیا تم خوش نہیں ہو کہ تم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلوہ فرما ہوں' اس کے بعد فرمایا روز قیامت وہ میری امت میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ

السلام کہیں گے تم میری دعا ہو اور میری اولاد میں ہو اب مجھے تم اپنی امت میں داخل کرلو اور عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میری دعا ہو اور تم میری اولاد میں ہو اب مجھے تم اپنی اُمت میں داخل کرلو اور عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں کیونکہ ان کے باپ ایک ہیں اور مائیں متعدد ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے تم میرے بھائی ہو۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اوروں سے میں آپ سے زیادہ قریب ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ روز قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہوں' حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت میں ان کے سردار ہیں۔ روز قیامت کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ اس دن اس کے آغاز کا ظہور زیادہ ہوگا۔ اور اس بنا پر بھی کہ اس روز آپ نفع خلائق میں منفرد و یگانہ ہوں گے جس وقت کہ تمام لوگ مجتمع ہو کر آپ کے پاس آئیں گے اور آپ کی پناہ لیں گے اس وقت آپ کے سوا ان کا کوئی سید و سردار نہ ہوگا۔ سید اسے کہتے ہیں جس کے آگے اپنی ضرورت و حوائج کو پیش کیا جائے۔ اس وقت آپ تمام بشر اور انسانوں میں منفرد ہوں گے۔ اس لیے کہ کوئی ایک بھی آپ کا مزاحم نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی اس کا ادعا کر سکے گا یہ انفرادیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مانند ہوگی کہ اس دن حق تعالیٰ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج کس کی بادشاہت ہے' اللہ ہی واحد قہار کی ہے) حالانکہ دنیا و آخرت میں بادشاہت اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ہی کی ہے لیکن آخرت میں مدعیوں کے وہ دعوے فنا ہو جائیں گے جو دنیا میں باعتبار ظاہر ادعا کرتے تھے ایسے ہی حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں تمام لوگ آپ کی پناہ چاہئیں گے تو آپ آخرت میں بلا دعوئے شرکت غیر سے ان سب کے سیّد و سردار ہوں گے۔ اسے صاحب الشفا نے بیان کیا ہے۔

مواہب لدنیہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے میرے لیے زمین کھلے گی اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے لیے پھر میں اہل بقیع پر آؤں گا تو وہ قبروں سے اٹھیں گے۔ اس کے بعد میں اہل مکہ کی خاطر انتظار کروں گا۔ یہاں تک کہ دونوں حرموں کے درمیان کے لوگ محشور رہوں۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور حکیم ترمذی کی ''نوادر الاصول'' میں ابو حاتم کی روایت از ابن عمر رضی اللہ عنہما مذکور ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس سے اس شان سے تشریف لائے کہ آپ کے داہنی جانب حضرت ابوبکر اور بائیں جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے پھر حضور نے فرمایا اسی شان کے ساتھ میں قیامت میں اٹھایا جاؤں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار حشر میں تشریف لائیں گے اور تمام انبیاء داب پر ہوں گے۔ اور حضرت صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی پر محشور ہوں گے اور حضرت خاتون جنت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں صاحبزادے یعنی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما میرے دونوں ناقہ عصباء اور قصواء پر محشور ہوں گے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنتی ناقہ پر حشر کیے جائینگے۔

طوافِ فرشتگان بر قبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم: کعب احبار کی حدیث میں ہے کہ روزانہ صبح طوع آفتاب سے قبل ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قبر انور کا طواف کرتے ہیں۔ وہ بازوؤں کو جنبش دیکر آپ پر درود سلام عرض کرتے ہیں اور شام کے وقت آسمان پر چڑھ جاتے ہیں پھر اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں روزانہ اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جس دن زمین کھلی جائے گی اور میں باہر آؤں گا تو ستر ہزار فرشتوں کا جھرمٹ مجھے گھیرے ہوگا اور مجھے وہ اس شان سے بارگاہِ رب العزت میں لے جائینگے جیسے دلہن کو براتی دولہا کے گھر جاتے ہیں۔

جامع الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ہی سب سے اول ہوں جس کے لیے زمین شق ہوگی پھر حلہ بہشتی مجھے زیب تن کرایا جائے گا۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اولیت انشقاق ارض او کسوت حلہ دونوں میں ثابت ہے اور یہ جو دوسری روایت میں آیا ہے کہ ''مخلوق میں سب سے پہلے جسے حلہ پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور

بیہقی نے اورزیادہ نقل کیا ہے کہ خلق میں سب سے پہلے جسے حلہ پہنا دیا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ ان کو جنتی حلہ پہنچایا جائے گا پھر کرسی لائی جائے گی اورعرش کی داہنی جانب رکھی جائے گی اس کے بعد مجھے حلۂ بہشتی پہنچایا جائے گا قبل اس کے کسی بشر کو حلہ بہشتی تقسیم کیے جائیں اور مجھے عرش کی داہنی جانب کرسی پر بٹھایا جائے گا۔اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو پہلے حلۂ بہشتی پہنانے کی تخصیص سے لازم نہیں آتا کہ وہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں گے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبرانور سے اپنے ہی لباس میں جلوہ افروز ہوں اور تعظیم وتکریم کی غرض سے ان برہنوں کے مقابلہ میں جو قبروں سے برہنہ نکلیں گے آپ کو حلۂ بہشتی ان سے پہلے پہنایا جائے۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برہنگی کی وجہ سے سب سے پہلے پہنایا جائے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت' حلہ کے پہنانے میں بقیہ خلائق سے ہوگی۔اور حلیمی نے یہ جواب دیا جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے حلہ پہنایا جائے گا اوران کے بعد حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا جائے گا تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلہ ان سے اعلیٰ انفس،اور مجلی ہوگا اوراس کی نفاست کی خبر حدیث میں دی گئی ہے۔

لیکن یہ جو اولیت کا فقدان نظر آرہا ہے اس بارے میں بندۂ مسکین یعنی صاحب مدارج رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں مقام تمکین میں ثابت قدم رکھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلہ پہنانے میں تقدیم' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ابوت کی رعایت سے ہے کیونکہ آباء اس قسم کے امور میں اولاد پر مقدم وسابق ہوتے ہیں اور یہ امور حسیہ میں جزئی فضیلت ہے۔اور دیگر فضائل معنویہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی فضیلت حاصل ہے۔لہٰذا حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرسی پر بٹھایا جائے گا نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔

اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلہ پہنانے کی تقدیم' نمرود کا آپ کو عریاں کرنے کے بدلے میں ہے۔ جس وقت کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا کذا قیل واللہ اعلم،اور مشہور یہ ہے کہ لوگوں کا حشر' ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ننگے سر ہوگا جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ جیسا ہم نے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔اسی طرح دوبارہ انہیں اٹھائیں گے۔اس ارشاد کا اشارہ بھی اسی طرف ہے لیکن ابوداؤد اور ابن حبان نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت نئے کپڑے طلب فرمائے۔اور پہنے اس کے بعد انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے میت کو ان کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں وہ مرتا ہے اور صاحب مواہب لدنیہ' حارث بن ابی اسامہ اور احمد منیع سے روایت کرتے ہیں کہ مردے اپنے کفنوں میں اٹھائے جائیں گے اورانہیں میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

ان حدیثوں کے اور بخاری کی حدیث کے درمیان جمع وتطبیق میں کہا گیا ہے کہ بعض مردے ننگے اٹھیں گے اور بعض کفن کے لباس وغیرہ میں اور بعض کہتے ہیں کہ مراد سیآت اعمال یعنی بدیاں جن پر انہیں اٹھایا جائے گا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تاویل کو نہ پاس کے اورانہوں نے ظاہر حدیث پر عمل فرمایا۔اور بعض اصحاب رسول ایسے ہیں جو اہل ظواہر میں سے تھے۔اور وہ تاویلات کو نہیں پاتے تھے جیسے کے عدی بن حاتم نے روزے میں ''سفید وسیاہ ڈورے'' کی تاویل کو نا پایا تو رپشتی نے یہی کہا ہے۔ان حدیثوں پر مزید بحث مشکوٰۃ شریف کی شرح میں کی گئی ہے۔(واللہ اعلم)

''لواء الحمد'': تنبیہہ: ایطبی فرماتے ہیں کہ ''لواء احمد'' سے مراد حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد اور مقام محمود میں انفرادیت اور شہرت ہے جیسے کہ شفاعت کے ضمن میں معلوم ہوتا ہے اوراہل عرب شہرت کے مواضع پر لواء کو وضع کرتے ہیں جیسا کہ مروی ہے: لِكُلِّ

غَادِرٍ لِوَآءٌ (ہر غدار کے لیے جھنڈا ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں جھنڈا ہی ہو اور اس کا نام "لواء الحمد" ہو۔

صاحب مواہب لدنیہ طبرانی سے "ریاض النصرۃ" میں ایک حدیث لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضی سے فرمایا: اے علی! تم نہیں جانتے کہ میں ہی پہلا شخص ہوں گا جو روز قیامت خطبہ دیگا تو میں عرش کی داہنی جانب اس کے سایہ میں کھڑا ہوں گا اور مجھے جنتی حلہ پہنایا جائے گا آگاہ اور خبردار ہو کہ میری امت، سب سے پہلی امت ہوگی جس کا روز قیامت حساب کیا جائے گا اس کے بعد میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم وہ پہلے شخص ہو کہ تمہیں بلایا جائے گا اور تمہیں لوگوں کا جھنڈا سپرد کیا جائے گا جس کا نام لواء حمد ہے۔ کیونکہ آدم اور تمام خلق کسی سایہ کی متلاشی ہوگی۔ وہاں میرے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔ اور میرے لوائے مبارک کی درازی ایک ہزار چھ سو سال کی مسافت کے برابر ہوگی اس کا سنان یاقوت احمر کا اور اس کا قبضہ سفید چاندی کا اور اس کا ڈنڈا سبز مروارید کا ہوگا۔ اس کی زلفیں تین نور کی ہوں گی ایک زلف مشرق میں دوسری مغرب میں تیسری دنیا کے درمیان میں اور ان میں تین سطریں تحریر ہوں گی ایک پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، دوسرے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رب العلمین تیسرے پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور ہر سطر کی درازی ہزار سال کے برابر اور اس کی پنہائی بھی ہزار سال کے برابر تو اے علی رضی اللہ عنہ اسے میں تمہارے سپرد کروں گا۔ اور امام حسن رضی اللہ عنہ تمہارے داہنی جانب اور امام حسین رضی اللہ عنہ تمہارے بائیں طرف کھڑے ہوں گے۔ یہاں تک کہ تم میرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان عرش کے سایہ میں کھڑے ہوگے۔ اور تمہیں جنت کا جوڑا پہنایا جائے گا۔ ابن سبع نے خصائص میں روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن رضی اللہ عنہ سلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے "لواء حمد" کی توصیف میں دریافت کیا کہ وہ کیسا ہوگا؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی درازی ایک ہزار چھ سو برس کی مسافت ہے۔ (آخر حدیث تک)

مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حافظ قطب الدین حلبی نے کہا ہے کہ محب بن الہمام نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے" اور اس حدیث میں وضع کے آثار ہیں واللہ اعلم بحقیقۃ لواء الحمد" (بندۂ مسکین عفی عنہ صاحب مدارج) کہتا ہے کہ ان کا قول واللہ اعلم بحقیقۃ لواء الحمد حق ہے لیکن حدیثوں میں تعبیر حقائق ان صورتوں کے امثال سے واقع ہے جس طرح کے لوح وقلم میں واقع ہوا ہے کہ وہ زبرجد کا ہے یا یاقوت کا اور حاملین عرش کے بارے میں ہے کہ ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک دو سو سال کی مسافت ہے اور ایک روایت میں سات سو سال ہے اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں اور ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں جو درجہ صحت اور پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہیں اور وہ شارع علیہ السلام سے منقول ہیں اور وہ جو ان سے مراد لیا جاتا ہے اگر وہ واقعی ان کی صحیح تاویل مروی ہے تب بھی ہم ایمان لاتے ہیں اور عقل کوتاہ اندیش کے حکم استحالہ واستبعاد کو ترک کر دیتے ہیں اور ایسے امور کی حقیقت کو حق تعالیٰ پر تفویض کر دیتے ہیں اور اگر محدثین نے ان کی سندوں میں کلام کیا ہے اور وہ دوسری بات ہے اور اگر ان کے معنی استبعاد واستحالہ ظاہر کریں تو کمال قدرت قادر اس کا جواب دیتی ہے (واللہ اعلم)

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے عرف میں جھنڈوں کی حفاظت کی جاتی ہے مگر یہ جھنڈا لشکر کے سپہ سالار اور رئیس وسردار کے پاس ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی اجازت سے کسی دوسرے کے پاس بھی ہو اور اہل عرب جھنڈے کا اتباع کرتے اور اس کی جنبش پر حرکت کرتے اور جس جانب وہ جھکے اس کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اور اہل عرب جنگوں میں جھنڈے کی طرف نگاہ نہیں رکھتے بلکہ جو جھنڈا اٹھائے ہوتا ہے اسے قتال سے نہیں روکتے بلکہ اس کے ساتھ مل کر شدید قتال کرتے لہٰذا ہر شخص پر لازم نہیں تھا کہ جھنڈے کی حفاظت کرتا۔ جس طرح کہ روز خیبر علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو جھنڈا دیا گیا اور فرمایا کہ کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو خدا اور اس کے

رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسول اسے دوست رکھتا ہے ایسا ہی صاحب مواہب نے کہا ہے اور غزوۂ موتہ میں ہے کہ پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا پکڑا اور قتال کیا وہ شہید ہوئے تو ان کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے جھنڈا اٹھایا انہوں نے جنگ کی پھر وہ بھی شہید ہو گئے تو ان کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا اور قتال کیا۔ اور فتح پائی (کما قال) تو معلوم ہوا کہ جھنڈا رئیس لشکر اور سردار فوج کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

حوض کوثر: وصل: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کوثر کے ساتھ خصوصی فضیلت بخشی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حوض کی درازی ایک ماہ کی مسافت ہے۔ اور اتنی ہی اس کی چوڑائی ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں ہے اور وہ موتی اور یاقوت پر بہتا ہے اور دودھ سے زیادہ سفید ہے اور ایک روایت میں ہے کہ چاندی سے زیادہ سفید ہے اور بعض روایتوں میں برف سے زیادہ سفید آیا ہے۔ اس کی خوشبو مشک نافہ سے زیادہ تیز ہے۔ اور اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں۔ اور گرداگرد موتیوں کے قبے ہیں اور مسافت حوض کی تحدید میں احادیث میں متعدد جگہ ذکر پایا جاتا ہے۔ ہر جماعت نے اپنے شہروں میں متعارف مسافتوں سے علامتیں بتائی ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ان سب کی مسافت یا تو یکساں ہے یا قریب قریب ہے اور اگر کہیں فرق بھی نظر آتا ہے تو ان کا مقصود بعد مسافت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے اور ایک تخمینہ اور قریبی اندازہ بتانا ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قلیل مسافت کے ذکر میں' کثیر مسافت کے ساتھ منافات اور مدافعت نہیں ہے یہ طریقہ انداز شارح کرمانی کا ہے۔ وہ متعدد مقامات میں ایسی ہی توجیہہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل مسافت کی خبر دی تھی۔ بعد ازاں کثیر مسافت بیان فرمائی اور حق تعالیٰ نے آپ کو بتدریج تھوڑی تھوڑی وسعت کی تفصیل بیان فرمائی لہٰذا مسافت طویلہ پر اعتماد کرنا چاہیے اور بعض یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ اختلاف بجہت اضطراب رواۃ ہے جو روایت میں ہے حالانکہ ایسا نہیں (واللہ اعلم)۔

حدیث پاک میں ہے کہ حوض کوثر کی چوڑائی اس کے طول کی مانند ہے اور اس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ کی ہے اور حدیث میں ہے جو بھی اس کا پانی پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کلام کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ اس میں پانی بعد از حساب اور بعد از نار پینا ہوگا اس لیے کہ جس کا یہ حال ہوگا کہ وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسے آگ کا عذاب نہ دیا جائے گا اس لیے تشنگی اور حرارت وحرقت' دخول نار کے ساتھ لازم ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس پر اتنا ہی عذاب کیا جائے کہ اسے پیاس نہ لگے اور بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں' ایک موقف یعنی عرصات محشر میں اور دوسرا جنت میں۔ اور ان دونوں کو کوثر کہتے ہیں اس بنا پر کہ اس سے مدد کی گئی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہر نبی کے لیے اس کے فضل و مرتبہ کے مطابق ایک ایک حوض ہے۔ اور اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ حوض مختص ہے۔ جس کا پانی ان کے حوضوں میں بہتا ہوگا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کی مانند کوئی اور حوض منقول نہیں ہے اور آپ پر سورۂ الکوثر میں اس کی احسان مندی واقع ہے کہ ''اِنَّـآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ'' (بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا) اور مشہور یہی ہے کہ حوض حضور ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور قرطبی سے منقول ہے کہ ہر مکلف پر اس کا علم اور اس کی تصدیق واجب ہے اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جو کہ احادیث صحیحہ اور مشہورہ میں ثابت شدہ ہے کیونکہ ان تمام روایات سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور تیس سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے وہ مروی ہے اور ان میں سے بیس تو بخاری و مسلم میں مذکور ہیں اور بقیہ ان کے ماسوا مجموعہ احادیث میں ہیں اور اتنے ہی تابعین نے صحابہ سے یہ روایتیں لی ہیں۔ اور تابعین سے تبع تابعین نے۔ یہاں تک کے سلف وخلف کا اس پر اجماع واقع ہے۔

اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ میرے پاس میری امت میرے حوض پر مجتمع ہو کر آئے گی اور میں اوروں کو اس سے روکتا ہوں گا۔ اہل علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے حوض سے روکنے کی حکمت میں کہتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہے کہ ہر امت کے لیے اپنے نبی کا حوض ہے تو حضور کا یہ روکنا از روئے انصاف اور اپنے بھائیوں یعنی نبیوں کی رعایت میں ہوگا نہ کہ جھڑکنے اور بخل سے روکنے کی وجہ سے اور بجائے خود وہ جگہ امن کی ہے اور حضور خود اجود الاجودین اور رحمۃ للعالمین ہیں اور یہ امکان بھی ہے کہ آپ انہیں روکیں جو اس کے پینے کے مستحق نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حوض کے چار کنارے ہیں ایک کنارہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوگا دوسرا حضرت فاروق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اور تیسرا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے اور چوتھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد ہوگا لہٰذا جو محب ابوبکر ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے وہ اسے پانی نہیں پلائیں گے اور جو محب علی رضی اللہ عنہ ہے اور حضرت عثمان وغیرہ سے بغض رکھتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے پانی نہیں پلائیں گے اسے ابوسعید نے شرف النبوۃ میں اور الغیلانی نے روایت کیا ہے۔ ایسا ہی مواہب میں منقول ہے اور مشہور یہ ہے کہ ساقی کوثر حضرت علی مرتضیٰ ہوں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھے گا میں اسے اس کا پانی ہرگز نہیں پلاؤں گا۔ (واللہ اعلم)۔

فضیلت شفاعت اور مقام محمود: وصل: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت اور مقام محمود سے فضیلت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے گا) اور لفظ عسیٰ، خواہش دلانے کے لیے ہے۔ اور کسی کو چیز کی طمع پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اور اسے اس سے محروم رکھنا نقص اور باعث شرم ہے۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے زیادہ کریم ہے کہ وہ کسی کو طمع دے اور کسی کو امیدوار بنائے پھر اسے نہ دے اور محروم رکھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے کسی نے ''مقام محمود'' کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا وہ مقام شفاعت ہے اور عرش کی داہنی جانب اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑا ہونا ہے جہاں آپ کے سوا کوئی نہیں کھڑا ہوگا آپ پر اولین وآخرین رشک وغبطہ کرینگے۔ اسی کی مانند کعب احبار اور حسن بصری سے مروی ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو اپنی نصف امت کو بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل کروں یا شفاعت کو اختیار کروں تو ان دونوں میں، میں نے شفاعت کو اختیار کیا اس لیے کہ یہ اعم واشمل ہے اور فرمایا کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ شفاعت متقیوں کے لیے ہوگی؟ نہیں بلکہ گناہگاروں اور خطا کاروں کے لیے بھی ہوگی اور یہ شفاعت عذاب کو دور کرنے کے لیے ہے لیکن متقیوں کے درجات کی بلند کے لیے بھی شفاعت ہوگی۔

صاحب مواہب لدنیہ واحدی سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ مقام محمود مقام شفاعت ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: هُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اَشْفَعُ فِیْهِ لِاُمَّتِیْ، یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ اور ابن الخطیب امام فخر الدین رازی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ لفظ محمود اپنے معنی کی طرف مشعر ہے اس لیے کہ انسان اس وقت محمود ہوتا ہے جب کہ کوئی تعریف کرنے والا اس کی تعریف کرے۔ اور تعریف نہیں ہوتی مگر انعام پر اور مقام شفاعت ایسا مقام ہے کہ جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مخلوق پر عظیم ترین نعمتیں پہنچیں گی تو ساری مخلوق آپ کی حمد کہے گی۔ اور ثناء کرے گی۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تبلیغ احکام اور تعلیم شرائع کے سبب محمود ہیں لیکن اس نرالے مقام میں حمد

کامل اور نفع عظیم حاصل ہوگا۔اس لیے کہ عتاب وعذاب سے چھڑانا اور سعی فرمانا' زیادتی اجر وثواب میں سعی کرنے سے اعظم ہے۔اور دفع ضرر میں ان کی حاجتوں کو پورا کرنا' حصول نفع میں ضرورتوں کو پورا کرنے سے زیادہ بلند وبالا ہے۔(انتہی)

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حمد کی تعریف یہ مشہور ہے کہ حمد یا انعام واکرام پر ہوگی یا اس کے بغیر اور وہ حمد جو انعام واکرام پر ہو وہ شکر ہے کیونکہ واضح بات ہے کہ انعام دینے والے منعم کی تعظیم' انعام نعم کی حیثیت سے ہوتی ہے اور حمد کا ایک فرد شکر ہے۔امام رازی کی مراد اس جگہ یہی حمد' ہے یا وہ حمد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہوگی وہ انعام کے ساتھ مخصوص ہے لیکن وہ جو زبان سے ہو اور اگر حمد شکر کے مترادف وہم معنی ہو تو امام کے نزدیک اس کی صورت بھی یہی ہے۔اس لیے کہ وہ صاحب اصطلاح ہیں۔انہیں حق ہے کہ جو چاہیے اصطلاح رکھیں لیکن یہ جو آیا ہے کہ الحمد رائس الشکر (حمد شکر کا سر ہے) تو اس سے وہ حمد مدلول ہے جس کا ایک فرد شکر ہے اور وہ دیگر افراد سے بالاتر ہے لہٰذا اس جگہ یہ بات نکلی کہ حمد اور شکر کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان فضل وکمال اور عظمت وجلال کے مقامات میں محمود اور مثنیٰ علیہ ہیں۔جن کو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اور آپ کے لیے اس دن مخصوص فرمایا۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ مجھے عرش کی داہنی جانب کھڑا فرمائے گا اور ایک روایت میں عرش پر اور ایک روایت میں کرسی پر ہے اور جنت کی کنجی آپ کے سپرد فرمائے گا اور آپ کے ہاتھ میں لواء حمد دیگا۔اور شفاعت ان کمالات میں کا ایک جزو ہے جس سے ساری مخلوق کو عظیم نفع پہنچے گا۔لہٰذا اگر مقام محمود سے' روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑا ہونا اور آپ کا علو درجہ اور مخلوق کو فائدہ اور نفع پہنچانا جو کہ شفاعت وغیرہ میں شامل ہے۔مراد لیا جائے تب بھی درست ہوگا۔اور مجاہد سے ایک غریب روایت ہے کہ حق تعالیٰ سبحٰنہ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔اور مقام محمود سے یہی مقام مراد ہے۔واحدی کہتے ہیں کہ یہ قول ردی موحش اور قطیع ہے۔از روئے لفظ بھی اور از روئے معنی بھی۔لیکن از روئے لفظ اس بنا پر کہ بعث کے معنی اٹھانا اور بھیجنا ہے۔اور یہ اجلاس یعنی بٹھانے کی ضد ہے۔اور آیہ کریمہ میں ''مقاماً محموداً'' فرمایا گیا ہے نہ کہ ''مقعدً محموداً''۔از روئے معنی اس بنا پر کہ رب العزت جل وعلا پر جلوس کا اطلاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے ساتھ جلوس میں معیت' مکان وحدانیت اور جہت کو مستلزم ہے۔

بندۂ مسکین (صاحب مدارج) ثبتہ اللہ فی مقام الصدق والیقین' کہتا ہے کہ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو متشابہات میں سے ہوگی اور بایں تاویل مؤول ہوگی جو'' استـوی عـلـی الـعـرش ''میں تاویل کی جاتی ہے۔یا جس طرح کہ آیات کریمہ'' عِنْدَ رَبِّكَ ''اور'' عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ''وغیرہ آیتوں میں عندے کے معنی ہیں کہتے ہیں کہ یہ درجہ' رتبہ اور مرتبہ کی حیثیت سے ہے نہ کہ مکان میں۔اور شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مجاہد کے قول يَـجْلِسُهٗ رَبُّهٗ مَعَهٗ عَلَى الْعَرْشِ (بٹھائے گا آپ کو آپ کا رب اپنے ساتھ عرش پر) میں فرماتے ہیں کہ یہ نہ بر بنائے نقل مرفوع ہے اور نہ از جہت نظر۔ان کا اشارہ اسی طرف ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ روز قیامت کرسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پروردگار عالم ہوگا۔یہ روایت بھی پچھلی روایت کی مانند انہیں معنی پر محمول ہوگی۔حاصل کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام عطا فرمائے گا جو کسی کو آپ کے سوا حاصل نہیں ہے۔اور روز قیامت حکم خدا ہی کا ہوگا۔اور اس کی نیابت وخلافت' خاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگی۔لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

حدیثِ شفاعت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت فرمانے کے بارے میں حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ اور دیگر

حال حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہما السلام کا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کفار کے ساتھ تھی کہ وہ انہیں توحید کی دعوت دیں۔

مقامات شفاعت: فائدہ: اہل علم بیان کرتے ہیں کہ شفاعت کے پانچ مقامات ہیں اول یہ کہ اہل موقف کو شدت وقوت سے اور اس مقام میں رکے رہنے سے اور سورج کی گرمی اور پسینے سے اور انتظار حساب وکتاب سے راحت ونجات دلانے کے لیے ہے اور دوسرا مقام سوال وحساب سے معاف کرانے میں۔ اور بے حساب جنت میں داخل کرانے میں ہے۔ اور تیسرا مقام ان لوگوں کے لیے ہے جن کا حساب کیا گیا ہو اور وہ مستحق عذاب قرار پا گئے ہوں انہیں اس عذاب سے نجات دلانے کے لیے ہے اور چوتھا مقام ان لوگوں کے لیے ہے جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں پھر انہیں وہاں سے نکالا جائے اور پانچواں مقام ان لوگوں کے درجات کی بلندی کے لیے ہے جو جنت میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان ابواب میں ہر ایک کے لیے حدیثیں واقع ہیں۔ (واللہ اعلم)

کچھ لوگ چھٹی جائے شفاعت کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت ابوطالب کے لیے تخفیف عذاب کے لیے شفاعت کریں گے اور کچھ لوگ ساتویں جائے شفاعت کا بھی ذکر کرتے ہیں وہ مدینہ والوں کے لیے ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی مدینہ کی بلاؤں یعنی وہاں کی سختیوں اور شدتوں کو ثابت قدمی سے برداشت کرتا ہے تو میں روز قیام اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا اور شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ایسی شفاعتوں کے متعلقین پہلی پانچ قسموں سے باہر نہیں ہیں۔ اگر ان کو جدا شمار کر لیں تو مزید دیگر اقسام بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کرے۔ ایک اور شفاعت ان کے لیے ہوگی جو موذن کے کلمات کا جواب دے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔ ایک اور شفاعت تجاوز از تقصیر صلحاء میں ہوگی۔ ایک اور شفاعت اس کے لیے ہوگی جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں اور اسے جنت میں داخل کرائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ پہلے جنت میں بے حساب لوگوں کو داخل کریں گے اور سات سو خدا کی رحمت سے داخل ہوں گے اور ظالم نفس اور اصحاب اعراف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے داخل ہوں گے اور اصحاب اعراف کے بارے میں ارجح قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ (واللہ اعلم)

وصل: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ روز قیامت میری شفاعت فرمائیے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انشاء اللہ کروں گا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کہاں تلاش کروں فرمایا مجھے صراط کے قریب تلاش کرو، عرض کیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما نہ ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤں تو' فرمایا پھر مجھے میزان پر دیکھنا، عرض کیا اگر وہاں بھی نہ پاؤں تو' حوض پر تلاش کرنا' میں ان تین جگہوں کے علاوہ کہیں نہ جاؤں گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مقامات اور آخرت کی تمام جگہوں میں موجود کھڑے ہوں گے۔ اور امت کی امداد واعانت اور شفاعت فرمائیں گے اور ہر خطے اور ہر شدت سے رہائی اور خلاصی پائیں گے۔

ذکر مسافت صراط: لیکن صراط کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کی پشت پر صراط بچھائی جائے گی اور اس پر سے گزرنے والوں میں سب سے پہلے میں اور میری امت ہوگی اس پر سے گزرتے وقت رسولوں کی دعا یہ ہے کہ: اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ اے رب! سلامت رکھ۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ تمہارا نبی صراط پر کھڑا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ کہہ رہا ہوگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا امت کی سلامتی کے لیے ہوگی اور دوسرے رسولوں کی بھی اسی طرح۔ اور ممکن ہے کہ مقربانِ بارگاہ بھی حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کے ڈر اور خوف سے سلامتی کی دعائیں کر رہے ہوں گے۔ اور ایک روایت

میں ہے کہ فرشتے بھی صراط کے دونوں جانب کھڑے ''یارب سلم سلم'' کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے۔ اور یہ ان کی عادت کے بموجب ہے کہ وہ ہمیشہ ہی مسلمانوں کے لیے دعاواستغفار کرتے ہیں۔

فضیل بن عیاض کی حدیث میں ہے صراط کی مسافت پندرہ ہزار سال کے برابر ہے۔ پانچ ہزار چڑھائی میں پانچ ہزارا تار میں اور پانچ ہزار برابرو ہموار۔ اور کوئی گزرنے والا ایسا نہ ہوگا جو خوف خدا سے لرزتا کانپتا نہ ہو۔

اورمشہور ہے کہ صراط تلوار سے تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صراط بعضوں کے لیے تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہوگی اور بعضوں کے لیے ہموار وکشادہ میدان کی مانند ہوگی۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کہتے ہیں کہ وقوف محشر کی طوالت بعضوں پر تو پچاس ہزار سال کے بابر ہوگی اور بعض پر نماز کی دو رکعتوں کے برابر اور یہ تفاوت اعمال اور انوار ایمان کی بنا پر ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جب میرے امتی صراط پر لرزنے لگیں گے اور تھک کر رہ جائیں گے تو فریاد کریں گے ''وَامُحَمَّدَاهُ'' یا رسول اللہ مدد فرمایئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی شفقت میں بلند آواز سے پکاریں گے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرینگے'' رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ ''اے رب! میری اُمت کو بچا میری امت کو بچا۔ آج کے دن میں نہ اپنے لیے کچھ مانگتا ہوں اور نہ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے بارے میں اور ان کے چھڑانے کے سلسلے میں حد درجہ اہتمام اور مبالغہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھ اتحاد اور کمال محبت کا علم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جو بہت صدقہ دے گا وہ صراط پر سے گزر جائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کا گھر مسجد ہے حق تعالیٰ اس کا ضامن ہے وہ اسے پل صراط پر سے رحمت وکرم کے ساتھ گزارے گا۔

میزان کی کیفیت: میزان پر ہی سوال وحساب کا مدار ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنت عرش کے داہنی جانب اور جہنم اس کے بائیں جانب رکھی جائے گی اس کے بعد میزان لائی جائے گی۔ اور نیکیوں کے پلڑے کو جنت کے مقابل اور بدیوں کے پلڑے کو جہنم کے مقابل رکھا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب چاہیں گے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے تو ندا ہوگی کہاں ہیں محمد علیہ السلام اور ان کی امت ایک اور روایت میں ہے کہ کہاں ہیں اُمت امیہ اور ان کے نبی علیہ السلام اس وقت میں کھڑا ہوں گا اور میری اُمت میری پیروی کرے گی ان کے اعضاء وضو چمکتے دمکتے ہوں گے۔ ہمارے راستے سے دیگر امتوں کو ایک طرف کیا جائے گا اور جب لوگ اس امت کے درجہ وفضیلت کو دیکھیں گے تو وہ تعجب سے کہیں گے کہ قریب ہے کہ یہ امت سب کی سب نبی ہو جاتی۔ یہ بات پایہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ پہلے جس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کے قضیئے اور مقدمے ہوں گے (رواہ البخاری) اور یہ بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا۔ ان دونوں حدیثوں میں اولیت کی تطبیق اس طرح ہے کہ عبادات میں اول پرسش نماز کی ہوگی اور معاملات میں پہلی پرسش خون کی ہوگی۔ اور نسائی کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے جس چیز کا حساب کیا جائے گا وہ بندے کی نماز ہے۔ اور لوگوں میں جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے اور اس حدیث کے مضمون میں تطبیق وتوجیہہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انجام پر نظر وجہ مذکور کے ساتھ راجح ہو کر واقع ہوا ہے۔ اس لیے کہ نماز میں سوال وحساب بندہ کی ذات کی طرف منسوب ہے۔ اور خون میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے اگرچہ نماز میں بھی کوئی فیصلہ ہوگا لیکن یہ فیصلہ بندہ کی ذات سے ہے اور بندوں کے مابین ایک دوسرے سے نہیں ہے۔

مروی ہے کہ بندہ کے قدم چار چیزوں میں ہی لڑکھڑاتے ہیں اور انہیں چاروں پر اس سے سوال وحساب ہوگا اول چیز اس کی عمر ہے کہ اس نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی ہے اور دوسرا اس کا علم کہ اس نے علم پر کیا عمل کیا ہے تیسرا مال کہ اس نے مال کہاں سے

حاصل کیا اور کس جگہ خرچ کیا چوتھا اس کا جسم کہ جسمانی کیا گناہ کیے ہیں۔ (رواہ الترمذی) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ روز قیامت آدمی کے تین دفتر و دیوان لائے جائیں گے۔ ایک دفتر میں اس کا عمل لکھا ہوگا اور دوسرے میں اس کے گناہ لکھے ہوں گے۔ تیسرے میں وہ نعمتیں لکھی ہوں گی جو حق تعالیٰ نے اس پر انعام فرمائی ہیں۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ صراط پر سے کوئی بندہ اس وقت تک نہ گزر پائے گا جب تک کہ اس سے سات مرحلہ میں سوال نہ پوچھ لیے جائیں۔ پہلے مرحلہ پر کلمۂ شہادت ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پر ایمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگر وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لایا ہے تو گزر جائے گا اس کے بعد دوسرے مرحلے پر نماز کے بارے میں سوال ہوگا اگر اس نے اہتمام کے ساتھ ادا کی ہے تو گزر جائے گا تیسرے مرحلے پر ماہ رمضان کے روزے سے چوتھے مرحلے پر زکوٰۃ سے پانچویں پر حج وعمرہ سے چھٹے پر غسل و وضو یعنی طہارت سے اور ساتویں مرحلے پر لوگوں پر ظلم وزیادتی پر یعنی حقوق العباد سے سوال کیا جائے گا۔ یہ مرحلہ دشوار اور سخت تر ہے۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ بالفرض اگر اس کے پاس ستر نبیوں کے برابر اجر وثواب ہے اور اس پر نصف دانہ کے برابر حق العباد ہے تو وہ اس وقت تک نہ گزر رے گا جب تک کہ حق والے کو راضی نہ کر لے۔ کہتے ہیں کہ ایک حبہ حق العباد میں اس سے ستر مقبول شدہ نمازیں حق والے کو دلائی جائیں گی اور روز قیامت بندے کو حقوق العباد کے برابر کوئی پریشانی اور لاچاری پیش نہیں آئے گی۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔ لہٰذا کبھی تو یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ کی رحمت مقتضی ہوگی کہ صاحب کو راضی کرے اور اس بندے کو اس جنجال سے نکالے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ بندہ کا آخری کلام کلمۂ طیبہ ہو' جیسا کہ حضرت معاذ کی حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا: مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ جس کا آخری کلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس باب میں نطاقہ کی حدیث مشہور ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بھائی کی حاجت وضرورت کو پورا کرے میں روز قیامت اس کے میزان پر کھڑا ہوں گا۔ اگر نیکیاں غالب رہیں تو فبہا' ورنہ اس کی شفاعت کروں گا۔

مشائخ عظام کی خبروں میں ہے کہ کسی نے کسی سے خواب میں پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اس نے کہا میرے اعمال تولے گئے تو نیکیوں پر بدیوں کا پلڑا بھاری رہا اس وقت یکا یک ایک تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں آپڑی تو وہ بھاری ہوگیا پھر میں نے اس تھیلی کو کھول کر دیکھا تو اس میں وہ ایک مٹھی خاک تھی جو میں نے ایک مسلمان کی قبر میں ڈالی تھی۔

مواہب لدنیہ میں عجیب وغریب حکایتیں لکھی ہیں کہ ایک بندے کے دونوں پلڑے برابر ہوں گے تو اس سے کہا جائے گا کہ تو نہ جنت کا مستحق ہے نہ جہنم کا۔ پھر ایک فرشتہ ایک کاغذ کا ٹکڑا لائے گا جس پر اف یعنی باپ کی نافرمانی لکھی ہوگی اسے پلڑے میں رکھ دے گا اس پر نیکیوں پر بدیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

یہ باپ کی نافرمانی کے کلمہ کی بنا پر ہوگا۔ اس بندے کو جہنم کی جانب لے جانے کا حکم ہوگا تو وہ بندہ درخواست کرے گا کہ مجھے بارگاہِ الٰہی میں حاضر کرو حکم ہوگا لے آؤ۔ پھر حق تعالیٰ فرمائے گا: اے باپ کے نافرمان بندے! تو نے دوبارہ میرے پاس حاضر ہونے کی کیوں درخواست کی۔ وہ بندہ عرض کرے گا خداوندا میں اپنے باپ کا نافرمان تھا مگر میں نے دیکھا کہ وہ دوزخ کی جانب میری طرح لے جایا جا رہا ہے تو میں تجھ سے درخواست کروں گا کہ میرے باپ کو نجات اور رہائی دے دے اور اس کے بدلے میرا عذاب دونا کر دے۔ اس پر حق تعالیٰ تبسم فرمائے گا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اور فرمائے گا: اے بندے! تو نے دنیا میں باپ کی نافرمانی کی اور آخرت میں تو اس پر مہربانی کرتا ہے تو تو اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور دونوں جنت میں چلے جاؤ۔

ایک حکایت یہ بھی لکھی ہے کہ ایک شخص کے دونوں میزان کے پلڑے برابر ہوں گے حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا لوگوں کے پاس جاؤ اور کسی سے ایک نیکی مانگ کر لاؤ تا کہ تجھے جنت میں داخل کروں تو وہ جس سے بھی ایک نیکی کی درخواست کرے گا وہ یہی کہے گا کہ تجھ سے بھی زیادہ محتاج ہوں۔ پھر ایک بندے سے ملے گا تو وہ بندہ اس سے کہے گا میں بارگاہِ الٰہی سے آ رہا ہوں۔ میرے نامہ اعمال میں صرف ایک نیکی نکلی ہے اور مجھے یقین نہیں کہ یہ نیکی کچھ فائدہ دے سکے میں وہ نیکی تجھے ہبہ کرتا ہوں۔ اسے لے جا شاید تجھے فائدہ دے تو وہ شخص اس نیکی کو لے کر خوشی خوشی بارگاہِ الٰہی میں آئے گا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا تو نے کیا کیا اور تیرا کیا حال ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ اس کے حال کو خوب جانتا ہے تو وہ شخص عرض کرے گا: اے رب! میرا یہ حال ہے اور اس طرح مجھے نیکی میسر آ گئی ہے اس پر حق تعالیٰ اس بندے کو جس نے اسے نیکی ہبہ کی تھی بلائے گا اور فرمائے گا اے بندے میرا کرم اور بخشش تجھ سے زیادہ وسیع ہے تو اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے۔ اور تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آخرت کی ترازو کے پلڑے کا وزنی ہونا دنیا کی ترازو کے برعکس ہے کیونکہ دنیا کی ترازو کا وزنی پلڑا نیچے ہوتا ہے اور آخرت کی ترازو کا وزنی پلڑا اونچا ہوتا ہے۔ یہ بات ندرت سے خالی نہیں۔ وہ علماء اس آیۂ کریمہ سے استدلال واستشہاد کرتے ہیں کہ فرمایا: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ نیکی کی باتیں حق تعالیٰ یا اوپر کی جانب چڑھتی ہیں اور نیک عمل کو اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس دعوے کا اثبات محض آیۂ کریمہ سے اس باب میں کسی چیز کے واقع ہوئے بغیر مشکل ہے ہاں اگر اس آیت کریمہ کی تائید میں کوئی چیز اشارہ کرنے والی ہو تو ممکن ہے اور یہ جو بعض کہتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متصادم اور منافی ہے کہ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ لیکن وہ جن کے ترازو بھاری ہیں تو وہ رضا کی زندگی میں ہیں تو یہ بھی محل بحث ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ ثقلت سے مراد ترجیح ہو اور ترجیح اس جگہ صعود سے ہے۔ ہاں مقصود یہ ہے کہ ثقیل مائل بہ سفل ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ مقتضائے ثقل وخفت وہاں اس جہان کے برعکس ہو (واللہ اعلم)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں صاحب میزان جبریل علیہ السلام ہوں گے اور وہی اس دن اعمال کا وزن کرینگے۔ (رواہ ابن جریر فی تفسیرہ) اور یہ میزان اور ہر احوال حساب وسوال سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوگا اور خلاصی ورہائی سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور رعایت سے ہوگی۔ لیکن حوض پر آنا اور پانی پینا' ظاہر یہ ہے کہ شدت وقوف' سوال وحساب کے خاتمہ اور صراط سے گزر جانے اور ہول ودہشت اور آفتوں سے نجات پالینے کے بعد ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا: مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَا يَظْمَأُ اَبَدًا۔ جس نے اس کا پانی پیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کے بعد جنت کا داخلہ ہے۔ اور سب سے پہلے جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں گے جیسا کہ فرمایا "اَنَا اَوَّلُ مَنْ قَرَعَ بَابَ الْجَنَّةِ۔" میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہو جائیں گے تو خازن جنت کے دروازوں کو کھول کر خدمت میں کھڑا ہو جائے گا جس طرح کے بادشاہوں کے سامنے خدام کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرے گا مجھے حکم تھا آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔ اور نہ آپ کے بعد کسی اور کی خدمت کے لیے کھڑا ہوں۔

مروی ہے کہ جب مسلمان جنت کے دروازے پر آئیں گے تو مشورہ کریں گے کہ داخلہ کے لیے کس سے پہلے اجازت لینی چاہیے۔ تو وہ حضرت آدم پھر حضرت نوح پھر حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے پاس اسی ترتیب وروش پر آئیں گے جس طرح کے عرصات محشر میں شفاعت کے طلب میں حاضر ہوئے تھے تا کہ ہر جگہ اور ہر بشر پر سیّد السادات' فخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی فضیلت وبزرگی ظاہر ہو جائے۔

وسلم اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے اعتبار سے اعظم خلق ہیں اور ساری مخلوق سے عرفان باری تعالیٰ میں عارف تر ہیں اور خشیت میں ان سے بڑھ کر اور محبت الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب ہیں تو آپ کی منزل یقیناً تمام منازل میں اقرب اور عظیم تر ہوگی اور جنت میں آپ کا درجہ اعلیٰ ہوگا۔ (کذا قالوا)۔

بندۂ مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) خصہ اللہ بمزید العلم والیقین کہتا ہے کہ لغت میں وسیلہ کے معنی سبب اور ہاتھ پھیلانے کے ہیں۔ اور وسل کسی چیز کے ذریعہ نزدیک ہونے کے ہیں۔ مقولہ ہے کہ وَسَلَ اِلَی اللّٰہِ وَتَوَسَّلَ اِذَا تَقَرَّبَ اِلَیْہِ بِعَمَلٍ. اللہ کی طرف وسیلہ پکڑو۔ اور ایسے عمل سے وسیلہ لو جو اس سے قریب کر دے (کذا فی الصراح) لہٰذا ظاہر ہے کہ اس سے مراد سبب اور ہاتھ پھیلانا ہو گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وسیلہ کرتے اور بارگاہِ عزت میں قربت مانگتے۔ اور باب شفاعت کھولنے کی خواہش کرتے ہیں جیسا کہ سیاق حدیث اشارہ کر رہی ہے اور حدیث شفاعت میں معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ عرش کے نیچے اور ایک روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ کے سامنے۔

اور امت کو وسیلہ کی دعا مانگنے کا حکم فرمانا بھی اس لیے ہے کہ اس دعا اور سوال کے کرنے والے ثواب جزیل، قرب رب جلیل، زیادتی ایمان، رضائے حق، اور شفاعت رسول حاصل کریں اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ منزلت، اسباب کے ساتھ مقدر فرمائی ہے اور امت کا حضور کے لیے وسیلہ کی دعا مانگنا دیگر اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔ کیونکہ آپ کے دست مبارک پر جو ہدایت وایمان حاصل ہوا ہے یہ اس کے مقابلے میں ایک شیئی ہے۔ ایسا ہی صاحب مواہب نے کہا ہے مگر حق پہلی ہی بات ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو کمالات رکھے ہیں اور جن کا وعدہ فرمایا ہے وہ امت کی دعاء وسوال پر موقوف ومسبب نہیں ہیں اور ان کی اس دعا کا فائدہ بھی انہیں کو پہنچے گا۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے پر انہیں ایک کے بدلے دس رحمتیں ملتی ہیں۔ یہی صورت حال وسیلہ میں ہے۔ لیکن "طلب فضیلت" تو یہ تمام مخلوق پر زائد مرتبہ ہے اور ممکن ہے کہ یہ بھی ایک منزلت ہو یا وسیلہ ایک درجہ ہے۔ یہی حال "درجۂ رفیعہ" کے بیان کا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک وسیلہ ایک درجہ ہے جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے تو تم میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو۔ امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا ہے اور ابن مردویہ، سیّدنا علی مرتضیٰ سے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جس وقت تم خدا سے دعا مانگو تو میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگنا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ اسمیں آپ کے ساتھ کون کون ہوگا۔ فرمایا علی، فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ عنہم، ابی حاتم سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مسجد کوفہ کے منبر پر خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! جنت دو موتی ہیں ایک سفید اور ایک زرد اور مقام محمود سفید موتی کا ہے اس کے ستر ہزار دریچے ہیں۔ اور ان میں سے ہر دریچہ تین میل کا ہے اور اس کا نام وسیلہ ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کے لیے ہے اور دوسرا زرد رنگ کا محل ہے وہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کے لیے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیۂ کریمہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی کی تفسیر میں مروی ہے کہ فرمایا جنت میں ہزار محل ہیں اور ہر محل اور اس کی تمام چیزیں ازواج وخدام نبوی کو عطا ہوں گی اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے جب ان کے قریب ہوئے تو ان کو طرح طرح کی باتیں کرتے سنا وہ تعجب سے کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے خلیل کو چنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا دوسرے نے کہا اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو منتخب کر کے کلیم بنایا اور ان سے کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ فرمایا چوتھے نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کہا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام سے نوازا اور فرمایا میں نے تم سب کی باتیں سنی ہیں تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اسی طرح موسیٰ کو کلیم اللہ اور عیسیٰ کو روح اللہ اسی طرح آدم کو صفی اللہ بنایا۔ صلوات اللہ علیہم۔ یہ سب درست ہے تو تم جان لو اور باخبر ہو جاؤ کہ مجھے حبیب اللہ بنایا اور یہ فخریہ نہیں میں روز قیامت لواء الحمد اُٹھاؤں گا یہ فخریہ نہیں اور میں اول شافع اور اول مشفع ہوں یہ فخریہ نہیں اور میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ مکرم ومحترم ہوں یہ فخریہ نہیں۔ (رواہ الترمذی)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلت ابراہیم کی صفت ہے اور ان کے ساتھ مخصوص ہے اور محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور یہ آپ کے ساتھ خاص ہے لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلت کے ساتھ بھی موصوف ہیں اور آپ کی خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت سے بوجہ اتم اکمل وافضل ہے تو محبت مزید وعلاوہ ہوگی۔ ایک حدیث تو یہ ہے کہ

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا

اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کا خلیل ہے اور بجز خدا کے کوئی آپ کا خلیل نہیں۔ خلیل میں دونوں جانب نسبت جاری ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیل ہے تو آپ بھی حق تعالیٰ کے خلیل ہوئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

دوسری حدیث یہ ہے کہ فرمایا: اِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ تمہارا آقا خلیل اللہ ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی سند سے ہے کہ فرمایا۔

وَقَدِ اتَّخَذَ اللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا بلاشبہ اللہ نے تمہارے آقا کو خلیل بنایا

اور وہ جو ان سے پہلی حدیث میں فرمایا ہے کہ ''انا حبیب اللہ'' (میں حبیب اللہ ہوں) اس مرتبہ اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ خلیل کے معنی محبّ کے ہیں اور حبیب وہ محبّ ہے جو محبوبیت کے مرتبہ تک فائز ہو۔ اور جب مقام بلند کے حامل ہیں تو بدرجہ اولیٰ مقام ادنیٰ کے حامل ہوں گے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا بلاشبہ میں نے تمہیں خلیل بنایا اور میں نے توریت میں لکھا کہ محمد تم حبیب الرحمٰن ہو۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلت کی تعبیر میں اختلاف علماء ہے اور اس کا اصل اشتقاق خل' ذ ہے اور خلیل وہ ہے جو یکسو ہو کر خدا کی طرف ہو جائے۔ مطلب یہ کہ خدا کی طرف یکسوئی اور اس کی محبت میں کوئی ض‌ وںقصان نہ ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خلیل وہ ہے جو اس کے ساتھ مختص ہو اور اس قول کو بہت سے حضرات نے اختیار کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خلت کی اصل' استصفاء اور اخلاص ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کے لئے خالص تھے اور خدا کے لیے ہی محبت کرتے اور خدا کے لیے ہی دشمنی کرتے تھے۔ اور خدا کی خلت ان کے لیے اپنی نصرت اور بعد والوں کے لیے ان کو امام بنانا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خلیل کی اصل فقر' احتیاج اور انقطاع ہے اور یہ خلت بفتح خاء سے بنا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام حاجتوں کو خدا پر چھوڑ دیا تھا اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اسی کی طرف پھیر دیا تھا اور خود کو بھی اس وقت خدا کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا جس وقت کہ جبریل علیہ السلام آئے درآنحالیکہ وہ منجنیق میں تھے تاکہ انہیں آگ میں ڈالا جائے اس وقت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا: هَلْ لَّكَ حَاجَةٌ فَقَالَ اَمَّا اِلَيْكَ فَلاَ کیا تمہیں کوئی حاجت ہے فرمایا۔ لیکن تم سے نہیں۔ ابوبکر بن فورک کہتے ہیں کہ صفائے مودت جو کہ موجب اختصاص اور انکشافات اسرار ہے اور اس کا نام خلت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خلت کی اصل محبت ہے اس

کے معنی مہربانی وشفقت کرنا اور درجہ کو بلند کرنا ہے بلاشبہ حق تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں خود فرمایا ہے کہ۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُ اللّٰهِ وَاَحِبَّـآءُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ — یہود ونصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے اپنے اور اس کے محبوب ہیں تم فرما دوتو پھروہ تمہیں کس لیے تمہارے گناہوں پر عذاب کرتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لیے واجب قرار دیا کہ ان کی لغزشوں پر مواخذہ نہ کیا جائے اور نبوت سے یعنی اپنا ہونے اور بیٹا کہلانے سے محبت زیادہ قوی ہے اس لیے کہ نبوت میں کبھی دشمنی بھی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ان من ازواجکم واولادکم عدوٌ لکم ۔ بلاشبہ تمہاری بیبیاں اور تمہاری اولاد تمہاری دشمن ہیں اور یہ صحیح نہیں کہ محبت کے ساتھ عداوت ہو لہٰذا حضرت ابراہیم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام رکھنا خدا کی طرف مکمل یکسوئی اور اپنی حاجتوں کو اس کی طرف تفویض کرنے اور ماسوی اللہ سے روگرداں ہونے کی بنا پر ہے۔ اور ان کے اسباب ودسائط کو باضافہ اختصاص باری تعالیٰ پھیرا اور انہیں خفی لطائف سے نوازا اور ان پر اسرار الٰہیہ اور مکنون غیبیہ کا انکشاف کرایا اور ان کے باطنی احوال کو معرفت حق سے لبریز کیا اور ان کے قلوب کو اپنے ماسوا سے پاک وصاف فرمایا یہاں تک کہ ان کے دل میں ماسوائے حق دخل انداز ہوتا ہی نہیں۔ ان کے نزدیک حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ ''اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن اسلامی اخوت باقی ہے ان سب کا قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے۔ اور انہوں نے خلت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان مشترک قرار دیا۔ نبوت اور رسالت کی مشترک فضیلت ہونے کے باوجود لامحالہ وہ صفات جو خلت کے معنی میں مذکور ہوئے اور ان کا اثبات ان دونوں میں کیا ان میں ہمارے آقا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں عظیم تر، قوی تر اور کامل تر ہوں گے۔ اور اس کے لوازم وخواص تمام انبیاء ومرسلین صلوات اللہ علیہم کے درمیان مشترک ہیں۔ لیکن فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

اس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے ارباب قلوب اختلاف رکھتے ہیں کہ درجہ خلت ارفع ہے یا درجہ محبت اور بعض دونوں کو برابر قرار دیتے ہیں اس بنا پر کہ جو خلیل ہے وہ حبیب ہے اور جو حبیب ہے وہ خلیل ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت سے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت سے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ذکر موسوم کرنے میں ہے نہ کہ حقیقت میں حالانکہ اگر خلیل کا اطلاق حضور پر بھی ہو تو تخصیص کہاں رہی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ درجۂ خلت ارفع واتم ہے اس کا حضور کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں کہ فرمایا: لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّيْ – الحدیث تو آپ نے غیر کو خلیل نہ بنایا باوجود یہ کہ محبت کا اطلاق سیدہ فاطمہ اور ان کے فرزندوں یا حضرت اسامہ اور ان کے سوا دیگر حضرات کی طرف ہوا ہے۔

اکثر علماء نے محبت کو خلت سے افضل قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت خلیل علیہ السلام کے درجہ سے افضل واعلیٰ ہے۔ اور محبت کی اصل کسی چیز کی طرف مائل ہونا اور محبّ کی موافقت کرنا ہے لیکن اس کا یہ مفہوم انسانوں کے لیے تو صحیح ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہو جائے اور اس کی خوشنودی میں پیروی کرے۔ لیکن خالق جل شانہٗ اغراض سے پاک ومنزہ ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کی بندوں کے لیے محبت اس کو نیک بختیوں پر قائم رکھنے اور گناہوں سے بچانے اور اسباب قرب مہیا کرنے اور اسے توفیق دینے اور رحمت کا افاضہ فرمانے میں ہے اور اس کی انتہا بندے کے دل سے عجب وتکبر کو دور کرنا ہے تا کہ وہ اپنے قلب ونظر اور اپنی بصیرت سے اس کی طرف دیکھے تو وہ ایسا ہوگا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَنْطِقُ بِهِ الْحَدِيْثِ پھر جب میں اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس

کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی وہ زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اس معنی و مفہوم کے سوا حق تعالیٰ کے لیے کچھ اور سمجھنا اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔ غیر کی طرف مائل ہونا اس کی پیروی کرنا اور غیر سے غرض وابستہ کرنا حق تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے۔ اللہ عزوجل کے لیے سلامتی قلب اور اعمال وحرکات میں اخلاص ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خلق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں کہ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کے مطابق تھے آپ اس کی رضا پر راضی اور اس کی ناراضگی پر ناراض تھے۔

اس جگہ بعض حضرات اپنے کلام میں اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ:

قَدْ تَخَلَّلْتُ مَسْلَكَ الرُّوْحِ مِنِّیْ هٰذَا اسُمِّی الْخَلِیْلَ خَلِیْلاً فَاِذَا مَا نَطَقْتُ كُنْتَ حَدِیْثِیْ وَاِذَا مَا سَلْتَ كُنْتُ خَلِیْلاً

مطلب یہ کہ تیرے لیے ہی خاموش رہتا ہوں' تیرے لیے ہی بولتا ہوں، تیرے لیے ہی قیام کرتا ہوں۔ تیرے لیے ہی سفر کرتا ہوں اور تیری تلاش میں رہتا ہوں۔ خلت و محبت کی خصوصیت' دونوں ہمارے سردار' سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اس پر اخبار صحیحہ اور آثار صریحہ منشرہ مشتہرہ کی دلالت موجود ہے اس باب میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

فرمادو! اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا۔

باب نہم

درحقوق وواجبات نبوت

حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آپ کی تصدیق وایمان لانے کے وجوب' اور امر ونواہی میں آپ کی اطاعت اور ہر وہ امر جو خدا کی جانب سے لائے۔ اس پر ایمان لانا' سنت کی پیروی اور آپ کی سیرت کی اقتداءٔ بدعت اور تغییر سنت سے اجتناب اور محبت' مناصحت یعنی خیر خواہی رعایت ادب' آپ پر صلوٰۃ وسلام کے وجوب وحکم کے بیان میں یہ باب ہے۔ اور یہ تمام امور ابواب سابقہ کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں چونکہ ثبوت نبوت اور صحت رسالت کے ضمن میں جو کچھ گزرا جب وہ ثابت ومقرر ہے تو واجب ہے کہ ان پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا) اور فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا تاکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں) اور فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

(فرمادو: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں تو اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ)۔

ان آیات کریمہ سے حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا پر ایمان لانا واجب ومتعین ہے اور اس وقت تک ایمان کی حقیقت نہ تو مکمل ہوگی نہ اسلام صحیح ہوگا اور نہ ایمان واسلام کا حصول درست ہوگا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی رسالت کی شہادت کا اقرار نہ کیا جائے۔

اور یہ جو بعض حدیثوں میں آیا ہے'

(یہاں تک کہ کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یا جو کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) تو یہ پہلے اور اعظم جز پر اکتفا کیا گیا ہے یا یہ لفظ کلمہ اسلام میں بطور علم ونام ہے جیسا کہ پوچھنے والے کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ کیا پڑھ رہے ہو تو وہ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رب العٰلمین یا کہے کہ الم ذالک الکتاب پڑھ رہا ہوں اس کی دلیل حضور کا یہ ارشاد ہے کہ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَیُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ (الحدیث) (مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نہ دیں اور مجھ پر اور اس پر جو میں لایا ایمان نہ لائیں) یہ بات ظاہر ہے اور محتاج بیان نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ جمہور میں مشہور یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اور جو کچھ آپ خدا کی طرف سے لائے سب کی تصدیق اور اس تصدیق کے مطابق زبان سے شہادت دینا اور اقرار کرنا کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور جب دل سے تصدیق اور زبان سے شہادت جمع ہو جائے تو ایمان مکمل ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث مذکور میں جو عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ مجھے اس وقت تک قتال کرتے رہنے کا حکم ہے جب تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت نہ دیں' مراد یہ ہے کہ دل سے تصدیق کریں اور زبان سے گواہی دیں لیکن وجود شہادت اور اس کے بیان کفایت کو ظاہر میں حکم ایمان کے

اہتمام کے لیے شہادت کی تخصیص کرتے ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ: فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْنِیْ وَمَائَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا لِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ جب انہوں نے شہادت کا اقرار کرلیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا مگر جو اس کا حق ہے تو اس کا حساب اللہ پر ہے۔

اور جبریل علیہ السلام کی حدیث کا مقصد بھی یہی ایمان کے دو جزو میں ایک شہادت یعنی زبانی اقرار اور دوسری تصدیق یعنی دل سے ماننا لیکن تصدیق کی تعبیر ایمان سے کی ہے کیونکہ لغوی معنی میں دونوں ایک ہی ہیں مگر شریعت میں تصدیق قلبی اور شہادت لسانی کے مجموعے کا نام ایمان ہے رہی یہ بات کہ لفظ شہادت بھی درکار ہے یا نہیں بلکہ زبانی اقرار' دل کی موافقت کے ساتھ جو شہادت کے معنی ہیں کافی ہے۔ لہٰذا اس پر اجماع ہے کہ جو اخلاص کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے وہ بغیر لفظ شہادت کے مومن ہے اگر چہ اس لفظ کے ساتھ بولنا اولیٰ اور افضل ہے۔ اس مقام کی تفصیل اس طرح ہے کہ اس میں چار حالتیں ہیں ایک یہ کہ تصدیق زبانی اقرار کے ساتھ جمع ہو یہ حالت محمود تام اور کامل ہے دوسرے یہ کہ زبانی اقرار بغیر تصدیق قلبی کے ہو۔ یہ مردود ہے اسمیں بالکل ایمان نہیں ہے با اتفاق ایسی حالت کو اقسام کفر میں اقبح' اشنع اور اخبث قرار دیتے ہیں اور ایسے شخص کی جگہ جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ تیسری حالت یہ ہے کہ تصدیق قلبی بغیر زبانی شہادت و اقرار کے ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ دل سے تصدیق کرتا ہے مگر زبان سے اقرار کرنے کی مہلت نہ ملی اور جان دیدی۔ اس صورت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ اپنے سابقہ اقرار کفر پر ہی مرا۔ ایسا اس لیے کہتے ہیں چونکہ تصدیق و اقرار کے مجموعے کا نام ایمان ہے اور اس جگہ اقرار پایا نہیں گیا لہٰذا اس کی موت کفر کی حالت پر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت کا مستحق ہے اس بنا پر کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِیْهِ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنَ الْاِیْمَانِ. وہ جہنم سے نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ دل میں ایمان کا ہی ذکر فرمایا ہے اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا: هَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ ، کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا؟ اور یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ اور جب ان کے دل میں ایمان داخل ہو جائے.... لہٰذا ایمان کی جگہ دل کو قرار دیا تو ایسی حالت کا شخص' بغیر گناہ کے اور بغیر کوتاہی و تقصیر کے اپنے دل سے مومن ہے۔ کیونکہ ترک شہادت اس کے اختیار سے نہیں اور اہل انصاف کے نزدیک اس شخص کی حالت محل اختلاف نہیں ہے اور اگر گونگا ہے اور بحکم طبیعت اختیار پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہاں اسے معذور گردانے میں سب کا اتفاق ہے۔ اور ایسا فرق و امتیاز جو ان دونوں صورتوں میں مفید ہو ظاہر نہیں ہے اور اگر ان لوگوں کو اس مقام میں بھی کھڑا کریں اور وجود ایمان کے قائل نہ ہوں تو کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ لیکن یہ قول اہل حق کے خلاف ہے اور چوتھی حالت یہ ہے کہ دل سے تصدیق کرے اور مہلت وفرصت بھی پائے اور زبانی اقرار و شہادت کے لازم ہونے کا علم بھی رکھتا ہو اور زبان نہ کھولے اور اپنی عمر میں شہادت نہ دے اگر چہ ایک بار ہی ہو تو اس جگہ بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے وہ مومن ہے اس لیے کہ وہ تصدیق کنندہ ہے۔ اور شہادت یعنی زبانی اقرار از قسم اعمال ہے تو وہ اس کے ترک پر گنہگار ہوگا جیسا کہ مذہب حق کی رو سے کسی عمل کے نہ کرنے سے گنہگار ہوتا ہے۔ یہ جماعت کہتی ہے کہ ایمان کی حقیقت' یہی تصدیق قلبی ہے اور اقرار' احکام ایمان کے اجراء کی شرط ہے نہ وہ ایمان کا جزو ہے اور نہ اس کے صحت کی شرط اور اس کی عاقبت کا ہم عدم خیر تصدیق کی بنا پر کوئی حکم نہیں کریں گے لیکن وجود تصدیق کی بنا پر وہ واقع میں مومن ہے اور عمل داخل ایمان نہیں ہے خواہ زبان کا عمل ہو خواہ ارکان و اعضاء کے اعمال' مگر یہ خوب جان لینا چاہیے کہ یہ اس تقدیر پر ہوگا جب کوئی چیز تصدیق کے منافی اس سے ... زد نہ ہو اور اگر منافی ایمان کوئی چیز ہے تو یہ صورت نہ ہوگی اس لیے کہ تصدیق کا تحقق معدوم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایسی حالت کا شخص مومن نہیں ہے جب تک کہ تصدیق قلبی کے ساتھ شہادت لسانی یعنی زبانی اقرار شامل نہ ہو اس لیے شہادت انتہاء عقد

اورالتزام ایمان ہے جوکہ عقیدہ کے ساتھ پیوست ہے۔اورفرصت ومہلت کے باوجودمحض تصدیق سے ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ شہادت نہ دے۔اور زبانٗ دل کی ترجمان ہےٗ زبان کے فعل اور دیگر اعضاء کے افعال کے درمیان فرق ہے۔ہاں عدم قدرت کی حالت دوسری ہے۔علماء کہتے ہیں کہ صحیح یہی قول ہے ایسا ہی الشفا میں ہے۔(واللہ اعلم)

اس جگہ ایک قسم اور ہے وہ یہ کہ تصدیق واقرار رکھتا ہے لیکن کوئی ایسی چیز اس میں موجود ہے جسے شارع علیہ السلام نے شعار وعلامت کفر قرار دیا ہے۔مثلاً زنار باندھنا یابت کو سجدہ کرنا وغیرہ۔اگر اس قسم کا شعار وعلامت کفر جو شارع علیہ السلام سے بدلیل قطعی ثابت ہے اس میں موجود ہے اور یقین کے ساتھ اس کا ارتکاب اس سے پایا جاتا ہے تواز جہت حکم شرع وہ کافر ہے۔اور بعض مصنفین کے کلام میں واقع ہے کہ بحکم ظاہر وہ کافر ہے۔اسے بعض کافر شرعی کہتے ہیں اور بعض کافر حکمی کہتے ہیں لیکن یہ بات پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔اس لیے کہ جب شارع علیہ السلام نے اس کے کفر کا حکم دے دیا تو اس کا ایمان معتبر نہ رہا اور حقیقۃً کافر ہو گیا مگر یہ کہ ثابت ہو جائے کہ شارع علیہ السلام نے ظاہری کفر کا حکم دیا ہے نہ کہ کفر حقیقی کا۔

تنبیہہ: فقہا کی جماعت خصوصاً فقہائے احناف ''رحمہم اللہ'' بعض افعال وکلمات پر حکم کفر دیتے ہیں مثلاً کوئی غیر خدا کی قسم کھائے اور کہے ماں، باپ یا کسی اور کی قسم یا کہے کہ یہ سخت گناہ ہے یا کہے کہ یہ چیز خدا کے لیے دے دے۔اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں جو کتب فقہیہ میں لکھی ہوئی ہیں اس میں حق وصحیح بات یہ ہے کہ وہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ باتیں مظنہ کفر اور موہم کفر ہیں۔ورنہ اس سے کفر حقیقی لازم نہیں آتا ہاں اگر وہ متوہم ومظنون معنی ہی کا التزام کرتا ہے تو اہل قبلہ کی مانند کافر ہو جائے گا ان کا مذہب یہ ہے کہ کفر لازم آجاتا ہے اگر ان کا التزام کرے اور تاویل کرے۔اور اگر کسی دلیل وحجت اور شبہ کی بنا پر وہ اس کی تاویل کریں اور اس کی حقانیت کا دعویٰ کریں تو کافر نہ ہوں گے۔لہٰذا اہل قبلہ کی تکفیر سے روکنے کی وجہ سے اسی احتمال پر مبنی ہے ہاں اگر ثابت ہو جائے کہ وہ افعال واقوال از قبیل شعار وعلامات کفر ہیں تو حکم کفر اس بنیاد پر ہوگا نہ کہ لزوم کفر کی وجہ سے (واللہ اعلم بالصواب)۔

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ: ایمان واسلام اور اس میں کمی وبیشی ہونے کے بارے میں بڑی بحثیں ہیں۔اور اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال کتابوں میں موجود ہیں۔اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی سے مراد عمل کی زیادتی اور اس کی کمی ہے اور جو ایمان میں دخل عمل کا قائل نہیں ہے اس کے نزدیک ایمان میں کمی وبیشی متصور ومعقول نہیں ہے۔اور محض تصدیق اس کے قابل نہیں اس لیے کہ کمی وزیادتی تو عدد وگنتی میں ہوتی ہے۔ہاں تصدیق میں کمال ونقصان بربنائے اختلاف صفات اور تباین حالات جو یقینی قوت اور اعتقادی پختگی اور وضوح معرفت میں ہوتی ہے اس میں ہمیشگیٗ خوگری اور حضور قلب جاری ہے لیکن زیادتی وکمی نہیں۔اور اس قول کے بطلان کے بیان میں اس پر تنبیہہ کرنا واجب ہے کیونکہ بعض لوگوں نے جو یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک تصدیق بالجنانٗ یعنی دل سے ماننا اور اقرار باللسان یعنی زبان سے شہادت دینا اور عمل بالارکان یعنی اعضاء سے عمل کرنا ان سب کے مجموعے کا نام ایمان ہے اور ہر وہ شخص جسے محدثین کے کلام کی خبر نہیں ہے۔وہ یہی سمجھتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ ان لوگوں کی مراد ایمان کامل سے ہے جیسی کہ اس کی تصریح بخاری وغیرہ نے کی ہے۔اور شارحین مجموعہ احادیث نے اس کی تحقیق کی ہے۔یہ جھوٹی اور باطل شہرت پہلے زمانوں سے پھیلی ہوئی ہے جیسا کہ قاضی عضد نے ''مواقف'' میں کہا کہ ''ایمان کی حقیقت میں اختلاف کیا گیا ہے۔اور اسلاف ومحدثین کا مذہب یہ ہے کہ: اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْجَنَانِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ تصدیق قلبی اور زبانی اقرار اور عمل بالاعضاء ایمان ہے۔'' اور سلف سے یہی قول مشہور ومعروف ہے حالانکہ ان کی مراد بھی ایمان کامل سے ہے جیسا کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہےٗ حاشاٗ کہ مذہب اہل سنت وجماعتٗ مذہب سلف کے برخلاف ہے۔اور محدثین کا مذہبٗ اہل سنت وجماعت کے مذہب کے برخلاف ہے

(دونوں باتیں غلط وباطل ہیں) پھر کیا ضرورت لاحق ہوئی کہ ایسی بات کہی گئی؟ باوجود علماء کی تصریح وتحقیق اور اطلاق سلف کے؟ تو یہ ایمان کامل کی تحصیل پر ترغیب وتحریص کے لیے ہے۔اس بحث کی مزید تحقیق وضاحت دلائل واعلام کے ذریعہ دوسری جگہ کی گئی ہے۔

وجوب طاعت واتباع سنت واقتدائے سیرت: وصل: حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب ایمان لانا واجب ہوگیا تو طاعت واتباع بھی لازم آ گئی اور اکثر طاعت کا اطلاق' فرائض وواجبات' عبادات اور مرونواہی پر آتا ہے اور اتباع واقتداء کا اطلاق' سنن وآداب اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے۔اسی لیے صاحب کتاب الشفاء نے ان دونوں مطالب کے ذکر وبیان کے لیے دو فصلیں مرتب کی ہیں اور اگر ان دونوں کا ایک ہی فصل میں ذکر کرتے تب بھی درست ہوتا جیسا کہ صاحب مواہب لدنیہ نے کیا ہے۔

اب رہا وجوب طاعت کا مسئلہ تو حق تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔اور فرماتا ہے: وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم رحمت کے مستحق بنو اور فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔اور ہم کسی رسول کو نہیں بھیجتے مگر یہ کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور فرمایا: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی طاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی گویا کہ حق تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کو اپنی اطاعت قرار دیا اور رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ شامل فرمایا اور اس پر اجر وثواب کا وعدہ اور اس کے ترک ومخالفت پر عذاب وعقاب کی وعید کی اور ان کے حکم کی بجا آوری اور مخالفت سے اجتناب کو واجب قرار دیا۔مطلب یہ کہ جو رسول کی اطاعت، ان کی رسالت اور احکام الٰہی کی تبلیغ کی حیثیت سے کرے۔درحقیقت وہ اطاعت نہیں کرتا مگر حق تعالیٰ کی۔اور آیات اس پر دلیل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام امر ونواہی اور اقوال وافعال میں معصوم ہیں۔اس لیے کہ اگر کسی چیز میں خطا کریں اور وہ حق کے موافق نہ ہو تو ان کی طاعت خدا کی طاعت نہ ہوگی۔

سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے شرائع اسلام کے بارے میں کسی نے پوچھا فرمایا: وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ یہ رسول جو تمہیں دیں لازم کرلو اور جس سے روکیں باز رہو۔'' علماء فرماتے ہیں کہ: اَطِیْعُوا اللّٰهَ فِیْ فَرَائِضِهٖ وَالرَّسُوْلَ فِیْ سُنَّتِهٖ. فرائض میں اللہ کی اور سنت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ایک قول یہ ہے کہ: اَطِیْعُوا اللّٰهَ فِیْمَا شَرَعَ عَلَیْكُمْ وَالرَّسُوْلَ فِیْمَا بَلَّغَكُمْ جو تم پر مشروع ہوا اس میں اللہ کی اطاعت کرو اور تمہیں تبلیغ فرمائی اس میں رسول کی اطاعت کرو۔علما فرماتے ہیں کہ خدا کی اطاعت اس کی ربوبیت کی شہادت میں ہے اور رسول کی اطاعت ان کی نبوت کی شہادت میں ہے اور یہ طاعت دلیل محبت ہے اور محبت معیت کی مورث ہے جیسا کہ معیت کی فضیلت میں آئے گا۔

حق تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ فرمادو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔اللہ تمہیں محبوب بنالے گا۔اور تمہارے گناہوں کو تم سے مٹادے گا۔'' اس آیت کریمہ کا آیت ''المحنۃ'' نام رکھتے ہیں۔

مفسرین کہتے ہیں کہ ایک گروہ نے خدا کی محبت کا دعویٰ کیا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے میرے حبیب! فرمادو اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری متابعت کرو اور میری طاعت بجالاؤ کیونکہ یہی خدا کی طاعت ہے اور یہی خدا سے محبت رکھنے کی دلیل ہے اب اگر تم میری متابعت کروگے تو تم خدا سے محبت کرنے والے ہوگے بلکہ اس کے محبوب ہوجاؤگے اور میرے مقام حبیب کے تم بھی وارث بن جاؤگے۔ممکن ہے اس کے معنی یہ ہوں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو دوست بنالے تو میری متابعت کرو۔خدا تمہیں دوست

بنالے گا۔ غرضیکہ خدا کی محبت' اتباع رسول خدا کے ساتھ مشروط ہے اور مشروط بغیر شرط کے وجود میں نہیں آتی ہے پھر یہ کہ اتباع' مورث محبت اور سبب محبت ہے۔ لہٰذا اتباع بھی شرط محبت ہے کہ اس کا انتفاء اسکے انتفاء کو مستلزم ہے اور سبب محبت بھی ہے کہ اس کا وجود اس کے وجود کو مستلزم ہے لامحالہ یہ محبت' متابعت کا معلول ومسبب ہے اس کے بعد ایک اور چیز موجود ہوتی ہے جس کا نام محبت ہے جو اس کی شرط ہے اور اس پر مقدم ہے لہٰذا مقام ثانی' مقام اول سے بلند تر اور بزرگ تر ہے کیونکہ فرمایا: يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اللہ تمہیں محبوب بنالے گا) تو یہ اسی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امّی پر اور اس رسول کا اتباع کرو اس امید کے ساتھ کہ تم صراط مستقیم کی ہدایت پاؤ جو کہ سب سے قریب تر راستہ ہے۔ گویا ہدایت پانے کی امید کو دو چیزوں کے ساتھ تابع کیا ایک رسول پر ایمان دوسرا رسول کا اتباع۔

تنبیہ: ہر اس شخص کو خبردار کیا جاتا ہے جو رسول کی تصدیق تو کرتا ہے مگر ان کی شریعت کی التزام کے ساتھ اتباع وپیروی نہیں کرتا۔ وہ گمراہی وضلالت میں ہے اگرچہ اصل ایمان ہی کیوں نہ رکھتا ہو لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کی متابعت ہم پر واجب ہے بجز اس کے جس کی کوئی دلیل تخصیص کرتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم یاد کرکے فرماتا ہے قسم ہے تمہارے رب کی اے حبیب! میرے صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک کہ ان چیزوں میں جس میں وہ مختلف ومختلط ہیں ان میں آپ کا فیصلہ نہ مانیں: ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ اس کے بعد جو کچھ آپ نے فیصلہ دیا اس کے بارے میں وہ اپنے دل میں تنگی اور شک وشبہہ نہ رکھیں وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اور ظاہر وباطن کے ساتھ آپ کے آگے منقاد ہوجائیں اور مان لیں۔ یہ اطاعت' تبعیت اور انقیاد کے اعلیٰ مرتبہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حکم رسول کے آگے ظاہر وباطن میں راضی ہوں خواہ خواہشات نفس کے موافق ہو یا اس کے مخالف اور وہ یقین سے جانیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے سب سے زیادہ حق ہے اس کے بعد ان کے باطن میں خدشہ اور خلجان نہ رہے اس کو مقام رضا وتسلیم کہتے ہیں۔ کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جب کہا اس سے اس کے رب نے اسلام لا تو اس نے کہا میں رب العٰلمین کے لیے اسلام لایا۔'' اس کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں میں سے ہے کہ فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الخ تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو مضبوط ومحکم پکڑو اور اپنے آپ کو محدثات امور سے بچاؤ اس لیے کہ ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ ہر ضلالت جہنم میں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو اختیار فرماتے تو اس میں رخصت پر عمل فرماتے۔ ایک جماعت اس سے بچتی اور اس سے دوری تلاش کرتی کہ وہ رخصت پر عمل کرے جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتی تو حضور نے حمد وثنا کے بعد فرمایا اس قوم کا کیا حال ہے کہ وہ اس سے بچتی ہے جسے میں اختیار کرتا ہوں۔ قسم ہے مجھے خدائے ذوالجلال کی میں ان میں سب سے زیادہ خدا کو اور اس کی رضا کو جاننے والا ہوں اور از روئے خوف وخشیت حق تعالیٰ ان میں بہت زیادہ سخت ہوں۔ مطلب یہ کہ باوجود اس علم وخشیت کے' میں رخصت پر عمل کرتا ہوں۔ تو خوب جان لو کہ حق یہی ہے اور مقتضائے حکمت بھی یہی ہے اس میں مصلحتیں ہیں جن سے دین ودنیا کے کام کی صلاح متضمن ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ خدا پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح کہ وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی عزیمتوں پر عمل کیا جائے اگرچہ عزیمت پر عمل افضل وارفع ہے لیکن کبھی کبھی رخصت پر عمل بھی محبوب ومرغوب پڑتا ہے۔ اور بملاحظہ ترفیہ وترخیص وتیسیر الٰہی' حکم عزیمت لیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ: وَاللہِ اِنِّی لَاَخْشَاکُمْ بِاللہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ نِسَاءً فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خشیتِ الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تقوائے الٰہی موجود ہے۔ لیکن میں روزہ رکھتا ہوں' افطار کرتا ہوں' نماز پڑھتا ہوں' شب باشی کرتا ہوں اور بیویوں سے نکاح کرتا ہوں تو جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری سنت کے مطابق تھوڑا عمل کرنا بدعت میں عمل کثیر سے بہتر ہے۔ اور فرمایا کہ جس نے میری سنت کو زندہ کیا بلاشبہ اس نے مجھے زندگی دی اور جو میری زندگی چاہے تو وہ میرے ساتھ ہوگا۔

بدعت کی بحث: ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے فسادِ امت کے وقت میری سنت کو مضبوط تھاما تو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سنت کو مضبوط تھامنا' بدعت کی ایجاد سے بہتر ہے۔ یعنی اگرچہ بدعت حسنہ ہے۔ مثلاً آداب خلا وقیلولہ وغیرہ کو زندہ کرنا۔ جیسا کہ سنت میں واقع ہوا ہے۔ مسافر خانے اور مدرسے بنانے سے بہتر ہے اور اس کے کرنے والے کو اقامت سنت کی برکت سے قرب ووصال کا اعلیٰ مقام ملے گا اور اسے رضائے حق حاصل ہوگی اور وہ بدعت جو سنت کو بدل دے وہ مردود ومذموم ہے اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے لیکن وہ جو ایسی نہ ہو بلکہ سنت کو تقویت دینے والی اور رواج دینے والی ہو اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ یہ مصلحت وحکمت کی رعایت کی بنا پر جائز ہے۔

بدعت کے انواع: علماء فرماتے ہیں کہ بعض بدعتیں ایسی ہیں جن کا کرنا واجب ہے۔ مثلاً صرف ونحو اور علوم الٰہیہ جو کہ زمانہ نبوت میں نہ تھا اور بعض بدعتیں مستحب ہیں جیسے مسافر خانے مدارس اور بھلائی کے مقامات بنانا ان میں مباح ہیں جیسے پیٹ بھر کے کھانا اور وغیرہ باقی سب مکروہ وحرام ہیں اور اقامت سنت اگرچہ قلیل وصغیر ہے بدعت سے اگرچہ کثیر وکبیر ہے اور ان میں مصلحت ومنفعت بھی ہے اس سے ارفع واعلیٰ ہے۔

حکایت برا تباع سنّت: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے ایک حاکم وگورنر نے اپنے علاقہ کے احوال اور چوروں کی کثرت پر خط لکھا اور دریافت کیا کہ ان چوروں کو محض گمان پر پکڑیں یا کسی دلیل وشواہد پر گرفت کریں جیسا کہ سنت ہے اس پر حضرت عمر نے لکھا کہ انہیں ان مبینہ دلیل وشواہد سے پکڑیں جن پر سنت جاری ہے اگر وہ اصلاح پذیر نہ ہوں گے تو حق تعالیٰ ان کی اصلاح فرمائے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو دیکھ کر فرمایا'' خدا کی قسم میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ اس کے بعد اسے بوسہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ جہاں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو پھرایا تھا اس جگہ وہ بھی اپنی اونٹنی کو پھراتے تھے۔ لوگوں نے اس کا ان سے سبب پوچھا فرمایا میں نہیں جانتا مگر اس جگہ میں نے رسول اللہ کو کرتے دیکھا ہے میں بھی کرتا ہوں۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک جگہ وضو کیا وہاں ایک درخت تھا وہ اس کے گرد پھرے اور لوٹے سے اس کی جڑ میں پانی ڈالتے رہے لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے میں بھی کرتا ہوں اور ارشاد باری تعالیٰ: وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ کی تفسیر میں آیا ہے کہ عمل صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے ہے۔

حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے اصول تین چیزیں ہیں ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاق وافعال میں اقتداء دوسرے حلال روزی تیسرے تمام اعمال میں اخلاص کی نیت۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فرمایا میں ایک روز ایک جماعت کے ساتھ تھا وہ سب برہنہ ہو کر پانی میں داخل ہو گئے مگر میں نے حدیث پر عمل کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھے اسے چاہیے کہ حمام میں برہنہ نہ جائے تہبند باندھ کر نہائے چنانچہ میں برہنہ نہ ہوا۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: اے احمد! تمہیں بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے اس سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہیں بخش دیا اور تمہیں امام بنا دیا کہ ایک جماعت تمہاری پیروی کرے گی۔ میں نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں۔

آداب بارگاہِ نبوت: وصل: حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق آداب کی رعایت میں قرآن کریم کی آیتیں بکثرت موجود ہیں جن میں آداب نبوت کی رعایت کی طرف اشارات ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ. تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

اور فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاتقد مو بين يدى الله ورسوله. اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اور فرمایا: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ. اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کرو۔

اور فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. رسول کے پکارنے کو اپنے درمیان اپنے ایک دوسرے کے پکارنے کی مانند نہ بناؤ۔

اور حق تعالیٰ کا یہ حکم کہ: **تعزروه اى تبخلوه وتبالغوه فى تعظيمه وتنصروه** مطلب یہ ہے کہ ان کی عزت کرو۔ اور ان کی تعظیم میں مبالغہ کرو اور ان کی نصرت واعانت کرو۔ اور ان کے سامنے بات میں آگے بڑھنے سے ممانعت فرمائی۔ اور کلام میں سبقت کرنا بے ادبی قرار دیا۔ مطلب یہ کہ آپ کے بولنے سے پہلے خود نہ بول پڑو۔ اور جب کچھ فرمائیں کان رکھ کر غور سے سنو اور امور دین کے کسی معاملے میں حضور کی کسی ضرورت کے مقابلے میں اپنی کسی معاملہ میں جلد بازی کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو ڈراتے ہوئے فرمایا: وَاتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ **(كذا قال القاضى)**

مواہب لدنیہ میں مذکور ہے کہ آداب بارگاہِ رسالت میں سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امر ونہی اور اجازت وپلٹنے میں آگے نہ بڑھو۔ جب تک کہ حضور تم کو خود حکم نہ فرمائیں یا ممانعت نہ کریں یا اجازت نہ دیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے اسی آیت میں فرمایا ہے اور یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا منسوخ نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا سنتوں سے آگے بڑھنا اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی چیز میں تفوق نہ کرو۔ جب تک کہ حق تعالیٰ آپ کی زبان پر حکم نہ فرمائے اور ضحاک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ساتھ اپنا کوئی حکم نہ ملاؤ۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ادب پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے نظر کرو کہ وہ نماز میں امامت کر رہے تھے تو کس طرح وہ پیچھے ہٹے اگرچہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپ کی اجازت سے

امامت کررہے تھے۔حضرت صدیق فرماتے ہیں کہ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ سے آگے بڑھے۔تو دیکھو ان کے اس ادب نے انہیں کس مرتبہ تک پہنچایا کہ وہ حضور کے بعد آپ کے قائم مقام اور امام بنائے گئے اور انہیں اس مرتبہ تک پہنچایا۔ جہاں تک کسی امتی کی رسائی نہیں (رضی اللہ عنہ)

آداب بارگاہِ رسالت میں سے ایک یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک پر کسی کی آواز بلند نہ ہو جیسا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ چیختے چلاتے ہیں۔ یا جس طرح ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں اور نام لے کر پکارتے ہیں۔ بلکہ اس بارگاہ کی تعظیم وتوقیر کرو۔اور عرض کرو یا رسول اللہ یا نبی اللہ۔یہ آیہ کریمہ بنی تمیم کے وفد یا کسی اور کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دراقدس پر کھڑے ہو کر پکارا تھا کہ: یَامُحَمَّدُ اُخْرُجْ عَلَیْنَا. اے محمد! ہمارے پاس باہر آیئے اس پر حق تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی اور فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ان میں سے بہت سے عقل سے محروم ہیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی اختلاف پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں دونوں کی آوازیں کچھ بلند ہو گئی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ یہ بہرے تھے اور ان کی آواز بھی اونچی تھی۔اس آیت کے نزول کے بعد وہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے تاکہ ان کے عمل اکارت نہ ہوں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور انہیں شہادت اور جنت کی بشارت دی تو وہ روز یمامہ شہید ہوئے یہ حکایت اپنی جگہ انشاء اللہ آئے گی۔

منقول ہے کہ جب آیہ کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔خدا کی قسم یا رسول اللہ! آئندہ میں ایسے ہی بات کیا کروں گا جیسے سرگوشی میں کی جاتی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح آہستہ سے بات کرتے تھے یہاں تک کہ بعض وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سمجھا بھی نہ کرتے جب تک کہ دوبارہ استفہام نہ فرماتے اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ.

بیشک جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازوں کو خوب پست کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ نے ان کے دلوں میں تقویٰ کا امتحان لیا ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

خلیفہ وقت سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ: منقول ہے کہ خلیفہ زمانہ ابوجعفر امیر المومنین نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: اے امیر المومنین! اپنی آواز کو مسجد میں پست کرو اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ایک جماعت کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔اپنی آوازوں کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اونچی نہ کرو۔اور ایک جماعت کی مدح وتعریف میں فرمایا ''اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ'' بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو خوب پست کرتے ہیں (آخر آیت تک)۔اور ایک گروہ کی مذمت و برائی میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ. جو لوگ حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں.... یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے جیسی آپ کی حیات شریفہ میں تھی۔اس پر خلیفہ رونے لگا اور خاموش ہو گیا اس کے بعد ابوجعفر خلیفہ نے کہا: اے ابوعبداللہ! میں اپنے چہرہ کو دعا میں قبلہ سے پھیر دوں یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں منہ پھیرتے ہو۔حالانکہ وہ تمہارے وسیلہ ہیں اور تمہارے والد حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کے روز قیامت وسیلہ ہیں۔ جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ سے شفاعت مانگو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو وہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر مغفرت مانگیں......''

جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک پر اپنی آواز اونچی کرنے کا نتیجہ حبوط وضیاع اعمال ہیں تو تم کیا گمان رکھتے ہو کہ وہ سنن واحکام جو آپ خدا کے پاس سے لائے اس پر اپنے افکار وخیالات کے تفوق کا کیسا نتیجہ اور ثمرہ برآمد ہو گا جیسا کہ ارباب عقول اور فلسفیوں کی عادت ہے (اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذالک)۔

آداب نبوی میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اقوال میں اپنی رائے سے اعتراض اور شک وشبہہ نہ کرو۔ بلکہ حضور کے قول سے اپنی رائے پر اعتراض اور شک وشبہہ کرو اور قیاس سے نص کا مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ قیاس کو نص کے مطابق بناؤ اور قیاس کے صحیح ہونے کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ نص کے مقابلہ میں نہ ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کی حقیقت کو اپنے مخالفانہ خیال سے ردوبدل اور تغیر وتحریف نہ کرو جیسا کہ منطق وفلسفہ والے کرتے ہیں اور اسے وہ معقول کہتے ہیں اور نہ آپ کے کلام میں شک وشبہہ ڈالو۔ اور جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا اور احکام لے کر آئے وہ ان معقولیوں کے موافق ہونے پر موقوف نہیں رکھا گیا تو اس کے ماننے میں عدم موافقت کو دخل نہ دو۔ کیونکہ یہ بے ادبی وجرأت کا موجب ہے البتہ متشابہات کی تاویل اور محکمات سے اس کی تطبیق ان شرائط کے ساتھ جو ان کے مقامات میں مسلم ومقرر ہیں ممکن ہے لیکن جہاں استحالہ، خالص استبعاد اور خلاف عادت ہو وہاں نہیں۔ ان میں سلف کا مذہب تسلیم وتفویض ہی ہے۔ اور یہ روش تفسیر وحدیث میں مثلاً بیضاوی وغیرہ میں بکثرت ہے ان کے ذکر کی حاجت نہیں۔ (**تاب اللہ علیھم وغفر لھم ونسال اللہ العافیہ**)۔

آداب نبوت میں سے ایک یہ ہے کہ جس طرح تحکیم وتسلیم، خشوع وخضوع، تذلل وانکساری اور توکل واعتماد توحید مرسل یعنی بارگاہِ الٰہی میں واجب ہے اسی طرح توحید رسول اور آپ کی تعظیم میں بھی لازم ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ دو توحید ہیں جن کے بغیر کسی بندے کو خدا کے عذاب سے نجات اور اس کی رضا میں کامیابی نہیں ہے ان میں سے ایک توحید مرسل ہے جو حق تعالیٰ کی ربوبیت میں ہے۔ اور دوسری توحید رسول ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت وپیروی میں ہے تو لازم ہے کہ کسی غیر سے محاکمہ نہ کرائے اور کسی غیر کے حکم پر راضی نہ ہو۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ میں مدارج السالکین سے منقول ہے۔

آداب نبوت میں سے ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے کو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو اپنے میں سے ایک دوسرے کو پکارنے یا دعا کرنے کی مانند نہ بنایا جائے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: **لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا** (الآیہ) رسول کے پکارنے یا رسول کی دعا کو ایک دوسرے کی دعا کے مانند نہ بناؤ۔ مفسرین کے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کو آپ کے نام مبارک سے نہ پکارو جیسے کہ تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ عظمت وتوقیر کے ساتھ کہو۔ او دوسرا قول یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے کے طریقے کو باہم ایک دوسرے کے پکارنے کی مانند نہ بناؤ کہ اگر چاہا جواب دے دیا اگر نہ چاہا تو جواب نہ دیا بلکہ جب وہ تمہیں بلائیں تو یقیناً تمہیں جواب دینا چاہیے۔ تم پر اس کا ماننا واجب ہے۔ اس میں تخلف کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ آیہ کریمہ کا مضمون ہے کہ: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ** ۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے کو قبول کر کے حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں بلائیں تاکہ وہ تمہیں زندگی عطا فرمائیں۔ اس تقدیر پر مصدر مضاف یعنی لفظ دعا بمعنی فاعل ہے۔ ممکن ہے یہ بات ابن معلیٰ کے بارے میں ہو کہ وہ نماز میں مشغول تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا انہوں نے جواب نہ دیا اور بعد کو معذرت چاہی کہ نماز میں تھا اس لیے جواب نہ دے سکا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا کہ: **اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ**. اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص شریف کے ضمن

میں گزر چکا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی کے بلانے پر حاضر ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

وجوب محبت اور تمام مخلوق سے محبوب تر ماننا: وصل: جاننا چاہیے کہ محبت اہل ایمان کے دلوں کی زندگی اور ارواح کی غذا ہے۔ اور مقامات رضا' اور احوال محبت میں یہ مقام سب سے بلند اور افضل ترین ہے۔ اور جو شخص اور جو وقت بغیر محبت کے گزرتا ہے وہ گویا بے روح رہ جاتا ہے۔ محبت کے معنی اور اس کی حقیقت کے کشف و بیان میں اہل محبت کی تعبیریں مختلف ہیں۔ درحقیقت' اختلاف تعبیرات' اختلاف احوال پر موقوف ہیں اور اکثر محبت کے نتائج وثمرات پر مشتمل ہیں نہ کہ اس کی حقیقت پر۔

مواہب لدنیہ میں بعض محققین سے منقول ہے کہ محبت کی حقیقت اہل معرفت کے نزدیک ایک معلوماتی کیفیت ہے جس کی لفظوں میں تعریف وتحدید نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ہر کوئی اسے جان سکتا ہے جب تک کہ بطریق وجدان اس پر وارد و قائم نہ ہو کیونکہ اس کی تعبیر لفظوں سے ممکن نہیں ہے اور جتنی زیادہ وضاحت کی جاتی ہے اتنا ہی وہ خفی ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی تعریف وتحدید اس کا وجود ہے۔ انتہی۔ یہ کلام ذوق ومحبت اور وجدان میں ہے ورنہ بحسب وضع' اس کے معنی جھکنے اور کسی ایسی چیز کی طرف دل کے مائل ہونے کے ہیں جو اسے مرغوب وموافق ہو اور محبت کے مراتب ودرجات' آثار وثمرات اور شواہد وعلامات ہوتے ہیں جن کا اشارہ اہل علم کے کلام میں موجود ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ تمام احوال میں محبوب کی موافقت کرنے کا نام محبت ہے۔ اور یہ موافقت ایثار بخشش اور اس کی طاعت میں ہے یہ نفسانی خواہشات اور ارادہ قلبی کی بنا پر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ محبوب کی خوبیوں میں گم ہونے اور اس کی ذات وصفات میں فنا ہونے کا نام محبت ہے اور یہ احکام' محبت میں فنا ہو جانے میں ہے۔ اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ خود کو اس میں فنا نہ کر دیا جائے اور اسے مکمل طور پر محبت نہ ہو جائے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنی طرف سے جتنا زیادہ کیا جائے اسے کم تصور کرنا اور محبوب کی طرف سے کتنا ہی کم ہو اسے بہت جاننے کا نام محبت ہے۔ سچی محبت کرنے والا اگر اپنی ہر اس چیز کو جس پر وہ قدرت رکھتا ہے محبوب پر نچھاور کر دے تو وہ اسے بھی کم سمجھتا ہے اور شرمندہ رہتا ہے اور اگر محبوب کی طرف سے تھوڑی سی چیز بھی میسر آتی ہے تو وہ اسے بہت سمجھتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ محبوب پر اپنی ہر چیز کو قربان کر دیا جائے اور اپنے لیے اپنی کوئی چیز باقی نہ رہے اور کہتے ہیں کہ دل سے محبوب کے سوا سب کچھ فنا کر دینے کا نام محبت ہے اور یہی کمال محبت کا اقتضاء ہے تاکہ دل میں غیر کے آنے اور غیر کی محبت رہنے کی جگہ ہی باقی نہ رہے۔ کیونکہ دل محبت کے داخل ہونے اور وہاں اثر انداز ہونے کی جگہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ محبت' محبوب کی اور اس کے دیدار کے شوق میں دل کے سفر کرنے کا نام ہے۔ محبوب کا ذکر ہمیشہ زبان پر رہتا ہے: مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ جو چیز زیادہ محبوب ہوگی اس کا ذکر زیادہ ہوگا۔

یہ تمام معنی دراصل محبت کے آثار وعلامات کے ہیں ورنہ حقیقت میں کسی ایسی چیز کی جانب دل کے میلان کا نام محبت ہے جو اس کے موافق ہو یا اس کے ظاہری حواس کے ذریعہ لذت وذوق حاصل کرنے کے لیے مرغوب ہو۔ جس طرح خوبصورت تصویروں' اچھی آوازوں' لذیذ کھانوں اور خوشبودار چیزوں سے محبت رکھنا وغیرہ۔ اور حواس باطنہ یعنی عقل ودل کے ادراک سے برگزیدہ معنی باطنہ سے محبت کرنا جیسے صالحین، علماء اور ان چیزوں سے محبت رکھنا جو سیرت جمیلہ اور افعال حسنہ کے ضمن میں مامور ومعروف ہیں۔ اس لیے کہ انسانی طبیعت فطرۃً اس قسم کی چیزوں کی طرف میلان وشفقت رکھتی ہے۔ خواہ یہ محبت انعام واحسان کی بنا پر ہی ہو بلاشبہ انسان کی طبیعت میں پیدائشی طور پر یہ بات رکھی گئی ہے کہ جو اس پر احسان کرے وہ اس سے محبت وچاہت رکھے۔ غرض کہ محبت کا سبب حسن ہو یا احسان یہ سب اسباب سید السادات' منبع البرکات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التسلیمات میں ثابت وموجود ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام

معانی کے جامع ہیں جو موجب محبت ہیں لیکن حسن و جمال بصورت ظاہر اور فضل وکمال واخلاق سیرت باطن ان سب میں سے کچھ کا تذکرہ ابواب سابقہ میں گزر چکا ہے، وہی اس ضمن میں کافی ہے۔

اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر انعام واحسان فرمانا تو لطف وکرم' رحمت وشفقت تعلیم کتاب وحکمت' صراط مستقیم کی ہدایت اور نار جحیم سے رستگاری میں سے ہر ایک انعام واحسان' قدر ومنزلت میں کتنا اعظم واجل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جتنے احسانات واکرامات تمام مسلمانوں پر ہوئے ہیں کون ہے جو اس افضال واکرام میں از روئے منفعت وافادات اعم واشمل ہے۔ اور اس صاحب فضل عظیم کی جانب سے کتنا بڑا انعام تمام مسلمانوں پر ہے کہ ہدایت کی طرف آپ ان کے وسیلہ وذریعہ ہیں اور ان کے فلاح وکرامت کے داعی ہیں اور پروردگار عالم کے حضور ان کے شفیع وگواہ ہیں اور موجب بقائے دائم اور نعیم سرمد یوم القرار ہیں تو ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقۃً بھی مستوجب محبت ہیں اور شرعاً وفطرۃً بھی۔ چونکہ یہ انسان کی عادت ہے کہ جو ایک یا دو مرتبہ اس پر احسان کرتا ہے اور کوئی فانی نعمت اسے دیتا ہے تو وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ لیکن وہ ذات کریم جو اسے نجات بخشے اور اس سے ہلاکت ونصرت کو دور کرے تو وہ اس سے کیوں نہ محبت کرے گا۔ کیونکہ اس ذات کریم نے ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو ابدی وسرمدی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلاؤں سے اسے محفوظ فرماتا ہے اور چونکہ انسان کی خصلت ہے کہ وہ حسین وجمیل صورت اور پسندیدہ سیرت کو محبوب رکھتا ہے تو وہ کیوں نہ اس ذات سے محبت کرے جو حسن و جمال کے تمام انواع کا جامع اور فضل وکمال کے تمام اقسام پر حاوی ہے۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محبت کے مستحق وموجب ہیں کیونکہ آپ کے ساتھ ہماری محبت اپنی جانوں' اپنے مالوں اور اپنی اولاد واقربا سے کہیں زیادہ وافر واکثر ہے اور جو بھی اخلاص کے ساتھ ایمان صحیح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لایا ہے اس کا وجدان آپ کی محبت سے خالی نہیں ہوا ہے۔ لیکن یہ بات جدا ہے کہ کسی میں محبت کا بہت زیادہ وافر حصہ پایا جاتا ہے اور کسی میں کمتر۔ تو اس کا مدار ترک شہوات اور عدم احتجاب غفلت پر ہے۔ اس سے خدا ہمیں پناہ میں رکھے اور اس میں شک وشبہ نہیں کہ اس معنی میں صحابۂ کرام کا حصہ اتم واکمل ہے۔ اس لیے کہ یہ معرفت کا ثمرہ ہے اور ان کی معرفت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیاں ہے۔ جیسا کہ احادیث وآثار سے منقول ومعلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ.

تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو......

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ الخ تم میں سے کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں، ایک روایت میں ''من اہلہ ومالہ۔'' آیا ہے اور ایک روایت میں من نفسہ آیا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی بیوی اس کے مال اور اس کی جان سے میں زیادہ پیارا ہوں۔ یہ محبت کا کامل اتم مرتبہ ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ' سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ'' آپ میری ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں مگر اپنی جان سے'، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی ایماندار نہیں جس کے نزدیک میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ

ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ فرمایا: ہاں اے عمر رضی اللہ عنہ! اب مومن ومخلص بنے ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے پر دستِ اقدس رکھ کر تصرف فرمایا۔ اس کے بعد وہ معنی ومفہوم کو پہنچے۔ حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے تمام احوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت نہ دیکھی اور خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہ جانا اس نے سنت کی چاشنی نہ چکھی۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں مومن اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ (الحدیث) اور بعض فرماتے ہیں کہ جب تک کہ اپنی تمام خواہشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر قربان نہ کرو گے۔ اگر چہ تم موت کے منہ میں پڑے ہو تو بھی مومن نہیں ہو سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت، بجز اعتقاد عظمت کہیں موجود نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو پہلے سے ہی قطعی طور پر حاصل تھی۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اول مرتبہ میں توقف کرنا اور اپنی جان کا استثنا کرنا اس بنا پر تھا کہ انسان کی اپنی جان سے محبت طبعی ہے۔ اور جہت اختیاری۔ بتوسط اسباب وموجبات علم، بمنافع ومصالح وفوائد ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مراد لینا اختیاری محبت میں تھا۔ اس لیے کہ طبیعتوں میں تبدیلی اور جبلت میں تغیر کی کوئی راہ نہیں ہے اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلا جواب بحکم طبع تھا۔ بعد ازاں غور وفکر کر کے استدلال سے پہچاننے کے بعد تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نزدیک اپنی جان سے زیادہ محبوب ہونے چاہئیں۔ اس بنا پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو دنیا وآخرت کی ہلاکتوں سے نجات دلانے کے ذریعہ وسبب ہیں تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی جو ان کے اختیار کا تقاضا تھا۔ اسی لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب انہیں یہ حاصل ہوا کہ اے عمر (رضی اللہ عنہ)! اب تم ایماندار ہوئے۔ مطلب یہ کہ اب تم نے حقیقت حال کو پہنچانا اور واجب کے مطابق تم نے جواب دیا۔ (انتہی)

اور اس مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلی مرتبہ کا کہنا تخلیقی حکم سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے بعد جو انہیں حاصل ہوا یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ ''آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو یہ محبت طبعی تھی اور صاحب مواہب کا یہ قول کہ طبیعتوں کا تبدل اور جبلتوں کا تغیر ممکن نہیں ہے۔'' یہ کلیہ نہیں ہے بسا اوقات طبائع اور غرائز ریاضتوں اور مجاہدوں سے تغیر پذیر ہو جاتے ہیں اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت وتصرف سے صحابۂ کرام کے نفوس نے تہذیب پائی اور ظلمت کو نورانیت سے بدلا گیا۔ خصوصاً وہ مقام جو مستعد وقابل ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نفس تھا۔ یہ ہے وہ جس کی تائید دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا کہ کیا حال ہے کہا میرے سوا کسی اور سے محبت رکھتے ہو۔ اے عمر (رضی اللہ عنہ)! عرض کیا ''ہاں یا رسول اللہ! میری محبت میرے اہل و مال اور اولاد وجان کے درمیان مشترک ہے۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سینہ پہ رکھا اور فرمایا ''اب کیا حال ہے اے عمر رضی اللہ عنہ!'' عرض کیا'' اہل و مال اور اولاد کی محبت تو جاتی رہی بجز محبت نفس کے کہ ہنوز باقی ہے پھر دوسری مرتبہ دستِ مبارک سینہ پر رکھا سب کی محبت جاتی رہی۔ بجز آپ کی محبت کے یا رسول اللہ۔'' نیز ظاہر یہ ہے کہ محبت اختیاری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے استدلال سے ہوگی۔ اس کے ظہور کی بنا پر اور ان کا اس سے مطلوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرتبہ اعلیٰ کی تمنا وطلب ہوگی جو محبت جبلی ہے۔ معلوم ہوا کہ غلبہ محبت اس جگہ تک پہنچتا ہے جہاں تک طبیعت عرایت کرتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَھْلِیْ وَمَا لِیْ وَنَفْسِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ وَاِلَی الْعَطْشَانِ اے خدا! اپنی محبت کو مجھ میں اپنے اہل و مال اور

اپنی جان سے زیادہ محبوب بنادے اور پیاسے کو ٹھنڈا پانی جس طرح محبوب ہوتا ہے اس سے محبوب کردے۔'' ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ محبت نفس میں اختیار کا شائبہ ہے لیکن پیاسے کی ٹھنڈے پانی سے محبت میں اختیار کو بالکل دخل نہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احوال واولاد ماں باپ اور پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔

معیت ومحبوبیت: وصل: محبت کی سب سے بڑی جزاء اور اس کا ثواب' محبوب کے ساتھ معیت کا ثبوت ہے۔ یہ معیت معنوی اور روحانی ہے۔ اگرچہ جسمانی مفارقت وجدائی درمیان میں ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا یارسول اللہ قیامت کب ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے قیامت کے لیے کتنے اعمال کی تیاری کر رکھی ہے؟ مطلب یہ کہ قیامت کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو عمل کرو تاکہ روز قیامت تمہارے کام آئے۔ اس نے عرض کیا'' میں نے قیامت کے لیے نماز روزہ اور صدقہ وغیرہ اعمال کی کثرت تو کی نہیں ہے البتہ میں خدا کو اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ. تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت رکھتا ہے''

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن قدامہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ مجھے اپنا دست مبارک دیجئے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک مجھے دیا میں نے عرض کیا'' یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُحِبُّكَ قَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ '' یارسول اللہ میں آپ کو محبوب رکھتا ہوں فرمایا آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہوگا۔ ان لفظوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت انس اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے اور امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا جو ان دونوں اور ان دونوں کے ماں باپ کو محبوب رکھتا ہے تو وہ روز قیامت میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔'' اس میں انتہائی مبالغہ ہے کہ فرمایا میرے درجے میں ہوگا۔ مانا کہ مراد انتہائی قرب ومعیت ہے بہ نسبت دوسروں کے کیونکہ اس جگہ مطلق معیت پر اکتفا ہوتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یارسول اللہ آپ میرے نزدیک میرے اہل ومال اور اولاد وجان سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب آپ کی یاد مجھے ستاتی ہے تو صبر نہیں آتا۔ جب تک کہ حاضر ہو کر آپ کے جمال مبارک کو نہ دیکھ لوں۔ اور میں جب اپنی موت کو اور آپ کے رحلت فرمائے جانے کو یاد کرتا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ جب آپ جنت میں داخل ہوں گے تو آپ کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مقام اعلیٰ وگرامی تر پر فائز کیا جائے گا۔ اور اگر میں جنت میں گیا بھی تو وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیسے میسر آئے گی۔'' اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی: مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ (جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن نبیوں اور صدیقوں پر اللہ نے انعام فرمایا) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور یہ آیت سنا کر مژدہ دیا۔ بعض مفسرین اس قصہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سخت محبت تھی جب ان سے صبر نہ ہوا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں آئے کہ ان کا رنگ وروپ اڑا ہوا تھا۔ حالت شکستہ وپراگندہ تھی۔ چہرے سے اندوہ وغم نمایاں تھا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ تمہارا تو رنگ ہی فق ہے۔ عرض کیا'' یارسول اللہ''! نہ تو مجھے کوئی بیماری ہے اور نہ کوئی درد وغیرہ ہے بجز اس کے کہ میں جب جمال جہاں آرا کو نہیں دیکھتا تو متوحش

و پریشان ہو جاتا ہوں اور شدید وحشت طاری ہو جاتی ہے اور جب تک میں حاضر ہو کر جمال جہانتاب سے فیض یاب نہیں ہو جاتا سکون نہیں پاتا۔ اس سے پہلے میں آخرت کے بارے میں سوچ رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ میں وہاں آپ کی کہاں زیارت کر سکوں گا اس لیے کہ آپ کو تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مقام اعلیٰ پر لے جایا جائے گا۔ اور اگر میں جنت میں داخل بھی کیا گیا تو میری جگہ آپ کے درجہ رفیعہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ نیچی ہوگی اور اگر داخل نہ ہوا تو حضور کو کبھی بھی نہ دیکھ سکوں گا۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور بعض تفسیروں میں علی الاجمال عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شان میں بھی مذکور ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بارگاہِ نبوی میں ایک شخص بیٹھا ہوا جمال مبارک پر نظر جمائے دیکھ رہا تھا۔ وہ ادھر ادھر نظریں اٹھاتا ہی نہ تھا۔ حضور نے فرمایا۔ تیرا کیا حال ہے' اس نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ۔ میں آپ کے جمال مبارک سے بہرہ مند ہو رہا ہوں اور آپ کے دیدار سے لذت ذوق حاصل کر رہا ہوں۔ البتہ مجھے اس کا غم ہے کہ روز قیامت میں حق تعالیٰ مجھے یہ دیدار نصیب فرمائے گا یا نہیں۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ۔ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

آگاہ رہو کہ معیت سے مراد درجہ میں برابری نہیں ہوگی۔ اگر چہ بعض حدیثوں میں کان فی درجتی (میرے درجہ میں ہوگا) بھی واقع ہوا ہے تو اس سے مراد جنت میں وہ حیثیت ہے جہاں سے جمال مبارک کا دیدار ہو سکے اور حجابات دور ہوں۔ اگر چہ فاصلے میں دوری ہو اور جب حجاب اٹھ جائے تو دوری ختم ہو جاتی ہے اور مشاہدہ و معیت معنوی سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ارباب محبت کو مشاہدہ ہوگا اور ان کا غم و اندوہ فقدان رویت و مشاہدہ ہے اور یہی مطلب معیت کا ہے ورنہ معیت قلبی تو ہمیشہ بغیر مشاہدۂ بصری حاصل ہے جیسا کہ بعض غزوات میں فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہارے ساتھ سفر میں نہیں ہیں اور نہ وہ کسی منزل میں اترے ہیں مگر یہ کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کو عذر و مجبوری نے روک رکھا ہے تو معیت معنوی روح سے ہے نہ کہ قلب و قالب کے محض دیکھنے سے۔ اسی وجہ سے نجاشی بادشاہ حبشہ لوگوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین تھے اور عبداللہ بن ابی رأس المنافقین مدینہ میں ہی رہنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابعد خلق تھا۔ باوجود یہ کہ اس کا گھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل تھا۔ لیکن محبان و مشتاقان جمال' معیت قلبی کے باوجود صحبت بصری کی بھی تمنا رکھتے تھے تاکہ دل اور آنکھ دونوں محفوظ و بہرہ مند ہوں۔

بندہ مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) نور اللہ قلبہٗ بنور الیقین کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ جب مشتاقان جمال مبارک نے قیامت میں حضور انور کے علو درجہ کی بنا پر جو آپ کو وہاں حاصل ہوگا رویت بصری سے محرومی کی شکایت کی تو انہیں اس کی بشارت دی گئی کہ دنیا میں جس طرح فرق مراتب اور تفاوت درجات کے باوجود قلبی و بصری رویت حاصل ہے اسی طرح اس عالم میں بصر و بصیرت متحد ہوں گے اور میری معیت حاصل ہوگی۔ کیونکہ درمیان میں کوئی حجاب حائل نہ ہوگا۔ (واللہ اعلم)

بیان رویت: وصل: اب بعض وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں جو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے شوق لقا کے ضمن میں سلف و ائمہ سے آثار و اخبار میں مروی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں ان میں کا ہر ایک مجھے محبوب جانے گا کہ کاش مجھے ایک نظر جمال مبارک پر ڈالنے کا موقع ملتا اور اس کے مقابلے میں مجھ سے میرا تمام مال و منال لے لیا جاتا اور مجھے دیدار حاصل ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ وہ اپنا تمام مال قربان کر دیتا اور نثار ہو جاتا۔ یہ دیدار شریف کی تمنا اور حضور سے اظہار محبت ہے کہ اگر اس طرح بھی

دیدار میسر آتا تو کر گزرتے۔ اس مفہوم ومطلب پر بطریق فرض وتقدیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آپ کے دیدار کی تمنا مراد ہوتی ہے۔ مگر اس مسکین یعنی صاحب مدارج کے خیال میں آتا ہے کہ مراد آپ کے بعد خواب میں آپ کا دیدار ہوگا جیسا کہ تمام صلحائے امت کو ہوتا ہے۔ یا بیداری میں جیسا کہ کامل ترین اولیائے کرام کو ہوتا ہے۔ نیز بعید از قیاس نہیں ہے کہ کچھ مشتاقان جمال اور طالبان دیدار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہوں گے کہ اگر تمام مال ومنال خرچ کر کے حاصل ہو جائے۔ یہ اگرچہ خواب میں ہی ہو تو غنیمت جانتے ہوں گے۔

ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ وہ انصاری عورت جس کے باپ' بھائی اور شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سب شہید ہو گئے تھے اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا کہ کیا حال ہے لوگوں نے کہا بخیریت ہیں۔ اس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں انہیں کو محبوب رکھتی ہوں۔ مجھے بتاؤ کہاں تشریف فرما ہیں تا کہ جمال مبارک کو دیکھوں۔ جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگی: "كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعدَكَ قَلِيلٌ" مطلب یہ کہ آپ زندہ وسلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔"

اور بعض روایتوں میں اس طرح مروی ہے کہ روز احد جب یہ شور برپا ہوا کہ دشمنان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کشتہ ہو گئے اور بہت سے اصحاب رسول بھی شہید ہو گئے ہیں تو مدینہ کی عورتیں نالہ وفریاد کرتی ہوئی نکل کھڑی ہوئیں۔ ایک انصاری عورت بھی سامنے آئی جس کے باپ' بھائی' شوہر اور بیٹے سب شہید ہو چکے تھے لوگ اس کے بھائی' باپ' شوہر اور بیٹے کی لاشیں اس کے سامنے لائے مگر اس عورت نے ان کی طرف کچھ التفات نہ کیا اگرچہ لوگ اس سے کہہ رہے تھے کہ یہ لاش تیرے بھائی کی ہے یہ تیرے باپ کی ہے یہ تیرے شوہر کی ہے۔ یہ تیرے بیٹے کی ہے۔ مگر وہ یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا آگے ہیں تو وہ بے اختیار ہو کر آگے بڑھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر آپ کا دامن اقدس پکڑ کر کہنے لگی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مجھے کوئی اندیشہ وفکر نہیں۔ جب کہ آپ سلامت ہیں اب کسی کے مرنے کا غم نہیں۔"

جب مکہ والے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن دشنہ کو حرم سے شہید کرنے کے لیے نکلے تو اس وقت ابوسفیان بن حرب نے اس سے کہا: اے زید! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ کیا تم دل سے یہ چاہتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں کہ ہم انہیں شہید کرتے اور تم اپنے اہل وعیال میں رہتے اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ' نے فرمایا مجھے خدا کی قسم ہے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت بھی محبت ہے اور میں دل سے چاہتا ہوں کہ اپنی جگہ رہیں اور نہیں چاہتا کہ ان کے دست مبارک میں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر خوش رہوں۔ ابوسفیان نے کہا "میں نے کسی شخص کو ایسی محبت رکھنے والا نہیں دیکھا۔ جتنا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ووارفتگی رکھتے ہیں۔" رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت ہجرت کر کے بارگاہِ رسالت میں آئی اور اس نے عرض کیا خدا کی قسم ہے میں نہ تو اپنے شوہر کی عداوت اور اس کی نفرت سے ہجرت کر کے نکلی ہوں اور نہ ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف آئی ہوں۔ بجز اس کے کہ میں خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتی ہوں۔ اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیوی گریہ وزاری کرنے لگیں اور ایک روایت میں ہے کہ غم وافسوس کرنے لگی اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کتنی خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ میں کل صبح اپنے آقا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب واحباب سے ملاقات کروں گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

در غربت مرگ بیم تنہائی نیست   یاران عزیزان طرب بیشتر اند

عبدہ بنت خالد بن معدان سے منقول ہے۔ وہ کہتی ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ جب بھی گھر میں سونے کے لیے لیٹتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اصحاب' مہاجرین وانصار سے شوق ملاقات کا اظہار کرتے اوران کا نام لے لے کر یاد کرتے اور کہتے کہ وہ ہماری اصل ونسل ہیں ان کی طرف میرا دل کھنچ رہا ہے اوران سے ملاقات کی تمنا طویل ہوگئی ہے۔ اے خدا! میری جان جلد قبض فرما پھر وہ روتے اور آہ وزاری کرتے رہتے اور یہی کلمات ان کی زبان پر جاری رہتے یہاں تک کہ نیند غلبہ کر لیتی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' عرض کرتے تھے کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ یقیناً ابوطالب کا اسلام میری آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈک اور روشنی پہنچا تا بہ نسبت ان کے اسلام کے (یعنی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے جو کہ میرے والد ہیں) اس لیے کہ ابوطالب کے اسلام سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک ہوتی۔

اسی طرح حضرت عمر بن رضی اللہ عنہ خطاب نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمہارا اسلام لانا زیادہ محبوب ہے۔

زید بن اسلم سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' ایک رات مخلوق خدا کی پاسبانی کے لیے نکلے تو دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ روشن ہے اور ایک بوڑھی عورت اون بن رہی ہے اور کہتی جاتی ہے:

علٰی محمد صَلٰوۃ الابرار صلی، علیه الطیبون الاخیار قَدْ کُنْت قومًا بکاءً بالاسحار یالیت شعری والمنایا اطوار حل تجمعنی وجیبی الدار۔

اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتی ہے اور آپ کے لقاودیدار کے شوق کا اظہار کرتی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے اپنے ان کلمات کو دوبارہ کہو۔ تو اس نے حزن وغم اور اندوہگیں آواز میں ان کو پھر دہرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زاروقطار رونے لگے' یہ حکایت طویل ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سن ہو گیا تو کسی نے ان سے کہا جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہو اسے یاد کرو تا کہ اس آفت سے چھٹکارا ملے تو انہوں نے فریاد کی اور کہا ''یا محمداہ'' ان کا پاؤں اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔

مروی ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت آئی اور التجا کی کہ میرے لیے قبر انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھول دیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبر شریف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ قبر انور کو دیکھ کر اتنا روئی کہ جان دے دی۔ اور زید رضی اللہ عنہ بن عبداللہ انصاری ''صاحب الاذان'' کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ ان کے لڑکے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی وہ روتے ہوئے دعا کرنے لگے کہ اے خدا! میری آنکھ کی روشنی لے لے تاکہ میں اپنے محبوب کے بعد کسی کو نہ دیکھ سکوں۔ چنانچہ ان کی بصارت جاتی رہی اس قسم کی دعا بعض دیگر اصحاب کے بارے میں بھی ماثور ومنقول ہے۔

علامات محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم: وصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی علامتیں اور نشانیاں بہت ہیں لیکن سب سے اعلیٰ واعظم علامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع و پیروی اور سنتوں پر عمل، ہدایت پر سلوک اور آپ کی سیرت پر چلنا اور حدود شریعت پر قائم رہنا اور آپ کے احکام ملت سے تجاوز نہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** (فرمادو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ کی محبت تمہیں حاصل ہو جائے گی۔) گویا اپنی متابعت کو خدا سے محبت کی علامت ودلیل قرار دیا۔ اور خدا کی محبت اور رسول کی محبت دونوں ایک ہی ہیں دونوں لازم ہیں۔ رسالہ قشیری میں ابوسعید حرار سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اپنی

محبت میں خدا کی محبت سے باز رہنے میں مجھے معذور تصور فرمائیے۔ مطلب یہ کہ آپ کے ساتھ میری محبت اتنی شدید ہے کہ میں آپ کے علاوہ کسی اور طرف توجہ نہیں کرسکتا نہ تو آپ کے غیر کی یاد ہے اور نہ آپ کے غیر کے ذکر میں مشغول ہوں لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی محبت اصل ومقدم ہے۔ اور آپ نے ایسا فرمایا بھی ہے مگر میں آپ کی محبت کے اقتضاء میں اتنی فرصت ہی نہیں پاتا اور نہ کسی اور کی محبت کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ میری محبت کا اقتضاء ہے میں اسی کو کما حقہ ادا نہیں کرسکتا تو کسی اور اسے کیسے محبت کروں۔ اگر چہ بظاہر یہ کلمہ بے تمیزی کا ہے۔ اور ان کے منکر کا حال ہے۔ اور جمع واجمال کے مرتبہ میں ہے کیونکہ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا: يَا مُبَارَكُ مَنْ اَحَبَّ اللهَ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ اے مبارک! جو خدا سے محبت رکھتا ہے۔ بلاشبہ وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ خدا کی محبت اور میری محبت ایک ہے دونوں لازم وملزوم ہیں۔ لیکن بر بنائے غلبہ سکر حقیقت حال پر اطلاع میں عدم تمیز کی وجہ سے بظاہر نظر بصیرت پر جاتی ہے یہ ہے اشتباہ کا سبب۔ اور بعض کوتاہ بین لوگ ایسے ہیں جو شہود حق کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے جدا اور مغارق تصور کرتے ہیں۔ اور وہ اس کے ہر گوشہ سے واقف نہیں ہوتے۔ اس مضمون کو علیحدہ رسالہ میں بیان کیا ہے۔ بعض مدعیوں نے اس سے زیادہ کھل کر بات کی ہے اور ممکن ہے کہ اس کلام نے حضرت ابوسعید کو تعجب میں ڈال دیا ہو کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو بے معنی اور پر از خطا ونقص ہے اس خیال سے باز آجاؤ! ایسی بات زبان پر نہ لاؤ لیکن چونکہ ابوسعید' صادقان راہ' خاصان درگاہ اور محبان آگاہ میں سے ہیں اس لیے ان کو ''یا مبارک'' کہہ کر خطاب فرمایا گیا۔ اور معذور رکھا اور نرمی وملائمت سے منع فرمایا۔ اور وہ سختی وشدت جو حقیقت حال سے متوقع تھی نہ فرمائی اسی کی مانند ایک واقعہ حضرت رابعہ بصریہ سے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال) اسے بھی اسی طرح جیسا کہ ابھی کہا گیا محمول کیا جائے گا۔

درحقیقت محبت' علت متابعت اور اس کا باعث ہے لہٰذا متابعت دلیل وعلامت محبت ہے اور علماء فرماتے ہیں کہ محبت' مطالعہ نعمت سے ابھرتی ہے اور نعمت پر جتنی اطلاع حاصل ہوگی اتنی ہی قوت سے محبت پیدا ہوگی اور یہ بملاحظہ احسان اور بمشاہدہ حسن وقدر بھی پیدا ہوتی ہے اور متابعت سے حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ محبت بالذات اتفاق واتحاد کی مقتضی ہے اور جب متابعت، محبت کو ابھارنے والی ہے تو طاعات وعبادات میں کوئی بوجھ اور مشقت معلوم نہیں ہوگی بلکہ غذائے قلب نعیم روح' سرور خاطر اور آنکھوں کی ٹھنڈک معلوم ہوگی اور جسمانی لذتوں سے یہ عظیم تر معلوم ہوں گی۔ خصوصاً اس وقت جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا تصور بھی شامل ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: مَنْ اَحْيٰى سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحْيَانِيْ وَمَنْ اَحْيَانِيْ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ۔ جس نے میری سنت کو زندہ کیا بلاشبہ اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ حقیقت میں محبت ایک نور ہے اور معصیت ظلمت وتاریکی اور نور ظلمت وتاریکی کو زائل کرنے والا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ متابعت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مقام افضل واشرف نہیں ہے لیکن واضح رہنا چاہیے کہ انواع محبت میں متابعت' بہت قوی واکمل نوع ہے۔ جو بھی متابعت کی صفت سے متصف ہے وہ کامل المحبت اور عالی مرتبت ہے اور جو بعض امور میں مخالف ہے ناقص المحبۃ ہے اور مقام ودرجہ میں بھی کم ہے لیکن اسم محبت اور اس کی صفات کی اصلیت سے باہر نہیں ہے اس کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص پر شراب پینے کے سلسلے میں حد جاری فرمائی تھی اور اس سے دوسری مرتبہ بھی شراب پینے کا فعل سرزد ہو گیا تھا جس پر لوگوں نے اس پر لعنت وملامت کی تھی اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ: لَا تَلْعَنُوْهُ فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اس پر لعنت نہ بھیجو کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ دراصل یہ شخص بدوؤں میں سے تھا اس کا نام زاہر تھا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ککڑی وسبزی وغیرہ لاکر پیش کیا کرتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہر کی چیزیں مثلاً کپڑا گھی

وغیرہ عطا فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے زاہر یہ ہماری دوستی کا نشان ہے کیونکہ ہم شہری ہیں اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے والے کا نام عبداللہ تھا اور جس کا خمار اور زاہر لقب تھا وہ دوسرا شخص تھا (واللہ اعلم)۔

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی محبت اسی میلان اور کشش کا نام ہے اگر چہ متابعت میں کسی قسم کی خطا و غلطی سرزد ہو جائے نیز یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ کافر نہیں ہے جیسا کہ اہلسنّت و جماعت کا مذہب ہے۔ بایں ہمہ واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دائمی ثبات' عاصی کے دل میں اس امر پر مشروط و مفید ہے کہ وہ اس معصیت سے شرمسار ہو اور اس پر حد شرعی نافذ ہو چکی ہو تو وہ گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے اس کے برخلاف کہ نہ تو وہ شرمسار ہو اور نہ اس پر حد جاری ہوئی ہو تو خطرہ ہے کہ تکرار گناہ اور اس پر طبعی طور پر اصرار کہیں اس سے ایمان کو سلب نہ کر لے اور دل پر مہر نہ لگا دے العیاذ باللہ تعالیٰ علامات محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آپ کے ذکر شریف کی کثرت بھی ہے اس لیے کہ کثرت ذکر' لوازم محبت میں سے ہے ''مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ'' (جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے) اور بعض محبت کی تعریف' دائمی ذکر محبوب سے کرتے ہیں اور یہ سعادت، خدمت علم دین اور علم سیر کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے اور اصحاب علم حدیث کو خاص قسم کی نسبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص لگاؤ ہوتا ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں ہے اس لیے کہ ان کی زبانوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و صفات کا ذکر شریف ہمیشہ رہتا ہے اور وہ اسے ورد جان بنائے رکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے صفات کی معرفت اور آپ کے احوال تعینی و تشخصی کی شناخت انہیں کو حاصل ہوتی ہے اور ہمیشہ جمال مبارک کی شبیہہ و تصویر' ملحوظ نظر اور ان کے نصب العین میں رہتی ہے۔ اور آپ کی خیالی شبیہہ و تصویر' اتصال باطنی میں قوی و متصل ہوتی ہے اور جب آپ کے اسم گرامی کا ذکر ہوتا ہے تو اس کی لذت ان کے دلوں میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے اور نام والے کی عظمت دل میں مشاہدہ کرتی اور متحضر ہوتی ہے۔ اور یہ ہمیشہ حاضر درگاہ رہتے ہیں۔ ان حضرات کی اس باب میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ سے مشارکت و مشابہت ہے۔ کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال' اقوال اور افعال کی خبر رکھتے ہیں اور وہ مصاحبت و مجالست اور مکالمت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی صحبت معنوی ہے اور یہ صحبت ظاہری و صوری سے دور ہیں۔ اور فوائد عظمیٰ میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کرنے والے اور خطہ پاک کی جہاں یہ قبر انور شریف واقع ہے حاضری دینے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ اس کے ذکر شریف میں شب و روز گزارتے ہیں جو کہ متخلق باخلاق اللہ ہیں تو اس ارشاد کے مصداق بن جاتے ہیں کہ: فاذ کرونی اذ کر کم۔ (تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا) اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی یاد فرماتے ہیں۔ اور درود و سلام جو اقرب وسائل ہے اس علم شریف کا جز ہے ایک بزرگ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ تحصیل و خدمت علم حدیث پر سب سے زیادہ ابھارنے والا اور سب سے قوی برانگیختہ کرنے والا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اور علامات محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کے وقت آپ کی تعظیم و توقیر بجا لانا اور آپ کے اسم مبارک کے سننے پر اظہار خشوع و خضوع اور انکساری کرنا بھی ہے جو جس سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس کے سامنے عاجزی کرتا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حال تھا کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو رونے لگتے اور خشوع کا اظہار کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت تعظیم اور آپ کے ہیبت و جلال سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہی حال تابعین اور ان کے بعد والوں کا تھا۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

ابو ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے ذکر کیا جائے تو

وہ خشوع وخضوع کا اظہار کر کے اور بدن کو ساکن کر کے جنبش تک نہ دے۔ اور خود پر ہیبت وجلال طاری کرے گویا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا اور اس وقت جیسا ادب فرض تھا وہی ادب ادا کرتا اس وقت بھی ویسا ہی ادب کرے۔ ابو ایوب سختیانی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو اتنا روتے کہ لوگوں کو ان کی حالت پر رحم آ جاتا۔ اور جعفر بن محمد باوجودیکہ کثیر المزاح اور ہنس مکھ تھے مگر جب ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور عبدالرحمٰن القاسم رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ دگرگوں ہو جاتا اور ان کی کمر دوہری ہو جاتی۔ یہاں تک کہ ہمنشینوں پر دشواری پیدا ہو جاتی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے دریافت کیا آپ کا یہ کیا حال ہو جاتا ہے؟ فرمایا اگر تم وہ دیکھتے جو میں نے دیکھا ہے تو تم اس کا انکار نہ کرتے۔ بلاشبہ میں نے محمد بن المنکدر رضی اللہ عنہ کو جو سید القرا تھے دیکھا ہے کہ ہم قریب نہ ہوئے تھے کہ ہم ان سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھیں کہ ان پر اتنا گریہ طاری ہو گیا کہ ہم ان کی حالت پر رحم کھانے لگے۔ بلاشبہ جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ہم ان کے چہرے کی طرف دیکھتے گویا اس سے خون کھینچ لیا گیا ہے اور ہیبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی زبان ان کے منہ میں ہوتی۔ اور عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ رونے لگتے یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک باقی نہ رہتے اور زہری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بااخلاق اور مجلسی زندگی رکھنے والے شخص تھے مگر جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا ان کو نہ تم جانتے اور نہ وہ تم کو جانتے ہیں۔

اور صفوان بن سلیم بڑے عابد وزاہد لوگوں میں سے تھے جب ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو اتنا روتے کہ لوگ اٹھ کر ان کے پاس چلے جاتے اور ان کو اپنی جگہ پر چھوڑ جاتے۔

اور قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سنتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور رونے لگتے اور عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہ حال تھا کہ جب حدیث پڑھی جاتی تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اور فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قرأت کے وقت خاموش رہنا۔ اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام فرمانے کے دوران خاموش رہنا اور سننا فرض ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سنتے وقت آپ پر درود بھیجنے کے سلسلے میں مفصل بحث ہے جو انشاء اللہ متعلقہ باب میں آئے گی۔

اور علامات محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے لقائے حبیب میں کثرت شوق بھی ہے۔ اس لیے کہ ہر طالب ومحبّ لقائے حبیب کو دوست رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ: اَلْمَحَبَّةُ هِيَ الشَّوْقُ اِلَى الْحَبِيْبِ محبت کا ایک حصہ یہی شوق ہے حبیب کی لقا کا، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق بے چین کرتا اور سوزش محبت انہیں مضطرب کرتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا قصد کرتے اور جمال جہاں آرا سے شفا کے متمنی ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی سے لذت وسرور حاصل کرتے اور آپ پر نظریں جمائے رہتے تھے۔ اشعریوں کی حدیث میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمانے کے وقت لوگ رجز گا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَصَحْبَهٗ اور بعض آثار واحادیث میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور معدان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اقوال بیان ہوئے جو اس بات کے مناسب ہیں۔ علامات محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر اس شخص سے محبت رکھنا بھی ہے جو آپ سے تعلق رکھتا ہے وہ اہل بیت میں سے ہو یا صحابہ میں سے، مہاجرین میں سے ہو یا انصار میں سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ہر اس شخص سے عداوت رکھنا بھی ہے جو ان

سے دشمنی رکھے اور انہیں گالیاں دے گویا کہ جو انہیں دوست رکھے ان کو دوست جانے اور جو انہیں دشمن جانے ان سے دشمنی رکھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: خداوندا جو ان سے محبت رکھتا ہے تو تو بھی اسے دوست رکھ۔ اور فرمایا جو کوئی ان سے محبت رکھتا ہے بلاشبہ وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے یقیناً وہ خدا سے محبت رکھتا ہے اور جو کوئی ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھتا ہے اور اسے خدا دشمن جانتا ہے۔

اور حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا وہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جو چیز انہیں غضب میں لاتی ہے وہ مجھے غضب میں لاتی ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) ان سے محبت رکھو کیونکہ میں بھی ان سے محبت رکھتا ہوں۔''

اور صحابۂ کرام کے بارے میں فرمایا ''انہیں نشانہ نہ بناؤ اور جو کوئی ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کی بنا پر ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر ان سے دشمنی رکھتا ہے اور جو کوئی انہیں ایذا دیتا ہے بلاشبہ وہ مجھے ایذا دیتا ہے اور جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے وہ خدا کو ایذا دیتا ہے اور جو خدا کو ایذا دے قریب ہے کہ وہ خدا کی پکڑ اور عذاب میں آئے۔''

اور فرمایا ایمان کی علامت' انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی علامت ان سے دشمنی رکھنا ہے اور فرمایا جو عرب سے محبت رکھتا ہے وہ بلاشبہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر انہیں دشمن رکھتا ہے۔

علامات محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے امت پر مہربانی وشفقت' التزام نصیحت اقامت مصالح میں کوشش' ایصال منافع اور ان سے ضرر ونقصان رساں چیزوں کو دفع کرنا بھی ہے۔ درحقیقت جو کسی سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی ہر اس چیز سے محبت رکھتا ہے جس سے وہ محبت رکھے اور یہ سلف کی خصلت وسیرت تھی۔ حتیٰ کہ دعاؤں میں بھی اور اپنی خواہشوں میں بھی۔ چنانچہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے ہیں تو وہ ہمیشہ کدو سے محبت رکھنے لگے۔ اور حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم اور سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں۔ ان کے پاس آتے اور ان سے خواہش ظاہر کرتے کہ وہ کھانا تیار کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا (آخر حدیث تک)۔

علامات محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے علماء صلحا اور متبعین سنت کے ساتھ محبت رکھنا اور جاہلوں' فاسقوں' اور اہل بدعت سے بغض رکھنا بھی ہے اور ہر وہ شخص جو مخالف شریعت ہو اسے ناگوار جاننا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ وہ لوگ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں اس قوم کی محبت نہ پائی جائے گی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتے ہیں اگرچہ وہ ان کے باپ ہی کیوں نہ ہوں اور یہ اصحاب نبی رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے جنہوں نے اپنے باپ' بیٹوں' بھائیوں اور دوستوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی خواہش میں مار دیا۔ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا رئیس وسردار تھا اس کے بیٹے عبداللہ نے جو مخلصوں میں سے تھے اپنے منافق باپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اگر حضور چاہئیں تو میں اپنے باپ کا سر اتار کر لے آؤں جب کہ اس منافق نے یہ کہا تھا کہ: لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور ہم عزت دار وہاں سے ان کو نکال دیں گے (معاذ اللہ) اور اس نے ''اعزا'' یعنی عزت دار سے خود کو مراد لیا تھا۔ اور ''اذل'' سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور جب یہ مدینہ لوٹے تو

اس منافق کا بیٹا یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سونت کر شہر کے دروازے پر آ کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ سے کہا اب تو اپنی زبان سے کہہ کہ: اَنَا اَذَلُّ النَّاسِ وَاَصْحَابُ مُحَمَّدٍ اَعَزُّ النَّاسِ میں لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور اصحاب رسول لوگوں میں سب سے زیادہ عزت دار ہیں۔ ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔'' اس نے کہا'' کیا تو سچ کہتا ہے اور یوں ہی کرے گا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں میں تیری گردن اڑا دوں گا اس پر اس نے اپنی زبان سے مذکورہ الفاظ ادا کیے اور اس کا اقرار کیا تب انہوں نے اسے چھوڑا اور حویصہ رضی اللہ عنہ اور محیصہ رضی اللہ عنہ دو بھائی تھے ان میں سے چھوٹا بھائی ایمان لے آیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس یہودی کے قتل کرنے پر مقرر فرمایا تھا جو مفسدوں میں سے تھا تو اس کے بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کیا تم اس آدمی کو مار ڈالو گے جس کی نعمتوں کے آثار ہمارے پیٹ کی چربیوں میں ہیں۔ اس نے کہا: کیا ہوا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ میں تجھے مار ڈالوں تو اسی وقت میں تجھے قتل کر دوں گا۔ پھر وہ بھائی اپنے گھر آیا اور انصاف سے سوچنے لگا اور کہنے لگا عجیب دین ہے جسے تو نے اختیار کیا ہے اس سے تیری اتنی محبت ہے'' اس کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

علامات محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے قرآن کریم سے محبت رکھنا بھی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن خدا کی طرف سے لائے وہ مہدی وہادی اور اخلاق وسیرت کو بنانے والی کتاب ہے چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اخلاق قرآن ہے اس کی تلاوت کرنا' اس پر عمل کرنا، اس کو سمجھنا' اس میں غور وخوض کرنا اور اس کے حدود کو قائم کرنا علامات محبت میں سے ہے۔ حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا سے محبت کی نشانی قرآن سے محبت رکھنا ہے اور قرآن سے محبت' نبی سے محبت کی علامت ہے اور نبی سے محبت کرنے کی علامت سنت سے محبت رکھنا ہے۔ اور سنت سے محبت آخرت سے محبت رکھنا ہے اور آخرت سے محبت دنیا سے بغض رکھنا ہے اور دنیا سے بغض رکھنے کی علامت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ذخیرہ نہ کرے بجز اس توشہ کے جو آخرت میں کام آئے۔

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ اگر قلوب انسانی پاک وصاف ہوں تو وہ قرآن سے کبھی سیر نہ ہوں گے اور کیونکر سیر ہو سکتے ہیں کہ وہ اس کے محبوب کا کلام ہے اور یہی اس کا غایت مقصود ہے۔ یہ کیفیت ان دلوں کی ہے جو پاک ہیں اور نور ایمان سے منور ہیں۔ بیت ؎

جمال شاہد قرآں نقاب انگاہ بکشاید کہ دار الملک ایماں را بیابد خالی از غوغا

درحقیقت خدا اور سول کی محبت کا معیار ومصداق قرآن وحدیث ہے۔ اس لیے کہ محبوب کا کلام محبوب ہوتا ہے اور حیف افسوس ہے کہ کلام اللہ کی محبت سے زیادہ لہو ولعب اور گانے باجے سے محبت رکھی جائے۔ حالانکہ یہ فساد قلب اور خرابی باطن کا نشان ہے۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ من حیث القرآن' علامت ذوق قرآن یہ ہے کہ حسن صوت اور اس کا دل دونوں برابر ہوں اور وہ لوگ جو بغیر آواز کے لطف نہیں لیتے یا آواز سے زیادہ لطف لیتے ہیں درحقیقت وہ آواز سے لطف اٹھاتے ہیں نہ کہ قرآن سے۔ یہ بات مبالغہ سے خالی نہیں ہے ورنہ صوت حسن قرآن کی زینت اور اس کا لہجہ ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ وَمَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَيْسَ مِنَّا۔ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو اور جو قرآن عمدہ لہجے سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔''

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا سماع قرآن کے وقت یہ حال ہوتا تھا کہ: اِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ رسول کریم پر جو نازل ہوا جب وہ اسے سنتے تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے کہ وہ آنسو بہاتی ہیں جیسے انہوں نے حق کی جانب سے سمجھا اور صحابۂ کرام میں بکثرت ایسے صاحب حسن صوت تھے جو دل سے قرار لے جاتے اور سینہ

سے روح کھینچ لیتے اور ایمان میں افزونی پیدا کرتے تھے۔ خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

زیادتی ایمان اور اس کی تقویت کے لیے قرآن کو صوت حسن سے سننے سے بالاتر کوئی چیز نہیں ہے۔ خصوصاً اہل عرب کا صوت حسن۔ ایک رات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گوشہ میں ان کی آواز پر کان لگائے لذت حاصل کر رہے تھے اور محظوظ ہو رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو ان سے فرمایا رات کیا خوب قرآن پڑھ رہے تھے میں سن رہا تھا۔ انہوں نے کہا آہ! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ حضور سماعت فرما رہے ہیں تو میں اپنی آواز کو اس سے زیادہ آراستہ بناتا۔ بیت

دلم را شادی رو داده از نالیدنم امشب ۔۔۔۔۔ رجائے یار گویا گوش بر آوازمن دارد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ میرے سامنے قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کرو۔ عرض کیا یارسول اللہ میں آپ کے سامنے تلاوت کروں حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے فرمایا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سے غیر سے سنوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تلاوت قرآن کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور آپ کا سینہ اطہر جوش مارنے لگا۔ بالکل اسی طرح جس طرح دیگ میں جوش آتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کبھی کبھی درد کا دورہ پڑا کرتا تھا اور راستہ میں شدت درد سے زمین پر لوٹنے لگتے تھے پھر وہ دو ایک دن گھر میں آرام کرتے لوگ انہیں بیمار سمجھ کر ان کی عیادت کے لیے آتے تھے جب صحابۂ کرام کا اجتماع ہوتا اور ان میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری بھی ہوتے تو کہتے اے موسیٰ! کچھ خدا کا ذکر ہمیں بھی سناؤ تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کرتے اور وہ سب اسے سنتے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

امام احمد اور دیگر محدثین روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمائے گا کہ میری حمد اس آواز میں کرو جو دنیا میں کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام عرض کریں گے میں کس طرح تیرے حضور اے رب! اپنی اس آواز سے حمد کروں۔ حق تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارے اندر وہی سوز وگداز پیدا کرتا ہوں جیسا پہلے تھا۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام ساق عرش پر کھڑے ہو کر حمد کریں گے۔ جب اہل بہشت اس آواز کو سنیں گے تو وہ جنت کی نعمتوں کو فراموش کر کے اس آواز کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کلام خدا کو سنیں گے جو حضرت داؤد پر نازل ہوا اور زبور میں ان سے خطاب فرمایا۔ اس پر جب رب کریم کی وجہ کریم کا اضافہ ہوا اور سبحانہ وتعالیٰ کی رویت بھی سامنے ہو تو وہ سب کچھ فراموش کر کے اس کی جانب مستغرق ہو جائیں گے۔

اس سلسلے میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سماع قرآن ہے اس سماع میں دو اہل ایمان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف تو اشعار کے پڑھنے میں ہے جو موسیقی کے طرز میں گائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ تو اسے وصال وقرب کا ذریعہ جانتا ہے اور دوسرا گروہ اسے فسق سے ملاتا ہے دونوں جانب افراط وتفریط ہے۔ (انتہی) یہ جو کچھ محبت قرآن کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے وہ تلاوت محبت اور اس کی تعظیم کی حیثیت سے ہے اور اتباع وعمل کی حیثیت ان سب سے بلند ہے کیونکہ دین اسلام اور ثبوت نبوت ورسالت کا مدار قرآن پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَآ اَيُّهَاالنَّاسُ قَدْجَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا. اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس برہان تشریف لے آیا۔ اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین نازل فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال محبت کی علامت' دنیا میں زہد وایثار' فقر اور قرآن کے ساتھ متصف ہونا ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فقر جس کی طرف دوستی بڑھاتا ہے وہ اس گھوڑے سے تیز تر ہے جو اوپر سے نیچے اترے۔ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ فرمایا: ہوش کر اور سوچ سمجھ کر کہہ کہ کیا

کہہ رہا ہے اس نے پھر عرض کیا میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ فرمایا: اگر تو مجھ سے محبت رکھتے ہو تو خود کو فقر کے لیے آمادہ کرلو۔ ایک اور شخص آیا اس نے کہا کہ میں خدا سے محبت رکھتا ہوں۔ فرمایا: تو بلا و مصائب کے لیے تیار ہو جا' شیخ اجل واکرم عبدالوہاب متقی قادری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہمارے مرشد نے انابت واردات کا ہاتھ تھاما تو فرمایا کہو: اَلْفَقْرُ وَاَفْضَلُ مِنَ الْغِنَاءِ. تونگری سے فقر افضل ہے۔ انہوں نے ہم سے سب سے پہلے فقر کی افضلیت کا اقرار کرایا اس کے بعد انہوں نے مرید کیا۔ اس مقام سے بعض ان مدعیان و متصوفان زمانہ کا گمان باطل وہو جاتا ہے جو یہ دعویٰ کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں تمام اتباع کے مراتب حاصل ہو گئے ہیں باوجود یہ کہ وہ گرفتار دنیا ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کے بارے میں حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد درست ہے کہ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُلَنَا۔ تو کچھ لوگ بعد میں آنے والے ایسے آئے جو کتاب کے وارث بنے اور ذلیل دنیا کا مال لیتے رہے اور کہتے رہے ہمیں خدا بخش دے گا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَعَلَيْنَا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

وجوب مناصحت وخیر خواہی: وصل: واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی اخلاص اور ادائے حقوق ظاہر' مخفی' ہر حالت میں واجبات دین و اسلام میں ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ دین سراپا نصیحت و خیر خواہی ہے صحابۂ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ کس کے لیے نصیحت و خیر خواہی ہے فرمایا اللہ اور اس کے رسول، قرآن اور عام و خاص مسلمانوں کے لیے۔ ایک روایت میں ائمہ مسلمین اور عام مسلمان آیا ہے یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور تمام دینی علوم اس اجمال کے احاطہ میں مندرج ہیں۔

جوامع الکلم اس حدیث کو کہتے ہیں جو لفظوں کی کمی میں انتہائی مختصر و موجز ہو اور معانی میں کثرت و وسعت کا جامع و حاوی ہو۔ یہ قسم کلام محمدی میں اعظم و اشرف اور دلائل و شواہد میں آپ کا کمال ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَاخْتُصِرَ لِيَ الْكَلَامُ مجھے جوامع الکلم دیا گیا اور میرے کلام کو مختصر کیا گیا۔ اس حسن و خوبی کا اظہار اور حسن و جمال کے دقائق کی جنسوں کا بیان حد و شمار سے باہر ہے۔ یہ کلام بدیع المثال ہے اور اس کلام کی جلالت اور اسرار و حقائق کے انواع و اقسام احاطہ فہم و عقل سے خارج ہیں۔

نصیحت کے لغوی معنی خالص و صاف ہونے کے ہیں اور عسل ناصح ایسے شہد کو کہتے ہیں جو موم وغیرہ سے پاک و صاف کر لیا گیا ہو اس جگہ صفا و خلوص مراد ہے جو ادائے حق اور منصوح لہ کے لیے ارادہ خیر میں ہو۔ لہٰذا نصیحت اللہ سے مراد حق تعالیٰ کے ساتھ واحدانیت اور ہر اس وصف کے ساتھ جو اس کے لائق ہے اور ذات وصفات باری تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہہ ہر اس چیز سے جو اس کے کمال کے لائق نہیں صحت اعتقاد ہے اور شریعت کے اوامر و نواہی کو بجالانا اور اس کے احکام کو ماننا اور جہاد سے دین کی مدد کرنا اور ایسے اسباب مہیا کرنا جو دین و ملت کی تقویت و بقا کا موجب ہیں جیسے علم و عمل اور عبادت میں اخلاص برتنا اور نصیحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ حیات ظاہری اور حیات باطنی دونوں حالتوں میں آپ کی حمایت' نصرت خدمت' احیاء سنت' مخالفوں کو اس سے باز رکھنا اور ان سے مدافعت کرنا' اخلاق کریمہ کی مانند اخلاق سنوارنا اور آداب جمیلہ کی مانند عادت و خصلت بنانا۔

اسحاق یحییٰ فرماتے ہیں کہ نصیحت رسول کا مطلب ہر اس چیز کی تصدیق کرنا ہے جو آپ دین میں خدا کی طرف سے لائے اور سنت کو مضبوط تھامنا اور اس کی اشاعت کرنا اس پر لوگوں کو عمل کرنے کی ترغیب و تلقین کرنا اور خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کی طرف دعوت دینا اور اس پر کمربستہ رہنا اور عمل کرنا۔ ابوبکر آخری فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصح و خیر خواہی آپ کی حیات میں بھی ہے اور بعد وفات بھی۔ اور آپ کی حیات میں صحابۂ کرام کی خیر خواہی آپ کے لیے مدد' غزوات میں شرکت' صحبت احباب اور دشمنان رسول سے عداوت سے تھی اور آپ کی فرماں برداری کرنے طاعات بجالانے اور جان و مال کے قربان کرنے میں تھی

اور بعد وفات' عظمت و بزرگی کا لحاظ رکھنا' شدت سے آپ کی محبت پر قائم رہنا اور تعلیم سنت اور تفقہ فی الدین پر مداومت و مواظبت کرنا۔ اہل بیت و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور جو سنت سے برگشتہ ہے اور اس پر معترض ہے اس سے مجانبت و بغض رکھنا اور آپ کی امت پر شفقت کرنا اور اخلاق و سیرت اور آداب نبوی کے جاننے میں جستجو و کوشش کرنا اور اس پر قائم رہنا ہے۔

نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں' آپ کی محبت' تعظیم' آداب اور ہر عیب و معصیت سے جو مقام نبوت و رسالت کے لائق نہیں ہیں ان سے آپ کی عزت و جلالت کو پاک جاننا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو ملحوظ رکھنے میں قاعدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ عزوعلا کے مرتبۂ الوہیت و صفات قدس کے بعد جو کمال اور خوبی ہے وہ آپ کے لیے ثابت ہے اور آپ سے محبت رکھنے کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو آپ سے نسبت رکھتی ہے جیسے علماء' صلحا' شہر و امصار' خصوصاً اہل بیت و قرابت رسول ان سب سے مودت و اکرام کیا جائے۔

عمرو بن لیث' خراسان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جو پہلوان' غریب پرور اور صاحب دولت کثیر تھا لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے کہا خدا نے مجھے بخش دیا۔ لوگوں نے پوچھا کس بنا پر بخشش ہوئی؟ اس نے کہا ایک دن میں ایک پہاڑی کی بلندی پر اپنے لشکر کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا اور میں ان کی کثرت و زیادتی پر مسرور تھا۔ اس وقت میں نے تمنا کی کاش کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری میسر آتی اور میں آپ کی نصرت و اعانت کرتا پھر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ اور بعض حکایتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی جگہ اور کی نصرت آئی ہے کہ اس نے کہا: اے کاش! میں اس روز موجود ہوتا جس دن امام حسین اور اہل بیت نبوت رضی اللہ عنہم میدانِ جنگ میں تھے۔ اور یزیدی لشکر انہیں مخذول و مقہور کر رہا تھا (واللہ اعلم)۔ لیکن نصیحت کتاب اللہ یہ ہے کہ قرآن پاک پر ایمان لائے اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرے۔ اس کی آیتوں میں غور و خوض کرے۔ اس کے معانی کو سمجھے ان علوم کو حاصل کرے جو اس کے متعلق ہیں اور اس کی تلاوت ہمیشہ طہارت کی رعایت کے ساتھ حسن صوت' حضور قلب اور اس کی عظمت کے ساتھ کرے اور اس کے سمجھنے اور غور کرنے کی کوشش کرے اور اہل زیغ و ضلالت کی تاویلات اور ملحدوں اور زندیقوں کے مطاعن سے دور رہے۔

نیز کتاب اللہ کے حقوق کے لوازمات سے یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ اور اعتراض نہ لائے۔ اور ایسی تفسیر جو بے سند غیر منقول از سلف اور خلاف شرع ہو اپنی خواہش سے نہ کرے جیسا کہ بعض جاہل لوگ اور اس زمانے کے ابوالفضول لوگ کرتے ہیں اور اس کا تفسیر قرآن نام رکھتے ہیں اور اتنا نہیں جانتے کہ: مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْيِهٖ فَقَدْ كَفَرَ. جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ کافر ہو گیا (نعوذ باللہ من ذلک)

لیکن عام مسلمانوں کے لیے نصیحت یہ ہے کہ ان کے حقوق کی رعایت کرے۔ مصالح میں ان کی رہنمائی کرے۔ اور دین و دنیا کے معاملات میں قول و فعل سے مدد کرے' اور غافلوں کو تنبیہہ کرے' جاہلوں کو راہ دکھائے محتاجوں کی دستگیری کرے۔ عیبوں کی پردہ پوشی کرے۔ مضرتوں کو دور کرے ان کو نفع پہنچائے۔ ان کے جان و مال' عزت آبرو کی حفاظت کرے اور مسلمانوں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھے۔ اپنے کام اور دہن کو ان کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھے۔ نیکیوں کی تلقین کرے اور برائیوں سے بچائے اور عام لوگوں کی نصیحت میں سے یہ ہے کہ ان کی عقلوں کے مطابق کلام کرے۔ وقائق و حقائق کا ذکر نہ کرے۔ اسرار کا انکشاف نہ کرے۔ اور علماء کے اقوال اور ان کے اختلافات کو غیر علماء پر اظہار کا بھی یہی حکم ہے۔

لیکن خواص مسلمانوں کے لیے نصیحت کرنا یہ ہے (اکثر خواص سے مراد' امراء و سلاطین لیتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں پر حاکم ہوتے

ہیں) کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ مسلمان حاکموں کی اطاعت ان کی مدد واعانت کے حق میں کی جائے۔ اور انہیں احسن طریقہ سے نرمی وآشتی کے ساتھ نیکی کی تلقین کریں اور انہیں خدا کے خوف سے ڈرائیں۔ اور مسلمانوں کے وہ امور جن سے وہ غافل ہیں اور ان سے پوشیدہ ہیں ان سے انہیں خبردار کیا جائے۔ اور ان پر خروج وبغاوت نہ کی جائے اور لوگوں میں انہیں رسوا نہ کیا جائے اور نہ لوگوں کے دلوں کو فساد پر آمادہ کیا جائے اور رعیت کے احوال کی اصلاح اور لوگوں کے مہموں کے انتظام میں جو وہ امور انجام دیں اس میں ترغیب دی جائے۔ اور ان کی طرف سے جو سختی وشدت اور ظلم پہنچے اس پر صبر وتحمل کیا جائے۔ اور ان کے لیے دعائے خیر کی جائے۔ بعض علماء صوفیا اور مشائخ عجم رحمہم اللہ خواص کی تین قسمیں کرتے ہیں ایک امراء اور اولی الامر ہیں اور فرماتے ہیں کہ مرد اپنے گھر میں امیر ہے اور استاد شاگردوں پر امیر ہے۔ باپ اولاد پر امیر ہے۔ حاکم وسردار رعایا اور ماتحتوں پر امیر ہے۔ دوسرے علماء ہیں علماء کی تعظیم اور ان کی تصدیق واجب ہے۔ جب تک کہ وہ دین کے موافق نقل کریں۔ اور کتاب وسنت سے تمسک کریں لیکن ان چیزوں کی تصدیق ممنوع ہے جو وہ دین کی مخالفت، ہوائے نفس، محبت دنیا، حیلہ سازی اور فتنہ اندوزی میں کریں اور تیسرے اہل خصوص سے مراد مشائخ طریقت ہیں جو علم وتحقیق کے ساتھ عمل، ورع، اتباع سنت، توجہ تام بجناب حق، انقطاع از غیر حق سبحانہ وتعالیٰ، ترک دنیا، تجرید ما سوی اللہ اور شریعت وطریقت میں کامل دسترس کے بعد حقیقت کے انوار واسرار حاصل کر کے کمال کی نعمت سے آراستہ وپیراستہ اور ممتاز ہو گئے ہیں۔ ایسے محققین ومتمکنین جو ظاہر وباطن اور شریعت وحقیقت کے جامع ہیں وہ ایسے احوال باطن اور اسرار حقیقت کی خبریں دیں جو ظاہر شریعت کے مخالف ومباین نہ پڑیں تو ان کی تصدیق کرنا چاہیے۔ اس باب میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو بلاشبہ مخالف مقتضائے علم وحکم شریعت ہو اس کا انکار واجب ہے اور جس چیز میں شبہ ہو اس میں توقف لازم ہے۔ اور اگر کسی ایسے قابل وعالم سے مروی ہو جو علم میں امام ہے اور تقویٰ اور ورع میں عمل مستقیم کا حامل ہے تو اس کے قول کی توجیہ وتاویل مناسب ہے اور اگر اس کے رد میں کوئی شرعی مصلحت ہو کہ کہیں کم علم اور ناقص علم کے لوگ خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہی میں مبتلا کرنے کے باعث نہ ہو جائیں تو اس کا رد کرنا جائز ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ عصمت انبیاء علیہم السلام کا خلاصہ ہے اور خطا ہر اس پر جائز ہے جو انبیاء کے سوا ہیں کیونکہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو اعاظم صحابہ کے زمرۂ علماء میں سے ہیں وہ اپنی رحلت کے وقت فرماتے تھے کہ جو کچھ دین وشریعت کے خلاف ہے ان سب کا ردّ وانکار کرو۔ فرماتے ہیں: کائناً من کان جو کچھ بھی لکھے اور جو کچھ بھی کہے (واللہ الموفق)۔

تنبیہ: مناصحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں جو یہ کہا گیا ہے کہ محبت کے ثمرات اور اس کی علامتوں میں سے یہ ایک علامت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وجوب مناصحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک باب علیحدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت ذکر کیا ہے کہ فرمایا 'اِذَا نَصَحُوْ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ'۔ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ الدین النصیحۃ دین سراپا نصیحت وخیر خواہی ہے تو ہم نے بھی ان کی بعیت وپیروی کی ہے۔ اور اس کی تکرار کا بحکم: ھُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ۔ (یہ مشک ہے جتنی مرتبہ کھولو گے خوشبو پھیلے گی) اندیشہ نہیں کیا اور اجمال حدیث کی شرح کا ذوق بھی اسی کا مقتضی تھا۔

درحقیقت' نصیحت خدا وکتاب وخواص وعام مسلمین کے ضمن میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ سب تعظیم ومحبت اور نصیحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل اور آپ کے حقوق کا بیان ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

صحابۂ کرام کا تعظیم وتوقیر بجالانا: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر' صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کس طرح کرتے تھے اس ضمن میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث بیان کی گئی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے صفات مذکور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی ایک بھی نہ تھا اور نہ میری آنکھ میں آپ سے زیادہ کوئی بزرگ وعظیم تر تھا اور میرا حال یہ تھا کہ میری طاقت اتنی نہ تھی کہ میں آپ کو آنکھ بھر کر دیکھ سکوں۔ اور نہ آپ سے آنکھیں سیر ہوتی تھیں اگر کوئی مجھ سے کہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کروں تو مجھ میں اتنی قدرت نہیں اس لیے کہ میں آپ کے سامنے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں ہماری حالت یہ تھی کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لاتے تو اصحاب مہاجرین وانصار کے حلقے میں جلوہ گر ہوتے ان میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے درمیان نشست فرماتے مگر ان میں سے کسی میں تاب وتوان نہ ہوتی کہ آپ کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وکبریائی اور غایت وجلال کا عالم تھا۔ البتہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ آپ کی طرف دیکھتے اور متبسم ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف ملاحظہ فرماتے اور تبسم فرماتے یہ ان کی باہمی انس ومحبت کا عالم تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہوا تو آپ کے صحابہ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا حال یہ تھا گویا کہ ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہیں۔ مطلب یہ کہ انتہائی سکون وقرار میں تھے جنبش تک نہ کرتے اور نہ سر اٹھاتے تھے اس لیے کہ جس کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا گر وہ حرکت کرے اور سر اٹھائے تو سر پر بیٹھا ہوا پرندہ اڑ جائے۔

اور اس حدیث میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف مبارک بیان کیا گیا ہے مذکور ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو ہم نشین صحابۂ کرام سروں کو جھکا دیتے اور خاموش ہو جاتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

عروہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جس وقت ان کو سال حدیبیہ میں قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور صحابۂ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور احترام کرتے دیکھا اور یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں تو آپ وضو لینے میں جلدی کرتے اور ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں۔ اور قریب ہوتا ہے کہ باہمی خون خرابہ ہو جائے مگر پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آب دہن مبارک یا آب بنی شریف یا آب حلق مبارک جدا ہونے نہیں پاتا کہ آپ بڑھ کر اپنی ہتھیلیوں میں لے لیتے اور اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو موئے مبارک جدا ہوتا اسے جلدی سے حاصل کر لیتے اور تبرک بنا کر اس کی حفاظت کرتے اور جب کوئی حکم فرماتے تو امتثال امر میں شتابی کرتے، جب بات کرتے تو اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور کسی کو یارا نہ ہوتا کہ نگاہ اٹھائے اور آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے۔ یہ غایت تعظیم اور اجلال کی وجہ سے تھا جب عروہ لوٹ کر قریش کی طرف گئے تو ان کو دیکھتے ہی کہنے لگے اے گروہ قریش! میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کو ان کی بادشاہی کے زمانے میں دیکھا ہے مگر قسم ہے خدا کی، میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جیسی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ کہا میں نے کسی بادشاہ کے ہم نشینوں کو کبھی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے اصحاب تعظیم کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، کی حدیث میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جس وقت سر مبارک سے قینچی سے بال تراشے جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ جمع ہو جاتے اور بالوں کو ہاتھوں میں لیتے رہتے اور ایک بھی بال گرنے نہیں دیتے بعد میں ان موئے مبارک کو حضور اپنے صحابۂ کرام میں تقسیم فرما دیتے۔ باب الحج کے مقام میں انشاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی آداب میں سے ایک یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کی جانب دعوت اسلام اور صلح کے ابتدائی قواعد وضوابط طے کرنے کے لیے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ وہ بیت الحرام کا طواف کر لیں۔ مگر حضرت عثمان نے انکار فرمایا اور فرمایا میں اس وقت تک طواف خانہ کعبہ نہیں کر سکتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس کا طواف نہ فرما لیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی رعایت کو طواف سے عظیم تر جانا اور حق وصواب بھی یہی ہونا چاہیے کہ کوئی عمل اور کوئی عبادت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی رعایت کے برابر نہیں ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کسی بدو کے آنے کو پسند کرتے کہ وہ حضور سے کوئی ایسی بات پوچھے جو ان کے دین میں فائدہ پہنچائے کیونکہ خود ان میں اتنی تاب وتواں نہ ہوتی کہ آپ کے ہیبت وجلال کی بنا پر کچھ دریافت کر سکیں اور قیلہ کی حدیث میں مذکور ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "قرفص" کی وضع پر بیٹھے دیکھا تو میں لرزہ براندام ہو کر آپ کی ہیبت وجلال میں گر پڑا۔ (آخر حدیث تک)

حضرت مغیرہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کو ناخنوں سے بجاتے تھے تا کہ کھٹکھٹانے کی آواز سخت وشدید نہ ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت شریف میں تشویش لاحق نہ ہو۔ حضرت براء ابن عازب فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا یہاں تک کہ کئی سال گزر گئے مگر دریافت کرنے کی ہمت نہیں ہوئی باوجود یکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں بڑے خوش اخلاق اور صحابۂ کرام کے ساتھ بڑی ہی مہربانی وشفقت کا سلوک فرماتے خصوصاً فقراء ومساکین کے ساتھ' جیسا کہ اخلاق شریف کے باب میں گزر چکا ہے۔

تعظیم درروایۂ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم :وصل: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث کی روایت کی تعظیم میں حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس ایک سال تک برابر آتا جاتا رہا مگر انہوں نے کسی وقت بھی بے تعظیمی سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے نہیں سنا اور جب کہ ایک دن بے خیالی میں ان کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو وہ اتنے شرمندہ ہوئے کہ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ پسینہ پسینہ ہو گئے اور ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ان کا چہرہ گرد آلود جیسا ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور ایسی ہچکی بندھی کہ گردن کی رگیں سوج گئیں۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ ایک روز ابو حازم کے پاس گئے اس وقت وہ حدیث بیان کر رہے تھے تو حضرت مالک ادھر سے گزر گئے اور فرمایا میں نے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ پائی اور میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ کھڑے کھڑے حدیث (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو حاصل کروں۔ حالانکہ میں کھڑا ہو سکتا تھا۔

اور حضرت مالک نے فرمایا ایک شخص حضرت ابن المسیب کے پاس آیا۔ اور اس نے ان سے ایک حدیث دریافت کی تو وہ ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کے بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ اس شخص نے کہا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور اٹھ کر بیٹھیں۔ انہوں نے فرمایا میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ پہلو پر لیٹے لیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ وہ تبسم کناں تھے لیکن جب ان کے سامنے حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی گئی تو فوراً متواضع ہو کر سر جھکا دیا۔

حضرت ابو مصعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک جب بیان کرتے تو پہلے وضو کر لیتے۔

بروایت مالک از جعفر بن محمد منقول ہے کہ حضرت مصعب بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ جب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کا عزم فرماتے تو پہلے وضو کرتے اس کے بعد حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے لیے ایک خاص لباس تیار کر رکھا تھا اسے پہنتے اس کے بعد حدیث بیان کرتے تھے۔ اس اہتمام کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ مطلب یہ کہ اسے آسان بات نہ جاننا چاہیے اس کی تعظیم کرنی چاہیے۔

حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ جب لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو پہلے ان کی باندی باہر آتی اور پوچھتی تم شیخ سے حدیث پوچھنا چاہتے ہو یا مسائل شرعیہ؟ اگر لوگ کہتے کہ ہمیں مسائل دریافت کرنے ہیں تو امام مالک فوراً باہر تشریف لاتے اور ان کو مسائل کا جواب عنایت فرما دیتے اگر وہ لوگ کہتے کہ ہمیں حدیث معلوم کرنی ہے تو پہلے غسلخانہ تشریف لے جاتے غسل کرتے بدن پر خوشبو ملتے اور نئے کپڑے پہنتے اور اپنا چغہ جو سیاہ یا سبز ہوتا زیب تن کرتے اور عمامہ سر پر رکھتے ایک تخت بچھایا جاتا۔ پھر باہر تشریف لاتے تخت پر خشوع وخضوع کے ساتھ بیٹھتے نجور جلایا جاتا اور جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہوتے اس ہیت کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ یہ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کے لیے خاص اہتمام تھا اور راہ چلتے یا کھڑے کھڑے باعجلت میں حدیث بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور سلف صالحین بے وضو حدیث بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور حضرت اعمش سے منقول ہے کہ جب وضو نہ ہوتا تو تیمم کرتے۔ حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک ہمارے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔ مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا۔ جب بیان حدیث سے فارغ ہو گئے اور سب لوگ چلے گئے تو میں نے ان سے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! میں نے آج آپ کا عجیب حال دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں' میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلال وتعظیم کی بنا پر صبر کرتا رہا۔''

ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وادی عمیق تک گیا۔ مدینہ طیبہ میں ایک وادی کا نام عمیق ہے۔ شعروں میں اس کا تذکرہ بہت آیا ہے اور حضور اکرم نے اس وادی کو مقدس فرمایا ہے تو میں نے اس وادی کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پوچھی تو انہوں نے مجھے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ میری نظر میں تم ایسے سوال کرنے سے زیادہ بزرگ تھے کہ تم مجھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کرتے حالانکہ ہم راستہ میں چل رہے ہوں۔ جزیر عبدالمجید قاضی جو قاضی شہر تھا اس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کی اس وقت آپ کھڑے تھے اس پر آپ نے اسے قید خانہ بھیجنے کا حکم فرمایا لوگوں نے عرض کیا یہ قاضی شہر ہے فرمایا قاضی زیادہ مستحق ہے کہ اسے آداب سکھایا جائے۔

ہشام بن عمار نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے کھڑے ہونے کی حالت میں حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اس پر بیس کوڑے لگوائے بعدازاں اس پر شفقت فرمائی اور اس سے بیس حدیثیں روایت فرمائیں اس پر ہشام نے کہا میں پسند کرتا ہوں کاش کہ بیس سے زیادہ کوڑے لگوائے جاتے تاکہ زیادہ حدیثیں سننے کا موقع میسر آتا۔ عبداللہ بن صالح فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لیث دونوں حدیث کی کتابت طہارت وضو کے ساتھ کرتے تھے۔ اور مشہور ہے کہ امام بخاری ہر حدیث کی کتابت کے لیے اپنی صحیح میں غسل کرتے اور دوگانہ ادا کرتے تھے۔ یہی طریقہ تراجم کتاب الٰہی کے لکھنے میں اختیار کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ آب زمزم سے غسل کرتے اور مقام ابراہیم علیہ السلام میں دوگانہ ادا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔

اہل بیت وازواج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر: وصل: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے ضمن میں آپ کے اہل بیت جو کہ جگر گوشہ ہیں اور ازواج مطہرات جو ام المومنین ہیں کی تعظیم وتوقیر اور ان کا ادب واحترام بھی کرنا ہے جیسا کہ

خاص طور پر ان حضرات قدس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے اور جس پر سلف صالحین عمل پیرا رہے ہیں۔ چونکہ حق تعالیٰ عزاسمہ، نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماسوا پر ہر چیز سے برگزیدہ فرمایا ہے اور عمومی فضیلت سے آپ کو مخصوص فرمایا ہے تو آپ کی برکت سے یہ فضیلت ہر اس شخص کو شامل ہے جو نسب' نسبت' صحبت' قربت' قریب یا بعید سے آپ کے ساتھ منتسب ہے۔ حقیقت میں ہر اس شخص سے محبت لازمی ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے چنانچہ اہل بیت اطہار سے محبت' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی بنا پر ہے۔ جس طرح کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ہے۔ یہی حال ان سے بغض وعداوت رکھنے میں ہے (العیاذ باللہ) قاعدہ ہے کہ جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ ہر اس چیز سے محبت رکھتا ہے جو محبوب سے نسبت وعلاقہ رکھے۔ اور ہر اس شے سے دشمنی و بیزاری ہوتی ہے جو محبوب سے بیگانہ یا اس کا مخالف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ — اور جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کی محبت ان لوگوں سے نہ پائی جائے جو اللہ اور اسکے رسول کے دشمن ہیں۔

لہٰذا اہل بیت اطہار، اصحاب کرام، اور اولا دو ازواج سے محبت متعین شدہ واجبات میں سے ہے اور ان کا بغض ہلاکت خیز سوانح میں سے ہے۔ محبت وبغض کے کمال میں ایک چیز ایسی ہے کہ جو ان کے متعلقات میں سرایت کرتی ہے یعنی اسلام کی نورانیت اور ایمان کی تابانیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ — اے نبی کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور فرمائے اور تمہیں خوب پاک وستھرا کرے۔

اور ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے: وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ اور نبی کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اہل بیت کی تفسیر میں چند اقوال واطلاق ہیں کبھی ان لوگوں پر اہل بیت کا اطلاق ہوتا ہے جن پر صدقہ حرام ہے وہ آل علی' آل جعفر' آل عقیل اور آل عباس رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ اور کبھی اس میں اولاد رسول اور ازواج مطہرات بھی شامل ہوتے ہیں اور کبھی مخصوص سیّدہ فاطمہ' امام حسن وحسین اور علی رضی اللہ عنہم مراد ہوتے ہیں اس بنا پر کہ ان میں فضیلت بکثرت ہیں سلام اللہ علیہم اجمعین۔

اہل بیت کے اطلاق میں ان تفسیری اقوال کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ ''بیت'' کی تین صورتیں ہیں ایک بیت نسب، دوم بیت سکنی سوم بیت ولادت' لہٰذا حضرت عبدالمطلب کی اولاد' اہل بیت نسب ہیں۔ اور ازواج مطہرات' اہل بیت سکنی ہیں، اور اولاد کرام' اہل بیت ولادت ہیں۔ اور سیّدنا علی مرتضیٰ اگرچہ اولاد سے ہیں لیکن سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے اہل بیت ولادت سے ملحق ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ میں تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے لازم رکھا اور اسے مضبوط تھامے رکھا تو گمراہ نہ ہو گے۔ ایک خدا کی کتاب دوسری میری عزت' تو اب غور کرو کہ ان دونوں سے تم کس طرح خلاف ورزی کر سکتے ہو۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا آتش دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا صراط سے گذارتا ہے۔ اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت، عذاب الٰہی سے امان ہے اور پہچاننے سے مراد ان کی منزلت اور مرتبہ پہچاننا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں کیا قرب حاصل ہے؟ اور جب ان کی اس نسبت کو جسے حق تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پہچان لیا تو معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح ان کی خلاف ورزی سے گمراہی لازم آتی ہے۔ اور ان کے احترام وپیروی سے گمراہی وعذاب سے

نجات ملتی ہے۔ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ ۔تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ' حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انہیں ایک چادر شریف میں ڈھانپ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا''اے خدا!'' یہ ہیں میرے اہل بیت! اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پس پشت مبارک کھڑے تھے ایک روایت میں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لیا اور ایک ہاتھ سے علی رضی اللہ عنہ مرتضٰی کو اور دوسرے ہاتھ سے سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر اپنے سے ملالیا اور کہا: اے خدا! یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو رجس یعنی ناپاکی سے دور کر کے انہیں خوب پاک وستھرا بنا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیۂ کریمہ میں اہل بیت سے کون مراد ہیں اکثر اس پر ہیں کہ اس سے مراد سیّدہ فاطمہ' حسن وحسین اور علی مرتضٰی سلام اللہ علیہم ہیں جیسا کہ اکثر روایتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن تقاضائے انصاف یہ ہے کہ اس میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اس بنا پر کہ آیۂ کریمہ کا سیاق وسباق اور اس کا نزول انہیں ازواج مطہرات کے ضمن میں ہے جس طرح کہ ارشاد باری تعالٰی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ شامل ہیں۔ ارشاد باری ہے: رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَبَرَکَاتُہٗ اَھْلَ الْبَیْتِ ۔اور جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اہل بیت میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی دشمنی نہیں رکھے گا مگر وہی جسے حق تعالٰی جہنم میں داخل کرے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان چاروں تن پاک کو بلانا اور آغوش میں لے کر چادر شریف اڑھانا پھر یہ دعا مانگی کہ: اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ ۔ ''اے خدا! یہ ہیں میرے اہل بیت'' اس میں ازواج مطہرات کے دخول' ناپاکی سے دور کرنے کی فضیلت اور پاکی وصفائی میں ان کی شمولیت میں کوئی منافات وتعارض نہیں ہے۔ نیز جریر کی روایت جو سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں وہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا''یارسول اللہ میں بھی آپ کی اہل میں سے ہوں؟ فرمایا تم بھی میری اہل میں سے ہو اور ایک رایت میں ہے کہ تم بھلائی پر ہو۔''

اسی طرح آیۂ کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی فرما دو میں تم سے اس پر اجر نہیں مانگتا مگر قرابت داروں میں محبت۔'' اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے دریافت کیا مَنْ اَھْلُ قَرَابَتِكَ آپ کی قرابت والے کون ہیں؟ فرمایا علی' فاطمہ اور ان کے دونوں فرزند رضی اللہ عنہم ہیں۔'' لیکن درست یہی ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قرابت دار حضرات شامل ہیں۔ اور ان میں یہ چاروں تن عمدہ ہیں اور باقی سب ان کے تحت ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں صحابۂ کرام کا مکمل حصہ ہے کیونکہ انہیں معنوی قرابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بدرجہ اتم حاصل ہے۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی شان میں فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَّوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔ میں جس کا مولا ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں' اے خدا!'' جو علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت فرما اور جو ان سے عداوت رکھے تو بھی اسے دشمن قرار دے۔'' اور ان کی شان میں ان سے فرمایا: لَا یُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا یُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ. اے علی! تم سے مسلمان ہی محبت رکھے گا اور منافق ہی تم سے بغض رکھے گا۔ اور فرمایا: اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی. تم میرے دربار میں بمنزلہ ہارون علیہ السلام کے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں ہارون علیہ السلام ایک روایت میں ہے فرمایا: اما ترضی ان تکون

منـی بمنزلة هارون من موسیٰ. کیاتم اسے پسند نہیں کرتے کہ میرے دربار میں تم بمنزلہ ہارون کے ہو جیسے وہ موسیٰ علیہما السلام کے دربار میں تھے اور یہ تشبیہ مبہم ہے۔ اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: اِلَّا اَنَّہٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ مگر یہ کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے اس میں بیان فرمادیا کہ نبوت میں شمولیت نہیں ہے بلکہ بغیر نبوت کے قرب واختصاص ہے اور وہ خلافت ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ان کی حیات میں ہوئے نہ کہ بعد وفات۔ اس لیے کہ حضرت ہارون علیہما السلام کا انتقال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوا اس پر دلیل حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا ہے جس وقت آپ غزوۂ تبوک میں تشریف لیے جارہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل وعیال پر خلیفہ بنایا تھا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بنایا تھا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هَارُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ۔ اور جب موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے فرمایا تم میرے خلیفہ ہو۔ میری قوم پر اور بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام جماعت' حضرت ابن ام مکتوب اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو بنایا اور حضور کے ارشاد مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ میں مولیٰ سے مراد ولاء اسلام یعنی اسلامی محبت ہے نہ کہ ولایت حکمی، علماء فرماتے ہیں کہ لغت میں مولیٰ ___ کسی جگہ والی اور حاکم کے معنی میں نہیں آیا۔ اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں ارشاد فرمایا: فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّیْ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاهَا وَیُنْصِبُنِیْ مَنْ اَنْصَبَهَا۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس سے انہیں اذیت ہے اس سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔ اور جس سے وہ خوش ہوں اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔''

حضرت ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اَحَبُّ النِّسَآءِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ وَاَحَبُّ الرِّجَالِ زَوْجُهَا عَلِیٌّ (رواہ الترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عورتوں میں سب سے زیادہ پیاری فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور مردوں میں سب سے زیادہ پیارے ان کے شوہر علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ ہیں۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اظہار میں انتہائی انصاف ہے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ بھی یہی فرماتیں کہ كَانَ اَحَبَّ الرِّجَالِ اَبُوْبَكْرٍ وَاَحَبَّ النِّسَآءِ عَائِشَةُ. مردوں میں سب سے پیارے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عورتوں میں سب سے پیاری عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے اس لیے کہ وجوہ محبت متعدد ومختلف ہیں۔

اور حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی شان میں فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا اے خدا! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اور جو انہیں محبوب رکھے اسے بھی محبوب رکھتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا دہن مبارک کھول کر اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں رکھی اور فرمایا کرتے اے خدا! میں ان کو محبوب رکھتا ہوں تو اے خدا! تو بھی اسے دوست رکھ جو انہیں دوست رکھتا ہے۔ تین مرتبہ یہ دعا مانگی اور فرمایا جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ ان دونوں سے بھی محبت رکھے گا۔ اور ان کی والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا میرے ساتھ میرے درجہ میں قیامت کے دن ہوں گی اور حضور امام حسن رضی اللہ عنہ کو زبان مبارک چسایا کرتے اور بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں امامین کریمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ اگرچہ ان کے سوا حضرات میں بھی مشابہت ثابت ہے جیسے حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن جعفر اور قثم بن العباس اور سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب وغیرہم رضی اللہ عنہم میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب واخوان تھے بھی مشابہت موجود ہے اور کابس بن ربیعہ ایک شخص تھا جو بصرے کا رہنے والا تھا۔ یہ بھی حضور سے مشابہت رکھتا تھا۔ جب وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے محل میں آئے تو وہ اپنے تخت پر کھڑے ہو گئے تعظیم کی اور ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور مرغاب کا

علاقہ انہیں عطا فرمایا۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ اہل بیت نبوت میں سے ایک شخص تھے جن کا نام یحییٰ بن القاسم بن محمد بن محمد بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ تھا اور وہ شبیہہ رسول سے ملقب ومشہور تھے کیونکہ مہر نبوت کے مقام پر ان کے کبوتر کے ایک انڈے کے برابر۔ اور وہ مہر نبوۃ کے مشابہ تھا۔ ان کا یہ حال تھا کہ جب وہ غسل کے لیے حمام میں داخل ہوتے اور لوگ انہیں دیکھتے تو رسول اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے لگتے اور ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہو جاتا اور تبرکاً سے بوسہ دیتے اور مشابہت سے مراد بعض امور میں مشابہت ہوگی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے حسن وجمال میں کوئی شریک نہ تھا ان کے ماسوا اور بھی حدیثیں ہیں شعر۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٖ

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری زندگی ہے کسی آدمی کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہوگا۔ جب تک کہ خدا اور رسول کی محبت کی بنا پر تم سے محبت نہ رکھے'' اور فرمایا: مَنْ اٰذٰی عَمِّیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْهِ. جس نے میرے چچا کو اذیت دی بلاشبہ اس نے مجھے ایذا دی اور اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ چچا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! اولاد کے پاس آؤ۔ پھر ان کو جمع فرمایا اور اپنی سرخ وسیاہ دھاری والی چادر شریف اڑھا کر دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوُلْدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَّا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِيْ وَلَدِهٖ ''رواہ الترمذی'' اے خدا! عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو ظاہر و باطن میں ڈھانپ لے اور ان کے تمام گناہوں کو محو فرما دے۔ اے خدا! ان کو ان کی اولاد میں باقی رکھ۔ کہتے ہیں کہ یہ چھ افراد تھے۔ فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قثم، معبد، عبدالرحمان اور فرمایا: هٰذَا عَمِّیْ وَصُوَابِیْ وَهٰٓؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِیْ وَعِتْرَتِیْ فَاسْتُرْهُمْ مِنَ النَّارِ كَسَتْرِیْ اِیَّاهُمْ یہ میرے چچا اور میرے محترم ہیں اور یہ سب میری اہل بیت اور میری عترت ہیں اے خدا! ان کو آگ سے ایسا محفوظ کر کے ڈھانپ لے جس طرح میں نے ان سب کو ڈھانپا ہے۔ اس پر گھر کے ہر در و دیوار نے آمین آمین کہی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اِرْقَبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ اَهْلِ بَیْتِهِمْ۔ اور فرمایا: خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قرابت دار اپنے قرابت داروں کے صلہ رحمی کرنے میں میرے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے ایذا نہ دو۔ اسی طرح سیّدہ فاطمہ زہرا سے فرمایا میری محبت کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی محبت رکھو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن بن علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر فرماتے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ سے انہیں مشابہت نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ اس پر ہنسا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سیّدنا علی مرتضیٰ جن کو عبداللہ محض کہتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی کسی ضرورت سے حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، کے پاس گیا اس پر انہوں نے فرمایا جب آپ کو کوئی ضرورت درپیش ہو کسی کو بھیج دیا کریں۔ اور ایک رقعہ میں لکھ دیا کریں کیونکہ میں خدا سے شرم کرتا ہوں کہ آپ کسی ضرورت سے خود یہاں تشریف لایا کریں۔

شعبی سے مروی ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت انصاری کاتب وحی رضی اللہ عنہ، نے اپنی والدہ کی نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ان کی سواری کے لیے اونٹ پیش کیا گیا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اونٹ کی نکیل پکڑی اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے رسول خدا! کے چچا کے فرزند میری رکاب چھوڑ دیجئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم عالموں

کی قدر و منزلت کریں۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اتر کر ان کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور کہا ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اہل بیت رسول کی تعظیم و توقیر کریں۔ اوزاعی اپنے شرفاء سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس بنت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں کے ساتھ ہاتھ تھامے ہوئے آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز فوراً کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف بڑھے اور اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی مجلس کے قریب بٹھایا اور خود مؤدب ان کے سامنے بیٹھ گئے اور ان کی حاجت پوری فرمائی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ' نے جس وقت اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار درہم کا گزارہ مقرر فرمایا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار پانچ سو درہم مقرر فرمائے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سے کہا کس بنا پر آپ نے ان کو مجھ پر فضیلت دی۔ حالانکہ بخدا انہوں نے کسی جہاد میں مجھ سے سبقت نہیں کی ہے۔ حضرت امیر المومنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ' رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھے۔ اور اسامہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب تھے۔ اس بنا پر میں نے رسول خدا کے محبوب کو اپنے محبوب پر فضیلت دی اور ایثار کیا۔

منقول ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب جعفر بن سلیمان نے زدوکوب کیا اور اس کی جانب سے انہیں جو تکلیف پہنچی اس سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ اور لوگ بے ہوشی میں اٹھا کر لے آئے۔ جب انہیں ہوش آیا تو فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ زدوکوب سے مجھے اذیت پہنچی ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ جب لوگوں نے معاف فرمانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ جب میں مروں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں تو میں شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض قرابت دار عذاب میں مبتلا ہوں۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ جب خلیفہ وقت منصور نے امام مالک پر زیادتی کا جعفر سے قصاص مانگا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدا کی قسم میرے جسم سے کوڑا اٹھنے نہ پاتا تھا کہ میں اسے معاف کر دیتا تھا۔ اس بنا پر کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے۔

ابوبکر بن عیاش جو کہ علمائے اعلام امت میں سے ہیں فرمایا کرتے کہ اگر میرے پاس کسی ضرورت سے حضرت ابوبکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم تشریف لائیں تو میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ضرورت پوری کروں اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کی۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے۔ اگر میں آسمان سے زمین پر گروں تو میرے نزدیک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھنا زیادہ محبوب ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات کی خدمت بجالاتے اور انہیں تحفے اور عطایا بھیجا کرتے تھے کیونکہ یہ ان کی خوشنودی اور رضا کا موجب ہوتا تھا اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فرزند سے فرمایا کرتیں کہ اللہ تیرے والد ماجد کو جنت کے سلسبیل سے سیراب فرمائے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کیا کرتے تھے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں۔

اور جب حضرت حلیمہ سعدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اپنی چادر شریف بچھاتے اور ان کی ضرورت پوری فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو وہ حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر

رضی اللہ عنہما کے پاس آتیں اور وہ دونوں اسی طرح پیش آتے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا۔

صحابۂ کرام کی تعظیم وتوقیر: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ادب وحقوق کے سلسلے میں صحابۂ کرام کی عزت وعظمت ان کے حق واحسان کی معرفت اور اس کی ادائیگی اور ان کا اتباع واقتدا کرنا ہے۔ اور ان کے افعال واعمال اور ان کے آداب واخلاق کی روشوں اور سنتوں پر عمل کرنا اس حد تک جہاں تک عقل وخرد کی تاب نہیں اور ان کی اچھے پیرایہ میں تعریف کرنا۔ ان کے ادب کا لحاظ رکھنا اور انہیں دعا واستغفار سے یاد کرنا ہر ایک صحابی کا حق ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہر صحابی کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ ان سے راضی ہوا ہے۔ ہر صحابی رسول اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ اور استغفار کیا جائے۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کے لیے استغفار کریں مگر کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ وشنام طرازی کرتے ہیں۔ (رواہ مسلم) لہٰذا صحابۂ کرام پر سب وطعن کرنا اگرچہ ادلہ قطعیہ کے مخالف ہے جیسے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنا تو یہ کفر ہے ورنہ بدعت وفسق ہے۔ (کذا قال فی المواہب) اسی طرح صحابۂ کرام کے باہمی تنازعات ومناقشات اور گزرے ہوئے واقعات کے اظہار وبیان سے پہلو تہی کرنا اور زبان کو روکنا بھی ہے۔ اور مورخین کی بے ہنگم خبروں اور جاہلوں کی روایتوں اور غالی شیعوں اور بے دین وگمراہ رافضیوں اور مبتدعین کی باتوں سے اعراض واجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ بدلگام لوگ ان کے جن عیبوں' برائیوں اور خطاؤں کو بیان کرتے ہیں ان میں اکثر وبیشتر جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہیں۔ اور صحابۂ کرام کے بارے میں جو ان کے مشاجرات اور محاربات تاریخوں میں پائے جاتے ہیں ان کو جستجو وتلاش کر کے انہیں احسن تاریخوں سے بہتر وصواب محل پر محمول کرنا (جیسکے وہ مستحق ہیں) ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اور ان کے کسی عیب وبرائی کو کبھی زبان پر نہ لانا چاہیے بلکہ ان کی نیکیوں' خوبیوں' سیرتوں اور فضائل ومحامد ہی کو بیان کرنا چاہیے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہو اس سے اغماض وسکوت کرنا چاہیے اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی صحبت یقینی ہے اور اس کے ماسوا جو کچھ ہے وہ ظنی اور خیالی ہے۔ اس خصوص میں حق تعالیٰ کا ان کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز فرمانا کافی ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی سے اہل بیت اطہار وغیرہ کے حقوق میں کوئی کوتاہی یا غلطی واقع ہوئی ہے تو بھی یہ امید ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے درگزر کر دیئے جائیں گے۔ اہل سنت وجماعت کا اس باب میں یہی مذہب اور طریق حق ہے کتب عقائد میں مذکور ہے کہ لَاتَذْكُرُ اَحَدًا مِنْهُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔ تم ان میں سے کسی کو خیر کے سوا یاد نہ کرو اور حدیثوں میں صحابۂ کرام کے جو عمومی وخصوصی فضائل مذکور ہیں اس باب میں وہی کافی ہیں۔ (رطب ویابس تاریخ کے پیچھے نہ لگنا چاہیے۔)

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ الخ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں (آخر سورہ تک)

حق تعالیٰ فرماتا ہے: اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ. الخ

سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے مہاجرین وانصار ہیں............

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. الخ

بلا شک وشبہ اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

اور فرمان باری ہے:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ. الخ

وہ مرد سچے ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد کو پورا کر کے دکھایا..........

حق تعالیٰ فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ. الخ

جس دن اللہ نبی کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو رسوا نہ کرے گا..........

نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِم اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو جاؤ گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مَثَلُ اَصْحَابِىْ كَمَثَلِ الْمِلْحِ لَا يُصْلِحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِهٖ. میرے صحابہ نمک کی مانند ہیں نمک کے بغیر کھانا درست نہیں ہوتا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللهَ اَللهَ فِىْ اَصْحَابِىْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِىْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّىْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِىْ اَبْغَضَهُمْ. (الحدیث)

خبردار، خبردار میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں اپنی اغراض کا نشانہ نہ بناؤ تو جو کوئی ان سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے محبت کرے گا اور جو کوئی ان سے بغض وعداوت رکھے گا وہ مجھ سے بغض وعداوت رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا۔ (آخر حدیث تک) اور فرمایا: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِىْ فَلَوْ اَنْفَقَ اَحَدُكُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا (الحدیث) میرے صحابہ کو برا نہ کہو اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو وہ ان کے ایک مد جو کی برابری نہ کرے گا۔ اور فرمایا: مَنْ سَبَّ اَصْحَابِىْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ میرے صحابہ کو جو گالی دے گا اس پر اللہ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اور فرمایا: اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِىْ فَاَمْسِكُوْا۔ جب تم میرے صحابہ کا ذکر کرو تو زبان قابو میں رکھو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

اِنَّ اللهَ اخْتَارَ اَصْحَابِىْ عَلٰى جَمِيْعِ الْعٰلَمِيْنَ سِوَى النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَاخْتَارَ لِىْ مِنْهُمْ اَرْبَعَةً اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا فَجَعَلَهُمْ خَيْرَ اَصْحَابِىْ وَاَصْحَابِىْ كُلُّهُمْ خَيْرٌ۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے انبیاء ومرسلین کے بعد میرے صحابہ کو سارے جہان والوں پر برگزیدگی عطا فرمائی اور ان میں سے میرے لیے چار کو منتخب فرمایا۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم، حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو پھر ان چاروں کو میرے صحابہ میں افضل کیا۔ حالانکہ میرے تمام صحابہ صاحب فضیلت وصاحب خیر ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

اس حدیث میں ان چاروں کے ذکر اور دوسری حدیثوں میں ان چاروں کے علاوہ دس اور صحابہ کے ذکر کی ترتیب ہے۔ ان کے درمیان ترتیب مراتب ومدارج کے ثبوت کی روشن دلیل ہے اور یہ گمان کرنا کہ راویوں نے اپنے اعتقاد کے بموجب ان کا ذکر کیا ہے اور حدیثوں میں تغیر وتبدل کیا ہے گمان فاسد ہے اور محدثین کے حالات کے یہ خیال لائق نہیں ہے ہاں بعض حدیثوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذکر سے مقدم آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَ عُمَرَ فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ جس نے حضرت عمر سے محبت کی بلا شبہ اس نے مجھ سے محبت کی۔ اور جس نے حضرت عمر سے بغض وعداوت رکھی یقیناً اس نے مجھ سے بغض وعداوت رکھی۔ غرضیکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب میں احادیث کریمہ بکثرت ہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو صحابۂ کرام سے بغض رکھتا ہے اور انہیں سب وشتم کرتا ہے وہ مسلمانوں کے زمرے میں نہ تو داخل ہے اور نہ ان کے غنیمت کا حقدار ہے۔ امام مالک نے یہ مسئلہ سورۂ حشر کی اس آیت سے استنباط فرمایا: وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ. اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص کسی صحابی رسول سے غضب ناک ہو کر جوش غضب وغصہ میں آتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ. یقیناً صحابۂ کرام سے کافر لوگ ہی غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سورۂ فتح کی آخری آیتوں میں تمام مسلمانوں کی تقسیم تین طبقوں پر فرمائی گئی ہے ایک مہاجرین، دوسرے انصار تیسرے وہ مسلمان جو ان کے بعد ہیں۔ اور ان تینوں طبقوں کی تعریف وتوصیف بھی اس آیت میں داخل ہے کہ وہ دعا مانگتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سبقت لیے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کی جو ایمان لائے ہیں کدورت نہ ڈال اور شیعہ، روافض ان قسموں میں سے کسی قسم میں بھی داخل نہیں ہیں۔

اور حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عراق کے کچھ لوگوں نے ان کے پاس آکر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کو برا کہنا شروع کر دیا اور ان کے خلاف کچھ نازیبا کلمات زبان پر لائے اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی برا کہنا شروع کر دیا اس پر حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بدبختو! مجھے بتاؤ کیا تم مہاجروں میں سے ہو؟ کیونکہ حق تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اس آیت کو یہاں تک پڑھا کہ: اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ ۔ ان فقراء مہاجرین کے لیے جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ یہی سچے لوگ ہیں۔'' عراقی لوگ کہنے لگے ہمیں تسلیم ہے کہ ہم مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔ اس کے بعد امام محمد باقر نے فرمایا تو کیا تم جماعت انصار میں سے ہو کیونکہ حق تعالیٰ ان کی شان میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس آیت کو یہاں تک پڑھا کہ: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو گھروں میں ٹھہرایا اور وہ پہلے سے ایماندار ہیں...... یہی لوگ فلاح پائے ہوئے ہیں۔'' اس پر عراقی لوگوں نے کہا ہم جماعت انصار میں سے بھی نہیں ہیں۔ اس کے بعد امام محمد باقر نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اس جماعت میں سے بھی نہیں جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ۔ (اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ان کو بھی جو ہمارے بھائی ہیں اور ایمان میں ہم سے سبقت لیے ہوئے ہیں) اس کے بعد امام محمد باقر نے فرمایا میرے سامنے سے اٹھ جاؤ۔ حق تعالیٰ نے تمہیں کسی ایک جماعت میں بھی نہیں بنایا تم نے اسلام کی صورت کو اپنا لباس بنایا ہے۔ لیکن معنی میں اہل اسلام میں سے تم نہیں ہو۔ انتہی۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو خوبیاں ایسی ہیں جن میں یہ ہوں گی نجات پا جائے گا اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صدق ومحبت ہے، رضی اللہ عنہم اور ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہے یقیناً وہ دین اسلام پر قائم ہے اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہے یقیناً اس نے راستہ کو روشن کر لیا ہے اور جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے

محبت کی یقیناً وہ نورِ خدا سے منور ہوگیا اور جس نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے محبت کی بلاشبہ اس نے ''عروۃ وثقیٰ'' کو تھام لیا اور جس نے صحابۂ کرام کو بھلائی اور خیر کے ساتھ یاد کیا تو وہ بلاشبہ نفاق سے بچ گیا اور جس کسی نے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بغض رکھا وہ متبدع' منافق اور سنت اور طریقہ سلف کا مخالف ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ اس کا کوئی عمل بھی آسمان پر صعود نہ کرے گا جب تک وہ ان سب سے محبت نہ کرے اور اپنے دل کو ان سے سالم و محفوظ رکھے۔

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دیا کہ:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَاضٍ عَنْ اَبِىْ بَكْرٍ فَاعْرِفُوْا لَهٗ ذٰلِكَ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَاضٍ عَنْ عُمَرَ وَعَنْ عَلِيٍّ وَّعَنْ عُثْمَانَ وَعَنْ طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَالسَّعِيْدِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اِعْرِفُوْا لَهُمْ ذٰلِكَ

اے لوگو! میں ابوبکر صدیق سے راضی ہوں تو تم اسے خوب جان لو' اے لوگو! میں عمر سے' علی سے' عثمان سے' اور طلحہ' زبیر' سعید' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سے راضی ہوں تو تم اسے خوب جان لو۔'' یہ حدیث عشرہ مبشرہ کی حدیث کی مانند ہے کیونکہ اس میں ان حضرات کو اپنی رضا مندی کی پختہ بشارت دی گئی ہے لیکن اس میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے اور حضرت امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی مجلس شوریٰ میں فرمایا کہ یہ وہ حضرات ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عالم سے تشریف لے گئے تو حال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب حضرات سے راضی ہو گئے اور فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ غَفَرَ لِاَهْلِ بَدْرٍ وَّالْحُدَيْبِيَّةِ اَيُّهَا النَّاسُ اِحْفَظُوْنِىْ فِىْ اَصْحَابِىْ وَاَصْهَارِىْ وَاَحِبَّائِىْ لَايُطَالِبَنَّكُمْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ بِمَظْلِمَةٍ فَاِنَّهَا مَظْلِمَةٌ لَّا تُوْهَبُ فِى الْقِيٰمَةِ غَدًا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے بدر و حدیبیہ والوں کو بخش دیا ہے فرمایا اے لوگو! میرے اصحاب، سسر و داماد اور محبوبوں کے بارے میں حفاظت رکھو اس لیے کہ جو ان کے بارے میں میرے حقوق کی حفاظت کرے گا یقیناً وہ دنیا و آخرت میں حق تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرے گا اور جو ان کے بارے میں میری حفاظت کریگا حق تعالیٰ اس سے درگزر فرما کر صراط پر سے گزار دے گا اور جو انہیں چھوڑ دے گا اور ان سے علیحدگی اختیار کر لے گا قریب ہے کہ حق تعالیٰ اسے گرفت میں لے کر عذاب میں مبتلا کر دے اور فرمایا جو میرے صحابہ کے بارے میں حفاظت کرے گا وہ میرے حوض پر میرے پاس آئے گا اور جو میری میرے صحابہ کے بارے میں حفاظت نہ کرے گا وہ میرے حوض پر میرے پاس نہیں آئے گا۔ اور وہ مجھے نہ دیکھ سکے گا مگر بہت دور سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت جنت البقیع تشریف لے جاتے اور وہاں صحابہ کے لیے دعا و استغفار فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کے لیے حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا تھا۔ اور ہمیں صحابۂ کرام سے محبت و مودت کرنے اور ان کے طریقہ حسنہ کو اختیار کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی ایسا نہیں ہے جسے روز قیامت شفاعت کرنے کا حق نہ دیا گیا ہو۔ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ' سے روز قیامت شفاعت کرنے کی استدعا کیا کرتے تھے۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا جو آپ کے صحابۂ کرام کی تعظیم و توقیر نہیں کرتا اور انہیں عزیز نہیں رکھتا اور نہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر و منزلت کرتا ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا جنازہ لایا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ نہیں

پڑھی اور فرمایا: یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت رکھتا تھا اس پر حق تعالیٰ بھی اس سے برأت کا اظہار فرماتا ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب کے باب میں بکثرت روایات واحادیث موجود ہیں اور طول طویل تفصیلات مذکور ہیں خصوصاً مشکوٰۃ کی شرح میں ہم نے کچھ تو وہاں سے اور کچھ دیگر اہلسنّت وجماعت کی کتابوں سے فریقین کے تعصب سے قطع نظر کر کے نقل کر دی ہیں (وباللہ التوفیق وہواعلم)

متعلقات نبوت یعنی اماکن ومقامات مقدسہ وغیرہ کی تعظیم وتوقیر: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر میں یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھے خواہ وہ اماکن متبرکہ ہوں یا مقامات مقدسہ یا وہ چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے چھوگئی ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی معرفت کرائی ہو۔ ان سب کی تعظیم وتوقیر ہر مسلمان کے لیے لازم وضروری ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابومخدورہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کے بال اتنے لمبے تھے کہ جب بیٹھتے تو ان کے بال زمین تک پہنچ جاتے تھے لوگوں نے ان سے پوچھا ان بالوں کو اتنا لمبا کیوں کر رکھا ہے انہیں ترشواتے کیوں نہیں؟ جواب میں فرمایا میں انہیں اس بنا پر نہیں ترشواتا کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اس سے مس کر گیا تھا۔ میں تبرکاً ان کی حفاظت کرتا ہوں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے چند بال تبرکاً رکھے ہوتے تھے۔ ایک جنگ میں میدان کارزار میں انکی یہ ٹوپی سر سے اتر کر گر پڑی تو انہوں نے اس کے حاصل کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔ اور شدت کے ساتھ جنگ کی اس جنگ میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ اس پر بہت سے صحابۂ کرام نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا۔ انہوں نے فرمایا میں نے یہ جنگ محض ٹوپی کے حاصل کرنے کے لیے شدت کیساتھ نہیں لڑی بلکہ ان موئے ہائے مبارک کے لیے لڑی ہے جو اس ٹوپی میں سلے ہوئے تھے اور میں نے اس کی حفاظت کے لیے یہ شدت اختیار کی ہے تاکہ وہ مشرکوں کے ہاتھوں میں پڑ کر ضائع نہ ہو جائیں اور مجھے یہ تبرک جاتا رہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست گاہ پر اپنے ہاتھوں کو پھیرتے پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملتے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں اپنی سواری کے جانور پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے کہ میں خدا سے شرم رکھتا ہوں کہ اس زمین کو گھوڑوں کے سموں سے روندوں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور اس زمین مقدسہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک قدم رکھے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام گھوڑے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر دیئے۔ اس پر امام شافعی نے کہا اپنے لیے بھی ایک گوڑا روک لیجئے تو انہیں بھی یہ مذکورہ بالا جواب دیا۔

احمد بن فضلویہ زاہد سے منقول ہے کہ یہ بزرگ بڑے غازیوں اور تیر اندازوں میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنی کمان کو اپنے ہاتھ سے بغیر وضو نہیں چھوا۔ جس سے میں نے یہ سنا ہے کہ اس کمان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں لیا تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو قید کرنے اور اس پر تین درے مارنے کا فتویٰ دیا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے۔ باوجود یہ کہ وہ شخص لوگوں میں بڑی قدر ومنزلت والا شخص تھا اور کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا جائے جو معاذ اللہ یہ کہے کہ وہ مٹی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں خراب اور غیر خوشبودار ہے۔'' حالانکہ اس شہر مقدس کے ناموں

میں طابہ اور طیبہ ہے اس وجہ سے یہ شہر مقدس شرک کی نجاست سے پاک ہے۔اور یہ مقام طبائع سلیمہ کے موافق ہے بلکہ اس وجہ سے بھی اس کی خوشبو پاکیزہ بلکہ تمام امور میں طیب ہے۔اور کہتے ہیں کہ اس مقام مقدس، شہر مطہر کے رہنے والے، مٹی اور در و دیوار اور پاکیزہ فضاؤں سے ایک خاص قسم کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ جسے کسی خاص خوشبو سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی اور نہ اسے زبان بیان کرسکتی ہے اور ممکن ہے کہ کسی کی سونگھنے والی ناک نے ایسی خوشبو کہیں اور سونگھی بھی نہ ہو اور اسے بعض صادقان راہ اور مشتاقان حبیب نے پایا بھی ہو ابو عبداللہ عطار فرماتے ہیں بیت

بِطِيْبِ رَسُوْلِ اللهِ طَابَ نَسِيْمُهَا فَمَا الْمِسْكُ وَالْكَافُوْرُ والصَّنْدَلُ الرَّطْبُ

اور اشبیلی جو کہ علمائے صاحب وجدان میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی مٹی میں خاص قسم کی خوشبو ہے جو کسی مشک و عنبر میں بھی نہیں اس پر کسی نے کہا یہ بات تو تیری عجیب و غریب اور نادار ہے حالانکہ درحقیقت یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ بیت

دراں زمیں کہ نسیمے وزد طرۂ دوست چہ جائے دم زدن نافہائے تاتاریست

منقول ہے کہ جہجاہ غفاری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عصائے مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لے کر چاہا کہ اپنے زانو پر رکھ کر اسے توڑے اس پر لوگوں نے اس سے باز رہنے کے لیے شور مچایا۔اس کے بعد اس کے زانو میں پھوڑا نکلا پھر وہ زانو کاٹا گیا بالآخر اسی سال وہ مر گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے منبر پر جھوٹی قسم اٹھائے اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے اور فرمایا قبر شریف اور منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور باقی فضائل و کمالات اور مناقب و صفات اس شہر مقدس، مدینہ طیبہ اور اس کے اماکن والمواضع مقدسہ اور وہاں کے رہنے والوں کی تعظیم اور وہاں کی اقامت وغیرہ کے آداب کا تذکرہ اپنی کتاب ”جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب“ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

وجوب صلوٰۃ وسلام اور اس کی فضیلت: وصل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے حکم اور اس کے وجوب و فضیلت اور اس کے بیان صفت و کیفیت اور اس کے مقامات وغیرہ کے ذکر میں یہ باب ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام عرض کرنے کے وجوب کے ضمن میں یہ آیۂ کریمہ اس کی اصل و بنیاد ہے۔حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا بیشک اللہ اس کے فرشتے نبی کریم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجو۔

آگاہ رہنا چاہیے کہ اس آیۂ کریمہ میں حق تعالیٰ نے صلوٰۃ علی النبی کی نسبت اپنی ذات کریم اور اپنے فرشتوں کی طرف فرمائی ہے۔ اور مسلمانوں کو حضور پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا حکم فرمایا ہے۔صلوٰۃ کے معنی میں علمائے کرام کے مختلف و متعدد اقوال ہیں۔ چنانچہ ابوالعالیہ جو کہ تابعین میں سے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کا صلوٰۃ بھیجنے کے یہ معنی لیے ہیں کہ حق تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے اپنے نبی کی ثنا کرنا اور اس کی بزرگی بیان فرمانا ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا' تو اس کے معنی فرشتوں کا دعا کرنا اور بارگاہِ الٰہی میں عزت و عظمت کے اضافہ کی درخواست کرنا ہے اور یہی معنی مسلمانوں سے ہیں کہ انہیں اس کا حکم فرمایا گیا اس سے مراد زیادتی و برکت کو طلب کرنا ہے۔اور مقاتل کہتے ہیں کہ صلوٰۃ اللہ کے معنی اس کی مغفرت اور صلوٰۃ ملائکہ کے معنی استغفار ہیں۔ اور ضحاک کہتے ہیں کہ صلوٰۃ اللہ کے معنی اس کی رحمت اور ان کی ایک روایت میں مغفرت کے ہیں اور صلوٰۃ ملائکہ کے معنی دعا یعنی دعائے

مغفرت ورحمت کے ہیں۔ اور فرشتوں کا اپنا کام ہی مسلمانوں کے لیے استغفار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (فرشتے استغفار کرتے ہیں مسلمانوں کے لیے) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھنے والوں کے باب میں مروی ہے کہ ان کے لیے فرشتے دعا کرتے ہیں کہ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمْ اور مبرد نے کہا صلوٰۃ خدا رحمت الٰہی ہے اور صلوٰۃ ملائکہ ان کی وہ رقت ہے جو طلب رحمت کے باعث ہوتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خدا مخلوق پر خاص بھی ہوتی ہے اور عام بھی۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی صلوٰۃ خدا' ان کی ثناء و تعظیم ہے۔ جو ہر ایک کے حال کے لائق ہے۔ خصوصاً سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ان سب میں اخص و افضل ہوگی۔ اور عام لوگوں پر رحمت عام ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ ''رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ'' (میری رحمت ہر شئی پر وسیع ہے) اور یہیں سے اس صلوٰۃ کے درمیان فرق ظاہر ہو جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت خداوندی ہے اور جو دیگر مسلمانوں پر رحمت الٰہی ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ اور فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ اور ظاہر ہے کہ یہ آپ کے حال شریف کے لائق ہی اعلیٰ و اتم اور اکمل ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے کہ حضرت حق رب العزت اور ساری مخلوق آپ کی تعظیم و ثنا اور دعا کرتی ہے اور اسی بنا پر صلوٰۃ بر مومنین میں فرمایا: لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ تا کہ اللہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی جانب لے جائے۔

حلیمی فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ علی النبی کے معنی آپ کی تعظیم ہے اور ہمارے قول ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا'' کے معنی ''اَعْظِمْ مُحَمَّدًا'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں آپ کے ذکر کی بلندی کے ساتھ اور آپ کی شریعت کے غلبہ اور دین کی اشاعت کے ساتھ اور آخرت میں امت کو ثواب دے کر ان کی شفاعت قبول کر کے اور معزز مقام محمود پر فائز کر کے آپ کی بڑائی فرما کر اور بر تقدیر مراد بقول رسول صلی اللہ علیہ وسلم ادعوا ربکم بالصلوٰۃ علیہ اپنے رب سے تم آپ پر صلوٰۃ بھیج کر دعا مانگو۔''

اور آپ کے آل و ازواج اور ذریت پاک پر درود بھیجنا بطریق تبع و طفیل ہے اور غیر نبی پر صلوٰۃ کے جواز میں اختلاف ہے مگر ان کی تبعیت کے ساتھ جائز ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ امت کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درود و سلام پیش کرنے کا مقصود، تقرب الی اللہ اور حکم رب تعالیٰ کا بجالانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق ہم پر لازم ہیں اسے ادا کرنا ہے۔

شیخ عزیز الدین عبد السلام اپنی کتاب مسمی'' بہ شجرۃ المعارف'' میں فرماتے ہیں کہ ہماری طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنا بارگاہِ رب العزت میں ہماری سفارش و شفاعت کرنا نہیں ہے اس لیے کہ ہم جیسے امتی کی سفارش آپ جیسے نبیوں کے لیے نہیں ہوتی ہے لیکن حق تعالیٰ نے ہمیں حقوق بجالانے اور شکر گزاری کرنے کا حکم ہر اس شخص کے لیے دیا ہے جو احسان کرے۔ بالخصوص اس عظیم احسان و عطا کی بنا پر جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر فرمایا ہے۔ چونکہ ہم کما حقہ اس کا بدل ادا کرنے سے عاجز تھے اس بنا پر حق تعالیٰ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ چونکہ ہم بدل کرنے سے عاجز ہیں لہٰذا بارگاہِ عزت میں ہی دعا کرتے ہیں کہ وہی حضور کی عظمت و کبریائی کے لائق اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عزت و کرامت کے مطابق جو اس کی بارگاہ میں ہے رحمت و برکت اور تعظیم نازل فرمائے۔

قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا فائدہ دراصل صلوٰۃ و سلام بھیجنے والے کے لیے ہی ہے۔ بایں سبب کہ صلوٰۃ و سلام عرض کرنا مضبوطی عقیدت خلوص نیت' اظہار محبت' مداومت بر طاعت' معرفت حق' وساطت' اور اس واسطہ کے احترام پر دلالت کرتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کرنا اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فیض اور خیر و برکت کی استدعا کرنا درحقیقت مخلوق کے لیے دعا کرنا ہے اور یہ اس پانی کے حکم میں ہے جو پرنالہ سے بہایا جاتا ہے اور زمین میں سما جاتا ہے پھر وہ بخارات بن کر اوپر چڑھتا ہے۔ اور بارش بن کر سب کو فیض پہنچاتا ہے۔ لہٰذا یہ دعا ساری مخلوق کو شامل ہے۔

فائدہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ فرض ہے یا مستحب؟ مذہب مختار یہ ہے کہ یہ فرض ہے اس لیے ظاہر امر و حکم وجوب کے لیے ہے لیکن فی الجملہ اگرچہ عمر میں ایک ہی مرتبہ ہو۔ جیسے کہ آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دینا۔ لہٰذا واجب ایسی چیز ہے جو کسی حرج کے بغیر ساقط ہو جائے اور اس میں کسی معین عدد کی تخصیص نہ ہو۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کی کثرت کرنا بغیر تخصیص و تقلید کسی گنتی و شمار کے واجب ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہر مسلمان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا فرض قرار دیا ہے اور اس کے لیے کسی خاص دعا کا تعین کرنا نہیں فرمایا ہے لہٰذا واجب یہ ہے کہ بکثرت صلوٰۃ وسلام بھیجی جائے اور کسی وقت اس سے غافل نہ رہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی اسم گرامی لیا جائے اور آپ کا تذکرہ کیا جائے ہر بار صلوٰۃ وسلام عرض کرنا واجب ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مختار یہی مذہب اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ اسی مذہب کے قائل، امام طحاوی، جماعت حنفیہ، حلیمی اور جماعت شافعیہ ہیں اور قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی فرماتے ہیں کہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور ایسا ہی زمخشری نے بھی کہا ہے۔ یہ تمام حضرات اور یہ تمام جماعتیں اس حدیث سے استدلال کرتی ہیں کہ فرمایا: مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ اَخْرَجَهُ ابْنُ حَبَّانَ عَنْ حَدِيْثِ اَبُوْهُرَيْرَةَ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجے اور اسی حال میں مر جائے تو اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اور ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اتنا زیادہ ہے کہ: رَغِمَ اَنْفُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ یعنی ناک کے بل گھسیٹا جائے گا۔ وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود و سلام نہ بھیجے۔ اسے حاکم نے صحیح کہا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ فرمایا: شَقِيَ عَبْدٌ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ عَلَيَّ اَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ یعنی وہ بندہ بدنصیب ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود و سلام نہ بھیجے۔ یہ استدلال اس لیے ہے کہ ترک پر وعید فرمانا وجوب کی علامتوں میں سے ہے۔

نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے حکم کا فائدہ آپ کے احسان کے بدلے اور اس کے مکافات میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مستمر اور دائمی ہے۔ لہٰذا جب بھی ذکر کیا جائے تو یہ حکم اس پر مؤکد و لازم ہوگا۔ نیز ان حضرات کا استدلال اس آیۂ کریمہ سے بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ رسول کے پکارنے کو آپس کے ایک دوسرے کے پکارنے کی مانند نہ بناؤ۔ لہٰذا اگر حضور کو پکارا جائے یا آپ کا ذکر کیا جائے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجا جائے تو لوگوں کے ساتھ پکارنے اور یاد کرنے میں برابری ہو جاتی ہے اور وہ حضرات جو ہر بار ذکر پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے وجوب کے قائل نہیں ہیں کئی طرح پر اس کا جواب دیتے ہیں ایک یہ کہ ایسا قول کسی صحابی اور تابعین سے منقول نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا یہ قول اختراعی ہے اور اگر اسے اپنے عموم پر رکھا جائے تو موذن اور اذان کے سننے والے پر واجب ہو جاتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن کرنے والے پر لازم آتا ہے کہ جب بھی وہ کسی ایسی آیت پر پہنچے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف ہے تو صلوٰۃ وسلام عرض کرلے اور کسی کو اسلام میں داخل کرتے وقت لازم ہو جاتا ہے۔ جس وقت کہ وہ شہادت کا تلفظ کرے حالانکہ نہ ایسا آیا ہے اور نہ ایسا منقول ہے۔ نیز اس میں مشقت اور حرج بھی ہے اور شریعت مطہرہ کی وضع کے برخلاف سختی بھی ہے۔ نیز حق تعالیٰ کی حمد و ثناء۔ جب بھی اس کا ذکر ہو واجب نہیں ہے حالانکہ یہ وجوب میں زیادہ حق رکھتا ہے اور کوئی اس کا قائل بھی نہیں ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ فقہ حنفیہ کی

کتاب قدوری میں وجوب صلوٰۃ وسلام کوعلی الاطلاق ذکر کیا ہے یعنی جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا واجب ہے۔حالانکہ یہ پہلے سے اجماع شدہ مسئلہ کے خلاف ہے اس لیے کہ کسی صحابی سے ایسی نقل محفوظ نہیں ہے کہ وہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کومخاطب کرتے وقت ''یارسول اللہ'' کہیں تو صلوٰۃ وسلام بھی عرض کریں اور اگر ایسا ہو بھی تو دیگر عبادتوں میں اسے جاری نہیں کیا جا سکتا۔اور مذکورہ حدیثوں کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ حدیثیں مبالغہ اور تاکید کے طریقے پر ان لوگوں کے لیے وارد ہیں جن کی عادت وخصلت صلوٰۃ وسلام نہ بھیجنے پر پڑگئی ہے اور وہ اس کے خوگر بن گئے ہیں۔خلاصہ جوابات یہ ہے کہ ایک مجلس میں بار بار ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر بار درود وسلام بھیجنا واجب نہیں ہے اور بعض اس کے قائل ہیں کہ ہر مجلس میں ایک بار کہنا واجب ہے۔اگرچہ ذکر شریف بار بار ہوتا رہے اسے زمخشری نے بیان کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دعا میں واجب ہے اور اکثر کا مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے اور امر بھی استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔

بندۂ مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین ورحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ اگر وہ کہتے کہ ایک بار فرض ہے اور بکثرت واجب ہے اور ہر بار مستحب ہے تو بھی ایک صورت ہوتی۔اور محبت کی شان کے لائق بھی ہوتی کیونکہ زیادتی محبت کا اقتضاء ہے کہ مستحب بھی بمنزلہ واجب کے ہوتا ہے اور اس میں ازخود کوتاہی کرنے پر راضی نہیں ہوتا اور یہ طالب سے عجیب ہے کہ صلوٰۃ وسلام کے فوائد پر مطلع ہوتے ہوئے اس میں کوشش بلیغ نہ کرے۔

بعض کہتے ہیں کہ نماز میں بغیر تعین محل واجب ہے یہ قول امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تشہد میں واجب ہے یہ قول شعبی اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔اور عاشر کا قول یہ ہے کہ یہ آخر نماز میں تشہد کے بعد سلام سے پہلے واجب ہے۔ اور یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا فرض قرار دیا ہے اور نماز سے زیادہ اولیٰ مقام اس کے لیے کوئی اور نہیں ہے اور حدیثوں میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا ذکر تشہد میں آیا ہے لہٰذا جائز نہیں ہے کہ تشہد کو تو واجب کہوں اور صلوٰۃ ودرود کو واجب نہ کہوں۔امام شافعی کے اس قول کو دیگر حضرات نے تسلیم نہیں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سلف میں سے کسی نے ان کے اس قول کی موافقت نہیں کی ہے اور نہ اس بارے میں کوئی سنت ہی وارد ہے جس کا اتباع کیا جائے اور ان سے پہلے کے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نماز میں درود واجب ہے۔اور بعض شوافع نے بھی مثلاً خطابی وغیرہ نے اسے تسلیم نہیں کیا اور اس قول کو ان کی جانب سے بعید بتایا ہے اور ان حدیثوں کو جن سے بعضوں نے اس پر استدلال کیا ہے اور ضعیف گردانا ہے۔تشہد کے سلسلے میں یہ کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کو اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کی سورتیں لکھائیں اس میں درود کا ذکر نہیں ہے۔صاحب مواہب لدنیہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ کی توجیہہ اور اس کے نظائر میں مبسوط کلام اور طویل بیان لائے ہیں جسے دوسری جگہ نقل کیا گیا ہے۔واللہ اعلم۔

تشہد میں درود کی کیفیت

واضح رہنا چاہیے کہ تشہد میں درود پڑھنے کی کیفیت میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں جن میں مختلف صیغے منقول ومروی ہیں اور اگر یہ صیغہ پڑھیں کہ:اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ''تو یہ کافی ہے اور میں نے اسے بعض مشائخ سے سنا ہے اور اگر پہلے درود میں کہے: وَصَلِّ عَلَیْنَا مَعَھُمْ اور دوسرے درود میں کہے:وَبَارِکْ عَلَیْنَا مَعَھُمْ۔جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے تو بہتر ہے اور ''کما

صلیت'' اور'' کما بارکت'' کی تشبیہ میں اہل عرب کے قاعدہ کے بموجب کہ وہ اتم واقوی سے تشبیہ دیتے ہیں۔اعتراض بیان کرتے ہیں تو اس کا کئی طرح سے جواب دیا گیا ہے ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ مشبہٌ بہ کا خوب مشہور ہونا کافی ہے اور زیادہ قوی جواب یہ ہے کہ ماسبق میں جو اتم واکمل صلوٰۃ گزرا ہے اس سے تشبیہ دینا ہے۔اس کے سوا اور بھی وجوہات مذکور ہیں اور اکثر توجیہات وہ ہیں جو غور وفکر سے تعلق رکھتی ہیں ان کو ہم نے جدا رسالہ میں ذکر کر دیا ہے وہیں ملاحظہ کریں اور افضل صلوٰۃ میں علماء کا اختلاف ہے اکثر کا مذہب یہی ہے کہ وہ صیغہ جو نماز میں پڑھا جاتا ہے وہی افضل ہے کیونکہ نماز کی حالت سب سے افضل ہے۔یہاں تک کہ اپنی قسم میں کوئی نذر مانے کہ میں سب سے افضل درود پڑھوں گا اور وہ اس صیغہ سے درود پڑھے تو وہ اپنی قسم سے عہدہ برآ ہو جائے گا۔اور بعض کہتے ہیں کہ وہ صیغہ افضل ہے جو مقدار میں زیادہ اور کیفیت میں افضل ہونے پر مشتمل ہو اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صیغہ پڑھے ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ ھَلُہٗ وَمُسْتَحَقُّہٗ'' اس قسم کے بہت سے درود کے صیغے جس قدر کہ معلوم ہو سکے ''درسالہ صلوتیہ'' میں ذکر کر دیئے گئے ہیں، وباللہ التوفیق۔

مقامات درود وسلام: وصل: وہ مقامات جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا وارد ہے۔ایک مقام نماز میں آخر تشہد ہے جیسا کہ گزرا اور یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے اور بعض دیگر ائمہ کرام اور جمہور کے نزدیک بعد تشہد قبل از دعا یہ مستحب ہے اور پہلے تشہد میں اس کے واجب ہونے پر دو قول ہیں۔ظاہر تر قول ممانعت کا ہے اس بنا پر کہ اس میں تخفیف مقصود ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشہد میں اتنی جلد اٹھ جاتے گویا جس طرح گرم پتھر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔اور پہلے تشہد میں آل پر درود بھیجنے کے استحباب میں دو قول ہیں۔اور آخری تشہد میں اس کے وجوب میں بھی دو روایتیں ہیں۔اور قول اصح یہ ہے کہ سنت تابعہ ہے۔یعنی نبی کے اتباع میں ان کے بعد آل پر درود بھیجنا ہے۔یہ سب اقوال شوافع کے ہیں۔لیکن احناف کے نزدیک نماز کے آخری تشہد میں درود بھیجنا ہے۔اور یہ سنت ہے۔اور اگر پہلے تشہد میں بھول کر پڑھ لیا تو سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔کیونکہ قیام جو فرض ہے اس میں تاخیر لازم آتی ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ اگر: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کی مقدار میں پڑھا ہے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اور کم سے کم مقدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کہنا ہے اور کم سے کم آل پر درود بھیجنے کی مقدار ''وَ آلِہٖ'' ہے اور کفایہ میں اعادہ علیٰ کے ساتھ ہے یعنی وعلی الہ اور فضالہ بن عبیدۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں سنا کہ اس نے نماز میں دعا تو مانگی مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے جلد بازی کی۔پھر اسے بلایا اور اسے اور دوسروں کو بتایا کہ جب تم میں کوئی نماز ادا کرے تو اسے لازم ہے کہ (تشہد کرے) حمد الٰہی سے ابتدا کرے اور ایک روایت میں ہے کہ تمجید وثنائے الٰہی سے شروع کرے۔پھر چاہیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔پھر جو خواہش ہو اس کی دعا کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا دعا اور نماز زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتی ہے اور ان میں سے کوئی چیز اوپر نہیں جاتی جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس حدیث کے مثل مروی ہے یہ حدیث دعائے نماز میں واقع ہوئی ہے۔اور دعاء مطلق خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز میں یہ بھی صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مقام ہے۔اور دعا کے ارکان وآداب میں سب سے قوی ہے۔سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی چاہے کہ حق تعالیٰ سے کچھ مانگے اور دعا وسوال کرے تو اس کو چاہیے کہ پہلے خدا کی شان کے لائق حمد وثنا کرے اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر سوال کرے اس لیے کہ بلاشبہ یہ طریقہ حاجت براری اور حصول مراد کے لیے احق اور سب سے بہتر ہے۔

فائدہ: دعا کے اول میں' درمیان اور اس کے آخر میں درود بھیجنا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے ابن عطا فرماتے ہیں کہ دعا کے ارکان' باز و' اسباب اور اوقات ہیں۔ اگر ارکان موافق ہوں تو دعا قوی ہو جاتی ہے اور اگر باز و موافق ہوں تو دعا آسمان کی طرف جلد پرواز کر جاتی ہے۔ اور اگر اوقات موافق ہوں تو دعا جلد مقبول ہوتی ہے اور اگر اسباب موافق ہوں تو دعا مقصود تک جلد پہنچ جاتی ہے۔ دعا کے ارکان' حضور قلب' گڑگڑانا' عاجزی سے آنکھیں بند کرنا اور حق تعالیٰ سے تعلق خاطر اور ماسوی سے قطع تعلق ہیں۔ اور دعا کے باز و صدق' دعا کے اوقات' وقت سحر اور اس کے اسباب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جس دعا کے اول و آخر میں درود شریف ہے وہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر دعا آسمان کے نیچے معلق رہتی ہے جب مجھ پر درود بھیجا جاتا ہے تب وہ آسمان پر چڑھتی ہے اور سب سے زیادہ مؤکد بعد از دعائے قنوت ہے۔ اس حدیث کی سند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو قنوت کی تعلیم فرمانے والی حدیث ہے۔ جس کے شروع میں: اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ اور اس کے آخر میں: وَصَلَّی اللہُ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ مروی ہے یہ دعائے قنوت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے جس کا ذکر باب الصلوٰۃ میں آئے گا۔

مقامات صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے خطبہ جمعہ ہے جسے خطیب اپنے خطبہ کا جز بنائے۔ اس لیے کہ خطبہ عبادت ہے اور ذکر خدائے عزوجل اس میں شرط ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو جیسا کہ اذان و نماز میں ہوتا ہے۔ درود شریف کے بغیر خطبہ جمعہ صحیح نہیں ہے۔ یہ مذہب امام شافعی اور امام احمد کا ہے اور مقامات صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے موذن کی دعوت کا جواب دیتے وقت ہے۔ جیسا کہ امام احمد کی حدیث میں بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب موذن کا اعلان سنو تو جو وہ کہے وہی کہہ کر جواب دو اس کے بعد مجھ پر درود بھیجو۔ اس لیے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو (آخر حدیث تک) مزید ذکر باب الاذان میں آئے گا۔ اور بعض کتابوں میں مسجد سے نکلتے ہوئے اور اذان و اقامت کے جواب کے وقت اور تکبیرات عیدین کے درمیان بھی آیا ہے۔ اسے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے مسجد میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کے وقت کی روایت کو سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو خود پر درود بھیجتے تھے۔ اور اس کے بعد کہتے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اسی طرح جب مسجد سے نکلتے تو خود پر درود بھیجتے اور اس کے بعد کہتے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ اسی کی مانند حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزم سے بھی مروی ہے۔ اور ابو اسحٰق شیبانی فرماتے ہیں کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو اسے چاہیے کہ درود بھیجے اور ترحم کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر برکات وسلام بھیجے اور عمر بن دینار رحمۃ اللہ' آیہ کریمہ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ۔ (جب تم گھروں میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بیوت سے مراد مسجدیں ہیں اور حضرت نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں کوئی شخص موجود نہ ہو تو اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ کہے اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللہِ الصَّالِحِیْنَ کہے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَصَلَّی اللہُ وَمَلَائِکَتُہٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہتا ہوں۔ اسی کی مانند حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مسجد میں داخل ہوتے اور

مسجد سے نکلتے وقت کے سلسلے میں مروی ہے اور نماز جنازہ میں درود پڑھنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ پہلی تکبیر کے بعد نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اور دوسری تکبیر کے بعد درود بھیجے۔ اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد: اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ. کہے یہ اس حدیث میں ہے جسے امام شافعی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ یہ امام شافعی کے مذہب میں ہوگا۔ لیکن ہمارے مذہب میں نماز جنازہ کے اندر قراءۃ سورۂ فاتحہ نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ ایک روایت کے بموجب بر طریق دعا ہے نہ کہ بر طریق قرأت۔ اس کے باوجود درود بھیجنا ہمارے مذہب میں بھی ہے اور نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد ہی ہے۔

مقامات صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بوقت احرام حج وعمرۃ تلبیہ میں اور صفا ومروہ پر ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا جب مکہ میں داخل ہو تو خانہ کعبہ کا سات بار طواف کرو اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھو۔ اس کے بعد کوہ صفا پر آؤ اس پر چڑھو اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے تکبیر کہو اور درمیان میں حق تعالیٰ کی حمد وثنا کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجو اور اپنے لیے دعائے خیر کرو اسی طرح مروہ پر آکر یوں ہی کہو جیسا کہ رسالہ مناسک میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور مقامات صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے خوف وکمزوری سے محفوظ رہنے کے لیے اجتماع وتفریق کا وقت ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ایسے لوگوں کے اجتماع میں نہ بیٹھے جہاں خدا کا ذکر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجا جاتا ہو۔ کیونکہ یہ لوگ قیامت کے دن مقام حسرت وافسوس میں ہوں گے اگر خدا چاہے انہیں بخش دے اور اگر چاہے تو ان پر عذاب فرمائے۔

ایک اور حدیث میں یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی اجتماع کہ وہ بیٹھیں اور پھر اُٹھ جائیں اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجیں مگر یہ کہ ان پر حسرت ہوگی۔ جب وہ جنت میں اس درود کا اجر وثواب دیکھیں گے۔

اور مقامات صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے صبح وشام کا وقت بھی ہے۔ طبرانی میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ حِیْنَ یُصْبِحُ عَشْرًا وَّحِیْنَ یُمْسِیْ عَشْرًا اَدْرَکَتْہُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. جس نے مجھ پر صبح کے وقت دس مرتبہ درود بھیجا اور شام کے وقت دس مرتبہ درود بھیجا وہ قیامت میں میری شفاعت پائے گا اور ایک مقام درود پڑھنے کا وضو کرتے وقت بھی ہے ابن ماجہ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس کا وضو کامل نہیں ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا۔ ظاہر مطلب یہ ہے کہ وضو کے درمیان میں درود بھیجے اور بعض کتابوں میں کہا گیا ہے کہ عَقِیْبَ الطَّھَارَۃِ حَتّٰی التَّیَمُّمِ وَتَکَلُّمِ بِشَھَادَتَیْنِ. یعنی طہارت کے بعد درود بھیجے یہاں تک کہ تیمّم اور دونوں شہادتوں کے ادا کرتے وقت بھی۔ اور اعضاء وضو کے دھوتے وقت بھی آیا ہے اور کاتب حروف یعنی صاحب مدارج النبوۃ کا عمل ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ تکلم بشہادتین کرتا ہے اور درود بھیجتا ہے اور اعضاء وضو میں ماثورہ دعاؤں کے پڑھنے کے بعد کرتا ہے۔ ایک مقام درود پڑھنے کا، کان کے بجتے وقت کا بھی ہے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا تم میں سے کسی کا کان بجے تو مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود بھیجے اور کہے: ذَکَرَہُ اللّٰہُ بِخَیْرٍ مَنْ ذَکَرَنِیْ بِخَیْرٍ. یعنی اللہ تعالیٰ اسے بھلائی کے ساتھ یاد کرتا ہے جو مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کرے۔ اور اس بنا پر ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ کان کا بجنا اس پر دلیل ہے کہ اسے کسی نے بھلائی کے ساتھ یاد کیا ہے۔

اور ایک مقام درود بھیجنے کا، بھول جانے کے وقت بھی ہے۔ مطلب یہ کہ جب وہ کسی بات کو بھول جائے یا کسی اور چیز کو بھول جائے

تو اگر وہ درود بھیجے تو اسے وہ بات یا وہ چیز یاد آ جائے گی۔ یہ عمل بات کے بھول جانے میں بکثرت آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے۔ اس حدیث کی سند میں ''ابوموسیٰ مدینی کی ضعیف حدیث ہے۔ جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ: اِذَا نَسِيْتُمْ شَيْئًا فَصَلُّوْا عَلَيَّ تَذْكِرَهُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ جب تم کچھ بھول جاؤ تو مجھ پر درود بھیجو انشاء اللہ یاد آ جائے گا۔ ایک مقام درود بھیجنے کا پیاس کا وقت بھی ہے جیسا کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے اور ایک جماعت نے اس پر اختلاف کیا ہے۔ یہ منکر جماعت کہتی ہے کہ یہ مقام خاص ذکر خدا کا ہے۔ جس طرح کہ دیگر مواقع میں مثلاً کھانے پینے اور جماع کرنے کے وقت میں اور مشکوٰۃ میں ترمذی سے بروایت نافع مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک لی اس کے بعد کہا: وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں بھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ'' کہتا ہوں لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم نہیں فرمائی ہے۔ یعنی ان لفظوں سے ہمیں نہیں سکھایا ہے مگر یہ کہ ہم کہیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ'' مطلب یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی فضیلت میں کسے کلام ہے۔ لیکن جس محل میں شارع علیہ السلام نے جیسا فرمایا ہے ویسا ہی کرنا چاہیے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے لیے ایک محل متعین فرما دیا ہے اس لیے اس جگہ ایسا کہنا اور کرنا چاہیے جس طرح حالت رکوع میں قرأت قرآن کی ممانعت فرمائی ہے۔ کذافی المواہب۔

کتاب الشفا میں مذکور ہے کہ ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے جانور کے ذبح کرنے میں درود بھیجنے کو مکروہ جانا ہے اور حضرت سمنون مالکی نے تعجب کے وقت میں درود بھیجنے کو مکروہ رکھا ہے۔

فائدہ: کہا گیا ہے کہ اجتناب اور طلب ثواب کے طریقہ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجنا چاہیے۔ اصبغ نے ابن القاسم سے نقل کیا ہے کہ کہا گیا ہے دو جگہ ایسی ہیں جہاں ذکر خدائے عزوجل کے سوا کوئی اور ذکر نہ ہونا چاہیے۔ ایک بوقت ذبح دوسرے چھینک کے وقت۔ لہٰذا ان جگہوں میں ذکر اللہ کے بعد ذکر محمد رسول اللہ نہ کہنا چاہیے اور اشہب نے کہا کہ یہ لائق سزاوار نہیں ہے کہ صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سنت وعادت بنالیا جائے۔ اور میں کہتا ہوں کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اذان کے آخر میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ دیتے ہیں بظاہر اس کا حکم بھی یہی ہے۔

اور مقامات صلوٰۃ علی النبی میں سے مواجہہ شریف میں یعنی قبر انور کے سامنے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا بھی ہے۔ کیونکہ یہ صلوٰۃ وسلام میں اولیٰ واقرب مقام ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹاتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں'' اس حدیث میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے کلام ہے جیسا کہ ''تاریخ مدینہ'' وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن عساکر سے مروی ہے کہ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ (جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود وسلام عرض کرتا ہے میں اسے خود سنتا ہوں) اور سب سے زیادہ مشہور وظاہر تر مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے لیے آپ کے ذکر شریف یا آپ کا اسم گرامی سننے یا اس کے لکھنے کا وقت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ یعنی اس شخص کی ناک گرد آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ ایک حدیث میں ہے اَلْبَخِيْلُ كُلَّ الْبَخِيْلِ۔ وہ تمام بخیلوں میں بدترین بخیل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مقامات صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو کچھ گزر چکا ہے۔ ان سب پر امت کا عمل ثبوت ہے اور کسی ایک رسالہ میں بھی ان کا انکار موجود نہیں ہے۔ اور وہ جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کیساتھ لکھا جاتا ہے تو وہ صدر اول میں نہ تھا یہ بنی ہاشم کی حکومت کے

دور میں ایجاد ہوا اس کے بعد یہ عمل تمام روئے زمین پر پھیل گیا۔ اور بعض تو ختم بھی درود پر کرتے ہیں گویا رسالہ کی ابتدا اور اس کا خاتمہ درود کے ساتھ کر کے اس دعا کے حکم میں کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اول وآخر میں درود شریف ہو۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ جو کوئی اپنی کتاب میں مجھ پر درود لکھے گا تو جب تک اس کتاب میں میرا نام برقرار و باقی ہے ہمیشہ فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ یہ جتنے درود شریف پڑھنے کے مقامات لکھے گئے ہیں وہ سب کتاب الشفا اور مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں۔ اور رسالہ ''فاکہی'' میں ہیں جو کہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھی ہوئی ہے۔ اس میں اس سے زیادہ مقامات بیان کیے گئے ہیں ان کو بھی ہم مختصراً کچھ بیان کرتے ہیں تاکہ اوقات میں ایک قسم کا استیعاب و شمول حاصل ہو جائے اور یہ فقیر ہر نماز کے بعد درود پڑھتا ہے کیونکہ مجھے مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ سے اجازت ہے کہ بعد ہر نماز فرض یا نفل میں تین مرتبہ درود پڑھوں۔ وباللہ التوفیق۔

فائدہ: رات کی نماز کے لیے سونے سے اٹھنے کے بعد وضو کر کے بعد نماز تہجد' جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات خصوصاً بعد نماز جمعہ' جمعرات کے دن' سنیچر کے دن اور اتوار کے دن وغیرہ اوقات میں درود پڑھنا احادیث میں آیا ہے اور وقت سحر کعبہ معظمہ دیکھنے کے وقت حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت' طواف کعبہ والتزام کے وقت' حج کے وقوف کی جگہوں میں آثار نبویہ کے مشاہدہ کے وقت' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اور ٹھہرنے کے مقامات میں مثلاً مسجد قبا' وادی بدر' جبل احد اور مساجد نبویہ وغیرہ میں حاضری کے وقت' خرید و فروخت کے وقت' وصیت لکھتے وقت ارادہ سفر' سواری پر چڑھتے منزل پر ٹھہرنے کے وقت' بازار جاتے وقت' بازار میں پہنچنے کے بعد' مشغولیت' غفلت طاری ہونے کے وقت' دعوت میں حاضر ہونے کے وقت، دعوت سے فارغ ہو کر چلنے کے وقت' گھر سے نکلتے وقت' گھر میں داخل ہوتے وقت' کسی حاجت کے پیش آنے کے وقت' خوف واحتیاج کے وقت' جانور بھاگ جانے اور غلام کے بھاگ جانے بلکہ ہر چیز کے گم ہو جانے کے وقت غم و شدت کے وقت' طاعون وخوف اور غرق سے بچنے کے وقت۔ پاؤں کے سن ہو جانے کے وقت اور مولی کھانے کے وقت تاکہ اس کی ڈکار میں بو نہ آئے۔ اس باب میں ایک حدیث بھی منقول ہے۔ اور برتن سے پانی پیتے وقت گدھے کی آواز کے وقت مگر اس وقت میں درود کے ساتھ شیطان لعین سے استعاذہ بھی مروی ہے تاکہ دفع شر اور حصول خیر دونوں واقع ہوں اور کسی گناہ میں مبتلا ہونے کے بعد تاکہ اس کا کفارہ ہو جائے اور مسلمان بھائی سے ملاقات اور اس سے مصافحہ کے وقت اور اس سے اجتماع وجلسہ میں جو خدا اور شعائر اسلام کے لیے ہو۔ ختم قرآن کے وقت حفظ قرآن کی دعا کے وقت غیر منہی عنہ کلام کے شروع کرتے وقت علم دین کی تعلیم کی ابتداء کے وقت خصوصاً درس حدیث کے وقت' نشر علم' وعظ، قرأت حدیث کے ابتدا اور آخر میں اور کسی چیز کے اچھا لگنے کے وقت درود بھیجنا چاہیے۔ اور بعض علماء مقام حیرت وتعجب میں درود بھیجنے کو مکروہ جانتے ہیں جس طرح کسی امر محترم کے مشاہدہ کے وقت تسبیح وتہلیل مکروہ ہے۔

فائدہ: مناسب ہے بلکہ افضل ہے کہ سلام کے بھیجنے یا لکھتے وقت صلوٰۃ بھی ساتھ ملالی جائے۔ اور امام نووی صلوٰۃ کو بغیر سلام کے ملائے مکروہ بتاتے ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے دونوں کا حکم فرمایا ہے۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ تنہا صلوٰۃ بھیجنا اور سلام بالکل نہ بھیجنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک مرتبہ سلام بھیجے اور دوسری مرتبہ صلوٰۃ بھیجے بغیر کسی وقفہ یا خلل کے تو مضائقہ نہیں ہے۔ کذا فی المواہب۔

امام محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس جگہ سلام بمعنی صلوٰۃ ہے۔ لہٰذا غائب میں استعمال نہیں کیا گیا ہے (بلکہ بصیغۂ حاضر ''سَلِّمُوْا'' فرمایا گیا) اور تنہا غائب کے صیغہ کے ساتھ غیر انبیاء علیہم السلام کے لیے نہ استعمال کیا جائے۔ مطلب یہ کہ کسی غیر نبی کو علیہ السلام نہ کہا جائے۔ لیکن حاضر ومخاطب کے لیے استعمال کیا جائے اور اس طرح کہا جائے سَلَامٌ عَلَيْكَ یَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ، اور

رموز و کنایہ یا مخفف جیسا کہ عام لوگوں میں رائج ہے اس پر راضی نہ ہو۔ کیونکہ یہ بہت ہی شنیع اور قبیح فعل ہے (جیسا کہ عام طور پر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صلعم یا صللل اور علیہ السلام کے لیے '' '' یا رضی اللہ عنہ کے لیے '' '' وغیرہ مہمل الفاظ بولتے اور لکھتے ہیں۔ بلاشبہ یہ درود شریف کی اہانت اور استخفاف ہے اس سے بچنا فرض ہے۔ (مترجم غفرلہ)

تنبیہہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام اوقات میں درود و سلام بھیجنا مستحب و مستحسن ہے خصوصاً جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں کیونکہ یہ ہفتہ میں سب سے افضل دن اور رات ہے۔ یوم جمعہ میں اس کی کثرت کا حکم حدیث پاک میں آیا ہے کہ خاص طور پر اس دن بارگاہِ نبوت و رسالت میں صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا اور قبول فرمایا جاتا ہے۔ قبولیت کی بشارت دی گئی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ: اَکْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیَّ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مجھ پر بکثرت درود بھیجو۔ اور بعض طرق سے اس طرح ہے کہ اَکْثِرُوْ الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ فِی اللَّیْلَۃِ الزَّھْرَاءِ وَیَوْمِ الْاَزْھَرِ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ وَیَوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ مجھ پر روشن ترین رات میں بکثرت درود بھیجو۔ اور روشن ترین رات یعنی یوم الازہر وہ جمعہ کا دن اور جمعہ کی رات ہے۔ اس ضمن میں حدیثیں بکثرت مروی ہیں اور اس دن و رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ آپ کی امت کا صلوٰۃ و سلام ہمیشہ ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے ملائکہ سیاحین یعنی گشت کرنے والے فرشتوں کو پیدا فرما کر مقرر کیا ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا درود و سلام بارگاہِ نبوت میں پہنچائیں لیکن اس دن و رات میں یقینی طور پر درود و سلام مقام وصول اور محل قبول کو فائز ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ نَفْخَۃٌ وَفِیْہِ الصَّعِقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ تمہارے دنوں میں سب سے بہتر دن روز جمعہ ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کی روح قبض کی گئی اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن قیامت ہوگی ہے لہٰذا مجھ پر اس دن درود کی کثرت کرو۔ کیونکہ تمہارا درود میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ روز جمعہ درود کی کثرت کرنے کی تخصیص میں حکمت، یہی روز جمعہ ہے کیونکہ یہ موجب وصول و قبول اور حصول رضائے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہی دنیا و آخرت میں سعادت کا موجب ہے جیسا کہ ظاہر حدیث کا بیان ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ ابن قیم سے نقل کرتے ہیں ان میں ایک مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید الانام ہیں اور روز جمعہ سید الایام ہے لہٰذا یہ دن درود بھیجنے میں خاص مناسبت اور اضافت رکھتا ہے۔ جو اس کے علاوہ کسی اور دن میں نہیں ہے۔ اور ایک حکمت یہ بھی ہے کہ امت مرحومہ کو دنیا و آخرت میں جو کچھ ملا ہے اور جو نعمت حاصل ہوئی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے ہی ملی ہے اور سب سے بڑی وہ کرامت جو امت کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ جمعہ کے دن ہی ملتی ہے۔ اور آخرت میں حور و قصور، جنت و کرامت اور حق تعالیٰ و تقدیس کا جو دیدار حاصل ہوگا وہ بھی اسی روز جمعہ میں حاصل ہوگا۔ اور آخرت میں اس دن کا نام ''یوم المزید'' ہے کیونکہ حق تعالیٰ اس دن اہل جنت پر مزید نعمتیں اور اپنے مقدس دیدار سے مشرف و سرفراز فرمائے گا۔ جیسا کہ باب الجمعہ میں ان شاء اللہ ذکر ہوگا۔ اور یہ کہ جمعہ کا دن دنیا میں امت کے لیے عید کا دن ہے اور آخرت میں روز مزید ہے۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں عالم کی مخلوق جمع ہوئی ہے اور حق تعالیٰ نے اس دن تمام مخلوق کی ضرورتوں، حاجتوں اور مطلبوں کو شفقت و مہربانی سے پورا فرمایا ہے۔ اور اس دن کسی مانگنے والے کے سوال کو رد نہیں فرماتا۔ اور اس کی ہر دعا قبول فرماتا ہے اور یہ تمام باتیں امت کو حاصل نہیں ہوتیں اور نہ وہ اس کی معرفت کر سکیں گے مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت و سبب اور آپ کے دستِ اقدس کے ذریعہ سے۔ لہٰذا شکر اور نعمت کی حق شناسی کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی میں سے ادنیٰ ذریعہ یہی ہے کہ اس دن آپ پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام بھیجا جائے (واللہ اعلم)

فضائل ونتائج درودوسلام: وصل: حضوراکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درودوسلام بھیجنے کے فضائل و برکات اور اس کے نتائج وثمرات بیان سے باہر ہیں گویا یہ دنیا وآخرت کی تمام برکتوں اور بھلائیوں کو شامل ہے اور یہ امتثالِ امرالٰہی اور فعل باری تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے عمل کی موافقت پر متضمن ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب صلوٰۃ وسلام بھیجو اور حدیث شریف میں ہے مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ عَشْرًا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ وہ کتنا خوش نصیب اور عظیم المرتبت ہے جس پر حق تعالیٰ، رحمت اور برکت نازل فرمائے۔

اس جگہ ایک اعتراض یہ لاتے ہیں کہ یہ کیسے جائز ہوگا کہ حضور پر تو بندہ ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجے اور اس پر دس مرتبہ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک کا عدد جو حدیث میں آیا ہے وہ بندے کا فعل ہے اس حکم کے تحت کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا (جو ایک نیکی لائے اس کا بدلہ دس گنا ہے) حق تعالیٰ ایک کا بدلہ دس گنا عطا فرماتا ہے۔ اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے وہ بھی ایک ہی ہو۔ وہ مالک ہے جتنی مقدار میں چاہیے حضور پر صلوٰۃ بھیجے۔ چونکہ بندہ صلوٰۃ وسلام اور دعا کرنے پر مامور ہے اور وہ کہتا ہے کہ اے خدا! میں تیرے اس حکم کو بجالانے میں عاجز مجبور ہوں تو ہی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ نازل فرما جیسا کہ تیرے جلال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کے لائق ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ اپنے کمال رحمت ومہربانی سے جو لائق ہو بھیجتا ہے اور اس کے نزدیک اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عزت اور درجہ ہے اسی کی مناسبت سے بھیجتا ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک ہی درود اس دس کے مقابلہ میں جو بندہ پر نازل فرمائے۔ یہ سو ہزار درجہ کامل تر ہو اس لیے کہ مقدار کی کمی' کیفیت کی زیادتی کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک گوہر سو ہزار پیسوں کے مقابلے میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ کی آنکھوں سے خوشی ومسرت نمایاں تھی اور آپ کا چہرہ منور پر مسرت تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آج آپکے رخ انور میں خوشی ومسرت کی لہر تاباں ہے کیا سبب ہے؟ فرمایا جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد! کیا آپکو یہ پر مسرت نہیں بناتا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جو بندہ بھی آپ کی امت کا آپ پر ایک مرتبہ بھی درود بھیجتا ہے میں اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہوں اور ایک روایت میں مطلق آیا ہے کہ جو بندہ صلوٰۃ وسلام آپ پر بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے۔ گویا مقصود اس جگہ بیان مطلق ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے حق تعالیٰ اس پر اس وقت تک صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے جب تک کہ وہ مجھ پر بھیجتا رہے لہٰذا بندے کو اختیار ہے کہ کم بھیجے یا زیادہ بھیجے۔ ایک اور روایت میں ہے حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر گنا صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ لہٰذا بندہ کم کرے یا زیادہ۔

بندۂ مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) خصہ اللہ بمزید الحق ورحمۃ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ستر میں بھی یہ منحصر نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مراتب میں اضافہ بہت ہے۔ سات سو تک بلکہ اس سے زیادہ آیا ہے اور یہ اضافہ تقویٰ' محبت اور اخلاص کے مقدار پر ہے اور کمی وبیشی کے درمیان اختیار دینے میں ایک قسم کی تہدید اور تنبیہہ ہے اس لیے کہ مخیّر بہ میں وجود خیر کو بتادینے کے بعد اس کے حاصل کرنے میں کمی وکوتاہی پر ڈرانے کو متضمن ہوتا ہے۔

ترمذی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ پر درود بھیجوں تو اپنے لیے دعا کرنے کے مقابلے میں آپ کے لیے کتنی مقدار میں بھیجوں فرمایا جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا چوتھائی؟ فرمایا جتنا

چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے اور بہتر ہے عرض کیا نصف؟ فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے اور زیادہ بہتر ہے عرض کیا دو تہائی؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے اور بہتر ہے۔ عرض کیا پھر تو میں اپنی تمام دعا کے بدلے آپ پر درود ہی بھیجوں گا فرمایا: اِذًا تُکْفٰی هَمُّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔ تب تو تم نے اپنی ہمت پوری کر لی اور گناہوں کو معاف کرا لیا۔

ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا کر اس کے دس درجہ بلند فرمائے گا۔ یہ دس گناہوں کا مٹانا اور دس درجہ بلند کرنا عمل درود کے اجر و ثواب کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ دیگر اعمال میں مزیت واضافہ نہیں ہے کیونکہ ایک کا بدلہ دس گنا تو ملے گا لیکن ان میں گناہوں کا مٹانا اور درجات کا بڑھانا نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کہے کہ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ وَفِيْ رِوَايَةٍ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ "اے خدا! ہمارے سردار محمد مصطفیٰ پر صلوٰۃ نازل فرما اور انہیں مقام قرب پر فائز فرما جو تیرے نزدیک قیامت میں ہے تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر درود بھیجتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ روز قیامت اس کے تختی ودہشت اور شرو سفنی سے وہی لوگ نجات پانے والے تم میں سے زیادہ ہوں گے جو مجھ پر درود بھیجتے ہیں۔ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا گناہوں کے دھونے اور اس سے پاک کرنے میں آگ کو سرد پانی سے بجھانے سے زیادہ مؤثر و کارآمد ہے اور حضور پر سلام پیش کرنا غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اس جگہ ایک نکتہ یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا' درود بھیجنے والے پر رحمت کے نزول کو واجب کرنے کا حکم رکھتا ہے تو ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں جتنی بھی کمیت ومقدار اور کیفیت میں مبالغہ کیا جائے گا اتنا ہی اس پر رب العزت کی بارگاہ سے فیضان و نزول رحمت زیادہ ہو گا۔ لیکن اس نوعیت کے مطابق ہو گا جتنا اس کے حال کے لائق ومناسب ہے۔ كَمَا لَا يَخْفٰى. غرضیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا منبع انوار وبرکات اور مفتاح تمام ابواب خیرات وسعادات ہے اور اہل سلوک اس باب میں بہت زیادہ شغف رکھنے کی بنا پر فتح عظیم کے مستوجب اور مواہب ربانیہ کے مستحق ہوئے ہیں۔

بعض مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ایسا شیخ کامل اور مرشد اکمل موجود نہ ہو جو اس کی تربیت کر سکے تو اسے چاہیے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کو لازم کر لے یہ ایسا طریقہ ہے جس سے طالب واصل بحق ہو جاتا ہے اور یہی درود وسلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ کرنے سے احسن طریقہ سے آدابِ نبوی اور اخلاقِ جمیلہ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی تربیت کر دے گا اور کمالات کے بلند تر مقامات اور قرب الٰہی کے منزل پر اسے فائز کریں گے اور سید الکائنات افضل الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قرب سے سرفراز بنائیں گے۔

بعض مشائخ کرام وصیت کرتے ہیں کہ سورۂ اخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے۔ اور فرماتے ہیں کہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی قرأت خدائے واحد کی معرفت کراتی ہے۔ اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کثرت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت سے سرفراز کرتی ہے اور جو کوئی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے گا یقیناً اسے خواب وبیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو گی۔ جیسا کہ شیخ امام علی متقی نے "الحکم الکبیر" میں شیخ احمد بن موسیٰ المشرع سے نقل فرمایا ہے۔

بعض متاخرین مشائخ شاذلیہ قدست اسرارہم فرماتے ہیں کہ طریق سلوک' تحصیل معرفت اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے جس وقت کہ اولیائے کرام کا وجود مفقود ہو اور جس زمانہ میں وہ موجود نہ ہوں اس وقت ظاہر شریعت پر بالالتزام عمل کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک اور آپ پر کثرت درود کو ہمیشہ لازم کر لینا مرشد متصرف کا کام دے گا کثرت درود سے باطن میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے منازل سلوک طے پا جاتے ہیں۔ اور براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے فیضان واعانت اور امداد حاصل ہو جاتی ہے۔

اور بعض مشائخ ذکر پر درود کو توسل واستمداد کی حیثیت سے ترجیح اور فضیلت دیتے ہیں۔ اگرچہ ذکر بذات خود اشرف وافضل ہے۔ اور طریقہ شاذلیہ کا خلاصہ (یہ حقیقت میں طریقۂ قادریہ کی شاخ ہے) بارگاہِ نبوت سے استفاضہ ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سپردگی کو لازم کرنے اور آپ سے دائمی حضوری کے ذریعہ اور وسیلے سے ہے۔

شیخ اجل واکرم قطب الوقت عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ ونفعنا ببرکاتہ، و برکات علومہ فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھتے وقت یہ جاننا چاہیے کہ دریائے فضل ورحمت کے کون کون سے دریاؤں میں شناوری کر رہا ہے اور کہاں کہاں غوطہ زن ہے۔ اَللّٰھُمَّ جب کہتے ہیں تو دریائے رحمت الٰہی میں داخل ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب اَللّٰھُمَّ کہتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء الٰہی کو یاد کر لیتا ہے اور جب ''صل علیٰ سیّدنا محمد'' کہتا ہے تو وہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے فضل وکرم میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ ''وعلیٰ آلہ واصحابہ'' کہتا ہے تو ان کے فضائل وکمالات میں غرق ہو جاتا ہے اور جب بندہ ان لامتناہی دریاؤں میں شناوری کرتا اور غوطہ زن ہوتا ہے تو پھر محروم ومایوس نکلنے کی کیا صورت ہے۔ جس وقت اس فقیر کو (یعنی شیخ محقق شاہ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ کو) حضرت شیخ اجل عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کے سفر کے لیے رخصت فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ تم یاد رکھو کہ اس سفر میں بعد ادائے فرائض' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے بلند تر کوئی عبادت نہیں ہے جب ان سے اس کی تعداد دریافت کی گئی تو فرمایا یہاں کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ جتنا ہو سکے پڑھو۔ اسی سے رطب اللسان رہو اور اسی کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ ایسے وقت کے علاوہ وہ طالب کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو ہزار مرتبہ سے کم نہ مقرر کرنا چاہیے اگر اتنا نہ ہو سکے تو پانچ سو مرتبہ لازمی ہو گویا کہ ہر نماز کے بعد ایک سو مرتبہ اور اپنے لیے تین سو سے کم ہرگز تجویز نہ کرتے تھے اور سونے سے پہلے بھی یقیناً وقت کو خالی نہ رکھنا چاہیے۔ اور صلوٰۃ وسلام کے فوائد عظیمہ اور مطالب جلیلہ میں سے ایک یہ ہے کہ امت کی رسائی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے اور میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو میری قبر انور کے سامنے مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ میرے حضور پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی فرشتے لے کر حاضر ہوتے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پھرنے والے فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے جو میری امت کا سلام میرے حضور لا کر پیش کرتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یارسول اللہ فلاں بن فلاں مثلاً کمترین بندگان عبدالحق بن سیف الدین دہلوی حضور کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا ہے اس کے بعد فرشتے سلام عرض کرتے ہیں شعر ؎

لَكَ الْبَشَارَةُ فَاخْلَعْ مَا عَلَيْكَ ذَكَرْتَ ثَمَّهُ عَلٰى مَا فِيْكَ مِنْ عِوَجٍ

بیت جاں مید ہم درآرزوائے قاصدآخر بازگو | درمجلس آن نازنیں حرفے کہ از مامیرود

اور اعظم فوائد درود وسلام میں سے ایک یہ ہے کہ دل میں محاسن نبویہ متحضر ہو جاتے ہیں اور آنکھوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی صورت متمثل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ کثرت درود میں بصفت توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لازم ہے۔ شعر

لَوْ شُقَّ عَنْ قَلْبِیْ تَرٰی فِیْ وَسْطِهٖ | ذِکْرَکَ فِیْ سَطْرٍ وَّالتَّوْحِیْدَ فِیْ سَطْرٍ

مطلب یہ کہ اگر آپ میرے دل کو چیر کر دیکھیں تو اس میں ایک سطر آپ کے ذکر کی ہوگی اور ایک سطر توحید الٰہی کی ہوگی۔

اور اعظم فوائد درود وسلام میں یہ ہے کہ اس کا ثواب دس غلاموں کے آزاد کرانے اور دس جہادوں میں شریک ہونے کے برابر ہے۔ اور یہ کہ دعا قبول ہوتی ہے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت آپ کی شہادت اور حصول قرب میسر آتا ہے اور باب جنت کو کھلوانے کے لیے اپنے دست مبارک کو تکلیف دینا اور سب سے پہلے قیامت میں آپ کے ساتھ متصل دوسروں سے پہلے داخل ہونا اور اس دن تمام شدتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متکفل ہونا اور تمام مہمات وقضایا میں کفایت فرمانا اور تمام حوائج ومغفرت گناہاں میں کوشش فرمانا اور تمام کوتاہیوں اور غلطیوں کو محو فرمانا یہ سب درود شریف کی ہی برکتیں ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ فرائض میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کا کفارہ بن جاتا ہے اور صدقہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس سے افضل واعلیٰ ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور تکلیفوں کا دور ہونا' بیماریوں سے شفا پانا' خوف وخطر اور بھوک کا جاتا رہنا' تہمتوں سے برات و پاک کرنا، دشمنوں پر فتح پانا' رضائے الٰہی اور اس کی محبت کا حاصل ہونا۔ اس کی صلوٰۃ کا خدائے عزوجل کی صلوٰۃ اور اس کے فرشتوں کی صلوٰۃ سے مل جانا' مال میں زیادتی و پاکیزگی کا پیدا ہونا' طہارت، ذات' صفائے قلب اور فارغ البالی کا ہونا اور تمام امور میں برکتوں کا حاصل ہونا حتیٰ کہ اسباب واموال اور اولاد در اولاد چار پشتوں تک میں برکتیں فائز ہوتی ہیں یہ سب درود کے فوائد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

فائدہ: اور قیامت کی ہولناکیوں سے نجات پانا، سکرات موت میں آسانی پیدا ہونا' دنیا کی ہلاکتوں سے چھٹکارا پانا' زمانہ کی تنگیوں سے خلاصی پانا' بھولی ہوئی چیزوں کا یاد آ جانا' فقر واحتیاج کا جاتا رہنا' بخل وجفا کی برائیوں سے محفوظ رہنا' ناک گرد آلود ہونے کی بددعا سے بچنا۔ مجلس کا پاکیزہ ومعطر ہو جانا، رحمتوں کا چھا جانا' صراط سے گزرتے وقت ایک نور کا تاباں ہونا اور اس حال میں ثابت قدم اور برقرار رہنا اور پلک جھپکتے میں صراط سے گزر جانا' برخلاف حال' تارک درود کے' مسلمانوں کی محبت دل میں جاگزیں ہونا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں خوب مستحکم ہونا' روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے مصافحہ کرنا' خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا دیدار کرنا' ملائکہ کی محبت اور ان کا مرحبا کہنا۔ اس کے درود کی کتابت سونے کے قلم سے چاندی کے کاغذ پر ہونا' فرشتوں کا اس کے خیر کی زیادتی کی دعا کرنا اور استغفار کرنا یہ سب اعظم فوائد درود وسلام کے ہیں۔ اور سب سے اہم اور بڑی بات تو یہ ہے کہ جواب سلام کے حصول کا شرف حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ سنت مستمرہ بلکہ لازم کردہ فرض ہے۔ اس سے بڑی سعادت اور کون سے ہوگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی وخیر کی دعا اس کے شامل حال ہوگی۔ اگر تمام عمر میں یہ سعادت ایک مرتبہ بھی ہاتھ آ جائے تو ہزارہا کرامتوں کا موجب اور بیشمار برکتوں کا باعث ہے۔ بیت

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب | کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

اور بکثرت ایسے حضرات ہیں جو اپنا سلام پیش کرنے سے پہلے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پایا ہے کیونکہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ: کان یبادر بالسلام یعنی آپ سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے۔ اور ایسے بھی حضرات ہیں جو اپنے سلام کے بعد

جواب سلام سے مشرف ہوئے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بھی سلام سے نوازا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فائدہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں فرشتے یعنی کراماً کاتبین تین دن تک اس کے گناہ لکھنے سے رکے رہتے ہیں (تاکہ وہ اس سے توبہ کر سکے) اور لوگوں کو اس کی عیب جوئی سے باز رکھتے ہیں اور روز قیامت درود پڑھنے والا عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا۔ اور درود اس کے نیک اعمال کے پلڑے کو وزنی کر دے گا اور پیاس سے محفوظ رہے گا۔ اور جنت میں کثیر بیبیاں ملیں گی۔ اور دنیا و آخرت کے معاملات میں رشد و ہدایت میسر آئے گی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا ذکر الٰہی کو بھی شامل ہے اور اس کی نعمتوں کے شکر اور معرفت حق کو بھی متضمن ہے۔ اور درود کی بدولت بیکراں اور وافر نعمتیں ملتی ہیں۔ ان سب کو فا کہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''آداب زیارت'' میں لکھا ہے اور ''جذب القلوب'' (راحت القلوب) میں وہیں سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب میں بھی وہیں سے منقول ہے۔ ان کے ماسوا دیگر فوائد و حکایات بھی مذکور ہیں جن کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔ ان میں سے ایک حکایت یہ ہے جسے شیخ احمد بن ابو بکر محمد رواد صوفی محدث نے اپنی کتاب میں شیخ مجد الدین فیروز آبادی سے ان اسناد کے ساتھ جو شیخ مذکور کو ملی ہیں روایت کیا ہے۔ اس جگہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس امید پر کہ طالب حق اسے اپنا ورد بنائے۔ وہ حکایت یہ ہے کہ ایک دن حضرت شبلی قدس سرہ حضرت ابو بکر مجاہد کے پاس گئے یہ اپنے زمانہ کے امام اور علمائے وقت میں سے تھے۔ حضرت ابو بکر نے کھڑے ہو کر ان کا اعزاز و اکرام کیا اور معانقہ کر کے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حاضرین کہنے لگے یا سیدی! شبلی کا آپ ایسا احترام و اعزاز فرما رہے ہیں حالانکہ آپ اور بغداد کے تمام لوگ انہیں مجنوں کہتے ہیں۔ فرمایا: میں نے یہ اعزاز اپنی طرف سے نہیں کیا ہے لیکن میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں جیسا فرماتے دیکھا ہے ویسا ہی کیا ہے۔ کیونکہ حضرت شبلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب آئے تو حضور انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے معانقہ فرمایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس پر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ شبلی سے یہ سلوک فرما رہے ہیں؟ فرمایا ہاں؟ یہ شبلی بعد نماز اس آیت کو پڑھتے ہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ اس کے بعد وہ مجھ پر درود بھیجتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ کو درود شریف پڑھنے سے پہلے پڑھنا حرمین شریفین کے ان حضرات کے درمیان رائج ہے جو میلاد شریف کی محفلیں منعقد کرتے اور ذکر میلاد بیان کرتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ کے بعد وہ حضرات آیہ کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. پڑھتے ہیں پھر اس حکم الٰہی کی بجا آوری میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ. پڑھتے ہیں۔

ترکِ عادتِ درود پر وعید و مذمت: وصل: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل و فوائد اور اس کے کرنے والے کی مدح و تعریف احادیث میں آئی ہیں۔ لامحالہ اسی قدر اس کے تارک کی قباحت و مذمت اور اس پر عقاب و مضرت بھی ثابت ہوگی اس لیے کہ ہر وہ عمل جس کا ثواب اور فضیلت بلند تر اور کامل تر ہوتا ہے اس کا ترک قبیح تر و مذموم تر ہوگا۔ اور اس پر عقاب شدید تر اور قوی تر ہوگا۔

امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ الْبَخِيْلَ كُلَّ الْبَخِيْلِ۔ بے شک یہ تمام بخیلوں میں بدتر بخیل ہے اور ایک روایت میں ہے کہ: اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔ وہ شخص بہت بخیل ہے جس کے آگے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ بخیل عرف عام میں اسے کہتے ہیں کہ جو مال کو خرچ کرنے اور اس کے استعمال کرنے میں خست برتے۔ لیکن سب سے سخت تر اور بدترین وہ بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر

درود نہ پڑھے۔ اور وہ میری محبت میں اور نعمتوں کے شکر میں اپنا اتنا سا وقت خرچ نہ کرے۔ اور زبان کو استعمال میں نہ لائے۔ کیونکہ اس کا اجر وثواب' مال کے خرچ کرنے اور غلام کے آزاد کرنے سے زیادہ عظیم اور وافر تر ہے اور اس سے زیادہ آسان ہے۔

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد بزرگوار امام محمد باقر: سَلَامُ اللہِ عَلَیْہِمَا وَصَلِّ عَلٰی اٰبَائِہِمَا الْعِظَامِ وَاَوْلَادِہِمَا الْکِرَامِ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے آگے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے بلاشبہ یقیناً اس نے جنت کی راہ بھلا دی۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' سے مروی ہے کہ ابوالقاسم سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر درود بھیجنے کو فراموش کر دیا اس نے جنت کی راہ فراموش کر دی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت میرا ذکر کسی کے سامنے کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو بلاشبہ اس نے مجھ پر ظلم و جفا کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مجلس بیٹھی پھر وہ اٹھ گئی اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا گویا وہ مجلس ایسی ہے جیسے کسی مردار سے زیادہ گندی مجلس میں بیٹھے پھر وہ متفرق ہو گئے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ منہا)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ایک گروہ نے مجلس جمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس میں درود نہ بھیجا گیا مگر یہ کہ روز قیامت اہل مجلس پر حسرت و محرومی ہوگی۔ اگر چہ وہ جنت میں داخل ہوں۔ یعنی اگر چہ بحکم ایمان اور اعمال صالحہ جنت میں داخلہ مل جائے اور وہ ایمان و عمل کا ثواب بھی پالیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے ثواب عظیم کے فوت ہونے کی بنا پر حسرت کریں گے کہ کیوں نہ انہوں نے یہ ثواب عظیم حاصل کیا ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود دونوں حاصل ہو جاتے ہیں۔

ایک حدیث مبارک میں ہے کہ وہ شخص رسوا ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ اور وہ شخص رسوا ہے جسے ماہ مبارک رمضان کا ملا اور وہ اسے بخشوائے بغیر گزر گیا۔ مطلب یہ کہ رمضان کو پائے تو ایسے کام کرے جس سے اس کی مغفرت ہو کیونکہ ان ایام کا وجود غنیمت ہے اور یہ مغفرت کا موسم ہے اور فرمایا اسے رسوائی ہو جس نے ماں باپ دونوں کو پایا یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور وہ اسے جنت میں داخل نہ کرا سکے۔ مطلب یہ کہ اسے چاہیے کہ ماں باپ کی خدمت کرے۔ اور انہیں راضی رکھے۔ خصوصا جب کہ وہ بوڑھے ہوں تا کہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق بنے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور منبر شریف پر چڑھتے ہوئے فرمایا۔ آمین پھر تشریف لے گئے اور فرمایا۔ آمین' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ وقت آمین فرمانے کا کونسا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! جس کے سامنے آپ کا نام لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے اور مر جائے تو اسے جہنم میں حق تعالیٰ داخل کرے گا۔ اور اپنے بارگاہِ قرب و رحمت سے اسے دور رکھے گا تو آپ آمین کہئے۔ اس پر میں نے آمین کہا اس طرح جبریل علیہ السلام نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے رمضان پایا اور اس کے ماں باپ کی وجہ سے اس کی کوئی نیکی قبول نہ کی گئی۔

حدیث مبارک میں ہے کہ جو کسی مجلس میں بیٹھے اور درود بھیجے تو جو کچھ اس سے مجلس میں گناہ واقع ہوگا اسے بخش دیا جائے گا۔

تنبیہہ : یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے مراد یہی آپ کا نام لینا ہے بلکہ یہ بہت عام ہے اور نام مبارک کے ذکر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف واحوال شریفہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اگرچہ صراحت کے ساتھ آپ کے نام نامی کا ذکر نہ کیا جائے۔ اگرچہ علماء نے اسم شریف کے ذکر کا مسئلہ وضع کیا ہے یہ بات بالکل ظاہر واضح ہے (وباللہ التوفیق۔)

اختلاف صلوٰۃ برغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم : علمائے کرام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہ السلام کے سوا پر لفظ صلوٰۃ کے استعمال واطلاق میں اختلاف کرتے ہیں ان علماء کے تمام بحث وکلام سے تین قول مستفاد ہوتے ہیں۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت کا مذہب تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر لفظ صلوٰۃ کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ کتاب الشفاء میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ فرمایا: صلوٰۃ برغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جائز نہیں ہے۔ اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ثابت شدہ ہے ابن ابی شیبہ نے از طریق عثمان از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کوئی ایک بھی صلوٰۃ کا سزاوار اور مستحق ہے بجز سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر استعمال کرنے کے۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی ایک نبی پر صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن علماء فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ نہیں ہے بلکہ وہ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ غیر انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ کو مکروہ جانتا ہوں اور فرماتے ہیں کہ نہ ہمیں حق ہے اور نہ ہم سزاوار ہیں کہ جس چیز کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس سے ہم تجاوز وتعدی کریں اور یہ اس باب میں دوسرا قول ہے کہ لفظ صلوٰۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس لیے کہ حدیث مبارک میں ہے کہ فرمایا: صَلُّوْا عَلَى الْاَنْبِيَآءِ قَبْلِيْ فَاِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُهُمْ كَمَا بَعَثَنِيْ ۔ مجھ سے پہلے نبیوں پر درود بھیجو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا ہی مبعوث فرمایا ہے جس طرح مجھے مبعوث فرمایا۔" لہٰذا صلوٰۃ نبیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے سوا پر جائز نہیں ہے اور حضرت ابوسفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ فرمایا: لَا يَنْبَغِي الصَّلٰوةُ عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا لِنَّبِيِّيْنَ کسی کو حق نہیں کہ نبیوں کے سوا کسی اور پر درود بھیجے۔

علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ صلوٰۃ کے معنی ترحم یعنی اللہ عزوجل سے رحمت مانگنے اور دعا کرنے کے ہیں کہ وہ اپنے بندہ پر رحمت فرمائے۔ اور یہ مطلق ہے مگر یہ کہ اس کے اطلاق کی ممانعت کسی حدیث صحیح یا اجماع قطعی سے ثابت شدہ نہیں ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ ۔ وہ خدا جو اپنے فرشتوں سمیت تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور صبر کرنے والوں کی مدح میں ارشاد فرمایا: اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوٰۃ ورحمت ہے اور صدقہ دینے والوں کی شان میں فرمایا۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ مسلمانوں سے ان کے صدقے کا مال لیجئے اور انہیں پاک وستھرا ان کے ذریعہ بنائیے۔ اور ان پر صلوٰۃ بھیجئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ دینے والوں پر جب کہ وہ صدقہ کا مال لے کر حاضر ہوتے تو صلوٰۃ بھیجتے تھے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى وَصَلِّ عَلٰى فُلَانٍ وَّعَلٰى فُلَانٍ اے خدا! ابواوفی رضی اللہ عنہ کی آل پر صلوٰۃ بھیج۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ اے خدا! عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص پر صلوٰۃ بھیج، اور حضور فرمایا کرتے تھے کہ وہ خوب صدقہ

لاتے ہیں۔ایک اور حدیث وہ بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ بھیجنے کی تعلیم وتلقین فرمائی ہے کہ۔

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ پر صلوٰۃ بھیجتے تھے اور اسے امام مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے۔اور ابن وہب' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہم اپنے ان ساتھیوں کے لیے جو غائب تھے اس طرح دعا کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مِنْكَ عَلٰى فُلَانٍ صَلٰوةَ قَوْمِ الْاَبْرَارِ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ بِاللَّيْلِ وَيَصُوْمُوْنَ بِالنَّهَارِ اے خدا! اپنی جانب سے فلاں پر ان نیکوکاروں کی مانند صلوٰۃ بھیج جو رات کو قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔'' قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے محققین نے جو کچھ کہا اور مواہب لدنیہ میں جو کچھ بیان کیا ہے۔اور جمہور علماء کا جو مسلک مختار ہے اور جس پر کثیر فقہاء و متکلمین متفق ہیں یہ ہے کہ غیر نبی پر تنہا مستقلاً صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی تعظیم وتوقیر میں اسے شعار وعلامت مقرر کیا گیا ہے۔لہٰذا یوں نہ کہا جائے مثلاً ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم یا علی صلی اللہ علیہ وسلم، اگرچہ یہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے جس طرح کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ تنزیہہ وتقدیس مخصوص ہے۔ لہٰذا یوں نہ کہا جائے کہ: قَالَ مُحَمَّدٌ عَزَّوَجَلَّ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معنی میں عزیز وجلیل ہیں۔اسی طرح نبی کریم اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کی تخصیص واجب ہے۔اس میں ان کے ساتھ کسی اور کو شریک اور مقرر نہ کیا جائے اور وہ جو قرآن وحدیث میں لفظ صلوٰۃ واقع ہوا ہے وہ دعا کے معنی پر معمول ہے نہ کہ بروجہ شعار وعلامت۔لہٰذا جائز نہیں ہے مثلاً آل ابی اوفی یا ان کے سوا کسی اور کے لیے کہ اسے ان کا شعار بنایا جائے اور جس جگہ بھی ان کا ذکر آئے تو ان پر صلوٰۃ بھیجی جائے۔اور انبیاء علیہم السلام کے ماسوا' ائمہ وعلماء وغیرہ کو غفران ورضوان سے ذکر کیا جائے۔جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد میں ہے کہ: رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے۔اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں سبقت رکھتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ صدر اول میں یہ روش رائج ومعروف نہ تھی بلکہ اسے کچھ اہل بدعت نے بعد میں ایجاد کیا اور انہوں نے بعض اپنے اماموں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ومساوی قرار دیا۔لہٰذا ان کے طریقہ سے اجتناب واحتراز واجب ہے۔ اور آل وازواج اور ذریت کا ذکر بروجہ تبعیت واضافت ہے۔نہ بر طریق استبداء واصالت، بطور تبعیت واضافت ذکر کرنے میں کوئی اختلاف وکلام نہیں ہے۔بلا شک وشبہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔(رسول کی دعا کو اپنے درمیان ایک دوسرے کی دعا کی مانند نہ بناؤ) لہٰذا واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا' عام لوگوں کی دعا کے مخالف ہے اور یہی بحث سلام میں ہے۔

اور شیخ ابومحمد جوینی جو کہ امام الحرمین کے والد ہیں فرماتے ہیں کہ سلام' صلوات کے معنی میں ہے لہٰذا غائب میں اسے استعمال نہیں کیا جائے گا اور تنہا غیر نبی میں مستعمل نہ ہوگا۔لیکن حاضر کے صیغہ کے ساتھ سلام سے خطاب کیا جا سکتا ہے۔اور اس طرح کہا جائے کہ سلام علیکم وعلیکم السلام۔اور فرمایا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اور فرمایا یہ طریقہ احتیاط اور آداب نبوت کی رعایت میں اسلم واقرب ہے۔مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ غیر نبی پر صلوٰۃ وسلام کے اطلاق سے منع کرنے والے علما کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کے باب سے ہے گویا حکم میں تین قول ہیں جسے امام نووی نے کتاب اذکار میں نقل کیا ہے اور کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ بکراہت تنزیہی ہے اس لیے کہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے۔(واللہ اعلم)

تنبیہہ: معلوم ہوا کہ یہ بحث صدر اول میں نہ تھی۔بلکہ تمام مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ مامور تھے اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کہ فرمایا: صَلُّوْا عَلَى الْاَنْبِيَآءَ قَبْلِيْ فَاِنَّ اللّٰهَ بَعَثَهُمْ كَمَا بَعَثَنِيْ۔ (مجھ سے پہلے نبیوں پر صلوٰۃ وسلام بھیجو کیونکہ اللہ نے انہیں ایسا ہی مبعوث فرمایا ہے جس طرح مجھے مبعوث فرمایا) وہ مسلمان دیگر انبیاء علیہم السلام پر بھیجتے تھے۔ اور اس مسئلہ میں شیعہ (خواہ رافضی ہو یا تفضیلی) مخالف جا پڑے ہیں کہ وہ اہل بیت نبوت پر اصالتۂ صلوٰۃ وسلام بھیجنے لگے ہیں ورنہ بروجہ تبعیت بلا خلاف جائز ہے۔ اور متقدمین کی کتابوں میں سلام کی نسبت اہل بیت کے ساتھ اس معنی میں جس میں ازواج مطہرات بھی علیہ السلام میں شامل ہوں، دیکھے گئے ہیں۔ (واللہ اعلم)

اور متاخیرن میں بعض دیگر اصطلاحات پیدا ہوگئی ہیں۔ مما لک عرب میں رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ تمام مشائخ کے لیے کہا جاتا ہے۔ اور صاحب ہدایہ اپنے لیے خود فرماتے ہیں کہ قال رضی اللہ عنہ، اور صوفیہ کے طریقے میں قدس سرہ، العزیز یا قدس سرہ، ان اختلافات الفاظ کے ساتھ لکھا جاتا ہے جو اس باب میں ہے۔ اس کی دو عبارتیں ہیں۔ ایک تو وہ جو بعض قدس اللہ روحہ لکھتے ہیں۔ اور دوسرے بعض صلی اللہ علیہ وآلہ کا کلمہ لکھتے ہیں اور یہ مشہور نحوی قاعدہ کے بموجب جو اعادہ حرف جار میں ہے اس کے موافق نہیں اور بعض لوگ انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے کی غرض سے علیٰ نبینا علیہ وعلیہم کا اضافہ کرتے ہیں تاکہ ان پر صلوٰۃ تبعیت وطفیل کے طور پر واقع ہو اور یہی اکثر مما لک عرب میں متعارف ومروج ہے اور جو حکم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے سلسلے میں ہے وہی حکم تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے۔ اور اکثر عجمیوں کے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علیہ السلام بہت واقع ہے لیکن اولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ غایت مختصر اور درست وسلامت واقع ہوا ہے۔

باب دہم

انواع عبادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں

مقصود آفرینش عبادت رب ہے: اس میں شک وشبہ نہیں کہ جہان کی تخلیق وآفرینش کا مقصود عبادات ہے۔ کیونکہ حق تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ہم نے جن وانسان کواسی لیے پیدافرمایا کہ وہ عبادت کریں اورحق تعالی سے قرب وحصول کے لیے سیدھا راستہ عبادت ہے جیسا کہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۵۔ بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ تو اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے اور فرمایا: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے تو آپ اپنے رب کی حمد کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں ہو جایئے۔ اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ یقینی امر آپ کے پاس آ جائے۔

اس آیۂ کریمہ میں یقین سے مراد موت ہے اس بنا پر کہ وہ ضیق صدر، تنگدلی اور حزن وغم کے زوال کے سبب میں امر یقینی ہے اور عبادت سے اس کا زوال اس بنا پر ہے کہ جب انسان عبادت میں مشغول ہو جاتا ہو تو اس پر عالم ربوبیت کی شعائیں منکشف ہوتی ہیں اور جب اسے یہ انکشاف حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں ساری دنیا چیونٹی سے زیادہ حقیر وذلیل ہو جاتی ہے اور دل پر سے اس کے وجود کا مٹانا آسان ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ اس کے ناپید ہونے پر پریشان نہیں ہوتا۔ اور اس کے خیالات پراگندہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا حزن وغم بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اور جب بندے پر مکروہات وشدائد نازل ہوں اور اس سے بھاگ کر مولیٰ کی طاعت کی طرف آئے گویا وہ کہتا ہے مجھ پر تیری عبادت واجب ہے خواہ تو مجھے بھلائی عطا فرمائے یا مکروہات میں ڈالے اس پر وہ کو بھلا دیتا ہے۔ اور اس کی امید کو کشادہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ. تو اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں قائم رہو۔

اور اس میں اس فرقہ کو یہ کہنا جائز ہے کہ جب بندہ کو حق تعالیٰ کی محبت وقرب حاصل ہو گیا تو اس کے اعمال ظاہرہ ساقط ہو گئے۔ اور اس سے ہر عمل ظاہر چھٹکارا پا گیا اور شرعی تکلیف اس سے جاتی رہے۔ اور جب بندہ بارگاہِ حق کی طرف مسافر ہے اور اس کی مسافت ختم نہیں ہوئی ہے تو جب تک وقید حیات میں ہے راستہ کے توشہ کا محتاج ہے۔ اور اسی کو عبادت سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اس سے مستغنی نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی مقرب ہو جائے اور اس کی عبادت کتنی ہی زیادہ اور عظیم ہو جائے۔ ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کہہ رہا تھا اور وہ عمل کے ساقط ہونے پر غور کر رہا تھا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اس بات کو زنا اور شراب پینے سے زیادہ بدتر جانتے ہیں۔

علماء کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل بعثت عبادت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے آیا آپ کسی سابقہ شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے؟ اس میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ شرائع سابقہ میں سے کسی چیز کی آپ پیروی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے دل میں عبادت کی جو شکل وصورت آتی کرتے اور اس پر عقل کو اس کا تابع بناتے۔ بعض علماء اس مسئلہ میں توقف کرتے ہیں نیز اس میں بھی

اختلاف ہے کہ عبادت ذکر کے ساتھ تھی یا فکر کے ساتھ۔ اس میں مختار یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ تھی اور اگر ذکر وفکر دونوں ہوں تو ممکن ہے کہ ذکر کی نورانیت سے فکر صاف ہو جاتا ہو اور علو حقائق منکشف ہو جاتے ہوں (واللہ اعلم) جیسا کہ مولانا رومی مثنوی میں فرماتے ہیں۔

ایں ہم گفتیم وباقی فکر کن　　　　فکر گر جامد بود روذ کر کن!

اور ذکر کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ بے واسطہ ذات حق سے اتصال حاصل ہو کر فیوضات کا ورود ہوتا ہے اور فکر کا نفس اور ان معلومات سے تعلق ہے جو مودع کے منہ میں ہے اور اسے خاصی طریقہ پر ترتیب دینے سے مجہول حاصل ہو جاتا ہے۔

اور بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ انبیا علیہم السلام کی شریعتوں پر عمل کرتے خصوصاً حضرت ابراہم علیہ السلام کی شریعت پر عمل فرماتے تھے اور وہ اس سے استدلال فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء واتباع کا بعثت کے بعد مامور بنایا گیا تھا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ**۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی تو ان کی ہدایت کی تم پیروی کرو۔ اور حق سبحانہ، وتعالیٰ نے فرمایا "**ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ**۔ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی فرمائی کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔ لہٰذا اگر قبل از بعثت اس کے عامل ہوں تو کیا تعجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "فبھداھم" سے مراد ایمان باللہ' توحید اور باہمی متفق علیہ اصول دین ہیں نہ کہ فروع وشرائع' کیونکہ یہ مختلف ہیں۔ اور بجائے خود ان کا اتباع بربنائے اختلاف شرائع ممکن نہیں ہے۔ اور ان میں منسوخ بھی ہیں اور نسخ کے بعد ان میں ہدایت نہیں رہتی لہٰذا اس پر اس سے استدلال درست نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرائع انبیا سابق علیٰ نبینا علیہم السلام پر عبادت کرتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ جب بعد از بعثت متعبد ہیں تو قبل از بعثت بھی ہوں گے۔ ہاں اس کا احتمال ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی شریعت پر عبادت کرتے ہوں اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر ہو تو اولیٰ وانسب ہے اور بعض کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تھی کیونکہ وہ اقرب زمانہ تھے (واللہ اعلم)

اس جگہ ایک نکتہ یہ متوہم ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' انبیا علیہم السلام کے متبع اور مقتدی ہوں گے تو آپ کی فضیلت ان پر کیسے ہوگی تو اس توہم کا ازالہ اس طرح کرتے ہیں کہ جب آپ سب کے مقتدی ومتبع ہوں گے تو ان سب کے کمالات بھی آپ میں جمع ہوں گے لہٰذا آپ سب میں کامل تر ہوئے۔ **فافھم وباللہ التوفیق**۔

صاحب مواہب لدنیہ کے عبادتوں کے مقاصد کو سات نوع پر ترتیب دیا ہے ہم نے بھی اتنے ہی نوع مرتب کیے ہیں۔ نوع اول طہارت' دوم نماز' سوم زکوٰۃ' چہارم روزہ' پانچواں حج' ششم دعا' ہفتم تلاوت۔

نوع اول در طہارت

اس نوع میں چند وصلتیں ہیں۔ وصل: پہلی وصل وضو' مسواک' آب وضو کی مقدار کی مقدار اور ضیائت یعنی حسن ونظافت کے بیان میں ہے۔ وضو، واؤ کے پیش سے مصدر ہے اور واؤ کے زبر سے وضو کے پانی کو کہتے ہیں اور مصدر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں طرح مستعمل ہیں کبھی بمعنی مصدر آتا ہے اور کبھی آب وضو آتا ہے۔ **کذافی القاموس**. بعض علما وجوب وضو میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا وجوب حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے مدینہ منورہ میں ہوا۔ "**اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ**. (جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے کو دھوؤ، آخر تک) یہ آیہ کریمہ سورۂ مائدہ میں ہے جو کہ مدنی ہے لیکن حدیثوں میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے وحی میں نماز اور وضو کا طریقہ سکھا دیا تھا۔ نیز حدیث میں ہے کہ سیّدہ

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں کہ قریش نے آپ کے قتل کا عہد اٹھایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو کے لیے پانی لاؤ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا یہ مکہ کا واقعہ ہے۔ ابن عبدالبر نقل کرتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل جنابت مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض کیا گیا جس طرح کہ نماز فرض کی گئی۔ اور نماز کبھی بھی بغیر وضو نہیں ادا کی گئی اور ابن عبدالبر یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی عالم بھی ناواقف نہیں ہے۔ شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ رد اس شخص کا کیا گیا ہے جو وضو کے وجود کا قبل ہجرت منکر ہے نہ کہ اس شخص کا جو قبل ہجرت اس کے وجوب کا منکر ہے۔ (انتہی) اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ وضو کا وجوب اس آیۂ کریمہ کا نزول وضو کے وجوب اور قیام نماز کے لیے ہے اور تم لوگ جو بے وضو اور ناپاک ہو ایسا خیال نہ کرنا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کیونکہ ابتداء میں مطلقاً قیام نماز کے وقت وضو فرض تھا جو آخر میں منسوخ ہوا۔ اور حدث یعنی بے وضو ہونے کے وجود کے ساتھ مقید فرمایا۔ لیکن سورۂ مائدہ کے احکام نسخ میں کلام ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے لیے وضو کیا اور بعض اوقات ایک ہی وضو سے چند فریضے گزارے ہیں۔ مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور روز فتح مکہ ایک وضو سے چند نمازیں ادا فرمائیں۔ ایک روایت کے مطابق پانچ نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج آپ نے ایسا عمل کیا ہے جو کبھی آپ نے نہیں فرمایا؟ ارشاد فرمایا: ''اے عمر! میں نے قصداً ایسا کیا ہے بیان جواز کے لیے تاکہ لوگ جان لیں کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا فرض نہیں ہے۔ بخاری، ابوداؤد، اور ترمذی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا ایک وضو ہمیں اس وقت تک کفایت کرتا ہے جب تک کہ میں محدث یعنی بے وضو نہ ہوں اور اس جگہ علماء فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت عبداللہ بن حنظل غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرنے پر مامور ہوئے تھے خواہ طاہر ہوں یا غیر طاہر۔ اور جب آپ پر شاق ہوا تو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیا گیا اور آپ سے نیا وضو کرنے کا حکم اٹھا لیا گیا مگر جب کہ حدث لاحق ہو چکا ہے۔

مسواک: مسواک 'سواک' سے بنا ہے جس کے معنی ملنے اور منہ کے ملنے کے ہیں اور سواک سین کے زیر سے' بمعنی دانتوں کی لکڑی' اسی سے مسواک بنا ہے۔ اور مسواک کی فضیلت و استحباب میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔ فرمایا: اگر امت پر دشوار ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان پر ہر نماز کے لیے مسواک کو واجب قرار دیتا۔ اور فرمایا مسواک کرنا منہ کی پاکیزگی کا ذریعہ اور موجب رضائے حق وسبحانہ، وتعالیٰ وتقدس ہے اور فرمایا جب بھی جبریل علیہ السلام آئے تو انہوں نے مجھے مسواک کرنے کا حکم سنایا۔ بلاشبہ میں ڈرا کہ میں اپنے منہ کو گھسوں اور پست کروں اور ایک روایت میں ہے کہ لثہ کو لثہ سے رگڑوں' لثہ لام کے زیر اور ثاء مثلثہ مخففہ' دانتوں کے جڑ کے گوشت کو کہتے ہیں جسے مسوڑھے کہا جاتا ہے اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ کی مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسواک کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا لیکن اس حدیث کی صحت میں کلام ہے اور خصائص دلیل صحیح سے ہی ثابت ہوتے ہیں۔

طبرانی اور بیہقی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں جو مجھ پر تو فرض ہیں لیکن امتی کے لیے سنت ہیں۔ وتر، مسواک اور قیام لیل (نماز تہجد) ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مسواک کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ میں ڈرا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ کر دیا گیا ہو۔ یہ حدیث عدم وجوب میں صریح ہے۔

لیکن اس سے پہلی حدیث میں وجوب واقع ہوا ہے۔ لیکن امت پر اجماع یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ سنت مؤکدہ ہے وضو کے وقت با تفاق اور امام شافعی کے نزدیک بوقت نماز اور خواب سے اٹھنے کے بعد جیسا کہ صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے واقت خواب سے اٹھتے تو تو مسواک کو ملتے اور دہن مبارک کو پاکیزہ تر بناتے تھے اور ظاہر ہے کہ قیام لیل سے مراد نماز (تہجد) کے لیے قیام کرنا ہے۔ لہٰذا مسواک سے مراد نماز کے وضو کے لیے ہے اور وضو کا تعلق خواب سے اٹھنے کے وقت سے ہے نہ کہ نماز شب کے لیے، یہ علیحدہ سنت ہے۔

اور قرأت قرآن اور سونے کا ارادہ کرتے وقت بھی مسواک کرتے تھے اور تغیر ختم کے وقت خواہ تغیر منہ کی بدبو کا ہو یا دانتوں کی رنگت کا تغیر۔ اور گھر میں داخل ہونے کے وقت بھی مسواک کرتے تھے۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا جو کام کرتے وہ مسواک کرنا ہوتا تھا اور ظاہر ہے کہ ایسا وضو اور نماز کے وقت بھی کرتے تھے۔ کذا قیل، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک میں خوب مبالغہ کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے تھے چنانچہ آپ کے دہن مبارک سے اع اع کی مانند آواز نکلتی تھی گویا کہ قے کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں غین سے یعنی اغ اغ آیا ہے اور نسائی کی روایت میں اعا اعا آیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں آہ آہ اور بعض روایتوں میں اُخ اُخ آیا ہے۔

مستحب ہے کہ مسواک، درخت اراک کی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسی سے کرتے اور اسی سے کرنے کا حکم بھی فرماتے تھے اور انگلی سے مسواک کرنا بھی کافی ہے۔ خواہ اپنی انگلی سے ہو یا دوسرے کی انگلی سے اور اگر سخت و درشت کپڑے سے ہو تب بھی کافی ہے۔ اور شوافع جو ہر نماز کے لیے کرتے ہیں زیادہ تر ایسے ہی کپڑے سے کرتے ہیں۔

ابونعیم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دانتوں کے عرض پر مسواک کرتے تھے اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ مسواک داہنے ہاتھ سے کرنی چاہیے یا بائیں ہاتھ سے کون سا مستحب و اولیٰ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ حدیث میں ہے کہ سواری پر چڑھنے اور جوتا پہننے اور طہارت کرنے اور مسواک کرنے میں داہنی جانب کو اختیار کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ داہنے ہاتھ ہی سے مسواک کرنی مستحب ہے۔ کیونکہ مسواک کرنا یا تو تطہیر و تطییب کی قبیل سے ہوگا یا گندگی و آلائش وغیرہ کے دور کرنے کے قبیل سے۔ اگر ہم کہیں کہ اول قبیل سے ہے تو یہی مستحب ہوگا۔ یعنی داہنی ہاتھ سے اور اگر دوسرے قبیل سے کہیں تو بائیں ہاتھ سے مستحب ہوگا۔ اس لیے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا دست مبارک، طہارت کرنے اور کھانے کے لیے اور بایاں دست مبارک، بیت الخلاء میں استنجاء کرنے اور ناپاکی کے دور کرنے کے لیے تھا۔ اسے ابوداؤد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔

بعض شراح حدیث نے کہا ہے کہ مسواک میں تیمن سے مراد یہ ہے کہ ابتدا داہنی جانب سے کرے جیسا کہ چلنے اور جوتے پہننے میں ہے۔ لہٰذا اس سے داہنے ہاتھ سے مسواک کرنے پر استدلال کرنا درست نہ ہوگا پھر داہنے ہاتھ سے مسواک کرنے میں نقل درکار ہے اور کہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ یہ از باب ازالہ اذی یعنی ناپاکی دور کرنے کے قبیل سے ہے جیسا کہ ناک صاف کرنا۔ لہٰذا بائیں ہاتھ سے ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مسجدوں میں مسواک نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ یہ ناپاکی دور کرنے کی قبیل سے ہے۔ یہ ساری گفتگو مواہب میں ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ مسواک کرنے میں مشہور و معروف داہنے ہاتھ سے کرنا ہے اور بایاں ہاتھ جو ناپاکی کے دور کرنے کے لیے متعین ہے اس سے اس تقدیر پر ہوگا جب بغیر کسی چوب مسواک یا کپڑے وغیرہ کے ہاتھ سے مسواک کی جائے۔ جیسا کہ ناک وغیرہ

صاف کرنے میں ہے۔ اور مسجدوں میں مسواک کرنے کو مکروہ قرار دینا اس تقدیر پر ہے جب کہ کوئی چیز منہ سے نکال کر پھینکی جائے۔ ہاں اگر مسواک ہاتھ کے ساتھ ہے تو یہ کلام اس میں جاری ہے اور اگر لکڑی وغیرہ سے ہو تو داہنی جانب سے ابتدا کا استحباب، بہ ہر تقدیر اپنے حال پر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات نے بائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کو اختیار کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

پانی کی مقدار: لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور وضو میں' پانی کی مقدار کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل ایک صاع پانی سے کرتے جو کہ پانچ مد کے برابر ہے۔ اور وضو ایک مد پانی سے کرتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ وضو دو رطل پانی سے کرتے۔ بلا شبہ ہمارے ملک کی زبان میں صاع اور رطل کی مقدار کی تحقیق' وضاحت و توضیح سے خالی نہیں ہے اور شرح سفر السعادت کے اس باب میں اور صدقہ فطر کے باب میں اس کے بیان کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی ہے۔ بایں ہمہ علماء فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں سے مراد تعین و تحدید نہیں ہے۔

فائدہ: چنانچہ اگر اس مقدار مذکورہ سے کم یا زیادہ پانی ہو تب بھی جائز ہے۔ اصل قاعدہ یہ ہے کہ جتنا پانی بھی مقصود بر آری میں کفایت کرے کام میں لائے۔ جب تک کہ پانی چپڑنے اور حد اسراف تک نہ پہنچے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آب وضو کی کمی اور اس کے کم بہانے میں مبالغہ فرماتے تھے اور امت کو وضو میں اسراف اور زیادہ پانی بہانے سے منع فرماتے اور تنبیہ فرمایا کرتے تھے اور فرماتے میری امت میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو وضو میں تعدی اور حد سے تجاوز کریں گے اور پانی بہانے میں بہت اسراف کریں گے اور فرماتے کہ وضو کے لیے ایک شیطان ہے جس کا نام ''ولہان'' ہے جو آدمی کو وضو میں اور پانی کے اسراف میں وسوسے ڈالتا ہے۔ لہٰذا اس کے وسوسوں سے بچو۔ اور اس کے وسوسوں سے بچنے اور اسے دفع کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ براہ تغافل مارو اور دلوں سے بکوشش اسے دور کرو اور اس کے وسوسوں کی پیروی نہ کرو۔ نیز رخصت پر عمل کرو۔ اور اگر شیطان بہت مزاحمت کرے تو کہو یہ جو تو عمل کرتا ہے ناقص اور نادرست ہے درگاہ حق میں اس کی پزیرائی نہیں ہے۔ اور اس کے گمان پر کہو دور ہو جا میرے پاس سے۔ میں اس سے زیادہ ہرگز نہیں کروں گا۔ اور میرا مولا یعنی اللہ تعالیٰ و تقدس کریم ہے۔ وہ اتنا ہی قبول فرمالے گا اور اس کا فضل و کرم بہت وسیع ہے۔ یہی صورت نماز اور دیگر مواقع عبادات وغیرہ میں وسوسوں کا ہے اور اصل وسوسہ اس میں کمی و ناقص رہنے کا خیال پیدا کرنا ہے۔ اور جب شیطان ان راہوں میں دخل انداز ہو تو چاہیے کہ استعاذہ اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے۔ یہ اس کے ازالہ اور دفعیہ میں انتہائی مؤثر ہے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ وضو کر رہے تھے فرمایا: لَاتُسْرِفْ بِالْمَآءِ پانی میں اسراف نہ کرو اور ایک روایت میں ہے کہ مَاهٰذَا السَّرْفُ يَا سَعْدُ اے سعد (رضی اللہ عنہ)! یہ کیا اسراف ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا هَلْ فِي الْمَآءِ اِسْرَافٌ ''کیا پانی میں بھی اسراف ہے؟ کیونکہ پانی میں کوئی چیز کمیاب اور عزیز الوجود نہیں ہے۔؟ اسراف کیسے ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ۔ ہاں پانی میں بھی اسراف ہے اگر چہ تم نہر جاری پر ہو اور یہ منع و تعذیر اور تنبیہ میں مبالغہ ہے کہ پانی میں ہرگز کسی جگہ اسراف نہ کیا جائے۔ غالباً حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بطریق دفع وسواس میں یہ ارشاد ہے کہ کوئی چیز حضور نے اس قسم کی محسوس فرمائی ہوگی۔ یہاں تک کہ اس کے دفع کرنے میں اتنا مبالغہ ظاہر فرمایا اور مسائل فقہ میں مذکور ہے کہ اگر وضو کرنے والا نہر کے کنارے پر ہو تو پانی کے بہانے میں وہاں اسراف نہیں ہے اس لیے کہ جتنا پانی بہائے گا وہ لوٹ کر نہر میں ہی چلا جائے گا۔ بجز اس صورت کے کہ اگر غسالہ نہر کے باہر بہایا جائے۔

نہر جاری اور غیر جاری کے درمیان فرق یہ ہے کہ وضو میں آب مستعمل باتفاق پاک کرنے والا نہیں ہے۔ اور اکثر کے نزدیک تو

آب مستعمل خود بھی پاک نہیں ہے۔ لہٰذا آب مستعمل کو کسی اور جگہ بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا ضائع ہوگا اور نہر جاری میں جب کہ غسالہ اسی میں ڈالا جائے تو ضائع کرنا نہ ہوگا۔ اور یہ بھی بات ہے کہ نہر جاری میں آب مستعمل نہیں رہتا لیکن اس جگہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ فرمایا کہ حد سے تجاوز مناسب نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر زیادہ پانی بہانے میں، پانی میں اسراف نہ بھی ہو تو عمر میں اسراف اور وقت کو ضائع کرنا تو باقی ہے اور اسی مفہوم کے قریب قریب وہ بات ہے جو بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں اسراف سے مراد، گناہ ہے یا نہیں۔ اگرچہ جاری نہر میں کثرت سے پانی بہانے میں اسراف اور پانی کا ضائع کرنا نہیں ہے لیکن مقدار شرع سے تجاوز کرنے میں تو ایک گناہ ہے (واللہ اعلم)۔

وصل: کبھی کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعضاء وضو کو ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں دھوتے تھے اور یہ تعلیم امت کی بنا پر تھا کیونکہ اتنی مقدار کافی ہے اور مقدار فرض پر انحصار فرمانا اس لیے ہے کہ اس سے کم پر وضو درست نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمایا: هٰذَا وُضُوْءٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ اِلَّا بِهٖ یہ وضو ہے اس کے بغیر اللہ نماز کو قبول نہیں فرماتا۔'' ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیا تھا؟ اس کے بعد انہوں نے اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا اور کسی عضو کو طہارت میں مبالغہ کے لیے دو مرتبہ دھویا اور اسے نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ فرمایا۔ اور ثواب میں زیادتی اور اجر کو بڑھانے کا سبب قرار دیا ہے جیسا کہ ''زرین'' میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں عضو کو دو دو مرتبہ دھویا اور فرمایا ''نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ'' اور کبھی تین مرتبہ دھویا اور یہ طہارت کے مرتبہ میں آخری حد ہے۔ اور ''اسباغ وضو'' جو کہ حدیثوں میں آیا ہے اکثر علماء کے نزدیک یہی ہے۔ اور اس باب میں صحیح وحسن حدیثیں بلاشبہ بکثرت مروی ہیں چونکہ عزیمت وفضیلت اس میں ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر حالتوں میں ایسا ہی کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین تین مرتبہ اعضاء وضو کو دھوتے تھے اور فرمایا: هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ قَبْلِيْ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے کے تمام نبیوں کا وضو ہے ایک اور روایت میں یہ ہے کہ: وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ۔'' اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا وضو ہے۔ اور کبھی کسی عضو کو تین مرتبہ اور کسی عضو کو دو مرتبہ دھوتے جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند وضو کر کے ہمیں دکھائیں تو انہوں نے پانی منگایا اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور تین مرتبہ دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر ہاتھ سے پانی نکال کر ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں تین تین مرتبہ پانی ڈالا اس کے بعد برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا اور اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ دھویا اور اپنے سر کا آگے اور پیچھے سے مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔ اسی کی مانند موطا، نسائی اور ترمذی میں مروی ہے۔

نیز اسی طرح مروی ہے کہ پاؤں کے دھونے میں کوئی گنتی مذکور نہیں ہوئی اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ دونوں پاؤں کو دو دو مرتبہ دھویا۔ اور بعض حدیثوں میں مطلقاً اعضاء دھونا آیا ہے اس میں عدد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک مرتبہ دھویا ہوگا۔ یا اس مقام میں راوی کا مقصود اصل دھونے کا بیان ہو اور عدد کے بیان میں خاموش رہا ہو اور کسی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو میں تین سے زیادہ مرتبہ دھونے کی ممانعت آئی ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص تین بار سے زیادہ دھوئے یا اس سے کم کرے تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ اس حدیث کا ظاہر، تین سے کمی کی مذمت میں ہے۔ اور جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حکم نسبتی ہے اور

گناہ متعلق کمی سے ہے اور ظلم زیادتی سے اور نسائی کی روایت میں نقص یعنی کمی کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں اتنا ہی ہے کہ جس نے تین سے زیادہ بار دھویا اس نے برا کیا تعدی کی اور ظلم کیا۔ یہی زیادہ صحیح ہے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کرتے ہوئے کمی کے ذکر میں کلام کیا اور اسے راوی کی غلطی بتایا ہے اس لیے کہ اس کا ظاہر تین سے کمی کی مذمت میں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں ایک کلمہ مقدر ہے اور مرادٗ مِنْ وَّاحِدَةٍ ہے اور بعض روایتوں میں صراحت سے ہے: مَنْ نَّقَصَ مِنْ وَّاحِدَةٍ اَوْزَادَ عَلٰى ثَلَاثٍ فَقَدْ اَخْطَاءَ جس نے ایک سے کم کیا اور تین سے زیادہ کیا بلاشبہ اس نے غلطی کی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ متوضی تین بار سے زیادہ دھوئے اور اگر کسی نے زیادہ کیا تو اسے مکروہ بھی نہیں جانتا۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ میں اسے حرام نہیں جانتا اور اصح یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مکروہ بکراہت تنزیہہ ہے اور دارمی نے شوافع کی ایک جماعت سے نقل کیا کہ تین پر زیادتی سے وضو کو باطل قرار دیتے تھے جس طرح کہ نماز میں رکعت زیادہ ہو جانے کی صورت ہے اور یہ قیاس فاسد ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ فرمایا تین پر زیادتی جائز نہیں ہے اور ابن المبارک فرماتے ہیں کہ میں بے خوف نہیں ہوں کہ یہ گناہ ہو اور شمسی فتاویٰ ظہیریہ میں بیان کرتے ہیں کہ جو ایک مرتبہ دھونے پر اکتفا کرتا ہے وہ گنہگار ہے۔ اور بعض کے نزدیک سنت مشہورہ کے تارک ہونے کی وجہ سے گنہگار ہے اور بعض گنہگار نہیں بتاتے کیونکہ وہ مامور بہ کو تو لا رہا ہے اور اس میں صحیح حدیث وارد ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (کاتب مذہب حنفیہ) اپنی موطا میں فرماتے ہیں کہ تین بار دھونا افضل ہے۔ اور دو بار کافی ہے اور ایک بار اگر مکمل اور درست طریق پر ہو تو بھی کافی ہے اور فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور کبھی دو چلو سے اور کبھی تین چلو سے۔ جیسا کہ دیگر اعضاء کے دھونے میں ہے۔ آپ ایک چلو کے پانی سے آدھا کلی کے لیے لیتے اور آدھے سے استنشاق یعنی ناک میں پانی لیتے۔ اور تینوں مرتبوں میں اسی طرح دونوں کو ملاتے اور کلی اور ناک میں پانی لینے کو ایک چلو سے جمع کرنے کا مذہب امام شافعی کا ہے اور وہ صور متعددہ پر متصور ہے اور صحیح یہی ہے کہ ایک چلو سے کلی کرے اور پھر دوسرے چلو سے ناک میں پانی لے پھر ایک چلو سے کلی کرے اور دوسرے سے ناک میں پانی لے اسی طرح تین بار کرے۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں اس کی فضیلت نہیں وارد ہوئی ہے کہ کلی سے فارغ ہونے کے بعد ایک بار یا دو بار یا تین بار نئے پانی سے ناک میں پانی ڈالا گیا ہو۔ (انتھی) لیکن ہم حدیث کی عبارتیں مختلف پاتے ہیں۔ اور اکثر حدیثوں میں ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ پہنچے تک دھوئے جائیں۔ اس کے بعد کلی کی جائے اور ناک میں پانی ڈالا جائے۔ پھر چہرے کو دھویا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے حدیثوں میں یہ عبارتیں بہت ہیں اور ان کا ظاہر' کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں ملانے پر دلالت کرنا ہے اگرچہ یہ قطعی نہیں ہے۔

اور بعض میں یہ ہے کہ دونوں ہاتھ دھوئے پھر مضمضہ اور استنشاق کرے۔ پھر چہرے کو دھوئے۔ اور یہ تفصیل میں ظاہر ہے۔ جیسا کہ اول وصل میں ظاہر ہے۔ بلکہ تفصیل میں اس کا ظہور' وصل' میں اس کے ظہور سے ظاہر ہے۔ مشکوٰۃ میں ایک روایت بخاری و مسلم سے ہے کہ مضمضہ اور استنشاق' تین مرتبہ تین چلو سے فرمایا۔ یہ بھی دو وجہ پر متحمل ہے۔ از روئے فصل بھی اور از روئے وصل بھی لیکن بعض روایتوں میں صراحت سے آیا ہے کہ مضمضہ اور استنشاق ایک چلو سے کیا۔ امام شافعی کا مذہب اس وجہ پر ہے جو مذکور ہوا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مضمضہ اور استنشاق میں بر وجہ مذکور فصل میں ہے اس لیے کہ منہ اور ناک دونوں جدا جدا عضو ہیں۔ لہٰذا دھونے میں

بھی جدا جدا طریقہ ہوگا۔ جیسا کہ تمام اعضاء میں ہے درحقیقت یہ وجہ فصل کی حدیث کو ترجیح دینے کے لیے اپنے قیاس کی موافقت سے ہے جیسا کہ اصول فقہ میں قاعدہ مقرر ہے نہ یہ کہ نص کے مقابلے میں تعلیل کرنا ہے۔ جیسا کہ مخالف خیال کرتے ہیں۔ ہماری دلیل (یعنی مذہب احناف کی) وہ حدیث ہے جو طبرانی میں ابوداؤد سے مروی ہے۔ چنانچہ شمنی روایت کرتے ہیں کہ طلحہ بن مصرف جو کو اعلام ائمہ اور ثقات تابعین میں سے ہیں۔ اپنے والد اور وہ داد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر تین بار مضمضہ کیا پھر تین بار استنشاق کیا۔ اور ہر بار نئے پانی کو لیا اور شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث از روئے سند ضعیف ہے اس لیے کہ طلحہ کی تعریف مجہول ہے اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحبت پایہ ثبوت سے متصل نہیں ہے انتہی اور جامع الاصول میں کہتے ہیں کہ طلحہ بن مصرف' اعلام تابعین اور ان میں ثقہ ترین میں سے ہیں اور ان کے دادا کعب بن عمرو یا عمرو بن کعب ہیں۔ اور شمنی شرح نقایہ میں فرماتے ہیں کہ بیہقی کتاب معرفت میں روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مہدی' اکابر ائمہ محدثین میں سے ہیں۔ اور مشائخ کے درجہ میں امام احمد بن جنبل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ کے داد عمرو بن کعب کو صحبت رسول حاصل رہی ہے اور وہ اپنی مسند میں یحیٰی بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا، محدثین کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور طلحہ کے گھر والے کہتے ہیں کہ ان کو صحبت نہیں ملی ہے۔ (انتہی) اور جب محدثین تصریح کرتے ہیں کہ انہیں صحبت حاصل ہے تو مدعا ثابت ہوگیا اور ان کے گھر والوں کی عدم واقفیت اس میں حارج نہیں ہے اور ابن سعد ''طبقات'' میں ایک حدیث باب مسح میں طلحہ کے دادا سے ان لفظوں سے روایت کرتے ہیں کہ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ هٰكَذَا (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مسح کرتے دیکھا ہے) لہٰذا ان کی صحبت ثابت ہے۔ ایسا ہی شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں اور شمنی فتاوی ظہیریہ میں نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی مضمضہ واستنشاق میں وصل جائز ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی مضمضہ واستنشاق نئے پانیوں سے جائز ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور جامع ترمذی میں فرماتے ہیں کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مضمضہ واستنشاق میں جمع ووصل کو مکروہ نہیں جانتے ہیں۔ اور مضمضہ واستنشاق وضو میں تین اماموں کے نزدیک سنت ہے اور امام احمد کے نزدیک فرض ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالتے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرتے تھے۔

سر کا مسح: لیکن سر کے مسح کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور ان کے پیرو کار کا وجوب مسح میں مذہب یہ ہے کہ کم سے کم اتنی چیز واجب ہے جس پر مسح کا اطلاق ہو سکے اگرچہ ایک ہی بال ہو ایک اور روایت میں تین بال ہیں۔ امام مالک اور ان کے مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا واجب ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت ہے۔ ان مذاہب کے دلال اپنی جگہ مذکور ہیں اور سفر السعادت میں بقدر وسعت' مسح کے گھیرنے میں غلطی ہوئی ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسئلہ مسح میں انصاف' امام مالک کے ساتھ ہے۔ میں نے ایسا ہی اپنے شیخ علی بن جار اللہ مفتی حرم شریف رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے (واللہ اعلم) پورے سر کا مسح سنت ہے۔ مسح کی کیفیت یہ ہے کہ سر کے اگلے حصے سے دونوں ہاتھوں کو پچھلے سر تک لے جائے پھر پچھلے سر سے دونوں ہاتھوں کو وہاں تک واپس لائے جہاں سے مسح شروع کیا گیا تھا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح سر ایک مرتبہ سنت ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے سر کا مسح تین مرتبہ جدید پانیوں سے سنت ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک شاذ روایت ہے لیکن ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا چاہیے اور ہدایہ میں ہے کہ امام اعظم سے یہی مشروع ومروی ہے اور بعض شروح ہدایہ میں ہے کہ امام اعظم کی روایت حسن میں ہے کہ اگر ایک پانی سے تین مرتبہ مسح کیا جائے تو مسنون ہوگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ مسح میں تکرار نہیں کرتے تھے اور مسح کی اکثر حدیثوں میں' مطلق بغیر تقیید عدد آیا ہے اور ایک مرتبہ

کے ساتھ مقید بھی آیا ہے اور جو کچھ حدیثوں سے صحت کے ساتھ معلوم ہوا ہے یہی ہے اور بعض حدیثوں میں دومرتبہ بھی آیا ہے۔ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو سر کے اگلے حصے سے پچھلے حصے تک لے جائے پھر پچھلے سر سے اگلے حصہ تک واپس لائے۔ نیز ان حدیثوں کو ضعف کا نام دیتے ہیں۔ لیکن تین مرتبہ مسح کرنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے مگر یہ کہ وضوفرمایا، ایک ایک باراور دودو باراور تین تین بار' اور وضودھونے اور مسح کرنے دونوں ہی کوشامل ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تین مرتبہ مسح کرنے کا قول' مسح کو دھونے پر دلیل وقیاس کرنے پر مبنی ہے۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ تین تین مرتبہ دھونا متحمل ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور عدم تکرار مسح میں جو حدیثیں ہیں وہ روایات صحیحہ سے مروی ہیں اور تین تین بار اعضائے مغسولہ کے ساتھ مخصوص ہے اور مسح کی بنیاد تخفیف پر ہے۔ لہٰذا دھونے پر مسح کا قیاس' قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ مبالغہ اور کامل ترنے پر اسباغ ہے یعنی پانی بہانا ہے۔ شیخ ابن حجر شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ صحیحین کے اصول پر کسی سند میں مسح کی تعداد مذکور نہیں ہے اور اکثر علما کا یہی مذہب ہے۔ مگر شافعی ہیں کہ وہ مسح میں تین بار کو مستحب جانتے ہیں۔

ابوداؤد میں کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیثیں جو صحاح میں ہیں وہ سب مسح کے ایک مرتبہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ابوعبیدہ مبالغہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں سلف میں ایسے کسی ایک سے بھی واقف نہیں جس نے مسح میں تین بار کو مستحب رکھا ہو بجز ابراہیم تیمی کے لیکن اس قول میں نظر وکلام ہے۔ اس لیے کہ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر حضرت انس اور عطا وغیرہ رضی اللہ عنہم سے اسے نقل کر چکے ہیں۔ اور ابن خزیمہ وغیرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تین بار کو صحیح ظاہر کر چکے ہیں (انتہی) جامع الاصول اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ مسح سر' تین مرتبہ کیا گیا، اور شیخ ابن الہمام' بیہقی سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ بوجوہ غریبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تکرار مسح روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کی بناء پر اہل علم کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ انتہی۔

ترمذی میں وائل رضی اللہ عنہ بن حجر سے مروی ہے: ثُمَّ مَسَحَ عَلٰی رَاْسِہٖ ثَلٰثًا وَّ مَسَحَ عَلٰی اُذُنَیْہِ ثَلٰثًا پھر اپنے سر پر تین بار مسح فرمایا اور اپنے دونوں کانوں پر تین بار مسح کیا۔ اس ضمن میں جو کچھ مذکور ہے اگر صحت کو پہنچ جائے تو ایک پانی کے ساتھ تکرار پر محمول ہے نہ کہ جدا جدا پانی کے ساتھ (کما قال فی الہدایہ)

مسح گوش: اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ظاہر وباطن گوشہائے مبارک کا مسح کرتے مطلب یہ کہ کان کے بیرونی حصے کا بھی مسح کرتے اور اندرونی حصے کا بھی مسح کرتے اور کان کے سوراخ میں انگلیوں کے سرے کو داخل کر کے مسح ہوتا اور کان کا مسح' تینوں اماموں کے نزدیک جدید پانی سے ہے۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بروایت از امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بقیہ آب سر سے ہے اور اکثر حدیثوں میں سر اور کانوں کا مسح' بغیر آب جدید کے بیان کے آیا ہے اور ان کا ظاہر سیاق' آب سر سے اس کے مسح کرنے میں ہے لیکن یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ کانوں کے مسح کے لیے جدید پانی لیا تو یہ اس پر محمول ہے کہ پورے سر کا مسح کرنے کے بعد ہاتھوں میں تری نہ رہی ہوگی۔ یہ حدیثوں کے درمیان تطبیق کی بنا پر ہے۔ غرضیکہ آب سر سے کانوں کا مسح کرنا تو یہ اکثر ومشہور ہے اور بکثرت صحابہ عظام سے بطرق کثیرہ مروی ہے جیسا کہ شیخ ابن الہمام نے فرمایا۔

پاؤں کا دھونا: اب رہا وضو میں پاؤں کے دھونے کا مسئلہ' تو اکثر روایتیں بغیر ذکر تعداد کے مطلق مروی ہیں۔ اب اس کا ملنا اور پاک وصاف کرنا' تو اس بارے میں بعض حضرات تین بار دھونے کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ شرح ابن الہمام میں ہے اور نسائی کی اک روایت میں ہے کہ دونوں پاؤں کو دومرتبہ دھویا اور بعض روایتوں میں تین بار بھی آیا ہے اور بعض روایتوں میں پہلے دائیں پاؤں کو تین

مرتبہ پھر بائیں پاؤں کو تین مرتبہ آیا ہے ظاہر ہے کہ یہ کسی خاص وقت اور خاص طریقہ سے واقع ہوا ہوگا (واللہ اعلم)۔

داڑھی میں خلال کرنا: داڑھی کے خلال کرنے میں حضرت عثمان اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے اور محدثین کو ان کی صحت وثبوت میں اختلاف ہے مگر ترجیح جانب ثبوت میں ہے اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے اور امام احمد کے نزدیک مذہب معروف کی بنا پر بھی۔ اور بعض ائمہ مذاہب کے نزدیک یہ واجب بر بنائے حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ہاتھ میں پانی لے کر انگلیوں کے گھائیوں میں داخل کرتے پھر اپنی داڑھی شریف کا خلال فرماتے اور فرماتے کہ ''میرے رب نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔''
خلال کرنے کی کیفیت یہ بھی ہے کہ اپنی انگلیوں کو داڑھی کے نچلے حصہ سے اوپر کی جانب داخل کرتے ایسا ہی شمنی نے کہا ہے اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ جدید پانی سے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں چہرے کے پانی کے ساتھ ہے۔ خلال چہرے کو دھوتے وقت کرنا چاہیے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو چہرے کے دھوتے وقت خلال کرے اور چاہے تو سر کے مسح کے وقت خلال کرے اور ابوداؤد کے نزدیک' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنے دونوں رخساروں کو ملتے پھر اپنی انگشت ہائے مبارک داڑھی شریف کے نچلے حصہ سے داخل فرماتے۔

ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال: لیکن ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کبھی کبھی کرتے جیسا کہ سفر السعادت میں ہے اور یہ بھی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف پاؤں کی انگلیوں کا خلال سنت ہے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے خلال میں دو روایتیں زیادہ مشہور سنت ہیں اور ایک روایت کے بموجب نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کا کھلا ہونا خلال سے بے نیاز ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنے کو مخصوص رکھتے ہیں اور وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر اسے ترک کر دے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن خلال کرنا نفس کی پاکی کے لیے ہے۔ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال چھنگلیوں سے کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اس لیے ہے کہ اصاغر کے ساتھ خدمت شروع کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیہ سے' داہنے پاؤں کی چھنگلیہ پر ختم کرے اور یہ داہنے جانب سے شروع کرنے کی رعایت سے ہے اور ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کرنا اس طرح ہے کہ ہر ایک انگلی دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرے اور شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں اس کیفیت کے ساتھ عمل کرنے کی تعلیم دینے کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔

انگوٹھی کو حرکت دینا: اب رہا انگلی میں انگوٹھی کو حرکت دینا' تو یہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے اور مذہب حنفی میں اسے بھی وضو کے مستحبات وسنن میں شمار کیا ہے اور ابن الہمام ''زاد الفقہ'' میں فرماتے ہیں کہ انگشتری کا حرکت دینا اگر کھلی اور فراخ ہو تو سنت ہے اور اگر تنگ ہو اور اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو اس کا گھمانا اور حرکت دینا واجب ہے۔

گردن کا مسح: گردن کا مسح کرنے میں ایک حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سر کے مسح کے ساتھ گردن پر مسح کرے، حق تعالیٰ روز قیامت اس کی گردن کو طوق سے محفوظ رکھے گا۔ اس حدیث کو مسند الفردوس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے ایک اور روایت بھی ہے جسے شمنی نے بیان کیا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے اور یہ مذہب حنفی میں مستحب ہے۔ اور بعض شوافع نے بھی ایسا ہی اختیار کیا ہے اور شیخ ابن الہمام اس کے استحباب کے اثبات کے لیے ترمذی میں وائل رضی اللہ عنہ بن حجر کی حدیث بھی لائے ہیں کہ: مَسَحَ عَلٰی رَاْسِهٖ ثَلٰثًا وَّمَسَحَ اُذُنَیْهِ ثَلٰثًاوَّ ظَاهِرَ رَقَبَتِهٖ. اور ایک اور حدیث کعب بن عمر یمامی سے بروایت ابوداؤد ہے کہ اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَقَبَتَهٗ مَعَ الرَّاْسِ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے ساتھ گردن

کا بھی مسح فرمایا اور ابن الہمام نے فرمایا کہ بعضوں کے نزدیک بدعت ہے اور ہدایہ میں اسے سنن و مستحبات میں ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن حلقوم کا مسح باتفاق بدعت ہے اور وضو میں پانی بہانا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر سفر و حضر میں ثابت شدہ ہے اور اس باب میں احادیث صحیحہ مروی ہیں یہ اس پر دلیل ہے کہ وضو میں دوسرے شخص سے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالنے میں مدد لینا بے کراہت جائز ہے اور دوسرے سے پانی منگوانا تو بطریق اولیٰ جائز ہوگا لیکن اس سے ہمیشہ ہی دوسرے سے مدد لینا لازم نہیں آتا اور یہ جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ پاؤں دھوتے وقت اپنے ہاتھ میں دوسرے برتن لے لیتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے مگر یہ کہ اگر اس بات کا لحاظ رکھنا مقصود ہو کہ دوسرے سے زیادہ پانی نہ بہہ جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی رومال نہ تھا جس سے وضو کے بعد اعضاء کو خشک کیا جاتا۔ بلکہ اعضاء کو اپنے حال پر خشک ہونے کے لیے چھوڑ دیتے۔ البتہ کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک کا مسح کرنا بھی آیا ہے۔

فائدہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدن مبارک کو خشک کرنے کے لیے رومال تھا جس سے وضو کرنے کے بعد پانی کو خشک فرماتے تھے لیکن یہ ضعیف ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ حدیث اور کپڑے کے کنارہ سے چہرہ انور خشک کرنے کی حدیث دونوں ضعیف ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں جامع ترمذی میں مذکور ہیں اور وہ بھی ضعیف قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں کوئی چیز صحت کو نہیں پہنچی ہے اور صحابہ و تابعین اور اہل علم کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ اس باب میں رخصت دی گئی ہے اور بعض مکروہ جانتے ہیں اور وہ اعضاء کو خشک ہونے کے لیے اپنے حال پر چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ یہ نورانیت اور میزان عمل کو بھاری کرنے کا موجب ہے۔ اور یہ قول سعید بن المسیب اور زہری سے روایت کیا گیا ہے اور کتب حنفیہ میں مذکور ہے کہ اگر تنزہ اور تکبر کا قصد نہ ہو تو کراہیت نہیں ہے اور بعض شروح مشکوٰۃ میں ازہار سے منقول ہے کہ کپڑے وغیرہ سے خشک نہ کرنا مستحب ہے اس لیے کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اور اگر خشک کرے تو قول اصح پر مکروہ بھی نہیں ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔

اذکار وضو: اور وہ حدیثیں جو اذکار وضو میں وارد ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی درجۂ صحت تک نہیں پہنچی ہیں بلکہ محدثین ان کے موضوع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن جس قدر صحیح ہیں وہ یہ ہیں کہ ابتدائے وضو میں بِسْمِ اللّٰہِ کہنا چاہیے اور سلف سے یہ قول منقول ہے کہ بسم اللہ العظیم وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ علی دین الاسلام اور شیخ ابن الہمام دونوں کلمہ شہادت کو ہر عضو کے دھوتے وقت مستحبات میں سے شمار کرتے ہیں اور بعض علماء ہر عضو کو دھوتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کو مستحب قرار دیتے ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے مقلدین کی جماعت کے اختیار کر لینے کے بموجب ابتدائے وضو میں تسمیہ واجب ہے اور صحت وضو کی شرط ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يُسَمِّ (رواہ احمد ابوداؤد) وَالْحَاكِمِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ۔ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں اور جس نے بِسْمِ اللّٰہِ نہ کہا اس کا وضو نہیں۔ اور وضو کے آخر میں کہے کہ: اشهد ان لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صحیح حدیث میں ہے کہ جس نے وضو کے بعد اس کلمہ کو کہا اس پر جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے اور کہا جائے گا کہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا، اور بعض حدیثوں میں دونوں شہادت کے بعد: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ بھی آیا ہے اور بعض میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ آیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ اسے ایک کاغذ کے پرزے پر لکھا جائے گا اور اس پر مہر کر دیا جائے گا پھر وہ روز قیامت سے پہلے کبھی نہ کھولا جائے گا۔ لیکن سورۂ انا انزلنا۔ کا پڑھنا جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے "سنن

الہدیٰ' میں اس کے لیے ضعیف نقل کیا گیا اور ثابت شدہ نہیں کہا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

فائدہ: شیخ ابن الہمام شرح ہدایہ میں مستحبات وضو کو جمع کر کے لکھتے ہیں کہ پانی میں ترک اسراف' اور اس میں کمی، ترک کلام ناس' دوسرے سے مدد لینا' موضع استنجا کو کپڑے سے پونچھنا، وضو کے پانی میں اپنی پھونک نہ مارنا، استنجے کے بعد ستر کو ڈھانپنے میں جلدی کرنا' استنجے کی حالت میں اس انگشتری کو اتارنا جس میں نام خدا عز اسمہ یا نام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہو، مٹی کا لوٹا ہونا' لوٹے کو بائیں جانب رکھنا' اگر ایسا برتن ہو جو ڈھکا ہو تو اسے داہنی جانب رکھنا۔ دھوتے وقت لوٹے کے دستہ پر ہاتھ رکھنا نہ کہ لوٹے کے منہ پر، وقت سے پہلے وضو کر لینا' ہر عضو کے دھوتے وقت ذکر شہادتین کرنا' وضو میں قبلہ رو بیٹھنا' تمام افعال میں بے فکر نہ ہونا' آنکھ کے سلوٹوں سے باخبر ہونا' گردن کا مسح کرنا' ان کا دھونا' ان سے غافل نہ ہونا' انگشتری کے نیچے کی جگہ کا خیال رکھنا' ہر عضو کے وقت دعا پڑھنا، پانی کا چہرے پر زور سے نہ مارنا' دھوئے ہوئے عضو پر ہاتھ پھیرنا' اعضاء کے دھونے میں اطمینان وسکون برتنا، اعضا کو ہاتھ سے ملنا' خصوصاً سردی کے موسم میں' چہرے کے حدود' دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے حدود سے تجاوز کرنا' ان کے دھونے میں خوب یقین کرنا' طویل غرارہ کرنا' اس دعا کا پڑھنا کہ:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پینا۔ اگر بیٹھ کر پئے تو بھی جائز ہے' وضو کے بعد دو رکعت پڑھنا' آئندہ نماز کی تیاری کے لیے برتن میں پانی بھر کر رکھنا' قطروں سے کپڑوں کو بچانا' ناک میں پانی ڈالتے وقت ناک کو بائیں ہاتھ سے صاف کرنا کیونکہ داہنے ہاتھ سے ناک صاف کرنا مکروہ ہے۔ یہ سب آداب وضو میں سے ہیں، ایسے ہی پانی میں تھوکنا مکروہ ہے۔ اور اعضا کو تین بار سے زیادہ دھونا، اور دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے اور اگر کسی عضو میں شک کرے تو فارغ ہونے سے پہلے اس شک کا ازالہ کرے اور اگر پہلے ہی شک ہے تو نہیں اور اگر وضو کے بعد شک کیا تو مطلقاً اعادہ نہ کرے۔

موزوں پر مسح کرنا: وصل: جاننا چاہیے کہ ائمہ حدیث کی کتابوں میں خصوصاً صحاح ستہ وغیرہ میں بروایت متعددہ وطرق مختلفہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر وحضر میں موزہ پر مسح کرتے تھے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی حدیث تواتر کے ساتھ ثابت ہوئی ہے جس میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور بعض علماء نے اس کے راویوں کو جمع کیا ہے جو اس سے متجاوز ہیں اور ان میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں۔ اور سلف کے تمام لوگ اس کے قائل ہیں مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی منقولہ ایک روایت کے بموجب وہ مقیم کے لیے اس کے قائل نہیں۔ حالانکہ اس میں روایت صحیحہ مطلقاً اس کے جواز کی صراحت کر رہی ہے اور مالکیوں کے نزدیک مشہور ومسلم دو قول ہیں ایک قول مطلقاً جواز کا دوسرا قول مسافر کے لیے نہ کہ مقیم کے لیے جو کچھ مدون شدہ ہے اس کا مقتضا یہی ہے اور اس پر ابن حاجب نے جزم ویقین کیا ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ حالت امامت میں موزہ پر مسح کرنے میں امام مالک کا توقف خاص اپنی ذات کے لیے ہے۔ اور نہ ان کا فتویٰ اس کے جواز پر تھا اسی کی مانند ابوایوب انصاری صحابی سے منقول ہے۔ بظاہر ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حالت اقامت میں مسح نہیں کرتے تھے اور مشقت کے نہ پائے جانے کی بنا پر' عزیمت کو اس حال میں اختیار فرماتے تھے نہ یہ کہ وہ اس کے جواز کے ہی قائل نہ تھے (واللہ اعلم)۔

• سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے علماء روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نے اس وقت تک موزوں پر مسح کرنے کا حکم نہیں دیا جب تک کہ میں نے روز روشن کی مانند اس میں آثار واخبار نہ دیکھ لیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام میں سے سینتیس صحابیٔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث روایت کرتے ہیں۔ ایک روایت میں فرمایا کہ چالیس صحابی سے مرفوعاً اور موقوفاً حدیثیں مروی ہیں۔ لیکن آیۂ کریمہ میں وَاَرْجُلَكُمْ کی ایک قرأت لام کے زیر کے ساتھ ہے اور اسے مسح پر محمول کرتے ہیں اور لام کے زبر کے ساتھ دھونے پر محمول کرتے ہیں یہ تاویل ضعف سے خالی نہیں۔ اس لیے کہ موزوں پر مسح کعبین یعنی ٹخنوں کے ساتھ بالاتفاق مغیاً نہیں ہے۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر صحابۂ کرام نے مجھ سے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث روایت کی ہے اور ہدایہ میں ہے کہ مسح خفین میں احادیث واخبار مستفیض ومشہور ہیں۔ اور جو اس پر عقیدہ نہ رکھے وہ بدعتی ہے اور امام کرخی فرماتے ہیں کہ میں اس کے کفر سے ڈرتا ہوں جو مسح خفین پر اعتقاد نہ رکھے۔ امام اعظم سے بھی اسی کے مثل مروی ہے اور اہل سنت و جماعت کے عقائد میں ہے کہ: وَتَرَى الْمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ (موزوں پر مسح کا اعتقاد رکھو) اور مسح خفین کو علامات اہلسنّت و جماعت میں سے جانتے ہیں۔

مدت مسح خفین

صحیح حدیثوں میں ثابت ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر وحضر میں موزہ پر مسح کرتے تھے۔ حضر یعنی حالت اقامت کی مدت شبانہ روز اور سفر کی حالت میں مدت تین شبانہ روز ہے جیسا کہ مسلم میں سیّدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے ان لفظوں کے ساتھ حدیث مروی ہے کہ: جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيْهِنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ رسول اللہ نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے لیے تین شبانہ روز اور مقیم کے لیے ایک شبانہ روز مقرر فرمائی ہے۔

اور موزہ پر مسح، اس کے ظاہر پر یعنی پاؤں کی پست پر کیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور سنن ابوداؤد میں سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بطرق متعددہ مروی ہے کہ فرمایا اگر دین کا کاروبار عقل کے حکم پر ہوتا تو پاؤں کے اوپر کے حصہ پر مسح کرنے کی بجائے نچلے حصے پر مسح ہوتا لیکن بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے ظاہر موزہ پر مسح فرمایا ہے۔

صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ موزہ کے نچلے حصہ میں مسح کرنا ایک ضعیف روایت میں آیا ہے چنانچہ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ تبوک میں وضو کرا رہے تھے تو حضور نے موزے کے اوپر اور نچلے حصے میں مسح فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور اکثر طرق میں مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مطلق واقع ہوا ہے یعنی بغیر ذکر اوپر اور نیچے کے حصے کے موزہ پر مسح فرمانا اور ترمذی کی بعض سندوں میں اور ابوداؤد واحمد میں دونوں کے ظاہر پر بھی آیا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح ظاہر موزہ پر ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں بھی یہی ہے اور امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہر موزہ پر فرض اور نچلے حصے پر سنت ہے۔

جاننا چاہیے کہ مسح افضل ہے یا پاؤں کا دھونا۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ دھونا افضل ہے۔ اس لیے کہ دھونا عزیمت ہے اور مسح رخصت۔ اور عزیمت پر عمل کرنا رخصت پر عمل کرنے سے افضل ہے۔ لہٰذا اگر پاؤں سے موزہ اتار کر دھوئیں تو افضل ہے اور اس پر اجر وثواب ہے صاحب ہدایہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اظہار سنت اور رد اہل بدعت جو اس کے منکر ہیں جیسے خوارج وروافض وغیرہ کی بنا پر مسح افضل ہے اس جماعت کے نزدیک اگر پاؤں کھلے ہوں تو موزہ پہنیں اور مسح کریں اور صواب یہ ہے کہ مسح کرنا اور دھونا دونوں مشروع اور برابر ہیں اور کوئی ایک دوسرے سے افضل وارجح نہیں ہے۔ صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موزوں پر مسح کرنے اور پائے اقدس کو دھونے میں کوئی زحمت نہ تھی۔ بلکہ اگر وضو کرتے وقت پائے اقدس

مکشوف ہوتے تو دھوتے تھے اور مسح کرنے کے لیے موزہ نہ پہنتے تھے۔ اور اگر موزہ پہنے ہوتے تو مسح کرتے اور موزہ نہ اتارتے اور فرمایا کہ احسن اقوال یہی ہے کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کے موافق ہے۔

تیمّم: وصل: تیمّم' کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمین پر چاہتے نماز ادا کرتے تھے۔ خواہ پتھر ہو یا مٹی یا ریت' تیمم کرتے اور مٹی اور ریت وغیرہ میں فرق وامتیاز نہ فرماتے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تیمّم کو مٹی کے ساتھ مخصوص رکھتے ہیں اور اس کے سواسے درست نہیں جانتے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مٹی اور ریت کے سوا درست نہیں ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مٹی' ریت' پتھر اور ہر وہ چیز جو جنس ارض سے ہو اس پر تیمم جائز ہے۔ جنس ارض سے ان کی مراد یہ ہے کہ آگ سے پکائی نہ گئی ہو اور اسے خاکستر نہ بنایا گیا ہو اور وہ پتھر جس پر قطعاً گرد وغبار نہ ہو۔ امام اعظم کے نزدیک تیمّم درست ہے اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ارض آیا ہے اور حضرت حذیفہ کی حدیث میں تربت' تراب یعنی مٹی آیا ہے۔ ہمارے نزدیک تیمّم کا حکم' وضو کی مانند ہے اور ایک تیمّم سے چند نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں جس طرح کہ وضو سے ہوتی ہیں۔ کتاب وسنت کا ظاہر اسی کے موافق ہے اور امام شافعی کے نزدیک تیمّم' ایک ضروری طہارت ہے جو دفع حرج کے لیے ہے جس طرح عذر والے کے لیے طہارت ہوتی ہے۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ کسی حدیث صحیح میں ایسا نہیں پاتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک فریضہ کی ادائیگی کے لیے جدید تیمّم کیا ہو۔

تیمّم کی مشروعیت کی ابتدا یہ ہے کہ ایک غزوہ میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی تلاش کے لیے مقرر فرما کر قیام فرمالیا۔ اس وقت نماز کا وقت آ گیا اور صحابہ کے پاس پانی نہ تھا جس سے وہ وضو کر سکتے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی' زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اظہار ناراضگی کیا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روک رکھا ہے۔ اور مسلمان پانی کے بغیر ہیں اس وقت تیمم کی آیت نازل ہوئی اور اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر نے کہا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تمہاری بدولت مسلمانوں پر کیسی کیسی برکتیں نازل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی برکتیں نازل فرمائے اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! میں نہیں دیکھتا کہ کوئی معاملہ تمہاری طرف سے ایسا درپیش ہو جو اگرچہ بظاہر ناگوار و مکروہ معلوم ہوتا ہو مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس میں مسلمانوں کے لیے فراخی اور کشادگی فرما دیتا ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد ان کا ہار کجاوے کے نیچے سے مل گیا اور حکمت الٰہی نے اس کا اقتضاء کیا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسے پوشیدہ فرما دیا۔

تیمّم کی کیفیت میں اختلاف ہے کیونکہ تیمّم کے دو ضربہ ہیں یعنی دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا۔ ایک بار چہرے کے لیے اور ایک بار کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے یہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک وامام شافعی اور بعض اصحاب امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہما' حسن بصری' شعبی' سالم بن عبداللہ بن عمر اور ابوسفیان ثوری کا قول۔ اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ تیمّم ایک مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا اور چہرے پر اور دونوں ہاتھ پر ملنا ہے۔ اور بعض روایتوں میں ہاتھوں پر چہرے کے ذکر کی تقدیم کی ہے اور بعض میں اس کے برعکس۔ اور بعض میں ہاتھوں کی تقدیم چہرے پر ہے اور یہ مذہب مشہور امام احمد کا اور امام شافعی کا قدیم قول ہے مگر محفوظ ومختار ان کے مذہب میں پہلا ہی ہے۔ یہ مکحول' اوزاعی' اسحاق' ابن جریر' ابن المنذر اور ابن خزیمہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور امام مالک اور محدثین سے منقول۔ مذہب ثانی کے ترجیح میں اصرار ہے۔ اور شیخ ابن حجر صحیح بخاری میں اس مذہب کی حدیثوں کو ترجیح ظاہر کرتے ہیں اور بعض مذہب اول کی حدیثوں کی تضعیف دکھاتے ہیں مگر حق یہی ہے کہ تیمّم کی حدیث دو ضربہ ہی کی صحیح ہے۔ ایک ضربہ چہرے کے لیے اور دوسرا ضربہ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔ اس مقام میں کلام بہت ہے جو شرح سفر السعادۃ میں مذکور ہے۔ غرض

ہے کہ احتیاط مذہب اول ہی میں ہے۔

بیان غسل شریف

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل یعنی نہانے کے بیان میں ہے۔ غسل غین کے زبر سے بمعنی دھونا اور غین کے پیش اور سین کے سکون سے غسل کا نام ہے اور غین کے زیر سے وہ چیز جس سے سر دھویا جائے جیسے گل خطمی وغیرہ۔ اغسال کے معنی نہلانے کے ہیں اور غسول بفتح غین' نہانے والے کے غسل کا پانی ہے۔ اسی طرح جائے غسل کو مغسل بکسر سین۔ جہاں مردے کو نہلایا جائے اور غسالہ اس پانی کو کہتے ہیں جس سے ہاتھ منہ دھویا گیا ہو۔ یعنی آب مستعمل' جس سے غسل کیا گیا ہو اور بدن دھویا گیا ہو۔ یہ اس لفظ کے لغوی معانی ہیں۔ اور شریعت میں حقیقت اغتسال، تمام اعضاء کو دھونا' اور ان پر پانی بہانا ہے۔ اور ہاتھ سے جسم کو ملنے کے وجوب میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک ہاتھ سے ملنا واجب نہیں ہے اور ہمارے مذہب میں بھی یہی ہے۔ اور امام مالک اور شوافع میں سے مزنی سے اس کا وجوب نقل کیا گیا ہے۔ اور دو اجماع کے درمیان غسل کے عدم وجوب پر اجماع کیا گیا ہے لیکن وضو مستحب ہے لیکن امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے اور اصحاب ظواہر اس بنیاد پر واجب قرار دیتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ: اِذَا اَتٰـــی اَحَدُکُمْ اَهْلَهٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَّعُوْدَ فَلْیَتَوَضَّأْ بَیْنَهُمَا وُضُوْءً رواہ مسلم۔ یعنی جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے اور پھر دوبارہ آنا چاہے تو درمیان میں وضو کرے۔ بعض اس وضو کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد، شرمگاہوں کا دھونا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی غسل کے ساتھ کبھی اپنی ازواج پر دورہ فرماتے اور کبھی جدا جدا۔ هٰـذَا اَزْکٰـی وَاَطْیَـبُ وَاَطْهَرُ.

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور خواب استراحت فرمانے کا ارادہ کرتے تو وضوء نماز کی مانند وضو کرتے اور خواب فرماتے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ نیند کی طہارت ہے اس شخص کے لیے جو جنبی ہو اور سونے کا ارادہ کرے تو وہ وضو کر کے طہارت کے ساتھ نیند میں جائے (انتہی) اور بعض تیمم کو بھی وضو کا قائم مقام رکھتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے پہلے شروع میں وضو کرتے اور اس میں سر کے مسح کے بارے میں دو روایتیں ہیں لیکن افضل یہی ہے کہ وضو کامل کرے۔ جیسا کہ غیر حالت غسل میں کیا جاتا ہے اور امام مالک کے نزدیک غسل کے وضو میں مسح نہ کرے۔ بلکہ اس میں سر کا غسل کافی ہے اور دونوں پاؤں پہلے دھولے اور اس کی تاخیر میں بھی دو روایتیں ہیں اکثر کے نزدیک یہی ہے کہ تاخیر کرے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ تقدیم کرے اور علماء فرماتے ہیں کہ یہ تاخیر اس صورت میں ہو جب کہ غسل کی جگہ پاک وصاف نہ ہو اور تقدیم فرمانا۔ لطافت اور آپ کی عادت شریفہ کی تقدیر پر تھی کہ وضو کے بعد انگلیوں کو پانی میں ڈالتے اور اس سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے اس کے بعد تین چلو پانی دونوں ہاتھوں پر ڈالتے اس کے بعد تمام بدن پر پانی بہاتے تھے۔ بالوں کی جڑوں میں خلال کرنے سے مراد' سر کے بال ہیں جیسا کہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے اور بعض داڑھی کے بال بھی مراد لیتے ہیں۔ یا اس بنا پر کہ بالوں کی جڑیں مطلق آیا ہے۔ اس سے داڑھی اور سر کے بال دونوں قیاس کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ داڑھی میں خلال کرنا واجب نہیں ہے مگر یہ کہ بالوں میں کوئی چیز ملی ہو جو کہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچنے میں مانع آتی ہو۔

غسل کے بعد وضو کرنا کوئی چیز نہیں ہے بلکہ خلاف سنت ہے اور کاتب الحروف یعنی صاحب مدارج النبوۃ' کبھی اعضا کے دھونے میں شرمگاہ کے چھو جانے کی وجہ سے امام شافعی کے مذہب کی رعایت پر احتیاطً بعد غسل وضو کر لیتا ہے۔ اگر یہ احتمال نہ ہو تو کوئی حاجت

نہیں ہے۔

غسل کے بعد رومال وتولیہ وغیرہ سے بدن کو خشک کرنے میں اختلاف ہے اور حدیث میمونہ میں مروی ہے کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو غسل فرمانے کے بعد رومال پیش کرتیں تا کہ اس سے بدن مبارک خشک فرمالیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رومال نہ لیتے۔ اس سے خشک کرنے کی کراہت لازم نہ آتی کیونکہ ممکن ہے کہ رومال نہ لینا کسی اور وجہ سے ہو۔ جو کپڑے سے متعلق ہے مثلاً وہ ریشم کا ہو یا میلا ہو یا تواضع فرمائی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ گرمیوں میں مکروہ ہے اور سردیوں میں مباح ہے۔ اور ہاتھ سے پانی نچوڑنا مکروہ نہیں ہے اس کی مکمل بحث وضو میں بھی گزر چکی ہے۔

نوع دوم' در نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جاننا چاہیے کہ نماز' تمام عبادتوں میں افضل واشرف اور اتم واکمل عبادت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِيْ الصَّلٰوةِ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ دل میں جو خوشی ومسرت اور آنکھوں کی روشنی اور خوش دلی رکھتے اور جو ذوق ومشاہدہ اس وقت میں پاتے وہ کسی عبادت اور کسی وقت میں نہ پاتے اور ''قرۃ العین'' مقصود اور غیب سے نور پانے میں فرحت وسرور سے کنایہ ہے۔ قرۃ، قر بفتح قاف سے بنا ہے جس کے معنی قرار وثبات کے ہیں۔ اس لیے کہ نظارۂ محبوب سے آنکھ کو جتنا قرار وسکون ملتا ہے کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور حالت سرور خوش حالی میں اپنی جگہ ساکن رہتی ہے۔ اور غیر محبوب پر نظر ڈالنے سے نظر پراگندہ اور متلاشی محبوب رہتی ہے اور حزن وخوف کی حالت میں لرزاں وسرگرداں ہوتی ہے: تدور اعینهم کالذی یغشی علیه من الموت یعنی ان کی آنکھیں بھٹکتی ہیں گویا کہ اس پر موت کا غلبہ ہے۔ اس مفہوم کی دلیل ہے یا قرۃ یہ، قر بضم قاف سے بنا ہے جس کے معنی ٹھنڈک کے ہیں اور محبّ کی لغت میں آنکھوں کی ٹھنڈک' محبوب کے مشاہدہ سے ہوتی ہے اور اعداء کے دیکھنے میں گرمی وسوزش ہوتی ہے۔ اسی بنا پر فرزند کو قرۃ العین کہتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ ''اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ'' (مومن کی معراج نماز ہے) اس جگہ مومن سے مراد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور ہر مومن کو آپ کے اتباع کے طفیل میں اس کے ایمان ویقین کے اندازہ کے مطابق اس مقام سے حصہ حاصل ہے اور التحیات کی مشروعیت میں اس مقام کے حصول کی طرف ایک اشارہ اور دلالت موجود ہے۔ اور نماز میں ظاہر وباطن اور قلب وجوارح سب کے سب بدرگاہ قرب وعزت حق سبحانہ وتعالیٰ متوجہ ومشغول ہیں۔ اور حق تبارک وتعالیٰ نے ہر نمازی کے لیے ایک رکعت میں وہ تمام عبادتیں جمع فرمادی ہیں جو تمام فرشتوں میں جدا جدا بنائی گئی ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے کچھ فرشتے ایسے پیدا فرمائے ہیں جو ہمیشہ رکوع میں مشغول رہتے ہیں اور جب سے انہیں پیدا فرمایا گیا ہے وہ رکوع سے سر اٹھاتے ہی نہیں روز قیامت تک بلکہ ابد تک۔ اسی طرح سجود' قیام' قرأت اور قعود کی حالت کا ہے اور یہ سب نماز کی ایک رکعت میں جمع فرمائے ہیں۔ اور یہ ایسا مجموعہ عبادات ہے جو کسی اور عبادت میں جمع نہیں ہے۔ طہارت' صحت' استقبال قبلہ' استفتاح، یعنی تکبیر تحریمہ، تکبیرات' قرأت قیام رکوع، سجود، تسبیح، دعا' توجہ' حضور قلب' اور خشوع وخضوع وغیرہ ہر ایک ان میں سے مستقل عبادت ہے۔ اور کس خوبی سے ان سب کو ایک ہی طریقہ عبادت میں جمع فرمایا ہے اور اس جامعیت کیساتھ یہ کتنی عجیب خوبی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کے مشابہ ہے جس کی حقیقت جمیع شیونات اور تمام برکات وکمالات کی جامع ہے اور اسی تعلق ومناسبت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قرۃ العین'' فرمایا اور رب العزت جل وعلیٰ

نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ (اے محبوب! جو آپ پر کتاب کی وحی کی گئی ہے اسے پڑھیے اور نماز قائم کیجئے۔) اور فرمایا: وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا۔ (اور اپنے ماننے والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور اس پر صبر چاہیں) اور ارشاد باری میں: واصطبر علیھا۔ میں اس پر ایک اشارہ ہے کہ نماز میں ایک تکلیف ہے جو نفوس بشریہ پر شاق ہے۔ اس لیے کہ وہ بندوں کی لذتوں' شہوتوں اور مشغولیتوں کے وقتوں میں آتی ہے تو وہ ان تمام سے کنارہ کش ہو کر حق تعالیٰ کی طلب میں آتا ہے۔ اور بارگاہِ حق میں قیام کرتا ہے اور ماسوی اللہ سے فراغت حاصل کرتا ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا: اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ. صبر و نماز سے استعانت کرو اور صبر و نماز کو ملا کر فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کئی قسموں کے صبر کی متمنی ہے ایک اوقات نماز کی نگہداشت اور حفاظت پر صبر' ایک واجبات و مسنونات اور مستحبات پر صبر، ایک غفلتوں اور توجہات سے نماز میں دل کو باز رکھنے پر صبر ہے اسی بنا پر فرمایا: وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ بلاشبہ نماز بڑی عظیم شئی ہے مگر خشوع کرنے والوں پر آسان ہے۔

اور نماز کی فرضیت معراج شریف کی رات ہوئی۔ سب سے پہلے پچاس نمازوں کا حکم ہوا تھا اس کے بعد پچاس سے پانچ ہوئیں۔ فرمان باری ہوا یہ پانچ ہی پچاس کے حکم میں ہے۔ کیونکہ میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہوتی اور ان پانچوں نمازوں کے اوقات کا تعین' سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج شریف سے واپسی کے بعد ہوا۔ مواہب میں محمد بن اسحاق سے منقول ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بعد جب صبح فرمائی تو جبریل علیہ السلام نے آ کر نماز پنج گانہ کے اوقات بتائے اور بعضوں کا خیال ہے کہ ہجرت کے بعد کا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے جبریل کے بیان کرنے سے قبل کا ہے۔ اس کے بعد جبریل نے بیان کیا بہرتقدیر جبریل علیہ السلام ظہر کے وقت میں دو دن برابر آئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دینے کا حکم فرمایا کہ: اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ پکاریں پھر جب صحابہ جمع ہو گئے تو جبریل علیہ السلام نے ظہر کے شروع وقت میں امامت کی اور نماز ظہر ادا کرائی۔ وقت زوال وقت کے فوراً بعد کا تھا اس کے بعد امامت کی اور نماز عصر ادا کی۔ یہ وقت مثل سایہ ہو جانے کے بعد تھا۔ پھر مغرب ادا کی اور یہ وقت غروب آفتاب کے فوراً بعد تھا اور غروب شفق کے بعد عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر فجر ادا کی جب کہ طلوع صبح صادق ہو چکی تھی۔ دوسرے دن پھر جبریل علیہ السلام آئے امامت کی اور ظہر کی نماز ادا کی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ سایہ ایک مثل کے قریب پہنچ گیا تھا اور نماز عصر ادا کی جب کہ سایہ دو مثل سے متجاوز ہو گیا تھا اور مغرب کی نماز ادا کی جب کہ آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ نماز مغرب دونوں دن ایک وقت میں گزاری اور عشاء کی نماز تہائی رات یا نصف رات کے وقت گزاری۔

اس میں راوی کا شک ہے اور نماز فجر ادا کی جب کہ وقت دراز ہو چکا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ روشنی پھیلنے کے بعد (قبل طلوع آفتاب) ادا کی۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے کہا ''اے حبیب خدا! یہ ان انبیاء کا وقت ہے جو آپ سے پہلے گزرے اور نماز کے اوقات ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ تعجیل صلوٰۃ کی فضیلت اور اس میں جلدی کرنے میں جب کہ وقت داخل ہو جائے۔ اور اس میں سستی نہ کرنی چاہیے اور اخیر وقت تک تاخیر کرنے میں کلام نہیں ہے لیکن یہ ان نمازوں کے سوا میں ہوگا۔ کیونکہ ان میں تاخیر مستحب ہے جیسے کہ اسفار فجر یعنی دن کے خوب روشن ہو جانے کے بعد اور ظہر کو ٹھنڈا کر کے اور تاخیر نماز عشا وغیرہ میں تکمیل نماز اور تیمّم ثواب کے لیے تاخیر ہے اور شوافع مطلقاً اول وقت میں نماز ادا کرتے ہیں اور تمام نمازوں میں اول اوقات ہی ان میں متعارف ہے اور اسی کو وہ افضل جانتے ہیں اور بغیر فرق و امتیاز کے جن کی رعایت واجب ہے وہ سنت شمار کرتے ہیں۔ مثلاً گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا' کیونکہ حدیثوں میں اس

کا حکم واقع ہوا ہے اور اس میں تاکید و مبالغہ فرمایا گیا ہے مگر شوافع کے نزدیک رخصت ہے۔ اور بعض شوافع ٹھنڈا کرنے کو زوال آفتاب پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تاویل انتہائی بعید ہے۔ کیونکہ زوال بجائے خود اول وقت ہے البتہ ظہر کی فوقیت' ایک مثل کے پہنچنے تک احوطہ ہے جیسا کہ امامین کا مذہب ہے اور بعض کے نزدیک امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مفتی بہ قول بھی یہی ہے اور عصر کو شوافع ایسے وقت میں نہیں گزارتے کہ چوتھائی دن باقی رہے۔ اسی طرح وہ اسفار کو طلوع فجر پر معمول کرتے ہیں اس میں بھی معقولیت نہیں ہے جیسا کہ ظہر کے ٹھنڈا کرنے میں کہا گیا ہے اور کسی حد تک عشاء کی تاخیر میں مبالغہ وارد ہے کیونکہ وہ تعجیل کے بالکل قائل نہیں ہیں لیکن نماز مغرب میں اول وقت کی جلدی میں سب متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور نماز عصر کو اس وقت تک کہ آفتاب بلند' روشن اور تاباں ہے ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ چوتھائی دن میں کہ سایہ تین گنا ہو اور جن حدیثوں سے وہ تمسک کرتے ہیں اور اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں وہ اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا فرمائی اور نماز پڑھنے کے بعد ایک شخص مدینہ سے چل کر اپنی منزل تک جائے جس کا مقام مدینہ کی آبادی کے آخری کنارے پر ہو اور آفتاب ہنوز اپنی تمازت میں باقی ہو۔ گویا یہ آفتاب کی حرارت' اس کی رنگت کی صفائی اور تغیر درازی سے کنایہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ وقت تین گنا سایہ ہو جانے پر نہیں ہوتا۔ یہ بات محل بحث ہے ایک اور حدیث میں بھی ایسا ہی مضمون آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ایسے وقت میں پڑھی کہ آفتاب بلند و روشن تھا۔ پھر جانے والا مدینہ کی آبادی کے آخری کنارہ تک گیا اور آفتاب بلند رہا۔ یعنی بالائے افق تھا اور غروب نہ ہوا تھا۔ **فافهم** بعض کے نزدیک مدینہ کی آبادی کے آخری کنارے کی مسافت پر چار میل یا اس کے قریب ہے اس حدیث میں پہلی حدیث کے مقابلے میں کسی قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ مدینہ کے کون سے آخری کنارے تک گیا آیا چار میل کی مسافت پر یا اس سے کم کی مسافت پر، اور یہ کہ سوار گیا یا پیدل گیا۔ نیز آہستہ یا تیز دوڑتا ہوا گیا اور وہ شخص قوی تھا یا کمزور تھا۔ تین چار گھڑی میں بے تکلف جا سکتا ہے یا نہیں جیسا کہ ان کے مذہب میں ہے کہ چوتھائی دن میں نماز گزاری اور سایہ تین گنا مثل ہوتا تھا ایک اور حدیث میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عصر گزاری اور اس کے بعد اونٹ کو ذبح کیا اس کے بعد اس کے ٹکڑے بنائے پھر اسے پکایا اور غروب آفتاب سے پہلے پکا ہوا گوشت ہم سب نے کھایا۔ اس حدیث سے ایک قسم کی تعجیل کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے جو کہ ائمہ کے مذہب کے نزدیک ہے اور ممکن ہے کہ بعض اوقات' تعلیم و تقرر وقت کے لیے ایسا کیا گیا ہو۔ یہ دوام و استمرار پر اس کی دلالت مسلم نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا وقوع بعض مواضع میں' اصل و دوام و استمرار کی صورت نہیں رکھتی۔

محقق مذہب حنفیہ شیخ کمال الدین بن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نماز عصر کو تغیر آفتاب سے پہلے ادا کریں تو ممکن ہے کہ باقی وقت میں غروب آفتاب تک اس قسم کے کام کر سکیں۔ جیسا کہ ماہر باورچیوں سے مشاہدہ میں آتا ہے کہ اپنے سرداروں کے سفروں میں کھانا پکانے میں مستعدی دکھاتے ہیں۔ اس معنی میں یہ مستبعد نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت کثیرہ ہے جس میں سے کچھ لوگوں نے اونٹ ذبح کیا اور کچھ لوگوں نے ٹکڑے کیے اور کچھ لوگوں نے ٹکڑے کیے اور کچھ لوگوں نے پکانے کا سامان فراہم کیا۔ آگ وغیرہ جلائی تو اس صورت میں کہ ہر شخص اپنا اپنا کام کرے' ایک اونٹ کا پکا لینا کوئی دشوار نہیں ہے۔ البتہ اتنے وقت میں ایک ہاتھ سے یہ کام انجام نہیں پا سکتے اور ان کا حق تبارک و تعالیٰ کے ارشاد سے استدلال کرنا کہ: وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ اپنے رب کی مغفرت کی طرف جلدی کرو تو یہ مسارعت و جلدی ایسے طریقہ پر چاہیے جو حق کے موافق ہو اور مقام میں چاہیے جہاں تاخیر مستحب نہ ہو۔ جیسے کہ ظہر کا ٹھنڈا کرنا موسم گرما میں' فجر کو روشن کرنا اور عشاء میں تاخیر کرنا کہ یہ سب مستحب ہیں۔ احادیث صحیحہ میں ان میں مبالغہ وارد ہوا ہے اور ہمارے مذہب کے علماء فرماتے ہیں کہ عصر میں تاخیر' کثرت نوافل کی بنا پر ہے کیونکہ نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے اور اول وقت

میں نماز عصر پڑھنے سے بکثرت نوافل پڑھنا افضل ہے''کَذَا قال السفتانی فی المبسوطین ''غرضیکہ ہمارے مذہب میں نماز عصر میں اس حد تک تاخیر کرنا مستحب ہے کہ آفتاب متغیرہ نہ ہو اور وہ بلند و روشن اور تاباں رہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ایسے وقت میں ادا فرماتے کہ آفتاب سفید وصاف ہوتا۔ان کا مقصود نماز عصر میں اس حد تک تاخیر ہے کہ آفتاب میں تغیر نہ ہو اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ایسے وقت میں ادا فرماتے کہ آفتاب زندہ ہوتا۔اس میں کسی آدمی کے گھر لوٹنے وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ تعجیل واقع ہوئی ہے تو بعض اوقات میں ہوئی ہے۔شیخ ابن الہمام تاخیر عصر میں حدیثیں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان حدیثوں میں اور اُن حدیثوں میں جن میں تعجیل کا ذکر ہے کوئی تعارض ومنافات نہیں ہے اور فرماتے ہیں کہ عصر کو عصر اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ ہے کہ وقت میں اعتصار کیا گیا ہے یعنی اس میں وقت کو نچوڑا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ فرمایا عصر میں افضل' غیر روز میں تعجیل پر ہے تاخیر عصر کے دلائل میں سے ایک وہ حدیث ہے جسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمہاری حالت اور تمہاری مثال بمقابلہ ان لوگوں کے جو تم سے پہلے یہود و نصاریٰ میں سے گزرے ہیں اس شخص کی مثال کی مانند ہے جس نے تین مزدور لیے اور ہر ایک کی اجرت ایک ایک درہم مقرر کی۔ایک نے صبح سے دوپہر تک کام کیا اسے بھی ایک درہم ملے گا دوسرے نے دوپہر سے نماز عصر تک کام کیا اسے بھی ایک دہم دیا جائے گا۔اور تیسرے نے نماز عصر سے مغرب تک کام کیا اسے بھی ایک درہم دیا جائے گا۔ جب تینوں مزدوروں کو ان کی مقررہ اجرت دینے کا وقت آیا تو وہ دونوں مزدور جن میں سے ایک نے صبح سے دوپہر تک اور دوسرے نے دوپہر سے عصر تک کام کیا تھا کہنے لگے کہ کیا وجہ کہ ہمارا کام زیادہ ہے اور اس کی اجرت اس تیسرے مزدور سے بہت کم ہے۔اور وہ مزدور جس کا کام کم ہے اس کی اجرت ہم سے زیادہ ہے۔آقا کہتا ہے کہ میں نے جو کچھ تم سے مقرر کیا تھا وہ میں نے تم کو دے دیا۔باقی میرا فضل ہے میں جسے چاہوں۔تم کو کیا سروکار۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے مزدور کی مثال یہودیوں کی ہے کہ ان کی عمریں سب سے زیادہ ہیں اور ان کے عمل ان سب سے زیادہ ہیں اور دوسرے مزدور کی مثال نصاریٰ کی ہے اور تیسرے مزدور کی مثال تمہاری ہے کیونکہ تمہاری عمریں بھی بہت کم ہیں اور عمل بھی بہت کم ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ صبح سے دوپہر تک اور دوپہر سے عصر تک زمانہ وفاصلہ بمقابلہ زمانہ عصر و مغرب بہت زیادہ ہے۔اور آیات قرآنیہ مثلاً: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا (تو اپنے رب کی حمد طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے کرو) اور وَاذْكُرْ رَبَّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً (اور اپنے رب کا ذکر صبح وشام کرو ان میں نماز فجر اور نماز عصر کی جانب ہی اشارہ مراد لیتے ہیں اور مقصود سے ہی سروکار رکھنا چاہیے۔یہ اوقات نماز کے مقام میں مزید بحث اور اس میں تعجیل وتاخیر کی تفصیلات مشکوٰۃ شریف کی شرح میں اس سے زیادہ مذکور ہے۔اس کتاب میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔(واللہ اعلم)۔

ذکر اذان: تنبیہ: پہلے امامت جبریل علیہ السلام کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ سے ندا کی گئی۔تو یہ اذان کی مشروعیت سے پہلے کا ذکر ہے کیونکہ اذان مدینہ طیبہ میں ۱ ہجری میں شروع ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ ۲ ہجری میں ہوئی۔اور مشہور یہ ہے کہ تعیین وقت کے سلسلے میں جس میں سب نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ کیا صورت اختیار کی جائے۔کسی نے کہا کہ ناقوس بجانا چاہیے۔جس طرح کہ نصاریٰ نماز کے لیے بجاتے ہیں کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح قرن یعنی سینگ پھونکنا چاہیے۔کسی نے کہا کسی بلند جگہ پر آگ روشن کرنی چاہیے سب نے ان چیزوں کو ناپسند کیا اس پر عبداللہ رضی

اللہ عنہ بن زید نے جن کو صاحب الاذان کہتے ہیں خواب میں دیکھا کہ ایک مرد آسمان سے نیچے آیا اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے عبداللہ بن زید نے اس سے کہا: اے بندۂ خدا! اس ناقوس کو بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے نماز کے لیے لوگوں کو بلاؤں گا اس نے کہا میں تم کو اس سے بہتر چیز سکھاتا ہوں تو اس نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ آخر تک مخصوص کیفیت کے ساتھ سکھایا۔ اسی طرح اقامت بھی سکھائی۔ جب انہوں نے صبح کی تو اپنا خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّھَا لِرُءْیَا حَقٌّ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ یقیناً انشاء اللہ یہ خواب حق ہے جاؤ حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ کو بتاؤ کیونکہ ان کی آواز بلند تر، نرم تر اور شیریں تر ہے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان سنی تو دوڑتے ہوئے اور اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زید نے بیان کیا اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ مگر ایسا ہی ہے تو ان دونوں خوابوں میں یا تمہارے خواب کی موافقت پر اللہ تعالیٰ ہی کو حمد ہے کہ اس نے اپنی طرف سے الہام فرمایا اور صدق وصواب کا راستہ دکھایا۔ بعض روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا۔ امام غزالی نے فرمایا کہ دس صحابہ نے دیکھا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ چودہ صحابہ نے دیکھا تھا جن میں سے سات صحابی انصار میں سے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ بارگاہِ رسالت میں آئے تو جواب دینے میں تاخیر فرمائی کیونکہ اس سے قبل اس کی وحی آ رہی تھی اور امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور سراپردۂ عزت میں حاضری ہوئی جو کہ کبریائے حق کا محل خاص تھا وہاں ایک فرشتہ نمودار ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا یہ فرشتہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ قسم ہے اس خدائے ذوالجلال کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں بارگاہِ رب العزت میں سب سے زیادہ مقرب بندہ ہوں میں نے اس فرشتہ کو اس ساعت سے پہلے جب سے کہ مجھے پیدا کیا گیا ہے نہیں دیکھا۔ پھر اس فرشتے نے کہا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر'' پردۂ جلال کے پیچھے سے آواز آئی، میرے بندے تو نے سچ کہا میں اکبر ہوں۔ اس کے بعد اذان کے بقیہ کلمات کو بیان کیا تحقیق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اذان کے کلمات کو سنا لیکن حکم نہ ہوا کہ ان کلمات اذان کو نماز کے لیے کہا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بغیر اذان کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور یہاں اس باب میں صحابہ کے ساتھ مشورہ کیا۔ بعض صحابہ نے اذان کو خواب میں سنا اس پر وحی آئی کہ ان کلمات کو جو آسمان پر سنا تھا زمین پر اذان کا طریقہ اختیار کرو (واللہ اعلم)

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود اذان دی ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے آپ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ سب سوار تھے اوپر بارش تھی اور نیچے کیچڑ۔ اور کیچڑ کی وجہ سے سواری سے نیچے اترنا دشوار تھا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہی۔ اور سب نے سواریوں پر ہی نماز ادا کی اور بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ اذان کہنے سے مراد، بطریق مجاز اذان کا حکم دینا ہے۔ اور مسند امام احمد اور دارقطنی کی روایت میں اس کی صراحت بھی آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہنے کا حکم فرمایا اور ہدایہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ آپ نے مغرب کے وقت اذان کہی اور اس کے بعد بیٹھے۔

شمس الائمہ سرخسی کی نہایہ میں منقول ہے کہ وہ امام یوسف کے قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ ابو حنیفہ بہ نفس نفیس خود اذان واقامت کہا کرتے تھے اور سغناقی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامت بھی خود ہی کرتے تھے اور فرماتے ہیں کہ احسن یہ ہے کہ موذن اور امام نماز عالم ہو۔ بخلاف اس کے جو متاخرین کہتے ہیں کہ احسن یہ ہے کہ امام، اذان واقامت کو اپنے سوا

دوسرے کے سپرد کرے۔ اس لیے کہ رسول بنفس نفیس، خود امامت کے ساتھ اذان و اقامت کو جمع نہ فرماتے تھے۔ اور شمس الائمہ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص ہے لیکن ہمارے حق میں امام کا اپنے آپ ملذان دینا اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ موذن لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔ لہٰذا جس کا درجہ بلند و اعلیٰ ہے وہ اذان کے لیے اولیٰ ہے اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض اوقات خود اذان کہی ہے جیسا کہ عقبہ بن عامر سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں حضور کے ساتھ تھا جب سورج ڈھل گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہی اور اقامت کہی اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ یہ کلام نہایہ کا ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مستمرہ وہی ہے جو معلوم ہے اور اذان و اقامت کے لیے ان کا قول کہ ایک مرتبہ سفر میں کہی، علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی مأول ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا وقوع دائمی نہ تھا اور وہ جو منقول ہے وہ بھی نماز مغرب میں ہی ہے جو ایک بار ایسا واقع ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو امام بناتے تھے مگر اس جگہ خود بنے ہوں اور کیا یہ صورت ممکن ہے کہ آپ جیسا امام اجل ہمیشہ یا اکثر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مستمرہ کے برخلاف عمل کرتے ہوں گے چنانچہ صاحب نہایہ نے جو بیان کیا ہے وہ ضعیف ہے اس لیے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ عادت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ رہی ہے۔ (کیونکہ اصل داعی الی اللہ آپ ہی ہیں۔) اور اس پہ آپ ہمیشہ ہی عمل کرتے ہوں؟ ہاں بیان جواز کے لیے ان سب کو جمع کرنے میں یعنی اذان، اقامت اور امامت میں کلام نہیں ہے۔ اگرچہ بعض دیگر سنن میں ہے کہ امام اور قوم ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' کے وقت کھڑے ہوں، ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃِ'' کے وقت امام نیت باندھے۔ ان سے ان حدیثوں پر عمل فوت ہوتا ہے اس بنا پر علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک خلاف اولیٰ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مستحب ہے اور اس قول کی امام نووی نے شوافع سے اور شمس الائمہ جو حنفی المذہب ہیں ان سے تصحیح کی ہے حلانکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے درجہ صحت کے ساتھ مروی ہے کہ فرمایا اگر خلافت کے ساتھ اذان کہنا جمع ہوتا تو میں ہی اذان کہتا۔ (کذا فی فتح الباری)۔

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان کہنے کا قصہ جو مذکور ہوا مرتبہ صحت کو پہنچ جائے تو اذان و اقامت کے درمیان جمع بے کراہت ہے اگر ان کو بھی بیان جواز پر محمول نہ رکھیں اور علماء فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام سے اصل جواز کے بیان کے لیے فعل مکروہ کا صدور بھی جائز ہے۔ (واللہ اعلم) افتتاح صلوٰۃ (تکبیر تحریمہ)

<u>وصل</u>: احادیث میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہتے اور اس تکبیر سے پہلے نیت، زبان و لفظ سے نہیں ہے۔ محدثین کہتے ہیں کہ زبان سے نیت کہنی بدعت ہے اور اسے حضور نے مکروہ جانا ہے اور نہ آپ کے کسی صحابی سے منقول ہے۔

مواہب میں ابن قیم سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ زبان اور لفظوں سے نیت کرنا بدعت ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کسی صحیح سند سے، نہ ضعیف، نہ مسند، نہ مرسل سے اور نہ کسی صحابی کے عمل سے کوئی روایت مروی ہے۔ اور نہ کسی تابعی نے اسے مستحب قرار دیا ہے اور نہ ائمہ اربعہ نے (انتہی) اور فقہاء بھی لفظوں کے ذریعہ نیت کرنے میں اختلاف رکھتے ہیں بعض کے نزدیک بدعت ہے۔ اس لیے کہ یہ فعل منقول نہیں ہے اور بعض مستحب کہتے ہیں اس لیے کہ یہ استحضار نیت قلبی پر مدد کرتی ہے اور عبادت لسانی و قلبی کے درمیان اجتماعیت کا موجب ہے اور قواعد شرع اور ضرورت عقل سے معلوم ہوگیا ہے کہ اگر دل زبان کے ساتھ جمع ہو جائے تو اتم و اکمل ہوتا ہے۔ یہ بات نیت و تلبیہ و رکوع و سجود کی تسبیحات پر قیاس میں فاسد ہے۔ اور قیاس نص کے مقابلے میں ہے۔ (کمالا یخفی)۔

اور تکبیر تحریمہ کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اکثر حدیثوں میں ایسا ہی واقع ہوا ہے اور مذہب امام ابو یوسف اور مختار جماعت فقہا حنفیہ مثلاً طحاوی وقاضی خاں وغیرہ یہی ہے اور کہتے ہیں کہ تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ متصل ہے اور بعض حدیثوں میں ہاتھ اٹھانے سے تکبیر میں تاخیر کرنا بھی آیا ہے۔ مذہب امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ یہی ہے اور اسی پر عام مشائخ عظام ہیں۔ ہدایہ میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانے میں غیر حق جل وعلیٰ سے کبریائی کی نفی ہے۔ اور تکبیر میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی کبریائی کا اثبات ہے اور اثبات پر نفی مقدم ہوتی ہے جیسا کہ "لَآ اِلٰــــهَ اِلَّا اللّٰهُ" میں ہے اور ابن الہمام شرح میں تیسرا قول بھی نقل کرتے ہیں وہ رفع یدین پر تکبیر کی تقدیم ہے۔ اور وہ ایک حدیث بھی بیہقی سے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس کی موافقت میں لاتے ہیں۔ لہٰذا یہ سب تین قول ہوئے اور جائز ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب فعل اوقات متعددہ میں صادر ہوئے ہوں (واللہ اعلم)۔ اور ہاتھوں کو اٹھانے میں اکثر کانوں کے برابر ہوتے اور کبھی کندھوں کے محاذ میں۔ پہلا طریقہ مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ یہ حضرات وائل بن حجر رضی اللہ عنہ' حدیث سے تمسک کرتے ہیں جو مسلم وابوداؤد میں روایت کی گئی ہے۔ اور دوسرا طریقہ مذہب امام شافعی، امام مالک رحمہما اللہ کا ہے۔ اور امام احمد سے بھی مروی ہے اور یہ بھی حدیثوں میں واقع ہوا ہے اور ابو حمید ساعدی کی حدیث میں بھی آیا ہے جسے انہوں نے جماعت صحابہ میں کہا ہے کہ میں تم سب میں زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا حافظ ہوں۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو۔

تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر بالائے ناف سینے کے نیچے رکھنا شوافع کا مذہب ہے اور ناف کے نیچے رکھنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور بعض اصحاب شوافع کا بھی یہی مذہب ہے۔ (کذا فی المواہب) اور ہدایہ میں ہے کہ امام شافعی کا مذہب سینہ کے اوپر ہاتھ رکھنا اور امام احمد کا مذہب' امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق کہا گیا ہے۔ اور ان کی ایک روایت میں اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے سینہ پر رکھے یا زیر ناف' امام ترمذی فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک اس باب میں حکم وسیع ہے۔ مطلب یہ کہ جو کچھ کرے جائز ہے۔

ہاتھ باندھنے کے بعد دعائے استفتاح یعنی ثنا پڑھے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ (اِلٰى آخِرِهٖ) اَوْ اَدْعِيَه استفتاح بہت ہیں جیسے: اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وغیرہ۔ اور شوافع ان سب کو یا ان میں سے بعض کو تمام فرض ونفل نماز میں پڑھتے ہیں اور احناف کے نزدیک یہ دعائیں نوافل اور رات کی نمازوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور فرض میں صرف سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ ہی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ثنا اور توجہ دونوں مروی ہیں۔ ثنا سے مراد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ اور توجہ سے مراد اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ الخ ہے۔ اور امام طحاوی کے نزدیک بھی یہی مختار ہے لیکن کہا گیا ہے کہ نماز پڑھنے والا مختار ہے کہ چاہے ثناء کے بعد توجہ پڑھے یا اس سے پہلے۔ یہ بھی امام یوسف سے ہی مروی ہے اور مشہور ثنا سے توجہ کی تاخیر ہے اور جو لوگ نماز شروع کرنے سے پہلے نیت میں اِنِّىْ وَجَّهْتُ الخ پڑھتے ہیں یہ سنت کے موافق نہیں ہے۔

اور سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ الخ کی اسناد میں کلام ہے اور طیبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن' مشہور ہے اور مسلم میں سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا گیا ہے اور اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے مجتہدین صحابہ نے اختیار کیا ہے اور بکثرت علماء تابعین وغیر ہم اس کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ جیسے علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ اس حدیث کو کیونکر طعن وضعف کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور اجلّہ علماء حدیث اس کے عامل وقائل ہیں۔ جیسا سفیان ثوری' امام احمد اور اسحاق وغیر ہم رضی اللہ عنہم۔ اور طعن کی حقیقت امام ترمذی کی ایجاد ہے جسے وہ اپنی سند میں لائے ہیں نہ کہ اس حدیث کی تمام سندوں میں اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ اعاظم ائمہ کبار اس حدیث کو اختیار

کرتے اور اس پر اپنا مذہب رکھتے ہیں۔

دعائے استفتاح یعنی ثنا کے بعد استعاذہ کرتے اور فرماتے ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔'' استعاذہ قرأت قرآن سے پہلے مسنون ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز کے باہر اور عامۂ سلف سے جیسے سفیان ثوری اور عطا وغیرہ' ان سے اس کا وجوب بھی مروی ہے اور یہ ظاہر حکم کی بناء پر ہے کہ فرمایا: اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ اور شاطبیہ کی ایک شرح میں ہے جسے جبیر بن مطعم سے روایت کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی پڑھا کرتے اور فرماتے کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے ایسا ہی بتایا ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی لفظ اعوذ باللہ آیا ہے ایسا ہی ابن الہمام نے شرح میں بیان کیا ہے۔ ہدایہ میں کہتے ہیں کہ ''استعیذ باللہ'' کہنا اولیٰ ہے تا کہ لفظ قرآن سے موافقت ہو جائے۔ (جب تم قرآن پڑھو تو اللہ سے استعاذہ کرو) اور فقہا کے درمیان اور قراء کے درمیان اختلاف ہے کہ اعوذ باللہ افضل ہے یا استعیذ باللہ۔''

استعاذہ کے بعد ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم'' پڑھتے۔ اور نماز کے اول میں تسمیہ پڑھنا بالا جماع ہے۔ اگر چہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تسمیہ نہ تو سورۂ فاتحہ کا جزو ہے اور نہ کسی اور سورۃ کا۔ لیکن اول صلوٰۃ میں پڑھتے تو یہ ان کے نزدیک تعوذ کی مانند مفتاح صلوٰۃ ہے۔ اور ایک روایت میں ہر رکعت کے اول میں ہے۔ یہ قول صاحبین رحمہما اللہ کا ہے۔ اس لیے کہ تسمیہ قرآن کی تلاوت شروع کرنے کے لیے ہے اور ہر رکعت قرأت میں مستقل ہے۔ یہ بر بنائے احتیاط اور باعتبار اختلاف علماء ہے۔ کیونکہ بعض کے نزدیک تسمیہ فاتحہ کا جزو ہے' سورہ فاتحہ اور کسی اور سورۃ کے درمیان تسمیہ لازم نہیں ہے مگر امام محمد کے نزدیک یہ مخاف کی صورت میں ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کا پڑھنا متفق علیہ ہے۔ البتہ اس کے جہر اور اخفا میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہ' امام ابوسفیان ثوری اور امام احمد رحمہما اللہ اس کے اخفا و اسرار کے قائل ہیں۔ اور حضرت عمر' علی' ابن مسعود، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کو جہر سے پڑھا ہو۔ اسے امام احمد' نسائی، ابن خزیمہ اور دار قطنی نے روایت کیا اور جامع الاصول میں حضرت انس کی حدیث کو تسمیہ میں عدم جہر کے باب میں' کتب ستہ سے روایت کیا ہے اور دار قطنی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح سند سے مروی نہیں ہے۔ لیکن بعض صحابۂ کرام سے جو روایتیں مروی ہیں ان میں سے کچھ تو صحیح ہیں اور کچھ ضعیف۔ امام احمد نے صراحت کی ہے کہ مدینہ طیبہ کے بعض ائمہ بر بنائے بیان سنت' تسمیہ کو جہر سے پڑھتے تھے۔ لیکن بعض شراح حدیث فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہر کے سلسلے میں جو کچھ مروی ہے تو یہ تعلیم امت کے لیے تھا جیسا کہ بعض اوقات نماز ظہر میں بعض سورت کو جہر فرماتے تا کہ جان لیں کہ فلاں سورت پڑھی ہے۔ یہ تعلیم امت کے لیے تھا۔ (کما قیل)۔

صاحب ''سفر السعادۃ'' فرماتے ہیں کہ حضور بعض اوقات بِسْمِ اللّٰہِ کو جہر سے پڑھتے اور بعض اوقات اخفا کرتے تھے اور ترمذی نے اپنی جامع میں دو باب باندھے ہیں ایک بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے ترک جہر میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس پر اکثر صحابۂ کرام کے اہل علم کا عمل ہے جیسے حضرت ابوبکر' عمر' عثمان اور علی مرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین میں سے بھی اس کے قائل ہیں جیسے سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک' احمد اور اسحٰق وغیرہ، ہم رضی اللہ عنہ اور فرماتے ہیں کہ نماز' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کو جہر سے نہ پڑھے اور اسے زیر لب آہستہ سے کہے اور دوسرا باب بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے جہر میں لاتے ہیں اور اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث لاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کو جہر سے پڑھتے تھے

اور ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اور اس کے قائل چند صحابہ ہیں جیسے حضرت ابو ہریرہ' ابن عمر' اور ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم چند تابعین بھی اس کے قائل ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے انتہی۔

اور حاکم نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیح ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح بغیر علت وسبب کے کی ہے اور جہر میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث بھی صحیح ہے اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں جہر میں امثل احادیث ہیں اور شیخ ابن الہمام' عبدالبر سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ شعبی' نخعی' اوزاعی' قتادہ' عمر بن عبدالعزیز' اعمش' زہری' مجاہد' حماد اور ابو عبید رحمہم اللہ کا مذہب بھی ترک جہر ہے اور بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں کہ جہر میں کوئی حدیث صریح نہیں ہے مگر یہ کہ ان کی سندوں میں محدثین کے نزدیک کلام ہے اسی بنا پر ارباب مسانید مشہورہ نے اعراض کیا ہے۔ اور اس بارے میں کچھ بھی حدیثیں روایت نہیں کی ہیں۔ باوجود یہ کہ ان کی کتابیں احادیث ضعیفہ پر بھی مشتمل ہیں اور ابن تمنہ نے کہا کہ ہمیں دار قطنی سے معلوم ہوا ہے وہ کہتے ہیں کہ جہر تسمیہ کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح مروی نہیں ہوئی ہے۔ غرضیکہ اس باب میں جس قدر حدیثیں مروی ہوئی ہیں ان میں سے اکثر وبیشتر اوراوضح وارجح وہی ہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہ جو بعض لوگوں میں مشہور رہا ہے کہ جہر ارجح ہے اور امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مذہب جہر تھا صحیح نہیں ہے اور اپنی جگہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا مذہب اور دیگر خلفاء ثلٰثہ کا مذہب ترک جہر ہے۔ (رضی اللہ عنہم)۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھتے اور سورۃ فاتحہ کے آخر میں آمین کہتے جہری نماز میں جہر سے اور سرّی نماز میں آہستہ سے اور مقتدیان بھی آمین کہنے میں جہری میں جہر سے اور سرّی میں آہستہ سے موافقت کرتے۔ نماز میں آمین جہر سے کہنے میں احادیث مروی ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے لیکن امام مالک کے مذہب میں قدرے اختلاف ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مذہب میں مطلقاً اخفاء یعنی آہستہ کہنا ہے۔

جامع ترمذی میں باآواز بلند آمین کہنے اور باآواز پست آمین کہنے دونوں ہی کے بارے میں حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں جہر کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بخاری سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور کہتے ہیں کہ صحابہ وتابعین کے اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے۔ انتہی۔

سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام چار چیزوں میں اخفا کرے۔ یعنی آہستہ سے کہے تعوذ' بِسۡمِ اللّٰہِ' آمین اور سبحانک اَللّٰھُمَّ و بحمدک الخ اور حضرت ابن مسعود سے ایسا ہی مروی ہے اور علامہ سیوطی "جمع الجوامع" میں بروایت ابو وائل روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو جہر سے کہتے تھے اور نہ تعوذ کو اور نہ آمین کو۔ اور شیخ ابن الہمام' ابو وائل سے اخفا اور جہر میں دونوں روایتیں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں معلول ومجروح ہیں اور مدار حضرت ابن مسعود کی حدیث پر ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ بعض روایتوں میں "مدصوتہ" آیا ہے اس میں آمین کے ہمزہ کے مد کا بھی احتمال ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ قرینہ روایت کے بموجب، رفع صوت یعنی باآواز کہنا مراد ہے کیونکہ دوسری روایت میں "رفع صوتہ" آیا ہے اور بعض روایتوں میں "یرتج بہا المسجد" (اس سے مسجد گونج اٹھتی) آیا ہے "رجج" دو جیموں کے ساتھ بمعنی جنبیدن ولرزیدن آتا ہے۔

اور آمین الف کے مد اور تخفیف میم سے ہے اور الف کے قصر سے بھی جائز ہے اور بعض کے نزدیک مد الف کو تشدید کے ساتھ ادا کرنا غلط وخطا ہے مگر مفسد نماز نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کا کلمہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا "آمین البیت الحرام" اگرچہ اس معنی میں نہیں ہے اور بعض کے نزدیک خطا نہیں ہے اور اگر خطا بھی ہو تو اس لفظ کے معنی ہیں یعنی "قاصدین الاجابۃ" قبولیت کی آرزو رکھنے والے ایسا ہی شیخ ابن الہمام نے حلوائی سے نقل کر کے بیان کیا ہے اور شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی صوفی کے کلام میں بھی اس معنی کے ساتھ کہا گیا

ہے۔ اور بعض فقہاء نے اسے خطا کہنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور ظاہر ہے کہ خطا کہنے والا خطا کار ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ ملا کر پڑھتے اور صبح کی نماز میں قرأت کو ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک دراز کرتے اور کبھی سورۃ ق پڑھتے اور کبھی سورۂ روم پڑھتے اور کبھی قرأت میں تخفیف کرتے اور سفر میں ''معوذتین'' پڑھتے اور جمعہ کے دن' نماز فجر میں سورۂ ''الم تنزیل السجدہ'' پہلی رکعت میں اور وَھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ دوسری رکعت میں پڑھتے۔ اور شوافع اس عمل پر مواظبت ومداومت نادر رکھتے ہیں اور کبھی اس کے خلاف کوئی عمل وجود میں نہیں لاتے اور احناف کے نزدیک کسی وقت کے ساتھ کسی سورت کو معین کر دینا مکروہ جانتے ہیں اور شیخ ابن الہمام، طحاوی اور اسبیجابی میں نقل کرتے ہیں کہ یہ کراہت اس تقدیر پر ہے کہ اسے لازم جانے اور ان کے سوا کو مکروہ سمجھے لیکن اگر بحکم فرمان باری تعالیٰ فَاقْرَؤُا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (تو قرآن سے جو آسان ہو پڑھو) انہیں پڑھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سے تبرک کی بنا پر پڑھے تو کوئی کراہت نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کبھی کبھی ان کے سوا بھی پڑھے تا کہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

صاحب محیط بھی نقل کر کے کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن فجر میں ان میں قرأت مستحب ہے بشرطیکہ کبھی کبھی ان کے سوا بھی پڑھے تا کہ کوئی جاہل گمان نہ کرے کہ ان کے سوا جائز نہیں ہے اور شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں علم کے بعد جائز ہونے میں کلام نہیں ہے کیونکہ کلام تو مداومت میں ہے۔ انتہی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ احناف کے نزدیک اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت ثابت شدہ نہیں ہے۔ اگرچہ طبرانی ابن عباس کی حدیث میں ''کل جمعۃ'' زیادہ لائے ہیں اور بعض روایتوں میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا میں نے ایسا ہی دیکھا ہے (واللہ اعلم)۔

اور نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے اور کبھی ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی'' اور غاشیہ پڑھتے اور شب جمعہ میں سورۂ جمعہ کی قرأت بھی مروی ہے۔ علامہ سیوطی نے سورۂ منافقون کا بھی ذکر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں باعتبار مصلحت وحکمت جو بھی وقت کا اقتضاء ہوتا طویل یا قصیر سورتوں میں سے جو چاہتے پڑھتے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے اور یہ جو مشہور ومعمول ہے اور جس پر اکثر فقہاء کا عمل ہے کہ فجر وظہر میں ''طوال مفصل'' پڑھتے اور عصر وعشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر احوال اسی نہج پر تھا' اس باب میں اخبار وآثار بکثرت ہیں۔

ہدایہ میں کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' کے نام ایک خط اس بات میں اصل وبنیاد ہے۔ یقیناً جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہو گا سنت کے مطابق اور اس کے موافق ہی ہو گا۔ اور اس کے برخلاف جو روایتیں مذکور ہیں وہ بھی صحیح ہیں لامحالہ یہ اکثر احوال کے حکم میں ہے (واللہ اعلم)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرأت سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور یہ تکبیر یا تو قیام کی حالت میں ہے یا جھکنے کی حالت میں۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ تکبیر جھکنے کی حالت میں کہتے۔ جیسا کہ ہدایہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ جھکنے کے ساتھ تکبیر ہے۔ اسی طرح جب رکوع سے سر اٹھاتے اور حدیث میں ہے کہ كَانَ يُكَبِّرُ فِيْ كُلِّ خَفْضٍ وَّرَفْعٍ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بھی سر مبارک جھکاتے اور سر مبارک اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے نزدیک یہ تکبیر رفع یدین کے ساتھ ہے۔ اور ہمارے نزدیک بغیر رفع یدین کے۔ اور یہ اختلاف' احناف اور ان کے ماسوا کے درمیان عجیب ہے اور شوافع، حدیث رفع کی صحت میں بھرپور مبالغہ کرتے ہیں۔ ''صاحب سفر السعادۃ'' کہتے ہیں کہ یہ حدیث کثرت روایات کے اعتبار سے تواتر کی مانند ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام سے اس باب میں چار سو صحیح حدیثیں مروی ہیں جنہیں عشرہ مبشرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اپنی عادت کے مطابق جو وہ اختلاف احادیث اور اعمال علماء کے باب میں رکھتے ہیں اس جگہ بھی دو باب قائم کیے ہیں پہلا

باب رفع یدین میں ہے اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب آپ نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور اپنے کندھوں کے مقابل لاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔'' اور بعض روایتوں میں ہے کہ وَكَانَ لَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (اور حضور دونوں سجدوں کے درمیان ہاتھوں کو نہ اٹھاتے تھے) اور انہوں نے صحابۂ کرام سے متعدد سندوں کا اشارہ کر کے بکثرت صحابہ و تابعین کے مجتہدین وغیرہ کے عمل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جیسے اوزاعی' عبداللہ' شافعی' احمد اور اسحاق وغیرہ رحمہم اللہ۔ اور اس حدیث کی صحت بیان کر کے اس کی ترجیح کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اور ترمذی نے دوسرا باب مَنْ لَّا يَرْفَعُ اِلَّا عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ۔ (جس نے تحریمہ کے بعد رفع یدین کو نہیں دیکھا) کا باندھا ہے۔ اس باب میں علقمہ کی حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے بیان کی کہ انہوں نے اپنے رفیقوں سے فرمایا میں نے تمہارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما' نے بھی نماز پڑھی تو انہوں نے تکبیر تحریمہ کے سوا کہیں ہاتھ نہ اٹھایا۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عاذب سے بھی مروی ہے اور کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن ہے اور بکثرت صحابہ و تابعین کے اہل علم اس کے قائل ہیں اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول یہی ہے۔ امام محمد اپنی موطا میں امام مالک سے بروایت زہری از سالم بن عبداللہ بن عمر' وہ اپنے والد سے مروی لائے ہیں اور فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ ہر جھکنے اور اٹھنے میں تکبیر کہے لیکن بجز تکبیر تحریمہ کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے اور یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اس میں بکثرت روایات مروی ہیں اس کے بعد از عاصم بن کلیب جرمی اپنے والد سے جو تابعین میں سے ہیں اور حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' کے ملاقی ہیں روایت کرتے ہیں اس سلسلے میں متعدد روایتیں نقل کی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے سوا کہیں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ فرمایا تکبیر تحریمہ کے سوا کسی جگہ نماز میں ہاتھوں کو نہ اٹھاتے اور حضرت عبدالعزیز بن حکیم سے منقول ہے کہ فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے کہ وہ اول تکبیر افتتاح میں ہاتھوں کو اٹھاتے اور اس کے ماسوا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے اور ابو سفیان ثوری نے ابن مسعود کی حدیث کو بھی نقل کیا ہے۔ انتہی۔ مشکوٰۃ الآثار سے طحاوی نقل فرماتے ہیں کہ مجاہد نے روایت کر کے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تکبیر اول کے سوا اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاتے تھے اور اسود سے منقول ہے کہ فرمایا میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو تکبیر اولیٰ کے سوا ہاتھوں کو اٹھاتے نہیں دیکھا اور جب کہ حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا دور بہت نزدیکی اور قرب کا ہے ان کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی لوگوں نے دیکھا کہ ایسا ہی کرتے تھے اس کے برخلاف جو کچھ نقل کرتے ہیں اولیٰ واحق یہ ہے کہ وہ مقبول نہ ہوگا۔

حضرت ابن الہمام شرح میں، ابراہیم' علقمہ، اور عبداللہ رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور افتتاح صلوٰۃ کے وقت کے سوا اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔ اور نہایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بیت الحرام میں نماز پڑھ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں کو وہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھاتے وقت اٹھا رہا ہے اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا ایسا نہ کرو۔ یہ وہ عمل ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پھر اس کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ مطلب یہ کہ یہ حکم ابتدائے زمانہ میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے تو ہم بھی کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا تو ہم نے بھی چھوڑ دیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا

عشرہ مبشرہ افتتاح نماز کے وقت کے سوا ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ اخبار و آثار، رفع اور عدم رفع دونوں جانب میں ثابت ہیں لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ ہم کہیں کہ رفع اور عدم رفع اختلاف اوقات کے ساتھ دونوں تھے یا ابتدا میں رفع تھا جو آخر میں منسوخ ہو گیا۔

شیخ کمال الدین ابن الہمام فرماتے ہیں کہ نماز میں ابتدائی زمانے میں اس قسم کے اقوال وافعال تھے جن میں رفع مباح تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ لہٰذا بعید نہیں ہے کہ یہ بھی انہیں قبیل سے ہو جس میں نسخ شامل ہے۔ خصوصاً ایسے ناقابل رد ثبوت کے ساتھ جو اس کے برخلاف موجود ہیں یہ اس قبیل سے ہے جس میں خشوع و سکون ہے جو نماز میں باجماع مطلوب و مقصود ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے اور وہ ابراہیم سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے سامنے وائل بن حجر کی روایت ذکر کی گئی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع و سجود کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔ اس پر ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ممکن ہے کہ انہوں نے صرف اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی ہو گی یا وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب سے زیادہ عالم ہیں یا یہ کہ انہوں نے تو یاد رکھا اور دیگر اصحاب صحابہ نے یاد نہ رکھا۔ بلاشبہ ایک جماعت کثیرہ نے جن کا کوئی حد و شمار نہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو ابتدائے نماز کے سوا نہیں اٹھاتے تھے اور وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں اور یہ کہ حضرت عبداللہ شرائع اسلام اور اس کے حدود کے عالم ہیں۔ احوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب کا ان پر اتفاق ہے یہ سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت میں رہے ہیں اور حضور کی اقتداء میں اتنی نمازیں انہوں نے پڑھی ہیں جن کی کوئی گنتی و شمار نہیں ہے لہٰذا تعارف کے وقت ان کے قول کو لینا اس شخص کے مقابلے میں جو تنہا ہو اولیٰ ہے۔ لہٰذا آخر میں دونوں فعلوں کے مسنون ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں واللہ اعلم۔ شرح سفر السعادۃ میں اس سے زیادہ بحث کی گئی ہے تو تم وہاں دیکھو۔

رکوع میں دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر خوب جماتے۔ اور انگلیوں کو کھول کر رکھتے۔ علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں انگلیوں کی تین حالتیں ہیں ایک رکوع کی حالت میں کھول کر رکھنا دوسرے سجدے کی حالت میں انگلیوں کو ملا کے رکھنا اور تیسرے تمام حالتوں میں انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑنا۔ خواہ قیام کی حالت ہو خواہ تشہد کی حالت اور بازوؤں کو پہلو سے دور کرتے، پشت کو سیدھا رکھتے اور سر کو اس کے برابر نہ نیچا کرتے اور نہ اٹھاتے اور تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہتے یہ کم سے کم ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تین بار کمال نماز کے لیے ہے اگر اس سے زیادہ کہے تو افضل ہے۔ تین کے بعد وتر کرے یعنی پانچ یا سات یا نو۔ اور فرماتے ہیں کہ غایت کمال میں کوئی عدد نہیں ہے۔ اور بعض نے دس تک کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اتنا نہ ہو کہ بعض سہو کا گمان کرنے لگیں اور بعض نے قریب بقدر قیام کہا ہے۔ یہ تمام اقوال اکیلے نمازی کے لیے ہیں اور امام کے لیے مقتدیوں کی رعایت لازم ہے کیونکہ جماعت میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے بہت سے حضرات کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے اس جوان کی نماز ہے (یعنی عمر بن عبدالعزیز کی) اور اندازہ لگایا کہ ان کا رکوع و سجود دس تسبیحات کے برابر تھا اگرچہ دس سے کم کہتے ہوں۔ اور حضور سجدے اسی اندازے پر کرتے۔ آپ جب سجدہ میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے اس کے بعد ہاتھوں کو رکھتے بعد ازاں پیشانی و بینی شریف رکھتے۔ بعض کے نزدیک پہلے بینی شریف اس کے بعد پیشانی مبارک رکھتے کیونکہ یہ اقرب ہے۔ امام ابوحنیفہ، شافعی اور امام احمد کا مذہب یہی ہے کہ گھٹنوں کو پہلے رکھتے اور امام مالک اور اوزاعی کے مذہب میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھنا ہے امام احمد کی بھی ایک روایت ایسی ہی ہے اور سات عضو کے ساتھ سجدہ فرماتے۔ چہرہ، دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے، دونوں قدم اور پیشانی اور بینی شریف دونوں سے کرتے۔ صرف پیشانی اور ناک پر اکتفا

میں چند قول ہیں۔ احناف کے نزدیک دونوں سے ہے اور دونوں قدم اٹھ جانے سے سجدہ میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور ایک قدم اٹھنے سے مکروہ۔ (کذا فی الشرح ابن الہمام) اور سجدے میں (ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں بغل شریف کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔ بازوؤں اور پیٹ کو رانوں سے بھی دور رکھتے اتنا کہ بکری کا بچہ اس کے درمیان سے گزر جاتا۔ اور سجدے میں سر مبارک کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے اور قومہ وجلسہ بھی رکوع وسجود کے مقدار فرماتے۔ کبھی اسے طویل فرماتے کہ لوگوں کو وہم ہو جاتا کہ نماز بھول گئے ہیں اور صحیحین میں ہے کہ قیام، رکوع، اعتدال، سجدہ اور جلسہ قریب قریب برابر و یکساں ہوتے تھے۔ اور یہ اس پر محمول ہے کہ جب قیام طویل ہوتا تو رکوع وقومہ اور سجدہ وجلسہ بھی سب طویل ہوتے۔ اور جب قیام خفیف ہوتا تو یہ سب خفیف ہوتے۔ یہ نہیں کہ سب بمقدار قیام ہوتے۔ اس حدیث کی پہلی تاویل کی گئی ہے اور یہ باعتبار عادت واکثر احوال پر ہے۔ ورنہ بعض اوقات جیسا نماز خسوف وکسوف میں اور کبھی نماز تہجد میں رکوع وسجود اور جلسہ وقومہ قیام کے برابر ہوتے تھے اور رکوع وسجود اور جلسہ وقومہ کے اعتدال واطمینان کے باب میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔ اور کم سے کم یہ ہے کہ صلب یعنی ریڑھ کی ہڈیاں سیدھی ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چوری میں سب سے بدترین چوری نماز میں ہے۔ صحابہ نے عرض کیا' یارسول اللہ نماز میں چوری کیسے ہوگی۔ فرمایا: اس طرح کہ رکوع وسجود کو پورا نہ کرے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع وسجود کو پورا نہیں کرتا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو حذیفہ نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا تو نے جو یہ نماز ادا کی ہے تو تو نے نماز کی حقیقت ادا نہیں کی۔ اگر تو اس حال میں مر جائے تو تو غیر فطرت پر مرے گا۔ مطلب یہ کہ اس دین کے سوا پر مرے گا جس دین پر حق تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا ہے۔

اور امام شافعی' امام احمد' امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک رکوع وسجود اور رکوع وسجود کے درمیان قیام اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ سب میں تعدیل واطمینان فرض ہے اور بقول مشہور امام احمد کے نزدیک ایک تسبیح کی برابر رکوع وسجود بھی واجب اور ایک روایت میں فرض ہے اور ایک روایت میں سنت۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک رکوع وسجود میں اطمینان' کرخی کی روایت کردہ ظاہر قول کے بموجب واجب ہے اور یہ وجوب دونوں سجدوں کے درمیان بھی شامل ہے۔ اور جرجانی کی روایت کردہ قول کے بموجب سنت ہے لیکن قومہ وجلسہ میں اطمینان بہر طور سنت ہے۔ اور مالکی علماء بھی اسی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ رکوع کی حقیقت انحنا یعنی جھکنا ہے اور سجدے کی حقیقت زمین پر پیشانی رکھنا ہے۔ اور ان دونوں کے مفہوم میں ایسا اجمال نہیں ہے جو بیان کا محتاج ہو۔ لہٰذا فرضیت کم سے کم کے ساتھ متعلق ہے اور زیادتی' تکمیل وتتمیم کے باب سے متعلق ہے کیونکہ اس کے ترک سے نماز ناقص ونا تمام رہتی ہے۔ اور اس کا فاعل گنہگار ہوتا ہے اور شمنی بعض ائمہ مذاہب سے نقل کرتے ہیں کہ جو رکوع وسجود میں اعتدال کو ترک کرتا ہے اس پر اعادۂ نماز لازم ہو جاتا ہے اور شرح ابن الہمام میں منقول ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ سے ترک طمانیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ جائز نہ ہو اور سرخسی سے مروی ہے کہ جو اعتدال کو ترک کرے اس پر نماز کا اعادہ لازم ہے اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اعادہ لازم ہے اور فرض ثانی سے واقع ہے اور یہ اول سے عدم سقوط کو لازم کا تقاضا کرتا ہے اور یہ لازمی رکن ہے واجب نہیں ہے (انتہی) یہ گفتگو رکوع وسجود میں تعدیل واطمینان کے سلسلے میں ہے لیکن قومہ وجلسہ میں علماء فرماتے ہیں کہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا مقصود بذاتہ نہ تھا لہٰذا رکوع سے سر اٹھانا واجب نہ ہوگا اس لیے کہ اس سے سجدہ کی طرف منتقل ہونا بغیر سر اٹھائے ممکن ہے۔ بخلاف سر اٹھا کر دوسرے سجدے کی طرف جانا۔ اس لیے کہ دوسرا سجدہ بغیر سر اٹھائے ممکن نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے بموجب رکوع سے سر اٹھانا

ہاتھ زمین پر رکھے پھر کھڑا ہوا سے جلسہ استراحت کہتے ہیں اس جلسے کے حکم میں بھی علماء کا اختلاف ہے بعضے اسے سنت پر محمول کرتے ہیں جیسے کہ امام شافعی کا مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ دوسرے سجدے کے بعد زمین پر خفیف نشست سے بیٹھے پھر فوراً کھڑا ہو جائے۔ اور بعضے اسے ضرورت وحاجت پر محمول کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ بیٹھنا غدر وحاجت کی بنا پر تھا جو کبرسنی وغیرہ سے تھا۔ یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب ہے۔ اور امام احمد کے مذہب میں یہ مختار ہے اور یہ سب کہتے ہیں کہ یہ سنت نہیں ہے اور امام شافعی کا تمسک اس حدیث سے ہے جو بخاری وترمذی اور نسائی میں مالک رضی اللہ عنہ بن حویرث سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پہلی اور تیسری رکعت میں جب تک زمین پر بیٹھے نہیں کھڑے نہ ہوئے اور شمنی روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی نعمان بن ابی عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بکثرت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے کہ جب وہ اپنے سر مبارک کو دوسرے سجدے سے پہلی اور تیسری رکعت میں اٹھاتے تو اسی طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے بغیر اس کے کہ وہ بیٹھیں۔

اور ابن مسعود' علی مرتضٰی، عمر ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اور یہ تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اکابر صحابہ اور اتباع حضور میں سخت تر اور عامل تر بمقابلہ مالک رضی اللہ عنہ بن حویرث کے ہیں کیونکہ مالک رضی اللہ عنہ بن حویرث احترام اور صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم پلہ نہیں۔ لہٰذا ان حضرات کی تقدیم واجب ہے۔ اور ابوداؤد' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوتے وقت ہاتھوں سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے سے منع فرمایا۔ اور وائل کی حدیث میں ہے کہ جب کھڑے ہوتے تو رانوں پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔ ان حدیثوں میں جمع وتوفیق کی یہ صورت ہے کہ مالک رضی اللہ عنہ بن حویرث کی حدیث کو کبرسنی اور کمزوری پر محمول کیا جائے اور اسی پر جمہور ائمہ ہیں' اور جاننا چاہیے کہ اس جگہ جو ذکر کیا گیا ہے وہ جلسہ استراحت کے خلاف تھا لیکن کھڑے ہوتے وقت رانوں پر ٹیک لگانا یا زمین پر ٹیک لگانا بغیر جلسہ استراحت کے سنت ہے امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے اور اسی سے ٹیک لگاتے ہوئے کھڑا ہو جائے اور یہ اس حدیث کی بناء پر ہے جو ابوداؤد نے وائل بن حجر سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں اور رانوں پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے دیکھا ہے نیز ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوتے وقت زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے سے منع فرمایا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جلسہ اسراحت نہیں ہے۔ لیکن کھڑے ہوتے وقت زمین پر ٹیک لگاتے ہیں اور ہمارے نزدیک بھی بحکم ضرورت' زیادتی مشقت' کبرسنی اور کمزوری کے وقت اس سے ٹیک لگانا جائز ہے۔

تشہد میں بیٹھنا: وصل: اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اس پر بیٹھتے اور داہنا پاؤں کھڑا رکھتے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی قعدۂ اولیٰ میں یہی ہے اسے وہ افتراش کہتے ہیں اور دوسرے قعدہ کو ''تورک'' کہتے ہیں۔ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ تشہد جس کے بعد دوسرا تشہد نہ ہو خواہ ایک ہی تشہد ہو جیسا کہ نماز فجر میں ہے خواہ دو تشہد ہوں جیسے کہ نماز فجر کے سوا ہیں تورک کرتے ہیں اس کی صورت یہ ہے جیسا کہ فقہ شافعی کی مشہور کتاب ''حاوی'' میں بیان کیا گیا ہے کہ دونوں پاؤں کو داہنی جانب نکال کر اپنی عادت پر ڈال دے اور زمین پر سرین کے ذریعہ بیٹھے ان کی دلیل ابوحمید رضی اللہ عنہ ساعدی کی وہ حدیث ہے جس میں انہوں نے جماعت صحابہ سے کہا کہ میں تم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو زیادہ جاننے والا ہوں اور امام مالک کے نزدیک دونوں تشہد میں تورک ہے اور امام احمد کے نزدیک جس نماز میں دو تشہد ہیں اس میں آخری تشہید میں تورک کرتے ہیں۔ اس لیے کہ نمازی پہلے تشہد میں حرکت کے لیے مستعد وآمادہ ہے اور حرکت وقیام ہیئت

روایت کیا ہے اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ 34 مرتبہ پڑھ کر سو کی تسبیح مکمل کرے۔ دیگر روایتوں میں ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' 25 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ 25 مرتبہ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ 25 مرتبہ ہے۔ جامع الاصول' نسائی اور مشکوٰۃ میں امام احمد سے اور دارمی میں بھی زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے مروی ہے کہ صحابہ کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر نماز کے بعد 33 بار تسبیح، 33 بار تحمید اور 33 بار تکبیر پڑھیں۔

ایک انصاری نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس سے کہتا ہے کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے بعد 33 بار تسبیح 33 بار تحمید اور 33 بار تکبیر پڑھا کرو انہوں نے کہا ہاں! اس نے کہا اگر ہر ایک کو 25,25 بار پڑھیں اور 25 بار تہلیل کو بھی داخل کریں تو بہتر ہوگا جب اس انصاری نے صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا اس شخص نے کہا ہے ویسا ہی کرو۔ چونکہ جب اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی شامل ہو گیا تو اب یہ سنت ہو گیا اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ دس بار اور اَللہ اکبر دس بار پڑھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' گیارہ مرتبہ و اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ گیارہ مرتبہ اور ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' گیارہ مرتبہ پڑھے یہ سب 33 مرتبہ ہو جاتے ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وہی تفسیر ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بعض روایتوں میں ہے کہ 'تسبحون وتحمدون وتکبرون' 'اور ہر نماز میں 33 بار پڑھے اور یہ تفسیر وہمی ہے اس لیے کہ اس سے مراد ہر کلمہ کو 33 بار کہنا ہے اور دیگر حدیثوں میں منصوص علیہ ہے۔

بخاری و مسلم میں ان معقبات کے ثواب میں حدیثیں مروی ہیں کہ جو کوئی انہیں نماز کے بعد پڑھے تو حق تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ گناہ پہاڑ کی مانند ہوں۔ اسی کے ساتھ مروی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بارگاہِ نبوت میں فقراء مہاجرین نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سے مسلمانان اہل ثروت وغنا، درجات کی بلندی اور اقامت جنت میں سبقت لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس طرح عرض کرنے لگے وہ نمازیں پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں وہ روزے رکھتے جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں اور وہ صدقہ وخیرات کرتے اور غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم کر نہیں سکتے۔ فرمایا: میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں اگر تم اسے کرو گے تو کوئی بھی تمہارے نصیب تک نہیں پہنچ سکے گا: تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَثَلٰثِيْنَ مَرَّةً یعنی ہر نماز کے بعد تسبیح' تحمید اور اللہ اکبر 33,33 بار پڑھا کرو اس کے بعد اہل ثروت وغنا بھی اس حدیث کو سنکر اس پر عمل کرنے لگے تو دوبارہ پھر فقراء مہاجرین بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے وہ رفقاء جو تونگر ہیں وہ بھی اسے سنکر اس پر عمل کرنے لگے ہیں اور ہمارے برابر ہی ان کے عمل ہو گئے ہیں اب ہم کیا کریں؟ فرمایا کیا ہو سکتا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ. یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ اس حدیث سے شکر گزار تونگر کی فضیلت' عبادت گزار فقیر پر لازم آتی ہے۔ یہ بحث اپنی مقام میں تحقیق کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جب فقراء شکستہ دل اور غمگین ہوئے تو فرمایا غم نہ کرو اور اندوہگیں نہ ہو کیونکہ تم تونگروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ حدیث، اس حدیث کا حصہ ہے جو مشکوٰۃ میں ابوداؤد سے بروایت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری مروی ہے اور یہ فقر اور سبک باری کی جزاء ہے جو کہ صرف فقراء کو حاصل ہے کیونکہ وہ موقف میں حساب وکتاب اور دنیاوی نعمتوں پر سوال وجواب کے لیے نہ روکے جائیں گے اور دخول جنت میں فقراء کی سابقیت' تونگروں کے اعمال پر کثرت ثواب اور رفعت درجات میں منافات نہیں رکھتی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سابقیت' فقراء مہاجرین کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور بعض حدیثوں میں مطلق فقراء کے لیے آیا ہے (واللہ اعلم)۔

اور یہ وظیفہ سونے سے پہلے پڑھنے میں بھی آیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی صاحبزادہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا، علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو سکھایا' مسند امام احمد میں بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ثابت ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں اس غرض سے آئیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی حاصل کریں جو خدمت کرے۔ منقول ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مبارک ہاتھ چکی پینے اور پانی کھینچنے سے سرخ ہو گئے تھے اور ان کے چہرۂ مبارک کا رنگ جھاڑو دینے کے غبار سے اور کھانا پکانے کے دھوئیں سے متغیر ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب وہ آئیں تو حضور کو گھر میں موجود نہ پایا۔ جب حضور تشریف لائے تو پوچھا میری صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کیوں آئی تھیں؟ بتایا گیا کہ باندی مانگنے کے لیے آئی تھیں اس کے بعد حضور خود سید فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا: اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) تم باندی چاہتی ہو حالانکہ اس وقت کوئی باندی موجود نہیں ہے۔ اور جب کہیں سے آئے تو بتانا ہم تمہیں عنایت فرما دیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) دنیاوی محنت و مشقت بہت آسان ہے جس طرح بھی گزرے۔ اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! حق تعالیٰ کی بندگی اور تقویٰ اختیار کرو اور اپنے شوہر کی خدمت گزاری کرو میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے۔ وہ یہ کہ سونے سے پہلے 33 مرتبہ خدا کی تسبیح کرو اور 33 مرتبہ اس کی حمد کرو، اور 34 مرتبہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہو اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان میں سے ایک لاعلی التعین'' ہے۔ مطلب یہ کہ 34 مرتبہ نہیں بلکہ ان گنت بار پڑھے اور صحیحین کی دوسری روایت میں حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو مخاطب کر کے یہ وظیفہ بتایا اس کے بعد حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس ورد کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ مجھ سے کبھی فوت نہ ہوا اور نہ صفین کی رات میں حتیٰ کہ رات کے پچھلے پہر یہ مجھے یاد آیا تو میں نے اسی وقت پڑھا اور دوسرا ورد یہ تعلیم فرمایا کہ جب نماز فجر ادا کر چکو تو: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ کو دس دس مرتبہ پڑھو اور بعد مغرب بھی دس مرتبہ پڑھو جیسا کہ گزرا۔

اور مشہور وردوں میں ایک یہ ہے کہ نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے جیسا کہ سنن نسائی میں مروی ہے او طبرانی اس میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' بھی زیادہ کرتے ہیں اور اس حدیث کے ورد کو دیگر حفاظ حدیث کی جماعت نے بھی بیان کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور ابن الجوزی، جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ بے تحقیق حدیث کو موضوع کہنے میں سبقت اور زیادتی کرتے ہیں اسے بھی موضوعات میں بیان کیا ہے اس بنا پر حفاظ حدیث، ان کی مذمت کرتے ہیں۔

معجم طبرانی میں ہے کہ: مَنْ قَرَءَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ اِلَى الْاُخْرٰى جو کوئی نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھے گا وہ دوسری نماز تک خدا کی پنا میں اور اسکے عہد امان میں رہے گا اس حدیث کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت روایت کرتی ہے اس میں امیر المومنین علی مرتضیٰ بھی ہیں۔ مشکوٰۃ میں علی مرتضیٰ سے ایسا ہی منقول ہے کہ فرمایا میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چوبی منبر پر یہ فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہو گی۔ مطلب یہ کہ دخول جنت کے لیے موت شرط ہے کیونکہ بغیر موت کے جنت میں داخلہ ممکن نہیں اور جو کوئی اسے سوتے وقت پڑھے گا حق تعالیٰ اس کے گھر کو اس کے ہمسایہ کے گھر کو اور اس کے اردگرد کے گھروں کو اور ان کے رہنے والوں کو اپنے امان میں رکھے گا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روات کر کے اس کی سند کو ضعیف کہا۔ نیز امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا تمام آیات قرآنی کی سردار اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ہے۔ بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیۃ الکرسی کی فضلیت میں ''اس میں صدق و کذب مذکور ہوا۔'' معروف ہے۔

تنبیہہ: واضح رہنا چاہیے کہ نماز کے بعد دعائیں پڑھنے کے ضمن میں جو متعدد چیزیں حدیثوں میں آئی ہیں جیسے مذکور دعائیں،

آیۃ الکرسی اور معقبات وغیرہ اور انہیں جو بغیر فصل کے نماز کے متصل ہی ملانے کا حکم آیا ہے تو حقیقی اتصال تو محال ہے بلکہ عدم فصل سے مراد ان چیزوں کا نہ ہونا ہے جن کو عرف عام میں مشغولیت کہا جاتا ہے جو اعراض، نسیان اور ذکر دعا کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونے کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اگر خاموشی عرف میں حد کثرت کو نہ پہنچے تو مضائقہ نہیں ہے۔ لہٰذا نماز سے فارغ ہونے کے بعد جو کچھ بھی وجہ مذکور پر پڑھے تو نماز کے بعد ہی کہلائے گا۔

اب رہا یہ کہ سنت مؤکدہ کا فرض کے بعد پڑھنا کیا فرض اور اذکار وادعیہ مذکورہ کے درمیان موجب فصل اور عدم بعدیت ہے یا نہیں۔ یہ بھی اس جگہ محل نظر ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ فصل نہیں ہوگا خصوصاً اس قول کے بموجب کہ جن میں ایسی سنتیں ہیں جن کو فرض کے ساتھ ملا کر جلد سے اٹھ کر سنتوں کے ساتھ پڑھنا ہے بعد فرض ادا کی جاتی ہیں۔ اور ابن الہمام نے شرح میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ بعض وہ دعائیں اور اذکار جو نمازوں کے فوراً بعد پڑھے یہ اس کا متقاضی نہیں ہے کہ ان کو فرض سے ملائے۔ بلکہ ان کا مقام ان سنتوں کے بعد بغیر کسی مشغولیت کے ہے۔ جو فرض کے تابع ہیں اور جو سنتیں فرض کے تابع نہیں ہیں اور جن میں فرض کے بعد سنت کے ملانے کی اولویت میں علماء کا اختلاف ہے وہاں فرض سے ملا کر پڑھنا کافی ہے بعض کہتے ہیں کہ متصل یہ فرض سنتوں کے لیے کھڑا ہونا مسنون ہے۔ ان کے درمیان کئی سنن ونوافل سے مشغولیت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے۔ جو وصل کی مخالفت میں مروی ہے اور یہ حدیث ابوداؤد میں ابی رعشہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تکبیر اولیٰ پائی تھی۔ تاکہ وہ سنت کو ادا کرے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑا اور فرمایا بیٹھ جا اس لیے کہ اہل کتاب اسی بنا پر ہلاک ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنی نمازوں میں فصل نہ رکھا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ لہٰذا بعض دعاؤں اور اذکار کے ذریعہ فصل مختار ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ کسی مختصر دعا اور ذکر سے فصل دے۔ اور جو اذکار ودعائیں طویل ہیں انہیں سنتوں کے بعد پڑھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسے ذکر کے ساتھ فصل جن کو مسجدوں میں ہمیشہ کرتے رہے ہوں جیسے آیۃ الکرسی اور تسبیحات وغیرہ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ (کبھی کبھی پڑھنا اور معنی ہے یہ گفتگو مواظبت ودوام پر ہے) اور حلوانی کہتے ہیں کہ فرائض وسنن کے بعد ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اولویت مذکورہ میں یہ منافات نہیں رکھتیں اس لیے کہ اس عبارت اولویت، اس کے خلاف میں مشہور ہے۔ اور ''خلاصہ'' میں کہا گیا ہے کہ جب امام ظہر یا مغرب یا عشاء میں سلام پھیرے کیونکہ ان فرائض کے بعد سنتیں ہیں تو بیٹھ کر تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ اسے لازم ہے کہ سنت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اور سنتوں کو فرض کی جگہ میں کھڑے ہو کر نہ پڑھے بلکہ داہنے یا بائیں یا آگے یا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اور اگر چاہے تو اپنے گھر سنتوں کے پڑھنے کے لیے لوٹ آئے کیونکہ یہ افضل ہے اور وہ نمازیں جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں وہاں اپنی جگہ قبلہ رو ہو کر بیٹھے رہنا مکروہ نہیں ہے یا چلا جائے یا قوم کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اگر کوئی مانع نہ ہو اور سنت میں یہ سب برابر ہیں لیکن سنتوں کے پڑھنے کے لیے اپنے گھر کی طرف لوٹنا افضل ہے یہ سب ابن الہمام نے شرح میں بیان فرمائی ہیں اور یہ جو آیا ہے کہ مغرب کی سنتوں میں تعجیل کرے تو یہ حکم: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ کے دس مرتبہ پڑھنے میں منافات نہیں رکھتا' جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ مقدار تعجیل کے منافی نہیں ہے اور اگر تعجیل میں بہت ہی رعایت مقصود ہے تو اسے سنتوں کے بعد پڑھے کیونکہ فرض سے اتنی بعدیت منافی نہیں ہے جیسا کہ گزرا اور جو لوگ مغرب کی سنتوں میں آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں یہ مخالف سنت ہے کیونکہ ''قل یا ایھا الکفرون'' اور قل ھو اللّٰہ احد پڑھنا سنت ہے۔

سجدۂ سہو

وصل: خبردار رہنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو ونسیان ان اقوال میں جو احکام وتبلیغ سے متعلق ہیں' باتفاق جائز نہیں ہے لیکن افعال میں خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اختلاف ہے۔ اہل حق کے نزدیک مختار اس کے جائز ہونے میں ہے۔ درحقیقت یہ سہو ونسیان' حق تعالیٰ عزاسمہ' کی حکمت بالغہ سے متعلق ہے کہ اس کی بدولت امت کو گوناگوں تشریح احکام اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور محض تشریع ہی اس کی حکمت نہیں ہے اس لیے کہ اس کے بغیر بھی تشریح احکام ممکن ہے مثلاً فرمادیتے کہ ''جو سہو کرے اس پر سجدۂ لازم ہے۔'' جیسا کہ شک کی صورت میں آئے گا۔ لیکن یہ نکتہ' اقتداء کی سعادت حاصل ہونے کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بھلا دیا گیا تا کہ بھلائی میں سنت بناؤں۔ اور اس کی جزا وثواب مشروع ہو جائے۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ پانچ مقامات ایسے ہیں جہاں تمام عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو سے متصف فرمایا گیا۔ ان کے سوا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اول سہو ظہر کی نماز میں ہوا کہ اول تشہد میں بیٹھے اور کھڑے ہوئے جب نماز پوری کر لی تو دو سجدے کیے اس کے بعد سلام پھیرا۔ دوسرا مقام ایک اور موقعے کا ہے کہ ظہر کی نماز میں دوسری رکعت کے بعد قعدہ فرمایا اور سلام پھیرا۔ اور بات کی پھر یاد آیا تو نماز کو پورا کیا اور سلام پھیر کر دو سجدے کیے اس کے بعد سلام پھیرا۔ اس حدیث میں سلام کے بعد سجدۂ سہو ہے۔ اس روایت کو ''حدیث ذوالیدین'' کہتے ہیں کہ یہ ایک صحابی کا نام ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ! کیا نماز میں خود کمی فرمائی یا بھول گئے تھے فرمایا ان میں سے کچھ نہ تھا۔ اس حدیث میں دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ یہ اخبار برخلاف واقع ہے۔ حالانکہ اخبار واقوال میں عدم جواز سہو پر سب متفق ہیں البتہ اختلاف افعال میں ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بات کرنا اور دیگر افعال بجا لانا نماز کے منافی ہے اور حدیث میں ہے کہ نماز پوری کی از سر نو تو نہیں پڑھی۔ پہلے اعتراض کا جواب تو یہ ہے کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ میرے اعتقاد میں ایسا ہی ہے نہ کہ نفس الامر میں اور یہ خبر بلاشبہ صادق ہے یا یہ عدم شعور سے کنایہ ہے۔ گویا کہ آپ نے فرمایا ''میں شعور نہیں رکھتا'' یہ خبر بھی صادق ہے۔ (جواب کا مفہوم یہ ہے کہ نظر بر ظاہر) تمہیں سہو معلوم ہو رہا ہے حالانکہ حقیقت اور نفس الامر میں یہ سہو نہیں ہے بلکہ حکمت رب سے متعلق ہے اس نے مجھ سے ایسا کرایا تا کہ سجدۂ سہو کی مشروعیت معلوم ہو جائے۔ یہی میرا اعتقاد ہے۔ بلاشبہ یہ خبر دینا سچی بات ہے یا یہ صورت ہے کہ یہ میرے اپنے شعور وقصد سے متعلق نہیں ہے بلکہ رب تعالیٰ نے مجھے بھلایا ہے تا کہ میرے عمل کی بدولت تمہیں سہو کی صورت میں میری اتباع واقتداء کا اجر وثواب ملے۔ اس میں مزید غور کرو گے تو اور بھی حکمتیں مل جائیں گی انشاءاللہ' مترجم غفرلہ)

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بطریق سہو، بات کرنا اور منافی نماز عمل کرنا' مفسد نماز نہیں ہے اور منع جواز بنا اور عدم استیناف نہیں کرتا۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ نسیان عذر نہیں ہے۔ نماز میں جاری نہیں ہوتا۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ قضیہ نماز میں نسخ کلام سے پہلے کا ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ گفتگو' سب اشاروں سے تھی نہ کہ زبان سے اور یہ بات تو بہت ہی بعید ہے نیز کہتے ہیں کہ چونکہ یہ قضیہ برخلاف قیاس تھا لہٰذا اپنے مورد پر خاص رہے گا۔ اور بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے کہ اس اعتراض کے جواب میں ہم نے امام شافعی کا کوئی قول نہیں پایا۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے

کہ قصداً بات کرنا اور بھول کر بات کرنا دونوں نماز کو باطل کرنے والی ہیں۔ مگر یہ کہ امام نماز کی درستگی کے لیے کوئی کلام کرے۔ جیسا کہ راوی نے گمان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کر لی ہے اس کے بعد معلوم ہوا کہ نماز پوری نہ ہوئی تھی تو پوری فرمائی۔ تو یہ بات کرنا بھی ذوالیدین راوی حدیث کا ہے۔ نہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ علیہ وسلم کا۔ اس حدیث میں کلام طویل ہے اور شیخ ابن الحجر نے شرح بخاری میں اس کا استقہار کیا ہے۔

نسیان کا تیسرا موقع یہ ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور باہر تشریف لے آئے ایک رکعت باقی رہ گئی تھی۔ جب مسجد سے باہر تشریف لے آئے تو طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے باہر آئے اور عرض کیا یارسول اللہ! ایک رکعت آپ نے فراموش کر دی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور بلال رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اقامت کرے۔ اور ایک رکعت جو فراموش کی تھی ادا کی اور سلام پھیرا اور باہر تشریف لے آئے اس حدیث میں سجدۂ سہو مسکوت عنہ ہے ممکن ہے کہ اس کے اقتضاء کا مقام نہ کیا ہو اور امام شافعی کے نزدیک سجدۂ سہو واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور شمنی کہتے ہیں کہ بعض احناف کے نزدیک بھی سنت ہے اور ابن الہمام نے شرح میں بعض احناف سے نقل کیا ہے کہ کہا گیا ہے کہ عامہ اصحاب احناف کے نزدیک سنت ہے (واللہ اعلم)

اور نسیان کا چوتھا موقع یہ ہے کہ نماز ظہر ادا کی اور ایک رکعت زیادہ کر دی۔ صحابہ نے عرض کیا نماز میں ایک رکعت زیادہ ہوگئی ہے فرمایا کیسے؟ عرض کیا پانچ رکعتیں پڑھی ہیں اس وقت دو سجدے سہو کے کیے اور سلام پھیرا اور اسی پر اختصار کیا۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ۔ ''الحدیث اور مذہب حنیفہ میں تفصیل اس صورت میں فقہ میں مذکور ہے۔

اور نسیان کا پانچواں موقع ہے کہ نماز عصر کی تین رکعتیں پڑھیں اور کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ صحابہ نے بعد میں بتایا تو مسجد میں واپس تشریف لائے اور ایک رکعت ادا کر کے سلام پھیرا اور سلام کے بعد دو سجدے کیے پھر دوبارہ سلام پھیرا۔ یہی وہ پانچ مقامات ہیں جہاں سہو فرمایا ہے۔ مجتہدین کرام نے انہیں پانچ مقامات سے مسائل کا استنباط فرمایا۔

اور داؤد ظاہری جو کہ امام اہل ظواہر ہیں' اصحاب ظواہر ایک جماعت ہے جو ظواہر نصوص پر عمل کرتے ہیں اور غیر منصوص کو ان پر قیاس نہیں کرتے اور وہ قیاس اور اجتہاد کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان پانچ مقامات کے سوا کہیں سجدۂ سہو نہ کرے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ سہو کیا ہے۔ اگر ان کے سوا کسی اور جگہ سہو لاحق ہو جائے تو سجدۂ سہو نہ کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع میں سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا ہے اور بعض مواقع میں سلام کے بعد۔ جیسا کہ سیاق احادیث سے معلوم ہوا اور امام شافعی تمام جگہ سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرتے ہیں اور اب باب میں واردشدہ حدیثوں کو ترجیح دیتے ہیں یا وہ ان کی ناسخیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام جگہ سلام کے بعد سجدہ سہو کا حکم دیتے ہیں اور مذکورہ حدیثوں کے ماسوا کو ترجیح دیتے ہیں اور کتب ستہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام سجدۂ سہو فرمایا۔ یا وہ حدیث جو ابوداؤد' ابن ماجہ' مسند امام احمد اور مسند عبدالرزاق میں ثوبان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِکُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا یُسَلِّمُ ہر سہو کے لیے سلام کے بعد دو سجدے ہیں اور قول' فعل سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں مسلمہ قاعدہ ہے خصوصاً دو فعلوں میں تعارض ہو یا قیاس کے ساتھ ہو جیسا کہ فقہا کا مذہب ہے کہ دو حدیثوں میں تعارض کے وقت قیاس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لیے کہ سہو کے سجدے مکرر نہیں ہوتے لہٰذا سلام سے کرنا چاہیے۔ تاکہ اگر سلام سے بھی سہو واقع ہو تو خبردار کیا جاسکے۔ کذا قال الشمنی۔

نیز منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود' عمار بن یاسر' ابن عباس، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی قول

ہے۔لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی نماز میں شک واقع نہ ہوا کہ ادائیگی میں تردد واقع ہوا ہو کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔کیونکہ شک میں کسی جانب یقین وجزم نہیں کیا جاسکتا۔لیکن سہو ونسیان میں ایک جانب جزم ویقین ہوتا ہے اگرچہ اختلاف واقع ہے لیکن اس کو لازم قرار نہیں دیتے۔البتہ وہ جو واقع اور نفس الامر ہوا سے یاد دلاتے ہیں۔اور شک وتردد کی صورت میں تحیر وپراگندگی ہے۔اور یہ بھی بعض اوقات غلبۂ استغراق اور توجہ کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وجود میں آیا ہے لیکن شک تو کسی وقت میں بھی وجود میں نہیں آیا۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ شک شیطان کی جانب سے ہے تو وہ بندے پر تبلیس وتخلیق کرتا ہے اور اسے التباس واشتباہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ بندہ شک کرنے لگتا ہے کہ کتنی پڑھی ہیں اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کبھی شک وتردد واقع نہیں ہوا لیکن تعلیم امت کے لیے اس کا حکم امت کو بتاتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شک میں پڑ جائے اور یاد نہ آئے کہ تین رکعتین پڑھی ہیں یا چار' تو یقین پر بنا کرے اور شک کا اعتبار نہ کرے اور مقتضائے شک وتردد اس صورت میں تین رکعت کو قرار دے کیونکہ تین پر تو اسے یقین حاصل ہے اگرچہ چار ہی گزاری ہوں اور سجدۂ سہو کرے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شک کی صورت میں تحری کرے اور جس جانب ظن غالب ہو اس بنا کرے خواہ اقل پر ہو یا اکثر پر۔اگر ظن غالب کسی جانب واقع نہ ہو تو یقین بنا کرے۔کچھ لوگ اس حکم پر امام اجل پر زبان طعن دراز کرتے ہیں کہ انہوں نے حدیث کے خلاف کہا ہے کہ بنا بر عقل کے حاکم ہیں حلانکہ یہ لوگ ابنا نہیں جانتے کے شریعت بنا بر ظن غالب کا ایک اصول مقرر ہے کہ حدیث میں اسے طے کیا ہے جیسا کہ اشتباہ قبلہ وغیرہ کی شکل میں ہے۔نیز بخاری ومسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَحَرِّ الصَّوَابَ وَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ'' جیسا کہ شمنی نے بیان کیا۔اور'' جامع الاصول'' میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بروایت نسائی نقل کرتے ہیں کہ: وَهُمْ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرِّ الصَّوَابَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ يَفْرُغُ وَهُوَ جَالِسٌ''۔ اور ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم شک کی صورت میں فرماتے ہیں کہ نماز کو از سرنو پڑھے۔انتہی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر پہلی مرتبہ شک میں مبتلا ہوا ہے یعنی اس کی یہ عادت نہیں ہے تو نماز کا اعادہ کرے یعنی از سرنو پڑھے ورنہ تحری کرے اور اگر تحری سے بھی ایک جانب غلبہ ظن حاصل نہ ہو تو عقل پر بنا کرے۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی موطا میں فرماتے ہیں کہ تحری کے باب میں غالب ظن کی روایتیں بکثرت ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کرے تو دیگر سہو وشک سے نجات دشوار ہوگا اور کثرت شک کی صورت میں اعادہ کرنا اور اس کا اعتبار کرنا عظیم حرج ہے۔اور امام شافعی' امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم مطلق ہے خواہ ظن غالب ایک جانب ہو یا دونوں جانب برابر ہو یقین پر بنا کرے۔شرح مشکوۃ میں اس کی مزید تحقیق کی گئی ہے۔(فتدبر)

سجدۂ تلاوت: وصل: سجدۂ تلاوت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔چنانچہ ہمارے ائمہ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت' وہ کہتے ہیں کہ نہ کرنے سے کرنا افضل ہے اور امام احمد کے نزدیک ایک روایت کے مطابق اگر نماز میں ہو تو واجب ہے اور نماز کے سوا واجب نہیں ہے۔اس میں دلائل وحجج وہ آیات واحادیث ہیں جو سجدۂ تلاوت نہ کرنے کی مذمت میں واقع ہیں۔اور اس کی ادا میں تاکید ومبالغہ مروی ہے۔نیز کہتے ہیں کہ سجدہ نماز کا جزو ہے۔اور تخفیف کی بنا پر اس پر اختصار کیا گیا ہے لہٰذا یہ ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ نماز جنازہ کے قیام میں ہے لیکن چونکہ اس کے دلائل قطعی نہ تھے اس لیے ہم وجوب کے قائل ہوئے اور دیگر ائمہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ثابت سے مروی ہے کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ والنجم کی تلاوت

فرماتے اور سجدہ نہ کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کو فی الفور ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ دوسرے وقت میں کرتے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وقت مقررہ میں قرأت واقع ہوئی ہو یا یہ کہ بیان جواز تاخیر کے لیے سجدہ نہ کیا ہو یا یہ کہ یہ والنجم کے سجدہ کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ (واللہ اعلم)

اور سجدۂ تلاوت میں طہارت شرط ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے مگر وہ روایت جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بغیر وضو کے کرتے تھے تو اس کی موافقت میں کوئی ایک بھی عالم نہیں ہے بجز شعبی کے اور بیہقی نے بروایت نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل کیا کہ فرمایا کوئی شخص بغیر طہارت کے سجدہ نہ کرے۔ اور ان دونوں روایتوں کی جمع و تطبیق میں یہ ہے اول روایت سے مراد طہارت کبریٰ ہے اور دوسری سے حالت اختیاری ہے اور اول بوقت ضرورت ہے۔ نیز کہتے ہیں کبھی شعبی راستے میں جا رہے ہوتے تو سجدہ کا اشارہ بغیر وضو اور بغیر استقبال قبلہ کرتے اور گزر جاتے اور بعض سلف اس طرف بھی گئے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے مگر اسی پر جو بالقصد سنے۔ راہ چلتے پر نہیں۔ مطلب یہ کہ اتفاقاً بغیر قصد کے راہ چلتے کانوں میں آیت سجدہ کی آواز پڑ جائے تو سجدہ واجب نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر تلاوت کرنے والا خود سجدہ نہ کرے تو سننے والے پر بھی واجب نہیں ہوتا۔ گویا کہ تلاوت کرنے والا امام کا حکم رکھتا ہے سننے والے کی نسبت سے۔ اسے امام مالک سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ وجوب اس تقدیر پر ہے جب کہ تلاوت کرنے والا قرأت کا قصد کرے۔ اور قصہ و حکایت کے قصہ پر وجوب نہیں ہے۔ جیسا کہ قصہ خواں لوگ کہتے ہیں اور ہمارا اور جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ بشرائط صلوٰۃ مطلقاً قاری و سامع دونوں پر واجب ہے اور یہی مختار ہے۔ اور ہمارے نزدیک سجدے سے پہلے اور سجدے کے بعد تکبیر کہنا ہے اور یہ دونوں تکبیریں مستحب ہیں واجب نہیں ہیں اور ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور بعض کے نزدیک سلام بھی ہے۔ لیکن تشہد کسی کے نزدیک نہیں ہے اور اگر کھڑے ہو کر سجدے میں جائے تو اولیٰ وافضل ہے۔ اس سجدے میں وہی تسبیح ہے جو نماز کے سجدے میں ہے یعنی ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' اس لیے کہ نماز افضل احوال اور ارفع مقام محال ہے تو اس کے سجدے کی تسبیح بھی افضل وارفع ہے۔ اور اگر سجدۂ تلاوت نماز میں واقع ہو تو بلاشبہ یہی تسبیح ہے۔ کیونکہ احناف کے نزدیک نماز کے سجدے میں کوئی خاص دعا نہیں کرتے۔ یہی اولیٰ ہوگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے:

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ (سجدہ ہے اس ذات کریم کو جس نے بندے کو پیدا فرمایا صورت بخشی اور سماعت و بصارت دی اسی کی قوت و طاقت سے) اور ترمذی و نسائی اور ابوداود کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے رات میں سجود قرآن میں پڑھتے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس دعا کو پڑھے: رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ۔ اور بعض کے نزدیک یہ دعا ہے: سُبْحَانَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۔ اسے سجدہ کرنے والوں سے سجدۂ قرآن میں حکایت کیا گیا ہے کہ وہ سجدۂ تلاوت کے وقت پڑھتے تھے اور بسا اوقات سجدہ میں اس دعا کو پڑھتے اور فرماتے:

اَللّٰهُمَّ احْطُطْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَّاكْتُبْ بِهَا اَجْرًا وَّاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ عَبْدِكَ.

ابوداود و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہوں اور جب میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی سجدہ کیا اور یہ دعا پڑھی۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ پھر حضور نے بھی آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا اور سجدے میں اس دعا کو پڑھا جو اس شخص نے سنائی تھی کہ ادرخت نے پڑھی۔ ترمذی اس نقل کے بعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اور بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم کو پڑھا اور سجدہ کیا کیونکہ

سورۂ والنجم کی آخری آیت میں سجدہ ہے' پھر حضور کے ساتھ تمام مسلمانوں کافروں اور جن وانس نے سجدہ کیا اس سے مراد وہی جن وانس ہوں گے جو اس وقت مجلس میں موجود ہوں گے۔ یہ بطریق تکرار وتاکید ہے۔ نہ یہ کہ روئے زمین کے تمام انسان وجنات مراد ہیں۔ (واللہ اعلم)

اہل علم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا امتثال حکم الٰہی کی بنا پر تھا اور سجدے کے ذریعہ حق تعالیٰ ان کی عظیم نعمتوں کی شکرگزاری مقصود تھی جو اول سورۃ میں گنائی گئی ہیں اور مسلمانوں کا سجدہ کرنا حضور کی متابعت' امتثال امر اور شکر بجالانے میں تھا اور مشرکوں کا سجدہ کرنا ان اسمائے الٰہی کے سننے کے بموجب تھا جو لات وعزیٰ کی مذمت میں اس سورۃ میں مذکور ہیں یا بربنائے ظہور وسطوت، قہر کبریائی اور جبروت الٰہی تعالیٰ شانہ اور عزت وعظمت' صدق وحقانیت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی تابانی ودمک سے تھا۔ چنانچہ ان کے اختیار کی تاب وطاقت باطل ہوگئی۔ اور اثر سجود وانکار واستکبار' محو ومضمحل ہوگئے مگر ان میں سے جو اشقی واطغیٰ قوم تھے وہ مٹھی میں خاک لے کر اپنے سر اور چہروں پر مارنے لگے۔ اور کہنے لگے یہی کافی ہے اور وہ جو اس ضمن میں ہے کہ اشقیائے قریش میں سے ایک شخص جہنم رسید ہوا۔ وہ زندیقوں اور ان کے مفتریوں کا وضع کردہ ہے جسے ان ارباب سیر وتواریخ نے جو عجیب وغریب من گھڑت قصوں کے بیان کرنے کے عادی ہیں نقل کیا ہے اور علماء محدثین ان کے وضع اور من گھڑت ہونے کا حکم دیتے ہیں اور ان کا ردوبطلان کرتے ہیں وہ قصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء لات وعزیٰ کے ذکر کے وقت ان کی تعریف میں کلمے کہے اور کہا کہ "تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لِتُرْتَجٰى۔ اور یہ سہوا" آپ کی زبان پر جاری ہوا یا شیطان نے آپ کی آواز کے مشابہ بلند آواز سے اپنی طرف سے گھڑ کر کہا۔ اور مشرکوں نے اسے سنا تو ان کا سجدہ کرنا اسی کی بنا پر تھا اور وہ کہنے لگے اب محمد نے ہمارے معبودوں کی تعریف کی ہے اب ہمارا ان سے کوئی جھگڑا باقی نہ رہا۔ اور یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ پیدا کرنے والا' زندگی دینے والا، مارنے والا' جاننے والا' ہمیشہ سے موجود رہنے والا اور رزق دینے والا ایک ہی ہے۔ یہ اصنام تو ہمارے شفیع ہیں اور بس' اور محمد نے خود اب ان کی شفاعت کا اثبات وقرار کرلیا ہے اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان کے القاء کی خبر دی اس پر آپ غمگین ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

تو یہ قصہ عقلاً اور نقلاً باطل وموضوع اور من گھڑت ہے نیز اس آیہ کریمہ کی تفسیر دوسری ہے۔ جس میں اس قصہ کا نام ونشان اور ذکر تک نہیں ہے (واللہ اعلم)۔

<u>سجدۂ شکر: وصل</u>: جاننا چاہیے کہ نماز کے علاوہ خارج کے سجدۂ مفروہ میں علماء کا اختلاف ہے کیا یہ جائز ومسنون اور عبادت وموجب تقرب بارگاہِ الٰہی ہے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک یہ بدعت وحرام اور بے اصل ہے۔ اس کے لیے شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے اور بعض کے نزدیک جائز ومسنون ہے۔ اور بعض علماء احناف کے نزدیک ایک جائز مع الکراہت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خارج نماز میں سجدے کی کئی قسمیں ہیں ایک سجدۂ سہو ہے اور یہ خود سجدۂ نماز کے حکم میں ہے اور دوسرا سجدۂ تلاوت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تیسرا سجدۂ مناجات ہے جو نماز کے بعد ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بحث زیادہ تر اسی سجدے کے بارے میں ہے کیونکہ یہ بھی مکروہ ہے چوتھا سجدۂ شکر ہے جو حصول نعمت اور بلاؤں کے دور ہوجانے پر کیا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام احمد وامام ابویوسف کا قول بھی یہی ہے۔ اس ضمن میں احادیث وآثار بکثرت ہیں جیسا کہ مذکور ہوا اور امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے

نزدیک سنت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حق تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی اور انگنت ہیں۔ اور بندہ ان کے شکر کی ادائیگی میں عاجز ہے لہٰذا ان کا مکلف بنانا اگرچہ بطریق سنت واستحباب ہو تکلیف مالا یطاق ہوگی اور کہتے ہیں کہ سجود سے مراد جو شکر نعمت کے ضمن میں احادیث میں واقع ہیں نماز ہے جسے سجدے سے تعبیر فرمایا ہے۔ یا یہ منسوخ ہے اور جو حضرات سجدۂ شکر کے قائل ہیں وہ ان سے وہ نعمت عظیمہ مراد لیتے ہیں جو کبھی کبھی ظہور پذیر ہوتی ہیں اور سنت میں بھی ایسا ہی واقع ہوا ہے نہ کہ ہر نعمت پر اور کہتے ہیں کہ سجدہ سے نماز مراد لینا ظاہر کے خلاف ہے اور چونکہ بعض خلفائے راشدین سے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سجدہ کا فعل ماثور ہے لہٰذا نسخ کا قول درست نہ ہوگا اور ایک قسم اور ہے جسے ''سجدۂ تحیت'' کہتے ہیں اور بعض روایات فقہیہ میں اس میں رخصت واقع ہوئی ہے۔ تو اس میں مسلک مختار کراہت وحرمت ہے۔ اور مسند امام احمد' جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز اچھی معلوم ہوتی تو چہرۂ انور کو زمین پر رکھ کر سجدہ کرتے اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری میں ہوتا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور بیہقی باسناد صحیحہ روایت کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا خط یمن سے پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ ہمدان کا قبیلہ اسلام لے آیا ہے تو حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا اور اس قبیلہ کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا السلام علی ہمدان' السلام علی ہمدان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی یہ بشارت ملی کہ جو کوئی آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا تو حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ نازل فرمائے گا اور جو آپ پر ایک مرتبہ سلام بھیجے گا۔ حق تعالیٰ اس پر سلام دس مرتبہ بھیجے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس نعمت کے شکر میں دو سجدے کیے جو بہت طویل تھے گویا کہ دیکھنے والوں کو خیال گزرا کہ آپ کی روح مبارک آسمان پر چلی گئی اور جسم اطہر کو چھوڑ گئی ہے اور ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو چھوٹے قد کا' بہت حقیر وکمزور ضعیف الحرکت اور ناقص الخلقت تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ شکر ادا کیا اس قسم کی بکثرت حدیثیں مروی ہیں اور صحیح بخاری میں بھی ہے کہ روز بدر جب ابوجہل لعین کا سر لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور فرمایا: مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ اس امت کا فرعون مارا گیا ایک اور روایت میں ہے کہ دو رکعتیں پڑھیں یہ حدیث، سجدے سے نماز کی تاویل کی صحت میں نظیر ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک تاویل کرتے ہیں۔

اور آثار صحابہ میں منقول ہے کہ جب کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کو حق تعالیٰ کی جانب سے توبہ کی بشارت انہیں پہنچی۔ تو سجدۂ شکر کیا اور وہ اکابر صحابہ اور شعرائے اسلام میں سے ہیں اور یہ ان تین افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے غزوۂ تبوک سے تخلف کیا تھا اور حق تبارک وتعالیٰ کی جانب سے رحمت وکرام کے ساتھ ان پر رجوع وتوبہ قبولیت نازل ہوئی تھی۔ جیسا کے قرآن عظیم منطوق ہے کہ: وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ یہ قصہ طول طویل ہے اور احسن القصص میں سے ہے اور اسے ہم نے سفر السعادۃ کی شرح میں بیان کیا ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

امیر المومنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر سنی تو سجدۂ شکر کیا اس کا قصہ مشہور ہے اور امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جب ذوالثدیہ کو جو کہ خوارج رؤسا میں سے تھا مقتولوں کے درمیان مرا ہوا دیکھا تو سجدۂ شکر کیا اس کا قصہ اور خوارج کا حال بھی کتب احادیث اور سیر کی کتابوں میں مذکور ہے ان میں سے مختصر سا تذکرہ شرح سفر السعادۃ اور شرح مشکوٰۃ میں بھی کیا گیا ہے۔

نماز جمعہ: وصل: جمعہ بزبان مشہور جیم کے پیش اور میم کے سکون اور پیش سے ہے اور سیوطی نے میم کے زبر سے بھی ذکر کیا ہے اور زجاج سے اس کے زیر سے بھی نقل کیا گیا ہے اور قرآن قریم میں قرأت سبعہ کے بموجب میم کے پیش سے ہے اور سکون شواذ میں

سے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ بفتح عین وضم راء و باء موحدہ کہتے تھے۔ اور جمعہ اسلامی نام ہے اس بنا پر کہ اس دن نماز کے لیے اجتماع ہوتا ہے۔ کذا قیل۔ اور تحقیق یہ ہے کہ عروبہ' جاہلیت میں اس کا قدیمی نام ہے۔ نیز جاہیت سے اسے جمعہ کے ساتھ بدل دیا گیا کیونکہ اس دن میں اجتماع آفرینش ہے یا اس بنا پر کہ اس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش تمام ہوئی اور روح و جسم کو جمع کیا گیا اسی طرح ہفتہ کے تمام دنوں کو بدل دیا گیا۔

فائدہ: قدیم زمانہ میں ہفتہ کے نام یہ تھے۔ اول' اہون' جبار' مار' مونس، عروبہ' شبار۔ جمعہ کا دن زمانہ جاہلیت میں بھی شرافت و بزرگی رکھتا تھا اور اسلام میں دیگر امتیاز خصائص و فضائل کے ساتھ موسوم ہوا۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے والوں کو جمعہ کے دن سے گمراہ رکھا۔ اس سے مراد یہودی و نصاریٰ ہیں۔ کیونکہ یہودیوں کے لیے سبت یعنی شنبہ کا دن اور نصاریٰ کے لیے یکشنبہ یعنی اتوار تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں لایا اور مسلمانوں کو پیدا فرمایا تو ہمیں روز جمعہ کی راہ دکھائی اور یہود و نصاریٰ کے روز جمعہ سے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اس دن عبادت کرنے اور اس دن عبادت کے ذریعہ شکر و نعمت بجالانے کے لیے مجتمع ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے مخالفت کی اور تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کیا اور انکار کی زبان کھولی اور اس کے بدلے شنبہ کو یہودی چاہنے لگے اور یہ سبب بتانے لگے کہ یہ دن انتہائے آفرینش کا ہے اور صانع کا آفرینش کی مشغولیت سے فارغ ہونے کا دن ہے۔ لہٰذا مخلوق کو بھی چاہیے کہ مشاغل سے یکسو ہو کر عبادت میں مصروف ہوں اور نصاریٰ باتیں بنانے لگے کہ اتوار' آفرینش کی ابتداء کا دن ہے۔ لہٰذا یہ دن تعظیم شکر و نعمت اور قبولیت عبادت کے لیے زیادہ سزاوار ہے۔ اور اکثر اس کے قائل ہیں کہ جمعہ کا دن ان پر متعین کر کے فرض نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہیں کسی ایک دن کے اختیار کر لینے اور عبادت کے لیے مخصوص کر لینے کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے فکر و اجتہاد سے کام لے کر تلاش کریں کہ یہ دن کون سا ہونا چاہیے۔ لہٰذا یہود نے شنبہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو مذکورہ علت و سبب کے تحت دریافت کیا۔ اسی قیاس کے بموجب مسلمانوں کو جمعہ کے دن کی ہدایت دیتے اور راہ دکھانے کے بارے میں بھی دو قول کہے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں پر جمعہ دن فرض کیا گیا اور اس کا انہیں حکم دیا گیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ. — اے ایمان والو! جب جمعہ کی نماز کے لیے اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو......

تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی اور گمراہ نہ رکھا۔ اور تمرد و سرکشی میں انہوں نے زبان انکار نہ کھولی اور اسباب وعلل کے لحاظ سے غور و فکر اور اجتہاد کرنے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور اصابت فکر عنایت فرمائی۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور جب ان کی تخلیق جمعہ کے دن ہے تو اولیٰ اور انسب ہے کہ یہی دن عبادت کے لیے بھی ہو۔ نیز حق تعالیٰ نے باقی دنوں میں ان چیزوں کو پیدا فرمایا جن سے وہ متنفع ہوں اور جمعہ کے دن خود ان کی ذات کو پیدا کیا لہٰذا نعمت وجود کا شکر' بہ نسبت ان نعمتوں کے جو ان کی ذات سے خارج ہیں اولیٰ و افضل ہے اور ظاہر اس جگہ پہلے معنی ہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کے باب میں بھی لیکن ابن حجر صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اس کا حکم قرآن میں نازل ہونے سے پہلے جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ جب کہ یہود و نصاریٰ کا ایک ایک دن خاص ہے جس میں وہ ہر ہفتہ جمع ہوتے ہیں تو ہم بھی عادت کے لیے ہر ہفتہ ایک دن خاص کرتے ہیں تا کہ ہم اس دن جمع ہو کر حق تبارک و تعالیٰ کا ذکر کریں۔ نماز پڑھیں اور شکر و عبادت کے آداب بجالائیں تو اس کے لیے انہوں نے یوم عروبہ کو جس کا قدیمی نام روز جمعہ ہے متعین کیا۔ اگر چہ یہ ان خصوصیات کے ساتھ نہ تھا جو نماز کے بارے میں قرآن کریم میں خصوصیات نازل ہوئیں مقصود ہوئیں مقصود میں اتنا ہی کافی ہے' فتدبر۔

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی معجزے کے ظہور کے وقت فرماتے ''اشہد انی رسول اللہ'' صحیح بخاری میں باب معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مروی ہے کہ ایک سفر میں صحابۂ کرام کا زادراہ کم ہو گیا تو حضور نے سب کو جمع کر کے ایک طشت میں رکھا اور برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد تمام لشکر نے اس کے ایک گوشے سے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور یہ معجزہ غزوۂ تبوک میں بھی ہوا تھا اس وقت ستر ہزار افراد تھے اس کے بعد حضور نے فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ'' میں امت کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ زیور اصلاح سے آراستہ ہوں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام سے مشرف ہوں اور صلوات میں تمام مخلوق مشرف و محفوظ ہوں اور کوئی اس فضل عظیم سے محروم نہ رہے اس جگہ لازم آتا ہے کہ نماز میں جس طرح خدائے عزوجل کا حق ہے اسی طرح تمام مسلمانوں کا حق ہے اور جو نماز کو ترک کرتا ہے گویا وہ حق خدائے عزوجل کے ساتھ اپنا تمام مسلمانوں کے حقوق کو بھی ادا نہیں کرتا جو مسلمان گزر گئے اور جو قیامت تک آئیں گے۔ اس بنا پر ''اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ'' کا قول واجب ہے۔

اور آخری تشہد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا' امام شافعی کے نزدیک واجب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے جیسا کہ پہلے اپنی مقام میں بیان گزر چکا ہے۔

طبرانی' ابن ماجہ اور دار قطنی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی نماز ہی نہیں جو اپنے نبی پر درود نہ بھیجے۔

دار قطنی ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اور وہ نماز میں مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ بھیجے تو اس کی نماز قبول نہیں کی جائے گی درود کے کلمات اور اس کے صیغوں میں متعدد روایتیں مروی ہیں لیکن اس قدر کہنا کافی ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔'' جیسا کہ میں نے بعض مشائخ سے سنا ہے اور ابن مسعود کی حدیث کے آخر میں ''فِی الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' آیا ہے۔ اگر اسے بھی کہے تو بہتر ہے اور بعض روایتوں میں ''وَارْحَمْ وَتَرَحَّمْ كَمَا رَحِمْتَ وَتَرَحَّمْتَ'' آیا ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی اور صید الالی شافعی نے اس کی صحت کا انکار کیا ہے اور اسے ازقبیل بدعت قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو درود کی کیفیت وحی سے تعلیم فرمائی۔ لہٰذا اس پر اضافہ کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر استدراک کے لیے ہے۔ (معاذ اللہ)۔

اور مواہب میں احناف کی کتاب ''ذخیرہ'' سے منقول ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ یہ موہم نقص ہے اس لیے کہ ''رحمت اور ترحم'' کسی ایسی چیز کو غالب کرنے میں بولتے ہیں جس پر ملامت و سرزنش کی جاتی ہے اور ابن عبدالبر جو کہ مشاہیر محدثین سے ہیں۔ اس پر جزم کے ساتھ کہتے ہیں کہ کسی کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتا رحمۃ اللہ۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ'' (جو مجھ پر صلوٰۃ بھیجے) اور مَنْ تَرَحَّمَ عَلَیَّ'' نہیں فرمایا اور ترحم کے صیغہ کی کوئی دعا نہیں ہے اگرچہ صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہیں لیکن صلوٰۃ کے لفظ کو آپ کی عظمت کے لیے مخصوص گردانا گیا ہے لہٰذا اس سے کسی اور لفظ کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علماء سے اس کا جواز نقل کیا ہے اور قرطبی کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں [illegible] عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' اور حق یہ ہے کہ خاص اس لفظ کا انکار

اوس بن اویس کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے تمام دنوں میں سب سے بہترین دن جمعہ کا ہے۔اور یہ حدیث بتاتی ہے کہ افاضل ایام بہت ہیں۔مثلاً یوم عرفہ، یوم عیدین وغیرہ اور روز جمعہ بھی ان دنوں میں سے ایک دن ہے۔

علماء کا اختلاف ہے کہ روز جمعہ اور روز عرفہ میں کون سا دن افضل ہے۔بعض کہتے ہیں کہ ہفتہ کے دنوں میں روز جمعہ افضل ہے اور سال کے دنوں میں روز عرفہ، یہ بات بغیر غور وفکر کے حاصل نہیں ہوتی۔

اسی طرح شب قدر اور شب جمعہ میں علماء اختلاف رکھتے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شب جمعہ افضل ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلب حضرت عبداللہ سے رحم آمنہ رضی اللہ عنہا میں جمعہ کی رات ہی تشریف لائے اور ایام ''منیٰ'' میں تھے۔ جیسا کہ ولادت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں انشاءاللہ آئے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ تمام دنوں کا سردار، یوم جمعہ ہے۔اسی دن خلق عالم جمع ہوئی اور اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور جمعہ کے دن ہی انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور جمعہ کے دن ہی انہیں جنت سے زمین پر لایا گیا اور جمعہ کے دن ہی حضرت آدم نے وفات پائی اور اسی دن قیامت قائم ہوگی، اسی دن صور پھونکا گا۔اسی دن مخلوق بیہوش ہوگی۔ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد اس دن میں امور عظیمہ کے واقع ہونے کا تذکرہ ہے یا اس بنا پر کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے باہر آنا اور ان کا اس عالم میں تشریف لانا بیشمار حکمتوں پر مبنی ہے جن کا احاطہ دائرہ امکان سے باہر ہے۔

خصائص یوم جمعہ: روز جمعہ کے خصائص وفضائل بہت ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس گھڑی میں بندہ خدا سے جو مانگے گا پائے گا صحابہ تابعین اور بعد کے علماء کے درمیان اس گھڑی کے بارے میں دو مختلف قول ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ یہ گھڑی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کرامت نشان کے خصوصیات میں سے تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مرفوع ہوگئی یہ قول مردود ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن وہ گھڑی جس میں دعا مقبول ہوتی تھی اٹھالی گئی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو ایسا کہتا ہے جھوٹ ہے وہ گھڑی اب بھی روز جمعہ میں موجود ہے۔یہ دوسرا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔مطلب یہ کہ جس طرح کے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں وہ گھڑی تھی اب بھی وہ گھڑی باقی ہے۔نیز اس قول میں بھی دو رائے ہیں۔ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس گھڑی کو روز جمعہ میں پوشیدہ اور مخفی رکھا گیا ہے جس طرح کے شب قدر کو اخیر عشرۂ رمضان المبارک میں رکھا گیا۔اور اکثر اس کے قائل ہیں کہ یہ گھڑی متعین ہے اس میں تیس سے زیادہ اقوال ہیں جسے شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں ہر ایک قائل کے نام کے ساتھ ان سے قول کا ذکر کیا ہے اور اس کے دلائل بیان کیے ہیں اور ان کی تصحیح، تضعیف، رفع اور توقف کو بیان کرکے باہم تطبیق ظاہر کی ہے۔اور ہم نے شرح سفر السعادۃ میں ان سب کو نقل کر دیا ہے ان میں سب سے زیادہ راجح دو قول ہیں۔پہلا قول یہ ہے کہ وہ گھڑی، منبر پر امام کے بیٹھنے سے نماز کے مکمل ہونے تک ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن کی آخری گھڑی ہے (یعنی نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک) اس کے بعد دونوں قوموں کے درمیان ترجیح میں بھی علماء کے دو قول ہیں اکثر دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور اس قول کی تقویت وتائید میں احادیث کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں باسناد صحیح، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت مجتمع ہوئی اور اس گھڑی کی تعیین میں بحث کرنے لگی۔اور جب یہ مجلس برخاست ہوئی تو کسی ایک نے اس میں اختلاف نہ کیا کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔

اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے خادم کو مقرر کیا کہ روز جمعہ کی آخری گھڑی کا خیال رکھیں اور

آخر ساعت کی انہیں خبر دیں اور جب انہیں باخبر کیا گیا تو وہ دعا میں مشغول ہو گئیں ایک اور روایت میں غروب آفتاب کا وقت آیا ہے (واللہ اعلم)۔

خصائص روز جمعہ میں سے ایک یہ ہے کہ اس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مقام اجابت وقبول کو پہنچتا ہے۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دن ایک نماز ایسی ہے جو اسلام کے اعظم فرائض سے ہے اور اس میں سستی وکاہلی کرنا دلوں پر مہر کرنے اور منافقوں کے زمرے میں لکھے جانے کا موجب ہے۔ (العیاذ باللہ) اور اس دن میں غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے۔ خوشبو ملنا، مسواک کرنا اور عمدہ لباس پہننا دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ مستحب ہے اور اس دن مسجد کو خوشبو سے معطر کرنا مستحب ہے اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک روزِ جمعہ نصف النہار کے وقت میں نماز نافلہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت استواء یعنی نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے مگر جمعہ کے دن نہیں اور فرمایا جہنم کو اس وقت میں دہکایا جاتا ہے مگر جمعہ کے دن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بکثرت فساق وفجار، جمعہ کے دن اور اس کی رات میں ارتکاب معاصی سے مجتنب رہتے ہیں اس بنا پر کہ اس دن آثار رحمت کا ظہور ہے اور یہ دن اور تمام دنوں کے مقابلہ میں زیادہ عبادت اور تضرع وزاری کرنے کے لیے پسند کیا گیا ہے۔ جس طرح تمام مہینوں پر رمضان کو شرف حاصل ہے۔ اس دن قبولیت کی گھڑی، رمضان مبارک میں شب قدر کی مانند ہے اور جمعہ کا دن مسلمانوں کے لیے عید کا دن ہے جو ہر ہفتہ بار بار آتی ہے حدیث مرفوع میں ہے کہ:

يَوْمُ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْاَيَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ.	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے نزدیک یہ عید قرباں اور عید الفطر سے زیادہ اعظم وافضل ہے۔

اور جو کوئی نماز جمعہ کے لیے پیدل جائے اس کا ثواب سال بھر کے نماز وروزہ کے برابر ہے اور یہ دن کفارہ سیأت کا دن ہے اور آسمان وزمین، پہاڑ ودریا اور ساری مخلوق، جمعہ کے دن اس علم کی بنا پر ڈرتے ہیں جسے حق تعالیٰ نے انہیں بخشا ہے کہ اس دن میں قیامت قائم ہو گی مگر جنات وانسان کے دلوں پر قیام تکلیف اور ایمان بالغیب کی وجہ سے پردے ڈال دیئے گئے ہیں، اس دن، مومنوں کی روحیں اپنی قبروں کے قریب ہوتی ہیں اور وہ اپنی قبر پر آنے والوں کو اور دنوں سے زیادہ پہچانتی ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کی شناخت بہ نسبت آخر دن کے اول دن میں زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اس دن زیارت قبور زیادہ مستحب ہے۔ اور حرمین شریفین میں لوگوں کی عادت یہی ہے۔ اور اکثر علماء کے نزدیک خاص جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ دن ہماری عید کا ہے اور عید کے دن روزہ مکروہ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مکرہ نہیں ہے اور یہ دن وعظ وتذکیر کے لیے بطریق وجوب اور درخطبہ مسلمانوں کے اجتماع کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عید کے دن خطبہ سنت ہے (اور جمعہ کا خطبہ واجب ہے) اور منقول ہے کہ شب جمعہ میں ارواح مومنین جمع ہوتی ہیں اسے ابن قیم نے ''کتاب الہدیٰ'' میں بیان کیا ہے جس طرح کے خاص جمعہ کے دن روزہ رکھنا اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے اسی طرح خاص جمعہ کی رات میں قیام کرنا مکروہ ہے۔ (یہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ ہفتہ کے اور دنوں اور راتوں میں روزہ وقیام نہ کرے اگر اور دنوں میں بھی کرتا ہے تو کوئی کراہت نہیں ہے۔ مترجم) اس بارے میں علماء کرام نے جو وجوہات بیان کی ہیں وہ نامکمل ونا تمام ہیں اس مسکین کے نزدیک (یعنی صاحب مدارج النبوت کے نزدیک) ظاہر یہ ہے کہ یہ اشارہ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ ہمیشہ طاعت وعبادت میں مشغول رہے اور بعض اوقات کو مخصوص کر لینا اگر چہ وہ متبرک ہوں کوئی چیز نہیں ہے۔

اور روز جمعہ وشب جمعہ میں موت آنے کی فضیلت میں احادیث آثار مروی ہیں کہ مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ علامہ

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جمع الجوامع'' میں مسند احمد و بیہقی سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَّمُوْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْلَیْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ کوئی مرنے والا مسلمان ایسا نہیں ہے جو جمعہ کے دن یا اس کی رات میں مرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھے اور اسی طرح شیرازی نے ''القاب'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ابونعیم رضی اللہ عنہ ''حلیہ'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو کوئی روز جمعہ یا اس کی رات میں مرے اسے عذاب قبر سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے ہاتھ پر شہیدوں کی مہر ہوگی نیز مروی ہے کہ روز جمعہ چھ ہزار مسلمانوں اور شب جمعہ تین ہزار مسلمان بخشے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ تمام لوگ بخشے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر فرشتے دفتر لے کر بیٹھتے ہیں اور آنے والوں کو بالترتیب لکھتے ہیں یعنی جو پہلے آیا اسے پہلے لکھتے ہیں اور جو بعد میں آیا اسے بعد میں لکھتے ہیں اور جب امام خطبہ کے لیے منبر پر آتا ہے تو فرشتے دفتر۔ لپیٹ کر مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہ فرشتے اس میں جمعہ کے دن دو رکعت نماز کا اجر و ثواب' غیر جمعہ میں ادا کردہ ہزار رکعت سے زیادہ بڑھا کر اور ایک تسبیح کو ہزار تسبیح سے زیادہ لکھتے ہیں۔ اور مروی ہے کہ جب حق تبارک و تعالیٰ روز قیامت تمام دنوں کو ایک خاص ہیئت و صورت پر اٹھائے گا تو روز جمعہ کو اہل جمعہ کے لیے روشن و تاباں اٹھائے گا۔ اور ان کے لیے روز جمعہ روشنی بن کر مشعل راہ بنے گا۔ اور وہ اس کی روشنی میں چلیں گے۔ اور ان کی رنگت' صفا و سفیدی میں مثل برف کے ہوگی۔ اور ان کی خوشبو' بوئے مشک کی مانند ہوگی اور وہ کافوری پہاڑوں میں بیٹھیں گے اور ان کی طرف جنات و انسان دیکھیں گے اور حیرت و تعجب میں ان کی آنکھیں تک نہ جھپکیں گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان سے کوئی نہ ملے گا مگر وہ موذن جس نے خدا کے لیے اذان کہی ہوگی۔

اور اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کی حرمت و کراہت اور بعد از نماز جمعہ بیع و شراء کا استحباب' بھی جمعہ کے خصائص میں سے ہے۔ اور جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ الم السجدہ اور سورۂ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ کا پڑھنا اور نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھنا اور نماز مغرب میں سورۂ قل یا ایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد کا پڑھنا اور نماز عشاء میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کا پڑھنا بھی مسنون ہے اور شوافع ان پر التزام رکھتے ہیں اور ہرگز ان کے خلاف نہیں کرتے۔ لیکن احناف تعیین سورۃ کو مکروہ جانتے ہیں اور ہرگز نہیں پڑھتے۔ محقق حنفیہ' شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی انہیں بر بنائے صحت احادیث جو کہ اس بارے میں وارد ہیں پڑھنا چاہیے۔ اور فرماتے ہیں کہ مقتضائے دلیل کراہت، ایہام تفضیل' ہجران باقی اور ان کا عدم جواز وغیرہ' عدم مداومت ہے نہ کہ مداوت عدم۔

بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین (صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی دائمی نہ ہوگا کہ اس کے خلاف کبھی عمل نہ کیا ہو۔ جیسا کہ نوافل میں آپ کی عادت شریفہ ہے۔ اگر ہو بھی تو اکثری ہوگی۔ لہٰذا احناف کا طریقہ یہ ہے کہ اگر پڑھیں تو جمعاً بین الحدیث والمذہب کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں۔ (واللہ اعلم)

اور شب جمعہ اور روز جمعہ میں سورۂ کہف کے پڑھنے کے فضائل' متعدد طریقوں اور سندوں سے مروی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی روز جمعہ سورہ کہف کو پڑھتا ہے تو روز قیامت اس کے لیے ایک نور زیر قدم سے آسمان تک روشن ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے لیے بیت العقیق سے نور روشن ہوگا اور اس کے ہر صغیرہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ جو دو جمعوں کے درمیان ہوں گے۔ اگرچہ حدیثیں بظاہر گناہوں کی بخشش میں عام ہیں یعنی صغیرہ اور کبیرہ دونوں کو شامل ہیں لیکن علماء ان کو صغائر کی بخشش سے تخصیص کرتے ہیں (واللہ اعلم)

فضیلت یوم جمعہ درروز آخرت: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمعہ کا دن، دنیا وآخرت میں بڑی عظمت وشرافت والا دن ہے لیکن دنیاوی عظمت وشرافت تو معلوم ہوگئی مگر آخرت میں اس کی عظمت وشرافت میں ایک ایسی حدیث ہے جو فوائد شریفہ اور حقائق عظیمہ پر مشتمل وارد شدہ ہے۔ کیونکہ وہ حدیث ان لوگوں کی کیفیت پر دلالت کرتی ہے جو جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اور انہیں انوار شہود اور عظمت وجلال حق سبحانہ وتعالیٰ سے ایک پرتو حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ ایک نمونہ ہے اس چیز کا جو انہیں روز آخرت، قرب پروردگار اور دیدارِ حق سبحانہ وتعالیٰ حاصل ہوگا اور اس حدیث کو امام شافعی اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام اس حال میں آئے کہ ان کے پاس ایک سفید آئینہ ہے اور اس میں ایک سیاہ نقطہ تھا۔ میں نے کہا اے جبریل! یہ سفید آئینہ کیسا ہے اور اس میں سیاہ نقطہ کیسا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ آئینہ تمام دنوں سے روز جمعہ کی مثال ہے جو صفا ونورانیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس میں جو نقطہ ہے یہ وہ گھڑی ہے جو روز جمعہ میں ہے۔ اور یہ تمام اجزاء میں با اعتبار اس کے امتیاز کے ہے کیونکہ سفیدی پر سیاہی خوب روشن واضح ہوتی ہے۔ اسی لیے کتابت یعنی تحریر کے لیے تمام رنگوں میں سیاہی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور جبریل علیہ السلام نے کہا روز جمعہ کا نام ''یوم المزید'' ہے میں نے دریافت کیا ''یوم المزید'' کا کیا مطلب ہے۔ اور جمعہ کا یوم المزید کس لیے نام رکھا گیا ہے جبریل علیہ السلام نے کہا فردوس میں جو کہ جنت کے درجوں میں اعلیٰ درجہ ہے۔

ایک کشادہ میدان پیدا کیا گیا ہے جس کے طول وعرض کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس میں مشک کے ٹیلے ہیں جن کی سر بلندیاں آسمانوں تک پہنچی ہوئی ہیں اور جب جمعہ کا دن آتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جس قدر فرشتوں کو چاہئے وہاں بھیجتا ہے اور اس کشادہ میدان کے گرد نور کے منبر ہیں اور ان منبروں پر انبیاء کرام جلوہ افروز ہیں اور ان نوری منبروں کے گرد سونے سے مرصع، یاقوت، وزبرجد کے اور منبر ہیں جن پر شہداء وصدیقین، ان نوری منبروں کے پیچھے بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ ان مشکوں کو ان کے لباس، چادروں اور بالوں میں بساتا ہے پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہارا رب ہوں۔ میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا اور تمہیں جنت میں لے آیا اب تم مانگو جو مانگنا چاہو میں تمہیں عطا فرماؤں گا وہ عرض کریں گے اے رب ہم تیری ہی رضا چاہتے ہیں اس پر حق تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو تمہیں اپنے محل یعنی جنت میں نہ ٹھہراتا تم مجھ سے اس سے بالاتر چیز اور اس سے زیادہ مانگو اور میرے پاس ہر چیز میں بلند چیز ہے کیونکہ میری نعمتیں اور میرا درجات فضل بے نہایت و بے اندازہ ہے۔ اور آج کا دن یوم مزید ہے اس پر سب یک زبان ہو کر عرض کریں گے اے رب! اب ہمیں وجہ کریم کا جلوہ دکھا تاکہ ہم دیدار کریں اور چشم سر سے عیاں طور پر دیکھیں کیونکہ تمام مقاصد ومطالب کی نہایت ومنتہا یہی ہے اس سے بالاتر اور کوئی مطلوب نہیں ہے۔ اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال کرنا کہ ''رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ'' (اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف نظر کروں) ان کا مقصد یہی تھا اور یہ قبل از وقت سوال تھا۔ لامحالہ انہیں ''لَنۡ تَرٰىنِیۡ'' (تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے) کے زخم سے دوچار ہونا تھا اور جب اس سوال کا وقت آیا تو بصد تلطف مہربانی، خود بر سوال لایا۔ اور عطا فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ حصول سوال میں اصل اصول، وقت ہے اور جو کوئی قبل از وقت مانگے اور پیش از وقت چاہے وہ محروم و بے قرار رہے گا۔

وَسَحَابُ الْخَیْرِ لَهٗ مَطَرٌ　　　فَاِذَا جَاءَ الْاَیَانُ یُجِیْءُ

اس کے بعد حق تبارک وتعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اور خود کو بے حجاب دکھائے گا پھر ان کو اپنے نظر جمال وجلال سے حق سبحانہ تعالیٰ سے کوئی چیز ڈھانپ لے گی۔ کیونکہ اگر اس پر حق تبارک وتعالیٰ کی یہ تقدیر حاصل نہ ہوتی کہ ان کو نہ جلائے اور وہ جنت میں باقی رہیں اس لئے کہ وہ جگہ فنا وزوال کی نہیں ہے تو یقیناً وہ سب جل کر خاکستر ہو جاتے پھر جب وہ سب دیدار باری تعالیٰ سے مشرف اور اس کے نور

جمال سے منور ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا اب تم سب اپنی اپنی منزلوں میں جاؤ یہ ارشاد بھی بندوں پر لطف و مہربانی میں سے ہے اس لئے کہ ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں ہونا اور نور ذات کریم میں مستغرق ہونا ان کی تاب وتواں سے باہر ہے تو وہ سب اپنی اپنی منزلوں میں چلے جائیں گے اور اپنے اپنے حال پر آ جائیں گے اور پردہ ہائے صفات میں جو کہ اس کی رویت کا مقام و محل ہے اور وہ جنت کی نعمتیں ہیں مشاہدہ کریں گے اور دوسری تجلی کے لئے مستعد و مستحق ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں مشہود ایک ہی ہے یعنی ذات باری تبارک وتعالیٰ۔ البتہ! شہود کی کیفیت میں فرق وتفاوت ہے اس کے بعد وہ اپنی منزلوں میں آ جائیں گے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کو اس مقام سے بلندتر مقام دیا گیا ہوگا۔ جو وقت تجلی سے پہلے انہیں حاصل تھا۔ مطلب یہ کہ جنت میں ان کے حسن و جمال اور نورانیت کو دوبالا کر دیا جائے گا کیونکہ وہ جمالِ صفات ہے اور یہ جمالِ نور ذات ہے پھر وہ اپنے حال پر آتے ہیں حالانکہ یہ مرد، عورتوں سے اور یہ عورتیں مردوں سے پوشیدہ ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھ سکیں گے۔ اس بنا پر کہ ان کو نور ذات حق نے جو کہ ان پر تاباں ہوا تھا ان کے نوروں پر ڈھانپا ہوا ہوگا ان حضرات کو اپنے حال پر آتے آتے ایک زمانہ گزر جائے گا۔ پھر کہیں وہ اس غلبہ سے رجوع ہو کر اپنی ان صورتوں پر آئیں گے۔ جو اس سے پہلے ان کی تھی ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور پہچانیں گے ان کی عورتیں ان سے کہیں گی تمہاری صورتیں ہمارے سامنے بدل گئی تھیں اور وہ اگلی صورت اور ہیئت نہ رہی تھی اور اب تو اور ہی صورت ہوگئی ہے۔ مطلب یہ کہ ایسا حسن و جمال تم پہلے تو نہ رکھتے تھے اب یہ کہاں سے تمہیں حاصل ہوگیا۔ وہ مرد کہیں گے یہ حسن و جمال اس بنا پر ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے جمال سے ہم پر تجلی فرمائی تھی اور ہم نے جس طرح اس نے چاہا دیدار باری تعالیٰ کیا۔

اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قسم ہے ذات باری تعالیٰ کی بلاشبہ کسی نے نہ اس ذات باری تعالیٰ کا احاطہ کیا ہے اور نہ اس کا ادراک کیا اور نہ کوئی مخلوق اس کی کنہ ذات تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جل جلالہ، نے اپنے عصمت وجلال کو جس طرح چاہا ان کو دکھایا اور فرمایا۔ ذات باری تعالیٰ پر نظر کرنے کے معنی یہی ہیں۔ یہاں سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مرئی و منظور، نور عظمت وجلال ہے جو ذات حق تعالیٰ و تقدس سے ظاہر ہوا نہ کہ ذات حق سبحانہ وتعالیٰ اور عظمت وجلال، صفات ہیں اور مشاہدۂ صفات، دنیا میں بھی تھا اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ احاطہ کی نفی کی گئی ہے نہ کہ رویت کی اور دنیا میں عظمت وجلال کا مشاہدہ دل کے ساتھ تھا نہ کہ بچشم سر۔

غرضیکہ بندہ وہ کچھ دیکھے گا جس کو حقیقت وعرفان کہہ سکیں کہ وہ حق ہے اور دیکھی ہوئی چیز کا احاطہ و ادراک اور ہے اور اگر ان معنی میں کسی کو دنیا میں حاصل تھا تو فرق یہ کہ وہ دل سے تھا نہ کہ بچشم۔ مثلاً عقلاً کہتے ہیں کہ جو کچھ جسم، رنگت، صورت اور چمک دمک دیکھی گئی ہے جسم کی کنہ حقیقت نہیں ہے یہ سب جسم کے صفات ہیں۔ عرف میں ایسا ہونے کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ جسم کو دیکھا۔

بہر صورت اعتقاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان حق تبارک وتعالیٰ کو آخرت میں دیکھے گا اور اس دیدار کو ان کی آنکھوں میں ظاہر کرے گا۔ جس طرح کہ دنیا میں دیدۂ دل کو ظاہر ہوا کرتا ہے۔ اس معنی کا اعتقاد کر کے خاموش رہے۔ اتنا ہی کافی ہے (واللہ اعلم)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کو یہ کیفیت ہر جمعہ کو حاصل ہوگی۔ اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ میں دو حصے زیادہ ہوگی اور مسلمان جمعہ کو اس بنا پر محبوب رکھتا ہے کہ ان کا رب ان کو خیر و برکت اور اپنے فضل و کرامت سے مخصوص فرماتا ہے اور وہ چونکہ خود نہیں چاہتے اور اس سے کچھ نہیں مانگتے ان سے حق تعالیٰ خود فرمائے گا جو چاہو مانگو میں تمہیں دوں گا۔ یقیناً ہمیشہ ان کا یہی حال رہے گا۔ تو یہ ہیں ''یوم المزید'' کے معنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

تو کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا چھپا رکھا ہے بدلہ ہے ان کے اعمال کا۔

خطبہ جمعہ: وصل: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے منبر شریف پر تشریف لاتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ، آپ کے سامنے اذان شروع کر دیتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں صرف یہی اذان تھی اور اسی طرح حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں رہی۔ جب دور خلافت حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ آیا اور لوگوں کی کثرت اور ان کا اژدہام بڑھا تو دوسری اذان کا، اس اذان سے پہلے جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے حکم دیا اور یہ اذان زوراء پر جو کہ مدینہ طیبہ کے بازار میں مسجد کے باہر ایک مقام کا نام ہے دیجاتی۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس اذان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمایا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمایا اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا اعلام تھا بغیر لفظ اذان کے اور اس اذان کو بھی اذان ثانی کہتے ہیں باعتبار حدوث اور پہلی کو اول، باعتبار وجود، اور تیسری بھی کہتے ہیں باعتبار تسمیہ اقامت باذان جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنَ صَلوٰ ةٌ یہ اسی اعتبار سے ہے حدیث مبارک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں دو اذانیں تھیں۔ اور بعض کے نزدیک وجوب سعی اور خرید و فروخت کے حرام ہونے میں معتبر یہی اذان ہے جو منبر پر خطیب کے بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے چونکہ یہ اذان اپنی اصالت اور اپنے وجود میں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی لہٰذا حق سبحانہ، وتعالیٰ کے ارشاد: اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ. سے مراد یہی اذان ہے لیکن علماء اس کو اصح قرار دیتے ہیں کہ معتبر اذان اول ہے جو بعد میں رائج ہوئی بشرطیکہ وہ اذان بعد زوال کہی گئی ہو جو کہ اس کا وقت ہے اس لئے کہ اس سے مقصود خبردار کرنا ہے جو بعد زوال ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور خطبہ کے وقت اذان، قوم کو تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ امام خطبہ کے لئے نکل آیا ہے۔ لہٰذا سکوت خاموشی کو لازم کر لو اور نماز کو ترک کر دیں۔

لیکن وہ دوسری اذان جسے بعض ملکوں میں سنت جمعہ کے لئے کہتے ہیں تو یہ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھی اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں اور نہ ان کے بعد کے زمانے میں اور اکثر بلاد اسلامیہ میں اس پر عمل بھی نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس اذان کو کس نے ایجاد کیا اور کب سے رائج ہے لہٰذا چاہئے کہ اذان اول کے بعد سنتیں ادا کریں۔ اور اگر چاہیں تو بقصد اعلام، الصلوٰة الصلوٰة کہیں جیسا کہ بعض علماء سے دیکھنے میں آیا ہے۔

بعض کتابوں میں واقع ہے کہ اذان اول، بنی اُمیہ کی ایجادات میں سے ہے۔ غالباً یہ اس اعتبار سے ہوگا کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو مقام زوراء پر کہنے کا حکم دیا ہے۔ اور ہشام بن عبدالملک نے اسے مسجد میں منتقل کیا ہے۔ (واللہ اعلم) ہر تقدیر پر اسے خلفائے راشدین نے قائم کیا ہے اسے بدعت نہ کہنا چاہئے اور اگر بعض اسلاف نے اس پر بدعت کا اطلاق کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ زمانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ نہ تھا اس سے ان کی مذمت و برائی کرنا مقصود نہ ہوگا۔ جس طرح کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جماعت تراویح کے بارے میں یہی مروی ہے کہ کہا۔ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ. (یہ کتنی اچھی بدعت ہے) اور ہر بدعت حسنہ کا حکم یہی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فعل پر سکوتی اجماع تھا کیونکہ کسی ایک سے اس پر انکار منقول نہیں ہے (فتدبر)۔

اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو حاضرین کے شوق کی زیادتی اور خطبہ کے سننے میں مبالغہ کرنے کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک اس حد تک بلند ہو جاتی کہ ابتدا کی بہ نسبت آپ کی آنکھیں سرخ اور عظمت و جلال کے انوار تابانیوں سے مجلی ہو جاتیں اور تبلیغ کی چمک و دمک کا ظہور اور انذار میں آپ کا جوش اس حد تک سخت ہو جاتا کہ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو ڈراتے دھمکاتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ کہ تمہاری صبح و شام ہونے والی ہے اور لشکر کو ڈرانا اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ

لشکر کو کسی قوم کی خبر سے ڈرایا جاتا ہے کہ فلاں قوم کا لشکر ان پر حملہ کرنا ہی چاہتا ہے اور خبر دار کیا جاتا ہے کہ صبح کے وقت تم پر حملہ کر کے تاخت وتاراج کرنے والا ہے یا بوقت شام حملہ آور ہوتا ہے اور شب خون مارتا ہے۔

اس کے بعد فرماتے:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَ کُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَّ کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ. رواہ مسلم،

اور بعض حدیثوں میں اتنا زیادہ ہے کہ: وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ۔ اور اما بعد کا کلمہ، خطبہ میں حمد وثناء کے بعد کہنا مسنون ہے۔ بخاری میں اس کے لئے ایک باب باندھا ہے۔ اور فتح الباری میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے اس کلمہ کو کس نے ادا کیا۔ طبرانی میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث منقول ہے کہ داؤد علیہ السلام نے کہا اور شعبی سے مرفوع حدیث میں ہے کہ فصل خطاب وہ ہے جو داؤد علیہ السلام کو دیا گیا ہے۔ اور فرمایا: وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ اور ہم نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔ اور قول فیصل یہ کلمہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں سب سے پہلے جس نے خطبہ دیا وہ معرب بن قحطان ہے۔ ایک قول میں کعب بن لوی اور ایک قول میں سحبان بن وائل اور ایک قول میں قس بن ساعدہ ہے۔ لیکن پہلا قول اشبہ واثبت ہے اور ان اقوال کی جمع وتطبیق میں کہا گیا کہ پہلا قول، اولیت حقیقی میں ہے اور باقی لوگوں میں اولیت اضافی ہے۔

خطبہ دینے میں کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے اور تلوار ونیزہ ہاتھ میں نہ پکڑتے اور بعض کہتے ہیں کہ جب میدان جنگ میں خطبہ دیتے تو کمان اور تلوار پر ٹیک لگاتے تھے اور خطبہ جمعہ میں عصا پر۔ اور بعض روایات فقیہہ حنفیہ میں ہے کہ تلوار یا عصا پر ٹیک لگانا مکروہ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ سنت میں وارد ہوا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہر اس شہر میں جس کو غلبہ وجنگ سے فتح فرمایا ہے جیسے مکہ معظمہ وغیرہ وہاں ہتھیاروں پر ٹیک لگاتے تھے اور جہاں صلح کے ساتھ ہے جیسے مدینہ منورہ میں تو وہاں عصا پر ٹیک لگاتے تھے اسی بنا پر شوافع حرم مکہ میں تلوار سے ٹیک لگاتے ہیں کیونکہ ان کے قول کے بموجب ان کی فتح بطریق غلبہ ہے اور احناف عصا سے ٹیک لگاتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک فتح صلح سے ہے جیسا کہ اپنی جگہ انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ کمان یا عصا پر ٹیک لگانا منبر شریف بنائے جانے سے پہلے تھا۔ لیکن منبر بن جانے کے بعد محفوظ نہیں ہے کہ کس چیز سے ٹیک لگاتے تھے نہ کمان سے اور نہ عصا وغیرہ سے۔ (واللہ اعلم)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کو مختصر کہتے۔ مطلب یہ کہ نماز کی نسبت سے خطبہ مختصر کرتے اور نماز بہ نسبت خطبہ کے طویل فرماتے۔ ورنہ مسلم وترمذی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز معتدل ہوتی تھی نہ طویل نہ مختصر۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ درمیانہ ہوتا تھا۔ اور فرماتے کہ آدمی کا نماز کو دراز کرنا اور اپنے خطبہ کو مختصر کرنا اس کی سمجھ اور دانشوری کی نشانی ہے مانا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وعظ ونصیحت میں ایک حرف کافی ہے خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے، کیونکہ آپ مصدر جوامع الکلم اور مظہر غرائب حکم ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ طاعت وعبادت میں کوشش کرے۔ اور اپنے آپ کو آراستہ وپیراستہ کرنے میں مشغول رہے تا کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔) کا مصداق نہ بنے اور فرماتے ہیں کہ کردار یعنی عمل کی ضرورت ہے نہ کہ گفتار کی۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کریمہ تعلیم امت کے لئے تھے۔ اور آپ تعلیم کو قول سے موکد بناتے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَا سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کی مقدار فرض خطبہ میں کافی ہے۔ اور اس سے زیادہ

سنت ومستحب ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے کہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللهِ (تو دوڑو ذکر الٰہی کی طرف) اس سے مراد خطبہ جمعہ ہے اور اس مقدار پر ذکر الٰہی صادق ہے۔ نیز امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، کا فعل "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا تھا اور خطبہ ختم فرما دیتے۔ اس پر یہ دلیل کافی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ ابن الہمام اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ کتب احادیث میں مذکور نہیں ہے۔ البتہ بعض فقہہ کی کتابوں میں ہے۔

اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں داخل ہوتے تو حاضرین کو سلام فرماتے۔ اور جب منبر شریف پر تشریف فرما ہوتے تو چہرۂ انور لوگوں کے سامنے کرتے اور دوسری مرتبہ پھر سلام کرتے اس کے بعد منبر پر بیٹھتے اور اگر خطبہ کے دوران کوئی ضرورت لاحق ہوتی یا کوئی سائل سوال کرتا تو خطبہ کو قطع کر کے ضرورت پوری کرتے یا سائل کا جواب مرحمت فرماتے اس کے بعد خطبہ کو مکمل فرماتے جب آپ ملاحظہ فرماتے کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما گرتے پڑتے آ رہے ہیں تو منبر شریف سے اتر کر ان کو اٹھا لیتے۔ اسی طرح ایک سائل آیا اس نے دین اسلام کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف سے اتر کر کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور اسے تعلیم فرمائی۔ اس کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ کو تمام فرمایا اور اگر کسی محتاج وفقیر کو لوگوں کے مجمع میں ملاحظہ فرماتے تو حاضرین کو صدقہ وخیرات دینے کی ترغیب دیتے۔ اور اسے کچھ عطا فرماتے مثلاً کپڑا اور روپے وغیرہ۔ مانا کہ علماء نے ان باتوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اور جب تمام جماعت حاضر ہوتی تو اگر گھر میں تشریف فرما ہوتے تو خطبہ کے لئے حجرہ شریف سے باہر تشریف لاتے اور اگر مسجد میں ہوتے تو صف سے نکل کر منبر شریف پر تشریف لاتے اس وقت آپ تنہا ہوتے اور کوئی خادم آپ کے آگے نہ ہوتا۔ جیسا کہ آج لوگوں میں رائج ومتعارف ہے اور حرمین شریفین وغیرہما میں خطبہ جمعہ یا خطبہ عیدین کے لئے جماعت کثیرہ کے ساتھ شان وشوکت سے نکلتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہٹو بچو کہنے والا نہ ہوتا تھا۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ چادر، رومال، اور سیاہ کپڑے وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عادی لباس نہ تھا۔ لیکن مشکوٰۃ میں مسلم سے بروایت حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں خطبہ دیتے کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ ہوتا اور اس کا شملہ اپنے دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑا ہوتا اور جمعہ کے دن سیاہ لباس مستحب ہے لیکن احناف کے نزدیک تمام اوقات میں اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور اس کے سننے کا حکم فرماتے۔ اور فرماتے جو اس حال میں بات کرے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو بات کرنے والے کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ یہ یہود کے مذہب پر تعریض ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ: كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا یہودیوں کی شان میں نازل ہوئی ان کا ظاہر حال یہ تھا کہ وہ خطبہ کے دوران باتیں کرتے تھے اور یہ مثال عالم بے عمل کی ہے کہ وہ کتابوں کے اٹھانے کی مشقت تو برداشت کرتا ہے مگر اس سے فائدہ اور نفع نہیں اٹھاتا نیز فرمایا جو کوئی اپنے ساتھی سے خطبہ کے وقت یہ کہے کہ بیٹھ جاؤ یا خاموش ہو جاؤ تو یقیناً اس نے لغو کہا اس لئے کہ خاموش رہنے کو کہنا بھی بات کرنے میں شمار کیا جائے گا۔ خاموش رہنے کے لئے ہاتھ سے اشارہ کرنا چاہئے۔ اور جس نے لغو کہا اس کا جمعہ نہیں ہے اور نہ بروجہ کمال اس کا ثواب اور لغو کلام غیر مشروع وعبث ہے۔ اور صراح میں لغو کے معنی بیہودہ بکنے کے ہیں اور یہ خاموش رہنا اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ انہیں میں سے ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب بھی یہ ہے اور بعض کے نزدیک مستحب ہے اور امام شافعی انہیں میں سے ہیں اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام شافعی سے دو قول ہیں اور امام احمد سے بھی دو روایتیں ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے خاموشی کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے مگر بہت کم تابعین سے۔

اور سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض مکروہ جانتے ہیں اور بعض رخصت دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام کا خطبہ کے لئے نکلنے کے وقت سے نماز شروع کرنے کے وقت تک نماز اور کلام دونوں حرام ہیں اور اگر نماز میں ہے۔ اور امام نے خطبہ شروع کر دیا تو نماز کو دو رکعت پر ختم کر دے۔ اور صاحبین کے نزدیک امام کے نکلنے کے بعد خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور خطبہ ختم کر کے منبر سے اتر جانے کے بعد تکبیر نماز سے پہلے بات کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان اوقات میں سننا نہیں ہے۔ بخلاف نماز کے کہ اس میں درازی ہے کیونکہ اس کا قطع کرنا شروع خطبہ کے وقت ممکن نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ قطع نفلی نماز میں ہے ورنہ فوت شدہ قضا نمازوں میں خطبہ کے وقت میں جاری رکھنا بلا کراہت درست ہے۔

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ دور بیٹھا ہو اور خطبہ کی آواز نہ سن رہا ہو تو خاموش رہے یا نہیں۔ مختار خاموشی ہے اور بعض متاخرین فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت دور بیٹھنا یا بادشاہوں کی تعریفیں بیان ہوتے وقت، ذکر و تسبیح میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ اور شرح ابن الہمام میں ہے کہ خطبہ کے وقت کلام کرنا حرام ہے۔ اگرچہ امر بالمعروف اور تسبیح و تہلیل ہو۔ کھانا پینا اور لکھنا حرام ہے۔ سلام کا جواب دینا اور چھینک کا جواب دینا مکروہ ہے۔ اور امام ابو یوسف کی ایک روایت میں مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ فرض ہے اور اس کا جواب یہ ہے۔ اگر سلام میں اذن ہو۔ اور اس بنا پر بھی کہ سلام کا جواب ہر وقت میں ممکن ہے بخلاف خطبہ کے۔ اور دل میں درود بھیجے تا کہ سماع خطبہ سے باز نہ رہے (وھو الصواب) اور چھینک کے وقت حمد بھی دل میں کہے اور منکرات سے باز رہنے کی تلقین، آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے مکرہ نہیں ہے۔ (واھو الصحیح) اور کتاب پر نظر کرنے اور قلم سے اس کی درستگی کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف سے ایک روایت عدم کراہت میں مروی ہے۔ (انتہی)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھتے تھے اور کبھی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى اور هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے اور دونوں عیدوں میں بھی یہی پڑھتے تھے۔ اور اگر عید روز جمعہ واقع ہوتی تو دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے۔

نماز تہجد: وصل: تہجد، ہجود سے ہے، ہجود کے معنی نوم یعنی نیند کے ہیں اور تہجد کے معنی ترک نوم یعنی سونے کو چھوڑنا جس طرح کہ تاثم کے معنی اثم کو ترک کرنا اور تخبث کے معنی ترک خبث کرنا ہے اور اس جگہ ترک نوم کے معنی استیقاظ یعنی بیداری کے ہیں اس لئے کہ نماز تہجد سونے اور اس سے بیدار ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ قیام لیل جس کے معنی نماز تہجد کے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی یا سنت۔ ہر ایک گروہ کی دلیل یہی آیہ کریمہ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ہے تو وہ گروہ جو اسے سنت کہتا ہے وہ نافلہ کو نفل سے مانتے ہیں جس کے معنی فرض پر زیادتی کے ہیں۔ اور جو فرض کہتا ہے وہ نافلہ کو بمعنی زیادہ کہتے ہیں۔ جس کے لغوی معنی نفل ہے یعنی فرائض پر زائد فریضہ۔ اور اگر نافلہ بمعنی تطوع ہوتا تو ''نَافِلَةً لَّكَ'' جو مفید اختصاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ فرمایا جاتا اس لئے کے نفل و تطوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مراد درجات کی زیادتی ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تطوع ہے کیونکہ آپ مغفور مطلق اور معصوم ہیں۔ بجز رفع درجات کے کچھ اور مراد نہیں۔ اور یہ خصوصیت آپ ہی کے لئے ہے اور آپ کے سوا دوسروں کے حق میں کفارۂ ذنوب بھی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی حالت میں ''قیام لیل'' کو ترک نہ فرماتے اور سفر و حضر میں اس کی محافظت فرماتے۔ اور اگر کبھی کسی مرض یا غلبۂ نوم کے سبب قیام شب فوت ہو جاتا تو دن چڑھنے کے بعد زوال آفتاب سے پہلے اس کے بدلے بارہ رکعتیں ادا فرماتے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وجوب تہجد پر بظاہر دلالت کرتا ہے۔ اور آپ اتنا قیام فرماتے کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر جاتے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

میں ہے کہ آپ کے قدم ہائے مبارک میں شگاف پڑ جاتے۔ اور بعض مفسرین حق تبارک وتعالیٰ کے ارشاد اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قیام لیل واجب ہے اس تفسیر کے ساتھ جس کے حفظ اوقات میں قرآن کریم میں ہے کہ تہائی شب یا نصف شب یا دو تہائی شب اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک سال تک قیام کیا اس کے بعد یہ آیت منسوخ کر دی گئی اور اس میں اختلاف ہے کہ نسخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں یا امت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر باقی ہے۔ (واللہ اعلم)

اہل علم فرماتے ہیں کہ نماز تہجد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب میں تیرہ رکعتیں ہیں۔ پانچ دو دو اور تین رکعت وتر کے یا ایک رکعت وتر کی ہمارے مذہب میں وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

اور امام شافعی کے نزدیک ایک رکعت وتر ہے لیکن اس طرح کہ اس سے پہلے دو رکعت پڑھے اور سلام پھیر کر ایک رکعت وتر کی پڑھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے وتر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اکثر واقوی احادیث ایک رکعت کی ہیں اور میں اسی کا قائل ہوں اور فرمایا دو رکعت پر سلام پھیرے اور اگر سلام نہ پھیرے تو اور وتر کی تین رکعتیں پڑھے تو میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی نقصان نہیں کرے گا۔

اور کاتب الحروف نے شرح سفر السعادۃ میں وتر کی تین رکعتوں کا اسی تقویت کے ساتھ اثبات کیا ہے کہ اگر ایک رکعت پر زیادتی نہ ہوگی تو تین سے کم بھی نہ ہوں گی۔ (واللہ اعلم) اور جو ایک رکعت وتر کے قائل ہیں وہ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ پہلے دو رکعت ادا کرتے ہیں اور سلام پھیر دیتے ہیں اور تین رکعت وتر کے قائل ہیں وہ سلام نہیں پھیرتے۔ اور حدیث شریف میں ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ اور شوافع اسے رکعت مفردہ مستقلہ بغیر ملائے دو رکعت پر محمول کرتے ہیں۔

بعض علماء حدیث فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ ہوتی اور تیرہ رکعت کی روایت بھی صحیح ہے۔ لیکن مراد دو رکعت سنت فجر ہے یعنی نماز شب کی تو گیارہ ہی رکعتیں ہیں مگر دو رکعت سنت فجر محسوب کر کے تیرہ رکعتیں شمار کرتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ سنت فجر کو خارج کر کے تیرہ رکعتیں ہیں اور نو اور سات اور پانچ کی بھی وتر شامل کر کے روایتیں ہیں۔ اور کبھی تمام شب کی نمازوں پر وتر کا اطلاق بھی آیا ہے اس حکم کے تحت کہ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُّحِبُّ الْوِتْرَ ۔ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے اس کی خاص فضیلت بھی ثابت ہے۔ اور دن کی نماز میں بھی مغرب کو شامل کر کے وتر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ کیونکہ فرمایا: صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ وِتْرُ النَّهَارِ مغرب کی نماز دن کا وتر ہے۔ حضور نماز شب کو کھڑے ہو کر ادا کرتے اور ان میں قرات کو طویل فرمایا کرتے۔ مثلاً سورۂ بقر، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام وغیرہ اور طویل سورتیں پڑھا کرتے تھے اور رکوع و سجود اور قومہ کو بھی قرات کے اندازے پر طویل فرماتے اور بعض راتوں میں تو نماز میں ایک ہی آیت بار بار پڑھ کر گزار دیتے وہ آیت یہ ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اگر تو ان کو عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی غالب وحکمت والا ہے) اور ہر آخری دوگانہ کو پہلے دوگانہ سے ہلکا کرتے اور آخر عمر شریف میں بیٹھ کر بھی دوگانے پڑھے ہیں۔ اور جب بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع سجود میں بیٹھ کر ادا کرتے اور کبھی بیٹھ کر پڑھ رہے ہوتے اور جب قرات کا حصہ ختم کے قریب ہوتا تو اٹھ کر کھڑے ہو کر پڑھتے اور رکوع کرتے اور سجدہ میں چلے جاتے اور دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے۔ یا دوسری رکعت کو مکمل ہی بیٹھ کر پڑھتے یا کھڑے ہو کر گزارتے۔ ترمذی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بیٹھ کر نماز نفل پڑھتے نہ دیکھا مگر قبل از وفات چند برسوں میں اور صحیحین میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا جب آخر عمر شریف میں گرانی رونما ہوئی تو اکثر اپنی نمازیں بیٹھ بیٹھ کر ادا فرماتے۔

درست ہے کہ کہے "اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ وَتَرَحَّمْ اِلٰی آخِرِہٖ" نہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رحمت کی نسبت اور اس کا اطلاق (واللہ اعلم)۔

درود پڑھنے کے بعد دعا کرتے۔ اس جگہ مشہور دعا یہ ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔

اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ بھی آیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کی اسی طرح تعلیم دیتے جس طرح قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا بتایئے جسے میں اپنی نماز میں پڑھوں فرمایا اسے پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد اور سلام پھیرنے کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ مَا اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔

اور دوسری حدیث میں یہ دعا بعد فراغ سلام آئی ہے۔ اور ممکن ہے کہ دونوں جگہ یعنی سلام سے پہلے اور سلام کے بعد بھی پڑھتے ہوں۔ یہ دعائیں اور اس قسم کی دیگر دعاؤں میں جس میں طلب مغفرت ذنوب اور عذاب قبر، عذاب جہنم اور فتنہ دجال وغیرہ سے استعاذہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے اور ان کے وقوع پذیر ہونے میں اعتراض کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مغفور و معصوم ہیں پھر طلب مغفرت اور استعاذہ کے کیا معنی ہیں؟ جواب میں کہتے ہیں کہ مقصود تعلیم امت ہے یا اُمت کے لیے سوال کرنا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اَعُوْذُ بِكَ لِاُمَّتِیْ یعنی اپنی اُمت کے لیے تجھ سے استعاذہ کرتا ہوں۔ یا یہ بطریق تواضع، اظہار عبودیت، التزام خوف الٰہی، اعظام شان باری اور اس کی طرف افتقار و احتیاج ہے اور اسی اسلوب پر تمام مقربان بارگاہِ صمدیت کا حال ہے کہ وہ ہمیشہ خوف وخشیت اور تضرع وزاری میں رہتے ہیں۔ یہی حال دیگر معصومین عظام کا ہے کہ وہ ہمیشہ استعاذہ کرتے رہتے ہیں اور عظمت الٰہی اور ہیبت درگاہ لاابالی عزوعلیٰ کے تصور میں استغفار کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جب وہ عظمت وہیبت الٰہی کو دیکھتے ہیں یا کسی ایسی چیز کو اپنے مناسب حال پاتے ہیں جسے وہ اپنے لیے داخل تقصیرات خیال کرتے ہیں اس کا نام گناہ رکھتے ہیں اور استعاذہ واستغفار کرتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم تمام پاکوں میں پاکتر اور تمام معصوموں میں معصوم تر ہیں اور جو کچھ کائنات میں موجود ہے اور جو کچھ نابود تھا سب ہی کا وجود آپ کے طفیل وصدقہ میں ہے۔ اور ساری مخلوق کی بخشش آپ کے صدقہ میں ہے اور خود مغفور بھی ہیں۔ جب آپ خود ایسی دعا مانگیں اور عمل کریں تو دوسرے حضرات کیا کچھ دعا میں کہتے ہوں گے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کے ساتھ مامور من اللہ ہیں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور استغفار آدم

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس کی ہیئت جب کہ آپ بیٹھ کر نماز ادا کرتے تو چہار زانو ہوتی اور حفاظ حدیث نے اس روایت پر طعن کیا ہے اور فقہاء کرام کا اس کے استحباب اور جواز وکراہیت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیٹھنے کی ہیئت، تشہد میں بیٹھنے کی مانند ہے۔ ایک اور روایت میں احتباء اور تربع بھی آیا ہے نیز امام ابو یوسف سے احتباء اور امام محمد سے تربع کی بھی روایت ہے اور تشہد کی ہیئت پر بیٹھنے کی افضلیت میں اتفاق ہے اور جب بیٹھ کر ادا کرتے تو چھوٹی سورت کو پڑھتے اور اتنی ترتیل کرتے کہ یہاں تک قرات طویل ہو جاتی اور اسی کے مطابق سجدہ دراز فرماتے۔ یہ روایت اس پر دلیل ہے کہ اگر کوئی بیٹھ کر نماز پڑھے تو قرات، رکوع وسجود اور تمام ارکان نماز مکمل طور پر بجالائے تاکہ ترک قیام کی تلافی اور جبر نقصان ہو سکے۔ نہ ایسا کہ جیسا بعض نادان لوگ کرتے ہیں۔ اور ان کی عادت ہے کہ اتنی جلد بازی کرتے ہیں کہ کوئی رکن مکمل ادا نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ خود پر لازم کردہ گنتی وشمار کو پورا کر لیں۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شب کو ہلکی دو رکعت سے شروع فرماتے اس کے بعد بتدریج طویل فرماتے جاتے۔ اور کیفیت قیام اور تعداد وکمیت رکعات میں متعدد روایتیں آئیں ہیں اور عبادت کرنے والوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان اقسام وانواح میں ہیشگی کرے اور ان میں سے ہر ایک فعل کو اوقات مختلفہ میں عمل میں لائے یہی طریقہ، سلوک اور اتباع سنت میں داخل وانسب ہے۔ اور یہ تمام طریقے اور انواح احادیث صحاح میں مذکور اور سفر السعادۃ اور اس کی شرح میں مسطور ومصرح ہیں۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کو کبھی اول شب میں ادا فرماتے اور کبھی آخر شب میں اور اکثر آخر شب میں ادا کرتے۔ جامع الاصول میں ترمذی سے حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وتر آخر عمر شریف میں جب کہ آپ نے اس جہان سے کوچ فرمایا سحر کے وقت تمام ہوا اور ترمذی میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خوف رکھتا ہے کہ آخر شب میں نہ اٹھ سکے گا اسے چاہئے کہ اول شب میں (بعد نماز عشاء) ادا کرے اور سو جائے اور جو امید رکھتا ہے کہ آخر شب میں اٹھ جائے گا تو یقیناً آخر شب میں نماز مشہود ومحفوظ رہے اور یہ افضل ہے۔

اور بعض اصفیاء سے سنا گیا ہے کہ آخر شب میں وتر ادا کرنا، قرب بارگاہ رب العزت جل وعلیٰ میں بہت بلند مقام رکھتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا اَخَذَا ھٰذَا بِالْحَذْرِ۔ یعنی انہوں نے یہ طریقہ نہ جاگنے کے خوف وڈر سے اختیار کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اَخَذَ ھٰذَا بِالْقُوَّۃِ یعنی انہوں نے یہ طریقہ جاگنے پر قدرت وطاقت رکھنے کی بنا پر اختیار کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب واکثر احوال یہ تھا کہ آپ وتر کو آخر شب میں طلوع صبح صادق سے پہلے ادا فرماتے۔ اور بعض اوقات اوّل شب یا درمیان شب میں ادا کرتے اور اس کے بعد تہجد کے لئے اٹھتے تو وتر کا اعادہ نہ فرماتے۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ فرمایا: لَا وِتْرَانِ فِیْ لَیْلَۃٍ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔

شیخ ابن الہمام شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ جس نے اول شب میں وتر پڑھ لیا اب اگر وہ تہجد کے لئے اٹھے تو وتر کا اعادہ نہ کرے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ اگر دو وتر گزارے تو لامحالہ ان میں سے ایک نفل ہوگا اور نفل میں وتر، شریعت میں وارد نہیں ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت ہلکی گزارتے اور اس میں: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ اور قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھتے۔ امام مالک ان دو رکعتوں کے منکر ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسے کرتا بھی نہیں اور نہ اس سے منع ہی کرتا ہوں۔ اور علماء

فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان جواز کے لئے عمل کر کے بتایا اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے دو رکعتیں سنت فجر کی مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دو رکعتیں وتر کی ہیں اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ وتر کے بعد ان دو رکعتوں کا ادا کرنا قیام لیل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہوگا۔ کسی نے وتر کو اول شب میں ادا کر لیا ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر کی اول رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری رکعت میں قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے۔ اور بعض روایتوں میں تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین بھی آیا ہے مگر مختار اول ہی ہے۔ ایسا ہی شیخ ابن الہمام نے فرمایا۔ اور یہ جو معروف ہے کہ اول رکعت میں اِنَّـآ اَنْـزَلْـنٰـهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ پڑھتے۔ یہ نہ کسی حدیث میں مروی ہے اور نہ کسی اثر میں اور فرماتے ہیں کہ بعض فقہی روایتوں میں آیا ہے۔

اور جب وتر سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ سُبْـحَـانَ الْـمَـلِكِ الْقُدُّوْسُ پڑھتے اور تیسری مرتبہ میں آواز کو بلند فرماتے۔ اور حروف کو کھینچ کر پڑھتے۔ اس کے بعد فرماتے۔

سنت فجر: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت سنت فجر پڑھنے کے بعد داہنے پہلو سے زمین پر ایک لحظ آرام فرماتے۔

بخاری و مسلم میں سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت سنت فجر پڑھ چکتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں فرماتے ورنہ لیٹ جاتے۔ اس وقت تک جب تک کہ نماز کی اطلاع عرض کی جاتی اور بخاری نے داہنے پہلو پر لیٹنے کا اضافہ کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت فجر کے بعد باتیں کیا کرتے تھے۔ اور ترمذی نے مستقل ایک باب ''تکلم بعد از رکعتیں فجر'' کے لئے باندھا ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعت سنت فجر کی ادا کر چکتے تو اگر ضرورت ہوتی تو مجھ سے باتیں فرماتے ورنہ نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔ اور کہا کہ بعض اہل علم اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین رضی اللہ عنہم نے طلوع فجر کے بعد سے فراغ نماز فجر تک بات کرنے کو مکروہ جانا ہے مگر وہ مکروہ نہیں جواز جنس ذکر الٰہی میں ہو یا کوئی ایسی بات جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ فرمایا کہ یہی قول امام احمد و اسحق کا ہے۔ انتہی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام فرمانا اس قبیل سے تھا جیسا کہ سیّدہ عائشہ کا فرمانا ہے کہ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ اِلَيَّ حَاجَتُهٗ كَلَّمَنِىْ. (تو آپ کو مجھ سے بات کرنی ضروری ہوتی تو کرتے) یہ کلمہ اس قول کی نظیر و دلیل ہے۔ اور اگر بالفرض کلام از جنس ذکر الٰہی اور ضروری نہ ہو تب بھی سنت کو باطل کرنے والی اور اس کا عادہ کرنے والی نہیں ہے مگر بر بنائے کراہت تکلم اس وقت میں، احتیاطاً اور تکمیلاً اعادہ کرے۔

ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں شیخ علی بن قاضی جار اللہ جو کہ مفتی شہر مکہ اور بہترین فقیہہ تھے ان سے کسی نے کہا کہ ہمارے شہروں کے لوگ سنت فجر کے بعد بات کرنے کو مبطل سنت جانتے ہیں اس پر انہوں نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلتَّكَلُّمُ خَارِجَ الصَّلٰوةِ يُبْطِلُ الصَّلٰوةَ یعنی خارج نماز بات کرنے سے کاز باطل ہو جائے تعجب ہے۔ اور بعض اہل ظواہر، سنت فجر کے بعد لیٹنے کو فرض جانتے ہیں۔ یہ اس حدیث کے بموجب ہے جو جامع ترمذی میں مروی ہے کہ حضور نے فرمایا: اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى جُنُبِهِ الْاَيْمَنِ.

جب تم میں سے کوئی سنت فجر کی دو رکعتیں پڑھ چکے تو نماز فجر سے پہلے چاہئے کہ داہنی جانب سے زمین پر لیٹ جائے اور بعض مبالغہ کرتے ہیں اور صحت فرض کے لئے شرط قرار دیتے ہیں۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کی کراہت کی قائل ہے اور اسے بدعت شمار کرتے ہیں اور یہ دونوں قول بعید ہیں لیکن فرضیت کا بعید ہونا اس بنا پر کہ بعض حدیثوں میں لیٹنے کا ذکر نہیں ہے اور بدعت کا بعید ہونا اس بنا پر ہے کہ یہ حدیث صحیح ثابت ہے۔ اور جمہور علماء درمیانی راہ اختیار کر کے اس کے استحباب کا حکم دیتے ہیں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ اگر استراحت کے لئے ہو تو محمود ہے اور ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بغرض استراحت تھا نہ کہ بطریق تعبد۔

اب رہا دائیں پہلو سے لیٹنا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کی عادت شریفہ لیٹنے میں یہی تھی کیونکہ یہ گہری نیند نہ لانے میں زیادہ موثر اور قیام کے لئے جاگنے میں زیادہ آسان ہے جیسا کہ اس کے مقام میں ظاہر ہو چکا ہے۔

<u>قیام در شب برأت</u>: اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نصف ماہ شعبان کی رات میں قیام فرمانا جسے ہمارے شہروں میں عام طور سے شب برات کہتے ہیں تو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت شدہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات میں قیام فرمایا اور سجدہ کو اتنا دراز فرمایا کہ میں گمان کرنے لگی کہ شاید آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے چنانچہ جب میں نے یہ حال دیکھا تو میں کھڑی ہوئی اور آپ کے پاس پہنچ کر آپ کے انگوٹھے کو ہلایا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبش فرمائی اور اپنے سر اقدس کو سجود سے اٹھایا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے حمیرا! (یہ محبت کا خطاب ہے) تم گمان کرنے لگیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے تمہارے حق کی خیانت کی ہے اور میں نے تمہاری عہد شکنی کی ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بات نہیں بلکہ میں نے آپ کے سجدے کی درازی سے یہ گمان کیا کہ شاید آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔ اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ کون سی رات ہے؟ میں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے فرمایا یہ رات نصف شعبان کی رات ہے اس رات حق تعالیٰ اپنے بندوں پر توجہ فرماتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وقت غروب آفتاب طلوع فجر تک مطلب یہ کہ اور رات سے زیادہ اس رات میں توجہ فرماتا ہے۔ کیونکہ عام راتوں میں صبح کا وقت ہے مگر اس رات میں تمام رات ہے تو حق تعالیٰ مغفرت مانگنے والوں کی مغفرت فرماتا ہے اور طالبان رحمت پر رحمت فرماتا ہے اور تاخیر فرماتا ہے اور نہیں بخشتا ان لوگوں کو جو حسد و کینہ رکھتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے ساتھ ناحق دشمنی اور کینہ رکھتے ہیں۔ نیز سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور میرے پاس تشریف لائے اور جلد ہی اٹھ کر واپس تشریف لے گئے حالانکہ یہ رات میری باری تھی تو میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل دی۔ میں نے دیکھا کہ حضور بقیع شریف میں سر مبارک کو آسمان کی جانب اٹھائے کھڑے ہیں۔ اور دعا مانگ رہے ہیں۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا تو فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم ڈریں کہ شاید خدا اور اس کے رسول نے تم پر ظلم کیا ہے اس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے گمان کیا کہ شاید آپ کسی اور بی بی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رات نصف شعبان کی ہے۔ اس رات حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور بنی کلب کے بکریوں کی گنتی سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سب ہی بخشے جاتے ہیں بجز مشرک، چغل خور، قاطع رحم، دکھ دینے والے، ماں باپ کے نافرمان، شرابی اور حسد و کینہ رکھنے والے کے اور اس رات میں ارزاق و آجال لکھے جاتے ہیں۔ اور حجاج کو لکھا جاتا ہے۔

نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں حدیثیں بکثرت وارد ہیں۔ یہ رات تمام راتوں میں لیلۃ القدر کے بعد افضل ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ چار راتوں میں رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں شب عید الاضحیٰ، شب عید الفطر، شب نصف شعبان اور شب عرفہ، اذان فجر تک۔

اور شب نصف شعبان میں عبادت کرنا اور اس کے دن میں روزے رکھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور اہل شام کے تابعین میں سے حضرت خالد بن معدان، لقمان بن عامر اور مکحول وغیرہ اس رات میں خوب عبادت کرنے کی کوشش کرتے۔ عمدہ کپڑے پہنتے عود و عنبر سلگاتے، سرمہ لگاتے اور مسجد میں قیام کرتے۔ انہیں سے لوگ اس رات کی عظمت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس باب میں ان کو

اسرائیلی آثار پہنچے ہیں لیکن علماء حجاز و مدینہ اس میں ان کی موافقت نہیں کرتے اور مساجد میں اجتماع کو بدعت قرار دیتے ہیں اور اوزاعی جو کہ امام اہل شام میں تنہا نماز پڑھنے کو مکروہ نہیں جانتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجز قیام، طول سجدہ اور اہل بقیع کے لئے استغفار کے اور کچھ صحت کو نہیں پہنچتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ نصف شعبان کی رات تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے جب آدھی رات ہوئی تو میں نے اپنے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ اس وقت میرے دل میں وہ بات آئی جو عام عورتوں کو غیرت کی قسم سے لاحق ہوتی ہے۔ میں نے چادر اوڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو میں ان کی ازواج کے حجروں میں گئی۔ حضور کو نا پایا جب لوٹ کر اپنے حجرے میں آنے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں زمین پر سفید کپڑے کی مانند سجدہ ریز دیکھا آپ یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

سَجَدَ لَکَ خَیَالِیْ وَسَوَادِیْ وَاٰمَنَ بِکَ فُؤَادِیْ فَھٰذِہٖ یَدِیْ وَمَا جَنَیْتُ بِھَا عَلٰی نَفْسِیْ یَا عَظِیْمُ تُرْجٰی لِکُلِّ عَظِیْمٍ اِغْفِرِ الذُّنُوْبَ الْعَظِیْمَ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَصَوَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ.

اے رب میرے خیال اور میرے سواد نے تجھے سجدہ کیا۔ اور میرا دل تجھ پر وارفتہ ہے تو میرا یہ ہاتھ وہ ہے جس نے اپنی جان پر سب کچھ کیا ہے اے عظیم! میں ہر امر عظیم کا امیدوار ہوں بخش دے تمام عظیم گناہ، سجدہ کیا میرے اس چہرے نے جسے اس نے پیدا کیا اور اسے بنایا اور اس کی آنکھ اور کان کھولے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے سر مبارک اٹھایا اور اس کے بعد دوسرا سجدہ کیا اور پڑھا۔

اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْکَ لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ اَقُوْلُ کَمَا قَالَ اَخِیْ دَاؤُدُ اِغْفِرْ وَجْھِیْ فِی التُّرَابِ لِسَیِّدِیْ وَحَقٌّ لَّہٗ اَنْ یُّسْجَدَ.

اے رب تری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری بخشش کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں اور تیرے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتا ہوں میں تیری ثنا کو نہیں گھیر سکتا جیسی کہ تو نے اپنی تعریف فرمائی میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی داؤد نے کہا۔

مجھے بخش دے درآں حالیکہ میرا منہ زمین پر ہے اپنے مالک کیلئے وہی سجدے کا مستحق ہے۔

اس کے بعد سجدے سے سر مبارک اٹھایا اور دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ قَلْبًا تَقِیًّا وَّ من الشِّرْکِ نَقِیًّا لَا فَاجِرًا وَّلَا شَقِیًّا.

اے خدا مجھے پاک دل عطا فرما اور وہ شرک سے بچنے والا جو نہ فاجر ہو نہ شقی۔

اس کے بعد نماز مکمل فرما کر میرے پاس شب خوابی کے لباس میں تشریف لائے اور میرے ہانپنے کو ملاحظہ فرمایا۔ فرمایا اے حمیرا! یہ ہانپنا کیسا ہے۔ اس پر میں نے اپنا تمام حال بتایا اس کے بعد حضور نے میرے زانوؤں کو سہلاتے ہوئے فرمایا، افسوس ہے ان زانوؤں پر کہ اس نے کیسی مشقت اٹھائی اور راہ خطا اٹھائی اے حمیرا! یہ رات نصف شعبان کی ہے۔ اس رات حق تعالیٰ نیچے آسمان کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے اور اپنے بندوں کو بخشتا ہے مگر جو مشرک ہو یا کینہ پرور ہو۔

اور مشائخ کے وظائف کی کتابوں میں اس رات میں سو رکعتیں مکمل ہیں اور ہر رکعت میں دس دس بار "قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ" یہ محدثین کے نزدیک پایہ صحت کو نہیں پہنچا ہے۔ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب نصف شعبان میں 14 رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے اور سلام کے بعد چودہ مرتبہ فاتحۃ الکتاب، چودہ آیۃ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، چودہ مرتبہ قل اعوذ برب الناس اور ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھا اس کے بعد آیہ کریمہ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ پڑھی۔ اس پر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا۔ جو ایسا کرے گا اسے بیس حج مبرور اور بیس سال کے مقبول روزوں کے ثواب کا اجر ملے گا اور صبح ہو تو روزہ رکھے اسے دو سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

محدثین کے نزدیک اس حدیث میں کلام ہے اور بیہقی سے منقول ہے کہ فرمایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ (واللہ اعلم)

اور یہ جو ہمارے شہروں میں رواج ہے کہ چراغاں وغیرہ کرتے ہیں یہ سب نامشروع ہیں اور یہ ہندوؤں کی دیوالی کی مانند ہے یہ مجوسیوں کی رسم ہے۔

اب رہا رمضان المبارک میں قیام شب جسے تراویح کہتے ہیں تو اس کا بیان انشاء اللہ روزے کے باب میں آئے گا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ رمضان المبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز آپ کی عادت شریفہ ہی کے مطابق تھی۔ اور وہ گیارہ رکعتیں تھیں جسے تہجد میں پڑھا کرتے تھے جیسا کہ معلوم ہوا۔

چاشت کی نماز: صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز، ضحو، ضحوہ اور ضحیہ بروزن عشیہ دن کے چڑھنے کو کہتے ہیں اور ضحیٰ اس سے بلند و فوق ہے اور اس کے معنی شعاع آفتاب کے بھی آئے ہیں اور ضحاء، بفتح ومد کے معنی وہ وقت ہے جب آفتاب چوتھائی آسمان پر بلند ہو جائے جاننا چاہئے کہ دن کے ابتدائی حصے میں لوگوں میں دو نفلی نمازیں مشہور و معروف ہیں ایک بالکل شروع میں طلوع آفتاب کے بعد، ایک نیزے سے بڑھ کر دو نیزے تک ہے اس کو صلوٰۃ الاشراق یعنی اشراق کی نماز کہتے ہیں اور دوسری نفلی نماز، اس کے بعد چوتھائی آسمان پر آفتاب پہنچنے سے نصف النہار تک ہے اسے صلوٰۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کہتے ہیں اور اکثر حدیثوں میں صلوٰۃ الضحیٰ کا نام دونوں نمازوں اور دونوں وقتوں میں آیا ہے۔ اور بعض میں صلوٰۃ الاشراق بھی آیا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی طبرانی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَا اُمَّ هَانِئٍ هٰذِهٖ صَلوٰةُ الْاِشْرَاقِ. (اے ام ہانی رضی اللہ عنہا یہ نماز اشراق ہے) اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت ادا کر کے فرمایا یہ نماز اشراق ہے اور حضور فتح مکہ کے روز چاشت کے وقت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔

شیخ اجل علی متقی نے علامہ سیوطی کی مواہب جمع الجوامع میں جس کا نام جامع کبیر ہے نماز اشراق کے لئے مستقل عنوان مقرر کر کے اس حدیث کو نقل کیا کہ جو نماز فجر کو جماعت سے گزارے تو اس کے بعد ذکر الٰہی میں طلوع آفتاب تک وہیں بیٹھا رہے اور دو رکعت اشراق کی ادا کرے تو اس کا ثواب حج و عمرے کے برابر پورا پورا پائے گا۔ اور نماز چاشت جدا ہے اور یہ پایہ صحت کو پہنچا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں وقت میں جدا جدا نماز ادا فرمائی ہے اور امت کو اس کی ترغیب دیتے ہوئے اسے امر مستحب قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک وقت اور ایک ہی نماز ہے جس کا اول وقت اشراق ہے اور اس کا آخری وقت قبل نصف النہار ہے۔ چونکہ بعض وقتوں میں دونوں وقت نماز پڑھی اس بنا پر گمان کیا گیا کہ اس کے دو وقت ہیں اور دو نمازیں ہیں۔ اور بعض ضحوۂ صغریٰ اور ضحوۂ کبریٰ بھی نام رکھتے ہیں (واللہ اعلم)۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ علماء کا اختلاف نماز چاشت میں ہے بعض اثبات کرتے ہیں۔ اور بعض نفی کرتے ہیں اور بعض سنت کہتے ہیں اور بعض بدعت اور بعض اس جانب کی روایتوں کی ترجیح دیتے ہیں اور بعض اس جانب کی۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف آخری نماز میں ہے جسے نماز چاشت کہتے ہیں۔ پہلی نماز میں نہیں ہے جسے نماز اشراق کہتے ہیں اس لئے کہ اسے بعض سنن موکدہ میں شمار کرتے ہیں۔

تعداد رکعات میں احادیث مختلف مروی ہیں۔ بعض روایتوں میں دو ہیں بعض میں چار، بعض میں چھ، بعض میں آٹھ، بعض میں دس

اور بعض میں بارہ، ہر ایک میں عظیم ثواب بیان کیا گیا ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ شیخ ولی بن عراق نے کہا کہ نماز چاشت، احادیث صحیحہ، کثیرہ اور مشہورہ میں وارد ہوا ہے یہاں تک کہ محمد بن جریر فرماتے ہیں کہ اس بارے میں احادیث، تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ اور قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی فرماتے ہیں کہ نماز چاشت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء سابقین علیہم السلام کی نماز ہے جس کی خبر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ دی ہے کہ: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر فرمایا جو صبح وشام تسبیح کرتے ہیں تو حق تعالیٰ نے اس تسبیح کو دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز عصر اور نماز اشراق کی صورت میں باقی رکھا۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اکثر نماز چاشت کی تھی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نماز چاشت ایسی نماز ہے جس کی محافظت حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کرتے تھے۔

بندۂ مسکین (صاحب مدارج) خصّہُ اللّٰہُ بمزید الصدق والیقین کہتا ہے کہ چونکہ یہ عنایت الٰہی ہے کہ اس نے بندوں کے لئے آسانی رکھی۔ اور جب عام مسلمانوں کی ضروریات اور ان کے ان مشاغل کو ملاحظہ فرمایا جو فجر وظہر کے مابین انہیں لاحق ہوتی ہیں تو رخصت تخفیف فرمائی اور وہ بندگان خاص جو حق تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ومستعد ہیں ان کے لئے بھی اس خالی وقت میں طریقہ عبادت رکھ دیا کہ وہ مشغول عبادت ہوں اور یہ حق تعالیٰ کی جانب سے ندب واستحباب کی صورت میں ہے نہ کہ وجوب وفرض قرار دیکر۔ اس میں اس نے رخصت وتخفیف فرمائی اور یہ استحباب وفضیلت، نماز چاشت میں، علماء مذہب اور مشائخ عظام کی اکثریت کے قول پر ہے۔ اس لئے کہ ثابت کرنے والی روایتیں نفی کرنے والی خبروں پر مقدم ہوتی ہیں اور انہیں کو ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ ثابت کرنے والی چیز میں علم کی زیادتی ہے جو نفی کرنے والی چیز سے پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ کے علم میں مسلم ومقرر ہے اور علماء کی ایک جماعت اس کی کراہیت کی قائل ہے وہ کہتے ہیں کہ اسے پڑھنا بدعت ہے۔ کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ اور یہ علماء کی جماعت اس کے بدعت ہونے پر ان احادیث وآثار سے استدلال کرتے ہیں جو اس کی نفی میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مورق عجلی جو طبقہ ثالث کے اکابر تابعین سے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا نہیں میں نے کہا کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے پڑھی ہے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھی ہے؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے؟ فرمایا نہیں میرے خیال میں۔ مطلب یہ کہ میرا خیال نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہو یعنی میرا گمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔ اگر چہ جزم ویقین نہیں رکھتا۔ اور ابوبکر ثقفی سے جو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں مروی ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو دیکھا جو نماز چاشت پڑھ رہی تھی انہوں نے کہا: اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً مَّا صَلَّتْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَامَّةَ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ یقیناً تم وہ نماز پڑھ رہے ہو جسے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اور نہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت نہیں پڑھی۔ اور ایک روایت میں ہے نہ سفر میں نہ حضر میں۔ اور میں اسے پڑھتی ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا تھا حالانکہ آپ اسے محبوب رکھتے تھے اس خطرہ کی بنا پر کہ وہ ہم پر فرض قرار نہ دے دی جائے۔ اور ہم پر لازم نہ ہو جائے اور قیس بن عبید، جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک سال برابر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس آتا جاتا رہا لیکن کبھی میں نے ان کو نماز چاشت پڑھتے نہیں دیکھا۔ اور مسروق فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے سامنے قرآن پڑھا

کرتے تھے اوران کے چلے جانے کے بعد اپنی جگہ بیٹھا رہا کرتے تھے۔اس کے بعد میں اٹھتا اور نماز چاشت پڑھا کرتا۔ پھر جب ہمارا یہ قصہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو سنایا گیا تو فرمایا بندگان خدا ایسی چیز کی تکلیف اٹھاتے ہیں جس کی خدا نے انہیں تکلیف نہیں دی ہے اگر وہ اس نماز کے پڑھنے والوں میں سے ہیں تو انہیں اپنے گھروں میں پڑھنا چاہئے۔

مجاہد سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر، مسجد نبوی میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔اس کے بعد ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس قوم کی نماز کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ سنت ہے یا بدعت؟ فرمایا بدعت ہے لیکن یہ ایسی اچھی بدعت ہے جسے مسلمانوں نے نماز چاشت سے بہتر وافضل کوئی اور بدعت ایجاد نہ کی۔''

یہ وہ اخبار وآثار ہیں جو نماز چاشت کی نفی میں مروی ہیں ان کے سوا اور بھی ہیں لیکن، ان آثار واخبار اور احادیث سابقہ کے درمیان جمع وتطبیق میں فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت کی مداومت نہیں کی ہے۔اگرچہ امت کو اس کی مداومت ومحافظت کی ترغیب وتحریص فرمائی ہے یہ اس بنا پر کہ ان پر فرض نہ ہو جائے اور مشقت میں نہ پڑ جائیں۔ پھر انجام کار وہ اس سے عہدہ برآ نہ ہوسکیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تصریح فرمائی ہے لیکن صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے پڑھنے میں کوئی شبہ نہیں ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں۔لہٰذا جس نے نفی کی ہے یا تو اس نے روایت کی نفی کی ہے یا نفی دوام مراد لی ہے۔لہٰذا جس جگہ ''مَا كَانَ يُصَلِّيْ'' (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی) یا ''مَا سَبَّحَ رَسُوْلِ اللهِ'' (رسول اللہ نے یہ نماز نہ پڑھی) وارد ہوا ہے اس سے مراد ''مَادَامَ عَلَيْهِمَا'' یعنی ہمیشہ اس پر مداومت نہیں کی مراد لی ہوگی۔ یہی احتمال ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نہ پڑھنے اور قیس بن عبید کا ایک سال تک نہ پڑھتے دیکھنے میں۔اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ چونکہ حضرت ابن مسعود، فقہ اور علم میں مشغول رہتے تھے اور چونکہ علم میں مشغول ہونا نفلی عبادت سے افضل ہے اس لئے وہ نماز چاشت کی فضیلت واستحباب کے باوجود اس پر، علم میں مشغولیت کو ترجیح دیتے تھے۔ (واللہ اعلم) اور ممکن ہے کہ اس باب میں وارد شدہ اخبار میں عدم وثوق کی بنا پر نفی ہو۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ''لَا اَخَالُهُ'' یعنی میرا خیال ہے کہ نہیں۔ چونکہ انہوں نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو اسے پڑھتے نہ دیکھا تھا اس لئے ان دونوں کے بارے میں خبر دینے میں وثوق کا اظہار فرمایا۔اور جب لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کی بابت سنا تو وہ وثوق ناپید ہوگیا۔اور توقف کیا اور عدم وثوق کی خبر دی۔ جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ ان لوگوں کے مجتمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا پر ہے۔ مطلب یہ کہ یہ نماز حد ذات میں تو مشروع ہے لیکن اس کا ایسا اجتماع واظہار جیسا کہ فرائض میں ہے بدعت ہے اس لئے کہ نوافل میں سنت اور اس کی فضیلت، چھپانے اور گھر میں پڑھنے میں ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔غرض کہ اس کی مشروعیت کی نفی میں کوئی خبر اور اثر معلوم نہ ہوا بلکہ نفی ایک مخصوص صفت کی ہے جو کہ علی الاعلان یا مداومت یا اجتماع میں ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے جب ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو ان کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ ضروری ہی پڑھنا ہے تو اپنے گھروں میں پڑھیں اور مسروق نے بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

علماء کی ایک اور جماعت، روایتوں کی تطبیق وتوفیق کے قصد سے کہتی ہے کہ مستحب ہے کہ اسے کبھی کبھی پڑھ لیا جائے۔اور بعض دنوں میں اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ جماعت، حضرت عبداللہ بن شقیق (جو مشاہیر تابعین سے ہیں۔) کی حدیث سے استدلال کرتی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت پڑھی ہے فرمایا نہیں پڑھی مگر کبھی کبھی سفر سے واپسی کے بعد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ اب کبھی اسے ترک نہ فرمائیں گے اور جب ترک فرماتے تھے تو ہم خیال کرتے تھے کہ اب کبھی اسے پڑھیں گے ہی نہیں۔ اور اکثر نوافل وتطوعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ ایسی ہی تھی اور اسلاف صحابہ وتابعین کی عادت بھی اس نماز کے پڑھنے میں ایسی تھی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عادت یہ تھی کہ چاشت کی نماز ایک دن پڑھتے تو دو دن اسے ترک کرتے اور منصور بن معمر سلمٰی نے فرمایا کہ سلف صحابہ وتابعین کی عادت تھی کہ وہ نماز چاشت کی ایسی مداومت اور محافظت کو مکروہ جانتے تھے جس طرح کہ نماز فرض کی مداومت کی جاتی ہے تو وہ حضرات، کبھی پڑھتے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔ اور نفلی عبادتوں کے قیام خصوصاً نماز وروزہ وغیرہ بھی علمائے سلف کی عادت ایسی ہی تھی تا کہ علم میں مشغولیت اور دیگر صفات حسنہ میں مانع نہ ہو۔ بخلاف آخر زمانہ کے عابدوں اور زاہدوں کے کہ ان کا ان نفلی عبادتوں سے تعلق وتعبد اس حد تک ہے کہ ان میں کے کچھ لوگ علم ومعرفت کی نسبت میں قاصر ونابلد ہیں اور وہ بہت سی ایسی نیکیوں اور خوبیوں کو چھوڑے ہوئے ہیں جو ان نفلی عبادتوں سے زیادہ اہم ومقصود ہیں۔ هٰذَا لَيْسَ بِشَيْءٍ وَبِاللهِ التَّوْفِيْقِ۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ نماز چاشت کی مداومت ومحافظت کرنا بھی مستحب ہے لیکن اس پر مسجدوں میں اجتماع اچھا نہیں ہے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ تنہا گھر میں پڑھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا اگر میرے لئے میرے ماں باپ بھی زندہ کر دیئے جائیں تو میں چاشت کی نماز کو نہ چھوڑوں گی۔ مطلب یہ کہ وہ لذت وسرور جو ماں باپ کے زندہ ہونے سے حاصل ہوگا وہ لذت و سرور جو اس نماز میں پاتی ہوں ہرگز برابری نہ کرے گا۔

تنبیہہ: نماز چاشت کی تعداد رکعات میں مختلف عدد مروی ہوئے ہیں تو یہ باعتبار اختلاف ایام واحوال اور بسبب نشاط وکسل یا اہتمام مہمات دیگر کی وجہ سے ہوں گی۔ اکثر علماء چودہ رکعت کو اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور دیگر تعداد کی حدیثیں یا تو ان میں سے کچھ صحیح ہیں یا کچھ ضعیف ہیں (واللہ اعلم) اور اس نماز کی قرات میں مشائخ کے اوراد میں سورۂ والشمس، سورۂ والضحیٰ، سورۂ واللیل اذا یغشیٰ اور سورۂ الم نشرح، مرقوم ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا سو مرتبہ پڑھنا بھی ماثور ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

نماز عید: وصل: جاننا چاہئے کہ روز عید کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ عود کر کے اور اپنے وقت میں بار بار لوٹ کے آتا ہے لیکن یہ مثال عام ہے جو دیگر موسموں پر بھی صادق آتی ہے۔ اسی بنا پر اس پر بعض نے کچھ دیگر قیود کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اور کہا کہ یہ فرحت وسرور کے ساتھ عود کرتا ہے۔ اور عید الفطر کا یہ فرحت وسرور، نعمت صیام کے مکمل ہونے پر شکرانہ ہے۔ اور عید الاضحیٰ میں نعمت عظمٰی کا پورا ہونا ہے کیونکہ وقوف عرفہ میں اس کا بہترین مرکز ہے۔ اور وہ مکمل کا حکم رکھتا ہے اور جمعہ جو کہ ہر ہفتہ کی عید ہے یہ ہفتہ بھر کی تمام نمازوں کی تکمیل پر شکرانہ ہے۔ لہٰذا اسلام کے تمام ارکان کی تکمیل میں بطور شکرانہ ایک دن عید کا مقرر کیا گیا ہے۔ جو اہل اسلام کے لئے فرحت وسرور کے اجتماع کا باعث ہے۔ عید منانے اور شکرانہ ادا کرنے کا حکم اس آیت میں ہے کہ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ. اگر تم نے شکران نعمت کیا تو تمہیں اور زیادہ دیں گے" اور اس عید وشکرانہ کو بھی طاعت وعبادت بنا دیا۔

اور زکوٰۃ، چونکہ اس کی ادائیگی کا کوئی وقت معین نہ تھا اور اتفاق واجتماعی صورت اس میں نہ تھی لہٰذا اس کے شکرانہ اور عید کی فرحت و سرور سے لطف اٹھانے کا وہی وقت رکھ دیا جب حاجت مند، فقراء اور مساکین کو دے کر سرور وفرحت حاصل ہوتا ہے۔ وہی وقت اس کی عید کا ہے اور یہی کافی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عید کو بطور نیک فالی کے سال آئندہ لوٹ کر آنے کی وجہ سے کہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کو بقا ہے اور سال آئندہ پھر آئے گا جس طرح ابتداء میں قافلہ کے نکلتے وقت بطور تفاؤل کے کہتے ہیں کہ خیریت وسلامتی کے ساتھ لوٹ کر آؤ۔ ہدایہ کے بعض حواشی میں ہے ک اس کو عید اس بنا پر کہتے ہیں کہ پروردگار عالم نے اس دن میں بندوں کے ساتھ فرحت وسرور اپنے فضل وکرم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس توجیہہ سے عید کا وعد سے ماخوذ ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ بعید ہے۔ کیونکہ ''عید اجوف'' یعنی معتل عین ہے۔ اور ''وعد'' مثال ہے یعنی معتل فاء ہے۔ البتہ یہ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب کہ اس کے قلب کے قائل ہوں جیسا کہ جذب اور جبذ میں قلب ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ نماز عید، عید گاہ میں ادا فرماتے اور یہ عید گاہ مدینہ منورہ کے باہر جانب غرب، مصری دروازے کے باہر ہے۔ اور اسی جانب سے مکہ کے قافلے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اس عید گاہ اور مسجد نبوی شریف کے درمیان ہزار گز کا فاصلہ ہے (کذافی تاریخ المدینہ) یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کے لئے میدان میں نکلنا مسجد میں نماز عید گزارنے سے افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس فضل وشرف کے جو آپ کی مسجد شریف کو حاصل ہے نماز عید کے لئے عید گاہ (میدان) میں باہر تشریف لے جاتے تھے۔ لہٰذا دیگر بلاد وامصار میں تو یہ بطریق اولیٰ ہے۔ اسی پر شہروں میں عمل ہے۔ اور بعض شہروں میں جو مسجد میں نماز عید پڑھتے ہیں یہ خلاف سنت ہے مگر یہ کہ کوئی عذر لاحق ہو تو ٹھیک ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے ایسا کیا اور یہ صرف ایک مرتبہ ہوا۔ مکہ مکرمہ کے حضرات تو پہلے سے ہی اس کے عادی ہیں اور مسجد حرام میں عید ادا کرتے ہیں وہ شہر کے باہر نہیں نکلتے اور اب تو مدینہ منورہ کے حضرات بھی وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عید کی نماز پڑھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وشرف سے مفارقت گوارا نہیں کرتے۔ اس وقت مسجد نبوی شریف کی وسعت بھی بہت کافی ہے اور اہل شہر کی آبادی سے زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ کی آدی زیادہ تھی اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت کم۔

ابن الہمام اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام شہر کے نوجوانوں، صحت مندوں کو لے کر عید گاہ جائے اور شہر میں کمزوروں اور ناتوانوں کے لئے اپنا قائم مقام امام بنائے۔ اس لئے کہ نماز عید ایک شہر میں دو جگہ پڑھنا باتفاق جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین جگہ بھی جائز ہے اگرچہ امام کسی کو اپنا قائم مقام نہ بنائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن خوبصورت اور عمدہ لباس زیب تن فرماتے اور حضور کا ایک حلہ فاخرہ تھا جو عید وجمعہ کے موقع پر عزت وشعائر اسلام کے لئے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ حلہ جوڑے کو کہتے ہیں جس میں ازار وچادر دونوں شامل ہیں نہ یہ کہ وہ ریشمی وغیرہ کپڑوں کے لئے ہی بولا جائے۔ جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سبز وسرخ دھاری دار چادر شریف اوڑھتے یہ چادر یمن کی ہوتی اور جسے ''بردیمانی'' کہا جاتا ہے وہ یہی چادر ہے۔ اور عید کے لئے زیب وزینت کرنا مستحب ہے مگر لباس مشروع کے ساتھ ہو۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ روز عید، عید گاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں افطار فرماتے ان کی تعداد طاق ہوتی یعنی تین، پانچ، سات وغیرہ۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے کھانے میں استحباب کی حکمت اس کی وہ شیرینی ہے جو نگاہوں کو تقویت دیتی ہے۔ کیونکہ روزہ بینائی کو کمزور کرتا ہے اور شیرینی مزاج ایمان کے موافق ہے کیونکہ ''المومن حلو'' اگر خواب میں کوئی میٹھی چیز دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لذت ایمان پائے گا اور شیرینی دل کو نرم بناتی ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ شیریں چیز کے ساتھ افطار افضل ہے۔ رہا گنتی میں طاق کی رعایت رکھنا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب چیزوں میں عادت کریمہ تھی اور فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ بے شک اللہ اکیلا ہے اور وہ طاق کو پسند کرتا ہے۔

عید الاضحیٰ کے دن نماز سے واپس آنے سے پہلے کچھ نہ کھاتے چنانچہ حدیث میں ہے کہ عید الفطر کو بغیر کچھ کھائے نہ نکلتے اور

عیدالاضحیٰ کو بغیر کچھ کھائے نکلتے جب تک کہ نماز عید نہ پڑھ لیتے۔ اہل علم نماز عیدالفطر سے پہلے کھانے کی حکمت میں فرماتے ہیں کہ روزے کے وجوب کے بعد، چونکہ فطرہ واجب ہے تو حضور فطر میں فطر کی جلدی فرماتے۔ تاکہ حکم الٰہی کو بسرعت بجالایا جائے ورنہ اگر محض حکم الٰہی بجالانا ہی مقصد ہوتا تو خوب سیر ہوکر کھاتے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں عیدوں میں کھانا صدقہ نکالنے کی مشروعیت کے وقت میں تھا جو ہر ایک پر لازم مخصوص ہے اور چونکہ صدقہ فطر کا نکالنا عیدگاہ جانے سے پہلے ہوتا ہے اس لئے صدقہ نکالتے وقت چند دانے کھالئے اور عیدگاہ تشریف لے گئے۔ اور عیدالاضحیٰ میں صدقہ کا اخراج چونکہ بعد از ذبح تھا اور اس کا وقت نماز کے بعد ہے اس لئے نماز کے بعد ذبح کرتے اس کے بعد صدقہ فرماتے اور اس کے بعد کھاتے۔

غسل در روز عیدین: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں عیدوں میں غسل کرنے کے سلسلے میں دو حدیثیں مروی ہیں ایک فاکہ بن سعد سے جن کی صحبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کو پہنچی ہوئی ہے اور یہ درجہ شہرت کو پہنچ گئی ہے اور بجز اس حدیث کے اور کسی طرح ان کی صحابیت جانی پہچانی نہیں گئی وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ روز عیدالفطر، یوم النحر، یوم عرفہ میں غسل فرمایا کرتے تھے۔ دوسری حدیث زیاد بن عیاض اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک قوم سے کہا کہ جس فعل کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے اسے تم بھی کرتے ہو مگر تم لوگ دونوں عیدوں میں غسل نہیں کرتے لیکن محدثین دونوں حدیثوں کو ضعیف بتاتے ہیں اور میں نے ان دونوں حدیثوں کے سوا کوئی اور حدیث کسی کتاب میں بالکل نہیں پائی اور نہ کتب ستہ میں کچھ منقول ہے۔ بجز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے جس کو جامع الاصول میں موطا سے نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عیدگاہ جانے سے پہلے غسل کرتے تھے اور حضرت ابن عمر کا سنت کی پیروی میں خوب مبالغہ کرنا اس کا مقتضی ہے کہ حدیث اس باب میں صحیح ہو۔ (کذا قالوا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تمام راستہ بآواز بلند تکبیر کہتے تھے اور یہ حکم یعنی تکبیر کا بلند آواز سے راستہ میں عیدالاضحیٰ کی نماز میں تو متفق علیہ ہے اور عیدالفطر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے لیکن آہستہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تک پاپیادہ تشریف لے جاتے اور اس پر عمل کرنا سنت ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک مستحب ہے کہ عیدگاہ پاپیادہ جائے۔ سواری وغیرہ سے نہ جائے۔ مگر کسی عذر سے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے زہری سے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ عید میں نہ جنازہ میں کبھی سوار ہوکر تشریف نہ لے جاتے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدالفطر میں تاخیر فرماتے اور نماز عیدالاضحیٰ کو جلد تر پڑھتے۔ غالباً عیدالفطر میں اس تاخیر کی حکمت یہ ہوگی کہ چونکہ صدقہ فطر بھی ادا کرچکتے اور کچھ طعام بھی ملاحظہ فرمالیا ہوتا اور کوئی امر مہم بھی درپیش نہ ہوتی اس لئے اجتماع کی زیادتی کی خاطر تاخیر فرماتے ہوں گے بخلاف عیدالاضحیٰ کے۔ (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدگاہ پہنچ جاتے تو فوراً ہی نماز شروع کردیتے نہ اذان ہوتی نہ اقامت اور نہ الصلوٰۃ جامعۃ وغیرہ کی ندا۔

تکبیرات عید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اختلاف ہے اور مذہب حنفیہ میں مختار یہ ہے کہ تین تکبیریں رکعت اول میں قرات سے پہلے اور تین تکبیریں دوسری رکعت میں قرات کے بعد ہے اور ہمارے مشائخ واساتذہ فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں روایتیں مختلف مروی ہیں تو ہم نے بھی کم سے کم کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ تکبیرات اور رفع یدین نماز عید میں خلاف معہود وشرع ہے بنابریں کم سے کم کو لینا اولیٰ ہوگا۔ (کذافی الہدایہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیدگاہ میں منبر نہ تھا۔ سب سے پہلے جس نے عیدگاہ میں منبر کا رواج دیا وہ مروان بن

علیہ السلام سے لے کر آج تک کے تمام عارفوں' نبیوں' ولیوں اور صالحوں کا عمل رہا ہے شاعر نے ایک حرف بزبان مجاز کہا ہے اس قیاس پر حقیقت میں بھی تصور کر سکتے ہیں بیت

دیدم کہ خاطرش زمن آزاری کشد   کردم از وقبول گناہ نبودہ را

اس شعر میں آزار خاطر' دعویٰ ہستی کے تو ہم سے کنایہ ہے کہ اس سے اپنے وجود کو پاک رکھنا چاہیے۔ اور ذنبک اسی سے کنایہ ہے اور غفر کے معنی ڈھانپنے کے ہیں۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

از خدا خواہند سر ذات خود در ذات او   ایں بود ساعت بساعت سر استغفار شاں

یہ فنا فی اللہ سے کنایہ ہے۔ بات اس جگہ اس اصطلاح علم وزبان اور وقت سے باہر نکل گئی جو اس کتاب کے وضع وترتیب سے متعلق ہے اور جو اس روش پر جاتا ہے اس کی بات طویل ہو جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے بعد داہنے اور بائیں جانب سلام دیتے۔ چنانچہ آپ کے رخسار ہائے مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی آپ فرماتے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' اور اس میں فرشتوں اور قوم کو مخاطب قرار دیتے اور جماعت میں داہنی جانب کھڑے ہونے کی فضیلت کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کیونکہ معارج قرب سے نزول اور مشہد انوار ونور سے رجوع کے بعد جو کہ نماز ہے' پہلی نظر اسی جانب کے لوگوں پر پڑتی ہے اور درود وسلام کرنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت تھی۔ جسے مشاہیر وعظماء صحابہ میں سے پندرہ حضرات نے روایت کیا ہے اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور دیگر ائمہ کا ہے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک' مقابل وجہ ایک سلام ہے۔ رحمہم اللہ اور وہ حدیث جو اس باب میں روایت کی گئی ہے صحیح نہیں ہے اور اگر بعض وقت ہو بھی تو رات کی نماز میں ہوگی چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جگانے کے لیے ایک سلام کرتے محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث ''معلل'' ہے اور اگر ''معلل'' نہ ہو تو یہ عبارت اس میں صریح نہیں ہیں کہ دوسرا سلام نہ کہتے تھے۔ اس میں یہ حدیث خاموش ہے۔ اور ممکن ہے کہ دوسرا سلام بھی ہو مگر اس میں آواز کی بلندی اتنی ہو جس سے اہل بیت کو جگانا مقصود ہو اور اس جگہ امام احمد سے منقول وہ وجہ بھی ظاہر ہو گئی کہ وہ ایک سلام کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے اعلام وخبردار کرنے کے لیے ایک سلام کہتے اور دوسرا سلام آہستہ فرماتے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ مقابل وجہ سے مراد یہ ہے کہ سلام کی ابتدا جانب قبلہ سے کرتے اس کے بعد داہنی اور بائیں جانب توجہ والتفات فرماتے کیونکہ اس میں رفع صوت نہ فرماتے۔ اور ایک سلام کے بارے میں سہل رضی اللہ عنہ بن سعد سے بھی ایک حدیث مروی ہے جو کہ محدثین کے نزدیک مطعون ہے اور امام شافعی سے اہل علم نقل کرتے ہیں کہ نمازی کو اختیار ہے چاہے ایک سلام کہے چاہے دو سلام کہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں التفات نہ فرماتے اور صحابۂ کرام کو بھی اس سے منع فرماتے۔ خصوصاً نماز فرض میں التفات کے معنی گردن پھیر کر داہنے یا بائیں جانب دیکھنا' لہٰذا گوشۂ چشم سے دیکھنا التفات نہیں نہ یہ مکروہ ہے۔ کذا فی النہایہ۔ اور ابن الہمام شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حد تک التفات کرنا مکروہ ہے کہ گردن کو اتنا گھمائے کہ مواجہ قبلہ سے باہر ہو جائے۔ اس کے ساتھ اگر اپنے تمام بدن کو پھیر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا التفات کی ایک قسم مفسد ہے اور ایک قسم مکروہ' جیسا کہ عمل کثیر مفسد ہے۔ اور عمل قلیل مکروہ (انتہی)۔

اور شمنی فرماتے ہیں کہ سینہ کو گھمائے بغیر گردن گھمانا مکروہ ہے اور اگر سینہ گھمائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر گوشہ چشم یعنی کنکھیوں سے دیکھے تو مکروہ نہیں' ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا' رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں

الحکم ہے جب کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کی جانب سے امیر مدینہ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی بنا پڑی یہ کثیر بن الصلت سے مروی ہے جس کا گھر عیدگاہ کے قریب تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید خطبہ سے پہلے پڑھتے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو کر خطبہ شروع فرماتے۔ تمام اصحاب کتب کا اس روایت پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید الاضحیٰ اور عید الفطر خطبہ سے پہلے پڑھتے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے بعد ایسا ہی کرتے رہے۔ ترمذی نے کا اسی پر تمام اہل علم صحابۂ کرام کا عمل ہے اور کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا وہ مروان تھا جب کے وہ امیر مدینہ تھا۔ فتح الباری میں منقول ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ جس نے سب سے پہلے خطبہ دیا کون ہے۔ مشہور یہ ہے کہ مروان تھا جیسا کہ صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، کی حدیث میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا اور اپنے اوائل خلافت میں آپ پہلے نماز پڑھتے پھر خطبہ دیتے تھے۔ اور آخر زمانہ میں۔ جب دیکھا کہ لوگ نماز میں نہیں پہنچ سکتے تو اس مصلحت کے پیش نظر خطبہ کو نماز پر مقدم فرمایا اور یہ مصلحت مروان کی اس علت کے برخلاف ہے جس کی بنا پر اس نے خطبہ مقدم کیا تھا وہ یہ کہ لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔ اور اس کا خطبہ سن لیں اور اس کا خطبہ ان لوگوں کی مذمت و برائی میں ہوتا جس کے وہ لائق نہیں تھے۔ اور ان لوگوں کی تعریف و مدح پر ہوتا جس کے وہ مستحق نہ تھے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی صراحت مذکور ہے کہ مروان نے کہا کہ میں نے خطبہ کو اس لئے مقدم کیا ہے کہ لوگ خطبہ کے سننے کا انتظار نہیں کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسی تقدیم کبھی کبھی فرمائی ہو۔ اور مروان نے چونکہ اس پر ہیشگی اختیار کر رکھی تھی اس لئے مروان کے اس فعل کی شہرت ہوگئی۔ اور عبدالرزاق ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے خطبہ کو نماز پر مقدم کیا وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (واللہ اعلم)

ابن الہمام، فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ حنانہ کا منبر بنانے میں علماء اختلاف کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ مکروہ ہے۔ اور خواہر زادہ نے کہا کہ حسن ہے اور ہمارے زمانے میں حضرت امام ابوحنیفہ سے ''لا باس بہ'' یعنی کوئی حرج نہیں مروی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے اس راہ سے واپس تشریف نہ لاتے بلکہ دوسرے راستے سے واقت تشریف لاتے۔ علماء نے اس میں کئی نکتے ظاہر فرمائے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ یا تمام ہی نکتے حضور کے پیش نظر اور متصور ہوں (واللہ اعلم) حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں جو اسرار و معانی پنہاں ہیں ان تک مخلوق کی رسائی دشوار ہے اور ان کو پانا محال ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راہ کی تبدیلی اس بنا پر تھی تاکہ مقامات مختلفہ، اماکن متعددہ اور مواضع متفرقہ اور وہاں کے رہنے والے انسان و جنات اور فرشتے طاعات ونیکیوں پر گواہ بن جائیں یا یہ وجہ ہو کہ دونوں راستے حضور کو سلام کر سکیں اور اس عمل کے ثواب و بزرگی سے مشرف ہو سکیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے جواب دینے میں جو خیر و برکت اور خوش نصیبی مضمر ہے اس سے دونوں راستوں کے لوگ متمتع اور بہرہ ور ہو سکیں۔ یا یہ وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں دونوں راستوں اور وہاں کے رہنے والوں کو حاصل ہو سکیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کی فضیلت و برکت اور شرف حضوری میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ یا یہ وجہ ہو کہ دونوں راستے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طیب وطاہر جانفزا خوشبو کو سونگھیں یا یہ وجہ ہو کہ دونوں راستوں کے رہنے والوں کی ضرورتیں، تعلیم و ارشاد فرما کر، صدقات وخیرات عطا فرما کر اور اپنے جہاں فزا جمال کے مشاہدے سے سرور مرحمت فرما کر ان کی خواہشیں پوری فرمائیں۔ یا یہ وجہ ہے کہ دونوں راستوں میں شعائر وشرائع اسلام کا اظہار حاصل ہو اور دونوں راستوں کو ذکر الٰہی اور اس کی برکتیں ان کو شامل ہو جائیں یا

یہ وجہ ہے کہ اہل کفر ونفاق کو مشاہدۂ عزت اسلام اور رفعت اعلام دین کے ذریعہ بحکم لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ اور قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ (آلایات) سے انہیں غمناک واندوہگیں بنائیں۔ اور لشکر اسلام کی کثرت اور اس کی عزت سے ان کے دلوں میں رعب ڈالا جائے۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدگاہ تشریف لے جانا داہنی جانب تھا اور اگر واپسی بھی اسی راستے سے ہوتی تو یہ بائیں جانب واقع ہوتا اس بنا پر واپسی کے لئے دوسری راہ اختیار فرماتے۔ تاکہ وہ بھی داہنی جانب واقع ہو جائے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں سمت قبلہ جانب جنوب ہے اور عیدگاہ جانب غرب ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ عیدگاہ تشریف لے جانا داہنی جانب سے تھا اور منزل شریف عیدگاہ میں تشریف لے گئے تھے تو واپسی جانب شمال سے واقع ہوتی۔ اور یہ جو صاحب مواہب لدنیہ نے کہا ہے کہ یہ دلیل کی محتاج ہے لہٰذا ساقط ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ شروع میں داہنی جانب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہوگا۔ نیز یہ معانی جسے علماء نے بیان کیا ہے۔ برسبیل ہیں اور ابتداء میں داہنی جانب کو اختیار فرمانا خود متحمل ہے اور لوگوں میں مشہور وجہ یہ ہے کہ راستہ کی تبدیلی کو اختیار فرمانا اعداء دین کے مکر سے خوف کی بنا پر تھا تاکہ وہ ہلاکت کی گھات میں نہ بیٹھیں۔ حالانکہ یہ وجہ خود محل نظر ہے اس لئے کہ اگر یہی وجہ ہوتی تو بار بار یہ روش اختیار نہ فرماتے۔ اور اپنی عادت کریمہ نہ بناتے تاکہ دشمنان دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ سے واقف ہو کر دوسری راہ میں گھات لگا کر نہ بیٹھیں۔ اس نظریہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جداگانہ راستہ کی ہمیشہ عادت بنا لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا راستہ کوئی خاص معین فرما لیا ہے یا یہ وجہ ہے کہ زندہ اور وفات پائے ہوئے اقارب سے ملاقات اور صلہ رحمی کے لئے دوسرا راستہ اختیار فرماتے یا یہ وجہ ہے کہ تخفیف اژدہام اور ہجوم خلائق کی بنا پر یہ عادت تھی یا یہ وجہ ہے کہ تشریف لے جاتے وقت فقراء کو صدقہ عطا فرماتے تھے اور واپسی کے بعد کچھ باقی نہ رہتا تھا اس لئے واپسی پر ایسا دوسرا راستہ اختیار فرماتے جہاں فقیروں اور سائلوں کا ہجوم نہ ہوتا کہ سائلوں کو جھڑکنا اور منع کرنا لازم نہ آئے اس وجہ کو صاحب مواہب نے کمزور اور بعید قرار دیا ہے اور معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ راستوں کی یہ تبدیلی بر طریق تفاول اختیار فرماتے تھے مطلب یہ کہ جس طرح کہ پہلے راستہ میں مغفرت ورضا اور مقام قرب ووصال میں ترقی کی جانب ایک حالت تھی یہ حالت دوسرے راستہ بھی برقرار رہے یہ وجہ باریکی وخفا سے خالی نہیں ہے۔ یا یہ وجہ ہو کہ عیدگاہ کی جانب جاتے وقت راستہ طول وطویل ہوتا تھا۔ اور واپسی میں ایسا نہ ہوتا تھا تاکہ جاتے وقت قدموں کے زیادتی سے جو کہ عبادت کے لئے جانا تھا اس سے زیادتی ثواب کا حصول مقصود تھا لیکن جب منزل شریف کی جانب واپسی ہوتی تو جلدی سرعت دکھاتے کیونکہ اس میں عبادت کا مقصد شامل نہ تھا علماء اس وجہ میں اس امر سے کلام کرتے ہیں کہ واپسی کے وقت میں قدموں کی زیادتی پر اجر وثواب بھی ثابت ہے جیسا کہ حج وغزوہ میں ثابت ہو چکا ہے اگر اس وجہ کے برعکس کہیں تو کوئی صورت ممکن تھی۔ یعنی یہ کہا جاتا کہ شاید جاتے وقت راستہ مختصر اور تھوڑا تھا اور چاہتے تھے کہ طاعت میں جلدی کا اظہار فرمائیں اور اول وقت کی فضیلت پائیں بخلاف واپسی کے وقت کے، کہ اگر دیر سے بھی منزل شریف پر پہنچیں تو کوئی چیز فوت نہیں ہوتی۔ غرضیکہ ان تمام وجوہات کی بنیاد احتمال پر ہے اور ابن حمزہ نے کہا ہے کہ راستہ میں تبدیلی کی وجہ، حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول مبارک کی موافقت ہے جو انہوں نے اپنے گیارہ فرزندوں سے فرمایا تھا کہ "لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ آلایۃ (تم سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا) حالانکہ انہوں نے بدنظری سے بچنے کے لئے نصیحت فرمائی تھی (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال) میں نے نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے بعد نوافل پڑھنے کے بارے میں شرح سفر السعادۃ میں ذکر کر دیا ہے۔ چونکہ اس جگہ مقصود اصلی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال افعال کا ذکر کرنا ہے۔ اس لئے اس سے اس جگہ تعرض نہیں کیا گیا۔

نماز استسقاء: وصل: صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے سنت ہونے میں کسی عالم نے اختلاف نہیں کیا ہے

مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان حدیثوں سے جن میں نماز کا ذکر نہیں آیا ہے اس کے خلاف سنت ہونے پر استدلال کیا ہے۔اور علماء جمہور ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو صحیحین وغیرہما میں ثابت ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء میں دو رکعتیں پڑھیں اور وہ حدیثیں جن میں نماز کا ذکر نہیں ہے ان میں سے کچھ تو راوی کے نسیان پر محمول ہیں اور کچھ ان میں سے خطبہ جمعہ سے متعلق ہیں کیونکہ اس کے بعد نماز جمعہ ہے لہٰذا اسی پر اکتفا کیا گیا۔اور اگر استسقا کے لئے نماز ہی نہ پڑھی تو یہ دعا کے ساتھ، بیان جواز استسقاء کے لئے ہے اور اصل جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور مقررہ قاعدہ کے بموجب، ثابت کرنے والی حدیثیں مقدم ہیں۔کیونکہ قول مثبت، نافی پر مقدم ہوتا ہے یہ سب شوافع کا کلام ہے۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استسقاء میں کوئی مسنون نماز نہیں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ کے بموجب یہی دعا و استغفار کا نام استسقاء ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا — اپنے بخشنے والے رب سے تم استغفار کرو وہی آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برساتا ہے۔

نیز جن حدیثوں میں استسقاء کی وجوہات مذکور ہیں ان میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔بجز اس ایک وجہ کے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھلی جگہ (میدان) میں تشریف لے گئے اور دو رکعت پڑھ کر خطبہ دیا۔اور یہ حدیث اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ یا تو پایۂ صحت ہی کو نہیں پہنچتی یا یہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔نیز سنت وہ ہوتی ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی ترک کرنے کے ساتھ اس پر ہمیشگی فرمائی ہو حالانکہ اس جگہ ترک صلوٰۃ، اکثر ہے اور یہ فعل ایک مرتبہ کے سوا ہے ہی نہیں اور یہ روایت تو صحت کو پہنچ چکی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے استسقاء کی اور وہ بھی دعا و استغفار سے آگے نہ تھی اور اگر استسقاء میں کوئی مسنون نماز ہوتی تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا عدم علم یا عموم بلوٰی با وجود قرب عہد بزمان نبوت یا ان سے باوجود علم کے اس کا ترک کرنا کوئی اور صورت نہیں رکھتا اور علماء فرماتے ہیں کہ استسقاء میں کسی نماز کے نہ ہونے سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز، ان تمام خصوصیات کے ساتھ جو نماز عید میں ہیں مسنون نہیں ہے ورنہ اگر ہر ایک جدا جدا اور تنہا تنہا نماز پڑھے گر یہ وزاری کرے اور دعا و استغفار میں گڑگڑائے تو درست ہے۔اور حسن و محمود ہے۔

غرضیکہ باب استسقاء میں احادیث مرویہ میں سے ہر ایک، کسی نہ کسی اضطراب سے خالی نہیں ہے اور ہر اس حدیث کی سند جو ان خصوصیات و کیفیات پر مشتمل ہے بغیر ضعف کے نہیں ہے لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مغز اور مقصود کو اختیار فرمایا اور وہ دعا و استغفار ہے اور نماز کو بھی جائز رکھا اور جماعت خطبہ اور اس قسم کی دیگر باتیں، یقینی نہ ہونے کی وجہ سے اختیار نہ فرمائیں (واللہ اعلم)۔

صاحبین اور ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ کے نزدیک استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز اور خطبہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ہیں۔اور اب فتویٰ مذہب حنفیہ میں بھی صاحبین کے مذہب کے عمل پر ہے۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کی دعا میں بہت تضرع و ابتہال فرماتے اور اپنے دست ہائے مبارک کو مبالغہ کے ساتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے بغل ہائے شریف کی سفیدی ظاہر ہو جاتی اور آپ کے دست ہائے مبارک، سر مبارک سے اونچے اٹھ جاتے، علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ واقعہ بہت دشوار تر ہے اور سوال و طلب بھی قوی تر ہے اس لئے دست ہائے مبارک بھی بلند تر ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ، مسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء یعنی باران رحمت کی دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف پھیلایا۔مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء میں دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہتھیلیوں کا باطنی رخ، زمین کی جانب تھا اور اس کا ظاہر آسمان کی طرف، اور یہ کیفیت اس کے برعکس تھی جو عام طور پر دعا کرتے

وقت ہوتی تھی۔ ابوداؤد کی روایت میں بھی ایسا ہی ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ جب دعا کسی مطلب کے لئے ہو اور کسی نعمت کی قسم کا سوال ہو تو مستحب یہ ہے کہ ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے اور جب فتنہ و بلا کے دفع کرنے کے لئے دعا ہو تو ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرے اس میں اشارہ ہے کہ غضب، فتنہ و بلا کے جوش کو ٹھنڈا کرے۔ اور پیدا شدہ قوت و غلبہ کو پست و فروتر کرے۔

طیبی نے کہا کہ حالت کے بدلنے میں نیک فالی بھی ہے مثلاً چادر کو بدلنے میں جو استسقاء میں منقول و مروی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ چادر کا الٹنا پلٹنا تغیر حالت اور بارش کے نہ ہونے کی تبدیلی کے لئے تفاول ہے۔ اور تنگی کو فراخی سے اور خشک سالی کو باران رحمت سے بدلنے کی جانب نیک فالی ہے اور بعض فرماتے ہیں بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ حکم کا بجالانا ہے اور حکم دیا گیا ہو گا کہ ایسا کرو تا کہ حالت بدل جائے اور محض نیک فالی ہی نہ رہے اس لئے کہ تفاول کی شرط یہ ہے کہ قصد و اختیار سے نہ ہو بلکہ خارج میں کسی چیز سے ہو نہ کہ محض قصد و اختیار سے اس شخص کے واقع ہو اور بالکل بجا تفاول لیتے ہیں۔ (کذا قیل)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی استسقاء چند مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ اس قحط کے وقت جو کہ آپ کے زمانہ مبارک میں لاحق ہوا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ میں مصروف تھے۔ اس وقت ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر فریاد کی یا رسول اللہ: هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ لَنَا (مال تباہ ہو گیا۔ گھر والے بھوک سے بلکنے لگے ہمارے لئے دعا فرمائیے)۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا۔ (اے خدا ہم پر بارش فرما، اے خدا ہمیں سیراب فرما) تو پہاڑوں کی مانند بادل اٹھے اور برسنے لگے پھر جب دوسرا جمعہ آیا تو اسی اعرابی نے فریاد کی اور کہا یا رسول اللہ: تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ۔ (مکانات منہدم ہو گئے اور مال ڈوب گئے) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست ہائے مبارک کو اٹھایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بنی آدم کی زود رنجی پر تبسم فرمایا اور دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ الظِّرَابِ بُطُوْنَ الْاَوْدِيَةِ. (اے خدا ہمارے گرداگرد بارش فرما ہم پر نہیں۔ اے خدا ہمارے باڑوں پر کھیتوں پر اور جنگلوں پر) اور جس طرف بھی انگشت ہائے مبارک کا اشارہ فرماتے جاتے بادل کھلتا جاتا اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ منورہ کے اوپر سے ابر کھل گیا اور گرداگرد برستا رہا اور مدینہ منورہ میں ایک قطرہ تک نہ برسا۔

دوسری مرتبہ حضور، تواضع و خشوع اور کامل نگونساری کے ساتھ نماز پڑھنے کی جگہ میدان میں تشریف لائے یہاں منبر رکھا گیا اور خطبہ دیا اس خطبہ کا اتنا حصہ محفوظ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَ نَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّ بَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ

آپ نے دعا مانگی اور منبر شریف سے اتر آئے۔ اور بغیر اذان و اقامت کے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور قرأت جہر سے فرمائی۔ پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں: هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھی جیسا کہ روز عید و جمعہ میں پڑھتے تھے اس کے بعد حق تعالیٰ نے رعد و کڑک کے ساتھ ابر بھیجا اور خوب بارش ہوئی۔ یہاں تک کہ مسجد شریف میں آتے آتے سیل رواں ہو گیا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بھاگتے دوڑتے اور کونوں میں چھپتے ملاحظہ فرمایا تو تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاِنِّيْ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور یہی وہ حدیث ہے جس کو ائمہ کرام استسقاء میں دلیل کے طور

پر لاتے ہیں۔اور تیسری مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں منبر شریف پر جمعہ کے علاوہ دعائے استسقا فرمائی۔جیسا کہ بیہقی دلائل النبوۃ میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنی فرارہ کا ایک وفد حاضر ہوا اور اس نے قحط کی شکایت کی اور عرض کیا یارسول اللہ اپنے رب سے دعا مانگیے تا کہ ہم پر وہ بارش فرمائے اور آپ کو اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کرنی چاہیے۔اور حق تعالیٰ کو بھی آپ کی شفاعت قبول کرنی چاہیے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ویلکم'' افسوس ہے تم پر، سب حق تعالیٰ کی شکایت کرتے ہو کون ہے کہ اس کی پروردگار شفاعت قبول کرے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی برتر وعظمت والا ہے۔پھر فرمایا تمہاری اس فریادوزاری اور خوف پر حق تعالیٰ خندہ فرماتا ہے۔ان میں سے ایک اعرابی کھڑا ہوا اس نے کہا ہمارا رب خندہ فرماتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں خندہ فرماتا ہے۔اس اعرابی نے کہا اب تو ہم اپنے رب سے مانگنے میں ہرگز کوتاہی نہ کریں گے کیونکہ وہ ہمارے مانگنے پر خندہ فرماتا اور ہمارے حال پر خوش ہوتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کی بات پر تبسم فرمایا اس کے بعد منبر شریف پر تشریف لائے اور دعا کے لئے دست ہائے مبارک اٹھائے اور بارش کی دعا کی یہاں تک کہ پورے ایک ہفتہ بارش ہوئی (الحدیث) اس دعائے استسقاء میں نماز محفوظ ومروی نہیں ہے بلکہ محض خطبہ اور دعا ہے۔

اور چوتھی مرتبہ مسجد مدینہ مطہرہ میں تشریف رکھ کر استسقا فرمائی نہ قیام فرمایا نہ دعا کے لئے منبر شریف پر قدم رنجہ ہوئے۔اس مرتبہ کی دعا میں سے صرف اتنا محفوظ ہے: اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّرِيْعًا طَبَقًا عَاجِلاً غَيْرَ رَائِثٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ اے خدا ہم کو سیراب فرما۔ بہتے ہوئے مینہ سے بغیر دیر کے اپنی مرضی کے موافق جو نفع رساں ہو ضرر رساں نہ ہو۔

اور پانچویں مرتبہ مدینہ منورہ کے اس مکان میں جسے ''الحجار الزیت'' کہتے ہیں۔اس مکان میں کھڑے ہو کر استسقا فرمائی اور دست ہائے مبارک کو چہرۂ انور کے مقابل یہاں تک اٹھایا کہ سر مبارک سے اونچے ہو گئے۔یہ واقعہ اس غزوہ کا ہے کہ مشرکوں نے پانی پر قبضہ کرنے میں سبقت کی تھی۔اور پانی کے کنارے پڑاؤ ڈالا تھا اور مسلمانوں کا لشکر بغیر پانی کے رہ گیا تھا اور سب پر پیاس غالب آ چکی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے اپنا حال عرض کیا اور منافق جو اکثر یہودیوں میں سے تھے مشرکوں سے کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو اپنی قوم کے لئے پانی طلب کرتے (استسقاء فرماتے) جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے استسقاء کیا تھا اور پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے نکالے تھے اور ہر چشمہ ہر ایک کے لئے جدا نکالا تھا کیونکہ ان کے لشکر میں بارہ فرقے تھے۔جیسا کہ قرآن میں بھی مذکور ہے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا وہ ایسی بات کہتے ہیں تو تم غمزدہ نہ ہو حق تعالیٰ یقیناً تم کو پانی عطا فرمائے گا۔اس کے بعد حضور نے دعا کے لئے ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا مانگی اسی وقت ایسا ابر نمودار ہوا کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور خوب زور کی بارش ہوئی اور بڑے بڑے جنگل پانی سے بھر گئے۔یہی چند مواقع ہیں جو استسقاء میں حضور سے مذکور ومشہور ہیں۔بخاری و مسلم اور ترمذی میں باختلاف الفاظ مروی ہے کہ جب قریش نے اسلام لانے میں دیر کی اور تمرد وسرکشی اختیار کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی اور ایک روایت میں ہے کہ ''سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ'' یعنی ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قحط کی مانند قحط میں مبتلا کر۔تو ان کو قحط نے پکڑ لیا۔اور وہ اس میں ہلاک ہونے لگے اور مرداروں، کھالوں اور ہڈیوں کو کھانے لگے۔وہ آسمان میں دھوئیں کی مانند کوئی چیز دوڑتی دیکھتے تھے۔اس پر ابوسفیان آئے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو صلہ رحمی کا حکم کرنے تشریف لائے ہیں یہ قوم ہلاک ہوئی جاتی ہے تو خدا سے بارش کی دعا مانگیے۔'' پھر حضور نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی قحط دور ہوا۔اس قصہ کی تفصیل سورۂ حم الدخان کی تفسیر میں اس آیۂ کریمہ کے تحت ہے کہ ''یوم تاتی السماء بدخان'' تو وہ قحط حضور کی دعا سے دور کر دیا گیا تھا۔

علماء فرماتے ہیں کہ قریش کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بددعا کی ابتدا اس روز سے ہوئی جب کہ ان بدبختوں نے نماز

کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت اطہر پر اونٹ کی اوجھری رکھ دی: لَعَنَ اللّٰہُ عَلَی الْکَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ مکہ مکرمہ کا ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں اس قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے قول میں کہا تھا: وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ورنہ وہ تمام وجوہات جو پہلے مذکور ہوئیں وہ سب مدینہ منورہ سے متعلق ہیں۔ اور اس وقت ابوطالب موجود نہ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوطالب کے قول میں جو اشارہ ہے وہ اس زمانہ کی طرف ہے۔ جب حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں قحط پڑا تھا اور انہوں نے قریش کے لئے استقا کیا تھا اور حضور اس زمانے میں صغیر السن تھے۔

مخفی نہ رہنا چاہئے کہ ابوطالب کا قول ''یستسقی الغمام بوجہہ'' وقوع استقاء کا طالب نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی اور آپ کی عادت شریفہ اس کی مقتضی ہے کہ اگر استقاء کریں تو پانی مرحمت فرمایا جائے گا۔ اور یہ آسمان سے پانی دینا حق تعالیٰ کا کام ہے کہ خلق کو اپنے حبیب کی دعا سے دیتا ہے۔ اور زمین سے پانی دینا یہ آنحضرت کا الگ معجزہ ہے۔ تو اس سے پتہ چل گیا کہ آپ کا تصرف اللہ تعالیٰ کی رضا وتائید سے زمین وآسمان کو شامل ہے' لٰہذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف حسی وروحانی رزق اور ظاہری وباطنی تمام نعمتیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے اور طفیل سے ہیں مصرعہ آخرا ے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔

بیت شکر فیض تو چمن چوں کندا ے ابر بہار | کہ اگر خار دگر گل ہمہ پروردۂ تست

اور شیخ العالم، عارف باللہ محمد بکری رحمۃ اللہ علیہ پڑھا کرتے تھے۔ نظم

مَا اَرْسَلَ الرَّحْمٰنُ اَوْ یُرْسِلُ | مِنْ رَّحْمَتِهٖ یَصْعَدُ اَوْ یَنْزِلُ
فِیْ مَلَكُوْتِ اللّٰہِ اَوْ مُلْكِهٖ | مِنْ كُلِّ مَا یَخْتَصُّ اَوْ یُشْمِلُ
اَلَاوَطٰهَ الْمُصْطَفٰی عَبْدُهٗ | وَنَبِیُّهُ الْمُخْتَارُ الْمُرْسَلُ
وَاسِطَ فِیْهَا وَاصِلٌ لَهَا | یَعْلَمُ هٰذَا كُلُّ مَنْ یَّعْقِلُ

گہن میں نماز: فصل: صلوٰۃ کسوف کے بیان میں۔ جاننا چاہئے کہ لغت میں چاند گہن کے لئے خسوف اور سورج گہن کے لئے کسوف مشہور ہے لیکن حدیث کی روایتوں میں دونوں جگہ کاف سے مروی ہے اور کہیں کہیں دونوں جگہ خاء سے بھی ہے۔ اور جماعت محدثین حاء سے چاند میں اور کاف سے سورج میں گہن لگنے کو استعمال کرتی ہے۔ اور جس قدر حدیثیں اس بارے میں مروی ہیں وہ سب سورج گہن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کی خبر دیتی ہیں بجز اس حدیث کے جسے شیخ ابن حجر نے اپنی مشکوٰۃ کی شرح میں چاند گہن پر محمول کیا ہے اور اس امر کی خبر جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں واقع ہے یہ ہے کہ: اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰہَ۔ سورج اور چاند خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانی ہیں جب تم اس نشانی کو دیکھو تو خدا کا ذکر کرو۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: فَادْعُوا اللّٰہَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا تو اللہ سے دعا مانگو، کبریائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ دو۔

لیکن ان دونوں حدیثوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہیں معلوم ہوسکا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں درازی فرمائی اور معمول سے زیادہ قیام ورکوع اور سجود کو طویل کیا اور قرأت سورۂ بقر کے انداز پر فرمائی اور اسی کے مطابق رکوع وسجود بھی کیا اور حدیث میں ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع کئے۔ اور ایک روایت میں تین چار اور پانچ بھی ہے رکوع کو طویل فرماتے پھر سر مبارک اٹھاتے پھر رکوع فرماتے اسی طرح تین چار مرتبہ کیا اور امام شافعی کے نزدیک یہ نماز دو رکوع

اور خطبہ کے ساتھ ہے اور اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول پر ہے۔ اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک بغیر جماعت کے ایک رکوع اور بغیر خطبہ کے معمول کے مطابق نماز ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ناطق ہے۔ جو ہمارا مذہب ہے۔ اور ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ مردوں پر حال زیادہ روشن ہے۔ کیونکہ وہ اگلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور عورتیں و بچے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ شیخ ابن الہمام ایسی احادیث کو روایات صحیحہ اور حسنہ کیساتھ لائے ہیں جو مذہب حنفی کو ثابت کرنے والی ہیں اور تعداد رکوع والی حدیثوں پر جرح کی ہے کیونکہ ان کے راویوں میں اضطراب بیان کیا گیا ہے۔ بعض نے دو رکوع روایت کئے۔ اور بعض نے تین اور چار اور بعض نے پانچ۔ اس لئے لازم ہے کہ اس طریقہ پر نماز پڑھی جائے جو معمول کے مطابق و موافق ہے۔ اور جیسا کہ راویوں نے مطلق بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا: فَـاِذَا كَـانَ كَـذٰلِكَ فَـصَـلُّوْا (پھر جب ایسا ہو تو نماز پڑھو) اور اسی اضطراب کی وجہ سے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اس اضطراب کا سبب وہ اشتباہ ہے جو کثرت اژدہام کی بناء پر پچھلی صفوں میں ہونے کی وجہ سے رونما ہوا۔ اور ظاہر ہے یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک ہی مرتبہ گہن واقع ہوا تھا اور کسی نے بھی کئی مرتبہ گہن واقع ہونے کی روایت نہیں کی ہے دس سال کی قلیل مدت میں اس کا تعدد بعید از قیاس اور خلاف عادت ہے اور حدیثوں میں یہ جو آیا ہے کہ اس کا وقوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ سے 8 ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ اور 10 ہجری میں ایام رضاعت میں ہی انتقال فرما گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی موت کے سبب سورج میں گہن پڑا تھا۔ چونکہ لوگوں میں مشہور تھا کہ کسی عظیم حادثہ کے سبب گہن واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحبزادۂ رسول کی وفات ایک عظیم حادثہ تھی اسی بنا پر گہن واقع ہوا۔ چنانچہ فرمایا سورج و چاند خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانی ہیں جو قدرت الٰہی اور اس کی صنعت کمال پر دلالت کرتی ہے۔ حالانکہ کسوف و خسوف بجائے خود حق تعالیٰ کی کمال قدرت و سلطنت پر دلالت کرتے ہیں اور اہل بصیرت کے لئے موجب عبرت و نصیحت ہیں کہ جس طرح حق تعالیٰ ایک گھڑی میں ان کی نورانیت و تابانیوں کو سلب کر کے تاریک و سیاہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ قادر ہے (العیاذ باللہ) کہ وہ لوگوں کے علم و ایمان کے نور کی روشنی کو سلب کر کے تاریک و سیاہ کر دے۔

اور روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دسویں محرم (عاشورہ) یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ اس میں منجموں کے اس قول کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سورج گہن ہمیشہ مہینے کے آخری تین دنوں میں واقع ہوتا ہے البتہ عادۃً ایسا ہو تو ممکن ہے مگر یہ گہن خلاف عادت تھا اور اگر وہ یہ کہیں کہ ان تین دنوں کے سوا میں محال ہے تو ان کی یہ بات باطل ہے: وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ.

حالت خوف کی نماز: وصل: خوف کے وقت نماز پڑھنا، کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ (الاٰية و اٰية) اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ.

اور جب تم ان میں ہو تو ان کو نماز کے لئے کھڑا کرو اور ایک جماعت اٹھتی ہے (ایک آیت میں یہ ہے) اور جب تم زمینی سفر میں ہو تو تمہارے لئے مضائقہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو۔

اور اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز کو دو رکعت سے قصر کریں۔ اور بعض حضرات اس آیت کو خوف کی نماز پر محمول کرتے ہیں کہ اس میں بھی بعض افعال و کیفیات کے ترک سے قصر کرنا وارد ہے جس طرح کہ سفر میں عدد و کمیت میں قصر کرنا آیا ہے۔ بعض دونوں کو شامل قرار دیتے ہیں۔ امام ابو یوسف کی ایک روایت کے بموجب اور حسن بن زیاد احناف سے اور مزنی شوافع سے یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ نماز زمانہ نبوت کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی فضیلت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے کی بنا پر ہے

اورآیہ کریمہ وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ. کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔اور جمہور ائمہ کے نزدیک مختار، بعدازز مانہ نبوت میں اس کا جواز ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام میں سے حضرت علی مرتضٰی، ابوموسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمان وغیرہ رضی اللہ عنہ نے قائم فرمائی اوراِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ۔اس امر کے ساتھ قید اتفاقی ہے کہ: "کُنْتَ" "اَنْتَ" "او" مَنْ یَّقُوْمُ مَقَامَكَ ہے۔مطلب یہ کہ آپ بذات خود تشریف فرما ہوں یا آپ کے قائمقام کوئی اورامام موجود ہو جیسا کہ آیہ کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ سے ثابت ہے یعنی صدقہ کے اموال یا تو آپ خودلیں یا آپ کے نائبین لیتے رہیں اور نماز خوف کو اپنی کیفیات کے ساتھ پڑھنا غایت درجہ مؤکد اوراس نماز کی محافظت ایسی شدید واقع ہے کہ جس میں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز خوف، مصلحت وقت کے موافق اور سامنے دشمن کی موجودگی کے وقت، متعدد وجوہات پر صحیح وثابت شدہ ہے۔اور ہر ایک امام نے ان وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ اختیار کی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان وجوہات میں سے وہ وجہ مختار ہے جسے تمام کتب ستہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے اور اگر ہم اسی کو بیان کریں تو بعید نہ ہوگا۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی جانب جہاد میں تھے تو ہم روبرو ہوکر صف باندھ کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے اور ہماری امامت فرمائی۔اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضور کے ساتھ نماز میں شریک تھی اور دوسری جماعت دشمنوں کے خلاف نگہداشت کے طور پر کھڑی رہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ رکوع کیا۔اور دوسجدے کئے۔اس کے بعد پہلی جماعت، دوسری جماعت کی جگہ جا کر کھڑی ہوگئی۔اور دوسری جماعت ان کی جگہ آ گئی۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دوسجدے کئے اور سلام پھیر دیا اور حضور کھڑے ہو گئے اسکے بعد ان دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی وہ رکعت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیچھے نہ پڑھی تھی ادا کی۔یہ ترجمہ بخاری کے لفظ کا ہے۔اور باقی دیگر کتب ستہ میں بھی باختلاف الفاظ وعبارات ایسا ہی مروی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ لفظ قرآن کے زیادہ موافق ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ کون سی نماز تھی لیکن سفر میں تھے اس بنا پر دورکعتیں پڑھیں لیکن مذہب حنفی زیادہ عام ہے۔خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔نماز خوف جائز ہے۔لہٰذا فرماتے ہیں کہ دورکعت والی نماز خواہ حضر میں ہو یا قصر میں۔امام ہر ایک جماعت کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھے اور چار رکعت والی نمازوں میں (حالت حضر میں) ہر جماعت کو دورکعتیں امام پڑھائے گا۔اور مغرب میں پہلی جماعت کو دو اور دوسری جماعت کہ ایک رکعت پڑھائے گا۔امام احمد شافعی رحمہما اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔بربنائے عموم ارشاد باری تعالیٰ اِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ جیسا کہ کہتے ہیں اور ممکن ہے کہ حضر میں اس کا اثبات قیاس کے ذریعہ (واللہ اعلم) امام مالک کے نزدیک سفر کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور دیگر وجوہات بھی حدیث کی کتابوں میں متعدد اسناد اور صحیح روایت کے ساتھ مذکور ہیں چونکہ ان کی تفصیل سے ہماری غرض متعلق نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ ان اسباب کی وجہ سے آخر زمانے میں نماز خوف کا وجود بہت ہی نادر ہوگا۔ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔اور یہ بھی اس تقدیر پر ہے جب کہ اس طرح نماز ادا کرنے کی قدرت ہو۔اور اگر خوف زیادہ ہے اور قدرت کا دائرہ تنگ ہو تو جس طریقہ سے بھی ممکن ہو نماز پڑھے خواہ پیدل خواہ سوار ہو کر، خواہ اشارے کے ساتھ رکوع وسجود کرے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کی بعض سندوں میں اس معنی ومفہوم کی تصریح بھی واقع ہوئی ہے۔اگر میدان کارزار اس حد تک گرم ہو کہ نماز پڑھنا کسی صورت میں بھی ممکن نہ ہو تو قضا کرے۔جیسا کہ غزوۂ خندق میں واقع ہوا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوةِ الْوُسْطٰی صَلٰوةُ الْعَصْرِ مَلَاَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَ قُبُوْرَهُمْ نَارًا ۔ان کافروں نے ہمیں نماز عصر پڑھنے سے روکے رکھا۔اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور

ان کی قبروں کو آگ سے بھرے۔ یہ بد دعا دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی کے لئے ہے (اللہ اکبر)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہٴ احد میں کیسی سختی و مشقت اٹھائی، دندان مبارک شہید ہوا چہرۂ انور لہولہان ہوا مگر اس وقت کافروں کے لئے دعائے بد نہ فرمائی بلکہ یہ فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْرِفُوْنِيْ اے خدا انہیں معاف فرما دے۔ کیونکہ یہ مجھے پہچانتے نہیں۔'' کیوں کہ اس مقام میں اپنی ذات شریف کے حق کا معاملہ تھا اور اس جگہ خدا کے حق اور دین کے حق میں معاملہ تھا۔ (مطلب یہ کہ غزوہٴ احد میں اپنی ذات شریف کے حق کے لئے درگزر کی دعا مانگی اور غزوۂ خندق میں نماز عصر کے فوت ہونے پر حق خدا اور حق دین کے بارے میں دعائے بد فرمائی۔ (مترجم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کی حدیث میں ہے کہ کافر کہنے لگے کہ اگر ہم مسلمانوں کی نماز پر ٹوٹ پڑتے تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کی ایک نماز ایسی ہے جسے وہ مال و اولاد سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں اور وہ نماز عصر ہے۔ لہٰذا اس وقت مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہئے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھی۔

سفر میں عبادت: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں عبادت کرنا، سفر کے آداب اور سواری پر چڑھنے اور سواری سے اترنے اور منزل پر قیام فرمانے اور وطن کی طرف لوٹنے کے بارے میں جو دعائیں اور ذکر و اذکار مروی ہیں وہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے اس جگہ صرف دو مسئلے بیان کئے جاتے ہیں ایک قصر دوسرا جمع۔ لیکن قصر کا مسئلہ جو چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر کے ادا کرنا ہے یہ مسئلہ تمام علماء امت کے درمیان متفق علیہ ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ لیکن مذہب حنفی میں قصر عزیمت ہے اور چار رکعت درست نہیں ہے اگر چار رکعت پڑھے اور وہ پہلے تشہد میں بیٹھا ہے تو جائز ہو جاتی ہے۔ اگر نہیں بیٹھا ہے تو فاسد ہو جاتی ہے۔ امام مالک کے مذہب میں بھی یہی ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک رخصت ہے اور چار پڑھنی بھی جائز ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتی نماز سفر میں پوری پڑھی ہو۔ اور وہ حدیث جو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور قصر بھی کرتے اور پوری نماز بھی پڑھتے اور افطار بھی کرتے اور روزہ بھی رکھتے۔'' یہ روایت صحت کو شامل نہیں ہے اور صحابۂ عظام میں سے کسی نے بھی چار رکعتیں نہیں پڑھیں مگر امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، نے اپنی خلافت کے آخری دنوں میں موسم حج میں چار پڑھیں اور علماء اس کی متعدد تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ سفر میں نماز فرض پر اکتفا فرماتے۔ اور یہ محفوظ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعت سنت اور چار وتر کے سوا سفر میں فرض سے پہلے یا فرض کے بعد سنتیں پڑھی ہوں اور ظہر کے فرض کے بعد سنت پڑھنا بھی مروی ہے اور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ سفر میں نماز سنت کو پڑھتے تھے۔ مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ادا نہ کرتے۔ اگر چہ بعض روایتوں سے ان کا پڑھنا بھی آیا ہے۔ نیز مروی ہے کہ جو سنت پڑھتا اسے منع نہ کرتے اور بعض کہتے ہیں کہ سنن رواتب میں اختلاف ہے لیکن تطوع غیر راتبہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز (تہجد) کو ترک نہ فرماتے اگر چہ سفر میں ہوتے۔ اور کبھی تہجد کو سواری کی پیٹھ پر اشارہ سے پڑھتے۔ اور وتر بھی پڑھتے اور سواری کی پشت پر نوافل کو اشارے سے پڑھنا جائز ہے۔ خواہ سواری کسی طرف کو جا رہی ہو بشرطیکہ تکبیر تحریمہ کے وقت استقبال قبلہ کیا ہو۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام تنگ راستے میں سفر کر رہے تھے اوپر سے بارش تھی اور نیچے کیچڑ اور دلدل تھی۔ سب سواری پر سوار تھے۔ نماز کا وقت آ گیا اذان و اقامت کہی گئی او حضور نے اپنی سواری کو سب سے آگے بڑھا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جماعت کر کے اشارے سے نماز پڑھائی اور سجود کو رکوع سے زیادہ نیچا کیا اور یہ ان مقامات میں سے ایک مقام ہے جہاں علماء

کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود اذان کہی اور بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اذان کہنے کا حکم دیا اور بعض میں صراحت سے بھی آیا ہے کہ: فَاَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَذَّنَ. پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن کو حکم دیا اور اس نے اذان کہی۔

لیکن جمع، یعنی دونمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنے کے مسئلے کی صورت میں یہ ہے کہ جب زوال آفتاب سے پہلے کوچ کرنا واقع ہوتا تو ظہر کو تاخیر کر دیتے۔ یہاں تک کہ عصر کے وقت میں اقامت فرماتے ظہر وعصر کے درمیان جمع فرما دیتے اسے جمع تاخیر کہتے ہیں اور اگر سفر شروع کرنے سے پہلے ظہر کا وقت داخل ہو جاتا تو اس صورت میں کبھی ظہر پڑھ کر سوار ہوتے بعد ازاں جب وقت عصر آتا تو اتر کر نماز عصر ادا کرتے اسی صورت میں جمع واقع نہیں ہوتا اور بعض اوقات ظہر کو عصر سے ملا دیتے اور دونوں کو ایک ساتھ پڑھتے اور اس وقت سوار ہوتے اس کا ''جمع تقدیم'' نام رکھتے ہیں اور مغرب وعشاء میں ایسا ہی ہوتا۔ یعنی اگر قبل از غروب کوچ واقع ہوتا اور نماز مغرب کا وقت راہ میں آتا تو نماز مغرب میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ نزول کے وقت مغرب وعشاء ملا کر پڑھتے یہ جمع تاخیر ہے اور اگر کوچ سے پہلے مغرب کا وقت ہو جاتا تو مغرب وعشاء دونوں کو جمع کر کے پڑھتے اور سوار ہو جاتے یہ جمع تقدیم ہے۔

جاننا چاہئے کہ احادیث میں ''جمع بین الصلوٰتین'' واقع ہوا ہے اور بعض حدیثوں میں مطلق ہے اور بعض میں مقید بحالت روانگی اور سفر ہے اور بعض میں قطع مسافت کو جلدتر کرنے کی قید ہے اور یہی وہ محل ہے جس میں ان علماء کا اختلاف ہے جو جمع کے جواز کے قائل ہیں۔ بعض علی الاطلاق قائل ہیں۔ اور امام شافعی انہیں میں سے ہیں۔ اور بعض حالت روانگی اور سفر میں مخصوص قرار دیتے ہیں نہ کہ نزول کی حالت میں اور کہتے ہیں کہ سفر میں جمع کی عادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی نہ تھی بلکہ جب سفر رواں دواں ہوتا تو جمع کرتے لیکن حالت نزول وقرار میں جمع مروی نہیں ہے اور بعض قطع مسافت میں جلدی کی صورت کے ساتھ مخصوص گردانتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے کہ امام مالک سے مشہور یہی ہے۔ نیز بعض حالت عذر، زائد سفر کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔ اور بعض جمع تاخیر کو جائز قرار دیتے ہیں اور جمع تقدیم کو ناجائز۔ اور یہ امام احمد سے مروی ہے نیز ان کے نزدیک بھی ایک بحالت سیر ہے مگر ان کے مذہب میں مشہور مطلقاً جواز ہے اور فتح الباری میں ہے کہ امام مالک سے بھی جمع تاخیر کا جواز مروی ہے نہ کہ جمع تقدیم۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ان کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اوقات نماز تعیین قطعی ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے جس میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وقت سے نماز کو تاخیر کرنا اور اس پر اسے مقدم کرنا کبائر میں سے شمار کرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''موطا'' میں نقل کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے ہر طرف کے اپنے حکام کو خط لکھا اور انہیں منع فرمایا کہ وہ جمع بین الصلوٰتین ایک وقت میں نہ کریں اور ان کو خبردار کیا کہ ایک وقت میں جمع بین الصلوٰتین کبائر میں سے ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خبر ہمیں ثقہ علماء سے پہنچی ہے کہ انہوں نے علا ابن الحارث اور انہوں نے مکحول سے روایت کی ہے اور چونکہ تعیین اوقات قطعی اور متواتر ہے لہٰذا خبر واحد اس کے معارض نہیں ہو سکتی۔ بخلاف سفر میں افطار وقصر کے کہ یہ نص قرآنی سے ثابت ہوئی ہیں۔

بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے غیر وقت میں کوئی نماز پڑھی ہو مگر مغرب وعشا کی دونمازیں جن کو مزدلفہ میں جمع فرمایا۔ اور احادیث میں عرفات میں ظہر وعصر کی جمع بھی مروی ہے اور یہ جمع بر بنائے مناسک حج تھی نہ کہ سفر۔ نیز رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع فعل دائمی نہ تھا بلکہ اس کی تصریح غزوۂ تبوک کی احادیث میں آچکی ہے اور اس میں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ وہاں یہ عمل روزانہ کرتے ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ کلمہ ''کان'' دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ جس طرح کہ اس بات کو اس مقام پر بیان کیا ہے اور جامع الاصول میں بروایت ابوداؤد از ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفر میں مغرب وعشاء کو ملا کر نہیں پڑھا مگر ایک مرتبہ۔ اور حضرت

گوشۂ چشم سے داہنے بائیں ملاحظہ فرماتے اور علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں گوشۂ چشم سے ملاحظہ فرمانا مقتدیوں کے احوال پر مطلع ہونے کے قصد سے تھا یا اس تعلیم امت کی غرض سے کہ یہ مبطل نماز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو حق تبارک وتعالیٰ اپنے وجہہ کریم سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب بندہ التفات کرتا ہے اور غیر کی جانب توجہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! جس جانب تو دیکھ رہا ہے وہ مجھ سے بہتر نہیں ہے تو اپنے رخ کو میری طرف لا اور جب بندہ دوبارہ التفات کرتا ہے تو حق تعالیٰ پھر ایسا ہی فرماتا ہے اور جب تیسری مرتبہ بندہ غیر کی طرف ملتفت ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے وجہ کریم کو اس سے پھیر لیتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: **لَا صَلٰوۃَ لِمُلْتَفِتٍ**. التفات کرنے والے کی نماز ہی نہیں۔ لیکن اس قدر ثابت شدہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دشمن کی جانب ایک راہ پر مقرر فرمایا وہ شخص تمام رات گھوڑے پر سوار ہو کر پاسبانی کرتا رہا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں اس راہ پر نظر ڈالی جس راہ پر اس شخص کو مقرر فرمایا تھا اور اس گھاٹی کی طرف التفات فرمایا اور یہ قضیہ بر سبیل ندرت اور نفلی نماز میں تھا خواہ وہ سنت فجر ہی ہو جیسا کہ بعض کہتے ہیں اور اگر فرض بھی ہو کہ وہ فجر نماز فجر ہے جیسا کہ ''جامع الاصول'' سے مفہوم نکلتا ہے تو یہ برائے مہم اور مصلحت اسلام تھا کیونکہ محافظت' نگہبانی اور سلامتی اور ان کی جمعیت کے لیے ہے۔ لہٰذا یہ تداخل عبادات کے باب سے ہے کہ نماز بھی عبادت ہے اور مصلحت مذکورہ کی خاطر اس شخص کی طرف التفات فرمانا بھی دوسری عبادت ہے اور وہ جہاد اور اس کی تدبیر ہے اور نماز خوف بھی اس قبیل سے ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے۔ اِنِّیْ لَاُجَهِّزُ جَیْشِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ۔ ''یقیناً میں نماز میں ہوتے ہوئے اپنے لشکر کی تیاری کرتا' اور بخاری نے اپنی صحیح میں اس کے لیے ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: تَفَكُّرُ الرَّجُلِ فِی الصَّلٰوۃِ۔ اور اس عنوان کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو لائے ہیں اور اس باب میں اس حدیث کو لائے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ سلام کے بعد نہایت تیزی سے اٹھے اور کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا گھر میں تھوڑا سا سونا تھا جو نماز میں یاد آیا لہٰذا میں نے مکروہ جانا کہ وہ رات بھر گھر میں رہے۔ میں نے اسے تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۔ یہ سب امور تداخل عبادات کے قبیل سے ہیں اور علماء فرماتے ہیں کہ خیالات انسانی' جبلت وخصلت ہے اور اس جگہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ ردی خیالات مذموم ہیں جو عبادات وطاعات کے قبیل سے نہ ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بچہ کے رونے کی آواز سننے سے نماز کو خفیف فرما دیتے۔ تاکہ اس کی ماں نماز کو توڑ کر یا خشوع زائل کر کے فتنہ میں نہ پڑ جائے۔ اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کسی بچہ کے ساتھ متعلق ہو جاتے اور وہ اسے اٹھا لیتے اور اپنے مبارک کندھوں پر بٹھا لیتے اور کبھی امام حسن یا امام حسین رضی اللہ عنہ آتے اور وہ سجدے میں آپ کی پشت مبارک پر بیٹھ جاتے اور ان کی خاطر سجدے کو طویل فرما دیتے۔ اور توجہ خاطر ان کی جانب ان کے حال کی رعایت کے مطابق فرماتے اور کبھی نماز میں ہوتے اور سیّدہ عائشہ آتیں اور دروازہ بند ہوتا تو چند قدم مبارک رکھ کر ان کے لیے دروازہ کھول دیتے۔ کاشانہ اقدس جانب قبلہ تھا۔ اسی قسم کی بکثرت مثالیں احادیث کریمہ میں مروی ہیں۔

<u>عمل کثیر کی تعریف</u>: تمام علماء کا عمل کثیر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ مختار یہ ہے کہ جس کام میں دونوں ہاتھ محتاج ہوں وہ عمل کثیر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عادۃً وہ کام دو ہاتھوں کے بغیر نہ ہو۔ اس تعریف کے بموجب اگر بالفرض ایک ہی ہاتھ سے ایسا کام کرے تب بھی مفسد ہے۔ مثلاً عمامہ باندھنا' قمیص پہننا، اور ازار باندھنا وغیرہ اور وہ کام جس میں ایک ہی ہاتھ کی ضرورت ہے اگر اتفاقاً اسے دو ہاتھ سے کر لے تو عمل قلیل ہے یہ مفسد نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ایسا کام جسے دیکھنے والا فاعل کو غیر نمازی خیال کرے تو وہ

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے کبھی دونمازوں کو ملا کر نہیں پڑھا مگر اس ایک رات میں جب کہ انہیں کسی جگہ سے ان کی زوجہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو وہاں چلے گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک یا دومرتبہ کے سوا ایسا کبھی نہیں کیا۔ ترمذی سے منقول ہے کہ سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا عبداللہ رضی اللہ عنہ سفر میں کسی رات نماز کو ملا کر پڑھتے تھے کہا نہیں مگر مزدلفہ میں۔

جمع تقدیم کی حدیثیں، صحاح میں بہت ہی کم ہیں اور صحیح بخاری کی روایتوں میں اختلاف ہے۔ اسی لئے بکثرت ائمہ کرام اس کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا اب بعض وقتوں میں جمع تاخیر پر عمل کرنا باقی رہا تو اس کی تاویل یہ ہے کہ ''جمع بین الصلوتین'' سے مراد یہ ہے کہ پہلی نماز کو اتنا موخر کیا جائے کہ اسے اس کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور دوسری نماز میں اتنی تعجیل کی جائے کہ اسے اس کے شروع وقت میں پڑھا جائے اور بعض اسے ''جمع صوری'' کا نام دیتے ہیں کیونکہ یہ ظاہرا صورت میں تو جمع ہے مگر حقیقت و معنی میں جمع نہیں ہے۔ اور یہی وہ صورت ہے جس پر احناف سفر میں جمع کے اطلاق کی صورت بناتے ہیں جس کا استحاضہ کے باب میں حمنہ بنت جحش کی حدیث میں آیا ہے۔ اگرچہ لفظ حدیث میں، بعض روایتوں میں ایسا ہے کہ ظہر وعصر کے درمیان، ایک وقت میں جمع کیا اور عصر کے وقت میں ادا کیا تو یہ ان دلائل کے بموجب جن کا ہم نے ذکر کیا اسی پر محمول ہے۔ بلا شبہ ابوداؤد میں امیر المومنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ جب غروب آفتاب کے بعد سفر کرتے ہوتے اور قافلہ رواں دواں ہوتا تو جس وقت اندھیرا خوب پھیل جاتا تو نزول فرماتے اور نماز مغرب ادا کرتے پھر رات کا کھانا طلب فرماتے اور کھاتے اس کے بعد عشا کی نماز پڑھتے اور سفر شروع کر دیتے۔ فرماتے ہیں کہ ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور امام محمد اپنی ''مؤطا'' میں فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر پہنچی ہے کہ وہ مغرب کو اپنے وقت میں پڑھتے کیونکہ وہ غروب شفق کے پہلے تک تاخیر کرتے تھے برخلاف امام مالک کی روایت کے وہ فرماتے ہیں:

حَتّٰی غَابَ الشَّفَقُ. یہاں تک کہ شفق غروب ہو جاتی۔

جامع الاصول میں ابوداؤد سے بروایت نافع اور عبد بن واقدی، مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موذن نے کہا الصلوٰۃ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا چلتے رہو یہاں تک کہ غروب شفق سے پہلے اترے اور نماز مغرب ادا کی۔ اس کے بعد انتظار کیا یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی پھر عشا کی نماز پڑھی اور اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں جب جلدی ہوتی تو ایسا ہی حکم فرماتے۔ جیسا کہ میں نے کیا ہے اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ: حَتّٰی اِذَا کَانَ اٰخِرُ الشَّفَقِ۔ یہ وہ روایتیں ہیں جو جمع میں اس طریقہ پر جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب ہے دلیل ونظیر ہیں اور ان کا ظاہر یہ دکھا رہی ہیں کہ عدم جمع وجمع در وقت واحد، وجمع بمعنی تاخیر تا آخر وقت وتعجیل دراول کی تمام روایتیں مروی ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عدم جمع کو لیا ہے یا جمع بمعنی تاخیر کو محافظت وقت کے لئے احتیاطاً اختیار کیا ہے۔

شیخ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ بعض شوافع کہتے ہیں کہ ترک جمع افضل ہے امام مالک سے ایک روایت میں ہے کہ جمع مکروہ ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک محض جواز کے لئے تھا (واللہ اعلم)۔

تنبیہہ: یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے مسافروں کے لئے جمع بین الصلوٰتین میں تھا لیکن مقیم کے لئے جمع کرنے کے بارے میں ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض تابعین، مریض کے لئے جمع بین الصلوٰتین کے قائل ہیں اور ان میں امام احمد واسحٰق بھی ہیں۔ اور بعض بارش میں بھی جمع کے قائل ہیں اس کے قائل امام شافعی واحمد واسحٰق ہیں اور امام شافعی مریض کے لئے جمع کے قائل نہیں ہیں۔ یہ عبارت ترمذی کی ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں جو بغیر عذر کے دونمازوں کو ملاتا ہے بلا شبہ وہ گناہ کبیرہ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں داخل ہوتا ہے اور جمہور اُمت کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ وہ دونمازوں کو جمع نہیں کرتے مگر سفر اور

عرفات میں (انتہیٰ)۔

نمازِ جنازہ: وصل: نمازِ جنازہ کے مسائل، کتاب الجنائز اور احادیث میں وارد ہیں اور اس کے مقدمات وآداب بہت ہیں جو مرض کی فضیلت اور اس کے ثواب اور اس مرض میں عیادت یعنی بیمار پرسی کرنے کے ثواب اور اس کے آداب سب کو شامل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیماری پرسی (عیادت) کے لئے کوئی دن معین نہ فرماتے تھے جیسا کہ عالم لوگوں کا خیال ہے کے سنیچر اور منگل کے دن عیادت کرنا مبارک نہیں ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ سنیچر کے دن عیادت کو چھوڑنا مخالف سنت ہے اور کہا کہ یہ بدعت ہے جسے ایک یہودی طبیب نے ایجاد کیا تھا اور بعد میں لوگوں میں مشہور ہو گیا اور اس ایجاد کی وجہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ بیمار ہوا۔ اور اس طبیب کو اپنے علاج کے لئے ہمہ وقت حاضر رہنے کا حکم دیا اور حکم دیا کہ جب یہ باہر جائے اس کی گردن ماردی جائے اس پر اس یہودی نے چاہا کہ جمعہ کے دن کی رخصت مانگے اور ہفتہ کے دن اپنے یہودی دین کے لئے چھٹکارا مل جائے۔ چنانچہ اس نے عرضی گزاری کہ ہفتہ کے دن بیمار کے پاس نہ رہنا چاہئے کیونکہ اس میں بیمار کی ہلاکت کا خوف ہے اس پر بادشاہ نے اپنی جان کے خوف سے اسے رخصت دے دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درد چشم کی وجہ سے بھی عیادت کرتے۔ امام احمد اور ابوداؤد زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ کی تکلیف میں عیادت فرمائی۔ اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث میں اس کے لئے ثبوت ہے جو آشوب چشم میں عیادت کرنے کو مسنون ومستحب ہونے کا قائل نہ ہو۔ اس باب میں ایک اور حدیث بیہقی وطبرانی سے بھی نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جن میں عیادت نہیں ہوتی۔ ایک آنکھ کی تکلیف۔ دوسرے پھوڑے پھنسی۔ تیسرے درد دندان اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میت پر ایسے امور سے احسان فرماتے جو اس کے لئے قبر اور قیامت میں سودمند ونافع ہو جائے اور اس کے اقارب اور گھر والوں کے ساتھ تعزیت طعام، پرسش احوال اور تجہیز وتکفین میں مدد کے ساتھ احسان فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھتے اس کے لئے استغفار فرماتے اور اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدفن تک جنازہ کے ساتھ جاتے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اس کے لئے دعا فرماتے۔ اور کلمہ ایمان پر ثابت رہنے کی تلقین فرماتے اور منکر ونکیر کے سوال وجواب سکھاتے۔ اور اس کی قبر پر مٹی وغیرہ ڈال کر تیار کرتے اور حصول روح وراحت کے بموجب اور رحمت ومغفرت کے نزول کی خاطر سلام ودعا سے مخصوص فرماتے۔ ایک عرصہ تک صحابۂ کرام کی یہ عادت رہی کہ جب کسی کے انتقال کا وقت قریب آتا اور سکرات کا عالم طاری ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے اور حضور تشریف لاتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں وہ جان قربان کرے اس کے بعد تجہیز وتکفین فرماتے نماز پڑھتے اور قبر تک جنازہ کے ساتھ مشایعت فرماتے۔ اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ اس میں بڑی مشقت ودشواری ہے تو انہوں نے اس میں اختصار سے کام لیا۔ چنانچہ جب کوئی انتقال کر جاتا تو حضور کو اطلاع دیتے تاکہ تجہیز وتکفین اور نماز ودفن میں تشریف فرما ہوں اس کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ یہ بھی مشقت سے خالی نہیں ہے تو میت کی تجہیز وتکفین کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تاکہ نماز پڑھائیں اور نادر اوقات میں مثلاً رات ہوتی یا کوئی اور مانع ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے لئے بھی خبر نہ دیتے۔ اور خود ہی نماز پڑھا دیتے۔ اور دفن کر دیتے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے اور اس کی قبر پر نماز پڑھتے۔ ابتدائی زمانہ میں ایسا تھا کہ جب میت کو لایا جاتا تو دریافت فرماتے کہ اس پر کوئی قرض کا بار ہے یا نہیں اور کچھ مال چھوڑا ہے جس سے بار قرض اتارا جا سکے یا نہیں۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ کچھ مال چھوڑا ہے یا کسی نے اپنے ذمہ قرض کو لے لیا ہے تو پڑھاتے ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتے کہ اپنے ساتھی کی نماز تم ہی پڑھاؤ اور خود نہ

پڑھاتے اور جب حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شہروں کو فتح فرمایا اور اموال میں وسعت بخشی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار قرض کے بارے میں سوال کرنا اور پوچھنا چھوڑ دیا۔ اور فرماتے ہیں جس کسی نے مال چھوڑا ہے وہ اس کے اہل وعیال کا ہے اور جس نے قرض چھوڑا ہے یا اہل وعیال چھوڑے ہیں وہ میرے ذمہ کرم پر ہے۔

نمازِ جنازہ میں کبھی چار، کبھی پانچ، کبھی چھ تکبیریں فرماتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی مختلف مروی ہے اور جو حضرات چار سے زیادہ تکبیر کہنے سے منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ثابت شدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نمازِ جنازہ پڑھائی اس میں چار تکبیریں تھیں اور یہی مقرر و متعین ہوگیا۔ اس باب میں اخبار و آثار چار تکبیروں کی ہی مستفیض و مشہور ہے اور یہی روایات کثیرہ اور طرق متعددہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی جب نمازِ جنازہ گزاری تو انہوں نے چار تکبیریں کہیں اور کہا: هٰذَا سُنَّتُكُمْ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۔ اے بنی آدم! یہ تمہارے لئے تمہاری سنت ہے اسے حاکم نے مستدرک میں اور ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے اور دو سلام کے ساتھ نمازِ جنازہ سے باہر نکلتے۔ اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے۔ اور کبھی ایک سلام پر اختصار فرماتے اور یہ امام مالک و امام احمد کے مذہب میں ہے ایک روایت میں ان سے دو سلام ہیں اور ''جمع الجوامع'' میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا عمل منقول ہے کہ وہ ایک سلام پھیرتے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کرتے اور ہر تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے یہ امام شافعی و احمد کا مذہب ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر و ابن عباس و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور امام مالک رحمہم اللہ سے تین قول مروی ہیں۔ رفع در کل و عدم رفع در کل اور در اول رفع و در بواقی عدم رفع اور امام ابواعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے کیونکہ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے ایک حدیث اور دیگر مختلف حدیثیں اس باب میں مروی ہیں۔ اور ممکن ہے کبھی اس طرح ہوا ہو۔ اور کبھی اس طرح صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ تکبیرات نمازِ جنازہ میں رفع یدین کے بارے میں کوئی چیز صحیح مروی نہیں ہوئی۔ (واللہ اعلم)۔

پہلی تکبیر کے بعد قراۃ فاتحہ الکتاب بھی مروی ہے۔ شیخ ابن الہمام شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں قرأت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت کو نہیں پہنچی ہے لیکن بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مروی ہے اور اس میں حضرت ابن عباس کا قول و عمل مروی ہوا ہے۔ اور بعض روایتوں میں قرأت فاتحہ الکتاب اور کسی سورۃ کا جہر سے پڑھنا ان سے ماثور ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ جہر بقصد تعلیم تھی تاکہ لوگ جان لیں یہ سنت ہے۔ جیسا کہ اس معنی کی تصریح حدیث میں بھی آتی ہے۔ اور مذہب شافعی و احمد اور اسحٰق ہی ہے لیکن مذہب امام ابوحنیفہ اور امام مالک و ثوری اس کے برخلاف ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس بارے میں اختلاف مروی ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا نمازِ جنازہ میں پڑھنا بطریق ثنا و دعا تھی نہ کہ بطریق قرأت کی صورت میں اور شمنی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ثنا کی نیت سے پڑھنا مراد ہو تو ہمارے نزدیک بھی جائز ہے اور فتح الباری کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ قرأت فاتحہ کے قائلین مشروعیت کے قائل ہیں نہ کہ وجوب کے۔ لیکن کرمانی کہتے ہیں کہ واجب ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام میں جو سنت ہونا واقع ہوا ہے اس سے مراد طریقہ مسلوکہ در دین ہے اور کہا گیا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک واجب نہیں ہے اور وہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں دعا پڑھنا محفوظ ہے یہ ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ

وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔

اس حدیث کو مسلم و ترمذی اور نسائی نے حضرت عوف رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھی تو حضور نے اس میں یہ دعا پڑھی اور میں نے اسے یاد کر لیا ہے اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس دعا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں پڑھتے سنا تو میں نے آرزو کی کہ کاش یہ میرا جنازہ ہوتا۔

اور اب اس دعا کا پڑھنا رائج و متعارف ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَنَا وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ

اور ایک اور روایت میں وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ ہے اور بعض روایتوں میں اتنا زیادہ ہے: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْفِيْ اِحْسَانِهٖ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهٖ اسے موطا میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نابالغ لڑکوں کی نمازِ جنازہ میں اتنا اور بڑھاتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا۔

اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ فوت ہو جاتی تو حضور قبر پر نماز ادا کرتے ایک مرتبہ ایک دن رات کے بعد اور ایک مرتبہ تین دن کے بعد بلکہ ایک ماہ کے بعد آیا ہے۔ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب تک میت پھولے پھٹے نہیں جائز ہے۔ اور اس کا اندازہ تین دن کا کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ میت گل سڑ نہ جائے۔ اور ایسا ایک ماہ سے زیادہ کا بھی احتمال رکھتا ہے اس مسئلہ میں فقہاء اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض اسے خصائص نبوت میں شمار کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ فرمایا قبر تاریکی سے لبریز ہے اور میری نماز اسے روشن بنانے والی ہے۔ اور حق و صواب یہ ہے کہ یہ عام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جس کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہو اور بغیر نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے ساتھ پاپیادہ تشریف لے جاتے۔ ترمذی و ابوداؤد، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہم ایک جنازہ میں گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کی ایک جماعت دیکھی جو ہمراہ جا رہی تھی۔ فرمایا یہ لوگ شرم نہیں رکھتے کہ حق تعالیٰ کے فرشتے تو پیدل جا رہے ہیں اور یہ سواری کی پشت پر سوار ہیں۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھوڑا سواری کے لئے پیش کیا گیا تاکہ سوار ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری سے انکار فرما دیا مگر واپسی پر سواری سے تشریف لائے۔

اور جب تک جنازہ کندھوں سے اتارا نہ جاتا نہ بیٹھتے۔ فرماتے ہیں: اِذَا اَتَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَلَا تَجْلِسُوْا حَتّٰى تُوْضَعَ۔ جب جنازہ آئے تو جب تک اٹھایا ہوا ہے نہ بیٹھو اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک لحد میں نہ رکھا جائے نہ بیٹھو۔

نیز اس میں اختلاف ہے کہ جنازہ کے آگے چلنا مستحب ہے یا پیچھے چلنا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے اور یہی مذہب اوزاعی کا بھی ہے اس لئے کہ یہ موت کی یاد اس میں غور و فکر کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے لئے زیادہ موثر ہے نووی اور دیگر جماعتیں کہتی ہیں کہ دونوں برابر ہیں۔ امام مالک و شافعی اور احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جنازے کے آگے چلنا افضل ہے اس لئے کہ قوم شفیع ہے اور شفیع عادت میں مقدم ہوتا ہے۔ ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلا کرتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ جنازہ کے پیچھے چلا کرتے تھے۔ ایک اور حدیث میں یہ ہے کہ سوار سب سے پیچھے چلے اور پیدل کو اختیار ہے جس طرح چاہے چلے۔ آگے پیچھے داہنے بائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے لیکن یہ صحیح ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی کے جنازہ کی نماز پڑھی حالانکہ حبش میں انتقال ہوا تھا اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تمہارے ایک بھائی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اسکی نمازِ جنازہ پڑھو تو نماز پڑھنے کی جگہ میدان میں تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہیں اور معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ پر بھی نماز پڑھی ہے۔ جس وقت آپ غزوۂ تبوک میں تھے اور معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ مدینہ میں۔ تو جبریل علیہ السلام آئے خبر دی اور کہا کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ آپ کے لئے زمین لپیٹی جائے اور حضور ان پر نماز پڑھیں فرمایا ہاں۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے اپنے پر مار کے درمیان سے پہاڑ، ٹیلے، درخت وغیرہ تمام حجابات اٹھادئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے جنازے کو اٹھا کر بارگاہ رسالت میں پیش کردیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرشتوں کی دو صفیں آپ کے پیچھے تھیں اور ہر صف ستر ہزار فرشتوں کی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا انہیں یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت ملا جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ''قل ہو اللہ احد'' کو محبوب رکھتا تھا اور اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے ہر وقت اسے پڑھتا رہتا تھا۔

غائب پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں فقہا اختلاف رکھتے ہیں امام شافعی و احمد فرماتے ہیں کہ غائب پر نمازِ جنازہ مطلقاً سنت ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ مطلقاً منع کرتے ہیں اور بعض اس طرح تفصیل بیان کرتے ہیں کہ میت اگر ایسے شہر میں ہے جہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں ہے تو نماز غائبانہ پڑھیں اور اگر نماز پڑھنے والے ہیں تو فرض ساقط ہوجاتا ہے اب اس نماز غائبانہ کی حاجت وضرورت نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا جواز اسی دن میں ہے جس دن وہ مرا ہے یا اس کے دوسرے روز، مگر اس کا طول طویل زمانہ تک جواز نہیں ہے۔

اور احناف اور مالکیہ جو مطلقاً منع کے قائل ہیں نجاشی کے قصہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشی کا جنازہ عیاں کردیا گیا تھا اور درمیان سے تمام حجابات اٹھادئے گئے تھے۔ یا جنازے ہی کو لاکر حضور کے آگے رکھ دیا گیا ہوگا۔ اور تمام مسافت کو دور کردیا گیا ہوگا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی تو اسے ملاحظہ فرمارہے تھے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جنازہ کو نہیں دیکھ رہے تھے تو یہ ایسی صورت بن گئی کہ امام تو جنازہ کو دیکھتا ہے اور مقتدی وقوم جنازہ کو نہیں دیکھ رہے ہوتے تھے۔ اس صورت میں باتفاق جائز ہے نیز لیثی کے جنازے میں بھی ایسی صورت واقع ہوئی ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ محض نجاشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ کے قصہ سے خصوصیت جاتی رہی۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جعفر بن ابی طالب اور زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی نمازِ جنازہ پڑھی جو کہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔

(افادہ: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنازہ غائب پر مطلقاً نماز جائز نہیں ہے اور ائمہ حنیفہ کا اس کے عدم جواز پر اجماع واتفاق ہے۔ اس کی علت ایک تو یہ ہے کہ مرنے والا شخص اگر بلاد اسلام میں فوت ہوا ہے تو یقیناً وہاں کے اہل اسلام نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی ہوگی اور دوسری جگہ اس کے بعد ہی خبر پہنچے گی اس طرح نمازِ جنازہ کی تکرار لازم آئے گی حالانکہ کسی میت پر دو دفعہ نماز پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ اگر ولی آئے تو یہ اس کا حق ہے۔ کوئی اور شخص اس کا حق ساقط نہیں کرسکتا۔ جب ولی نے نماز ادا کرلی تو اگر دوبارہ پڑھیں تو نفل ہوگی اور یہ نماز بطور نفل جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ہدایہ، کافی شرح وافی للامام الراجل ابی البرکات النسفی، جوہرہ نیرہ، دُرر شرح ملتقی الابحر، مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق، اور کبیر علی المنیر میں ہے''

اَلْفَرْضُ یَتَادّٰی بِالْاَوَّلِ وَالتَّنَفُّلُ بِهَا غَیْرُ مَشْرُوْعٍ ''اور تبیین میں اتنا زیادہ ہے وَلِهٰذَا لَا یُصَلِّیْ عَلَیْهِ مَنْ صَلّٰی عَلَیْهِ مَرَّةً'' فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوجاتا ہے اور یہ نماز نفلی طور پر جائز نہیں اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں کہ ''اَلتَّنَفُّلُ -

بِصَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ غَیْرُ مَشْرُوْعٍ ''دوسری علت یہ ہے کہ غائب کی نمازِ جنازہ اس بنا پر بھی ناجائز ہے کہ فتح القدیر، حلیہ، غنیّۃ، شلبیہ، بحر الرائق، وغیرہ کتب فقہہ حنفیہ میں ارکان نمازِ جنازہ کے سلسلے میں ہے کہ: وَشَرْطُ صِحَتِهَا اِسْلاَمُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهٗ وَوَضْعُهٗ اِمَامَ الْمُصَلِّيْ فَلِهٰذَا الْقَيْدِ لَا تَجُوْزُ عَلٰى غَائِبٍ یعنی نمازِ جنازہ کے صحت کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اس شرط کے سبب کسی غائب کی نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے اس لئے ہمارے علماء نے فرمایا کہ مطلقاً کسی غائب پر نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے چونکہ متن تنویر الابصار میں ہے۔ جنازہ کا نمازی کے سامنے حاضر ہونا صحت نمازِ جنازہ کی شرط ہے۔ غائب چونکہ جنازہ نمازی کے آگے نہیں ہوتا لہٰذا کسی غائب پر نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ مفصل تصریحات فقہ حنفیہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ از مترجم)

اور قبر کو اونچا نہ بناتے اور اسے اینٹ پتھر وغیرہ سے پختہ تعمیر نہ کرتے اور اسے قلعی یا سخت مٹی سے نہ لیپتے۔ قبر کے اوپر کوئی عمارت و قبہ نہ بناتے اور یہ سب بدعت و مکروہ ہے ایسا ہی سفر السعادۃ میں ہے۔ مطالب المومنین میں کہا گیا ہے کہ سلف مباح جانتے ہیں کہ مشہور علماء و مشائخ کی قبروں پر قبے تعمیر کئے جائیں تا کہ لوگ زیارتیں کریں اور ان میں استراحت فرمائیں اور اس کے سایہ میں بیٹھیں اسے مفاتیح شرح مصابیح سے نقل کیا گیا ہے اور کہا کہ میں نے بخارا میں ایسی قبروں کو دیکھا ہے جن کو تراشی اینٹوں سے بنایا گیا ہے اور اسے اسماعیل زاہد نے جو کہ مشاہیر فقہاء میں سے ہیں جائز رکھا ہے۔ (انتہیٰ)۔

اور بعض اہل علم جن میں سے حضرت حسن بصری بھی ہیں قبروں کو گوندھی مٹی سے بنانے کی اجازت دیتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی پر ہیں۔ اور قبروں پر چلنے اور اس پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں ایک شخص کو جوتے پہنے چلتے ملاحظہ کیا تو فرمایا اپنی جوتیوں کو اتار دو۔

مسلم، ترمذی اور ابوداؤد، ابوالمنہاج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس اجازت کے ساتھ بھیجتا ہوں جس اجازت کے ساتھ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ فرمایا جاؤ۔ کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور کسی اونچی قبر کو پست کئے بغیر نہ چھوڑنا اور قبر اتنی اونچی اور بلند ہونی چاہئے کہ وہ زمین سے ممتاز رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور آپ کے دونوں صحابہ و خلفاء کی قبریں بھی زمین کے برابر ہیں۔ اور سرخ سنگریزے اس پر چسپاں ہیں۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر چند سنگریزے رکھے۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کیا (یہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین میں سب سے پہلے انتقال فرمانے والے ہیں) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور ان کی قبر پر رکھ دیا۔

حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور ان عورتوں پر خدا کی لعنت ہو جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ منع و لعنت ابتدائے عہد میں تھا اور رخصت کے بعد عورتیں بھی داخل ہیں اور ان کے لئے یہ ممانعت ان کی کم صبری اور بکثرت رونے پیٹنے کی وجہ سے ہے۔

قبروں پر چراغ جلانا بھی ممنوع ہے مگر یہ کہ اس کی روشنی میں کام کیا جائے یا اس کے قریب چلنے والے آتے جاتے ہوں۔ اور قبر کے مواجہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض قبرستان میں بھی مکروہ جانتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ گزرے ہوؤں کی زیارت اس لئے کرتے تھے کہ آپ دعا و ترحم اور استغفار فرمائیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل بقیع کی زیارت کرنے کا حکم فرمایا تا کہ ان کے لئے دعا و استغفار کریں۔ اور یہ حکم شب برات یعنی نصف شعبان کی رات میں ہوا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور ایسی زیارت جو معنی و غرض کے لئے

ہواوراس میں کسی بدعت وکراہت کے ارتکاب کی راہ نہ ہوتو یہ زیارت مسنون ومستحب ہے۔

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوکوئی اپنے والدین کی یاان میں سے کسی ایک کی ہر جمعہ کے دن زیارت کرے گا حق تو حق تعالیٰ اس کوبخش دے گااوراسے نیک بخت لکھے گا۔اور والدین کے لئے استغفاروصدقہ وخیرات کرنے کے سلسلے میں بھی یہی حکم ہے۔

اور فرمایاجب قبرستان کودیکھوتو کہو:اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضور مدینہ منورہ کے قبرستان کی طرف تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب رخ انور کر کے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ. نیز اخبار وآثار میں ہے کہ آیۃ الکرسی گیارہ بار، سورۂ اخلاص، معوذتین، سورۂ یٰسں اور سورۂ تبارک پڑھے۔اور یہ عادت شریفہ نہ تھی کہ میت کے لئے جمع ہوتے اورختم وغیرہ پڑھتے نہ قبر پراور نہ کسی اور جگہ، یہ سب بدعت (حسنہ) ہیں۔ہاں اہل میت کی تعزیت کے لئے جمع ہونا اور صبر وتسلی کی انہیں تلقین کرنا سنت ومستحب ہے لیکن یہ اجتماعات خصوصاً تیسرے روز اور دیگر رسومات وغیرہ اور بغیر وصیت کے یتیموں کے اموال کوخرچ کرنا وغیرہ بدعت ہے۔اور بعض حرام ہیں۔تعزیت کی حد تین دن ہے اس کے بعد مکروہ ہے۔اور بعض سات دن تک بھی جائز رکھتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حاضر میت کی تعزیت تین دن اور غائب میت کی تعزیت ایک دن ہے۔ایک مرتبہ کے بعد نہ کرے۔جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے۔اور قبر کے سرہانے قرآن قریم پڑھنے میں اختلاف ہے مگر یہ کہ بوقت زیارت پڑھا جائے۔لیکن قبر کے گرداگرد جو بیٹھتے ہیں اوراس کے سرہانے پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے اور شیخ ابن الھمام شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ قاریوں کے بٹھانے میں تاکہ قبر کے پاس پڑھیں اس میں اختلاف ہے لیکن مختار عدم کراہت ہے(واللہ اعلم)۔

اور یہ معروف نہ تھا کہ اہل میت ان لوگوں کے لئے جوتعزیت کے لئے آئیں کھانا کھائیں اور بعض کتب فقہ میں ہے کہ اگر تہائی مال تک ان لوگوں پر خرچ کریں جو دور سے آئے ہیں اور زیادہ عرصے تک ٹھہریں تو جائز ہے اور ان لوگوں پر جو اقربائے میت اوراس کے ہمسائے ہیں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔اور فرماتے ہیں ک اہل میت کے لئے کھانا بھیجیں کیونکہ مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ معذور ہوتے ہیں اور انہیں کھانا پکانے اوراس کا انتظام کرنے کی فرصت نہیں ہوتی جیسا کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ایسی مصیبت درپیش ہے جس کی وجہ سے وہ معذور ومجبور ہیں۔اوراس کھانے کو غیر اہل میت کے کھلانے میں اختلاف ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ جولوگ میت کی تجہیز وتکفین اوراس کے دفن میں مصروف ہوں ان کو بھی کھلانا جائز ہے۔

سنن رواتب وموکدہ: اس جگہ سنن رواتب سے مراد وہ غیر فرائض نمازیں ہیں جو حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں بطریق عبادت ادا فرماتے تھے زیادہ تر ان میں سے موکدہ اور غیر موکدہ ہیں اس لئے کے عصر سے پہلے کی چار رکعتوں کورواتب میں تو ذکر کرتے ہیں لیکن ان کو موکدات میں شمار نہیں کرتے اس کے باوجود بعض علماء ان پر اطلاق مواظبت، بررواتب کرتے ہیں لہٰذا یا تو مواظبت کوتاکید کے زیادہ عام معنی پرمحمول کرتے ہیں یا عصر کی چار رکعتوں کو بھی موکدات میں سے جانتے ہیں۔اگرچہ دیگر موکدات میں اسے کمتر خیال کرتے ہوں اور تمام موکدات ایک مرتبہ میں نہیں ہیں جیسا کہ معلوم ہوا لیکن یہ بات مشہور کے خلاف ہے اور رواتب میں دوام کے معنی معتبر ہیں۔اور یہ راتوب سے ماخوذ ہے جس کے معنی دوام وثبوت کے ہیں۔

لیکن ظہر کی سنتیں رواتب میں ہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دورکعت فرض ظہر سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد مروی ہے۔اور یہی مذہب شافعی کا ہے اور امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے سنن رواتب میں چار رکعت، فرض ظہر سے پہلے اور دو

رکعت، اس کے بعد مروی ہے اسی پر اکثر اہل علم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تابعین کا عمل ہے اور یہی قول سفیان ثوری، ابن مبارک اور اسحٰق کا ہے۔ اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چار رکعت کو فرض ظہر سے پہلے ترک نہیں فرمایا لہٰذا یہ اس بنا پر ہے کہ حضور چار رکعت سنت کو گھر میں ادا فرماتے۔ اور جب مسجد میں گزارتے تو دو رکعت پڑھتے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایتوں میں ایسا آیا ہے۔ یا یہ کہ کبھی چار پڑھتے اور کبھی دو۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو دیکھا اسے بیان کر دیا۔ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور ان میں سے کوئی مطعون نہیں ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد چار رکعت پڑھ کر فرماتے اس وقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔ اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میں میرا عمل صالح صعود کرے۔ لہٰذا بعض علماء ظہر سے قبل کی سنتوں کو اسی پر محمول کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مستقل نماز ہے جو ظہر کی سنتوں کے سوا ہے جسے آپ زوال کے فوراً بعد پڑھتے تھے اور اسے صلوٰۃ فی الزوال کہتے ہیں۔ اکثر حالتوں میں اسے گھر میں ہی پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما زوال کے بعد آٹھ رکعت پڑھتے اور فرماتے کہ یہ آٹھ رکعت قیام لیل کی آٹھ رکعت کی برابری کرتے ہیں۔ اور یہ دو وقت یعنی وقت زوال اور وقت تہجد، نزول رحمت کے وقت ہیں اس لئے کہ رحمت کے دروازے بعد از زوال کھلتے ہیں۔ یہ وقت آدھے دن کے بعد ہے۔ اور رات میں نزول رحمت کا وقت آدھی رات کے بعد ہے۔ اس طرح دونوں وقتوں کے درمیان مناسبت ظاہر ہوئی اور ایک وقت کی نماز، فضل میں دوسرے وقت کی عدیل وہم پلہ ہے اور چونکہ نزول رحمت، وقت سحر میں زیادہ مشہور و ظاہر تھا تو وقت زوال کی نماز کو اس کا عدیل بنایا اور اس کے ساتھ مشابہت دی۔

امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ زوال کے بعد ظہر سے پہلے کی چار رکعتوں کو نماز سحر کی مانند شمار کیا جاتا ہے اور ہر ایک شے حق تعالیٰ کے لئے اس وقت سجدہ کرتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: یَتَفَیَّؤُ ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے سجدے کے لئے داہنے اور بائیں سائے ڈھلتے ہیں۔

شیخ ابن الہمام، سنن سعید بن منصور سے حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھی گویا اس نے تہجد کی چار رکعت شب میں پڑھی اور جس نے اس کی مانند بعد نماز عشاء گزاری گویا کہ اس نے شب قدر میں پڑھی اور نماز ظہر کے بعد حضور دو رکعت ادا فرماتے یہ دو رکعتیں سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فوت نہ ہوئیں۔ بس ایک مرتبہ مال کی تقسیم میں انہماک اور مصروفیت کی وجہ سے فوت ہوئی تھی پھر اس کی قضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد عصر فرمائی جیسا کہ بخاری میں آیا ہے۔ اور مشکل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عصر ہمیشہ اس جہان سے تشریف لے جانے کے وقت تک دو رکعت پڑھتے تھے اور مروی ہے کہ دو نمازیں ایسی تھیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر و حضر میں ترک نہیں فرمایا ایک فرض فجر سے پہلے دو رکعت، دوسری بعد نماز عصر دو رکعت۔ ان نمازوں کو ہمیشہ پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ رب العزت سے ملاقی ہوئے اور اس باب میں بطریق متعددہ احادیث مروی ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ صریح عصر کی سنتیں ہیں اب اس کے سوا خلاصی کی کوئی صورت ممکن نہیں کہا جائے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھے۔ اور دوسروں کے حق میں مکروہ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد عصر دو رکعت پڑھا کرتے اور دوسروں کو اس سے منع فرمایا کرتے۔ اور صوم وصال رکھا کرتے اور دوسروں کو اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان دو رکعتوں

کو اپنے کاشانہ اقدس میں ادا کرتے اور تخفیف امت کی خاطر مسجد میں ادا نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی سہولت و آسانی بہت محبوب تھی۔

ظہر کے بعد بھی چار رکعتیں مروی ہیں۔ مسند امام احمد اور سنن نسائی و ترمذی میں مروی ہے کہ جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت اور اس کے بعد کی چار رکعت کی محافظت کی حق تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام فرمائے گا۔ اور شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے علماء اختلاف کرتے ہیں کہ یہ چار رکعتیں ان دو راتبہ رکعتوں کے ماسوا ہیں یا انہیں میں سے ہیں اور دوسری تقدیر کی صورت میں آیا ہے کہ ان کو ایک سلام سے ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔ میرے نزدیک واضح ہے کہ اگر کوئی ظہر کے بعد کی چار رکعتوں کو ایک سلام سے گزارے یا دو سلام سے تو عدد مذکور حاصل ہو جاتا ہے خواہ اسے راتبہ شمار کیا جائے یا نہیں۔ اس لئے کہ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ ظہر کے بعد چار رکعتیں پڑھی جائیں۔ اور ان کے راتبہ ہونے کے لئے یہ صادق ہے (انتہی)۔

بندۂ مسکین عفا اللہ عنہ (صاحب مدارج رحمتہ اللہ) فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ چار رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعت کے ماسوا ہیں جیسا کہ عشاء کے بعد ہیں اور اس پر مشائخ کا عمل ہے کہ ایک سلام سے پڑھا جائے۔ (واللہ اعلم)۔

رہیں عصر کی سنتیں، تو امیر المومنین سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، سے مروی ہے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعت پڑھا کرتے تھے" رواہ ابوداؤد" نیز انہیں سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور ان کے درمیان مقرب فرشتوں اور مسلمان فرماں برداروں پر سلام بھیج کر فصل فرماتے تھے اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کرے جس نے عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں اس حدیث کو مسند احمد و ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ روایتوں میں ان اختلافات کی وجہ سے مذہب حنفی میں اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے چار رکعت پڑھے چاہے دو رکعت۔ دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کی خاطر۔ لیکن چار افضل ہے جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں محقق ہے۔

لیکن مغرب کی سنتیں دو اس کے بعد نفل دو رکعتیں ہیں۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا میں نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کو تمامہ بیان نہیں کرسکتا۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کبھی قرأت کو طوالت دے دیتے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں قرأت کو اتنا طول دیا کہ مسجد کے تمام لوگ چلے گئے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور عشاء کی سنتوں میں بھی دو رکعت بعد فرض عشاء ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔" فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لا کر ہمیشہ چار رکعت یا چھ رکعت کے بغیر عشاء نہ پڑھتے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور یہ دو رکعتیں، ظہر کے بعد کی چار رکعتوں کی مانند ہیں۔ جو دو رکعتوں کے ساتھ چھ ہو جاتی ہیں۔ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کو لوگوں کے ساتھ پڑھتے اس کے بعد میرے گھر میں تشریف لا کر دو رکعت پڑھتے۔ لیکن عشاء سے پہلے چار رکعت کا پڑھنا احادیث میں نظر نہیں آتا۔ اور اہل حرمین کا عمل ان کے نہ پڑھنے پر ہے۔ اور کتب فقیہہ میں اسے مستحب قرار دیا ہے (واللہ اعلم)۔

سفر السعادۃ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام سنن و رواتب کو گھر میں پڑھا کرتے۔ نیز آپ ایسا کرنے کی ترغیب دیتے اور فرماتے مجھے اس کی نماز زیادہ محبوب ہے جو فرض نماز کے بعد اپنے گھر جا کر نماز پڑھے۔ بالخصوص مغرب کی دو رکعت سنت اسے کبھی بھی

مسجد میں نہ ادا فرمایا۔

گھر میں ان سنتوں کو پڑھنے کی ترغیب دینا اور اس کی تاکید فرمانے کی وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ان سنتوں کو مسجد میں پڑھا تو وہ اس سنت کے مسنون طریقہ پر واقع نہ ہونے کی بنا پر اس کے ثواب کا مستحق نہ ہوگا۔ اور امام مروزی فرماتے ہیں کہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے گناہگار رہتا ہے۔ اور حکم، حکم ہی ہے۔ کیونکہ فرمایا: اِجْعَلُوْھَا فِیْ بُیُوْتِکُمْ انہیں گھروں میں پڑھو اور ہمارے اکثر علماء کے نزدیک وہ مستحق ثواب ہوگا۔ لیکن مخالفت فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اول ہی افضل ہے۔ اور حکم استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے اور ان دو رکعتوں کے ادا کرنے کے لئے جلدی کھڑے ہو جاتے۔ اور فرماتے ہیں کہ فرشتے اس انتظار میں رہتے کہ اسے بھی ساتھ لے جائیں اور فرمایا: مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ یَّتَکَلَّمَ رُفِعَتْ فِیْ عِلِّیِّیْنَ. جس نے مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں تو اس کی یہ نماز علیین میں اٹھائی جاتی ہے۔ سنت فجر کی اس حد تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظت و تاکید کی تھی کہ سفر میں بھی اس پر مواظبت فرماتے اور یہ مروی نہیں ہے کہ سنت فجر کے سوا کوئی اور سنن رواتب پڑھی ہوں اور بعض روایتوں میں دو رکعت سنت ظہر کے بارے میں بھی ہے اور بعض کے نزدیک سنت فجر واجب ہے۔ جس طرح کہ وتر واجب ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ سنت فجر ابتدائی عمل ہے اور وتر آخری عمل، لامحالہ ان کی رعایت و اہتمام دونوں میں معروف ہوئی ہیں بغیر عذر کے ان کو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

سنتوں میں سب سے زیادہ قوی سنت فجر ہے۔ اس کے بعد سنت مغرب۔ اس کے بعد ظہر کی سنت، اس کے بعد عشاء کے بعد کی سنت، اس کے بعد قبل ظہر کی سنت، بعض کہتے ہیں قبل از ظہر کی سنتیں بعد از ظہر کی سنتوں کی مانند مرتبہ میں اور اس کا مرتبہ بعد از سنت فجر ہے۔ اسے شمنی نے بیان کیا۔

تنبیہ: عام لوگوں میں متعارف ہے کہ ظہر کے بعد کی سنتوں کے بعد اور مغرب و عشاء کے بعد کی دو رکعت سنتوں کے بعد، دو رکعت نفل پڑھتے ہیں اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی مگر ظہر و عشاء میں چونکہ ان کے بعد چار رکعتیں مروی ہیں اور بعض روایتوں میں سنت کے ساتھ اور بعض میں بغیر سنت کے تو کاش کہ چار رکعت گزاریں تاکہ چھ سنت کے ساتھ شامل ہو جائے لیکن ان کو بیٹھ کر پڑھنا ندرت و غرابت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ عام لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔

نوع سیوم در زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لغوی معنی نمو، افزونی اور طہارت و پاکی کے ہیں: زَکَی الزَّرْعُ اِذَا نَمَا. (کھیتی کو جب بڑھتی ہے تو چھانٹتے ہیں) کا مقولہ مشہور ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُزَکِّیْھِمْ اَیْ یُطَھِّرُھُمْ اور شریعت میں زکوٰۃ کے معنی، مال پر سال کے گزر جانے کے بعد حاجت اصلیہ کے سوا پر صاحب نصاب کو ادائے حق کے وجوب کے ہیں اور نفس مال واجب پر بھی بولا جاتا ہے اور زکوٰۃ، مال کی زیادتی اور اس کے اچھے اور پاک ہونے کا موجب ہوتی ہے اور صاحب مال کے اجر میں زیادتی اور اسے برائی و گناہ کے میل سے پاک و صاف کرنے کا سبب اور باعث ہوتی ہے اور بعض نے زکوٰۃ کو تزکیہ سے ماخوذ مانا ہے۔ جس کے معنی مشاہدہ کرنے کے ہیں۔ کیونکہ یہ صاحب زکوٰۃ کا تزکیہ کرتا ہے اور اس کے صحت ایمان کی شہادت دیتا ہے زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ صاحب صدقہ کے دعوئ ایمان کی صحت میں اس کے صدق پر دلیل ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کا وجوب ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں وجوب رمضان سے پہلے یا اس کے بعد ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات میں مثلاً عشر وغیرہ میں فقراء کی مراعات تھی۔ چنانچہ

فعل کثیر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فعل کثیر وہ ہے جسے نمازی کثیر جانے۔ اور بعض کے نزدیک مختار یہ ہے کہ پے در پے تین بار فعل، کثیر ہے اور اس سے کم قلیل۔ اور اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا تو حضور دست مبارک کے اشارے سے سلام کا جواب مرحمت فرماتے۔ اس طریقہ پر کہ دست مبارک اس طرح اٹھاتے کہ اس کی پشت اوپر ہی رہتی۔ اور کبھی انگلی کے اشارے پر ہی اکتفا فرماتے اور یہ دونوں طریقے حدیث میں صراحت سے واقع ہوئے ہیں اور کبھی سر مبارک سے اشارہ فرماتے۔ نیز ہم نے دو سلام میں اور اس کے سوا میں اور جواب سلام کے لیے سر کے اشارہ کرنے میں کوئی صریح حدیث نہیں پائی بجز اس روایت کے جو ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے واقع ہوئی ہے کہ ''کان یرد اشارۃ'' (آپ اشارے سے سلام کا جواب دیتے) اس کو بھی سر کے اشارے یا مطلق اشارے پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن ''جامع الاصول'' میں مروی روایتوں کے سیاق کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دست مبارک کے ساتھ ارشاد فرمانا ہے اور بعض شارحین حدیث نے سر سے اشارہ فرمانے کا بھی ذکر کیا ہے مگر کسی حدیث کو بیان نہیں کیا۔ لامحالہ اس خصوص میں کوئی حدیث وہ نہ پاتے ہوں گے۔ (واللہ اعلم)۔

اب رہا جواب سلام کے علاوہ نماز میں اشارہ فرمانا، تو صلوٰۃ کسوف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے اور لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کھڑے تھے ان میں سے ایک نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب کے قصد سے آسمان کی طرف سر مبارک سے اشارہ فرمایا (رواہ مسلم) اور دوسری حدیثوں میں جواب سلام کے سوا میں ہاتھ سے اشارہ فرمانا بھی آیا ہے۔ چنانچہ بیٹھنے اور صبر کرنے کے لیے زمین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا جب واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے زمین کی طرف اشارہ فرمایا مطلب یہ کہ بیٹھ جاؤ۔

ایک مرتبہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے باندی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان دو رکعت نماز کی حقیقت حال دریافت کرے جو حضور بعد نماز عصر پڑھتے تھے۔ جب باندی آئی تو حضور نماز میں تھے آپ نے باندی کو اشارہ کیا کہ صبر کرے۔ اس نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تمام فرمائی اور جواب میں فرمایا یہ دو رکعت ظہر کی وہ سنتیں ہیں جن کو میں وفود کے اجتماع کے سبب ادا نہ کر سکا تھا پھر میں نے انہیں قضا کیا تھا۔

اور اوائل اسلام میں حضور حالت نماز میں سلام کا جواب دیتے تھے اس کے بعد وہ منسوخ ہو گیا اور بخاری و مسلم اور ابوداؤد و نسائی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نماز کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتے تو ہمیں سلام کا جواب عنایت فرماتے تھے جب ہم بعد ہجرت نجاشی شاہ حبش کے یہاں سے واپس آئے تو ہم نے حضور پر نماز کی حالت میں سلام عرض کیا۔ تو آپ نے سلام کا جواب مرحمت نہیں فرمایا۔ اس پر ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلے ہم سلام عرض کرتے تو آپ جواب مرحمت فرماتے تھے فرمایا: اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغْلاً۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب حکم فرمایا کہ نماز میں بجز ذکر باری تعالیٰ کے کچھ کلام نہ کرے۔ بعد فراغ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب مرحمت فرماتے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس قدر تضرع فرماتے گویا کہ آپ کے شکم اطہر سے ایسی آواز برآمد ہوتی جیسے دیگ میں جوش کی آواز آتی۔ مطلب یہ کہ اندر اندر آپ ایسا گریہ فرماتے جیسے دیگ میں جوش آتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سینے سے ایسی آواز معلوم ہوتی جیسے چکی کی آواز۔ یہ رونے کے سبب ہوتا۔

فقہ حنفی میں مذکور ہے کہ اگر آہ و بکا میں آواز بالکل نہ ہو تو مفسد نماز نہیں ہے اور اگر آواز ہو تو اگر کسی درد دنیاوی مصیبت کے سبب ہو

نصیحت فرماتے اور ترغیب دیتے کہ اسے دیانت وامانت، ذوق وشوق اور بغیر محنت ومشقت کے مستحقین کو پہنچایا جائے اور انہیں بغیر احسان جتلائے دے۔ اور خود کو مستحق ستائش بنائے بغیر دینا چاہئے اور قریبی خاندان کی عورتیں اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ مردوں کی بہ نسبت ان کی ضرورتیں زیادہ ہوتی ہیں اور عاملوں اور مال زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی نصیحت فرمائی ہے کہ وہ صاحبان مال پر حد سے تجاوز اور ظلم وزیادتی نہ کریں۔ اور کھرے مال کا انتخاب اور مقدار فرض سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں۔ اور ہدیے اور ضیافتیں قبول نہ کریں اور مال کی کثرت سال گزر جانے کی شرط جو کہ نرمی وآسانی کی دلیل ہے اس وجہ سے ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت، حکمت اور آپ کے انصاف کا تقاضا ہے کیونکہ زکوٰۃ کو ان چار قسموں پر واجب قرار دیا ہے جو لوگوں میں بیشتر اور ان میں ان کی حاجتیں بہت زیادہ ہیں اور ان کا رواج ان میں بکثرت ہے تاکہ انہیں زکوٰۃ دینے میں آسانی ہو اور آسانی کے ساتھ لے کر مستحقین اپنی ضرورتیں پوری کرسکیں۔ مال کی پہلی قسم کھیتی اور پھل ہیں مثلاً کھجور اور انگور ومنقے وغیرہ ترکاریوں اور سبزیوں پر نہیں ہے کیونکہ یہ تھوڑے زمانہ میں خراب ہو جاتی ہیں۔ دوسری قسم مال کی، جانور اور چوپائے ہیں جیسے اونٹ، گائے، بھینس اور بکری وغیرہ اور تیسری قسم مال کی، سونا چاندی ہے کیونکہ اہل جہاں کی تجارت اور معاشی زندگی ان کی ثمنیت اور ان کے سکے وغیرہ سے وابستہ ہے۔ اور چوتھی قسم مال تجارت ہے خواہ کسی قسم کا ہو۔ مثلاً کپڑے، برتن، بچھونے اور تمام ساز وسامان وغیرہ اور ان تمام اموال کی قسموں میں زکوٰۃ ہر سال ایک مرتبہ مقرر فرمائی ہے۔ اور کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ ان کے کاٹنے اور توڑنے کے وقت مقرر فرمائی۔ جب وہ اپنے تمام وکمال کو پہنچ جائیں کیونکہ یہی وقت غلہ کے حاصل ہونے کا ہے اور اس میں بھی حد درجہ عدل وانصاف کی رعایت ہے۔ سال بھر میں نرخوں میں جو اختلاف اور قیمتوں میں تغیر وتبدل ہوتا ہے اور یقینی طور پر مال میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے ان تمام مرحلوں کے بعد جو منفعت حاصل ہو اور مال میں کثرت ہو اس پر زکوٰۃ ہے اور غلے اور پھلوں کی کٹائی وتوڑنے کا وقت جو کہ اس کے کمال کا وقت ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ میں سب سے زیادہ آسان وقت ہے اور مستحقین کی رعایت بھی مقصود ہے کہ مبادا کھیتی اور پھلوں کے کاٹنے اور توڑنے میں دیر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی راہ پائے اور ادا کرنے میں دشواری ہو۔ اور صاحب مال کی رعایت انصاف میں سے یہ ہے کہ صاحب مال کو حصول مال میں جیسی محنت ومشقت یا سہولت وآسانی برداشت کرنی پڑتی ہے اسی اندازے کے مطابق مقدار واجب میں تفاوت رکھا ہے۔ اسی وجہ سے وہ مال جو بغیر محنت ومشقت اور کدوکاوش کے حاصل ہوتا ہے جیسے دفینہ یا کانی معدنیات وغیرہ جو خود بخود پیدا ہوتے ہیں ان میں زکوٰۃ کا پانچواں حصہ مقرر فرمایا ہے۔ اور اس سال گزرنے پر موقوف نہ رکھا۔

اور وہ مال جس کے حصول میں کسی قدر مشقت ومحنت ہے اگرچہ زیادہ مشقت نہیں ہے مثلاً کھیتی اور پھل جو کہ بارش کے پانی سے حاصل ہوتے ہیں ان میں عشر واجب فرمایا اور جو محنت ومشقت کی زیادتی کے محتاج ہوں جیسے وہ کھیتی اور پھل جن کو رہٹ اور ڈول سے سیراب کیا جاتا ہے اور اونٹ وغیرہ سے پانی نکالا جاتا ہے۔ ان میں نصف عشر مقرر فرمایا اور جو اموال اس کے محتاج ہیں کہ ان کے لئے ہمیشہ سفروں کی مشقتیں اور دریاؤں کے عبور اور عالم کے دور دراز علاقوں میں جانے کی ضرورت پڑتی ہے تو ان میں چالیسواں حصہ مقرر فرمایا لازمی ہے کہ ان اعداد کی تقرری میں بھی اسرار ہوں گے جسے بجز شارع علیہ السلام کے علم کے دوسرا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا اور ہر مال کی قسم میں بحسب مصلحت حال اور ایسی حکمت کے جس کو علم شارع کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ ہر ایک کے لئے ایک نصاب مقرر فرمایا۔ نصاب کے لغوی معنی اصل ومرجع کے آتے ہیں اور ہر چیز کا نصاب وہ ہوتا ہے جب وہ چیز اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر تمام ہو جائے اور وہ خاص اثر وحکمت جو اس پر مرتب کیا گیا ہے پورا ہو جائے۔ نصاب زکوٰۃ، مال کا ایک اندازہ اور تخمینہ ہے کہ جب اس حد پر پہنچ جائے تو شرع شریف میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ سونے چاندی کا زکوٰۃ یہ ہے کہ چاندی جب ساڑھے باون تولہ کو پہنچ جائے اور سونا جب ساڑھے سات تولہ کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اور غلے اور پھلوں میں نصاب پانچ وسق ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ آٹھ سومن شرعی وزن ہے۔ اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے (اور ایک صاع ہمارے ملک میں تین سوا کیاون تولہ کا ہوتا ہے، مترجم)۔

اور گوسفند میں چالیس گائے بھینس میں تیس اور اونٹ میں پانچ عدد نصاب ہے۔ اور مقدار نصاب زکوٰۃ کی تعین میں اصل و مدار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب یعنی فرض قرار دینا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کا اس پر عمل ہے اور ان کے بعد اس پر امت کا اجماع ہے اور یہ مقادیر و اعداد منتہی بعلم شارع اور وحی آسمانی ہے۔ ان کے تمام مسائل و تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہیں اس جگہ اتنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مال زکوٰۃ لاتا تو حضور بحکم نص قرآنی اس کے لئے دعائے خیر فرماتے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ آپ ان کے صدقہ کا مال لے کر انہیں پاک و ستھرا بنائیں اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ صلوٰۃ کے اس جگہ معنی دعا کے ہیں اور دعا میں بھی لفظ صلوٰۃ کو مستعمل کریں تو لفظ منصوص سے زیادہ موافق و انسب ہوگا۔ چنانچہ فرمایا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى اور اسی قبیل سے وہ دعا ہے جو بعض حدیثوں میں مذکور ہوئی ہے کہ فرمایا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ کیونکہ وہ صدقہ کو برضا و رغبت مطلوب و مرغوب لاتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے صدقہ کو واپس لے اور فرمایا صدقہ کو واپس لینے والا اس کتے کے حکم میں ہے جو اپنی قے کو کھاتا ہے اور یہ کراہت بر تقدیر ملک اختیاری ہے۔ مثلاً بیع و ہبہ۔ لیکن اگر میراث سے پہنچتے تو کراہت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وراثت کی ملکیت میں اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صدقے کے اونٹوں کو اپنے دست مبارک سے داغ دیتے۔ اور غالباً یہ داغ کان پر دیتے تھے اور جانوروں کے داغنے کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی مصلحت ہو جیسے علامت قرار دینا یا تمیز پیدا کرنا تا کہ مختلط نہ ہو جائیں تو جائز ہے اور جانوروں کے داغنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کے اونٹوں کو داغ دینا حجت ہے لیکن ضروری ہے کہ داغ چہرے پر نہ دے۔ کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور انسان کو بغرض علاج داغ دینے میں بھی یک گونہ اختلاف ہے اور صحیح حرمت و کراہت ہے مگر بقول طبیب حاذق جب اس میں ہی علاج منحصر ہو اس وقت یہ حکم نہیں ہے۔ لیکن ایسا دشوار ہے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے مقام میں کی گئی ہے۔

اور صدقہ فطر ہر مسلمان مرد و عورت، آزاد و غلام اور چھوٹے بڑے پر واجب ہے غلام اور بچے پر واجب ہونے کا مطلب، آقا اور باپ پر واجب ہوتا ہے اور امام مالک کے مذہب میں صدقہ فطر کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ صاحب نصاف ہو اور حاجت اصلی سے یعنی کپڑے مکان اور خادم و قرض سے زائد ہو، اور صدقہ فطر نصف صاع گندم ہے یا ایک صاع جو ہے جو گندم کا دوگنا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی۔ اور روز عید سے پہلے بھی دینا جائز ہے اور ہمارے نزدیک مدت کی کمی بیشی میں کوئی فرق نہیں ہے اور بعض ایک دو روز تک جائز کہتے ہیں رمضان کے آخری عشرہ سے مقدم نہ کرے اور جواز تاخیر میں بھی کئی قول ہیں۔

صدقات نافلہ: وصل: پہلے جز میں صدقات واجبہ کا ذکر تھا اب صدقات نافلہ کو بیان کیا جاتا ہے اگرچہ وجوبی حکم ان کے ساتھ متعین نہیں ہے اور اس کے ترک پر وعید بھی نہیں فرمائی گئی ہے مگر ان کو از حد پسند و محبوب قرار دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دینے سے اتنا خوش ہوتے تھے جتنا اسے لینے والا خوش ہوتا ہے اور راہ خدا میں جس قدر بھی خرچ فرماتے اسے زیادہ نہ شمار فرماتے اور آپ سے جو کچھ

کوئی مانگتا آپ اسے عطا فرمادیتے انکار نہ فرماتے۔ فرزوق شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کیا خوب شعر کہا ہے ؎

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِهٖ لَوْ لَا اَلتَّشَهُّدُ کَانَتْ لَاؤُهٗ نَعَمٖ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لا یعنی ''نہیں'' نہ فرمایا بجز اپنی تشہد کے۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کی لا، نعم یعنی ہاں ہوتی۔ اس مقام میں بڑی تفصیل و تحقیق ہے جو اخلاق شریف کے کی بیان میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کرنا چاہئے۔ اور آپ کی عطا و بخشش قسم قسم کی تھی اور طرح طرح سے انعام و احسان فرماتے کبھی کسی کو کچھ عطا فرماتے اور کبھی ہبہ فرماتے یا اپنے اس حق اور قرض کو جو کسی پر ہوتا اسے معاف فرمادیتے اور کبھی مال خریدتے اور اس کی قیمت عطا فرماتے پھر وہی مال اسے عنایت فرمادیتے اور کبھی مال خریدتے اس کی قیمت اسے زیادہ مرحمت فرمادیتے اور کبھی قرض لیتے اور اس سے زیادہ عنایت فرمادیتے اور کبھی ہدیہ قبول فرماتے اور اس سے زیادہ انعام و اکرام فرماتے۔ غرض کہ جس طرح بھی مخلوق کو نفع پہنچایا جاسکتا۔ ان پر احسان و نفع فرماتے۔ اور جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ قریب رہا اس میں احسان و کرم کی صفت غالب ہوجاتی۔ اگر بخیل و کنجوس، آپ کے حال مبارک کا مشاہدہ کرتا تو اس میں جود و سخا کی صفت اثر کر جاتی۔ غرض کہ سخاوت و سماحت اور جود و کرم، کسی دنیاوی تعلق کے بغیر اس کے مال و منال میں تمام افراد انسانی سے فائق تھی۔ اور جہان میں کوئی آپ کا مثل و ہمسر نہ تھا اسی وجہ سے آپ ہمیشہ بلند حوصلہ، خوش دلی، خوش مزاج اور شاداں رہا کرتے اس لئے ہر قسم کا انقباض، غم، تنگی و ترشی، اور بد خلقی ظلمات نفس اور اس کی صفات رذیلہ بخل سے ہے اور بخل و کنجوسی، دنیا اور ماسوی اللہ سے علاقہ جوڑتا ہے اور شرح صدر، حضور کے صفات کریمہ اور خواص عظیمہ میں سے ہے ان صفات میں کوئی فرد بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ مگر بعض وہ کامل اولیاء کرام جنہیں آپ کے اتباع کے طفیل یہ خوبی میسر آئی۔

نوع چہارم در صوم

صوم کی تعریف، کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا ہے۔ اور کامل روزہ وہ ہے جس میں اعضاء و جوارح، معاصی اور حرکات شنیعہ سے باز رہیں۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ پانچ چیزیں روزے کو توڑتی ہیں۔ جھوٹ، غیبت۔ یہ مفسد روزہ نہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو ہم میں کون ہے جس کا روزہ سالم و باقی رہتا ہوگا۔ علماء کا اختلاف ہے کہ روزہ افضل ہے یا نماز، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نماز افضل ہے اس بنا پر کہ حدیث میں آیا ہے کہ: اِعْمَلُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ جان لو کہ بلاشبہ تمہارا سب سے بہتر عمل نماز ہے اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا۔ یہ جو نسائی میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا مجھے ایسا عمل بتائیں جس کو میں آپ سے حاصل کروں فرمایا تم خود پر روزہ لازم کرلو کیونکہ اس کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ غالباً اس سے مراد، نفی مماثلت در وجہ مخصوص ہوگی۔ کیونکہ روزے کے فوائد و ثمرات میں سے کہ روزہ دار کے حال کے مناسب ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا ایک اور روایت میں ہے کہ بنی آدم کا ہر عمل اسی کے لئے ہے اور روزہ میرے لئے ہے اور یہ جو فرمایا کہ میں ہی اس کی جزا دوں گا تو یہ روزے کے کثرت ثواب اور اس کے جزائے وافر کی طرف اشارہ ہے اور موطا میں ہے کہ ابن آدم کی ہر نیکی کی جزا دس سے سات سو گنا تک ہے مگر روزہ تو وہ میرے لئے ہے اور میں اس کو اتنی جزا دوں گا جس کی قدر و قیمت میرے سوا کوئی نہ جان سکے گا۔ اور میں اس پر کسی کو خبردار نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں اسے فرشتوں کی وساطت کے بغیر عنایت فرماؤں گا اور یہ جو فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے۔ حالانکہ ساری عبادتیں حق تعالیٰ جل شانہ، کے لئے ہی ہیں تو اس سے مقصود، اس کی شرافت و بزرگی کی زیادتی اور اس کی

کرامت ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لئے روزے سے عبادت نہیں کی گئی ہے اور کسی کافر نے کسی زمانہ میں اپنے معبودان باطل کی پرستش روزے سے نہیں کی۔ اگرچہ نماز سجدہ اور مال کے بھینٹ کی شکل میں ان کی پرستش کی جاتی ہے دور دراز علاقے سے ان بتوں کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور ان کے چاروں طرف گھوم کر اس کی تعظیم کرتے ہیں، نیز روزے میں اس ریا کاری کی جو شرک اصغر ہے کی بھی راہ نہیں ہے یعنی وہ ایک مجرد و خالص عمل ہے اگر وہ کہے کہ میں روزے دار ہوں (حالانکہ وہ روزے دار نہ ہو) تو یہ اپنے قول میں ریا کاری ہوگی نہ کہ نفس فعل میں۔ نیز روزے دار کے اپنے نفس کے لئے بھی اس میں کوئی لذت نہیں ہے۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ بندہ میرے لئے کھانے پینے اور اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑتا ہے۔ اسی بنا پر وہ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور شہوت یعنی نفسانی خواہش سے مراد یا تو جماع ہے (جیسی کہ بعض حدیثوں میں اس کی تصریح وارد ہے) یا ہر قسم کی نفسانی خواہشیں مراد ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء و جوارح کو معاصی سے روکے۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ کھانے پینے سے بچنا ربوبیت کی صفات میں سے ہیں۔ اور جب بندے نے بارگاہ رب العزت میں اس صفت کے ذریعہ تقرب کی تلاش کی جو اس کی صفت ہے تو حق تعالیٰ نے اس بندے کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام عبادتوں میں عبادت صیام کی عظیم شان ہے۔ خصوصاً رمضان کے روزے کیونکہ یہ فرض ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں تو ہمیشہ ہی ساری مخلوق سے بہت زیادہ بخشش و سخاوت فرمانے کی عادت کریمہ تھی مگر خاص کر رمضان مبارک میں سب سے زیادہ تھی۔ مطلب یہ کہ آپ کی سخاوت و بخشش تمام لوگوں پر ہمہ وقت ہی زیادہ تھی مگر رمضان مبارک کے دن اور رات میں خیرات و صدقات بہت ہی زیادہ فرماتے اور ذکر، نماز، اعتکاف اور تلاوت سے دن رات کی ہر گھڑی کو معمور و لبریز رکھتے جب کہ یہ ماہ مبارک عظیم ہے اور برکات و کرامات کا منبع ہے اور نعم الٰہیہ و فیوضات ربانیہ، بندوں پر بہت اجل و اعظم ہے تو اس کا شکرانہ بھی انواع عبادات میں بہت زیادہ اکثر و اوفر فرماتے۔ اور چونکہ حضرت واہب البرکات جل و علیٰ کی بخشش اس ماہ دونی ہوتی تو حضور سید کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات جو مظہر انوار و صفات اور محل آثار کمالات حق سبحانہ وتعالیٰ ہیں آپ کا جود و سخا بھی اتنا ہی متکاثر و وافر ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی ہر رات میں جبریل علیہ السلام سے ملاقات کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت خیر و احسان کی تیز تر ہوائیں اتنی چلتیں کہ وہ سب کو ہی پہنچتیں اور شامل حال بنتیں اور حضور جبریل علیہ السلام کو قرآن کریم سناتے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے اسی طرح باہم دور کرتے۔ بس طرح کہ حفاظ ایک دوسرے کے ساتھ دور کرتے ہیں ان سب باتوں میں آدمی کے لئے تنبیہ ہے کہ اسے چاہئے کہ ان برگزیدہ دنوں میں اور خیر و برکت کی گھڑیوں میں نیک آدمیوں کی صحبت حاصل کرنے کی (جہاں تک ممکن ہو) کوشش کرے اور نیک اعمال کرنے اور شر و فساد اور گناہ و معصیت کی بچنے میں پوری پوری کوشش کرے۔ باللہ التوفیق۔

رمضان مبارک کے روزوں کی فرضیت ۲ ہجری میں ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں روزے رکھا کرتے تھے اور نزول قرآن کی ابتداء ماہ رمضان میں ہوئی اسی طرح اس کا نزول آسمان دنیا کی طرف یکبارگی ماہ رمضان میں ہوا۔ علماء کہتے ہیں کہ صحف ابراہیم علیہ السلام کا نزول رمضان کی پہلی رات میں ہوا۔ اور توریت کا نزول رمضان کی چھٹی رات میں ہوا اور انجیل کا نزول رمضان کی تیرھویں رات میں ہوا۔ اور قرآن کریم کا نزول چوبیسویں رات میں ہوا۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب کے یقین ہو جانے پر افطار میں جلدی فرماتے اور سحری تناول فرمانے میں تاخیر کرتے

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس تعجیل وتاخیر کا شوق دلاتے اور تعریف فرماتے تھے اور چند کھجوروں سے افطار فرماتے۔ اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پیتے اور فرمایا: نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔ مسلمان کی بہترین سحری کھجور ہے۔ اور افطار کے وقت پڑھتے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ. اور یہ کلمات بھی پڑھتے: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ ثَبَتَ الْاَجْرُ۔ یعنی پیاس گئی، رگیں تر ہوئیں اور اجر ثابت ہوا۔ افطار کے وقت دعا پڑھنا مستحب ہے۔ اور روزے دار کو فحش کلامی اور غیبت کرنے اور لڑنے جھگڑنے اور مخالف کو جواب دینے سے منع فرماتے۔ اگر رمضان میں سفر کرتے تو کبھی افطار کرتے اور کبھی روزے رکھتے اور دوسروں کو بھی سفر میں روزہ وافطار کا اختیار دیتے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے یا افطار۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور اکثر ائمہ رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سفر میں اس شخص کا روزہ افضل ہے جو طاقت رکھتا ہے۔ اور مشقت نہ بڑھاتا ہو۔ اور کوئی ضرر بھی لاحق نہ ہو اگر ضرر کرے تو افطار اولیٰ ہے۔ اگر رمضان کی راتوں میں غسل کی حاجت ہوتی تو رات میں ہی غسل فرمالیتے۔ اور بعض راتوں میں تاخیر بھی کرتے اور صبح صادق کے بعد غسل فرماتے۔ علماء فرماتے ہیں کہ رات میں غسل کرنا افضل واولیٰ ہے۔ اور رمضان کے دنوں میں پچھنے لگواتے، مسواک کرتے، کلی کرتے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہ کرتے۔ رمضان میں مسواک اور سرمہ لگانے کی ممانعت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی اس کے جواز میں ہے۔ اور نفلی روزے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اتنے پے درپے مسلسل رکھتے کہ لوگوں کو گمان ہوتا کہ اب افطار کریں گے ہی نہیں اور کبھی افطار کرتے تو لوگوں کو گمان ہوتا کہ کبھی روزہ رکھیں گے ہی نہیں کیونکہ کوئی مہینہ روزہ سے خالی نہ گزرتا۔ اور ایام بیض (چاندنی راتوں) میں روزہ رکھنے کا خوب اہتمام فرماتے حتی کہ سفر میں بھی نہ چھوڑتے اور دائمی روزے سے منع فرماتے اور صائم الدہر کے بارے میں فرمایا: لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ۔ نہ وہ روزے سے ہے اور نہ افطار سے۔ پیر اور جمعرات کے دن بھی روزے رکھتے اور عشرہ ذوالحجہ کے نو روزے رکھتے اور فرماتے کہ عشرہ ذی الحجہ سے بہتر روزہ رکھنے کے لئے اور کوئی دن افضل نہیں ہے البتہ عاشورہ یعنی محرم کی دسویں کا روزہ ضرور رکھتے۔ اور آخر عمر شریف میں فرمایا اگر باقی رہا تو آئندہ نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا اور روز عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کو اگر حج میں ہوتے تو افطار فرماتے۔ صاحب سفر السعادہ کہتے ہیں کہ وہ تین مہینے جس میں عوام روزے رکھتے ہیں کوئی چیز خاص نہیں ہے اور ماہ شوال کے چھ روزوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ چھ روزے رمضان کے ساتھ صیام دہر کے برابر ہیں اور تمام رمضانوں میں صرف آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے۔ صرف ایک رمضان میں آپ سے اعتکاف فوت ہوا۔ اور ماہ شوال میں قضا فرمائی۔ اور ایک مرتبہ اول عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور ایک مرتبہ درمیانی عشرہ میں اور ایک مرتبہ عشرۂ اخیر میں اور جب یہ معلوم ہوا کہ شب قدر آخری عشرہ میں ہے تو اس کے بعد آخر عمر شریف تک عشرۂ اخیرہ میں ہی اعتکاف فرمایا اور اعتکاف کے لئے مسجد میں خیمہ لگایا۔ اور کبھی تخت بچھایا جاتا اور اس پر فرش بچھایا جاتا اور ہر سال دس دن معتکف رہتے۔ اور آخری سال میں بیس دن اعتکاف فرمایا اور چالیس روزہ اعتکاف مروی نہیں ہوا اور ہر سال جبریل کے ساتھ ایک مرتبہ قرآن کا دور فرماتے اور آخری سال دو مرتبہ کیا اس کا تذکرہ ''وفات'' کے ضمن میں انشاء اللہ آئے گا۔

صوم وصال: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کی بعض راتوں میں وصال فرماتے یعنی پے درپے روزے رکھتے۔ بغیر اس کے کہ کچھ کھائیں یا پیئیں اور افطار کریں۔ اور صحابۂ کرام کو رحمت وشفقت اور دور اندیشی کی خاطر اس سے منع فرماتے اور ناپسند کرتے جیسا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ صوم وصال رکھتے ہیں تو ہمیں کیوں منع فرماتے ہیں باوجود یہ کہ ہم حضور کی متابعت کی تمنا رکھتے ہیں فرمایا: لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ. میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ: اَيُّكُمْ مِثْلِىْ تم میں سے کون

میری مثل ہے۔ اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ۔ میں اپنے رب کے حضور شب باشی کرتا ہوں کیونکہ وہ میرا پالنے والا اور تربیت فرمانے والا ہے: یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور ایک روات میں ہے وہ کھلانے والا اور پلانے والا ہے۔ جو کھلاتا اور پلاتا ہے۔

علماء کے اس کھانے پینے کے بارے میں کئی قول ہیں ایک یہ کہ یہی محسوس کھانا پینا مراد ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر شب جنت سے کھانا پینا آتا ہے تاکہ حضور کھائیں اور پئیں۔ اور یہ خدا کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص اکرام تھا۔ اور یہ نہ صوم وصال کے منافی ہے اور نہ بطلان صوم کا موجب ہے اس لئے کہ، جو چیز شرعاً افطار کا موجب ہے وہ عام دنیاوی چیزیں ہیں۔ لیکن جو چیز بطریق معجزہ اور خارق عادت جنت سے پروردگار کی جانب سے آئی وہ موجب افطار اور بطلان صوم نہیں بناتی اور یہ درحقیقت اجر و ثواب کی جانب سے ہے۔ نہ کہ اعمال کی قبیل سے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کھانے پینے سے مراد قوت ہے گویا فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ کھانے پینے کی قوت مرحمت فرماتا ہے اور ایسی چیز افاضہ فرماتا ہے جو کھانے پینے کے قائم مقام ہوتی ہے جس کی بدولت طاعت و عبادت کی قوت پاتا ہوں اور کسی قسم کا فتور یا عارضہ لاحق نہیں ہوتا اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے اور محققین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ غذائے روحانی مراد ہے جو از قسم ذوق ولذت مناجات اور فیضان معارف ولطائف الٰہی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر اور آپ کی روح پر فتوح پر وارد و نازل ہوتا ہے۔ جس سے احوال شریف کو ایسی خوشی ومسرت اور شادمانی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اس کی وجہ سے غذائے جسمانی سے مستغنی ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات مجازی محبتوں اور ظاہری خوشیوں سے بھی تجربے میں آتی رہتی ہے کہ غذائی احتیاج ہی لاحق نہیں ہوتی اور اس کی یاد تک نہیں آتی تو جو محبت حقیقی اور مسرت معنوی سے تعلق رکھتی ہو اس کا کیا اندازہ۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)۔

اُمتی کیلئے صوم وصال کا مسئلہ: فرع: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں کے لئے صوم وصال کے جواز وحرمت اور کراہت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ ہر اس شخص کیلئے جائز ہے جو اس کی قدرت رکھے اور یہ صوم دوام کی مانند ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ پندرہ دن تک صوم وصال رکھتے تھے۔ اور ابراہیم قلمی تابعی سے منقول ہے کہ وہ چالیس دن تک ایک یا چند دانے انگور کے کھاتے تھے۔ پھر یہ کہ عوارف میں منقول ہے کہ بعض ریاضت ومجاہدہ کرنے والی ''طی اربعین''، یعنی چالیس روزہ کاٹتے ہیں گویا کہ چالیس دن ان کے لئے ایک دن کا حکم رکھتا ہے۔

منقول ہے کہ بعض اصحاب نبوی نے مخالفت کے بعد بھی صوم وصال رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا اس سے معلوم ہوا کہ مخالفت، رحمت وشفقت اور تخفیف کی بناء پر تھی نہ کہ حرام قرار دینے کے لئے جیسا کہ شروع کلام میں اس کی جانب اشارہ گزرا اور اکثر کا مذہب یہی ہے کہ جائز نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت سے مکروہ قرار دیا ہے اور ان کے شاگردوں کا کراہت تحریمی اور کراہت تنزیہی میں اختلاف ہے اور اول صحیح تر ہے۔ امام احمد واسحٰق بن راہویہ یہ فرماتے ہیں کہ سحر تک جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری کی حدیث بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وصال نہ کرو اگر کوئی تم میں سے چاہتا ہے تو وہ سحر تک وصال کرے۔ اور یہ تاخیر افطار کے معنی میں ہے نہ کہ وصال کے لئے اور یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ مشقت اور تعذیب نفس کا باعث نہ بنو ورنہ داخل قربت وعبادت نہیں ہے۔ اور گزشتہ حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ وصال، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اگرچہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا پر حرام ہے کیونکہ حضور کے ارشاد میں ممانعت عام ہے کہ فرمایا: لَا تُوَاصِلُوْا۔ صوم وصال نہ کرو اور رحمت وشفقت، تحریم کے منافی نہیں ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ حرمت بربنائے رحمت ہے اور وہ اہل سلوک جو ریاضت ومجاہدے کے ذریعہ نفس کو مارتے ہیں وہ ایک ہتھیلی پانی سے افطار کرتے ہیں تاکہ وصال کی حقیقت بھی پوری ہو جائے۔ (واللہ اعلم)۔

نوع پنجم درحج وعمرہ

حج کے لغوی معنی قصد وارادے کے ہیں اور شریعت مطہرہ میں مخصوص شکل میں بیت اللہ کی طرف قصد کرنے کا نام ہے۔ اور لفظ حج بفتح حاء اور بکسر حاء دونوں سے ہے۔ اور آیۂ کریمہ: وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ، میں دونوں قرأتیں آئی ہیں۔ اور عمرہ کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں اور عمرہ حج پر اضافہ ہے اور اس کے معنی عمارت اور عورت سے زفاف کرنے کے بھی آتے ہیں۔ اور عمرہ مسجد حرام پر تعمیر و تعظیم ہے۔ اور یہ موجب عمارت، بنائے محبت ووداد ہے اور شریعت میں افعال مخصوصہ کا نام ہے جو طواف اور سعی ہے اس میں وقوف عرفہ نہیں ہے کیونکہ یہ حج کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور حج کے ساتھ عمرے کی نسبت ایسی ہے جیسی نماز فرض کے ساتھ نماز نفل کی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک حج کیا جسے حجۃ الوداع اور حجۃ الاسلام کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو تعلیم احکام ومسائل فرمائی اور فرمایا شاید تم مجھے آئندہ سال نہ پاؤں اور ان کو سفر آخرت کی بنا پر رخصت فرمایا اور خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے جب تم اپنے رب کے حضور حاضر ہوگے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی پرسش فرمائے گا۔ آگاہ وخبردار ہو جاؤ میرے بعد گمراہ نہ ہونا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پھر کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کیونکہ تم میں سے کچھ لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ اور آگاہ وخبردار ہو جاؤ میں نے تم کو تمہارے رب کے احکام پہنچا دیئے ہیں۔ اور فرمایا خداوند تو گواہ رہ۔ تمہیں لازم ہے کہ یہ حاضرین غائب کو احکام پہنچائیں اور جس کو یہ احکام پہنچائے جائیں وہ پہچانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا اور زیادہ جاننے والا ہے۔ اور فرمایا حج کے مناسک ومسائل سیکھ لو شاید کہ میں دوسری بار حج نہ کروں۔ اور فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو۔ پنجگانہ نمازیں پڑھو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو تاکہ حق تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے۔ یہ ہجرت کا دسواں سال تھا۔ لیکن ہجرت سے پہلے بعض کہتے ہیں کہ حضور نے دو حج کئے اور بعض کہتے ہیں تین۔ اور بعض ان سے زیادہ کہتے ہیں۔ قول محقق یہ ہے کہ کوئی عدد معین ومحفوظ نہیں ہے۔ اور حج کی فرضیت جمہور کے نزدیک ہجرت کے آٹھویں سال میں ہوئی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ نویں سال میں ہے اور اسی سال اسباب سفر کی تیاری میں مشغول ہوئے لیکن غزوات کی بنا پر اس سال آپ کو تشریف لے جانا میسر نہ آیا اور بارگاہِ نبوت میں مسلسل وفود کے آنے کی وجہ سے احکام کی تعلیم نہ فرما سکے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو امیر الحجاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیج دیا اور ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو سورۂ برات کا حکم، مشرکوں پر سنانے کے لئے بھیجا۔ جب علی رضی اللہ عنہ مرتضےٰ مکہ مکرمہ پہنچے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم ''امیر ہو یا مامور۔ فرمایا: نہیں مامور ہوں اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو سورۂ برات کا حکم لے کر خاص طور سے بھیجنا اس وجہ سے ہوا کہ اس سورۃ میں مشرکوں کے نقض عہد اور عقد عہد کا ذکر ہے کہ نقض عہد کا ذمہ دار خود وہ شخص ہوگا یا اس کے گھر والے ہوں گے۔

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے کی تعداد چار بتاتے ہیں۔ پہلا عمرہ حدیبیہ کا ہے جو ہجرت کے چھٹے سال بقصد عمرہ نکلے تھے اور جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے تو یہاں تمام مشرکین جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے باز رکھا۔ چونکہ فتح کی معیاد ابھی پوری نہ ہوئی تھی تو حضور بحکم الٰہی صلح کر کے احرام سے باہر آ گئے۔ اور مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور قرار پایا کہ سال آئندہ تشریف لائیں اور عمرہ بجا لائیں۔

اور دوسرا عمرہ ۷ ہجری میں قرارداد صلح کے بموجب ہے۔ آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے عمرہ کیا اور تین دن کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

اور تیسرا عمرہ ۸ ہجری میں ہوا جو فتح مکہ کا سال ہے آپ نے حنین کی غنیمتوں کی تقسیم کے بعد جعرانہ سے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے شباشب آئے اور عمرہ کیا اور اسی رات جعرانہ واپس تشریف لے آئے۔

اور چوتھا عمرہ دسویں سال اس حج کے ساتھ ہے جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں اس کی تفصیل غزوات کے بیان میں انشاء اللہ آئے گی۔

بعض علماء تین عمرے کہتے ہیں کیونکہ حدیبیہ میں حقیقتاً عمرہ نہ ہوا تھا اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں داخلہ نہ ہوا تھا اور حدیبیہ میں ہی احرام کھول کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تھے۔ لیکن جمہور علماء اسے عمرہ کا حکم دیتے ہیں۔

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور صحابۂ کرام کو اس کی خبر دی تو سب کے سب حج کے لئے تیاری کرنے لگے اور یہ خبر جب شہروں اور دیہاتوں میں پہنچی تو اطراف و جوانب سے لوگ مدینہ منورہ پہنچنے شروع ہو گئے اور سب ہی مسلمان یا تو مدینہ منورہ آ گئے یا مکہ کی راہ میں ہر طرف سے آ آ کر ملنے لگے۔ اور حجاج کی اتنی تعداد ہو گئی جو حد حصر و حساب سے باہر ہو گئی۔ یہاں تک کہ لوگ کہتے ہیں کہ آگ پیچھے، داہنے بائیں جس طرف بھی نظر اٹھائی جاتی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے کتنے پیادہ تھے اور کتنے سوار، ان کی تعداد معلوم ہی نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ غرضیکہ ذوالحجہ میں احرام باندھ کر نکلے مکہ پہنچے اور حج ادا کیا اس کے احکام و احوال کتب احادیث میں مسطور ہیں۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی رات میں اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگی تو جواب آیا میں نے بخش دیا مگر ظالموں کو نہیں کیونکہ اسے ضرور مظلوم کی حمایت میں پکڑوں گا۔ پھر حضور نے عرض کیا اے رب تو قادر ہے کہ اگر چاہے تو مظلوم کو جنت میں داخل کر دے اور ظالم کو اس وقت بخش دے، اس دعا کا جواب نہیں آیا۔ اور جب مزدلفہ میں صبح فرمائی تو اس دعا کو دوبارہ مانگا جواب آیا میں نے قبول فرمایا جو کچھ آپ چاہتے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خندۂ فرحاں رکھے یہ گھڑی تو کوئی خاص تبسم کی نہ تھی؟ فرمایا دشمن خدا ابلیس نے جب جانا کہ حق تعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرما لیا اور میری امت کو بخش دیا تو وہ سر پر خاک ڈال کر واویلا کرتا چیختا چلاتا بھاگ کھڑا ہوا اس پر مجھے اس کا جزع و فزع دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ امت سے مراد، مقام عرفات میں ٹھہرنے والے ہیں اور اسی بنا پر علماء کہتے ہیں کہ حج سے حقوق العباد کا کفارہ بھی ہو جاتا ہے۔ اور طبرانی کہتے ہیں کہ یہ ان ظالموں پر محمول ہے جو ظلم سے توبہ کر کے حق عباد ادا کرنے سے لاچار رہے۔ اور بیہقی بھی اسی روایت کی مانند ابوداؤد و ابن ماجہ سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کی نظیریں بکثرت ہیں۔ اگر صحیح ہیں تو حجت ہے ورنہ حق تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے کہ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ (شرک کے سوا سب بخش دے گا) تو ظلم بھی مادون شرک ہے۔ خلاصہ یہ کہ حج سے حقوق اللہ تو بخش دئے جاتے ہیں لیکن حقوق العباد میں اختلاف ہے مگر فضل خدا وسیع ہے اور ظاہر حدیث عام ہے۔

ترمذی میں صحیح حدیث ہے کہ: مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَّ لَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ جس نے حج کیا اور بدی و فسق نہ کیا تو وہ گناہوں سے ایسا جا نکلتا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ حقوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں حقوق العباد کو شامل نہیں۔ اور کہا گیا کہ حقوق اللہ سے متعلق تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر خاص حقوق اللہ ساقط نہیں ہوتے لہٰذا جس پر کوئی نماز یا کفارہ وغیرہ ہے چونکہ یہ حقوق اللہ سے ہے اس لئے ساقط نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ یہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ گناہوں سے۔ اور گناہ نماز کی تاخیر ہے لہٰذا تاخیر و مخالفت کا گناہ حج سے ساقط ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حج مخالفت کے گناہ کو ساقط کرتا ہے نہ کہ حقوق کو۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حج ان چیزوں کو ساقط کر دیتا ہے جو اس پر واجب ہیں مثلاً نماز وغیرہ تو اس سے توبہ کرائی جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اور حقوق العباد تو حج سے بالا جماع ثابت ہے ساقط ہی نہیں ہوتے۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ نے نقل کیا ہے۔ یہ بات ندرت سے خالی نہیں (واللہ اعلم)۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں) اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے اور تریسٹھ کا عدد، آپ کی عمر مبارک کے سال کا عدد تھا۔

ابوداؤد میں ہے کہ پانچ چھ اونٹ خود قریب ہوتے اور ہجوم کر کے آتے تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انہیں ذبح فرمائیں اور ہر اونٹ قریب ہونے کی کوشش کرتا اور دوسروں کو دھکا دیتا۔ تا کہ اسے پہلے ذبح فرمائیں۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور نے تقریباً سینتیس اونٹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذبح فرمائے جن میں سے تین اونٹ خود ان کے تھے یہ تمام اونٹ اپنے اور دوسروں کے حضور اپنے ساتھ لائے تھے یہ سو اونٹ ذبح فرمائے۔

اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی جانب سے گائے ذبح فرمائی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے ایک اونٹ ذبح فرمایا۔ اس کے بعد ''حلاق'' کو بلایا جن کا نام معمر بن عبداللہ تھا اور انہیں داہنی جانب سے حلق یعنی سر مونڈنے کا اشارہ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان موئے مبارک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمایا جو ایک یا دو بال مبارک حصے میں آئے اور بائیں جانب کے تمام موئے ہائے مبارک، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری کو عطا فرمائے اس کے بعد ناخن مبارک کو ترشوایا اسے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا۔ اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حلق کرایا اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قصر یعنی بال ترشوائے اس کے بعد حضور نے دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ'' (اے خدا! سر منڈانے والوں پر رحم فرما) اور آخر میں عرض پر اضافہ فرمایا ''والمقصرین'' (اور بال ترشوانے والوں پر)۔

اور جب حضور چاہ زمزم پر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد نے (چونکہ چاہ زمزم ان کی تحویل میں تھا) پانی کھینچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالمطلب کی اولاد پانی نکالو کیونکہ یہ نیک عمل ہے اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ کریں گے تو میں خود اتر کر چاہ سے پانی نکالتا اور پانی پلانے میں تمہاری مدد و اعانت کرتا کیونکہ پانی پلانے میں فضل و برکت اور بزرگی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں خود اس کو کروں تو میرے بعد میری امت پر سنت ہو جائے گا اور تمام لوگ میرے اتباع کے ارادے سے اختیار کر لیں گے اور تم پر غالب آ جائیں گے اور تمہاری نوبت نہ آئے گی۔ اور یہ منصب تمہارے ہاتھ سے چلا جائے گا۔ تو انہوں نے ایک ڈول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پانی پینا یا تو بیان جواز کے لئے تھا یا ضرورت و حاجت کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ ہجوم کی زیادتی سے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی یا کوئی اور ضرورت و حاجت ہوگی۔ (واللہ اعلم)

بعض کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینا آب زمزم اور آب وضو کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ عادت شریفہ کے باب میں آئے گا۔

چاہ زمزم کے نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کا پانی بہت زیادہ ہے اور زمزم یا زازم، کثیر پانی کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ کسی چیز سے مشتق نہیں ہے۔ بلکہ شروع ہی سے اس کا یہی نام ہے سب سے پہلے جس نے زمزم کو نمودار کیا وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاسے ہوئے اور زمین پر اپنا قدم مبارک مارا تو اس جگہ چشمہ نمودار ہو گیا اور مشکیزہ بھرنے کے لئے پانی کو احاطہ میں لے لیا۔ تا کہ پھیلے نہیں۔ اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو چشمہ جاری ہو جاتا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس کے بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ کنواں بنایا اور جب قبیلہ جرہم نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی تو انہوں نے اسے پاٹ دیا یہاں تک کہ اس کا کوئی نشان تک نہ چھوڑا۔ بعدازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کو جب حق تعالیٰ نے اس کرامت کے ساتھ مخصوص فرمایا تو خواب میں یہ کنواں دکھایا تو انہوں نے عام الفیل میں اسے کھودا۔ ایک روایت میں ہے کہ عام الفیل سے پہلے۔ اس کے بعد ابوطالب نے اسے تعمیر کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس پتھر لاتے تھے جیسا کہ تاریخ مکہ میں مذکور ہے اور اس کے فضل وخواص میں اخبار وآثار بکثرت ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ذبح میں جہاں تقرب وعبادت مقصود ہے وہ تین ہیں۔ ایک ہدی یعنی حج کی قربانی، جسے حرم میں جانور ساتھ لے جا کر یا بھیج کر ذبح کرتے ہیں۔ دوسرا اضحیہ یعنی روز عیداضحیٰ قربانی دی جاتی ہے۔ تیسرا عقیقہ جو نومولود بچہ کے لئے ذبح کرتے ہیں۔

اور عقیقہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اور مذہب مشہور میں سنت ہے اور ان کی ایک روایت میں واجب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ موطا میں فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسی روایت پہنچی ہے کہ عقیقہ، جاہلیت کی رسوم میں سے تھا ابتدائے اسلام میں یہی رائج رہا۔ اس کے بعد اضحیہ یعنی بقرعید کی قربانی نے ہر اس ذبح کو منسوخ کر دیا۔ جو اس سے پہلے تھا اور ماہ رمضان نے ہر اس روزے کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھے اور غسل جنابت نے ہر اس غسل کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھے۔ اور زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھے ہمیں ایسی ہی خبر ملی ہے۔ (انتہی)۔

جاننا چاہئے کہ مسلم، ابوداؤد اور ترمذی ونسائی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ماہ ذی الحجہ کو دیکھو اور کوئی تم میں سے قربانی کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے جسم سے بال اور ناخن کو قربانی کے وقت تک دور نہ کرے اور بعض علمائے مذہب اور امام احمد کا مذہب اسی پر ہے کہ یہ نہی اور ممانعت بر سبیل تحریم ہے اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ یہ برطریق کراہت ہے۔ جامع الاصول میں مسلم بن عمار لیثی سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم روز اضحیٰ کے قریب حمام میں تھے اور موئے زیر ناف دور کرنا چاہتے تھے کہ بعض لوگوں نے کہا اس سے تم منع کئے گئے ہو پھر جب ہم سعید بن المسیب سے ملے تو ان سے میں نے اس بات کا تذکرہ کیا فرمایا اے بھتیجے یہ ایک حدیث ہے جسے لوگوں نے فراموش کر رکھا ہے اور اسے چھوڑ رکھا ہے۔ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ماہ ذی الحجہ کو دیکھ لو تو ......الحدیث۔

مخفی نہ رہنا چاہئے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے یہی ہے کہ بالوں اور ناخنوں کو نہ ترشوائے نہ یہ کہ احرام والوں کی مانند چیزیں لازم کرلے۔ لہٰذا صاحب سفر السعادۃ کا یہ قول جو انہوں نے کہا کہ بالوں اور ناخنوں میں کچھ دور نہ کرے اور اسی روز سے احرام والوں کی مانند صورت بنالے۔ یہ محل نظر ہے (واللہ اعلم)۔

نوع ششم در عبادات واذکار، دعوات واستغفار وقرأت

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر فرمانے کے بارے میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حق تعالیٰ کا ذکر ہر لحہ اور تمام اوقات میں کرتے تھے اور ہمیشہ یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور کوئی چیز آپ کو ذکر الٰہی سے باز نہ رکھتی تھی اور آپ کی ہر بات، یاد حق، حمد وثنا، توحید وتمجید، تسبیح وتقدیس اور تکبیر وتہلیل میں ہوتی تھی اور اسماء وصفات الٰہی، وعد، وعید، امر ونہی، احکام شرع کی تعلیم، ذکر جنت ونار، اور ترغیب وترہیب کا بیان، یہ سب ذکر حق تھا اور خاموشی کے

تو مفسد ہے اور اگر امر آخرت کے خوف سے ہو اور اس کی امید ورغبت اور ہیبت میں ہو تو مفسد نہیں۔ بلکہ زیادتی حضور وخشوع پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ مطرف کی حدیث میں ان کے والد سے مروی ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ منقول ہے کہ امر آخرت کے سبب آواز سے رونے میں اگر اس کے ضبط کی طاقت رکھتا ہے تو مفسد نماز ہے اور ضبط کی طاقت نہیں رکھتا مفسد نہیں۔ ایسا ہی شمنی نے بیان کیا ہے ''اور کبھی ضرورت سے کھنکھارتے اور بے ضرورت نہیں'' اسی بنا پر فقہا بے ضرورت کھنکارنے کو مفسد نماز قرار دیتے ہیں اور اگر عذر سے ہے تو مفسد نہیں اور عذر ومجبوری یہ ہے کہ مضطر وبیقرار ہو اور اجتناب واحتراز کی طاقت اس میں نہ رہی ہو۔ اور طبع کے ابھارنے یا علت مرض سے ہو۔ لہٰذا یہ چھینک اور ڈکار کے حکم میں ہوگا۔ اور اگر آواز کو اچھا بنانے کے لیے کرے تو بھی مفسد نہیں ہے اور اگر مقتدی اپنے امام کو ہدایت وتنبیہہ کے لیے کھنکارے تو آیا امام اسے قبول کرے یا نہیں اور اس کی مانند نماز میں ہے یا نہیں تو جواب یہ ہے کہ یہ بات نماز کو فاسد نہیں کرتی۔ ایسا ہی شمنی نے بیان کیا ہے اور نیز فرماتے ہیں کہ تنحنخ یعنی کھنکارنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے حروف پیدا ہوں اور ہدایہ میں ایسا ہی ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنی چشم مبارک کھلی رکھا کرتے۔ بند نہ کرتے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک پردہ رنگین ومنقش بنا کر قبلہ کی جانب ایک دریچہ پر لٹکایا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اس پردہ کو اتار لو کیونکہ اس کے نقوش وتصاویر نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ تصاویر سے مراد تو نقوش ہیں یا یہ حرمت تصاویر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ دریچہ پر پردہ اس لیے لٹکایا تھا کہ طاقچہ میں ان کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اور اس سے انہوں نے اس کو پوشیدہ کیا تھا ورنہ دیوار پر پردہ لٹکانے کی ممانعت واقع ہے۔ ایسا ہی ابہری نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے اور مجمع البحار میں ہے کہ دلہن کے گوشہ کی مانند اسے مزین ومنقش کر رکھا تھا (واللہ اعلم)۔

اور بخاری ومسلم میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کامدار لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ جب نماز میں اس پر نظر پڑتی تھی تو خلل واقع ہوتا تھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس لباس کو جسم اطہر سے اتار دیا اور فرمایا اسے ابوجہم رضی اللہ عنہ کو دے دو کیونکہ انہوں نے ہی اسے پیش کیا تھا اور اس کی کملی میرے لیے لے آؤ کیونکہ اس لباس کے نقوش وکام نے مجھے نماز میں اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور مقام خشوع وخضوع اور حضور قلب کے بلندی سے فروتر لے آیا ہے درحقیقت یہ ارشاد تعلیم امت کے لیے تھا۔ واللہ اعلم۔

نیز ایک حدیث شریف میں ہے کہ سلام کا جواب دست مبارک کے اشارہ سے دیتے۔ یہ بھی اس پر دلیل ہے کہ نماز میں چشم ہائے مبارک کھلی رکھتے تھے بند نہ رکھتے تھے۔ کَذَا قَالُوْا مخفی نہ رہنا چاہیے کہ یہ حدیثیں دلالت نہیں کرتیں مگر یہ کہ چشم ہائے مبارک ہمیشہ اور ہمہ وقت بند نہ رکھتے تھے اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ آپ چشم ہائے مبارک کو دوایم ومستمر کشادہ ہی رکھتے لہٰذا اگر مقصود یہ ہو کہ پوری نماز میں آنکھیں بند نہ ہوتیں تو یہ دلائل مکمل ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ مقصودِ کشادگی چشم میں اثبات دوام ہے کہ کبھی بند نہ فرماتے۔ (واللہ اعلم)

اور نماز کی حالت میں آنکھیں بند رکھنے میں کراہت پر فقہا کا اختلاف ہے اور ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ اگر کسی کو نماز میں آنکھیں کھلی رکھنے سے تفرقہ وپریشانی ناحق ہوتی ہو مثلاً جانب قبلہ کوئی ایسی چیز ہو جس سے حضور قلب میں خلل واقع ہوتا ہو تو آنکھیں بند رکھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ استحباب کے زیادہ قریب ہوگا۔ یہ حکم دلائل کے عموم پر نظر کر کے ہے کیونکہ حضور و برقرار رکھنے کی ترغیب میں احادیث واقع ہیں اور صراحت سے آنکھیں بند رکھنے کی ممانعت میں کوئی حدیث واقع نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

وقت اللہ تعالیٰ ہی کی یاد، قلب اطہر میں رہتی تھی اور حضور کا ہر سانس اور آپ کے قلب وزبان اور آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، کھڑا ہونا، لیٹنا، چلنا، کھانا پینا، سونگھنا، آنا جانا، سفر واقامت۔ پیدل وسواری، غرض کہ کسی حالت میں ذکر حق سے جدا نہ تھا اور ذکر کے معنی یاد کرنے کے ہیں اور نسیان جس کے معنی فراموشی کے ہیں۔ اس کی ضد ہے۔ جو بھی صورت یاد کرنے کی ہوتی خواہ دل میں یا زبان سے ہر فعل میں یا شان میں ذکر الٰہی ہوتا۔ لازمی ہے کہ اگر زبان، دل کے ساتھ موافقت کرے تو یہ افضل واتم وکمیل ہوگا۔ اور یہ جو بعض فقہاء کے کلام میں آیا ہے کہ جو زبان پر نہ ہو وہ ذکر نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا اعتبار ہے ان کی مراد وہ ذکر لسانی ہے جس کا زبان سے ذکر کرنا شریعت نے واجب قرار دیا ہے جیسے تسبیحات واذکار جو نماز میں واقع ہیں اور وہ اذکار جو نماز میں واقع ہیں اور وہ اذکار واوراد جو بعد نماز وارد ہیں نہ کہ مطلق ذکر۔ قاموس میں ذکر کو نسیان کی ضد بتایا گیا ہے لہٰذا یہ ذکر قلبی کو بھی بلا شبہ شامل ہے۔ اور فعل قلب پر ثواب کا مترتب نہ ہونا اور اس کا اعتبار نہ کرنا باطل ہے اور اسے اان چیزوں پر قیاس کرنا جسے شرع نے بغیر زبانی اقرار کے معتبر قرار نہیں دیا ن ہے بغیر دلیل شرع اور نص شارع کے صحیح نہیں ہے۔

دن ورات کے اعمال واشغال، وقت تہجد سے سونے کے وقت تک مختلف اوقات ولمحات اور حالات واوضاع اور اطوار میں حضور دعائیں وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ وہ تمام کتب احادیث میں مذکور ومسطور ہیں اور ادعیہ ماثورہ جو تمام مقاصد ومطالب اور حاجات کو شامل وحاوی ہیں اور ہر خاص مقصد ومطلب کے لئے بھی جداگانہ بیان فرمانے سے نہیں چھوڑی ہیں۔ اور دعا کی فضیلت میں اور اس کی ترغیب وتحریص میں اس قدر آیات واحادیث اور آثار مروی ہیں جن کا کوئی حد وشمار نہیں اس خصوص میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ فرمایا: اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ دعا مانگو میں قبول کروں گا اور حضور کا ارشاد ہے: اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ دعا عبادت کا مغز ہے اور حضور کا ارشاد کہ: مَنْ لَّمْ یَسْئَلُ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ جو بندہ اس سے دعا نہیں کرتا وہ اس پر غضب فرماتا ہے۔ اور دعا میں توجہ واخلاص ہے کیونکہ بندہ ہر طرف سے منہ پھیر کر جناب باری تعالیٰ سے لو لگاتا ہے اور دعا حق تعالیٰ کے لئے حمد وشکر ہے۔ اور اس کے کمالات کا اثبات ہے خواہ صراحت سے ہو یا ضمن سے۔ اور توحید ورغبت ومناجات وتضرع وتذلل اور استعانت واستغاثت، یہ تمام باتیں عبادتوں کا خلاصہ اور مغز ہیں اور اسی وجہ سے وارد ہوا کہ: اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ.

ابو القاسم قیشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ دعا افضل ہے یا سکوت ورضا۔ بعض کا خیال ہے کہ دعا افضل ہے کیونکہ دعا فی نفسہ عبادت ہے اور عبادت کرنا اور اس پر قیام کرنا اس کے نہ کرنے سے افضل واولیٰ ہے۔ اور یہ کہ یہ حق تعالیٰ کا حق ہے اگر وہ بندے کے حق میں اسے قبول نہ فرمائے اور اس کی خواہش کے مطابق دعا کا اثر مرتب نہ ہو تو کوئی نقصان وحرج نہیں اس لئے کہ بندہ پر جو حق تعالیٰ کا حق تھا وہ اس نے ادا کر دیا اس لئے کہ دعا کا مقصود، اظہار فقر واحتیاج اور بندگی ہے اور یہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ ابو حازم اعرجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دعا سے محروم ہونا اس کی قبولیت سے محروم ہونے سے زیادہ سخت ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دعا مانگتا ہوں اور اس کی قبولیت کا امیدوار رہتا ہوں بلکہ جب دعا کو ختم کرتا ہوں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ قبولیت بھی اس کے ساتھ ہی شامل ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ حکم وتقدیر کی محرومی کے تحت سکوت وخاموشی زیادہ اتم اور خدا کے فرمان پر رضا وتسلیم کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کا یہ حال ہے کہ بارگاہ ایزدی کا اتنا ادب ملحوظ رکھتے ہیں کہ طلب وسوال میں زبان تک نہیں کھولتے۔ اور ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اور وہ اسی میں مستغرق رہتے ہیں اور جو کچھ حق تعالیٰ کی جانب سے ظہور میں آتا ہے۔ وہ اس پر راضی رہتے ہیں۔ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کی جانب سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ شَغَلَ ذِکْرِیْ عَنْ مَّسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ مَا اُعْطِی السَّآئِلِیْنَ. جو میری یاد میں اپنے لئے سوال کرنے

سے مستغنی رہے میں اسے مانگنے والے سے زیادہ دیتا ہوں۔

اور بعض کا خیال ہے کہ زبان کو دعا میں مشغول رکھے اور دل کو مقام رضا پر قائم رکھے۔ تاکہ اس میں دونوں خوبیاں جمع ہوسکیں۔ اور اس حال کے صحت کی علامت یہ ہے کہ دعا بحکم عبودیت وتذلل اور امتثال امرالٰہی میں ہو اور کسی خواہش کے ارادے اور حصول مقصد کی تمنا کے بغیر ہو۔ اور قبولیت کی تاخیر سے ناراضگی کا اظہار نہ کرے۔ اور اپنے رب کریم پر تہمت نہ رکھے۔ کیونکہ قبول فرمانا اور نہ قبول فرمانا دونوں اس کے حضور برابر ہیں۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوقات مختلف ہیں: بعض حالتوں میں سکوت سے دعا بہتر ہوتی ہے اور وقت کا ادب اسی میں ہوتا ہے اور بعض حالتوں میں دعا سے سکوت افضل ہوتا ہے اور اس میں ادب یہی ہوتا ہے اور اس بات کی شناسائی بھی وقت میں ہی ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ علم بھی وقت میں ہی حاصل ہوتا ہے اور اگر اپنا دل دعا کی جانب اشارہ کرے تو دعا اولیٰ ہوتی ہے۔ اور اگر سکوت کی جانب اشارہ کرے تو سکوت اولیٰ۔ نیز اگر علم، وقت میں غالب ہو تو دعا اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ اس کا ہونا عبادت ہے اور اگر غالب، معرفت و حال ہے تو سکوت وسکون اولیٰ ہے۔ نیز جو کچھ مسلمانوں کے نصیب میں ہے با مرالٰہی اس میں دعا حق ہے اور جہاں نفس کی لذت اور خواہش ہو وہاں سکوت احسن وبہتر ہے۔ (انتہی)۔

بندۂ مسکین نصہ اللہ بمز یدالیقین (صاحب مدارج) کہتا ہے کہ دعا کبھی بزبان قال ہوتی ہے جیسا کہ زبان سے اپنی حاجت کا مانگنا اور کبھی بزبان حال کہ بندے کی حالت خود عرض کناں ہوتی ہے اور کبھی بزبان تعرض ہوتی ہے جیسے حق تبارک وتعالیٰ کی مدح وثنا اس کی صفات کرم واحسان اور جود وعطا سے کرنے اور یہ بھی دعا ہی ہے اس لئے کہ حضرت کریم حق کی مدح وثنا کرنا ہی دعا وسوال کا عرض کرنا ہے۔

اور سکوت کا دعا سے فائق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خالص تسلیم ورضا ہے اور بعض عرفاء نے دعا، استعداد کی زبان سے بھی مانگی ہے۔ اور یہ بزبان حال کی دعا سے فائق ہے اور یہ سکوت میں بھی حاصل ہے۔ (فافہم)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کے آداب وشرائط بیان فرمائے ہیں جو کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے کچھ عمدہ ترین آداب یہ ہیں کہ حلال روزی، راست گو، دعا میں گڑگڑانا قبولیت کے لئے جلدی نہ کرنا، شروع میں خدا کی حمد وثنا کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا، آپ کے آل واصحاب پر بھی سلام بھیجنا وغیرہ ہیں۔ دعا کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو کھول کر چہرہ کے مقابل اٹھانا۔ ایک روایت میں ہے کہ کندھے کے محاذ میں رکھنا ہے یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں ہاتھ جدا جدا ہوں۔ اور کھلے ہوئے ہوں جس طرح کہ چلو بنا کر پانی پیتے ہیں اسی طرح مواہب میں مذکور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان کے بطون کو چہرے کے مقابل کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو اتنا بلند کیا کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی (یہ دعائے استسقار میں ہے)۔ علماء فرماتے ہیں ہر چند کہ یہ اس صورت میں زیادہ ہاتھوں کو بلند فرمانا ہے جب کہ معاملہ نہایت سخت و دشوار ہو جاتا ہے۔ اور ختم دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر ملنا بھی آداب دعا میں سے ہے جب کے حالت نماز کے سوا میں ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے لئے دعا مانگی اور وہ سب کے لئے مقبول ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دعاؤں کا یہی حال تھا۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے لئے ایک دعا مستجاب ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اپنی اس دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ کر کے آخرت کے لئے اٹھا رکھوں۔

بظاہر یہ مشکل ہے اس لئے کہ ہر نبی سے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار مقبول دعائیں واقع ہوئی ہیں اور اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی کے لئے صرف ایک ہی مقبول دعا ہوتی ہے۔ اس اشکال کا علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ مقبول دعا کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مقبولیت کو قطعی اور یقینی طور پر ذکر کر دیا گیا ہو اور ان کے ماسوا ان کی جتنی دعائیں ہیں وہ قبولیت کی امید کے درجہ میں ہیں۔ اور بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ ان کی تمام دعاؤں میں افضل دعا ایک ہی ہے۔ اگرچہ ان کے لئے اور بھی دعائیں ہوں اور بعض کہتے ہیں کہ ہر نبی کے لئے ایک دعائے عام ہے جو ان کی امت کے حق میں مستجاب ہے خواہ امت کی ہلاکت میں ہو یا ان کی نجات میں، لیکن مخصوص دعائیں لو کچھ مقبول ہیں اور کچھ نہ مقبول یا یہ مراد ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دعا ہے خواہ امت کے بارے میں ہو جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے مانگی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ اے میرے رب روئے زمین پر کسی کافر کو بستا نہ چھوڑ۔ یا نبی کی وہ دعا جو اپنی ذات خاص کے لئے ہو جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مانگی: فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ تو میرے لئے اپنی طرف سے ایسا ولی دے جو میرا وارث ہو۔ یا جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مانگی: رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اے میرے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو۔

کرمانی نے شرح بخاری میں سوال کیا ہے کہ کیا نبی کے حق میں یہ جائز ہے کہ اس کی دعا مقبول نہ ہو اس کا جواب دیا کہ ہر نبی کی ایک دعا ضرور مقبول و مستجاب ہے اور باقی دعائیں مشیت باری تعالیٰ میں ہیں۔ علامہ عینی حنفی شارح بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ سوال اچھا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ایک قسم کی شناعت ہے اور ہم شک نہیں رکھتے کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام دعائیں مقبول و مستجاب ہیں۔ اور حضور کا یہ ارشاد کہ "ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے" اس سے حصر مراد نہیں ہے۔ انتہی۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ معزز و مکرم ہیں کہ آپ اپنے رب سے کوئی دعا مانگیں اور وہ اسے قبول نہ فرمائے اور ایسی کوئی دعا منقول نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دعا مانگی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو یا رب۔ مگر یہ کہ اس میں کوئی کامل مصلحت ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں نے اپنی امت کے لئے تین دعائیں مانگیں۔ ایک یہ کہ میری امت کو زمین میں نہ دھنسایا جائے دوسرے یہ کہ ان کو قحط سے ہلاک نہ کیا جائے۔ تیسرے یہ کہ ان میں آپس میں خونریزی واقع نہ ہو تو پہلی دو دعاؤں کو تو شرف قبول حاصل ہوا۔ اور تیسری دعاء سے منع کر دیا گیا۔ یہ احتمال رکھتا ہے کہ منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہوگا کہ آپ ایسی دعا نہ کریں یہ مطلب نہیں کہ دعا کرنے کے بعد قبولیت سے منع کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ بات اس عبارت میں غیر متعارف ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی جب کہ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہ ان کو لے کر آئیں۔ دعا کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اپنے خادم انس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمایئے۔ حضرت انس جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو وہ آٹھ یا نو سال کے تھے۔ اور انہوں نے حضور کی دس سال خدمت کی اس پر حضور نے ان کے لئے دعا مانگی اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ مَالِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَاَطِلْ حَيَاتَهٗ اغْفِرْ لَهٗ۔ اے خدا اس کے مال و اولاد میں برکت دے۔ اور اس کی عمر میں درازی دے اور اسے بخش دے۔" اور ایک روایت میں ہے: و ادخله الجنة۔ اور اسے جنت میں داخل فرما دے تو ان کی عمر ایک سو سال سے متجاوز ہوئی۔ تین سال یا سات سال اور کم سے کم جو روایت کی گی ہے وہ ننانوے سال ہے۔ اور ان کے کھجوروں کے باغوں میں سال میں دو مرتبہ پھل لگا کرتے تھے۔ ترمذی نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت

انس رضی اللہ عنہ کا ایک باغ ایسا تھا جس میں سال میں دومرتبہ پھل آتے تھے اوران میں ایسی خوشبو آتی تھی جو مشک نافہ سے فائق تھی۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اوران کی اولاد پوتے پر پوتے یہ سب سو سے متجاوز تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میری بیٹی امینہ نے جو کہ میری آخری صلبی اولاد ہے اس نے میری اولاد میں سے ایک سودو کو دفن کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ایک سوبیس ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین دعاؤں کو پالیا ہے یعنی کثرت مال واولاد اور طول حیات کو اب چوتھی دعا کا امیدوار ہوں۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ جنت کا داخلہ ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک رضی اللہ عنہ بن ربعیہ سلولی کے لئے دعا فرمائی کہ ان کی اولاد میں برکت دی جائے تو ان کے ستر لڑکے پیدا ہوئے اسے ابن عسا کرنے روایت کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضےٰ کے پاس کسی کو بھیجا تو اس نے آ کر عرض کیا وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں پھر حضور نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اس وقت ان کا درد جاتا رہا اور یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ۔ اے خدا ان سے گرمی وسردی کو دور رکھ تو وہ نہ گرمی پاتے نہ سردی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ مرتضےٰ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا میں قضا جانتا نہیں کہ کس طرح مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس پر حضور نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھ کر دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَهٗ وَسَدِّدْ لِسَانَهٗ اے خدا ان کے دل کی ہدایت فرما اور ان کی زبان کو سیدھا چلا'' حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضےٰ فرماتے ہیں خدا کی قسم مجھے دوشخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی شک وتر دد نہ ہوا اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کی ایک بیماری میں عیادت کرتے ہوئے دعا کی: اَللّٰھُمَّ اشْفِهٗ اَللّٰھُمَّ عَافِهٗ. اے خدا! انہیں شفا دے اس کے بعد فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد درد نے کبھی عود نہ کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تو انہوں نے کہا اے میری بھتیجے اپنے رب سے میرے لئے دعا کیجئے کیونکہ آپ نے میری بیمار پرسی کی ہے کہ وہ مجھے صحت دے پھر حضور نے دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَمِّیْ. اے خدا میرے چچا کو شفا دے تو ابوطالب فوراً کھڑے ہو گئے گویا کہ ان کے بندھے پاؤں کھول دئے گئے۔ پھر ابوطالب نے کہا اے بھتیجے آپ جس رب کی عبادت کرتے ہیں وہ آپ کو دیتا ہے اور جو آپ چاہتے اور جو دعا مانگتے ہیں اسے قبول فرماتا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اے میرے چچا اگر تم بھی اس رب کی عبادت کرو اور اس کی اطاعت کرو تو وہ تمہیں بھی جو چاہو گے دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ اَللّٰھُمَّ اَعْطِهِ الْحِکْمَةَ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ. اے رب انہیں دین کی سمجھ دے۔ اے خدا حکمت عطا فرما اور انہیں تفسیر کا علم سکھا۔ اسے بیہقی اور ابونعیم نے روایت کیا۔ بخاری میں ہے: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتٰبَ اے خدا! انہیں قرآن کا علم سکھا۔ اسی دعا کا ثمرہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عنہما ''خبر الامتہ'' بحر علم، رئیس المفسرین، ترجمان القرآن، بلند درجہ، صاحب مقام رفیع ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نابغہ جعدی کی بتیسی بہت پسند آئی تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی، اے خدا! ان کے دانتوں کو نہ گرائے تو ان کی عمر سو سال سے متجاوز ہوئی۔ ایک روایت میں ہے ایک سو سے کچھ اوپر ہوئی مگر ان کا ایک دانت نہ گرا اور تمام لوگوں سے ان کے دانتوں کی آب وتاب اور خوبصورتی زیادہ تھی۔ ایک روایت میں ایسا آیا ہے کہ جب کوئی دانت گرتا تو دوسرا دانت اس جگہ نمودار ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ عمرو بن اخطب نے حضور کو پیالے میں پانی پلایا انہوں دیکھا کہ پانی میں بال پڑا ہے، بال نکال کر پھینک دیا اس پر حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ جَمِّلْهُ '' اے خدا انہیں صاحب جمال بنا اور انہیں خوبصورتی عطا فرما تو ان کی عمر ننانوے سال کی ہوئی مگر ان کے سر اور داڑھی کا ایک بال سفید نہ ہوا۔ ظاہر تعلق اور پانی کے پیالہ سے بال نکالنے سے مناسبت حسن و جمال اور جوانی ہے۔ اور اسی حسن و جمال کی ان کے لئے دعا مانگی۔ اکثر جوانی کے حسن و جمال سے داڑھی کی سیاہی مراد لیتے ہیں۔ اول کتاب میں حلیہ شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے ہائے مبارک میں سفیدی نہ ہونے کے ضمن میں بحث لکھی جا چکی ہے۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے کوئی چیز نکال جو داڑھی مبارک میں تھی مثلاً تنکا وغیرہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ جَمِّلْهُ۔ تو اس یہودی کے داڑھی کے بال باوجود یہ کہ سفید تھے سیاہ ہو گئے نیز مروی ہے کہ ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اونٹنی کا دودھ دوہا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ جَمِّلْهُ تو اس کے بال سیاہ ہو گئے اور وہ نوے سال تک زندہ رہا مگر بوڑھا نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر و بیگانے لوگ بھی حضور کے دستر خوان نعمت و برکت سے محروم نہ رہتے تھے تو مسلمانوں اور محبت کرنے والوں کا کیا اندازہ۔

نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کی خدمت و رضا جوئی میں خاص تاثیر ہے اور کافروں پر بھی خیر و برکت کا افاضہ ہوتا ہے اگر چہ اخروی خیر و برکت سے محروم، مایوس رہیں مگر دنیا میں محروم نہیں رہتے۔ اگر چہ اونٹنی کے دودھ دوہنے اور حسن و جمال کی دعا دینے میں کوئی معنوی و مناسبت ظاہری نہیں ہے لیکن اتفاق ایسا ہی پڑا۔ ممکن ہے وہ یہودی ظاہری حسن و جمال رکھتا ہو۔ اس پر مزید زیادتی کے لئے دعا فرمائی ہو (واللہ اعلم)۔

ایک اور شخص کے لئے فرمایا: اَللّٰھُمَّ مَتِّعْهُ بِشَبَابِهٖ. اے خدا اسے جوانی نصیب فرما۔ اس پر اسی سال گزر گئے مگر ایک بال سفید نہ نکلا۔ مروی ہے کہ ایک دن حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اس حال میں آئیں کہ ان کے چہرۂ انور پر بھوک کی زردی پھیلی ہوئی تھی جب حضور نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھ کر دعا کی۔ اے خدا بھوکوں کو سیر فرما۔ اے خدا فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھوکا نہ رکھ فوراً ان کے چہرے پر سرخی دوڑ آئی۔ سیّدہ زہرہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں اس کے بعد میں کبھی بھوکی نہ رہی اسے ابن یعقوب اسفرائی نے ''دلائل الاعجاز'' میں بیان کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ بن ابی الجعد بارقی کے لئے دعا فرمائی کہ: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِي صَفْقَتِهٖ اے خدا ان کی خرید و فروخت میں برکت دے تو وہ جو چیز خریدتے اس میں انہیں نفع ہوتا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اموال میں غنا و برکت کی دعا فرمائی تو وہ تونگری کے اس مقام پر پہنچے کہ وہ خود فرماتے ہیں اگر میں پتھر کو بھی اٹھاتا تھا تو امید رکھتا تھا کہ اس کے نیچے سونا چاندی ہوگا۔ اور مصر پر قحط کی دعا کی تو وہ قحط میں ایسے مبتلا ہوئے کہ کھالیں اور مردار کھانے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا قصہ جو عتبہ بن ابولہب پر فرمائی کہ: اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ. اے خدا اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔'' مشہور ہے ایک شخص نے حضور کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھایا۔ حضور نے اسے داہنے ہاتھ سے کھانے کا حکم فرمایا۔ اس نے کہا میں نہیں کر سکتا فرمایا کبھی تو نہ کر سکے گا تو وہ کبھی اس کے بعد اپنے داہنے ہاتھ کو منہ تک نہ اٹھا سکا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درخت کے آگے نماز پڑھ رہے تھے تو ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے گزرا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہماری نماز کو قطع کیا اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو قطع کرے۔ تو وہ شخص بیٹھ گیا اور کبھی کھڑا نہ ہو سکا ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا انہوں نے آنے میں دیر لگائی لوگوں نے کہا وہ کھانا کھا رہے ہیں فرمایا اللہ عزوجل اس کے پیٹ کو کبھی سیر نہ کرے تو معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد کبھی شکم سیر نہ ہوئے۔ یہ وہ باتیں ہیں جنہیں

علماء نے بیان کیا ہے اور یہ سب آپ کے دریائے معجزات کا ایک قطرہ ہے ان کے ماسوا بے شمار مثالیں ہیں۔ اور دعا کی اجابت وقبولیت تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اور پیرووں میں سے اولیاء وصلحاء امت کو بھی حاصل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیفیت ہو گی؟ حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دعائیں مقبول مستجاب ہیں جیسا کہ کہا گیا۔

اب رہا استغفار فرمانا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر گھڑی استغفار کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں ایک روایت میں ستر مرتبہ سے زیادہ ہے۔ اور ایک روایت میں سو مرتبہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ کثرت استغفار اور اس میں مبالغہ مراد ہے نہ کہ یہ مخصوص عدد (واللہ اعلم)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مجلس میں کھڑے ہونے سے پہلے سو مرتبہ اسے پڑھتے گنا کرتے تھے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ ایک روایت میں ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمِ الخ۔ اور ایک روایت میں ہے ابن عمر ہی سے یہ ہے کہ ہم گنا کرتے تھے کہ حضور ایک مجلس میں اسے سو مرتبہ پڑھتے تھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ بخاری میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا'' سید الاستغفار'' یہ ہے کہ پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ

اور ایک روایت میں اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ. الخ۔ آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اسے دن میں یقین کامل کے ساتھ پڑھے اور شام ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ جنت میں جائے گا اور جو اسے رات میں کہے صبح ہونے سے پہلے مر جائے تو جنت میں جائے گا۔

علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا امت کی تعلیم وتشریع کے لئے ہے۔ تاکہ وہ ہمیشہ استغفار کرنے اور توبہ کرنے والے رہیں۔ ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ومغفور ہیں آپ کو استغفار وتوبہ کی کیا ضرورت ہے۔ یا یہ استغفار امت کے لئے فرماتے تھے (واللہ اعلم)۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ (الحدیث) بلاشبہ بعض اوقات میرا دل در پردہ ہوتا ہے تو میں خدا سے استغفار کرتا ہوں۔ یغان غین سے ماخوذ ہے غین اس رقیق ولطیف پردے کو کہتے ہیں جو آفتاب پر آجاتا ہے اور اس غین ودر پردہ کی حقیقت کو پانے سے علماء وعرفاء عاجز وحیران ہیں۔ اکثر کا یہ خیال ہے کہ یہ غین ایک پردۂ رقیق ولطیف ہے جو بحکم بشریت لوگوں سے ملنے جلنے، دین وملت کے امور کا اہتمام کرنے مخلوق کو دعوت دینے اور احکام شریعت بیان کرنے سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدۂ شہود پر مشاہدۂ وحدت سے یک گونہ فرق وغفلت طاری ہوتا ہے نور وحدت کے ظہور وزکر کی آگ سے جو اشتغال واضمحلال رونما ہوتا ہے اس حالت کے پیش آنے پر حضور استغفار کرتے تھے: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ. نیکوکاروں کی نیکیاں مقربین کی بدیاں ہوتی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر لحہ مقام قرب میں ترقی در ترقی تھا۔ اور تجلیات حق کے رنگ میں آپ کے مشاہدات کی حد ونہایت نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر آن نور جلال کا پردہ دکھائی دیتا تھا اور نورانی تجلی پر اور نورانی تجلی کا اضافہ ہوتا جاتا تھا آگے کے مقام کے مقام منکشف ہو جانے کے بعد پہلے مقام کے توقف

پر استغفار کرتے تھے کہ کیوں اس وقت تک اسی مقام میں توقف ہے۔ آپ اسے اپنی خطا جانتے ہیں۔ بعض صوفیاء اسے کہتے ہیں غَیْنُ الْاَنْوَارِ لَاغَیْنُ الْاَغْیَارِ انوار کا پردہ ہوتا تھا نہ کہ غیریت کا پردہ۔ طیبی شرح مشکوٰۃ میں شیخ ابوالوقت شیخ شہاب الدین سہروردی سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس ہمیشہ مقام ترقی وشوق اور رفیق اعلیٰ سے ملنے اور عالم ملکوت سے ملحق ہونے میں جو ان کا مقام اصلی ہے رہتی تھی۔ اور قلب روح کے تابع اور نفس قلب کے تابع ہوتا ہے۔ اور شک نہیں ہے قلب کی حرکت ورفتار، نفس کی حرکت سے زیادہ تیز اور قائم ہے تو لامحالہ نفس مقام قرب اور حریم عزت کے عروج میں روح اور قلب کے مصاحبت ورفاقت سے جدا ہو جاتا ہے جو علاقہ عنصری سے انقطاع کا موجب ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی غیر متناہی رحمت ومہربانی ہے خلق کی تکمیل وارشاد کے لئے آپ کے عنصر شریف کی بقاء کا اقتضا فرماتی ہے۔ اور جلد ہی یہ غین اور اس پردہ کو قلب شریف کی حرکت کم کرنے کے لئے ڈالتی تھی تاکہ بالکلیہ قلب، روح کی طرف چلا نہ جائے۔ اور عالم قدس سے نہ مل جائے۔ اور حضور کمال شوق اور جہان میں جذب ہونے کی وجہ سے قلب کی حرکت کے کم ہونے کے باعث استغفار کرتے تھے۔ باوجود اس بات کے کہ اس میں حکمت ومصلحت ہے۔ اور تکمیل امت کی خواہش کمال درجہ ہے مگر ترقی کے لئے استغفار اور عذرخواہی کرتے تھے۔

اصمعی سے جو علم لغت کے بڑے عالم ہیں لوگوں نے غین کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے اور اس سے کیا مراد ہے فرمایا سائل اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غین کے سوا، کے بارے میں پوچھتا تو میں اس کا جواب جو کچھ میں جانتا دے دیتا۔ لیکن قلب مصطفیٰ اور اس کے احوال وصفات کے بارے میں دم مارنے کی سکت نہیں ہے۔ مجھے اصمعی کی یہ بات بہت اچھی معلوم ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کو قلب مصطفوی کے اداب واحترام کی توفیق مرحمت فرمائی جس کو سوا خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ اور جو بھی جو کچھ کہتا ہے اپنی معرفت وقیاس کے مطابق کہتا ہے۔ اور آپ کا مقام ان سب سے بلند وارفع ہے جو کوئی مقام کی خبر دیتا ہے۔ اور حقیقت حال کا انکشاف کرتا ہے وہ متشابہات کی تاویل کے درپے ہوتا ہے۔ حالانکہ متشابہات کا علم اور اس کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

قرأت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ترتیل وتفسیر کے ساتھ ایک ایک حرف صاف ہوتی تھی۔ حروف مد میں مد کرتے اور آیت کے سرے پر وقف کرتے تھے۔ چنانچہ پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور وقف فرماتے اس کے بعد پڑھتے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وقف کرتے اس کے بعد پڑھتے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور وقف کرتے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اسے وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اہل فن قرأت کے وقف میں کچھ قاعدے ہیں جو باعتبار تمام کلام اور اس کے مابعد سے عدم تعلق اور مابعد کا ماقبل سے انقطاع تعلق، تقسیم کرتے ہیں اسی بنا پر وقف کو وقف تام، وقف حسن اور وقف کافی نام رکھتے ہیں۔ جیسا کہ تجوید کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورت کو ترتیل سے پڑھتے حتیٰ کہ وہ سورت اس سورت سے بھی بڑھ جاتی جو سورۃ دراز تر ہے اور حضور کی خوش آوازی اور خوش قرأت سے زیادہ کوئی دوسرا نہ تھا اور حضور اپنی قرأت میں تغنی یعنی لحن صوت کا بھی لحاظ فرماتے۔ اور بسا اوقات اس سے آواز کو بلند فرماتے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے روز، سورۂ انا فتحنا کی قرأت میں آواز کی خوش اسلوبی کا لحاظ فرمایا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مغفل نے حضور کی ترجیع کو تین الف سے تعبیر کیا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے ظاہر ہے کہ حضور کی ترجیع کا عمل یعنی آواز کو بڑھا بڑھا کر پڑھنا آپ کا اختیاری عمل تھا نہ کہ بطریق اضطرار اور اونٹنی کی جنبش سے۔ جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ اگر اونٹنی کی جنبش سے ہوتا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مغفل اسے بیان نہ کرتے۔ اور اس کی خبر نہ دیتے تاکہ لوگ اس میں آپ کی پیروی کرتے۔ اور ترجیع کو فعل رسول کی طرف نسبت نہ کرتے۔ اور یہ نہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجیع فرمائی جیسا کہ ظاہر ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ یعنی اپنی خوش آوازی سے قرآن کو آرائش دو

فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ یعنی وہ ہم میں سے نہیں جس نے قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھا اور فرمایا حق تعالیٰ کسی چیز کو ایسا نہیں سنتا۔ اور متوجہ نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کی خوش آواز سے پڑھنے کو سنتا اور متوجہ ہوتا ہے یعنی وہ قرآن کو خوش آوازی اور جہر سے پڑھتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِکُلِّ شَیْءٍ حِلْیَۃٌ وَّحِلْیَۃُ الْقُرْاٰنِ حُسْنُ الصَّوْتِ یعنی ہر چیز کی ایک زیبائش ہے اور قرآن کی زیبائش خوش آوازی ہے۔ مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرأت توجہ سے سماعت فرمائی کیونکہ وہ حد درجہ خوش آواز اور خوش خواں تھے۔ ان کی مدح میں حضور نے فرمایا: اُعْطِیَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِیْرِ آلِ دَاؤُدَ۔ یعنی آل داؤد کے لحنوں میں سے ایک لحن انہیں عطا کیا گیا ہے۔ جب دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی سماعت فرمانے کی خبر دی، حضرت ابوموسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا افسوس، اگر میں جانتا کہ یا رسول اللہ آپ سن رہے ہیں تو میں اس سے زیادہ تحسین وتزئین کے ساتھ پڑھتا۔

علماء نے تغنی بالقرآن کے مسئلہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے مطلقاً جائز رکھا ہے یعنی اگرچہ مد میں زیادتی اور حرکات میں اشباع وغیرہ لازم آئے اگرچہ وہ علم موسیقی کے قوانین پر ہو اور بعض مطلقاً منع کرتے ہیں اور حق جو دائرۂ انصاف کا مرکز ہے یہ ہے کہ خوش آوازی اور تغنی دو وجہ پر ہے ایک یہ کہ طبعیت اسے چاہے، تکلف، بناوٹ اور تعلیم کے بغیر ادا کرے۔ بلکہ جب اسے اس کی طبعیت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اسے خوش آوازی، خوش الحانی کے ساتھ ادا کرے تو یہ جائز ہے۔ اگرچہ تزئین وتحسین کی زیادتی کے ساتھ ادا کرے۔ جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں جانتا کہ حضور سن رہے ہیں تو اور زیادہ تزئین وتحسین یعنی آراستہ اور سنوار کے پڑھتا۔ اور جس پر خوشی، بیخودی اور شوق کا غلبہ ہو وہ اپنے نفس کا مالک نہ رہے اور قرأت میں خوش آوازی، آراستگی اور تزئین صوت میں اختیار نہ رہے۔ وہ مطبوع ہے۔ یعنی طبعی صفت ہے منطبع نہیں یعنی اس میں بناوٹ نہیں ہے۔ صوت عرب اور لحن عرب سے یہی مراد ہے اور یہ ایک قسم کی تغنی ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرتے اور سنتے تھے یہ تغنی محمود ہے کیونکہ اس سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علم موسیقی کی صنعتوں میں سے کوئی صنعت ہو وہ از قسم طبائع نہیں ہو اور تصنع بناوٹ اور تکلف سے حاصل ہوتا ہو۔ جیسا کہ طرح طرح کے مرکب وغیر مرکب موسیقی کے سر ہیں جو مخصوص تھاپ اور اختراعی آوازوں کے قواعد واصول سے بنتے ہیں۔ اور یہ بغیر تعلیم وتکلف کے حاصل نہیں ہوتا تو اس قسم کو علماء سلف مکروہ جانتے ہیں اور اس وجہ سے قرأت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اور جسے اسلاف کے احوال کا علم ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ اسلاف موسیقی کے سروں سے بیزار تھے کیوں کہ اس کی تمام باتوں میں تکلف اور بناوٹ ہوتی ہے یہ حضرات اس طریقے پر قرآن پڑھنے سے بیزار ومجتنب ہیں اور اسے جائز نہیں رکھتے۔ بلکہ سوز وگداز، خوش آوازی اور خوش خوانی سے پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جو سب طبعیتوں میں موجود ہے۔ اور شارع علیہ اسلام نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔ بلکہ اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور لوگوں سے اس طرح پڑھوایا ہے اور خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ ایسے پڑھنے کو خوب سنتا ہے۔ اور فرمایا جو خوش آوازی سے قرآن نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔

ابن ابی شیبہ، عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا ہے قرآن کو سکھاؤ اور اسے خوش آوازی سے پڑھو اور حدیث کو لکھو۔ یہ سب مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔

حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ اسلام جب چاہتے کہ بنی اسرائیل سے کلام فرمائیں اور انہیں زبور سنائیں تو سات دن بھوکے رہتے اور اپنی ازواج پر تشریف نہ لاتے اس کے بعد سلیمان علیہ السلام سے فرماتے کہ اطراف وجوانب، دشت وجبل ہر جگہ اعلان کر دو کہ داؤد فلاں دن اجلاس کریں گے اور کلام کریں گے۔ اس کے بعد منبر نکال کر میدان میں بچھایا جاتا اس پر حضرت داؤد

تشریف فرما ہوتے ان کے پیچھے حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے رہتے۔جن وانس، وحش وطیور اور حشرات الارض جمع ہوکر چاروں طرف بیٹھ جاتے۔کنواری اور پردہ نشین عورتیں آتیں۔ذکر کو سنتیں اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام حمد و ثنائے الٰہی سے ابتدا فرماتے اور زبور کی تلاوت کرتے اس پر سننے والوں کی ایک جماعت مرجاتی۔اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام گنہگاروں کی طرف متوجہ ہوکر نصیحت شروع فرماتے۔اس پر بھی ایک جماعت سننے والوں کی مرجاتی۔اس کے بعد جب کثیر تعداد مرنے والوں کی ہو جاتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام عرض کرتے اے اللہ کے نبی لوگوں کی موتیں بہت کثرت سے ہوگئی ہیں۔اور سننے والوں کے جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام چہرے کے بل گر پڑتے اور بیہوش ہو جاتے اور انہیں اٹھا کر گھر لاتے۔اور حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں میں اعلان فرماتے کہ جس کا خویش واقارب اور دوست ہے وہ لاشوں کو تلاش کر کے نکال کے لئے جائے تو عورتیں تختوں کو لے کر آتیں اور اپنے شوہروں، فرزندوں اور بھائیوں کو اٹھا کر بستی میں لے جاتیں۔اور جب حضرت داؤد علیہ السلام دوسرے دن ہوش میں آتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے دریافت کرتے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ عرض کرتے اے اللہ کے نبی فلاں فلاں مرگیا ہے اور سب کے نام گناتے۔اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کو سر اور منہ پر مار کر مناجات کرتے، اے خدا! تو کیا داؤد علیہ السلام سے ناراض ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ اسے موت سے ہمکنار نہیں کیا۔جو تیرے خوف اور شوق میں مرگئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کا دوسری مجلس تک یہی حال رہتا۔اور وہ ہمیشہ اسی حال پر قائم رہے۔جبتک کہ اللہ عزوجل نے چاہا۔

کوئی یہ گمان نہ کرے کہ بنی اسرائیل کا حال، اس امت کے حال سے اکمل واعلیٰ تھا۔لیکن غنا اور مزمار میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کا حال بہت کافی ہے۔جو کہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔انہیں آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے۔لیکن خوف وشوق سے مرنا تو اس کا جواب دو طرح پر ہے۔ایک یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ اس امت کو وہ قوت عطا فرمائی گئی ہے جو ہر اس حالت کو جو درپیش ہو برداشت کر لیتی ہے۔اور اس کی قوت جسمانیہ فنا نہیں ہوتی۔بلکہ تائیدات الٰہیہ سے قوت روحانیہ پیدا ہوتی ہے۔یہ اس امت کی قوت کی زیادتی اور اس پر قائم رہنے کی بنا پر ہے کہ سماع موعظہ کا حال اور عدم سماع کا حال برابر ہے۔بلکہ پے در پے احوال ذکر واطوار سے یقین ہی بڑھتا ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا ہے: لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا اگر حجابات اٹھا دئے جائیں تو یقین ہی زیادہ ہو۔یا جس طرح کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حال ہے کہ باوجود یہ کہ وہ اصحاب مزامیر اور اس کے اخص اخواص تھے۔امت سے افضل ہیں۔موت کا انہیں اتفاق نہ ہوا جس طرح کہ دوسروں کو موت کا اتفاق پڑا۔یہ نہ تھا مگر اس بنا پر کہ ان کا حال تمکین وقوت اور اس ربانی قوت کی بناء پر جو ان کی مدد کر رہی تھی لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کا نہ مرنے پر توجہ فرمانا اور اس سے ان کا معذرت خواہ ہونا تو یہ تواضع وانکسار اور امت پر ان کی شفقت میں سے ہے نہ یہ کہ اپنے کسی امتی کے مرتبہ سے کمتر ہونے میں ہے۔(معاذ اللہ) اور اس قوت الٰہیہ اور قلب کے متحمل ہونے کی جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ایک دن ایک شخص کو قرآن کریم سننے کے وقت روتے اور بےچین وبے خود ہوتے دیکھا تو فرمایا ہم بھی ایسے ہی تھے لیکن اب ہمارا دل سخت ہوگیا ہے انہوں نے قوت وتحمل کو بر بنائے تواضع وانکسار، قسوۃ وسختی سے تعبیر فرمایا حالانکہ ان کا مرتبہ محفوظ ان کی منزلت بہت بلند اور وہ ہر برائی سے مرفوع ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن کسی سے قرآن کریم سنا تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔اور بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے۔بعد کو لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔پہلے تو کبھی ایسا حال نہ تھا۔فرمایا حال کی کمزوری ہے۔لوگوں نے کہا اگر یہ کمزوری ہے تو قوت پھر کیا ہے؟ فرمایا۔"قوت یہ ہے کہ سب جذب کرے اور اپنی جگہ سے نہ ہلے۔اور قائم رہے۔

اور دوسرا طریقہ اس کے جواب کا یہ ہے کہ اس امت میں بھی بہت سے اگلے پچھلے لوگ، سماع قرآن کی مجلس میں خوف وشوق میں مرے ہیں۔ اور ذوق وشوق میں اس جہان سے چل بسے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ ابواسحٰق ثعلبی نے ایسے حضرات کے اسماء میں کئی جلدیں لکھی ہیں اور کتاب ''نفحات الانس'' میں بھی ان حضرات کا ذکر ہے جو سماع قرآن کی مجلس میں جان، جان آفریں کے سپرد کر چکے ہیں۔

مسئلہ سماع: وصل: اب جب کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کی بات چل نکلی ہے تو اگر مجملاً مسئلہ سماع کا بھی اشارہ کر دیا جائے تو بعید نہ ہوگا۔

واضح رہنا چاہئے کہ اس مسئلہ میں قدیم وجدید اور قول وفعل میں بہت اختلاف ہے۔ بعض اباحت پر قائم ہیں۔ اور بعض شک وتردد میں ہیں اور کہتے ہیں نہ ہم اسے کرتے ہیں اور نہ انکار کرتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ سماع کا مَشَارٌ اِلَيْهِ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ جو بات کو سنتے اور اس پر خوب پیروی کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ اور جب سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا تو دیکھئے کہ عرفان حق سے ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں۔ عوارف میں کہتے ہیں کہ یہ وہ سماع ہے جس کی حقانیت پر سب کا اتفاق ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ سماع اپنے رب سے رحمت کے حصول کا موجب ہے۔ البتہ اختلاف، اشعار وقصائد کو بالحان مطربہ موسیقیہ کے سماع میں ہے اور اس میں کثرت اقوال اور تبائن احوال ہے۔ بعض اسے ممنوع قرار دیتے ہیں اور فسق وفجور کے ساتھ ملاتے ہیں اور بعض اسے جائز اور اسے حق واضح شمار کرتے ہیں اور دونوں گروہ میں افراط وتفریط ہے (انتہی کلام العوارف)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین راہیں ہیں۔ ایک مذہب فقہاء کا ہے یہ حضرات اس کا شدت وسختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔ اور مسلک تعصب وعناد کی راہ پر گامزن ہیں۔ اور اس فعل کو ذنوب وکبائر کے ساتھ ملاتے ہیں۔ اور کفر وزندقہ اور الحاد سے اسے اعتقاد کرتے ہیں۔ اور یہ افراط وزیادتی ہے اور طریقہ اعتدال وانصاف سے خروج ہے انہیں اس پر اتنی جرأت نہ کرنی چاہئے۔ خصوصاً اختلافی مقامات میں۔ ہاں اس پر علماء مذہب کے جو حرمت وکراہت پر دلائل ہیں اسے نقل کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسرا مذہب محدثین کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی حرمت میں حدیث صحیح اور نص صریح کوئی ثابت نہیں ہے بلکہ اس ضمن میں جتنی حدیثیں مروی ہیں وہ یا تو موضوع ہیں یا مطعون، اسی طرح آیات قرآنیہ میں ہے اگرچہ بعض مفسرین نے ایسی تفسیریں کی ہیں جو حرمت غنا پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان کی تاویلیں اور محمولات اور بھی ہیں جن کو ان کے سوا دیگر مفسرین وعلماء نے بیان کیا ہے لہٰذا جب حرمت ثابت نہ ہو تو حل و اباحت ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد دلیل ہے کہ وَاُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ تمہارے لئے طیبات حلال بنائی گئیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دلیل قطعی سے نہ ان کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور نہ ان کی اباحت، لہٰذا مسئلہ مبنی بر اصل اشیاء میں جو حظر واباحت ہے قرار پائے گا۔

اور تیسرا مذہب، سادات صوفیائے کرام کا ہے۔ اس مسئلہ میں ان کا مذہب مختلف اور افعال مجتذب مروی ہیں۔ بعض اجتناب کرتے ہیں اور بعض اس میں شغف رکھتے ہیں اور چاہئے کہ ان کا انکار اشد اور ان کا اجتناب وتشدید اقوی ہو اس لئے کہ ان کا مذہب، عزیمت کو اختیار کرنا اور تمام اوقات واحوال میں اقوال وافعال میں احتیاط کرنا ہے لیکن ان میں سے کچھ حضرات شغف وثوق سکر محبت، صفح حال اور وجد وہیجان وغیرہ میں اتنے مغلوب ہیں کہ ان کا حکم فریفتہ ودلدادہ اور مدہوشی کا حکم رکھتا ہے۔ اور نغمات کا نفوس میں اثر انداز ہونے میں شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ دلوں کو طرب انگیز کرتا اور باطن میں سرایت کرتا ہے۔ اس کا مشاہدہ ظاہر وعیاں ہے حتیٰ کہ

بعد نماز ذکر ودعا: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اذکار ودعائیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے یعنی سلامت کرتے تو تین بار استغفار کرتے اور دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اتنی دیر بیٹھے رہتے جب تک آپ یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ان دونوں حدیثوں کو مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ جب آپ سلام کرتے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے۔ ہم گمان کرتے ہیں کہ یہ ٹھہرانا اس لیے تھا کہ مسجد سے عورتیں پہلے نکل جائیں تاکہ مردوں سے ان کا اختلاط نہ ہو۔

اس نفی سے مراد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس ہیئت پر جس میں سلام سے پہلے تھے زیادہ دیر نہ بیٹھتے تھے مگر اسی قدر اس کے بعد حضور کبھی داہنی جانب اور کبھی بائیں جانب اور کبھی صحابہ کی طرف رخ انور کر کے پھر جاتے تھے۔ اور دعا وذکر فرماتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ صحابہ کی جانب رخ انور کرنا اس وقت ہوتا جب آپ قرآنی آیت یا کوئی نازل شدہ حکم بیان فرماتے۔ اور نماز کے بعد ادعیہ اور اذکار ان کتب احادیث میں بکثرت مذکور ہیں جو اس ضمن میں مرتب کی گئی ہیں۔ جیسے جزری کی ''حصن حصین'' اور امام نووی کی ''الاذکار'' وغیرہ کتابیں۔ یہ لازم نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب دعاؤں کو ہمیشہ ہی پڑھا کرتے تھے بلکہ ان میں سے جو چاہا پڑھا کبھی کل کو اور کبھی بعض کو۔ جتنا بھی اجر وفضیلت اور اتباع سنت کے لیے ضروری ہوتا اس مفہوم کی تصریح امام محی الدین نووی نے دعاؤں کے شروع میں اور ان کے سوا مقامات میں فرمائی ہے اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف بھی اسی نہج پر تھا نہ یہ کہ تمام دعاؤں کو اور تمام اوقات میں لازماً پڑھتے۔ اسی بنا پر بعض کتابوں میں کچھ ایسی دعائیں ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ اور صحابۂ کرام نے ان میں سے جس دعا کو سنا وہ اسی پر عمل کرنے لگے اور اسی کی روایت کرنے لگے۔ اسی طرح تمام اعمال' نوافل اور مستحبات میں یہی صورت حال ہے۔ اور ان میں اختلاف کا موجب بھی یہی صورت حال ہے۔ نیز علما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحبات کو یاد دلانے اور ان کے پڑھنے میں رغبت وشوق پیدا کرنے اور اذکار ودعوات میں ترغیب دینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ان کا وجوب لازم نہیں آتا۔ (واللہ اعلم)

اب ہم اس جگہ بعض ایسے اذکار اور دعاؤں کو بیان کرتے ہیں جن میں کوئی نکتہ اور بات مذکور ہے ان میں پہلی دعائے استغفار ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ ان لفظوں سے پڑھتے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اور مسلم وترمذی میں مطلقاً آیا ہے کہ جب سلام پھیرتے تو تین بار استغفار کرتے' اوزاعی سے جو کہ امام اہل شام ہیں پوچھا گیا کہ استغفار کی کیفیت کیا ہے فرمایا۔ فرماتے: استغفر اللہ' استغفر اللہ، استغفر اللہ. '' اور بعض نادان لوگ اس میں استحالہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز کے بعد استغفار کرنا اس امر کا وہم پیدا کرتا ہے کہ نماز بھی گناہوں کے زمرے میں سے ہے جیسا کہ اس گمراہ فرقہ سے جسے مہدویہ کہتے ہیں منقول ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جو کوئی نماز کے بعد کلمہ توحید پڑھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور ان غلطیوں کا صدور' جو نماز میں درپیش آئیں نماز خود ہی استحباب استغفار میں کافی ہے حالانکہ سنت صحیحہ کے وارد ہونے کے بعد ایسی باتیں ساقط الاعتبار ہیں۔

نماز کے بعد پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اسے مسلم نے روایت کیا اور بعض روایت میں ''منک السلام'' کے بعد'' والیک یرجع السلام'' بھی زیادہ آیا ہے اور مشائخ کے وردوں میں اس سے بھی زیادہ ہے وہ کہتے ہیں: فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ اور صحیح روایتوں میں یہ مروی نہیں مگر اسی قدر جتنا گزرا۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی

جانوروں میں نادانوں میں اور بچوں میں بھی اس کا اثر دیکھا گیا ہے۔ اور جوان میں سے متمکن و متحمل اور بساط حکم وآداب پر ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کے نہ قدم ڈگمگائے ہیں اور نہ اہل شوق کی مانند متلون، مترجع اور غلبہ وجد وعزام سے متشعر ہیں۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ سماع ان لوگوں کے لئے ہے جو تجلیات صفات کے اہل اور ارباب وجد میں سے ہیں جن پر احوال مختلفہ اور صفات متبانیہ کا گزر رہتا رہتا ہے لیکن جن پر ذات کی تجلی ہوتی ہے ان کا مقام سب سے بلند وارفع ہے۔

اس جماعت اہل طریقت نے سماع کے آداب وشرائط کی تحقیق کی ہے جو طالب اتباع کے لئے کافی ہیں اور وہ احکام ومعارف کے درمیان جامع ہیں۔ ان کو کتاب ''عوارف'' میں ملاحظہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں ایک باب رد وانکار میں، ایک باب قبول وایثار میں ایک باب سماع سے ترفع واستغفار میں ذکر آداب واعتنا میں باندھا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

صاحب کتاب ''الامتاع باحکام السماع'' فرماتے ہیں کہ سماع کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو عام طور پر رائج ہے۔ اور اسے دلوں کی خوشی، کاموں کی آسانی، بوجھوں کے اٹھانے اور حج کی مسافت کو طے کرنے میں استعمال کرتے ہیں اس میں خانہ کعبہ اور زمزم شریف کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ رزمیہ اشعار پڑھتے ہیں جس میں مقام جنگ وجہاد اور اس کی تعریف وتوصیف ہوتی ہے جیسے حداد، نصب وغیرہ یا بچوں کو بہلانے کے لئے عورتوں کا گنگنانا وغیرہ یہ سب مباح ہیں۔ اگر ان میں فواحش ومحرمات کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ مندوب ومستحب ہے کیونکہ اعمال مرفوع پر موجب نشاط ہے دوسری قسم وہ ابتحال وگانا ہے جسے فنکار فن موسیقی کے تحت گاتے اور اشعار میں گدازگی اختیار کرتے ہیں اور آوازوں میں ایسا اتار چڑھاؤ کرتے ہیں جس سے نفس میں ہیجان وسرور آتا اور دلوں کو خوشی ومسرت سے گرماتا ہے، یہ قسم علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ ایک گروہ مباح رکھتا ہے۔ اور ایک گروہ حرام قرار دیتا ہے۔ اور ایک گروہ مکروہ بتاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ امام مالک امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور احمد رحمہم اللہ سے زیادہ مشہور واصح قول کراہت میں ہے۔ اگرچہ حرام کا اطلاق بھی ہے۔ چنانچہ قاضی ابوالطیب، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حرمت کا قول نقل فرماتے ہیں۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غنا کو ذنوب ومعصیت سے شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح قاضی ابوالطیب اس کی حرمت، عامر شعبی، سفیان ثوری، حماد، نخعی اور فاکہی رحمہم اللہ سے اس سند کے ساتھ جو ان کی ہو نقل کرتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ کسی نے ان سے گانے کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو فرمایا یہ اس ہوا کی مانند ہے جو ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس کے اباحت کی جانب اشارہ ہے۔ اور اہل کوفہ، اہل مدینہ اور اہل عراق سے اس کی حرمت نقل کی گئی ہے۔ اور ایک جماعت اس کی اباحت کی طرف گئی ہے۔ اس میں انہوں نے قول کو مطلق رکھا اور مرد، عورت اور لڑکوں کے درمیان تفصیل نہیں کرتے ان سب کو برابری دیتے ہیں لیکن اس میں واقع ہونے اور فتنہ سے محفوظ رہنے کی شرط لگاتے ہیں اور بعض قلیل وکثیر اور مرد وعورت کے درمیان کرتے ہیں اور اباحت کے قائل حضرات کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام کی جماعت کثیرہ جس میں عشرہ مبشرہ کے بھی کچھ حضرات ہیں اور تابعین وتبع تابعین واتباع تبع اور دیگر علماء محدثین وعلماء دین کا جم غفیر جو صاحبان زہد وتقوی اور ارباب علم وعبادت ہیں ان سے غنا اور اسکا سماع مروی ہے اور انہوں نے ان سے اس باب میں اتنی روایات وحکایات بیان کی ہیں۔ جو بہت کافی ہیں۔ اور بلاشبہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ اس میں ائمہ دین اور اکابر اہل یقین اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا سماع غنا میں مشغول ہونا مستفیض ومشہور ہے اور ان کو جن فقہا حفاظ اور ارباب تواریخ نے دیکھا ہے اسے نقل کیا ہے اور ابن عبدالبر ''استیعاب'' میں فرماتے ہیں کہ ان کے سماع میں کوئی قباحت نہیں دیکھتا اور ان کے زمانہ میں ان کے چچا حضرت علی مرتضے بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے اور وہ جمیلہ کے گھر جاتے جو بہترین گانے والی تھیں اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ ان کے سوا کسی کے لئے اپنے گھر میں نہیں غنا کروں گی تو وہ ان کے

لئے گاتی اور اس نے چاہا کہ اس کے گھر میں آ کر ان کو سنائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے تو انہوں نے اس سے منع فرما دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر کے ہمسایہ بتاتے ہیں کہ وہ گاتی تھیں اور ان کے لئے بربط بجائی جاتی تھی۔

منقول ہے کہ حضرت سعید بن المسیب جو کہ افضل تابعین تھے اور تقویٰ اور پرہیز گاری میں ضرب المثل تھے غنا سنتے اور اس کے سماع سے لطف اندوز ہوتے تھے اسی طرح حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر اور قاضی شریح رضی اللہ عنہم جلالت شان اور کبرسنی کے باوجود باندیوں سے غنا سنا کرتے تھے۔ اور حضرت سعید بن جبیر جو کہ اعاظم تابعین سے تھے باندیوں سے سنتے تھے جو گاتی اور دف بجاتی تھیں اسی طرح عبدالمالک بن جریج جو کہ علماء وحفاظ اور فقہاء عباد میں سے تھے جن کی عدالت وجلالت پر اجماع ہے۔ وہ غنا کو سنتے اور قواعد موسیقی سے واقف تھے اور ابراہیم بن سعد وہ شخص تھے جو ثقہ اور روایت میں امام عصر تھے وہ طلبا کو حدیث اس وقت تک نہ سناتے جب تک کہ انہیں غنا نہ سنواتے۔ اور ہارون رشید کی محفل میں غنا کی حلت کا فتویٰ دیا۔ ان سے لوگوں نے امام مالک کا احوال دریافت کیا تو فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ یربوع کے قبیلے میں ان کی دعوت تھی اور اس قبیلہ کے لوگوں کے پاس بربط وغیرہ ساز تھے جو گاتے اور اس سے کرتب دیکھاتے ہیں اور امام مالک کے پاس چوکور دف تھا جسے بجایا جاتا۔ اور گایا جاتا تھا (واللہ اعلم)۔

صاحب تذکرہ نے حکایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ سے غنا کا مسئلہ پوچھا تو دونوں نے فرمایا غنا نہ کبائر میں سے ہے نہ صغائر میں سے۔ منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا ایک ہمسایہ تھا جو ہمیشہ رات کو اٹھ کر گاتا بجاتا تھا اور امام اس کے غنا پر کان دھرتے تھے ایک رات اس کی آواز نہ سنی تو اس کے گھر والوں سے پوچھا کیا بات ہے آج رات اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ بتایا کہ آج وہ باہر نکلا تو سپاہیوں نے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا اس کے بعد امام صاحب نے اپنا عمامہ باندھا امیر کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے چھڑانے کی سفارش فرمائی۔ امیر نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ ہے اس پر امیر نے عمر نام کے تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ امام صاحب نے اس شخص سے فرمایا رات کو تو جو کچھ کرتا ہے کرنا۔ چونکہ امام صاحب کا اس کے غنا پر کان رکھنا اور اسے منع نہ فرمانا ان کے نزدیک غنا اور اس کے سماع کے مباح ہونے پر دلالت ہے اور اس کے برعکس حکم کو اس غنا پر محمول کرتے ہیں جو فحش کلامی پر مبنی ہے۔ اور یہ آپ کے قول وفعل کی جمع تطبیق میں ہے حالانکہ اس کی حرمت نہیں پائی جاتی مگر ان کے فعل کے اقتضاء سے نہ کہ ان کے قول کے نص سے جیسا کہ دعوت ولیمہ میں مروی ہے کہ ایک دن امام ابویوسف کے سامنے غنا کا مسئلہ بیان کیا گیا تو انہوں نے امام صاحب کے پڑوسی کے غنا کا قصہ بیان کیا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اکثر ہارون رشید کی محفل میں ہوتے تھے اور اس کی مجلس میں غنا ہوتا تھا تو آپ سنتے اور اثر پذیر ہوتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے غنا کا مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا اپنے شہروں میں میں نے علماء کو پایا ہے جو اس کے منکر نہیں ہیں اور وہ اس میں بیٹھتے ہیں اور فرمایا اس کا منکر وہی ہے جو اندھا، جاہل اور عراقی ہے اور جس کی طبعیت مردہ ہے اسی طرح امام غزالی نے اس میں نقل فرمایا ہے۔ اور امام قشیری، استاد ابوالمنصور اور قفال وغیرہ سے اس کی اباحت کی حکایت کی گئی ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ جو مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اسے فاسق وفاجر ہی سنتے ہیں تو یہ اس غنا پر محمول ہے جس میں فحش کلامی اور منکر باتیں ہوں یہ ان کے قول وفعل میں جمع وتطبیق میں ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان جسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے مذہب میں غنا حرام نہیں ہے۔ میں نے بھی اس قول کو ان کی کتابوں میں بہت تلاش کیا مگر اس کی حرمت میں ان کی کوئی نص نہ دیکھی۔ اور استاد ابوالمنصور بغدادی فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب میں سماع کی اباحت ہے اس شرط کے ساتھ کہ مرد، مرد سے یا باندی سے یا بیوی سے یا اس عورت سے جس پر نظر ڈالنا حلال ہے اس کی آواز سے یا تو اپنے گھر میں سنے یا اپنے مخصوص دوستوں کے گھر میں سنے اور سر راہ اسے نہ سنے اور کوئی خلاف شرع، منکر چیز کو سماع میں شامل نہ کرے اور اس کے سبب نماز کے اوقات کو ضائع نہ کرے۔

ابومنصور بغدادی، یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ایسی مجلس میں شریک ہونے کے لئے بلایا جس میں ایک شخص گا رہا تھا جب گانا ختم ہوا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کیا تمہیں پسند آیا میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر تم ٹھیک کہتے ہو تو تمہاری حس صحیح نہیں ہے مطلب یہ کہ غنا کو پسند کرنا سلامتی حس وطبع کی علامت ہے اور اسے ناپسند کرنا طبیعت کی کجی اور حس کی کمی کا نشان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلیل شرعی اس کی حرمت یا کراہت میں نہیں ہے اگر ہوتی تو طبیعت کو اسے پسند کرنا کیا کام دیتی ہے۔ اس لئے کے طبیعت میں نغمہ کی تاثیر سے کسی کو کلام نہیں ہے۔ یہ تاثیر تو جانوروں میں بھی ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ آدمی، امام شافعی سے منقول ہے کہ ''اَلْغِنَاءُ لَهْوٌ مَكْرُوْهٌ يُشْبِهُ الْبَاطِلَ'' غنا ایک کھیل ہے جو مکروہ ہے اور باطل کے مشابہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے مکروہ سے مراد یہ ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس کا اطلاق اس معنی میں بھی آتا ہے اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ قول حرمت وکراہت پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اگر صرف باطل ہی فرماتے تب بھی اس پر دلالت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ باطل کے معنی یہ ہیں کہ جس میں فائدہ نہ ہو۔ اور مباح وہ ہوتا ہے جس میں فائدہ نہ ہو۔ (امام غزالی فرماتے ہیں کہ وہ روایتیں جن کے الفاظ غنا کی تغلیظ پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اگر صرف باطل ہی فرماتے تب بھی اس پر دلالت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ باطل کے معنی یہ ہیں کہ جس میں فائدہ نہ ہو۔ اور مباح وہ ہوتا ہے جس میں فائدہ نہ ہو)۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ وہ روایتیں جن کے الفاظ غنا کی تغلیظ پر دلالت رکھتے ہیں۔ وہ ان پر محمول ہیں جو فحش یا منکر کلام پر مبنی ہیں۔ لہٰذا حرمت کسی عارضی کی بنا پر ہے نہ اس معنی میں کہ غنا اپنی ذات میں حرام ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول وفعل سے تحقیق کے ساتھ وہ چیز صحت کو پہنچتی ہے جو اس کے مباح ہونے میں صریح ہے اور حرمت میں کوئی نص نہیں ہے۔

لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند حضرت صالح کے یہاں گانا سنا ہے۔ چنانچہ ابوالعباس فرغانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے صالح بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں سماع کو پسند کرتا تھا اور میرے والد ناخوش جانتے تھے تو میں نے ابن حنادہ سے وعدہ لیا کہ ایک رات تم میرے یہاں رہو۔ تو وہ میرے ہاں رہا۔ جب میں نے اطمینان کرلیا کہ میرے والد سو گئے ہیں تو ابن حنادہ نے گانا شروع کیا اتنے میں، میں نے چھت پر چلنے کی آواز سنی تو میں نے چھت پر جا کر دیکھا کہ میرے والد چھت پر چادر لپیٹے گانا سن رہے ہیں اور آہستہ ٹہل رہے ہیں۔ گویا کہ وجد کی کیفیت میں ہیں۔ اسی قصہ کی مانند عبداللہ بن امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہے یہ دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک سماع مباح ہے اور اس کے برعکس جو ان کا قول منقول ہے وہ غنائے مذموم پر محمول ہے جو فحش ومنکر پر مبنی ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے قوالی کو اپنے فرزند صالح کے پاس سنا اور انکار نہ کیا اس پر ان کے صاحبزادے نے عرض کیا اے پدر بزرگوار! کیا آپ اس کا انکار نہ فرماتے اور مکروہ نہ جانتے تھے فرمایا مجھے ایسی خبر دی گئی ہے کہ اس کے ساتھ منکرات کا استعمال کرتے ہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ سماع میں تشریف لاتے تو ان کی کمر سماع میں سیدھی ہو جاتی تھی باوجود یہ کہ کبرسنی کے باعث ان کی کمر جھک گئی تھی۔ یہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم، فقیہہ، حنفی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص تھے۔

فقیہہ وعالم ناصرالدین ابوالمنیر اسکندری اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ اگر سماع اپنے شرائط کے ساتھ اپنے محل اور اپنے اہل میں ہو تو صحیح ہے اور اس قول کو ابوبکر فلال صاحب جامع اور ان کے مصاحب عبدالعزیز رحمہما اللہ نے جو کہ دونوں حنبلی ہیں اختیار کیا ہے اور کتاب ''مستوعب'' کے مصنف نے حنبلیوں کی ایک جماعت سے سماع کو نقل کیا ہے جن میں سے حضرت صالح اور حضرت عبداللہ امام احمد کے صاحبزادے بھی ہیں اور اسے حافظ ابوالفضل مقدسی وغیرہ، ظاہر یہ نے اختیار کیا ہے۔ اور اسے ابومحمد خرم نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے۔ اور ان کا اس ضمن میں ایک رسالہ ہے۔ اور ابن طاہر نے اپنی تصنیف میں صحابہ وتابعین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور اپنی

روایتوں کے راویوں کو مضبوط کیا ہے اور شیخ تاج الدین عبدالرحمٰن فرادی شافعی دمشق کے شیخ ومفتی نے نقل کیا ہے کہ ابن قتیبہ سماع پر اہل حرمین کا اجماع نقل کرتے ہیں اور ابن قتیبہ نے اکثر اہل عراق سے نقل کیا ہے۔ اور ابن طاہر اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم اہل مدینہ کو کسی چیز پر اجماع کرتے دیکھو تو جان لو کہ یہ سنت ہے۔ یونس عبدالاعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے اہل مدینہ کا سماع کی اباحت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا میں حجاز کے کسی ایسے عالم سے واقف نہیں جس نے سماع کو مکروہ جانا ہو۔ البتہ انہیں جانتا ہوں جنہوں نے اس کی تعریفیں کی ہیں۔

اور ابویعلیٰ حنبلی نے بیان کیا ہے کہ یوسف بن یعقوب ماجشون اور ان کے دیگر بھائیوں نے سماع کی اجازت دی ہے اور یحییٰ بن معین نے جو کہ اعاظم علمائے حدیث ہیں فرمایا کہ ہم یوسف ماجشون کے پاس آتے تو وہ ہمیں گھر میں حدیث سنایا کرتے اور ان کے ہمسائے کے دوسرے گھر سے گانے باجے کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ یہ وہ ثقہ علماء ومحدثین ہیں جن کی حدیثیں صحاح میں شامل ہیں اور عبدالعزیز بن سلمہ ماجشون جو کہ مفتی اہل مدینہ تھے فرماتے ہیں کہ ان سے ائمہ محدثین نے روایتیں لی ہیں اور ان سے تخریج کرنے کے بعد حدیثوں کو بخاری ومسلم میں شامل کیا ہے۔ یہ حضرات بربط کی اجازت دیتے تھے صاحب نہایہ نے شرح ہدایہ میں احناف سے حرمت کا قول نقل کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ بعض احناف اس وقت میں غنا کی اباحت کے قائل ہیں۔ جب کہ استعارات حاصل کرنے اور نظم کے قوافی درست کرنے اور زبان کو فصیح بنانے کے لئے گنگنایا جائے اور کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور بعض احناف کہتے ہیں کہ اگر تنہا ہو اور وحشت کو دور کرنے کے لئے اپنے آپ میں گنگنائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ اسے شمس الائمہ سرخسی نے اخذ کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں ہوتے تھے تو اُسے بطریق کھیل کے نہ کرتے تھے اور فرماتے ہیں کہ جو مطلقاً کراہت کا قائل ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مباح اشعار پر محمول کرتے ہیں اور صاحب بدائع نے جزم کیا ہے کہ احناف سے شمس الائمہ سرخسی نے جو چیز ذکر کی ہے اور اسے سماع غناء بزم سے معلول کیا ہے کہ وہ دل میں گنگنائے اور صاحب ذخیرہ نے احناف سے نقل کیا ہے کہ بعض احناف عرسوں میں سماع کو کوئی مضائقہ نہیں بتاتے۔ اور بعض نے عیدین اور تمام مباح خوشی کے اوقات میں کوئی مضائقہ نہیں کیا ہے۔ اسے علماء متقین میں سے شیخ اسلام ابومحمد بن عبدالسلام اور ان کے مصاحب شیخ محمد بن دقیق العید نے اختیار کیا ہے۔

صاحب کتاب ''امتاع'' فرماتے ہیں کہ بلاشبہ صوفیائے کرام میں بکثرت فقہاء ومحدثین اور علوم شرعیہ کے انواع کی معرفت رکھنے والے ہوئے ہیں جیسے استاد ابوالقاسم قشیری، شیخ ابوطالب مکی اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ، یہ تمام حضرات اپنے رسائل و تصانیف میں وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو سماع کی اباحت پر قول وفعل سے دلالت کرتے ہیں اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ ایسے فقیہہ تھے جو مذہب ابوثور پر فتویٰ دیتے تھے اور ان سے امام قشیری اور شیخ سہروردی وغیرہ رحمہما اللہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ صوفیائے کرام کی جماعت پر رحمت الٰہی کا نزول تین وقتوں میں ہوتا ہے ایک کھانے کے وقت اس لئے کہ وہ نہیں کھاتے مگر فاقہ کے وقت۔ دوسرے ہم نشینی اور مکالمت کے وقت، اس لئے کہ یہ حضرات صدیقین انبیاء ومرسلین کے مقامات میں ان کے قائم مقام ہو کر کلام فرماتے ہیں اور تیسرے سماع کے وقت اس لئے کہ یہ حضرات اس وقت حق وتعالیٰ کے وجد وشہود میں ہوتے ہیں۔ اور صحابۂ کرام کے علماء کی جماعت نے اس باب میں بہت زیادہ حکایتیں نقل کی ہیں جن کا ذکر ان حضرات نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

مسئلہ سماع میں نصیحت: وصل: جاننا چاہئے کہ صاحب کتاب ''متاع'' نے سماع کے بارے میں تین قول ذکر کئے ہیں۔ حرمت، کراہت اور اباحت۔ اس کے بعد ہر مذہب کے دلائل بیان کرنے کے بعد مذہب اباحت کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا مدعا ہے اور حرمت وکراہت کے استدلات اور تمسکات کا جواب دیا ہے۔ اور مذہب اباحت کے اثبات میں کلام کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور اسے کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے ثابت کیا ہے اور قیام کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ سنت صحیحہ میں تغنی بالقرآن کا جواز ثابت ہے تو شعروں میں بھی جائز ہوگا اور اجتماع سے اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ چونکہ قرآن میں تغنی یعنی خوش آوازی سے سوز وگداز اور شوق بڑھتا ہے۔ اور خشوع وخضوع کو خوب پیدا کرتا ہے تو یہ بات اشعار میں بھی ہے کیونکہ یہ طاعات ومناجات اور دنیا میں زہد اور آخرت کے شوق کو خوب اضافہ کرتا ہے اور محبت الٰہی عزاسمہ اور متابعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادتی کا موجب ہے تو یہ بھی جائز ہوگا اور بعض اہل عرب کی حدی، نصب اور نشید وغیرہ کی قسموں پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ تمام اقسام باتفاق جائز ومباح ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔ یہ سب بحثیں اسی تقدیر وصورت میں رونما ہو رہی ہیں کہ غنا کی حرمت وکراہت پر کوئی قطعی نص ثابت نہیں ہے۔ ورنہ نص کے مقابلے میں قیاس کرنا لازم آتا ہے اور اباحت کے قائلین کہتے ہیں کہ اس جانب یعنی حرمت وکراہت پر کوئی نص نہیں پائی جاتی۔ اگر کوئی نص پائی بھی جاتی ہے تو وہ مرتبہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ اور کاتب الحروف کا اباحت کے قائلین کے اقوال کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ایک جانب جزم کرنا اور اس کی ترجیح دینا اور اس میں تعصب دکھانا طریقہ اختلاف کے مناسب نہیں ہے۔ اگر کسی کو اس میں وقت کی اصلاح نظر آتی ہے تو توقف کرے۔ اور احتیاط ملاحظہ کی روش اختیار کرے اور خلاف ونزاع کے بھنور میں نہ پڑے۔ اور اس میں اپنے حال کی سلامتی دیکھے اور اس میں احتیاط وتقوی نظر آئے تو مبارک ہے لیکن چاہئے کہ قال وحال کی زبان کو بزرگان دین پر طعن وتشنیع اور تضلیل وتفسیق سے آلودہ نہ کرے اور ان کے حالات میں پڑے بھی نہیں باوجود یہ کہ دلائل متعارض ہیں اور طریقے متباین ہیں اور دوسری جانب بھی علماء وفقہا اور عرفا موجود ہیں تو کسی ایک جانب کو ترجیح دینے اور دوسرے کو مرجوح کرنے سے باز رہے اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ بیت

صحبت وعافیت است گرچہ خوش افتادے دل جانب عشق عزیز است فرومگزارش

اور اباحت کے قائلوں کو مناسب نہیں ہے کہ تعصب برتیں اور علماء کے اقوال کے منکر ہو جائیں خصوصاً وہ حضرات جو دیانت ونصیحت کے طریقے کے مالک ہیں: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اور ہر ایک کے لئے ایک رخ ہے جسے وہ اختیار کرتا ہے تو تم بھلائی میں سبقت کرو۔ دونوں گروہوں کو چاہئے کہ تمیز وتفصیل کے طریقہ کی رعایت کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ تمام کاموں میں توقف واحتیاط محمود ہے اور ہر جگہ افراد وتفریط مذموم وبرا ہے وَبِاللہ التوفیق و منہ العصمۃ۔

ساز ومزامیر: اسی طرح صاحب کتاب ''امتاع'' نے ساز ومزامیر میں بھی بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چاروں ائمہ کے مذاہب میں مزامیر حرام ہے۔ اس کے باوجود بعض علماء شوافع اور اصحاب ظواہر اور امام غزالی وغیرہ نے ان کے خلاف نقل کر کے آلات ومزامیر کے اقسام کا ذکر کیا ہے۔ لیکن دف مختلف فیہ ہے۔ بعض نے مطلقاً مباح کہا اور بعض نے مطلقاً حرام رکھا ہے اور بعض نے جھانجھ دار اور بغیر جھانجھ سے تفریق کی اور درست بات یہ ہے کہ نکاح میں یہ مباح ہے اور بعض بوقت اعلان دف کو مستحب قرار دیتے ہیں اور شبابہ یعنی بانسری میں بھی اختلاف مذکور ہے اور مزامیر میں سے عود ہے جسے بربط بھی کہتے ہیں اور اس میں بہت سے تار ہوتے ہیں۔ جس سے آواز میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ اس میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں معروف یہ ہے کہ ان کا بجانا اور سننا دونوں حرام ہیں اور علماء کی ایک جماعت اس کے جواز کی طرف گئی ہے۔ اور وہ حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا سننا بیان کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ان کے آگے باندی کو بربط بجاتے دیکھا اس پر حضرت عبداللہ بن جعفر نے حضرت عبداللہ بن عمر سے کہا آپ اس میں کوئی مضائقہ دیکھتے ہیں۔ فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور علماء حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان، حضرت عمرو بن العاص اور حسان

بن ثابت رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے عبدالرحمٰن بن حسان، خارجہ بن زید جو کہ فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں اس کا سننا نقل کرتے ہیں۔ استاد ابومنصور نے زہری سے اور سعید بن المسیّب نے ابن ابی رباح، شعبی اور عبداللہ بن ابی العتیق وغیرہ فقہا مدینہ منورہ سے نقل کیا ہے۔ اور خلیلی، عبدالعزیز بن ماجشون سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عود یعنی بربط کی اجازت دیتے تھے اور ابن سمعانی نے طاؤس سے نقل کیا ہے اور ابراہیم بن سعد سے مروی ہے کہ خلیفہ رشید کے پاس انہوں نے کہا عود لاؤ۔ اس پر رشید نے کہا عود جلانے کی یا عود باجے کی۔ فرمایا عود، باجے کی، پھر رشید نے عود یعنی بربط منگایا اور اسے ابراہیم بن سعد نے بجایا اور غنا اور عود کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور فاکہی نے تاریخ مکہ میں باسناد خود نقل کیا کہ موسیٰ بن الغرہ الحجی سے منقول ہے کہ انہوں نے عطا بن ابی ریاح کو بلایا جب وہ آئے تو وہاں کچھ لوگوں کو بربط بجاتے اور گاتے پایا اس پر لوگوں نے انہیں آتے دیکھ کر گانا باجا بند کر دیا انہوں نے فرمایا میں نہیں بیٹھوں گا جب تک بربط نہ بجاؤ اور جو گا رہے تھے نہ گاؤ تو وہ بیٹھے اور لطف اندوز ہوئے۔

صاحب ''امتاع'' نے اس عود و بر بربط کو اصل قرار دے کر تمام آلات ومزامیر کو بھی اس پر قیاس کر کے نقل کیا۔ اور فرمایا کہ حرمت کے قائلوں کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ یہ باجا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ متاخرین شوافع کا مذہب یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے۔ یہ چند کلمے کتاب مذکور سے نقل کئے گئے'' والعھدۃ علیہ۔'' اس نقل کرنے سے مقصد وغرض یہی ہے کہ اگر کبھی اس جماعت صوفیا سے کوئی ایسی چیز منقول ہو جائے تو تشدید وتجہیل، تشنیع وتفسیق اور تضلیل میں مبالغہ نہ دکھانا چاہئے اور قوم کے عیوب ولغزشوں کے چھپانے کا شیوہ اور اپنا شعار بنانا چاہئے۔ اور عوام کی حفاظت میں مشغول رہنا چاہئے۔ ان کی اس میں پیروی نہ کریں: فَالْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَحْكَمُ اس ضعیف نے اس مسئلہ میں متعدد جگہوں میں بحث کی ہے۔ اور ہر جگہ تفصیل وتر دید اور توسط کے طریقہ کو ملحوظ رکھا ہے یا قدرے حرمت وکراہت کی جانب میلان کیا ہے لیکن اس کتاب میں اقوال کے نقل میں اباحت کی جانب غلبہ ہو گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا رخ ذہنوں میں مشہور ومقرر ہو چکا ہے ان کے نقل کی حاجت نہ تھی۔ ہماری نیت یہی ہے کہ جو کسی نے کہا ہے شعر ؎

عیب می چوں ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَالْعَاقِبَةُ بِالْخَيْرِ

جاننا چاہئے کہ ہر زمانہ میں ابتدائے حال سے لے کر آج تک جو بھی تغنی وسماع کی اباحت کی جانب قول وفعل سے گیا ہے۔ اور جس نے اس کا انکار واستبعاد کیا اور اس کی طرف توجہ دی ہے اس نے ان تمام حکایتوں اور روایتوں کو جو اس باب میں مروی ہیں واضح کیا ہے۔

مشکوٰۃ میں مروی ہے کہ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ جن کو بدری بھی کہتے ہیں یا تو اس سبب سے کہ وہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے یا اس سبب سے کہ ان کا مسکن بدر میں تھا وہ اور ایک اور صحابی ساتھ بیٹھتے تھے اور وہ گاتے تھے یہ سنتے تھے۔ ایک اور شخص جو موجود تھا اسے ان کا گانا سننا گراں گزرا اس نے اعتراض کیا اور کہا'' اے صاحبی رسول اللہ انتم'' مطلب یہ کہ تم دونوں رسول اللہ کے صحابی ہو اور گانا سن رہے ہو تو انہوں نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو تم بھی سنو اور ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ اور سنو ورنہ چلے جاؤ۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی ہے کہ ہم سنیں، اور یہ شادی کا موقع تھا اس میں باتفاق تغنی مباح ہے اور اس سے بالاتر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تھے وہ تو اس میں بہت ہی شغف رکھتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں ان کے ساتھ شریک وموافق تھے اور ان دونوں میں باہمی بہت محبت ودوستی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر پر اعتراض کیا اور ان کو برا کہا اور کہا کہ ان کا تو یہ حال ہے تم کس بنا پر ان کے معتقد ہو گئے ہو۔ دوسرے دن حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تو انہوں نے کثرت کے ساتھ نماز پڑھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے کہا اب انہیں دیکھو کہ یہ کیا کر رہے

ہیں۔اس کے بعدان کی زوجہ نے زبان اعتراض بند کر لی۔

اس حقیقت حال اور منشاء اختلاف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گانا سننا اور آلات ومزامیر کا بجانا زمانہ قدیم میں بے قید لوگوں، فاسقوں اور شراب خوروں اور لہو ولعب میں مشغول لوگوں کا کام تھا اسی بنا پر حدیث صحیح میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بھیجا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ میں معازف یعنی آلات ومزامیر کو جو کھیل کود میں بجتے ہیں مٹاؤں اور شراب پینے اور زنا کرنے سے روکوں۔

دراصل غنا کا نام ہی لہو ہے اور اس کا ذکر ملاہی میں کرتے ہیں۔اوران ملاہی کے محووفنا ہونے اوران ممنوعات ومنکرات کے رفع وازالہ ہو جانے کے بعد جو عام رسم وعادت تھی نہ رہی تو مسلمان وصلحاء اور پارسا حضرات اس سے محفوظ ہوئے اور فسق ومنکرات کی آمیزش اور فساق و فجار سے اختلاط کے بغیر اس سے لطف اندوز ہوئے۔اور جب دوسری جماعت نے دیکھا کہ یہ تو بے قید فاسقوں کی عادت وعلامت ہے۔اوران کی حالت کے مشابہ ہے تو اس خوف سے کہ کہیں اس کا سراان سے نہ مل جائے۔بچنے لگے اور ڈرانے لگے۔ اورشارع علیہ السلام نے بھی اگر اسی کے پیش نظر ڈرایا اور وعید صادر فرمائی ہو تو بعید نہیں۔اور یہ جو محدثین فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کی ممانعت ثبوت تک نہیں پہنچتی۔اوراس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔اسے برقرار رکھتے ہوئے بات یہ ہے کہ دائرۂ صحت، ان کی اصطلاح کے بموجب بہت تنگ ہے۔اوران کی مراد یہ ہوگی کہ اس کی مطلقاً ممانعت اوراس کی حرمت فی نفسہٖ غنا میں ثابت نہیں ہے جس طرح کہ شراب اور زنا وغیرہ میں فی نفسہ حرمت ہے۔اور یہ جو اہل ظواہر کہتے ہیں کہ کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے تو یہ مکابرہ سے خالی نہیں اس کی مثال ان برتنوں اور پیالوں کے قضیہ کی سی ہے جن کا نام خم، فرقت، نفیر اور وبا ہے۔جسے وہ اباحت خمر کے وقت استعمال کرتے تھے۔اوران میں شراب پیتے تھے۔اور جب شراب حرام ہوئی تو اس قسم کے برتن و پیالے جن میں وہ شراب پیتے تھے ان کا استعمال بھی کچھ عرصے تک حرام رہا۔تاکہ ان کے آثار کا قطعی طور پر قلع قمع ہو جائے۔جب شراب کی حرمت رچ بس گئی اور ثابت ومقرر ہوگئی اوراس کی علامتوں اور نشانیوں کے قلع قمع کرنے کی حاجت نہ رہی تو ان برتنوں سے ممانعت اٹھالی گئی۔اس کے باوجود علماء دائمہ دین کے دوفرقے ہوگئے۔ایک جماعت تو ان کی ممانعت پر قائم رہی اور دوسری جماعت اس کے جواز کی جانب آگئی جیسا کہ اس کے مقام میں بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح اس میں بھی دوفرقے ہوگئے۔ایک فرقہ تو قدیم عادت کے پیش نظر کہ یہ فساق و فجار کا کام تھا ممانعت اور احتیاط کی روش کو اختیار کرنے میں ثابت قدم رہا ہے۔اور دوسرا فرقہ اس کی حقیقت حال اور معنی کے پیش نظر اس سے ملحق رہا ہے کیونکہ اگر اس میں فسق و فجور اور ممانعت شرعی کی آمیزش ہے تو حرام ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو مباح ہے (واللہ اعلم وعلمہ حکم)۔

اس کے بعد ان حضرات کے درمیان تعصب وتشدد رونما ہو گیا۔مانعین افراط سے کام لیتے ہوئے ان کے مرتکبین کو مطلقاً فسق وکفر اور زندقہ سے منسوب کرنے لگے اور اسے مباح جاننے والے اس کو خاص طاعت اور محض عبادت قرار دینے لگے۔اور ہر وقت خود بھی اس میں مشغول رہنے لگے۔اور دوسروں کو بھی مشغول رکھنے لگے۔اور مجمع اور معرکہ بنانے لگے۔اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اہل ونااہل قرار دینے لگے اور انصاف کا رشتہ جس کے معنی ''نِصْفٌ لِیْ وَنِصْفٌ لَکَ'' ہے ہاتھ سے چھوڑ دیا اور طریقہ ادب کو جس کی حقیقت ہر چیز کی حدوں کو محفوظ رکھنا ہے ملحوظ نہ رکھا۔ایک کا منشائے اختلاف یہ ہے کہ ایک گروہ نے باطن میں نغمے کے تصرف وتاثیر پر نظر رکھی اور وہ بے خود ہو گئے۔اور دوسرے گروہ کو فقہی جواز وعدم جواز نظر آیا تو وہ اپنی جگہ قائم رہا۔

شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ بالذات نغمہ کی تاثیر، روح حیوانی پر ہوتی ہے۔اور حرکت واضطراب میں لانا اس کا کام ہے۔اور روح انسانی اس سے منزہ و پاک ہے۔کیونکہ وہ معانی کا محل ورود ہے اور سکون وتوانائی اس کی صفت ہے۔لیکن اس جگہ کسی کو یہ بات کہنے کا کہاں حق ہے۔ہاں نغمہ کی تاثیر بالذات، روح حیوانی پر ہوگی لیکن اگر اتصال وہمسائیگی کی واسطہ سے جو روح حیوانی اور روح انسانی

میں ہے یہ حالت اس میں سرایت کر جائے تو کون مانع ہے۔
شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ باطن میں قرآن کی تاثیر کی علامت ہے کہ غنا اور بغیر غنا کے یکساں ہو اور وہ جو نغمہ سے اثر نمودار ہوتا ہے تو وہ قرآن کی تاثیر نہیں ہے بلکہ یہ نغمہ کی تاثیر ہے نہ کہ قرآن کی۔ یہ بات تکلف سے خالی نہیں ہے۔ نغمہ قرآن کا زیور اور اس کی زینت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔ اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔ اور نغمہ اور بغیر نغمے کے دونوں حالتوں میں یکساں ہونا دائرۂ امکان سے خارج ہے۔ مگر وہ شخص جسے مجرو ذات وصفات الٰہی مکشوف ومشہود ہے۔ اس میں یہ تاثیر ممکن ہے۔
فائدہ: صاحب ''امتاع'' فرماتے ہیں کہ علماء کا اختلاف ہے کہ عرب میں سب سے پہلے کس نے نغمہ گایا۔ اس پر ابو بلال عسکری کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ اس کا نام ''طویس'' ہے یہ اس طرح شروع ہوا کہ جب ابن زبیر کعبہ کی تعمیر کرا رہے تھے تو فارس وروم کے لوگ خوش آوازی سے گاتے جاتے تھے۔ اور جب عرب کے گانے والوں نے اسے سنا تو انہوں نے اس کو عربی میں منتقل کر لیا سب سے پہلے جس نے پہل کی وہ طویس تھا اور طویس کو ''میشوم'' بھی کہتے ہیں جس کے معنی نامبارک کے ہیں۔ یہ اس بنا پر کہ اس کی پیدائش اس دن ہوئی جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن اس کا دودھ چھوٹا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن وہ بالغ ہوا تھا اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن اس نے نکاح کیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ اور کہتے ہیں کہ اس غنائے موسیقی کے نقل سے پہلے عرب میں غنا از قسم حسن صوت تھا۔ مثلاً نصب، نشید اعراب، حدی اور رکبانی وغیرہ یہ تمام قسمیں مباح ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور جو لوگ حرمت کے قائل ہیں وہ گانے کو غنائے موسیقی پر محمول کرتے ہیں۔ اور وہ جو صحابۂ کرام، تابعین وغیرہ اسلاف سے جو اخبار وآثار مروی ہیں اور جواز کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے انہیں غنائے موسیقی پر محمول نہیں کرتے بلکہ قدیم اہل عرب کی خوش آوازی میں سے نصب، نشید حدی وغیرہ پر حمل کرتے ہیں البتہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جیسے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا باندی سے غنائے موسیقی سننا مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بعض گانے والیوں سے بھی سنتے تھے۔ حقیقت میں ایسے تمام گانوں کی صورتیں ایک ہی ہیں جو صوت حسن کی طرف راجع ہیں۔ اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے (قواعد موسیقی کے زمرے میں نہیں ہیں۔) البتہ قرأت قرآن میں فرق کرتے ہیں کیونکہ غنائے موسیقی میں تمطیط وتغییر یعنی مدوجزر بہت ہے۔ لیکن غنا وسماع اس اعتبار سے کہ اس میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور اصحاب وتابعین کا اقتضاء ہے۔ اس تقرب وتعبد کے طریقے پر اس کا اجتماع کر رہے ہیں۔ اس میں خلجان اور اشتباہ باقی ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محل ومقام دوسروں کے اوضاع ومشارب سے برتر واعلیٰ اور مختلف ہے۔ دوسروں میں کہیں تو رع واتقاء غالب ہے اور دامن احتیاط ملحوظ خاطر ہے۔ اور طاعت وعبادات میں ذوق وشوق اور اس کی جمعیت میں مستغرق ہیں۔ اور کہیں سکر ومستی نے غلبہ کر رکھا ہے۔ اور ان کا ذوق وشوق سماع میں پڑ گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے۔ جو مختلف فیہ ہے اور مختلف فیہ معاملہ میں ایک دوسرے پر عیب جوئی اور نکتہ چینی نہیں ہونی چاہئے ہر ایک کو اپنے اپنے حال میں رہنا چاہئے: فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلاً۔ تو تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون شریعت میں زیادہ ہدایت یافتہ ہے:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی سَیِّدِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِیْنَ هُدَاةِ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَمُحْیِ عُلُوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْنَ۔

باب یازدہم

کھانے، پینے، پہننے، نکاح کرنے اور سونے میں عبادت شریف

نوعِ اوّل در طعام و آب: جاننا چاہئے کہ کھانا پینا ضروریات زندگی میں سے ہے اور قوت و طاقت کا قیام اور عبادات میں صدور حرکات اس کے بغیر محال عادی کے قسم سے ہے۔ لہٰذا عبادت گزاروں پر لازم ہے کہ بقدر احتیاج ان کا استعمال کریں اور حرص و طمع سے اجتناب کریں۔ اور ان کی شہوتوں میں مبتلا نہ ہوں۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تا عمر شریف شکم سیری نہ فرمائی۔ عطاء فرماتے ہیں کہ شکم سیری ایسی بدعت ہے جو قرن اول کے بعد ظاہر ہوئی اسے امام نووی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے مقدام رضی اللہ عنہ بن معدی کرب کی اس حدیث کی صحت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم نے اپنے پیٹ سے بدتر کسی برتن کو نہیں بھرا ہے۔ حالاں کہ اسے اتنے لقمے کافی تھے کہ جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کھڑی ہو سکے۔ اگر وہ زیادہ ہی کھانا چاہتا ہے تو پیٹ کے برتن کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ کھانے کے لئے اور ایک حصہ پانی کے لئے اور ایک حصہ سانس کے لئے بنائے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اگر بقراط اس تقسیم کو سنتا تو حیرت و تعجب کرتا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ اہل تشریح کہتے ہیں کہ آدمی کی سات آنتیں ہیں ایک معدہ اور تین اس کے قرب کی آنتیں جن کو بواب، صایم اور رقیق کہتے ہیں۔ اور تین اور ہیں جن کو اعور، قولون اور مستقیم کہتے ہیں اور مستقیم پیخانہ کی آنت ہے۔ اور اس کے قریب دبر یعنی مقعد ہے۔ اور یہ غلیظ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمانے کا مقصد، مسلمان کی کم خوری اور کافر کی بسیار خوری ہے۔ اور بسیار خوری کی جانب مبالغہ فرمانا ہے۔ حقیقتہً آنتوں کی گنتی مراد نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمان جب کھاتا ہے تو عبادت کے اسباب کی حفاظت کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کھانے سے بھوک کو مارنا اور عبادت پر مدد کرنا ہے نہ کہ تن پروری وہ قدر ضرورت سے زیادہ نہیں کھاتا۔ رہا کافر تو اس کا مقصود و مطلوب بدن پروری اور نفسانی شہوت کی تکمیل ہے۔ اس کی حالت مسلمان کے برخلاف ہے لیکن واضح رہنا چاہئے کہ یہ بات ہر مسلمان اور ہر کافر میں نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی مسلمان اپنی عادت کے موافق یا کسی طبعی عارضہ سے یا اپنے کسی مرض کے باعث بسیار خوری کرتا ہو اور کافر کم خور ہو خواہ وہ ضعف معدہ کی وجہ سے یا اطباء کے اصول صحت کی وجہ سے یا راہبوں کے طریقہ پر ریاضت کی وجہ سے ہو۔ علماء فرماتے ہیں جس کی فکری قوت زیادہ ہوتی ہے اس کی غذا کم ہوتی ہے اور اس کا دل نرم ہوتا ہے۔ اور جس کی فکری قوت کم ہوتی ہے اس کی غذا زیادہ ہوتی ہے اور وہ سخت دل ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس کا معدہ کھانے سے بھرا رہتا ہے اس میں حکمت و دانائی پیدا نہیں ہوتی اور جس کا معدہ کھانے سے کم پر ہے اس کا پینا بھی کم ہے اور اس کا سونا بھی کم ہے۔ اور جس کا سونا کم ہے اس کی عمر میں برکت ہے اور جس کا سونا بہت زیادہ ہے اس کی عمر میں بے برکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں شکم سیر لوگ، آخرت میں بھوک والے ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی شکم سیری نہ فرمائی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال میں تشریف فرما ہوتے تو آپ ان سے نہ کھانا طلب فرماتے اور نہ خواہش کا اظہار فرماتے اگر وہ کھانا پیش کر دیتے تو نوش فرما لیتے۔ اور جو کچھ بھی پیش کرتے قبول فرما لیتے۔ اور جو پلاتے پی لیتے۔ علماء فرماتے ہیں کہ پیٹ کا نہ بھرنا اور شکم سیری کی نفی فرمانا یہ اس شکم

سیری پر محمول ہے جس سے گرانی لاحق ہو۔ جو بسا اوقات عبادت سے روک دیتی ہے۔ اور کاہل اور سست بنا دیتی ہے۔ اور نیند غالب کر دیتی ہے۔ ایسی شکم سیری مکروہ ہے۔ اور کبھی ایسی تحریم پر منتہی ہوتی ہے جس پر فساد و بطلان مرتب ہوتا ہے اور عادۃً شکم سیری مکروہ نہیں ہے۔ غرض کہ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں مروی ہے کہ بھوک کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ باہر تشریف لائے اور ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے بکری ذبح کی اور سب نے کھایا اس میں ہے کہ خوب شکم سیری ہو گئے۔ (الحدیث) شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں شکم سیری کا جواز ہے۔ اور دیگر احادیث جو اس کی کراہت میں ہیں وہ مداومت پر محمول ہیں۔ (انتہی) اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شکم سیری ثابت ہے تو دوسروں کے لئے بھی بلاشبہ درست ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے کبھی مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا یہاں تک کہ حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے اسے شیخین نے روایت کیا ہے اس حدیث کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیری مسلسل تین دن تک نہ تھی۔ اگر تھی تو اس سے کم تر میں تھی۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تین روز تک بھوکے رہتے اور کسی دن سیری نہ ہوتی۔ ظاہر یہ ہے کہ مراد دوسرا مفہوم ہے۔ (واللہ اعلم) جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل و عیال کو مسلسل راتیں گزر جاتیں مگر رات کے کھانے کو کچھ نہ ہوتا۔ حالانکہ جو کی روٹی غذا تھی۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور صحیح کہا ہے۔ مسلم میں ہے کہ آل محمد دو روز تک گندم سے شکم سیر نہ ہوتے مگر یہ کہ ان دونوں میں ایک دن کھجور کی غذا ہوتی تھی۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ کا شکم اطہر ایک دن میں دو کھانوں سے نہ بھرا اگر کھجور سے سیر ہوئے تو جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے اور اگر جو کی روٹی سے سیر ہوئے تو کھجوروں سے شکم سیری نہ فرمائی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ قسم ہے خدا کی آلِ محمد میں ایک صاع کھانے سے شام نہ ہوئی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نو گھر تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات رزق الٰہی کو کم سمجھنے میں نہیں فرمائی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ امت اس میں آپ کی پیروی کرے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند آتی ہیں ایک خوشبو، دوسرے ازواج، تیسرے طعام، تو اول دو چیزیں یعنی خوشبو اور ازواج تو موجود تھیں لیکن تیسری چیز طعام نہ تھا۔

ترمذی، شمائل میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کو ''دقل'' میں سے اتنی چیز نہ ہوتی کہ اس سے آپ شکم سیر ہوتے ''دقل'' ایک قسم کا ایسا کھانا جس میں کھجوروں کے ساتھ دوسری اجناس ملی ہوتی ہیں اور یہ فقراء کی خوراک ہے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اہل بیت ہیں جہاں ایک ایک مہینے تک گھر میں آگ نہ جلتی تھی اور ہمیں سوائے کھجور و پانی کے کوئی غذا میسر نہ ہوتی تھی ایک روایت میں ہے ہمیں دو ماہ اس حال میں گزر جاتے۔ ہمارے بعض انصاری ہمسایہ دودھ بھیج دیا کرتے اسی کو ہم سب پی لیا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ راہ خدا میں اتنی بلا ومشقت پہنچی ہے کہ اتنی کسی کو نہ پہنچی ہوں گی اور دین خدا میں مجھے اتنی ایذائیں پہنچائی گئی ہیں کہ اتنی کسی کو نہ پہنچی ہوں گی اور یقیناً مجھے اور بلال رضی اللہ عنہ کو دن رات گزر جاتے مگر اتنا کھانا نہ ہوتا جسے کوئی ذی روح کھا سکتا مگر اتنا جسے بلال رضی اللہ عنہ کی بغل چھپا لیتی۔ مطلب یہ کہ اتنی کم مقدار میں ہوتی جو بلال رضی اللہ عنہ کی بغل میں چھپ جاتی اسے ترمذی نے روایت کیا اور صحیح کہا ہے۔

نے شرح مشکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

اور پڑھتے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَـهٗ لَـهُ الْمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِىَ لِمَا مَنَعْتَ لَايَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.

دونوں جگہ الجد، جیم کے زیر سے ہے جس کے معنی بخت وغنیٰ کے ہیں یا اس کے معنی آباءواداد کے ہیں مطلب یہ کہ خدا کے حضور غناونسب کام نہیں آئیں گے۔ وہاں عمل درکار ہوگا اور بعض جیم کے زیر سے بھی پڑھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کام، فضل ورحمت سے نکلے گا۔ کوشش ومحنت، علت وسبب سے نہیں علماء فرماتے ہیں کہ زیر کے ساتھ پڑھنا ضعیف ہے اور مختار زبر ہے اور پڑھتے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَـعْبُـدُ اِلَّا اِيَّاهُ وَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَـهُ الْفَضْلُ وَلَـهُ الثَّنَآءُ وَالْحَسَن لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَـهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ

امام نووی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلام کے بعد تمام انواع ذکر پر مروی شدہ استغفار کو مقدم رکھنا چاہیے اس کے بعد اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ اس کے بعد لَآاِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ قَدِيْرٌ تک پڑھنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث میں ہمارے شیخ الشیوخ، شیخ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں بیان کیا ہے اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس ذکر کو بلند آواز سے پڑھتے تھے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذکر ودعا کے تمام اقسام میں افضل، اخفاء یعنی آہستہ سے پڑھنا ہے خواہ امام ہو یا منفرد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جہر فرمانا تعلیم امت کے لیے تھا اور اگر کسی جگہ امام جہر واعلان میں مصلحت دیکھے اور تعلیم واعلام مقصود ہو تو درست ہے بلکہ مستحسن ہے۔

اور ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھنا بھی آیا ہے اور یہ حدیث حد درجہ صحیح ہے اور موذتین، واؤ کے زیر سے، مراد معوذتین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہے۔ یہ اقل قلیل مذہب کے بموجب دونوں کو جمع کرتا ہے۔ کیونکہ حضرات سورۂ اخلاص بلکہ سورۂ قل یا ایہا الکفرون کو بھی داخل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں شرک سے برات ہے اور یہ استعاذہ کے معنی میں ہے یا وہ آیتیں مراد ہیں جو متضمن معنی استعاذہ، تفویض اور توکل کو شامل ہیں۔ معوذتین بھی انہیں میں شامل ہیں جیسے قول باری تعالیٰ: قُلْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنَ. یا جیسے اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُم۔ یا جیسے: وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ وغیرہ یا کلمات معوذہ مراد ہیں اور ایک روایت میں معوذتین بھی آیا ہے۔

ہر نماز کے بعد دس مرتبہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھنا بھی آیا ہے اس میں فضل عظیم ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ ہر نماز کے بعد اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" پڑھو اور فرمایا: اے معاذ رضی اللہ عنہ! بخدا میں یہ تمہارے پسند کرتا ہوں لہٰذا تم ہر نماز کے بعد اس کا پڑھنا نہ چھوڑنا۔ یہ حدیث علماء کے درمیان معروف ہے اور "وَاللّٰهُ اِنِّىْ لَاُحِبُّكَ" کے ساتھ مسلسل ہے۔ اور یہ فقیر بھی علماء کے طریقہ پر اس کی برکت سے مشرف ہوتا ہے اور نماز فجر ونماز مغرب کے بعد مشہور وردوں میں سے ایک ورد یہ مروی ہے کہ کلام کرنے سے پہلے اور ایک روایت میں ہے کہ بعد کے دوگانہ کے لیے اٹھنے سے پہلے نشست بدلے بغیر دس مرتبہ پڑھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَـهٗ لَـهُ الْمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ" یہ ورد نیکیوں کو قائم رکھنے بدیوں کو مٹانے اور درجات کی بلندی کے لیے عظیم تاثیر رکھتی ہے۔

اور بعض فرائض کے مشہور ترین ورد ذکر معقبات (بکسر وتشدید قاف) ہے یہ وہ کلمات ہیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل آتے ہیں وہ یہ کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ" 33 بار اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ 33 بار وَاللّٰهُ اَكْبَرُ 33 بار اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَـهٗ لَـهُ الْمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ" ایک مرتبہ پڑھ کر سو کی تسبیح مکمل کرے اسے مسلم نے

اور بعض غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ درختوں کے پتے کھاتے یہاں تک کہ ان کے گلے زخمی ہو جاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چپاتیاں اور میدہ کی روٹیاں کبھی نہ دیکھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھاننی بھی نہ تھی۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ میں نے کتابوں میں بہت تلاش کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوراک کی روٹیاں چھوٹی ہوتی تھیں یا بڑی۔لیکن میں نے اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں پائی۔بعض روایتوں میں اتنا حکم واقع ہوا ہے کہ چھوٹی روٹی بناؤ کیونکہ یہ برکت کا موجب ہے۔ان کی سندیں ضعیف ہیں اور حضور کا سالن سرکہ ہوتا اور فرماتے ہیں کہ نعم الادام الخل سرکہ بہترین سالن ہے۔

جاننا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی یہ تنگی اور معیشت میں کمی جو مذکور ہوئی دائمی نہ تھی اور سکونہ تھی اور اگر تھی بھی تو احتیاج وافلاس اور نہ پانے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ کبھی جودوایثار کی وجہ سے نہ ہوتا اور کبھی شکم سیری کو برا جاننے کی وجہ سے۔اور ایک ماہ مسلسل نہ کھانا ریاضت کے اختیار کرنے کی وجہ سے تھا۔یہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں حال تھا۔اور جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ نے مکانات،عطیات،اموال،باغات اور کھیتیاں انہیں نذر کیں۔اور صاحب ثروت صحابۂ کرام مثلاً حضرت ابوبکر،عمر،عثمان،طلحہ،سعد بن ابی وقاص وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب حضرات اپنا جان و مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرتے اور حضور نے انہیں مال پیش کرنے کا حکم فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام مال اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا۔حضور نے جیش عسرت میں اغنیاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدد دینے کی ترغیب دی اور انہیں ابھارا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہزار اونٹ مع ساز وسامان کے پیش کئے۔اور یہ ثابت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک سال تک کھانے کا انتظام اپنے گھر والوں کے لئے رکھا کرتے تھے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر سو اونٹ لے کر چلے اور ان کی قربانی دی۔اور امساکین کو کھانا کھلایا اور بحرین سے آئے ہوئے ایک لاکھ درہم اسی گھڑی تقسیم فرمائے اور ہوازن اور حنین میں اونٹ بکری اور سونا چاندی کی اتنی زیادہ بخشش فرمائی جو احاطہ قیاس سے باہر ہے۔جس کی تفصیل واحوال اس کے مقام میں آئے گی۔مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسعت و کشادگی کے امکان کے باوجود،فقر کو اختیار فرمایا جیسا کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی نے مجھے ارشاد فرمایا کہ بطحا اور مکہ کی پہاڑیاں میرے لئے سونے کی کر دیں جائیں مگر میں نے عرض کیا نہیں اے رب!شکم سیر ہوتا ہوں تو تیرا شکر بجالاتا ہوں اور بھوکا رہتا ہوں تو تیری ثنا کرتا ہوں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل علیہ السلام کوہ صفا پر تشریف فرما تھے تو ایک ہولناک آواز سنی جس سے خوف معلوم ہوا۔فرمایا جبریل علیہ السلام یہ دہشتناک آواز کیسی ہے کیا قیامت قائم ہوگئی ہے۔جبریل علیہ السلام نے عرض کیا قیامت نہیں ہے لیکن آپ کے رب نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا ہے کہ اتر کر زمین کی کنجیاں لے جاؤ اس کے بعد اسرافیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کروں کہ تہامہ کے پہاڑ آپ کے ہمراہ کردوں۔اور انہیں زمرد،یاقوت اور سونے چاندی کا بنادوں۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ آپ کی تمام قدر ومنزلت اور اس ثواب کے باوجود جو آپ کو حاصل ہے اور جبریل علیہ السلام نے عرض کیا آپ نبی سلطان ہونا چاہتے ہیں یا نبی بندہ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس وقت آپ کا ایک غلام موجود تھا اس نے کہا یا رسول اللہ اسے اختیار فرمایئے تا کہ کچھ دن تو آسائش سے گزاریں اس پر جبریل علیہ السلام نے حضور کو اشارہ کیا کہ تواضع اختیار فرمایئے اور بندگی پسند کیجئے۔علماء راضی نہیں ہیں کہ حضور کو فقر واحتیاج سے موصوف کریں اور زہد وضرورت کے ساتھ تعریف کریں۔

صاحب مواہب لدنیہ حلیمی در''شعب الایمان''سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کو

تمام صفتوں سے یاد کر سکتے ہیں لیکن ان اوصاف سے جو ضعیف و مساکین کی صفتیں ہیں ان سے تعریف نہ کی جائے۔ اور یہ نہ کہا جائے کہ آپ فقیر تھے یا آپ مفلس تھے اور بعض علماء نے تو آپ کے حق میں زہد کے اطلاق سے بھی منع کیا ہے۔

صاحب ''نثر الدار'' محمد بن واسع سے حکایت کرتے ہیں کہ ان کے سامنے کہا گیا کہ فلاں زاہد ہے انہوں نے پوچھا دنیاوی مال کتنا رکھتا ہے جسمیں وہ زہد کرتا ہے۔ اسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں نقل کیا ہے اور شیخ تقی الدین سبکی نے ''السیف المسلول'' میں نقل کیا ہے کہ فقہائے اندلس نے متفقہ طور پر اس شخص کے قتل کرنے اور سولی چڑھانے کا فتویٰ دیا جس نے مناظرہ کے دوران، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استخفاف کیا اور آپ کو یتیم کہہ کر نام لیا اور کہا کہ آپ کا زہد ضروری تھا۔ اور قصد و اختیار سے نہ تھا اگر اچھے کھانوں پر قدرت پاتے تو کھاتے'' (انتہی)

نیز منقول ہے کہ ایک مصری شخص نے دوسرے سے بطریق طعن و استخفاف کہا تو کون ہے تیرا باپ تو بکریاں چراتا تھا اس نے کہا اگر میرا باپ بکریاں چراتا تھا تو نبی نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔'' اس پر بعض علماء نے تعزیر کا حکم دیا اور بعض نے اس کے قتل کا حکم دیا کیونکہ اس نے اپنی ذات سے عیب و عار کو اٹھانے کے لئے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استخفاف کیا ہے ہاں اگر بطریق مسئلہ یا بیان حکم کے کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں تو درست ہے۔

نیز صاحب مواہب، درالدین زرکشی سے نقل کرتے ہیں کہ بعض فقہائے متاخرین کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مال سے کبھی بھی فقیر نہ تھے لیکن آپ کا حال فقراء کے حال کے مشابہ تھا۔ بلکہ تمام لوگوں سے کہیں زیادہ غنی تھے۔ اللہ تعالیٰ دنیاوی امور میں آپ کی اور آپ کے اہل و عیال کی کفایت فرماتا تھا اور آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا اے خدا مجھے مسکینی کی زندگی عطا فرما۔ اس سے مراد دل کی تسکین و طمانیت ہے نہ کہ وہ مسکینی جو دنیاوی مال کے نہ ہونے سے ہوتی ہے اور وہ جو آپ کے کفایت کے ضمن میں آیا ہے اور جو اس کے برخلاف اعتقاد رکھے اس کے انکار میں شدت کرتے تھے۔ (انتہی)۔

اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَبِهٖ اَفْتَخِرُ ۔ (فقر میرا فخر ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (فتدبر و اللہ اعلم)۔

فائدہ: حدیثوں میں آیا ہے اور مشہور ہو چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک کے وقت میں شکم مبارک پر پتھر باندھے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی پتھر باندھنا روایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابن جبیر سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک معلوم ہوئی آپ نے پتھر کو شکم اطہر پر رکھ کر فرمایا خبردار رہو۔ بہت سے طمع کرنے والے اور نعمتوں والے دنیا میں ایسے ہیں جو آخرت میں بھوکے اور ننگے ہوں گے۔ اور آگاہ رہو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے نفس کی بڑائی کرتے اور خود کو بزرگ بناتے اور تکبر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ نفس ان کی اہانت کرنے والا ہوتا ہے اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو نفس کو ذلیل کرنے والے اور اس کو جھکانے والے ہیں حالانکہ وہ نفس ان کی عزت کرنے والا ہوتا ہے اسے ابن ابی الدنیا نے روایت کیا۔

حضرت انس، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنا پتھر کھول کر دکھایا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم اطہر پر دو پتھر دکھائے۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو میں نہیں جانتا۔ البتہ اس مفہوم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو غزوۂ خندق کے دن کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کدال لئے کھڑے دیکھا حالانکہ آپ کے شکم اطہر پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں شعر۔

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَاءَ ہٗ وَ طَوٰی تَحْتَ الْحِجَارَةِ کَشْحًا مُتْرَفَ الْاٰدَمِ

صاحب مواہب کہتے ہیں کہ ابو حاتم بن حبان نے ان حدیثوں کا انکار کیا ہے جو بطن شریف پر بھوک سے پتھر باندھنے میں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے اور انہوں نے صوم وصال کی حدیث سے تمسک واستدلال کیا ہے کہ فرمایا: يُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَيَسْقِيْنِی میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو کھلاتا پلاتا ہے۔ جب صوم وصال رکھتے ہیں تو آپ بھوک میں پتھر باندھنے کے کیوں محتاج ہوں گے۔ اور کہا کہ بھوک میں پتھر باندھنا نہ کوئی فائدہ پہنچاتا ہے نہ اثر رکھتا ہے۔

ابن حبان فرماتے ہیں کہ لفظ حجر، زاء سے ہے اور حجز کے معنی اس پٹکے کے ہیں جسے بھوک کے وقت مضبوط کر کے باندھتے ہیں جس طرح کہ کمزوری میں کمر کو باندھتے ہیں۔ (انتہی)۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ حدیثیں صحیح ہیں اور اس کا باندھنا بھوک کی بعض تکلیفوں سے تسکین پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ بھوک کی تکلیف، معدے کی حرارت غریزی کی شدت سے ہے اور جب معدہ کھانے سے بھر جاتا ہے تو وہ حرارت کو کھانے کی طرف مشغول کر دیتی ہے اور جب معدے میں کھانا نہ ہو تو حرارت، جسم کی رطوبات حاصل کر کے جلاتی اور اسے کھاتی ہے تو انسان اس حرارت سے درد و تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اور جب کوئی چیز پیٹ پر لپیٹ لی جائے تو معدے کی حرارت کسی قدر دب جاتی ہے۔ اور تکلیف کو کم کر دیتی ہے اور تسکین پہنچاتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھوک سے تکلیف اٹھانا اجر کو اس سے مزید بڑھانے کے لئے ہے جو حفظ قوت، نضارت جسم اور رنگت کے نکھار کو زیادہ کرنے کے مقابلہ میں ہے جیسا کہ خوشحالی اور اہل تنعم رکھتے ہیں اور یہ حضور کا ایسا عجیب معجزہ ہے کہ اہل دنیا تو جسم کے رنگ روپ اور اس کے نکھار کو مرغوب ولذیذ کھانوں کے کھانے سے اور نرم ونازک لباسوں کے پہننے سے اور گدیلے فرشوں پر بیٹھنے سے حاصل کرتے ہیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو نان جویں کی خوراک اور کھردرے کپڑوں کے لباس اور سخت و درشت بستر سے حاصل فرماتے تھے اور آپ کے حسن و جمال اور لطافت و نظافت کی کوئی حد و غایت ہی نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ علیٰ قدر حسنہ وجمالہ وحسب فضلہ وکمالہ۔

بعض کہتے ہیں کہ اہل عرب کی عموماً اور اہل مدینہ کی خصوصاً عادت تھی کہ جب ان کے بطون یعنی پیٹ خالی ہوتے اور ان کے شکم اندر دھنس جاتے تو تکلیف کی تسکین تخفیف کے لئے اس پر پتھر باندھتے تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی باندھا تا کہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جان لیں اور معلوم ہو جائے کہ آپکے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے بھوک کو ختم کر سکیں اس لئے اس حال سے اظہار فرماتے تھے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ صواب و درست یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اپنے اختیار اور حصول ثواب کے لئے تھا نہ کہ محض حال کے بتانے اور اظہار کرنے کے لئے (واللہ اعلم)۔

بندۂ مسکین نور اللہ قلبہ بنور الیقین (صاحب مدارج رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ ابن حبان کا یہ کہنا کہ رب تعالیٰ اپنے حبیب کو صوم وصال میں کھلاتا پلاتا تھا تو بھوک کی درد و تکلیف کی تسکین کے لئے پتھر باندھنے سے کیا فائدہ۔ یہ اس بات میں داخل ہو سکتا ہے کہ وہ فرمان صوم وصال کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ حالت ذوق وشوق کی ہے۔ اور دائمی نہیں ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال مختلف تھے کبھی ایسا اور کبھی ویسا اور حق تعالیٰ کی حکمتیں تصرف و تحویل میں اپنے حبیب کے ساتھ ایسی خاص ہیں جو عقل و قیاس میں نہیں سما سکتیں۔ ہاں اگر ان حدیثوں کی سندوں میں کلام کریں تو بات دوسری ہے (واللہ اعلم)۔

غذائے مبارک: **وصل**: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ریاضت نفس، طعام کی جانب عدم التفات اور قضائے شہوت اور اس کی مقتضیات کو پورا نہ کرنے کے باوجود جس نفس میں کسی مخصوص غذاؤں کا تکلف نہ فرماتے تھے اور تکلف کی روش اختیار نہ کرتے اور امت پر

وسعت ملحوظ خاطر رکھنے اور رہبانیت کی راہوں کو مسدود کرنے کی وجہ سے اہل مدینہ کی عادت کے موافق تناول فرماتے تھے اور جو کچھ موجود ہوتا، گوشت، ترکاری، پھل اور کھجور وغیرہ میں سے جو کچھ آتا تو نوش فرماتے تھے۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ کسی مخصوص غذا کو خاص کر لینا طبیعت کے لئے مضر ہے۔ اگر چہ وہ غذا کتنی ہی بہترین اور بھوک بڑھانے والی ہو اسی بنا پر شیرینی اور شہد کو نوش فرماتے اور انہیں پسند کرتے تھے۔ اسے بخاری و ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ''حلوٰ'' ہر وہ میٹھی چیز جو کھائی جائے اسے کہتے ہیں۔

خطابی کہتے ہیں کہ حلوا اس مٹھائی کو کہتے ہیں جو کاریگری سے بنائی گئی ہو (اسی وجہ سے مٹھائی بنانے والے کو حلوائی کہتے ہیں) لہٰذا شہد کو حلوہ نہ کہیں گے اور کبھی پھلوں پر بھی بولا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو پسند فرمانا، کثرت خواہش، شدت میلان اور طبیعت کا اس کو چاہنے کے معنی میں نہ تھا بلکہ اگر موجود ہوتا تو شوق کے ساتھ مزہ بدلنے کی حد تک نوش فرماتے۔ تاکہ اس سے لوگوں کو معلوم ہو جائے اور انہیں پتہ چل جائے کہ آپ اسے پسند فرماتے ہیں۔

صاحب مواہب نے ثعلبی سے فقہ کی لغت میں نقل کیا ہے کہ وہ حلوہ (شیرینی) جسے حضور پسند فرماتے تھے اس کا نام ''مجیع'' (بفتح میم وکسر جیم) تھا یہ ایک قسم کی کھجور تھی جسے دودھ کے خمیر سے بناتے تھے۔ نیز مروی ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا ایک قافلہ آیا جس کے ساتھ شہد اور آٹا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ آٹا، میدہ، گھی اور شہد تھا تو آپ ان میں سے تھوڑا تھوڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے پھر حضور نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور دیگچی منگائی اور آگ پر رکھی اور حلوہ تیار کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا اسے کھاؤ یہ وہ چیز ہے جسے اہل فارس ''حیص'' کہتے ہیں۔ نیز مروی ہے کہ حضور شکر کو پسند فرماتے اور اسے صدقہ میں دیتے تھے۔ طحاوی میں ایک حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کی شادی میں تشریف لائے اس کے بعد باندیاں بادام وشکر کے طباق لائیں تو لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی بنا پر اس میں ڈالنے سے باز رکھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے لوٹتے نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی نے تو لوٹنے کی ممانعت فرمائی ہے فرمایا شادی میں اسے منع نہیں فرماتا اس کے بعد حضور قوم کی جانب اُسے اچھالتے تھے اور قوم اسے لوٹتی تھی۔ امام طحاوی اس حدیث کو لٹانے کے مکروہ نہ ہونے پر حجت میں لائے ہیں۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس جانب مذہب ہے اور انہوں نے اس حدیث سے ان صحیح حدیثوں پر جو لوٹنے اور مٹانے کی ممانعت میں وارد ہیں حکم فرمایا ہے لیکن بیہقی نے اس حدیث کو ثابت نہ گردانا اور اس بنا پر امام طحاوی پر لوٹنے کے قائل ہونے میں تشنیع کی بندۂ مسکین خصہ اللہ بمزید الیقین (صاحب مدارج رحمتہ اللہ) کہتا ہے کہ بلاشبہ حج کی قربانی میں لوٹنے کا حکم وارد ہوا ہے یہ بھی امام صاحب کے قول کی موافقت میں ایک حجت ودلیل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے گوشت کو تناول فرمایا اور گائے کے گوشت کو خصوصی طور سے تناول فرمانا معلوم نہیں ہوا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور نے اپنی ازواج مطہرات کی جانب سے ایک گائے ذبح فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اسے آپ نے بھی تناول فرمایا ہوگا (واللہ اعلم)

گوشت کی تعریف: گوشت کی تعریف میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں مثلاً اَللَّحْمُ سَیِّدُ الطَّعَامِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ جنتیوں کے لئے گوشت کھانے کا سردار ہے ایک روایت میں آیا ہے: سَیِّدُ الطَّعَامِ اَھْلِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ دنیا اور آخرت والوں کے لئے گوشت کھانے کا سردار ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس کی شاہد وہ حدیث ہے جسے علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دنیاوی کھانے کا سردار گوشت ہے اس کے بعد چاول۔'' اسے ابونعیم نے ''الطب النبوی'' میں نقل کیا ہے اور اس کے کھانے سے ستر قوتیں بڑھتی ہیں اسے زہری نے کہا ایسا ہی مواہب میں ہے۔

نیز علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ گوشت کھانا، خون کو صاف کرتا اور خصلت کو اچھا بناتا ہے اور جو شخص اسے چالیس دن تک نہ کھائے اس کی خصلت بری ہو جاتی ہے کذا فی المواہب۔ جس طرح کہ مسلسل اتنی مدت تک نہ کھانے میں یہ خاصیت واقع ہوئی ہے اسی طرح مسلسل اتنی مدت تک کھانے میں قساوت قلب اور سختی طبع کی تاثیر بھی وارد ہوئی ہے۔

نیز بعض آثار میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کھانوں میں پسندیدہ تر گوشت تھا فرمایا کرتے گوشت کھانا سماعت کو زیادہ کرتا ہے اور دنیا میں گوشت تمام کھانوں میں بہترین ہے اگر میں اپنے رب سے چاہوں کہ وہ گوشت کھلائے۔ تو وہ روزانہ مجھے گوشت کھلائے۔

امام شافعی عِشیہ سے مروی ہے کہ گوشت کھانا عقل کو بڑھاتا ہے مروی ہے کہ حضور کو دست کا گوشت بہت پسند تھا نیز اسی بنا پر ایک یہودیہ نے زہر آلود دست بھیجی تھی۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کے گوشت کی پسندیدگی اس وجہ سے تھی نہ تو روزانہ گوشت ہوتا تھا اور نہ روزانہ نوش فرماتے تھے البتہ کبھی کبھی تناول فرماتے تھے تو دست کا گوشت جلدی پک جاتا ہے تو حضور اس کے تناول فرمانے میں جلدی کرتے تھے۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَطْیَبُ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ بہترین گوشت پیٹھ کا گوشت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دست کے گوشت کی پسندیدگی اس وجہ سے تھی کہ وہ مواضع نجاست سے بہت دور ہے اس توجیہہ کی تائید میں وہ روایت ہے کہ حضور گردوں کو ناپسند فرماتے تھے کیونکہ وہ پیشاب کی جگہ سے قریب ہے لیکن حافظ عراقی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کو نھش فرماتے۔ یعنی ہڈی سے گوشت کو دانتوں سے چھڑا کر تناول فرماتے اور نہش، شین معجمہ اور مہملہ دونوں سے آیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معجمہ کے ساتھ، تمام دانتوں سے کھانا اور مہملہ کے ساتھ، دانتوں کے سروں سے کھانا اور گوشت کو چھری سے کاٹ کر بھی تناول فرماتے بخاری یک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں چھری لے کر بکری کے شانہ سے گوشت چھیل کر تناول فرمایا۔ پھر نماز کے لئے ندا کی گئی تو دست مبارک سے اس چھری کو چھوڑ دیا جس سے چھیل رہے تھے اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ وضو نہ کیا۔ (دست مبارک نہ دھوئے) اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوشت کو چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کا کام ہے اور اسے دانتوں سے کھاؤ کیونکہ یہ بہت ہاضم اور زیادہ دل پسند ہے۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی شاہد، صفوان بن امیہ کی مروی حدیث ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ بعض روایتوں میں نہش کا حکم آیا ہے بغیر قطع کی ممانعت کی صراحت کے علماء ان میں اس طرح تطبیق کرتے ہیں کہ نہش یعنی دانتوں سے کاٹنا چھوٹی ہڈی سے ہے اور قطع یعنی چھری سے کاٹنا بڑی ہڈی سے ہے اور حضور نے گوشت کو بھنا ہوا تناول فرمایا ہے۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے بھنا ہوا بازو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ اس کے بعد بغیر وضو کئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ (یعنی دست مبارک نہ دھویا) یہ حدیث صحیح ہے اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدید کو یعنی خشک شدہ گوشت کو تناول فرمایا جیسا کہ سنن میں مروی ہے کہ ایک صحابی نے بیان کیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری ذبح کی اور ہم مسافر تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گوشت کی اصلاح کرو تو میں اس میں سے حضور کو گوشت تناول کرتا رہا یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ گوشت کی اصلاح سے مراد قدید بنانا ہے۔ اور حضور نے بھنا ہوا جگر تناول فرمایا ہے۔ اور مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ اسے بخاری و مسلم اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے حمار وحشی کا گوشت تناول فرمایا ہے اسے گورخر اور نیل گائے بھی کہتے ہیں۔شیخین نے اسے روایت کیا ہے اور اونٹ کا گوشت تو سفر وحضر میں تناول کیا ہے۔خرگوش کا گوشت بھی تناول کیا ہے اور بحری دواب یعنی دریائی جانور تناول کئے ہیں اسے مسلم نے روایت کیا ائمہ کرام کی دریائی جانوروں کے کھانے میں تفصیل ہے۔بعض کے نزدیک تو مطلقاً جائز ہے اور بعض کے نزدیک غیر السنان بحری وخزیر بحری۔لیکن ہمارے مذہب میں بجز مچھلی کے کچھ جائز نہیں ہے۔

ثرید: حضور نے ثرید تناول فرمایا ہے فارسی میں ثرید کوشکنہ کہتے ہیں۔ثرید۔روٹی کو توڑ کر گوشت کے شوربے میں اور کبھی گوشت کے ساتھ بھی تیار کرتے ہیں۔حدیث میں ہے کہ فَضْلُ عَآئِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ عورتوں پر عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسی تمام کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمام کھانوں میں پسندیدہ ثرید خبز اور ثرید حیس تھا۔ثرید خبز تو روٹی اور شوربے سے بنایا جاتا ہے اور ثرید حیس کھجور، گھی اور روٹی سے بنایا جاتا ہے۔اور حضور نے گھی اور مکھن سے روٹی تر کر کے تناول فرمایا ہے اور روغن زیتون چپڑ کر بھی روٹی تناول فرمائی ہے اور ہریسا تناول فرمانے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔جسے محدثین وضع کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔طبرانی نے اوسط میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام نے مجھے اتنا ہریسہ کھلایا کہ میری کمر قیام کے لئے قوی ومضبوط ہوگئی۔کہا گیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن حجاج لخمی ہے اس نے اس حدیث کو وضع کیا ہے۔

کدو: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو کو تناول فرمایا۔اور اسے پسند فرمایا ہے۔اگر کسی سالن میں پکا ہوتا تو پیالے کے کناروں سے تلاش فرما کر اسے نوش فرماتے یہ اسے پسند کرنے کی بنا پر ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو دیکھا ہے مجھے کدو سے محبت ہوگئی ہے۔اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔امام نووی فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ کدو سے محبت رکھیں اور ہر اس چیز سے محبت رکھیں جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے اور حضور نے سلق یعنی چقندر کو جو کی روٹی کے ساتھ تناول فرمایا ہے۔چقندر ایک مشہور ترکاری ہے اسے ترمذی نے شمائل میں اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک دن امام حسن بن علی، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سلمٰی رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے جو حضور کی خادمہ تھیں انہوں نے کہا اے سلمٰی رضی اللہ عنہ ہمارے لئے وہ کھانا تیار کرو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا۔سلمٰی رضی اللہ عنہ نے کہا اے صاحبزادو آج میں تمہیں اس کھانے سے خوش نہیں کر سکتی۔مطلب یہ کہ تم لذیذ ومرغوب کھانے کھاتے ہو یہ کھانا تمہیں کیا خوش کرے گا۔انہوں کہا کہ ہاں ہمیں اچھا معلوم ہوگا ہمارے لئے تیار کرو۔اس کے بعد آش جو کے لے کے اسے دیگچی میں ڈال کر اوپر سے کچھ زیتون کا تیل اور مرچ اور دیگر ضروری چیزیں ڈال کر تیار کر دیا اور دیگچی ان کے سامنے رکھ کر کہا یہ وہ کھانا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغبت سے تناول فرماتے اور پسند فرماتے تھے۔

لپٹا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حزیرہ یعنی لپٹے کو بھی نوش فرمایا ہے۔جسے آٹے سے پتلا کر کے بنایا جاتا ہے ایسا ہی طبری نے کہا ہے۔اور جوہری کہتے ہیں کہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے بہت سا پانی ڈال کر پکایا جاتا ہے۔جب پک کر نرم وملائم ہو جاتا ہے تو آٹا ڈال کر تیار کرتے ہیں۔اگر گوشت نہ ہو تو اسے عصید کہتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ آٹے کو گھول کر چھانتے ہیں تاکہ بھوسی نکل جائے پھر پکاتے ہیں۔حزیرہ، خاء کے ساتھ وہ ہے جو بھوسی سے بنایا جاتا ہے۔اور حزیرہ حاء کے ساتھ وہ ہے جو دودھ سے بنایا جاتا ہے۔کہا گیا ہے کہ میرے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، چاشت کے وقت خوب دن چڑھے تشریف

لائے تو میں نے خزیرہ کو ان کے لئے تیار کیا۔ اور حضور نے اقط یعنی پنیر کو نوش فرمایا جسے دودھ سے مسکہ نکال کر جماتے ہیں جو ترش اور سخت ہوتا ہے پھر پگھلا کر کھانوں اور سالنوں میں ڈالتے ہیں۔

پھل: اور حضور خشک کھجور، تر کھجور اور گدری کھجور تناول فرمائی ہے۔ اور حضور نے کباث کو نوش فرمایا ہے۔ کباث اراک کا پھل ہے جو پکا ہو۔ اور اراک مسواک کے درخت کو کہتے ہیں جسے ہندی میں پیلو کہتے ہیں اور کھجور کے گودے کو بہت پسند فرماتے تھے جو کھجور کے درخت سے گوند کی مانند نکلتا ہے۔ اسے شحمۃ النخل کہتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبن نوش فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبن لایا گیا۔ تو آپ نے چھری منگا کر بسم اللہ کہہ کر اسے کاٹا اور ابوداؤد نے روایت کیا اور بعض فقہاء نے اس میں کلام کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوے کو کھجور سے نوش فرمایا۔ اور خربوزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ پھلوں میں سے تھا۔ خربوزے کی تعریف میں کئی حدیثیں آئی ہیں۔ اور اس میں رسالے لکھے گئے ہیں۔ مگر محدثین ان پر وضع کا حکم دیتے ہیں (واللہ اعلم)۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ محمد بن اسلم خربوزہ کو نہ کھاتے تھے۔ اس لئے کہ منقول نہیں ہوا ہے کہ اسے حضور کس طرح نوش فرماتے تھے۔ ایک روایت میں ککڑی نوش کرنا کھجور کے ساتھ اس طرح آیا ہے کہ ایک دست مبارک میں ککڑی تھی اور دوسرے دست مبارک میں کھجور تھی کبھی اسے نوش فرماتے اور کبھی اسے۔ اسی طرح خربوزے اور کھجور کو۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کھجور اور خربوزہ ملا کر نوش کرتے اس کے دو احتمال ہیں۔ یا تو دونوں کو منہ میں رکھ کر چباتے تھے۔ یا کبھی اسے اور کبھی اسے اور نادر حدیثوں میں سے ایک حدیث یہ ہے جسے ابن ماجہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ فرماتی ہیں میری والدہ میرے مٹاپے کا اعلاج کرتی تھیں اور میری والدہ اس میں جلدی کرتی تھیں تا کہ حضور کی خدمت میں مجھے بھیجا جائے مگر کوئی علاج درست نہ بیٹھتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے کھجور اور ککڑی ملا کر کھائی تو میرا مٹاپا ٹھیک ہو گیا ایسا ہی مواہب نے بیان کیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ شارحین راویان حدیث کا خیال ہے کہ حضور کا اس سے مقصد یعنی ککڑی اور تر کھجور کو ملا کر نوش کرنے سے تر کھجور کی گرمی مارنا تھی نہ کہ ککڑی کی برودت کو کم کرنا اور اسے اعتدال پر لانا یہ طبی اصول سے تھا جیسا کہ ابی امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو بروایت ہشام آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو تر کھجور کے ساتھ اس لئے نوش فرماتے تھے کہ ککڑی کی برودت کو کھجور کی گرمی سے اور کھجور کی گرمی کو ککڑی کی برودت سے اعتدال پر لائیں۔ کہتے ہیں کہ ترکیب اطعمہ میں یہ ایک بڑی اصل و قاعدہ ہے حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ بطیخ کو تر کھجور سے ملا کر کھانے سے مراد، بطیخ اخضر یعنی ککڑی ہے جو سرد ہے نہ کہ بطیخ اصغر یعنی خربوزہ جو گرم ہے۔ جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے بطیخ اصغر (خربوزہ) بمقابلہ تر کھجور کے یک گونہ سرد ہے اگرچہ شیرینی کی وجہ سے قدرے حرارت ہے۔ اس مسکین کا خیال ہے کھجور اور بطیخ کو ملانے سے ایک دوسرے کی حرارت و برودت کو توڑنے اور معتدل بنانے کی جو علت بیان کی ہے جب کہ قوم کہتی ہے تو یہ ایک تکلف ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ ملانا اتفاقی امر تھا ممکن ہے کہ خربوزہ میٹھا نہ ہو اور ککڑی تو بالکل ہی میٹھی نہیں ہوتی ملا کر نوش فرمایا تا کہ شیریں ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ جو سرد اور خشک ہے اور کھجور گرم و تر۔ لہٰذا دونوں کو ملا کر کھانا بنانا جو کی سردی اور کھجور کی گرمی مارنا ہے یہ اچھی تدبیر و تعدیل ہے **(واللہ اعلم بحقیقتہ الحال)**۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو مکھن کے ساتھ نوش فرمایا اور اسے پسند فرمایا آج بھی یہ غذا ہمارے شہروں میں رائج اور بازاروں میں فروخت ہوتی ہے۔ اور کھجور کے سرے پر مکھن رکھتے ہیں اکثر تر کھجور ساتھ کھاتے ہیں تا کہ مکھن کی چکناہٹ تر کھجور کی عفونت کو مار دے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم روٹی کو سالن کے ساتھ نوش فرماتے جو بھی موجود ہوتا کبھی گوشت کا سالن کبھی ترکاری کا کبھی کھجور کا اور مروی ہے کہ کھجور اور جو کی روٹی کے ٹکڑے کو زبان پر رکھ کر فرمایا "نانخورش" یہ ہے۔ اور کبھی سرکہ سے نوش کرتے اور فرماتے "نِعْمَ الْاَدَمُ الْخَلُّ"

سرکہ بہترین سالن ہے۔اسے مسلم، خطابی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے مراد کھانے کی چیزوں میں میانہ روی اور لذیذ کھانوں سے اجتناب کرنے کی تلقین ہے۔ مطلب یہ کہ روٹی کے ساتھ سالن، سرکہ وغیرہ ہوتا تھا اور آسانی دستیاب ہو جاتا ہے۔ نادر الوجود نہیں ہے اور شہوت میں رغبت نہ کرے۔ کیونکہ یہ دین کو فاسد کرتا ہے اور بدن کو بیمار بناتا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ تعریف خاص سرکہ کے لئے ہے کیونکہ اس میں منافع بکثرت ہیں رہا کھانے پینے میں میانہ روی اور شہوت کو ترک کرنا تو یہ دوسری حدیثوں اور دیگر قواعد سے ظاہر ہے۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ سرکہ کی یہ تعریف وقتی اقتضائے حال کے بموجب ہے اس سے دیگر سالنوں پر فضیلت دینا مقصود نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات خیال کرتے ہیں۔ اس حدیث کی شان وقوع یہ ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے پیچھے گھر تشریف لائے اور خشک روٹی لاکر پیش کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس سالن نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے پاس سالن تو نہیں ہے البتہ سرکہ ہے فرمایا ''**نعم الادام الخل**'' سرکہ بہترین سالن ہے۔ مقصود یہ ہے کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانا حفظ صحت کے اسباب میں سے ہے۔ کیونکہ یہ روٹی کی اصلاح کرتا اور اسے نرم بناتا ہے۔ جو حفظ صحت کے لئے ہے بخلاف ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا۔ اس میں سرکہ کی فضیلت، دودھ، گوشت، شہد اور شوربے پر نہیں ہے اور اگر دودھ یا گوشت موجود ہوتا تو اور زیادہ تعریف فرماتے لہٰذا حضور کا یہ فرمانا ان کی خاطر اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے ہے۔ دیگر سالنوں پر اسے فضیلت دینے کے لئے نہیں ہے۔ اور حضور اپنے شہر مبارک کی ترکاریوں اور پھلوں کو پکنے کے بعد تناول فرماتے اور ان سے اجتناب نہ فرماتے تھے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حفظ صحت کے اسباب میں بہت بڑی چیز ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر بستی میں ایسے پھل پیدا فرمائے ہیں جس سے ان کے وقت میں وہاں کے رہنے والوں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس بنا پر اسباب صحت اور اپنی عافیت کے لحاظ سے انہیں کھاتے ہیں۔ اور بہت سی دواؤں کے استعمال سے بے نیاز رہتے ہیں بہت کم لوگ ہیں جو بیماری و کمزوری کے خوف سے اپنے شہروں کے پھلوں سے بچتے اور پرہیز کرتے ہوں مگر یہ کہ کوئی بہت ہی زیادہ بیمار اور بہت ہی کمزور ونا تواں ہو اور ان کی صحت و قوت اس کی متحمل نہ ہو لہٰذا جو کوئی ان کو ان کی فصل میں کھائے گا وہ بہت سی بیماریوں کے لئے نافع و مفید رہے گا۔ (انتہی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انگور کے خوشے تناول کرتے دیکھا ہے۔ یہ اس طرح کہ خوشہ منہ میں رکھ کر اس کے دانے توڑتے اور تنکوں کو باہر خالی کر کے کھینچ لیتے۔ اور متعارف یہ ہے کہ ہاتھ سے دانے توڑ کر منہ میں ڈالتے ہیں بعض کہتے ہیں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز کو تناول نہیں فرمایا اور نہ امت کو اس سے منع فرمایا۔ اور جو پیاز کھاتا ہے اسے چاہئے کہ مسجد میں نہ آئے۔ اسی پر دیگر اجتماعات کو بھی قیاس کیا گیا ہے ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور نے جو آخری کھانا تناول فرمایا ہے اس میں پیاز تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ اثبات اور تاکید جواز کے لئے تناول فرمایا ہے یا پکی ہوئی تھی۔ اور اس کی بودور کر دی گئی تھی۔ کراہت تو کچی پیاز کے کھانے میں ہے۔ کیونکہ اس سے بو آتی ہے۔ ابتدائے ہجرت کے وقت جتنے عرصے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں رہے وہ جب ایسا کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے جس میں پیاز کی بو ہوتی تو حضور خود تناول نہ فرماتے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیج دیتے۔ لہسن کا بھی یہی حکم ہے بلکہ اس کا حکم اس سے زیادہ ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لہسن پیاز اور گندنے کے حکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا لیکن اصح یہ ہے کہ مکروہ تھا کراہت تنزیہی کے ساتھ نہ کہ کراہت تحریمی کے

ساتھ۔اس بنا پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر کہ کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں یہ عام ہے اور جو حضور کے لئے حرمت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ ''نہیں''۔فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم پر حرام نہیں ہے (واللہ اعلم)۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ محبت صادق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں لہسن و پیاز کے نہ کھانے اور اسے مکروہ جاننے میں واجب ہے اور ہر اس چیز کو مکروہ جاننے میں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ جانا۔اس لئے کہ یہ محب صادق کے اوصاف میں سے ہے کہ جس چیز کو محبوب پسند کرے وہ محبوب ہو اور جس چیز کو محبوب مکروہ جانے وہ مکروہ ہے انہوں نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔

بسا اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عنایت و مہربانی کی خاطر، رخصت و اباحت کو اختیار فرماتے کیونکہ خدا کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ انہیں رخصت عطا فرمائے جس طرح کہ وہ پسند فرماتا ہے کہ انہیں عزیمتیں دے۔اس بنا پر ان کا صدور واقع ہو جاتا ہے۔وہ چیزیں اور ہیں جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا عفا اللہ۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کسی دور جگہ میں تھے۔حضرت علی مرتضےٰ نے اپنے آپ کو ایک باغ میں پانی سینچنے کی مزدوری میں ایک شخص کو دے دیا۔اس شخص نے روٹی اور گندنا آپ کو پیش کیا۔حضور نے روٹی خود تناول فرمائی اور گندنا حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔کذا ذکر فی تاریخ مدینہ۔

کھانے کا مسنون طریقہ: **وصل:** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ تین انگلیوں سے یعنی انگوٹھا، کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے کھانا نوش فرماتے تھے اسے ترمذی شمائل میں روایت کیا ہے اس لئے کہ ایک انگلی یا دو انگلی سے کھانا متکبروں کا کھانا ہے اور اس طرح کھانے میں لذت بھی معلوم نہیں دیتی۔اور اس سے معدہ سیر نہیں ہوتا مگر طویل زمانے کے بعد اور پانچوں انگلیوں سے کھانا حرص و طمع کی علامت ہے صاحب مواہب ایک حدیث مرسل لاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں انگلیوں سے کھایا ہے۔یہ حدیث ماسبق حدیث کے ساتھ اس طرح جمع ہو سکتی ہے کہ اکثر اوقات تین انگلیوں سے نوش فرماتے۔اور بعض اوقات پانچوں سے اور کھانے کے بعد حضور انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔اس سے پہلے کہ رومال سے پونچھیں اور بعض روایتوں میں چاٹنے اور برتن صاف کرنے کا حکم آیا ہے۔مروی ہے کہ برتن کو پونچھنے کی بنا پر وہ برتن اس کے لئے استغفار کرتا ہے اور چاٹنے کی علت میں یہ آیا ہے کہ یہ بات نہیں جانی جاسکتی کہ کھانے کے کون سے جزو میں برکت ہے اور سب انگلیوں سے چاٹنا شرط نہیں ہے۔ایک ایک انگلی کو زبان پر رکھ کر یا ہونٹوں پر رکھ کر چاٹنا کافی ہے۔بعض اوقات حضور انگلیوں کو بچوں یا خادموں کو چٹایا کرتے تھے اور کھانے کے درمیان انگلیوں کو چاٹنا مکروہ ہے اور کھانے کے دوران جو چیز دسترخوان یا پیالہ سے گر جائے اسے اٹھا کر کھالینا بھی ثواب ہے۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس میں محتاجی، برص اور کوڑھ سے حفاظت ہے۔اور جو اسے کھاتا ہے اس کی اولاد حماقت سے محفوظ رہتی ہے اور انہیں عافیت دی جاتی ہے۔دیلمی نے عباس خلفا کے رشید سے باسناد نسب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ فرمایا جو دسترخوان پر گری ہوئی چیز اٹھا کر کھاتا ہے اس کی اولاد حسین و جمیل پیدا ہوتی ہے۔اور اس سے محتاجی دور کر دی جاتی ہے۔متکبروں سے ان باتوں کی پیروی ظہور میں نہیں آتی اور وہ اسے مکروہ جانتے ہیں۔اگر وہ حقیقت سے غور کریں تو اس میں کوئی کراہت کی وجہ نہیں ہے۔اسی کھانے ہی کے تو اجزاء ہیں۔جسے انہوں نے انگلیوں سے کھایا تو انگلیوں اور پیالوں کو چاٹنا کیوں برا معلوم ہوتا ہے آخر اسی کھانے کا یہ حصہ ہے خصوصاً اس وقت جب کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کو بھی سن لیا۔حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اس بات سے گھن کھاتا اور برا جانتا ہے جس کی نسبت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو اس پر سخت چیز لازم آتی ہے۔(نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ)۔

صاحب مواہب ایک بزرگ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کلی کرتا ہے اور اپنے منہ میں انگلیاں ڈالتا ہے اور انگلیوں سے دانتوں کو ملتا ہے اس سے کوئی بھی گھن نہیں کھاتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھانا تناول نہ فرماتے آپ فرماتے ہیں میں بندہ ہوں اور بندوں کی مانند بیٹھتا ہوں۔ اور ایسے ہی کھاتا ہوں جیسے بندے کھاتے ہیں۔ ٹیک لگانے کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو محققین شراح حدیث میں سے ہیں شفاء میں فرماتے ہیں کہ اتکاء یعنی ٹیک لگانے سے مراد جم کر بیٹھنا اور کھاتے وقت چوکڑی مار کے سرین پر بیٹھنا ہے۔ یہ اس بیٹھنے کی مانند ہے جو کسی چیز کو اپنے نیچے رکھ کر ٹیک لگا کر بیٹھے۔ اس ہیئت پر بیٹھنے والا کھانا زیادہ کھاتا ہے۔ اور اس طرح اظہار تکبر کرتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اس قسم کی تھی کہ گویا گھٹنوں کے بل ابھی کھڑے ہو جائیں گے۔ بطریق اقعا، کہا گیا ہے کہ حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی جانب جھک کر ٹیک لگائی جائے۔ جیسا کہ محققین کے نزدیک ہے۔ (انتہی)۔

''اقعا'' سے مراد یہ ہے کہ سرین کو زمین کی جانب کرے۔ اور پنڈلیوں کو کھڑا کرے اور پیٹھ کے بل سیدھا رہے۔ یہی وہ نشست ہے جسے نماز میں منع فرمایا گیا ہے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ اسی معنی کو نقل کیا گیا ہے جس کی تفسیر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور اتکاء کی تفسیر میں یہی بات، اکمال میں خطابی سے جو ائمہ شراح حدیث اور معتمد علیہ ہیں منقول ہے۔ اور خطابی فرماتے ہیں کہ اتکاء کی ایک جانب جھکنے کی جنہوں نے تفسیر کی ہے اس کی مخالفت کی گئی ہے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ عوام کا خیال ہے کہ متکی وہ ہوتا ہے جو ایک جانب جھک کر کھانا کھاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ متکی وہ ہے کہ جو چیز اس کے نیچے بچھی ہوئی ہو اس پر جم کر بیٹھے۔ (انتہی)۔ ابن جوزی کے نزدیک اتکاء کے معنی یہی ہیں کہ ایک جانب جھک کر بیٹھے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اتکاء کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز سے ٹیک لگائی جائے۔ خواہ دیوار سے یا تکیہ وغیرہ سے۔ اور بعضوں نے کہا بائیں ہاتھ سے ٹیک لگانا مراد ہے۔ اور بعض حدیثوں میں اس کی صراحت سے ممانعت بھی آئی ہے۔ ابن اثیر نے نہایہ میں کہا ہے کہ جس نے اتکاء کے معنی ایک جانب جھکنے کے لئے ہیں اس نے فن طب کے موافق تاویل کی ہے ابن قیم نے کہا کہ ٹیک لگا کر کھانا، کھانے والے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ طعام کے لئے اس کے راستے سے گزرنے میں یہ ہیئت مانع ہوتی ہے۔ اور بسرعت معدے میں کھانا نہیں پہنچتا۔ اور معدہ میں گردش کرتا ہے۔ اور مستحکم نہیں ہوتا۔ اور معدہ کا منہ غذا کے لئے نہیں کھلتا۔ اور معدہ ایک جانب جھک جاتا ہے۔ سیدھا نہیں رہتا۔ اور بسرعت غذا معدے میں نہیں جاتی۔ لیکن کسی چیز سے ٹیک لگانا یہ متکبروں اور فرعونوں کی نشست سے ہے۔ جو طریقہ عبودیت کے خلاف ہے۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ. بعض کہتے ہیں کہ ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت، حضور کی خصوصیات میں سے ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ عام ہے ہاں اگر مجبوری ہو اور اس سے ادب کی رعایت ممکن نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ (تیج المجد ذورات)۔

صاحب سفر السعادۃ لکھتے ہیں کہ اتکاء کی پانچ صورتیں ہیں۔ یہ سب ہیئتیں جن کا ذکر ہوا انہوں نے شمار کیں۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا کہ ٹیک لگانا مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ۔ تو کھانے کے وقت اس ہیئت پر بیٹھنا مستحب ہوا۔ جو یہ ہے کہ دونوں رانوں کو کھڑا کرے۔ اور دونوں قدموں کی پشت پر نشست کرے۔ یا اس طرح کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضع وادب کی خاطر بائیں قدم کے اندر کی جانب کو داہنے قدم کی پشت پر رکھتے تھے۔ یہ ہیئت کھانا کھانے کی دوسری نشستوں سے زیادہ مفید و نافع ہے۔ اس لئے کہ تمام اعضا اپنی اس طبعی حالت پر برقرار رہتے ہیں جس پر حق تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور جب حضور اپنے دست مبارک کو کھانے کی جانب بڑھاتے تو بسم اللہ کہتے۔ اور افضل یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہے۔ اور اگر محض بسم اللہ کہے تو کافی ہے اور سنت کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور حضور کھانے کے بعد

حمد الٰہی کہتے۔ حمد کے کلمات متعدد ماثور ہیں۔ اتنا پڑھنا ہی کافی ہے کہ کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اور یہ دعا بھی صحت کے ساتھ پہنچتی ہے کہ فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَطْعَمْتَ وَسَقَیْتَ وَاَغْنَیْتَ وَاَقْنَیْتَ وَھَدَیْتَ وَاَحْیَیْتَ فَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا اَعْطَیْتَ اور داہنے ہاتھ سے تناول فرماتے۔ اور اس کا حکم دیتے اور فرمایا: غُلَامُ سَمِّ اللّٰہَ وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَمِمَّا یَلِیْکَ۔ اے بندے اللہ کا نام لے اور داہنے ہاتھ سے کھا اور جو تیرے قریب ہے اس طرف سے کھا۔ اور بعض شوافع نے اس حکم کو مستحب پر محمول کیا ہے اور صواب یہ ہے کہ اس کے ترک پر وعید وارد ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے تو فرمایا داہنے ہاتھ سے کھا اس نے کہا میں کھا نہیں سکتا۔ فرمایا کبھی نہ کھا سکے گا۔ اس کے بعد وہ کبھی اپنے داہنے ہاتھ کو منہ تک لا ہی نہ سکا اور جو حضرات مستحب ہونے پر استدلال کرتے ہیں وہ اس قرینہ سے کہ حضور نے فرمایا ''وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ'' (جو تیرے قریب ہے اس سے کھا۔) اور یہ واجب نہیں ہے تو اس کا جواب وہ حضرات جو وجوب کے قائل ہیں یہ دیتے ہیں کہ اس کا ترک، ممانعت کے معلوم ہونے کے بعد گناہ و معصیت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر کھانا ایک ہی ہو تو اپنے قریب سے کھائے اور اگر متعدد کھانے ہوں مثلاً فواکہ وغیرہ تو جائز ہے اور ایک حدیث بھی اس ضمن میں روایت کرتے ہیں مگر وہ حدیث ضعیف ہے (کذا قیل) اگر کوئی یہ کہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیالوں کے کناروں سے کدو کے قتلوں کو تلاش فرماتے تھے۔ تو یہ حدیث اپنے قریب سے کھانے کی حدیث سے معارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس تقدیر پر ہے۔ کہ اگر ساتھی راضی نہ ہوں اور کون ہے جو حضور سے راضی نہ ہو اور بعض کہتے ہیں کہ حضور تنہا تناول فرما رہے تھے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ شامل تھے (واللہ اعلم)۔ اور حضور کھانے سے پہلے دست ہائے مبارک کو دھویا کرتے اور بعد طعام بھی۔ اور فرمایا بَرَکَۃُ الطَّعَامِ فِی الْوُضُوْءِ قَبْلَہٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ'' کھانے سے پہلے بھی وضو ہے اور کھانے کے بعد بھی وضو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لایا گیا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیا حضور کے لئے پانی نہ لاؤں کہ وضو فرمائیں۔ فرمایا میں مامور نہیں ہوں کہ وضو کروں مگر اس وقت جب کہ نماز کے لئے کھڑا ہوں۔ اس جگہ وضو سے مراد، وضوء شرعی ہے جو نماز کے لئے ہیں۔ اور جن حدیثوں میں ہاتھ دھونے کو وضو کہا گیا ہے وہ لغوی معنی میں ہے۔ جس کے معنی نظافت و پاکیزگی کے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرم کھانا نوش نہ فرماتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کی خدمت میں کھانے کا ایک پیالہ لایا گیا۔ جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی اس پر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ کھانے کا حکم نہیں فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور گرم کھانے اور اسے بگھار یعنی داغ دینے کو مکروہ جانتے اور فرماتے ٹھنڈا کر کے کھانا کھاؤ کیونکہ اس میں برکت ہے اور گرم کھانے میں برکت نہیں ہے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ اسے اس وقت تک ڈھانپ کے رکھے رہتے جب تک کہ اس کا جوش نہ ختم ہو جاتا۔ اور فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ سرد کھانے میں عظیم برکت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا۔ جس پر لوہے کی چادر منڈھی ہوئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو اس پیالے میں پانی۔ نبیذ اور شہد وغیرہ تمام مشروبات پلائے ہیں۔ اور بخاری میں عاصم احوال کی حدیث ہے کہ میں نے حضور کے اس پیالہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا ہے میں نے اس میں پانی پیا ہے۔ وہ کچھ شکستہ ہو گیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس پر چاندی کا خول چڑھا دیا تھا۔ اور وہ پیالہ چوڑا اور اچھی لکڑی کا تھا۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ وہ پیالہ جھاؤ کی لکڑی کا تھا اور اس کا رنگ زردی مائل تھا اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ اس پر لوہے کا حلقہ چڑھا ہوا تھا پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس حلقے کے بجائے سونے یا چاندی کا حلقہ چڑھائیں تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس

سے باز رکھا۔اور کہا کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رکھا ہے اسی طرح رہنے دو۔اور امام ابوعبداللہ بخاری روایت کرتے ہیں کہ میں نے اس پیالے کو بصرہ میں دیکھا ہے۔اور میں نے ااس میں پانی پیا ہے اسے نضر بن انس کی اولاد سے آٹھ ہزار درہم میں خریدا گیا ہے۔(کذافی المواہب)۔اور حضور نے کبھی خوان پر کھانا نہ کھایا چپاتیاں کھائیں لیکن سفرہ پر نوش کیا اور وہ سفرہ چمڑے یا پتے کا ہوتا تھا اور آج بھی حرمین شریفین میں خرمے کے پتے کے سفرے رائج ہیں۔مواہب میں کتاب ہدیٰ سے نقل کیا گیا ہے کہ بعض طبیبوں نے کہا ہے کہ جو چاہتا ہے کہ صحت محفوظ رہے تو رات کے کھانے کے بعد سوقدم کی تعداد میں ٹہلا کرے۔اور کھانے کے فوراً بعد نہ سو جائے۔کیونکہ یہ مضر ہے۔اور کھانے کے بعد نماز پڑھنا ہضم میں آسانی پیدا کرتا ہے۔

پانی پینا: وصل: اب رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کی کیفیت، تو بلاشبہ حضور آب شیریں وسرد کو پسند فرماتے تھے۔اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین آپ کے لئے بیر سقیا سے پانی لاتے تھے۔بیر سقیا مدینہ سے دومنزل کے فاصلے پر ہے۔اور چھتیس میل کی مسافت ہے۔اور ٹھنڈا وشیریں پانی طلب کرنا زہد کے منافی نہیں ہے اور نہ ترفہ مذموم میں داخل ہے۔اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔حلانکہ سید الزاہدین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے لیکن پانی کو مشک وگلاب سے خوشبودار بنانا ترفعہ اور تنعم میں داخل ہے۔اور یہ مذموم ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی کراہت منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے فرمایا اے فرزند من! پانی کو ٹھنڈا کر کے پیو۔کیونکہ ٹھنڈے پانی سے دل کی گہرائیوں سے شکر ادا ہوتا ہے۔شاگرد نے عرض کیا اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے پانی کو دیوار پر ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھا اور پھر اس پر دھوپ آ گئی۔اور اسے نہ اٹھایا اور گرم ہوگیا اور اسی گرم پانی کو پی لیا اور کہا کہ اے بھائی میں اپنے نفس کی لذت کے لئے نہیں چاہتا۔فرمایا وہ شخص صاحب حال ہے اس کی پیروی نہیں چاہئے۔کہتے ہیں کہ اس شخص سے مراد، حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

منقول ہے کہ حضور نے شہد میں پانی ملا کر نوش فرمایا اور علی الصباح نوش جان فرماتے۔اور جب اس پر کچھ گھڑی گزر جاتی اور بھوک معلوم ہوتی تو جو کچھ کھانے کی قسم سے موجود ہوتا تناول فرماتے صاحب مواہب ابن قیم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا اس میں حفظ صحت ہے اس پر فاضل طبیبوں کے سوا کسی کو دسترس نہیں ہوسکتی۔اس لئے کہ شہد کا شربت یا شہد کو ناشتے میں چاٹنا بلغم کو چھانٹتا اور معدے کے حمولات کو دھوتا اور اس کے لزوجت سے پاک وصاف کرتا اور اس ک فضلات کو دور کرتا اور اعتدال کے ساتھ معدے کو گرم کرتا ہے۔اور جوڑوں کو کھولتا ہے اور ٹھنڈا پانی، سردتر ہے جو گرمی کو کاٹتا ہے اور صحت کی حفاظت کرتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ ''حضور سرد وشیریں پانی کو پسند فرماتے تھے'' اس سے مراد یہی شہد ملا شربت ہے یا کھجور ومنقیٰ کا نقع یعنی تر کردہ شربت یا نبیذ ہے اس میں عظیم نفع ہے اور قوتوں کو زیادہ کرتا ہے۔

نقیع ونبیذ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کھجور یا منقیٰ کو کوٹ کر پانی میں ڈال کر رکھ دیتے ہیں تا کہ پانی شیریں ہوجائے۔اگر اسے دو روز رکھے رہیں تا کہ شیرینی سے لب چپکنے لگیں تو اسے نبیذ کہتے ہیں اور اگر فوراً بنا کر پی لیں تو اسے نقیع کہتے ہیں۔اس سے تیز کرنا مکروہ ہے۔اور اگر کف یا جھاگ اٹھ آئے تو حرام وخمر ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کو پسند فرماتے تھے آپ نے فرمایا کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دے بجز دودھ کے۔کھانے کے بعد دعا کرتے: زِدْنَا خَيْرًا مِّنْهُ. (اس سے ہماری بھلائی زیادہ کر) اور دودھ پینے کے بعد فرماتے زدنا منه (اس سے ہمیں زیادہ کر) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں اگر کوئی دے تو منع نہ کرنا چاہئے۔دودھ، تکیہ اور خوشبودار تیل۔ایک اور حدیث میں تیل کی جگہ طیب یعنی خوشبو آیا ہے یہ اس سے زیادہ معروف ہے اور آپ کبھی خالص دودھ نوش فرماتے اور

کبھی سرد پانی ملا لیتے۔ یعنی ''لسی'' اس لئے کہ دوہتے وقت دودھ گرم ہوتا ہے اور ان ممالک میں گرمی غالب ہے تو دودھ کی گرمی کو پانی کی سردی سے مارتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ٹھنڈا دودھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج لطیف کے مناسب وموافق تر آتا ہے۔ بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ایک صحابی تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ انصاری اپنے باغ میں پانی دے رہا تھا۔ حضور نے انصاری سے فرمایا اگر تمہارے پاس پرانے مشکیزہ میں رات کا بھرا ہوا ٹھنڈا پانی ہو تو لاؤ ورنہ اس کیاری سے پانی پیتا ہوں۔ اس انصاری نے عرض کیا ہاں میرے پاس باسی بانی ہے جو پرانے مشکیزہ میں ہے پھر اس نے پیالے میں پانی لیا اور اپنے جھونپڑے میں جا کر بکری کا دودھ دوہ کر اس میں ملایا۔ پھر حضور نے اس پانی کو نوش فرمایا۔ جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں لفظ کرع آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں پانی میں منہ ڈال کر پینا۔ جیسے کو چوپائے پیتے ہیں۔ لیکن شراح حدیث فرماتے ہیں کہ اس جگہ مراد یہ ہے کہ ہاتھوں سے پانی پینا نہ کہ منہ ڈال کر۔ گویا کرع کی حقیقت کو حضور کے مقام رفیع، درجہ بلند کے مناسبت پر محمول کرنا بعید جانا۔ حالانکہ حضور کی بے تکلفی سے یہ بعید نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس طرح پانی پینے میں کوئی ذوق پاتے ہوں (واللہ اعلم)

یہ فقیر یعنی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک بزرگ زمانہ، صالح کی صحبت میں تھا۔ جو علم حدیث کے جاننے والے تھے۔ (رحمتہ اللہ علیہ) باغ میں اسی طرح پانی کیاریوں میں بہہ رہا تھا اس عزیز نے کرع کیا۔ یعنی منہ سے پانی پیا۔ اس وقت تو حقیقت حال منکشف نہ ہوئی۔ لیکن جب مجھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کی یہ حدیث معلوم ہوئی تو جانا کہ اس عزیز کا وہ فعل اس حدیث کے اتباع میں تھا۔ حضور کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے کیونکہ مفسد ہضم ہے۔ جب تک کہ کھانا ہاضمہ کے قریب نہ ہو پانی نہ پینا چاہئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ پانی بیٹھ کر نوش فرماتے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ اور مسلم میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں چاہئے کہ کوئی کھڑے ہو کر پانی نہ پئے۔ اگر بھول کر پی لیا ہے تو قے کر دے اور پانی کو پیٹ سے خارج کر دے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں آب زمزم کا ڈول لایا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے وضو فرمایا پھر کھڑے ہو کر بقیہ آب وضو کو نوش فرمایا۔ اور فرمایا لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ جانتے ہیں حالانکہ میں نے اللہ کے نبی کو ایسا کرتے دیکھا ہے جیسا کہ میں نے کیا۔ اور یہ سب حدیثیں صحیح ہیں ان میں جمع وتطبیق اس طرح ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بیان جواز کے لئے تھا۔ اور شارع علیہ السلام کو جائز ہے کہ بیان جواز کے لئے فعل مکروہ کو اختیار کریں۔ کیونکہ یہ آپ پر واجب ہے۔ اور اس کی نسبت آپ کی جانب مکروہ نہیں ہے اور قے کرنے کا حکم مذہب واستحباب پر محمول ہے۔ لہٰذا جو کھڑے ہو کر پئے اسے مستحب ہے کہ اس صحیح وصریح حدیث کے بموجب قے کر دے۔ خواہ بھول کر پئے یا قصداً اور حدیث میں نسیان یعنی بھولنے کی تخصیص سے، اس طرف اشارہ ہے کہ مومن سے جس چیز کا ترک کرنا افضل واولیٰ ہے اس سے قصداً کیسے واقع ہوگا۔ (کذا قالوا)۔ اور مالکیوں کا مذہب ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ وہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ یہ تمام حضرات کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے۔ اور شیخ عبدالحق جو ائمہ حدیث میں سے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کی حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ

کھڑے ہوکر پانی پینا آب وضواور آب زمزم کے ساتھ خاص ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ ممانعت خاص اس شخص کے لئے ہو جو اپنے ساتھیوں کے لئے پانی لایا اور ان کے پلانے سے پہلے خود کے پینے میں جلدی کی اور اس نے اس قاعدہ واصول کی خلاف ورزی کی کہ: سَاقِيُ الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ مُشْرَبًا۔ قوم کو پانی پلانے والا اپنے پینے میں ان سب کے بعد ہے اس وجہ پر حمل کرنا محض احتمال ہے۔ اور حدیث کی عبارت اس طرف دلالت نہیں کرتی۔

اور آب وضو کو کھڑے ہوکر پینے میں یہ بات ہے کہ یہ حدیثیں اصل جواز پر دلالت کرتی ہیں اور وہ حدیثیں جس میں ممانعت ہے استحباب میں ہیں۔ بشرط اس قاعدے کہ بیٹھ کر پینا افضل واولیٰ ہے۔ اور شراح حدیث کے بعض کلام سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت قواعد طبیہ پر مبنی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رعایت فرماتے ہوئے ایسا ارشاد فرمایا۔ مقتضائے کلام یہ ہے کہ اس کو اپنی عادت نہ بنائے اگر کبھی پی لے تو ممنوع نہ ہوگا۔ (واللہ اعلم۔)

امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے دیکھا ایک شخص کھڑے ہوکر پانی پی رہا ہے تو انہوں کہا اس پانی کو قے کردے۔ اس شخص نے کہا کس لئے میں قے کروں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ساتھ بلی پانی پیئے۔'' اس شخص نے کہا میں اچھا نہیں جانتا۔ فرمایا بلا شبہ تیرے ساتھ جس نے پانی پیا ہے وہ بلی سے بدتر ہے کہ وہ شیطان ہے۔''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی آپ تین سانسوں میں پانی نوش فرماتے اور فرماتے کہ یہ سیراب کرنے والا۔ پسندیدہ تر اور شفا بخشنے والا ہے۔ ہر سانس میں منہ سے پیالہ جدا کرتے پھر سانس لیتے۔ اور پیالے میں پھونکنے سے منع فرماتے۔ اور جب دہن شریف سے پیالے کو قریب لاتے تو بسم اللہ پڑھتے۔ اور جب جدا فرماتے تو حمد بجالاتے۔ اسی طرح تین مرتبہ کرتے۔

مروی ہے کہ پہلے سانس میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَةٍ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوبِنَا۔'' نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانی کو چوس چوس کر پیو۔ اور غٹ غٹ کرکے نہ پیو اس سے معلوم ہوا کہ لوٹے کی ٹوٹی خوب منہ کے اندر نہ لینی چاہئے۔ جیسا کہ لوگ کرتے ہیں یہ ممنوع ہے اس لئے کہ مص یعنی چسکی ہونٹوں اور لبوں سے ہوتی ہے لیکن ٹوٹی کو منہ سے علیحدہ رکھنا یا منہ سے دور رکھنا بھی چسکی کے معنی کے موافق نہیں ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہمانوں سے کھانے کے لئے اصرار فرماتے اور بار بار کہتے ایک مرتبہ ایک شخص کو دودھ پلانے کے بعد اس سے بار بار فرمایا ''اشرب اشرب'' اور پیو اور پیو۔ یہاں تک کہ اس شخص نے قسم کھا کر عرض کیا۔ قسم ہے اس خدائے برتر کی جس نے آپکو حق کے ساتھ بھیجا اب اور گنجائش نہیں ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور جب آپ جماعت کو کھانا کھلاتے پلاتے تو آپ ان سب کے بعد تناول فرماتے۔ مطلب یہ کہ ابتداء میں تناول نہ فرماتے آخر میں ان کے ساتھ موافقت فرماتے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جب دستر خوان بچھایا جائے تو چاہئے کہ جب تک سب فارغ نہ ہوں نہ تو اٹھے اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے اگر چہ سیر ہو چکا ہو۔ کیونکہ یہ ساتھیوں کی شرمندگی کا موجب ہے اور ممکن ہے کہ ابھی اسے کھانے کی احتیاج باقی ہو اور اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا اور میزبانی کا شرف پاتا اور کوئی اور شخص آپ کے پیچھے پیچھے آجاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میزبان کو خبر کردیتے کہ یہ شخص میرے ساتھ چلا آیا ہے اگر تم چاہو تو لوٹ جائے۔ (الحدیث)۔

اکابر و پیشواؤں کے ساتھ خدام وتوابع اور طفیلی ہوتے ہیں اور یہ جائز ہے اور اس حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ صاحب خانہ کو بتا کر اس سے اجازت لے لے۔

اورحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جماعت کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تو جب تک ان کے لئے دعائے خیر نہ فرماتے باہر تشریف نہ لاتے اور فرماتے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ۔''

نوع دوم - درلباس مبارک

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ، لباس شریف میں وسعت اور ترک تکلف تھا۔ مطلب یہ کہ جو پاتے زیب تن فرمالیتے اور تعیین کی تنگی اختیار نہ فرماتے۔ اور کسی خاص قسم کی جستجو نہ فرماتے۔ اور کسی حال عمدہ و نفیس کی خواہش نہ فرماتے۔ اور نہ ادنی وحقیر کا تکلف فرماتے۔ جو کچھ موجود و میسر ہوتا پہن لیتے۔ اور جو لباس ضرورت کو پورا کردے اسی پر اکتفا فرماتے۔ اکثر حالتوں میں چادر پیرہن اور ازار ہوتا جو کہ سخت اور موٹے کپڑے کے ہوتے اور پشمینہ بھی پہنتے۔ منقول ہے کہ آپ کی چادر شریف میں متعدد پیوند لگے ہوئے تھے۔ جسے آپ اوڑھا کرتے تھے۔ اور فرماتے میں بندہ ہی ہوں اور بندوں ہی جیسا لباس پہنتا ہوں اسے شیخین نے روایت کیا ہے۔ اگر کبھی شاہان عجم عمدہ اور نفیس بیش بہا ہدیے میں بھیجتے تو ان کی تالیف قلوب کی خاطر زیب تن فرماتے مگر جلد ہی بدن شریف سے اتار دیتے۔ اور لوگوں کو عطا فرما دیتے۔ اور لوگوں میں انصاف اور علو ہمتی کے پیش نظر تقسیم میں برابری فرماتے۔ اور عمدہ و نفیس پہننا اور اس کے ساتھ مزین کرنا اور اس پر فخر و مباہات کرنا صاحبان شرف وجلالت کے شایان شان نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں کی صفات اور ان کی نشانیاں ہیں لیکن صاف ستھرا اور پاکیزہ لباس رکھنا اور اس میں میانہ روی اختیار کرنا ہم جنسوں کے مشابہ ہونا محمود ہے یہ خلاف مروت نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی تمام خوبیوں میں لباس کا ستھرا رکھنا اور کم پر راضی ہونا بہت پسند ہے۔ اور حضور میلے اور گندے کپڑوں کو مکروہ و ناپسند جانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت میلے اور غلیظ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ فرمایا کیا یہ شخص کوئی ایسی چیز نہیں رکھتا جس سے یہ کپڑوں کو دھولے اور آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال الجھے ہوئے اور میل بھرے ہوئے ہیں اور بری حالت میں ہے۔ فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا آیا ہے؟ مطلب یہ کہ شیطان ہے۔ اور حضور تزئین میں تکلف اور مبالغہ کو بھی محمود نہ جانتے تھے۔

سفر السعادۃ میں ہے کہ حضور کی عادت کریمہ، لباس میں ترک تکلف تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ دو قسموں میں بٹ گئے بعض نے تزئین و آرائش اور نفیس لباس پہننے کو اختیار کیا اور وہ اس کے دلدادہ ہو کر رہ گئے اور بعض نے سخت و درشت لباس پہننے اور خستہ حالت میں رہنے کو اختیار کیا۔ اور وہ اسی میں مست ہو کے رہ گئے۔ یہ دونوں روشیں، طریقہ نبوی کے خلاف ہیں۔ میانہ روی۔ عدم فریفتگی اور عدم تکلف ہر حالت میں محمود ہے اس میں شک نہیں کہ اسلاف کی سیرت اور ان کے علماء و زہاد اور عبادت گزاروں کی خستہ حالی میں رہی ہے۔ اور حدیثوں میں بھی ان کی مدح و تعریف اور ترغیب آئی ہے۔ اور مروی ہے کہ: اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ. خستہ حالی ایمان میں سے ہے اور آراستگی، تحسین ہیئت اور صاف ستھرے کپڑوں کے باب میں بھی حدیثیں آئی ہیں۔ اور جب حضور تکبر و غرور کی مذمت فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے یا رسول اللہ آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتیاں عمدہ ہوں۔ اس پر حضور نے: اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ بلاشبہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ اور تکبر حق تعالیٰ سے سرکشی کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ لباس و ہیئت میں تجمل و تحسین مستلزم تکبر نہیں ہے کبر تو حق تعالیٰ کے ساتھ سرکشی کرنا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ نَظِیْفٌ یُّحِبُّ النَّظَافَةَ۔ بلاشبہ اللہ پاک وصاف ہے اور وہ پاکی وصفائی کو پسند فرماتا ہے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میرے جسم پر کم قیمت کے کپڑے تھے فرمایا کیا تیرے پاس از قسم مال ہے؟ میں نے

عرض کیا ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا ہے۔ اونٹ بھی ہیں اور بکریاں بھی ہیں۔ فرمایا پھر تو خدا کی نعمت اور اس کی بخشش کو تمہارے جسم سے ظاہر ہونا چاہئے۔ مطلب یہ کہ تونگری کی حالت کے مناسب کپڑے پہنو۔ اور خدا کی نعمت کا شکر ادا کرو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو چاہئے کہ خدا کی نعمت کا شکر ادا کرو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو چاہئے کہ خدا کی نعمت کا اثر تمہارے جسموں سے دیکھا جائے اور اس کی غایتیں تم سے ظاہر ہوں۔ اور الجھے ہوئے بالوں والے پریشان حال سے فرمایا کیا یہ شخص کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے سر کو تسکین دے۔ اور اس شخص کو دیکھا جس پر میلے اور غلیظ کپڑے تھے۔ فرمایا کیا یہ شخص کوئی ایسی چیز نہیں پاتا ہے جس سے اپنے کپڑوں کو دھولے۔ مروی ہے کہ اللہ پسند فرماتا ہے کہ بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھے۔ لہٰذا یہ ظاہری جمال و آرائش اس شکر نعمت کا موجب ہے جو جمال باطن ہے اور ''لِبَاسُ التَّقْوٰی'' کا اشارہ اسی جانب ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ۔ اے بنی آدم ہم نے تم پر ایسا لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا اور زینت بخشتا ہے اور تقوے کا لباس اتارا یہ بہت بہتر ہے۔ لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ اپنے ظاہر و باطن کو صاف و ستھرا اور پاک رکھے اور دل و زبان کو صدق و اخلاص کے زیور سے آراستہ بنائے اور اعضاء و جوارح کو زیور طاعت و نظافت سے مزین کرے۔ اسی مقام پر نجاستوں اور ناپاکیوں سے بدن کی طہارت کا حکم اور مکروہ بالوں کو مونڈنا یعنی بغلوں کے بال اور موئے زیر ناف کو صاف کرنا، ختنے کرانا، ناخنوں کو ترشوانا وارد ہوا ہے۔ یہ سب باتیں مسنون ہیں اور فطرت اس کی خواستگار ہے۔ فطرت کے معنی گزشتہ نبیوں کی سنتیں ہیں۔ اس کا مدار نیت پر ہے۔ اگر عمدہ لباس پہننے سے مقصود، نفسانیت کبر، غرور، دنیاوی کروفر کا اظہار، آرائش، شوکت نفس، فقراء پر فوقیت دکھانا، ان کے دلوں کو مجروح کرنا ہے تو مذموم اور بہت قبیح ہے۔ جیسا کہ منافقوں کی مذمت میں آیا ہے: وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۔ اور جب تم انہیں دیکھو تو ان کے اجسام تمہیں حیرت میں ڈال دیں اور حدیث پاک میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ. بیشک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ مواہب میں مسلم کی حدیث سے مروی ہے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ وَیَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ وَنِیَّاتِكُمْ ۔ بیشک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے عملوں کو نہیں دیکھتا۔ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اگر اس تجمل و تحسین سے تمہاری نیت، اظہار نعمت، شوکت علم، عزت دین، جمال وحال اور دینی احکام کی پیروی ہے تو ممدوح و محمود ہے۔ بکثرت علماء زہاد اور عابدوں نے نفیس ترین اور عمدہ ترین لباس پہنا ہے۔ اور ان کی نیت اس میں نیک تھی۔ چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفود کے لئے تجمل فرماتے اور جمعہ وعیدین کے لئے بھی آرائش فرماتے تھے۔ اور مستقل جدا لباس محفوظ رکھتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس قسم کا لباس پہننا ایسا ہے جیسے قتال کے لئے ہتھیار لگانا۔ اور بیش بہا اور فاخر لباس پہننا اور ان چیزوں میں بڑائی اور کروفر دکھانا جو کلمۃ اللہ کی برتری اور دین کی فتح مندی کو شامل ہے۔ حقیقۃً یہ اعداء دین غلظت اور ان کو جلانے اور کڑھانے کے لئے ہے۔

بعض حضرات ایسا نفیس لباس اس لئے پہنتے ہیں کہ دولت مندی اور ثروت ظاہر ہوتا کہ ان کی جانب حاجت مند اور سائل متوجہ ہوں۔ اور اپنی ضرورتیں حاصل کر سکیں اسی کی مانند ادنیٰ و حقیر لباس پہننے میں بھی تفصیل کی جاتی ہے کہ اگر خست، بخل یا لوگوں کے اموال میں لالچ اور احتیاج دکھانے کی بنا پر پہنے تو مذموم و مقبوح ہے۔ اور اگر زہد اور دنیاوی زیب و زینت اور اس کے ساز و سامان سے عدم رغبت اور جو میسر ہو اس پر قناعت وایثار کرنے کی وجہ سے پہنے تو محمود و حسن ہے۔ اور جس کی نیت ان دونوں سے خالی ہو وہ نہ مذموم ہوگی اور نہ محمود (کذا فی المواہب)

ظاہر یہ ہے کہ یہ قسم دائرہ اباحت سے خارج نہ ہوگی۔ بلکہ زیب وزینت کی تمام صورتوں میں فضیلت واستحباب میں تو کلام ہے لیکن اصل اباحت میں کلام نہیں ہے۔

مواہب لدنیہ میں ایک کلام بطریق سوال لاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ سلف صالحین کی سیرت بد ہیئت اور لباس کی کہنگی میں رہی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ صوفیائے شاذلیہ اپنے لباس میں حسن وجمال اور زیب وزینت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا طریقہ سنت کا اتباع اور سلف صالحین کی اقتدا ہے۔ اس کے جواب میں اسے نقل کرتے ہیں جو بعض عرفاء نے جامع مفید اور فیصلہ کن بحث فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سلف صالحین نے جب دیکھا کہ اہل غفلت اور دنیا میں مشغول ہونے والے ظاہری زیب وزینت میں مصروف رہتے ہیں اور دنیاوی مال ومتاع پر فخر ومباہات کرتے ہیں اور اس پر اطمینان رکھتے ہیں تو ان حضرات صوفیا نے ان کی مخالفت کی روش اس قصد وارادہ سے فرمائی کہ ظاہر کردیں کہ جس چیز کو یہ غافل لوگ اتنا عزیز جانتے ہیں وہ کتنی حقیر وذلیل ہے۔ اور حق تعالٰی نے اس کی حقارت بیان فرمائی ہے۔ اور جس چیز کے اہل غفلت اتنے محتاج وضرورتمند ہیں وہ ان سے بے نیاز مستغنی ہیں اور ان کی مرغوب ومحبوب چیزوں سے نفرت وزہد اختیار کیا اور جو کچھ خدا ان حضرات قدس کو مرحمت فرمایا ان نعمتوں پر شکرگزار رہوئے اور جب اس حال پر زمانہ دراز گزر گیا اور اس امر میں فساد نے راہ پائی اور اس کی حقیقت کے جاننے میں دل سیاہ ہوگئے اور غفلت کی راہ نے دوسرا رخ اختیار کیا اور کچھ لوگوں نے بدہیئتی اور لباس کی بوسیدگی کے پردے میں تحصیل دنیا میں حیلہ جوئی شروع کردی اور معاملہ برعکس ہوگیا اور جو طریقہ ترک دنیا کا تھا وہ خود تحصیل دنیا کا ذریعہ بن گیا تو بعض محققین اہل طریقت نے جیسے مشائخ شاذلیہ اور ان کے ان پیروؤں نے جو ان کے مذہب پر چلتے ہیں اسے ترک کردیا اور بدہیئتی اور لباس کی کہنگی کی روش کو چھوڑ دیا۔ اور اس امر کو حکمت وحقیقت کی نظر سے سلف صالحین کی موافقت سمجھنے لگے اور ان کی مخالفت نہیں سمجھی۔ اگرچہ ظاہر بینوں کو یہ مخالف نظر آیا۔

استاد ابوالحسن شاذلی جو سلسلہ شاذلیہ کے رئیس ومقتدا ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کوئی ان بدہیئتوں میں سے اس پر اعتراض کرتا ہے۔ اسے یہ جمال ہیئت اور تجمل لباس جواب دیتا ہے کہ اے شخص! میری یہ ہیئت اور میرا یہ لباس زبان حال سے الحمدللہ کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے مخلوق سے مستغنی بنایا ہے اور تیری وہ ہیئت اور تیرا وہ لباس پکار پکار کر کہتا ہے کہ مجھے اپنی دنیا سے کچھ دو'' ان شاذلیوں کے افعال، دائر برحکمت مبنی برمعنی اور مقرون بہ نیت ہیں۔ اب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس مبارک کے بیان اور اس کے انواع میں چند وصل بیان کرتے ہیں۔

عمامہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: وصل: جاننا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف نہ اتنا وزنی وبڑا ہوتا جس سے سر مبارک پر بار معلوم ہوتا اور نہ اتنا چھوٹا اور ہلکا ہوتا کہ سر مبارک پر تنگ ہو۔ مروی ہے کہ عمامہ شریف چودہ گز شرعی سے متجاوز نہ ہوتا۔ اور کبھی سات گز شرعی ہوتا۔ شرعی گز ایک ہاتھ کا ہے۔ جو بیچ کی انگلی سے کہنی تک ہے اس کی مقدار دو بالشت ہے یعنی چوبیس انگل۔ بمقدار ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے حروف کی گنتی کے۔ چوبیس حروف ہیں۔

اور بعض مقامات میں جیسے حوض کو ناپنے میں، ذراع کرماسی یعنی کپڑے ناپنے کے گز کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ گز ہر قوم اور ہر زمانہ میں رائج ہے۔ (جو تین فٹ یا 36 انچ کا ہوتا ہے) لیکن اس کا اعتبار، عمامہ میں بھی جائز ہوسکتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

علماء فرماتے ہیں کہ قدر معہود پر کچھ زیادہ کرلے تو اس میں مسامحت کی جاتی ہے اور وہ جو ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ، مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان حاجز ہے۔ یعنی امتیاز ہے تو وہ عمامہ، عذبہ یعنی شملہ کے ساتھ ہے جیسا کہ سیاق حدیث اس میں شاہد ہے (عذبہ یا شملہ اسے کہا جاتا ہے جو عمامہ کے سرے کو دونوں شانوں کے درمیان چھوڑ جاتا ہے۔) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک

عمامہ تھا جس کا نام ''سحاب'' رکھا ہوا تھا اور حضور کے پاس جتنے کپڑے، گھوڑے اور سواری کے جانور تھے ہر ایک کے اپنے تجویز کردہ نام ہوتے تھے جیسا کہ آخر کتاب میں آئے گا اور عمامہ کے نیچے سر مبارک سے چمٹی ہوئی ٹوپی تھی۔ یہ ٹوپی سر سے پست و پیوست تھی بلند نہ تھی۔ طاقیہ (جسے آج کل کلاہ کہتے ہیں) کی مانند اور حضور کی ٹوپی تھی۔ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق، ٹوپیوں پر عمامہ باندھنا ہے۔ یہ عبارت دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر باندھے جاتے ہیں اور ان کے عمامے ٹوپیوں پر نہیں ہوتے دوسرے معنی یہ کہ وہ بغیر عماموں کے ٹوپیاں پہنتے ہیں اور مراد پہلے ہی معنی ہیں اس لئے کہ عمامہ پہننا مشرکوں سے بھی ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اور جب عمامہ باندھتے تو سدل فرماتے۔ یعنی سرا چھوڑتے۔ اسے ترمذی نے شمائل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ مسلم نے اتنا زیادہ کیا کہ: قَدْ اَرْخٰی طَرْفَھَا بَیْنَ کَتِفَیْہِ. بے شک عمامہ کے سرے کو دونوں شانوں کے درمیان لٹکاتے۔ اسے عذبہ، ذوابہ اور شملہ بھی کہتے ہیں اور اسے سنت عمامہ کہتے ہیں۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھنے میں تدویر یعنی گولائی فرماتے۔ اور دستار کے پیچ کو سر مبارک پر لپیٹتے اور اس کے سرے کو عمامہ سے اڑستے اور دوسرے کو چھوڑتے اور لٹکاتے تھے۔ صحیح مسلم میں عمرو بن حریث کی حدیث مروی ہے کہ کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر شریف پر اس حال میں دیکھا کہ حضور کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور اس کے ایک سرے کو دونوں شانوں کے درمیان چھوڑا ہوا تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ رونق افروز ہوئے تو سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذوابہ یعنی شملہ کا ذکر نہیں ہے۔ یہ دلالت کرتی ہے کہ ذوابہ ہر جگہ دائمی نہ تھا۔ (کذافی المواہب) بلکہ حدیث بخاری میں ہے کہ روز فتح مکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو سر مبارک پر خود تھا علماء فرماتے ہیں کہ دخول مکہ کے وقت جسم اطہر پر ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور سر مبارک پر خود تھا اور دستار نہ تھی اور ہر جگہ اس کی مناسبت سے لباس زیب تن فرماتے تھے۔ بعض علماء نے دونوں قولوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ عمامہ خود کے اوپر تھا۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جمع میں فرمایا کہ اول دخولِ مکہ کے وقت سر مبارک پر خود تھا اور داخل ہونے کے بعد سیاہ عمامہ کے اوپر خود باندھا بدلیل قول عمرو رضی اللہ عنہ بن حریث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اس لئے کہ خطبہ کعبہ کے دروازے پر تھا جس وقت کہ فتح مکمل ہوگئی ابن اعرابی کہتے ہیں کہ جمع میں بہ نسبت اول کے یہ اولیٰ واظہر ہے۔ مکمل تذکرہ فتح مکہ کے ضمن میں آئے گا۔ (انشاء اللہ)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں کہ میرے سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ باندھا تو میرے پشت پر دونوں شانوں کے درمیان سرا لٹکایا۔ مروی ہے کہ بدر و حنین کے دن فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے۔ تو اسی طرح پر عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ کم سے کم شملہ چار انگل ہے اور زیادہ سے زیادہ نصف کمر تک۔ اس سے زیادہ اسبال میں داخل ہے جو حرام و مکروہ ہے اور عذبہ یعنی شملہ کی جگہ تحنیک بھی روی ہے۔ تحنیک یہ ہے کہ شملہ کو بائیں جانب سے تالو اور ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر داہنی جانب عمامہ میں اڑس لینا۔ علماء فرماتے ہیں کہ بغیر تحنیک اور عذبہ کے عمامہ باندھنا مکروہ ہے یہ اس تقدیر پر ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے۔ اگر مراد کراہت تنزیہی لیں تو اس کا مآل ترک اولیٰ اور ترک افضل ہوگا۔ (واللہ اعلم)

<u>پیرہن مبارک اور تہبند شریف</u>: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرہن مبارک کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی اس سے زائد لمبی، سرعت حرکت اور گرفت میں مانع ہوتی تھی۔ اور اس سے کم ہاتھ کو گرمی و سردی سے نہیں بچاتی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام

افعال واوضاع میں معانی وحکمتیں ہوتی ہیں جواعتدال ومناسبت پرمبنی ہیں۔اسی طرح حضور کے پیرہن اور چادر مبارک کا دامن نصف پنڈلیوں تک ہوتا تھااور تہبند کوگٹوں سے نیچا نہ رکھتے تھےاور گویا انصاف لفظ جمع کے ساتھ اس طرف اشارہ ہے کہ نصف کی حقیقت جو وسط حقیقی ہے شرط نہیں ہے۔طبرانی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میرا تہبند گٹوں سے نیچے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن عمر رضی اللہ عنہما! جو کپڑا زمین سے چھو جائے وہ آتش دوزخ میں سے ہےاور بخاری میں ہے تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہے وہ آگ میں ہے یہ حکم مردوں کے لئے ہےاور عورتوں کو لٹکانا اور لمبا رکھنا جائز ہے۔اور جب سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !عورتیں کیا کریں؟ فرمایا ایک بالشت تک بڑھالیں۔عرض کیا اب بھی پاؤں برہنہ رہتے ہیں ایک ہاتھ تک بڑھالیں۔اس سے زیادہ نہ کریں۔یہ حکم تہبنداور قمیص کے دامن کا ہے۔ظاہر ہے کہ زمین سے دامن چھوانا عورتوں کے لئے جائز ہے۔

جاننا چاہئے کہ اسبال یعنی لٹکانا تہبند کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ قمیص اور عمامہ کو بھی شامل ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسبال،تہبند،قمیص اور عمامہ میں ہے جو کوئی ان میں بطریق رعونت وتکبر گھسیٹتا ہے وہ...... (الحدیث) لیکن اکثر حدیثوں میں اسبال،تہبند میں آیا ہے یہ کثرت وجود کے اعتبار سے ہےاور لفظ ثوب کے ساتھ بھی مطلق آیا ہے لیکن حدیث کے مفہوم کا وجود،عمامہ میں مخفی رہتا ہے تو اس سے مراد عذبہ یعنی شملہ کی حد سے درازی ہے۔اور آستین کو بڑھانا جیسا کہ اہل حجاز کی عام عادت ہے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

صاحب مواہب،ابن قیم سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا یہ فراغ و دراز آستینیں تھیلوں کی مانند اور برجوں کی مانند عمامے باندھنے کی رسم نوایجاد ہے۔نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کیا۔یہ سنت کے خلاف،غرور وتکبر کے زمرے میں ہے۔اور بعض دیگر علماء سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ کسی اہل فہم وبصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ یہ لمبی لمبی آستینیں جو عام طور پر لوگوں میں رواج پا گئی ہیں اس میں اسراف اور مال کا ضیاع ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے لیکن لوگوں کی ایک اصطلاح بن گئی ہے کہ ہر قوم کے کچھ شعار اور علامتیں ہوتی ہیں۔جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔لیکن ان میں جو چیز،خیلا یعنی غرور وتکبر کے طریقہ پر ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہےاور جو چیز بطریق عادت ہے اس میں حرمت اس وقت تک نہیں ہے جب تک کہ اس حد تک نہ پہنچے جس کا حکم لباس میں درازی وکشادگی میں ممانعت سے متعلق ہےاور قاضی عیاض سے منقول ہے کہ جو عادت سے زیادہ ہواور لباس کی عام لمبائی وکشادگی سے اس میں کراہت ہے (انتہی) مذکورہ علماء کے اقوال،درازی وکشادگی کی حرمت وکراہت میں صریح ہیں لیکن لفظ عادت ومعتاد کے دخل کرنے میں ایک قسم کے جواز کا اشارہ ہے۔اس میں انہیں معذور گردانتے ہیں۔

حرمین شریفین زادہما تَعْظِیْمًا وتَشْرِیْفًا کے بعض اکابر سے سنا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ لباس کا یہ انداز ہمارا عرف وشعار ہو گیا ہے اگر نہ کریں تو ہم پہچانے نہ جائیں اور ہماری عزت ختم ہو جائے لیکن کلام اس میں ہے کہ ایسا عرف وشعار کیوں بنایا گیا ہے۔جو خلاف سنت ہے واللہ اعلم۔بہر تقدیر تہبند وغیرہ میں اسبال ودرازی کی حرمت وکراہت کے سلسلے میں جو کچھ آیا ہے وہ خیلاء تکبر اور تزئین کے قصد کے ساتھ مقید ہے۔اور جہاں ایسا قصد نہ ہو مثلاً سردی وغیرہ سے بچنا یا کوئی اور عذر وغیرہ تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے۔حدیث مبارک میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عادت ووضع ایسی ہو گئی تھی کہ آپ کا تہبند نیچے لٹکا کرتا تھااور اسبال ہی کی صورت میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔جب اس بارے میں ممانعت واقع ہوئی تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار کیا کہ میرے تہبند کی یہ حالت ہے میں کیا کروں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان میں سے نہیں ہو جو مغرور متکبر لوگوں کی عادت بنی ہوئی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس جگہ ازار کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس کے معنی تہبند کے ہیں لیکن وہ ازار جو عجمیوں کے عرف میں ہے اور اہل عرب اسے سراویل کہتے ہیں اور جسے ہم پائجامہ کہتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنا ہے یا نہیں۔ اس پر بعض علماء نے جزم ویقین کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہیں پہنا ہے اور ابو یعلیٰ موصلی اپنی مسند میں بسند ضعیف، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لاتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک دن بازار گیا تو حضور بزاز کی دکان میں تشریف فرما ہوئے پھر ایک سراویل (پائجامہ) چار درہم میں خریدا اور اہل بازار کا ایک وزان یعنی تولنے والا تھا جو درہم کو تولا کرتا تھا اس سے حضور نے ارشاد فرمایا وزن کر اور خوب اچھی طرح ٹھیک وزن کر اس پر اس وزّان نے کہا میں نے یہ کسی سے نہیں سنی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وزّان سے فرمایا افسوس ہے تجھ پر تو نہیں جانتا آپ ہمارے نبی ہیں۔ پھر تو وہ ترازو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی طرف جھکا اور چاہا کہ حضور کے دست مبارک کو بوسہ دے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ لیا۔ اور فرمایا: اے فلاں! ایسا عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں میں تمہیں میں کا ایک شخص ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراویل لے لی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ میں اٹھالوں۔ فرمایا مال کا مالک زیادہ حق دار ہے کہ وہ خود اپنے مال کو اٹھائے مگر یہ کہ وہ کمزور یا مجبور ہو۔ اور اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسے مسلمان بھائی کی مال کے لے جانے میں مدد دینی چاہئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا پہننے کے لئے سراویل خرید فرمائی ہے۔ فرمایا ہاں! میں اسے سفر وحضر اور دن اور رات میں پہنوں گا۔ اس لئے کہ مجھے خوب ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس سے بہتر ستر پوش دوسرا لباس نہیں دیکھا اس حدیث کو بکثرت محدثین نے بسند ضعیف روایت کیا ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو خریدنا صحت کے ساتھ ثابت ہے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ اس کا خریدنا پہننے کے لئے تھا۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنا اور آپ کی اجازت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پہنا۔ (واللہ اعلم)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین لباس قمیص مبارک تھی۔ اگرچہ تہبند اور چادر شریف بھی بہ کثرت زیب تن فرماتے تھے لیکن قمیص کا پہننا زیادہ پسندیدہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کا پیرہن مبارک سوتی اور تنگ دامن وآستین والا تھا اور آپ کی قمیص مبارک میں تکمے یعنی گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ بلاشبہ علماء محدثین اور دیار عرب کے تمام حصوں میں معروف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک میں سینہ کے مقام پر جیب تھی۔ اور یہ قمیص کی سنت ہے۔ یہ جو ماوراء النہر اور پاک وہ ہند کے لوگوں میں معروف مشہور ہے کہ گردن کے دونوں طرف دو تکمہ لگاتے ہیں عرف عرب میں یہ عورتوں کے ساتھ مشہور ہے۔ اور مردوں کے سینہ پر تکمے ہوتے ہیں اور ان شہروں میں اصطلاح اس کے برعکس ہے۔

حکایت: مجھے یاد ہے کہ ایک دن میں حرم شریف میں ایک ہندی رفیق کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جس کی قمیص میں ہمارے ملک کے دستور کے مطابق تکمے لگے ہوئے تھے تو ایک عربی عالم بار بار میرے آگے آتا جاتا اور اس ہندی شخص کو دیکھتا۔ اس عرب سے کہا گیا یا سیدی کیا دیکھتے اور کیا جستجو فرماتے ہو! اس عالم نے کہا اس شخص کو شرم نہیں معلوم ہوتی کہ عورتوں جیسا لباس پہنے حرم الٰہی میں بیٹھا ہوا ہے۔

معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا تا کہ حضور کی متابعت کروں اس وقت میں نے دیکھا کے حضور کے پیرہن شریف کے تکمے کھلے ہوئے ہیں تو میں نے آپ کی قمیص مبارک کی جیب میں ہاتھ ڈال کر مہر نبوت کو چھوا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک میں جیب تھی اور جسے اس کا علم نہیں وہ اس کے برعکس خیال کرتا ہے۔ (انتہی)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر شریف کی لمبائی چار گز شرعی اور اس کا عرض دو گز شرعی اور ایک بالشت تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ ازار لئے ہوئے تھے۔ جو جنبش کرتا تھا۔ مروی ہے کہ حضور کے اپنے تہبند کو سامنے کی جانب لٹکاتے۔ اور عقب میں اونچا رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر ناف تہبند باندھے دیکھا ہے اور آپ کی ناف ظاہر تھی۔ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ناف کے اوپر تہبند باندھے دیکھا ہے ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمارے لئے درشت مرقع تہبند اور چادر نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت کے ساتھ ان کپڑوں میں رحلت فرمائی ہے۔ سیّدہ اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عنہما فرماتی ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور کا جبہ شریف تھا جب ان کا وصال ہوا تو اسے میں نے لے لیا اور ہم بیماریوں کی شفا کی خاطر اسے دھو کر پلاتے تھے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ تنگ آستین کا پہنا ہے اور وضو کے وقت دستہائے مبارک کو آستین سے نکال کر جبہ کو کندھوں پر یا پشت پر ڈال لیتے اس کے بعد ہاتھوں کو دھوتے۔ یہ حالت سفر کی تھی۔ کیونکہ سفر میں آپ تنگ لباس پہنا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرہ پہننے کو پسند فرماتے تھے۔ یہ ایک قسم کی چادر ہے جسمیں سرخ دھاریاں تھیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا اور آپ کے جسم اطہر پر سرخ جوڑا تھا تو میں کبھی آپ کو دیکھتا تھا۔ اور کبھی چاند کو۔ میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے زیادہ حسین تھے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا ایک روایت میں ہے کہ کسی چیز کو نہ دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرخ جوڑے میں آپ سے زیادہ حسین ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے کسی خمدار زلفوں والے کو سرخ جوڑے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوشتر نہیں دیکھا۔ اس کی تحقیق حلیہ شریف کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ پر اپنے سرخ حلہ کو پہنا کرتے تھے۔ حلہ جوڑے کو کہتے ہیں جس میں چادر اور تہبند ہوتا ہے۔ حلہ یعنی جوڑا دو کپڑے کو کہتے ہیں۔ یا اس کپڑے کو جو استر دار ہو۔ اور حمراء یا احمر اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں سرخ دھاریاں ہوں۔ جیسا کہ آج بھی ہمارے ملک میں ہوتا ہے۔ اور یہی وہ چادر شریف ہے جو ''برد یمانی'' کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں۔ اس سے وہ خالص سرخ ہونا مراد نہیں ہے۔ جس کی ممانعت کی گئی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر سرخ رنگ کا لباس دیکھ کر فرمایا یہ کفار کا لباس ہے اسے نہ پہنو۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت میرے جسم پر سرخ رنگ کا لباس تھا۔ حضور نے فرمایا تم نے اسے کہاں سے لیا ہے۔ میں نے عرض کیا میری بیوی نے میرے لئے بنا ہے فرمایا اسے جلا دو۔

بعض لوگوں کو اس حدیث سے اشتباہ ہوتا ہے کہ سرخ لباس جائز ہوگا یہ خطا ہے سرخ سے مراد وہی ہے کہ سرخ دھاریاں تھیں۔ اسی طرح سبز رنگ کے بارے میں حضرت امنہ کی حدیث واقع ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ کے جسم اطہر پر دو سبز چادریں تھیں اور عطاء بن ابی یعلیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ طواف میں سبز چادر شریف سے اصطباغ کئے ہوئے تھے۔ اس سے مراد ایسی چادر ہے جس میں سبز دھاریاں تھیں۔ اگرچہ یہ جگہ خالص سبز ہونے کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ لیکن دیار عرب میں یہی معنی مشہور و معروف ہیں اور زرد رنگ بھی اسی معنی میں ہے کہ زرد رنگ کی

دھاریاں تھیں۔ بعض لوگ حلہ یعنی جوڑے کے معنی ریشمی کپڑا سمجھتے ہیں۔ یہ بھی خطا ہے۔ تحقیق وہی ہے جو مذکور ہو چکی ہے۔

صاحب مواہب نے امام نووی سے سرخ رنگ کے بارے میں علماء کا اختلاف نقل کیا ہے۔ چنانچہ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء کی ایک جماعت نے مباح قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کے قائل، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ ہیں۔ لیکن امام مالک نے فرمایا ہے کہ غیر سرخ لباس افضل ہے۔ اور ایک روایت میں سرخ کپڑا گھروں میں اور سراؤں میں پہننا جائز رکھا ہے۔ اور محفلوں اور بازاروں میں مکروہ قرار دیا ہے۔ اور ایک جماعت اس پر ہے کہ یہ مکروہ بکراہت تنزیہی ہے اور ممانعت کو اسی پر محمول کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حضور سے سرخ جوڑا پہننا ثابت ہو چکا ہے۔ اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ یعنی خالص سرخ نہ تھا۔ بلکہ سرخ دھاریاں تھیں اور بعض نے اس ممانعت کو حج و عمرے کے احرام پہننے والوں پر محمول کیا ہے یہ بھی ایک تکلف ہے اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور مذہب حنفی میں بھی کئی قول ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ بکراہت تحریمی ہے اور اس کے ساتھ بکراہت نماز جائز ہے اور شیخ قاسم حنفی جو ائمہ احناف اور ان کے محققین میں سے ہیں مصر میں تھے انہوں نے تحقیق کی ہے کہ سرخ لباس رنگ کی بنا پر مکروہ ہے۔ خواہ معصفر ہو یا غیر معصفر۔

صاحب مواہب کہتے ہیں کہ بیہقی نے ''معرفت سنن'' میں مسئلہ کا اتفاق کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ امام شافعی نے ایک شخص کو مزعفر یعنی زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے سے منع کیا ہے اور معصفر کو مباح قرار دیا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا میں نے معصفر کپڑے پہننے کی اجازت اسی بنا پر دی ہے کہ میں نے کسی ایک کو ایسا نہ پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت اس بارے میں بیان کرے۔ بجز اس قول کے جو علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع فرمایا اور ہم نہیں کہتے کہ تمہیں بھی منع کیا ہے اور بیہقی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ایسی حدیثیں وارد ہیں جو علی العموم مخالفت پر دلالت کرتی ہیں اور بیہقی نے مسلم کی حدیث بیان کی کہ ''یہ کفار کے لباس میں سے ہے'' اس کے بعد بیہقی نے اور حدیثیں بیان کر کے کہا کہ اگر یہ حدیثیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچتی ہے تو یقیناً وہ اس کے قائل ہو جاتے اس کے بعد بیہقی نے اپنی سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا جس وقت میرے قول کے خلاف کوئی حدیث صحت کو پہنچے تو اس حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو چھوڑ دو اور بیہقی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مزعفر میں سنت کا اتباع کیا ہے اور فرمایا میں نے جو اس شخص کو منع کیا ہے وہ زعفرانی رنگ کے ساتھ ہے اور میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ زعفرانی رنگ کو دھو ڈالے۔ حالانکہ ان کی متابعت معصفر میں اولیٰ تھی (انتہی)۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ معصفر اور مزعفر کپڑا ممنوع ہے۔ اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزعفر سے باز رہنے کا حکم دیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زرد رنگ سے کپڑا رنگا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ زعفران سے اپنے کپڑوں کو رنگا کرتے تھے۔ یعنی اپنی قمیص مبارک اور اپنے عمامہ کو اسے دمیاطی نے روایت کیا ہے۔ اور ابوداؤد کے نزدیک اس طرح کے حضور اپنے لباس کو زعفران سے رنگا کرتے تھے یہاں تک کہ عمامہ کو بھی۔ اسی طرح حضرت زید بن اسلم اور ابن سلمہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث روایت کی گئی ہے۔ لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں، ممانعت کی حدیثوں سے معارض نہیں ہوتیں یا یہ منسوخ ہیں (واللہ اعلم)۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس پہننے کو پسند رکھتے تھے۔ اور فرماتے حسین ترین لباس، سفید کپڑوں کا ہے چاہئے کہ تم میں سے اسے زندہ لوگ بھی پہنیں اور اپنے مردوں کو بھی اس کا کفن دیں۔ اور حضور کبھی کالی کملی بھی اوڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت باہر تشریف لے جاتے تو آپ پر کالی کملی ہوتی اور عمامہ شریف کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تو سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور سیاہ لباس مستحب ہے۔ اور مذہب حنفی بھی یہی ہے۔ اور پشمینہ یعنی ادنی کپڑے بھی پہنتے ہیں

لیکن تطلیس، جس کی تعریف یہ ہے کہ سر پر چادر اس طرح اوڑھنا کے چادر کے دونوں کنارے کندھوں پر پڑے رہیں تو اس کے بارے میں ابن قیم جوزی نے کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے اور نہ اصحاب نبی سے بلکہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ دجال کے ساتھ ستر ہزار اصبہان کے یہودی نکلیں گے جن کے اوپر طیالسہ ہوگا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت دیکھی ہے جن پر طیالیہ تھا۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کیا عجب ہے کہ یہود ان کے مشابہ ہوں۔ جس کی خبر دی گئی ہے اور ابوداؤد و حاکم کی حدیث میں ہے کہ: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی میں سے ہے۔ اور ترمذی کی حدیث میں ہے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ لِغَيْرِنَا۔ وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے غیروں کی مشابہت اختیار کی اور وہ جو ہجرت کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر اس روز تشریف لائے تو چادر لپیٹے ہوئے تھے۔'' تو یہ چھپانے کے لئے تھا تاکہ کوئی آپ کو پہچان نہ ہو سکے۔ اس لئے نہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی (انتہی)۔

ابن قیم نے یہ بات جو کہی ہے خطا ہے کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے کہ ضرورت کی بنا پر یہ عمل تھا۔ اور عادت نہیں تھی۔ اس لئے کہ سہل بن ساعدی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر چادر لپیٹا کرتے تھے اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ نیز بیہقی شعب الایمان میں اور ابن سعد، طبقات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ كَانَ يُكْثِرُ التَّقَنُّعَ حضور اکثر چادر لپیٹا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث اور اس کے علاوہ دیگر حدیثیں ابن قیم کے قول کو رد کر رہی ہیں جو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے کہ چادر لپیٹی، یہ بھی اس حدیث سے مروی ہے جسے حاکم نے مستدرک میں بشرط بخاری قرہ بن کعب سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فتنہ کا ذکر کرتے سنا اور اس کا بہت جلد رونما ہونا بیان فرمایا۔ اتنے میں ایک شخص چادر لپیٹے اور خود کو چھپائے گزرا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن یہ شخص ہدایت پر ہوگا۔ پھر میں کھڑا ہوا۔ تاکہ اس شخص کو دیکھوں کہ وہ شخص کون ہے تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، تھے اور سعید بن منصور، اپنی سنن میں ابوالعلاء سے روایت کرتے ہیں۔ ابوالعلاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے سر پر چادر ڈالے منہ لپیٹے نماز پڑھتے دیکھا ہے اور ابن سعد، سلمان بن مغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو چادر میں ڈھانپے ہوئے دیکھا ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ میں نے امام حسن کو اندقی طیلسان یعنی چادر اوڑھے دیکھا ہے۔ ابن قیم نے یہ جو یہود کے قصہ سے بیان کیا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال اس وقت صحیح ہے جبکہ طیالسہ یہود کا شعار ہو۔ بلاشبہ اب زمانے کے طور و طریق بدل چکے ہیں۔ لہٰذا یہ اب عام اباحت میں داخل ہوگا۔ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ کوعادت مسلمانوں میں عام طور پر رائج ہو جائے اس کا چھوڑنا بے مروتی ہے جیسا کہ فرمایا کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انکار چادر کے رنگ کی بنا پر تھا کہ وہ زرد تھی۔ یہ سب مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔ اور کبائر مشائخ و صلحا سے منقول ہے کہ وہ چادر سے ڈھانپا کرتے تھے۔ اور بہجۃ الاسرار میں ہے وَكَانَ الشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ يَتَطَلَّسُ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خود کو چادر سے ڈھانپا کرتے تھے۔'' غالباً ابن قیم کا انکار اسی پر تھا۔ اور حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے فعل شریف کی بنا پر اس کے انکار میں مبالغہ تھا اس لئے کہ ابن جوزی اور ان کے پیروکار حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ، کے انکار میں گرفتار تھے۔ (تاب اللہ علیہم واللہ اعلم)۔

اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں اطیب و الطف تھے اس لئے اس کی علامت آپ کے بدن شریف میں ظاہر تھی کہ آپ کے جسم اطہر سے لگنے کی وجہ سے آپ کے کپڑے میلے نہ ہوتے تھے۔ اور نہ آپ کے لباس مبارک میں جوں پڑتی تھی اور نہ

کپڑوں پر اور نہ آپکے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی تھی جیسا کہ حدیث مبارک میں آیا ہے لیکن اس حدیث سے اشکال کیا جا سکتا ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے شمائل میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس وقت ان سے دریافت کیا گیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں تشریف فرما ہوتے تو کیا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْلِيْ ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَه ۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑوں میں جوں تلاش کرتے اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے۔ اور اپنی نعلین مبارک کو سیا کرتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ شاید حضور کے کپڑوں میں کسی دوسرے شخص سے جوں آ گئی ہو، بغیر اس کے بدن لطیف سے پیدا ہوئی ہو اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس جگہ لفظ ''فلی'' کا اطلاق خس وخاشاک کے چننے پر اور ان چیونٹیوں کے تلاش کرنے پر ہے جو زمین سے عموماً کپڑوں میں چڑھ آتی ہیں بطور مجاز ہو۔ یہ بھی ایک ''فلی'' کی ہی صورت ہے مطلب یہ کہ حضور اپنے لباس مبارک کو دیکھ بھال فرمایا کرتے اور اسے اس طرح پاک وصاف فرماتے تھے جس طرح عام طور پر لوگ کپڑوں میں جوں تلاش کرتے ہیں۔ اس مسکین (صاحب مدارج النبوۃ) کے ذہن میں یہی معنی بیٹھتے اور قرار پکڑتے ہیں۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)۔ مواہب میں اسے اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے لحاظ سے جوں آپ کو ایذا نہ دیتی تھی۔ مگر یہ عبارت جوں کی ایذا کی نفی تو ظاہر کرتی ہے لیکن اس کے وجود کی نفی ظاہر نہیں کرتی۔ ممکن ہے کہ ملزوم کی نفی سے لازم کی نفی کی طرف اشارہ ہو۔

انگشتری مبارک: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباسہائے مبارک میں سے انگشتری بھی تھی۔ جسے آپ پہنا کرتے تھے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری چاندی کی تھی۔ اور وہ انگشتری آپ کے دست مبارک میں ہی رہی آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ یہاں تک کہ وہ بیراریس میں گر پڑی۔ بیراریس ایک کنوئیں کا نام ہے جو مسجد قبا کی جانب ہے۔ ترمذی میں ہے کہ یہ انگشتری معیقب کے ہاتھ سے بیراریس میں گر پڑی، معیقب، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے خادم کا نام تھا۔ یہ بھی صحابی ہیں (رضی اللہ عنہ،) سے مروی ہے کہ اس انگشتری کو بہت تلاش کیا گیا اور کنوئیں کا پانی تک نکالا گیا اور اسے صاف کیا گیا مگر دستیاب نہ ہوئی۔ علماء فرماتے کہ اس انگشتری میں کچھ اسرار تھے جس سے کارہائے ملک وملت کا انتظام وابستہ تھا جس طرح کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری میں صفت تھی۔ کیونکہ اس انگشتری کے گم ہو جانے کے بعد ان کے ملک میں تفرقہ وفتور نے راہ پائی۔ جیسا کہ مشہور ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری گم ہو جانے کے بعد تفرقے اور فتنے ظہور پذیر ہوئے۔ اور اس کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل وشہادت سے ہوئی اور قیامت تک فتنے اور خون خرابے ہوتے رہیں گے۔ نیز صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک چاندی کی تھی اور اس میں حبشی نگینہ تھا۔ حبشی کے معنی میں کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سنگ سیاہ تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر تھا جو حبشہ میں ہوتا ہے اور اس کی کان حبشہ میں تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا بنانے والا حبشی تھا اور حضور انگشتری کے رنگ کو ہتھیلی کی جانب رکھتے اور متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی۔ فرمایا کیا بات ہے کہ میں تیرے پاس جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں اس کے بعد اس سے فرمایا چاندی کی انگوٹھی بنا اور اسے ایک مثقال یعنی ساڑھے تین ماشے سے زیادہ نہ کر۔ ایک روایت میں ہے کہ پورے ساڑھے تین ماشہ نہ کرنا یعنی اس سے کچھ کم رکھنا۔ اسی طرح سے ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی جس سے بتوں کو ڈھالا جاتا تھا۔ پیتل چونکہ سونے کا ہم رنگ ہوتا ہے اس لئے عربی میں پیتل کو ''شبہ'' کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا مجھے کیا ہوا کہ بتوں کی بو پاتا

ہوں۔اس پر اس شخص نے انگوٹھی کو پھینک دیا۔اور ترمذی کی حدیث میں ''من صفر'' (زرد رنگ) آیا ہے صفر کے معنی بھی پیتل کے ہیں۔ اسی طرح رانگ اور پیتل کی انگوٹھی مکروہ ہے۔اور لوہے کی انگوٹھی جائز ہونا بظاہر صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا جس نے اپنے نفس کو شوہر کے سپرد کیا کہ: اُطْلُبْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيْدٍ ۔مانگو اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔اس حدیث سے جواز پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ ضعیف ہے اور اس لئے بھی کہ اس سے اس کا پہننا معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ مراد قلیل و حقیر چیز ہے۔اور سنن ابوداؤد میں معیقب سے باسناد جید مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری لوہے کی تھی جس پر چاندی لپیٹی ہوئی تھی۔ (واللہ اعلم)

اب رہی سونے کی انگوٹھی تو اس میں صحیحین میں براء ابن عازب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کو منع فرمایا ہے۔ نیز صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نے سونے کی انگوٹھی بنوائی۔اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور دست مبارک سے اس انگوٹھی کو نکال کے پھینک دیا۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نکال کے پھینک دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوانے سے منع فرمایا۔یہی ہے ائمہ اربعہ اور اکثر علما کا مذہب۔اور یہ جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ سونے کی انگوٹھی رکھتے تھے ''غریب'' ہے جسے بخاری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ابی اسید رضی اللہ عنہ، بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ سے ان کی موت کے وقت لوگوں نے سونے کی انگوٹھی اتار دی۔ (واللہ اعلم)

ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی سونے کی انگوٹھیاں نکال کے پھینکیں تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اسے نہ اٹھایا۔بعض نے کہا بھی کہ کیوں نہیں اٹھاتے تمہارا مال ہے انہوں نے جواب دیا ہم اسے ہرگز نہ اٹھائیں گے جس کی حضور نے ممانعت فرمائی ہے اور اسے مکروہ جانا ہے۔

عقیق کی انگوٹھی کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عقیق کی انگوٹھی پہنو اور داہنا ہاتھ زینت کا زیادہ مستحق ہے۔ایک روایت میں ہے کہ عقیق کی انگوٹھی پہنو کیونکہ یہ محتاجی کو دور کرتا ہے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ مبارک ہے اور سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عقیق کی انگوٹھی پہنی وہ خیر دیکھے گا۔اور حدیثیں بھی مروی ہیں لیکن علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیق کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے۔اور امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاقوت زرد کی انگوٹھی پہننا طاعون سے محفوظ رکھتا ہے۔اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اور چاندی کے نگ کی انگوٹھی کے بارے میں بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انگوٹھی بھی چاندی کی تھی اور رنگ بھی چاندی کا تھا اور مسلم میں ہے کہ انگوٹھی چاندی کی تھی اور رنگ حبشی تھا جیسا کہ گزرا علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے دو انگوٹھی ہوں۔ایک ایسی اور دوسری ویسی کبھی اسے پہنتے اور کبھی اسے۔اور انگوٹھی کے نقش کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ'' نقش کرایا۔اور لوگوں کو منع فرما دیا کہ اپنی انگوٹھیوں میں اُسے نقش نہ کریں۔اور بخاری و مسلم میں ہے کہ انگوٹھی کا نقش تین سطر میں تھا۔ایک سطر میں محمد دوسری سطر میں رسول، اور تیسری سطر میں اللہ۔اور فتح الباری میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ کتابت اس طرح ہوگی کہ محمد کی سطر اوپر اور رسول کی سطر درمیان میں اور اس کے بعد اللہ، اور فرمایا، (لیکن بعض مشائخ کا یہ کہنا ہے) کہ اسم جلالت اوپر تھا اور اسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اور درمیان میں رسول

تھا۔ میں نے کسی حدیث میں اس کی تصریح نہ پائی۔ بلکہ بخاری کی روایت کا ظاہر اس کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ کہا گیا ہے کہ سطر اول محمد، سطر ثانی رسول اور سطر ثالث اللہ جیسا کہ صاحب مواہب نے فرمایا۔ لیکن انگوٹھی پہننے کے باب میں اکثر اخبار وآثار اس طرح ہیں کہ داہنے ہاتھ میں بھی پہننا مروی ہے۔ اور بائیں ہاتھ میں بھی۔ اور صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ خواہ داہنے ہاتھ میں پہنے خواہ بائیں ہاتھ میں جائز ہے۔ البتہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ کون سے ہاتھ میں افضل ہے بعض کہتے ہیں کہ بائیں ہاتھ میں یہ نص امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور صالح بن امام احمد رحمتہ اللہ کی روایت میں ان سے مروی ہے کہ میرے نزدیک بائیں ہاتھ میں پہننا اچھا ہے اور یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہنے۔ اسی طرح امام احمد وامام شافعی کا مذہب ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔ (واللہ اعلم)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس انگلی میں انگشتری پہنتے تھے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا کی طرف اشارہ کیا۔ اسی طرح ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ بعض حفاظ حدیث بیان کرتے ہیں کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا عام صحابہ وتابعین سے مروی ہے اور بعض علماء داہنے ہاتھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اجمعین کا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو روایت کرتے ہیں۔ اس لئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ممکن ہے کبھی داہنے ہاتھ میں پہنتے ہوں اور کبھی بائیں ہاتھ میں اور بعض کہتے ہیں کہ بائیں ہاتھ میں پہننا دونوں میں آخری ہے یعنی داہنے ہاتھ میں پہننا منسوخ ہے اور حق یہ ہے کہ اس کی صحت میں کلام ہے۔ یہ سب باتیں مواہب میں مذکور ہیں۔

اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور کبھی انگشتری میں یادداشت کیلئے دھاگہ باندھتے تھے تاکہ فراموش نہ کرسکیں۔ دو انگوٹھی یا زیادہ پہننا مکروہ ہے۔ خصوصاً چاندی کی۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ عبارت سے کراہت ظاہر ہوتی ہے یعنی حرام نہیں ہے۔

دراصل انگوٹھی پہننے میں بھی اختلاف ہے اکثر اس کو مباح رکھتے ہیں اور غیر مکروہ یعنی جائز اور بعضے بقصد زینت مکروہ قرار دیتے ہیں اور بعضے مطلقاً مکروہ کہتے ہیں مگر بادشاہ، صاحب سلطنت اور حکم کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ حدیث میں بھی ایسا ہی آیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو انگوٹھی بنوائی تھی وہ اسی غرض کے لئے تھی۔ مطلب یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں اور امرائے وقت یعنی قیصر وکسریٰ اور حبشہ کو فرمان لکھنا چاہا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ لوگ بغیر مہر کے خط کو قبول نہیں کرتے اور نہ اسے پڑھتے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ نقش کرایا۔ اور ابن عبدالبر نے مطلقاً کراہت نقل کی ہے۔ اور وہ حدیث لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی مگر پہنی نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چند روز پہنی پھر اتار دی (واللہ اعلم)

خفین شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے پہنے ہیں اور اس پر مسح کرنا صحت کو پہنچا ہے ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نجاشی شاہ حبش نے حضور کے لئے بطور نذرانہ سیاہ وسادہ دو موزے بھیجے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہنا اور ان پر مسح فرمایا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ حضرت وحیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو موزے بھیجے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہنا۔

نعلین مبارک: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نعلین شریف پہنا کرتے تھے اگر پاؤں کو بالکل ڈھانپ لے تو وہ موزہ کہلاتا ہے ورنہ نعلین کہتے ہیں۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین دو قبال کی تھیں۔ قبال جوتی کے فیتوں کو کہتے ہیں اور فیتے وتسمے دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ ترمذی نے شمائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

کی ہے کہ دو تسمے تھے جو ورتہ کے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جو کوئی جوتی پہنے اسے چاہئے کہ پہلے دائیں پیر سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں سے (الحدیث) اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوتی پہن کر چلنے سے منع فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ غیر عادی عمل ہے اور گرنے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا بعض امراض کے پیدا کرنے کا باعث ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضور نے اپنے کاشانہ میں ایک نعل مبارک پہنی ہے۔ احتمال ہے کہ ایسا شاید کسی چیز کو اٹھانے کے لئے کیا ہو اور فاصلہ کم ہو اور ایک جانب کے پاؤں ملوث ہو جانے کا خطرہ ہو اور تب انہوں نے ایسا دیکھا کہ اسی جانب نعل شریف پہنے ہوئے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بیان جواز کے لئے ہو خصوصاً ایسی صورت حال میں۔ اور مواہب میں ابوداؤد و ترمذی سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر جوتی پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اور بعض علماء نے نعلین شریف کی تمثال و نقشے میں علیٰحدہ رسالے لکھے ہیں اور اس سے برکت و نفع اور فضل حاصل ہونا بیان کیا ہے۔ اور مواہب میں اس کا تجربہ لکھا ہے کہ مقام درد پر نعلین شریفہ کا نقشہ رکھنے سے درد سے نجات ملی ہے اور پاس رکھنے سے راہ میں لوٹ مار سے محافظت ہو جاتی ہے اور شیطان کے مکروہ فریب سے امان میں رہتا ہے اور حاسد کے شر و فساد سے محفوظ رہتا ہے مسافت طے کرنے میں آسانی ہوتی ہے اس کی تعریف و مدح اور اس کے فضائل میں قصیدے لکھے گئے ہیں۔

بستر مبارک: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک کے بارے میں صحیحین میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ کا بستر مبارک جس پر آپ استراحت فرماتے تھے چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کے ریشے کوٹے ہوئے بھرے تھے اور بیہقی نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا انہوں نے فرمایا میرے پاس ایک انصاری عورت آئی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر شریف دیکھا کہ دوتہ کی ہوئی ٹاٹ کا بستر ہے تو اس عورت نے میرے پاس ایسا بستر بھیجا جس میں اون بھری ہوئی تھی جب حضور تشریف لائے اور اسے ملاحظہ فرمایا تو فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاح انصاری عورت میرے پاس آئی تھی اس نے آپ کا بستر شریف دیکھا تو یہ بستر اس نے بھیج دیا۔ فرمایا اسے واپس کر دو اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اس کے بعد فرمایا اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ حاضر کر دیتا۔ مطلب یہ کہ میرا بستر میرا زہد اور میری ریاضت ہے۔ فقر و ناپیدی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنے رب کی محبت میں اور اس کی رضا میں میں نے اسے اختیار کیا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر آرام فرما تھے اور چٹائی کا نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑا ہوا تھا اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، کاش کہ آپ اس سے بہتر و نرم بستر پسند فرماتے؟ فرمایا مجھے دنیا سے کیا لینا ہے۔ میرا قصہ اور میری داستان، اور دنیا کی داستان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار گرامی میں سفر کر رہا ہو پھر ستانے کے لئے کچھ دیر ایک درخت کے نیچے بیٹھ جائے اس کے بعد وہ سفر کو چل دے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک گرم کوٹھری میں (گویا کہ وہ حمام ہے) چٹائی پر سو رہے تھے اور اس کا نشان آپ کے پہلوئے مبارک پر پڑ گیا میں یہ حالت دیکھ کر رونے لگا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے۔ کس نے تمہیں رلایا اے عبداللہ رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا قیصر و کسریٰ تو دیبا و حریر کے فرش پر سوئیں اور آپ چٹائی پر فرمایا اے عبداللہ رضی اللہ عنہ! "روؤ نہیں ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔" اس حدیث کا مضمون حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس سے زیادہ مفصل مذکور ہے۔ فرمایا کہ جب حضور چٹائی پر استراحت فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ کے جسم اطہر پر بجز تہبند کے کچھ نہ تھا اور چٹائی کے نشان آپ کے پہلوئے اقدس پر پڑ

گئے تھے اور آپ کے کاشانہ اقدس کے گوشے میں ایک صاع کے برابر جو پڑے ہوئے تھے۔ اور ایک کھال دیوار پر آویزاں تھی۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خطاب کے فرزند! کس چیز نے تمہیں رولایا۔ میں نے عرض کیا'' یا نبی اللہ! میں کیوں نہ روؤں جب کہ قیصر وکسریٰ تر باغوں اور نہروں میں سونے کے تختوں پر دیباو حریر کے بستر پر سوئیں اور آپ خدا کے نبی چٹائی پر اس حال میں آرام فرمائیں۔'' فرمایا اے ابن خطاب! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ چٹائی پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہوئی تھی اور سر مبارک کے نیچے ٹاٹ کا تکیہ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا رکھا تھا، مروی ہے کہ فرمایا یہ وہ قوم ہے جن کو دنیا میں اچھی اچھی چیزیں دینے میں جلدی کی گئی ہے۔ اور ہم وہ قوم ہیں جنہیں آخرت میں اچھی اچھی چیزیں دینے کے لئے دیر کی گئی ہے۔ منقول ہے کہ اگر حضور کے لئے بستر بچھا دیا جاتا تو اس پر آرام فرما لیتے تھے ورنہ زمین پر ہی استراحت فرمالیت تھے۔

نوع سوم، در نکاح مبارک

وصل: اب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح اور جماع کے بارے میں عادت کریمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ جماع، حفظ صحت کے اسباب میں سے ہے اور منی کا روکنا اور اس کے اخراج سے باز رہنا اور اس کی عادت بنالینا، ضعف قویٰ اور اس کی رگوں کا خشکی اور قسم قسم کے امراض ردیہ کے پیدا ہونے کا موجب و باعث ہے۔ مثلاً وسواس، جنون اور مرگی وغیرہ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ قوت اور اعتدال مزاج اور اس میں زیادتی اور کثرت نہ ہو جس کی قوت زیادہ ہے اسے ترک جماع بہت زیادہ مضر ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت تمام مردوں سے زیادہ تھی۔ ابن سعد نے طاؤس و مجاہد سے روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس مردوں کے جماع کی قوت دی گئی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ جنتی چالیس اور چند مردوں کے کھانے پینے اور جماع کی قوت دی گئی ہے امام احمد و نسائی اور حاکم نے زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کی حدیث مرفوعاً روایت کی ہے کہ ایک جنتی مرد کو سو مردوں کے کھانے پینے اور شہوت و جماع کی قوت دی جاتی ہے۔ صفوان بن سلیم سے مرفوعاً مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام ایک دیگ پکی ہوئی لائے اور میں نے اس میں سے کچھ کھایا تو مجھے چالیس مردوں کے جماع کی طاقت دی گئی اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ دیگر ہریسہ کی تھی۔ محدثین ان حدیثوں کو وضعی قرار دیتے ہیں جیسا کہ گزرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نکاح کرو کیونکہ جس کی ازواج زیادہ ہیں وہ سب سے افضل ہے۔ یا تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ ہے یا عام بات ہے شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی خوبی بیان کرنا ہے۔ بندۂ مسکین (صاحب مدارج) کہتا ہے کہ مراد تمام امت ہے کیونکہ اس میں اتفاق ہے کہ اہل عرب، مردوں میں جماع کی قوت پر فخر ومباہات کرتے تھے۔ اور یہ بات مسلم ہے اور اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی کہ حضور سید الانبیاء صلوات اللہ علیہ وعلیہم اس فعل کو شرف بخشتے تھے اور وظیفہ نکاح کی زیادتی میں حد، چار آزاد عورتیں ہیں اور اسے مباح کیا گیا ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف نہ لے گئے جب تک کہ آپ کے لئے جتنی چاہئیں عورتیں حلال نہ ہوئیں اور آپ میں ازواج کی محبت پیدا کی گئی۔ فرمایا: اَصْبِرُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَلَا اَصْبِرُ عَنْهُنَّ میں کھانے پینے سے تو رک سکتا ہوں لیکن ازواج سے نہیں رک سکتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چار خصلتوں میں لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے سماحت (جودوسخا) کثرت جماع، شجاعت، اور شدت گرفت، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں سے جماع کی قوت انسانیت کا کمال ہے۔ اور

حضرت خلیل اللہ صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ جو کہ ابوالملت اور امام الحنفاء ہیں اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جو کہ جہان کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھیں اور حضرت ہاجرہ جوان کی زوجہ تھیں آپ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے صحبت کے لئے روزانہ براق پر شام سے تشریف لاتے تھے کیونکہ ان سے آپ کو خاص لگاؤ اور محبت تھی اوز ان سے صبر کی تاب کم تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بی بیاں تھیں انہیں اچھا معلوم ہوا کہ سو کی تعداد پوری ہو جائے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام ننانوے ازواج پر تشریف لے جاتے اور آپ کے صلب میں سو مردوں کی طاقت تھی۔ یہ ان کا معجزہ تھا ان کی تین سو بیبیاں اور ایک ہزار باندیاں تھیں۔ (کذافی المواہب)۔

اس جگہ یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس خصوص میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فوقیت تھی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے فضائل کے پہلو میں یہ محو ومستور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماع کو بقدر کفایت اختیار فرماتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نبی اور بادشاہ تھے اور انہیں ایسا ملک دیا گیا جو ان کے بعد کسی کو نہ دیا گیا۔ اور عورتوں کی کثرت تعداد بھی ان کے ملک کی قسم میں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت، عبودیت اور فقر کو اختیار کئے ہوئے تھے اور یہ قوت جماع جو آپ کو حاصل تھی معجزے میں داخل ہے کہ ایک رات میں تمام ازواج مطہرات پر دورہ فرماتے وہ ازواج گیارہ تھیں اور ایک روایت کے مطابق نو تھیں۔ یہ قوت کثرت سے روزے رکھنے اور صوم وصال فرمانے اور شدت بھوک میں اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھنے کے باوجود ہے۔ اور عادت کے مطابق کھانے پینے کے قسم سے مقویات کا استعمال حضور کے حق میں نادر تھا یا معدوم۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن وجمال، رنگت کا نکھار اور رخ انور کی چمک ودمک کی حالت میں جو کہ عام طور سے لذیذ ومشتہی کھانوں کے استعمال اور نرم ونازک لباسوں کے پہننے اور مخملی بستر پر سونے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ تمام باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عالم ظاہر میں نہ تھیں اس کے باوجود عالم ظاہر میں آپ کی یہ حالت معجزات میں سے ہے البتہ بعض انبیاء کرم علیہم السلام اصلاح وقت کی خاطر اور حکم الٰہی سے عدیم النکاح اور قلیل الازواج بھی گزرے ہی لیکن ان میں یہ شان اور یہ کثرت نہ ہوتی اور اس میں ان کے مبالغہ کرنے کو عیب ونقص کی نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔ حَاشَا لِلّٰہِ وَعَیَاذًا بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ۔ بلکہ دوسروں کے اعتبار سے ان میں اس فضیلت وکمال کے وجود کو زیادہ افضل واکمل ماننا چاہئے۔ اور بعض متقشع زاہد جن میں جہالت اور رہبانیت کی صفت ثابت ہے اس معاملہ میں حسن اعتقاد ومعقولیت کے برعکس راہ چلتے ہیں اور اس خصلت کو محض لذات حسیہ سے خیال کرتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ اس میں ایسے اسرار وفوائد اور منافع مضمر ہیں جو اس کے ماسوا میں نہیں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک حسن لطافت اور کثرت ازواج کے وجود کی دلیل کافی ہے نکاح وجماع کے فوائد ومنافع بہت ہیں ان میں سے عمدہ ترین، سلسلہ تناسل اور نوع انسانی کا دوام اور اس کی بقا ہے یہ سلسلہ اس وقت تک رہے گا جب تک خدا کو منظور ہے۔ اس کے سوا قضاء حاجت، حصول لذت وشوق از مباشرت اور تمتع یہ نعمت الٰہی ہے اور یہ ایسی نعمت ومنفعت ہے، جو جنت میں بھی ہوگی لیکن وہاں سلسلہ تناسل اور اخراج منی نہ ہوگی۔ اس کے سوا منی کے روکنے سے متعدد امراض پیدا ہوتے ہیں اور اسکے منافع میں سے یہ بھی ہے کہ نگاہ میں تیزی اور منی کا اخراج ہوتا ہے جس سے ضرر رساں چیزوں کا ازالہ ہو کر صحت کی حفاظت ہوتی ہے جیسا کہ گزرا اور عورت ومرد کا نفس کسی گناہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور عورت ومرد کی محبت نکاح کے فوائد میں سے یہ ہی کہ بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں زیادہ تکلیف اٹھائی جاتی ہے اور ان کی کج خلقی اور دکھ دینے والی باتوں پر صبر کرنا پڑتا ہے اور یہ وہ فائدہ ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتم واشد طریقہ سے حاصل فرماتے تھے کیونکہ یہ اتم واکمل عبادت ہے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ اجر وثواب ہے اور مذہب حنفی میں مجرد رہنے سے مطلق نکاح کرنا افضل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی ترغیب دی ہے چنانچہ فرمایا، محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو اس لئے کہ میں روز قیامت اپنی امت کی کثرت اور ان کی زیادتی پر دیگر امتوں پر فخر ومباہات

فرماؤں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا میں عورتوں سے صحبت کرتا ہوں باوجود ان کی جانب میلان نہ ہونے کے۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ میری پشت سے اسے پیدا فرمائے جس کی وجہ سے روز قیامت دیگر امتوں کے سامنے حضور کثرت امت پر فخر فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا جو نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو کیونکہ روزہ، قوت باہ کو توڑتا اور اس کے مادہ کو فنا کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اجر وثواب میں روزے سے نکاح اعظم ہے اس لئے کہ حضور نے روزہ رکھنے کا حکم اسی بنا پر فرمایا کہ وہ نکاح کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جب نکاح سے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کثرت مقصود ہو تو نکاح افضل ہوگا۔ بلاشبہ حضور کا ارشاد ہے: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور رہبانیت سے مراد ترک نکاح ہے۔ اگر ترک نکاح افضل ہوتا تو یقین ہے کہ ہمارے دین میں جو سب دینوں سے افضل و برتر ہے اسے شروع کیا جاتا۔

وجہ حکمت کثرت تزویج رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے نکاح فرمانا جو حضور کے ساتھ خاص ہے اس کا مقصد اندرون خانہ کے احکام کی تبلیغ تھی اور یہ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں معلوم ہوں۔ اور آپ کی اس سیرت پاک سے مطلع ہو جائیں چند مرد مطلع نہیں ہو سکتے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات ایسی تھیں جن کے باپ اور چچا مر چکے تھے۔ مثلاً سیّدہ ام صفیہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد اس زمانے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے دشمن تھے وغیر ذالک۔ اگر یہ ازواج مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے کمال حسنِ خلق پر مطلع نہ ہوتیں تو انسانی طبیعتیں اپنے آباء واقارب کی طرف مائل ہونے کا اقتضاء کرتیں لہٰذا ازواج کی کثرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کے ظاہر و باطنی کمالات کا اظہار و بیان ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین)۔

تنبیہہ: حدیث مبارک حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ (مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں محبوب کی گئی ہیں) یہ حدیث اسی طرح تمام زبانوں پر مشہور ہے۔ لیکن امام غزالی، احیاء العلوم میں اور صاحب کشاف۔ ''آل عمران کی تفسیر میں اور فقہ کی اکثر کتابوں میں اس طرح واقع ہوا ہے۔ اس عبارت پر ایک اعتراض وارد ہے وہ یہ کہ ''نماز دنیا میں سے نہیں ہے۔'' اس کے جواب میں ارباب تحقیق، محدثین فرماتے ہیں کہ طرق حدیث کے تتبع وتلاش کے بعد ہمیں پتہ چلا ہے کہ حدیث میں لفظ ثلث نہیں ہے۔ لہٰذا اعتراض جاتا رہتا ہے اور اکثر طرق میں لفظ ''من الدنیا'' بھی نہیں ہے۔ اس تقدیر پر تو اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ ہم نے اس معنی کی تحقیق اور اس حدیث کی شرح اور اس کے معنی ونکات کا بیان مشکوٰۃ شریف کی شرح میں کر دیا گیا ہے۔ وہاں دیکھنا چاہئے۔

خواب واستراحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند، بقدر اعتدال تھی۔ قدر ضرورت سے زیادہ آپ سویا نہ کرتے تھے اور نہ آپ قدر ضرورت سے زیادہ اپنے آپ کو باز رکھا کرتے تھے اسی ضمن میں یہ ہے جو حدیثوں میں بھی مروی ہے کہ جو چاہتا کہ خواب میں حضور کو دیکھے تو وہ آپ کو خواب میں پاتا اور جو چاہتا کہ حضور کو نماز میں دیکھے تو وہ آپ کو نماز میں پاتا۔ مطلب یہ کہ حضور قیام بھی فرماتے اور خواب بھی فرماتے جیسا کہ نوافل وعبادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی اور کبھی رات میں خواب بھی فرماتے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے اس کے بعد پھر سو جاتے اسی طرح چند مرتبہ سوتے اور اٹھتے تھے۔ اس صورت میں بھی یہ بات درست ہے کہ جو خواب میں دیکھنا چاہتا وہ بھی دیکھ لیتا اور جو بیدار دیکھنا چاہتا وہ بھی دیکھ لیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں داہنی جانب قبلہ رو ہو کر آرام فرماتے۔ رخسار شریف کو داہنی ہتھیلی پر رکھتے اور بصورت تعریس ہاتھوں کو کھڑا کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھتے تاکہ بیداری اور نماز کے لئے کھڑے ہونے میں آسانی ہو اور داہنی جانب کو ابتداء خواب میں اختیار فرمانا جیسا کہ مشہور ہے اس وجہ سے ہے کہ بائیں جانب میں دل معلق رہے اور جب بائیں پہلو پر سویا جائے گا تو دل قائم رہے گا

بیدار رہتا ہے۔'' یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کے جواب میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ حالانکہ یہ سوال، وضو کے ٹوٹنے کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ مطلق سوال ہے جو وتر سے متعلق ہے۔ بغیر ایک حالت سے دوسری حالت کے ساتھ مقید کرنے کے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم باتیں کرتے ہو میں سب سنتا ہوں اس کا حق جواب وہی ہے جو شیخ ابن حجر نے دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کے بل اوندھے لیٹ کر سونے سے منع فرمایا ہے۔ سنن ابوداؤد میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو اپنے منہ کے بل اوندھا سو رہا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پائے اقدس سے ٹھوکر مار کر فرمایا ''اٹھ، بیٹھ جا، یہ جہنمیوں کا سونا ہے۔''

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ چت لیٹ کر سونا بہت برا ہے اور منہ کے بل اوندھے ہو کر سونا تو بہت ہی بدتر ہے۔ کہا گیا ہے کہ بغیر سونے کی غرض کے استراحت کے لئے چت لیٹنا نقصان دہ نہیں ہے۔

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ سونے کی چار ہیئتیں ہیں۔ چت لیٹنا، معبروں کے لئے ہے جو آسمان اور اس کے ستاروں کو دیکھتے ہیں اور اس کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔ اور داہنے پہلو سونا عابدوں اور شب بیداروں کے لئے ہے۔ اور بائیں پہلو پر سونا پرخوروں کے لئے ہے جو کھانے کی ہضم کے لئے راحت و آرام حاصل کرتے ہیں اور منہ کے بل اوندھے سونا بدبختوں اور احمقوں کے لئے ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی فرش پر اور کبھی چمڑے پر، کبھی ٹاٹ پر اور کبھی زمین پر سوتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش یعنی بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی یہ وہ عادات کریمہ تھیں جو کھانے پینے اور لباس و نکاح اور خواب سے متعلق تھیں۔ جنہیں مواہب لدنیہ سے نقل کیا گیا ہے اور اس ضمن میں جزائیات، آداب اور ابواب وغیرہ بہت ہیں۔ جسے کتاب شرح سفر السعادہ اور شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بیان کر دیا گیا ہے اور بقدر ضرورت اس جگہ اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ فقط

الحمد لله که مدارج النبوة کی جلد اوّل کا ترجمه ختم هوا

ہوتا ہے اگر واقعتہً اولیاء کرام کے لئے یہ صورت صحیح ہے تو اس کے احکام کا ترتب مثلاً وضو کا نہ ٹوٹنا اور دیگر احکام ان پر منتفی ہوں گے کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے سنا گیا ہے کہ عہد رسالت کے قریب زمانے میں بعض صوفیاء اپنی ولایت کے پندار میں خواب سے اٹھتے ہی بغیر وضو کئے نماز پڑھنے لگتے تھے اور اس مسئلہ میں ادعائے فقاہت بھی کرتے تھے کیونکہ علت مشترک ہے جو قیاس کو صحیح بناتا ہے حالانکہ یہ جہالت کی نشانی ہے اس لئے کہ قیاس کی شرط یہ ہے کہ منصوص علیہ کے حکم کے ساتھ مختص نہ ہو و باللہ التوفیق وہ اتنا نہیں جانتے کہ حدیث لاینام قلبی پر لیلتہ التعریس میں سو جانے کی حدیث سے جو ایک وادی میں نماز صبح سے سورج نکلتے اور اس کے گرم ہونے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور لشکریوں کا سوتے رہنا اور بیدار نہ ہونا ہے۔ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر بیدار رہتے تو سورج نکلنے کا پتہ کیوں نہ چلا۔ امام نووی نے اس اعتراض کے دو جواب دئے ہیں ایک یہ کہ قلب اپنے متعلقات کا ہی ادراک کرتا ہے لذات مسرت اور رنج والم وغیرہ محسوسات کا ادراک نہ کرتا یعنی اس کا نہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں اور طلوع وغروب کا ادراک آنکھ کا کام ہے اور آنکھ تو خود سورہی تھی اگر چہ قلب بیدار تھا اس کی مثال یوں سمجھو کہ کوئی بیدار تو ہے لیکن آنکھیں بند ہیں تو وہ طلوع آفتاب کو نہ جان سکے گا اگر چہ وہ خود بیدار ہو۔ دوسرا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حالتیں ہیں ایک یہ حالت کہ آپ کا قلب بیدار رہے اور یہ حالت حضور کی اکثر و بیشتر تھی اور دوسری حالت وہ ہے جبکہ دل بھی محو خواب ہوتا تھا۔ چنانچہ لیلتہ التعریس کا واقعہ اسی دوسری حالت کا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ پہلا جواب ہی صحیح اور قابل اعتماد ہے اور دوسرا ضعیف ہے۔ مطلب یہ کہ مذہب مختار یہی ہے کہ حضور کا قلب اطہر ہمیشہ ہی بیدار رہتا تھا اور ہر حالت میں ثابت و برقرار رہتا تھا اور حدیث کی عبارت بھی اسی مفہوم و مطلب پر واقع ہے بعض لوگ اب بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر چہ طلوع کا تعلق آنکھ سے ہے اور قلب اس کا ادراک نہیں کرتا لیکن اتنا تو معلوم ہونا چاہئے کہ وقت بہت ہو گیا ہے اس لئے کہ طلوع فجر کی ابتدا سے آفتاب کے طلوع ہونے تک مدت طویل ہے یہ کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے بجز اس شخص کے جو نیند میں مستغرق ہو، فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ یہ استحالہ اور استبعاد مردود ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب انور اس وقت وحی میں مستغرق ہو، اس سے خواب میں مستغرق ہونا لازم نہیں آتا جس طرح کی بیداری کی حالت میں القائے وحی کے وقت استغراق کا عالم ہوتا تھا اور حکمت، فعل کے ذریعہ شریعت اور حصول اتباع کا بیان تھا اور یہ بات آپ کے منصب رفیع کے لئے زیادہ صحیح ہے جس طرح کہ نماز میں سہوئے وقوع پر علماء کہتے ہیں اسی بنا پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ہوتے تھے تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار نہیں کرتے تھے اس لئے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں اور کس مقام میں ہیں لہٰذا حضور کی نیند، حضور کی نماز اور حضور کے نسیان کی وجہ یہی تھی۔ قلب انور کے سو جانے کے باعث نہ تھا بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب متوجہ ہو جانے کے باعث تھا۔ یا اس سے بھی بلند تر مقام کے باعث تھا وہ یہ کہ تاکہ ہم لوگوں کیلئے سنت بن جائے جیسا کہ صاحب مواہت نے قاضی ابوبکر عربی مالکی سے نقل فرمایا ہے۔

بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ حضور کو اس ابتلا میں اس وجہ سے پڑنا پڑا کہ آپ نے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس پر مقرر فرمایا اور رب تبارک وتعالیٰ کی تقدیر کے سپرد نہ فرمایا حالانکہ یہ بات بھی بالکل بودی اور کمزور ہے۔ اس لئے کہ یہ توثیق وتوکیل اور تاکید واہتمام حق سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کو بجالانے کے لئے تھا نہ کہ تدبیر پر بھروسہ کرنا۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: لاینام کے معنی یہ ہیں کہ مجھ پر وضو ٹوٹنے کی حالت پوشیدہ نہیں رہتی ہے مطلب یہ کہ میں نیند میں اتنا مستغرق نہیں ہوتا ہوں کہ حدث کے وجود کا پتہ ہی نہ معلوم ہو۔ گویا کہ یہ قائل دل کی بیداری کو وضو کے ٹوٹنے کی حالت کے ادراک کے ساتھ مخصوص جانتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی بعید ہے اس لئے کہ حضور کا ارشاد ''میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل

بیدار رہتا ہے۔'' یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کے جواب میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ حالانکہ یہ سوال، وضو کے ٹوٹنے کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ مطلق سوال ہے جو وتر سے متعلق ہے۔ بغیر ایک حالت سے دوسری حالت کے ساتھ مقید کرنے کے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم باتیں کرتے ہو میں سب سنتا ہوں اس کا حق جواب وہی ہے جو شیخ ابن حجر نے دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کے بل اوندھے لیٹ کر سونے سے منع فرمایا ہے۔ سنن ابوداؤد میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو اپنے منہ کے بل اوندھا سو رہا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پائے اقدس سے ٹھوکر مار کر فرمایا ''اٹھ، بیٹھ جا، یہ جہنمیوں کا سونا ہے۔''

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ چت لیٹ کر سونا بہت برا ہے اور منہ کے بل اوندھے ہو کر سونا تو بہت ہی بدتر ہے۔ کہا گیا ہے کہ بغیر سونے کی غرض کے استراحت کے لئے چت لیٹنا نقصان دہ نہیں ہے۔

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ سونے کی چار ہیئتیں ہیں۔ چت لیٹنا، معبروں کے لئے ہے جو آسمان اور اس کے ستاروں کو دیکھتے ہیں اور اس کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔ اور داہنے پہلو سونا عابدوں اور شب بیداروں کے لئے ہے۔ اور بائیں پہلو پر سونا پرخوروں کے لئے ہے جو کھانے کی ہضم کے لئے راحت و آرام حاصل کرتے ہیں اور منہ کے بل اوندھے سونا بدبختوں اور احمقوں کے لئے ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی فرش پر اور کبھی چمڑے پر، کبھی ٹاٹ پر اور کبھی زمین پر سوتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش یعنی بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی یہ وہ عادات کریمہ تھیں جو کھانے پینے اور لباس و نکاح اور خواب سے متعلق تھیں۔ جنہیں مواہب لدنیہ سے نقل کیا گیا ہے اور اس ضمن میں جزئیات، آداب اور ابواب وغیرہ بہت ہیں۔ جسے کتاب شرح سفر السعادہ اور شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بیان کر دیا گیا ہے اور بقدر ضرورت اس جگہ اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ فقط

الحمد للہ کہ مدارج النبوۃ کی جلد اوّل کا ترجمہ ختم ہوا

مدارج النبوت

جلد دوم

تصنیف

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

علامہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

شبیر برادرز

۴۰۔ اردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ○ لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نام کتاب ــــــ مدارج النبوۃ (جلد دوم)

تصنیف ــــــ حضرت شیخ محقق علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

مترجم ــــــ الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ

سن اشاعت ــــــ جولائی 2004ء

کمپوزنگ ــــــ words maker Lhr.

باہتمام ــــــ ملک شبیر حسین

مطبع ــــــ اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ناشر ــــــ شبیر برادرز لاہور

قیمت ــــــ روپے (مکمل سیٹ)

ملنے کے پتے

ادارہ پیغام القرآن زبیدہ سینٹر اُردو بازار لاہور

مکتبہ اشرفیہ مریدکے (ضلع شیخوپورہ)

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

کعب بن زہیر (جو سبعہ معلقات کے شعراء میں ایک بلند پایہ شاعر ہے) کا یہ شعر

اِنَّ الرَّسُوۡلَ لَنُوۡرٌ يُّسۡتَضَاءُ بِهٖ وَصَارِمٌ مِّنۡ سُيُوۡفِ اللّٰهِ مَسۡلُوۡلَ

سرکار کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے جمالی اور آفاقی دونوں مقدس پہلوؤں کی ایک ایسی جامع تعبیر ہے جس کا ہر لفظ حقیقت کا ترجمان ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو طالب (عم رسول اللہ) نے حضور نبوت میں اس طرح نذرانہ محبت وعقیدت پیش کیا۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَرۡسَلَ عَبۡدَهٗ بِاٰيَاتِهٖ وَاللّٰهُ اَعۡلٰى وَاَمۡجَدَهٗ (حضرت حسانؓ)

وَشَقَّ لَهٗ مِنۡ اِسۡمِهٖ يَسۡجَلَّهٗ فَذُو الۡعَرۡشِ مَحۡمُوۡدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ (حضرت ابوطالب)

فدایانِ جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نذرانہ محبت وعقیدت اور ذات والا صفات کے جمالیاتی اور آفاقی پہلوؤں کو صرف شعری ساخت ہی میں پیش نہیں کیا بلکہ اوصاف وکمالات نبوی عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے لاکھوں نثری صفحات پر ضوفشاں اور ضیا بار ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب ایک طرف اندلس کی سرحدوں کو چھو رہا تھا اور دوسری طرف چین کی طرف بڑھ رہا تھا اس وقت جہانگیری فکر کے ساتھ ساتھ خانوادہ عباسیہ نے علم کی روشنی تاریک سے تاریک تر گوشوں تک پہنچائی۔ ارباب علم وفن کو نوازا گیا۔ علمائے کرام اور اصحاب قلم کو فکر معاش سے بے نیاز کر کے تصنیف وتالیف کے میدان میں سرگرم عمل بنایا، علم وحکمت کے تمام موضوعات پر ارباب علم نے قلم اٹھایا۔ ابن ندیم کی کتاب الفہرست ملاحظہ کیجئے۔ آپ کو اس دور کی تصانیف کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ وہ موضوع جس پر اس صدی میں سب سے زیادہ لکھا گیا وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تھی۔ ایک طرف احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب وتبویب کا کام جاری تھا۔ مسائل فقہی کا استخراج واستنباط کیا جا رہا تھا۔ مسانید مرتب ہو رہی تھیں۔ فقہ اسلامی کی تدوین شروع ہو چکی تھی۔ تاریخ ادب اور تاریخ تمدن زیر تالیف تھی۔ تفسیر قرآن میں علماء کا قلم اپنی دقیقہ سنجیوں میں محو تھا۔ مدارس اسلامیہ میں حدیث وفقہ کا درس شروع ہو چکا تھا۔ غرضیکہ اسلامی زندگی کے روحانی اور عملی پہلوؤں کی تکمیل وتزین کے سامان بڑی سرعت کے ساتھ فراہم کئے جا رہے اور تکلہ پا رہے تھے۔ عباسی خلفاء نے یونانی علم وحکمت کی شمعیں دینی مدرسوں میں فروزاں کرنا شروع کیں۔ ان مباحث سے کچھ فتنے ضرور اٹھے لیکن عقل انسانی نے وہ جلا پائی کہ افلاطون اور ارسطو کے مردہ فنون پھر زندہ ہو گئے۔ غرضیکہ مذہبیات وادبیات وعقلیات کا دھارا اس قدر تندرو ہو گیا کہ کچھ عرصے بعد ان پر بند باندھنا دشوار ہو گیا۔

سرزمین عرب ہی نہیں بلکہ اسپین کی خشک کھیتی پر بھی عرب کا اسحاب علم اس طرح برسا کہ فکر وعقل کی بلندیوں کو چھونے کا دعویٰ کرنے والی قوموں نے بھی ان سے استفادہ کیا اور اپنی شرافت علمی کے باعث وہ آج بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

بغداد کی نظامیہ درسگاہ نے تشنگان علوم کو دور دور سے کھینچ لیا اور ان کے سینوں کو علوم اسلامیہ سے اس طرح معمور کر دیا کہ ان کی

فیصلہ صادر کر سکتے تھے۔ان مختلف آراء کے بیان سے یہ ضرور ہوا کہ بعض مباحث طویل ہو گئے۔

میری نظر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سیرت نگار ہیں جنہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے اور آپ کی معاشرتی زندگی کے ہر رخ کو ضبط تحریر میں لائے۔خصوصاً جلد دوم کے آخری ابواب یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمات' برادران رضاعی' جدات' خدام بارگاہ' موالی' محافظین' کاتبانِ وحی' سفر اعمال' خطاط' موذنین' عدی خواناں اور شعرائے بارگاہ رسالت کے احوال میں تفحص اور ان کا استقصا قابل داد ہے۔حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس مہم کو کوئی دوسرا سیرت نگار سر نہیں کر سکا تھا۔اسی کے ساتھ ساتھ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آلات حرب واسلحہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔علم ہائے بارگاہ نبوی کی تحقیق بھی کی ہے۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فروس بغول نیز اثاث البیت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس طرح آپ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی اور مدنی زندگی کے پہلو کو کمال تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔اس مختصر میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ میں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری پر تفصیل سے بحث کر سکوں۔

مدارج النبوت جلد دوم کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے اس کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگارش میں کسی تبحر علمی اور ژرف نگہی سے کام لیا ہے۔جو خصوصیات اس سیرت کی میں نے پیش کی ہیں وہ مدارج النبوت کو قبول عام اور مستند بنانے میں کہاں تک کارفرما ہیں۔وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

شمس بریلوی

ایئرپورٹ کراچی۔یکم اگست ۱۹۷۰ء

مناعم الفتوت ترجمہ مدارج النبوت

(حصہ دوم)

قسم دوم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف ایام حمل' ولادت شریف' ایام رضاعت' حضور کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی کفالت' ان کی وفات کے بعد حضرت ابو طالب کی اعانت' ان کے ساتھ شام کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر فرمانا' وہاں بحیرا راہب کا علاماتِ نبوت کو پہچاننا' خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانا' تعمیر کعبہ کا تذکرہ' وحی نبوت کی ابتداء' ثبوت نبوت' ظہور دعوت' اذّیت کفار' صحابہ کرام کی جانب حبشہ ہجرت کرنا' حضرت ابو طالب کی وفات' ام المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی رحلت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف شریف کی طرف تشریف لے جانا' اجنہ کا بیعت کرنا' طائف کے شر پسندوں کا اظہار عداوت کرنا' انصار مدینہ کا پہنچنا' ہجرت کے اثبات و موجبات' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحت و سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچنا وغیرہ کے بیان پر یہ دوسری قسم مشتمل ہے۔ اس میں چار باب ہیں:

باب اوّل

در ذکر نسب شریف ایام حمل' ولادت و ایام رضاعت

یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اول مخلوقات اور ساری کائنات کا ذریعہ اور تخلیق عالم و آدم علیہ السلام کا واسطہ' نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور تمام مکونات علوی و سفلی آپ ہی کے نور سے ہیں۔ آپ ہی کے جوہر پاک سے ارواح' شبیہات' عرش' کرسی' لوح' قلم' جنت و دوزخ' ملک و فلک' انسان و جنات' آسمان و زمین' بحار' جبال اور تمام مخلوقات' عالم ظہور میں آئی۔ اور باعتبار کیفیت' تمام کثرتوں کا صدور اسی وحدت سے ہے اور اسی جوہر پاک سے ساری مخلوقات کا ظہور و بروز ہے۔ اس حقیقت کے اظہار و بیان میں اہل علم حضرات عجیب و غریب عبارات اور مضامین کا ذکر فرماتے ہیں۔

حدیث مبارک ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ (اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا) لیکن یہ حدیث محققین و محدثین کے نزدیک مرتبہ صحت کو نہیں پہنچی ہے اور حدیث مبارک اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ۔ (اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا) کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ مراد عرش اور پانی کے بعد ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ۔ (عرش الٰہی پانی پر تھا) اور بعض حدیثوں میں اس کی یہ صراحت بھی آتی ہے کہ پانی کی تخلیق عرش سے پہلے ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب قلم کو پیدا کیا گیا تو حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا ''لکھ'' قلم نے عرض کیا کیا لکھوں؟ فرمایا لکھ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اِلَی الْاَبَدِ یعنی جو کچھ ہوگیا اور جو کچھ آئندہ ابد تک ہوگا سب لکھ! لہٰذا معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ کائنات علم و جود میں تھی۔

علماء فرماتے ہیں کہ عرش، کرسی اور ارواح کی تخلیق سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک، عالم ظہور میں آیا۔ اس تقدیر پر ہوسکتا ہے کہ ما کان سے مراد نور مصطفوی کے احوال و صفات ہوں کیونکہ سارے جہان سے نور مصطفوی ﷺ کی اولیت ثابت ہے اور ما یکون سے مراد وہ کائنات ہیں جو دنیا میں بعد میں ظاہر ہوں اور اس عالم ظہور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے جیسا کہ فرمایا: کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ. ''میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے''۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاٰدَمُ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنِہٖ. بے شک میں عبداللہ اور آخری نبی اس وقت تھا جبکہ آدم اپنے خمیر میں تھے اور لوگوں کی زبان پر یہ مشہور ہے کہ وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ یعنی آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظ مرتبہ صحت کو نہیں پہنچا مگر معنی ایک ہی ہیں اور ہر تقدیر پر تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ہونا مراد ہے۔ اگرچہ علم الٰہی میں تمام نبیوں کی نبوت ثابت و مسلم ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، فرشتوں اور روحوں کے درمیان ظاہر و معلوم تھی اور دیگر نبیوں کی نبوت مخفی و پوشیدہ تھی بلکہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس جہان میں تمام نبیوں کی روحوں کی تربیت فرمانے والی اور ان پر علوم الٰہیہ کو پہنچانے والی تھی۔ جس طرح کہ دنیا میں تشریف آوری کے وقت تمام نبی آدم کی طرف مبعوث و مرسل ہیں لہٰذا اس جہان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل خارج میں نبی و رسول تھے نہ کہ صرف علم الٰہی میں اور ممکن ہے کہ نَحْنُ السَّابِقُوْنَ الْاٰخِرُوْنَ. کا اشارہ اسی معنی کی طرف ہو اور بعض کہتے ہیں کہ روز میثاق میں بھی آپ اسی صفت پر تھے اگرچہ آپ کی نشات و استخراج اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ملاحظہ فرمانا، حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں نفخ روح کے بعد ہے۔ جیسا کہ اکثر احادیث اس پر دال ہیں۔ لیکن پشت آدم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرّہ کا استخراج، دیگر تمام ذرائر کے استخراج پر مقدم ہے (واللہ اعلم)

احادیث میں مروی ہے کہ جب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا گیا اور آپ کے نور سے تمام انبیاء علیہم السلام کے انوار نکالے گئے تو حق تعالیٰ نے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ ان انوار کی جانب نظر فرمایئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نظر فرمائی تو ان تمام کے انوار پر آپ کا نور غالب آگیا اور دوسروں کے نور ماند پڑ گئے۔ وہ عرض کرنے لگے کہ ''اے رب ہمارے! یہ کس کا نور ہے جس کے آگے ہمارے انوار ماند پڑ گئے''۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ نور محمد بن عبداللہ کا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے تو ہم تمہیں نبی بنائیں گے۔ سب نے بیک زبان عرض کیا: ''اے رب ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لائے''۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر گواہ ہوں۔ یہ معنے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے ہیں۔ فرمایا: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ لَمَا اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ - الآیہ (اور جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ میں جب تم کو کتاب و حکمت دوں تو......) اس آیۂ کریمہ کی تفسیر، فضائل شریف کے بیان میں پہلے گزر چکی ہے۔

لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء علیہ وعلیہم السلام ہیں۔ اس کی حقیقت آخرت میں ظاہر کی جائے گی۔ جس وقت کہ تمام انبیاء آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اسی طرح شب معراج ظاہر ہوا کہ آپ نے تمام نبیوں کی امامت فرمائی اور اگر زمین میں حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو اپنی زندگی میں آپ کے شرف ملاقات کا اتفاق ہوتا تو ان سب پر اور ان کی [illegible] آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت و اعانت فرمائیں۔ جس پر حق تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا۔

جب حق تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اسے حکم فرمایا کہ ساقِ عرش، ابواب جنت، اس کے پتوں، اس کے قبوں اور اس کے محلوں پر لکھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ایک روایت میں ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْاَنْبِيَآءِ اس کے بعد حکم ہوا کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے...... سب کچھ لکھ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ۔ ''جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ لکھ کر قلم خشک ہو گیا''۔

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کنیت ابو محمد رکھی، منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خاص قسم کی لغزش واقع ہوئی تو انہوں نے مناجات کی۔ ''اے رب بواسطہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری اس لغزش کو معاف فرما دے'' حق تعالیٰ نے فرمایا: تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہاں سے جانا؟'' حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا اسی زمانہ میں جبکہ تو نے مجھے پیدا فرمایا تھا اس وقت میری نظر عرش اور ابواب جنت پر پڑی تو لکھا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں نے جان لیا کہ ضرور تیرے نزدیک ساری مخلوق سے برگزیدہ ہستی یہی ذات کریم ہوگی جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ اس پر ندا فرمائی گئی کہ یہ نبی آخر الزمان ہیں جو تمہاری ذریت یعنی اولاد سے ہیں۔ ان کا اسم گرامی آسمان میں احمد اور زمین میں محمد ہے اگر یہ نہ ہوتے تو میں آسمان و زمین کو نہ پیدا کرتا۔ اے آدم علیہ السلام میں نے تمہیں انہیں کے طفیل پیدا فرمایا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں آ کر عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے تو تمہیں حبیب بنایا ہے اور میں نے اپنے نزدیک تم سے زیادہ برگزیدہ کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور میں نے دنیا و جہان کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ جان لیں کہ میرے نزدیک تمہاری کتنی قدر و منزلت اور مرتبت ہے اگر تم نہ ہوتے تو دنیا کو پیدا نہ کرتا''۔

اس کے بعد حق تعالیٰ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشانیِ آدم علیہ السلام میں رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی پشت میں رکھا جو ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ پھر تمام اعضاء میں سرایت کی اور حق تعالیٰ نے اس نور کی برکت سے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے اسماء تعلیم فرمائے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں دو قول ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا) ملائکہ سے مراد ابلیس اور اس کے ساتھ فرشتوں کا وہ لشکر ہے جو زمین میں تھے، وہی سجدہ کرنے کیلئے مامور ہوئے تھے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ملائکہ و اجنہ کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو آسمان میں رکھا اور اجنہ کو زمین میں ٹھہرایا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک اجنہ زمین میں حق تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے بعد ازاں انہوں نے ظلم و بغاوت کی بنیاد ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ایک لشکر کو ان کی ہلاکت و استیصال کیلئے زمین پر بھیجا۔ ان کو یا تو آنکھوں سے مستور و پوشیدہ ہونے کی بنا پر جن کہا جانے لگا یا اس بنا پر کہ وہ فرشتے اجنہ پر خازن و نگہبان مقرر کیے تھے۔ علماء کی یہ جماعت ابلیس کو از قسم ملائکہ خیال کرتی ہے یہ جو قرآن میں ''وَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ'' ''جو جنات میں سے تھا۔'' آیا ہے اس کے یہی معنی مراد لیتے ہیں اور اس گروہ ملائکہ میں ابلیس پیشوا و مرشد اور زیادہ عالم تھا۔ پھر وہ جنات جن کے تصرف میں زمین تھی وہاں سے نکال کر پہاڑوں جزیروں اور دریاؤں میں ڈال دیئے گئے اور فرشتوں کی اس قسم کو جن کا نام ''جن'' تھا زمین میں ٹھہرا دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ نے تمام روئے زمین، آسمان دنیا اور جنت کی نگہبانی ابلیس کو دیدی۔ ابلیس کبھی زمین میں عبادت کرتا، کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں لہٰذا حق تعالیٰ نے اس قسم کے ملائکہ کو جن کا سردار ابلیس تھا حکم فرمایا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ جیسا کہ کتب تفاسیر و تواریخ ... رحمۃ اللہ علیہ... جناب میں ذکر کیا گیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حکم سجدہ میں آسمان و زمین کے تمام فرشتے مامور و مخاطب تھے۔ یہ قول اظہر

قرآن کے زیادہ موافق ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ' حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام واولادہ العظام سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ان کے بعد میکائیل نے۔ ان کے بعد اسرافیل نے' ان کے بعد عزرائیل نے اور ان کے بعد ملائکہ مقربین نے سجدے کیے اور فرمایا: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ. سب سے آخر میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل فرمایا گیا تو انہوں نے اپنے جنسی رفیق کی خواہش ظاہر کی جس سے محبت کریں اور ذکر حق میں باطنی سکون وقرار حاصل کریں۔ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نیند میں مبتلا کر دیا اور اس حالت خوابیدگی میں ان کی بائیں پسلی نکال کر اس سے سیّدہ حواء کو پیدا فرما دیا۔ ان کا نام ''حواء'' اسی بناء پر رکھا گیا کہ وہ ''حی'' یعنی زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حواء کو دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔ اس پر فرشتوں نے کہا: ''ٹھہریئے۔ تاکہ نکاح ہو جائے اور آپ ان کا مہر ادا کر دیں''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ''مہر کیا ہے؟'' فرشتوں نے کہا ''تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج دو مہر ادا ہو جائے گا''۔ ایک روایت میں بیس مرتبہ آیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ عزاسمہ نے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حواء سے فرمایا اور اپنے کلام اقدس سے خطبہ پڑھا۔ اس خدائی اعزاز پر ابلیس' آدم علیہ السلام سے حسد کرنے لگا۔ مختصراً یہ کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ میں مبتلا کر کے ان کو جنت سے نکلوا دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوئے اور طرح طرح کی دنیاوی مشقتیں جھیلیں چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو تین سو سال تک سر جھکائے' اشک ندامت بہاتے رہے اور آسمان کی جانب سر نہ اٹھایا۔ مسعودی فرماتے ہیں کہ اگر تمام روئے زمین کے رہنے والوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں کم ہی نکلیں گے۔

کچھ روایتوں میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو سے عود' رطب' زنجبیل' صندل اور طرح طرح کی خوشبوئیں پیدا فرمائیں اور حضرت حواء کے آنسو سے لونگ و جائفل وغیرہ پیدا فرمائیں۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے انہیں وہ کلمات الہام فرمائے جن کے سبب ان کی توبہ مقبول بارگاہ ہوئی۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق وہ کلمات یہ ہیں: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اگر تو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے''۔

کتب تفاسیر وسیر میں اور بھی کلمات استغفار مذکورہ ہیں اور بعض مفسرین نے کلمات الہام کی تفسیر' سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل اور آپ کے ذریعہ شفاعت کی طلب سے کی ہے۔ یہ قول' دیگر اقوال کے منافی ومخالف نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہی توبہ واستغفار کی گئی تھی۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ان کا جنت میں داخل ہونا' ابلیس کا وسوسہ ڈالنا اور ان کا جنت سے باہر آنا یہ طول طویل واقعات ہیں۔ چونکہ کاتب حروف کا مقصود' سیّد البشر افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنا ہے اس لیے ان میں سے جس قدر مفید مطلب تھا لے لیا۔ یہی طریقہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

توبہ کی قبولیت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں یہ دستور جاری فرما دیا کہ ہر حمل میں جڑواں بچے پیدا ہوتے ایک لڑکا ایک لڑکی' مگر حضرت شیث علیہ السلام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں' تنہا پیدا ہوئے تاکہ نور مصطفوی میں ان کے اور کسی دوسرے کے

درمیان اشتراک نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نور مبارک کو پاک بیبیوں میں منتقل کرنا۔ بعد میں حضرت شیث علیہ السلام نے بھی اپنے فرزند جن کا نام ''انوش'' تھا۔ یہی وصیت فرمائی۔ اسی طرح اس وصیت کا سلسلہ ایک قرن سے دوسرے قرن تک جاری رہا یہاں تک کہ یہ نور مبارک حضرت عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما تک آیا اور حق تعالیٰ نے آپ کے نسب شریف کو سفاح جاہلیت (یعنی وہ زمانہ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا) سے پاک و صاف رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ نادان لوگ اپنی بیویوں کو شریفوں کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کے نطفے سے حاملہ ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی عورت کسی مرد سے مدتوں زنا کرتی رہتی پھر وہ عرصہ دراز کے بعد اس سے نکاح کر لیتی۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زمانہ جاہلیت کی کسی برائی سے متولد نہیں ہوا حتی کہ میں ہمیشہ اسلامی نکاح سے ہی پیدا ہوا اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ سفاح جاہلیت سے نہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک میرے ماں باپ کبھی جاہلیت کے زنا و سفاحت کے قریب تک نہیں گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ مصفا ومہذبہ میں منتقل فرمایا۔ ان میں جب بھی دو قبیلے بنتے تو مجھے ان میں بہترین قبیلہ میں رکھا جاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ارشاد باری تعالیٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نبی سے نبی کی طرف منتقل ہوتا رہا اور ہمیشہ نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اصلاب انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو پیدا فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیہ کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ (بے شک تمہارے پاس رسول تشریف لائے تم میں سب سے بہتر) کے فا کو زبر سے پڑھا اور فرمایا میں نسب وصہر اور حسب کے اعتبار سے تم سب میں نفیس تر ہوں اور میرے آباء و اجداد میں آدم علیہ السلام تک سفاح یعنی زنا نہیں ہے۔ وہ سب نکاح سے ہیں۔

ابونعیم نے ''دلائل'' میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے نقل کیا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے زمین کے مغارب و مشارق کو دیکھا ہے مگر کسی شخص کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور کسی کی اولاد کو میں نے نہیں دیکھا جو بنی ہاشم سے افضل ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر زمانہ میں بنی آدم کے بہترین قرن میں منتقل کیا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے اس قرن میں پیدا کیا گیا جس میں میں ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جب اپنی مخلوق کو برگزیدگی بخشی تو ان میں بنی آدم کو برگزیدہ کیا پھر بنی آدم سے عرب کو برگزیدہ کیا پھر عرب سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔ خبردار رہو جو عرب سے محبت رکھتا ہے تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو عرب سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے۔

نسب شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کو مواہب لدنیہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی (بضم قاف وفتح صاد و تشدید یاء) بن کلاب (بکسر کاف) بن مرہ (بضم میم و تشدید راء) بن کعب (بفتح کاف وسکون عین) بن لوئی (بضم لام وفتح ہمزہ و تشدید یاء) بن غالب بن فہر (بکسر فا وسکون ہاء) بن مالک بن نضر (بفتح

نون وسکون ضاد) بن کنانہ (بکر کاف دونون کے ساتھ) بن خزیمہ (نجار معجمہ وزراء برلفظ تصغیر) بن مدرکہ (بضم میم وسکون دال وکسر را) بن الیاس (بکسر ہمزہ ایک قول کے بموجب اور دوسرے قول کے بموجب بفتح ہمزہ بمعنی یاس (ناامیدی) جو رجاء (امید) کی ضد ہے اور ہمزہ (وصل کیلئے صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے) بن مضر (بضم میم وفتح ضاد) بن نزار (بکسر نون و بزاء) بن معد (بضم میم وفتح عین اور بعض کے نزدیک بفتح میم وسکون عین اسے صحیح کہتے ہیں) بن عدنان (بفتح عین وسکون دال) یہاں تک سلسلۂ نسب میں ارباب سیر اور اصحاب علم النساب سب کا اتفاق ہے اور اس سے اوپر معلوم وصحیح نہیں ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیم‘ حضرت نوح‘ حضرت ادریس صلوات اللہ علیہم وسلامہ آپ کے اجداد میں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان فرمایا کرتے تھے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس جگہ ٹھہر جاتے تھے اور فرماتے کذب النسابون نسب گویوں نے جھوٹ ملا رکھا ہے۔ ایسا ہی مسند الفردوس میں روایت کیا گیا ہے لیکن سہیلی فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جب وہ اس آیۂ کریمہ کو پڑھتے کہ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ لَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ ملی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح‘ عاد وثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے‘ جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تو حضرت ابن مسعود اس وقت فرماتے: کَذَبَ النَّسَّابُوْنَ مطلب یہ کہ یہ لوگ علم النساب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ بندوں سے اس کے علم کی نفی فرماتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ ہم عدنان تک اپنا نسب لے جاتے ہیں اس سے اوپر ہم نہیں جانتے اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے جو معد بن عدنان کے بعد سلسلۂ نسب لیجائے کیونکہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل تا حضرت آدم علیہما السلام تک بہت اختلاف ہے چنانچہ کسی نے عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک تیس ایسی پشتو کا ذکر کیا ہے جن کا کچھ اتہ پتہ معلوم نہیں اور کسی نے اس سے کم اور کسی نے اس سے زیادہ پشتوں کا ذکر کیا ہے امام مالک رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اپنے نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا تھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا کیا اسے اس کی خبر دی گئی ہے؟ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء علیہم السلام کے رفع نسب میں روایت کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ عدنان سے اوپر اس بنا پر توقف کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وحی نہیں کی گئی ہے روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں عدنان سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک ابن جوزی کی کتاب انساب سے تقریباً تیس ۳۰ پشتیں ذکر کی گئی ہیں چونکہ ہمیں اس پر اعتماد نہیں ہے اور علماء کے اقوال کے مخالف بھی ہے اس لیے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا (واللہ اعلم)۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

اب ہم بعض ان اشخاص کا تذکرہ کرتے ہیں جو مشہور ومعروف اور متفق علیہ ہیں ان کا نام شیبہ بھی تھا اور ان کا یہ نام اس وجہ سے تھا کہ وقت ولادت ان کے سر میں سفید بال تھے انہیں ’’شیبۃ الحمد ‘‘ بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے اکثر افعال پسندیدہ اور خوش آیند تھے جس کی وجہ سے لوگ ان کی تعریف وستائش کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ ان کو عامر کے نام سے بھی یاد کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب سے حضور اکرم ﷺ کے دادا تھے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ قتیبہ کا قول ہے اور مجد شیرازی نے ان کی پیروی اختیار کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث تھی کیونکہ انہوں نے سب سے بڑے فرزند کا نام حارث رکھا تھا ان کا عبدالمطلب نام رکھے جانے میں

بکثرت وجوہ مشہور ہیں۔ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد جن کا نام ہاشم تھا یہ کسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں جا کر اقامت گزیں ہوئے تو ان سے یہ فرزند پیدا ہوا۔ جب ہاشم کے بھائی مطلب مدینہ میں آئے تو انہوں نے بچہ کو دیکھا جو حسین صورت اور خوش جمال تھا۔ دریافت کرنے لگے کہ یہ بچہ کس کا ہے ہم ہی میں سے معلوم ہوتا ہے اور ہمارا ہی ناک ونقشہ رکھتا ہے۔لوگوں نے کہا یہ ہاشم بن عبد مناف کا فرزند ہے پھر تو انہوں نے اس بچہ کو اٹھا کر اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔چونکہ بچہ کے کپڑے میلے کچیلے اور بری شکل میں تھے لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ میرا ''عبد'' ہے۔اس بناء پر انہیں عبد المطلب کہا جانے لگا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہاشم اس جہان سے رحلت فرمانے لگے تو اپنے بھائی ''مطلب'' سے وصیت کی کہ اپنے اس ''عبد'' کو لے لو جو یثرب میں ہے۔اور اپنے اس فرزند کی طرف اشارہ کیا جو مدینہ میں مقیم تھا۔اس بنا پر لوگ ان کو عبد المطلب کہنے لگے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بچے ہی تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی اور ان کے چچا مطلب نے ان کی پرورش کی۔عرب میں یہ دستور تھا کہ پرورش کرنے والے کو ''عبد'' کہتے تھے کذا فی روضۃ الاحباب لیکن اس دستور کے قاعدہ کلیہ ہونے میں کلام ہے۔کیونکہ اہل عرب عام طور پر اپنی دیرینہ عادت وخصلت کی بنا پر بکثرت یتیموں کی پرورش کرتے تھے لیکن کوئی بھی ان یتیموں کو ان کا ''عبد'' نہیں کہتا تھا۔ البتہ اس جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہے۔مگر لفظ دستور' قاعدہ کلیہ کا مقتضی ہے۔

جب حضرت مطلب کی وفات ہوئی تو اہل مکہ کی سرداری حضرت عبد المطلب کیلئے مقرر ہوئی اور خانہ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب ان کے سپرد ہوا اور تمام اہل مکہ ان کے مطیع وفرمانبردار ہوگئے اور ان کی خوب تعظیم واحترام کرنے لگے۔حضرت عبد المطلب کے جسم مبارک سے مشک وعنبر کی خوشبوؤں کی لپٹیں آیا کرتی تھیں۔آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تاباں وروشن تھا اور جب اہل مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو ان کو جبل شبیر پر لے جاتے۔(جبل شبیر بفتح ثاء کسر باوسکون یا مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے) اور بارگاہ رب العزت میں ان کو وسیلہ بناتے اور قحط کے دنوں میں استسقاء کی دعائیں کرتے تھے اور اس نور محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا ان کی مشکلیں حل ہوجاتی تھیں۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ جب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں تاباں ہوا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی تو وہ ایک دن خانہ کعبہ کے گوشے مقام حجر میں سو رہے تھے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا' سر کے بالوں میں تیل پڑا ہوا تھا اور بیش بہا جوڑا جسم پر تھا۔لوگ ان کے جلال وجمال پر متحیر رہ گئے کہ یہ انہیں کہاں سے حاصل ہوا اور ان کو کس نے اس مرتبہ بلند پر پہنچایا ہے۔اس کے بعد ان کے والد انہیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا حال بیان کیا۔کاہنوں نے کہا آسمانی خدا نے حکم دیا ہے کہ اس بچہ کا نکاح کردیں' غرض کہ ان کے والد نے ایک عورت ''قیلہ'' نامی سے نکاح کردیا اور ان سے ایک فرزند حارث نامی پیدا ہوئے جو سب سے بڑے فرزند تھے۔اس کے بعد قیلہ کا انتقال ہوگیا۔قیلہ کے بعد انہوں نے ہند بنت عمرو نامی عورت سے نکاح کیا۔

واقعۂ فیل

جب ابرہہ حاکم یمن نے اصحمہ نجاشی کی جانب سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور وہ بیت اللہ الحرام کے انہدام کیلئے بہت بڑا سفید ہاتھی لایا تو لوگوں نے حضرت عبد المطلب کو اس کی خبر دی۔انہوں نے فرمایا! اے قریش مت ڈرو۔اس گھر کا خدا حفاظت فرمانے والا ہے۔وہی اس کی حفاظت کرے گا۔اس کے بعد ابرہہ قریش کی اونٹ بکریاں ہنکا کر لے گیا۔ان میں حضرت عبد المطلب کے بھی چار سو

۴۰۰ اونٹ تھے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے اور جبل شبیر پر آئے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہلال کی مانند چمکنے لگا اور اس نور مبارک کی تیز شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑنے لگیں جس سے وہ خوب روشن ہوگی۔ جب حضرت عبدالمطلب نے اس نور مبارک کو دیکھا تو فرمانے لگے: اے گروہ قریش! جاؤ بلا شبہ اس معاملہ میں تمہیں کامیابی ہوگئی۔ خدا کی قسم! یہ نور مبارک اسی وقت چمکتا ہے جبکہ ہمیں کامیابی اور ظفر مندی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد قریش لوٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔ ابرہہ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ لشکر کو شکست دے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے چہرۂ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کے وقت گائے کے ڈکرانے کی مانند منہ سے آواز نکالنے لگے۔ جب وہ ہوش میں آیا تو حضرت عبدالمطلب کو سجدہ کر کے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں تم قریش کے سچے سردار ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے اس سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے لایا گیا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کے چہرہ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ سجدے میں گر گیا۔ حالانکہ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو بھی سجدہ نہ کرتا تھا۔ گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مشیت کے مطابق حضرت عبدالمطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ سلام ہو اس پر جو اے عبدالمطلب تمہاری پشت میں ہے۔ اس ہاتھی کے سر پر ہر چند آنکس مارتے تھے مگر وہ ہاتھی زمین سے سر نہ اٹھاتا تھا۔ اس کے بعد ابرہہ یمن کی جانب لوٹ گیا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کو تین تین کنکریاں لے کر دریا سے بھیجا۔ ایک کنکری ان کے منہ میں تھی اور دو دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور کوئی کنکری مسور کے دانہ سے بڑی نہ تھی۔ یہ کنکری جس کے بدن پر پڑتی وہ زمین پر ڈھیر ہو کر گر پڑتا۔ چنانچہ جب ابرہہ کے جسم پر یہ کنکری پڑی تو اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور اس کے جسم سے خون، پیپ اور پانی بہنے لگا۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں بھی چھید ہو گئے۔ **نعوذ باللہ من غضب اللہ۔**

یہ قصہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو قبل از اظہار نبوت رونما ہوئے۔ اس قسم کے معجزات کو ''ارہاصات'' کہتے ہیں جس کے معنے تاسیس و بنیاد رکھنے کے ہیں۔ انہیں معجزات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قبل از بعثت ابر کا سایہ کرنا ہے

اقسام معجزات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو قبل از اظہار نبوت رونما ہوئے دوسری قسم وہ ہے جو زمانہ اظہار نبوت میں واقع ہوئے اور تیسری قسم وہ ہے جو حضور کے اس جہان سے تشریف لیجانے کے بعد اولیاء امت سے اعجاز و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔

حجاج کا عمل

صاحب مواہب اس پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہ حجاج ثقفی نے خانۂ کعبہ کو خراب اور ویران کیا۔ اس وقت تو کوئی چیز نمودار نہ ہوئی؟ انہیں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ارہاص قبل از نبوت تھی جو کہ امر نبوت کی تاسیس کیلئے ہوتی تھی اور جب نبوت ظاہر ہوگئی اور دلائل و حجت سے ثابت و مستحکم ہوگئی تو اب ارہاص کی ضرورت نہیں رہی۔ اور اس لیے بھی کہ حجاج ثقفی خانہ کعبہ کو منہدم کرنے یا اس کو خراب و ویران کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا بلکہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے دشمنی کی وجہ سے تھا اور اس روایت کو تسلیم نہ کرنے کی بنا پر تھا جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی اس نے اپنے گمان میں یہ عمل خانۂ کعبہ کے اعزاز و تعظیم میں کیا تھا۔ اسی بنا پر جب عبدالملک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہنچی تو وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔

خود قریش نے بھی خانۂ کعبہ کی کئی مرتبہ از سرِ نو تعمیر کی ہے۔ ان میں سے ایک مرتبہ تو اس سال اس کی تعمیر ہوئی تھی جس سال سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود پتھر اٹھاتے تھے۔ یہ انہدام و تعمیر بقصد درستگی تھی۔

ہاشم

حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم کا نام عمرو ہے۔ ہاشم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہشم کے معنی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں۔ سب سے پہلے جس نے اپنی قوم کو قحط کے زمانہ میں اشکنہ یعنی روٹی کے ٹکڑے پکا کے کھلائے وہ یہی تھے اور علوِ مرتبت کے لحاظ سے ان کو عمرو العلی بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور صاحب جبہ وجلال تھے۔ ہاشم کے چار فرزند تھے ایک اسد، جو علی مرتضیٰ کی والدہ کے والد تھے، دوسرے نفیلہ، تیسرے صفی، چوتھے عبدالمطلب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ ان کی کوئی اولاد حضرت عبدالمطلب کے سوا باقی نہ رہی۔

عبدمناف

عبدمناف کا نام مغیرہ اور کنیت ''ابو عبدالشّمس'' ہے۔ مناف ایک بت کا نام تھا۔ ان کے چار فرزند تھے ایک ہاشم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے دادا ہیں دوسرے ''عبدالشّمس'' جو بنی امیہ کے جد ہیں۔ تیسرے نوفل جو حضرت جبیر بن مطعم کے جد ہیں۔ چوتھے مطلب جو امام شافعی رحمۃ اللہ کے جد اعلیٰ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہاشم اور عبدالشّمس دونوں توام (جڑواں) تھے۔ اور دونوں کی پیشانیاں چپکی ہوئی تھیں۔ انہیں جدا کرنے کی بڑی کوشش کی گئی مگر نہ ہوئی بالآخر تلوار سے ان کے چہرے جدا کیے گئے۔ اسی بنا پر دونوں کی اولاد میں دشمنی او شمشیر زنی ہوتی رہی ہے کذا فی روضۃ الاحباب بعض لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ دونوں کی کمریں جڑی ہوئی تھیں جسے تلوار سے جدا کر دیا گیا۔

قصی

قصی، قصی کی تصغیر ہے جس کے معنے بعید کے ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی والدہ جن کا نام فاطمہ تھا جب حاملہ ہوئیں تو وہ اپنے قبیلہ سے بہت دور بلاد قضاعہ میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ انہیں ''مجمع'' بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب عرب کے قبائل خزاعہ کے غلبہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سے متفرق اور منتشر ہو گئے تو انہوں نے ان قبائل کو مجتمع کیا تھا' جب قصی نے ان سب کو اکٹھا کر لیا تو مکہ مکرمہ آ کر خزاعہ کے ہاتھ سے ملک لے لیا اور ان قبائل کو مکہ مکرمہ میں دوبارہ آباد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ قصی نے ہی ''دارالندوہ'' بنایا تھا۔ چنانچہ جب قریش کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو وہ سب اس گھر میں جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ ندوہ کے لغوی معنی گفتگو کرنے کے ہیں۔ ندی، نادیہ جس کے معنی مجلس کے ہیں اسی سے بنا ہے۔ قصی کا نام زید تھا۔

کلاب

کلاب یا تو مکالیب سے مصدری معنی میں ہے جس کے معنی منازعت اور مخاصمت کے ہیں۔ کالبت العدو مکالبثہ یعنی دشمن نے دشمنی سے جنگ کی۔ یا کلاب کلب کے معنی میں اس کی جمع ہے اور معنوی مراد کثرت ہے۔ جیسا کہ ایک درندے یعنی کتے کا نام ہے۔

کسی اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم اپنے فرزندوں کے کلب، ذئب یعنی کتے اور بھیڑیئے جیسے برے نام کیوں رکھتے ہو حالانکہ اپنے غلاموں کے مرزوق اور رباح وغیرہ جیسے اچھے نام رکھتے ہو۔ اس اعرابی نے جواب دیا۔ ''فرزندوں کے نام دشمنوں کیلئے ہیں اور غلاموں

کے نام اپنے لیے‘‘۔کلاب‘ایک حکیم کا نام بھی ہے بعض کہتے ہیں کہ کلاب کا نام عروہ تھا۔

مرہ بن کعب

یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروبہ مقرر کیا۔عروبہ بفتح عین‘ جمعہ کے دن کا نام ہے۔وہ اس دن قریش کو جمع کرتا اور انہیں خطبہ دیتا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتا۔یہ انہیں بتاتا تھا کہ وہ میری نسل میں سے ہوں گے۔وہ لوگوں کو ان کی پیروی کرنے اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتا۔اس ضمن میں اس نے بہت سے اشعار لکھے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

یٰلَیْتَنِیْ شَاهِدًا فَحْوَاءُ دَعْوَتَهٗ ‏ حِیْنَ الْعَشِیْرَةُ تَبْغِی الْحَقَّ خُذْ لَانًا

لوی بن غالب

لوی لائی کی تصغیر ہے جس کے معنی ہیں خوب عیش وعشرت کی زندگی گزارنا۔

فہر

فہر کے بارے میں اہل سیر وتواریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش اس کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اسی کی جانب کرتے ہیں۔چنانچہ جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اسے قریشی نہیں کنانی کہتے تھے۔اکثر اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش‘نضر بن کنانہ کا لقب ہے اور ان کی اولاد کو قرشی اور قریشی کہتے ہیں۔

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش نام رکھنے میں متعدد وجوہات بیان کیے گئے ہیں مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے۔کوئی دوسرا آبی جانور اسے نہیں کھا سکتا۔یہ تمام دریائی جانوروں پر غالب وبرتر رہتا ہے۔صراح میں اس کی شہادت میں بعض شعراء متقدمین کے اشعار نقل کیے گئے ہیں لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرم پاک میں چونکہ وہ لوگ دوبارہ مجتمع ہوئے تھے اور تقرش کے معنی ہی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں۔تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہل تجارت اور صاحب نہر تھے اور قرش کے معنی کسب وہنر اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کیلئے آتے ہیں تو یہ لوگ فقراء ومساکین کے احوال کی تفتیش کرتے اور ان کی امداد کرتے تھے۔یہاں تقریش کے معنی تفتیش کے ہیں۔صراح میں تقریش کے معنے غالب آنے اور اقراش کے معنے کسی کیلئے سعی وکوشش کرنے کے ہیں۔

مدرکہ

مدرکہ کا نام عامر یا عمر تھا۔مدرکہ معنی پانے والے کے ہیں۔اس کی وجہ تسمیہ اہل سیر یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ لیا اس پر ان کے والد نے ان کا لقب مدرکہ رکھ دیا۔اور وہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔بعض وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے آباواجداد جو عزت وشرف رکھتے تھے وہ سب ان میں جمع تھیں۔اس کلمہ کا ’’تاء‘‘ مبالغہ کیلئے ہے کذا فی روضتہ الاحباب اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تاء صفت سے اسمیت وعلم کی جانب منتقل کرنے کیلئے ہو۔(واللہ اعلم)

الیاس

الیاس پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت الحرام کی طرف اونٹوں کی ہدی بھیجی' قاموس میں کہا گیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں یاس محرکہ یعنی سیل پہنچی ہے۔منقول ہے کہ وہ اپنی پت میں حج کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کی آواز سنا کرتے تھے۔

مضر

مضروہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل کیلئے حدی کو مقرر کیا۔ یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں سے بہتر خوش آواز تھے اور دین اسلام اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھے۔

نزار

نزار' نزر سے بنا ہے جس کے معنی قلیل کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد نے ان کی دونوں آنکھوں میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو چمکتے دیکھا اور اس پر بہت خوش ہوئے۔ اور اسی خوشی میں مساکین کو کھانا کھلایا اور کہا کہ یہ سب کچھ اس بچے کی ولادت کی خوشی میں بہت کم ہے۔ اسی بنا پر ان کا نام ''نزار'' رکھا۔ ان کی کنیت ابو ربیعہ تھی۔

معد بن عدنان

معد بن عدنان کے بھائی سعد بن عدنان تھے۔ معد بن عدنان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ نسب شریف عدنان سے اوپر نہیں جاتا اور نہ ہی آنحضرت ﷺ پر اس سلسلہ میں وحی کی گئی۔

مشاہدات حضرت عبدالمطلب

وصل: جب حق تعالیٰ نے ابرہہ کے شر سے حضرت عبدالمطلب کو نجات بخشی تو ایک دن حضرت عبدالمطلب ''حجرہ'' میں سو رہے تھے۔ انہوں نے ایک بہت برا خواب دیکھا جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب قریش کے کاہنوں سے بیان کیا۔ کاہنوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا خواب سچ ہے تو یقیناً تمہاری پشت سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جس پر تمام زمین و آسمان والے ایمان لائیں گے اور اس کی نشانیاں خوب ظاہر و روشن ہونگی۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ سے نکاح کیا۔ وہ حضرت عبداللہ ذبیح (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں) سے حاملہ ہوئیں اور حضرت عبداللہ کے لقب ذبیح ہونے کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے۔

چاہ زمزم کا قصہ

جاننا چاہیے کہ جب سیّدہ ہاجرہ کے بطن اقدس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو نور محمدی ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ تھیں اس پر رشک کرنے لگیں اور وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتی تھیں۔ چونکہ ان کے کوئی فرزند نہ تھا اس لیے وہ نہ چاہتی تھیں کہ سیّدہ ہاجرہ کے ہاں ایسا فرزند ہو جو اس نور مبارک کا حامل ہو۔ بالآخر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیّدہ ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو کسی ایسی جگہ لیجا جہاں نہ عمارت ہو نہ کھیتی' نہ آب و دانہ ہو اور نہ آبادی' تنہا چھوڑ کر آجائیں اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی اور خاطر داری کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر اس مقام پر تشریف لائے جو اب حرم مکہ ہے اور اس ٹیلہ کے نیچے جہاں بعد میں خانہ کعبہ تعمیر ہوا چھوڑ دیا اور کچھ خرمے اور ایک مشکیزہ پانی کا سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسمٰعیل علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا اور ان کو خدا کے سپرد کر کے جو حکم الٰہی تھا بجالائے یہاں سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کھجوریں کھاتیں' پانی پیتیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب کھجوریں اور پانی ختم ہوگیا اور تشنگی نے غلبہ کیا یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تشنگی سے مٹی پر لوٹنے لگے تو بے قرار ہو کر کھڑی ہوئیں اور کچھ دیر انتظار کیا تا کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچے اور پانی میسر آئے۔ اس کے بعد نیچے اتر کر کوہ مروہ پر گئیں اور کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کر انتظار کیا۔ اس طرح سات مرتبہ دوڑیں اور ہر بار اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس آتیں اور انہیں دیکھتیں رہیں۔ آخری مرتبہ جب دیکھا تو اسمٰعیل کو پیاس سے قریب جاں بلب پایا۔ اس مرتبہ جب مروہ پر چڑھیں تو ان کے کان میں ایک آواز پڑی انہوں نے کہا میں نے تمہاری آواز سنی میری فریاد کو آؤ۔ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو حضرت اسمٰعیل کے سامنے مقام چاہ زمزم پر کھڑے تھے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اپنا بازو زمین پر مارا۔ زمین میں شگاف ہوگیا اور پانی بہنے لگا۔ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا ڈریں کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے۔ انہوں نے اس پانی کے گرد حوض نما باڑھ باندھ دی۔ اصل چاہ زمزم وہی جگہ ہے جہاں سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی کو روکا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر رحم فرمائے' اگر زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں اور چشمۂ آب کے گرد گھیرا نہ باندھتیں تو وہ روئے زمین پر جاری رہتا۔ اہل عرب کی خصلت ہے کہ رائے کی کمزوری کے موقعہ پر ''ترحم'' بولا کرتے ہیں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام برابر اس کا پانی پیتے رہے۔ یہ پیاس کو بھی دور کرتا رہا اور بھوک کو بھی ختم کرتا رہا۔ یہ زمزم شریف کی خاصیت ہے کہ وہ دودھ کی طرح کھانے' پینے دونوں کا قائم مقام ہے۔ اس پانی کا مزہ بھی اونٹنی کے دودھ کے مزہ کے موافق ہے۔ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک عرصہ تک اسی حال میں رہے' یہاں تک کہ یمن کا قبیلہ جرہم پانی کی جستجو میں یہاں پہنچا اور اس نے پانی کے واسطہ سے اقامت اختیار کر لی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام قبیلہ جرہم میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ آپ حدِ بلوغ کو پہنچے تو قبیلہ جرہم کی لڑکیوں سے نکاح کیا اور ان سے کئی فرزند پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے براق پر سوار ہو کر شام سے مکہ مکرمہ پرسانِ حال کیلئے تشریف لاتے۔ چنانچہ چاشت کے وقت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے چلتے اور مکہ تشریف لاتے پھر قیلولہ کے وقت واپس سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ جاتے۔ ایک زمانہ کے بعد حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم فرمایا تو آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے اس ٹیلہ پر جہاں پہلی مرتبہ سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑا تھا خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کیلئے اس جگہ جنت سے یاقوت کا ایک گھر حق تعالیٰ نے اتارا تھا جس میں زمرد کے دو دروازہ تھے ایک جانب شرق دوسرا جانب غرب اور حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ اس گھر کا طواف کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ زمین میں بیت الحرام بناؤ اور اس گھر کا طواف کرو۔ جس طرح کہ تم نے آسمان میں عرش کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد ہر سال حضرت آدم علیہ السلام ہند سے اس بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے تشریف لایا کرتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے پاپیادہ چالیس حج کیے اور طوفان نوح میں یہ گھر ساتویں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ یہ قصہ بہت

طویل ہے چونکہ اس جگہ زمزم شریف کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ وہ کیسے گم ہوا اور پھر وہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ میں کیسے ظاہر ہوا۔
منقول ہے کہ جب تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حیات رہے خانہ کعبہ کی تولیت انہیں سے متعلق رہی۔ آپ کے بعد ''ثابت'' جو کہ سب سے بڑے آپ کے فرزند تھے آپ کے قائم مقام ہوئے طویل زمانہ گزر جانے کے بعد ان کے اور قبیلہ جرہم کے درمیان اس رشتہ کی بنا پر جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے تھے جھگڑا اور خصومت پیدا ہوگئی اور صلح صفائی نہ ہو سکی جس کی بنا پر بہت سے فرزندان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مکہ سے نکل کر عرب کے اطراف و اکناف میں جا بسے اور مکہ کی حکومت قوم جرہم کے پاس رہ گئی۔ کچھ عرصہ تک یہی صورت رہی جب قوم جرہم کا ایک حاکم عمرو بن حارث ہوا اور اس نے ظلم وستم کی بنا ڈالی اور مسافروں کو ستانے لگا جو ہدیئے خانہ کعبہ کیلئے آتے یا کوئی بھیجتا تو وہ خود اس پر قبضہ کر لیتا۔ اس وقت عرب کے وہ قبیلے جو گردونواح میں بستے تھے اس کے استیصال و ہلاکت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قوم جرہم ان کے مقابلہ کی تاب و طاقت نہ رکھتی تھی بھاگ کھڑی ہوئی اور یمن کی جانب چلی گئی۔ اور بھاگتے وقت ابن عمرو بن حارث نے حجر اسود کو رکن کعبہ سے اکھاڑ کر اور دو سونے کی ہرن کی مورتیوں کی جوز رو جواہر سے مرصع تھی جسے اسفندیار فارسی نے بطور ہدیہ خانہ کعبہ بھیجا تھا اور اسے غزال الکعبہ کہتے تھے اور چند ہتھیار جو خانہ کعبہ میں تھے سب کو چاہ زمزم میں چھپا کر اسے پاٹ دیا۔ اور جگہ کو زمین کے برابر کر کے۔ اس کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ حق تعالیٰ نے حرم مکہ کی اس بے حرمتی اور وہاں ظلم وفسق برپا کرنے کی پاداشت میں ان پر ایک وبا بھیجی جسے اہل عرب ''حدسہ'' کہتے ہیں۔ کچھ تو ہلاک ہوئے اور کچھ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ میں واپس آئی اور رہنے لگی لیکن چاہ زمزم اسی دن سے گم اور بے نشان رہا۔ جس وقت اہل مکہ کی حکومت وسرداری کی نوبت حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہٗ تک آئی اور ارادۂ الٰہی چاہ زمزم کے اظہار سے متعلق ہوا تو حق تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو خواب میں چاہ زمزم کا مقام دکھا کر حکم دیا کہ اسے ظاہر کرو۔ چونکہ اس کی جگہ مشتبہ تھی کہ کس جگہ ہے انہوں نے آثار و قرائن سے جانا اور چاہا کہ اسے کھودیں تو قوم قریش مانع آئی۔ اور ان کے بیوقوفوں نے اس بنیاد پر انہیں تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔ چاہ زمزم کی جگہ پر دو بت نصب تھے جن کا نام اساف اور نائلہ تھا۔ اور قریش نہیں چاہتے تھے کہ بتوں کے بیچ میں کنواں کھودا جائے۔ حضرت عبدالمطلب اپنے ایک فرزند حارث کے ساتھ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی تھوڑی سی زمین کھودی تھی کہ پتھر اور نشان برآمد ہو گئے اور وہ اسلحہ اور دو ہرن کی مورتیاں بھی جنہیں یہاں چھپایا گیا تھا۔ نمودار ہو گئیں تو کھودنا موقوف کر دیا اور پانی نکل آیا۔ اس سبب سے حضرت عبدالمطلب کی عزت ومنزلت دوبالا ہو گئی۔ اس وقت انہوں نے نذر مانی کہ جب حق تعالیٰ انہیں دس فرزند عطا فرمادے گا اور وہ بلوغ کی حد کو پہنچ کر ان کے مددگار بن جائیں گے تو ان میں سے ایک فرزند کی حق تعالیٰ کے حضور قربانی دیں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے انہیں دس فرزند عطا فرمائے اور وہ سب حد بلوغ کو پہنچ گئے ایک رات حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کے نزدیک سو رہے تھے انہیں خواب میں کسی کہنے والے نے کہا اے عبدالمطلب اپنی اُس نذر کو جو رب کعبہ کیلئے مانی تھی پورا کرو۔ جب وہ بیدار ہوئے تو خوف سے لرز رہے تھے۔ چونکہ اس قضیہ میں انہیں تاخیر شاق معلوم ہوتی تھی فوراً ایک دنبہ کو ذبح کر کے کھانا تیار کر کے فقراء ومساکین کو کھلایا۔ اس کے بعد جب سوئے تو کہنے والے نے پھر کہا اس سے بڑی قربانی دو۔ پھر جب بیدار ہوئے تو ایک گائے کی قربانی دی۔ پھر جب سوئے تو کہنے والے نے کہا کہ اس سے بڑھ کر قربانی دو: جب بیدار ہوئے تو اونٹ کی قربانی دی۔ اس کے بعد جب سوئے تو کہنے والے نے حکم دیا کہ اس سے بڑھ کر قربانی دو۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا اس سے بڑھ کر کونسی قربانی دوں؟ کہا گیا اپنے فرزندوں میں سے ایک فرزند کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ اس پر وہ بہت غمگین ہوئے انہوں نے اپنے تمام فرزندوں کو جمع کر کے سارا حال بیان کیا۔ تمام فرزندوں نے بیک زبان کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ ہم سب کی قربانی دینے پر راضی ہیں تو ہم سب تیار ہیں' حضرت عبدالمطلب کو

اپنے فرزندوں کی یہ اطاعت وسعادت مندی بہت بھلی معلوم ہوئی فرمایا قرعہ ڈالو۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو حضرت عبداللہ کا نام نکل آیا۔ حضرت عبداللہ اپنے والد کے نزدیک بہت محبوب و پیارے تھے کیوں کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تاباں تھا اور وہ صاحب حسن و جمال اور بڑے بہادر پہلوان اور تیرانداز تھے اس کے باوجود حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر اساف و نائلہ کے قریب خانہ کعبہ کے متصل قربان گاہ میں لائے۔ جب قریش کو اس حال کا پتہ چلا تو وہ مانع آئے اور خصوصاً ان لوگوں نے جو کہ قریبی رشتہ دار تھے۔ رکاوٹ بن گئے وہ انہیں لیکر اس کاہنہ عورت کے پاس لائے جو حجاز میں تمام کاہنوں سے زیادہ دانا اور عقلمند تھی۔ اس وقت تک جنات کا آسمان پر جانا آنا اور وہاں کی باتیں چوری چھپے سننا ممنوع نہ ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ کاہنوں کو آ کر باتیں بتاتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے قریش حضرت عبدالمطلب کو اس کاہنہ عورت کے پاس لائے اور اس کو تمام ماجرا سنایا اور اس عورت نے کہا آج تو جاؤ کل آنا تاکہ میں اپنے ہمزاد جن سے اس قضیہ کے بارے میں معلوم کرسکوں کہ وہ کیا اشارہ کرتا ہے۔ جب دوسرے دن اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا ایک آدمی کی دیت میں تمہارے نزدیک کتنے اونٹ ہیں۔ لوگوں نے بتایا دس اونٹ ہیں۔ اس نے کہا دس اونٹوں کو لڑکے کے مقابل کر کے ان کے اور لڑکے کے درمیان قرعہ ڈالو اگر قرعہ اونٹوں پر نکل آئے تو ان کی قربانی دیدو اگر لڑکے کے نام قرعہ نکلے تو اتنے ہی اونٹ اور بڑھا کر قرعہ ڈالو اسی طرح دس دس اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے جب اونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو اتنے ہی اونٹ اور بڑھا دو۔ یہ اونٹ اس کا فدیہ ہوگا تمہارے لڑکے نے اس سے نجات پالی اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش مکہ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد اساف و نائلہ کے قریب قربان گاہ میں حضرت عبداللہ کے مقابل اونٹوں کو لائے اور قرعہ اندازی کی یہاں تک کہ نوبت سو اونٹوں تک پہنچ گئی اس وقت قرعہ اونٹوں پر نکل آیا۔ مگر حضرت عبدالمطلب کے دل کو اس وقت بھی اطمینان نہ ہوا یہاں تک کہ دوسری مرتبہ بھی قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا تب حضرت عبدالمطلب کو اطمینان حاصل ہوا۔ اور انہوں نے شکر الٰہی ادا کیا اور حضرت عبداللہ نے ذبح سے خلاصی پائی۔ اس کے بعد سو اونٹوں کو ذبح کر کے خاص و عام اور وحوش وطیور کو کھلایا گیا۔ پھر عرب میں ایک شخص کی دیت سو اونٹ مقرر ہوگئی۔ حالانکہ اس سے پہلے دس اونٹ مقرر تھی اور جب دور اسلام آیا تو شارع علیہ السلام نے بھی ویسی مقرر فرمائی۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں اس سے مراد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ زمخشری نے اسے کشاف میں بیان کیا۔ اور حاکم کی مستدرک میں حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر قحط سالی کی شکایت کی اور کہا اے دو ذبیحوں کے فرزند! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو مال غنیمت دیا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا فرمائیے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اس کا انکار نہ فرمایا۔

تنبیہ:

جمہور کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام ہے۔ اگر یہ قول صحیح ہو تو ''دو ذبیحوں کے فرزند'' کی تاویل یہ ہوگی کہ چچا پر بھی اَب یعنی باپ ہونے کا اطلاق مروی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد یعقوب علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا.... اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۔ اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا میرے بعد کس کی عبادت

کرو گے؟ تو ان سب نے کہا ہم آپ کے رب کی اور آپ کے آبا حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام کے رب کی عبادت کریں گے۔ تو اس آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو آبا میں شمار کیا حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی تھے۔ یہی صورت حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قول میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ان کا فرزند فرمایا حالانکہ وہ چچا ہیں اور حضور ابن عم' لیکن ابن قیم پہلے قول جمہور کی ترجیح میں کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت ذبیح علیہ السلام مکہ میں تھے اسی لیے روز نحر یعنی قربانی کے دن مکہ میں قربانیاں کی جاتی ہیں' جس طرح کہ صفا و مروہ کی سعی اور رمی جمرات مکہ میں ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کی یادگار رہے اور ذکر الٰہی قائم رہے' اگر ذبح شام میں ہوتی تو قربانیاں بھی شام میں ہوتیں۔ نیز قرآن کریم میں ذبیح کو حلیم فرمایا گیا ہے اور حلیم' وہی ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کرے۔ قرآن کریم میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت میں علیم فرمایا گیا ہے اس کے ماسوا یہ کی فطری عادت ہے کہ پہلا بچہ زیادہ محبوب ہوتا ہے، جب حضرت خلیل علیہ السلام کے دل میں اس کا تعلق پیدا ہوا تو محبت کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اس کو ذبح کرنے کے حکم کے ساتھ قطع کیا جائے۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے مقدم ہے اور یہ توجیہات اور ترجیحات لغو ہیں کہ غلبہ ظن کا افادہ نہیں کرتیں۔ چہ جائیکہ قطعی و یقینی ہو۔

صاحب مواہب ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے ایک یہودی عالم سے جو مسلمان ہو چکے تھے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں میں سے کس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! اے امیر المومنین یہودی خوب جانتے ہیں کہ یہ حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کیلئے تھا لیکن اے گروہ عرب! وہ تم سے حسد کرتے ہیں کہ تمہارا باپ افضل ہو۔ جس کا ذکر حق تعالیٰ نے کیا ہے۔ اور وہ اس کا انکار کر کے کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسائل میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قول' اہل کتاب کی تحریفات میں سے ہے (انتہی) لیکن یہ قول مشائخ عظام کے کلام میں موجود ہے (واللہ اعلم)

حضرت عبداللہ کا حسن و جمال

وصل: جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کی شہرت عام ہوگئی اور ذبیح و فدیہ کا واقعہ مزید شہرت کا باعث ہوا تو قریش کی عورتیں' ان کے جمال و وصال کی طالب بن کر سرِ راہ نکل کر کھڑی ہو گئیں اور ان کو اپنی جانب بلانے لگیں۔ مگر حق تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔

اہل کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی حضرت عبداللہ کے صلب میں ودیعت ہے وہ ان کے دشمن بن کر ہلاکت کے درپے ہو گئے۔ اور اطراف و جوانب سے ان کو ہلاک کرنے کے ارادے سے مکہ آنے لگے یہاں انہوں نے عجیب و غریب آثار و قرائن کا مشاہدہ کیا اور وہ خائب و خاسر بے نیل و مرام لوٹ گئے۔

ایک دن حضرت عبداللہ شکار کیلئے تشریف لے گئے تھے' اہل کتاب کی ایک بہت بڑی جماعت شام کی جانب سے تلوار سوت کر حضرت عبداللہ کے قتل کے ارادہ سے نمودار ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے والد حضرت وہب بن مناف بھی جنگل میں موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ چند سوار جن کی شکل و صورت' اس دنیا کے لوگوں سے مشابہ نہ تھی غیب سے ظاہر ہوئے اور وہ اس حملہ آور گروہ کو حضرت عبداللہ کے آگے سے دور کرنے لگے۔ وہب بن مناف نے گھر آ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں اپنی بیٹی

سیّدہ آمنہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے کر دوں' اور پھر یہ بات اپنے دوستوں کے ذریعہ حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں پہنچائی۔ حضرت عبدالمطلب بھی یہی چاہتے تھے کہ عبداللہ کی شادی ہو جائے اس سلسلہ میں وہ کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو شرفِ حسب ونسب اور عفت میں ممتاز ہو۔ آمنہ بنت وہب میں یہ صفات موجود تھیں عبدالمطلب نے اس رشتہ کو پسند کیا اور حضرت عبداللہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ' بنی اسد کی ایک عورت کے سامنے سے گزرے یہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی اور اس کا نام رقیصہ یا قتیلہ بنت نوفل تھا۔ جب اس عورت کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی تو وہ آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور کہنے لگی وہ سو اونٹ جو تم پر فدا کیے گئے ہیں میرے ذمہ ہیں۔ میں پیش کروں گی۔ حضرت عبداللہ کو اس پر عفت وحیا دامنگیر ہوئی آپ انکار کر کے آگے نکل گئے۔

دوسرے دن ایک خشعمی عورت نے جو علم کہانت میں ماہر اور خوب مالدار تھی اس نے بھی اپنے مال کے ذریعہ حضرت عبداللہ کو ورغلانا چاہا۔ اسی طرح بہت سی عورتوں نے پیش کش کی۔ مگر عبداللہ کسی کے فریب میں نہ آئے۔ جب گھر تشریف لائے تو حضرت آمنہ سے زفاف ہوا۔ اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت مبارک سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں جلوہ فگن ہوا۔ اور وہ حاملہ ہوگئیں۔ یہ منیٰ کے ایام تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا پھر جب دوسری مرتبہ اس عورت کے سامنے سے حضرت عبداللہ گزرے تو اس عورت نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں وہ نور مبارک نہ پایا تو وہ کہنے لگی اول مرتبہ میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کسی عورت سے صحبت کی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں نے اپنی منکوحہ بی بی آمنہ بنت وہب سے زفاف کیا ہے۔ اس خشعمی عورت نے کہا کہ اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں میں تو اس نور مبارک کی خواستگار تھی جو تمہاری پیشانی میں جلوہ افروز تھا اب وہ دوسرے کے نصیب میں چلا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت جس نے اپنے تئیں حضرت عبداللہ کو پیش کیا تھا وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ ایک دوسری روایت میں ایک اور عورت کا ذکر بھی آیا ہے جس کا نام عدویہ تھا۔ ممکن ہے کہ ان تمام عورتوں نے پیش کش کی ہو۔

استقرار حمل

وصل: جاننا چاہیے کہ استقرار نطفہ زکیہ مصطفوی وابداع ذرۂ محمدیہ در صدف رحم آمنہ رضی اللہ عنہا' قول اصح کے بموجب ایام حج کے درمیانی تشریق کے دنوں میں شب جمعہ میں ہوا تھا۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک شب جمعہ، لیلتہ القدر سے افضل ہے اس لیے کہ اس رات سارے جہان اور تمام مسلمانوں پر ہر قسم کی خیر وبرکت اور سعادت وکرامت جس قدر نازل ہوئی اتنی قیامت تک کسی رات میں نہ ہوگی۔ بلکہ تا ابد کبھی نازل نہ ہوں گی۔ اور اگر اس لحاظ سے میلادِ شریف کی رات کو شب قدر سے افضل جانیں تو یقیناً یہ رات اس کی مستحق ہے جیسا کہ علماء اعلام رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ شب میلادِ مبارک کو عالم ملکوت میں ندا کی گئی کہ سارے جہان کو انوارِ قدس سے منور کر دو اور زمین وآسمان کے تمام فرشتے خوشی ومسرت میں جھوم اٹھے۔ اور داروغہ جنت کو حکم ہوا کہ فردوس اعلیٰ کو کھول دے اور سارے جہان کو خوشبوؤں سے معطر کر دے۔ اور زمین وآسمان کے ہر طبقہ اور ہر مقام میں مژدہ سنا دے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی رات رحم آمنہ رضی اللہ عنہا میں قرار پکڑا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ تمام خیرات وبرکات' کرامات وسعادات اور انوار واسرار کا مصدر اور مبدا خلق عالم' اصلِ اصول نبی آدم اس عالم میں تشریف آوری اور اس کے ظہور کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ یقیناً تمام جہان والوں کو منور ومشرف اور مسرور ہونا چاہیے۔

مروی ہے کہ اس رات کی صبح کو روئے زمین کے تمام بت اوندھے پائے گئے۔ شیاطین کا آسمان پر چڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ اور دنیا

کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے۔ اور اس رات ہر گھر روشن ومنور ہوا۔ اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو انوار قدس سے جگمگا نہ رہی ہو۔ اور کوئی جانور ایسا نہ تھا جس کو قوت گویائی نہ دی گئی ہو اور اس نے بشارت نہ دی ہو مشرق کے پرندوں نے مغرب کے پرندوں کو خوشخبریاں دیں۔

قریش کا یہ حال تھا کہ وہ شدید قحط اور عظیم تنگی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ تمام درخت خشک ہو گئے تھے اور تمام جانور نحیف و لاغر ہو گئے تھے۔ پھر حق تعالیٰ نے بارش بھیجی۔ جہان بھر کو سرسبز وشاداب کیا۔ درختوں میں تروتازگی آئی۔ خوشی ومسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام "سنتہ الفتح والابتہاج" رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں نو مہینے کامل رہے مادر محترمہ نے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی بار، درد اور طبیعت کی بدمزگی محسوس نہ کی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں صرف اتنا تھا کہ حیض (ماہواری) بند ہو گیا تھا۔ لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے ابونعیم نے دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح کی ہے کہ ابتداء علوق میں ثقل معلوم ہوتا تھا مگر مدت گزر جانے کے بعد حمل میں خفت محسوس ہونے لگی۔ اور یہ دونوں باتیں خلاف عادت و دستور ہیں۔ کذا فی المواہب نیز ابونعیم ذحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ ہونے کے دلائل میں سے ایک بات یہ تھی کہ قریش کے ہر چوپایہ نے اس رات گویائی کی اور کہا کہ قسم ہے خانہ کعبہ کے رب کی آج رات اللہ کا رسول حمل میں تشریف لایا ہے جو ساری دنیا کا امام اور تمام جہان والوں کا آفتاب ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ روئے زمین کے تمام چوپائے اس رات گویا ہوئے اور سب نے اسی طرح بشارت دی۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کسی نے ندا دی اے آمنہ تم حمل سے ہو گویا کہ میں نہیں جانتی تھی کہ میں حمل سے ہوں۔ اس کے بعد بتایا کہ تم اس امت کے افضل سے حاملہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ ساری مخلوق سے افضل سے حاملہ ہو۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں حمل سے ہوں اور فرماتی ہیں کہ حمل کے ہر مہینہ میں آسمان وزمین کے درمیان میں یہ آواز سنا کرتی کہ تمہیں مبارک ہو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں جو صاحب خیر و برکت ہیں۔ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے شکم میں تھے کہ ایک دفعہ مجھ سے ایک ایسا نور نکلا جس سے سارا جہان منور ہو گیا اور میں نے بصرے کے محلات دیکھے۔ بصرہ شام کی جانب ایک شہر کا نام ہے اسی قسم کا ایک واقعہ ولادت شریف کے وقت میں بھی منقول ہے۔

سیدہ آمنہ کے بطن اقدس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی فرزند تولد نہ ہوا اور نہ حضرت عبداللہ سے ہی حضور کے سوا کوئی اور فرزند پیدا ہوا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، کی وفات ہو گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ماہ یا سات ماہ یا دو ماہ کے گود میں تھے کہ وفات پائی۔ اور یہ قول، اصح اقوال ہے۔

حضرت عبداللہ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ان دنوں وہ بسلسلہ تجارت قریش کے ساتھ تھے۔ جب واپسی میں مدینہ منورہ سے گزر ہوا تو قافلہ سے جدا ہو کر اپنے بھائیوں کے پاس جو بنی نجار ٹھیر گئے۔ جب قافلہ کے لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بارے میں دریافت کیا تو قافلہ والوں نے بتایا کہ ہم نے انہیں بیمار چھوڑا ہے۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے فرزند حارث کو ان کو لانے کیلئے بھیجا۔ جب حارث مدینہ پہنچے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ "دار نابغہ" میں دفن کیے جا چکے

تھے۔لیکن بعض کہتے ہیں مقام ابواء میں مدفون ہوئے تھے۔ابواء مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہےاورلوگوں میں یہی مشہور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے مناجات کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے سردار! محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تیرے نبی اور تیرے حبیب ہیں یتیم ہوگئے؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ان کا میں حافظ و ناصر اور کفیل ہوں۔ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو،اوران کیلئے برکتیں مانگو اوران کیلئے دعائیں کرو **صَلَوٰتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ وَبَرَكَاتُهٗ وَسَلَامُهٗ،**

ولادت مبارک

وصل:سبحان اللہ جب آپ کے حمل مبارک کا رعب ودبدبہ کا یہ عالم ہےتو آپ کی ولادت مبارکہ کا حال کیا ہوگا؟!! تعالیٰ اللہ جل جلالہ۔

جاننا چاہیے کہ جمہور اہل سیر اور ارباب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک عام الفیل،، چالیس یا پچپن دن کے بعد ہوئی ہے۔یہ قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔اور یہ بھی مشہور ہے کہ ماہ ربیع الاول میں ولادت ہوئی ہےاور بعض علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض بارہ بھی کہتے ہیں اور بعض دو ربیع الاول اور بعض آٹھ ربیع الاول کی رات گزرنے کے بعد کہتے ہیں بہت سے علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض دس بھی کہتے ہیں لیکن پہلا قول یعنی بارہ ربیع الاول کا زیادہ مشہور واکثر ہے۔اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے ولادت شریف کے مقام کی زیارت اسی رات کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

یہ ولادت مبارکہ بارہویں ربیع الاول کی رات روزِ دوشنبہ واقع ہوئی۔اور وحی کی ابتداء،ہجرت مدینہ منورہ پہنچنا، فتح مکہ مکرمہ اور وفات شریف بھی روز دوشنبہ ہوئی۔اوروقت ولادت مبارک صبح صادق میں طلوع آفتاب سے پہلے اور ''غفر'' کے طلوع کے وقت ہوئی۔ ''غفر'' (بضم غین وسکون فاء) منازل فجر کے تین چھوٹے ستاروں کو کہتے ہیں،مواہب الدنیہ میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت یہی ہےاور اکثر اخبار میں ولادت شریف کا وقت،طلوع فجر ہےاور بعض روایت میں رات بھی آیا ہےاس سے یہی طلوع فجر مراد ہے چونکہ اس کو رات کے متصل شمار کرسکتے ہیں۔مواہب لدنیہ میں شیخ بدرالدین زرکشی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ولادت شریف خوب روشن وقت میں ہوئی۔جو دن کی ابتداء ہے یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ستارے ٹوٹے اور شہاب ثاقب جھڑے اسے رات پر محمول نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ نبوت وولادت کا زمانہ،خوارق عادات اور معجزات کے ظہور کا زمانہ ہے۔لہٰذا ممکن ہے ستاروں وغیرہ کا ٹوٹنا دن میں ہوا ہو (واللہ اعلم) اور بعض منجمین اوراس فن کے ماہرین،ولادت شریف کی ساعت کو سب سے زیادہ سعید ساعت شمار کرتے ہیں اور روضۃ الاحباب میں اسے بیان کیا گیا ہے۔مگر حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمانہ کے ساتھ شرافت و بزرگی حاصل نہیں کی ہے بلکہ زمانہ نے آپ سے شرافت و بزرگی پائی ہے۔جس طرح کہ دیگر مقامات مقدسہ ہیں کہ مکان کو مکین سے شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہےاور یہی حکمت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کسی ایسے مہینہ میں نہیں ہوئی جو بزرگی و برکت کے ساتھ مشہور ہو جیسے ماہ محرم ماہ رجب، ماہ رمضان، وغیرہ جیسا کہ بعض شاذ روایتوں میں آیا ہےاور یہی حکمت دن کی ہے کیوں کہ تمام دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔اوراسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اوراس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو دعا مانگی جائے مستجاب ہوگی۔لیکن یہ ساعت،اس ساعت کو کہاں پہنچ سکتی ہے کہ جس ساعت میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تولد فرمایا صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے روز دوشنبہ کو جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا دن ہے عبادت کیلئے خاص

نہیں فرمایا جیسا کہ روز جمعہ کو مخصوص فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن۔

اس کی وجہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور آپ کی امت پر آپ کے وجود باوجود کی عنایت کے سبب سے تخفیف ہے۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

اور آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہان کیلئے رحمت۔ انتہی۔ پیر کے دن روزہ رکھنا اس لحاظ سے کہ اس دن کو حضور اکرم صلی اللہ وسلم کی ولادت شریف سے بزرگی وکرامت حاصل ہوئی ہے مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ دوشنبہ کو رکھا کرتے تھے۔ اور جب اس دن روزہ رکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میں اس دن پیدا ہوا۔ اور اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (رواہ مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا جب وہ رات آئی جس میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت فرمائی تو اس یہودی نے کہا اے گروہ قریش! کیا آج کی رات تم میں کوئی فرزند پیدا ہوا ہے قریشیوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ اس یہودی نے کہا اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے جس میں گھوڑے کی رگ کی مانند بال مجتمع ہیں۔ پھر اس یہودی کو سیّدہ آمنہ کے پاس لائے اس نے کہا اپنے فرزند کی زیارت کراؤ پھر اس نے پشت مبارک سے قمیض اٹھا کر علامت دیکھی تو وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا خدا کی قسم! بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی۔ (رواہ الحاکم) ابونعیم' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا۔ میں نے یہ قصہ سنا اور دیکھا ہے کہ ایک یہودی صبح کے وقت اپنی قوم کو پکار رہا تھا اور فرمایا کر کرہا تھا۔ یہودیوں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا کیوں فریاد کر رہا ہے اور ہمیں بلا رہا ہے۔ اس نے کہا آج کی رات احمد کے ستارے نے طلوع کر لیا ہے۔

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت موجود تھی میں نے دیکھا ایک نور ظاہر ہوا جس نے گھر اور تمام در و دیوار کو نورانی کر دیا میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آ گئے ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ تمام گھر پُر انوار ہو گیا۔ احادیث صحیحہ ومشہورہ میں آیا ہے کہ سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھا۔

حلیمہ سعدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ سے مروی ہے کہ سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک ستارہ عالم ظہور میں آیا جس سے ساری زمین روشن ہو گئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے اور یہ فرزند پاک وصاف پیدا ہوا کسی قسم کی آلائش و پلیدی نہ تھی۔ یہ روایت اس امر میں صریح ہے کہ ولادت شریف عادت کے مطابق ہوئی جس طرح کہ تمام عورتوں کو ہوتی ہے' نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ فَاَخَذَنِي الْمَخَاضُ تو مجھے دردزہ نے پکڑ لیا۔ اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اپنی والدہ سے جن کا نام ''شفا'' تھا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا:

جس وقت حضرت آمنہ سے فرزند تولد ہوا تو وہ میرے ہاتھ میں آیا۔ جو ختنہ شدہ تھا۔ پھر چھینک آئی اس پر کسی کہنے والے کی آواز سنی يَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ ''شفا'' بیان کرتی ہیں کہ مشرق ومغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے اس وقت شام کے محلات وقصور دیکھے۔ ایک روایت میں روم کے محلات اور ایک روایت میں شام کے محلات آئے ہیں۔ شام ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ شام حضور کا ملک ہے اور کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور شام کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ اور ''شفا'' بیان کرتی ہیں کہ میں ڈری اور مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کے بعد ایک نور داہنی جانب سے ظاہر ہوا۔ کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا؟ دوسرے نے جواب دیا مغرب

کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ پھر بائیں جانب سے بھی ایک نور ظاہر ہوا۔ اس پر بھی کسی کہنے والے نے کہا کہ اسے کہاں لے گیا دوسرے نے جواب دیا اسے میں مشرق کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے اپنے سینہ سے لگایا اور طہارت و برکت کی دعا مانگی۔ ''شفا'' بیان کرتی ہیں یہ بات میرے دل میں ہمیشہ جاگزیں رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں اسلام لائی اور اولین و سابقین میں سے ہوئی۔

نیز وہ سیّدہ آمنہ کی بابت بیان کرتی ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا جبکہ چھ ماہ کی حاملہ تھی اس نے مجھ سے کہا اے آمنہ تم سارے جہان سے افضل کی حاملہ ہو جب تم سے وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔ اور اپنے حال کو پنہاں رکھنا۔ اس روایت سے ظاہر و معلوم ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا آمنہ کی جانب سے ہوگا۔ حالانکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ نام حضرت عبدالمطلب نے رکھا ہے۔ تو ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی جو عام عورتوں کو وضع حمل کے وقت درد وغیرہ ہوتا ہے تو میں گھر میں تنہا تھی اور حضرت عبدالمطلب طواف میں تھے۔ اس وقت میں نے ایک عظیم آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک مرغ سفید کا بازو میرے سینے کو مل رہا ہے تو میرا خوف اور وہ درد جاتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالہ لایا گیا میں نے اسے پیا اور سکون وقرار حاصل ہوا۔ پھر میں نے نور کا ایک بلند مینار دیکھا اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبد مناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کے درختوں کی طرح ہے۔ میں نے تعجب کیا یہ کہاں سے آگئیں اس پر ان میں سے ایک نے کہا میں آسیہ، فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری نے کہا میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں حورعین ہیں۔ اور میرا حال بہت سخت ہوگیا اور ہر گھڑی عظیم سے عظیم تر آوازیں سنتیں جس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ اسی حالت کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک فرش زمین و آسمان کے درمیان کھینچا گیا اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان بہت سے لوگ کھڑے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ڈار میرے سامنے آئی یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور ان کے بازو یاقوت کے تھے اور حق تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا اور میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ اور میں نے دیکھا کہ تین علَم ہیں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کے اوپر نصب ہے۔ پھر مجھے دردزہ ہوا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) متولد ہوئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں انگشتہائے مسبحہ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور تضرع کی مانند گریاں کناں ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک ابر سفید دیکھا جس نے انہیں میری نظروں سے چھپا دیا۔ اور میں نے کسی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا انہیں زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کراؤ اور ان کے شہروں میں گشت کراؤ تاکہ وہاں کے رہنے والے آپ کے اسم مبارک اور نعت و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ آپ کی صفت ماحی ہے۔ جو کہ شرک کے آثار کو محو و فنا کریں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب حضور کو لٹایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑے نورانی ابر کو دیکھا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور بازؤوں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس ابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور میری نظروں سے غائب ہوگئے اس وقت میں نے ایک منادی کو ندا کرتے سنا وہ کہہ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے جملہ گوشوں میں پھراؤ اور جن وانس کی روحوں پر گشت کراؤ، فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اور ان کو حضرت آدم علیہ السلام کے اخلاق، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم کی خلت، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح کی فصاحت حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت

یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کالحن اور آواز حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کا پیکر بناؤ (علیہم السلام) اور تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دو سیّدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ ابر مجھ سے کھل گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ سبز ریشمی کپڑے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا پر کس شان سے بھیجا گیا۔ دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو۔ سب ہی کو آپ کے قبضۂ قدرت میں دیا گیا ہے پھر جب میں نے آپ کی طرف نظر کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک وعنبر کی لپٹیں آرہی ہیں۔ اور تین شخص کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک گئیں۔ پھر اسے سات مرتبہ دھویا اور اس انگشت سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر کیا۔ اور حریر میں لپیٹ کر اٹھالیا اور کچھ دیر اپنے آغوش میں لیکر میرے سپرد کردیا۔

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت، کعبہ کے پاس تھا جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَبُّ مُحَمَّدِ ن الْمُصْطَفٰى اَلْاٰنَ قَدْ طَهَّرَنِیْ رَبِّیْ مِنْ اَنْجَاسِ الْاَصْنَامِ وَاَرْجَاسِ الْمُشْرِكِیْنَ۔ اللہ بلند وبالا ہے اللہ بلند وبالا ہے وہ رب ہے محمد مصطفیٰ کا۔ اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا، اور غیب سے آواز آئی رب کعبہ کی قسم، کعبہ کو برگزیدگی ملی۔ خبردار ہو جاؤ کعبہ کو ان کا قبلہ،، ان کا مسکن ٹھیرایا۔ اور وہ بت جو کعبہ کے گرداگرد نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب سے بڑا بت جسے ہُبَل کہتے تھے منہ کے بل گر پڑا تھا۔ ندا آئی کہ سیّدہ آمنہ سے محمد مصطفیٰ پیدا ہو گئے۔ اور ابر رحمت ان پر اتر آیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جمہور اہل سیر کا مذہب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ وعنہ، سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُن تمام عزت وکرامت میں سے جو رب العزت کے حضور مجھے حاصل ہے یہ ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہوا۔ اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد، ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال خلقت اور تکمیل اعضاء میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہو۔ نیز یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی عیب آپ کی طرف منسوب نہ ہو۔ بعض متاخرین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس حدیث پر جرح کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں تواتر کا دعویٰ کیا ہے، اور ذہبی کہتے ہیں کہ جب اس کی صحت میں ہی کلام ہے تو متواتر کیسے ہوگی۔ اور بعض نے تواتر کو معنوی اور لغوی شہرت پر محمول کیا ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ بکثرت لوگ اس ہیئت پر پیدا ہوئے ہیں۔ بعض اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی ختنہ اس وقت کی جبکہ انہوں نے شق صدر مبارک کر کے تطہیر قلب انور کی، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے حضور کی ولادت کے ساتویں دن ختنہ کر کے مہمان نوازی کی (واللہ اعلم)

علماء کا اختلاف ہے کہ ختنہ سنت ہے یا واجب پہلا قول یعنی سنت ہونا امام ابوحنیفہ، امام مالک اور بعض شوافع کا مذہب ہے۔ اور دوسرا قول یعنی واجب ہونا بعض مالکیوں کا مذہب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے وقت جس قدر کرامتیں اور نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ وہ حیطہء بیان اور گنتی وشمار سے باہر ہیں اور جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے ان کا یہ کچھ حصہ ہے۔ سب سے زیادہ مشہور و

روشن اور حیرت وتعجب میں ڈالنے والی بات کسریٰ کے محل کا لرزنا کانپنا اور اس کے چودہ کنگرے کا گر پڑنا ہے۔اور بعض علماء نے چودہ کے عدد سے اس طرف اشارہ ہونا مراد لیا ہے کہ ان کی بادشاہی چودہ آدمیوں تک ہوگی۔ چنانچہ چار سال میں دس لوگوں نے بادشاہی کی اور بقیہ چار نے زمانہ خلافت امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تک یکے بعد دیگرے بادشاہی کی کذافی الذاہب۔ روضۃ الاحباب میں خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک کہا ہے۔

انہیں نشانیوں میں سے دریائے ساوہ کا خشک ہونا اور اس کا پانی زمین میں چلا جانا اور اس نالے کا جاری ہونا جسے وادی سماوہ کہتے ہیں جو ہزار برس سے خشک تھا۔ فارسیوں کے آتش کدہ کی آگ کا بجھ جانا ہے جو ہزار برس سے روشن تھی۔انہیں حالات کی کثرت سے کسریٰ پر انتہائی خوف وہراس طاری ہوگیا ہر چند کہ وہ بظاہر بہادری اور دلیری دکھاتا اور لوگوں سے چھپاتا تھا۔اسی دوران فارس کے سب سے بڑے قاضی، جسے وہ ''موبداں'' کہتے ہیں اس نے یہ بھی خواب دیکھا کہ قوی وتوانا اونٹ اور چست وچالاک عربی گھوڑے دوڑتے آرہے ہیں،اور دجلہ کو پار کر کے شہروں میں پھیل گئے ہیں۔موبدوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ بلادعرب میں کوئی واقعہ رونما ہوگا۔ جس کی وجہ سے ممالک عجم مفتوح ومغلوب ہوں گے۔کسریٰ نے اس حال کی جستجو میں کچھ لوگوں کا کاہنوں کے پاس اور خصوصاً ''سطیح'' کے پاس بھیجا جو علم کہانت میں سب سے زیادہ ماہر تھا اس کے عجیب وغریب حالات ہیں، کہتے ہیں کہ اس کے جوڑ (مفاصل) نہ تھے اور وہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے پر قادر نہ تھا۔مگر جس وقت کہ وہ غصہ میں ہوتا تو وہ مشک کی مانند پھول جاتا اور بیٹھ جاتا۔اس کے اعضاء میں انگلی کے پوروں اور سر کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی۔گویا کہ وہ گوشت کا ایک ڈھیر تھا۔جب لوگ اسے کسی جگہ لیجانا چاہتے۔تو اسے کپڑے میں کپڑوں کی طرح لپیٹ لیتے اور لیجاتے کہتے ہیں کہ اس کا منہ اس کے سینہ میں تھا، اس کے سر اور گردن نہ تھی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی عمر چھ سو سال کے قریب تھی۔جب اس سے کہانت کی باتیں اور غیبی خبریں کو کہلوائی جاتیں تو اسے اس طرح ہلاتے جس طرح لسی کے مٹکے کو ہلایا جاتا ہے اس کا سانس پھول جاتا اور وہ خبریں بولنے لگتا چنانچہ جب کسریٰ کے ایلچی ''سطیح'' کے پاس آئے تو وہ موت کے سکرات میں مبتلا تھا انہوں نے سلام کیا اور کسریٰ کی تحیت پہنچائی اس سے کوئی جواب نہ سنا گیا۔چند اشعار پڑھے جن میں کسریٰ کا سوال مضمر تھا اور اس کے حال کا استکشاف تھا سطیح نے جب ان شعروں کو سنا ہنس کر کہنے لگا یہ وقت ہے جبکہ قرآن کی تلاوت ہوگی اور صاحب عصا ظاہر ہوگا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ مبعوث ہوں گے وادی ساوہ جاری ہوگا، اور دریائے ساوی کا خشک ہو کر پانی اتر جائے گا۔فارس کا آتش کدہ بجھ جائے گا۔سطیح کی زندگی کا درخت اس دنیا میں نہ رہے گا۔سطیح اتنی بات کہہ کر گر پڑا اور مر گیا۔

حق تعالیٰ نے یزدجرد کی مملکت کو جو فارس کا آخری بادشاہ تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔اس کے لشکری مسلمانوں کے مقابل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔اس کے بعد چند مرتبہ اس نے لشکر کو جمع کر کے جنگیں کیں بالآخر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کے زمانہ میں خراسان کی جانب چلا گیا اور ایک اصبہانی نے اسے ۳۱ھ میں ایک مرد کے قضیہ میں ہلاک کردیا۔

انہیں نشانیوں میں سے بتوں کا اوندھے منہ گرنا اور ان کا ذلیل وخوار ہونا ہے۔قریش کا ایک بت تھا۔وہ ہر سال اسی بت کے نزدیک آتے عید اور جشن مناتے۔اس کے سامنے اعتکاف کرتے تھے۔ایک رات انہوں نے دیکھا کہ وہ بت اوندھا پڑا ہوا ہے انہوں نے اسے اٹھا کر اپنی جگہ کھڑا کیا مگر وہ دوبارہ گر پڑا پھر کھڑا کیا سہ بارہ پھر گر پڑا۔جب انہوں نے اس حال کا مشاہدہ کیا تو وہ بہت غمگین و ملول ہوئے اور اسے اپنی جگہ مضبوط کر کے باندھ دیا اس وقت اس بت کے خول سے یہ آواز سنی وہ کہہ رہا تھا شعر

تَرَدّٰی بِمَوْلُوْدٍ اَضَاءَتْ بِنُوْرِہٖ جَمِیْعُ فِجَاجِ الْاَرْضِ بِالشَّرْقِ وَالْغَرْبِ
وَخَرَّتْ لَہُ الْاَوْثَانُ طَرًّا وَرَعَدَتْ قُلُوْبُ مُلُوْکِ الْاَرْضِ جَمْعًا مِنَ الرُّعْبِ

یعنی مولود کو چادر اڑھائی جس کے نور کی شعاعوں سے زمین کے مشارق ومغارب کی راہیں روشن ہوگئیں۔اور اس کی حرارت سے تمام بت گر پڑے، اور اس کے رعب و دبدبہ سے زمین کے بادشاہوں کے دل دہل گئے۔

یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت کا ہے۔

ایام رضاعت

وصل: سب سے پہلے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی باندی تو یبہ (بضم ثاء وفتح واؤ وسکون یا) تھی۔ جس شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ثویبہ نے ابولہب کو بشارت پہنچائی کہ تمہارے بھائی حضرت عبداللہ کے گھر فرزند پیدا ہوا ہے ابولہب نے اس مژدہ پر اس کو آزاد کر کے حکم دیا کہ جاؤ دودھ پلاؤ۔حق تعالیٰ نے اس خوشی ومسرت پر جو ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر ظاہر کی اس کے عذاب میں کمی کر دی اور دوشنبہ کے دن اس پر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔اس حدیث میں میلاد شریف پڑھوانے والوں کیلئے حجت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات میں خوشی ومسرت کا اظہار کریں اور خوب مال وزر خرچ کریں۔مطلب یہ کہ باوجود یکہ ابولہب کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن کریم میں نازل ہو چکی ہے جب اس نے حضور کی میلاد کی خوشی کی اور اس نے اپنی باندی کو دودھ پلانے کی خاطر آزاد کر دیا۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حق تعالیٰ نے اسے اس کا بدلہ عنایت فرمایا۔

ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے بعض محدثین انہیں صحابیات میں شمار کرتے ہیں سیر کی کتابوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم رضاعت' اُن کا اعزاز و اکرام فرمایا۔اور مدینہ مطہرہ سے ان کیلئے کپڑے اور انعام بھجواتے ان کی وفات غزوۂ خیبر کے بعد ۸ھ میں ہوئی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کے رشتہ داروں کے بارے میں دریافت کیا کہ کوئی عزیز وقریب ہے معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے۔کذافی روضۃ الاحباب اور انہیں ثویبہ نے سیّد الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا ہے۔اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان رضاعی بھائی کی نسبت بھی ثابت ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ نوش فرمایا اور چند دن ثویبہ کا دودھ پیا اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی۔چونکہ ان کا اپنا نام ونسبت ہی حلم ووقار اور سعادت کے ساتھ متصف تھا اور وہ اس قبیلہ بنی سعد بن بکر سے ہیں جن کی شیریں زبانی' اعتدال آب وہوا اور فصاحت وبلاغت مشہور ومعروف ہے۔مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لیے کہ میں قریشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر کا دودھ پیا ہے۔حضرت حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضائل وکرامات اور معجزات مروی ہیں وہ احاطہ بیان اور گنتی وشمار کی حد سے باہر ہیں ان میں سے مختصراً حیز تحریر میں لاتا ہوں۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن اسحٰق بن راہویہ، ابویعلی، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم سعدیہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں قبیلہ بنی سعد بن بکر کے ساتھ دودھ پلانے کیلئے کسی بچے کو لینے مکہ مکرمہ آئی۔یہ زمانہ شدید قحط سالی کا تھا آسمان سے زمین پر پانی کا ایک قطرہ تک نہ برساتھا۔ہماری ایک مادہ گدھی تھی جو لاغری وکمزوری کی وجہ سے چل نہیں سکتی تھی۔ایک اونٹنی تھی جو دودھ کا ایک بوند نہ دیتی تھی۔ میرے ساتھ میرا بچہ اور میرے شوہر تھے۔ہماری تنگی کا یہ عالم تھا کہ رات چین سے گزرتی تھی اور نہ دن آرام سے جب ہمارے قبیلہ کی عورتیں مکہ پہنچیں تو انہوں نے دودھ پلانے کیلئے تمام بچوں کو لے لیا بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔کیونکہ جب وہ یہ سنتی تھیں کہ وہ یتیم ہیں

تو ان کے یہاں جاتی ہی نہ تھیں۔ کوئی عورت ایسی نہ رہی جس نے کوئی بچہ نہ لے لیا ہو صرف میں ہی باقی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہ پاتی تھی۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ خدا کی قسم! بغیر بچہ لیے مکہ مکرمہ سے لوٹنا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ میں جاتی ہوں اور اسی یتیم بچہ کو لیے لیتی ہوں۔ میں اسی کو دودھ پلاؤں گی۔ اس کے بعد میں گئی میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دودھ سے زیادہ سفید اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور آپ سے مشک و عنبر کی خوشبوئیں لپٹیں مار رہی ہیں آپ کے نیچے سبز حریر بچھا ہوا ہے اور آپ خراٹے لیتے ہوئے اپنی قفا (گدھی) پر محو خواب ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ آپ نیند میں خراٹے لیتے تھے اور کبرسنی میں بھی خراٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اگر شدید آواز نہ ہو تو محمود ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں نے چاہا کہ آپ کو نیند سے بیدار کردوں مگر میں آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی پھر میں آہستہ سے قریب ہو کر اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنا ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر رکھا تو آپ نے تبسم فرما کر اپنی چشم مبارک کھولدی اور میری طرف نظر کرم اٹھائی تو آپ کی چشمان مبارک سے ایک نور نکلا جو آسمان تک پرواز کر گیا۔ میں نے آپ کی دونوں چشمان مبارک کے درمیان بوسہ دیا۔ اور اپنی گود میں بٹھالیا تا کہ دودھ پلاؤں میں نے داہنا پستان آپ کے دہن مبارک میں دیا آپ نے دودھ نوش فرمایا پھر میں نے چاہا کہ اپنا پستان دہن مبارک میں دوں تو آپ نے نہ لیا اور نہ پیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ابتدائی حالت میں ہی عدالت و انصاف ملحوظ رکھنے کا الہام فرما دیا تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ ایک ہی پستان کا دودھ آپ کا ہے کیونکہ حلیمہ کا ایک اپنا لڑکا بھی ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال رہا کہ ایک پستان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کیلئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پھر میں آپ کو لیکر اپنی جگہ آئی اور اپنے شوہر کو دکھایا۔ وہ بھی آپ کے جمال مبارک پر عاشق ہو گئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ وہ اپنی اونٹنی کے پاس گئے دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے باوجودیکہ اس سے پہلے اس کے تھن میں دودھ کا ایک قطرہ نہ تھا۔ انہوں نے اسے دوہا جسے انہوں نے بھی پیا اور میں نے بھی پیا اور ہم خوب سیر ہو گئے۔ اور خیر و برکت کے ساتھ اس رات چین کی نیند سوئے۔ چونکہ اس سے پہلے بھوک و پریشانی میں نیند نہیں آتی تھی۔ میرے شوہر نے کہا اے حلیمہ! بشارت و خوشی ہو کہ تم نے اس ذات مبارک کو لے لیا تم نہیں دیکھتیں کہ ہمیں کتنی خیر و برکت حاصل ہوئی ہے کہ سب اسی ذاتِ مبارک کے تحت ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ہمیشہ اور زیادہ خیر و برکت رہے گی۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد چند راتیں ہم مکہ مکرمہ میں ٹھیرے رہے ایک رات میں نے دیکھا کہ ایک نور آپ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔ اور ایک شخص سبز کپڑے پہنے آپ کے سرہانے کھڑا ہے۔ پھر میں نے اپنے شوہر کو جگا کر کہا اٹھئے اور دیکھئے۔ شوہر نے کہا اے حلیمہ! خاموش رہو اور اپنی اس حالت کو چھپا کے رکھو۔ کیوں کہ (مجھے معلوم ہوا ہے کہ) جس دن سے یہ فرزند پیدا ہوا ہے یہود کے علماء و احبار نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے انہیں چین و قرار نہیں ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد لوگوں نے ایک دوسرے کو رخصت کیا اور مجھے بھی سیّدہ آمنہ نے رخصت کیا۔ میں اپنے دراز گوش (یعنی مادہ گدھی) پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے کر سوار ہوئی۔ میرا دراز گوش خوب چست و چالاک ہو گیا اور اپنی گردن اوپر تان کر چلنے لگا۔ جب ہم کعبہ کے سامنے پہنچے تو تین سجدے کیے اور اپنے سر کو آسمان کی جانب اٹھایا اور چلایا۔ پھر قبیلہ کے جانوروں کے آگے آگے دوڑنے لگا۔ لوگ اس کی تیز رفتاری پر تعجب کرنے لگے۔ عورتوں نے مجھ سے کہا اے بنت ذویب! کیا یہ وہی جانور ہے جس پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ آئی تھیں جو تمہارے بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا تھا اور سیدھا ہل تک نہ سکتا تھا؟ میں نے جواب دیا خدا کی قسم! یہ وہی جانور ہے اور یہ وہی دراز گوش ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس فرزند کی برکت سے اسے قوی و طاقتور کر دیا ہے اس پر انہوں نے کہا خدا کی قسم! اس کی بڑی شان ہے۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے دراز گوش کو جواب دیتے سنا کہ "ہاں! خدا کی قسم میری بڑی شان ہے۔ میں مردہ تھا مجھے زندگی عطا فرمائی، میں لاغر و کمزور تھا

مجھے قوت وتوانائی بخشی۔اے بنی سعد کی عورتو! تم پر تعجب ہے اور تم غفلت میں ہو اور تم نہیں جانتیں کہ میری پشت پر کون ہے۔میری پشت پر سیّد المرسلین، خیر الاولین والآخرین اور حبیب رب العلمین ہے۔'' حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ راستہ میں دائیں بائیں میں سنتی کہ کہتے اے حلیمہ! تم تونگر ہوگئیں اور بنی سعد کی عورتوں میں تم بزرگ ترین ہوگئیں اور بکریوں کے جس ریوڑ پر میں گزرتی بکریاں سامنے آکر کہتیں، اے حلیمہ! تم جانتی ہو کہ تمہارا دودھ پینے والا کون ہے؟ یہ محمد آسمان وزمین کے رب کے رسول اور تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔'' ہم جس منزل پر قیام کرتے حق تعالیٰ اس منزل کو سرسبز وشاداب فرمادیتا باوجودیکہ وہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔اور جب ہم بنی سعد کی بستی میں پہنچ گئے تو کوئی خطہ اس سے زیادہ خشک اور ویران نہ تھا۔میری بکریاں چراگاہ میں جاتیں تو شام کو خوب شکم سیر، تروتازہ اور دودھ سے بھری ہوئی لوٹتیں۔تو ہم ان کا دودھ دوہتے اور ہم سب خوب سیر ہوکر پیتے اور دوسروں کو پلاتے۔ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم اپنی بکریوں کو ان چراگاہوں میں کیوں نہیں چراتے جس چراگاہ میں بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں۔حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتے کہ ہمارے گھر میں یہ خیر وبرکت کہاں سے آئی ہے۔یہ برکت ونشاط غیبی چراگاہ اور کسی اور چارہ سے تھی اس کے بعد ہماری قوم کے چرواہوں نے ہمارے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چرانی شروع کردیں۔یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کے اموال اور ان کی بکریوں میں بھی خیر وبرکت پیدا کردی۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تمام قبیلہ میں خیر وبرکت پھیل گئی۔میں جانتی ہوں کہ یہ سب حضور کے وجود گرامی کی برکت سے ہے۔حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک، بات کرنے کی آئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنتی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا اور رات کے وقت آپ کے دل مبارک کو یہ فرماتے سنتی: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُدُّوْسًا نَامَتِ الْعُیُوْنُ وَالرَّحْمٰنُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔اور حضور کو مہد میں یعنی پنگھوڑے میں چاند سے باتیں کرتے اور اشارہ کرتے دیکھتی اور جس طرف چاند کو اشارہ فرماتے۔چاند اسی جانب جھک جاتا اور فرشتے آپ کے گہوارے یعنی پنگھوڑے کو ہلاتے، یہ آپ کے معجزات میں مذکور ہے۔حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کپڑوں میں بول وبراز نہیں کیا۔آپ کے بول وبراز کا ایک وقت مقرر تھا جب بھی میں ارادہ کرتی کہ آپ کے دہن مبارک کو دودھ وغیرہ سے پاک وصاف کروں تو غیب سے مجھ پر سبقت ہوتی اور آپ کا دہن مبارک پاک وصاف ہوجاتا۔اور جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر کھلجاتا تو آپ حرکت کرتے اور فریاد کرتے یہاں تک کہ میں ستر ڈھانپ دیتی اور اگر ڈھانپنے میں میری طرف سے تاخیر یا کوتاہی ہوتی تو غیب سے ڈھانپ دیا جاتا۔

جب چلنے کا زمانہ آیا اور آپ بچوں کو کھیلتا دیکھتے تو آپ ان سے دور رہتے اور انہیں اس سے منع فرماتے اور کہتے ہمیں کھیلنے کیلئے پیدا نہیں فرمایا گیا ہے۔اسی کے مانند حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بھی نقل کیا گیا ہے۔شروع کتاب میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما دوسرے بچوں سے نرالی تھی۔ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما اتنی ہوتی جتنی دوسرے بچوں کی ایک ماہ میں ہوتی اور ایک ماہ میں اتنی ہوتی جتنی دوسرے بچوں کی ایک سال میں ہوتی۔اور روزانہ ایک نور: آفتاب کی مانند آپ پر اترتا اور آپ کو ڈھانپ لیتا پھر آپ متجلی ہوجاتے۔منقول ہے کہ روزانہ دو سفید مرغ، اور ایک روایت میں ہے کہ دو مرد سفید پوش آپ کے گریبان میں داخل ہوکر روپوش ہوجاتے تھے۔آپ نہ روتے چلاتے اور نہ بدخلقی کا اظہار فرماتے۔شروع سے ہی آپ کا یہی حال تھا۔اور جب کسی چیز پر آپ دست مبارک رکھتے تو بِسْمِ اللّٰہِ کہتے۔اور میں آپ کی ہیبت اور دبدبہ سے اپنے شوہر کو اپنے قریب نہ آنے دیتی۔یہاں تک کہ آپ پر دو سال پورے گزر گئے۔فرماتی ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دور جانے نہ دیتی۔ایک روز مجھ سے غفلت ہوئی۔آپ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ جو آپ کے ساتھ خاص طور پر رہتی تھی چلے گئے یہ دن

گرمی کا تھا۔ تو میں آپ کی تلاش میں چلدی اور میں نے آپ کو شیما کے ساتھ پایا۔ میں نے شیما سے کہا کہ کیوں گرمی اور لو میں لے کر آ گئی۔ شیما نے کہا ہم نے تو گرمی کی شدت محسوس نہیں کی کیونکہ میں نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ کیے رہا جہاں تشریف لے جاتے ابر ساتھ جاتا۔ یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے۔ (الحدیث) اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر ابر کا سایہ کرنا بچپن ہی سے تھا' لیکن علماء کہتے ہیں کہ یہ دائمی طور پر نہ تھا کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر ابر سایہ کرتا۔ اور یہ صورت ضرورت واحتیاج کے وقت ہوتی'۔

سینہ مبارک کے چاک کرنے اور قلب اطہر کو غسل دینے کا قضیہ بھی دایہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں پیش آیا یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ سے فرمایا اے مادر! مجھے اپنے بھائیوں کے ساتھ جب وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں کیوں نہیں بھیجتیں تا کہ میں سیر کروں اور تمہاری بکریوں کو چراؤں؟ چنانچہ حلیمہ سعدیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا، کپڑے بدلے اور بدنظری سے بچنے کیلئے آپ کی گردن میں یمنی تختی باندھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا میرا رب میرا محافظ ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور بکریاں چرانے میں مشغول ہو گئے۔ جب آدھا دن گزرا تو ضمرہ حلیمہ کا لڑکا ابا جان' اماں جان پکارتا بھاگتا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ساتھ کھڑے تھے اچانک ایک شخص نمودار ہوا اور اُن کے قریب آ کر انہیں ہمارے درمیان سے پہاڑ پر لے گیا اور لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا۔ آگے ہم نہیں جانتے کہ ان کا حال کیا ہوا۔ اس پر حلیمہ اور ان کے شوہر دوڑتے ہوئے گئے جب آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ پہاڑ پر بیٹھے ہوئے آسمان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ نے ہمیں دیکھا تو تبسم فرمایا۔ یہ قصہ احادیث کی کتابوں میں مختلف توعیتوں اور مختلف عبارتوں سے آیا ہے۔

ابویعلیٰ' ابونعیم اور ابن عساکر شداد رضی اللہ عنہ بن اوس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک روز میں بنی لیث بن بکر میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ وادی میں تھا کہ یکا یک میری نظر تین شخصوں پر پڑی ان میں سے ایک کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں سبز زمرد کی لگن تھی جو برف سے لبریز تھا پھر مجھے اپنے ساتھیوں کے درمیان سے پکڑا میرے سب ساتھی اپنے محلے کی جانب بھاگ گئے۔ اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک نے مجھے زمین پر نرمی سے لٹایا اور ایک نے میرے سینہ کو جوڑوں کے پاس سے ناف تک چیرا اور مجھے کسی قسم کا درد وغیرہ محسوس نہ ہوا۔ اس کے بعد پیٹ کی رگوں کو نکالا اور اس برف سے اسے خوب غسل دیا، پھر اسے اپنی جگہ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے شخص نے اس سے کہا اب تم ہٹ جاؤ اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھ کو میرے جوف میں ڈال کر میرا دل نکالا۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں پھر اسے چیرا اور اس سے سیاہ لوتھڑا نکالا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سیاہ نکتہ کو نکالا اور اسے پھینک دیا اس نے کہا یہ شیطان کا حصہ ہے' پھر اسے اس چیز سے بھرا جو ان کے پاس تھی۔ ایک روایت میں اسے شکبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اپنے داہنے اور بائیں کچھ اشارہ کیا گویا وہ کسی چیز کو مانگ رہا ہے۔ تو انہوں نے ایک انگشتری نور کی دی جس کی نورانیت سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اس کے بعد میرے دل پر مہر لگائی۔ اور میرا دل نور سے لبریز ہو گیا' اور وہ نور نبوت وحکمت کا تھا پھر دل کو اپنی جگہ رکھ دیا تو میں اس مہر کی سردی و خوشی عرصہ دراز تک محسوس کرتا رہا۔ اسی طرح کے مواہب کے الفاظ ہیں کہ کہا فَوَجَدْتُ بَرْدَ ذٰلِكَ الْخَاتِمِ فِيْ صَدْرِيْ تو میں نے اس مہر کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔ اور روضۃ الاحباب کی عبارت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس کی ٹھنڈک اور خوشی اب بھی اپنے جوڑوں اور رگوں میں پاتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ٹھنڈک کا پایا جانا تمام عمر مبارک تک رہا (واللہ اعلم) ایک روایت میں ہے کہ

جب میرے احشاء کو پانی سے غسل دینے لگے تو دوسرے نے کہا کہ اولے کے پانی سے غسل دو۔ تو پانی اور اولے دونوں سے غسل دیا۔ یہ روایت اس دعائے ماثورہ کے مناسب حال ہے جو آپ کیا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ ایک روایت میں بِالْمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ ہے۔ مقصود شمول انواع طہارت ہے اس کے بعد دوسرے نے کہا اٹھو تم اپنا کام کر چکے۔ پھر انہوں نے سینہ کے جوڑ سے ناف تک ہاتھ پھیرا اور وہ شگاف مل گیا۔ اس کے بعد مجھے آہستگی سے اٹھایا اور مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور کہنے لگے اے خدا کے حبیب کچھ نہ پوچھو اگر آپ جانتے کہ آپ کیلئے کیا کچھ خیر و خوبی ہے تو آپ کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور آپ خوش ہوتے۔ اس کے بعد وہ مجھے وہیں چھوڑ کر آسمان کی جانب پرواز کر گئے۔ اور میں ان کو دیکھتا رہا۔ حلیہ شریف کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ و شکم مبارک پر اس جوڑ کے نقش و نشان کو سیدھی لکیر کی مانند دیکھا کرتے تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ غسل قلب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام نبیوں کیلئے عام ہے۔ ان میں جو شیطان کا حصہ ہوتا تھا دور کر دیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر بچپن کے زمانہ کے ساتھ جبکہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے یہاں تشریف فرما تھے مخصوص نہیں ہے بلکہ متعدد مرتبہ شق صدر واقع ہوا ہے۔ ایک اس وقت میں جبکہ آپ چھ سال کے تھے اور روایت میں دسویں سال بھی آیا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں ثبوت کے ساتھ منقول ہے کہ شب معراج میں بھی واقع ہوا' اور بعض علماء نے خاص اسی ضمن میں تمام مرتبوں کو جمع کر کے رسالے لکھے ہیں اور ہم نے بھی مشکوٰۃ کی شرح میں اور اس کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب شق صدر کا قضیہ پیش آیا تو میرے شوہر اور دوسرے لوگوں نے بھی مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ آپ کو کوئی گزند پہنچے بہتر یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ ماجدہ اور ان کے جدِ امجد کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد ہم حضور کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے۔ جب ہم مکہ کے قرب و جوار میں پہنچے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھا کر قضائے حاجت کیلئے چلی گئی جب واپس آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ موجود نہ پایا۔ بہت تلاش و جستجو کی مگر کوئی نام و نشان نہ پایا۔ ناامید ہو کر سر پر ہاتھ مار کر وَمُحَمَّدَاہُ وَ وَلَدَاہُ کہہ کر پکارنے لگی۔ اتنے میں ایک بوڑھا شخص لاٹھی ٹیکتا میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا اے سعدیہ! کیا بات ہے کیوں نالہ و شیون کر رہی ہو؟ میں نے کہا کہ میں نے محمد بن عبدالمطلب کو ایک مدت تک دودھ پلایا ہے۔ اب میں انہیں لے کر ان کی والدہ اور دادا کے سپرد کرنے آئی تھی۔ لیکن وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ بوڑھے نے کہا روؤ نہیں اور غم نہ کھاؤ، میں تمہیں اس کی رہنمائی کرتا ہوں جہاں وہ ہوں گے۔ اگر اس نے چاہا تو ممکن ہے کہ تمہیں ان تک پہنچا دے۔ میں نے کہا میری جان تم پر قربان! بتاؤ وہ کون ہے؟ بوڑھے نے کہا وہ بڑا بت ہے جس کا نام ہُبَل ہے وہ بڑا مرتبہ والا ہے وہ جانتا ہے کہ تمہارا فرزند کہاں ہے۔ میں نے کہا خرابی ہو تیری! کیا تو نہیں جانتا اور تو نے نہیں سنا کہ اس فرزند کی ولادت کی رات میں بتوں پر کیا گزری تھی۔ وہ سب ٹوٹ کر اوندھے گر پڑے تھے۔ بوڑھا زبردستی مجھے ہُبَل کے پاس لے گیا اور اس کا چکر لگوایا اور میرا مقصد اس نے بت کے سامنے بیان کیا تو ہُبَل سر کے بل گر پڑا' اور دوسرے تمام بت اوندھے ہو کر گر پڑے۔ ان کے خول سے یہ آواز آئی۔ اے بوڑھے! ہمارے سامنے سے دور ہو اور اس فرزند جلیل کا ہمارے سامنے نام نہ لے۔ کیونکہ اس ذات مبارک کے ہاتھ سے ہماری ہلاکت' تمام بتوں کی تباہی اور تمام پجاریوں کی بربادی ہوگی اس کا رب انہیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اور وہ ہر حال میں اس کا محافظ ہے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں عبدالمطلب کے پاس آئی۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں فکر

منداور پریشان دیکھ رہا ہوں۔اور ہمارا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ساتھ نہیں ہے؟ میں نے کہا اے ابوالحارث میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوب اچھی طرح لا رہی تھی جب میں مکہ میں داخل ہوئی تو میں انہیں بٹھا کر قضائے حاجت کیلئے چلی گئی واپسی پر وہ غائب ملے۔ان کی جستجو و تلاش میں بہت زیادہ سرگرداں رہی مگر کوئی خبر نہ پاسکی۔یہ سن کر حضرت عبدالمطلب کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کو آواز دی کہ اے آلِ غالب میرے پاس آؤ۔جب تمام قریش جمع ہو گئے تو قریش نے کہا اے سردار! آپ کو کیا معاملہ درپیش ہے؟ فرمایا میرا فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گم ہو گیا ہے۔اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور مکہ کی اعلیٰ و اسفل ہر جگہ میں تلاش کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ملے۔اس کے بعد حضرت عبدالمطلب مسجد حرام میں آئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔اور بارگاہ الٰہی میں مناجات کی۔یہاں آپ نے ہاتف غیبی کی آواز سنی کہ اے لوگو غم نہ کھاؤ کیونکہ محمد کا خدا محافظ ہے وہ آپ اپنی حفاظت سے کبھی دور نہ فرمائے گا۔حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ ہاتفِ غیبی مجھے بتاؤ کہ محمد کہاں ہیں؟ اس نے کہا تہامہ کی جانب چل دیئے۔راہ میں ورقہ بن نوفل ان کے سامنے آئے۔وہ بھی ان کے ہمراہ ہو لیے۔یہاں تک کہ جب وادی تہامہ پہنچے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اور اس کے پتے چن رہے ہیں۔عبدالمطلب نے پوچھا مَنْ اَنْتَ یَا غُلَامٌ اے فرزند تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔حضرت عبدالمطلب نے کہا۔میری جان تم پر قربان ہو میں تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں' اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر اپنے آگے بٹھایا اور خوش خوش مکہ مکرمہ لے آئے۔اور بہت سا سونا اور بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے۔اور حلیمہ سعدیہ کو قسم قسم کے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔وہ اپنے قبیلہ کی جانب لوٹ گئیں۔اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس گمشدگی میں کیا بھید تھا۔بعض مفسرین آیہ کریمہ "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔اور اسی طرح پر حلیمہ سعدیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے سے پہلے شق صدر کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں سیّدہ آمنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئیں تو اُس خیر و برکت کے پیش نظر، جو آپ کے قدم مبارک سے پہنچی تھی' ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کچھ عرصہ مزید حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف فرما رہیں چنانچہ سیّدہ آمنہ سے کہا کہ چونکہ مکہ مکرم میں وبا پھیلی ہوئی ہے اس لیے میں انہیں اپنے قبیلہ میں واپس لیے جاتی ہوں۔سیّدہ آمنہ اس پر راضی ہو گئیں۔حلیمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ قبیلہ بنی سعد لے گئیں اس مرتبہ دو یا تین سال یہاں رہے اور اسی دوران شق صدر کا واقعہ ہوا۔

حلیمہ سعدیہ کے بعد ام ایمن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و پرورش کے فرائض انجام دیئے یہ ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی باندی تھیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ کی میراث میں حاصل ہوئی تھیں۔مواہب لدنیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا حضانت کے فرائض انجام دینا سیّدہ آمنہ کی رحلت کے بعد تھا۔ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک و پیاس کی شکایت کرتے نہ دیکھا۔جب صبح ہوتی تو ایک پیالہ زمزم کا نوش فرماتے اور شام تک کچھ طلب نہ فرماتے۔اکثر ایسا ہوا کہ دوپہر کے وقت کھانے کیلئے عرض کیا جاتا تو فرماتے مجھے کھانے کی رغبت نہیں ہے۔

باب دوم

کفالت اور انتقال عبدالمطلب اور ابوطالب کی اعانت اور اُن کے ساتھ سفر کرنا

اس باب میں حضرت عبدالمطلب کی کفالت، ان کے انتقال، ابوطالب کی امداد و اعانت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ شام کی جانب سفر کرنا اور بحیرہ راہب کا آپ کی نبوت کی علامتوں کے پہچاننے اور اُم المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے اور تعمیر خانہ کعبہ کا ذکر و بیان ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار، پانچ، چھ یا سات سال کے ہوئے اور ایک روایت میں بارہ سال کہا گیا ہے مگر اصح چھ یا سات سال ہے سیّدہ آمنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے والد سے ملنے قبیلہ بنی نجار مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک مہینہ گزار کر مکہ مکرمہ کو واپس ہونے لگیں۔ تو دورانِ سفر مقام ''ابواء'' میں انتقال فرمایا اور اسی جگہ دفن کی گئیں۔ ''ابواء'' مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیّدہ آمنہ کی قبر انور مکہ مکرمہ کے مقام حجون میں جانب معلا یعنی بلندی میں ہے بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابواء میں مدفون ہونے کے بعد انہیں مکہ مکرمہ منتقل کیا گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو یاد کرتے تھے جو آپ نے والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ کے قیام کے دوران مدینہ میں دیکھی تھیں اور جب اس مکان کو ملاحظہ فرماتے جس میں سیّدہ آمنہ نے اقامت فرمائی تھی۔ تو فرماتے اس مکان میں میری والدہ ماجدہ نے قیام کیا تھا۔ آنے جانے والے یہودی میری طرف دیکھ کر کہا کرتے کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر مدینہ ان کا مقام ہجرت ہے۔ مجھے یہ سب باتیں یاد ہیں۔ ابونعیم زہری کی سند سے اسماء بنت جرہم سے روایت کرتے ہیں کہ اسماء بیان کرتی ہیں۔ میں اس وقت حضرت آمنہ کے پاس موجود تھی جس مرض میں انہوں نے وفات پائی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کے بچے تھے اور اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے کی۔ حضرت عبدالمطلب آپ کو اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ محبوب جانتے تھے اور کبھی آپ کے بغیر دسترخوان نہ بچھاتے۔ جلوت و خلوت کے تمام اوقات میں حضرت عبدالمطلب کے پاس ان کی مسند پر تشریف فرما رہتے تھے اور جب کوئی حضرت عبدالمطلب کا مخصوص ہمنشیں، مجلسی آداب و قواعد کی رعایت سے چاہتا کہ آپ کو منع کرے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے میرے فرزند کو چھوڑ دو کہ وہ اس مسند پر جلوہ فرما ہو کیونکہ وہ اپنے اندر خاص شرافت و بزرگی محسوس فرماتے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی عرب ان کے سامنے یا ان کے مرتبہ و مقام اور بزرگی و شرافت تک نہ پہنچے گا۔ اہل قیافہ حضرت عبدالمطلب سے کہتے کہ اس فرزند کی خوب نگہداشت اور محافظت کرو کیونکہ ہم نے آپ جیسے قدم مبارک کسی کے نہیں دیکھے۔ آپ کے قدم مبارک میں وہ اثرات و نشانات ہیں جو مقام ابراہیم میں ہیں جس سال حضرت عبدالمطلب قریش کے سرداروں کے ساتھ سیف ذی یزن کی تہنیت

کیلئے یمن کی جانب تشریف لے گئے۔ تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو بشارت دی کہ آپ کی نسل سے نبی آخرالزماں ظاہر ہوں گے۔ اس سفر سے لوٹنے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے دیکھا کہ قریش میں شدید قحط پڑا ہوا ہے۔ یہ قحط مسلسل کئی سال تک رہا اس وقت حضرت عبدالمطلب نے غیبی اشارات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعائے استسقاء کی۔ حضور کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بارش کی دعا مانگی۔ پھر خوب زور کی بارش ہوئی جس سے کئی سالوں کی خشکی ناپید ہوگئی۔ وفات کے وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ ایک روایت میں ایک سو بیس سال اور ایک روایت میں ایک سو چالیس تھی۔ عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ حضور کے عہدہ کفالت میں لائے گئے اگر چہ زبیر بن عبدالمطلب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے لیکن حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کے درمیان محبت وارتباط بہت زیادہ تھی۔ حضرت عبدالمطلب انہیں وصیت فرما گئے تھے کہ حضور کی محافظت خوب اچھی طرح کرنا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال کی تھی۔ نو دس اور چھ سال بھی کہا گیا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ آپ اپنے چچاؤں میں سے کس کی کفالت میں جانا پسند فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی کفالت پسند فرمائی تھی۔ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت ومحافظت' ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد خوب اچھی طرح انجام دی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کھانا تک نہ کھاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک اپنے داہنے پہلو میں بچھاتے' گھر کے اندر اور باہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ رکھتے۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيُجِلَّهُ　　فَذُو االْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس شعر کی اس طرح تضمین کی ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَ عَبْدَهُ　　بِاٰيَاتِهِ وَاللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَمْجَدَ

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيُجِلَّهُ　　فَذُوا الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

روضۃ الاحباب میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابوطالب کے عہد کفالت میں بھی مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا۔ چنانچہ ابن عساکر عروط سے روایت کرتے ہیں کہ میں قحط کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا تو لوگ مجتمع ہو کر استسقاء کیلئے ابوطالب کے پاس آئے۔ ان قریشیوں میں بچے بھی تھے ان میں ایک فرزند آفتاب تاباں کی مانند نکلا جس کے چہرہ انور پہ ابر کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ابوطالب نے اس فرزند جلیل کو پکڑ کر خانہ کعبہ کے ساتھ اس کی پشت ملا دی اور اس فرزند جلیل نے آسمان کی جانب انگشت مبارک سے اشارہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ اس کے بعد بادل ہر جانب سے گھر کر آ گئے اور اتنا برسے کہ ندی نالے بھر گئے۔ اس وقت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ قصیدہ کہا:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغُمَامُ بِوَجْهِهٖ　　شَمَائِلُ الْيَتَامٰى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

یہ شعر اس قصیدے میں ہے جسے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں کہا ہے۔ محمد ابن اسحاق اس قصیدہ کو اسی (۸۰) سے زیادہ اشعار پر مشتمل بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں اس قصیدے کو اس وقت لکھا جبکہ قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہوئے تھے اور جو آپ پر اسلام لانے کا ارادہ کرتا وہ اس سے تنفر کرتے تھے۔ انہوں نے اس قصیدے میں کفار کی مذمت کی ہے اور قریش کے انکار اور ان کی عداوت پر ملامت کی ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ویقین اور قبول کی طرف ترغیب دی ہے۔ ابن القین کہتے ہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعثت سے پہلے ہی سے بحیرہ

راہب وغیرہ جس کا نام جرجیس تھا کے خبر دینے کی بنا پر خوب جانتے تھے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوطالب نے اس قصیدے کو بعثت کے بعد لکھا ہے۔ ابوطالب کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی معرفت بہت سی حدیثوں میں آیا ہے اور اسی بنا پر شیعہ ان کے اسلام پر استدلال کرتے ہیں۔ شیخ موصوف نے فرمایا کہ میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں انہوں نے ابوطالب کے اشعار جمع کر کے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی وہ اس جہان سے گئے اور حشو یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی ہے اور وہ اس پر استدلال کرتے ہیں کہ کوئی چیز ان کی جانب سے اسلام پر ثابت نہیں ہے۔ انتہی محدثین نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے اور دعوتِ اسلام کے قبول نہ کرنے پر دلیل موجود ہے۔ وہ نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرہانے تشریف فرما ہو کر دعوتِ اسلام دی مگر ان کی جانب سے قبولیت واقع نہ ہوئی۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آپ کے چچا اسلام لے آئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ (واللہ اعلم)

بارہویں سال حضور نے ملک شام کی جانب سفر فرمایا اور بصرے پہنچے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی آخر الزمان کی ان علامتوں اور صفتوں کو دیکھا اور پہچانا جو توریت' انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھی تھیں۔ بحیرا راہب نصاریٰ کے احبار میں سے ہے۔ زہد و ورع کی صفت میں ممتاز تھا۔ بصرہ کے قریب ایک دیہات میں ایک صومعہ تھا جس میں وہ نبی آخر الزمان کے دیدار کے انتظار میں عرصہ دراز سے ٹھہرا ہوا تھا اور عمر گزار رہا تھا۔ کوئی جب قریش کا قافلہ اس راہ سے گزرتا تو وہ صومعہ سے نکل کر قافلہ میں آتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم شدہ نشانیوں کی بنا پر تلاش کرتا۔ جب ان میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاتا تو واپس صومعہ چلا جاتا۔

ایک مرتبہ جب قریش کا قافلہ آیا تو اس نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطالب کے ساتھ کسی درخت کے نیچے آتے تو بادل درخت کے اوپر آ جاتا۔ بحیرہ اس صورت حال کو حیرت و تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد بحیرا نے اس قافلہ کو مہمان بننے کی دعوت دی اور قافلہ والوں کو بلایا تو ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام گاہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب بحیرا نے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر قیام گاہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا اپنی جگہ قائم ہے۔ راہب نے کہا قافلے والو! کیا کوئی تم میں سے ایسا شخص رہ گیا ہے جو یہاں نہیں آیا ہے۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا اور وہ بادل کا ٹکڑا ابھی آپ کے ہمراہ آپ کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے آیا۔ جب یہ قافلہ پہاڑ پر چڑھنے لگا تو بحیرا نے سنا کہ پہاڑ کا ہر شجر و حجر کہہ رہا ہے وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک پر اس مہر نبوت کو بھی دیکھا اور اس کو اسی طرح پایا جس طرح آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھا تھا۔ بحیرا نے اسے بوسہ دیا اور آپ پر ایمان لایا۔ بحیرا ان میں سے ایک ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے اظہار نبوت سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ جیسے حبیب بخار' اصحاب قریہ وغیرہ کے قصے میں ہے۔ ابومندہ اور ابونعیم اسے صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس سفر میں سات افراد روم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے۔ بحیرا نے دلائل واضح سے حضور کی نبوت ان پر ثابت کر دی تھی۔ کہا تھا کہ یہ فرزند وہی ہے جس کی تعریف و توصیف' توریت و انجیل اور زبور میں آئی ہے۔ یہ بھی کہا کہ خدا جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ منقول ہے کہ بحیرا نے ابوطالب کو وصیت کی کہ یہود و نصاریٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب حفاظت کریں کیونکہ یہ فرزند نبی آخر الزمان ہوگا اور ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہوگا۔ انہیں شام لے کر نہ جاؤ کیونکہ یہود ان کے دشمن ہیں اس کے بعد ابوطالب اپنا سامان تجارت فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگوں کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس کر دیا اور خود شام کی جانب چلے گئے۔ یہ قصہ مشہور ہے ترمذی نے اسے حسن کہہ کر اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بجز اس کے بعد بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ ''حضور کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ یہ درست نہیں ہے اس لیے کہ اس سفر میں حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک خریدا نہ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دو سال چھوٹے تھے حالانکہ حضور بارہ سال کے تھے۔ شیخ ابن حجر اصابہ میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں اور اس میں کوئی منکر نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں۔ جیسا کہ صاحب مواہب لدنیہ نے روایت کی ہے جسے ابن مندہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بہ سند ضعیف روایت کیا ہے کہ سفر شام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی صحبت پائی ہے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال کے تھے اور حضور بیس سال کے یہاں تک آپ نے اس منزل میں اقامت فرمائی جہاں بیری کے درخت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درخت کے سایہ میں بٹھا کر حضرت ابوبکر ایک راہب کے پاس گئے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس سے کچھ دریافت کیا اس کے بعد راہب نے ان سے پوچھا وہ کون شخص ہے جو درخت کے سایہ میں جلوہ افروز ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ راہب نے کہا خدا کی قسم! یہ شخص نبی ہے اس لیے کہ ہماری خبروں میں ہے کہ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہ بیٹھے گا۔ بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق گھر کر گئی۔ جب آپ نے اظہار نبوت فرمایا تو آپ نے فی الفور آپ کی پیروی اختیار کی۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر یہ قصہ صحیح ہے تو یہ سفر حضرت ابو طالب کے سفر کے علاوہ ہوگا۔

اسی طرح انوار و آثار فضل و کمال اور پاکیزہ و برتر صورتوں اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنا آپ کی حالت مبارکہ میں ہمیشہ رہے ہیں۔ ابو طالب آپ کی اس حالت مبارکہ کے مشاہدہ کرنے کی بنا پر آپ کو طبیبوں اور کاہنوں کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ان کو بتایا کہ یہ احوال وساوس شیطانی اور امراض جسمانی کی وجہ سے نہیں ہیں یہاں تک کہ حضور پچیسویں سال حضرت خدیجہ کا مال شرکت ''بطریق مضاربت'' لے کر پھر شام کی جانب تجارت کیلئے تشریف لے گئے۔ یہ اس قول کی بنا پر ہے کہ ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا چونکہ میرے پاس اب مال بالکل باقی نہیں رہا ہے اور قریشیوں کا قافلہ بغرض تجارت جانے والا ہے لہٰذا خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے جا کر کہو وہ قریش کی مالدار لوگوں میں سے ہیں۔ لوگوں کو مضاربت کے طور پر مال تجارت دیکر بھیجتی ہیں تو اگر آپ ان سے خود اپنے لیے چاہیں گے تو وہ یقیناً مال تجارت آپ کو بھی دیدیں گی۔ ممکن ہے کہ اس طرح کچھ مال نفع میں حاصل ہو جائے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود کسی ایسے امین کی متلاشی تھیں جسے وہ اپنا مال تجارت سپرد کریں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو امین نہ پاتی تھیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام قریش اظہار نبوت سے قبل ''محمد امین'' کہا کرتے تھے۔ لہٰذا خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ اگر میرا مال تجارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے جائیں اور حق تعالیٰ اس میں نفع دے تو جتنا آپ مناسب خیال فرمائیں نفع لے لیں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے مشورہ سے اسے قبول فرمایا۔ اس کے بعد سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا غلام جس کا نام میسرہ تھا اور اپنا ایک مخصوص آدمی جس کا نام خزیمہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیلئے ساتھ کر دیا۔ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بصرے پہنچے تو وہاں ایک صومعہ یعنی کلیسا تھا جس میں نسطورا راہب رہتا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے درخت کے نیچے جلوہ افروز دیکھا جس کے بارے میں خبر تھی کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کوئی نہ

بیٹھے گا۔ یہ کہ یہ درخت بے برگ وبار اور خشک تھا اس کے تنے بھی بوسیدہ تھے۔ پتے جھڑ چکے تھے حضور کے بیٹھنے کی وجہ سے وہ درخت سرسبز میوہ دار ہو گیا اور اس کے گرداگرد سرسبزی وشادابی پھیل گئی۔ نسطورا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ کو لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں۔ بتائیے آپ کا نام کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثَکِلَتْ اُمُّكَ میرے پاس سے دور ہو کیونکہ کسی عرب نے اس سے زیادہ مکروہ وناگوار اور شدید ترین مجھ سے بات نہیں کی ہے۔ اسی طرح بحیرا نے بھی آپ کو قسم دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسے تنبیہہ فرمائی تھی۔ نسطورا کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جسے وہ دیکھتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ یہ وہی ہے یعنی یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال تجارت بصرا میں فروخت کیا اور دوسروں سے دونا نفع حاصل ہوا۔ قافلہ والوں کو بھی آپ کی صحبت کی برکت سے بہت نفع ہوا جس وقت مکہ مکرمہ واپسی ہوئی تو دوپہر کا وقت تھا۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ بالا خانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دو مرغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیّدہ خدیجہ نے دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر دو فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ دونوں فرشتے مرغ کی صورت میں متمثل ہوں گے ورنہ مرغوں کے سایہ کرنے کا کیا موقع؟ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ اور ان کے مخصوص آدمی خزیمہ نے جو راہ میں خوارق وکرامات مشاہدہ کئے وہ بھی کسی حد تک سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عظیم میلان اور شرح صدر پیدا ہونے کیلئے بہت ہوں گے کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تھا۔ حالانکہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عقل وفراست میں کامل اور قریش کی عورتوں میں اشرف وانسب تھیں۔ ان میں بہت زیادہ مالدار تھیں اور بکثرت قریشی اس بات کے حریص تھے کہ وہ ان کے ساتھ نکاح کرلیں اور پیغام بھی بھیجے تھے۔ مگر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو قبول نہ فرمایا تھا پھر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خفیہ طور پر ایک عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ معلوم کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کی طرف مائل ہیں یا نہیں اور یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی ترغیب دلاتی رہی۔ اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز آپ کو نکاح سے مانع ہے؟ فرمایا میں دنیاوی ساز وسامان نہیں رکھتا۔ اس عورت نے کہا اگر کوئی عورت ایسی پیدا ہو جائے جو صاحب جمال ہو اور مال وافر رکھتی ہو اور حسب ونسب میں سب سے زیادہ اشرف ہو۔ وہ نکاح کے اخراجات وغیرہ کی کفیل ہو تو کیا حضور قبول فرمائیں گے۔ فرمایا ایسی عورت کہاں پیدا ہوتی ہے اس عورت نے کہا خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد آپ کو بہت چاہتی ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو اسے شوق دلاؤں اور راضی کروں۔ فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد وہ عورت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اس نے کہا مبارک ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کو چاہتے ہیں۔ اس پر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور اظہارت مسرت کیا۔ انہوں نے کسی کو اپنے چچا عمرو بن اسد کے پاس بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کے وقت موجود ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابو طالب' حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر چچاؤں کے ساتھ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر روٴساشہر کے ساتھ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان تشریف لے گئے۔ جہاں عقد و نکاح واقع ہوا۔ مواہب لدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد بوقت نکاح زندہ تھے لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس وقت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد زندہ نہ تھے بلکہ عمرو بن اسد تھے۔ (واللہ اعلم)

خطبہ نکاح سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابو طالب نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''حمد وثناء اس خدائے برتر کی جس نے ہمیں حضرت ابراہیم رضی

اللہ عنہ کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی نسل سے گردانا اور ہمیں معد ومضر کی اصل سے پیدا کیا اور اپنے گھر کا محافظ وپیشوا بنایا اور گھر کو ہمارے لیے فراوانی بخشی کہ اطراف وجوانب سے اس کی زیارت کیلئے آئیں۔ ہمیں توفیق مرحمت فرمائی کہ جو اس گھر کی طرف آئے وہ امان میں رہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا اما بعد یعنی حمد الٰہی کے بعد یقیناً میرا یہ بھتیجا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ایسا جوان ہے کہ کوئی قریشی مرد اس کے ہم پلہ نہیں ہے۔ یہ سب پر بھاری ہیں۔ اگرچہ مال میں یہ کم ہیں لیکن مال ڈھلتی چھاؤں ہے اور یہی ایک بات حائل ہے باوجود اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہستی مقدس ہے جسے تم جیسے خویش واقربا خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلاشبہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کی خواستگاری فرماتے ہیں اور میں اپنے مال میں سے ان کا مہر بیس اونٹ قرار دیتا ہوں۔ میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اس کے بعد ان کی ایک عظیم شان اور بلند مرتبت ہوگی۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب ابوطالب نے خطبہ مکمل کیا تو ورقہ بن نوفل جو کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے بھی خطبہ پڑھا اس کا مضمون یہ ہے کہ ''اس خدائے برتر کی حمد وثناء ہے جس نے ہمیں ایسا بنایا جیسا کہ ابوطالب نے بیان کیا اور ہمیں وہ فضیلت بخشی جس کا انہوں نے ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس بنا پر کہ ہم تمام عربوں میں سب سے بہتر اور ان کے پیشوا ہیں اور تم سب بھی ان تمام فضیلتوں کے اہل اور جامع ہو۔ کوئی گروہ تمہاری فضیلت کا منکر نہیں ہوسکتا اور کوئی ایک شخص بھی تمہارے فخر وشرف کا انکار نہیں کرسکتا۔ بلاشبہ ہم سب کی خواہش ہے کہ تمہارے ساتھ عقد ونکاح کے ذریعہ اتصال ویگانگت ہو۔ تو اے گروہ قریش تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کو حضور محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں چارسو مثقال عوض مہر پر دیا۔ ابوطالب نے کہا اے ورقہ میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے ساتھ نکاح میں شریک ہوں۔ اس پر عمرو بن اسد نے بھی کہا اے گروہ قریش گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا دختر خویلد کو محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ پھر دونوں جانب سے ایجاب وقبول متحقق ہوا۔ کذافی روضۃ الاحباب' مواہب لدنیہ میں بعض روایتوں سے نقل کیا گیا ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے۔ گویا اس روایت کے بموجب پانچ سودرہم ہوئی۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس زمانہ میں بیس شتر مایہ کی قیمت پانچ سودرہم یا چارسو مثقال طلائی ہوتی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندیوں کو حکم دیا کہ دف بجا کر رقص ومسرت کا اظہار کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے چچا سے فرمائیں کہ ان اونٹوں میں سے ایک کو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلائیں۔ اسی روز زفاف واقع ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شادی سے بہت خوش ہوئے اور حق تعالیٰ آپ کو دنیا وآخرت میں شادمان رکھے۔ ابوطالب نے بھی بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْكُرَبَ وَرَفَعَ عَنَّا الْهُمُوْمَ۔ سب خوبیاں اس ذات کیلئے جس نے ہم سے مصیبتیں دور فرمائیں اور ہم سے غموں کو اٹھایا۔

مفسرین اس ارشاد باری تعالیٰ: وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی کی تفسیر یہی کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے باعتبار ظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تونگر کیا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام اغنیاء سے زیادہ غنی ہیں اور دونوں جہاں آپ کی نظر ہمت میں مختصر وقلیل ہیں۔

تعمیر خانہ کعبہ

پینتیسویں برس میں قریش نے خانہ کعبہ کے اس شگاف کو بند کرنا چاہا جو بارش کے سیلاب سے پڑ گیا تھا۔ از سرنو اس کی تعمیر کرنی

چاہی۔روم سے یاقوم نامی ایک شخص آیا ہوا تھا جوفن تعمیر کا ماہر واستاد تھا۔اس سے کہا کہ اس کی تعمیر کرے۔تمام قریش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں میں شامل تھے۔آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔قریش نے اپنے تہبند اتار کر کندھوں پر ڈال رکھے تھے تاکہ پتھر کے اٹھانے میں حارج نہ ہو۔زمانہ جاہلیت میں ستر کھولنے کا عام رواج تھا وہ اسے عیب و برا نہ جانتے تھے لیکن عہد اسلام میں یہ مؤکد ومقرر ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند شریف نہ اتارا۔آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے از راہ شفقت آپ کو آمادہ کیا کہ تہ بند کھول دیں۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہ بند اتارنے کا ارادہ فرمایا تو اچانک پاؤں کے بل بیہوش ہوکر زمین پر آرہے۔جب ہوش آیا تو آپ نے تہ بند،تہ بند پکارا۔اس وقت غیب سے ندا آئی کہ خَمِّرْ عَوْرَتَكَ۔ستر پوشی کو لازم کرو۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی ندا غیبی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی۔

حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرتے وقت قریش میں نزاع واختلاف واقع ہوگیا ہر قبیلہ اس اعزاز کا دعویدار تھا۔قریب تھا کہ ان میں جنگ اور خونریزی کی نوبت آجائے مگر ان میں یہ قرار پا گیا کہ جو صبح کے وقت سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو اسے ثالث بنالیا جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے سب نے کہا ''جَاءَ الْاَمِیْنُ'' امین تشریف لائے اور سب آپ کی ثالثی پر راضی ہوگئے۔حضور نے اپنی چادر مبارک کو بچھایا اور حجر اسود کو اس کے درمیان رکھا۔فرمایا ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص آئے اور اس کا کنارہ پکڑے جب وہ سب اٹھا کر اس کی جگہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ نصب فرمادیا۔

خانہ کعبہ کے چھ ستون رکھے گئے تھے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔مورخوں نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی لیکن وہ عمارت طوفان نوح میں بہہ گئی۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمائی۔اس کے بعد عمالقہ نے اس کے بعد قبیلہ جرہم نے بنایا۔ان کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اور سب سے آخر میں حجاج بن یوسف ثقفی نے حجاج عبدالملک بن مروان کا امیر الامراء تھا۔اس نے عبدالملک کے حکم سے اس میں تغیر وتبدل کیا اور یہی تعمیر اب تک باقی ہے۔

منقول ہے کہ ہارون رشید نے چاہا کہ مروانیوں کی تعمیر کو منہدم کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے مطابق اسے درست کردے۔اس سلسلہ میں اس نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔امیر المومنین خانہ کعبہ کو اپنے حال پر چھوڑ دو تاکہ آئندہ یہ بادشاہوں کا کھلونا نہ بن جائے۔وہ ایک دوسرے کے تعصب میں ردوبدل کرکے اسے خراب و بے حرمت نہ کرتے رہیں۔اجمالی طور پر اتنی ہی بحث کافی ہے تفصیل تاریخ مکہ میں مذکور ہے۔

تاریخ ازرقی میں مقاتل سے حدیث مرفوع مذکور ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔کہ اے میرے رب! میں اپنے آپ کو جانتا ہوں اور تیرے اس نور کو دیکھا ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔پھر حق تعالیٰ نے بیت المعمور کو زمین پر اتارا جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔وہ یاقوت سرخ کا تھا اس کی لمبائی آسمان وزمین کے درمیان ہے۔آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اس سے پہلے ان کے دل میں جو غم وافسوس تھا اسے حق تعالیٰ نے دور فرمادیا۔اس کے بعد اس بیت المعمور کو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اٹھالیا گیا۔

اولاد آدم کا خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں وہب ابن منبہ سے روایت کیا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کو پانچ مرتبہ تعمیر کیا گیا ہے۔سب سے پہلے حضرت شیث علیہ السلام نے تعمیر کیا۔اس کو ابن البر نے تمہید میں بیان کیا ہے۔دوسری مرتبہ حضرت خلیل علیہ السلام نے تعمیر کیا اس کا ذکر قرآن وسنت نبوی میں موجود ہے۔امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت خلیل علیہ السلام نے کی ہے۔اسی طرح فاکہی نے اپنی سند کے ساتھ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جزم کیا گیا ہے کہ کسی خبر

میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے گھر سے پہلے یہاں کوئی گھر تھا۔انہوں نے اسے بنایا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی گردن مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے اس کی پانچ پہاڑوں کوہ حرا' کوہ شبیر' کوہ لبنان' کوہ طور اور کوہ جودی کے پتھروں سے تعمیر فرمائی تھی۔بعض روایتوں میں کوہ حرا' کوہ قبیس' کوہ قدس' کوہ درقان' کوہ رضوی مذکور ہوا ہے۔فرشتے ان پتھروں کو مذکورہ پہاڑوں سے لاتے تھے اور پتھروں کے اٹھانے میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد کرتے تھے۔اس کے بعد عمالقہ اور جرہم نے تعمیر کیا۔عمالقہ اور جرہم کی تقدیم وتاخیر میں اختلاف ہے۔کیونکہ عمالقہ کی ولایت' جرہم کی ولایت سے مقدم ہے درست یہی ہوگا۔عمالقہ کی تعمیر مقدم ہے۔حضرت خلیل کی بنا کے بعد قصی بن کلاب کی تعمیر ہے۔اس کے بعد قریش کی تعمیر ہے۔قریش کی بنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کی پینتیسویں سال تھی۔جیسا کہ گزرا۔ایک روایت میں پچیسویں سال میں ہے لیکن پہلا قول زیادہ درست ہے۔سلیمان بن خلیل مکی نے کہا کہ تیسویں سال میں تھی۔یہ قول غیر معروف ہے۔ظاہر ہے کہ اس کی کتابت میں پانچ کا لفظ رہ گیا ہے۔اس کے بعد ۶۴ ہجری میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر ہے۔انہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث سنی اور حضرت خلیل علیہ السلام کی بنیادوں پر خانہ کعبہ کو تعمیر فرمایا۔اس کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے ۶۴ ھ میں حضرت ابن زبیر کی تعمیر میں تغیر کر دیا تھا۔اہل سیر کہتے ہیں کہ عبدالملک بعد میں اس سے پشیمان ہوا جبکہ اسے حارث بن ابی ربیعہ مخزومی نے خبر دی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو سنایا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے سنا ہے۔(واللہ اعلم)

باب سوم

از ابتدائے وحی تا واقعات ہجرت

اس باب میں ابتدائے وحی، ثبوت، ظہور دعوت، کفار کی دشمنی وعداوت، صحابہ کی حبش کی جانب ہجرت، ابوطالب کی وفات، سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی جانب تشریف لے جانا، اور جنات کی بیعت کرنا وغیرہ مضامین ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو وحی وبشارت کا ظہور ہوا جس سے آفاق عالم منور ہو گیا۔ اس نور وحی کا ظہور، دوشنبہ کے روز آٹھ یا تین ۳ ربیع الاول کو ۴۱ ہجری عام الفیل میں (بقول صحیح) ہوا۔ ایک جماعت آیہ کریمہ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ" (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔) اور ارشاد باری تعالیٰ انا انزلناہ فی لیلتہ القدر (ہم نے قرآن کو لیلتہ القدر میں نازل فرمایا) سے خیال کرتی ہے کہ وحی کی ابتداء رمضان مبارک میں ہوئی۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر از قسم نبوت، سب سے پہلے جس چیز کا اکرام فرمایا وہ نزول قرآن ہے اور چونکہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وحی کی ابتداء بھی رمضان ہی میں ہوئی ہو گی۔ لیکن اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ پورا قرآن یک بار رمضان مبارک کی لیلتہ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اور وہاں سے بلحاظ مصلحت' اور باعتبار واقعات تھوڑا تھوڑا تیئیس ۲۳ سال کی مدت تک اترتا رہا۔ گو واقعات کے اعتبار سے قرآن کا نزول' لوح محفوظ کی ترتیب کے خلاف ہوا۔ لیکن اب جو مصاحف میں مرقوم ہے وہ اسی لوح محفوظ کی ترتیب پر ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی فقہ کی کتاب میں خاص ترتیب سے ہر قسم کے مسائل درج ہوں۔ اور لوگ اپنی ضرورت احتیاج کے مطابق اس فقہ کی کتاب سے آگے پیچھے سے مسائل نکالتے ہوں۔ بعض کے نزدیک ابتداء وحی ماہ رجب میں ہوئی ہے۔ یہ قول شاذ ونادر ہے۔

منقول ہے کہ جب ظہور نبوت کا وقت قریب آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت اور لوگوں سے یکسوئی محبوب کر دی گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ حرا میں جسے جبل نور بھی کہتے ہیں خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ اس جگہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمالِ کعبہ سے چشم مبارک کو روشن بھی فرماتے اور عبادتِ الٰہی بھی کرتے۔ اور رب العزت کی جانب متوجہ ہو کر عالمِ استغراق میں بیٹھا بھی کرتے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت فکر سے تھی یا ذکر سے لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ قلبی وزبانی ذکر سے تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو کچھ آپ کے نزدیک ثابت تھا یا ہر وہ چیز آپ کے نزدیک انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعت میں سے ثابت تھی یا جو چیز آپ کی بصیرت میں مستحسن تھی اس پر عمل فرماتے تھے۔ آپ اپنے کاشانہ اقدس سے کچھ طعام لیجایا کرتے۔ اور جب طعام ختم ہو جاتا یا گھر والوں کی جانب رجحان ہوتا تو پہاڑ سے اتر آتے۔ اس کے بعد آپ توشہ لے کر دوبارہ تشریف لے جاتے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ مکہ کی بستی سے باہر تشریف لے جاتے اور ایک ماہ غارِ حرا میں خلوت گزیں رہتے۔ جب ایام وحی قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت وعبادت میں کثرت کر دی اور التزام شروع فرما دیا کا یک آپ پر حق کا ظہور ہوا' وحی اتری اور قرآن مجید نازل ہوا، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نبوت کا ظہور' اور وحی کا ورود، ریاضت ومجاہدہ اور عبادت کے اثر سے تھا اس لیے کہ نبوت، حق تعالیٰ کے محض عنایت وموہبت ہے۔ اس میں کسب وعمل کا کوئی

دخل نہیں ہے۔

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ وَلَا نَبِيٌّ عَلٰى غَيْبٍ بِمُتَّهَمٍ

ہاں ولایت میں کسب و ریاضت سے البتہ کچھ نسبت و تعلق ہے اور اس میں اس کی تاثیر کا کچھ دخل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ بعض جہانوں کا کشف، بعض روحانیت کا مشاہدہ اور بعض معانی کا الہام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نبوت، قرب خاص اور ایک مخصوص نسبت ہے جس کا تعلق وحیِ آسمانی سے ہے اس کے حامل روح الامین ہیں جنہیں روح الامین اور جبریل کہتے ہیں۔ یہ منصب رفیع محض اصطفاء اور اجتباء الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مژدہ ہو کہ میں جبریل علیہ السلام ہوں اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ امت کی جانب خدا کے رسول ہیں۔ آپ جن وانس کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی دعوت دیجئے۔ اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں یا میں پڑھنا نہیں جانتا مطلب یہ کہ میں اُمی ہوں کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اپنی آغوش میں لیا اور پوری طاقت صرف کی جتنی کہ میری اس کے ساتھ تھی۔ حدیث کے لفظ دو معنی کے متحمل ہیں ایک یہ کہ جبریل علیہ السلام نے آغوش میں لے کر اپنی پوری طاقت جتنی اس میں تھی مجھ پر صرف کی اور وہ بے بس ہو گئے دوسرے معنی یہ کہ جتنی میری طاقت تھی اتنی زور سے مجھے آغوش میں لے لیا اور میں بے طاقت ہو کر بے بس ہو گیا۔ لیکن درست پہلے ہی معنیٰ ہیں شارحین نے اس کی تصریح کی ہے۔ پھر جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوبارہ کہا پڑھئے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ جبریل نے پھر آغوش میں لیا، اور بھینچا۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھئے؟ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں۔ تیسری مرتبہ پھر جبریل نے آغوش میں لیا اور بھینچا اور کہا...... اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ یعنی پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھئے۔ اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان کے شر سے استعاذہ کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پھر جبریل نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس کے بعد کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی قوت و طاقت کی جانب نظر نہ ڈالیے بلکہ ہماری تائید و تقویت پر نظر رکھیئے کیونکہ ہم آپ کے رب اور آپ کے معلم ہیں۔

جبریل علیہ السلام کا آغوش میں لے کر دبانا یہ ایک قسم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرف کرنا تھا۔ تاکہ آپ وحی کے قبول کرنے میں آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی و بے التفات ہو جائیں۔ نیز اس میں اُس قول کے وزنی ہونے کی جانب اشارہ ہے جو آپ کی جانب اِلقا ہونے والا ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں ہے: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا بیشک ہم آپ پر وزنی القاء فرمائیں گے! اس سے اس جانب بھی اشارہ ہے کہ یہ از قسم تخیل و وسواس نہیں ہے کہ تخیل و وسواس کی تاثیر اور تصرف جسم میں نہیں ہوتی۔ اور اس میں بار بار کی تکرار سے مقصود، تاکید و لزوم اور مبالغہ ہے۔ اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں ایک بحث ہے وہ یہ کہ امی کا تعلیم و تلقین کے ذریعہ کسی کلام کو پڑھنا کیسے بعید و خلاف ہے باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ البتہ کسی کتاب کو یا کسی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا امیت کے منافی ہے۔ اس لیے یہ کلمہ

اُس مقام کی ہیبت اور دہشت سے ہی صادر ہوا ہوگا اور حدیث کے شارحین نے اس کلمہ کو امیت پر ہی محمول کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے کہا: اِقْرَأْ یَا مُحَمَّدُ، تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا پڑھوں میں نے تو کچھ پڑھا نہیں۔؟ اس پر جبریل علیہ السلام نے ایک جنتی حریر کا نامہ نکالا جو موتی اور یاقوت سے مرصع تھا۔ اور کہا پڑھیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ کو آغوش میں لیا اور خوب بھینچا۔ آخر حدیث تک۔ یہ معنی امیت کے مناسب ہیں۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا اور چشمہ نکالا۔ اس سے وضو کیا جو کلی کرنے وناک میں پانی ڈالنے، چہرہ اور دونوں ہاتھ پاؤں دھونے اور سر کا ایک بار مسح کرنے پر مشتمل تھا۔ اس فعل کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنا سکھانا مقصود تھا۔ غالبًا اس قسم کے افعال میں عملی تعلیم، قولی تعلیم سے خاص کر زیادہ آسان اور سہل ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے ایک چلو پانی لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر چھینٹا دیا۔ اور آگے بڑھ کر دو رکعت نماز پڑھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقتدی بنے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسی طرح وضو کرنا اور نماز پڑھنا ہے۔ یہ بات تعلیم قولی میں بھی آچکی ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر شجر وحجر کہتا تھا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی طرف مراجعت فرمائی تو آپ کا قلب مبارک اور کنپٹیوں کا گوشت لرز رہا تھا۔ جس طرح خوف ودہشت کے وقت ہوا کرتا ہے یا جیسے کہ گائے کے ذبح کے وقت ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر فرمایا: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، انہوں نے آپ کے جسم انور پر کمبل ڈالا اور چہرۂ انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے تاکہ خوف دور ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا حال بیان کیا۔ اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ غم نہ کھایئے اور خوش رہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ، آپ کو کسی خطرے میں نہ ڈالے گا اور نہ آپ کو کسی کے آگے ذلیل و رسوا ہونے دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھائی ہی فرمائے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی فرماتے، عیال کا بوجھ اٹھاتے، ریاضت ومجاہدہ کرتے، مہمان نوازی فرماتے، بیکسوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے، لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، لوگوں کی سچائی میں ان کی مدد اور ان کی برائی سے حذر فرماتے ہیں یتیموں کو پناہ دیتے سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ خوبرو، خوش خلق، خوش آواز، نیک کردار، خوش گفتار اور عالی ہمت ہیں مطلب یہ کہ جس میں یہ خوبیاں ہوں اور اس کی حالت ایسی ہو وہ نہ کسی برائی میں مبتلا ہوگا اور نہ کسی خطرے کو دیکھے گا۔ گویا سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی واطمینان دلایا۔ یہ باتیں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کمال فراست ودانائی اور حقائق اشیاء اور صدق احوال کی معرفت رکھنے پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حال مبارک بیان فرمایا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خوشی سے مدہوش ہوگئیں۔ اس کے بعد سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس حالت کی تائید وتقویت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے تھے یہ قریش کے طور وطریق اور جاہلیت کی رسوم سے نکل کر حقیقی دین عیسوی اختیار کرکے موحد بن گئے تھے۔ ان کو انجیل کا علم خوب آتا تھا اور وہ انجیل سے عربی زبان میں کچھ لکھا کرتے تھے وہ عبرانی

زبان کو بھی جانتے تھے۔ ان سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات تو سنیے وہ کیا فرماتے ہیں؟ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کا برادر زادہ یعنی بھتیجا کہا تھا۔ یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادر زادہ کہا کرتے ہیں۔ اور اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ ورقہ، حضرت عبداللہ کے ہم عمر تھے۔ ورقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام حال جوگزرا تھا ان سے بیان فرمادیا۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مبارک وخوشی ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی کہ ''میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوگا جس کا نام نامی احمد ہے'' اور قریب ہے کہ آپ کافروں کے ساتھ جہاد وقتال پر مامور ہوں۔ کاش میں اس دن تک زندہ رہتا اور جوان، قوی وتوانا ہوتا جب آپ کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ سے نکالے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں اس کی مانند کوئی ایک لے کر کبھی نہیں آیا۔ اس کے باوجود ان سے دشمنی کی گئی اور انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں۔ مطلب یہ کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی کافروں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں نے آپ کا وہ دن پایا تو میں آپ کی پوری پوری نصرت و مدد کروں گا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ورقہ نے وفات پائی۔ اور ظہور دعوت کا زمانہ انہوں نے نہ پایا۔ لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں ایسے اور بہت سے حضرات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت عنصری کے ظہور ووجود سے پہلے ہی آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے جیسے بحیرا وغیرہ اب رہا یہ ورقہ کو صحابی کہہ سکتے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ صحابہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مَنْ رَّاٰیَ النَّبِیَّ مُؤْمِنًا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے ساتھ دیکھا! تو یہ ان پر صادق ہے اور اس میں ظہور دعوت کی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ مشکوٰۃ میں ایک حدیث مروی ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے انتقال کے بعد ان کا حال دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں ان کو دیکھا ہے وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہیں، سفید لباس ایمان کی نشانی ہے۔ روضۃ الاحباب میں ایک حدیث مروی ہے کہ فرمایا میں نے قِس کو جنت میں دیکھا ہے ان کے جسم پر سبز لباس ہے۔ اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی ہے۔ قِس سے مراد ورقہ ہیں۔ قُس اور قِس، نصاریٰ کے علمی دانشمندوں اور ان کے دینی پیشواؤں کو کہتے ہیں۔ اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ وہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور کو ورقہ کے پاس لے جانے کے واقعہ میں یہ اشارہ ہے کہ حیرت واشتباہ کے وقت علماء اور اہل بصیرت سے مشورہ استفسار کرنا لازم ہے اسی سے صوفیاء کرام اور طالبان وسالکانِ طریقت، اپنے مشائخ سے کشفِ حقیقتِ حال کیلئے اپنے خیالات اور واقعات کو پیش کرنے میں استدلال کرتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

تنبیہ: اس مقام میں ایک اعتراض واشتباہ لاحق ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث بخاری کا سیاق کلام یہ ہے کہ حضور خوف سے کانپتے لرزتے تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صفات حمیدہ اور کمالات رفیعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ایسی خوبیوں والا شخص ابتلاو

خذلان سے محفوظ رہتا ہے۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بعد اظہار نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس آپ کے حال مبارک کی وضاحت واستفسار کی غرض سے لے گئیں حالانکہ یہ ثابت ہے کہ حق سبحانہ، تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت مبارک پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جن سے ہمیں آپ کی صداقت کی معرفت ہوئی جیسا کہ مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں اس کلام الٰہی کے سننے سے پہلے داخل ہوئے تو ہر جانب سے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ کی ندائیں سماعت فرمائیں کوئی کہنے والا نظر نہ آتا تھا ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے ایسی آوازیں سماعت فرماتے تھے جس کا بولنے والا نظر نہ آتا تھا۔ اور سات سال سے خاص قسم کی روشنی ملاحظہ فرماتے تھے اور اس سے خوش ہوتے تھے۔ خواہ اس روشنی سے مراد محسوس کردہ روشنی ہو یا علم ویقین کا ایسا نور جس سے دل، خوش، کشادہ اور منشرح ہو جاتا ہے۔ اور ہر شجر وحجر سے سلام کرنے کی آواز سنا کرتے تھے۔ جامع الاصول اور کتاب الوفا میں منقول ہے کہ اظہار نبوت سے قبل تین سال اسرافیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر رہے اس کے بعد جبریل علیہ السلام وحی لیکر نازل ہوئے۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ سات سال کی عمر مبارک تھی کہ حق تعالیٰ عزاسمہ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہیں چنانچہ اسرافیل ہمیشہ حضور کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ سال پورے فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یا دو کلمہ سے زیادہ نہ بات کرتے تھے۔ اسی طرح میکائیل علیہ السلام کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت جبریل فرمان باری لیکر آئے اس وقت میکائیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وخدمت میں حاضر رہتے انتیس سال ہو گئے تھے۔ لیکن ان سب کی حضوری ورفاقت آپ کو معلوم نہ ہوتی تھی اور نہ وہ وحی لاتے تھے کیوں کہ وحی کا لانا جبریل علیہ السلام کا کام ہے۔ چنانچہ ایسے انوار و بزرگی کے ظاہر ہونے اور ایسے اسرار کے آشکارا ہونے کے باوجود، تردد وابہام اور اشتباہ کی کونسی گنجائش ہے اور اس کا کہاں احتمال ہے۔ لہٰذا دل کا لرزنا اور حضور کا خوف ودہشت کھانا، منصب نبوت کی عنایت ہیبت وجلال اور اس کی مشقت کی وجہ میں ہے۔ جس کی وجہ سے بشری طاقت، اس کے دبدبہ کے غلبہ سے بیتاب ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ **خشیت علیٰ نفسی** مجھے اپنے آپ سے خوف لگتا ہے'' اسی حالت کی جانب اشارہ فرمانا ہے اور اس کو اسی مفہوم ومعنی پر محمول کرنا چاہیے۔ یا یہ بات ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بار، اس کی صعوبت، اس کے ادا کرنے اور منصب نبوت بجالانے پر غور وفکر کیا تو آپ کے پشت کی طاقت ٹوٹ گئی اور آپ اپنے آپ سے ڈرے کہ کہیں آپ اس بار کے نیچے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اور اسی بنا پر فرمایا **خشیت علیٰ نفسی** اور جو کہا گیا ہے کہ یہ خشیت اس علم سے پہلے تھی کہ آپ یہ جانتے کہ یہ جبریل علیہ السلام آئے ہیں جن وشیطان نہیں اور ایک بات یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے تئیں مجنون وکاہن کہلوانا شاق و ناگوار تھا جیسا کہ واقعہ پر نظر کر کے کچھ لوگوں نے کہا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ خوف ودہشت جبریل علیہ السلام کا نزول اور وحی کا ورود نبوت کا علم حاصل ہونے اور مشاہدۂ آیات اور ظہور انوار واسرار کے بعد ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا۔ اور اگر اس وقت کے پیش آنے سے پہلے ابتدائے احوال میں بعض ایسی نشانیوں کے ظہور کے وقت جن میں احتمال واشتباہ ہوتا ہے اثبات کریں تو درست ہے۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لیجانا، شک وشبہ اور اصل علم ویقین کے حاصل کرنے کیلئے نہ تھا بلکہ یقین واطمینان، وضوحِ محبت اور ظہور محبت کی زیادتی کیلئے تھا جو نورٌ علیٰ نور کے حکم میں ہے۔ اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جن صفات وکمال کے ساتھ استدلال کیا وہ تردد، خذلان اور ضلال کے منافی ہے۔ انہوں نے اس استدلال سے علم نظری حاصل کیا ہوگا۔ اس لیے کہ ممکن ہے انہیں وہم یا کوئی اور احتمال لاحق ہو گیا ہو۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس احتمال واشتباہ سے پاک ومنزہ ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے کہنے اور تسلی دینے سے کسی طرح کی وضاحت وانکشاف حاصل بھی ہوا ہوگا تو ایسا ہی ہوگا جیسے کہ معجزے کے ظہور کے بعد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں خدا کا رسول ہوں۔ آپ کا یہ فرمانا اس لیے تھا کہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ تصدیق و ایمان کیلئے تیار و آمادہ ہو جائیں۔ اس مفہوم کو خوب اچھی طرح ذہن نشین اور اس مطلب کو خوب عمدہ طریقہ سے سمجھ لینا چاہیے تاکہ اس مقام پر کوئی تمہیں وہم و شک میں نہ مبتلا کر دے۔

جو کچھ کہ مذکور ہوا اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ نزول قرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلے جو چیز نازل ہوئی وہ سورۂ اقرأ میں سے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ تک نازل ہوا۔ امام محمد الدین نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حق و صواب ہے کیوں کہ اس پر جمہور اسلاف و اخلاف کا مذہب ہے۔ لیکن ایک یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ نازل ہوئی امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات ضعیف ہی نہیں باطل ہے۔ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کا نزول، وحی کی قرأت کے بعد ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ایک دوسری روایت ہے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ تو اس بارے میں بیہقی یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو محتمل ہے کہ اقرار کے بعد یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے بعد اس کے نازل ہونے کی خبر دینا مقصود ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آیۂ کریمہ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ نازل ہوئی کیوں کہ جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم استعاذہ کیجئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اَسْتَعِذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور جبریل علیہ السلام نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور اس کے بعد کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔ نیز یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ علماء نے بیان نہیں کیا ہے کہ وحی کتنے عرصہ بعد تک رُکی رہی لیکن اتنا کہتے ہیں کہ یہ وقفہ تین سال تک رہا۔ اسی پر ابن اسحٰق نے جزم کیا ہے۔ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ امام احمد نے تاریخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نبوت عمر کے چالیس سال گزارنے کے بعد نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرت اسرافیل تین سال تک نبوت کے ساتھ قریب رہے اور انہوں نے چند کلمے اور کچھ چیزیں سکھائیں اس وقت تک قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا جب تین سال گزر گئے تو آپ کی نبوت کے قریب جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اس کے بعد آپ پر بیس سال تک قرآن نازل ہوتا رہا۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس وقوف کے زمانہ میں جبریل امین علیہ السلام امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دیتے رہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول نہ ہوا۔ سلسلۂ وحی کے رک جانے کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت اندوہناک تھے کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ خود کو پہاڑ سے گرا دیں لیکن ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور وہ کہتے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں آپ کا بھائی ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقفہ کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا اور گھر تشریف لا کر فرمایا ''زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ'' مجھے کمبل اوڑھاؤ!! آپ پر وحی بھیجی کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (اے جھرمٹ مارنے والے) قُمْ فَاَنْذِرْ اٹھئے اور لوگوں کو خدا سے ڈرایئے) اس کے بعد وحی مسلسل اور پے در پے آنے لگی۔

بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، رسالت پر مقدم ہے اور محدثین کے مذہب کی رو سے نبوت میں تبلیغ و انذار شرط نہیں ہے اور نزول وحی تکمیل نفس کیلئے کافی ہے، چنانچہ سورۂ اقرأ تعلیم و تکمیل نفس کیلئے نازل ہوئی۔ اور یہ نبوت ہے۔ اس کے بعد ''سورۂ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' تبلیغ و انذار کیلئے نازل ہوئی اور یہ رسالت ہے۔

وحی کے مراتب:

وصل: علماء کرام وحی کے کئی مراتب بیان کیے ہیں۔ اوّل رویائے صالحہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی وہ رویائے صالحہ ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ وَكَانَ لَا يَرٰی اِلَّا جَآءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیا ایسی ہوتی جیسے صبح صادق کا طلوع ہونا، کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ کیفیت چھ مہینہ رہی۔ چنانچہ اس عرصہ میں نبوت میں کلام ہے (واللہ اعلم)

دوسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف میں القا کرتے تھے بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جبریل علیہ السلام کو دیکھیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں روح قدس نے القاء والہام کیا ہے کہ ہرگز اس وقت تک کوئی نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (آخر حدیث تک) اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا ہے۔

تیسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام کسی آدمی کی صورت اختیار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور پیغام الٰہی پہنچاتے تھے تاکہ جو کچھ ارشاد باری ہے اسے یاد فرمائیں۔ اور اکثر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے۔ یہ قبیلہ بنی کلب کے خوبرو صحابی تھے۔ ان کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جب یہ بغرض تجارت نکلتے محمل نشین عورتیں نظارہ کرتیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کی صورت اختیار کرنے کے بارے میں اہل نظر کلام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کی صورت میں آئے تو جبریل علیہ السلام کی روح کہاں تھی؟ اگر ان کے جسم شریف میں تھی تو ان کی صورت اصلی میں تو تین سو پر ہیں۔ لہٰذا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا نہ تو وہ جبریل علیہ السلام کی روح ہے اور نہ ان کا جسم، اور اگر روح اسی جسم میں تھی جو دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ہے تو وہ اپنے جسم اصلی سے نکل کر اس جسم میں آ گئی تو کیا جسم سے انتقال روح کی وجہ سے جبریل علیہ السلام وفات پا گئے یا ان کا جسم روحِ منتقلہ سے خالی ہو کر بے روح زندہ رہا۔ مواہب لدنیہ میں عینی سے جو بخاری کے شارح اور حنفی المذہب ہیں انہوں نے کہا کہ بعید نہیں ہے کہ انتقال روح، موجب موت نہ ہوئی ہو۔ اور جسم شریف روح کی جدائی سے کسی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر باقی رہا ہو دوسرے جسم میں روح کا ہونا ایسا ہی ہے جیسی کہ شہداء کے روحوں کی منتقلی سبز پرندوں کے جوف کے ساتھ ہے۔ اور ارواح کی جدائی سے جسموں کا مرنا، عقلاً امر واجب نہیں ہے بلکہ امرِ عادی ہے جسے حق تعالیٰ بنی آدم میں جاری فرمایا ہے اور لازم نہیں ہے کہ بنی آدم کے سوا میں بھی ایسا ہی ہو۔ بلکہ بنی آدم میں بھی عقلاً جائز ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے۔ یہ کلام ظاہری طور پر ہے جسے بعض علماء نے کہا ہے، اہل تحقیق کے نزدیک دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی کی صورت اختیار کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ جبریل علیہ السلام کے ذہن میں دحیہ رضی اللہ عنہ کی جو صورت علمیہ تھی اسے اپنی اس صفتِ کاملہ اور ارادۂ شاملہ کے سبب اس صورت علمیہ کو اپنی موجودہ صفات کو ظاہر کرتے اور خود کو دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظاہر فرماتے۔ اور اس صورت علمیہ کو اپنی موجودہ صفات کے ساتھ شامل کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام اپنے مقام میں اپنی ملکی ذات وصفات کے ساتھ ثابت و برقرار رہتے تھے۔ جس طرح ظہور حق تعالیٰ اور اس کا تمثل بصورت عالم ہے۔ یہی طریقہ تمثّلِ روحانیات بصورت جسمانیات اور تمثّلِ حق، بصورت بشر اور تمثّلِ بعض کامل اولیاء کرام، بصورت متعددہ ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام غیر صورت دحیہ رضی اللہ عنہ میں بھی آتے تھے جیسا کہ اسلام ایمان اور احسان کے بیان میں حدیث جبریل علیہ السلام مروی ہے۔

چوتھا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ صلصلۃ الجرس یعنی رہٹ کی مانند آواز سنائی دیتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا وحی

کے کلمات ومعانی کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اقسام وحی میں یہ قسم سب سے بڑھ کر سخت تھی۔ یہاں تک کہ شدید سردی کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانیِ مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی آئی اس وقت آپ اپنا سر مبارک زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کی ران پر رکھے ہوئے تھے ان کی ران اتنی وزنی ہوگئی کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جائے طبرانی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی حالت لکھتا ہوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر اتنی شدت وسختی ہوتی کہ چہرے پر چاندی کے دانوں کی مانند پسینہ ٹپک آتا تھا۔ ایک دن آپ میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے کے میری ران اتنی وزنی ہوگئی کہ قریب تھا کہ میرا پاؤں ٹوٹ جائے اور میں نے گمان کیا کہ اب میں کبھی اپنے پاؤں پر نہ چل سکوں گا اس طرح جس وقت سورۂ مائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کی ٹانگیں اس سے ٹوٹ جائیں۔

وحی میں مطلقاً ثقل و بوجھ بھی آیا ہے۔ چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کی وجہ سے سختی محسوس فرماتے اور آپ کے روئے تاباں کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خاکستری رنگ کی مانند ہو جاتا اور آپ کا سر مبارک جھک جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بھی اپنے سرنگوں کر دیتے۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو سر مبارک کو اوپر اٹھاتے۔ محققین کہتے ہیں کہ افاضہ اور استفاضہ یعنی فیض پہنچانے اور فیض حاصل کرنے میں یکسانیت ومناسبت شرط ہے مطلب یہ کہ کبھی جبریل علیہ السلام کی ملکیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آتی اور وہ آپ کو آپ کی حالت سے لیجا کر عالمِ ملکوتیت میں پہنچا دیتے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت، جبریل علیہ السلام پر غالب آجاتی اور ان کو صورتِ بشری میں لے آتے۔ یہ وعدہ اور بشارت کی صورت میں ہوتا۔ اور پہلی صورت، انذار و وعید کے وقت ہوتی۔

وحی کا پانچواں مرتبہ یہ تھا کہ کبھی جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں (مع تین سو پروں کے) آتے اور وحی پہنچاتے جیسا کہ سورۂ والنجم میں مذکور ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسا دو بار ہوا تھا (واللہ عالم)

چھٹا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حالت میں وحی فرمائی جبکہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے نماز وغیرہ کی وحی اسی طرح فرمائی تھی۔

وحی کا ساتواں مرتبہ، حق تعالیٰ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کلام فرمانا ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

وحی کا آٹھواں مرتبہ، حق تعالیٰ کا حضور سے بے حجاب کلام فرمانا ہے۔ آسمانوں کے اوپر کی وحی اسی قبیل سے ہے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ اس مذہب کے رو سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شب معراج دیدار کیا۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے (واللہ اعلم)

کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو خواب میں دیکھتے اور حق تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے رب کو احسنِ صورت میں دیکھا اور رب نے اپنے دونوں دستِ قدرت کو میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ مجھ سے رب تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس چیز پر جھگڑا ہے (آخر حدیث تک) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اجتہاد جس سے علم شریعت حاصل ہو صائب تھا نیز اسے وحی کے اقسام میں سے شمار کرتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس پر سب متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تو وہ قطعی درست وصواب ہوتا۔ کیونکہ آپ خطا سے معصوم تھے۔

مشہور اصول کی کتاب میں ہے کہ آپ کو کبھی خطا پر قائم نہ رکھا جاتا اور آپ کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ہے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حلیمی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ۴۶ قسموں سے وحی کی گئی ہے اور ان سب کو انہوں نے بیان کیا ہے فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ ان میں سے اکثر احوال کے اختلاف کے اعتبار سے وحی کو محمول کیا گیا ہے۔ اور تمام انواع، ان قسموں میں داخل ہیں جو بیان کر دی گئی ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ السلام چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ۔ مواہب لدنیہ میں ایسا ہی منقول ہے (واللہ اعلم)

علماء فرماتے ہیں کہ ایمان و توحید کے بعد عبادات میں سب سے پہلے دو رکعت نماز واجب ہوئی جس کی جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی فرضیت دو رکعتوں میں تھی۔ دو رکعت فجر میں اور دو رکعت عشاء میں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (اور اپنے رب کی تسبیح عشاء اور فجر میں کرو)۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ معراج سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز پنجگانہ کی قسم میں سے کوئی نماز فرض تھی؟ بعض کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز فرض تھی۔ اور وہ اس پر حجت میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لاتے ہیں کہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا.

امام نووی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو چیز سب سے پہلے واجب ہوئی وہ انذار اور توحید کی دعوت ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے رات کے قیام کو فرض کیا۔ جیسا کہ سورۂ مزمل میں مذکور ہے۔ اس کو آخر سورت میں منسوخ فرما دیا۔ اس کے بعد شب معراج میں نماز پنجگانہ کے واجب ہونے پر سب کو منسوخ کر دیا۔

اول مسلمان، سابق الایمان:

وصل: علماء کا اختلاف ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون ایمان لایا۔ اور تصدیق اول کس نے کی۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے علی الاعلان ایمان لانے والی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے تشریف لائے اور ان کو نزول وحی کی خبر دی تو وہ ایمان لائیں اور تصدیق کی اور آپ کی راست گوئی سے انہوں نے استدلال کیا اور پیروی اختیار کی۔ ان کے بعد سب سے پہلے اور سابق الایمان سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی مذہب پر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، اسماء رضی اللہ عنہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ، نخعی وغیرہ تابعین اور صحابہ کی ایک جماعت اور دیگر علماء اعلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایمان لائے کیونکہ وہ آغوش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تربیت پا رہے تھے۔ اور اس وقت وہ بچے تھے... اسی لیے انہوں نے فرمایا میں نے اسلام کی طرف اس وقت سبقت کی جبکہ میں بچہ تھا اور بالغ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے۔ ابوعمرو بن عبدالبر نے کہا ہے کہ وہ حضرات جو اس طرف گئے ہیں کہ سب سے پہلے جو ایمان لائے تھے سلمان رضی اللہ عنہ، ابوذر، مقداد رضی اللہ عنہ، خباب رضی اللہ عنہ،

جابر رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری، اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ یہی قول ابن شہاب، قتادہ وغیرہ کا ہے۔ اور بعض لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ورقہ بن نوفل ایمان لائے ہیں۔ اور شیخ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ محتاط اور موزوں تر یہ ہے کہ آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ! بچوں اور نوعمروں میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، اور موالی میں زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور غلاموں میں سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (واللہ اعلم)

ابن عبداللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایمان لائے لیکن وہ نوعمر اور بچے تھے اسلام کو اپنے والد ابوطالب کے خوف سے پوشیدہ رکھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا وہ اسے اس روایت سے مؤکد کرتے ہیں جسے سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، مجھ سے چار باتوں میں سبقت لے گئے ہیں۔ اول اظہار اسلام میں، دوم ہجرت کیوقت رفاقت میں، سوم غار ثور کی مصاحبت میں اور چہارم نماز کے قائم اور اس کے اظہار کرنے میں لیکن میں شعب ابوطالب میں ان کو چھپائے ہوئے تھا۔

اِن کے بعد زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی تبلیغ و دعوت سے اسلام لائے۔ ان کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، عامر بن عبداللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن عبدالاحد، اسلام لائے۔ ان نو افراد کے بعد ارقم رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، عبداللہ بن مسعود، رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ بن زید اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت الخطاب رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ ابنِ سعد نے کہا ہے کہ وہ عورتیں جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لائیں ام الفضل زوجہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ اور اسماء رضی اللہ عنہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

دعوت و تبلیغ

وصل: اسی طور وطریق پر تین سال گزر گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے اخفاء اور اس پر صبر کرنے پر مامور تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ شروع فرمائی پھر حق تعالیٰ نے آپ پر آیۂ نازل فرمائی: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ یعنی جو کچھ حکم دیا گیا ہے اسے ظاہر فرمایئے اور دعوت و تبلیغ کو آشکارا کیجئے اور مشرکوں کی جانب سے روگردانی فرمایئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد، قرآن کو با آواز بلند پڑھنا ہے۔ صدع کے اصلی معنی ظاہر کرنے اور ممتاز کرنے کے ہیں۔ اور مراد اظہار حجت اور حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کرنا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر دعوت میں کمر بر جہاد محکم باندھی، قریش نے اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعرض نہ کیا جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خداؤں اور معبودوں سے تعرض نہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نے یہ حکم دیا کہ بت اور اس کے پوجنے والے سب جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے تب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کیلئے کھڑے ہوئے۔ اور سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و مخالفت میں متفق ہو گئے۔ یہ واقعہ نبوت کے چوتھے سال کا ہے۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان دیوار بن کے کھڑے ہو گئے تمام قریش اس پر متفق ہو گئے کہ جو بھی مسلمان ہو جائے اسے عذاب پہنچائیں۔ اور اسے ابتلاؤ آزمائش میں ڈالیں۔ حق تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ بنی ہاشم (بجز ابولہب کے) اور بنی المطلب کے ساتھ باز رکھا یہ سب نسلی قرابت و عصبیت کی وجہ سے کسی قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت و حمایت میں نکل آئے۔

ایک روز یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو طالب کے پاس آئے آپ ان کو دعوتِ اسلام دینے لگے ان کے بعد تمام قریش مجتمع ہو کر ابو طالب کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابو طالب نے جواب دیا کہ کہ اگر اونٹنی اپنے بچہ کے بغیر رہ سکے تو میں ان کو تمہارے سپرد کر دوں۔ اس کے بعد انہوں نے چند اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہے ''اے محمد! یہ قریش ہرگز آپ کے مقابل آ کر ایذا و آزار نہ پہنچا سکیں گے آپ اپنے دین کی خوب تبلیغ و دعوت کیجئے اور کچھ تنگی و خوف نہ کھائیے، آپ کی آنکھیں خوش اور ٹھنڈی رہیں کہ آپ نے مجھے دعوت دی اور یہ کہا کہ آپ میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں۔ یقیناً آپ سچ فرماتے ہیں آپ بلاشبہ امین ہیں۔ اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر فرمایا ہے جو یقیناً مخلوق کے سارے دینوں سے بہتر و افضل ہے۔ اگر مجھے لوگوں کی ملامت کا خیال اور ان کی گالیوں کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے اس دین کے قبول کرنے میں کشادہ دل پاتے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ لوگوں کے اجتماعات میں تشریف لیجاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے، فرماتے ''اے لوگو! حق تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانو''۔ ابولہب آپ کے پسِ پشت کہتا ''اے لوگو! یہ تمہیں، تمہارے باپ دادا کے دین سے پھیرنا چاہتے ہیں ان کے قریب نہ جانا''۔ بعض کفار قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر یعنی جادوگر، بعض شاعر، بعض کاہن اور بعض مجنوں (توبہ نعوذ باللہ) تک کہتے تھے۔

منقول ہے کہ قریش نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ چونکہ حج کے موسم میں عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ آئیں گے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلغلہ سنیں گے تو یقیناً وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے اور ان کی باتیں سن کر ان کے گرویدہ بن جائیں گے لہٰذا ہمیں ابھی سے کسی ایک بات پر متفق ہو جانا چاہیے جسے ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منقصت اور مذمت میں منسوب کر سکیں تاکہ لوگوں کے دل ان سے پھر جائیں اور وہ ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ان کو کاہن کہیں گے۔ ولید بن مغیرہ جو ان میں سب سے زیادہ عقلمند اور سمجھ دار تھا اس نے کہا ہم نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نظم و نثر اور سجع میں کاہنوں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ چنانچہ آنے والے عرب کے قبائل تم کو جھوٹا کہیں گے۔ وہ کہنے لگے اچھا پھر ہم انہیں مجنوں کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ وہ سر موجنون نہیں رکھتے۔ کفار کہنے لگے اچھا پھر ہم انہیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم شاعری کو بھی خوب جانتے ہیں اور شعر کے اقسام و انواع کو بھی خوب پہچانتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام شعر سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

پھر وہ کہنے لگے ہم انہیں ساحر یعنی جادوگر کہیں گے۔ اس نے کہا سحر کی تو ان کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہیں ہے کیوں کہ ان میں طہارت و نظافت اعلیٰ درجہ کی ہے اور جادوگر لوگ نجس و پلید ہوتے ہیں۔ ولید نے مزید کہا کہ وہ کلام جو حضور لیکر آئے ہیں اس میں ایسی حلاوت و لذت ہے جو کسی اور کلام میں ہے ہی نہیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے کلام میں قلب و روح کیلئے جو تصرف و تاثیر ہے وہ ایسی ہے کہ باپ، بیٹے، بھائی، شوہر اور بی بی کے درمیان جدائی ڈالدیتا ہے جو کسی قدر سحر سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر چاہیں تو یہ کہدیں اگرچہ کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل فرمایا: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ.

بعض بدبخت کافر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ انور پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، آپ کے دروازہ پر خون ڈالتے، راستوں میں کانٹے وغیرہ بچھاتے اور آپ کے بدن اطہر پر پتھر پھینکتے تھے۔ یہ بدبخت ایسے شقی تھے کہ ان میں سے ایک نے سجدے کی حالت میں اتنی شدت سے گردن کو دبایا کہ قریب تھا آپ کی چشمان مبارک باہر نکل پڑیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا خوب شدت سے گھونٹا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ درمیان میں آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا اس بدبخت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کی داڑھی اور سر کو اس زور سے گھسیٹا کہ داڑھی کے اکثر بال نچ گئے اور اس سے ان کا سر پھاڑ دیا۔ایک روایت میں ہے کہ اس نے ان کے سر اور منہ پر اتنی جوتیاں ماریں کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برابر یہی نصیحت فرماتے رہے کہ: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ. کیا تم ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ یقیناً اپنے رب کی جانب سے دلائل و براہین لائے ہیں۔یہ قول آلِ فرعون کے مومن کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرعونیوں سے کہتا تھا۔

صحیح بخاری میں سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحن کعبہ میں کھڑے تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط لعنۃ اللہ سامنے سے آیا اور اپنی چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں ڈال کر گھسیٹا اور اتنی شدّت سے لپیٹا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھٹ گیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس بد بخت کو کندھے سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا اور فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ کیا تم اسے جان سے مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے''۔

علماء فرماتے ہیں کہ مومن آل فرعون سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اس لیے کہ مومن آلِ فرعون نے زبانی مدد پر اکتفا کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زبان و ہاتھ اور قول و فعل سے مدد کی۔علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس خصوص میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ شجاع و بہادر ہونے کے قائل ہیں۔اسی ضمن میں سب سے زیادہ عجیب قصہ وہ ہے جو بخاری میں مروی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور قریش ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو؟ پھر اس نے اوروں سے یہ کہا: تم میں کوئی ایسا ہے جو فلاں قبیلہ سے ذبح کردہ اونٹ کی اوجھ اُٹھا لائے (ایک روایت میں مشیمہ یعنی آنول آیا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد غلاظت نکلتی ہے)۔پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جائیں تو وہ ان کے کندھوں پر رکھ دے۔اس پر بد بخت عقبہ بن ابی معیط اُٹھ کھڑا ہوا۔اس نے اونٹ کی اوجھ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں رہے اور سر مبارک سجدے سے نہ اُٹھایا۔اور وہ سب کھڑے ہنستے رہے اور ہنسی میں لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔یہاں تک کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے سے اس اوجھ کو اُٹھا کر پھینکا۔اور ان بدبختوں کو برا بھلا کہتی رہیں۔پھر جب آپ نے نماز مکمل فرمالی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بددعا فرمائی۔فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ'' یعنی اے اللہ! ان بد بخت قریشیوں کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔چنانچہ آپ کی اسی بددعا کے اثر سے ابوجہل وغیرہ روز بدر ذلت و ہلاکت کے ساتھ مارے گئے اور لعنت کے گڑھے میں جھونکے گئے۔جیسا کہ باب الغزوات میں آئے گا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی اذیتوں اور گستاخیوں پر بے حد صبر فرمایا لیکن جب ان کی گستاخی حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے اس نماز میں جو خدا کی حضوری کا مقام ہے بے ادبی کی تو بارگاہِ ایزدی کی طرف سے وہ پہنچا جس کے وہ مستحق تھے۔نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔حلیم نے اگرچہ برداشت کی حد کر دی لیکن جب وہ حد سے بڑھ گئے اور رسوا کرنے لگے تو ان کا انجام یہ ہونا ہی تھا۔

مسلمانوں کو اذیتیں پہنچانا

وصل: کفار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کمزور اور ناتواں صحابہ کو بھی اذیتیں دیتے تھے تاکہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی باندھ کر بچوں کے حوالے کر دیتے اور بچے انہیں مکہ کی گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے۔اسی رسی

سے ان کی گردن زخمی ہو جاتی۔ امیہ بن خلف جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مالک تھا ان کو مکہ کے ریگزاروں میں لے جاتا اور انہیں گرم ریت پر ننگا لٹا کر تپتا ہوا ایک بڑا پتھر ان کے سینہ پہ رکھتا اور ان کے بدن داغ دیتا اور کبھی دھوپ میں لٹا کر لاٹھیوں سے پیٹتا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ''اَحَدًا اَحَدًا'' جاری رہتا یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ کو سانس لینا دشوار ہو گیا اور عذاب کی یہ تلخی ایمان کی چاشنی سے بدل گئی۔ ایک دن وہ اس عذاب میں مبتلا تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچ گئے اور انہیں امیہ بن خلف جمحی سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! بلال رضی اللہ عنہ کے خریدنے میں مجھے کیوں شریک نہ کر لیا''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے ان کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتے تھے۔ ایک روز انہیں دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر اذیتیں دے رہے تھے کہ اُدھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرے انہیں اذیت میں دیکھ کر فرمایا: ''اے یاسر رضی اللہ عنہ کے بیٹے صبر کرو۔ سمیہ رضی اللہ عنہ تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا جاتا ہے''۔

ابوجہل لعین نے عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ کی اندام نہانی میں دشنہ مار کر شہید کر دیا اور پھر ان کے باپ کو بھی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں۔

منقول ہے کہ کچھ قریش یہودیوں کے پاس گئے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے بارے میں پوچھا۔ یہودیوں نے کہا کہ ان سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو نبی و رسول ہے ورنہ دیوانہ شخص ہے۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون لوگ ہیں جو پچھلے زمانہ میں خدا کی طلب میں نکلے تھے؟ اس سے ان کی مراد اصحاب کہف تھی۔ اور پھر ان سے پوچھو کہ وہ کون شخص ہے جس نے چوتھائی زمین کی سیر کی ہے؟ ان سے ان کی مراد حضرت ذوالقرنین سے تھی اور آخر میں ان سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'کل آنا' میں تم کو ان کا جواب دوں گا چوں کہ آپ نے انشاء اللہ نہ کہا تھا اس پر کچھ دیر بعد وحی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ آپ کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ اسے کل کروں گا مگر یہ کہ آپ انشاء اللہ کہیں۔ اس کے بعد قرآن 'اصحابِ کہف' اور حضرت ذوالقرنین کے بارے میں نازل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے قصے پڑھ کر سنائے۔ اور پھر روح کی حقیقت کے بیان کے لئے کھڑے ہوئے۔

علماء اختلاف کرتے ہیں کہ روح سے مراد انسانی روح یا جبریل علیہ السلام یا فرشتوں کی وہ صنف ہے جو روز قیامت صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ میں ہے: يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا۔ جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ اس سے مراد روحِ انسانی ہے۔ لہٰذا کچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حق سبحانہ کا یہ ارشاد ہے کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اے نبی! تم فرمادو روح میرے رب کا حکم ہے''۔ مطلب یہ کہ روح کی حقیقت کو تنہا جاننے والی ذات ربّ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اثر انداز ہے اس کی حقیقت کی معرفت میں کسی اور کو کوئی دلیل و راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی ماہیت پر مطلع فرمایا ہے بلکہ محتمل ہے کہ مطلع کر دیا گیا ہو گا لیکن دوسروں کو اس پر باخبر کرنے کا حکم نہ فرمایا گیا ہو گا۔ بعض علماء قیامت کے علم و وقت کے بارے میں بھی ایسا ہی کہتے ہیں (واللہ اعلم) اور حق تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فرمایا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور تمہیں نہیں دیا گیا علم

مگر بہت کم۔ کیونکہ یہ خطاب اس قوم سے ہے جس نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ مطلب یہ کہ تم اس قابل نہیں کہ اس کی حقیقت کو جان سکو۔ اور جو چیز اس حقیقت کے مانند ہے اس کے سمجھنے سے بھی تم عاجز ہو۔ لہٰذا یہودیوں کو علامات نبوت نہ بتانا اور اس کی خبر نہ دینا بھی اس بنا پر تھا۔ نہ کہ اس وجہ سے کہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں نے کہا تھا کہ اگر جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ نبی ہیں۔

بندۂ مسکین (یعنی صاحب مدارج النبوۃ حققہ اللہ بنور العلم والیقین) کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف کیسے جرأت کر سکتا ہے کہ حضور سیّد المرسلین امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقتِ روح کی نفی کر سکے کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا اور آپ پر اولین وآخرین کے علوم خوب واضح فرمائے تو روحِ انسانی کی حقیقت جامعہ کے پہلو میں کیا وقعت ہے۔ وہ علم ومعرفت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ یا آفتاب روشن کے مقابلہ میں ایک ذرّہ۔

صحابہ کا جانب حبشہ ہجرت کرنا:

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کفار کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا وہ جگہ امن وامان کی تھی۔ یہ ہجرت ماہ رجب نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی تھی۔ گیارہ مرد اور ایک قول کے بموجب بارہ مرد اور چار عورتیں' اور ایک قول کے مطابق پانچ عورتیں پوشیدہ طور پر ہجرت کر گئے تھے بعض نے اہل وعیال کے ساتھ اور بعض نے بغیر اہل وعیال کے ہجرت کی تھی یہ لوگ سمندر کے کنارہ تک تو پیدل گئے پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے حق تعالیٰ نے ان سب کو حبشہ میں نجاشی کے زیر سایہ پہنچا دیا۔ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔ جس نے سب سے پہلے اہل کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ' تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ جب سلامتی کے ساتھ پہنچنے کی اطلاع ملنے میں دیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر دامنگیر ہوئی۔ پھر ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی زوجہ کے ساتھ ایک دراز گوش پر سوار جاتے دیکھا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان پہلے شخص ہیں جس نے خدا کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنی زوجہ کے ساتھ ہجرت کی ہے بعد میں دوسرے صحابہ کرام بھی حبشہ پہنچ گئے۔ اور نجاشی کے زیر سایہ بحفاظت رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ایک جھوٹی خبر پھیلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے جب یہ خبر حبشہ پہنچی تو یہ لوگ حبشہ سے نکل کر مکہ چلدیئے۔ مکہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ صلح کی خبر نامعتبر اور جھوٹی تھی۔ اور کفار اسی طرح مسلمانوں کی ایذاء رسانی میں سرگرم ہیں۔ ان مہاجروں میں سے جو صحابی مکہ میں داخل ہو گئے تھے کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ پھر حبشہ چلے گئے۔ اس مرتبہ مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب کفار کو مسلمانوں کے حبشہ میں امن وچین سے رہنے کی خبر ملی تو انہوں نے عمرو بن العاص کو ایک جماعت کے ساتھ ہدیوں اور تحفوں سمیت نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دے۔ انہوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر اسے سجدہ کیا اور تحفے پیش کیے۔ اور عرض مدعا کر کے اس کی خوشامد کرنے لگے۔ نجاشی نے انہیں منع کیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ جس قوم نے ہمارے ملک میں ہماری پناہ لی ہو۔ اسے ہم ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیں''۔ اس کے بعد حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تاکہ وہ خود بات کریں اور اپنے دین وملت کا اظہار کریں۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے سجدۂ تحیت کے بعد سلام کیا نجاشی کے مصاحبوں نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نے جو مہاجرین حبشہ میں سے تھے فرمایا ہم غیر خدا کو سجدہ نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے دین اور اسلامی احکام کی خوب عمدہ طریقہ سے ترجمانی فرمائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے کلام سے نجاشی کے دل میں ایک ہیبت طاری ہوگئی، اس نے اُن سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ تلاوت کرو۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی۔اس پر نجاشی اور پادریوں میں سے جو بھی ان کے پاس تھا سب رونے لگے۔اور سب نے یک زبان کہا ''خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا دونوں ایک ہی مشکوٰۃ سے نکلے ہیں''۔اور نجاشی نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہستی مقدس ہیں جس کی بشارت، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے بعد وہ تشریف لائیں گے''۔اس کے بعد نجاشی نے قریش کے تحفوں کو لوٹا دیا اور ان کو ذلیل و رسوا کر کے دربار سے نکال دیا۔

ایک جھوٹی افواہ کی حقیقت

وصل: اثنائے بیان میں اجمالاً تذکرہ آ گیا تھا کہ ''مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان صلح ہونے کی خبر پھیل جانے کی بنا پر حبشہ سے آئی تھی اور پھر وہ لوٹ گئی تھی''۔اس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و انذار کی غرض سے مشرکوں کے آگے سورۂ والنجم کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیۂ کریمہ پر پہنچے اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (کیا تم نے لات و عزیٰ اور ایک اور تیسرے مناۃ بت کو نہ دیکھا) تو شیطان نے دخل اندازی کی اور مشرکوں کے کانوں میں یہ آواز پہنچائی تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْتَجٰى. یہ وہ بلند رتبہ اصنام ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے''۔پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ تمام فرمائی تو سجدہ کیا دوسرے مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا مشرکوں نے بھی مسلمانوں کی موافقت کی۔وہ بھی سجدے میں چلے گئے اس وقت مسجد حرام میں کوئی کافر ایسا نہ تھا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔بجز بقولِ مشہور امیہ بن خلف جحی کے۔اس نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور اپنا چہرہ پیٹ ڈالا۔کہنے لگا ''بس اتنا ہی کافی ہے''۔پھر مشرکین خوش ہو کر کہنے لگے ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کو یاد کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کی شفاعت کا اثبات کیا' ہم بھی ان کے ساتھ اتنا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ہم ان کو خالق، رازق اور جلانے والا اور مارنے والا نہیں جانتے۔جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق کر لیا تو ہم ان سے صلح کرتے ہیں اور ان سے اور ان کے ساتھیوں سے ظلم و ستم کا ہاتھ اٹھاتے ہیں''۔یہ خبر گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور شیطان نے اسے خوب پھیلایا۔جب حبشہ کے مہاجرین کو یہ خبر پہنچی' تو وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ پڑے۔اس واقعہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن و ملال میں ڈال دیا تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی خاطر کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

اے محبوب آپ سے پہلے جتنے بھی نبی و رسول ہم نے بھیجے جب وہ تلاوت کرتے تو شیطان نے ان کی تلاوت میں دخل اندازی کی ہے۔تو ہم شیطان کی دخل اندازی کو منسوخ کر کے اپنی آیتوں کو محکم بناتے ہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

جب یہ آیت کافروں کے کانوں میں پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معبودوں کی قدر و منزلت کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اب وہ اس سے پشیمان ہو گئے ہیں تو ہم بھی صلح کا ہاتھ اٹھاتے ہیں''۔لیکن اس قصہ کی صحت اور اس حادثہ کے وقوع میں

اہل علم کلام کرتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفا میں بحث کر کے اس کی اصلیت کو شافی ووافی طریقہ پر ضعیف قرار دیا ہے۔ امام فخر الدین رازی بھی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زبعری کی افتراءات میں سے ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ زبانِ حق ترجمان' صاحب وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جائے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو۔ خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلہ میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔ اور بیہقی فرماتے ہیں کہ نقل و روایت کے اعتبار سے یہ نادر وغریب قصہ ثابت ہے اور ان کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے کہ یہ سب کے سب مطعون ہیں۔ اور بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم کو ختم کر کے سجدہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمانوں' مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا۔ اس کو ارباب صحاح نے بطرقِ کثیرہ روایت کیا ہے اور ان میں غرانیق والی بات نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم عقل ونقل سے جانتے ہیں کہ یہ قصہ من گھڑت اور باطل ہے اسی طرح جمہور علماء محدثین فرماتے ہیں۔ لیکن ان کی ایک جماعت مثلاً ابو حاتم' طبری' ابن منذر' ابن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر وغیرہ نے ان روایوں کے ساتھ جن میں سے اکثر راوی ضعیف' داہی' منقطع' مرسل مضطرب اور غیر صحیح ہیں اسے روایت کیا ہے قطع نظر ان کی صحت کے' ان تمام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ہے۔ اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ توجیہہ وتاویل کے ذریعہ ظاہر سے ان کا اخراج کیا جائے تاکہ ان مخذرات وممنوعات سے جو مذکور ہیں نکالا جائے۔ وہ بلاشبہ توجیہات وتاویلات کی راہ میں ایسے طریقوں پر چلے ہیں جو مسالک بعیدہ ہیں اور تسلی وتشفی کے موجب نہیں ہیں۔ مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر (معاذ اللہ) ایسی غنودگی کی حالت میں جاری ہوا جس میں معلوم ہی نہ ہوا کہ کیا کلمے نکل رہے ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو محکم فرمایا۔ اسے طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اس کی تردید کی ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان کا کسی حالت میں غالب آنا ہی جائز نہیں۔ خواہ نیند میں ہی کیوں نہ ہوں۔ اور کچھ لوگ اس طرح کی تاویل بعید کرتے ہیں کہ شیطان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور ومضطر کیا کہ ایسے کلمات' ذہن اقدس سے نکالیں۔ (معاذ اللہ) تو آپ سے یہ کلمات بے اختیاری میں نکل گئے۔ یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر' فاسد اور نامعقول ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ یعنی اے شیطان تیرا میرے بندوں پر کوئی غلبہ واختیار نہیں۔ اگر شیطان میں ایسی قدرت وقوت ہوتی تو پھر کسی بندے کو طاعت کی قوت نہ ہوتی۔ بعض لوگ اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں اور ان کا وصف یہی بیان کرتے ہیں تو وہ اوصاف' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن شریف سے (معاذ اللہ) متعلق ہو گئے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ میں باقی رہا اور سہواً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر وہی کلمات آ گئے (معاذ اللہ) اس تاویل کو بھی قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے مردود قرار دیا ہے۔ بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت شریف آیۂ کریمہ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى پر پہنچی تو مشرکین ڈرے کہ اب اس کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کی مذمت وبرائی بیان فرمائیں گے تو مشرکوں نے ان کلمات کے بولنے میں جلدی کی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں ان کلمات کو ملا دیا۔ جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ وہ تلاوت قرآن کے وقت شور وغل مچاتے اور قسم قسم کی بولیاں بولتے تھے۔ پھر ان کلمات کو شیطان لعین کی طرف منسوب کر دیا گیا کیوں کہ اسی کے ورغلانے اور ابھارنے سے مشرکوں نے یہ حرکت کی

تھی۔ یا شیطان سے مراد شیاطین کی جنس ہے جس میں انسانی شیطان بھی شامل ہیں۔

بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن میں ترتیل فرماتے اور ہر آیت کے سرے پر وقفہ اور سکوت فرماتے تھے۔ اور شیطان اس گھات میں لگ گیا کہ کسی سکتہ میں اپنی آمیزش کردے چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقفہ اور سکتہ میں حضور ہی کی آواز کے مشابہ ترنم میں ان کلمات کو ادا کر دیا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے انہوں نے گمان کرلیا کہ یہ کلمات بھی (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ادا کیے ہیں۔ پھر انہوں نے اسے پھیلا دیا۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل احسن وعمدہ ہے اور قاضی ابن العربی نے بھی جو کہ اعاظم علماء مالکیہ میں سے ہیں اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں خبر دی ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین میں یہ سنت الٰہی جاری رہی ہے کہ جب کچھ کلام فرماتے تو شیطان اپنی طرف سے اس میں کچھ کلمے ملاتا رہا ہے اور یہ آیۂ کریمہ اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں آمیزش کر کے اس نے بڑھیا تھا نہ یہ کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ان کلمات کو ادا کیا تھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تاویلات وتوجیہات اس وقت فرض کی جاسکتی ہیں جبکہ یہ قصہ ثابت ہو۔ لیکن اگر قصہ ہی موضوع و باطل ہو تو آیۂ کریمہ مذکورہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ کے معنی کیا ہیں؟ اور القاء شیطان سے کیا مراد ہے؟ اور نسخ آیات اور اسے محکم کرنا کونسی آیتوں میں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثبوت قصہ کی تقدیر پر ''تمنی'' کے معنی قرأت وتلاوت کے ہیں۔ اور ''امنیت'' کے معنی قرأت کے آئے ہیں۔ اور اس قصہ کے وضع اور بطلان کی تقدیر پر ''تمنی'' کے معنی آرزو کرنے اور ہوائے نفس، شہوت نفس کا اندیشہ کرنے اور دنیا کی جانب مائل ہونے اور اس میں مشغول ہونے اور وہ دلی خطرات جن کو وسوسہ کہتے ہیں اور سہو سے پوشیدہ رکھنے اور ان کا باطن میں راہ پانے کے معنی میں ہے۔ اور انبیاء اکرام علیہم السلام پر ان باتوں کی نسبت جائز ہے جبکہ ان پر اصرار استمرار نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اسی پر محمول ہے۔ اور کبھی ''تمنی'' کا مطلب، قوم کے ایمان لانے پر زیادہ خواہش کرنے کی جانب راجع ہوتا ہے اور کسی ایسی چیز کی خواہش کرنا جس سے وہ ایمان کی طرف زیادہ سے زیادہ قریب ہوسکیں اور ان کی محبت والفت کا موجب بن کر ان کے دل نرم وگداز بن سکیں۔ اور شیطانی القا سے ان کے دل پھر جائیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اس لیے وہ شیطانی القا سے پاک ومنزہ ہیں۔ اور ان کے عزوکمال کو ارشاد وانذار میں ہر اس چیز سے دور رکھتے ہیں جو انہیں زائل کرنے والی ہے۔ اور اُن نشانیوں کو دکھاتے اور برقرار رکھتے ہیں جو امرِ آخرت میں مستغرق ہونے کی جانب داعی ہوں۔ جیسا کہ فرمایا یحکم اللہ بـایـاتـه اللہ اپنی آیتوں کو محکم فرماتا ہے''۔ اور اس میں حق تعالیٰ کی بیشمار حکمتیں ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہی خلاصہ تفسیر بیضاوی کے کلام کا ہے۔ انہوں نے اس قصہ کو نقل کر کے اس کا رد کیا ہے۔ اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور وساوس قلبی کے اطلاق کے جواز میں یہ آیت دلالت کرتی ہے (واللہ اعلم)

منقول ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ لیکن ہجرت ثانی کے ساتھ۔ ہجرت اول کے بارے میں بالفعل کوئی تصریح ہم نے نہیں پائی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ہجرت ثانی ہی مراد ہوگی۔ (واللہ اعلم) اور ''روضۃ الاحباب'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت تیرہویں سال، بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد، ہجرت مدینہ سے پہلے تھی۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو شہر مکہ کے لوگوں نے کہا وہ ہم میں سے کس طرح باہر نکل سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس لائے اور یہ واپسی برک الغماد سے ہوئی تھی۔ مکہ والے یہیں سے لوٹا کر مکہ مکرمہ لائے تھے۔ اور جب قبیلہ کے سردار مالک بن دغنہ کے قریب پہنچے تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جگہ دی اور قریش کے شر سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنے

گھر میں رب العزت کی عبادت کرنے لگے۔ انہوں نے مکان کے صحن میں ایک کوٹھری مسجد کی بنائی جس میں وہ نماز پڑھتے' تلاوت قرآن کرتے اور روتے تھے۔ کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ نے ان کا دل بہت نرم پیدا فرمایا تھا وہ بکثرت رویا کرتے تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت تو ان کی آنکھیں اپنے قابو میں ہی نہ رہتی تھیں۔ اس کے بعد مشرکوں کی عورتیں' بچے' باندیاں اور ان کے مرد ارد گرد آ کر کھڑے ہونے لگے اور قرآن کریم کو سن کر حیرت وتعجب کیا کرتے۔ یہ فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی۔ کسی اور صحابی کی اس میں ان کے ساتھ شرکت نہ تھی۔ خصوصاً ایسے نازک وقت میں اسلام مخفی تھا' اس زمانہ میں انہوں نے علانیہ مسجد بنائی اور اس میں عبادت اور تلاوت شروع کی۔ مشرکین اور صنادید قریش نے اس پر ابن دغنہ سے یہ خطرہ بیان کیا ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچیاں پاگل نہ ہو جائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے اس عمل سے باز رہنے کو کہیں۔ اور اگر انہیں اپنے رب کی عبادت اتنی ہی پیاری ہے تو وہ گھر میں چھپ کر کریں۔ اور اگر وہ علانیہ ہی عبادت کرنے پر اصرار کریں تو تم اپنے اس عہد کو توڑ دینا۔ جو تم نے ان کے ساتھ کیا ہے اور ان کو اپنی پناہ میں لیا ہے۔ تا کہ ہماری طرف سے تمہاری عہد شکنی نہ ہو'۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنیں تو آپ نے ابن دغنہ سے کہا میں تمہارے عہد پناہ کو توڑتا ہوں کیوں کہ میں اپنے رب کی پناہ پر راضی ہوں (رضی اللہ عنہ۔ رواہ البخاری)

سیّد الشہداء حضرت حمزہ کا ایمان لانا

وصل:- نبوت کے چھٹے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ آپ قریش میں سب سے زیادہ غیرتمند' بڑے شہ زور اور بہادر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے کی وجہ سے قریش پر غالب وقوی ہو گئے۔

منقول ہے کہ ایک دن ابوجہل لعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا اور گالیاں دی تھیں۔ اس کی خبر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شکار سے واپسی پر خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ملی۔ یہ خبر سنتے ہی غضبناک ہو کر سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے کمان ان کے کندھے پر تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کمان کھینچ کر اور ابوجہل کے سر پر رسید کی اس بدبخت کا سر پھٹ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتا اور ایذا پہنچاتا ہے حالانکہ میں ان کے دین پر ہوں'۔ پھر وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور ایمان لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبوت کے پانچویں سال ایمان لائے۔ (واللہ اعلم)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے تین دن بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ' ایمان لائے۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعَمَرِ بْنِ هَشَّامٍ اَوْبِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اے خدا عمرو بن ہشام یا عمر الخطاب کے ذریعہ دین اسلام کو عزت دے' اور قوی وغالب فرما، عمرو بن ہشام ابوجہل کا نام تھا۔ اور یہ دونوں قریش میں بہت قوی تھے۔ چونکہ ابوجہل ان میں سے تھا جن کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے''۔ اور یہ کہ فرمایا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ برابر ہے ان پر خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ قبولیت دعا کی اس کے حق میں گنجائش نہ تھی بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے حق میں تھی کیونکہ ان پر سے بعض حجابات مرتفع نہ ہوئے تھے اور وہ کسی خاص وقت کے ساتھ موقوف تھے۔

جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اس دن تک مسلمانوں کی تعداد انتالیس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

چالیس کے عدد کو پورا فرمایا۔ مدنیہ طیبہ میں آپ کی قبر انور کی زیارت کے وقت سلام میں یہ کہتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ كَمَّلَ اللّٰهُ بِهِ الْاَرْبَعِيْنَ سلام ہو آپ پر اے وہ ہستی جس کے ذریعہ اللہ نے چالیس کی تعداد مکمل فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت مسلمانوں کی تعداد کچھ اوپر چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں پر مشتمل تھی۔ اور تعجب ہے کہ اس مدت تک اسلام لانے میں کیوں تاخیر واقع ہوئی۔ قیاس تو مقتضی تھا کہ اس سے پہلے اس وقت ہی اسلام لاتے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ مگر اس میں حکمت دین کی قوت کا اظہار تھا اور یہ کہ چالیس کا عدد مکمل ہو۔ کیوں کہ اس عدد کی تکمیل میں ایک عظیم تاثیر پنہاں ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کفر میں ان کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایذا، ظلم وستم اور سزا کلمات، کبھی بھی واقع نہیں ہوئے۔ آپ کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف عبارتیں اور متعدد حکایتیں منقول ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ واقعتہً درست ہوں اور جس راوی کو جیسا معلوم ہوا ویسا ہی نقل کر دیا ہو (واللہ اعلم)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے اسلام اپنی بہن کے ذریعہ پہنچا۔ میری بہن حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید بن عمرو بن نفیل کی زوجیت میں تھیں، جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور آخر حدیث میں عشرۂ مبشرہ کی بشارت مذکور ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اپنی بہن کے پاس گیا اور میں نے کہا'' اور اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چلا ہے کہ تو صابی یعنی بے دین ہوگئی ہے؟'' کیوں کہ کفاران مسلمانوں کو جنہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا صابی'' یعنی بے دین کہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ'' میں نے اپنی بہن کو خوب پیٹا یہاں تک کہ وہ لہولہان ہوگئی۔ جب اس نے خون دیکھا تو میری بہن رو کر کہنے لگی تم جو چاہو کرو۔ یقیناً میں مسلمان ہوگئی ہوں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں اسی غصہ کی حالت میں گھر کے اندر گیا وہاں میں نے ایک جگہ ایک کتاب دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جب میں نے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو پڑھا تو خوفزدہ ہو کر کانپنے لگا۔ اور میں نے اپنے ہاتھ سے اس کتاب کو رکھ دیا۔ پھر دوبارہ جو میری نظر اس پر پڑی تو میں لکھا دیکھا کہ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تسبیح میں مشغول ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ اسی کیلئے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔ اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں اسے پڑھتا رہا یہاں تک کہ جب میں آیت پر پہنچا کہ وَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔ تو میں نے اسی وقت کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد مسلمان خوشی ومسرت کا اظہار کرتے اور تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر نکلے کیوں کہ انہوں نے میری زبان سے کلمہ طیبہ نکلتے سن لیا تھا۔ اس کے بعد میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی بارگاہ دارارقم (جو کہ مکہ کے نچلے حصہ میں واقع ہے) میں پہنچا۔ چند دنوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہیں قیام پذیر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے تشریف لائے اس وقت مجھے دو شخص بازوؤں سے مضبوط پکڑے ہوئے تھے۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انہیں چھوڑ دو''۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گریبان کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے ابن خطاب! اسلام قبول کر لے۔ اے خدا! ان کے دل کو ہدایت دے' اس وقت میں نے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اس وقت تمام مسلمانوں نے خوب بلند آواز سے تکبیر کہی جسے مکہ کی ہر گلی میں سنا گیا۔ اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ جو مسلمان ہوتا وہ اپنے اسلام کو چھپاتا تھا۔ لیکن اس وقت خوب اظہار و اعلان ہوا۔ اس کے بعد میں باہر آیا۔ اور میں اس شخص کے پاس گیا جس کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی کا بھید چھپاتا نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا میں صابی ہو گیا ہوں اس پر وہ شخص خوب زور سے چیخا اور کہنے لگا خبر دار ہو جاؤ ابن خطاب صابی ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کا وتیرہ ہو گیا کہ وہ مجھے بلاتے تا کہ ایذا و تکلیف پہنچائیں مگر وہ میرے ہاتھ سے مار کھاتے تھے۔ اس پر میرے ماموں یعنی ابوجہل نے پوچھا' کہ ''یہ شور و غوغا کیسا ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ ''ابن خطاب' دین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں''۔ یہ سن کر میرا ماموں ایک خچر پر کھڑا ہوا اور اس نے مکہ والوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''خبر دار ہو جاؤ میں نے اپنے بھانجے کو امان دیدی ہے''۔ اس کے بعد لوگ مجھ سے دور ہٹ گئے۔

دوسری روایتوں میں اس طرح ہے کہ ابوجہل شقی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر بڑی شدتیں اور سختیاں کیں۔ مگر اس کا بس نہ چل سکا۔ اور لاچار ہو کے رہ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگوں کا یہ حال رہا کہ میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا مگر وہ میرے ساتھ ناروا سلوک کرتے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے دین اسلام کو قوی فرمایا۔

ایک اور روایت میں اس طرح مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے تو تلاوت قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑی وہ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ صحیفہ کیا ہے مجھے دو''۔ ان کی بہن نے کہا ''تم ناپاک اور مشرک ہو۔ اور یہ ایسی کتاب ہے جس کے بارے میں حکم الٰہی ہے کہ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ اسے نہ چھوئیں مگر طہارت کے ساتھ'' اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا سورۂ طٰہٰ کو شروع سے پڑھنا شروع کیا۔ اور جب اس آیۂ کریمہ پر پہنچے وَاِنْ تَجْھَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اگر چہ تم بلند آواز سے کہو مگر حق تعالیٰ سر و اخفی کو جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہنے لگے یہ کتنا پیارا کلام ہے۔ یہ کلام اور وہ رب تعالیٰ جس کی یہ صفت ہے کہ وہ سر و اخفی کو جانتا ہے اس کا مستحق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا کسی کو نہ پوجا جائے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد' اللہ کے رسول ہیں''۔ اس کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما ہیں تا کہ میں ان کے حضور حاضر ہوں۔ اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گردن میں شمشیر حمائل کیے حاضر ہوئے۔ صحابہ کرام' خوف سے دروازہ نہیں کھول رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو پکڑ کر۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی کمر پکڑ کر دبایا اور فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ اگر خیریت کے ساتھ آئے ہو تو میں تم سے اپنا ہاتھ کھینچ لوں اور اگر جنگ کے ارادہ سے آئے ہو تو میں تمہیں ہلاک کر دوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلام سنا تو ان کا جوڑ جوڑ لرزنے اور کانپنے لگا۔ انہوں نے اپنا سر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جھکا دیا۔ اور کہنے لگے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر تکبیر فرمائی اور صحابہ نے بھی' خوشی میں بلند آواز سے تکبیر کہی۔ چنانچہ اس تکبیر کی گونج قریش کے

مجمع میں پہنچی اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار تو لات وعزیٰ کی علی الاعلان پرستش کرتے ہیں اور آپ دین کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف چل دیئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرب وحرب سے کفار کے مجمع کو خانہ کعبہ کے گردونواح سے دور کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اور صحابہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (اے نبی تمہیں اللہ کافی ہے۔ اور یہ مسلمان جو آپ کی پیروی کرتے ہیں) اسی وقت نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہو کر کہا کہ آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر مبارک باد عرض کرتے اور اظہار خوشی ومسرت کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ)

قریش کا عہد نامہ لکھنا اور شعب ابوطالب میں مقید ہونا وغیرہ

وصل:۔ نبوت کے ساتویں سال میں جب قریش نے دیکھا کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے سے دین اسلام کی عزت وقوت بڑھ گئی ہے اور صحابہ حبشہ کی جانب جار ہے ہیں اور اسلام قبائل عرب میں پھیلتا جار ہا ہے تو ان کے حسد وعداوت کی آگ بھڑکی اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل وہلاکت میں کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوطالب کی حمایت اور کفالت میں تھے اس لیے ان کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ پر دست ستم دراز کریں، وہ ابوطالب کے پاس آئے ان سے کہنے لگے کہ ''یا تو آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں یا ہم سے جنگ کیلئے آمادہ ہو جائیں یا پھر اُن سے کہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں''۔ اِن کے جانے کے بعد ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آئی تھی اور ایسا کچھ کہہ رہی تھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان کو بخشئے کیوں کہ ہم اور آپ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے''۔ اس پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے چچا! کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر ایسا کر رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ میرا حامی میرا رب تعالیٰ ہے۔ اور میں اس کے حکم سے اس وقت تک ایسا کرتا رہوں گا جب تک یہ کام آخر تک نہ پہنچے۔ میں اس کام سے نہ ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ اپنے پاؤں پر بیٹھ سکتا ہوں۔ اگر آپ میری تقویت فرما سکیں اور میری موافقت کر سکیں تو یہ آپ کی سعادت ونیک بختی ہے ورنہ نصرت الٰہی اور تائید آسمانی میرے لیے کافی ہے''۔ یہ فرما کر ان کی مجلس سے کھڑے ہو گئے ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں سے گونہ تقویت وہمت پیدا ہوئی اور کہنے لگے ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام کیے جائیے۔ رب کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں آپ کو کوئی پابند نہیں کر سکے گا۔ اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو باز نہ رکھ سکے گا''۔ اس ضمن میں ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ ہے کہ ''خدا کی قسم! کبھی بھی آپ کی طرف کوئی اپنی قوت کے ساتھ نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کو علی الاعلان پھیلایئے اور کوئی اندیشہ نہ کیجئے اور خوش رہیے اور اس کی وجہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیے۔

اس کے بعد ابوطالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا مطلب کی اولاد نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ تسلی وخاندانی عصبیت کے لحاظ سے سب کے سب اگرچہ کچھ ان میں سے کافر تھے) جاہلیت کی عادت کے بموجب اپنی گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہو گئے۔ مگر ابولہب داخل نہ ہوا اگرچہ یہ بنی ہاشم میں سے تھا تمام قریش نے اپنے درمیان عہد باندھا کہ ہم میں سے کوئی بنی ہاشم اور بنی

المطلب سے شادی بیاہ خرید وفروخت ملنا جلنا اٹھنا بیٹھنا اور گفت وشنید نہ کرے گا۔ اور مکمل مقاطعہ و بائیکاٹ کریں گے۔ اور وہ اس سر زمین سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ انہوں نے بازار والوں سے یہ عہد لیا کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائیگی کبھی ایسا تھا کہ حج کے زمانہ میں گردونواح سے آنے والے لوگ اگر ان کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ انہیں بھی روکتے تھے اور وہ سامان خود بیش قیمت دے کر خرید لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک ''عہد نامہ'' لکھا اور مہر کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا کہ ان کے ساتھ صلح نہیں ہوسکتی مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل پر کہتے ہیں کہ جس ہاتھ نے اس ''عہد نامہ'' کو لکھا تھا وہ شل ہو گیا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ بیت

یار گو دوست شو جملہ جہاں دشمن باش بخت گو پشت مدہ روئے زمین لشکر گیر

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافر برا مانیں یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم کی چاند رات کو واقع ہوا۔ تین سال اسی حالت میں گزر گئے۔ اور جب تنگی وعسرت حد سے گزر گئی تو قریش کی وہ جماعت جو بنی ہاشم اور بنی المطلب کے ساتھ قریبی قرابت رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نرمی وشفقت ڈالی کہ اس عہد کو توڑ ڈالیں اور اُس ظالم وقاطع ''عہد نامہ'' کو پرزے پرزے کر دیں۔ قریش کے درمیان نزاع وخصومت واقع ہونے کے بعد انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس ''عہد نامہ'' کو سامنے لایا جائے۔ ابو طالب نے اس وقت بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے دیمک کو اس عہد نامہ پر مقرر کیا ہے کہ ظلم وجور اور قطعیت کی عبارت کو چاٹ جائے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو باقی رکھے۔ اگر ان کی یہ بات جھوٹی نکلے تو ان کے ساتھ جو چاہو کرنا اور اگر یہ خبر سچی ہو تو یہی کافی ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون ناپید ہو گیا۔ پھر عہد نامہ کھولا گیا تو وہ ویسا ہی برآمد ہوا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا قریش شرمندہ ہوئے اور اپنے منہ لٹکا دیے۔ اس کے باوجود ابوجہل اور اس کے پیروکار چیختے چلاتے رہے کہ ''عہد نامہ'' کو نہ توڑا جائے۔ ابو طالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور دعا کی اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا يَحْرُمُ عَلَيْنَا. اے خدا ہماری ہمارے ظالموں پر مدد فرما اور قطع رحمی کو دور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا'' پھر اپنی گھاٹی میں لوٹ گئے۔ قریش کی وہ جماعت جو عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ غالب----شعب ابی طالب میں داخل ہوئی اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کو باہر نکالا اور ان سب کو اپنے اپنے گھروں میں ٹھیرایا۔ مخالفین کچھ نہ کر سکے۔ یہ صورت حال نبوت کے دسویں سال میں واقع ہوئی۔

اس دسویں سال فارس وروم کے درمیان جنگ واقع ہوئی جس میں فارس کو فتح حاصل ہوئی۔ جب یہ خبر عرب میں پہنچی تو کفار قریش بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر کہنے لگے آج جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آئے ہیں اسی طرح کل ہم تم پر بھی غالب آئیں گے۔ یہ کفار اپنے بھائی سے مراد فارس لیتے تھے کیوں کہ وہ صاحب ملت وکتاب نہیں تھے۔ اور مسلمانوں کے بھائیوں سے مراد روم والے لیتے تھے کیوں کہ وہ اہل کتاب اور نصرانی ملت پر تھے۔ مسلمان ان باتوں سے کڑھتے اور ملول ہوتے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔

الٓمّٓ o غُلِبَتِ الرُّوْمُ o فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ حق تعالیٰ نے خبر دی کہ اگرچہ اس سال فارس کے ہاتھوں روم مغلوب ہو گئے ہیں مگر انجام کار چند سالوں میں وہ ان پر غالب آ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی خبر پر اعتماد کر کے قریش سے فرمایا حق تعالیٰ تمہارے دلوں کو جنگ سے خوش نہیں کرے گا۔ خدا کی قسم! ضرور

بالضرور چند سالوں میں اہل روم اہل فارس کو مغلوب کر لیں گے۔ اس پر ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جھٹلایا اور اُن سے شرط باندھی کہ تین سال تک اگر رومی، فارسیوں پر غلبہ پا گئے تو دس اونٹ میں تمہیں دوں گا ورنہ تم ڈینا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ انٹوں کی زیادتی کر دو اور مدت میں بھی کچھ بڑھا دو۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ''بضع'' اس عدد کو کہتے ہیں جو تین سے دس تک ہو۔ اور چونکہ حق تعالیٰ نے مبہم فرمایا تھا۔ تعین نہ فرمائی تھی اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ تین کی تعیین نہ کی جائے۔ ممکن ہے کہ رومیوں کو تین سال میں غلبہ حاصل نہ ہو۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور مدت نو سال مقرر کر کے فرمایا سو سو اونٹ کو ایک دوسرے کا ضامن بناتے ہیں۔ چنانچہ روزِ بدر یا روزِ حدیبیہ خبر ملی کہ رومی، فارسیوں پر فتحیاب ہو گئے ہیں۔ حدیبیہ کی روایت درست معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اس آیت کا نزول بعثت کے دسویں سال ہے اور صلح حدیبیہ ہجرت کے کے چھٹے سال ہے۔ لہٰذا نو سال درست بنتے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی سے سو اونٹ اس، ضمان سے حاصل کیے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔ اور صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ اونٹ ابی کے وارثوں سے حاصل کیے کیوں کہ ابی غزوۂ احد میں واصل جہنم ہو چکا تھا۔ منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سو اونٹ لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کر دینے کا حکم فرمایا۔ غالباً صدقہ کر دینے کا حکم اس نعمت کے حاصل ہونے کے شکرانہ میں تھا۔ یا اس شبہ کی بنا پر کہ یہ مال شرط کا تھا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ شرط لگانے کا قصہ جو قمار یعنی جوئے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عقود فاسدہ مانند عقد ربا وغیرہ دار حرب میں، یہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جائز ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ اس آیت میں دو قرأتیں ہیں پہلی قرأت یہ ہے کہ ''غُلِبَتْ'' بصیغہ مجہول اور ''سَيَغْلِبُوْنَ'' بصیغہ معروف ہے۔ اور یہ اسی قرأت پر مبنی ہے اور دوسری قرأت یہ ہے کہ غَلَبَتْ بصیغہ معروف اور سَيُغْلَبُوْنَ بصیغہ مجہول ہے۔ اس قرأت کے بموجب اس کے معنی یہ ہوں گے رومیوں کے فارسیوں پہ غلبہ پانے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے۔ اور اس آیہ کریمہ کے نو سال بعد وہ مغلوب ہوں گے اور غَلَبِهِم کی اضافت، اولِ قرأت کے بموجب ازقبیلِ، مصدر کی بسوئے مفعول ہوگی۔ اور دوسری قرأت کے بموجب بسوئے فاعل ہوگی۔

۱۰ نبوی میں ابوطالب کی وفات

اسی سال یعنی نبوت کے دسویں سال ابوطالب نے وفات پائی۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے انچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! ابوطالب نے وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ سن دس نبوی کے نصف ماہِ شوال ہے بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے۔ اس وقت ابوطالب کی عمر ستاسی سال کی تھی۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی موت کے وقت فرماتے تھے کہ اے چچا کلمہ لا الہ الا اللہ، کہہ دیجیے میں روزِ قیامت آپ کو اس کلمہ کی بدولت شفاعت کر کے چھڑا لوں گا۔ جب ابوطالب نے رسول اللہ صلی! اللہ علیہ وسلم کی اس کلمہ کے کہلوانے میں بڑی خواہش دیکھی تو کہنے لگے ''اے میرے بھتیجے اگر مجھے قریش کا یہ ڈر نہ ہوتا کہ وہ میرے بارے میں یہ کہیں گے کہ یہ کلمہ موت کی بے صبری کے خوف کی بنا پر کہہ دیا ہے تو میں یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کر دیتا''۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ ''اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ آپ کو میرے بعد طعنہ دیں گے اور کہیں گے کہ تمہارے چچا نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا ہے تو ضرور کہہ دیتا''۔

منقول ہے کہ ابوطالب نے چند اشعار کہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ''آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی اور میں جانتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سے میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں۔اور یقیناً آپ کا فرمانا سچ ہی ہے اور آپ اس میں ''امین'' ہیں اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر کیا ہے جسے میں جانتا ہوں کہ وہ دین ساری مخلوق کے دینوں سے بہتر و افضل ہے۔اگر مجھے لوگوں کے برا بھلا اور ملامت کرنے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے قبول کرنے والا اور اسے ظاہر کرنے والا جواں مرد پاتے''۔

اس کے بعد قریش نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور کہا اے ابوطالب کیا تم اپنے باپ دادا کی ملت' اور اپنے بزرگوں' عبدالمطلب' ہاشم اور عبدمناف کے دین سے برگشتہ ہو رہے ہو؟ ابوطالب نے کہا۔''نہیں میں اپنے بزرگوں کی ملت پر ہوں''۔اور وفات پا گئے۔

مروی ہے کہ ابوطالب نے بنی عبدالمطلب کو اپنی موت کے وقت بلایا اور وصیت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سنو تو ان کی پیروی کرنا اور ان کی نصرت و امانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد و فلاح پاؤ''۔

مواہب لدنیہ میں ہشام بن سائب سے منقول ہے کہ کہا جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے قریش کے جوانوں اور ان کے بڑوں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو وصیت کرتے ہوئے کہا ''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں بزرگی دی ہے۔میں تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔اس لیے کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق یعنی سچے ہیں۔اور ان میں ہر حسن و خوبی جمع ہے میں ان کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔بلاشبہ وہ ایسی بات لائے ہیں جن کو ہر دل تو مانتا ہے مگر زبانیں ملامت کے خوف سے انکار کر رہی ہیں میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے فقیروں درویشوں' عرب کے بادیہ نشینوں اور کمزوروں تو ان لوگوں کو کہ وہ سب ان کی دعوت قبول کرتے ان کے کلمے کی تصدیق کرتے اور ان کو اپنا بزرگ و رہنما جانتے ہیں! پھر قریش اور ان کے بڑوں کے سر جھک گئے ہیں۔اور ان کے مکانات ویران ہو گئے ہیں ان کے کمزور' صاحب ثروت اور عظیم تر بن گئے ہیں اور جوان میں بزرگ نصیبہ ور اور بہرہ مند ہو گئے ہیں۔بلاشبہ انہوں نے عرب کو خالص بنا دیا ہے اور اپنی محبت ان کے دلوں میں خوب رچا بسا دی ہے۔وہ سب ان کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں۔(یہ سب واقعات آئندہ رونما ہونے والے ہیں گویا اس وقت دیکھ رہا ہوں) تو آئے گروہ قریش! تم ان سے محبت کرنے والے اور ان کی نصرت و حمایت کرنے والے بنجاؤ۔خدا کی قسم! جو بھی ان کی پیروی کی راہ اختیار کرے گا اور ان کی متابعت کرے گا یقیناً وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہوگا۔اور کوئی نیک بخت ان کی سیرت و خصلت کا انکار نہیں کرے گا۔اگر میں کچھ عرصہ اور زندہ رہا اور میری اجل میں کچھ تاخیر ہے تو یقیناً میں ان کی حفاظت و حمایت ہی کرتا رہوں گا اور ہر حادثہ و برائی کو ان سے دور رکھوں گا''۔یہ وصیت کی اور اس جہان سے رخصت ہو گئے۔

غرضیکہ حضرت ابوطالب کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و امداد' حمایت و رعایت کرنا اور آپ کی مدح و ثنا کرنا' آپ کی شان کو بڑھانا اور آپ کے مرتبہ کو اونچا کرنا ان کے اشعار و اخبار میں بکثرت موجود ہے۔اس کے باوجود علماء کہتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے اور مسلمان ہو کر اس جہان سے نہیں گئے۔اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ گو انہوں نے زبان سے اقرار نہیں کیا مگر دل سے تصدیق کی اور ان کی جانب سے اذعان و قبول اور اطاعت وجود میں نہیں آیا۔اور وہی تصدیق و اقرار معتبر ہے جو اذعان و قبول اور انقیاد تسلیم کے ساتھ شامل ہو جیسا کہ کتب کلامیہ میں تحقیق کی گئی ہے۔اور احادیث و اخبار میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بجز اس روایت کے جو ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ وہ وفات کے وقت اسلام لائے۔اور کہا کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف نظر کی دیکھا کہ وہ اپنے لبوں کو جنبش دے رہے ہیں تو انہوں نے اپنے کان قریب کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کہا کہ اے بھتیجے خدا کی قسم! بلاشبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا جس کلمہ کے پڑھنے کو آپ انہیں فرما رہے تھے۔ایک روایت

میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے سنا ہے'' اس کے باوجود صحیح حدیث میں ان کے کفر پر اس سے استدلال و اثبات کیا گیا ہے کہ ان کا آخری کلام ''علیٰ ملتہ عبدالمطلب'' ہے۔ اور انہوں نے لا الہ الا اللہ نہیں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً میں اس وقت تک تمہاری مغفرت مانگتا ہوں گا۔ جب تک مجھے اس سے منع کر دیا جائے۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْآ اُولِیْ قُرْبٰی۔ نبی اور ایمانداروں کو زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

نیز مروی ہے کہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوا کہ اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (بے شک آپ جسے بہت زیادہ چاہتے ہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے) صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوطالب کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ آپ کی حمایت کرتے اور آپ کی اعانت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے اظہار غضب کرتے تھے تو کیا ان کو اس کا کچھ صلہ ہے؟ فرمایا ہاں! میں نے ان کو جہنم کے طبقات اور اس کی گھاٹیوں میں پایا تو میں ان کو وہاں سے نکال لایا اب صرف ان کے پاؤں آگ میں ہیں۔ جس کی حرارت دماغ تک پہنچتی ہے اور اس سے ان کا دماغ کھولتا ہے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ ان کا دماغ ان کے پاؤں کی طرف میلان کرتا ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت لوگوں میں از روئے عذاب سب سے ہلکا اور سبک ترین عذاب ابوطالب کیلئے ہے کہ صرف جوتیوں کی بندش تک آگ میں ہے جس سے ان کا دماغ کھولتا ہے اور یہ اس ضمن میں مروی ہے کہ کفار کے نیک عمل ان کے عذاب کی تخفیف کا سبب ہیں۔

روضۃ الاحباب میں بھی ابوطالب کے حالت کفر مرنے کے بارے میں خبریں مذکور ہیں۔ نیز منقول ہے کہ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا ''اِنَّ عَمَّکَ الشَّیْخَ الضَّالَّ قَدْمَاتَ بیشک آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کی وفات ہوگئی ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رو کر فرمایا انہیں غسل دو اور ان کی تجہیز و تکفین کرو' میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ وہ حالت شرک میں مرے ہیں''۔ فرمایا ''جاؤ انہیں زمین میں ڈھانپ دو''۔ اور یہ بھی فرمایا: غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَرَحِمَہُ اللّٰہُ اللہ انہیں بخشے اور رحمت فرمائے۔ نیز منقول ہے کہ سیّدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے جنازے کے ہمراہ تشریف لے گئے اور فرمایا اے میرے چچا تم نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا' اور میرے حق میں تم نے کوئی کمی اور کوتائی نہ کی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کا قصہ غرابت وندرت سے خالی نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے مروی ہے کہ جب قریش نے مزاحمت ومخاصمت کا اظہار کیا تو ابوطالب نے کہا عبدالمطلب ہاشم اور عبدمناف کی ملت پر مرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبدالمطلب اور ان کی قوم سب آگ میں ہیں اور علماء متاخرین اثبات کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد شرک وکفر کی نجاست سے پاک وصاف ہیں کم از کم اتنا تو لازم ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اور صرف نگاہ کریں (واللہ اعلم)

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت ابوطالب کی وفات کے تین یا پانچ روز کے بعد ام المومنین سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی۔ ان کی اقامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پچیس سال رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو ''عام الحزن'' یعنی غمی کا سال فرمایا کرتے

تھے۔گھر سے جسے ''بیت الحزن'' کہنا چاہیے بہت کم نکلتے تھے۔کفار نے پہلے سے بہت زیادہ ظلم وجفا کی بنیادرکھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال نے بعد ام المومنین سیّدہ سودہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ قرشیہ عامریہ اور بیوہ تھیں۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری چھ سالہ تھیں۔ہجرت کے بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف واقع ہوا۔باقی حالات ازواجِ مطہرات کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے۔اس کے بعد کچھ دنوں تک ابولہب نے بحکم عصبیت لوگوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسمی حمایت کا اظہار کیا لیکن جب اس نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب اوران کی قوم کی جگہ دوزخ میں ہے تو وہ بیزار ہوگیا۔اور حضور سے دست حمایت کھینچ لیا اور کافروں کے ساتھ ایذا وضرر پہنچانے میں شریک ہوگیا حتیٰ کہ مکہ میں رہنا دشوار کردیا۔حضور دعوتِ اسلام کی خاطر قبیلہ بنی بکر بن وائل تشریف لے گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا وہاں سے قبیلہ قحطان تشریف لے گئے۔انہوں نے ابتداء میں تو مہمان نوازی کی لیکن آخر میں وہ پشیمان ہوگئے۔وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف اور ثقیف کی جانب متوجہ ہوئے۔زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ایک ماہ ثقیف میں رہے انہیں دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور غلاموں اور بچوں کو پیچھے لگا دیا کہ وہ ایذا وآزار پہنچائیں۔وہ شوروغوغا کرتے اور گالیاں دیتے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے اور پتھر مارتے تھے۔یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس خون سے بھر گیا۔ایک روایت میں ہے کہ جب وہ بدنصیب، پتھروں کو پائے اقدس پر مارتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آرہتے اور بیٹھ کر دست مبارک سے پاؤں کو تھام لیتے۔پھر کھڑے ہوتے اور جب چلتے تو پھر پتھر مارتے اور ہنستے۔حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سپر بنائے رہتے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔بیت۔

روز اغیار واز دیوار سنگ یار می آید ملائے دردمنداں از درو دیوار می آید

اَلْبَلَاءُ عَلٰی قَدْرِ الْوَلَاءِ الْاَنْبِیَآءُ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ۔محبت ودوستی کے اندازے پر بلائیں ہوتی ہیں۔آزمائش وامتحان کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ شدائد میں ہیں۔پھر جوان کے مشابہ ہیں وہ اس میں زیادہ مماثل ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم میں ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا روز احد سے زیادہ سخت وشدید دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اور بھی آیا ہے؟ فرمایا بلاشبہ تمہاری قوم کی جانب سے مجھ پر سخت سے سخت مصائب وآلام توڑے گئے لیکن ان کی جانب سے جتنا دکھ روز عقبہ (سفر طائف کے وقت) پہنچا ہے جس وقت میں عبد یالیل بن کلال کے سامنے آیا اور منصب جلیل ظاہر کرکے اسے دعوتِ اسلام دی تو اس نے اس کو قبول نہ کیا۔میں چل دیا درآنحالیکہ میں بہت مغموم ومحزون اور بیخود تھا۔''قران الثعالیب'' میں پہنچے مجھے ہوش نہ تھا۔اس کے بعد میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام ہیں۔انہوں نے مجھے مخاطب کیا اور کہا حق تعالیٰ نے تمہاری قوم اہل مکہ وغیرہ کی حرکتیں اور باتیں ملاحظہ فرمائی ہیں۔یعنی جو انہوں نے جواب دیا اور بدسلوکی کی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں ملک الجبال ''یعنی پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع فرمان کردیا ہے کہ جو چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حکم فرمائیں۔اس کے بعد ملک الجبال نے مجھے مخاطب کیا اور سلام عرض کیا اور کہا حق تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتیں سنی ہیں۔میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، دنیا جہاں کے پہاڑ میرے قبضہ واختیار میں ہیں۔مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حق تعالیٰ نے بھیجا ہے تاکہ آپ جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں۔اگر آپ حکم فرمائیں تو میں ان پر ''حسین'' کو (یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں ان کے

درمیان مکہ بستی ہے) اٹھا کر انہیں کچل کر ہلاک کردوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ انہیں نیست ونابود کیا جائے بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ ابن اللیل طائف کے سرداروں میں سے تھا اور قران الثعالیب ان مقامات کے نام ہیں۔ جو اہل نجد کا میقات ہے اور اسے ''قرن المنازل'' بھی کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ طائف میں حضور کی اقامت دس روز رہی اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضور ایک ماہ تک رہے تھے۔ (واللہ اعلم)

جنات کی بیعت

وصل: جب اہل طائف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پریشانی اور مصیبت کی حالت میں مکہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ راستہ کے کنارے ایک باغ میں پہنچے۔ جب اس باغ کے محافظ ونگہبان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پریشانی کا اثر دیکھا تو ان کی رگ رحم حرکت میں آئی اور انگور کا ایک خوشہ اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا حضور کی خدمت میں بھیجا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کا خوشہ کھانے کیلئے دست مبارک رکھا تو بِسْمِ اللّٰہِ پڑھی۔ اس پر عداس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا خدا کی قسم! میں نے اس طرف کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس سے دریافت فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مرد صالح حضرت یونس بن متی کے قریہ کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں؟ فرمایا وہ میرے بھائی اور میری مانند خدا کے نبی ہیں۔ عداس نے کہا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے کہا میں نے مدت سے آپ کا نام دیکھا ہے اور آپ کی تعریف میں نے توریت میں پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ میں مبعوث فرمائے گا۔ مکے والے آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے۔ بالآخر آپ کی مدد ہوگی اور آپ کا دین روئے زمین پر پھیلے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدمہائے مبارک کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ دعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ضعف وناتوانی اور پریشان حالی میں مانگی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جس میں امت کے درماندوں اور بیچاروں کیلئے تلقین وہدایت ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْا اِلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھُوَ انِیْ عِنْدَ الْمَخْلُوْقِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَرَبِّیْ اِلٰی مَنْ یَّکِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ تَجَھَّمَنِیْ وَمَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَکَ بِیْ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ اَوْسَعُ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِہٖ الظُّلُمَاتُ وَصُلِحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یُّنْزِلَ بِیْ غَضَبَکَ وَیُحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ

اے میرے رب! میں تجھ سے اپنی قوت کی کمزوری اپنے حلیہ کی کمی اور مخلوق کی طرف سے اپنی رسوائی کی شکایت کرتا ہوں تو ہی ارحم الراحمین اور تو ہی کمزور اور ناتوانوں کا رب ہے تو نے مجھے ایسے دور دراز کے دشمنوں کے حوالہ کردیا ہے جو میری شکل دیکھتے ہی غصہ میں آجاتے ہیں۔ ایسوں کیلئے تو نے مجھے مالک بنایا ہے اگر یہ تیرا غضب میرے لیے نہیں ہے تو مجھے کوئی فکر واندیشہ نہیں کیونکہ تیری عافیت بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس وجہ کریم کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جو تاریکیوں کو چھانٹتا ہے اور دنیا وآخرت کے کاموں کی اصلاح فرماتا ہے۔ اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر ہے اور تجھے

حق ہے کہ اپنی رضا وخوشنودی کیلئے سختی وعتاب فرمائے تیرے سوا کسی
کی قوت وطاقت نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوطالب نے وفات پائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پا پیادہ طائف تشریف لے گئے اور طائف والوں کو دعوتِ اسلامی دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا آپ نے مغموم ومحزون حالت میں واپسی پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت ادا کر کے دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْکَ (آخر تک) احادیث وسیر کی کتابوں میں یہ دعا مذکور ہے۔

واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''وادی نخلہ'' میں پہنچے (وادی نخلہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے) وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب قیام فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں نماز کیلئے قیام فرمایا تو شہر نصیبین (حمد ملک شام میں ہے) کے سات جن اور ایک روایت میں نوجنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کی آواز سنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے بارے میں وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ کی آیۃ کریمہ اس طرف مشیر ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو جنات کی یہ جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر آئی اور حضور نے انہیں ایمان کی دعوت دی۔ اور وہ ایمان لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے کہا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی کَذَا فِیْ رَوْضَۃِ الْاَحْبَابِ۔

مواہب لدنیہ میں سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے کچھ اور ہی روایت منقول ہے جسکے مطابق جنات کے کچھ لوگوں نے قرآن کریم سنا لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر موجود نہ ہوئے اور اس مرتبہ انہوں نے صرف قرآن کی سماعت پر ہی اکتفا کیا۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اسکے بعد فوج درفوج جنات قوم آنے لگی۔ اور ٹولیوں کی ٹولیاں بنکر قرآن کریم سننے کیلئے آتیں اور ایمان لاتیں رہیں۔ مگر وہ ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے نادیدہ مسلمان ہوئے۔ منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا اور اس نے خبر دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی قوم آپ سے ملاقات کیلئے آئی ہوئی ہے جو مقام ''حجون'' میں ٹھہری ہوئی ہے حجون ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی بلندی میں واقع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کیلئے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور مقام ''حجون'' پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجون کی کھائی میں اترے تو اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے فرمایا اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تاکہ کوئی آفت تمہیں نہ پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے اور نماز میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی ایک روایت میں بارہ ہزار اور ایک روایت میں چھ ہزار جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ نماز کے بعد سب کو دعوتِ اسلام دی اور سب مسلمان ہو گئے۔

مروی ہے کہ جنات کی قوم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت پر گواہی مانگی تو ایک درخت کو جو اس وادی کے کنارے کھڑا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب بلایا وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات نے اپنے اور اپنے جانوروں کے کھانے کیلئے مجھ سے توشہ مانگا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کیلئے استخواں یعنی ہڈیاں اور ان کے چوپایوں کیلئے سرگین مقرر فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے فرمایا جب تم ہڈیوں کو لے کر خدا کا نام لوگے تو حق تعالیٰ اس پر اتنا گوشت پیدا فرمادے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے

چو پایوں کیلئے سرگین لوگے تو حق تعالیٰ اسمیں دانے اور غلے پیدا فرمادے گا۔اسی بنا پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ واپس ہوئے تو آپ یکا یک مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے مبادا کہ مکہ والوں نے طائف اور ثقیف کے لوگوں کی حرکتیں اوران کی شناعتیں اور حماقتیں نہ سن لی ہوں اور وہ بھی ویسی ہی بدسلوکی کرنے لگیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی کو قریش کے قبائل کی طرف امان و پناہ کیلئے بھیجا مگر کسی نے نہ مانا۔ یہاں تک کہ مطعم بن عدی نے اپنی امان و پناہ میں لینے کا وعدہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔(زادہا اللہ تعظیما وتشریفا) اور دو رکعت نماز پڑھی۔(صلی اللہ علیہ وسلم)

مدینہ منورہ سے قوم انصار کی آمد، ان کی بیعت اوران کی طرف سے ہجرت کی ترغیب

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب خزرج کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید سنایا۔اور فرمایا کہ ''حق تعالیٰ نے مجھے منصب رسالت عطا فرمایا ہے اگر میری متابعت کرو گے تو دنیا وآخرت میں نیک بخت وسعادت مند رہو گے۔ انہوں نے چونکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سن رکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کے ظہور وبعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور آپ کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے'' خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہے جن کے بارے میں یہودی کہا کرتے ہیں اس وقت کو غنیمت سمجھو اوران پر ایمان لے آؤ تا کہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے۔ وہ سب مسلمان ہوگئے یہ چھ اشخاص تھے پورا قصہ ہجرت کے مبادیات میں آئے گا۔

نبوت کے بارہویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے قصہ معراج پیش آیا۔اس قصۂ شریفہ معظمہ کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے باب میں پہلے گزر چکی ہے۔ نماز پنجگانہ کی فرضیت بھی اسی سال میں ہے اور یہ جو گزرا ہی کہ ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں وہ نماز پنجگانہ کے ماسوا تھیں اور یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ ابتدائے وحی میں ہی ان کے اول اور اس کے آخر میں نماز فرض ہوئی تھی لیکن نماز پنجگانہ کی فرضیت (معراج میں) بارہویں سال میں ہوئی اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات دسویں سال میں ہوئی۔

باب چہارم

قضیہ ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات

نبوت کے تیرھویں سال میں ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات رونما ہوئے جو تمام خیرات و برکات کے ابواب کی ابتدائی کنجی ہیں۔
بدآنکہ: بعداز کثرت شرائع واحکام وبعداز شدت جہل وعداوت قریش نافرجام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبب ایسا پیدا فرمادے جس کی بنا پر کوئی قوم ایسی مل جائے جو دین اسلام کی ناصر وموئید اور اعدائے دین کے معارض ومتصادم رہے۔ اس غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کے ان میلوں اور مجمعوں میں تشریف لے جاتے جہاں وہ مجمع ہوکر آتے تھے آپ وہاں جلوہ گر ہوکر اظہار دین اسلام اور تبلیغ رسالت میں مشغول ہوتے گوتمام قبائل عرب اس سعادت کا ادراک کرتے لیکن اس دولت کے حاصل کرنے میں متوقف ومتردد رہتے اور کہتے کہ وہ لوگ جو آپ کے بہت نزدیکی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بخوبی واقف وباخبر ہیں اگر وہ آپ کی اطلاعات وپیروی میں سبقت کرلیں تو اوروں کو اصلاح احوال میں کسی قسم کا تردد وتوقف نہ رہے گا۔
اسی دوران قبیلہ بنی اشہل کے کچھ لوگ بقصد حلیف بننے اور قریش سے معاہدہ کرنے مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلامی دی تو ان میں ایک جوان جس کا نام ایاس بن معاذ تھا اپنی قوم سے کہنے لگا ''اے قوم! اس شخص کی بیعت کرلو خدا کی قسم! اس شخص سے عہد کرلینا قریش سے عہد وحلف کے باندھنے سے زیادہ بہتر اور زیادہ اہم ہے۔'' ان میں سے ایک اور شخص جوان کا سردار تھا اس سعادت کے فرمانے میں مانع آیا اور اس نے کہا ''دیکھو اور انتظار کرو کیا ہوتا ہے۔'' اور لوگ بھی اس کے ڈر سے اور خاموش رہے انہوں نے نہ تو قریش سے حلف باندھا اور نہ قبول کیا۔ توقف اختیار کرکے مدینہ کی جانب لوٹ گئے اور ایاس بن معاذ نے زندگی کا سامان آخرت کے ساتھ باندھ لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہوگئے تھے۔
اس کے بعد مسبب الاسباب رب العزت جل وعلا نے اپنا ارادہ اس سے متعلق فرمایا کہ حج کے موسم میں خزرج کی ایک جماعت مدینہ منورہ سے آئی ہوتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لے گئے اور فرمایا سارے جہان کے رب نے مجھے منصب رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور میری قوم امر الٰہی کی تبلیغ اور احکام دین کی اشاعت میں مانع آتی ہے اگر تم ایمان لاؤ اور دین کی اعانت کرو تو دنیا وآخرت میں سعادت ونیک بختی کو پہنچو گے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام سن کر ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے یہ وہی نبی آخرالزماں ہے جس کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں ڈرایا کرتے ہیں کہ نبی آخرالزماں کا آفتاب رسالت آج ہی کل میں طلوع ہونے والا ہے ہم ان کی حمایت کے سایہ میں تمہیں ہلاک کردیں گے۔ اے قوم خبردار ہوجاؤ سبقت کرو اور ایمان لاؤ تا کہ دنیا وآخرت کی سعادت کو حاصل کرسکیں۔ اور یہود کی طاقت کا ہاتھ تم سے کوتاہ رہے۔ پھر وہ بیعت اسلام کی سعادت پاکر اور سیّدانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت کا عہد قبول کرکے مدینہ منورہ کی طرف لوٹ گئے اس کو ''بیعت عقبہ ادنیٰ'' کہتے ہیں کیونکہ منیٰ کی پہاڑی میں عقبہ کے قریب جسے جمرۃ العقبہ بھی کہتے ہیں پہلی مرتبہ بیعت واقع ہوئی۔ اس وقت اس جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے اس نوری بیعت کا قضیہ واقع ہوا۔ جس سے مشتاق غریبوں کے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا ہے۔

عقبہ اولیٰ کے اصحابہ بقول اصح چھ حضرات ہیں۔ اسعد بن زرارہ، جابر بن عبداللہ انہیں میں سے ہیں۔ جب یہ جماعت مدینہ منورہ پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا مدینہ میں خوب چرچا ہوا۔ مدینہ منورہ کے مجالس اور بیوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف سے منور ہوگئے اور دعوتِ اسلام کی اشاعت ہوئی یہ واقعہ گیارہویں سال کا ہے۔

آئندہ سال حج کے موسم میں قبیلہ اوس وخزرج کے بارہ حضرات مع مذکورہ چھ افراد کے اور ایک قول کے بموجب پانچ افراد کے جن میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت اور عویمر رضی اللہ عنہ بن ساعدہ بھی ان میں شامل تھے آئے تو اسی عقبہ کے قریب شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس جماعت میں سے ذاکوان رضی اللہ عنہ بن عبدقیس زرقی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوچ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ آئے ان کو مہاجر انصاری کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کی خواہش پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تاکہ وہ ان کو قرآن کریم اور دین کے مسائل سکھائیں۔ وہ ان کے ساتھ جماعت قائم کرتے تھے۔ اسی سال مدینہ منورہ میں جمعہ کی اقامت واقع ہوئی۔ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر، انصار کی مدد سے دعوتِ اسلام کے اظہار اور احکام شرع کے بیان میں مشغول ہوگئے۔ یہاں تک کہ ایک دن، نبی عبدالاشہل کے ایک باغ میں اہل مدینہ کی ایک جماعت کے سامنے تلاوت قرآن کریم اور احادیث رسول رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے تھے کہ کسی نے سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا جو اکابر قوم میں سے تھا اور اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ کے ماموں کا بیٹا تھا اس کی خبر پہنچی۔ سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اس خبر کو سنتے ہی ہاتھ میں نیزہ پکڑ کر اس باغ کے دروازہ پر آ کھڑا ہوگیا اور امیروں کی طرح غرور و تکبر کی روش اختیار کر کے کہنے لگا، کیا بات ہے یہ درماندہ مسافر نادانوں اور بے سمجھوں کو راہ سے بھٹکاتا ہے کس نے اسے ہمارے باغ میں لاکر کھڑا کیا ہے۔ اس سے کہہ دو اگر آئندہ اس جگہ آیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ جماعت درہم برہم ہوگئی۔ دوسرے دن حضرت مصعب بن عمیر، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اسی جگہ کے قریب دعوتِ اسلام اور تلاوت قرآن کر رہے تھے کسی نے پھر سعد بن معاذ کو خبر پہنچائی اس نے آکر پھر انکار کی روش اختیار کی لیکن اب اتنی شدت وگرمی نہ تھی جتنی ایک دن پہلے تھی۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے جو قدرے نرمی کو دیکھا تو اس کے سامنے آگئے اور کہا ''اے میرے ماموں زاد بھائی! پہلے اس شخص کی بات سنو کہ کیا کہتا ہے اگر برا کہتا ہے اور گمراہی کا راستہ دکھاتا ہے تو جو چیز اس سے بہتر اور زیادہ راہ راست پر ہو اسے بتاؤ۔ اگر نیک بات کہتا ہے اور راہ ہدایت دکھاتا ہے تو کیوں تم اسے برا کہتے ہو اس کے وجود شریف کو غنیمت تصور کیوں نہیں کرتے۔'' اس پر سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے کہا۔ ''کہو کیا کہتے ہو۔'' تب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے یہ سورۃ پڑھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ آخر سورہ تک۔ (قسم ہے کتاب مبین کی بیشک ہم نے قرآن عربی میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو) سعد بن معاذ ان کلمات عظیم البرکات کو سن کر لرزنے لگا اور اس کا رنگ فق ہوگیا۔ اگرچہ فی الحال اظہار شہادت نہ کیا لیکن نور ایمان اس کے دل میں جاگزیں ہوگیا یہاں تک کہ وہ اپنی قوم میں آیا اور تمام قبیلہ والوں کو بلایا۔ خود بھی ایمان لایا اور ان سب کو مسلمان بنایا۔ الحمد اللہ علیٰ ذالک۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حسب ارشاد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم احکام وشرائع سکھانے کے بعد انصار کی ایک کثیر جماعت لیکر مشرکین حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سید کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ جماعت اوس و خزرج کے پانچ سو، ایک روایت میں تین سو اشخاص پر مشتمل تھی۔ جن میں سے ایک قول کے بموجب ستر مرد اور ایک روایت میں تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں ان سب نے ایام تشریق کی راتوں میں ''عقبہ'' میں جمع ہونے اور مل جل کر بیٹھنے کا اتفاق کیا۔ جب طے شدہ رات آئی

تو یہ حضرات شریک ساتھیوں سے خفیہ طور پر نکل کر عقبہ کے قریبی پہاڑ پر جمع ہو گئے اور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے طلوع کا انتظار کرنے لگے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ساتھ جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت اور اہتمام کی خاطر، اس مقام پر آئے۔ ایک قول یہ ہے کہ جماعت انصار کے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو بیعت اسلام سے مشرف فرمایا اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قوم! تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کس درجہ عزت و شرافت اور بزرگی رکھتے ہیں۔ ہم سب نے ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے باز رہنے کی کوششیں کیں لیکن انہوں نے ہماری بات نہ مانی اور تم کو مجتمع اور متفق کرنے سے باز نہ آئے۔ اب اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفائے عہد کا مصمم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تم اپنی جانوں پر مکمل اعتماد و بھروسہ رکھ کر ان سے عہد و میثاق میں مستحکم و مؤکد موافقت کرتے ہو کہ خواہ کچھ بھی حالات درپیش آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کریں گے جیسا کہ وعدہ کر رہے ہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی کہہ دو تا کہ تم کو بعد میں پشیمانی اور شرمساری نہ اٹھانی پڑے اور اپنی دشمنی عداوت کا تم کو نشانہ نہ بننا پڑے۔ انصار کی جماعت نے کہا ''اے عباس رضی اللہ عنہ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا اور جان لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اپنے لیے اور اپنے رب العزت کیلئے جو بھی عہد لینا چاہیں ہم سے لے لیجئے۔'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آیات کریمہ تلاوت کر کے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا ''خدا کا عہد یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اور میرا عہد یہ ہے کہ تبلیغ رسالت میں میری اعانت و نصرت کی جائے۔ اور اس راہ میں کفار کی جانب سے جو بھی رکاوٹ درپیش آئے اس میں جہاد و قتل سے مقابلہ کیا جائے اور اپنے پاؤں پر نہ بیٹھا جائے۔'' اور فرمایا ''مجھ سے بیعت و عہد کرو کہ جو کچھ میں کہوں گا اسے سنو گے اور اس کی متابعت و فرمانبرداری کرو گے خواہ خوشی و مسرت کی حالت میں ہو یا مفلسی و کمزوری کی حالت میں تنگی و کشادگی کی ہر حالت میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرو گے اور امر معروف اور نہی عن المنکر بجالاؤ گے۔ حق بات کہو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی بات سے نہ ڈرو گے اس پر قائم رہو گے کہ میری مدد کرو اور جب میں تم میں تشریف فرما ہوں تو میری حفاظت کرو جس طرح کہ تم اپنی جانوں، مالوں اور اولاد کی حفاظت کرتے ہو۔'' اس پر انصار مدینہ منورہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کا مشغلہ حرب و قتال رہا ہے۔ لیکن ہمارے اور یہودیوں کے درمیان روابط اور دیرینہ حلف و عہد قائم ہے۔ اب ہم ان عہد و مواثیق کو ختم کرتے ہیں۔ مگر کہیں یہ صورت پیدا نہ ہو کہ جب حق تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا ''ایسا نہ ہو گا میں تمہارے ساتھ اور تم میرے جان و تن کے ساتھ ہو میں اپنی زندگی بھر اپنے جان و تن کے ساتھ تمہارے ساتھ ہوں اور میری وفات بھی تم میں ہی ہو گی میری قبر انور بھی تم ہی میں ہو گی۔ تمہارے ہی گھروں میں رہوں گا۔ جو تم سے جنگ کرے گا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح کریگا میں تمہارے ساتھ صلح کروں گا'' انصار مدینہ منورہ عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر ہم آپ کی محبت و عقیدت میں اپنا جان و مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کریں تو اس کی جزا کیا ہو گی؟ فرمایا ''اس کی جزا جنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں'' وہ خوش ہو کر کہنے لگے رَبِحَ الْبَیْعُ بِسْمِ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُبْسَطْ یَدَكَ فَقَدْ بَایَعْنٰكَ یہ سودا نفع بخش ہے بِسْمِ اللّٰهِ اے اللہ کے رسول! اپنا دست مبارک بڑھائیے اور ہماری بیعت قبول فرمائیے۔'' اور یہ آیہ کریمہ بھی اسی طرف اشارہ فرما رہی ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ بے شک اللہ نے مومنین کی جانوں کو ان کے اموال کے ساتھ جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔'' اس واقعہ کو ''عقبہ کبریٰ'' کہتے

ہیں ارباب سیر اس کو عقبہ ثانیہ کا نام دیتے ہیں۔ اور کلام قوم کے اقتضاء کے بموجب، اسے ''عقبۂ ثالثہ'' کا نام دینا مناسب ہے۔ یہ واقعہ ،نبوت کے تیرھیویں سال ماہ ذی الحجہ میں ہجرت سے تین ماہ پہلے رونما ہوا۔ اس کے تین ماہ بعد ہجرت کا قصہ واقع ہوا۔ اور اس سے پہلے جو کچھ گزشتہ میں بیان ہوا وہ گیارہویں سال میں واقع ہوا تھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ میں سے بارہ حضرات کا انتخاب فرما کر ان کو ان کا نقیب اور سردار مقرر فرمایا۔ تاکہ وہ ان کے احوال کے محافظ و نگہبان بنیں۔ یہ بارہ نقیب انصار مدینہ کے رؤساء اور ان کے اکابر ہیں۔ ان میں سے ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو ان مشرکوں کو جو آج منیٰ میں جمع ہیں تلوار کی دھار پر رکھ لیں اور سب کو بے دریغ قتل کر دیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تلوار سونتوں۔ اور مشرکوں کے ساتھ قتال کروں۔'' اس کے بعد انصار اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے اور سب نے عہد و پیمان کی پابندی کی (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

انصار مدینہ نے واپسی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! اگر آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور ہمارے شہروں کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں تو زہے سعادت، حکم، آپ کا ہی حکم ہے۔ آپ جو کچھ بھی فرمائیں گے ہم سب جان و دل سے بندۂ فرمان ہوں گے۔ اور ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے ابھی مکہ سے نکلنے کا حکم نہیں ہوا ہے اور میری ہجرت کیلئے کوئی مقام متعین نہیں کیا گیا ہے جس وقت بھی حکم ہوا جہاں کیلئے بھی اشارہ ہوا ہجرت کروں گا۔'' یہ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کو وداع فرمایا۔ عالم تصور میں سوچنا چاہیے کہ یہ وقت! جمعیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم و ذوق اور سرور کا کیسا وقت ہوگا اس وقت و حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس ذوق و سرور پر ہماری جانیں قربان ہوں۔

جب کفار کو انصار مدینہ کی بیعت کی خبر ملی تو وہ حسرت سے سینہ پر ہاتھ مارنے لگے اور ذلت کی خاک سر پر ڈالنے لگے۔

مبشرات ہجرت

وصل: جب انصار مدینہ کے قبیلے عہد و قرار کرنے کے بعد اپنے اپنے مقامات پر لوٹ گئے تو سیّد کائنات فخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات بارگاہ صمدیت جل وعلیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ اختیار ہجرت و تعیین وقت اور تخصیص مقام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ معلوم ہو جائے۔ پہلا جو مقام آپ کو دکھایا گیا ان کی صفتیں دو تین مقاموں میں مشترک پائی جاتی تھیں جو بلاد بحرین، ملک شام کے قریبی علاقے اور یثرب میں موجود تھیں اور یہ سب زمین حجاز سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بعد مزید وضاحت اور مقام مخصوص متعین کر کے مدینہ منورہ کی جانب ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ اس اشتراک و ابہام کے بعد تعیین و تخصیص میں حکمت، زیادتی اکرام و اہتمام اور حصول مزید امتنان و احتشام تھا۔ جس طرح کہ مہمان عزیز کو منازل متعددہ اور مقامات متنوعہ دکھائے جاتے ہیں۔ اور اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ جس جگہ اور جہاں چاہے قیام کرے، یا اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ خواب میں دکھایا گیا تھا اور خواب کی روایت کی صفائی، باعتبار اختلاف احوال و اوقات مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے (واللہ اعلم) چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ''میں مکہ سے نخلستان کی زمین کی طرف ہجرت کر گیا ہوں۔ اور میرا گمان کہتا ہے کہ وہ زمین یا تو یمامہ کی ہوگی یا مدینہ منورہ کی، اور یہ بھی مروی ہے کہ'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا کہ تمہارا مقام ہجرت، دو پہاڑوں کے درمیان نخلستان یعنی مدینہ منورہ میں ہے۔'' روضۃ الاحباب میں ایسا ہی مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعیین وقت اور

معیاد خروج کے سلسلہ میں ابھی تک توقف میں تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب کرام کو مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کچھ دنوں بعد اکثر صحابہ کرام مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے حضرت عمر بن رضی اللہ عنہ خطاب اپنے بھائی زید بن رضی اللہ عنہ خطاب کے ساتھ اور عیاش رضی اللہ عنہ بن ربیعہ، بیس اکابر صحابہ کرام کے سواروں کے ساتھ، حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ، زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

معارج النبوت میں علماء فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام نے پوشیدہ طور پر ہجرت کی تھی مگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی تھی۔ چنانچہ تلوار حمائل کر کے کمان ہاتھ میں لیکر اور نیزہ تھام کر کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے حالانکہ قریش کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر اس کے سات چکر لگائے۔ اور طواف ختم کر کے مقام ابراہیم میں دوگانہ پڑھا باطمینان وسکون ارکان نماز ادا کیے اور فرمایا زمانہ کے وہ لوگ ناخوش رہیں جو پتھر کے ٹکڑوں کو اپنا معبود وخدا جانتے ہیں۔'' پھر فرمایا ''جو چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو یتیم بنائے اور اپنی بیوی کو بیوہ کرے وہ میرے تعاقب میں آئے۔'' اس پر کسی کو جنبش کرنے کی طاقت نہ ہوئی اور کوئی شخص ان کے تعاقب میں نہ نکلا۔ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام میں سے سوائے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کوئی باقی نہ رہا جیسا کہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اعیان صحابہ اور اکابر ومشاہیر صحابہ میں سے بجز حضرت علی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کوئی باقی نہ رہا تھا ورنہ حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما جانے کے بعد مشرکین مکہ نے ان کمزور وناتواں صحابہ کرام پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کی سکت نہیں رکھتے تھے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور قسم قسم کے عقوبات وآزار پہنچائے۔ نیز ان حضرات پر قرآن کریم ناطق ہے کہ کمزور وناتواں صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں دعائیں مانگا کرتے تھے کہ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

حدیث مبارک میں ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بھی چاہا کہ اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ٹھہرو! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ تو تم میرے ساتھ ہونا۔'' ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''ابھی جلدی نہ کرو مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس سفر میں کسی کو میرا مصاحب بنائے۔'' اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس تمنا میں رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب میں بنوں۔

جب مشرکین مکہ کو ترقی وکمال کے مبادیات اور انتظام مصالح احوال کے اسباب کا احساس ہوا اور انہوں نے صحابہ کرام کے مدینہ کی جانب کوچ کر کے چلے جانے کے نتائج پر غور کیا تو استدلال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً یہاں سے تشریف لے جائیں گے تو وہ شر اور فساد کیلئے مشورت وعناد کی طرف متوجہ ہوئے اس زمانہ میں ان اشرار کا سرخیل ابوجہل لعین تھا اور دیگر شیاطین بھی اس کے معاون بن گئے تھے ابلیس لعین بھی ''شیخ نجدی'' کی صورت میں ان کا ساجھی بن گیا تھا۔ وہ ان کی مجلس مشاورت میں آکر بیٹھتا تھا۔ اس وقت کسی نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے تشریف لے جانے میں مصلحت کا مشورہ دیا۔ کسی نے قید کر دینے کا مشورہ دیا اور کسی نے قتل وہلاک کر دینے کی رائے دی جیسا کہ آیہ کریمہ میں ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ	اے محبوب اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ کفار آپ کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ باندھ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل

الْمَاكِرِيْنَ○ کر دیں یا آپ کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ مکاروں کو بہترین سزا دینے والا ہے

ابوجہل نے منصوبہ بنایا کہ ''پانچوں قبیلوں میں سے پانچ شخص لیے جائیں اور یہ پانچوں یکبارگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) تلوار کی ضرب لگائیں۔ بنی ہاشم، ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں گے۔'' شیخ نجدی (شیطان لعین) نے تمام رایوں کو کمزور قرار دیا اور ابوجہل کی رائے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کے مشاہدہ کے بعد اس ہجرت کا ارادہ فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ہجرت کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کریمہ میں ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا

اور یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مدد کا غلبہ دے۔

ایک روات میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر یہ حکم رب سنایا کہ اِنَّ اللّٰـهَ يَـاْمُـرُكَ بِالْهِجْرَةِ اللہ تعالیٰ آپ کو ہجرت کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ منقول ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دکھا اور خود ہی اس کی تعبیر نکالی جو مکمل تھی آپ نے خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ ہجرت کریں گے اور وہیں وفات پا کر مدینہ میں ہی مدفون ہوں گے۔ یہ خواب روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادفرمایا کہ صبح کے وقت ہجرت کر جائیں۔ تو شام ہی کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آج رات تم یہیں سونا۔ تا کہ مشرکین شک وشبہ میں مبتلا ہو کر حقیقت حال سے باخبر نہ ہوں۔ لیکن اصل سبب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چھوڑنے کا یہ تھا کہ کفار قریش کی کچھ امانتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چونکہ وہ باعتقاد دیانت اور بمشاہدۂ امانت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''محمد امین وصادق'' کہا کرتے تھے۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے بستر استراحت پر لٹایا اور اپنی خاص چادر مبارک اوڑھا کر انہیں سلایا۔ لہٰذا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں اپنی جان کو فدا کیا۔ اور اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کیلئے خود کو پیش کیا۔ اہل سیر فرماتے ہیں کہ آیۃ کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر فروخت کیا۔ اور اللہ بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے۔

یہ آیہ کریمہ اسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔ اسی ضمن میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے چند اشعار بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ؎

وَقَيْتُ نَفْسِهٖ خَيْرَ مَنْ وَّطِیَٔ الْحَصٰى وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَبِالْحَجَرِ

میں نے خود اس شخص کو بچایا جو تمام ان لوگوں سے بہتر ہیں جس نے سنگریزوں کو روندا ہے اور جس نے خانہ کعبہ اور حجر اسود کا طواف

کیا ہے۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ الْخَلْقِ اِذَا مَكَرُوْا بِهٖ　　فَنَجَّاهُ ذُوالطَّوْلِ الْكَرِيْمُ مِنَ الْمَكْرِ

خدا کے پیغمبر کے ساتھ جب دشمنوں نے مکر کیا تو خدائے توانا و بزرگ نے ان کو اس مکر سے بچایا۔

وَبِتُّ اُرَاعِيْهِمْ مَتٰى يَنْشُرُوْنَنِيْ　　وَقَدْ وَطَّنْتُ نَفْسِيْ عَلَى الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ

میں نے رات گزاری اور ان کو دیکھتا رہا کہ کب مجھ کو آپ کے بستر سے اٹھاتے ہی اور حقیقت میں میرا نفس قتل اور قید ہونے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

وَبَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْغَارِ اٰمِنًا　　مُوَقًّى وَفِيْ حِفْظِ الْاِلٰهِ وَفِيْ سِتْرِ

اور پیغمبر خدا نے امن اور حفاظت کے ساتھ غار میں رات گزاری اور خدا کی نگہبانی اور پردے میں رہے۔

اَقَامَ ثَلٰثًا ثُمَّ زُمَّتْ قَلَائِصُ　　قَلَائِصُ يَفْرِيْنَ الْحَصٰى اَيْنَمَا يَفْرِيْ

تین روز اس میں ٹھہرے رہے پھر اونٹ تیار کیے گئے اور دو اونٹ سنگستان طے کرتے تھے جہاں سے بھی گزرتے تھے۔

اَرَدْتُّ بِهٖ نَصْرَ الْاِلٰهِ تَبَتُّلاً　　وَاَضْمَرْتُهٗ حَتّٰى اُوَسَّدَفِيْ قَبْرِيْ

اس سے میرا مطلب دنیا سے بے تعلق ہو کر خدا کی مدد تھا اور اس کو میں اپنے دل میں رکھوں گا یہاں تک کہ (اپنی قبر میں نہ رکھ دیا جاؤں)۔

ان شعروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس سفر میں رفاقت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بھی جاں نثاری اور حفاظت کے موجب ہیں۔ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ ان دونوں حالتوں میں شجاعت کے اعتبار سے کون کامل اور قوی تر ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت یہ ہے کہ بالفعل اپنی جان کو قربان کیا اور فدیہ بنایا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی شجاعت و جرأت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر بن کو خود کو مہلکہ عظیمہ میں ڈال دیا۔ کیوں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے سوا کوئی شریک نہ تھا اس بارے میں بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ سونا زیادہ بہادری اور شجاعت ہے کیوں کہ اعداء دین تلواریں کھینچے قتل کرنے کے ارادہ سے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اور سفر کی رفاقت میں ہلاکت کا احتمال تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ بھی قریش کو مقدرت نہ تھی کہ حضرت ابوطالب کے فرزند پر حملہ کریں اور افسوس نہ کریں۔ کیونکہ ابوطالب ان کے بزرگ اور سردار تھے۔ روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ ''اے علی رضی اللہ عنہ! دل کو مضبوط رکھنا یہ کفار تمہیں کچھ آزار نہ پہنچا سکیں گے۔''

نیز منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری شجاعت و جوانمردی، معرکہائے جنگ میں ہے کہ مارے جانے کا خوف دونوں جانب سے ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت ایسی ہے کہ آپ ہمیشہ کفار قریش سے دست بگریباں رہے۔ باوجود یہ کہ کفار قریش کی عداوت، انتہائی جہالت و شدت کی تھی۔ اور کبھی اس کا لحاظ نہ کیا۔ ان کی شجاعت بہت اشد اور قوی تر ہے۔ (واللہ اعلم)

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر استراحت پر لٹا کر سر مبارک پر چادر شریف لپیٹ کر اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ حق تعالیٰ نے کفار قریش کی آنکھوں کی بصارت لے لی اور کسی ایک نے آپ کو باہر نکلتے نہیں

دیکھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت خاک سورۂ یٰس کو فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک پڑھ کران کے چہروں کی طرف پھینکی۔ایک روایت میں ہے کہ:وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا کو بھی زیادہ کر کے پڑھا تھا۔اور آپ ان سب کے آگے سے نکلے چلے آئے۔

ابن حاتم کی روایت میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اس وقت جس جس کافر کے سر پر یہ خاک پڑی تھی وہ سب روز بدر ہلاک ہو گئے۔

ابوجہل لعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برطریق استہزاء کہا''یہ کہتے ہیں کہ اگر تم میرے دین کے تابع ہو جاؤ تو ممالک عرب وعجم تمہارے ہو جائیں گے۔اور بہشت بریں تمہاری جگہ ہوگی۔اگر تم میری پیروی نہ کرو گے تو دنیا میں تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا''ہاں! میں یہی کہتا ہوں ایسا ہی ہوگا اور تو بھی دوزخیوں میں سے ایک ہوگا۔جیسا کہ مجھے اس کی خبر دی گئی ہے۔''اس کے بعد مٹھی بھر خاک لیکر ان پر پھینکی۔

اسی دوران ایک شخص کمر جھکائے کفار کی جماعت میں آیا اس نے کہا''یہاں کیوں کھڑے ہو کس کا انتظار ہے''کفار نے کہا''ہم صبح ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (خاک بدہن کفار) قتل کریں۔''اس نے کہا''خرابی ہو تمہاری کیا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے جو تمہارے آگے سے نکلے چلے گئے۔''ابوجہل اور تمام کافر شرمندگی کی خاک سر پر ڈالنے لگے۔جب صبح ہوئی تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا وہ ان سے پوچھنے لگے تمہارے صاحب (آقا) کہاں تشریف لے گئے ہیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَالِ رَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول کا حال زیادہ جانتا ہے''

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے باہر تشریف لے جاتے وقت''خرواہ''پر جو کہ حرم شریف کا ایک مقام ہے کھڑے ہو کر زمین مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا''خدا کی قسم! تیری زمین،خدا کی تمام زمینوں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہے اگر تیری زمین کے رہنے والے مجھے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں اس سے باہر نہ ہوتا''یہ حدیث اس جماعت کی حجت ہے جو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو افضل جانتے ہیں۔اور دوسری جماعت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو افضل جانتی ہے اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس جگہ لے جا کر وہاں مقیم وآباد کرایا اور آثار وانوار اور فتوحات کے ظہور کا مبدا بنایا۔میں نے علماء کی اس بحث کی تفصیل جذب القلوب الی دیار المحبوب (جو مدینہ منورہ کی تاریخ ہے) بیان کر دی ہے اور دونوں طرف کے دلائل کو بیان کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی افضلیت کی ترجیح ثابت کی ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پاس تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے ساتھ دوپہر کے وقت سخت گرمی کے سبب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چلچلاتی دھوپ میں چادر مبارک لپیٹے تشریف لائے حالانکہ ایسے وقت میں گھر سے وہی نکلتا ہے جس کو کوئی شدید معاملہ درپیش ہو۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت آپ کا تشریف لانا کسی امر عظیم ہی کی بنا پر ہوگا کبھی آپ ایسے وقت تشریف نہیں لائے۔''حضور نے استیذان کرتے ہوئے فرمایا گھر میں جو بھی ہوا سے باہر کر دو۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی زوجہ کے سوا گھر میں کوئی اور موجود نہیں ہے۔''اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ہجرت بیان فرمایا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا''یا رسول اللہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں رہے گا؟ فرمایا ہاں!''

روضتہ الاحباب میں ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوشی میں روتے ہوئے دیکھا حالانکہ اس وقت تک میرا یہ گمان نہ تھا کہ کوئی خوشی میں بھی روتا ہوگا۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضرت عائشہ کا خوشی سے رونے کا گمان کرنا بقرینہ حال تھا۔ جسے انہوں نے ذوق کی بنا پر دریافت کیا۔ ورنہ وطن کے چھوڑنے کا غم واندوہ اور سیّدالابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر محنت ومشقت کا بار پڑنے کا بھی غم موجود تھا (واللہ اعلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دواونٹ تھے جسے انہوں نے چار سو درہم میں خریدا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔ اور چار مہینہ پہلے سے اسے خوب چارہ پانی دے کر موٹا تازہ کر رہے تھے۔ دونوں کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تاکہ ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اسے قبول کیا مگر اس کی قیمت لینی ہوگی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو نوسو درہم میں خرید لیا۔ حضرت ابوبکر سے اونٹ خریدنے میں ایک حکمت پنہاں تھی باوجودیکہ باہم انتہائی صدق واخلاص اور اتحاد واتفاق موجود تھا اور اس سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت کثرت سے مال خرچ کر چکے تھے۔ لیکن اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ راہ خدا میں کسی اور سے استمداد واستعانت کریں۔ جیسا کہ آئمہ کریمہ کے مفہوم کا اشعار ہے کہ: لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا اپنے رب کی عبادت میں کسی کو اپنا ساجھی نہ بناؤ۔ اس اونٹنی کا نام بقول صحیح ''قصواء'' تھا۔ اور ایک قول کے بموجب ''جدعا'' تھا۔ اونٹ خریدنے کے بعد بنی ویل کے ایک شخص کو جس کا نام عبداللہ بن اریقط (بضم ہمزہ وفتح راوسکون یا) تھا اور جو رہبری میں ماہر اور رازوں کے چھپانے میں مشہور تھا اس کو راہبری کیلئے اجرت پر لیا۔ تاکہ وہ دو تین دن کے بعد ان دونوں اونٹوں کو ''جبل ثور'' کے قریب لے کر آجائے۔ وہ دین کفر میں تھا امام نوری فرماتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا معلوم نہ ہوا (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ ہجرت کرنا بیعت عقبہ کے دو ماہ چند دن بعد ہوا، بعض نے ڈھائی ماہ کہا ہے۔ اور بعض نے تین ماہ یا اس کے قریب ماہ ربیع الاول میں جمعرات کا دن کہا ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ''دوشنبہ'' کا دن تھا۔ ان دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلنا جمعرات کے دن ہوا۔ اور غار ثور سے کوچ کرنا دوشنبہ کے دن یا اس کے برعکس یعنی مکہ مکرمہ سے نکلنا دوشنبہ کے دن اور غار ثور سے کوچ کرنا جمعرات کے دن ہوا ہوگا۔ یہ تاویل بہت سے روایتوں کے موافق ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ اس ہجرت کے راز کا علم، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے گھر والوں کے سوا کسی کو نہ تھا۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، راتوں رات، اس نشیبی کھڑکی کی راہ سے نکلے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی اور اب تک وہ مکان اور کھڑکی قائم ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سامان سفر اور زادراہ تیار کیا تھا۔ ہمارے پاس اس وقت ایسی کوئی ڈوری نہ تھی جس سے زادراہ کو باندھتے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا۔ عرب کی عورتوں کی عادت تھی کہ وہ تہبند کے اوپر کمر بند باندھتی ہیں۔ پھر اس کمر بند کے دو ٹکرے کیے ایک سے توشہ دان کا دہانہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے کمر باندھی۔ اس بنا پر ان کو ''ذات النطاقین'' یعنی دو کمر بند والی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، کو جو جوان اور عقلمند وہشیار تھے اس پر مقرر کیا کہ وہ دن تو کفار قریش کے پاس گزاریں اور رات کے وقت غار ثور میں آکر کفار کی خبریں پہنچایا کریں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اپنے گھر میں پانچ ہزار درہم رکھا کرتے تھے جن کو انہوں نے ساتھ لے لیا اور راہ میں جائے پناہ کے مقام تک کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے تھے۔ منقول ہے کہ راہ میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس مجروح ہو گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور غار ثور کے دہانہ تک لائے۔ غار ثور میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے تاکہ کوئی آفت اور تکلیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہنچے کیوں کہ حشرات الارض اس غار میں رہا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے احتیاط کے ساتھ اپنی قیمتی چادر مبارک پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا غار میں اندھیرا تھا۔ صرف ایک سوراخ رہ گیا اور چادر کا کپڑا ختم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی مضبوطی سے لگا دی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے اور اپنا سر مبارک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ڈسنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے نہ صرف اف کی اور نہ جنبش کی مبادا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں اور نیند میں خلل واقع نہ ہو جائے۔ مگر شدت تکلیف سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گرے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ حضور نے فرمایا: يَا اَبَابَكْرٍ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا اور ان کے دل میں آرام و قرار پیدا ہوا اور پھر سانپ بچھوؤں نے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''غار میں جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو مجھے رونا آ گیا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محنت و مشقت کی عادت نہیں ہے۔

اہل معرفت فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنَ ہرگز نہیں وہ قابو پا سکتا بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے جو میری رہنمائی کرے گا۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قریش کی حالت کی شکایت کی تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (تم غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اپنی ذات پر پڑی اس کے بعد حق تعالیٰ کی ربوبیت کا مشاہدہ کیا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ اس مقولہ کے موافق ہے کہ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا رَأَيْتُ اللّٰهَ بَعْدَهٗ میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس کے بعد اللہ کو میں نے دیکھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی نظر مبارک الوہیت پر واقع ہوئی اس کے بعد اپنی ذات کا ملاحظہ کیا۔ یہ ارشاد اس قول کے موافق ہے کہ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا رَأَيْتُ اللّٰهَ قَبْلَهٗ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑی مگر یہ کہ اس سے پہلے اللہ کو دیکھا۔'' یہ مشاہدہ اتم و اکمل ہے۔

مواہب لدنیہ میں بعض عرفاء سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول پر غور و فکر کرو جو انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ: اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ (میرے ساتھ میرا رب ہے) اور ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر نظر کرو جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کی معیت کے مشاہدے کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور اپنے متبعین کو اس کے ساتھ شامل نہ کیا۔ مگر ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدۂ نور باری تعالیٰ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمایا۔ اور اپنے نور کے ساتھ ان کی مدد فرمائی۔ لہٰذا ان کو بھی معیت رب کا مشاہدہ کرایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے باطن میں اسے سرایت فرمایا جس سے ان پر سکینہ نازل ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، تجلی ربانی اور اس کے مشاہدہ میں اپنے حال پر قائم و ثابت نہ رہتے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ رب تعالیٰ کی معیت کے مشاہدہ میں بھی بڑا فرق ہے۔ انتہی (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ صرف اپنی ذات میں ہی ہے۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نہ صرف یہ کہ اپنی ذات اقدس میں ہے بلکہ دوسرے بھی اس میں شامل ہیں۔ (وللہ الحمد)

بندۂ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ علیہ الرحمتہ نورہ اللہ قلبہ بنور الصدق والیقین فرماتے ہیں کہ یہی صورت حال، حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے دیدار باری تعالیٰ کے سوال میں ہے کہ انہوں نے افراد کے ساتھ اپنے لیے ہی دعا مانگی۔ اور مناجات کی کہ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (دکھا مجھ کو میں تیری طرف نظر کروں) لیکن ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مناجات میں اس طرح دعا فرماتے ہیں کہ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَآءِ کَمَا هِیَ (اے رب ہمیں اشیاء کی حقیقتوں کو جیسی کہ وہ ہیں دکھا) یعنی دعاء میں صیغہ جمع کا استعمال فرماتے ہیں تاکہ آپ کے متبعین بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ نیز بات کو پردہ میں رکھ کر مناجات کی کہ حقائق اشیاء کی روایت کی دعاء کی اور اس طرح نہ فرمایا کہ اَرِنِیْ ذَاتَكَ (مجھے اپنی ذات کا دیدار کرا) یہ کمال ادب و معرفت کی رعایت ہے کیوں کہ حقیقت الحقائق حق تعالیٰ ہے۔ یہ بھی کمال معرفت اور ایک حقیقت ہے (فافہم واللہ اعلم) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں داخل ہو گئے تو حق تعالیٰ نے ببول کا ایک درخت غار ثور کے دہانہ پر لگا دیا اور ایک وحشی کبوتر کے جوڑے کو بھیجا کہ وہ اپنا آشیانہ اس درخت پر بنائے اور اسی رات اس نے انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنا جالا تنے۔ مواہب لدنیہ میں بسند لبز ار منقول ہے کہ حرم مکہ کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت سے یہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

ابونعیم ''حلیہ'' میں روایت کرتے ہیں کہ مکڑی نے حضرت داؤد علیہ اسلام کیلئے پہلی مرتبہ اس وقت جالا تنا تھا جب ان کو جالوت نے طلب کیا تھا۔ اور دوسری مرتبہ ہمارے نبی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غار ثور میں جالا تنا ہے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کافروں نے ہمارا کھوج نکال لیا تھا اور غار ثور پر آ کھڑے ہوئے تھے اگر ان میں سے کوئی جھک کر اپنے پاؤں کی جانب دیکھتا تو وہ ہمیں دیکھ لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دو شخصوں کے بارے میں کیا گمان ہے جن میں تیسرا خدا ہے۔ اس سے مراد، اپنی ذات مبارک اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد کافر لوٹ گئے اور کہنے لگے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں داخل ہوتے تو کبوتر کا انڈا ٹوٹ جاتا اور مکڑی کا جالا درہم برہم ہو جاتا۔ اور یہ درخت تو اس جگہ ان کی مدت عمر سے پہلے کا اگا ہوا ہے اور ایک روایت میں ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد سے پہلے۔'' مروی ہے۔ باوجود یہ کہ سب کفار اس پر یقین رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی غار میں ہیں۔ اور ان کھوجیوں نے جن کو تفحص وتلاش کیلئے مقرر کیا تھا انہوں نشانہائے قدم دیکھ کر بتا دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے گزرے ہیں اور وہ اسی جگہ ہیں۔ یہ معجزہ، تحفظ وصیانت میں اعظم واشد اور اقوی معجزات میں سے ہے۔ کیا خوب کہا ہے

وِقَایَتُهُ اللّٰهِ اَغْنَتْ مِنْ مُضَاعَفَةٍ مِنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ مَالٍ مِنَ الْاَطَمِ

تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر، بادشاہوں کے لشکر کے برخلاف ہے جو کمزور ونا تواں چیزیں ہیں جیسے مچھر اور مکڑی وغیرہ ان کے ذریعہ وہ فتح ونصرت دیتا ہے۔ اور معجزے حقیقت، کفار کی ہمتوں اور ان کے ارادوں کو پھیرنا اور انہیں اندھا بنانا ہے کیونکہ جستجو و تلاش سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ موجود ہیں۔ اس کے باوجود ظن واحتمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت تین راتیں رہیں اور بعضوں نے بارہ راتیں کہا ہے۔ اس وہم وشبہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ جوار باب سیر کہتے ہیں کہ شب دوشنبہ کو غار میں داخل ہوئے اور پنجشنبہ کو وہاں سے نکلے اگر یہ پنجشنبہ اسی دوشنبہ کے بعد کا ہے تو تین شبانہ

روز ہوتے ہیں اور اگر یہ پنجشنبہ دوسرے ہفتہ کا ہے تو بارہ اور تیری روز بنتے ہیں (واللہ اعلم) اور روز صحیح، تین شبانہ روز مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے حالات جو دیکھتے اور سنتے وہ سب رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتے تھے۔ اور عامر بن فہیرہ (بضم فاو فتح ھاو سکون یا) جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے غلام تھے اس جگہ بکریاں چرانے لاتے اور روزانہ رات کو دودھ دے جاتے اور اسی دودھ سے رات کا کھانا ہوتا۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ اس غار کا دہانہ اس طرح واقع ہو کہ اس میں داخل ہونا یا کسی چیز کا اندر پہنچانا ممکن و آسان ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے لیکن وہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ چونکہ وہاں مکڑی نے جالا تن رکھا تھا اور کبوتر نے انڈے دے رکھے تھے اور درخت نے آڑ کر رکھی تھی۔ لہٰذا ان راتوں میں وضو اور استنجے کیلئے نکلنے کی کیا صورت ہوگی یا تو احتیاج کی بناء پر ان کا وقوع نہیں ہوا ہوگا۔ یا خروج بطریق معجزہ ہوگا۔

اس وقت غار ثور کا دہانہ کچھ کشادہ ہے کہ اس سے باآسانی باہر نکلتے ہیں ممکن ہے کہ لوگوں کی آسانی کیلئے بعد میں کشادہ کر دیا گیا ہو۔ یا جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کے وقت جبریل علیہ السلام نے پر مار کر اس کا دہانہ کشادہ کر دیا تھا۔ لیکن اس روایت کے بارے میں ارباب حدیث اور شراح حدیث میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جس نے اس میں جرح کی ہو۔ اور یہ مصنف (اور مترجم) جب اس غار شریف کی زیارت سے مشرف ہوا تو ہم میں سے ایک شخص موٹا فربہ تومند جس کا سینہ چوڑا تھا اس سے کہا گیا کہ پہلے تم داخل ہو تو وہ بِسۡمِ اللّٰہِ کہہ کر درود پڑھتا ہوا بے تکلف اور بے تحاشا داخل ہو گیا۔ اس وقت اس فقیر کے بے اختیار بلند آواز سے چیخ نکل گئی اللہ، اللہ، سبحان اللہ ایک وقت وہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آیات کبریٰ دکھانے کیلئے عرش اعلیٰ پر لیجایا گیا اور ایک روز ایسا بھی آیا کہ کفار کے خوف سے حشرات الارض کی مانند غار میں داخل کیا گیا۔ معاً اسی وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ شہود میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے وہاں بھی شہود تھا جبکہ عرش اعلیٰ پر لیجایا گیا اور یہاں بھی بغیر فرق و امتیاز کے شہود تھا۔ اگر کچھ فرق تھا تو کشف صفات میں تھا شہود ذات ایک ہی ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم دمے بر پشت پائے خود نہ بینم

(واللہ اعلم) رات کو اسی غار میں شب باشی کی گئی۔ اور کچھ دنوں بعد ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کی زیارت کی غرض سے صبح سے شام تک دعا اور درود و سلام میں گزاری (واللہ المجیب)

غار ثور سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ فرمانا

وصل: جب غار ثور میں تین راتیں گزر گئیں تو تیسری رات کی صبح کے وقت عبداللہ بن اریقط جسے راہبری کے طور پر اجرت میں لیا تھا۔ دونوں اونٹوں کو لے کر غار کے قریب آ گیا۔ اور اس نے دونوں اونٹ پیش کیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ بھی آ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ پر جس کا نام جدعا (یا قصواء) تھا سوار ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا رویف بنایا اور دوسرے اونٹ پر عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عامر رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے۔ اور ساحلی راستہ اختیار کیا۔ یعنی سمندر کے کنارے کنارے سفر شروع کر دیا۔ اس دن اور پھر تمام رات برابر چلتے رہے۔ دوسرے دن جب آفتاب کی تمازت بڑھی اور دھوپ میں گرمی پیدا ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلولہ یعنی آرام کرنے کیلئے سایہ دار جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے ایک پتھر دیکھا جو سایہ دار تھا اور ہموار جگہ تھی صاف کر کے اپنے ساتھ کی پوستین یعنی چمڑے کا بستر بچھا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تکیہ لگا کر آرام فرمایا۔ اور سو گئے اس بیابان میں ایک جوان بکریاں چرا رہا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے

اس سے دودھ طلب کیا اس نے ایک پیالہ دودھ دوہ کر اس میں پانی ملا کر دیا تا کہ ٹھنڈ ہو جائے۔ چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ تازہ دودھ چونکہ گرم ہوتا ہے تو اس میں پانی ملا کر ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس دودھ کو پیا۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو ایک پیالہ دودھ کا حضور کو بھی نوش کرایا۔ پھر سوار ہو کر سفر شروع کر دیا۔

اس مقام پر علماء ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو چرواہے سے بغیر بکریوں کے مالک کی اجازت کے دودھ لینا جائز تھا؟ جواب میں کہتے ہیں کہ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے چرواہے کو اجازت دے دیتے تھے کہ اگر کوئی راہ گیر مسافر سامنے آئے اور دودھ مانگے تو اسے دودھ دیدیا جائے یا یہ وجہ ہو کہ چرواہے کا مالک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شناسا ہو اور انہوں نے اسے پہچان لیا ہو تو اس دلالت کے اعتماد سے کہ اگر اس کے مالک کو معلوم ہو گیا تو وہ راضی اور خوش ہوگا۔ چرواہے سے دودھ لے لیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے دودھ کی قیمت ادا کی ہو اور چرواہا فروخت کرنے کی اجازت رکھتا ہو (واللہ اعلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جب کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو و تلاش میں ناکام ہو گئے تو قریش کی ایک جماعت ہمارے یہاں آئی ان میں ابوجہل لعین بھی تھا۔ میں شور سن کر باہر نکلی۔ ابوجہل نے پوچھا ''تیرا باپ کہاں ہے؟'' میں نے کہا ''خدا کی قسم! میں نہیں جانتی کہاں ہیں؟ اس ملعون نے ہاتھ اٹھا کر برا بھلا کہتے ہوئے میرے رخسار پر ایک طمانچہ مارا جس سے میرے آویزے ٹوٹ کر گر پڑے۔

اثناء سفر ہجرت میں ایک بڑا عجیب وغریب واقعہ یہ پیش آیا کہ ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمہ میں جو کہ ''قدید'' میں تھا پڑاؤ کیا۔ یہ ام معبد عورت بڑی عاقلہ بوڑھی اور ہشیار تھی۔ وہ اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ کر مسافروں کی مہمان نوازی اور خاطر داری کیا کرتی تھی اور انہیں کھانا پانی دیتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھجوریں، دودھ اور گوشت کھانے کیلئے طلب فرمایا۔ ان میں سے کوئی چیز اس کے پاس موجود نہ تھی۔ اس نے کہا یہ سال ہمارے لیے سخت قحط سالی کا ہے اور بہت تنگ دستی میں ہیں۔ اگر کچھ بھی موجود ہوتا تو آپ کی ضرور مہمانی کرتی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں نظر مبارک ڈالی۔ اس خیمہ کے ایک گوشہ میں انتہائی لاغر دبلی پتلی بکری کھڑی دیکھی۔ جو ناتوانی کی وجہ سے چراگاہ جانے سے رہ گئی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے کہ گھر میں رہ گئی ہے اور چراگاہ میں نہیں گئی ہے اس کہا اس کو لاغری اور ناتوانی سے ریوڑ سے جدا کر دیا ہے اور وہ اپنی جگہ رہ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس میں دودھ ہے۔''؟ اس نے کہا۔ ''یہ بکری اتنی لاغر و کمزور ہو چکی ہے کہ اس سے دودھ کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اجازت دیتی ہو کہ اس سے میں دودھ دوہ لوں۔'' اس نے کہا ''ضرور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں دودھ نظر آتا ہے تو ضرور دوہ لو۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے پاؤں کو دوسرے پاؤں سے ملایا اور اپنے دست مبارک کو اس کے تھنوں پر پھرا۔ اور بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر فرمایا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهَا فِیْ شَاتِهَا (اے خدا ام معبد کی اس بکری میں برکت دے) تو اس کے تھن دودھ سے اتنے بھر گئے کہ اس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ام معبد سے دودھ کیلئے ایک برتن طلب فرمایا جب وہ دودھ سے بھر گیا تو تمام خیمہ والوں کو خوب پلایا جب وہ سب سیر ہو چکے تو اس کے بعد اپنے ہمراہیوں کو بلایا اور آخر میں خود نوش فرمایا۔ پھر دوبارہ دوہنا شروع فرمایا تو خیمہ کے تمام برتن بھر دیئے۔ اس کے بعد بکری کو اس کے پاس چھوڑ دیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ بکری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے چھونے کی برکت سے اٹھارہ سال تک زندہ رہی۔ یہاں تک کہ ''عام طرمادہ میں جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے زمانہ میں شدید قحط پڑا تھا اور بہت سے مخلوق ہلاک ہو گئی تھی اس بکری سے صبح و شام دوہتے رہے وہ پھر زمین میں بکری نہ رہی اور نہ اس کا کم و زیادہ دودھ باقی رہا۔

(یعنی ''طرمادہ'' کے بعد وہ مرگئی)۔

اس کے بعد ابومعبد یعنی ام معبد کا شوہر جس کا نام ''اکتم بن الحون'' تھا آیا جو کہ اپنی بکریوں کو چرا کر لایا تھا اور وہ بکریاں لاغری و ناتوانی میں اپنی کمریں زمین سے پیوست کر رہی تھیں۔ اس نے جب تمام برتنوں میں دودھ بھرا دیکھا تو کہنے لگا اے ام معبد اتنا دودھ کہاں سے آیا۔ گھر میں تو کوئی دودھ والی بکری بھی نہ تھی۔ اور جو دودھ والی بکریاں تھی بھی تو وہ دور چراگاہ میں تھیں۔ ام معبد نے کہا۔ ''نہیں خدا کی قسم! یہ بات نہیں۔ بلکہ ہمارے پاس ایک ایسا برکت والا شخص آیا تھا جس کی صفت ایسی اور ایسی تھی وہ نہایت خوش رو اور خوش اخلاق تھا۔'' اس کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اخلاق وصفات اور شکل وشمائل بیان کیے جس کا ذکر حلیہ شریف کے ضمن میں آ چکا ہے۔ وہ عورت زبان فصیح اور بیان ملیح رکھتی تھی۔ اس پر ابوسعید نے کہا خدا کی قسم! یہ شخص وہی ہوگا قریش جس کی جستجو وتلاش میں سرگرداں ہیں۔ اور اس کا نام اور شہرہ سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو میں ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا اور ہمیشہ میں انہیں کی خدمت میں رہتا۔ اور میں تمنا رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں گا اور ان کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں گا۔ منقول ہے کہ اس کے بعد اس نے ہجرت کی اور ام معبد اور اس کے شوہر نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول اجلال کی تاریخ یاد رکھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے چند روز بعد اہل مکہ نے ایک غیبی آواز کو بلند آواز سے یہ کہتے سنا۔

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ — رفیقین خلا خیمتی ام معبد

ھما نزلا ھا بالبر ثم ترحلا — فقد فاز من امسی رفیق محمد

ان شعروں کے ساتھ دیگر اشعار بھی سنائی دیئے جو کفار قریش کی مذمت میں تھے۔ اور وہ اشعار ام معبد کی بکری کے دودھ دوہنے کے قصہ پر مشتمل تھے۔ ان کے سوا دیگر وہ اشعار جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا میں ان کے جواب میں کہے ہیں۔ وہ سب روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ ام معبد کی بکری کی طرح دودھ دوہنے کا ایک واقعہ مذکور ہے وہ یہ کہ ایک چرواہے کے پاس بغیر دودھ والی اونٹنی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ دوہا اور بہت زیادہ دودھ نکالا۔ ان کے علاوہ ہجرت کے دوران راستہ میں بکثرت واقعات کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے ایک واقعہ سراقہ بن مالک بن جعشم (بضم جیم وسکون عین وضم شین) کا ہے وہ یہ ہے کہ قریش نے لوگوں میں منادی کرادی تھی کہ جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صاحب یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا یا ان کو قید کر کے لائے گا اسے انعام میں سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ پھر کسی کو سراقہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس کام کو انجام دے سراقہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھا کرنے کیلئے نکلا یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا مگر میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر پڑا دوبارہ سوار ہوا تو اسی طرح ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر پڑا۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی آواز سنی۔ یکایک میرے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں کود کر گھوڑے کی پیٹھ سے اتر گیا۔ میں نے گھوڑے کو ڈانٹا کہ اٹھ پھر اس نے اپنے دونوں آگے کے پاؤں زمین سے نکالے۔ اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب پہنچ گیا یہاں تک کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک یا دو نیزے سے زیادہ کا فاصلہ نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ فرما کر فرمایا: اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا شَرَّہٗ بِمَا شِئْتَ (اے خدا ہمیں اس کے شر سے جس طرح تو چاہے محفوظ رکھ) تو اسی وقت گھوڑے کے چاروں پاؤں زانوں تک دھنس گئے میں التجا کرنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھوڑے کو نجات دیجئے مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کوئی آپ کے

تعاقب میں آئے گا میں اسے لوٹالوں گا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ صَادِقًا فَاَطْلِقْ فَرَسَهُ (اے خدا اگر یہ سچ بول رہا ہے تو اس کے گھوڑے کو نجات دیدے) اسی وقت میرے گھوڑے کے چاروں ہاتھ پاؤں زمین سے نکل آئے۔ اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں توشہ اور سامان پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا۔ فرمانے لگے ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے اور تجھ سے کچھ نہیں چاہتے مگر صرف اتنا کہ ہمارا معاملہ تو پوشیدہ رکھے۔ سراقہ کے اسلام لانے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا اس وقت سراقہ اپنے قبیلہ کی جماعت کثیرہ کے ساتھ آ کر مسلمان ہوا۔

منقول ہے کہ جب سراقہ نزدیک ہوا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ گریہ کناں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پکڑنے والا قریب آ گیا ہے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) ایک روایت میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تو سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور اس نے امان مانگی۔ سراقہ کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب و کامیاب رہیں گے میں نے کچھ سامان بطور نذرانہ پیش کیا تو آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ایک اور واقعہ ابو بریدہ رضی اللہ عنہ اسلمی کا ہے۔ جسے ابوسلیمان خطابی نقل کرتے ہیں کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس کے قرب ونواح میں پہنچے تو بریدہ رضی اللہ عنہ اسلمی اپنے قبیلہ کے ستر لوگوں کے ساتھ کفار قریش کی اس منادی پر کہ ''جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام میں سو اونٹ دیئے جائیں گے۔'' اس طمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کی غرض سے نکلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بریدہ (رضی اللہ عنہ) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریقۂ تفاول کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ الفاظ کے مادہ اشتقاق برودۃ ہے اور سلامتی وسکون اور جمعیت پر مبنی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، سے فرمایا قد برد امرنا وصلح یعنی ہمارا کام خوش وخنک ہے اور اس کے آخر صلح و خیر ہے پھر فرمایا کون سے قبیلہ سے ہو؟ اس نے کہا قبیلہ بنی اسلم سے۔ فرمایا ''سلمنا'' خیر وسلامتی ہے۔ فرمایا بنی اسلم کی کونسی شاخ سے ہو اس نے کہا بنی سہم سے۔ فرمایا: اَصَبْتَ سَهْمَكَ تو نے اپنا حصہ پالیا۔ یعنی تو نے اسلام سے اپنا نصیب وحصہ پالیا۔ اس کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں محمد بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں، بریدہ رضی اللہ عنہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی اسلام لے آئے۔ اور کہنے لگے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اور جو جماعت ان کے ساتھ تھی وہ سب مشرف باسلام ہوگئی۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت آپکے ساتھ ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔ اس کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سر سے عمامہ اتارا اور نیزے سے باندھ دیا۔ اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلنے لگے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کس سعادت مند کے گھر کو شرف نزول سے مشرف فرمائیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بندے کے گھر کو منزل بنائیں تو میری کتنی بڑی سعادت ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اونٹنی مامور ہے جہاں وہ بیٹھ جائے گی وہی منزل ہوگی۔ دیکھو کہاں جاتی ہے۔

بعض اصحاب کامل نصاف بغرض تجارت، بلاد شام گئے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے پر وہ یہیں اتر پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے سفید جوڑے نذر و ہدیہ کیے۔

مدینہ منورہ میں رونق افروزی کا منظر

وصل: جب انصار محبت شعار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کی خبر سنی تو روزانہ مدینہ منورہ کی چوٹیوں پر آتے اور آفتاب

جمال باکمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طلوع کے منتظر رہتے۔ جب سورج گرم ہو جاتا اور دھوپ سخت ہو جاتی تو گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ اچانک ایک یہودی کی جو مقام مقررہ پر کھڑا تھا اس جماعت مبارکہ کے کوکبہ قدوم پر نظر پڑی اس نے جان لیا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں تو قبیلہ انصار کو جو کہ اس کے قریب ہی تھے آواز دی کہ یہ آ رہے ہیں تمہارے مقصد و مقصود تمام مسلمان اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اجلال کیلئے نکل پڑے اور انہوں نے ''بالائے حرہ'' ملاقات کی۔ **مرحبا اھلاً و سھلاً** کہتے ہوئے مبارک بادی وخوشی ومسرت کا اظہار کرنے لگے ان کا ہر جوان بچہ، عورت ومرد اور چھوٹا بڑا کہنے لگا **جاء رسول اللہ و جاء نبی اللہ**۔ اللہ کے رسول اللہ تشریف لے آئے اور اللہ کے نبی نے قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ اور اپنی عادت کے مطابق، خوشی ومسرت میں اچھلنے کودنے لگے۔

بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو نجار کی لڑکیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی وشادمانی میں دف بجاتی اور گاتی ہوئی نکل آئیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّار يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ

قبیلہ بنو نجار کو ایک جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی نسبت بھی تھی۔ (یعنی سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ کی دختر تھیں) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا یقیناً یا رسول اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔ قبائل انصار کی پردہ نشین عورتیں اپنے اپنے گھروں کی چھتوں، دروازوں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر یہ تہنیت گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع

بعض روایتوں میں اتنا زیادہ آیا ہے۔

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا بِالْاَمْرِ الْمُطَاع

سیدنا انس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں آٹھ یا نو سال کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے درو دیوار ایسے منور و روشن ہو گئے۔ جس طرح آفتاب طلوع کرتا ہے۔ اس طرح جس دن اس آفتاب نبوت نے اس جہان سے روپوشی اختیار کی سب جگہ تیرہ و تاریک ہو گئی تھی۔ بعینہ، اسی طرح جیسے سورج غروب ہو جاتا ہو۔

حضور اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونا بارہ ربیع الاول یا تیرہ ربیع الاول کو ہوا یہ اختلاف تاریخ، باختلاف روایت ہلال ہے۔ امام نووی نے کتاب سیر میں روضہ سے بارہ ربیع الاول پر جزم کیا ہے اور بھی چند اقوال ہیں لیکن وہ مقام صحت سے بعید ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے نکلنا ستائیس صفر کو ہوا تھا۔ اور غار ثور سے پہلی ربیع الاول کو نکلے تھے۔ علماء سیر کے درمیان اس پر کلی اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دوشنبہ کے دن رونق افروز ہوئے تھے اور مہینہ ربیع الاول کا تھا۔ لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔

روز دوشنبہ کے فضائل میں سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، ابتدائے بعثت، مکہ سے ہجرت، مدینہ منورہ میں رونق افروزی، دنیا سے رحلت یہ تمام واقعات روز دوشنبہ میں ہی واقع ہوئے۔

اکثر ارباب سیر کے نزدیک تاریخ اسلام (قمری ہجری) لکھنے کی ابتداء، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم سے مدینہ منورہ میں رونق

افروزی کے دن سے ہے۔لیکن لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ تاریخ کا اعتبار اور اس کے لکھنے کی ابتداء، سیّدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے دورِ خلافت میں حضرت ولایت مآب سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اتفاق فرمانے کے ساتھ ماہ محرم سے ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ کر نزول فرمانا بنی عمرو بن عوف کے گھروں میں ہوا تھا۔ بعد میں جس جگہ مسجد قبا بنائی گئی ہے۔اور اسی جگہ سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تین دن کے فرق سے مکہ مکرمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت وشادمانی میں اضافہ فرمایا روضۃ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مکہ مکرمہ سے پاپیادہ سفر کرتے ہوئے آئے تھے پیدل چلنے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چھالوں پر دست اقدس پھیرا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے تھے۔انتہی۔ یہ حقیقت اس کیفیت کی مانند ہے جو روز خیبر پیش آئی تھی کہ ان کی آنکھوں میں آشوب آ گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن شریف لگانے سے وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی تھیں۔اور وہ پھر کبھی نہ دکھی تھیں۔

منقول ہے کہ سیّدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول اجلال کے بعد ایک درخت کے سایہ میں سر مبارک جھکا کر بیٹھ گئے اور آپ پر سکوت وخاموشی غالب رہی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، لوگوں سے ملاقات کرنے میں مشغول رہے چونکہ اژدہام اور لوگوں کا اشتیاق بہت زیادہ تھا۔بعض انصار ایسے آ رہے تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہ تھا وہ یہی گمان کر رہے تھے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی ان کے نبی ہیں وہ آ کر آپ ہی کو سلام کر کے تحیت کے قواعد بجالاتے تھے۔جب آفتاب بلند ہوا اور سایہ ختم ہو گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دھوپ کا خیال کر کے اپنی چادر پھیلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہو گئے اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے شبہ کا ازالہ فرما دیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کی دھوپ پہنچتی تھی۔اور ابر یا فرشتہ آپ کے سر مبارک پر بعثت سے پہلے سایہ کرتا تھا۔جیسا کہ اس کے محل میں تصریح کر دی گئی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز اسی جگہ قیام فرمایا ایک قول کے بموجب بیس روز اور ایک قول کے بموجب چار روز، یعنی دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ اور پنجشنبہ قول اول زیادہ صحیح ہے۔بہر تقدیر جمعہ کے دن، سورج کے بلند ہونے کے وقت 'بطن وادی' سے گزر کر اس مقام میں تشریف لائے جہاں اب مسجد صغیر بنائی گئی ہے وہاں آپ نے نماز جمعہ پڑھائی اور طویل و بلیغ خطبہ دیا جو ابشار و انذار۔(یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا) اور اہل ایمان کے دلوں کو نور سے لبریز کرنے والا تھا۔پھر آپ نماز جمعہ کے بعد اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کے اندر، بستی کی جانب اطمینان وسکون کے ساتھ روانہ ہوئے اور قبائل انصار پیدل اور سوار سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب کرامت مآب میں مجتمع ہو کر چلدیئے۔اس وقت بنی عمرو بن عوف کے لوگ جو اس بستی کے رہنے والے تھے یعنی قبا کے باشندے تھے عذر خواہی کرتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید دامان عزت وجلال سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ قیام پذیر ہونے میں کوئی رنج وملال لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے اس جگہ سے انتقال وارتحال فرمایا جا رہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس بستی کا جس کا نام ''اکالۃ القریٰ'' ہے حکم دیا گیا ہے ''اکالہ لقریٰ'' اکالۃ البلدان'' مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ہیں۔یہ نام اس لحاظ سے ہے کہ اس کا تسلط تمام شہروں پر اور اس کا حکم ہر جانب جاری ونافذ ہے۔بعض علماء اس نام کو اس کے فضل وعظمت اور اس کے رتبہ پر محمول کرتے ہیں۔مطلب یہ کہ تمام شہروں کی بزرگیاں اور اس کی عظمتیں، اسی مدینہ کی عظمت کے مقابلہ میں نیست ونابود ہیں۔اور مکہ مکرمہ کا نام ''ام لقریٰ'' (بستیوں کی ماں) اس اعتبار سے ہے کہ اس کی عراقت واصالت تمام شہروں پر قائم وثابت ہے۔اس کی امومت واصالت نیست ونابود

ہونے کا اقتضاء نہیں کرتی۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے اوران کی طرف تشریف لے جانے کے بعد جملہ قبائل انصار کے لوگ توقع وانتظار کی آنکھ کو سرراہ بچھا کر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم کو تھام کر عرض کرنے لگے کہ ہمارے غریب خانہ میں قیام فرما کر نعمت وثروت کے اظہاور اور خدمت گاری و جاں نثاری کی سعادت مرحمت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہوئے کہتے کہ میری یہ اونٹنی مامور ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گی اسی جگہ میری قرار گاہ ہوگا'' اس کے بعد سید ھا راستہ اختیار فرما کے اونٹنی کو مدینہ طیبہ کی جانب اس کی مرضی پر چھوڑ دیا اور اس کا انتظار فرمایا کہ اونٹنی کہاں بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ اونٹنی وہاں تک آئی جہاں اب مسجد نبوی شریف ہے۔ اونٹنی بے اختیار اس جگہ بیٹھ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹنی کی پشت پر ہی وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزول وحی کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر اونٹنی اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور چند قدم آگے بڑھ کر گھومی اور پھیر پہلی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ گویا اونٹنی کا یہ آنا اور جانا مسجد نبوی کی تعمیر و بنیاد کے اظہار کیلئے تھا۔ جیسا کہ واقع ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، کے گھروں کے دروازے اس جگہ سے بالکل قریب تھے۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے اسباب اونٹنی سے اتار کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک کے سامنے لائے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایسا ہی اشارہ پایا ہو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہیں جسے روضۃ الاحباب میں نقل کیا گیا ہے۔ پھر وہ سامان اپنے گھر میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِهٖ مطلب یہ کہ آدمی کی وہیں اقامت ہے جہاں اس کا سامان سفر ہے، اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان ہی نزول شریف کی سعادت سے مشرف ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.

مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے چنیں باشد

ابن جوزی نے دختر ان انصار مدینہ بنی نجار وغیرہ کی گزشتہ حکایتوں کو اس جگہ نقل کیا ہے۔ لیکن روضۃ الاحباب وغیرہ کے سلسلہ کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حکایتوں کا مقام پہلی جگہ ہی ہے۔ بہر تقدیر ان حکایتوں کا تعلق شہر مدینہ میں نزول اجلال فرمانے کے وقت کے ساتھ ہے خواہ اول ہو یا آخر۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مکان کو شرف اقامت سے سرفراز فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی نچلی منزل کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ میں، میری والدہ اور میرے بچے بالا خانہ پر رہنے لگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بالا خانہ کی رہائش میں میں بہت حرج اور تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ اسلیے کہ سردار انبیاء علیہم السلام تو نچلی منزل میں رہیں اور میں ان کے اوپر بالا خانہ میں رہوں۔ یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل پسند فرمالیجئے تا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے نچلی منزل زیادہ درست، موافق اور مناسب ہے کیونکہ ہمارے ساتھ ایک جماعت کثیرہ ہے۔ اور اطراف و جوانب سے لوگ ہمارے پاس آئیں گے۔ لہٰذا تم اور تمہارے گھر والے اوپر کی ہی منزل میں سکونت رکھیں۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری برابر اس عرض والتجا میں مصر رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کی منزل میں اقامت فرمائیں اور خود نچلی منزل میں سکونت رکھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کے مکان میں قیام فرمانے کی مدت اصح روایات کے بموجب سات مہینہ ہے۔ مگر روایتوں میں کم وبیش واقع ہوئی ہے۔

قسم سوم

در ذکر واقعات باعتبار سن ہجری تا سن وفات سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم

چونکہ یہ واقعات دس سنوں پر مشتمل ہیں اس لیے ہر سن کے واقعات کو مستقل ایک ایک باب کر کے بیان کیا جائے گا۔لہٰذا کتاب کی یہ تیسری قسم بھی دس ابواب پر مشتمل ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں اقامت باتفاق دس سال رہی۔علماء سیر نے ان دس سالوں کے واقعات کو ایک ایک سال کے واقعات کی شکل میں جدا جدا بیان کیا ہے ان میں سے بعض واقعات میں اختلاف بھی ہے کہ کون سے سال میں رونما ہوئے۔ اور ایک سن کے واقعات کے بیان میں بھی علماء سیر سے تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے۔مواہب لدنیہ میں ''سنوات'' کے لفظ کے ذکر کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔معارج النبوت میں ہر سال کے واقعات لکھے ہیں۔مثلاً سال اول، سال دوم، سال سوم وغیرہ۔اگر چہ ان لفظوں سے اسم عدد بیان کرنا حال اور اس کے مرتبہ کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔لہٰذا مناسب ہے کہ اسی ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کا ذکر کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مجرد عدد، مقصود ہے دیگر کتابوں میں اس ترتیب کے سوا بھی مرقوم ہیں۔مگر ہم نے روضۃ الاحباب کے موافقت کی روش اختیار کی ہے اور یہی کتاب متداول اور مشہور ہے۔

پہلی سن ہجری کے واقعات

تعمیر مسجد قبا

سن اول ہجری کے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد، مسجد قبا شریف کی تاسیس و تعمیر ہے کیونکہ نبی عمرو بن عوف کے گھروں میں نزول فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پتھر اٹھا کر رکھا اور خلفاء ثلثہ نے بجز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے کے تین دن بعد مکہ سے آ کر ان میں شامل ہوئے تھے پتھر اٹھانے میں مدد کی ہے۔ممکن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی پہنچنے کے بعد اس کی تعمیر میں شرکت کی ہو۔ یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی ہے۔اور وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔بعض ارباب سیر اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کیلئے بنائی گئی ہے۔اگر چہ اس سے پہلے بھی کوئی مسجد بنائی گئی ہو گی لیکن وہ مسجد اس کے ساتھ مخصوص ہو گی جس نے اسے بنائی۔کذا فی المواہب، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ مسجد جو ابتدائے اسلام میں اپنے گھر کے دروازے پر انہوں نے بنائی تھی جس میں وہ نماز پڑھتے اور تلاوت قرآن کرتے تھے اور قریش کی عورتیں، بچے اور غلام ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیہ کریمہ کا شان نزول یہی مسجد قبا شریف ہے چنانچہ فرمایا:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ وہ مسجد جو پہلے دن ہی سے تقوے پر بنائی گئی ہے زیادہ مستحق ہے کہ

اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ۝ آپ اس میں قیام فرمائیں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو صفائے باطن کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکی چاہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ آیۂ کریمہ میں مسجد سے مراد، مسجد عظیم نبوی شریف ہے اور بعض حدیثیں بھی اس قول کی تائید میں وارد ہوئی ہیں۔ مگر حق وصواب یہ ہے کہ آیۂ کریمہ کا مفہوم دونوں مسجدوں پر صادق ہے اس لیے کہ دونوں مسجدوں کی تاسیس وتعمیر اول بنیاد سے ہی تقوے پر ہے لہٰذا ممکن ہے کہ دونوں مصدوق ومراد ہوں۔ جیسا کہ بعض محدثین کے کلام میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

امام احمد رضی اللہ عنہ اللہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''مسجد تقویٰ'' کی جانب جاؤ۔ ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ادھر متوجہ ہوگئے اور دونوں دست مبارک حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر رکھ کر تشریف لے گئے۔ یہ حدیث اس کی تائید کررہی ہے کہ مَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مسجد قبا ہی کا نام ہے۔

سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلۡمَسۡجِدُ الَّذِىۡ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى اَوَّلِ يَوۡمٍ هُوَ مَسۡجِدُ قُبَاءَ. وہ مسجد جو پہلے دن ہی تقویٰ پر بنائی گئی۔ وہ مسجد قبا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکی چاہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے کامل وضو کیا اور مسجد قبا میں آکر نماز پڑھی اس نے ایک عمرہ کا ثواب حاصل کرلیا۔

امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ اگر یہ مسجد جہان کے آخری کنارے پر ہوتی تو میں اس کی طلب میں اونٹ کا جگر پانی کرکے پہنچتا۔ پھر وہ اس مسجد کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے اور خس وخاشاک چن کر پھینکتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا میرے نزدیک بیت المقدس کی دو مرتبہ زیارت کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر لوگ جانتے کہ اس مسجد میں کتنے نادر اسرار رکھے گئے ہیں تو اس کی طرف دوڑتے آتے اور اس کی جستجو کرتے۔ اسی کی مانند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کے قول سے بھی باسناد صحیح مروی ہے۔ مسجد قبا کے مناقب بکثرت موجود ہیں۔

عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا

اسی سن کے واقعات میں سے حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ سلام کا اسلام لانا ہے۔ کیوں کہ وہ احبار یہود اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے اور لوگ آپ کی مجلس مبارک کی حاضری میں سبقت کرنے لگے تو میں بھی ان کی ہمراہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باریابی سے مشرف ہوا۔ جب میری پہلی نظر آپ کے روئے انور پر پڑی تو میں نے جان لیا کہ یہ کذابوں یعنی جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اَفۡشُوا السَّلَامَ، اے لوگو! اسلام کو پھیلاؤ مطلب یہ کہ اپنے اور بیگانے سب کو سلام کرو۔ اور اپنوں اور شناساؤں کے ساتھ اسے خاص نہ کرو۔ یا اتنی بلند آواز سے سلام کرو کہ جن کو سلام کیا گیا ہے وہ سن لیں۔ اور فرمایا: اَطۡعِمُوا الطَّعَامَ (کھانا کھلاؤ) مطلب یہ کہ فقراء کے ساتھ ہمدردی کرو اور درویشوں اور محتاجوں کے ساتھ غمخواری کرو۔ اور فرمایا: وَصِلُوا الۡاَرۡحَامَ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ملاؤ۔ کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ قریبی نسبت رکھتے ہیں۔ اور دور ونزدیک کے تفاوت مراتب کا لحاظ کرو۔ ان کو چھوڑ نہ دو اور ان سے علاقہ نہ توڑلو۔ اور فرمایا: وَصَلُّوۡا بِاللَّيۡلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ رات میں نمازیں پڑھو اور شب خیزی کرو درانحالیکہ لوگ سو

رہے ہوں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ کی تشریف آوری کے بعد پہلا وعظ مبارک ہے۔ اس کے بعد میں اپنے گھر لوٹ گیا۔ دوسری مرتبہ خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ اور میں نے آپ سے تین سوال کیے جس کا بجز نبی کے کوئی دوسرا جواب نہیں جان سکتا۔ پہلا سوال یہ کہ علامات قیامت میں سے کیا واقع ہوگا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ جنت میں جب حق تعالیٰ مسلمانوں کو پہلا کھانا کھلائے گا تو وہ کھانا کیا ہوگا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے کو نسل انسانی میں کوئی بچہ باپ کی شکل میں ہوتا ہے اور کوئی بچہ ماں کی صورت میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت وحی نازل ہوئی اور تینوں سوالوں کے جوابات مرحمت فرما دیئے۔ فرمایا قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوگی کہ مشرق کی جانب سے ایک آگ نمودار ہوگی جو لوگوں کو مغرب کی طرف اس طرح ہنکا کر لے جائے گی جس طرح چرواہا بکریوں کو ہنکاتا ہے۔ اور فرمایا جنتیوں کیلئے سب سے پہلا کھانا اس مچھلی کی کلیجی ہوگی جس کی پشت پر زمین قائم ہے اور یہ غذا نہایت لذیذ اور مرغوب ہوگی۔ احادیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے زمین کو اس دن سفید روئی کی مانند کر دے گا اور فرمایا ماں باپ میں سے جس کا نطفہ رحم مادر میں پہلے یا زیادہ پڑے گا اسی کے مشابہ بچہ پیدا ہوگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے جب اپنے سوالوں کا جواب سنا تو با آواز بلند کہنے لگے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہود ایسی قوم ہے جو کذب و بہتان میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ باوجود یہ کہ وہ مجھے علم وسیادت وسرداری میں مسلم جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کا سردار، ان کے سردار کا فرزند، ان میں سب سے زیادہ عالم اور ان کے سب سے زیادہ عالم کا فرزند ہوں۔ جب وہ سنیں گے کہ میں ایمان لے آیا ہوں تو وہ بہتان باندھیں گے اور اپنے اعتقاد کے خلاف کہیں گے۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ ان پر میرا ایمان لانا ظاہر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا امتحان لے لیجئے اور میرے بارے میں ان سے حالات دریافت فرمایئے اور دیکھئے کہ وہ کیا کہتے ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو پوشیدہ مقام میں بٹھا دیا اور یہودیوں کو طلب فرمایا۔ ان کو موعظت وتہدید کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسے تم خوب جانتے ہو اور تم نے توریت میں پڑھا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے ایمان وحق کے ساتھ بھیجا ہے لہٰذا تم مسلمان ہو جاؤ۔ یہودی کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تمہارے درمیان کیسے ہیں؟'' وہ کہنے لگے'' وہ ہمارے سردار، ہمارے سردار کے فرزند، ہم میں زیادہ عالم، ہمارے سب سے زیادہ عالم کے فرزند، ہمارے پیشوا، ہم میں بہترین، ہم میں دانا ترین اور ہمارے دانا ترین کے فرزند ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ اور ان کے آباؤ اجداد سب کے سب بزرگ وسردار رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔'' کیا خیال ہے اگر وہ مسلمان ہو جائیں۔'' وہ کہنے لگے۔'' حق تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے کہ وہ اسلام لائیں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بار بار فرمایا اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا'' اے ابن سلام رضی اللہ عنہ باہر آؤ؟ اس کے بعد ابن سلام رضی اللہ عنہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور فرمانے لگے۔'' اے گروہ یہود! خدا سے خوف کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ کیوں کہ تم یقینی طور پر جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' وہ کہنے لگے تم جھوٹ کہتے ہو ہم نہیں جانتے۔'' اور حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگے کہ'' یہ ہم میں بدترین، بدترین کے فرزند، جاہل ترین اور جاہل ترین کے فرزند ہیں۔ حالانکہ اسی نشست میں تھوڑی دیر پہلے یہ کہہ رہے تھے سیّدنا، ابن سیّدنا، اعلمنا، ابن اعلمنا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ابتداء میں انصار کے گھروں سے صبح سعادت نے طلوع فرمایا۔ تو یہود نا بہبود کی رگ، انصار سے دشمنی وعداوت کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرور عالم کی جانب پھڑ کنے لگی تھی۔ اور بعض نے اظہار عداوت میں بڑی کوششیں کیں اور جس حد تک ان سے ممکن تھا اپنی ہلاکت میں کوتاہی نہ

کی۔ مثلاحی بن اخطب اور اس کا بھائی یاسر بن اخطب کہ یہ اپنی قوم میں شدید عداوت اور خبث انسانی میں گرفتار تھے۔ اور ان اشقیاء کے گروہ میں سے بعض نے نفاق کو اپنا حیلہ اور دنیاوی مال وزر کے جمع کرنے کا ذریعہ اور حیات فانی کی حفاظت کا وسیلہ بنایا اور اوس وخزرج کے قبیلہ کے کچھ لوگوں نے بھی جو کہ انصار کے دونوں قبیلے ہیں ان میں سے بعض نے منافقوں کے ساتھ نفاق میں اتفاق کا مظاہرہ کیا اور اکثر منافقین یہود میں سے تھے۔

بعض احبار اور علماء یہود ایسے بھی تھے جن کی پیشانی میں رحمت ازلی سے ہی حرف سعادت اور اقبال مندی تحریر تھا اور یہ سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کی حقیت کو جانتے تھے پہچانتے ہی بلا تردّد اور بغیر ہچکچاہٹ وتوقف کے اسلام کا حلقہ اپنے گلے میں ڈال لیاا۔ اور سعادت ابدی حاصل کی حقیقت یہ ہے کہ یہود سے بڑھ کر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت کی حقیقت اور آپ کے احوال و اوصاف سے دانا اور شناسا اور کوئی قوم نہ تھی۔ کیوں کہ ان کے پاس آسانی کتابیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف واحوال موجود تھے جنہیں یہ پڑھا کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت اور آپ کی تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ ان کے آباء مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے اور بشارت دیا کرتے اور نبی آخرالزماں کے وجود گرامی کی خبریں دیا کرتے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ چونکہ باپوں کو اپنے بیٹوں کے بارے میں علم یقینی اور شہودی ہوتا ہے ایسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کو ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ لہٰذا: كَمَا يَعْرِفُوْنَ اٰبَآءَ هُمْ نہ فرمایا۔ یعنی جیسے وہ اپنے باپوں کو پہنچانتے ہیں۔ اس قدر علم ومعرفت کے باوجود، وہ شقاوت اور وبال ابدی میں گرفتار رہ گئے۔ مصرعہ

علمے کہ رہ حق نماید جہالت است

اہل بیت نبوت کو مکہ سے بلانا

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور ابورافع کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے مکہ مکرمہ میں پانچ سو درہم اور دو اونٹوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ، اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہم کو لیکر آئیں۔ چنانچہ یہ ان سب کو یہ لے کر آئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی بکر بھی اپنے والد محترم کے اہل وعیال کو لیکر ان کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئے۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر

اسی سال مدینہ منورہ میں مسجد عظیم کی تعمیر ہوئی۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی منبر شریف کے مقام پر آ کر بیٹھ تھی اور پھر کھڑی ہو کر چند قدم آگے چل کر اس نے مسجد نبوی شریف کی حد بندی ظاہر کی تھی۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عریش کی مانند میں ایک عریش (چھت والا مکان) بناؤں جس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہ ہو اور اس گھر کی چھت کو لکڑی اور کھجور کے پتوں سے ڈھانپوں۔ الحدیث۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر سے پہلے جہاں بھی نماز کا وقت آ جاتا تھا پڑھ لیتے تھے۔ اس جگہ جہاں مسجد نبوی تعمیر کی گئی بنی نجار کے گھروں کے آگے ایک میدان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بنی نجار اپنے اس احاطہ یعنی میدان کی قیمت لے لو۔'' انہوں نے عرض کیا ''ہم اس کی قیمت نہیں لیں گیا ورنہ آپ سے اس کا بدلہ چاہیں گے مگر یہ کہ حق تعالیٰ جزاء مرحمت فرمائیے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ احاطہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا یہ دو یتیموں کا ہے اور وہ اس جگہ کھجوروں کو خشک کر کے تمر بناتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس احاطہ کو خرید لو۔ تو بنی نجار نے کہا ہم ان دونوں یتیموں کو اس کی قیمت ادا کر کے اس زمین کو آپ کی نذر کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ خود ان دونوں یتیموں نے کہا ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے ہم اس کو آپ کی نذر کرتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس مال میں سے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے ان کی قیمت میں دس سونے کے مثقال ان کو عطا فرمائے۔

نادر و عجیب روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جسے طبرانی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے جس کا مکان مسجد نبوی کے برابر تھا اشارۃً فرمایا کہ کیا ممکن ہے کہ اپنی اس زمین کے ٹکڑے کو اس گھر کے بدلے فروخت کر دے جو تجھے حق تعالیٰ جنت میں عطا فرمائے گا۔ تا کہ میں مسجد شریف کو وسیع کر سکوں۔ چونکہ وہ انصاری اس معاملہ کی توفیق نہ پاتا تھا عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عیال والا ہوں۔ میری اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں زمین کو یونہی دیدوں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، نے اس مکان کو دس ہزار درہم ادا کر کے اس سے خرید لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے مسجد نبوی میں شامل کرا دیا۔ اس مقام سے یہ نکتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نیکی و خوشنودی کے حصول میں لوگوں کے طبائع اور ہمتیں مختلف ہیں۔ یہ انصاری محتاج تھا اور صاحب عیال تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امر ایجابی واقع نہ ہوا تھا بلکہ اسے اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے ایسا کرے چاہے ایسا نہ کرے۔ اور ابتدائے زمانہ میں صحابہ تمام مہذب الاخلاق نہ تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رفتہ رفتہ مہذب ہوئے ہیں۔ اس جگہ کچھ کھجوروں کے درخت ٹیلے اور مشرکوں کی قبریں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ درختوں کو کاٹ ڈالو اور ٹیلوں کو ہموار کر دو اور قبروں کو زمین بوس کر کے جگہ ہموار بنائی جا سکتی ہے اور قبرستان کو مسجد کیلئے ہموار کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد صحابہ سے فرمایا کہ مسجد کی تعمیر کیلئے اینٹیں تھاپیں۔ مدینہ منورہ میں ابھی تک وہ جگہ مخصوص و متعین ہے جہاں اینٹیں تھاپی گئی تھیں۔ وہ جگہ بقیع کی جانب واقع ہے، اس کے بعد مسجد نبوی شریف کی دیواریں خشت خام سے بنائی گئیں اور چھت کھجور کے پتوں اور ستون اس کے تنوں سے تعمیر ہوئے۔ اس زمانہ میں مسجد نبوی شریف کی یہ حالت تھی کہ اگر بارش ہوتی تو چھت سے پانی ٹپکا کرتا اور اس سے مٹی بھی جھڑا کرتی اور مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی اسی کیچڑ میں سجدہ کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے سب ایک ایک اینٹ لاتے تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو اینٹیں اٹھا کر لاتے اور فرماتے ایک اینٹ اپنی طرف سے اور ایک اینٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے لوگوں کو ایک اجر ہے تو انہیں دونا اجر ہے۔ اور بشارت دی کہ آخر عمر میں تمہاری غذا دودھ کا پینا ہو گا اور تمہیں باغی لوگ شہید کریں گے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ تم باغیوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ باغی تمہیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے اور مٹی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک آلودہ ہو جاتا تھا۔ جب صحابہ یہ دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں تو وہ بھی کام میں خوب کوشش کرتے اور یہ رجز یعنی ترانہ پڑھتے جاتے۔ لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ ذَاكَ اِذًا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ یعنی ہم بیٹھے رہیں اور نبی کریم کام کرتے رہیں۔ ایسا بیٹھنا یقیناً گمراہ کرنے والا عمل ہے۔'' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کو کام کا شوق اور رغبت دلانے کیلئے یہ فرماتے جاتے: اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرَ الْاٰخِرَةِ، فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ. اے رب کوئی چیز بہتر نہیں مگر آخرت کی نیکی۔ تو رحم فرما انصار و مہاجرین پر۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں میں رکھ کر اینٹ لاتے تھے اور فرماتے تھے شعر

هٰذَا الْحَمَّالُ لَاحَمَّالَ خَيْبَرَ هٰذَا　　　اَبَــرُّ عِــنْــدَ رَبِّــنَــا وَاَطْهَــرُ

اور یہ رجز بھی پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّاخَيْرَ الْاٰخِرَةَ　　　فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

مواہب لدنیہ میں ابن شہاب کا قول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان شعروں کے سوا اور کوئی شعر موزوں کرنا ہم تک نہیں پہنچا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آئیہ کریمہ میں جو مخالفت فرمائی گئی ہے وہ انشاء شعر یعنی اشعار کا اختراع کرنا ہے نہ کہ انشاد یعنی شعر گنگنانا۔ اور انشاد کی مخالفت پر بطریق تمثیل کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسجد نبوی شریف کی لمبائی ابتداء تعمیر کے وقت قبلہ سے شمال تک چوون گز اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھی۔ اور فتح خیبر کے بعد جو دوسرے سال میں واقع ہوا اس کی تعمیر دوبارہ کی گئی اور دونوں جانب سو سو گز کی ہوگئی۔ اس کے بعد مزید اضافہ اور تغیر و تبدل ہوا اور زیب و زینت نے راہ پیدا کی مکمل تذکرہ تاریخ مدینہ میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اول تعمیر کے وقت مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا بعد ازاں بدل کر مسجد حرام کی جانب کیا گیا۔ جیسا کہ ۲ ہجری کے واقعات میں آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں محراب کی علامت آج کل جیسی نہ تھی۔ محراب کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ اس زمانہ میں وہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ منورہ میں گورنر تھے اور انہوں نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کی تھی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک جگہ سایہ دار تھی جس میں وہ صحابہ بود و باش کرتے تھے جن کا گھر بار نہ تھا۔ اس جگہ کو ''صفہ'' اور اس جگہ رہنے والوں کو اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کو اپنے پاس بلاتے۔ اور صحابہ کرام میں جو صاحب ثروت اور تونگر تھے ان کے سپرد فرماتے کہ وہ ان کی ضیافت یعنی خاطر داری کریں۔ ان کو ''اضیاف اللہ'' کہتے ہیں۔ اور وہ ان میں سے ایک جماعت کی مہمانداری کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اصحاب صفہ کے ستر ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جن کے پاس کچھ نہ تھا بجز تہبند یا کملی کے، جسے وہ اپنے گلے میں باندھے ہوئے تھے۔ وہ کسی کے آدھی پنڈلی تک پہنچتا تھا اور کسی کے ٹخنوں تک وہ سجدہ کرتے وقت اسے لپیٹ لیتے تھے تا کہ ستر نہ کھلے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ ستر سے زیادہ تھے بلاشبہ حدیث مبارک میں ہے کہ ایک وقت میں ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی۔ کبھی ان کی یہ تعداد کسی کے انتقال کر جانے، نکاح کر لینے یا کسی اور وجہ سے کم بھی ہو جاتی تھی۔ اور کبھی اس سے زیادہ بھی ہو جاتی تھی۔ ان میں سے ستر اصحاب صفہ تو بیر معونہ کے غزوہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید ہو گئے تھے۔ بعض کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صفہ مسجد کے اس حصہ کو کہا جاتا رہا جو سب سے پہلے بنا تھا اور تحویل قبلہ کے بعد جو مسجد تعمیر کی گئی وہ دوسری جانب تھی پہلی مسجد کی دیوار کو اپنے حال پر قائم رکھا گیا، پہلی مسجد میں منبر شریف تعمیر نہیں کیا گیا تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کھجور کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر بنایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نشست فرمائی اور کھجور کا وہ ستون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت میں گڑگڑا کر نالہ و فریاد کرنے لگا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ واقعہ ۸ھ یا ۷ھ میں ہوا۔ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مٹی کے ایک چبوترے پر جو کہ چوبی منبر بننے سے پہلے تھا خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں کہ خطبہ دیتے وقت کھجور کے ستون سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف کے پہلو میں چند حجرے خشت خام سے بنائے تھے جس پر کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی گئی تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا تھیں، چنانچہ ایک حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے اور دوسرا حجرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کیلئے تعمیر فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کے گھر سے ان حجروں میں منتقل ہو گئے۔ یہیں سیّدہ عائشہ سے زفاف فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا بھی پہلی سن ہجری میں نو ماہ بعد ماہ شوال المکرّم میں واقع ہے اور سن نبوی مکی کے احوال کے ضمن میں معلوم ہو گیا ہو گا کہ دسویں سن نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ اور سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہما سے نکاح فرمایا تھا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھ سال کی تھیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو میرے والد محترم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے محلّہ سخ بن حبیب بن لیاف یا خارجہ بن زید میں قیام فرمایا۔ جس دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کے مرد و زن کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میری والدہ نے میری بالوں میں کنگھی کی اور مانگ نکالی اور میرا منہ دھلایا اور مجھے لیکر وہاں آئیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز تھے۔ چونکہ میرا سانس پھول گیا تھا اس لیے کچھ دیر توقف کیا۔ اس کے بعد وہ مجھے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں آئیں میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سریر پر تشریف فرما ہیں۔ میری والدہ نے مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بٹھا دیا۔ اور عرض کرنے لگیں "یا رسول اللہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپ میں ان کی وجہ سے برکت دے۔" اس کے بعد تمام لوگ گھر سے چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ زفاف فرمایا۔ کوئی اونٹ یا بکری ذبح کر کے عروسی کھانا (ولیمہ) تیار نہ کیا۔ البتہ دودھ کا ایک پیالہ جو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، کے گھر سے آیا ہوا تھا۔ میں اس دن نو سال کی تھی۔

اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس سے مروی ہے وہ کہتی ہیں میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے زفاف کے دن موجود تھی۔ خدا کی قسم! اس دن کوئی ولیمہ کا کھانا موجود نہ تھا بجز دودھ کے ایک پیالہ کے جس میں سے کچھ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا اور بقیہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا وہ پیالہ لینے سے شرما رہی تھیں۔ میں نے کہا نبی کے دست مبارک کو رد نہ کرو۔ پی لو۔ تب انہوں نے شرماتے ہوئے لے لیا اور تھوڑا سا پیا۔

مدینہ منورہ میں مہاجرین کا بیمار ہونا

اسی سن میں بعض مہاجرین مدینہ کی آب و ہوا میں بیمار ہو گئے اس زمانہ تک مدینہ کی زمین، وبا اور بخار والی تھی لیکن بعد از قدوم برکت لزوم، متبدل بہ طیب وصحت وسلامت ہو گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا سے اس شہر پاک کی وبا اور بخار کو جحفہ میں جو شرک وطغیان کا گھر تھا منتقل کر دیا۔ حضرت ابوبکر، حضرت بلال اور حضرت عامر رضی اللہ عنہم بھی اس کی وبا میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار نے گھیرا تو وہ اس حالت میں کہنے لگے۔

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ   وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

یعنی ہر شخص اپنے اہل میں صبح کرنے والا ہے، حالانکہ موت، اس کی جوتی کے بندھن سے زیادہ قریب ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کی مزاج پرسی کیلئے آئی ہوتی تھیں۔ انہوں نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں خدا کی قسم! میرے والد ہوش میں نہیں ہیں۔ انہیں خبر نہیں کہ وہ اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہیں، اور حضرت بلال و عامر رضی اللہ عنہما کو دوسرے گوشہ میں مبتلا دیکھا۔ وہ کفار مکہ پر لعنت بھیج رہے تھے کہ انہوں نے مکہ سے نکال دیا۔ وہ مکہ کے چشموں، باغوں اور مرغزاروں کی یاد میں اشعار پڑھ رہے تھے اور بحکم طبع واویلا اور بخار کی مدہوشی میں ہذیان میں مبتلا ہیں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے احوال کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''خداوند ہمارے دلوں میں مدنیہ منورہ کو ایسا محبوب بنادے جیسا کہ ہم مکہ مکرمہ سے محبت رکھتے ہیں یا اس سے زیادہ اور مدینہ کی ہوا کہ ہمارے جسموں کیلئے صحیح و درست بنادے اور ہمارے صاع اور یعنی ناپنے تولنے کے پیمانوں میں بھی برکت دیدے۔ اور اس جگہ سے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرمادے۔''

اذان کی مشروعیت

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے اذان کی مشروعیت ہے اس کا تذکرہ عبادات کے باب میں تفصیل سے گزر چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں ہے بعض ارباب سیر اسے سن دوم ہجری کے واقعات میں شمار کرتے ہیں (واللہ اعلم)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

اسی سن اول ہجری کے واقعات ﷺ میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ہے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے اور وہ اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو ابلق گھوڑوں کی پرستش کرتی ہے۔ انہوں نے دین کی تلاش میں مسافرت اختیار کی سب سے پہلے انہوں نے دین نصرانی اختیار کر کے انجیل پڑھی۔ اس کے بعد انہیں عرب کی ایک قوم نے گرفتار کر لیا اور انہیں ایک یہود کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ پھر اس یہود نے انہیں مکاتب کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت سے ان کی اعانت فرمائی۔ بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ آزادی کی شرط پر انہیں خرید لیا۔ وہ دس جگہ فروخت ہو چکے تھے یہاں تک کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو اسی وقت اسلام لے آئے تھے ان کے اسلام لانے کا قصہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک طبقان تر کھجوروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ اے سلمان رضی اللہ عنہ! یہ کھجوریں کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیلئے صدقہ کا مال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اٹھا لو ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ تو وہ اٹھا کر لے گئے۔ دوسرے دن پھر ایک طباق تر کھجوروں کا لا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھا۔ فرمایا اے سلمان رضی اللہ عنہ! یہ کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیلئے ہدیہ ہیں۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ محتاجوں کو مہربانی کے طور پر دیا جاتا ہے اور اس میں دینے والے کی بلندی ہے۔ اور ہدیہ، بڑوں کی خدمت میں بطور پیش کش اور نذرانہ لایا جاتا ہے اس میں دینے والے کی پستی اور لینے والے کا ادب واحترام ملحوظ ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے ہاتھ بڑھاؤ اور کھاؤ۔ اس وقت حضرت سلمان کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک میں مہر نبوت پر پڑی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نشانی کو پہچانتے ہی اسلام لے آئے حالانکہ وہ اس وقت یہودی کے غلام تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس یہودی سے خرید لیا اور آزاد فرما دیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، کی عمر کے بارے میں جو اقوال ہیں ان میں سے ایک قول تین سو پچاس سال کا ہے اور اکثر کے

نزدیک دوسوپچیس سال ہے اورقول صحیح یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے (واللہ اعلم)
وہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر اول شاہد ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے ہی خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ جب دشمن چڑھائی کرتا ہے تو خندق کھود کر حفاظت کرتے ہیں۔ خندق کی کھدائی کے وقت مہاجرین وانصار میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان من اھل البیت یعنی سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں اور وہ ان شخصوں میں سے ایک ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔
حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انہیں ''مداین'' کا امیر (گورنر) مقرر فرمایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنی محنت سے کھاتے تھے بیت المال سے جو کچھ ملتا وہ سب صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ وہ حاجتمندوں سے محبت رکھتے تھے۔ ''اصحاب صفہ'' میں سے ہیں اور ان کے مناقب بکثرت مروی ہیں۔ انہوں نے ''مداین'' میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور وہ خود کو فرمایا کرتے ''انا سلمان بن الاسلام'' یعنی میں اسلام کا بیٹا سلمان رضی اللہ عنہ ہوں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قریش خوب جانتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں خطاب عزیز تھا۔ لیکن عمر بن الاسلام رضی اللہ عنہ، سلمان بن الاسلام رضی اللہ عنہ کا بھائی ہے۔

عقد مواخات

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہاجرین وانصار کے درمیان عقد مواخات باندھنا ہے۔ یہ رشتہ مواخات پینتالیس، پینتالیس اور ایک قول کے بموجب پچاس پچاس انصار اور مہاجرین کے درمیان باندھا گیا تھا۔ یہ عقد مواخات، باہمی یگانگت اور حق توارث میں مربوط کرنا تھا۔ یہ سب آیۂ کریمہ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ. (رحمی رشتہ والے، اللہ کے فرائض میں ایک دوسرے کے درمیان زیادہ قریب ہیں) کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد عقد مواخات منسوخ ہوگئی۔
روضۃ الاحباب میں شیخ ابن حجر سے (فتح الباری میں ابن عبدالبر سے) منقول ہے کہ مواخات ایک جدا چیز ہے جو مہاجرین کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ عقد باندھنے میں مخصوص ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رحمۃ اللہ علیہ وزبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان وعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے درمیان عقد مواخات باندھا گیا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان تو برادری کا رشتہ باندھ دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ میرا بھائی کون ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بھائی میں ہوں۔ اور فرمایا انت اخی فی الدنیا والاخرۃ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔''

تعداد نماز میں اضافہ

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے نماز حضر یعنی حالت اقامت میں نمازوں کا اضافہ ہوا۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے جب دو مہینے گزر گئے اور بعض روایتوں میں ایک سال کا گزرنا آیا ہے۔ تو اقامت کی نمازوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے مغرب کی تین رکعت کے سوا تمام نمازیں دو دو رکعت تھیں اس کے بعد نماز ظہر،

نمازعصر اور نماز عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ ہوگیا۔اور نماز فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں۔کیوں کہ ان میں قرأت طویل ہے۔اور نماز مغرب کو بھی اسی طرح برقرار رکھا کیوں کہ وہ دن کے وتر ہیں۔

صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دو دو رکعت نماز فرض کی گئی پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورۃ ہجرت فرمائی تو دو اور چار رکعت فرض کی گئیں۔اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر برقرار رکھا گیا۔'' یہ حدیث،نماز قصر کے وجوب میں احناف کی دلیل و حجت ہے۔مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعت فرض تھی بعد کو مسافر پر کمی کر دی گئی۔اس کی دلیل پر حدیث ہے کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰـهَ وَضَـعَ مِـنَ الْمُسَافِرِ نِصفَ الصَّلٰوۃِ بیشک اللہ نے اپنی نماز کو مسافر پر آدھی فرض فرمائی،بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضر میں نمازیں چار رکعت شروع ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے غرضیکہ مذہب حنفی میں قصر کا وجوب ہے اور مذہب شافعی میں رخصت و اجازت ہے اور اگر چار پڑھے تو عزیمت ہے اور احناف کے نزدیک رخصت کا اطلاق مجاز آ ہے اسکی مفصل تحقیق و تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

بھیڑیئے کا کلام کرنا

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے بھیڑیئے کا کلام کرنا ہے۔منقول ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر ایک بھیڑیا ریوڑ سے ایک بکری لے بھاگا۔چرواہا اس بھیڑیئے کے تعاقب میں گیا اور اس سے بکری چھین لے۔بھیڑیئے نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا تھا اور تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔چرواہا حیران رہ گیا اور کہنے لگا تعجب ہے کہ بھیڑیا بات کرتا ہے۔بھیڑیئے نے کہا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک شخص مدینہ کے سنگستان اور نخلستان کے درمیان گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہا ہے اور تو اس کی تصدیق نہیں کرتا اس کے بعد وہ چرواہا جو یہودی تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑیئے کے کلام کرنے کا قصہ بیان کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جبکہ آدمی اپنے گھر سے نکلے گا اور ابھی گھر لوٹ کر نہ آئے گا کہ اس کی جوتیاں اور اس کا کوڑا اس کے جانے کے بعد جو کچھ گھر میں ہوا ہے سب کی خبریں دے گا۔

اس واقعہ کو علماء صدق نبوت کے معجزات کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ بھیڑیئے کا کلام کرنا حقیقت میں معجزہ ہے۔

عاشورہ کا روزہ

اسی سن اول ہجری میں یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کے دن صحابہ کرام کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہود کو دیکھا کہ وہ روز عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے شر سے نجات پائی اور تمام قبطی لشکر دریائے نیل میں غرق ہوا تھا۔اس نعمت کے شکرانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی تمام عمر اس دن روزہ رکھتے رہے۔اس پر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو زندہ رکھنے اور اس کا اتباع کرنے کے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں۔اور منادی کو بلا کر حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ اس دن روزہ رکھا کریں۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور تمام صحابہ نے بھی روزہ رکھا۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی اس خبر کی سچائی کا علم وحی کے ذریعہ تھا۔جب ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تو روز عاشورہ کے روزہ رکھنے میں جو اہتمام و مبالغہ برتا جاتا تھا باقی نہ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے اور

جو چاہے نہ رکھے۔ بعض کتابوں سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا لیکن رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

بخاری، مسلم،، موطا، ابوداؤد اور ترمذی میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ قریش کا عاشورہ کے روزے کی پابندی کرنا غالباً شرائع سابقہ کی تلقین کے سبب ہوا اسی لیے وہ اس دن کی عظمت کرتے تھے اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا اور ان کے دلوں میں اس کا خوف بیٹھ گیا تھا تب ان سے کہا گیا کہ عاشورہ کا روزہ رکھو تا کہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے (کذافی فتح الباری) سفر السعادۃ میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اور جامع الاصول میں نسائی سے منقول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ترک نہ فرماتے تھے عاشورہ کا روزہ، عشرہ ذی الحجہ کے ورزے، ایام بیض کے روزے اور فجر کی فرض سے پہلے کی دو سنتیں نیز علماء عاشورہ کے روزے کے مراتب میں فرماتے ہیں کہ اس کی تین صورتیں ہیں۔ افضل واکمل یہ ہے کہ تین روزے رکھے جائیں یعنی نویں، دسویں اور گیارہویں کا۔ اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دو روزے رکھے جائیں نویں اور دسویں کا۔ اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صرف دسویں کا روزہ رکھا جائے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں نے آئندہ سال پایا تو نویں کا روزہ بھی رکھوں گا یعنی یوم عاشورہ کے ساتھ نویں کا روزہ بھی رکھوں گا اس سے اہل کتاب کی مخالفت مقصود تھی اور مسند امام احمد اور بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت اس سے پہلے اور اس کے بعد روزہ رکھ کر کرو۔ جیسا کہ سفر السعادۃ میں مذکور ہے۔

یوم عاشورہ کی فضیلت میں وارد ہوا ہے کہ یوم عاشورہ کا ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس سے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں دو سال کے برابر واقع ہوا ہے۔

بعض علماء نے اس ضمن میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ عاشورہ کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے ہے اور یوم عرفہ کا روزہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ہے۔

براء رضی اللہ عنہ بن معرور کی رحلت

اسی سن اول ہجری میں حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ، نے وفات پائی۔ یہ نقباء انصار میں سے خزرجی اور اسلمی ہیں اور ان پہلے مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے کہنے پر عقبہ ثانیہ کی رات میں بیعت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تہائی مال کی وصیت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے نقباء میں سب سے پہلے وفات پائی۔ وہ انصار کے سردار اور ان کے بڑے تھے۔ اہل سیر بیاں کرتے ہیں کہ انہوں نے سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے سے ایک ماہ پہلے وفات پائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ ان کی قبر کے کنارے نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَارْضَ عَنْهُ وَقَدْ فَعَلْتَ.

اسعد بن زرارہ کی وفات

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی سال واقع ہوئی ہے یہ بھی نقباء انصار میں سے ہیں اور یہ عقبہ اولیٰ اور عقبہ

ثانیہ دونوں ہی میں موجود تھے اور بیعت کی تھی ۔ یہ بنی ساعدہ کے نقیب تھے ۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں انصار کے جمع کرنے کی کوشش کی ۔ اور دین اسلام کی تائید میں سعی فرمائی اور ان کی ہی کوشش سے بکثرت انصار ایمان لائے ۔ انہوں نے کوئی گھر ایسا نہ چھوڑا جہاں جا کر اسلام کی تبلیغ نہ کی ہو ۔ ان کی وفات سن اول ہجری کے ششماہی کی ابتداء میں تعمیر مسجد شریف کے دوران ہوئی ۔ اور بقیع الغرقد میں مدفون ہوئے ۔ انصار کہتے ہیں کہ سب سے پہلے بقیع میں یہی مدفون ہوئے ۔ لیکن مہاجرین کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون ہیں ۔

اسی سال کلثوم رضی اللہ عنہ بن الہدم اور مہاجرین میں سے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون نے وفات پائی ۔ اور مشرکوں کی ایک جماعت بھی اسی سال مری ، ان میں سے عاص بن وائل سہمی عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے باپ اور ولید بن مغیرہ ، خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے باپ ہیں ۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ ، نزع کی حالت میں بہت چیخ و چلا رہا تھا ابو جہل نے اس سے کہا اے چچا اتنا کیوں چیختے چلاتے ہو؟ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ ابن ابی کبشہ کا دین مکہ میں غالب ہوگا ۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا خوف مت کرو کیوں کہ میں ضامن ہوں کہ ان کا دین غلبہ نہ پائیگا مشرکین مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے ۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ابو کبشہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص تھا جو عبادت کرتا تھا ۔ عبادت میں اس کی مشابہت کی غرض سے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منسوب کر کے ابن ابی کبشہ کہنے لگے ۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو کبشہ ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی اجداد میں سے تھا ۔

۲ ہجری کے واقعات کا ذکر

تحویل قبلہ

دوسرے سال تحویل قبلہ عمل میں آئی ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں رونق افروزی سے تقریباً سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی جاتی رہی ۔ اس طرف استقبال کرنے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مامور من اللہ تھے اس کے باوجود یہ اسلام اور اتباع دین میں یہود کی تالیف قلوب کو بھی متضمن ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ مسجد حرام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام قبلہ ہے وہی ہو ۔ اور ہمیشہ اس بارے میں نزول وحی کے منتظر رہے ۔ چنانچہ حق سبحانہ ، وتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔

اے محبوب! بے شک ہم نے آپ کو آسمان کی جانب اپنا چہرہ بار بار پھیرتے دیکھا تو ضرور ہم اسی قبلہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں ، تو اے محبوب اپنا رخ مسجد حرام کی جانب پھیر لو ۔

اس سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہو گیا اس میں اختلاف ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اس وقت آپ کا قبلہ بیت المقدس تھا یا کعبہ معظمہ ، اکثر کا خیال ہے کہ بیت المقدس ہی قبلہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس طرح رخ فرماتے کہ کعبہ آپ کے درمیان ہوتا اور قبلہ بیت المقدس ہوتا اور آپ اسی حال پر قائم رہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے ۔ اس کے بعد مسجد حرام کی طرف رخ پھیرنے کا حکم ہوا ۔ دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ قبلہ یہ تھا اور مکہ میں ہی بیت المقدس قبلہ بنا دیا گیا تھا

اوراس کی طرف آپ تین سال تک نمازیں پڑھتے رہےاور مدینہ منورہ میں رونق افروزی کے سترہ مہینے کے بعد کعبہ کوقبلہ بنایا گیا۔

منقول ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابیہ کے یہاں تشریف فرماتھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے ساتھ جواس وقت موجود تھے نماز شروع فرمادی۔ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ بنی سلمہ کی ایک مسجد بنی ہوئی تھی آپ اس میں نماز پڑھ رہے تھےاور دوسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی آپ اسی وقت کعبہ معظمہ کی جانب پھر گئے اور جو صفیں آپ کے پیچھے تھیں وہ بھی پھر گئیں اوراس طرح نماز کو پورا کیا۔بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کی وحی خارج نماز میں ہوئی تھی ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز ظہر تھی جس میں تحویل قبلہ واقع ہوا۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد شریف میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔پہلا قول زیادہ ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں یہ مروی ہے کہ سب سے پہلی نماز جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی جانب پڑھی وہ نماز عصر تھی۔ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہے ہو کہ تمام وکمال جونماز کعبہ کی جانب پڑھی ہو وہ نماز عصر تھی۔جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔

مدینہ منورہ میں جانب غرب میں مسجد فتح آدھے میل کے فاصلہ پر وادی عقیق اور بیر رومہ کے قریب ایک مسجد ہے جسے ''مسجد القبلتین'' کہتے ہیں،اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ تحویل قبلہ اسی جگہ واقع ہوا۔ظاہر ہے کہ وہ گھر اس صحابیہ کا ہوگا جہاں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔یہ جگہ ایسی ہے کہ بیت المقدس اور کعبہ معظمہ کی سمت ایک دوسرے کے مقابل واقع ہیں چنانچہ اگر بیت المقدس کی جانب رخ کریں تو کعبہ معظمہ کی طرف پشت ہوتی ہےاوراگر کعبہ معظمہ کی جانب رخ کریں تو بیت المقدس کی طرف پشت ہوتی ہے۔جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کچھ یہود ومنافقین کے،دل میں شک اور کھوٹ پیدا ہوا۔اس پر حکم رب نازل ہوا کہ:

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ — مشرق ومغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے۔سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

مطلب یہ کہ یہ حکم الٰہی سے ہے جس طرف چاہے پھیر دے۔بعض مسلمانوں نے ان لوگوں کے بارے میں (جوتحویل قبلہ سے پہلے ہی اس جہان سے رخصت ہوگئے تھے جیسے براء رضی اللہ عنہ بن معرور اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما وغیرہ دریافت کرنے لگے کہ ان کی نمازوں کا کیا حال ہے کیوں کہ انہوں نے تو بیت المقدس کی جانب نمازیں پڑھی ہیں۔اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ۔ — نہیں ہے اللہ کہ تمہارے ایمان کو رائیگا فرمائے۔

اس آیۂ کریمہ میں ایمان سے مراد،نماز ہے کیوں کے نماز ایمان کے اعمال میں اقویٰ واعظم ہے۔اور بجائے خود یہ کون سے توقف کی جگہ ہے۔وہ بھی حکم الٰہی سے تھااور یہ بھی حکم الٰہی سے ہے۔کسی حکم کا منسوخ ہونا حکم سابق کے بطلان کا موجب نہیں ہے دونوں حکم حق ہیں۔

جب تحویل قبلہ واقع ہوا تو مسجد نبوی شریف کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور مسجد قبا شریف کو بدلا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس اور صحابہ کرام پتھر اٹھاتے تھے۔

نکاح فاطمۃ الزہراء

۲ ہجری میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا۔سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت بقول صحیح،اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے جس وقت کہ قریش خانہ کعبہ کی دراڑ آنے کی وجہ سے تعمیر کررہے تھے۔اور حضرت

علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ۲ ھ کی ماہ رمضان مبارک میں ہوا اور اس کی بناء ماہ ذوالحجہ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ رجب میں نکاح ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں اور بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ احد کے بعد ہوا جیسا کہ جامع الاصول میں ہے۔ بوقت نکاح سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر شریف سولہ سال اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال تھی۔ اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اس وقت اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے پیام دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علت بیان کرتے ہوئے فرمایا میں ان کے نکاح میں وحی کا انتظار کر رہا ہوں اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیام دیا ان کو بھی اسی طرح جواب مرحمت فرمایا۔ مشکوٰۃ میں مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان کیلئے پیام دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خورد سال ہیں۔ پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کو ترغیب دی۔ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ صحابہ نے ان سے کہا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور خواص میں سے ہیں آپ جا کر ان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیام دیں۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں شرم رکھتا ہوں اور فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پیام رد فرما دیا تو میرا پیام کیوں قبول فرمائینگے صحابہ نے کہا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت زیادہ مقرب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے اور حضرت ابوطالب کے فرزند ہیں۔ جاؤ اور شرم نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضٰی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو سلام کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اے ابوطالب کے فرزند کیا بات ہے کیسے ہمارے پاس آنا ہوا۔ عرض کیا میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیام اپنے لیے پیش کروں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا و اہلاً فرمایا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت طاری ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مستغرق ہو گئے۔ اس کے بعد جب وہ کیفیت دور ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال میں آئے تو فرمایا ''اے انس رضی اللہ عنہ! رب العرش کے پاس سے میرے حضور جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دو۔ تو اے انس رضی اللہ عنہ جاؤ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ اور جماعت انصار کو بلا لاؤ۔ جب یہ سب حاضر ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ خطبہ پڑھا پھر حمد الٰہی میں فرمایا اس پر رب العزت کی حمد و ثنا ہے اور نکاح کی ترغیب دی۔ اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار سو مثقال چاندی پر مہر عقد باندھا اور فرمایا۔ ''اے علی رضی اللہ عنہ! تم قبول کرتے ہو اور راضی ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے قبول کیا اور میں راضی ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طباق کھجوروں کا لیا اور جماعت صحابہ پر بکھیر کر لٹایا۔ اسی بناء پر فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے کہ شکر و بادام وغیرہ کا بکھیر کر لٹانا عقد نکاح کی ضیافت میں مستحب ہے۔

مواہب لدنیہ نے خطبہ نکاح کو نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَحْمُوْدُ بِنِعْمَتِہٖ الْمَعْبُوْدُ بِقُدْرَتِہٖ الْمُطَاعُ بِسُلْطَانِہٖ الْمَرْهُوْبُ مِنْ عَذَابِہٖ وَسَطْوَتِہٖ النَّافِذُ اَمْرُہٗ فِیْ سَمَاءِہٖ وَاَرْضِہٖ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِہٖ وَمَیَّزَهُمْ بِاَحْکَامِہٖ وَاَعَزَّهُمْ بِدِیْنِہٖ وَاَکْرَمَهُمْ بِنَبِیِّہٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ اسْمُہٗ وَتَعَالٰی عَظَمَۃً جَعَلَ الْمُصَاهَرَۃَ سَبَبًا لَاحِقًا وَاَمْرًا مُّفْتَرَضًا وَ شَبَّحَ بِہِ الْاَرْحَامَ وَاَکْرَمَ الْاَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مَنْ

قَالَ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا فَاَمْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَجْرِىْ اِلٰى قَضَائِهٖ وَقَضَاءٌ يَجْرِىْ اِلٰى قُدْرَةٍ وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قُدْرٌ وَّلِكُلِّ قَدْرٍ اَجَلٌ وَّ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ثُمَّ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِىْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِىِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ۔ الخ۔

جزری نے ''حصن حصین'' میں ابن حبان سے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا نکاح سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھوڑا سا پانی لاؤ پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پانی لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈالا۔ اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا قریب آؤ وہ قریب آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا۔ اور فرمایا اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! میری طرف پشت کرو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شانوں کے درمیان پانی کے چھینٹے دیئے اور فرمایا اے خدا میں ان کو ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا پانی اور لاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کریں گے۔ تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر کر لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو لیا اور اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا میرے سامنے آؤ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیئے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُعِيْذُ بِكَ وَذُرِّيَّتَهٗ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا ''بِسْمِ اللّٰهِ وَالْبَرَكَةِ. کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز نکاح، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد نماز عشاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر لائے۔ پھر پانی کا پیالہ اٹھا کہ اس میں اپنا لعاب دہن شریف ڈال کر معوذتین اور دعا پڑھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وضو کیا اور فرمایا ''اے خدا یہ دونوں جانیں مجھ سے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ اے رب جس طرح تو نے مجھ سے ناپاکی کو دور کر کے پاک بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو پاک بنا'' اس کے بعد دونوں سے فرمایا۔ ''جاؤ اپنی خواب گاہ میں۔ اور فرمایا ''اے خدا ان کے درمیان محبت والفت شامل فرما اور ان میں اور ان کی اولاد میں برکت دے۔ اور ان سے پریشانی کو دور فرما۔ ان کے نصیبہ کو نیک گردان! ان پر برکت نازل فرما اور ان سے بکثرت پاک اولاد پیدا فرما۔''

خطیب بغدادی نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا ''میری لخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں۔'' انہوں نے کہا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر دیا ہے جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی چیز۔'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں کہ حق تعالیٰ نے زمین سے دو شخصوں کو برگزیدہ فرمایا جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر! اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا کیا تم راضی نہیں کہ میں نے اس سے نکاح کیا ہے جو ازروئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے۔ اور علم کے

اعتبار سے ان سب میں دانا ترین ہے۔تم میری امت کی عورتوں میں سب سے بہترین ہو جس طرح کہ مریم علیہا السلام اپنی قوم میں تھیں۔طبرانی کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور آخرت میں صالحین میں سے ہے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔''علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایک گھوڑا اور ایک زرہ رکھتا ہوں۔'' فرمایا۔'' گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے لیکن زرہ کو فروخت کر دو اور اس کی قیمت میرے پاس لے آؤ۔'' انہوں نے اسے چار سو اسی درہم میں فروخت کر دیا اور قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر بلال رضی اللہ عنہ کو دیدیا۔کہ اس سے عطر وخوشبو خرید لائیں۔اور باقی رقم ام سلیم رضی اللہ عنہ کو دی کہ اس سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے جہیز کا سامان فراہم کریں اور امور خانہ داری کا ساز و سامان مہیا کریں۔انہوں نے دو چادریں، دو کتان کی نہالی، چار بالشت کپڑا، دو چاندی کے بازو بند، گدا، تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ، اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے اور ان کو ترتیب کے ساتھ رکھ دیا۔

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امورِ خانہ داری تو اس طرح مقرر فرمایا کہ گھر کے کام مثلاً روٹی پکانا' جھاڑو دینا' چکی پینا وغیرہ سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا انجام دیں اور باہر کے کام مثلاً اونٹ کو پانی چارہ دینا اور بازار سے سودا وغیرہ خرید کر لانا یہ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ یا ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کریں۔

مروی ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خود آگ کے سامنے بیٹھ کر روٹی پکاتیں، گھر میں جھاڑو دیتیں اور چکی پیستی تھیں جس سے ان کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا تھا اور ہاتھوں میں ٹھیٹ پڑ گئے تھے اور ان کے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے۔ایک مرتبہ کسی خادمہ کی طلب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے۔جب تم سونے کا ارادہ کرو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد اللہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ میں نے صفین کی رات کے سوا کبھی بھی اس ورد کو نہ چھوڑا۔

مواہب لدنیہ میں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ولیمہ کیا۔اس وقت ان کے پاس ولیمہ کیلئے کچھ موجود نہ تھا مگر انہوں نے ولیمہ کیا اور اپنی زرہ کو ایک یہودی کے پاس جو پر گروی رکھا۔ان کے ولیمہ میں چند صاع جو، کھجوریں اور حیس کا کھانا تھا۔اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

زکوٰۃ، روزہ، رمضان، نمازِ عید فطر اور صدقہ فطر

۲ ہجری کے واقعات میں سے ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت اور نماز عید اور صدقہ فطر ہے۔یہ واقعہ اٹھارہ ماہ گزرنے کے بعد کا ہے۔جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے زکوٰۃ کی فرضیت ہو چکی تھی۔اور زکوٰۃ کی فرضیت بھی اسی سال ہوئی ہے۔لیکن بعض ہجرت سے پہلے کہتے ہیں۔انتہی۔

جہاد و قتال کا حکم

۲ ہجری کے واقعات میں سے امر جہاد و قتال کا واقع ہونا ہے۔چنانچہ حق تعالٰی نے نازل فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ — ان لوگوں کو قتال کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان کے ساتھ ظلم کیا

عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرٌ گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

اس کے سوا اور بھی آیتیں ہیں جن میں جہاد و قتال کا حکم واقع ہوا ہے۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال سے منع کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے صحابہ کرام مجروح و مضروب آتے تھے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ مجھے قتال کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ جب ہجرت فرمائی تو اس کی اجازت دی گئی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چوں کہ مکہ مکرمہ میں مشرکین بہت زیادہ تھے اور ان کو غلبہ حاصل تھا مسلمان بہت کم، خال خال اور کمزور تھے اس بنا پر رب العزت کی حکمت کا اقتضاء ہوا کہ قتال کی مشروعیت کو اس وقت تک موخر رکھا جائے جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہوں اور صحابہ کی جمعیت قائم نہ ہو چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور صحابہ کی جمعیت ہوگئی تو نصرت سے الٰہی قائم ہوئی اور ان کیلئے مدینہ منورہ ملجا و ماویٰ بن گیا اور اعداء دین کے ساتھ جہاد و قتال مستقل طور پر مشروع ہوگیا۔

غزوہ اور سریہ کی تعریف

اس میں ارباب سیر کی یہ اصطلاح جاری ہو چکی ہے کہ ہر وہ لشکر جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود موجود ہوں اسے غزوہ اور غزوات کہتے ہیں اور جس لشکر میں خود موجود نہ ہوں بلکہ کوئی فوج روانہ فرمائی ہو اسے بعث اور سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ یعنی رات میں سیر کرنا ہے۔ اور اہل سیر کی اصطلاع میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر تاخت کیلئے بھیجا گیا ہو سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ لشکر کا وہ ٹکڑا ہے جو لشکر سے جدا ہو کر جائے پھر اسی لشکر میں لوٹ کر شامل ہو جائے اور ان کی تعداد سو سے پانچسو تک ہو۔ اور اگر پانچسو سے زیادہ ہو تو اسے ''منسر'' (بروزن منبر) کہتے ہیں اور جو آٹھ سو سے زیادہ ہو اسے ''جیش'' کہتے ہیں اگر چار ہزار سے زیادہ ہو جائے تو ''جحفل'' (بتقدیم جیم برحا) اور لشکر عظیم کو ''خمیس'' کہتے ہیں جس میں پانچ ٹکڑے ہوں، مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ اور ساقہ، اور کتیبہ اور لشکر وہ ہے جو مجتمع ہو بکھرا ہوا نہ ہو۔

ان غزوات کی تعداد جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہو کر تشریف لائے ستائیس ہے۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔ اور صاحب روضۃ الاحباب کے قول کے بموجب اکیس اور ایک اور قول کے بموجب چوبیس بھی منقول ہے۔ اس کی وجہ تطبیق بھی بیان کی گئی ہے اور تعجب ہے کہ وہ قول جو صحیح بخاری میں زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے مروی ہے جو انیس غزوات کا ہے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ نو غزوات ایسے ہیں جن میں قتال واقع ہوا ہے وہ یہ ہیں غزوۂ بدر، احد، احزاب، بنو قریظہ، بنو المصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف۔

اور سرایا کی تعداد سینتالیس تھی اور بعض چھپن کہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے مروی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ''ابواء'' کا تھا اس کے بعد ''بواط'' کا اس کے بعد عشیرہ، اور ''ابواء'' ایک جگہ کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے ''ابواء'' کی اصل ''اوبا'' تھی جو وبا سے ہے۔ اس کو بدل کر ابواء نام پڑ گیا۔ اور ابواء کو ودّان (بتشدید دال) بھی کہتے ہیں بعض کتابوں میں غزوۂ ودّان بھی واقع ہوا ہے۔ اور صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ ابواء اور ودّان دو قریب قریب جگہوں کے نام ہیں ان کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے اور ''بواط'' جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جو منع کے قریب ہے۔ اور عشیرہ، تصغیرہ کے صیغہ پر ہے اور آخر میں ہاء ہے بخاری میں عسیرہ سین سے بھی آیا ہے اور عشیر شین سے بھی مروی ہے۔ لیکن غزوہ عسرۃ (بضم عین وسکون سین) بمعنی دشواری، غزوۂ تبوک کا نام ہے جو آخری غزوہ ہے۔ لوگوں نے اس میں بڑی دشواریاں دیکھیں اور بہت تکلیفیں اٹھائیں ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔ اب ہم ان تین غزوات کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان

کرتے ہیں یہاں تک کہ سریہ جات کو بھی جو درمیان میں واقع ہوئے بیان کرتے جائیں گے۔اسی ترتیب سے کتابوں میں ان واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔اب ہم ان تین غزوات کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ سریہ جات کو بھی جو درمیان میں واقع ہوئے بیان کرتے جائیں گے۔اسی ترتیب سے کتابوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہے۔

غزوۂ ابواء

سب سے پہلا غزوہ ابواء کا ہے۔روضۃ الاحباب میں ہے کہ یہ غزوہ دوسرے سال کے اول میں یا پہلے سال کے آخر میں واقع ہوا ہے۔کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ،کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا۔اور خود صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ بنی ضمیرہ کے قافلہ پر جو قریش کا ایک قبیلہ ہے تاخت کرنے کے قصد سے باہر تشریف لائے۔اور حامل لواء یعنی جھنڈا اٹھانے والے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، تھے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابواء پہنچے تو قبیلہ بنی ضمیرہ کا سردار مخشی بن عمر ضمیری صلح کے ساتھ پیش آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صلح پر راضی ہو گئے اور صلحنامہ لکھا گیا۔پھر وہ قافلہ پندرہ دن کے بعد مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔اس کے بعد اسی منزل ابواء میں اور ایک قول کے بموجب اس سے پہلے،ابو عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم چچازاد بھائی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عمر دس سال زیادہ تھی اسلام لائے۔

سریہ دار ارقم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے واپسی میں مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ساٹھ مہاجرین کے ساتھ ''دار ارقم'' کی جانب قریش کی اس جماعت کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا جو کسی مہم کیلئے مکہ سے نکلی تھی۔اور اس کا سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب تھا اور ایک قول کے بموجب عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل تھا۔مسلمانوں کے اس ''سریہ'' کیلئے ایک سفید علم تیار کیا جسے مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ (بضم ہمزہ) بن عباد بن المطلب بن عبد مناف قرشی مطلبی صاحب افک عائشہ رضی اللہ عنہا،اور اس قضیہ میں وہ مجلو دھوئے تھے انہوں نے اٹھایا۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلا علم جو لشکر اسلام کیلئے مرتب ہوا اکثر اہل سیر کے نزدیک یہی تھا۔اس قول سے وہ تقدیر درست بنتی ہے کہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کا ''سریہ'' غزوۂ ابواء سے پہلے تھا ورنہ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ غزوۂ ابواء میں جو پہلے ہے اس غزوہ میں بھی علم تھا جسے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اٹھائے ہوئے تھے۔اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے علم جو تیار کیا گیا وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے سریہ میں ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔(واللہ اعلم)

اس کے بعد دونوں طرف سے تیر اندازی ہوئی۔اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جو لشکر اسلام میں تھے انہوں نے بھی تیر اندازی کی۔سب سے پہلا تیر جو راہ خدا میں پھینکا گیا وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، کا ہی تیر تھا۔اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آٹھ تیر تھے انہوں نے چلا دیئے اور ان کا کوئی تیر خطا نہ گیا یا تو وہ کسی شخص کے لگا یا کسی سواری کے۔اور ان دونوں لشکروں کے درمیان تلوار کی جنگ نہ ہوئی اور کفار اس تصور سے کہ لشکر اسلام ان کے پیچھے موجود ہے ڈر کر راہ فرار اختیار کر گئے۔مسلمان ان کے تعاقب میں نہ گئے اور مدینہ منورہ لوٹ آئے۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود اور عتبہ بن غزوان (یہ دونوں جلیل القدر صحابی اور قدیم الاسلام ہیں) یہ دونوں کفار کے ہمراہ بغرض تجارت سفر میں تھے لشکر اسلام کے ساتھ شامل ہو گئے۔

بعث حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب

انہیں دنوں جبکہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کو بھیجا گیا تھا مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریشی تاجروں کی ایک جماعت مکہ مکرمہ لوٹ رہی ہے۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں اسی مہاجرین کا رسالہ مرتب فرما کر قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا بعض لوگ کہتے ہیں کہ انصار کے لوگوں سے یہ رسالہ مرتب فرمایا تھا حالانکہ تحقیق یہی ہے کہ انصار کو غزوہ بدر سے پہلے کہیں اور روانہ نہیں کیا گیا تھا۔ایک سفید علم ان کیلئے تیار کیا اور ابو مرشد غنوی کو اس لشکر کا علمدار بنایا۔بعض اہل سیر کے قول کی بنا پر لشکر اسلام میں سب سے پہلے جو علم تیار کیا گیا وہ یہی تھا۔حالانکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سب سے پہلا سریہ (لشکر) عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کا تھا۔اکثر کا مذہب یہی ہے۔صاحب مواہب ابن اسحٰق سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلا علم جو اسلام میں تیار کیا گیا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کا علم ہے۔لوگوں میں علم کے بارے میں جو یہ اشتباہ اور اختلاف واقع ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لشکروں کی روانگی ساتھ ساتھ اور قریب قریب ہوئی تھی۔اس بنا پر لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ان میں پہلا کون سا لشکر ہے۔صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ کا لشکر ستر ہویں مہینہ میں اور حضرت عبید رضی اللہ عنہ کا لشکر اٹھارہویں مہینہ کے شروع میں روانہ ہوا تھا وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے دونوں لشکروں کیلئے علم ایک ساتھ ہی تیار کیے گئے ہوں۔پھر ابو عبید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اٹھارہویں مہینہ کے شروع تک کسی سبب سے روک رکھا ہو اور ارادۂ الٰہی کا یہی اقتضاء ہوا۔(واللہ اعلم)

پھر حمزہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ساحل دریا کے قریب تک گیا وہاں لشکر کفار انہیں مل گیا یہ تقریباً تین سو کفار تھے اور مسلمانوں کی تعداد صرف تیس۔کفار کے اس لشکر میں ابوجہل بھی تھا۔جانبین قتال کیلئے تیار ہو گئے تھے۔مگر مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا دونوں کو جنگ سے باز رکھا۔بالآخر ابوجہل لعین اور اس کا قافلہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریہ سعد بن ابی وقاص

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر خرار (بفتح خاورائے مشددہ) کی طرف روانہ کیا۔خرار پتھروں کی ایک وادی کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے۔یہ لشکر بیس مہاجرین پر مشتمل تھا۔اورانیسویں مہینہ کے شروع میں قریش کے ایک اور قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا تھا۔اس کیلئے سفید علم تیار کیا گیا۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود اس کے علمدار تھے۔جب لشکر اسلام وہاں پہنچا تو ان سے ایک روز پہلے ہی کفار کا قافلہ وہاں سے گزر گیا تھا مسلمانوں کا لشکر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔

فائدہ: احادیث میں لواء یعنی علم کا ذکر آیا ہے۔علم اس جھنڈے کو کہتے ہیں جو جنگوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اور اس سے سپہ سالار (صاحب لشکر) کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔بسا اوقات علم کو مقدمتہ الجیش اٹھاتا ہے۔اہل لغت کی ایک جماعت نے یہ صراحت کی ہے کہ ''لواء'' اور ''رایۃ'' ہم معنٰے ہیں۔لیکن مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ان لفظوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''رایۃ'' سیاہ تھا اور آپ کا ''لواء'' سفید۔اور طبرانی کے نزدیک بھی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے۔اور ابن عدی کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اتنا زیادہ مروی ہے کہ کہ اس میں لکھا ہوا تھا لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ظاہر میں یہ روایتیں مختلف اور متغایر ہیں۔ممکن ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق عرفی ہو۔ابن اسحٰق اور ابوالاسود، عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جھنڈے کی ایجاد غزوہ خیبر میں ہوئی۔اس سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا مگر ''لواء'' کو ان سب

باتوں کو صاحب مواہب نے بیان کیا ہے لیکن ان کے درمیان فرق کو نہیں بیان کیا۔ مگر بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''لواء چھوٹے جھنڈے کو اور رائت بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ: اَللِّوَاءُ بِالْمَدِّ الْعِلْمُ. اور صراح میں ہے کہ لواء چھوٹا جھنڈا ہے رایت کا اس میں ذکر نہیں کیا ہے۔

غزوۂ بواط

دوسرے سال کے ربیع الاول کے مہینہ، اور ہجرت کے تیرہویں مہینہ کے شروع میں ''غزوۂ بواط'' واقع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سفید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور مدینہ طیبہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، کو خلیفہ مقرر کیا اور دیگر سو اصحاب کو لیکر قریش کے اس قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے جس میں امیہ بن خلف جمحی تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس کے ساتھ قریش کے سو آدمی تھے اور ڈھائی ہزار اونٹ اس کے پاس تھے۔ مگر دشمنان دین سے مڈبھیڑ نہ ہوسکی اور بواط پہنچ کر واپس تشریف لے آئے۔

غزوۂ عشیرہ

اس کے بعد غزوۂ عشیرہ واقع ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے جمادی الاولیٰ میں اور ایک روایت میں ہے جمادی الاخریٰ میں ہجرت سے سولہویں سال کے شروع میں ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ ایک اور روایت میں ہے کہ دو سو صحابہ کے ساتھ باہر تشریف لائے اور سفید علم درست کر کے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، کے سپرد فرمایا اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد کو مدینہ منورہ کا عامل بنا کر اس قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے جس میں ابوسفیان ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کی غرض سے جارہا تھا اور مقام عشیرہ تک پہنچ چکا تھا۔ چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ قیام فرمایا جب متحقق ہوگیا کہ ابوسفیان کا قافلہ پہلے گزر چکا ہے تو بنی مدلج، کنانہ کی جماعت سے صلح اور معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے کہ صلحنامہ تحریر کر کے مدینہ طیبہ واپسی ہوئی۔

کنیت ابوتراب کی وجہ

روضۃ الاحباب اور معارج النبوت میں مذکور ہے کہ اسی سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب رکھی، اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت علی مرتضیٰ غزوۂ عشیرہ میں کھجور کے ایک درخت کی جڑ میں سو رہے تھے۔ وہ زمین ریتلی تھی اور ہم گرد آلود ہوگئے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سرہانے تشریف لائے اور ہمیں جگایا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''یا اباتراب'' اس کے بعد فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں کہ تمام لوگوں میں بدبخت کون ہے؟'' حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ضرور خبر دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تمام لوگوں میں دو شخص سب سے زیادہ بدبخت ہیں ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اور دوسرا وہ جو تمہارے محاسن (یعنی داڑھی) کو گلگوں کرے گا اور خون سے رنگے گا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جاتے اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر اور چہرے سے گرد جھاڑتے جاتے تھے ان دونوں کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے لیکن مشہور قصہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب ہونے کی وجہ یہ ہے جسے بخاری و مسلم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن سعد ساعدی سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اس سے پہلے وہ گھر سے باہر تشریف لے جا کر مسجد میں سو گئے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو فرمایا کہ تمہارے ابن عم یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اسی طرح کہتے ہیں اور شوہر وغیرہ نہیں کہتے۔سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے اور وہ غصہ میں باہر چلے گئے ہیں اور انہوں نے میرے پاس قیلولہ (دوپہر کا آرام) نہیں کیا۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں تو وہ شخص آیا اور اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مسجد میں آرام کر رہے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ان کے سرہانے تشریف لائے اور ان کو پہلو پر سوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا ان کے پہلو پر نشانات پڑے ہوئے تھے اور ان کا بدن شریف خاک آلود ہو گیا تھا۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قم ابا تراب'' ابوتراب اٹھو۔اس روز سے ان کی کنیت ابوتراب ہو گئی۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی یہ کنیت اپنی اصل کنیت ابوالحسن کے مقابلہ میں بہت محبوب اور گرامی تر جانتے تھے۔ان کے مخالفین و معاندین اس کنیت کو بغرض تنقیص و تحقیر بولتے تھے حالاں کہ اس میں ان کی کمال تعظیم و تکریم ہے (رضی اللہ عنہ)

غزوۂ بدر اولیٰ یا سفوان

اسی سال مدینہ منورہ کی چراگاہ سے کرز بن جابر فہری ان اونٹوں کو ہنکال کر لے گیا جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اونٹ تھے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لواء مرتب فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔اور پھر زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر فرما کے خود ایک جماعت صحابہ کے ساتھ اس وادی تک پہنچے جسے سفوان (بفتح سین وسکون فا) کہتے ہیں اور بدر کے نواح میں ہے لوگ اسی سبب سے اس کو غزوۂ بدر اولیٰ کہتے ہیں۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ کرز یہاں سے گزر چکا ہے وہ ہاتھ نہیں آیا۔پھر یہ لشکر وہاں سے مدینہ منورہ لوٹ آیا۔لیکن اس کو بھی غزوات میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض اس کو غزوۂ بدر اولیٰ کا نام دیتے ہیں۔روضۃ الاحباب کے حاشیہ پر غزوات کے جو نام لکھے گئے ہیں اس میں اس غزوہ کا نام ''طلب کرز بن جابر فہری'' دیا گیا ہے اور مواہب میں غزوۂ بدر اولیٰ کہا گیا ہے۔

سریہ عبداللہ بن جحش

اسی سال سریہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش واقع ہوا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاحبزادے اور سیّدنا زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ان کو آٹھ افراد کے ساتھ اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ اکابر صحابہ کے ساتھ (سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، عکاشہ بن محصن، عتبہ بن غزوان، واقد رضی اللہ عنہ بن عبداللہ تمیمی وغیرہ) روانہ فرمایا اور یہ لشکر عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش ''امیر المومنین'' کے نام کے ساتھ موسوم ہوا۔اہل سیر جو یہ کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کا سب سے پہلے امیر المومنین لقب مقرر ہوا اس کا یہ مطلب ہے کہ تمام خلفا میں سب سے پہلے جس خلیفہ کو امیر المومنین کے لقب سے ملقب کیا گیا وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، تھے

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہوا ایک خط حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو دیا اور فرمایا دو روز تک اسے نہ پڑھنا۔اور دو دن کے بعد اسے پڑھنا خدا کو ہی بہتر معلوم ہے کہ دو دن تک خط کے مضمون کو چھپانے کا مقصد کیا تھا۔اور اس میں کیا حکمت پنہاں تھی۔غرض کہ دو دن کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس خط کو پڑھا اور اس پر عمل کیا۔خط کا مضمون یہ تھا۔ ''اے عبداللہ رضی اللہ

عنہ، خدائے عزاسمہ کے نام اور اس کی برکت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس جگہ تک جاؤ جس کا نام 'بطن نخلہ'' ہے۔ وہاں قیام کرو اور قریش کے قافلہ کی گھات میں بیٹھ جاؤ۔ اور تمہیں لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا جو جانا چاہے جائے اور نہ چاہے لوٹ آئے۔'' جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خط کے مضمون سے باخبر ہوئے تو فرمان نبوی کے بموجب بطن نخلہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جوان کے ساتھیوں میں سے تھے اپنا وہ اونٹ جس پر یہ دونوں باری باری سوار ہوتے تھے گم کر بیٹھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کر کے اونٹ کی تلاش میں چلدیئے اور پیچھے رہ گئے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بطن نخلہ پہنچے اور اس منزل میں قریشی قافلہ کی گھات میں بیٹھ گئے۔ اچانک قریش کا قافلہ طائف کی جانب سے مویز منقی، خشک چمڑا اور طائف کا دیگر ساز و سامان لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ کفار کے اس قافلہ میں عمرو بن الحضر می، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھا۔ اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے۔ انہوں نے جلدی کی کہ مبادا ماہ رجب آ جائے اور شہر حرام کی بے حرمتی لازم آئے۔ انہوں نے قافلہ والوں پر حملہ کر دیا اور واقد رضی اللہ عنہ بن تمیمی نے ایک تیر عمر بن الحضر می کے مارا۔ جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا گیا۔ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور اس قافلہ کا کل مال اور تمام مال و متاع غنیمت میں ہاتھ آیا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا مال غنیمت اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان پہلے قیدی تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش مال غنیمت اور ان قیدیوں کو بارگاہ رسالت میں لائے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ انہوں نے مال غنیمت کو اع۔ پنے ساتھیوں میں تقسیم کر لیا اور پانچواں حصہ (خمس) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جدا کر لیا۔ اس وقت تک خمس کی آیت نازل نہ ہوئی تھی۔ جب مشرکین اور یہود کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے طعنہ زنی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحابہ نے ماہ حرام کو حلال بنا لیا اور خون بہایا ہے اور انہوں نے ماہ حرام کی بے حرمتی کی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت اور قیدیوں کو موقوف رکھ کر فرمایا کہ کوئی مال غنیمت میں تصرف نہ کرے اور حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ جحش سے فرمایا کہ میں نے تم کو خبردار نہیں کیا تھا کہ ماہ حرام میں قتال نہ کرنا آپ نے تنبیہ فرمائی۔ اور ان کے ساتھیوں پر بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور لشکر کے تمام ساتھی ملول و غمزدہ ہو گئے اور اپنے کیے پر بے حد پشیمان ہوئے ہر چند کہ انہیں اس میں اشتباہ لاحق ہوا تھا پھر بھی انہیں یہ ڈر تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر کہیں غضب نہ نازل ہو اور ساتھ ہی یہ بھی امید تھی کہ حق تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما کر شاید درگزر فرمائے۔ یہاں تک کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔

اے حبیب تم سے حرمت والے مہینہ کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ اس میں قتال کیسا ہے؟ تو فرما دو اس میں قتال بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روک کر وہاں کے رہنے والوں کو نکالنا اس سے بہت بڑا گناہ اللہ کے نزدیک ہے اور فتنہ قتل سے بہت بڑا ہے۔

مطلب یہ کہ ہاں! حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا گناہ ہی نہیں بلکہ بڑا گناہ ہے لیکن تمہارے (کفار کے) گناہ اس سے بھی بڑے ہیں تم لوگوں کو اسلام سے روکتے اور انہیں پھیرتے ہو اور انہیں ان نیکیوں سے باز رکھتے ہو جو خدا سے ملانے والی ہیں، تم خدا کے ساتھ کفر کرتے ہو اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہو اور اس مسجد سے نبی اور مسلمانوں کو نکالتے ہو یہ اس سے بھی بڑا گناہ ہے جو اہل سریہ نے کیا ہے وہ بھی اہل سریہ کا گناہ گمان و اشتباہ اور التباس پر مبنی تھا (جان بوجھ کر نہ تھا) مگر تم جو شرک و اخراج وغیرہ کا ارتکاب جان

بوجھ کر کررہے ہو وہ ابن حضرمی کے قتل اور ابن کیسان کی قید سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا تم ان پر طعن وتشنیع کی زبان کیوں کر دراز کر سکتے ہو۔'' اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے دل پر سے غم کا بوجھ اتر گیا۔ اور ان کے ساتھیوں نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقوف شدہ مال غنیمت کو تقسیم کر کے خمس کو قبول فرمایا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس مال غنیمت کو غزوۂ بدر کے بعد اس کے اموال غنیمت کے ساتھ تقسیم فرمایا۔

اس کے بعد اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے قیدیوں کیلئے حکم وعثمان کا فدیہ بھیجا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے گا جب تک کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ نہ آ جائیں گے ان کے اونٹ گم ہو گئے تھے اور یہ دونوں ان کی تلاش میں جانے کے بعد اب تک مدینہ طیبہ واپس نہ آئے تھے۔ پھر جب یہ دونوں مدینہ طیبہ آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حکم'' کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو کر نیکوکار بن گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے ''بیر معونہ'' کے روز شہادت پائی۔ اور عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور حالت کفر میں ہی مرا۔

غزوۂ بدر

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس غزوہ کو ''غزوۂ بدر کبریٰ'' اور ''غزوۂ بدر عظمیٰ'' بھی کہتے ہیں۔ بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب ومشہور ہے اس نے اس جگہ پڑاؤ کیا تھا۔ یا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے جس نے یہاں کنواں کھودا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدتوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا۔ اس بناء پر اس بستی کو اسی کے نام سے منسوب کر دیا۔ یا اس کا نام اس بناء پر ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف وشفاف تھا کہ اس میں بدر کامل نظر آتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں یہ بہت عظیم غزوہ تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ دین کی عزت وشوکت روشن ہوئی اور اسلام کا ناموس تاباں ہوا۔ اس دن کو ''یوم الفرقان'' سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق وامتیاز رونما ہوا تھا فرمایا: یوم التقی الجمعان مطلب یہ کہ مسلمان اور کافر اس دن جمع ہوئے اور اس دن حق تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا اور کفر کی بنیادوں کو شکست و پائمال کر کے ذلیل وخوار بنایا۔ حالانکہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنان دین کی تعداد زیادہ تھی اور کفار جنگ کے پورے ساز وسامان سے لیس ہو کر اتراتے اور تکبر کرتے آئے تھے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی اور اپنے دین کو مضبوط وقوی فرمایا اور اس کے جاہ وجلال کے چہرے کو منور وروشن بنایا۔ اور شیاطین کو ذلیل وخوار کر کے ان کو روسیاہ کیا۔ اور اپنے مسلمان بندوں پر اس کا احسان ظاہر کرتے ہوئے فرمایا **لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ** ۔ یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی درانحالیکہ تم بے سروسامان تے۔ تاکہ جان لیں کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہے۔ نہ کثرت وقلت کی بناء پر **وما النصر الا من عند الله العزیز الحکیم** کوئی مدد نہیں مگر عزت والے حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اس غزوہ کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے انیسویں مہینہ میں بارہ رمضان مبارک کو روانہ ہوئے تھے۔ بعضوں نے آٹھ رمضان کہا ہے اور قتال سترہ رمضان مبارک روز جمعہ واقع ہوا بعض نے کہا کہ شنبہ تھا آپ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ انصاری کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ بنایا تھا۔ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت انصار بھی تھی۔ اس سے پہلے کسی غزوہ یا کسی سریہ میں انصار نے شرکت نہ کی تھی۔ کیوں کہ بیعت عقبہ میں ان کے ساتھ یہ عہد و پیمان ہوا تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور

دشمنانِ دین سے مدافعت اپنے گھروں میں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے واقعی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ چھوڑا کہ کوئی آپ کے حال سے تعرض کرتا اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں سے ستتر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں صرف تین سو پانچ اصحاب تھے۔ اسی مہاجرین اور بقیہ انصار تھے۔ اور بقیہ آٹھ اصحاب وہ تھے جو کسی عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے مگر اموال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا گیا تھا اہل سیر ان کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے تین مہاجرین میں سے ہیں ایک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی زوجہ سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور تیمارداری کیلئے رکے تھے۔ دوسرے طلحہ اور تیسرے سعید رضی اللہ عنہ بن زید ہیں جو مشرکین کے قافلہ کی جستجو میں گئے ہوئے تھے۔ اور پانچ انصار تھے جن کے نام سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ شمشیریں تھیں۔ اور ایک ایک اونٹ پر کئی کئی مسلمان سواری کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہما شریک تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو دونوں عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سوار ہی رہیئے ہم آپ کے رکاب کی سعادت میں پیدل چلیں گے حضور فرماتے ''تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔''

مشرکوں کی تعداد، ایک ہزار یا نو سو یا پانچسو پچاس جنگی مردوں کی تھی۔ ایک قول کے بموجب ایک ہزار سے کم اور نو سو سے زیادہ تھی۔ اور ان کے ساتھ سو گھوڑے اور سات سو یا کچھ زیادہ اونٹ تھے جو پورے شوکت و کروفر اور مکمل ساز و سامان اور بڑے غرور و تکبر میں تھے۔ ان کے سوا بھی زرہ پوش تھے اور پیادہ بھی زرہ پوش تھے۔ ان کے ہمراہ گانے والی عورتیں اور آلات طرب بھی تھے۔ یہ جس پانی کے کنارے پڑاؤ کرتے وہاں ان کی ڈومنیاں اور طوائفیں ساز بجا کر اور گا گا کر اہل اسلام پر زبان طعن دراز کرتی تھیں۔ قریش کے سرداروں میں سے ہر روز کوئی نہ کوئی سب کو کھانا دیتا اور ہر روز گیارہ اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

بدر کا واقعہ مسلمانوں کے بغیر قصد و ارادہ اور منصوبہ بندی کے واقع ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اس جنگ کیلئے پہلے سے تیار نہ تھے۔ وہ تو قریش کے اس بڑے قافلہ کی سرکوبی کیلئے مدینہ سے نکلے تھے جو شام سے آ رہا تھا اس میں قریش کا کثیر مال تجارت تھا اور اس کا امیر قافلہ ابوسفیان تھا۔ اس میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ تیس سواروں پر مشتمل تھا یہ لوگ جب بدر کے قریب پہنچ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی آپ نے صحابہ سے فرمایا وہ قافلہ آ رہا ہے جس کے ساتھ اموال کثیرہ بھی ہے اور دشمنوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ لہٰذا اس کی سرکوبی کیلئے چلو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس طرح تمہیں سامان عطا فرمائے۔'' ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے رب! مسلمان پیادہ ہیں، اپنے فضل سے انہیں سوار کر، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما، یہ عریاں ہیں انہیں لباس دے، یہ فقیر ہیں انہیں تونگری دے۔'' چنانچہ جب یہ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے بکثرت اونٹ، کپڑے، رزق اور اموال نہ ملا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ اور سعید رضی اللہ عنہ بن زید کو قافلہ کے حالات کی جستجو کیلئے بھیجا انہوں نے مدینہ منورہ واپس آ کر قافلہ کے حالات بتائے۔ جب ابوسفیان اس جگہ پہنچا تو وہاں کے لوگوں سے اس نے دریافت کیا کہ کیا تم کوئی خبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے جاسوسوں کی رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ''دو شتر سوار فلاں جگہ آ کے اترے تھے۔ ابوسفیان نے بسرعت اس جگہ پہنچ کر اونٹوں کی مینگنیوں کو چیر کر دیکھا کہ اس میں کھجور کی گٹھلیوں کے ریزے ہیں یا نہیں۔'' وہ کہنے لگا ''خدا کی قسم! ان اونٹوں نے یثرب کی کھجوروں کا چارہ کھایا ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جاسوس تھے چنانچہ اس نے اس راستہ کو چھوڑ دیا اور بدر کی طرف ساحلی راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور

تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔ جب وہ حضور اور ان کے صحابہ کے ارادوں سے باخبر ہوا تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ مکرمہ اپنی مدد کیلئے روانہ کیا تا کہ وہ مکہ والوں کو بتائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر تاخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جتنی جلد ممکن ہو وہ قافلہ کی مدد کیلئے پہنچیں اور اپنے اموال کی حفاظت کریں۔'' ضمضم غفاری بسرعت تمام مکہ مکرمہ پہنچا اور کفار قریش کو حالات سے باخبر کیا۔ جب ابوجہل لعین نے یہ خبر سنی تو کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس خیال میں ہیں کہ یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی جیسا ہے۔ خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے۔''

مروی ہے کہ ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا کہ کچھ شتر سوار آئے ہیں اور مقام ''ابطح'' میں کھڑے باآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ اے قریش کے لوگو! جلدی کرو اور اپنے قتل کی جگہ آؤ۔'' جب ابوجہل لعین کو اس خواب کی خبر ملی تو وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا ''اے ابوالفضل رضی اللہ عنہ! یہ عورت تم میں کب سے بنی ہوئی ہے اور کہا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہارے مرد ہی نبوت کا دعویٰ کریں اب یہ عورت بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی ہے۔ تین دن تک میں انتظار کرتا ہوں اگر اس واقعہ پر کوئی اثر مترتب نہ ہوا تو میں عرب کے تمام قبائل کو لکھ کر بھیج دوں گا کہ تم یعنی بنی ہاشم عرب میں سب سے زیادہ دروغ گو ہیں۔'' ضمضم غفاری سے بھی اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ جس وقت میں قافلہ سے جدا ہو کر مکہ کی طرف چلا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک اونٹ پر سوار ہوں اور ایک ایسی گھاٹی سے گزر رہا ہوں جو خون سے لبریز ہے۔ چنانچہ جب میں بیدار ہوا تو میں نے جان لیا کہ قریش کو کسی بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا، ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ضمضم غفاری کے اس خواب سے بنی ہاشم ازحد مسرور وخرم ہوئے کیونکہ یہ خواب، عاتکہ کے خواب کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کے بعد اہل مکہ نے تیاری شروع کر دی اور مقرر کیا کہ ہر وہ شخص جن کو مکہ میں کوئی کام ہے ان میں سے ایک باہر آ جائے یا اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج دے، قریش کے سرداروں میں سے ابولہب کے سوا کسی نے اس میں توقف وتخلف نہ کیا۔ اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن المغیرہ کو بھیجا اور امیہ بن خلف جمحی نے بھی چاہا کہ مکہ سے باہر نہ جائے اس بنا پر کہ اسے خبر ملی تھی کہ ایک وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی کہ اُمیہ بن خلف کو میرے صحابہ ماریں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کفار قریش کے نزدیک بلا شک وتردد صادق تھی۔ اس پر ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوصفوان! تو وادی مکہ والوں کا سردار ہے جب لوگ جانیں گے کہ تو پیٹھ دکھا رہا ہے تو سب ہمت ہار بیٹھیں گے اور یہ مہم پوری نہ ہو سکے گی اور اس نے اتنا اصرار کیا کہ وہ جانے پر راضی ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل لعین نے خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر آواز لگائی کہ ''اے مکہ والو جلدی کرو جلدی نکلو اور اپنے اموال اور اپنے قافلہ کے پاس پہنچو اگر تم سے پہلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب پہنچ گئے تو پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔'' اس پر ایک ہزار جنگی لوگ نکل آئے اور بصد کروفر، غرور وتکبر اور پورے ساز وسامان، آلات غنا اور ملاہی کے ساتھ چل پڑے جیسا کہ مذکور ہوا۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے نکلنے کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس مشاورت منعقد کی اور فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا تو قافلہ ہو یا قریش کا لشکر مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے نزدیک قافلہ زیادہ عزیز تھا۔ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کرنے کا ہم سے ذکر کیوں نہ فرمایا تا کہ ہم اس کی تیاری کرتے اور ساز وسامان فراہم کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قافلہ تو ساحلی راستہ سے گزر گیا۔ اور اب ابوجہل تمہارے مقابل آ رہا ہے۔ صحابہ کہنے لگے یا رسول اللہ! قافلے ہی کا پیچھا کیجئے اور قتال سے بچئے۔'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آئے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت عمدہ باتیں کہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ، نے بھی نفیس ترین باتیں کیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور انہیں دعائے خیر دی اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام میں غور وفکر فرمایئے ان باتوں کو چھوڑیئے، خدا کی قسم! اگر آپ ہمیں ''عدن'' (ایک مقام کا نام ہے) تک لیجائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی ایک بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔'' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن عمرو کھڑے ہوئے انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہئیں ہمیں لے جائیں ہم کبھی بھی وہ بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلاً اِنَّا الخ .... حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑنے والوں میں سے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے۔ اگر چہ آپ ''برگ غماد تک جائیں'' ''برگ غماد'' حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے مشورہ دو، یہ خطاب انصار کی طرف تھا اور اس سے مقصود ان سے استمزاج واستکشاف حال تھا۔ اس کلام کی شرح میں مفسرین کہتے ہیں کہ چونکہ بیعت عقبہ کے وقت انصار نے کہا تھا کہ ہم آپ کے اس عہد سے اس وقت تک باہر ہیں جب تک کہ آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز نہیں ہوتے اور جب آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز ہو جائیں گے تو یہ ہمارا عہد و پیمان ہے کہ ہم آپ کی دشمن سے حفاظت اور ان سے مدافعت کریں گے اور آپ کی ہر اس چیز سے حمایت کریں گے جس چیز سے اپنی جانوں، اپنی اولاد، اور اپنی بیبیوں کی حمایت کرتے ہیں۔'' ان کی اس بات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی حمایت اس وقت تک مخصوص ہے جب تک آپ مدینہ میں تشریف فرما ہوں اور چونکہ مذکورہ حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما نہیں تھے اس لیے انصار کی حمایت شامل حال نہیں رہتی حالانکہ انصار کی مراد یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور ان کے یہاں اقامت فرمانے کے بعد ہمیشہ اور ہر حالت میں آپ کی خدمت وحمایت میں رہیں گے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ خطاب ہماری طرف ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں!'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے ہر اس چیز کی گواہی دی ہے جو آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کے ذریعہ ہم نے آپ کو تصدیق فراہم کی ہے۔ اور آپ کی سمع وطاعت اور فرمانبرداری پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ دلایا ہے۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! چلیے جہاں آپ کی مرضی ہو، قسم ہے اس ذات کریم کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اگر آپ چلیں اور ہمیں دریا میں ڈال دیں تو ہم دریا میں بھی پھاند جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں اپنے دشمنوں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم دشمن سے مڈبھیڑ ہو جانے پر صبر کرنے والوں اور صادقوں میں سے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہماری طرف سے آپ کو ایسا دکھائے گا جس سے آپ کے قلب ونظر کو روشنی اور ٹھنڈک حاصل ہو۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہئیں ہمیں لے جایئے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنی برکت کے ساتھ تمہیں خوش رکھے تمہیں مژدہ ہو کہ فتح ونصرت تمہاری ہی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر غالب فرماؤں گا خواہ قریش کا قافلہ ہو یا قریش کا لشکر، خدا کی قسم! گویا میں ان کے ہلاک ہونے کی جگہ اور ان کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے بدر میں مارے

جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا ''یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کی جائے کشتن ہے اور ایک ایک مارے جانے والے کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا۔ اوران میں سے کوئی ایک بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کے برخلاف نہ مارا گیا۔

تنبیہہ: صاحب مواہب کا کہنا ہے کہ ابن سیّد الناس سے (جو ''عیون الاثر میں ہے) مروی ہے کہ بطریق مسلم ہم نے اسے بیان کیا ہے کہ یہ قول سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حالانکہ یہ سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے روایت کردہ ہے۔ لیکن مشہور سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ سے ہے۔ ابن اسحٰق وغیرہ بھی ایسا ہی روایت کرتے ہیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے بدر میں حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور ابن عقبہ نے بدریین میں ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ابن اسحٰق نے ذکر کیا۔ واقدی، مدائنی اور ابن کلبی ان کو بدریوں میں شمار کرتے ہیں، انتہی۔ جب قریش کا لشکر منزل جحفہ میں اترا تو جہم بن الصلت بن مخزوم بن المطلب بن عبد مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آ رہا ہے اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے وہ کہہ رہا ہے کہ عقبہ شیبہ، ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل لعین) امیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں اس کے بعد ایک چھری اس نے اپنے اونٹ کی گردن میں ماری اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس میں اس کا خون نہ ٹپکا ہو۔ اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔'' اس واقعہ کی خبر جب ابوجہل کو ہوئی تو کہنے لگا کہ بنی المطلب میں سے یہ ایک اور نبی پیدا ہوا ہے عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہیں۔ جیسا کہ ہم نے جمعیت وطاقت فراہم کی ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل سرگروہ ملاعنہ، ہمیشہ ہی انکار واستہزاء میں گرفتار اور بارگاہ نبوت کے ساتھ بیہودہ گوئی میں مشغول رہا ہے۔ جیسا کہ اس ناپاک کی زبان سے نکلا ہے ''کہ عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہیں۔'' وہ خود دیکھ لے گا کہ اسے کس نے ہلاک کیا ہے وہ عفراء کے دونوں فرزند معاذ ومعوذ ہیں جنہوں نے اسے زخمی کر کے ذلت وخواری کے ساتھ خاک وخون میں لتھیڑا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آکر اس شقی کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کیا۔ (نعوذ باللہ من الشقاوۃ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو خطرے سے نکال لے گیا تو اس نے کسی کو قریش کے پاس بھیجا کے قافلہ اب خطرے سے نکل آیا ہے لہٰذا تم لوگ لوٹ آؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درپے نہ ہو۔'' قریش کے عقلاء اور ان کے مدبرین بھی انہیں اس سے منع کرتے اور باز رکھتے تھے۔ عتبہ وشیبہ بھی انہیں مانعین خروج میں سے تھے۔ عداس نصرانی جو عتبہ وشیبہ کے غلام تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے وہ بھی اپنے مالکوں کو یہی رائے دے رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھ جنگ نہ کرو اور شقاوت وبدبختی میں مبتلا ہونے سے باز آ جاؤ۔ لیکن ابوجہل خون گرفتہ مصر تھا جو اس فتنہ وفساد سے باز نہ آتا تھا وہ کہتا تھا کہ ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔ خدا کی قسم! ہم بدر میں پہنچنے سے پہلے واپس لوٹ نہیں سکتے۔ وہاں ہم تین دن ٹھہریں گے۔ اپنے اونٹوں کو ذبح کریں گے، جشن منائیں گے، شرابیں پئیں گے گانے سنیں گے اور خوب لطف اندوز ہوں گے۔ تا کہ ہماری عظمت وشوکت کا غلغلہ ہر طرف کے قبائل عرف میں پھیل جائے۔ اس کے بعد وہ ہم سے ڈرا کریں گے۔''

بدر میں ہر سال قبائل عرب کا ایک میلا لگا کرتا تھا۔ اس ابوجہل لعین نے جو کچھ اپنی زبان سے کہا وہ گویا اپنی زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ہم بدر میں پہنچے بغیر واپس نہ لوٹیں گے اور وہاں فسق وفجور اور کفر وشرک کے فساد کی گرم بازاری کیلئے جمع ہوں گے اور ذلت کی خاک میں سو کر جہنم میں جائیں گے تا کہ ہماری شقاوت وبدعاقبت کا غلغلہ سارے جہان میں قیامت تک دائم وباقی رہے اور اہل عالم اس سے عبرت وبصیرت حاصل کریں (نعوذ باللہ من سوء العاقبہ)

ابوسفیان اگر چہ قریش کو بدر جانے سے منع کرتا تھا اور انہیں روکتا تھا لیکن جب قافلہ مکہ میں پہنچ گیا تو فوراً ہی لوٹ پڑا اور یہ بھی لشکر قریش میں شامل ہو گیا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ فرمایا اور بدر کے قریب پہنچ کر نزول فرمایا۔ لشکر قریش نے دوسری جانب پڑاؤ کیا۔ قرآن کریم میں اسے اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ۔عدوہ کے معنٰے وادی کا کنارہ ہے اور دنیا دنو سے ہے جس کے معنٰے ہیں مدینہ سے قریب۔ اور قصوہ کے معنٰے بعید کے ہیں یعنی مدینہ سے دور گویا مسلمانوں نے مدینہ کے قریب وادی کے کنارے نزول کیا اور کفار نے اس سے دور کنار کی طرف جو مکہ کی جانب ہے پڑاؤ کیا۔ جس جانب مسلمان اترے تھے وعلاقہ ریگستان کا تھا جس میں ان کے پاؤں اور سواریوں کے سم زانو تک دھنستے تھے۔ اور ان پر پیاس کا بھی غلبہ تھا۔ اور جس جانب کافروں نے پڑاؤ کیا تھا اس جگہ پانی تھا جس کو انہوں نے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ انہوں نے متعدد کنویں بھی کھود رکھے تھے۔ بعض مسلمانوں نے جنبی یعنی ناپاکی کی حالت میں صبح کی تھی۔ اس وقت شیطان نے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تمہارے ساتھ خدا کا نبی ہے اور تم خدا کے محبوب ہو حالانکہ حال یہ ہے کہ مشرکوں نے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اور تم پیاس سے جاں بلب ہو اور اب جنبی و ناپاک بھی ہو گئے ہو اور تمہارے دشمن منتظر ہیں کہ تم تشنگی سے کمزور اور تمہارے قویٰ مضمحل ہو جائیں تو وہ جس طرح چاہیں تمہیں نیست و نابود کرنے کا حکم دیں۔'' اور اس وسوسہ شیطانی کے دوران حق تبارک وتعالیٰ نے ایسی بارش نازل فرمائی کہ پورے وادی جل تھل ہو گئی۔ سب پانی سے سیراب ہوئے غسل کیا، وضو کیا، اونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزے بھر کر رکھ لیے اور مسلمانوں کی اقامت گاہ جو ریگزار تھی مضبوط و سخت ہو گئی اور کفار کی زمین میں کیچڑ ہو گئی۔ شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان و سکون حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ اس کی خبر اس طرح بیان فرماتا ہے کہ

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ ۔ اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس سے تم پاکی حاصل کرو، اور حق تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطان کا وسوسہ دور فرمادے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ میدان جنگ کو ملاحظہ فرمایا آپ اپنے دست مبارک کو زمین پر رکھ کر مشرکوں کے قتل ہو کر گرنے کے نشانات لگاتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے کہ فلاں فلاں اس جگہ قتل ہو کر گرے گا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی نشاندہی فرمادی چنانچہ اس جگہ سے ایک بالشت بھی تفاوت وتجاوز نہ ہوا۔

منقول ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا'' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کیلئے ایک عریشہ تیار کرتے ہیں جس میں آپ اقامت فرمائیں۔'' عریشہ اس چھوٹے سے گھر کو کہتے ہیں جو باغوں میں ٹہنیوں اور پتوں سے بناتے ہیں اس کے سایہ میں آرام کرتے ہیں اُسے عام طور پر جھونپڑی بھی کہتے ہیں اُسے اکثر کھجور کی ٹہنیوں اور اس کے پتوں سیب ناتے ہیں۔ نہایہ میں ہے کہ: اَلْعَرِيْشُ كُلُّ يُسْتَظَلُّ به عریش ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے سایہ میں آرام کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجد شریف کے دروازے میں بنایا جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عریش کی مانند میں ایک عریش تیار کرو اور خود مسجد شریف بھی ابتدائی حالت میں کھجور کی ٹہنیوں اور اس کے پتوں کی تھی۔ حدیث میں ہے کہ خود حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کی ایک جماعت کے ساتھ عریش کے باہر پہرہ دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی وحفاظت کرتے تھے۔

نیز حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ عریش میں ہی رہئیے آپ کی سواری آپ کے قریب موجود رہے گی۔ اور ہم سب جنگ میں برسرپیکار ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں غلبہ عطا فرمایا تو فبہا اور اگر کوئی

اورصورت ہوتو آپ اپنی سواری پرسوار ہوکر اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جومدینہ منورہ ہیں مل جایئے گا کیوں کہ وہ آپ کی محبت میں ہم سے کم نہیں ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بہت دعائے خیر دی۔اس کے بعد انہوں نے عریش بنایا آج اس عریش کی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔جیسا کہ دیگر مقامات اور آثار شریفہ کے جگہوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد لشکر کفار نمودار ہوا۔حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کی کہ اے رب قریش کی یہ قوم بڑے تکبر وغرور کے ساتھ آئی ہے یہ چاہتے ہیں کہ تیرے اور تیرے رسول کے ساتھ جنگ کریں۔اے خدا، میں تیری اس مدد کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔''اس وقت مسلمانوں کا لشکر بھی میدان میں آ گیا۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قریش نے ایک لشکری بھیجا تا کہ وہ اندازہ لگائے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔اس لشکری نے مسلمانوں کا چکر لگا کر بتایا کہ مسلمان کم وبیش تین سو ہیں۔پھر اس نے ادھر ادھر بھی نظر دوڑائی مگر اسے کچھ اور نظر نہ آیا۔اس نے کہا اے گروہِ قریش میں نے ان بلاؤں کو دیکھا ہے جو اموات کو اٹھائے ہوئے ہیں اور یثرب کے ان اونٹوں کو دیکھا ہے جو زہر قاتل کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔''مطلب یہ کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا تمہاری ہلاکت کا موجب ہے جب تم سب ہلاک ہو جاؤ گے تو پسماندگان کے باقی رہنے کا کیا فائدہ؟ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم لوٹ چلو اور جنگ نہ کرو۔حکیم بن حزام جو اس وقت کفار کے درمیان میں تھا اس نے جب یہ بات سنی تو وہ عتبہ کے پاس گیا اور کہنے لگا اے ابوالولید! تو قریش کا بزرگ اور ان کا سردار ہے۔کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا ذکر خیر آخر زمانہ تک رہے۔'' عتبہ نے کہا۔''اے حکیم بتاؤ کیا چاہتے ہو؟'' حکیم نے کہا۔''یہ کرو کہ لوگ واپس ہو جائیں۔'' عتبہ نے کہا۔''مجھے تمہاری بات منظور ہے لیکن ابن حنظلہ یعنی ابوجہل کے پاس جاؤ۔اور یہ اس سے کہو ممکن ہے کہ وہ آمادہ ہو جائے اور لوگوں کو واپس لے چلے۔''حکیم بن حزام بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں ابوجہل کے پاس گیا اور عتبہ کا پیام پہنچایا تو ابوجہل...... نے عتبہ کے پاس آکر اس سے کہا انتفخ منخرک یعنی'' تیرے پھیپھڑے میں ہوا بھر گئی۔'' یہ محاورہ بزدلی نامردی اور بددلی کیلئے بولا جاتا ہے یعنی تو نامرد وہ بزدل ہو گیا ہے۔اس پر عتبہ نے کا عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کا پھیپھڑا پھولا ہے اور کون بزدل بنا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ عتبہ نے ابوجہل سے کہا۔''اے اپنے سرین کو زرد کرنے والے تو مجھے سرزنش کرتا اور مجھے بزدل بتاتا ہے۔اس نے جو ابوجہل کو'' سرین کا زرد کرنے والا کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل لعین کے چوتڑوں پر برص تھا اور وہ برص کے داغ پر زعفران کے ساتھ زرد رنگ کیا کرتا تھا۔

بدر کا میدان کارزار

جب لشکر اسلام میدان کارزار میں اتر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو برابر کر کے فرمایا'' جب تک میں حکم نہ دوں دشمنوں پر حملہ نہ کرنا اور اگر وہ تمہارے قریب آ جائے تو تیراندازی شروع کر دینا لیکن اتنے اندازے سے تیر پھینکنا کہ تیر ختم نہ ہو جائیں۔''

اس جگہ ارباب سیر ایک عجیب وغریب حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے تو آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اے سواد بن عزیہ پر جو خوش طبع اور خوش فہم صحابی ہوئے ہیں وہ صفوں سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھڑی کو ان کے سینہ پر مار کر فرمایا: استویا سواد اے سواد صف کو برابر کرو۔'' سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تکلیف دہ مار مجھ پر لگائی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اور عدالت وانصاف آپ کے دست اقدس میں ہے میرا قصاص دیجئے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لباس مبارک کو اپنے سینہ اقدس سے دور کر کے فرمایا'' اے سواد اسی وقت اپنا قصاص لے لو۔سواد نے فی الفور اپنا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس پر رکھ کر اس کا بوسہ لے لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ایسا کیوں کرتے ہو؟'' عرض کیا۔'' یا رسول اللہ یہ میرا آخری وقت ہے میں اس ہنگام میں شہید ہو جاؤں گا میں

نے چاہا کہ آخر عمر میں میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

اس کے بعد لشکر کفار میں سے عتبہ بن ربعیہ اور ولید بن عتبہ نکل کر باہر آئے اور تینوں نے اپنا مقابل طلب کیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے بھی تین شخص مقابلہ کیلئے نکلے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ و معاذ رضی اللہ عنہ پسران حارث اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کفار نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے جواب دیا ہم انصاری ہیں۔ ان کافروں نے کہا تمہارے ساتھ ہمیں کوئی سروکار نہیں ہم اپنے چچاؤں کے بیٹوں کو بلاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک نے آواز دے کر کہا'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم میں سے ہمارے ہم کفو کو بھیجو، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث اور حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے فرمایا جاؤ ان کے ساتھ مبارزت یعنی مقابلہ کرو۔ پھر یہ تینوں نکلے اور میدان میں آئے اس بار ان کافروں نے کہا۔'' ہاں تم ہمارے برابری کے ہو۔ پھر حضرت عبید رضی اللہ عنہ جو بہت بوڑھے تھے اور ان کی عمر اسی سال کی تھی عتبہ کے مقابل آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے مقابل ہوئے۔ ایک روایت میں اس کے برعکس آیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے مقابلہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کر دیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل کو ہلاک کر دیا۔ لیکن حضرت عبید رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابل کے درمیان ہتھیار چلے اور ایک ضرب حضرت عبید کے زانو پر پڑی۔ اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت عبید رضی اللہ عنہ کی مدد کیلئے ان کے مقابل پہنچ گئے اور قتل کرنے میں حضرت عبید رضی اللہ عنہ کی مدد کی۔ اور حضرت عبید رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اس حال میں کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز بہہ رہا تھا۔ حضرت عبید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا'' یارسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ہاں تم شہید ہو۔'' حضرت عبید رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا اس بنا پر تھا کہ ان کی شہادت میں دیر واقع ہوئی تھی اور میدان جنگ میں فی الفور جان نہ دے سکے تھے۔ اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں می مذکور ہے کہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ نے بدر سے واپسی کے وقت وادی صفر...... یا وادی روحا میں وفات پائی اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت معوذ و معاذ دو بھائی تھے جو عفراء کے بیٹے تھے یہ دونوں بھائی ابوجہل کو تلاش کرتے پھر رہے تھے جب انہوں نے اسے دیکھا تو انہوں نے چرخ کی مانند اپنی جگہ سے زقند لگا کر تلوار کی ضرب لگائی یہاں تک کہ اسے گرا لیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کو زخمی کر کے اس کی پنڈلی جدا کر دی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھے زخمی کر دیا جس سے میرا ہاتھ میرے کندھے سے کٹ گیا۔ چنانچہ وہ ہاتھ ایک جانب لٹک گیا اور میں اس کے باوجود جنگ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اس ہاتھ سے تنگ آ گیا۔ اور اس ہاتھ کو دونوں پاؤں سے دبا کر اپنے پہلو سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت معوذ بن رضی اللہ عنہ عفراء نے تلوار کی ایک ضرب ابوجہل کے لگائی اور اسے زمین پر گرا لیا۔ لیکن ابھی اس میں جان کی کچھ رمق باقی تھی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ابوجہل کے مار ڈالنے کی خبر پہنچائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے ہر ایک بھائی مدعی تھا کہ میں نے اسے مارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا اپنی تلواریں دکھاؤ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو ملاحظہ کر کے فرمایا تم دونوں نے اسے مارا ہے۔ اور فرمایا ابوجہل کا سامان معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا جائے۔

مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس زخم کے باوجود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، کے زمانہ تک زندہ رہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ابن وہب سے روایت کرتے ہیں کہ معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا ہاتھ

ان کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا اس کے بعد وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانہ تک زندہ رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی معوذ اسی روز بدر کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوجہل کے سامان کو معاذ رضی اللہ عنہ کیلئے حکم فرمانا اسی سبب سے تھا کہ سب سے پہلے ابوجہل انہیں کے زخمی کرنے سے گر پڑا تھا۔ اگرچہ زخمی کرنے میں دونوں شریک تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: كِلاَ كُمَا قَتَلَهٗ. تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ تو یہ دونوں کے دل خوش کرنے کیلئے فرمایا تھا۔ اس حیثیت سے کہ یہ دونوں اس کے قتل کرنے میں شریک تھے۔ ورنہ قتل شرعی اس کے ساتھ متعلق ہے جسے سامان کا مستحق بنایا گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کو اس حال میں دیکھا کہ اس میں جان کی کچھ رمق موجود تھی۔ انہوں نے اس کا سر کاٹ لیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو جا کر ابوجہل کی خبر لائے اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور انہوں نے اسے مقتول پایا جسے عفراء کے دونوں فرزندوں نے قتل کیا تھا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کے سینہ پر کینہ پر چڑھ کر بیٹھے اور اس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر فرمایا ''تو ہی ابوجہل ہے اللہ نے تجھے رسوا کیا اے دشمن خدا!'' ابوجہل نے کہا'' اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے مار ڈالا کاش کہ مجھے کوئی غیر دہقانی مارتا۔'' دہقان سے اس کی مراد انصاری تھی چونکہ انصار اہل زراعت تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ ابوجہل کو اس امت کا فرعون کہا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ فرعون سے بدتر تھا اس لیے کہ فرعون جب غرق ہوا تو اس نے جان لیا کہ اس نے برا کیا تھا اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا اور دوہائی مانگی تھی لیکن یہ بدبخت آخر دم تک اسی اپنے حال میں رہا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بدبخت کا سر کاٹا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاكَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ. اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے تجھے ذلیل وخوار کیا اور دشمن خدا!'' ایک روایت میں یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ دِيْنَهٗ یعنی اللہ ہی کو حمد ہے جس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اپنے دین کو عزت بخشی اور فرمایا: مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اس امت کا فرعون مر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ شکر ادا کیا اسی جگہ سے بعض فقہاء نعمت متجددہ کے ظہور اور بلیہ مکروہہ کے دفع ہونے کے وقت سجدہ شکر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ اور علماء کا خارج نماز، سجدہ کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔ بجز سجدۂ تلاوت کے بعض نے سجدۂ تلاوت کی مانند سجدۂ شکر اور سجدۂ مناجات کو سمجھا ہے۔ مگر جمہور علماء احناف اس کے قائل نہیں ہیں اور اس حدیث میں آیا ہے اس سجدہ سے مراد نماز ہے اور ایک حدیث میں یوں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔

مروی ہے کہ جب آپ نے دونوں لشکروں کو باہم پیوست ملاحظہ فرمایا اور دست بدست لڑائی کا مشاہدہ کیا اور کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت دیکھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عریش میں تشریف لائے اور روبقبلہ ہو کر دست بدعا ہوئے اور رب تعالیٰ سے سوال ومناجات میں مشغول ہو گئے۔ عریش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بجز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ تھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے اس فتح ونصرت کو مانگا جس کا اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ اور کہا'' اے خدا اپنے اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے اور کہا'' اے خدا اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کرا دیا تو روئے زمین پر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں رہے گا۔'' یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں اتنی الحاح وزاری کی کہ آپ کے دوش مبارک سے آپ کی چادر گر پڑی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس چادر اطہر کو اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر ڈالا اور عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا ومناجات اور الحاح وزاری میں بس کیجئے جو آپ نے اپنے رب سے مانگا ہے بہت جلد حق تعالیٰ

اپنے وعدہ کو آپ کے ساتھ پورا فرمائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کی داہنی جانب آپ کے ساتھ نماز و دعا میں شریک تھے۔ اور حق تعالیٰ سے مناجات کر رہے تھے کہ اے رب اپنے کیے ہوئے وعدہ کو پورا فرما۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں روز بدر قتال میں مشغول تھا اور میں بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عریش میں آتا اور دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے ساتھ اپنے عریش میں تھے کہ یکا یک آپ پر غنودگی طاری ہوگئی پھر بیدار ہوئے تو متبسم ہو کر فرمایا ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اب خدا کی مدد آگئی اور جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آگئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانتوں پر گرد جمی ہوئی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کو جنگ پر شوق دلایا۔ اور فرمایا جو شخص جس کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کیلئے ہے۔ اور جان لو کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو حق تعالیٰ کی رضا اور طلب ثواب میں ان کافروں سے جنگ کرے گا پھر وہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے تو اس کیلئے بہشت جاوداں ہے۔''

عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ چند کھجوریں ہاتھ میں لیے کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا مجھے خوشی و مژدہ ہو کہ میرے اور بہشت میں داخل ہونے کے درمیان اب کوئی فاصلہ نہیں بجز اس کے کہ میں ان کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کہ ہاتھوں سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار کو ہاتھ میں لیکر کفار کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے اور شہید ہو گئے۔

تنبیہہ: روضۃ الاحباب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مناجات کرنا اور اس میں الحاح و زاری کر کے سوال کرنا، اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ لیکن حدیث کے شارحین کو اس میں بہت کلام ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الحاح و زاری اور دعا و سوال میں مبالغہ کرنے سے باز رکھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امید بندھائیں اور آپ کے یقین کو مضبوط و مستحکم بنائیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے اور اس کی تعمیر میں شرکت کی ہو یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی ہے اور یہ وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے بعض ارباب سیر اس طرح تعمیر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کے لئے بنائی گئی ہے اگرچہ اس سے پہلے بھی مسجد بنائی گئی ہوگی لیکن وہ مسجد اسی کے ساتھ مخصوص ہوگی جس نے اسے بنائی کذا فی المواہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ مسجد جو ابتدائے اسلام میں اپنے گھر کے دروازے پر انہوں نے بنائی تھی جس میں وہ نماز پڑھتے اور تلاوت قرآن کرتے تھے اور قریش کی عورتیں، بچے اور غلام ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیہ کریمہ کا شانِ نزول یہی مسجد قباء شریف ہے۔ چنانچہ فرمایا: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ حضور کا یقین تمام یقینوں سے بلند و بالا ہے۔ اس کا جواب کئی طرح سے دیتے ہیں چنانچہ سہیلی فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس گھڑی مقام رجا یعنی امید میں تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف و شہود میں۔ کیوں کہ حق تعالیٰ (بے نیاز ہے) جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف لاحق ہوا کہ حق تعالیٰ کی عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔ تو آپ کا یہ خوف فرمانا اس کی عبادت ہے اور یہ کمال ہے نقص و عیب نہیں ہے اور خطابی فرماتے ہیں کہ کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رب العزت حق تعالیٰ و تقدس کی معرفت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں زیادہ فائق تھے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس الحاح و زاری پر برانگیختہ

کرنے والی چیز صحابہ کرام پر شفقت اور ان کے قلوب کی تقویت تھی۔ اس لیے حضور نے توجہ دعا اور الحاج و ابتہال میں مبالغہ فرمایا تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قائم رہیں اور ان کے قلوب ثابت و مستحکم رہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ حضور کی دعا وسوال مقبول و مستجاب ہے۔ پھر جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے وہ بات عرض کی جو بیان ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بس کیجئے تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی دعا مستجاب ہوگئی اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنے دل میں قوت وطمانیت پیدا ہوگئی تھی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی بعد فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. عنقریب کفار کی جماعت کو ہیزیمت ہوگی اور پشت دے کر بھاگے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں مقام خوف میں تھے اور یہ سب سے زیادہ کامل حالت نماز ہے۔ حضور کی دعا سے پہلے ممکن تھا کہ اس دن نصرت الٰہی واقع نہ ہوتی اس لیے کہ نصرت الٰہی کا وعدہ اس واقعہ کے ساتھ معین ومخصوص نہ تھا کہ اسی روز اس کی نصرت نازل ہو بلکہ وعدہ الٰہی مجمل وغیر معین تھا۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ہے وہ بات جو بظاہر ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''آج کے بعد تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے'' یہ اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان کو اس ہنگام میں وہ ہلاک کر دیں تو کوئی ایک بھی ایسا مبعوث نہ ہوگا جو ایمان وعبادت کی دعوت کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا میں خوب کوشش فرمانا اور اس میں مشقت برداشت کرنا اس بنا پر ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو دیکھا وہ غمرات موت (یعنی موت کی گہرائیوں) میں غوطہ زن ہیں اور فرشتے میدان جنگ میں کھڑے ہیں تو حضور نے چاہا کہ خود بھی جہاد میں کوشش کریں۔ کیونکہ جہاد دو قسموں پر ہے ایک جہاد تلوار کے ساتھ اور ایک جہاد دعا کے ساتھ ہے۔ سنت یہ ہے کہ امام لشکر کی پشت پر رہے اور ان کے ہمراہ قتال نہ کرے لہٰذا سب کوشش اور مشقت میں ہے۔ اس لیے حضور نے نہ چاہا کہ ان دونوں قسموں کے جہاد سے خود راحت میں رہیں (مطلب یہ کہ لشکر اسلام کفار کے ساتھ نبرد آزما ہے اور میدان قتال میں استادہ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام دعا میں سجدہ ریز ہیں اور رب تعالیٰ سے ان کی نصرت ومدد کی التجائیں کر رہے ہیں۔ امام اور ماموم دونوں جہاد میں اپنی اپنی جگہ مشغول ہیں) ان سب کو صاحب لدنیہ نے نقل کیا ہے۔

اس مقام کے لحاظ ومناسب سے سیدی احمد مرزوق علیہ الرحمۃ جو کہ محققین علماء صوفیاء اور مشاہیر مشائخ عظام میں سے ہیں کا ایک کلام ہے جس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقام ربوبیت کی غایت ادب میں سے ایک بات یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اعتماد کرنے اور اس کے وعدہ کو صادق جاننے کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا لازمی ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دو اصل اور دو قاعدے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان تعارض کے وقت بطریق ایمان مطابقت کرنا واجب ہے لہٰذا اگر قبولیت کا وعدہ معین وقت میں نہیں ہے تو کوئی دشواری ہے ہی نہیں۔ اگر بالفرض وقت معین میں بھی وعدہ کیا گیا ہو اور اس کی قبولیت اس وقت میں واقع نہ ہو تب بھی صدق وعدہ میں شک وتردد میں نہ پڑنا چاہئے اس لیے کہ وقوع وعدہ اسباب وشرائط کے ساتھ متعلق ہی جو کہ دانا ہے' مطلق حق عز شانہ اپنے علم کے ساتھ متاثر ومخصوص ہو اور بندہ کو ان اسباب وشروط کی اطلاع نہ دی گئی ہو: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ کوئی بھی شے اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی جسے وہ چاہے۔ حق تعالیٰ پر یہ واجب نہیں ہے کہ جو قیود وشرائط اس کے علم میں ہیں اسے بیان فرمائے اور بندہ کو اس کا علم بخشے۔ بسا اوقات اس کی حکمت بالغہ کا اقتضا سر وکتمان میں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ بندہ کی نظر میں سطوت ربوبیت ظاہر ہو اور اس پر احکام عبودیت کا اظہار ہو جس طرح کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ صلوٰت الملک الجلیل نے غایت ادب کیا کیوں کہ انہوں نے پہلے تو اپنی قوم سے کہا: وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ. یعنی جن کو تم خدا کا شریک گردانتے ہو ان سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا حق سبحانہ وتعالیٰ کے وعدہ پر قطعی اور حتمی یقین کی بنا پر نہ تھا کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ رسولوں پر کوئی

خوف نہیں ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ کی مدد رسولوں کیلئے واجب ہے (کیونکہ وہ بے نیاز ہے اس پر کچھ واجب نہیں ہے) اس بنا پر استثنا کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّآ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡئًا. مگر یہ کہ میرا رب جس قدر چاہئے۔ یہ استثنا وسعت علم باری تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور بندہ کو اس کے علم کی اطلاع نہ پانے اور کسی بندہ کا حق تعالیٰ کے علم کا احاطہ کرنے کی قدرت نہ رکھنے کے سبب سے ہے۔ اس کے بعد فرمایا وَسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا. میرے رب کا علم ہر شئے سے وسیع ہے۔ یہ فرمانا وعدہ صادق ہے عدم وثوق کا وہم پیدا نہ ہونے کیلئے ہے اور علم باری تعالیٰ کی وسعت پر نظر رکھنا متحقق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے جو یہ استثنا کیا ہے اس بنا پر نہیں کیا ہے کہ مجھے اس کے وعدہ پر وثوق واعتماد نہیں ہے یعنی اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ ''رسولوں پر دشمنان دین کا تسلط وغلبہ نہ ہونے دے گا بلکہ یہ استثنا علم حق کی وسعت پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ یہ بات حق تعالیٰ کی جناب میں اس کے حق وادب کے قائم رکھنے کیلئے ہے۔ اسی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ بشارت دینے والے انبیاء مرسلین کا خوف حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کے خوف کی بنا پر ہے۔ اس بنا پر نہیں کہ حق تعالیٰ کے وعدہ پر وثوق واعتماد نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ العلام نے اپنی قوم سے فرمایا: وَمَا یَکُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِیۡهَا. ہمیں یہ لائق نہیں کہ ہم تمہاری کفری ملت میں داخل ہوں۔ پھر فرمایا: اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡئًا وَّسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا. مگر میرا رب جو چاہے میرے رب کا علم ہر شئے پر وسیع ہے۔'' جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ فرمانا بھی علم باری تعالیٰ کی وسعت پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ اسی بنا پر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے روز بدر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنۡ اَهۡلَکۡتَ هٰذِهِ الۡعِصَابَةَ لَنۡ تُعۡبَدَ عَلٰی وَجۡهِ الۡاَرۡضِ. اے خدا! اگر اس جماعت کو آج تو نے ہلاک کرا دیا تو روئے زمین پر ہرگز تیری عبادت نہ ہوگی۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے آئے اور عرض کیا: یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ ! نَاشَدَتَّکَ رَبَّکَ فَاِنَّ اللّٰهَ مُنۡجِزٌ لَّکَ مَا وَعَدَکَ. اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے رب نے آپ کی دعا کو سنا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدہ فرمایا ہے اسے ضرور پورا فرمائے گا۔

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول حال اتم واکمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی اس قسم کا وہم نہ کرنا چاہئے کہ آپ نے وعدہ رب پر وثوق نہ فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعدہ رب کے صدق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یقین رکھتے تھے۔ حاشا ایسا ہرگز نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک اللہ رب العزت کے وسعت علم اور اس کے ادب کے مقام میں تھی۔ یہ مقام معرفت صفات حق اور ملاحظہ حقیقت میں اعلیٰ ارفع اور اتم ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر ظاہر حکم شریعت پر تھی۔ کیونکہ شریعت میں صدق وعدہ حق واقع ہے۔ اسی طرح حق جل وعلا نے روز احد، احزاب، حنین اور داخلہ مکہ میں وعدہ فرمایا مگر اس کے شرائط کو مخفی رکھا۔ اس کی مثالیں انبیاء سابقین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے احوال میں بھی موجود ہیں جو کہ نزول بلا اعداء دین سے جہاد کے سلسلہ میں واقع ہیں۔ ان میں وہی اسرار وبھید ہیں جو بیان کئے گئے ہیں۔

خلاصہ مبحث یہ ہے کہ جس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کے اپنے وعدہ کریمہ میں عدم اتہام واجب ہے اسی طرح اس کے فعل میں اس کی حکمت بھی لازم ہے اور یہ سب کچھ اسی کے طرف سے ہے اول اس کی حکمت پر محمول ہے اور دوم اس کے قہر وغلبہ کے تحت ہے۔ دونوں مقامات میں قہر بھی ہے اور مقام معرفت بھی۔ مقربان بارگاہ عزت کا حال یہی ہے کہ لَا یُسۡئَلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَلَا یُعۡتَرَضُ عَلٰی مَا یَقُوۡلُ یَفۡعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ. جو وہ کرتا ہے اس سے مت پوچھو اور جو وہ کہتا ہے اس پر اعتراض نہ کرو اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دونوں لشکر مل گئے اور ایک دوسرے کے مقابل ہو کر لشکر اسلام اور لشکر کفار گتھم گتھا ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی ریت کی لے کر کفار کے منہ پر پھینکی اور پڑھا شاھت الوجوہ ان کے چہرہ مسخ ہوں۔ جب وہ ریت ان کے چہروں پر پڑی تو کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں اور ناک کے دونوں سوراخوں میں ان کے ریزے نہ پہنچے ہوں۔ ان کے منہ پھر گئے اور شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صنادید قریش میں سے کسی کو ہلاک کرایا اور کسی کو قید کرایا اور جو اسیر ہوئے وہ بھی ان کے سرداروں اور اشراف میں سے تھے۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. اے محبوب! آپ نے وہ مشت خاک نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی۔ یہ آیۂ کریمہ روز بدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشت خاک پھینکنے کے ضمن میں نازل ہوئی۔ اگرچہ ایسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روز حنین میں کیا تھا جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔

بلاشبہ ایک گروہ نے اس آیت پر یہ اعتقاد اختیار کیا کہ اس آیت سے مراد بندوں کی جانب سے سلب فعل ہے اور اس کی اسناد رب العزت کی طرف ہے۔ اس آیت سے ''مذہب جبر'' پر دلیل بنا کہ افعال کی نسبت اور قدرت بندوں کی طرف کرنا باطل ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اس گروہ نے فہم قرآن میں غلطی کھائی ہے۔ اگر واقعۃً ایسا ہی تھا تو اس فعل امی کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے مثلاً مَا صَلَّيْتَ اِذْ صَلَّيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ صَلّٰى (تم نے نماز نہیں پڑھی جب تم نے نماز پڑھی لیکن اللہ نے نماز پڑھی) یا اس طرح کہ وَمَا صُمْتَ اِذَا صُمْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ صَامَ (تم نے روزہ نہیں رکھا جب کہ تم نے روزہ رکھا لیکن اللہ نے روزہ رکھا) اگر اس قاعدہ واصول کو بندوں کے تمام افعال، طاعات اور معاصی میں پھیلایا جائے تو یقیناً یہ کھلی گمراہی ہوگی اور اگر اس قاعدہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے ساتھ مخصوص گردانا جائے تو بھی غلط ہے بلکہ یہ اس پر مبنی ومنتج ہوگا کہ معجزہ فعل نبی نہیں ہے بلکہ فعل خدا ہے جسے ان کے ہاتھ سے ظاہر کرایا۔ بخلاف دیگر افعال کے کہ ان کا کسب بندہ کی طرف سے ہے اور ان کی تخلیق خدا کی طرف ہے اور معجزہ میں کسب بھی بندہ کی جانب سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ صُوْرَةً وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى حَقِيْقَةً نہیں پھینکا تم نے جبکہ ظاہر صورت میں تم نے پھینکا بلکہ حقیقت میں اللہ نے ہی پھینکا۔ یہ بھی مراد نہیں ہے کہ مَا رَمَيْتَ خَلْقًا اِذْ رَمَيْتَ كَسْبًا. تم نے پیدا کر کے نہیں پھینکا۔ جب تم نے کسب کر کے پھینکا اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں رمی کی ابتداء تو تمہاری طرف سے ہے لیکن اس کی نہایت یعنی کفار کی آنکھوں اور منہ پر پہنچانا خدا کی طرف سے ہے۔ اس کی نظیر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو ہلاک کیا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ .... کی تلوار ٹوٹ گئی۔ پھر وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی ان کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا اس کے ساتھ جنگ کرو۔ وہ چھڑی عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں لمبی اور سخت کمر والی لوہے کی سفید تلوار بن گئی اور انہوں نے اس سے ہی قتال کیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کا نام ''عون'' رکھا۔ یہ تلوار برابر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور جملہ غزوات میں اس سے قتال کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ شہید ہوئے تو یہ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔

ملائکہ کی آمد اور ان کی نصرت: غزوۂ بدر کے اعظم فضائل وخصائل میں سے ملائکہ کا آنا اور مشرکوں کے ساتھ ان کا قتال کرنا ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے سوا کسی غزوۂ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور دیگر وقتوں میں دشمنوں کے مقابلہ میں محض امداد واعانت تھی۔ ان کا قتال کرنا اس عظیم الشان غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عماد بن کثیر اپنی تفسیر میں

اس کی تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ بجز روز بدر کے فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا فرشتوں نے بجز روز بدر کے کبھی قتال نہیں کیا اور ابن مرزوق فرماتے ہیں کہ یوم بدر کے سوا فرشتوں نے قتال نہیں کیا بلکہ قول مختار کے بموجب فرشتے حاضر ہوتے رہے ہیں۔ اس قول کو بعض علماء میں سے ترجیح دیتے ہوئے نہایت البیان فی تفسیر القرآن میں ارشاد حق تعالیٰ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ روز حنین فرشتوں نے قتال کیا یا نہیں۔ اس جگہ دو قول ہیں۔ قول جمہور یہی ہے کہ نہیں کیا لیکن اس قول کو مسلم کی اس حدیث سے جسے انہوں نے اپنی صحیح میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رد کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روز احد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی اور بائیں جانب دو ایسے شخصوں کو دیکھا جو سفید لباس میں ملبوس تھے اور ان کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا تھا۔ یعنی جبریل و میکائیل علیہما السلام اور یہ دونوں خوب شدید قتال کرتے تھے۔ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز ہے کہ فرشتوں کو آپ کے ہمراہ قتال کرنے کیلئے نازل فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ قتال ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بام نووی فرماتے ہیں کہ یہی حق وصواب ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جس نے یہ گمان کیا کہ قتال ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔

فرشتوں کے دیکھنے کی تحقیق: نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی رویت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کو صحابہ کرام اولیاء عظام دیکھتے ہیں۔ بندہ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقن فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جبریل علیہ السلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی صورت میں بیٹھے دیکھنا ثابت شدہ ہے اور جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا انہوں نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟ اس کے بعد جب یہ مجلس ختم ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون شخص بیٹھے ہوئے تھے؟ فرمایا جبریل علیہ السلام تھے۔ تم نے انہیں سلام کیوں نہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا مجھے ان کے جمال وجلال سے شرم وہیبت دامنگیر ہوگئی تھی۔'' ہاں اگر یہ کہا جائے کہ خاص صورت میں دیکھنا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

روز بدر قتال ملائکہ کے بارے میں آیات واحادیث کا ذکر

اب ہم ان آیات واحادیث کو بیان کرتے ہیں جو روز بدر قتال ملائکہ کے باعث میں مروی ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ O	جب تم اپنے رب سے مناجات کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔ بے شک میں تمہاری مدد پے در پے ہزار فرشتوں سے کرنے والا ہوں۔

سورہ انفال میں اسی طرح ہے لیکن سورہ آل عمران میں یوں ہے کہ:

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَO	یہ کفایت نہیں کرتا کہ تمہارا رب' تین ہزار فرشتوں کو اتار کر تمہاری مدد فرمائے۔

ان دونوں آیات کریمہ کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ پہلی آیت میں ایک ہزار وہ فرشتے ہیں جو مقدمۃ الجیش کے طور پر

ان لوگوں کے سامنے آئے تھے یا جنہوں نے قتال کیا تھا۔ وہ ایک ہزار تھے اور ان کے مقاتلہ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ بیضاوی نے کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہزار کو تین ہزار کے ساتھ مرادف کیا گیا ہے یعنی ایک ہزار کے بعد تین ہزار فرشتے بھیجے لہٰذا اکثیر قلیل کے مددگار بنے۔ نیز سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○

ہاں! اگر تم قائم رہے اور خدا سے ڈرتے رہے تو تمہارے پاس یہ فوراً آئے گی۔ تمہارا رب تمہاری مدد نشان زدہ پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا۔

مسومین یعنی معلمین میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پیشانیاں اظہار علامت کیلئے تاباں ہوں گی۔ ان کا یہ اظہار اس کی نشانی و علامت ہے کہ پانچ ہزار فرشتے آئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا کہ اگر تم قائم رہے اور تقویٰ اختیار کیا تو وہ آئیں گے اور تمہارے خلاف کفار کو فوراً کچل دیں گے اور تمہاری مدد حق تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے فرمائے گا۔

مواہب لدنیہ میں ربیع بن انس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کی مدد ایک ہزار فرشتوں سے فرمائی اس کے بعد تین ہزار کر دیئے اور اس کے بعد پانچ ہزار کر دیئے۔

ابوقتادہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روز بدر پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد پانچ ہزار کے ساتھ وقوع میں آئی ہے۔ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز بدر ایسی تیز ہوا چلی کہ اس سے پہلے ایسی تیز ہوا کبھی نہ دیکھی تھی اس کے بعد پھر دوبارہ ایسی ہی تیز ہوا چلی۔ پھر تیسری مرتبہ بھی ایسی ہی تیز ہوا چلی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔ دوسری مرتبہ میکائل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تیسری مرتبہ اسرافیل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے بنی غفار کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اور میرے چچازاد بھائی دونوں آگے نکل کر بدر کی ایک اونچی پہاڑی پر چڑھے۔ ہم اس زمانہ میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ ہم نے اس کا انتظار کیا کہ جو لشکر بھی شکست کھا کر بھاگے ہم انہیں لوٹیں۔ یکایک ہم نے دیکھا کہ اس پہاڑ پر جس پر ہم تھے ایک ابر ہمارے قریب ہوا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز تھی۔ اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا "اقدم حیزوم" حیزوم آگے بڑھ۔ تو میرا چچازاد بھائی مجھ پر آ پڑا اور اس کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور اس نے اسی وقت جان دیدی۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ میں ہلاکت کے قریب تھا لیکن میں نے ضبط کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ "حیزوم" (بفتح حاء وسکون یا وزاء مضموم) حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے اور اقدم بروزن انصر اور اکرم دونوں باب سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ انسانی شکل وصورت میں ابلق گھوڑوں پر سوار اترے۔ اس وقت ان کے جسموں پر سفید لباس اور ان کے سروں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے جن کے سرے (شملے) وہ اپنے کندھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے اور ان کی پیشاں گھوڑوں کے گوشوں میں تھیں۔ (یعنی وہ گھوڑوں پر سوار تھے) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سیاہ عمامے تھے اور روز حنین سرخ اور روایتوں میں سفید وسرخ اور زرد سب آیا ہے کہ کچھ فرشتے ایسے ہوں گے اور کچھ ویسے۔ فرشتوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنی جاتی تھیں مگر گھوڑے نظر نہیں آتے تھے اور جب مسلمان کسی کافر کا پیچھا کرتے تو قبل اس کے کہ وہ اس کے قریب ہوں وہ دیکھتے کہ ان کا سر زمین پر کٹا پڑا ہے۔ علماء

فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی ضرب سر یا بدن کے جوڑوں پر ہی واقع ہوئی یہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے کہ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ O ای مفصل تو گردنوں کے اوپر یعنی سر پر ضرب لگاؤ اور ان کے ہر گرہ یعنی جوڑ پر مار لگاؤ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ''فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ''یعنی ذبح کرنے کی جگہ اور سروں پر ضرب لگاؤ۔ اور وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ Oای الاصابع. اور ان کے ہر جوڑ پر مار لگاؤ یعنی انگلیوں کی گرہوں پر کشاف میں ہے کہ بنان سے مراد اطراف ہے۔ مطلب یہ کہ ان کے سروں کو کاٹو اور اطراف کو توڑو۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ فرشتوں کے مقتول گردنوں اور جوڑوں میں سیاہی کی نشانی سے پہچانے گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص کسی کافر کے پیچھے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے کوڑے کے مارنے کی آواز اور ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اقدم حیزوم تو اس انصاری نے دیکھا کہ اس کے سامنے وہ گرا پڑا ہے اور اس کا منہ پھٹا ہوا ہے اور اس کی گردن ٹوٹی ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ انصاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا۔ عرض کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مدد آسمان سیوم کی تھی۔

مروی ہے کہ جب مدینہ منورہ والے اصحاب بدر کو ان کی واپسی کے بعد تہنیت و مبارک باد دینے لگے تو انہوں نے کہا۔ اے مدینہ منورہ والو! ہمیں کس بات کی مبارک باد دیتے ہو کیونکہ یہ فتح ہماری قوت بازو کے زور سے نہ تھی بلکہ ہم نے کافروں کو دیکھا ہے کہ ان کے سر تن سے جدا پڑے ہیں اور ہم نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے ان پر تلوار ماری ہو۔ یہ کافروں کی بدبختی ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں بندھے اونٹوں کی مانند گر پڑتے تھے ہم ان کے جسموں سے سر کو جدا کر دیتے تھے۔ یہ بات جب خواجہ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کے سمع مبارک میں پہنچی تو فرمایا وہ فرشتے تھے جو یہ کام کرتے تھے۔ ان کی مراد یہ نہیں سب کا حال یہی ہوا تھا بلکہ کچھ کافروں نے اصحاب کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ بھی کیا اور بعض کافروں کا سر فرشتوں نے تن سے جدا کیا۔

منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور ان اشقیاء کے مارے جانے کی خبر مکہ میں پہنچی تو ابولہب اور دیگر کافروں نے تعجب و حیرت کا اظہار کیا۔ جب ابوسفیان بن الحارث جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا بیٹا تھا مکہ پہنچا تو ابولہب نے اس سے کہا۔ اے میرے بھائی کے فرزند! آؤ تم تحقیقی خبر رکھتے ہو۔ ''ابوسفیان بن الحارف نے کہا'' اے میرے چچا! جب ہم نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کیا تو ہم سب اپنی جگہ خشک' کھڑنک ہو کر رہ گئے اور ہم یہی دیکھتے رہے کہ ہمارے ہتھیار ہمارے جسموں پر سے وہ اتار لیتے اور ہمارے ہاتھوں کو ہمارے کندھوں سے باندھ دیتے تھے۔ ہم نے زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس کے لوگ دیکھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور کوئی بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ ابورافع' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم' وہ تو فرشتے تھے۔ اس پر ابولہب انتہائی غیظ و غضب میں آیا اور اس نے میرے منہ پر مکہ مارا' مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر میرے سینہ پر چڑھ کر لاتیں مارنے لگا حالانکہ میں ضعیف و کمزور شخص تھا۔ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہ زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے میرا جو یہ حال دیکھا تو انہوں نے موٹی چوب اٹھا کر ابولہب کے سر پر ماری اور وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ سات دن کے بعد ''عدسہ'' کی بیماری نے اس پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ عرب اس بیماری کو شوم و برا جانتے ہیں اس کے مرنے کے بعد خوف کی وجہ سے کوئی اس کے پاس نہ گیا اور وہ تین دن تک یونہی مرا پڑا رہا۔ تین دن کے بعد اجرت پر مزدور بلائے گئے تاکہ وہ اسے اٹھالے جائیں اور مکہ سے باہر گڑھا کھود کر اس سے میں دبا دیں اور اس پر اور پتھر رکھ کر بند کر دیں۔

مواہب میں شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قتال ملائکہ کے بارے میں حکمت کیا تھی۔ باوجودیکہ جبریل علیہ السلام اس پر قادر ہیں کہ طبقہ زمین کو اپنے ایک بازو پر اٹھا کر بیک دم تمام

کافروں کو ہلاک کر دیتے؟ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ یہ اس لیے تھا کہ یہ فعل تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہو اور ملائکہ ان کی عون و مدد کیلئے ہوں کیونکہ دنیاوی سطح پر کمک کے طور پر لشکر ہی مدد کرتے ہیں۔

بندۂ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین ورحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سوال کا بنیادی تعلق عوام سے ہے کہ وہ تدبیرات الٰہی، ترتیب اسباب اور اللہ جل جلالہ وعظم کمالہ کی غیر متناہی حکمتوں کی طرف سے صرف نظر نہ کریں ورنہ وہ اس طرح کیوں نہیں کہتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد وقتال کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حق تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے قہر وجلال سے تمام کافروں کو ہلاک کر دے اور ان کے کفر وضلال کے نشانوں کو اپنے ہدایت وکمال کے نور سے ناپید کر دے۔ مگر بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ثواب وجزا اور کافروں کے عذاب وعقاب کا مدار اسی پر ہے۔ ان کے سوا وہ چیزیں جو عالم اسباب واوضاع سے متعلق ہیں۔ وہ ضبط وحصر اور گنتی وشمار کی حد وقدرت سے باہر ہیں اور اللہ ہی علیم وحکیم ہے۔

اسیران ومقتولان بدر کی تعداد: بدر میں مقتولان کفار کی تعداد ستر تھی اور اتنے ہی اسیر ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے چودہ حضرات نے جام شہادت نوش کیا تھا جن میں چھ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار میں سے تھے چھ قبیلہ خزرج کے اور دو قبیلہ اوس کے (رضی اللہ عنہم)

ان اشقیاء قریش کے ستر مقتولوں میں سے چوبیس نعشوں کیلئے آپ نے حکم فرمایا کہ بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنویں میں ڈال دیں۔ یہ کنواں ناپاک وخراب تھا اور اس میں لوگ کوڑا کرکٹ اور نجاست ڈالا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اسی میدان میں مقام فرماتے چنانچہ اس جگہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز قیام فرمایا۔ تیسرے دن حکم فرمایا کہ آپ کی سواری لائی جائے پھر آپ سوار ہوئے اور صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ہمراہ ہوگئی۔ وہ خیال کرتے تھے کہ شاید کسی کام کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لائے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی اور فرمایا اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں۔ بعض روایتوں میں مزید صراحت ہے کہ فرمایا او عتبہ بن ربیعہ، او شیبہ بن ربیعہ، او ابو جہل بن ہشام مثلاً کیا تمہیں یہ خوش معلوم نہیں ہوتا تھا کہ تم خدا اور اس کے رسول کے فرمانبرداری کرتے اب جبکہ پردہ اٹھ گیا ہے اور خدا کے عذاب کو دیکھ لیا ہے تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو۔ یہاں خوش سے مراد وہ خوشی ہے جس میں غم واندوہ بھی شامل ہو اور بر طریق استعارہ ضد کو ضد کیلئے استعمال فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا ''بلاشبہ ہم نے اسے حق سے پالیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی اسے حق سے پالیا ہے جو تم سے عذاب کی وعید فرمائی گئی تھی۔'' ایک روایت میں یہ ہے کہ اے کنویں میں پڑے ہوئے لوگو! تم بدخویش اور عاقبت نااندیش ہو کہ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگ تصدیق کرتے ہیں؟ اس پر سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان جسموں کو مخاطب فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو جو کچھ میں خطاب کر رہا ہوں وہ خوب سن رہے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

سماع موتیٰ وحصول علم وشعور: وصل: جاننا چاہئے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے اور مردوں کے سننے اور ان کو علم وشعور حاصل ہونے کا صریح ثبوت موجود ہے کیونکہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا ان کا علم ان کو حاصل ہوا۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دفنانے والے جب مردہ کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اہل بقیع کی زیارت کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ان کو سلام کرو اور اس میں ان کو خطاب کرو اور کہو کہ اے

رہنے والو! تم پر سلام ہو، اے مسلمانو! تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور انشاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔

شیخ ابن الہمام شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ اسلاف کا مذہب یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور وہ ''کتاب الایمان'' میں تصریح کرتے ہیں کہ ''اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس سے کلام نہیں کرے گا پھر اس نے اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو وہ حانث یعنی قسم توڑنے والا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ قسم اسی پر منعقد ہوتی ہے جو فہم کی حیثیت و قابلیت رکھتا ہو اور مردہ ایسا نہیں ہے۔'' یہ حضرات علماء مسلم کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مردہ کا لوگوں کی جوتیوں کی آواز سننا اس پر ناطق ہے کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منکر نکیر کے سوال کا پیش خیمہ ہے۔ حالانکہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ یہ حالت مردے کو قبر میں حاصل ہے اور مردے کو وقت سوال میں زندہ گردانتا ہے اور اس سے پہلے مقدمہ سوال کیلئے زندہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس حدیث مذکور کا جو کہ ان کے مذہب کے خلاف میں نص ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ حضور کے ساتھ مخصوص ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو انہیں سنواتے۔ یہ سنوانا زیادتی توبیخ اور حسرت ندامت کیلئے ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہئے کہ اس پر محمول کرنا محض احتمال وتاویل ہے اور اس پر اس وقت تک محمول نہیں کیا جا سکتا جب تک امتناع سماع پر دلیل پوری موجود نہ ہو حالانکہ اللہ رب العزت اس پر قادر ہے اور اس ادراک کیلئے حواس کی حسیت امر وہبی ہے بغیر سبب کے بھی اللہ تعالیٰ خالص طور پر یہ حالت پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ کتب مذہب میں مسلمہ قاعدہ ہے اور کبھی اس طرح جواب دیتے ہیں کہ یہ صورت از قسم ضرب المثل اور کہاوت ہے حقیقت نہیں ہے۔ یہ جواب پہلے جواب سے بھی بعید تر اور کمزور تر ہے۔ منکرین کی جماعت کے مضبوط ترین شبہات میں سے یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں کر فرما سکتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ. یعنی آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ ان کو سنانے والے ہیں جو قبروں میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کی مراد یہ ہے کہ تم کہو تم جانتے ہو کہ جو کچھ میں نے کہا حق ہے اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم کی جگہ سماعت کا وہم ہوا۔ کیونکہ موتی کو انتقال کے بعد آخرت کی حقیقت کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا انکار کیا اور انہوں نے ان قرآنی دو آیتوں سے استدلال کیا جو مذکور ہوئیں لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا جواب دیتے ہیں اور ان کے قرآنی استدلال کو قبول نہیں کرتے اور ان کے قول کو تسلیم نہیں کرتے۔

مواہب لدنیہ میں اسمٰعیل سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صاحب فہم وذکاء اور صاحب کثرت روایات وعوامض علوم تھیں اس سے زیادہ اور کچھ متصور نہیں لیکن کسی ثقہ روایت کے رد کرنے کیلئے نص کے بغیر چارہ کار نہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت یا اور کوئی ثقہ روایت۔ ایسی روایتوں کے رد کیلئے ایسی نص جو نسخ یا تخصیص یا استحالہ پر مشتمل ہو۔ ضرورت ہے اور آیت قرآنی متحمل ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تم سنوا نہیں سکتے بلکہ مردوں کو خدا سنوا رتا ہے۔ ان کو جو کافر قبروں میں ہیں اور مراد عدم سماع سے عدم اجابت حق ہے اور اسی دلیل کیلئے یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں جو کفار کو ایمان کی دعوت دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں ہے۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ آیت میں موتی سے مراد دل اور قبول سے مراد ان کے جسم ہیں جن میں ان کے دل مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ مواہب لدنیہ میں مذکور ہے کہ محمد ابن اسحٰق کے مغازی میں باسنادِ جید اور مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں بھی باسناد حسن، سیّدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مانند مروی ہے۔لہٰذا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا اپنے انکار سے رجوع کرلیا اس سبب سے جو ان کے نزدیک صحابہ کبار کی روایتوں سے ثابت ہوگیا ہے۔اس رجوع کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اس قضیہ میں حاضر نہ تھیں۔شرح مسلم میں بھی اسی کی مانند مذکور ہوا ہے۔خلاصہ بحث یہ ہے کہ اخبار و آثار سماع موتی اور علم وشعور میں بہت ہیں اور ان کے برخلاف کوئی دلیل قطعی پایہ ثبوت کو شامل نہیں ہے۔اس مقام میں مفصل بحث و گفتگو مشکوٰۃ کی شرح میں بیان کردی گئی ہے۔(واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مشرکوں کی لاشوں کو کنویں میں ڈال دیا جائے تو عتبہ بن ربیعہ کو خاک مذلت سے گھسیٹ کر کنویں میں ڈالا جانے لگا۔اس کے بیٹے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حال دیکھا تو طبعی طور پر انہیں یہ گراں گزرا اور ناپسندیدگی چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور ان کا رنگ متغیر دیکھا اور شکایت وحزن کا اثر چہرے پر نمایاں ملاحظہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابا حذیفہ رضی اللہ عنہ! گویا تمہارے دل میں اپنے باپ کے حال کو دیکھنے سے تغیر واقع ہوگیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اسلام میں شک وتردد واقع نہیں ہے لیکن میرا باپ صائب الرائے، حلیم اور اچھے آداب واخلاق والا تھا میں تمنا رکھتا تھا کہ اس کی یہ خوبیاں اسے اسلام میں لے آئیں گی اور اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس سعادت سے محروم رہ گیا ہے۔اس سے مجھے حزن وملال لاحق ہوا ہے۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک صفات اور عمدہ آداب واخلاق اپنی ذات میں حصول ایمان کیلئے برانگیختہ کرنے والے نہیں ہیں۔ایمان محض ہدایت وفضل وعلائے الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

عشق کاریست کہ موقوف ہدایت باشد

نیز معلوم ہوتا ہے کہ طبعی ناگواری جو اپنے اختیار میں نہیں ہے اس کا اعتبار نہیں جبکہ دل مرکز یقین برقرار و ثابت ہو اور مقام صبر ورضا وتسلیم کا مدار بھی اسی حکم میں ہے۔اس حدیث پاک کے یہ عمدہ فوائد ہیں۔تصور کرنا چاہئے کہ صحابہ کرام کا یقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر کس قدر تھا کہ اپنے اس باپ کو جو اتنی خوبیوں کا مالک تھا۔اسے اس حال میں خاک مذلت میں گھسیٹتے ہیں اور کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ان کی طبیعت میں جو ملال وکراہت نے راہ پائی بھی تو وہ اس پر عتاب کرتے ہیں اور معذرت خواہی کرتے ہیں کیونکہ خالص حق منکشف ہوکر مرتبہ یقین تک پہنچ گیا تھا اور تمام موانعات وحجابات مرتفع ہوگئے تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ مکہ معظمہ سے بنی ہاشم کی ایک جماعت کو جبر واکراہ سے لائے ہیں تو جو کوئی تم میں سے کسی بنی ہاشم کو خاص کر حضرت عباس بن عبدالمطلب کو پائے تو لازم ہے کہ اس کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرے۔یہی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جو عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ہیں انہوں نے کہا ہم اپنے باپوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں۔خدا کی قسم! اگر میں ان تک پہنچ گیا تو ان پر اپنی تلوار کی ضرب لگا کر ان کا کام تمام کردوں گا۔یہ بات جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔اے ابوحفص سن رہے ہو۔ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں۔یہ پہلا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی کنیت سے مخاطب فرمایا۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ منافق ہوگئے ہیں۔حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بات کے کہنے کے ساتھ ہی مجھ پر ازحد خوف ولرزہ طاری ہوا اور میں اپنے تئیں یہ کہنے لگا کہ اس گناہ کا کفارہ یہی ہوسکتا ہے کہ میں خود کو راہ خدا میں شہید کردوں چنانچہ وہ روز یمامہ میں شہید ہوگئے۔(رضی اللہ عنہ)

اسیرانِ بدر: وصل: اسیران بدر کی بھی وہی تعداد تھی جو ان کے مقتولوں کی تھی یعنی وہ بھی ستر تھے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ عقیل بن ابی طالب (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند) اور نوفل بن الحارث بن عبد المطلب یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ہیں' یہ سب ایمان لے آئے تھے۔ ان ستر قیدیوں میں سے معلوم نہیں کہ کون کون ایمان لایا اور کون کون کفر پر باقی رہا (واللہ اعلم) اور اس وقت ان سب کے نام بھی میری نظر میں نہیں ہیں۔

مروی ہے کہ جب قیدیوں کی گردنوں میں طوق اور ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال عجب رکھا ہے کہ ان کو سلاسل واغلال یعنی زنجیر وطوق کے ذریعے جنت کی طرف کھینچتا ہے۔ مطلب یہ کہ از خود نہیں چاہتے کہ مسلمان ہوں اور جنت میں داخل ہوں مگر حق تعالیٰ ان کو بزور قوت باندھ کر اپنی بارگاہ میں لاتا ہے اور ان کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ یہی حکم تمام تکالیف شرعیہ کا ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کو مکلّف کر کے ان کو ان کا مقید بناتا ہے اور اس طرح اپنی درگاہ میں لاتا ہے اور جنت میں داخل کرتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ روز بدر مشرکوں کے ساتھ باہر نکل آئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی عباس کے سامنے آئے اس کو چاہیے کہ انہیں قتل نہ کرے اس لیے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں لیکن جس وقت انہیں فدیہ دینے کیلئے کھڑا کیا گیا اور انہوں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے جبراً لایا گیا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اسلام لانے کو حق تعالیٰ جانتا ہے لیکن بظاہر تم نے ہمارے ساتھ جنگ کی ہے تمہیں فدیہ دینا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ روز بدر اسلام لائے اور انہوں نے روز فتح ابواء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور فتح مکہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ان کے ساتھ ہجرت ختم کر دی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لائے اور انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ کے دن اس کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان کا اسلام لانا بدر سے پہلے ہے اور وہ مشرکوں کی خبریں لکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روزانہ کرتے تھے۔ حالانکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو محبوب رکھتے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لکھوا کر بھیجتے تھے کہ تمہارا اپنی جگہ ٹھہرے رہنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ نیز مروی ہے کہ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ وہ اپنے ہمراہ بیس اوقیہ سونا لائے تھے تاکہ مشرکوں کو کھانا دیں لیکن جنگ میں ان سے لے لیا گیا اور اسے مال غنیمت میں داخل کر دیا گیا۔ تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس بیس اوقیہ سونے کو ان کے فدیہ میں محسوب کر لیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ تو وہ مال ہے جسے تم ہمارے خلاف جنگ میں کفار کی مدد کیلئے لائے تھے۔ اب وہ مسلمانوں کی غنیمت میں ہے۔ اسے فدیہ میں محسوب نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے کہا کہ میں اور کوئی مال نہیں رکھتا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا لوگوں سے بھیک مانگے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے حضور نے فرمایا وہ سونا کہاں ہے جب تم مکہ سے نکل رہے تھے اور اپنی زوجہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کے سپرد کر کے آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو اس کی خبر کیسے ملی؟ فرمایا مجھے میرے رب نے خبر دی۔ پھر وہ کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں۔ بجز خدا کے کوئی اس سے باخبر نہیں تھا اس کے بعد وہ اسلام لائے اور کہنے لگے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے حضرت عباس کو اسیر کیا ہے ان کا نام ابوالیسر تھا۔ یہ ضعیف وکوتاہ قامت تھے اور حضرت عباس جسیم وبلند قامت تھے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت عباس کے شانہ تک اور حضرت عباس اپنے والد حضرت عبد المطلب کے شانہ تک پہنچتے تھے۔ وہ بہت ہیبت والے طویل القامت تھے۔ لوگوں نے حضرت عباس سے پوچھا کہ ابوالیسر نے

تمہیں کیسے اسیر کیا وہ تو بہت نحیف اور قلیل الجثہ تھے اگر تم چاہتے تو ان کو اپنی مٹھی میں لے لیتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے لیکن وہ میری آنکھوں میں ''خندمہ'' کی مانند نمودار ہوئے خندمہ مکہ کے پہاڑوں میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالیسر سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت عباس کو کس طرح اسیر کیا؟ انہوں نے عرض کیا۔ میری مدد اس شخص نے کی جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ بڑی ہیبت وعظمت والا تھا۔ فرمایا وہ عزت والا فرشتہ تھا جس نے تمہاری مدد کی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں نے اسیران بدر کو باندھ کر قید کر لیا اور رات آئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بندش کی وجہ سے کراہنے لگے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ سو نہ سکے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟ فرمایا اپنے چچا حضرت عباس کے کراہنے کی وجہ سے! جب انصار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حضرت عباس کے بند کو نرم کرنے میں پائی تو انہوں نے ان کے بند ڈھیلے کر دیئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں عباس کے کراہنے کی آواز نہیں سنتا؟ صحابہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے بندوں کو ڈھیلا کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اسیروں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے پابند تھے۔ فعل وترک' لطف وقہر اور عفو واخذ میں سے کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر نہ کرتے تھے اور کوئی بات اپنی مرضی وخواہش اور نفس کی پیروی میں نہ کرتے تھے اور جو کچھ بھی ہوتا اسے تقدیر الٰہی اور اس کا حکم قرار دیتے تھے اور اسی طرح توجہ فرماتے جس طرف اس کا حکم ہوتا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے سلسلہ میں صحابہ کرام کی مجلس مشاورت قائم فرمائی اور ان کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کرنا چاہئے آیا قتل کر دینا چاہئے یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ ان کو باقی رکھنا چاہئے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے اور وہ اسلام لے آئیں۔ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے فدیہ لے لیجئے تاکہ ان سے آپ کے اصحاب کی قوت و طاقت بنے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ''تم کیا رائے دیتے ہو؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں قتل کر دینا چاہئے اور ان کی گردنیں اڑا دینی چاہئے کیونکہ یہ سب کے سب کافر اور کافروں کے پیشوا ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو مال لینے سے مستغنی بنایا ہے۔ فلاں قرابت دار کو مجھے دیجئے اور عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیجئے اور عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تاکہ وہ ان کی گردنیں اڑائیں۔'' مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی جانب میلان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کے دلوں کو مکھن سے زیادہ نرم اور بعض لوگوں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ حق تعالیٰ نے سخت بنایا ہے۔ اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارا حال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مانند ہے کہ انہوں نے فرمایا: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ یعنی جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے بلاشبہ تو ہی معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارا حال حضرت نوح علیہ السلام کی مانند ہے کہ انہوں نے فرمایا: لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا. اے رب کسی کافر کو روئے زمین پر آباد نہ چھوڑ۔

اس کے بعد وحی الٰہی آئی کہ ''اے محبوب! تم اپنے صحابہ کو اس شرط کے ساتھ قتل اور فدیہ میں اختیار دیدو کہ سال آئندہ اپنے میں سے ستر کو شہید کرائیں اور ان پر کافروں کی کامیابی ہو۔ تو صحابہ نے فدیہ میں اختیار دیدیا کہ سال آئندہ ہم اپنے میں سے ستر افراد کو شہید کرا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ سال آئندہ غزوۂ احد میں مسلمانوں میں سے ستر اصحاب شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہ بن

عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیرہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ فدیہ لینے میں مشغول ہوئے تو جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔

وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

کسی نبی کو سزاوار نہیں کہ اس کے قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین میں ان کا قتل بکثرت ہو جائے۔ اے مسلمانو! تم دنیاوی ساز و سامان چاہتے ہو اللہ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے اور اللہ ہی عزت و حکمت والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کو نہیں چاہئے کہ اس کے قیدی ہوں جب تک کہ کافروں کا قتل بہت زیادہ نہ ہو جائے۔ نبی کو ان کے قتل میں مبالغہ کرنا چاہئے۔ اے مسلمانو! تم چاہتے ہو کہ فدیہ لے کر دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کرلو مگر اللہ تعالیٰ آخرت کو اور دین کی سربلندی کو چاہتا ہے۔ خدا ہی غالب ہے جو اپنے دوستوں کو دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے اور وہی حکیم و دانا ہے کہ ہر حال اور ہر وقت میں جو مناسب و لائق ہے۔ وہی حکم فرماتا ہے کبھی قتل و اشغان کا حکم فرماتا ہے جبکہ کافروں کی شوکت ہو اور کبھی قتل و فدیہ میں اختیار دیتا ہے اور کبھی احسان و فدیہ کے درمیان اختیار دیتا ہے جبکہ مسلمانوں کا غلبہ ہو۔ اس وقت فرمایا ہے۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

تو بعد میں یا تو ان پر احسان کرو اور یا فدیہ لے لو۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں گریہ فرما رہے ہیں؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اور حضرت ابوبکر کیوں گریہ فرما رہے ہیں۔ میں بھی گریہ کروں اگر مجھ سے ہو سکے ورنہ بکوشش گریہ کرنے میں تکلف کروں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے اصحاب پر روتا ہوں کہ انہوں نے فدیہ کو اختیار کیا۔ بلاشبہ میرے سامنے ان کا عذاب اتنا قریب لایا گیا جتنا قریب یہ درخت ہے اور اس درخت کی طرف اشارہ فرمایا جو اس جگہ کے قریب تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عذاب نازل کیا جاتا تو بجز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو حضرت عمر کی رائے کے موافق تھے' کوئی نجات نہ پاتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ صحابہ نے جو یہ طریقہ اختیار فرمایا وہ اسیران بدر کے اسلام لانے پر انتہائی رغبت و شوق کی بنا پر تھا کہ شاید وہ مسلمان ہو جائیں اور اسی رغبت و میلان کی وجہ سے درجہ شہادت کی طرف گئے یا قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے نرمی و مہربانی کا سلوک کیا یا اور کوئی وجہ ہو (واللہ اعلم) اور اسی موقع پر آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○

اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہوتا تو جو تم نے فدیہ لیا اس میں تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

مطلب یہ کہ لوح محفوظ میں میرا حکم پہلے ہی سے مکتوب نہ ہوتا تو تم کو یقیناً فدیہ لینے کے بدلے میں عذاب عظیم پہنچتا۔ حکم سابق سے مراد یہ ہے کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے پر عذاب و عتاب نہیں کیا جائے گا۔ یا یہ حکم پہلے سے ہی لکھا ہوا تھا کہ اہل بدر پر عذاب نہ ہوگا یا یہ لکھا ہوا تھا کہ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہ کیا جائے گا جب تک صریح طور پر ممانعت نہ کر دی گئی ہو۔ یا یہ لکھا ہوا تھا کہ تمہارا فدیہ لینا تمہارے لیے حلال ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا تو جو تمہیں غنیمت میں ملا تو اسے کھاؤ حلال طیب ہے۔ یہ اختیار دینا اور فدیہ کا لینا اجتہاد سے تھا نہ کہ وحی سے۔ حضور نے بعض احکام میں اجتہاد فرمایا تھا مثلاً اسی حکم میں یا جیسے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور شہد کو حرام کرنے میں اور کبھی خطائے اجتہادی بھی واقع ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر قائم نہ رکھتا اور آگاہ فرما دیتا۔ یہی حکم تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے جیسا کہ علماء بیان کرتے ہیں۔ اس موقع پر علماء ایک اعتراض کرتے ہیں کہ جب صحابہ کو قتل اور فدیہ میں اختیار

دیدیا گیا تھا اور انہوں نے فدیہ کہ اختیار کرلیا تو اس پر عتاب وعقاب کس بنا پر ہوا یہ تو اختیار دینے کے منافی ہے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ اختیار دینا بر سبیل امتحان تھا جب طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا گیا کہ دنیا یا آخرت کو پسند فرمالیں اور اس میں امتحان یہ تھا کہ آیا وہ اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس میں مرضی حق ہے یا اسے اختیار کرتے ہیں جس میں اپنا ذاتی میلان ہے تو انہوں نے اس چیز کو اختیار کیا جس میں ان کا ذاتی میلان تھا۔ اس پر نہیں عتاب فرمایا گیا اور تو رپشتی اختیار دیئے جانے والی بات کی صحت کو محال جانتے ہیں۔ اس بنا پر کہ یہ اس ارشاد کے مخالف ہے جو بظاہر آیت میں ہے۔ ترمذی بھی اس کی غرابت کا حکم کرتے ہیں۔ طیبی کہتے ہیں کہ غرابت کا حکم کرنا موجب طعن نہیں ہے اس لیے کہ ''غریب'' بسا اوقات صحیح بھی ہوتی ہے لیکن میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ''غریب'' کا مطلب اس جگہ بمعنی شاذ ہے۔ اکثر جہاں ترمذی ایسا حکم کرتے ہیں وہ شاذ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اس کی تصریح صاحب جامع الاصول نے کی ہے۔ (واللہ اعلم)

''روضۃ الاحباب'' میں شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کا قول شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ ترمذی نسائی ابن حبان اور حاکم نے باسناد صحیح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ کو قتل اسیراں اور فدیہ میں اختیار دے دیجئے۔ اس شرط کے ساتھ کہ سال آئندہ ان قیدیوں کے برابر مسلمانوں میں سے شہید کرائیں چنانچہ اصحاب کو اختیار دے دیا گیا اور انہوں نے فدیہ کو اختیار کیا۔ انتہی

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ لینے کا مصمم ارادہ کرلیا تو ان قیدیوں میں سے ایک جماعت جو بالکل مفلس تھی اور جن سے کچھ حاصل نہ ہوسکتا تھا انہیں آزاد کردیا گیا اور ان سے عہد لے لیا گیا کہ آئندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو کتابت کا ہنر جانتی تھی انہیں اس پر مقرر کیا کہ ان میں سے ہر ایک انصار کے دو دو بچوں کو لکھنا سکھائے۔ ان سے جو کچھ مال رکھتے تھے ان سے کہا گیا کہ اپنی استطاعت کے مطابق فدیہ میں سونا ادا کریں۔ عاصم بن ثابت کو حکم دیا (یہ عاصم بن ثابت عمر بن خطاب کے دادا تھے) کہ عقبہ بن ابی معیط شقی کو قتل کریں۔ یہ وہ عقبہ ہے جس نے نماز کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی تھی اور قتل کا ہی مستحق تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قضیہ سے آخر رمضان مبارک اور شوال کے پہلے روز فارغ ہوگئے تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی بشارت کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کردیا۔ جب وہ چاشت کے وقت مدینہ پہنچے تو لوگ سیّدہ رقیہ بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے تھے۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ رقیہ کے دفن میں موجود تھے بعد کو ان کی قبر پر تشریف فرما رہے اور اشک مبارک بہاتے رہے۔ (واللہ اعلم)

اصحاب بدر کی فضیلت میں احادیث کا بیان

فصل: اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت میں احادیث بکثرت واقع ہیں ان میں سے چند حدیثیں یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّۃُ.

اللہ تعالیٰ اصحاب بدر کو باخبر کرتے ہوئے فرماتا ہے جو چاہو عمل کرو بلاشبہ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہارے لیے جنت واجب کردی ہے۔

اس باب میں حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا قصہ بھی ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ نیز مروی ہے کہ حارثہ رضی اللہ عنہ ایک جوان شخص تھے جو روز بدر شہید ہوئے ان کی والدہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کرنے لگیں۔ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتائیے کہ حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہاں ہیں اگر جنت میں ہے تو میں ثواب کی منتظر رہوں اور اگر کسی اور جگہ ہے تو میں اتنا روؤں...... کہ آپ دیکھیں گے کہ میں کتنا روتی ہوں۔ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم اس پر روؤ گی اور یہ خیال کرتی ہو کہ وہ ایک جنت میں ہے؟ وہ بہت سی جنتوں میں ہے اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔''

یہ حدیث صحت پر مشتمل ہے کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے صحابہ میں اہل بدر کو کیسا شمار فرماتے ہیں؟ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام مسلمانوں میں ان کو سب سے زیادہ صاحب فضیلت شمار کرتا ہوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا ہم بھی ان فرشتوں کو جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے افضل ملائکہ شمار کرتے ہیں۔

فتح سے واپسی کے بعد حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی صفراء میں غنیمتوں کو تقسیم فرمایا اور شمشیر ذوالفقار جو غزوۂ بدر کی غنیمتوں میں سے تھی۔ اپنے لیے خاص فرمائی اس کے بعد حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ خندق میں عطا فرما دی۔ اس تلوار کو ذوالفقار (مہروں والی) اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کی پشت پر ریڑھ کی ہڈیوں کی مانند مہرے بنے ہوئے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش پر غالب ہوئے اسی بدر کے دن فارسیوں پر رومی غالب آئے تھے جو کہ مسلمانوں کی خوشی و مسرت کا موجب بنا۔ جیسا کہ پہلے بیان گزر چکا ہے۔

منقول ہے کہ ابوسفیان الموسی بدر سے لوٹنے کے بعد قریش کو روتے پیٹتے اور اظہار مصیبت کرنے سے روکتا تھا تا کہ ''شماتت اعداء کا موجب نہ ہو باوجو یکہ اس کا ایک بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا اور ایک بیٹا عمرو نامی قید ہوا تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک بیبیوں کے پاس جانے اور ان سے صحبت کرنے سے مجتنب رہے گا وہ نہ تو سر میں تیل ڈالے گا اور نہ زینت والے کپڑے پہنے گا جب تک کہ محمد (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ سے جنگ کر کے انتقام نہ لے لے گا۔'' اس کی بیوی ہندہ نے بھی اپنے باپ عتبہ اور اپنے بیٹے حنظلہ کے مارے جانے پر قسم کھائی تھی روز احد مشرکوں کا سرگروہ اور سردار ابوسفیان الموسی تھا۔

مروی ہے کہ جب حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو مدینہ منورہ کے وہ اصحاب جو کسی عذر سے پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ مقام ''روحا'' میں جو مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے آئے اور شرف استقبال سے مشرف ہوئے اور معذرت خواہی کی یہاں سب کی معذرت قبول فرمائی گئی اس لیے کہ یہ کسی متعین منصوبے کے تحت قتال کیلئے نکلنا نہ ہوا تھا بلکہ محض قافلہ کی سرکوبی و تاراجی منظور تھی۔ قتال تو اچانک واقع ہو گیا تھا لہٰذا کعب بن مالک سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غزوے میں تخلف نہ کیا مگر غزوۂ تبوک میں۔ اس کے سوا میں نے غزوۂ بدر میں تخلف کیا اور کسی تخلف کرنے والے پر اس وقت یعنی بدر کے موقع پر عتاب نہ فرمایا گیا۔ اس لیے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے قصد سے ہی نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر قصد اور تعین کے اچانک مسلمانوں اور دشمنوں کو جمع کرا دیا۔ انتہی۔ اس کے باوجود امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کر دیا ہے کہ فرمایا: لَايَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ بَدْرٍ وَّالْخَارِجُوْنَ اِلٰی بَدْرٍ. بدر سے رہ جانے والے اور بدر کی طرف جانے والے مسلمانوں کے درمیان برابری نہیں ہے۔''

اس جگہ ایک عجیب و غریب حکایت لوگوں میں مشہور ہے وہ یہ کہ بدر کے پہاڑوں میں ایک جگہ ہے اس جگہ سے اس نقارہ کی سی آواز سنی گئی جو بادشاہوں کے زمانہ میں فتح و نصرت کے علامت کے طور پر بجایا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس

وادی میں مسلمانوں کی فتح ونصرت کی علامت کیلئے سنائی گئی تھی۔اس جگہ فتح مبین اور نصرت عظیم واقع ہوئی ہے۔گزشتہ علماء سے سنا گیا ہے کہ اس جگہ ہوااس طرح لہراتی ہے کہ اس کی مانند آواز پیدا ہو جاتی ہے۔(واللہ اعلم)

صاحب مواہب لدنیہ جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب وغریب آثار کے بیان کرنے کے شائق اور متلاشی رہتے ہیں۔ اس بات کو اعتبار واعتماد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ اکثر اوقات بہت سے ان حاجیوں سے جو اس جگہ سے گزرتے ہیں سنا کرتا تھا کہ وہ کہتے ہیں وہاں نقارہ جیسی آواز سنائی دیتی ہے۔مگر میں ان کی اس بات کا انکار کرتا رہتا تھا اور ہمیشہ ان کی بات کی تاویل کر دیتا تھا کہ ممکن ہے وہ جگہ سخت ہو اور چوپایوں کے سموں کی آواز گونجتی ہو۔اس پر وہ کہتے کہ وہاں کی زمین نرم وریگزار ہے اور وہاں جو اونٹ وغیرہ چلتے ہیں تو وہاں کی سخت زمین میں بھی ان کے پاؤں کی آواز نہیں پیدا ہوتی چہ جائیکہ نرم وریگزار جگہ میں آواز پیدا ہو۔وہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور مجھے اس مقام شریف میں پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائی تو میں سواری سے اتر کر پیدا چلنے لگا۔میرے ہاتھ میں کیکر کی لکڑی کی چھڑی تھی۔فرماتے ہیں کہ میں ان باتوں کو بالکل بھول گیا تھا جو میں لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں سنا کرتا تھا۔میں دوپہر کے وقت جا رہا تھا کہ ایک اونٹ والے نے مجھ سے کہا۔کیا تم نقارہ کی مانند آواز سنتے ہو؟ جب میں نے وہ آواز سنی تو میں لرز گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مجھے لوگوں سے سنی ہوئی حکایتیں یاد آ گئیں۔اس وقت فضائے آسمانی میں ہوا چل رہی تھی میں نے پھر نقارہ کی مانند آواز سنی جس سے میں مدہوش ہو گیا اور مجھ پر ایسی فرحت وہیبت طاری ہوئی کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میری کیا حالت تھی۔اس کے بعد مجھے شک گزرا اور میں نے خیال کیا کہ شاید میرے ہاتھ میں جو چھڑی ہے اس سے ہوا ٹکراتی ہو اور میں ایسی آواز محسوس کرتا ہوں چونکہ اس عظیم الشان نشانی کی جستجو کا حریص ومتلاشی تھا لہٰذا میں نے اپنے ہاتھ سے چھڑی پھینک دی اور زمین پر بیٹھ گیا۔میں نے پھر نقارہ کی مانند آواز کو سنا جس سے میں حیرت ودہشت سے کھڑا ہو گیا۔یہ آواز اتنی صاف ومحقق تھی کہ میں کوئی شک وشبہ نہ کر سکا کہ یہ آواز نقارہ کی ہے یا کسی اور چیز کی۔ہم یمن کے نواح سے مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ ہم نے مقام بدر میں نزول کیا اور تمام دن بار باراس آواز کو سنتا رہا۔مجھے بتلایا گیا ہے کہ یہ آواز ہر ایک نہیں سن سکتا۔(انتہی)

راقم السطور عفا اللہ عنہ یعنی شیخ محقق مؤلف مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ جب اس مقام شریف میں پہنچ کر اس سے مشرف ہوئے اور بدر کے اس میدان کی زیارت کی جہاں مسلمانوں نے فتح ونصرت پائی تھی۔اس میدان کے مشاہدے سے وہ معرکہ جس میں حضور سیّدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام نے جنگ فرمائی اور مظفر ومنصور ہوئے یاد آ جاتا اور عالم تصور میں وہ منظر کھینچ جاتا۔میں نے اس جگہ کے دیکھنے اور اس آواز کے سننے کا ارادہ کیا۔میں نے اس وادی کے لوگوں کی اس جماعت سے جو وہاں کھڑی تھی حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے کہا۔ذٰلِكَ شَيْءٌ قَدْ يَكُوْنُ وَقَدْ لَا يَكُوْنُ. یہ صحیح کبھی سنائی دیتی ہے اور کبھی نہیں سنائی دیتی۔انہوں نے اتنے اصرار سے کہا کہ میری طلب وشناخت نے شوق نے مزید ابھارا (واللہ اعلم) جب میں مکہ مکرمہ میں آیا اور وہاں کے علماء ومشائخ سے میں نے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا (واللہ اعلم) ایک اور بات بڑی عجیب اور مضحکہ خیز یہ ہے جسے کہنا تو نہ چاہئے بہر حال میں جب اس مقام کی جستجو وتلاش میں گیا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں قیام فرمایا تھا اور ان بشارتوں کی جگہ کو دیکھنا چاہا جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمائی تھی۔جسے میں نے تاریخ مدینہ میں بھی بیان کیا ہے تو اچانک مجھے وہاں ایک جاہل اعرابی کھڑا ملا۔وہ بار بار یہ کہتا جاتا تھا یہ ابوجہل کا مقام ہے اور کبھی کہتا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام ہے۔یہ ابوجہل کا مقام ہے جب اس نے بار بار یہی کہا تو میں نے کہا ''رح لعنة الله عليه'' یعنی تو جا ابوجہل پر خدا کی لعنت ہو۔تو اس نے بحکم جاہلیت جو اس کی طبیعت میں رچی ہوئی تھی کہا ''لا لا کان قریشیا'' نہیں نہیں ایسا نہ کہو وہ قریشی تھا۔

سریۂ عمیر بن عدی: دوسرے سال کے واقعات میں سے حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر کو عصماء بنت مروان یہودیہ زوجہ یزید بن خطمی یہودی کے قتل کیلئے بھیجا۔ یہ ملعونہ عورت عصماء بڑی بے حیا اور یہودی عورتوں میں مشہور زبان دراز تھی۔ ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی برائیاں کرتی اور مذمت کرتی رہتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر ایذا پہنچاتی رہتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو عصماء کے گھر پہنچے اور اس کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اس کا گھر مدینہ سے باہر تھا۔ اس عورت کے قریب بچے تھے جن میں سے ایک کو وہ دودھ پلا رہی تھی۔ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بچوں کو اس سے دور کیا اور اپنی تلوار اس کے سینہ پر رکھ کر پشت سے گزار دی اور اسی رات لوٹ آئے۔ صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ''اس مروان کی لڑکی کو قتل کر دیا؟ عرض کیا ''ہاں'' فرمایا: لَا يَنْتَطِحُ فِيْهَا عَنْزَانِ یہ کہاوت اور مثل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی مرتبہ سنی گئی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔

مواہب میں ہے کہ حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا تھے۔ معارج النبوۃ میں کہا گیا ہے کہ عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا قدیم الاسلام تھے۔ محبت الٰہی میں خلوص نیت اور صفائے عقیدت رکھتے تھے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بسلامت مدینہ منورہ واپس لے آیا تو اس ملعونہ کو قتل کروں گا۔ حضرت عمیر نور بصر نہ رکھنے کے سبب سفر میں (یعنی بدر میں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی سے رہ گئے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقامت یعنی مدینہ منورہ میں داخل ہو کر اسے ٹٹول کر دیکھا کہ ایک بچہ اس کی چھاتی سے دودھ پی رہا ہے پھر اس بچے کو اس سے جدا کیا۔ (باقی قصہ اوپر مذکور ہو چکا ہے)

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خوف سے کہ اس میں کوئی معصیت تو نہیں ہوئی ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فعل کے بارے میں دریافت کیا کہ اس سے مجھ پر کچھ واجب تو نہیں ہوتا؟ لَا يَنْتَطِحُ فِيْهَا عَنْزَانِ. یہ پہلی کہاوت ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی گئی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا اَحْبَبْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰى رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بِالْغَيْبِ فَانْظُرُوْا اِلٰى عُمَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ. اگر تم محبوب رکھتے ہو کہ اس شخص کو دیکھو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی بے دیکھے مدد کی تو تم عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھو۔'' اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس نابینا کو دیکھو کہ کتنی سعی کی اور خدا اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کیا کام کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں اعمٰی یعنی نابینا نہ کہو بلکہ بصیر (دیکھنے والا) کہو۔ (انتہی) مخفی نہ رہنا چاہئے کہ معارج النبوۃ کے سلسلے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فعل کو حِسْبَةً لِلّٰهِ. بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے کیا ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے سریہ عمیر بن عدی۔ کا عنوان بھی نہیں دیا جس طرح کہ روضۃ الاحباب میں عنوان قائم کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

غزوۂ قرقرۃ الکدر: دوسرے سال ہی میں غزوۂ قرقرۃ الکدر واقع ہوا ہے۔ یہ ایک مقام کا نام ہے اور قرقرۃ زمین ''ملساء مطمئنہ'' کا نام اور ''کدر'' ایک پرندہ کی قسم ہے جس کا رنگ تیرگی میں ہوتا ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ قبیلہ بنی سلیم اور غطفان کے لوگ یہاں مجتمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت بنا کر اور ایک علم مرتب کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرما کر تشریف لے چلے اور مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابن ام کلثوم کو خلیفہ بنایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم اس جگہ پہنچے تو وہاں کسی کو نہ پایا۔صحابہ کی ایک ٹولی کو ان کی تلاش میں بھیجا تا کہ حزم واحتیاط کر لی جائے اور خود اپنے صحابہ کے ساتھ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔وہاں بہت سے چرواہے ملے جو اونٹوں کو چرا رہے تھے ان میں ایک غلام تھا جس کا نام ''یسار'' تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا بنی سلیم اور غطفان کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔اس نے بتایا کہ پانی کے کنارے اترے ہوئے تھے اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔اس کے بعد فرمایا ان تمام اونٹوں کو مدینہ منورہ کی طرف لے جاؤ۔ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پانچ سو اونٹ تھے۔(واللہ اعلم) صحابہ کی تعداد دوسو تھی۔تقسیم کے وقت پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک ایک صحابی کے حصہ میں دو دو اونٹ آئے۔معارج میں ہے کہ بعضوں نے تعداد زیادہ بتائی ہے۔اس روایت کے بموجب یا تو صحابہ کی تعداد دوسو سے کم ہوگی یا اونٹوں کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہوگی (واللہ اعلم) ''یسار'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کر دیا۔حضور کے آزاد کردہ غلاموں میں یسار بہت مشہور ہیں مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے تو حضور نے ملاحظہ فرمایا کہ یسار صحابہ کے ساتھ نماز میں مشغول ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یسار کی یہ حالت پسند آئی اور اسی وقت آزاد کر دیا۔اس مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت اقامت تین دن تھی۔بعض نے دو دن کہا ہے اور اس سفر کی مجموعی مدت پندرہ دن تھی۔بعض اہل سیر اس غزوۂ کو غزوۂ سویق کے بعد بیان کرتے ہیں اور بعض تیسرے سال کے واقعات میں شمار کرتے ہیں۔

سریہ سالم بن عمیر: مواہب لدنیہ میں غزوۂ قرقرۃ الکدیٰ کے بعد سریہ سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابی عفکہ یہودی کے پاس بھیجا۔یہ یہودی بہت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس سال کو پہنچ گئی تھی۔یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف لوگوں کو ورغلاتا اور ابھارتا تھا۔ایسے اشعار پڑھتا تھا جس میں لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف ہو جانے کی ترغیب ہوتی تھی۔حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف گئے اور اپنی تلوار اس کے جگر کے نیچے گھونپی اور اسے چرخ دیا۔وہ دشمن خدا چیخا اور جان دیدی۔روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس سریہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

غزوۂ قینقاع: اس کے بعد غزوۂ قینقاع (بفتح قاف وسکون یا وتثلیث نون اور پیش زیادہ مشہور ہے) واقع ہوا۔مدینہ منورہ میں یہ یہودی کی ایک بستی کا نام ہے اس بستی کے یہودی شجاعت اور صبر والے تھے۔یہ غزوۂ ہجرت کے بیسویں مہینہ کے شروع میں نصف شوال کو واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد واقع ہوا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کفار کی تین قسمیں بن گئی تھیں۔ایک قسم کفار کی وہ تھی جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کر لی تھی اور عہد کر لیا تھا کہ نہ تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔اگر دشمن چڑھ کر آ جائیں گے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔اس معاہدہ صلح میں یہودیوں کے تین گروہ تھے۔بنو قریظہ' بنو نضیر اور بنو قینقاع اور کفار کی دوسری قسم کی جنگجویوں کی تھی۔وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی وعداوت کے مقام میں کھڑے تھے جیسے قریش ان کے حلیف ومددگار وغیرہ اور کفار کی تیسری قسم وہ تھی جو نہ دوست تھے اور نہ دشمن جیسے عرب کے طوائف ومختلف قبیلے۔وہ انجام کار کے انتظار میں تھے کہ کیا پیش آتا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اپنی قوم کے ساتھ کس طرح نبٹتا ہے۔ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جو دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ وفتح کی خواہش رکھتے تھے اور کچھ لوگ اس کے برعکس تھے۔کچھ لوگ ان میں سے ظاہر میں دوستی اور موافقت کا اظہار کرتے تھے اور باطن میں دشمن ومخالف تھے۔یہ لوگ منافق کہلاتے تھے کیونکہ ان کا باطن ظاہر کے خلاف تھا

اوران کا دل اوران کی زبان ایک نہیں تھی۔ سب سے پہلے یہودیوں میں سے جس نے عہد کو توڑا اور وہ بنوقینقاع تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نصف شوال میں واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد جنگ کی۔

مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس تشریف لائے تو بنوقینقاع کے یہودیوں نے بغض وحسد اور عناد کا اظہار کیا اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے جو محاربہ کا علم بخوبی نہ جانتے تھے۔ اگر ہمارے ساتھ جنگ کریں تو معلوم ہو جائے کہ کس طرح ہم ان کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کا نقض عہد کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک مسلمان عورت بازار میں ایک سنار کے آگے بیٹھی تھی کہ ایک یہودی اس عورت کے پیچھے آیا اور اس نے اس کا دامن اٹھا کر اس کی پشت کی جانب سے باندھ دیا۔ مواہب میں اس فعل کو اس زرگر (سنار) کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کا ستر کھل گیا اس پر لوگ ہنسنے لگے۔ پھر وہ عورت فریاد کرنے لگی ایک مسلمان اس جگہ کھڑا تھا اس نے تلوار کھینچ کر اس یہودی کو یا اس سنار کو قتل کر دیا۔ پھر یہود قوم جمع ہوئی اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم یہود کو بلا کر نصیحت فرمائی کہ اس قسم کی حرکت سے باز آ جاؤ اور اے قوم یہود خدا کے غضب سے ڈرو کہ کہیں تمہیں بھی وہ کچھ نہ پہنچے جو قریش کو پہنچا ہے۔ اس پر وہ تمام یہود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیہودہ گوئی کرنے لگے اور نامعقول باتیں بکنے لگے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ قوم نقض عہد پر آمادہ ہے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ○ اے محبوب! اگر آپ اس معاہدہ قوم کے نقض عہد سے ان واضح نشانیوں کے باوجود جو آپ پر روشن ہو چکی ہیں ڈرتے ہیں تو ان کے عہد کو ان کی طرف برطریق عدل وراستی لوٹا دو۔ جنگ کرنے میں جلدی نہ کرنا تا کہ تمہاری جانب سے خیانت لازم نہ آئے۔ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری شروع فرمادی اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور ایک علم سفید حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمایا اور ان کی جانب متوجہ ہو گئے اور پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیے رہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب وہیبت ڈال دیا اور وہ اپنے محصور ہو جانے سے تنگ آ گئے تو وہ اترے اور اس پر راضی ہو گئے کہ ان کے تمام اموال حضور کے ہوں گے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے رہیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر باندھ دیئے جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو قتل کرنے کا حکم فرمائیں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول مشہور منافق نے ان کے گناہوں کے بارے میں درخواست کی کہ ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرمائیں اور وہ سوال کرنے' گڑگڑانے' بے حیائی اور بے ادبی میں حد سے گزر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے چھوڑنے پر بہت تنگ کر دیا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اور اس کی قوم پر لعنت بھیج کر ان کے خون سے درگزر فرمایا اور حکم فرمایا کہ وہ جلاوطن ہو جائیں۔ یعنی مدینہ کی آبادی سے نکل جائیں۔ ابن سلول اس میں بھی بہت گڑگڑایا مگر حضور نے قبول نہ فرمایا اور بنوقینقاع کا حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی کوئی معاہدہ وحلف تھا وہ بھی بحکم خدا اور رسول ایک ساتھ معاہدہ وحلف سے دستبردار ہو گئے۔ ان کو گھروں سے نکال دیا پھر وہ ''اذرعات'' (بفتح ہمزہ وسکون ذال وضم راء) علاقہ شام میں ایک زمین ہے وہاں جا کر شامل ہو گئے۔ کچھ زمانہ کے بعد وہ سب ہلاک ہو گئے اور ان کا مال واسلحہ مسلمانوں کا مال غنیمت بنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ان میں سے تین کمانیں' تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے اور ایک زرہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ایک زرہ سعد بن معاذ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان میں تین سو یہودی زرہ پوش تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ (خمس) جدا کریں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلا خمس ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جدا کیا گیا۔

نماز عید قربان اور قربانی: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی قینقاع سے واپس تشریف لائے تو نماز عید قربان ادا فرمائی اور اغنیا صحابہ کے ساتھ قربانی کی۔

امیہ بن صلت شاعر کا مرنا: اسی سال امیہ بن الصلت شاعر فوت ہوا ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں دینی جذبہ رکھتا تھا اور خدا پرستی کا خواہاں تھا۔ اس نے پچھلی کتابیں پڑھی تھیں اور دین نصاریٰ اختیار کر لیا تھا اور بتوں کی پرستش سے اس نے کنارہ کشی کر لی تھی اور وہ نور نبوت کے ظہور کا منتظر تھا۔ اپنی ذات میں خوبیوں محسوس کر کے اپنی نبوت و رسالت کا خبط سما گیا۔ جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور کی خبر سنی تو حسد اور سابقہ شقاوت ازلی کی بیماری میں گرفتار ہو کر کفر و انکار کی ضلالت میں پڑ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شعروں کو سن کر جو علم و حکمت کی باتوں پر مشتمل تھے اس کے بارے میں فرمایا: اٰمَنَ شِعْرُهٗ وَ كَفَرَ قَلْبُهٗ اس کی زبان ایمان لاتی ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اٰمَنَ شِعْرُهٗ وَ كَفَرَ قَلْبُهٗ. اس کے اشعار سے ایمان چھلکتا ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے۔

غزوۂ سویق: اس کے بعد ماہ ذی الحجہ کی پانچ راتیں گزرنے کے بعد غزوۂ سویق واقع ہوا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں یہ غزوہ واقع ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان اموی نے غزوۂ بدر کی واپسی کے بعد قسم کھا رکھی تھی کہ وہ اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئے گا اور نہ تیل ڈالے گا جب تک کہ اصحاب رسول سے انتقام نہ لے لے۔ چنانچہ ابوسفیان قریش کے دو سو سوار ایک دوسری روایت کے مطابق چالیس سوار لے کر مکہ سے باہر نکلا اور مقام عریض تک آ پہنچا۔ یہ مقام مدینہ منورہ کے ایک گوشہ میں تین میل کی مسافت پر ہے۔ تو یہاں اس نے کھجوروں کا ایک باغ جلا دیا اور ایک انصاری کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے یہ گمان کیا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر لی ہے اور اصحاب رسول سے انتقام لے لیا ہے۔ وہ مکہ کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو سو مہاجر و انصار کی جماعت کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھ بوجھ کم کرنے کی غرض سے راستہ میں سویق یعنی ستو پھینکتے گئے تھے۔ کیونکہ ان کا اکثر زادراہ یہ سویق ہی تھا۔ مسلمانوں نے اس کو اٹھا لیا اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہتے ہیں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ دن مدینہ طیبہ سے غائب رہے تھے۔ بعض اہل سیر غزوۂ سویق کو تیسرے سال میں بیان کرتے ہیں۔

اسی سال ماہ ذوالحجہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے اور ماہ شوال میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کی ولادت واقع ہوئی۔

ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات

ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ غطفان واقع ہوا۔ اس کو غزوۂ بنی ام (بفتح ہمزہ و میم) اور غزوۂ انمار (بفتح ہمزہ وسکون نون) بھی کہتے ہیں۔ یہ مقام نجد کے علاقہ میں سے یہ غزوہ بارہ ربیع الاولٰی کو واقع ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خبر ملی بنی ثعلبہ اور محارب کے لوگ نجد کے علاقہ میں مقام ذی ام میں جمع ہوئے ہیں تاکہ مدینہ منورہ کے گرد و پیش غارت گری کریں۔ ان کو دعثور (بفتح دال وسکون عین) بن

حارث محاربی نے مجتمع کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے اس کا نام ''غواث'' (بفتح غین وسکون واؤ) بیان کیا ہے۔ یہ ایک دلیر اور جنگجو شخص تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو طلب فرمایا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار سو پچاس سواروں کے ساتھ باہر تشریف لے چلے۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ مسلمانوں کو بنی ثعلبہ کا ایک شخص ملا اسے پکڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہم نشینی میں دے دیا۔

اتفاق سے بارش ہو گئی جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس اطہر اور صحابہ کے کپڑے بھیگ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لباس کو اتار کر خشک ہونے کیلئے ایک درخت کی شاخ پر پھیلایا اور خود اس درخت کے نیچے آرام فرما ہو گئے۔ وہ لوگ پہاڑ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دعثور سے کہا ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تنہا ایک درخت کے نیچے ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ سے دور ہیں۔ امید ہے کہ تو ان پر قابو پا لے گا۔ دعثور شمشیر اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آج کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ وہی میرا محافظ ہے۔'' اس کے بعد جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور ایک ہاتھ دعثور کے سینہ پر مارا' وہ گر پڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور فرمایا ''کون ہے جو تجھے مجھ سے بچائے گا؟'' اس نے کہا کوئی نہیں اور میں کہتا ہوں ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار اسے دے دی اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔ اس کی قوم نے اس سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا کہ تو تلوار سونت کر ان کے سرہانے بھی پہنچ گیا مگر کوئی وار نہ کیا۔ اس نے کہا' میں نے ایک مرد سفید بلند و بالا دیکھا جس نے ایک ہاتھ میرے سینہ پر مارا جس سے میں پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد دعثور نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی۔ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری جانب دست درازی کرے تو اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر کی مدت گیارہ روز تھی۔

مواہب لدنیہ میں ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہوا تھا۔ انتہیٰ۔ مگر میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ جو واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف کی حدیث کے ضمن میں صحیح بخاری میں ہے۔ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے محو خواب تھے اور آپ کی تلوار درخت کی شاخ سے آویزاں تھی۔ اس وقت ایک اعرابی آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کھینچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا من یمنعك منی مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ!'' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اسے دھکا دے دیا۔ بخاری میں اس کے ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے مگر قسطلانی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ اسلام لے آیا اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔ پھر اس کے ذریعہ ایک خلق عظیم نے راہ ہدایت پائی۔ اس کا مفصل تذکرہ غزوۂ ذات الرقاع میں انشاء اللہ آئے گا۔

قتل کعب بن اشرف یہودی: ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات میں سے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا قصہ ہے اور

یہ چودہ ربیع الاول کی رات میں واقع ہوا۔ مواہب میں اس کا عنوان ''سریہ محمد بن مسلمہ'' رکھا ہے۔ کعب بن اشرف ایک شاعر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو میں مشغول رہتا تھا اور کفار قریش کو جنگ کی ترغیبیں دیتا تھا۔ جب فتح بدر کی خبر اسے پہنچی اور اس نے سنا کہ صنادید قریش مارے گئے ہیں تو بہت ملول ہوا وہ قریش کی مزاج پرسی کیلئے مکہ گیا اور مقتولوں پر نوحہ اور مرثیہ خوانی کی۔ اس ضمن میں قریش کو جنگ پر ابھارا جب اس ملعون کی بری خصلت کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے حق تعالیٰ کی جانب میں دعا کی کہ ابن اشرف کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ جس طرح کہ تو چاہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا اور اس کے حضور سے اس کے ہلاک وقتل کرنے کا حکم ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ کچھ لوگوں کو اس کے قتل کرنے کیلئے بھیجو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے تم میں سے جو ابن اشرف کے شر سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ اس کی عداوت ہم پر خوب ظاہر ہو چکی ہے اور وہ ہماری اور مسلمانوں کی برائیاں کرتا ہے۔ وہ مشرکوں کو ابھارتا اور انہیں جنگ پر مجتمع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

کیا تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جن کو توریت کا کچھ حصہ ملا وہ نفس وشیطان کی پیروی کرتے ہیں اور ان لوگوں سے کہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا اور یہ لوگ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں مشورہ کریں۔ چار اور صحابہ نے بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا یعنی ابونائلہ رضی اللہ عنہ (جس کا نام ملکان بن سلام تھا اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی اور زمانہ جاہلیت میں اس کے مشیر تھے) عباد بن بشر، حارث بن اوس بن معاذ اور ابوعیسیٰ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ سب قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ روضۃ الاحباب میں اس قصہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم نے بخاری کی حدیث کو ماخذ قرار دے کر اس کا ترجمہ کیا ہے اور اس کی موافقت مع الفہ... اور کمی وزیادتی کو اس ترجمہ کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے تیار ہے۔ اس لیے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو ایذائیں پہنچاتا ہے۔ اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کروں۔ فرمایا ہاں۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''اگر اس کے قتل میں حیلہ جوئی کی جائے اور اسے فریب دیا جائے اور ایسی باتیں اس سے کی جائیں جو بظاہر شکایت اور نقض عہد بجناب رسالت سے متعلق ہوں تو کیا اس کے کہنے کی اجازت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو چاہو کہو اور اسے جس طرح چاہو قتل کرو۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب کے پاس گئے اور اس سے کہنے لگے یہ شخص یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے صدقات مانگتا ہے یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں اموال طلب کرتے ہیں۔ ہمیں دشواری ومشقت میں ڈال رکھا ہے (یعنی صدقات لینے اور احکام شرعیہ میں عمل کرانے سے) بخاری کی حدیث میں اتنا ہی ہے مگر روضۃ الاحباب میں اس قصہ کو اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ''یہ

شخص یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے سراسر آفت ہیں اور اہل عرب ہم سے جنگ کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ تجارت و آمدورفت کی راہ کو مسدود کر رکھا اور ہر وقت ہم سے صدقہ وغیرہ طلب کرتے ہیں حالانکہ ہم اتنا بھی حاصل نہیں کر سکتے جس سے ہم گزر سکیں۔ ہم کو رنج وتعب میں ڈال رکھا ہے۔'' کعب نے کہا ''بخدا ابھی سے تم ان سے ملول ہو گئے ہو۔ مطلب یہ کہ ابھی کیا ہوا ہے اس سے زیادہ ملال اور محنت ومشقت ان سے اٹھاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''اب تو خود ہم اس کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں قول دے دیا ہے اور ہم پسند نہیں کرتے کہ فوراً اپنے قول سے پھر جائیں۔ وہ ملعون اس بات سے بہت خوش ہوا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم مشورہ سے اس کام میں مامور تھے۔ ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں تم سے ایک ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ تم ہمیں وسق یا دو وسق شک راوی ہے از قسم عطام ہمیں قرض دو۔ وسق (بفتح واؤ وسکون سین) ایک وزن ہے جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں دسق کا ذکر نہیں ہے اتنا ہی ذکر ہے کہ ہمیں از قسم طعام قرض چاہئے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ کعب نے کہا ''ہم ہاں تمہیں قرض دیں گے اس شرط پر کہ تم کچھ میرے پاس گروی رکھو۔ انہوں نے کہا کیا چیز گروی رکھیں۔ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا ہم عورتوں کو کیسے گروی رکھ سکتے ہیں کیونکہ تم بہت خوبصورت اور خوش شکل ہو اور عرب کی عورتیں خوبصورتی اور خوش شکلی پر فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ مبادا وہ اس میں گرفتار ہو کر مبتلا ہو جائیں۔'' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تو مبتلا ہو جائے اور ان عورتوں سے بدکاری کرنے لگے۔ بناوٹی ادب وتعظیم کی بنا پر کعب کی طرف بدکاری کی نسبت کرنے سے بچے کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس نے کہا اگر عورتوں کو گروی نہیں رکھ سکتے تو اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا ہم بچوں کو گروی کیسے رکھ سکتے ہیں' لوگ ہمیں اس پر گالیاں دیں گے اور عیب لگائیں گے کہ ایک وسق یا دو وسق کھانے کے بدلے بچوں کو گروی رکھ دیا۔ یہ بات ہمارے لیے باعث شرم ہے لیکن ہم اپنے لامہ یعنی ہتھیار کو گروی رکھ سکتے ہیں۔ لامہ کی تفسیر اسلحہ کے ساتھ ہی کی گئی ہے مگر اہل لغت کہتے ہیں کہ لامہ کے معنی زرہ کے ہیں' پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعدہ کیا کہ اسے ہم رات میں لے آئیں گے۔ چنانچہ وہ رات میں آئے ان کے ساتھ ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح محمد بن مسلمہ بھی اس کے رضاعی اخوت کی نسبت رکھتے تھے۔ بہر حال محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب کو آواز دی۔ اس نے ان کو اپنے مکان کے اوپر بلانا چاہا اور انہوں نے چاہا کہ وہ اتر کر نیچے آئے تو وہ نو بیاہتا شخص تھا۔ اس کی بیوی نے اس سے کہا کہاں جا رہے ہو اور کس واسطے اس وقت تم باہر نکل رہے ہو؟ کعب نے کہا ''یہ کوئی غیر نہیں ہیں محمد بن مسلمہ اور اپنے بھائی ابونائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔'' بیوی نے کہا ''میں نے اس مرد کی آواز سنی ہے اس کی آواز سے خون ٹلپ رہا ہے'' حیرت ہے کہ عورت نے اس مفہوم کو کہاں سے پالیا۔ ممکن ہے آواز بلند کرنے میں سختی ہوگئی ہو اور اس میں کرختگی پیدا ہوگئی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ بات اس نے وقت وحال کے مشاہدہ سے جانی کیونکہ بے وقت رات میں ان کا آنا غیر عادی بات ہے۔ اس خصوصیت کی بنا پر اس نے جانا جس کا اسے پہلے علم تھا کہ تمام صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدق محبت اور صفائے عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ بدبخت کعب اس کا شوہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کے ساتھ خبث وعداوت رکھتا ہے۔ بے ارادہ اسے وحشت لاحق ہوگئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود معلوم ہوتا ہے وہ عورت کسی قرینہ اور استدلال کے بغیر جان نہیں سکتی۔ قسطلانی کہتے ہیں یہ کنایہ طالب شر سے ہے اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ فِیْ صَوْتِہٖ الشَّرَّ (میں شر والی آواز کو پہچانتی ہوں) جب عورت نے اسے باہر نکلنے سے بہت زیادہ روکا تو کعب نے اس سے کہا ''عزت والے بزرگ شخص کو اگر اسے نیزہ مارنے اور قتل کرنے کیلئے بھی بلایا جائے تو یقیناً وہ بات مانتا اور بلانے والے کی طرف جاتا ہے۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ جو باہم

اتفاق کر کے آئے تھے اور طے پایا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے سر کے بالوں کو سونگھوں گا اور جب تم دیکھو کہ میں نے بال مضبوطی سے پکڑ لیے ہیں تو تم تلوار سے گردن اڑا دینا۔ کعب چادر سے سر اور جسم کو لپیٹے نیچے آیا۔ اس کے سر سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں نے آج تک ایسی کوئی خوشبو نہیں دیکھی جیسی خوشبو تم سے آ رہی ہو۔ اس نے کہا'' میں نے عرب کی اس عورت سے نکاح کیا ہے جو خوشبو کو بہت پسند کرتی ہے اور ان میں وہ بہت خوبصورت'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں تمہارے سر کی خوشبو کو سونگھوں؟'''' اس نے کہا' اجازت ہے'' انہوں نے اس کے بالوں کو پکڑ کے سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنگھایا۔ پھر چھوڑ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر سونگھا اور بالوں کو مضبوطی سے ہاتھ میں لپیٹ لیا اور کہا'' اس دشمن خدا کی گردن اڑا دو'' انہوں نے اس ملعون کو قتل کر کے اس کے ناپاک جسم سے ناپاک سر کو جدا کر دیا اور مدینہ طیبہ کی طرف چل دیئے۔ اتفاق سے حارث بن اوس کو ساتھیوں کی تلوار سے زخم لگا یا اور کعب کے گھر اور قلعہ والے باہر نکل آئے اور ایک دوسرے پر پل پڑے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔ جب یہ صحابہ بقیع میں پہنچے تو بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل میں مشغول تھے۔ جب ان کی تکبیر کی آواز سنی تو جان لیا کہ وہ اس کا کام تمام کر کے آ گئے ہیں۔ آپ نے بھی تکبیر بلند فرمائی۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو اس دشمن خدا کا پلید سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ذلت وحقارت کے ساتھ ڈال دیا۔ یہ پہلا سر ہے جو اسلام میں کاٹا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر خدا ادا فرمایا۔ لعاب دہن شریف حارث بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس زخم پر لگایا جو ساتھیوں کی تلوار سے پہنچا تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ زخم اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ الحمد للہ۔

اس جگہ بعض ناقص الفہم کج طبع لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل میں یہ حیلہ کرنا اور دغا سے بلا کر مار ڈالنا کیا بارگاہ نبوت کے لائق تھا! وہ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ خیال طبیعت کی کجی اور عدم فہمی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ وہ واجب القتل تھا اور حق تعالیٰ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا تھا اس کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ تھا اسے جس طرح بھی ممکن ہوتا بہر طور قتل ہی کیا جاتا اور اگر جنگ میں مارا گیا ہوتا تب بھی تو یہی بات تھی کیونکہ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ جنگ ایک داؤ ہے۔ مشرکین کو قتل کرنا اور ان کے شر وفساد کو دور کرنا اصلاح عالم کے قصد اور اہل خیر کی بھلائی کیلئے ہے۔ بعینہ اس کی مثال یہ ہے کہ میوہ دار درختوں کی اصلاح وافزائش کیلئے بے کار اور زائد شاخوں کو درختوں سے چھانٹا جاتا ہے تاکہ درخت کی افزائش ہو اور اگر ان کی یہ اصلاح وچھانٹ نہ ہو تو درخت نہ تو پھل دے اور نہ وہ بڑھے۔ کیا بجائے خود ایمان وتصدیق حق نہیں ہے۔ کیا اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے۔

غزوۂ نجران: اسی تیسرے سال کے واقعات میں سے غزوۂ نجران ہے۔ اس کو غزوہ بنی سلیم بھی کہتے ہیں۔ یہ ''فرع'' کے نواح میں ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہاں بنی سلیم کے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ اپنے کنوؤں' تالابوں پر بکھرے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں گشت فرمائی لیکن کوئی مقابلے کیلئے نہ نکلا اس کے بعد آپ نے مراجعت فرمائی۔ اس وقت مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ یہ سفر دس دن کا تھا۔ جیسا کہ مواہب میں ہے اور یہ غزوۂ مواہب میں ہی تحریر ہے کسی اور کتاب میں مذکور نہیں ہے۔

سریۂ قردہ: اسی سال قردہ کی جانب ایک لشکر روانہ کیا گیا۔ قردہ (بفتح قاف وراء اور بعض کے نزدیک بکسر قاف وسکون راء بھی ہے۔ ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد کے چشموں میں سے ہے' اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش کا ایک قافلہ عراق کے راستہ سے شام کو جا رہا ہے۔ اس سے پہلے قریش حجاز کے رستہ سے شام جایا کرتے تھے لیکن بدر کے واقعہ کے بعد وہ ڈرنے لگے۔

انہوں نے وہ راستہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کرلیا۔ وہ ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کیلئے نکلے تھے۔ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ بھی تھا۔ ان کے ساتھ کثرت سے مال اور چاندی کے برتن تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہجرت کے اٹھائیسویں مہینے ماہ جمادی الآخر کی پہلی تاریخ کو سو سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ وہ اس قافلہ کے سر پر پہنچ گئے' قافلہ کے بڑے بڑے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے بقیہ پورے قافلہ کو گرفتار کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خمس اس میں سے جدا کرلیا جائے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ خمس بیس ہزار درہم اور ایک روایت میں پچیس ہزار درہم کا تھا۔ باقی مال غنیمت کو اہل سریہ تقسیم کیا گیا۔ ابن اسحٰق نے اس قضیہ کو کعب بن اشرف کے قتل کے قضیہ سے پہلے بیان کیا ہے۔

تاجر حجاز ابورافع کا قتل: اسی سال کعب بن اشرف کے قتل کے بعد تاجر حجاز ابورافع کا قتل واقع ہوا۔ اس کا قتل کعب کے قتل سے زیادہ عجیب وغریب ہے۔ صحیح بخاری میں اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور ان میں قدرے اختلاف مذکور ہے۔ ہم ان دونوں حدیثوں کو نقل کرتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک قول کے بموجب اس کا قتل چوتھے سال میں ہے۔ ایک قول کے بموجب پانچویں سال میں اور ایک قول سے چھٹے سال میں۔ قوی ترین وہی قول ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ ہم اس جگہ اس طریقہ سے کرتے ہیں جس طرح کعب کے قتل کا قصہ بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ قسطلانی نے شرح میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ چھٹے سال کے ماہ رمضان میں واقع ہوا۔ ابورافع کا نام عبداللہ بتاتے ہیں اور بعض سلام (بتشدید لام اور بتخفیف لام) کہتے ہیں اور یہ ابی الحقیق (بصیغہ تصغیر) کا بیٹا اور کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔ جو صفیہ کا شوہر تھا۔ اس کا ذکر غزوۂ خیبر میں آئے گا۔ یہ ابورافع' زمین حجاز میں ایک قلعہ کے اندر رہتا تھا۔ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں مشغول رہتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں مشرکوں کی اعانت کرتا تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے (جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے) بتوفیق الٰہی کعب کے قتل کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ قبیلہ خزرج کے لوگوں میں بھی ولولہ پیدا ہوا کہ وہ بھی کعب کی مانند کسی اعداء دین کے قتل کا کام سرانجام دیں۔ باہمی مشورہ کے بعد انہوں نے ابورافع کو منتخب کیا۔ یہ بھی پیغمبر خدا اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں مشغول رہتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں اپنے مال ومنال سے مشرکوں کی مدد کرتا تھا۔ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں ابورافع کے قتل کا شوق نہیں دلایا تھا بلکہ اہل خزرج نے اس کے قتل کی ازخود درخواست کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ خزرج والوں نے اپنی ایک جماعت اس کام کیلئے مقرر کردی اور ان پر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ اجازت کے بعد خیبر کی جانب جہاں ابورافع قلعہ میں رہتا تھا روانہ ہوئے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو غروب آفتاب کا وقت تھا اور قوم کے جانور چراگاہ سے لوٹ کر قلعہ میں داخل ہو رہے تھے۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم اس جگہ بیٹھے رہو' میں قلعہ کے دربان سے میل جول پیدا کر کے تمہیں بھی داخل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر وہ قلعہ کے قریب گئے اور انہوں نے اپنے سر کو لپیٹا اور اس طرح بیٹھ گئے جیسے قضائے حاجت کیلئے بیٹھتے ہیں۔ خود ایسا بنالیا گویا وہ اسی قلعہ کے باشندے ہیں۔ اس کے بعد دربان نے کہا ''او بندۂ خدا اگر تو آنا چاہتا ہے تو جلدی آ کیونکہ میں دروازہ بند کروں گا۔ چنانچہ میں قلعہ میں داخل ہو کر جہاں گدھے بندھے ہوئے تھے وہاں چھپ کر بیٹھ گیا۔ میں وقت کا انتظار کرتا رہا جب لوگ ابورافع کے پاس سے کھانا کھا کر باتیں کر کے چلنے لگے اور وہ اس کے پاس سے نکل گئے۔ حرکات ساکن ہوگئے اور آوازیں بیٹھ گئیں یعنی سنسان اور ہو کا عالم طاری ہوگیا۔ میں نے دربان کو دیکھا کہ دروازے کی چابی طاقچہ میں رکھ کر سونے کیلئے چلا گیا ہے۔ میں اٹھا اور چابی

اٹھا کر دروازہ کو کھول دیا۔ یہ میں نے اس لیے کیا کہ اگر بالفرض قلعہ والوں کو میری خبر ہو جائے اور وہ مجھے جان لیں تو نکل کر بھاگ سکوں۔ اس کے بعد میں نے ابورافع کی جستجو کی۔ دیکھا کہ وہ بالا خانہ میں ہے اور جاگ رہا ہے اور قصہ خواں اسے قصہ سنا رہا ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ وہ اسے افسانہ سنا رہا تھا۔ جب فارغ ہو گیا تو ابورافع سونے کیلئے چلا گیا۔ ان کے بعد میں نے بالا خانہ کے دروازے کھولے اور اندر چلا گیا اور جس کمرے کو میں کھولتا اسے اندر سے بند کر لیتا تا کہ اگر کسی کو میری آہٹ ہو جائے تو وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ میں اس کمرے تک پہنچ گیا جہاں ابورافع کا کمرہ واقع تھا۔ میں نے اسے دیکھا کہ وہ اندھیرے کمرے میں اپنے اہل وعیال کے درمیان سو رہا ہے لیکن میں اتنا نہ جان سکا کہ وہ کمرے کے کس گوشہ میں سو رہا ہے۔ کیونکہ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس وقت میں نے اسے آواز دی اور میں نے پکارا۔ ''او ابورافع! وہ جاگ اٹھا اور کہنے لگا'' ''یہ کون ہے؟'' پھر میں نے اس کی آواز کی طرف تلوار چلائی۔ اس انتہائی خوف ودہشت کی بنا پر جو اس وقت مجھ پر طاری ہو گئی تھی تلوار کا وار کارگر نہ ہوا اور ابورافع چیخنے چلانے لگا' میں کمرہ سے باہر نکل آیا۔ کچھ دیر بعد میں اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اپنی آواز کو بدل کر گویا میں اس کی مدد کرنے کیلئے آ گیا ہوں۔ میں نے کہا ''اے ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟'' اس نے کہا ''تیری ماں پر افسوس ہو کوئی شخص گھر میں ہے' اس نے تلوار کا مجھ پر وار کیا ہے۔'' اس مرتبہ بھی میں نے اس کی آواز پر تلوار ماری اب بھی اس کا وار کارگر نہ ہوا تو میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ اتنا زور لگایا کہ وہ اس کی پشت سے پار ہو گئی اور ہڈیوں کے ٹوٹنے کی میں نے آوازیں سنیں۔ اس کا کام تمام ہو گیا۔ پھر میں نے کمرے کے دروازے کھول کر زینہ میں داخل ہو کر نیچے آنا چاہا۔ چاندنی رات تھی میں نے خیال کیا کہ زمین ہے قدم بڑھایا دھڑام سے گر پڑا اور میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ پھر میں نے ٹوٹی ٹانگ پر اپنی دستار باندھی اور ایک پاؤں سے کودتا چل دیا اور اپنے ساتھیوں میں جا کر مل گیا۔ ہم اس وقت تک وہاں ٹھہرے رہے جب تک کہ ہم نے قلعہ کے باہر سے رونے پیٹنے اور نالہ وشیون کرنے کی آوازیں نہ سن لیں۔ ہم نے سنا لوگ کہہ رہے تھے کہ تاجر حجاز ابورافع مارا گیا۔ پھر میرے ساتھی مجھے اٹھا کر مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بشارت دیتے ہوئے فرمایا ''اے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہیں مبارک ہو۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر پھیرا' وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی اور میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ابورافع کے قتل کے سلسلہ میں یہ روایت بخاری میں مرقوم ہے۔ سیر کی دیگر کتابوں میں اسے اور طریقہ سے بیان کیا گیا ہے لیکن جو کچھ صحیح بخاری میں مذکور ہے اس کا بیان کرنا زیادہ بہتر ہے۔

امام حسن مجتبیٰ کی پیدائش: اسی تیسرے سال میں پندرہ ماہ رمضان مبارک کو سبط رسول فلذۃ بتول ریحانہ مشموم امام مسموم' نور دیدۂ مصطفیٰ امام حسن مجتبیٰ علی جدہ وعلیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت ہوئی۔

نکاح سیّدہ اُم کلثوم بعثمان ذوالنورین: اسی سال سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ان کی ہمشیرہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کے بعد جن کی وفات غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوئی تھی سیّدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ منعقد ہوا۔

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کو اور سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خزیمہ کو اپنے عقد نکاح میں لائے۔

غزوۂ احد

اسی تیسرے سال ہجرت میں غزوۂ احد واقع ہوا جو ماہ شوال کی گیارہ راتیں یا سات راتیں گزرنے کے بعد ہوا۔ بعض لوگ نصف شوال کہتے ہیں اور مالک سے منقول ہے کہ بدر کے ایک سال بعد واقع ہوا اور انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ ہجرت کے اکتیسویں مہینہ کے شروع میں واقع ہوا۔ یہ غزوۂ بھی غزوات عظیمہ میں سے ہے۔ غزوات اسلام اور قوت دین میں یہ غزوۂ بدر کی مانند ہے بجز اس بات کے کہ بدر میں حسن و جمال اور فضل وکمال تھا اور غزوۂ احد میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کرشمہ بھی ہے۔ اس بنا پر اس میں بدر کے قیدیوں کے فدیہ کا بدلہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس بنا پر بھی کہ بعض اصحاب اس مرکز استقامت سے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے متعین فرمایا تھا متزلزل ہوئے اور ثابت قدم نہ رہے اور مال غنیمت اور دنیاوی ساز وسامان کے اکٹھا کرنے کی طرف مائل ہوگئے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے: مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. ''کچھ لوگ تم میں سے دنیا کی خواہش رکھتے ہیں اور کچھ آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' اس آیت میں اس متزلزل و وحشت کے سوا ان چیزوں کا بھی اشارہ فرمایا گیا جو آئندہ ذکر کی جائے گی۔ معارج میں کہا گیا ہے کہ وحشت میں مبتلا کرنے والا غزوۂ احد کا ہے اور آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی فتح ونصرت اور عزت ورفعت واقع ہوئی۔ مواہب میں بعض علماء سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست و ہزیمت ہوئی۔ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقین کامل پر گامزن تھے لہٰذا ہزیمت کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا یقین کے نفی کو مستلزم ہے اور یہ موجب کفر ہے۔

احد (بضم ہمزہ حا) مدینہ منورہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہ توحد سے بنا ہے۔ اس بنا پر کہ یہ دیگر پہاڑوں سے علیحدہ منفرد اور منقطع ہے۔ یہ پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے' یہ مدینہ منورہ کے شمال کی جانب دو میل یا اس سے کچھ زیادہ مسافت پر واقع ہے۔ کوئی پہاڑ اس سے ملا ہی نہیں ہے۔ اس بنا پر اس کا نام احد ہے۔ یہ اہل ایمان و توحید کی نصرت کا مقام ہے۔ اس نکتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کا اس پر اطلاق اہل اسلام کی شہرت اور فضیلت دینے سے ہوا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس پر اس نام کا اطلاق وجود اسلام سے پہلے سے ہے۔ احادیث کریمہ میں اس پہاڑ کے بکثرت فضائل وارد ہوئے ہیں اور کتاب ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' میں ان سب کو بیان کر دیا گیا ہے۔

جبل احد شریف کی فضیلت میں یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ اُحُدٌ جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ. احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک احد پہاڑ پر پڑی تو تکبیر بلند کر کے فرمایا۔ هٰذَا جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ عَلٰى باب من ابواب الجنة. یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں جو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ پھر مدینہ منورہ کے جنوب کی جانب ایک پہاڑ ہے جس کا نام ''عیر'' (بفتح عین وسکون یاء) ہے۔ اس کی شان میں فرمایا عَيْرٌ جَبَلٌ يُّبْغِضُنَا وَنُبْغِضُهٗ عَلٰى بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ النَّارِ. عیر وہ پہاڑ ہے جو ہم سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور ہم بھی بغض وعداوت اس سے رکھتے ہیں۔ یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض وعداوت اور سعادت وشقاوت جمادات میں بھی پیدا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور میں جانبین سے محبت یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جبل احد کی طرف نسبت اور جبل احد کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت حقیقت پر محمول ہے۔ لہٰذا جبل احد جنت میں داخل ہوگا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. ''جو جس کے ساتھ محبت رکھے گا اسی کے ساتھ ہوگا۔''

پہاڑوں میں عشق ومحبت کا پیدا فرمانا' جمادات میں وجود تسبیح کے حکم پر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کائنات کی ہر چیز حق تعالیٰ کی حمد وتسبیح کرتی ہے اور جبکہ پہاڑ اور تمام جمادات حق تعالیٰ کی حمد وتسبیح اور اس کے ذکر کا محل ہیں تو اگر اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کے ساتھ بھی وہ موصوف ہوں تو کیا مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جلیل المنزلت پہاڑ سے فرمانا کہ اُسْکُنْ یَا اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ نَبِیٌّ اَوْ شَهِیْدٌ. اے احد ساکن رہ بلاشبہ تجھ پر نبی یا شہید ہے۔ یہ ارشاد عقل و فہم اور عشق ومحبت جو کہ لوازم فہم وعقل کے وجود پر دلیل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں کا سلام کرنا اور آپ کی جدائی میں استن حنانہ کا رونا اس مقصد پر دلائل واضح ہیں۔ محبت وعداوت کو وہاں کے رہنے والوں کی محبت وعداوت سے تاویل کرنا از قسم جہالت ونادانی ہے۔ اسی طرح یہ جو بعض کہتے ہیں کہ یہ ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اس مسرت وخوشی کے اظہار کی طرف اشارہ فرمانا ہے جو سفر سے واپسی کے وقت جبل احد کے دیکھنے سے جو اعظم وارفع آثار وعلامات اس شہر مدینہ طیبہ کا حامل ہے۔ مسرت وخوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ زبان حال سے شہر مدینہ کے قریب ہونے اور وہاں کے رہنے والوں سے محبت کرنے کی خبر دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر اور بشارت دی ہے اور یہ کام محبت کرنے والوں کا ہے بغیر اس قید کے کہ علم وعقل اور قیاس کے ساتھ کوئی تنگی ودشواری ہو۔ لیکن تحقیقی بات وہی ہے جو ارباب بصیرت نے فرمائی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بحث طویل ہے اب ہم اپنے مقصود کی طرف لوٹتے ہیں جو غزوۂ احد سے متعلق ہے۔

جب مشرکین قریش بدر سے بھاگ کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان' اپنے قافلہ کو مکہ لے آیا اور قافلہ کے مال کو ''دارالندوہ'' میں رکھا منادید قریش اور ان کے بیٹے بدر میں مارے گئے تو ابوسفیان نے لوگوں سے کہا کہ اپنے اموال سے ہماری اعانت کرو تا کہ اس سے ایک لشکر کا سامان فراہم کریں اور اپنا کینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکالیں اور ان سے جنگ کر کے اپنا انتقال لیں۔ افسوس تم لوگ کتنے بے عقل ہو' محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے تو اپنا کینہ نکالنے کی خواہش رکھتے ہو لیکن تم سے خدا جو (شرک وکفر اور ایذا رسانی کا) بدلہ لے گا اس کا علاج تمہارے پاس کیا ہے۔ کیا کرو گے کیوں کہ وہ فرماتا ہے: اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ. ''ہم مجرموں سے انتقال لینے والے ہیں۔''

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تمام مال ایک ہزار اونٹ کے بوجھ کا تھا اور راس المال یعنی اصل قیمت اس کی پچاس ہزار مثقال تھی اور اس کا نفع بیس ہزار مثقال تھا چنانچہ انہوں نے راس المال تو مالکوں کو لوٹا دیا اور نفع کو لشکر کی تیاری کیلئے روک لیا۔ ان لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ۵	بیشک جنہوں نے کفر کی اپنے اموال کو خدا کی راہ سے روکنے کیلئے خرچ کرتے ہیں تو وہ ان اموال کو خرچ کریں گے۔ اس کے بعد ان پر حسرت ہوگی پھر وہ مغلوب ہوں گے۔

اس کے بعد انہوں نے عرب کے چرب زبانوں کی ایک جماعت کو جن میں عمرو بن العاص بھی تھے قبائل عرب کی طرف بھیجا تا کہ ان کو مدد واعانت پر آمادہ کریں اور بہت بڑا لشکر جمع کریں اور ان کے ہم خیال ایک دل بن جائیں۔ عورتوں کی ایک ٹولی بھی ان کے ہمراہ بھیج تا کہ وہ بدر کے مقتولوں پر جن کے زخم ابھی تازہ تھے نوحہ کریں اور ایسے گانے گائیں جن سے جوش انتقال پیدا ہو۔ ان میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ولولہ ابھرے اور اس میں وہ مضبوط رہیں۔ اگرچہ ابوسفیان اس میں چنداں راضی نہ تھا لیکن اس کی بیوی ہندہ دختر عتبہ بن ربیعہ عورتوں کے بھیجنے میں مصر رہی۔ جب موجودہ لشکر کی گنتی کی گئی تو یہ تین ہزار نفری پر مشتمل تھا جن میں سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے' تین ہزار اونٹ اور پندرہ سو عورتوں کے ہودج تھے۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے نکل پڑے۔

سبحان اللہ کہاں جا رہے ہیں اور کس کام کیلئے جا رہے ہیں۔ کس سے جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ من الغفلۃ والشقادۃ)

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو اس وقت مکہ میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں لشکر کفار کی تعداد اور اس کی پوری کیفیت درج تھی اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ تین دن میں یہ خبر پہنچا دے۔

اس کے بعد لشکر کفار مدینہ طیبہ کی طرف چل دیا۔ اس لشکر کی سرداری ابوسفیان کے سپرد کی گئی کیونکہ وہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں بہت سخت تھا۔ جب یہ لشکر کفار ذوالحلیفہ پہنچا جو مدینہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے تو اس نے وہاں تین دن قیام کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن المنذر کو جو صاحب عزم اور رزم تھے۔ لشکر کفار کی تعداد اور کیفیت معلوم کرنے کیلئے روانہ کیا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ لکھا تھا یہ بھی ویسی ہی خبر لائے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَحْوَلُ وَبِكَ اَصُوْلُ۔ ''ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔ اے خدا تجھ سے ہی میں طاقت مانگتا ہوں اور تجھ ہی سے میں رعب و دبدبہ چاہتا ہوں۔'' اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی کو ایسی خبر ملے جس میں کسی دشمن وغیرہ کی طرف سے خوف و ہراس ہو تو چاہئے کہ وہ بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرے۔ اس پر توکل کرے اور اس سے استعانت واستمداد کی کوشش کرے۔

معارج النبوۃ میں واقدی سے منقول ہے کہ جب یہ مشرکین ''ابواء'' میں پہنچے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر ہے تو انہوں نے چاہا کہ حضرت آمنہ کی قبر کو کھود کر ہڈیاں نکال لیں تاکہ اگر بالفرض ہماری عورتیں ان کی قید میں چلی جائیں تو ہم کہیں کہ تمہاری والدہ کی ''عظام رنیم'' یعنی قبر کی ہڈیاں ہمارے قبضہ میں ہیں تو وہ لامحالہ اس کے بدلہ میں ہماری عورتوں کو واپس کر دیں گے۔ اگر عورتیں ان کی قید میں نہ آئیں تو ہم مال کثیر کے بدلہ میں یہ ہڈیاں ان کے حوالہ کر دیں گے۔ جب انہوں نے ابوسفیان سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس نے ان کی رائے کو بودہ اور کم عقل قرار دیا اور کہا کہ بنوبکر اور خزاعہ جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف و دوست ہیں اگر وہ اس بات پر مطلع ہو جائیں گے تو وہ ہمارے مردوں کی تمام قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال لیں گے۔

اس کے بعد ابوسفیان وہاں سے لشکر کفار کے ساتھ چل دیا اور احد کے کنارے بطن وادی میں مدینہ طیبہ کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ جمعہ کی رات گزار کر ہفتہ کے دن فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ بعض مشاہیر صحابہ نے مثلاً حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور سیّد بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دلاوران صحابہ کی جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیلئے کھڑے ہو گئے اور تمام رات جاگ کر پہرہ دیا۔ بعض اور مسلمانوں نے بھی اس رات مدینہ میں پاسبانی کی۔ ''اس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جب صبح ہوئی تو فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں گایوں کو ذبح کر رہا ہوں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو زرہ میں مضبوطی سے ڈال لیا ہے۔'' مواہب لدنیہ میں خواب کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے لیکن روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ میں نے ایک زرہ پہن رکھی ہے اور ذوالفقار میں چند رخنے پڑ گئے ہیں اور گایوں کو مار ڈالا گیا ہے۔ اس کے پیچھے ذبح کیا ہوا دنبہ ہے۔ ''ذوالفقار'' منبہ بن حجاج سہمی کی تلوار کا نام ہے جو غزوۂ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوئی تھی اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کیلئے لے لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ غزوۂ خندق میں آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ صحیح بخاری میں مطلقاً تلوار بیان کی گئی ہے لیکن قسطلانی نے کہا ہے کہ مراد ذوالفقار ہے۔ نیز صحیح بخاری میں خواب کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو گھما رہا ہوں تو وہ صدر یعنی درمیان سے ٹوٹ گئی۔ اس سے یہ تعبیر نکلی کہ مسلمانوں کو شکستگی

اور ہزیمت اٹھانی پڑی۔ فرماتے ہیں میں نے اس تلوار کو دوبارہ گھمایا تو وہ پہلے سے بہتر ہوگئی۔ اس کی یہ تعبیر تھی کہ بعد میں مسلمانوں کو فتح واجتماع سے حق تعالیٰ نے بہرہ ور فرمایا۔" اس خبر اور خواب کو روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں بیان نہیں کیا گیا۔"

اب باقی رہی وہ بات جو خواب کی بقیہ تعبیر کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہے زرہ محکم سے مدینہ طیبہ اور ذوالفقار کے رخنہ سے مراد وہ مصیبت تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی چنانچہ آپ کا لب' دندان اور رخسار شریف مجروح ہوئے۔ ارباب سیرؒ فرماتے ہیں کہ ذوالفقار کے رخنہ سے مراد اہل بیت رسول میں سے کسی شخص کا شہید ہو جانا ہے۔ چنانچہ سیّد الشہد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہوگئی اور گایوں سے مراد صحابہ کرام کی شہادت ہوگی جو روز احد واقع ہوئی۔

مخفی نہ رہنا چاہئے کہ بقر اسم جنس ہے اور مواہب نے جو یہ کہا ہے کہ بقر سے مراد میرے صحابہ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شہید ہوئے ہیں۔ بہتر ہے لیکن کبش یعنی دنبہ اس سے لشکر کفار مراد ہے۔ مطلب یہ کہ ان میں کوئی بڑا شخص ہے اور ان بڑوں میں سے ایک نام "کبش الکتبہ" بتاتے ہیں جو مارا گیا ہے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے اور معارج النبوۃ میں ہے کہ اس سے دشمنوں کے بڑے لوگ مراد ہیں۔ (کذا قالو)

اس مسکین (یعنی مولف مدارج النبوۃ) کے ذہن میں ایسا آتا ہے کہ بقر سے عام صحابہ مراد ہوں گے اور کبش (دنبہ) سے خالص صحابی وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حملہ کرنے میں مینڈھے کی مانند تھے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انصار کے وہ حضرات جو غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ وہ عدم حاضری پر حسرت وافسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ کوئی ایسا قضیہ اور معرکہ پیش آئے جس میں اس کوتاہی کی تلافی اور حیر مافات کرسکیں۔ جس طرح کہ انہوں نے کعب بن الاشرف کے قتل میں خواہش کی تھی اس جیسی خدمت میں ہمارے ہاتھ سے بھی واقع ہوتا کہ ہم بھی پیچھے نہ رہیں۔

مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا بعض کی رائے یہ تھی کہ مدینہ طیبہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے اور عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ جگہ بھیج دینا چاہئے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے شریف بھی انہیں کے موافق قائم ہوئی تھی اور عبداللہ بن ابی منافق بھی یہی رائے دیتا تھا لیکن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین کی ایک جماعت' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اوس وخزرج کے لوگ رائے دینے لگے کہ ہم نے مدینہ میں پناہ لے کر مقابلہ کیا تو دشمن اسے ہماری کمزوری پر محمول کرے گا جو اس کی جرأت وقوت کا موجب بنے گا۔ ہمیں حق تعالیٰ نے روز بدر باوجود یہ کہ ہم تین سو سے زیادہ نہ تھے اپنی نصرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آج تو بحمد اللہ ہمارا لشکر قوی' مستحکم اور بہت زیادہ ہے اور ہمارا دبدبہ اور رعب بہت ہے اور ہم مدتوں سے ایسے وقت کی آرزو میں تھے۔ مالک بن سنان' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہمارے لیے دونوں صورتیں اچھی ہیں کامیاب وفتح یاب ہوں یا شہادت پائیں۔ ہمیں دونوں ہی محبوب ہیں۔" حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا" قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا۔ میں اس وقت روزہ افطار نہ کروں گا جب تک کہ میں مشرکوں کے ساتھ اپنی تلوار سے جنگ نہ کروں۔" نعمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار میں جانباز اور دلاوروں میں سے تھے۔ عرض کرنے لگے۔" یا رسول اللہ! گایوں کا ذبح ہونا جو خواب میں آپ کو دکھایا گیا ہے وہ میرا قتل ہونا ہے اور قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں میں جنت میں داخل ہوں گا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کس سبب سے؟ عرض کیا" اس سبب سے کہ میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں اور معرکہ جنگ سے میں منہ نہیں موڑتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم ٹھیک کہتے ہو اور حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں واقع شہادت پائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن صادق اگر یقین کرے بلکہ قسم کھائے کہ

میں جنت میں داخل ہوں گا تو درست ہوگا اور اچھا ارادہ کرنا ہی چاہئے۔ یہ حقیقت میں امید کا غلبہ اور وعدہ حق پر وثوق اور اس کی ذات پر حسن ظن ہے۔ انه لایجیب من رجاه. بلاشبہ حق تعالیٰ اسے ناامید نہیں فرمایا جو اس سے امید رکھے۔

غرضیکہ صحابہ کرام نے از حد مبالغہ اور اصرار کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر جنگ کرنے کی طرف مائل ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی ظاہر فرمادی اگرچہ جبراً تھی۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو پند و نصائح فرمائے اور جد و جہد کی تلقین فرمائی۔ خبر دی کہ اگر تم نے صبر کیا اور ثابت قدمی دکھائی تو تمہاری نصرت ہوگی۔ حکم فرمایا کہ لشکر کو ترتیب میں مشغول ہو جائیں۔ اس پر وہ حضرات جو باہر نکل کر جنگ کرنے کے خواہش مند تھے بہت خوش ہوئے۔ جب آپ نے نماز عصر ادا فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریف میں داخل ہوئے۔ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کی خدمت بجالانے کیلئے حجرے میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر دستار شریف کو درست کیا اور زرہ کو زیب تن اقدس کرایا۔ تمام اسلحہ جسم اطہر پر لگائے۔ حجرہ مبارکہ کے باہر ایک خلق کثیر صف باندھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے انتظار میں کھڑی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ زمام اختیار آپ کے دست اقدس میں ہی دیدی جائے اور آپ کو مجبور نہ کیا جائے اور نہ اصرار و مبالغہ کیا جائے۔ یہ گفتگو کر رہے تھے کہ خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات حجرہ مبارکہ سے مسلح، زرہ پہنے اور سر مبارک پر دستار شریف باندھے کمر سے پٹکا باندھے تلوار حمائل کئے نیزہ ہاتھ میں لیے خراماں خراماں باہر تشریف لائے۔ جب صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیبت میں دیکھا تو سب حیران و پشیمان ہو گئے۔ سب بیک زبان عرض کرنے لگے۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ آپ کی رائے مبارک کے خلاف کچھ کہیں۔ جو بھی آپ کی مرضی مبارک ہو ہم وہی کریں گے' ہم سے غلطی ہوئی کہ اس باب میں ہم نے اصرار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے میں تم سے کہہ رہا تھا تم نے نہ سنا اور برابر مبالغہ و اصرار کرتے رہے اب سزاوار نہیں ہے کہ جب اللہ کا نبی سلاح پہن لے تو اسے اتارے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان حکم و فیصلہ نہ فرما دے۔ اب جو کچھ میں تم سے کہوں اور کروں' سنو اور عمل کرو اور صبر و استقامت پر رہو۔ تمہاری نصرت ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوۂ کی ابتدائے کار ہی اختلاف و کراہت پر تھی اور بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی اختیار فرمانا پڑا کہ باہر نکلیں اور بحکم الٰہی: فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (جب تم عزم کرلو تو اللہ پر توکل کرو) اس وقت تین علم مرتب کئے گئے۔ مہاجرین کا علم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو' بعض کہتے ہیں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور قبیلہ ''اوس'' کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور قبیلہ خزرج کا علم حضرت خباب بن المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ حضرت عبداللہ بن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا اور احد کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اسلامی لشکر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ان میں سو زرہ پوش تھے۔ لشکر اسلام کی تعداد ایک ہزار تھی اور ایک روایت کے بموجب نو سو تھی۔ سعدین یعنی حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں زرہ پہنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب یہ منزل شیخین میں پہنچے تو لشکر کا ایک غول دیکھا ان کی آواز کی سختی و کرختگی حضور کے سمع مبارک میں پہنچی۔ دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ عبداللہ ابن ابی حلیف یہود کے لوگ ہیں۔ فرمایا: لَا تَسْتَنْصِرُوْا بِاَهْلِ الشِّرْكِ عَلٰى اَهْلِ الشِّرْكِ. ''شرک والوں کے ساتھ مشرکین پر مدد نہ لو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ لشکر اسلام کی گنتی کی اور صحابہ کے بچوں کی ایک ٹولی کو ملاحظہ فرمایا اور ان کو ان کی صغر سنی کی بنا

پر مثلاً عبداللہ بن عمر بن خطاب' زید بن ثابت' اسامہ بن زید' زید بن ارقم' براء عازب' ابوسعید خدری' سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کو فرمایا کہ یہ سب مدینہ منورہ واپس چلے جائیں۔ یہ کرنے لگے۔''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رافع تیرانداز ہے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شامل لشکر رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رافعہ کو تو شمولیت کی اجازت مل گئی حالانکہ میں ان کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ فرمایا اچھا تم دونوں کشتی کر کے دکھاؤ۔ جب کشتی ہوئی تو سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رافع کو پچھاڑ لیا اس پر سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شمولیت کی اجازت مل گئی۔

جب آفتاب غروب ہوگیا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی' آپ نے نماز باجماعت ادا فرمائی۔ رات اسی منزل میں ہوگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار میں قیام فرما تھے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس افراد کے ساتھ لشکر کی پاسبانی کیلئے مقرر فرمایا۔ مشرکین قریب آتے اور دیکھتے کہ لشکر اسلام کیا کرتا ہے۔ لشکر کفار میں بھی عکرمہ بن ابوجہل کو مقرر کیا گیا کہ وہ لشکر کفار کی پاسبانی کریں۔ جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور راہ بر کو طلب فرمایا تا کہ وہ دشمنوں کے سر پر عمدہ راستہ سے لے جائے۔ ابوحثمہ حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خدمت کو قبول کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ابوحثمہ راہبر بنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احتیاط کے ساتھ احد تک پہنچا دیا۔ راہ میں ایک منافق کے احاطہ پر سے گزر ہوا جس کا نام مربع بن قبطی تھا جو ظاہر و باطن میں اندھا تھا۔ اس منافق نے لشکر اسلام پر خاک اچھالنا شروع کردی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا اگر آپ خدا کے رسول ہوتے تو میرے احاطہ میں داخل ہو کر میرے احاطہ کو خراب نہ کرتے۔ سعید بن زید اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے سر پر کمان مار کر اس کا سر توڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دَعْهُ فَإِنَّهُ الْأَعْمٰى أَعْمَى الْقَلْبِ. ''اسے چھوڑ دو یہ اندھا ہے' دل کا اندھا۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد میں پہنچے تو نماز صبح کا وقت ہوگیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی اور اقامت کہی۔ صفیں درست کی گئیں اور آپ نے نماز باجماعت ادا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک زرہ اپنے جسم مبارک پر پہنے ہوئے تھے اس کے اوپر ایک زرہ زیب تن فرمائی اور خود سر مبارک پر رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کو اختیار کرنا اور اس سے لگاؤ رکھنا توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ سید المتوکلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر کے بتایا ہے۔ درحقیقت' توکل' تقدیر الٰہی کے ساتھ اعتماد و بھروسہ رکھنا ہے اور اسباب سے علاقہ رکھنا یہ بھی منجملہ تقدیر اور داخل بندگی ہے۔ یہ کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر شجاع تھے اور جو جتنا زیادہ شجاع ہوگا وہ جنگ میں اتنا ہی بے پرواہ نہ ہوگا اور وہ آلات حرب کی سب سے زیادہ نگہداشت کرے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرگروہ تھا اپنے غول کے ساتھ جو اندازے میں تین سو تھے۔ اسی منزل سے یا اس سے پہلے لوٹ گیا لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ احد میں پہنچنے سے پہلے وہ سب واپس چلے گئے تھے کیونکہ احد مومنوں اور موحدوں کا مقام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے انہیں لوٹا دیا تھا۔

معرکہ اُحد: وصل: جب لشکر اسلام احد میں پہنچا تو جانبین نے صفیں باندھیں۔ مسلمانوں نے احد کے نیچے یعنی اس کی جڑ میں صفیں باندھیں اور شور بختوں نے زمین شور میں صفیں باندھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کی صفوں کو درست فرما رہے تھے اور اس طرح صفیں باندھیں کہ احد پہاڑ پشت پر اور مدینہ مقابل یعنی سامنے آتا تھا۔ وہاں ایک پہاڑ ہے جسے عنین (بصیغہ تثنیہ اور بلفظ جمع بھی آیا ہے) کہتے ہیں اور یہ داہنی جانب واقع ہے۔ یہ عنین پہاڑ میں ایک شگاف تھا اور یہ خطرناک جگہ تھی۔ خطرہ تھا کہ دشمن پشت پر سے حملہ نہ کردے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس تیراندازوں کے ساتھ اس شگاف پر متعین

فرمایا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور لشکر کفار مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کرنے پائے۔ اگروہ گھسنے کی کوشش کرے تو ان پر تیر اندازی کریں اور انہیں یہ تاکید بھی فرمائی کہ کوئی حال بھی ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ خواہ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب۔ آپ نے تاکید میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں پرندے اٹھائے لیے جارہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ جب تک کہ کسی کو تمہارے بلانے کیلئے نہ بھیجوں۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے لشکر کفار کو شکست دیدی ہے اس وقت بھی تم نہ ہلنا اور اگر وہ ہم سب کو قتل کردیں تب بھی جنبش نہ کرنا۔

عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میمنہ پر اور ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میسرہ پر اور ابوعبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقدمہ یعنی ہراول پر اور مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساقہ پر مقرر فرمایا۔

مشرکوں نے بھی اپنی صفوں کو درست کیا۔ خالد بن ولید کو میمنہ پر، عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ پر اور ابوسفیان کو قلب میں متعین کیا۔ صفوان بن امیہ کو ایک روایت میں ہے عمرو بن العاص کے پیچھے پہاڑ کے شگاف کے برابر میں مقرر کیا اور عبداللہ بن ربیعہ کو تیراندازوں پر امیر بنایا اور جھنڈے کو طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کیا۔ اسی کو کبش کتیبہ بھی کہتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جو شمشیر خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھی اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

فی الجبن عارونی الاقبال مکرمة والمرء بالجبن لاینجو من القدر

بزدلی میں عار ہے، دشمن کا سامنا کرنے میں عزت اور آدمی بزدلی کرکے تقدیر سے نجات نہیں پاسکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ بہت سے لوگ اسے لینے کیلئے کھڑے ہوگئے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شمشیر کو اسی شان سے لیے رہے اور کسی کو نہ دی۔ پھر حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا حق کیا ہے۔ فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو دشمنوں پر اتنا چلایا جائے کہ یہ گھس کر خم کھا جائے۔ ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ تلوار عنایت فرمادی۔ ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرد شجاع تھے جو جنگ میں خراماں خراماں چل کر مقابل آتے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تبختر کی اس صفت وحال میں دیکھا تو فرمایا۔ یہ وہ رفتار ہے جسے حق تعالیٰ دشمن رکھتا ہے مگر اس مقام میں نہیں۔ اس کے بعد ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کارزار میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے سر کو سرخ پٹی سے باندھے ہوئے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سر پر سرخ پٹی باندھے داخل ہوئے تو انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ جنگ کی اور مقابل آنے والا کوئی مشرک زندہ سلامت نہ بچا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں ہند زوجہ ابوسفیان عورتوں کی ٹولی کے ساتھ مل کر رجزیہ اشعار گارہی تھی، دف بجارہی تھی اور بدر کے مقتولوں کو رو پیٹ رہی تھی۔ انہوں نے تلوار سونت کر چاہا کہ ہند پر وار کریں مگر انہوں نے اپنے ہاتھ کو روک لیا اور فرمانے لگے یہ تلوار بڑی گرامی قدر ہے۔ اس عورت کے خون سے اسے ناپاک نہیں کرنا چاہئے اس کے بعد جانبین سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ لشکر کفار میں سے سب سے پہلے جس نے لشکر اسلام کی جانب تیر پھینکا وہ ابوعامر فاسق تھا اسے ابوعامر راہب بھی کہتے ہیں۔ یہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کو لے کر آیا تھا اور اس نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ میں ہوں ابوعامر (لعنۃ اللہ علیہ) مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا: لَا مَرْحَبًا بِكَ وَلَا اَهْلًا يَا فَاسِقُ۔ یعنی نہ تجھے سلامتی ہے اور نہ تیری آمد تجھے مبارک ہے او فاسق۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کے ساتھ تیراندازی شروع کردی اس کے ساتھ قریش کے چند بچے بھی تھے جو لشکر اسلام پر سنگباری

کرتے تھے۔ مسلمان بھی اس جماعت پر تیر پتھر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ وہ فاسق اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ بدبخت ابو عامر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت کے ظہور سے پہلے آپ کے حالات اور آپ کی بعثت کی خبریں دیا کرتا تھا۔ بعثت کے بعد اس نے انکار کیا اور اپنے قول سے برگشتہ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ وجدال کیا۔ اس کا پورا قصہ کتب سابقہ کی خبروں بشارتوں اور امم ماضیہ کے حالات کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو کفار قریش کا علمدار تھا نکلا اس نے آواز دی اور اپنا مقابل مانگا۔ اس کے مقابلہ کیلئے شیر بیشہ ہیجا' ہزبر میدان وفا سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجہہ میدان میں تشریف لائے۔ مقابلہ کیا اور تلوار اس کے سر پر ماری جو بھیجا چیرتی نکل گئی۔ پھر وہ لوٹ آئے اور اپنی صف میں شامل ہو گئے۔ صحابہ نے کہا آپ نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کر دیا جواب دیا کہ جب وہ گرا تو اس کی شرم گاہ کھل گئی تھی۔ اس نے مجھے قسم دی کہ میں اسے چھوڑ دوں...... اس حالت میں اس کے دوبارہ درپے آنے میں مجھے حیا آئی اور میں نے یہ جان لیا کہ وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اسے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلاک کیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ کبش کتبہ جس کی ہلاکت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا وہ یہی تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مشرکوں پر پے درپے حملے شروع کر دیئے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب میدان میں آئے اور عثمان بن ابی طلحہ کو قتل کیا جو کفار کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک وار اس کے دونوں شانوں کے درمیان مارا اور ایک شانہ کاٹ ڈالا۔ اس کے پھیپھڑے نمودار ہو گئے پھر وہ لوٹ آئے اور نعرہ لگایا اَنَا ابْنُ سَاقِ الْحِجَجِ. میں حاجیوں کو پانی پلانے والے کا فرزند ہوں۔ اس سے مراد حضرت عبدالمطلب ہیں کہ حرم کا سقایہ ان کے سپرد تھا۔

اس کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ نے کافروں کا جھنڈا اٹھایا۔ اسے حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلاک کر دیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار کے علم کو یکے بعد دیگرے دس اشخاص نے اٹھایا یہاں تک کہ ایک عورت جس کا نام عمرہ تھا اور وہ علقمہ حارثیہ کی بیٹی تھی۔ علمدار قریش ہوئی۔ وہ سب مارے گئے جس نے بھی اپنے لشکر سے سر نکالا وہ سر کے بل گرا۔ اس کے بعد مسلمان دشمنوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے اور ان پر حملہ کر کے مشرکوں کو میدان سے بھگا دیا اور انہیں ہزیمت دیدی۔ وہ مغنیات جو گا رہی تھیں بجائے گانے کے رونے پیٹنے' چیخنے چلانے اور واویلا کرنے لگیں۔ انہوں نے دفوں کو ہاتھوں سے پھینک دیا اور اپنے دامنوں کو اٹھالیا۔ یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں اور ان کے پازیب کھل گئے اور وہ پہاڑ کی طرف بھاگنے لگیں۔

خالد بن ولید (اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کفار کے ساتھ تھے) اس نے مشرکوں کی ایک ٹولی کے ساتھ لشکر اسلام کے پیچھے پہاڑ کے شگاف میں داخل ہونے کی کوشش کی تو ان تیر اندازوں نے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں متعین کیا تھا تیر مار مار کر انہیں دھکیل دیا۔ خالد نے کئی حملے کئے مگر کوئی کارگر نہ ہوا بالآخر وہ لوٹ گیا اور گھات میں لگا رہا۔ بالآخر مسلمان لشکر کفار پر غالب آ گئے اور ان کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اچانک ایک چشمہ زخم بجمال شاہد اقبال پہنچا۔ وہ اس طرح کہ جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا کہ لشکر کفار کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑ گیا ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تیر انداز بھی اپنی جگہ سے ہل گئے ہیں تیر انداز دستہ کے امیر نے بھی بے صبری دکھائی۔ ہر چند کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام مبارک میں بار بار مبالغہ کے ساتھ تاکید فرمائی تھی کہ یہاں سے نہ ہلنا اور مرکز کو نہ چھوڑنا لیکن ان میں سے اکثر مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند لوگوں کے ساتھ جو تعداد میں دس تھے ثابت قدمی دکھائی۔ یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ اس وقت خالد بن ولید جو اس سے پہلے کئی مرتبہ اس رخنہ پر حملہ کر چکا تھا اور اس میں داخل ہو کر لشکر اسلام پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ہر بار تیر

اندازوں کے مقابلہ اوران کی کثرت تیراندازی سے غائب وخاسر ہوکرلوٹ گیا تھا۔مگروہ مطلقاً مایوس نہ ہوا تھا اور برابر گھات میں لگا ہوا تھا۔ وہ غفلت کا منتظر تھا کہ کب مسلمانوں کی یہ جماعت اس طرف سے غافل ہو۔ چنانچہ جب یہ لوگ غافل ہو گئے تو وہ عکرمہ بن ابوجہل مشرکوں کی ٹولی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہو گیا اور ان کو ان کے چند ساتھیوں کے ساتھ جو گنتی کے چند نفر تھے شہید کر دیا۔ پھر اس نے اس شگاف سے نکل کر مسلمانوں کے عقب پر حملہ کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کو تلواروں پر رکھ لیا اور بے دریغ قتل کرنے لگا۔ لشکر اسلام میں اضطراب عظیم اور ہلچل پیدا ہوگئی اور تمام لشکر تتر بتر ہو گیا اور ان کی حالت حد درجہ پراگندہ ہوگئی۔ مسلمان ایک دوسرے پر پل پڑے اور ان میں پہچاننے کا شعور نہ رہا۔ چنانچہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلمانوں ہی سے دو زخم پہنچے اور ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مسلمانوں ہی سے دو زخم گئے۔ جب یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو فرمایا یہ بھی اللہ کے ہی راستہ میں ہے۔ حضرت یمان' حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور تم پر رحمت کرے۔ وہ ہمیشہ ہی اپنے قاتلوں کے حق میں دعائے خیر اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ جب یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو فرمایا تو حضرت یمان کی دیت ادا کرو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کی دیت لے کر مسلمانوں پر ہی صدقہ کر دی۔

الغرض اشرار وکفار نے غلبہ پایا اور اخیار بھاگنے لگے اور ایک دم سارا معاملہ الٹ کر رہ گیا۔ کافروں نے میدان جلادت میں قدم رکھا اور اہل اسلام کے قتل میں مشغول ہوگئے۔ یہ بدقسمتی' نافرمانی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت انہیں پہنچی جو تیراندازوں کی جماعت سے صادر ہوئی تھی اور دنیاوی مال وزر کے جمع کی طمع اور میلان نے ان کو اس حال میں پہنچایا جس سے لشکر اسلام کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) تاہم عنایت الٰہی ان مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئی اور سب کو معاف فرما دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت حق جل وعلی جس کے ساتھ نظر عنایت وقبول رکھتا ہے۔ اس کو اپنی بارگاہ سے دور نہیں فرماتا اور اسے رد نہیں کرتا۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کی بدولت اور آپ کے طفیل میں ہے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطَانُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ○

بے شک وہ ایمان دار بندے جنہوں نے دونوں گروہوں کے ملنے کے دن منہ پھیرا تھا دراصل ان کو شیطان نے نبی کے بعض حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پھسلایا تھا بلاشبہ اللہ نے ان سب کو معاف فرما دیا اور اللہ غفور رحیم

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس وقت صحابہ چار قسموں میں بٹ گئے تھے۔ صحابہ کی ایک قسم جنگ میں مصروف تھی اور وہ شہید ہو رہی تھی۔ دوسرا گروہ بھاگ رہا تھا اور پہاڑ کی گھاٹیوں اور کونوں میں چھپ رہا تھا۔ بعض شہر میں جا کر ٹھہر گئے تھے ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو جنگ کی آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس آیۂ کریمہ کے شامل حال ہو کر عفو ومغفرت کی تحریر حال کی پیشانی اور ان کے نامہ اعمال میں لکھی گئی۔ ایک جماعت مرکز صدق پر ثابت قدم رہی' راہ فرار سے محفوظ رہی (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس جگہ خیال ہوتا ہے کہ سبحان اللہ یہ وہی خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر اسے کثرت سے اسلامی فتوحات کیں کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ ''خَالِدٌ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ'' یعنی خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور وہ تمام حجابات جو درمیان میں حائل تھے۔ انوار ساطعہ کے وجود اور اَلْاُمُوْرُ مَرْھُوْنَۃٌ بَاَوْقَاتِھَا. (تمام کام اپنے وقتوں کے ساتھ

موقوف ہیں) کے اسرار کے ظہور سے مرتفع ہو گئے۔ یہ حال تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور انہیں کے باپ ولید بن مغیرہ تھے جو کافروں میں بہت سخت اور سب سے زیادہ جھگڑالو تھے جس طرح کہ ابوجہل' عکرمہ کا باپ تھا اور انہیں دونوں نامرادوں سے دو نیک بخت اور سعادت مند فرزند پیدا ہوئے۔ یعنی ولید بن مغیرہ سے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوجہل لعین سے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان ایسے علاقہ کا اتفاق پڑا کہ ان دونوں فرزندوں کو تو اب ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں اور ان دونوں کے باپوں کو لعنۃ اللہ علیہم کہتے ہیں۔ حق ہے: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ. مردوں سے زندوں کو پیدا فرماتا ہے۔ بسا اوقات اس کا برعکس بھی ہوتا ہے کہ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ. کہ زندے سے مردہ پیدا کرتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں میں افتراق وانشقاق پھیلا ہوا تھا اور وہ ابتری کی حالت میں تھے۔ ابن قیمہ نے جو کہ ان بے سعادتوں کا رئیس تھا۔ بلند آواز سے کہا ''اَلاَ اِنَّ مُحَمَّدًا قُتِلَ'' باخبر ہو جاؤ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے (معاذ اللہ) ایک روایت میں ہے کہ ابلیس ملعون جعال بن سراقہ کی آواز میں پکارا تھا۔ اس کی دلیل میں خباب بن جبیر اور ابوبردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جعال بن سراقہ ہمارے پہلو میں تھا اور وہ آواز اس کے ماسوا کسی اور کی تھی۔ عجیب روایت یہ ہے کہ جسے صاحب معارج نے بیان کیا ہے کہ شیطان کی یہ آواز کہ (معاذ اللہ) ''حضور قتل ہو گئے'' مدینہ تک پہنچی۔ یہاں تک کہ مدینہ کے گھروں میں بھی سنی گئی اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ آواز سنی تو گھر کی عورتوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل کر دوڑنے لگیں اور ہاشمی عورتیں بھی رونے لگیں۔ ایسا پتہ چلتا ہے کہ سیدہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آواز کو سننے کے بعد مدینہ طیبہ سے احد پہنچ گئیں۔ جیسا کہ آپ کے ذکر شریف کے ضمن میں آئے گا۔

اگرچہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے اور وہ ثابت قدم نہ رہے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت وقائم تھے اور آپ کے گرد چودہ آدمیوں کے سوا کوئی نہ رہا تھا جن میں سات انصاری تھے اور سات مہاجرین میں سے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق' حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت زبیر بن العوام' حضرت طلحہ بن عبداللہ اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور انصار میں سے حضرت خباب بن المنذر اور حضرت حارث بن صیحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ چودہ حضرات باقی رہے۔ بعض ارباب سیر روضۃ الاحباب میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں سے تھے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ ان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھے۔ ثابت قدم رہے تھے اور جب صحابہ مجتمع ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے تو انہوں نے ان کو وہاں دیکھا اور جب ابوسفیان نے پکار کر کہا۔ هَلْ فِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ هَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنُ اَبِي قُحَافَةَ هَلْ فِي الْقَوْمِ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ. یعنی کیا مسلمانوں میں محمد ہیں؟ کیا مسلمانوں میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ اور کیا مسلمانوں میں عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ بالآخر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو گئے اور انہوں نے اس کا جواب دیا اس سے پہلے ارباب سیر کوئی تفصیل بیان نہیں کرتے کہ وہ تیراندازوں کے درمیان تھے یا ان لوگوں کے درمیان تھے جنہوں نے ہزیمت اٹھائی تھی یا ان لوگوں کے درمیان تھے جن کے قدم ڈگمگاتے تھے اور حالات میں شک واشتباہ واقع ہو گیا تھا۔ کوئی تفصیل مذکور نہیں اس طرح یہ حکایت مشکل و مشتبہ ہی رہتی ہے۔ (واللہ اعلم) البتہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ روز احد اس وقت مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اس نے پوچھا مجھے بتائیے کہ

کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روز احد مدینہ چلے آئے تھے۔ فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ روز بدر بھی غائب تھے اور موجود نہ تھے۔ فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کیا پتہ ہے کہ بیعت رضوان میں بھی پیچھے رہ گئے تھے اور موجود نہ تھے۔ فرمایا ہاں! اس پر اس مرد نے تکبیر بلند کی۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آمین! میں تجھے وہ بات بتاؤں جو تو پوچھنا چاہتا ہے اصل بات یہ ہے کہ روز احد جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ گئے تھے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس میں انہیں معاف کر دیا ہے اور اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا جو پہلے گزر چکی ہے۔ اب رہا بدر سے غائب رہنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی زوجہ محترمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی علالت کی بنا پر حضور کے ارشاد سے ان کی تیمارداری کیلئے رکے تھے۔ ان سے فرمایا تھا کہ تمہارا ثواب اتنا ہی ہے جتنا بدر میں حاضر رہنے والے شخص کا ہے اور ان کو برابر کا حصہ عنایت فرمایا۔ اب رہا بیعت رضوان سے ان کا غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کو بتائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے تشریف لائے ہیں۔ جنگ کے قصد سے نہیں آئے ہیں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی اور عزیز ہوتا تو آپ اس کو بھیجتے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو بھیجا اور بیعت رضوان کا وقوع' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ مکرمہ روانہ ہو جانے کے بعد ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے دست اقدس کو اپنے بائیں دست اقدس پر مار کر فرمایا یہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مرد سے فرمایا اس علم کو اپنے حال کے ساتھ شامل کر لے۔ یہ مرد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سوء اعتقاد رکھتا تھا لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جماعت میں داخل تھے جو شکست کھا گئی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال مشخص اور مصرح بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کس جماعت کے ساتھ تھے۔ اگر اس جماعت میں داخل تھے جو حضور کے ساتھ باقی رہے تھے تو حدیث میں ذکر کیوں نہ کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: وصل: اب رہا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا قصہ تو اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ جب جنگ کیلئے صف بندی ہو گئی تو سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی نکلا اور کہا کوئی ہے جو میرے مقابل باہر نکل کے آئے؟ اس پر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں تشریف لائے اور اس پر حملہ کیا۔ اسے کل (گزشتہ دن) کی مانند وہ جہان سے چلا گیا اور نابود ہو گیا۔ وحشی ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قریب پہنچے تو وحشی نے اپنا ''حربہ'' ان پر اس طرح پھینکا کہ اس کا سرا دوسری طرف پار ہو گیا اور آپ کی شہادت واقع ہو گئی (حربہ' خنجر نشانہ پر پھینک کر مارنے کو کہتے ہیں) یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل۔

بخاری میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے۔ جب ہم حمص میں پہنچے تو عبیداللہ بن عدی سے کہا' کیا وحشی کو دیکھنے کی تمہیں خواہش ہے کہ ہم اس سے دریافت کریں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسے شہید کیا؟ اس نے کہا ہاں! خواہش تو ہے وحشی حمص میں رہتا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا لوگوں نے کہا وہ سامنے ایک مکان کے سایہ میں بیٹھا ہے جو ایک بڑی مشک کی مانند ہے۔ اس کے بعد ہم اس کے پاس پہنچے اور اس کے سرہانے تھوڑی دیر کھڑے رہے اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ عبیداللہ بن عدی نے جو اپنے سر اور چہرے کو اپنے عمامے سے ڈھانپے ہوئے تھے۔ وحشی سے کہا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وحشی نے کہا میں نہیں پہچانتا۔ پھر عبیداللہ نے چہرے کو کھولا اور کہا تم مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کرنے کے بارے میں کچھ بتا نہیں سکتے؟ اس نے کہا ضرور! بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو بدر میں مار ڈالا تھا۔ اس پر میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا اگر تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے

چچا طعمیہ بن عدی کے بدلہ میں قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ وحشی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد جب لوگ سال عینین میں نکلے (عینین ایک پہاڑ ہے جو احد کے برابر واقع ہے) اس سے مقصود غزوۂ احد ہے تو میں بھی لوگوں کے ساتھ جنگ کیلئے نکلا۔ پھر جب صف بندی ہو چکی تو سباع جنگ کیلئے باہر نکلا اور اس نے پکارا کہ کوئی ہے جو میرے مقابل آئے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلہ کیلئے تشریف لائے اور انہوں نے کہا او سباع' او ام انمار مقطعۃ البظور کے بیٹے' تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا اور اسے گزشتہ دن کی مانند کر دیا۔

وحشی بیان کرتا ہے کہ میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے قریب ہوئے تو میں نے اپنا ''حربہ'' (خنجر) ان پر پھینکا۔ میں نے ناف اور عانہ کے درمیان نشانہ لگایا تھا یہاں تک کہ وہ ان کی رانوں کے درمیان نکل آیا اور یہی ان کا آخری وقت بنا۔ جب لوگ مکہ واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ لوٹ آیا اور اس وقت تک وہاں ٹھہرا رہا جب تک کہ اسلام مکہ میں پھیلا۔ اس کے بعد میں طائف کی طرف بھاگ گیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور اہل طائف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصدوں کو بھیجا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں کو کوئی گزند نہیں پہنچاتے۔ مطلب یہ کہ تو بھی اس جماعت کے ساتھ چلا جا سلامت رہے گا۔ یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آیا۔ جب مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا ''کیا تو وحشی ہے؟'' میں نے کہا ''ہاں!'' فرمایا ''کیا تو نے ہی حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا ''واقعہ تو یہی ہے جیسا کہ آپ کو پتہ چلا ہے فرمایا'' کیا تجھ سے ممکن ہے اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹالے (مطلب یہ کہ تو میرے سامنے ہو کر نہ بیٹھ' اگر پس پشت یا ادھر ادھر بیٹھے تو اچھا ہے) اس کے بعد میں چلا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما چکے تو میں نے مسیلمہ کذاب کی طرف یہ خیال کر کے خروج کیا اور باہر آیا کہ شاید میں مسیلمہ کو ہلاک کر سکوں۔ اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے جرم کی مکافات کر سکوں۔ اس کے بعد میں اس کی طرف چلا' پھر وہی امر واقع ہوا جو کہ واقع ہو چکا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے دیوار کے درمیان گویا وہ ایک اونٹ سفید و سیاہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنا حربہ اس کی طرف پھینکا اور اس کے دونوں پستانوں کے درمیان مارا جو اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے نکل گیا۔ ایک انصاری شخص نے اس کی طرف جست لگائی اور اس کے سر پر تلوار ماری اس کے بعد لونڈی جو چھت کے اوپر کھڑی تھی چیخ اٹھی کہ ''امیر المومنین'' یعنی مسیلمہ کذاب کو ایک سیاہ رو غلام نے مار ڈالا' یہ حدیث بخاری کا ترجمہ ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وحشی' طعیمہ بن عدی کے کہنے سے احد کی طرف سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کرنے کے ارادہ سے چلا تو راہ میں ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان مادر معاویہ ملی یہ وحشی کے پاس جب بھی پہنچی اسے ترغیب دیتی کہ مردانہ شان سے رہنا۔ کیونکہ جب تک تو ہماری خاطرداری نہ کرے گا تجھے آزادی میسر نہ آئے گی' میں بھی تجھے بہت کچھ دوں گی کیونکہ میرے باپ عتبہ کو روز بدر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی مارا تھا۔ وحشی کہتا ہے کہ اتفاقاً میں نے میدان جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ شیر مست کی مانند اپنی قوم سے نکل کر آ رہے ہیں اور لشکر قریش کی صفوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ اچانک سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی کفار کی صفوں سے نکل کے آیا اور اس نے اپنا مقابل مانگا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابل ہوئے اور اسے مار ڈالا۔ میں ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھا ہوا ان کے گھات میں تھا۔ میں حربہ خوب چلاتا ہوں میرا حربہ کم خطا کرتا ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے خبری میں میرے پاس سے گزرے تو میں نے اپنا حربہ ان کے عانہ پر پھینکا' وہ دوسری طرف پار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ میں یہ دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا پھر وہ زمین پر آ رہے۔ ان کے ساتھیوں کی

ایک جماعت ان کے پاس پہنچ گئی اور انہوں نے مخاطب کیا کہ ''اے ابوعمارہ!'' مگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا میں نے جان لیا کہ ان کا وقت آخر ہوگیا۔ میں نے ان کے چلے جانے کا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ لوگ ان کے پاس سے چلے گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور اپنے خنجر سے پیٹ کو چیر کر ان کا جگر نکالا اور اسے ہند بنت عتبہ کے پاس لے آیا اور کہا۔ ''یہ ہے تیرے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر!'' اس نے مجھ سے لے لیا اور منہ میں چبا کر تھوک دیا۔ (گویا کہ ہند نے وحشی سے کہہ رکھا تھا کہ جب تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کردے تو ان کا جگر میرے پاس لانا۔ یا پھر یہ سیاہ قاسی القلب از خود اسے اس کے پاس لے گیا تھا) اور ہند نے اپنے کپڑے، زیور اور تمام سونا چاندی مجھے دے دیئے۔ اور وعدہ کیا کہ جب مکہ پہنچوں گی تو تجھے سرخ سونے کی دس اشرفیاں اور دوں گی۔ ہند نے مجھ سے کہا مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں ان کی لاش ہے؟ میں اسے وہاں لے گیا۔ اس نے ناک، کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ لیے اور اپنے ساتھ مکہ میں لے آئی۔ اسی بنا پر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جگر کو چبانے والی ہند کو اٰکِلَةُ الْاَكْبَادِ (جگر کھانے والی) کہا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ کافروں کے چلے جانے کے بعد مسلمان میدان جنگ میں آئے اور اپنے شہیدوں کو تلاش کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے چچا کیا ہوئے، حمزہ کیا ہوئے؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ انہیں تلاش کرتے ہوئے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ ان کی اس ہیبت و حالت کو دیکھ کر رونے لگے۔ واپس ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت واقعہ سے باخبر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا۔ مَا وَقَفْتُ مَوْقِفًا اَغْيَظَ مِنْ هٰذَا. فرمایا کہ ''خدا کی قسم! اگر قریش میرے ہاتھ پڑ جائیں تو میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں'' اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ○

مطلب یہ کہ اگر تم عذاب کرو اور سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنا تم کو ستایا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو یقیناً صبر کرنے والوں کیلئے صبر بہتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! میں نے صبر کیا اور اپنے اس جوش سے درگزر را اور اس کے بدلے ستر مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے استغفار فرمائی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خاطر درمیان میں نہ ہوتی تو میں حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدفون نہ کرتا اور انہیں سباع و طیور کے کھانے کیلئے چھوڑ دیتا اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شکموں سے حشر فرماتا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ دور سے آتی ہوئی نظر آئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فرزند حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جاؤ اپنی والدہ کو لوٹا کر لے جاؤ تاکہ وہ اپنے بھائی کو اس حال میں نہ دیکھیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ آخر میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں۔ وہ اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما رونے لگیں۔ ان کے رونے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گریہ کناں ہوئے۔ فرمایا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتویں آسمان والوں کے درمیان ''اسد اللہ'' اور ''اسد رسولہ'' لکھا گیا ہے۔ فرمایا ان کیلئے قبر کھودیں اور دفن کریں۔ شہداء کے دفن اور ان پر نماز پڑھنے کا ذکر آخر باب میں آئے گا۔

صحابہ کرام کی شجاعتیں: وصل: دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس غزوہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اور انہوں نے محبت و اخلاص کا حق ادا کیا ہے۔ بعض اصحاب، شرف شہادت سے مشرف ہوئے اور بعض اصحاب باقی و زندہ رہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوانمردی: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب کفار نے

مسلمانوں پر غلبہ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری نظروں سے اوجھل ہوگئے تو میں نے آپ کو مقتولوں اور شہیدوں میں جا کر تلاش کیا مگر نظر نہ آئے تو میں نے اپنے آپ سے کہا ممکن ہے حق تعالیٰ نے ہمارے فعل کی بنا پر ہم پر غضب فرمایا ہو اور اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیا ہو۔ میں نے خود سے کہا اس سے بہتر یہی ہے کہ میں خوب جنگ کروں یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں۔ میں نے تلوار سونت کر مشرکوں پر حملہ کر دیا اور ان کے پرے کے پرے الٹ دیئے۔ اچانک میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بصحیح وسلامت ہیں۔ میں نے جان لیا کہ حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپ کی محافظت فرمائی ہے۔

منقول ہے کہ جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں آئے۔ آپ کی پیشانی ہمایوں سے پسینہ متقاطر ہوا اس حالت میں آپ نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے پہلوئے مبارک پر کھڑے ہیں۔ فرمایا کیا ہے تم کیوں اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں مل گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لَا كُفْرَ بَعْدَ الْإِيْمَانِ ایمان کے بعد کفر نہیں ہے۔ اِنَّ لِيْ بِكَ اُسْوَةً. بے شک میرے لیے آپ ہی کی اقتداء ہے مطلب یہ کہ مجھے تو آپ سے سروکار ہے۔ ان ساتھوں اور بھائیوں سے نہیں جو غنیمت کے درپے ہوگئے ہیں اور ہزیمت کھا گئے۔ ان سے مجھے کیا سروکار۔ اسی لمحہ کافروں کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب حملہ آور ہوئی۔ فرمایا اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میری اس ٹولی سے حفاظت کرنا اور نصرت وخدمت کا حق بجالانا کیونکہ یہی وقت نصرت ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس جماعت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے گھیرے کو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد سے توڑ کر انہیں متفرق کر دیا اور بہت سوں کو واصل جہنم کیا۔

مروی ہے کہ اس نازک مرحلہ میں فرشتے بھی حاضر ہوئے تھے جبریل ومیکائیل علیہما السلام دو مردوں کی صورت میں سفید جامہ پہنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں کھڑے تھے اور آپ کی محافظت کرتے تھے اور کافروں کے ساتھ محاربہ میں مشغول تھے۔

مشہور یہ ہے کہ فرشتوں کا جنگ میں مشغول ہونا غزوۂ بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے ماسوا میں ان کی موجودگی اور امداد واعانت ثابت ہے نہ کہ محاربہ ومقاتلہ جیسا کہ غزوۂ بدر میں اس کا مطلب بیان ہو چکا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نزول ملائکہ ہزار بعد ہزار کے قتال کفار کیلئے بدر کے ساتھ مخصوص ہو۔ لیکن رہی جبریل ومیکائیل کی خدمت گزاری چونکہ وہ آپ کی بارگاہ کے مخصوص خدمت گزاروں میں سے ہیں۔ سو اس جگہ میں ہوگی اور ان دونوں نے محاربہ کیا ہوگا اس میں کوئی منافات اور تعارض نہیں ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال بہادری دکھائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تو جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے ساتھ کمال بہادری وجواں مردی دکھائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهٗ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ بلاشبہ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ یہ کمال اتحاد واخلاص اور یگانگی کا اظہار ہے۔ حدیث میں ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا تو جبریل نے عرض کیا وَاَنَا مِنْكُمَا اور میں تم دونوں کا ہوں۔ بیان کرتے ہیں کہ غیب سے ایک آواز۔ لوگوں نے سنی جو کہہ رہا تھا لَا فَتٰى اِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوْالْفِقَار. کوئی جوانمرد نہیں بجز علی کے اور کوئی تلوار نہیں بجز ذوالفقار کے۔ معارج النبوۃ اور کشف الغمہ میں اس واقعہ کی مانند اس سے زیادہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم نے اپنی تعریف سنی جو وہ فرشتہ جس کا نام آسمان میں رضوان ہے کہہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے: لَا فَتٰى اِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوْالْفِقَار.''

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ یہ حدیث اسی طریقہ سے بعض اکابر محدثین سے مروی ہے اور اہل سیر نے اپنی کتابوں میں بیان

کیا ہے لیکن امام ذہبی جو اسماء الرجال کے بیان کرنے کے امام ہیں۔ وہ ''میزان الاعتدال'' میں اس کی تصنیف و تکذیب کرتے ہیں۔ (واللہ بندہ مسکین ثبتہ اللہ بمز ید الصدق والیقین یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عونا لَكَ فِي النَّوَائِبِ. کا قصہ اسی معاملہ اور معرکہ سے متعلق ہے جو کہ احد میں واقع ہوا لیکن حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

الغرض حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے مقابلہ ومحاربہ اور مجادلہ وشجاعت کا ایسا حق ادا کر دیا کہ اس سے زیادہ قصور نہیں کیا جا سکتا۔ قیس سے مروی ہے وہ اپنے باپ سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا احد کے دن مجھ پر سولہ تلوار کی واریں پڑیں جن میں سے چار واروں پر تو میں زمین پر آ گیا۔ ہر مرتبہ مجھے ایک مرد خوبرو وخوش باز و اٹھاتا اور وہ مجھے پاؤں پر کھڑا کر دیتا۔ کہتا کافروں پر حملہ کرو کیونکہ تم خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہو اور یہ دونوں تم سے راضی وخوش ہیں۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس واقعہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے پہچانتے ہو۔ میں نے عرض کیا نہیں لیکن دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل سے ملتی جلتی صورت تھی۔ فرمایا اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو خوب روشن کرے وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت: حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روز احد بڑی دلاوری دکھائی اور یہی بہادری ان کیلئے داخلہ جنت کا سبب بنی۔ انہوں نے عظیم قتال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنا حق پورا پورا ادا کیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ ابن قمیہ کی تلوار کے واروں کو آپ ہاتھ پر روکتے رہے۔ ان زخموں سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ کو تیروں کی ڈھال بنائے رہے۔ جب ایک کافر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر پھینکا تو وہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھنگلیا پر لگا اور وہ بے کار ہو گئی۔ حدیث میں ہے کہ روز احد حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زخم کھائے تھے اس کے باوجود حفاظت کا حق ادا کرتے رہے۔ ایک مرتبہ تلوار کی دو ضربیں ان کے سروں پر پڑیں اور وہ انتہائی الم کی حالت میں گر کر بیہوش ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر ان کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے اور ان کو ہوش میں لائے۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ فرمایا بخیریت ہیں اور آپ نے ہی مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ اب ہر وہ مصیبت جو اس کے بعد ہو آسان ہے۔ ان کے بقیہ حالات ابن قمیہ ملعون کی شرارت کے احوال کے ذکر میں آئیں گے۔

انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا ہیں۔ واقعہ بدر میں حاضر نہ تھے۔ انہوں نے چاہا کہ روز احد حاضر ہو کر تلافی مافات کر کے گزشتہ عدم حاضری کا بدلہ کریں۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سنا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہادت پا چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ صحابہ کے پاس پہنچے اور کہا کیا یہ جائز ہوگا کہ تم زندہ رہو اور تمہارے نبی کو شہید کر دیا جائے۔ یہ کہہ کر تلوار کشید کر کے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ اتفاقاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے۔ ایک روایت میں ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے۔ ان سے فرمایا خدا کی قسم مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ اس کے بعد لشکر کفار کے قلب پر حملہ کیا اور خوب داد شجاعت دی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ یہ بات پایہ صحت کو پہنچی کہ ان کو کچھ او پر اسی زخم آئے تھے

چنانچہ ان کا حشہ شریف شہیدوں کے درمیان معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک تل سے انہیں پہچانا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ کی شجاعت: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے تیر چھوڑنے کی صفت سے موصوف تھے۔ (جیسا کہ پہلے غزوۂ میں ذکر ہو چکا ہے) اور روز احد بھی تیر اندازی پر مامور تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں اِرْمِ سَعْدُ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ۔ اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر پھینک تجھ پر میرے ماں باپ فدا۔ مالک بن زبیر ایک کافر تھا اور اس نے بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر کے شہید کیا تھا اور بہت سوں کو زخمی کیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کی آنکھ پر تیر مارا جو اس کی گدی سے باہر نکل گیا اور وہ جہنم رسید ہوا۔ مسلمانوں نے اس شیطنت سے نجات پائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے دعا خیر کر کے فرمایا اَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَكَ وَسَدَّدَ رَمْيَكَ. اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرمائے اور تمہارے تیر کا نشانہ درست رکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے مستجاب الدعوات ہوئے کہ لوگ ان کی دعا کے متلاشی رہا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ لوگوں کیلئے تو شفا کی دعا فرماتے ہیں اپنے لیے کیوں دعا نہیں کرتے تاکہ حق سبحان و تعالیٰ تمہاری بینائی لوٹا دے۔ فرماتے اللہ تعالیٰ کی قضا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔ حق تعالیٰ جو چاہے کرے اپنے لیے تو اس کا حکم اپنی آنکھ کی بینائی سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری کی جانبازی: حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے تھے اور خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ وہ فن تیر اندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے اور کمان کو بہت سخت کھینچا کرتے تھے۔ اس روز انہوں نے تین کمانیں توڑی تھیں۔ وہ نعرہ مار کر تیر کو اپنے ترکش سے نکال کر پھینکتے تھے ان کے پاس پچاس تیر تھے اور ہر تیر پر جب دشمن کی طرف اسے پھینکتے تو نعرہ لگاتے اور کہتے یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْسِيْ دُوْنَ نَفْسِكَ جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ. اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان آپ کی جان سے کم ہے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے اور میری جان و تن آپ پر فدا ہوں۔ جب ان کے تیر ختم ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین سے چوب اٹھا کر دیتے اور فرماتے: اِرْمِ يَا اَبِيْ طَلْحَةَ اے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اسے پھینکو۔ چنانچہ جب وہ اسے کمان کے چلہ میں رکھ کر کھینچتے اور دشمن کی جانب پھینکتے تو وہ تیر بن جاتا اور جب کوئی مسلمان شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتا اور اس کے پاس تیر موجود ہوتے تو فرماتے ان تیروں کو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے چھوڑ جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے لشکر اسلام میں ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چالیس مردوں سے بہتر ہے۔

حیرت و تعجب ہے کہ فن تیر اندازی میں ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتنی مہارت و بصارت کے باوجود حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور ہوئے۔ ان کی ذات ضرب المثل بن گئی۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ شہرت اس بنا پر ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں تیر چلانے میں اولیت و سابقیت اور اس میں استقامت و ثبات رکھتے تھے۔ (واللہ اعلم)

متعدد صحابہ کی فداکاریاں: روز احد ایک تیر حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ میں لگا اور ان کی آنکھ نکل کر ان کے رخساروں پر آ پڑی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کو اس کے حلقہ میں لوٹا کر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اكْسُهُ جَمَالًا. اے خدا! ان کو حسن و جمال عطا فرما ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ تیز روشن اور خوبصورت ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ٹہنی عنایت فرمائی۔ یہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جس طرح کہ بدر میں حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی تھی اور انہوں نے ان کا نام عون رکھا

تھا۔اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس تلوار کا نام عرجون رکھا۔حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تلوار جس کا نام عون تھا۔امیر معتصم باللہ۔ کے ہاتھ دوسو دینار میں فروخت کی گئی۔(واللہ اعلم)

حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کی شہادت: بارگاہ نبوت کے دلاوروں اور جانبازوں میں سے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ان کو حنظلۃ الغسیل اور غسیل ملائکہ بھی کہا جاتا ہے۔وہ مدینہ منورہ میں تھے اور احد کی رات ہی ان کی شادی ہوتی تھی۔رات کو اپنی زوجہ کے ساتھ شب باشی کی تھی۔صبح کے وقت غسل جنابت کر رہے تھے اور ایک جانب سر کو دھو رہے تھے کہ اچانک سنا کہ صحابہ پر تنگ وقت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ غیب سے ایک آواز سنی یَا غَسِیْلَ اللّٰہِ اَرْکَبْ. ''اے خدا کے مغسول سوار ہو جاؤ'' انہوں نے اسی حالت جنابت میں بے چین ہو کر اور احد شریف آ کر داد شجاعت دی اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کر کے خود شہید ہو گئے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔آپ نے ان کے اس حال پر تعجب کیا اور فرمایا ان کی زوجہ جس کا نام جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔یہ عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں ان سے پوچھو اور انہوں نے حقیقت حال واضح کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غسل جنابت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جنبی تھے۔بعض ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس حدیث سے یہ استدلال وتمسک کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ جنبی شہید کو غسل دیا جائے۔

جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسیل ملائکہ بیان کرتی ہیں کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک دریچہ نمودار ہوا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان میں اس دریچہ سے داخل ہو گئے۔اس کے بعد وہ دریچہ بند ہو گیا اس کی میں نے یہ تعبیر لی کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت پائیں گے۔

ارباب سیر حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سننے کے بعد میں حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔میں نے دیکھا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں یہ عجیب صورت دیکھ کر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

عمرو بن جموح انصاری کا جذبہ شہادت: عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی عجیب وغریب حکایت ہے وہ لنگڑے تھے اور ان کے چار صاحبزادے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوات و جہاد میں حاضری دیتے رہتے تھے۔جب انہوں نے چاہا کہ غزوۂ احد میں اپنی قوم کی موافقت کریں تو لوگوں نے کہا کہ تم لنگڑے شخص ہو۔وَلَیْسَ عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ. لنگڑے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔تمہارے چار فرزند تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود ہیں۔انہوں نے کہا ان کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ میرے فرزند تو جنت میں چلے جائیں اور میں تمہارے سامنے بیٹھا رہوں۔ان کی بیوی نے کہا مجھے نظر آتا ہے کہ تم بھاگ کر لوٹ آؤ گے۔عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سن کر ہتھیار تھامے اور دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ. اے خدا گھر نہ لوٹانا اور باہر نکل گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر اپنی قوم کے منع کرنے کی بابت عرض کیا اور کہا میں تمنا رکھتا ہوں کہ اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت کے باغوں میں سیر کروں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَذَرَکَ اللّٰہُ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکَ. اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور رکھا ہے تم پر مواخذہ نہیں ہے۔حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مکرر التجا کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان کارزار میں دیکھا کہ وہ خرام میں کرتے اور جنگ کرتے اور کہتے جاتے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ان کے چاروں بیٹے بھی میدان جنگ میں اپنے باپ کے عقب میں مصروف قتال تھے یہاں تک کہ وہ سب شہید ہو گئے۔

مروی ہے کہ ہندز وجہ عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹوں اور اپنے بھائی کو جوشہید ہو چکے تھے خود ان کے جسموں کو اٹھا کر اونٹ پر بار کر کے مدینہ میں لانا چاہتی تھی تا کہ انہیں دفن کرے مگر اونٹ زانو کے بل زمین پر بیٹھ جاتا۔ جب بھی اونٹ کو جھڑک کر اٹھانا چاہتی تو وہ سو جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے اٹھا کر اس کا منہ احد کی جانب کر دیا تو وہ چلنے لگا۔ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ماجرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا یہ اونٹ مامور ہے اور ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاتے وقت کوئی بات تو نہ کہی تھی۔ اس نے کہا ہاں! احد شریف جاتے وقت رو بقبلہ ہو کر یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا! مجھے میرے گھر کی طرف نہ لوٹانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت: غزوۂ احد کے صعب ترین واقعات میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے ہاتھ میں مہاجرین کا علم تھا۔ ابن قمیہ ملعون ان کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے تلوار کے وار سے ان کا داہنا کاٹ ڈالا۔ انہوں نے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور فرمانے لگے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اور محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول، بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزرے ہیں تو اس ملعون نے دوسرا وار کر کے بائیں ہاتھ کو بھی کاٹ دیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ پھر یہی کلمہ پڑھا اور دونوں بازوؤں سے علم کو پکڑ کر اپنے سینہ سے ملا لیا۔ اس کے بعد اس ملعون نے ایک تیر ان پر مارا وہ زمین پر آ رہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ کلمہ جس کا آیہ کریمہ کا جز ہے۔ وہ آیت اس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کی زبان پر جاری کرا دی۔ جب علم زمین پر آ رہا تو حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابوالروم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو اٹھا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کے علم کو اٹھائے۔ آخر وقت میں جب جنگ سے فارغ ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے آؤ۔ اس فرشتہ نے کہا میں مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوں تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ وہ فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا۔ اس کے بعد ابوالروم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو لے لیا اور مدینہ طیبہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے رہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ اور فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے حبشہ ہجرت کی اور بدر میں حاضر رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے عقبہ اولیٰ کے بعد انصار کے ساتھ دین وفقہ کی تعلیم وتربیت کیلئے انہیں روانہ فرمایا تھا۔ اور یہ لوگوں میں بہت زیادہ صاحب نعمت اور عیش وکامرانی والے شخص تھے جب اسلام لے آئے تو دنیا میں زہد اختیار فرمایا۔ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ وہ گوسفند کی کھال کمر میں لپیٹے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو ایمان کیلئے روشن فرمایا ہے اور میں نے انہیں یکھا کہ اہل بدر کیلئے انہوں نے دوسو درہم کے کپڑے خرید کر دیئے۔ اس کے بعد اس کے دل میں خدا اور رسول کی محبت میں ایسی فریفتگی پیدا ہوئی کہ اس حالت کو پہنچے جسے تم نے دیکھا۔ اس حدیث کو ابونعیم نے ''اربعین صوفیہ'' میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور دیلمی وابن عسا کر نے روایت کیا ہے۔

دلاوران میدان جلاوت وسپہ سالاران معرکہ شجاعت میں سے وہب بن قابوس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھتیجے حارث بن

عقبہ بن قابوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اگر چہ اول امر میں جبکہ مسلمانوں نے اخذ غنیمت میں شغف دکھایا تھا یہ بھی غارت وتاراج میں دست درازی کیلئے نکل آئے تھے لیکن جب خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل ان کے عقب میں داخل ہو گئے۔ تو وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھتیجے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برابر کھڑے ہو کر داد شجاعت دی اور ثابت قدم رہے۔ اسی اثناء میں جب کافروں کا ایک غول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''مَنْ بِهٰذِهِ الْفِرْقَةِ'' کون ہے جو اس غول کا مقابلہ کرے اور انہیں دفع کرے اس وقت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ میں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تیر اندازی پر ہاتھ بڑھایا اور ان بتوں کے پجاریوں کو بھگا دیا۔ اس کے بعد دشمنوں کا ایک غول اور نمودار ہوا۔ اس وقت پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ بِهٰذِهِ الْكَتِيْبَةِ. ''کون ہے جو ان شیطانوں کو دور کرے'' وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر وہی جواب دیا اور ان سب کو یا تلوار کی دھار پر رکھ کر واصل جہنم کیا یا بھگا دیا۔ اس کے بعد پھر ایک ٹولہ نمودار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ هٰؤُلَاءِ. ان کیلئے کون ہے؟ وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کیا اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُمْ وَاَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ. قائم رہو اور جنت کی بشارت لو۔ حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت سے سرفراز ہو کر کفار کی صف میں داخل ہو گئے۔ کافروں نے ان کو گھیر کر شمشیر وسنان سے مجروح کر کے زمین پر گرا دیا۔ ان کے بعد ان کے بھتیجے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سوں کو واصل جہنم کر کے جام شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے ہیں۔ ایسی موت سے محبت رکھتا ہوں جیسی موت مزنی برادروں نے پائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے روز احد جیسی دلاوری اور پامردی۔ حضرت وہب بن قاموس غرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیکھی ہے کسی معرکہ میں کسی کی نہیں دیکھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزنی کے سرہانے ان کے شہید ہونے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ فَاِنِّيْ عَنْكَ رَاضٍ اللہ تم سے راضی ہو گیا اور میں بھی تم سے راضی ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود خود زخمی ہونے کے آپ نے اپنے قدم اقدس پر کھڑے ہو کر ان کو قبر میں اتارا اور وہ علم جو حضرت وہب مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھائے ہوئے تھے اس علم سرخ سے ان کی ڈھانپا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ان صحابہ کرام میں سے بعض حضرات ایسے ہیں جن کے حال پر اس دن عنایت الٰہی دستگیر ہوئی اور نور ہدایت ان کے دل میں جلوہ افروز ہوا جیسے کہ عمرو بن ثابت وقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ دین اسلام میں شک رکھتے تھے باوجود یہ کہ ان کی قوم ایمان لے آئی تھی اور وہ سب اسے ثبات واستقامت کی نصیحتیں کرتے تھے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ اتفاقاً اسی روز جس دن مسلمان غزوۂ احد کو جا رہے تھے۔ عمرو بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل سے غفلت کا قفل کھلا اور نور یقین ان کے دل میں جاگزیں ہوا۔ اپنے ہتھیار اٹھائے میدان جہاد میں آ گئے اور اس بہادری وشجاعت سے جنگ کی کہ زخمی وناتواں ہو کر شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انه لمن اهل الجنة یہ جنتیوں میں سے ہیں۔

مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی ایک شخص تھا جو احبار بنی اسرائیل میں سے تھا اور بہت مال وزر رکھتا تھا۔ اس نے کتب سابقہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں پڑھی تھیں لیکن دین یہودیت پر قائم وبرقرار تھا۔ اس دن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کی طرف تشریف لائے ہفتہ کا دن تھا۔ اسی روز مغریق کے دل میں اسلام جوش زن ہوا اور مصمم ارادہ کر لیا پھر اس نے اپنی قوم کو بھی دعوت دی انہوں نے قبول نہ کیا۔ مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم سے کہا بلا شبہ اور یقینی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی نصرت ومدد کر کے دنیا وآخرت کی سعادت حاصل کرو۔ یہودیوں نے کہا آج ہفتہ کا دن ہے آج کے دن جنگ کرنا

جائز نہیں ہے۔ مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ بات دین یہود میں ہے اور شریعت محمدیہ اس دین کی ناسخ ہے۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہوا ہتھیار سنبھالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور وصیت کی کہ میرے بعد میرا تمام مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کیلئے ہے اور باعتقاد درست مشرکوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو گیا۔ بالآخر مقابلہ کرتے ہوئے درجہ شہادت حاصل کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے مال میں تصرف فرمایا۔ اس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مُغْرِيْقُ خَيْرُ يَهُوْدٍ. یہود میں مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچھا شخص تھا۔

مسلمان عورتوں کی خدمت گزاریاں: مردان اصحاب رضی اللہ عنہم کی دلاوری وشجاعت میں سے کچھ حصہ تو بیان ہو گیا مگر کچھ مسلمان عورتیں بھی ایسی ہمراہ تھیں جنہوں نے اس غزوہ میں خدمت گزاری کی اور پانی وغیرہ پہنچایا اور جہاد وقتال کیا۔ جیسے نسیبہ بنت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو معرکوں اور محفلوں میں شیر دل، بہادر اور شجاع عورت تھیں۔ جنہوں نے اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے دونوں لڑکوں حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں روز احد مشکیزہ اٹھا کر مسلمانوں کو پانی فراہم کرتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ دشمنان اسلام کی چیرہ دستیاں بڑھ گئی ہیں اور انہوں نے مسلمانوں پر دراز دستی شروع کر دی ہے تو میں پانی دینے سے رک گئی اور کافروں کے ساتھ قتال میں مشغول ہو گئی۔ چنانچہ مجھے تیرہ زخم پہنچے ان میں سے ایک زخم تو سال بھر تک رستا رہا اور اس کا علاج کیا جاتا رہا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا یہ زخم کس نے لگائے تھے؟ انہوں نے کہا ابن قمیہ ملعون نے۔ میں نے بھی اس پر متعدد وار کئے تھے لیکن وہ دو زرہ پہنے ہوئے تھا جس پر میری ضرب کارگر نہ ہوتی تھی جس وقت مجھے زخم پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے فرزند عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ جلدی اپنی ماں کے پاس پہنچو اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میرے بچے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے مقابلہ کر رہے تھے اور صحابہ ہزیمت کھا کر آپ کے آگے سے بھاگے جا رہے تھے۔ میرے پاس ڈھال نہ تھی اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ایک شخص پر پڑی جس کے پاس ڈھال تھی۔ آپ نے فرمایا اے ڈھال والے اپنی ڈھال کسی ایسے شخص کو دیدے جو مشغول قتال ہے تو اس نے اپنی ڈھال ہاتھ سے پھینک دی۔ میں نے اس ڈھال کو اٹھا لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مشرکوں کے حملوں کو روکتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک کافر سوار نے مجھ پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ کارگر نہ ہوا۔ میں نے اپنی تلوار کا وار اس کے گھوڑے پر کیا اس کا گھوڑا گر پڑا اور سوار گھوڑے سے جدا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچشم خود یہ حال ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ نے میرے لڑکے کو آواز دی کہ اے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی اپنی ماں کے پاس آ۔ اس کے بعد میں نے اور میرے لڑکے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کیا اور دونوں نے مل کر اس مشرک کو قتل کر دیا۔

عبداللہ بن نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ اس دن مشرکوں نے ایک زخم مجھے ایسا لگایا تھا جس سے خون نہ رکتا تھا۔ میری ماں نے میرے زخموں کو باندھا اور کہا اٹھ! اور قتال میں مشغول ہو۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں! جو طاقت و ہمت تم رکھتی ہو کس میں ہے؟ اسی اثناء میں وہ شخص جس نے مجھے زخمی کیا تھا ہمارے آگے سے گزرا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا۔ اے ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! یہی وہ شخص جس نے تمہارے بیٹے کو زخمی کیا تھا؟ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کافر کی پنڈلی پر تلوار ماری اور وہ زمین پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم اقدس کے نزدیک گر پڑا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا تبسم فرمایا کہ آپ کے نواجذ شریف نمودار ہو گئے اور فرمایا اے ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم نے اپنے بیٹے کا قصاص اور بدلہ خوب لیا۔ خدا کا شکر ہے جس نے تم کو اپنے دشمن پر ظفر مند کیا اور تمہاری آنکھوں کو تمہارے سامنے اس کو ہلاک کر کے

روشن کیا۔ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمائیے کہ میں جنت میں آپ کے رفیقوں میں سے اہل بیت کے ساتھ ہوں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں اوران کے فرزندوں اور شوہر کے حق میں دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّةِ. اے خدا! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا۔ ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ نے کہا ہر وہ مصیبت جو اس دعا کے بعد مجھے پہنچے مضائقہ نہیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معرکہ مسیلمہ کذاب میں بھی موجود تھیں۔ نسیبہ بیان کرتی ہیں کہ روز یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو تلاش کر رہی تھی اچانک ایک شقی نے اپنی تلوار کا وار مجھ پر کیا۔ میرا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ خدا کی قسم! اس کے باوجود میں قتال سے باز نہ آئی۔ ایک لحظہ کے بعد میں نے اس ملعون کو قتل کیا ہوا پایا۔ میں نے اپنے لڑکے عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اس کے سر پر کھڑا ہے اور اپنی تلوار کو اس کے خون ناپاک سے پاک کر رہا ہے۔ اس وقت میں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور اپنے زخم کی مرہم پٹی میں مشغول ہوئی۔ سبحان اللہ کیا عورت تھی جو بہت سے مردوں سے فائق تھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آدمی میں عمل چاہئے خواہ مرد ہو یا عورت۔ شیر جب اپنے کچھار سے نکلتا ہے تو ہر ایک یہی کہتا ہے کہ شیر نکل آیا یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ مادہ ہے یا نر۔

خواجہ کائنات کا زخمی ہونا: وصل: محاربہ اصحاب اور اس غزوۂ میں ان کا کفار کے ساتھ جنگ کرنا' کفار کو قتل کرنا' صحابہ کا شہید ہونا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثاری کرنا اور عہد کا ایفاء کر کے اس کا حق ادا کرنا جیسے واقعات سے کہیں زیادہ واقعات ہیں لیکن اسی میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو جو شدت ومحنت اور ایذاء وآزار پہنچا وہ جدا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار فجار لعنہم اللہ میں سے پانچ آدمیوں نے باہم عہد کیا تھا کہ سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) شہید کریں گے ان میں سے ایک عبداللہ بن قمیہ تھا جو اپنی قوم میں اجرو اغلظ اور اشد تھا۔ دوسرا عتبہ بن ابی وقاص زہری جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی تھا جس کے ہاتھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ودندان شریف شکستہ ہوئے تھے۔ تیسرا عبداللہ بن شہاب زہری' چوتھا ابی ابن خلف۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حمید اسدی بھی انہیں میں تھا۔

ان اشقیاء نے اتنا نہ جانا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے نہیں جب تک کہ آپ کا دین مکمل ہو کر تمام دینوں پر غالب نہ آ جائے۔ اس وقت تک آپ اس جہان سے تشریف نہیں لے جائیں گے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. یہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو مکمل فرمانے والا ہے اگرچہ یہ کفار کتنا ہی برا مانیں۔

ابن قمیہ ملعون نے اس درج رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا پتھر پھینکا کہ آپ کا رخسار مبارک خون آلود ہو گیا اور خود کی کڑیاں آپ کے رخساروں میں ایسی پیوستہ ہوئیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹھ کر اپنے آگے کے دونوں دانت کو خود کی ایک کڑی پر رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے کھینچا تو ان کا دانت ٹوٹ کر گر پڑا۔ پھر دوسرا دانت کڑی پر رکھ کر کھینچا تو وہ دانت بھی ٹوٹ کر گر پڑا۔ اسی بنا پر ان کو اثرم کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک بھی زخمی ہوئی جس نے آپ کے محاسن شریف کو لہولہان کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک سے خون کو صاف کرتے جاتے اور فرماتے جاتے وہ قوم کس طرح نجات پائے گی جو اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ حالانکہ وہ نبی خدا کی طرف ہی بلاتا ہے جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور یہ آیت لائے۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ. آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں مطلب یہ کہ ہر تصرف واختیار سب کچھ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر چاہے تو بخش دے اور رحمت کے ساتھ انہیں توبہ کی توفیق دے دے یا

چاہے ان پر عذاب فرمائے۔ کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں اور آپ تو انداز و جہاد کے مامور بندے ہیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب نفس اور حسن ادب کا تعلیم فرمانا ہے۔ مبادا البشریت کی جانب رجوع فرمائیں اور دائرہ عبودیت سے باہر ہو جائیں۔ اس آیۃ کریمہ کا نزول اس وقت بھی بتاتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کفار پر قنوت میں بددعا فرماتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خون کو صاف کرتے رہتے تھے اور اتنا موقع نہ آنے دیتے کہ خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا اگر اس خون کا کوئی جز زمین پر آ رہے تو یقیناً اہل زمین پر آسمان سے ایسا عذاب نازل ہو جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں اور اس کے بعد زمین پر کوئی چیز نہ اُگتے۔ آپ نے دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ. اے خدا! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ وہ مجھے جانتی نہیں اور وہ میری حالت کی حقیقت کو پہچانتی نہیں ہیں۔

عتبہ بن ابی وقاص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسا پتھر پھینکا جس سے آپ کا لب زیریں لہولہان ہو گیا اور آگے کے نچلے دندان مبارک کو شہید کر دیا۔ عبداللہ بن شہاب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنی مبارک کو پتھر پھینک کر زخمی کر دیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب روئے پر انوار سیّد ابرار صلی اللہ علیہ وسلم سے خون جاری ہوا تو میرے والد مالک بن سنان اپنے منہ کو اس جگہ رکھ کر خون چکیدہ پی جاتے تھے اس پر کچھ لوگوں نے کلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون مل جائے اسے آتش دوزخ نہیں چھو سکتی۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے خون صاف کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر پر پانی لاتے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دھوتی تھیں۔ ہر چند کہ زخم دھویا جاتا مگر خون نہ رکتا۔ اس کے بعد بوریئے کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کا خاکستر زخم پر چھڑکا تب خون بند ہوا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استخوان بوسیدہ سے اس زخم کا علاج فرماتے رہے یہاں تک کہ اس کا اثر تک نہ رہا۔ روضۃ الاحباب میں بروایت شیخ ابن حجر شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالرزاق، معمر سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر شمشیر کے ستر زخم آئے تھے مگر حق تعالیٰ نے آپ کو سب کے شر سے محفوظ رکھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ستر کے عدد سے مراد شاید واقعتاً ستر ہی ہوں یا کثرت میں مبالغہ مقصود ہو۔

منقول ہے کہ ابن قمیہ ملعون نے اپنی شمشیر سے آپ پر وار کیا۔ من ھٰؤلاء اور آپ اس ملعون کی ضرب اور اپنے جسم اقدس کے ہتھیاروں کے بوجھ سے (آپ دو زرہ پہنے ہوئے تھے) اس غار میں آ رہے جو وہاں قریب ہی تھا یا ملاعنہ نے کھود رکھا تھا۔ چنانچہ آپ لوگوں کی آنکھوں سے پنہاں ہو گئے اور آپ کے زانو ہائے شریف خراشیدہ ہو گئے۔ وہیں اس ملعون نے آواز لگائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) شہید ہو گئے اور شیطان لعین بھی اس کا ہم آواز ہو گیا۔ کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ (معاذ اللہ) ابوسفیان نے کہا اے گروہ قریش تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کس نے کام تمام کیا (معاذ اللہ) ابن قمیہ ملعون بولا ''میں نے'' ابوسفیان نے کہا ''ہم تیرے ہاتھ میں ویسے ہی کنگن پہنائیں گے جیسے عجمی لوگ اپنے بہادروں اور پہلوانوں کو پہناتے ہیں۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں آ رہے تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غار میں داخل ہوئے اور سرور عالم کو اپنے آغوش میں لے لیا تاکہ زمین سے اُٹھیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو پکڑا اور زور لگایا یہاں تک کہ آپ اوپر تشریف لے آئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ پانچویں اشقیاء کے بارے میں بددعا فرمائی کہ یہ سال نہ گزار سکیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ تو وہیں مارے گئے اور کچھ اسی سال قعر جہنم میں جا گرے ابن قمیہ اس سگ ملعون نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار کا وار کر کے کہا گویا

یہ میرا وار ہے کیوں کہ میں ابن قمیہ ہوں۔ سیّد رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم نے فرمایا: اَقْمَاكَ اللّٰهُ وَاَذَلَّكَ. اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل وخوار کرے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اسی سال وہ اپنے ریوڑ کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس پر ایک مینڈھا مسلط کیا اور اس نے اپنا سینگ اس کے پیٹ میں مارا جو اس کے حلق سے پار ہو گیا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ اس انداز عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن قمیہ کے ہلاک ہونے کا قصہ روز احد کے قریب زمانہ کا نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ کے بعد رونما ہوا۔ مگر معارج النبوۃ کی عبارت یہ ہے کہ مشرکوں کے مکہ مکرمہ لوٹ آنے کے بعد ایک دن ابن قمیہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا کہ بفرمان الٰہی ایک مینڈھا اسی وقت اس ملعون کے قریب آیا (آخر قصہ تک)

اب رہا ابی بن خلف کا قصہ! تو کسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ تیرا قاتل میں ہوں گا۔ یہ خوف اس کے دل میں یقین کے ساتھ بیٹھ گیا تھا لہٰذا قریش کے مکہ سے خروج کے وقت' احد کی جانب وہ آنا نہ چاہتا تھا کہ کہیں وہ مارا نہ جائے۔ ابوسفیان اسے اصرار کر کے لایا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ اسیران بدر میں شامل تھا جب اس کا فدیہ قبول کیا گیا تو اس نے مکہ جانے کی اجازت پائی تاکہ وہ فدیہ ادا کرے۔ اس بے حیا نے لوٹتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو وبکواس کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ایک گھوڑا ہے میں اسے خوب دانہ پانی دوں گا تاکہ فربہ ہو جائے پھر اس گھوڑے پر سوار ہو کر آپ سے جنگ کروں گا اور آپ کو (خاک بدہن رو) قتل کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اس گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں ہی میں تجھے قتل کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ علماء فرماتے ہیں کہ بدترین خلق اور بدبخت ترین خلائق وہ ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتل کریں۔

روز احد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابی ابن خلف سے ہشیار رہو کیونکہ یہ ناخلف بے خبری میں پیچھے سے نہ آ جائے۔ اگر تمہیں وہ نظر پڑ جائے تو مجھے بتا دینا۔ اچانک جنگ کے آخر میں وہ اپنے گھوڑے پر سوار نمودار ہوا جب اس کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اس نے نالائقی کی باتیں کہنی شروع کر دیں۔ اس نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابی کے ہاتھ سے نہ بچ سکیں گے' اگر آج آپ میرے ہاتھ سے بچ گئے تو یہ کتنا بے حیا اور بے شرم تھا کہ باوجود اس اعتقاد کے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ پھر بھی یہ لاف زنی کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اشارہ فرمائیے ہم اس پر حملہ کریں اور اسے دوزخ میں پہنچائیں۔'' جب وہ ملعون قریب پہنچا۔ حضرت زبیر بن العوام بن الصمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیزہ لیا اور ابی کی جانب پھینکا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی کا نیزہ اس کے ہاتھ سے لے کر اس پر پھینکا تھا یہ اس شقی کی گردن پر پڑا۔ اسی وقت اس نے اپنے گھوڑے کی لگام پھیری اور اپنی قوم سے مل گیا اور خود کو گھوڑے سے گرا دیا اور گائے بیلوں کی مانند ڈکرانے لگا۔ اس کی قوم نے اس سے کہا ''تیرا زخم تو ایک معمولی سی خراش سے زیادہ نہیں ہے۔ اتنی چیخ وپکار اور واویلا کیوں کرتا ہے۔'' اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ زخم کس کی مار کا ہے۔ میں واقف ہوں کہ اس زخم سے میری جان نہ بچ سکے گی۔ اگر یہ زخم جو مجھ اکیلے کو لگا ہے تمام حجاز والوں کو لگ جائے تو وہ یکبارگی سب کے سب مر جائیں۔ اس لیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے خبر دی ہے کہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ کہنے لگا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے منہ پر کھجور کی گٹھلی بھی مار دیتے تو بھی میں مارا جاتا۔'' وہ یونہی چیختا چلاتا رہا پھر وہ ملعون' مشرکوں کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ''مرالظہران'' میں جو مکہ سے ایک منزل پر ہے واصل جہنم ہو گیا۔

مواہب لدنیہ میں واقدی سے منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابی ابن خلف بطن رابغ میں مرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد میں بطن رابغ میں جا رہا تھا۔ اچانک آگ کی ایک لپیٹ نمودار ہوئی۔ میں اس سے ہیبت

کھا گیا۔اس کے بعد یکا یک اس آگ سے ایک شخص نمودار ہوا جو زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا اور پیاس سے چیختا چلاتا تھا اور ایک دوسرے سے کہتا تھا اسے پانی نہ دو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قتیل ابی بن خلف ہے۔

عبداللہ بن حمید بھی میدان احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا اچانک حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار کی ایک ضرب سے اسے زمین پر ڈال دیا۔عتبہ بن ابی وقاص کی کیفیت معلوم نہیں کی اس کی ہلاکت کس طرح ہوئی۔ عبداللہ بن شہاب کے بارے میں معارج میں مجملا کچھ ذکر ہے کہ یہ پانچواں بدبخت بھی اسی سال انتہائی ذلت وخواری سے ہلاک ہوا۔

میدان احد کے آخری مناظر: وصل: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد سے اس غار سے باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ احد کی گھاٹی کی طرف اپنے صحابہ کے ساتھ متوجہ ہوں اور پہاڑ کی بلندی یا قلعہ پر تشریف لے جائیں۔مگر بربنائے ضعف جو زخموں اور اس بدنی کوفت نے سبب جو ذات بابرکات کو عارض ہوئی تھی آسان نہ ہوا۔

ابوسفیان نے چاہا کہ مشرکوں کی جماعت کے ساتھ پہاڑ کے کسی بالائی گوشہ پر چڑھ کر اظہار تعلی کرے اور یہ بھی چاہا کہ انہیں گھاٹی میں داخل ہونے سے روکے۔اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس دعا کیلئے اٹھایا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ لَا تَذَرْ اَنْ يَعْلُوْنَا اے رب! ان کو نہ چھوڑ کہ یہ آگے بڑھیں۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مشرکین کی راہ روکی اور ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو وہاں سے دور کیا۔

اس کے بعد وہ نامراد صحن معرکہ میں ادھر ادھر کتوں کی مانند دوڑنے لگے۔سیر وتفریح کرتے، رجز خوانی کرتے، خوشی وشادمانی کا اظہار کرتے تھے اور ان کی عورتیں مثلاً ہندہ وغیرہ مسلمان شہیدوں کے پاس آئیں۔حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کے سوا تمام شہیدوں کا مثلہ کرنے لگیں۔ان کے شکموں کو چاک کرتیں، کلیجے نکالتیں، ناک کان کاٹتیں ڈوروں میں منسلک کرکے ہار بناتی تھیں اور اپنے گلوئے ناہنجار اور ناپاک ہاتھوں میں پہنتی تھیں۔حضرت حنظلہ غسیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملائکہ کے مثلہ نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اس ابوعامر راہب کا بیٹا تھا۔جسے ابوعامر فاسق کہتے ہیں یہ مشرکوں میں سے تھا اور یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے حملہ کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ضعف وناتوانی کے سبب ظہر کی نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔یہاں تک کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ پہاڑ کی بلندی پر تشریف لے جائیں تو ایک بڑا پتھر سامنے آیا اس پر آپ نہ چڑھ سکے۔اس موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنے شدید زخموں کے بیٹھ گئے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پائے اقدس ان کے کندھوں پر رکھ کر وہاں تشریف لے جائیں۔اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَوْجَبَ طَلْحَةُ. طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لیے جنت واجب کرلی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس کے بعد ابوسفیان نے چاہا کہ یقین کے ساتھ معلوم کرے کہ خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التسلیمات ورزمرہ احیاء ہیں یا از جملۂ اموات وہ احد کے قریب آیا اور چیخ کر کہنے لگا کہ کیا اس قوم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے جواب نہ دو پھر اس نے پکار کر پوچھا کیا اس قوم میں ابن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اسے جواب نہ دو۔وہ پھر پکارا کیا اس قوم میں ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟ اس بار بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے جواب نہ دو۔پھر اس نے اپنی قوم کی طرف رخ کرکے کہا میں نے جتنوں کے نام پکارے ہیں وہ سب مارے گئے ہیں اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہوگئے فرمایا: كَذَبْتَ يَاعَدُوَّ اللّٰهِ او خدا کے دشمن تو جھوٹ بکتا ہے۔جتنوں کے تو نے نام لیے ہیں وہ سب زندہ ہیں۔اس کے بعد ابوسفیان بتوں کی تعریفیں کرنے لگا اس نے کہا: اُعْلُ هُبُلْ ہبل

کی بلندی ہو کہ تیری برکت سے ہماری ظفر ونصرت ہے چونکہ ابوسفیان نے مکہ سے نکلتے وقت کہا۔اس سے استمداد اور تفاول کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ. ابوسفیان نے اَلْعُزّٰی لَنَا وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (بت عزیٰ ہمارا ہے تمہارا عزیٰ نہیں) اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ پھر ابوسفیان نے کہا: یَوْمَ بِیَوْمِ الْبَدْرِ وَالْحَرْبِ سِجَالٌ. آج کا دن بدر کے بدلہ کا دن ہے اور جنگ ڈول کی مانند ہے۔ مطلب یہ کہ روز احد ہمارا فتح وغلبہ روز بدر کی مانند ہے کہ اس روز فتح ونصرت تمہیں حاصل ہوئی تھی اور جنگ ڈول کی مانند ہے کبھی ایک پانی سے بھری ہوتی ہے کبھی دوسری سے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو قَتْلَانَا فِی الْجَنَّةِ وَقَتْلَاکُمْ فِی النَّارِ. ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم ہیں۔اس کے بعد ابوسفیان نے کہا تمہارے مقتولوں کو مثلہ کر دیا گیا ہے مگر میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور میں اسے ناپسند بھی نہیں کرتا۔اس کے بعد اس نے کہا ہماری اور تمہاری ملاقات آئندہ سال بدر میں ہوگی۔اس کے بعد وہ اپنے گمان میں مظفر ومنصور لوٹ گیا مگر درحقیقت مخذول ومقہور لوٹا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد کے حالات: وصل: جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو صحابہ کے دلوں میں دغدغہ ہوا کہ مبادا وہ لوٹ کر مدینہ پر تاخت وتاراج نہ کریں۔اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا وہ دشمنوں کے عقب میں جائیں اور اس خبر کی تحقیق کریں۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے تعاقب میں گئے اور یہ خبر لائے کہ مشرکین مکہ کی طرف چلے گئے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد کفار قریش ہم پر کبھی بھی کامیاب نہ ہوں گے اور انشاء اللہ ہمیں مکہ مکرمہ کی فتح نصیب ہوگی۔

جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو مسلمان اپنے شہیدوں کی جستجو وتلاش میں مشغول ہو گئے۔مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو حضرت سعد بن ربیع بن عمرو انصاری عقبی بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تحقیق کر کے بتائے کہ وہ زندوں میں ہیں یا شہیدوں میں۔وہ بارگاہ نبوت کے مخلصوں اور محبوبوں میں سے تھے۔ایک انصاری ان کی جستجو وتلاش میں گئے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہیدوں کے درمیان پایا۔اس وقت ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی تو ان انصاری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام ان کو پہنچایا۔اس پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا اور عرض کرنا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتا ہے۔جَزَاکَ اللّٰہُ عَنَّا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَفْضَلَ مَاجَزٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ. اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزا مرحمت فرمائے اس سے افضل جو نبی کو اپنی امت کی جانب سے جزا ملے۔اسی طرح صحابہ کرام کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا اگر تم نے خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں کوتاہی کی تو بارگاہ الٰہی میں کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔یہ کہا اور جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔اس کے بعد وہ انصاری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور صورت حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَرْضَ عَنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ. اے خدا! سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو جا۔سبحان اللہ کیا محبت واخلاص ہے کہ جان دے رہے ہیں اور شکر زبان پر جاری ہے عذر خواہی کر رہے ہیں۔جس وقت انہیں یقین کامل حاصل ہو گیا کہ جو نعمت حق اور دین اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں درمیان سے حجابات مرتفع ہو گئے تو اب کہاں توقف واشتباہ کی گنجائش رہی۔

علماء فرماتے ہیں کہ شہید کو جس وقت جان دینا اور خود سے گزرنا ہوتا ہے اس وقت اس پر ایسی چیز منکشف ہوتی ہے اور اسے وہ چیز دکھائی جاتی ہے جو دوسروں پر منکشف نہیں ہوتی۔مومن کا اصل مقصود یہی جان وروح کا اختیار کے ساتھ دے دینا ہے۔دیگر اختیارات

اس کی فرع ہیں اوراس سے کم تر ہیں۔ حکایات مشائخ میں منقول ہے کہ جریری نے شیخ ابوعبداللہ حنیف سے فرمایا: اَلشَّهَادَةُ هُوَ بَذْلُ الرُّوْحِ وَلاَ تَغُرَّ بِتُرّهَاتِ الصُّوْفِيَةِ اصل چیز درجہ شہادت میں روح ہی ہے تو تم صوفیہ کی بناوٹوں سے مغرور نہ ہو۔

شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھنے کے ضمن میں محدثین کرام اوراہل سیر سے روایتیں مروی ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ان کے بعد جو جنازہ آتا رہا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب رکھا جاتا رہا اور نماز پڑھی جاتی رہی یہاں تک کہ ستر نمازیں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزاری گئیں۔ اکثر ائمہ محدثین کا قول یہ ہے کہ نماز بار بار نہیں پڑھی گئی اور یہی مذہب شوافع کا مختار ہے اسی پر احناف بھی ہیں۔ یہ مبحث بطول وتفصیل شرح سفر السعادۃ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ وہاں دیکھنا چاہئے فرمایا شہداء کیلئے غسل کا حکم نہیں ہے انہیں خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیں۔ فرمایا حق تعالیٰ روز قیامت ان کو اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کے زخموں سے خون بہتا ہوگا اور فرمایا رنگ تو خون کا ہوگا مگر اس کی خوشبو مشک کی مانند ہوگی اور فرمایا کسی شہید کو یہاں سے کسی دوسری جگہ نہ لے جائیں۔ اور اگر کوئی اپنے شہید کو دوسری جگہ لے گیا ہے تو وہ دوبارہ یہیں لے آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ لے گئے تھے۔ فرمان نبوی کے بعد ان کو دوبارہ احد میں لائے۔

آپ نے یہاں تک فرمایا کہ جن شہداء کے درمیان الفت ومحبت زیادہ تھی ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ان کے بھانجے تھے ایک ہی قبر میں رکھا گیا۔ اس طرح کسی کسی میں تین تین شہیدوں کو یکجا دفن کیا گیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو اسے لحد میں رکھیں۔ دن کے آخری حصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ واپسی فرمائی۔ ہر قبیلہ کے مرد وعورت آپ کے استقبال کیلئے نکل آئے۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی اور بقائے ذات اقدس پر شکر خدا بجالا رہے تھے اور ہر شخص جس کو جو مصیبت پہنچی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کے مقابلہ میں اس مصیبت کو آسان سمجھ رہا تھا۔

ایک عورت تھی جس کا باپ' بیٹا' شوہر اور اس کے جملہ اقارب شہید ہوگئے تھے وہ لوگوں سے دریافت کرتی پھرتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں؟ اگر وہ حیات ہیں تو کسی کے مرنے کا کوئی مضائقہ نہیں اور نہ کسی کا غم ہے۔

من ودل گرفدا شدیم چہ باک غرض اندر میان سلامت تست

جب آپ سلامت ہیں تو گویا سب موجود ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عبدالاشہل میں پہنچے یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ ہے تو کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رافع (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ) باہر آئیں۔ یہ دوڑتی ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچیں تا کہ جمال جہاں آرا مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھوں کو روشن کریں۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری والدہ آرہی ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی وخدمت گزار ہیں۔'' فرمایا ''مرحبا مرحبا'' پھر وہ آئیں اور قریب ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئیں۔ عرض کرنے لگیں ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں نے آپ کو سلامت پالیا تو اب ہر مصیبت کا گھونٹ پی سکتی ہوں'' سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے بیٹے عمرو بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعزیت کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہیں بشارت ہو اور تم اپنے سب گھر والوں کو بشارت دیدو کہ جن مقتولوں نے شربت شہادت نوش کیا ہے۔ وہ جنت کے منازل میں ہیں اور وہاں سیر وتفریح کر رہے ہیں۔ ان کی شفاعت ان کے گھر والوں کیلئے قبول ہوگی۔ کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس حال

میں راضی ہیں'' اس بشارت کے بعد یہ تہنیت کا مقام ہے نہ کہ تعزیت کا۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پسماندگان کیلئے دعا فرمائیے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ حُزْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاُجُرْ مُصِیْبَتِھِمْ. اے خدا! ان کے دلوں کے غم کو دور فرما اور ان کی مصیبتوں کا اجر دے۔ حکم دیا کہ جو زخمی ہوا پنے گھر چلا جائے اور اپنا علاج کرے اور ہمارے ساتھ نہ چلے۔ ''بنی الاشہل کے حضرات بہت زیادہ زخمی تھے۔ تقریباً اس کے بیس افراد زخمی ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں آپ کے کاشانۂ اقدس تک آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شانۂ اقدس میں پہنچا کر پھر اپنے گھر آئے۔

مروی ہے جب مصیبت زدگان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے باہر نکلے تھے تو فاطمہ دختر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم راستہ کے کنارہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو دیکھ رہی تھیں۔ جوق در جوق لوگ آتے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان میں اپنے والد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرتی تھیں مگر لوگوں میں وہ نظر نہ آئے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے دریافت کیا۔ ''میرے والد کہاں ہیں؟ ان کو میں اس لشکر میں نہیں دیکھ رہی ہوں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھر آیا اور چشم پرنم ہو گئیں۔'' آپ نے فرمایا ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نہ دیکھا۔ سواری کی گام تھام کر عرض کرنے لگیں۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد کہاں ہیں'' فرمایا۔ ''تمہارا والد میں ہوں!'' عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کلام مبارک سے خون کی بو آ رہی ہے؟'' ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہ کے بھی آنسو نکل آئے۔ اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد کے شہادت کی کیفیت بیان فرمائیے'' فرمایا ''اے بیٹی! اگر اس کی کیفیت بیان کروں تو تمہارا دل قابو میں نہ رہے گا'' اس سے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (دختر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی چیخ نکل گئی۔

اس مقام پر ایک عجیب حکایت ہے جسے ارباب سیر نقل کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اکثر انصار کے گھروں سے عورتوں کے رونے کی آواز سماعت فرمائی۔ مگر حضرت حمزہ کے گھر سے رونے کی آواز نہ سنائی نہ دی۔ فرمایا: لٰکِنْ حَمْزَةَ لَا بَوَاکِیَ لَهٗ. مطلب یہ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے کوئی عورت رونے والی نہیں ہے۔ انصار نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اپنی عورتوں سے کہا کہ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جاؤ اور ان کیلئے روؤ۔ اس کے بعد اپنے گھر آ کر اپنے شہیدوں کیلئے روؤ'' انصار کی عورتیں شام اور سونے کے وقت کے درمیان حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں اور آدھی رات تک ان کیلئے روتی رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب گاہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سماعت فرمائیں۔ دریافت فرمایا ''یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' عرض کیا ''یہ آپ کے چچا پر انصار کی عورتوں کے رونے کی آواز ہے'' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور فرمایا: رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْکُنَّ وَعَنْ اَوْلَادِکُنَّ وَاَوْلَادِ اَوْلَادِکُنَّ. اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولاد سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔ اتنا تو معارج النبوۃ میں مذکور ہے اور روضۃ الاحباب میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا ''میرا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر روئیں'' اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس مخالفت میں تاکید ومبالغہ فرمایا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ لٰکِنْ حَمْزَةَ لَا بَوَاکِیَ لَهٗ. اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصیبت وغربت پر ہمدردی اور غم خواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کئے گئے تھے اور دوسری غربت یہ تھی کہ کوئی ایسا نہ تھا جو ان کیلئے روئے اور بغیر نوحہ کے

رونا ممنوع بھی نہیں ہے۔ لیکن انصار چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اس بنا پر انہوں نے اس کا یہ مفہوم لیا حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور روئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب ان کی جانب سے اپنی خوشنودی کی خواہش کو ملاحظہ فرمایا تو ان کیلئے دعا فرمائی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس رونے نے نوحہ گری کی صورت اختیار کر لی ہو اور اس سے آپ نے منع فرمایا اور اس مخالفت میں مبالغہ وتاکید فرمائی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک نوحہ بھی مباح ہو اور اس کے بعد اس حکم کو منسوخ فرما دیا ہو (واللہ اعلم)

یہ بات پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ چار مہاجرین میں سے اور چھیاسٹھ انصار میں سے اور کفار نگونسار کے لشکر میں سے تقریباً تیس افراد جہنم رسید ہوئے تھے۔

جب مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ مصیبت ہمیں کس بنا پر پہنچی تو حق تعالیٰ سے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **وَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ.** مطلب یہ کہ جب تمہیں وہ مصیبت پہنچی یعنی قتل وجراحت اور تم میں سے ستر اصحاب روز احد شہید ہوئے تو بلاشبہ تم ان سے دونا روز بدر دشمنوں کو پہنچا چکے ہو کہ ستر کفار بدر میں مارے اور ستر کو قید کیا تھا۔ تو اے محبوب تم فرما دو۔ یہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچی ہے تو بالاشبہ تمہارے اپنے ہی نفسوں کی طرف سے ہے۔ کہ تم نے مرکز کو چھوڑ کر حکم کی خلاف ورزی کی اور فتح کا وعدہ ثبات اور ہماری مطابقت کے ساتھ مشروط تھا اور تم نے اپنے اختیار سے مدینہ منورہ سے باہر جانے میں جلدی کی اور ہمارے حکم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا انتظار نہ کیا اور اتنی دیر توقف نہ کیا۔ جیسا کہ شروع میں گزر چکا ہے یا اس بنا پر کہ تم روز بدر قیدیوں کے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا اور اس کے عوض یہ وعدہ کیا تھا کہ ان قیدیوں کے برابر یعنی ستر آدمیوں کی شہادت پیش کرو گے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی دلداری فرمائی اور فرمایا: **مَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ** دونوں گروہوں کے ملنے کے دن جو تمہیں مصیبت پہنچی اور قتل وہزیمت کا سامنا کرنا پڑا یہ حق تعالیٰ کی قضا سے تھا اور مومن چونکہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ اسے پہنچتا ہے وہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کی طرف سے قضاء وقدر ہوتا ہے اس سے اس کی تسلی ہو جاتی ہے اور وہ اس مصیبت کو آسان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قضا وقدر پر ایمان ویقین رکھنا غم واندوہ زائل کرتا ہے۔

شہداء احد کی مخصوص فضیلتیں: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی شان میں خصوصیت کے ساتھ فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ مطلق شہادت کی فضیلت میں جو حدیثیں مروی ہیں وہ جدا ہیں۔ فرمایا جب یہ شہداء اس جہان سے منتقل ہو کر اس جہان میں پہنچے تو حق تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔ روزانہ یہ پرندے جنت کی نہروں میں آتے پانی پیتے، جنت کے پھل کھاتے اور جنتی مکانوں، محلوں، باغوں اور گلستانوں میں اڑتے رہتے ہیں اور جنت کی سیر کرنے کے بعد ساق عرش پر آویزاں طلائی قندیلوں میں آ کر شب گزارتے ہیں۔ جب وہ ان دولتوں سے سرفراز تھے اور ان ناز ونعمت کو پاتے ہیں تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہیں کہ کون ہے جو ہمارا پیغام ہمارے بھائیوں کو پہنچائے اور ہمارے اس قرب وحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، عیش وعشرت اور عمدہ وطیب کھانے پینے کی نعمتوں سے انہیں آگاہ کرے تاکہ وہ دنیاوی زندگانی کی مدت کو غنیمت جانیں اور غزوۂ جہاد میں خوب تندہی سے سعی وکوشش کریں اور خود کو ان سعادتوں کے حاصل کرنے اور درجہ شہادت کے پانے کا اہل بنائیں اور اس سے محروم نہ رہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا رب ہوں، میں تمہارا پیغام ان تک پہنچاتا ہوں پھر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے تم مردہ نہ گمان کرو بلکہ وہ

اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ — اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو انہیں عطا فرماتا ہے خوش ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی اور فرمایا۔ اے شہیدو! اور اے میری راہ میں جان کو قربان کرنے والو! مانگو جو چاہو؟ انہوں نے کہا اے ہمارے مولیٰ! اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے اور ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم وہاں تیری رضا میں دوبارہ شہید ہوں۔ فرمان ہوا ہم جس کو قبض کر لیتے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتے۔ اس جگہ شارحین کلام کرتے ہیں کہ از روئے حیات دنیا' دوسری شہادت کے حصول کی غرض سے دوبارہ بھیجنا کیا فائدہ کرتا ہے۔ یہی ثواب جو پہلی مرتبہ کی شہادت سے انہیں حاصل ہوا۔ دوسرا مرتبہ بھی حاصل ہوتا' زیادہ کسی چیز کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے۔ انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ دوسری مرتبہ کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا چونکہ اس کا ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ. اگر تم نے شکر کیا تو اور زیادہ دوں گا اور ممکن ہے کہ شہادت کی لذت اور اس کی چاشنی کا تصور ہو۔ اگرچہ ظاہر میں الم کی صورت رکھتا ہے مگر اس کا ثمرہ اور اجر جو حاصل ہوا اسے حاصل کرنے کا دوبارہ شوق وجذبہ پیدا ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے کا مقصود' اس نعمت کی نفاست' اظہار رضا اور جو کچھ جزا میں حاصل ہوا اس پر شکر کرنا ہو۔ مطلب یہ کہ ہم کسی اور چیز کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ کسی چیز کی تمنا ہے۔ ان نعمتوں سے بالاتر اور خوشگوار تر ہم اور کوئی چیز نہیں جانتے اور اگر ہم چاہیں گے تو اسی کو چاہیں گے اور یہ حاصل ہی ہے۔

یہ تو عالم برزخ میں حاصل ہے۔ دیدار الٰہی کا وعدہ تو آخرت کیلئے ہے وگرنہ وہ اسے ہی طلب کرتے کیونکہ دیدار الٰہی تمام نعمتوں سے بالاتر ہے۔

ظاہر حدیث وآیت کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کی حیات' حقیقی جسمانی حیات ہے۔ محض معنوی وروحانی نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض علماء کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ باوجود حیات شہداء کے انبیاء علیہم السلام کی حیات' ان سے اعلیٰ واتم اور اکمل ہے اور حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ کتاب ''جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب'' میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر وفات کے ضمن میں کچھ اس میں سے بھی بیان کر دیا جائے گا۔

تنبیہ: علماء فرماتے ہیں کہ پرندوں کے قالب میں روحوں کو لانا بھی تعلق ارواح کا طریقہ ہے اور چونکہ پرندوں کے ابدان' ارواح انسانی کے تصرف وتدبیر کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس سے ان کی تنقیص لازم آتی ہے کیونکہ مرتبہ انسانی سے گھٹا کر مرتبہ حیوانی میں لانا ایک قسم کی تنقیص ہے تو یہاں یہ صورت نہیں ہے بلکہ اس کی صورت ان جواہرات جیسی ہے جو صندوق وظروف میں رکھے جاتے ہیں لیکن اس تقدیر پر یہ اعتراض لاحق ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتوں سے ان کا لذت پانا اور وہاں نعمتوں سے لطف اندوز ہونا کیا ہے؟ یہ بات آلات وحواس کے وجود کو ظاہر کرتی ہے؟ مگر یہ کہ اسے اس طرح بیان کیا جائے کہ یہ جنتی پرندے' انسانی ابدان ہیں جن میں حواس انسانی کو رکھا گیا ہوگا۔ گویا کہ وہ آدمی ہی ہیں مگر صورت پرندوں کی ہے جس طرح کہ دنیا میں انسانوں کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ جنت میں پرندوں کی صورت میں ہوں گے۔ اس سے تناسخ یعنی آواگون کا وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ روح ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں داخل ہوگئی۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہے کہ اس بدن کی صورت اس بدن کی صورت سے مختلف وجدا ہے تو اس وہم کا ازالہ اور دفعیہ یہ ہے کہ تناسخ کا بطلان' دنیا میں ہے کہ وہ حشر ونشر کو باطل بناتا ہے۔ اس جگہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بدن برزخ میں ہے جہاں وہ بطور امانت ہے اور اس کے ساتھ متعلق ہے جسے دور کر دیا جائے گا اور یہ (حشر میں) بدن اصلی میں داخل ہو جائیں گے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ شہداء کی ارواح' ان پرندوں کے ساتھ متمثل اور متجسد ہوں گی۔ یہ قول ظاہر حدیث کے منافی ومخالف ہے

کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ طُیُوْرٍ پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید عالم برزخ میں مرتبہ طیور پر رکھا ہو اور بعد از حشر و نشر ابدان اصلی پیدا کر کے مرتبہ انسانی میں پہنچا دیا جائے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

مواہب لدنیہ میں ہے جسے حافظ عماد الدین ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مسند امام احمد میں ایک حدیث ملی ہے جس میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کی روحیں جنت میں رہتی ہیں اور وہاں وہ کھاتی پیتی اور اس کی سرسبزی و شادابی کو دیکھتی رہتی ہے۔ جن چیزوں سے انہیں سرفراز کیا جائے گا اس کا وہ مشاہدہ کرتی ہیں۔ اور یہ حدیث باسناد صحیح عزیز مروی ہے اور ائمہ اربعہ مذاہب میں سے تین امام اور ان کے متبعین اس میں مجتمع ہیں۔ اسے امام احمد شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبدالرحمٰن سے وہ اپنے والد کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جنت کے درختوں سے (میوے) کھاتی ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ اسے اس کے جسم کی طرف لوٹائے گا جس دن کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ لہٰذا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن کی روح بھی پرند کی صورت میں جنت میں ہے اور شہداء کی روحیں طائران سبز کے جوف و حواصل میں رہتی ہے لہٰذا روح شہداء عامہ مومنین کی ارواح کی نسبت سے راکب کی مانند ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے فارغ ہوگئے تو خطبہ ارشاد فرمایا حق تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کی تعزیت فرمائی ان کو اس اجر و ثواب کی خبر دی جو حق تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ

بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ کچھ تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے عہد پورا کر لیا اور کچھ وہ بھی جو منتظر ہیں۔

حضرت ابی فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کی زیارت قبور کیلئے تشریف لے گئے۔ فرمایا اے میرے رب تو ہی عبادت کا مستحق ہے بلاشبہ تیرا یہ بندہ اور تیرا رسول گواہ ہے کہ یہ جماعت تیری رضا میں شہید ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص ان کی زیارت کرتا ہے اور ان کی تحیت و سلام بجالاتا ہے۔ یہ قیامت تک ان کو جواب دیتے رہیں گے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے تو فرماتے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی راہ پر گامزن رہے اور اسی طرح زیارت و سلام کرتے رہے۔

فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ میں ایک روز صحرائے احد سے گزر رہی تھی تو میں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ. میں نے سلام کے جواب میں سنا: عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. عطاف بن خالد مخزومی اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں شہدائے احد کی زیارت کو گیا میرے ساتھ دو غلام تھے جو میرے گھوڑے کی حفاظت کرتے تھے۔ ان کے سوا کوئی موجود نہ تھا چونکہ میں نے سنا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں سلام کرو کیونکہ یہ زندہ ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں تو میں نے سلام کیا اور سلام کا جواب سنا۔ انہوں نے فرمایا "بلاشبہ ہم تمہیں پہنچانتے ہیں۔" اس پر میں ہیبت سے لرزہ براندام ہوگیا۔ پھر میں جلدی سے سوار ہو کر روانہ ہوگیا۔ شہدائے احد کی فضیلت میں اخبار و آثار بہت ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ چھیالیس سال کے بعد (کسی وجہ سے) بعض شہدائے اُحد کی قبروں کو کھولا گیا۔ وہ ویسی ہی تر و تازہ

مثل غنچہ ہائے گل، اپنے کفنوں میں تھے۔ تم یہی کہو گے کہ انہیں آج ہی دفن کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کو دیکھا گیا کہ زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں جب زخموں سے ہاتھ اٹھایا گیا تو زخموں سے تازہ خون بہنے لگا۔ جب ان کے ہاتھوں کو چھوڑا گیا تو وہ زخموں پر ہی واپس پہنچ گئے۔

وہ واقعات جن کی بناء پر ان قبور شریفہ کو کھولا گیا ان میں سے ایک یہ تھا کہ کسی کا قریبی شخص کسی اجنبی کے ساتھ مدفون ہو گیا تھا یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح اجازت کے ساتھ یا کسی قرینہ یا قیاس واجتہاد کے ساتھ وہ انہیں نکال کر علیحدہ دفن کرنا چاہتے تھے۔ بعض قبریں اس سیلاب کی وجہ سے کھل جاتی تھیں جو بعض وادیوں سے اندر ہی اندر پانی رس رس کر آ جاتا ہے مگر یہ قلیل الوقوع تھا۔ ورنہ اکثر قبریں اس بنا پر کھلیں کہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی امارت کے زمانہ میں مشہد کے راستہ سے ایک نہر جاری کرائی تھی اور اکثر قبریں اسی سیل سے مکشوف ہوئیں اور شہداء کو ان کی قبروں سے باہر لایا گیا۔

تاریخ مدینہ میں امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے شفاء السقام فی زیارہ خیر الانام میں منقول ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہر کھدوا رہے تھے اور وہ نہر ان شہداء کے قریب سے گزری تو ایک کدال حضرت سیّد الشہد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم اقدس پر لگا اور اس سے خون بہنے لگا۔ اس زمانہ میں جبکہ یہ نہر کھودی جارہی تھی۔ عامل نے مدینہ میں منادی کرائی کہ امیر المومنین کی نہر آرہی ہے جس کسی کی عزیز کی قبر ہو وہ آکر انہیں نکال کر کسی اور جگہ منتقل کر دے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اور مشرکین احد کی جنگ سے مکہ واپس ہونے لگے تو وہ اپنی واپسی پر پشیمان تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نے زحمت اٹھائی لشکر جمع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں نہبت عظیم برپا کی۔ ان کے اخیار اصحاب کو شہید کیا ہنوز کام تمام بھی نہ ہوا تھا کہ لوٹ پڑے۔ مصلحت یہ ہے کہ پھر لوٹ چلیں اور ان کے اصحاب کا مکمل استیصال کر دیں (نعوذ باللہ) اس کے بعد مکہ جائیں۔ عکرمہ بن ابوجہل اس معاملہ میں ابوسفیان کے موافق تھا لیکن صفوان بن امیہ کی رائے مخالف تھی۔ وہ کہتا تھا "تمہاری یہ رائے اچھی نہیں ہے ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس مصیبت کی بنا پر جو انہیں پہنچی ہے۔ اب تمہارے ساتھ غضب وانتقام کے جذبے سے مقابل آ جائیں اوس وخزرج کے تمام لوگ احد میں موجود نہ تھے لہٰذا اب وہ ان سب کو جمع کر کے تمہارے مقابلہ میں لے آئیں گے۔ اس معاملہ میں بڑی سعی وکوشش کریں گے اور تم سے مقابلہ کریں گے اور بعد از مغلوبیت غالب آ جائیں گے اور معاملہ الٹ کر رہ جائے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے لوٹ پڑنے کے ارادے کی خبر پہنچی تو مشرکوں کے دلوں میں خوف ورعب ڈالنے کیلئے چاہا کہ انہیں ڈرائیں اور جتلا دیں کہ اہل اسلام میں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی شوکت وقدرت اب بھی موجود ہے۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ ابھی کل جنگ ہو چکی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ حکم الٰہی یہ ہے کہ مشرکوں کے ساتھ جہاد کیا جائے اور لازم ہے کہ وہ شخص جو احد میں حاضر نہ تھا باہر نہ آئے یعنی وہی لوگ آئیں جو کل احد میں موجود تھے۔ مانا کہ غرض اس سے یہ تھی کہ مشرکین جان لیں کہ وہ حضرات جو احد میں حاضر تھے اور جنہوں نے جنگ وقتال میں حصہ لیا تھا ان میں کسی قسم کی کمزوری اور سستی طاری نہیں ہوئی ہے وہ اب بھی جنگ کر سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی جان لیں کہ اوس وخزرج کے وہ باقی ماندہ حضرات جو جنگ احد میں حاضر نہ تھے ابھی ہم ان کی امداد واعانت کے محتاج نہیں ہیں۔ صحابہ نے جب یہ سنا کہ حکم الٰہی ایسا ہے تو انقیاد واطاعت میں کمربستہ ہو گئے اور زخموں پر پٹیاں باندھ کر جنگ کیلئے مستعد وتیار ہو کر نکل آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہتھیاروں سے مسلح تشریف لاکر برسر راہ کھڑے ہو گئے۔ لشکر اسلام بھی قریب آ گیا۔ ان حضرات کی شان میں آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا

لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ O (جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہی بعد اس کے جوان کو زخم وغیرہ پہنچے تھے اس لیے کہ انہوں نے نیکی کی اور خدا سے ڈرے ان کیلئے بڑا اجر ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اپنے والد کے گھر بار کی نگہداشت کی وجہ سے احد میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ عرض کیا کہ مجھے بھی اجازت دیجئے تا کہ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہوں ان کو اجازت عطا ہوئی ان کے سوا کسی بھی ایسے شخص کو جو احد میں حاضر نہ تھا اجازت نہ مل سکی۔ آپ نے ابن ام کلثوم کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم سپرد فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ حمراالاسد جو ایک مقام کا نام ہے یہ مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر بائیں جانب واقع ہے اور یہاں سے ایک راستہ ذوالحلیفہ کو جاتا ہے۔ آپ وہاں تک تشریف لے گئے۔ جب رات ہوئی تو فرمایا پانچ سو جگہ آگ روشن کی جائے ظاہر ہے کہ یہ تدبیر لشکر کو دشمن کی نظر میں زیادہ بڑا دکھانے کیلئے تھی تا کہ مشرکین جب اس روشنی کی بابت سنیں اور دیکھیں تو ان پر خوف وہیبت طاری ہو (واللہ اعلم)

معبد بن ام معبد خزاعی جو ابھی اسلام سے مشرف نہ ہوا تھا لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت رکھتا تھا اس لیے کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف وہم سوگند تھے اس وقت مکہ جارہا تھا جب وہ ''حمراء الاسد'' میں پہنچا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور صحابہ کرام کی تعزیت حضور سے کی۔ اس کے بعد وہ سفر کی غرض سے آگے چل دیا۔ جب وہ ابوسفیان اور مشرکوں کے لشکر میں پہنچا تو ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا خبر رکھتے ہو؟ معبد نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حاضرین معرکہ احد اور ان کے سوا بہت سے اصحاب کی جمعیت کے ساتھ تم سے انتقام لینے کیلئے مدینہ سے باہر آ گئے ہیں اور میں نے ان کو...... ''حمراء الاسد'' میں چھوڑا ہے۔ کفار نے کہا ''یہ کیا بات ہے'' معبد نے کہا ''خدا کی قسم میں ٹھیک کہتا ہوں میرا خیال ہے کہ قبل اس کے کہ تم اس منزل سے کوچ کروان کے لشکر کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لو گے اور ان کی آواز سن لو گے'' مخفی نہ رہنا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر حاضرین معرکہ احد کو اپنے ہمراہ نہ لیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مگر معبد نے چونکہ کہا حاضرین معرکہ اور ان کے سوا بڑی جمعیت کے ساتھ باہر نکلے ہیں۔ اس نے اس پر جھوٹی قسم بھی کھائی تو ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس نے یا تو دروغ مصلحت آمیز خیال کر کے قسم کھائی یا پھر اس نے ایسا ہی گمان کیا تھا اور تحقیق حال اور اس کی تفتیش نہ کر سکا تھا اور یوں ہی کہہ دیا ہو۔ یا یہ بات ہو کہ اس زمانہ میں اس میں راست گوئی کا جذبہ نہ ہو۔ بہر حال خدا ہی بہتر جانتا ہے اس خبر سے مشرکوں کا وہم قوی ہو گیا اور ان کے دل میں ایک خوف طاری ہو گیا اور پوری تیزی کے ساتھ مکہ کی جانب چل پڑے۔ معبد نے فوراً ایک قاصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور آپ کو صورت حال سے باخبر کیا۔ ادھر ابوسفیان نے بھی ایک جماعت مدینہ کی طرف بھیجی کہ وہ مسلمانوں کو ڈرائے کہ ہم جنگ اور تمہیں نیست ونابود کرنے کے ارادے سے آنے والے ہیں ہشیار رہیں۔ یہ لوگ بھی حمراء الاسد پہنچے اور ابوسفیان کی بات مسلمانوں کو پہنچادی۔ مسلمانوں نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ O اسی مفہوم کی خبر یہ آیہ کریمہ دے رہی ہے کہ

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ O

وہ حضرات جن سے لوگوں نے کہا کہ وہ تمہارے برخلاف جمع ہو گئے ہیں ان سے ڈرو تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ ہوا۔ اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا وکیل ہے۔

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مسلمان کو جب دشمن کی طرف سے کوئی خوف وہراس لاحق ہو تو یہ کلمہ کہے تا کہ ان کے شر سے نجات پائے۔

ماثورہ دعاؤں میں اتنا اضافہ مروی ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ○

اسی جگہ یعنی حمراء الاسد میں ابوعزہ شاعر جو اسیران بدر میں سے تھا اور بغیر فدیہ لیے یہ عہد لے کر چھوڑ دیا گیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہوگا مگر اس نے بدعہدی کی تھی اور وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں موجود تھا گرفتار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا: لَایُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ حُجْرٍ مَّرَّتَیْنِ. ''مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔'' دوسرا شخص معاویہ بن مغیرہ جو واجب القتل تھا اور مسلمانوں کو ایذائیں دیتا تھا گرفتار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

سریہ رجیع: واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے جو ہجرت کے چھتیسویں مہینہ ماہ صفر میں واقع ہوا۔ وہ سریہ رجیع ہے جو ''ہذیل'' کی طرف ہے۔ یہ مقام مکہ اور عسفان کے درمیان نواح حجاز میں ہے چونکہ اس قضیہ کا وقوع اس کے قریب ہی ہوا تھا اس لیے اس قضیہ کا یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس قصہ میں عضل اور قارہ کی بات ہے۔ یہ دو گاؤں کے نام ہیں۔ دوسرا سریہ بیر معونہ کا ہے جو سال چہارم میں واقع ہوا ہے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اس میں رعل اور ذکوان کا ذکر ہے۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ سریہ رجیع تیسرے میں ہے اور ''بیر معونہ'' چوتھے سال کے شروع میں ہے۔ ان دونوں سریے کا وقوع ایک دوسرے کے قریب ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اصحاب رجیع اور بیر معونہ کی خبر ایک ہی رات میں آئی اور ترجمہ بخاری کا سیاق بھی یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ سریہ رجیع و بیر معونہ کا بھیجنا ایک ہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ رجیع کی طرف عاصم وحبیب اور ان کے اصحاب کے سریہ کو بھیجا گیا تھا۔ اور یہ عقل (بفتح عین وسکون ضاد اور آخر میں لام) اور قارہ (بقاف وراء) کے ساتھ ہے اور بیر معونہ سریہ قرار ہے اور وہ رعل ذکوان کے ساتھ ہے۔ بخاری نے دونوں کو جمع کر دیا ہے اس بنا پر کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ بخاری کی یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی قضیے ہیں۔

اب رہا سریہ رجیع کی تفصیل! وہ یہ ہے کہ احد سے واپسی کے بعد سفیان بن خالد ہذلی (بضم ہا و فتح ذال) لحیانی جو اشقیاء ناس میں سے تھا۔ عضل وقارہ کے قبیلہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ قریش کی تہنیت کیلئے مکہ پہنچا کیونکہ بظاہر احد میں ان کو ایک قسم کی فتح اور غلبہ نے منہ دکھایا تھا۔ جب وہ مکہ میں آئے تو انہوں نے سنا کہ سلافہ بنت سعد زوجہ طلحہ بن ابی طلحہ نے جو احد میں کافروں کی علمبردار تھی اور اس کا شوہر اور اس کا بیٹا مارا گیا تھا۔ اس نے اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی عاصم بن ثابت (جنہوں نے اس کے شوہر اور دونوں بیٹوں کو واصل جہنم کیا تھا) کا سر لائے گا اسے سو منتخب اونٹ دیئے جائیں گے۔ مدارج النبوت کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلافہ کا اعلان خاص طور پر عاصم بن ثابت کے بارے میں تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس عورت نے شرط لگائی تھی کہ جو کوئی ان کے بیٹوں کے قاتلوں میں سے کسی ایک کا سر لائے گا اسے بہترین سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اس کے چار بیٹے تھے ان میں سے دو کو تو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔ اور ایک کو طلحہ بن عبیداللہ نے اور ایک کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جہنم رسید کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کی شرط خاص طور سے عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نہ تھی اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام خاص طور پر یوں لیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سریہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ بہر تقدیر سفیان بن خالد شقی مذکور کو اس میں یہ لالچ پڑا کہ اگر اس عورت کا مقصود حاصل ہو جائے تو سو اونٹ ہاتھ آ جائیں گے۔ اس نے اس کیلئے ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبہ کے تحت اس نے اپنی قوم کے شریر لوگوں میں سے سات کو چنا اور ان کو مدینہ کی طرف روانہ کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اسلام کا اظہار کریں۔ عرض کریں کہ وہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیجیں تاکہ وہ ہماری قوم کو اسلامی احکام وشرائع سکھائیں۔ ممکن ہے وہ سلافہ کے لڑکوں کے تین قاتلوں میں سے

کسی کو تمہارے ہمراہ روانہ کر دیں اس طرح ہمارا مدعا حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ قوم عضل وقارہ کے یہ ساتوں آدمی مدینہ آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہماری قوم کی ایک جماعت بھی اسلام میں آ گئی ہے۔ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجئے تا کہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔

صحیح بخاری میں اس قصہ کا ذکر نہیں ہے اور حدیث کو یہیں سے شروع کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ کو بھیجا اور عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ پھر یہ سریہ عسفان اور مکہ کے درمیان روانہ ہو گیا۔ (آخر قصہ تک) اور جس طرح کہ کتب سیر میں اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہی ہے کہ سفیان بن خالد نے اپنی قوم کے سات شخصوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ بھیجا اور نفاق سے اسلام ظاہر کیا۔ ایک جماعت کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سریہ کے ساتھ بھیج دیا۔ اس طریقہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس جماعت نے ثابت بن ابی الافلح (جو عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں) کے یہاں قیام کیا اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ محبت ومودت کی بنیاد رکھی اور صبح وشام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خوشامد وچاپلوسی کی باتیں کرنے لگے۔ کہتے کیا بات ہے کہ تم اپنے تمام آدمیوں کے ساتھ ہی رہتے حالانکہ ہمارے نبی ہمارے ساتھ بھیجیں گے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کو منتخب فرما کر ان سات آدمیوں کے ساتھ کیا جس میں عاصم، خبیب بن عدی، مرشد، عبداللہ بن طارق، خالد بن ابی البکر، زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ عاصم کو بقول صحیح اور بقول مرشد امیر بنایا۔ اس کے بعد یہ دس صحابہ ان سات عضل وقارہ کے منافقوں کے ساتھ اپنے ہتھیار لگا کر چل پڑے اور اس موضع تک پہنچے جس کا نام ''بدہ'' ہے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے۔ ان منافقوں میں سے ایک جدا ہو کر سفیان بن خالد ملعون کے پاس چلا گیا اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب کے آنے کی خبر دی اور وہ جہنمی کتا' تقریباً دو سو دیگر ملعونوں کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ تقریباً سو تیر اندازوں کے ساتھ مسلمانوں کی طرف آیا۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس روایت میں غیر تیر اندازوں کا شمار واعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ صبح کا وقت تھا اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس موقع تک پہنچ گئے تھے جو رجیع کے قریب تھا وہ وہیں اتر گئے اور وہ کھجوریں جو مدینہ منورہ سے اپنے ہمراہ لائے تھے' کھاتے جا رہے تھے اور پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ ابن سعد کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب انہوں نے محسوس کیا (کہ ان کے ساتھ فریب کیا گیا ہے تو) عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی نے فدفد کی پناہ لی۔ فدفد بروزن جعفر ہے اور اونچے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ پہلی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے ان سات منافقوں میں سے ایک کا جدا ہو جانا انہوں نے محسوس کر لیا تھا جس سے انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ کافر وملعون ہیں۔ یہ مقام فریب ودغا ہے۔ قبیلہ بنو لحیان کی ایک عورت اس نواح میں بکریاں چرا رہی تھی جب وہ رجیع کے پانی پر پہنچی تو دیکھا کہ وہاں کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی ہیں۔ کہنے لگی خدا کی قسم! یہ کھجوریں یثرب کی ہیں اس لیے کہ مدینہ کے کھجوروں کی گٹھلیاں باریک وپتلی ہوتی ہیں۔ اس نشانی سے اس نے پہچانا اور کافروں سے کہا کہ اے لوگو تمہارے مطلوبوں کی جماعت نے رات اس پانی پر گزاری ہے۔ پھر کفار رجیع سے قدموں کے نشانوں پر چلنے لگے وہ بد بخت وملعون شخص جو راہ جدا ہو گیا تھا۔ ان کافروں کے آگے آگے آ رہا تھا۔ خالد بن ابی البکر نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا ''اے ابوسلیمان! تمہارے مہمان نے ہمیں فریب دیا ہے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تصدیق کی اور ساتھیوں کو جنگ کرنے کی ترغیب دی'' اور کہا۔ اے ساتھیو! درجہ شہادت کو غنیمت جانو اور اعدائے دین کے ساتھ جنگ کرو' کافروں نے جب دیکھا کہ مسلمان جنگ کرنے پر آمادہ ہیں تو وہ نصیحت کرنے لگے کہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو کیونکہ تم ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم مرنے سے نہیں ڈرتے کیونکہ ہم دین حق کے مددگاروں میں سے ہیں اور دین کی راہ میں جان دینا ہمارا کام ہے۔ کافروں نے کہا اے

عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جلدی نہ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، ہم تمہیں امان اور پناہ دیتے ہیں۔ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے لوگو! میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا، ہم نے خدا کے ساتھ عہد کیا ہے اور اسی سے التجا کی ہے کہ میرے کسی عضو کو کوئی کافر نہ چھوئے گا۔ میں نے سنا ہے کہ طلحہ کی بیوی سلافہ نے نذر مانی ہے کہ میرے سر کے پیالہ میں شراب پیئے۔ اس کے بعد کہا: اے خدا! ہمارے احوال کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کی خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں مصیبت پہنچی تھی۔ انہوں نے دعا مانگ کر تیراندازی شروع کر دی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے مقابلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار نکال کر مقابلہ شروع کر دیا اور دعا میں کہا "اے خدا! میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔" اس کے بعد کافروں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ جو انہوں نے دعا میں کہا تھا کہ "اے خدا! میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔" اس میں اپنے عمل پر اجرت و مزدوری کی طلب اور اس کا استحقاق نہیں ہے بلکہ مقصود اظہار تمنا و آرزو ہے کیونکہ جب اس نے اپنے فضل سے یہ بات عطا فرمائی ہے تو میں اس کا بھی امیدوار ہوں کہ تو ایسا کرے۔ اس لیے کہ اہل حقیقت کا طریقہ باب قرب میں طلب اجر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ شریعت کے معاملہ میں وعدہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے صدق پر بس نظر ہوتی ہے اور اہل غار کی بات میں آیہ کریمہ کی دلالت موجود ہے۔ کہ فرمایا: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ. اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اس پر دلیل وحجت ہے جب ان ارباب شقاوت نے ارادہ کیا کہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو ان کے تن اقدس سے جدا کر کے سلافہ کے پاس لے جائیں اور شرط کے بموجب سو اونٹ حاصل کریں تو حق تعالیٰ نے زنبور یعنی بھڑوں کے ایک لشکر کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تن اقدس کی حفاظت کر لیے بھیجا اور انہوں نے ان کے جسم کو اپنے گھیرے میں لے لیا جو کافر بھی آگے بڑھتا ایک دم ہجوم کر کے اس پر حملہ کرتیں اور اپنے ڈنگ سے اسے کاٹ لیتیں اور اس کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے بھگا دیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ ان کے قریب آ سکتا۔ جب رات ہوئی تو حق تعالیٰ نے پانی کا ایک سیلاب بھیجا جو ان کے جسم شریف کو بہا کر لے گیا اور انہیں دشمنوں سے اوجھل کر دیا۔

مروی ہے کہ جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم ملاعنہ سلافہ بنت سعد کے پاس ان اونٹوں کی طلب میں گئی تو سلافہ نے کہا کہ میں نے تو یہ شرط لگائی تھی کہ جو کوئی میرے لڑکوں کے قاتلوں کا جسم یا ان کا سر لائے گا تو میں اسے سو اونٹ دوں گی۔ تم تو کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لا سکے میں اونٹ کس لیے تمہیں دوں چنانچہ یہ وہاں سے خائب و خاسر اور نامراد لوٹے۔ (لعنۃ اللہ علیہم اجمعین)

اس سریے کے چھ حضرات کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق اور زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ مشرک امن کا وعدہ کر کے پہاڑ سے نیچے لے آئے۔ بعد میں ان بدبختوں نے عہد شکنی کی اور ان کے ہاتھوں کو ان کی کمانوں کے چلے سے باندھ دیا۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کی غداری دیکھی تو کسی حیلہ سے اپنے ہاتھوں کو بندش سے کھول لیا اور شمشیر تان کر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ بالآخر کافروں نے سنگ باری کر کے ان کو شہادت کی سعادت سے بہرہ مند کر دیا۔ خبیب اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فروخت کرنے کیلئے مکہ لے گئے۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل نے خرید لیا تاکہ حارث بن عامر کے بدلے میں کیوں کہ اس کو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مارا تھا قتل کرے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں میں خرید لیا تاکہ حارث بن عامر کے بدلے میں تمام ہو کیونکہ اس کو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مارا تھا ان کو مکہ

معظمہ میں ماہ ذیقعد میں لایا گیا تھا۔اس کے بعدان دونوں کومحبوس کر دیا گیا تا کہ اشہرحرم یعنی حرمت والے مہینے گزر جائیں۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب وہ محبوس تھے لوگوں نے انگور کا خوشہ کھاتے دیکھا۔ حالانکہ مکہ مکرمہ میں اس زمانہ میں کسی قسم کا کوئی میوہ بازاروں میں نہ ہوتا تھا اور خوشہ انگور کا رزق دیا جانا حق تعالیٰ کی ہی جانب سے انہیں روزی پہنچانا تھا۔ جب اشہرحرم گزر گئے تو موضع تنعیم میں جوز مین حرم سے خارج ہے اور مکہ سے قریب ترین زمین حل ہے۔ وہاں خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید کوسولی پر چڑھانے کیلئے لائے۔اس وقت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش سے کہا کہ انہیں اتنی مہلت دیدی جائے کہ وہ دورکعت نماز پڑھ لیں۔حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈالا کہ وہ ان کی اس خواہش کو مان لیں اور شہیدان حق کے درمیان ان کی یہ سنت یادگار رہے۔حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ یہ کہیں کہ وہ موت سے ڈرتا ہے تو میں نماز کوطویل کرتا۔اس وقت چند اشعار کہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''میں مرنے سے نہیں ڈرتا جبکہ میں مسلمان ہوکر مر رہا ہوں خواہ میرے جسم کے ایک ایک جوڑ کو جدا کر کے مجھے ہلاک کریں۔ میری یہ ہلاکت ذات حق تعالیٰ کی خوشنودی ورضا میں ہے۔اگر خدا نے چاہا تو وہ میرے جسم کے ٹکڑوں پر برکتیں نازل فرمائے گا۔''

اس کے بعدان کافروں پر لعنت بھیجی اور دعا کی کہ ''اے خدا! ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ اور ان سب کو جدا جدا کر کے ہلاک فرما اور ان میں سے کسی ایک کو نہ چھوڑ۔'' ارباب سیر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس وقت جتنے موجود تھے ان میں سے اکثر کو تھوڑے ہی زمانہ میں بلاؤں میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے وقت موجود تھا۔میرے باپ نے مجھے ان کی دعا کے خوف اور ڈر سے زمین پر لٹا دیا تا کہ اس کے حق میں یہ بددعا اثر نہ کرے۔سبحان اللہ کیا جہل وعناد ہے اگر تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی دعا کا ایسا اثر مانتے ہو اس سے ڈرتے ہو اور اس کا اعتبار کرتے ہو تو کیوں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً یقیناً آپ سے بھی وہ سب ڈرتے ہیں لیکن ان کی شقاوت اور ان کا عناد ان کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا کہ وہ ایمان لائیں **نعوذ باللہ من ذالك**. اس کے بعد خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی پر اس طرح لایا گیا کہ ان کا چہرہ مبارک مدینہ طیبہ کی طرف رہے اور کعبہ سے رخ پھرا رہے۔حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے کیا نقصان ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ تو تم جدھر رخ کرو گے اسی طرف حق تعالیٰ کا رخ ہے اور خود مدینہ منورہ' کعبہ کا اور ان کا حقیقی قبلہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہیں۔ پھر کفار نے ان سے کہا دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو تمہیں نجات دیدیں گے۔فرمایا قسم ہے رب العزت کی' اگر تمام روئے زمین مجھے دیدی تو میں دین حق سے منہ نہ موڑوں گا۔ایک جان کیا چیز ہے سو جانیں بھی ہوں تو اس پر فدا ہیں۔ کفار کہنے لگے اس وقت تمہاری خواہش تو یہ ہوگی کہ تیری بجائے اس دار پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے (معاذ اللہ) اور تو اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ رہتا۔خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں۔غرضیکہ کفار نے ہر قسم کا خوف دلایا' سختیاں کیں اور بیہودگیاں کیں کہ ان کو دین حق سے منحرف کر دیں مگر وہ منحرف نہ ہوئے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دینے ہی کا فیصلہ قرار پایا۔اس وقت انہوں نے کہا ''اے خدا! میں اس جگہ دشمنوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں نہیں ہے جو میرا پیغام تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔اے خدا! تو ہی میرا اسلام بارگاہ رسالت میں پہنچا۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا کہ یکا یک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی علامت ظاہر ہوئی۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا و رحمۃ اللہ علیہ اور

فرمایا خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش نے شہید کر دیا ہے اور یہ جبریل امین ہیں جو ان کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔ اس کے بعد مشرکوں نے بدر کے پسماندوں کو بلایا جن کے باپ وغیرہ بدر میں مارے گئے تھے۔ چالیس آدمی برچھیاں تانے آگے آ گئے اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اقدس میں چبھونے لگے۔ وہ ان کی ضرب سے اضطراب میں آتے اور جنبش کرتے یہاں تک کہ وہ ان کا چہرہ کعبہ کی جانب ہو گیا۔ اس وقت انہوں نے کہا حمد ہے اس خدا کی جس نے میرا رخ اس کعبہ کی جانب پھیرا جس سے وہ خود راضی ہے اپنے لیے اپنے نبی کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے اگرچہ ان کا رخ بہرحال قبلہ حقیقی کی جانب تھا۔ لیکن انہوں نے چاہا کہ حق تعالیٰ اس رخ میں ظاہر و باطن، صورت و معنی اور حقیقت و شریعت کو جمع فرمادے۔ اس کے بعد ان اشقیاء میں سے ایک نے ان کے سینہ بے کینہ پر ایسا نیزہ مارا جو ان کی پشت سے پار ہو گیا۔ اس وقت زبان پر کلمہ توحید جاری ہو گیا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اس جہان سے دار آخرت میں چلے گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

اس کے بعد حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لائے انہوں نے بھی حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی میں دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت لے کر پڑھی۔ کفار نے ان کے ساتھ بھی وہی کچھ بک بک کی جو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر چکے تھے اور ان کے ساتھ بھی وہی کیا اور اسی طرح جس طرح حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا ان کو بھی شہید کیا اور وہ اس عالم سے اس عالم کی طرف گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ) ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان کو صفوان بن امیہ کے غلام نے جس کا نام نسطاس تھا شہید کیا۔

منقول ہے کہ جب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر چکے تو ابوسفیان کہنے لگا ہم نے کسی کے اصحاب کو ایسا نہ دیکھا جتنے جانباز اور جاں نثار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ہے جب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تو ان اشقیاء کی فضیحت و رسوائی اس سعادت مندی کے ساتھ بہ نسبت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیادہ سخت واشد ہو گئی۔ نیز ظاہر ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ بارگاہ رب العزت میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیادہ غالب و عالی تر تھا۔ اس وجہ سے ان کی عزت و رفعت زیادہ ہوئی اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی دن تک اسی طرح دار پر لٹکائے رکھا تاکہ ان کے قتل کی خبر سارے عرب میں پھیل جائے۔ ان کے حال کی حقیقت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ مکشوف ہو چکی تھی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو جائے اور خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار سے اتار کر لائے اور اس کے بدلے میں بہشت بریں پائے۔ حضرت زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس خدمت کو اپنے اوپر لازم کر کے روانہ ہوئے۔ دن چھپ کر گزارتے اور رات کو سفر طے کرتے۔ اس طرح قطع منازل کر کے رات کے وقت تنعیم میں پہنچے جہاں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار پر لٹکایا ہوا تھا۔ چالیس آدمی دار کے گرد سوئے پڑے تھے یہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آہستگی سے اتار لائے۔ یہ چالیس دن گزر جانے کے بعد بھی ہنوز تروتازہ تھے، ان کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی مانند خوشبو سے مہک رہا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے پر انہیں بار کر کے دونوں رفیق لوٹ پڑے۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو پتا چلا۔ ستر سوار ان کے تعاقب میں دوڑا دیئے۔ جب وہ ان کے قریب پہنچے تو حضرت زبیر حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جسم کو گھوڑے کی پشت سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ زمین نے اسی وقت ان کو اپنے اندر سمولیا۔ اس سبب سے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "بلیغ الارض" یعنی زمین سے نگلنے والے کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کی طرف رخ کر کے فرمایا میں زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں اور میری والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ میرے ساتھی مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ہم دو شیر ہیں جو اپنے کچھار میں جا رہے ہیں راستہ کے موانعات اور رکاوٹوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے ساتھ سفر طے کرو تو آ جاؤ اور اگر واپس مکہ

جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ کفار مکہ لوٹ آئے اور یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ جبریل علیہ السلام اس مجلس مبارک میں موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ''اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ان دونوں صحابہ کی وجہ سے فرشتے مباہات کرتے ہیں۔''

سرایہ ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ہجرت کے پینتیسویں مہینے کے شروع میں سریہ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی پیش آ گیا۔ یہ سریہ ڈیڑھ سو مہاجرین و انصار پر مشتمل تھا۔ اس میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' سعد بن ابی وقاص' اسید بن حضیر اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ حضرات بھی شریک تھے جنہیں بنی اسد پر بھیجا گیا۔

اس سریہ کا موجب یہ تھا کہ بارگاہ نبوت میں اطلاع پہنچی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنی قوم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارتے اور ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آ کر لوٹ مار کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لشکر جمع کر کے مدینہ کی طرف چل دیا تھا' راستہ میں پشیمان ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے قریب بلا کر نصیحت فرمائی کہ قبل اس کے کہ وہ اس سے واقف ہوں تم لشکر جمع کر کے ان کے سر پر پہنچ جاؤ اور ان کی ہی زمین تاخت و تاراج کر دو۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر موقع قطن پہنچے جہاں بنی اسد کا پانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کے نواح میں ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں پہنچ کر جو کچھ پایا تھا غلہ اور مویشی میں سے سب کو تاراج کیا اور جو لوگ ہاتھ لگے ان کو قید کر لیا۔ باقی لوگ بھاگ کر اپنی قوم سے مل گئے اور انہیں مسلمانوں کی کثرت و تعداد کی خبر دی۔ بنو اسد کے لوگ اس خبر کے سنتے ہی ہر ایک گوشہ سے نکل کر بھاگ گئے اور ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کے گھروں میں داخل ہو کر غارت کیا اور غنایم کو قبضہ میں لے لیا۔ کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور یہ مدنیہ واپس آ گئے۔ غنایم سے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر تقسیم کر لیا۔ ہر ایک کو سات اونٹ اور چند بکریاں ملیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بنو اسد' ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آئے اور صف بندی کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مشرک کو قتل کر کے لشکر اسلام میں نعرہ لگایا کہ حملہ کر دو۔ پھر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام لشکر اسلام یکبارگی حملہ آور ہوئے۔ لشکر کفار مکہ شکست کھا کر بھاگ گیا اور یہ صحیح و سالم مال غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غائب رہنے کی مدت دس روز تھی۔

سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ہجرت کے پینتیسویں مہینہ کے شروع میں ہی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تاکہ سفیان بن خالد ہذلی کو جو عربہ میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس کا ذکر سریہ رجیع کے قصہ میں گزر چکا ہے۔ قتل کریں اور دین اسلام کو اس کے شر و فساد سے پاک کریں۔ اس کا باعث یہ تھا کہ وہ ملعون حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ساتھیوں کے شہید کرنے' ان کو فروخت کرنے اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سولی پر چڑھانے کا باعث تھا۔ باوجود اس شر و فساد کے اس نے یہ چاہا کہ ایک لشکر مرتب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے اور جنگ کرے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بضم ہمزہ) کو جو کہ جہنی' انصاری' مدنی' عقبی اور بطل شجاع تھے اس شریر کے شر کو فنا کرنے کیلئے بھیجا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ سفیان بن خالد کو پہچانتے نہ تھے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اس کی پہچان بتایئے تاکہ اسے شناخت کر کے قتل کر دوں۔ فرمایا وہ شخص ایسا ایسا ہے اور فلاں شکل ہے جب تم اسے دیکھو تو اس سے بچنا کیونکہ یہ شیطان ملاقات کے وقت خاطر و مدارت سے پیش آئے گا۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ جس طرح بھی چاہیں فریب میں مبتلا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس کے

بعد وہ تلوار لے کر قطع منازل کرتے ہوئے بطن عرنہ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس میں وہ تمام نشانیاں تھیں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ انہوں نے ان نشانیوں سے اسے پہچان لیا اور کہا صدق اللہ و رسولہ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ جب سفیان کی نظر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی تو اس نے کہا یہ مرد کون ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں مرد خزاعی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود کو خزاعی ظاہر کیا تھا ممکن ہے کہ اس میں کوئی مصلحت دیکھی ہو۔ انہوں نے سفیان سے کہا میں نے سنا ہے کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر فراہم کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہم رکاب ہوں اور بہت سی خوشامدانہ باتیں کہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خیمہ میں داخل ہو گئے اور تیغ سے بے دریغ اس کا سر اڑا کر مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ راہ میں وہ ایک غار میں پہنچ کر چھپ گئے۔ حق جل وعلیٰ نے ایک مکڑی (عنکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانہ پر جالا تانے۔ لوگوں نے ان کی بڑی جستجو کی مگر نہ پا سکے۔ بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار سے نکلے اور منزل مقصود کی راہ لی۔ رات کو سفر کرتے اور دن کو روپوش رہتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد شریف میں دیکھا اور اس نامبارک و ناپاک سر کو پائے اقدس کے نیچے ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عصا عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس عصا کے ساتھ جنت میں ٹیک لگانا۔ مقصود جنت میں داخل ہونے اور اس پر یقین کرنے کی بشارت دینا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ وہ عصائے مبارک ان کے ہاتھ میں ان کی وفات تک رہا۔ وفات کے وقت اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ اس عصائے مبارک کو ان کے کفن میں لپیٹ کر ان کے ساتھ قبر میں رکھ دینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سفر کی مدت اٹھارہ روز تھی۔

ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات

سریہ بیر معونہ: ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات میں سے سریہ بیر معونہ کا قصہ ہے جو کہ ماہ صفر میں ہجرت کے چھتیسویں مہینہ کے شروع میں غزوۂ احد کے چار ماہ بعد واقع ہوا۔ بیر معونہ کے قصہ کو سریۃ المنذر بن عمرو اور سریۃ القراء بھی کہتے ہیں۔ بیر معونہ بلاد ہذیل کا ایک موضع ہے جو مکہ اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے جسے محمد بن اسحٰق اور دیگر ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جو "ملاعب الاسنہ" یعنی "سنان و بھالے کے ساتھ کھیلنے والا" کے لقب سے مشہور تھا۔ بظاہر اس کی جنگ سنان کے ساتھ زیادہ تھی اور وہ قبیلہ نجد و بنی عامر میں سے تھا۔ وہ مدینہ منورہ آیا اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کے شرف سے مشرف ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کا قلادہ تو اس نے اپنی گردن میں نہ ڈالا لیکن دین محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا دین مبارک شریف اور آپ کی ملت حنیف ہے۔ میری قوم بہت بڑی ہے اگر آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میرے ہمراہ قبیلہ نجد و بنی عامر بھیجیں تو ممکن ہے کہ وہ دین متین کو قبول کر لیں۔ گویا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا تو ہوں کہ آپ کی دعوت قبول کر لوں اور آپ کے حکم کی اطاعت کروں لیکن قوم کا لحاظ رکھتا ہوں۔ اگر آپ ایسی جماعت کو بھیجیں جو انہیں دعوت اسلام دے اور وہ مسلمان ہو جائیں تو میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا۔ فرمایا میں نجدیوں سے بے خوف نہیں ہوں مجھے خطرہ ہے کہ وہ سرکشی کریں گے۔ ابو براء عامر نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنے دل میں اندیشہ نہ فرمائیں آپ کے صحابہ میری پناہ میں ہوں گے۔ میں ان کی خود حفاظت کروں گا اور میں کسی کو ایسا موقع نہ دوں گا کہ وہ ان حضرات سے تعرض کریں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فقراء صحابہ میں ستر شخصیتوں کو اور ایک قول کے مطابق چالیس کو اور ایک روایت سے تیس کو اس کے ہمراہ بھیج

دیا۔ان اصحاب فقراء کا کام یہ تھا کہ دن کو یہ ازواج مطہرات کے حجروں میں پانی اور لکڑیاں پہنچاتے تھے۔ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ فروخت کرتے تھے اور ان کی قیمت سے اصحاب صفہ کیلئے طعام خریدتے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آب شیریں لایا کرتے تھے اور جب رات آتی تو نماز‘ ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ان حضرات کو اقراء صحابہ یعنی صحابہ میں سب سے زیادہ قاری بھی کہتے تھے۔ان میں زیادہ تر انصاری تھے اور جب رات آتی تو نماز‘ ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ جتنے ان کے اسماء لکھے گئے ہیں وہ سولہ مرقوم ہیں۔ہم ان کے ناموں کو جس قدر اس سریہ کے قصہ میں مذکور ہیں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس سریہ کا امیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور کچھ خطوط نجد و بنی عامر کے رئیسوں کے نام لکھ کر انہیں دیئے۔

ابو براء عامر بن مالک کا ایک بھتیجا عامر بن طفیل بن مالک تھا جو سرکش‘ دین کا مخالف اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ برخلاف اس کے ابو براء عامر میں تمرد وعناد اور مسلمانوں سے دشمنی اور عداوت نہ تھی۔ جب یہ مسلمانوں کی جماعت بیر معونہ پر اتری اور اونٹوں کو عمرو بن امیہ ضمری اور حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد کیا تو ان کے ساتھیوں میں سے تھے تاکہ وہ انہیں چراگاہ میں چرائیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ایک اور ساتھی کو دیا کہ جس کا نام حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔ بخاری کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی بنی عامر کی جانب ''معبوث'' تھے لیکن ارباب سیر حضرت منذر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر قوم بتاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی اصطلاح میں مبعوث‘ امیر سے زیادہ عام ہو بہر تقدیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا گیا کہ وہ عامر بن طفیل کے پاس لے جائے۔حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ان کی قوم کے قریب پہنچے تو ان دونوں آدمیوں سے کہا یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں اگر مجھے امن دیدی تو میں تو میں تمہیں بلا لوں گا۔اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں سے جا کے مل جانا۔اس کے بعد حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس پہنچے اور کہا مجھے امان دو تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچاؤں۔جس دوران وہ گفتگو میں مشغول تھے عامر بن طفیل نے کسی کو اشارہ کیا وہ شخص عقب میں آیا اور حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ پار ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔اس کے بعد حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خون کو منہ اور سر سے صاف کیا اور کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ مطلب یہ کہ میں نے مقصود پا لیا کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری ہے اور حصول درجہ شہادت ہے۔اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر سے مدد مانگی کہ اصحاب رسول سے جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ بنی عامر کو چونکہ معلوم تھا کہ یہ مسلمان ابو براء کی اپنی امان میں ہیں اور عامر بن طفیل مقصد پورا نہ کر سکتا تھا۔انہوں نے کہا ہم ابو براء کے امان کے عہد کو توڑنا قبول نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد تمام بنی عامر نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر عامر بن الطفیل نے دیگر قبائل‘ سلیم‘ عصیہ‘ رعل اور ذکوان کے پاس آدمی بھیجے ان سے امداد و نصرت چاہی اور ایک کثیر جماعت فراہم کر کے بیر معونہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اس لشکر انبوہ کے ساتھ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ جب مسلمانوں نے خود کو گرداب بلا میں گھرا ہوا دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کرنے لگے اور کہنے لگے ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ ہمارا سلام تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لے جائے تو ہی ہمارا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا۔ اس پر جبریل علیہ السلام آئے اور ان دردمندوں کا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچایا۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کی خبر صحابہ کرام کو پہنچائی اور فرمایا تمہارے ساتھی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور حق تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہیں کہ ہمارے حال کی خبر ہمارے ساتھیوں کو پہنچا۔ہم تیری رضا چاہتے ہیں جس میں تو راضی ہے

ہم بھی راضی ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا قَدْ لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَاَرْضَانَا۔ یعنی ہماری طرف سے ہماری قوم کو خبر پہنچا دو۔ کہ ہمارے رب نے ہم سے ملاقات کی تو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہمیں راضی کیا۔ یہ آیت قرآن میں کچھ عرصہ تک پڑھی گئی اس کے بعد منسوخ التلاوہ ہو گئی۔ غرضیکہ مسلمانوں نے بڑی جوانمردی اور ثبات قدمی سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب کے سب اصحاب شہید ہو گئے۔ بجز منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو کے۔ ان سے انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو تمہیں امان دیدیں انہوں نے ان کی امان قبول نہ کی اور مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن عمیر ضمیری اور حارث رضی اللہ عنہ بن صمہ جو کہ اونٹوں کو چرانے چراگاہ لے گئے تھے جب واپس آئے اور چاہا کہ لشکر گاہ میں پہنچیں تو انہوں نے پرندوں کو لشکر کے گرد منڈلاتے دیکھا۔ ایک غبار چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ کافروں کا لشکر سوار ہو کر بلندی پر جا رہا تھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کے تمام اصحاب شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا مناسب یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جائیں اور آپ کو سارا حال سنائیں۔ حارث رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو منظور نہیں کیا اور کہا شہادت حاصل کرنے کا موقع ہے اسے غنیمت جاننا چاہئے۔ اس کے بعد وہ کفار کی طرف چل دیئے اور ان سے مقابلہ شروع کر دیا۔ ان میں سے دو کافروں کو جہنم رسید کیا بالآخر دونوں گرفتار ہو گئے۔ حارث رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا پھر جنگ شروع کر دی اور دو اور کافروں کو جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد وہ خود شہید ہو گئے۔ عامر بن الطفیل نے عمرو رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا۔ ان کا سر منڈا کر انہیں آزاد کر دیا کیونکہ اس کی ماں کو آزاد کرنے کیلئے ایک بندہ درکار تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا کہ وہ زندہ رہے اور اجازت دیدی کہ مدینہ منورہ چلا جائے۔ عامر بن الطفیل نے کہا کیا تم اپنے تمام ساتھیوں کو پہچانتے ہو انہوں نے فرمایا ہاں میں سب کو جانتا ہوں۔ پھر وہ اٹھا اور شہیدوں کے درمیان آیا اور ایک ایک کا نام و نسب پوچھا۔ انہوں نے سب بتایا دیا پھر کہا کیا کوئی تمہارے ساتھیوں میں سے ہے جس کو تم یہاں نہیں دیکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا ہاں' عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہمارے ساتھ تھے مگر اُن میں موجود نہیں ہے۔ عامر بن الطفیل نے پوچھا وہ کیسے آدمی تھے؟ فرمایا ہم میں فاضل ترین اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اس پر عامر نے کہا جب انہیں شہید کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کو آسمان کی طرف اٹھا کر لے جایا جا رہا ہے۔

یہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ ابتداء میں سیّد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدہ کے بھائی کے غلام تھے جو ان کی خدمت کرتے تھے۔ وہ اس سے پہلے اسلام لے آئے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم میں قیام فرمایا تھا۔ اس عامر بن الطفیل نجدی ملعون شقی پر تعجب ہے کہ باوجود اس کے کہ اس نے اس جماعت مقدسہ کی کرامتیں اور برکتیں دیکھیں مگر ان کے قتل پر شرمندہ نہ ہوا اور ایمان نہیں لایا۔ کسی شخص کیلئے اس سے زیادہ کیا شقاوت وعناد ہوگا۔

بنی کلاب کا ایک اور شخص جسے جبار بن سلمٰی کہتے ہیں ان کافروں کے درمیان تھا اس سے منقول ہے کہ اس نے بیان کیا جب میں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کے نیزہ مارا تو وہ دوسری طرف پار ہو گیا۔ میں نے سنا کہ انہوں نے کہا ''فُزْتُ وَاللّٰهِ'' خدا کی قسم! میں مقصود کو پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اسے آسمان پر لے جایا جا رہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں بہت غور کیا کہ ''فُزْتُ وَاللّٰهِ'' کا کیا مطلب تھا۔ ضحاک بن سفیان کلابی کے پاس گیا اس سے میں نے اس بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا ان کا مقصود یہ تھا ''فُزْتُ وَاللّٰهِ بِالْجَنَّةِ'' میں خدا کی قسم جنت میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر میں نے کہا مجھے دعوت اسلام دیجئے۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ میں نے ان کا جو حال دیکھا تھا وہ میرے اسلام لانے کا موجب بنا۔ سبحان اللہ! سعادت مندوں کا یہی حال ہے کہ اس حال کو

مشاہدہ کرنے اور اس کلام کو سننے سے ہی نور اسلام دل میں چمک اٹھا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ○ جو ذکر کی پیروری کرتے اور بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتے ہیں انہیں کو آپ کو ڈرانا موثر ہے تو انہیں مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دیجئے۔

منقول ہے کہ ضحاک بن سفیان نے ایک خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا جس میں جبار رضی اللہ عنہ بن سلمٰی کے اسلام لانے اور ان کا حضرت عامر بن فہیرہ کو آسمان پر لے جاتے دیکھنے کا حال تحریر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ فرشتوں نے ان کے جسم کو دفن کیا اور ان کی روح کو علیٰ علیین میں لے گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عامر بن الطفیل کہتا ہے کہ میں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو بعد قتل آسمان کی جانب لے جاتے دیکھا اور میں آسمان کی طرف ان کے درمیان اور زمین کے درمیان دیکھتا رہا پھر ان کو آسمان میں رکھا گیا۔ قسطائی کہتے ہیں کہ واقدی روایت کرتے ہیں کہ ان کو زمین نے چھپالیا پھر مشرکوں نے ان کو دیکھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابو براء اپنے بھتیجے کی غداری سے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھی بہت غمگین وافسردہ ہوا اور بہت افسوس کا اظہار کیا اور اسی رنج والم کے سبب وآخرت کی طرف منتقل ہوگیا۔ یہ ایک اور قسم ہے کہ ابو براء اسلام کی شرافت اور کمال نبوی کو جانتا تھا اور ایمان نہیں لایا انقیاد واطاعت کا اظہار نہیں کیا اور دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ابو براء اور عامر بن الطفیل کا موازنہ کرو تو معلوم ہوگا کہ عامر بن الطفیل پر شیطان مسلط تھا اور ابو براء پر دنیا غالب آئی (واللہ الہادی)

ایک روایت میں ہے کہ ربیعہ بن ابو براء نے عامر بن الطفیل کا پیچھا کیا اور قوم کی انجمن میں اس پر نیزہ مارا اور اسے ہلاک کرنے کے درپے ہوا مگر وہ ہلاک نہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد اونٹ کے طاعون کی مانند وہ طاعون میں مبتلا ہوا اور گھوڑے پر ہی مرگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے بددعا فرمائی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَامِرًا ''اے خدا عامر سے ہمیں بچا۔ اسی عامر بن الطفیل کی حماقتوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین باتیں اختیار کرنے کو کہا تھا یا تو تم سہل کے مالک رہو۔ سہل نرم زمین کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جن وادیوں میں رہتے ہو وہیں رہو یا اہل حدر بنو۔ حدر کلوخ کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ کسی شہر یا دیہات میں چلے چلو' یا مجھے اپنا خلیفہ بناؤ تا کہ میں غطفان والوں کے ساتھ ایک ہزار اشقر گھوڑے اور ایک ہزار اشغر اونٹ اور اشقر دواب کے ساتھ جنگ کروں' دواب سرخ کو کہتے ہیں اور انسانوں میں سفید وسرخ کو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَامِرًا اے خدا عامر سے مجھے بچا۔

قنوت نازلہ: جب فقراء اصحاب رسول کے قتل ہونے کی خبر آپ کو پہنچی تو بہت غمزدہ اور ملول ہوئے۔ بہت کرب محسوس فرمایا یہاں تک کہ ایک ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک فجر کی نماز میں قنوت پڑی اور رعل وذکوان اعصیہ اور تمام قبائل نجد پر بددعا فرمائی۔ مسلم میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا میں بنی لحیان کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہ واقعہ بیر معونہ میں شریک نہیں ہیں بلکہ قضیہ رجیع میں ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بھی بددعا فرمائی اور انہیں کے ساتھ شامل کیا۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ سب کی خبریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک ہی وقت میں پہنچیں اس بنا پر ایک دعا میں تمام طوائف وقبائل کو شامل کرلیا۔ بخاری کی حدیث میں لحیان کا ذکر ہے اس کی توجیہہ بھی یہی ہے۔

غزوہ بنی نضیر: اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ' طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ مہاجرین میں سے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ رضی اللہ عنہ' اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ انصاری میں سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے ساتھ بنی نضیر یہودیوں کی بستی کی طرف تشریف لائے۔ اس ضمن

میں جس کا ارباب سیر بیان کرتے ہیں بنی نضیر (بفتح نون وکسر ضاد) یہودی قبیلوں میں سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ اس قضیہ کا وجوع چوتھے سال میں بیر معونہ کے بعد ہوا۔ جیسا کہ اسے ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ غزوۂ بنی نضیر غزوۂ بدر کے چھ مہینہ بعد اور غزوۂ احد سے پہلے ہوا تھا اور بخاری بھی غزوۂ بنی نضیر کو غزوۂ بدر کے آخری ابواب میں کعب بن الاشرف اور ابورافع تاجر حجاز کے قتل کے ذکر اور غزوۂ احد کے بیان سے پہلے لائے ہیں مگر ابن اسحٰق کا قول زیادہ صحیح ہے۔

جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صحابہ کبار کے ساتھ یہودیوں کی بستی میں پہنچے تو یہودیوں نے کہا اے ابوالقاسم! کچھ دیر تشریف رکھیے تاکہ ہمیں آپ کی اور آپ کے صحابہ کی مہمان نوازی کا موقع ملے۔ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے ہی آپ کی کنیت ابوالقاسم سے مخاطب کرتے تھے تاکہ لازم نہ آئے جو آپ کا اسم شریف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کتابوں اور صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے ملزم نہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر کی دیوار سے پشت کی ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوگئے پھر یحییٰ بن اخطب یہودی جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشد ترین دشمن تھا۔ یہود سے کہنے لگا اے گروہ یہود! ایسا اتفاق کبھی ہاتھ نہ آئے گا کہ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایسی تنہائی ہو۔ کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ گھر کے اوپر جا کر بڑا سا پتھر آپ کے سر مبارک پر گرائے اور اس سے (معاذ اللہ) آپ کو ہلاک کر دے تاکہ ہم آپ کی زحمت سے نجات پائیں۔ عمرو بن حجاش (بضم جیم وتخفیف حاء) نے کہا میں اس کو سرانجام دوں گا۔ سلام بن اشکم اور کچھ اور لوگوں نے اس کو اس خیال بد سے منع کیا اور کہا فوراً ہی آپ کو آسمان سے تمہارے ارادے کی خبر دیدی جائے گی اور یہ ہمارے اور ان کے مکروفریب سے آگاہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اس کے اپنے صحابہ سے کچھ فرمائیں اس طرح جیسے کسی شدید ضرورت سے اٹھتا ہے کھڑے ہوگئے اور مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ صحابہ نے جب یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں دیر ہوگئی تو وہ بھی آپ کے عقب میں چل دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حقیقت حال سے باخبر فرمایا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر ہوئی کہ جب قوم نے ارادہ کیا کہ دست درازی کرے تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔

جب یہود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کی خبر ہوئی تو کنانہ نے جو ان کے احبار وعلماء میں سے تھا ان سے کہا اے میری قوم میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری غداری سے خبردار کر دیا ہے۔ اے قوم تم خود کو فریب نہ دو کیوں کہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تم طمع رکھتے ہو کہ وہ خاتم الانبیاء حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے حالانکہ حق تعالیٰ اس نعمت سے جسے چاہے نوازے اور اس سعادت سے جس کو چاہے سرفراز فرمائے۔ ہم نے توریت میں نبی آخرالزمان کے جو صفات پڑھے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں موجود ہیں۔ مجھے ایسا خیال آتا ہے کہ وہ تمہیں جلاوطنی کا حکم فرمائیں گے۔ اب مناسب یہی ہے کہ تم دو کاموں میں سے ایک کام کرو۔ سب سے بہتر وافضل تو یہ ہے کہ تم سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیونکہ اس میں دنیا وآخرت کی صلاح ہے اور ان شہروں سے باہر نہ نکلو یا جزیہ دینا مان لو تاکہ تمہارے جان ومال محفوظ رہیں۔ یہود نے کہا ہم جلاوطنی کو قبول کرتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کے دین کو ترک کرنا گوارا نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی نضیر کے یہودیوں کے درمیان عہد وپیمان تھا۔ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ توریت میں جس نبی کا وعدہ کیا گیا ہے یہ وہی نبی ہیں اور جب روز احد مسلمانوں پر ہزیمت کی شکل بنی تو وہ شک میں پڑ گئے۔ انہوں

نے ابوسفیان کے ساتھ حلف کیا یعنی ان کے حلیف بن گئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس بھیجا کہ تم سب میرے شہروں سے نکل جاؤ اس لیے کہ تم نے غداری کی ہے۔ تمہیں دس دن کی مہلت ہے جو کوئی دس دن کے بعد یہاں پایا جائے گا اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ اس پر یہودیوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کردی۔ صحرا سے اپنے اونٹوں کو لائے اور کچھ کرائے پر لے گئے تاکہ یہاں سے چلے جائیں۔ یکا یک عبداللہ بن سلول منافق' جو رئیس المنافقین تھا اس نے بنی نضیر کے پاس کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ تم اپنے وطنوں سے نہ نکلو۔ اپنے قلعوں میں ٹھہرے رہو اور بے فکر و بے غم بیٹھے رہو۔ میں دو ہزار آزمودہ کار جنگی جوانوں کے ساتھ تمہارا پشت پناہ ہوں اور بنی قریظہ اپنے حلیفوں کے ساتھ جو کہ بنی غطفان ہیں تمہارے معاون و مددگار ہوں گے۔ یہ منافق نادان' بمقتضائے نفاق انتہائی عداوت وحماقت پر اتر آیا اور اس نے اپنی حماقت سے ایسی عداوت کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ اتنا نہ سمجھا کہ قریش کس قدر بہادر وشجاع ہیں۔ وہ بے بس ہو کے رہ گئے۔ ان کے قلعوں کی کیا حقیقت ہے بہر حال یہود بے بہود اس احمق منافق کی بات سے مغرور ومسرور ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قاصد بھیج دیا کہ ہم از خود اپنے گھروں سے نہ نکلیں گے جو آپ چاہیں کریں۔ جب یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک میں پہنچی تو بآواز بلند تکبیر کہی اور صحابہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں تکبیر بلند کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے غزوہ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ علم تیار کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے آئے۔ آپ نے عصر کی نماز بنی نضیر کی بستی کے میدان میں ادا فرمائی۔ ان کی بستی مدینہ منورہ سے قریب ہے جب یہود نے لشکر اسلام دیکھا تو قلعوں کے دروازے بند کر کے سنگ باری اور تیراندازی شرع کردی۔ عشاء کے وقت تک یوں ہی جنگ ہوتی رہی۔ جب مسلمانوں نے نماز عشاء ادا کرلی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ قیام گاہ مبارک میں تشریف لے آئے اور تمام صحابہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں دیدیا۔ دونوں روایتوں میں اختلاف ہے کہ صبح تک یہودیوں کا محاصرہ کئے رہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک بنی حطمہ کے میدان میں نصب کیا گیا تھا۔ یہودیوں کے تیراندازوں میں ایک شخص ''غرورا'' نامی تیرانداز تھا اس نے ایسا تیر پھینکا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ اقدس میں جاگرا۔ خیمہ کو وہاں سے لیجا کر دوسری جگہ نصب کیا۔ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کی گھات میں رہے۔ اچانک دیکھا کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ برہنہ شمشیر لیے باہر آیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور اس بدبخت کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل رضی اللہ عنہ اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ کیا کہ بقیہ ساتھیوں کو بھی قتل کریں۔ وہ سب کے سر کاٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک یہودیوں کا محاصرہ جاری رکھا۔ ابی ابن سلول منافق اور دیگر قبائل بنی نضیر کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبلوہ رضی اللہ عنہ مازنی اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کو حکم فرمایا کہ یہودیوں کی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جلا دیئے جائیں اور اس پر ابوبلوہ مازنی تو ان کو کاٹتے تھے جنہیں ''عجوہ'' کہا جاتا ہے اور کہتے ان کا کاٹنا یہودیوں پر نہایت شاق اور گراں ہے۔ ''عجوہ'' کھجوروں میں سب سے بہتر قسم کی کھجور ہے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کمتر قسم کی کھجوروں کے درخت کو کاٹتے تھے۔ وہ فرماتے مجھے معلوم ہے کہ عنقریب یہودیوں کے تمام املاک مسلمانوں کے تصرف میں آنے والے ہیں لہٰذا ان میں جو بہتر قسم ہے وہ مسلمانوں کیلئے رہنے دیتا ہوں۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے تمام درختوں کو کاٹنے کا حکم فرمایا بجز اس قسم کے درخت کے جن کو ''عجوہ'' کہتے ہیں۔ صحابہ ان درختوں کے کاٹنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ روایت پہلی روایت کے منافی ومخالف ہے کیونکہ اس روایت میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مطلق کاٹنے یا جلانے کیلئے ہے۔ دوسری روایت میں یہ حکم ہے مگر یہ صورت ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وہ حکم دیا ہو اس کے بعد دوسری مرتبہ یہ حکم دیا ہو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر نے مسلمانوں سے کہا تم مسلمان ہو تمہیں حلال نہیں ہے کہ نخلستان کو کاٹو۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فساد سے منع فرماتے ہیں لہٰذا نخلستان کو کاٹنے کا کیسے حکم دے سکتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ بعض نے کہا ہم تو کاٹیں گے اور بعض نے کہا ہم نہیں کاٹیں گے۔ اس پر حکم ہوا کہ یہودیوں کے تمام آثار ونشانات کو ناپید کردو۔

''**نعوذ باللہ من غضب اللہ ورسولہ**'' حق تبارک وتعالیٰ کی جناب سے حکم آیا

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَO اور جو لینیت سے کاٹتے ہو اور چھوڑتے ہو تم ان کو کہ وہ جڑوں پر قائم رہیں تو یہ اللہ کے حکم سے ہے تاکہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

صاحب مواہب سہیلی سے نقل کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں کے دل میں نخلستان کے کاٹنے اور اس کے حکم فرمانے میں شک وشبہ کی قسم سے کوئی دغدغہ لاحق ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ لینہ ایک قسم کی کھجور ہے جو عجوہ اور برنی کے سوا ہے۔ لہٰذا آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کھجوروں کو نہیں ختم کردیا مگر صرف انہیں کھجوروں کو جو ان کی غذا تھی اور ان کی غذا عجوہ اور برنی تھی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ''**مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ**'' فرمایا اور ''**من نخلنته**'' نہ فرمایا جو عموم پر دلالت کرتا ہے جو ایسے درخت کاٹنے کی کراہت پر تنبیہ ہے جس سے سرے سے درخت ہی ختم ہو جائے۔ اس کے برعکس ایسے درختوں کے کاٹنے کا حکم ہے جس سے دشمن غذا پاتے ہیں۔ صاحب کشاف نے تفسیر کی ہے کہ درختوں کو پست کردو۔ بیضاوی نے بھی تفسیر میں اسی کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ آیت میں دلیل ہے کہ کافروں کے گھروں اور بستیوں کو ویران کرنا اور ان کے درختوں کو کاٹنا ان پر شدت تغلیظ کی غرض سے جائز ہے۔ صراح میں ہے کہ ''لینۃ'' کھجور کی ایک قسم ہے قاموس میں ہے لینہ لون سے ہے جو کھجور کے آگے کا رنگ ہے۔

بخاری ومسلم میں بروایت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلوایا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا۔

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ ــــ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ

بویرہ بصیغہ تصغیر اس جگہ کا نام ہے جہاں بنی نضیر کا نخلستان تھا ظاہر ہے کہ کاٹنا اور جلانا دونوں واقع ہوا ہوگا۔

القصہ حق تعالیٰ نے بنی نضیر کے دل میں ایک خوف ہیبت اور رعب طاری کردیا۔ انہوں نے کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں بھیجا کہ آپ ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم آپ کے شہروں سے نکل جائیں اور راہ مسافرت اختیار کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری التجا نا قابل پذیرائی ہے (ہم نے تمہیں پہلے ہی دس دن کی مہلت دیدی تھی اس مہلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے) اب یہی صورت ہے کہ تم تمام اسلحہ سے دست کش ہو کر صرف اتنا مال واسباب جتنا جلدی وتیزی میں سواریوں پر لاد سکو لے جا سکتے ہو۔ اس پر وہ راضی ہو گئے۔ آیہ کریمہ میں ہے ''**هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ** ''(تاقول سبحانہ وتعالیٰ)

اس یاد کو تازہ رکھتی ہے چنانچہ چھ سو اونٹ بار کر کے کچھ شام کی طرف چلے گئے اور کچھ خیبر کی جانب اور کچھ کسی اور طرف جلاوطن

ہوگئے۔ وہ اپنی ضلالت اور شر وفساد کی بناء پر سرگرداں ہوئے اور دینی اشاعت ان کے شر وفساد سے پاک وصاف ہوئی۔ اور مضمون کریمہ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ تَنْفِيْ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ. بلاشبہ مدینہ خباثت کو صاف کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو صاف کرتی ہے۔ وجود میں آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ ذلیل وخوار یہود نکلتے وقت خود کو بناتے سنوارتے' دف بجاتے' گاتے ہوئے مدینہ سے نکلے اور غزاء وجہاد کا مشریعت کا مقصد ہی اہل کفار وعناد کے شر وفساد سے دینی آماجگاہ کو پاک وصاف بنانا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ درختوں سے ان ناکارہ وخراب شاخوں کو چھانٹا جائے جو پھل آنے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اگر کوئی کہے کہ اگر یہی وجہ ہے تو ان کو قتل کرنا چاہئے تاکہ شرک کے آثار مٹیں' فساد کا مادہ ختم ہو اور جلاوطن کرنے میں تو ان کے خبث کا وجود باقی رہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان سے غداری اور بدعہدی واقع ہوئی تھی اس کی سزا میں ان کو جلاوطنی کا حکم دیا گیا تھا' جو لوگ جنگ وقتال پر آمادہ ہوئے اور اس کیلئے وہ استادہ ہوگئے وہ قتل کر دیئے گئے۔ باقی کو جلاوطن فرما دیا اور بغیر قتال کے قتال کا حکم نہ فرمایا۔ چونکہ یہ سب حکم الٰہی سے ہے اس لیے اس میں گفتگو کا دامن تنگ ہے اور اتنا بھی جو کچھ کہا گیا ہے وہ مشرکوں اور مفسدوں کے قتل میں نکتہ وحکمت کے طور سے بیان ہوا ہے ورنہ اصل بنیاد حکم الٰہی ہے۔ خواہ وہ قتل میں ہو یا جلاوطنی میں۔ باقی اموال وجہات' ضیاع وعقائد اور منقولات ومحصولات فی کے حکم میں داخل ہیں اور فی کفار کا وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے ہاتھ آجائے اور انصار وغنیمت وہ مال ہے جو جنگ وقتال کے ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ اصطلاح ارباب سیر کے درمیان خاص ہے بسا اوقات ایک کو دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ فی کا تمام مال خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوتا ہے اور خمس وقسمت کی اس میں گنجائش نہیں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اموال' فدک وغیرہ کو اپنے اور اپنے اہل وعیال' ومتعلقین اور مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ فرمایا۔ آپ اس کام کیلئے مہیا اور فراہم کرتے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر کا اسلحہ پچاس زرہ' پچاس خود' تین سو چالیس تلواریں تھی۔ ان میں سے جس چیز کو جس کیلئے چاہتے عطا فرماتے تھے۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف آوری کے وقت مہاجرین کو انصار کے گھروں میں اقامت ورہائش کرا کے ان میں باہمی سلسلہ اخوت قائم فرمایا تھا۔ انصار مہاجرین کی ہر اعتبار سے خبرگیری رکھتے تھے حتیٰ کہ اپنے مالوں میں' باغوں میں اور تمام چیزوں میں ان کو شریک بناتے تھے بلکہ اگر انصار میں کسی کی کئی بیبیاں تھیں تو ان میں سے کچھ کو اپنے سے جدا کر کے اپنی رفیق کی زوجہ بنا دیا تھا۔ جب بنی نضیر کے املاک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ تصرف پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی تعریف ومدح فرما کر دعائے خیر فرمائی۔ انہوں نے جو مہاجرین کے ساتھ احسان وامداد اور اعانت کا طریقہ برتا تھا اس پر ان کی شکرگزاری فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا ''اے گروہ انصار! اگر تم چاہو تو بنی نضیر کے اُن املاک کو جسے حق تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے تم پر تقسیم فرما دوں۔ مہاجرین بدستور تمہارے گھروں میں مقیم رہیں اور اگر تم چاہو تو انہیں مہاجرین میں تقسیم کر دوں۔ ان کو تمہارے گھروں سے نکال کر علیحدہ بسا دوں تاکہ یہ خود اپنے معاش پر متکفل ہوں اور تم سے مستثنیٰ ہو جائیں۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو کہ انصار کے رئیس واکابر میں سے تھے عرض کرنے لگے یارسول اللہ! ہماری خواہش یہ ہے کہ ان اموال کو فقراء مہاجرین پر تقسیم فرمائیے کیونکہ وہ حضرات دین کی خاطر' اس کی محبت میں خانماں برباد ہو کر اور اپنا مال واسباب لٹا کر اپنے' اپنے عزیز واقارب' قبیلوں سے بچھڑ کر مفلسی وغربت کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان مہاجرین کو بدستور سابق ہمارے گھروں میں ہی متمکن ومستقر رہنے دیجئے۔ کیونکہ ہمارے گھروں میں خیر وجمعیت اور روشنی' انہیں کے وجود کی برکت سے ہے۔ جب ان دو نیک بختوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو باقی انصار نے بھی انہیں کا اتباع اختیار کیا۔ خواجہ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ان باتوں سے بہت خوش اور محفوظ ہوئے اور

ان کو دعائے خیر میں مشمول و مخصوص فرما کے فرمایا: اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ. (اے خدا انصار پر اور ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحمت نازل فرما) اس کے بعد بنی نضیر کے املاک کو مہاجرین پر تقسیم فرما دیا۔ بعض اکابر مہاجرین کو اراضی عنایت فرمائی اور بعض تہیدست وضرورت مند انصار کو کچھ سامان عطا فرمایا اور اسلحہ میں سے شمشیر ابن ابی الحقیق کو جو نہایت عمدہ و نفیس تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی (صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سبط رسول کی وفات: اسی سال حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرزند حضرت عثمان بن عفان' نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوئی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک مرغ نے ان کی چشم مبارک میں چونچ ماری تھی جس سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اسی سال حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو امہات المومنین اور ازواج مطہرات میں تھیں وفات واقع ہوئی۔

اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور اسی سال ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد مخزومی نے وفات پائی۔ اسی سال فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف والدہ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ مروی ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب وہ گزر جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ان کیلئے بقیع میں قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔ جب قبر کھد کر تیار ہو گئی تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں داخل ہوئے' لحد میں لیٹے اور کچھ قرآن پڑھا' ان کی قبر کے پاس نو اور ایک روایت میں ہے ستر تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کے مناقب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ضغطہ قبر یعنی قبر کی سختی سے محفوظ نہیں ہے بجز فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کے صحابہ نے عرض کیا ''اور قاسم بھی نہیں؟'' یعنی آپ کے وہ فرزند جن کا نام قاسم رضی اللہ عنہ تھا اور وہ صغرسنی میں ہی اس عالم سے تشریف لے گئے تھے۔ فرمایا ''ابراہیم رضی اللہ عنہ بھی نہیں!'' مطلب یہ کہ تم قاسم کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ان سے چھوٹے فرزند ابراہیم بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے خبر دی کہ ام جعفر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ وعقیل رضی اللہ عنہ' فوت ہو گئیں فرمایا اٹھو! ہم اپنی ماں کے پاس جاتے ہیں۔ پھر حضور اٹھے اور صحابہ بھی اٹھے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ جیسا کہ صحابہ کی شان تھی کہ كَانَ عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ. گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں چل دیئے۔ جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اپنے بدن مبارک سے قمیض اتاری اور ان کو دے کر فرمایا۔ غسل کے بعد اس سے ان کا کفن بنانا۔ جب ان کا جنازہ تیار ہو کر باہر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کا پایہ اپنے مبارک کندھوں پر رکھا اور تمام راستوں میں کبھی آگے سے اور کبھی پیچھے سے کاندھا دیتے رہے۔ جب ان کی قبر میں پہنچے تو لحد میں داخل ہو کر لیٹے۔ اس کے بعد آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى اِسْمِ اللّٰهِ. کہہ کر انہیں لحد میں اتارا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کے بارے میں دو چیزیں آپ سے ایسی دیکھی ہیں جو کسی کے بارے میں ہم نے نہیں دیکھیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے اپنی قمیض مبارک اتار کر اس سے ان کا کفن بنایا' دوسرے یہ کہ آپ نے ان کی لحد میں اتر کر کچھ دیر آرام فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قمیض مبارک پہنانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے اور لحد میں لیٹنے کا مقصود یہ تھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کی قبر میں وسعت دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوطالب...... کے بعد ان کے سوا کوئی

نہ تھا جس نے میرے ساتھ نیکوکاری کی ہو۔ میں نے ان کو اپنی قمیض مبارک پہنائی تا کہ بہشتی حلہ انہیں حاصل ہو اور ان کی قبر میں میں لیٹا تا کہ وہ قبر کی مصیبتوں سے نجات پائیں۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد فوت ہوئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا۔ ''اے میری ماں! میری والدہ کے بعد ان کی بہت تعریف فرمائی اور اپنی قمیض کا انہیں کفن دیا۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کیلئے قبر کھودو اور لحد کو اپنے دست مبارک سے بنایا۔ اپنے دست مبارک سے اس کی مٹی نکالی' لحد کی فراغت کے بعد اس میں داخل ہوئے اور فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَّوَسِّعْ عَلَیْهِ مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَآءِ قَبْلِیْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ. اور چار تکبیریں پڑھ کر لحد میں اتارا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی قبر میں داخل نہ ہوئے مگر پانچ شخصوں کے۔ تین عورتوں کی قبروں میں اور دو مردوں کی۔ ایک سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر میں اور چار مدینہ میں۔ چنانچہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا لڑکا تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس کی قبر میں داخل ہوئے اور تیسرے عبداللہ رضی اللہ عنہ مزنی جنہیں ذوالبجادین کہتے ہیں۔ چوتھے ام رضی اللہ عنہ سومان جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں اور پانچویں فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کی قبر میں۔

اسی سال چوتھی شعبان کو ریحانۃ الرسول' نور دیدہ بتول' امام شہید سعید' ابوعبداللہ حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ' حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے پچاس دن بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نخل امید سے بارور ہوئی تھیں اور یہ جو عورتوں کو حیض و نفاس لاحق ہوتا ہے۔ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ذات مبارکہ میں ایسی کوئی پلیدی نہ تھی اسی بنا پر ان کا ''حور جنت'' نام رکھا گیا۔ (رضی اللہ عنہا)

غزوۂ بدر صغریٰ: اسی سال وہ غزوۂ بدر واقع ہوا جس کا ابوسفیان نے غزوۂ احد سے واپسی کے وقت وعدہ کیا تھا اسے بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے احد سے لوٹتے وقت مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہم آئندہ سال بدر میں تم سے ملیں گے اور حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جواب دیا کہ ہاں انشاء اللہ! بعض روایتوں میں ہے کہ کسی صحابی نے جواب دیا تھا۔ بیضاوی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ''ہاں!''

چنانچہ وعدہ کے موافق دوسرے سال ہی ابوسفیان سامان جنگ فراہم کرنے اور قتال کی تیاری کرنے میں مشغول ہو گیا۔ قریش کو مکہ سے نکلنے کی ترغیب و تحریص دینے لگا لیکن یہ بہ تکلیف اور بے دلی سے کرتا تھا تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ابوسفیان ڈر گیا ہے وہ میدان جنگ میں آنے سے گھبراتا ہے۔ نعیم بن مسعود اشجعی نے جو مدینہ سے مکہ پہنچا تھا قریش کو شوکت اسلام' سامان جنگ کی تیاری و فراہمی اس وعدہ کے موافق جو اس سال کیلئے تھا بتائی اور کہا کہ مدینہ لشکر اسلام سے ایسا کھچا کھچ بھرا ہوا ہے جیسا کہ انار میں دانا ہوتا ہے۔

ابوسفیان نے نعیم بن مسعود سے ملاقات کی اور کہا ہم نے غزوۂ احد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کیا تھا لیکن اس سال قحط اور خشکی کی بلا کی ہے کہ ہمارے جانوروں کو جنگل میں چارہ نہیں ملتا۔ اگر تم ایسا کرو کہ مدینہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے صحابہ کو

ڈراؤ تاکہ وہ جنگ کی غرض سے باہر نہ آئیں تاکہ فتح وعدہ اور خوف ان کی جانب سے ہو۔ اگر یہ کام انجام دے دیا تو ہم تجھے سہ سالہ بیس اونٹ دیں گے۔ نعیم مدینہ پہنچا اور اپنے سر کو ایسا منڈایا گویا کہ وہ عمرہ کر کے آیا ہے۔ کشاف سے پتہ چلتا ہے کہ واقعتہً وہ عمرہ کرنے گیا تھا۔ لشکر اسلام کو قریش کے لشکر کی تیاری اور اس کی شان وشوکت اور اس کے نکلنے کے بارے میں بتایا اور کہا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ مدینہ سے باہر نہ نکلو۔ میرا گمان ہے کہ اگر تم نے ان سے مقابلہ کیا تو ایک واپس نہ آئے گا بجز اس کے جو بھاگ کر جان بچالے۔ نعیم کی بات سچ جان کر مسلمانوں نے باہر جانے میں کچھ گرانی محسوس کی۔ یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ کوئی اس غزوہ میں نہ نکلے گا۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع شریف میں پہنچی اور اصحاب کا خوف معلوم ہوا اور گمان فرمایا کہ کوئی ان میں سے باہر نہ نکلے گا۔ مگر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور غزوہ کے حالات کے بارے میں عرض ومعروض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کریم کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے میں جنگ کیلئے ضرور نکلوں گا خواہ اس غزوہ میں میرے ساتھ کوئی نہ نکلے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو تمام مسلمان خوش ہو گئے اور ان کے دل میں شیطان کا پیدا کردہ خوف ووسوسہ جاتا رہا اور ان کے باطن میں قوت وشوکت غالب ہوگئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو مدینہ مطہرہ میں خلیفہ مقرر فرمایا اور علم حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو عنایت فرمایا۔ آپ پندرہ سو جوانمردوں کو ساتھ لے کر تشریف لے چلے۔ سیر کی کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے مگر صاحب کشاف نے ستر کہا ہے اور بیضاوی نے اسی کی پیروی کی ہے۔ حالانکہ یہ بات قطع نظر صحت روایت کی معقولیت سے بھی بعید ہے کہ ایسے اہم موقع پر ستر افراد کے ساتھ نکلیں۔ البتہ یہ کہ پہلا جتھہ ستر کا نکلا ہو اس کے بعد پے در پے اور نکلے ہوں۔ اس لشکر میں دس گھوڑوں سے زیادہ نہ تھے اور مسلمانوں نے بہت سا مال غنیمت اپنے ساتھ لیا تھا اور بدر میں اتر کر آٹھ روز تک وہاں قیام کیا تھا۔ سامان تجارت کو خوف نفع کے ساتھ فروخت کیا یہاں تک کہ ایک درہم سے دو درہم حاصل ہوئے اور خوش وخرم اطمینان وسکون کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ مشرکوں کے ساتھ ملاقات اور جنگ کا اتفاق نہ پڑا۔ اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ

وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ کفار تمہارے برخلاف جمع ہو چکے ہیں تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے کتنا اچھا وکیل ہے پھر وہ خدا کی نعمت وفضل کے ساتھ لوٹے اور انہیں کوئی برائی نہ چھوئی......

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان دو ہزار اشقیاء کو لے کر مکہ سے چلا تھا جس میں پچاس گھوڑے تھے اور ''مر الظہر ان'' جو کہ مکہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ کر یہ بہانہ کرتا ہوا واپس ہوا کہ جنگل خشک ہیں جانوروں کیلئے چارہ اور لوگوں کیلئے دودھ میسر نہیں ہے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ لشکر اسلام کی شوکت وتمکنت کی وجہ سے اس پر رعب وخوف طاری تھا۔ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا یہ کیا کرتے ہو تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے جنگ کا وعدہ کیا ہے اگر ایسا نہ کرو گے تو وہ ہم پر دلیر ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ خندق کی جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے۔ مکہ والوں نے اس سفر کا نام ''جیش السویق'' رکھا کیونکہ وہ ستو کے سوا کوئی طعام نہ رکھتے تھے وہ کھاتے تھے۔ مکہ والے ابوسفیان پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے کہ کیا تم ہمیں ستو کھلانے کیلئے لے گئے تھے۔ غزوۂ سویق جو دوسرے سال کے واقعات ہیں مذکور ہوا وہ اور ہے۔ اس وقت وہ اپنے ہمراہ ستو لے کر گئے تھے اور بھاگ پڑے تو ستو کو راہ میں پھینک گئے۔

رجم: اسی سال ایک مرد نے یہودی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے حکم کے مطابق دونوں کو رجم کرنے یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذمی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے دین پر عمل کریں گے اور توریت میں زنا کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے دونوں کو اونٹ پر بٹھا کر شہر میں پھرایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جھوٹ بکتے ہو زانی اور زانیہ کا حکم توریت میں بھی رجم ہی ہے اور قرآن وتوریت اس حکم میں موافق ہیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو کہ احبار یہود میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے ابتدائے زمانہ میں ہی اسلام لے آئے تھے۔ انہوں نے بھی ان کو جھٹلایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توریت لے کے آؤ۔ چنانچہ وہ توریت کو لا کر پڑھنے لگے۔ یہودی جب رجم کی آیت پر پہنچے تو ہاتھ رکھ کر رجم کی آیت کو چھپالیا حضرت ابن سلام نے اسے پڑھا اور وہ زانی سنگسار کیے گئے۔

اسی سال حضور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ توریت کے سواد خط کو سیکھیں مبادا کہ یہودی اپنے رسائل و کتب میں تغیر وتبدل اور تحریف وتبدیل عمل میں لائیں۔ چنانچہ انہوں نے پندرہ دن میں سیکھ لیا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ گویا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو توریت سیکھنے کا حکم فرمانا اسی قصۂ رجم کے بنا پر واقع ہوا تھا لیکن ایک اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہود ہمیں خطوط لکھ کر بھیجتے ہیں اور ہم بھی ان کو مراسلے لکھتے ہیں۔ انہیں فرامین بھیجتے ہیں ان کو حکم دیتے ہیں کہ خط لکھیں اور ان کے خط پڑھیں مگر ہم ان کی دیانت پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے مطمئن نہیں ہیں کہ کیا سیکھیں اور کیا پڑھیں۔ اس لیے تم ان کے سواد خط کو سیکھ لو تا کہ ہم ان کے مکر وفریب سے محفوظ رہیں۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کی خط وکتابت کو پندرہ دن میں سیکھ لیا۔

چوری پر ہاتھ کاٹنا: اسی سال طعمہ بن ابیرق کے چوری کرنے کا واقعہ ہے جو کہ قبیلہ بنی ظفر سے تھا اور اس نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان انصاری کے گھر سے جو ان کا ہمسایہ تھا ایک زرہ چرائی تھی۔ آٹا چمڑے کی تھیلی میں ڈال کر لے جانے لگا تھا مگر آٹا سوراخوں سے گرنے لگا اس سے وہ ڈرا کہ اس سے حال ظاہر ہو جائے گا اور اس نشان سے اس کا پتہ چل جائے گا۔ پھر اس نے زید ابن سمین یہودی کے گھر میں اسے پھینک دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے سپرد کر دیا۔ دوسرے دن ابن سمین یہودی کے گھر کا سراغ ملا اور زرہ اور آٹے کے چمڑے کی تھیلی اس کے یہاں سے برآمد ہوگئی۔ اس سے مواخذہ اور پوچھ گچھ کرنے لگے۔ زید نے کہا یہ کام طعمہ کا ہے وہی اسے میرے گھر لا کر ڈال گیا ہے' یا یہ کہا کہ میرے پاس بطور امانت رکھ گیا ہے۔ یہود کی ایک جماعت اس پر گواہی دینے لگی۔ اس کے بعد قتادہ رضی اللہ عنہ اور زید دونوں طعمہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا یہ کام تیرا ہے؟ اس نے انکار کیا باوجود یکہ اس کی قوم اس سے واقف تھی کہ زمانہ جاہلیت میں اس کی عادت تھی۔ اسے پکڑ کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عدالت میں لائے تو لوگوں نے کہا طعمہ اس خیانت سے بری ہے اور یہ گناہ یہودی نے کیا ہے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ چونکہ طعمہ مسلمان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حمایت کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا کہ اس یہودی کو سزا دی جائے فوراً آیت نازل ہوئی۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا۝

بے شک ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگوں کے درمیان جو اللہ آپ کو دکھائے فیصلہ فرمائیں اور خائنوں کے دشمن نہ ہو۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سمیں سے دست کشی اختیار فرمائی اور طعمہ کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس پر طعمہ بھاگ گیا اور مکہ چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے چوری کی جب لوگ اس سے باخبر ہوئے تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے ایک دیوار میں نقب لگائی' دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مر گیا۔ صاحب کشاف نے کہا کہ وہ مرتد ہو گیا اور اپنی جان چوری میں برباد کی۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ وہاں سے بھاگا اور ایک کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی میں بھی اس نے تھیلی چرائی اور اسے لوگوں نے دریا میں ڈال دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چوری ایسی بدعادت ہے کہ وہ جدا نہیں ہوتی اور جان و سر اس کام میں چلا جاتا ہے۔ اگر گناہ اور بدعادتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

شراب کی حرمت: بقول مشہور اسی سال میں ایک قول سے چھٹے سال میں اور ایک قول سے آٹھویں سال میں۔ بعض اس قول کو ترجیح دیتے ہیں شراب کی حرمت واقع ہوئی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ حرمت شراب کے بارے میں سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی: وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا. کھجور و انار کے کچھ پھلوں میں سے تم اس سے نشہ بناتے ہو اور عمدہ رزق۔ یہ آیت اباحت میں عام تھی کیونکہ لوگ اس کو کھانے پینے میں عام طور پر استعمال کرتے تھے لیکن بعض وہ صحابہ کرام جو کمال عقل اور وفور رائے سے آراستہ تھے اس مفاسد کی بنا پر جو اس کے پینے سے مرتب ہوتا ہے اس سے اجتناب کرتے تھے جیسے ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی اس کا ارتکاب نہ کیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

اے محبوب! تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرما دو ان دونوں میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کے منافع ہیں۔ اور ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے نفع سے بہت بڑا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حرمت شراب کا پیش خیمہ ہے جب یہ آیت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھی تو کہنے لگے اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا فِي الْخَمْرِ. اے خدا ہمارے لیے شراب کے بارے میں بیان واضح فرما۔ اس کے بعد بعض صحابہ اس آیت کی بنا پر شراب سے مکمل طور پر بچنے لگے اور کہنے لگے وہ چیز جس میں بہت بڑا گناہ ہو اس سے بچنا ضروری ہے۔ کچھ لوگ اس لحاظ سے کہ اس میں نفع ہے کبھی ارتکاب کر لیتے تھے یہاں تک کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے محفل ضیافت قائم کر رکھی تھی اور شراب پی کر حد سکر یعنی نشہ میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت شام کی نماز کا وقت آ گیا۔ اس نماز میں ان کے امام نے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کو اس طرح پڑھا کہ کلمہ ''لا'' جہاں جہاں ہے اسے چھوڑ گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جانو جو تم پڑھتے ہو۔

اس پر صحابہ کی ایک جماعت نے کہا وہ چیز جو نماز کے ترک کی طرف لے جائے اور نماز میں وہ جائز نہ ہو اسے کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ پھر وہ اس کے استعمال سے باز آ گئے اور کچھ لوگ اس کو اسی وقت پیتے تھے کہ نماز کا وقت نہ آئے اور اتنا کہ اس سے نشہ نہ ہو۔ یہ طریقہ اس وقت تک رہا کہ ایک انصاری نے محفل ضیافت قائم کی اور بھنے ہوئے اونٹ کے پارچے کھلائے۔ جب کھانا کھا چکے تو انہوں نے شراب پی اور مست ہو کر ایک دوسرے پر تفاخر کا اظہار کرنے لگے اور ایسے اشعار جو تفاخر و مباہات پر مبنی ہوں پڑھنے لگے۔ سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار کی مذمت اور اپنی قوم پر تفاخر تھا۔ ایک انصاری نے بھنے ہوئے اونٹ کے گوشت کی ہڈی سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے سر پر دے ماری جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔ حضرت سعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انصار کی شکایت کی۔ جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اعظم کو اس حال کا پتہ چلا تو پھر دوبارہ یہی دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا فِي الْخَمْرِ. تو اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ○

اے ایمان والو! بلاشبہ شراب' جوا' پانسہ پھینکنا اور تیر سے فال لینا سب ناپاک شیطانی عمل ہے۔ تو اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بلاشبہ شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ تم میں دشمنی اور بغض شراب پینے اور جوئے سے پڑے اور وہ تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے تو کیا تم باز آ ؤ گے۔

اس آیت میں حرمت شراب میں بہت زیادہ مبالغہ وتاکید ہے اور یہ ان دس دلیلوں پر مشتمل ہے۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ طیبہ کے بازاروں میں اعلان کردو تاکہ لوگ جان لیں اور باخبر ہو جائیں کہ بلاشبہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد تمام مسلمان اس سے باز آ گئے اور جن گھروں میں شراب کے مٹکے تھے انہوں نے ان کو بہا دیا۔ چنانچہ شراب مدینہ کی گلی کوچوں میں بہ رہی تھی حرمت شراب اور اس کے پینے والے کی وعید وسزا میں بکثرت احادیث ہیں جو پایۂ ثبوت کو پہنچی ہیں اور حدیث کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں۔

سال پنجم کے واقعات

ہجرت کے پانچویں سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی ام المومنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح میں لائے اور بقول اہل سیر ان کے زفاف میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ چنانچہ اس کا قصہ ازواج مطہرات کے ضمن میں انشاءاللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔

غزوۂ مریسیع: اسی سال غزوۂ مریسیع (بضم میم وفتح راء وسکون یا) واقع ہوا۔ یہ بنی خزاعہ کے چشمہ کا نام ہے اس کو غزوۂ بنی المصطلق (بضم میم وسکون صاد وفتح طاء وکسر لام) بھی کہتے ہیں۔ مصطلق ایک شخص کا لقب ہے جس کا نام خزیمہ بن سعد بن عمرو ہے جو بنی خزاعہ کے بطن سے ہے اور صلق' سخت وکرخت آواز کو کہتے ہیں۔ اس غزوہ کا وقوع دوشنبہ کے دن پانچویں ہجری کے ماہ شعبان کی دو راتیں گزرنے کے بعد ہوا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ شنبہ کا دن تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ یہ چوتھے سال میں ہوا ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ سبقت قلم ہے کہ بجائے پانچ کے چار لکھ گئے۔ مختار یہ ہے کہ ۵ ہجری میں ہوا ہے۔ اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حارث بن ابی ضرار نے جو کہ اس قبیلہ کا سردار تھا۔ بعض قبائل عرب کو مدعو کیا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کیلئے لشکر فراہم کرے۔ جب یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ بن الحصیب (بحاء وصاد برصیغہ تصغیر) اسلمی کو جو کہ مشہور صحابی ہیں اس جماعت کی طرف بھیجا تاکہ تحقیق کر کے لائیں اور انہیں اجازت دی کہ ''الحرب خدعة'' (جنگ ایک داؤ ہے) کے تحت جو مقتضائے حال ہو ان سے گفتگو کریں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اس جماعت کی طرف گئے اور انہوں نے گفتگو میں فرمایا کہ سنا گیا ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتے ہو؟ اگر یہ بات واقع کے مطابق ہے تو میں تمہاری معاونت کروں گا اور تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گا۔ اس جماعت نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ سلوک کیا۔ انہوں نے کہا ہاں! ہمارا ارادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کا پختہ عزم کے ساتھ ہے۔ اس پر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تب تو مجھے اجازت دو تاکہ جا کر اپنے لوگوں کو مجتمع کر کے لاسکوں۔ اس بہانہ سے وہ ان کے پاس سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں تمام حال پیش کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام مجتمع کر کے تشریف لے چلے۔ مدینہ منورہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو خلیفہ بنایا اور مہاجرین کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو

دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکر کو دیا اور انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مقدمہ لشکر پر متعین فرمایا۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے مہاجرین کے تھے اور بیس گھوڑے انصار کے۔ بہت سے منافقوں نے بھی غنیمت اور دنیاوی سامان کے لالچ میں لشکر اسلام کے ساتھ موافقت کی اور راہ میں کافروں کے جاسوسوں کو پکڑا اور ان کے لشکر کے بارے میں پوچھا۔ پہلے تو وہ انکار کرتے رہے بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈرانے دھمکانے سے انہوں نے اعتراف کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہیں قتل کیا گیا۔ جب حارث کو خبر پہنچی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر کے ساتھ اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں تو بنی مصطلق کے دلوں میں اس سے رعب وخوف پڑ گیا اور بہت سے وہ لوگ جو اطراف واکناف سے حارث بن ضرار کی جماعت میں جمع ہوئے تھے جدا ہونے لگے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی منزل کی راہ لی۔ حارث کے پاس بجز بنی مصطلق کے کوئی نہ رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر چشمہ مریسیع پر قیام فرمایا۔ اس سفر میں امہات المومنین میں سے سیّدہ عائشہ صدیقہ اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہمراہ تھیں۔ کفار نے اپنے لشکر کو مرتب کر کے میدان جنگ میں مقابلہ کیلئے پاؤں رکھا۔ جب دونوں طرف سے صفیں درست ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ وہ کفار کو خبردار کریں کہ اگر وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیں تو ان کا خون اور تمام مال واسباب محفوظ رہیں گے۔ انہوں نے اس کا انکار کیا۔ لشکر اسلام نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا' پہلے ہی حملہ میں مشرکوں کے علمبردار کو قتل کر دیا اور انہیں شکست ہو گئی۔ ان کے دس آدمی مارے گئے' باقی تمام مردوں اور عورتوں کو اسیر بنا لیا اور بہت سا مال غنیمت از قسم چوپائے انعام اور سپاہ ہاتھ آیا۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ان کی غفلت کی حالت میں حملہ کا حکم دیا جبکہ وہ جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ اس کے بعد جنگ کرنے والوں کو قتل کیا اور بچوں کو قید کر لیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ کی آگ ٹھنڈی ہو جانے کے بعد بنی مصطلق کا ایک شخص آیا اور وہ شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ اس نے کہا ہم جنگ کے دوران مردان سفید جامہ کو ابلق گھوڑوں پر سوار لشکر اسلام کے درمیان دیکھتے رہے ہیں۔ وہ ایسے تھے کہ ہم نے ان جیسے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اور جویریہ جو امہات المومنین میں سے ہیں۔ اسی غزوہ کی قیدیوں میں سے تھیں اور اسی حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تقسیم غنائم اور اسیروں سے فارغ ہوئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ایک چشمہ پر تشریف فرما تھے۔ اچانک جویریہ بنت الحارث بن ضرار داخل ہوئی اور یہ عورت بہت ملیح اور صاحب حسن وجمال تھی جو کوئی اسے دیکھتا اس پر فریفتہ ہو جاتا۔ اس وقت میرے دل میں آتش غیرت پیدا ہو گئی کہ مبادا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کو اپنے ازواج میں داخل فرمالیں۔ بالآخر وہی ہوا جب جویریہ رضی اللہ عنہ آئی تو سب سے پہلی بات اس نے یہ کہی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوتی ہوں اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُهٗ پڑھتی ہوں۔ کہا کہ میں حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور اس قبیلہ کی سردار اور پیشوا ہوں اور اب میں لشکر اسلام کے ہاتھ میں قید ہوں۔ ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں۔ اس نے مجھے مکاتب بنایا ہے اور میں اتنے مال کی طاقت نہیں رکھتی کہ بدل کتابت میں ادا کر سکوں۔ میں امید رکھتی ہوں کہ آپ میری مدد فرمائیں گے تاکہ میں ادائے کتابت کر سکوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسا کروں گا اور اس سے بھی زیادہ میں تیرے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس سے بہتر سلوک کیا ہوگا؟ فرمایا ''میں ادائے کتابت کر کے تجھے اپنے حبالاء عقد میں لاکر اپنی زوجیت سے سرفراز کروں گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے پاس کسی کو بھیجا اور مکاتبت کی رقم ان کو سپرد کرائی۔ آزاد ہونے کے بعد ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ صحابہ عظام جب اس حقیقت سے مطلع ہوئے تو انہوں

نے باہم خیال آرائی فرمائی اور کہا کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی اسیری اور قید میں رکھ کر غلام بنائیں اور سب نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ بنی المصطلق کے قیدیوں کی تعداد ایک سو نوے سے زیادہ تھی۔ سیّد عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ کوئی عورت اپنی خیر و برکت میں سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بزرگ ہو۔

ارباب سیر سیدہ جویرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا کہ گویا ''ایک ماہتاب عالم تاب یثرب سے طلوع ہوکر اتر رہا ہے یہاں تک کہ وہ ماہتاب میری آغوش میں آ گیا۔ میں نے اپنے اس خواب کو کسی سے نہ کہا یہاں تک کہ اس کی تعبیر سامنے آ گئی۔ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہ کا نام اسیری سے پہلے ''برہ'' بمعنی نیکوکار تھا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''جویریہ'' رکھا۔ نام کی یہ تبدیلی اپنی عادت شریف کی بنا پر تھی کہ آپ ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ اگرچہ نام اچھا ہی ہو لیکن اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کراہت محسوس کرتے تھے کہ مثلاً کوئی کہے کہ گھر میں ''برہ'' ہے؟ اور اس کا جواب ہے کہ ''برہ'' نہیں ہے یعنی نیکی و بھلائی نہیں ہے۔ جس طرح کہ مفلح و یسار بمعنی جائے فلاح اور فراغت وغیرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مطلب یہ کہ ایسا نام رکھا جائے جس کے پکارنے میں کوئی بے برکتی اور بدشگونی نہ ہو۔

اسی غزوہ میں اس منافق ملعون ابوالفضل نے جس کا نام عبداللہ بن ابی سلول تھا اور جو منافقوں کا سردار تھا۔ اس نے کہا: لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. (اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور عزت والے لوگ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے) اس طرح اس نے مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر کی۔ اس ملعون نے یہ بات اس بنا پر کہی تھی کہ سنان (بکسر سین) بن وبر (بفتح واؤ و سکون باء) جہنی جو قبیلہ خزرج کی طرف سے عمرو بن عوف کا حلیف و ہم سوگند تھا اور جہجاہ بن سعید غفاری جو کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اجیر و مزدور تھے۔ ان دونوں کے درمیان ادنیٰ سی بات پر جھگڑا واقع ہوا۔ وہ جھگڑا یہ تھا کہ دونوں کے ڈول کنوئیں میں گر پڑے تھے اور یہ دونوں ڈول ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور مشابہ تھے۔ ان دونوں میں سے ایک ڈول نکل آیا۔ سنان نے کہا ''یہ میرا ڈول ہے'' اور جہجاہ نے کہا ''یہ میرا ڈول ہے۔'' ارباب سیر کہتے ہیں کہ ڈول سنان کا تھا۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ جہجاہ نے ایک گھونسہ سنان کے منہ پر مار دیا۔ اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ اس کے بعد سنان نے جو انصار کا حلیف تھا انصار سے استغاثہ کیا اور جہجاہ نے مہاجرین کی طرف رخ کیا۔ دونوں طرف کی جماعتیں ہتھیار باندھ کر نکل آئیں۔ قریب تھا کہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھے کہ مہاجرین کے ایک گروہ نے سنان سے درخواست کی کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ سنان ان کے کہنے کی بنا پر اپنے حق سے دستبردار ہو گئے۔ یہ خبر جب عبداللہ بن ابی منافق کو پہنچی اور یہ پہلے ہی گزر چکا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین بھی ہمراہ تھے۔ یہ منافق ملعون ابن ابی بھی از قبیلہ انصار تھا۔ جب اس نے سنا کہ جہجاہ نے جو مہاجرین سے منتسب ہے سنان کے ساتھ جو انصار کا حلیف تھا ایسا سلوک کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت کی بنا پر کفر و نفاق کی رگ پھڑکی اور ان منافقوں سے جو اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا مہاجرین کے ہاتھوں میں جو اتنی قدرت و طاقت پیدا ہوئی ہے وہ ہمارے واسطہ سے ہے اور ان کے وجود کی بقا ہم سے وابستہ ہے۔ وہ ایسا سلوک کرتے ہیں جس طرح کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کہاوت مشہور ہے کہ سَمِّنْ كَلْبَكَ يَاكُلْكَ اپنے کتے کو فربہ کرتا کہ وہ تجھے کھائے۔ اس نے کہا اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور بہت زیادہ عزت والے وہاں سے ان کو جو بہت خوار ہیں نکال دیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. اس ملعون نے ''اعز'' سے مراد اپنے آپ کو لیا اور ''اذل'' سے مراد ذات بابرکات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا۔ (نعوذ باللہ منہا) ممکن ہے کہ ''اعز'' سے خود کو اپنے متبوعوں کو لیا ہو اور ''اذل'' سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مراد لیا ہو۔ جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے ردّ میں فرماتا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. اور اللہ ہی کیلئے عزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کیلئے وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن منافقین نہیں جانتے۔ اسی پر شاہد ہے۔ (واللہ اعلم)

جس مجلس میں اس ملعون نے یہ بات منہ سے نکالی تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم انصاری اس میں تشریف فرما تھے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا نقل کر دیا۔ اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو قسم کھا کر اپنی بات کی سچائی کا یقین دلایا۔ اس کے بعد اس منافق ملعون کی یہ بات پورے لشکر اسلام میں پھیل گئی اور انصار کی ایک جماعت نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کی سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ ''تم نے ایک قوم کے سردار پر جھوٹ باندھا ہے'' زید رضی اللہ عنہ نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے یہ بات اس سے خود سنی ہے اور مجھے امید ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں ضرور وحی بھیجے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ میں اس منافق ملعون کی گردن اڑا دوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں نے اس کے قتل کا حکم دیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے تھے۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔ باوجودیکہ دھوپ اور ہوا بہت گرم وشدید تھی مگر مقصود یہ تھا کہ صحابہ کرام منافقین کے بارے میں سوچ و بچار نہ کر سکیں اور اس گفتگو میں نہ پڑیں۔ اس پر حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات ہوئی جو آپ نے اتنی شدت وتمازت میں کوچ کا حکم فرما دیا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ساتھی یعنی عبداللہ بن ابی نے کیا کہا ہے؟ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ چاہیں تو ہم اسے مدینہ سے نکال دیں کیونکہ اعز آپ ہیں اور اذل وہ ملعون ہے اور عزت اللہ کیلئے ہے اور اس کے رسول کیلئے اور مسلمانوں کیلئے ہے۔'' اس کے بعد انہوں نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے ساتھ نرمی اور مدارات فرمایئے کیونکہ آپ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے تمام لوگ اس پر متفق تھے کہ مدینہ کی بادشاہی کا تاج اس کے سر پر رکھیں۔ اسے مدینہ کا سردار اور امیر بنائیں لیکن آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے اس کی امارت وحکومت کا امکان ختم ہو گیا اور اب اس کی بیچارگی وحسد اسے ایسی بیہودہ باتیں کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ بعض انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف سے نکل کر اس ملعون منافق سے کہا کہ ''اس قسم کی باتیں تیرے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہوئی ہیں اگر تو نے ایسا کہا ہے تو چل کر معافی مانگ لے اور اگر نہیں کہا ہے تو انکار کر دے اور قسم کھا لے مگر خبردار جھوٹ نہ کہنا کیونکہ قرآن تیری مذمت میں نازل ہو جائے گا۔'' اس پر وہ ملعون منافق آیا اور اس نے قسم کھا کر کہا میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے جسے زید رضی اللہ عنہ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بہت غمزدہ اور دل شکستہ ہو گیا۔ اس کے بعد سورہ منافقین نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا ''تمہیں بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمائی اور اس منافق کی تکذیب کی۔ پھر حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ابن ابی کے پاس آئے اور اس کی خوب مذمت فرمائی اور فرمایا۔'' اٹھ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لیے استغفار کریں۔ وہ سیاہ باطن کوردل اپنی گردن جھٹکنے لگا۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○

اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے چلو تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے استغفار کریں تو وہ سروں کو جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے

ہو کہ وہ حاضر ہونے سے کتراتے ہیں یہ لوگ متکبر و گردن کش ہیں۔

مروی ہے کہ ابن ابی ملعون کا ایک لڑکا تھا جو مسلمان موحد مخلص اور محب بارگاہ نبوت تھا۔ لوٹتے وقت جب مسلمان وادی عقیق پر پہنچے تو وہ لڑکا سر راہ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ جب اس کا باپ پہنچا اور اس نے شہر میں داخل ہونا چاہا تو وہ اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے روک کر کہنے لگا کہ "کہو بنی آدم میں سب سے زیادہ عزت والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سارے عالم میں سب سے زیادہ ذلیل و خوار تو ہے۔" جو بھی اس کیفیت کو دیکھتا تعجب کرتا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے اور یہ ملاحظہ فرمایا کہ ابن ابی کا بیٹا اسے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے تلوار کھینچ کر روک رہا ہے اور اس کا باپ کہہ رہا ہے کہ اَنَا اَذَلُّ مِنَ الصِّبْیَانِ وَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَآءِ میں بچوں سے زیادہ ذلیل ہوں اور میں عورتوں سے زیادہ خوار ہوں۔" مگر وہ بیٹا بدستور داخل ہونے میں مانع ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چھوڑ دو کہ وہ داخل ہو جائے' پھر اس نے باپ کا راستہ چھوڑ دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ کے قریب اتنی شدید اور تیز آندھی چلی کہ لوگوں نے گمان کیا شاید دشمنوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا ہے اور وہ لوٹ مار کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوف نہ کرو' مدینہ طیبہ ہر آفت و خوف سے محفوظ ہے اور اس کا کوئی گوشہ اور کوئی گھاٹی ایسی خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ پاسبانی و محافظت میں مقرر نہ ہو لیکن آج کوئی عظیم النفاق منافق مر گیا ہے۔ وہ زید بن رفاعہ تھا جو ابن ابی کا دوست تھا اور اس منافق کے مرنے سے ابن ابی کو بڑا رنج و ملال ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں منافقین آپس میں بڑی محبت رکھتے تھے۔ حدیث میں اسی طرح ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تیز آندھی چلنے سے مدینہ کے لوٹ مار ہونے کا خدشہ کہاں سے پیدا ہوا۔ تیز تیز آندھی کے چلنے سے اس منافق کے مرنے کا کیا تعلق ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھائیس دن صرف ہوئے۔

<u>آیۂ تیمّم</u>: اسی سال تیمّم کی آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ بخاری و مسلم میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اس کے بعد تیمّم کی حدیث بیان کی۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ فتح الباری میں ابن عبدالبر کا قول ہے کہ جو تمہید سے منقول ہے کہ آیت تیمّم کا نزول غزوۂ بنی المصطلق میں ہوا تھا جو غزوۂ مریسیع ہے اور استذکار میں اسی پر جزم کیا ہے اور ابن سعد اور ابن حبان نے اسی کی طرف سبقت کی ہے۔

<u>ہار کی گمشدگی</u>: روضۃ الاحباب میں ارباب سیر کی نقل کرتے ہیں کہ اسی سفر میں یا کسی اور سفر میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار مدینہ طیبہ کے قریبی منزل میں گم ہو گیا تھا۔ اس منزل کا نام صلصل بروزن بلبل ہے۔ یہ منزل مدینہ کے قریب ہی واقع ہے۔ اس ہار کے گم ہو جانے کے سبب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منزل میں توقف فرمایا تا کہ گمشدہ ہار مل جائے۔ اس منزل میں پانی نہ تھا' لوگوں کے پاس بھی پانی موجود نہ تھا اور نماز کا وقت فوت ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کرنے لگے کہ ان کی وجہ سے لوگ اس بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آغوش میں اپنا سر مبارک رکھے محو استراحت تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر غصہ کا اظہار شروع فرمایا اور سختی کا اظہار کیا۔ اپنے ہاتھ کو نیزے کی مانند سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوکھ میں مارا لیکن سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خوف سے جنبش تک نہ کی کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک خواب سے بیدار ہو جائے۔ چنانچہ صبح ہو گئی پانی موجود نہ تھا کہ وضو کر کے ادائے فرض کرتے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے آیت تیمّم نازل فرمائی۔ لشکر اسلام نے صبح کی نماز تیمّم کے ساتھ ادا کی۔ حضرت سیّد رضی اللہ عنہ بن حضیر نے فرمایا

مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ اے اولاد ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔
مطلب یہ کہ مسلمانوں کو تمہاری بہت سی برکتیں پہنچی ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اونٹ کے نیچے سے برآمد ہو گیا۔ گویا کہ اس میں یہی حکمت الٰہی تھی کہ شریعت کے احکام میں مسلمانوں کیلئے آسانی اور سہولت مہیا کی جائے۔

عزل کا مسئلہ: اسی غزوۂ بنی المصطلق میں جب مسلمانوں کو باندیاں ملیں اور خواہش نے ان پر غلبہ کیا اور مسافرت نے طول کھینچا تو بطریق ملک یمین باندیوں کے ساتھ ہم بستری کرتے تھے۔ عزل مادہ تولید کو عورت کی شرمگاہ سے باہر نکالنے کو کہتے ہیں تاکہ وہ حاملہ نہ ہو جائیں اور صحابہ باہم کہا کرتے کہ ہم عزل کیا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما تھے اور ہم نے آپ سے مسئلہ دریافت نہ کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عزل جائز ہے یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم عزل کرو یا نہ کرو جسے پیدا ہونا ہے پیدا ہو کے رہیگا۔'' اس سے اباحت کے معنی بھی نکلتے ہیں اور حرمت کے بھی۔ فقہ میں مذہب یہ قرار پایا ہے کہ باندی میں تو عزل جائز ہے مگر حرہ یعنی آزاد عورت (بیوی) میں اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے اور منکوحہ باندی کے بارے میں مروی ہے کہ مولی کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

قضیہ افک: اسی سال اور اسی غزوۂ بنی المصطلق میں ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ''افک'' کا قضیہ پیش آیا۔ افک (بکسر وفتح الف) کذب کے معنی میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ افک دروغ بالغ کامل کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں افک بہتان ہے اور پھیرنے اور لوٹانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور کذب میں بھی اپنی جگہ سے پھیرنا پایا جاتا ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قصہ عجیب و غریب قصوں میں سے ہے اور غصہ سے خون جگر ٹپکتا ہے۔ صحیح بخاری میں اس قصہ کو متعدد جگہوں میں بیان کیا ہے۔ ایک کتاب غزوات میں ہے جس کا ترجمہ کیا جائے گا جو کمی بیشی نظر میں آئے گی۔ اسے کسی دوسرے باب میں درج کیا جائے گا۔ (والعون من اللہ تعالیٰ)

زہری عروہ سے اور دوسری جماعت سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ قرعہ میں ان میں سے جس کا نام نکل آتا آپ اسے اپنے سفر میں ہمراہ لے جاتے۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان اس غزوہ میں بھی قرعہ اندازی فرمائی جس میں آپ نے غزوہ فرمایا۔ حدیث بخاری میں ایسا ہی مبہم واقع ہوا ہے مگر شارحین نے بیان کیا ہے کہ مراد غزوہ مریسیع ہے جسے غزوۂ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں۔ تو قرعہ میرے نام کا نکل آیا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں گئی۔ چونکہ یہ واقعہ بعد نزول آیت حجاب تھا اس لیے میرے لیے ہودج بنایا گیا۔ میں ہودج میں اٹھائی جاتی اور اس میں اتاری جاتی تھی۔ پھر ہم نے سفر کی مسافت طے کی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ہی کوچ کا اعلان فرما دیا۔ پھر میں اعلان کے وقت کھڑی ہوئی اور ہودج سے نکل کر قضائے حاجت کیلئے تنہا چلدی یہاں تک کہ میں لشکر سے باہر نکل گئی۔ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو میں نے دیکھا کہ میرا گردن بند یعنی ہار جو مہرہائے ظفار سے بنا ہوا تھا ٹوٹ گیا ہے۔ پھر میں دوبارہ وہاں پہنچی جہاں میں نے قضائے حاجت کی تھی' وہاں ہار کو تلاش کرنے لگی اور مجھے اس کی تلاش میں دیر ہو گئی۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ لوگ آئے جو میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے اور مجھے اٹھاتے تھے۔ انہوں نے میرے ہودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر کس دیا اور وہ اس گمان میں رہے کہ میں ہودج میں ہوں۔ اس زمانہ میں عورتیں سبک اور ہلکی ہوتی تھیں۔ ان لوگوں کو ہودج کے خالی ہونے کا پتہ نہ چلا ویسے بھی میں اس زمانہ میں کم عمر اور ہلکی پھلکی تھی۔ انہوں نے ہودج کے ہلکے پن کو محسوس نہ کیا اور اونٹ

کو اٹھا کر روانہ ہو گئے۔ میں وہیں تھی جہاں میرا ہار گم ہوا تھا۔ میں اسے تلاش کر رہی تھی اور سارا لشکر نکل گیا۔ جب میں واپس آئی تو میں نے وہاں کسی کو نہ پایا' نہ کسی بلانے والے کو اور نہ کسی جواب دینے والے کو۔ اس کے بعد میں اسی منزل میں جس میں تھی ٹھہر گئی۔ میں نے خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ دیکھیں گے تو تلاش کریں گے اور میری جستجو میں واپس آئیں گے۔ پھر اسی دوران جب کہ میں اپنی منزل میں بیٹھی ہوئی تھی مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سوگئی۔ صفوان رضی اللہ عنہ بن المعطل سلمی ذکوان لشکر کے پیچھے رہتے تھے اور ان کو اس پر مقرر کیا تھا کہ کسی کی گری پڑی اور بھولی ہوئی چیز اٹھا کر اس کے مالک کو پہنچائیں۔ مثلاً پیالہ' کپڑا وغیرہ۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوئی تو صفوان رضی اللہ عنہ نے منزل میں مجھے دیکھا اور سمجھا کہ کوئی لشکری سوتا ہوا رہ گیا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے پہچانا چونکہ انہوں نے مجھے حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے پہچانتے ہی کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا یہ کہنا یا تو اس بنا پر تھا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا صحرا میں تنہا رہ جانا ایک مصیبت اور عظیم واقعہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا۔ یا یہ مسلمانوں کیلئے ان کی وجہ سے مصیبت ہے۔ یا یہ استرجاع کرنا اس خیال سے ہے کہ کسی آفت و ہلاکت میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے یا اس قوت کی بنا پر جو بعد میں رونما ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ صفوان رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا مر چکی ہیں اس بنا پر استرجاع کیا۔ فرماتی ہیں ان کے استرجاع پڑھنے پر میں بیدار ہوئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھے ایک بات تک نہ کہی اور نہ اس سے زیادہ کچھ اور ان سے میں نے سنا جو انہوں کلمہ استرجاع ادا کیا تھا۔ اس کے صفوان رضی اللہ عنہ اونٹ کو لائے اور اپنے اونٹ کو زمین پر بٹھایا اور اونٹ پر پاؤں رکھا تا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے سوار ہونا آسان ہو جائے اور سہارا دینے کی احتیاج نہ رہے۔ میں کھڑی ہوئی اور اونٹ کی طرف جلدی اور اس پر سوار ہوگئی۔ اس کے بعد وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ ہم آئے اور لشکر میں پہنچے اس حالت میں کہ لوگ اترے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس وقت اچانک منزل گاہ میں ان منافقین کی طرف گزر ہوا جہاں ابن ابی اور اس کے موافق و پیروکار اترے ہوئے تھے۔ پھر ان اہل افک یعنی کذابوں نے زبان درازی کی اور ہلاک ہوئے جن کو ہلاک ہونا تھا۔
اس افک میں سب سے زیادہ یاوہ گو اور درپے ہونیوالا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ وہ ہر جگہ اس کا چرچا کرتا اور پھیلاتا پھرتا تھا اور طرح طرح کی باتیں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں میں شک و تردد پیدا کرتا تھا۔ سب سے عجیب و غریب بات یہ کہ چند مسلمان بھی اس افک میں ان منافقوں کے ہم نوا بن گئے۔ حضرت حسان بن رضی اللہ عنہ ثابت' مسطح رضی اللہ عنہ (بکسر میم و سکون سین و فتح طاء) بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کا بیٹا تھا اور حمنہ رضی اللہ عنہ بنت جحش' جو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش ام المومنین کی بہن تھیں اور کچھ اور لوگ بھی جن کے نام مذکور نہیں ہیں۔ اس بھنور میں پھنس گئے اور حضرت عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں۔ مجھے ان ناموں کا علم نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ ''عصبہ'' تھے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمان باری ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے افک کیا وہ تم میں سے عصبہ تھے اور عصبہ دس سے چالیس تک کے گروہ کو کہتے ہیں۔
سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچی تو میں بیمار ہوگئی اور میری بیماری نے ایک ماہ تک طول کھینچا حالانکہ لوگ اہل افک کے قول میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ بات لوگوں میں خوب پھیل گئی تھی۔ مجھے اس کا بالکل پتہ تک نہ ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک اس دوران بہ نسبت اپنی بیماری کے بدلا ہوا پاتی تھی اور میں حیران تھی اس کی کیا وجہ ہے؟ اس بیماری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ لطف و عنایت نہ پاتی تھی جو اپنی دوسری بیماریوں میں دیکھتی تھی۔
صرف اتنا ہی عمل مبارک تھا کہ گھر میں تشریف لاتے اور گھر والوں کو سلام کرتے جیسا کہ سنت مستمرہ شریفہ تھی اور دریافت کرتے کہ اس عورت کا کیا حال ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تمہارے بیمار کا کیا حال ہے۔ صرف اتنا ہی دریافت کرتے اس کے بعد لوٹ

جاتے اور میرے پاس نہ آتے اور نہ تشریف رکھتے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے التفاتی سے میرا دل ٹوٹ جاتا حالانکہ حقیقت حال کا مجھے پتہ تک نہ تھا۔ یہاں تک کہ بیماری نے مجھے بہت کمزور کر دیا۔اس کے بعد ایک رات میں مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ ''مناصع''یعنی اس جگہ کی طرف گئی جہاں لوگ قضائے حاجت کیلئے جاتے تھے چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ قضائے حاجت کیلئے صحرا میں جاتے تھے اور اس زمانہ میں ''بیت الخلاء'' نہ ہوتا تھا۔ میں رات ہی کو قضائے حاجت کیلئے باہر نکلا کرتی تھی۔اس کے بعد قضائے حاجت سے فارغ ہو کر مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ لوٹ رہی تھی تو ام مسطح رضی اللہ عنہ کا پاؤں اپنی چادر میں الجھ گیا اس وقت کہا ہلاک ہو اور منہ کے بل مسطح رضی اللہ عنہ گرے'' اس پر میں نے کہا تم ایسی بات کہتی اور اس شخص کو گالی دیتی ہو جو بدر میں حاضر رہا ہے۔ ایک روایت میں ہے وہ شخص جو اول مہاجرین میں سے ہے پھر ام مسطح رضی اللہ عنہ نے کہا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اے بے سمجھ کیا تم نے نہ سنا کہ مسطح رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے اور کیا کہتا پھر رہا ہے۔'' اس پر انہوں نے اہل افک کی باتیں بیان کیں۔سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میری بیماری اور بڑھ گئی۔ایک روایت میں ہے کہ ایک دھواں سا میرے سر میں چڑھا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔جب میں گھر آئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور فرمایا تمہارے اس بیمار کا کیا حال ہے؟ اس پر میں نے عرض کیا۔''کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں۔'' میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ میں اس حکایت اور اس خبر کے بارے میں دریافت کروں۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی اور میں نے اپنی والدہ سے کہا ''اے اماں کیسی باتیں میں سن رہی ہوں جو لوگ کہتے پھر رہے ہیں؟'' میری والدہ نے کہا بیٹی! حوصلہ رکھو! تمہارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا' غم نہ کرو۔ خدا کی قسم! کسی مرد کے پاس ایسی عورت کم ہو گی جو خوبرو' نیک خصلت اور بزرگ وذی مرتبت ہو اور وہ اس سے محبت رکھتا ہو اور وہ عورت اس سے محبت رکھتی ہے اور اس پر جان چھڑکتی ہو۔مگر یہ کہ لوگ اس پر طرح طرح کی باتیں بنائیں اور اشرار ان پر غالب آئیں۔'' اس پر میں نے کہا ''کیا واقعۃً لوگوں نے ایسا کہا ہے اور لوگوں میں اس کا چرچا ہوا ہے اور ایسی افواہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک تک پہنچی ہیں اور انہیں میرے باپ نے بھی سنا ہے؟ اس کے بعد مجھ پر رونا غالب آیا اور میں تمام رات روتی رہی یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔نہ میں نے سرمہ لگایا اور نہ میں رات کو سو سکی۔دن بھی یوں ہی روتے گزر گیا مگر آنسو نہ رکے اور نہ نیند آئی۔میرے والد ماجد دوسرے کمرے میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔انہوں نے جو میرے رونے کی آواز سنی تو وہ بھی روتے ہوئے نکل آئے اور مجھے تسلی وتشفی دی اور فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! صبر کرو' روؤ نہیں اور دلفگار نہ ہو۔انتظار کرو کہ حق تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے۔سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں پریشانی ہوئی اور میری خستہ حالت کو ملاحظہ فرمایا تو اکثر ان اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ بیٹھے رہا کرتے تھے۔اس باب میں نزول وحی نے بھی طول کھینچا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ ان سے مشورہ فرمائیں' استفسار کریں اور میرے حال کے بارے میں ان سے حقیقت واضح کرائیں۔حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل کی پاکی کے بارے میں جو وہ خیال رکھتے تھے اور جو محبت وعنایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل اقدس میں ان کی طرف سے تھی جانتے تھے۔عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے اہل میں بجز خیر وخوبی کے کچھ نہیں جانتے لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ نے آپ کیلئے عورتوں کی تنگی نہیں فرمائی ہے۔عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا بہت سی عورتیں ہیں اس باندی سے دریافت کیجئے؟ مطلب یہ کہ اس بریرہ رضی اللہ عنہ باندی سے پوچھئے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہتی ہے وہ صحیح صحیح حالات بیان کر دے گی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا اے بریرہ رضی اللہ عنہ!

کیا تم نے کوئی چیز عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دیکھی ہے جس سے تمہیں کچھ شک وشبہ ہوا ہو؟ بریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس سے زیادہ کوئی بات نہ دیکھی کہ وہ ایک خردسال، بے سمجھ لڑکی ہے جو سوتی رہتی ہے، بکری آتی ہے اور آٹا کھا کر چلی جاتی ہے اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ میں نے اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ دیکھا۔ بتقاضائے عمر بچپنے کی غفلت و بے پرواہی ہے۔ صحیح بخاری میں اتنا ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور بریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اور یہ جواب دیا۔

لیکن بعض علماء سیر حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ مشورہ کرنے اور ان کے جواب دینے کا قصہ بھی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جواب اسی طرح نقل کیا ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے جسم اقدس پر جبکہ مکھی تک نہیں بیٹھتی کیونکہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے اور اس کے پاؤں اس سے آلودہ ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ آپ کیلئے کیسے گوارہ کرے گا کہ جو اس سے کہیں زیادہ بدترین ہو اس سے آپ کی حفاظت نہ فرمائے۔'' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کا سایہ شریف تک زمین پر نہیں گرتا مبادا کہ وہ زمین نجس و ناپاک ہو۔ حق تعالیٰ جب آپ کے سایہ کی اتنی حفاظت کرتا ہے تو آپ کے حرم محترم کی ناشائستگی سے کیوں نہ حفاظت فرمائے گا۔'' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے اتنا گوارہ نہیں فرمایا کہ نماز کی حالت میں آپ کے پائے اقدس کی نعلین مبارک میں آلودگی ہو اور اس کی آپ کو خبر دے دیتا کہ آپ اپنے نعلین کو پائے اقدس سے اتار دیں تو اگر یہ واقعہ نفس الامر میں وقوع پذیر ہوتا تو یقیناً آپ کو اس کی خبر دے دیتا۔ خاطر جمع رکھے حق تعالیٰ آپ کو حقیقت حال کی ضرور خبر دے گا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ باتیں سماعت فرمائیں تو مسجد شریف میں تشریف لے گئے، خطبہ دیا اور فرمایا ''کون ہے جو میری مدد کرے اور اس شخص سے انتقام لے جس نے بلاشبہ مجھے اور میری اہل کو ایذا پہنچائی۔'' اس سے عبداللہ بن ابی مراد تھا اور فرمایا ''قسم ہے خدا کی میں اپنی اہل سے پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ بلاشبہ لوگوں نے اس شخص کے بارے میں بیان کیا ہے جس سے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اس سے حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ مراد لیا کیونکہ منافقوں نے ان کو اس فعل شنیع کے ساتھ متہم کیا تھا۔ حالانکہ حضرت صفوان بجائے خود فاضل و عابد شخص تھے چہ جائے کہ ان پر یہ اتہام لگایا جائے جو شخص ذرا بھی عقل وفہم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس شخص میں اس وہم وفہم کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ منافق ہو اور غایت نفاق وحسد میں شیطان نے اس کی راہ بند کر رکھی ہو۔ [illegible] بن ابی تو کھلم کھلا منافق ہی تھا اور عجیب نہیں کہ حمنہ رضی اللہ عنہ بھی قید نفاق وحسد میں گرفتار ہو مگر تعجب احسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ پر ہے کہ وہ اس بلاء خبط اور جنون میں کیسے گرفتار ہو گئے۔

القصہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق ملعون کی تہدید وتوبیخ فرمائی وہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی مدد کروں گا اور اس سے انتقام لوں گا۔ اگر وہ قبیلہ اوس سے ہوا جو ہمارا قبیلہ ہے تو میں خود اس کی گردن اڑاؤں گا اور اگر ہمارے بھائیوں کے قبیلہ سے ہے یعنی خزرج سے ہے تو آپ مجھے فرمائیے تاکہ میں آپ کا حکم بجالاؤں۔'' اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ سے کہا ''تم دروغ کہتے ہو۔'' اس پر حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر جو کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے چچا کے بیٹے تھے کھڑے ہوئے اور سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے کہا ''تم دروغ کہتے ہو منافقوں کی طرفداری کرتے ہو اور منافقوں کی جانب سے جھگڑا کرتے ہو۔'' اس کے بعد یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ قبیلہ اوس وخزرج کے درمیان شیطان کے وسوسہ سے

جنگ واقع ہو جائے اور قدیمی عصبیت کی رگ بھڑک اٹھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو باز رکھا اور خاموش کر دیا۔سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد کے گھر میں تھی وہیں یہ باتیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں میں گریہ وزاری کرنے لگی میں اتنی بے طاقت ہوگئی کہ میں نے یہ خیال کیا کہ یہ رونا میرے جگر کو پھاڑ دے گا۔ یہاں تک کہ دو دن اور دو راتیں اسی طرح گزر گئیں۔میرے لیے بجز جاگنے اور رونے کے کوئی کام نہ تھا۔میرے والد اور والدہ دونوں میرے پاس ہوتے میں بھی روتی تھی اور میرے ساتھ وہ بھی روتے رہتے تھے۔ایک انصاری عورت تھی جو مجھ سے محبت رکھتی تھی وہ میرے پاس آئی۔وہ بھی رونے لگی ہم اسی حال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے ہمیں سلام کیا اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔جب سے یہ قضیہ درپیش آیا تھا جسے ایک ماہ گزر گیا تھا وہ میرے پاس نہ بیٹھے تھے اور نہ اس سے پہلے کوئی وحی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے بارے میں آئی تھی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''کیا حال ہے؟'' میری والدہ نے کہا ''تپ ولرزہ ہے'' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نشست کی حالت میں کلمہ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میرے حضور تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں پہنچی ہیں لہٰذا اگر تم بری و پاک ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری پاکی بیان فرمائے گا اور تمہاری برات کی خبر نازل فرمائے گا۔اگر تم کسی گناہ میں اتر چکی ہو اور کوئی چیز تم سے صادر ہوگئی ہے تو خدا سے استغفار کرو اور اس سے توبہ ورجوع کرو۔ بلاشبہ جب بندہ گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے تو وہ یقیناً اسے بخش دیتا ہے۔'' اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو ختم فرمائی تو میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں ایک قطرہ تک نظر نہ آتا تھا۔یہ اس خوشی کی بنا پر تھا جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے بشارت پائی تھی۔

میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے۔والد محترم نے فرمایا میں ہمت نہیں پاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کروں۔اس کے بعد میں نے اپنی والدہ سے کہا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے آپ جواب دیجئے۔انہوں نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح عرض کروں۔اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں خوردسال لڑکی ہوں میں نے قرآن کریم زیادہ نہیں پڑھا ہے بلاشبہ خدا کی قسم! اس سلسلہ میں جتنا کچھ آپ نے سنا ہے اور جتنا کچھ آپ کے دل میں جاگزیں ہوا ہے اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے اب اگر میں آپ سے عرض کروں کہ میں اس سے پاک ومنزہ ہوں تو آپ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور میری بات کا یقین نہ فرمائیں گے۔اگر میں اس بات کا اعتراف کروں جس کے بارے میں خدا خوب جانتا ہے کہ میں پاک ہوں تو آپ اس کی تصدیق کریں گے لہٰذا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں اپنے بارے میں اور آپ کے بارے میں کوئی مثال نہیں پاتی۔بجز اس مثل وکہاوت کے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے فرمائی ہے کہ انہوں نے فرمایا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَّاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ. (اب صبر جمیل ہی ہے اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے اس پر جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو انتہائی حزن وملال کی حالت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام حافظہ میں نہ آیا۔ایک روایت میں ہے اس وقت منہ سے بجائے حضرت یعقوب کے یوسف علیہ السلام کا نام نکل گیا اور کہا کہ حضرت یوسف نے کہا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ یہ انتہائی حزن واضطراب کی غمازی کرتا ہے کہ پدر یوسف علیہ السلام بھی نہ کہا۔بعض نسخوں میں ہے کہ انہوں نے کہا حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد نے فرمایا لیکن بخاری کی بعض روایتوں میں یعقوب بھی آیا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے ممکن ہے کہ راوی نے اپنی طرف سے درستگی کی ہو۔(واللہ اعلم)

بہر حال سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اتنا عرض کرنے کے بعد اپنے رخ کو پھیر لیا۔ میں نے خدا پر توکل کر لیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں۔ میں جانتی تھی کہ حق تعالیٰ میری پاکی بیان فرمائے گا اور میری پاکی کی خبر دے گا لیکن خدا کی قسم میرا یہ خیال تک نہ تھا کہ میرے بارے میں وحی آئے گی اور اسے پڑھا جائے گا۔ کیونکہ اپنے وجود میں میری شان بہت کم تر ہے کہ خاص میرے بارے میں حق تعالیٰ کلام فرمائے۔ البتہ میں اتنی ضرور امید رکھتی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسا خواب ضرور دکھائے گا جس سے میری پاکی آپ پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس کے بعد خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس مجلس میں میرے پاس سے اٹھے بھی نہ تھے اور میرے گھر والوں میں سے ہی کوئی اٹھ کر باہر گیا تھا کہ یکا یک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی آثار نمودار ہوئے اور آپ اس شدید کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ جو نزولِ وحی کے وقت آپ پر طاری ہو جاتی تھی یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک سے موتیوں کی مانند پسینہ نمودار ہو جاتا تھا اور یہ اس گرانی و بوجھ کی وجہ سے ہوتا تھا جو کلام آپ پر اترتا تھا۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت سے باہر آئے اور اپنی حالت میں آ گئے اس وقت آپ کا حال مبارک یہ تھا کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔ سب سے پہلی بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یہ تھی کہ ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! حق تعالیٰ نے بری قرار دے کر تمہیں پاک گردانا ہے اس تہمت سے تمہاری پاکی بیان فرمائی ہے اور تمہاری شان میں قرآن بھیجا ہے۔'' اس کے بعد مجھ سے میری والدہ نے کہا ''اٹھو اور حضور کے پاس جاؤ میں نے عرض کیا ''خدا کی قسم! میں آپ کی طرف نہیں جاؤں گی۔'' بعض روایتوں میں آیا ہے کہ میرے والد نے فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو'' میں نے کہا میں شکر نہیں کروں گی۔ شکر صرف اپنے رب کا ادا کروں گی جس نے مجھے پاک قرار دیا اور میرے حق میں قرآن اتارا۔'' یہ حال کی مستی اور ازخود رفتگی تھی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس وقت طاری تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں نے اپنا ہاتھ آپ کے دست مبارک سے کھینچ لیا۔

الحمد للہ کہ منافقوں اور دروغ گویوں کا منہ کالا ہوا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا جو اس وقت نازل ہوا تھا اور کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

بیشک جنہوں نے بہتان اٹھایا وہ تم میں سے عصبہ ہیں اسے اپنے لیے برا خیال نہ کرو بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

اس کے بعد آپ نے سورہ نور کی دس آیتوں تک تلاوت فرمائی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش و خرم مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کو جمع فرما کر خطبہ دیا۔ اس کے بعد نازل شدہ آیتوں کو صحابہ کے سامنے پڑھا۔

مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم برات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نازل شدہ آیتوں کو پڑھ چکے تو تہمت لگانے والوں کو طلب فرمایا اور ان پر حد قذف جاری فرمائی اور ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگوائے اور یہ چار آدمی تھے۔ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت' مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ' حمنہ رضی اللہ عنہ بنت جحش اور عبداللہ بن ابی۔ بعض روایتوں میں عبداللہ بن ابی منافق پر اجراء حد کا ذکر نہیں کیا گیا (واللہ اعلم)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم رضی اللہ عنہ نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے میرے حال کے بارے میں دریافت کیا اور فرمایا ان کو تم کیسا جانتی ہو' یا تم کس طرح دیکھتی ہو ان کو۔'' ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کان اور آنکھ کی اس سے حفاظت کرتی ہوں کہ میں ان کے بارے میں کچھ سنوں حالانکہ میں نے کچھ سنا نہ ہو اور دیکھوں حالانکہ میں نے دیکھا نہ ہو۔ خدا کی قسم! میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی بجز خیر و خوبی کے'' سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ وہی زینب رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور کی ازواج مطہرات کے درمیان مجھ سے برابری کرتیں اور خود کو

میرے حسن و جمال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری قدرومنزلت میں مشابہ بنادیتی تھیں۔مگر حق تعالیٰ نے ان کے اپنے ورع وتقویٰ کی بنا پر ان کو محفوظ رکھا کہ وہ رشک وحسد کریں اور بری بات منہ سے نکالیں۔سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''لیکن ان کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہ بنت جحش ان سے لڑتی تھی کہ وہ اس بارے میں کیوں کچھ نہیں کہتیں۔تو وہ ہلاکت میں پڑی اور ان لوگوں میں شامل ہوگئیں جو ہلاکت میں پڑے۔راوی حدیث عروہ بیان کرتے ہیں کہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''لیکن وہ شخص جس کے بارے میں ایسی ناگفتہ بہ باتیں کہی گئیں یعنی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ وہ فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے کسی عورت کا پردہ نہیں اٹھایا۔مطلب یہ کہ میں نے کسی بھی عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا' قسطلانی شارع صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ نامرد تھے' ان کا آلہ تناسل ناکارہ تھا اور وہ ریشہ اور کپڑے کی دھجی کی مانند تھا۔

عروہ سے مروی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو برا کہتا تھا۔عروہ کہتے ہیں کہ میں نے بھی حسان رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے مذمت کی۔اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''اسے برا نہ کہو کیونکہ وہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں مشرکوں کی ہجو اور مذمت کر کے مخاصمت و مفاخرت کرتا ہے۔''

بندہ مسکین عفا اللہ عنہ یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ پر حیرت وتعجب ہے کہ باوجودیکہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ. مَا دَامَ يُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (بے شک حسان کی روح القدس سے تائید فرماتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافحت ومخاصمت کرتا رہتا ہے) پھر بھی وہ اس خطرناک جان لیوا بھنور میں پھنس گئے' نفس وہوا اور شیطان کے پھندے میں مبتلا ہوگئے۔اور حدیث میں بھی ان کی روح القدس سے تائید پانا منافحت کی حالت کے ساتھ مشروط ہے۔تمام احوال کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ظاہر ہے کہ شاعرپنے نے ان کو اس شناعت اور بلا میں مبتلا کیا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح وستائش شروع کردی تاکہ گزشتہ غلطیوں کی تلافی ہوجائے لیکن اس غلطی وقصور کی کس طرح تلافی ممکن ہے جو حد سے بڑھ جائے البتہ توبہ وندامت باقی ہے۔

مسروق جو کہ اکابر تابعین میں سے ہیں اور سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے راویوں میں سے ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں ایک شعر یہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا' عفیفہ پاک دامن' صاحب منزلۃ اور عقل وفراست ہیں جن کو کسی شک وشبہ سے متہم قرار نہیں دیا جاسکتا اور وہ بھوکی صبح کرتی ہیں ان عورتوں کے گوشت سے جو غافل ہیں۔'' یہ اس طرح اشارہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرنی چاہئے۔اس لیے کہ بحکم قرآن' غیبت کرنا مسلمان بھائیوں کے گوشت کو کھانا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا. کیا تم میں سے کوئی اسے پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔اس پر سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لٰكِنَّكَ لَسْتَ كَذٰلِكَ. لیکن اے حسان رضی اللہ عنہ تم غیبت کرنے والے کی مانند نہیں ہو۔مطلب یہ کہ تم نے جیسی غیبت کی ہے اس کی مانند کوئی غیبت گری نہ ہوگی۔سروق بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا پھر آپ کیوں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنی بارگاہ میں آنے دیتی ہیں؟ حالانکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''اندھا ہوجانے سے زیادہ سخت کون سا عذاب

ہے۔'' حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس قضیہ کے بعد نابینا ہو گئے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے حق کو نہ دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافحت اور مہاجات کرتے تھے۔'' اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی کیا شان حق شناسی اور حسن خلق ہے۔

اب رہے مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ اور ان کی صغر سنی میں ہی ان کے والد وفات پا گئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو محتاجی اور قرابت داری کی وجہ سے پال رکھا تھا۔ وہ ان کی غمخواری کرتے اور کھانے پہننے کی دیکھ بھال رکھتے تھے۔ جب انہوں نے افک کے قضیہ میں ابن ابی منافق کی موافقت کی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بحکم بشریت قسم کھائی کہ آئندہ کبھی مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کروں گا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ. یعنی دین میں صاحبان فضیلت اور مال کی فراخی میں صاحبان وسعت قسم نہ کھائیں کہ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى. اپنے خویشوں کو نفقہ نہ دیں گے۔

مطلب یہ کہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ اپنے اقارب' مسکینوں' مفلسوں محتاجوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نفقہ نہیں دیں گے۔ مسطح رضی اللہ عنہ بھی خویش' مسکین اور مہاجر ہے۔ ولیعفوا والیصفحوا. چاہئے کہ درگزر اور عفو سے کام لیں اور جو جرم ان سے صادر ہوا اس سے روگردانی کر کے چشم پوشی سے کام لیں۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ. کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخشے لہٰذا تم بھی دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرو۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO اور اللہ باوجود انتقام پر کمال قدرت کے مجرموں کو بخشنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ لہٰذا تم بھی اخلاق الٰہی سے اپنے آپ کو متصف بناؤ کیونکہ اسی میں ایمان کا کمال ہے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ حق ہے ہم اسی کو پسند کرتے ہیں جس کو ہمارا رب پسند کرتا ہے۔'' اس کے بعد مسطح رضی اللہ عنہ کا جو روزینہ مقرر تھا اسے جاری فرما دیا۔ اور فرمایا ''اسے اس سے کبھی نہ روکوں گا۔''

مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا و آخرت کی محبت میں چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو شروع سے ہی ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہیں کوئی ایذا پہنچائے' یہ قسم ان سب سے میں ذلیل تر اور ادنیٰ ترین ہے اور دائرہ اعتبار سے خارج ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بدلے میں ایذا و آزار پہنچاتے ہیں اور شریعت کے فرمان کے مطابق اس کی سزا دیتے ہیں یہ عوام مسلمان ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور انتقام سے کام نہیں لیتے یہ خواص مسلمان ہیں۔ چوتھی قسم میں وہ ہیں جو برائی کے بدلے میں نیکی اور ظلم و جفا کے بدلے میں ایثار و وفا سے کام لیتے ہیں۔ یہ اخص خواص اور صدیقوں کا مقام ہے۔ اس آیہ کریمہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کو تنبیہ و تربیت فرمانا مقصود ہے کہ وہ مقام صدیقیت میں قائم رہیں اور دائرہ کمال سے باہر نہ نکلیں۔ اس تنبیہ کے باوجود یہ بات بھی ہے کہ صاحب صفات حمیدہ اگرچہ ذمایم اور شنائع میں گرفتار ہو گیا ہے وہ پھر بھی رحم و شفقت کے لائق ہے گویا مسطح رضی اللہ عنہ کی ان کی بدریت نے شفاعت کی اور حق تعالیٰ ان کا حامی ہوا کیوں کہ اِنَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. بیشک اللہ بدر والوں کو آگاہ فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ جو چاہو عمل کرو۔ بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے اسی واسطے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ام مسطح رضی اللہ عنہ کو اس وقت منع کیا تھا جب انہوں نے مسطح رضی اللہ عنہ کو برا کہا تھا کہ تم اسے برا کہہ رہی ہو جو بدر میں حاضر ہوا اور اولین مہاجرین میں سے ہے لہٰذا انہیں ان مفہومات کلیہ کے ضمن میں داخل کر کے ان پر رحم و شفقت کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی فضیلت پر استدلال کرتے ہیں جیسا کہ حکیم ثنائی نے کہا ہے۔

بود چنداں کرامت و فضلش ۔۔۔ کہ اولوا لفضل خواند ذوالفضلش

اور اگر فضل کو مال ومنال کی زیادتی پر محمول کریں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں ہے کہ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. وہ زمین میں پھرتے ہیں اور اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہیں۔ اور فضل اس معنی میں قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔ اس کا قول ''وَالسَّعَةُ'' مستدرک قرار پائے گا۔ کمالا یخفی۔

رفع شبہات: (تنبیہ) لوگوں کے ذہنوں میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قضیہ افک میں سہل انگاری سے کام لیا (واللہ اعلم) لیکن بعض کتب سیر میں جس طرح حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سایہ کی حالت سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتسکین مذکور ہے اس طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نعلین شریفین کا قصہ بھی مذکور ہے۔ البتہ ابتدائے قصہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید سے پوچھا تو کہا اللہ تعالیٰ نے آپ پر کام تنگ نہیں فرمایا ہے اور ان کے سوا بہت سی عورتیں ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگی' حرج' حیرت' پریشانی اور تنگدلی لاحق ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس غم واندوہ کو رفع کرنے کیلئے بعد کو وہ راہ اختیار فرمائی۔ ان کا یہ طریقہ اخوت' محبت اور خیر خواہی میں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو محبت وخیر خواہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ ہوگی۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت سے ایسی بات کہی لیکن تعجب ہے جو علاقہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ حضرت امیر نے اس کا لحاظ و پاس نہ فرمایا اور اس طرف توجہ نہ کی۔ ''لا واللہ'' فرمایا جیسا کہ عرب کی بول چال ہے اور کہا کہ بریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیجئے' وہ دن رات ان کی خدمت میں رہتی ہے وہ ان کے احوال کی خبر رکھتی ہوں گی۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کا ارادہ فرمایا تو تمام صحابی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خیر وخوبی میں متفق ہو گئے۔ اس جگہ اخبار واحادیث بھی بکثرت موجود ہیں مگر کتب صحاح میں جو کچھ مذکور ہے۔ میں نے اسے نقل کیا ہے اور ہم پر بجز نقل کے کچھ لازم نہیں ہے۔ ''والعہدة علی الراوی'' ساری ذمہ داری روایت کرنے والوں پر ہے۔ ہم بصفائے مودت وخلوص محبت' باعتبار نسبت' بہر دو جانب موصوف ہیں (واللہ الحمد) صحیح بخاری زہری سے روایت کرتے ہیں اور اس بات میں اصل زہری کی حدیث ہے۔ ''کتاب صغیر'' کا اتباع کرنے والے ہیں اور وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اکابر تابعین میں سے ہیں۔ تمام حدیثوں کو روایت کر کے اور ان سب کو جمع کر کے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جو مذکور ہوئی۔ ایک اور بھی ہے جو زہری سے روایت کی گئی ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے پوچھا کہ کیا تمہیں ایسی کوئی روایت پہنچی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں داخل ہیں جنہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے؟ میں نے کہا ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی اور وہ ان میں داخل نہیں ہیں لیکن مجھے تمہاری قوم یعنی قریش کے دو شخصوں نے خبر دی ہے۔ ایک ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف' دوسرے ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام ہیں۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن خود مشہور تابعی' ائمہ وعلما' ذی شان میں سے ہیں اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن بھی علما وفقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں نے مجھے بتایا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہم سے فرمایا کہ ''علی رضی اللہ عنہ میری شان میں مسلم رہے یعنی ساکت وخاموش رہے۔'' (مسلم بکسر لام مشددہ ماخوذ از تسلیم بمعنی ساکت ہے) اور ابوذر نے جو بخاری کے راویوں میں سے ایک راوی ہے اس نے فتح لام کے ساتھ روایت کیا ہے جو سلامت سے ہے۔ مطلب یہ کہ اس قضیہ میں غور وفکر کرنے اور اس میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ بخاری کی ایک اور روایت میں اتنے لفظ اور زیادہ ہیں کہ فَرَجَعُوْهُ فَلَمْ يَرْجِعْ. اس کے بعد لوگوں نے ان کی طرف اس مسئلہ میں رجوع کیا تو وہ اپنے ایک حرف سے رجوع نہ ہوئے۔ یعنی لفظ مسلم کے بغیر کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ روایت میں اسی طرح ''مسلم'' مروی ہے۔ بلاشبہ زہری کا مقصود اپنی روایت کی تقویت و

تائید ہے یا بعض ان روایتوں سے احتراز ہے جس میں مسیاءً 'بجائے مسلماً'' کے مروی ہے اور علماء فرماتے ہیں بخاری کے پرانے اور قدیمی نسخے میں لفظ مسباءً پایا گیا ہے۔

''مسیئا'' پایا گیا ہے۔(واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

اس جگہ ایک اور حدیث ہے اور وہ بھی بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن شریف بھاری ہوا اور درد و تکلیف نے شدت اختیار کی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے باریاں موقوف کرنے کی اجازت چاہی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تیمارداری کرا سکیں۔ اس پر تمام ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دیدی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ اپنے شانہ اقدس سے مسجد شریف کی جانب اس طرح تشریف لے جاتے کہ آپ دو شخصوں کے درمیان سہارا لیے ہوئے ہوتے اور آپ دونوں پر اپنا بوجھ دیئے ہوئے ہوتے اور آپ کے دونوں پائے اقدس زمین میں لے کر کھینچتے جاتے۔ یہ انتہائی ضعف و نقاہت کی وجہ سے تھا۔ ان دو شخصوں میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہوتے اور دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے۔ اس حدیث کے راوی عبید اللہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا۔ میں نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون ہے؟ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا نام نہیں لیا۔ عبید اللہ کہتے ہیں میں نے کہا میں نہیں پہچانتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہیں۔ اب شراح حدیث' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہ لینے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کا یہ وہم ہے کہ یہ اس نزاع کی وجہ سے ہے جو ان کے مابین تھے۔ اس وجہ سے ان کا نام نہ لیا حالانکہ حق و صواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ ایک جانب تو متعین تھا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب متعین نہ تھا کبھی کوئی ہوتا اور کبھی کوئی۔ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے' کبھی حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس ہوتے' کبھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہوتے اور یہ سب اہل بیت نبوت میں سے ہیں اس بنا پر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام متعین و مشخص کر کے نہ لیا۔ (واللہ اعلم)

غزوۂ خندق

ہجرت کے اسی پانچویں سال کے واقعات میں سے غزوۂ خندق کا واقعہ ہے۔ اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس غزوۂ میں مدینہ طیبہ کے گرد خندقیں کھودی گئی تھیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے قاموس میں ہے کہ خندق' کندہ کا معرب ہے اور غزوۂ احزاب اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ قریش کے ساتھ دشمنی کی بنا پر یہود کے متعدد قبائل اور ان کے گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ و قتال میں مجتمع ہوئے تھے۔ وہ سب متفق ہو کر آئے تھے۔ خندق بنانا عرب کی عادت نہ تھی لیکن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فارس والوں کو جب دشمن گھیرتے ہیں تو خندق کھودتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرمایا اور سلع کی جانب خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ بذات شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مصروف عمل ہوئے حالانکہ بھوک کی وجہ سے شکم اطہر پر پتھر باندھے ہوئے تھے جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔ یہ بات طعام کے ضمن میں عادت شریفہ کے باب میں گزر چکی ہے۔ اس وجہ سے صحابہ میں ذوق و شوق پیدا ہوتا تھا بلاشبہ حق تعالیٰ نے سورہ احزاب میں ابتدائی آیتیں اس باب میں نازل فرمائی ہیں۔ اس غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں ارباب سیر اختلاف کرتے ہیں

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ اس کا وقوع سال چہارم کے ماہ شوال میں ہوا۔ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ سال پنجم میں ہوا۔ دیگر اہل مغازی نے بھی اسی پر جزم کیا اور بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کے قول کی جانب میلان کیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روز احد عرض کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احد میں غزوۂ کی شرکت کی اجازت دیجئے اس وقت ان کی عمر چودہ برس کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جہاد کی اجازت نہ دی۔

اور روزِ خندق ان کو جہاد کی اجازت دے دی کہ وہ پندرہ سال کے ہو گئے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ غزوۂ اُحد اور خندق کے درمیان ایک سال سے زیادہ کا زمانہ نہ تھا۔ اور اُحد تیسرے سال میں واقع ہوا تھا۔ اس لئے خندق چوتھے سال میں ہوگا۔ ان کی یہ حجت مکمل نہیں ہے ویسے یہ ثابت شدہ ہے کہ غزوۂ خندق سال پنجم میں ہوا' ممکن ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے غزوۂ اُحد کے وقت چودھویں سال میں قدم رکھا ہو اور احزاب میں پندرہ سال مکمل کر چکے ہوں۔ بیہقی نے یہی جواب دیا ہے اور شیخ ولی الدین عراقی کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ غزوہ چوتھے سال میں ہوا۔ ہم نے چونکہ روضۃ الاحباب کی روش پر سنوات کو قائم رکھا ہے اور انہوں نے پانچواں سال لکھا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی یہی لکھا ہے۔

اس غزوۂ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے یہودیوں کی جماعت کو جلاوطن کر دیا تھا اور وہ مختلف شہروں میں جا بسے تھے۔ ان کی ایک ٹولی جو خیبر میں جا بسی تھی وہ مکہ پہنچی اور قریش سے کہنے لگی۔ ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور ان کی قوت شکنی میں عہد و پیمان کریں۔ ابوسفیان نے کہا مرحبا بکم و اھلا۔ ہمارے نزدیک اس سے بہتر کیا بات ہوگی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و دشمنی پر ہماری مدد کی جائے۔ اس کے بعد کعبہ کے پردوں کے قریب آئے اور عہد باندھا۔ ابوسفیان کہنے لگا ''اے گروہ یہود! تم اہل کتاب میں ہو اور علماء و احبار میں سے ہو۔ بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد کا دین ہم وہ لوگ ہیں جو خانہ کعبہ کی تعمیر میں کوشش کرتے' بڑے بڑے کوہان والے اونٹوں کو ذبح کرتے اور بیت اللہ کے حاجیوں کو کھانا پانی اور دودھ دیتے ہیں۔ بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو ہمارے باپ دادا کی رسم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا دین ظاہر کیا ہے اور نئی باتیں پیدا کی ہیں۔ بتاؤ ہم راہ راست پر ہیں یا وہ۔ یہود جو دین و دنیا دونوں کو بیچ ڈالنے والے ہیں کہنے لگے۔ ''تم بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ راہ راست پر ہو'' اس وقت یہ آیت اتری:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا۝

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا وہ ایمان لائے بتوں پر اور شیطان پر اور کہنے لگے ان سے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ ایمان داروں سے زیادہ سیدھا راستہ ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو اس کا ہرگز کوئی مددگار نہیں۔

جب یہود کا قریش کے ساتھ عہد استوار ہو گیا' قول و قرار ہو چکے اور وہ ان کی طرف مجتمع ہو گئے تو مکہ سے یہود باہر نکلے۔ قبیلا ورہ غطفان کی طرف چل دیئے جو قیس کا قبیلہ ہے ان کو بھی برانگیختہ کیا اور معاہدہ کیا کہ ایک سال کی خیبر کی کھجوریں ان کو دیں گے۔ اس کے بعد لشکر قریش باہر نکلا' ان کا سردار ابوسفیان بن حرب تھا۔ اس کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ یہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مرالظہر ان میں قبائل عرب' اسلم' اشجع' ابومرہ' کنانہ' فرازہ اور غطفان بڑی تعداد کے ساتھ آکے مل گئے۔ ان سب کی مجموعی تعداد دس ہزار کی ہو گئی۔ ان کے برعکس مسلمانوں کی لشکر کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں چھتیس گھوڑے تھے اس سبب سے اس غزوہ کو

غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ میں یہ خبر پہنچی تو مہاجرین وانصار کو طلب فرمایا اور احزاب کے بارے میں مشورہ کیا۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر خندق کھودنے پر اتفاق ہوا۔ اس کے بعد آپ ان مقامات پر پہنچے جہاں خندقیں کھودنے کی ضرورت تھی چونکہ مدینہ منورہ کے بعض گوشے عمارتوں اور بازاروں سے مسدود و محفوظ تھے لہٰذا ان مقامات کو جو کوہ سلع کی طرف جانب شرق کھلا میدان تھا خندقیں کھودنے کیلئے اختیار کیا گیا اور لشکر کوہ سلع کے دامن میں ٹھہر گیا اور سرخ چمڑے کا خیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نصب کیا گیا۔ سب سے پہلے خندقوں کیلئے نشانات لگائے گئے اور ہر دس آدمیوں کیلئے چالیس گز تقسیم فرمائے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر دس آدمیوں کیلئے دس گز حصہ میں آئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روزانہ پانچ گز کھودتے تھے اور اس کی گہرائی بھی پانچ گز ہوتی تھی۔ مہاجرین وانصار حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نزع کرنے لگے۔ ہر ایک یہی چاہتا کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ شامل ہو کے کام کریں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ. سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قیس بن صعصعہ ایک شخص تھا جو بدنظری میں مشہور تھا اور اس کی بدنظر لوگوں کو لگتی تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس نے نظر لگائی تو حضرت سلمان بحکم "العین حق" بدنظری حق ہے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ قیس بن صعصعہ کو وضو کرانا چاہئے اور وضو کے پانی کو ایک برتن میں جمع کر کے اس آب وضو کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر بہائیں اور برتن کو ان کی پشت کی طرف سے ٹیڑھا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ ایسا ہی واقعہ ایک اور موقع پر کسی دوسری جگہ بھی واقع ہوا ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ بن ربیعہ نے سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا تو عامر کی نظر سہل رضی اللہ عنہ کو لگ گئی۔ انہوں نے کہا میں نے ایسا نرم نازک وحسین وجمیل جسم والا شخص نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ پردہ نشین عورت ہی ہو۔ عامر رضی اللہ عنہ کا اتنی بات کہنا تھا کہ سہل رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دیتے ہوئے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف زمین پر گر پڑے ہیں اور وہ سر نہیں اٹھا سکتے۔ فرمایا کسی نے ان کے بارے میں کچھ کہا ہے جس کی وجہ سے یہ ہوا۔ لوگوں نے کہا ہاں عامر رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا تھا جس سے سہل رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد حضور رضی اللہ عنہ نے ان کا علاج اس طرح بتایا کہ عامر رضی اللہ عنہ کو غسل کراؤ، وہ منہ دھوئے، دونوں ہاتھ، دونوں کہنیاں، دونوں رانیں، دونوں پاؤں، اس کی انگلیاں اور زیر تہبند کو دھوئیں۔ پھر اس غسالہ کو سہل رضی اللہ عنہ پر بہایا جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ القصہ صحابہ کرام خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ کھدائی کا سامان مثلاً کدال، پھاوڑہ، چھینی اور ہتھوڑہ وغیرہ بنوقریظہ کے یہودیوں سے عاریۃً لیا تھا۔ بنوقریظہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت صلح سے رہتے تھے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم تھے۔ قریش کا مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنا انہیں ناگوار تھا۔ ہوا اس وقت بہت ٹھنڈی چل رہی تھی، صحابہ پر بھوک کا غلبہ تھا بایں ہمہ کھودنے میں مشغول تھے اور کندھوں پر اور سروں پر مٹی ڈھوتے تھے۔ ان کے پاس غلام نہ تھے کہ وہ کام کرتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ محنت ومشقت اور کھدائی میں رنج وتعب اور بھوک کی نقاہت کو ملاحظہ فرماتے تو آواز بلند فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةَ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةَ.

ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ قول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو فضلائے صحابہ اور ان کے شعراء میں سے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شعر کو قبول فرما کر پڑھا۔ اسی طرح صحابہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم آواز ہو کر کہتے نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعْنَا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا. یعنی ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ قائم

رہیں گے۔بعض روایتوں میں آخر میں اتنا زیادہ مروی ہے کہ:

وَالْعَنْ عَضْلاً وَاَنْصَارَهٗ هُمْ كَلَّفُوْنَا ثِقْلَ الْحِجَارَةِ

اے خدا عضل وقارہ اوراس کے مددگاروں پرلعنت کرکہ انہوں نے ہمیں پتھروں کے بوجھ کی تکلیف دی ہے۔

صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب روز احزاب ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کو کھودا تو لوگوں نے دیکھا کہ خندق کی مٹی کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بطن اقدس کی تابانی کو مٹی نے ڈھانپ لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الشعر تھے اس وقت آپ کے یہ اشعار لوگوں نے سنے جو ابن رواحہ کے کلمات ہیں۔آپ فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلاَ اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلاَ تَصَدَّقْنَا وَلاَ صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لاَّقَيْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰى بَغَوْا عَلَيْنَا اِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

اور ''ابینا ابینا'' کے کلمہ کو بلند آواز سے فرماتے۔مطلب یہ کہ ''اے خدا! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔نہ ہم تصدیق لاتے اور نہ نماز پڑھتے۔تو ہم پر سکینہ نازل فرما اور دشمنوں سے جنگ کرتے وقت قوموں کو برقرار رکھ۔بے شک پہلے گروہ نے ہم پر چڑھائی کی۔اگر وہ فتنہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔''

یہ جو حدیث میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الشعر تھے قسطلانی کہتے ہیں یہ سینہ مبارک کے موئے شریف تھے۔کہا کہ یہ اس کے معارض ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ كَانَ دَقِيْقُ الْمَسْرُبَةِ یعنی سینہ اطہر میں مجتمع بالوں کی ایک لکیر تھی تو ان کا دقیق ہونا کثرت کے منافی نہیں ہے مطلب یہ کہ منتشر نہ تھے بلکہ مستطیل تھے۔

روز خندق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بیشمار نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہوئیں چنانچہ ان میں سے ایک وہ ہے جسے صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ہم خندق کھودنے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بڑا پتھر بہت سخت نکل آیا جس پر چھینی اور ہتھوڑا کچھ اثر نہ کرتا تھا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ پہنچے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پتھر کی چٹان نکل آئی ہے جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کے شکم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔اور ہم نے بھی کافی وقفہ سے کوئی چیز چکھی تک نہ تھی حضور نے ہتھوڑا لے کر اس چٹان پر مارا تو وہ ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہو گیا۔یہ روایت بخاری کی ہے۔مسند احمد نسائی میں باسناد حسن براء رضی اللہ عنہ سے اس سے زیادہ روایت کی گئی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم فرمایا تو ہمارے سامنے پتھر کی ایک چٹان ایسی برآمد ہوئی جس پر ہتھوڑا چھینی کچھ اثر نہ کرتے تھے۔اس کیلئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ تشریف لائے اور ہتھوڑا لے کر بسم اللہ کہہ کے اس پر ایک ضرب لگائی تو وہ ایک تہائی ریزہ ریزہ ہو کے بکھر گیا۔اور فرمایا: اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔خدا کی قسم! بلاشبہ میں نے شام کے سرخ محلات کو اس ضرب سے دیکھا لیا ہے۔اس کے بعد دوسری ضرب لگائی اور دوسری تہائی کو توڑ دیا اور فرمایا ''اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں خدا کی قسم! میں نے مداین کے سفید کنگرے اس گھڑی دیکھے ہیں۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مداین کے کنگروں کی نشانیاں بیان فرمائیں۔اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا'' قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بلاشبہ وہ کنگرے ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے بیان فرمائے ہیں۔مداین فارس کا ایک شہر ہے جسے نوشیرواں نے آباد کیا ہے اس کے بعد تیسری ضرب لگائی تو بقیہ پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو گیا۔فرمایا'' اللہ

اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں خدا کی قسم میں صنعا کے دروازوں کو یہاں سے جہاں اس وقت کھڑا ہوں دیکھ رہا ہوں' ان معجزات میں سے جو ان دنوں رونما ہوئے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر کھانے میں زیادتی فرمانا ہے جس کا ذکر باب معجزات میں گزر چکا ہے۔

ایک معجزہ یہ ہے کہ ایک لڑکی ہاتھ میں کچھ کھجوریں لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا تھوڑی سی کھجوریں ہیں جسے میری ماں نے میرے باپ کے ناشتہ کیلئے بھیجا ہے۔ فرمایا ان کھجوروں کو سامنے لاؤ۔ اس نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دست مبارک میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک کپڑا منگایا اور یہ کھجوریں اس میں ڈال دیں۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ تمام اہل خندق کو آواز دو۔ اس کے بعد تمام اہل خندق حاضر ہوئے اور ان سب نے خوب دل بھر کے کھایا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ خندق کا کام بیس روز تک جاری رہا۔ واقدی کہتے ہیں کہ چوبیس روز تک رہا۔ امام نووی نے روضہ میں پندرہ دن فرمائے ہیں۔ بعض روایتوں کے مطابق کامل ایک مہینہ تک کھدائی ہوتی رہی ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ چھ دن میں کام مکمل ہو گیا تھا۔

خندق کی کھدائی سے فارغ ہو چکے تب لشکر کفار نمودار ہوا' وہ قبائل جو ان کی حمایت اور موافقت میں تھے وہاں آن اترے۔ یہ دس ہزار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ سلع کے دامن میں تین ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ قیام فرمایا۔ لشکر اسلام اور لشکر کفار کے درمیان خندق حائل تھی اس کے بعد دشمن خدا' حی بن اخطب' ابوسفیان کے کہنے سے اور اپنی اس ذاتی عداوت سے جو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اور اس عداوت سے جو بنی نضیر کی جلاوطنی سے اسے حاصل ہوئی تھی۔ کعب کے پاس آیا جو بنوقریظہ کی طرف سے صاحب عہد و پیمان تھا۔ اسے قریش کی طرف بلایا چونکہ بنی قریظہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد کے پابند تھے۔ انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور اس پر دروازہ بند کر دیا۔ کعب نے حی کو گالی دے کر کہا او بدبخت ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر رکھا ہے ہم اس عہد کو توڑ نہیں سکتے۔ اس نے پھر دروازہ کھولنے پر اصرار کیا اور حیلے بہانے بنائے۔ کعب پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا ''شاید تو اس ڈر سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں میری ضیافت نہ کرنی پڑے۔'' چونکہ عرب کے درمیان' بخل و خست سے زیادہ شنیع کوئی اور خصلت نہ تھی۔ کعب پر یہ بات بہت دشوار و گراں گزری۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہر چند حیئ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور عہد شکنی پر ابھارتا مگر وہ نہ مانا اور انکار کر دیا لیکن حیئ بھی حیلہ گری میں آدھا شیطان تھا مکر و فریب میں پھانس کر اپنا مدعا نکالیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ بنی قریظہ کی خبر لائیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کو ان کے ساتھ بھیجا تا کہ بنوقریظہ کو پند و نصیحت کر کے خلاف ورزی اور عہد شکنی سے باز رکھیں۔ لیکن انہوں نے ان سب کو خبیث ترین' بدترین حالت اور افعال میں مبتلا پایا۔

جب قریش اور قبائل عرب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور مسلمانوں کے استحصال پر اٹھ کھڑے ہوئے اور بنوقریظہ کے نقض عہد کی خبر نے اس میں اور شدت پیدا کر دی۔ مسلمانوں کو شدید خوف لاحق ہو گیا اور وہ بلائے عظیم میں مبتلا ہو گئے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. لیکن کمزور دل مسلمانوں کی حالت' خوف اور کفار کی شوکت سے قابو سے باہر ہو گئی اور انتہائی رعب و خوف سے ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ	یاد کرو جب تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے کفار امنڈ کر آئے اور تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور تمہارے دل خنجروں میں

بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْدًا○ اٹک گئے اور اللہ کے ساتھ قسم قسم کا گمان کیا۔ اس جگہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو خوب شدت کے ساتھ جھنجھوڑا گیا......

منافقین اور ضعیف الایمان لوگ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعدہ دیتے تھے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لاچار و مجبور ہو کے رہ گئے ہیں۔ اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا یاد کرو جب منافقوں نے ضعیف الاعتقاد لوگوں سے کہا اللہ اور اس کے رسول نے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکہ کا۔

ان میں سے کچھ لوگوں نے اجازت چاہی اور بہانے تراشے کہ ہمارے گھر خالی ہیں اور کوئی ان کی محافظت کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ط وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا○ یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ نہیں لوٹ چلو اور ان میں سے ایک فریق نے نبی سے اجازت مانگی کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں' نہیں چاہتے مگر وہ فرار ہونا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو تین سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کے مکانات' قلعوں اور گھروں کی حفاظت کیلئے روانہ کر دیا۔ قریش نے بیس روز یا چوبیس روز یا ستائیس روز تک باختلاف اقوال' مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا' یہاں تک کہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے۔ اس محاصرہ کے دنوں میں روزانہ رات کو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی پاسبانی کرتے تھے۔ مشرکین آتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف رخ کرتے تھے لیکن اتنی طاقت نہ پاتے تھے کہ خندق کو عبور کر سکیں۔

القصہ دونوں لشکروں کے درمیان خوب مقاتلہ و محاربہ واقع ہوا۔ خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس غزوے میں ایسا مقابلہ و مقاتلہ کیا جو عقل و فہم کی حدود سے ماوراء ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ لَمُبَارَ ۃُ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یوم خندق مقابلہ کرنا قیامت تک کی میری امت کے اعمال سے افضل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی اور اپنی وہ تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا ان کو عطا فرمائی۔ جتنی مشقت و محنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو رنج و تعب اس غزوے میں پہنچا کسی غزوے میں نہ پہنچا تھا۔ اگرچہ احد میں بھی شدتیں' تکلیفیں اور مشقتیں تھیں لیکن وہ سب ایک دن کیلئے تھیں۔ اس دن قریش تنہا تھے لیکن روز خندق تو تمام قبائل عرب مجتمع ہو کر اپنے آپ کو ہلاک کرنے اور استحصال کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اس غزوۂ عظیمہ نے واقعات میں سے ایک قصہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے مجروح ہونے کا ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ خندق کے دنوں میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے برابر کفار نے جنگ شروع کر رکھی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے پیادہ' یا سوار کھڑے تھے۔ دو روایتیں ہیں۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں ان دنوں حضرت سعد بن معاذ کی والدہ کے ساتھ مدینہ کے قلعہ میں سے ایک قلعہ میں تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ تنگ و چھوٹی زرہ پہنے ہوئے گزرے۔ یہ زرہ ہاتھ اور پاؤں کیلئے پوری اور کافی نہ تھی کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مرد عظیم اور طویل القامت تھے۔ ام سعد

رضی اللہ عنہا نے کہا اے میرے بیٹے! جلدی جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچو۔ میں نے کہا اے ام سعد رضی اللہ عنہا! اگر وہ اس سے بڑی زرہ پہنتے تو بہتر ہوتا۔ مجھے خوف ہے کہ ان کے ہاتھوں میں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ ام سعد رضی اللہ عنہا نے کہا خدا وہی حکم کرتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ خندق کے کنارے پہنچے تو حبان بن العرق نے لشکر کفار کی صف سے نکل کر ان پر ایک تیر پھینکا اور کہا خُذْوَا اَنَا اِبْنُ الْعَرْقَہ یعنی لو اس تیر کو روکو میں عرقہ کا بیٹا ہوں۔ وہ تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اکحل پر کھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَرَّقَ اللّٰہُ وَجْھَکَ فِی النَّارِ. جہنم کی آگ میں تیرا منہ جھلسے۔ اکحل ایک رگ کا نام ہے جو کہنیوں کے جوڑ میں ہوتی ہے جب وہ کٹ جائے تو آدمی کے جسم کا سارا خون نکل جاتا ہے۔ اس رگ کو ''عرق الحیوٰۃ'' اور ''ہفت اندام'' بھی کہتے ہیں۔ ہر عضو میں اس کی شاخیں ہیں۔ ہاتھ میں اس رگ کا نام اکحل ہے اور پشت میں ابہر اور زان میں زرا (بفتح نون) ''عرق النسا'' جو ایک مرض کا نام ہے اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے اور انہوں نے جانا کہ اس زخم سے میری زندگانی دشوار ہے تو دعا کی اے خدا اگر تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ساتھ اور بھی جنگ لڑنی ہے تو تو مجھے نہ مارتا کہ ان کے ساتھ میں مقابلہ کروں ورنہ اس تیر کو جو مجھے لگا ہے میری شہادت کا ذریعہ بنا۔ لیکن اتنی مہلت دے کہ میں بنو قریظہ کی عہد شکنی کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ اسی وقت ان کے زخم سے خون بہنا موقوف ہو گیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ بنی قریظہ کا انجام اس کے بعد معلوم ہوگا۔ صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی۔ ''اے خدا! تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک کوئی قوم اس قوم سے زیادہ محبوب نہیں ہے جس سے میں جہاد کروں تیرے دین کی خاطر جس قوم نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور ان کو گھر سے نکالا۔ اے خدا! ابھی قریش سے اور لڑنا باقی ہے تو مجھے ان کے لئے باقی رکھ کہ میں ان کے ساتھ جہاد کروں اور اگر جنگ اُٹھالی گئی ہے اور باقی نہیں ہے تو مجھے اس زخم سے مار دے' اس کے بعد زخم کھلا اور خون جاری ہو گیا اور ان کی دعا مستجاب ہوئی۔ (رضی اللہ عنہ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز کفار نے متفق ہو کر خندق کی ہر جانب یکبارگی جنگ شروع کر دی۔ اس دن رات تک جنگ جاری رہی۔ چنانچہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تمام صحابہ سے فوت ہو گئی۔ اس کا وقوع ''صلوٰۃ خوف'' کی مشروعیت سے پہلے ہے، یا یہ سبب نسیان کے ہو۔ مقابلہ بند ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اذان واقامت کہیں اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد ہر نماز کیلئے اقامت کہی اور اسی ترتیب کے ساتھ قضا کو ادا فرمایا اور کافروں پر بددعا کی۔ مَلَاءَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا کَمَا شَغَلُوْنَا. عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی. اللہ ان کافروں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے نماز وسطیٰ سے ہمیں باز رکھا۔'' نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ یہ حدیث اس میں ناطق وصریح ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے اور وہ اختلاف جو صحابہ اور علماء میں صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس کا وقوع بر بنائے اجتہاد ہے جو اس حدیث کے اطلاع پانے سے پہلے ہے لیکن مطلع ہونے کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ آفتاب غروب ہو گیا تھا اور صراحت بھی موجود ہے کہ ''حتیٰ غابت الشمس یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ حَتّٰی احْمَرَتِ الشَّمْسُ وَاصْفَرَّتْ یہاں تک کہ سورج سرخ ہو گیا یا زرد پڑ گیا۔ اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ بَعْدَ مَاکَادَ الشَّمْسُ یَغْرِبُ. اس کے بعد قریب تھا کہ سورج غروب ہو جائے اور ممکن ہی کہ مشغولیت کی بنا پر نماز کا وقت گزر گیا ہو اور بعد مغرب نماز پڑھی ہو۔ جیسا کہ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے فرمایا اور موطا میں ظہر بھی مذکور ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ مشرکوں نے انہیں چار نمازوں کے اوقات میں مشغول رکھا اور نماز عصر کے فوت ہونے کا خصوصیت سے ذکر فرمانا اس کی کثرت فضیلت کی بنا پر ہوگا۔ (واللہ اعلم)

کفار قبیلوں میں تفرقہ واختلاف برپا ہوا اس اختلاف وتفرقہ کا سبب یہ تھا کہ نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود اشجعی غطفانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مومن و مسلمان ہو کر حاضر ہوا ہوں اور کوئی ایک شخص بھی میرے اسلام کی خبر نہیں رکھتا۔ میری خواہش ہے کہ حق خدمت و اعانت' آپ کے صحابہ اور غلاموں کی نسبت کے ساتھ بجا لاؤں اور ان قبیلوں کے درمیان تفرقہ و جدائی اور اختلاف پیدا کروں کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں جو چاہوں کہوں؟'' فرمایا کہو فَاِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ کیوں کہ جنگ ایک داؤ ہے۔ اس کے بعد نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود قریش اور قبائل کے پاس گئے اور ہر ایک سے ایسی باتیں کہیں جن سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ وہ ایک دوسرے سے متنفر اور بیزار ہو گئے ان میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا اور سب کے سب مرکز اتفاق و استقامت سے متزلزل ہو گئے۔ نعیم سب سے پہلے بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہا ''تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ میری دوستی اور محبت کتنی ہے۔ ذرا غور کرو کہ قریش اور غطفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے نکلے ہیں اور تم اس میں ان کی مدد کر رہے ہو اور تم نہیں جانتے کہ یہ کچھ نہ کر سکیں گے لاچار ہو کر اور غم اٹھا کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے حوالے کر جائیں گے تم ان کے ساتھ مقابلہ کی قوت نہیں رکھتے وہ تم سب کو کچل دیں گے۔ اس کے بعد وہ قریش اور غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی اس قسم کی باتیں کیں اور ان کے اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ہے جو لشکر احزاب پر آپ نے فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ وَسَرِيْعَ الْحِسَابِ اِهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اِهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ. اے خدا! تو قرآن کا نازل فرمانے والا ہے اور جلد حساب کرنے والا ہے۔ ان قبیلوں کو شکست دے۔ اے خدا ان کو شکست دے اور ان کو لڑکھڑا دے اور ان پر ہماری مدد فرما۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی جنگ کے آخری تین دنوں میں ظہر و عصر کے درمیان مسجد فتح میں مسلسل دعا مانگی یعنی روز دوشنبہ، سہ شنبہ اور چہار شنبہ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی واقعہ پیش نہ آیا مگر یہ کہ اس گھڑی میں نے دعا کی اور وہ مقبول ہوئی۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ چہار شنبہ کے دن ظہر و عصر کے مابین دعا مانگنا وقت قبولیت دعا ہے اور اس وقت میں دعا مانگنی چاہئے۔ گویا کہ انہوں نے اس وقت کو اس جگہ سے اخذ کیا ہے۔ سیّدنا امام احمد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے روز خندق عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی دعا ہے جسے میں پڑھوں کیونکہ ہمارے دل منہ کو آ رہے ہیں۔ فرمایا یہ پڑھو: اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا. اور ابن ظفر کی کتاب ''ینبوع الحیوٰۃ'' میں ہے کہ حضور نے یہ دعا مانگی:

يَا صَرِيْخَ الْمَكْرُوْبِيْنَ وَيَا مُجِيْبَ الْمُضْطَرِّيْنَ اِكْشِفْ هَمِّيْ وَغَمِّيْ وَكَرْبَتِيْ تَرٰى مَا نَزَلَ بِيْ وَبِاَصْحَابِيْ.

آپ کی دعا مقبول ہوئی اور حق تعالیٰ نے آندھی اور زلزلہ بھیجا جس سے لشکر کفار تلپٹ ہو گیا اور ان کی دیگیں اوندھے منہ گر پڑیں۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے اور حق تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیجی جنہوں نے خیموں کی طنابیں کاٹ دیں اور ان میں آگیں لگا دیں اور ان کے دلوں میں ایسا خوف اور رعب ڈالا جس سے فرار کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھا۔ جس طرح کہ قرآن کریم ان کی حالت کی خبر دے رہا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا. یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جبکہ تمہارے پاس لشکر آیا تو اللہ نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتا تھا اور اللہ دیکھ رہا تھا جو تم کر رہے تھے اور اللہ جنگ میں مسلمانوں کو کافی ہے اور اللہ قوی و غالب ہے۔

اس کے بعد بادصبا نے میخوں کو اکھاڑ دیا اور ان کو گرا دیا' دیگیں زمین پر الٹ گئیں' کفار کے چہرے خاک آلود ہو گئے اور سنگریزوں نے ان پر مار لگائی اور انہوں نے اپنے لشکر کے ہر گوشہ سے تکبیروں کی آوازیں سنیں۔ پھر وہ راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے اور وزنی و بوجھل سامان پھینکتے چلے گئے۔

شیخ عمادالدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کو رحمۃ للعلمین نہ بناتا تو وہ آندھی ان کے اوپر اس بادِ عقیم سے زیادہ سخت ہوتی جو قوم عاد پر بھیجی گئی تھی اور ابن مردویہ اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عجیب نکتہ بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ احزاب والی رات میں بادصبا نے بادشمال سے کہا آؤ ہم دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی مدد کریں۔ بادشمال نے جواب میں بادصبا سے کہا اِنَّ الْحُرَّةَ لَاتَسِيْرُ بِاللَّيْلِ. حرہ یعنی اصیل و آزاد عورت رات کو نہیں چلا کرتی۔ بادصبا نے کہا حق تعالیٰ تجھ پر غضب فرمائے اور اسے عقیم یعنی بانجھ بنا دیا۔ تو جس ہوا نے اس رات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی وہ بادصبا تھی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. میری مدد بادصبا سے کی گئی اور قوم عاد دبور یعنی بادشمال سے ہلاک ہوگئی۔ صبا وہ ہوا ہے جو مطلع ثریا سے اٹھتی اور بنات النعش تک چلتی ہے اور اس کے مقابل دبور اور بادشمالی ہے۔ یہ وہ ہوا ہے جب تم قبلہ رو کھڑے ہو تو تمہارے سامنے آئی ہے اور تمہارے داہنے ہاتھ ہوتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ہوا وہ ہے جو مطلع شمس اور بنات النعش کے درمیان یا مطلع شمس سے نسر طائر کے مسقط تک چلتی ہے اور قریب یہ ہے کہ وہ رات میں چلتی ہے اسے قاموس میں ذکر کیا گیا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن لیمان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس رات جس رات وہ بھاگے ہیں کافروں کے لشکر میں گئے تو دیکھا کہ ایک ہوا کا طوفان ان میں ظاہر ہوا جس سے دیگوں کے سرپوش اڑ گئے اور وہ اندھے گر پڑے ان کے خیمے اکھڑ گئے اور آگ بگولے انہیں ہنکا کر لیے جا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے لشکر کے درمیان دوڑنے کودنے اور پھرنے لگے۔ سنگریزوں کی آوازیں آنے لگیں جو ان پر پڑ رہے تھے۔ ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے خیمہ سے باہر آیا وہ آگ سے تاپ رہا تھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تیر کمان میں رکھا اور چاہا کہ اس پر پھینکیں لیکن چونکہ انہیں حکم رسول تھا کہ کسی پر دست درازی نہ کرنا چنانچہ انہوں نے تیر کو کمان کے چلے سے نکال لیا۔ کاش کہ وہ مار دیتے اور لوگوں کو اس کے شر سے نجات دیتے۔ مگر اس نے آپ ہی چھٹکارا حاصل کیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفار اب دوبارہ ہم پر حملہ کرنے نہیں آئیں گے اب ہم ہی ان پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس غزوہ کے بعد انہیں اتنی فرصت اور طاقت ہی نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے آتے۔ ان کے مقابل لشکر کو لاتے۔ سال آئندہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے حدیبیہ تشریف لے گئے جو فتح مکہ کا پیش خیمہ اور ابتداء تھی۔ تمام فتوحات کا دروازہ تھا کیونکہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (بیشک ہم نے تمہیں واضح فتح دی) کا اسی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں لشکر کفار سے واپس آیا تو راستہ میں بیس سواروں کو دیکھا جو سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تم اپنے آقا کو خبر دیدو کہ حق تعالیٰ نے کفار کے لشکر سے آپ کو رو خلاصی عنایت فرما دی۔ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ میں پہنچا تو آپ نماز میں مشغول تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب آنے کا اشارہ فرمایا۔ میں قریب گیا اور آپ نے مجھے بشارت دی۔ تبسم فرمایا اس طرح کہ آپ کے دندان مبارک کا نور درخشاں ہو گیا۔

الحمد للہ قریش نافرجام کا یہ انجام تھا۔ ابوسفیان ناعاقبت اندیش جو لشکر اس مقصد سے لایا تھا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاذ اللہ

استحصال کر دے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کس طرح استحصال کر سکتا تھا کیونکہ حق تعالیٰ تو آپ کو اور آپ کے اقبال کو بڑھانا چاہتا ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ابوسفیان غزوۂ خندق سے لوٹنے کے بعد اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو مدینہ طیبہ جائے اور گھات میں لگا رہے تاکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا انتقام لے۔ کیونکہ وہ بازاروں میں آتے جاتے اور تبلیغ رسالت' دوست و دشمن سے بے خوف ہو کر کرتے رہتے ہیں۔ اس پر ایک بدوی کھڑا ہوا اس نے کہا اگر'' تو میری تقویت کرے تو میں اس کام کو انجام دوں گا۔ چنانچہ میں ایک تیز و براں خنجر رکھتا ہوں' ایک لحظہ میں ان کا کام تمام کر دوں گا۔ پھر ابوسفیان نے اس کی سواری کیلئے ایک وانٹ دیا اور زادراہ بھی سپرد کیا اور اسے اس راز کو چھپانے کی نصیحت کی۔ وہ مدینہ کی جانب چل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلہ کی مسجد میں تشریف فرما نصیحت میں مشغول تھے۔ وہ بدوی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کہا'' یہ ابن عبدالمطلب ہیں؟'' حضور نے فرمایا'' ہاں میں ابن عبدالمطلب ہوں!'' وہ بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ وہ شخص ہے جو میری ہلاکت کا در پے ہے۔'' فرمایا'' سچ بول! کیونکہ سچائی ہی تجھے چھڑا سکتی ہے'' اس پر اس نے ساری حقیقت حال بیان کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دے کر فرمایا'' جا' جہاں تیرا جی چاہے'' اس بدوی نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. اس کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ! جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرا طائر عقل پرواز کر گیا اور میرا جسم لرزنے اور کانپنے لگا کہ کوئی بھی میرے دلی ارادے سے واقف نہیں تھا۔ بجز میرے اور ابوسفیان کے اور میں نے سمجھ لیا کہ ابوسفیان کی جنگ اور شیطان کی جنگ سے آپ کا محافظ و نگہبان خدا ہے۔ وہ بدوی یہ باتیں کہتا جاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے جاتے تھے (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

غزوۂ بنو قریظہ: اسی سال غزوۂ خندق کے متصل ہی غزوۂ بنو قریظہ واقع ہوا۔ بنی قریظہ کا قبیلہ یہودیوں کا تھا اور یہ قبیلہ بنی نضیر کا ہم پلہ نہبت بڑا قبیلہ تھا۔ بادی النظر میں لوگوں کو ایسا وہم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ اس بنا پر واقع ہوا کہ انہوں نے نقض عہد کیا تھا اور قریش کی حمایت میں کمربستہ ہو کر آ گئے تھے۔ ان میں حی بن اخطب جس نے بنو قریظہ کو نقض عہد پہ آمادہ کیا تھا یہ۔ ان کے ساتھ یہ رہ پڑا تھا۔ انہیں چاہئے تو یہ تھا کہ بانی شر و فساد سے قطع تعلق کر کے نکال باہر کرتے مگر حقیقتاً اس غزوہ کا باعث یہ نہ تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ خندق سے واپسی کے فوراً بعد جبریل علیہ السلام کاشانہ نبوت میں آئے۔ عجلت دکھاتے ہوئے کہا کہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً اور اسی وقت بنی قریظہ پر پہنچنا چاہئے اور انہیں مہلت نہ دینی چاہئے اور یہ کہ میں (جبریل) نے اور میرے ساتھ بہت سے فرشتوں نے ابھی جسموں سے ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ جیسا کہ قصہ کے بیان کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ بھی ہو بلکہ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیروں میں سے ہو تب بھی حقیقت میں یہ حکم الٰہی کے تحت ہوگا۔ یہی تقدیر الٰہی ہے اور تمام غزوات کا یہی حال ہے لیکن اس غزوہ میں جبریل بھی آئے اور حکم الٰہی پہنچایا۔ ایسا حکم جو اس قوم کے قتل سے وابستہ ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے یہ سب باتیں اسی باب سے متعلق ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو اسی روز غزوۂ بنو قریظہ واقع ہوا۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں رونق افروز تھے اور سر و تن مبارک سے گرد و غبار کو جھاڑ کر جسم اقدس سے ہتھیار اتار کر غسل فرما رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سر مبارک کے ایک جانب کو دھو لیا تھا اور دوسری جانب کو ابھی دھویا نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف فرما تھے چونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب غزوہ سے یا کسی سفر سے تشریف لاتے تو پہلے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے گھر آتے اور ان کو بوسہ دیتے۔ اچانک ایک شخص نے گھر کے باہر سے سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لائے' میں بھی ان کے پیچھے دروازہ پر چلی گئی۔ یہ وحیہ رضی اللہ عنہ کلبی

تھے جن کے چہرے پر اور ان کے سامنے کے دانتوں پر غبار جما ہوا تھا اور سفید اونٹ پر سوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک سے ان کے سر سے گرد کو جھاڑا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں کیں۔ جب گھر میں تشریف لائے تو فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے اور انہوں نے مجھے حکم رب پہنچایا ہے کہ میں فوراً بنوقریظہ کی جانب سے متوجہ ہو جاؤں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ سر پر استبرق کا عمامہ باندھے خچر پر سوار جس پر قطیفہ دیبا کی چادر تھی سوار ہو کر آئے تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے۔ مگر ہم نے ابھی تک نہیں اتارے چلیے اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ بنوقریظہ کی صرف چلیں۔ خدا کی قسم میں جا کر ان کے قلعوں میں تہلکہ ڈالتا ہوں اور ان کو پامال کرتا ہوں اور ان میں زلزلہ ڈالتا ہوں جس طرح کہ مرغی کے انڈے کو پتھر پر مارتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں نے کوچہ بنی غنم میں جبریل علیہ السلام کی سواری سے گرد و غبار کو اڑتا ہوا دیکھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں اعلان کر دیں اور کہہ دیں کہ اے خدا کے شہسوار و سوار ہو جاؤ اور ان کو بتا دو کہ جو خدا کے حکم کا فرمانبردار اور ماننے والا ہے اسے چاہیے کہ نماز عصر بنوقریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا اور ان کے ہاتھ میں علم دیا۔ حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو مدینہ میں خلیف بنایا۔ وہ اپنے گھوڑے پر جس کا نام لحیف تھا سوار ہوئے دو گھوڑے کوتل کے ساتھ تھے۔ آپ مسلمانوں کو تیار کر کے تشریف لے چلے۔ آپ کے داہنے ہاتھ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بائیں ہاتھ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آگے آگے مہاجرین و انصار کے اکابر حضرات تھے۔ یہ سب تین ہزار کا لشکر تھا۔ ان میں چھتیس گھوڑے تھے۔ راہ میں بنی نجار کو ملاحظہ فرمایا کہ سوار ہو کر انتظار میں کھڑے ہیں۔ دریافت فرمایا تم سے یہ کس نے کہا کہ ہتھیار پہن کر انتظار میں کھڑے رہنا۔ انہوں نے کہا وجیہ کلبی نے کہا تھا' فرمایا ''وہ جبریل علیہ السلام تھے جو پہلے روانہ ہوئے ہیں۔'' جب عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو بعض صحابہ نے راستہ ہی میں نماز پڑھ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کیا۔ بعض صحابہ نے نماز عصر نہ پڑھی مگر جب بنوقریظہ پہنچ گئے' انہوں نے عشاء کے وقت بعد نماز عشاء ادا کی اور ان کا یہ عمل حکم عمل ظاہر پر عمل کرنے میں تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں نماز عصر نہ پڑھنے کا حکم دیا تھا کہ بنوقریظہ میں پہنچ کر پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کے عمل کو مسلم و برقرار رکھا اور کسی ایک کو زجر و توبیخ نہ فرمائی۔ یہ قضیہ ان مجتہدین کرام کیلئے بھی حجت بنتا ہے جو اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور اہل ظواہر محدثین کی جماعت کیلئے بھی حجت بنتا ہے۔ جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور رائے اور اجتہاد کو داخل نہیں کرتے ہیں۔

نماز عصر کا ذکر بخاری کی روایت میں ہے مسلم کی روایت میں نماز ظہر آیا ہے۔ بخاری و مسلم دونوں ایک شیخ اور ایک سند کے ساتھ متفق و موافق ہیں۔ مسلم کی موافق ابویعلی ابن سعد' اور ابن حبان نے کی ہے۔ ان دونوں روایتوں کی جمع و تطبیق میں بہت سے احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ظہر کا حکم ان لوگوں کیلئے دیا جنہوں نے ابھی ظہر نہ پڑھی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم ظہر وہاں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھو۔ جو حضرات ظہر پڑھ چکے تھے ان سے حکم فرمایا کہ عصر کی نماز بنوقریظہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر نماز پڑھی اور جمع و تطبیق میں بعض یہ کہتے ہیں کہ ظہر کا حکم طاقتور لوگوں کیلئے اور ان کیلئے جو بنی قریظہ کے قریبی منزلوں میں رہتے تھے کہ وہ وہاں پہنچنے سے پہلے ظہر نہ پڑھیں۔ ضعیفوں اور کمزوروں کیلئے حکم فرمایا کہ نماز عصر وہاں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں جیسا کہ امام قسطلانی نے بیان کیا (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی بستی میں شام اور سونے کے وقت کے درمیان پہنچے اور بقول ابن اسحٰق پچیس روز محاصرہ کیا۔ ابن سعد کی روایت میں پندرہ روز ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دن سے رات تک ان پر تیر برساتے تھے۔ کہتے ہیں

کہ ان ایام محاصرہ میں کھانا' کھجوروں کا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ کتنا اچھا کھانا ہے'' جب محاصرہ نے طول کھینچا تو حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب وخوف ڈالا۔ وہ کہنے لگے ہم بنی نضیر کی مانند جلاوطنی اختیار کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیجئے تا کہ ہم اپنے بال بچوں کے ساتھ نکل جائیں اور جتنا کچھ ہمارے اونٹ سامان اور ہتھیار اٹھا سکیں لے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا۔ پھر وہ کہنے لگے ہم مال واسباب اور ہتھیاروں سے بھی دستکش ہوتے ہیں' ہمیں اجازت دیجئے کہ اپنے بیوی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلاَّ اَنْ تَنْزِلُوْا عَلَیَّ۔ مگر یہ کہ تم سب میرے حضور حاضر ہو۔ اس پر وہ سب حیران ہو کے رہ گئے۔ اس کے بعد کعب بن اسد جو یہودیوں کا سردار تھا اور حی بن اخطب ملعون جو کعب کی امان میں اس سے عہد باندھ کر اس کے قلعہ میں گھس آیا تھا اور وہ بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ دونوں نے اپنی قوم سے کہا ''اے گروہ یہود! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وہی خدا کے رسول ہیں جن کے اوصاف توریت میں بتائے گئے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں۔ ہم نے ان کی تکذیب اور ان کا انکار' حسد اور عناد کی بنا پر کیا ہے۔ اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارے مال تمہاری جانیں سب سلامت رہیں گی۔'' یہودیوں نے اس سے انکار کیا اور کہنے لگے ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتے۔ توریت پر کسی اور کتاب کو فوقیت نہیں دے سکتے۔ سبحان اللہ کتنی جہالت' عناد اور ہے کہ باوجود علم ومعرفت کے اور یہ جانتے ہوئے کہ دنیا وآخرت کی سلامتی اسی میں ہے قبول نہیں کر سکتے۔

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ — وہ آپ کو خوب جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ انہوں نے آپ کا انکار کیا اور ان کے نفسوں نے ان کو ورغلایا۔

توریت بھی ان کو یہی حکم دیتی ہے مگر اس کے باوجود ان کا سردار کعب بھی ایمان نہ لایا۔ انقیاد واطاعت نہ کی اور ان کی پیروی میں جہنم رسید ہو گیا محض اس خوف سے کہ لوگ کہیں گے کہ جان کے ڈر سے ایمان لے آیا۔ اس کی قوم اسے برا کہے گی۔ اس کے بعد کعب نے اپنی قوم سے کہا میں تم کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں ایک یہ کہ تم ایمان لے آؤ جیسا کہ میں نے کہا دوسرے اگر تم اس سے انکاری ہو تو آؤ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے باہر نکلیں۔ محمد واصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں اور پھر دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔ اگر مارے جائیں اور ہلاک ہو جائیں تو کسی کو اپنے پیچھے نہ چھوڑیں گے جو ذلیل ورسوا ہوں۔ اگر ہم کامیابی پا گئے تو عورتیں اور بچے پھر پیدا ہو جائیں گے۔ یہود کہنے لگے ''یہ کیسے گوارہ کریں کہ بے گناہوں کو مار ڈالیں اور وہ زندگانی بھی کوئی زندگانی ہے جو بیوی بچوں اور عزیزوں کے بغیر گزاری جائے۔'' پھر اس نے کہا ''اگر تم یہ بھی نہیں کر سکتے تو آؤ آج رات ہفتہ کی رات ہے محمد اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بے خوف ہوں گے۔ اچانک رات میں ان پر حملہ کریں اور شب خون ماریں گے اور دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔'' یہود نے کہا اس رات کی تعظیم ہمارے دین میں ہے کس طرح ہم پچھلوں کی مانند اس کی بے حرمتی کریں اور اس سزا کے مستوجب بنیں جو مسخ وخسف وغیرہ کی ہے۔

اس غزوہ کے عجیب وغریب واقعات میں سے ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر راوی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کیونکہ وہ ان کے دوست اور حلیف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تا کہ ان کے پاس جائیں اور وہ اپنے کام میں ان کے ساتھ مشورہ کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا۔ جب قلعہ میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو یہود ان کے استقبال کیلئے آئے اور یہود کی عورتیں وبچے ان کے آگے رونے پیٹنے لگیں۔ محاصرہ کی شدت اور اپنے حال کی پریشانی کی شکایت کرنے لگے اس طرح پر کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو رحم آ گیا۔ یہود ان سے پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم اتر جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں اتر جاؤ اور ساتھ

ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا مطلب یہ کہ اگر تم اترو گے تو تم ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ معاً اس بات کے کہتے ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ پشیمان ہوئے اور استرجاع پڑھنے لگے اور کہنے لگے میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیانت کی ہے۔ اس کے بعد ابولبابہ رضی اللہ عنہ قلعہ سے شرمندہ اور گریہ کناں نکلے بغیر اس کے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنے ساتھیوں سے ملیں۔ مسجد نبوی شریف میں پہنچ کر مسجد کے ستون کے ساتھ خود کو باندھ دیا (آج بھی وہ ستون مسجد نبوی شریف میں ''ستون ابولبابہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے موسوم اور متعین ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے کہ ''اسطوانہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ'') اور کہنے لگے میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک کہ حق تعالیٰ میرے اس گناہ کو نہ بخش دے۔ لازم ہے کہ کوئی شخص مجھے اس ستون سے نماز کے سوا غیر وقت نماز میں نہ کھولے اس وقت تک جب تک کہ میری توبہ قبول نہ ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو فرمایا میں کیا کر سکتا ہوں اگر میرے پاس آتے تو میں استغفار کرتا چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ وَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اے حبیب! تم بھی ان کیلئے استغفار کرو تو یقیناً وہ اللہ کو بہت توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

اب جبکہ انہوں نے خود درگاہ حق میں حاضر ہو کر خود کو باندھ لیا ہے تو میں اس وقت تک انہیں نہیں کھول سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ ان کے گناہ کو نہ بخشے اور ان کی توبہ کو قبول نہ فرمائے۔ ان کی بیٹی آتی وہ کھجوریں ان کے منہ میں دیتی اور چند گھونٹ پانی پلا جاتی تھی۔ نماز کے وقت ان کو کھولا جاتا تا کہ نماز پڑھیں یا قضائے حاجت کر لیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود کو بڑی بھاری زنجیر سے باندھا تھا یہاں تک کہ پندرہ دن اسی طرح گزر گئے۔ حتیٰ کہ ان کی سماعت جاتی رہی اور وہ نہ سن سکتے تھے۔ قریب تھا کہ ان کی بینائی بھی جاتی رہے اسی طرح پندرہ دن گزرے اور ان کی توبہ کی قبولیت کی وحی آئی۔ یہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر رونق افروز تھے۔ سحری کا وقت تھا کہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس بات پہ آپ کو ہنسی آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ شاد و خنداں رکھے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کی گئی اور ان کے گناہ کو بخش دیا گیا۔'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں جا کر انہیں بشارت دیدوں'' فرمایا'' اگر تمہاری خواہش ہے تو جا کر بشارت دیدو۔'' اس کے بعد سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں۔ یہ واقعہ آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ پھر سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا'' اے ابولبابہ رضی اللہ عنہ! تمہیں بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔'' اس کے بعد مسجد میں موجود حضرات دوڑے تا کہ انہیں کھولیں۔ انہوں نے کہا'' اس وقت تک نہ کھولو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لا کر اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں۔'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کیلئے مسجد میں تشریف لائے تو ان کی بندشوں کو کھولا۔ صاحب مواہب لدنیہ کہتے ہیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں مجاہد کی سند سے روایت کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد: فَاعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ (تو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے جس وقت کہ انہوں نے یہود کے کہنے پر اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ذبح کر دیں گے۔ اگر تم میرے حکم سے نیچے اترو گے۔ بیہقی نے کہا اور محمد ابن اسحٰق نے بھی یہی گمان کیا کہ ان کا بندھنا اسی دوران میں تھا۔ ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی روایت پہنچی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد نبوی میں ان کا بندھنا ان کے تخلف یعنی پیچھے رہ جانے کی وجہ سے غزوۂ تبوک سے تھا۔ جیسا کہ ابن المسیب نے کہا اور اسی وقت مذکورہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ پوشیدہ نہ رہنا چاہئے کہ مشہور وہی پہلا قول ہے اور کتب سیر میں یہی لکھا ہے۔ اب رہا تبوک سے تخلف کا واقعہ تو وہ ان تین شخصوں کے ساتھ منحصر

وموقوف ہے۔جس کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا مگر وہ حضرات جو تخلف کو تین شخصوں پر منحصر نہیں کہتے اور کچھ ان کے ماسوا بھی بتاتے ہیں۔جن میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں تو ان میں سے توبہ کی مقبولیت ان تین شخصوں کے ساتھ ہے (واللہ اعلم)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا خود کو باندھنا سرمستی اور مدہوشی کے سبب تھا۔جیسا کہ ارباب حال کو ہوتا ہے ورنہ توبہ تو ندامت اور پشیمانی ہی کا نام ہے۔یہ جان کو گھلانا اور نفس کو عذاب دینا توبہ کی شکل نہیں ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ پر بھی اپنے احوال میں مستی اور مدہوشی طاری ہوجایا کرتی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو برقرار رکھنا ثابت وصحیح ہے۔مشائخ صوفیہ کیلئے اس میں حجت ودلیل ہے اور ان کے منکرین پر ردوابطال ہے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اس آیہ کریمہ کے نزول کے وقت جھومنا اور وجد کرنا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ (بیشک تم اس کو جس کو تم چاہتے ہو ہدایت نہیں دے سکتے ہو) اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا دعا کے ذکر کے وقت یہ کہنا کہ لَا تَحْرُوْمُ مُعَاذًا وَّاَهْلَهٗ هٰهُنَا (معاذ رضی اللہ عنہ کو اور اس کے گھر والوں کو اس سے محروم نہ رکھنا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا برات اور پاکیزگی کے نزول کے وقت جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: يَا عَـآئِشَةُ اشْكُرِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (اے عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر بجالاؤ) اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا انا لا اشکر الا ربی (میں شکر نہیں بجالاتی بجز اپنے رب کے) اس قسم کی اور بھی باتیں دیگر اصحاب کی ملتی ہیں۔یہ سب اسی سرمستی اور مدہوشی کے زمرہ میں ہیں۔

القصہ! جب بنوقریظہ محاصرہ سے تنگ آگئے تو وہ مطیع ہو کر قلعہ سے اتر کر باہر آنے پر راضی ہوگئے اور وہ بارگاہ نبوت کے حکم پر عاجز ومجبور ہوگئے۔طے پایا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ جو فیصلہ کریں گے تسلیم ہے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو حکم دیا ان یہودیوں کے مردوں کے ہاتھوں کو ان کی گردن سے باندھ دو اور حضرت عبداللہ بن سلام کو حکم دیا کہ ان کی عورتوں، بچوں اور ان کے مال ومتاع کو جمع کرو۔ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس قلعہ سے پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہ، دو ہزار نیزے، پندرہ سو ڈھالیں برآمد ہوئیں اور بکثرت مال ومتاع نکلا۔گائے، بھینس، بکری اور جانوروں کا تو شمار ہی نہیں۔اس پر قبیلہ اوس کے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح بنی قینقاع کے بارے میں جو کہ عبداللہ بن ابی منافق کے خلفاء تھے رحم وکرم فرمایا تھا اور ان کے سات سو آدمیوں کو جن میں چار سو زرہ پوش تھے بخش دیا تھا۔اب بنی قریظہ کے بارے میں جو ہمارے حلیف ہیں، عہد شکنی پر پشیمان و شرمندہ ہیں مرحمت وکرم گستری فرمائیں اور ان کے جرموں سے درگزر فرمائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسیوں کے جواب میں کچھ نہ فرمایا اور شان بے نیازی دکھائی۔اس کے بعد کسی کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو زخمی ہونے کی وجہ سے اس غزوہ کی شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے، بلانے کیلئے بھیجا اور ان کو دراز گوش پر سوار کر کے لائے۔جب یہ بنی قریظہ کے نواح میں پہنچے تو اوسیوں کی جماعت نے ان کو جالیا اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے اور بنی قریظہ آپ کے حلیفوں میں سے ہیں۔انہوں نے سب سے منہ موڑ کر اپنی امیدیں آپ سے وابستہ کر رکھی ہیں۔آپ نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا ہے کہ اس نے اپنے حلیفوں کو جو بنی قینقاع تھے کس طرح کوشش کر کے چھڑایا ہے۔آپ بھی بنی قریظہ کے حق میں شفقت ومرحمت کا مظاہرہ فرمائیں تا کہ وہ قتل کی مصیبت سے نجات پائیں۔قبیلہ اوس کے لوگوں نے طرح طرح سے منت وسماجت کی مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔جب ان کی منت وسماجت حد سے بڑھ گئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ راہ خدا میں مجرموں کی سفارش کی جائے۔'' اس پر وہ ناامید ہوگئے اور سمجھ لیا کہ ان کے قتل کا حکم ہوگا۔جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ مجلس مبارک کے قریب پہنچے۔بخاری میں آیا ہے کہ جب مسجد کے قریب آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوموا الی سیدکم. اپنے سردار کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوجاؤ۔اوس کی جماعت کھڑی ہوگئی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دراز گوش سے اتار کر لائے اور ان کے نیچے چمڑے کا

فرش بچھایا گیا۔ بعض لوگ اس سے قیام کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ مجلس میں داخل ہونے والے کیلئے کھڑا ہوا جائے۔ جیسا کہ آج بھی متعارف ہے مگران کا استدلال نامکمل ہے اس لیے کہ یہ قیام حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دراز گوش سے اتارنے کیلئے تھا کیونکہ وہ زخمی تھے اور وہ جسیم اور عظیم الجثہ شخص تھے۔ تعظیم وتکریم غرض نہ تھی۔ اس لیے فرمایا: قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ. جیسا کہ بخاری کی حدیث میں مروی ہے اور سیّدکم نہ فرمایا۔ تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں بسید کم نقل کیا ہے اور اس نکتہ کا انہوں نے لحاظ نہ رکھا۔ اس حدیث کے شارحین فرماتے ہیں کہ اگر بقصد تعظیم وتکریم بھی ہو تو اس دن اس میں مصلحت تھی کیونکہ ان کو فیصلہ اور حکم دینے کیلئے بلایا گیا تھا۔ ان کیلئے اتنا اہتمام کرنا کہ فرش بچھایا گیا اور ان کی اتنی تعظیم وتوقیر کی گئی۔ یہ سب ان کے حکم کو ماننے اور ان کے آگے سر اطاعت جھکا دینے کیلئے تھا۔ اب رہا مسجد کا مطلب جو بخاری کی روایت میں آیا ہے تو یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے علاقہ میں نماز کیلئے ایک جگہ خط کھینچ دیا تھا اور اقامت کے دوران اس میں نمازیں پڑھتے تھے۔ اس سے مسجد نبوی شریف مراد نہیں ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھ گئے تو ان کے زخم سے خون رک گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے پھر وہی نرمی وشفقت کرنے کی بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ کے یہود کیلئے شروع کر دی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا عہد ومیثاق تم سے ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا تم سب راضی ہو گے۔'' سب نے جواب دیا ''ہم راضی ہوں گے۔''

ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور آپ کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھ کر آپ کو خاص طور پر خطاب کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کو متوجہ کرنے سے اجتناب کیا اور کہا کہ ''جو کوئی بھی یہاں موجود ہے میرے حکم پر راضی ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حکم وہی ہے جو تم حکم کرو گے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ''بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے' ان کی عورتیں اور بچے غلام وباندی بنائے جائیں۔ ان کے ساز وسامان اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے سعد رضی اللہ عنہ! ان کے بارے میں تم نے وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے حکم کیا تھا۔'' ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تم نے حکم خدا کے ساتھ حکم دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بحکم ملک یعنی تم نے ملک کے حکم سے حکم دیا ہے۔ ملک' بکسر لام بمعنی حق تعالیٰ اور بفتح لام بمعنی جبریل علیہ السلام' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے سعد رضی اللہ عنہ! ان کے بارے میں حکم دو۔'' اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ''خدا اور اس کا رسول ہی حکم دینے کا سزاوار ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہیں حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ''ان کے بارے میں تم حکم کرو۔''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ''بنی قریظہ کے ہاتھوں کو گردن میں بندھے ہوئے مدینہ طیبہ لے جاؤ اور قید کر دو۔'' ارباب سیر کہتے ہیں کہ قید کی حالت میں ان کے آگے کھجوریں ڈال دی جائیں چونکہ ان کے ہاتھ بندھے ہوتے تھے وہ انہیں دانتوں سے اٹھا کر کھاتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ زمین میں خوب گہرا گڑھا کھودا جائے' خندق کی مانند اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تلواریں کھینچ کر ان کی گردنیں اڑائیں اور خون کو خندق میں بہا دیا۔ جب حی بن اخطب کو ہاتھ باندھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو فرمایا ''او دشمن خدا! بالآخر حق تعالیٰ نے تجھے میرے ہاتھ میں قید کرا دیا' تجھ پر ذلت وخواری مسلط کر دی اور مجھ کو تجھ پر غالب کر کے حاکم بنایا۔'' اب بھی وہ شقی' شوخی اور بے ادبی سے باز نہ آیا۔ کہنے لگا ''میں اپنے آپ کو آپ کی دشمنی وعداوت میں ملامت

نہیں کرتا لیکن مَنْ یَخْذُلِ اللّٰہُ فَمَالَہُ مِنْ عَزِیْزٍ. جس کو اللہ رسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں ملتی۔ میں نے اپنی عزت تلاش کی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ظفر مند فرما دیا۔'' یہ ملعون' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی عداوت وعناد رکھتا تھا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر بے اختیار تھا۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو یہ حی بن اخطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح سے شام تک رہتا تھا اور منافقت برتتا تھا۔ جب شام کو اپنے گھر جاتا تو اس کا بھائی یاسر بن اخطب اس سے پوچھتا کہ کیا یہ وہی ہستی مقدس ہے جن کے اوصاف توریت میں ہم پڑھتے ہیں۔ وہ کہتا ہو ہو یعنی یہ وہی ہیں لیکن میں اپنے دل میں بجز عداوت کے کچھ نہیں پاتا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ جو امہات المومنین میں سے ہیں اسی کی بیٹی ہیں جو غزوۂ خیبر میں اسیر ہوئیں' بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لائے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حیدر کرار نے حی بن اخطب کیلئے ذوالفقار کھینچی تو حی نے گردن سامنے کر دی یہاں تک کہ امیر المومنین نے تیغ مار کر اسفل العافلین پہنچا دیا اس کے بعد کعب بن اسد بستہ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے کعب! ایمان لے آ تو تو خوب جانتا ہے کہ میں رسول برحق ہوں'' کعب نے کہا ''میں آپ کی تصدیق تو کرتا اور آپ کی اطاعت کرتا لیکن اس شرم سے کہ لوگ کہیں گے کہ عاجز ہو کر جان کے خوف سے ایمان لے آیا' میں دین یہود پر مرتا ہوں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے بھی اس کے ساتھیوں سے ملا دو'' اس دن رات تک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بنی قریظہ کے قتل میں مشغول رہے جب رات ہو گئی تو ان کے بقیہ کو مشعل کی روشنی میں جہنم رسید کیا گیا۔

ارباب سیر کہتے ہیں ان کی مجموعی تعداد چار سو تھی۔ ایک فرقہ نے چھ سو کہا ہے اور ایک جماعت نے سات سو کہا ہے۔ ایک گروہ نے نو سو کہا ہے۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ بر طریق جمع علماء نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ چار سو اصل ہوں اور باقی ان کے متبوع یعنی ان کے خدام وموالی وغیرہ ہوں۔ ان کے اموال کو مسلمانوں پر تقسیم فرمایا اور بعض قیدیوں کو آزاد کر دیا اور بعض کو ہبہ فرمایا اور ریحانہ بنت عمرو کو خاص اپنے لیے اختیار فرمایا اور ملک یمین کے طور پر ان میں تصرف فرمایا۔ آپ نے چاہا کہ انہیں آزاد کر کے زوجہ بنا لیں مگر انہوں نے اسی کو پسند رکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اور آپ کو اسی میں زیادہ آسانی ہے۔ (واللہ اعلم)

اس مقام میں دو عجیب وغریب حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ بنی قریظہ کے یہودیوں میں ایک بوڑھا تھا جس کا نام زبیر بن باطاء تھا۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کسی سابقہ حق کی بنا پر جو زبیر ان پر رکھتا تھا۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''اسے مجھے عنایت فرما دیجئے۔'' فرمایا ''بخش دیا'' پھر عرض کیا کہ ''اس کے بیوی بچوں کو بھی قید غلامی سے آزاد فرما دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ عرض بھی قبول فرمائی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا ''اس کے ساز وسامان اور املاک بھی اسے عطا فرما دیجئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی منظور فرما لیا۔ اس کے بعد زبیر نے کعب بن اسد کا حال پوچھا کہ ''کہاں ہے اور ابن اخطب کیا ہوا اور فلاں کہاں اور فلاں کیا ہوا'' جواب دیا کہ سب کے سب راہ عدم کو سدھار گئے' وہ سب مارے گئے۔ زبیر نے کہا ''خدا کی قسم! ان ساتھیوں کی جدائی اور ان کی مفارقت موت سے زیادہ تلخ ہے تو اب اس سابقہ خدمت کے حق میں جو میری تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے بھی ان کے ساتھ پہنچا دو۔ اس کے بعد ثابت رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ کر اس واجب القتل کو پہنچا دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر کو زبیر کے سپرد کر دیا تا کہ وہ خود اپنا سر اپنے آپ ہی جدا کرے۔''

دوسری حکایت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ بنی قریظہ کی عورتوں میں سے ایک عورت تھی جس نے اپنے شوہر کی یاد میں اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ وہ اس کے فراق میں روتی تھی' اس کی محبت میں جلتی تھی یکا یک کسی نے اس کو آواز

دی وہ ہنسی خوشی اس کے پاس گئی اس نے کہا کیا مجھے قتل کرنے کیلئے بلایا ہے؟ اس سے کہا گیا کہ اسلام میں قاعدہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مارا جائے۔ اس نے کہا بنی قریظہ کی ہی شادی شدہ عورت ہوں' میں اور میرا شوہر دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ جب محاصرہ نے شدت اختیار کی تو میرے شوہر نے مجھ سے کہا ''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر قابو پالیا تو مردوں کو تو وہ قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا کر باندی بنالیں گے۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا افسوس وصال کے دن ختم ہو رہے ہیں اور میں تیرے بغیر خوش نہیں رہ سکتی۔ شوہر نے کہا اگر تو سچ کہتی ہے اور تیرا یہی حال ہے تو تیرے مارے جانے کی ایک تدبیر اور حیلہ یہ ہے کہ وہ لوگ جوز بیر بن باطاء کے قلعہ کے سایہ میں بیٹھے ہیں چکی کا پاٹ اٹھا کر ان کے سروں پر لڑھکا دے۔ ممکن ہے کہ کوئی مارا جائے اور تجھے اس کے قصاص میں قتل کر دیں۔ اس نے اس پتھر کو لڑھکا دیا اور وہ خلاد رضی اللہ عنہ بن سوید کے لگا اور اس سے وہ مارا گیا۔ اس بنا پر اسے قصاص میں طلب کیا۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مدت گزر گئی مگر میں قصاص میں مارے جانے پر اس کے ہنسنے اور خوش ہونے کو بھول نہ سکی چہ خوب۔ باطل عشق و محبت کی فریب کاریاں اس حد کو پہنچتی ہیں کہ اپنی جان کو قربان کرتے وقت اس پر مسرت وخوشی کا اظہار کرتی ہیں۔ جس طرح کہ وہ یہودی بوڑھا زبیر بن باطاء نامی تھا اور یہ ناپاک ونافرجام عورت تھی۔ ان بدبختوں کو ایمان لانا اور اسلام میں داخل ہونا ان کے نزدیک اس سے بہت دشوار اور مشکل تھا۔ (نعوذ باالله من الجهل والغواية)

جب مسلمان بنو قریظہ کے یہود کے قتل سے فارغ ہو گئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم کھل گئے اور خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما تھے اور ان کے سر کو اپنے زانوئے مبارک پہ رکھے ہوئے تھے۔ فرمایا ''اے خدا سعد رضی اللہ عنہ کو تو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے انہوں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی' اسلام کے جو حقوق ان پر عائد تھے ادا کئے اور ان کی روح کو بہترین طریقہ سے جس طرح تو اپنے محبوبوں کی روحوں کو قبض فرماتا ہے قبض کر۔'' جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو آنکھیں کھولیں اور کہا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جیسا کہ چاہئے آپ نے تبلیغ رسالت ادا فرمائی۔'' پھر اپنے سر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مبارک سے اٹھا لیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت مانگی۔ چند لمحہ بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ رحمت الٰہی سے واصل ہو گئے (رضی اللہ عنہ) استبرق کا عمامہ باندھے جبریل علیہ السلام آئے اور کہا ''اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے اصحاب میں سے کسی نے وفات پائی ہے جس کی روح کے استقبال کیلئے آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں۔'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں تشریف لے گئے اور ان کی تجہیز وتکفین فرمائی۔ فرمایا ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں موجود ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ طویل القامت اور بڑے تومند تھے لیکن ان کا جنازہ بہت ہی ہلکا تھا۔ لوگ اس پر بہت حیران ہو رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اس بنا پر یہ ہلکا ہے۔''

نیز حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی قبر کے دباؤ سے محفوظ رہتا تو وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ ہوتے لیکن قبر نے اس بندہ صالح پر تنگی کی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر کشادگی اور فراخی فرمائی اور فرمایا ان کی موت کی وجہ سے عرش الٰہی جنبش میں آیا۔ اس حدیث کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ علماء اس کی تاویل میں مختلف الرائے ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے اور اہتزاز عرش یعنی اس کا حرکت کرنا...... یا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح آنے کی خوشی میں' یا ان کے مرنے کے حزن وملال میں اور حق تعالیٰ نے عرش میں تمیز وادراک کو پیدا فرمایا جس کی بنا پر اسے فرح وخوشی اور غم واندوہ حاصل ہوا۔ جیسا کہ پتھروں کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ بے شک کچھ پتھر ایسے ہیں جب وہ اللہ کے خوف سے نیچے اترتے ہیں اور یہی ظاہر حدیث ہے۔ یہی

مذہب مختار مارزمی کا ہے۔انہوں نے کہا کہ ظاہر عرش کی حرکت میں ہے اور عقل کے اعتبار سے بھی یہ بعید نہیں ہے کہ عرش ایک جسم ہے اوراجسام حرکت وسکون کو قبول کرتے ہیں۔بعض علماء اہتزاز سے بشارت اور سرور کا حاصل کرنا مراد لیتے ہیں نہ کہ حرکت وجنبش۔عرب کا محاورہ ہے کہ فلاں شخص مکارم سے اہتزاز کرتا ہے اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہوتی کہ فلاں جسم حرکت واضطراب میں آ گیا بلکہ اس سے خوشی وسرور مراد لیتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کی وفات کی تعظیم سے کنایہ ہے اور عرب کسی عظیم شی کو عظیم اشیاء سے منسوب کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جہان تاریک ہو گیا اور اس کے مرنے سے قیامت قائم ہوگئی۔ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اہتزاز سے مراد جنازہ اور نعش ہے۔یہ بات باطل ہے اور اس کی مذکورہ صریح روایتیں روکرتی ہیں۔یہ مسلم ہے کہ اِهْتَزَّ لِمَوْتِهٖ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ. ان کی موت سے عرش الٰہی جنبش میں آیا۔بعض کہتے ہیں کہ مراد حاملین عرش ہیں۔براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حریر کا جوڑا پیش کیا گیا جسے صحابہ چھوتے اور اس کی نرمی پر حیرت واستعجاب کرتے تھے۔اعرابی کہتے تھے کہ یہ آسمان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیجا گیا ہے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا رومال جنت میں اس سے بہتر اور نرم تر ہے۔یہ غایت مبالغہ ہے اس لیے کہ رومال ادنیٰ اور کمتر کپڑا ہے جو بدن کو خشک کرنے اور میل وغیرہ پونچھنے کے کام آتا ہے لہٰذا جب یہ کپڑا اتنا نفیس واعلیٰ ہے تو ان کے دیگر لباس کے کپڑے کا کیا حال ہوگا۔یقیناً وہ اس سے بھی زیادہ نفیس واعلیٰ ہوں گے۔''

ابونعیم بروایت محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی لی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔اس کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ مٹی تو مشک اذخر ہے' اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ یہاں تک کہ آپ کے چہرہ انور پر حیرت وتعجب کا اثر نمودار ہوا۔ابن سعد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔وہ بیان کرتے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی تھی تو اس سے مشک کی خوشبو پھیل رہی تھی۔یہ کرامت وبزرگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول رضی اللہ عنہ کی خوشنودی ورضا حاصل کرنے کی بدولت ہے اور اسی ضمن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وہ حکم فرمانا ہے جو حق تعالیٰ نے ان کی زبان حق ترجمان سے فرمایا جسے قبیلہ اوس کے لوگ ظاہر حال پر نظر کر کے اور عرف وعادت میں مبتلا ہو کے اس کو نہ پاسکے۔اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''تم نے وہ حکم دیا جو سات آسمان سے خدا کے حکم کے مطابق ہے۔'' انہوں نے اوس کے لوگوں کی منت وسماجت کی طرف التفات نہ فرمایا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ اس مخصوص کیفیت اور اس ذلت وخواری کے ساتھ بنی قریظہ کے قتل کے قضیہ نے کہ ایک دن میں اتنے شخصوں کی گردن ماری گئی جس سے وہ خندق خون سے لبریز ہوگئی۔غرابت وندرت سے خالی نہیں ہے اور اس میں کوئی غرابت بھی نہیں ہے چونکہ بحکم الٰہی تمام کافر واجب القتل ہیں۔اگر ہزار بارہ سو کو کسی جگہ قتل کر دیا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً. تمام مشرکوں کو قتل کر دو۔میں ان کو ذلیل وخوار کرنا شوکت اسلام اور عزت مسلمین کیلئے ہے۔ممکن ہے کہ بعض کمزور طبیعتوں میں یہ خیال گزرے کہ یہ رفق ومہربانی کی صفت کے خلاف ہے تو یہ خیال آرائی طبیعت کی کجی اور جادۂ مسلمانی سے انحراف کی وجہ سے ہے جبکہ یہ متحقق وثابت ہے کہ ایمان واعتقاد کی صفت یہ ہے کہ جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں اور عمل فرمائیں وہ سب فرمودہ خدا اور حق ہے تو یہ وسوسے اور خلجان نامعقول' باطل ہیں اور عدم صدق ایمان کی علامت ہے۔اگر حکم الٰہی بنونضیر کیلئے جلاوطنی کا اور بنوقریظہ کیلئے قتل کا تھا تو اس میں کیا نزاع ہے۔جو کوئی یہ کہے کہ وہاں کیوں جلاوطن کیا اور یہاں کیوں قتل کیا يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ. اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔'' کسی کو خدا کے فعل وحکم میں چون وچرا کا کیا حق ہے۔اگر کوئی حکمت تلاش کرے اور فرق کی جستجو کرے تو وہ بات دوسری ہے۔ممکن ہے کہ بنوقریظہ کا خبث وشرک کہ انہوں نے نقض عہد کیا اور ان قریشیوں کے ساتھ جو اللہ اور اسلام کے دشمن ہیں شامل ہو کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے مقاتلہ و مقابلہ پر کمر بستہ ہو کر کھڑے ہوئے۔ حی بن اخطب جو اعدائے دین میں اشد تھا کے ساتھ رشتہ محبت باندھا اس بنا پر مستحق قتل اور زیادہ عذاب کے مستوجب بنے ہوں۔ یہ توجیہہ اس کی خاطر سے جو عقل و طبیعت میں گرفتار ہے ہم نے بیان کی ہے ورنہ حکمت کے جاننے کی بھی کیا حاجت ہے۔ حکمت کو بھی حکیم مطلق پر چھوڑنا چاہئے اور ایمان رکھے کہ اس میں جو بھی حکمت ہے اس حکمت پر تمہارا باخبر ہونا شرط ایمان نہیں ہے۔ حالانکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر حکمت کی رعایت واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مختار مطلق ہے۔ اگرچہ ہر فعل میں بیشمار حکمتیں پنہاں ہیں لیکن اگر حکمت کی رعایت نہ فرمائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ کہے کہ ایسا کیوں نہیں کیا۔ عقل کا دست تعرض اس کے عز و جلال کے دامن سے کوتاہ ہے۔ **يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ.** کا مطلب یہی ہے اور یہی اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے حکم دینے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حکم الٰہی اس قضیہ میں یہی ہے۔ انہوں نے خود ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم میں رضامندی ظاہر کی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دل میں الہام ہو گیا تھا کہ اس قضیہ میں خدا کا حکم یہی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی میں رضا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم نے وہی حکم دیا ہے جو ساتویں آسمان سے حق تعالیٰ کا ہے" اس مقام میں اوس کے لوگوں کی نظر ظاہر میں قاصر تھی کیونکہ انہوں نے ان کیلئے منت و سماجت کی تھی اور انہوں نے سابقہ عہدوں اور اس کے حقوق کو ملحوظ رکھا تھا۔ وہ حق کو کیسے دیکھتے کہ یہی حق ہے۔ ظاہر کو دیکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کرم اور آپ کی چشم پوشی پر اعتماد کرتے ہوئے عرض کیا اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو جواب نہیں دیا اور خاموشی و تغافل کو اختیار فرمایا۔ عفا اللہ عنہم ان کے سوا اور کسی صحابی نے اس باب میں دم نہ مارا' ایمان کامل اور اسلام صادق یہی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نے کیا کہ تمام دن' رات کے کچھ حصہ تک قتل کرنے اور خون بہانے میں مشغول رہے۔ بعض طبیعتیں' ناقص اور ٹیڑھی ہوں گی اگرچہ ان میں کفر کی کوئی رگ نہ ہو لیکن جہالت اور کفار کی بستیوں کے ہمسایہ رہنے کی وجہ سے ان کی خونریزی سے ان کی طبیعتوں میں ناگواری پیدا ہوئی ہوگی حتیٰ کہ اگر ایسے لوگوں سے کسی جانور کے ذبح کرنے کو کہا جائے تو وہ یہ بھی نہیں کر سکتے اگرچہ وہ جانور مر جائے۔ بعض درویشوں سے ایسی باتیں دیکھی گئی ہیں ان کو بھی شاید یہی عارضہ لاحق ہوتا ہوگا' وہ اس پر قدرت نہ رکھتے ہوں گے لیکن یہ گوشہ جہالت کے بغیر نہیں ہے اور جہالت عذر نہیں ہے۔ اتباع چاہئے۔

نہ بے حکم شرع' آب خوردن خطاست   دگر خوں بفتوی بریزی رواست

اگر تم یہ کہو کہ اگر حکم الٰہی یہی تھا کہ اس قوم کے تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے تو زبیر بن باطاء کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کی عرض پر بخش دینا کیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے زبیر بن باطاء کو بخش دینے کا حکم ہوا چونکہ بخش دینا اور اہل حرب کو فدیہ لے کر یا احسان کر کے امان دے کر چھوڑنا یہ بھی حکم شرع میں سے ہے۔

احکام شرع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں: مذہب صحیح و مختار یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام مفوض ہیں جس کو جو چاہیں حکم فرمائیں۔ کسی فعل کو کسی پر حرام قرار دیں اور اسی فعل کو کسی پر مباح قرار دیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جیسا کہ متبعین حق سے مخفی نہیں ہے حق تعالیٰ جل و علیٰ نے پیدا کر کے ایک شریعت لازم فرمائی اور وہ سب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قبیلہ مزنیہ کا مشرف بہ اسلام ہونا: اسی سال کے واقعات میں سے یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث مزنی اپنے قبیلہ

مزنیہ کے چار سو افراد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی بستی کی طرف لوٹا دیا اور فرمایا تم جہاں بھی رہو گے مہاجرین میں داخل ہو گے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئے۔ یہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث فرع کے نواح میں عامل تھے جو کہ مدینہ طیبہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے اور یہ فتح مکہ کے دن مزنیہ کی طرف سے حامل لواء تھے۔ انہیں سے ان کے بیٹے حارث اور علقمہ بن وقاص نے روایت کیا ہے اور انہیں سے بخاری و مسلم کے سوا چار راویوں کے واسطہ سے حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کا ایک فرزند جن کا نام حسان تھا وہ بصرہ کے محدث گزرے ہیں جو ایک سو ساٹھ ہجری میں تھے اور ان کی عمر اسی سال تھی۔

چاند گرہن: اسی سال چاند گرہن واقع ہوا۔ روضۃ الاحباب میں چاند گرہن کو اسی سال میں بیان کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے طشت بجائے' وہ کہتے تھے کہ ہم پر جادو کیا گیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف پڑھی جب تک کہ چاند روشن نہ ہو گیا۔

سورج گرہن: ہجرت کے دسویں سال میں حضرت ابراہیم فرزند جلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا۔ جیسا کہ اپنی جگہ ذکر آئے گا لوگوں نے گمان کیا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی بنا پر سورج گرہن میں آیا۔ یہ گمان اس اعتقاد کی بنا پر تھا جو ان میں مشہور تھا کہ چاند گرہن یا سورج گرہن یا تو کسی عظیم موت پر واقع ہوتا ہے یا کسی عظیم حادثہ پر۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند و سورج خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت پر یہ گہنائے تو نہیں ہیں۔ تم نماز پڑھو' صدقہ دو اور استغفار کرو' ان کی نمازوں کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔

غزوۂ دومتہ الجندل: اسی سال غزوۂ دومتہ الجندل (بضم دال یا بفتح دال) واقع ہوا۔ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو وہاں سے کوفہ تک دس منزل پر ہے اور دمشق تک بھی دس منزل ہیں۔ (کذا قیل)

ارباب سیر کہتے ہیں کہ دومتہ الجندل ایک قلعہ کا نام ہے اس کی بنیاد پتھر پر رکھی گئی ہے۔ یہاں کی پیداوار کھجوریں اور جو ہیں۔ مواہب میں کہا گیا ہے یہ ایک شہر ہے اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ رات کی مسافت ہے اور مدینہ منورہ سے پندرہ سولہ راتوں کی مسافت ہے۔ یہ نام دومی بن اسمٰعیل کے نام پر ہے جس نے وہاں قیام کیا تھا۔ قاموس میں کہا گیا کہ اسے دوما جندال بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں خبر پہنچی کہ اس سرزمین میں بہت بڑی جمعیت اکٹھی ہوئی ہے جو مسافروں کو بہت تنگ کرتی ہے اور ظلم و تعدی کے ساتھ پیش آتی ہے۔ اکیدر جو اس جگہ کا حاکم ہے نصرانی ہے وہ بہت بڑا لشکر جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ و مقاتلہ کیلئے کھڑا ہو گیا ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے چلے۔ سباع رضی اللہ عنہ بن عرطفہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا' اور راہ بتانے کیلئے ''راہبر'' کا تعین فرمایا اور سرکشوں کے قلع قمع فرمانے کیلئے روانہ ہو گئے۔ رات کو قطع مسافت فرماتے' دن کو قیام فرماتے اور راستہ چھوڑ کر نزول فرماتے تھے۔ جب ان شہروں کے نواح میں پہنچے تو ''راہبر'' نے عرض کیا کہ دشمنوں کے جانور اور مویشی قریب ہیں۔ وہ ان سب کو گھیر کے لے آئے ان کے چرواہے بھاگ کھڑے ہوئے اور جدھر نہ اٹھا منتشر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے میدان میں اقامت فرمائی اور وہاں کوئی باقی نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کئی دن توقف فرمایا اور ہر طرف لشکر کے چھوٹے چھوٹے رسالے (سرایا) بھیجے۔ وہ ہر طرف پھیل گئے مگر کسی کو نہ پایا البتہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے ایک شخص کو پکڑا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس قوم کی خبر پوچھی اس نے کہا جب لشکر اسلام کے آنے کی خبر یہاں کے رہنے والوں کو پہنچی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ کھڑے

ہوئے اور یہ شخص ایمان لے آیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحیح وسالم اطمینان وسکون کے ساتھ غنیمت لے کر واپس آئے۔ اس سفر کی مدت ایک ماہ سے زیادہ تھی۔

روضۃ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر پر نماز پڑھی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ کی وفات اچانک واقع ہوئی ہے میرا خیال ہے کہ اگر وہ مہلت پاتیں تو کچھ مال صدقہ کرتیں۔ اگر میں مال صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچے گا یا نہیں؟ فرمایا یقیناً پہنچے گا اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا پانی۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے ایک کنواں کھودا اور اس کو والدہ کے نام پر وقف کر دیا اور کہا: هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ. یہ کنواں ام سعد رضی اللہ عنہ کیلئے ہے۔

میت کو صدقہ کا ثواب پہنچانا: علماء کا عبادت بدنی کا ثواب میت کو پہنچنے میں اختلاف ہے اور عبادت مالی میں نہیں ہے۔ یہ باتفاق جائز ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کے اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا اس باب میں ان سے پوچھا کہ ہم مردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قرآن پڑھتے ہیں کیا حال ہے کیا تمہیں پہنچتا ہے؟ فرمایا ہم دنیا میں اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے اب معلوم ہوا کہ پہنچتا ہے۔ (واللہ اعلم)

سریہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح بجانب سیف البحر: اسی سال ماہ ذی الحجہ میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا سریہ تھا۔ معارج النبوۃ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ سیف البحر کی جانب بھیجا۔ اس سفر میں زادراہ کھجوریں تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر شخص روزانہ ایک کھجور پر گزر کرتا تھا اور آخر میں یہ حال ہوا کہ آدھی کھجور پر قناعت کرنی پڑی۔ ایک عرصہ اسی حالت میں گزرا۔ جب اس پر انہیں بہت دشواری لاحق ہوئی تو حق تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی دریا سے ساحل پر پھینک دی تین سو آدمیوں نے ایک ماہ تک اس کا گوشت کھایا۔ اور کتاب مستقصی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اونٹ کے ساتھ اس مچھلی کی ایک پسلی کے نیچے سے گزر جاتا تھا۔ (انتہی)

مشکوۃ شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جیش الخیط پر جہاد کر رہے تھے اور ہم پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا گیا تھا۔ پھر ہمیں سخت بھوک سے دوچار ہونا پڑا تو حق تعالیٰ نے دریا سے ایسی مچھلی عطا فرمائی کہ ہم نے اس جیسی مچھلی کبھی نہ دیکھی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ہم نے دریا کے کنارے ایک آبی جانور پایا بغیر اس کے کہ ہم اسے مچھلی کہیں کچھ اور کہہ سکتے ہیں۔ ایک روایت میں ''دابۃ العنبر'' آیا ہے یعنی وہ آبی جانور جس کو عنبر کہتے ہیں۔ وہ ایک بڑی مچھلی ہوتی ہے جس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں اور اس ڈھال کو بھی عنبر کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ''دابۃ العنبر'' اس بنا پر اس کا نام ہو کہ عنبر جو ایک پاکیزہ مشہور خوشبو کا نام ہے اس سے نکلتی ہو۔ قاموس میں ہے کہ عنبر ایک بحری جانور کا فضلہ ہے یا کسی ایسے چشمہ سے ہے جو بحر میں ہے اور نام مسمکہ بحریہ ہے۔ اس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں تو ہم نے اس سے نصف ماہ تک گوشت کھایا۔ اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی لی۔ طیبی نے کہا کہ اس ہڈی سے مراد پسلی ہے پھر ایک سوار اس ہڈی کے نیچے سے گزر گیا۔ سنن میں مروی ہے کہ حضور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ہڈی کو کھڑا کر کے دیکھا تو اس کے نیچے سے ایک اونٹ گزر گیا۔ جب ہم واپس آئے تو ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قصہ کو بیان کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے اسے کھاؤ اور اگر اس میں سے کچھ حصہ تمہارے پاس باقی ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان کے دلوں کو خوش

کرنے کیلئے فرمایا تھا اور اس کے حلال ہونے کی تاکید میں مبالغہ فرمایا۔ اس بنا پر فرمایا کہ یہ رزق بطریق خارق عادت یعنی بطور کرامت انہیں حاصل ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اس میں سے کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ (متفق علیہ)

''خبط'' درخت سے پتوں کو لکڑی کے ذریعہ جھاڑنے کو کہتے ہیں اور اس سریہ یعنی لشکر کے رسالہ کو ''جیش خبط'' بھی کہتے ہیں۔ اس بنا پر کہ بھوک سے بیتابی کی حالت میں پتوں کو جھاڑ کر اور اسے ابال کر کھانا پڑا۔ اور ان پتوں کی گرمی کی وجہ سے ان کے منہ میں چھالے اور زخم پڑ گئے تھے۔ ان کے لب اونٹ کے لبوں کی مانند ہو گئے تھے۔ روضۃ الاحباب میں اس سریہ کا ذکر نہیں پایا جاتا البتہ چھٹے سال کے آخر میں محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سریہ کا ذکر کر کے اتنا ہی لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کو چالیس شخصوں کے ساتھ ان کے مقتل کی جانب بھیجا تا کہ اس جماعت سے انتقام لیں۔ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات

<u>فرضیت حج</u>: ہجرت کے چھٹے سال میں بقول جمہور حج اسلام فرض ہوا اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ حج اسلام کی فرضیت نویں سال میں ہے۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ. اور تم اللہ کیلئے حج و عمرے کو پورا کرو۔ اس آیت کا نزول چھٹے سال میں ہے اور فرماتے ہیں کہ اتمام حج سے مراد اس کے مبادیات کو سرانجام دینا ہے۔ اس کی تائید علقمہ مسروق اور ابراہیم نخعی جو اجلہ تابعین میں سے ہیں کی قرات بلفظ ''اقیموا'' کرتی ہے۔ طبرانی نے باسانیہ صحیحہ اس قرأت کو روایت کیا ہے۔ دیگر علماء کی جماعت جو یہ کہتی ہے کہ اس کی فرضیت نویں سال میں ہے ان کی دلیل وہ آیت ہے جو سورہ آل عمران کے شروع میں ہے اس آئیہ کریمہ میں ہے کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. اور اللہ کیلئے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ آیت سال نہم میں نازل ہوئی جسے ''عاد الوفود'' کہتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو بعد میں مشرکوں کو سنانے کیلئے سورہ برات لے کر بھیجنا یہ سب نویں سال میں ہے۔ دلیل وحجت کے اعتبار سے بعض علماء کے نزدیک یہی قول راجح ومختار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اسباب سفر مہیا کرنے میں مشغول ہو گئے مگر سورت کے اہتمام کی بنا پر اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا ممکن نہ ہوا' غزوات کے اہتمام اور وفود کے بھیجنے میں مصروف رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ لوگوں کو حج کرائیں۔ یہ علماء فرماتے ہیں کہ آئیہ کریمہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ اگرچہ ہجرت کے چھٹے سال میں نازل ہوئی لیکن یہ آیت حج وعمرہ کی فرضیت پر دلالت نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ ''اَتِمُّوا الْحَجَّ'' کے ظاہری معنی' مبادیات کو پورا کرنے کا حکم ہے حج وعمرہ نہیں ہے بلکہ اس کا حکم ہے کہ حج و عمرے کے مبادیات کو شروع فرما کر اس کی ادائیگی تک اسے مکمل کر لو۔ لہٰذا ممکن ہے کہ بعد از شروع' اتمام حج کا حکم چھٹے سال میں نازل ہوا ہو اور اس کی فرضیت کی ابتداء نویں سال میں ہوئی ہو۔ فتح الباری میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ فرضیت حج اس سے مقدم ہو۔ مطلب یہ کہ اَتِمُّوْا سے مراد' بعد از شروع' اتمام استکمال حج وغیرہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ حج وعمرہ اس سے پہلے شروع ہوگا۔ اگر اس سے پہلے حج وعمرہ نہ ہو تو بعد از شروع اس کے اتمام واستکمال کے کیا معنی ہوں گے؟ (انتہی) یہ بات ظاہر ہے کاتب الحروف کو فتح الباری کے دیکھنے سے پہلے ایسا تو ارد ہوا تھا لیکن اب خیال آتا ہے کہ بعد از شروع اتمام حج وعمرہ سے فرضیت مستلزم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ نفل ہو اور اس کے اتمام کا حکم بعد از شروع صادر ہوا ہو۔ جیسا کہ اہل مکہ کی قدیم رسم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

ہجرت سے پہلے حج ادا کیے ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنے ادا کیے ہیں۔ان کی تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔اس کے اتمام کے ساتھ حکم دینے میں یہی بات کافی ہے اور اس کی فرضیت زمانہ اسلام میں ہوئی اگر چہ یہ توجیہہ دوری رکھتی ہے۔(واللہ اعلم)

غزوۂ ذات الرقاع: اسی سال میں جمہور مورخین واہل سیر کے قول سے غزوۂ ذات الرقاع واقع ہوا۔ابن اسحٰق کے نزدیک چوتھے سال میں بعد از واقعہ بنی نضیر ہے اور ابن سعد ابن حبان کے نزدیک بعد از غزوۂ خندق و بنو قریظہ ہے۔بخاری نے اس کو غزوۂ خیبر کے بعد کہا ہے۔اس کے باوجود اس کا ذکر غزوۂ خیبر سے پہلے اور غزوۂ خندق کا بنو قریظہ کے بعد کیا ہے' یا ممکن ہے کہ متعدد بار ہوا ہو۔ایک خیبر سے پہلے اور دوسرا اس کے بعد۔مواہب میں اس جگہ کلام طویل لا طائل کیا ہے لیکن سبب وقوع اور اسے اس نام سے موسوم کرنے میں جتنا ضروری ہے اسی قدر یہاں بیان کرتے ہیں۔

اب رہا اس کے وقوع کا سبب وہ یہ ہے کہ ایک شخص مدینہ منورہ میں بکریاں فروخت کرنے کیلئے لایا۔اس نے اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ غطفان کے بنی انمار اور بنی ثعلبہ نے ایک لشکر جمع کیا ہے اور وہ مدینہ منورہ کا قصد رکھتے ہیں۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھ سو صحابہ کے ساتھ ایک روایت میں ہے۔سات سو صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔بعض کہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری کو بنایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع نخل میں قیام فرمایا۔یہ مقام غطفان کی آراضی میں سے نجد میں ہے جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر ہے۔تو اس کے مواضع اور بستیوں میں بجز عورتوں کے کسی کو نہ پایا۔ان کے مرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی سنتے ہی بھاگ کر پہاڑوں اور ٹیلوں میں روپوش ہوگئے۔مسلمانوں نے ان کے اموال کو تاراج کیا کوئی متعرض نہ ہوا۔ایک روایت میں آیا ہے۔بعض ان عورتوں کو جو گھروں میں رہ گئی تھیں اسیر کرلیا۔اس غزوۂ میں مدت سفر پندرہ روز تھی اور جب نماز کا وقت آتا تو متوقع خوف کی بنا پر کہ اگر نماز میں سب مشغول ہوئے تو وہ حملہ نہ کردیں۔صلوٰۃ خوف گزاری' نماز خود متعدد وجوہ سے مروی ہے کہ کتاب سفر السعادۃ میں ان سب کو تفصیل سے بیان کردیا ہے۔یہ پہلی نماز خوف تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی۔اس کے بعد بغیر لڑے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اب رہا اس غزوۂ کا ذات الرقاع نام رکھنا۔تو اس کی وجہ یہ ہے جو صحیح بخاری سے معلوم ہوتی ہے۔ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ میں باہر نکلے' ہم چھ آدمی تھے ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ہم سب کے پاؤں زخمی ہوگئے اور میرے پاؤں اس طرح زخمی ہوئے کہ ان کے ناخن اتر گئے تھے۔ہم سب اپنے پاؤں پر رقعے یعنی پٹیاں اور کپڑے لپیٹے ہوئے تھے۔اس بنا پر اس غزوۂ کا نام ''ذات الرقاع'' یعنی پٹیوں والا ہوگیا۔نیز صحیح بخاری میں کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد ناگوار جانا کہ اس کو بیان کریں تاکہ عمل اور تزکیہ نفس میں فساد لازم نہ آئے۔

اہل مغازی اور غزوۂ کو ''غزوۂ ذات الرقاع'' کی تسمیہ کی کئی وجوہ بیان کرتے ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سب کسی ایسے پہاڑ پر اترے جس کے ہر رقعہ اور ہر قطعہ رنگ برنگا تھا۔دوسری یہ ہے کہ اس جگہ کچھ درخت تھے جن کو ذات الرقاع کہتے تھے۔تیسری یہ کہ یہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے مگر مختار وجہ اول ہی ہے۔

اس غزوۂ کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ انصاری ایک اونٹ پر سوار تھے۔وہ چاہتے تھے کہ اونٹ تیز چلے مگر وہ اونٹ بہت کمزور اور سست رفتار تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا عصا شریف مارا تو وہ اونٹ تند و تیز رفتار ہوگیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا اتنی تیز کیوں چلتے ہو عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نئی شادی کی ہے۔فرمایا باکرہ سے کی ہے یا ثیبہ سے۔فرمایا باکرہ سے کیوں نہ کی تاکہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔حضرت جابر

رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے اور ۹ بیٹیاں یا سات بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ اس لیے میں نے ذن ثیبہ کی ہے تا کہ ان کی خدمت و تربیت کر سکے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ کو اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جائیں اور شہر مدینہ میں سپرد کر کے اس کی قیمت وصول کر لیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو اونٹ کی قیمت ان کو دیدی اور اونٹ کو بھی انہیں ہی عطا فرما دیا۔ اس حدیث سے رخصت بیع مشروط معلوم ہوتی ہے اور فقہاء اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر یہ کہ کسی دوسری حدیث سے ہو۔ بعض کہتے ہیں اس حدیث میں اضطراب ہے اور اس میں طویل بحث ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوۂ میں ایک درخت کے سایہ میں محو خواب تھے ایک اعرابی آیا اور اپنی تلوار کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اعرابی نے کہا کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے۔ فرمایا اللہ! اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر فرمایا کون ہے جو تجھے مجھ سے روکے گا؟ اعرابی نے کہا مجھے بخش دیجئے۔ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اعرابی نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہ کروں گا اور نہ اس جماعت میں شریک ہوگا جو آپ سے لڑے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر اسے بخش دیا اور وہ اعرابی لوٹ کر اپنی قوم میں گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ واقدی نے اس کا اسلام لانا اور پھر اپنی قوم کے بہت سے لوگوں سے اسلام قبول کرانا بیان کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اعرابی کی پیٹھ میں درد ہوا بلاشبہ اس کی مانند ایک اور قصہ غزوۂ غطفان میں گزر چکا ہے۔

غزوۂ بنولحیان: اسی سال غزوۂ بنولحیان ماہ ربیع الاول میں واقع ہوا اور ابن اسحٰق کے نزدیک جمادی الاولی میں بنوقریظہ کے چھ ماہ بعد واقع ہوا تھا۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ پانچویں سال میں واقع ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی اور ان کے دیگر ساتھیوں کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تیسرے سال میں گزر چکا ہے تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر رنج وغم کا اظہار فرماتے رہے۔ مگر پیہم غزوات کے باعث اتنی مہلت نہ مل سکی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو لے جا کر بنی لحیان کی سرکوبی فرما سکتے اور ان صحابہ کا بدلہ لے سکتے۔ یہاں تک یہ سال یعنی ہجرت کا چھٹا سال آ گیا۔ اس وقت آپ دوسو مہاجرین اور انصار کی جمعیت لے کر جن میں بیس سوار تھے۔ بنی لحیان کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ شام کی جانب تشریف لیے جارہے ہیں۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ اچانک ان پر پہنچ جائیں اور انہیں ہلاک کریں۔ مدینہ منورہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ بنا کر تیزی کے ساتھ اس مقام میں پہنچ گئے جہاں (سریہ رجیع کے) مسلمانوں کو شہید و اسیر کیا گیا تھا۔ ان کیلئے استغفار کے بعد دعائے خیر فرمائی۔ بنولحیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر پاتے ہی راہ فرار اختیار کی اور پہاڑوں پر چڑھ کر روپوش ہو گئے۔ اپنی جانوں کو گرداب ہلاکت سے بچالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوروز وہاں مقیم رہے اور چاروں طرف لشکر کی ٹوکیوں کو یعنی سرایا کو بھیجا۔ اس کے بعد عسفان پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو ایک جماعت کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ دس سواروں کے ساتھ کراع الغمیم روانہ فرمایا تا کہ لشکر اسلام کا غلغلہ و دبدبہ قریش کے کانوں میں پڑے اور ان میں گھبراہٹ اور خوف پیدا ہو۔ یہ حضرات مقررہ مقام تک پہنچے مگر کسی مخالف یا دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہوسکی۔ اس کے بعد وہاں سے لوٹ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس سفر کی پوری مدت چودہ شبانہ روز تھی۔

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ برسر بنی کلاب: اسی سال حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ ربیع

الاول میں بنی کلاب کی سرکوبی کیلئے بمقام ضریہ ابضم ضاد وتشدید یاء روانہ فرمایا جو کہ مدینہ طیبہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور فرمایا کہ اچانک ان کے سروں پر پہنچو۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ دن کو پوشیدہ رہتے اور رات کو قطع مسافت کرتے تھے۔ وہ رات کو اچانک ان پر جا پہنچے اور ان پر شب خون مارا۔ چند کافروں کو قتل کیا تھا کہ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ ان لوگوں کی اونٹ بکریاں مدینہ منورہ لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچواں حصہ نکال کر تقسیم فرما دیا۔ ایک سو پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں۔ اس سفر کی مدت پندرہ روز تھی ایک روایت میں ہے کہ انیس روز تھی۔

واضح رہنا چاہئے کہ سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ دو ہیں۔ اس کو رضتہ الاحباب میں حاشیہ پر سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بقرطا (بضم قاف وفتح راوطاء) لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی لکھا ہے جتنا بیان کیا گیا۔

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بر سر بنی ثعلبہ: نیز دوسرا سریہ تھی حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کی طرف منسوب کر کے ذی القصہ (بضم قاف وفتح صاد مشددہ) بھیجا گیا۔ منقول ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دس شخصوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کے بستیوں میں سے موضع ذی القصہ کی طرف بھیجا۔ رات کا وقت تھا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان پر جا پہنچے قریب سو آدمی تھے۔ سب جمع ہو گئے اور اسی وقت دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی۔ بالآخر کفار نے یک بارگی حملہ کیا اور نیزوں پر اٹھا کر ان کو شہید کر دیا۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کے ٹخنوں پر زخم آیا تھا۔ ایک مسلمان مرد حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے پاس پہنچا اس نے ان کو اٹھایا اور اپنے کندھوں پر بٹھا کر مدینہ طیبہ لے آیا۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو ربیع الآخر میں چالیس مردوں کے ساتھ بھیجا۔ اس مرتبہ ان کی تباہی ہوئی اور کفار بھاگ کر پہاڑوں پر جا چھپے بس ایک شخص ملا اس نے اسلام قبول کر لیا اسے چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں ان کے مویشیوں اور مال واسباب کو ان کے گھروں سے جمع کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ خمس نکالنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر تقسیم فرما دیا۔ معارج النبوۃ میں ثمامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ باندھنے اور قید کرنے کا قصہ غرابت سے خالی رہے ہیں اور اسے بھی چھٹے سال کے واقعات میں شمار کر کے حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ سے منسوب کیا ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ:

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بجانب نجد: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نجد کی جانب روانہ فرمایا۔ وہ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو جو اہل یمامہ کا سردار تھا اور اس کا نام ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال تھا ہاتھ باندھ کر قید کر کے بارگاہ نبوت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کے ایک ستون سے باندھ دو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا اے ثمامہ رضی اللہ عنہ! کیا حال ہے اور تیری رائے اپنے بارے میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں ٹھیک ہوں اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایک خونی کو ماریں گے'' مطلب یہ کہ آپ ایسے شخص کو قتل کریں گے جو مستحق قتل ہے اور اگر آپ احسان فرمائیں گے تو آپ ایک شکر گزار پر احسان فرمائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اگر جان بخشی فرمائیں گے تو میں احسان مند ہوں گا اور اگر آپ مجھ سے فدیہ میں مال چاہیں گے تو میں آپ کو جتنا مال چاہیں گے پیش کر دوں گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے تشریف لے آئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو یہی سوال فرمایا اور یہی جواب اس نے دیا یہاں تک کہ تیسرے دن بھی اس نے یہی جواب دیا۔ تیسرے دن حکم فرمایا ''اسے کھول دو اور رہا کر دو'' اس کے بعد ثمامہ رضی اللہ عنہ کھجور کے ایک درخت کے پاس گیا جو مسجد کے قریب ہی تھا' وہاں اس نے غسل کیا اور مسجد میں داخل ہو کر بلند آواز سے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اور اس نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم روئے

زمین پر کوئی آپ سے زیادہ میرے نزدیک دشمن نہ تھا اب آپ کا روئے انور میرے نزدیک تمام لوگوں کے چہروں سے زیادہ محبوب ہے اور کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ میرے نزدیک برا نہ تھا۔ اب تمام دینوں سے زیادہ مجھے آپ کا دین محبوب بن گیا ہے اور کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مجھے مبغوض نہ تھا۔ اب آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہوگیا ہے۔ اس نے کہا آپ کے لشکر نے مجھے پکڑ لیا۔ میں چاہتا تھا کہ عمرہ بجالاؤں تو اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ اس پر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی اور حکم دیا کہ عمرہ بجالاؤ۔ جب ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ کے قریب پہنچے تو کسی نے کہا تو صابی یعنی اپنے دین سے برگشتہ ہوگیا ہے۔ دوسرے دین میں داخل ہوگیا ہے کفار مسلمانوں کو ''صابی'' کہا کرتے تھے۔ ان کا مقصود و مطلب یہ ہوتا تھا کہ دین حق سے نکل کر دین باطل کو اختیار کرلیا ہے۔ اس پر ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں صابی نہیں ہوا ہوں لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام لے آیا ہوں۔ پھر کہا ''خدا کی قسم! تم ثمامہ رضی اللہ عنہ سے گندم کا ایک دانہ نہ پاؤ گے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے۔'' اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اختصار کر کے بیان کیا ہے۔

غزوۂ ذی قرد: اسی سال غزوۂ ذی قرد (بفتح قاف وراء ودال) واقع ہوا۔ ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ایک برید (ایک پیمائش ہے) کے فاصلہ پر ہے۔ جیسا کہ اثنائے قصہ میں معلوم ہوگا۔ اس کو غزوۂ غابہ بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک موضع کا نام ہے۔ غابہ دراصل ایک جنگل ہے اس غزوۂ کا وقوع حدیبیہ سے پہلے ہے۔ اس پر اہل سیر کا اتفاق ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے ہے۔ مسلم نے بھی اس کی مانند کہا ہے اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ غزوۂ ذی قرد کے بارے میں تاریخ میں جو کچھ صحیح میں مروی ہے۔ وہ بہ نسبت اہل سیر کے زیادہ صحیح ہے۔ (واللہ اعلم)

اس غزوۂ کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیس بچے تھے یعنی ایسے دودھ والے اونٹ جو بچہ جننے کے قریب تھے۔ وہ غابہ میں چرتے تھے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری بھی وہاں رہتے تھے۔ اتفاق سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چند روز کیلئے وہاں سے چلے آئیں اس کیلئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی تھی۔ انہوں نے منت و سماجت میں اصرار و مبالغہ کیا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیدیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں غطفان سے مطمئن نہیں ہوں مبادا کہ وہ تم پر حملہ آور ہوں اور اجازت دیدی۔ مزید فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا غطفان تم پر حملہ آور ہیں اور انہوں نے تمہارے بیٹے کو شہید کردیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے حال پر تعجب ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرمارہے ہیں اور میں اصرار کرتا رہا بالآخر وہی ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہ واقعہ عجیب ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایسا واقعہ ہوا باوجودیکہ وہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی طلب کے ہمیشہ خواستگار رہے ہیں۔ اور ان سے اس معاملہ میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم توقف فرمارہے تھے اصرار و مبالغہ کی جرأت سرزد ہوگی۔ تقدیر الٰہی یہی تھی۔

القصہ عتبہ بن حصین فزاری چالیس کافروں کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اونٹوں کو لوٹ کر لے گیا اور ان کے دونوں چرواہوں کو شہید کر کے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو بھی شہید کردیا۔ اتفاقاً مسلمہ رضی اللہ عنہ بن الاکوع اور حضور رضی اللہ عنہ کے غلام غلام رباح رضی اللہ عنہ سحری کے وقت اس طرف گئے ہوئے تھے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے رباح رضی اللہ عنہ سے کہا تم جاؤ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دیدو اور میں ان کے تعاقب میں جاتا ہوں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو ندا فرمائی یَا خَیْلَ اللّٰہِ اِرْکَبِیْ. اے خدا کے لشکر یو سوار ہو جاؤ۔ یہ کلمہ اعلان کا پہلا جزو ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو صحابہ کے ساتھ ایک

روایت میں ہے سات سو صحابہ کے ساتھ سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے نیزے پر علم لہرایا اور فرمایا آگے بڑھو۔ تمہارے ساتھی بھی تم سے مل جائیں گے۔ مطلب یہ کہ لشکری بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن الاکوع تو پہلے ہی ان کے تعاقب میں جا چکے تھے۔ یہ سلمہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے، جنگوں میں پیدل رہ کر سواروں پر حملے کرتے تھے اور سواروں کو نیچے گرا لیا کرتے تھے۔ اور تیر اندازی میں تو یگانہ روزگار تھے اور درخت کے نیچے (بیعت رضوان) انہوں نے تین مرتبہ بیعت کی۔ ابتداء میں، درمیان میں اور آخر موت میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رباح رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دینے کیلئے بھیجنے کے بعد میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہوا اور تین مرتبہ بآواز بلند کہا ''واصباحاہ'' یہ کلمہ غارت گری کی خبر دینے کیلئے ہے۔ اس کے بعد میں کفار کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ شمشیر و کمان میرے پاس تھی، تیروں کو ان کی جانب پھینکتا اور ہر تیر سے کوئی نہ کوئی زخمی گرتا رہا۔ اس جنگل میں درخت بہت تھے جب کوئی سوار مجھ پر تیر چلاتا تو میں کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتا اور تیر کے زخم سے محفوظ رہتا۔ کبھی کسی اونچی چوٹی پر چلا جاتا اور وہاں سے ان پر پتھر برساتا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے تنگ آ گئے اور مجھ سے اپنی جان بچانے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو چھوڑ کر میرے آگے سے بھاگ گئے۔ پھر میں اونٹوں کو مدینہ طیبہ کی جانب ہنکا کر دوبارہ ان کافروں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ میں نے تیروں کے زخموں سے سب کو عاجز و سراسیمہ کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے نیزوں اور کپڑوں کو پھینکنے لگے تاکہ میں ان کے جمع کرنے میں مشغول ہو جاؤں اور جنگ سے ہاتھ کھینچ لوں۔ جو بھی ان میں سے پھینکتا میں ایک پتھر اس کے اوپر رکھ کر ان کے تعاقب میں بڑھتا رہتا۔ یہاں تک کہ تیس نیزے اور تیس چادریں اس طرح ان سے لیتا رہا جب دوپہر کا وقت ہو گیا تو فرازہ کے کفار کی ایک جماعت اپنی قوم کی مدد کو پہنچ گئی اور ان سب نے میری طرف رخ کر لیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سوار جن کو مقدمہ پر متعین فرمایا تھا۔ درختوں کے درمیان سے نمودار ہو گئے سب سے آگے اخرم اسدی (نجا) جو بہت بہادر جوانمرد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سعادت مندوں میں سے تھے اور ان کے پیچھے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ جن کو ''فارس رسول اللہ'' بھی کہتے ہیں۔ یہ اسی قصہ کے آخر میں آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَخَيْرُ فُرْسَانِهَا الْيَوْمَ اَبُوْ قَتَادَةَ (گھوڑ سواروں میں آج سب سے بہتر ابوقتادہ ہیں) وَخَيْرُ رِجَالِنَا سَلْمَةُ (اور پیدلوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں) ان کے پیچھے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود کندی تھے۔ اس کے بعد جب مشرکوں کی نظر مسلمانوں پر پڑی تو بھاگنے کا رخ اختیار کیا۔ اخرم رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ میں نے پہاڑ سے اتر کر ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا صبر کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی صحابہ بھی پہنچ جائیں۔ اخرم رضی اللہ عنہ نے کہا اے سلمہ رضی اللہ عنہ! اگر تم خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہو اور یقین رکھتے ہو کہ جنت و دوزخ برحق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو۔ اس پر میں نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی اور اخرم رضی اللہ عنہ نے خود کو عبدالرحمٰن پسر عتبہ بن حصین کے قریب پہنچایا اور اس پر نیزے کا وار کیا لیکن کارگر نہ پڑا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن پسر عتبہ نے نیزہ اخرم پر مارا اور ان کو شہید کر دیا۔ ان کے گھوڑے پر وہ سوار ہو گیا۔ پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن کے قریب پہنچے اور اسی نیزے سے جس سے حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اس پر ضرب لگائی اور یہی ضرب کارگر ثابت ہوئی اور انہوں نے اسے دوزخ پہنچا دیا۔ وہ اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور کَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ (جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے) کا قضیہ درست ہوا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن مارا گیا تو ہم کفار کے تعاقب میں روانہ ہوئے وہ سب اس گھاٹی میں داخل ہوئے جہاں پانی کا چشمہ تھا جس کو ذی قرد کہتے ہیں اور یہ غزوہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ کفار نے چاہا کہ اس چشمہ سے پانی پئیں چونکہ ہم ان کے قریب پہنچے تھے اس لیے وہ خوف سے پانی نہ پی سکے۔ وہ کنارہ سے ہی تیزی کے ساتھ بھاگنے اور راہ فرار اختیار کرنے لگے۔ میں نے

تنہا اس پوری جماعت کا غروف آفتاب تک تعاقب جاری رکھا اور میں ان کے دو گھوڑے لے کر واپس لوٹا۔

سبحان اللہ وماشاء اللہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی کیا مردانگی اور کیسی جوانمردی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ایمان ومحبت ہے۔ یہ شجاعت نہ اونٹوں کی وجہ سے اور نہ ان کے گم ہونے کی بنا پر ہے بلکہ تمام مال ومتاع کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں کیا قدر و قیمت ہے کہ اس کی خاطر لشکر کشی فرمائیں اور خود بنفس نفیس تشریف لے جائیں۔ مقصود تو دفع فساد دین اسلام کی شوکت کا اظہار اور کفار کو نگونسار کرنا ہے۔

القصہ حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ جب میں لوٹ کر ذی قرد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ اس جگہ قیام پذیر ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس اونٹ کو جو دشمنوں کے اونٹوں میں سے مسلمانوں کے مال غنیمت میں پہنچا ہے ذبح کر کے اس کا جگر اور اونٹ کا کوہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھون رہے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کی قوم پیاسی' بیتاب اور سراسیمہ بھاگی جارہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے صحابہ میں سے سو آدمیوں کا انتخاب کر کے ان کا تعاقب کروں اور کسی کو زینت حیتون. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ایسا کروں گے میں نے عرض کیا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو معزز ومکرم بنایا میں ایسا کروں گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تبسم فرمایا کہ آپ کے دندانہائے مبارک کی تابانی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ''اے اکوع کے بیٹے اِذَا مَلَكْتَ فَاسْجَحْ. جب تم قابو پالو تو رفق ونرمی برتو' مطلب یہ کہ شدت وسختی نہ برتو۔ مقصود تو اعدائے دین کی ذلت وخواری ہے۔ بحمد اللہ وہ حاصل ہوگئی ہے اور فرمایا ان لوگوں کی غطفان میں مہمانی ہورہی ہے۔ اس کے بعد ایک شخص غطفان سے آیا اور وہ خبر لایا کہ انہوں نے ایک اونٹ ذبح کر لیا تھا اور اس کی کھال اتار رہے تھے کہ ایک جانب سے گرد وغبار نمودار ہوئی انہوں نے تصور کیا کہ یہ گرد لشکر اسلام کی ہے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ سے بنی عمرو اور بنی عوف کے لوگوں کی کمک آئی جن پر سوار پیادہ سب تھے۔ مگر یہاں تو کام تمام ہوگیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے سواروں میں آج بہترین شخص ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ہیں اور پیادوں میں بہترین شخص سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں اور پیادہ اور سوار کا حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔ اور مجھے اپنا رویف بنایا یعنی اپنی سواری پر اپنے پس پشت مبارک بٹھایا۔ رہے قسمت وز ہے نصیب' اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک رات قیام فرمایا اس کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ اس غزوہ کی مدت سفر پانچ راتیں تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں بھی نماز خوف گزاری وہ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم' گھوڑے سے زمین پر آرہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی پنڈلی یا ران زخمی ہوگئی۔ اور جب مدینہ پہنچے تو اس بناء پر نماز بیٹھ کر پڑھی۔ اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ امام کی متابعت کی خاطر نماز بیٹھ کر پڑھیں۔ لیکن بہت سے علماء کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس لیے کہ یہ پایہ صحت کو پہنچا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں نماز بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتدار میں پڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا۔

<u>سریہ عکاشہ بن محصن اسدی بر سر بنی اسد</u>: اسی سال عکاشہ بن محصن اسدی کو چالیس مردوں کے ساتھ بنی اسد کی قوم کی جانب اس مقام کی طرف جس کو موضع غمر (بغین) کہتے ہیں بھیجا۔ جب یہ اسی بستی کے نواح میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو عکاشہ (بضم عین وکاف مخفضر) کے آنے کی خبر پہنچی تو راہ فرار اختیار کر کے اپنے گھروں کو خالی چھوڑ گئے۔ جب ان کی بستی میں داخل ہوئے تو وہاں کسی کو نہ دیکھا۔ البتہ ان میں سے ایک شخص ہاتھ آیا اسے امان دے کر اسے اس جگہ کا ''رہبر'' بنایا جہاں ان کے مویشی اور جانور تھے وہ وہاں لے گیا اور ان میں سے دوسو اونٹ ہاتھ لگے۔ وہ لیکر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بر موضع جموم: اسی سال حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو جمعیت کے ساتھ بنی سلیم میں موضع جموم کی طرف جو بطن نخلہ کے قریب ہے بھیجا۔ وہاں پہنچ کر ان کے مویشیوں پر قبضہ کیا اور کچھ لوگوں کو اسیر کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ روضۃ الاحباب میں اتنا ہی لکھا ہوا تھا۔ مواہب لدنیہ میں اس طرح ہے کہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے سریہ کو بنی سلیم کی طرف جو موضع جموم میں تھا اور اسے جموح بھی بولتے ہیں مدینہ طیبہ کے چار کوس کے فاصلہ پر بطن نخلہ کے گوشہ میں ہے چھٹے سال کے ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ انہوں نے وہاں مدینہ کی ایک عورت کو پایا جس کا نام حلیمہ تھا۔ اس عورت نے بنی سلیم کے محلوں میں سے ایک محلّہ کی رہنمائی کی۔ وہاں انہوں نے اونٹوں' بکریوں اور قیدیوں کو پایا۔ ان قیدیوں میں اس عورت کا شوہر بھی تھا ان سب کو لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ لوٹ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت اور اس کے شوہر کی جاں بخشی فرمائی۔

سریہ دیگر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بر موضع عیص: اسی سال دوسری مرتبہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو موضع عیص (بکسر عین وسکون یا) کی طرف جو مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ ماہ جمادی الاولیٰ میں ستر سواروں کے ساتھ قریش کے کاروان کی طلب میں شام سے آ رہا تھا بھیجا۔ انہوں نے کاروان کو جا پکڑا اور جو کچھ ان کے پاس تھا لے لیا۔ بہت سی چاندی جو صفوان بن امیہ کے پاس تھی قبضہ میں کر لی اور ان سب کو قید کر لیا۔ ان اسیروں میں ابوالعاص بن الربیع' شوہر سیّدہ زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ اس کے بعد ان کی زوجہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امان کو جائز رکھا۔ اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور ایمان لا کر مدینہ لوٹ آئے۔ حضرت ابوالعاص کا مکمل قصہ یہ ہے کہ پہلے وہ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ مکہ والوں نے جب اپنے قیدیوں کے فدیئے بھیجے تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ اس وقت انہیں کے پاس تھیں اور اس زمانہ میں مومنہ عورت کا نکاح مشرک کے ساتھ درست تھا۔ انہوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے گلوئے مبارک میں بندھتا تھا اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جہیز میں دیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس ہار کو دیکھا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کی یاد آئی اور آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ صحابہ سے فرمایا اگر تم ابوالعاص سے فدیہ نہ لو اور ان پر احسان کرو اور چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ پھر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لانے کیلئے لوگوں کو بھیجا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ آ گئیں۔ ہنوز ابوالعاص مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے سال بغرض تجارت شام گئے اور قریش کے کاروان کے ساتھ واپس آ رہے تھے کہ مسلمانوں نے کاروان کو جا پکڑا اور تمام قافلہ والوں کو قید کر لیا۔ ان میں ابوالعاص بھی قید ہو گئے۔ انہوں نے کسی کو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ اپنی امان اور پناہ میں لے لیں۔ پھر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عرض کو قبول فرما لیا اور انہیں رہائی مل گئی۔ اس پر لوگوں نے ابوالعاص سے کہا مسلمان ہو جاؤ تاکہ جو تمہارے ہمراہ مال ہے وہ تمہارا ہو جائے۔ انہوں نے کہا حاشا پناہ بخدا میں اپنے اسلام کو اس مال سے آلودہ کروں۔ اس کے بعد ابوالعاص مکہ چلے گئے اور لوگوں کو مال سپرد کر کے کہا اے مکہ والو اپنا پورا مال سنبھال لو۔ کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. اسد الغابہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ان کو گھیرنا اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی امان میں آنا۔ شام کے سفر میں جانے کا وقت ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ شام کی تجارت سے واپسی کے وقت یہ واقعہ ہوا۔ جیسا کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے اور شیخ نے بھی اصابہ میں یہی تحقیق کی ہے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بوادی القریٰ: اسی سال زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو رمضان المبارک میں ''وادی القریٰ'' کی طرف روانہ فرمایا۔ اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شام کی جانب جا رہے تھے ان کے ساتھیوں نے

بہت سا مال انہیں سپرد کر رکھا تھا۔ جب وہ وادی القریٰ کے قریب پہنچے تو قبیلہ فرازہ کی شاخ بنی بدر نے ان کی راہ روکی اور ایک دوسرے کے درمیان خوب جنگ وقتال ہوا۔ وہ لوگ بہت تھے اور مسلمان کم۔ کفار غالب آئے مسلمانوں کو بہت زدوکوب کیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ مسلمان بالآخر شکست کھا کر مدینہ طیبہ لوٹ آئے اور اس واقعہ کی ساری کیفیت بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جمعیت ان کے ہمراہ بھیجی۔ یہ دن میں چھپے رہتے اور رات کو سفر طے کرتے۔ اس کے بعد زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے وہاں صبح کے وقت پہنچ کر ان سے بدلہ لے لیا۔ بعض لوگوں کو قتل کیا اور بہت سی عورتوں کو اسیر کیا اور باقی لوگ بھاگ گئے۔ یہ چند سریے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے روضۃ الاحباب میں بیان کئے گئے ہیں۔ مواہب لدنیہ نے کچھ اور بھی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بسوئے اُم قرفہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو رمضان مبارک میں ام قرفہ فاطمہ بنت ربیعہ بن زید فراریہ کیلئے روانہ کیا۔ یہ ام القریٰ کے نواح میں تھی۔ یہ مدینہ سے سات رات کی مسافت پر ہے یہ وہاں کی ملکہ اور سردار تھی۔ اس جگہ بھی سریہ وادی القریٰ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ میں ام قرفہ کو گرفتار کیا جو بہت بوڑھی تھی۔ اسے بہت سخت مار لگائی اور اس کے دونوں پاؤں کو رسی سے باندھ کو دو اونٹوں کے پاؤں سے باندھ دیا اور پھر دونوں اونٹوں کو بھگایا جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ جب زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ مبارک پر دستک دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس سے بغیر قمیض مبارک پہنے اسی حال میں باہر تشریف لائے۔ آپ کا لباس مبارک آپ کے بغل میں تھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو آغوش میں لے کر ان کا بوسہ لیا اور اس عورت کا حال پوچھا۔ انہوں نے اپنی ظفرمندی کی داستان سنائی۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بسوئے طرف: ایک اور سریہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا بسوئے طرف واقع ہوا ہے۔ یہ ایک چشمہ ہے جو مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہ پندرہ مردوں کے ساتھ بنی ثعلبہ میں پہنچے وہاں انہوں نے اونٹوں اور بکریوں کو پایا' تمام بدوی بھاگ گئے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے بیس اونٹوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں صبح کی' کسی جنگی آدمی سے ملاقات نہ کی۔ وہ چار راتیں سفر میں رہے۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بسوئے بجشی: حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ایک اور سریہ بجشی کی جانب ہے جو وادی القریٰ کے پیچھے ہے۔ یہ جمادی الاخریٰ میں ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بن خلیفہ کلبی قیصر کے پاس گئے تھے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی جانب روانہ کیا تھا۔ قیصر نے ان کو تحائف اور خلعت دی تھی۔ راہ میں ہنید بجشی کے غلاموں کے ساتھ مل گیا اور اس نے ان پر راہزنی کی۔ پھر جب بنی الطیف کے لوگوں نے سنا تو وہ دوڑ کر ان پر حملہ آور ہوگئے اور سامان لوٹ کر لے گئے۔ حضرت دحیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور ساری حقیقت بیان کی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو پانچ سو آدمیوں کے ساتھ اور دحیہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ ان کے ہمراہ بھیجا۔ یہ دن کو پوشیدہ رہتے اور رات کو قطع سفر کرتے۔ اسی طرح صبح کے وقت اس قوم پر تاخت کی۔ ان کو قتل کیا اور سختیاں کیں۔ ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے ایک ہزار بکریوں اور ایک سو عورتوں' بچوں کو قابو میں کر لیا۔ ادھر زید رضی اللہ عنہ بن رفاعہ حذامی اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنا ایک خط پیش کیا جس میں اس نے اپنے اور اپنی قوم کیلئے لکھا کہ چند رات پہلے اسلام لے آئے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ ان سب کو ان کے

اموال کے ساتھ چھوڑ دو۔ انہوں نے انہیں ان کے مال واپس کر دیئے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بسوئے وادی القریٰ: ایک اور سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا وادی القریٰ کی جانب ماہ رجب میں بھیجا گیا۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معرکہ کارزار سے زخمی اٹھا کر لایا گیا۔ کیونکہ ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی لشکر کشیاں بہت ہیں۔ بعض میں وہ غالب رہے اور بعض میں مغلوب۔ روضۃ الاحباب میں ان سرایا کے ذکر نہ ہونے کی وجہ معلوم نہیں اور معارج النبوۃ میں بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

سریہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف بسوئے بنی کعب: اسی سال حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کو قبیلہ بنی کعب کی جانب اس مقام میں جسے دومۃ الجندل کہتے ہیں بھیجا گیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھایا اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔ ایک اور روایت میں غزوہ کا ذکر بھی آیا ہے اور فرمایا اغزبسم اللہ و فی سبیل اللہ۔ خدا کے نام سے راہ خدا میں جہاد کرو' جہاد کرو ہر اس سے جو کافر ہے۔ نام خدا کے ساتھ' غنیمت میں خیانت نہ کرنا' فریب نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ فرمایا اگر وہ دعوت اسلام قبول کر لیں تو ان کے سردار کی لڑکی کو طلب کرنا۔ اس کے بعد وہ روانہ ہوئے اور دومۃ الجندل پہنچے وہاں تین روز توقف کیا اور ان کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ پھر اصبغ بن عمرو بن کلبی جو ان کا سردار تھا اسلام لے آیا اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ اسلام لائے۔ جن کو الام کی توفیق نہ ہوئی انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

ظاہر ہے کہ تمام غزوات اور لشکر کشیوں میں یہی طریقہ رہا ہوگا اگرچہ سب جگہ اس کی تصریح مذکور نہیں ہے اس لیے کہ حکم شریعت یہی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اصبغ کی لڑکی سے جس کا نام تماضر تھا نکاح کیا اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ ان سے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن سلمہ بن عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ جو امام دین' اکابر تابعین اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے۔

سریہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بسوئے فدک: اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو سو افراد کے ساتھ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی جانب موضع فدک بھیجا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنی سعد بن بکر کے لوگ ایک لشکر جمع کر رہے ہیں تاکہ خیبر کے یہودیوں کو کمک پہنچائیں اور وہ سب مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کریں۔ اس بنا پر ان کو بھیجا گیا۔ رات قطع مسافت کرتے اور دن کو پوشیدہ رہتے یہاں تک کہ فدک اور خیبر کے درمیان ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ بنو سعد نے شکست کھائی۔ پانچ سو اونٹ اور ایک ہزار بکریاں قبضہ میں آئیں۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر اس کے کہ کوئی نقصان ہو مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

قضیہ عکل: اسی سال عکل (بضم عین) اور عرینہ (بضم عین) کا قضیہ واقع ہوا۔ اس کو سریہ کرز (بضم کاف) بن جابر فہری بھی کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا کہ یہ بعد غزوۂ ذی قرد ماہ جمادی الاخریٰ میں واقع ہوا تھا۔ بخاری نے اس کا ذکر حدیبیہ کے ماہ ذیقعدہ میں کیا ہے اور واقدی نے ماہ شوال میں ذکر کیا ہے۔ ابن سعد و ابن حبان نے انہیں کا اتباع کیا ہے۔

صحیح بخاری میں کتاب المغازی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عکل اور عرینہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور زبان سے اسلام کا اظہار و اقرار کیا۔ پھر وہ کہنے لگے یا نبی اللہ ہم اونٹ' بکریوں والے ہیں اور ہم اہل زراعت نہیں ہیں۔ ہماری زمینیں چارہ اور کھجوریں نہیں اگاتی ہیں۔ ہم شہری زندگی کے بھی حادی نہیں ہیں۔ انہوں نے مدینہ کی آب و ہوا کو

ناگوار اور گراں جانا۔ یہ ان کے مزاج کے موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ان کے پیٹوں پر ورم آ گیا اور ان کا رنگ وروپ پیلا پڑ گیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کو اونٹ دیدؤ دویا تین یا دس تک حکم فرمایا۔فرمایا ان کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ مسجد قبا کے نواح میں جبل ''عیر'' کے قریب تھے۔انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا۔وہ صحت مند اور تندرست ہو گئے۔اس مسئلہ میں علماء کے کئی قول ہیں۔ایک یہ کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے اگر وہ پاک نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پینے کا حکم نہ دیتے۔دوسرا قول یہ ہے کہ پینا علاج کی غرض سے تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نجس وحرام تو ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا وحی کے ذریعہ اس قوم کیلئے مخصوص تھا تو جس سے وہ تندرست ہو کر اپنے حال پر آ گئے لیکن پھر وہ اظہار اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو شہید کر کے اونٹ لے گئے۔جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو ان کے تعاقب وتلاش میں بھیجا اور حکم دیا ان کی آنکھوں میں سلاخ پھیر کے دھوپ میں ڈال دیں تاکہ مر جائیں۔ایک روایت میں ہے کہ مقطوع الاعضاء کو داغا نہ جائے۔جیسا کہ عام عادت ہے وسعت بریدہ کو داغ دیتے ہیں تاکہ خون بند ہو جائے اور ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔بخلاف ان لوگوں کے کہ انہیں داغ نہ دیں تاکہ خون جاری رہے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہے جو دانتوں سے زمین کو کاٹتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔مروی ہے کہ وہ پانی مانگتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تمہارے لیے جہنم کی آگ ہے۔آنکھوں میں سلاخ پھیرنا' کاٹنا' دھوپ میں ڈالنا اور داغ نہ دینا بطریق قصاص تھا چونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اونٹ لے جانے سے پہلے اصحاب صفہ کی جانب آگے بیٹھے تھے۔اس مقام میں ممکن ہے کہ بعض نادان اور کم فہم لوگ یہ خیال کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی حرکتیں اور ان کا کفر پہلے ہی کیوں نہ منکشف ہوا؟ اور ان کو کیوں مسلمانوں کے درمیان چھوڑ دیا اور کیوں نہ انہیں ان کے پاس سے نکال دیا۔یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احوال سے باخبر ہونا اور ان کے انجام سے مطلع ہونا وحی اور اعلام الٰہی سے ہوتا ہے۔اس وقت ایسا نہ ہوا تھا اس میں ایسی حکمتیں ہوں گی جسے بجز علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا۔یہی حکم تمام اہل کشف اور ارباب خبر اولیاء کا ہے۔ان ناپاکوں کی تعداد آٹھ تھی' اونٹوں کی تعداد پندرہ تھی اور لشکر بیس سواروں کا تھا۔

ابن مردویہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا جس کا نام یسار رضی اللہ عنہ تھا۔ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ خوب اچھی طرح نماز ادا کر رہا ہے آپ نے اس کو آزاد کر کے ان اونٹوں کی حفاظت اور اس کی خدمت کیلئے بھیج دیا۔یہ وہیں رہتے تھے۔پھر عرنیہ کی ایک قوم آئی انہوں نے اظہار اسلام کیا۔اسی دوران انہیں بیماری تپ ولرزہ لاحق ہو گیا اور ان کے پیٹ بڑھ گئے۔تب انہوں نے یسار رضی اللہ عنہ پر تعدیاں کیں اور ذبح کر کے ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اور اونٹوں کو چرا کر ساتھ لے گئے۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں مسلمانوں کی ایک جماعت بھیجی اور کرز رضی اللہ عنہ بن جابر فہری کو ان پر امیر مقرر فرمایا وہ ان کو پکڑ کر لے آئے۔ان کے ہاتھ کاٹے گئے اور آنکھوں میں سلاخیں پھیری گئیں یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گئے۔لعنۃ اللہ علیہم''۔حق تعالیٰ نے آنکھوں میں سلاخیں پھیرنے کو مکروہ جانا'' اور یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ.

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ مردویہ کا یہ قول کہ حق تعالیٰ نے آنکھوں میں سلاخیں پھیرنے کو مکروہ جانا'' مسلم کی روایت کی مخالف ہے کیونکہ آنکھوں میں سلاخیں پھیرنا یا اس قسم کی اور باتیں قصاص کے طریقہ پر تھیں۔تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ کیسے مکروہ ہوں

گی۔اور فتح الباری میں ہے کہ ابن التین نے گمان کیا ہے کہ عرنیہ اور عکل ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں حالانکہ ان کا یہ گمان غلط ہے بلکہ یہ دو جداگانہ قبیلے ہیں۔عکل' عدنان سے ہیں اور عرنیہ قحطان سے۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: اس سال کے واقعات میں سے سریہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ' بسوائے اسیر بن رزم یہودی خیبر کی جانب ہے اس کا سبب یہ تھا کہ جب ابورافع بن ابی الحقیق مارا گیا تو یہود نے اسیر کو امیر بنایا۔اس نے غطفان وغیرہ قبائل میں گشت کی تا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کیلئے جمع کرے' جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو تین شخصوں کے ساتھ حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا۔وہ خبر لائے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو انہی حضرات کے ساتھ بھیجا۔یہ اسیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری طرف بھیجا ہے تا کہ تو بارگاہ رسالت میں پہنچے اور تجھے خیبر پر عامل بنائیں اور تجھ پر احسان فرمائیں۔وہ ان کی اس طمع میں آ گیا اور اپنے ساتھ تین یہودیوں کو لیا تا کہ ایک مسلمان کے ساتھ ایک یہودی ہو اور چلدیا۔جب موضع قرقرہ میں پہنچے تو لشکر اسلام میں سے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس نے تلوار سے اسے قتل کر دیا۔اور اپنے اونٹ سے کود پڑے۔اس کے بعد تمام مسلمانوں نے اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا بجز ایک شخص کے مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔پھر یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو ظالم قوم سے نجات دی۔

عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کا مکہ بھیجنا: اسی سال کے واقعات میں سے عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمیری کا ابوسفیان بن حرب کی طرف مکہ بھیجنا ہے۔اس کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے ایک شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کیلئے مدینہ بھیجا تا کہ دھوکہ سے اپنے خنجر کے ساتھ دست درازی کرے۔پھر وہ مدینہ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا جس کا ذکر آخر غزوۂ خندق میں گزر چکا ہے۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمیری کو بھیجا اور سلمہ بن اسلم کو ان کے ہمراہ کیا۔ایک روایت میں ہے جبار رضی اللہ عنہ بن صخر کو ابوسفیان کی طرف بھیجا کہ اگر ہاتھ لگے تو اس کو قتل کر دیں۔چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ' مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔وہ ایک رات طواف کر رہے تھے کہ اچانک معاویہ بن ابوسفیان بن حرب کی نظر ان پر پڑ گئی۔معاویہ نے قریش کو ان کے وجود گرامی کی خبر کر دی۔قریش نے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور تلاش کیا اور کہنے لگے مکہ والو! عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ آ گیا ہے اس سے غافل نہ رہنا۔چونکہ زمانہ جاہلیت میں عمرو بن امیہ اچانک قتل کر دینے میں مشہور تھے۔مکہ والوں نے ان کی جستجو اور قتل کرنے میں اجتماع کیا۔جب مکہ والے عمرو رضی اللہ عنہ اور سلمہ رضی اللہ عنہا کے حال سے باخبر ہو گئے تو یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔اور سلمہ بن ابی اسلم مدینہ لوٹ گئے اور عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ پہاڑوں اور مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے۔عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران مجھے عثمان بن مالک ملا۔میں نے خنجر اس کے سینہ میں گھونپ دیا۔وہ اتنی زور سے چیخا کہ بہت سے لوگوں نے اس کی آواز سنی اور اس طرف متوجہ ہو گئے۔اور میرے پکڑنے کے درپے ہو گئے۔میں ایک غار میں گھس گیا اور پھر اس غار سے دو ے غار میں چلا گیا۔اس غار میں میں نے ایک کانے شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو دھوپ سے سایہ میں لے آیا تھا۔اس نے ٹیک لگاتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

فَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَا دُمْتُ حَيًّا وَلَسْتُ اَدِيْنُ دِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ

میں جب تک زندہ ہوں مسلمان نہ ہوں گا اور میں مسلمانوں کے دین کو اختیار نہ کروں گا'' پھر وہ شان رسالت میں بکواس کرنے لگا۔میں نے اتنی دیر صبر کیا کہ وہ ملعون سو جائے۔پھر میں نے کمان کی نوک کو اس کی صحیح آنکھ پہ رکھ کر اتنی زور سے دبایا کہ اس کے دماغ تک گھس

گئی۔اور اپنی جان داروغہ دوزخ کو دیدی (لعنتہ اللہ علیہ)۔پھر جب میں غار سے باہر نکلا تو قریش کے دو جاسوس میرے پاس آ گئے۔ ایک کو تو میں نے تیر مارا اور دوسرا بھاگ کھڑا ہوا۔اس کے بعد میں صحیح وسلامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی سے مشرف ہو گیا۔ میرا وہ ساتھی بھی عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا تھا۔جب ابوسفیان نے حقیقت حال سے باخبری پائی تو اپنی حفاظت میں کوشش کرنے لگا اور اس میں مبالغہ سے کام لینے لگا۔حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اُمیہ ضمیری فرماتے تھے افسوس کہ ابوسفیان کی موت نہ آئی تھی اور وہ میرے ہاتھ سے بچ گیا۔

دعائے استسقاء: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے طلب باراں فرمائی ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال رمضان مبارک میں مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔لوگوں نے بارگاہ رسالت میں استقاء اور استغاثہ کیلئے عرض کیا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے بارش فرمائی۔

صاحب سفر السعادت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے استقاء چھ صورتوں میں واقع ہوئی ہے اول وجہ یہ کہ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران بارش کی دعا مانگی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا' اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا' اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا' اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا. جیسا کہ بخاری ومسلم' موطاء وابوداؤد اور نسائی میں بروایات متنوعہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قحط پڑا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ لَنَا. مال ہلاک ہو گئے بچے بھوکے مر گئے ہمارے لیے دعا فرمایئے' ایک روایت میں ہے قَحَطَ الْمَطَرُوْا اِحْمَرَتْ اَشْجَارُ وَهَلَكَتُ الْبَهَائِمُ. بارش نے خشکی ڈالی' درخت سوکھ گئے اور جانور تباہ ہو گئے ایک روایت میں ہے۔ هَلَكَتُ الْمَوَاشِيُ وَاهَلَكَتِ الْعِيَالُ وَهَلَكَ النَّاسُ. مویشی تباہ ہو گئے گھر والے ہلاک ہو گئے اور لوگ ہلاک ہو گئے۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا. اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا چار مرتبہ کہا۔ایک روایت میں ہے تین مرتبہ کہا اور ایک روایت میں ہے کہ اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہا حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس وقت آسمان میں ہم بادل کا ٹکڑا تک نہ دیکھ رہے تھے لیکن ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک نیچے بھی نہ لائے تھے کہ بادل پہاڑوں کی مانند امنڈ کر آ گئے اور برسنے لگے۔اس دن بھی دوسرے دن بھی اور تیسرے دن بھی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آ گیا اور بارش برابر ہوتی رہی۔دوسرے جمعہ پھر وہی اعرابی آیا اور اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! هَدَمَ الْبِنَاءُ وَغَرَقَ الْمَالُ مکانات گر گئے اور مال غرق ہو گئے' ایک روایت میں ہے هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ مال تباہ ہو گئے راستے بند ہو گئے' دعا فرمایئے تاکہ اللہ تعالیٰ بادل کھول دے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی آدم کی زود رنجی پر تبسم فرمایا اور دعا کی اَللّٰھُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اے خدا ہمارے گرد بارش فرما ہم پر نہیں' ایک روایت میں اتنا زیادہ ہی اَللّٰھُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالضِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابَتِ الشَّجَرِ. اے خدا کھیتوں پر' باغوں پر' چشموں پر اور درختوں کی جڑوں پر بارش فرما' اور جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے اس طرف سے بادل چھٹتا جاتا۔یہاں تک کہ مدینہ کے اوپر سے بادل صاف ہو گیا۔اور وادیاں جل تھل ہو گئیں۔گرداگرد بارش ہوتی رہی۔اور یہ سلسلہ ایک مہینہ تک جاری رہا۔جس نواح سے بھی کوئی آتا بارش کی خبر دیتا۔ایک روایت میں ہے کہ مدینہ پر سے بادل چھٹ گیا اور یہاں ایک قطرہ تک نہ برسا۔یہ واقعہ مسجد نبوی شریف میں جمعہ کے دن خطبہ کے دوران کا ہی۔

دوسری صورت وہ ہے جسے ابوداؤد و ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے قحط اور خشک سالی کی شکایت کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عید گاہ کے میدان میں منبر رکھا جائے اور صحابہ کو ایک خاص دن معین کر کے بتایا کہ وہاں پہنچ جائیں۔ چنانچہ معینہ دن میں صحابہ وہاں پہنچ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب کے بعد نہایت تواضع وخشوع اور انکساری کے ساتھ باہر تشریف لائے جب عید گاہ پہنچے تو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا اتنا حصہ محفوظ ہے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ.

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا رب ہے۔ رحمت والا مہربان، مالک قیامت کے دن کا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش بھیج اور بنا ہمارے لیے اس بارش کو قوت اور بلاغ اس پریشانی میں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو اٹھایا اور تضرع وابتہال شروع فرمایا۔ اور دستہائے مبارک کے اٹھانے میں خوب مبالغہ کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں بغل شریف کی سفیدی ظاہر ہوگئی پھر روبقبلہ ہو کر حاضرین کی طرف سے پشت کی اور چادر مبارک کو اس طرح پلٹا کہ داہنا کنارہ بائیں کو اور بایاں کنارہ داہنے کو اور اندر کا حصہ باہر کو اور باہر کا حصہ اندر کی طرف ہوگیا۔ آپ کی چادر شریف سیاہ رنگ کی تھی۔ اسی طرح قبلہ رو کھڑے ہو کر دعاء مانگی۔ اس کے بعد منبر سے نزول فرمایا اور نماز شروع فرمائی اور بغیر اذان واقامت کے دو رکعتیں پڑھیں۔ اور قرأت میں جہر فرمایا پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھی۔

دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ o تلاوت فرمائی سورہ قاف اور اقتربت الساعۃ بھی مروی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے آخر میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو حق تعالیٰ نے بجلی اور کڑک کے ساتھ بادل بھیجے جو برسنے لگے۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی شریف میں پہنچنے تک سیل رواں ہوگیا۔ جب لوگوں کی جلدی اور پریشانی مشاہدہ فرمائی تو تبسم فرمایا یہاں تک کہ آپ کے دندان ہائے مبارک ظاہر ہو گئے۔ فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد میں جمعہ کے علاوہ استسقاء فرمائی۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بروایت یزید رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ سلمیٰ نقل کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو قبیلہ بنی فرازہ کا وفد عورتوں اور بچوں کے ساتھ تباہ حال آیا۔ قحط کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا "یا رسول اللہ! اپنے رب سے ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے اور اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمایئے تا کہ آپ کی وجہ سے وہ شفاعت فرمائے۔ فرمایا: سبحان اللہ! افسوس ہے تم پر۔ سب شفاعت رب تعالیٰ سے کرو ایسا کون ہے جس سے رب تعالیٰ شفاعت کرے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ اور فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہاری آہ وزاری اور تمہاری فریاد واستغاثہ پر اپنی شان کے لائق تبسم فرماتا ہے۔ اعرابی درمیان میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا کیا رب العزت تبسم فرماتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تبسم فرماتا ہے اس پر اعرابی کی اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی، پھر منبر پر تشریف لائے اور دست مبارک دعا کیلئے دراز فرمائے اور بارش کیلئے دعا فرمائی یہاں تک کہ ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی۔ الحدیث۔

اس تیسری صورت میں نماز استسقاء اور خطبہ محفوظ نہیں ہے بلکہ محض دعا فرماتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی شریف میں دعا فرمائی اور بیٹھ کر استسقاء کی۔ منبر پر بھی نہ چڑھے۔ اس روز کی دعا سے صرف اتنا محفوظ ہے کہ فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا غَیْثًا مُّرِیْعًا عَاجِلاً غَیْرَ رَائِیًا۔ ایک روایت میں غَیْرَ اٰجِلٍ نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍ۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک مکان میں دعا فرمائی۔ جو مسجد کے باہر ''زوراء'' کے قریب ہے جسے احجار الزیت بھی کہتے ہیں اور وہ مسجد نبوی کے باب السلام کے قریب واقع ہے اس جگہ ایک مرتبہ استسقاء فرمائی۔

چھٹی صورت غزوات میں واقع ہوئی ہے کہ بعض غزوات میں مشرکوں نے چشموں پر قبضہ کر لیا اور پانی کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان بے آب رہ گئے اور جب ان پر تشنگی غالب ہوئی تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ منافقوں اور مشرکوں نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے (معاذ اللہ) تو مسلمانوں کیلئے بارش کی دعا مانگتے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے استسقاء کیا۔ ان کی مراد ظاہر ہے کہ پتھر پر عصا مار کر اس سے بارہ چشمے نکالنے سے رہی ہوگی۔ یہ خبر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا وہ ایسا کہتے ہیں تو اے مسلمانو! تم ناامید نہ ہو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں بھی پانی عطا فرمائے۔ اس وقت آپ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور دعا کی۔ اسی وقت بادل نمودار ہوا جس سے عالم تاریک ہو گیا اور بارش ہونے لگی۔ جس سے بڑی بڑی وادیاں لبریز ہو گئیں۔ یہ وہ چھ صورتیں ہیں جن کو سفر السعادت میں بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش پر قحط میں مبتلا ہونے کی دعا فرمانا ہے۔ اس دعا میں فرمایا: اَللّٰھُمَّ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ۔ ایک روایت میں ہے: سَبْعًا کَسَبْعِ یُوْسُفَ۔ مطلب یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی مانند اتنے ہی سال یا سات سال تک ان پر مسلط رہا قحط۔ پھر ان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر گڑگڑانا اور آہ وزاری کرنا بھی مشہور و معروف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی آپ بارش کی دعا کا آغاز فرماتے تو اپنے بدن اقدس کے کچھ حصے سے لباس کو اتار دیتے تاکہ بارش کا پانی اس پر پڑے اور فرماتے: لِاَنَّهٗ حَدِیْثُ عَھْدِ الْبَرِیَّةِ۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسقاء میں کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ وہ یہی دعا و استغفار ہے بموجب فرمان باری تعالیٰ عز اسمہ کے۔

اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا o یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا o	اپنے رب سے استغفار کرو کیونکہ وہ غفار ہے جو تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برساتا ہے۔

نیز اکثر حدیثوں میں وجوہ استسقاء مذکور میں نماز نہیں ہے۔ بجز ایک صورت اور وجہ کے کہ آپ عیدگاہ تشریف لے گئے' دو رکعت نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ یہ حدیث اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ پایہ صحت کو نہیں پہنچی ہے یا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز سنت تو جب ہوتی جبکہ آپ اس پر سختی کے ساتھ مواظبت فرماتے یا باوجود بعض دفعہ ترک فرمانے کے اکثر اوقات اس پر عمل فرمایا ہو۔ حالانکہ بجز ایک مرتبہ کے پھر کبھی ایسا نہ کیا۔ یہ بات پایہ صحت کو پہنچی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے استسقاء کی اور وہ یہی دعا استغفار تھی۔ اگر استسقاء میں نماز مسنون ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہوتا جبکہ عام مشہور ہوا اور زمانہ نبوت سے بھی وہ بہت قریب تھے۔ ان سے اس کا ترک صادر ہونا ان کے علم کے باوجود ناممکن تھا۔ ان کی مراد جو یہ کہتے ہیں کہ استسقاء میں نماز واجب نہیں ہے اصل مراد یہ ہے کہ جماعت اور دیگر خصوصیات کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔ وگرنہ اگر کوئی تنہا تنہا نماز پڑھے اور تضرع و زاری کرے اور دعا استغفار کے طریقہ کو اس طرح ظاہر کرے تو نہ صرف درست بلکہ احسن ہے۔ غرضیکہ استسقاء

کے بارے میں جتنی حدیثیں مروی ہیں وہ اضطراب سے خالی نہیں ہیں۔ بہت سی وہ حدیث جو ان خصوصیات اور کیفیات پر مشتمل ہیں ان کی سندیں ضعف کے بغیر نہیں ہیں۔ لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ نے اس کے خلاصہ ومقصود کو اخذ فرمایا اور وہ دعا استغفار ہے اور نماز کو بھی جائز رکھا اور جماعت وخطبہ وغیرہ کا بھی اثبات فرمایا جبکہ ان کا ماخذ یقینی اور حتمی ہو۔ صاحبین اور تینوں ائمہ کے نزدیک استسقاء میں جماعت اور ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے ساتھ ہیں مگر اب مذہب حنفیہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ استسقاء میں مقصود اصلی اتباع سنت، اقامت مراسم عبودیت چاہے بارش ہونا اور دعا کا مقبول ہونا اس کے فضل پر موقوف ہے۔

عمرۂ حدیبیہ کے واقعات

ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذی قعدہ کی چاند کو دوشنبہ کے دن آپ کا عمرہ کے قصد سے حدیبیہ جانا ہوا۔

حدیبیہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مقام حل وحرم کا جامع ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ زیادہ تر علاقہ حرم ہے۔ اصل میں حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے یا کسی درخت کا جو اس مقام میں ہے۔ اب یہ اس مقام کا نام ہی ہو گیا ہے۔ وہ خاص جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعین ومعلوم تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں وہ جگہ مبہم ومجہول ہو گئی۔ لوگ اس کے پانے اور زیارت کرنے سے محروم ہو گئے۔ آپ کے سفر کی سمت تو معلوم ہے لیکن مخصوص جگہ غیر یقینی ہو گئی ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن المسیب جو اکابر تابعین سے ہیں۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے سال گئے تو ہم نے بتایا لیکن اس جگہ کو پہچان نہ سکے۔ طارق بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں حج کیلئے گیا تو میں نے ایک جماعت کو پایا جو حدیبیہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس زمانہ میں مکہ مکرمہ آنے کا راستہ یہی حدیبیہ تھا اب حدیبیہ داہنے ہاتھ پر رہ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جماعت دیکھی جو اس مقام کی مسجد میں نماز پڑھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ مسجد کیسی ہے اور کیوں اس جگہ بنائی گئی ہے"۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ جگہ اس درخت کی ہے جہاں صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ — بے شک اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا جو آپ کے دست اقدس پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

مطلب یہ کہ حدیبیہ میں وہ جگہ جس درخت کے نیچے بیعت واقع ہوئی یہ ہے۔ لوگوں نے اس جگہ مسجد بنالی ہے جس طرح مدینہ منورہ میں تمام آثار مصطفویہ میں اور آپ کے راستوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ لوگ اس جگہ کو متبرک جان کر حصول برکت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت طارق فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب کے پاس آیا اور ان سے یہ حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے تعین کیا ہے کہ ہم سے اس جگہ کو جہاں درخت واقع تھا بھلا دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم اس جگہ کو پانے کی قدرت نہیں رکھتے وہ جگہ ہم پر مبہم ہو گئی ہے۔ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تو اس جگہ کو پا نہ سکے پھر تم نے کیسے جان لیا اور پالیا؟ گویا تم ان سے زیادہ جاننے والے ہو حالانکہ ان کا علم ومعرفت بقرائن امارات کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تھے تم سے بیشتر اور زیادہ تر تھا۔ البتہ لوگوں نے اپنے قیاس وگمان سے اس جگہ کے قریب مسجد بنالی ہو گی۔ لیکن رہا خاص اس جگہ کا تعین تو یہ کسی کو میسر نہیں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب کے کلام میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بزرگوں اور مقربوں کے مقابلہ میں زیادہ جاننے اور علم رکھنے کا دعویٰ، نامعقول اور نامقبول ہے جو کچھ انہوں نے فرمایا، بتایا اسی پر اکتفا کرنی چاہیے اور

اسے مان لیا جائے۔ باب آداب وتواضع وانکسار میں یہ عظیم اصول اور قاعدہ ہے اسے یاد رکھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے۔لشکر اسلام کی تعداد میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ایک روایت میں چودہ سو ہے۔ایک روایت میں پندرہ سو'ایک روایت میں تیرہ سو ہے۔ان روایتوں کی جمع وتوفیق میں کہتے ہیں کہ واقعۃً چودہ سو سے زیادہ تھے لیکن جنہوں نے پندرہ سو کہا انہوں نے کسر کو بڑھا دیا ہوگا۔جنہوں نے چودہ سو کہا انہوں نے کسر کو حذف کر دیا۔حساب میں یہ عرب کی عادت اور سہل انگاری ہے۔وہ کسر کا لحاظ و پاس نہیں کرتے ہیں۔جیسا کہ صاحب مواہب نے بیان کیا۔ایک روایت میں پندرہ سو بیس واقع ہے۔ان تمام روایتوں کو اس طرح جمع کرنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال کچھ اوپر چودہ سو صحابہ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے۔اسی جمع پر امام نووی نے اپنی کتاب میں اعتماد کیا ہے۔اب رہی تیرہ سو کی روایت۔ممکن ہے کہ راوی اتنی ہی تعداد سے باخبر ہوا ہو اور زیادہ کی اسے خبر نہ ہوئی ہو لیکن جس نے ان سب کو دیکھا اس نے مجموعہ کو نقل کر دیا اور اصول حدیث میں مقرر روایت کر دیا۔کچھ عرصہ بعد اور جماعت آکر شامل ہوگئی ہو جس کی اس راوی کو خبر نہ ہوئی ہو لیکن جس نے ان سب کو دیکھا اس نے مجموعہ کو نقل کر دیا۔اصول حدیث میں مقرر و مبین ہوگیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی قابل تسلیم ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ اسی توجیہہ وتاویل کو سولہ سو اور سترہ کی روایت میں جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے ان پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم) لیکن اس میں ایک بات یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی ظاہر عبادت اسی طرح متعارف ہے کہ ہزار اور چار سو تھے یا ہزار اور پانچ سو تھے۔یا ہزار اور تین سو تھے۔اس طرح نہیں ہے کہ چودہ سو'پندرہ سو اور تیرہ سو تھے۔اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ سو سو کی جماعتیں جدا جدا بنی ہوئی تھیں۔ان پر تیرہ سو یا چودہ سو یا پندرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔اس بنا پر یہ نکتہ ظاہر کرتے ہیں کذا قیل یہ غزوہ حدیبیہ ان فتوحات اور فیوضات عظیمہ کا مبدا اور سرچشمہ واقع ہوا ہے جو اس کے بعد حاصل ہوئیں۔حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ تم فتح کو فتح شمار کرتے ہو یعنی وہ فتح جو اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا. میں واقع ہوا ہے۔اسے فتح مکہ پر محمول کرتے ہو بلا شبہ فتح مکہ یقیناً فتح ہے ہم تو بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں۔مطلب یہ کہ فتح مکہ تو فتح ہے ہی لیکن بیعت رضوان فتح عظیم ہے۔

مفسرین کا آیۂ کریمہ ''اِنَّا فَتَحْنَا'' میں فتح کی مراد میں اختلاف ہے۔آیا یہ فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ یا وہ دیگر فتوحات جو بعد از حدیبیہ واقع ہوئیں۔بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فتح مکہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسے بصیغہ ماضی تعبیر فرمانا تحقق وقوع کی بنا پر ہے۔یا اس فتح کے ساتھ ہے جو باتفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سال میں حاصل ہوئی جیسے فتح خیبر اور فدک یا صلح حدیبیہ کی خبر دینا ہے اور اس کو فتح سے تعبیر وتسمیہ فرمایا ہے۔اس بنا پر کہ اس کے وقوع سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں پر غلبہ و فتح مندی حاصل ہوئی ہے کہ مشرکین صلح کے متلاشی ہوگئے۔(ان میں جارحانہ حملوں کی اب سکت نہیں رہی ہے۔اسلام کی قوت وطاقت کا احساس ہوگیا ہے اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا ہے۔اب سلامتی صلح میں ہی ہے فافہم) اور یہ صلح فتح مکہ کا سبب اور زینہ ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تمام عرب کے لئے فارغ ہوگئے ہیں چنانچہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات فرمائے اور بہت سے مقامات کو فتح کیا اور بہت بڑی خلقت اسلام میں داخل ہوگئی۔حدیبیہ میں بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔روم کی فتح اور اس کا فارس پر غلبہ اسی سال ہوا۔سورۂ روم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہونے کو پہنچوایا گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتح کی تعبیر میں یہ اختلاف پرانا ہے۔تحقیق یہ ہے کہ آیتوں میں اس کی مراد مختلف ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا. میں مراد حدیبیہ ہے اس لیے کہ وہ فتح کا مبدا اور سرچشمہ ہے۔اس پر ایسی صلح مرتب ہوئی جس میں امن اور رفع جنگ واقع ہے۔حضرت حق سبحانہ کے قول وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا سے فتح خیبر مراد ہے اور اس ارشاد باری سے کہ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا اس سے بھی فتح حدیبیہ مراد ہے۔اس فرمان سے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ. اس سے فتح مکہ

ہی مراد ہے۔
ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ ''اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کرنے گئے ہیں اور خانہ کعبہ کی کنجی آپ کے دست مبارک میں ہے۔ کچھ صحابہ نے سر منڈائے ہیں اور کچھ صحابہ نے بال ترشوائے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو اپنا یہ خواب سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور خیال کیا کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال ظہور پر ہوگی۔ جب حدیبیہ کا واقعہ ایک اور نہج پر قرار پایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ کب فرمایا تھا کہ اسی سال واقع ہوگا۔ (یہ تو تمہاری اپنی تعبیر اور اپنا خیال تھا) اب میں حدیبیہ کے پورے قصہ کو بیان کرتا ہوں۔

واقعہ غزوۂ حدیبیہ: واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کے دیکھنے کے بعد اسباب سفر کی فراہمی میں مشغول ہوگئے۔صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں عمرہ کیلئے جاؤں گا تم بھی مستعد و تیار ہو جاؤ۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرما کر چھوڑ دیا۔اکثر صحابہ نے بجز تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ لیا۔کیونکہ وہ تلوار کو مسافروں کا ہتھیار کہتے ہیں۔ کچھ صحابہ نے (مثلاً حضرت عمر بن الخطاب' حضرت سعد بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنے جسموں پر پورے ہتھیار آراستہ کرنے کا اہتمام کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز قرار نہ دیا اور ہدی کے اونٹوں کو جمع فرمایا۔ستر اونٹ تھے۔ابو جہل کا وہ اونٹ جو غزوۂ بدر میں غنیمت میں ہاتھ آیا تھا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ملک خاص میں لے آئے تھے اور اس میں تھا۔صحابہ میں سے جن کو استطاعت تھی ہدی کو ساتھ لے لیا۔اس کے بعد ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی اور اونٹوں پر قلاوے ڈالے اور اشعار فرمایا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ عمل فرمایا تھا صحابہ نے بھی وہی کیا۔اشعار' اونٹ کے کوہان کو دونوں جانب سے چیرنے کو کہتے ہیں تاکہ اس سے خون جاری ہو جائے۔ یہ سنت ہے لازم ہے کہ اس میں گہرا زخم نہ لگائے۔امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اشعار کا مکروہ ہونا منقول ہے۔ بلاشبہ دیگر ائمہ نے اس پر طعن کیا ہے۔صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اشعار کرنا مروی ہے۔ پھر اسے مکروہ قرار دینے کے کیا معنی ہیں؟ لیکن امام اعظم کا مکروہ قرار دینا مبالغہ کرنے اور گہرا زخم پہنچانے میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگ اسی طرح گہرا زخم لگاتے ہیں اور اشعار سے مقصود خبردار کرنا ہے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔گردن میں جوتیوں کا لٹکانا وغیرہ بھی اسی غرض مذکور کی بنا پر سنت ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر قریش کو پہنچی تو ان سب نے اتفاق کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور قرب و جوار کے قبائل' دیگر اطراف سے جماعتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر متفق کر کے لے آئے اور جنگ کی تیاری کر کے مکہ سے نکل آئے۔موضع بلدہ میں جو مکہ کے باہر جدہ کے راستہ میں ہے لشکر کفار نے پڑاؤ ڈال لیا۔خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کا ہراول دستہ بنایا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ قریش سدراہ ہیں اور مکہ میں داخل ہونے میں مانع ہیں۔تو صحابہ کو مشورہ کیلئے جمع فرمایا۔فرمایا کہ ''کیا یہ مناسب ہے کہ ہم ان لوگوں کے اہل وعیال پر حملہ کر دیں جو قریش کی مدد کیلئے گئے ہیں۔وہ لوگ اپنے اہل وعیال کی مدد کیلئے قریش سے جدا ہو جائیں پھر قریش سے ہم بآسانی جنگ کر سکتے ہیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس سال عمرہ کی نیت سے نکلے ہیں اور کسی سے جنگ کرنے کی تیاری یا اس کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں۔ہمیں اس ارادہ پر قائم رہنا چاہیے البتہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں بالفعل قریش مانع آئے تو اس وقت ہم ان سے جنگ کریں ڈگے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بات اچھی لگی اور ان کی رائے کو درست فرمایا۔فرمایا: خدا کا نام لے کر چلو۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی مرضی مبارک تھی لیکن صحابہ کے دلوں کا حال اور ان کی رائے

معلوم کرنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا۔ مسند امام احمد کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے والا اور کسی کو کبھی نہیں دیکھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقام غمیم میں خالد بن ولید قریش کے لشکر کا ہراول دستہ لیے بیٹھا ہے تم داہنے راستہ سے چلو تا کہ صبح کو اچانک ان پر پہنچیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو راستہ اختیار کیا وہ نہایت دشوار اور سخت ترین تھا۔ وہاں سے گزرنا انتہائی دشوار اور مشکل تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریگزار کی صعوبتیں ملاحظہ فرمائیں تو آپ نے صحابہ کے زخموں پر مرہم رکھتے ہوئے فرمایا یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ یہ عبارت معارج النبوۃ کی ہے اور حقیقت میں بحکم حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ. ہے فرمایا راہ خدا میں جس قدر صعوبتیں برداشت کی جائیں اور خود جنت و دوزخ کی بارہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثالیں دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: رَأَيْت لجنة في عرض هذا الحائط. میں نے جنت کو اس دیوار میں دیکھا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ اس جگہ بھی درپیش ہوا ہوگا۔

جب پہاڑیوں سے گزرے اور ہموار زمین پر پہنچے تو فرمایا: نَسْتَغْفِرُ اللهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ. گویا اس راہ کی دشواریوں کے سلسلہ میں کسی دل میں کوئی خیال گزرا ہوگا۔ اس پر آپ نے استغفار کر کے تنبیہ فرمائی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ خدا کی قسم ان مجاہدین کے وجود گرامی کا خالد کو اس وقت تک پتہ نہ چلا جب تک کہ لشکر اسلام کا گرد وغبار اس کی آنکھوں میں نہ گھس گیا۔ اسی وقت بھاگ کر قریش سے مل گیا اور ان کو حقیقت حال سے باخبر کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام ثنیہ میں پہنچے جو حدیبیہ کے قریب ہے (اسے ثنیۃ المرار بضم میم یا بکسر میم کہتے ہیں) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء زانو کے بل بیٹھ گئی۔ ہر چند اسے جھڑکا گیا اور لوگوں نے حل حل کی آوازیں بلند کیں (یہ آواز اونٹ کو اٹھانے کیلئے نکالی جاتی ہے۔ اسی طرح نخ نخ اونٹ کو بٹھانے کیلئے بولتے ہیں) مگر وہ اونٹنی نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا ''خلات القصوی'' اونٹنی تھک گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا خَلَأَتِ الْقُصْوٰى وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ. یعنی قصوی چلنے سے تھکی نہیں ہے اور نہ اس کی یہ عادت ہے۔ لٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ. لیکن اسے ہاتھی کے روکنے والے نے روک دیا ہے یعنی حق تعالیٰ نے ان ہاتھیوں کو جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے لائے گئے تھے جس طرح روک دیا تھا اور اسے بٹھا دیا تھا۔ اس حکم ربی کا یہاں بھی احتمال ہے چونکہ صحابہ مکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے اور قریش داخل ہونے میں مانع اور حارج تھے۔ لامحالہ ان میں قتال واقع ہونا جو حرمت حرم کے منافی تھا۔ اگرچہ ان کا ارادہ نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس سے باز رکھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حالت منکشف ہوئی اور آپ کے فہم عالی میں یہ نکتہ آیا۔ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ ہر وہ بات جو قریش حرمت و تعظیم کعبہ کے سلسلہ میں کہیں گے میں اسے قبول کرلوں گا۔ اس کے بعد اونٹنی کو اشارہ فرمایا وہ کھڑی ہوگئی اور چلنے لگی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ کو چھوڑ کر حدیبیہ کے میدان میں کنویں کے کنارے نزول فرمایا۔ اس کنویں میں بہت کم پانی تھا لوگوں نے اس سے تھوڑا تھوڑا پانی کھینچا۔ بالآخر تھوڑی دیر میں پانی ختم ہوگیا اور کنواں خشک ہوگیا۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تشنگی کی شکایت کی۔ اس پر آپ نے ایک تیر کو کمان کے چلہ میں رکھ کر کھینچا اور کنویں میں چھوڑا۔ جب وہ تیر کنویں میں پہنچا تو پانی جوش مارنے لگا اور تمام لشکر سیراب ہوتا رہا۔ چونکہ اس منزل میں پانی کی کمی تھی اس لیے یہاں کئی معجزے ظہور میں آئے ان میں سے ایک تو یہی تھا۔ ایک اور مرتبہ پانی کی کمی کی شکایت کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کے کنارے وضو فرمایا اور وضو و کلی کے پانی کو کنویں میں ڈال دیا۔ کنویں میں پانی جوش مارنے لگا۔ تمام لوگوں اور جانوروں نے خوب سیر ہو کے پیا۔ ایک اور مرتبہ لوگ آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس منزل میں بالکل پانی نہیں ہے بجز آپ کے پیالہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر دست مبارک کو پانی کے پیالے میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ کے انگشتہائے مبارک سے چشمہ کی مانند پانی جوش مارنے لگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو اس حدیث کے راوی ہیں لوگوں نے دریافت کیا۔ تم کتنے لوگ تھے۔ فرمایا: پندرہ سو تھے۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہم سب کو کافی ہوتا اور کم نہ ہوتا۔ اسی دوران لوگوں نے بے آبی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس سے بارش ہوئی اور سب جل تھل ہو گئے۔ یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رات کو بارش ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ سے فرمایا ''تم جانتے ہو کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا ''خدا اور اس کا رسول ہی دانا تر ہیں''۔ فرمایا ''حق تعالیٰ فرماتا ہے میں نے بارش بھیجی تو میرے بندوں نے اس حال میں صبح کی کہ بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ مطلب یہ کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بارش بھیجی ہے تو وہ میرے مومن بندے ہیں اور جو یہ کہیں کہ ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرے کافر بندے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند کا فلاں منزل میں آنا بارش کا سبب ہوتا ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب چاند فلاں منزل میں آ جاتا ہے تو یقیناً بارش ہوتی ہے اور ناممکن ہے کہ بارش نہ ہو۔ لیکن اس کے برخلاف اگر یہ فلاں منزل میں نہ آئے تو ہرگز بارش نہ ہوگی۔ یہ اعتقاد اور یہ لفظ کفر ہیں لیکن اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب چاند اس منزل میں آ جاتا ہے تو تقدیر الٰہی اور حق تعالیٰ کی تخلیق سے بارش ہوتی ہے۔ اگر حق تعالیٰ نہ چاہے تو نہیں ہوتی اور اگر چاند اس منزل میں نہ آئے اور حق تعالیٰ چاہے کہ بارش ہو تو ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ اسباب علوی و سماوی فراہم ہونے پر ہوتی ہے تو یہ کفر نہ ہوگا اور زبان سے نہ کہیں تو ایمان و توحید سے اور زیادہ قریب و مناسب ہوگا۔ بعض روایتوں میں دیکھا گیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِصِحَّتِھَا۔ ایک مرتبہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ استسقاء کرتے تھے فرمایا اگر چاند کی منزل کا لحاظ کر کے دعا کرو تو بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سبب حقیقی جو حق تعالیٰ کا فضل ہے اور سبب عادی جو چاند کا اس منزل میں ہونا ہے دونوں کی رعایت جمع ہو جائے۔ اگر چاند کا اس منزل میں آنا حقیقی سبب اور یقینی علت ہو تو استسقاء یعنی بارش کی دعا مانگنے کی کیا حاجت ہے۔

کفار قریش کا مغرور ہونا: وصل: جب مشرکوں نے یہ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کی حرمت کو ملحوظ رکھ رہے ہیں، جنگ و محاربہ اور ان کے قلع و قمع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تو مشرکین مغرور ہو گئے۔ اپنی جہالت، بیوقوفی، بدخوئی اور بدبختی میں قائم ہو کر تمرد و سرکشی میں مضبوط و مستحکم بن گئے۔ اپنا مدعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرنے کیلئے لوگوں کو درمیان میں لے آئے۔ سب سے پہلے بدیل بن ورقا خزاعی کو ان کے قبیلہ کے چند لوگوں کے ساتھ بھیجا۔ یہ بدیل کا قبیلہ عہد جاہلیت اور اسلام میں بارگاہ نبوت کے مخلصوں اور محبوں میں سے تھا اور ہمیشہ مکہ والوں کی خبریں اور ان کے بھید مدینہ طیبہ بھیجا کرتے تھے۔ یہ بدیل بن ورقہ اس وقت تک مسلک اسلام سے وابستہ نہ ہوئے تھے اور بعض ان کو صحابی متقدم الاسلام لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے بیٹے عبداللہ اور حکیم بن حزام روز فتح مکہ اسلام لائے تھے۔ حنین و طائف اور تبوک میں وہ اور ان کے بیٹے حاضر ہوئے اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ القصہ بدیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ قریش اور دیگر قبائل عرب کے لوگ متفق ہو کر حدیبیہ کے کنوؤں کے کنارے اترے ہوئے ہیں۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ آپ سب کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے باز رکھیں اور آپ نہ مانیں گے تو یہ مقام قتال پر اتر آئیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کے ساتھ قتال و جدال کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا مقصد زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنا ہے۔ فرمایا: قریش جنگ کی طرف بہت مائل ہیں یہ ان کیلئے نقصان کا موجب ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت معین کرتے ہیں۔ اس مدت میں ہمارے اور ان کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ مجھے دیگر تمام مشرکوں کیلئے چھوڑ دیں کہ میں ان سے جہاد کروں۔ اگر میں مغلوب ہو گیا تو ان کا مقصود ہی میرا مغلوب ہونا اور میرا زبوں ہونا ہے وہ حاصل ہو جائے گا۔ اگر میں ان پر غالب آ گیا تو اگر وہ چاہیں تو دیگر تمام لوگوں کی مانند میری پیروی اور متابعت کر لیں

اور اگر نہ کریں گے تو صلح کی معینہ مدت تک جنگ وجدال اور حرب وقتال سے دور بیٹھے رہیں۔ اگر قریش میری ان باتوں سے جو میں نے کہی ہیں انکار اور روگردانی کریں تو قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک ان سے جنگ کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھ سے میری گردن جدا نہ ہو جائے۔ بلاشبہ رب العزت اپنا حکم نافذ فرمائے گا اور اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ بدیل نے کہا کہ میں بہت جلد آپ کی ان باتوں کو قریش تک پہنچاتا ہوں۔ اس کے بعد وہ مجلس شریف سے اٹھا اور مشرکین کے لشکر کی جانب چلا گیا اور ان سے کہا۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنی ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں سناؤں ان کے بیوقوف لوگ جیسے عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن العاص وغیرہ کہنے لگے ہیں۔ ہمیں ان کی باتیں سننے کی ضرورت نہیں ہے لیکن مشرکوں کے عقلمند اور صائب الرائے لوگوں نے کہا کہو جو کچھ تم نے ان سے سنا ہے۔ پھر بدیل نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا بیان کر دیا اور کہا اے گروہ قریش! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ وقتال میں جلد بازی نہ کرو۔ وہ خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ ان کا تمہارے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ تمہیں یہی زیب دیتا ہے کہ تم جدال وقتال سے ہاتھ اٹھالو۔ قریش نے بدیل کی باتوں کا یقین نہ کیا اور گمان کیا کہ بدیل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سازش کر لی ہے اس لیے کہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلصوں میں سے رہے ہیں۔ اس اثناء میں عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے گروہ قریش! میں تمہارے بیٹوں کے مانند ہوں اور تم سب بمنزلہ باپ کے ہو۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی ہے۔ پھر کہا۔ ''کیا میرے ساتھ تم خیانت وعداوت کے اتہام کا شبہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اس وقت عروہ نے اپنے سابقہ حقوق جو ان کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔ بیان کیے یہ عروہ وہ شخص تھا جو لوگوں کے ساتھ پہلے ہی بہت سے حقوق اور معاہدے رکھتا تھا۔ جیسا کہ اثنائے بیان میں ظاہر ہوگا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ یہ عروہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھائی ہوں گے بلکہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی ہیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا آخر میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو باقی کو رخصت کر دو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے وطن لوٹا اور اپنے وطن پہنچ کر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے انکار کیا اور سرکشی پر اتر آئے یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت تھا اس کے مکان میں کھڑکی تھی۔ اس نے کھڑکی کے دروازوں کو کھول کر اذان کہی۔ کلمہ شہادت پر تھے کہ کسی ثقفی نے ان پر تیر پھینکا اور وہ شہید ہو گئے۔ جب یہ خبر بارگاہِ رسالت میں پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن مسعود کی داستان اور ان کا قصہ صاحب بس کہ داستان اور ان کے قصہ کی مانند ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف گیا اور اسے قوم نے شہید کر دیا۔ القصہ عروہ نے قریش سے کہا کہ جو بات تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہے پسندیدہ اور مستحسن ہے۔ اس کا ماننا لازم ہے۔ اگر مجھے اجازت دو میں جاؤں اور ان سے باتیں کروں تاکہ میں دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں اور کیا مصلحت ہے۔ اس کے بعد عروہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوات کی خدمت میں آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات جو بدیل سے فرمائی تھی ارشاد فرمائی۔ عروہ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتاؤ اگر تم نے اپنوں کا استحصال کر دیا تو کیا کام سرانجام دیا۔ آپ سے پہلے کسی اہل عرب نے اپنی اصل کو ہلاک وفنا نہیں کیا اور اپنی قوم کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جیسا تم کرو گے۔ اگر انہوں نے مغلوب کر دیا تو معلوم ہے کہ کیا حال اور کیا انجام ہوگا۔ بلاشبہ آپ کے گرد اوباش لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جب ایسا وقت آئے گا تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ نے یہ بیہودہ اور معقولیت آمیز بات زمانہ کے عرف وعادت پر قیاس کر کے کہی تھی کہ جس طرح دنیاوی ارباب دولت اور طالبان دنیا غداری کرتے ہیں اور مغلوب سلاطین وملوک کے ساتھ قہر وغضب اور جبر وتشدد کا سلوک کرتے ہیں۔ ایسا ہی یہاں بھی ہوگا لیکن یہاں نبوت ورسالت، دعوت الی الحق، امر الٰہی اور وحی آسمانی میں ان باتوں کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس مجلس میں موجود تھے عروہ کی بات پر غیظ و غضب میں آ گئے اور اس کے بتوں کی اہانت کے در پے ہو گئے۔ انہوں نے اسے عام عرب کے عرف کے مطابق گالی دی اور فرمایا اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ (لات کی شرمگاہ کو چاٹ) اُمْصُصْ کے معنی ہیں چاٹنا اور بظر اس گوشت کے لوتھڑے کو کہتے ہیں جو عورتوں کے ختنہ کرنے کے بعد اس کی شرمگاہ میں لٹکی رہ جاتی ہے اور ''لات'' قریش و ثقیف کے مشہور بت کا نام ہے جس کو وہ پوجتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کو غلیظ گالی دینی ہوتی تو اُمْصُصْ بَظْرَ اُمِّكَ (اپنی ماں کی شرمگاہ چاٹ) کہتے تھے اسی بنا پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو گالی دینے میں مبالغہ کیا اور ماں کی جگہ لات کا نام استعمال کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ایسی غلیظ گالی دینے کی ضرورت نہ پیش آتی آپ کو غصہ اس بات پر آیا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں غرور و تکبر سے کام لے رہا تھا۔ آپ کے صحابہ کو بے وفا اور بھاگنے والا قرار دے رہا تھا۔ لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَنَحْنُ نَفِرُّ مِنْهُ وَنَدَعُهٗ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ عروہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بات پر سر اٹھایا اور کہنے لگا ''یہ کون ہیں جو ایسی بات کہتے ہیں؟'' صحابہ نے بتایا کہ ''یہ ابوبکر صدیق ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عروہ کہنے لگا ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگاہ ہو قسم ہے خدا کی تمہارا ایک حق مجھ پر ثابت ہے اور میں اسے اتار نہ سکا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں جواب دیتا اور تمہیں سزا دیتا''۔ عروہ پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا حق یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں عروہ پر دیت لازم ہو گئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عقبہ کے بھائیوں نے اس کی مدد کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دس جوان اونٹ دیئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر عروہ نے اپنے تمام ساتھیوں اور دوستوں سے مدد مانگی تھی لیکن کسی نے ایک گائے یا دو گائے سے زیادہ نہ دیا تھا مگر حضرت صدیق نے دس گائے عنایت فرمائی تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ بات کرنے کے دوران بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن مبارک یعنی داڑھی شریف تک ہاتھ پہنچاتا تھا۔ جیسا کہ کمینہ خصلت عربوں کی عادت تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے کندے کو اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا ''او بے ادب! اپنے ہاتھ کو بچا کے رکھ حد ادب سے تجاوز نہ کر'' عروہ نے پوچھا ''یہ کون ہے جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اس سے زیادہ گستاخ نہیں دیکھا (معاذ اللہ) لوگوں نے بتایا ''یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں'' عروہ نے کہا ''اے غدار! میں نے نفاذ حکم اور اصلاح غدر میں تمہاری سعی کی ہے اور تمہیں راہ دکھائی ہے تم میرے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو''۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غدر اور عروہ کا اس کی اصلاح میں سعی کرنا کیا ہے؟ اگرچہ بات میں بات نکل رہی ہے اور واقعہ طول پکڑتا جاتا ہے لیکن چونکہ ارباب سیر نے بیان کیا ہے اس لیے ہم بھی بیان کرتے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کسی وقت مغیرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ ثقیف کے بنی مالک کے تیرہ شخصوں کے ساتھ اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس گئے تھے۔ مقوقس نے مغیرہ رضی اللہ عنہ پر بنی مالک کو ترجیح دی اور انہیں عطایائے شائستہ اور ہدایائے بائستہ سے نوازا۔ جب یہ جماعت اسکندریہ سے لوٹی تو راستہ میں ایک رات شراب میں بدمست ہو کر پڑ گئے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس حسد اور عداوت کی بنا پر جو اس جماعت کے خلاف پیدا ہو گئی تھی۔ ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال و متاع لے کر مدینہ آ گئے۔ اس کو غنائم میں شمار کیا اور مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے مغیرہ رضی اللہ عنہ تمہارا ایمان لانا تو صحیح ہے لیکن تمہارے اس مال کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس میں سے خمس نہ لیں گے''۔ جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنی مالک کے سردار مسعود بن عمرو سے اسی عمروہ نے ان کے بارے میں گفت و شنید کی اور معاملہ کی درستی و اصلاح میں بڑی کوشش کی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ پر دیت تیرہ مقتولوں کی واجب تھی جو ان کے ورثاء کو ادا کرنی تھی۔ جب مقتولوں کے ورثاء دیت لینے پر آمادہ ہو گئے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ کا خاندان اور اس کی قوم جنگ و جدال پر نکل آئی۔ عروہ نے کوشش کر کے مختلف حیلوں اور

بہانوں سے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ عروہ کا اپنی گفتگو میں اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ بن مسعود گوشہ چشم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام کو دیکھ رہا تھا اور ان کے آداب و تعظیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام و عظمت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ حیران تھا جب مشرکوں میں واپس گیا تو عروہ نے کہا ''اے گروہ قریش! میں بڑے بڑے متکبر و مغرور سلاطین و بادشاہوں کی مجلسوں میں رہا ہوں اور ان کی صحبتیں اٹھائی ہیں۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں پہنچا ہوں اور ان کے درباروں میں رہا ہوں لیکن ان میں سے کسی بادشاہ کے کسی خدمتگار کو ایسا ادب و احترام کرتے نہیں دیکھا۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے دہن مبارک سے لعاب شریف نکالتے ہیں تو صحابہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے رخساروں پر ملتے ہیں۔ جب کسی ادنیٰ اور معمولی کام کی تعمیل کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کیلئے وہ بزرگ ترین صحابہ سبقت کرتے ہیں جب ان کے حضور کوئی بات کرتا ہے وہ آواز کو دبا کے بات کرتے ہیں۔ جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ سنتے ہیں اور نگاہ ملا کر بات نہیں کرتے۔ ان کے روئے مبارک پر کوئی نگاہ نہیں جما سکتا جب وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی لینے میں جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر خونریزی شروع ہو جائے گی۔ جب داڑھی شریف اور سر میں کنگھی کر کے آراستہ فرماتے ہیں اور کوئی موئے مبارک ہوتا ہے تو عزت و احترام کے ساتھ تبرک جان کر لے لیتے ہیں اور اس تبرک کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ وہ حالات ہیں جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ پھر صحابہ کرام کی شجاعت مردانگی، یکجہتی اور ایک دوسرے سے محبت و ایثار بیان کرتے ہوئے کہا اس سے زیادہ خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ خدا کی قسم میں نے ایسا لشکر دیکھا ہے جو تم سے کبھی بھی منہ نہ موڑے گا جب تک کہ تم سب کو مار نہ ڈالے یا تم پر غالب نہ آ جائے۔ عروہ چونکہ آخر کار ایمان لانے والا اور مرد پختہ کار اور قدر شناس تھا اور جتنا تعصب دیگر مشرکوں میں تھا اس میں نہ تھا۔ اس لیے اس نے جو کچھ دیکھا تھا بے کم و کاست بیان کر دیا لیکن یہ اشقیا پھر بھی انکار پر قائم رہے اور کہنے لگے یہ نصیحت کی باتیں ہمارے کانوں کو اچھی نہیں لگتیں۔ ہم اسی ارادہ پر قائم اور مستحکم ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خانہ کعبہ کی زیارت نہ کرنے دیں گے۔ اس وقت تو لوٹ جائیں اور سال آئندہ آئیں۔

جب عروہ کی کوشش اور اس کے آنے جانے سے صلح کی بنیاد رکھی گئی تو قبیلہ احابیش کا ایک آدمی جس کا نام حلیس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کی غرض سے کھڑا ہوا اور قریش سے اجازت لے کر لشکر اسلام کے نزدیک پہنچا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ''بدنہ'' یعنی قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ قربانی کے اونٹوں کو اپنی جگہ کھڑا کر کے اس کے آگے سے گزارو۔ اس کے بعد آپ لبیک کہتے ہوئے صحابہ کے ساتھ حلیس کے استقبال کو آئے جب اس نے اس حالت کا مشاہدہ کیا کہ یہ حضرات زیارت کرنے والے ہیں جنگ و قتال کا ارادہ نہیں ہے تو اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور کہنے لگا ''سبحان اللہ! اس قوم کو سزاوار نہیں ہے کہ ان کو خانہ کعبہ کی زیارت و طواف سے روکیں۔ یہ حضرات تو عمرہ ہی کیلئے آئے ہیں اور کہنے لگا هَلَكَتْ قُرَيْشٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ. کعبہ کے رب کی قسم! قریش ہلاک ہوں گے۔ وہ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیے بغیر لوٹ گیا اور قریش کے پاس آ کر کہنے لگا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو دیکھا ہے وہ اونٹوں کا اشعار اور تقلید کر کے خانہ کعبہ بیت اللہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ میں اچھا نہیں جانتا کہ ان کو اس سے روکا جائے۔ قریش نے حلیس کو اس قضیہ میں ناقابل اعتبار جان کر اس کے مشورے کو نادانی اور سادہ لوحی پر محمول کیا اور انتہائی شقاوت و قسارت سے کہنے لگے۔ ''اے حلیس! تو مرد اعرابی یعنی دیہاتی ہے تو امور ملکی نہیں جانتا'' حلیس ان کی اس بات سے غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا۔ ''اے قریش! ہم تم سے اس معاملہ میں موافقت نہیں کرتے۔ قسم ہے اس خدا کی حلیس کی جان جس کے قبضہ میں ہے اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کے طواف سے روکو گے تو میں تمام احابیش

کے لوگوں کے ساتھ تم سے جدا ہو کر چلا جاؤں گا۔ قریش نے عذر خواہی اور اس کی دلجوئی اور تسکین دہی کرتے ہوئے کہا "اے حلیس! ان باتوں کو چھوڑو ہم اپنی مرضی کے موافق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر رہے ہیں"۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں۔ کہ جب قریش کی جانب سے لوگ آ رہے تھے اور قریش کی قساوت دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان اشقیاء کی شدت میں بھی کمی نہ ہوتی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاہا کہ کسی کو بھیج کر اس معاملہ میں سعی فرمائیں۔ آپ نے پہلے بنی خزاعہ کے ایک شخص کو بھیجا جس کا نام حراش بن امیہ کعبی تھا۔ اسے ایک اونٹ دیا تا کہ وہ ان کے دلنشیں کرائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنے کے لیے ہے جنگ وقتال نہیں ہے جب وہ قریش کے پاس پہنچے تو وہ ان کے اونٹ کے درپے ہو کر حراش بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے پر اتر آئے۔ ان کی قوم نے جو مکہ میں تھی ان کی حمایت کر کے چھڑایا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "تمہیں مکہ جانا چاہیے تا کہ انہیں سمجھاؤ کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر روشن ہے کہ قریش کی عداوت میرے ساتھ کس قدر ہے اور ان کی شدت وغلظت کس حد تک ہے۔ اگر وہ مجھ پر قابو پالیں تو یقیناً زندہ نہ چھوڑیں اور بنی عدی میں سے مکہ میں کوئی نہیں ہے جو ان کی شرارتوں پر میری حمایت کر سکے اور میری حفاظت کر سکے۔ اگر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو بہت مناسب ہوگا کیونکہ وہ قریش کے نزدیک زیادہ عزیز ہیں اور مکہ میں ان کے عزیز واقارب بہت ہیں"۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بلایا اور مکہ مکرمہ کی جانب بھیجا۔ تا کہ ابوسفیان اور صنادید قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مافی الضمیر سمجھائیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور کے ارشاد کے بموجب مکہ کی طرف چلے۔ مقام ملاح میں مشرکوں سے ملے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا۔ مگر کفار اپنی اسی جہالت وتعصب پر اڑے رہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنے دیں۔ اور بیت اللہ کی زیارت کرنے دیں"۔ سبحان اللہ! یہ کتنے جاہل لوگ ہیں کہ اپنی شدت وجہالت پر اڑے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نرمی فرماتے ہیں اور ان کو سمجھاتے ہیں کہ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ اگر آپ شدت ومحاربہ اختیار فرماتے تو اسی وقت ان کی جانیں منہ کو آ جاتیں۔ جیسا کہ آخر قصہ میں ظاہر ہوگا۔

اس کے بعد ابان بن سعید بن العاص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعظیم وتکریم کا اظہار کیا' انہیں اپنی سواری پر بٹھا کر خود ان کے پیچھے بیٹھ کر ردیف بن گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ لے گیا۔ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابوسفیان اور دیگر صنادید قریش کو پہنچا دیا۔ یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ یہاں پر نہیں آئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بھی اس بات میں قوم کا ہم خیال پایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ارادہ فرمایا کہ لوٹ چلیں۔ اس وقت انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم چاہو تو اٹھو اور طواف کر لو"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں"۔ مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات سے برہم ہو کر اور غصہ میں آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رخصت کی اجازت نہ دی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے تو صحابہ عرض کرنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے میرا یہ خیال ہے کہ وہ ہمارے بغیر زیارت نہ کریں گے"۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دس اور مہاجرین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکہ مکرمہ گئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت اقامت مکہ مکرمہ میں دراز ہوئی اور لشکر اسلام میں یہ خبر پھیلی کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کو دیگران دس مہاجرین کے ساتھ جو مکہ گئے تھے مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے۔ اس خبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ملال ہوا۔ ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر صحابہ کرام سے ثابت قدم رہنے پر بیعت لی کہ اگر جنگ واقع ہوئی تو منہ نہ پھیریں گے۔

قرآن کریم میں اس بیعت کی خبر اس آیت میں دی جاتی ہے کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کرتے تھے۔

اسی بنا پر اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی بیعت رضوان میں حاضر ہوا سے آگ نہ پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے جو کوئی حدیبیہ میں موجود تھا اسی طرح اہل بدر واحد کے بارے میں مروی ہے۔ اس بیعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اس کے بعد آپ نے داہنے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ نے خود بیعت فرمائی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حکمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پھیلانے سے بیعت لینا مقصود ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے اس بیعت کی خبر سنی تو ان میں ایک خوف اور ان کے دلوں میں ہراس پیدا ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پروہ پریشان ہو گئے' صلح اختیار کی اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو اس مہم کیلئے بھیجا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سہیل بن عمرو کے آنے سے پہلے حلیس کے واپس جانے کے بعد کرز بن حفص قریش کی اجازت سے لشکر اسلام میں داخل ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دور سے دیکھ کر ہی فرمایا تھا کہ یہ کرز بن حفص جو آ رہا ہے مرد فاجر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ مرد غادر ہے یعنی مکار و فریبی شخص ہے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو شروع کی۔ اسی گفتگو کے دوران اچانک سہیل بن عمرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں داخل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سہل امرنا'' ہمارا کام آسان ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے فرمایا: قَدْ سَهُلَ لَكُمْ اَمْرُكُمْ اب تمہارا کام تمہارے لیے آسان ہو گیا اور کرز بن حفص اور خوبطب بن عبدالعزیٰ بھی سہیل کے ہمراہ تھے لیکن اس مہم کی ذمہ داری سہیل پر تھی۔ یہ سہیل بن عمرو روز بدر کفار کے درمیان امیر بنا تھا اور قریش کا خطیب تھا۔ اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے دانتوں کو توڑ ڈالیے تا کہ اس کے بعد یہ آپ کے برخلاف خطبہ نہ دے سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امید ہے کہ وہ اس مقام میں کھڑا ہو گا اور ایسا خطبہ دے گا جو محمود و پسندیدہ ہو گا۔ چنانچہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لایا اور اس مقام میں جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھڑے ہونے' خطبہ دینے اور اس کے محمود ہونے کی خبر دی تھی۔ وہ مقام وہ تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے اور مکہ میں بعض لوگ مرتد ہو گئے۔ اس وقت سہیل کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا خطبہ دیا۔ گویا کہ حضرت ابوبکر خطبہ کو سن رہے تھے اور لوگوں کو تسکین دی۔ لوگوں کو اختلاف سے باز رہنے کی تلقین کی۔ پھر سہیل نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عمواس کے طاعون میں سن اٹھارہ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی اولاد میں سے کوئی باقی نہ رہا اور ابوجندل جو سہیل کے بیٹے تھے وہ بھی اسی طاعون میں وفات پا گئے تھے۔

القصہ سہیل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلح کی تمہید میں گفتگو کے آغاز کرنے کی پہل کی اور کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ایک جماعت آپ کی قید میں ہے ان کو آزادی اور رہائی دیجئے۔ اس کا واقعہ یہ تھا کہ روز حدیبیہ لشکر اسلام کی تعداد کا اندازہ کرنے کیلئے کہ مسلمان کتنے ہیں اور شاید کہ مسلمانوں سے جنگ کی نوبت آ جائے۔ اس کیلئے کفار نے پچاس آدمیوں کو بھیجا۔ اتفاق سے ان پچاسوں آدمیوں کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اس جماعت نے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

ساتھ بھیجا تھا گرفتار کرلیا اور ان کو بارگاہ نبوت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قید کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب سہیل نے ان کی بازیابی کا مطالبہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ کو یعنی حضرت عثمان ان کے ساتھ دس مہاجرین کو جو مکہ گئے تھے اور رات سے گھیر رکھا ہے بھیج دو تا کہ میں بھی تمہارے قیدیوں کو چھوڑ دوں۔ اس پر خویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص نے سہیل کے اتفاق سے کسی کو مکہ بھیجا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کو جنہیں مکہ مکرمہ میں روک رکھا ہے بھیج دیں۔ اس کے بعد ان قیدیوں کی بھی رہائی ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ لوٹ آئے۔ معارج النبوۃ میں اسی طرح لکھا ہے لیکن روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے کہ کفار قریش کے ان پچاس آدمیوں کو جن کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ان کے ساتھ مہربانی فرمائی اور سب کو مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آنا اس وقت مذکور ہے جب وقوع صلح اور صلح نامہ کی کتابت سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کو اپنے پاس روک لیا اور فرمایا کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ آجائیں ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد اس نے قریش کو لکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دو تا کہ میں خلاصی پاؤں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو رخصت کر دیا۔ اسی طرح مواہب میں بھی مرقوم ہے۔ (واللہ اعلم)

صلح نامہ حدیبیہ: اس کے بعد خویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص اور سہیل بن عمرو نے صلح کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ سب سے پہلی شرط جو سہیل نے رکھی یہ تھی کہ اس سال تو یہاں سے آپ لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کیلئے تشریف لائیں۔ دس سال تک ہمارے اور آپ کے درمیان صلح رہے گی، جنگ و مقابلہ اور جدال مرتفع رہے گا۔ ایک دوسرے کے شہری امن و سلامتی سے رہیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہ کریں گے۔ حلیف اور ہم عہد ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔ مشہور یہ ہے کہ مدت مصالحت دس سال تھی۔ جیسا کہ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ابوداؤد میں بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابونعیم مسند میں حضرت عبداللہ ابن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مدت مصالحت چار سال تھی۔ اسی طرح حاکم نے مستدرک میں روایت کیا جیسا کہ مواہب لدنیہ میں منقول ہے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ سال آئندہ جب آئیں تو تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے اور یہ کہ تلواریں نیام میں رہیں گی۔ تیسری شرط عجیب شنیع تھی وہ یہ کہ جو کوئی ہماری جانب سے بغیر اجازت کے ازخود تم میں چلا جائے اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے اگرچہ مسلمان ہو کر ہی پہنچے اور جو کوئی آپ کی طرف سے آجائے گا اسے ہم نہ لوٹائیں گے۔ مسلمانوں نے اس شرط پر تعجب کیا اور کہنے لگے ہم کس طرح اسے لوٹائیں گے جو مسلمان ہو چکا ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب سہیل نے اس شرط کا ذکر کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس شرط پر راضی ہوتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا "اے عمر رضی اللہ عنہ! جو کوئی ان کے پاس سے ہمارے پاس مسلمان ہو کر آئے گا اور ہم اسے لوٹائیں گے تو حق تعالیٰ اس کیلئے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرما دے گا۔ جو کوئی ہم میں سے انحراف کر کے مشرکوں کی طرف جائے گا ہمارا اس سے کیا سروکار ہے وہ کفار کی صحبت کے ہی لائق ہے' اس آخری شق کا وقوع بہت کم ہوگا اور یہ کمتر واقع ہوگا۔ لیکن شق اول وقوع پذیر ہوگا لیکن بالآخر عاقبت بخیر اور معاملہ احسن وجود میں آئے گا۔ جیسا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا قصہ آخر قضیہ میں مذکور ہوگا اور خوب واضح ہو جائے گا۔ اسی گفتگو کے دوران ابوجندل رضی اللہ عنہ جو سہیل بن عمرو کے لڑکے تھے اور وہ پہلے سے مسلمان تھے۔ ان کو ان کے باپ نے قید خانہ میں بیڑیاں پہنا کر محبوس کر رکھا تھا۔ وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے خود کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا "اے محمد صلی

اللہ علیہ وسلم! یہ پہلا امر ہے جس پر صلح قرار پا چکی ہے ان کو میرے سپرد فرمایئے اور ہماری طرف لوٹایئے'' ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صلح نامہ کی کتابت سے ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے ہیں ۔یہ شرط صلح کے تمام ہونے کے بعد سے نافذ ہوگی مگر اس نے مکابرہ ومجادلہ ضد وہٹ دھرمی دکھائی اور کہنے لگا۔'' اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہم صلح نہیں کرتے اور کسی بات میں بھی ہمارے اور تمہارے درمیان صلح نہیں ہے'' ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا ''اس ایک معاملہ کو میری خاطر سے مستثنیٰ رکھو اور نرمی و آسانی پیدا کرو'' ۔اس نے کہا ''میں نہیں کرتا'' ۔پھر فرمایا ''مان لے'' اس نے کہا ''میں نہیں مانتا'' ۔ ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا اور منوانے میں مبالغہ کیا مگر سہیل نے قساوت وعداوت کی بنا پر جو بیٹے کے مسلمان ہو جانے سے پیدا ہوئی تھی قبول نہ کیا۔کرز ابن حفص باوجودیکہ وہ فاجر وغادر تھا اس نے کہا ہم مانے لیتے ہیں مگر سہیل نے قبول نہ کیا۔آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اس کے سپرد کر دیا اور فرمایا ''اب ان پر عذاب وایذا نہ کرنا'' ۔کرز اس کا ضامن ہو گیا۔ابوجندل رضی اللہ عنہ نے کہا ''اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کے سپرد نہ کرو' میں مومن و مسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آیا ہوں' تمہیں معلوم نہیں ان کافروں نے مجھ پر کس کس طرح کے عذاب پہنچائے ہیں'' ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ابوجندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو اور دل کو خوش رکھو۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد رکھو یقیناً وہ تمہارے لیے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرمائے گا۔اب ان لوگوں کے ساتھ شرط واقع ہو چکی ہے اور عہد باندھا جا چکا ہے۔غدر و بیوفائی ہمارا کام نہیں ہے۔صبر کرو۔فَاِنَّ الصَّبْرَ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ بلاشبہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

اس مقام میں علماء دو وجہیں بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ ایسی حالت میں جیسی ان کی ہے اجر وثواب نقد ہے اور اس کا حصول عزیمت ہے۔باقی اگر رخصت پر عمل کرے' ظاہر کو باطن کے موافق نہ بنائے اور اپنے اسلام کو کافروں پر ظاہر نہ کرے تو بھی جائز ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ کتنی ہی دشمنی اور بے مہری کرے۔نسبت پدری کا علاقہ نہیں ٹوٹتا جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔اسی بنا پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو ابھارا کہ وہ باپ کو قتل کر دے اور خوب ظاہر و وضاحت کے ساتھ اسے سمجھایا کہ یہ مشرکین نجس ہیں ان کا خون کتوں کے خون کی مانند ہیں تم اپنے باپ کو قتل کر دو۔مگر ابوجندل رضی اللہ عنہ باپ کو قتل نہ کر سکے اور اپنے باپ کو مارنے' اس کے ہلاک کرنے میں بخیلی دکھائی اور باپ سے بھی اس کا وجود سرزد نہ ہو سکا اور وہ بھی اپنے بیٹے کو ہلاک وقتل کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

غرضکہ گفت وشنید سے جب صلح کی شرائط طے پا گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم دوات اور کاغذ حضرت اوس رضی اللہ عنہ بن خولی انصاری کو دیا تا کہ وہ صلح نامہ لکھیں۔یہ خط و کتابت میں مہارت رکھتے تھے۔سہیل نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! صلح نامہ آپ کے چچا کے فرزند علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھنا چاہیے۔ظاہر ہے کہ یہ بات اس بنا پر ہوگی کہ مصالحت' معاہدہ اور اس کے نقص کے معاملہ میں احق واولیٰ شخص عصبات اور اس کے گھر والے ہی ہوتے ہیں۔اسی بنا پر سورہ توبہ کے پڑھنے کیلئے جس میں نقض عہد اور منافقین کی توبہ تھی۔حج کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج کر کے بھیجنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔جیسا کہ گزر چکا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ یا حضرت عثمان لکھیں چونکہ عثمان رضی اللہ عنہ بھی عصبات میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھو۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔سہیل نے کہا ہم ''رحمٰن'' کو نہیں پہچانتے۔اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا ''الرحمٰن الرحیم'' کیا ہے؟ ہم اسے نہیں جانتے۔لکھو' بسمک۔جیسا کہ عام طور پر لکھا جاتا ہے اور جاہلیت میں متعارف ومعہود تھا کہ خط کے عنوان پر ''بسمک'' لکھتے تھے۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا کلمہ نہ تھا اسے تو دین اسلام نے وضع کیا ہے۔اس پر مسلمانوں نے کہا واللہ ہم نہیں لکھیں گے۔مگر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی! لکھو' بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ '' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے ایسا ہی لکھا ہے یعنی' بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ

حالانکہ یہ سہیل کا جھگڑا اپن ہے اس لیے کہ دونوں کلاموں کا مضمون ایک ہی ہے اور جو کچھ کافروں نے چاہا اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔ خرابی تو اس صورت میں تھی اگر وہ اپنے شیطانوں اور بتوں کے نام کا مطالبہ کرتے۔

اس کے بعد فرمایا لکھو ھٰذَا مَا قَاضٰی بِہٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ. (اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا ہے یہ وہ ہے۔) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھ لیا۔ سہیل نے کہا ''ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ خدا کی قسم! اگر ہم جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو اس کے گھر کی زیارت سے ہم آپ کو نہ روکتے۔ اس میں لکھئے ''محمد بن عبداللہ'' سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ لکھو محمد بن عبداللہ اور لفظ رسول اللہ کو محو کر کے اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا کہ میں وصف رسالت کو محو کر دوں۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کاغذ کو ہاتھ سے رکھ دیا اور ہاتھ تلوار پر لے گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محو کرنے سے انکار کرنا' از باب ترک امتثال نہیں ہے جو مستلزم ترک ادب ہے بلکہ عین امتثال وادب ہے جو انتہائی عشق ومحبت پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تحریر لے کر لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محو کر کے اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھ دیا۔ واضح رہنا چاہیے کہ اس حدیث کی ظاہر عبارت ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اس کے لکھنے کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ قیصر وکسریٰ کو خطوط لکھنے کے بارے میں مروی ہے۔ اور کلام عرب میں ایسا مجاز متعارف ہے۔ اس باب میں بحث طویل ہے آخر مبحث میں اس پر ہم خبردار کریں گے۔

معارج النبوۃ میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ! تمہیں بھی ایسا ہی معاملہ آگے درپیش ہوگا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب قضیہ صفین میں صلح قرار پائی تو صلح نامہ میں لکھا گیا کہ یہ کتابت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی مصالحت معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا لفظ امیر المومنین کو کاٹ دو اور لکھو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ اگر میں ان کو امیر المومنین جانتا تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرتا اور ان کی پیروی واطاعت کرتا۔ اس پر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا اور جس طرح حضرت امیر معاویہ نے کہا لکھا گیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن صحابہ کرام انتہائی اندوہناک اور غمگین ہو گئے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے تصور میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا نتیجہ اسی سال ظاہر ہوگا' مکہ کی فتح حاصل ہوگی اور مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن میرے دل میں بڑا ہیجان برپا تھا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح سامنے آیا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ آیا تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نبی برحق ہوں'' میں نے عرض کیا ''کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور مخالفین باطل پر نہیں ہیں''۔ فرمایا ''ہاں۔ تم حق پر ہو اور مخالف باطل پر ہیں''۔ میں نے عرض کیا ''پھر کس لیے ہم ایسی ذلت وحقارت برداشت کریں؟ اور ایسی صلح کر کے لوٹیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خطاب کے بیٹے! بلاشبہ میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور خدا کے حکم کے بغیر میں کچھ نہیں کرتا۔ وہی میرا معین ومددگار ہے۔ وہ مجھے یونہی نہ چھوڑے گا''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلح وحی کے ساتھ واقع ہوئی تھی اور رائے اور اجتہاد سے نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''کیا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ عنقریب ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور خانہ کعبہ کا طواف بجالائیں گے؟ فرمایا ''ہاں میں نے

وعدہ کیا ہے لیکن میں نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی سال''۔اے عمر رضی اللہ عنہ تم غم نہ کرو تم ضرور خانہ کعبہ کی زیارت کرو گے اور طواف بجالاؤ گے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی طرح غم واندوہ میں مبتلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ ان سے ایسی ہی گفتگو کی جس طرح کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمایا تھا۔ یہ حکایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمال علم' وفور صدق ویقین اور متابعت پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے مَاصَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئًا اِلَّا وَصَبَبْتُ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ. اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں بھرا میں نے وہ سب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینہ میں بھر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ جاؤ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت ہاتھ میں لو' کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں جو کچھ کرتے ہیں وحی سے کرتے ہیں۔ اس میں مصلحت ہوگی اور خدا ان کا ناصر ومددگار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول دریافت کرنے اور معلوم کرنے کیلئے تھا نہ کہ بر سبیل شک وانکار حاشا وہ اس سے پاک ہیں''۔ اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر گزر گئی۔ اس دن جو وسوسۂ شیطانی اور نفس کا دھوکہ میرے دل میں لاحق ہوا تھا اس پر میں برابر استغفار میں مشغول ہوں' اعمال صالحہ مثلاً روزہ' نوافل' غلاموں کو آزاد کرنا اور صدقہ وخیرات کے ذریعہ توسل کرتا ہوں تاکہ اس کا کفارہ ہو اور میں بری ہو جاؤں''۔

منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کی مدت میں اتنے مشرکین مسلمان ہوئے جو ابتدائے بعثت سے وقت مصالحت تک کی تعداد کے مساوی ہو گئے تھے۔ اور صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے اسلام میں صلح حدیبیہ کے برابر کوئی فتح نہ تھی لیکن یہ بات عقل کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ ایسا بھید ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور رب تعالیٰ کے درمیان تھا لیکن لوگ عجلت پسند ہیں اور حق تعالیٰ عجلت سے منزہ وپاک ہے۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس صلح پر جو مصالح مترتب ہوئے اور روشن وواضح ثمرات وفوائد ظاہر ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ مکہ والے اسلام میں داخل ہوئے اور عام لوگ خدا کے دین میں داخل ہوئے۔ اس لیے کہ صلح سے پہلے کفار مسلمانوں کے ساتھ مختلط اور ملے جلے نہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوضاع واطوار اور آپ کے حالات ان پر ظاہر نہ تھے۔ جیسا کہ چاہیے اور صحبت وخلوت کسی کے ساتھ نہ رکھتے تھے۔ جو وہ جانتے اور علم حاصل کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و صفات کی خبر ہوتی اور ان پر حقیقت واضح وروشن ہوتی۔ جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو کفار مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے اور مدینہ طیبہ آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے احوال سے باخبر ہوئے اور صحابہ کفار کے سامنے بے دھڑک قرآن پڑھتے اور بے خوف مباحثہ ومناظرہ کرتے اور مسلمان بے جھجک مکہ مکرمہ جاتے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ تنہائیوں میں بیٹھتے۔ اپنے یاروں' دوستوں میں بیٹھتے' ان کو نصیحتیں کرتے۔ جب اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریفہ' معجزات ظاہرہ' آثار بینہ کو سنا اور آپ کی نبوت کی نشانیوں' آپ کے حسن سیرت اور جمال طریقت سے وہ باخبر ہوئے تو ان کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوئی۔ ان کے باطن' ایمان واحکام کی طرف مائل ہوئے حالانکہ یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے اہل کفر وطغیان کی باتوں اور نفس و شیطان کی فریب کاریوں کے سوا کچھ نہ سنتے تھے۔ پھر صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان بہت بڑی جماعت اسلام لے آئی۔ اور اسلام اور مسلمانوں سے خاص لگاؤ پیدا ہوا یہاں تک کہ نور فتح مکہ طلوع ہوا۔ دین کے براہین روشن ہوئے اور اہل عرب' قبائل قریش کے سوا جو وادیوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اسلام کو فتح مکہ اور وہاں کے رہنے والوں کے مسلمان ہونے پر موقوف کر رکھا تھا جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور قریش اسلام لے آئے تو حق تعالیٰ کا یہ فرمان حق ظاہر ہوا کہ:

اِذَاجَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ o وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا o جب اللہ کی مدد اور فتح آئی اور تم نے دیکھا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔

ان تمام امور وفتوح کا مبدا و سرچشمہ یہی صلح حدیبیہ تھی۔ مفسرین کی بیشتر جماعت حق سبحانہ کے قول ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا''. میں فتح سے یہی صلح حدیبیہ کا قصہ مراد لیتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ اقوال بھی ہیں جو پہلے ذکر کیے گئے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مشرکوں کے ساتھ ایسی صلح (کسی مسلمان کیلئے نبی کے سوا) جائز ہے کہ جو کوئی مسلمان ان کی طرف آئے اس کو انہیں لوٹا دیں گے۔ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ جائز ہے بر بنائے قصہ ابوجندل رضی اللہ عنہ، ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت علماء کی یہ کہتی ہے یہ جو کچھ واقع ہوا منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ یہ حدیث ہے کہ فرمایا اَنَا بَرِيْءٌ مِنْ مُسْلِمٍ بَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ. یعنی میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول یہی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عاقل و مجنون اور بچوں کے درمیان حکم میں فرق ہے۔ مطلب یہ کہ مجنون اور بچے تو لوٹائے نہ جائیں گے اور عاقل کو لوٹایا جائے گا۔

دست اقدس سے کتابت فرمانے کی بحث: تنبیہ: پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ علماء سیر اور تواریخ کے درمیان اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسم شریف کی خود کتابت فرمائی۔ جیسا کہ قریش نے چاہا یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لکھو۔ پہلے قول کے قائلین ظاہر حدیث سے استدلال وتمسک کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں 'محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ بتائی۔ پھر آپ نے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کو محو فرما کے محمد بن عبداللہ کو اس کی جگہ لکھا۔ اسی طرف ابوالولید باجی جو علماء مغرب کے اعاظم میں سے ہیں گئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باوجود اس کے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسے تحریر فرمایا ان کے زمانہ کے اندلس کے علماء نے ان کو برا کہا اور ان کی طرف کفر وزندقہ کی نسبت کی۔ بایں سبب کہ ان کا قول نص قرآنی کے مخالف ہے۔ اسی معنی میں ان علماء میں سے ایک نے یہ شعر کہا۔ شعر:

بَرِءْ تُ مِمَّنْ شَرٰى دُنْيَا بِاٰخِرَتِهٖ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَدْ كَتَبَهٗ

مطلب یہ کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جس نے دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ خود لکھا۔

علماء اندلس نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر و کتابت اور دیکھ کے پڑھنے سے مبرا ومنزہ بتایا۔ آپ کو نبی امی پیدا فرمایا اور اسے آپ کی نبوت کا برہان قرار دیا۔ فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ. اور آپ نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھی تھی اور نہ اپنے دست مبارک سے اسے آپ نے لکھا۔ اس وقت یقیناً باطل لوگ شک میں پڑتے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کتابت ثابت کرنا اس برہان کے ابطال کا موجب ہوگا اور موجب کفر ہوگا۔ جب علماء کے درمیان یہ مناظرہ اور مجادلہ برپا ہوا تو امیر وقت نے ان سب کو جمع کیا۔ ان علماء پر امیر وقت نے اپنے علم ومعرفت کا اظہار باجی کی حمایت میں کیا اور کہا کہ یہ قرآن کے منافی نہیں ہے بلکہ مفہوم قرآن سے ماخوذ ہے۔ اس لیے کہ نفی کو نزول قرآن سے ماقبل کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت متحقق وثابت ہوگئی اور اس کا ظہور آپ کے معجزہ کے طور پر ہوا تو شک وارتیاب سے محفوظی حاصل ہوگئی۔ اس میں کوئی مانع اور حارج نہیں ہے کہ بغیر سیکھے تحقق امیت کے بعد کتابت سے واقف ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک اور معجزہ ہے۔ ابن دحیہ نے بیان کیا ہے کہ افریقہ کے علماء کی جماعت نے اس معنی میں باجی کی موافقت کی ہے اور ابن دحیہ اکابر علماء میں سے ہیں۔ ابوذر جو امام بخاری کے راویوں میں سے ایک ہیں۔ ابوالفتح نیشاپوری اور دیگر

علماء عصر سب موافقت کرتے ہیں۔ بعض علماء تو ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے جو بطریق مجاہد ازعون بن عبداللہ مروی ہے۔ استدلال کرتے ہیں کہ کہا: مَامَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی کَتَبَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت نہ ہوئی یہاں تک کہ کتابت فرمائی۔ مجاہد نے کہا میں نے اس مقولہ کو شعبی سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ عون نے ٹھیک کہا۔ بلاشبہ میں نے بھی کسی سے ایسا ہی سنا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے آثار واخبار مروی ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حروف وتحریر اور حسن تصویر پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کاتب سے فرمایا قلم کو اپنے کان پر رکھو یہ تمہاری یادداشت کیلئے زیادہ معاون ہے۔ حضرت امیہ سے فرمایا جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحریر کررہے تھے سیاہی کو سیاہ رکھو (یعنی پھیکنی نہ ہو) اور قلم کو بناؤ۔ اور باء کو پورا لکھو سین کو کھینچ کر لکھو اور میم کو گول بناؤ۔ (یعنی بسم اللہ کو اس طرح لکھو) وہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے اگرچہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھا لیکن بعید نہیں ہے کہ آپ کو صنعت وانداز کتابت بھی مرحمت فرمایا گیا ہو۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز کا علم فرمایا ہے۔ جمہور نے جواب میں ان تمام حدیثوں کو ضعیف قرار دیا اور قضیہ حدیبیہ کے جواب میں کہا کہ یہ قصہ ایک ہی ہے اور کاتب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ مسور بن مخرمہ کی حدیث میں جو صلح حدیبیہ کے باب میں اصل ہے تصریح کی گئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان حروف کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا۔ اب رہا وہ نکتہ جو راوی کے قول میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ کو لے کر فرمایا اس کلمہ کی جگہ بتاؤ جس کے محو کرنے سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انکار کردیا تھا تو یہ اس قدر ہے کہ آپ نے خود محو فرمایا نہ کہ اس کی جگہ خود لکھا۔ گویا راوی کے قول میں حذف کتابت ہے اور تقدیر کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حذف فرما کر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیدیا پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ لکھا۔ لہٰذا کتب کے معنی حکم کتابت ہوگا۔ یہ بات کلام میں بہت ہے جیسا کہ قیصر وکسریٰ کی طرف سے خطوط لکھنے میں ہے اور حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے کی تقدیر پر لازم نہیں آتا کہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لکھا ہو۔ بغیر اس بات کے کہ لکھنا جانتے ہوں اور صفت کتابت سے واقف ہوں اور اس کتابت کے بعد اپنی صفت امیت سے باہر آگئے ہوں۔ اس لیے کہ بکثرت ایسے لوگ ہیں جو لکھنا نہیں جانتے مگر بعض کلمات کی صورتوں، ان کی وضعوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔

اپنے ناموں کو اس کے باوجود ان سے امیت خارج نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بہت سے بادشاہ ایسے گزرے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے کتابت جاری ہوئی ہو باوجود عدم علم بکتابت کے۔ لہٰذا خواہش کے موافق بر طریق اعجاز ظہور میں آیا ہو خصوصاً اس خاص وقت میں۔ اس بات سے آپ امی ہونے سے باہر نہیں آتے۔ یہ جواب ابوجعفر سمنانی نے دیا ہے جو ائمہ اصول میں سے ہیں اور ابن جوزی نے ان کے اتباع میں ان سب کو بیان کیا ہے۔

بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید الصدق والیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنے دست مبارک سے اسم شریف کی کتابت میں خصوصیت کے ساتھ بحث کرنے میں خلاف اور تنگی کو گنجائش دیتا ہے حالانکہ حدیث شریف کی ظاہر عبارت بھی اس کی نظیر ودلیل ہے۔ اس لیے کہ اس کا واقع ہونا بطریق معجزہ ہے اور اس امیت کے جو مدار اعجاز اور برہان نبوت ہے اس کے منافی نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امیت اور عدم وجود خط وکتابت جب تک نزول قرآن اور اقامت حجت متحقق ہے مادہ شبہ کی چشم ہوگا؟ بعد ازاں اگر وجود کتابت حاصل ہو تو کوئی موجب ضرر نہیں ہے اور شک وارتیاب کے گرداب میں نہیں پڑے گا۔ یہ بات محل نظر ہے اس لیے کہ اگر

ایسا ہوتا تو شبہ لوٹ سکتا ہے اور معاند کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خط و کتابت کو جانتے تھے مگر چھپائے ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں جو فرمان باری ہے کہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ. معاند کو کیا فائدہ دیتا۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حق وصواب یہی ہے کہ ''کتب'' کے معنی لکھنے کا حکم فرمانا ہے۔ (واللہ اعلم)

بعد صلح حدیبیہ قربانی کرنا: جب صلح نامہ کی کتابت مکمل ہوگئی' تمام اکابر صحابہ کرام اور بعض مشرکین نے بھی اپنی گواہیاں لکھ دیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اب اٹھو اور اپنے ہدی کے اونٹوں کو ذبح کر دو۔ اپنے سر کے بال ترشوالو اور احرام سے باہر آ جاؤ۔ صحابہ کو چونکہ عمرہ ادا کیے بغیر لوٹنے کی وجہ سے حد درجہ رنج و ملال لاحق تھا کوئی ایک صحابی نہ اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پورا کرنے کیلئے کھڑا نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف لائے اور صحابہ کا امتثال حکم شریف میں توقف کرنے کی شکایت فرمائی۔ سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں معذور جانئے کیونکہ ان کو عظیم صدمہ اور ملال پہنچا ہے۔ ان کے دل فتح مکہ کی آس لگائے ہوئے تھے اور یقین کیے ہوئے تھے کہ عمرہ کر کے لوٹیں گے۔ باوجود فقدان مطلوب آپ نے قریش کے ساتھ صلح کر لی اور جو کچھ ان کو آپ سے خواہش تھی قبول نہ فرمایا۔ اگر آپ کی خاطر مبارک میں یہ ہے کہ صحابہ قربانی کریں اور اپنے سر منڈوائیں۔ تو آپ اٹھیئے اور کسی سے کچھ نہ فرمایئے' اپنے اونٹوں کا نحر فرمایئے اور اپنے سر مبارک کو مونڈیئے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ آپ ایسا کر رہے ہیں تو ان کو بجز آپ کی متابعت کوئی چارہ نہ ہوگا۔ وہ سب بھی وہی کرنے لگیں گے جو آپ کریں گے''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حلق فرمایا۔ صحابہ بھی کرنے لگے لیکن غم واندوہ سے صحابہ کا حال اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ خود کو ہلاک کر دیں اور مار ڈالیں۔ اس کے بعد کچھ صحابہ نے سر منڈایا اور کچھ صحابہ نے بال ترشوائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرِ الْمُحَلِّقِيْنَ. اے خدا سر منڈانے والوں کو بخش دے' اس پر صحابہ نے عرض کیا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ. یعنی بال ترشوانے والے بھی بخشے جائیں۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰهُمَّ اغْفِرِ الْمُحَلِّقِيْنَ. ہی کہا۔ صحابہ نے عرض کیا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ. چوتھی مرتبہ اَلْمُقَصِّرِيْنَ فرمایا: بار بار یہی دعا فرماتے رہے اور سر منڈانے والوں کی فضیلت کی زیادتی کو ملحوظ رکھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل کا وہ اونٹ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں میں تھا مشرکوں نے چاہا کہ آپ کو اس کے ذبح سے باز رکھیں۔ سہیل بن عمرو جو صلح میں مرتب و مسبب تھا اس نے مشرکوں کو بہت جھڑکا اور برا کہا۔ کہا کہ اگر ایسی ہی تمہاری خواہش ہے تو اس اونٹ کے عوض سو اونٹ دیدو شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مان جائیں۔ پھر وہ سو اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا ''اگر اس اونٹ کو اس کیلئے مقرر نہ کر دیا ہوتا تو تمہاری عرض داشت قبول کر لی جاتی''۔ عجب ہے ان بدبختوں نے اس اونٹ کو شرائط میں داخل کیوں نہ کیا یا ممکن ہے کہ قبول نہ فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ابوجہل ملعون کے اس اونٹ کو ذبح کرنے کا مقصد کفار کو غیظ میں لانا اور ان کے دلوں کو توڑنا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس اونٹوں کو جن میں ابوجہل کا اُونٹ بھی تھا اپنے دست مبارک سے نحر فرمایا۔ باقی کو ناجیہ رضی اللہ عنہ بن جندب کو دیا کہ مکہ مکرمہ لے جا کر مروہ میں ذبح کریں اور ان کے گوشت کو وہاں کے فقراء و مساکین میں تقسیم کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہدی کے تمام اونٹوں کو حدیبیہ میں ہی نحر کیا گیا۔ اسی جگہ سے امام شافعی کے نزدیک نحر کے لیے حرم شرط نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم تھا اور کچھ غیر حرم۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قربانی اور بالوں کے کاٹنے سے سب فارغ ہوگئے تو حق تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی یہاں تک کہ مسلمانوں کے بالوں کو وہ آندھی مکہ مکرمہ لے گئی اور انہیں حرم میں پھیلا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

سرمبارک کے بالوں کو کھجور کے درخت پر جو کہ قریب تھا رکھا اور صحابہ کرام ان مو یہائے مبارک کے حصول کیلئے ایک دوسرے پر اژدہام کر کے آئے۔ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بڑی سعی وکوشش سے ان میں سے چند مو یہائے مبارک کی حصول یابی میں کامیاب ہوئی جو میرے پاس ہیں۔ میں بیماروں کیلئے پانی میں غسل دے کر اس غسالہ کو پلاتی ہوں اور وہ شفایاب ہوتے ہیں۔

حدیبیہ کے مقام میں لشکر اسلام کی اقامت تقریباً بیس روز رہی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس ہو کر منزل ''ضیجان'' ایک روایت میں ''کراع الغمیم'' کے قریب پہنچے تو سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا جو دینی و دنیوی مقاصد اور ظاہری و باطنی کمالات کی جامع ہے نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا آج رات مجھ پر ایسی سورۂ نازل ہوئی ہے جس کو میں ہر اس چیز سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں جس پر سورج طلوع کرے۔صحابہ پر سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا کی تلاوت فرمائی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مبارک باد دی اور صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہنیت ادا کی۔یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مفسرین کی مراد اس فتح سے صلح حدیبیہ ہے جو کہ فتوحات کثیرہ اور فیوضات عظیمہ کا مبداء و مقدمہ ہے۔اس امر کی وضاحت خوب اچھی طرح ہو چکی ہے۔مفسرین کی ایک جماعت اس سے فتح مکہ مراد لیتی ہے اور بعض لوگ فتح خیبر مراد لیتے ہیں۔اگر چہ یہ فتوحات اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں اور ان کا وقوع نہ ہوا تھا مگر اس کا تحقق صیغہ ماضی کے ساتھ ذکر کر کے کر دیا۔جیسا کہ اہل زبان عرب کی عادت اور قرآن مجید کی روش ہے۔(واللہ اعلم)

اس قصہ کے عجائب وغرائب میں سے ابو بصیر کا قصہ ہے جو عتبہ بن اسد ثقفی کے بیٹے اور بنی زہرہ کے ہم سوگند و حلیف تھے۔واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صلح فرما چکے اور حدیبیہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو یہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے فرار ہو کر سات دن پیدل مسافت طے کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے۔کفار قریش نے ان کے مطالبہ کیلئے دو شخصوں کو بھیجا۔ان میں سے ایک تو بنی عامر میں سے تھا اس کا نام معلوم نہ ہوا اور دوسرا کوثر نامی اس کا ملازم وساتھی تھا۔ان دونوں نے ایک خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ بمقتضائے صلح جو صلح حدیبیہ میں طے ہو چکا ہے ابو بصیر کو لوٹا دیں''۔ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کا خط پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کر دیا۔ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے مشرکوں کی طرف بھیجتے ہیں''۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قوم نے ہمارے ساتھ عہد باندھا ہے اور تم جانتے ہو کہ ہمارا کام غدر و بے وفائی نہیں ہے۔جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے کام میں کشادگی فرمائے گا اور فراخی و آزادی کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا''۔پھر وہ دونوں مشرک ان کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔جب انہوں نے ذوالحلیفہ پر پڑاؤ کیا تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نصر اللہ عنہ وہاں کی مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور راستہ کا کھانا جو وہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اپنے سامنے رکھا اور ان دونوں ساتھیوں کو بھی اپنے سامنے بلایا تا کہ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں اور ایک دوسرے سے انسیت پیدا ہو۔ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عامری کا نام ونسب پوچھا اور کہا کہ یہ تیری تلوار تو بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔عامری نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے اور اس نے بہت کام دیا ہے۔ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے دینا میں دیکھوں؟ عامری نے غفلت و بے پرواہی سے تلوار ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیدی۔ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ میں تلوار لیتے ہی ایک ضرب سے اس کو جہنم رسید کر دیا۔کوثر نے جو یہ حال دیکھا الٹے قدم مسجد سے نکل کر بارگاہ نبوت کی جانب بھاگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دور سے بھاگتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔جب یہ قریب آیا تو اس نے کہا میرے ساتھی کو قتل کر دیا گیا ہے اور میں خطرے میں ہوں۔اتنے میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے بھی عامری کی تلوار حمائل کیے اس کی سواری پر سوار اسی وقت مدینہ منورہ پہنچ گئے اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو مجھے سپرد کر کے اپنے

عہد کا ایفا فرما دیا۔ اب مجھے حق تعالیٰ نے ان سے آزادی بخشی اور ان کے شر سے محفوظ رکھا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَيْلٌ لَاُمِّهٖ بَصِيْرٍ مُسْعِرُ حَرْبٍ لَوْكَانَ لَهٗ اَحَدٌ ''یعنی یہ ابوبصیر جنگ کی آگ کو بھڑکانے والا اور تیز کرنے والا ہے اور کوئی جو اس کی امداد و اعانت کرے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو چاہیے کہ بھاگ جائے اور جو مسلمان مکہ مکرمہ میں محبوس و ممنوع ہیں ان کے ساتھ مل جائے۔ شارحین کے نزدیک اس کا یہی مطالبہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے عمل کی مذمت و برائی کرنا نہیں ہے بلکہ مراد تعجب ہے کہ یہ شخص عجیب مردِ فرزانہ اور بہادر ہے۔ اگر کوئی اس کی نصرت و اعانت کرے تو یہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے اگرچہ سیاقِ کلام اور اقتضائے مقام سرزنش اور شکایت کے غماز ہیں۔ کہ یہ شخص جنگ اور فتنہ کی آگ کو بھڑکائے گا' اور کوئی ہے جو اسے سمجھائے کہ یہ ہمارے پاس نہ آئے اور یہاں سے چلا جائے۔ کیونکہ اس کی ہمارے پاس موجودگی' فتنہ اور جنگ کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کہ کوئی ہے جو انہیں پکڑ کر دوبارہ قریش کے سپرد کر دے۔ اس میں فرار کی طرف بھی تلقین و تعلیم ہے۔ (فافہم)

ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ بات سنی تو فوراً واپس ہوئے اور مسجد سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ساحل دریا پر پہنچ کر ''منزل عیص'' میں ٹھہر گئے۔ یہ منزل قریش کے شام کی طرف تجارت کی غرض سے جانے والے قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ پھر تو رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ جو کوئی اہل مکہ میں سے مسلمان ہوتا وہ ان کے پاس آ جاتا اور یہ لوگ اسی طرح مجتمع ہوتے جاتے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو جو سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا' جو حدیبیہ میں مسلمان ہو کر آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے باپ کے سپرد کر دیا تھا۔ پیغام پہنچایا اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے قصہ کی خبر پہنچائی۔ تو وہ بھی باپ کے پاس سے بھاگ کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے یہاں تک کہ ایسے لوگوں سے ایک بہت بڑی جماعت بن گئی اور یہ قریب تین سو کے ہو گئے۔ قریش کا جو قافلہ بھی شام کی طرف جاتا یہ حضرات اس قافلہ کو سرِ راہ پکڑ لیتے۔ قافلہ کے لوگوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ قریش اس صورت حال سے تنگ آ گئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگے۔ ابوسفیان بن حرب کو قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور خدا کی قسم دی کہ اس جماعت کو اپنے پاس بلا لیں۔ ہم اس شرط کو اٹھاتے ہیں ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے گا امان میں رہے گا' ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات نے کسی کو ان کی طرف بھیج کر انہیں اپنے ظلِ عاطفت میں بلا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک خط ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے نام لکھا کہ تم اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ ہمارے حضور آ جاؤ۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو وہ نزع کے عالم میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی ہاتھ میں لیا سر آنکھوں پر رکھا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اس کے بعد ابوجندل رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل دے کر تجہیز و تکفین کر کے دفن کیا' ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنائی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔

بادشاہوں کی طرف وفود و فرامین کی ترسیل

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف و اکناف کے سلاطین اور بادشاہوں کی طرف وفود اور فرامین ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ ترسیل فرامین کا عمل ہجرت کے ساتویں سال ماہ محرم سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ یہ چھٹے سال کے آخر اور ساتویں سال کے شروع میں تھا یا یہ کہ چھٹے سال میں ارادہ فرمایا۔ ساتویں سال اس پر عمل ہوا یا یہ کہ کچھ کو چھٹے سال میں بھیجا اور کچھ کو ساتویں سال میں۔ اس بنا پر ان کو اشتباہ لاحق ہو گیا۔ (واللہ اعلم)

انگشتری مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ فرمایا کہ ان بادشاہوں کو فرمان ارسال فرمائیں تو صحابہ نے عرض کیا۔ بادشاہ لوگ جس خط پر مہر نہ ہو اسے درخور اعتناء نہیں گردانتے اور نہ اسے پڑھتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگشتری بنوائی اور صحابہ میں سے جن کو مقدرت تھی انہوں نے بھی اپنے لیے سونے کی انگشتری بنوالی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ مردوں کو (دنیا میں) سونا پہننا حرام ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انگشتری نکال دی۔ صحابہ نے بھی نکال دی اور فرمایا چاندی کی انگشتری بناؤ جس کا حلقہ اور نگینہ بھی چاندی کا ہو اور نگینہ پر ''محمد رسول اللہ'' نقش ہو۔ اس طرح کہ اللہ ایک سطر میں ''رسول دوسری سطر میں اور محمد تیسری سطر میں''۔

ایسی مہر کے ساتھ جن بادشاہوں کے نام فرامین نبوی بھیجے گئے ان میں سے ایک نجاشی شاہ حبشہ، دوسرا ہرقل شاہ روم، تیسرا اکسریٰ شاہ فارس مداین کے نام، چوتھا مقوقس حاکم اسکندریہ، پانچواں حارث بن ابی شمر غسانی حاکم شام کے نام، چھٹا ہودہ بن علی حنفی والی یمامہ کا تھا۔ یہ چھ اشخاص ہیں جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر ساتویں شخص کا نام بھی بتاتے ہیں وہ منذر بن سادی حاکم بحرین ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک قاصد جس بادشاہ کی طرف بھیجا گیا حق تعالیٰ نے اسے اس بادشاہ کی زبان الہام فرمادی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

مکتوب گرامی بجانب نجاشی شاہ حبشہ: نجاشی (بفتح نون یا بکسر نون وجیم مخففہ) کا نام اصحمہ بن الحر ہے اور ان کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سعادت مندوں میں سے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی انہیں پہنچا تو انہوں نے اس کا احترام کیا اور تخت سے اتر کر زمین پر آئے، ادب و تعظیم کے ساتھ مکتوب گرامی کو لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگالیا۔ حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کو پڑھیں۔ اس کا مضمون اس مفہوم کا تھا۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف میں تمہاری طرف اس خدا کی حمد وثنا بھیجتا ہوں جو بادشاہ برحق اور مالک مطلق ہے۔ اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہے۔ وہ ہر آفات وعیوب سے محفوظ، آیات ومعجزات کے ذریعہ اپنے نبیوں کا مصدق اور اپنے بندوں کو قیامت کی ہولنا کیوں سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ وہی ان کو درجات رفیعہ پر فائز کرنے والا ہے۔ وہ ہر شئے پر غالب اور جبار، متکبر اور علیم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں۔ اور اس کلمہ کو مریم بتول، طیبہ اور حصینہ کی طرف القا فرمایا۔ اور وہ عیسیٰ سے وابستہ ہوئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی روح سے پیدا فرمایا اور اس روح کو ان میں پھونکا جس طرح کہ آدم علیہ السلام کو دست قدرت سے پیدا کیا تھا اور ان میں اپنی روح پھونکی تھی۔ امابعد بلاشبہ میں تمہیں دین اسلام کی طرف بلاتا ہوں اور اس سے پہلے تمہاری طرف اپنے چچا کے فرزند حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو اور ان مسلمانوں کو جو ان کے ساتھ تھے بھیجا ہے۔ تمہیں سزاوار ہے کہ تجبر وتکبر کو اختیار نہ کرنا، سمع قبول سے میری نصیحت سننا اور انقیاد واطاعت کے زمرے میں داخل ہونا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی نجاشی نے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا۔ کہا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو خود چل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور شرف حضوری کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کا جواب اس مضمون کا لکھا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب، نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے اے خدا کے نبی تم پر سلام ورحمت اور اس خدا کی برکتیں ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی مجھے اسلام کی راہ دکھانے والا ہے۔ امابعد بلاشبہ آپ کا گرامی نامہ مجھے ملا۔ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق آسمان وزمین کے رب

کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اتنا بھی (اس سے زیادہ) نہیں ہے۔ یقیناً میں نے آپ کی لائی ہوئی شریعت کی حقیقت کو جانا اور آپ کے چچا کے صاحبزادے اور آپ کے صحابہ کا اعزاز واحترام کیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے راست گو رسول ہیں' گزشتہ نبیوں نے اور پچھلی کتابوں نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ میں آپ کے چچا کے صاحبزادے کے واسطے سے آپ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرتا ہوں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اور میں آپ کی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے ارحی بن اصحمہ کو حاضر کرتا ہوں۔ اے خدا کے رسول! اگر آپ حکم فرمائیں تو میں بھی آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو جاؤں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے فرمایا حق وصدق ہے۔ والسلام علیک یارسول اللہ۔

دوسرا مکتوب گرامی بنام نجاشی: منقول ہے کہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مکتوب نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں سے ہیں ہمارا پیغام نکاح دے کر مدینہ منورہ روانہ کر دو۔ جس قدر مہاجرین حبشہ میں ہیں ان سب کو بھیج دو۔'' چنانچہ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن العاص کو وکیل بنایا تا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں انہیں دیدیں اور چار سو مثقال سونا مقرر کیا۔ تمام مہاجرین کو ساز وسامان مہیا کر کے دو کشتی میں بٹھا کر عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے ہاتھی دانت کی ایک صندوقچی طلب کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خطوط مبارک کو اس صندوقچی میں رکھ کر محفوظ کر کے کہا کہ جب تک یہ دونوں گرامی نامے اہل حبشہ میں رہیں گے ان میں خیر وبرکت رہے گی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامے حبشہ کے بادشاہوں کے ہاتھوں میں اب تک باقی ہیں اور وہ ان کی تعظیم وتکریم بجا لاتے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ نجاشی اصحمہ تھا جس کی طرف مسلمان ہجرت کر کے نبوت کے پانچویں سال گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہجرت کے چھٹے سال فرمان عالی وقار لکھا تھا۔ اصحمہ نجاشی ہجرت کے نویں سال رحلت کر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ لیکن ان کے بعد نجاشی والی حبشہ ہوا آپ نے اس کی طرف بھی مکتوب شریف بھیجا تھا اور دعوت اسلام دی تھی لیکن معلوم نہ ہوا کہ وہ اسلام لایا یا نہیں۔ مؤرخین نے ان دونوں نجاشیوں کے درمیان خلط ملط کیا ہے اور فرق ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ صحیح میں جو یہ منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو خط لکھا تو یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔ انتہی (واللہ اعلم)

مکتوب گرامی بنام ہرقل شاہ روم: لیکن ہرقل مشہور بکسر ہا وفتح را وسکون قاف ہے اور بسکون را وکسر قاف بھی کہتے ہیں۔ یہ قیصر روم کا نام ہے۔ قاموس میں ہے کہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے سکہ اور اشرفیاں بنائیں اور دیناروں پر ٹھپہ لگایا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے احداث بیعت کیا۔ اس کی طرف مشہور صحابی وحضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی (بفتح دال) کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی وہی ہیں جن کی شکل وصورت اختیار کر کے جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں اکثر حاضر ہوتے رہے۔ یہ بڑے حسین وجمیل اور خوبصورت تھے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم عالی از بارگاہِ رسالت پہنچا کہ مکتوب گرامی کو حاکم بصریٰ کے پاس لے کر جاؤ۔ وہ کسی کو تمہارے ساتھ بھیجے گا تا کہ وہ تمہیں ہرقل کے پاس لے جائے۔ اس پر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بموجب حکم عالی وقار جب ملک شام میں بصریٰ پہنچے۔ یہاں سے حارث بن ابی شمر کو جو اس خطہ کا ایک معزز شخص تھا اور عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی کی صحبت میں رہا تھا اس کو ساتھ لے کر ہرقل کے دار السلطنت کی طرف روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے ہرقل اس وقت بیت المقدس کی زیارت کیلئے گیا ہوا

تھا۔ چونکہ اس نے نذر مانی تھی کہ جب خسرو پرویز کے قبضہ سے روم کے بعض وہ علاقے جو رومیوں کے ہاتھ سے نکل کر فارسیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے جب دوبارہ واپس مل جائیں گے تو وہ قسطنطنیہ سے برہنہ پا' بیت المقدس حاضری دے گا' مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا اور عبادت کرے گا۔ چنانچہ جب رومی' فارسیوں پر غالب آ گئے تو اس نے حکم دیا کہ راستہ میں فرش بچھایا جائے اور اس پر گل وریا حین ڈالے جائیں۔ جب یہ بچھائے جا چکے تو وہ ان پر پاؤں رکھتا ہوا بیت المقدس گیا اور اپنی منت پوری کی۔ اسی زمانہ میں جبکہ وہ بیت المقدس میں تھا اس نے ایک رات ستاروں کی روش اور ان کے احکام اور اثرات پر غور کیا اور اسے ایسا معلوم ہوا کہ ان کے اثرات اور احکام کے زیر اثر اس کی ذات میں ایک تغیر وتبدل واقع ہوگا۔ چنانچہ وہ خبیث النفس اور منکر الہیہ ہو کر اٹھا۔ اس کے مصاحبوں نے اس سے پوچھا کہ آج ہم تجھے مکدر اور غمگین دیکھ رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ فلکی ارضاع کی روش سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الختان نے ظہور کیا ہے یعنی اس قوم کے بادشاہ نے ظہور کیا ہے۔ جس قوم میں ختنہ کرنے کی سنت ہے' قریب ہے کہ ان کا دست تسلط ہماری مملکت کے علاقہ میں داخل ہو جائے اور ان شہروں کے رہنے والوں پر وہ غلبہ وفتح پالیں۔ تم لوگ مجھے بتاؤ کہ ایسی کون سی قوم ہے جن میں ختنہ کرنے کی سنت ہے؟ مصاحبوں نے کہا ''اس زمانہ میں تو یہودی ہی ہیں جو ختنہ کرتے ہیں'' اس پر اس نے حکم دیا کہ ''جہاں بھی یہودی ہیں انہیں قتل کر دو'' اسی دوران قیصر کے کان میں لوگوں نے یہ بات پہنچائی کہ ''ایک شخص عرب میں ظاہر ہوا ہے جس کے عجیب وغریب واقعات اور نرالے واقعات کے ظہور کی اطلاعیں آ رہی ہیں اور نقل کرنے والے اسے نور نبوت کے ظہور سے تعبیر کرتے ہیں اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف بیان کرتے ہیں۔ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ شخص مختون ہے۔ ہرقل نے کہا ''ستاروں کی رہنمائی سے مجھ پر جو منکشف ہوا ہے اور جس جماعت کے بادشاہ کے ظہور کا پتہ چلا ہے وہ یہی جماعت ہے'' اسی اثناء میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم بصریٰ کے مصاحب کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہ مکتوب گرامی ہرقل کو پہنچایا۔ اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبداللہ بندۂ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل عظیم روم کی جانب سلام ہو۔ اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہیں کلمہ اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو تم سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دونا اجر دے گا اور اگر تم اس بات سے پہلو تہی اور روگردانی کرو گے اور میرے دین کو قبول نہ کرو گے تو تم پر مزارعوں اور رعایا کا گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب:

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝

''آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ایک دوسرے کو خدا کے سوا ارباب نہ بنائیں۔ اب اگر تم اعتراض کرو تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم مسلمان ہیں''۔

ہرقل جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کے مضمون سے باخبر ہوا تو اس کی ہیبت سے اس کی پیشانی پر پسینہ جاری ہو گیا اور اس کی مجلس میں شور وغوغا برپا ہو گیا۔ اس نے اپنے ارکان دولت سے کہا ''تلاش کرو کہ میری سلطنت میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس دعوئے نبوت کرنے والی ہستی کی قوم میں سے ہوتا کہ میں اس کے حالات اس سے دریافت کروں''۔ اتفاق سے ابوسفیان بن حرب صلح حدیبیہ کے بعد تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی لڑائیاں کر چکا تھا۔ لوگ ہرقل کے حکم سے اسے اس کے پاس بیت المقدس لے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابوسفیان سے نقل کرتے ہیں۔ اس نے بیان کیا کہ ہم قیصر روم کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا ''تم میں سے کون ہے جو قرابت داری کے اعتبار سے اس سے بہت قریب تر ہو'' میں نے کہا: ''میں اس سے نزدیک

تر ہوں کیونکہ وہ میرے چچا کے فرزند جلیل ہیں''۔ابوسفیان کی یہ بات بظاہر درست نہ تھی۔اس کا اس رشتہ سے یہ مقصد تھا کہ اس کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے درمیان اس کی نسبت ثابت تھی کیونکہ ابوسفیان کا جد امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔اس نسبت سے کئی پشتوں کے بعد دونوں کا خاندان ایک ہو جاتا تھا۔ابوسفیان نے مزید بیان کیا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھے اپنے سامنے بلایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے کھڑا کر دیا۔ ترجمان سے کہا''اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس ہستی مقدس کے حالات میں سے کچھ چیزیں دریافت کروں گا۔اگر یہ خلاف واقعہ جواب دے تو تم اس کی تکذیب کر دینا''۔ابوسفیان نے کہا''خدا کی قسم!اگر میں اس بات کی شرم وحیا نہ رکھتا کہ مجھ سے جھوٹ نقل ہو تو میں بہت سی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور بہتان کی باندھتا''۔ابوسفیان نے سچ کہا وہ عداوت اور اختلاف جو اسے بارگاہ نبوت سے تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتا۔یہ جو اس نے تکلفاً کہا کہ حیا وشرم مانع آئی تھی غلط ہے کیونکہ حیا تو ایمان کا شعبہ ہے اور ایمان ہی اس میں نہ تھا۔ہاں لوگوں کے سامنے ذلت ورسوائی کا البتہ خوف تھا اور یہ کہ ہرقل نے اس پر اس کے ساتھی مقرر کر رکھے تھے کہ اگر یہ جھوٹ بولے تو مجھے بتانا تاکہ میں اسے سزا دوں۔اس کو انہی کا ڈر تھا ورنہ کوئی اور امر مانع نہ تھا۔

ابوسفیان نے بیان کیا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پوچھا کہ''اس ہستی مقدس کا اصل ونسب تمہارے درمیان کیا ہے؟''میں نے کہا''وہ ہمارے درمیان صاحب نسب' شریف عظیم ہیں اس لیے کہ بنی ہاشم' عبد مناف میں عظمت وشرافت والے گزرے ہیں''۔یہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاد ابراہیم رضی اللہ عنہ میں سے اسمٰعیل رضی اللہ عنہ کو برگزیدہ فرمایا اور اولاد اسمٰعیل رضی اللہ عنہ میں سے قریش کو' قریش میں سے ہاشم کو اور اولاد ہاشم میں سے عبدالمطلب کو برگزیدہ فرمایا۔چنانچہ میں ان تمام برگزیدگان میں سب سے برتر برگزیدہ ہوں' ہرقل نے کہا''انبیاء مرسلین علیہم السلام اسی طرح شریف النسب ہوتے ہیں تاکہ ان کے پیروکاروں کو ان کی پیروی واتباع میں کسی قسم کی جھجک اور شرم وعار لاحق نہ ہو''۔پھر ہرقل نے پوچھا''کیا کسی نے ان سے پہلے بھی قریش کی قوم اور عرب میں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو اس کا وہم لاحق ہو سکتا تھا اور میں کہتا کہ اس نے اپنے پیشرو کی بات کی تقلید کی ہے''۔بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے پوچھا''ان کے آباء میں سے کسی نے بادشاہی کی ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے باپ کی بادشاہت چاہتا ہے اور نبوت کو اس کا ذریعہ بنا کر اپنے باپ کی مملکت حاصل کرنا چاہتا ہے''ہرقل نے پوچھا''قوی اور بڑے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور ومحتاج لوگ؟''میں نے کہا''محتاج لوگ''اس نے کہا''انبیاء علیہم السلام کی زیادہ تر ضعیف محتاج لوگ ہی پیروی کرتے ہیں''۔ہرقل نے پوچھا''ان کے پیروکار روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں؟''میں نے کہا''زیادہ ہوتے جاتے ہیں''۔اس نے کہا''اسی طرح ایمان کا کام بتدریج زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ حد کمال کو پہنچ جاتا ہے''۔ہرقل نے پوچھا''کیا کوئی شخص ان کے دین سے برگشتہ ہوا ہے اور ان کے دین مبین کو مکروہ وناپسندیدہ جان کر اس سے پھرا ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا۔''ایمان کی چاشنی ایسی ہی ہوتی ہے جب یہ دل میں سرایت کر جاتی ہے تو جان وروح سے پیوستہ ہو جاتی ہے اور دل سے نہیں نکلتی''۔ہرقل نے پوچھا''دعویٰ نبوت سے قبل کیا لوگ اسے کذب ودروغ کے ساتھ متہم قرار دیتے تھے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''ٹھیک ہے اور اب یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ باندھے اور خدا سے جھوٹ منسوب کرتے''۔ہرقل نے پوچھا''کیا وہ غدر کا دعویٰ کرتا ہے۔مطلب یہ کہ وہ جنگ وغیرہ میں جو عہد وپیمان کسی کے ساتھ کرتا ہے کیا اسے توڑتا اور خلاف عہد کرتا ہے؟''میں نے کہا''نہیں''اس نے کہا''نبیوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ غدر نہیں کرتے اس لیے کہ غدر وبدعہدی دنیا کے طالبوں سے سرزد ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام طالب دنیا نہیں ہوتے''۔ابوسفیان

کہتے ہیں کہ میں نے اتنا اور زیادہ کہہ دیا کہ ''ان دنوں ہمارے اور ان کے درمیان ایک قسم کی صلح واقع ہو چکی ہے اور عہد و پیمان قائم ہو چکا ہے۔ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ ان باتوں ے درمیان میری اس بات سے شاید ایک قسم کی منقصت لازم آئے گی اور اس میں تنقیص کا پہلو نکل آئے گا مگر یہ بات بطریق امکان واحتمال تھی۔خدا کی قسم! ہرقل نے اس بات کی طرف التفات ہی نہ کیا اور اس نے جان لیا کہ یہ ایسا احتمال ہے جو اپنی طرف سے اٹھایا گیا ہے۔اس کے بعد ہرقل نے پوچھا ''تمہارے اور ان کے درمیان جنگ واقع ہوئی ہے یا نہیں؟'' میں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا ''جنگ کی کیفیت اور اس کی حالت بیان کرو؟'' میں نے کہا ''کبھی وہ ہم پر غالب ہوئے ہیں جیسے بدر میں اور کبھی ہم ان پر غالب ہوئے ہیں یعنی احد میں'' اس نے کہا ''انبیاء کا حال ایسا ہی تھا کبھی دشمن کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتے لیکن بالآخر اور انجام کار غلبہ ونصرت انہیں کا ہوتا'' ہرقل نے پوچھا ''وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟'' میں نے کہا ''وہ حکم فرماتے ہیں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو' کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور جو کچھ تمہارے آباؤ اجداد کہتے اور کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔وہ ہمیں نماز' روزہ' صدقہ' راست گوئی' پارسائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں''۔اس نے کہا ''جو کچھ تم نے بیان کیا یہی سب انبیاء علیہم السلام کی صفات حمیدہ اور عادات محمودہ ہیں۔'' تعجب ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ پھر تم ان کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اور ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ممکن ہے کہ اس نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ یہی جواب دیں گے کہ وہ ہمارے باپ دادا کے خلاف حکم دیتے ہیں۔لیکن ہرقل نے یہ نہ پوچھا اس لیے کہ اسے معلوم تھا کہ یہ کافر و معاند ہیں۔اہل سیر کہتے ہیں کہ ہرقل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر صندوق میں محفوظ رکھا۔وہ مکتوب اس کی اولاد میں رہا اور کسی بادشاہ نے اپنے محل سے اسے باہر نہ کیا۔

اس کے بعد قیصر روم ہرقل نے ابوسفیان سے کہا ''جو کچھ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات بیان کیے ہیں اگر یہ واقع کے مطابق ہیں تو عنقریب وہ اس مملکت پر غلبہ پائیں گے اور ان شہروں پر فرمانروائی کریں گے۔میں وثوق سے جانتا ہوں کہ ایک نبی ان اوصاف کا ضرور پیدا ہوگا۔لیکن یہ یقین سے نہیں جانتا کہ وہ نبی تمہاری قوم میں سے ہوگا۔اگر میں جانتا' ممکن ہوتا تو میں ضرور ان کے پاس حاضر ہونے کی سعی وکوشش کرتا اور اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل' حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو خلوت میں لے گیا اور اس نے کہا ''خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ نبی مرسل ہیں اور وہ وہی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔جن کی صفتیں آسمانی کتابوں میں ہم نے پڑھی ہیں مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے ان کی پیروی کی تو رومی مجھے ہلاک کر دیں گے۔اس کے بعد ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ایک اور شخص کے پاس بھیجا جو رومیوں میں سے تھا اور اس کا نام ''صنعاطر'' تھا۔یہ نصاریٰ کا پیشوا اور دین عیسوی کا امام تھا۔جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے تو اس نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم! محمد برحق ہیں اور تم نے جو صفتیں بیان کی ہیں ان کو ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا اور ان کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں رکھتے''۔اس کے بعد صنعاطر کھڑا ہوا اور کنیسہ میں آیا۔اس نے کہا ''اے روم کے لوگو! احمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔اس خط میں ہمیں دین حق کی دعوت دی ہے' ان کی رسالت کی حقیقت آفتاب کی مانند روشن ہے۔تم اقرار کرو کہ اللہ ایک ہے اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں'' نصاریٰ نے جب صنعاطر سے یہ شہادت وگواہی سنی تو رومیوں نے نیزوں اور تلواروں سے اسے شہید کر دیا۔اس کے بعد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لوٹ آئے اور سارا حال ہرقل سے بیان کیا۔ہرقل نے کہا ''میں نے تم سے کہا تھا کہ میں نصاریٰ سے ڈرتا ہوں۔خدا کی قسم! صنعاطر قوم میں مجھ سے زیادہ بزرگ اور اہل روم مجھ سے زیادہ ان کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے''۔یہ پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ جب ہرقل کو صنعاطر کی خبر پہنچی تو وہ بیت المقدس سے حمص آیا جو

اس کا دارالسلطنت تھا اور روم کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان کو سکرہ میں ٹھہرایا۔ سکرہ ایسے محل کو کہتے ہیں جس کے گرداگرد دیہات کی مانند چھوٹے چھوٹے گھر ہوں۔ اس نے حکم دیا کہ ان کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد اس محل کے ایک دریچہ سے نمودار ہوا اور کہنے لگا ''اے روم کے لوگو! اگر تم اپنی بھلائی' اپنی نجات اور راہ راست کی خواہش رکھتے ہو۔ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی کی متابعت اور پیروی اختیار کرو جو مبعوث ہوا ہے''۔ رومیوں نے جب اس سے یہ بات سنی تو الگ الگ ہو کر بھاگنے اور لاتیں مارنے لگے جس طرح گدھا دولتیاں مارتا ہے۔ انہوں نے اپنے منہ دروازے کی طرف پھیر لیے لیکن ان دروازوں کو بند پایا۔ ہرقل نے جب ان کی اس نفرت کو دیکھا تو وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ حکم دیا کہ ''وہ سب لوٹ آئیں'' جب وہ لوٹ آئے تو اس نے ان کو تسلی دی اور کہنے لگا ''میں نے یہ بات تمہاری آزمائش اور دین میں تمہاری سختی وصلابت کے امتحان کیلئے کہی تھی۔ میں نے یہ جان لیا کہ تم ثابت قدم ہو''۔ اس پر سب راضی ہو گئے اور سجدہ کر کے واپس چلے گئے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں کہ ہرقل آخر کار یہ تھا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہرقل دنیا سے مسلمان گیا ہے یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہرقل نے دنیا کو عقبیٰ پر ترجیح دی اور شرف اسلام سے مشرف نہ ہوا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر ہوا کیونکہ اس کے دو سال بعد غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کے ساتھ اس نے جنگ کی۔ اس جنگ میں کثرت سے مسلمان شہید ہوئے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔ نیز مروی ہے کہ لشکر کو لیس کر کے تبوک کی جانب جنگ کیلئے آیا۔ علماء کی دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ ممکن ہے کہ پوشیدہ طور پر ایمان لے آیا ہو اور اپنی ہلاکت' اپنی بادشاہت زائل ہونے کے خوف سے یہ معاصی ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ اس نے تبوک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ ''میں مسلمان ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جھوٹ کہتا ہے بلکہ وہ اپنی نصرانیت پر ہے''۔ (واللہ اعلم)

مؤرخین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خود اسے یا اس کے بیٹے کو مسلمان پکڑ لائے۔ ظاہر یہی ہے کہ اسی کو یعنی ہرقل ہی کو لائے تھے۔ کذا فی فتح الباری (واللہ اعلم)

احوال کسریٰ شاہ فارس

رہا کسریٰ شاہ مداین (فارس) کا حال! تو کسریٰ' بکسر کاف اور بفتح کاف وسکون سین' بصیغہ مکبر' مصغر' خسرو کا معرب ہے اور یہ شاہ فارس کا لقب ہے۔ اس زمانہ میں کسریٰ یعنی شاہ فارس پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ نوشیروان بادشاہ تھا حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ نوشیروان حضور اکرم سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ولادت کے وقت تھا۔ جیسا کہ زبانوں پر مشہور ہے کہ وُلِدْتُ فِيْ زَمَنِ الْمَلِكِ الْعَادِلِ۔ میں بادشاہ انصاف پسند کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ مگر محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ شرک کی صفت کے ساتھ عدل کی صفت کی جائے حالانکہ شرک بذات خود ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ عدل سے مراد رعایا کی دیکھ بھال' فریادرسی اور دادرسی ہے جسے محاورہ میں عدل کہتے ہیں۔ لیکن اسم عادل کی ادائیگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہو بہت بعید ہے۔

شاہ فارس کے پاس مکتوب گرامی لے جانے والے قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو قدیم الاسلام صحابی اور سابقین اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ سہم بن عمرو بطن کی طرف منسوب ہیں جو قریش کی شاخ ہے۔ انہیں حکم فرمایا کہ بحرین کے حاکم کے پاس لے جاؤ وہ کسریٰ تک پہنچا دے گا مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا۔

مکتوب گرامی بنام کسریٰ پرویز: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے بنام کسریٰ شاہ فارس سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے اور خدا پر ایمان رکھے۔ گواہی دے کہ خدا ایک، محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں بلاشبہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تمام لوگوں کی طرف تا کہ میں خوف دلاؤں، ڈراؤں اور کافروں پر حجت قائم کر دی۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو سلامت رہو گے اور اگر انکار و سرکشی کرو گے تو مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا''۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچا تو اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ایسا خط لکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ میرے بندے اور رعایا ہیں۔ (نعوذ باللہ) کیا پرویز اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندہ خاص ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں پر سردار اور حاکم بنایا ہے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ اس نے گستاخانہ یہ بھی کہا کہ ''محمد نے اپنے نام کو میرے نام کے اوپر لکھا ہے''۔ حالانکہ وہ جاہل کیا اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ خط کا انداز تحریر ہی ایسا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی تو بالائے عرش لکھا ہوا ہے تو کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے۔ اس پر وہ کافر غصہ میں آ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کو پارہ پارہ کر دیا اور پاگل پنے کی باتیں کرنے لگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حذافہ کی طرف اس نے التفات تک نہ کیا اور مکتوب گرامی کا جواب تک نہ لکھا۔ جب یہ خبر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچی تو فرمایا: مَزَّقَ کِتَابِیْ مَزَّقَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ اس بدبخت نے میرے خط کو کیا پارہ پارہ کیا ہے۔ حق تعالیٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا''۔ اس کے بعد خسرو نے باذان اپنے یمن کے حاکم کو لکھا کہ ''ایسا سنا گیا ہے کہ ایک شخص ملک عرب حجاز میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ لازم ہے کہ دو معتمد علیہ شخصوں کو اپنی طرف سے بھیجو تا کہ انہیں باندھ کر میرے سامنے لے آئیں''۔ باذان نے اس کے حکم سے اپنے خزانچی کو جس کا نام بانیہ تھا، فارس کے عقلمندوں اور بہادروں میں سے تھا۔ ایک اور فارسی شخص کے ساتھ جس کا نام خرخرہ تھا اور وہ بھی فارسیوں میں امتیازی شان رکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تفتیش و تحقیق کیلئے بھیجا۔ ایک خط لکھا کہ ان دو شخصوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس پہنچو کیونکہ اس نے تم کو بلایا ہے۔ یہ دونوں طائف پہنچے اور وہاں کے صنادید قریش سے مثلاً ابوسفیان اور صفوان بن امیہ وغیرہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں اور یہ صنادید قریش اپنے دل میں بہت خوش ہوئے کہ فارس جیسے بادشاہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بگاڑ ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ اب ہماری خواہشات کے مطابق کام ہو جائے گا''۔

القصہ یہ دونوں مدینہ منورہ پہنچ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مقدس میں پہنچے اور گفتگو شروع کی۔ یہ کہنے لگے کہ شہنشاہ کسریٰ نے ملک یمن کے حاکم باذان کو خط لکھا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اپنے معتمد مصاحبوں میں سے دو شخصوں کو آپ کے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ حاکم یمن باذان نے اس بنا پر ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ہم آپ کو شہنشاہ خسرو کے پاس لے جائیں۔ اگر ہمارے ساتھ آپ خوشی و رغبت سے چلیں تو باذان شہنشاہ کو سفارش لکھ دے گا تا کہ وہ گزشتہ جرم سے معافی دیدے۔ اگر آپ انکار و منع کریں تو کسریٰ کی صولت و سطوت آپ کو معلوم ہے اور آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ کس طرح کا بادشاہ ہے وہ آپ کی قوم کو ہلاک کر دے گا اور آپ کے شہروں کو تباہ و برباد کر دے گا''۔ اس کے بعد باذان کا خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ جب ان کی بکواس اور بیہودہ باتوں سے مطلع ہوئے تو تبسم فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ باتو یہ خرخرہ اپنی کلائیوں میں سونے کے کنگن ڈالے، ریشمی لباس پہنے، کمر میں زریں وسیمیں پٹکہ باندھے، داڑھیاں منڈائے، موچھیں چھوڑے ہوئے جس سے ان کے لب ڈھکے ہوئے تھے جیسا کہ مجوسیوں کی روش ہے آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس ہیبت اور شکل میں دیکھا تو اسے مکروہ جانا اور فرمایا ''افسوس ہے تم پر تم کو ایسی وضع کا حکم دیا گیا ہے اور کس نے تم کو حکم دیا ہے کہ داڑھی منڈواؤ اور موچھیں بڑھاؤ؟'' انہوں نے کہا ''ہمارے رب یعنی کسریٰ نے، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ داڑھی لمبی کروں اور موچھوں کو پست کروں''۔ اس کے بعد فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اس پر وہ دونوں دوزانو ہو کے بیٹھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی اور ثواب وعتاب کی ترغیب و تربیت فرمائی۔ وہ کہنے لگے۔ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اٹھو راہ سفر اختیار کرو تا کہ آپ کو شہنشاہ کے سامنے لے جائیں اور اگر تخلف کرو گے تو شہنشاہ عجم ایک ضرب سے آپ کو اپنے حال پر لے آئے گا۔ سب کو قتل کر دے گا یا جلاوطن کر دے گا''۔ مروی ہے کہ یہ دونوں ناپاک کافر باوجود یکہ نازیبا رویہ اختیار کیا تھا اور بے ادبی سے بات کرتے تھے لیکن ان پر عظمت نشان نبوت اور مجلس اقدس کی ہیبت اتنی طاری تھی کہ ان کا جوڑ جوڑ لرز رہا تھا۔ قریب تھا کہ خوف و دہشت سے پگھل جائیں اور ان کا جوڑ جوڑ کھل جائے کیونکہ وہ بارگاہ نبوت میں بے ادبی سے پیش آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف رکھتے ہوئے ارادہ فرمایا کہ باذان کے خط کا جواب لکھا جائے۔ آپ نے فرمایا ''آج تو تم دونوں اپنی قیام گاہ میں جا کر ٹھہرو کل آنا پھر دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں قاصد مجلس شریف سے باہر آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا ''اگر اس مجلس مبارک میں ہم کچھ دیر اور ٹھہرتے تو اندیشہ تھا کہ ہیبت سے ہلاک ہو جاتے''۔ دوسرے نے کہا ساری عمر میں مجھ پر اس قسم کی ہیبت کبھی بھی غالب نہ ہوئی تھی جتنی آج اس شخص کی مجلس میں غالب ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تائیدات الٰہیہ سے تائید یافتہ ہے اور اس کا کام خدا کا کام ہے۔ جب یہ دونوں قاصد دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے صاحب یعنی باذان کو خبر دو کہ میرے رب نے تیرے شہنشاہ کا بوجھ اتار دیا ہے یعنی خسرو قتل کر دیا گیا ہے۔ سات گھنٹہ پہلے رات کا وقت تھا کہ اس کے بیٹے ''شیرویہ'' کو اس پر مسلط کیا گیا یہاں تک کہ اس نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ یہ منگل کی رات تھی اور جمادی الاخریٰ کی دس تاریخ ۶ ہجری تھا۔ اسی طرح باذان کے قاصدوں سے فرمایا ''اپنے صاحب سے کہہ دو کہ بہت جلد میرا دین کسریٰ کی مملکت پر غالب آئے گا۔ اگر تو مسلمان ہو جائے تو جتنا علاقہ تیرے قبضہ تصرف میں ہے تجھے ہی دے دیا جائے گا اور تجھے فارسیوں پر حاکم مقرر کر دوں گا۔ اس کے بعد یہ دونوں رخصت پا کے لوٹے اور مدینہ طیبہ سے باہر آئے۔ جب یمن پہنچے تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا باذان کو پہنچا دیا اور جو کچھ مجلس اقدس میں مشاہدہ کیا تھا وہ سب باذان سے کہہ دیا۔ اس نے پوچھا کہ کیا ان کے پہریدار اور محافظ ہیں؟ انہوں نے کہا ''نہیں'' وہ تو بازاروں اور کوچوں میں بے تردد چلتے پھرتے ہیں''۔ باذان نے کہا ''خدا کی قسم! جو کچھ تم نے نقل کیا ہے وہ بات بادشاہوں کے کلام میں نہیں ہوتی۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ نبی و رسول ہیں اور ان کی نبوت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ کوئی بادشاہ ان پر ایمان لانے میں مجھ پر سبقت اور پہل نہ کرے گا''۔ اسی دوران شیرویہ پسر پرویز کا خط باذان کو پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''کسریٰ فارس کے بڑے بڑے لوگوں اور اعیان سلطنت کو بغیر جرم وخیانت کے مارڈالتا تھا اور مملکت کی جماعت عظیمہ کے درمیان تفرقہ اندازی کرتا رہتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اسے قتل کر دیا ہے اور لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ کر لیا ہے۔ لازم ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور لوگوں کو میری اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دو۔ خبردار! اس صاحب دولت سے جنہوں نے زمین عرب وعجم میں دعویٰ نبوت فرمایا ہے قطعاً تعرض نہ کرنا۔ اس وقت تک جب تک کہ میرا فرمان ان کی شان میں تمہیں نہ ملے۔ باذان جب اس تمام قصہ سے باخبر ہوا تو بلا توقف وتاخیر صدق واخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت زبان پر لایا اور تمام فارسی لوگوں نے جو اس مملکت میں رہتے تھے اس کے ساتھ موافقت کی اور دولت ایمان سے مشرف ہو گئے۔ فارسیوں کے باقی حالات جو شیرویہ کی حکومت کے بعد رونما ہوئے اور اس کا جیسا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا تاریخ کی کتابوں میں دیکھنا چاہیے۔

مقوقس شاہ مصر واسکندریہ کا حال

اب رہا مقوقس کا حال! (مقوقس بضم میم وفتح قاف اول وسکون واو وکسر قاف ثانی وسین مہملہ) یہ حاکم مصر واسکندریہ تھا اس کی طرف حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ قاصد تھے جو مشہور صحابی ہیں۔ اس کے نام مکتوب گرامی کا مضمون، ہرقل کے نام مکتوب گرامی کے مطابق ہے۔ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ اسے پہنچایا تو اس نے اس مکتوب مقدس کا ادب واحترام کیا۔ اس کے حق میں اچھی باتیں کہیں اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو خلوت میں بلایا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ونعوت کو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ سب ان صفات کے مطابق تھیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرمائی تھیں۔ وہ کہنے لگا یہ وہی رسول ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے بلاشبہ وہ غالب ہوں گے اور ان ممالک میں ان کے صحابہ کا قبضہ ہوگا لیکن وہ ایمان نہیں لایا اور انقیاد واطاعت قبول نہ کی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس کے پاس پہنچے تو فرمایا ''اے مقوقس! تجھ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص گزرا ہے جو گمان کرتا اور دعویٰ کرتا تھا کہ ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا تو تو اپنے غیر سے عبرت لے تاکہ تجھ سے کوئی دوسرا عبرت نہ لے''۔ مقوقس نے کہا ''ہمارا ایک دین ہے' ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے بجز اس صورت میں کہ کوئی اور دین اس سے بہتر ہو''۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں تجھے خدا کے دین کی طرف بلاتا ہوں جو دین اسلام ہے۔ اللہ اس دین کے ذریعہ دوسرے دینوں سے بے نیاز کر دے گا بلاشبہ اس نبی مکرم نے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ مگر قریش سخت ترین لوگ تھے' دشمن ترین لوگ یہود اور ان سے قریب ترین لوگ نصاریٰ ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگی کی! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسی نہیں ہے جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت نبی آخر الزمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے اور ہمارا تمہیں قرآن کی طرف بلانا ایسا ہی ہے جیسے تم لوگ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہو۔ ہر نبی نے جس قوم کو پایا تو وہ قوم ان کی امت بن گئی لہٰذا اس قوم پر حق ثابت ہے کہ وہ قوم اس نبی کی اطاعت کرے اور تو نے اس نبی کو پایا ہے لہٰذا ایمان لا کر ان کی امت میں داخل ہو جا۔ ہم تجھے دین مسیح سے منع نہیں کرتے بلکہ دین مسیح کا حکم تجھے بتاتے ہیں (کہ اس کا حکم ہے کہ نبی آخر الزمان پر ایمان لانا) اس پر مقوقس نے کہا ''میں نے اس نبی کے بارے میں غور وفکر کرلیا ہے اور مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ وہ کسی قابل نفرت چیز کا حکم نہیں دیتے اور نہ کسی ایسی چیز سے روکتے ہیں جو رغبت وشوق سے متعلق ہو۔ میں باخبر ہوگیا ہوں کہ وہ نہ ساحر قتال ہیں اور نہ کاہن کاذب' ابھی میں مزید غور وفکر کر رہا ہوں''۔

اس کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کو لیا' ہاتھی دانت کی صندوقچی میں رکھ کر محفوظ کرلیا اور کاتب کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خط لکھے۔ اس کا مضمون یہ تھا ''محمد بن عبداللہ کے حضور منجاب مقوقس عظیم القبط۔ امابعد میں نے آپ کا گرامی نامہ پڑھا اور جو کچھ اس میں تحریر تھا اور جس کی آپ نے دعوت دی میں نے سمجھا۔ بلاشبہ میں جانتا ہوں۔ ایک ایسا نبی باقی رہا ہے جو خاتم الانبیاء ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ظہور ملک شام سے ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کی آمد کو گرامی جانا۔ میں آپ کی طرف ماریہ اور سیرین رضی اللہ عنہ کو بھیجتا ہوں جو کہ قبط میں عظیم المرتبت ہیں۔ کچھ لباس وتحائف اور ایک اونٹ آپ کی سواری کیلئے پیش کرتا ہوں۔ والسلام'' مقوقس نے اس سے زیادہ نہ لکھا اور اسلام نہیں لایا۔ انتہی۔

استیعاب میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا۔ میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ دیا تو اس نے مجھے اپنے محل میں اتارا اور میں نے کئی راتیں اس کے پاس گزاریں۔ پھر اپنے بطارقہ کو جمع کر کے کہا ''مجھے اپنے آقا کے بارے میں بتاؤ کہ کیا وہ خدا کے رسول ہیں؟'' میں نے کہا ''ہاں وہ خدا کے رسول ہیں''۔ اس نے کہا ''کیا بات ہے کہ انہوں نے اپنی اس قوم پر بددعا نہ کی جنہوں نے ان کو اپنے شہر سے نکالا؟'' میں نے کہا وہ کیا بات ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان کی قوم نے پکڑا' بقول نصاریٰ سولی پر چڑھایا اور بددعا نہ کی کہ حق تعالٰی ان کو ہلاک کر دیتا''۔ مقوقس نے کہا: تم ٹھیک کہتے ہو حق تعالٰی کی طرف سے ایسا ہی حکم آیا تھا۔ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس کے پاس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو فرمایا ''خبیث نے اپنی بادشاہت کی وجہ سے بخیلی کی حالانکہ اس کی بادشاہت باقی نہ رہے گی''۔ مقوقس نے حضرت فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تحفوں کو قبول فرمایا۔ ان میں سے سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو ایمان لانے کے بعد اپنے لیے خاص فرمایا اور ملک یمین کے طور پر ان سے تصرف فرمایا۔ ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور سیرین کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو مرحمت فرما دیا۔ ان سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے۔

تنبیہ: روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے چار تر کی باندیاں تحفے میں بھیجی تھیں۔ ایک ماریہ' دوسری ان کی بہن سیرین' ایک خواجہ سرا' ایک سفید اشتر جسے دلدل کہتے ہیں اور ایک دراز گوش جسے عفیر یا یعفور کہتے ہیں۔ ایک نیزہ' بیس قد کا لباس اور ہزار مثقال سونا۔ یہ تحفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تھے اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو سو مثقال سونا' پانچ کپڑے انعام میں دیئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہ کو بطور ملک یمین اپنے تصرف میں رکھا اور ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ سیرین رضی اللہ عنہ کو حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو دیا بقیہ دو کنیزوں کا نام اور ان کا حال معلوم نہیں۔ دراز گوش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سواری فرماتے تھے یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں وہ مر گیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اس دراز گوش نے اپنی جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے غم وفراق میں ایک کنویں میں ڈوب کر دے دی اور اس کنویں میں اس کی قبر بنی۔ دلدل کو اپنی سواری کیلئے خاص فرمایا۔ بعد ازاں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اس پر سواری کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مصرع:

''چہارم علی شاہ دلدل سوار''

دلدل سے مراد وہی سفید اونٹ ہے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے بعد اس پر امام حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ نے سواری کی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں وہ مر گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے دانت گر گئے تھے' آٹے کو پانی میں گھول کر اسے دیتے تھے۔

خواجہ سرا کا حال دسویں سال میں حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیان میں معلوم ہوگا۔ مواہب لدنیہ میں تحائف میں شہد کا بھی بیان ہے جو ''بنہان'' کا تھا۔ یہ شہد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آیا اور بنہان کے شہد میں برکت کی دعا فرمائی۔ بنہان مصر کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَارَكَ اللّٰهُ فِي عَسَلِ بَنْهَانَ. اللہ بنہان کے شہد میں برکت دے۔ سیر کی کتابوں میں سیّدہ ماریہ قبطیہ اور دلدل کا ذکر مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)

مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر غسانی: حارث بن ابی شمر غسانی (بفتح غین وتشدید سین) کا حال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب اسدی کو اس کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ جب وہ شام کی سرحد میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حارث شامی' دمشق کے غواط گیا ہے تاکہ ہرقل کے لیے جو ایلیا یعنی بیت المقدس میں تھا تحائف مرتب کر کے بھیجے۔ شجاع کئی روز غواط میں

رہے لیکن حارث سے ملاقات نہ ہوسکی۔ حارث کا ایک پہریدار تھا جس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزین ہوگئی تھی۔ شجاع رضی اللہ عنہ نے اس کا ذریعہ حاصل کرنا چاہا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حارث کو پہنچائیں۔ کئی دن گزر گئے مگر وہ نظر نہ آیا۔ اتفاق سے ایک دن حارث برآمد ہوا جو تخت پر بیٹھا تھا اور تاج سر پر رکھا تھا۔ شجاع رضی اللہ عنہ نے آکر اس سے ملاقات کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی اسے دیا گیا تو اس نے اسے پڑھ کر زمین پر ڈال دیا' ناوا جب باتیں زبان پر لایا اور حکم دیا کہ گھوڑوں کی نعلبندی کی جائے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے چلیں۔ ایک عرض داشت ہرقل کو بھیجی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی آنے اور خود کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر آمادہ ہونے کا قصہ لکھ کر بھیجا۔ قیصر نے کہلا بھیجا کہ کچھ دیر ٹھہرو۔ پہلے میرے پاس آکر مقتضائے حال کے بموجب گفتگو کرو پھر عمل کرو۔ جب ہرقل کا خط حارث کو پہنچا تو شجاع رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا ''تم اپنے آقا کے پاس کب جاؤ گے؟'' انہوں نے کہا ''کل جاؤں گا''۔ اس کے بعد انہیں سو مثقال سونا دے کر رخصت کر دیا۔ اس کے پہریدار نے شجاع رضی اللہ عنہ سے جب یہ حال سنا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رو کر کہنے لگا کہ میں نے انجیل میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے دین و شریعت کے بارے میں وہی توصیف پڑھی جو تم نے بیان کی ہے۔ اب میں ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں لیکن حارث سے میں خوفزدہ ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ حاجب یعنی اس پہریدار نے شجاع رضی اللہ عنہ کی دعوتیں کیں اور عزت و احترام بجالایا۔ چند کپڑے اور کچھ زادراہ ان کے ہمراہ کیا اور وہ لوٹ آئے۔ جب شجاع رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہلکہ'' یعنی ہلاک ہوا یا اس کا ملک تباہ ہو۔ اس کے بعد فتح مکہ کے سال میں حارث واصل جہنم ہوا اور اس کی مملکت جبلہ بن ایہم غسانی کے قبضہ میں آئی۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ حارث مسلمان ہوگیا تھا لیکن قیصر کے خوف سے اظہار نہ کیا جس طرح کہ قیصر کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایمان لے آیا تھا مگر اس نے اسے چھپایا۔ (واللہ اعلم)

مکتوب گرامی بنام ہودہ بن حنفی والی یمامہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مکتوب گرامی ہودہ بن حنفی یمامہ کے حاکم کے نام بھیجا۔ اس کی طرف سلیط رضی اللہ عنہ بن عمرو عامری کو قاصد بنایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ہودہ کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا تو سلیط کا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے محل میں ٹھہرایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' محمد رسول اللہ کی جانب سے ہودہ بن حنفی کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ واضح رہنا چاہیے کہ میرا دین عنقریب منتہائے خف و حافر تک ظاہر ہوگا۔ خف اونٹ بکری وغیرہ کے سموں کو اور حافر گھوڑے خچر اور گدھے وغیرہ کے کھروں کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک چار پایوں کے پاؤں پہنچتے ہیں اور آبادی کا آخری کنارہ ہے وہاں تک میرا دین پہنچے گا۔'' لہٰذا مسلمان ہو جا تا کہ دنیا و آخرت کے خوف و آفتوں سے سلامت رہے۔ ہودہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کے جواب میں اس مضمون کا خط لکھا کہ ''کیا عمدہ طریقہ کسی قوم کو دعوت دینے کا ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر و خطیب ہوں۔ اہل عرب مجھ سے ڈرتے ہیں اور میری ہیبت ان کے دل میں ہے۔ وہ میرے مقام کو عظیم جانتے ہیں لہٰذا میرے لیے چند کام انجام دیجئے تا کہ میں آپ کی متابعت کرلوں۔ آپ اپنے بعض شہروں کا حل وعقد میرے سپرد کیجئے' انہیں میرے اقتدار میں دیجئے تا کہ میں آپ کی متابعت کروں اور آپ کی طرف آؤں''۔ اس نے سلیط کو جائزہ دیا اور ہجر کا بنا ہوا نفیس جوڑا پہنایا اور پھر ان کے لائق انعام دے کر روانہ کر دیا۔ جب سلیط لوٹ کر مدینہ آئے اور اس کا خط جس میں امارت وحکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا حضور کو پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ سَأَلَنِيْ سَيَابَةً مِنَ الْاَرْضِ مَا اَعْطَيْتُهُ وَمَا اَجَرْتُهُ هَلَكَ مَا فِيْ يَدِهٖ ۔ وہ اگر مجھ سے زمین سے ایک خوشہ کھجور کے برابر بھی مانگے تو میں اسے نہ دوں اور جائز نہ رکھوں۔ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ملک ہے ہلاک ہو جائے۔ سیابہ بفتح سین وتخفیف یا کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں اسے ملح بھی کہتے ہیں۔ کھجور کے اول حصہ کو طلع' پھر

ملح پھر لیر پھر رطب اس کے بعد تمر کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ فن سیر کے بعد بعض اکابر نے سبابہ کو انگشت سبابہ لکھا ہے اور ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر زمین سے ایک انگلی کی برابر بھی مانگے تو میں نہ دوں۔ (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو جبریل علیہ السلام ہودہ کے مرنے کی خبر لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد یمامہ میں ایک کذاب پیدا ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اس کے بعد وہ قتل ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ علیہ کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مارا گیا۔ چنانچہ اس کا قصہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اپنے محل میں مذکور ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مکتوبات گرامی ہیں جو اس وقت کے بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے۔

ساتواں مکتوب گرامی بحرین کی جانب: بعض ارباب سیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور مکتوب بھی بیان کرتے ہیں جو منذر رضی اللہ عنہ بن ساوی والی بحرین کی جانب بھیجا گیا تھا۔ یہ علاء رضی اللہ عنہ بن الحضرمی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ مواہب لدنیہ میں ہے جسے واقدی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے اس مکتوب گرامی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کتاب میں ان کی وفات کے بعد پایا اور میں نے وہاں سے اس کے مضمون کو نقل کیا۔ وہ یہ کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء رضی اللہ عنہ بن حضرمی کو منذر رضی اللہ عنہ ساوی کی طرف ایک مکتوب گرامی کے ساتھ لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ منذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضمون کا جواب دیا تھا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کے اس گرامی نامہ کو پڑھا جو بحرین والوں کیلئے لکھا گیا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اسلام سے محبت کا اظہار کیا اور خوش ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور کچھ لوگوں نے ناپسند کیا اور اسلام میں داخل ہونے سے راضی نہ ہوئے۔ جیسے یہود و مجوسی۔ لہٰذا اب آپ جو حکم فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ انہیں لکھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منذر کے نام۔ سلام ہو تم پر، میں تمہاری طرف سے اس خدا کی حمد بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اما بعد میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے اور کسی کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے وہ کسی کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ مگر اپنے لیے اور جو کوئی میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے۔ اور ان کا اتباع کرتا ہے بلاشبہ وہ میرا ہی اتباع و اطاعت کرتا ہے۔ جو میرے قاصدوں کی خیر خواہی کرتا ہے وہ میری ہی خیر خواہی کرتا ہے۔ میرے قاصدوں نے تمہاری خیر خواہی کی تعریف کی ہے۔ میں تم سے تمہاری قوم کے بارے میں شفاعت و سفارش کرتا ہوں لہٰذا مسلمانوں کو تعلیم دین، احکام شریعت کے سیکھنے میں مشغول رکھو اور ان کی خطاؤں پر عفو و درگزر سے کام لو۔ جب تک راہ صلاح پر رہو گے۔ جو اپنی یہودیت اور مجوسیت پر قائم ہے اس پر جزیہ قائم کرو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ نہ ان کا ذبیحہ کھائیں اور نہ ان سے رسم مناکحت رکھیں۔ جزیہ لینے کا منصب علاء الحضرمی کے سپرد کیا جاتا ہے اور علاء رضی اللہ عنہ الحضرمی جزیہ کا مال وصول کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا کرتے تھے۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مکاتیب و خطوط جو دینی و دنیوی معاملات میں اقوام و اعیان اور مختلف اشخاص کو لکھ کر بھیجے گئے تھے۔ بہت زیادہ ہیں، اس جگہ ان مکاتیب و خطوط کا بیان مقصود تھا جو بادشاہوں کو لکھے گئے بلکہ وہ جو ہجرت کے چھٹے سال میں لکھے گئے ہیں۔ اسی بنا پر منذر رضی اللہ عنہ بن ساسی حاکم بحرین کا مکتوب جو اوپر مذکور ہوا۔ روضۃ الاحباب میں ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے جو فتح مکہ کے بعد ہے۔ اور جبلہ بن ایہم غسانی کے نام مکتوب گرامی جو حارث بن آل شمر غسانی مذکور کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا۔ ساتویں سال میں غزوۂ خیبر کے بعد لکھا گیا لہٰذا معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس جگہ ان مکاتیب کا

ذکر مقصود ہے جو آفاق کے بادشاہوں کے نام چھٹے سال میں لکھے گئے تھے۔

مکتوب گرامی بجانب ملک عمان: مواہب لدنیہ میں اس جگہ ایک مکتوب گرامی مذکور ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک عمان کے نام' حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ سے بھجوایا۔ کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہ اس سال میں بھیجا گیا تھا چونکہ اس مقام کے مناسب تھا اس لیے لکھ دیا ہوگا۔ اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ ہے۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبداللہ ورسولہ کی جانب سے جیفر اور عبد جلند کے فرزندوں کے نام۔ سلام اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ امابعد میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آ۔ تاکہ سلامتی میں رہے بلاشبہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں یہاں تک کہ جب تک کوئی زندہ ہے میں ڈراتا ہوں یعنی جب تک وہ حیات قلبی کے ساتھ زندہ ہے۔ ہم نے کافروں پر حجت قائم کردی ہے تو اگر اسلام لے آئے تو میں تجھے ہی حاکم مقرر کرتا ہوں اور تیرے ملک پر تجھے ہی برقرار رکھتا ہوں۔ اگر تو انکار کرتا ہے اور اسلام سے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو تیرے ملک کو چھین لیا جائے گا اور میرے گھوڑے تیرے میدانوں میں گشت کررہے ہوں گے۔ میری نبوت تیرے ملک پر غالب ہوگی۔ اس مکتوب گرامی کو ابی رضی اللہ عنہ ابن کعب نے لکھا اور خط پر مہر لگائی۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں چل دیا اور عمان پہنچا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے ارادہ کیا کہ عبد سے ملوں۔ کیونکہ وہ جلند کے دونوں بیٹوں عبد وجیفر سے اخلاق میں اچھا اور نرم ترین تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ میں خدا کے رسول کا قاصد ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور تیرا بھائی سن وسال اور ملک کے اعتبار سے تجھ پر مقدم ہے اور میں تجھ کو اس کی طرف لے چلتا ہوں تاکہ وہ خط پڑھ کر تجھے بھی سنادے۔ اس پر اس نے کہا ''تم کیسی دعوت دیتے ہو؟'' میں نے کہا ''میں خدائے وحدہ لاشریک لا کی طرف بلاتا ہوں کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا جس کی پیروی اور عبادت کرتے ہو اسے چھوڑ دو۔ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں'' عبد نے کہا ''اے عمرو رضی اللہ عنہ! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو بتاؤ تو کہ تمہارے باپ نے کیا کیا تاکہ اس میں ہم ان کا اتباع واقتداء کریں؟'' میں نے کہا ''میرا باپ مرگیا ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔ میں چاہتا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہوجاتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا۔ اس وقت تک میں بھی باپ کی مانند محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا تھا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے میری ہدایت فرمائی اور میں مسلمان ہوگیا''۔ اس نے کہا ''تم کب مسلمان ہوئے'' میں نے کہا ''ابھی قریب ہی کے زمانہ میں'' اس نے پوچھا ''ایمان لانے کے بعد کہاں رہے؟'' میں نے کہا ''نجاشی شاہ حبشہ کے پاس''۔ اور میں نے اس کو خبر دی کہ نجاشی بھی اسلام لے آیا ہے''۔ اس نے پوچھا ''پھر اس کی قوم اور اس کے ملک کی رعایا نے کیا کیا؟'' میں نے کہا ''وہ برقرار ہے اور اس نے اس کی پیروی کی''۔ اس نے پوچھا ''نصاریٰ کے دانش مندوں اور ان کے راہبوں نے کیا کیا۔ کیا وہ اس کے تابع رہے اور اس کی پیروی کی؟'' میں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا ''اے عمرو رضی اللہ عنہ! سوچ کے بولو کیا کہہ رہے ہو؟ کسی شخص کو جھوٹ بولنے سے بڑھ کر کوئی خصلت ذلیل ورسوا کرنے والی نہیں ہے؟'' میں نے کہا ''میں جھوٹ نہیں بول رہا اور جھوٹ تو ہمارے دین میں حلال بھی نہیں ہے'' اس کے بعد اس نے کہا ''مجھے بتاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟'' میں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی معصیت ونافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ وہ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم وشر سے منع کرتے ہیں۔ وہ زنا' شراب خوری' بتوں کی پرستش اور صلیب کے ماننے سے منع کرتے ہیں۔ عبد نے کہا ''کتنی اچھی تعلیم ہے اور کیسی عمدہ ان کی دعوت ہے۔ اگر میرا بھائی میری مانے اور میری موافقت کرے تو ہم دونوں سوار ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں۔ لیکن میرا بھائی اپنے ملک اور اس کی بادشاہت کا حریص ہے وہ کب اسے چھوڑے گا''۔ میں نے کہا ''اگر وہ اسلام لے آئے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی قوم پر ہی حاکم برقرار رکھیں گے۔ اس کے بعد وہ اپنے مالداروں سے صدقہ لے کر اپنے فقیروں اور محتاجوں پر لوٹائے گا''۔ اس نے کہا ''خدا کی قسم! یہ عادت تو بڑی عمدہ ہے اور صدقہ کیا ہے مجھے اس کی تفصیل بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال میں کس طرح صدقات کو فرض قرار دیا ہے''۔ اس کے بعد میں نے پوری تفصیل سے صدقہ کے احکام بتائے اور اونٹوں پر صدقہ کی تفصیل بتائی تو اس نے کہا ''اے عمرو رضی اللہ عنہ! کیا ان اونٹوں سے بھی صدقہ لیا جاتا ہے جن کو ہم درختوں سے چراتے اور چشموں پر لے جاتے ہیں''۔ میں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا ''خدا کی قسم! ہم اپنی قوم کو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اس حکم کی اطاعت کریں''۔

عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے چند روز انتظار کیا یہاں تک کہ عبد اپنے بھائی کے پاس پہنچا۔ اس نے میری آمد کی خبر کی۔ بعد ازاں ایک دن اس نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں اس کے پاس گیا تو اس کے ندیموں نے میرے بازو پکڑ لیے لیکن اس نے ان کو منع کیا اور کہا کہ ''اسے چھوڑ دو'' انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں نے آگے بڑھ کر چاہا کہ میں بیٹھ جاؤں۔ مگر انہوں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے سے منع کیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا ''اپنا مقصد بیان کرو'' میں نے مہر شدہ مکتوب گرامی اسے دیا۔ اس نے اس کی مہر توڑ کر خط کو پڑھا جب آخر تک اس نے پڑھ لیا تو اس نے اپنی بھائی کو دیا۔ اس نے بھی پڑھا لیکن میں اس کے بھائی کو اس سے زیادہ نرم دیکھتا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا ''مجھے بتاؤ کہ قریش کا انجام کیا ہوا؟'' میں نے کہا ''ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی قبول کر لی ہے''۔ اس نے کہا ''کیا رغبت و شوق سے دین کو قبول کیا ہے یا تلوار سے مغلوب و مقہور ہو کر؟'' اور پوچھا ''کن لوگوں نے ان کے ساتھ موافقت کی ہے؟'' میں نے کہا ''لوگوں نے اسلام میں رغبت و شوق کا اظہار کیا اور بغیر جبر و اکراہ کے اسلام کو اختیار کیا اور اپنی عقلوں کو حق کی ہدایت کے موافق بنایا۔ کیونکہ وہ پہلے گمراہی میں تھے۔ اب میں نہیں جانتا کہ تیرے سوا کوئی باقی رہا ہو۔ اگر آج تو اسلام نہیں لاتا تو تجھے یونہی نہ چھوڑ دیں گے۔ اسلام کے گھوڑے تجھے پامال کر دیں گے۔ اسلام لے آتا کہ تو سلامتی میں رہے اور تجھی کو تیری قوم پر حاکم مقرر کیا جائے ورنہ اسلام کے گھوڑے تجھ پر دوڑے آتے ہیں''۔ اس نے کہا ''آج تو مجھے مہلت دو۔ کل میرے پاس آنا تا کہ میں کوئی جواب دے سکوں''۔ اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس گیا۔ اس نے کہا ''اے عمرو رضی اللہ عنہ! میں امید رکھتا ہوں کہ میرا بھائی سلامت رہے گا اگر اس نے اپنے ملک کی بخیلی نہ کی''۔ جب دوسرا دن ہوا تو میں اس کے پاس گیا۔ اس نے انکار کیا اور مجھے داخل ہونے کی اجازت نہ دی پھر میں واپس ہو کر اس کے بھائی کے پاس گیا اور میں نے اسے بتایا کہ میں تیرے بھائی کے پاس نہیں پہنچ سکا۔ تو مجھے اس کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا ''میں تمہاری اس دعوت کے بارے میں غور کر رہا ہوں جس کی تم نے مجھے دی ہے۔ میں کمزور ترین عرب ہوں۔ اگر میں اس شخص کے مقابلہ میں اس چیز پر قادر ہوتا جو میرے ہاتھ میں ہے اور میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اس کے گھوڑے یہاں پہنچیں۔ اگر اس کے گھوڑے یہاں پہنچے تو میں خوفزدہ ہوں ایک ایسی جنگ سے جس کی مانند اس کو کبھی قتال سے سابقہ نہ پڑا ہوگا''۔ میں نے کہا ''میں کل یہاں سے جا رہا ہوں'' جب اسے میرے جانے کا یقین ہو گیا تو میرے نکلنے کے بعد دونوں بھائیوں نے تنہائی میں مشورہ کیا۔ جب صبح ہوئی تو کسی کو مجھے بلانے کیلئے بھیجا۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور وہ دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے۔ (والحمد للہ)

<u>قضیہ ظہار خولہ بنت ثعلبہ</u>: اسی سال قضیہ ظہار خولہ رضی اللہ عنہ بنت ثعلبہ بن قیس بن مالک بن الجراح کا اس کے شوہر اوس بن اخرم رضی اللہ عنہ انصاری کے ساتھ پیش آیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ خولہ بڑی حسین و جمیل، عقلمند اور صالحہ عورت تھی۔ اس کا شوہر اوس بن اخرم رضی اللہ عنہ کم فہم اور جنون میں مبتلا تھا جو آخر عمر میں ضعیف، فقیر، نابینا اور بد خلق ہو گیا تھا۔ ایک دن اس نے خولہ رضی اللہ عنہ کو ہم بستری کیلئے بلایا۔ اس نے کہنا نہ مانا تو وہ جوش و غصہ میں آ گیا۔ اس نے کہا: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ ۔ تو مجھ پر میری ماں کی کمر کی

مانند ہے۔ یہ کہہ کر گھر سے نکل آیا۔ جب غصہ کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو پشیمان ہوا اور چاہا کہ صلح ہو جائے۔ خولہ رضی اللہ عنہ نے کہا صلح کی کوئی صورت ممکن نہیں جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال بیان نہ کر دی جائے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور سارا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حکم رکھتا تھا مگر ابھی تک مجھ پر اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی ہے۔ خولہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! میرا معاملہ نہایت دشوار ہے اگر میں اس کے بچوں کو چھوڑتی ہوں تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر اپنے پاس رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔ اس مشکل کو حق تعالیٰ ہی آسان فرمائے گا''۔ منقول ہے کہ جب خولہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حال عرض کر دیا تو اس کے بعد وہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے ایک گوشہ میں جا کر سر کو سجدے میں رکھ کر رونے لگی اور قاضی الحاجات سے اپنی حاجت عرض کرنے لگیں۔ کہا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْا اِلَیْكَ وَحْدَتِیَ وَوَحْشَتِیْ وَفِرَاقَ زَوْجِیْ وَوَجْدِیْ۔ اے خدا میں تجھ سے اپنی بے کسی بیچارگی' اپنے شوہر کی جدائی اور اپنی بے چینی کی شکایت کرتی ہوں۔ ابھی خولہ نے سر کو اٹھایا نہ تھا کہ جبریل امین آئے اور سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیتیں جن میں ظہار کا حکم اور اس کے کفارہ کا بیان ہے لائے۔ ارشاد باری ہوا قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا. بے شک اللہ نے اس کی بات سنی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کے سوال و جواب کو سنتا ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حق تعالیٰ کی کمال سماعت سے حیران ہوگئی کیونکہ خولہ نے اپنا واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسبیل خفیہ عرض کیا تھا چنانچہ کسی نے اس کو نہ سنا اتنی آہستہ بات کہی کہ میں باوجودیکہ گھر میں تھی اس کا کچھ حصہ بھی نہ سن سکی۔ حضرت حق عزاسمہ نے سن لیا اور فی الفور آیت بھیجی اور فرمایا کہ قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات باعتبار عرف وعادت فرمائی ورنہ حق تعالیٰ کے علم وسمع میں بلند آواز' پست آواز دونوں یکساں ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں خولہ رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت' بارگاہ رب العزت میں قرب خاص حاصل ہو جانے کے سبب بڑھ گئی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ان کو دیکھتے تو ان کا اعزاز و اکرام فرماتے اور کہتے قد سمع اللہ بھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اشراف قریش وغیرہ کی جماعت کے ساتھ جا رہے تھے کہ خولہ رضی اللہ عنہ پہنچی اور اپنی کوئی حاجت فاروق اعظم سے بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے رہے تمام لوگ بھی کھڑے رہ گئے اور وہ تعجب کرنے لگے کہ اس بوڑھی عورت کی خاطر اتنے اشراف کو کھڑا رکھنے کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا: ''یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت حق تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر سے سنتا ہے''۔

غرضیکہ ظہار کے کفارہ کا حکم جب نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ ایک غلام کو آزاد کرنے کے بعد تم خولہ رضی اللہ عنہ سے صحبت کر سکتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ''میں اتنی قدرت نہیں رکھتا'' فرمایا دو مہینہ پے در پے روزے مسلسل رکھو' انہوں نے عرض کیا ''میں یہ بھی نہیں کر سکتا''۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا حال ایسا ہے کہ اگر ایک دن میں میں دو چار یا تین بار نہ کھاؤں تو میری آنکھوں تلے اندھیرا آ جاتا ہے۔ فرمایا: ''ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' عرض کیا ''میں اس کی بھی مقدرت نہیں رکھتا''۔ اتنے میں ایک شخص مجلس میں آیا اور ایک تھیلی کھجوروں کی لایا جس میں پندرہ صاع کے قریب کھجوریں ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کھجوروں کو لے جاؤ اور فقراء میں تقسیم کر دو تاکہ تمہارے ظہار کا کفارہ ہو جائے''۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے سے زیادہ فقیر کسی کو نہیں جانتا۔ اگر حکم ہو تو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر تقسیم کر دوں''۔ فرمایا ''ایسا ہی کرو'' یہاں پر علماء میں اختلاف ہے کہ اگر صاحب کفارہ فقیر ہو تو جائز ہے کہ خود پر صرف

کرے۔ اکثر ائمہ کا مذہب ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے اسی پر ہے کہ جائز ہے لیکن ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ اب تو تم اسے کھالو آئندہ کفارہ دیدینا۔

اونٹ اور گھوڑوں کی دوڑ: ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات میں اونٹوں اور گھوڑوں کے درمیان مسابقت یعنی دوڑ کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو دوڑائیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کریں تاکہ دیکھا جائے کہ کون سا اونٹ اور گھوڑا تیز چلتا ہے اور کون سا آگے بڑھتا ہے۔ یہ بھی جہاد کے آلات واسباب میں سے ہے اور اسی باب میں اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے اور اس دوڑانے میں شرط بھی جائز ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ کریں کہ جو آگے بڑھ جائے گا اسے اتنا مال انعام میں ملے گا۔ یہ شرط اگر ایک طرف سے ہو تو جائز ہے اور اگر دونوں طرف سے ہو تو قمار یعنی جوا ہے اور یہ حرام ہوگا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام ''قصوا'' تھا کوئی اونٹ اس پر سبقت نہیں لے جاسکتا تھا۔ ایک اعرابی آیا جس کے پاس اونٹ بہت کمزور تھا اس نے قصوا سے دوڑانے میں بڑھا دیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں پر بہت گراں گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا ''حق تعالیٰ کی شان برحق ہے۔ دنیاوی چیزوں سے جو بلند واونچی ہوتی ہے حق تعالیٰ اسے پست و نیچا کردیتا ہے۔ اسی ارشاد کے موافق لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ ''ہر کمالے رازوال'' دہر شرفے راوبال'' کعبہ معظمہ اپنی اس تمام عظمت وکرامت کے باوجود جو اسے حاصل اور عالم کی بقا اس کے وجود پر قائم ہے۔ جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو حق تعالیٰ ایک حبشی کو مقرر کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کا ایک ایک پتھر اکھاڑ ڈالے گا۔ اس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر شے کو فنا ہونا ہے بجز ذات باری تعالیٰ کے) کی سطوت ظہور پذیر ہوگی۔

ایسی دوڑ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسافت معین فرماتے کہ یہاں سے وہاں تک دوڑیں اور مضمر وغیر مضمر گھوڑوں کے درمیان فرق رکھتے۔ مضمر یعنی سبک وتیز رفتار گھوڑوں کیلئے حصباء سے ثنیۃ الوداع تک مقرر فرماتے۔ یہ دونوں مدینہ منورہ کے قریب کے مقامات کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

مضمر ان گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جن کو علف یعنی دانہ چارہ دیتے ہیں تاکہ فربہ اور قوی ہو جائیں۔ پھر اس علف کو کم کرتے ہیں یہاں تک کہ قوت یعنی بھوک تک رہ جائے اور اسے گھر میں محفوظ رکھتے ہیں اسے جھول اوڑھائے رکھتے ہیں تاکہ گرم ہو کر پسینہ آئے۔ جب اس کا گوشت خشک ہو جاتا ہے اور گھوڑا قوی وتیز رفتار وسبک ہو جاتا ہے۔ یہ ریاضت چالیس دن میں مکمل ہوتی ہے۔ ضمیر لغت میں لاغری اور سبکی گوشت کے معنی میں آتا ہے۔ مضمار جس کے معنی میدان کے ہیں اسی سے بنا ہے لہٰذا گھوڑا جب سبک وتیز رو ہو تو بہت دوڑتا ہے اسی لیے اس کے دوڑ کی مسافت زیادہ رکھی گئی ہے اور غیر مضمر گراں اور سست رفتار ہو تو کم دوڑتا ہے۔ اسی بنا پر اس کے دوڑ کی مسافت کم اور مختصر رکھی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ۔ مطلب یہ کہ مسابقت اور دوڑ نہیں ہے مگر تیر اندازی یا خف یعنی اونٹ یا حافر یعنی گھوڑے ہیں۔ خف کے معنی اونٹ کے سم کے ہیں اور حافر کے معنی گھوڑے کے کھر کے ہیں۔ اونٹ کا سم چونکہ درمیان میں چاک ہوتا ہے اس لیے خف کہتے ہیں اور گھوڑے کا کھر میں چونکہ چاک نہیں ہوتا اس لیے حافر کہتے ہیں۔ ہاتھی اور گدھا اونٹ اور گھوڑے کے حکم میں ہوگا۔ اکثر جہاد اور غزوات میں زیادہ تر گھوڑے ہوتے ہیں۔ بعض حضرات پیدل دوڑنے اور پتھر پھینکنے کو بھی اسی کے ساتھ شامل کرتے ہیں۔

اُم رومان رضی اللہ عنہا والدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات: چھٹے سال کے واقعات میں سے ام رومان رضی اللہ عنہا

والدہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ پیش آیا ہے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا کا نام زینب بنت عامر ہے۔ ان کی نسبت میں بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ وہ بنی غنم بن مالک بن کنانہ میں سے تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک والدہ سے ہیں۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ اسماء بنت عمیس شعمیہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند ہیں ان کی والدہ قتیلہ ہیں۔ بعض قتلہ بغیر تصغیر کے بتاتے ہیں۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی والدہ شقیقہ ہیں۔ ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طاہرہ طیبہ کے زمانہ میں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفن کے وقت موجود تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کی قبر میں داخل ہوئے تھے۔ فرمایا: جو چاہتا ہے کہ حورالعین کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ام رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھے۔ (رضی اللہ عنہا)

اسی سال کے آخر میں اور ایک قول کے بموجب ساتویں سال کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ ان کے اسلام لانے کی تفصیل اور ان کے تمام حالات کے بیان میں بڑی لمبی تفصیل ہے۔

ہجرت کے ساتویں سال کے واقعات اور غزوۂ خیبر کا ذکر

خیبر ایک بڑے شہر کا نام ہے جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں ہیں۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برید کے فاصلہ پر شام کی جانب ہے۔ (کذافی المواہب) قاموس میں ہے کہ خیبر مشہور قلعہ کا نام ہے۔ اہل سیر نے کہا ہے کہ مدینہ یعنی شہر بہت سے گھروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو بڑائی اور عمارتوں میں قریہ یعنی گاؤں سے بڑا ہو۔ اور مصر کے مرتبہ کو نہ پہنچا ہو۔ سب سے کمتر قریہ یعنی گاؤں ہے اور سب سے بالاتر مصر ہے۔ مدینہ دونوں کے درمیانی حیثیت کا نام ہے۔ بعض حضرات مدینہ کو مصر و بلد سے بالاتر کہتے ہیں اور مصر کے ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خیبر قلعوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس بنا پر ہر ایک قلعہ گاؤں کے مرتبہ میں ہوگا اور مدینہ ان کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ سب قلعے آٹھ ہیں۔ (۱) کیسہ' (۲) ناعم' (۳) صعب' (۴) شق' (۵) غموص' (۶) بطاۃ' (۷) سطیح' (۸) سالم۔

اس غزوہ کا وقوع ہجرت کے ساتویں سال میں ہے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ ہجری کے ماہ محرم کے آخری دنوں میں تشریف لے گئے اور دس یا بارہ روز تک ان کا محاصرہ فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح کرا دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آخر سن چھ ہجری میں ہے۔ یہ امام مالک سے منقول ہے اور اسی پر ابن حزم نے جزم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قول راجح وہی ہے جسے ابن اسحٰق نے کہا ہے۔ ان دونوں قولوں کو جمع کرتے ہوئے کہا کہ ''جس نے آخر سن کہا ہے''۔

اس نے ہجری سال کی ابتداء ماہ ربیع الاول سے مراد لی ہے۔ اور اس نے اعتبار کیا ہے کہ حقیقت میں سابق یہی ہے اور اس طرح محرم آخر سال میں ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مواہب نے بیان کیا۔ ابن سعد' ابن ابی شیبہ' ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف اٹھارہ رمضان کو نکلا۔ یہ غلط ہے اور صواب یوں ہے کہ یہ بات فتح مکہ کیلئے ہے جو آخر رمضان میں ہوئی تھی غلطی سے اس کی جگہ خیبر لکھا گیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ مواہب میں ایک ہزار ایک سو پیدل اور دو سو سوار مروی ہے۔

اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ تھا کہ جب حق تعالیٰ نے حدیبیہ سے واپسی کے وقت سورۂ ''اِنَّا فَتَحْنَا'' نازل فرمائی اور بشارت دی۔ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع فتح اور غنائم کا وعدہ فرمایا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیموں کا وعدہ فرمایا جنہیں تم حاصل کرو گے تو ان غنائم کو تمہارے لیے مقرر

کر دیا''۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدہ غنائم کو فتح خیبر پر محمول فرمایا۔ اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ توریہ کی تھی اور اشارہ میں بات فرمایا کرتے تھے لیکن اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صاف صاف بتا دیا۔ فرمایا: ''لشکر کی تیاری کرو کیونکہ ہم غزوۂ خیبر کیلئے جانے والے ہیں''۔ مدینہ منورہ میں سباع رضی اللہ عنہ بن عرفطہ غفاری کو خلیفہ بنا کر چھوڑ دیا۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لیا اور دیگر بیس مسلمان عورتوں کو بھی تیمارداری' مرہم پٹی اور دیگر خدمات کیلئے ساتھ لے لیا۔ لشکر کے مقدمہ پر عکاشہ بن محصن اسدی کو اور میمنہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو اور میسرہ وغیرہ پر دیگر صحابہ کو مقرر فرمایا۔ لشکر اسلام میں دو سو گھوڑے سوار تھے اور تین گھوڑے تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ کثرت سے اونٹ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس سفر میں کوئی شخص اس غرض سے ہمارے ساتھ شامل نہ ہو جسے دنیاوی مال کی طمع ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن سلول منافق نے ہمراہ جانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ بات فرمائی اس منافق نے یہود کو خبر بھیجی کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے استحصال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خبردار اپنے قلعوں میں داخل نہ ہونا باہر نکل کر ان کے ساتھ جنگ کی تیاری کرو۔ کیونکہ سامان جنگ تمہارے پاس بہت زیادہ ہے اور تمہارے خدام ''خَذَلَهُمُ اللّٰهُ'' بہت کثرت سے ہیں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقوں کو اس غزوۂ میں شریک ہونے سے منع فرمانے کا سبب یہ تھا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں سے کثیر مغانم کا وعدہ کیا گیا تھا اور اس پر صراط مستقیم کی ہدایت مترتب ہوتی تھی۔ اس بنا پر اس غزوے کو منافقوں کی ناپاکی سے پاک رکھا اور نہ چاہا کہ ان مغانم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ منافقین بھی شریک ہوں۔ (واللہ اعلم) اس غزوے کا مکمل قصہ' جزئی اور کلی واقعات کے ساتھ کتب سیر میں مذکور ہے۔ ہماری روش چونکہ اختصار کی ہے اس لیے ہم ان بڑے بڑے کلی واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں جن میں فوائد عظیمہ اور حجج قاہرہ مضمر و مذکور ہیں (وباللہ التوفیق)

جاننا چاہیے کہ صحیح بخاری میں سلمۃ بن الاکوع کی حدیث مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کیلئے نکلے۔ ہم قطع مسافت کر رہے تھے کہ ایک رات ہم میں سے عامر رضی اللہ عنہ بن سنان بن الاکوع سے کہا گیا تم ہمیں اپنے ان اشعار و رجز میں سے کچھ سناتے نہیں جو تمہیں یاد ہیں۔ چونکہ عامر رضی اللہ عنہ شاعر اور حدی خواں شخص تھا اور بلند آواز سے خوب پڑھا کرتا تھا۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب ان پر راہ کی تھکن لاحق ہوتی اور ان کے چلنے سے مجبور ہو جاتے تو حدی پڑھتے یہاں تک کہ اونٹ مست ہو کر تیزی کے ساتھ مسافت طے کر لیتے۔ اس پر عامر رضی اللہ عنہ اونٹ سے نیچے اتر آئے اور حدی پڑھنے لگے اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار جن کے شروع میں یہ ہے کہ اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا۔ خوش آوازی اور عمدہ لحن و نغمہ کے ساتھ پڑھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام کا وقت ان کی خوش آوازی کے ساتھ نغمہ پڑھنے سے اچھا گزر گیا۔ ان پر ایک رقت طاری ہوگئی اور ان کے اونٹ بھی مست ہو کر تیزی سے سفر طے کرنے لگے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ کون ہے؟ جو اونٹوں کو چلاتا اور حدی گاتا ہے''۔ صحابہ نے عرض کیا عامر رضی اللہ عنہ بن الاکوع ہیں۔ فرمایا: ''يَرْحَمُ اللّٰهُ'' ایک روایت میں ہے فرمایا ''غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ'' اس پر لشکر اسلام میں سے کسی نے عرض کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کیلئے شہادت واجب ہوگئی' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس لیے انہیں کچھ عرصہ اور رہنے نہ دیا کہ ہم ان سے بہرہ مند ہوتے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ عرصہ اور حیات رہتے؟'' چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ مبارکہ یہ تھا کہ جس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی دعا فرماتے وہ شرف شہادت سے مشرف ہو جاتا۔ مواہب لدنیہ میں مقید کر کے لکھا ہے کہ اس غزوہ اور جہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کیلئے بھی ایسی دعا فرمائی بالآخر وہ شہید ہوگیا۔

واضح رہنا چاہیے کہ روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس حدیث میں ایک ہی شعر لکھا ہے اور اس کے بعد کے اشعار کو چھوڑ دیا ہے لیکن مواہب میں ان تمام اشعار کو بیان کر کے ان کی شرح بھی کی گئی ہے۔ اس مقام کا اقتضایہ ہے کہ ہم ان سب کو یہاں نقل کر دیں کیونکہ اس میں کچھ نکات ہیں۔ اگرچہ وہ موجب تطویل ہوں گے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ۔ اے خدا اگر تو نہ ہوتا یعنی اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو ہم راہِ راست نہ پاتے۔ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا ۔ نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔ فضل و کرم یہ ہے کہ ہمیں راہ راست دکھائی اور نماز و زکوٰۃ کی توفیق دی۔ فَاغْفِرْ فِدَآءً لَّکَ مَا اتَّقَیْنَا ۔ تو تو ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں تاکہ ہم میں تقویٰ پیدا ہو۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اِنْ لَاقَیْنَا ۔ اور ہمارے قدموں کو اپنی جگہ قائم رکھ اگر ہمارے مقابلہ میں تیرے دین کے دشمن آئیں فَاَنْزِلَ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا اور ہم پر سکون و قرار اور آسانی کو نازل فرما۔ اِنَّا اِذَا اَصْبَحَ بِنَا اَتَیْنَا ۔ جب ہم صبح کریں اور ہم پر قتال واقع ہو اور شدائد و دشواریاں آئیں تو ہم اس سے گریز نہ کریں۔ وَبِالصِّیَاحِ عود علینا ۔ اور چیخ و پکار اور خوف و دہشت سے ہم متزلزل نہ ہوں۔ ''بعض روایتوں میں یہ شعر زیادہ آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ۔ جن لوگوں نے ظلم کیا اور ہم پر بغاوت کی۔ اِذَا اَرَادَ وَفِتْنَۃً اَبَیْنَا ۔ جب وہ آزمائش و امتحان اور فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے اور فتنہ میں نہ پڑتے۔ مروی ہے کہ لفظ ''اَبَیْنَا'' بلند آواز سے پڑھتے اور بار بار کہتے ابینا ابینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے اس رجز کو کسی غزوہ میں کہا تھا اور عامر بن الاکوع نے اس مقام میں پڑھا اور صحابہ کو وجد میں لے آئے۔

ان شعروں میں فِدَاءً لَکَ'' کے قول میں علماء اعتراض کرتے ہیں کہ فداء کا اطلاق' حق تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے درست نہیں ہے اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ''اے خدا ہم تجھ پر فدا ہوں''۔ اس لیے کہ فدا ہونا ایسے موقع پر بولا جاتا ہے کہ جب کسی شخص پر آفت یا تکلیف آنے والی ہو اور دوسرا کوئی شخص اس آفت اور تکلیف کو اپنی جان یا نفس پر لے کر اسے رہا کرنا چاہے اور اپنے آپ کو اس پر فدا کر دے۔ فدیہ بھی اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے پاک و مبرا ہے۔ علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ لفظ اسی طرح واقع ہوا ہے بغیر اس بات کے کہ...... اس کے حقیقی معنی مراد ہیں جس طرح کہ یہ بولتے ہیں کہ قاتلہ اللہ یعنی اللہ سے اس نے جنگ کی۔ دعا میں حقیقۃً قتل و ہلاکت مراد نہیں ہے یا جیسے کہتے ہیں تَبَّتْ یَمِیْنُکَ یَا تَبَّتْ یَدَاہُ وغیرہ اس قسم کے الفاظ اور مقولے عرف و عادت اور محاورہ میں عام طور سے بولے جاتے ہیں۔ مگر ان سے حقیقی معانی مراد نہیں ہوتے۔ یہ ایک قسم کا مجاز و استعارہ ہے اس لیے کہ فدا ہونے والا جس پر فدا ہو رہا ہے اس کی رضا و خوشنودی کے حصول میں مبالغہ کرتا ہے اور اپنی جان کے عوض کسی خوف و ناگواری کے پہنچنے کے سبب اس سے بدلہ کرتا ہے۔ گویا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی جان کو تیری رضا میں خرچ کرتا ہوں۔ اگرچہ جہت صحیحہ کی طرف سے معنی کا پھیرنا بھی ممکن ہے لیکن لفظ استعارہ و تجویز کا اس میں اطلاق' ورود شرح اور اس کی اجازت پر منحصر و موقوف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری ان کوتاہیوں پر جو آپ کے حق میں اور آپ کی نصرت میں ہیں ہمیں نہ پکڑیئے۔ اس معنی میں لفظ اَللّٰھُمَّ سے مراد دعا نہیں ہے بلکہ تیمن و برکت کیلئے اس سے کلام شروع کیا گیا ہے اور ''لولا انت'' سے مخاطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن اس کے بعد ان کا کہنا کہ فَانْزِلْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا. بظاہر منافات رکھتی ہے۔ اس لیے کہ یہ خدا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا و مناجات ہے۔ ممکن ہے کہ اپنے رب سے سوال کرنے کے معنی میں ہو کہ حق تعالیٰ سے سکینہ نازل ہونے اور ثابت رہنے کی دعا و سوال کیجئے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعا و سوال بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو کہ رب العزت کی جانب سے وکیل و سفیر ہیں۔ تو تصرف و تمکن کا ہاتھ انہیں کا ہے اور تدبیر کار و زمام اختیار

آپ کے ہاتھ میں ہے۔اگر چہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔درحقیقت یہ معنی دوسرے احتمال وتاویل کی بناپر راجع ہے لیکن کلام میں کسی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے۔

روضۃ الاحباب میں کسی سیر کی کتاب سے منقول ہے کہ جب عامر رضی اللہ عنہ حدی پڑھنے سے خاموش ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ سے فرمایا ''کیاتم ہمارے لیے حدی نہیں کہو گے اور اونٹوں کی رفتار میں تیزی نہیں لاؤ گے؟'' اس پر انہوں نے بھی حدی پڑھی اور وہی اشعار پڑھے جو عامر رضی اللہ عنہ نے پڑھے اور اخیر کا ایک شعر اس میں زیادہ کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رحمہ اللہ'' چنانچہ غزوۂ موتہ میں انہوں نے بھی شہادت پائی۔سبحان اللہ۔عجب دربار گہر بار ہے کہ اس دربار کی خدمت کا اجروثواب ایسی رحمت کا حصول ہے کہ جان دیں اور شہید ہو جائیں۔درحقیقت لطف ورحمت یہی ہے کہ اس جہان کی تنگ دامانی سے چھٹکارا پائے۔

اتفاقا بسر کوئے کسی افتادہ است که درآں کوئے چومن کشتہ بسے افتادہ است

اس مقام میں بجز جان قربان کرنے کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ غنا کے اقسام میں سے ایک حدی ہے جس کا سننا باتفاق مباح ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا ہے اور پسند فرمایا ہے۔جیسا کہ معلوم ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی کہنے والا تھا جس کا نام انجشہ تھا۔یہ بہت خوش آواز تھے اور حسن صوت رکھتے تھے۔حدی کے معنی تحسین رجز' مباح بصوت نرم وشیریں اور گداز کے ہیں۔یہ سفر کی کوفت کو کم کرنے اور نفس کے سرور و جذب کو بڑھانے کیلئے ہے۔اس سے اونٹ تیز رفتاری کے ساتھ راہ قطع کرتا اور بھاری بوجھوں کو اٹھا لیتا ہے۔ایک قسم اور ہے جسے ''رکیانی'' کہتے ہیں جسے سفر کی کلفت کم کرنے کے لیے سواریوں میں گاتے ہیں۔یہ بھی مباح ہے۔امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سفروں میں بہت سنا کرتے تھے۔غنا کی ایک قسم اور ہے جسے نشید کہتے ہیں۔وہ اشعار وقصائد اور غزل کو صوت حسن کے ساتھ خلاف محل' اونچی آواز سے خاص اتار چڑھاؤ کے ساتھ قواعد موسیقی کی رعایت کر کے اور خوب بنا سنوار کے گاتے ہیں۔اس میں کلام طویل ہے۔آخر باب عبادات میں اس میں سے کچھ گزر چکا ہے۔

خیبر کے واقعات: وصل: خیبر والوں کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیمت کی اطلاع ملی تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق کو اپنے حلیف وہم سوگند غطفانیوں کے پاس بھیجا اور ان سے مدد مانگی۔ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے خیبر والوں کی بات کو درخور اعتناء نہ جانا۔ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے چار ہزار جنگی مرد نکلے' پہلی منزل میں آسمان سے ایک آواز سنی کہ جن کو تم اپنے گھروں پر چھوڑ کے آتے ہو ان پر تباہی آ گئی۔اس پر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔نیز مروی ہے کہ غطفانیوں نے اپنے عقب سے حسن وحرکت کی آواز سنی اور انہوں نے گمان کیا کہ مسلمان تاخت وتاراج اور تباہ کرنے کیلئے آ گئے ہیں۔اس پر وہ واپس چلے گئے۔یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھا۔اس کے باوجود ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ دس ہزار سوار خیبریوں کے لشکر میں تھے۔وہ تمام ذلیل وخوار ہوئے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قلعہ خیبر کے درمیان تشریف لائے اور چشم مبارک ان بستیوں پر ڈالی تو دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا شَرِّ مَافِيْهَا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہ دعا پڑھی۔اس دعا کا پڑھنا جس وقت کہ کسی شہر یا گاؤں کو دیکھے یا ان میں داخل ہو تو ماثور و منقول ہے۔فرمایا: اُدْخُلُوْا عَلٰی بَرَکَتِ اللّٰہِ۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے جسے ''منزلہ'' کہتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منزل میں اقامت فرمائی اور ایک جگہ نماز کے لیے متعین فرمائی۔اس جگہ نماز تہجد ادا فرمائی' فجر کی نماز بہت تڑکے پڑھی اور متوجہ ہو گئے۔چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ علی الصباح آپ پیش قدمی فرماتے تھے۔

قادر مطلق نے اس رات خیبر والوں پر خواب غفلت مسلط کر دی گو وہ پہلے سے باخبر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں مگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی انہیں خبر نہ ہوئی۔حالانکہ انہوں نے جب سے یہ سنا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف آ رہے ہیں تو وہ ان بستیوں کی حفاظت کرتے' ہر رات چند سوار دیکھ بھال کرتے اور جستجو میں لگے رہتے۔لیکن اس رات وہ سب غفلت کے مارے سوتے رہ گئے۔یہاں تک کہ ان کے مرغوں نے بھی بانگ نہ دی اور ان کے چوپائے حرکت و جنبش کرنے سے رکے رہے۔جب آفتاب طلوع ہوا تو بیدار ہوئے' اپنے بیلچے اور کدال لے کر نکلے کہ کھیتوں میں جائیں۔اچانک لشکر اسلام دور سے ان کی نظروں میں آیا سب نے بھاگنے کی راہ لی اور کہنے لگے۔''وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِیْسَ'' خدا کی قسم! یہ محمد اور خمیس ہیں یعنی لشکر کی پانچ ٹولیوں کے ساتھ آ گئے ہیں۔''خمیس'' بہت بڑے لشکر کو کہتے ہیں جس کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا گیا ہو یعنی (۱) مقدمہ' (۲) میمنہ' (۳) میسرہ جن کو جناحین یعنی دو باز بھی کہتے ہیں اور (۴) قلب (۵) ساقہ۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال مشاہدہ فرمایا تو تکبیر بلند فرمائی۔فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرَ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔صحیح بخاری میں ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو مسلمانوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی اور کہا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے لوگو! اپنے نفسوں پر رفق و نرمی کرو۔تم کسی غائب کو نہیں پکار رہے ہو جس کو پکار رہے ہو وہ تم سے نزدیک ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے'' ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' پڑھ رہا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قیس! میں نے عرض کیا ''لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' فرمایا ''میں تمہیں ایسا کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟'' میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ضرور رہنمائی فرمائیے۔فداک ابی و امی (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) فرمایا وہ کلمہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' ہے۔

بندۂ مسکین نصہٗ اللہ بمزید الیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کا جنت کے خزانوں میں سے ہونے کی تحقیق و تاویل میں شارحین بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں۔مجھے یاد ہے کہ شیخ ولی' مقتدانا عبدالوہاب حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شارحین کے اقوال نقل کرنے اور ان کی تاویلات بیان کرنے کے بعد فرمایا ان باتوں کو یہیں چھوڑ دو۔انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا کہ اس کے حقیقی معنی کیا ہے۔انتہیٰ۔

مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کی تکرار اور اس پر ہمیشہ قائم رہنا عمل خیر کی توفیق کی معاون ہے۔

جب ان کا لشکر قلعہ میں پناہ لے چکا اور سلام بن مشکم کو خبر پہنچی تو سلام بن مشکم کی ترغیب و ترہیب سے جو ان کا سردار و بزرگ تھا۔ جنگ کرنے پر ان کے دل آمادہ ہوئے اور اہل و عیال کو قلعہ کیبہ میں محفوظ کر کے کھانے پینے کی چیزوں کی جس کا پہلے سے قلعہ ناعم میں ذخیرہ کر رکھا تھا اور زیادہ شدت سے حفاظت کے انتظامات کر کے ان کے دلیر و بہادر اور جنگ آزما لوگ قلعہ عظاۃ میں اکٹھے ہو گئے۔

سلام بن مشکم باوجودیکہ وہ بہت سخت بیمار تھا اسی قلعہ میں آ گیا اور جہنم رسید ہوا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جنگ کا شوق دلایا۔ اور اجر آخرت‘ رفع درجات اور بے حد و غایت ثواب پانے کا مژدہ سنایا۔ فرمایا: ظفر و نصرت تمہاری ہے اگر تم ثابت قدم رہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاح و مشورہ فرمایا اور حباب رضی اللہ عنہ المنذر کی عرض پر جو کہ رزم و حرب کے آزمودہ کار تھے موضع رجیع میں جو لشکر کیلئے بہترین اور عمدہ جگہ تھی لشکر کو ٹھہرایا۔ قلعہ بطاق سے یہود نابہبود نے جنگ شروع کی اور قلعہ کے اوپر سے تیر برساتے تھے۔ جب رات ہوگئی تو رجیع کے قیام گاہ میں واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منزل کی خلافت سپرد کر کے اور لشکر کے امور کی انجام دہی تفویض فرما کے قلعہ کے نیچے جنگ گاہ میں تشریف لے آئے۔ اسی طرح ہر روز ہوتا رہا یہاں تک کہ قلعہ نطاۃ فتح ہوا۔ ان دنوں میں پچاس مسلمان زخمی ہوئے۔ اس غزوے میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں میں ہوا بہت گرم تھی۔ محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے ہوا کی گرمی کی شدت اور ہتھیاروں کے بوجھ کی بنا پر قلعہ ناعم کے سایہ میں اس خیال سے لیٹ گئے کہ اس جگہ جنگ کرنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے اور وہ سو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے نامردوں میں سے ایک نے جس کا نام کنانہ بن ابی الحقیق ہے یا مرحب یہودی۔ ’’عَلٰی اِخْتِلَافِ الْقَوْلَیْنِ وَالصَّحِیْحُ الْاَوَّلُ‘‘ اس نے قلعہ کے اوپر سے ایک پتھر محمود رضی اللہ عنہ کے سر پر پھینکا جس سے ان کا سر پاش پاش ہو گیا اور انہیں دنوں میں اس زخم کی شدت میں شہادت پائی اور فردوس میں جا کر آرام پذیر ہوئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ خباب المنذر رضی اللہ عنہ نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہود کو کھجوروں کے درخت اپنی اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ حکم ہو تو ان درختوں کو کاٹ ڈالا جائے تاکہ ان کی حسرت اور زیادہ ہو۔ اس کے بعد کچھ صحابہ اس کام میں مصروف ہو گئے چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قلب شریف محل رفق اور آنکھ مقام رقت رکھتی تھی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا ’’یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ خیبر فتح ہوگا اور یہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے تو درختوں کے کاٹنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اگر حکم فرمائیں تو قطع نخیلات سے ہاتھوں کو رکوا دیا جائے اور یہ اچھا ہوگا‘‘۔ فرمایا ’’روک دو‘‘ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تقریباً چار سو درخت کاٹ ڈالے گئے تھے۔ قلعہ نطاق کے سوا کس جگہ درختوں کی کٹائی واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب یعنی قطع اور منع قطع دونوں صحابہ کی رائے اور اجتہاد سے تھا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی ان کے ساتھ موافق ہو گئی تھی تاہم خدا کی جانب سے کوئی مخالفت اور عتاب واقع نہ ہوا جس طرح کہ بدر کے قیدیوں کے فدیہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے پہرہ پر مقرر تھے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کسی ایک صحابی کو لشکر اسلام کی حفاظت و پہرے پر مقرر فرمایا کرتے تھے۔ مسلمان ایک یہودی کو پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے۔ انہوں نے اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس یہودی نے کہا مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو ان سے کوئی بات کہنی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ’’اے ابوالقاسم! مجھے امان دیجئے تاکہ واقع کے مطابق کچھ عرض خدمت کروں‘‘۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دی۔ اس یہودی نے کہا خیبر والوں کی حالت یہ ہے کہ لشکر اسلام کی سختی اور اس کی صولت و ہیبت سے وہ انتہائی ہراساں ہیں۔ خصوصاً آج کی جنگ کی ہیبت سے تو بہت ہی خوفزدہ ہیں اور انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ آج رات قلعہ شق میں منتقل ہو جائیں۔ آلات حرب اور غلہ ذخائر کو ایک پوشیدہ جگہ میں چھپا دیا ہے اور میں اس جگہ کو جانتا ہوں۔ جب کل یہ قلعہ مفتوح ہو جائے تو اس جگہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کو دکھا دوں

گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہودی نے کہا ''میرے اہل وعیال اس قلعہ میں ہیں ان کو بھی میرے ساتھ بخش دیا جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بخش دیا۔دوسرے دن نطاۃ فتح ہوگیا' اس کا قلعہ بھی مفتوح ہوگیا اور یہودی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایمان لے آیا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک حبشی غلام تھا جو ایک یہودی کی بکریوں کی رات میں نگہبانی کرتا تھا۔اس سے پہلے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلعہ کے دروازہ پر آئیں۔دیکھا کہ مسلح ہوکر جنگ پر تیار کھڑے ہیں۔اس نے یہودیوں سے پوچھا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ یہودیوں نے کہا ''ہم چاہتے ہیں کہ اس شخص سے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جنگ کریں۔اس بات کو سن کر اس میں ہوشیاری پیدا ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا ''اسلام کی اور تم کہہ دو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ۔اس نے کہا جب میں یہ کہہ دوں گا تو میرا کیا ہوگا۔فرمایا: جنت ملے گی اگر تم اس پر ثابت قدم رہے تو وہ غلام اسی وقت مسلمان ہوگیا۔اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بکریاں بطور امانت میرے قبضہ میں ہیں' میں چاہتا ہوں انہیں اس کے مالک کے سپرد کردوں''۔فرمایا ''ان بکریوں کو لشکر کے باہر لے جاؤ اور اس کو ہنکال کر اس کے پیچھے چند کنکریاں پھینکو۔بلاشبہ حق تعالیٰ تمہاری طرف سے اس امانت کو ادا کردے گا''۔غلام نے ایسا ہی کیا۔تمام بکریاں دوڑتی ہوئی غلام کے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اور آپ کا معجزہ تھا کہ تمام بکریاں بے توقف اور بے اختیار دوڑتی ہوئی یہودیوں کے گھر آگئیں۔اس کے بعد وہ حبشی ہتھیار اٹھا کر میدان جنگ کی طرف چلا گیا اور جنگ کرتا ہوا درجہ شہادت کو پہنچ گیا۔مسلمان اسے اٹھا کر لشکر اسلام کے خیموں میں لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے حال کی خبر دی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَمَلاً قَلِيْلًا وَّاَجْرًا كَثِيْرًا۔کام تھوڑا کیا اور مزدوری زیادہ پائی۔مطلب یہ کہ نہ نماز پڑھی' نہ روزہ رکھا اور نہ کوئی اور طاعات و عبادات کی۔ایمان کے بعد ایک ہی عمل کیا اور وہ اسلام پر جان دینا ہے لیکن خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ہے ایمان کے تمام اعمال کا اصل اصول ہے۔سب سے زیادہ شاق اور دشوار ترین عمل' عمل جہاد' جان کی بازی ہے اور کیا باقی رہا۔درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ کا ہی فضل وکرم ہے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کے خیمہ میں تشریف لائے اور خیمہ کے اندر اس کے سرہانے کھڑے ہوکر فرمایا۔حق تعالیٰ نے اس بندۂ حبشی پر کرم فرمایا اور اسے جنت میں پہنچا دیا۔میں دیکھ رہا ہوں کہ دو حوریں جنت کی اس کے سرہانے کھڑی ہیں۔مخفی نہ رہنا چاہیے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ فلاں بندے کو لے گئے اور جنت میں داخل کردیا ہے۔ چونکہ جنت اس وقت بھی موجود ہے لہٰذا جنت میں داخل کرنا درست ہوگا۔لیکن کیا اس شخص کو جنت سے نکال کر عرصات محشر میں لائیں گے؟ حالانکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکالنا واقع نہیں ہے۔حدیث میں بعد نماز آیۃ الکرسی کے پڑھنے کی فضیلت میں واقع ہوا ہے کہ مَا يَمْنَعُهُ مِنْ دَخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ۔جنت میں داخل ہونے سے کوئی رکاوٹ نہیں بجز موت کے اور ممکن ہے کہ جنت میں داخل ہونے کی تیاری اور مستعدی مراد ہو۔مگر ظاہر یہ ہے کہ سبز پرندوں کے جوف میں ارواح کا دخول مراد ہو۔جیسا کہ شہداء کی فضیلت میں وارد ہوا ہے۔

پانچواں واقعہ یہ ہے کہ ایک دن مسلمان قلعہ صعب کے محاصرہ اور جنگ میں مشغول تھے کہ مرحب یہودی قلعہ سے باہر نکلا۔ میدان جنگ میں آکر اپنا مقابل طلب کرنے لگا۔حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن سنان الاکوع جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدی پڑھتے وقت ترحم واستغفار فرمایا تھا۔وہ مرحب کے مقابل آئے۔اس یہودی نے ان پر تلوار کا وار کیا۔عامر رضی اللہ عنہ نے اس کا وار اپنی ڈھال پر روکا اور اس کی تلوار ان کی ڈھال پر جم کے رہ گئی۔اس کے بعد عامر نے اپنی تلوار کا وار مرحب پر کیا مگر ان کی تلوار مرحب سے خطا ہوکر

ان کے اپنے زانو پر آ گئی اور اپنی ہی تلوار سے وہ مجروح ہو گئے۔ اسی زخم سے وہ جنت کو سدھارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ''رَحِمَهُ اللهُ وَغَفَرَلَهُ رَبُّهُ'' کے مصداق بنے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سلمہ رضی اللہ عنہا بن الاکوع روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے صحابہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ کا عمل رائیگاں گیا کیونکہ وہ اپنی ہی تلوار سے مارے گئے اور اپنی جان کے قاتل بنے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ بلاشبہ ان کو دونا اجر وثواب ہے اور اپنی دونوں انگشت مبارک کو ملا کر فرمایا ''اِنَّهُ لَجَاهَدَ وَمُجَاهِدٌ'' یقیناً انہوں نے جہاد کیا وہ مجاہد ہیں۔

چھٹا واقعہ یہ ہے کہ قلعہ صعب کے محاصرہ کے دوران مسلمانوں کو بڑی شدت سے بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح کہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ فاقہ کشی ہلاک نہ کر دے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ صمدیت میں سوال کیا تاکہ ان کی عسرت' آسانی وفراخی سے بدل جائے اور ان کی مشقت راحت میں منتقل ہو جائے۔ اور کوئی ایسا قلعہ جس میں غذا وطعام بہت ہو فتح کرا دے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حضرت منذر رضی اللہ عنہ بن الخباب کو دیا۔ لشکر اسلام نے ایک دم حملہ کیا' خود کو قلعہ صعب کے دروازہ پر پہنچا دیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ قلعہ کھل گیا۔ بے شمار ساز وسامان اور غذا وطعام اس قلعہ میں سے باہر لائے اور بکثرت شراب بہائی۔ عبداللہ بن حمار رضی اللہ عنہ ایک مرد مسلمان تھے لیکن کبھی کبھی شراب کی طرف ہاتھ بڑھا لیا کرتے تھے۔ آج بھی انہوں نے خیبر والوں کی شراب کے چند گھونٹ پی لیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی۔ صحابہ نے انہیں لعنت وملامت کی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان ملامت کرنے والوں میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ان پر لعنت نہ کرو یہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل محبت ارتکاب معصیت کے ساتھ من وجہ جمع ہو جاتی ہے۔ ہاں محبت کامل وہ ہے جو موافقت واتباع کے ساتھ ہو۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبَّ مُطِيْعٌ۔ کامل محبت کرنے والا وہی ہے جو محبوب کا اتباع کرے۔ ہر مسلمان خدا اور رسول کی محبت کے ساتھ موصوف ہے۔ جس طرح کہ ایمان کامل وناقص ہوتا ہے اسی طرح محبت کا حال بھی ہے۔

ساتواں واقعہ یہ ہے کہ قلعہ غموص کے محاصرہ میں مسلمان مشغول تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دردسر عارض ہو گیا۔ اس بنا پر بنفس نفیس خود لشکر اسلام کی کمان کرنے تشریف نہ لے جا سکے۔ ہر روز کسی ایک مہاجر وانصار کے بزرگ کو کمان سپرد فرماتے اور نصرت کا علم اسے دے کر جنگ میں روانہ فرماتے تھے۔ چونکہ قلعہ غموص دیگر قلعوں سے زیادہ مستحکم تھا اس کی تسخیر آسانی سے نہ ہو سکی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم اٹھا کر لشکر اسلام کو لے کر قلعہ پر آئے۔ ہر چند سعی وکوشش کی مگر مراد حاصل نہ ہوئی۔ دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم لے کر شجاع وصف شکن اصحاب کے ساتھ ابطال قتال وجدال ارباب ضلال کیلئے آئے اور مقاتلات عظیمہ سرانجام دیا مگر بے نیل ومرام لوٹ آئے۔ تیسرے روز پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ سخت ترین محاصرہ وقتال کیا مگر عنان مراد ہاتھ نہ آئی اور لوٹ آئے۔

خیبر شکن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت: وصل: چونکہ ازل سے ارادہ الٰہی اسی پر تھا کہ یہ فضل خاص فتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مزید خصوصیت شامل ہو۔ چونکہ قلعہ قموص خیبر کے تمام قلعوں سے زیادہ سخت اور مستحکم تھا اس لیے اس کو آپ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔ اسے خیبر کے تمام قلعوں اور ان کے شہروں کا مقدمہ اور اساس بنایا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ قلعے مثلاً نطاۃ اور صعب وغیرہ۔ اس سے پہلے فتح ہو چکے تھے لیکن اتمام فتح خیبر اور اکمال جناب مرتضوی سے منسوب ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يُّحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ

يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ ۔ ''کل میں اس شخص کوعلم دوں گا'' یا یہ فرمایا ''کل وہ شخص جھنڈا لے گا جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے اور اللہ اس پر فتح فرمائے گا''۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رَجُلٌ كَرَّارٌ وَغَيْرُ فَرَّارٍ یعنی وہ مرد بار بار پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا اور پیچھے نہ ہٹے گا۔ روضۃ الاحباب میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شخص بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بشارت اثر اور یہ مژدہ سعادت ثمر دیا تو تمام صحابہ راہ میں دیدۂ امید اور چشم انتظار لیے قبول درگاہ پر بیٹھ گئے۔ تا کہ یہ دولت نصیب میں آئے اور اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم حق کے سامنے گیا اور سلام عرض کرکے دوزانو ہوکے بیٹھ گیا پھر اس امید کے ساتھ اٹھا کہ میں اس فضیلت کا مستحق ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بجز اس روز کے امارت کو کبھی پسند نہیں کیا اور نہ کبھی خواہش کی۔ ایک روایت میں ہے کہ قریش کی جماعت ایک دوسرے سے کہتی تھی یہ تو طے سمجھو کہ علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تو اس مراد سے فائز نہ ہوں گے کیونکہ ان کی آنکھ اس شدت سے درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے''۔

منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بشارت کو فرماتے سنا تو ان کی خواہش میں لگن پیدا ہوئی اور دل چشم توکل میں اور امید بر فضل خدا رکھ کر دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ۔ ''اے خدا! جب تو دینا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور جب تو باز رکھے تو کوئی دینے والا نہیں''۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ درد چشم کی بنا پر خیبر کے سفر سے تخلف کرکے مدینہ طیبہ میں ہی رہ گئے تھے۔ انہیں سخت ترین آشوب چشم تھا اور وہ اپنے سے کہا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوکر مشغلہ جہاد سے دور رہ کر اچھا نہیں کیا ہے۔ سفر کی تیاری کرکے مدینہ طیبہ سے چل دیئے۔ اثناء راہ میں یا خیبر پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کی اطلاع ملی۔ جب دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے ہر طرف سے عرض کیا وہ یہیں ہیں لیکن ان کی آنکھ اتنی درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے''۔ فرمایا: ان کو میرے پاس لاؤ۔ مسلمہ رضی اللہ عنہا بن الاکوع گئے اور ان کو ہاتھ سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر کو اپنی مبارک ران پہ رکھا' اپنا لعاب دہن مبارک ان کی چشم مبارک میں لگایا اور دعا مانگی۔ اسی وقت ان کی آنکھ سے درد جاتا رہا اور انہیں شفائے کلی حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد انہیں کبھی درد چشم اور درد سر لاحق نہ ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحُرَّ وَالْقَرَّا ۔ اے خدا! ان سے گرمی وسردی دونوں کو دور رکھ''۔ چونکہ اکثر ابن آدم کا اسی سے سابقہ پڑتا ہے۔ خصوصاً جنگ کے معرکوں میں اور ان دنوں خیبر کی ہوا بہت گرم تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں سردی سے دور رہنے کو بھی شامل فرما دیا۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سخت گرمی میں روئی کا لباس پہنتے اور سخت سردی میں باریک کپڑے کا لباس پہنتے تو انہیں کوئی نقصان وضرر نہ پہنچتا تھا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس بیماری سے نجات پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص زرہ انہیں پہنائی اور ذوالفقار ان کی میان میں باندھی۔ فرمایا: جاؤ التفات نہ کرنا جب تک کہ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر قلعہ فتح نہ فرما دے۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کہاں تک میں ان سے قتال کروں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس وقت تک قتال کرو جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دیں۔ جب وہ اس کی گواہی دیں گے تو وہ اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیں گے۔ مگر اس کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب خدا پر ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم لے کر راہ میں آئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں اس وقت تک ان سے جنگ کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ ہماری مانند نہ ہو جائیں یعنی مسلمان نہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''عجلت نہ کرو اور جاؤ جب میدان کارزار میں پہنچو تو پہلے ان کو دعوت اسلام پیش کرو اور حق تعالیٰ کے وہ حقوق جو اس نے اپنے بندوں پر واجب کیے ہیں یاد دلاؤ''۔ خدا کی قسم! اگر تمہارے سبب سے حق تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم ہزار سرخ اونٹ خدا کی راہ میں صدقہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت کرنا موجب ثواب آخرت ہے اور اس دنیاوی متاع سے افضل و بہتر ہے جو راہ خدا میں خرچ کیا جائے۔ راہ حق بتانا افضل ترین اعمال ہے اور صدقہ کرنا ایسی عبادت ہے جو اس کی مانند مقدس یعنی فدیہ و کفارہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے کہ ذکر کرنا' سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ غموص کے نیچے آ گئے۔ انہوں نے علم کو سنگریزوں کے ایک ٹیلے پر جو قریب تھا نصب کیا۔ احبار یہود میں سے ایک نے جو قلعہ کے اوپر کھڑا تھا پوچھا کہ ''اے صاحب علم تم کون ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟'' فرمایا ''میں علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہوں''۔ اس کے بعد اس یہودی نے اپنی قوم سے کہا ''قسم ہے توریت کی! تم اس شخص سے مغلوب ہوگئے۔ یہ فتح کیے بغیر نہ لوٹے گا''۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صفات اور ان کی شجاعت کو جانتا تھا۔ کیونکہ توریت میں اس نے آپ کا وصف پڑھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے اوصاف سابقہ کتابوں میں لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے جو قلعہ سے باہر نکلا وہ حارث یہودی تھا جو مرحب کا بھائی تھا۔ اس کا نیزہ تین من کا تھا۔ اس نے نکلتے ہی جنگ شروع کر دی اور اس نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کے سر پر پہنچ گئے اور ایک ہی وار سے اسے دوزخ میں پہنچا دیا۔ مرحب کو جب اپنے بھائی کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ خیبر کے بہادروں کی جماعت کے ساتھ اسلحہ سے لیس ہو کر انتقام لینے کیلئے باہر نکلا۔ کہتے ہیں کہ مرحب خیبر والوں میں بڑا بہادر' بلند قد و قامت والا بڑا جنگجو شخص تھا۔ خیبر کے بہادروں اور شجاعوں میں اس کی برابری کا کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ اس روز وہ دو زرہ پہن کر' دو تلواریں حمائل کر کے' دو عمامے باندھ کر اور اس کے اوپر خود رکھ کر یہ رجز کہتا ہوا معرکہ کارزار میں آیا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اِنِّىْ مَرْحَبُ   شَاكِى السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٌ

کسی مسلمان کو ہمت نہ ہوئی کہ اس کے مقابل آتا اور میدان قتال میں اترتا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے۔

اَنَا الَّذِىْ سَمَّتْنِىْ اُمِّىْ حَيْدَرَا   ضِرْغَامُ اٰجَامٍ وَلَيْثٍ قَسْوَرَهْ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ ضرغام ہوں اجام ہوں اور حملہ آور لیث ہوں''۔ ضرغام اجام اور لیث تینوں شیر کے مترادف المعنی الفاظ ہیں۔ معرکہ کارزار میں رجز پڑھنا عرب کے شجاعوں' بہادروں کی عادت ہے۔ اس مقام میں اپنی تعریف کرنا جائز ہے تاکہ مخالف کے دل میں رعب و ہیبت بیٹھے اور شوکت و دبدبہ ظاہر ہو۔ مرحب نے پیش دستی کر کے چاہا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سر پر تیغ کا وار کرے۔ مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے اچھل کر ضرب ذوالفقار اس ملعون غدار کے سر پر ایسی رسید کی کہ خود کو کاٹتی زنجیروں کو چاٹتی حلق تک آ گئی۔ ایک روایت میں ہے اس کی رانوں تک پہنچی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے زین کے قابوس تک پہنچی۔ اس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اس کے بعد اہل اسلام بامداد حضرت امیر میدان میں اتر آئے اور یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہود کے شجاعوں میں سے سات کو جہنم رسید کر دیا۔ ان کے باقی ساتھی ہزیمت اٹھا کر قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان کے تعاقب میں بڑھتے گئے۔ اسی حالت میں ایک یہودی نے آپ کے دست اقدس پر ایک وار کیا اور آپ کی ڈھال زمین پر گر پڑی۔ دوسرا یہودی اس ڈھال کو اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت امیر کو جوش آیا اس حالت میں قوت ربانی

کی طرف سے ایسی روحانی قوت وارد ہوئی کہ آپ خندق کو پھاند کر قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گئے اور قلعہ کے آہنی دروازہ کا ایک پٹ اکھاڑ ڈالا۔اس کی ڈھال بنا کر جنگ میں مشغول ہو گئے۔

سیّدنا امام باقر سلام اللہ علیہ وعلی آباء العظام واولادہ الکرام سے منقول ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے درِ خیبر کو اکھاڑنے کے لیے جھنجھوڑا تو سارا قلعہ کانپنے لگا۔چنانچہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حی بن اخطب تخت سے گر پڑی اور اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔غالباً خصوصیت کے ساتھ صفیہ رضی اللہ عنہا میں یہ جنبش سرایت کرنے میں حکمت وعلامت اور خاص مناسبت ہو جس کی بنا پر وہ اسیر ہوئیں۔آخر میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئیں تا کہ وہ متنبہ ہو جائیں اور باطنی علاقہ جنبش میں آ کر اس دولت وسعادت کے قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد ان میں پیدا ہو جائے۔جیسا کہ آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد دو جب کے فاصلہ پر آپ نے اس دروازہ کو پس پشت دور پھینکا۔کہتے ہیں کہ بعد میں سات قوی وتنومند آدمیوں نے مل کر اس در کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور چالیس آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اسے اٹھا لیں مگر عاجز رہ گئے۔روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ اور سیر کی دیگر کتابوں میں ایسا ہی منقول ہے۔معارج النبوۃ میں منقول ہے کہ اس در کا وزن آٹھ سو من تھا۔

مواہب لدنیہ میں مروی ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جس باب خیبر کو اکھاڑا تھا اسے ستر آدمی انتہائی مشقت اور کوشش کے باوجود ہلا تک نہ سکے۔ابن اسحٰق کی روایت میں سات آدمی مذکور ہیں اور حاکم، بیہقی نے۔لیث بن ابی سلیم سے وہ ابوجعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے وہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جس درِ خیبر کو اکھاڑ کر اٹھا لیا تھا اس کے بعد جب اس پر تجربہ کیا گیا تو اسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے۔کہا کہ لیث روایت میں ضعیف ہے۔بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ جب قلعہ پر پہنچے تو آپ نے ایک دروازہ اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔اس کے بعد جب ہم میں سے لوگوں نے چاہا کہ اسے اٹھا کر اپنی جگہ نصب کر دیں تو اسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے اور کہا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ یہ تمام روایتیں واہی اور لغو ہیں۔بعض علما نے ان روایتوں کو منکر قرار دیا ہے۔(انتہی کلام المواہب)

صحیح بخاری میں فتح امیر المومنین کی حدیث مذکور ہے۔اس میں باب خیبر اکھاڑنے کا ذکر نہیں ہے لیکن مشہور ہے اور کتب احادیث میں مذکور ومسطور ہے۔

معارج النبوۃ میں ایک عالم سے ایک غریب حکایت منقول ہے کہ جب چالیس آدمی اس کے اٹھانے سے عاجز رہ گئے تو حضرت امیر کے دل میں ایک شگفتگی پیدا ہوئی اور اپنی اس قوت وشوکت پر ناز فرمایا۔اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔"علی رضی اللہ عنہ سے فرمایئے کہ اس در کو دوبارہ اٹھا کر اپنی جگہ نصب کرو"۔حضرت امیر رضی اللہ عنہ گئے ہر چند کوشش وسعی فرمائی مگر وہ ہلا بھی نہ سکے۔جبریل نے کہا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ جان لیں کہ یہ کام ان کا نہ تھا بلکہ ہمارا تھا۔اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کام روحانی قوت سے تھا جو میں نے اکھاڑا اور جسمانی قوت سے نہ تھا۔یہ ظاہر ہے کہ عالم قدرت سے تھا نہ کہ عادت سے اور عالم حقیقت سے تھا نہ کہ مجاز سے۔

القصہ جب قموص کے قلعہ والوں نے اور خیبر کے تمام قلعے والوں نے حضرت امیر کی اس قوت وقدرت کا مشاہدہ کیا تو وہ سب فریاد کرنے لگے۔"الامان الامان"اس کے بعد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ان کو اس شرط پر امان دی کہ ہر آدمی اونٹ پر کھانا لاد کر ان شہروں سے نکل جائے۔اور نقد اور تمام ساز وسامان اور اسلحہ مسلمانوں کیلئے چھوڑ دیں۔کسی چیز کو

چھپا کر نہ رکھیں اور اگر کوئی ایسا مال برآمد ہو جسے بتایا نہیں گیا ہے تو امان بھی ان کے عہد و پیمان کی مانند مسلوب وختم ہو جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب فتح کی خبر پہنچی تو اس نعمت کا شکر ادا فرمایا کیونکہ یہ سبب ظہور عبرت اسلام تھا۔ جب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کفار کی مہم کو طے کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں آنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے استقبال واستبشار کے لیے خیمہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ ان کو آغوش میں لے لیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ فرمایا: بَلَغَنِیْ ثَنَاءُ کَ الْمَشْکُوْرُ وَصَنِیْعُکَ الْمَذْکُوْرُ قَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَرَضِیْتُ اَنَا عَنْکَ۔ ''مجھے تمہاری مشکورانہ تعریفیں پہنچیں اور تمہاری بہادریاں بیان ہوئیں۔ بے شک اللہ ان سے راضی ہوا اور میں تم سے راضی ہوا''۔ اس کے بعد حضرت امیر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا'' علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''نہیں یہ گریہ خوشی کا ہے۔ میں کیوں نہ اس پر خوش ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں ہی تنہا تم سے راضی نہیں بلکہ خدا' جبریل' میکائیل اور تمام فرشتے تم سے راضی ہیں''۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قلعہ قموص سے جس کا حاکم کنانہ بن ابی الحقیق تھا سوزر ہیں' چار سو تلواریں' ہزار نیزے اور پانچ سو کمانیں حاصل ہوئیں۔ بے شمار ساز و سامان بکثرت ہاتھ آیا اور سب کو جمع کیا گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو جو خیبر کے رئیسوں میں سے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ اس نے پہلے تو بکری کے بچہ کی کھال میں سونا' زیور' موتیوں کے ہار اور جواہرات بھرا۔ جب اس کی ثروت زیادہ ہوگئی تو گوسفند کی کھال میں بھر لیا۔ پھر جب اور زیادہ ہوئی تو اس کو گائے کی کھال میں بھرا۔ پھر جب اس میں بھی نہ سما سکا تو اونٹ کی کھال میں بھر لیا۔ جب مکہ والوں کو شادی وغیرہ میں پریشانی اور ضرورت ہوتی تو گروی رکھ کر اس سے زیور و جواہرات جس قدر ضرورت ہوتی عاریۃً لے لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ سے دریافت کیا ''ابی الحقیق کا خزانہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا ''اے ابوالقاسم! اس کو تو' جنگی سامان کی فراہمی اور دیگر ضرورتوں میں' ہم خرچ کر چکے اب اس میں سے کچھ باقی نہیں ہے اور قسم کھالی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدید فرمائی۔ اگر اس کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوا تو تمہارا خون مباح ہوگا اور امان سے نکل جاؤ گے؟ حضرت ابوبکر' حضرت عمر فاروق' حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم کو اور یہود کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بنالیا۔ حالانکہ جس زمانہ میں قلعہ نطاۃ فتح ہوا تھا۔ اس مال کو اس نے ایک ویرانہ میں مدفون کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کی خبر دیدی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو طلب فرمایا اور فرمایا آسمانی خبر کے حکم سے تو جھوٹا نکل آیا ہے۔ اس کے بعد سیّد رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ابن عوام کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ اس ویرانہ میں بھیجا۔ یہاں تک کہ کھود کر اس مال کو وہاں سے نکال لائے۔ جب یہودیوں کی غداری ظاہر ہوگئی تو اس شرط وعہد کے رو سے جو انہوں نے کیا تھا ان سے امان اٹھ گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے اپنے بھائی محمود رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے عوض قتل کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو جنگ قموص کی جانب بھیجتے وقت محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں بشارت ہو کہ کل تم اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرو گے بالآخر خیبر کے یہودیوں پر احسان کیا اور ان کے خون سے درگزر فرمایا۔ ان کی عورتوں کو قید کیا اور ان کے اموال کو غنیمت بنایا۔ حکم دیا کہ تمام غنیموں کو ساز و سامان' کھانے وغیرہ کی اشیاء' اسلحہ اور تمام مویشیوں کو قلعہ نطاۃ میں جمع کریں۔ اور منادی کرائی کہ اگر ایک رسی یا سوئی بھی چھپاؤ گے تو غنیمت میں خیانت متصور ہوگی جو موجب عار و عیب اور آتش دوزخ ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک حبشی غلام تھا جس کے سپرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفری ساز و سامان تھا اور ''کرکرہ'' اس کا نام تھا۔ انہیں دنوں وہ مرگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جہنم میں ہے۔ صحابہ نے

جستجو کی تو اس کے سامان میں سے ایک ریشمی چادر ملی جسے اس نے تقسیم غنیمت سے پہلے قبضہ میں لے لیا تھا۔ نیز مروی ہے کہ خیبر کے دن ایک شخص مر گیا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے عرض کیا۔ فرمایا: اپنے ساتھی کی نماز تم پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ اس پر لوگوں کے چہرے فق ہو گئے۔ فرمایا: ''تمہارے اس ساتھی نے غنیمت میں خیانت کی ہے''۔ اس کے بعد اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو یہود کے مہروں میں سے چند مہرے نکلے جن کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ تھی۔ نیز بخاری و مسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام کو بھیجا جس کا نام مدعم تھا۔ اس اثناء میں کہ وہ اپنا بوجھ اتار رہا تھا ایک تیر اسے آ کر لگا جس کا پھینکنے والا معلوم نہ ہوا۔ پھر وہ اسی زخم سے مر گیا۔ لوگوں نے کہا یہ مستحق جنت ہو گیا کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں شہادت پائی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہرگز نہیں''، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے روز خیبر تقسیم غنیمت سے پہلے ایک چادر لے لی ہے۔ اب اس پر آتش دوزخ لپٹ مار رہی ہے''۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص ڈول کی ایک رسی...... اور دوسرا شخص ڈول کی دو رسیاں لایا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک رسی یا دو رسی آگ کی ہے۔ اس باب میں وعیدیں بہت کثرت سے ہیں لیکن فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کھانے پینے اور پھل کی قسم میں سے اگر کھا لے تو جائز ہے۔ اگر گائے یا اونٹ ذبح کر کے کھا لے تب بھی جائز ہے۔

جب تمام مال غنیمت جمع ہو گیا تو پانچواں حصہ نکال کر پیادہ کو ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصہ کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔ گویا ہر وہ شخص جو گھوڑا رکھتا تھا اسے تین حصے ملے۔ اسی طرح نافع نے اس حدیث کی تفسیر کی ہے۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ گھوڑے سوار کے دو حصے ہیں۔ ایک اس کا اپنا اور دوسرا ان کے گھوڑے کا۔ لیکن وہ عورتیں جو لشکر اسلام کی خدمت ان کے مریضوں اور مجروحوں کی تیمار داری کیلئے ہمراہ لائے تھے ان کے لیے سہم یعنی حصہ نہ تھا بلکہ انہیں مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرما دیا۔ پھر حکم فرمایا کہ خیبر کے غنائم کو فروخت کرو اور ان کے رواج و برکت کیلئے دعا فرمائی۔ چنانچہ تاجر لوگ ہر طرف سے آئے اور انہوں نے خوب ذوق و شوق کے ساتھ خریدا۔ دو دن میں وہ تمام مال فروخت ہو گیا حالانکہ گمان یہ تھا کہ عرصہ تک اس کی فروختگی سے فارغ نہ ہوں گے کیونکہ وہ مال ہی اس کثرت سے تھا۔

منقول ہے کہ جب یہود کی غداری ظاہر ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود ان کے قتل نہ کرنے سے ان پر احسان رکھا اور حکم فرمایا کہ خیبر کی زمین سے باہر نکل جاؤ۔ اس کے بعد خیبر والوں نے تضرع و زاری شروع کر دی اور کہنے لگے کہ اہل اسلام مطمئن رہیں کہ ہم ان کھیتوں اور باغوں کی خدمت بجا لائیں گے۔ ان کی حفاظت کا فرض ادا کریں گے، ہمیں اجرت پر رکھ لیا جائے۔ ہم ان کی خدمت کریں گے اور مسلمان اس معاملہ میں تردد سے فارغ رہیں گے۔ مسلمانوں کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ ہمیں اصل و ملکیت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو ان پر مقرر فرما کے متعین کر دیا کہ آدھی پیداوار بیت المال میں پہنچائیں اور آدھی پیداوار اپنے عمل کی اجرت میں اٹھا لیں۔ اس معاملہ کو مخابرہ کہتے ہیں کیونکہ یہ خیبر والوں کے ساتھ واقع ہوا تھا۔ اور خمس یعنی پانچویں حصہ میں سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو کچھ حصہ مرحمت فرمایا۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ہم بنی ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے ہیں اس لیے کہ آپ کا وجود گرامی انہیں میں سے ہے لیکن ہماری قربت اور بنی المطلب کی آپ سے نسبت ایک مرتبہ میں ہے تو یہ کیسے ہوا کہ ان کو تو بنی المطلب کے سہم سے دیا اور ہم کو محروم چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب اس طرح ہیں اور اپنی انگشت ہائے مبارک کی تشبیک فرمائی یعنی ایک کو دوسرے میں ملایا۔ فرمایا: ہم اور بنی المطلب آپس میں کبھی جدا نہیں ہوئے

نہ دور جاہلیت میں نہ زمانہ اسلام میں۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالشمس کو اور بنی نوفل کو کچھ نہ دیا۔ یہ بات ثبوت کو پہنچی کہ ان غنیمتوں کو خیبر کے معرکہ میں موجود حاضر ہونے والوں کے سوا کسی کو نہ دیا۔ بجز ان لوگوں کے جو حبشہ کے مہاجرین تھے اور یہ فتح کے دن ہی دریا کے راستہ سے وہاں پہنچے تھے۔ مثلاً حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی زوجہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس اور ترپن یا چپن اشعریوں میں سے جن کے سردار ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے اور مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی خبر پہنچی۔ چونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے' ایمان لاتے ہی اپنے شہروں میں چلے گئے تھے اور اس وقت لوٹ کر آئے تھے۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کی خبر پہنچی تو ہم یمن میں تھے۔ اس کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے وہاں سے چلا۔ میرے ساتھ میرے دو بھائی بھی تھے۔ میں ان دونوں میں چھوٹا تھا۔ ایک کا نام ابو بردہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام ابورہم رضی اللہ عنہ تھا جو ہماری قوم کے اکیاون یا باون یا ترپن افراد کے ساتھ تھے۔ پھر ہم کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی نے ہمیں شاہ حبشہ نجاشی کے پاس اتارا۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے ہجرت کی تھی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت یمن سے نجاشی شاہ حبشہ کی ملاقات کیلئے چلے تھے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کے ارادہ سے کہ یکا یک کشتی بے اختیار حبشہ کی جانب چل دی۔ اس عبارت سے کہ ''ہمیں کشتی نے حبشہ نجاشی کے پاس جا اتارا۔ یہی دوسرے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے معنی مراد ہوں اور مناسب حال بھی اسی معنی کے ہیں۔ جب صحابہ حبشہ گئے تو انہوں نے بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کے قصد سے ہجرت کی ہوگی (واللہ اعلم) بہر تقدیر کہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے حبشہ میں ملاقات کی۔ ان کے ساتھ حبشہ میں ٹھہر گئے یہاں تک کہ ہم خیریت کے ساتھ حاضر ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نیاز ہم نے اس وقت حاصل کیا جبکہ آپ خیبر کو فتح فرما چکے تھے۔ یعنی آنا اس وقت ہوا جبکہ فتح حاصل ہو چکی تھی۔ معرکہ جنگ میں ہم نہیں حاضر ہو سکے تھے۔ بعض اصحاب جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق بھی تھے ہم سے کہتے تھے۔ مطلب یہ کہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تم تو ہجرت میں تھے' ہم نے غزوات اور جہاد میں حاضری دی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس زوجہ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ایک دن ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے گئیں۔ یہ اسما رضی اللہ عنہ بڑی دانا' عقلمند' صاحب فراست اور حسین و جمیل عورت تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کی پھر وہ اپنے شوہر کے ساتھ خیبر میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی تھیں کہ اچانک حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اس وقت یہ اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس موجود تھیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کو دیکھ کر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''یہ کون عورت ہے جو تمہارے پاس بیٹھی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''یہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس ہیں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ حبشہ کی عورت ہیں'' مطلب یہ کہ یہ وہ عورت ہے جو حبشہ سے دریا کے راستہ آئی ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ ''ہاں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں وہ ہاں ہاں کہتی رہیں۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اتنا ہی جواب دیتیں جتنا ان سے پوچھا جاتا۔ لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صاحب قوت و استعداد تھیں۔ انہوں نے جواب میں کہنا شروع کیا کہ ''ہم پہلے سن چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ اس بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں''۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تم سے ہجرت میں سبقت کی ہے اس لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت تمہارے زیادہ مستحق اور قریب تر ہیں۔ اس پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا غصہ میں آئیں اور کہا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ خدا کی قسم!

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لیے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ مطلب یہ کہ تم امن وامان اور دنیاوی ودینی ناز ونعمت میں تھے۔ اور ہم دور دراز علاقہ میں دشمنوں کی سرزمین حبشہ میں تھے اس لیے کہ وہاں سب کافر تھے بجز نجاشی کے۔ اور یہ کہ ہم سخت محنت ومشقت میں تھے اور یہ سب خدا کیلئے تھا۔ خدا کی قسم! میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گی اور نہ پیئوں گی جب تک کہ میں جو کچھ تم نے کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان نہ کردوں اور یہ کہوں گی کہ یہ ہمیں ایذا دیتے ہیں اور ہمیں خوفزدہ کرتے ہیں لہٰذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کروں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال دریافت کروں گی۔ خدا کی قسم! میں جھوٹ نہ بولوں گی اور کوئی غلط بات نہ ملاؤں گی۔ جو کچھ تم سے سنا ہے اس سے زیادہ نہ کہوں گی۔ اس دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف لے آئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا ایسا کہتے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم نے عمر رضی اللہ عنہ سے کیا کہا'' میں نے عرض کیا کہ ''میں نے یہ کہا ہے اور وہ تمام گفتگو بیان کردی جوان کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی''۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عمر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے ساتھیوں کو میرے حضور میں تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے زیادہ استحقاق نہیں ہے۔ ان کی ایک ہجرت ہی مکہ سے مدینہ تک اور تمہاری اے کشتی والو دو ہجرتیں ہیں۔ ایک مکہ سے حبشہ تک اور دوسری حبشہ سے مدینہ تک۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب سفینہ میرے پاس فوج درفوج اور ٹولیوں کی ٹولیاں بن کر آتے اور مجھ سے یہ حدیث پوچھتے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ خوش کرنے والی اور بزرگ تر نہ تھی۔ اور اپنے آپ کی اس بنا پر کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے فرمایا بڑی عظمت کرتے' تعریف کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان کو بہت اونچا فرمایا۔ میں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اس حدیث کو بار بار سنانے کا مجھ سے اصرار کرتے تھے کیونکہ اس میں انہیں ایک ذوق اور سرور ملتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد حاضر ہوئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر غنیمت تقسیم فرمائی۔ ہمارے سوا کسی ایسے پر جو فتح خیبر میں حاضر نہ تھا غنیمت تقسیم نہ فرمائی۔ البتہ روضۃ الاحباب میں بعض کتب مغازی سے منقول ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی کچھ مال دیا باوجودیکہ وہ غزوے میں موجود نہ تھے۔ لیکن اس بنا پر کہ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ انتہیٰ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ومختار ہیں جس کو جو چاہیں عنایت فرمائیں لیکن یہ علت بیان کرنا کہ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ اس سے ٹوٹ جاتی ہے کہ حدیبیہ میں تو بہت سے حضرات موجود تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ (واللہ اعلم) غزوۂ خیبر میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہودی مارے گئے۔

خیبر کے قضایا واحکام: وصل: غزوۂ خیبر کے حالات واقعات جہاں تک توفیق نے رفاقت کی بیان کردے۔ اب وہ واقعات و قضایا اور احکام بیان کرتے ہیں جو اس غزوۂ میں وقوع پذیر ہوئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانا۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حی بن اخطب کی بیٹی ہیں جس کا ذکر گزر چکا ہے خصوصاً غزوۂ خندق میں اور اسی غزوۂ میں وہ مارا گیا تھا۔ اب وہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں جو خیبر میں مارا گیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ وہ خیبر کے قیدیوں میں تھیں اور نو بیاہتا سترہ سالہ تھیں۔ چنانچہ لوگوں نے ان کے حسن وجمال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے منتخب کرلیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت میں سے بہت سی چیزیں اپنے لیے انتخاب فرمالیا کرتے تھے جیسے تلوار' گھوڑا' جانور وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی عورتوں اور بچوں کے قیدیوں کیلئے حکم فرمایا اور ان قیدیوں میں صفیہ رضی اللہ عنہا

بھی تھیں تو وہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ حسینہ وجمیلہ قبیلہ کی سردار یہود کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی اور حضرت ہارون نبی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ مناسب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو۔ صحابہ میں دحیہ رضی اللہ عنہ کی مانند بہت ہیں اور غنیمت میں صفیہ رضی اللہ عنہا کی مانند کم اور اسے دحیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص کرنا بہت سے صحابہ کی دل آزادی کا موجب ہوگا۔ اس میں عام مصلحت یہی ہے کہ ان کو دحیہ رضی اللہ عنہ سے واپس لے کر اپنے لیے مخصوص کرلیا جائے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان قیدی باندیوں میں سے کوئی اور لے لو۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے چچا کی لڑکی ان کے بدلے میں مرحمت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو سات باندیوں کے بدلے خریدا اور لفظ قیدی کا اطلاق بر سبیل مجاز ہے۔ مراد ان کے ہاتھ سے لینا ہے اور سات باندیوں کو انہیں دینے میں منافات نہیں ہے۔ دوسری روایت میں جو یہ ہے کہ ان کے بدلے ان قیدیوں میں سے کسی اور کو لے لو اس کی زیادتی کی نفی پر دلالت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے ایک فرمایا ہو اور بعد میں سات کا اضافہ کر دیا ہو۔ بہر تقدیر اس میں ہبہ سے واپسی نہیں ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ازواجِ مطہرات امہات المومنین میں سے ایک ہوں گی یا ملک یمین میں رہیں گی اور کہا کہ اگر حجاب نہ کینا تو ملک یمین میں سے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا اور نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منزل صہبا میں پہنچے تو بعد از طہارت حیض ان سے زفاف فرمایا۔ حلیس کو ان کا ولیمہ کیا اور حضرت انس سے فرمایا کہ جو بھی حضرات ملیں صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر بلالو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب آپ نے مدینہ طیبہ کی جانب مراجعت فرمائی تو سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ردیف بنایا اور ان پر اس عبا شریف کا پردہ ڈالا گیا۔ جو اپنے اونٹ پر بچھایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانو کو ان کیلئے رکھتے۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے زانوئے مبارک پر پاؤں رکھ کر سوار ہوتی تھیں۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور دیگر حالات ازواجِ مطہرات کے ضمن میں انشاءاللہ آئیں گے۔

منقول ہے کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فتح خیبر سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ چودھویں رات کا چاند ان کے آغوش میں آ گیا ہے۔ پھر اس خواب کو اپنے پہلے شوہر کنانہ سے بیان کیا۔ اس نے کہا شاید تو یہ خواہش رکھتی ہے کہ اس بادشاہ کی بیوی بنے جو ہمارے اس میدان میں فروکش ہے اور ایک طمانچہ اس زور سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے رخسار پر مارا کہ ان کی آنکھ نیلی ہوگئی۔ شب زفاف میں بھی کنانہ کے طمانچہ کا اثر صفیہ رضی اللہ عنہا کے رخسار مصفیٰ پر ظاہر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو ساری حقیقت حال بیان کر دی۔

اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان سے زفاف: دوسرا واقعہ ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ سے زفاف فرمانا ہے۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ جو حضرت عثمان بن عفان کی چچی تھیں۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبیداللہ بن جحش جو سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے کی زوجیت میں تھیں اور ان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ دوسری ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہے۔ ان سے حبیبہ رضی اللہ عنہا لڑکی پیدا ہوئی اس سے ان کی کنیت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مقرر ہوئی۔ اصل نام رملہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہند ہے مگر اول زیادہ صحیح ہے۔ اس کے بعد ان کا شوہر عبیداللہ مرتد ہوگیا اور اس نے دین نصاریٰ اختیار کرلیا۔ وہ حبشہ میں مرگیا۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ جس زمانہ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر حبشہ پہنچے اور وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں

دیکھا کہ کوئی شخص ان کو ''اے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اے ام المومنین'' کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو اپنے خواب کی خود ہی تعبیر لی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف فراش سے مشرف ہوں گی۔ پھر جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی پہنچائے تو ایک اور مکتوب گرامی نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دختر ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیغام دیں اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیں۔ دیگر مہاجرین حبشہ کو بھی بھیج دیں۔ اس کے بعد نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دیا۔ انہوں نے اسے قبول کیا اور تمام مہاجرین کو تیار کر کے دو کشتیوں میں عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ ان حالات کا تذکرہ ٦ ھ کے واقعات میں گزر چکا ہے۔

مروی ہے کہ نجاشی نے اپنی باندی کو جس کا نام ابرہہ تھا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ وہ وکیل کا تعین کریں اور عقد نکاح انجام پائے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے از حد خوشی کا اظہار کیا' ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں جتنا زیور تھا اتار کر اس باندی کو دے دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل بنایا اور نجاشی نے ایک محفل مرتب کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں تھے جمع کیا اور خوب کھانا تیار کیا۔ چار سو مثقال سونا یا چار ہزار درہم کا مہر مقرر کیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ اپنی تیاری اور ضروریات پر صرف فرمائیں۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پچاس مثقال سونا اس ابرہہ باندی کو بھیجا اور عذر خواہی کی کہ اس روز جبکہ تم خوشخبری لائی تھیں۔ واقعہ کے مطابق انعام نہ دے سکی تھی۔ اس پر نجاشی نے ان زیوروں کو جو اس نے پہلے ابرہہ کو عنایت فرمائے تھے اور اس پچاس مثقال سونے کو اٹھا کر دوبارہ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ کہلوایا کہ آپ ان چیزوں کی مستحق وسزاوار ہیں کیونکہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہیں اور آپ سے ایک چیز کی درخواست کرتا ہوں وہ یہ کہ بارگاہِ رسالت میں میرا سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں آپ کے صحابہ کے دین پر ہوں۔ اور ہمیشہ درود وسلام بھیجتا رہتا ہوں۔ نجاشی کی عورتوں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کیلئے عطر وخوشبویات بھیجیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب اس عقد کے استحکام کے سلسلہ کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کو بھیجا کہ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لائیں۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زفاف فرمایا اور جب انہوں نے نجاشی کا سلام پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس وقت کچھ اوپر تیس سال کی تھیں اور ان کا وصال ہجرت کے چوالیس سال میں ہوا۔ باقی حالات ازواجِ مطہرات کے ضمن میں آئیں گی۔ (انشاءاللہ)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دوران ایک مرتبہ ابوسفیان مدینہ منورہ آیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ارادہ کیا کہ بستر پر بیٹھے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس بستر پر بیٹھنے کی مہلت نہ دی اور فرمانے لگیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طاہر ومطہر بستر ہے اور تم ابھی کفر وشرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور اشعری جماعت کا آنا بھی اسی مجلس میں ہے۔ مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے یعنی فتح خیبر اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے کس سے خوش ہوں۔ مطلب یہ کہ دونوں خوشیاں برابر کی ہیں اور ان سب کو غنائم میں سے حصہ دیا اگرچہ یہ معرکہ جنگ میں موجود نہ تھے۔

<u>یہود کا زہر دینا:</u> غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے ایک واقعہ اہل خیبر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینا ہے اور یہ زہر دینے والی زینب بنت حارث یہودیہ تھی جو مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ اس نے پہلے لوگوں سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بکری کا

کون سا حصہ پسند کرتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا ران اور شانے کے گوشت کو پسند کرتے ہیں تو اس نے ایک بکری کے بچہ کو لیا اور زہر آلود کیا۔ اس میں ایسا زہر ملایا جو فوری اثر کرنے والا اور اسی گھڑی ہلاک کرنے والا تھا۔ اس نے اس بارے میں یہودیوں سے پوچھا تھا تو انہوں نے ایسے زہر کی رہنمائی کی تھی۔ پھر اس نے اس زہر کو ران اور شانے میں زیادہ کیا۔ اس کے بعد اس نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ صحابہ کی ایک جماعت بھی اس مجلس مبارک میں موجود تھی اور ان میں بشر رضی اللہ عنہ بن براء بھی تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ حصہ لے کر سامنے کے دانتوں سے کاٹا اور بشر بن براء نے دوسرا حصہ لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے تھوک دو۔ یہ ران کہتی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے''۔ بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس وقت لقمہ کو چبا رہا تھا تو ایک کراہت و نفرت خود میں پا رہا تھا اور میں منہ سے اسے نکال کر پھینکنا نہ چاہتا تھا کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں بے رغبتی ہو۔ اس کے بعد بشر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ان کا رنگ سبز و سیاہ ہو گیا اور اسی وقت انتقال کر گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک سال تک بیمار رہے اس کے بعد وفات پائی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہود کے تمام سردار جو یہاں موجود ہیں حاضر ہوں اور زینب بنت حارث یہودیہ بھی حاضر ہو۔ جب وہ سب حاضر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تم سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا سچ بولو گے'' انہوں نے کہا ''ہاں! اے ابو القاسم'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''تمہارا باپ کون ہے؟'' مراد یہ کہ تمہارے قبیلہ کا جد اعلیٰ کون ہے اور کس کی اولاد سے ہو۔ انہوں نے کہا ''فلاں ہمارا باپ ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جھوٹ کہتے ہو تمہارا باپ فلاں ہے''۔ انہوں نے کہا ''آپ سچ فرماتے ہیں اور ٹھیک کہتے ہیں''۔ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا راست گوئی پر تنبیہ کرنا اور ان کی حالت کا امتحان لینا ہوگا۔ زہر خورانی کے واقعہ کے سلسلہ میں ان سے سچ بولنے پر اقرار کرانا اور مجبور کرنا ہوگا۔ سوال کے جواب میں ان کا جھوٹ بولنا یا تو قصداً ہوگا جیسا کہ جھوٹ بولنے کی اور افتراء کرنے کی ان کی عادت مستمرہ تھی یا جہل و نسیان کی بنا پر ہوگا۔ اگر قصداً جھوٹ بولا تو ظاہر ہے کہ یہ بات حقیقت حال پر مطلع ہونے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینا مقصود ہوگا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارا جھوٹ آپ پر کھل جائے گا اور آپ کو خدا کی طرف سے غیبی اطلاع مل جائے گی۔ جب آپ پر ظاہر ہو گیا اور ان کی حالت آپ پر منکشف ہو گئی تو انہوں نے اقبال کر لیا۔ اس قضیہ کے بعد زہر کے بارے میں پوچھا۔ صحیح بخاری میں ایک اور سوال بھی بیان کیا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''کیا تم سچ بولو گے اگر تم سے کچھ پوچھا جائے''۔ انہوں نے کہا ''ہاں ابو القاسم'' اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ پر ہمارا جھوٹ کھل جائے گا جس طرح کہ آپ پر ہمارے جد اعلیٰ کے بارے میں ہمارا جھوٹ کھل گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''جہنمی کون لوگ ہیں؟'' مطلب یہ کہ دوزخ میں ہمیشہ کون لوگ رہیں گے۔ یہود نے جواب دیا ہم لوگ دوزخ میں چند روز رہیں گے۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔ ہمیں ہرگز آگ گنتی کے چند روز کے سوا نہ چھوئے گی۔ اس کے بعد ہمارے خلیفہ آگ میں تم لوگ رہو گے اور ہمیشہ رہو گے۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا: اِخْسَئُوْا فِيْهَا۔ دور ہو اور جہنم میں جاؤ۔ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيْهَا اَبَدًا۔ ہم تمہارے کبھی بھی آگ میں خلیفہ نہ بنیں گے۔ لفظ ''خسا'' کتے کو دھتکارنے کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر لازم و متعدی دونوں میں مستعمل ہے۔ اس کے بعد فرمایا اگر میں تم سے کچھ سوال کروں تو تم کیا راست گوئی سے کام لو گے۔ انہوں نے کہا ''ہاں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم اس بکری میں زہر ملا کر لائے تھے'' انہوں نے کہا ''ہاں! آپ کو کیسے یہ راز معلوم ہو گیا؟'' فرمایا ''مجھے اس ران نے بتایا جو کہ آپ کے دست مبارک میں تھی''۔ فرمایا زہر خورانی پر تمہیں کس بات نے برانگیختہ کیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس عورت سے پوچھا۔ ''اس سے تو کیا

چاہتی تھی اور تیرا مقصد کیا تھا؟'' اس کے جواب میں یہودیوں نے کہا یا اس عورت نے کہا'' اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو ہم آپ سے نجات پا جائیں گے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے گا۔ اگر نبی برحق ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا''۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس عورت کو آپ نے سزا دی یا رہا کر دیا اور کچھ نہ فرمایا۔ چنانچہ بیہقی کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے کچھ نہ فرمایا۔ بروایت ابونصرہ' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مانند مروی ہے لیکن دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ اسے قتل کرا دیا۔ بیہقی نے فرمایا ممکن ہے کہ ابتداء میں چھوڑ دیا ہو اور نہ چاہا ہو کہ اپنے آپ کے بدلے میں اسے قتل کریں۔ لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی اس سے وفات ہوئی تو بطریق قصاص یا بطریق سیاست وسزا اسے قتل کرا دیا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بعض ائمہ شوافع کا مذہب یہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھانے میں زہر ملا کر کسی کو دیدے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو قصاص واجب ہو جاتا ہے لیکن ائمہ احناف اور جمہور ائمہ شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک ایسی حالت میں قصاص جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے مذہب کی بنا پر اگر قتل کی روایت صحیح ہو تو قصاص واجب ہو جاتا ہے اور صولی کا قصہ جو قتل کی روایت میں واقع ہے اس کی تائید و توجیہہ ظاہر کرتی ہے۔ (واللہ اعلم)

زہری سے مروی ہے کہ وہ عورت اسلام لے آئی۔ اس بنا پر اس کو چھوڑ دیا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ ''مغازی سلیمان'' میں اس طرح مروی ہے کہ زینب بنت حارث یہودیہ نے کہا اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو میں لوگوں کو آپ سے نجات دیدوں۔ مگر بلاشبہ مجھ پر ظاہر وروشن ہو گیا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کا دین اختیار کرتی ہوں اور پڑھتی ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس روایت میں اس کے اسلام لانے میں زہری کی موافقت ہے اور جب حضرت بشر کا انتقال ہو گیا تو اسے قتل کرا دیا۔ اس لیے کہ اب قصاص واجب ہو گیا تھا۔ (انتہی)

لیکن اس جگہ ایک شبہ وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ چونکہ اسلام ماقبل کے گناہوں کو نابید کر دیتا ہے خواہ حق اللہ ہو یا حق الناس تو اسلام لانے کے بعد اس سے قصاص کیوں لیا گیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا کچھ اس زہر آلود بکری سے چکھا اس کے ضرر کو دفع کرنے کیلئے اپنے دونوں شانوں کے درمیان سے خون نکلوا دیا اور اپنے ان صحابہ سے بھی جنہوں نے اس کے لقمہ کو چبایا یا حلق سے اتارا تھا ان سب کو حکم دیا کہ سر کے پچھنے لگوائیں۔

بخاری نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض موت میں فرمایا کرتے تھے ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں اس گوشت کی اذیت ہمیشہ اپنے میں پاتا رہا ہوں جسے خیبر میں کھایا تھا اور میں اس وقت بھی اس زہر سے اپنی ابہر کو کٹتا محسوس کرتا ہوں''۔ ابہر دل کی ایک رگ کا نام ہے۔ جب یہ کٹ جاتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔ گویا کہ اس زہر کا اثر ہمیشہ آپ کے بدن میں موجود رہا اور اس نے اب سرایت کیا تھا۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کیلئے آفتاب کو لوٹانا: غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپسی پر منزل صہبا پہنچے' سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا اور اسی منزل میں نماز عصر ادا فرمائی۔ نماز پڑھنے کے بعد سر مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ سو گئے یہاں تک کہ وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی اور نزول وحی کی مدت اتنی طویل ہو گئی کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا ''کیا نماز عصر پڑھ لی؟''

عرض کیا ''نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نہیں پڑھی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناجات کی اور کہا ''اے رب اگر علی رضی اللہ عنہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو آفتاب کو حکم دے کہ لوٹ آئے تاکہ وہ نماز عصر ادا کرلیں۔ حق تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا باوجویکہ آفتاب غروب ہو چکا تھا دوبارہ طلوع ہوا یہاں تک کہ اس کی شعاعیں پہاڑوں اور ٹیلوں پر پڑنے لگیں اور مخلوق خدا نے آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حبس شمس کے واقعات

سورج کو روکنا اور اسے لوٹانا تین مقامات میں وارد ہوا ہے۔ ایک شب معراج کے بعد جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس رات واپسی پر قریش کے قافلہ کو میں نے راہ میں دیکھا اور یہ نشانی بھی بتائی کہ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور قافلہ کے کچھ لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اس پر قریش کے لوگوں نے پوچھا ''بتایئے وہ قافلہ کب تک یہاں پہنچے گا''۔ فرمایا ''بدھ کے دن'' جب بدھ کا دن آیا تو قریش اس قافلہ کا انتظام کرنے لگے کہ کب پہنچتا ہے یہاں تک کہ دن تمام ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی چنانچہ اس دن سورج کو غروب ہونے سے حق تعالیٰ نے ایک گھنٹہ کیلئے روک دیا۔ پھر قافلہ پہنچ گیا۔ اس حدیث کو یونس بن بکر نے ابن اسحٰق کے مغازی میں بیان کیا ہے۔

دوسرا واقعہ حبس شمس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روز خندق میں بیان کیا گیا ہے جبکہ اس جنگ میں نماز عصر قضا ہوگئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ بعد از غروب آفتاب قضا پڑھی تھی اور تیسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہوگئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور سورج لوٹایا گیا اور انہوں نے نماز ادا کی۔

ان حدیثوں میں محدثین کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب حدیثیں اس صحیح حدیث کے مخالف ہیں جو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے باب میں آئی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں سورج کو روکنا حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے جسے مشکوٰۃ نے بخاری ومسلم سے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی علیہم السلام جہاد کیلئے نکلے۔ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ جب وہ نماز عصر کے وقت بستی کے قریب ہوئے اور قریب تھا کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ اس پر اس نبی نے آفتاب کو حکم دیا کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں۔ خدا سے دعا کی کہ ''اے خدا سورج کو رکنے کا حکم دے کہ وہ ہمارے لیے ٹھہرا رہے'' چنانچہ اس رکنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ غروب کے بعد واپس لوٹایا جائے۔ ایک یہ کہ لوٹائے بغیر روکے رکھا جائے۔ ایک یہ کہ اس کی رفتار کو سست کر دیا جائے چنانچہ آفتاب کو روک دیا گیا اور حق تعالیٰ نے اس بستی کو ان پر فتح کرا دیا۔ اگرچہ اس روایت میں حبس آفتاب یوشع علیہ السلام کیلئے خاص کر کے مذکور نہیں ہے۔ لیکن ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَمْ تُحْبَسِ الشَّمْسُ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا یُوْشَعِ بِنْ نُوْنٍ۔ کسی پر آفتاب کو نہیں روکا گیا مگر یوشع بن نون پر۔

چنانچہ مواہب میں مذکور ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام جمعہ کے دن ظالموں سے جنگ کر رہے تھے جب آفتاب کے غروب کا وقت قریب ہوا تو خوف کیا اگر آفتاب جنگ کے ختم ہونے سے پہلے غروب ہوگیا تو ہفتہ کا دن شروع ہو جائے گا تو ہمیں اس دن جنگ کرنا حلال نہ ہوگا۔ انہوں نے خدا سے دعا کی اور حق تعالیٰ نے آفتاب کو رد فرمایا یہاں تک کہ وہ جنگ سے فارغ ہوئے۔

بعض علماء ان مذکورہ حدیثوں اور یوشع بن نون علیہ السلام کی حدیث کے درمیان اس طرح موافقت کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مراد

یہ ہو کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں حضرت یوشع رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے لیے حبس شمس نہیں کیا گیا یا یہ مراد ہو کہ میرے سوا کسی نبی کیلئے حبس شمس نہیں کیا گیا مگر یوشع علیہ السلام کیلئے۔ دونوں احتمالات کا نتیجہ اور معنی ایک ہی ہیں۔ یا یہ بات ہو کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حبس شمس یا ردشمس کے وقوع سے پہلے صادر ہوئی ہو۔ واللہ اعلم لہٰذا معلوم ہوا کہ ردشمس یا حبس شمس کے بارے میں محدثین کا کلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں خاص نہیں ہے بلکہ ان تینوں مواقع میں جو مذکور ہوئیں ان میں کلام ہے۔

اب رہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے ردشمس کی حدیث میں کلام! تو جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم بغیر تعسف وتعف کے انہیں نقل کرتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ اس حدیث کو امام طحاوی (فائق علی البخاری) جو کہ اکابر علماء احنف میں سے ہیں وہ اصل میں شافعی المذہب تھے۔ اس سے انہوں نے مذہب حنفی کی طرف رجوع فرمایا۔ انہوں نے شرح مشکوٰۃ الآثار میں نقل کیا ہے جسے قاضی عیاض مالکی نے نقل کیا ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ احمد بن صالح، محدثین میں بڑے ثقہ بزرگ وعالم ہیں وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کو جسے علم میں دسترس ہو لائق نہیں ہے کہ وہ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کی حدیث کے حفظ میں تخلف وتغافل کرے اور اس لیے کہ ان کی حدیث نبوت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور ابن جوزی نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ بلاشبہ اس حدیث کی سند میں احمد بن داؤد ہے اور یہ شخص متروک الحدیث اور کذاب ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ ابن حبان بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ نیز ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن شاہین نے نقل کرکے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس کے وضع کرنے والے کی غفلت ظاہر ہے کہ اس نے فضیلت کی ظاہری صورت تو دیکھ لی۔ اس کے عدم فائدہ پر غور نہ کیا' یہ نہ جانا کہ نماز عصر غروب آفتاب سے قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے یہ ادا نہیں ہو سکتی۔

ابن تیمیہ نے روافض کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں اس حدیث کو نقل کرکے اس کی سند اور اس کے راویوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وضعی ہے۔ کہا کہ تعجب ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ باوجود اپنی اتنی جلالت قدر اور علوم رتبت کے جو انہیں علوم حدیث میں حاصل ہے کس طرح اس میں خاموش رہے' اس کی صحت کو مبہم رکھا اور اس کا ثبوت نقل نہیں کیا۔ کاتب حروف عفا اللہ عنہ (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس قائل کا یہ کہنا کہ غروب آفتاب سے نماز عصر قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے ادا نہیں ہو سکتی محل نظر ہے۔ اس لیے کہ قضا اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ آفتاب عیبوبیت میں قائم و باقی رہے اور وقت فوت ہو جائے۔ لیکن اگر وقت بھی لوٹ آئے تو کیوں ادا نہیں ہو سکتی کیونکہ ادا کے معنی یہی ہیں کہ اس کے وقت میں نماز ادا کی جائے۔ اگرچہ یہ اعادہ وقت سے ہو۔ نیز حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت قدر اور علوم رتبت کے اعتراف کے بعد تردد وتوقف مناسب ہے؟ (مطلب یہ کہ جب ان کے مرتبہ وکمال اور مقام کا اعتراف ہے تو اب اس میں تردد وتوقف کیوں کرتے ہو۔ اس میں غور وفکر کرنا چاہیے) نہ کہ اس کے بطلان وانکار پر یقین کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود کہ امام طحاوی اور احمد بن صالح جیسے اکابر سے اس کی صحت ظاہر ہو چکی ہو۔ بات یہ ہے کہ ابن جوزی وضع کا حکم کرنے اور اس کا ادعا کرنے میں بڑا جلد باز ہے۔

اس بات میں اس کا قول موثق اور لائق اعتنا نہیں ہے جس طرح کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث میں دعویٰ کیا ہے کہ سُدُّوْا كُلَّ بَابٍ اِلَّا بَابَ عَلِيٍّ (مسجد نبوی کی طرف تمام دروازوں کو بند کردو بجز علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے) ابن جوزی نے اس کو وضعی قرار دینے میں مستعد ہو کر اس طرح صحت حدیث بیان کی ہے کہ فرمایا: سُدُّوْا كُلَّ خَوْخَةٍ اِلَّا خَوْخَةَ اَبِیْ بَكْرٍ (ہر دروازہ کو بند کردو بجز ابوبکر کے دروازے کے) تاریخ مدینہ منورہ میں ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ شیخ محمد سخاوی' مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ امام

احمد نے کہا ''لا اصل لہ'' یعنی اس کی کوئی اصلیت نہیں اور ابن جوزی نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اسے موضوعات میں نقل کر دیا ہے حالانکہ امام طحاوی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا اور ابن مندہ اور ابن شاہین سے اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کی حدیث کو اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ (انتہیٰ)

نیز مواہب میں منقول ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں باسناد حسن روایت کیا ہے جس طرح کہ شیخ الاسلام بن عراقی نے شرح تقریب میں اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سے نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ یوشع کی حدیث سے معلوم نہ ہوا کہ ردشمس حضرت یوشع رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے۔ لہٰذا وہ حدیث جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے ردشمس میں روایت کی گئی ہے ضعف پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث کی صحت احمد بن صالح مصری نے بیان کی ہے لیکن کتب صحاح وحسان میں نقل نہیں کیا گیا۔ باوجود تجسس وتلاش کے حسن ومنفرد ہی یہ حدیث منقول ہے کیونکہ اہل بیت میں سے ایک مجہول وغیر معروف عورت نے نقل کیا جس کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ (انتہیٰ)

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ان کا یہ کہنا کہ ''کتب صحاح میں ذکر نہیں کیا گیا اور حسن ومنفرد ہے'' یہ قابل غور وفکر ہے کیونکہ جب امام طحاوی' احمد بن ابی صالح' طبرانی' قاضی عیاض رحمہم اللہ اس کی صحت' اس کے حسن ہونے کے قائل ہیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ تو اب ان کا یہ کہنا کہ کتب صحاح وحسان میں ذکر نہیں کیا درست نہ ہوگا۔ لازم نہیں ہے کہ تمام ہی کتب صحاح وحسان میں مذکور ہوں نیز ان کا یہ کہنا ''اہل بیت میں سے ایک مجہول وغیر معروف عورت نے نقل کیا ہے جس کا حال کسی کو معلوم نہیں''۔ یہ بات سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کے حال کے بارے میں کہنا ممنوع ہے اس لیے کہ وہ جمیلہ وجلیلہ' عاقلہ ودانا عورت ہیں اور ان کے احوال معلوم ومعروف ہیں۔ وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں اور ان سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تولد ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے ان کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور ان سے یحییٰ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ جانا اور اس میں تاخیر کرنا بعید ہے حالانکہ اس میں کوئی بعد نہیں ہے اور ایسے حوادث وحوائج بہت ہیں جن کی بنا پر ایسے امور رونما ہو سکتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو (ظہر) کی نماز کے بعد کسی کام سے بھیجا تھا۔ غزوۂ خیبر کے کام بہت زیادہ تھے۔ ان کے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کی ہوگی اور اس میں علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شریک نہ ہوئے تھے۔ اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

قصہ لیلۃ التعریس: اسی غزوے کے واقعات میں سے لیلۃ التعریس کا قصہ ہے۔ تعریس آخر شب میں سونے کیلئے مسافر کے اترنے اور ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غزوۂ خیبر کی واپسی میں ایک رات سفر میں نیند کا غلبہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر شب میں خواب واستراحت کیلئے قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ہم سو جائیں تو ہمارے لیے رات کی نگہبانی کرنا اور جاگتے رہنا۔ صبح سے ہوشیار رہنا' جب صبح ہو جائے تو ہمیں بیدار کر دینا تاکہ صبح کی نماز ہاتھ سے نہ جائے لیکن نماز تہجد سونے سے پہلے ادا فرمالی تھی۔ یہاں تک کہ نیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ اس نے مہلت نہ دی۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر خواب یا ضعف یا بیماری مانع ہوتی تو قیام شب قضا فرما دیتے اور ان میں زوال آفتاب سے پہلے شب کی نماز کو ادا فرماتے۔ اس واقعہ میں کوئی بھید ہوگا کہ اس کا نفع ضعفائے امت کو پہنچے۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ شب بیداری

کیلئے آمادہ وتیار ہوئے اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ اتنی نمازیں پڑھیں جتنی خدا نے ان کو توفیق دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے سو گئے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تاکیداً فرمایا تھا کہ ''اے بلال رضی اللہ عنہ اپنی آنکھوں کو نیند سے خبردار رکھنا۔ یہ بارگراں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن پہ پڑا۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کجاوے سے ٹیک لگائی اور طلوع فجر کی طرف متوجہ ہوئے اور غور سے آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ اچانک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور بے اختیار نیند آ گئی۔ حالانکہ اپنے اونٹ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنی دستار کو کھول کر اس سے ''احتباء'' کیا چنانچہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیدار ہوئے اور نہ کوئی اور صحابی یہاں تک کہ سورج طلوع کر آیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سونے' نماز کے فوت ہو جانے سے حق تعالیٰ کے قہر وجلال اور اس کی تجلی سے ڈرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور حضرات بھی بیدار ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا ''اے بلال رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہوا تم کیوں سو گئے تھے اور اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''میں کیا عرض کروں مجھے بھی اسی نے آ گھیرا تھا جس نے آپ کو گھیرا تھا' اس قوت بیداری کے باوجود جو آپ کو حاصل ہے''۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''بلال رضی اللہ عنہ کے پاس شیطان آیا حالانکہ وہ نماز میں کھڑے تھے''۔ شیطان نے بلال رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور انہیں اس طرح تھپک تھپک کر سلا دیا جس طرح بچے کو تھپک تھپک کر سلاتے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ سو گئے''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان کے سو جانے کی کیفیت دریافت فرمائی تو انہوں نے ویسا ہی عرض کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ وَالْحَق'' یہ مقام تجدید ایمان اور تصدیق وشہادت رسالت کا ہے تاکہ کسی قسم کا وسوسہ شیطانی دخل انداز نہ ہو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے اونٹوں کو یہاں سے اٹھا کر لے چلو۔ صحابہ نے اپنے اونٹوں کو اٹھایا اور وہاں سے چل دیئے۔ اس وادی سے چلے جانے کا سبب بیان کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ چونکہ اوقات ممنوعہ مکروہہ میں قضا نماز جائز نہ تھی۔ جیسا کہ مذہب حنفیہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہاں سے کوچ کرنا اس لیے تھا کہ آفتاب بلند ہو جائے اور کچھ علماء اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت کو نوافل کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شوافع کہتے ہیں کہ اس وادی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچ فرمانے کا سبب یہ تھا کہ وہ شیطان کی جگہ تھی۔ جیسا کہ روایت میں صراحت بھی مذکور ہے یہاں تک کہ وضو کرنے' اذان دینے' اقامت کہنے میں آفتاب بلند ہو جاتا اور نماز ممنوعہ ومکروہہ وقت میں واقع نہ ہوتی اور وہاں سے کوچ کرنے کی حاجت نہ رہتی۔

دوسری جگہ پہنچنے کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا' بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا اور اقامت کے ساتھ انہیں صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضا نماز کیلئے اذان نہیں ہے اور مذہب شوافع کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ نہ اذان ہے' نہ اقامت۔ ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس کی صبح میں نماز فجر کی قضا اذان واقامت کے ساتھ پڑھی۔ شیخ ابن الہمام اس باب میں احادیث صحیحہ لائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اذان تنہا دخول وقت کی خبر دینے اور مسلمانوں کے بلانے کیلئے مشروع ہے۔ اس جگہ تو وہ سب موجود ہی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذان صرف خبر دینے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ کلمات اذان کے ذکر کے ذریعہ ثواب حاصل کرنا بھی ہے اور تکمیل نماز بھی اسی سے مشروع ہے۔ اسی بنا پر افضل یہ ہے کہ ایک فرد بھی اذان واقامت کہے جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری چرانے والے چرواہے کو دیکھا کہ وہ اذان دیتا ہے اور نماز

پڑھتا ہے۔ فرمایا: ''هٰذَا عَلَى الْفِطْرَةِ'' یہ دین فطرت پر ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول تو بڑا ہی عجیب ہے کہ نہ اذان کہے اور نہ اقامت۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس حال میں مضطرب و پریشان دیکھا تو ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو اس کے سوا زمانہ میں بیدار کرتا اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے''۔ احادیث میں سونے کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایک اور روایت میں واقع ہوا ہے کہ نیند نسیان میں داخل ہے اور اس کا مستلزم رکھا ہے۔

تنبیہ: اس جگہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایک جگہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے۔ مطلب یہ کہ میری نیند اور میرا سونا بس اتنا ہی ہے کہ میں آنکھیں تو بند کر لیتا ہوں لیکن میرا دل آگاہ و خبردار رہتا ہے اور فرمایا کہ ''میں اپنی خواب کی حالت میں بھی تمہاری باتیں سنتا ہوں'' چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نیند ناقص وضو نہیں اور پہلا وضو ہی باقی رہتا ہے۔ علماء نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس معاملہ میں یکساں ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے خواب اور رویا وحی ہے۔ یہ وحی دل کی بیداری کے بغیر کیسے ہوسکتی ہے لہٰذا جب دل بیدار رہتا ہے تو پھر طلوع فجر کی خبر کیوں نہ ہوسکی؟

اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ طلوع وغروب کا معلوم کرنا آنکھ کا کام ہے اور جب آنکھ بند ہو تو طلوع وغروب کا علم نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہ کوئی تہہ خانے میں بیدار بیٹھا ہو یا آگے پیچھے ہر طرف تہ در تہ پردے پڑے ہوں اس صورت میں طلوع وغروب کا علم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ تنہا دل کی بیداری کافی نہیں لیکن اب بھی ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ وحی یا الہام سے یہ کیوں معلوم نہ ہوسکا جس طرح ایک ماہر علم نجوم تہہ خانے میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ گھڑیوں کے حساب سے جان لیتا ہے کہ فجر طلوع ہوگئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حکمت الٰہی نے یہ اقتضاء کیا کہ کشف نہ ہو اور اس بارے میں وحی نازل نہ ہوئی تاکہ قضائے فوائت کی تشریع کا سبب اور شرف اتباع ادراک ہو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو ونسیان کے عارض ہونے کے سلسلہ میں کہا گیا ہے۔

بندہ مسکین (یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ) فرماتے ہیں کہ یقیناً دل بیدار ہوگا اور نیند وخواب کا اس پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ لیکن ممکن ہے کہ اس وقت آپ کو مشاہدہ ربانی حاصل ہو اور آپ اس میں اتنے مستغرق رہوں کہ اس مشاہدہ کے ماسواء ہر صور ومعانی سے آپ بے نیاز وغافل ہوں جس طرح کہ بعض وقتوں میں خصوصاً وحی وغیرہ کی کیفیت میں ایسی صورت ہو جاتی ہے۔ اس کا باعث عدم ادراک نسیان، غفلت اور نیند نہیں ہے بلکہ قلب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عظیم حالت کا طاری ہو جانا ہے جسے خدائے عزوجل کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ خواب اور فراموشی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ابتلاء الٰہی تھا۔ جو تدبیر کے اختیار کرنے اور معاملہ کو خدا کے سپرد نہ کرنے کے سبب ہوا کیونکہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رات کی نگہبانی پر مقرر فرما کر تدبیر اختیار فرمائی تھی اور حق تعالیٰ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ صوفیائے کرام کے نزدیک یہ بڑا بنیادی قاعدہ ہے جسے وہ اسقاط تدبیر اور ترک اختیار کہتے ہیں اور یہ بات ہے بھی درست لیکن ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ایسی بات اچھی نہیں لگتی۔ اس سے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رفعت اور بارگاہ عزت میں اعتراض کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے حالانکہ ان اسباب سے تمسک کرنا، اس کی رعایت کرنا مرتبہ تحقیق وتمکین کی انتہا ہے اور یہ منافی توکل تفویض نہیں ہے۔ وہاں تدبیر واختیار ممنوع ہے جہاں نفس کی طرف سے ہو نہ کہ اس جگہ جہاں حکم شرع ہو جیسا کہ اپنے مقام میں تحقیق کی جا چکی ہے یہاں تک کہ اس مقام میں حال کیا اقتضا کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیّد کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات کے حال شریف میں عقلی قیاس سے بلکہ اپنی معرفت کی

دریافت سے کلام کرنا حسن ادب کے دائرے سے باہر ہے اور اس کا حکم متشابہات میں حکم کرنے کی مانند ہے۔

لحم خر کی حرمت: اس غزوہ خیبر کے واقعات میں سے گھریلو گدھوں کے گوشت کا حرام قرار دینا بھی ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں مروی ہے کہ جس دن خیبر فتح ہوا اور شام کا وقت آیا تو مسلمانوں نے خوب آگ جلائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ آگ کیسی ہے؟ اور کیا چیز پکا رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا آگ پر گوشت پکا رہے ہیں۔ فرمایا: ''کس کا گوشت؟'' عرض کیا ''پالتو گدھوں کا گوشت''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زمین پر الٹ دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو''۔ اس پر کسی نے عرض کیا ''توڑ دیں یا ان کو دھوڈالیں''۔ فرمایا ''دھوڈالو''۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حمار انسی یا حمار اہلی یعنی پالتو گدھا فرمانا۔ حمار وحشی یعنی جنگلی گدھے سے احتراز کیلئے ہے کیونکہ حمار وحشی حلال ہے اور پالتو گدھا بھی حلال تھا مگر اب حرام کر دیا گیا۔ (کذافی المواہب)

ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روز خیبر ہمیں بھوک لگی تو ہم نے گدھے کا گوشت پکانے کیلئے ہانڈیاں آگ پہ رکھیں۔ کچھ ہانڈیاں پک گئی تھیں اور کچھ ابھی کچی تھیں۔ اس کے بعد اعلان ہوا کہ انہیں پھینک دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو۔ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ اس کو حرام قرار دینا اس بنا پر تھا کہ ان میں سے خمس نہ نکالا گیا تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ بوجھ لادنے کی وجہ سے تھا چونکہ اس وقت ان کی ضرورت تھی۔ اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ گدھے کا گوشت کھالیا گیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی کہا کہ گدھے کا گوشت کھالیا گیا ہے؟ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا جب تیسرے شخص نے آکر کہا کہ گدھوں کو ناپید و فنا کر دیا گیا ہے اس مرتبہ حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ خدا اور اس کا رسول، گدھوں کے گوشت کو منع فرماتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ممانعت کی وجہ حرمت و نجاست ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مروی ہے کہ ہم خیبر میں صبح کے وقت داخل ہوئے۔ اس وقت اہل خیبر کھیتی باڑی کا سامان لیے نکل رہے تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے ''وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسِ'' خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پنج رکنی بہت بڑے لشکر کے ساتھ آگئے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ اس کے بعد ہم نے گدھوں کا گوشت پایا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرائی کہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم گدھوں کے گوشت سے منع فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ناپاک و پلید ہے۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث کے منافی نہیں ہے اور یہ تاویل کرنا کہ خمس نہ نکالنے کی وجہ سے حرام قرار دیا' یا بوجھ لادنے کی بنا پر منع فرمایا۔ یہ ان لوگوں کی تاویل ہے جو گدھوں کے گوشت کی اباحت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ امام مالک سے نقل کرتے ہیں اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا اور رخصت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ اجازت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت کا حکم فرمایا۔

گھوڑے کے گوشت کا حکم: صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کے گوشت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور سلف و خلف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ وہ مباح ہے کہ کوئی کراہت اس میں نہیں ہے اور اسی کے حضرات عبداللہ بن زبیر' ابن مالک اور اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم قائل ہیں۔ مسلم نے سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کو ذبح کرتے اور کھاتے تھے۔ درآنحالیکہ ہم مدینہ طیبہ میں تھے۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ ہم اور اہل بیت نبوت کھاتے تھے۔ فتح الباری میں ہے کہ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ''ہم مدینہ میں تھے'' اس سے مستفاد

ہوتا ہے کہ اس کا وقوع' فرضیت جہاد کے بعد تھا۔ لہٰذا اس سے اس شخص کا رد ہوتا ہے جو آلات جہاد ہونے کی بنا پر اس کے کھانے کے منع ہونے پر استناد کرتا ہے اور سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ''اور اہل بیت نبوت بھی کھاتے ہیں'' اس سے اس شخص کے گمان کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے آگاہ تھے۔ اس بنا پر کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ ہوتی تو آل ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی چیز میں زمانہ نبوت میں ایسا اقدام کریں۔ بجز اس بات کے کہ ان کے علم میں اس کا جواز ہو کیونکہ آل ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ اختلاط رکھتے اور صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کرنے میں بہت زیادہ شوق وشغف رکھتے تھے۔ اس بنا پر راجح اور مختار یہی ہے کہ صحابی جب یہ کہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کرتے تھے۔ تو ضرور ان کے پاس حکم رفع ہوگا۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے باخبر ہوں گے اور اسے برقرار رکھا ہوگا۔ جب یہ حکم مطلق صحابہ کے بارے میں ہے تو آل ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیسے علم نہ ہوگا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ گھوڑے کے گوشت کے کھانے میں کراہت کی طرف گئے ہیں۔ صاحبین اور غیر صاحبین نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس کی حلت میں اخبار متواترہ سے استدلال کیا ہے (انتہی) بلاشبہ بعض تابعین نے اس کی مطلقاً حلت کو تمام صحابہ سے بغیر کسی' استثناء کے روایت کیا ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح برشرط شیخین' حضرت عطاء سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیشہ سلف اسے کھایا کرتے تھے۔ اس میں یہ صراحت ہے کہ ان سے پوچھا کیا آپ کی سلف سے مراد' اصحاب رسول ہیں۔ حضرت عطا نے فرمایا ''ہاں'' لیکن یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی کراہت منقول ہے جسے ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق دونوں نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول جامع صغیر میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت کو میں مکروہ جانتا ہوں''۔ اور ابوبکر رازی نے مکروہ تنزیہی پر محمول کر کے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے اس میں مکروہ تحریمی کا اطلاق نہیں فرمایا اور ان کے نزدیک گھوڑا احمار اہلی کی مانند نہیں ہے اور صاحب محیط وہدایہ اور ذخیرہ تحریکی تصحیح کرتے ہیں۔ یہ کہ یہ قول اکثر احناف کا ہے اور قرطبی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ امام مالک کا مذہب کراہت پر ہے۔ فاکہانی نے کہا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہت ہے اور ان کے محققین کے نزدیک صحیح تحریم ہے اور ابن ابی حمزہ نے کہا کہ مطلقاً جواز پر دلیل واضح ہے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک اس کے کھانے کی کراہت اس بنا پر ہے کہ وہ جہاد میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا کراہت خارجی سبب سے ہے نہ کہ ذات حیوان میں۔ اباحت پر متفق علیہ روایت ہے۔ اگر ذبح کے وقت کوئی بات ایسی لاحق ہو جائے جو عام طور پر ذبح کے وقت ہو جاتی ہے جس کی بنا پر اس ذبیحہ کا کھانا متروک وممتنع ہو جاتا ہے تو اس سے قول تحریم لازم نہیں آتا۔

اب رہا بعض تابعین کا یہ کہنا کہ اگر لحم فرس کا کھانا حلال ہوتا تو اضحیہ (قربانی) جائز ہوتی تو یہ قول وحشی حیوانات سے ٹوٹ جاتا ہے باوجودیکہ وہ ماکول ہیں مگر ان کے ساتھ اضحیہ (قربانی) مشروع نہیں ہے لیکن ابوداؤد ونسائی کے نزدیک خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی حدیث کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لحوم اخیال وحمر کی ممانعت فرمائی ہے۔ ضعیف ہے۔ اگر اس کا ثبوت تسلیم کر لیا جائے تب بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معارض نہیں ہوتی جو کہ جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس کے موافق اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ بلاشبہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی حدیث کو امام احمد و بخاری دارقطنی وخطابی' ابن عبداللہ وعبدالحق اور دیگر اکابر علماء ومحدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ بعض محدثین نے گمان کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے کہا: رُخِّصَ فِي الْخَيْلِ (لحوم فرس میں رخصت دی گئی) اور رخصت بمعنی استباحت' قیام مانع کے ساتھ محظور ہے۔ (مطلب یہ کہ جہاں ''رخصت'' فرمایا گیا اور اس میں ممانعت کی روایت بھی موجود ہو تو اس رخصت سے مباح مراد لینا ممنوع ہے لہٰذا یہ رخصت' اس مخمصہ کے

سبب پر دلالت کرتی ہے جو انہیں درپیش تھا۔ اس لیے یہ مطلقاً علت پر دلالت نہیں کرتی۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اکثر روایتوں میں لفظ اذن بمعنی اجازت آیا ہے۔ جیسا کہ مسلم میں ہے اور اسی میں ایک روایت یہ ہے کہ ہم خیبر کے زمانہ میں لحوم فرس اور لحوم حمر وحشی کھاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمار اہلی سے منع فرمایا۔ دار قطنی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حمر اہلی سے منع فرمایا اور لحوم خیل کا حکم فرمایا۔ لہٰذا حدیث دلالت کرتی ہے کہ ''رخص'' بمعنی ''اذن'' ہے اور اگر رخصت' مخمصہ کے بنا پر ہوتی ہے تو اس کیلئے پالتو گدھے زیادہ مناسب ہوتے کیونکہ وہ ہوتے بھی کثرت سے ہیں اور گھوڑوں کی اس وقت بڑی قدر و قیمت اور عزت تھی۔ اس بنا پر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لحوم فرس کے کھانے کی اجازت اباحت عامہ کی بنا پر تھی نہ کہ کسی خاص ضرور کی بنا پر۔ یہ سب باتیں مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں اور فتاویٰ سراجیہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لحم فرس مکروہ ہے۔ اس میں صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور قاضی امام صدر الاسلام نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تحریم ہے اور ان کے بھائی فخر الاسلام شیخ امام علی بزدری نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تنزیہہ ہے۔ شیخ الاسلام امام سرخسی نے فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ احوطہ ہے اور صاحبین نے جو فرمایا وہ لوگوں کیلئے وسع ہے۔ کتاب ''خلاصہ'' میں کہا گیا ہے کہ لحم فرس مکروہ ہے اور اصح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور کافی میں کہا گیا ہے کہ مکروہ بکراہت تنزیہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی کی طرف فخر الاسلام اور ابونعیم اپنی اپنی ''جامع'' میں گئے ہیں اور امام اسجابی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام سرخسی نے فرمایا یہ لوگوں کیلئے طرف ظاہر کی بنا پر ارفق زیادہ نرمی ہے کہ وہ بلا نکیر لحم فرس بیچیں۔ ''کفایۃ المنتھیٰ'' میں کہا گیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لحم فرس کی حرمت سے اپنی رحلت سے تین دن پہلے رجوع فرمالیا تھا اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی اباحت پر ماوراالنہر کے علماء کا اتفاق' حنفیوں کیلئے اس کے کھانے اور اس کی جرأت پر کافی ہے اور احناف کے بعض اتقیاء سے ایسا سنا گیا ہے کہ وہ خود تو نہیں کھاتے تھے لیکن اس سے مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے (واللہ اعلم)

لہسن و پیاز کا حکم: اسی غزوہ کے واقعات میں سے لہسن کے کھانے کی حرمت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لہسن و پیاز کا کھانا حرام نہیں ہے لیکن اس کے کھانے کے بعد مساجد اور مجالس خیر میں جانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کی بو سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے اور ہر ذی ناب درندوں کی حرمت واقع ہوئی۔ تقسیم سے پہلے غنائم کے فروخت کی حرمت واقع ہوئی اور وطی پیش از استبراء یعنی حاملہ باندیوں سے بچہ پیدا ہونے سے پہلے جماع کرنے اور عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت واقع ہوئی' متعہ وقت معین تک نکاح کرنے کو کہتے ہیں۔

حرمتِ متعہ: اسی غزوہ خیبر کے واقعات میں سے حرمت متعہ ہے۔ ابتدائے اسلام سے غزوۂ خیبر تک متعہ مباح تھا اس کے بعد غزوے میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ پھر اس غزوے کے بعد فتح مکہ تک یعنی یوم اوطاس تک مباح کر دیا گیا۔ یوں اوطاس' فتح مکہ کے بعد ہے اسے فتح مکہ کے ساتھ اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بالکل متصل ہی واقع ہوا۔ اس کے تین دن کے بعد اسے ہمیشہ کیلئے حرام قرار دے دیا گیا۔ اس کی حرمت ابدی و دائمی ہے۔ اس میں بجز روافض کے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ایک شخص کا خودکشی کرنا: اس غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے اس شخص کے خودکشی کرنے کا واقع ہے جس نے بے مثال جنگ کی اور کسی مشرک کو نہ چھوڑا۔ یہاں تک اس نے اپنی تلوار سے یا تو اسے ہلاک کر دیا یا اسے شدید زخمی کر دیا۔ چنانچہ مسلمان آپس میں کہنے لگے ایسی جرأت و کارکردگی میدان کارزار میں ہم میں سے کسی کی نہیں ہے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچائی اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں شخص ایسے کارنامہ سرانجام دے رہا ہے جو کسی اور نے نہیں انجام دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خبردار ہو جاؤ اور جان لو کہ وہ شخص بلاشبہ اہل نار میں سے ہے''۔ اس پر مسلمانوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ وہ شخص تو معرکہ

کارزار میں ایسی بے جگری سے مشرکوں کے ساتھ جنگ کر رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ حقیقت حال کیا ہے قریب تھا کہ شک کے گرداب میں مبتلا ہو جائیں۔ اس پر ہم میں سے ایک شخص نے کہا "آج میں اس کے ساتھ رہتا ہوں اور ساتھ ساتھ پھرتا ہوں تا کہ دیکھوں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس کے پیچھے لگ گیا اور جہاں وہ جاتا میں بھی جاتا' جہاں وہ کھڑا ہوتا میں بھی کھڑا ہو جاتا اور جہاں وہ تیزی دکھاتا میں بھی تیزی کرتا۔ اس نے بڑی شدت سے جنگ کی اور بڑی بے جگری سے لڑا یہاں تک کہ وہ شدید زخمی ہو گیا۔ وہ اپنے شدید مجروح ہونے سے تنگ آ گیا اور اس نے اپنی تلوار کے دستہ کو زمین پر رکھ کر اس کی نوک کو اپنے دونوں پستانوں کے درمیان رکھا اور اس پر جھول گیا۔ اس طرح اس نے اپنی جان کو ہلاک کر لیا۔ بہر تقدیر جب اس شخص نے جو اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اس کی یہ حقیقت حال دیکھی تو وہ دوڑتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اشھد انك رسول الله" فرمایا۔ کیا بات ہے اور کیوں تجدید شہادت کرتے ہو؟ عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص نے مشرکوں کے ساتھ خوب جنگ کی اور آپ نے خبر دی کہ وہ اہل نار میں سے ہے تو ہم لوگوں کو آپ کی یہ خبر بڑی گراں گزری۔ میں حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے اس کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ وہ بہت شدید زخمی ہو گیا اور اس نے اپنی جان کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کر دیا۔ قاتل نفس اور خودکشی کرنے والا شخص جہنم میں ہے" اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی ظاہر میں جنت کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل نار میں سے ہوتا ہے"۔ مطلب یہ کہ اپنے عمل پر مغرور نہیں ہونا چاہیے اور دوسرا شخص ظاہر میں اہل نار کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

یہاں سے لازم نہیں آتا کہ ہر قاتل نفس' اہل نار سے ہے مگر یہ کہ وہ خودکشی کو حلال جانتا ہو۔ یا یہ مراد ہو کہ وہ اہل نار میں سے ہے اگر حق تعالیٰ اسے نہ بخشے۔ قسطلانی نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ ممکن ہے کہ وہ منافقین میں سے ہو یا قتل نفس کو حلال جاننے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ وہ اہل نار میں سے ہے اسی بنا پر تھا۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منادی کر دو کہ مومن کے سوا جنت میں کوئی داخل نہ ہو گا اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مرد فاجر سے بھی تائید و تقویت کرا لیتا ہے۔

فتح فدک: اور بھی کئی واقعات ایسے ہیں جو اگرچہ خیبر کے غزوہ میں داخل نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ اور ان کے قریب ہی واقع ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک فتح فدک ہے۔ فدک ایک موضع کا نام ہے جو خیبر کے نزدیک ہے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے حوالی میں تشریف لائے تو محیصہ رضی اللہ عنہ بن مسعود حارثی کو حویصہ رضی اللہ عنہ بن مسعود حارثی کے بھائی ہیں۔ فدک میں بھیجا تا کہ وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دیں اور خبر دیدیں کہ خدا کے نبی تم سے جنگ کرنے تشریف لائیں گے جس طرح کہ خیبر والوں سے جنگ کرنے کیلئے تشریف لائے ہیں۔ فدک کے لوگوں نے کہا خیبر والوں کے پاس دس ہزار جنگجو ہیں ہمیں گمان نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ٹھہر سکیں۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ صلح صفائی کی طرف نہیں آئے تو لوٹ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا حال عرض کر دیا۔ اس کے بعد ان کے سرداروں کی ایک جماعت فدک کے کچھ یہودیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تا کہ صلح کا معاملہ پختہ کر لیں۔ بحث و تمحیص اور گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ آدھی زمین فدک کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیں اور آدھی زمین اپنے لیے رکھ لیں۔ یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک رہا۔ اس وقت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو زمین فدک سے نکال دیا اور شام کی طرف بھیج دیا۔ وہ آدھی زمین جو ان کے پاس تھی اسے پچاس ہزار درہم بیت المال سے خرید لیا۔ فدک کا ذکر اور اس کے اموال کا حال انشاء اللہ اپنی جگہ آئے گا۔

اسی طرح اہل خیبر کو خیبر سے نکالا۔ یہود نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا وجہ ہے جس چیز کو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مقرر فرمایا تم اس کے خلاف کرتے ہو۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جان لو میں اس دن موجود نہ تھا اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا جب تک ہماری مرضی رہی تم اس پر قائم رہے۔ اب ہم نہیں چاہتے ہماری مرضی نہیں ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور اپنا مصمم اور پختہ ارادہ فرمایا کہ ان یہودیوں کو نکال کے رہیں گے۔ پھر بنی الحقیق کے ایک شخص نے آ کر کہا۔ اے امیر المومنین ہمیں نکالتے ہو حالانکہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں مقرر فرمایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تیرا گمان ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو بھلا دوں گا جو تجھ سے کہا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ جبکہ تو نکالا جائے گا اور راتوں رات اونٹ دوڑیں گے۔ مطلب یہ کہ تم لوگ کئی راتوں میں یہاں سے نکلو گے۔ اس یہودی نے کہا یہ بات تو ابولقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بطریق ہزل و مزاح فرمائی تھی۔ نہ کہ بر سبیل جدو جزم۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اوہ دشمن خدا! تو جھوٹ بکتا ہے'' اس کے بعد ان کو جلاوطن کر دیا اور ان کے اموال کی قیمت دیدی جو بھی کچھ ان کا ساز و سامان، اونٹ وغیرہ تھے حتیٰ کہ رسیوں اور پالان وغیرہ کی بھی قیمت دیدی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس ہوئے تو وادی القریٰ کی جانب توجہ فرمائی۔ منزل صہبا میں قیام فرمایا اور وہیں سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف ہوا اور اسی منزل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے روشمس واقع ہوا۔ (جیسا کہ گزر چکا ہے)

غزوۂ وادی القریٰ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وادی القریٰ میں نزول فرمایا تو ان لوگوں کا چار دن تک محاصرہ فرمایا وہ بھی جنگ کیلئے آمادہ ہوگئے اور قتال کیلئے نکل آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قتال کیلئے صف بندی فرمائی اور کسی صحابی کو علم مرحمت فرمایا۔ (ارباب سیر کا علمبردار کے نام میں اختلاف ہے) اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے جان و مال محفوظ و مصئون رہیں گے اور تمہارا حساب حق تعالیٰ پر ہوگا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت قبول نہ کی اور جنگ پر ہی مصرر رہے۔ اس دن شام تک جنگ جاری رہی۔ یہودیوں کے دس آدمی جہنم رسید ہوئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت فتح واقع ہوئی اور بکثرت اثاثہ اور بے شمار مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کے یہودیوں پر احسان فرمایا ان کی اراضی اور ان کے باغات کو انہیں کے قبضہ میں رہنے دیا تا کہ وہ مزدوری پر کام کریں۔ وادی القریٰ کے یہودیوں کو خبر ''تیما'' کے یہودیوں کو پہنچی تو وہ ڈر گئے اور صلح کر کے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ اس طرح بہت سے سرایا (چھوٹے چھوٹے لشکر) روانہ فرمائے۔ سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سریہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سریہ بشر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ، سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ لیثی کا مینہ پر سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ مذکور بنی الملوح اور ان کا سریہ فدک پر یہ تمام سرایا اسی سال واقع ہوئے۔

عمرۃ القضاء: اسی سال عمرۃ القضاء جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا واقع ہوا۔ اس کا وقوع ماہ ذی القعدہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ اس کو ''عمرۃ القضاء'' سے موسوم کرنا شوافع کے نزدیک اس بنا پر بتاتے ہیں کہ قضاء بمعنی صلح ہے یعنی وہ عمرہ جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ سال آئندہ آئیں اور عمرہ ادا کریں۔ اسی بنا پر اس کا نام ''عمرۃ الصلح'' و ''عمرۃ القضاء'' اور ''عمرۃ القضیہ'' بھی واقع ہوا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ نام اس بنا پر ہے کہ یہ قضائے عمرہ ہے جو کہ روکنے اور راہ بند کرنے کی وجہ سے حدیبیہ میں فوت ہوگیا تھا۔ اس اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ کسی نے عمرہ کا احرام باندھا اور اسے بیت اللہ سے روک دیا گیا۔ اس کے قضا کے وجوب میں اختلاف ہے۔ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ اس پر ہدی یعنی دم واجب ہے۔ عمرہ کی قضا اس پر واجب نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب اس کے برعکس ہے یعنی قضا واجب ہے اور دم واجب نہیں۔ امام شافعی کی حجت یہ آیۂ کریمہ ہے کہ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ (پھر اگر تم روک

دیئے جاؤ تو ہدی میں سے جو میسر ہو) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنے سے عمرہ لازم ہو گیا پھر جب اسے روک دیا گیا تو ادا نہیں ہوا' مانع اور رکاوٹ ختم ہو جانے کے بعد قضا لازم ہے۔ شافع کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا عمرہ فاسد نہ ہوا تھا بلکہ پورا ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے کی تعداد چار شمار کرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ کا عمرہ بھی گنا گیا اور اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ بات اس میں داخل ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا اجر حصول کی بنا پر ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ عمرہ وجود میں نہیں آیا اور طواف وسعی واقع نہیں ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ غزوۂ خیبر سے واپسی اور اس مہم کو مکمل فرمانے کے بعد اور مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف میں سرایا بھیجنے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ابتدائے ماہ ذیقعدہ میں ''عمرۃ القضاء کی تیاری میں مشغول ہوئے اور حکم فرمایا کہ جو صحابہ حدیبیہ میں موجود تھے۔ وہ اس سفر میں موافقت کریں اور پیچھے نہ رہیں۔ ان کے ماسوا بھی جو چاہے شریک ہو جائے اس کے بعد ان میں سے جو حضرات بقید حیات تھے تیاری شروع کر دی اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے کچھ اور حضرات بھی جو بیعۃ رضوان میں حاضر نہ تھے وہ بھی ہمراہ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت میں چل دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابودہم غفاری کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار صحابہ اور سو گھوڑے اصیل اور ساٹھ ہدی (ایک روایت میں ہے اسی اونٹ اور جنگی اسلحہ یعنی خوذ زریں' نیزے وغیرہ) ساتھ لے کر باہر نکلے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو گھوڑوں کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سپرد فرمایا اور اسلحہ بشر بن سعد کو دیا۔ احرام باندھا تلبیہ کہا۔ مسلمانوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے اور تلبیہ کہی۔ گھوڑوں اور اسلحہ کو آگے بھیج دیا۔ جب مرالظہر ان پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے وہاں قریش کی جماعت ملی۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہوں نے پوچھا: ''کہ کہاں ہیں؟'' فرمایا کل تک تشریف لے آئیں گے اور اسی منزل میں قیام فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور بطن ماجج کے قریب نزول فرمایا۔ پھر جب قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو سنا۔ اسلحہ اور گھوڑوں کو دیکھا تو پوچھنے لگے یہ کیا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے ارادے سے آئے ہیں اور صلح کو توڑتے ہیں؟ فرمایا صلح اپنی جگہ قائم ہے۔ یہ بطور احتیاط ساتھ لیا ہے اس سے کفار کو اطمینان ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام میں اوس رضی اللہ عنہ بن خولی انصاری کو دو سو صحابہ کے ساتھ چھوڑا اور مکہ مکرمہ کے ارادہ سے تشریف لے چلے اور اپنی سواری قصواء پر سوار ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنی شمشیریں نیام میں کر کے حمائل کیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان تلبیہ پڑھتے ہوئے چل دیئے۔ قریش ان خبروں کو سننے کے لیے پہاڑوں پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش چل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع ''ہدایا'' کے ذی طویٰ میں داخل ہوئے۔ اور کوکبہ رسالت نے شنبہ سے حجون پر طلوع فرمایا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ جو مخلصین صحابہ اور شعراء اسلام میں سے تھے۔ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ رجز پڑھتے جا رہے تھے۔ ''خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ'' اے کافروں کی اولاد! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو اور ایک طرف ہو جاؤ۔ ''اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ'' آج کے دن ہم تم کو ان کے قرآن پر ماریں گے۔ ''ضَرْبًا یُزِیْلَ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ'' اور ایسی مار لگائیں گے کہ سر کے بل گرا دیں گے۔ ''وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ'' اور بھول جاؤ گے اپنے دوست کی دوستی۔ بعض روایتوں میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ ''قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِهٖ فِیْ صُحُفٍ تُتْلٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ بِاَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِهٖ'' بلاشبہ رحمٰن نے اپنے قرآن میں اور دیگر صحیفوں میں جو اس کے رسول تلاوت کرتے ہیں اس میں نازل فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کرنا بہترین عمل ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''اے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھتے ہو؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ان سے کچھ نہ کہو اور شعر گوئی سے نہ روکو بلاشبہ ان کے اشعار تیز تر جاتے ہیں

اور کفار کے دلوں میں تیروں کی مانند چبھتے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ پڑھتے ہوئے کعبہ معظمہ تک تشریف لائے یہاں تک کہ حجر اسود کا استیلام فرمایا اور آپ کا استیلام فرمانا اس عصائے مبارک سے تھا۔ جو سرکج کی لکڑی کا آپ کے دست مبارک میں اکثر رہا کرتا تھا جو چوگان کی مانند تھا جسے محجن کہتے ہیں اور اپنی سواری پر سوار طواف فرمایا اور آپ اصطباغ کیے ہوئے تھے۔ اصطباغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر شریف کے کپڑے کو داہنے بغل شریف کے نیچے اور بائیں شانہ پر ڈالے ہوئے تھے۔ صحابہ نے بھی ایسا ہی کر رکھا تھا اور جب مشرکوں نے طعنہ مارا کہ یثرب کے بخار اور وہاں کی متعفن ہوا نے صحابہ کو سست و کمزور بنا دیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ قوت و شوکت کا مظاہرہ کر کے مشرکوں کو دکھائیں اور پہلے تین پھیروں میں رمل کریں یعنی اکڑ کر تیز قدم رکھیں۔ آخر کے چار پھیرے اپنے حال پر کریں رمل اس طرح دوڑ کر اور اکڑ کر چلنے کو کہتے ہیں۔ جیسے پہلوان چلتے ہیں اور تمام پھیروں میں رمل کا حکم نہ فرمایا اور یہ صحابہ پر شفقت و مہربانی فرمانے کی بنا پر ہے۔ فرمایا پہلے تین پھیروں میں بھی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان آہستہ چلیں اس لیے کہ مشرکین تم کو نہ دیکھ سکیں گے کیونکہ مشرکین قعیقعان کے پہاڑ پر تھے جو رکن شامی اور رکن عراقی کے مقابل تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اس رجز کے اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کے وقت پڑھتے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس ذکر کو بھی پڑھو ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنے بندے سے نصرت کا وعدہ فرمایا اور ان کے لشکر کو عزت دی۔ ایک ایک ہو کر احزاب یعنی قبائل بھاگے۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر شروع فرمایا تو تمام صحابہ بھی ان کے ساتھ ہم آواز ہو کر پڑھنے لگے۔ طواف کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے اور اسی سواری پر صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ حکم فرمایا کہ ہدی کو مروہ کے قریب لایا جائے۔ یہ منحر ہے اور مکہ مکرمہ کے تمام کوچے منحر یعنی قربان گاہ ہیں اور ان میں نحر و قربان جائز ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے پاس قربانی دی اور حلق فرمایا یعنی سر مبارک کے بال منڈوائے اور صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحابہ کی ایک جماعت کو بطن ماجج بھیجا کہ وہ ان کے ہتھیاروں کی محافظت کریں اور ان کے پاس رہیں اور جو صحابہ وہاں ہیں آکر اپنے نسک ادا کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ظہر کی نماز آپ نے وہاں پڑی۔ ایک روایت میں ہے کہ ''عمرۃ القضاء'' میں حضور خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوئے اور قریش نے اندر داخلہ سے باز رکھا کیوں کہ صلح میں اس کا ذکر نہ تھا۔ واقدی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دیں اور یہ بھی ایک ہی مرتبہ حکم تھا۔ اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا کہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام عقد پہنچائیں۔ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا معاملہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔ کیونکہ ان کی بہن ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر تھیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا عقد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ احرام سے باہر آ گئے تھے اس میں اختلاف ہے۔ یہ مبحث اصول فقہ میں مقرر و مذکور ہو چکا ہے۔ اگر ازواج مطہرات کے ذکر میں اس قصہ کے ذکر کا موقع آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دیا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ مکرمہ میں رہے جب چوتھا روز ہوا تو قریش نے کسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے پاس بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ قریش ایسا کہتے ہیں۔ فرمایا: ہاں ایسا ہی کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قریش کے پاس بھیجا کہ ان سے کہو کہ اتنی مہلت دیدو کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ میں اس جگہ کرلوں اور تمہارے لیے کھانا تیار کرلوں۔ کفار قریش نے کہا

''ہمیں تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں ہے ہماری زمین سے باہر چلے جاؤ'' چہ خوب! زمین خدا کی ہے۔ اگر ہے تو اس کے نائب وخلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کل کو پتہ چل جائے گا کہ یہ زمین ان کی کیسے ہے اور کس کے قبضہ میں آئی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ مجلس شریف میں حاضر تھے۔ جب مبالغہ اور درشت خوئی ان بدبختوں کی حد سے بڑھی تو برداشت نہ کر سکے اور فرمانے لگے ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک کہ ہماری مرضی نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تسلی وتسکین فرمائی اور حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ صحابہ میں سے کوئی شخص رات مکہ میں نہ گزارے اور اپنے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمارے بعد لے آنا اور خود مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے آئے۔ جو عہد و پیمان فرمایا اس پر صبر وتحمل سے کام لیا اور ذرہ بھر خلاف ورزی نہیں فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے تشریف لے جا رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی عمارہ رضی اللہ عنہ (انہیں کی نسبت سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمارہ تھی) وہ اپنی والدہ سلمٰی بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مکہ میں رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے یا عم' یا عم' کہتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عم یعنی چچا اس بنا پر پکارا کہ یہ عرب کی عادت ہے۔ یا اس بنا پر کہ حضرت حمزہ' رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو جالیا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے چچا کی بیٹی کو مشرکوں کے درمیان کیوں بے باپ (یتیم) چھوڑتے ہیں۔ میں ان کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ ''اپنے چچا کی بیٹی سے کہو کہ وہ ہودج میں آجائے'' جب مدینہ منورہ پہنچے تو ان تینوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں لایا ہوں میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا میرے چچا کی بیٹی ہے اور ان کی خالہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری زوجیت میں ہیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا' میرے بھائی کی بیٹی ہے ان کے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ تھی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان نسبت مواخات قائم فرمائی تھی''۔ بعض رضاعی اخوت بھی بتاتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمایا اور فرمایا۔ ''اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ'' خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔ ظاہر حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں واقع ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم) اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں انہیں لایا ہوں اور مکہ مکرمہ سے لانے کا سبب میں بنا ہوں۔ حضرت فاطمہ بنت رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے گھر میں ہیں۔ وہ ان کی پرورش کی زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے لیے حکم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم فرمانے کے بعد ان کی دلجمعی اور تسکین خاطر فرمائی۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ'' تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ حضرت جعفر سے فرمایا ''اَشْبَهْتَ خَلْقِیْ'' تم میرے اخلاق وصفت میں مشابہ ہو۔ حضرت زید سے فرمایا ''اَنْتَ مَوْلَانَا وَاَخُوْنَا'' تم دین میں میرے بھائی اور ہمارے محب ومحبوب ہو۔ نیز حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا تم ان کی نگہداشت اور پرورش کے زیادہ حقدار ہو اس لیے کہ ان کی خالہ تمہارے گھر میں ہیں۔ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اور فرمایا اپنی پھوپھی اور خالہ پر عورت نکاح نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد حضرت جعفر ان عنائیوں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فرمائی تھیں بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت جعفر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ایک پاؤں سے گھومنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ

وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں اور نجاشی بھی جب کسی کو اپنی کسی بات سے خوش کرتا ہے تو وہ شخص اس کے گرد ایک پاؤں سے چکر لگاتا ہے۔ نیز ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ جب زید سے فرمایا ''اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا'' تو زید رضی اللہ عنہ نے حجل کیا یعنی فرح و سرور سے رقص کرنے لگے۔ حجل ایک پاؤں اٹھا کر دوسرا پاؤں رکھنے کو کہتے ہیں۔ صراح میں ہے کہ حجل اور حجلان کے معنی پرند کی مانند کود کر چلنے اور چہچہانے کے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خالہ ماں کا حکم رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس سے حضانت یعنی حق پرورش کا خاص حکم ہے۔ بعض اس قصہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ حق حضانت میں خالہ عمہ پر مقدم ہے۔ اس لیے کہ صفیہ بنت عبدالمطلب اس زمانہ میں موجود تھیں۔ نیز یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ حضانت میں ماں کے اقارب باپ کے اقارب پر مقدم ہیں (کذافی المواہب) مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے کر دیا۔ (ربیب اسے کہتے ہیں کہ جو بیوی کے ساتھ بچہ اس کے پہلے شوہر سے آئے) صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''آپ نے اپنی زوجیت میں کیوں نہ لے لیا کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹی ہیں۔ فرمایا: ''میرے رضاعی بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے''۔

بظاہر اس قصہ میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قریش نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہا کو کیوں چھوڑ دیا حالانکہ صلح نامہ میں بندرج تھا کہ جو کوئی ہمارے پاس نکل کر آپ کی طرف جائے تو آپ کو اسے واپس کرنا ہوگا لہٰذا حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کس لیے کفار کی طرف واپس نہ کیا گیا؟ مواہب میں جواب دیتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اس کو طلب نہیں کیا تھا گویا شرط یہ تھی کہ اگر وہ مطالبہ کریں تو واپس کر دیں گے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچی تھیں اور ان کی جانب سے دارالاسلام میں داخل ہونے کیلئے نکلنا صادر نہیں ہوا۔ نیز جواب دیتے ہیں کہ یہ شرط مردوں کیلئے تھی عورتوں کے بارے میں نہ تھی۔ اگر عام تھی تو عورتوں کے بارے میں حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ ہوگیا۔ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ'' اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرنے والی آئیں تو تم ان کا امتحان کرو۔ اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے پھر اگر تمہیں ان کا مومن ہونا معلوم ہو جائے تو ان کو کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔

اس جگہ پر روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس سال میں عمرۃ القضاء کے بعد دو داستانیں بیان کی ہیں۔ اگرچہ ان کا ذکر بادشاہوں کے خطوط اور وفود کے بھیجنے کے باب میں چھٹے سال میں لکھنا زیادہ مناسب تھا لیکن چونکہ رعایت منظور و معتبر تھی اس لیے دونوں قصوں کو سال ہفتم میں انہوں نے لکھا ہے۔ پہلا قصہ جبلہ بن ایہم غسانی کے نام خط بھیجنے کا ہے۔ یہ شخص حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد غسان کا بادشاہ ہوا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ جبلہ بن ایہم کو پہنچا اور دعوت اسلام ملی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ تحائف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے اور دین اسلام پر برقرار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ حج کو آیا اور طواف میں مشغول تھا کہ اچانک ایک فرازی کا پاؤں اس کی ازار پر پڑ گیا جس سے اس کا تہ بند کھل گیا۔ اس پر جبلہ نے فرازی کے منہ پر طمانچہ مارا جس سے اس کی ناک پھٹ گئی۔ فرازی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور دعویٰ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو قصاص دینے کا حکم فرمایا یا کسی طرح اس فرازی کو اپنے حق سے دستبردار ہونے پر راضی کرنے کا حکم فرمایا۔ جبلہ نے کہا ''آپ مجھے اس کا قصاص ادا کرنے کا حکم فرماتے ہیں حالانکہ میں بادشاہوں اور یہ بازاری شخص

ہے''۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اسلام نے اس کے اور تمہارے درمیان برابری قائم فرمائی ہے اور تم کو اس پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقوے کے'' اس پر جبلہ نے کہا ''میں اس دین سے برگشتہ ہوتا ہوں اور دین نصرانی میں داخل ہوتا ہوں''۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر ایسا کرو گے تو تمہاری گردن ماردی جائے'' جبلہ نے کہا ''آج کی رات مجھے مہلت دیجئے تاکہ میں اپنے معاملہ میں سوچ لوں''۔جب رات آئی تو وہ بھاگ گیا اور روم چلا گیا اور نصرانی بن گیا۔وہ ارتداد پر ہی نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ ذَالِكَ مرا۔

بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پھر دوبارہ اسلام میں لوٹ آیا تھا اور اسلام پر ہی دنیا سے گزر گیا اور سابقہ حرکت پر وہ پشیمان ہو گیا تھا۔اس کے کئی شعر منقول ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کہتا ہے۔میں دین اسلام کے بعد نصرانی ہوا۔اس طمانچہ کے عار سے جس کا قصاص لیا جاتا ہے حالانکہ قصاص دینے میں کوئی ضرر و نقصان نہ تھا۔کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی۔کاش کہ میں ربیعہ اور مضر کے ہاتھ میں قید ہوتا' کاش کہ میں شام کا ادنیٰ آدمی ہوتا جو اندھا بہرا بن کر قوم کے ساتھ بیٹھتا' کاش کہ میں چراگاہوں میں اونٹ چراتا اور میں اس کا انکار نہ کرتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا''۔(واللہ اعلم)

دوسری داستان فردہ بن عمرو جذامی کے اسلام کی ہے جو شاہ روم کی جانب سے سرزمین بلقاء میں عمان پر حاکم تھا۔اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا اور ایک سفید اونٹ جسے فضہ کہتے تھے اور ایک گھوڑا' ایک گدھا' چند ریشمی کپڑے' قبائے سندس اور سونا بطور تحفہ بھیجا۔لکھا کہ میں مسلما ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔میں جانتا ہوں کہ آپ وہی رسول مکرم ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قاصد کا جس کا نام مسعود بن سعد تھا اعزاز فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ گھر لے جا کر مہمانداری کرو۔اس کے تحفوں کو قبول فرمایا' ریشمی کپڑوں کو ازواجِ مطہرات میں تقسیم فرمایا اور سفید اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔قبا مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن نوفل کو مرحمت فرمائی۔گھوڑا اور گدھا اسید ساعدی کے سپرد فرمایا تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔خط کا جواب اس مضمون کا لکھوایا۔''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کی جانب سے فردہ بن عمرو کے نام۔اَمَّا بَعْدُ تمہارا قاصد ہمارے پاس پہنچا اور تحفے تم نے بھیجے ہیں وصول ہوئے۔تم نے اپنے اسلام کو مجھ پر ظاہر کیا' اگر تم نے نیکی کی' خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی' نماز پڑھی' مال کی زکوٰۃ دی تو حق تعالیٰ تمہیں راہ راست پر رکھے گا''۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پانچ سو درہم مسعود بن سعد کو دیدو اور اسے لوٹا دو۔

منقول ہے کہ بادشاہ روم کو جب فردہ کے اسلام کی خبر پہنچی تو اسے اپنے سامنے طلب کیا۔اس نے کہا اپنے دین سے لوٹ جا تاکہ حکومت تیرے ہاتھ میں رہے اس نے کہا ''میں کیسے لوٹوں جبکہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔یہ تو بھی خوب جانتا ہے لیکن تو اپنی بادشاہت پر مغرور ہے'' اس پر بادشاہ روم نے عرصہ دراز تک اسے قید میں رکھا اس کے بعد اسے قید خانہ سے نکال کر سولی پر چڑھا دیا۔اگر یہ بادشاہ روم وہی ہرقل ہے تو اس پر افسوس ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اپنی نصرانیت پر قائم تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔اس کے بارے میں اختلاف اور ایمان کی گنجائش نہیں رہتی۔نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ الدُّنْيَا وَ شَرِّ الْفِتَنِ وَشَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔یہ وہ واقعات ہیں جو روضۃ الاحباب سال ہفتم میں بیان کیے گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقدی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ اور فردہ کی طرف مکتوب گرامی بھیجنے کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔چونکہ بعض اکابر اہل سیر نے ان دونوں داستانوں کو سال ہفتم کے دوران ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے بھی اس کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ سال ہشتم میں یا اس کے بعد یہ واقع ہوا ہوگا کیونکہ کہتے ہیں کہ اس کی حکومت حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد ہے۔اس نے سال ہشتم میں وفات پائی تھی۔(انتہی واللہ اعلم)

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات

آٹھویں سال کے شروع ماہ صفر میں بقول جمہور اہل سیر' خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی' عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بن وائل قرشی سہمی' اور عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ عبدری حجمی جس کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجی تھی مسلمان ہوئے۔ بعض اہل سیر کے نزدیک ان کا اسلام ساتویں سال کے آخر میں واقع ہوا اور بعض پانچویں سال بھی کہتے ہیں۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید جو کہ اپنی زندگی میں قریش کی طرف سے جنگیں کرتے رہے اور بیگانگی وعناد پر قائم رہے لیکن ان کے جوہر ذاتی ہیں چونکہ وہ چیز موجود تھی جس سے ان کے ایمان واسلام کی توقع تھی۔ ان کے بشری حجابات اور نفسانی مکائد کا اٹھنا ایک وقت پر موقوف تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب ارادہ ازل اس سے وابستہ ہوا کہ میں مسلمان ہو جاؤں تو اسلام کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ قریش میں کوئی قوت وشوکت باقی نہیں رہی ہے اور میں نجاشی کے پاس بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہو چکا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ ہرقل روم کے پاس جا کر نصرانی ہو جاؤں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اپنے شہروں ہی میں رہوں گا اور انتظار کروں کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی دوران جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا کی ادائیگی کیلئے تشریف لائے تو میں باہر گیا ہوا تھا اور میرے بھائی ولید رضی اللہ عنہ بن ولید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ آئے۔ انہوں نے مجھے بہت تلاش کیا مگر میں مل نہ سکا۔ تو انہوں نے ایک خط اس مضمون کا میرے پاس بھجوایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں ہیں جس پر اسلام کی حقیقت ابھی تک پوشیدہ ہو۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور اپنی شجاعت کو دین اسلام کی تقویت میں صرف اسلام کی تقویت میں صرف کریں تو یقیناً ان کیلئے بہتر ہوگا اور ہم ان کو دوسروں پر فوقیت دیں گے۔ تو اے بھائی آؤ اور اس دولت سے بہرہ یاب ہو بہت بھلائی تم سے فوت ہو چکی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اسلام کی رغبت ومحبت مجھ پر غالب آ گئی۔ اس کے بعد میں نے مدینہ طیبہ میں حاضری دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ پھر میں صفوان بن امیہ کے پاس گیا اور اس سے کہا ''اے ابووہب! تم نہیں دیکھتے کہ ہم ایک لقمہ سے زیادہ نہیں رہ گئے ہیں اور دولت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دبدبہ عالم پر چھا چکا ہے۔ ہماری دنیا وآخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم ان کی خدمت میں جلد سے جلد حاضر ہو کر ان کی بزرگی سے مشرف ہوں۔ صفوان نے میرے سینہ پہ ہاتھ مار کر شدت سے انکار کیا اور کہا کہ اگر قریش میں سے میرے سوا کوئی باقی نہ رہے تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت نہ کروں گا۔ اس کے بعد میں عکرمہ بن ابوجہل سے ملا اور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دی۔ انہوں نے بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا یہی وقت وہاں حاضر ہونے کا ہے کیونکہ اگر فتح مکہ مکرمہ وجود میں آ گئی تو سب لاچار ومجبور ہو جائیں گے اور بھاگنے کی راہ نہ پائیں گے۔ لامحالہ وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب میں ان کی موافقت سے ناامید ہو گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی طلحہ کو دیکھا کیونکہ وہ میرے دوست تھے۔ انہوں نے میری موافقت کی اور ان کی ہمراہ ہم مدینہ طیبہ کی طرف چل دیئے۔ جب میں موضع ''بدہ'' میں پہنچا تو میں نے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو دیکھا کہ وہ حبشہ سے آ کر مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم سب مل کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہمارے آنے کی خبر ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اب تو اپنے جگر گوشوں کو اللہ نے تمہاری طرف بھیج دیا ہے۔ یہ اس جماعت کے آنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ اکابر وصنادید قریش میں سے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور سیّد

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف باریابی کے قصد سے چلا۔ راستہ میں میرا بھائی ولید رضی اللہ عنہ مجھے ملا۔ انہوں نے کہا جلدی چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے آنے کی خبر پہنچ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شادماں تمہارے حاضر ہونے کے انتظار میں تشریف فرما ہیں۔ جب میں مجلس ہمایوں میں حاضر ہوا اور دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا تو تبسم فرمایا میں نے عرض کیا ''السلام علیك یا رسول اللہ'' خندہ پیشانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' فرمایا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَاكَ لِلْاِسْلَامِ'' اس خدا کی حمد جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور فرمایا ''اے خالد رضی اللہ عنہ میں جانتا ہوں کہ تم عقل رکھتے ہو اور میں امید رکھتا تھا کہ تمہیں نیکی کی ہدایت ملے گی۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ میں نے نیکی کی راہوں میں حق کے ساتھ کیسی کچھ دشمنیاں کی ہیں۔ اب دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ انہیں معاف فرمادے اور میرے ان گناہوں کو بخش دے''۔ فرمایا اسلام سب کو مٹا دیتا ہے اور تمام گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ دین خدا کی تائید وتقویت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی اور بعد وفات بھی مساعی جمیلہ انجام دیتے رہے۔ مسیلمہ کذاب اور دیگر مرتدوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی رؤسا قریش اوران کے اکابر میں سے تھے۔ ان کی والدہ لبابہ رضی اللہ عنہا بنت حارث جو کہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث زوجہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں۔ انہوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دورخلافت میں ۲۱ھ یا ۲۲ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کا واقعہ انہیں سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں جنگ احزاب سے لوٹا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا خیال ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ترقی میں ہیں اور روز بروز بلند ہوتے جارہے ہیں۔ میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ میں نجاشی کے پاس جاؤں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم نجاشی کے ملک میں رہ جائیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آئی تو ہم اپنے وطن مالوف لوٹ آئیں گے۔ میرے تمام ساتھیوں نے میری رائے سے اتفاق کیا اوران میں سے کچھ میرے رفیق سفر بھی بن گئے۔ اس کے بعد ہم نے سفر کی تیاری شروع کردی' نجاشی کے لیے کچھ تحفے لے کر حبشہ پہنچ گئے اور وہاں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر نجاشی کے پاس آئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نجاشی کے پاس گیا اور اس سے میں نے عمر رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری کو مانگا تاکہ انہیں میں قتل کر کے قریش کے سامنے سرخرو بنوں۔ نجاشی نے یہ بات سن کر اپنے گالوں کو توبہ کرنے کے انداز میں تھپتھپایا اور کہا کہ میں کیوں کر ایسی ہستی مقدس کے قاصد کو تمہارے حوالہ کرسکتا ہوں جس پر ناموس اکبر (جبریل علیہ السلام) اترتا ہے اور وہ خدا کا رسول برحق ہے۔ اے عمرو رضی اللہ عنہ! میری بات غور سے سن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر۔ جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب ہوئے تھے۔ اس پر میں نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اس کے پاس سے آنے کے بعد میں نے اپنے اسلام کو اپنے رفیقوں سے پوشیدہ رکھا۔ میں مدینہ طیبہ کے ارادہ سے چل دیا۔ راستہ میں مجھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید ملے میں نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے فرمایا ''خدا کی قسم! صراط مستقیم ظاہر ہو چکی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں۔ میں جارہا ہوں تاکہ مسلمان ہو جاؤں''۔ میں نے کہا میں بھی اسی قصد سے جارہا ہوں۔ اس کے بعد ہم مدینہ طیبہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کلمہ توحید عرض کیا۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا۔

عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا دست اقدس بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا

دست مبارک بڑھایا لیکن میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا''۔ فرمایا اے عمرو رضی اللہ عنہ! کیا بات ہے' ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟ میں نے عرض کیا'' میں چاہتا ہوں کہ ایک شرط کرلوں''۔ فرمایا'' کیا شرط کرتے ہو؟'' عرض کیا'' شرط یہ ہے کہ میرے گناہ بخشے جائیں'' فرمایا'' اے عمرو رضی اللہ عنہ! تمہیں معلوم نہیں کہ ایمان پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور دار کفر سے ہجرت کر کے دار السلام آنا اور حج کرنا ہر ایک عمل پچھلے کیے ہوئے تمام گناہوں کو ناپید اور محو کر دیتا ہے۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ کے اسلام لانے کے بارے میں کچھ مروی نہیں ہے۔ اتنا مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خانہ کعبہ کی چابی لے لی تھی۔ پھر جب حق تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا (بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو) نازل ہوا تو وہ چابی انہیں واپس فرمادی اور فرمایا'' اے ابن طلحہ رضی اللہ عنہ! لو اس کو اب تم سے کوئی نہ لے سکے گا' بجز ظلم وستم کے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک مدینہ میں رہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ۴۲ھ میں وفات پائی۔

سریہ غالب لیثی بسوئے کدید: اسی سال غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ لیثی کو قبیلہ بنی الملوح پر (بضم میم وفتح لام وکسر واؤ مشددہ) بھیجا تاکہ موضع کدید (بروزن جدید) جائیں۔ جب رات ہوئی تو ان پر شب خون مارا اور ان کے اونٹوں کو گھیر کے لے چلے۔ اچانک ان کے عقب میں ایک جماعت نمودار ہوئی۔ جب خبر ہوئی تو دیکھا کہ وہ قریب آ چکے ہیں یہاں تک کہ صرف ایک نالہ درمیان میں باقی تھا اور وہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے پانی کی ایک رو بھیجی جس سے وہ نالہ بھر گیا اور کسی ایک میں بھی اس کے عبور کرنے کی ہمت نہ رہی۔ حالانکہ اس سے پہلے کوئی ابر وباراں نہ ہوا تھا۔ وہ سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریہ فدک: اسی سال انہی غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ لیثی کو فدک بھیجا گیا تاکہ وہاں کے کفار کی سرکوبی کریں۔ مروی ہے کہ اس سریہ (لشکر) میں ایک شخص تھے جن کا نام اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید تھا۔ انہوں نے ایک کافر کے تعاقب میں جس کا نام نہیک بن مرواس تھا گھوڑا دوڑایا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچے اور مارنے کیلئے تلوار اٹھائی تو وہ کہنے لگا۔'' اَشۡہَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ایمان لانے کو یاس ونا امیدی پر محمول کر کے معتبر نہ جانا اور تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حقیقت حال بیان کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر بہت عتاب فرمایا اور فرمایا: ہَلَّا شَقَقۡتَ قَلۡبَہٗ کیا تم نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا تھا۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوۡا (اے ایمان والو! جب تم زمین میں کسی قتل کرو تو خوب دیکھ بھال لو) اسی قضیہ میں نازل ہوئی اور بیضاوی میں مقداد رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت مقداد ایک شخص کے پاس پہنچے جو بکریاں چرا رہا تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اسے قتل کر دیں۔ اس پر اس نے کہا'' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اس کے باوجود حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور فرمایا کہ وہ اپنے مال اور اہل کو بچانا چاہتا تھا۔ غالب بن عبداللہ لیثی کے اس سریہ کو بعض اہل سیر نے ساتویں سال میں منفعہ (بفتح میم) پر جو کہ بطن نحلہ کے قریب ہے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ گزرا اور اسی سال بہت سے سرایا لشکر روانہ کیے گئے جس کا سلسلہ سریہ موتہ تک رہا۔

سریہ موتہ: موتہ (بضم میم وسکون واو) یہ ایک موضع کا نام ہے جو بلقاء کے قریب بیت المقدس سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا ذکر ہرقل کے نام مکتوب گرامی بھیجنے کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ جملہ سرایا میں یہ سریہ بہت مشہور ہے کیونکہ اس میں صعوبت' شدت اور سخت جنگ وقتال واقع ہوا تھا۔ اس کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بصرے کے بادشاہ کے نام ایک مکتوب

گرامی لکھا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر ازدی کو دیا کہ وہ اس کے پاس لے جائیں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب روانہ ہوئے۔ جب موضع موتہ میں پہنچے تو شرجیل بن عمر غسانی جو قیصر کے امراء میں سے تھا ان کے مقابل میں آیا۔ اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے فرمایا شام جا رہا ہوں۔ شرجیل نے کہا گویا تم محمدی قاصد ہو؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں! میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں''۔ اس پر شرجیل نے حضرت حارث کو شہید کر دیا۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قاصد کو کسی نے قتل نہیں کیا تھا اور اس کے سوا کسی بادشاہ کے نزدیک قاصدوں کو قتل کرنے کی عادت نہ تھی۔ تمام بادشاہوں کے نزدیک قاصدوں کی امان امر مسلم تھی۔ ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کا ایلچی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا باوجود اس کے کہ اس نے بڑی گستاخیاں کی اور کلمات کفر بکے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل نہ کیا۔ فرمایا: ''اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا''۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب سمع مبارک میں پہنچی تو بہت شاق گزرا۔ صحابہ سے فرمایا ''دشمنوں کی سرکوبی کیلئے چلو'' چنانچہ موضع ''جرف'' میں تقریباً تین ہزار صحابہ مجتمع ہو گئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا ''میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر بنیں گے۔ اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ امیر مقرر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں امیر بنالیں۔ یہ فرمان اور یہ ترتیب امارت' یا تو وحی والہام الٰہی سے واقع ہوئی یا حق تعالیٰ نے زبان حق ترجمان پر ایسا ہی جاری فرمایا تھا اور ایسا ہی واقع ہوا جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا۔ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ۔ ''مجھے خوف ہے کہیں یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا نہ کھا لے'' (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں موجود تھا۔ اس نے کہا ''اے ابوالقاسم رضی اللہ عنہ! اگر آپ دعوئے نبوت میں صادق ہیں تو جن امیروں کے نام آپ نے لیے ہیں وہ سب ضرور قتل ہو جائیں گے اس لیے کہ انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام جب کسی لشکر دشمن پر روانہ کرتے تو اگر سو شخصوں کو اس طریقہ پر امارت متعین کرتے تو وہ سب کے سب قتل ہو جاتے تھے''۔ اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا۔ ''اے زید رضی اللہ عنہ! میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو تم اس سفر سے نہ لوٹو گے''۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں تجھے بتاتا ہوں کہ وہ راست گفتار نبی برحق ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہدایت فرمانے اور لشکر کا نظم قائم رکھنے کیلئے تھا اور لفظ ''اگر'' جو کلمہ شکیہ ہے سے ظاہر فرمانا تو وہ بر بنائے احتیاط اور عدم اظہار جزم کیلئے تھا۔ اور یہودی کی بات بکواس تھی اور یہ دلی خباثت اور باطنی عداوت کی بنا پر تھی جو یہودیوں میں عام تھی۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف ودہشت اور احتمال واشتباہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ توقع نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے میں فوقیت دیں گے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے جعفر رضی اللہ عنہ! تم جاؤ اور رسول خدا کے حکم کی اطاعت کرو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے''۔ یہ واقعہ اس حالت کے مشابہ ہے جو دوسرے سال میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جہاں ان کے والد ماجد شہید ہوئے تھے امیر مقرر کر کے بھیجا تھا تا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد زید رضی اللہ عنہ کا کفار سے بدلہ وانتقام لے سکیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ فرمایا تھا۔ لوگوں نے اس پر

چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ اکابر مہاجرین وانصار کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے تابع بنایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات دائمی ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ امارت کے مستحق ہیں اور ان کے والد بھی اس کے سزاوار تھے۔ بالآخر وہ مہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سر ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دن قریب آ گئے۔ جیسا کہ انشاءاللہ آگے آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عنایت ومحبت کا اثر تھا جو ان کے والد کو حاصل تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹا بنایا تھا۔ یہاں تک کہ نازل ہوا کہ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ لے پالک بیٹوں کو یعنی متبنیٰ کو ان کے والد کے ناموں سے پکارو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد فرمایا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو متعدد سریوں (لشکروں) پر امیر مقرر فرمایا۔ وہ سابقین اولین مہاجرین میں سے تھے اور ان حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اگر کوئی پوچھتا تو صحابہ ''حب رسول اللہ'' کہہ کر موسوم کرتے تھے۔ ''حب'' کے معنی محبوب کے ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گود یا اپنے دوش مبارک پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابن علی المرتضیٰ کو بٹھا کر فرمایا کرتے۔ ''اے خدا! میں ان دونوں سے محبت وشفقت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں کو محبوب فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے مَنْ اَحَبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلْيُحِبَّ اُسَامَةَ۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کو اپنے فرزند حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے زیادہ مقرر فرمایا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا ''آپ نے ان کا وظیفہ مجھ سے زیادہ کیوں مقرر فرمایا اور مجھ پر ان کو کیوں فضیلت دی حالانکہ کسی مشہد میں انہوں نے مجھ سے زیادہ سبقت نہیں کی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے''۔ گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں نے اپنے محبوب پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو ترجیح دی ہے۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عنایت حضرت زید رضی اللہ عنہ واسامہ رضی اللہ عنہ پر اس مرتبہ میں تھی کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کو ان کے تابع بنا کر ان کے ہمراہ بھیجتے تھے۔ ان حضرات کو یہ حق پہنچتا ہے کسی کو خاک اُٹھا کر بلندی پر پہنچائیں جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام برگزیدگی میں ہے کہ ان کو مسجود ملائک بنایا۔ اب اگر یہ تقرری وحی کے ذریعہ ہے تب بھی مجال سخن نہیں اور اگر اجتہاد سے ہے تب بھی حق وصواب ہوگا۔ یقیناً اس میں کوئی پسندیدہ غرض ومصلحت ہوگی۔ اسی بنا پر ہادی و مرشد' طالبان اخلاق کی تہذیب اور انہضام نفس کے لیے مریدوں کی خواہشات نفسانی کو توڑتے ہیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطاعت کرو تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥ (پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ اور حکم فرمایا۔ تمہارے دلوں میں کوئی تنگی واقع نہ ہو اور مکمل طور پر اسے تسلیم کرلو) تا کہ کوئی جہالت وکوتاہ نظری کے اقتضاء میں یہ گمان نہ کرے کہ یہ باب' طبیعت بشریہ کی مانند ہے۔ البتہ اس کے ذاتی جوہر میں نفس وطبیعت کا کچھ حصہ باقی ہے لیکن اس قدر نہیں جتنا کہ دیگر افراد بشر میں ہوتا ہے کہ وہ برخلاف حق چل پڑتے ہیں۔

القصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید علم تیار کر کے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مرحمت فرمایا اور ''ثنیۃ الوداع'' تک ان کے ساتھ مشایعت فرمائی اور انہیں نصیحت کی کہ جب میدان جنگ میں اترو تو حارث بن عمر کو اور ان تمام لوگوں کو جو وہاں موجود ہوں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر قبول کرلیں تو فبہا ورنہ حق تعالیٰ سے نصرت واعانت مانگنا۔ رخصت فرمایا اور جب یہ لوگ چل دیئے تو مسلمانوں کیلئے دعا

فرمائی۔ مناجات کی کہ حق تعالیٰ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور سالم و غانم تمہیں لوٹائے۔ اس پر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا لیکن میں خدائے رحیم و کریم سے مغفرت و شہادت کی خواہش رکھتا ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی حمایت و رعایت کے زیر سایہ رہتا تھا اور میں نے یتیموں کی پرورش میں ان جیسا کسی کو نہ دیکھا۔ جب وہ موتہ کی جانب روانہ ہوئے تو میں بھی ردیف بن کران کی سواری پر قطع مسافت کر رہا تھا۔ اس سفر کی راتوں میں سے ایک رات انہوں نے کچھ اشعار کہے جن سے شہادت کی بو آ رہی تھی۔ اسے سن کر میں رونے لگا۔ اس پر انہوں نے مجھے تسلی و تسکین دیتے ہوئے فرمایا۔ ''اے فرزند! تمہارا کیا نقصان ہوگا اگر حق تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے تاکہ میں مشارق و مغارب اور دنیاوی کدورات و حوادث سے نجات پا کر قرب حق تعالیٰ کے سایہ میں اور عالم قدس کی فضا کی میں راحت و چین حاصل کرلوں۔ اس کے بعد وہ اپنی سواری سے اترے اور نماز میں مشغول ہوگئے اور دعا و مناجات کرنے لگے۔ جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا۔ ''اے فرزند! غالباً حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور وہ مجھے نعمت خوشگوار شہادت سے بہرہ مند فرمائے گا''۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ لشکر اسلام کے ساتھ موتہ کی جانب روانہ ہوئے، دشمنوں کو پتہ چلا تو شرجیل نے بہت بڑا لشکر جمع کیا اور ہر اول دستوں کو آگے روانہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مقام ''معان'' میں پڑاؤ کیا۔ معان ارض شام کی ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں مسلمانوں نے دشمنوں کی کثرت اور ان کے لشکر عظیم کی خبر سنی۔ شرجیل نے اپنے بھائی شدوس کو پچاس آدمیوں کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ لشکر اسلام کی خبر لائے اور مسلمانوں کی تحقیق کرے۔ مسلمانوں نے اس جماعت کو گھیر لیا اور جنگ کر کے شدوس کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ شرجیل اس خبر کو سنتے ہی ہراساں ہوگیا اور قلعہ میں داخل ہو کر دوسرے بھائی کو ہرقل کے پاس بھیجا اور مدد مانگی۔ ہرقل نے بہت بڑی تعداد شرجیل کی مدد کے لیے نامزد کی اور قبائل عرب کے مشرکین بھی بہت بڑی تعداد میں اس میں شامل ہوگئے۔ چنانچہ دشمنوں کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہوگئی۔ جب مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے اس کی منزل میں اقامت کر لی اور مجلس مشاورت قائم کی۔ لوگوں نے کہا ہم بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر صورت حادثہ کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو ہمیں واپس بلائیں یا ہماری مدد کے لیے لشکر ارسال فرمائیں۔ اس پر ان کے دلیروں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اس چیز کو ناپسند کرتے ہو جس کے اجر و ثواب کے حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے ہو یعنی درجۂ شہادت سے گھبراتے ہو کیونکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ مرتبۂ شہادت کے حد درجہ متمنی اور خواہش مند تھے فرمانے لگے ہم نے کثرت تعداد کی بنا پر دشمنوں پر فتح مندی حاصل نہیں کی ہے بلکہ یہ اس دین کی قوت ہے جس نے ہم کو بدر کے دن غالب رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہماری تعداد کتنی تھی اور حق تبارک و تعالیٰ کی قدرت نے ہماری کیسی مدد فرمائی۔ اب بھی ہم دو خوبیوں سے خالی نہیں ہیں یا تو فتح مند ہوں گے یا شہادت پائیں گے۔ اگر ہم غالب آ گئے تو فہو المراد۔ ورنہ شہادت کی سعادت حاصل کر کے جنت میں اپنے ان ساتھیوں سے مل جائیں گے جو شہادت کا مرتبہ پا چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمت و قوت دلانے سے مسلمانوں کے دل قوی و مضبوط ہوگئے اور وہ دشمنوں کی جانب روانہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ مقام موتہ پہنچ گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ موتہ میں حاضر تھا جب مشرکوں کا لشکر نمودار ہوا تو اتنے ہتھیار، گھوڑے، دیباج اور حریر میں نے دیکھے کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ثابت بن قرم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''اے ابو حریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم غزوہ بدر میں موجود نہ تھے اگر موجود ہوتے تو تم دیکھتے کہ حق تعالیٰ نے قلت تعداد کے ساتھ کس طرح مدد فرمائی۔ غرضیکہ جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے اور صفیں سیدھی ہوگئیں تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ علم لہراتے میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور خوب جنگ کی۔ یہاں تک کہ تیروں نے مجروح کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور پیادہ ہو گئے گھوڑے کو لوٹا دیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا تو علم کو اپنے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور جنگ کرتے رہے پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تو علم دونوں بازوؤں میں داب لیا اس کے بعد کسی اعداء دین نے ایک تلوار ان کی کمر پہ ماری اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہے (رضی تعالیٰ اللہ عنہ) اللہ اللہ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس جنگ میں موجود تھا' مقتولوں اور شہیدوں کے درمیان جب میں نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کیا تو ان کے جسم اقدس پر میں نے پچاس زخم شمار کیے اور ان میں سے کوئی ایک زخم بھی ان کی پشت کی جانب نہ تھا۔ مواہب لدنیہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے جسم اطہر کے آدھے حصہ میں کچھ اوپر اسی زخم پائے گئے' ان میں سے سامنے کی جانب دو ضربہ تلوار اور برچھیوں کی انی کے ستر زخم تھے۔ بخاری میں مروی ہے کہ میں نے ان کے جسم پر کچھ اوپر نوے گھاؤ نیزوں کے پائے۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم تھام لیا اور رجز پڑھتے ہوئے جنگ میں مشغول ہو گئے جس کا مضمون یہ تھا کہ ''اے نفس! تو کیوں شہادت میں ذوق و شوق نہیں رکھتا اور کیوں جنت کو ناگوار سمجھتا ہے''۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ ان کے چچا کے لڑکے نے تھوڑا سا گوشت دیا۔ جب انہوں نے اسے دانتوں سے چبایا اسی لمحہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی انہوں نے اسی دم تھوک دیا اور فرمایا ''اے نفس! جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو دنیا سے چلے گئے اور تو ابھی دنیا میں مشغول ہے'' اور اس وقت فرمایا اگر تیرا دل عورتوں سے وابستہ ہے تو میں اپنی بیویوں کو طلاق دیتا ہوں اور اگر غلاموں سے لگا ہوا ہے تو ان سب کو آزاد کرتا ہوں اور جس قدر باغ و بستان کا میں مالک ہوں ان سب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرتا ہوں۔ اب تو تیرے پاس کچھ نہیں ہے تو شہادت کی طرف تیرا دل کیوں مائل نہیں ہوتا اور اس سے کیوں بھاگتا ہے خدا کے نام پر آ۔ اس کے بعد وہ معرکہ کارزار میں داخل ہوئے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ چونکہ حکم یہ تھا کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رواحہ شہید ہو جائیں تو مسلمان کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جائیں۔ اس وقت حضرت ثابت بن احرام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبقت دکھائی اور علم تھام لیا اور کہنے لگے ''اے مسلمانو! کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جاؤ سب نے کہا تم ہی اس کام کو سنبھالو''۔ انہوں نے کہا ''میں اس منصب کو نہیں سنبھال سکتا''۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کیا اور ان کو اختیار دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''اے ثابت رضی اللہ عنہ تم مجھ سے زیادہ اس کام کے مستحق ہو۔ کیوں کہ تم بدر میں موجود تھے اور میں نے اس علم کو تمہارے لیے تھاما تھا''۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم لے لیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نوبت آئی تو مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور مشرکین ان پر پل پڑے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں سے جن کو شہید ہونا تھا شہید ہوئے' ہر چند حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کو روکتے رہے مگر بے سود رہا۔ اس وقت حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے باالفاظ بلند کہا ''اے مسلمانو! جنگ کرتے ہوئے مرجانا فرار ہو کر مرنے سے بہتر ہے''۔ اس بات سے مسلمانوں کو تنبیہ ہوئی اور وہ رک گئے اور پلٹ کر حملہ آور ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہزیمت نہ ہوئی تھی بلکہ وہ بکھر گئے تھے اور علیحدہ علیحدہ ہو گئے تھے۔ بہر حال حضرت خالد ولید رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور پوری شدت کے ساتھ قتال عظیم کیا۔ صاحب مواہب حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حملہ کیا اور مشرکوں کی بہت بڑی جماعت کو تہ تیغ کیا اور غنیمت پائی۔ منقول ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں

ٹوٹیں اور میرے ہاتھ میں بجز صفحہ ایمانی کے جو میرے پاس تھا کچھ نہ رہا۔ غرضیکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی ان گزشتہ غلطیوں کی تلافی فرمائی جو مشرکوں کی طرف سے ہو کر روز احد وغیرہ میں لشکر اسلام کو پہنچائی تھی۔ ممکن ہے کہ جنگ موتہ میں ان کی تلواروں کا ٹوٹنا ان کے مطابق ہو جو مشرکوں کی ہمراہی میں میدان جنگ میں ٹوٹیں تھی۔ آخر الامر یہ فضیلت ظاہر ہو کر رہی کہ ''خالد سیف من سیوف اللہ'' خالد خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ یہ بات اس مقولہ کے مطابق تھی کہ ''ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے''۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف من سیوف اللہ'' کا جو لقب حاصل ہوا تھا وہ اسی روز کے لیے تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روز بڑی شدت کی جنگ لڑی۔ جب رات ہو گئی تو دونوں فریقوں نے ہاتھ کھینچ لیے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اٹھایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے صفوں کی ترتیب کو اور طرح سے درست کیا۔ مقدمہ کو ساقہ بنایا۔ ساقہ' میمنہ میسرہ کیا اور میسرہ کو میمنہ۔ مخالفوں نے جب یہ حال دیکھا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ مسلمانوں کی امداد کے لیے کوئی اور لشکر پہنچ گیا ہے اس بات سے ان کے دل میں رعب وخوف پیدا ہو گیا اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعاقب کیا اور دلیری ومردانگی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس جگہ ایک قلعہ تھا جس وقت لشکر اسلام موتہ کی طرف آ رہا تھا تو انہوں نے ایک مسلمان کو اس جگہ شہید کر دیا تھا اس قلعہ کو فتح کرنے کے بعد ان اشرار کی ایک جماعت اس قلعہ میں چھپی ہوئی تھی ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس قضیہ میں بڑی ہی کوشش وسعی وجود میں آئی وَكَانَ سَعْيُهُ مَشْكُوْرًا۔

احادیث کریمہ میں آیا ہے کہ جب سپاہ اسلام' لشکر کفار کے ساتھ مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں تشریف فرما تھے' آپ کی نظر مبارک سے حجابات اٹھ گئے تھے اور اہل موتہ کے تمام حالات بچشم خود اس طرح ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جس طرح میدان کارزار میں خود تشریف فرما ہو کر معائنہ فرما رہے ہوں' اپنے صحابہ سے فرماتے جاتے کہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا اور وہ شہید ہو گئے اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم تھا وہ بھی شہید ہو گئے۔ آپ یہ فرماتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد رضی اللہ عنہ نے علم لے لیا ہے اور ان کے ہی ہاتھ پر فتح حاصل ہو گی۔ اسی دن حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ ہو گیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فرماتے ہیں کہ شیطان نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں زندگانی کو آراستہ کر کے دکھایا اور چاہا زندگانی کی محبت ان کے دل میں ڈالے۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیطان سے کہا یہ وقت ایسا ہے اس وقت مومن کامل کے دل میں ایمان' راسخ اور ثابت رہنا چاہیے۔ تو اس لیے آیا دنیاوی زندگانی کی میرے دل میں محبت ڈالے۔ انہوں نے قدم آگے بڑھایا اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ ان کے لیے استغفار کرو۔ بلاشبہ وہ جنت میں داخل ہو گئے اور اس کے باغوں میں گشت فرما رہے ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا شیطان ان کے پاس بھی آیا اور وسوسے ڈالنے لگا۔ وہ بھی ٹھکرا کر معرکے میں داخل ہوئے اور شہید ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی دعائے خیر فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم بھی دعا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان موت کے وقت وسوسہ ڈالتا ہے اور زندگانی کی محبت کو آراستہ کر کے میت کو دکھاتا ہے۔ لہٰذا حدیث میں تعلیم وتلقین کے لیے یہ دعا آتی ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِكَ مُدْبِرًا اَنْ یَتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ. اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمایا کہ وہ بھی جنت میں داخل ہو گئے اور حق

تعالیٰ نے دو بازو یاقوت کے۔ایک روایت میں ہے موتیوں کے ان دونوں ہاتھوں کے بدلے جو راہ خدا میں کٹ کر گرے تھے انہیں عطائے جس سے وہ آڑتے ہیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا دیکھ رہا ہوں۔نیز وہی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے جعفر بن ابی طالب رضی تعالیٰ عنہ ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کے ساتھ گزرے۔اس حال میں کہ ان کے دونوں بازو خون سے رنگے ہوئے تھے۔نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں جنت میں داخل ہوا تو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات میں جنت میں آئے۔میں نے دیکھا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ حضرت جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام کے ساتھ اڑ رہے تھے۔مواہب میں سہل سے منقول ہے کہ یہ جو بازو اور پروں کے بارے میں مروی ہے اس سے پرندوں کے بازو اور ان کے پروں کی مانند ہونا مراد نہیں ہے۔اس لیے کہ آدمی کی صورت و ہیئت' اکمل واشرف صورت ہے' لہٰذا پرندوں کی صورت میں ان کا تبدیل ہونا مناسب نہ ہوگا۔اس بنا پر بازوؤں اور پروں سے مراد وہ ملکی صفت اور قوت روحانیہ ہے۔جو انہیں عطا فرمائی گئی ہے اور قرآن کریم میں عضو کی جناح سے اس ارشاد میں تاویل وتعبیر کی گئی ہے کہ فرمایا وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ. اور اپنے ہاتھ اپنے بازو سے ملاؤ''۔اور علماء کرام فرشتوں کے بازوؤں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ صفات ملکیہ ہیں جو بغیر مشاہدہ ومعائنہ کے معلوم نہیں ہو سکتے لہٰذا یہ متحقق وثابت شدہ نہیں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو بازو ہیں اور دو سے زیادہ بازو سے اڑنا معہود نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے زیادہ ہوں۔چونکہ اس بارے میں کوئی اثر وخبر وارد نہیں ہے لہٰذا اس پر بغیر اس کی حقیقت پر بحث وگفتگو کے ایمان لانا چاہیے۔(انتہی) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مقام احتمال ومحال میں یہ یقینی ہے۔کچھ علماء سے منقول ہے اور جو کچھ وہ دعویٰ کرتے ہیں اس کی دلالت میں کوئی صرحت اور نص نہیں ہے اور کوئی محال و مانع نہیں ہے کہ ظاہر پر محمول کریں۔مگر اس بنا پر کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ معہود وعادت ایسی نہیں ہے تو یہ قیاس' غائب کا شاہد پر ہے اور ضعیف استدلال ہے اور صورت بشریہ کا اکمل و اشرف ہونا۔خبر کو ظاہر پر محمول کرنے سے مانع نہیں ہے اس لیے صورت باقی ہے۔واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

نیز صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قبر پر تحیۃ کرتے تو فرماتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ذَاالْجَنَاحَيْنِ. اے دو بازوؤں والے تم پر سلام ہو۔صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اہل موتہ کی شہادت کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اتنے غمزدہ ہو کے بیٹھے کہ آپ کے روئے انور سے حزن و ملال پہچانا جاتا تھا۔میں دروازہ کے جھریوں سے دیکھ رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عورتیں ان پر رو رہی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: ''جا کر ان سے منع کر دو۔وہ شخص اسی وقت گیا اور لوٹ آیا اور کہا کہ میں نے انہیں منع کیا وہ باز نہیں آئیں۔پھر فرمایا جاؤ انہیں منع کر دو وہ شخص گیا اور واپس آیا کہا کہ خدا کی قسم غالب آ گئیں وہ باز نہیں آئیں اس پر آپ نے فرمایا ''خاک ان کے منہ میں ڈالو۔یہ انکار وممانعت میں مبالغہ ہے کہ وہ باوجود منع کرنے کے باز نہیں آتیں۔ظاہر یہ ہے کہ ان عورتوں کا رونا نوحہ کے ساتھ تھا ورنہ بغیر نوحہ کے رونا ممنوع نہیں ہے ورنہ اس میں اتنا مبالغہ کیوں فرماتے۔بعض کہتے ہیں کہ رونا بغیر نوحہ کے تھا اور منع فرمانا تنزیہہ کیلئے ہے۔اس لیے کہ منع کرنے کے بعد صحابیات کی سرکشی کرنا تحریری ممانعت میں بعید ہے اور اسی بنا پر عورتوں نے اس شخص کے منع کرنے کو نہ مانا اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ شخص از خود گمان کرنے والا ہے اور اپنی طرف سے منع کر رہا ہے۔نہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہے یا اس کی وجہ یہ ہو کہ درد مصیبت اور اس کی حرارت سے عورتیں مغلوب ہوں گی۔جیسا کہ مجمع البحار میں قرطبی سے منقول ہے اور غزوۂ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی شہادت پر

رونے کے بارے میں بھی اس کے متعلق کچھ کلام گزر چکا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو تین دن تک تعزیت کے لیے آزاد رکھا۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا آج کے دن کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا اور پھر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچوں کی دلجوئی اور دلداری فرمائی۔فرمایا: کہ محمد بن جعفر' میرے چچا ابی طالب کے ہم شبیہ ہیں اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخلاق میں ان کے اخلاق کی مانند ہیں اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

تین دن سے زیادہ سوگ کی ممانعت: مسائل فقہیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ تین دن سے زیادہ سوگ اور تعزیت نہ کرنی چاہیے۔حدیث میں آیا ہے کہ اس عورت پر خدا کی لعنت ہو جو اپنے شوہر کے سوا کسی دوسرے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عمیس سے منقول ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں کہ جب ان کی شہادت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے فرمایا ''ان کے بچے کہاں ہیں'' میں ان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونگھا اور بوسہ دیا اور گود میں لے لیا۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! نے جعفر کے بارے میں کچھ سنا ہے؟'' فرمایا ''ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں اٹھی اور بے خودی میں فریاد کرنے لگی عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' 'اے اسماء رضی اللہ عنہا فریاد نہ کرو اور ناشائستہ کلمات نہ بولو اور سینہ پر ہاتھ نہ مارو۔یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور باچشم پرنم سیّدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے۔تو ملاحظہ فرمایا کہ یا وہ عماہ یا عماہ (اے چچا اے چچا) کہہ کر رو رہی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مانند ہیں ''فَلْتَبْكِ الْبَاكِيَةُ'' رونے والی کو رونا چاہیے۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے کھانا بھیجو اس لیے کہ انہیں مصیبت نے گھیر رکھا ہے جس کی وجہ سے کھانے پینے کی مہلت نہیں رکھتے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اہل غزوۂ موتہ جب مدینہ طیبہ واپس آئے تو لوگوں نے طعن و تشنیع شروع کر دی کہ تم بھاگ کر آئے ہو۔ یہاں تک کہ کبرائے اہل موتہ گھروں میں بیٹھ گئے اور لوگوں کی طعن و تشنیع کی بنا پر وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاشا یہ حضرات بھاگنے والوں میں سے نہیں بلکہ اہل کرار یعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والوں میں سے ہیں اور دشمنوں کے ساتھ جنگ کر کے فتح حاصل کرنے والے ہیں انہیں چاہیے کہ اپنے گھروں سے نکلیں۔غرضیکہ سریہ موتہ بہت سخت و صعب ترین سرایا میں سے ہے اور اس کی فتح و کامیابی میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت بڑا اثر تھا۔

سریہ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بجانب ذات السلاسل: اسی سال حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سریہ ذات السلاسل کی طرف سے واقع ہوا۔اس لشکر کو ''ذات السلاسل'' کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔اس بنا پر کہ مشرکوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا تا کہ بھاگ نہ سکیں۔بعض کہتے ہیں کہ سلاسل ایک چشمہ کا نام تھا جو وہاں وادی القرائی کے پیچھے تھا۔یہ مقام مدینہ طیبہ سے دس روز کے فاصلے پر تھا۔اس قضیہ کا وقوع ماہ جمادی الاخریٰ ۸ ھ ہے بعض ۷ ھ کہتے ہیں اور ابن ابی خالد نے کتاب ''صحیح التاریخ'' میں اسی پر جزم کیا ہے اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ سریہ غزوۂ موتہ کے بعد واقع ہوا تھا۔مگر ابن اسحٰق نے غزوۂ موتہ سے پہلے کہا ہے۔اس کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ بارگاہ رسالت میں خبر پہنچی کہ قبیلہ قضاعہ' بلی (بکسر با و کسر لام و تشدید یا) اور نبو القین (بفتح قاف و سکون یا) نے متفقہ طور پر اطراف مدینہ طیبہ پر تاخت و تاراج کرنے کا ارادا کیا

ہے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا مسلح و آمادہ ہو جاؤ میں چاہتا ہوں کہ ایک لشکر کے ساتھ تمہیں بھیجوں تاکہ تمہارے ہاتھ غنیمت آئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا''یارسول اللہ! میں دنیا کے لیے مسلمان نہیں ہوا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ وَالرَّجُلُ الصَّالِحُ'' نیک مال اور نیک آدمی اچھا ہوتا ہے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص نے عرض کیا''یارسول اللہ! عرصہ دراز تک میں دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا رہا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ تاسیس اساس اسلام میں کچھ مجھ سے خدمت ظاہر ہو اور میں راہ خدا میں جنگ و معرکہ کی کوشش کروں۔فرمایا: ٹھہرو میں اس کا تمہیں موقع فراہم کروں گا۔یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع کی مبارک میں ان قبائل مذکورہ کے اجتماع کی خبر پہنچی اور ان کے فساد انگیزی کی اطلاع ملی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید علم تیار فرمایا اور تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت بنائی جن میں اعیان انصار و مہاجرین میں سے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید' سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ عامر بن ربیعہ' حبیب رضی اللہ عنہ بن سنان رومی' سیّد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضیر اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل تھے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر نامزد فرمایا تاکہ اعداء دین کے قلع و قمع کرنے میں کمربستہ ہو کر دلیری اور دلاوری دکھائیں۔روضۃ الاحباب میں محمد بن اسحٰق سے منقول ہے کہ اس لشکر کا امیر' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ نامزد کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ان کی ماں کی طرف سے قبیلہء بلی کے ساتھ قرابتداری تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اسلام کے ساتھ انسیت پیدا ہو (انتہی) اگر نامزدگی کی یہی وجہ تھی تو اعیان و اکابر انصار و مہاجرین کی تعیین میں کیا خصوصیت ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا معاملہ' علم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔اس سلسلہ میں کچھ اشارہ غزوۂ موتہ کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔ممکن ہے کہ یہ بھی ہو (واللہ ورسولہ اعلم) غرضیکہ جب حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے نکلے اور مشرکوں کی جانب متوجہ ہوئے تو انہوں نے سنا کہ کچھ اور بدوی قبائل کے لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں اور مخالفت میں دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔مسلمانوں کی اتنی قلیل تعداد ان کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی۔اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ایک قاصد بارگاہ رسالت میں بھیجا تاکہ صورت حال عرض کر کے مدد کی درخواست کریں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت ان کی مدد کے لیے تیار فرمائی جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے اور اس جماعت پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔رخصت کے وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ جب یکجا ہو جاؤ تو تمام امور میں منقطع ہو جانا اور اختلاف نہ کرنا۔جب یہ دوسری جماعت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شامل ہوئی اور نماز کا وقت آیا تو حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ چونکہ تم میری مدد کے لیے آئے ہو اس لیے تم میرے تابع رہو اور میرے پیچھے نماز پڑھو۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پہلی بار جماعت کی سرداری تم سے متعلق ہے اور اس جماعت کی امارت میرے ساتھ وابستہ ہے۔عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں حرج جانا اس وقت حضرت ابوعبیدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یاد آ گئی اور مخالفت سے باز آ گئے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ امارت میں یہ واجب نہیں ہے کہ امیر افضل ہو اور نماز میں ضروری ہے کہ احق امامت کرے۔خواہ کوئی ہو جو اعلم' اقرا اور اورع ہو' وہ امامت کا حقدار ہے۔اس بنا پر سب کو لازم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے۔ لیکن چونکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ کیا کہ چونکہ وہ امیر ہیں اور وہی امامت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کے مقابلہ میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی امیر تھے انہوں نے نزاع کیا۔ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے بموجب

اختلاف نہ کیا اور تمام امور پر متفق ہو گئے اور نزاع سے باز آ گئے۔ چونکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نیک خصلت اور نرم مزاج تھے فرمایا ''اے عمرو! نرمی برتو سختی نہ کرو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں مجھے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم مل جاؤ تو ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنا۔ اگر تم مخالفت کی راہ چلو گے تو میں نہیں چلوں گا''۔

منقول ہے کہ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو سخت سردی کی وجہ سے مسلمانوں کے اعضاء شل ہو گئے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ آگ جلا کر بدن کو تاپیں مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس سے منع کیا لشکری اس مخالفت سے تنگ آ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہوں نے آ کر اس کی شکایت کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں گفتگو کی۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''جس نے آگ جلائی ...... میں اس کو اسی آگ میں ڈال دوں گا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں مخالفت کی اور ان کو تنبیہ فرمائی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''اے عمر رضی اللہ عنہ: تم میرے مامور ومحکوم ہو میرا حکم مانو اور فرمانبرداری کرو''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ''ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہم پر اسی لیے امیر مقرر فرمایا ہے کہ وہ جنگی مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں۔ صبر وتحمل سے کام لو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع رہو اور جاننا چاہیے کہ رسول خدا نے جو کچھ حکم فرمایا ہے اور پسند کیا ہے یقیناً اس میں حکمت جمیلہ اور عاقبت حمیدہ ہو گی۔ اگرچہ حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام کا خلاصہ اور اس کی شرح یہی ہے۔ اس کے بعد سب اتفاق کے ساتھ کفار کی جانب روانہ ہوئے۔ ان قبیلوں کے کچھ لوگ تو اپنے گھروں کو خالی کر کے بھاگ گئے اور کچھ لوگوں نے جنگ کی لیکن مغلوب ہو کر بھاگے اور دوسرے شہروں کی جانب چلے گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے چند روز وہاں توقف فرمایا اور اطراف وجوانب میں سواروں کو بھیجا وہ بکریاں اور اونٹ لاتے اور ذبح کر کے کھاتے رہے۔ اس سفر میں اس سے زیادہ غنیمت حاصل نہ ہوئی جو قابل تقسیم ہوتی۔ اس کے بعد وہ سب مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ روضہ الاحباب میں اسی طرح لکھا ہے۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمک لے کر پہنچے اور لشکر اسلام مخالفوں کے شہروں میں داخل ہوا اور تاخت وتاراج کا طریقہ اختیار کیا تو بہت سے مویشی قبضے میں آئے اور یہ حصول مقصود کے ساتھ واپس لوٹے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ واپسی کے وقت ایک رات حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احتلام ہوا۔ ہوا بہت سرد تھی ساتھیوں سے کہا مجھے احتلام ہو گیا اگر غسل کرتا ہوں تو ہلاک ہو جاؤں گا اس کے بعد قدرے پانی طلب کیا۔ استنجا کر کے وضو کیا اور تیمم کیا اور لشکر اسلام کی امامت کر کے نماز پڑھائی۔ یہ حکایت غرابت وندرت سے خالی نہیں ہے۔ غالباً عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابھی احکام شرعیہ کی تعلیم اور اسے یاد کرنے کا موقعہ میسر نہ آیا ہو گا ورنہ اتلاف جان کے خوف سے جنابت کے لیے صرف تیمم ہے نہ کہ وضو اور تیمم دونوں۔ غرض یہ کہ جس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور اعیان مہاجرین وانصار موجود ہوں وہاں اپنے فہم ورائے اور معلومات پر عبادت میں اکتفا کرنا بغیر ان سے فتویٰ دریافت کیے درست نہ ہو گا۔ حربی معاملات اور اس کی تدبیریں اور بات ہے شرعی احکام اور اس کا علم اور چیز ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باہمی گفتگو اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے اکڑنے کا معاملہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا

عُبَیْدَۃَ. ''اللہ ابوعبیدہ پر رحم وفضل فرمائے اور جب جنابت کا قصہ سنایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا: ان کے معاملے میں غور کرو کہ اپنے لیے کیسے خلاصی پیدا کی اور جب آگ جلانے سے منع کرنے کا واقعہ پیش ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''میں نے اس لیے آگ جلانے سے منع کیا تھا کہ اگر آگ جلائی جاتی تو مشرکین ہماری قلت تعداد سے واقف ہو جاتے۔

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیش ذات السلاسل سے واپس آئے تو ان میں زعم وغرور کی بو نے راہ پالی تھی اور اپنے آپ کو سمجھنے لگے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے۔ ان پر میرا امیر بنانا اسی بنا پر ہے کہ بارگاہ رسالت میں میری قرب ومنزلت ان سے زیادہ ہے۔ اپنے اس خیال کی تحقیق وثبوت کے لیے باگاہ رسالت میں آئے اور دریافت کیا۔ ''یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آدمیوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! انہوں نے عرض کیا۔ ''میں مردوں کے بارے میں دریافت کر رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے والد۔ میں نے عرض کیا ''ان کے بعد کون؟'' فرمایا عمر! عرض کیا پھر کون؟'' اس طرح کئی شخصوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیے۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو رہے مبادا کہ سب کے آخر مین میرا نام نہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب نے خیالی قلعہ کو ڈھا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا امیر بنانا تالیف قلوب کے حکم میں ہے۔ بعض حدیثوں میں ان کے مناقب کے سلسلہ میں آیا ہے کہ فرمایا: اَسْلَمَ النَّاسُ وَاٰمَنَ عَمْرُوبْنُ الْعَاصِ. لوگ اسلام لائے اور عمرو بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ العاص ایمان لائے۔ ممکن ہے کہ یہاں ناس سے ان کے قرابتدار اور ان کے قبیلہ کے لوگ مراد ہوں (واللہ اعلم)

سریۃ الخبط: اسی سال حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح کو تین سو صحابہ کے ساتھ جن میں مہاجرین وانصار تھے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں آیا ہے اور نسائی کی روایت میں کچھ لوگ زیادہ بھی مذکور ہے امیر بنا کے قبیلہ جہنیہ کی طرف بھیجا اور اس لشکر میں حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ قبیلہ جہنیہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان پانچ روز کا فاصلہ ہے۔ اس سریہ کو سریۃ الخبط (بفتح خا وبا موحدہ) اور سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ خبط ان پتوں کو کہتے ہیں جو درخت سے جھڑے ہوئے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو ایک ''جراب'' (تھیلا) کھجوریں دی تھیں۔ جب وہ ختم ہو گئیں تو انہوں نے درختوں کے پتے جھاڑ کر کھائے جس سے ان کے ہونٹ سوج کر اونٹوں کے ہونٹوں کی مانند ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان پتوں کو پانی میں بھگو کر کھاتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پتے خشک تھے۔ بخلاف پہلی روایت کے کہ اس سے پتوں کا سبزہ تازہ ہونا معلوم ہوتا ہے اگرچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ تمام لشکری اپنے اپنے توشے جمع کر دیں۔ مگر وہ بھی دو مزدور کے برابر تھا۔ اس میں تھوڑا تھوڑا روزانہ دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا اور ایک ایک کھجور سے زیادہ نہ ملا۔ اس وجہ سے اس کا نام سریۃ الخبط رکھا گیا۔ لشکر کا نام سیف البحر اس بنا پر ہے کہ سیف دریا کے کنارے کو کہتے ہیں چونکہ ان کے سفر کی آخری حد دریا کا کنارہ تھا اس بنا پر اس کا یہی نام ہو گیا۔ اس سریہ کا وقوع ماہ رجب ۸ھ میں ہوا تھا۔ شیخ ابن حجر شرح بخاری میں نقل کرتے ہیں کہ آٹھویں سال میں اس کے وقوع کا قول غیر محمود ہے اس لیے کہ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سریہ کو اس لیے بھیجا تھا تاکہ قریش کے قافلہ پر تاخت کریں۔ یہ بات آٹھویں سال میں نہیں بنتی کہ اس میں ایسا ہوا ہو کیونکہ ان دنوں میں قریش کے ساتھ صلح قائم تھی۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ یہ سریہ چھٹے سال میں قضیۂ حدیبیہ سے پہلے ہوا ہوگا۔ (انتہیٰ)

مواہب لدنیہ میں شیخ الاسلام ابن العراقی سے منقول ہے کہ یہ سریہ فتح مکہ سے پہلے آٹھویں سال کے ماہ رمضان میں قریش کے عہد وپیمان توڑنے کے بعد واقع ہوا تھا اس بنا پر آٹھویں سال کے وقوع میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس سفر میں

کسی دشمن سے مڈبھیڑ واقع نہ ہوئی اور لوٹ آئے (انتہی)

اس سفر کی عجیب وغریب بات وہ ہے جسے بخاری ومسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جیش خبط میں جہاد کے لیے گئے ہوئے تھے ہم پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے۔وہاں ہمیں سخت فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔اس وقت دریا نے ایک مری ہوئی مچھلی پھینکی۔ہم نے اتنی بڑی مچھلی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔اس کا نام عنبر بتاتے ہیں۔ہم سب اس مچھلی کو پندرہ دن تک کھاتے رہے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی لیکر کھڑی کی تو اس کے نیچے سے سوار گزر گیا۔اس کے بعد جب ہم بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور ہم نے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا تم نے اس رزق کو کھایا ہے جسے حق تعالیٰ نے تمہارے لیے باہر نکالا ہے۔اگر کچھ باقی ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔اس پر ہم نے اس میں کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ایک روایت میں ہے کہ وہ مچھلی پہاڑ کی مانند تھی اور ایک روایت میں ہے کہ مچھلی ٹیلہ کے مانند تھی اور اس کا نام عنبر تھا۔اس کی کھال سے ڈھال بنائی جاتی ہے۔ہڈی سے مراد پہلو یعنی پسلی کی ہڈی ہے جو دونوں طرف سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔کہا گیا ہے کہ ایک شخص لشکر اسلام میں بہت طویل القامت تھا۔وہ پالان والے اونٹ پر سوار ہو کر پسلیوں کے نیچے سے گزر گیا اور اس کا سر اس ہڈی سے جالگا۔صحیح مسلم اور مسند امام احمد سے مروی ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مچھلی کی آنکھ کے حلقے میں بیٹھیں تو تیرہ آدمی اس میں سما گئے۔موہب لدینہ میں اس جگہ دو جیش کا ذکر کیا ہے ایک جیش ابوقتادہ بسوئے ارض محارب نجد' جسے ۸ھ کے ماہ شعبان میں روانہ کیا تھا اور ان کے ساتھ پندرہ آدمی تھے جو غطفان کی سرکوبی کے لیے گئے تھے۔انہوں نے جو ہاتھ آیا اسے قتل کیا اور بہت سی باندیوں کو قید کیا اور سواونٹ اور دوسو بکریاں غنیمت میں آئیں۔یہ سفر پندرہ دن کا تھا اور دوسرا جیش بھی ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا ہے جو اضم کی جانب گیا تھا اس میں محلم بن رضی اللہ عنہ جشامہ تھا۔عامر بن اضبط سامنے آیا تو محلم نے اسے قتل کر دیا۔

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جیش کا امیر بنا کر اضم کی جانب بھیجا جو مدینہ طیبہ سے ایک برید کے فاصلے پر ہے۔اس جیش میں محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جشامہ بھی تھے عامر بن اضبط راہ میں سامنے آیا اور اس نے صحابہ کو سلام کیا چونکہ صحابہ اسے مسلمان تصور نہیں کرتے تھے اس بنا پر اس کے سلام کا جواب انہوں نے نہ دیا۔محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔جب یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تم نے مسلمان کو کیوں قتل کیا۔انہوں نے عرض کیا اس بنا پر کہ اس نے موت کے ڈر سے اظہار اسلام کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تا کہ اس کی نیت وارادہ کو معلوم کر لیتے اور فرمایا زبان سفیر ہے جو دل کی ترجمان ہے۔اس پر آیہ کریمہ

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا. ''ایمان والو! جب تم خدا کی راہ میں جہاد کر رہے ہو تو قتل میں دیکھ بھال کر لیا کرو اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ وہ مومن نہیں ہے''۔تو یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔اس کے بعد محلم رضی اللہ عنہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے دوزانوں ہو کے بیٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت ومعافی مانگیں۔چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نازیبا حرکت سے کوفت وناراضگی میں تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلَا عَفَى اللّٰهُ عَنْكَ** (نہ تجھے اللہ بخشے اور نہ تجھے خدا معاف کرے) اس کے بعد محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں کھڑا ہوا کہ اپنے آنسوؤں کو اپنی چادر سے پونچھتا تھا اور محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی گھڑی اور ایک روایت میں ہے کہ سات دن کے بعد جان کو قابض ارواح کے سپرد کر دیا۔جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے

نکال باہر کیا اس طرح تین مرتبہ کیا گیا ہر بار زمین نکال باہر کرتی رہی۔ بالآخر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ دیا۔ یہ خبر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا زمین نے محلم رضی اللہ عنہ کو نگل لیا اور زمین اس کو نگلتی ہے جو اس سے بدتر ہو۔لیکن حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں نصیحت فرمائے تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔

روضۃ الاحباب میں ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سریہ یہ فتح مکہ کے شروع میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس سے پہلے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی جانب سفر فرمائیں ماہ رمضان ۸ھ میں ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ اضم کی جانب بھیجا۔ یہاں تک ک لوگوں کو گمان ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف جانے کا مقصد فرماتے ہیں جس طرف یہ جماعت بھیجی ہے۔مکہ کا ارادہ نہیں ہے۔اس کے بعد اس جیش کا ذکر کیا اور پھر فتح مکہ کا قضیہ شروع کیا اور مواہب میں بھی ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیش کو فتح مکہ کے ذکر سے پہلے بیان کیا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین شخصوں کا نام تھا اور وہ جس نے عامر بن اضبط کو قتل کیا وہ اس محلم رضی اللہ عنہ کے سوا ہے جس محلم کو زمین نے نکال باہر کیا تھا (واللہ اعلم)۔مواہب میں ایک اور سریہ کا بھی ذکر کیا ہے جس کو سریہء ابوالعوجا کہتے ہیں۔ جسے بنی سلیم کی طرف ماہ ذوالحجہ ۷ھ میں بھیجا تھا۔ یہ پچاس آدمیوں کا لشکر تھا۔جس کو کافروں نے ہر طرف سے گھیر کر جنگ کی یہاں تک کہ ان میں سے اکثر کو انہوں نے شہید کر دیا اور مقتولوں میں ابن ابی العوجا' زخمی پائے گئے تھے انہیں اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔اس پر یہ سال تمام ہوا۔

فتح مکہ مکرمہ

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں سے مکہ مکرمہ زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا وَّتَشْرِيْفًا کی فتح کا واقع ہونا ہے۔یہ واضح فتح عظیم ہے۔جس پر سورۂ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" ناطق ہے۔اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت اس پر ہے کہ اس فتح مبین سے مراد فتح حدیبیہ ہے جو کہ اپنی ذات میں سراپا فتح تھی اور فتوحات عظیمہ کا سرچشمہ ومبداء تھی۔واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ اعظم فتوحات ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے اس ذریعہ اپنے دین کو غالب وقوی بنایا اور اپنے رسول کو مظفر وفتحمند کیا اپنے لشکر کو عزیز بنایا اور اپنے حرم پاک کو امن کی جگہ قرار دیا اور اس بلد امین اور اپنے بیت اقدس کو مشرکوں سے پاک کیا اور ایسی فتح وظفر عنایت فرمائی جس پر تمام آسمان وزمین والے مبارکباد دینے لگے۔اہل عرب تمام اطراف واکناف میں راہ اختیار میں چشم انتظار کھولے بیٹھے تھے کہ اگر یہ ہستی مقدس یعنی حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئے اور یہ بلد معظم اور بیت مکرم ان کے قبضہ اقدس میں آ جائے تو ہم بھی داخل ہو کر توقف و تردد کی قید سے نجات پا جائینگے جب نصر عظیم اور فتح مبین وجود میں آئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑتے بھاگتے حاضر ہو کر اسلام لانے لگے۔جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا.

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھ کہ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں اکمل دین' ارتفاع حجاب شک وارتیاب اور صدق ویقین کے نور کے سطوع کی جانب اشارہ ہے۔فتح مکہ کے حاصل ہونے کے بعد مشرکوں کے لیے کوئی جائے فرار باقی نہ رہی اور ان کو کوئی باقی نہ رہا۔خواہی نخواہی اسلام میں داخل ہوئے۔اس دن کچھ لوگوں کا اسلام پختہ ہوا اور تصدق قلبی کی علامتیں اور نشانیاں ان سے ظاہر ہوئیں اور کچھ لوگوں کا نہ ہوا اور ظاہر آیۂ کریمہ قُلْ يَوْمَ

الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ (اے نبی فرمادو فتح کادن ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے ایمان کو نفع نہیں پہنچا تا اور وہ غور فکر سے کام نہیں لیتے ہیں) میرا اسی طرف اشارہ ہے کہ فتح کے دن ایمان لانا نہ نافع ہے اور نہ مقبول ۔جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ مراد وہ کافر ہیں جو فتح میں مارے گئے اور اس حالت میں ایمان لائے ۔لہٰذا قتل کی حالت میں ان کا ایمان لانا نفع نہیں پہنچا تا اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم الفتح سے مراد روز قیامت ہے ۔کیونکہ وہ دن کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی نصرت اور انسانوں کے درمیان حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کا دن ہے ۔فتح کے معنی حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے آئے ہیں ۔جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد میں ہے :رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ. اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۔(واللہ اعلم)

اس مواہب ربانی کے حصول کا باعث اور فتح صمدانی کے ظہور کا سبب یہ ہوا کہ وہ صلح جو حدیبیہ میں واقع ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے حلیفوں کے ساتھ تعرض نہ کریں گے اور ہر کوئی جس فریق کو چاہیے اختیار کر سکتا ہے ۔جو چاہے قریش کے عہد وحلف میں آئے خواہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد وحلف میں داخل ہو ۔چنانچہ بنی بکر قریش کے ہم سوگندی میں داخل ہوئے اور خزاعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں آئے اور بنی خزاعہ پہلے ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع ہو رہے تھے اگر چہ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان زمانہء جاہلیت سے نزاع واختلاف اور عداوت قائم تھی اور آپس میں بہت کچھ جنگ وجدال واقع ہو چکا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا قضیہ درمیان میں آیا تو وہ اس میں اتنے مشغول ہوئے کہ اپنے اصلاح کے احوال پر انہوں نے غور تک نہ کیا ۔صلح حدیبیہ کے واقع ہونے کے بعد جب وہ اپنے حال میں آئے اور دل کو اطمینان ملا اور فرصت پائی وہ پھر اپنے باہمی نزاع وعداوت کی طرف متوجہ ہوئے ۔یہاں تک کہ ایک دن بنی بکر کا ایک شخص سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کر رہا تھا قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص وہاں کھڑا تھا ۔اس نے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا اس پر وہ جوش اور غصہ میں آ گیا اور اس کے سر کو توڑ دیا ۔اس نے بنی بکر سے جا کر فریاد و فغاں کی ۔نقاثہ (بضم نون) جو بنی بکر کی شاخ تھی خزاعہ کے ساتھ جنگ کے لیے کھڑے ہو گئے اور بنی مدلج سے مدد مانگی ۔بنی مدلج نے ان کی مدد سے انکار کر دیا ۔پھر انہوں نے قریش سے مدد مانگی ۔قریش کے نادان و بے وقوف لوگوں کی ایک ایسی جماعت نے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موروثی عداوت رکھتی تھی جیسے عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ اور سہل بن عمرو وغیرہ نے اپنی ہیئت بدل کر اور اپنے چہروں پر موٹی نقاب ڈال کر بنی بکر کی حمایت و رفاقت میں خزاعہ پر شبخون مارا اور خوب جنگ و قتال کیا ۔یہاں تک کہ جنگ کرتے ہوئے زمین حرم میں داخل ہو گئے ۔بنو خزاعہ نے بلند آواز سے نوفل بن معاویہ سے جو بنو بکر کا سردار تھا کہا کہ خدا کا خوف کرو اور حرم کی حرمت کا پاس ولحاظ کرو ۔نوفل بن معاویہ نے کہا یہ بات اگر چہ بڑی ہے اور میں اسے جانتا ہوں لیکن آج اس پر عمل کرنے کی فرصت نہیں پاتا ۔کہتے ہیں کہ اس جنگ میں بنی خزاعہ کے بیس آدمی مارے گئے ۔قریش نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ کسی نے ان کو پہچانا نہیں ہے اور یہ معاملہ پوشیدہ رہے گا ۔لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات اس کی خبر دی دی گئی تھی ۔سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات میں بنی بکر اور بنی خزاعہ کا واقعہ ہوا تھا اس کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں یہ حادثہ واقع ہوا ہے اور قریش نے عہد شکنی کی ہے'' ۔میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ قریش عہد شکنی میں دلیری دکھائیں گے؟ حالانکہ شمشیروں نے ان کو فنا کر دیا ہے؟ فرمایا ''انہوں نے عہد کو اس معاملہ کے لیے توڑا ہے جسے خدا نے ان کے ساتھ چاہا ہے'' ۔میں نے عرض کیا ''یہ معاملہ خیر ہے یا شر؟'' فرمایا ''انشاءاللہ خیر ہی ہوگا'' ۔

طبرانی نے معجم صغیر میں سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے تین بار ''لبیک لبیک'' فرمایا اور تین مرتبہ ''نصرت نصرت'' میں مدد کرتا ہوں' میں مدد کرتا ہوں'' فرمایا! جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئی تو میں نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باتیں کرتے ہوئے سنا ہے کیا کوئی شخص تھا جس سے آپ گفتگو فرمارہے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ راجز بنی کعب تھا جو قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے۔ وہ مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بنی بکر کی مدد کی یہاں تک کہ ہم پر شب خون مارا ہے۔

اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ آیا اور جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر کے نصرت واعانت کی درخواست کی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اس حال میں کو آپ چادر مبارک زمین سے گسیٹ رہے تھے اور فرمایا ''میری مدد نہ ہوگی اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی۔ جس طرح میں اپنی مدد کرتا ہوں اسی طرح تمہاری مدد کروں گا''۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اتحاد واخلاص کی طرف اشارہ فرمایا اور ان کے دلوں کی تسلی وتشفی فرمائی۔ گویا آسمان پر ایک بادل چھایا ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ''یہ بادل فریاد کرتا ہے اور بنی کعب کی خبر دیتا ہے''۔ پھر ان سے فرمایا ''تم اپنے گھروں کو جاؤ اور غم وفکر نہ کرو۔ کیوں کہ فتح ونصرت کے دن قریب آ گئے ہیں'' اور اپنے صحابہ سے فرمایا ''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان آیا ہوا ہے اور صلح کی مدت بڑھانے اور اس کی تجدید کی درخواست کر رہا ہے اور خائب وخاسر ہو کر مکہ لوٹ گیا ہے''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قریش اپنے فعل سے پشیمان ہوئے تو ابوسفیان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ معذرت خواہی کر کے کہے کہ یہ فعل میرے مشورے سے واقع نہیں ہوا ہے اب از سرنو صلح کی تجدید وتوکید کر کے اس کی مدت بڑھا دیجئے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ طیبہ آیا اور پہلے اپنی بیٹی سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ام المومنین میں سے تھیں اس کے گھر گیا اور اس نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر استراحت پر بیٹھے۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بستر شریف کو لپیٹ ڈالا۔ ابوسفیان نے کہا ''اس بستر کو مجھ سے بچاتی ہو؟ اس پر سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''ہاں! یہ بستر سیّد المطہرین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم مشرک ونجس ہو''۔ اس پر وہ اپنی بیٹی کے پاس سے چلا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا ہر چند تجدید عہد کی بات کی جواب نہ پایا۔ اس کے بعد ناامید ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ وہاں سے بے نیل ومرام لوٹا۔ پھر سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ ''تمہاری بہن سیّدہ زینب بنت رسول اللہ نے ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امان دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امان کو جائز رکھا اور معتبر جانا''۔ سیّدہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ اس کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آستانہ پر پہنچا وہاں سے بھی ناامید لوٹا۔ غرضیکہ وہ خائب و خاسر ہو کر مکہ کو لوٹ گیا۔ جب ابوسفیان مکہ سے لوٹ گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی تیاری میں مشغول ہو گئے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے انہوں نے دیکھا کہ سامان سفر کی تیاری ہو رہی ہے فرمایا ''عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ کیا ہے یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان سفر تیار کرنے کا حکم دیا ہے اس سے زیادہ میں نہیں جانتی اور نہ میں کچھ بیان کر سکتی ہوں''۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سامنے ہو کر عرض کیا ''یارسول اللہ! کیا سفر کی تیاری ہے؟ فرمایا ہاں لیکن تم اس بات کو پوشیدہ رکھنا اور دعا مانگی اَللّٰھُمَّ خُذْ عَلٰی اَبْصَارِھِمْ فَلَا یَرَوْنِیْ اِلَّا بَغْتَةً. اے خدا کفار کی بینائیوں کو لیلے کہ وہ مجھے نہ دیکھیں مگر اچانک' اور تمام صحابہ سے فرمایا سفر کی تیاری کرلو اور اپنے اپنے ہتھیار ساتھ لیلو۔ لیکن قصد وارادہ کو کسی شکل پر واشگاف کر کے بیان نہ فرمایا۔ حاطب بن ابی ملتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل مکہ کی طرف ایک خط لکھا

اور اس میں ان کو خبردار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر لشکر تیار کر کے لا رہے ہیں۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی تیاری فرما رہے ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے سوا وہ کسی اور طرف نہیں جائیں گے۔ اپنے حال کی فکر کرنی چاہیے والسلام: اس خط کو ایک مزنی عورت کے سپرد کیا کہ وہ قریش کو پہنچا دے۔ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ حضرت زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا! خاخ کے باغ میں جاؤ وہاں ایک عورت ہورج میں سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط اس سے لے آؤ۔ یہ تینوں اس کے پاس پہنچے اس نے بالوں کی چوٹی میں وہ خط چھپا رکھا تھا۔ یہ تینوں وہ خط لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور اس سے پوچھا یہ تیری کارگزاری ہے تو نے یہ کیا ہے اس سے تیرا کیا مقصد تھا؟ اس نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! مجھ پر جلدی نہ فرمایئے خدا کی قسم میں مومن ہوں اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں میں ایک مرد ملصق (ملا ہوا) اور قریش میں حلیق ہوں اور ان کی ذات سے نہیں ہوں اور مکہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جو میرے مال واہل کی حمایت وحفاظت کرے اور وہ حضرات جو مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے عزیز واقارب ہیں جو ان کے مال واہل کی حمایت وحفاظت کرتے ہیں۔ اسی بات نے مجھے اس فتنہ میں ڈالا ہے میں نے یہ عمل نفاق وارتداد سے نہیں کیا'' یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماروں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اَطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ وَّقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. بلاشبہ اہل بدر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو چاہو کرو بلاشبہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ اسے طبرانی نے روایت کیا۔ ایک روایت میں ہے اِنِّیْ غَافِرٌ لَّكُمْ ''میں تمہاری بخشش چاہنے والا ہوں۔ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور عرض کرنے لگے اللہ اور اس کا رسول بھی زیادہ جانتا ہے اس وقت آیہ کریمہ نازل ہوئی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ. اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو راز دار دوست نہ بناؤ......... وہ سیدھے راستہ سے گمراہ کر دیں گے''۔ فتح الباری میں منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظم کا یہ کہنا ہے کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں''۔ اس کے باوجود کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق فرمائی اور ان کے عذر کو مقبول قرار دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے نزدیک منافقوں میں سے تھے اور ان کے علم میں یہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کی مخالفت کرے وہ واجب القتل ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے علم پر جرم نہ کیا اور اس کے قتل کی اجازت چاہی اور اس پر اسم منافق کا اطلاق اس بنا پر کیا کہ جو حرکت اس سے سرزد ہوئی تھی اس نے اس کو چھپایا تھا اور حاطب رضی اللہ عنہ نے جو غدر تھا وہ اس کی تاویل تھی اور اس نے یہ سمجھا تھا کہ اس قسم کے عمل سے کوئی ضرر نقصان واقع نہ ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ یا اَغْفِرُ لَكُمْ یہ مستقبل کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کے طریقہ پر ہے اور تحقیق وقوع کے مبالغہ کے لیے ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اہل بدر کی اس حاصل شدہ حالت کے اکرام واعزاز میں یہ خطاب ہے کہ ان گزشتہ گناہوں کو بخش دیا گیا ہے اور وہ اس قابل اور لائق ہیں کہ ان کے آئندہ گناہ بھی بخش دیئے گئے ہیں اور بلاشبہ حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کو ظاہر فرمایا جو کچھ جس کے بارے میں حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ اہل جنت کے اعمال پہ رہیں گے یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور اگر فرض کیا جائے کہ ان سے کوئی گناہ صادر ہو ہی جائے تو توبہ کرنے اور عمل نیک اختیار کرنے میں وہ سبقت کریں گے اور قطعی طور پر ان کے احوال میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ جیسی کچھ کہ ان کی سیرتوں کے بارے میں مطلع کیا گیا اور خبر دی گئی ہے حقیقت میں وہ ویسے ہی ہیں۔ اسے صاحب مواہب نے قرطبی سے نقل کیا ہے۔

بعض اہل مغازی بیان کرتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا ''اے گروہ قریش تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیل وسیل کی مانند ایک لشکر لیکر تشریف لا رہے ہیں۔ خدا کی قسم اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بھی تم پر تشریف لائیں تو حق تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائے گا اور اپنے وعدہ کو سچا کر دکھائے گا لہٰذا تم اپنی فکر مناؤ''۔ سہیلی نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ (انتہیٰ)

اس خط میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کفر ونفاق پر دلالت کرنے والی ہو بجز اس کے کہ انہوں نے بھید کو کھولا اور اس امید پر عذر خواہی کی کہ شاید اسے مان لیا جائے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو اس وقت قبول فرمایا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرما دی اور حضرت فاروق اعظم کو ان کے قتل سے باز رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے مسجد سے نکال دو تو لوگ یکے بعد دیگرے ان کی پشت پر ہاتھ مار کر باہر نکالنے لگے مگر وہ بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک کو مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحم وکرم فرمائیں گے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹا لاؤ اور ان سے فرمایا میں نے تو تمہارے جرم کو معاف کر دیا اب تم حق تعالیٰ سے اپنی معفرت چاہو اور آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر مہاجرین اور ارباب دانش وبنیش میں سے تھے۔ ان کو یہ رسوائی اور ذلت ان کی غفلت سے پیش آئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

مکہ مکرمہ کی جانب روانگی: وصل: جب مکہ مکرمہ کے سفر کا عزم مکمل ہو گیا تو بعض اصحاب کو قبائل عرب میں سے اسلم، غفار، جہنیہ، اشجع، سلیم وغیرہ کی طرف بھیجا جو داخل اسلام ہو چکے تھے کہ انہیں خبر کریں اور سب جمع ہو کر سامان جنگ لے کر شامل ہو جائیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس رمضان مبارک ۸ھ بروز چہارشنبہ بعد نماز عصر مدینہ طیبہ سے تشریف لے گئے۔ جیسا کہ واقدی نے کہا ہے اور امام احمد کے نزدیک باسناد صحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم عام الفتح میں دوسری ماہ رمضان کو چلے۔ اس بنا پر جو تاریخ واقدی نے کہی ہے وہ ضعیف ہے اور تعین تواریخ میں اور بھی کئی قول مروی ہیں مثلاً بارہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ اور انیس پہلے دونوں صحت کے زیادہ قریب ہیں اور دوسرا زیادہ صحیح ہے (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور لشکر کو ملاحظہ فرمایا تو سات سو مہاجرین میں سے تھے جن میں سے تین سو گھوڑے رکھتے تھے اور چار ہزار انصار میں سے تھے جن میں سے پانچ سو گھوڑے رکھتے تھے۔ اسی طرح قبائل مذکورہ میں سے چار سو، پانچ سو اور ایک ہزار عدد مخصوص کے ساتھ پیش خدمت ہوئے اور اثناء راہ میں بھی آ کر شامل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ مجموعی تعداد دس ہزار کی ہو گئی۔ بعض نے بارہ ہزار بھی کہی ہے۔ وجہ جمع یہ ہو سکتی ہے کہ دس ہزار مدینہ سے چلے ہوں اور دو ہزار بعد ازاں آ کر شامل ہو گئے ہوں چنانچہ مروی ہے کہ قبیلہ بنو سلیم تقریباً دو ہزار افراد کے ساتھ جن میں سے اکثر گھوڑ سوار تھے بعد میں آ کر شامل ہوئے اور مدینہ طیبہ میں حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہا کو اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا اور ازواج مطہرات میں سے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لیا۔ جب منزل کدید جو ایک چشمہ کا نام ہے اور قدید وعسفان کے درمیان واقع ہے علم اور جھنڈوں کو صحابہ کرام کے سپرد فرمایا۔ منزل قدید میں روزہ افطار کیا اور حکم دیا کہ روزہ افطار کر لیں اور اعلان کرایا کہ (سفر میں) جو افطار نہ کرے گا گنہگار ہوگا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا جو چاہے افطار کرے اور جو چاہے روزہ سے رہے۔ سفر میں افطار وروزہ دونوں جائز واختیاری ہیں ایک دوسرے کی فضیلت میں بحسب رعایت ومصلحت وملاحظہ اوقات حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ تمام حدیثیں حالت سفر میں جواز افطار پر متفق ہیں۔

کچھ اہل مکہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی جانب آ رہے تھے ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا' اپنے اہل و عیال کے ساتھ تھے اور منزل سقیا میں اور ایک قول کے بموجب جھنہ میں ایک قول کے بموجب ذوالحلیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے پر اظہار مسرت فرمایا اور حکم دیا کہ اپنا سامان تو مدینہ طیبہ بھیج دو اور خود ہمراہ رہو اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے۔ جس طرح کہ میری نبوت آخری نبوت ہے۔ نیز راستہ میں ہی ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث کے فرزند تھے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن امیہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا و اہانت میں بہت بڑھ چڑھ کر مشغول رہتے تھے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے اپنا رخ انور پھیر لیا اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عرض و التجا سے ان کے گناہوں سے درگزر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا علی المرتضیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت و کرم میں حاضر ہو کر وہ عرض کرو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد کبھی شرم و حیا کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر نہ اٹھایا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو کر مرالظہر ان پہنچے وہاں سے مکہ کی مسافت چار فرسخ ہے اور اب اس جگہ کو ''وادی فاطمہ'' کہتے ہیں۔ یہ نام فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوب نہیں ہے بلکہ یونہی اس کا نام پڑ گیا ہے۔ جس طرح کہ دیگر مقامات کے نام ہیں' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے آگ روشن کرے اور دس ہزار یا بارہ ہزار جگہ آگ روشن ہوئی ہو گی۔ اس وقت تک قریش کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے اور آپ کے حالات کی انہیں کچھ خبر نہ تھی لیکن خائف و غمگین رہتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان بن حرب سے قریش نے کہا جاؤ اور حالات کا تحقیق کرو۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات و بازیابی کا موقعہ ملے تو ہمارے لیے اس سے امان حاصل کرو۔ پھر ابوسفیان' حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بدیل بن ورقا کے ساتھ نکلا۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام وادی آگ سے روشن ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ کیسی آگ روشن ہے۔ پھر انہوں نے خیموں کو دیکھا اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ اس طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ افسوس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شوکت و دبدبہ کے ساتھ اچانک قریش پر حملہ کریں تو ان سب کا استیصال ہو جائے اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاص اونٹ پر سوار ہوا اور لشکر سے باہر آیا تا کہ کوئی مکہ کا آدمی ملے تو میں اس سے صورت حال کہوں تا کہ وہ مکہ والوں کو خبر کرے کہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اچانک میں نے ابوسفیان کی آواز کو پہچان لی۔ اور کہا کیا ابوالفضل ہیں' میں نے جواب دیا: ہاں اُس! اس نے کہا ''اے ابوالفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں یہ کیسا واقعہ ہے؟ میں نے کہا ''افسوس ہے تجھ پر یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں جو بارہ ہزار کا لشکر تم پر لائے ہیں۔ اس نے کہا: اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہمارا کیا بنے گا؟ میں نے کہا ''میرے اس اونٹ پر پیچھے بیٹھ جاؤ تا کہ میں تم سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے جاؤں اور تمہارے لیے امان حاصل کروں۔ پھر وہ میرے اونٹ پر سوار ہو گیا اور بدیل بن ورقا اور حکیم بن خزام رضی اللہ عنہ مکہ لوٹ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بدیل اور حکم بھی ابوسفیان کے ہمراہ بارگاہِ نبوت میں آئے اور مسلمان ہو گئے ممکن ہے کہ مکہ پہنچ کر دوبارہ آئے ہوں اس کے بعد ہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خیمے کے

سامنے پہنچے۔ جب انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو انہوں نے اپنی جگہ سے جست کی اور تلوار لے کر ان کے پیچھے دوڑے اور چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچنے سے پہلے ابوسفیان کے قتل سے فارغ ہو جائیں۔ کیوں کہ ابھی وہ امن وامان میں نہ تھے اور نہ ایمان لائے تھے۔ میں نے بھی اونٹ کو تیز دوڑایا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گئے اور میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابوسفیان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے قتل کرنے کے درپے ہیں اور فرمایا اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج رات ابوسفیان کو اپنے خیمے میں رکھو اور صبح کو میرے حضور پیش کرو'۔ جب صبح ہوئی اور میں ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تو جانے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں! آپ کتنے رحیم و کریم اور بردبار ہیں۔ باوجود اتنی ایذا وستم پہنچنے کے آپ اتنی مہربانی اور لطف فرماتے ہیں۔ اب میں نے جان لیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کوئی ہوتا تو ہمیں نفع پہنچاتا اور ہماری مدد واعانت کرتا۔ اس کے بعد فرمایا'' کیا ابھی وقت نہیں آیا تو جانے کہ میں خدا کا رسول ہوں''۔ اس نے کہا ''میں ابھی تک ایک شک دل میں رکھتا تھا اور مجھے تھوڑا سا توقف تھا''۔

اس کا سینہ تصدیق رسالت کے لیے نہ کھلا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''خرابی ہو تیری اے ابوسفیان! بات کو طول نہ دے اور کلمہ توحید کے ساتھ زبان کو کھول۔ ورنہ اسی گھڑی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ جائینگے اور تیری گردن اڑا دیں گے''۔ اس وقت ابوسفیان نے کہا ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ'' اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان صاحب فخر وشرف شخص ہے اور عزت ومنزلت کو پسند کرتا ہے۔ اسے کسی ایسے مرتبہ سے نوازیئے جس سے مکہ والوں کے سامنے سرفراز ہو سکے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آ جائے وہ امن سے ہے؛ اور اپنے ہتھیار پھینک دے امن میں ہے اور جو اپنے گھر میں رہے وہ امن میں ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا امن میں ہے''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں ایک زمانہ میں جبکہ ابتدائے وقت میں مشرکین مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے اسی وقت ابوسفیان اپنی پناہ میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعزاز اکرام فرمانا ابوسفیان کے اس دن کے بدلہ اور جزاء میں اور ان کے غرور وتکبر کے توڑنے کے لیے تھا اور دوسروں کے لئے امن کا حکم ساتھ ہی دیا تاکہ وہ خیال نہ کریں کہ یہ فضیلت اسی کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ یہ ایسا احسان عام ہے کہ وہ بھی عموم میں داخل ہے۔

جب ابوسفیان جانے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اسے مکہ مکرمہ جانے نہ دو بلکہ اپنے ساتھ رکھو اور کسی تنگ جگہ میں رکھو تاکہ لشکر اسلام اس کی نظر کے سامنے سے گزرے اور رعب وہیبت اسلام اس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس کے نخوت وعناد کا سر کچلے۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز دی اور فرمایا ''اے ابوحنظلہ ٹھہر جا' اور آگے نہ بڑھ اور لوٹ آ''۔ ابوسفیان لوٹ آیا اور کہنے لگا۔ ''اے بنی ہاشم! کوئی غدر دل میں رکھتے ہو؟'' انہوں نے فرمایا ''اہل بیت نبوت غدر وبے وفائی نہیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو تنگ گزرگاہ میں لیجا کر اور اسے روک کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ لشکر اسلام فوج درفوج باعزت وشوکت گزرتا رہا اور حضرت عباس ہر ایک کی ابوسفیان کے سامنے تعریف کرتے رہے اور آتش حسد وغیرت سے اس کا دل جلاتے رہے۔ سب سے پہلے سپاہ شوکت پناہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے جو بنی

سلیم کے ہزاروں افراد کے ساتھ تھے اور اس فوج کے دومیان دو علم تھے' ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ابوسفیان کے برابر پہنچے تو تین مرتبہ پورے جاہ وچشم کے ساتھ بآواز بلند تکبیر کہی۔ جس سے ابوسفیان کی روح میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کا دل دہل گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ پانچ سو پہلوانوں اور دلاوروں کے ساتھ تکبیر بلند کرتے ہوئے سیاہ علم کے ساتھ گزرے۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ حضرت زبیر بن العوام ہیں۔ اس نے کہا ''تمہاری بہن کا فرزند؟'' انہوں نے ''ہاں''۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بنی غفار کے تین سو حضرات ظاہر ہوئے اور اس جماعت کا علم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا وہ بھی تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قبیلہ کی تعریف فرمائی۔ ابوسفیان نے کہا ''ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے اتنے میں بنو کعب بن عمر کے لوگ پانچ سو کی تعداد میں پہنچ گئے اور اس فوج کا علم بشر بن سفیان کے ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا ''یہ کن لوگوں کی ٹولی ہے؟'' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف وہم سوگند ہیں''۔ اس کے بعد قبیلہ مزنیہ کے ہزار آدمی گزرے جن کے درمیان تین علم تھے۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کی تعریف سننے کے بعد بھی یہی کہا کہ مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد قبیلہ جہنیہ کے لوگ پہنچے جو آٹھ سو شجاع تھے اور ان کے چار علم تھے۔ ان کے پیچھے قوم اشجع کے تین سو افراد گزرے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بنی اشجع کی تعریف فرمائی تو ابوسفیان نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ دشمن یہ لوگ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ ابوسفیان نے کہا ''میں نے ان کو دیکھ لیا مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج خاص نمودار ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پہ سوار تقریباً پانچ ہزار اعیان مہاجرین اور اشراف انصار کے جھرمٹ میں جو کہ سب کے سب مسلح ومکمل' رکاب فلک فرسا میں آراستہ وپیراستہ تکبیر کہتے ہوئے پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہاتھ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے دست اقدس پر حضرت اسید بن حضیر تھے اور آپ ان سے محو گفتگو تھے۔ ابوسفیان نے جب اس خدائی لشکر کو اس عظمت وحشمت کے ساتھ دیکھا تو اس کی چشم عقل خیرہ ہوگئی اور انتہائی ہیبت وحیرت اس پر چھا گئی۔ ابوسفیان نے کہا ''اے عباس رضی اللہ عنہ! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت نبوت تو بہت قوی وعظیم ہوگئی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! یہ رسالت ونبوت ہے بادشاہت وسلطنت نہیں ہے۔ منقول ہے کہ اس روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے قبضہ اقتدار میں انصار کا علم تھا اپنے ہزار انصار کے ساتھ آگے چل رہے تھے جب وہ ابوسفیان کے برابر پہنچے تو فرمایا ''ابوسفیان! اَلْیَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ الْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَۃُ الْیَوْمَ اَذَلَّ اللّٰہُ قُرَیْشًا'' آج کا دن خون بہانے اور قتل کرنے کا ہے' آج حرمت حرم کو حلال بنا دیا گیا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل وخوار کر دیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ پھیر کر فرمایا ''اے اوس وخزرج کے لوگو! آج کے روز احد کا انتقام تم قریش سے لے لو''۔ جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو خوف ودہشت کے گرداب میں ڈال دیا تو ابوسفیان فریاد وفغان کرتا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تو کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ ابوسفیان نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات نقل کی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہے اور سہو وخطا سے کہہ دی ہے ورنہ آج تو لطف ومرحمت کا دن ہے۔ آج تو وہ دن کہ حق تعالیٰ قریش کو عزت دے گا اور آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت اور

بڑھائے گا۔تم سب خاطر جمع رہواور ایمان لے آ ؤ۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت بڑھاتا ہے اور اسے خلعت پہناتا ہے۔ابوسفیان نے کہا ''آپ تمام لوگوں میں کتنے نیکوکار ہیں اور کتنے رحیم وکریم ہیں۔میں حق تعالیٰ کو شفیع گردانتا ہوں کہ قریش کے ساتھ جو آپ کی قرابت داری ہے اس پر نظر فرماتے ہوئے ان کے خون سے درگزر فرمایئے اور اپنے عزیز اقرباء پر رحم وکرم اور عطوفت مبذول فرمایئے۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے عزیز اقرارب کی رعایت' دامن گیر ہوئی اور عرض کیا ''یارسول اللہ! ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مامون نہیں ہیں۔مبادہ کہ وہ قریش کو کوئی آزار پہنچائیں۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے علم لے لو۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا کہ وہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم لیلیں اور نرمی ومہربانی کے ساتھ مکہ مکرمہ داخل ہوں۔اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا: کہ تمہیں مکہ مکرمہ جانا چاہیے۔اور قریش کو ڈرانا چاہیے کہ وہ مسلمان ہوجائیں اور قتل وسیری سے نجات پائیں۔ورنہ ہلاک ہوجائیں گے۔''ابوسفیان دوڑتا ہوا مکہ مکرمہ آیا اور خبر دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے جو گھر میں رہ کر دروازہ بند کرلے اور جو ہتھیار پھینک دے اور جو میرے گھر آجائے اور جو مسجد حرام میں داخل ہوجائے وہ امان میں رہے گا۔قریش نے کہا قبحک اللہ (اللہ تجھے روسیا کرے) یہ کیسی خبر ہمارے لیے لایا ہے۔گویا قریش کو ابھی تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے کا یقین نہ آیا تھا۔انہوں نے پوچھا تیرے پیچھے یہ کیسا گردوغبار اٹھتا ہوا آرہا ہے اور وہ کون ہیں؟ ممکن ہے کہ ان کا یہ پوچھنا خبط' خرابی دماغ' حیرت' سرگردانی' خبث باطنی اور تکلیف وتجاہل سے ہو۔کیوں کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا ابوسفیان سے پہلے مکہ لوٹ آئے تھے ظاہر ہے کہ انہوں نے انہیں بتادیا ہوگا۔ابوسفیان نے کہا ''افسوس ہے تم پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے لشکر وسپاہ کے ساتھ باجاہ حشم تشریف لے آئے ہیں۔اب تم میں ان کا مقابلہ کرنے اور جنگ کرنے کی تاب وتواں باقی ہی نہیں رہی ہے۔ابوسفیان کی بیوی جس کا نام ہند بنت عتبہ اکلتہ الاکباد تھا اس نے اپنے شوہر کی داڑی پکڑ کے اسے خوب ذلیل وخوار کیا اور کہنے لگی ''اے غالب کی اولاد! اس احمق کو مار ڈالو تاکہ ایسی بات منہ سے نہ نکالے''۔ابوسفیان نے کہا ''جس طرح چاہے مجھے ذلیل ورسوا کرو اور جس طرح چاہے میرے ساتھ سلوک کرو لیکن خدا کی قسم اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری گردنیں اڑادیں گے۔جاؤ گھروں میں گھس جاؤ اور دروازہ بند کرلو۔تم سب کی تدبیر اور علاج یہی ہے۔(رجعنا الی القصة)

القصہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرالظہران سے آگے بڑھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مہاجرین کی جماعت کو لیکر مکہ کے بلندی کے راستے سے جسے کدا کہتے ہیں ''حجون'' میں داخل ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک بھی وہاں جاکر نصب کریں۔وہاں سے آگے نہ جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کریں اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہتھیار بند جماعت کے ساتھ حکم دیا نرمی ومہربانی کے ساتھ بطن وادی کی راہ سے روانہ ہوں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام فوج کو اسفل مکہ کی راہ سے جسے کدا کہتے ہیں داخل ہوں اور اپنے علم کو مکہ کے منتہائے عمارت میں نصب کریں اور غسل کرنے کے بعد اور بدن اقدس پر ہتھیار آراستہ کرنے اور جماعتوں کو متعین کرنے کے بعد آپ اپنے مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سوار ہوئے جب آپ کی نظر مبارک حق تعالیٰ کی فتح ونصرت اور اقامت نعیم غیر متناہی پر پڑی تو اپنی ہجرت کا وقت یاد آگیا اور تصور کیا کہ کس طرح آپ تنہا وپنہاں اور دشمنوں سے گریزاں مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے تھے اور تھوڑی ہی مدت کے بعد نمایاں اور واضح طور پر بایں شوکت وعظمت باجاہ وجلال اور بے شمار لشکر کے ساتھ واپس تشریف لارہے

ہیں۔ اپنے سر مبارک کو تواضعا للّٰہ جھکاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی لحیہ ءمبارکہ پالان کی لکڑی سے مل جاتی ہے اور اسی پالان کے اوپر سجدہ ءشکر بجالاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ مروی ہے کہ اونٹ کے پالان کے اوپر ''سورۃ انا فتحنا'' کی ابتدائی آیتیں باآواز بلند ترجیع وتردید صورت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ترجیع حلق میں آواز گھمانے کو کہتے ہیں جیسے کہ آ آ آ۔ بعض کہتے ہیں کہ ترجیع اونٹ کی حرکت ورفتار کی بنا پر پیدا ہوتی ہے کیوں کہ درست باہر نہیں آتی تھی۔ حق یہ ہے کہ بربنائے غلبہءشوق وسرور اور اس نعمت عظمٰے کے شکرانہ میں تھی اور قرآن کو تغنی وخوش الحانی سے علی الاطلاق پڑھنے میں احادیث وارد ہیں۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات تغنی سے قرآن کریم پڑھا اور اس میں ترجیع فرماتے جس طرح خوش آواز حفاظ پڑھتے ہیں۔ روز فتح مکہ بھی سورۂ فتح کو اسی طرح پڑھا (انتہی) اسی حال کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے سبحان اللہ! کیا شریف وقت اور سعید ساعت ہے کہ نور ایمان کی تابانی کے ظہور کا وقت ہے اور ظلمت کفر کے اضمحلال وزوال کا وقت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت کیا مقام اور کیا حال ہوگا۔ اے خداوندا میں اس وقت وساعت کی حرمت سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ایسا ایمان وسرور عطا فرما جو تیرے فضل ورحمت سے متعلق ہے۔ جس کے بارے میں تو نے ارشاد فرمایا ہے کہ: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا مفسرین کہتے ہیں کہ فضل سے ایمان اور رحمت سے قرآن مراد ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام لشکر کو حکم دیا کہ کوئی شخص کسی اہل مکہ سے اور حرم کے مجاوروں سے جنگ وقتال کے ساتھ نہ پیش آئے۔ بجز ان نادانوں اور ناسمجھوں کے جو ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اپنی مدافعت میں ان کو معاف نہ کریں۔

منقول ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کا حکم دیا تھا تو اس جگہ عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو جو کہ ابھی عداوت وشقاوت اور خبث باطنی میں مبتلا تھے اور ظلمت کفر وضلالت سے نہ نکلے تھے کمال بے طاقتی سے بنی بکر بنی حارث کے کچھ لوگوں کے ساتھ اور کچھ ہزیل واحابیش کی مدداعانت سے آئے اور جنگی ساز وسامان سے لیس ہو کر سرراہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا پکڑا۔ یہ سب خیرہ گمراہ لوگ جو ابھی تک اپنے بدبخت باپ دادا کے دین کی تقویت کی سعی میں مشغول تھے۔ اتنا نہ جانتے تھے کہ اب کس کے بل بوتے پر فتح ونصرت کی تمنا وتوقع رکھتے ہیں۔ ابوسفیان کو نہیں دیکھتے کہ وہ بھی کلمہ ءاسلام زبان سے جاری کرنیکی توفیق پاچکا ہے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں دیکھتے کہ کس طاقت اور مقام رفعت وسعادت پر فائز ہو چکے۔ مگر یہ بدبخت یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ لوگ جان لیں کہ اگر زمرۂ اسلام میں داخل ہونا بھی پڑا ہے تو جبر واکراہ کے طور پر ہوئے ہیں رغبت وشوق سے اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ تاکہ ان کے باپ دادا کی خبیث روحیں ان سے راضی ہوں۔

لامحالہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرورت پیش آئی کہ ان کے ساتھ مقاتلہ کریں اور خندمہ کے مقام میں جنگ عظیم واقع ہوئی۔ یہاں تک کہ ''خرورہ'' کے مقام تک جسے عوام اب ''عرور'' کہتے ہیں جو خانہ کعبہ کے متصل ہے جنگ نے طول کھینچا اور ان ذلیل وخوار سرکشوں میں سے اٹھائیس آدمی غازیوں کی تیغ آبدار سے جہنم رسید ہوئے اور دو شخصوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں سے شربت شہادت نوش کیا۔ ایک حنیش بن الاشعر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے کرز بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جنگ کی اطلاع پہنچی تو فرمایا میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو جنگ کرنے سے منع کیا تھا وہ کیوں لڑے۔ لوگوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! بہت بڑی جماعت ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آئی تھی۔ انہوں نے اپنی مدفعت میں

ان سے جنگ کی ہے۔جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا۔اس کے ساتھ مجبوراً مقاتلہ محاربہ کرنا پڑا۔فرمایا: قَضَآءُ اللهِ خَيْرٌ. اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر بہتر ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عتاب فرمایا اور کسی کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر حکم پہنچائے کہ ضَعْ عَنْهُمُ السَّيْفَ یعنی ان کو تلوار کی ضرب سے باز رکھو اور ان کو قتل نہ کرو۔مگر اس قاصد نے ان سے یہ کہا کہ ضَعْ فِيْهِمِ السَّيْفَ یعنی تلوار کی دھار پر رکھو اور ان کو قتل کرو' اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن ستر آدمیوں کو مارا۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک میں یہ بات آئی تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تم نے خلاف کیوں کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ میں کیا کرتا اس قاصد نے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا مجھے یہ حکم پہنچایا کہ ضَعْ فِيْهِمِ السَّيْفَ (ان کو قتل کردو)

اس سلسلہ میں عجیب وغریب بات یہ ہے کہ جسے بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا جس کو حکم دے کر بھیجا تھا اور فرمایا! میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اس قاصد نے کہا'' جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے حکم لیکر چلا تو ایک شخص مجھے ملا جس کا سر آسمان تک پہنچا تھا اور خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اس نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ'' خالد رضی اللہ عنہ سے کہنا ضَعْ فِيْهِمِ السَّيْفَ ورنہ اس خنجر سے تجھے ہلاک کردوں گا۔مجبوراً میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے یہی کلمہ کہا' جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا صَدَقَ اللهُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهٗ. اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔اس دن جب روز احد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے تو میں نے کہا تھا کہ اگر میں قریش کو پاؤں تو ان کے ستر آدمیوں کو قتل کروں گا۔اس دن حق تعالیٰ نے مجھے منع فرمادیا تھا۔لیکن آج خدا نے چاہا کہ جو کچھ نبی کی زبان سے ادا ہوا وہ سچ کر دکھایا جائے۔اسی غرض سے یہ بات ظہور میں آئی ہے اور قریش کے ستر آدمی مارے گئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مکہ کے اوباش اور نادان لوگ سرکشی دکھاتے ہیں اور مقاتلہ پر آمادہ ہیں فرمایا: اُحْصُدُوْهُمْ حَصْدًا. ''کاٹ دو انہیں خوب کاٹنا''۔ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا۔''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش ہلاک ہو گئے اس پر خواجہء کائنات نے ان پر رحم فرمایا اور حکم دیا کہ''اب قریش کو نہ مارو''۔اس کے بعد ان اشقیاء کا وہ گروہ جو جنگ کر رہا تھا ہزیمت کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور پہاڑوں اور ان کو گھاٹیوں میں جا چھپا اور بعض کوہ وبیابان کو نکل گئے اور بعض گھروں میں گھس کر دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اور قتل ہونے سے چھوٹ گئے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسبب اژدھام کثیر یا بغرض تعلیم احکام سواری پر ہی مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس بقعہ نور کو اپنے نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لباس نور علیٰ نور پہنایا اور محجن اپنے دست مبارک کے عصا سے جو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہا کرتا تھا حجر اسود کا استلام کیا اور زبان حق ترجمان کو تکبیر کے ساتھ کشادہ فرمایا اور مسلمانوں نے بھی موافقت اور اتباع کے قصد سے تکبیر بلند کی۔یہاں تک کہ تکبیر کا غلغلہ مکہ مکرمہ میں گونج گیا اور مشرکین مکہ کے پہاڑوں پر چڑھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے اور آتش عداوت وحسد میں جل بھن بھی رہے تھے۔

خانہء کعبہ سے بتوں کا توڑنا: وصل: جب طواف سے فارغ ہوئے تو بتوں کی پلیدی سے بیت الحرام کی تطہیر کی طرف توجہ فرمائی اور حرم پاک کی عزت وحرمت کو پاک کیا۔اہل سیر لکھتے ہیں کہ مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت خانہء کعبہ کے اطراف وجوانب میں نصب کر رکھے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے ان بتوں کے پاؤں کو سیسہ سے زمین میں جما رکھا تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم اس عصائے مبارک سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں رہتا تھا بتوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا حق آ گیا اور باطل فرار ہو گیا۔ بلاشبہ باطل کو تو فرار ہونا ہی تھا اور وہ بت منہ کے بل گر پڑے۔ ایک روایت میں ہے کہ قفا یعنی گدی کے بل گر پڑتے۔ دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح کرتے ہیں ہے اگر عصا کا اشارہ منہ کی طرف ہوتا تو وہ گدی کے بل گر پڑتے اور اگر گدی کی طرف اشارہ ہوتا تو منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ بعض سیر کی کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روز فتح مکہ خانہء کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت پائے۔ جس کی طرف قبائل عرب حج کرتے اور ان کے لیے قربانی کرتے تھے۔ اس پر بیت اللہ نے خدا سے شکایت کی اور مناجات کی کہ اے میرے رب! کب تک تیرے سوا' میرے ارد گرد بتوں کی پوجا ہوتی رہے گی؟ پھر خدا نے بیت اللہ کی طرف وحی بھیجی کہ عنقریب میں تیرے لیے اپنے نور کو پیدا کروں گا اور تیری طرف ایسی قوم کو بھیجوں گا جو کرگسوں کی مانند دھیمی چال سے آئیں گے اور ان پرندوں کی مانند جو ذوق و شوق کے ساتھ اپنے انڈوں کی طرف آتے ہیں۔ ایسے تیری طرف آئیں گے اور تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوں گے اور اساف و نائلہ اور ہبل کو جو بڑے بڑے بت ہیں توڑ دیں گے مروی ہے کہ اساف کوہِ صفا پر نصب تھا اور نائلہ کوہ مروہ پر۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ دراصل یہ دونوں بت قبیلہ جرہم کے مرد وعورت تھے جنہوں نے خانہء کعبہ میں زنا کیا تھا۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے دونوں کو پتھر کا کر دیا اور قریش نے اپنے کمال جہالت وفرط ضلالت سے انہیں پوجنا شروع کر دیا اور ان دو پتھروں سے اپنے سر مارنے لگے۔ جس وقت ان دونوں بتوں کو توڑا گیا تو ان میں سے ایک سیاہ رنگ کی کلموئی عورت باہر نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہے نائلہ جو آج کے بعد ابد تک کبھی نہیں پوجی جائے گی اور جب بت ہبل کو توڑا گیا تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا یہ ہے وہ بت ہبل جس پر روز احد تم ناز کرتے تھے اور نعرہ لگاتے تھے کہ ''اعل ہبل'' (بلندی ہو ہبل کی) آج وہ توڑ دیا گیا ہے ابوسفیان نے کہا ''مجھے چھوڑ دو اور میری سرزنش نہ کرو اگر خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو ضرور ہماری مدد کرتا اور اس کے برخلاف صورت رونما ہوتی''۔

بعض سیر کی کتابوں میں ہے کہ چند بڑے بڑے بت اونچی جگہوں پر نصب تھے جن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان میں سب سے اونچا اور بڑا بت وہ تھا جسے ہبل کہتے تھے۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اپنے قدم ناز کو میرے کندھوں پہ رکھئے اور ان بتوں کو گرا دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے علی رضی اللہ عنہ! تم میں بار نبوت کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہے تم میرے کندھوں پہ آ ؤ اور ان بتوں کو گراؤ۔ امتثالاً لِلْاَمرِ' رسول اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر آئے اور ان کو گرایا۔ اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا خود کو کیا دیکھتے ہو۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا تمام حجابات اٹھ گئے ہیں اور میرا سر عرش سے جا ملا ہے اور جدھر میں ہاتھ پھیلاؤں وہ چیز میرے ہاتھ آ جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے علی رضی اللہ عنہ! تمہارا کتنا اچھا یہ وقت ہے کہ تم کار حق ادا کر رہے ہو اور میرا حال کتنا مبارک ہے کہ میں بار حق اٹھائے ہوئے ہوں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بتوں کو زمین پر گرا دیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گئے تو خود کو دوش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین پر گرا دیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ خود کو خانہء کعبہ کے قریب گرا دیا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب احترام کی بناء پر تھا۔ جب وہ زمین پر گرے تو تبسم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کس چیز نے تمہیں ہنسایا۔ عرض کیا اس چیز نے مجھے ہنسایا کہ میں نے خود کو اتنی بلندی سے گرایا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں تکلیف کیسے پہنچتی جبکہ تمہیں اٹھانے والا محمد

صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور تمہیں اتارنے والا جبرائیل علیہ السلام۔ بعض علماء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھانے اور بتوں کے گرانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بحکم آیۂ کریمہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (بلاشبہ اے کافرو تم اور روجن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں) یہ بت جہنم کے ایندھن تھے۔ اگر دنیا میں ان کو حضور اکرم صلی اللہ صلی علیہ وسلم کا دست اقدس چھو جاتا آخرت میں آتش دوزخ ان کو نہ پہنچتی اور اس کے ایندھن نہ بنتے۔

معارج النبوت میں اس سے زیادہ عجیب وغریب چیز روایت کی گئی ہے ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹیاں تنور میں لگا رہی تھیں۔ آگ کی گرمی سے ان کا بدن نازنین گرم ہو گیا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ چند روٹیاں تنور میں اپنے دست اقدس سے لگائیں۔ وہ سب کی سب کچی نکلیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حیران رہ گئیں کہ جتنی روٹیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لگائیں وہ سب کچی رہ گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! ''تعجب نہ کرو۔ ان روٹیوں کو میرا ہاتھ چھو جانے کا شرف حاصل ہو گیا ہے اور جو چیز ہمارے ہاتھ سے چھو جائے آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے گرد و پیش کو بتوں کی نجاست و پلیدی سے پاک فرمایا تو ارادہ فرمایا کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔ اس وقت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تاکہ خانہ کعبہ کی چابی کو ان سے لیں چونکہ قدیم الایام سے اس کی چابی ان کے سپرد تھی اور چابی عثمان کی والدہ کے قبضہ میں تھی جس کا نام سلامہ بنت سعد تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ والدہ کے پاس گئے اور ان سے چابی مانگی ان کی والدہ نے چابی دینے سے انکار کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم چابی دو ورنہ اپنی کمر سے تلوار نکالتا ہوں۔ پھر ماں کے ہاتھ سے چابی لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کعبہ کا دروازہ کھولا۔ (رواہ مسلم) ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ایسا دستور تھا کہ خانہ کعبہ کو دوشنبہ اور پنج شنبہ کے سوا نہ کھولتے تھے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے دروازہ کھولنے کے لیے فرمایا تاکہ اس جماعت کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی کعبہ میں داخل کریں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سختی برتی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر فرمایا اور بردباری سے کام لیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عثمان رضی اللہ عنہ! ایک دن ہو گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ دیکھو گے یہاں تک کہ میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا''۔ میں نے کہا ''اس دن قریش ہلاک وخوار ہو جائیں گے۔ اس دن سے یہ بات میرے دل میں جگہ کر گئی کہ ضرور ایسا ہو کے رہے گا۔ جب فتح کا دن آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عثمان رضی اللہ عنہ چابی لاؤ''۔ میں لایا اور میرے ہاتھ سے لے کر پھر میرے ہی ہاتھ میں دیدی اور فرمایا ''لو قیامت تک کوئی تمہارے ہاتھ سے نہ لے گا مگر ظلم سے۔ اے عثمان رضی اللہ عنہ! میں نے ایک دن تم سے نہ کہا تھا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے یہ تجدید و شہادت و ایمان اس معجزے کے مشاہدے کی بنا پر ہے ورنہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان لانا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ فتح مکہ کے سال سے پہلے ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن طلحہ کو چابی کے لیے طلب فرمایا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کعبہ کی کنجی انہیں عطا فرمائی جائے اور منصب سدانت کعبہ کو سقایہ کے ساتھ ان کے لیے جمع فرما دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! منصب حجابت کعبہ کو اپنے اہل بیت کے سپرد فرمائیں جس طرح کہ سقایہ زمزم کو انہیں مرحمت فرمایا ہے (واللہ اعلم) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصب حجابت کو اپنے لیے چاہتے تھے یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقویت فرمارہے تھے کہ جس طرح سقایہ زمزم انہیں حاصل ہے اسی طرح حجابت کعبہ بھی انہیں ہی حاصل ہو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ چابی کو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لے آئیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد فرمائیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چابی عثمان رضی اللہ عنہ کے ہی ہاتھ میں دے دی جائے اور ان سے معذرت کرو جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چابی لے کر ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا یہ کیا کہ زبردستی لے گئے اور معذرت کے ساتھ لے آئے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''تمہاری شان میں قرآنی آیت نازل ہوئی ہے اور جبرائیل نے آکر کہا ہے کہ جب تک روئے زمین پر یہ بیت اللہ قائم ہے اس کی چابی اور اس کی سدانت قیامت تک انہیں کے لیے ہے اور جب حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو انہوں نے اپنے بھائی شیبہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی۔ عثمان رضی اللہ کا کوئی فرزند نہ تھا اور انہیں کو بنی شیبہ کہتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کے دروازہ پر کھڑا کیا۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر چلے گئے اور دروازہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بند کیا تاکہ اژدھام نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طویل وقفہ تک اندر رہے اور خانہ کعبہ کے گوشوں میں دعا و تضرع فرماتے رہے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور نکلتے وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ انبیاء و فرشتوں کی تصویروں کو جنہیں کفار دیوار ہائے کعبہ میں منقش کر رکھا ہے مٹا دو۔ پھر انہوں نے تمام تصویروں کو مٹا دیا مگر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام کی اس تصویر کو باقی رکھا جس میں دونوں تیر و قمار ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں بھی مٹا دو یہ قوم نہیں جانتی کہ انبیاء ہرگز قمار نہیں کھیلا کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول پانی کا طلب فرمایا اور ان دونوں تصویروں کو بھی دھو دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر دو رکعت نماز پڑھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جو اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر نماز نہیں پڑھی۔ اعتماد بھروسہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر ہے کیوں کہ وہ مثبت ہے نہ کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر کیوں کہ وہ نافی ہے اور اصول فقہ کے قواعد میں سے ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہے کیونکہ اس کے ساتھ علم کی زیادتی ہے نافی میں یہ نہیں ہے اور یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف سے واقف تھے چونکہ وہ اوّل سے آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کام سے باہر بھیجا گیا تھا اس بنا پر وہ نماز سے مطلع نہ ہوئے ظاہر ہے کہ وہ کام پانی کا ڈول لانے کا تھا تاکہ اس سے تصویروں کو دھویا جاسکے۔ جیسا کہ ایک روایت میں صراحت کے ساتھ بھی آیا ہے یہ ہے وجہ تطبیق وجمع، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں کے درمیان اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک روایت میں ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں امام احمد اور طبری سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونِ کعبہ نماز پڑھی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ان روایتوں کی جمع میں علماء فرماتے ہیں کہ اسامہ رضی اللہ عنہ جس روایت میں اثبات کرتے ہیں وہ اپنے غیر پر اعتماد کرتے ہیں اور جس میں نفی کرتے ہیں وہ اپنے علم کے بموجب نفی کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے تو میں کہوں گا کہ میں نے نہیں دیکھا تو اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ کا دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے تو چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑے کھڑے ہوگئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ لوگوں کے اژدھام کو در کعبہ سے دور ہٹا رہے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذکر کو جو حمد ثنائے الٰہی اور ادائے شکر نعیم نامتناہی پر مشتمل تھا پڑھا اور کہا کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ. لَا شَـرِيْكَ لَـهٗ. صَـدَقَ وَعْـدَهٗ. وَنَـصَرَ عَبْـدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْـزَابَ وَحْـدَهٗ وَاَعَـزَّ جُنْدَهٗ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور قبائل کو ایک ایک کر کے ہزیمت دی اور اپنے لشکر کو غالب فرمایا۔ اعیان قریش خوف و بیم کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے کہ دیکھیے کیا حکم ہوتا ہے اور کیا فرمائیں گے۔ اس وقت اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''کیا کہتے ہو اور کیا گمان رکھتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟'' لوگوں نے کہا: نَقُوْلُ خَيْرًا وَّنَظُنُّ خَيْرًا. ہم اچھا کہتے ہیں اور اچھا گمان رکھتے ہیں اَخٌ كَرِيْمٌ وَّابْنُ اَخٍ كَـرِيْـمٍ وَقَـدْ قَـدَرْتَ آپ بخشش فرمانے والے بھائی کے فرزند ہیں بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پہ قدرت پائی ہے۔'' جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے انہوں نے اخ کریم کر کے مخاطب کیا اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ہم عمر تھے انہوں نے ابن اخ الکریم کنایہ کر کے مخاطب کیا اور ان کا کہنا کہ ''قد قدرت'' طلب عفو کی طرف اشارہ ہے کہ قدرت کے باوجود معاف اور درگزر فرمائیں۔ چونکہ اس عبارت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے بھائیوں سے درگزر فرمایا۔ جبکہ ان کے بھائیوں نے کہا تھا: لَقَـدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْـكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ. آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں اللہ تمہیں بخشے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔ چونکہ ابتدائے سوال ان کی جانب سے ہوا تھا انہوں نے پوچھا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں گے اور آج ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا'' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شروع میں ان سے دریافت کرنا یہ ایک قسم کا توبیخ و تہدید میں عتاب آلود خطاب تھا۔ جیسا کہ ظاہر و باہر ہے (واللہ اعلم) اور فرمایا اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ جاؤ اب تم آزاد ہو'۔ قید سے رہائی پاچکے ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بشکر وصل کہ حاصل بکام دل کردم ستمگران حسد پیشہ را بحل کردم

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور جاہلیت کی رسوم و عادات کو بیخ برکندہ کیا اور قصاص دیت کے احکام کو جو اہل جاہلیت اس میں افراط و تفریط کرتے تھے' بیان فرمائے کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ کسی کو کسی پر کوئی فضل و زیادتی نہیں ہے بجز تقویٰ و پرہیزگاری کے اور اس آیہ کریمہ کو پڑھا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰـكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْـرٌ. خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا' امیر المومنین علی المرتضیٰ کی بہن کے گھر تشریف لائے اور تازہ غسل فرما کر آٹھ رکعت ہلکی' چاشت کی پڑھی اور فرمایا ''ہذہ سبحۃ الضحٰی'' سبحۃ نماز نافلہ کو کہتے ہیں اور سبحہ کی طرف اضافت کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے سبب سے موسوم ہے۔ بعض گمان کرتے ہیں کہ یہ نماز فتح کے شکرانہ کے طور پر تھی اور نماز چاشت کے مشروعیت میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث عمدہ ہے۔ اس نماز میں علماء کا بہت اختلاف ہے شرح سفر السعادۃ میں تفصیل و تحقیق کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔ تحقیق یہ ہے کہ نماز چاشت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پڑھنے کا ثبوت دائمی نہیں ہے۔ لیکن وہ نماز جسے اشراق کہتے ہیں دائمی تھا اور اس میں تاکید بھی تھی۔ دونوں نمازوں پر ''صلوٰۃ الضحٰی'' کا اطلاق احادیث میں واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیام گاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ راہ میں شعب ابی طالب اور خیف بنی کنانہ نظر سے گزار وہ محنت

ومشقت کی یاد آئی جو مشرکوں کے ہاتھ سے اس جگہ پہنچی تھی جس وقت کہ مشرکوں نے کفروانکار اور بنی ہاشم کے ساتھ ترک مناکحت اور ان کے ہاتھ خرید وفروخت نہ کرنے پر حلف وقسم اٹھائی تھی کہ جب تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ نہ کریں گے یہ معاہدہ جاری رہے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ تمام مناظر یاد آئے اب فتح مکہ کی نعمت اور دشمنانِ دین پر غلبہ پانے پر شکر بجالائے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ یہ بھی کیسا شریف وقت اور عظیم نعمت تھی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامان اجلال کے دست ادراک میں آئی۔ اس وقت کی حقیقت تو عرشیوں سے پوچھنی چاہیے کہ یہ آواز وہاں تک پہنچی ہوگی۔ بلکہ وہاں سے گزر کر اور اوپر گئی ہوگی۔ اس مقام میں اذان کے کلمات بھی مروی ہیں جس طرح کہ باب اذان میں گزرا ہے' اے مالک الملک اس وقت مبارک اور ساعت سعید کے طفیل' مسلمانوں کو دین پر ثابت رکھ اور کلمہ اسلام کے شہرہ کو اور زیادہ بلند فرما۔ آمین۔

مشرکوں نے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے جیسے خالد بن اسید برادر عتاب بن اسید' حارث بن ہشام برادر ابوجہل' اور حکم بن العاص نے یاوہ گوئی سے کام لیا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام آئے اور جو کچھ ان لوگوں نے بکواس کی تھی سب کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور جس نے جو کچھ کہا تھا سب کی خبر دی اور انہیں ان کی باتوں سے خبردار کیا۔ یہ بات ایک جماعت کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ جیسے حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام' عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب بھی ان لوگوں کے ساتھ یادہ گوئی میں شامل تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں کچھ نہیں کہتا جو کچھ میں کہوں گا میرا خیال ہے کہ یہ سنگریزے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی خبر دیدیں گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے سامنے ان کی کہی ہوئی باتوں کو دہرایا تو ابوسفیان نے کہا کہ میں نے اتنی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور تصدیق کی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان جاگزیں ہوگیا تھا اور اس کا اسلام حسن پذیر ہوگیا تھا۔ روز فتح مکہ کے بعض مسلمانوں کو ''حسن اسلامہ'' کہا جاتا ہے اور بعض کے بارے میں علماء اختلاف کرتے ہیں۔ بہر تقدیر ایسے مسلمانوں کو ''مؤلفتہ القلوب'' کہتے ہیں۔ اس لفظ کا مطلب اور ان کے معاملہ کے بارے میں ''غزوۂ حنین'' اور اس کے غنائم کی تقسیم کے ضمن میں واضح ہوگا۔ معاویہ بن ابوسفیان از مسلمانان فتح اور مولفتہ القلوب میں سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا اسلام لانا ان کے باپ کے اسلام سے پہلے ہے قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوں اور کہتے ہیں کہ مکہ کی راہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اسلام لائے۔

القصہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تشریف لائے اس طرح کہ آپ کی نظر مبارک کے سامنے خانہ کعبہ تھا پھر دست مبارک اٹھا کر شکرانہ نعمت بجالائے اور اس جگہ بیٹھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استادہ تھے۔ قریش کا ایک ایک آدمی آتا جاتا بیعت کرتا جاتا تھا۔ مردوں کے بعد عورتیں آئیں اور انہوں نے بیعت کی اور شرف مبایعت سے مشرف ہوئیں عورتوں کے ساتھ بیعت زبانی تھی دست اقدس کے ساتھ نہ تھی

عورتوں کی بیعت کا طریقہ: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ چادر مبارک کا ایک کنارہ دست اقدس میں پکڑتے اور دوسرا کنارہ ان کے ہاتھ میں دیا جاتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک پیالہ پانی کا لایا جاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست اقدس اس میں داخل کرتے۔ اس کے بعد ان کو دیا جاتا تاکہ وہ اپنا ہاتھ اس میں ڈالیں۔ مگر صحیح یہی ہے کہ زبان سے تھی۔ جیسا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں صراحت سے آیا ہے عورتوں سے بیعت لینے کے بارے میں یہ آیہ کریم بیان فرمائی ہے کہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ. اے نبی جب آپ کے

پاس ایماندار عورتیں اس پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو نہ شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی۔

مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور ان کے ساتھ لطف واحسان فرمایا تو انصار نے غیرت کھائی اور بعض انصار کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم اور اپنے خاندان کی طرف مائل ہوگئے اور ان کے ساتھ مہربانی وکرم کا سلوک فرمایا اب ہمیں تنہا چھوڑ دینگے اور ان کی جانب اور اپنے شہر تشریف لے آئیں گے۔ حالانکہ انصار کا گمان یہ تھا کہ چونکہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا وآزار پہنچائے ہیں، قتل وغارت، عداوت ودشمنی کا مظاہرہ کیا ہے اس لیے ان کے اعمال کا بدلہ وانتقام لیں گے اور ایک سرے سے ان سب کا قتل عام فرمائیں گے۔ جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کا قول پہلے گزر چکا ہے مگر انہوں نے اتنا نہیں سمجھا کہ رحمۃ للعالمین اور ہادی الضالین یعنی گمراہوں کو راہ ہدایت دکھانے والے بھی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اہل جہاں کی ہدایت ورہنمائی ہے انتقام وبدلہ لینا تو دنیاوی بادشاہوں کا کام ہے۔ انصار اسی گفتگو میں تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار وحی نمودار ہوئے جب متجلی ہوئے تو انصار سے فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہتے ہو۔ انہوں نے اعتراف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاشا وکلا۔ میں ایسا کروں۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں حکم الٰہی سے میں نے تمہاری طرف ہجرت کی۔ میری زندگی تمہارے ساتھ ہے اور میری ممات بھی تمہارے ساتھ ہے۔ انصار رو کر عرض کرنے لگے واللہ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ بات کسی بدگمانی سے نہیں کہی تھی بلکہ اس انتہائی محبت اور قلبی لگاؤ سے کہی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دوسروں کے ہو جائیں گے اور ہمیں چھوڑ دیں گے۔ چونکہ اس قوم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزاع وجدال اور حرب وقتال، اعلائے کلمہء اسلام اور اظہار دین کے لیے تھا۔ دنیاوی جاہ وچشم مطمح نظر نہ تھا۔ جب یہ بات حاصل ہوگئی تو انتقام کس لیے لیتے۔

فتح مکہ کے دوسرے دن بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا ''اے لوگو! بلا شک وشبہ حق تعالیٰ نے جب سے آسمان وزمین پیدا ہوئے ہیں مکہ مکرمہ کو حرام قرار دے دیا ہے۔ یہ اس کی قدیمی حرمت کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح اس کی حرمت قیامت تک رہے گی۔ کسی بندۂ مومن کے لیے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے، درخت اکھیڑے اور گھاس توڑے اور اگر کوئی رخصت چاہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال سے تمسک واستدلال کرے یعنی وہ کہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی اور وہ تمہیں اجازت نہیں دیتا اور نہ تمہارے لیے حلال کرتا ہے جس طرح مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ ہوا اسی طرح میرے بعد بھی ہے اور مجھ پر بھی صرف ایک دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال ہوا تھا اس کے بعد اس کی حرمت اپنے حال پہ لوٹ آئی ہے۔ جیسا کہ پہلے حرام تھا۔ یہ بات اس لیے فرمائی کہ جندب بن ادلع ہذلی مکہ میں آیا اور خراش بن امیہ کعبی خزاعی نے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اس پر زجر کیا اور فرمایا قتل سے اپنے ہاتھ کو روک لو اور اس شخص سے جس نے قتل کیا تھا حکم دیا کہ وہ اس کی دیت ادا کرے۔ اس کے بعد اگر کوئی کسی کو قتل کرے تو مقتول کے ورثا کو قصاص دیت کے درمیان اختیار ہے۔ اس پر خزاعہ نے سو اونٹ اس مرد کے دیت میں دیئے گویا یہ قتل بالشُبہ تھا کہ قاتل نے اس قتل کو حلال اعتقاد کیا تھا۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال نہ فرمایا اور جو قتال واقع ہوا وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے نہ تھا اور بعد از وقوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا تھا۔ لیکن اس کی ابتداء قریش کے اوباش لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی تو اپنی مدافعت کے لیے اشارۂ اجازت بھی دے دی تھی اور یہ جنگ ایک گھڑی سے زیادہ

نہ تھی۔ اسی بناء پر علماء کا اختلاف واقع ہوا ہے کہ فتح مکہ غلبہ جنگ سے ہوئی یا امن وصلح سے۔ جولوگ امن وصلح کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''مرالظہر ان'' میں امن دیدی تھی اوران کے گھروں اور جائے امن کی نشاندہی فرمادی تھی اور یہ کہ اموال غنیمت کوان میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

مجرمین کاقتل اور بعض کی معافی: وصل: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کوامن دے دی تھی اوران کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی لیکن ایک جماعت کواس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا اوران کے خون بہانے کی اجازت دی اور حکم دیا کہ حل وحرم میں جہاں پائے جائیں قتل کردیئے جائیں۔ لیکن بعض کے قتل سے نجات پائی۔ ایسے لوگ مردوں میں گیارہ اورعورتوں میں چھ تھے۔ مردوں میں سے چارقتل کیے گئے اور سات مامون رہے۔ مواہب میں ہے کہ عورتوں میں سے چارعورتیں ماری گئیں اورایک میں اختلاف ہے اور دو مامون رہیں۔ اب ایسے تمام مردوں اورعورتوں کا ذکر کرتے ہیں تا کہ حقیقت حال ظاہر ہوجائے۔

ابن خطل کاقتل: ان میں سے ایک ابن خطل ہے۔ اس کا نام جاہلیت میں عبدالعزیٰ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ بعض لوگ بلال نام بتاتے ہیں جو کہ مشتبہ وملتبس ہے کیوں کہ اس کے بھائی کا نام بلال ابن خطل تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے وہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ آیا اور مسلمان ہوا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بعض قبیلوں کی طرف بھیجا اس کے ساتھ ایک انصاری شخص تھا اس کے ساتھ ایک خزاعی مسلمان خدمت گاری میں تھا۔ وہ ایک منزل میں اترا اوراس خزاعی کو حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرکے اس کے لیے کھانا تیار کرے اور خود سوگیا۔ اس خزاعی نے بھی خدمت میں کوتاہی کی وہ بھی سوگیا اور کھانا تیار نہ کیا۔ جب دیکھا کہ کھانا تیار نہیں ہوا ہے تو غصہ میں آکر خزاعی کوقتل کردیا اوراپنے دل میں کہا کہ اگر میں مدینہ گیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے قصاص لیں گے۔ اس پر وہ مرتد ہوگیا اور صدقہ کے جانوروں کولیکر اہل مکہ سے جاملا اوران سے کہا کہ تمہارے دین کو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہتر پایا ہے۔

اہل سیر کہتے کہ اس کی دو باندیاں تھی جواس کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گاتی تھیں۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور غلاف کعبہ سے لپٹ گیا۔ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرمارہے تھے کسی صحابی نے اسے دیکھا اور عرض کیا ''یارسول اللہ! یہ ابن خطل ہے اور غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے؟ فرمایا ''جہاں ہوقتل کردو۔ تو فرمان کے بموجب وہیں قتل کردیا گیا۔ اس کے قاتلوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس طرف سعید بن حریث رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بڑھے اور سعید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کرقتل کردیا کیوں کہ سعید رضی اللہ عنہ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ جوان تھے (الحدیث) اور ابن ابی شیبہ سے برداشتا ابوعثمان نہدی سے نقل کیا ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حال میں قتل کیا کہ وہ غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا تھا۔

یہ روایت تعیین قاتل میں دیگر روایتوں سے زیادہ صحیح ہے اور دیگر روایتوں کواس پر محمول کرتے ہیں کہ وہ قتل کرنے کے ارادہ سے آگے بڑھے تھے لیکن ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کردیا تھا اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قتل میں شریک تھے جیسا کہ مواہب لدینہ میں ہے۔

عبداللہ بن ابی السرح: دوسرا شخص عبداللہ بن ابی السرح تھا۔ جب اس کے قتل کا حکم ہوا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چھپ گیا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رضاعی بھائی تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کردیا اورعرض کیا کہ یارسول اللہ! عبداللہ بن السرح بیعت کے لیے حاضر ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اوراس کی جانب نظر فرمائی اور کچھ

نہ فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسری مرتبہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیعت سے انکار فرمایا اور صحابہ کرام کی طرف رخ پھیر کر فرمایا ''کیا تم میں کوئی ایسا مرد رشید نہیں ہے کہ وہ کھڑا ہوتا جبکہ میں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا' اسے قتل کر دیتا؟ اس پر صحابہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک میں کیا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اشارہ فرماتے تو ہم اسے قتل کر دیتے''۔ فرمایا ''کسی خدا کے نبی کو سزاوار نہیں ہے کہ ''خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ ''یعنی آنکھ کا اشارہ کرے' آخر حدیث تک۔ مواہب لدینہ میں اتنا ہی مذکورہ ہے اور یہ عبداللہ بن ابی السراح ان چار شخصوں میں لایا گیا جن چار شخصوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا! میں ان کو امان نہیں دوں گا خواہ وہ حرم میں ہوں یا حل میں اور معلوم نہیں کہ آخر حدیث میں جو لفظ ''الحدیث'' ہے اس سے کیا اشارہ مراد ہے اور اس کا پورا قصہ کیا ہے وہی ہے جو سیر کی کتابوں میں مذکور ہے یا کچھ اور؟

بحر حال روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شروع میں ایمان لایا۔ چونکہ لکھنا جانتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاتب وحی قرار دیا اور قرآن کریم کی کتابت میں اس سے خیانت اور تبدیل کلمات سرزد ہوئی۔ مثلاً بجائے عزیز حکیم کے علیم لکھ دیتا یہاں تک کہ اس سے یہ بات سرزد ہوئی کہ وہ کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں جانتا کہ کیا لکھتے ہیں اور میں جو کچھ بولتا ہوں وہی لکھ دیتا ہوں بلکہ جس طرح ان پر وحی آتی ہے مجھ پر بھی آتی ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خیانت سے باخبر ہوئے تو وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکا اور مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور فتح مکہ کے دن امیر المومنین سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو اپنا شفیع بنایا اور ان سے کہا میں آپ کی پناہ لیتا ہوں میرے لیے امان لیجئے اور میرا خون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرا دیجئے۔ کیونکہ میرا جرم بہت بڑا ہے اور میں اب اس سے تو شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چند دن کے بعد اسے بارگاہ نبوت میں لے گئے اور اس کی ماں کے حقوق جو ان پر تھے بیان کر کے بہت کچھ سفارش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے امان دیدیں۔ حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ بہت کچھ مبالغہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور آغوش مبارک میں پڑ کر تضرع وزاری کی اور عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ کو امان دیدیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے امان دیدی''۔

ارباب سیر بیان کہتے ہیں کہ عبداللہ اگرچہ ایمان لے آیا تھا اور امان پائی تھی لیکن جب بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا شرمندگی سے منہ چھپا کر ہٹ جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا رضاعی بھائی جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے بھاگ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا ''میں نے اسے امان دیدی ہے''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امان عنایت فرما دی لیکن جب بھی اسے اپنا جرم عظیم یاد آتا ہے شرمندہ ہو جاتا ہے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شریف کی تاب نہیں لاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْاِسْلَامُ یَمْحُوْ مَا کَانَ قَبْلَهٗ اسلام ماقبل کے تمام جرموں کو مٹا دیتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن ابی السرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا تو اس کے بعد لوگ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو آتے تو وہ ان کے درمیان شامل ہو کر سلام عرض کرتا۔

عکرمہ بن ابو جہل کی معافی اور اسلام: تیسرا شخص عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ یہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی میں بہت شہرت رکھتا تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ ابو جہل ملعون کا بیٹا تھا اور وہ شناخت میں اپنے ملعون باپ کا وارث وجانشین تھا اور تمام غزوات میں ان اشقیاء کا سردار و سرکردہ تھا چونکہ سعادت کا حصہ آخر میں اس کے نام کے ساتھ لکھا ہوا تھا بالآخر اس کا ظہور رہا۔

علامہ سیوطی ''جمع الجوامع میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواب میں جنت میں داخل ہوئے انگور کا خوشہ یا کھجور کا خوشہ آپ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ خوشہ ابوجہل کی طرف سے ہے''۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابوجہل کو جنت سے کیا نسبت۔اس بات کی تاویل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالفعل ظاہر نہ ہوئی۔جب مکہ فتح ہوا اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابوجہل زمرۂ اسلام میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر یہ تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روز فتح ایک صحابی عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔جب اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو تبسم فرمایا۔صحابہ نے متبسم ہونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ''عالم غیب میں میں ایسا دیکھ رہا ہوں کہ یہ مقتول اپنے قاتل عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہاتھ ڈالے دونوں جنت میں ٹہل رہے ہیں۔

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ طویل ہے۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عکرمہ خوف کی وجہ سے وہاں نہ ٹھہر سکا۔جب اس نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو مباح قرار دیا ہے تو وہ بھاگ کر ساحل کی طرف چلا گیا اور کشتی میں سوار ہو کر یمن کی طرف چل دیا اچانک سمندر میں طغیانی آئی۔تمام کشتی والے بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری کرنے لگے۔لوگوں نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی کہا کہ ''تم بھی خدا کو یاد کرو اس نے کہا اس خدا کو جس کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بلاتے ہیں۔جس سے میں بھاگتا ہوں''۔کہتے ہیں کہ اس کی نظر کشتی کے ایک تختہ پر پڑی جس پر لکھا ہوا دیکھا کہ ''کَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ'' تیری قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔اسے مٹانے والا ساتھ تھا ہر چند چاہا کہ ان حروف کو مٹائے اور اسے چھیلدے مگر نہ چھیل سکا۔اس پر اس کے دل میں ایک ہل چل پیدا ہوئی۔اس کی بیوی ام حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث بن ہشام برادر ابوجہل مسلمان ہو کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لے کر اس جستجو وتلاش میں نکلی ہوئی تھی۔جب وہ اس کے پاس پہنچی تو اس سے کہا ''اے میرے چچا کے بیٹے! میں خلائق میں سب سے زیادہ کریم اور لوگوں میں سب سے زیادہ رحمدل کے پاس سے آئی ہوں اٹھ اور چل کہ میں نے تمہارے لیے امان لے لی ہے۔جب امان کی خبر اس نے سنی تو وہ حیران ومتعجب ہو کر کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان تمام ایذاؤں کے باوجود جو مجھ سے انہیں پہنچی ہیں' مجھے امان دیدی ہے؟ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ کریم ہیں جتنی کہ تعریف کی جائے۔اس کے بعد عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ لوٹے جب مکہ کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومن ہو کر آ رہا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''خبردار! ان کے والد کو دشنام نہ دینا تاکہ اسے ایذا نہ پہنچے۔پھر عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے دروازہ پر آئے ان کی بیوی نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کر خیمہ میں داخل ہونے کی اجازت مانگی اور عرض کیا میں عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لائی ہوں کیا حکم ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اس حال میں اٹھے کہ آپ کے دوش مبارک سے چادر شریف گر پڑی اور انتہائی خوشی ومسرت کے ساتھ آگے بڑھے اور فرمایا آ جاؤ۔جب وہ داخل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی تو فرمایا: ''مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ'' سوار ہو کر ہجرت کرنے والے تمہارا آنا خوشی کا موجب ہے؛ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے رہے اور عرض کیا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے امان دیدی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں میں نے امان دیدی ہے۔عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّكَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ. اس وقت انتہائی شرمساری سے اپنے سر کو جھکا کر عرض کرنے لگے' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ آپ سب سے زیادہ کریم' سب سے زیادہ راست گو اور سب سے زیادہ وفادار

ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے مانگ جو مانگنا چاہے اگر میری قدرت میں ہوا تو عطا فرماؤں گا۔عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہر وہ دشمنی جو میں آپ کے ساتھ کرسکتا تھا میں نے کی ہے اور ہر وہ اقدام جو اہل شرک کی تقویت اور آپ کی دشمنی میں ممکن تھا میں نے کیا اور ہر وہ بے ادبی وگستاخی جو آپ کے ساتھ ہوسکتی تھی مجھ سے سرزد ہوئی ہے اور ہر وہ بات جو آپ کی غیبت اور برائی میں کہی جاسکتی ہے میں نے کہی ہے۔اب دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ مجھے معاف فرمادے اور مجھے بخش دے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس دعا کے لیے اٹھایا اور جو کچھ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا اس کی معافی مانگی۔عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! جتنا روپیہ پیسہ اور سونا چاندی زمانہء جاہلیت میں بندگان خدا کو راہ حق سے برگشتہ کرنے میں میں نے خرچ کیا ہے۔میری تمنا ہے کہ اتنا ہی راہ حق میں صرف کروں اور جتنی جنگ خدا کے محبوبوں کے ساتھ لڑی ہے اس سے دوگنی جنگ اب میں اس کے دشمنوں کے ساتھ لڑوں۔اس کے بعد حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کے ساتھ ہر اس عہد و دوستی کو جو وہ رکھتے تھے توڑ دیا اور دین کی تقویت اور راہ خدا میں جہاد کے لیے کمربستہ ہوگئے۔یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں غزوۂ اجنادین میں شہید ہوئے سبحان اللہ! ابوجہل لعین کا بیٹا ایسا صاحب ایمان ویقین ہوا! یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے' کے معنے صادق ہوئے۔یہ سب خدا کی ہی توفیق و مدد سے ہے۔

صفوان بن امیہ کا حال: چوتھا شخص صفوان بن امیہ جو کفار قریش کا سربراہ اور اپنی قوم کا بڑا شخص تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ومخالفت میں سخت وشدید تھا۔جب سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز فتح اس کے خون کا بہانا مباح قرار دیدیا ہے تو وہ بھاگ گیا اور ارادہ کیا کہ دریا کے راستہ سے کہیں نکل جائے۔عمیر رضی اللہ عنہ بن وہب جمحی کے لیے مقربوں اور مخلصوں میں سے تھے انہوں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر کے اس کے لیے امان چاہی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض والتماس کو قبول فرما کے دو مہینہ کی امان صفوان کو دیدی۔اس کے بعد حضرت عمیر رضی اللہ علیہ وسلم صفوان کے پیچھے گئے اور اس کے کان کو یہ مژدہ سنایا۔صفوان نے جب اپنے حال پہ نظر ڈالی اور اپنے قبیح افعال کو دیکھا تو اس نے تعجب کیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ لوٹوں گا جب تک کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے میرے لیے امن کی کوئی نشانی نہ لاؤ۔تاکہ مجھے اعتماد وثوق حاصل ہو۔حضرت عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صفوان چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جود وکرم سے دور رہا ہے اسے یقین نہیں آتا اور اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نشانی نہ عطا فرمائیں''۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ شریف ایک روایت میں ہے کہ اپنی چادر مبارک ان کو مرحمت فرمائی کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' صفوان کو پہنچائیں اس کے بعد لوٹ کر آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔عمیر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ میرے لیے دو ماہ کی امان ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تجھے چار ماہ کی امان دیتا ہوں۔صفوان پھر بھی اسلام لانے میں متردد ومتوقف رہا اور شرک کے باوجود غزوۂ حسنین وطائف میں رکاب ہمایوں میں رہا۔

اس وقت اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص عنایتیں اور انعام واکرام ہوئے تو وہ اسلام لایا اور ''مؤلفتہ القلوب'' میں شامل ہوا۔ایسے لوگوں کا ذکر حنین کے غنائم کی تقسیم میں انشاء اللہ آئے گا۔

حویرث بن نقید کا حال: پانچواں شخص حویرث (بصیغہ تصغیر) بن نقید (بصیغہ تصغیر) تھا یہ شقی شاعر تھا اور بارگاہِ رسالت کی بڑی ہجو کیا کرتا تھا۔روز فتح جب اپنا مباح الدم ہونا سنا تو گھر میں بیٹھ گیا اور گھر کے دروازہ کو بند کرلیا۔علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے اس کے گھر آ کر اسے تلاش کیا۔لوگوں نے کہا صحرا چلا گیا ہے۔حویرث نے جب جانا کہ حضرت علی المرتضٰی اس کی طلب میں آئے ہیں تو ٹھہرا رہا

یہاں تک کہ علی المرتضٰی اس کے گھر سے دور چلے گئے تو وہ گھر سے نکلا اور چاہا کہ کسی دوسرے گھر جا چھپے۔ حضرت علی المرتضٰی کو وہ ایک کوچہ میں مل گیا اور اس کی گردن اڑا دی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حکم تو ایسا دیا گیا تھا کہ جو گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے دروازے کو بند کر لے تو وہ مامون ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حکم اعیان قریش کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ چونکہ ان میں سے نہ تھا نیز وہ گھر سے باہر نکل آیا تھا اس لیے وہ اس حکم سے خارج ہو گیا تھا۔ نیز ان لوگوں کے خون بہانے کا حکم زیادہ تر فتح مکہ سے پہلے ہی سے تھا اور یہی ظاہر ہے۔ اس لیے کہ ان کے جرم و گناہ جو موجب مباح الدم ہوئے پہلے سے تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے۔

مقیس بن صبابہ کا حال: چھٹا شخص (بکسر میم وسکون قاف وفتح یا) بن صبابہ (بضم صاد) تھا اس کا جرم یہ تھا کہ اس کا بھائی ہشام بن صبابہ مدینہ میں آیا اور مسلمان ہوا۔ غزوۂ مریسیع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری بنی عمرو بن عوف میں سے تھے انہوں نے گمان کیا کہ وہ یعنی ہشام بن صبابہ مشرک ہے خطا میں اسے قتل کر دیا۔ اس کا بھائی مقیس مدینہ آیا اور بھائی کا خوں بہا طلب کیا چونکہ وہ خطا میں مارا گیا تھا حکم فرمایا کہ انصار اس کی دیت مقیس کو دیں۔ مقیس دیت لے کر مسلمان ہو گیا۔ دیت لینے کے باوجود اس نے انصاری پر حملہ کر کے شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ لوٹ گیا۔ روز فتح وہ مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ کسی گوشہ میں شراب پینے میں مشغول تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کا حکم فرمایا اس پر تمیلہ بن عبداللہ لیثی اس کی خبر پا کر گئے تھے اور اسے اسے قتل کر دیا۔

ہبار بن الاسود کا حال: ساتواں شخص ہبار (بفتح ہا وتشدید با) بن الاسود تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذائیں پہنچائی تھیں منجملہ ایک حرکت شنیعہ اس کی یہ تھی کہ ابوالعاص بن الربیع، شوہر سیّدہ زینب بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے قیدی ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان فرماتے ہوئے اس وعدہ پر مکہ بھیجا تھا کہ جب مکہ پہنچ جائیں تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کر دیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کو اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہا کو بھیجا تا کہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہودج تیار کر کے اس میں سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بٹھا دیا اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ پھر جب ہبار بن الاسود کو اس کا پتہ چلا تو چند قریش کے اوباش لوگوں کو ساتھ لے کر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور ایک نیزہ سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مارا وہ اونٹ سے ایک بڑے پتھر پر گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا' وہ بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اس شنیع حرکت پر بہت غصہ تھا اور اس کا خون بہانا مباح قرار دیا۔ ایک مرتبہ ایک لشکر کو مکہ مکرمہ کے اطراف میں بھیجا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ اگر تم ہبار کو پاؤ تو اسے جلا دینا اس کے بعد فرمایا: ''اِنَّمَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ رَبُّ النَّارِ'' آگ کا عذاب خدا ہی دے سکتا ہے' اگر اسے پاؤ تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کر دینا مگر وہ ہاتھ نہ آیا چونکہ وہ مکہ میں تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اسے بہت تلاش کیا گیا مگر ہاتھ نہ آیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ یہ یا ز نمودار ہوا اور زور سے کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسلام کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں بلاشبہ میں اس سے پہلے ذلیل وگمراہ تھا اب حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں آپ کی نظر میں شرمسار اور گناہگار ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور اس کی معذرت خواہی پر حیا فرمائی کہ اس پر عتاب فرمائیں۔ اس کا اسلام قبول کرتے ہوئے فرمایا ''اے ہبار! میں نے تجھے معاف کیا اور اسلام تمام

جرموں کوختم کر دیتا ہے اور گزشتہ گناہوں کو بنیادوں کی فنا کر دیتا ہے۔

حارث بن طلاطلا کا حال: آٹھواں شخص حارث بن طلاطلا تھا یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والوں میں سے تھا فتح مکہ کے دن سیّدنا علی المرتضیٰ نے اس پر قابو پا کر قتل کیا۔

کعب بن زہیر کا حال: نواں شخص کعب بن زہیر تھا۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور روز فتح بھاگ گیا تھا اس کے بعد وہ اپنے بھائی بحر بن زہیر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے اس نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایمان کو قبول فرمالیں گے اور اس کے خون کو معاف فرمادیں گے؟ چنانچہ بحر آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا اور کعب کو خبر پہنچائی کہ آ جائے اور مسلمان ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور یہ قصیدہ انشاء کیا قصیدہ بَانَتْ سَعَادُ فَقَلْبِيَ الْيَوْمَ مَتْبُوْلٌ میری محبوبہ جس کا نام سعادہ وہ مجھ سے جدا ہوئی آج میرا دل مبتلا ہے اور یہاں تک اس نے کہا کہ اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَيْفٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ بیشک رسول ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ مُهَنَّدٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلٌ اللہ کی تلواروں میں سے تیز دھار والی وہ تلوار کاٹنے والی''۔ نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَدَنِيْ. مجھے خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول نے معافی کا مجھ سے وعدہ فرمایا۔ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَامُوْلٌ اور اللہ کے رسول کا معاف فرمانا آپ کی خصلت کریمہ ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا سنو یہ کیا کہتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک بطور انعام اسے پہنائی۔ یہ مانا کہ کعب بن زہیر کا اسلام لانا ہجرت کے نویں سال میں ہے لیکن اس کا ذکر آٹھویں سال میں فتح مکہ کے زمانہ میں مباح الدم قرار دینے والوں کے زمرے میں کیا گیا چونکہ توبہ پر ابھارنے والا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے پر آمادہ کرنے والا واقعہ اسی آٹھویں سال اور فتح مکہ کے ضمن میں ہے اس لیے یہاں ذکر کیا گیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی سال میں اتنا ذکر کیا گیا ہے نویں سال میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

وحشی قاتل حمزہ کا حال: دسواں شخص وحشی سیّد الشہداء حضرت حمزہ بن المطلب رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔ تمام مسلمان اس کے قتل کرنے کے بہت درپے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی فرمادیا تھا مگر وہ طائف چلا گیا اور وہیں رہنے لگا تھا یہاں تک کہ جس زمانہ میں طائف کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جارہا تھا تو لوگوں نے کہا تو بھی وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ جا۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں کو قتل نہیں کرتے ہیں تو ان کے ساتھ چلا جا اور ایمان لے آ۔ اس پر وہ ان کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تو وحشی نہیں ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں میں وحشی ہوں'' .... فرمایا ''بیٹھ جا اور مجھے بتا کہ میرے چچا کو تو نے کس طرح شہید کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی پوری کیفیت بیان کی' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے سامنے نہ آنا اور اپنا چہرہ مجھے نہ دکھانا''۔ وحشی کہتے ہیں کہ جب بھی میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا تو میں سامنے نہ آتا اور بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت بیٹھ جاتا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب سے جنگ ہوئی تو میں بھی لشکر اسلام کے ساتھ اس جنگ میں چلا گیا اور وہی حربہ یعنی خنجر کا وار جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا میں نے مسیلمہ کذاب پر پھینکا چنانچہ حربہ اس کی پشت سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد ایک انصاری شخص آیا اس نے تلوار سے اس پر حملہ کیا میں نہیں جانتا کہ وہ میرے حربہ کی ضرب سے مارا گیا یا اس کی تلوار کے زخم سے۔ لیکن میں نے ایک عورت

کو ایک چھت کے اوپر سے یہ کہتے سنا کہ ایک سیاہ رو غلام نے مسلیمہ کو ہلاک کر دیا۔ منقول ہے کہ وحشی کہا کرتے تھے کہ "قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِي الْإِسْلَامِ میں نے زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر شخص کو قتل کیا اور زمانہء اسلام میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا"۔ غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ایک جماعت اس کے دیکھنے کے لیے گئی تھی تاکہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کرنے کی کیفیت اس سے سنیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک گوشہ میں بھری مشک کی مانند کسی درد میں مبتلا بدصورت پڑا ہے۔ پھر وحشی نے ان سے وہ کیفیت بیان کی بعض سیر کی کتابوں میں بارگاہِ رسالت میں وحشی کے آنے کو اس انداز سے نقل کیا ہے جو اثر سے خالی نہیں ہے۔ اور اسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحشی آیا اور اس نے کہا کہ میں حاضر ہوا ہوں اور مجھے امان دیجیے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا کے کلام کو سنوں۔ کیوں کہ اس میں میری مغفرت اور نجات ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں پسند کرتا تھا کہ تجھ پر میری نظر اس طرح پڑتی کہ تو امان کا مانگنے والا نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ میں تجھے قتل کا حکم دیتا لیکن اب جبکہ تو نے امان مانگی ہے تو میں تجھے امان دیتا ہوں تاکہ تو خدا کا کلام سنے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ○

اور وہ لوگ جو عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک نہیں کرتے اور نہ کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے وہ گنہگار ہو کر ملے گا اور اس کے لیے قیامت میں دونا عذاب ہو اور اس میں وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

وحشی نے کہا میں شرک میں مبتلا رہا ہوں اور میں نے ناحق خون بھی کیا ہے اور زنا کا بھی مرتکب ہوا ہوں۔ کیا ان حالتوں کے ساتھ حق تعالیٰ مجھے بخشش دے گا؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کے گناہوں کو نیکی سے بدل دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا اس آیت میں شرط کی گئی ہے کہ گناہوں سے مغفرت اسے حاصل ہوگی جو گناہوں کے بعد توبہ کرلے اور اس سے عمل صالح وجود میں آئیں ممکن ہے کہ مجھ سے وجود میں نہ آئے میں تو آپ کے زیرِ سایہ ہوں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ شرک کرے اس کے ماسوا جس کو چاہے بخش دے؛ وحشی نے کہا۔ "اس آیت میں مغفرت مشیت الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ممکن ہے کہ میں ان لوگوں میں ہوں جن کے ساتھ حق تعالیٰ کی مشیت مغفرت میں وابستہ نہ ہو۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ○

اے محبوب! فرمادو اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

وحشی نے کہا "اب میں کوئی قید اور شرط نہیں دیکھتا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے تمام

گناہوں کو بخش دیتا ہے بغیر قید مشیت اور شرط توبہ کے اگر چہ شرک ہو لیکن مذہب یہ ہے کہ یہ بات واضح ہے کہ آخرت میں عذاب کا ہونا بحکم نص قرآن وحدیث متحقق الوقوع ہے۔ اگر کوئی کہے کہ بعد از وقوع جزاوعقاب وعذاب' بالآخر عفو ورحمت ومغفرت ظہور میں آئے گی اور یہ بات خلود وابدیت کے منافی ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: ''خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا'' وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (واللہ اعلم)

عبداللہ بن الزبعری کا حال: گیارہواں شخص عبداللہ بن الزبعری' شعرائے عرب میں سے تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ہجو کیا کرتا تھا اور مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا کرتا تھا۔ روز فتح جب اس نے سنا کہ خون کا بہانا لازم قرار دیدیا گیا ہے تو وہ بھاگ گیا اور یمن کے علاقہ میں نجران بن زید سبا کے مقام پر چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہا اور اپنی جاہلیت کی حرکتوں سے پشیمان ہوا اور نور اسلام اس کے دل میں جگمگایا تو اس نے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دور سے آتا دیکھا تو فرمایا یہ ابن زبعری ہے جس کے چہرے پر نور اسلام جگمگا رہا ہے۔ ابن زبعری قریب پہنچا تو اس نے کہا السلام علیکم یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس خدائے وحدہ لاشریک کی حمد وثنا ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے قصور بہت ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ بڑی بے ادبیاں کی ہیں اب میں ان سب سے پشیمان ہوں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَاكَ اِلَی الْاِسْلَامِ. اس خدا کی حمد وثنا ہے جس نے تجھے اسلام کی ہدایت دی۔ واضح رہنا چاہیے کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ کتب کلامیہ میں منقول ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ. (جو کچھ تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ سب جہنم کے ایندھن ہیں) اس پر ابن زبعری نے کہا تھا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوجتے ہیں وہ بھی (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے۔ جب وہ جہنم میں ہوں گے تو ہمارے معبود بھی جہنم میں ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَیْلَكَ مَا اَجْهَلَكَ بِلِسَانِ قَوْمِكَ. خرابی ہو تری تو اپنی قوم کی زبان سے کتنا جاہل ہے۔ اس میں کلمۂ ''ما'' کی طرف اشارہ ہے جو غیر ذوی العقول کے لیے ہے جس طرح کہ نحو کی کتابوں میں مسلمہ قاعدہ ہے۔ اسی بناء پر وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا. جیسے اقوال الٰہیہ میں تاویل کرتے ہیں اب رہی وہ عورتیں جن کے قتل کا حکم روز فتح مکہ صادر فرمایا گیا وہ چھ ہیں ان میں سے کچھ مامون ہوئیں اور کچھ مقتول ہوئیں۔

ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا حال: پہلی عورت ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھی۔ اس کا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے بارے میں مشہور ومعروف ہے خصوصاً روز احد اس نے سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثلہ کیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بعد فتح جس وقت عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے آئیں تو یہ بھی اپنے منہ پر نقاب ڈال کر ان کے درمیان آئی اور مسلمان ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے منہ سے نقاب اٹھا کر کہا ''میں ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ ہوں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب مسلمان ہو کر آئی ہوں تو اچھا ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۂ بیعت تلاوت فرمائی جس میں واقع ہے کہ ''وَلَا یَسْرِقْنَ'' (چوری نہ کریں) تو ہند رضی تعالیٰ اللہ عنہا نے کہا ''یارسول اللہ! ابوسفیان رضی اللہ عنہ خرچ دینے میں بخیل وکنجوس شخص ہے۔ اگر اس کے مال میں سے اتنا لے لوں جو بچوں کے خرچ کے لیے ضروری ہے تو جائز ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اس قدر مال لے سکتی ہے جس سے بچوں کی جائز ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ جب

فرمایا'' وَلَا یَزْنِیْنَ'' اورزنا نہ کریں تو ہند نے کہا'' هَلْ تَزْنِی الْحُرَّةُ کیا آزادعورت زنا کرتی ہے؟اس نے زنا سے اپنی پاکیزگی کی طرف اشارہ کیا صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا'' یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں تھا جس کی خواری کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی تھی۔اب جو صبح کی ہے تو حال یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں ہے جس کی عزت کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی ہوں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ایضاً'' یعنی ایسا ہی ہے۔حدیث کے شارحین نے ایضاً کے دو معنی بیان کیے ہیں ایک معنی یہ کہ جتنا تیرے دل میں ایمان زیادہ جڑ پکڑے گا اتنا ہی تیرے دل میں محبت زیادہ ہوگی۔دوسرے معنے یہ کہ تیری نسبت' میرا بھی یہی حال تھا۔پہلے معنیٰ زیادہ بہتر وظاہر ہیں۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی ظاہر مراد آیت بیعت ہے۔اس کے بعد ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا'' میری خواہش ہے کہ ہاتھ سے ہاتھ ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کروں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' میں عورتوں سے مصافحہ کے ذریعہ بیعت نہیں کرتا اور میرا سو عورتوں سے بیعت فرمانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک عورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت عورتوں کے ساتھ زبانی تھی دست اقدس سے نہ تھی۔جیسا کہ گزرا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ہند رضی اللہ عنہا جب اپنے گھر گئی تو اس نے اپنے گھر کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور کہنے لگی ہم تمہارے غرور و فریب میں مبتلا تھے اور دو بکریاں ہدیئے کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسل کی خدمت میں بھیجیں اور معذرت خواہی کی کہ ہمارے پاس بکریاں کم ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں میں برکت کی دعا فرمائی۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس کی بکریاں حق تعالیٰ نے بہت زیادہ کر دیں۔ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہے۔

قریبہ اور قرتنا کا حال: دوسری اور تیسری عورت قریبہ اور قرتنا دو باندیاں ابن خطل کی گانے والیاں تھیں۔جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی تھیں۔قریبہ تو ماری گئی مگر قرتنا بھاگ گئی۔لوگوں نے اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امان مانگی سید عالم نے اسے امان دے دی پھر وہ آئی اور مسلمان ہوگئی۔

ارنب کا حال: چوتھی عورت ارنب ابن خطل مذکور کی باندی تھی۔وہ بھی اسی روز ماری گئی۔

سارہ بنی المطلب کی باندی کا حال: پانچویں عورت سارہ بنی المطلب کی باندی تھی بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن ہشام کی باندی تھی۔یہ وہ عورت ہے جس کے ہاتھ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی ملتعہ نے قریش کے نام خط لکھ بھیجا تھا اس میں اختلاف ہے کہ وہ مرتد ہو کر مکہ میں آ گئی تھی اور روز فتح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے وہ ماری گئی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کے لیے امان مانگی اور اسے امان دیدی گئی تھی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں موضع ابطح میں گھوڑے نے اوپر سے اسے گرا دیا تھا جس کے سبب وہ مرگئی تھی۔شرح ابن حجر میں مروی ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھی اور حمیدی نے ایک قول کیا ہے کہ وہ ماری گئی تھا (واللہ علم) جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

ام سعد کا قتل: چھٹی عورت ام سعد ہے وہ بھی قتل کی گئی۔اس قدر مذکور ہے اور کوئی پتہ نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کا جرم کیا تھا اور سے کس نے قتل کیا۔

تنبیہات: امام مالک نے کہا ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز فتح مکہ مکرمہ احرام کے ساتھ داخل نہ ہوئے تھے جیسا کہ گمان کرتے ہیں۔اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام مالک سے بطریق جزم روایت کیا ہے۔اس کی شاہد وہ روایت بھی ہے جسے مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احرام کبھی مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے بجز روز فتح مکہ کے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے احرام واجب ہے یا نہیں۔ امام شافعی کا مشہور مذہب مطلقاً عدم وجوب ہے اور ایک قول میں مطلقاً وجوب ہے البتہ جو شخص دوبار داخل ہو اس کے داخلہ میں اختلاف ہے۔ ظاہر تر عدم وجوب ہے اور آئمہ ثلاثہ سے مشہور وجوب ہے اور ایک روایت میں ہر ایک سے دوبار داخل ہونے میں عدم وجوب ہے اسی پر علماء جزم کرتے ہیں جس طرح کہ مکہ حاجتمندوں کے لیے استثنا ہے اور احناف ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو داخل میقات ہیں جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ داخلہ مکہ مکرمہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقدس پر خود تھا یا سیاہ عمامہ۔ ان میں علماء اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ داخلہ مکہ کے وقت ممکن ہے کہ شروع میں تو خود ہو اس کے بعد اسے دور کر کے عمامہ شریف باندھا ہو۔ اس بناء پر جس نے جس طرح مشاہدہ کیا بیان کر دیا۔ حضرت عمرو بن حریث کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت خطبہ دیا کہ آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے لیکن یہ خطبہ باب کعبہ کے قریب تھا جبکہ آپ اندرون کعبہ سے باہر تشریف لائے تھے اور یہ داخل ہونے کے بعد کا ہے۔ یہ توجیہہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایتوں کے جمع میں فرمائی ہے۔ بعض اس طرح جمع کرتے ہیں کہ عمامہ خود کے اوپر لپیٹا ہوا تھا یا خود کے نیچے عمامہ تھا۔ تا کہ خود کے لوہے کی گرمی سے سر مبارک محفوظ رہے۔ لہٰذا جس نے صرف خود کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرب کی مکمل تیاری فرمائی تھی۔ اور جس نے عمامہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں نہ تھے (چونکہ حالت احرام میں سر کھلا ہوتا ہے)

فتح مکہ کے بعد مدت اقامت: وصل: پہلے معلوم ہو گیا...... ہو گا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی دسویں رمضان ۸ھ چارشنبہ بعد نماز عصر ان اختلافات کے ساتھ جو تعیین تاریخ میں ہے، ہوئی تھی اور داخلہ مکہ مکرمہ اور اس کا فتح ہونا اسی مہینہ کی بیس تاریخ کو ہوا تھا۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بقیہ دن اور شوال کے چھ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔

مواہب لدینہ میں کہا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے انیس دن ایک اور روایت میں ہے کہ ستر دن اور ترمذی میں اٹھارہ دن ہے اور کہا گیا ہے کہ اصح روایت بضع عشر یعنی دس سے کچھ دن زیادہ کی ہے۔ قیام کے ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں قصر ادا فرماتے تھے۔

قیام مکہ کے دوران فیصلہ مقدمات: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران کئی مقدموں کا فیصلہ فرمایا جن میں سے ایک فاطمہ نامی عورت کا ہے جو اسود بن الاسود کی بیٹی اور ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن۔ عبدالاسد مخزومی کی بھتیجی کا ہے جو بنی مخزوم کی اشراف قبیلہ میں سے تھی اس نے چوری کی اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے بعد از ثبوت چوری اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا دیا"۔ اس کی قوم کو اس حکم سے بڑی وحشت ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ کوئی سفارشی مل جائے اور ممکن ہے کہ اس کی سفارش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ کاٹنے سے درگزر فرمائیں۔ اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو محبوب و مقرب بارگاہ تھے سفارشی بنا کے لائے اور انہوں نے اس قوم کی از حد منت و سماجت سے متاثر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اسامہ رضی اللہ عنہ! تم خدا کے حدود کے نفاذ میں سفارش کرتے ہو"۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال اور غضب دیکھا تو عرض کرنے لگے۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے استغفار فرمائیے مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے"۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو: خبردار ہو جاؤ پچھلی امتیں اسی بنا پر ہلاک ہوئیں کہ جب ان کے کسی بڑے آدمی سے چوری سرزد ہوتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اس پر حد قائم نہ کرتے اور جب کسی کمزور آدمی سے یہ سرزد ہوتا تو اس

پر حد جاری کر دیتے۔ قسم ہے اس رب العزت کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا''۔ پھر اس مخزومی عورت کے ہاتھ کاٹے گئے۔ اللہ تعالیٰ امام تاج الدین سبکی کو جزائے خیر دے جو مذہب شوافع کے ایک امام ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کے نقل کرنے میں جس میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نامی صراحت کے ساتھ ہے ان کا اسم گرامی نقل نہیں کیا اور ادب ملحوظ رکھا اور پسند نہ کیا کہ اس مقام میں ان کے اسم گرامی کا ذکر کیا جائے اور لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر فلاں بھی چوری کرے (اور اپنے اہل بیت میں سے ایک کا نام لیا) تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں''۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ تَعْظِيْمِهٖ وَرِعَايَةِ اَدَبِهٖ مَعَ االزَّهْرَاءِ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْهَا وَعَلٰى سَائِرِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ اَجْمَعِيْنَ. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود الٰہیہ میں شفاعت کرنا حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے کے بعد حرام ہے اور حاکم کے پاس مقدمہ پیش ہونے سے پہلے اگر اس کے لیے سفارش کی جائے اور وہ شریر اور موذی نہ ہو تو جائز ہے۔ لیکن تعزیر میں دونوں صورتوں کے اندر سفارش جائز ہے۔ خصوصاً اشراف کے معاملہ میں۔

دوسرا مقدمہ جو قیام مکہ کے دوران پیش ہوا وہ ایک ایسے شخص کا ہے۔ جس نے بارگاہ نبوت میں آکر عرض کیا تھا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب حق تعالیٰ اپنے رسول پر مکہ مکرمہ کو فتح کرا دے گا تو میں بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہاں ہی پڑھ لو یعنی مسجد الحرام میں۔ اس نے تین مرتبہ عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ میں فرمایا'' بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ کسی اور شہر میں ہزاروں نمازوں سے افضل ہے''۔ اس حدیث میں ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد نبوی شریف مدینہ طیبہ میں دس ہزار اور مسجد حرام میں مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ کے برابر ہے۔ لہٰذا مسجد حرام میں نماز اس کے غیر سے زیادہ ہے' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مکہ سے مدینہ کی فضیلت کے قائل ہیں تو مسجد مدینہ کی نماز کو اس کے سوا نماز پڑھنے سے افضل کہتے ہیں۔ اگرچہ باعتبار عدد کمیت زیادہ ہو لیکن مسجد مدینہ میں باعتبار کیفیت و نفاست اور بابرکت جوار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہے۔ تعداد کی زیادتی' قامت کی کمی کے منافی نہیں ہے جس طرح ایک گوہر ہزار درہم کے برابر ہے۔ یہ مبحث تاریخ مدینہ میں (جس کا نام ہے جذب القلوب الی دیار المحبوب) ثابت کیا گیا ہے اور مسائل فقہیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نذر مانے کہ کسی مفضول مسجد میں نمازیں پڑھے گا تو فاضل مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر سے عہدہ برا ہو جائے گا۔ جس طرح مسجد اقصیٰ میں یا مسجد مدینہ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد حرام میں پڑھ لے یا نذر مانی کہ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد مدینہ میں پڑھ لے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص سے فرمانا جس نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی کہ وہ یہاں ہی پڑھ لے۔ اسکے بعد اسکے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

دیگر احکام و قضایا جو قیام مکہ مکرمہ کے دوران واقع ہوئے ان میں سے شراب' خنزیر' مردار اور بت کی قیمت کی مخالفت ہے اور کاہن کی وہ اجرت جو اسے کہانت کے بدلے میں دیجائے اور مردار کی چربی جس سے مشک اور کشتیوں کو چکناتے ہیں ان سب کو ممنوع قرار دیا ورفرمایا حق تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے کہ ان پر چربیوں کو حرام کیا گیا تھا مگر انہوں نے ان کو فروخت کیا اور انہوں نے اس کی قیمت کھائی۔ س حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہوگی۔

ان ایام کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیس واروں کے ساتھ موضع نخلہ میں عزیٰ کے بت خانہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے بھیجا۔ عزیٰ عرب کا مشہور بت تھا۔ حضرت خالد رضی

اللہ تعالیٰ عنہ قطع منازل کرکے وہاں پہنچے اور اس بت خانہ کو تباہ کرکے آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اس بت کو توڑ دیا عرض کیا ہاں! فرمایا ''اس میں کوئی چیز دیکھی انہوں نے کہا۔ ''نہیں'' فرمایا ''تم نے بت عزیٰ کو نہیں توڑا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ گئے اور بہت تلاش کے بعد ایک کلموئی ننگی عورت پراگندہ بال کی نمودار ہوئی تلوار کھینچ کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض حال کیا فرمایا ''وہ عزیٰ تھی۔ تمہارے شہروں میں اب دوبارہ عزیٰ نہ پوجی جائے گی۔ یہ عزیٰ قریش کو معبود اور تمامہ و بنی کنانہ کی بزرگ ترین بتوں میں سے تھی۔ چنانچہ وہ لات و عزیٰ کی قسمیں کھاتے تھے۔ لات' طائف میں بنی ثقیف کا بت تھا۔ حدیث میں مروی ہے فرمایا: مَنْ تَحَلَّفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی فَلْيَقُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو لات و عزیٰ کی قسم کھائے سواسے چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کہے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواع کے بت خانہ کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا جو قبیلہ کا بت تھا اور مکہ سے تین سو میل کے فاصلے پر تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں جب وہاں پہنچا تو اس بت خانہ کے پجاری نے مجھ سے کہا ''کیا چاہتا ہے'' میں نے کہا ''رسول خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس بت خانہ کو تباہ کر دوں''۔ اس نے کہا ''تو یہ کام نہ کر سکے گا اور تجھے وہ بت اس سے باز رکھے گا''۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قریب گیا اور اس بت کو توڑ دیا۔ پھر میں نے پجاری سے کہا ''تو نے دیکھ لیا؟'' اس پجاری نے کہا ''میں اللہ تعالیٰ پر اسلام لاتا ہوں''۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن زید اشہلی کو بیس سواروں کے ساتھ موضع مشلل کی جانب جو حرمین کی شریفین کے درمیان ہے ''منات'' کے بت کی تباہی کے لیے بھیجا چونکہ یہ بت خانہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس و خزرج اور غسان کا معبود تھا اور وہ منات کو پوجتے تھے جب اس بت خانہ میں پہنچے تو پجاری نے کہا کس غرض سے آئے ہو۔ انہوں نے فرمایا ''منات کو برباد کرنے کے لیے''۔ پجاری نے کہا ''تم اور اس کے قبیلہ کے لوگ جانیں''۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ اس بت کی طرف بڑھے اس میں ایک کلموئی عورت برآمد ہوئی جو اپنے سینہ پر ہاتھ مارتی اور نوحہ کرتی تھی حضرت سعید نے تلوار کی ایک ضرب سے اس کے ٹکڑے کر دیئے اور بت خانہ کو برباد کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ کی بارگاہ میں واپس آ گئے۔

ایک عظیم واقعہ ہے جو شناعت سے خالی نہیں ہے وہ یہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موضع نخلہ سے واپسی اور بت عزیٰ کو توڑنے کے بعد تین سو مہاجرین اور انصار اور بنی سلیم کے ساتھ یلملم کی جانب قبیلہ جذیمہ پر بھیجا تاکہ اس پر قبیلہ والوں کو دعوت اسلام دیں۔ نہ اس لیے کہ جنگ کریں ان کا حال یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا کا نام فاکہ بن مغیرہ تھا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کا نام عوف تھا۔ جب یہ دونوں یمن سے تجارت کرکے واپس آ رہے تھے اور وہ یلملم پہنچے تو بنی خزیمہ نے مال کی لالچ میں دونوں کو قتل کرکے ان کا مال لے لیا تھا۔ جب بنو خزیمہ نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی خبر پائی تو خرم و احتیاط کے طور پر ہتھیار باندھ کر باہر آئے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا ''تم کون ہو؟'' انہوں نے کہا ''ہم مسلمان ہیں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے دین کے احکام پر ایمان لائے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور ہم اپنی بستیوں میں مسجدیں بنا کر آذان و اقامت کہتے ہیں اور جماعت کے ساتھ جمعہ قائم کرتے ہیں''۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''پھر ہتھیار باندھ کر ہمارے سامنے کیوں آئے ہو''۔ انہوں نے کہا ''ہمارے اور ہمارے عرب کی ایک قوم کے درمیان دشمنی ہے ہم نے خوف کیا کہ تم ان میں سے ہو گے''۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے عذر کو قبول نہ کیا اور ان سے کہا ''تم اپنے ہتھیار اتار دو''۔ انہوں نے حکم کے بموجب عمل کیا اور جسموں سے ہتھیار دور کر دیئے۔ اس وقت فرمایا ''ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے باندھ دیئے جائیں۔ پھر ایک

ایک کو اپنے ساتھیوں کی قید میں دیدیا کہ رات میں ان کی حفاظت کریں۔ جب سحر ختم ہوئی تو حکم دیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہے وہ اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ بنو سلیم نے سردار کے حکم کے ماتحت ان بے گناہ قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو باقی رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے ہتھیار اتار ڈالے تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور اس قبیلہ کے تقریباً سو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بنی خزیمہ میں سے ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاظر ہوا اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو سلوک کیا تھا سب عرض کر دیا۔ حضور غضب میں آئے اور دو تین بار فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ اے خدا میں تیرے حضور برات کا اظہار کرتا ہوں جو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا'' اور امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو رقم دے کر قبیلہ بنی جزیمہ کی طرف بھیجا تا کہ مقتولوں کو دیت اور تلف شدہ اموال کا عوض دے کر انہیں راضی کریں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ملامت کریں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور کے حکم سے اس قبیلہ کی طرف گئے ان کے معاملات کو سرانجام دیا۔ اور دیت وغیرہ انہیں دی اور انہیں راضی کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اہل سیر بیان کہتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرصہ تک ناراض رہے جب بنی جذیمہ راضی ہو گئے اور انہوں نے اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی تو انہیں معاف فرمایا' یہ مقام حیرت اور تعجب ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجتہادی خطا کی بنا پر واقع ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اجتہاد کہتا تھا کہ وہ جنگ کی غرض سے آئے تھے اور جھوٹ موٹ کی عذر خواہی کر رہے تھے اور صحابہ کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ ''وَالْمُجْتَھِدُ یُخْطِئُ وَیُصِیْبُ'' مجہتد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی ہوتا ہے؛ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دیت اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ جس طرح کی خیبر میں یہود سے مخاصمت کے وقت واقع ہوا تھا (واعلم اعلم)

روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی جزیمہ کا قصہ اہل سیر نے کہا اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مذکور ہوا۔ لیکن احادیث کی کتابوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خزیمہ کی طرف بھیجا تا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں مگر انہوں نے اپنے اسلام کی ادائیگی اچھی نہ کی اور اسلمنا (ہم مسلمان ہیں) کی جگہ انہوں ن صبانا صبانا (ہم صابی ہوئے ہم صابی ہوئے) کہا۔ اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ شراح حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ نے ان کے صریح اسلام کی جگہ دوسرا کنایہ یہ کا لفظ استعال کرنے پر گمان کیا کہ وہ اسلام سے انکار کے طور پر کہہ رہے ہیں اور حقیقت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس تاویل کی بنا پر انہیں قتل و قید کیا (واللہ اعلم۔ انتہی)

یہ روایت جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے موجب اشتباہ و محل التباع ہو سکتی ہے لیکن جو کچھ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے وہ تو انتہائی بعید اور غایت درجہ شنیع ہے کہ اس قوم نے صراحت کے ساتھ اسلام کا اظہار کیا اور شرائع و شعار کی اقامت اور نبوت کی تصدیق واضح طور پر کی اور انہوں نے کہا کہ ہم نے جنگ کے لیے ہتھیار نہیں پہنے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں قتل کیا گیا اور یہ بیان کہ اس قوم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کو زمانہ جاہلیت میں قتل کیا تھا سوظنی کا موجب ہے اور یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سابقہ عداوت کی بنا پر قتل کیا تھا نہ کہ دین کی بنا پر۔ حالانکہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ ''خَالِدٌ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ'' خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار

ہے اور خدا کی تلوار سے ناحق قتال جاری ہوجائے۔جیسا کہ قتل خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نویرہ کا واقعہ ہے کہ فرمایا ''من صاحبکم عمر بن الخطاب'' اور اس سے موخذہ کیا گیا۔اسی کی مانند یہ واقعہ ہے۔مجھے یاد ہے کہ میں جب مکہ معظمہ میں قاضی علی بن جاراللہ کے پاس تھا جو بنی ظہرہ سے اور اولاد حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھے ان سے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روز فتح کے بارے میں ذکر آیا اور بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صریح کے قتال میں ان سے عجلت واقع ہونے کا تذکرہ آیا تو قاضی صاحب مذکور پر شرمندگی وانفعال طاری ہوگیا اور اس کے دفعیہ میں فرمایا: وَاللهِ كَانَ فِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَتُوبٌ مِنَ الْاِسْتِعْجَالِ وَالْمُبَادَرَةِ اِلَى الْقِتَالِ خدا کی قسم حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدلہ میں ایک قسم کے عجلت پسند اور جنگ میں جلدی کرنے والے تھے''۔

تنبیہ: صابی کے معنی ایک دین سے منحرف ہوکر دوسرا دین اختیار کر لینے کے ہیں اور کفار قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔کہ انہوں نے آباء کے دین کو چھوڑ کر نئے دین کو اختیار فرمایا اور مسلمانوں کو مباہ کہتے تھے کہ انہوں نے نئے دین کو اختیار کرلیا ہے۔حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ لفظ پسند نہ آیا حالانکہ اس لفظ معنےٰ یہ تھے کہ وہ کہتے کہ ''اسلمنا اسلمنا'' (واللہ اعلم بحقیقہ الحال علی وجہ الکمال)

غزوۂ حنین

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں سے غزوۂ حنین کا واقعہ ہے۔حنین (بصیغہ تصغیر) ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تین رات کی مسافت پر واقع ہے اور طائف کے قریب ہے۔اس غزوہ کو ''غزوۂ ہوازن'' بھی کہتے ہیں۔ہوازن اس جگہ رہنے والے قبیلہ کا نام ہے۔اس غزوہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی فتح اور اس کے بعد کے قواعد وقوانین سے فارغ ہوئے تو دو قبیلوں کے سوا عرب کے تمام زمرۂ اطاعت وانقیاد میں آگئے ان منحرف قبائل میں ایک ہوازن تھا دوسرا قبیلہ ثقیف یہ دونوں پہلوان، گردن کش، صاحب مال واسباب تھے اور یہ دونوں بغض وحسد اور عداوت میں گرفتار رہے ان دونوں قبیلوں کے سردار ایک دوسرے سے ملے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ والوں پر غالب آگئے ہیں اور اہل مکہ چونکہ جنگ اور حرب کے ماہر و دانہ تھے اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غالب آگئے اگر یہ ہمارے ساتھ جنگ کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جنگ کسے کہتے ہیں اور اب ممکن ہے کہ وہ ہماری طرف بھی رجوع کریں اس لیے قبل اس کے کہ وہ ہم پر حملہ کرنے آئیں اگر ہم ان پر حملہ کردیں تو بہتر ہوگا''۔یہ گفتگو انہوں نے سرکشی اور ازراہ غرور وتکبر کہی تھی کیوں حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں انہوں نے مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی میں کہی تھیں کیوں کہ مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی تھی کہ ان کو غلبہ ونصرت مال ومنال اور وافر ساز وسامان ملے گا اور وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ انہیں کسی دوسری جگہ سے اتنا تنا نہ ملا ہوگا۔چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ جب حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن اپنے اہل واعیال اور تمام مویشی اور اموال لے کر نکلے ہیں تو فرمایا انشاء اللہ یہ سب مسلمانوں کا غنیمت بنے گا القصہ جب حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ قبیلے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا قصہ رکھتے ہیں تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن شوال کی چھ تاریخ کو مکہ مکرمہ سے بارہ ہزار مدنی لشکر اسلام اور دو ہزار طلقاء وحلفاء کے ساتھ روانہ ہوئے۔سو زرہیں صفوان بن امیہ سے طلب فرمائیں صفوان نے دریافت کیا۔''مستقلاً درکار ہیں یا عاریتاً۔فرمایا قبضہ کے طور پر نہیں اور ایسی عاریتاً کہ اگر تلف ہوجائیں گی تو ہم ان کا ضمان مرحمت فرمائیں گے''۔کیسی اوندھی عقل تھی کہ وہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع رکھتا تھا کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبراً قبضہ وغصب فرمائیں گے۔اس لشکر اسلام میں

اسی اشخاص مشرکین میں سے بھی تھے جیسے صفوان بن امیہ وغیرہ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسد کو مکہ مکرمہ پر عامل قرار دیا۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں منگل کی رات دسویں شوال کو پہنچے۔ ہوازن کا سردار مالک بن عوف نفری اور ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد یالیل ثقفی تھا انہوں نے رسول حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی تیاری کی اور میدان کارزار میں نکل آئے بعض قریب و جوار اور قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔اس طرح کفار کا چار ہزار کا مرتب لشکر میدان میں آ گیا۔ان میں ایک شخص درید بن صمہ بوڑھا' تجربہ کار اور اندھا تھا کہتے ہیں کہ اس نے ایک سوبیس سال عمر پائی ایک اور روایت میں ہے ایک سو ساٹھ سال کی۔اس نے مالک بن عوف نضری سے کہا کو اہل وعیال اور مال واسباب لیکر نہ نکلو لیکن اس نے اس کا کہنا نہ مانا۔اس پر اس نے کہا کہ اے ہوازن! مالک تم سب کو ذلیل وخوار کرے گا اور تمہاری عورتوں' بچوں اور مال وسباب کو دشمن کے حوالے کرے گا۔اور تم سب کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگ کھڑا ہوگا۔اس بنا پر لوگوں میں اختلاف برپا ہوگیا۔مالک نے کہا''اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے اور میری اطاعت نہ کرو گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا''۔ یہ کہہ کر نیام سے تلوار نکالی اور نوک اپنے سینہ پر رکھ کر کہنے لگا کہ''اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو میں اس تلوار پر جھول جاؤں گا۔تا کہ یہ میری پشت سے پار ہو جائے''۔ہوازن کہنے لگے''یہ جوان اور جاہل ہے۔اگر ہم نے اس کی اطاعت نہ کی اور اس کا کہنا نہ مانا تو یہ جہالت سے اپنے آپ کو مار ڈالے گا اور درید ایک بوڑھا' عاجز ونابینا شخص ہے جو اس لائق نہیں ہے کہ وہ سرداری کر سکے اور کسی ایسے دوسرے شخص کو ہم جانتے نہیں جو سرداری کے لائق ہو۔لہٰذا درید سے انہوں نے منہ موڑ لیا اور مالک کے ساتھ متفق ہوگئے اور یہ سب حنین کی طرف چلد یئے۔

منقول ہے کہ مالک بن عوف نے ایک جماعت کو لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا وہ جماعت تحقیق وجستجو کر کے لرزتی کانپتی مالک کے پاس پہنچی۔اس نے پوچھا تمہاری پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب لشکر اسلام میں پہنچے تو تم نے سفید پوش لوگوں کو ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھا۔جن کی مانند ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔اب مناسب یہی ہے کہ ہم یہیں سے لوٹ جائیں۔اگر ہمارے سپاہیوں نے ان کو دیکھا تو ان کی بھی وہی حالت ہو جائے گی جو ہماری ہوئی ہے۔ مالک نے ان کی بات کا یقین نہ کیا۔اور دوسرے لوگوں کو تفتیش حال کے لیے بھیجا انہوں نے بھی آ کر یہی حال بیان کیا کہ یہ فرشتے تھے جو لشکر اسلام کی مدد کے لیے آئے ہوئے تھے جس طرح کہ غزوۂ بدر میں آئے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔بعض کہتے ہیں کہ فرشتوں کا قتال وحرب کرنا بدر کے ساتھ مخصوص ہے اور حنین میں ان کا آنا مسلمانوں کی امداد واعانت' تقویت وتائید اور ان کے دلوں کو ثابت برقرار رکھنے کے لیے تھا۔یہ قتال وحرب کے لیے نہیں آئے تھے۔

الغرض مالک بن عوف ان نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور اسی طرح مصر رہا۔اہل سیر کہتے ہیں کہ جب لشکر اسلام کی کثرت وشوکت مسلمانوں کی نظر میں آئی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا''آج ہم قلت کی بنا پر مغلوب نہ ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات مکروہ وشاق گزری کیونکہ مشعر عجب وغرور تھی۔

اہل سیر کہتے ہیں لشکر کی ہزیمت وشکستگی کی جو صورت پیش آئی تھی اس کا سبب یہی تھا کہ مسلمان جان لیں کہ فتح ونصرت کثرت تعداد اور تیاری پر نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے''وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ'' کوئی چیز مدد دینے والی نہیں بجز اللہ تعالیٰ کی مدد کے اور یہ آیۂ کریمہ بھی اسی مطلب کے لیے نازل ہوئی کہ فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْئًا

اور بلاشک وشبہ حق تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن جبکہ تم نے اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا تو تم کو کوئی چیز بے نیاز نہ کرسکی

واضح رہنا چاہیے کہ ممکن ہے یہ بات اس مقام میں اس بنا پر ناگوار و مکروہ جانی گئی ہو کہ اس کے قائل نے عجب و گھمنڈ کے قرینہ کے معنے میں سمجھا ہو ورنہ یہ بات صحیح ہے اس لیے کہ ابوداؤد ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ۔ خَیْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَخَیْرُ السَّرَایَا اَرْبَعُمَاْئَةٍ وَخَیْرُ الْجَیْشِ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ لَنْ یُّغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ بہترین صحابہ چار ہیں، بہترین سریہ چار سو کا ہے اور بہتر لشکر چار ہزار کا ہے قلت کی بنا پر ہرگز ہرگز بارہ ہزار غالب نہ آئیں گے'' اور اس غزوہ میں مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار اشخاص کا تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس کے قائل نے لشکر کی تعداد کو دیکھ کر یہ کہا ہو بلکہ اس کی کثرت وشوکت کو دیکھ کر اس نے یہ بات کہی تھی۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ یہ صحیح ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تھے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے (واللہ اعلم)

اہل سیر کہتے ہیں کہ مالک بن عوف لشکر اسلام کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے لشکر کے ساتھ وادی حنین میں داخل ہو گیا تھا اور لوگوں کو گھات میں بٹھا دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ جس وقت لشکر اسلام بے خبری میں اس میدان میں پہنچے تو تم سب ایک دم ان پر تیروں کی بارش شروع کر دینا۔

نبی کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کاذب کے وقت (ایک روایت میں ہے کہ سحر کے وقت دونوں روایتیں مقصود میں ایک جیسی ہیں) لشکر تیار کر کے اور ان کو علم اور جھنڈے دے کر روانہ ہوئے چونکہ وادی حنین میں گھاٹیاں تنگ اور دشوار تھیں اور ان میں گڑھے تھے اس لیے سب ایک ساتھ اس جگہ سے نہ گزر سکتے تھے چند آدمیوں کی ٹولیوں کی شکل میں یہ دشوار گزار گھاٹیوں میں داخل ہو گئے۔ کافروں نے اس وقت کو غنیمت جانا اور کمین گاہوں سے نکل کر ایک دم لشکر اسلام پر حملہ آور ہو گئے اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ سب تیرانداز تھے مقدمہ لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی سلیم پر مشتمل تھا وہ سب غیر مسلح تھے۔ وہ پیچھے لوٹ پڑے ان کے پیچھے کفار قریش بھی ہمراہ تھے اور ان میں کچھ ایسے نومسلم اور ضعیف الاعتقاد جن کے دلوں میں ابھی ایمان نے جڑ نہیں پکڑی تھی ساتھ تھے وہ بھی بھاگ پڑے۔ باقی صحابہ بھی برداشت نہ کر سکے بچاؤ کی خاطر متفرق و متزلزل ہو گئے اور لشکر اسلام میں ایسا تفرقہ پڑا کہ معدودے چند ہی مقابل رہے۔ ان دلاوروں اور ثابت قدموں میں سے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارث، ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پسران حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قثم و فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید ام یمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی، ابن ام ایمن، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زبیر بن عبدالمطلب، عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب چند اور اہل بیت میں سے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمرو بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ثابت قدم اصحاب میں سے تھے۔ کچھ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے تھے اور کچھ داہنے اور بائیں تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت تھامے کھڑے تھے اور ابوسفیان بن الحارث سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ داہنی رکاب اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بائیں رکاب تھامے ہوئے تھے اس دن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اونٹ پر تھی جس کا نام دلدل تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ سفید خچر تھا جسے فروہ جزامی نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر جو جنگ وحربہ کا مقام ہو خچر کی سواری' کمال شجاعت قوت کی زیادتی اور قبضہ وقدرت کے اضافے کا موجب بنتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے ورنہ عام عادت تو خچر کی سواری اطمینان اور سیر وسیاحت کی سواریوں میں سے ہے۔ وہ جنگ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ بجز گھوڑے کے۔ کیوں کہ اس کی پیدائش ہی کروفر ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جنگ کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب فرشتے آئے تو وہ ابلق گھوڑے پر ہی سوار تھے۔ اسی بنا پر گھوڑے کے سوا کسی سواری کے لیے غنیمت کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ نہ خچر کے لئے نہ اونٹ کے لیے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سوار فرمانا اس بات کے اظہار کے لیے ہے کہ میرے نزدیک جنگ اور امن دونوں قوت قلب' شجاعت نفس اور اللہ عزوجل پر توکل واعتماد میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود آپ حملہ کرتے اور سوراری کو اشرار اور دشمنوں کی جانب بڑھاتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی سرکوبی فرمائیں۔ مگر ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الحارث سواری کی لگام تھامے روکتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے۔ (درآنحالیکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رکاب تھامے ہوئے تھے) جان لو میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور فرماتے کہ ''اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ'' تا کہ مسلمانوں کے دلوں کی تقویت اور ڈھارس بندھے اور مسلمانوں کو حق تعالیٰ کے وعدہ نصرت کی یاد دلاتے اور فرماتے: اِلَیَّ اَیْنَ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ اَیْنَ اَیُّھَا النَّاسُ'' میں موجود ہوں کہاں ہو اللہ کے بندو میں موجود ہوں کہاں ہو اے لوگو' اور فرماتے ''اے خدا کے مددگار و اور اے نبی کے مددگارو! مطلب یہ کہ میں خدا کا نبی ہوں اور نبی دروغ بات نہیں کہتا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ حق کی نصرت کا وعدہ حق ہے''۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا — پھر حق تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر سکینہ نازل فرمایا اور وہ لشکر اتارا جن کو وہ دیکھتے نہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ''انا ابن عبدالمطلب'' میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں اور یہ فرمایا کہ ''انا ابن عبداللہ'' میں عبد اللہ کا فرزند ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی شہرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ساتھ زیادہ مشہور معروف تھی۔ بہ نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی موجوگی میں ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں حضرت عبدالمطلب کی قدر ومنزلت بہت زیادہ تھی اور کوئی بھی ان کے مرتبہ ومنزلت پر نہیں پہنچا تھا اور یہ مقام خوارق عادت اور غرائب کے ظہور کا تھا۔ جب یہ لوگ ایسے روبفرار ہوئے کہ بلانے سے بھی کوئی نہ لوٹا تو کفار کی ایک جماعت اور قریش کے کچھ ایسے لوگ جو نومسلم تھے اور ہوازن کا سینہ حرب وحقد از حسد وکینہ سے صاف نہ ہوا تھا وہ خبث باطن کا اظہار کرنے لگے۔ کوئی کہتا ہے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی سوا یسے بھاگے جا رہے ہیں گویا وہ دریا کے کنارے ہی جا کے ٹھہریں گے'' اور کلال بن خلیل جو صفوان بن امیہ کا ماموں تھا کہنے لگا آج وہ دن ہے کہ ''جادو باطل ہو جائے گا'' بعض اہل سیر' ابوسفیان بن حرب سے بھی اس قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں۔ اس نے صفوان بن امیہ سے کہا ''مبارک ہو تجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی (معاذ اللہ) بھاگ کھڑے ہوئے ہیں''۔ چونکہ صفوان کا کفر وشرک کا بت قدرے ٹوٹ چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون عنایت ہو کر زمرۂ امن وامان میں داخل ہو گیا تھا اس لیے ان باتوں پر اس نے خوشی ومسرت کا اظہار نہ کیا اور کہنے لگا خدا تیرا منہ توڑے۔ قریش کے کسی ایک شخص کی رہنمائی اور اس کی تربیت میں میرا آنا اس سے بہتر ہے کہ میں ہوازن کے کسی ایک شخص کی تربیت میں ہو جاؤں''۔

القصہ جب تمام لوگ تتر بتر ہو گئے اور حضور اکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم معدودے چند کے ساتھ اپنی جگہ ثابت وقائم رہے تو حضور

اکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ساتھیوں کو پکارو اور انہیں اس طرح آواز دو کہ "اے گروہ انصار اور اے اصحاب سمرہ" سمرہ اس درخت کا نام ہے جس کے نیچے حدیبیہ میں بیعت واقع ہوئی تھی اور ان کو اصحاب الشجرہ اور بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔

نیز ارباب سیر کہتے ہیں کہ "یا اصحاب سورۃ البقرۃ" کہہ کے بھی ندا کی گئی۔ مراد تعظیم ہے کیوں کہ وہ اصحاب اسی صورۃ پر ایمان لائے ہوئے ہیں جس کا نام سورۂ بقرہ ہے اور وہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ انتہائی جہیر الصوت اور بلند آواز والے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اور اقتضائے مقام کے لحاظ سے بلند آواز سے اصحاب کو پکارا۔ تاکہ وہ سب جمع ہو جائیں۔ جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی تو جواب دیا اور کہا "یا لبیک یا لبیک" اور اس طرح جمع ہونے لگیں۔ یا جس طرح کہ شہد کی مکھی کے بادشاہ کے گرد جس کا نام یعسوب ہے مکھیاں جمع ہونے لگیں یا جس طرح اونٹ اور گائے اپنے بچوں کو تلاش کر کے جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کی جانب سب دوڑنے لگے اور بعض اصحاب جن کے گھوڑے سست رفتار تھے اور وہ تیز نہیں دوڑ سکتے تھے وہ ہتھیار پھینک کر اور سواریوں سے زمین پر کود کر تیزی کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنے لگے۔ یہاں تک کہ تقریباً سو صحابہ جمع ہو گئے اور دشمنوں پر حملہ کر کے جنگ میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ" اب تنور کی گرمی ہوئی"۔ طیس گرم تنور کو کہتے ہیں جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں اور مثل و کہاوت اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب جنگ خوب شدت پر ہو۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت کلامی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ جملہ کسی سے نہیں سنا گیا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے زمین پہ تشریف لائے اور ایک مٹھی سنگریزوں کی لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے سواری پر ہی خاک طلب فرمائی اور "شاہت الوجوہ" (ان کے منہ پھریں) دم کر کے دشمنوں کی جانب پھینکی تو یہ مشت خاک مشرکوں کے تمام لشکریوں کی آنکھوں اور منہ پہ پڑی اور کوئی کافر ایسا باقی نہ تھا جس کی آنکھ میں یہ خاک نہ پڑی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کی آنکھیں اور منہ ان سنگریزوں سے بھر گئیں۔ فرمایا: قسم ہے رب محمد کی وہ شکست کھا گئے۔ اور دعا مانگی کہ اے خدا اپنے وعدہ کو سچا کر دے اور کافروں کو اس کے سزاوار نہیں اور نہ وہ ان کے لائق ہیں کہ وہ مسلمانوں پہ غلبہ پائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ.

اور فرمایا: "اِنْهَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ" "رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کافر بھاگ گئے"۔ اس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کلمات تلقین فرمائے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تلقین فرمائے تھے جبکہ بنی اسرائیل کے لیے دریائے نیل میں راستہ بنایا گیا تھا۔ اس جگہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	آپ نے نہیں پھینکا جبکہ آپ نے پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا۔ تاکہ مومنوں کو اس بلا حسن سے آزمائے بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی جانب جو سنگریزے پھینکے اس کی آواز ایسی معلوم ہوئی تھی جیسے آسمان سے طشت میں پھینکے گئے ہوں۔ اور ان کافروں کی اولاد جن کے باپ لشکر ہوازن میں تھے اپنے آباء سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ جب ہماری طرف سنگریزے پھینکے گئے تو کوئی آنکھ ایسی باقی نہ تھی جس میں وہ نہ پڑے ہوں اور

ہمارے دل تڑپنے لگے اور ان میں قلق واضطراب لاحق ہوگیا اور ایک عظیم ہیبت ہم پر طاری ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی آوازیں سنیں جیسے طشت پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے۔ اور اسی دوران آسمان سے ابر سیاہ کی مانند نمودار ہوا جو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان چھا گیا اسی دوران غور سے دیکھا تو سیاہ چیونٹیوں سے تمام میدان لبریز ہوگیا تھا اور تمام وادیاں اس سے بھر گئیں تھیں وہ کہتے تھے کہ ہر پتھر اور درخت ہر جگہ مخالفوں کی نظر میں ایسے سوار نظر آتے تھے جو زمین وآسمان کے درمیان علاقے سفید لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہیں اور دونوں شانوں کے درمیان علاقے چھوڑے ہوئے ہیں اور ہم میں اتنی تاب وتوان نہ تھی کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس روز اپنے نبی کریم کی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد ہوازن پوچھتے تھے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو سفید لباس میں ملبوس ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ہم مارے نہیں گئے مگر انہیں کے ہاتھوں سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے غزوۂ حنین میں بھی قتال کیا ہے۔ جس طرح کہ بدر میں کیا تھا۔ اور وہ قول جس نے یہ کہا ہے کہ ''فرشتوں کا نزول امداد واعانت کے لیے تھا قتال بدر کے ساتھ مخصوص ہے'' ضعیف ہے اس کے بعد مسلمانوں نے نیام سے تلوار نکال کر کافروں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ گویا کہ آسمان سے ان پر ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور ان کو شکست دیدی۔

ہوازن کا لشکر اتنی دیر بھی کھڑا نہ رہ سکا جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہا جاتا ہے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

شیبہ بن عثمان عجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں قریش کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں آئی میں بھی ان میں تھا اور اس مقصد کے ماتحت ساتھ تھا کہ اگر موقعہ میسر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں گا۔ یہ کینہ اپنے باپ کے روز احد مارے جانے کی بنا پر تھا اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے اور نیت سے چلا میرا پختہ عزم تھا کہ اگر تمام لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ومنقاد ہو جائیں تو بھی میں ہرگز نہ ہوں گا۔ میں اس ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں آیا اور چاہا کہ آپ پر تلوار کا وار کروں کہ اچانک میں نے دیکھا ایک آگ کا شعلہ' بجلی کی مانند نمودار ہو کر میری طرف لپکا اور قریب تھا کہ وہ مجھے جلا ڈالے۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی' اے شیبہ! قریب آؤ۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر مار کر فرمایا ''اے خدا' اے خدا' اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھ'' حق تعالیٰ نے اسی وقت میرے دل سے وہ واعیہ اور کینہ دور فرمایا'' خدا کی قسم! آپ اسی لمحہ میری آنکھ کان سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتا اور کافروں سے جنگ کرتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا تو یقیناً میں اسے تلوار سے قتل کر دیتا۔ اس کے بعد کافروں نے ہزیمت کھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور میں بھی خیمہ اقدس میں داخل ہوا تاکہ آپ کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے شیبہ! حق تبارک وتعالیٰ نے جو تمہارے لیے چاہا اس سے بہتر تھا جو تم اپنے لیے اپنے دل میں چاہتے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ میرے دل میں تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرما دیا۔ پھر میں نے عرض کیا ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ'' اس کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے استغفار فرمایئے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''غَفَرَ اللهُ لَكَ'' اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا''۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ایمان اسی وقت جاگزیں ہو گیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دست اقدس مارا اور محبت پیدا ہو گئی تھی جس کے باعث کافروں سے انہوں نے جنگ کی۔ لیکن لفظ شہادت ظہور میں نہیں آیا تھا اس وقت وہ اس سے بھی مشرف ہو گئے اس حدیث میں اس پر دلیل موجود ہے کہ

ایمان کی حقیقت وہی تصدیق قلبی ہے اور زبانی اقرار احکام ایمان کے اجراء کے لیے اس پر زائد ہے۔ جب وہ بھی حاصل ہو تو ایمان مکمل ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ان سے لوگوں نے پوچھا کیا تم حنین کے دن بھاگے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرار نہیں ہوئے تھے اور مرکز استقامت ثابت و مستقیم تھے اور جب ہم نے ہوازن پر حملہ کیا تو وہ متفرق و منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد ہم غنائم کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے جمع ہو کر تیروں کے نرغہ میں لے لیا۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عارب اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ یہ جو فرار و پریشانی کی آزمائش ہم پر مسلط ہوئی یہ ہماری ہی غلطی کی بناء پر تھی کہ ہم دنیاوی مال و متاع کی طرف متوجہ اور اس کے متعلق ہو گئے اور غزوۂ احد میں بھی ایسا ہی واقع ہوا تھا۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بغلہ ءبیضاء پر سوار فرماتے جاتے تھے:

اَنَـا النَّبِيُّ لَا كَـذِبْ اَنَـا ابْنُ عَبْـدِالْمُطَّلِبْ

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی موقعہ پر اور کسی مقام میں فرار وانہزام جائز نہ تھا اور اس دربار عالی میں اس کی صورت بھی کیسے ممکن تھی جبکہ آپ شجاعت کے اعلیٰ منزل کے حامل اور وعدہ ءحق پر اعتماد کامل رکھتے تھے کیسے متزلزل اور فرار کی شکل بن سکتی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب انہزام کا اعتقاد ناجائز ہے اور قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الشفاء میں مرابط مالکی سے اس بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ فرار اختیار کی (معاذ اللہ) تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ اس سے توبہ کر لے تو فبہا۔ ورنہ اسے قتل کر دینا چاہیے۔ اور کہا کہ علامہ دمیاطی نے فرمایا ہے اگر یہ قائل توبہ لینے کے ساتھ اصل مسئلہ میں جو کہ سب وشتم ہے مخالف ہے تو یہ صورت ممکن ہے (اور اس سے توبہ لے لی جائے گی کہ وہ سب وشتم کا قصد نہیں رکھتا تھا) اور اگر اصل مسئلہ کے موافق ہے تو سب وشتم کرنے والے کی توبہ مقبول کرنا مشکل ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے والے کی توبہ مقبول ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کا قتل بر بنائے ارتداد ہے یا بطریق تعزیر۔

وصل: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس غزوہ میں چار مسلمان شہید ہوئے ایک ان میں سے ایمن رضی اللہ عنہ بن ام ایمن، جو کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے، اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے تھے۔ خدام کا ذکر آخر کتاب میں انشاء اللہ آئیگا اہل شرک وشقائق میں سے ستر افراد جہنم رسید ہوئے اور ان میں سے بہت سے تو دائرہ اسلام میں آ گئے اور باقی بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والے کافروں کی تین ٹولیاں ہیں۔ مالک بن عوف تو طائف کے قلعہ کی طرف بھاگ گیا اور ایک ٹولی بطن نخلہ کی طرف بھاگ گئی اور ایک جماعت اپنے اموال کی حفاظت میں جو کہ اوطاس میں تھا دوڑ پڑی اور مسلمان ان کے تعاقب میں لگ گئے اور ان کو قتل کیا حضور اکرم صلی اللہ علایہ وسلم نے حکم دیا کہ ''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلاً فَلَـهٗ سَلَبُـهٗ'' جس نے جس کافر مقتول کو ہلاک کیا اس کا سامان اسی کا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ جس نے جس کافر کو مارا اور اس پر گواہ گزرے تو سامان ہتھیار کپڑے اور مقتول کا جانور سب اس کا ہوگا۔ حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی دوران ایک کافر کو مارا تھا۔ اس مقتول کا سامان دوسرے شخص کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا۔ جب انہوں نے بارگاہِ رسالت میں صورت حال بیان کی تو اس شخص نے کہا اس کافر کا سامان میرے پاس ہے۔ مگر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوقتادہ کو راضی کر دیجیے کہ اس مقتول کا سامان مجھے چھوڑ دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے شیروں میں سے کسی شیر کو جس نے راہ خدا میں جنگ کی ہو محروم نہ رکھیں گے اور اس سامان کو جو اس کا حق ہے

تجھ سے دلائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھیک کہا قتیل کا سامان اسے لوٹا دو پھر ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک باغ خریدا۔

اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مقتولہ عورت پر ہوا لوگ اس کے گرد کھڑے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیسا اژدھام ہے لوگوں نے کہا ایک کافرہ عورت ہے جسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کر دیا ہے۔ حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ انہیں بتا دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں بچوں اور مزدوروں کو قتل کرتے سے منع فرماتے ہیں۔ غالباً یہ بات حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تشریعی حکم تھا اس سے پہلے انہیں معلوم نہ تھا۔

اس کے بعد ابو عامر اشعری کو جو کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چچا تھے ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العوام ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے اوطاس کی طرف بھاگنے والے کافروں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ مسلمان قطع مسافت کر کے دشمنوں پر پہنچ گئے اور جنگ وقتال برپا ہوئی اور درید بن الصمہ جو کہن سال بوڑھا تھا اور اس قوم کا سردار تھا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس لشکر کے امیر تھے انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کی کیفیت میں روایتیں مختلف ہیں۔ اصح یہ ہے کہ جنگ کے دوران بنی جشم کے ایک شخص نے حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر تیر مارا اور وہ تیر ان کے زانوں میں بیٹھ گیا اور ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جشمی شخص کے پیچھے بڑھ گئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا اور چاہا کہ تیر کو ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانوں سے نکالیں جب نکالا تو خون بہت زیادہ نکلا اور حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی سے ناامید ہوئے تو فرمایا ''اے بھتیجے میرا اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا اور التماس کرنا کہ میرے لیے حق تعالیٰ سے آمرزش فرمائیں اس کے بعد اس لشکر کی امارت میرے سپرد فرمائی اور حق تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر فتح آسان فرما دی جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کے خیمہ مبارک میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ ایسے بوریئے پر جو کھجور کی چھال سے بنا ہوا تھا آرام فرما ہیں اس بوریئے کی دھاریوں کے نشانات آپ کے پہلوؤں اقدس پر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ اور ان کی معروضات پیش خدمت کیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور وضو فرمایا اور دو رکعت نماز پڑھی بعد ازاں دست مبارک اٹھایا اتنا کہ آپ کے بغل شریف کی سفیدی میں نے دیکھی اور دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ عَامِرٍ وَاجْعَلْهُ مِنْ اَعْلٰی اُمَّتِیْ فِی الْجَنَّةِ پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے لیے بھی طلب آمرزش فرمائیے؟ تو فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ وَاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُدْخَلًا كَرِيْمًا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوموسیٰ اشعری کا نام ہے اور قیس ان کے والد کا نام ہے اس حدیث میں دعا سے پہلے وضو اور نماز کا استحباب ہے اور یہ کہ بزرگوں کی حاضری کے وقت کو عمدہ اور غنیمت جانے اور ایسے وقت میں ان سے دعا اور طلب آمرزش کی درخواست کرے اور دعائے آمرزش کے لیے اتنا اہتمام کرنا تمام دعاؤں میں اصل وقاعدہ یہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حنین کے تمام مال غنیمت کو ''جعرانہ'' میں جمع کریں اور اسے مضبوط ومحفوظ رکھیں تا کہ وفراغت کے بعد تقسیم کیا جائے۔ جعرانہ بکسر جیم وعین وتشدید را اوطاس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جو حنین اور مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں تشریف لا کر حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا اور پندرہ سولہ روز وہاں اقامت فرمائی۔ جعرانہ ایک عورت کا نام ہے اس کے نام سے یہ جگہ موسوم ہوئی اور وہیں سے راتوں رات مکہ مکرمہ آ کر عمرہ گزارا۔ جیسا کہ آئندہ ذکر

آئے گا اور منادی کو حکم فرمایا کہ وہ اعلان کردے کہ جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اموال غنیمت میں خیانت نہ کرے اس پر جس نے بھی غنیمت میں سے کچھ لیا تھا اسے لوٹا دیا۔ حتیٰ کہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوئی لی تھی اور اپنی زوجہ کو دیدی تھی کہ وہ اس سے ان کے کپڑے سی دے۔ جب یہ اعلان سنا تو بیوی سے سوئی لے کر غنائم میں لوٹا دی۔ حنین کے غنائم بہت زیادہ تھے اور کسی غزوے اور لشکر میں اتنا ہاتھ نہ آیا تھا۔ بلکہ اس کے لگ بھگ بھی ہاتھ نہ آیا تھا اور باندیوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ جو حاملہ ہیں وضع حمل تک ان سے وطی نہ کی جائے اور جو غیر حاملہ ہیں ان سے ایک حیض آنے تک وطی نہ کی جائے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان قیدی عورتوں میں ایک عورت تھی جس کا نام شمابنت الحارث بن عبدالغری تھا کسی صحابی سے اس نے ذکر کیا اور کہا کہ میں تمہارے آقا کی رضائی بہن ہوں۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لوگ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ میں لائے اور شما نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں تمہاری رضائی بہن ہوں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا تم کوئی ثبوت اور نشانی رکھتی ہو؟ پھر اس نے بعض واقعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھائی اور اسے اس پر بٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رخسار مبارک پر بہنے لگے۔ حضرت حلیمہ اور ان کی قوم کا حال دریافت فرمایا اس نے کہا وہ تو دنیا سے رحلت کر گئیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے پاس رہو تم معزز مکرم رہوگی اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے گھر انعام واکرم کے ساتھ واپس کر دیں۔ اس نے اس دوسری شق کو اختیار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک باندی، تین غلام اور بکریاں دے کر رخصت کر دیا اور شما زیور ایمان سے منور ہو کر اپنے گھر لوٹ گئی تھی۔

بعض کتابوں سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ شیما جعرانہ میں آئیں جہاں اموال کی تقسیم واقع ہوئی تھی ان دونوں روایتوں میں جمع تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ شیما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہاں آئی ہوں گی اور رخصت کے لیے فرمایا ہوگا کہ تم اپنی قوم میں واپس جانے کے لیے جعرانہ میں ٹھہرو، میں طائف سے لوٹ کر جعرانہ آؤں گا وہاں تمہیں اسباب معیشت دوں گا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ تشریف لائے تو شیما کو اور اس کی قوم کو بکثرت مویشی اور مال دے کر تونگر بنا دیا۔ اس بنا پر جس راوی نے جعرانہ میں دیکھا اس نے یہ بیان کر دیا اور جس راوی نے وہ دیکھا وہ بیان کر دیا (واللہ اعلم)

فتح قلعہ طائف: وصل: چونکہ مالک بن عوف، ثقیف وہوازن کے مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ حنین سے فرار ہو کر طائف چلا گیا تھا اور طائف کے قلعہ میں پناہ لے چکا تھا اور جنگ اور شکست کھانے سے ایک سال پہلے سے ہی قلعہ کو ساز و سامان سے تیار کر رکھا تھا وہ اس قلعہ میں گھس کر اس کے دروازوں کو بند کر کے اس کے تمام مداخل و مخارج اس میں آنے جانے کے راستوں کو مضبوط کر کے بیٹھ گیا اور جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا طائف بہت بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے دو منزل یا تین منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور عرفات کے راستہ سے اور وادی نعمان سے جو ایک پہاڑ کا نام ہے ایک رات درمیان میں گزار کر جاتے ہیں۔ طائف میں انار و انگور اور دیگر فواکہ بہت کثرت سے ہوتے ہیں اسی جگہ کو عجمی لوگ حجاز کہتے ہیں وہاں کے میوے اور ہوا عمدہ ہیں۔ حجاز، ولایت یعنی دارالحکومت کا نام ہے اور طائف اس کا ایک شہر ہے۔

اخبار میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام اس باغ کو جو اصحاب مریم کے قبضہ میں تھا جس کا قصہ سورہ ''نون والقلم'' کے شروع میں مذکور ہے اکھیڑ کر مکہ مکرمہ لائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرایا اور اس جگہ لا کے رکھ دیا۔ اس بنا پر اس علاقہ کو طائف کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ باغ صنعا کے نوا میں تھا اور اس زمین کو جہاں طائف ہے ''دج'' کہتے ہیں اور بعض روایتوں میں اس پر حرم کا اطلاق بھی واقع ہوا ہے ایک نظم میں جسے کسی عالم نے نظم کیا ہے لکھا ہے کہ

وحرم الھادی وورج لطائف حرم والجزاء ثقی بحرم

''حرم ہادی'' سے مراد مدینہ طیبہ اور دج سے یہی طائف کی زمین مراد لی ہے اور کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اور دج' تعظیم واحترام کے اعتبار سے حرم ہیں لیکن جز انہیں ہے جیسا کہ حرم مکہ میں ہے''۔ اور یہی حنفی مذہب ہے۔

القصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پوری کیفیت کی خبر ہوئی تو آپ نے قلعہ کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ فرمالیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہزار افراد کا مقدمہ لشکر بنایا اور جب راہ میں اس مقام سے گزرے جس کا نام ''اینہ'' (بکسر ہمزہ لام وفتح یائے مخفہ) تھا اور وہاں مالک بن عوف نضری کا ایک محل فرمایا اس محل کو ویران کر کے جلا دو اور آثار شرک کا قلع قمع کر دو۔ لازمی ہے کہ اس محل میں بت بھی رہیں گے۔

طائف کی طرف تشریف لے جانے سے پہلے طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمر ودوسی کو ذی الکفین کے بت خانے کی طرف بھیجا جو لکڑی کا ایک بت تھا تا کہ وہ اسے تباہ و برباد کر دیں۔ وہ اپنی قوم سے مدد لیکر اور اسے تباہ کر کے طائف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔ طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمر ودوسی کا ایک شعر اس بت کے بارے میں منقول ہے انہوں نے کہا

يَا ذَالْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ

اے ذوالکفین میں تیرے پوجنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مِيْلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِيْلَادِكَ مسلمانوں کی ولادت تیری ولادت سے بہت پرانی ہے؛ مطلب یہ کہ مشرکوں نے تجھے لکڑی سے چھیل کر بنایا ہے اور ہمیں حق تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمایا: اِنِّىْ حَشَيْتُ النَّارَ فُوَادَكَ. بیشک میں نے تیرے دل میں آگ روشن کی ہے۔ مطلب یہ کہ میں نے تجھے جلا دیا ہے؛ حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خدمت کو سرانجام دے کر چار دن کے بعد اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ جوان کے موافق تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کے شامل ہو گئے۔ یہ قلعہ کے فتح کرنے اور نقب لگانے کے کچھ اوزار و آلات بھی اپنے ساتھ لے آئے۔

جب لشکر اسلام طائف کے قلعہ کے نیچے آ کے ٹھہرا تو قلعہ والوں نے عظیم تیر بازی شروع کر دی اور بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر دیا۔ جس سے کچھ تو درجہ شہادت کو پہنچے ہوازن کی قوم فن تیراندازی میں بہت ماہر و یگانہ تھی۔ پھر حکم ہوا کہ لشکر ہمایوں اس جگہ سے کوچ کر کے اس بلندی پہ جا کے قیام کرے جہاں اب مسجد طائف ہے اس غزوہ میں امہات المومنین میں سے سیّدہ زینب اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہمراہ تھیں وہ ان کے لیے خیمے نصب کیے گئے اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس قوم کے پھلوں کے درختوں کو جو کہ کثرت سے کاٹنے میں مشغول ہو جائیں تا کہ کفار کے نگونساری اور ان کے ذلیل وخواری کا سبب بنے۔ جب ان کے مالک اس سے باخبر ہوئے تو درخواست کرنے لیے اور تضرع وزاری کر کے کہنے لگے کہ خدا کے لیے اور رحم وکرم فرماتے ہوئے ان درختوں کے کاٹنے سے رک جائیے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِنِّىْ اَوْعُهَا لِلّٰهِ وَلِلرَّحْمِ'' میں اللہ کے لیے اور رحم وکرم کے واسطے سے ان درختوں کو چھوڑتا ہوں۔ اس جگہ بھی محاصرہ کی مدت اٹھارہ روز اور ایک روایت میں ہے پندرہ روز اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز رہی اور بڑی عظیم جنگ واقع ہوئی اور اسلام میں پہلی مرتبہ منجنیق رکھی گئی اور ان اوزار و آلات سے جو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمر ودوسی' ذوالکفین کی واپسی کے وقت اپنے ساتھ لائے تھے کام لیا گیا۔ اس جنگ میں کفار کی ایک جماعت ماری گئی اور صحابہ کی بہت بڑی جماعت زخمی ہوئی اور بارہ مرد شہید ہوئے چار انصاری' سات قریشی اور ایک قبیلہ لیث سے۔ ان شہداء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب سے بڑے فرزند حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوالمحجن ثقفی نے ان پر تیر پھینک کے زخمی کیا پھر وہ زخم مندمل ہو گیا اور کچھ عرصہ دراز کے بعد وہ زخم پھر ہرا ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اس زخم کی بنا پر دنیا سے رخصت ہوئے اور عبداللہ بن امیہ جو سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے وہ بھی انہیں بارہ شہداء میں سے تھے۔

مواہب لدینہ میں حافظ بدرالدین عراقی کی شرح تقریب سے منقول ہے کہ اس غزوے میں ابوسفیان صخر بن جرب کی آنکھ جاتی رہی۔ اس کے بعد ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کی آنکھ ان کے ہاتھ میں تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا چیز پیاری ہے آیا وہ آنکھ جو جنت میں تمہارے لیے ہو یا وہ آنکھ جو دنیا میں دعا کرنے سے حق تعالیٰ لوٹا دے؟ انہوں نے کہا مجھے جنت میں آنکھ ملنا زیادہ محبوب ہے اس سے کہ دنیا میں ملے کہہ کر ہاتھ سے آنکھ کا ڈھیلا پھینک دیا۔ معلوم ہوا کہ دوسری آنکھ سے بھی وہ جنگ یرموک میں حضرت فاروق اعظم کی خلافت کی کے زمانہ میں نابینا ہو گئے تھے (انتہی)

محاصرہ کے دوران ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کے ذریعہ اعلان کرایا کہ جو غلام قلعہ میں مسلمانوں کی طرف اتر کے آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ اس پر تقریباً بیس غلام اہل طائف کے کسی بہانے سے اتر کے آئے ان میں سے ایک نفیع رضی اللہ تعالیٰ (بصیغہ تصغیر) بن الحارث بھی تھے جو بکرہ سے اترے اسی بنا پر وہ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لقب سے موسوم ہوئے اور اخیار صحابہ میں سے ہوئے ہیں ان تمام غلاموں کو آزاد کر دیا گیا اور ان کی غلامی کو حق تعالیٰ کی بندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا اور ان میں ہر ایک کو کسی نہ کسی صحابہ کے سپرد فرما دیا کہ وہ ان کی ضروریات اور حوائج کا پاس و لحاظ رکھیں۔ طویل عرصہ کے بعد جب اہل طائف حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے غلاموں کو ہمیں واپس کر دیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اولٰئک عتقاء اللہ خدا کے آزاد کردہ ہیں وہ تمہاری غلامی میں نہیں رہ سکتے۔ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب میں اس طرح مروی ہے کہ نفیع بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نقیع بن مبروح بن کلدہ ہے اور کہتے ہیں کہ وہ حارث بن کلدہ یا مسروح بن کلدہ کے غلام تھے۔ جنہیں متبنی بنا رکھا تھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے محاصرہ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ گرد و نواح میں پھیل جائیں انہوں نے قرب و جوار کے دشمنوں سے جنگ و قتال کی اور ہوازن و ثقیف کے بتوں کو جو اس نواح میں تھے توڑ دیا اور مشرکوں کے آثار و دیار کو برباد کیا۔ پھر بارگاہِ رسالت میں لوٹ آگے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک علی المرتضیٰ کے روئے منور پر پڑی تو تکبیر بلند کی اور خلوت و تنہائی میں خفیہ طور پر بہت سی باتیں ہدایت فرمائیں۔ جب اس خلوت و تنہائی کا زمانہ طویل ہو گیا سو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کہنے لگے کہ عجب ہے کہ دور دراز کی باتیں اپنے چچا کے فرزند سے فرماتے ہیں اور دوسروں سے نہیں کہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَنۡتَجَیۡتُہٗ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَنۡتَجَا میں ان کے ساتھ راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ راز کی باتیں کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں از خود ان سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے تو ان سے راز کی باتیں کرتا ہوں۔

جب محاصرہ کو پندرہ سولہ دن ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز گزر گئے تو کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا اور حکم فرمایا کہ قلعہ کے فتح کرنے کے پابند نہ بنو۔ یہاں سے منتقل ہو جاؤ۔ یہ امر صحابہ پر شاق گزرا اور کہنے لگے تعجب ہے کہ ہم کوچ کر جائیں اور ہم پر طائف مفتوح نہ ہو یہ کیا صورت ہوئی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبیخ و سرزنش کے لیے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو جنگ کر کے دیکھ لو۔ یہاں تک کہ تمہیں فتح حاصل ہو جائے دوسرے دن انہوں نے جنگ کی اور بہت زیادہ زخمی ہوئے۔ وہ پشیمان اور شرمندہ ہوئے اور حکم بجالانے پر آمادہ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّا قَافِلُوۡنَ غَدًا اِنۡشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ ہم انشاء اللہ کل یہاں سے

کوچ کرنے والے ہوں گے‘ صحابہ نے اظہار مسرت کیا جب سامان سواریوں پر لادنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا مطلب یہ کہ جب میں نے کوچ کرنے کا حکام دیا تو ٹھہر گئے اور توقف کیا اب خود اس کے خواہاں ہو۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے تو ہمیں چھلنی کر دیا ان پر دعائے بد فرمائیے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے خدا ان کو ہدایت دے اور انہیں اسلام پر میرے قریب فرما“۔

اہل سیر کہتے ہیں محاصرہ کے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ کا ایک بڑا پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا ہوا ہے قبل اس کے کہ آپ نوش فرمائیں ایک مرغ نے آ کر اپنی چونچ اس پیالہ میں ڈالی اور اسے گرا دیا۔ اس خواب کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان فرمایا چونکہ وہ فن تعبیر میں کامل مہارت رکھتے تھے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ خواب اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قلعہ کے فتح کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو میں نے بھی یہی تعبیر لی ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے معاملہ میں نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاویہ دیلمی سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ یہ لوگ لومڑی صفت ہیں جو بلوں میں پناہ لیتے ہیں اگر ان کو پکڑا جائے تو ہاتھ نہیں آتے اور اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے‘ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کے فتح کی اجازت نہیں ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایسا سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کی اجازت نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اجازت نہیں ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا تو مجھے حکم دیجئے تاکہ میں کوچ کا اعلان کر دوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعلان کر دو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوچ کا اعلان کر دیا اور لوگ کوچ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

مواہب لدنیہ میں شیخ محی الدین نودی سے منقول ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام پر رفق و مہربانی اور شفقت کے طور پر اور اس صعوبت و سختی کی وجہ سے جو کفار کی طرف سے انہیں محاصرہ کے ذریعہ پہنچ رہی تھی کہ کفار تو اپنے قلعہ میں محفوظ و مامون ہیں اور انہیں زخم و جراحت پہنچا رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا اور امید رکھتے تھے کہ یہ قلعہ بغیر محنت و مشقت کے اس کے بعد فتح ہوگا۔ مگر جب صحابہ نے ٹھہرنے پر اصرار کیا اور جنگ کرنے پر مُصر ہو گئے تو ٹھہر گئے اور جب ان کو بے تحاشہ زخم پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قصد کی طرف رجوع کیا جو پہلے ہی ان پر رفق و شفقت کی وجہ سے کیا تھا۔ پھر جو کچھ انہوں نے دیکھا اس وقت انہیں شفقت کی قدر معلوم ہوئی اور کوچ کے موافق بنے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے بدل جانے پر بطریق تعجب تبسم فرمایا۔ انتہی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کرتے وقت صحابہ سے فرمایا کہ تم یہ کہو: لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اور جب کوچ کرنے لگے تو فرمایا کہ یہ کہو: عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. یہ کلمہ وطن لوٹتے وقت پڑھنا مسنون ماثور ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے جہاد کے لیے نکلتے وقت ساز و سامان جنگ مثلاً گھوڑے ہتھیار دیگر اوزار اور آلات جہاد کی تیاری اور صحابہ کو جمع کرتے وقت کچھ پڑھتے ہوں گے۔ جب یہ تمام اسباب سفر و جہاد مکمل ہو جاتا تو یہ سب کسی صحابی کو سپرد کر کے خود خالی ہو جاتے ہیں اور اپنے تمام امور کو حق تبارک و تعالیٰ کو سونپ دیتے اور اس طرح پڑھتے کہ اٰئِبُـوْنَ

تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اس وقت ''ہزم الاحزاب وحدہ'' پڑھ کران تمام اسباب کی نفی کی طرف اشارہ فرماتے اور حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ انسان اور اس کے تمام افعال حق تعالیٰ کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ سب اسی کی مخلوق ہے وہی تدبیر بناتا اعانت فرماتا اور جس طرح اس کی مشیت ہوتی امور کو جاری فرماتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اختیار عدل کرتا ہے۔ تمام امور اسی کی طرف صادر ہوتے ہیں اور ہر معاملہ اسی کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ اگر حق تبارک وتعالیٰ چاہے تو کفار کو بغیر جنگ وقتال کے ہلاک فرمادے چنانچہ ارشاد باری ہے: وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ چاہتا تو ان کی مدد نہ کرتا لیکن وہ ایک کو دوسرے کے ساتھ آزمانا چاہتا ہے تو وہ صبر وشکر کرنے والوں کو اجر وثواب عنایت فرماتا ہے......... اور فرماتا ہے: لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ لہٰذا ہر مکلّف پر واجب ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرے سامان واسباب کے مہیا کرنے میں بھی اور اس کی طرف رجوع والتجا کرنے میں بھی۔ جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے کہ پہلے مقام ربوبیت کی ادب اور تشریح اُمت کے لیے اسباب فراہم کرتے پھر حق تعالیٰ کی جانب رجوع ہوتے اور معاملہ اس کے سپرد فرمادیتے اور حق تبارک وتعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس سے اپنی قدرتِ عالیہ اور حکمت غامضہ میں سے جو چاہتا ظاہر فرماتا۔ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذخیرہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال۔

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے کوچ کر کے جعرانہ تشریف لائے جہاں حنین کی غنیمتیں جمع کی گئی تھیں اور وہ چھ ہزار بردے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھا ایک اوقیہ کا وزن چالیس درہم وزن کا ہوتا ہے ایک روایت میں ہے کہ بکریاں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کا شمار ہی نہ ہو سکتا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست جود وسخا کو لوگوں پر کشادہ فرمایا بالخصوص ان مولفۃ القلوب پر جن کے دلوں میں ابھی نور ایمان قوی نہ ہوا تھا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کو جمع کر کے لانے کا حکم دیا۔ پھر بکریوں کو اور اونٹوں کو شمار کر کے لوگوں پر تقسیم فرمایا۔ ہر شخص کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں اگر وہ پیادہ تھا عنایت فرمائے اور اگر سوار تھا تو بارہ اونٹ اور ایک سوبیس بکریاں مرحمت فرمائیں اور ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہ دیا

اہل سیر کہتے ہیں کہ تمام نقدیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کیا گیا تھا۔ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ کے کہنے لگا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپ تمام قریش سے زیادہ تونگر ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ ابوسفیان نے کہا۔ ''اس میں سے کچھ مجھے بھی عطا فرمائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ ان کو انعام میں دو۔ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرے بیٹے یزید کو بھی حصہ عنایت فرمائیے۔ یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بڑے بیٹے کا نام تھا اور یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے چچا پر نام رکھا گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ اور دیدو۔ پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ''میرے دوسرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ دیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس اوقیہ چاندی اور ۱۰۰ اونٹ اور دے دو اس پر ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں خدا کی قسم! آپ زمانہ جنگ میں بھی کریم تھے اور زمانہ آشتی میں تو بہت ہی کریم ہیں۔ آپ از حد مروت فرماتے ہیں حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اسی طرح حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام کو سو اونٹ دے دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ وہ اور زیادہ چاہتا ہے تو فرمایا سو اونٹ اور دیدو اور رؤسا عرب کی جماعت کثیرہ کو جیسے سہل رضی اللہ عنہ بن عمرو، صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ، خویطب رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیٰ، اسید رضی اللہ عنہ بن حارثہ ثقفی، حارث بن ہشام برادر ابوجہل قیس بن عدی، اقرع بن حابس تمیمی وغیرہ اس کے علاوہ اور

لوگوں کومثلاً علاء بن جاریہ ثقفی، مخرومہ بن نوفل، سعید رضی اللہ عنہ بن بوع، عثمان رضی اللہ عنہ بن نوفل، ہشام رضی اللہ عنہ بن عمرو عامری وغیرہ کو پچاس پچاس اونٹ دیئے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ عطا مجموعہ غنائم میں سے مرحمت فرمائے یا خمس میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ خمس میں سے تھے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ مجموعہ غنائم میں سے تھے۔ یہ قول راجح تر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اموال ونقو دکولشکر اسلام اور اہل مکہ وغیرہ پر صرف فرمایا اور انہیں خوش کیا کچھ وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے تھے ایمان لے آئے اور وہ لوگ جو ضعیف الایمان تھے حصول رضا وخوشنودی کے سبب ان میں تقویت پیدا ہوئی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اسی دوران ایک گھاٹی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو گھاٹی بکریوں اور مویشیوں سے بھری ہوئی تھی صفوان رضی اللہ عنہ کالی عنہ گھور گھور کر انہیں دیکھتا تھا اور اس کی نظر بھرتی نہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ چشم سے اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا اور کہا ''کیا یہ تجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں؟'' اس نے کہا ہاں! '' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان سب کو میں نے تجھے بخشا۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے ان سب کو فوراً اپنے قبضے میں لے لیا اور کہنے لگا ''خدا کی قسم کوئی شخص داد و دہش میں اتنی سخاوت نہیں کرسکتا بجز حق تعالیٰ کے نبی کے''۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور مولفتہ القلوب میں داخل ہو گیا۔ عرب کے بعض نادانوں اور جفا شعار لوگوں سے اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزار بھی اٹھائے اور فرمایا: رَحِمَ اللّٰہُ مُوْسٰی اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحمت فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے مگر صبر کیا''۔

عیینتہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مرداس کو سو سے کم ارنٹ دیئے۔ وہ غصہ میں آ گیا اور یہ شعر کہنے لگا

اتجعل نهبی ونهب الفیل بین عیینه والاقرع

وما كنت دون امرء منها ومن تضع الیوم لا یرفع

اور اس سے ایک شعر یہ بھی ہے جو نحو کی کتابوں کی غیر متصرف کے باب میں آتا ہے

وَمَا کَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ بِفُوْقَانِ مِرْدَاسٍ فِیْ مَجْمَعٍ

مطلب یہ کہ عباس بن مرداس اپنے باپ مرداس پر حصن و حابس کے اوپر فخر کرتا ہے۔ جو عیینہ اور اقرع کے باپ ہیں۔ جب یہ اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع میں پہنچے تو فرمایا: اِقْطَعُوْا عَنِّیْ لِسَانَهٗ مجھ سے اس کی زبان کو قطع کرو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اونٹوں کے احاطہ میں لے گئے اور سو اونٹ دیدیئے پھر وہ سب سے زیادہ خوش ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تو میری بدگوئی میں شعر کہتا ہے اس پر اس نے عذر خواہی کی اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں میں اپنی زبان میں ایسی سرسراہٹ محسوس کرتا ہوں جیسے چیونٹی چلتی ہے جب تک کہ میں کوئی شعر نہ کہوں اور میں شعر گوئی میں مجبور و بے اختیار ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا۔ ''عرب شعر گوئی نہیں چھوڑ سکتے جس طرح اونٹنی اپنے بچے کو نہیں چھوڑ سکتی۔

بعض سیری کتابوں میں آیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں یہ شعر پہنچے تو فرمایا تو نے ایسا شعر کہا ہے کہ:

اتجعل نهبی ونهبت العنید بین عیینه والاقرع

حضرت ابوبکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مصرعہ کو موزوں اور مقفی نہ دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العینیہ والا قرع۔ فرمایا: چاہے اس طرح کہلو چاہے اس طرح کہلو دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ شاعر نہیں ہیں اور نہ آپ کے لیے شعر گوئی سزاوار ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ نہ ہم نے آپ کو شعر سکھایا اور نہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے؛ بعض کہتے ہیں کہ وزن کے ساتھ شعر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسان نہ تھا اور آپ موزوں وغیر موزوں میں فرق نہ فرماتے تھے۔ (سبحان اللہ)

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خاص و عام کو انعام وعطایا سے سرفراز فرمایا اور مخلوق کے ظاہر و باطن کو محفوظ ومعمور فرمایا۔ خصوصاً اہل مکہ کو جو مؤلفۃ القلوب وغیرہ میں سے ہیں حدوشمار سے زیادہ نوازا اور وہ انصار جو بارگاہ بیکس پناہ کے مخلصوں اور مخصوصوں میں سے تھے ان کو منزۂ مبرا معاف اور محروم رکھا۔ اہل مکہ کی مانندان پر داد و دہش نہ فرمائی۔ اہل سیر کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انصار اندوہ گیں ہوئے کہ وہ قریش جنہیں حسد ونفاق کی بو ابھی بس رہی ہے اور مخلص نہیں ہیں اور دیگر وہ قبائل عرب جنہوں نے راہ خدا میں کوئی محنت و مشقت نہیں اٹھائی ہے انہیں تو مالا مال کر دیا گیا ہے اور ہمیں محروم رکھا گیا ہے حالاں کہ کافروں کا خون ہماری تلواروں سے ابھی خشک بھی نہیں ہوا ہے۔ انصار کی یہ چہ میگوئیاں جب سمع مبارک تک پہنچیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر انہیں بلایا اور جس خیمہ میں آپ تشریف فرما تھے اس میں انہیں بٹھایا اس وقت انصار کے سوا کسی کو اجازت نہ تھی کہ خیمہ میں داخل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اے گروہ انصار! یہ کیسی باتیں میں تمہاری طرف سے سن رہا ہوں کیا تم نے ایسا کہا ہے یا نہیں؟'' وہ عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حاشا وکلا جو ہمارے اکابر وروٴسا میں سے کسی نے ایسا کہا ہو۔ البتہ ہم نوجوانوں اور نئے چاہنے والوں کا ذمہ نہیں لیتے ممکن ہے کہ انہوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سوچو تو بھلا' کیا میں نے تم کو کافر و گمراہ نہیں پایا تھا پھر حق تعالیٰ نے تمہیں راہ رست دکھا کر ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا اور ایمان ایسی دولت ہے جو اس داد و دہش اور بخششوں سے اعظم واجل ہے۔ اس سے پہلے کیا میں نے تمہارے اندر ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی وعداوت نہیں پائی تھی پھر حق تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ومحبت پیدا فرمائی'' واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے باہمی تنازعات اور خونریزیاں ازحد تھیں اور قبیلہ اوس وخزرج دونوں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان ایک سو بیس سال سے جنگ جاری تھی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا.

اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن کر صبح اٹھے۔ حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو تم کو اس سے بچایا'' اور تم کو غنائم سے تونگر بنایا اور تمہارے مال واولاد میں میرے وجود کی بدولت برکت دی''۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً ان کے سوا بکثرت اس مضمون کی آیات کریمہ ہیں۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو جو انصار پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچی تھی یاد دلائیں۔ مگر انصار خاموش رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے''۔ انصار عرض کرنے لگے۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ ہم جواب میں کیا عرض کریں وَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ. اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل واحسان ہم پر بہت زیادہ ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور اس کہنے میں تم صادق وراست گو ہو گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانب اس حال میں آئے کہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور کوئی آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ نہ کرتا تھا اور نہ کوئی آپ کی مدد کرتا تھا ہم نے آپ کی نصرت واعانت کی۔ آپ باہر آئے ہوئے اور نکالے ہوئے تھے ہم نے اپنے گھروں میں جگہ دی۔ آپ بے زرو مال تھے تو ہم نے انس ومحبت اور جوانمردی وخدمت کی۔ آپ خائف تھے ہم نے آپ کو بے غم و بے فکر کیا"۔ جب یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق انصاف وتواضع اور شکر گزاری میں سنیں تو انصار عرض کرنے لگے۔ "نہیں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کا ہم پر احسان ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کا وجود گرامی ہم میں نہ ہوتا تو ہمارے اور دوسروں کے درمیان کیا فرق تھا۔ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہی تو ہم مشرف' معزز' ممتاز اور منفرد ہوئے اور دنیا و آخرت میں انشاء اللہ معزز ومکرم ہوں گے۔ ہم کیا ہیں اور ہم کون ہیں۔ سب کچھ آپ کی بدولت اور آپ کے طفیل میں ہے۔ ہم خدا اور اس کے رسول سے خوش وراضی ہیں ہم آپ نظر کرم کے محتاج ہیں ہم آپ کی متابعت کے خواستگار ہیں نہ کہ دنیاوی ساز وسامان کے۔ مصرعہ

چوں تو داریم بمعنی ہمہ داریم ہمہ

انصار کے اکابر بزرگ حضرات رونے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس اور زانوئے مبارک کے بوسہ سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لیے اور قریش کے ساتھ دیناوی عطاونعم کی تخصیص کا سبب بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ قریش جاہلیت سے قریب العہد ہیں اور ان کو بہت مصیبتیں پہنچی ہیں میں نے چاہا کہ اس مال وعطا کے ذریعہ ان کی مصیبتوں کی تلافی کردوں اور ان کے دلوں کو ایمان واسلام کی طرف مائل کردوں اور فرمایا جعیل بن سراقہ ضمری جو فقرائے اصحاب صفہ میں سے ہیں اور ہمارے اکثر غزوات میں ہمراہ رہے ہیں انکو بھی ان غنائم سے کچھ نہیں دیا ہے اور عینیہ واقرع کو سوسو اونٹ دیئے اس لیئے کہ جعیل کے ایمان واخلاص پر میں اعتماد رکھتا ہوں" اور فرمایا "اے گروہ انصار کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اور لوگ تو اونٹ وبکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم خدا اور رسول خدا کے ساتھ گھروں کو واپس ہو؟ خدا کی قسم جس شان کے ساتھ تم گھروں کو لوٹو گے وہ ان لوگوں سے بہتر ہے جو اونٹ وبکریاں لے کر جائیں گے" اور فرمایا اے انصار! تم غصہ میں نہ آؤ میں نے مال مولفتہ القلوب کو دیا ہے اور تم کو ان میں سے شمار نہیں کرتا اور تمہارے کمال اخلاص پر مکمل اعتماد رکھتا ہوں"۔ فرمایا اگر لوگ وادی اور کھائیوں میں چلیں گے تو میں انصار کی وادی اور گھاٹیوں میں چلوں گا۔ یہ لوگ دثار یعنی ظاہری لباس میں ہیں اور انصاری شعار یعنی اندرونی لباس میں ہیں۔ جو جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انصار میرے کرش اور عیبت ہیں کرش بفتح کاف وسکون را بمعنی معدہ عیال اور اولاد صغار کے ہیں اور عیبت بفتح عین مہملہ وسکون یا بمعنی چمڑے کی زنبیل یعنی صندوق جس میں کپڑے محفوظ کیے جاتے ہیں جسے بقچہ بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بقچہ اور صندوق میں جس طرح سامان اور کپڑے محفوظ رہتے ہیں اور اسی طرح ان کے دل اور سینوں میں اسرار وانوار محفوظ رہتے ہیں اور فرمایا "اے انصار! میں حیات وممات ہر حالت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد انہیں ایک قسم کی دنیاوی بشارت بھی دی اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دستاویز لکھ دوں کر میرے بعد بحرین خاص تمہارے لیے ہو۔ جو بہترین مقام ہے اور مجھے اس کی فتح سے مخصوص و محفوظ کیا گیا۔ انصار گریہ وزاری کرتے ہوئے عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے بعد ہمیں اس کی حاجت نہیں ہے اور دنیاوی مال ومتاع کی ضرورت نہیں ہے اور وہ دن نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ عنایت ہمارے سروں سے گم ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جان دینے اور اس جہان سے جانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ میرے بعد تمہیں بہت سے کام کرنے ہوں گے تم صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا۔ تاکہ بغیر پشیمانی اور بغیر شرمساری کے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکے ملو اور وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ میری ملاقات حوض کوثر پہ ہوگی۔ جس کا طول وعرض صنعا اور عمان کے برابر ہے اور اس کے جام وپیالے

آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد انصار نے شکرالٰہی ادا کیا کہ وہ مال پر فریفتہ نہ ہوئے اور خدا اور رسول سے دور نہ ہٹے او حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص عنایتوں کے ساتھ مخصوص ہوئے (الحمدللہ)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں اموال و بردے تقسیم فرما چکے تو ہوازن کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اسلام سے مشرف ہوئی اور انہوں نے اپنی بقیہ قوم کے اسلام لانے کی خبر پہنچائی۔ ان میں ابوبُرقان بھی شامل تھا جو کہ سیّدہ حلیمہ سعدیہ کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی چچا ہوتا تھا اور زہیر بن سرؔ بھی تھا وہ کہنے لگے "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر جو بلا ومشقت پڑی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ اب ہم پر احسان وکرم فرمایئے جس طرح کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منت ورحمت فرمائی ہے ہم آپ سے آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارے اموال و بردے ہمیں واپس فرمادیں؟ اس لیے کہ ان بردوں اور قیدیوں میں آپ کی وہ رضاعی پھپھیاں، خالائیں اور ان کے اقرباء بھی ہیں۔ جنہوں نے آپ کی عالم طفلی وشیر خوارگی میں کفایت و نگہداشت کی اور خدمت کی ہے؟" اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تو غنائم کو تقسیم کر چکا اور میں اس انتظار میں رہا کہ تم آؤ اور اس بارے میں گفتگو کرو مگر تم نے دیر کی اور نہیں آئے اب میں کیا کرسکتا ہوں۔ میرے ساتھ لوگوں کی جماعت ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو سب سے محبوب بات میرے نزدیک یہ ہے کہ سچ بولا جائے لہٰذا تمام اموال و بردے تو متعذر دشوار ہیں۔ البتہ تم اموال یا بردوں میں سے کسی ایک کو پسند کرلو جو بھی تمہیں پسند ہو"۔ انہوں نے کہا "اہل وعیال کو چھوڑ کر اونٹ، بکریوں اور نقدیوں کی کیا بات کریں۔ ظاہر ہے کہ ہم بردوں اور قیدیوں کو پسند کرتے ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس قدر بنی ہاشم کے نصیب وحصے میں ہیں (ایک روایت میں ہے کہ بنی عبدالمطلب کے پاس ہیں) ہم تمہیں واپس کرتے ہیں اور تمہاری خاطر سے دیگر لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ اپنے حصے سے دستبردار ہوجائیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب ظہر کی نماز ہو تو تم کھڑے ہوجانا اور مجھے مسلمانوں کے لیے شفیع بنانا اور کہنا کہ ہمارے بچے اور عورتیں ہمیں واپس کردیں۔ اس کے بعد میں بھی مسلمانوں سے تمہارے لیے سفارش کروں گا"۔ ہوازن کے لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب عمل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع اصحاب میں کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثناء باری تعالیٰ کے جیسا کہ ذات حق لائق وسزاوار ہے فرمایا کہ "اے مسلمانو! تمہارے بھائی ہوازن مسلمان ہوگئے ہیں اور میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض لے کر آئے ہیں اور یہ طے پایا ہے کہ ان کے قیدیوں کو تم سے لے کر انہیں لوٹا دیں اب یہ تمہاری مرضی پر ہے کہ بطیب خاطر اپنے حصوں سے دستبردار ہو یا نہ ہو۔ کسی پر جبر نہیں ہے اس کے بدلے اور عوض میں سب سے پہلے جو مال خمس حاصل ہوگا۔ اس میں جو موجود ہوں گے انہیں میں عطا فرماؤں گا"۔ صحابہ عرض کرنے لگے "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو بطیب خاطر مانتے ہیں کسی عوض اور بدلے کی خواہش نہیں رکھتے"۔ ان کے بعد مہاجرین کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس قدر ہمارا حصہ ہے ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں"۔ انصار نے بھی ایسا ہی عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارے راضی اور غیر راضی کو نہیں جانتا۔ تم جاؤ اپنے عرفاء اور وکلاء کو بھیجو تا کہ وہ مجھے اس بارے میں گفتگو کریں"۔ اس کے بعد لوگ چلے گئے اور ان کے عرفاء ووکلاء آئے اور عرض کرنے لگے "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تمام حضرات راضی ہیں اور بطیب خاطر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو قبول کرتے ہیں"۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حصہ سے اور بنی ہاشم ومہاجرین وانصار نے اپنے حصوں سے دستبرداری کی تو اقرع بن حابس تمیمی جو بنی تمیم کا سردار تھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں اور بنی تمیم اپنا حصہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں اور عیینہ بن حصین فزاری جو بنی فرازہ کا بڑا تھا کہنے لگا "ہم اور ہماری قوم اس سے راضی نہیں ہیں" اور عباس بن مرداس نے کہا "میں اور بنی سلیم

بھی راضی نہیں ہیں''۔ بنی سلیم نے اس کو جھٹلا دیا اور وہ کہنے لگے''جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب رسول خدا کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مالک ومختار ہیں۔ جس کو چاہیں عنایت فرمائیں''۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا''جو کوئی راضی نہیں ہے وہ اپنے بردوں اور اسیروں کو لوٹا دے۔ میں اسے سب سے پہلی غنیمت میں سے جو حق تعالیٰ عنایت فرمائے گا ایک بردہ کے عوض چھ اونٹ دوں گا''۔ مذکورہ جماعت کے لوگ چونکہ عرب کے جفا شعار اور ان میں سخت ترین لوگ اور ان مولفتہ القلوب میں سے تھے جن کے سینوں سے ابھی تک جاہلیت کی ظلمت وشدت دور نہ ہوئی تھی اور تہذیب اخلاق سے آراستہ نہ ہوئے تھے خصوصاً۔ عینیہ بن حصن تو انتہائی شدت وخشونت اور قساوت رکھتا تھا جیسا کہ احادیث مذکورہ میں وارد ہوا ہے ممکن ہے کہ اسلام کے صفات حسنہ سے متصف ہو گئے ہوں (واللہ اعلم)

بہر حال جب لوگوں نے دیکھا کہ ان اسیروں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا اہتمام فرما رہے ہیں تو ہوازن کے تمام قیدیوں کو آزاد کر کے انہیں واپس کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بھی ان اسیروں کو کپڑے خلعت اور عطیات مرحمت فرمائے۔ بعد ازاں ہوزان سے پوچھا کہ مالک بن عوف جوان کا رئیس تھا اور جس نے معرکہ جنگ وجدال گرم کیا تھا کہاں ہے''انہوں نے کہا''وہ طائف میں ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''اگر وہ آ کر مسلمان ہو جائے تو اس کے اہل وعیال اور اس کے مویشی واموال کے علاوہ سو اونٹ مزید میں اسے عنایت فرماؤں گا''۔ جب یہ بات مالک کو معلوم ہوئی تو وہ خوش ہوا پھر وہ بھی جعرانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اپنے اہل عیال اور وعدہ کے مطابق اونٹ اس نے حاصل کیے۔ اس وقت اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں چند اشعار کہے جن میں سے چند یہ ہیں ۔

مَااِنْ رَاَیْتُ وَلاَ سَمِعْتُ بِمِثْلِہٖ فِی النَّاسِ کُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٍ
وَفّٰی وَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ اِذَا اعتدی وَلِمَنْ تَشَاءُ یُخْزِکَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مؤلفتہ القلوب میں شامل کر کے اس کی قوم پر اور دیگر قبائل پر جو اسلام سے مشرف ہو چکے تھے امیر بنایا۔ اس نے ان قبائل کی مدد سے گروہ ثقیف سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم غنائم اور یہاں کے معاملات سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمانے کا عزم کیا بدھ کی رات کو جبکہ ماہ ذیقعدہ کی بارہ راتیں باقی تھیں جعفرانہ کے مقام میں عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کر کے واپس لوٹا گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ نماز عشاء صحابہ کے ساتھ پڑھ کر سوار ہوئے اور نماز فجر بھی انہیں کے ساتھ پڑھی گویا راتوں رات آنا جانا ہوا۔ بہت سے لوگوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ چونکہ یہ مقام جعرانہ' مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ چنانچہ دن کے آخری حصہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے اور رات کے آخری حصہ میں واپس تشریف لے آئے جیسا کہ ان شہروں میں عام سفر کا رواج ہے اس کوہستان میں ایک کنواں ہے جو بہت چھوٹا اس طشت کی مانند ہے جس میں آٹا گوندھتے ہیں۔ اس کنویں کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے ممکن ہے کہ لشکر اسلام نے اپنی اقامت کے دوران اسے کھودا ہو یا یونہی بارش کے سیلاب سے ایک گڑھا سا بن گیا ہو (واللہ اعلم)

قدوۃ الاولیاء شیخ امام عبدالوہاب متقی قادری فرماتے ہیں کہ میں جعرانہ بارہا پیدل روزہ رکھ کر گیا ہوں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں وہاں سو گیا خواب میں جمال باکمال سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا جب بھی میں آنکھ کھول کر دوبارہ سوتا جمال جہاں آراء سے مشرف ہوتا۔ انہوں نے کتنی بار فرمایا یہ مجھے یاد نہیں رہا۔ کاتب الحروف (شیخ محقق رحمتہ اللہ) بھی بقصد مشایعت وہاں حاضر ہوا اور خواب میں دیدار

سے مشرف ہونے کے خیال سے سو یا لیکن وہ قابلیت وطالع کہاں! کہ اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا (وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا اور حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسید موی بن ابوالعیص بن اُمیہ عبدالشمس کو جو کہ روز فتح مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور سادات قریش میں سے بہتر و فاضل شخص تھے مکہ معظمہ کی ولایت پر مقرر فرمایا۔ بعض اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف تشریف لے جاتے وقت انہیں مکہ کا عامل مقرر فرمایا تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک عامل رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انہیں کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے دن وہ پچیس سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مکہ میں چھوڑا تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو قرآن کریم اور احکام شرع سکھائیں اور دین وملت کے احکام کا اجرا فرمائیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بیت المال سے روزانہ ایک درہم کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات خطبہ کے دوران فرمایا کرتے کہ "اے لوگو! خدا اس کے کلیجے کو بھوکا رکھے جو ایک درہم روزانہ پر قناعت نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ نے میرے لیے ایک درہم مقرر فرمایا ہے اور میں اس پر بہت خوش ہوں اور مجھے مزید کسی چیز کی حاجت نہیں ہے"۔ گویا کہ اس شخص میں زہد وقناعت کا لحاظ رکھا گیا تھا جو کہ بنی امیہ میں بہت کم تھا اور یہ صحیح ہے کہ ان کی صفت بہتر و فاضل سے فرمائی گئی ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مر الظہران تشریف لائے تو غنیمت میں سے جتنا کچھ باقی تھا اس جگہ سب تقسیم فرمادیا اور آخر ذیقعدہ یا اوائل ذوالحجہ میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور اس سال لوگوں نے اس طرح حج کیا جس طرح عرب جاہلیت میں کیا کرتے تھے حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسید نے مسلمانوں کے ساتھ حج کیا بغیر اس کے کہ ان کو امیر الحاج بنایا گیا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو امیر الحاج مقرر فرمایا تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کے لیے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب کو بلاد یمن میں بخران پر والی مقرر فرمایا۔ سفر مکہ مکرمہ کی مجموعی مدت دو ماہ سولہ دن تھی۔

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امہات المومنین میں سے سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زمعہ کو طلاق دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو طلاق دیدی تھی بہر حال سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا "خدا کی قسم میرے دل میں کسی مرد کی خواہش نہیں ہے۔ لیکن میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت میں آپ کی ازواج میں محشور ہوں۔ میرے لیے اتنی ہی سعادت کافی ہے اور اپنی باری کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں چھوڑ دیتی ہوں۔ تاکہ یہ بات بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا باعث ہو جو ان کے ساتھ ہے۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت: اسی سال حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ علیہ السلام سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متولد ہوئے اور ان کا اسم گرامی ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھا۔ ان کی ولادت ۸ھ اور ان کی وفات ۱۰ھ میں ہوئی۔ ان کی مدت عمر سولہ ماہ کی ہے ایک روایت میں اٹھارہ ماہ ہے۔ بعض کتابوں میں ایک سال دو ماہ چھ دن ہے اس میں سب کا اتفاق ہے ان کی وفات ۱۰ھ میں ہوئی۔ ان کی مدت عمر سولہ ماہ کی ہے مفصل تذکرہ اولاد کرام کے ضمن میں آئے گا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات: اسی سال سیّدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ ابوالعاص بن الربیع نے وفات پائی۔ ان سے دو اولاد تھیں ایک کا نام علی تھا جو بلوغ کے قریب پہنچے تھے۔ مروی ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روز فتح مکہ اپنا ردیف بنایا تھا اور دوسری اولا دلڑکی تھی جن کا نام امامہ تھا اور بعد وفات سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی وصیت کے بموجب امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح فرمایا۔

غلہ کی گرانی: اسی سال مدینہ طیبہ میں غلہ کی گرانی واقع ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نرخ گراں ہوا تو لوگوں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے غلہ کا نرخ مقرر فرما دیجئے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ**۔ نرخ مقرر فرمانے والا خدا ہے اسی کے قبضہ قدرت میں قبض و بسط ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کسی پر زیادتی کا مجھ سے مطالبہ نہ ہو۔ نہ خون کا اور نہ مال کا۔

منبر شریف کی تعمیر: اسی سال اور ایک قول سے ساتویں سال منبر شریف کا بنانا واقع ہوا مطلب یہ کہ مسجد نبوی شریف میں منبر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے' اس سے پہلے منبر نہ تھا۔ اس کے بنانے والے کے تعیین میں مختلف روایتیں ہیں مگر اس پر سب متفق ہیں کہ منبر شریف کے بننے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور جب منبر بن گیا اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف لائے تو وہ ستون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رونے لگا۔ یہ حدیث مشہور اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کی خصوصیات بھی متعدد۔ احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہیں۔ محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف کے بننے سے پہلے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو خطبہء عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے اور بسبب طول قیام' تھکن عارض ہو جاتی تو پشت مبارک کو مسجد شریف کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر شریف بنا تو روز جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر منبر پر تشریف لائے جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ۔ ستون ایسا روتا تھا جیسے کسی اونٹ کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اونٹ روئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بچہ ماں کو بلانے کے لیے جس طرح روتا ہے وہ ایسا روتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس شخص کی مانند روتا تھا جس کا محبوب و معشوق اس سے جدا ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں روئے چنانچہ اس ستون کے رونے سے حاضرین مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس طرح اس نے آہ و آزاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا کہ وہ گر پڑے گا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ بعض اپنی جگہ سے اچھل پڑے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف سے اترے اور اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر دست اقدس رکھ کر اس کو آغوش شریف سے لپٹا لیا اور فرمایا "اگر تو چاہے تو تجھے باغ میں لوٹا دیں اور تجھے اپنی جگہ جما دیں تاکہ تو دوبارہ سرسبز و شاداب ہو کر پھل دے اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں جما دیں تاکہ تو جنت کی کیاریوں اور اس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔ جتنی دیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستون کو اپنے آغوش مبارک میں لیے رہے فرماتے رہے **نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ** (ہاں میں نے کیا ہاں میں نے کیا) صحابہ کرام نے دریافت کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیا کہتا ہے؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا۔ اس پر میں نے کہا قد فعلت ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان هذا بكالما فقد من الذكر. یہ ستون ذکر سے محرومی کی بنا پر رویا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب وہ منبر شریف کی حدیث بیان کرتے تو فرماتے اے مسلمانو! جب ایک لکڑی کا ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے آہ و فغاں کرتا ہے تو تمہیں تو اس سے زیادہ سزاوار ہے کہ لقائے محبوب کے مشتاق

بنو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ستون کو اسی جگہ دفن کرا دیا۔
منبر شریف' اثل غابہ کی لکڑی کا بنایا گیا۔ اثل غابہ ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں بہت درخت ہیں یہ مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ منبر شریف کا طول بقول صحیح دو گز تھا اور چوڑائی ایک گز۔ ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین کے زمانے تک یہ منبر اپنے حال پر رہا۔ سب سے پہلے جس نے قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد نچلی سیڑھی سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا اس سیڑھی پر استادہ ہونے لگے جو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس مبارک کی جگہ تھی (اور سبب یہ بتایا کہ آقا اور خادم میں مساوات کا امکان ہی نہیں برخلاف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشست گاہ کے۔ کہ وہاں تو ہم مساوات ممکن ہے۔ نافہم مترجم غفرلہ)

ایک قول یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی امارت کے زمانہ میں سب سے پہلے منبر پر غلاف چڑھایا۔ جس وقت کہ شام سے مدینہ آئے اور چاہا کہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے شام منتقل کر کے لے جائیں۔ جب انہوں نے منبر شریف کو اپنی جگہ سے ہلایا تو ایسی تاریکی پھیلی کہ سارا شہر تاریک ہو گیا۔ آفتاب کو گہن لگا حتی کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال محال سے باز آ گئے اور پشیمان ہو کر صحابہ کرام سے معذرت خواہی کرنے لگے اور کہنے لگے میرا مقصد اس کی دیکھ بھال تھی کہ اسے گھن وغیرہ تو نہیں لگا۔ اس کے بعد چھ درجے اور بڑھائے اور منبر نبوی شریف کو اس کے اوپر رکھا تاکہ بلند ہو جائیں اور تمام حاضرین مسجد خطیب کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ تاریخ مدینہ میں ہے۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے مردان کو جو مدینہ کا حاکم تھا لکھا کہ منبر شریف کو مدینہ طیبہ سے شام منتقل کر دے ممکن ہے کہ پہلے مردان کو بھی لکھا ہو اور جب وہ خود شام سے مدینہ منورہ آئے تو خود نے بھی ایسا ارادہ کیا ہو یا اس کے بعد مردان لکھا ہوا ہو۔ (واللہ اعلم)

بعد ازاں جب مہدی خلیفہ بنا تو اس نے چاہا کہ اس میں کچھ اور اضافہ کرے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منع کیا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منبر طولِ زمانہ کے لحاظ سے بوسیدہ ہو گیا۔ دیگر خلفائے عباسیہ نے منبر کی تجدید کی اور منبر نبوی شریف کے بقیہ درجوں کی بقصد تبرک زیب و زینت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو چون (۶۵۴ھ) ہجری میں مسجد نبوی شریف میں جب آگ لگی تھی تو منبر نبوی شریف کے علاوہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منبر جل گیا تھا مگر۔ صحیح یہ ہے کہ اس آگ سے خلفائے عباسیہ کا بنایا ہوا منبر جلا تھا۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد ہر بادشاہ کے دور میں اس مقام کی تجدید ہوتی رہی اور پہلے منبر کو بدلتے رہے۔ الٰی یومنا ھذا۔ اس وقت سلطان روم مراد خاں بن سلطان خاں نصرہ' اللہ ونصر سن نو سو اٹھانوے ہجری میں رخام کی لکڑی سے منبر عالی کو بنایا اور اس کے اوپر سات پہلو کا قبہ بنایا یہ تاریخ سلطان مراد کے منبر بنانے اور اس کی تعمیر کرنے کی ہے (خیال ہے کہ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ نے اپنے زمانہ حیات تک کے حالات کا تذکرہ کیا ہے اور اسی زمانہ میں یہ کتاب مدارج النبوۃ تصنیف فرمائی ہے۔ مترجم غفرلہ)

ریاض جنت: حدیث صحیح میں مروی ہے کہ مَابَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے''۔ ایک روایت میں ہے مَابَیْنَ حُجْرَتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ ایک روایت میں ہے

مَابَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ مِنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ علی بخاری میں اتنا زیادہ ہے مِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ اور بعض روایتوں میں نَزْعَةٍ مِّنْ نَزْعِ الْجَنَّةِ ہے اور نزع کی تفسیر بعض نے باب سے کی ہے اور بعض نے درجہ سے اور بعض نے وہ ''باغ جو بلند جگہ پر ہو'' سے کی ہے اور علماء نے ان احادیث کی تاویل و تحقیق میں متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بقعہ شریف کو روضہ جنت سے تشبیہ دینے میں نزول رحمت اور حصول سعادت' ان حضرات کے لیے مراد ہے جو وہاں بیٹھ کر ذکر و اشغال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ مسجد کو ریاض جنت سے تشبیہ دینے میں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا سے اس کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس طرف عظیم الشان میں شرف عبادت و طاعت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سے روضہ رضوان حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ: اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ تلواروں کے سایہ میں جنت ہے اور اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ ماؤں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ اس اعتبار سے تلواروں سے شغف رکھنا اور ماؤں کی خدمت گزاری کرنا نعیم خلد کا مستحق بناتی اور ریاض جنت کا سزاوار کرتی ہے۔ یہ تاویلات ان اہل ظاہر کی ہیں' جن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اپنی حقیقت پر محمول ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک اور منبر شریف کے درمیان کی جگہ حقیقت میں جنت کے باغوں میں کی ایک کیاری ہے اور کل قیامت کے دن وہ جگہ فردوس اعلیٰ میں منتقل ہوگی اور دیگر تمام روئے زمین کی مانند وہ فنا و ہلاک نہ ہوگی۔ جیسا کہ ابن فرحون نے امام مالک رحمتہ اللہ سے نقل کر کے علماء کے اتفاق کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا ہے اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور دیگر محدثین نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ابن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ اکابر علماء مالکیہ سے ہیں فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ فی نفسہ یہ بقعہ شریف جنت کی کیاریوں میں سے ہو اور اسے وہاں سے دنیا میں بھیجا گیا ہو جس طرح کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بارے میں مروی ہے اور بعد قیام قیامت اسے اپنے اصلی مقام میں لے جایا جائے۔ لزوم رحمت اور استحاق جنت اس جگہ عبادت و اذکار میں مشغول ہونے والوں کے لیے اس مقام کی زیادتی فضیلت اور علو مرتبت کو لازم ہے۔ جس طرح کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا مرتبہ خلت' جنت میں اس پتھر کی وجہ سے ممتاز ہوگا اسی طرح کہ سیّد عالم حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس روضہ پر اختصاص پائیں گے۔ اگرچہ چشم ظاہر میں دنیا کی تمام اراضی کی نسبت پر وجود میں آیا ہے مگر اس میں کوئی حجاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب تک انسان اپنی تخلیق میں طبعی کیفیات کے حجابوں میں محجوب اور عادات بشریہ کے احکام میں مغلوب ہے اس وقت تک حقائق اشیاء کا انکشاف اور امور آخرت پر اطلاع اس سے ممکن نہیں۔ لیکن شارع علیہ السلام کی خبروں سے کسی ایسے وہم میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ جب یہ بقعہ شریفہ از روئے ریاض جنت کی ایک کیاری ہے تو وہ تشنگی و برہنگی وغیرہ امور کا اس جگہ پایا نہ جانا جو جنت کے لوازم و خواص میں سے ہے اور جنت کے رہنے والوں کو یہ چیزیں لاحق نہ ہوں گی جیسا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی ○ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی. (بے شک جنت میں تمہارے لیے نہ بھوک ہوگی نہ برہنگی اور نہ اس میں تمہارے لیے پیاس ہوگی اور نہ چاشت کا کھانا) تو یہ باتیں اس جگہ فی الحال نہیں پائی جاتیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے جنت کے یہ لوازم' اس بقعہ شریف کو وہاں سے جدا کر کے اور منتقل کر کے لانے کے بعد اس سے علیحدہ کر لیے گئے ہوں۔

اسی طرح یہ جو حدیث میں آیا کہ فرمایا میرا منبر میرے حوض پر ہے اور یہ کہ میرا منبر جنت کے ترعہ پر ہے اس میں بھی تاویلات کرتے ہیں کہ اس سے اس طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے کہ اس جگہ آنا اور اس سے برکت حاصل کرنا اور اس کے حضور میں اعمال خیر میں مشغول ہونا آخرت میں حوض نبوی پر حاضر ہونے کا موجب و سبب ہوگا اور اس کا مستحق بنائے گا یا یہ کہ ممکن ہے اس منبر شریف کو حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن تمام مخلوق خدا کے ساتھ اسے بھی اعادہ سے مشرف فرمائیں اور حوض کوثر کے کنارے پر جسے ترعۂ جنت سے تعبیر فرمایا ہے قائم فرمائیں جیسا کہ علماء رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرمی کو منذر بن ساوی کی جانب بھیجنے کو اس جگہ بیان کرنے کے بعد تنبیہ کی ہے کہ اکثر اہل سیر' حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرمی کو منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب بھیجنے کے قصہ کو سال ششم یا ہفتم میں بادشاہوں کی طرف مکاتیب و وفود بھیجنے کے ضمن میں بیان کرتے ہیں لیکن صاحب طبقات نے وضاحت کی ہے کہ جعرانہ سے واپسی کے وقت ان کا بھیجنا عمل میں آیا تھا اور بعض کتب سیر میں حدیبیہ کے بعد ان کا بھیجنا واقع ہوا ہے انتہی کاتب حروف (شیخ محقق رحمۃ اللہ) بعض کتب سیر کی موافقت میں اسے اس جگہ بیان کر چکا تھا اور مقام کی مناسبت بھی وہی ہے اگر روایت صحیح ہو اور خود اکثر اہل سیر بھی اسی طرف ہیں۔ بہر حال اس کا ذکر کیا جا چکا ہے خواہ یہاں ہوتا یا وہاں ہو چکا۔

عبدالقیس کے وفد کی آمد: اسی سال کے واقعات میں عبدالقیس کے وفد کے آنے کا واقعہ ہے۔ وفد لوگوں کی اس جمعیت کو کہتے ہیں جو قاصد بن کر آئے اور پیام وخط وغیرہ پہنچائے۔ عبدالقیس بن قصی قبیلہ اسد جو ربیعہ کی اولاد میں سے ہیں انکے جد اعلیٰ کا نام ہے اسی سال ان کا وفد بارگاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں بیس آدمی تھے اور ان کا سردار وہ شخص تھا جس کو وہ ''اشج'' کہتے تھے۔ اس وفد کے آنے سے ایک دن پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرق کی طرف سے کچھ سوار تمہارے پاس آرہے ہیں جو اپنی خوشی ورغبت سے اسلام میں داخل ہوں گے اور ان کے سردار کی یہ یہ نشانیاں ہیں اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ. اے خدا عبدالقیس والوں کی بخشش فرما۔ جب یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ میں حاضر ہوئے تو فرمایا مِنَ الْقَوْمِ کس قبیلہ سے ہو یا فرمایا: مِنَ الْوَفْدِ کس کی طرف سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں یعنی ربیعہ بن معد بن عدنان کی اولاد واحظ میں سے ہیں۔ اس قبیلہ کا جد اعلیٰ قریش سے اوپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں جیسا کہ نسب نامہ میں ظاہر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ وَالْوَفْدِ. اے لوگو اے قاصد و تمہارا آنا تمہیں مبارک ہو اور تم کشادہ و فراخ جگہ میں آئے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے جو کسی عزیز و محبوب کے آنے پر فرماتے تھے اور فرمایا کہ یہ قوم خوار ورسوا اور پشیمان نہ ہو۔ وفد عبدالقیس کے لوگوں نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ممکن نہ ہوا کہ حاضر ہو سکتے بجز حرمت والے مہینوں میں۔ مطلب یہ کہ ان مہینوں میں عرب کے درمیان باہمی جنگ وجدال نہیں ہوتا اور یہ اشہر حرم چار مہینے ہیں ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم اور رجب۔ کیونکہ ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ قبیلہ حائل ہے جو کفار مضر بن نزار برادر ربیعہ بن نزار ہیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد شریف کا نام ہے اور یہ مضر' حضرت خلیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مضر کو دشنام نہ دو کیوں کہ وہ دین اسلام پر تھے۔ مضر ان کا نام اس بنا پر ہے کہ وہ مض یعنی لبن حامض (ترش دودھ) کو پسند کرتے تھے اور اس کے پینے کے بڑے شوقین تھے۔ یا اس بنا پر ان کا یہ نام تھا کہ وہ سفید رنگ کے تھے اور ان کا چہرہ سفید تھا اور ان کو مضر احمر بھی کہتے ہیں۔ نیز یہ بھی اہل سیر بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کی میراث سے زر سرخ یعنی سونا پایا تھا اور ربیعہ نے گھوڑے پائے تھے یا اس بنا پر ان کا نام ہے کہ جنگوں میں ان کا اشعار سرخ علم تھے' جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے۔

اس کے بعد عبدالقیس کے وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں مفصل و بین ایسا حکم فرمایئے جو حق باطل کے درمیان فارق ہو۔ جس میں کوئی اشتباہ والتباس باقی نہ رہے۔ تا کہ ہم اپنی قوم کو جسے چھوڑ آئے جا کر بتائیں۔ یا جو ہمارے سامنے آئے اسے بتائیں تا کہ ہم اور وہ اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور غنیمت میں سے ادائے خمس کا حکم دیا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے لیے ان برتنوں کا حکم پوچھا جن میں وہ پیتے اور نبیذ وغیرہ ڈالتے تھے۔ مقصود یہ کہ جس وقت شراب حلال تھی اور جن برتنوں میں اسے رکھتے اور استعمال کرتے تھے اب جبکہ شراب حرام ہوگئی ہے کیا ان برتنوں کو وہ کسی اور استعمال میں لا سکتے ہیں اور ان سے کوئی اور کام لے سکتے ہیں یا ان برتنوں سے شراب پینے کی مشابہت کی بنا پر پرہیز و اجتناب کریں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسے چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا جو شراب کے استعمال کے لیے خاص ہیں۔ ایک خم یعنی سبز مٹکا، جس میں شراب و نبیذ کا لہن اٹھاتے ہیں۔ دوسرا برتن دبا یعنی خشک کدو جس کو رنگ کر کے صراحی نما بناتے ہیں۔ تیسرا برتن نقیر، یہ ایک درخت کی جڑ ہوتی ہے جسے کھوکھلا کر کے برتن بناتے ہیں اور اس میں نبیذ ڈالتے ہیں۔ چوتھا برتن مزفت، جو زفت سے رنگ کر بناتے ہیں۔ زفت اور قیر اس رنگ کو کہتے ہیں جو کشتی وغیرہ پر چڑھایا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان امور و احکام کو یاد رکھنا اور اپنی قوم کو اور اس کو جو تم سے ملے اور وہ یہاں نہ آ سکے اسکی خبر دینا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ جب شراب کے آثار کا قلع قمع ہو جائے اور اس کی حرمت قائم و ثابت ہو جائے تو ان برتنوں کا استعمال حرام نہ ہوگا۔ چونکہ اس کے حرام ہونے کا وقت تازہ اور قریب تھا اس بنا پر اس سے منع کیا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مشابہت کی بنا پر یہ مکروہ ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ وفد جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور جمال با کمال دیکھا تو سواریوں پر سے زمین پر اتر پڑے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس اور پائے اقدس کو بوسہ دے کر محبت و شوق کا اظہار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جذبہ شوق کو جائز و برقرار رکھا اور اس سے انہیں منع نہ فرمایا۔ لیکن ان کا سردار جسے شج بعد القیس کہتے ہیں اس کو اس جماعت کے ساتھ نہ دیکھا وہ اپنی سواری کو لیکر جائے قیام چلا گیا تھا جہاں اس نے غسل کر کے عمدہ و پاکیزہ کپڑے پہنے اور حلم و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ چل کر مسجد نبوی شریف میں آیا یہاں دوگانہ پڑھا اور دعا مانگی اس کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس وضع و آداب کو پسند کیا اور تحسین فرمائی اور ارشاد فرمایا: اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمَ وَالْاَنَاءَةَ. بلاشبہ دو خوبیاں تم میں ایسی ہیں جو خدا کو محبوب ہیں ایک حلم دوسرا وقار۔ حلم کی تعریف جلد بازی نہ کرنا اور امور میں تدبیر کرنا اور مصلح میں غور و فکر کرنا ہے اور اناءۃ کی تعریف جودت نظر ہے اور اس کا حاصل وقار و گرانباری ہے اور ایک روایت میں اَلْحِلْمُ وَالْحَيَاءُ آیا ہے اور ایک روایت میں اَلْحِلْمُ وَالتُّؤَدَةُ. آیا ہے معنی کے اعتبار سے سب کا ایک ہی مطلب ہے۔

روضۃ الاحباب میں اشج نامی سردار سے بڑی نکتہ سنج گفتگو نقل کر کے کہا ہے کہ جب یہ وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو پوچھا کہ عبداللہ اشج تم میں کون ہے انہوں نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ خوبصورتی نہ رکھتا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رخ انور سے اسے بار بار دیکھتے تھے۔ گویا تعجب کرتے تھے کہ ایسے مرد حقیر کو انہوں نے کس بنا پر اپنا سردار بنایا ہے۔ انہوں نے یہ مفہوم جان لیا اور کہنے لگے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کی جلد و کھال پانی نہیں پیتی ہے مرد میں جو چیز مطلوب ہے وہ زبان و دل ہے کہ وہ مفاہیم و مطالب کو خوب جانتی ہو اور زبان، فصیح اللسان ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر اپنے قریب بلایا اور اپنے پہلو میں بٹھایا اور فرمایا تم اپنی ذات پر اور اپنی قوم پر مجھ سے بیعت کرو مطلب یہ کہ اپنی قوم کے ایمان لانے کے تم ضامن بنو۔ انہوں نے کہا درست ہے ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کرتے ہیں ایسا ہی کریں گے۔ اشج نے کہا لوگوں کو ان کے اپنے دین سے پھیرنا مشکل کام ہے البتہ میں اپنی ذات پر بیعت کرتا ہوں آپ کسی کو ہماری طرف بھیجئے جو انہیں اسلام کی دعوت دے جو پیروی کرے گا۔ ہمارے ساتھ ہوگا اور جو انحراف کرے گا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ٹھیک بات کہی۔ بلاشبہ تم میں، دو خوبیاں ہیں جن کو حق تعالیٰ پسند فرماتا ہے ان میں سے ایک حلم و بردباری ہے اور دوسرا وقار

ہے۔ اشج نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دونوں خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ مجھ میں ایسی خوبی پیدا فرمائی جو اسے پسند ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ وفد مدینہ طیبہ میں دس دن رہا اور قرآن و احکام شرعیہ کو سیکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو تحائف دیئے اور اشج کو سب سے زیادہ عنایت فرمایا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت مرحمت فرمائی (رضی اللہ عنہا)

ہجرت کے نویں سال کے واقعات

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے نویں سال کے شروع محرم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کی طرف جو مسلمان ہوگئے تھے عمال مقرر فرمائے کہ وہ جا کر زکوٰۃ کے اموال وصول کر کے لائیں اور عمال کو نصیحت فرمائی کہ پرہیز گاری کرنا اور لوگوں سے اعلیٰ قسم کے مال کا مطالبہ نہ کرنا اور لوگوں کو بھی نصیحت فرمائی کہ زکوٰۃ کے عاملین کو پوری پوری زکوٰۃ دیکر راضی کریں کیوں کہ ان کی رضا مندی اسی میں ہے۔ اگر وہ انصاف وعدل سے کام لیں گے تو وہ اپنے لیے کریں گے اور اگر ظلم کریں گے تو خود اپنے پر کریں گے تمہارا فائدہ ان کی رضا مندی میں ہے۔ ان عاملین زکوٰۃ میں سے ایک بشر بن سفیان کعبی تھے جن کو خزاعہ کے بنی کعب پر مقرر فرمایا۔ جس وقت بشر بنو کعب کے پاس پہنچے سو وہ سب بنی تمیم کے چشمہ پر جمع ہوئے بشیر نے ان کے مویشیوں کو جمع کر کے ان میں سے زکوٰۃ کے جانور علیحدہ کیے تو وہ بنی تمیم کی نظر میں اپنی کم ظرفی، خست اور سابقہ جہالت وقساوت جفاؤ شدت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر بہت برا معلوم ہوا اور کعب سے کہنے لگے کہ کس لیے اتنا کثیر مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے ہو اور کیوں اپنے مال کو اپنے قبضہ سے نکالتے ہو۔ اس کے بعد وہ سب تیر وکمان اور تلواریں لے آئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل صدقات کو ان مویشیوں کے لے جانے سے روکا بنو کعب نے کہا ''ہم دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت وفرمانبرداری کا ہم نے اقرار کیا ہے اور زکوٰۃ فرائض وواجبات میں سے ہے'' بنو تمیم کہنے لگے۔ ''خدا کی قسم ہم نہ چھوڑیں گے کہ حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم عامل ایک اونٹ بھی یہاں سے لے جاسکے''۔ بشر نے جب یہ صورت حال دیکھی تھی وہاں سے چلے آئے اور بسرعت تمام مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے اور بنی تمیم کا حال بارگاہ نبوت میں پہنچ کر بیان کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کون ہے تم میں جو بنی تمیم سے انتقام لے''سکینہ بن حصین فرازی نے کہا'' خدا کی قسم میں بنی تمیم کے تعاقب میں جاتا ہوں اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک کہ ان سب کو بارگاہ رسالت میں حاضر نہ کردوں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سوار، جن میں مہاجرین وانصار میں سے کوئی نہ تھا ان کے ہمراہ کیے اور بنی تمیم پر روانہ کیا' جب عتبہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مخالفوں کی بستیوں میں پہنچے تو ان کے اکثر گھروں کو لوگوں سے خالی پایا۔ آبادی میں بنی تمیم کے جو لوگ موجود تھے ان پر حملہ کیا اور گیارہ مرد' پندرہ عورتوں ایک روایت میں ہے گیارہ عورتوں اور تیس بچوں) کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اس کے بعد بنی تمیم کی ایک جماعت ان قیدیوں کے مطالبہ کے لیے مدینہ منورہ آئی اور اقرع بن حابس' جس کا ذکر تقسیم غنائم کے باب میں گزر چکا ہے اور جو فصیح وبلیغ خطیب اور شاعر تھا اس کو بھی وہ اپنے ہمراہ لائے۔ تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفاخرت کرے۔ وہ مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں قیلولہ فرمارہے تھے۔ یہ آنے والے نہیں جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس حجرے میں تشریف فرما ہیں۔ اس لیے ہر حجرے کے دروازے پر پہنچتے اور شور وغوغا مچاتے اور کہتے کہ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر آیئے ہمارے بچوں اور عورتوں کو کس لیے قیدی بنایا ہے ہم نے کیا گناہ کیا ہے''۔ ہر چند حضرت بلال

رضی اللہ عنہ اور مسجد کے دیگر حضرات انہیں اس شور وغوغا سے باز رکھتے اور انہیں تسکین دیتے اور کہتے کہ مسجد میں آوازیں اونچی نہ کرو اور ادب کا لحاظ رکھو مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے بے وقوفو! کچھ دیر ٹھیرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے لیے تشریف لائیں گے''۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ انور سے باہر تشریف لائے اور فرمایا ''اے لوگو کیا ہوا ہے کہ تم نے مجھے نیند سے بیدار کیا''۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک سے اپنی آنکھیں ملتے جاتے تھے اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو خدا جانتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی نماز پڑھی یا ہنوز اسی نادانی وجہالت میں تھے اور یا پھر انہیں نماز پڑھنی نہ آتی ہو اور یا طبعی غصہ واضطراب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکے ہوں۔ (واللہ اعلم)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد ادائے نماز حجرہ ءشریف کی جانب تشریف لے جانے لگے تو ان لوگوں نے آپ کو سرراہ گھیر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات کا اعادہ کرنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور ان کے جواب میں کچھ نہ فرمایا اور حجرہ میں داخل ہو گئے نماز ظہر کی سنت پڑھنے کے بعد باہر تشریف لائے اور صحن مسجد میں اقامت فرمائی۔ بنی تمیم میں سے اقرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حابس نے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا ''ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم عرض کریں''۔ فرمایا ''کہو''۔ اس نے کہا کہ ہماری مدح زین ہے اور ہماری مذمت شین ہے مطلب یہ کہ ہماری ستائش ہماری آرائش ہے اور ہماری بدگوئی ہمارا عیب ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جھوٹ کہتے ہو یہ شان حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہے کہ اس کی مدح اس کا زین ہے اور اس کا ذم اس کی شین ہے'' اور فرمایا ''تمہارا مقصد اس بات سے کیا ہے؟'' بنی تمیم کے لوگوں نے کہا ''ہم اپنے شاعر وخطیب کو ساتھ اس لیے لائے ہیں تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفاخرت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شعر گوئی پر مبعوث نہیں ہوا ہوں اور نہ مجھے مفاخرت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود لاؤ کیا لیاقت رکھتے ہو''۔ پھر عطارو بن حاجب سے جو ان میں خطیب وفصیح ترین شخص تھا کہا اٹھ اور خطبہ دے''۔ عطارو اٹھا اور خطبہ دیا جو حمد وثنا اور قبیلہ بنی تمیم کے فخر وشرف پر مبنی تھا۔ جب عطارو خطبہ سے فارغ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس بن شماس انصاری کو حکم دیا جو اکابر صحابہ اعلام انصار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے کہ وہ عطارد کے جواب میں خطبہ دیں۔ پھر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ پڑھا جو نہایت فصیح وبلیغ تھا اور حمد وستائش حق سبحانہ وتعالیٰ، ذکر شہادتین، درود بر نبی مختار، فضل مہاجرین وانصار، متابعت رسول رب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت واعانت پر مشتمل تھا اور وہ خطبہ ان کی حیرت وعبرت کا موجب بنا۔ اس کے بعد بنی تمیم کا شاعر زبرقان بن بدر نامی کھڑا ہوا اور فضل وافتخار پر مشتمل اشعار پڑھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ان کے جواب میں شعر کہو۔ حضرت حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غراء فی البدیہہ ان کے جواب میں پڑھا۔ پھر بنی تمیم کی جانب سے اقرع بن حابس کھڑا ہوا اور شعر بدعویٰ وافتخار پڑھے۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بامر رسول مختار ان کے جواب میں قصیدہ غرا اس سے زیادہ ابلغ پڑھا۔ اس پر اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگا ''خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عالم غیب سے تائید ونصرت دی جاتی ہے اور کوئی فضل ومکرمت آپ سے اٹھا نہ رکھا گیا۔ آپ کے خطیب ہمارے خطیب سے فصیح تر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعر سے بلیغ تر ہیں۔ آپ کی ہر شے ہماری ہر شے سے بہتر ہے پھر وہ مقام انصاف وتسلیم میں آئے اور مطیع ومنقاد ہوئے اور سلامتی کے ساتھ ایمان لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدیوں اور اسیروں کو چھوڑ دیا اور ان کے لائق انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔

ان لوگوں کے بارے میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ، وَلَوْ

اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o بے شک وہ لوگ جو حجروں کے پیچھے سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اگر وہ اتنا انتظار کرتے کہ اے محبوب تم خود ان کی طرف تشریف لاتے تو ان کے لیے یقیناً یہ بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔ اس آیۂ کریمہ میں صفت رحمت ومغفرت کے ساتھ عفو ودرگزر کی خبر دینے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن سیاق کلام اور لوگوں کی سوء ادبی پر غور کیا جائے تو اس میں ایک قسم کی تہدید وتوبیخ اور انتقام بھی نظر آتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر غفاریت اور رحمانیت کی صفت نہ ہوتی تو جو ان سے بے ادبی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا ترک ہونا صادر ہوا ہے اس بنا پر وہ مستحق عذاب اور عقاب عظیم کے سزاوار بن چکے تھے ان صفات کا ہی ظہور واثر تھا کہ وہ صرف نصیحت ودرگزر سے گزر گئے۔ اس آیۂ کریمہ سے پہلے بھی رفع صوت' بلند آوازی سے بات کرنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام وکنیت سے مخاطب کرنے کی ممانعت میں آیت نازل ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح کہ تم ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ بنی تمیم کے یہ لوگ بھی اس آیت کے حکم میں داخل ومصدوق ہیں لیکن اس آیت کریمہ کے سبب نزول کے سلسلہ میں صحیح بخاری میں مروی ہے کہ کسی اور وقت میں بنی تمیم کے کچھ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست کی کہ کسی کو ہم پر امیر مقرر فرما دیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !قعقاع بن معد بن زرارہ کو (جو بنی تمیم کے ایک شخص کا نام تھا) ان کا امیر مقرر فرما دیجئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ !صلی اللہ علیہ وسلم اقرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حابس کو امیر مقرر فرما دیجئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دخل اندازی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں گزری اور فرمایا ''تمہارا مقصد میری مخالفت کرنا ہے؟'' انہوں نے کہا ''میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ ان کی بھلائی کرنا مقصود ہے مطلب یہ کہ جو بات میرے خیال میں بھلی اور مصلحت وقت کے مطابق نظر آئی میں نے عرض کر دی۔ اس پر دونوں بزرگوں میں تیز گفتاری ہو گئی اور یہ جدال ونزاع' اتباع حق کے اظہار میں واقع ہوا تھا نہ کہ غلبہ وترفع کے مقصد وارادہ سے اور جذبہ اتباع کی یہ خوبی تمام صحابہ میں موجزن تھی۔ اس بنا پر دونوں کی باہمی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس موقعہ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مطلب یہ کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کرنے سے پہلے تم آگے فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو' اور جب نازل ہوا کہ :وَلَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ (اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کے ساتھ کہا کہ ''میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رازدارانہ طور پر آہستگی سے کلام کے سوا بات ہی نہ کروں گا اس طرح جس طرح کوئی دوسرے کو سمجھانے کے طریقے پر آہستگی بات کرتا ہے۔ بیضاوی میں منقول ہے یہ قسم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ہی نے کھائی تھی اس پر نازل ہوا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ بیشک جو حضرات اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ ان کے دلوں میں تقویٰ کا امتحان لیتا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور منہ میں کنکریاں ڈال کر بیٹھا کرتے تھے تاکہ بات کرنے میں تنگی دشواری ہو۔ نیز مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس شماس جو طبعاً

بلند آواز تھے گھر میں بیٹھ رہے اور مجلس شریف کی حاضری موقوف کر دی مبادا کہ آواز کی بلندی لازم آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جستجو ہوئی اور فرمایا ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس نہیں آتے اور نہ وہ نظر ہی آتے ہیں وجہ کیا ہے؟ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس نے حاضر ہو کر عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ہے اور میں جہیر الصوت یعنی بلند آواز والا ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم اس مقام میں نہیں ہو۔ تم خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ رحلت کرو گے اور تم جنت میں داخل ہو گے''۔

تنبیہ: بنی تمیم کی یہ شدت' قساوت اور جاہلانہ مفاخرت' گویا بمقتضائے ان کی جبلت وطبیعت تھی۔ صحیح بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنی تمیم کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بنی تمیم بشارت کو قبول کرو مطلب یہ کہ داخلہ جنت کی بشارت قبول کرو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول عقائد کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور اس کے مبداء و مال کی خبر دی اور فرمایا اس بشارت کو تسلیم کرو' انہوں نے کہا بشارت تو آپ نے دی کچھ ہمیں دیجئے بھی تو مطلب یہ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس ہم اس لیے آئے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع میں سے کچھ عطا فرمایئے بشارت اپنی جگہ رہے بالفعل ہمیں تو مال و متاع مطلوب ہے۔ ان کی یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزری اور ناگواری کا اثر آپ کے روئے انور سے ظاہر ہونے لگا۔ اتنے میں یمن سے ایک جماعت اشعریوں کی آئی جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے اشعریو تم اس بشارت کو قبول کرو جسے بنی تمیم نے قبول نہیں کیا ہے۔ اشعریوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اسے قبول کرتے ہیں''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنی تمیم کو ایسی تین خصلتوں کی بنا پر پسند کرتا ہوں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ ''بنی تمیم میری امت میں سے دجال پر سخت ترین لوگ ہیں اور ان کی ظاہری سختی اور درشتی اس جگہ کام آئے گی جب وہ اسے دجال پر استعمال کریں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بنی تمیم کی ایک باندی تھی جو اسی قضیہ سریہ عیینہ بن حصین کے سلسلہ میں لائی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ چند ہی روز وہ باندی ان کی خدمت میں رہی ہو گی۔ یا کسی اور وقت آئی ہو گی۔ (واللہ اعلم)

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اسے آزاد کر دو کیوں کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے یعنی عرب ہے۔ تیسری بات یہ کہ جس وقت بنی تمیم کے صدقات وزکوٰۃ آئے ہوئے تھے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات ایک قوم کے ہیں یا یہ فرمایا یہ صدقات میری قوم کے ہیں۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم کی اپنی ذات اقدس کی طرف نسبت فرمائی اور اس طرح ان کی دلجوئی اور تالیف قلوب فرمائی۔ کیوں کہ یہ وہی قوم ہے جس نے بنی کعب کو صدقات دینے سے روکا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اب یہ خود ہی اپنی زکوٰۃ کو ادا کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آہستہ آہستہ انکے دلوں میں ایمان جڑ پکڑتا گیا ہو گا اور تہذیب واخلاق کا حصہ بھی انہیں ملا ہو گا۔ پھر یہ کہ انہی عیینہ بن حصین کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ کسی قماش کے درشت خو تھے اور یہ وہی ہیں جن کے بارے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آنے کی اجازت دیدو برا آدمی ہے۔ جب وہ اندر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشروئی کا اظہار فرمایا اور اس سے خندہ پیشانی سے گفتگو فرمائی۔ (جب وہ چلا گیا تو) سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو اسے ایسا ایسا فرماتے تھے مگر جب وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی ومسرت کے ساتھ خندہ پیشانی سے گفتگو فرمائی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جسے

لوگ اس کی فحش کلامی کی بنا پر چھوڑ دیں اور اس سے بچیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کی یہ خصلت اسلام لانے سے پہلے یا اس کے حسن اسلام سے پہلے تھی۔ایک مرتبہ یہی عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے کے ذریعہ جس کا نام حر بن قیس بن حصین تھا اور وہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقرب و ملازم تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ہمیں کچھ مال ومتاع نہیں دیتے اور ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرتے؟'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا اور چاہا کہ اسے کچھ سزا دیں۔اس پر حر بن قیس نے پڑھا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور کہا کہ یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔درگزر فرمایئے۔ان لوگوں کا ظاہر حال تو یہ ہے کہ عاقبت کیسی ہوگی خدا جانے اگر ایمان حاصل وثابت ہے تو ان پر صحابیت کی تعریف صادق ہے اور صحابی کا حکم ظاہر ہے کہ کیا ہے (واللہ اعلم)

اسی سال ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عقبہ قرشی اموی کو جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسری ماں سے بھائی تھے اور ان کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور وہ فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے بنی المصطلق کی جانب صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید اور بنی المصطلق کے درمیان دشمنی تھی۔ جب اس قوم نے سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آرہے ہیں تو قدیمی عداوت سے قطع نظر کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے فرستادہ ہونے کے لحاظ سے ان کی تعظیم واحترام اور مہمان نوازی کی خاطر بیس آدمیوں کو لے کر استقبال کے لیے نکلے۔ جب ولید نے اس جماعت کو دور سے دیکھا تو شیطان نے پرانی دشمنی یاد دلائی کہ یہ جماعت ان کے قتل کے لیے آرہی ہے۔ وہ راہ سے ہی لوٹ پڑے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے عرض کیا کہ وہ لوگ تو لشکر مرتب کر کے ہتھیار بند ہو کے جنگ کے ارادے سے نکل آئے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا وہ مرتد ہو کر لشکر جمع کر رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے ارادہ فرمایا کہ لشکر جمع کر کے ان پر غزا کریں۔اتنے میں وہ لوگ بھی مدینہ آگئے اور ان سواروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے ملاقات کی اور جو حقیقت تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے عرض کردی۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ ان کی طرف بھیجا کہ وہ احتیاط کے ساتھ صحیح صورت حال کی تفتیش کریں۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اذان دیتے، نماز پڑھتے، مسجدیں تعمیر کرتے اور شعائر اسلام ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوٹ آئے اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا سب عرض کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ولید نے جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو قبل اس کے کہ تم نادانی سے کسی قوم پر پہنچو۔ پھر جب تم صبح کرو تو اپنے کیے پر نادم ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا: اَلتَّاَنِّىْ مِنَ اللهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ اطمینان اللہ کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ایک روایت میں ہے کہ اَلتَّاَنِّىْ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ. آہستگی رحمٰن کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔' اس کا فسق یہی جھوٹ، بہتان اور شر وفساد کا ارادہ کرنا ہے گویا اس آیۂ کریمہ میں ایک غیبی خبر کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ اس ولید بن عقبہ کو امیر المومنین سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا والی بنایا تھا اور اس نے شراب پی پھر اس پر حد لگائی گئی تھی، صحیح بخاری میں یہ ہے کہ امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد جاری فرمائی تھی۔

اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے اس قوم پر نوازش فرمائی اور حضرت عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن بشر انصاری کو ان کے لیے متعین فرمایا کہ وہ صدقات ان سے وصول فرمائیں اور تعلیم قرآن اور احکام شرح انہیں سکھائیں۔

اسی سال قطبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عامر بن حدیدہ کو بیس مردوں کے ساتھ قبیلہ خثعم کی طرف بھیجا اوران پر تاخت کرنے کا حکم دیا۔ وہ گئے اور قتال عظیم واقع ہوا اور دونوں فریق زخمی ہوئے اوران کے اونٹ' بکریاں اور عورتوں کو مدینہ کی طرف لے آئے اور خمس نکالنے کے بعد انہیں تقسیم کیا جن میں سے ہر شخص کو چار اونٹ ملے اور ہر اونٹ کے مقابل دس بکریاں ہوئیں۔

اس کے بعد ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سفیان بن عوف کلابی عامری کو جو ایک شجاع شخص تھا تیار کیا ان کے لیے سوسواروں کا بھی انتظام کیا یہ سوسوار وہ تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے سرہانے تلوار لیکے کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں بنیکلاب کے ان لوگوں کی طرف ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ جو پہلے اسلام میں داخل ہوئے تھے انہوں نے وہاں پہنچ کران کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر انہوں نے جنگ کی اوران کو شکست وہزیمت دی اور مال غنیمت لے کے آ گئے۔

اسی سال علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مجز مدلجی' منسوب بہ قبیلہ مدلج' بن صبرہ۔ کو ربیع الآخر میں تین سو آدمیوں پر امیر مقرر کر کے اہل حبشہ کے ان لوگوں کی طرف بھیجا جو جدہ میں آئے ہوئے تھے اور فساد پھیلا رہے تھے۔ علقمہ اس جزیرہ میں پہنچے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے وہ علقمہ کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے پھر علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کی جانب لوٹ آئے بعض لوگوں نے جلدی کی اور بسرعت اپنے اہل وعیال کی طرف چلے گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزافہ سہمی بھی ان میں تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو متعجلین پر امیر مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزافہ کے مزاج میں ہزل ومزاح تھا۔ ایک رات انہوں نے اپنے منزل میں پڑاؤ کیا اور سردی سے محفوظ رہنے کے لیے آگ روشن کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازراہ مزاح اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ میں کود پڑو۔ جب انہوں نے اپنے امیر کی اطاعت میں آگ میں کودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے آگ میں کودنے سے منع کر دیا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ میں تو مزاح کر رہا تھا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت میں سارا حال بیان کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ''اگر کوئی تمہیں معصیت و نافرمانی کا حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس قضیہ کے سلسلہ میں روضۃ الاحباب اور مواہب میں اتنا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

مواہب میں کہا گیا ہے کہ اسے حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بحوالہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو صحیح کہا ہے۔ بخاری میں اس قضیہ کو اس طرح بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ''باب سریۃ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزافہ فداء السہمی وعلقمہ بن مجز زالمدلجی ویقال لہا انہا سریۃ انصار'' اس کے بعد انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اتنا زیادہ کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیش کو روانہ کیا اور ایک انصاری شخص کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ امیر جو حکم دے اس کی اطاعت کرنا۔ پھر کسی بات پر وہ شخص جسے ان پر امیر بنایا گیا تھا غصہ میں آیا اس نے کہا کہ لکڑیاں جمع کرو انہوں نے لکڑیاں جمع کیں پھر کہا کہ انہیں جلاؤ۔ انہوں نے اسے جلایا۔ پھر کہا کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ آگ میں کود جائیں اس پر بعض نے بعض کو اس سے منع کیا اور روکا انہوں نے کہا کہ ہم آگ سے بھاگ کر تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوئے ہیں اور آگ ہی میں خود گر جائیں مطلب یہ کہ نارِ جہنم کے خوف سے تو ہم ایمان لائے ہیں اور آگ میں ہی جھکنے کا کیا مطلب ہے؟ اس دوران جس میں یہ باہمی بحث وتمحیص ہوئی اور آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ جب اس کی خبر حضور اکرم کو پہنچی تو فرمایا اگر وہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر وہ قیامت تک آگ سے باہر نہ نکلتے۔ امیر کی فرمانبرداری اطاعت میں ہوتی ہے نہ کہ معصیت میں۔ (انتہی)

بخاری کے اس مضمون کا مفہوم ارباب سیر کے اس مضمون وکلام سے مختلف ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ اہل سیر کے

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے اور انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان عجلت پسند لوگوں پر امیر بنایا تھا اور بخاری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث ہوئے تھے یہ اشکال ومخالفت آسان ہے۔ اس لیے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث تھے اور انہوں نے حضرت عبداللہ کو امیر بنادیا۔ گویا دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث ہوگئے اور دوسری اشکال یہ ہے کہ آخر بخاری نے اس سریہ کو سریہ انصار اور بعض نسخوں میں سریہ انصاری کس معنی میں کہا ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ انصاری نہ تھے۔ صاحب مواہب لدینہ نے حضرت شیخ ابن حجر عسقلانی سے بخاری کے قول **ویقال انها سریة الانصاری** کے بارے میں نقل کر کے کہا کہ اس میں متعدد مختلف قصوں کی جانب اشارہ ہے اور ظاہر بھی یہی ہے کیوں کہ سیاق کلام اور اسم امیر میں اختلاف ہے اور دونوں کے درمیان تاویل کرنے سے احتمال اور بعید ہوتا جاتا ہے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خزافہ سہمی قرشی کے مہاجر ہونے کو انصاری کے ساتھ موصوف کرنے سے یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ شاید انصار یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر ومددگار آیا ہو۔ غرضکہ یہ تاویل بہت ہی بعید ہے۔ ابن قیم نے متعدد قصوں کی جانب میلان کیا ہے اور ابن جوزی نے کہا کہ ان کا قول **ومن الانصار** یہ بعض روایتوں کا وہم ہے۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ فرمان باری تعالیٰ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ** (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر کی) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوا۔ جن کو ان کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔

اسی سال ربیع میں آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو قبیلہ بنی طے کے فلس کی جانب بھیجا۔ وہاں ایک بڑا بت خانہ تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ڈیڑھ سو انصاری ڈیڑھ سو اونٹ پر سوار تھے اور ابوسعد کے نزدیک دوسو مرد تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بت کو توڑا اور اس بستی کو ویران کیا اور اس بت خانہ کو بیخ وبن سے اکھاڑ کے پھینک دیا او بکثرت اونٹ اور بکریوں کو غنیمت میں حاصل کر کے خمس نکالا اور پھر اسے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقسیم فرمایا۔ آل حاتم بھی تقسیم کیے گئے اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مدینہ منورہ آ گئے۔ عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حاتم جو قبیلہ طے کا سردار تھا بھاگ کر شام چلا گیا لیکن اس کی بہن سقانہ بنت حاتم قید میں آئی۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان کی طرف سے گزرے جہاں اسیران کو محفوظ کیا جاتا تھا آل حاتم بھی اسی مکان میں محبوس تھے حاتم کی بیٹی بیٹھی ہوئی تھی وہ بڑی خوبصورت حسین وجمیل اور فصیح عورت تھی۔ وہ کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ مرگیا ہے اور میرا بھائی غائب ہے۔ مجھ پر احسان فرمایئے حق تعالیٰ آپ پر فضل وکرم فرمائیگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا وافد یعنی فدیہ دینے والا کون ہے؟ اس نے کہا ''میرا بھائی عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حاتم''۔ فرمایا وہ تو خدا اور رسول خدا سے بھاگا ہوا ہے''۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ دوسرے دن بھی اسی طرح گذر ہوا۔ سقانہ کہتی ہے میں نے پھر وہی بات عرض کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب مرحمت فرمایا۔ تیسرے دن توجہ فرمائی اور سواری اور سفرخرچ انعام فرما کر مجھے رخصت کردیا اس کے بعد میں شام چلی گئی اور اپنے بھائی سے ملی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی نسبت فرمایا تھا کہ ''وہ خدا اور رسول خدا سے بھاگا ہوا ہے''۔ میں نے اس سے بیان کردیا۔ اس بات کا اس پر بڑا اثر ہوا وہ کہنے لگا۔ بھلا خدا اور رسول سے کہاں بھاگ سکتا ہوں''۔ اس کے بعد وہ مدینہ

منورہ آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا اس کی تفصیل انشاء اللہ سال دہم میں مذکور ہوگی۔

اسی سال طائف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی اور غزوۂ تبوک کے درمیان کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زہیر بن کعب کا قصہ واقع ہوا جیسا کہ غزوۂ فتح مکہ کے دوران سال ہشتم میں اس ضمن میں مذکور ہو چکا ہے جن لوگوں کے خون کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرم میں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے۔ مباح قرار دیا تھا اور ان میں ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب شامل تھے اسی جرم میں کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو بھی مباح کرار دیا تھا اور جس طرح اور لوگ بھاگتے تھے یہ بھی بھاگ گیا تھا۔ بعد ازاں واپس آیا اور چاہا کہ اپنے بھائی کے ساتھ جس کا نام بجیر بن زہیر تھا اور وہ شاعر تھا لیکن وہ اس شناعت میں گرفتار نہ تھا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور معذرت چاہ کر طلب مغفرت کرے۔ اس پر اس کے بھائی نے کہا تم یہیں ٹھہرو، میں اس ہستی مقدس کے پاس جاتا ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتا ہوں اور آپ کے روئے انور سے مشرف ہو کر رضا مندی و ناراضگی کا اندازہ لگاتا ہوں۔ پھر بجیر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال با کمال سے مشرف ہوا اور آپ کے کلام کو سنا اور ایمان لایا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کا باپ زہیر اہل کتاب کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور اس نے سن رکھا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے اور اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک لمبی رسی لٹکی ہوئی ہے وہ اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے لیکن اس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچتا ہے اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو خبر دی اور وصیت کی کہ اگر تم نبی آخر الزماں کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا۔' پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے تشریف لائے تو بجیر نے کعب بن زہیر کو خط لکھا کہ کیا کہتے ہو اور کیا رائے ہے کیا دل میں خواہش ہے کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر توبہ کریں اور معافی مانگیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں معافی مانگنا مقبول ہے اور آپ توبہ کرنے والے اور معافی مانگنے والے کو کچھ نہیں فرماتے۔ اگر تو ایسا نہیں کر سکتا تو جا اپنے سر کی خیر منا' اس کے بعد اظہار حال میں بجیر کی طرف کچھ اشعار لکھے بجیر نے ان اشعار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسا محمول کیا وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آجائے آپ اسے قتل کر دیتے ہیں گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے (واللہ اعلم) یہی خوف و ہیبت اس کے توبہ میں دیری کا باعث تھا۔ اس پر بجیر نے بھی اشعار لکھے اور حقیقت حال ظاہر کی' جب بجیر کا خط کعب کو ملا۔ تو اس پر زمین کی وسعت تنگ ہو گئی۔ سانس لینا دوبھر ہو گیا اور دشمن خوف ہوئے اور یقین کر لیا کہ اب کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور مارا جائیگا۔ اس کے بعد جب کوئی چارہ نہ رہا تو کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کی اور اس میں اپنا خوف و تمنا اور سخن چینوں اور دشمنوں کی شماتت کا اظہار کیا۔ پھر وہ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوا اور قبیلہ جہنیہ کے اپنے ایک دوست کے یہاں جا کے ٹھہرا۔ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں لے گیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرا کے کہا یہ خدا کے رسول ہیں جنہیں تو دیکھ رہا ہے۔ اٹھ آپ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ....امان مانگ۔ اس پر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پہ رکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچانتے نہ تھے۔ پھر اس نے عرض کیا۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زہیر تائب ہو کر اور مسلمان بن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کرتا ہے کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی توبہ اور اسلام قبول فرمائیں گے اگر وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس پر اس نے کہا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہی کعب رضی اللہ عنہ ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کعب رضی اللہ عنہ بن زہیر تو ہے؟'' اسی دوران میں ایک انصاری نے جو

وہاں موجود تھا جست لگائی اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن ماردوں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے کچھ نہ کہو یہ توبہ کر کے آیا ہے۔ پھر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انصاری پر خشمگیں ہوا کہ اس بات کیوں کہی۔ جبکہ مہاجرین میں سے کسی نے بجز اس کے بھائی بجیرا کے کچھ نہ کہا تھا۔ اس کے بعد کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے کہ

بابت سعادقلبی الیوم متبول　　　یتم اثر ھالم یعد مکبول

اور اس نے کہا:

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ وَعَدَنِیْ　　　وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللہِ مَامُوْلٌ

لَا تَاْخُذُوْ فِیْ الْوَشَاۃِ　　　وَلَمْ اذنب وَلَوْ کَثُرَتْ فِیْ لَاَقَاوِیْلِ

ان الرسول نور لیتسضاء بہ　　　مھند من سیوف اللہ مَسْلُوْل

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا دیکھو کیا کہتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اشعار کو پسند فرماتے تھے اگرچہ آپ خود شعر گوئی سے پاک تھے اور اپنی ذات مبارک کی مدح وثنا کو محبوب رکھتے تھے کیوں کہ بلاشک وشبہ وہ صدق وحق ہیں۔ اس خوشی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اپنے جسم اقدس سے اتار کر اسے عطا فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس چادر مبارک کے عوض دس ہزار درہم دینا چاہتے تھے مگر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جامعہ مبارک کو کسی کے لیے ایثار نہیں کرسکتا۔ جب تک کعب نے وفات پائی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب کے ورثاء کو بیس ہزار درہم بھیجے اور ان سے وہ چادر شریف لے لی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ آج تک بادشاہوں کے پاس وہ چادر مبارک موجود رہی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد مہاجرین کی مدح کی اور کچھ اشعار انصار کی مدح میں اس بناء پر کہ وہ ان کے اوپر خشمناک ہوئے تھے اسلام لانے کے بعد کہے اور یہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زہیر شعراء فحول میں سے تھے ان کا بھائی بجیر ان کا بیٹا عوام بن عقبہ سب شاعر تھے اور ان لوگوں نے اپنے اشعار سے نفع اٹھایا کہ وہ مقبول درگاہ رساں ہوئے۔

واقعہ ایلاء

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک ایلاء کیا اور ان کے قریب نہ گئے۔ ایلاء کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں اور فقہائے کے نزدیک مرد کا اپنی عورت کے پاس چار مہینے تک نہ جانے پر قسم کھانے کا نام ایلاء ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے تک نہ عورت سے تعرض کرے اور نہ اس کے قریب جائے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْھُرٍ۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء وقسم کھاتے ہیں وہ چار مہینہ تک رکے رہیں اور اگر اس سے قبل چلے جائیں تو قسم کا کفارہ دیں یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا مثلاً اگر یہ کہا کہ میں اگر تم سے چار ماہ قربت کروں تو میرا غلام آزاد ہے اور اگر چار ماہ گزر جائیں اور قربت نہ کرے تو امام اعظم اور ان کے اصحاب کے نزدیک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ حضرت سفیان ثوری اور بعض دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے اور تینوں اماموں کے نزدیک چار ماہ گزرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بلکہ مرد کو قید کیا جائے گا اور مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ رجوع کرے یا قسم کا کفارہ دے یا طلاق دے۔ اگر اس نے طلاق نہ دی تو اس سے جبراً ایک طلاق دلوائی

جائے اور اس سے جدا کر دیا جائے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء فرمانا ایک قسم ہے جو ایک ماہ تک ان کے قریب نہ جانے کے لیے کھائی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی جانب سے کچھ ناگواری محسوس فرمائی اور غمگین ہوئے ا س پر آپ نے قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے قریب نہ جا کر ان کے عمل کی انہیں سزا دینگے تا کہ وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوں۔ یہ قصہ کتب سیر میں متعدد طریقوں سے آیا ہے اور ان کی تفاصیل روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ مجملاً ایک یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات نے نفقہ ولباس مانگا تھا اور چند چیزیں ایسی مانگی تھیں جو موجود نہ تھیں۔ اس بنا پر آپ ملول ہوئے اور یہ قسم کھائی' دوسرا قول یہ ہے کہ بعض ازواجِ مطہرات کے یہاں آپ نے شہد نوش فرمایا تھا جس پر دیگر ازواج نے رشک کیا اور کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے مغافیر کی بو محسوس کرتے ہیں۔ مغافیر ایک گوند کا نام ہے جس میں بو ہوتی ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیدیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر میں موجود نہ تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور خدمت لی۔ سیّدہ حفصہ نے اس پر رشک کیا اور رونے لگیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور انہیں منع فرمایا کہ کسی سے نہ کہنا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کیں یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ۔ اے نبی اپنی بیبیوں کی خوشنودی کی خاطر اسے کیوں حرام فرماتے ہیں جو آپ کے لیے حلال فرمایا گیا''۔ یہ بھی خاطر مبارک پر ملال کا سبب ہوا اور قسم یاد کی۔ ان تمام اقوال کے جمع کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ تمام باتیں ایلاء کا سبب بنی ہوں۔ ان کو ایسا فرض کر لینا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی ناگواریاں پہنچتی رہتی ہوں گی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم درگزر فرماتے رہتے تھے یہاں تک کہ جب حد ہوگئی تو آپ نے ایلاء فرمایا لیکن احادیث کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی حضورِ اکرم کو ملال پہنچتا آپ ایلا فرماتے گویا کہ ایلاء متعدد بار واقع ہوا ہے لیکن ایسا لازم نہیں ہے کہ اس لیے کہ ایلاء کے معنی قسم کے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ایک معاملہ میں متعدد قسمیں کھالے تو اس پر قسم توڑنے کا ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔

بہر حال بہ اختلاف اقوال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عزلت نشیں ہو گئے اور ایک حجرے میں قیام فرمایا اور ایک حبشی غلام کو جس کا نام رباح تھا حجرے کے دروازہ پر مقرر فرمایا کہ کسی کو بغیر اجازت اندر نہ آنے دے۔ مدینہ منورہ میں شور برپا ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی ہے۔ صحابہ میں سے جس نے یہ خبر سنی وہ مسجد میں آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ خبر سنی تو میں بھی مسجد شریف میں پہنچا میں نے دیکھا کہ صحابہ کی ایک جماعت درِ مصطفیٰ پر بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے رباح سے کہا جاؤ میرے لیے حضور سے اجازت لو وہ گئے کچھ دیر بعد واپس آکے جواب دیا کہ میں نے آپ کے لیے اجازت مانگی مگر کوئی جواب مرحمت نہ ہوا۔ چند مرتبہ اسی طرح ہوا بالآخر میں لاچار ہو گیا اور بلند آواز میں کہا اے رباح! جاؤ اور حضورِ اکرم سے میرے لیے اجازت مانگو حضور نے غالباً یہ گمان فرمایا ہو کہ اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سفارش کے لیے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیں تو میں ان کی گردن ماردوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرمو تجاوز نہ کروں۔ میں نے یہ کہا اور لوٹ پڑا۔ اچانک میں نے رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی کہ وہ مجھے بلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے ''اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آؤ اجازت مل گئی ہے''۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں''! میں نے کہا ''اللہ اکبر'' اس کے بعد میں مسجد شریف میں آیا اور صحابہ کو میں نے یہ بتایا اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کا گمان غلط تھا۔ حاضری کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے عورتوں کے احوال میں ایسی باتیں کہیں جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور تبسم فرمایا۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ایک دن آئے اور داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ دیکھا کہ بہت سے صحابہ درِ مصطفیٰ پر کھڑے ہیں مگر کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ مل سکی۔ الحمدللہ کہ حضرت صدیق اکبر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاضری کی اجازت مل گئی۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور اجازت چاہی انہیں بھی اجازت مل گئی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انتہائی غمگین واندوہگیں تشریف فرما ئیں۔ انہوں نے ملال خاطر مبارک کی وجہ دریافت کی حضور اکرم نے فرمایا یہ جو میرے گرد بیٹھی ہوئی ہیں اپنی ازواج کی طرف اشارہ فرمایا ''یہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہیں جو موجود نہیں ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! کاش کہ آپ ملاحظہ فرماتے کہ میری بیوی، خارجہ کی بیٹی اگر مجھ سے نفقہ مانگتی تو میں اٹھ کر اس کا گلا گھونٹ دیتا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن پر دو ہتھڑ مارا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن پر دو ہتھڑ مارا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! ہم مکہ مکرمہ میں اپنی عورتوں پر غالب رہتے تھے اور جب ہم مدینہ منورہ آئے تو چونکہ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں پر غالب رہتی ہیں چنانچہ ہماری عورتوں نے بھی مدینہ منورہ کی عورتوں کی عادت پکڑ لی ہے اور اس خو بو کو انہوں نے ان سے ہی سیکھا ہے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنی بیوی سے بلند آواز میں بات کی اور کوئی بات کہی۔ اس نے بھی مجھے اسی لہجہ میں جواب دیا مجھے اس کی یہ حرکت بری معلوم ہوئی میں نے کہا ''مجھ سے اس بدتمیزی سے کیوں بات کرتی ہو''۔ اس نے کہا ''میں کیوں نہ کروں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی ایک روایت میں ہے کہ تمہاری بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی بات کرتی ہے''۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی بیوی آپ سے ایک طرف ہو کے بیٹھ جاتی یہاں تک کہ ساری رات اسی غصہ میں گزار دیتی میں نے کہا ''اگر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایسی بات سرزد ہوتی ہے تو وہ ناامید وزیاں کار ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنجیدہ ہونا اور ایلاء فرمانا اور عورتوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشیں ہونا ازواجِ مطہرات کے نفقہ کی طلب اور تکلیف مالا یطاق کی وجہ سے تھی۔

یہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر کاشانہ اقدس میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ موٹے کپڑے کی تہبند باندھے برہنہ پہلو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آرام فرما ہیں اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو اقدس پر پڑے ہوئے ہیں اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے ہے اور پائے اقدس کی جانب سلم کے پتے بچھے ہوئے ہیں۔ کاشانہ اقدس میں بجز ایک صاع جو اور گرم پانی کے کوزے کے علاوہ کچھ موجود نہ تھا۔ چند غیر پختہ کھالیں دیوار پر لٹکی ہوئی تھیں۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر شدت کا گریہ طاری ہوا اور میری آواز گھگھیا گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خطاب کے بیٹے کیوں رو رہے ہو''۔ میں نے عرض کیا میں کیوں نہ روؤں آپ کا یہ حال میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اتنی شدت ومحنت برداشت فرمائیں اور قیصر وکسریٰ باغوں اور نہروں میں کفر وطغیان کے باوجود عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور آپ خدا کے رسول ہوتے ہوئے اتنی مشقت وشدت میں رہیں۔ دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر عیش وفراخی کو کشادہ فرمائے''۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کے بیٹھ گئے اور فرمایا اے خطاب کے بیٹے! کہاں ہو

اور کہاں کی باتیں کررہے ہو اور کن لوگوں کا ذکر کررہے ہو۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو دنیا میں ہی عیش وراحت دیدی گئی ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں اٹھا کے رکھ دی گئی ہیں''۔ اس پر میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً. ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی وخوش ہیں''۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کامل ازواج سے کنارہ کشی فرما کر خلوت نشینی فرمائی وہ مہینہ انتیس دن میں پورا ہوا۔ جب آپ اس خلوت سے باہر تشریف لائے تو سب سے پہلے سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک ہمارے یہاں تشریف نہ لائیں گے۔ میں نے اختر شماری کرکے دن کاٹے ہیں اور گنا ہے کہ آج انتیس دن سے زیادہ نہیں ہوئے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کبھی مہینہ انتیس دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا ہے اور یہ مہینہ انہیں میں سے تھا''۔

نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عسرت وتنگی غالب تھی اور نفقہ دینا دشوار اور ازواج کی جانب سے اس کی طلب باعث ملال اور موجب ایلاء ہوا۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی کہ

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلاً. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا○

اے نبی! اپنی بیبیوں سے فرمادو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر تیار کررکھا ہے۔

خلاصۂ واقعہ یہ ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آپ سے دینوی سامان طلب کیے اور نفقہ میں زیادتی کی درخوست کی تھی۔ یہاں تو کمال زہد تھا سامان دنیا اور اس کا جمع کرنا گوارہ ہی نہ تھا اس لیے کہ یہ خاطر اقدس پر گراں گزرا اور یہ آیت نازل ہوئی اور ازواجِ مطہرات کو تخییر دی گئی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں۔ پانچ قرشیہ' حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ام سلمہ بنت امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' اور چار غیر قرشیہ' حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا' حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا' حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب خیبریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا اور فرمایا کہ جلدی نہ کرو اپنے والدین سے مشورہ کرکے جو رائے ہو اس پر عمل کرو انہوں نے عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں مشورہ کیسا۔ میں اللہ کو اور اس کے رسول ...... کو اور آخرت کو چاہتی ہوں اور باقی ازواج نے بھی یہی جواب دیا (خزائن العرفان از مترجم غفرلہ)

اس پر جس نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا وہ ثابت وقائم رہی اور جس نے دنیا اور اس کی زندگی کو چاہا وہ نکل گئی اس کا نہ دین رہا اور نہ ہی دنیا رہی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک عورت تھی جس نے دنیا کو اختیار کیا۔ وہ نکل گئی۔ ایک مرتبہ کسی نے اس کو راستہ میں دیکھا وہ کھجوروں کی گٹھلیاں چن رہی ہے تاکہ اس کی غذا بنا کے زندگی گزارے۔ اس نے اس عورت سے پوچھا ''تو کون ہے جو اس حال میں گرفتار ہے''۔ اس نے کہا: اَنَا الشَّقِیَّةُ الَّتِیْ اِخْتَرْتُ الدُّنْیَا. میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے دنیا کو اختیار کیا۔ جب یہ آیت نازل

ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال اوران کے فراق کا غم دامنگیر ہوا کہ مبادہ وہ دنیا اور اس کی زندگی کو اختیار کرلیں۔ فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ کا مجھے ایسا حکم ہوا ہے تم کیا چاہتی ہو جواب میں جلدی نہ کروا پنے ماں باپ سے مشورہ کر کے عمل کرو''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بات میں میں اپنے ماں باپ سے کیا مشورہ کروں میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ایک التجا ہے کہ میری یہ گزارش کسی اور بی بی سے بیان نہ فرمائیں''۔ ان کے منع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی بی بی آپ کے حبالہ عقد اور زوجیت سے نکلنا چاہے تو اس طرح نکل جائے اور یہ بات از روئے طبع' غیرت ومحبت کی بنا پر تھی نہ کہ از روئے غیرت واعتقاد' اور یہ اظہار محبت يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (اپنے بھائی کے لیے وہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے) کے منافی وخلاف نہیں ہے۔ یہ خصلت عورتوں میں جبلی وطبعی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان سے معفو ومعزور ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گمان کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس محبت کی بنا پر جو آپ کی ان سے تھی قبول فرمائیں گے اور ان کی یہ گزارش رد نہ فرمائیں گے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حقانیت حضور اکرم کو کسی کیس اتھ متعلق نہیں رکھتی۔ فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا بات ہے جو بی بی بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھے گی کہ عائشہ نے کیا اختیار کیا میں اسے ضرور یہ بات بتادوں گا اس فرمان میں بھی ایک خاص اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رعایت اور پاس خاطر کا ملحوظ رکھا گیا وہ یہ کہ اگر کسی نے نہ پوچھا تو میں نہ کہوں گا لیکن اگر پوچھا تو میں بتادوں گا اور فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِيْ مُتَعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلٰكِنْ بَعَثَنِيْ مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھے کسی کو مشقت وشدت میں ڈالنے والا مبعوث نہیں فرمایا اور نہ کسی کی خطا وگناہ اور لغزش کی جستجو کرنے والا بنا کر بھیجا لیکن حق تعالیٰ نے مجھے سکھانے والا اور دین کے احکام میں آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

واقعہ رجم عورت: اسی سال غامد یہ سبیعیہ عورت کا سنگسار کرنا واقع ہوا۔ غامد یہ غامد سے منسوب ہے جو قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ یہ عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور زنا کا اقرار کیا اور اپنے زنا پر اقامت حد سے طہارت چاہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تغافل فرمایا جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ لوگوں کی عیب پوشی فرماتے اور اغماض کرتے تھے۔ مگر وہ عورت اقامت حد کے سوا پر راضی نہ ہوئی اور کہنے لگی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے میرے گناہ سے پاک فرمائیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت حد میں توقف فرماتے۔ یہ عورت چونکہ زنا سے حاملہ تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضع حمل تک صبر کر کیوں کہ وہ بچہ جو تیرے پیٹ میں ہے بے گناہ ہے۔ جب وہ بچہ متولد ہوگیا تو وہ پھر آئی اور عرض کیا ''اب اقامت حد عطا فرمائی جائے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کا بچہ چونکہ چھوٹا ہے اگر میں اسے سنگسار کراتا ہوں تو بچہ کی نگہداشت کون کرے گا''۔ انصاری شخص کھڑا ہوا اور وہ اس کی رضاعت کا کفیل بنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو ماں کے ساتھ ہی رکھا تا کہ وہ اسے دودھ پلائے۔ جب مدت رضاع ختم ہوگئی تو وہ عورت بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں آئی اور اقامت حد کی خواہش ظاہر کی اور کہا ''یارسول اللہ! میں نے بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے اب وہ روٹی کھاتا ہے'' اور اقامت حد پر اصرار کیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رجم کا حکم فرمایا یہاں تک کہ اسے سینہ تک زمین میں دفن کیا اور سنگسار کیا گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک پتھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے سر پر مارا اور خون جاری ہوا اور اس کی چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑے اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دشنام دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے دشنام نہ دو' خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر خراج وعشر وصول کرنے والا عامل جو

ظلم وزیادتی سے (لگان وٹیکس وغیرہ) وصول کرتا ہے ایسی توبہ کرے تو وہ بھی بخشا جائے۔اس کا گناہ اس سے بہت عظیم وقبیح ہے''۔روضۃ الاحباب میں مکس (عامل) کی تفسیر طمغاجی سے کی گئی ہے۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکالنے کا حکم فرمایا اور نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اسے دفن کیا گیا۔حدیث کے الفاظ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ثُمَّ أَمَرَ فَصُلِّيَ عَلَيْهَا. لفظ ''صلی'' مجہول و معروف دونوں طرح سے پڑھے گئے ہیں۔بصیغہ مجہول کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ زمین سے نکال کر اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس نہ پڑھائی اور بصیغہ معروف کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم نے خود بھی نماز پڑھی۔قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک صحیح مسلم کی روایت بفتح صاد ولام یعنی بصیغہ معروف صلی ہے اور طبری ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد کے نزدیک بضم صاد وکسر لام یعنی بصیغہ مجہول صلی آیا ہے اور محدود یعنی جس پر حد قائم کی گئی ہو اس کی نماز جنازہ کے بارے میں اسی طرح مروی ہے۔لیکن مدیون پر جس نے اپنا قرض ادا نہ کیا ہو متفقہ روایات مروی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔اسی طرح وہ شخص جس نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا یا جس نے غنیمت میں خیانت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز نہ پڑھی۔بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی سرے سے نمازِ جنازہ ہے ہی نہیں مسلک مختار یہ ہے کہ جو بھی قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے امام احمد نے فرمایا بادشاہ وحاکم قاتل نفس (خودکشی) کی خود نماز جنازہ نہ پڑھے بلکہ دوسرے لوگوں سے پڑھوائے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ روضۃ الاحباب میں غامدیہ عورت کے سنگسار کرنے کا ذکر اسی سال میں بیان کیا گیا ہے اور تعجب ہے کہ حضرت ماعز کے رجم کا ذکر جو اس باب میں اصل اور مشہور ہے نہیں کیا۔ممکن ہے کہ شہرت کی وجہ سے انہوں نے ذکر نہ کیا ہو مگر یہ وجہ کمزور ہے۔(مشکوٰۃ کی ظاہر عبارت یہ بتاتی ہے کہ اس کا وقوع بھی اسی سال ہوا ہے واللہ اعلم) بہر حال اس کا ذکر کرنا از بس ضروری ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رجم: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کے گھر میں تھے جس کا نام ہزال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا وہ بھی اسلمی تھا انہوں نے اس کی باندی سے جو آزاد کردہ تھی زنا کیا۔جب یہ واقعہ اس شخص کے سامنے آیا تو اس نے کہا کہ تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہیے اور اپنا حال بیان کرنا چاہیے کہ آپ کیا فرماتے اور کیا حکم کرتے ہیں چنانچہ وہ بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پاک فرمایئے''۔حضور اکرم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر جا خدا سے بخشش مانگ اور توبہ کر''۔پھر وہ تھوڑی دیر۔کر لعد۔ ئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پاک فرمایئے''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کس چیز سے تجھے پاک کروں''۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجملاً یہ جانا تھا کہ اس سے کوئی خطا غلطی واقع ہوئی ہے خاص زنا کرنا معلوم نہ ہوا تھا۔ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''زنا سے اور اس کی ناپاکی سے''۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور دوسری طرف پھیرلیا۔ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرف آ کے کھڑے ہو گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا اور فرمایا ''کیا یہ شخص دیوانہ ہے جو یہ بات دیوانگی سے کہہ رہا ہے؟''صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دیوانہ نہیں ہے بلکہ فرزانہ ہے'' فرمایا ''کیا شراب پیئے ہوئے ہیں جو اس کی مستی ونشہ میں یہ کہہ رہا ہے؟''اس پر ایک شخص اٹھا اور اس نے اس کا منہ سونگھا مگر اس نے شراب کی بو نہ محسوس کی۔پھر فرمایا''ممکن ہے کہ اس نے عورت کا بوسہ لیا ہو یا اسے چمٹایا ہو یا اُسے اپنے ساتھ سلایا ہو یا اس کے ساتھ مخلول کیا ہو اور زنا کے مقدمات ومبادیات کی ہوں اور اس کو یہ زنا کہہ رہا ہو'' ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں، میں نے زنا کیا ہے''۔نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس کے گھر میں ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور جہاں زنا واقع ہوا تھا

اوراس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کا مشورہ دیا تھا۔فرمایا: ''اگر تو ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پردہ پوشی کرتا اور اُس کے زنا کے قصہ کو ظاہر نہ کرتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا''۔غرضیکہ جب حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مرتبہ اقرار کرلیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رجم و سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔اس کے بعد انہیں مدینہ منورہ کے سنگستان میں لایا گیا اور انہیں سنگسار کیا گیا۔جب انہیں پتھروں کے مارسے شدت کی تکلیف ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔اس پر ایک شخص کے ہاتھ اونٹ کا جبڑا لگ گیا اس نے اسی ہڈی کو اٹھا کر ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارا اور اس کے بعد اتنا سنگسار کیا کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گیا۔اس کے بعد وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا قصہ دہرایا کہنے لگے جب اسے سنگساری سے سخت تکلیف ہوئی اور وہ قریب ہلاکت کے پہنچ گیا تو بھاگ کھڑا ہوا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے کیوں نہ چھوڑ دیا کہ وہ خدا سے توبہ کرتا اور خدا اس کی توبہ قبول فرماتا اور رحمت و کرم کے ساتھ توبہ فرماتا''۔اس کے بعد حضور اکرم نے حضرت ماعز بن مالک کے لیے استغفار فرمائی اور فرمایا بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو ساری امت میں تقسیم کیا جائے تو وہ سب کو کافی ہو اور سب کے لیے کارآمد ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت حد کا نام توبہ رکھا' اس بنا پر کہ اس سے طہارت' برات اور نجات ہوتی ہے جس طرح کہ توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔درحقیقت توبہ قتل نفس کے حکم میں ہے اور اس جگہ خود حقیقت میں ماعز نے قتل نفس کیا اور جان دی۔اس سے زیادہ بالاتر کیا ہوگا کہ خدا طلبی اور اس کی راہ پر چلتے ہوئے جان دے دی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت رویم قدس سرہ نے ایک طالب حق کو رخصت وداع کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی کہ هُوَ بَذْلُ الرُّوْحِ وَلَا تَغْتَرَّ بِتُرَّهَاتِ الصُّوْفِيَةِ خدا کی راہ میں چلنے کا مطلب' جان دینا ہے صوفیوں کی باتوں پر مغرور نہ ہونا

مقصود او همیں کہ رھد جاں دریں طلب مقصود جامی از ظلم گفتہ کہ جست

اگر کوئی یہ کہے کہ جب حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغفور ہو گئے اور انہوں نے ایسی توبہ کی جس کا اوپر ذکر ہوا تو ان کے لیے استغفار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار زیادتی مغفرت اور ترقی درجات کے لیے ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں۔مشکوٰۃ میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ رجم کے بعد بیان کیا کہ جَآءَتْ اِمْرَأَةٌ مِنْ غَايَةَ

غزوۂ تبوک و غزوۂ جیش العسرت

اس سال کے واقعات میں سے غزوۂ تبوک کا عظیم واقعہ ہے۔تبوک ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان مدینہ منورہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک قلعہ کا نام ہے اور قاموس میں ہے کہ مدینہ اور شام کے درمیان ایک خطہ ارضی کا نام ہے۔بعض کہتے ہیں کہ ایک چشمہ کا نام ہے جو اس جگہ واقع ہے۔چونکہ اس سفر میں لشکر کی آخر مسافت اس چشمہ تک ہوئی تھی اس بنا پر اس کو اس نام سے موسوم و منسوب کیا گیا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں اس قصہ کے دوران مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا ''آخری حد وہ ہے جب تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو''۔بوک کے لغوی معنی ''لکڑی وغیرہ سے اتنی گہری زمین کھودنا پانی نمودار ہو جائے'' کے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ بہت سے صحابہ اس چشمہ پہ پہنچ کر اپنے پیالوں کو اس میں ڈال کر پانی کو ہلاتے ہیں تا کہ پانی نکل آئے اور فرمایا: نَازَلْتُمْ بَتُوْكُوْنَهَا فَسُمِّيَتْ تِلْكَ الْغَزَاةُ تَبُوْكَ. تم اترو گے اور پانی کو ہلا کر چشمہ سے نکالو گے اسی بنا پر اس غزوہ کا نام تبوک رکھا گیا۔صحاح میں اسی طرح مذکور ہے۔

اس غزوے کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں منافقوں کی فضیحت و رسوائی بہت زیادہ ہوئی تھی۔غزوۂ عسرت اور جیش

عسرت بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں لشکروالوں کو مشقت' بھوک و پیاس بہت محسوس ہوئی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ مسافت طویل تھی اور ہوا بہت گرم۔دشمن کا لشکر قوی تھا اور قحط سالی تھی۔لشکر بہت زیادہ تھا اور زادراہ اور سامان بہت کم تھا لشکر اسلام کی عسرت وتنگی کا یہ عالم تھا کہ فقراء صحابہ میں سے اٹھارہ اصحاب کے لیے ایک اونٹ سے زیادہ نہ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے ہیں اور کرم خوردہ کھجوروں کا آٹا اور گھن لگے جوار اور بودار گھی سفر کا توشہ تھا اور پانی تو انتہائی کمیاب تھا باوجود جو سواری کی قلت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کے آنتوں اور رگوں کی تری سے ہونٹوں کی خشکی دور کرتے تھے درختوں کے پتے کھاتے تھے جس سے مسوڑھے سوجھ گئے اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی مانند ہوگئے تھے۔اغنیاء صحابہ بھی مدینہ سے باہر جانے میں بحکم طبع ناگواری محسوس کرتے تھے کیوں کہ میووں کے پکنے کا زمانہ تھا اور انہیں درختوں کے سایوں میں بیٹھنا اور پھلوں سے لطف اندوز ہونا طبعی طور پر مطلوب ومرغوب تھا اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی؛

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَالَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ	اے ایمان والوتمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے خدا کی راہ میں میں کوچ کروتو تم بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔کیاتم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا۔

اس طرح تن آسانوں اور فراغت طلب کرنے والوں پر طعن وتشنیع کا کوڑا رسید کیا۔اس غزوہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے کی تاریخ بلا اختلاف روز پنجشنبہ ماہ رجب ۹ ھ تھی۔اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ ان دنوں ایک قافلہ شام سے مدینہ طیبہ آیا اور انہوں نے خبر پہنچائی کہ شام روم بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور قبائل کثیرہ مثلاً لخم' جزام' عاملہ اور عسان وغیرہ قبائل عرب میں سے جو نصرانی تھے ہرقل سے بڑے خوش ہیں اور وہ سب دین نصاریٰ کے غلبے کے لیے جمع ہوکر نکل آئے تھے اور وہ سب متفق ومجتمع ہوکر مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان شہروں اور بستیوں کے نصرانیوں نے ہرقل سے یہ جھوٹ کہہ رکھا تھا کہ وہ ہستی مقدس جس نے دعویٰ نبوت کیا ہے دنیا سے کوچ کر چکی ہے اور یہ کہ ان کے اصحاب میں سخت قحط وتنگی پڑی ہوئی ہے اور ان کا مال ومتاع ضائع ہو چکا ہے اور ان کی مملکت کو بآسانی قبضہ میں لایا جاسکتا ہے۔اس پر ہرقل نے روم کے سرداروں میں سے قباد نامی شخص کو چالیس ہزار نامزد کرکے مدینہ کی طرف روانہ کیا۔یہ خبر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہرقل اپنی نصرانیت پر قائم تھا اور اس وقت جبکہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا مکتوب گرامی بھیجا تھا اور اس نے مسلمانوں کے دین کی طرف رغبت کا اظہار کیا تھا کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔اگر ہوبھی تو دنیا کی محبت اور حکمرانی اور اس کی قوم نے اسے نہ چھوڑا کہ وہ ایمان لاتا اور دین اسلام کا تابع بنتا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر کشی کا مصمم ارادہ فرمالیا تو صحابہ کرام کو قبائل کی طرف لشکر جمع کرنے کے لیے بھیجا اور ہر اس شخص کو جو جس قبیلہ کی طرف منسوب تھا اسے اسی قبیلہ کی طرف لشکر اور ساز وسامان جمع کرنے کے لیے بھیجا اور صحابہ کو سپاہ کی تیاری اور فقراء ومساکین پر تصدیق وانفاق اور راہ خدا میں اعانت وجہاد کی ترغیب وتحریص فرمائی۔ہر شخص نے اپنی ہمت وطاقت اور حوصلہ وامکان کی حد تک لشکر کی تیاری میں امداد کی اور مال ومتاع خرچ کیا۔چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا تمام مال و اسباب اٹھا کرلے آئے اور جو کچھ تھا راہ خدا میں صرف کردیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا آدھا جتنا بھی ان کی ملکیت میں تھا جدا کرکے لے آئے۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تبوک کی تیاری کا شوق دلایا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج تو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سبقت لے

جاؤں گا۔ آج تو میرے پاس بہت مال ہے جس میں سے آدھے مال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے'' میں نے عرض کیا ''اتنی ہی مقدار میں ان کے لیے چھوڑ دیا ہے''۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور جتنا کچھ مال ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ ان سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا ''اپنے اہل وعیال کے لیے کتنا ذخیرہ چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا: اَذْ خَرْتُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے''۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا بَيْنَكُمْ مَا بَيْنَ كَلِمَتَيْكُمَا. تمہارے درمیان میں فرق مراتب اور تفاوت اتنا ہی ہے جتنا تمہاری ان دو باتوں کے درمیان'' پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا ''میں آپ سے کسی بات میں سبقت نہیں کرسکتا''۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدقہ چھپا کے لائے اور عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرا صدقہ ہے اور خدا میرے نزدیک معاذ ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور آشکارا کر کے صدقہ لائے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ صدقہ میرا ہے اور خدا کے واسطے میرے نزدیک معاذ ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! بدون زہ کے تم نے اپنے گمان کوزہ کیا اور فرق تمہارے صدقہ کے درمیان یہی ہے جو تمہارے کلموں کے درمیان ہے۔ یہ واقعہ یا تو اسی قصہ تبوک کا ہے یا کسی اور موقعہ کا۔ روضۃ الاحباب کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور موقعہ کا ہے۔

ایک اور حدیث میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک چاندنی رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص ایسا ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی گنتی کے مساوی ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی مقدار میں ہیں''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا ''تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں کتنی ہوں گی؟'' فرمایا ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نیک کے برابر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ......... کی نیکیاں ان سے بھی زیادہ ہیں یا یہ مراد ہو کہ کمیت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں اگرچہ زیادہ ہوں لیکن کیفیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں بالاتر ہیں۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ کثرت صوم وصلوٰۃ کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضیلت نہیں دی گئی بلکہ ان کے دل میں جو خیر رکھا گیا ہے اس کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ صدق واخلاص اور معرفت کی بنا پر انہیں افضیلت حاصل ہے۔

بندہ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانا کہ ''چاندنی رات تھی''۔ بیان واقع ہے اور مراد آسمان کے تمام ستارے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ چاندنی رات میں تو ستارے کم ہوتے ہیں اور کم نظر آتے ہیں۔ اس غزوے میں انفاق فی سبیل اللہ میں شریک غالب حضرت بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ. (جیش عسرت کا سامان مہیا کرنے والے) ان کے مدائح اور مناقب میں سے ہے' مروی ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قافلہ مرتب فرما رہے تھے تاکہ تجارت کے لیے شام بھیجیں۔ انہوں نے یہ ارادہ ترک فرما دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دوسو اونٹ جن پر پالان' پوشش اور چادر وغیرہ پڑے ہوئے ہیں ہر طرح مکمل ہیں مع دوسو اوقیہ چاندی پیش خدمت ہیں۔ ان سے لشکر کی ضروریات مکمل فرمائیے''۔ ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ چہار بستہ مکمل اور ایک مثقال سونا لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِرْضِ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْہُ رَاضٍ. اے خدا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو بلا شبہ میں تو ان سے راضی ہو گیا''۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں تیس ہزار کالشکر اسلام تھا اس میں سے دو تہائی لشکر کا سامان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراہم کیا تھا اور مَنْ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ فَلَہُ الْجَنَّۃُ. (جو جیش عسرت کی تیاری میں سامان فراہم کرے اس کے لیے جنت ہے) کی بشارت سے مشرف ہوئے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے خدا قیامت کے دن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حساب اٹھادے۔ مواہب لدنیہ میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیش عسرت میں ہزار اونٹ اور سات سو گھوڑے سواری کے دیئے اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لائے جس وقت کہ جیش عسرت کی تیاری کی جارہی تھی۔ انہوں نے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں الٹ دیئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو غور سے ملاحظہ فرمارہے تھے اور فرمایا ''عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج کے بعد جو کرے انہیں نقصان نہ کریگا''۔ ایک روایت میں آیا ہے ''غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ یَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ'' اللہ تعالیٰ نے اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں بخش دیا وہ سب جو ظاہر تم سے ہوا اور جو چھپا کر تم سے ہو'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توجہ اور التفات سے ملاحظہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عیاں کرنے کے لیے تھا کہ جو کچھ وہ لائے بہت لائے تاکہ وہ اس قبولیت سے خوشی و مسرت محسوس کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار دینا لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''اس کے بعد جو کچھ کریں کچھ نقصان نہ دے گا''۔ اس میں عفو درگزر کی بشارت ہے کہ جو بھی گناہ و غلطی کی قسم میں سے صادر ہو وہ سب معاف ہے۔ یہ مضمون اس ارشاد کے موافق ہے جو اہل بدر کے لیے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اِطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ. بیشک اللہ تعالیٰ بدر والوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو بھی عمل تم سے (از قسم تقصیر گناہ) سرزد ہو بلا شبہ میں نے تمہیں معاف فرمادیا ہے''۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں مطلق العنان کر دیا ہے اور انہیں آزاد چھوڑ دیا کہ جو چاہے کریں اور نہ یہ مراد ہے کہ ان سے ضرور ہی یہ واقع ہو۔ البتہ یہ عفو و غفران کے اعزاز کے ساتھ ان کو بشارت اور عزت افزائی ہے اور حضرت امیر المومنین عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بعض صحابہ کی طرف سے مواخذہ جات اور اعتراضات بھی واقع ہوئے ہیں۔ علماء نے ان کے جوابات بھی دیدیئے ہیں اور مجبوریاں بھی ظاہر کی ہیں جیسا کہ وہ اپنی جگہ بیان ہوئے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے قبول درگاہ ہاتھ آجائے۔ خدا اور اس کے رسول کی رضا حاصل ہو جائے اور بارگاہ قبولیت میں مقام پالے۔ اس کے حق میں عفو مغفرت کی امید انشاء اللہ تعالیٰ پوری پوری ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ چالیس ہزار درہم لائے اور عرض کیا ''میرے پاس اسی ہزار درہم تھے آدھا اپنے اہل و عیال کے خرچے کے لیے چھوڑ دیا اور آدھا اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے پیش کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان میں برکت دے جو لائے اور جو کچھ چھوڑا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آپ کا مال بہت زیادہ بڑھا۔ اسی طرح تمام اشراف و اغنیاء مہاجرین و انصار نے بے دریغ مال خرچ کرنے کی جانب ہاتھ کشادہ کیے۔ بعض کی عورتوں نے ہاتھ پاؤں کے زیورات اور گردن و کان کے آویزے اتار کر پیش کیے عاصم بن عدی چند وسق کھجور لے آئے اور ابو عقیل انصاری ایک صاع کھجوریں لائے اور کہا آج رات میں نے صبح تک پانی کھینچنے کی مزدوری کی ہے۔ جو مزدوری مجھے ملی ہے اسمیں سے ایک صاع اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لیے دیدیا اور ایک صاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک صاع کھجوروں کو

تمام اموال کے اوپر رکھا۔

منافقین نے لمز وعیب اور تمسخر میں زبان کھولی اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو جو کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے تو وہ ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک صحابی جن کا نام عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مال و زر تو رکھتا نہیں کہ راہ خدا میں پیش کرسکوں البتہ اپنی عزت و آبرو کو لوگوں پر حلال کرتا ہوں وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور جو خدمت چاہیں مجھ سے لے لیں اور جس طرح مدد چاہیں لیں انہیں معاف ہوگا''۔ فرمایا حق تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کرلیا''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو ضرورت مندوں پر خرچ فرمایا تاکہ وہ اپنی تیاری کریں اور فرمایا بہت سی نعلین (جوتیاں) ساتھ لو کیوں کہ جوتیاں پہننا سواری کا حکم رکھتا ہے۔ مروی ہے کہ کچھ صحابہ کرام حاضر ہوئے جن کے نام سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں انہوں نے عرض کیا ہم پا پیادہ ہیں سواری نہیں رکھتے ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیجئے تاکہ سوار ہوکر جہاد میں شریک ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے سواری کی قسم میں سے کچھ موجود نہیں پاتا اور نہ اس وقت اتنا صدقہ کا مال ہے جس سے تمہاری ضرورت پوری سکے۔ اس پر یہ ضرورت منداصحاب مجلس مبارک سے غمگین ہوکر حسرت سے روتے ہوئے نکلے کہ وہ ایسی کوئی چیز نہ پاسکے جو خرچ کرسکتے۔ اس جماعت کا نام ''گروہ بکائین'' ہوا جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَنْ لَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ○

اور ان پر کوئی موخذا نہیں جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ۔ تم سے یہ جواب پاکر میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا۔

یہ آیۂ کریمہ انہیں لوگوں کے حال کی خبر دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اگر چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ میں لکھا ہوا ہے کہ آپ زبان مبارک پر کبھی ''لا'' یعنی نہیں نہ آیا لیکن بعض اوقات بحکم ضرورت اور باقتضا مال عذر بھی فرمایا ہوگا۔ اس کے باوجود علما فرماتے ہیں کہ ''لا اُعطی ولا اجد'' کے درمیان فرق ہے یہ بحث اوائل کتاب ہذا میں اخلاق شریف کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

مروی ہے کہ ابن یامین بن عمر نے ان میں سے دو شخصوں کو ایک اونٹ دیا اور حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ان میں سے دو شخصوں کو اونٹ دیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے تین شخصوں کو اونٹ دیا۔ نیز مروی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ساتھیوں نے یعنی اشعریوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ میں ان کے لیے حضور سے سواری حاصل کروں میں حضور کی بارگاہِ عالی میں آیا اور عرض کیا ''یا نبی اللہ! مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے کہ آپ ان کی سواری مرحمت فرمائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''واللہ میں ان کی سواری کا انتظام نہیں کرسکتا''۔ اس پر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے سے غمزدہ ہوکر لوٹا اور یہ بھی خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے مانگنے پر دلگیر نہ ہوئے ہوں اور مجھ سے ناراض نہ ہوگئے ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا تھا

ان سے بیان کیا۔ پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اچانک میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دیتے سنا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس کہاں ہیں؟ یہ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری کا نام ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا تمہیں بلاتے ہیں حاضر ہو۔ پھر جب میں بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ لو یہ چھ اونٹ ہیں۔ اپنے ساتھیوں کے سوار ہونے کے لیے دیدو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرید فرمایا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ اونٹ اپنے ساتھیوں کو دیدیے میں اپنی جگہ بے حد پریشان اور شرمندہ تھا کہ میں نے اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا نہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو عطا نہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی۔ اب آپ نے عطا فرما کر قسم کو توڑا ہے یہ کیا بات ہے؟ فرمایا خدا نے تمہیں سوار کیا ہے اور اس کا مجھے حکم دیا ہے کہ میں جب کسی معاملہ میں قسم یاد کرلوں اور میں دیکھوں کہ قسم توڑنے میں بھلائی اور خیر ہے تو میں قسم کا کفارہ دیدوں۔

چونکہ اس سفر میں محنت ومشقت اور سختیاں زیادہ تھیں منافقوں کی اس جماعت نے جن کو معذورین کہتے ہیں عذر ظاہر کیے تھے اور ایک جماعت نے بغیر عذر کے تخلف اختیار کیا اور بیٹھے رہے اور یہ دوسروں کو بھی ہوا کی سخت گرمی ومشقت وغیرہ سے خوف دلا کر روکتے رہے ان کا تذکرہ اور تفصیل سورۂ توبہ میں واقع ہوئی ہے' ان منافقوں میں ایک شخص جد بن قیس تھا اس نے آکر کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دیجئے اور نامعقول عذر پیش کیا کہ میں عورتوں کا دلدادہ ہوں جب میں بنی الاصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہ ہوگا اور میں فتنہ میں پڑ جاؤں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تجھے اجازت دی اور اپنا رخ انور اس کی طرف پھیر لیا اور یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ○	ان میں سے کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے سن لو وہ فتنہ میں ہی پڑے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔

بنی الاصفر روم کا نام ہے۔ کیوں کہ ان کے جداعلیٰ کا نام روم بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام ہے۔ جو زرد رنگ کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس روم بن عیص نے بادشاہ حبشہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا جس نے سفید اور سیاہی کے درمیان زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں حبشیوں نے روم پر...... غلبہ پالیا تھا اس زمانہ میں انہوں نے ان کی عورتوں سے وطی کی۔ جن سے یہ زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اصفر روم بن عیص کا نام ہے (واللہ اعلم)

منافقوں کا ایک گروہ طمع غنیمت اور دنیاوی مال کی لالچ میں ہمراہ ہوا اور ان کی روانگی اور واپسی کے دوران حرکات شنیعہ اور کلمات ناپسندیدہ وجود میں آئے جب لشکر اسلام مرتب ہوگیا تو حکم ہوا کہ سب لوگ مدینہ طیبہ کے باہر ''ثنیۃ الوداع'' میں جمع ہوجائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر کے امیر ہوئے۔

عبداللہ بن سلول منافق اپنے حلیفوں اور ساتھیوں کے ساتھ لشکر سے باہر نکلا اور ذباب کے مقابل (جو ایک جگہ کا نام ہے) علیحدہ ہوکر اس نے پڑاؤ کیا وہ کہنے لگا کہ ''محمد'' بنی الاصفر سے جنگ کرنے جارہے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا آسان ہے۔ خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے ساتھی واصحاب پابند طوق وسلاسل ہیں اور وہ اطراف واکناف عالم میں متفرق ہوگئے ہیں۔ جب ان منافقوں کے لوٹنے کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا اگر اس میں کچھ ہوتا تو وہ ہم سے پیچھے نہ رہ

جاتا اور فرمایا خدا کا شکر کرو کہ شریروں کے شر سے نجات پا گئے۔

بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جانے کا عزم فرمایا تو حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل میں خلیفہ بنایا اس پر علی المرتضیٰ رضی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا ''یارسول اللہ میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا ہوں کیا وجہ ہے کہ اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑے جارہے ہیں اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟'' فرمایا ''اے علی! رضی اللہ عنہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تمہاری بمنزلہٗ ہارون کے جو موسیٰ علیہ السلام سے نسبت ہے مجھ سے نسبت ہو لیکن فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور میرے بعد کسی کو نبوت نہ ہوگی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے میقات جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہ قوم میں خلیفہ بنو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا تو منافقوں اور حاسدوں نے کہا کہ ''رسول خدا نے علی المرتضیٰ کو ناراض ہونے کی وجہ سے چھوڑا ہے''۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقام حرب باد میں پہنچے اور صورت واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس لیے چھوڑا ہے کہ تم میرے اہل بیت اور اپنے اہل بیت یعنی سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں میرے خلیفہ رہو اور ان سب کی دیکھ بھال کرسکو۔ اس حدیث سے شیعہ (روافض) یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں وصیت ہے۔ اس کے برخلاف علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کوئی حجت ان کے لیے نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی غیبوبت کی مدت کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور اس جگہ اہل بیت پر خلیفہ بنانے سے امت پر خلیفہ بنانا لازم نہیں آتا۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں مناجات کے زریعہ اپنی غیبوبت کی مدت میں خلیفہ بنایا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ نہیں ہوئے تھے چونکہ حضرت ہارون کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہوئی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز میں لوگوں کی امامت کے لیے خلیفہ بنایا تھا۔ لہٰذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اہل بیت اطہار کی دیکھ بھال کرتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ اگر خلافت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوتی تو ان کو امامت کے لیے بھی درجہ اولیٰ واتم حکم ہوتا اور ''آمدی'' نے جو علماء اصول حدیث میں سے ہیں اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ لیکن غلط و خطا ہے اور ائمہ حدیث سب اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور محدثین کا قول معتمد ہے۔ صحیح بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ'' (مگر یہ کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے) یہ کلمہ موجود نہیں ہے۔ یہ بات بھی ناقابل قبول ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے اور اگر ہو بھی تب بھی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے حصر پر دلالت نہیں رکھتی اور نہ رابط ہے اس وجود پر کہ بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ بے واسطہ خلیفہ ہوں اور حضرت علی المرتضیٰ کو اہل بیت اطہار پر خلیفہ مقرر کرنے کے بعد علماء اختلاف رکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پر کسے خلیفہ بنایا۔ بعض کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ سباع بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور ایک روایت میں ہے کہ

ابودہم غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور ایک روایت یہ ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا اور ابن عبدالبر نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور ''ثنیۃ الوداع'' میں علم اور جھنڈوں کی ترتیب میں مشغول ہوئے اور بڑا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ اسی طرح انصار کے ہر قبیلے سے فرمایا کہ اپنا اپنا علم تیار کریں اور حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری شخص تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں علم عطا فرمایا اس کے بعد ان سے لے کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرما دیا۔ حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! غالباً حضور مجھ سے ناراض ہو گئے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں''۔ خدا کی قسم۔ لیکن قرآن والے کا حق مقدم ہے۔ کیونکہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم سے زیادہ قرآن کو سینہ میں لیے ہوئے ہیں اور قرآن ہی انسان کو مقدم کرنے والا ہے اگرچہ گوش بریدہ سیاہ فام غلام ہو''۔

جب اس مقام میں لشکر کا شمار کیا گیا تو ایک قول کے بموجب تیس ہزار کی تعداد شمار میں آئی جیسا کہ مذکور ہوا اور بعض نے ستر ہزار کہا اور یہ بہت زیادہ مشہور روایت ہے اور ایک گروہ تو ایک لاکھ بتاتا ہے اور ایک روایت میں چالیس ہزار ہے اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے سوار اور بارہ ہزار اونٹ سوار تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدمہ پر' حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ کو میمنہ پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور جب ثنیۃ الوداع سے لشکر نے کوچ کیا تو اس منزل میں بھی منافقوں کی ایک جماعت نے اختلاف کیا جب لشکر اسلام یہاں سے موضع جرف میں پہنچا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق اپنے حلیفوں اور فرمانبرداروں کے ساتھ نکل آیا اور لشکر اسلام قطع منازل اور طے مراحل کے بعد تبوک میں پہنچا تو وہاں دو ماہ ایک روایت میں ہے بارہ دن ایک روایت میں ہے بیس دن ٹھہرا رہا۔ تاکہ شب و روز مسافت کی کوفت سے آسودہ ہو جائیں۔

قیصر روم اور لشکر نصاری نے مسلمانوں کے شوکت کی خبر سنی اور مسلمانوں کے دین کی عزت اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اعجاز کا تصور کیا تو ان کے دلوں میں ایک خوف و رعب طاری ہو گیا اور ان کی طرف سے کوئی حرکت اور نہضت یعنی کوچ کرنا وجود میں نہ آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل شاہ روم نے جب سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود شام میں پہنچ کر تبوک میں توقف و اقامت فرمائی ہے تو بنی غسان کے ایک شخص کو مقرر کیا کہ وہ لشکر اسلام میں جائے اور صورت و سیرت کے صفات' عادات' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات و خصائل و شمائل اور اوضاع و اطوار جیسا کہ کتب سابقہ میں مذکور ہیں معلوم کرے۔ وہ شخص ہرقل کے حکم کے بموجب تبوک آیا اور مکمل تحقیق و تفتیش کر کے ہرقل کو خبر دی اس پر ہرقل نے اعیان ممالک اور دیار روم کے تمام اشراف کو جمع کر کے نصرانیت کے ترک اور قبول دین اسلام پر ترغیب و تحریص دی۔ لوگ قیصر کی بات سن کر غصہ میں آ گئے اور اس غصہ نے ہنگامہ کی صورت اختیار کر لی یہاں تک کہ قیصر کو اپنی حکومت کے زوال کا خطرہ پیدا ہو گیا اور اس سے باز آ گیا۔ اسی قسم کی ایک حکایت رسل و مکاتیب کے ارسال کے باب میں اس مکتوب گرامی کے ضمن میں جو ہرقل کو بھیجا گیا تھا واقع ہوئی تھی۔ اب یہاں سے بھی یہی معلوم ہوا کہ اس نے اپنے لشکر کو دین اسلام کی طرف بلایا تھا لیکن چونکہ انہوں نے اس سے انکار کیا تھا اس لیے وہ اس قصد سے باز آ گیا۔

مواہب میں صحیح بن حبان سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے میں بھی ایک مکتوب گرامی ہرقل کے نام بھیجا اور اسے اسلام کی دعوت دی قریب تھا کہ وہ اسلام قبول کر لے مگر نہ کر سکا۔ مسند امام احمد میں مروی ہے کہ ہرقل نے لکھا کہ ''میں نے اسلام قبول کر لیا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جھوٹ کہتا ہے وہ دشمن خدا اپنی نصرانیت پر قائم و باقی ہے''۔ واللہ علم بحقیقہ

الحال علی وجہ الکمال۔

القصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت شام جانے اور وہاں کے سربراہوں اور حاکموں کے ساتھ بات کرنے کے بارے میں اعیان انصار و مہاجرین سے مشورہ فرمایا اور ان صحابہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشورہ فرمانا بحکم الٰہی ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ'' کے تحت تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر حضور تشریف لے جانے پر مامور ہیں تو تمام آپ کے ملازم رکاب فلک فرسا ہوں گے اور جہاں آپ توجہ فرمائیں گے اور قدوم اجلال فرمائیں گے ہم سب آپ کے ساتھ ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں خدا کی جانب سے مامور ہوں تو تم سب سے کیوں مشورہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہ روم کا لشکر بہت بڑا ہے اور بہت زیادہ ہے اور لشکر اسلام کی حالت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باخبر ہیں اور قیصر روم اپنے کیے اور کہے پر شرمندہ و پشیمان بھی ہو چکا ہے اور آپ کی ہیبت وشوکت کا غلغلہ ان شہروں میں خوب پھیل چکا ہے آپ کا خوف و رعب ان رومیوں کے دلوں پر غالب آچکا ہے اگر امسال لوٹ کر دوسرے سال قصد فرمائیں تو انسب و اولیٰ ہوگا اور حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بلند و برتر ہے۔ چونکہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے درست وصواب تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنان مراجعت' بجانب مستقر عزت وکرامت منعطف فرمائی۔ منقول ہے کہ منزل تبوک کے قیام کے زمانہ میں بحیر بن رویہ جوایلہ کا بادشاہ تھا۔ بارگاہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔ باہمی مصالحت واقع ہوئی اور اسے ایک عہد نامہ میں لکھا گیا۔ یہیں اہل حبر اور اورح بھی آئے انہوں نے بھی جزیہ دینا قبول کیا اور ان کے لیے بھی صلح نامہ لکھا گیا یہاں تک وہ صلح نامہ کی تحریر اب تک ان کی قوم میں موجود و باقی ہے جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

تبوک کے سفر کے فوائد و حکمتوں میں سے یہ تھا کہ فقراء صحابہ کی دستگیری و اعانت عمل میں آئی اور اغنیاء صحابہ کے لیے حصول ثواب اور توفیق انفاق کا موقع ہاتھ آیا اور منافقین کے ضمائر و بواطن کا ظہور ہوا جن کی وجہ سے آیات قرآنیہ کا نزول ہوا اور جو زجر و توبیخ اور تشدید کے موجب بنے اور مسلمانوں کی عزت کا حصول اور لشکر اسلام کی جلالت وشوکت اور اس کے دبدبہ کا ایسا ظہور رہا کہ وہ بادشاہ جو قیصر روم تھا اور وہ دیگر سلاطین جو اطراف واکناف میں حکمران تھے ان سب کے دلوں میں رعب وخوف طاری ہو گیا اور یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کے اوپر حملہ آور نہ ہوئے اور ان سے مقابلہ و محاربہ کرنے سے اعراض فرمایا اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نزاہت و عزت تھی کیوں کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک نصرانیوں کے مساوی و برابر ٹھہرتی اور عام لوگوں کے دلوں میں مساوات وہمسری اور برابر ظاہر ہوتی۔ یا اس احتمال سے مقابلہ نہ کیا کہ عالم اسباب کی نظر میں ظاہر غلبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت قرار پاتا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ جس سے مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہوا اور آج جبکہ آپ عالم ظاہر میں موجود نہیں تو غلبہ نہیں پاسکتے اس وہم کا استیصال بھی مقصود تھا) اگرچہ حکم الٰہی اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ. (بے شک یہی مسلمان ہیں جن کی مدد کی گئی ہے اور بیشک ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے) پر نظر ہوا اور مسلمانوں کا غلبہ اپنے وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت موعود و مشہود ہے اور ممکن ہے کہ حکمت الٰہی یہی ہو کہ آپ حق تعالیٰ کی جانب سے محاربہ وقتال کے لیے مامور نہ ہوئے ہوں اور معاملہ مشورہ' رائے اور اجتہاد تک ہی موقوف رہے۔ (واللہ علیم وحکیم)

اس سفر کے لیے مدینہ طیبہ سے نکلنے' مقام تبوک میں پہنچنے اور وہاں اقامت فرمانے پھر وہاں سے لوٹتے وقت مدینہ طیبہ واپس آنے تک جو معجزات وعلامات نبوت اور قضایا و قائع ظہور پزیر ہوئے وہ بھی اس سفر کے موائدہ ونتائج اور مفید فیض فضل وکمال ہے۔ جیسا

کہ کتب سیر میں مذکور ومسطور ہے۔فقراء صحابہ میں سے ایک کی حکایت بیان کی جاتی ہے آپ کے احباب میں سے ایک شخص عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالبجادین نامی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔تبوک میں انہوں نے وفات پائی۔ان کا تذکرہ نہایت ذوق افزا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزنیہ قبیلہ کے باشندوں میں سے تھے اور وہ اپنے والد سے یتیم ہوگئے تھے۔مسلمان ہونے سے پہلے ان کے پاس کچھ نہ تھا اور ان کے چچا ان کی کفالت کرتے تھے۔یہاں تک کہ وہ جوان ہوئے اور ان کے پاس کئی اونٹ وبکریاں اور غلام پیدا ہوئے۔ان کے دل میں اسلام کی محبت مرکوز تھی اور ہمیشہ چاہتے تھے اسلام قبول کرکے مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہوجائیں۔لیکن اپنے چچا کے خوف سے ایمان نہ لاسکتے تھے۔یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس آگئے اس وقت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچا سے کہا اے چچا! میں ساری عمر تیرے اسلام لانے کا منتظر رہا مگر تیری طرف سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا شوق اور جزبہ نہیں پایا۔اب میں مزید اپنی عمر کا بھروسہ نہیں رکھتا مجھے اجازت دے کہ میں جاکر مسلمان ہوجاؤں؟ اس کے چچا نے کہا خدا کی قسم! اگر تو ایمان لے آیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی تو جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا ہے سب چھین لوں گا۔حتیٰ کے تمہارے جسم پر جو کپڑے ہیں انہیں بھی اتارلوں گا۔حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”خدا کی قسم میں مسلمان ہوتا ہوں اور شرک وبت پرستی کو چھوڑتا ہوں اور میرے ہاتھ میں جو مال واسباب ہے تو سب لیلے میں اس سے دست کش ہوتا ہوں آخری وقت میں تو ہر چیز یوں بھی چھوڑنی ہوگی میں اس کی خاطر دین حق سے باز نہیں آسکتا“۔یہ کہہ کر سب کچھ چھوڑ دیا اور کپڑے اتار کے اپنی والدہ کے پاس آگئے ان کی ماں نے جب یہ حال دیکھا تو کیفیت پوچھی انہوں نے فرمایا ”بت پرستی اور دنیا طلبی سے بزار ہوں میری تمنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مومن وموحد ہوجاؤں۔مجھے کچھ کپڑا دو جس سے میں اپنا ستر چھپاؤں۔ماں نے انہیں چادر دی انہوں نے اس کے دو حصے کیے ایک حصہ کا تہ بند اور دوسرے کی چادر بنائی۔اس سبب سے ان کا لقب ”ذوالبجادین رضی اللہ عنہ“ ہوا۔بجاد کے معنی گلیم درشت (موٹی چادر) کے ہیں۔اس کے بعد وہ بارگاہ بیکس پناہ کی طرف چلدیئے۔

سحر کے وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے اور مسجد نبوی شریف میں ٹھہرے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ان پر پڑی تو فرمایا تم کون ہو؟“ انہوں نے کہا ”میں فقیر ومسافر آپ کا عاشق جمال ہوں میرا نام عبداللہ العزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے“۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمہارا نام عبداللہ اور تمہارا لقب ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے ہمارے کاشانہ اقدس کے قریب ہمارے پاس رہو“۔اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ کے درمیان جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان رہا کرتے تھے رہنے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم یاد کیا کرتے تھے اس زمانہ میں صحابہ لشکر تبوک کی تیاری میں مشغول تھے اور وہ مسجد شریف میں ذوق وشوق کے ساتھ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہ اعرابی بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے ہیں ان کی بلند آوازی لوگوں کی نماز وقرأت میں مزاحم ہوتی ہے“۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے عمر رضی اللہ عنہ! ان کو اپنے حال میں چھوڑ دو۔اس لیے کہ وہ نکالا ہوا اور خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا ہے“۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب حال سے جو کچھ صادر ہو وہ ادب اور اولیٰ کے خلاف نہیں ہوتا اور یہ کہ غایت ادب میں بعض صحابہ معذور ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت ہمیشہ باقی ہے اور اس قول کے رد میں ہے کہ ”لا ھجرۃ بعد الفتح“ اور ہجرت مکہ سے مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے۔حقیقتاً ہر وہ شخص مہاجر ہے جو اس چیز سے ہجرت کرے جس کی مخالفت حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔اس کے بعد

لشکر اسلام روانہ ہونے لگا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمائیے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی درخت کی چھال لاؤ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیکر کے درخت کی چھال لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کے بازو پر باندھ کر فرمایا ''اے خدا میں اس کے خون کو کافروں پر حرام قرار دیتا ہوں''۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مقصود تو شہادت ہے''۔ فرمایا جب تم راہ خدا میں جہاد کی نیت سے نکل آئے اور تمہیں بخار آ جائے اور اس بخار سے تم دنیا سے چلے جاؤ تو تم شہید ہو گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے تبوک تک پہنچ گئے۔ اس مقام میں انہیں بخار آیا اور وفات پائی۔ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزنی فرماتے ہیں کہ رات کا وقت تھا جبکہ انہیں دفن کے لیے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ موذن' ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہیں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے اندر تشریف فرما ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو قبر میں اتار رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اپنے بھائی کو عزت کے ساتھ لاؤ۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لحد میں خشت خام چنیں۔ پھر دعا مانگی اے خدا! یہ میری خدمت میں دن رات رہا ہے' میں نے اس سے راضی ہوں اور تو بھی اس سے راضی ہو جا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کاش کہ میں اس صاحب لحد کی جگہ ہوتا۔

سلسلہ واقعات میں سے ایک واقعہ' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ کو اکیدر حاکم دومتہ الجندل کی جانب بھیجنا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں پر امیر بنا کے اکیدر بن عبدالملک نصرانی کی سرکوبی کے لیے بھیجا جو بڑا ملک تھا اور دومتہ کا حاکم تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بنی کلاب کے ملک میں بھیج رہے ہیں اور تھوڑی سی جماعت میرے ساتھ کر رہے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ تم اسے پہاڑوں اور جنگلوں میں شکار کھیلتا پاؤ گے اور جنگ کی زحمت اٹھائے بغیر وہ تمہارے قابو آ جائے گا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بموجب فرمان عالی شان روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ دومتہ الجندل کے قلعہ کے قریب پہنچ گئے اکیدر قلعہ میں تھا چاندنی رات انتہائی روشن تھی اور اکیدر بام خانہ پر اپنی بیوی کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول تھا اچانک ایک پہاڑی گائے آئی اور قلعہ دیوار سے سر مارنے لگی اس کی بیوی نے اوپر سے دیکھا اور شوہر سے کہا کبھی اتنی روشن رات دیکھی ہے اور کبھی ایسا شکار ہاتھ میں آیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اکیدر چونکہ پہاڑی گائے کے شکار کا شوقین تھا۔ بام سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہوا اس کا بھائی حسان بھی دیگر چند خادموں کے ساتھ سوار ہوا اور یہ سب شکار کی تلاش میں نکل آئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دیکھ رہے تھے۔ گائے نے تو راہ فرار اختیار کی اور اکیدر اس کے تعاقب میں چلا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکار بن گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کی ٹھانی بالآخر مارا گیا اور اس کے غلام وخدام بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گئے اور اکیدر پنجہ ءتقدیر میں اسیر ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرما دیا تھا کہ جب اکیدر تمہارے ہاتھ آ جائے تو اسے زندہ میرے پاس لے آنا اگر وہ سرکشی کرے اور نہ آئے تو قتل کر دینا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکیدر سے فرمایا اگر تو چاہے تو تجھے جان کی امان دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں بشرطیکہ قلعہ کی کنجیاں میرے حوالے کر دے اور قلعہ کو ہمارے لیے کھول دے۔ اکیدر نے مان لیا۔ اکیدر کا ایک اور بھائی تھا جس کا نام مصاد تھا۔ جو قلعہ کی حفاظت پر مقرر تھا اس نے پہلے تو قلعہ کو کھولنے میں رکاوٹ کی بالآخر خواہی نخواہی دروازہ

کھول دیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکیدر کے ساتھ دو ہزار اونٹ اور چھ سو بردے ایک روایت میں ہے آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہ اور چار ہزار نیزوں کے دینے پر صلح کی اور تسلیم کیا کہ قلعہ کی حکومت حسب سابق تیرے حوالہ رہے گی۔ اکیدر اور اس کا بھائی مصاد دونوں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے عالی کا اقتضاء جو بھی ان کے بارے میں ہو نافذ ہو اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرو بن امیہ ضمری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دومتہ الجندل کی فتح اور اکیدر کے پکڑے جانے اور اس کے بھائی حسان کے مارے جانے کی خبر پہنچائے اور زربفت کی چادر کو جو حسان کے سلب میں تھی۔ نشان کے طور پر ان کے ہمراہ بھیجی۔ جب عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو بعض لوگ اس زربفت کی چادر کو ہاتھوں سے مل کر اس کی خوبی و نرمی پر تعجب کرنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ رومال جو جنت میں ان کے پاس ہے اس سے زیادہ نرم و بہتر ہے غزوۂ خندق کے ضمن میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے ایام میں پہلے گزر چکا ہے کہ عجم کے بادشاہوں میں سے کسی نے ایک ریشمی جامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا اہل عرب آتے اسے چھوتے اور تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان سے اترا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومال اس سے زیادہ نرم و بہتر ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر اور مصاد کے خون سے درگزر فرمایا اور ان پر جزیہ قائم کر دیا اور ان کے لیے امان نامہ تحریر فرما دیا بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آئے تو اسلام لے آئے۔ بہرصورت جو امان نامہ ان کو ..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرایا اس مضمون کا متن تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ لِاُكَيْدَرَ اَجَابَ اِلَى الْاِسْلَامِ وَخَلَعَ الْاَنْدَادَ وَالْاَصْنَامَ ...... اس نامہ کے آخر میں تحریر تھا کہ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ بِحَقِّهَا۔ یہ امان نامہ اس قول کی تائید کرتا ہے (اللہ اعلم)

مسجد ضرار: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں مدینہ طیبہ تک مسجدیں تعمیر ہوئیں جس طرح کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان اور ان کے سوا ان مقامات میں جہاں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت فرمائی تھی یا نماز پڑھی تھی لوگوں نے مسجدیں تعمیر کی تھیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع ذی آوان میں نزول فرمایا اور یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک گھڑی کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد ضرار کی تعمیر کی خبر پہنچی جو منافقوں نے مسجد قبا شریف کے روبرو بنائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گرانے اور برباد کرنے کا حکم فرمایا اس مسجد کی تعمیر اور اس کی بربادی کا پورا قصہ یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اس جگہ قبیلہ بنی خزرج کے اکابر میں سے ابو عامر راہب تھا جو دین نصرانیت اختیار کیے ہوئے تھا اور توریت و انجیل کے علم میں مہارت پیدا کر لی تھی اور بہت زیادہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے دماغ میں سرداری کا جنون سمایا ہوا تھا وہ ابتدا میں ہمیشہ اہل مدینہ پر نبی آخر الزماں کے اوصاف و شمائل بیان کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ان کے اوصاف جن و ملک سے میں نے سنے ہیں۔ جیسا کہ مختصر تذکرہ کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں پائے جانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے باب میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور اس شہر پاک کے مسلمان حضور کے جمال با کمال کے شیفتہ شیدا ہوئے اور لوگوں نے دین اسلام کو اختیار کیا تو اس شقی ...... باطن کے کانوں سے آتش حسد کا شعلہ بھڑکا اور دنیا کی محبت' سرداری کی چاہت اور شیطان کے اغواء نے اس کی راہ ماری اور وہ

لوگوں کوحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے روکنے لگا۔لوگوں نے اس سے کہا'' کیا تو وہ نہیں ہے جوحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت ہمارے سامنے بیان کیا کرتا تھا اب کیا ہوا کہ لوگوں کوان کی متابعت سے روکتا ہے۔اس نے کہا یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کی میں صفت بیان کیا کرتا تھا یہ اور کوئی ہیں جوان کی مشابہت رکھتے ہیں جن کے بارے میں کہتا تھا وہ آئندہ ظاہر ہوں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور دعوت اسلام دی اس نے قبول نہ کیا اور سرکشی وعناد کی راہ اختیار کی۔جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کوعزت و شوکت حاصل ہوئی تو وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور کفار قریش کوحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد و جنگ کرنے پر اکسانے لگا۔غزوۂ احد میں کفار کی جانب سے سب سے پہلے جس نے لشکر اسلام پر تیر پھینکا وہ یہی تھا۔اس پر مسلمانوں نے اس کا لقب فاسق رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعائے بدکی اور فرمایا اے خدا اسے یکہ وتنہا بے یار و مددگار ہلاک کر'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غزوۂ احد کے بعد بھاگ کر روم چلا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ حنین میں موجود تھا اور وہاں سے فرار ہوکر ہرقل کے پاس چلا گیا اور اس کا ملازم ومقرب بن گیا اور وہ چاہتا تھا کہ ہرقل سے لشکر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے نکلے مگر ایسی کوئی صورت نہ بن پڑی۔پھر اس نے وہاں سے مدینہ کے منافقوں کے نام ایک خط لکھا کہ تم مسجد قبا شریف کے مقابل اپنے محلہ میں میرے لیے مسجد بناؤ تاکہ جب میں مدینہ آؤں تو وہاں بیٹھوں اور افادۂ علوم میں مشغول ہو جاؤں اور وہ مسجد میرے اور تمہارے درمیان کمین گاہ کی حیثیت رکھے گی تاکہ وقت کے مطابق اس جگہ سوچ بچار اور صلاح ومشورہ کرسکیں۔ان منافقوں نے یہ مسجد تعمیر کردی اور غزوۂ تبوک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی تک یہ مکمل ہو چکی تھی۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہوکر تشریف لارہے تھے تو منافقوں نے آکر چرب زبانی اور نفاق کا اظہار کرنا شروع کردیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بیماروں اور کمزوروں کوسرماء بارش سے بچانے کے لیے ایک جگہ بنائی ہے ہم آرزومند ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قدم رنجہ ہوکر اپنی نماز سے اس مسجد کومشرف بنائیں اور ہم پر احسان فرمائیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کے جواب میں فرمایا''اس وقت تو ہم جہاد میں مشغول ہیں اگر میں آیا اور خدانے چاہا تو نماز پڑھوں گا۔پھر جب واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم موضع ذی آوان میں تشریف لائے تو وہ لوگ پھر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوان کا وعدہ یاد دلایا۔اس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ .... (تاقول باری تعالیٰ) وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دخشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مالک بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ اور لوگوں کو بلایا اور فرمایا اس مکان کو جسے ان ظالموں نے بنایا ہے اکھاڑ کے پھینکدو۔وہ چلے گئے اور جو فرمان تھا بجالائے۔ان بارہ منافقوں کے نام جو اس کے بنانے میں شریک تھے سیر کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔اور وہ جگہ رفتہ رفتہ کوڑا گھر بن گئی۔یہاں تک کہ ہر قسم کی پلیدی ونجاست اس جگہ ڈالی جانے لگی۔اہل سیر کہتے ہیں کہ اس جگہ کو اکھاڑ پھینکنے کے بعد مدتوں اس جگہ سے دھواں نکلتا رہا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور ارادہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوں تو اہل مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اور پیشوائی کے لیے شہر سے باہر آگئے اور ان کی عورتوں اور بچوں اور لڑکیوں نے گانا شروع کیا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار اس وقت کہے گئے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔صاحب مواہب لدنیہ نے فرمایا کہ یہ قول وہم خطا ہے۔اس لیے کہ مقام''ثنیات الوداع''شام کے رخ پر واقع ہے۔مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ میں

داخل ہونے والا اس مقام کونہیں دیکھ سکتا۔

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میں ایک قوم ایسی ہے جوکسی وادی کی سیر نہیں کرتی ۔مگر یہ کہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ اور یہ بات اس حکم کے مطابق ہے کہ ''نِیَّةُ الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ'' مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے اور ایک اور فرقہ ہے جوتم میں سے ہوتے ہوئے بھی تم سے جدا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے بالائی حصہ پرصعود فرمایا تو فرمایا ''هٰذِهٖ طَابَةٌ وَهٰذَا اُحُدٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ '' یہ شہر پاکیزہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اسے محبوب رکھتے ہیں اور جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قصیدۂ غراء میں جونہایت فصیح وبلیغ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی اور وہ قصیدہ مواہب میں مذکور ہے اس کے چند اشعار حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے ضمن میں پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

تخلف کرنے والوں کا حال: وصل: واضح رہنا چاہیئے کہ متخلفین یعنی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین میں سے بہت ہیں جن میں معذور بعذر صحیح بھی ہیں اور بعذر غیر صحیح بھی ہیں۔لیکن وہ لوگ جو بغیر عذر اور بلا شک وارتیاب کے اس غزوے سے پیچھے رہ گئے وہ صحابہ میں سے پانچ افراد ہیں۔ابوذرغفاری' ابوخیثمہ سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' مرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ان پانچوں کی صورت یہ ہے کہ

۱-حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے لیکن ان کا اونٹ راستہ میں تھک کے رہ گیا۔وہ اپنا ضروری سامان اپنے کندھے پر اٹھا کر منزل تبوک پہنچے۔ جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دور سے لوگوں نے آتے دیکھا تو عرض کرنے لگے۔''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !کوئی دور سے پیادہ اور تنہا آ رہا ہے؟''حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جب وہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے تو حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور مرحبا کہہ کر فرمایا: رَحِمَ اللّٰهُ اَبَاذَرٍّ تَمْشِیْ وَحْدَهٗ وَتَمُوْتُ وَحْدَهٗ وَتُبْعَثُ۔ اللہ تعالیٰ ابوذرغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت فرمائے تنہا کوچ کرے گا اور تنہا اٹھایا جائیگا حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے اونٹ کا تمام ماجرا عرض کیا۔حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''تم میرے اہل میں بہت عزیز ہو' جتنے قدم تم نے ہماری طرف اٹھائے ہیں اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف فرمائے۔

۲۔ابوخیثمہ' حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی دن بعد غزوے کی طرف روانہ ہوئے تھے واقعہ یہ ہے کہ ایک دن وہ اپنے گھر آئے وہ دن سخت گرمی کا تھا ان کی دو بیویاں تھیں ہر ایک عریشہ پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے صراحیوں میں ٹھنڈا پانی مہیا کر کے اور عمدہ قسم کے کھانے پکا کر لگائے ہوئے بیٹھی تھیں۔ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عریشہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنی بیویوں کو اور ان کے اس اہتمام کو دیکھا اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیابان میں سخت آفتاب کی گرمی اور گرم و تیز ہواؤں میں ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں سرد پانی اور عمدہ کھانے اور اپنی بیویوں میں عیش ولطف اٹھائے یہ بات محبت اور انصاف سے بہت بعید ہے۔خدا کی قسم میں اس عریشہ میں نہیں داخل ہوں گا جب تک کہ میں خدا کے نبی سے نہ ملوں۔اس کے بعد تھوڑا سا زادراہ لیا اور اپنے اونٹ کو کھینچتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ہر چند ان کی عورتوں نے ان سے بات کی مگر انہوں نے کوئی بات نہ کی اور حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں روانہ ہو گئے اور منزل تبوک میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مل گئے اور ساری کیفیت حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا خیر فرمائی لیکن بقیہ تین صحابی جو کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' مرارہ بن ابربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ مشہور ہیں اوران میں عمدہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کا قصہ اوران کی توبہ ہے کیونکہ آیۂ کریمہ: وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ انہیں تینوں اصحاب کو شامل ہے اور یہی تینوں محل عتاب وخطاب اور عفوو درگزر کے مستحق بنے ہیں۔

۳۔لیکن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہی کچھ عجیب ہے ان کے ضمن میں ان دوصحابہ کا بھی ذکر آ جاتا ہے۔کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خزرجی بیعت عقبہ میں موجود تھے اور عقبہ ثانیہ کے وقت ان ستر افراد میں سے ایک تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ترپین افراد میں سے ایک تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ان کی توبہ کا قصہ طویل ہے اس کے باوجود میں نقل کرتا ہوں جو انہیں سے مروی ہے حضرت کعب فرماتے ہیں غزوۂ تبوک سے میرا رہ جانا ابتلائے محض تھا اس میں میرا ظاہری قصد واختیار نہ تھا اور کوئی ایسا عذر بھی نہ تھا جس کی بنا پر میرا رہ جانا مناسب ہوتا۔تمام سامان تیار تھا اور میری عمدہ سواری بھی تیار تھی کبھی کسی غزوے میں میرے پاس دو اونٹ نہ تھے۔تبوک کے سفر کے لیے میں نے دو اونٹ خریدے تھے لیکن ہوا انتہائی گرم تھی مدینہ طیبہ کی کھجوریں پکی ہوئی تھیں اور طویل سفر درپیش تھا اور طبعی طور پر لوگوں کے دل نہ چاہتے تھے کہ آفتاب کے سایہ سے جائیں اور میں اس بات کے موجود ہونے سے کہ اسباب وسواری تو مہیا ہے کوئی فکر نہ رکھتا تھا اور دل میں عزم تھا کہ جس دن کوچ ہوگا میں بھی نکل کے چلدوں گا جب روانگی ہوئی تو میں نے اپنے دل میں کہا آج تو مجھے کچھ کام ہے کل کو روانہ ہو جاؤں گا۔اسی طرح دو تین دن تعویق وتاخیر میں گزر گئے۔یہاں تک کہ لشکر اسلام دور چلا گیا اور وقت ضائع ہو گیا۔ جب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے عظیم وحشت وغمگینی لاحق ہوئی یہاں تک کہ میں گھر سے نکلتا تو یاس وغم اور زیادہ ہوتا اور اس سے دل اور پریشان ہوتا کہ مدینہ میں سوائے ان منافقین کے جنہوں نے جھوٹی عذرداری کی اوران کمزوروں اور ضعیفوں کے جن کا عذر بجا تھا کوئی نہ رہا تھا میں شرمساری اور حسرت واندوہ کی آگ میں جلتا تھا کہ کیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوے میں نہ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہیں یاد نہ فرمایا۔بجز اس غزوۂ تبوک کے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصاری مدنی اور عقبی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انصاریوں کے حلیف تھے ان سے پوچھا۔انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اپنے دو کپڑوں نے باز رکھا جو ان کی نظر میں بہت اچھے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بری بات ہے جو تم کہہ رہے ہو۔یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بجز نیکی کے ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی خبر مجھے ملی تو میں اور زیادہ غمگین ہوا یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔میں حیران وپریشان تھا کہ کل میں کیا عذر بیان کروں گا اور کس طرح خدا اور اس کے رسول کے غصہ سے نجات پاؤں گا۔عزیز واقرباء طرح طرح کے بہانے بناتے کہ ایسا کرو ویسا کرو۔حتیٰ کہ وہ دن بھی آ گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے۔تمام باطل اندیشے اور جھوٹے بہانے میں نے دل سے نکال پھینکے اور میں نے خیال کیا سچ کے سوا کسی میں میری نجات نہ ہوگی۔اگرچہ منافقین جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور باطل عذر بیان کریں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر ان کے عذر قبول فرمائیں گے اور باطن کو خدا کے سپرد فرمائیں گے۔اس کے بعد میں حاضر ہوا اور میں نے سلام عرض کیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور ایسا خشم آمیز تبسم فرمایا کہ میرے ہوش جاتے رہے۔فرمایا: ''اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم کیوں پیچھے رہے کیا تمہیں اسباب سفر مہیا نہ تھا''۔میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ جس قدر سامان کی ضرورت تھی سب کچھ موجود تھا۔لیکن میرے نفس نے مجھے غافل بنا دیا اور مجھ پر کسلمندی وکاہلی غالب آ گئی شیطان نے میری راہ اچک لی اور مجھے محرومی ورسوائی کے گرداب میں ڈال دیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو اور جاؤ یہاں

تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تمہارے بارے میں حکم فرمادے۔ میرے عزیز و اقارب مجھے برا بھلا کہتے کہ دوسروں کی مانند کیوں نہ تم نے کوئی عذر بیان کیا اور کوئی جھوٹ کیوں نہ بول دیا۔ میں نے کہا میں وحی کے نازل ہونے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میرے جھوٹ کی گواہی نہ دیدے اگر میرا معاملہ کسی دنیا دار سے ہوتا تو میں جو چاہتا کہہ دیتا لیکن یہاں تو سچائی کے سوا کوئی رستہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا میرے اس واقعہ کی مانند کسی اور کو بھی ایسا معاملہ درپیش آیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مرارہ بن ابربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہی صورت واقعہ ہے اور وہ دونوں بھی اسی بلا میں گرفتار ہیں۔ اس وقت میرے دل میں ڈھارس بندھی اور میں نے دل میں کہا یہ دونوں مسلمان صالح ہیں اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منع فرمادیا کہ ہمارے ساتھ نشست و برخاست گفت وشنید' میل جول کوئی نہ کرے۔ تمام صحابہ نے ہم سے کنارہ کشی کی اور ہمارا حال دگرگوں ہوگیا۔ اسی نہج پر ہمارے اوپر پچاس دن گزر گئے یہاں تک کہ ہم اپنی جانوں سے بیزار ہوگئے اور جہاں مجھ پر تنگ ہوگیا ان پچاس دنوں میں مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو گھر سے باہر نکلے ہی نہیں۔ وہ پیرانہ سالی کا ضعف بھی رکھتے تھے اور میں جوان تھا اور دلیری دکھاتا تھا نماز کے لیے نکلتا تھا اور ترساں ولرزاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کے ایک گوشہ میں بیٹھ بھی جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دز دیدہ نگاہ محبوبانہ میری طرف فرماتے اور میری شکستگی اور پریشان حالی ملاحظہ فرماتے تھے اور جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دیکھتا تو تغافل فرماتے اور اعراض فرماتے اور اگر کسی کام کے لیے باہر نکلتا تو کوئی مسلمان مجھ سے بات نہ کرتا اور نہ مجھے کوئی سلام کرتا نہ جواب' یہاں تک کہ ایک دن میرا ضبط دتو اں جواب دے گیا اور میرا دل بھر آیا' میں مدینہ طیبہ سے باہر نکلا چونکہ ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے چچا کے صاحبزادے تھے جو مجھے بہت چاہتے تھے ان کا مدینہ کے باہر ایک باغ تھا وہاں کوئی تعمیر کرا رہے تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور اور انہیں سلام کیا انہوں نے جواب نہ دیا اور مجھ سے منہ پھیرلیا۔ میں نے کہا ''اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تم جانتے ہو کہ میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق و شرک میرے دل میں نہیں ہے۔ کس لیے تم مجھ سے بات نہیں کرتے اور مجھے جواب نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ میں نے یہ بات تین مرتبہ کہی آخر میں صرف اتنا کہا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ اس کے بعد مجھے اپنے حال پر رونا آ گیا اور بہت زیادہ رویا اور مدینہ طیبہ چلا آیا۔ اچانک ایک نصرانی کو میں نے دیکھا جو شام کی جانب سے آرہا تھا اور میرے بارے میں لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو اس سے کہا وہ ہے جس کی تم تلاش کررہے تھے۔ یہ ایک قاصد تھا جو شاہ غسان کی طرف سے میرے نام ایک خط لایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ ''اے کعب رضی اللہ عنہ! واضح ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے آقا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تم سے گراں ہے اور تم کو اپنے پاس سے نکال دیا ہے اور ان کے صحابہ تمہارے ساتھ ظلم و جفا کرتے ہیں تم ایسے شخص نہیں ہو کہ ایسی جگہ رہو جہاں تم پر ظلم و جفا ہو اور تمہیں مہجور مطرود کردیا جائے۔ جب تم اس خط کے مضمون سے باخبر ہو تو بلا توقف فوراً آ جاؤ تاکہ تم ہماری نوازشوں اور مہربانیوں کو دیکھو جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اپنے دل میں کہا۔ یہ بھی ان بلاؤں میں سے ایک بلا ہے جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ بری اور کیا بلا ہوگی کہ ایک کافر کی طمع مجھ پر اور میرے دین پر پڑے اور مجھے کفر کی طرف بلائے۔ میرا غم اور بڑھ گیا اور اس خط کو میں نے آگ میں ڈال کر جلا دیا اور قاصد کو اپنے سامنے سے نکال دیا اور کہا کہ جاؤ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا میرے اپنے آقا کی مجھ پر بے عنایتی اور بے التفاتی' تیری عنایت والتفات سے لاکھ درجے بہتر وخوشتر ہے اور آپ کی مہجوری تیری نزدیکی سے بہتر ہے۔

گروصال تو نباشد بفراق تو خوشم ہم فراق تو مرا بہ کہ وصال دگراں

اس کے بعد میں گھر چلا گیا۔ میں نے دیکھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا ہے کہ میں اپنی بیوی سے جدا رہوں۔

میں نے پوچھا کیا یہ حکم ہے کہ میں طلاق دیدوں؟ اس نے کہا نہیں! بلکہ حکم یہ ہے کہ اس سے صحبت نہ کرو۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے باپ کے گھر بھیج دیا اور وہ دو شخص یعنی ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ اور مرارہ بن ابر بیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ عورتوں سے دور رہیں اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان عورتوں نے ان سے کہا کہ وہ ہم سے دور رہیں اور ہم سے خدمت نہ لیں اور نہ ہم سے مباشرت قائم رکھیں۔ مروی ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ضعیف و بوڑھا ہے اور اس کا کوئی خدمت گار نہیں ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی خدمت کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں خدمت بجاؤ لیکن لازم ہے کہ مباشرت اور مجامعت واقع نہ ہو۔ اس عورت نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم وہ تو انتہائی حزن و ملال میں بے حس و حرکت ہیں اور مسلسل گریہ وزاری میں مشغول ہیں مجامعت کا محل کہاں ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر کے کسی آدمی نے مجھ سے کہا۔ ''کیا خیال ہے اگر تم بھی اجازت مانگ لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت گزاری کرے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہ کروں گا اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے اجازت ملے یا نہ ملے اور یہ کہ میں جوان ہوں مجھے کسی دوسرے کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب پچاس دن گزر گئے تو ایک رات میں انتہائی دلتنگی و شکستگی کی حالت میں چھت کے اوپر پڑا ہوا تھا کہ اس حالت میں اچانک میں نے آواز سنی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کوئی شخص ٹیلہ پر کھڑا آواز دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے ''اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک تمہیں خوشی مبارک ہو تمہاری توبہ مقبول ہوگئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوہ سلع پر جو کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کے گھر کے قریب ہے آکر اعلان فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک کی توبہ قبول کرلی ہے۔ اس کے بعد میرے یار دوست برابر آنے لگے اور یہ بشارت مجھے پہچانے لگے اور لوگوں میں شور مچ گیا کہ مخلصین کی توبہ مقبول ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے سر کو زمین پہ رکھا اور سجدہ شکر بجالایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مہاجرین نے مجھے مبارک بادیاں دیں اور انصار خاموش رہے۔ پھر میں نے جب سلام عرض کیا تو رسول خدا کا روئے مبارک میں نے دیکھا جو کہ چودھویں رات کے چاند کی مانند درخشاں و تاباں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب آپ کو کوئی خوشی و مسرت پہنچتی تو آپ کا روئے انور درخشندہ و تابندہ ہو جاتا۔ فرمایا اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں بشارت ہو اس دن کی جب سے تم ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہو اس دن سے بہتر کوئی دن تم پر نہیں آیا۔ جان لو کہ کوئی دن تم پر اس سے بہتر نہ گزرا ہوگا۔ آؤ کہ تمہاری توبہ بارگاہ رب العزت میں قبول ہوگئی وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

شکر ایزد میان من او صلح فتاد
حوریاں رقص کناں دست بشکرانہ زدند

میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبول توبہ کے شکرانہ میں اپنا تمام مال خدا کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا اس کا آدھا مال۔ فرمایا نہیں' میں نے عرض کیا تہائی مال' فرمایا تہائی اچھا ہے اور تہائی بہت ہے''۔

حضرت سعید سے منقول ہے کہ میں ہلال بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا اور ان کو بشارت دی تو وہ سجدے میں گر کر تضرع و زاری اور گریہ کرنے لگے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا وہ اپنا سر نہ اٹھائیں گے جب تک کہ روح جسم سے پرواز نہ کر جائے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان دنوں میں وہ کھانا پینا بہت کم کرتے تھے اور بسا اوقات کئی کئی دن صوم وصال کرنے اور گریہ وزاری اور نالہء و سوگواری تو ہمیشہ ہی جاری رہا۔

مشائخ عظام میں سے حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا توبہ نصوح کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا: کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود توبہ کرنے والے پر تنگ ہو جائے اور اس کا سانس بھی اس پر تنگ ہو جائے۔ جس طرح کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ کا قصہ ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں صادقین سے مراد یہی تینوں صحابہ کرام ہیں جنہوں نے پیچھے رہ جانے کے معاملے میں منافقوں کے برخلاف راست گوئی سے کام لیا اور مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کا نزول قبول توبہ کے بعد ان کے حق میں ہوا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے بعد مسلمانوں نے اپنا اسلحہ بیچنا شروع کر دیا اور وہ کہنے لگے جہاد منقطع ہو گیا۔ جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک میں پہنچی تو فرمایا: لَا یَزَالُ عَصَابَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُجَاھِدُوْنَ عَلَی الْحَقِّ حَتّٰی یَخْرُجَ الدَّجَّالُ. میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر جہاد کرنے والی باقی وقائم رہے گی یہاں تک کہ دجال کا خروج ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو۔

تنبیہ: غزوۂ تبوک سے تخلف یعنی رہ جانے والوں میں تین صحابہ کے نام تو یہی مشہور ہیں جن کی توبہ قبول کرنے کے بارے میں حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ: لَقَدْ تَابَ اللہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ. تا قول حق سبحانہ وتعالیٰ: اِنَّ اللہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ دو اور صحابی ہیں ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا اونٹ راستہ میں تھک کر بیٹھ گیا اور بعد میں پیدل چل کر تبوک پہنچ کر ملے۔ دوسرے ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو مدینہ میں رہے اور چند دن کے بعد جا کے مل گئے۔ مواہب لدنیہ میں چند اور نام بھی گنائے ہیں۔ ایک حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے بنی قریظہ کو اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے انہیں بتایا تھا کہ مسلمان تمہیں ذبح کر دیں گے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اس اشارے سے جو تم اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا غافل ہے اور ان پر عتاب فرمایا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جانب تشریف لے جا رہے تھے تو ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تخلف کیا اور متخلفین کی جماعت میں قرار پائے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے سلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور ان سے پھیر لیا اس پر حضرت ابولبابہ ڈرے اور خود کو ستون سے باندھ لیا اور کہا یہ میری جگہ ہے میں اس وقت تک جدا نہ ہوں گا جب تک کہ حق تعالیٰ یا تو مجھے دنیا سے رخصت کر دے یا میری توبہ قبول فرمائے۔

(الحدیث) اور بیہقی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس آیہ کریمہ کے تحت مروی ہے کہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْہِ. حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ وہ دس اشخاص تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں تخلف کیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان میں سے سات نے مسجد شریف کے ستونوں سے اپنے آپ کو باندھ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آگے سے گزر گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو فرمایا یہ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یہ ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے تخلف کیا" اور عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں معاف فرما کر کھولدیں"۔ فرمایا "خدا کی قسم! نہ میں انہیں کھولوں گا اور نہ انہیں معذور رکھوں گا۔ جب تک کہ حق تعالیٰ نہ انہیں کھلوائے اور انہیں معاف نہ فرمائے۔ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور غزوے سے تخلف کیا۔ اس پر آیہ کریمہ نازل ہوئی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

بِذُنُوبِهِمْ . پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا تا کہ انہیں کھول دیں۔ اور معافی کی بشارت دے دیں۔ یہ کلام مواہب کا اس مقام میں ہے اور پہلے بنی قریظہ کے غزوہ میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلطی اور ان کا مسجد کے ستون سے باندھنا بنی قریظہ کے غزوہ قضیہ سے متعلق تھا۔ لیکن اس روایت کی ظاہر عبارت اس میں ہے کہ اس وقت تو صرف عتاب تھا اور مسجد کے ستون سے باندھنا غزوۂ تبوک میں واقع ہوا۔ اس عبارت میں ان دس شخصوں کے نام نہیں گنائے گئے کہ کون کون تھے۔ سیر کی کتابوں میں یہی تین نام اور دو اور نام یعنی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

مہاجرین میں سے ابوامیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برادر ام المومنین سیّدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی متخلفین کے زمرہ میں ہے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معذرت خواہی سے معذور رکھا اور ان کی غلطی سے درگزر فرمایا۔ جیسا کہ آخر کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے ذکر میں انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

اسی سال غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد پے در پے وفود کی آمد و رفت ہوئی اور بحکم آیۂ کریمہ: وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا . اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ دین میں فوج درفوج داخل ہوتے ہیں' اکناف واطراف سے لوگ آتے اور ربقۂ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اس بنا پر اس سال کو 'سنتہ الوفود' (وفدوں کا سال) نام رکھا گیا۔ مسجد نبوی شریف میں ایک ستون ہے جسے: اُسْطُوَانَةُ الْوُفُوْدِ . کہتے ہیں یہ الفاظ اس پر لکھے ہوئے ہیں۔ گویا اکثر اوقات وفود سے اسی جگہ ملاقات فرماتے تھے۔ وفد' وفود اور وفادہ کے معنی داخل ہوئے اور وارد ہونے کے ہیں اور وفد ایسے منتخب لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں جو بڑے لوگوں بادشاہوں سے ملنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ وافد اس کا واحد ہے جیسے رکب سے راکب۔

بعض کہتے ہیں کہ وفود کی ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جعرانہ سے واپسی کے بعد ۸ ھ کے آخر سے ہے مگر اکثر کا قول یہی ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ہے اور یہی صواب ہے اس لیے کہ بعض وفود کی ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جعرانہ سے اور کثرت سے آنا جانا ۹ ھ میں ہی ہوا۔ محدثین اور اہل سیر کی کثیر جماعت نے ان وفود کو ضبط کیا ہے ان سب کی تعداد جسے انہوں نے بیان کیا ہے ساٹھ سے زیادہ ہے اور ہر کتاب میں ان میں سے بعض وفود کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایسے وفود جن میں نادر قصے' عجیب حکایتیں یا مفید کلیے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر مشتمل ہیں ہم بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ جو روضۃ الاحباب میں ہیں نقل کرتے ہیں چونکہ اس کتاب کی ترتیب اسی کے نہج پر ہم نے رکھی ہے۔ ان کے بعد وہ جو میں نے مواہب اور دیگر کتابوں میں دیکھا ہے بیان کروں گا وباللہ التوفیق۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ وفود کی آمد پر لباسہائے فاخرہ زیب تن فرماتے اور صحابہ کو بھی آراستہ و پیراستہ رہنے کا حکم فرماتے اور ان وفود کو اچھے گھروں اور مکانوں میں ٹھہراتے ان کی مہمان نوازی فرماتے اور ہر ایک کو ان کے حالات کے مطابق انعام واکرام سے نوازتے تھے نویں سال میں جو وفود ان میں سے ایک وفد اسد بن خذیمہ کا تھا اور اس قوم کے دس اشخاص آئے اور مسلمان ہوئے انہوں نے احسان جتلاتے ہوئے کہا کہ چونکہ ہم قحط سالی کے زمانہ میں دور دراز سے بادیہ پیمائی کر کے آئے ہیں اور راتوں کو آسودہ ہو کر کھانا نہیں کھایا اور رغبت وشوق کے ساتھ بغیر اس کے کہ ہم پر لشکر کشی ہوتی آئے اور اسلام لائے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یہ لوگ آپ پر...... احسان جتلاتے ہیں کہ اسلام لائے تم فرما دو اپنے اسلام لانے کا احسان

نہ جتلاؤ بلکہ اللہ ہے جس نے تم کو ایمان کی ہدایت دے کر احسان فرمایا اگر تم اسلام لانے میں صادق ہو' ان لوگوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ احسان جتلانا اگر غفلت' نادانی اور ناسمجھی کی بنا پر تھا تو اس کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ اسلام کا فائدہ اور اس کا نفع دنیا اور آخرت میں انہیں کی طرف راجع ہے اور خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اس سے نفع پہنچنے سے منزہ و مستغنی ہے اور ان کے افعال سے ان کی ذات مقدس پاک و برتر ہے اور منت و احسان ایسی نعمت کا نام ہے جسے نعمت دینے والا (منعم) اس سے جسے نعمت دی ہے کسی بدلے اور جزا کی طمع نہ رکھے۔ یہ بارگاہِ رسالت ہے جو حقیقتہ مظہرہ بارگاہ ربوبیت ہے اور اگر ان کا یہ احسان جتلانا اظہار خدمت و نصرت کی بنا پر تھا تو بھی یہی حکم رکھتا ہے ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا' مجرائے خدمت' حصول نوازش طلب نزول رحمت اور طلب عنایت و شفقت کے لیے ہو۔ ایسی طلب کو بھی حسن ادب نہ رکھنے کی بنا پر منت و احسان سے موسوم فرمایا گیا ہے۔ اگر حقیقت حال کو سمجھ جائے تو مستغرق نعمت توفیق ہوتے' اور سر کو اونچا نہ کر سکتے تھے۔

تو بندگی چو' گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

اس تنبیہ کی جانب حق تعالیٰ نے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فرما کر اشارہ کیا کہ یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ تمہارا اسلام صحت و استقامت پیدا کر دے۔ ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کر اگر تم اسلام کی خبر دینے میں سچے ہو تو اسلام کی قبولیت پر احسان جتلانا بلکہ عرض حال پر زبان کھولنا اور حصول لطف و کرم کا اظہار کرنا بھی اس کے منافی ہے۔

دوسرا وفد فزارہ کا ہے جو تقریباً بیس اشخاص پر مشتمل آئے تھے اور اپنا اسلام لانا ظاہر کیا تھا۔ اس وفد میں خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین اور حر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس بن حصین فزاری بھی تھے اور یہ سب اس عینیہ بن حصین فزاری کے قبیلہ سے ہیں جو مولفتہ القلوب میں سے ہے اور اس کی سختی طبع اور ظلم و جفا کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور اس ضمن میں اس کی بہت سی حکایات ہیں خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا بھائی اور حر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس برادر زادہ تھا اور یہ حر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس امیر المومنین سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' کا مقرب تھا۔ جس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔

الغرض یہ جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی اور فقر و فاقہ کا اظہار کیا اور قحط اور تنگی کی شکایت کی اور بارش کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور دعا کی یہاں تک کہ کامل ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی پھر دوسرے ہفتہ آپ نے یہ دعا فرمائی کہ کھیتوں' باغوں اور چشموں پر بارش ہو شہر مدینہ میں نہ ہو۔ اسی وقت ابر چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا۔ اس قصہ کا کچھ اشارہ چھٹے سال کے واقعات میں گزر چکا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ هَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ وَجَاعَ الْعِيَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ وَاحْمَرَّتِ الْاَشْجَارُ. مویشی ہلاک ہو گئے' گھر والے بھوکے مر گئے خشک سالی پھیل گئی اور درخت سوکھ گئے؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ اسی شخص نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجئے بارش رک جائے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ پہاڑوں' وادیوں' چشموں' کھیتوں اور باغوں میں بارش برسے اسی وقت بادل چھٹ گیا اور سورج نمودار ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ قصہ ہے اور فزارہ کا قصہ اور (واللہ اعلم)

تیسرا وفد بنی مرہ کا تیرہ افراد پر مشتمل آیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کا سردار حارث رضی اللہ عنہ بن عوف تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کی قوم اور خاندان لوی بن غالب کی نسل سے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ان کے احوال پر عنایت فرماتے ہوئے ان کے شہروں کی بابت دریافت کیا انہوں نے قحط کی شکایت کی اور بارش کی التجا کی۔ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اللھم اسقھم الغیث اے خدا انہیں بارش سے سیراب فرما' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ہر ایک کو دس اوقیہ چاندی اور چار سو درہم انعام میں دیدو اور حارث کو بارہ اوقیہ دو۔ جب وہ اپنی منزلوں میں واپس گئے اور انہوں نے تحقیق کی تو جس روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں بارش کی دعا فرمائی تھی اسی روز ان شہروں میں بارش ہوئی تھی۔

چوتھا وفد بنی البکا کا آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ ان میں معونہ رضی اللہ عنہ بن نورء بن عبادہ بن البکا نامی ایک شخص تھا اس کی عمر سو سال تھی اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بشر رضی اللہ عنہ نامی تھا۔ معونہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس پر پھیریں تاکہ یہ میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے پر دست اقدس پھیرا اور اسے چند بکریاں عنایت فرمائیں اور ان کے لیے دعائے برکت فرمائی اس کے بعد جب کبھی بھی بنی بکاء کے علاقہ میں قحط و تنگی ہوتی تو اس قوم کو تنگی لاحق نہ ہوتی ان میں ایک اور شخص عمرہ رضی اللہ عنہ نام کا تھا اور اس کا نام عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رکھا اور اسے اس کے شہر کی آراضی میں سے ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔

پانچواں وفد کنانہ کا آیا اور مسلمان ہوا۔ اس وفد کا سردار واثلہ بن اسقع لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت لشکر تبوک کی تیاری میں مشغول تھے۔ پھر واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت کر کے اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ گیا اور اپنی قوم کو اپنے حال کی خبر دی۔ اس کے باپ نے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گا اور وہ اس سے بیزار ہو گیا لیکن اس کی بہن مسلمان ہو گئی وہ تیاری کر کے مدینہ طیبہ لوٹ آیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے جا چکے تھے اور لشکر پیچھے جا رہا تھا۔ واثلہ نے کہا کوئی ہے کہ مجھے سوار کرے اور غنیمت میں جو میرا حصہ آئے اسے لیلے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عجرہ نے اسے سوار کر لیا۔ جب یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبوک میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اکیدر سے جنگ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب وہ مال غنیمت جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر آئے تھے تقسیم کیا گیا تو اس کے حصہ میں چھ اونٹ یا کچھ زیادہ آئے۔ وہ اپنا حصہ شرط کے بموجب کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عجرہ کے پاس لائے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول نہ کیا اور کہا میں نے تجھے خدا کے لیے سوار کیا تھا میں نہیں چاہتا کہ اسے کسی غرض کے ساتھ آلودہ کروں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین سال خدمت کی اور وہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ پھر وہ بصرے میں جا رہے۔ اس کے بعد شام چلے گئے اور دمشق میں سن پچاسی یا چھیاسی ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے اٹھانوے سال کی عمر پائی اور دمشق میں وفات پانے والے یہ آخری صحابی تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

چھٹا وفد بنی ہلال بن عامر کا تھا اور ان میں زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد بن احرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مخارق تھے زیاد اپنی خالہ ام المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو غصہ میں واپس تشریف لے چلے۔ سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری بہن کا لڑکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے اور تشریف رکھی۔ بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا اس وقت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے قریب بٹھایا اور بہت دعائیں دیں اور دست مبارک اس کے سر پر پھیرا بنو ہلال کہتے ہیں اس کے بعد ہم اس کے چہرے میں برکت و نور کا اثر زیادہ مشاہدہ کرتے رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ کے عزیزوں سے محبت وشفقت فرمانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں سے ہے۔ نام عبد بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکھا جس طرح کہ وفد بنی البکار میں عبد عمرو کا نام عبدالرحمٰن رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر خدا کی طرف عبد کی نسبت کرنا اچھا نہیں ہے۔ (واللہ اعلم) قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مخارق نے عرض کیا۔'' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے قرض کا ایک بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ جیسے کسی اور کی طرف سے فتنہ وفساد کے دور کرنے اور لوگوں میں اصلاح احوال کی غرض سے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے واقعہ یہ ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے کسی شخص کو قتل کر دیا تھا جس سے اس پر دیت لازم ہوگئی۔ میں نے فتنہ کی آگ بجھانے کی خاطر قرض لے کر اس کی دیت ادا کر دی۔ اب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہوں کہ اس قرض کی ادائیگی میں میری دستگیری واعانت فرمائی جائے۔ فرمایا: ہمارے پاس ٹھہرو تا کہ کوئی صدقہ آئے تو اس سے تیرا قرض ادا کروں۔ اس کے بعد فرمایا کسی سے سوال کرنا اور گدائی کرنا ان تین باتوں کے سوا کسی جگہ حلال نہیں ہے۔ ایک یہ کہ قرض کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اس کے لیے لوگوں سے سوال کرنا حلال ہوگا تا کہ جو مال حاصل ہو اس سے وہ قرض ادا کر سکے۔ جب قرض ادا ہو جائے تو سوال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھے۔ دوسرا یہ کہ کسی کو کوئی حادثہ پہنچا اور اس کا مال تباہ ہوگیا تو اس کے لیے لوگوں سے سوال کرنا حلال ہے تا کہ اپنے حال پر آئے۔ تیسرا یہ کہ جسے فاقہ پہنچا ہے اور تین عاقل وہشیار آدمی اس کی قوم کے گواہی دیں فلاں کو فاقہ پہنچا ہے۔ ثبوت فقر وفاقہ میں یہ مبالغہ ہے مقصود یہ ہے کہ فقر وفاقہ معلوم وظاہر ہو۔ لہٰذا اس کا بقدر حاجت سوال کرنا حلال ہے اور فرمایا اے قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تین صورتوں کے سوا میں سوال کرنا حرام ہے اور جو ایسا کھاتا ہے حرام کھاتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ سوال کرنے اور گدائی کی مذمت کے بارے میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس شخص کا سوال کرنا جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو حرام ہے۔ اگر ایک دن سے کم ہو یا کوئی چیز اس کے پاس ایسی نہ ہو جس سے شرمگاہ کو چھپا سکے اسکے لیے سوال کرنا حلال ہے۔ یا وہ فقیر جسے ایک دن کا کھانا میسر ہو یا وہ کھانے پر قادر ہو اسے سوال کرنا حرام ہے۔ بے ضرورت سوال کرنے کی ممانعت میں تمام علماء متفق ہیں۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ حرام ہے یا مکروہ۔ تین شرطوں کے ساتھ ہے ایک یہ کہ اپنے نفس کو ذلیل و خوار نہ کرے دوسرے یہ کہ سوال میں گڑگڑائے نہیں۔ تیسرے یہ کہ مسئول عنہ کو اذیت نہ دے۔ اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہو جائے تو باتفاق حرام ہے۔ ابن المبارک (فقیہ) سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سائل لوجہ اللہ سوال کرے اور اسے کچھ دے دیا جائے اس لئے کہ دنیا خبیث ہے جب سائل لوجہ اللہ مانگتا ہے تو اس نے اس کی تعظیم کی جس کی تحقیر خدا نے کی ہے لہٰذا زجر وتوبیخ کے طور پر کچھ نہ دیا جائے اور اگر کوئی کہے کہ بحق خدا یا بحق محمد دے تو مسئول عنہ پر دینا واجب نہیں ہے اور جس نے جھوٹی حاجت بیان کر کے کچھ پایا وہ اس کا مالک نہیں بنتا۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ کہے کہ میں علوی ہوں اور اگر کوئی اسے اصلاح کی غرض سے دیدے اور باطن میں وہ ارتکاب معصیت کرتا ہے اگر دینے والا جانتا ہے تو نہ دے۔ اگر دیدیا تب بھی مالک نہ ہوگا اور اس پر حرام ہے اور اسے مالک پر لوٹانا واجب ہے۔ اسی طرح کسی کو کوئی چیز اس کی بدزبانی یا اس کے شر وفساد سے بچنے کی غرض سے دی تو اس پر حرام ہے اور اگر فقیر ایسا آئے جو سوال کرنے کی غرض سے مسئول عنہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے تا کہ وہ اسے کچھ دیدے تو مکروہ ہے اور افضل یہ ہے کہ مسئول عنہ دست بوسی کے لیے منع وزجر کے قصد سے ہاتھ نہ بڑھائے اور ایسے سائل کو ہرگز نہ دینا چاہیے جو دروازوں پر ڈھول تاشہ وغیرہ بجاتے آتے ہیں کیونکہ مطرب وگویے سب کے سب فحش وبدکار ہیں۔ یہ مسائل مطالب المومنین میں بیان کیے گئے ہیں ساتواں وفد عامر بن صعصعہ کا آیا۔ ان میں عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب اور اربد بن ربیعہ (ایک روایت میں ہے) اربد بن قیس اور خالد بن جعفر اور حسان بن اسلم بن مالک تھے۔ یہ چند لوگ رؤسا قوم اور ان کے شیاطین تھے۔ یہ عامر بن طفیل وہی

بد بخت اور شقی ہے جس نے ستر قاریوں کو شہید کیا تھا اور بڑی بد بختیاں کی تھیں جیسا کہ سال چہارم کے واقعات بیئر معونہ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اب اس وفد میں بھی غداری وفریب کاری کے قصد سے آیا تھا اور اس نے اربد سے طے کیا تھا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں مشغول رکھوں گا اور تو پیچھے سے آ کر بے دریغ تیغ کا وار کرنا اور ان کا خون بہانا تا کہ ہمارے دل ان کی طرف سے چین پا جائیں۔ جب یہ شیاطین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عامر نے کہا ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لیے کیا ہوگا؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو دوسرے مسلمانوں کا حال ہوگا''۔ اس نے کہا ''مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ بنائیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تجھے اور تیری قوم کو اس کا حق نہیں پہنچتا اس کے مستحق اور حضرات ہیں تو نہیں جانتا''۔ اس نے کہا ''مجھے اعرابیوں اور صحرا نشینوں پر ولایت دید یجئے اور آپ دیہات اور شہروں پر حاکم رہیئے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تجھے ایک جماعت پر سردار مقرر کردوں گا تا کہ راہ خدا میں تو جہاد کرے اور دنیا و آخرت کی سعادت تیرے نصیب میں ہو''۔ اس نے کہا: ''میں قوم کا سردار ہوں خدا کی قسم میں جا کر پیادہ وسوار کا لشکر جرار آپ کے مدمقابل لاتا ہوں''۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ پر سوار کا لشکر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اربد مذکور کے ساتھ نکل آیا اور اربد سے کہا میں نے تو تجھے تاکید کی تھی تو نے عمل کیوں نہ کیا''۔ اربد نے کہا ''خدا کی قسم جب بھی میں نے ارادہ کیا کہ تلوار اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کروں تو تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل دیکھتا۔ تو کیا میں تجھے تلوار سے قتل کر دیتا''۔ جب یہ دونوں جہنمی کتے مجلس مبارک سے نکل گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَامِرًا اے خدا! عامر کے شر سے محفوظ رکھنا۔ ایک روایت میں ہے کہ عامر اور اربد کے شر سے محفوظ رکھ۔ اس کے بعد آسمان سے بجلی گری جس نے اربد کو جلا ڈالا اور عامر کے گلے میں ایک گلٹی نکلی جس طرح اونٹ کی گردن میں غدود ہوتے ہیں۔ راستہ میں سلولیہ عورت کے گھر گیا اور ٹھہرا۔ کہتے ہیں کہ یہ کہاوت اور مثل عرب میں بن گئی کہ: غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَعِيْرِ وَالْمَوْتُ فِيْ بَيْتِ سَلُوْلِيَّة اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب محبت کی نوع میں کوئی ناگواری پیش آئے۔ اس کے بعد عامر سلولیہ کے گھر سے نکلا اور سوار ہوا اور راستہ میں ہی کچھ مدت بعد جہنم رسید ہو گیا' وہ گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔ اس وفد کا حال علماء سیر اسی قدر بیان کرتے ہیں اور عنوان میں وفد عامر اور وفد بنی عامر کہتے ہیں۔ مگر روضۃ الاحباب میں وفد عامر بن صعصعہ کہا گیا ہے۔ بنی عامر صعصعہ کی ایک شاخ ہے پھر عامر بن طفیل اور اربد علیہما اللعنۃ بیان کہا ہے اور اس کا ذکر نہیں کیا کہ اس وفد میں کتنے آدمی تھے اور کتنے ایمان لائے۔ ظاہر یہ ہے کہ مذکور اشقیاء کے سوا باقی سب ایمان لے آئے ہوں گے (واللہ اعلم)

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر وار بد پر مذکورہ دعا فرمایا: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ عَامِرٍ وَاَغْنِ الْاِسْلَامَ عَنْ عَامِرٍ. اے خدا بنی عامر کو ہدایت دے اور عامر سے اسلام کو بے نیاز کر؛ یعنی عامر بن الطفیل سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی عامر ہدایت پا گئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ بنی عامر میں جو عامر نام ہے وہ عامر بن طفیل کے سوا ہے۔ وہ عامر بن مالک بن جعفر ہے اور اس کی کنیت ابوالبر ہے اور وہ عامر بن طفیل کا چچا ہے جو مالک کا بیٹا ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا اور بڑی چاپلوسی کی تھی اور کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے حکم کو اور آپ کے دین کو برگزیدہ جانتا ہوں۔ لیکن وہ مسلمان نہ ہوا اور قاریوں کی ایک جماعت تعلیم قرآن و احکام شریعت کے لیے لے گیا اور کہا کہ میں ان کو اپنے قرب میں رکھوں گا اور کسی قسم کا ضرر و نقصان نہ پہنچنے دوں گا۔ آپ کوئی اندیشہ نہ فرمائیں۔ پھر عامر بن طفیل اس کا بھتیجا شقاوت پر اتر آیا اور وہ سب کچھ کیا جو بیر معونہ کے قصہ میں تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے۔

آٹھواں وفد عبد القیس کا ہے اور وفد عبد القیس کا ذکر سال ہشتم میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے جس طرح روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر مواہب لدنیہ میں وفود کے سال میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور کسے کہتے ہیں کہ عبد القیس کے دو وفد تھے ایک وفد فتح مکہ سے پہلے اور یہ پرانا وفد تھا جو سال پنجم یا اس سے پہلے آیا تھا اور ان کا قصبہ بحرین تھا۔ اس وفد میں تیرہ مرد یا چودہ سوار تھے اور اس وفد میں ایمان اور شراب کے برتنوں کے بارے میں مسائل دریافت گئے گئے تھے۔ اس وفد کا سردار کبیر الشان اشج تھا جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ الْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ. الحدیث۔ بے شک تجھ میں دو خوبیاں ہیں ایک بردباری دوسرا وقار۔ اسے مسلم نے ابوسعید سے روایت کی اور دوسرا وفد 'سنۃ الوفود' یعنی وفود کے سال میں آیا اس وفد میں چالیس آدمی تھے۔ جیسا کہ ابن مندہ نے ابوالخیر ساجی سے حدیث روایت کی اور کہا کہ وفد کے دوبارہ آنے کی تائید حدیث کے یہ الفاظ کر رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے کہ تمہارے سب رنگ بدلے ہوئے ہیں''۔ یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے دیکھا ہے اور ان کا یہ کہنا کہ ''یارسول اللہ واللہ ورسولہ اعلم'' اور ان کا یہ کہنا کہ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ اور پہلے وفد میں حج کا ذکر نہ کرنا کیونکہ حج کی فرضیت اس وقت نہیں ہوئی تھی یہ سب باتیں وفد کے دو مرتبہ آنے پر دلالت رکھتی ہیں (واللہ اعلم)

نواں وفد یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص تھا جسے سعد بن بکر نے وفد کے طور پر بھیجا تھا مواہب میں بخاری سے بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا پھر اس نے اونٹ کو بٹھایا اور اسے باندھ کر مسجد میں آیا اور کہا کہ تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟'' صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد سفید تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحابہ کے درمیان تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا ''اے فرزند عبد المطلب!'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں جواب دے رہا ہوں ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو''۔ اس نے کہا ''میں چند باتیں سخت و درشت آپ سے دریافت کروں گا' میرے سوال سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گراں خاطر نہ ہوں اور مجھ پر غصہ نہ فرمائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دریافت کر جو تیرے دل میں آئے''۔ ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سرخ و سفید دراز گیسو والا شخص تھا۔ اس نے کہا ''آپ کو قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو بھیجا اور آپ سے پہلوں کو بھیجا کیا حق تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف بھیجا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔ اس کے بعد اس نے نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کے بارے میں پوچھا اور اسی طریقہ پر کہ ہر بار قسم دیتا اور پوچھتا تھا اور کہتا کہ ''میں قسم دیتا ہوں آپ کو کہ کیا آپ پر خدا نے نماز کو فرض فرمایا ہے؟'' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ''ہاں اسی طرح اس نے زکوٰۃ اور حج کو پوچھا۔ پھر اس سے کہا ''جو کچھ آپ لائے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں''۔ ابن اسحٰق نے اپنی کتاب مغازی میں اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کو ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے ماں باپ پوجتے ہیں اور معبود ٹھہراتے تھے اور ہم ان سے بیزار ہو جائیں؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ پھر اس شخص نے کہا ''میں ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی سعد بن بکر کا بھائی ہوں انہوں نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ میں آپ سے آپ کے دین کے بارے میں دریافت کروں اور کچھ آپ سے سنوں انہیں جا کر بتاؤں۔ اس کے بعد وہ مسجد سے نکلا اور اونٹ کو کھول کر سوار ہو کر چلا گیا۔ پھر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچا اور سب سے پہلی بات جو اس نے اپنی قوم سے کہی وہ لات ومنات اور ہبل کی اہانت اور برائی میں کہی۔ لوگوں نے کہا ''اے ابن ثعلبہ، خاموش رہ! یہ کیسی باتیں ہیں۔ جو تو کہہ رہا ہے اس سبب سے تو برص یا جزام یا جنون کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا''۔ اس نے کہا ''تمہاری نادانی و جہالت پر تعجب ہے۔ یہ بت کیا ہیں؟ نہ نقصان پہنچا

سکتے ہیں اور نہ نفع، حق تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ جو تمہیں تعلیم ہدایت دیتا ہے اور گمراہی سے نکالتا ہے۔ میں خدا کی یکتائی اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ میں ان کی جانب سے اوامر ونواہی لے کر آیا ہوں''۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم رات بھی نہ گزری تھی کہ اس قبیلہ کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور مسجد کی تعمیر، اقامت صلوٰۃ واذان اور ادائے زکوٰۃ میں کمربستہ ہو گئے اور جس میں اختلاف وشبہ ہوتا وہ آ کے دریافت کر لیتے تھے۔

دسواں وفد بلی کا آیا۔ ابورویفع ثابت بلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں رہا کرتے تھے وہ اسی بلی قبیلہ کے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری قوم کے لوگ ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَرْحَبًا بِكَ وَبِقَوْمِكَ'' تمہارا آنا اور تمہاری قوم کا آنا مبارک ہو''۔ عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں اسلام کے اقراری اور اپنی تمام قوم کی طرف سے اسلام کے کفیل بن کر آئے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ خَيْرًا يَهْدِهِ لِلْاِسْلَامِ اللہ تعالیٰ جس پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے وہ اسے اسلام کی ہدایت دیتا ہے۔ اس وفد میں ایک بوڑھا شخص تھا جسے لوگ ''ابوالضیف'' کہتے تھے اس نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسا شخص ہوں کہ مجھے ضیافت اور مہمانی کا بڑا شوق ہے۔ کیا مجھے اس میں کوئی اجر وثواب ہوگا؟'' فرمایا ''ضرور، ضرور ہوگا ہر نیکی اور ہر برائی جو بھی مسلمان کرے خواہ وہ تونگر کرے یا فقیر مقبول ہے۔ اس نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مہمانی کی مدت کتنی ہے؟'' فرمایا تین روز اور تین دن کے بعد جتنے دن ہوں وہ صدقہ ہے اور کسی مہمان کو حلال نہیں ہے کہ تمہارے پاس اتنا عرصہ ٹھہرے کہ تمہیں حرج واقع ہو''۔

گیارہواں وفد نجیب کا آیا۔ نجیب بر صیغہ مضارع اجابت سے ہے۔ یہ تیرہ آدمی تھے اور اپنی زکوٰۃ مویشی اور موال لائے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحبا فرمایا اور کہا کہ اپنے زکوٰۃ کے مال کو واپس لے جاؤ اور اپنی بستی کے فقیروں اور ضرورتمندوں پر تقسیم کر دو انہوں نے کہا ''ہم اتنا مال زکوٰۃ لائے ہیں جتنا ہمارے ضرورت مند فقیروں سے بچ رہا ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''نجیب کے وفد کی مانند عرب کا کوئی وفد نہیں آیا؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حق تعالیٰ نے فرمایا ''حق تعالیٰ نے ہدایت دی اور اپنا لطف وکرم زیادہ فرمایا۔ ہر وہ شخص جو کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے''۔

نقل ہے کہ جب ان لوگوں نے فرائض وسنن اور قرآن کے بارے میں مسائل دریافت کیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت اور زیادہ ہو گئی اوان پر اور زیادہ لطف وکرم فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ان کی خوب اچھی مہمانداری کرو''۔ رخصت کے وقت تمام وفود سے زیادہ ان کو انعام ونوازش سے سرفراز فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اطاعت وعبادت میں کوشش کرتا ہے اور دین کی راہ میں سعی وطلب کرتا ہے۔ دنیاوی فوائد بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم میں سے کوئی باقی ہے؟'' انہوں نے کہا ''ایک جوان خادم ہے جو سب سے چھوٹا ہے اسے ہم نے اپنی اقامت گاہ میں محافظت کے لیے چھوڑ دیا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی اپنے پاس بلایا۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں آیا تو اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسی قوم کا ایک فرد ہوں ان کی حاجتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری فرما دیں میری حاجت بھی پوری فرمائیے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بتا تیری کیا حاجت ہے؟'' اس نے کہا ''خدا کی قسم میں اپنی بستی سے اس لیے نہیں آیا ہوں کہ مجھے دنیا کا مال عنایت فرمائیں جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوروں کو انعام فرمایا ہے۔ یارسول اللہ میں اس لیے آیا ہوں کہ حق تعالیٰ سے مانگیں کہ وہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحمت فرما دے اور میرے دل کو دنیا کے مال سے بے نیاز کر دے اور میرے دل میں غنا یعنی بے نیازی ڈال دے''۔ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو طالب دین اور آخرت کا شوقین ملاحظہ فرمایا اور اس کی بلند ہمتی مشاہدہ کی تو اس پر اور زیادہ عنان توجہ مبذول فرمائی اور دعا کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلْ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ. اس کے بعد جس قدر اس وفد کے اور لوگوں پر انعام فرمایا تھا اسے بھی عطا فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعاء برکت بھی فرمائی۔ پھر وہ اپنی قوم میں سب سے بہتر سب سے موقر اور ان کا سردار و امیر بن گیا۔ وہ ان کی امامت کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اسے دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے بعد وہ سب اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ گئے۔ آئندہ سال اس قوم کی ایک جماعت حجۃ الوداع میں منٰی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان کا حال ان لوگوں سے پوچھا ان لوگوں نے کہا ہم نے اس جیسا قانع و صابر شخص نہ کسی کو دیکھا اور نہ سنا اگر تمام جہان اس کے حصہ میں آ جائے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہ کرے

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم　　　گر بآب چشمہ خورشید دامن تر کنم

بارہواں وفد، وارم از قبیلہ لخم آیا۔ ان کے دس آدمی تھے اور ان کا سردار ہانی بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی تھا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی گھوڑے اور ایک قبا زربفت کی اور ایک مشکیزہ خمر کا ہدیئے میں لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے شراب حرام قرار دیدی ہے۔ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں اسے فروخت کیے دیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے شراب حرام کی ہے اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے۔ گھوڑوں اور قباء کو قبول فرمایا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ قبا، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا کیا کروں کیوں کہ یہ مردوں پر تو حرام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس میں سے سونا علیحدہ کر کے کچھ کا اپنی بیوی کا زیور بنا دو اور کچھ کو اپنے خرچ میں لے آؤ اور ریشمی کپڑے کو فروخت کر دو اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ''۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبا کو آٹھ ہزار درہم میں ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

روضۃ الاحباب میں اتنے ہی وفود کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سال اور بھی وفود آئے ہیں لیکن ان کی تفاصیل فن سیر کی مبسوط کتابوں میں مذکور ہے۔ صاحب معارج النبوۃ نے تو اس سے بھی بہت کم کا ذکر کیا ہے اس سال اس کثرت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وفود آئے کہ اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے، دسویں سال میں اس کتاب میں کچھ اور وفود کا ذکر کیا جائے گا۔

بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین نے مواہب لدنیہ سے ان تمام وفود کو نقل کر دیا ہے جو معانی مفیدہ پر مشتمل تھے چونکہ اس کتاب میں سنوات کے ذکر کی قید نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے تمام وفود کو ایک باب کے تحت جمع کر کے بیان کر دیا ہے خواہ وہ وفد کسی سال میں آیا ہو۔ کیوں کہ ہمارا مقصود واقعات کا جاننا اور اس کا علم ہے خواہ وہ کسی سنہ میں ہو۔ ایک وفد ہوازن کا ہے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے جعرانہ تشریف لائے تھے تو انہوں نے آ کر مسلمانوں کے قبضہ میں جو ان کے غلام و باندیاں اور اموال تھے ان کی استدعا کی تھی اور ان کی استدعا اسیروں کے بارے میں قبول فرمائی تھی۔ جس کا قصہ تفصیل کے ساتھ اپنی جگہ گزر چکا ہے۔ اس کا وقوع سال ہشتم میں تھا اور دوسرا وفد ثقیف کا تھا جو تبوک سے واپسی کے بعد آیا تھا اس کا اصل قصہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے تو صحابہ نے عرض کیا تھا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ثقیف کے تیروں نے ہمیں چھلنی کر دیا ہے۔ ثقیف پر بددعا فرمایئے''۔ حضور اکرم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو لا''۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے عروہ بن مسعود

ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہو گیا اور درخواست کی کہ اسے اپنی قوم کی طرف بھیجا دیا جائے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ سحری کا وقت تھا وہ اپنے مکان کی چھت پر آ کر قوم کو دعوت دے رہے تھے اور اپنے دین کا ان کے سامنے اظہار کر رہے تھے کسی نے ان پر تیر چلایا اور اس تیر نے ان کو شہید کر دیا۔ مزید احوال آخر کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے بیان میں آئے گا۔ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کر دینے کے بعد ثقیف چند ماہ ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد باہمی مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ہم عربوں کے ساتھ جو ہمارے چاروں طرف ہیں جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ سب بیعت کر کے اسلام لا چکے ہیں لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبد یا لیل کو بھیجنا چاہیے چنانچہ انہوں نے چند آدمی اس کے ساتھ کیے ان میں سے ایک عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد شریف کے گوشہ میں ایک خیمہ نصب کرایا۔ ان لوگوں کی ایک دوخواست تو یہ تھی کہ ''لات'' کے بت خانہ کو نہ توڑیں اور اسے تین سال تک باقی رکھیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی اور ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ اس بت خانہ کو توڑ ڈالیں اس کے بعد انہوں نے دوسری درخواست یہ کی کہ انہیں نماز پڑھنے سے معاف رکھا جائے اور اپنے ہاتھوں سے بتوں کے توڑنے کا حکم نہ دیا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہوگا مقصود ہو تو بتوں کا توڑنا ہے کوئی توڑے۔ اپنے ہاتھ سے توڑنا زیادہ بہتر ہے لیکن نماز کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس دین میں نماز نہیں ہے اس میں خیر نہیں ہے۔ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو ان پر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص کو امیر مقرر فرمایا وہ اگرچہ سن وسال میں ان سے بہت کم عمر تھے لیکن اسلام اور تعلیم قرآن میں وہ بہت شایق تھے اس کے بعد وہ اپنے شہروں کی طرف لوٹے ابوسفیان اور مغیرہ بھی ان کے ساتھ گئے اور لات کے بن خانہ کو توڑ دیا۔ عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سورۂ بقر کی تلاوت کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجھ سے بھاگتا ہے اور یاد نہیں رہتا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا ''او شیطان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ سے نکل جا''۔ اس کے بعد جتنا بھی میں نے حفظ کیا کبھی نہ بھولا۔ نیز میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شیطان میرے اور میری نماز وقرآت کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جس کا نام ''حنزب'' ہے اس کے لغوی معنیٰ گوشت کے لوتھڑے کے ہیں۔ فرمایا: جب تم اس کے وسوسے کا دل میں احساس کرو تو اس سے خدا کی پناہ مانگو یعنی اعوذ پڑھو اور تین مرتبہ بائیں جانب تھتکار دو'۔ میں نے ایسا ہی کیا اور حق تعالیٰ نے میرے ان وسوسوں کو دور فرما دیا۔

تیسرا وفد کندہ کا ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور یہ ثور بن عفیر کا لقب ہے جو یمن کے اس قبیلہ کا باپ تھا یہ لقب اس لیے ہوا کہ ثور بن عفیر اپنے باپ کی ناشکری کر کے اپنے ماموؤں کے ساتھ مل گیا۔ کندہ کنود سے بنا ہے جسکے معنی ناشکری کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن کرم میں بھی ہے ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ'' بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ یمن میں اس کی اولاد کا کندہ (ناشکرا) ہی پڑ گیا اس کندہ قبیلہ کے اسی یا ستر سوار جو بالوں میں کنگھی کیے زرہیں پہنے ہتھیار لگائے اور یمنی چادر کے جبے پہنے جس کے حاشیہ پر ریشم وحریر سلی ہوئی تھی آئے۔ جب وہ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا اسلام نہیں لائے ہو؟'' انہوں نے کہا ہاں ہم اسلام لائے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا ''یہ تمہارے جسموں میں حریر وریشم کیسا ہے؟ اس پر انہوں نے اپنے جسموں پر سے اسے پھاڑ کر اتار پھینکا۔

چوتھا وفد اشعریوں اور اہل یمن کا ہے۔ مواہب میں ایسا ہی ترجمہ واقع ہے اور صاحب مواہب شیخ ابن حجر عسلاتی سے نقل کرتے

ہیں کہ اس سے مراد بعض وہ اہل یمن ہیں جو اشعریوں کے سوا ہیں اور وہ حمیر کے لوگ ہیں جو آئے۔ انہوں نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ ہم دین میں تفقہ کریں اور انہوں نے ابتداء خلقت عالم کے بارے میں پوچھا کہ اول کیا تھا اور کس طرح تھا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ شَيْءٌ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ وَكُتِبَ فِي الذِّكْرِ شَيْءٌ اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی تھی۔ یہ دونوں گروہ ایک ساتھ نہیں آئے اس لیے کہ اشعریوں کا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آنا پہلے ہوا تھا اور یہ سن سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت کی بات ہے اور حمیر کے وفد کی آمد سن نو ہجری میں ہوئی تھی جو "سنۃ الوفود" ہے اور یہ دونوں گروہ زبان نبوت پر محمود ہیں اور بشارت یافتہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ایسی قوم آ رہی ہے جن کے دل نرم ورقیق ہیں۔ اس وقت اشعریین اس حال میں آئے کہ وہ یہ رجز پڑھتے تھے غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَّحِزْبَهْ. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ یمن والے آئے جن کے دل بہت نرم ورقیق اور کمزور ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان حکمت یمانی ہے اور سکینہ اہل غنم میں ہے اور فخر وغرور ارباب ابل ہیں۔ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ بنی تمیم کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے بنی تمیم بشارت ہو۔ انہوں نے کہا بشارت دیدی ہمیں کچھ مال دیجیے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا اتنے میں یمن والوں کی ایک جماعت آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "اے یمن والو تم اس بشارت کو قبول کرو جسے بنی تمیم نے قبول نہیں کیا ہے"۔ اشعری کہنے لگے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم قبول کرتے ہیں"۔ یہ بنی تمیم مؤلفۃ القلوب میں سے تھے جن کے دلوں میں ابھی جفا و قساوت جمی ہوئی تھی۔ جیسا کہ غزوۂ فتح مکہ کے آخر میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ یمن والے صاحبان علم تھے صفائے قلب نرم دلی اور حکمت ومعرفت کا ذوق رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری ان کی حسن قرات بے نظیر تھی اور ان کی شان میں مروی ہے کہ: اُوْتِيَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ. شیخ ابوالحسن اشعری جو علم کلام کے امام اور اہل سنت و جماعت کے رہنما ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی اولاد سے ہیں۔ علم وحکمت اور معرفت کی نشانیاں ان تک پہنچیں۔

پانچواں وفد ہمدان کا ہے ہمدان یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ بیہقی نے باسناد صحیح حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ یمن کی طرف بھیجا ہم وہاں چھ مہینے تک رہے اور ان کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بھیجا اور انہوں نے یمن والوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گرامی نامہ پڑھ کر سنایا۔ وہ مسلمان ہو گئے اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک خط لکھا اور اسلام کی خبر دی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خط پڑھا تو سجدہ کیا اور سجدہ سے سر مبارک اٹھا کر فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰى هَمْدَانَ اَلسَّلَامُ عَلٰى هَمْدَانَ.

چھٹا وفد مزنیہ قبیلہ کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ بیہقی نے نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہم مزنیہ کے چار سو آدمی آئے جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ انہیں زادراہ دو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں، میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے راضی نہ ہوں گے اور قبول نہ کریں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ توشہ

دیدو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں لے چلے اور اپنے گھر لائے جب وہ اندر آئے تو دیکھا کہ کھجوروں کا ڈھیر لگا پڑا ہے' جو سیاہ و سفید ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا میں ان میں آخری شخص تھا۔ اس کے بعد جو دیکھا تو اس میں سے ایک دانہ کھجور کا کم نہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں .... یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ان کا وفد میں شریک ہو کر آنا اسلام لانے کے لیے نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح ایمان کے گھر ہیں نفاق کے بھی گھر ہیں مگر آل مقرن کے گھر ایمان کے گھر ہیں۔

ساتواں وفد دوس کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آمد خیبر میں ہوئی تھی۔ مواہب لدنیہ میں ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ دوس کے وفد میں طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسی بھی تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے تھے اور ہجرت تک وہیں رہے تھے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے تو وہ آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک موجود رہے ان کا خطاب ذوالنور ہے یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یرموک میں شہید ہوئے۔ یہ شعلہ بیان شاعر تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مواہب میں ابن اسحٰق سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے میرے پاس قریش کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے شہر میں ایک شخص ہے جو ہم میں سے ظاہر ہوا ہے اور ہماری جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہے اور ہمارے کام کاج تتر بتر ہو گئے ہیں۔ اس کی باتوں میں ایسا جادو ہے جس سے باپ بیٹے' میاں بیوی اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے' ہمیں خوف ہے کہ تم میں اور تمہاری قوم میں بھی یہی وہ بات نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا تم نہ اس سے بات کرنا اور نہ اس کی سننا۔ اس کے بعد خدا کی قسم قریش برابر اس کی تاکید کرتے رہے اور مجھے منع کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ نہ میں اس سے بات کروں گا اور نہ اس کی سنوں گا اور میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھوس لی تا کہ میرے کانوں میں اس کی کوئی بات پڑے ہی نہیں۔ اتفاق سے میں صبح کے وقت مسجد حرام میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گیا پھر حق تعالیٰ نے میرے کانوں میں آپ کے اقوال مبارک ڈالے اور میں نے انتہائی حسن و لطافت والا کلام سنا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری ماں مجھ پر روئے۔ میں خود فصیح و بلیغ شعلہ بیان شاعر ہوں اور کلام کے حسن و قبح کو پہچانتا ہوں۔ یہ لوگ مجھے روکتے ہیں کہ میں اس شخص کی بات نہ سنوں۔ اگر یہ اچھی بات کہتا ہے تو کیوں نہ اس کی بات قبول کروں اور اگر بری ہے تو میں چھوڑ دوں گا پھر میں نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس کی طرف واپس ہوئے اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہونے لگے تو میں نے کہا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم مجھ سے ایسا کہتی ہے اور میں نے عہد کیا تھا کہ میں نہ آپ سے بات کروں گا اور نہ آپ کی بات سنوں گا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی تا کہ آپ کی بات میرے کانوں میں نہ پڑے مگر حق تعالیٰ نے آپ کا کلام میرے کانوں میں ڈالا اور مجھے اقرار ہے کہ میں نے آپ سے عمدہ اور نیک کلام پہلے نہ سنا تھا۔ لہٰذا مجھ سے اپنا معاملہ بیان فرمائیے کہ کیا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم سے کچھ تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم اس سے بہتر کلام میں نے سنا تک نہ دیکھا اور نہ اس سے زیادہ منصفانہ بات دیکھی تھی میں اسلام لے آیا اور شہادت دی اور عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم! میں ایک مرد مطاع اپنی قوم کا ہوں۔ میں اپنی قوم کی طرف جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا اور خدا کی طرف بلاؤں گا۔ تو ضروری ہے کہ میرے لیے کوئی نشانی یا کرامت ہو جسکی بنا پر وہ میری تصدیق کریں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے خدا انہیں نور عطا فرما۔ تو وہ نور میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند چمکنے لگا۔ اس پر میں نے عرض کیا اے خدا میرے اس نور کو میری دونوں آنکھوں کے درمیان کے سوا کسی اور جگہ تاباں فرما تا کہ میری قوم یہ نہ کہے کہ یہ مثلہ یعنی برص وغیرہ کا مرض لاحق ہو گیا ہے جو اپنے دین کے چھوڑنے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے میرے کوڑے (تازیانہ) کی نوک پر آ گیا۔ رات میں وہ قندیل آویزاں کی مانند چمکتا تھا۔ میں اپنی قوم میں آیا اور ان کو دعوت اسلام دی۔ پھر میں نے اقامت کی۔ میرے پاس میرا بوڑھا باپ آیا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا ''میرے پاس سے چلو جاؤ نہ میں تم سے ہوں اور نہ تم میرے ہو''۔ اس نے کہا ''اے میرے فرزند! ایسی بات کیوں کہتے ہو''۔ میں نے کہا ''میں اسلام لے آیا ہوں اور میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتا ہوں''۔ باپ نے کہا ''تیرا دین میرا دین ہے اس پر میں نے کہا'' جاؤ غسل کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو پھر آؤ تا کہ میں تمہیں وہ سکھاؤں جو میں جانتا ہوں۔ پھر میرا باپ گیا' غسل لیا اور کپڑے پاک کیے اور آیا پھر میں نے اسلام پیش کیا وہ اسلام لائے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کے باپ تو اسلام لے آئے مگر ان کی والدہ نے اسلام قبول نہ کیا۔ (واللہ اعلم) اس کے بعد میری بیوی آئی اس سے بھی میں نے یہی کہا مجھ سے دور رہو نہ میں تیرا ہوں اور نہ تو میری ہے۔ اس نے کہا کیسے؟ میں نے کہا ''اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی کر دی ہے میں اسلام لے آیا ہوں۔ اس نے کہا میرا بھی وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے۔ پھر وہ اسلام لے آئی۔ اس کے بعد میں نے قبیلہ دوس کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا ''یا نبی اللہ دوس کے لوگ مجھ پر غالب رہتے ہیں۔ ان کے لیے دعا فرمایئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے خدا دوس کو راہ راست دکھا۔ فرمایا جاؤ اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دو۔ پھر میں دوس لوٹ گیا اور زمین دوس میں برابر ان کو دعوت دیتا رہا۔ اس کے بعد میں خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور مدینہ طیبہ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانے آ کے رہنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ ہمیں بھی حصہ دیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حکایت دلالت کرتی ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھے اور ابن ابی حاتم نے جزم کیا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ خیبر میں آئے۔ گویا ان کا یہ آنا دوسری مرتبہ کا ہے جو اہل سیر پر مشتبہ ہو گیا ہے۔

آٹھواں وفد بہراء کا ہے یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یمن کے یہ تیرہ آدمی تھے جب مدینہ طیبہ آئے تو مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چلے گئے۔ انہوں نے ان کو مرحبا کہا اور حیس کا ایک بڑا پیالا لائے۔ حیس ایک قسم کی غذا ہے یہ کھجور' گھی اور ستو سے بنایا جاتا ہے۔ ان سب نے اسے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھوٹے پیالہ میں یہ حیس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا اور سب گھر والوں نے خوب سیر ہو کر نوش کیا اور اس کھانے کو مہمانوں کے لیے بھی بھیجا جو مدت تک رکھ کر کھاتے رہے اور کم نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہا ''ابو معبد رضی اللہ عنہ! یہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے۔ تم ہمیں ایسا کھانا کھلاتے ہو جو ہمیں تمام کھانوں میں سب سے زیادہ مرغوب ہے اور ہم ان پر کبھی قادر نہ ہوئے مگر اسی زمانہ میں۔ پھر ابو معبد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی کہ یہ کھانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بھیجا ہے اور یہ لذت اور یہ زیادتی سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی برکت سے ہے اس پر انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ ان کا یقین اور بڑھ گیا انہوں نے فرائض کی تعلیم حاصل

کی اور چند روز تک ٹھہرے رہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت فرمایا اور انہیں انعام واکرام سے نوازا پھر وہ اپنے اہل وعیال کی طرف بڑھ گیا۔

نواں وفد عذرہ کا ہے۔ یہ علاقہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جہاں کے لوگ عشق میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی عشق میں جان دیتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے

بالائمی فی الھوی العذرمی مَعْذِرَۃً منی الیك ولو انصفت لم تلم

(اے ملامت کرنے والے عذرا کے عشق میں ایسی معذرتیں اور مجبوریاں میری طرف سے ہیں اگر تو اسے انصاف کی نظر سے دیکھے تو تو مجھے ملامت نہ کرے)

یہ وفد نویں سال میں بارہ افراد پر مشتمل آیا تھا۔ جن میں حمرۃ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ بھی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحبا فرمایا پھر وہ اسلام لائے اور ان کو فتح شام کی بشارت دی اور ہرقل کے بھاگ جانے کی غیبی خبر دی۔ پھر ان کو انعام واکرام سے نوازا اور وہ مقام اپنے ام پر لوٹ گئے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح کی بشارت دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فتح کی بشارت دنیا ہے۔ جو اس زمانہ میں واقع ہوئی۔ (واللہ اعلم)

دسواں وفد محارب کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ وفد حجۃ الوداع کے سال میں آیا عرب کے اشد ترین اور سخت ترین لوگ تھے۔ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کو دعوت دیتے اور اسلام کی طرف بلاتے اس وقت اس قبیلہ کے دس آدمی آئے اور مسلمان ہو گئے پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

گیارہواں وفد صداء کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ۸ھ میں جعرانہ سے واپس ہوتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اتنے میں اہل صداء میں سے ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اس نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسی لشکر کو بھیجنے کی حاجت نہیں ہے میں خود اس خدمت کو بجالاؤں گا اور اپنی قوم کی میں ضمانت لیتا ہوں''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس بلالیا اور وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور اس قوم میں اسلام پھیلا یا ان میں سے سو اشخاص حجۃ الوداع میں بھی آئے۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنی قوم کا ضامن بنا تھا وہ زیاد بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدائی تھا۔ یہ زیاد بن حارث کسی سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس صرف اتنا ہی پانی ہے جتنا میری اس چھاگل میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پانی کو پیالے میں انڈیلو''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس لکڑی کے پیالہ میں ڈال دیا میں نے دیکھا کہ آپ کی انگشتہائے مبارک سے پانی چشمہ کی مانند جوش مار رہا ہے۔ یہ معجزہ متعدد مرتبہ واقع ہوا ہے۔

بارہواں وفد غسان کا ۱۰ھ ماہ رمضان میں آیا۔ یہ تین آدمی تھے۔ تیرہواں وفد بنی عیش کا تھا انہوں نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر کہلوایا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دیہات کے لوگوں کی جماعتیں ہمارے پاس آئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ اس کا اسلام نہیں ہے جس نے ہجرت نہیں کی۔ ہمارے پاس اموال ومویشی بہت ہیں لہٰذا اگر یہی بات ہو کہ: لَا اِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهٗ تو ہم اموال مویشی کو فروخت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جہاں چاہو رہو لیکن خدا سے تقویٰ و پرہیزگاری کرو۔ تمہارا اجر وثواب کم نہیں ہوتا اور تمہارے کسی عمل کو اس سے باز نہیں رکھتا''۔

چودھواں وفد ازد کا ہے۔ زاء کے ساتھ ہے مگر سین کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ تمام انصار و مدینہ اس کی نسل سے ہیں اور اسے ازدشنوہ بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ مواہب میں ابونعیم کی کتاب معرفت الصحابہ سے بروایت ابوموسیٰ مدنی، احمد بن الجواری کی ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوسلیمان دارانی کو کہتے سنا ہے اور انہوں نے علقمہ بن یزید بن سوید ازدی کی حدیث بیان کی علقمہ نے کہا کہ میرے باپ نے میرے دادا کو فرماتے سنا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے اپنی قوم کے سات شخصوں میں سے ایک تھا۔ جب ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری روش کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا تم کون لوگ ہو؟'' میں نے عرض کیا ''ہم مومن ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا ''ہر بات کی ایک حقیقت ہے تمہاری بات اور تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟'' ہم نے عرض کیا ''پندرہ خصلتیں ہیں ان میں سے پانچ تو وہ ہیں جن کا آپ کے ان قاصدوں نے ہمیں حکم دیا تھا اور جن پر ہم ایمان لائے اور پانچ خصلتیں وہ ہیں جن کا آپ نے حکم فرمایا اور ہم ان پر عمل کرتے ہیں اور بقیہ پانچ وہ خصلتیں ہیں جن کے ہم زمانہ جاہلیت سے عادی ہیں اور وہ ہماری خوبو میں شامل ہوگئی ہیں مگر یہ کہ ان میں سے جسے آپ ناپسند فرمائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ کونسی خصلتیں ہیں جن کا ہمارے قاصدوں نے حکم دیا''۔ ہم نے عرض کیا انہوں نے حکم دیا کہ ہم خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے نبیوں پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن کا میں نے حکم دیا ہے کہ ان پر عمل کرو۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم ''لا الہ الا اللہ'' کہیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، رمضان کے روزے رکھیں اور خانہ کعبہ کا حج کریں اگر ہم میں اس کی استطاعت ہو''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت سے عادی ہو؟'' ہم نے عرض کیا فراخی و کشادگی کے وقت شکر بجالانا، بلا میں صبر کرنا، قضا پر راضی رہنا، ملاقات کے اوقات میں سچ بولنا اور دشمنوں کو ہنسانے والی بات سے احتراز کرنا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قریب تھا کہ تمہارے ایمان کی فقہ و دانائی سے تم انبیاء ہوتے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام صفات اور خوبیاں جو تم میں ہیں وہ نبیوں کی ہیں۔ لیکن نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اب تم ایسے علماء اور حکماء میں سے ہو گے جو انبیاء کے تابع اور ان کے وارث ہیں''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تم میں پانچ اور خوبیاں زیادہ کرتا ہوں۔ تاکہ تمہارے لیے بیس خصلتیں پوری ہو جائیں وہ یہ کہ اس کو جمع نہ کرو جو تم کھاتے ہو اور اس کو نہ بناؤ جس میں تم نہ رہو گے اور ایسی چیز کی خواہش نہ کرو جو کل کو فنا ہو جائے اور خدا کی پرہیزگاری کرو۔ کیوں کہ تم اسی کی طرف لوٹو گے اور اس کے سامنے تمہیں پیش ہونا ہے اور اس کی خواہش کرو جو تمہیں کل ملے گی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے''۔ اس کے بعد وہ واپس ہوئے اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

پندرہواں وفد بنی المنتفق کا ہے۔ یہ اس قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ حضرت عبداللہ بن امام احمد اپنے والد کی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ عاصم بن القیط بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد کے طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے۔ ان کے ساتھ ایک شخص تھا جس کو نہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عاصم بن مالک بن المنتفق کہتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح پڑھانے کے بعد خطبہ کے لیے لوگوں کی جانب منہ کر کے کھڑے ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اے لوگو! آگاہ رہو میں نے اپنی آواز کو چار روز تک پوشیدہ رکھا ہے یہاں تک کہ آج میں تمہیں سناتا ہوں کیا تم میں کوئی قاصد ہے جس کو اس کی قوم نے بھیجا ہو؟ صحابہ نے عاصم بن لقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''سنو کہ رسول خدا کیا فرماتے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ مجھ سے روز قیامت پوچھا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں احکام الٰہی پہنچا دیئے؟ اب غور سے سنو''۔ اس کے بعد حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعث ونشر اور جنت ونار کو بیان فرمایا۔اس کے بعد عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کسی چیز پر آپ کی بیعت کریں؟'' فرمایا ''نماز قائم کرنے' زکوٰۃ دینے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے پر'' (حدیث)

سولہواں وفد بنی النخع کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ تھا۔مواہب میں ہے کہ یہ آخری وفد تھا اور یہ نصف محرم ۱۱ھ میں آیا تھا اس وفد میں دو سو آدمی تھے یہ پہلے مہمان خانہ میں اترے اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔انہوں نے یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ پہلے ہی بیعت کر لی تھے۔ان میں ایک شخص زرارہ بن عمرو نامی تھا۔اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے سفر میں ایک عجیب خواب دیکھا ہے''۔فرمایا: کیا دیکھا کہ میں نے دیکھا کہ گدھی نے سرخ و سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر آیا ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں'' فرمایا اس نے تیرا بچہ جنا ہے اور یہ اس کا رنگ ہے''۔اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سرخ وسیاہ رنگ کیا ہے؟'' فرمایا ''میرے قریب ہو'' اور فرمایا ''کیا تیرے جسم میں برص کا نشان ہے جسے تو لوگوں سے چھپاتا ہے''۔اس نے کہا ''قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔اس بات سے کوئی باخبر نہیں ہے اسے بجز آپ کے کوئی نہیں جانتا حقیقت یہی ہے پھر کہا یارسول اللہ میں نے اور ایک بوڑھی سفید بالوں والی عورت کو دیکھا ہے جو زمین سے باہر آئی ہے''۔فرمایا ''یہ بقیہ دنیا ہے جو باقی ہے''۔پھر کہا ''میں نے ایک آگ دیکھی ہے جو زمین سے نکل کے میرے اور میرے فرزند کے درمیان حائل ہوگئی ہے''۔فرمایا ''یہ وہ فتنہ ہے جو آخر زمانہ میں نمودار ہوگا۔کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ فتنہ کیا ہے؟'' فرمایا ''لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے۔اور اس کے دوران بدکار لوگ اپنے آپ کو نیکوکار جانیں گے۔اور مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک میٹھے پانی سے زیادہ شیریں ہوگا۔اور اگر تیرا بیٹا مرجائے تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تو مرجائے تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا''۔اس نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ خدا مجھے اس فتنہ سے نہ ملائے''۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے خدا وہ فتنہ اسے نہ ملے''۔چنانچہ ان کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا باقی رہا۔اور وہ ان میں سے ایک شخص تھا جو حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلع کرنا چاہتے تھے۔یہ اور اس کی مانند دیگر قصے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعبیر رویا کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں ان وفود کا ذکر ے سے ۱۱ھ تک واقع ہوا ہے۔دیگر وفد اور وفود روضۃ الاحباب میں سال دہم ۱۰ میں بیان کیے گئے ہیں اگر ان کو بھی ان ہی مذکورہ وفود کے ساتھ جمع کر کے بیان کریں اور اس کے بعد سال نہم ۹ کے بقیہ واقعات کو بیان کرنے کی طرف لوٹیں اور سال نہم کے واقعات کو ختم کرنے کے بعد سال دہم ۱۰ کے واقعات کو بیان کریں تو مناسب ہوگا تا کہ تمام وفود کا ذکر ایک جگہ جمع ہو جائے۔

ان میں سے ایک وفد طی کا تھا جس کا ذکر سال ہشتم کے واقعات میں پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ حاتم طائی کی بیٹی تو قید میں آ گئی اور اس کا بھائی عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی بھاگ کر شام چلا گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم کی بیٹی پر احسان فرمایا اور اسے آزاد کر دیا پھر وہ شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی صلی اللہ علیہ وسلم بن حاتم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّد انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انقیاد و اطاعت اور دین اسلام کے اختیار کرنے کا شوق دلایا۔پھر دسویں سال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وفود آئے تو ان میں عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی بھی آیا اور مسلمان ہوگیا۔عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی سے منقول ہے اس نے کہا کہ اس کے بعد جبکہ میں اپنی بہن کے مشورہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''تم کون ہو؟'' میں نے کہا ''میں عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی ہوں''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور کاشانہ اقدس کی جانب روانہ ہوگئے۔میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلدیا۔راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی حاجت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عرض سننے کے لیے راستہ میں ہی کھڑے ہو گئے اور اس کی حاجت پوری فرمادی۔ میں نے دل میں کہا ''کوئی بادشاہ کسی بوڑھی عورت کے لیے ایسا نہیں کرسکتا یہ نبی کے ہی اخلاق مبارک میں سے ہے۔ اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں داخل ہوئے تو کھجوروں کی چھال کا بھرا ہوا بچھونا اٹھایا اور میرے لیے بچھا دیا اور فرمایا اس پر بیٹھو اور خوب اصرار فرمایا۔ اور آپ خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا یہ طور وطریق اور عادات وفضیلت بادشاہوں کے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اے عدی رضی اللہ عنہ! ممکن ہے کہ تمہیں دین اسلام میں داخل ہونے سے مال کی قلت اور مسلمانوں کے احتیارج کی کثرت اور عدائے دین کی زیادتی اور حامیان دین کی کمی مانع ہو۔ خدا کی قسم! بہت جلد مسلمانوں سے مال اس کثرت سے ہوگا کہ کسی کو زیب نہ ہوگا کہ اسے قبول کرے۔ اور اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ مسلمان بہت ہیں اور دشمنان دین اتنے کم کہ قادسیہ سے کوئی عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر تنہا خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے تو اسے کوئی خوف نہ ہوگا بجز حق تعالیٰ کے۔ اور بہت جلد ایسا ہوگا کہ زمین بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوں گے اس کے بعد عدی رضی اللہ عنہ شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر بہت زیادہ عنایت تھی۔ حتیٰ کہ جب وہ شکار کو گئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق تک اس کی مشایعت کو تشریف لے گئے۔ عدی رضی اللہ عنہ کو شکار کا بڑا اشوق تھا۔ اس باب میں ان سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

اسی سال قبیلہ طے کے گیارہ (۱۱) آدمی آئے۔ ان کا سردار زید الخیل رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور اکرم نے انہیں اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا ''حق تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہماری تقویت وتائید فرمائی اور دین اسلام کی توفیق بخشی۔ میں نہیں جانتا کہ اس اخلاق سے بہتر کوئی اور اخلاق ہو جس کی آپ دعوت دیتے ہیں ہم اپنی عقلوں پر تعجب کرتے ہیں کہ ہم ان پتھروں کو پوجتے رہے جو اگر ہم سے گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں گھومتے پھریں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارا یہ علم اور حال اور زیادہ بڑھے گا''۔ اس کے بعد ان کو انعام واکرام سے نوازا اور بعض کو اراضی کے قطعات عنایت فرمائے اور اس باب میں تحریر بھی لکھوائی زید الخیل رضی اللہ عنہ کا نام زید الخیر رضی اللہ عنہ رکھا۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب کے لوگوں کی جو فضیلتیں میرے سامنے بیان کرتے ہیں وہ اس سے کم ہیں جتنی کہ زید الخیر رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے ان میں ان سے بہت زیادہ خوبیاں پائی ہیں۔ جتنی لوگ بیان کرتے ہیں۔ یہ زید الخیر رضی اللہ عنہ کی مدح وتعریف میں انتہائی بات ہے۔ گویا کہ مراد وہ جماعتیں اور قبائل ہیں جو بارگاہ میں آتی رہی ہیں اور مراد وہ صفت خاص ہے جو ہر ایک میں بیان کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام خوبیوں میں کامل وفائق تھے جو فرداً فرداً بیان کی گئی ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کی فضیلت تمام قاصدوں پر ہے۔ بجز صفت مذکورہ میں رسوخ وکمال کی حیثیت سے۔

ایک اور وفد خولان کا آیا تھا' خولان قبیلہ کا نام تھا۔ ان کے دس آدمی تھے۔ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں آئے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ کی زیارت کی خاطر ہم نے نرم وسخت راہیں طے کی ہیں۔ ہم پر خدا کا نام اس کے رسول کا احسان ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لیکن تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے نرم وسخت راہیں طے کی ہیں۔'' تو جان لو کہ تمہارے اونٹوں نے اس راہ میں جو بھی قدم اٹھایا ہے ہر قدم کے بدلے تمہارے لیے ایک نیکی' ایک درجہ مقرر ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ ہم آپ کی زیارت کی خاطر آئے ہیں۔ تو جان لو کہ جو میری زیارت کیلئے مدینہ آئے گا روز قیامت وہ میرے پڑوس میں ہوگا۔

بندہ مسکین حصہ اللہ بفضلہ المتین یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ جو میری قبر کی زیارت کرے گا گویا

اس نے میری زیارت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ لہٰذا قبر انور کی زیارت کرنے والا بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس بشارت میں داخل ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں ایک درویش کہتا تھا کہ زیارت کرنے والے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا معنوی صحبت کے درجہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث اس معنی کی مؤید و مثبت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے وفائے عہد کیا' امانت و عمدہ ہمسائیگی کا وعدہ فرمایا اور ظلم سے منع فرمایا۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ. ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے۔ اس کے بعد اس وفد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انعام و اکرام دے کر رخصت فرمایا۔

ایک اور وفد زہادبین کا ہے۔ زہاد بروزن سحاب' یہ مدلج قبیلہ کا باپ تھا۔ یہ پندرہ آدمی آئے اور انہوں نے رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت الحارث کے گھر میں اقامت کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی تلاش میں تشریف لے گئے اور تنگ وقت میں ان سے گفتگو فرمائی۔ اس وفد نے اپنے زاد راہ سے کچھ نکالا اور مہمانداری کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دست مبارک اس طرف بڑھایئے اور تناول فرمایئے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں روزے سے ہوں'' صحابہ سے فرمایا کہ ''تم کھاؤ'' گویا کہ اس قوم کا زادراہ نکالنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تناول فرمانے سے تکلف فرمانا ایک قسم کی جرأت اور سوادب تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج عزت و رفعت مکان پر گراں گزری اور روزہ کا ہونا بھی اس کا مؤید و مؤکد ہوگا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خاطر داری مقصود ہوتی تو توجہ فرماتے اور نفلی روزے کی جیسا کہ متعدد مواقع اور جگہوں میں افطار کیا ہے یہاں بھی گنجائش تھی۔ بہر حال بزرگوں کا مقام عزت بہت بلند اور نازک محل ہے (واللہ اعلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ''کھاؤ'' یہ بھی ایک عنایت ہے اور اشارہ ہے کہ ان کا تکلف کرنا مناسب تھا۔

ان کی جانب دوسرا التفات یہ فرمایا کہ وہ جو تحائف لائے تھے وہ سب گھوڑے تھے۔ جن کو وہ ''مراح'' کہتے تھے فرمایا ایک شخص اس پر سوار ہوتا کہ اس کی رفتار دیکھیں فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ گھوڑا تیز رفتار اور سبک خرام ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کیا یہ گھوڑا بحر ہے لیکن تھکا ہوا ہے اس سبب سے اچھا مظاہرہ نہ کرے گا۔ فرمایا: اس کی پرورش اور نگہداشت کرو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا ان کی دوڑ کرائی جائے۔ وہ شخص جو تحفہ لایا تھا اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجئے کہ میں اس پر سوار ہوں۔ پھر وہ سوار ہوا اور میدان میں دوڑ لگائی اور وہ گھوڑا آگے نکل گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَمَّا اَرَاہُ بَحْرًا ہم نے اسے دریا دیکھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کو قبول فرمایا اور اس کے عوض اس کو دوسرا گھوڑا مرحمت فرمایا۔ اور آدمیوں کو انعام دیا پھر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

ایک اور وفد غامد کا ہے' یہ قبیلہ کے باپ کا نام تھا اور اسی کی طرف نسبت کر کے غامد یہ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام تو عمر بن عبداللہ تھا مگر اس کا لقب غامد تھا اور یہ لقب اپنی قوم کی اصلاح اور ان کے معاملات کے درستگی کے باعث تھا۔ یہ دس آدمی تھے اور بقیع غرقد میں جو مدینہ طیبہ کا مقبرہ ہے قیام کیا اور ایک جوان کو جو ان میں سب سے کم عمر تھا مال و اسباب کی حفاظت کیلئے چھوڑا۔ خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم منزل میں حفاظت کیلئے چھوڑ آئے ہو وہ سو گیا ہے چور آیا اور تم میں سے ایک کی زنبیل چرا کر لے گیا۔ پھر وہ جوان اس زنبیل کو ان سے واپس لایا اور اسے اپنی جگہ پر مضبوطی سے رکھ دیا ہے۔ جب یہ لوگ قیام گاہ واپس پہنچے تو حقیقت حال کو ویسا ہی پایا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ وہ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر دی تاکہ ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ پھر وہ جوان بھی آ گیا اور ایمان لایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تک یہ لوگ مدینہ میں ہیں انہیں قرآن کریم پڑھائیں۔

ایک اور وفد بجیلہ کا ہے۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلہ سے منسوب ہیں۔ یہ وفد ڈیڑھ سو آدمیوں کا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ تمہارے پاس ایسا شخص آئے گا جس کے چہرے کو فرشتے نے مسح کیا ہے۔ یہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن و جمال کی طرف اشارہ ہے۔ گویا کہ ان کے چہرے پر فرشتہ نے ہاتھ پھیرا ہے اور ملا ہے۔ وہ بڑے با رُعب حسین و جمیل تھے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ حسین و جمیل شخص نہیں دیکھا بجز اسکے کہ میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی خبر سنی ہے۔ ان کو یوسف امت کہتے ہیں۔ غرضیکہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی قوم مسلمان ہوگئی۔ بقیہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے بیان میں آخر کتاب میں آئیں گے۔

ایک وفد بنی حنیفہ کا تھا جب یہ مدینہ طیبہ میں آئے تو رملہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر ٹھہرے۔ دوسرے دن شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ مسلیمہ کذاب بھی اسی جماعت میں شامل تھا اس نے بھی شریعت محمدیہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبول کیا تھا۔ جب وہ یمامہ لوٹے تو شیطان کے اغوا سے مرتد ہوگیا' نبوت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ بقیہ اس کی شقاوت اور اس کا انجام کا حال گیارہویں سال میں مذکور ہوگا۔ بنی حنیفہ کا وفد دسویں سال میں آیا تھا۔

ایک اور وفد فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نجاشی کے خواہرزادے کا آیا تھا۔ یہ آئے اور ایمان لائے۔ یہ فیروز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص ہے جس نے اسود عنسی کو جس نے دعویٰ نبوت کیا قتل کیا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

اب ہم نویں سال کے بقیہ واقعات کے بیان کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو وفود کے یکجا ذکر کرنے کی وجہ سے رہ گئے تھے۔

ابن ابی منافق کی موت: نویں سال کے ماہ شوال میں عبداللہ بن ابی بن ابی سلول جو منافقوں کا رئیس و سردار تھا بیمار ہوا اور مرض بدنی جو مرض قلبی کا ضمیمہ تھا جس میں منافقین مبتلا تھے شامل حال ہوا ذیقعدہ میں مرگیا اور مر کر اسفل السافلین پہنچا۔ اس کا ایک بیٹا تھا اس کا نام عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا وہ انتہائی مخلص و صادق مسلمان تھا۔ وہ بیماری کے زمانہ میں اس کی مزاج پرسی کیلئے گیا اور جس روز وہ مرا ہے اسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے اور اس کے سرہانے تشریف رکھی وہ نزع کی حالت میں تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تجھے یہود کی دوستی سے منع کیا تھا مگر تو نے نہ سنا اور نہ مانا۔ اس نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وقت عتاب و سرزنش کا نہیں ہے میں اس دنیا سے جارہا ہوں'' معلوم نہیں کہ اس نے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب کیا یا راوی نے بطریق ادب اپنی طرف سے بڑھایا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لفظ اپنے نفاق سے ہی کہا ہوگا' اپنی نزع کی حالت اور اپنی عاجزی و پریشانی کی حالت میں کہا ہوگا۔ اگر اس نے قصد و یقین کے ساتھ کہا ہے تو یہ ''ایمان یاس'' کی صورت بنے گی۔ (واللہ اعلم)

اس نے کہا ''جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے پہ آنا اور اپنی قمیص مبارک مجھے دینا تا کہ اسی میں مجھے کفن دیں''۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن دو قمیص مبارک پہنے ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی قمیص اسے دی۔ ابن ابی نے کہا وہ قمیص مبارک دیجئے جو بدن اقدس سے ملی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قمیص کو جسے وہ چاہتا تھا نہ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ قمیص مبارک جو اندر تھی جسے وہ مانگتا تھا نہ دی۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے مانگی کہ وہ قمیص مبارک جو بدن اقدس سے متصل ہے عنایت فرمادیں۔ اس کے بعد التجا کی کہ نماز پڑھیں اور میرے لیے استغفار کریں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ جائیں اور اس کی نماز پڑھیں تو قدوۂ اصحاب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! آپ اس پر نماز پڑھیں گے حالانکہ وہ منافق تھا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! میرا ہاتھ چھوڑ دُ مجھے ان کیلئے ستر مرتبہ استغفار کرنے یا عدم استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے' میں نے استغفار کو اختیار کیا ہے۔ اگر تم جانتے ہو کہ ستر بار سے زیادہ میرے استغفار کرنے سے وہ بخشا جاتا تو میں ہزار سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔ اس میں اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ آپ ان کیلئے استغفار کریں یا ان کیلئے استغفار نہ کریں۔ اگرچہ ستر مرتبہ ان کیلئے آپ استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشے گا۔

نقل ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی ان منافقوں میں جو بھی مرے کسی پر آپ کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان افعال واقوال کا صادر ہونا عجیب وغریب ہی بات ہے۔ اس کی کنہ وحقیقت تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ ایک عجیب ونادر بات اہل سیر یہ کہتے ہیں کہ جبکہ ابن ابی کو دفن کر دیا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر گئے اور فرمایا اسے باہر نکالو۔ پھر اس کے سر کو اپنے آغوش مبارک میں لیا اور اپنا لعاب دہن شریف اس کے منہ میں ڈالا۔ ظاہر ہے یہ سب افعال اس کے بیٹے کی خاطر سے تھے چونکہ وہ محبان صادق اور مخلصان بارگاہ میں سے تھا۔ اس اظہار کیلئے تھا کہ لوگ جان لیں کہ شفاعت بغیر سرمایہ ایمان کے کوئی فائدہ نہیں دیتی اور حکم قطعی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ کیا ظاہر داری میں تھا حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی حکمت ومصلحت پنہاں ہو جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ جان سکتا ہو اور نہ معلوم کر سکتا ہو۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ظاہر ہوئی کہ وہ منافقین جو ابن ابی کے تابع وموافق تھے اور غیر تھے۔ جب انہوں نے اس کے حق میں اتنا لطف وکرم اور مہربانی دیکھی تو آشنا ہو گئے اور اسلام میں داخل ہو کر انقیاد واطاعت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالا۔

منقول ہے کہ ابن ابی کی موت کے دن منافقوں نے جو یہ دیکھا کہ ان کا پیشوا آخر کار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ودعا کا محتاج ونیاز مند بن گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کے بارے میں الطاف واکرام کا مشاہدہ کیا تو ایک ہزار منافقین نے آکر توبہ کی اور صدق واخلاص کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

بعض علماء کرام قمیص مبارک دینے کے بارے میں توجیہ وتاویل کرتے ہیں کہ روز بدر جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے اسیر ہوئے تو وہ اس بنا پر برہنہ رہے تھے کہ وہ چوں کہ طویل القامت تھے کسی کی قمیص ان کے جسم پر پوری نہ اترتی تھی۔ اس ابن ابی نے اپنی قمیص انہیں پہنائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اس کا بدلہ چکایا تاکہ اس کے احسان کا بوجھ اتر جائے۔ نماز اور استغفار کے ذریعہ نوازش فرمانا اس بنا پر تھا کہ روز حدیبیہ مشرکوں نے عبداللہ ابن ابی سے کہا تھا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے لیکن تجھے ہم اجازت دیتے ہیں کہ تو عمرہ کر لے۔ اس نے جواب دیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پیشوا ہیں میں ان پر سبقت نہیں کروں گا۔ چونکہ اس نے اس احترام کو ملحوظ رکھا تھا ہر چند کہ وہ نفاق سے تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ بھی اس پر نماز پڑھنے اور استغفار کرنے سے اتار دیا۔ (کذا قیل)

یہ باتیں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ نہ یہ تشفی کرتیں اور تحیر کو دور کرتی ہیں۔ نہ اعتراض کو دفع کرنے والا ہے اور نہ قطعی جواب ہے۔ چونکہ وہم میں یہ کہا جاتا ہے کہ شرک کے نہ بخشے جانے کی خبریں اور استغفار کرنے اور نہ کرنے میں اختیار دینے کی آیت جو منافقوں کے بارے میں ہے۔ ان کا نہ بخشا جانا اور اس باب میں اور بھی جو آیتیں ہیں وہ سب ابن ابی کے مرنے کے بعد واقع ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ

میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ واقع ہوا وہ ان آیتوں کے نزول سے پہلے ہے۔ اگر یہ بات مکمل صحیح ہوتی تو اس وہم سے نجات کی صورت بن سکتی تھی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ استغفار کی ممانعت اس کیلئے ہے جو (ظاہر طور پر) شرک پر مرا ہو۔ یہ ممانعت استغفار اس کے اوپر نہیں ہے جو اسلام کو ظاہر کرتا ہوا مرا ہو۔ اس لیے کہ احتمال ہے کہ آخر کار میں باطن، ظاہر کے موافق بن گیا ہو۔ اس احتمال پر ممکن ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کی ہو۔ خصوصاً عین دنیا سے جاتے وقت جبکہ اس سے پشیمانی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس تقدیر پر ممانعت کی خبر اگر ثابت ہو جائے تو بعید نہیں ہے۔ کہا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ افعال واقوال عبداللہ کیلئے دعوت ایمان کے قصد سے ہوں اور اس کی معروضات کو قبول فرمانا اس کی تالیف وترغیب اور استمالت کیلئے ہو۔ اس کے بعد جب ممانعت نازل ہوئی تو اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمع الجوامع میں علامہ سیوطی علیہ الرحمتہ نے عبداللہ بن اُبی کو صحابہ کے ضمن میں ذکر کر کے حضرت شیخ اجل اکرم علی متقی رحمتہ اللہ نے جامع کبیر کے حاشیہ میں اس کی تصویب کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "هٰذَا بِحَسْبِ الظَّاهِرِ وَاِلَّا هُوَ كَانَ مُنَافِقًا (واللہ اعلم بحقیقتہ الحال)

شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال: نویں سال کے واقعات میں شاہ حبشہ نجاشی کی رحلت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس دن نجاشی نے وفات پائی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا آج تمہارے بھائی مرد صالح اصحمہ نے وفات پائی۔ اٹھو ان کی نماز جنازہ پڑھو اور اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو۔ اس کے بعد ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے اور ہم نے عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھی۔

واضح رہنا چاہیے کہ جنازہ غائب کی نماز پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی امام احمد اور جمہور سلف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ نماز جنازہ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے لے میت موجود ہو اور یہ صورت غائب میں موجود نہیں ہوتی۔ ان اماموں کی حجت جو جائز کہتے ہیں نجاشی کی حدیث ہے۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ مصلی کے سامنے میت کا ہونا شرط نہیں ہے اور جو ائمہ عدم جواز کا حکم دیتے ہیں وہ نجاشی کے قصہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس جگہ بھی نماز غائب پر نہ تھی بلکہ زمین کو لپیٹ کر ان کے جنازہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر کر دیا گیا۔ یا جنازہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا گیا اور جماعت والوں کا یعنی مقتدیوں کا دیکھنا شرط نہیں ہے۔

واقدی اپنی تفسیر میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نجاشی کے جنازہ کو پیش نظر کر دیا یہاں تک آپ نے ملاحظہ فرما کر نماز پڑھی۔

نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں اس صحابی کی نماز جنازہ پڑھی جو کہ مدینہ طیبہ فوت ہوئے تھے ان کا نام معاویہ لیثی تھا اور فرمایا ستر ہزار فرشتے ان پر نماز پڑھ رہے ہیں اور فضیلت اس بناء پر ہے کہ وہ سورۂ اخلاص کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

آج بھی حرمین شریفین زَادَهُمَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا وَّ تَشْرِيْفًا میں متعارف ہے کہ جب خبر پہنچے کہ فلاں مرد صالح کسی اسلامی شہروں میں فوت ہو گیا ہے تو شوافع اس پر نماز پڑھتے ہیں اور بعض احناف بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ قاضی علی بن جار اللہ جو اس فقیر کے یعنی صاحب مدارج النبوۃ کے شیخ حدیث ہیں ان سے پوچھا گیا کہ احناف ایسی نماز غائبانہ پڑھنے میں کیوں شریک ہوتے ہیں؟ تو فرمایا یہ دعا ہے جو کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سیّدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں کہ ہر روز بطریق در دنماز جنازہ اس روز پڑھے۔ آپ یعنی غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ حنبلی ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کے

نزدیک جائز ہے۔

حج مبارک درامارت صدیق اکبر: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ماہ ذیقعدہ میں ایک گروہ کے نزدیک ذی الحجہ میں اور بعض کہتے ہیں کہ آخر ذیقعدہ میں حج کیلئے بھیجا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال سے شروع کی آیتوں کا نزول اسی میں ہے اور فرمایا کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ اللہ کی جانب سے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے اور یہ سال نہم میں واقع ہے۔ محققین کے نزدیک قول مختار یہی ہے۔ لیکن اس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا غزوات کے معاملات میں انہماک' وفود کے آنے اور انہیں تعلیم دینے کے باعث ممکن نہ ہوسکا تھا۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو صحابہ پر امیر الحاج بنایا' بیس بدنہ اور پانچ بدنہ خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے تھے لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ تاکہ مراسم حج ادا کریں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ سورۂ برات کے ابتدائی تیس یا چالیس آیتوں کو لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور اکابر صحابہ کرام میں سے مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ' جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اس جماعت کے ساتھ تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور کہا کہ ادائے رسالت اور پیغام نہ کرے مگر آپ یا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک روایت میں ہے کہ یا وہ شخص جو آپ کا ماذون ومجاز ہو اس لیے کہ ثبوت عہد ونقض عہد اس شخص کا کام ہے جو صاحب معاملہ ہو۔ یا وہ شخص جو اس کے خویش وقرابت میں سے ہو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے جاؤ اور ان آیتوں کو ان سے لے کر حج کے دن لوگوں پر پڑھو۔ یہ چار باتیں بھی فرمائیں کہ ان کو لوگوں پر بیان کردیں۔ ایک یہ کہ جنت میں کوئی جان داخل نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ مومن ہو دوسرے یہ کہ کوئی شخص برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے تیسرے یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور مسجد حرام میں داخل نہ ہو اور قربانی نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ کافروں میں سے جس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی میعادی عہد باندھا ہے تو اس کی میعاد گزر جانے کے بعد اپنے عہد پر قائم ہوگا۔ اگر کسی نے سرے ہی سے کوئی عہد نہیں باندھا جب تک کوئی عہد مقرر ہو چار مہینہ تک امان میں ہوگا۔ اس کے بعد اگر مسلمان نہ ہوا تو اس کا خون اور اس کا مال مباح ہوگا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص ناقہ پر جس کا نام ''عصبا'' تھا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور ان فرمودات کی بجا آوری کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج کے ارادہ سے جارہے تھے جب منزل عرج میں پہنچے یہ مکہ مکرمہ کی راہ میں کوہ صحبان کے ساتھ ایک منزل کا نام ہے۔ صبح کی نماز کا وقت تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی امامت کیلئے آگے بڑھ چکے تھے ابھی نماز شروع نہ ہوئی تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص سواری پر سوار داخل ہوئے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا ''تم امیر ہو یا مامور''۔ مطلب یہ کہ تمہارا آنا امیر کی حیثیت میں ہوا ہے اور میں معزول ہو چکا ہوں یا مامور ہو کر آئے ہو۔ اور میں بدستور امیر اور تم میرے تابع اور مامور ہو؟ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ مامور ہو کر آیا ہوں مطلب یہ کہ امیر الحاج تم ہی ہو اور میں تمہارا تابع ہوں۔ لیکن فرمان واجب الاذعان ایسا صادر ہوا ہے کہ سورۂ برات کی وہ آیتیں میں پڑھوں گا اور میں امن کے بارے میں وہ احکام جو میں لے کر آیا ہوں میں پہنچاؤں گا۔

جب مکہ مکرمہ پہنچے اور مناسک حج بجالاتے ہوئے ایام حج میں مقرر شدہ خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا اور مناسک حج کی تعلیم فرما چکے تو اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان آیتوں کو اور چاروں حکموں کو ان تک پہنچایا۔ اس کے بعد جب ان مہموں سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے کیا سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے سورۂ برات کی قرات مجھ سے لیلی۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم سے کوئی بات سرزد نہیں ہوئی ہے اور نہ کوئی نقص تمہاری طرف سے واقع ہوا ہے۔ تم میرے مصاحب غار میں رہے ہو اور میرا مصاحب حوض کوثر پر میرے ساتھ ہوگا۔ لیکن جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے حکم الٰہی پہنچایا کہ ان امور کو یا تو آپ پہنچائیں یا وہ شخص جو آپ کا قریبی رشتہ دار ہو۔ اس بنا پر میں نے یہ کہا۔ یہ آیتیں مشرکین کے نقض عہد اور منافقوں کی ذلت ورسوائی پر مشتمل ہیں۔

مجھے ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک مجلس تھی جس میں کچھ شیعہ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک جس پر جہل وتعصب اور اس کی طبیعت پر عناد غالب تھا۔ کہنے لگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصب کیا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا کسی دوسرے شیعہ' جو علم وانصاف رکھتا تھا وہ اس بات کا منکر ہوا۔ کہا کیوں جھوٹ بکتا ہے اور بکواس کرتا ہے۔ لیکن اس وقت اس قضیہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ منصب امیر الحاج اور تعلیم احکام حج' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی سپرد تھے۔ قرات آیات اور تبلیغ احکام اربعہ' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض فرمائے۔ چونکہ یہ حکم پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی سونپے گئے تھے بعد ازاں علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ ہوا اس بنا پر عزل کے تو ہم نے راہ پائی۔ لیکن کلیۃً معزولی کا ہونا اور اس شیعہ کی غرض بھی یہی تھی۔ وہ منتفی ہے اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تھا کہ تم امیر ہو کے آئے ہو؟'' حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا نہیں بلکہ مامور تابع ہو کر آیا ہوں۔''

<u>قضیہ لعان</u>: بقول اکثر اہل سیر' اسی سال لعان کا قضیہ واقع ہوا۔ مشکوٰۃ میں اس بارے میں دو حدیثیں مروی ہیں۔ ایک حدیث عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الحارث عجلانی منسوب بعجلان جو خانوادہ انصار کی ایک شاخ ہے اور ان کی بیوی جس کا نام خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا کے درمیان ہے۔ متفق علیہ حدیث میں جو سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعد ساعدی سے مروی ہے اور وہ اکابر صحابہ اور مدینہ میں تمام صحابہ کے آخر میں وفات پانے والے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجلانی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس شخص کے بارے میں حکم فرمایئے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور کو زنا کرتے دیکھا کیا وہ اسے قتل کر دے یہاں تک کہ مقتول کے ورثاء اسے اس کے بدلے قتل کر دیں یا کیا کریں؟'' مطلب یہ کہ درگزر کر دیں اور قتل نہ کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن کریم میں حکم نازل کیا گیا ہے۔ مراد یہ آیت لعان ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ (یہاں تک کہ) اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ' اس کے بارے میں فرمایا جاؤ اپنی بیوی کو لے کے آؤ۔ اس کے بعد عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ان کی بیوی نے ایک دوسرے پر مسجد میں لعان کیا۔ جب باہمی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں نے جھوٹ بولا ہے اس پر اس نے تین طلاقیں دیدیں۔ یہ طلاق ان کے گمان کی بنا پر ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ لعان عورت کو مرد پر حرام نہیں کرتی تو انہوں نے طلاق دیدی تاکہ جدا ہو جائے۔ لیکن حکم یہ ہے کہ لعان کے ساتھ ہی عورت مرد سے جدا ہو جاتی ہے خواہ تفریق کے بعد ہو یا تفریق کے بغیر۔ جیسا کہ معلوم ہوا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ یہ عورت جنے دیکھنا کہ کس

شکل وصورت پر ہے۔ اگر وہ بچہ سیاہ رنگ، سیاہ آنکھیں، موٹے موٹے سرین اور پتلی ٹانگوں والا ہے تو میرا خیال ہے کہ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچا ہے اور اگر سرخ ہے اور جانور کے رنگ پر ہے جسے حرہ کہتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹا ہے۔ اس عورت نے اس رنگ وصفت پر بچہ جنا جس کی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت میں بیان کی تھی۔ یعنی سیاہ رنگ کا اور یہ رنگ اس مرد کے رنگ کے مشابہ تھا جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ بچہ اس کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ جیسا کہ ولدالزنا کیلئے حکم ہے کہ ایسے بچے کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے اور ماں کا وارث بنتا ہے نہ کہ باپ کا۔

دوسری حدیث بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سمحاء کے ساتھ قذف یعنی تہمت رکھی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ لاؤ یا اپنی پشت پر حد قذف لگوانے کو قبول کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس کسی اور مرد کو دیکھتا ہے تو اتنی گنجائش اور وقت کہاں ہوتا ہے کہ جا کر گواہوں کو لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ یا تو گواہ لاؤ یا حد لگواؤ۔ انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنی بات میں سچا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ضرور کوئی چیز نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ. الآیہ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ. تک پڑھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد وعورت دونوں کو نصیحت فرمائی کہ لامحالہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور دنیا کا عذاب آسان ہے۔ اس کے بعد وہ عورت اٹھی اور شہادت دینا شروع کی۔ قسم کھائی لوگوں نے مبالغہ واصرار کیا کہ توقف کرے اور عجلت نہ کرے۔ جب پانچویں شہادت پر پہنچی تو تردد وتوقف کیا اور کہا کہ میں تمام عمر اپنی قوم کو رسوا نہ کروں گی، پھر وہ باز نہ آئی اور توقف نہ کیا اور قسم کھا لی۔ اس کے بعد دونوں میں تفریق کر دی گئی۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عورت بچہ جنے اس کی صورت وشکل دیکھو، جیسا کہ عویمر کی حدیث میں فرمایا تھا تو وہ شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل وصورت پر بچہ لائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نہ ہوتا وہ جو کتاب اللہ نے حکم دیا ہے تو میں اس عورت کے ساتھ وہ کرتا جو میں نے اس کے ساتھ نہ کیا اور جس کی وہ مستحق تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ خدا اور اس کی شریعت کا حکم یہی ہے اس لیے میں اس سے درگزر کرتا ہوں۔

واضح رہنا چاہیے کہ لعان، ملاعنت اور تلاعن کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں۔ جب مرد اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کر سکے اور عورت چار بار اقرار نہ کرے تو اس صورت میں حکم الٰہی یہ ہے کہ شوہر چار مرتبہ شہادت دے اور قسم کھائے کہ وہ صادقوں میں سے ہے اور پانچویں یہ کہے کہ خدا کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد چار مرتبہ عورت شہادت دے اور قسم کھائے کہ یہ مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس عورت پر اگر یہ مرد سچوں میں سے ہو۔ جب مرد وعورت دونوں لعان کر چکیں تو حاکم دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔ مذہب احناف یہی ہے اور یہ جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا. ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی۔'' یہ حدیث مذکورہ مذہب کا ثبوت ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک بغیر تفریق کے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر شہادت نہ دے اور قسم نہ اٹھائے تو اس پر حد قذف ثابت ہو جاتی ہے اور اگر عورت شہادت نہ دے اور قسم نہ اٹھائے تو اس پر حد زنا ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر عورت نے کہا کہ اگر میں نے قسم نہ اٹھائی تو میں اپنی قوم کو ذلیل کرنے والی ہوں گی۔ لہٰذا لعان نے جو کام کیا یہی کیا کہ مرد وعورت کو قذف اور زنا کی حد سے رہائی دی۔ لیکن بلاشبہ ان دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ اگر دنیا کی سزا سے خوف کیا تو فرمایا کہ عذاب آخرت میں ضرور گرفتار ہوگا۔

جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اَحَدَکُمَا کَاذِبٌ وَاِنَّ عَذَابَ الدُّنْیَا اَھْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَۃِ. یقیناً تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور بلاشبہ عذاب آخرت سے دنیا کی سزا سہل وآسان ہے۔

اس کے بعد یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ بچہ سے باپ کا نفی کرنا اور ماں کے ساتھ ملانا جو ثبوت زنا پر مبنی ہے بسبب اس مرد کے ساتھ مشابہت کے ہے جس کے ساتھ زنا پر متہم وموسوم ہوئی۔ بظاہر شوافع کا حکم قیافہ کے معتبر ہونے پر اس میں تمسک واستدلال ہے۔ لیکن چونکہ لعان کی مشروعیت کی وجہ سے حد زنا ساقط ہوگئی تو حکم بدل گیا۔ یہاں تک کہ ماں کے ساتھ ملادیا اور اسکے نسب کا ثبوت ماں کے ساتھ قائم ہوگیا۔ شوافع کے نزدیک قیافہ کے ساتھ حکم کرنا معتبر ہے مثلاً اس صورت میں کہ ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہے اور ہر ایک ملک یمین کی بنا پر اس سے وطی کرتا ہے۔ پھر وہ بچہ کو لاتی ہے تو امام شافعی قیافہ شناسی کا حکم دیتے ہیں وہ قیافہ سے جس کے ساتھ بھی مشابہت بتادے اسی کا بچہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بحکم شرع دونوں کا بچہ ہے اگرچہ دونوں کا نہ ہو۔ لیکن احکام میں دو مردوں سے ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قیافہ کی گمان وعلامت سے زیادہ حیثیت نہیں ہے احکام میں اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں جو فرمایا کہ ''اگر نہ ہوتی وہ بات جس کا خدا کی کتاب حکم کرتی ہے تو میں اس عورت کے ساتھ وہ نہ کرتا جو کیا۔'' ہم کہتے ہیں کہ یہ قول اس کی دلیل ہے کہ حاکم کو مظنہ 'علامات' قرائن اور گمان پر توجہ نہ دینی چاہیے اور حکم نہ دے مگر اس چیز کے ساتھ جو ظاہر طور پر رجج ودلائل شرعیہ جس کا اقتضاء کرکے اور یہ قیافہ مظنہ وعلامات سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ تو اس کی بناء پر حکم نہ کیا جائے۔ بجز ان بعض مواقع کے جن میں مظنہ وعلامات کفایت کریں۔

قیافہ کے معتبر ہونے میں شوافع کی ایک دلیل' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث ہے کہ ''کہا میرے پاس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش وخرم تشریف لائے کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں باپ بیٹے مسجد میں سوئے تھے' ان پر ایک مخملی چادر پڑی ہوئی تھی' ان کے دونوں کے سر ڈھکے ہوئے اور دونوں کے پاؤں کھلے ہوئے تھے تو مجر زمد لجی نے جو کہ قیافہ میں یگانہ روزگار تھا۔ دیکھا تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے قدموں میں بعض اجزاء میں مشابہت ہے یعنی ان دونوں کے درمیان کل وجزئی کی نسبت ہے جو باپ اور بیٹے ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس اجمال واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال شفقت سے بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوان کا بیٹا تھا۔ رنگ سیاہ تھا' اتنے خوبصورت بھی نہ تھے' اپنی ماں کے ساتھ جن کا نام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور وہ کالے رنگ کی تھیں مشابہت رکھتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت چاہتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''حب رسول اللہ'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب کہا کرتے تھے۔ اس پر منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے کہ باپ ایسا خوبصورت وسفید فام اور بیٹا ایسا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوا کرتی تھی۔ جب اس قیافہ شناس مجرز مدلجی نے ان کو دیکھا اور حکم دیا کہ یہ دونوں شخص باپ بیٹے ہونے چاہئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس بنا پر شوافع کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ شناس کے حکم کو معتبر جانا اور اس کے حکم پر مسرت وخوشی کا اظہار فرمایا۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ومسرت اس بنا پر تھی کہ قیافہ شناس کی بات اہل عرب میں بہت معتبر تھی یہ ان کے اوپر الزام تھا۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ قیافہ شناس کا قول احکام شرعیہ میں معتبر ہو۔ احناف کا مذہب یہ ہے۔

تنبیہ: علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے ایسے شخص کو قتل کردیا جو اس کی بیوی کے ساتھ زنا کررہا تھا۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قصاص میں اسے قتل کیا جائے مگر یہ کہ اس پر چار گواہ گزرے یا مقتول کے ورثاء زنا کا اقرار کریں۔ اس صورت میں اس

کے اور خدا کے درمیان کوئی مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ صادق ہو۔ (کذا قیل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار میں اکابر صحابہ سے ہیں۔ انہوں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ پاؤں تو کیا میں اسے قتل کر دوں یا میں چار گواہ لاؤں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں چار گواہ لاؤ'' حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس سے پہلے اس کا علاج تلوار سے کروں گا''۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان کا یہ عرض کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کرنے کے سلسلے میں نہیں ہے اور نہ اس میں آپ کے حکم کی مخالفت ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا کہ مجھ میں عزت اور غضب اس حد تک موجود ہے۔ لیکن شرع یہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے انصاریو! سنو اور غور کرو کہ تمہارا سردار کیا کہتا ہے؟ بلاشبہ وہ غیرت مند شخص ہیں اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور خدا مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی غیرت کی ہی وجہ تو ہے کہ بندوں پر گناہوں کے اظہار کو حرام قرار دیا ہے خواہ گناہ ظاہری ہوں یا مخفی طور سے'' مقصود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حد ذات میں غیرت کی صفت کی تعریف فرمانا ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عزت داروں کی صفات اور سرداروں کی عادات میں سے ہے۔ اگرچہ شریعت میں اس کا حکم اور ہے۔ غیرت کے معنی رشک کھانے کے ہیں اور یہ غیرت محبوب پر ہوتا ہے تاکہ دوسرا اس میں دخل انداز نہ ہو۔ کسی ایسی ناپسندیدہ چیز کے دیکھنے سے جو اس سے متعلق ہو تکلیف پہنچتی ہے اور حق تعالیٰ کی غیرت بندوں کو ارتکاب معاصی ومحرکات سے جھڑکنے اور منع کرنے میں ہے۔ تاکہ وہ بارگاہِ قرب ورضا سے دور نہ ہو جائے۔ یہ بات اس کی محبت وعنایت کی بنا پر ہے جو اسے اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ جس طرح دیکھتے ہی اس مرد کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح عورت کو قتل کرنا یا سنگسار کرنا بغیر اثبات شرعی کے جائز نہیں ہے۔

سال دہم ہجری کے واقعات

دسویں سال کے واقعات میں بکثرت وفود وغیرہ ہیں لیکن ہم نے وفود کے ذکر کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے خواہ وہ کسی بھی سال میں ہوں اس جگہ اب ہم وفود کے ماسوا واقعات بیان کرتے ہیں۔

سریہ خالد بن ولید: دسویں سال کے واقعات میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک جماعت کے ساتھ بنی الحارث بن کعب کی جانب بھیجنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ تین مرتبہ ان کو دعوت اسلام دینا۔ اگر قبول کر لیں تو ان میں رہنا' انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دینا اور اگر وہ قبول نہ کریں تو مقابلہ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پہنچے اور دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو گئے اور بموجب فرمان نبوی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں اقامت فرمائی۔ قرآن کریم اور احکام شرعیہ انہیں سکھائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور کیفیت احوال ظاہر کی۔ حکم ہوا کہ ان کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آ جاؤ۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ آ گئے۔ بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر سلام عرض کیا اور کہنے لگے ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر ان میں سے ایک شخص کو جس کا نام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین تھا ان پر امیر بنایا اور اپنے وطن مالوف واپس ہونے کی اجازت دی۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزم کو ان کی طرف عامل بنا کے بھیجا تاکہ ان کے صدقات جمع کریں۔ یہ عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی وہیں مقیم تھے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاں سے کوچ فرمایا۔ عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مرقوم ہے کہ وہ قبیلہ نجار کے انصاری شخص تھے اوران کی رکنیت ابوضحاک بعض کے نزدیک ابومحمد صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہیں پندرہ سال کی عمر میں نجران کی طرف عامل بنا کر بھیجا اور سترہ سال کی عمر میں ان کو یمن کی طرف بھیجا گیا۔ ایک مکتوب گرامی ان کے ساتھ تھا جس میں فرائض وسنن اور دیات تحریر تھے۔

اسی سال ایک مکتوب گرامی نجران کے نصاریٰ کی طرف ارسال فرمایا نجران یمن کے ایک موضع کا نام ہے۔ جو نجران بن زید بن سبا سے منسوب ہے۔ ان کو دعوت اسلام دی گئی۔ ان لوگوں نے باہمی مشورہ کیا اس کے بعد اپنے میں سے چودہ افراد کو چن کر مدینہ طیبہ روانہ کیا تا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی تحقیق کریں اور انہیں حالات سے باخبر کریں۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح مرقوم ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ وہ ساٹھ سوار تھے' بیس مردان کے سرداروں میں سے تھے اوران میں سے تین شخص ایسے تھے جن کے ہاتھ میں زمام کار تھی۔ ایک کا نام عاقب تھا جوامیر قوم' صاحب مشورہ اوران کا رئیس وسردار تھا۔ ایک کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا ''ایہم'' تھا اور اس کا لقب سیّد تھا۔ وہ سامان اوران کی جمعیت کا محافظ تھا۔ تیسرا ابوالحارث بن علقمہ تھا جونہایت دانشمند اوران کی قوم کا مدرس تھا اور وہ اپنی ہی کتابوں کا درس دیتا تھا۔ ان کی قوم کے سلاطین اس کا اعزاز واکرام کرتے اوراسے مقبول گردانتے تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وصفات کا عارف اور کتب متقدمہ سے ان کو پڑھا ہوا تھا۔ لیکن اس کو نصرانیت پر دنیا کی محبت اوران میں اپنی عزت و وجاہت نے اسے باقی رکھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس ابوالحارث بن علقمہ کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام کرز بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ وہ بھی اس وفد میں شامل تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اثنائے راہ میں ابوالحارث بن علقمہ کا اونٹ سر کے بل گر پڑا۔ کرز نے کہا ''وہ سر کے بل گرے جو بہت دور ہے۔ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)'' ابوالحارث نے کہا'' بلکہ تو سر کے بل گرے۔'' کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' اے بھائی ایسا کیوں کہتے ہو؟'' ابوالحارث نے کہا'' خدا کی قسم محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ہم انتظار کررہے تھے۔ کرز رضی اللہ عنہ نے کہا'' پھر کس بنا پر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کرتا اوران کی پیروی سے کونسی چیز تجھے روکتی ہے؟ ابوالحارث نے کہا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت اپنی قوم کی مخالفت کو مستلزم ہے۔ اگر یہ بات ہم سے روپذیر ہوجائے تو نصاریٰ میں جو ہماری قدرومنزلت اور اعتبار ہے۔ ہم سے جاتی رہے اور جو مال ومنال اور سامان وتحائف ہمیں ملے ہیں وہ ہم سے چھین لیں۔ اس بات سے اسلام کی محبت کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہوگئی اوراس نے اپنے اونٹ کو تیز ہانکنا شروع کردیا۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی سے شرف یاب ہوا تو ایمان لے آیا۔ منقول ہے کہ نجران کے نصاریٰ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو راستے کے کپڑے اتار کر ریشمی جوڑے پہنے' ان کے دامنوں کو زمین پر گھسیٹتے ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور سلام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اوران کی طرف سے رُخ انور پھیرلیا۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو وہ کھڑے ہوئے تا کہ نماز پڑھیں اور مشرق کی طرف منہ کیا ان کا قبلہ اس رُخ پر ہے۔ جب صحابہ نے چاہا کہ انہیں اس سے باز رکھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تا کہ جس طرح چاہیں نماز پڑھیں۔ جب نماز پڑھ چکے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہر چند باتیں کیں مگر جواب نہ ملا۔ پھر جب وہ مسجد سے نکلے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرکے ان سے ملے چونکہ ان حضرات سے ان کی پہلے سے جان پہچان تھی۔ انہوں نے کہا تمہارے نبی نے ہماری طرف ایک مکتوب گرامی لکھا تھا اور ہمیں دعوت دی تھی۔ جب ہم ان کے پاس آئے' سلام کیا' باتیں کیں تو انہوں نے ہمیں نہ سلام

کا جواب دیا اور نہ ہم سے باتیں کیں۔ اب تم دونوں کی کیا رائے ہے آیا ہم اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں یا توقف کریں؟ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا ''اے ابوالحسن تمہاری رائے کیا ہے''۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میری رائے یہ ہے کہ یہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگشتریاں جدا کر کے راہبوں جیسا لباس پہن کر مجلس شریف میں آئیں۔'' پھر جب وہ اس وضع سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا: قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا یہ لوگ پہلی مرتبہ مجلس میں آئے تو ان کے ساتھ شیطان تھا۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا' انہوں نے بڑی بیہودہ اور لایعنی باتیں کیں۔ بالآخر بات یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ''آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آج میں تمہارے سوال کا جواب نہیں دیتا تم اس شہر میں ٹھہرو تا کہ سوال کا جواب سنو''۔ گویا کہ وحی کا انتظار فرمایا کہ کیا آتی ہے اور کیا بیان لاتی ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُo اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَo فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَo

عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے اے سننے والے یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک والوں میں نہ ہو پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم تم بولائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

چونکہ اس ارشاد کے بعد بھی وہ انکار اور بے اعتقادی پر مصر و قائم رہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم آیۂ کریمہ مباہلہ کرنے پر انہیں بلایا۔ مباہلہ کے معنی لغت میں ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں اور بہلہ بضم یا بہ فتح کے اصلی معنیٰ ترک کے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ بَهَلَتِ النَّاقَةُ اِذَا تَرَكَهَا بِلَا اِصْرَارٍ۔ ابتہال کی اصل یہی ہے۔ اس کے بعد اس لفظ کو ہر اس دعا میں بولا جانے لگا جس میں خوب مبالغہ و کوشش کی جائے۔ اگرچہ اس میں لعان کرنا نہ ہو اور آیۂ کریمہ کو بھی اسی معنی پر محمول کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دعا میں تضرع و ابتہال کریں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مباہلہ کا قصہ ان کے سامنے لائے تو ان میں جو صاحب مشورہ تھا اس سے پوچھنے لگے کہ تیری رائے اس بارے میں کیا ہے؟ بالآخر اس نے جواب دیا کہ اے نصرانیو! قسم ہے خدا کی تم خوب جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی برحق ہیں۔ ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرو۔ جس نے بھی کسی نبی کے ساتھ مباہلہ کیا ہے وہ ضرور ہلاک ہوا ہے اور جبکہ تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنے دین مالوف پر قائم و ثابت رہیں تو ان سے مصلحت کر کے اپنے شہروں کی طرف لوٹ چلو''۔ دوسرے دن صبح کو جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود مباہلہ کیلئے آمادہ و تیار پایا۔ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے آغوش میں اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتبیٰ کو اپنے دست مبارک میں لیے ہوئے۔ سیّدہ فاطمہ الزہراء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں اور حضرت علی مرتضیٰ سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عقب میں موجود تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا' سبحان اللہ کیا وقت اور کیا سماں ہوگا کیا شان شاہد کی ہے اور کیا مرتبہ مشہود کا ہے۔

گروہ نصاریٰ نے جب ان پنج تن پاک کو دیکھا' کلمات دعاؤ آمین سنے تو لرزنے اور کانپنے لگے۔ ابوالحارث بن علقمہ جوان میں دانشمند تھا کہنے لگا۔ ''اے لوگو! میں ایسی پاکیزہ صورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ان کی دعا سے وہ ٹل جائے۔ خبردار! ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ اب ہلاک ہو جاؤ گے اور کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور خنزیر کی مانند ان کی صورتیں مسخ ہو جاتیں اور یہ وادی ان پر آگ برساتی۔ تمام اہل نجران کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکتی یہاں تک کہ وہ جانور جو درختوں پر بیٹھے ہوتے وہ سب ہلاک ہو جاتے اور ایک سال نہ گزرتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ پھر انہوں نے کہا ''اے ابوالقاسم! ہم آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کرتے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پھر تم مسلمان ہو جاؤ''۔ انہوں نے کہا ''یہ بھی ہم سے نہیں ہو سکتا''۔ فرمایا: ''پھر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ''۔ انہوں نے کہا ہم میں آپ کے ساتھ جنگ کی قوت و طاقت نہیں ہے لیکن ہم آپ کے ساتھ اس شرط پر مصالحت کرتے ہیں کہ ہر سال ہم دو ہزار حلے۔ ایک روایت میں ہے سرخ حلے اور ہر ایک کی قیمت چالیس درہم ہوگی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ تیس گھوڑے' تیس اونٹ' تیس زرہ اور تیس نیزے بھی دیا کریں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر مسلمانوں کو ضرورت پیش آئے تو ہر ایک سے مذکور تیس تیس بطور عاریت دینا ہوگا اور یہ کہ سود نہ کھاؤ گے اور ہم پر حملہ نہ کرو گے۔ تو ان تمام شرائط پر مصالحت واقع ہوئی اور اس باب میں صلح نامہ لکھا گیا۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی گواہی ثبت کی۔ یہ صلح نامہ انہیں دے دیا گیا۔ مروی ہے کہ واپسی کے وقت انہوں نے کہا ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک امانت دار شخص ہمارے ہمراہ روانہ فرمائے تا کہ اگر ہم میں کوئی نزاع واقع ہو تو وہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔'' فرمایا ایک ایسا ہی قوی و امین شخص جو حق امانت بجالائے ہیں بھیجتا ہوں پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ہمراہ کیا۔ اس کے بعد یہ جماعت اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئی۔ تھوڑی مدت بعد سیّد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عاقب رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان کی تبعیت میں اور بھی جماعت مسلمان ہوئی ہوگی (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کے وقت اسقف سے فرمایا ''میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنی منزل میں پہنچا ہے اور اپنے کجاوے کے آگے سویا ہے۔ اس کے بعد اٹھا اور کجاوے کو اپنے اونٹ کی پشت پر الٹا باندھا ہے۔'' چنانچہ اسقف اپنی منزل پہنچا سویا اور بعد ازاں اٹھ کر غفلت میں اپنے اونٹ پر الٹا کجاوہ رکھا ہے۔ جب وہ صورت حال سے باخبر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے سے اس کی خبر دے دینا یاد آیا۔ اسی وقت کہنے لگا ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ مباہلہ کے اس قصہ سے مباہلہ کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے اگر مخالف اور مصر ہو۔ باوجود اس کے کہ حجت و براہین ظاہر و واضح ہوں۔ کہتے ہیں تجربہ سے جانا گیا ہے کہ جس کسی نے مباہلہ کیا ہے تو جو باطل پر ہوتا ہے اور اس پر روز مباہلہ سے ایک سال بھی نہیں گزرتا (واللہ اعلم)

تقسیم مملکت باذان: اسی سال یمن کے حاکم باذان نے وفات پائی۔ جب اس کی وفات کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچی تو اس کی مملکت کو تقسیم فرمایا۔ کچھ حصہ اس کے بیٹے شہر بن باذان کو دیا اور کچھ حصہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اور کچھ حصہ یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور کچھ حصہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ یہ باذان اصل میں کسریٰ کی جانب سے حاکم تھا۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے ارسال خطوط کے ضمن میں (جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کے نام بھیجے تھے) بیان کر چکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کسریٰ کے نام بھی ارسال فرمایا تھا۔ کسریٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو چاک کر دیا تھا جیسا کہ مذکور ہوا۔

اسی سال حجۃ الوداع سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کے ہر ایک مخلاف کو طرف بھیجا۔ مخلاف کے معنیٰ شہر و ملک کے گوشے اور جانب کو کہتے ہیں۔ یمن کے دو مخلاف تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخلاف بلندی پر صوبہ عدن کی جانب تھا اور وہ مضافات مقام ''خبر'' سے تھا اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہاں مسجد مشہور ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخلات نشیب میں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی کہ لوگوں سے نرمی سے کام لینا اور سخت گیری نہ کرنا۔ نرمی و بھلائی کی بشارت دینا اور ان کو اپنے سے دور نہ بھگانا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ تم ایسی قوم میں جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں تو ان کو بتانا کہ حق تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ و صدقات فرض کیے ہیں کہ تم سے لے کر تمہارے فقیروں پر صرف کر دیئے جائیں۔ پھر اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کریں تو خود کو دور رکھنا۔ ان کے عمدہ نفیس مال لینے سے پرہیز کرنا مطلب یہ کہ ایسا نہ کرنا کہ صدقات کے اونٹ گائے اور بکریوں میں سے نفیس ترین چیدہ چیدہ جانور چن لو اور کمتر و کمزور جانوروں کو چھوڑ دو۔ مظلوموں کی آہ و بددعا سے ڈرنا' بچنا اس لیے کہ مظلوموں کی آہ اور بارگاہِ حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ (رواہ البخاری) اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حجۃ الوداع سے پہلے ۱۰ھ کے ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں عبدالمدان کی جانب جو کہ بخران کا قبیلہ ہے بھیجا وہ اسلام لائے۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یمن کی طرف ماہ رمضان مبارک ۱۰ھ میں تین سو سواروں کے ساتھ بھیجا۔ ایک علم ان کیلئے تیار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر دستار مبارک باندھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دستار کے تین پیچ تھے اور آگے کی جانب تقریباً ایک گز شرعی کا شملہ چھوڑا۔ ایک کنارہ کندھوں کی جانب ایک بالشت کا چھوڑا۔ فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ میں تم کو بھیجتا ہوں اور تمہاری جدائی پر افسوس کرتا ہوں۔ فرمایا: جب تم ان کے میدان میں پہنچو تو قتال میں پہل نہ کرنا جب تک کہ وہ جنگ کی ابتدا نہ کریں۔ ان کو ''لا الٰہ الا اللہ'' کی طرف بلانا۔ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اقامت صلوٰۃ کا حکم دینا۔ اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو زکوٰۃ کا حکم دینا کہ وہ اپنے صدقات کو اپنے فقراء میں خرچ کریں۔ اگر وہ اسے مان لیں تو کسی معاملہ میں ان سے تعرض نہ کرنا۔

ممکن ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے درمیان اس طرح ترتیب قائم فرمانا اس کی فضیلت اور تمام عبادات پر اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی فرضیت کے قبول پر موقوف ہے۔ تعجب ہے کہ اس حدیث میں روزہ اور حج کا ذکر نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نماز دائمی فرض ہے اور صدقات کا اہتمام فرمانا اس بنا پر ہو کہ اس میں مخلوق کا حق ہے اور روزہ...... سال میں ایک مرتبہ ہے اور حج عمر میں ایک مرتبہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ. ساتھ ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ بہر حال اس جگہ انہیں دو فرضوں کا اہتمام واقع ہوا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں فریضہ زکوٰۃ پر اہتمام کرنا مقصود ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے یمن جاتے وقت عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں...... اور میں جوان و نوعمر ہوں اور علم قضا و احکام شریعت پر اتنی اطلاع و مہارت نہیں رکھتا'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهٗ وَاهْدِ قَلْبَهٗ. بلاشبہ آپ علم قضا میں اس مرتبہ تک پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان معجز بیان سے آپ کی منقبت میں یہ ناطق ہوا کہ اَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ تم میں علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آپ کی ہدایت وحقانیت کے باب میں یہ بہت عظیم منقبت ہے۔

نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ سے کسی کو ہدایت دیدے تو یہ عمل ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع وغروب کرے، مطلب یہ کہ تمام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔ اس طرح مرتبہ ہدایت کی فضیلت اور علوشان کی جانب اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان شہروں میں دعوت اسلام کا پھریرا لہرایا، جہاد ومحاربہ میں ثابت قدم رہ کر جماعت کثیرہ کی ہدایت فرمائی اور انہیں دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ خصوصاً اہل یمن کے قبیلہ ہمدان کو یہ یک بارگی سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور ان کے اسلام کا اظہار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور سجدۂ شکر بجا لائے۔ اس کے بعد جب سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو فرمایا ''السلام علی همدان''.

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جو پایہ صحت کو پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا تھا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ان کی جگہ بھیجا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اس لیے بھیجا تا کہ جو مال غنیمت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ولید نے جمع کیا ہے اس کا خمس لے کر پہنچائیں۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ میں اس لشکر میں تھا جب پانچواں حصہ جدا ہوا تو ان میں باندیاں بھی تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان باندیوں میں سے سب سے بہتر باندی کو پسند فرما کے اس سے ہم بستری کی۔ اس بات سے مجھے خاص کدورت اور اعتراض پیدا ہوا اور میں نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو، کیا کر رہے ہیں'' اور میں نے کہا ''اے ابوالحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ کیا بات ہے؟'' آپ نے فرمایا ''تم نہیں دیکھتے یہ باندی ہے جو خمس کی باندیوں میں واقع ہوئی ہے اس کے بعد آل محمد کے حصہ میں آئی۔ اس کے بعد آل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئی۔ میں اس سے مباشرت کر رہا ہوں''۔ گویا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجازت پائی تھی کہ ذوالقربیٰ کے خمس میں تمہارا حصہ ہے۔ اس بنا پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اسے تقسیم کیا اور باندی کو اپنے حصے میں لائے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو میں نے یہ قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غالباً تم علی سے دشمنی رکھتے ہو۔'' میں نے عرض کیا ''ہاں! فرمایا ان سے دشمنی نہ رکھو اور اگر ان کے ساتھ محبت رکھتے ہو تو اس محبت کو اور بڑھاؤ۔ اے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا حصہ اس خمس میں ایک باندی سے زیادہ تھا۔''

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ایک روایت میں ہے کہ اس گفتگو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسار مبارک تمتما گیا اور فرمایا ''علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بدگمانی نہ کرو۔ کیونکہ وہ مجھ سے ہیں'' اور میں ان سے ہوں۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے۔ ہر وہ شخص جس کا میں مولیٰ ہوں، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مولیٰ ہیں، بعض شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت یہ تھی کہ انہوں نے بغیر استبراء رحم، باندی سے وطی کی ہے، یہ شکایت اور محل اعتراض نہیں ہے۔ استبراء کا مسئلہ فقہی اجتہادی مسئلہ ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اجتہاد اس طرف گیا ہو۔

بہرحال ''خم غدیر'' میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی رفعت شان اور ان سے موالات کی ترغیب میں جو کچھ واقع ہوا وہ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان کی شکایت پر مبنی وموجب ہے۔ جیسا کہ خم غدیر کے قصہ میں آئے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد صحابہ کے درمیان کوئی شخص ایسا نہ تھا جو میرے نزدیک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ محبوب ہو۔

روضۃ الاحباب میں بعض ارباب سیر سے منقول ہے کہ یمن کی جانب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھیجنا دومرتبہ ہوا تھا۔ایک دسویں سال مذکورہ مرتبہ میں اور دوسرے کا انہوں نے ذکرنہیں کیا ممکن ہے کہ دوسری مرتبہ بھی اسی سال میں جانا ہوا ہو۔ یہ بات مسلم ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن میں ہی تھے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ یمن سے آ کر شامل ہوئے۔

حجۃ الوداع

دسویں سال کے اعظم ترین واقعات میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کرنا ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال میں یا نویں سال میں ہوئی ہے دوسرا راجح ومختار ہے اس بنا پر اس کی دلیل قوی ہے۔ بہر تقدیر نویں سال میں دعوت اسلام تعلیم احکام دین اسلام کی بنیادوں کے استحکام میں مشغولیت کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ لوگوں کو حج ادا کرائیں اور ۱۰ ہجری میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کے لیے متوجہ ہوئے اِس حج کو حجۃ الاسلام اور حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اس بنا پر کہ اس میں لوگوں کو حج کے مسائل واحکام سکھائے اور سفر آخرت کے ساتھ رخصت فرمایا۔جیسا کہ فرمایا مجھ سے اپنے مناسک حج معلوم کرلو ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج ادا نہ کروں اور زندہ نہ رہوں۔اسی بنا پر حجۃ الوداع کا اطلاق احادیث اور کتب سیر میں واقع ہے۔مواہب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجۃ الوداع کہنے کو مکروہ جانتے تھے مگر اس کی وجہ بیان نہیں فرمائی۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نام سے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وداع ورخصت فرمانا یاد آ جاتا ہو اور یہ یاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے انتہائی درد والم کا موجب تھی (واللہ اعلم)

جب حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوات اور وفود کے امور سے فارغ ہوئے تو حج کیلئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔اعلان کرایا کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کیلئے تشریف لے جارہے ہیں اور اطراف واکناف میں لوگوں کو بھیجا۔اس کے بعد مدینہ طیبہ میں لوگوں کا آنا شروع ہو گیا۔آخر ذیقعدہ میں جبکہ اس مہینہ کی پانچ راتیں باقی تھیں خلق کثیر کے ساتھ روانہ ہوئے اور چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔اس سفر میں اتنے اصحاب جمع ہوئے جن کا کوئی حد حساب نہیں۔بعض نوے ہزار بتاتے ہیں۔ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار ہے اور ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔اہل سیر کہتے ہیں کہ جدھر بھی لوگ نظر اٹھاتے تھے آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔

غرضیکہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم بروز شنبہ پچیس ذیقعدہ کو برآمد ہوئے غسل فرما کر بالوں میں تیل ڈالا کنگھی کی احرام کے کپڑوں میں عطر لگایا اور گھر سے باہر تشریف لائے۔ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں ادا فرما کر عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں قصر ادا فرمائی۔احرام باندھ کر لبیک فرمائی اس کے بعد اپنے ناقہ پر جس کا نام قصوا تھا سوار ہوئے۔جب ناقہ اٹھی تو پھر لبیک فرمائی اور ناقہ جب اس پشتہ پر جو مدینہ طیبہ کے مقابل اونچائی پر ہے چڑھی تو پھر تلبیہ فرمایا۔اس جگہ روایتیں مختلف ہیں بعض نماز کے بعد اس درخت کے قریب جہاں آپ تشریف فرما تھے اب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے اور اسے مسجد شجرہ کہتے ہیں تلبیہ کہنا بتاتے ہیں۔بعض روایتوں میں ناقہ پر جبکہ وہ سیدھی کھڑی ہو گئی تھی مروی ہے اور بعض میں پشتہ پر چڑھتے وقت مروی ہے۔غرضیکہ جس نے جس وقت سنا اور اس سے پہلے نہ سنا تھا وہی روایت کردیا۔درحقیقت تلبیہ کی ابتداء نماز کے بعد سے ہی تھی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک یہی سنت ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ سے روایت مشہور میں ہے کہ فرمایا: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ وَالْمُلْکَ لَا

شَرِيْكَ لَكَ.

بخاری ومسلم میں تلبیہ کے الفاظ اس طرح مروی ہیں کہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّ فِيْ يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آواز بلند تلبیہ کہتے تھے یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سن لیتے تھے اور حکم دیا کہ بلند آوازی سے تلبیہ کہو کیونکہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں اور وہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنے صحابہ سے احرام میں بلند آوازی سے تلبیہ کہنے کا حکم دیں۔

تلبیہ فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی جس میں خدا کی رضا' داخلہ جنت اور جہنم کی آگ سے پناہ میں رہنے کی دعا فرمائی۔ آپ کی سواری میں اونٹ تھا جس پر پرانا کجاوہ تھا اونٹ پر نہ شغدف تھا نہ محمل' نہ ہودج' نہ محفہ اور جب منزل ''عرج'' میں پہنچے یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو پیچھے رہ گیا تھا جس کے پاس وہ اونٹ تھا جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان لدا ہوا تھا۔ وہ اس کی تحویل میں تھا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پہنچنے کا بہت انتظار کیا۔ جب وہ غلام پہنچا تو اس کے ساتھ اونٹ نہ تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا اونٹ کہاں ہے اس نے کہا وہ مجھ سے گم ہوگیا ہے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور تادیب کے طور پر اسے مارنے لگے ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسے مارنے کا سبب اس اونٹ کی گمشدگی ہو جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر تھا اور اس شرمندگی کو دور کرنے کیلئے ہو جو ان سے غلام کی بدولت ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے: اُنْظُرُوْا اِلٰی هٰذَا الْمُحْرِمِ مَايَصْنَعُ اس سے زیادہ زجر وتوبیخ' فساد احرام اور وجوب جزا میں کچھ نہ فرمایا۔ اس لیے کہ اتنی مقدار کی جنابت سے جزا واجب نہیں ہوتی۔

روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابواء میں پہنچے تو سامان سفر بھی مل گیا۔ ابواء اور ودان دو مقامات کے نام ہیں۔ صعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جثامہ حمار لیثی وحشی کو ہدیہ میں لائے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم کی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ہدیہ لائے عجز حمار وحشی کو جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ شکار کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کا پاؤں لائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہم محرم ہیں ہم شکار کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ محرم کا شکار کے گوشت کے کھانے میں متعدد روایات اور مختلف اقوال مروی ہیں۔ اس کی تفصیل شرح سفر السعادۃ میں کر دی گئی ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ ان کی سواری میں دو سرخ اونٹ ہیں اور کھجوروں کے پتوں کی لگام ہے۔ ان کے تہبند اونی عبا کے ہیں اور ان کی چادریں اونی ہیں اور حج کا تلبیہ پڑھتے جا رہے۔ یہ روایت مسند امام احمد کی ہے۔ مسلم کی روایت میں مروی ہے کہ جب وادی ارزق میں پہنچے تو فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرتا دیکھ رہا ہوں' اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھے بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔ بخاری میں بھی یہ روایت ہے لیکن وادی کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ فرمایا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وادی میں داخل ہوئے ہیں اور تلبیہ کہہ رہے ہیں۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔ حدیث کے معنی میں قول ہیں ایک یہ ہے کہ یہ خبر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی ان کی اپنی حیات مبارکہ میں جو حالات رونما ہوئے ان میں سے ایک مذکورہ حالت تھی اس کی خبر

دی کہ وہ حج کو آتے' احرام باندھتے اور تلبیہ کہتے تھے۔ ان کی اس حالت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئی' مسلم کی حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ ''گویا میں دیکھ رہا ہوں۔'' یہ کمال علم ویقین کی بنا پر ہے۔ گویا کہ میں انہیں اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ رویائے منامی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اس حال میں اس وقت دیکھا یا اس سے پہلے دیکھا اور اس وقت اس علاقہ میں پہنچ کر ان کے حج کا تذکرہ فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد اس کی حقیقت ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اگر وہ حج کو آئیں تو کوئی مانع نہیں ہے۔ ان انبیاء کا حج کرنا اسی سال تھا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس حال میں دیکھا اور ایک جماعت کہتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں یا جنت میں زندہ ہیں۔ لیکن ان کی ارواح مطہرہ متمثل ہوتی ہیں اور اجسام میں آ کر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر اطہر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور آسمان میں بھی دیکھا تھا اور انہیں اجساد متمثلہ کو بیداری میں دیکھا اور خواب میں بھی دیکھا' درحقیقت یہ عالم مثال کے کشف کی قبیل سے ہے۔ جس طرح کہ ارباب کشف کو ہوتا ہے اور اس سے بھی برتر ایک کلام ہے۔ لہٰذا اس جہان میں جہاں عقلیں حضیض ناسوت میں مقید ہیں اس کلام کے درک تک نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ برتر کلام یہ ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو اسی حال میں ملاحظہ فرمایا جو وہ اپنی حیات میں رکھتے تھے اور یہ وہ عالم ہے جہاں ماضی و مستقبل نہیں ہے۔ سب حال ہی حال ہے اور یہ بات بعض ارباب کشف کے رسائل میں زمان ومکان کی تحقیق میں مذکور ومسطور ہے (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام سرف میں پہنچے۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے تو ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آیا اور وہ غمزدہ ہو کر رونے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیوں روتی ہو شاید تمہیں حیض آ گیا ہے۔'' عرض کیا ''ہاں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اندوہگیں نہ ہو۔ یہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کیلئے لکھا ہوا ہے۔ ہر وہ عمل جو حجاج کرتے ہیں کرو۔ لیکن خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو اس بنا پر کہ وہ مسجد میں ہے اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اب چونکہ عمرہ ادا کرنا محال ہو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو حج عمرہ میں داخل فرمائیں۔ ان کو قارن بنائیں چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قارن تھے فرمایا غسل کر کے حج کا احرام باندھ لو۔ حائض ونفساء کیلئے اس حالت میں احرام باندھنا جائز ہے کہ وہ غسل کر کے احرام باندھ لے۔ جس طرح کہ ذوالحلیفہ میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں اور محمد بن ابی بکر کو انہوں نے تولد کیا تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ غسل کریں' پٹی باندھ لیں' احرام سے ہو جائیں اور آخر میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عمرہ کو جو ان سے فوت ہو گیا تھا قضا کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کیلئے غسل فرمایا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد حجون کی راہ سے جو کہ مکہ کا قبرستان ہے جسے معلے بھی کہتے ہیں اور وہاں کدا یہ نامی پہاڑ ہے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ لیکن لوگوں میں عام یہ متعارف ہے کہ مکہ مکرمہ میں سحر کے وقت داخل ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ وقت منور ومبارک ہے لیکن چاشت کا وقت کچھ اور ہی جلالت ونورانیت رکھتا ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ تم چاہو تو رات میں داخل ہو جاؤ لیکن سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور امام کو دن میں داخل ہونا محبوب تر تھا تاکہ لوگ دیکھیں اور اقتداء وپیروی کریں۔ جب آپ باب شیبہ جسے باب السلام بھی کہتے ہیں پہنچے اور خانہ کعبہ کو چشم مبارک سے منور فرمایا تو یہ دعا پڑھی: اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَةً. بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَيْتَ. تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَتَكْرِيْمًا وَّمَهَابَةً. اوراس کے آخر میں فرمایا: مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَ تَكْرِيْمًا وَتَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَّ بِرًّا.

جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو سیدھے کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔''تحیۃ المسجد'' ادا کرنے میں مشغول نہ ہوئے اور طواف کیا۔ اس لیے کہ مسجد حرام کی تحیت طواف ہے جس طرح دیگر مسجدوں کیلئے نماز تحیت ہے اور طواف' نماز کا حکم رکھتا ہے۔ جب حجر اسود کے مقابل ہوئے تو استلام کیا اور اسے بوسہ دیا اور رفع یدین نہ کیا اور افتتاح نہ کیا جیسا کہ جہال کرتے ہیں۔ سفر السعادۃ میں اسی طرح کہا گیا ہے' فقہ حنفیہ میں تکبیر وتہلیل اور رفع یدین بتایا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں۔ استلام حجر کے بعد طواف شروع کیا اور خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ رکھا۔ یہ طواف' طواف قدوم ہے اور اسے طواف تحیۃ بھی کہتے ہیں اور کسی مکان کیلئے کوئی مخصوص دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی وثابت شدہ نہیں ہے مگر ہر دور کن یمانی وحجر اسود کے درمیان کہ اس جگہ فرماتے: رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے شروع میں اس دعا کو بھی زیادہ بیان کیا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اور امام محمد رحمۃ اللہ مشاہد حج میں کسی مخصوص دعا کا تعین نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ متعین دعا رقت قلب کو زائل کردتی ہے اس کے باوجود اگر وہ منقول وماثور سے تبرک وتیمن کرلے تو حسن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین پھیروں میں تعجیل فرمائی اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھے جس طرح پہلوان چلتے ہیں۔ اس فعل کو رمل کہتے ہیں اور ردائے مبارک کو داہنے بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا اس کو اصطباغ کہتے ہیں۔ یہ عمل بھی پہلے تین پھیروں کے ساتھ مخصوص تھا اور آخر کے چار پھیروں میں آہستہ چلے۔ ہر مرتبہ جب حجر اسود کے مقابل ہوتے تو اپنی اس لکڑی سے اشارہ فرماتے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اور اس لکڑی کو بوسہ دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لکڑی کا عصائے مبارک' سرکج کا تھا جو صولجان کے مشابہ تھا یعنی دست مبارک میں آنے والا سرا مڑا تھا۔ (صولجان آنکڑے کو کہتے ہیں) یہ عصائے مبارک اکثر آپ کے دست مبارک میں رہتا تھا' اس روز بھی طواف میں دست مبارک میں تھا اور اس کے نیچے شام تھی جس طرح کہ خدام سترہ وغیرہ کی درستگی کیلئے ہمراہ رکھتے ہیں۔ (كَذَا قَالُوْا)

رکن یمانی جو کہ بیت اللہ کے ارکان یعنی کونوں میں سے یمن کی جانب ہے اس کی جانب اشارہ کرتے ہاتھ سے یا چوب سے۔ لیکن یہ ثابت شدہ نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ کو یا چوب کو بوسے دیتے تھے۔ بعض روایتوں میں دست مبارک سے استلام کرنا آیا ہے لیکن حجر اسود کو بوسہ دینا اور اپنے روئے مبارک اور لبہائے شریف کو اس پر رکھنا ثابت ہے۔ استلام کی حالت میں فرماتے ''بسم اللہ واللہ اکبر'' اور کبھی پیشانی رکھتے جس طرح کہ سجدہ کرتے ہیں اور اس کے بعد بوسہ دیتے۔ طالب کا مطلوب کو بوسہ دینے میں جو لذت پائی جاتی ہے اسی طرح جس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک پیوست ہوئے ہیں۔ اس جگہ بوسہ دینے' اپنے لب رکھنے میں جو لذت وسرور ہے اس کا اندازہ طالبانِ حق اور عاشقانِ رسول ہی کرسکتے ہیں۔ اس حالت وکیفیت کی تعبیر لفظوں سے نہیں کی جاسکتی' اس ذوق سے وہی لطف اندوز ہوسکتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ذوق سلیم مرحمت فرمایا ہے۔ یہ دو مقام ایسے ہیں جس کو کس طرح تعبیر نہیں کرسکتے اور اس میں لوگوں کا دست تصرف نہیں پہنچ سکتا۔ ایک یہی حجر اسود ہے دوسرا غار ثور ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت داخل ہوکر آرام فرما ہوئے تھے۔

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم علیہ السلام میں تشریف لائے۔ مقام ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم اقدس کا نشان ہے اس جگہ سے مراد وہ جگہ جہاں یہ پتھر رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ آیۂ کریمہ پڑھی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی (مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ) اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔ مقام ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور مسجد حرام میں جس جگہ چاہے ادا کرے جائز ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام میں پڑھے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ پڑھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو پھر حجر اسود کو استیلام کیا اور درمیان سے باہر نکل کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ جب کوہ صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔ (بیشک کوہ صفا اور کوہ مروہ للہ کے شعائر میں سے ہیں) اور فرمایا میں شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد صفا پر چڑھے اس طرح کہ کعبہ معظمہ کو دیکھا جاسکے اور بالائے صفا پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ فرما کر تکبیر کہی اور فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ. ایک روایت میں ''اَنْجَزَ وَعْدَهٗ'' زیادہ آیا ہے اور دعا مانگی فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْعِصْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذُنُوْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا كَرْبًا اِلَّا كَشَفْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا قَضَیْتَهَا. اس کے بعد مذکورہ تحلیل تین مرتبہ کہی اور اس کے درمیان دعا مانگتے تھے۔ اس کے بعد نیچے اتر آئے۔ موطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کوہ صفا پر یہ دعا بھی مروی ہے اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ وَاَسْئَلُكَ كَمَا هَدَیْتَنِیْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ تَنْزِعَهٗ مِنِّیْ حَتّٰی یَتَوَفَّانِیْ وَاَنَا مُسْلِمٌ. اس کے بعد نیچے اتر کر مروہ کی جانب روانہ ہوئے مروی ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان فرماتے رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ لَا غَفَرَ الْاَكْرَمْ. نیز صفا سے اتر کر سعی فرمائی۔ جب وادی سے اترے تو آہستہ چلے اور آج بھی محل سعی کے منتہا کیلئے دیوار حرم مسجد میں ایک نشان ہے جسے بین المیلین لاخضرین۔ کہتے ہیں اور صفا سے مروہ تک سعی فرمائی اور مروہ سے صفا تک آئے اسی طرح سات پھیرے کیے اور سعی کو مروہ پر ختم کیا۔ ہر بار جب مروہ پر پہنچے تو وہی اذکار و دعوت جو صفا میں پڑھیں تھیں مروہ میں بھی پڑھتے اور پیادہ سعی فرمائی۔ پھر جب لوگوں کا اژدہام بہت زیادہ ہو گیا کچھ تو سعی کرنے والے لوگوں کا اور کچھ وہ جو تماشائے جمال جہاں آراء کیلئے نکل آئے تھے ان کا ہجوم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار ہو گئے۔ اس پر لوگ کہتے ھذا رسول اللہ ھذا محمد یہاں تک کہ پردہ نشیں عورتیں اور لڑکیاں گھروں سے نکل آئی تھیں اور اس ہنگامہ و اژدھام میں ہٹو، بچو اور دور رہو کی آوازیں نہ تھیں۔ جس طرح کہ بادشاہوں کی سواریوں میں ہوتی ہیں۔

جب سعی سے فارغ ہو گئے تو حکم دیا کہ جن کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں ہیں وہ احرام سے نکل آئیں۔ جب بعض صحابہ پر احرام سے نکلنا گراں گزرا تو فرمایا اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔

اسی اثناء میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ یمن سے پہنچے وہ چند اونٹ ہدی کی نیت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان تمام انٹوں کی تعداد جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل سو اونٹ بن گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ تم کیا نیت کر کے لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اھلا لا کاھلال النبی قربانی کیلئے مانند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے حج کا احرام باندھا ہے اور اپنے ساتھ ہدی لایا ہوں۔ اے علی رضی اللہ عنہ تم بھی اپنے احرام سے رہو''۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا کہ انہوں نے رنگے ہوئے کپڑے پہن رکھے ہیں اور احرام سے باہر نکلی ہوئی ہیں ان پر انکار و اعتراض کیا کہ تم کیوں حلال ہوئیں۔ جواب دیا کہ مجھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم فرمایا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصدیق فرمائی اور امہات المومنین میں سے جو ہدی ساتھ نہ رکھتی تھیں بجز عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے حلال ہوگئیں۔جب صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب احرام سے باہر آئے تو بعضوں نے حلق کرایا یعنی سر منڈایا اور بعضوں نے قصر کرایا یعنی بال ترشوائے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلقین یعنی سر منڈانے والوں کیلئے دعا فرمائی: اللھم ارحم المحلقین. تین مرتبہ ایسی ہی دعا کی جب مقصرین نے الحاح وزاری زیادہ کی تو ایک مرتبہ فرمایا ''والمقصرین'' اسی کی مانند حدیبیہ میں بھی واقع ہوا ہے۔مگر حجۃ الوداع میں حدیثیں زیادہ واضح ہیں۔امام نووی فرماتے ہیں کہ ''ھوا الصحیح والمشھور'' اور فرمایا کہ بعید نہیں ہے کہ دونوں جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہو۔ابن وقیق العید نے کہا اقرب یہی ہے اور فتح الباری میں ہے کہ یہی متعین ہے۔چونکہ دونوں جگہ احادیث میں تواتر و توارد ہے۔

جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے ہوئے آپ کو چار دن یعنی اتوار' پیر' منگل اور بدھ گزر گئے تو جمعرات کے دن آفتاب کے بلند ہونے کے بعد چاشت کے وقت منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔اس وقت تمام صحابہ اور وہ جو حلال ہو چکے تھے اور اس دن انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا تھا آپ کے ساتھ تھے۔جب منیٰ پہنچے تو اقامت فرما کر نماز ظہر وعصر ادا کی اور رات وہیں گزاری۔دوسرے دن طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہوگئے۔بعض صحابہ تکبیر کہتے اور بعض تلبیہ کہتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر اعتراض نہ فرمایا۔اس لیے کہ مقصود ذکر و تسبیح اور تحمید تھا لیکن تلبیہ کے الفاظ افضل و اولیٰ ہیں اور جب نمرہ پہنچے جو عرفات کے قریب ایک جگہ کا نام ہے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خیمہ نصب کیا گیا' آپ نے اقامت فرمائی اور جمعہ کے دن صبح کی نماز وہاں ادا فرمائی۔جب آفتاب ڈھل گیا تو فرمایا سواری پر زین رکھیں۔پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور وادی میں تشریف لائے اور نہایت بلیغ خطبہ دیا اور اس خطبہ میں مسلمانوں کیلئے احکام وقواعد بیان فرمائے۔اگر چہ یہ پہلے سے معلوم تھے مگر انہیں موکد و برقرار کرنا اور شرک و جاہلیت کی بنیادوں کو کلی طور پر بیخ برکندہ کرنا مقصود تھا۔تمام جاہلیت کی رسموں کو فنا و ناپید کرنا تھا۔فرمایا: تمہاری جانیں اور تمہاری اموال اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کی مانند تم پر حرام ہیں۔مراد روز عرفہ' ماہ ذی الحجہ اور شہر مکہ معظّمہ سے ہے اور فرمایا ''جو چیزیں جاہلیت کی مقرر کردہ ہیں میرے قدموں میں پامال ہیں مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کی تمام رسمیں اور طور طریقے میں باطل کر کے'' کان لم یکن'' (گویا کہ وہ تھی ہی نہیں) بناتا ہوں۔اہل عرب کی عادت ہے کہ جس امر کو وہ باطل و نابود کرتے ہیں پھر دوبارہ اسے نہیں کرتے اور نہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اسی لیے فرمایا کہ میں انہیں پامال کرتا ہوں اور فرمایا جاہلیت کے تمام خون موضوع وہدر ہیں۔مطلب یہ کہ جس کسی پر خون کا دعویٰ ہے جو کہ زمانہ جاہلیت میں واقع ہوا ہے اب میں اس دعویٰ کو برطرف کر کے ضائع قرار دیتا ہوں اور اول خون جو ہمارے خون کے دعوؤں میں سے ہے جسے میں برطرف اور ہدر (رائیگاں) بناتا ہوں وہ خون ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ بن الحارث ہے۔ابن ربیعہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیا تھا۔یہ قبیلہ دودھ پلانے میں مشہور تھا اور حارث بن عبدالمطلب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ربیعہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم صحابی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں زیادہ تھے ان کے لڑکے کا نام ایاس تھا جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا۔بنی سعد اور ہذیل کی جنگ کے درمیان ایک پتھر ایاس کے لگا جس سے وہ فوت ہو گیا اور بنی عبدالمطلب اس خون کے ان پر دعویدار تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خون کو ہدر (معاف) فرما دیا اور بنی عبدالمطلب کو اس دعویٰ سے باز رکھا۔

فرمایا جاہلیت کے سود ناپید ہیں۔قریش کو عادت تھی کہ جاہلیت میں سود کھاتے تھے اور ایک دوسرے پر ان سودی قرضوں کا دعویٰ رکھتے تھے۔آپ نے ان دعوؤں کو بھی باطل قرار دیا اور فرمایا سب سے پہلا سود جسے میں نابود کرتا ہوں۔وہ حضرت عباس رضی اللہ

عنہ بن عبدالمطلب کا سود ہے اور اس خطبہ میں امت کو وصیت فرمائی کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ مراعات' ملاطفت اور حسن سلوک کریں اور ان کے حقوق میں احسان کریں اور وہ حقوق جو عورتوں کے شوہروں پر اور شوہروں کے عورتوں پر ہیں بیان فرمائے۔ فرمایا: عورتوں کے حقوق کے بارے میں خدا سے خوف کرو تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو۔ ان حقوق کا لحاظ رکھو جو مرد نے اپنے پر لازم کر کے انہیں حلال بنایا اور جس کلمہ سے ان کی شرم گاہوں کو اپنے تصرف میں لیا۔ خدا کے حکم اور اس کے عہد سے تم ان کو نکاح میں لائے اور فرمایا تمہارے حقوق عورتوں پر یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر کو کسی ایسے شخص سے پامال نہ کریں جن کر تم مکروہ و ناگوار جانتے ہو۔ مطلب یہ کہ غیر مرد کو اپنے قریب جگہ نہ دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہیں جو سخت تکلیف دہ ہو اور عورتوں کا تم پر نان و نفقہ اور عادت کے مطابق لباس اور انصاف فرض ہے۔ فرمایا: بلاشبہ میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ چیز خدائے عزوجل کی کتاب مجید ہے۔ خطبہ دینے اور وصیت فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا اور فرمایا کل بروز قیامت تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور میں نے تم میں کس طرح زندگانی گزاری تو تم کیا جواب دو گے' کیا کہو گے اور کیسی گواہی دو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے خدا کے فرمان و احکام ہمیں پہنچائے اور امت کو خوب عمدہ نصیحت فرمائی۔ آپ پر ادائے رسالت کے جو حقوق تھے وہ خوب ادا کیے اور دعوت دی اور جو امانتیں آپ کے پاس تھیں انہیں ادا فرمایا اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا اور سر مبارک اٹھا کر کہا ''اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ '' اے خدا تو گواہ ہو اے خدا تو گواہ ہو اور فرمایا اے مسلمانو! جان لو کہ تین چیزیں سینہ کو پاک و صاف کرتی ہیں ایک عمل میں اخلاص' دوسرا مسلمان بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی' تیسرا لزوم جماعت مسلمین اور حاضرین کو چاہیے کہ جو کچھ میں نے فرمایا ہے وہ غائبوں اور غیر موجود لوگوں کو پہنچائیں۔ اسی اثنا میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ایستادہ تھے ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا' والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ کو لے کر اس کا دودھ اس طرح نوش فرمایا کہ تمام لوگوں نے دیکھا اور جان لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے نہیں ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ سنت ہے۔ مگر عرفات میں ٹھہرنے والوں کیلئے نہیں تاکہ ذکر و اذکار سے روکنے والی کمزوری نہ ہو۔

خطبہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے نیچے اترے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا۔ پھر اقامت کہی' نماز ظہر و عصر ایک ساتھ قصر سے ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز سنت و نفل نہ پڑھی۔ یہ بات وقوف میں عجلت اور دعا میں زیادہ وقت گزارنے کے قصد کی وجہ سے تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ بین الصلٰتین کی یکجائی صرف اس دن کے ساتھ مخصوص ہے۔ شوافع کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے اور اکثر شوافع اس کی وجہ سفر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اہل مکہ اور وہ غیر اہل مکہ جو مسافر نہ تھے سب ہی جمع تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہ فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا تھا۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ یہ جمع صلوٰتیں لبیک کی بنا پر تھی نہ کہ سفر کی وجہ سے۔ شاید کہ وہ یہ کہیں کہ یہ جمع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور متابعت کی وجہ سے تھی ورنہ یہ واقعہ اپنی جگہ سفر کی ہی جہت سے تھا۔ البتہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت قصر کی پڑھنے کے بعد فرمایا اے اہل مکہ تم اپنی نمازوں کو پورا کرلو ہم مسافر ہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہو کر دامن کوہ عرفات میں جسے جبل رحمت کہتے ہیں تشریف لائے اور وہاں کالے کالے بڑے بڑے پتھروں کے قریب جہاں ریت میں ایک عمارت نمودار رہے جسے لوگ مطبخ آدم علیہ السلام کہتے ہیں

استادہ ہوئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ متعین طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف کی جگہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن اگر ان پتھروں کے قریب کھڑا ہو جائے اور کچھ ویران جگہوں میں ٹھہرے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف مبارک کی جگہ پائے گا۔ اس پہاڑ پر چڑھنے کے بارے میں کوئی چیز معتبر نہیں ہے اور نہ کوئی ثواب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پتھروں کے قریب قبلہ رو ہو کر اونٹ کی پشت پر دعا' تضرع اور ابتہال شروع فرمایا اس مقام میں تضرع وابتہال بہت مطلوب ہے۔ اگر دل بھر کر رونا میسر آ جائے تو قبول واجابت کی علامت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے دوران اپنے مبارک ہاتھوں کو سینہ اقدس کے مقابل رکھا تھا جس طرح مسکین مانگتے میں رکھتے ہیں۔

عرفات کے دن کثرت کے ساتھ دعاہائے ماثورہ مروی ہیں۔ ان میں سے جس قدر سفر السعادۃ میں مذکور ہیں کافی ہیں۔ ایک اور طویل دعا بھی ہے جو ادب میں مذکور ہے۔ فرمایا: افضل دعا جو میرے اور مجھ سے پہلے تمام نبیوں کے نزدیک اس روز پڑھنے کے سلسلہ میں ہے یہ کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو روانہ نہیں ہونا چاہیے۔

عرفہ کے روز یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام فرما دیں اور میں تمہارے لیے دین اسلام سے راضی ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس دن سے زیادہ شیطان کو ذلیل وخوار اور غم وغصہ میں مبتلا کسی اور دن دیکھا نہ گیا۔ جیسا کہ وہ عرفہ کے دن بنی آدم پر نزول رحمت اور مغفرت کو دیکھ کر ہوا تھا۔ البتہ ایک دن اور ہے وہ روز بدر کا ہے جبکہ اس نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے ہیں۔ اس دن بھی شیطان بہت ذلیل وخوار ہوا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہ کتنا بدبخت ہے کہ اس موقف میں کھڑا ہو اور پھر وہ گمان کرے کہ بخشا نہیں گیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حق تبارک تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کیا مانگتے ہیں جو کہ اپنا گھر بار' اہل وعیال میری خاطر چھوڑ کر میری درگاہ میں سر برہنہ' گرد آلود آئے ہیں اور مجھے یاد کرتے ہیں' میں انہیں آتش دوزخ سے آزاد کر کے ان کے تمام گناہوں کو بخشتا ہوں' ادائے فرض کیلئے ایک گھڑی عرفات میں وقوف کرنا کافی ہے۔ مگر سنت یہ ہے کہ غروب آفتاب تک ٹھہرا رہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب تک قیام فرمایا تھا اور عرفات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ. اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول ذوق وسرور اور مسلمانوں کی عید کا موجب ہے لیکن بعض دانا اور مزشناس صحابہ نے اس سے قرب زمانہ رحلت اور حلول مدت فرقت سمجھا اور ان کے دل دہل گئے اور شکستہ خاطر ہو گئے جس طرح سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ کے نزول کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور آپ رونے لگے تھے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہوئی۔

جب غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانگی فرمائی تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ردیف بنایا اور اونٹ کی مہار کھینچے رکھی۔ فرمایا: ''اے لوگو! آرام سے چلو' اطمینان سے رہو تیز چلنے میں نیکی نہیں ہے اور عجلت میں پرہیزگاری نہیں ہے۔ درحقیقت اطمینان ووقار موجب سکون اعضاء وجوارح اور علامت استقامت حال وجمعیت مآل ہے اور حرکت واضطراب' موجب تشویش قلب' تفرقۂ باطن اور پریشاں خیالی ہے۔ دوڑنے اور اضطراب دکھانے سے منع کرنے کا سبب نماز کی جماعت پانے کیلئے تھا۔ کیونکہ بعض نافہموں اور نادانوں کی طرف سے اس کا اظہار ہوا تھا۔

فارنین (ایک جگہ کا نام) عرفہ ومزدلفہ سے مکہ کا دوسرا راستہ ہے اور ایک راستہ منیٰ اور مکہ کے درمیان کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے یہاں سے واپسی میں بھی عید گاہ میں آنے جانے کا طریقہ اختیار فرمایا اور مخالف راستہ کی رعایت ملحوظ رکھی۔ عرفات میں آنے اور وہاں سے جانے میں بھی یہی صورت اختیار کی اور واپسی میں فارنین کا راستہ اختیار فرمایا۔ راستہ میں اونٹ کی مہار کو قدرے چھوڑے رکھا کہ وہ تیز و سست کے درمیان رفتار رکھے۔ جب کشادہ اور فراخ راستہ میں ہوتے قدرے تیز چلتے اور جب بلندی پر چڑھتے تو اونٹ کی مہار بالکل چھوڑ دیتے تاکہ آسانی سے چڑھ سکے تمام راستہ تلبیہ کہتے رہے۔ راہ میں ایک گھاٹی میں رغبت فرمائی اور اتر کر وضو کیا اس طرح کہ پانی کو بہایا بھی نہیں اور کامل وضو بھی ہو گیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز مغرب ادا فرمانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا نماز آگے ہے یعنی مزدلفہ میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کریں گے۔ اس کے بعد سوار ہوئے اور مزدلفہ میں رونق افروز ہوئے۔ مزدلفہ ایک مقام ہے جو منیٰ اور عرفات کے درمیان ہے۔ قریش جاہلیت میں اسی جگہ ٹھہرتے تھے اور عرفات نہیں جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم حرم خدا کے ہمسایہ ہیں حرم سے باہر نہیں جاتے اور مزدلفہ میں کامل وضو فرمایا اور حکم دیا کہ اذان کہیں اقامت کے بعد مغرب کی نماز پڑھی قبل اس کے کہ سامان وغیرہ اتار کر اونٹوں کو فارغ کریں۔ نماز مغرب کے بعد سامان اتارا اور پھر اقامت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اور عشاء کی نماز کے لیے اذان نہ کہی۔ مغرب و عشاء کے فرضوں کے درمیان کوئی نماز نہ پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مغرب و عشاء کے درمیان جمع' ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ تھی۔ جیسا کہ عرفات میں ظہر وعصر کے درمیان ہوا تھا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں بروایت حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا ہی مروی ہے۔ امام زفر' شافعی اور امام ابوحنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ روایت بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح مسلم میں مروی ہے۔ ترمذی نے اس کی تحسین و تصحیح کر کے اس کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ چونکہ عشاء کی نماز اس جگہ اپنے وقت میں ہے تو اس کیلئے علیحدہ اقامت و اذان کی ضرورت نہ تھی۔ عرفات میں نماز عصر غیر وقت میں تھی اس بنا پر زیادتی اعلام کی ضرورت ہوئی (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز ادا فرمانے کے بعد محوِ خواب استراحت ہوئے اور شب بیداری نہ فرمائی باوجودیکہ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال مواظبت تھی اس کی وجہ رعایت اعتدال اور رعایت حق بدن تھی پھر جب فجر نے طلوع کیا تو صبح کی نماز اول وقت میں ادا فرمائی۔ نماز فجر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور مشعر حرام تشریف لائے۔ یہ مزدلفہ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے۔ اس پر ایک نئی عمارت بنی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا اور تضرع و ابتہال میں مشغول ہوئے۔ سفر السعادۃ میں ابوداؤد و ابن ماجہ سے بروایت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مرداس منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے قیام میں امت کی مغفرت کیلئے دعا فرمائی۔ حق تعالیٰ کا جواب آیا کہ ظالموں کے سوا میں نے بخش دیا۔ کیونکہ اسے مظلوم کے حق میں گرفت میں لوں گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اے میرے رب تو قادر ہے کہ اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دیدے اور ظالم کو بخش دے۔ اس وقت اس دعا کا جواب نہیں آیا۔ جب مزدلفہ میں اس دعا کو دوبارہ مانگا تو جواب آیا کہ تمہاری استدعا کو میں نے قبول فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ وقت تو ایسا نہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہی تبسم کناں رکھے۔ فرمایا: دشمن خدا ابلیس نے جب جانا کہ حق تعالیٰ نے میری امت کیلئے میری دعا قبول فرمالی اور اسے بخش دیا ہے تو وہ ملعون اپنے سر پر خاک ڈالنے' چیخ و پکار اور واویلا کرنے لگا۔ مجھے اس کی جزع و فزع دیکھ کر ہنسی آگئی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ امت سے مراد وہ لوگ ہیں جو عرفات میں ٹھہرنے والے ہیں اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ حج مکفرِ حقوق العباد بھی ہوتا ہے۔ طبرانی نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ وہ توبہ کرے اور حق العباد پورا کرنے سے عاجز رہے۔ بیہقی نے بھی داؤد ابن ماجہ

کی روایت کی مانند بیان کیا ہے۔ کہا کہ اس سے شواہد بہت ہیں اگر صحیح ہے تو حجت ہے ورنہ حق تبارک وتعالیٰ کا ارشاد وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ کافی ہے اور ظلم بھی مادون شرک ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حجاج سے حقوق اللہ تو مغفور ہیں اور حقوق العباد میں اختلاف ہے۔ مگر حق تعالیٰ کا فضل وسیع ہے اور ظاہر حدیث عام ہے (واللہ اعلم) آپ مزدلفہ میں ذکر وتکبیر اور تہلیل میں مشغول رہے یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب قریب ہوا تو منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا ردیف بنایا اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید قریش کے ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور اس راہ میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ رمی جمار کیلئے کنکریاں چن لو جو چنے سے بڑی ہوں اور بادام سے چھوٹی ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بکریوں کی مینگنی کے برابر آیا ہے۔ ان کو "حصی خذف" یعنی پھینکنے والی کنکریاں کہتے ہیں اور اگر ان سے کچھ بڑی ہوں تب بھی جائز ہے لیکن خلاف سنت ہے۔ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات کنکریاں زمین سے چن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں یہ سات کنکریاں آج کیلئے جو عید کا دن ہے جمرۃ العقبہ کی رمی کیلئے کافی ہیں۔ اگر کوئی تین دن کیلئے اٹھائے اور اُسے ستر اٹھانی چاہیں۔ سات عید کے دن کے لیے اور تریسٹھ ایام تشریق کیلئے ہر روز اکیس اکیس۔ بعض علماء کہتے ہیں یہ بہتر ہے اور اس زمانہ میں یہی عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ اٹھاتے تو بہتر ہے ممکن ہے کہ کوئی کہیں گر پڑے اور کم ہو جائے۔ لیکن حدیث میں سات ہی واقع ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیوں سے ان کنکریوں سے غبار صاف کیا۔ بعض کے نزدیک اگر دھولیا جائے تو بہتر ہے۔

اسی راہ میں ایک خثعمی خوبصورت عورت سامنے آئی اور اس نے سوال کیا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ اونٹ کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ فرمایا "ہاں" حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خوش رو، خوش جمال، سرخ وسفید صاحب حسن تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کا فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حجاب بنالیا تا کہ دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل رضی اللہ عنہ کی گردن کو گھما دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے عمزاد کی گردن کیوں موڑی؟" فرمایا "میں نے ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو دیکھا تو میں نے ان دونوں کو شیطانی وسوسہ سے محفوظ نہ پایا۔

اسی راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی ماں کی بابت کہا کہ وہ بہت لاچار و ناتواں ہوگئی۔ اگر اسے اونٹ پر باندھوں تو اس کے مرنے کا خطرہ ہے کیا میں اس کے بدلے میں حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تو کیا اس کا قرض اتارتی؟ اس نے کہا "میں ضرور قرض اتارتی۔" پھر تو اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کر کہ یہ خدا کا قرض ہے اس کا ادا کرنا اولیٰ ہے۔ اس حدیث میں حج بدل ادا کرنے پر جواز کی دلیل ہے۔ اس مسئلہ میں بہت تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بطن محسر میں پہنچے (یہ وادی منیٰ کے شروع میں ہے) تو اونٹ کو تیز دوڑایا اور عجلت کے ساتھ اس وادی سے باہر آ گئے۔ یہ سوار کیلئے سنت ہے اور اگر پیدل ہے تب بھی تیزی سے گزرنا سنت ہے۔ یہ وہی وادی ہے جہاں اصحاب فیل ٹھہرے تھے جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس بنا پر اس کو محسر کہتے ہیں کہ اس جگہ سے ہاتھی نے جنبش نہ کی تھی اور عاجز ہو کر بیٹھ گیا تھا تحسر کے لغوی معنی عاجز رہنے، لاچار ہونے اور بے بس ہو جانے کے ہیں۔ اس وادی میں ہاتھی عاجز و بے بس اور فیل بان لاچار ہو گیا تھا اور اصحاب فیل مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جس جگہ کسی دشمن خدا پر کوئی عذاب یا بلا نازل ہوئی ہوتی اس جگہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیزی وعجلت کے ساتھ گزرتے تھے جس طرح کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں جب قوم

لوط کے گاؤں اوران کی بستیوں پر سے گزرے تو تیزی کے ساتھ گزرے اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ عجلت سے گزرو۔

اس طرح منیٰ کے اسفل وادی میں چاشت کے وقت تشریف لائے اور جمرۃ العقبہ کے مقابل استادہ ہوئے۔ جمرہ کے اصل معنی سنگریزہ اور کنکری کے ہیں اس کے بعد یہ نام اسی جگہ پر غالب آ گیا جہاں رمی جمار ہوتی ہے۔ یہ تین جگہیں ہیں۔ جمرۂ اولیٰ جو مسجد خیف کی جانب ہے کہ جب مزدلفہ سے درمیانی راہ سے آئیں تو یہ پہلے پڑتا ہے۔ اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ ہے۔ اس کے بعد جمرۂ عقبہ ہے۔ عقبہ پہاڑ سے نکلنے کے بعد ہے اور جمرۂ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور یہ مکہ کی جانب ہے تو پہلے دن جب مزدلفہ سے وادی محسر کی راہ سے آئے تو جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کو چھوڑ کر جمرۂ عقبہ پر آئے اور استادہ ہوئے اور کعبہ معظمہ کو بائیں جانب اور منیٰ کو داہنی جانب رکھ کر ان ساتوں کنکریوں کو ایک ایک کر کے ماریں۔ درآنحالیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے۔ آپ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے اور جمرہ پر مارتے جاتے تھے۔ بقیہ ایام تشریق میں تینوں جمرات پر پیدل رمی جمرات کیں اگرچہ سوار ہو کر بھی جائز ہے لیکن افضل واولیٰ پیدل ہے۔ جیسا کہ سنت میں آیا ہے۔ رمی جمار کے بعد بلبیہ کو ترک کر دیا اس کے بعد اپنی قیام گاہ مسجد خیف کے قریب واپس تشریف لے آئے خیف اس بلند و مرتفع جگہ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب سے محفوظ ہو۔ منیٰ میں اس جگہ بہت بڑی مسجد ہے اور اس کے صحن میں ایک گنبد ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے اقامت ہے۔ اسی جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور خطبہ بلیغ دیا تھا چنانچہ آپ کی آواز تمام خیموں کے اندر سب کو پہنچی تھی۔ اس آواز کا ہر ایک تک پہنچنا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں قربانی کے دن کی حرمت سے آگاہ فرمایا جو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دن کی حرمت ہے اور فرمایا زمانہ اپنی اس اصلی ہیئت پر پلٹ آیا ہے جس پر حق تعالیٰ نے پہلے دن آسمان وزمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین مہینے پے در پے ہیں ذیقعدہ' ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الاُخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے اور فرمایا تمہارے خون' تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ قریب ہے کہ تم اپنے رب العزت کے حضور حاضر ہو اور تم سے تمہارے اعمال کی پرسش ہو۔ خبردار اور ہوشیار رہنا' میرے بعد دین سے نہ پھرنا اور گمراہ نہ ہونا۔ ایک روایت یہ ہے کہ کفر کی طرف نہ پلٹنا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارو اور جان لو کہ جو کوئی خدا کے حق یا بندوں کے حق میں خیانت کرتا ہے وہ اپنی ہی جانوں پر خیانت کرتا ہے۔ باخبر اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے تمہارے رب کا حکم پہنچا دیا ہے اور فرمایا ''اے خدا تو گواہ رہ اور تم پر لازم ہے کہ ان احکام کو حاضر غائب کو پہنچائے اور لوگوں سے فرمایا آؤ حج کے مناسک سیکھ لو۔ ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج کو نہ آؤں اور ان کو سمع واطاعت امراور اس کی فرمانبرداری کا حکم فرمایا۔ فرمایا: کہ ہمیشہ کتاب اللہ کو پڑھتے رہنا اور دین وشریعت کی نہ مخالفت کرنا اور نہ اس کے خلاف بولنا۔ فرمایا: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَطِيْعُوْا ذَا اُمِرْتُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. اپنے رب کی عبادت کرنا' پانچوں نمازیں پڑھنا' رمضان کے روزے رکھنا' صاحب امر کی اطاعت کرنا تاکہ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو اور وداع کیا اس کے بعد آپ منحر یعنی قربان گاہ تشریف لائے۔ یہ جگہ منیٰ کے بازار کے درمیان مشہور ہے اسے منحر النبی بھی کہتے ہیں' تمام اونٹ سو گئے تھے آپ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے جو کہ آپ عمر شریف کے سالوں کے عدد پر ہے۔

مروی ہے کہ آپ کے قریب پانچ چھ اونٹ قربانی کیلئے لائے جاتے۔ تو ہر اونٹ قریب ہوتا اور ایک دوسرے کو دھکیلتا اور دور کرتا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اسے ذبح فرمائیں۔ سینتیس اونٹوں کیلئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حکم فرمایا کہ وہ قربانی کریں' اور ان کو ہدی میں شریک کیا اور حکم دیا کہ ہر ایک اونٹ سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر دیگ میں ڈال کر پکائیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت اور اس کے شوربے کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تناول فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ ان اونٹوں کی کھالو

اور گوشت کواوران کی جھولوں کومساکین وغرباء پر تقسیم کردیں اور قصابوں کواس میں کچھ نہ دیں ان کی اجرت اپنے پاس سے دیں۔ مسلم میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائیں ذبح فرمائیں۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے گائے ذبح فرمائی۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کو بھی ذبح فرمایا۔ جب قربانی سے فارغ ہوئے تو اعلان کرایا کہ منیٰ کی تمام زمین قربان گاہ ہے اور منحر یعنی قربان گاہ کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاق کو طلب کیا اور حلق کیا جب حلاق جن کا نام معمر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور قدیم الاسلام ہیں وہ استرا ہاتھ میں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر فرمائی۔فرمایا: ''اے معمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول خدا کے نرمۂ گوش پر قادر بنایا حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوشیار رہو اور اس نعمت کی قدر جانو۔اس پر معمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا یہاں کھڑا ہونا اور اس مقام کی قدرت پانا یقیناً مجھ پر خدا کی نعمت ہے اور مجھ پر اللہ عزوجل کا احسان وکرم ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ یہ اس کی عظیم نعمتوں میں سے ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ داہنی جانب سے سر مونڈنے کی ابتداء کریں۔ظاہر مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب ہے اور مشکوٰۃ میں متفق علیہ حدیث میں صراحت کے ساتھ منقول ہے۔ بعض نے حلاق کی داہنی جانب کا اعتبار کیا ہے۔جب داہنی جانب حلق سے فارغ ہوئے تو ان موہیائے مبارک کو حاضرین میں تقسیم فرمایا اور اشارہ فرمایا کہ بائیں جانب بھی حلق کریں اور ان تمام موہیائے مبارک کو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا جو ام سلیم رضی اللہ عنہ کے شوہر اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں۔اسی بنا پر بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا اور ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں داہنی جانب کے بھی چند موہیائے مبارک سب سے پہلے آئے تھے۔ یہ ان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص فضل وعنایت تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. جب حلق سے فارغ ہوئے تو تمام لوگوں کے حصہ میں ایک یا دو موہیائے مبارک کے تار آئے

صرا ارزلف تر مرئے بسنداست فضولی می کنم بوئے بسنداست

حلق کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن ہائے مبارک کٹوائے اوران کو بھی لوگوں میں تقسیم فرمادیا۔بکثرت صحابہ نے حلق کرایا اور کمتر اصحاب نے قصر کرایا اور حلق کو قصر پر افضل قرار دیا۔

اس کے بعد نزول سے پہلے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور طواف کیا۔یہ طواف حج کے ارکان اوراس کے فرائض میں سے ہے۔اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اور طواف زیارت بھی۔ جب طواف سے فارغ ہوئے تو زمزم کے قریب آئے۔سقات بیت چونکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کی اولاد کا منصب تھا اس لیے وہ پانی کھینچتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد پر لوگ غلبہ کریں گے تو میں بھی اتر کر زمزم کے کنوئیں سے پانی کھینچتا اور تمہاری سقایت پر میں تمہاری مدد کرتا۔اس بنا پر کہ اس کام میں فضیلت و بزرگی ہے۔مطلب یہ کہ اگر میں اس کام کو کروں تو میرے بعد امت پر سنت بن جائے گی۔ اتباع سنت کی خاطر تمام لوگ اس کام میں ہاتھ لگائیں گے اور وہ تم پر غالب آ جائیں گے اور یہ منصب بزرگ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔انہوں نے ایک ڈول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔معلوم نہیں کہ اس حالت میں کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کیلئے تھا۔ یا کسی ضرورت وحاجت کی بنا پر کہ اژدھام کی

زیادتی کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ یا کسی اور ضرورت وحاجت کی بنا پر (واللہ اعلم) بعض کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس طواف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تھے۔ سوار ہونے کی سبب میں بعض کہتے ہیں کہ یا تو اژدحام زیادہ تھا یا مقصود تھا کہ تمام لوگ آپ کا مشاہدہ کرتے رہیں اور طواف کی کیفیت سیکھتے رہیں اور اس کے آداب واحکام معلوم کرتے رہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رویائے رحمت موجزن تھا اور آپ ضرورت سے سوار ہو کر طواف کر رہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ مسجد کو آلودہ کرنے سے مامون تھا۔ آپ اسی وقت منیٰ واپس ہوگئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسا ہی مروی ہے۔ مسلم میں ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز ظہر مکہ میں گزاری۔ بعض علماء اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ روایت کے راوی دو ہیں۔ ایک حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع کی حدیث میں زیادہ معروف ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخص ہیں۔ بعض علماء حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں کہ وہ متفق علیہ ہے اور اس کے تمام راوی اعظم واجل ہیں۔ شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں اگر ہم دونوں حدیثوں کے جمع کرنے کا تکلف کریں تو ہم یہ کہیں گے کہ ظہر کی نماز مکہ میں گزاری اور منیٰ میں پڑھنے کو اس کے اعادہ پر محمول کریں گے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مکہ میں پہلے جو نماز پڑھی تھی اس میں نقصان تھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو رات منیٰ میں گزاری قربانی کے بعد کے دن انتظار فرمایا۔ یہاں تک کہ آفتاب ڈھل گیا تو نماز ظہر سے قبل پیدل جمرہ اولیٰ پر آئے یہ وہ جمرہ ہے جو مسجد خیف سے بہت نزدیک ہے یہاں سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر تکبیر فرماتے جاتے۔ جب رمی سے فارغ ہوئے تو چند قدم اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور اتنی دیر تک دعا میں مشغول رہے کہ کوئی دوسرا سورۂ بقر کی تلاوت کر لے۔ پھر جب دعا سے فارغ ہوئے تو جمرۂ وسطیٰ آئے اور اسی طریق پر رمی جمار فرمائی۔ وہاں سے چند قدم درمیان وادی کے چلے اور اس جگہ کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور طویل دعا مانگی۔ اس کے بعد روانہ ہوئے یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کے سامنے آئے اور کعبہ کو داہنے ہاتھ اور منیٰ کو بائیں رکھ کر کھڑے ہوئے۔ رمی جمار کی اور اسی ساعت بغیر توقف کے لوٹ آئے اور اس جگہ دعا نہ فرمائی۔ اس کی حکمت' علم نبوت کے ساتھ موقوف ہے۔ علماء اس جگہ پر دو وجہ بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ جمرۂ راستہ میں ہے۔ اژدحام بہت تھا اور کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ دعا عبادت کے درمیان میں ہوتی جس طرح کہ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ میں تھی اس سے افضل ہے کہ بعد عبادت ہو۔ جیسا کہ اس جمرۂ عقبہ میں ہے (کہ یہاں عبادت ختم ہوگئی) (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے کوچ کرنے میں تعجیل نہ فرمائی اور یوم النفر (یعنی کوچ کرنے کا دن) عیدالاضحیٰ کے تیسرے دن کو کہتے ہیں۔ لیلۃ النفر وہ رات ہے جب حجاج کرام منیٰ سے لوٹتے ہیں۔ عرفات سے روانہ ہونے کو افاضہ کہتے ہیں اور مزدلفہ سے روانگی کو دفع۔ منیٰ سے کوچ کرنے کو نفر کہتے ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل تین روز اقامت فرمائی۔ بعض چوتھا روز بھی کہتے ہیں جو ذی الحجہ تیرہ اور آخری ایام تشریق کا دن ہے۔ بعد زوال رمی کر کے روانہ ہوئے اور وادی محصب میں نزول فرمایا۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے باہر ہے۔ اس جگہ سنگریزے کثرت سے ہیں۔ خیف بنی کنانہ بھی اسی کا نام ہے اسے ابطح بھی کہتے ہیں۔ ابطح ایسے کشادہ میدان کو کہتے ہیں جس میں باریک سنگریزے ہوں۔ جس طرح کہ دریا' نالوں میں ریت ہوتی ہے' مکہ کا نام جو بطحا اور ابطح ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء اسی محصب میں ادا فرمائی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس جگہ قیام اتفاقی امر تھا کیونکہ ابورافع رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان وغیرہ انہیں کے سپرد تھا۔ اتفاق سے انہوں نے خیمہ وہاں نصب کر دیا پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اسی جگہ قیام کر لیا ''بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حج کے سنن اور اس کے مناسک کے تمام کرنے میں سے ہے''۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا ''میں کل انشاء اللہ خیف بنی کنانہ میں قیام کروں گا جہاں کافروں نے قسم کھائی تھی اور عہد باندھا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے میل جول نہ رکھیں گے۔ ان سے مناکحت اور خرید وفروخت نہ کریں گے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کریں۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محصب میں ارادۂ قیام فرمایا تا کہ شعار اسلام اس جگہ ظاہر ہو جہاں شعار کفر نمودار ہوا تھا۔ حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجا لائیں اور غالب وجہ یہ ہے کہ (واللہ اعلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشاء تک توقف وقیام فرمانا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمرہ کرنے کے سبب سے ہو۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو ممکن ہے کہ اس سے بھی کمتر وقوف فرماتے۔

جب یہ بندہ ضعیف صاحب ایں تالیف (شیخ محقق رحمۃ اللہ) شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی شاذلی قادری رحمۃ اللہ کی خدمت میں منیٰ سے محصب میں آیا تو نماز ظہر اس جگہ پڑھی۔ سو گئے اور نماز عصر بھی اسی جگہ پڑھی۔ فرمایا: اتباع سنت کی سعادت اور شرف میں اتنا ہی کافی ہے۔ یہ بات اہل عرب کے اسلوب میں فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا کچھ حصہ اس جگہ آرام فرمایا اور جب بیدار ہوئے تو سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طواف وداع فرمایا۔ غیر اہل مکہ پر یہ طواف واجب ہے اور اس طواف میں رمل نہ کیا مگر دو رکعت طواف کی پڑھیں۔ اس لیے کہ طواف کے بعد مطلقاً یہ واجب ہے۔ خواہ طواف واجب کا ہو یا نفل کا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی رات اجازت چاہی کہ عمرہ ادا کریں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا تا کہ مقام تنعیم میں جو بیرون حرم ہے جا کر احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں اور عمرہ پورا کریں۔ ابھی رات تمام نہ ہوئی تھی کہ عمرہ کے اعمال سے وہ فارغ ہو گئیں اور محصب میں لوٹ آئیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا اعلان فرمایا اور سب کوچ کر کے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور جانب اسفل جسے ''کدا'' کہتے ہیں کا راستہ اختیار فرمایا۔ برخلاف اس راستہ کے جو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کیلئے اختیار فرمایا تھا جو کہ اعلائے مکہ ہے۔ جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔

داخل ہونے اور باہر نکلنے کیلئے مختلف راستہ اختیار کرنے میں بعض فضلاء فرماتے ہیں کہ جانب علو سے داخل ہونا بیت اللہ کی تعظیم اور علوشان کی وجہ سے تھا۔ جانب اسفل سے باہر نکلنا اس سے جدائی اور فرقت کے غم کی بنا پر تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت بھی ایسی ہی تھی۔

طواف وداع کے وقت ملتزم میں موقوف فرمایا اور دعا مانگی۔ حدیث میں مروی ہے کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو ملتزم میں کھڑی ہو اور دعا مانگے اور اپنی حاجت بارگاہِ رب العزت میں پیش کرے اور وہ پوری نہ ہو۔ ملتزم حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیانی جگہ کو کہتے ہیں اس لیے اس جگہ لپٹا جاتا ہے اور ان دونوں کے مابین مسافت ایک باغ ہے۔ اس طرح کہ ایک ہاتھ باب کعبہ پر ہو اور دوسرا ہاتھ حجر اسود پر اور یہ التزام مستحب ہے کہ بعد از طواف وداع کرتے ہیں۔ نیز چاہ زمزم پر تشریف لے گئے اور خود بنفس نفیس اس سے ایک ڈول کھینچا اور نوش فرمایا اور بقیہ پانی چاہ زمزم میں ڈال دیا۔ وداع کے وقت الٹے قدم حسرت کے ساتھ گریہ کناں چلے۔ خانہ کعبہ سے وداع کے وقت یہی سنت ہے۔ صبح کی نماز کعبہ کے مقابل پڑھی اور نماز میں سورۂ والطور تلاوت فرمائی نماز کے بعد روانہ ہوئے۔ جب منزل روحا میں پہنچے تو رات کے وقت سواروں کی ایک جماعت دیکھی۔ انہیں سلام کیا اور فرمایا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں۔

آپ کون ہیں؟ فرمایا میں خدا کا رسول ہوں۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور اپنے بچہ کو لحفہ سے نکال کر سامنے لائی۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس بچہ کا حج درست ہوگا؟'' فرمایا ''ہاں اس کا حج ہوگا اور تجھے بھی ثواب ہوگا۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو رات وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں چاشت کے وقت داخل ہوتے تھے اور سفر سے رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اسے پسند فرمایا کرتے تھے کہ آنے والا پہلے کچھ چیز گھر بھجوائے تا کہ اس کے گھر والے اس کے آنے کی تیاری کریں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو بہ تصور عظمت وکبریائے باری تعالے و ظہور آثار قدرت نا متناہی حق تعالیٰ عزوجلا اور اس بلدۂ طیبہ کے انوار و اسرار کے مشاہدے اور اس مقام عالی کی بزرگی و شرافت کے ملاحظہ سے تین مرتبہ تکبیر بلند فرمائی۔ اس کے بعد اپنی سنت مستمرہ کے مطابق جو اس شہر مقدس میں داخل ہونے کے وقت تھی اعانت و نصرت، تکمیل دین، اتمام نعمت، رجوع بخیر و عافیت اور امن و سلامتی کے ساتھ اپنے مکان میں پہنچنے پر شکرانہ ادا فرمایا۔ کہا:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ وَاَعَزَّهٗ فَلَا شَىْءَ بَعْدَهٗ.

پھر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ (والحمد للہ علیٰ اتمام النعمۃ والا تمام)

غدیر خم: واپسی کے وقت اثنائے راہ میں جب منزل غدیر خم میں پہنچے جو کہ جحفہ کے نواح میں مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے تو روئے انور صحابہ کی طرف کر کے فرمایا: اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّىْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ. کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہوں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. نبی مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس لفظ کو تین مرتبہ فرمایا۔ مطلب یہ کہ میں مسلمانوں کو حکم نہیں دیتا مگر اسی چیز کا جس میں ان کی صلاح و نجات اور ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ بخلاف ان کے نفوس کے کہ وہ کبھی شر و فساد کو بھی چاہتے ہیں تمام صحابہ نے عرض کیا بلیٰ یعنی درست ہے کیوں نہیں۔ بلاشبہ آپ تمام مسلمانوں کی جانوں سے قریب اور محبوب تر ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا گویا مجھے اس جہاں میں بلایا اور میں نے اسے قبول فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جو ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ ایک قرآن کریم ہے دوسری میری اہل بیت، دیکھو میرے بعد ان دونوں چیزوں میں احتیاط کرنا کہ کس طرح تم ان سے سلوک کرتے ہو اور کیسے ان کے حقوق ادا کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں میرے بعد ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ تم حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملو۔ اس کے بعد فرمایا حق تبارک و تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مسلمانوں کا مولیٰ ہوں۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِىٌّ مَوْلَاهُ. اے خدا جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولیٰ ہیں اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ اے خدا تو بھی اسے دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے۔ دعا من عاداہ۔ اور دشمن رکھ اُسے جو علی رضی اللہ عنہ دشمن رکھے۔ ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ. مدد کر اس کی جس نے علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور ذلیل کر اسے جس نے علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑا وادر الحق حیث دار اور حق کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لازم کر جس طرف علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات کی اور فرمایا ''اے ابن ابی طالب، مبارک ہو اور خوشی ہو کہ صبح و شام اس حال میں تم کرتے ہو کہ ہر مرد و زن مومن کے تم مولیٰ ہو۔ اس حدیث کو امام احمد نے حضرت براء رضی اللہ عنہ ابن عازب اور زید بن رضی اللہ عنہ ارقم سے روایت کیا۔ (کذا فی المشکوٰۃ)

آ گاہ رہو کہ یہ حدیث مبارک حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی انتہائی فضل وتکریم میں ہے۔ مسلمانوں کو ان کے ساتھ محبت وداد کی ترغیب وتحریص اور ان کے ساتھ بغض وعداوت سے اعتراض واجتناب میں ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور ان سے وہی دشمنی کرے گا جو منافق ہوگا۔ لیکن اس حدیث سے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانے اور ان کو امامت پر نصب کرنے پر دلیل بنانے میں اہل سنت کے نزدیک کلام ہے۔ اور شیعہ امامت علی رضی اللہ عنہ میں نص قطعی کے ادعا کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے دلیل لاتا کہ فرمایا: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ کیا میں تمہارا مولٰی نہیں ہوں' اور اولٰی کو امامت کے معنی دینا درست نہیں ہے اس کے معنی ناصر ومحبوب کے ہیں۔ اگر یہ معنٰی نہ ہوں تو تمام صحابہ کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمانے اور اس میں مبالغہ کرنے اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ ہر صحابی خوب جانتا اور پہچانتا تھا کہ وہ صحابہ میں سے ایک فرد ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ایک جماعت نے مثلاً ترمذی' نسائی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کی سندیں بہت ہیں اور اسے صحابہ کی ایک جماعتِ کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس وقت گواہی دی جس وقت کہ ان کی خلافت کے زمانہ میں ان کے ساتھ نزاع واقع ہوا تھا اور اس کی بہت سی سندیں صحاح وحسان ہیں۔ جس نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے اس کی طرف کوئی التفات نہیں ہے اور نہ اس قول کی طرف جو بعضوں نے زیادتی میں کہا ہے کہ وَالِ مَنْ وَالَاہُ کہ یہ موضوع ہے' اور مذکورہ حدیث متعدد طریقوں سے وارد ہے جس کی امام ذہبی اور ان کے سوا بہت ساروں نے تصحیح کی ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر نے الصواعق المحر قہ میں بیان کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم شیعہ سے بطریق الزام کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی دلیل امامت میں تواتر کے معتبر ہونے پر اتفاق کیا ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس سے صحت امامت پر استدلال نہیں کر سکتے اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔ باوجود خلاف اس کی صحت میں اگر چہ وہ خلاف مردود ہو بلکہ اس اختلاف میں بعض ائمہ حدیث سے طعن کیا گیا ہو اور انہوں نے عدل کیا ہو کیونکہ اس امر میں اہل سنت کے ساتھ رجوع ہے۔ (مثلاً ابوداؤد سجستانی اور ابوحاتم رازی وغیرہ کے) انہوں نے اسے ان متفقہ حافظان حدیث سے روایت نہیں کیا جنہوں نے ہمارے شہر وامصار میں طلب حدیث کیلئے چکر کاٹے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں جیسے کہ بخاری ومسلم اور واقدی وغیرہ جو کہ اکابر محدثین میں سے ہیں۔ یہ بات اگر چہ حدیث کی صحت میں مخل نہیں ہے لیکن دعوٰی تواتر یا اس کی مانند اور دعوٰی کرنا اعجب (عجائب میں سے) ہے۔ یہ شیعہ امامت کی حدیث میں تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں اور اہل سنت وجماعت اس مقام میں انہیں کا کلام ان پر رد کرتے ہیں۔ الصواعق المحر قہ میں اس کی بحث بڑی طویل ہے ہم نے اس میں تھوڑا سا بطریق اختصار نقل کر دیا ہے۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ اس جگہ مولٰی کے معنٰی حاکم ووالی کے ہیں۔ بلکہ بمعنی محبوب وناصر کے ہیں اور لفظ مولٰی متعدد معنٰی میں مشترک ہے۔ جو کہ معتق' عتیق' متصرف فی الامر ناصر اور محبوب کے معنٰی میں ہیں اور معانی مشترکہ میں کسی معنی کا تعین وخاص کرنا بغیر دلیل کے اعتبار نہیں رکھتا۔ ہم اور شیعہ دونوں محبوب وناصر کے معنٰی لینے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ ہمارے سید' ہمارے ناصر اور ہمارے حبیب ہیں۔ سیاق حدیث بھی اس معنٰی پر ناظر ہے' لفظ مولٰی کا امام کے معنے میں ہونا لغت میں معلوم ومعہود نہیں ہے اور نہ شریعت میں ہے اور کسی ائمہ لغت نے بھی بیان نہیں کیا۔ ہر کہ مفعل بمعنی افعل آتا ہے۔ یہی کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں چیز سے ادنٰی ہے اور یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ اس سے مولٰی ہے لہٰذا موالات پر تنصیص سے غرض' حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغض وعناد رکھنے سے پرہیز واجتناب پر تنبیہ ہے۔ اس لیے کہ اس پر تنصیص واقرتر اور موکدتر ہے اور اس میں ان کی بزرگی وشرافت کی زیادتی ہے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں صادر فرمایا کہ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ اور اسی بنا پر دعا بھی فرمائی اور

بعض طرق میں ذکر اہل بیت نبوت عموماً اور ذکر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خصوصاً آیا ہے۔ جیسا کہ طبرانی وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مراد ان کی محبت پر برانگیختہ کرنا اور ترغیب و تاکید فرمانا ہے۔ نیز مروی ہے کہ اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن میں تھے تو بعض امور میں ان سے کسی کو شکایت و اعتراض پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایسا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اسلمی کی طرف سے ہوا تھا جن کا تذکرہ یمن کی جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جیش کو بھیجنے کے سلسلہ میں حجتہ الوداع سے پہلے گزر چکا ہے اور صحیح بخاری میں مروی ہے اور انہوں نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور متغیر ہوا اور فرمایا اَلَسْتُ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. الحدیث اور صحابہ کو بھی جمع فرمایا اور اس باب میں تاکید فرمائی اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے''۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں تسلیم ہے کہ مولیٰ بمعنیٰ اولیٰ ہے لیکن کہاں سے لازم آتا ہے کہ اولیٰ با مامت مراد ہو۔ بلکہ تقرب و اتباع جیسا کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ. اور دلیل قطعی ہے بلکہ ظاہر ہے کہ اس کی نفی پر ہم احتمال نہیں رکھتے اور اگر ہم اولیٰ با مامت بھی تسلیم کریں تو فی الحال امامت پر دلیل نہیں ہے۔ بلکہ بالآخر اپنے وقت میں جب وہ امام بنیں گے تو ہماری بیعت ان کے ساتھ ہوگی اور ائمہ ثلٰثہ کی تقدیم اجماع سے ثابت ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس اجماع میں داخل ہیں اور اس کے سوا ان قرائن کے ذریعہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر مصرح ہیں۔ کس طرح امامت پر نص ہوگی حالانکہ اس کی ضرورت کے وقت حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے نہ تو حجت پیش کی اور نہ ان کے سوا کسی اور نے۔ بلکہ حضرت علی مرتضیٰ نے (مجلس مشورت میں شریک نہ کیے جانے پر) احتجاج فرمایا۔ لہٰذا ان کا سکوت ایام خلافت میں احتجاج سے اس پر دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر ان کے پاس کوئی نص نہیں ہے۔ اس کے باوجود حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر نہ اپنے حق میں کوئی نص موجود ہے اور نہ کسی اور کی خلافت کیلئے۔ جیسا کہ اخبار صحیحہ میں آیا ہے کہ لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ سے جو اس قدر قتال و جراٴت معرض وجود میں آئے کیا اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی نص ہے یا کوئی چیز ایسی ہے جو اپنی رائے اور اجتہاد سے کر رہے ہیں۔ فرمایا: اس باب میں کوئی نص موجود نہیں ہے لیکن چونکہ اس سے پہلے زمانہ میں امور دین و ملت، نظم و نسق اور اسباب اجرائے احکام مربوط و محکم تھے۔ اس لیے میں نے تعرض نہ کیا اور میں ان سے راضی رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ دین و ملت کے معاملات اور نظم و نسق درہم برہم ہو گیا ہے تو برعایت لوگوں کی خیر خواہی اور تقویت دین کی خاطر یہ سب کچھ کیا۔ کیونکہ یہ وقت صبر کرنے اور تغافل کرنے کا نہ تھا (واللہ اعلم)

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرض موت میں آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امر یعنی خلافت کو مانگیں اگر یہ ہم میں ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتادیں گے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کہا میں نہیں مانگوں گا مجھے ڈر ہے کہ میں مانگوں اور وہ منع نہ کردیں۔ (الحدیث)

اگر غدیر خم کی حدیث حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی امامت میں نص ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کی کیا حاجت تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ''اگر یہ امر ہم میں ہوا تو ہم اسے جان لیں گے'' باوجود یہ کہ غدیر خم کے دن کو تقریباً دو ماہ گزر رہے تھے اور یہ جائز ماننا کہ تمام صحابہ یوم غدیر کے قضیہ کو فراموش کر گئے تھے

اور باوجود علم کے اس واقعہ کو انہوں نے چھپایا تھا۔ یہ باتیں اس قبیل سے ہیں جس کو عقل جائز نہیں رکھتی۔

یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن خطبہ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق کو آشکار فرمایا کہ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ یعنی میرے بعد دین میں تم سب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا۔ بلاشبہ یہ ثابت شدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہل بیت کی مودت اور ان کی محبت واتباع پر لوگوں کو شوق دلایا اور محبت اور خلافت کے درمیان فرق ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ اس نص کو جانتے تھے لیکن انہوں نے اس کی پیروی نہ کی۔ اور امیر المؤمنین کے ساتھ ظلم وعناد اور مکابرہ کا اظہار کیا اور اطاعت نہ کی اور امیر المومنین نے جو ترک طلب اور احتجاج کیا وہ تقیہ کی بنا پر تھا۔ حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کذب وافترا ہے اس لیے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پوری قوت رکھتے تھے اور بے اندازہ کثرت رکھتے تھے اور ان کی شجاعت وبسالت کا تو کیا کہنا۔ ان تمام حقائق کے باوجود اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص سنی ہوتی پھر اس سے وہ حجت نہ لائیں اور اس پر عمل نہ کریں یہ محالات میں سے ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث ''الایمۃ من قریش'' سے استدلال فرمایا تو کیوں نہ فرمایا کہ ہاں بات یوں ہے۔ لیکن اگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خصوصیت پر نص واقع ہوتی تو اس حدیث سے استدلال کرنا مفید نہ رہتا۔ بیہقی نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ روافض کا بنیادی عقیدہ گمراہ کرنا ہے اور روافض صحابہ کی تکفیر کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گنتیے چند آدمیوں کے سوا تمام صحابہ کافر ہو کر دنیا سے گئے ہیں۔ قاضی ابوبکر باقلانی نے فرمایا کہ روافض نے جو مذہب اختیار کیا ہے اس سے پورا دین اسلام باطل ٹھہرتا ہے اس لیے کہ جب نصوص کا چھپانا صحابہ کی خصلت ٹھہری اور ابتدائے احکام اسلام میں ظلم وافترا' کذب وخیانت' نفسانی اغراض کے تحت ان سے سرزد ہوا تو اور بھی جو کچھ احادیث واخبار ان سے مروی ہوئی ہیں وہ سب ہی باطل قرار پاتی ہیں اور ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہیں بلکہ یہ منقصت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوتی ہے کہ (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ایسے لوگ نکلے اور خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے حق کی طلب میں بزدلی اور تقصیر دکھائی اور ایسے لوگوں کی تائید کی۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْھَا وَ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الخبثاء الروافضۃ) یہ کلام شیخ ابن حجر کا الصواعق المحرقہ میں ہے وہی کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

جیش جریر بن عبداللہ بجلی بسوئے ذی الکلاع: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی الکلاع بن کور بن حبیب بن مالک بن حسان بن تبع کی جانب بھیجا جو طائف کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اور خلق کثیر خدا جان کر اسے پوجتی اور اس کی پیروی کرتی تھی۔ ابھی جریر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کوچ نہ کیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور ذی الکلاع حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک رہا۔ مواہب لدنیہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی حضرت جریر کے دست حق پر ایمان لا چکا تھا۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ بجلی کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی طرف بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ وہ سب مسلمان ہو گئے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ ان کے پاس رہے۔ لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک کفر پر قائم رہا۔ فاروق اعظم کی خلافت کے دنوں میں مدینہ منورہ آیا اس وقت اس کے ساتھ اٹھارہ ہزار غلام تھے۔ وہ اپنے تمام غلاموں کے ساتھ ایک ساتھ مسلمان ہوا اور ان میں سے اس نے چار ہزار کو آزاد کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے ذوالکلاع جتنے تیرے غلام باقی ہیں ان کو میرے ہاتھ فروخت کر دے ان کی دو دانگ قیمت تو اسی وقت نقد دیتا ہوں اور دو دانگ یمن کو لکھتا ہوں اور دو دانگ شام کو لکھتا ہوں۔'' ذوالکلاع نے کہا ''آج کی مجھے مہلت دیجئے تاکہ غور کر لوں''۔ پھر جب وہ اپنی قیام گاہ پر آیا تو بقیہ تمام

غلاموں کو آزاد کر دیا۔ دوسرے دن جب امیر المومنین کی مجلس شریف میں آیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''غلاموں کے بارے میں تیری رائے کیا قرار پائی اس نے کہا ''حق تعالیٰ نے ان کیلئے جو بہتر کیا تھا میں نے اس کو اختیار کیا۔'' دریافت فرمایا ''وہ کیا چیز ہے؟'' کہا ''سب کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا'' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی تحسین وتصویب فرمائی۔ اس کے بعد اس نے کہا ''اے امیر المومنین میرا ایک گناہ بہت بڑا ہے اور میرا خیال ہے کہ حق تعالیٰ اسے نہیں بخشے گا۔'' فرمایا ''کونسا گناہ ہے؟'' اس نے کہا ''ایک دن ایک جماعت میری پرستش کر رہی تھی۔ میں چھپ گیا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو ایک جگہ انہیں دکھایا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو قریب ایک لاکھ آدمیوں نے مجھے سجدہ کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''خالص توبۃ النصوح اور بارگاہِ حق کی طرف انابت اور دل سے گناہ کو نکال پھنکنا' حق تعالیٰ سے مغفرت کی امید کا سبب ہے۔ اگر چہ گناہ کتنا ہی بڑا اور کثرت سے ہوں۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس نے حکومت چھوڑ دی ہے اور ایک درہم تھوڑا سا گوشت اپنے گھوڑے کی جھول میں لٹکایا ہوا ہے۔ یہ اشعار پڑھتا جاتا ہے۔

اُف لـلـدينا اذا كانت كذا ... انـا مـنهـا كل يوم فی اذی

ولـقـد كـنـت اذا قيل من ... انـعـم الـنـاس معاشا قيل اذ

ثـم بـدلـت و يعشی شقوه ... جـنـدا هـٰذا شـقـا وجـذا

روضۃ الاحباب میں ایسا ہی بیان کیا گیا ہے اور ذی الکلاع کو طائف کے ملوکوں میں سے شمار کیا ہے۔ لیکن جوہری نے صحاح میں یمن کے بادشاہوں میں سے کہا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ذوالکلاع اکبر زید بن النعمان ہے اور اصغر ممسع بن ناکور بن یغفر بن ذی الکلاع الاکبر ہے۔ یہ دونوں یمن کے علاقہ کے ہیں۔ تکلع کے معنی تحائف اور تجمع کے ہیں اور اسی سبب سے اس کا نام ذوالکلاع الاصغر رکھا گیا۔ کیونکہ حمیر قبیلہ اس کے ہاتھ پر مجتمع تام ہو گیا تھا اور دو قبیلے ہوازن اور فزاز بھی ذی الکلاع الاکبر کے ہاتھ پر مجتمع ہوئے تھے۔ کہا کہ تابعو ملوک یمن میں سے ایک ہے اور تبع نام ہی اس وقت رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے تحت حمیر اور حضرموت ہو اور حق تعالیٰ کے ارشاد: اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَـوْمُ تُبَّعٍ کی تفسیر میں مروی ہے کہ تبع حمیری نے بہت سے شہروں اور لشکروں کی سیر کی اور سمرقند کو آباد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سمرقند کو ویران کیا۔ وہ خود تو مومن تھا مگر اس کی قوم کافر تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا ''میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نہیں'' یمن کے بادشاہوں کو تبابعہ کہتے ہیں۔ جس طرح کہ اقبال بولا جاتا ہے۔ تبع کے کچھ حالات تاریخ مدینہ طیبہ میں لکھے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی وفات: اسی سال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اس دن آفتاب کو گہن لگ گیا تھا چنانچہ لوگوں نے کہا کہ آفتاب کا گہنانا ان کے انتقال کے سبب سے ہے۔ کیونکہ ان میں سے مشہور تھا کہ سورج گہن کسی عظیم حادثہ کے سبب ہی واقع ہوتا ہے۔ مثلاً عظیم شخصیت کی موت سے یا اس کی مانند کسی عظیم حادثہ سے' جب یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچی تو آپ نے فرمایا ''سورج اور چاند خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جو حق تعالیٰ کی قدرت وجبرت پر دلالت کرتی ہیں اور جو اہل بصیرت کیلئے عبرت کا موجب ہے کہ ایک ساعت میں ان دونوں کی نورانیت اور ان کی چمک دمک کو (جن سے روئے زمین روشن ہوتی ہے) سلب کر کے تاریک وسیاہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ قادر ہے کہ آدمیوں سے ان کے ایمان وعلم کے نور کو سلب کر لے اور انہیں تاریک کر دے۔ کسی کی موت وحیات کا اس میں دخل نہیں ہے۔ پھر جب دیکھو کہ یہ مسلوب و منکسف ہو گئے ہیں تو خدا کو یاد کرو۔ صدقہ وخیرات کرو اور غلاموں کو آزاد کرو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی۔

صورت بشری میں جبرائیل علیہ السلام کی آمد: اسی سال حضرت جبرائیل علیہ السلام خوبصورت انسان، سیاہ بالوں والے، سفید لباس پہنے نہایت حسین وجمیل شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں نمودار ہوئے۔ اس طرح کہ تمام حاضرین مجلس حیرت وتعجب میں رہ گئے۔ آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانوں ہو کے بیٹھے اور اپنے دونوں ہاتھ نکال کر یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوئے اقدس پہ یا اپنے دونوں زانوں پر رکھے۔ حدیث میں دونوں معنی کا احتمال ہے اور انہوں نے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا جواب عنایت فرمایا۔ اس کے بعد وہ مجلس شریف سے چلے گئے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اسے تلاش کرو۔ صحابہ باہر نکلے اور بہت تلاش کیا مگر نہ پایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں سکھانے کیلئے آئے تھے۔ اس حدیث کو حدیث جبرائیل علیہ السلام بھی کہتے ہیں اور کتب احادیث میں مذکور و مسطور ہے اور اول کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں بھی مذکور ہے۔ اس جگہ اس کی شرح کی ضرورت نہیں ہے۔

ہجرت کے گیارہویں سال کے واقعات

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری، وفات اور دیگر متعلقات کا ذکر: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو بعض اشقیاء وجہال کو دعوائے نبوت کا خبط سمایا۔ چنانچہ مسیلمہ بن ثمامہ، اسود بن کعب عنسی، طلیحہ بن خویلد اسدی اور ایک عورت جس کا نام سجاح بنت الحارث بن سوید تمیمیہ تھا انہوں نے دعوائے نبوت کیا۔

مسیلمہ کذاب: ان بدبختوں میں مسیلمہ بہت مشہور شقی تھا۔ اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور یہ خود کو رحمٰن الیمامہ کہلواتا تھا۔ اس لیے کہ وہ کہتا تھا کہ جو شخص مجھ پر وحی لاتا ہے اس کا نام رحمٰن ہے اور ظاہر یہ ہے کہ خود کو رحمٰن جاہلوں سے کہلواتا تھا وہ نادان تھے۔ کیونکہ یہ نام حضرت رب العزت جل جلالہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ ملعون بہت بوڑھا انتہائی مکار اور حیلہ جو تھا۔ پیچھے دسویں سال میں گزر چکا ہے کہ یہ بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا تھا جب اس کی قوم مجلس شریف میں آئی تھی اور مسلمان ہوئی تو اس نے تخلف کیا۔ کہا کہ "اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنے بعد خلیفہ بنا دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں اور ان کی متابعت کرلوں"، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ملعون کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور اس کے سر پر استادہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے دست اقدس میں کھجور کی ایک شاخ تھی فرمایا اگر تو مجھ سے اس شاخ کو بھی مانگے تو میں تجھے نہ دوں بجز اس کے جو مسلمانوں کے بارے میں حکم الٰہی ہے اور فرمایا "اگر تو میرے بعد زندہ رہا تو تجھے حق تعالیٰ ہلاک فرمائے گا" یہ ارشاد اس خواب کی تعبیر میں تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک میں دو سونے کے کنگن ہیں۔ اس سے آپ غمگین ہوئے تھے پھر حکم آیا کہ آپ ان پر دم فرمائیں۔ آپ نے ان پر دم فرمایا تو وہ دونوں ناپید ہو گئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ دو کذاب ہوں گے ایک یمامہ کا اور دوسرا صنعاء کا۔ یعنی ایک تو یہی مسیلمہ کذاب کا تھا اور دوسرا اسود عنسی۔

ایک روایت میں آیا یہ ملعون دائرہ اسلام میں آ گیا تھا جب مسیلمہ اپنے علاقے میں لوٹا تو مرتد ہو گیا۔ نبوت کا ادعا کیا اور شراب وزنا کو حلال کر کے نماز کی فرضیت کو ساقط کیا مفسدوں کی ایک جماعت اس کی مطیع ومنقاد ہو گئی۔ اس نے ایک خط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس میں لکھا کہ مِنْ مُسَیْلَمَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لَنَا نِصْفٌ وَّلِقُرَیْشٍ نِّصْفٌ وَّلٰکِنْ قُرَیْشًا یَعْتَدُوْنَ۔ آدھی زمین مسیلمہ کیلئے ہے اور آدھی قریش کیلئے لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں" جب یہ خط

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو جواب میں تحریر فرمایا: مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُسَیْلَمَۃِ الْکَذَّابَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ امابعد جان لے کہ بلاشبہ زمین کا بعد کو جسے خدا چاہے گا وارث ہوگا اور عاقبت متقوں کے کیلئے ہے" اس کے بعد مسیلمہ کذاب کفر پر اصرار کرتا رہا۔ نامطبوع سجع اور مکروہ ہذیانات۔ قرآن کریم کے مقابل باندھتا رہا جو عقلائے عالم کے نزدیک مضحکہ خیز ہیں اور علم میں بھی نیرنگ' شعبدے' عجیب وغریب کارنامے دکھاتا رہا اور جو کچھ بھی وہ دکھاتا خوارق و معجزات کے برعکس اور اس کے مدعا کے برخلاف ہوتا۔ چنانچہ وہ اگر کسی کیلئے درازی عمر کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت مرجاتا اور اگر کسی کیلئے آنکھوں میں روشنی کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت اندھا ہو جاتا۔ جب اس نے یہ سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مضمضہ فرما کر اس پانی کو کنویں میں ڈالتے ہیں جس سے وہ پانی زیادہ اور شیریں ہو جاتا ہے۔ جب اس نے بھی ایسا کیا تو کنویں کا پانی زمین میں اتر جاتا اور وہ کنواں کھارا اور کڑوا ہو جاتا۔ لوگ ایک بچہ اس کے پاس لائے اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرا وہ گنجا ہو گیا۔ ایک بچہ کے حلق میں اس نے انگلی ٹھونسی تو اس کی زبان پھٹ گئی۔ ایک مرتبہ کسی باغ میں اس نے اپنا سیاہ منہ دھویا اور اس کا پانی وہاں چھڑکا وہاں پھر کبھی گھاس نہ اگی۔ دستور خداوندی یہی ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر خوارق مدعا کے موافق ظاہر نہیں ہوتے۔ ایک شخص اس کے پاس گیا اس نے کہا کہ میرے دو لڑکے ہیں ان کی خیر و برکت کی دعا کیلئے ہاتھ اٹھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ جب وہ شخص گھر پہنچا تو اس کے ایک لڑکے کو تو بھیڑیئے نے پھاڑ ڈالا تھا اور دوسرا کنویں میں گر گیا تھا۔ ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ملعون کے ایسے کرتوتوں کے مشاہدے کے باوجود اس کے پیچھے لگ گئے۔ اس سے بیزار نہ ہوئے چونکہ جاہلوں کی اس جماعت میں غرض کے بندے تھے اور دنیاوی اغراض کے ماتحت اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاں سے تشریف لے گئے تو اس کا کاروبار چمک گیا اور ایک لاکھ سے زائد جہال اس کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت کے آخر میں یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا جبکہ اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چوبیس ہزار مسلمانوں کا ایک لشکر تھا۔ ان کے مقابلہ میں مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگی آدمی مقابل آئے فریقین میں خوب شدت کی جنگ ہوئی اگرچہ شروع میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے مگر آخر میں بحکم اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی. دشمنوں نے شکست کھائی اور وہ بھاگے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کا تعاقب کیا اور وہ وحشی جو قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب تھے۔ مسیلمہ کے قریب پہنچے اور وہ حربہ جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا اس پر پھینکا اور اسے جہنم رسید کیا۔ اس وقت انہوں نے کہا: اَنَا قَاتِلُ خَیْرَ النَّاسِ فِی الْکُفْرِ وَاَنَا قَاتِلُ شَرَّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ.

اسود عنسی مدعی نبوت: دوسرا مدعی نبوت اسود عنسی ہے جو عنس بن قدحج سے منسوب تھا۔ اس کا دوسرا نام عیلہ تھا اور اسے ذوالخمار (بخا) بھی کہتے ہیں۔ خمار کے معنی دوپٹہ کے ہیں چونکہ یہ اپنے منہ پر دوپٹہ ڈالا کرتا تھا۔ بعض اس ذوالخمار کو حاء کے ساتھ بتاتے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ کہتا تھا جو شخص مجھ پر ظاہر ہوتا ہے وہ گدھے پر سوار ہوتا ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ ایک کاہن تھا اور اس سے عجیب وغریب باتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی چرب زبانی سے گرویدہ کر لیتا تھا اور اس کے ساتھ دو ہمزاد شیطان تھے۔ جس طرح کاہنوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور ان کو زمانہ اور خبریں لاکے بتاتے ہیں۔ اس ملعون کا پورا قصہ اس کی ابتداء اور انجام کار یہ ہے کہ باذان جو ابنائے فارس سے تھا اور کسریٰ کی جانب سے یمن کا حاکم تھا اس نے آخر میں توفیق اسلام پائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو صنعا کی حکومت پر یمن میں برقرار رکھا جب اس نے وفات پائی تو اس کی مملکت کو تقسیم فرما کے کچھ اس کے بیٹے شہر بن باذان کو دیا' کچھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور کچھ حضرت معاذ

بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے پھر اسود عنسی نے خروج کیا اور نبوت کا مدعی بنا۔ اپنے لشکر کے ساتھ اہل صنعا پر غالب آیا اور وہ مملکت اپنے قبضہء تصرف میں لے آیا۔ شہر بن باذان کو قتل کر دیا اور مرزبانہ کی جو شہر بن باذان کی بیوی تھی اس کی خواستگاری کی۔ فردہ بن مسیک نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وہاں کے عامل تھے اور قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس میں تمام حالات اور واقعات کو بیان کیا۔ حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما جو اس نواح میں تھے باہمی اتفاق رائے سے حضرت موت چلے گئے۔ جب یہ خبر بارگاہِ رسالت میں پہنچی تو اس جماعت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ متفقہ طور سے جس طرح بھی ممکن ہو اسود عنسی کے شر و فساد کے دفع کرنے کی کوشش کریں اور مادۂ فساد کا استیصال کریں۔ اس پر تمام فرمانبردارانِ نبوت ایک جگہ جمع ہو گئے اور مرزبانہ کو پیغام بھیجا کہ یہ یعنی عنسی وہ شخص ہے جس نے تیرے باپ اور تیرے شوہر کو قتل کیا ہے اس کے ساتھ تیری زندگی کیسے گزرے گی؟ اس نے کہا ''میرے نزدیک یہ شخص دشمن ترین مخلوق خدا ہے'' اس پر مسلمانوں کی جماعت نے پیغام بھیجا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں آئے اور جیسے بھی ممکن ہو اس ملعون کے استیصال کی تدبیر کرو''۔ چنانچہ مرزانہ نے فیروز دیلمی کو جو مرزبانہ کے چچا کا بیٹا اور نجاشی کا بھانجا تھا اور وہ دسویں سال میں آ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ ایک اور شخص کو جس کا نام دادویہ تھا آمادہ کیا کہ رات کے وقت دیوار میں نقب لگا کے اسود کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیں جب وہ مقررہ رات آئی تو مرزبانہ نے اسود کو خالص شراب بہت زیادہ پلا دی یہاں تک کہ وہ مدہوش ہو کر سو گیا۔ وہ اپنے دروازہ پر ایک ہزار پہرے دار رکھتا تھا۔ فیروز دیلمی نے ایک جماعت کے ساتھ دیوان خانہ میں نقب لگائی اور اس بد بخت کے سر کو تن سے جدا کر دیا اسے ذبح کرنے کے دوران بڑی شدید آواز گائے کے ڈکارنے کی مانند اس کے منہ سے نکلی پہریداروں نے جو یہ آواز سنی تو اس کی طرف دوڑے مرزبانہ گھر سے نکل کے ان کے سامنے آ گئی اور کہا خاموش رہو۔ کیونکہ تمہارے نبی پر وحی آئی ہوئی ہے۔

جب صبح ہوئی اور موذن کو اس حالت کی اطلاع ملی تو اس نے اذان میں ''اشھد ان محمدالرسول اللہ'' کے بعد ''واشھد ان عیلہ کذاب'' بڑھا کر کہا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال نے اس کی خبر بارگاہِ رسالت میں بھیجی۔ مگر یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچی۔ لیکن رحلت فرمانے سے یک شبانہ روز پہلے واقعہ کی کیفیت وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگئی تھی اور فرما دیا تھا کہ آج رات اسود عنسی مارا گیا ہے اور ایک مرد مبارک نے اس کی اہل بیت میں سے اسے قتل کیا ہے۔ اس کا نام فیروز ہے اور فرمایا ''فاز فیروز'' فیروز کامیاب ہوا۔

بعض ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ اس ملعون کا قتل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا ہے۔ جبکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابو جہل کو مسلمانوں کی ایک فوج پر امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اس واقعہ میں بھی اسود کا قتل فیروز رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہے۔ لیکن اکثر محدثین اور علماء سیر کا خیال وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

طلیحہ خویلد اسدی مدعی نبوت: طلیحہ بن خویلد قبیلہ بنی اسد سے تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خروج کیا اور عروج پایا۔ عینیہ بن حصین فرازی جس کا ذکر پہلے غزوۂ حنین و ہوازن میں آ چکا ہے اور وہ قبیلہ فرازہ سے تھا مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو کر طلیحہ کا گرویدہ بن گیا۔ طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام اس پر آتے ہیں اور وحی لاتے ہیں۔ پہلا استدراج جو اس سے صادر ہوا اور جس کے سبب لوگ گمراہ ہوئے یہ تھا کہ ایک روز یہ اپنی قوم کے ساتھ سفر میں تھا۔ ان کے ساتھ پانی نہ تھا تشنگی ہوگئی اس نے کہا: اِرْکَبُوْا اَعْلَا لاً وَاخْرِبُوْا اَمْیَالاً تَجِدُوْا بَلاَ لاً سوار ہو گھوڑوں پر اور چند میل سفر کرو تو قوم پانی کو پا لے گی' قوم نے ایسا کیا اور پانی پا لیا۔ اس وجہ میں بدوی لوگ فتنہ میں پڑ گئے۔ جب یہ خبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو ایک لشکر تیار کر کے حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوامیر مقرر کر کے طلیحہ کی جانب بھیجا۔حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ قبیلہ طی پہنچے اور دو پہاڑوں کے درمیان کوہ سلمیٰ اور اجاہ کے درمیان لشکر کو ٹھہرایا اور وہ قبائل جو گردونواح میں اسلام پر قائم تھے ان کے ساتھ آ کے شامل ہوگئے اور سب نے مل کر دشمنوں سے جنگ کی۔لشکر فرازہ نے راہ فرار دکھائی اور عینیہ بن حصین فرازی کو اس کا کذاب معلوم ہوا۔ وہ بھی فرازہ کے ساتھ بھاگ گیا اور طلیحہ بھی واپس آیا اور مسلمان ہوگیا اور نہاوند کی جنگ میں شہادت حاصل کی۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سجاح بنت الحارث مدعیہ نبوت: چوتھی مدعیہ نبوت سجاح بنت الحارث بن موید بنی یربوع کی ایک عورت تھی جو بنی تغلب میں نبوت کا دعویٰ کرتی تھی۔ایک جماعت اس کی گرویدہ ہوگئی تھی' اس کا زمانہ ومسکن مسیلمہ کذاب کے قریب تھا اور ایک گروہ اس کے موافق بن گیا تھا۔مسیلمہ ڈرتا تھا کہ اگر اس سے معترض ہوا تو مبادا وہ قبائل جو اس کے گردونواح میں ہیں اور اس سے متفق ہیں تمام یمامہ پر غالب نہ آ جائیں۔اس بنا پر تحفے اور ہدایا سجاح کے پاس روانہ کیے۔اس سے ملاقات کی استدعا کی اور کہا کہ کچھ مخفی باتیں ہیں جو آمنے سامنے کہی جائیں گی۔سجاح نے حکم دیا کہ خیمہ لگایا جائے' چنانچہ خیمہ لگایا گیا' طرح طرح کے عطریات خوشبویات' فرش وفروش اور برتنوں سے خیمہ سجایا گیا۔پھر مسیلمہ اس جگہ پہنچا اور دونوں خیمہ میں داخل ہوئے۔ہر باب میں باہمی گفتگو ہوئی' مسیلمہ نے اپنے ہذیانات اور مخترعات کو اس کے سامنے رکھا اور کہا کہ بہتر ہوگا کہ ہم میں مناکحت کی نسبت پیدا ہو جائے۔جو کچھ مسیلمہ نے کہا'' سجاح نے یقین جانا اور اس کی نبوت کو برقرار رکھا اور تین روز دونوں ایک ساتھ رہے اور تعجب نہیں کہ ان تین دنوں میں ایک دوسرے سے زنا کیا ہو۔بعد عقد مناکحت' سجاح اپنی قوم میں چلی گئی اور مسیلمہ اپنی ٹولی میں جاملا۔سجاح کی قوم نے پوچھا ''تیرا قصہ کیا ہوا؟'' اس نے کہا'' کہ اس کی نبوت کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہوئی اور میں اس کے نکاح میں داخل ہوگئی لوگوں نے پوچھا مہر کیا قرار پایا ہے؟'' اس نے کہا'' مہر کے تعین کی فرصت نہ ملی'' لوگوں نے کہا'' بغیر مہر کے تو نکاح نہیں ہوتا۔جاؤ مہر معین کرو'' اس پر سجاح مسیلمہ کے پاس آئی اور طلب تعین مہر کیا'' اس نے کہا'' یمامہ کا نصف غلہ تجھے سونپنا ہوگا اور اس پر مزید یہ کہ صبح کی اور عشاء کی نماز تیری اُمت پر تخفیف کرتا ہوں اور ایک جماعت کو مذکورہ غلہ حاصل کرنے کیلئے کہا۔یہ لوگ انہیں معاملات میں مصروف تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلغلہ ایک لشکر عظیم کے ساتھ پہنچا اور سجاح کے عاملوں کو ان کے عمل سے معزول کیا۔اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ امارت میں وہ اور اس کی امت مسلمان ہوگئی۔ان کا اسلام نیک ومقبول ہوا اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسیلمہ جزیرہ میں رہتا تھا وہاں وہ چھپ گئی اور وہیں ہلاک ہوگئی۔پھر کسی نے اس کا نام ونشان تک نہ سنا (واللہ اعلم)

سریہ زید بن اسامہ: غزوۂ سرایا میں آخری سریہ' جیش اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔اس لشکر ......کو پیر کے دن ۲۶ ماہ صفر ۱۱ھ ہجری انہی کی جانب جو دیار روم میں سے ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کی شہادت گاہ لشکر موتہ میں تھی۔امیر بنایا تا کہ وہ وہاں کے لوگوں پر تاخت کریں اور ان کے گھروں کو آگ لگائیں۔جانے میں جلدی کریں تا کہ ان کی خبر پہنچنے سے پہلے خود ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔روانگی سے پہلے جاسوسوں اور طلائع کو بھیجا جائے اور رہبروں کو ساتھ لیا جائے اسی فکر میں تھے کہ بدھ کے دن ۲۸ صفر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوگئے۔بخار و دردسر عارض ہوا۔دوسرے دن علیل ہونے کے باوجود اپنے دست مبارک سے علم تیار کر کے دیا اور فرمایا اُغْزُ بِسْمِ اللّٰهِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ. بسم اللہ کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور خدا کے کافروں سے قتال کرو' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا' باہر روانہ ہوگئے اور یہ علم انہوں نے بریدہ رضی اللہ عنہ بن عصیب کے سپرد کیا تا کہ وہ لشکر کے علمبردار ہوں۔مقام جرف میں پڑاؤ کیا تا کہ وہاں لشکر اسلام مجتمع ہو۔جرف ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ کے قریب ہے۔جرف کے اصلی معنی پانی کھود کر نکالنے کے ہیں اور دربار رسالت سے یہ حکم عالی صادر ہوا کہ اعیان مہاجرین و

انصار مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ بجز علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جائیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ نہ کیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں بات کھٹکتی تھی کہ ایک غلام کو اکابر مہاجرین وانصار پر امیر مقرر فرمایا۔ اس قسم کی گفتگو ذاتی مجلسوں میں ان سے ظہور و درود میں آئیں۔ جب یہ خبریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع شریف میں پہنچیں تو یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک پر گراں گزریں اور غصہ آیا۔ تپ و دردِ سر کے باوجود پیشانی مبارک پر پٹی باندھ کر باہر تشریف لائے ممبر شریف پہ کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ فرمایا: ''اے لوگو! تم اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر امیر بنائے جانے سے انحراف کر کے کیسی چہ میگوئیاں کرتے ہو۔ تم نے غزوۂ موتہ میں ان کے والد کے امیر بنائے جانے پر بھی باتیں بنائی تھیں۔ خدا کی قسم وہ امارت کے سزاوار و مستحق ہیں اور ان کے والد بھی امارت کے سزاوار و مستحق تھے۔ میرے نزدیک زید رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت محبوب تھے اور انکے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے بعد لوگوں میں مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ دونوں کے ساتھ اچھا گمان ہے۔ اب میری وصیت ان کی شان میں بخوبی قبول کرو وہ یہ کہ وہ تم میں اخیار میں سے ہیں'' اس کے بعد ممبر شریف سے اتر کر کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ فضائل غزوۂ موتہ کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

مروی ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا الْاَمِرُ'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں ''غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ'' آپ مجھے امیر فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں جب تک زندہ ہوں ہمیشہ تمہیں امیر کہہ کر مخاطب کرتا رہوں گا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاں سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ تم ہم سب پر امیر تھے۔ حالانکہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت اٹھارہ یا انیس سال تھی۔ بعض بیس سال بتاتے ہیں۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ دسویں ربیع الاول کا تھا اور اس دن وہ جماعتیں جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے پر مامور تھیں۔ فوج در فوج آ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچ رہی تھیں۔ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرو۔ گیارہ ربیع الاول کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے کے ارادہ سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہو گئے، اپنے سر کو جھکا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور دست مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت کا اتنا غلبہ تھا کہ بولنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو آسمان کی جانب اٹھا کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر اتارا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''میرا خیال ہے کہ میرے لیے دعا فرما رہے تھے۔ اس کے بعد اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ شریف سے باہر آ گئے اور لشکر گاہ میں چلے گئے۔ صبح کو دوشنبہ کے دن پھر آئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں کچھ کمی تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا اور فرمایا ''اغز علی برکۃ اللہ خدا کی برکت کے ساتھ جہاد کرو'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب لشکر گاہ چلے گئے اور حکم دیدیا کہ کوچ کیا جائے۔ جب چاہا کہ خود سوار ہوں تو ان کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ لوٹ آئے اور اشراف صحابہ بھی واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکر و عمر فاروق وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ منورہ میں ہی تھے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بن حصیب نے علم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر نصب کر دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے دفن سے صحابہ فارغ ہوئے اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قرار پا گئی تو حکم دیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازہ پر علم نصب کردو۔ تاکہ جو لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے روانہ ہو اور جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہے نافذ ہو۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور منزل جرف میں قیام کیا تاکہ جمع ہوں' اسی اثنا میں مدینہ منورہ میں قبائل عرب کے مرتد ہونے کی خبریں پہنچیں۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ جب تک مرتدین کے قصہ سے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو موقوف رکھنا بہتر ہوگا۔ مبادا کہ جب وہ یہ سنیں کہ لشکر قوی تو ابھی منورہ سے باہر گیا ہوا ہے وہ دلیر ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں اور اہل مدینہ سے جنگ کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یہ رائے قبول نہ فرمائی آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کے بھیجنے سے میں مرتدوں کا لقمہ بن جاؤں گا تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی کو جائز نہ رکھوں گا۔ لیکن تم اسامہ رضی اللہ عنہ سے درخوست کرو کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دیدیں کہ وہ میرے پاس رہیں۔ اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہ جانے کی اجازت دیدی۔

جب ماہ ربیع الآخر آ گیا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی جانب روانگی فرمائی اور وہاں کے لوگوں پر غلبہ وفتح حاصل کیا۔ ان کے بہت زیادہ لوگوں کو قتل کیا' اور کچھ اشجار و منازل' باغوں اور کھیتوں کو جلایا اور اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا اور بکثرت مال غنیمت لے کر واپس آ گئے اس لشکر کا مکمل سفر چالیس دن کا تھا۔

باب اوّل

قسم چہارم

(اس کتاب کے چوتھے حصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے رخصت ہونے کے سلسلہ میں ذکر حدوث مرض، مدت امتداد، ایام مرض کے واقعات، روز وفات، ذکر غسل وتکفین، نماز جنازہ اور اثبات حیات انبیاء علیہ السلام کا بیان ہے)

ذکر وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از ابتدائے مرض تا وقت رحلت

پہلے معلوم ہوگیا ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخرت حج فرمایا۔ احکام دین تعلیم فرمانے کے بعد اس جہاں سے اپنی رحلت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو وداع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ شاید آئندہ سال میں تم میں نہ ہوں۔ اسی بنا پر اس حج کو حجۃ الوداع سے موسوم کیا گیا اور اس آیہ کریمہ کا نزول بھی اسی طرف مشیر ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ. جیسا کہ گزرا۔ نیز حجۃ الوداع کے وقت منیٰ کے دنوں میں سورۃ اذاجاء نصر اللّٰہِ والفتح نازل ہوئی۔ جب یہ سورۃ نازل ہورہی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا گویا تم مجھے خبر دے رہے ہو کہ مجھے اس جہان سے جانا چاہیے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''غم نہ کیجئے وللاخرۃ خیرلك من الاولیٰ اور یقیناً آپ کیلئے آخرت پہلی سے بہتر ہے اس کے بعد سیّد عالم سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اکمل التسلیمات آخرت کے کاموں میں بہت جدوجہد فرمانے لگے۔ اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر ذکر بحکم امر الٰہی تعالیٰ وحدہ تقدس تھا فرمایا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. یہ کلمات مبارک تھے کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ یہ کلمات مبارکہ آپ کی زبان اقدس پر بہت جاری ہیں'' فرمایا ''جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے عالم بقا کی طرف بلایا گیا ہے' تسبیح وتحمید' استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور گریہ کناں ہوگئے'' صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ موت سے گریہ کناں ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ وآئندہ سب سے مغفور فرما دیا ہے''۔ فرمایا: فَاَیْنَ اَوَّلُ الْمَطْلَعِ وَاَیْنَ ضَیْقِ الْقَبْرِ وَظُلْمَةُ اللَّحْدِ وَاَیْنَ الْقِیٰمَةُ وَالْاَهْوَالُ. یہ فرمانا امت کیلئے تنبیہ ہے کہ انہیں ان بلاؤں اور مشقوں سے گزرنا ہوگا۔ وگرنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اس سے ارفع واعلیٰ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہمیں اپنی وفات کی خبر سنا دی اور خواص اصحاب کو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بلایا اور جب آپ کی نظر مبارک ہم پر پڑی تو گریہ فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گریہ فرمانا ان صحابہ کرام پر انتہائی شفقت ورحمت اور شدت تصور الم فراق سے تھا۔ جو ان حضرات کو لاحق ہوگا'' اس وقت فرمایا: مَرْحَبًا بِكُمْ وَحَیَّاكُمُ اللّٰهُ بِالسَّلَامِ حِفْظَكُمُ اللّٰهُ صَبَّرَكُمُ اللّٰهُ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ وَرَفَعَكُمُ اللّٰهُ هَدَاكُمْ وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ اٰوٰاكُمُ اللّٰهُ وَقَاكُمُ اللّٰهُ مَكَّنَكُمُ اللّٰهُ. یہ دعا اگرچہ بظاہر متوجہ بجانب صحابہ کرام ہے۔ جو حاضر بارگاہ اقدس تھے لیکن

حقیقت میں راجع تمام امت پر ہے اور اس دعا میں سب کو ہی شامل فرمایا گیا ہے اور شریعت کے تمام خطابات کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تغلیب حاضر بر غائب ہے اور فرمایا ''میں تمہیں تقویٰ' خوف خدا کی وصیت کرتا ہوں' تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں' اپنا خلیفہ بناتا ہوں اور میں تمہیں خدا کے غضب سے ڈراتا ہوں۔ کیونکہ میں تم میں ''نذیر مبین'' ہوں یعنی خوب ظاہر طور پر ڈرانے والا اور چاہیے کہ علو وعتو اور تکبر حق تعالیٰ اور اس کے بندوں اور شہروں پر نہ کرو۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وہ دار آخرت' ہم نے ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو زمین میں نہ علو وتکبر کرتے ہیں' نہ فساد پھیلاتے ہیں اور آخرت متقیوں کیلئے ہے۔

دارمی نے روایت کیا ہے کہ جب سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے رحلت کی خبر دی گئی ہے' اس پر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پھر فرمایا'' روؤ نہیں اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی۔ پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ ایام مرض کا ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا برابر ہر سال دور فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے دور کیا۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان سے رحلت فرمانے کی ایک علامت تھی۔ بعض روایتوں میں سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رونے اور ہنسنے کا قصہ اسی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ ہر سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آخری عشرہ کا یعنی دسویں رمضان سے چاند رات تک کا اعتکاف فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد نماز پڑھی۔ جس طرح کہ بطریق وداع کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ممبر پر تشریف لائے اور فرمایا ''میں تمہارا پیشرو ہوں' تم پر شہید ہوں' تمہاری شہادت کا امانت دار ہوں اور میں تمہیں اپنے حوض پر بھی دیکھ رہا ہوں جہاں کہ میں کھڑا ہوں گا۔ بلاشبہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ یہ روئے زمین کے ممالک کی فتح اور ان کے خزانوں کے قبضہ میں آنے کی بشارت ہے اسی لیے فرمایا: ''میں اس سے خوف نہیں رکھتا کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہوگے۔ لیکن میں خوف رکھتا ہوں کہ تم پر دنیا غالب آئے گی اور تم اس کے شائق ہوگے۔ فتنہ میں پڑو گے اور ہلاک ہوگے۔ جس طرح کہ وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے''۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر شریف پر تشریف فرما ہو کر فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو دو باتوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا وہ یا تو دنیاوی زندگی' اس کی زیب وزینت اور عیش آسائش اختیار کرے یا وہ جو حق تعالیٰ کے پاس آخرت کا اجر وثواب ہے۔ تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو حق تعالیٰ کے پاس ہے اور دنیا کی طرف رغبت نہ کی'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خبر کے سنتے ہی رونے لگے اور عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لوگوں نے کہا'' اس شیخ کو دیکھو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی کا حال بیان فرما رہے ہیں اور یہ روتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال مبارک کی خبر دے رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال سے ان سے سب سے زیادہ دانا و فہمیدہ تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اور نیکی کرنے والا اپنے مال اور صحبت ورفاقت سے ساتھ دینے والا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بنانے والا ہوتا تو میں صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن خدا کے سوا میرا کوئی خلیل نہیں۔ اخوت اسلامی باقی ہے''۔ خلیل جگری دوست کو کہتے

ہیں۔ جس کو دوستی دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہواور فرمایا مسجد میں کھلنے والا کوئی دریچہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس کلام میں خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور یہ ارشاد عالی مرض وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا تھا۔ دیگر روایتوں میں اختیار دینے کا قصہ ایام مرض میں آیا ہے۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی اجل کب ہے؟'' فرمایا ''خدا کی طرف لوٹنے' جنت الماویٰ' سدرۃ المنتہی پہنچنے' رفیق اعلیٰ سے ملنے' کا ئیں اوفی یعنی جام طہور پینے اور دائمی عیش پانے کا وقت بہت نزدیک آ گیا ہے۔

ماہ صفر کا آخری ہفتہ: اسی سال کے آخر ماہ صفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع کے قبرستان والوں کیلئے استغفار فرمائیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرما تھے اور میں سو رہی تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر استراحت پر آرام فرما نہ پایا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلی میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں داخل ہوئے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ. ایک روایت میں ہے فرمایا: اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَّاِنَّا بِكُمْ لَاحِقُوْنَ. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ.

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے روانہ ہوئے میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلی گئی۔ اس غیرت کی بناء پر کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی اور زوجہ کے یہاں تشریف لے جائیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع پہنچے اور بہت دیر کھڑے رہے۔ دو تین مرتبہ دستہائے مبارک کو اٹھا کر دعا فرمائی اور واپس ہوئے۔ میں بھی واپس آئی' میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے پہلے گھر میں داخل ہوگئی اور لیٹ ہوگئی۔ میرے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری سانس کا پھولنا اور اضطراب کا اثر مشاہدہ کیا تو فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا حال ہے کیا ہوا اور کیوں مضطرب نظر آتی ہو'' میں نے صورت حال عرض کی۔ فرمایا: ''وہ سایہ جو میں اپنے آگے دیکھ رہا تھا شاید تم تھیں؟ میں نے عرض کیا'' ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کے ساتھ اپنا دست مبارک میرے سینے پر ملا اور فرمایا ''تم نے یہ گمان کیا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کرے گا؟'' میں نے عرض کیا'' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا لیکن معذور رکھیئے میں کیا کرتی انسانی خصلت ہی ایسی ہے جو مجھے لاحق ہوئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''شیطان نے تمہیں اس پر ابھارا'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا'' کیا میرا بھی کوئی شیطان ہے'' فرمایا ''ہر شخص کیلئے شیطان ہے'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''کیا آپ کو بھی ہے۔ فرمایا: ''ہے لیکن میرا شیطان اسلام لے آیا ہے''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ' میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور دروازہ کے باہر سے انہوں نے آواز دی۔ چونکہ جبرائیل علیہ السلام کی عادت ہے کہ جب تم اپنے جسم سے لباس اتارے ہوئے ہوتی ہو تو وہ اندر نہیں آتے اور میں نے خیال کیا کہ میں تمہیں بیدار نہ کروں تاکہ تم پریشان نہ ہو'۔ پھر جبرائیل علیہ السلام وحی لائے کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جا کر ان کیلئے استغفار کریں۔ دعا کے الفاظ اس روایت میں اس طرح ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِيَّاكُمْ مَتَوَاعِدُوْنَ غَدًا مُؤَجِّلُوْهُ. نیز مروی ہے کہ فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ وَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ

اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّنَحْنُ بِالْاَثَرِ. یہ قصہ پندرہویں شعبان میں بھی مروی ہے کہ اس رات میں زیارت قبور میں مسنون ہے۔

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابوموہبہ سے مروی ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھی رات کو مجھے بیدار کیا۔ فرمایا: ''مجھے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جاؤں اوران کیلئے استغفار کروں۔ پھر مجھے ہمراہ لیا اور بقیع تشریف لا کر بہت دیر تک کھڑے استغفار فرماتے رہے۔ اوران کیلئے ایسی دعا فرمائی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ میں بھی ان اہل قبور میں سے ہوتا اور اس دعا سے مشرف ہوتا۔اس کے بعد فرمایا''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ' تمہیں وہ نعمتیں مبارک ہوں جن میں تم صبح کرتے ہو' جن میں تم رہتے ہو' تم ان فتنوں سے دور ہو جن میں لوگ مبتلا ہیں' حق تعالیٰ نے تم کو ان سے نجات دیدی ہے اور خلاصی فرمادی ہے۔ بلاشبہ ان پر سیاہ رات کی مانند فتنے امنڈ امنڈ کر آئیں گے' اس کا آخری کنارہ اول کے ساتھ ملا ہوگا اور پے در پے آئیں گے۔ ان فتنوں کا آخری کنارہ پہلے سرے سے بدتر ہے۔اس کے بعد فرمایا''اے موہبہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں مجھے پیش کی گئیں اور مجھے اس کے درمیان مخیّر کیا گیا کہ اگر میں چاہوں تو دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہوں یہاں تک کہ جنت میں مراتب ودرجات پاؤں یا پھر یہ کہ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کروں اوراس کی طرف جانے میں جلدی کروں۔ میں نے اپنے رب کی ملاقات کو ہی اختیار کیا۔موہبہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کچھ عرصہ دنیا میں اور اقامت فرمایئے اس کے بعد جنت میں جایئے تا کہ آپ کی بدولت ہم بھی آسودہ رہیں''فرمایا ''اے موہبہ!نہیں۔ میں نے اپنے رب کی ملاقات کو اختیار کرلیا ہے''ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد ان صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو موجود تھے اور فرمایا''دنیا سے گزر جانے والے تم سے بہتر ہیں''صحابہ نے عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ہمارے بھائی ہیں جس طرح وہ ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لائے ہیں' انہوں نے بھی انفاق کیا ہے ہم بھی کرتے ہیں وہ بھی چلے گئے ہم بھی چلے جائیں گے۔ان کو ہم پر فوقیت کیسے ہے؟ فرمایا وہ دنیا سے گزر گئے ہیں اور دنیا میں اپنے اجر سے کچھ نہ کھایا اور میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کروگے اور تمہارے درمیان کتنے فتنے سر اٹھائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک دن حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے گئے اور فرمایا''اے کاش! ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے'صحابہ نے عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟''فرمایا ''تم میرے اصحاب ہو میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں' میں حوض پر ان کا فرط یعنی پیش رو ہوں گا۔صحابہ نے عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت میں جو آپ کے بعد پیدا ہوں گے اور آپ نے ان کو دیکھا نہیں ہے آپ روز قیامت ان کو کس طرح پہچانیں گے؟''فرمایا تم میں سے کسی کے پاس بہت سے گھوڑے ہوں۔ کچھ سفید ہوں اور کچھ سیاہ کیا تم اپنے گھوڑوں کو دوسروں سے نہ پہچانو گے اور فرمایا''روز قیامت میرے امتی اس حال میں اٹھیں گے کہ ان کے چہرے اور منہ آثار وضو سے تاباں ہوں گے۔جس طرح کہ زیارت بقیع اور ان کے استغفار کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے اسی طرح شہدائے احد کی زیارت اوران کیلئے دعا کرنے کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک رات حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع تشریف لے جا کر ان کیلئے دعا فرمائیں تو حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس تشریف لے آئے اور خواب استراحت فرمائی۔ پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کیلئے استغفار فرمائیں پھر تشریف لے گئے۔استغفار کر کے واپس آ کے خواب استراحت فرمائی پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کیلئے استغفار فرمائیں۔ پھر تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس آ کے خواب استراحت فرمائی۔ پھر حکم ہوا کہ جاؤ شہدائے احد کیلئے دعا فرمایئے۔اس کے بعد حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم احد تشریف لے گئے اور شہدائے احد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ جب

وہاں سے واپس تشریف لائے اور احیاء واموات کے حق میں دعا وداع سے فارغ ہوئے تو درد سر لاحق ہوا اور علیل ہو گئے۔

نکتہ' اس جگہ ایک نکتہ دل میں پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اہل بقیع اور شہدائے احد کی زیارت اور ان کیلئے دعا واستغفار اور ان کو اس طرح وداع کرنے کا حکم ہوا جیسے کہ کسی سفر میں جاتے وقت رخصت کیا جاتا ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت درپیش تھا اس بنا پر ایک مناسبت' اس عالم کی جانب رجوع اور اس جہان والوں سے خاص لگاؤ پیدا ہو جائے اور جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں کیلئے دعا ونصیحت فرمائی ہے اور ان کو پند ونصائح سے نوازا ہے تو اموات کو بھی دعا واستغفار اور تودیع سے سرفراز فرمایا جائے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ گزرے ہوئے حضرات تو عالم برزخ میں ہیں اور حضور اکرم بھی اس عالم میں تشریف لے جانے والے ہیں لہٰذا ان کو اپنے اس ارشاد سے بشارت دی کہ وَاَنَا بِکُمْ لَاحِقُوْنَ. میں بھی تمہارے ساتھ ملنے والا ہوں'' تو وداع کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت میں وداع تھی۔ جیسا کہ بیان کے ضمن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقی وداع کیسے ممکن ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلی وارفع ہے کسی اور کو مرافقت ومصاحبت کی کہاں تاب وتواں ہوگا۔ جس طرح کہ جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص مقام ہے عالم برزخ میں بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع سے واپس تشریف لائے تو مجھے درد سر لاحق ہو گیا اور میں نے ''وَارَأْسَاهُ'' ہائے میرا سر کہنا شروع کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تسلی کیلئے بطریق مزاح فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہیں کیا نقصان ہو گیا اگر مجھ سے پہلے تم اس جہاں سے چلی جاؤ اور میں تمہارے سرہانے کھڑا ہوں اور تمہاری تجہیز وتکفین کا انتظام کروں۔ تم پر نماز پڑھوں اور تمہیں دفن کر کے تمہارے لیے دعا واستغفار کروں''۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور مزاح عرض کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ میرا مرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر میری موت واقع ہو جائے تو اسی دن کسی اور عورت کو دلہن بنا کے میرے گھر لے آئیں گے؟'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہارا درد سر تو جاتا رہے گا لیکن یہ درد سر جو مجھے لاحق ہے مشکل ہے کہ میں اس سے خلاصی پاؤں'' گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اسی مرض میں میں اس جہان سے رحلت فرماؤں گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (گویا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خوش کرنے کیلئے فرمایا) کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی کو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عبدالرحمٰن کی طرف بھیجوں کہ وہ میرے پاس آئیں اور میں ان کے ساتھ عہد کروں یعنی عہد خلافت تا کہ کوئی کہنے والا دعوی نہ کرے اور کوئی تمنا رکھنے والا تمنا نہ کرے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا مدعی خلافت نہ بنے اور اس کی آرزو نہ کرے اس کے بعد میں نے کہا ''اس سے اللہ تعالیٰ اور مسلمان باز رکھے''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے گھر ان کی باری کے دن میں ہوئی تھی۔ جب مرض نے شدت پکڑی تو اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا ''میں کل کس کے یہاں ہوں گا اور اس بات کو مکرر فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے یہ تھا کہ ایام مرض میں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ مشکل ہے کہ میں مرض کی حالت میں تمہارے گھروں کا پھیرا کروں اور اپنی باری کی رعایت کروں' اگر تمہاری مرضی ہو تو مجھے اجازت دیدو کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہوں اور اس جگہ تم سب میری تیمارداری کرو' اس پر تمام ازواجِ مطہرات راضی ہو گئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اقامت فرما ہوئے۔ ایک

روایت میں ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہوگی کہ آپ ہر ایک گھر کا دورہ فرمائیں۔اس پر تمام ازواجِ مطہرات راضی ہوگئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اقامت فرمائیں۔(رضی اللہ عنھن)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے اہل بیت میں سے دوشخصوں کے کندھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے قدمہائے مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے اور آپ کے سر مبارک پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔آپ اس حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ایک روایت میں ہے کہ چند روز تک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے گھروں کا دورہ فرمایا اور ان کی باری کی رعایت فرمائی۔یہاں تک کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز تھے سخت دردسر لاحق ہوا۔اس پر فرمایا اب ممکن نہ رہا کہ علالت کے دوران تمہارے گھروں کا دورہ کروں تو سب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اقامت فرمانے پر اتفاق کرلیا۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!میری خواہش ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کا شرف پاؤں اور خدمت گزاری کا موقع مجھے ملے۔فرمایا''اے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر میں بغیر اہل بیت کے تیمارداری کراؤں تو ان کی مصیبت زیادہ ہوجائے۔بلاشبہ تمہارا اجر حق تعالیٰ پر ہے اس نیت کے سبب جو تم نے کی۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت نے بہت شدت اختیار کرلی چنانچہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے بستر مبارک پر ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر بار بار مصطربانہ طور پر منقلب ہوتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!اگر ایسی حالت ہم میں سے کسی اور سے رونما ہوتی تو برا محسوس فرماتے اور غصہ میں آجاتے''فرمایا''اے عائشہ رضی اللہ عنہا!میرا مرض انتہائی سخت ہے۔حق تعالیٰ انبیاء وصلحاء پر ابتلا انتہائی سخت وشدید بھیجتا ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں ہے جسے کوئی مصیبت وایذا پہنچے حتیٰ کہ پاؤں میں کانٹا چبھے مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس کے سبب اس کا درجہ بلند فرمائے۔اور اس کے گناہوں کو محو فرمائے اور فرمایا''روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے جسے مرض وغیرہ کی تکلیف پہنچے مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کو ایسا جھاڑ دے جیسے پت جھڑ کے موسم میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں'میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس کی بیماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے سخت تر ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قطیفہ میں لپٹا ہوا پایا۔میں قطیفہ کے اوپر سے بخار کی گرمی محسوس کرتا تھا اور مجھے برداشت نہ تھی کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس پر ہاتھ رکھوں۔میں نے اس شدت پر تعجب کیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کی مصیبت واذیت انبیاء علیہم السلام کی مصیبت واذیت سے زیادہ سخت وشدید نہیں ہے بلاشبہ جس طرح ان کی مصیبتیں دگنی ہیں اتنا ہی ان کا اجر بھی دگنا ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو فقر ودرویشی میں اس حد تک مبتلا فرمایا کہ انہیں بجز ایک عبا کے دوسرا لباس تک میسر نہ ہوا۔اسی عبا کو شب وروز پہنا کرتے تھے۔واضح رہنا چاہیے کہ بلا میں طوالت اور امتحان وآزمائش میں مبتلا ہونا بارگاہِ الٰہی کے مقربوں کے ساتھ خاص ہے ان مقربان بارگاہِ الٰہی میں اعز واعظم اور اعلیٰ واقرب انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعین ہیں جو کہ اولیاء وصلحاء امت ہیں۔اس میں کوئی کلام نہیں ہے جیسا کہ حدیث مبارک ثم الامثل فالا مثل اس میں مشہور ومعروف ہے۔لیکن بلا میں جزع وفزع اور مرض میں آہ ونالہ کا کیا حکم ہے تو اس مین کلام ہے۔اگر بے صبری وبے طاقتی کے لحاظ سے جزع وفزع کرنا بلا کو ناگوار اور اس سے فرار چاہتا ہے تو یہ بلا اختلاف حرام ہے۔آہ ونالہ جو بقصد اظہار غربت وبے چارگی ہو جو بندگی کے حال کیلئے لازم ہے۔

شدت مرض اوراس کی سختی سے جو اضطراب و بے چینی عارض ہو یہ اور بات ہے۔ یہ چیز جزع وفزع اور بلا سے ناگواری وفراری اور شکوہ وشکایت میں داخل نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان میں مذکور ہوئی اس کے اثبات میں کافی ہے۔ البتہ آہ و نالہ اگر عدم رضا وتسلیم سے ہو تو مکروہ اور داخل شکوہ وشکایت ہے۔ علماء ومشائخ نے جو کراہت وشکایت کا اس پر اطلاق فرمایا ہے وہ مطلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ بے صبری و بے رضائی سے مقید ہے۔ حضرت شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ نے اگرچہ اس قول کی تضعیف وابطال میں صراحت فرمائی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے ان کی کراہت سے مراد خلاف اولیٰ ہو۔ اس لیے کہ اولیٰ یہ ہے کہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو اور نووی کے کلام۔ اس لیے محل نظر ہے جبکہ بارگاہِ نبوت علی مصدرہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے یہ بات ثابت ہونے کے بعد خلاف اولیٰ کا کہنا ترک ادب ہے تو یہ بھی ذکر کی ہی ایک قسم ہے۔ البتہ یہ بات ازروئے غفلت اور غلبہ طبیعت کے جوش سے ہو جیسا کہ عام لوگوں اور مبتدیان راہ کے احوال سے رونما ہوتا ہے۔ جو ضعف یقین اور قضاء سے ناگواری کے وہم کی جانب اشارہ کرتا ہے اس کو مکروہ وخلاف اولیٰ کہیں تو جائز ہے۔ لیکن اگر جبلی اور طبعی درد والم کی خبر دینے کے طریقہ پر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا درد کے ذکر سے شکایت مراد نہیں ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بظاہر خاموش بلب ہیں مگر دل میں شاکی ہیں۔ بہت سے ایسے حضرات ہیں جو ظاہر میں گویا ہیں اور باطن میں راضی برضا ہیں۔ لہٰذا معتمد ومشغول، عمل قلب ہے۔ نہ کہ فعل انسان (واللہ اعلم)

احادیث صحیحہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ وسلم بیمار کی ان کلمات کے ساتھ تعویذ واستعاذہ فرماتے کہ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآئُكَ لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود علیل ہوئے تو اپنے لیے بھی انہیں کلمات سے تعویذ فرمایا اور اپنے دست اقدس کو تمام بدن اطہر پر پھیرا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں علیل ہوئے تو میں نے یہی دعا پڑھی اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو آپ کے بدن اقدس پر پھیروں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک مجھ سے کھینچ لیا اور فرمایا: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰی. اے رب اپنی رحمت میں لے کر مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تعویذ مجھے اس سے پہلے نفع پہنچاتا تھا اب یہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مرضوں میں رب تعالیٰ سے صحت وشفا کی دعا مانگا کرتے تھے مگر اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی کوئی دعا نہ فرمائی بلکہ آپ اپنے آپ پر سختی فرماتے اور فرماتے ''اے نفس تجھے کیا ہو گیا ہے کہ جو تو ہر جائے پناہ وآسائش میں پناہ تلاش کرتا ہے۔ ارباب سیر نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ لیکن ایک اور حدیث میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے' دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر دونوں ہاتھوں سے جہاں تک وہ جسم اقدس میں پہنچ سکتے مسح فرماتے۔ (الحدیث) مسح بدن اقدس میں اپنے سر اقدس اور اپنے سینہ منورہ سے ابتداء فرماتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب بھی علیل ہوتے تو ایسا ہی فرماتے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری سے جس میں آپ نے وفات پائی علیل ہوئے تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے بمطابق معوذتین کو پڑھ کر آپ پر دم کیا اور اپنے ہاتھوں پر دم کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر دم کیا اس امید کے ساتھ کہ آپ کا دست اقدس حصول برکت میں عظیم تر ہے اور اس کی برکت میرے ہاتھ سے زیادہ ہے۔ یہ پڑھنا اور دم کرنا حصول شفا کی غرض سے نہ تھا بلکہ بر طریق ورد تھا۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیت

شفا پڑھا کرتے تھے۔ یا یہ ابتدائے مرض میں ہوگا قبل اس کے کہ آپ کو اس عالم میں رہنے یا اس جہان سے جانے کے درمیان اختیار دیا گیا اور آپ نے عالم آخرت کو اختیار فرمایا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس علالت کے زمانہ میں بارگاہ حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے آئے اور پیغام پہنچایا کہ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں شفا دیدوں اور اس مرض سے نجات دلا دوں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس میں وفات دیدوں اور مستغرق دریائے رحمت فرمادوں تو میں نے یہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں اور ان میں سے ہو جاؤں جن کیلئے حق تعالیٰ نے فرمایا: مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. ایک روایت میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا ''اے جبرائیل علیہ السلام! میں نے آج اپنے آپ کو اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے وہ جو چاہے میرے ساتھ کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی ابتداء اواخر صفر میں تھی ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بدھ (چار شنبہ) کا دن تھا اور ایک روایت میں شروع ماہ ربیع الاول آیا ہے۔ کتاب الوفاء میں کہا گیا ہے کہ ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھی جب مرض کی ابتداء ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت علالت میں اہل سیر کا اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ یہ تیرہ روز تھے۔ ایک اور روایت میں چودہ روز ہے اور بعض نے بارہ روز بیان کیا ہے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دس روز ہیں اور یہ اختلاف ابتدائے مرض اور روز وفات میں اختلاف کا شاخسانہ ہے۔

باب دوم

ان واقعات کے بیان میں جو ایام مرض میں واقع ہوئے

ایک واقع یہ ہے کہ حضور اکرم نے اشتداد مرض کے وقت سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو فرمایا ''مَرحَبًا یَابِنتِیْ'' اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ صحت کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے' متوجہ و مستقبل ہو کر ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے۔ لیکن اس وقت جب وہ آئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد پھر کچھ کان میں فرمایا وہ خوش ہو کر ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''میں نے کسی رونے والے کو ہنستا ہوا اور کسی غم کو خوشی کے ساتھ معاون و متصل نہیں دیکھا جیسا کہ میں نے آج دیکھا ہے اس کا سبب کیا ہے؟'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا'' یہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز کی بات ہے میں اسے ظاہر نہیں کر سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس راز کو ظاہر نہیں فرمایا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے کوچ فرما گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ وہ بات کیا تھی'' اس وقت انہوں نے فرمایا'' کہ پہلی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ آ کر میرے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ میری اجل قریب آ گئی ہے۔ جس کی بنا پر جبرائیل علیہ السلام نے قرآن کریم کے پڑھنے میں اتنا اہتمام کیا۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ دوسری مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میری اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ کو ملوگی۔ اس پر میں ہنسنے لگی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ پہلی روایت دلالت کرتی ہے کہ خوشی و خندہ' پہلے ملنے پر ہے اور نساء اہل جنت میں افضلیت اس پر زائد ہے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مشہور تر قول کے بموجب چھ ماہ' تیسرا رمضان مبارک ہے اور بعض تین ماہ کہتے ہیں (واللہ اعلم) ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا۔

عجیب و غریب واقعہ جو ابتدائے مرض میں واقع ہوا یہ ہے کہ جب سینہ کا درد شدید ہوا تو کبھی آپ بیہوش ہو جاتے اور کبھی ہوش میں آ جاتے تھے۔ اگر چلنے کا قصد فرماتے تو ضعف کی وجہ سے پائے اقدس درست حرکت نہ کر سکتے تھے اور زمین پر خط کھنچتے تھے لوگوں نے یہ گمان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درد ''ذات الجنب'' یعنی نمونیہ کا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے' عورتوں میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ذات الجنب کا علاج ان شہروں میں عام لوگ جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ''اروذ' تیار کیا (یہ ایک دوا کا نام ہے) اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس میں ڈالیں۔ ہر چند کہ اشارہ فرماتے کہ یہ دوا نہ ڈالیں مگر وہ باز نہ آئے اور گمان کیا یہ انکار دوا سے مریض کی ناگواری کی بنا پر ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

افاقہ ہوا تو فرمایا کہ یہ کام کس نے میرے ساتھ کیا ہے؟ غالباً ان عورتوں نے کیا ہے جو حبشہ سے آئی ہوئی ہیں۔ پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "اے عورتو! تم نے میرے ساتھ ایسا عمل کیوں کیا باوجودیکہ میں تم میں اس سے منع کرتا رہا۔ انہوں نے عرض کیا ہمارا خیال ہے کہ آپ کو ذات الجنب ہے اور آپ کا منع فرمانا مریضوں کی عادت کی بنا پر ہے کہ وہ دوا کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان عورتوں نے عذرخواہی میں کہا کہ حضرت بھی موجود تھے۔ پھر فرمایا۔ کس چیز سے دوا تیار کی؟ انہوں نے کہا کہ عود ہندی' کچھ ورس اور چند قطرے زیتون کے تیل سے دوا تیار کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذات الجنب' شیطان سے ہے اور حق تعالیٰ نے شیطان کو قدرت نہیں دی کہ وہ مجھ پر غالب آسکے۔ اس کے بعد حکم فرمایا کہ "گھر میں کوئی باقی نہ رہے مگر یہ کہ اس کے منہ میں یہ دوا ٹپکائی جائے۔ بجز میرے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ وہ اس میں شریک نہیں تھے۔ اس کے بعد ان سب کے منہ میں وہ دوا ٹپکائی گئی حتیٰ کے میمونہ کے بھی' باوجودیکہ وہ روزے سے تھیں۔ ان عورتوں کے منہ میں اس دوا کا ٹپکانا ازقبیل قصاص وسزا کا تھا۔ جو احکام شریعت میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ امت کو آخری وقت میں بھی دائرہ سیاست سے باہر نہ کریں' احکام شریعت جاری فرمائیں اور جو کوئی کسی کی رضامندی کے بغیر' غلط گمان سے اس کے ساتھ عمل کرے خصوصاً ناواقفی سے کوئی علاج کرے اس پر اس کا قصاص واجب ہے اور یہ اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص لیلے یا اسے معاف کردے۔

شریعت مطہرہ میں حکم ہے کہ اگر کوئی طب نہیں جانتا اور اس میں مہارت نہیں رکھتا۔ وہ جاہل ہے' جہالت کے ساتھ دوسروں کا علاج کرتا ہے اور اس سے نقصان پہنچتا ہو تو اس پر قصاص لازم ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يَعْلَمْ مِنْهُ الطِّبُّ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ جو معالجہ کرتا ہے اور وہ پہلے سے طب نہیں جانتا تو وہ ضامن ہے۔

اگرچہ یہ تمام عورتیں اس فعل میں شریک وہم مشورہ نہ تھیں۔ لیکن سب کو اس بنا پر سزا دی کہ وہ اس عمل میں رضامند تھیں۔ یہاں تک کہ منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کہ کل قیامت میں یہ عورتیں اس حال میں آئیں کہ ان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسائی کا جرم عظیم ہو اور بے ادبی وجرات پر ان سے مواخذہ ہو۔ اس بنا پر ان کو قصاص لے کر پاک وصاف فرمایا۔ اگرچہ معاف فرمادینے کی بھی گنجائش تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ اپنے لیے قصاص نہیں لیتے تھے۔ لیکن مقصود ادب سکھانا تھا نہ کہ انتقام لینا اور علاج کرنا۔ اگرچہ مشروع ہے اور جس دوا سے ان عورتوں نے علاج کیا ذات الجنب کا علاج تھا۔ جیسا کہ طب نبوی اور احادیث میں آیا ہے لیکن اس مرض میں مرضی مبارک نے یہ طے کیا تھا کہ علاج نہ کیا جائے جیسا کہ گزرا اور واقعی آپ کو ذات الجنب نہ تھا۔

تنبیہ: طب کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ ذات الجنب ورم حار ہے۔ جو سینہ کے نواح میں عضلات باطنہ اور حجاب داخل یا حجاب حاجز آلات غذا اور آلات نفس کے درمیان ہوتا ہے اس مرض کا نام حابض ہے۔ یہ بہت زیادہ خطرناک اور تشویشناک مرض ہے یا یہ ورم عضلات خارجہ ظاہرہ میں حجاب خارج کے ساتھ بمشارکت جلد ہو۔ ذات الجنب کے اعراض' حمیٰ حادہ' کھانسی' سانس کی تنگی' درد سے ابھرنا' پیاس اور ذہن کا اختلاط ہیں۔ الغرض یہ مرض امراض شدیدہ اور مہلکہ میں سے ہے۔ اس لیے کہ یہ دل اور جگر کے درمیان پیدا ہوتا ہے اور اس کا علاج دشواری سے خالی نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ذات الجنب دو قسم کے ہیں ایک حقیقی دوسرا غیر حقیقی۔ حقیقی وہ ورم جو غشاء میں پسلیوں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا اور غیر حقیقی پہلو کی جانب غلیظ رباحوں سے پیدا ہوتا ہے اور اس قسم کی دوا قسط بندی جسے خوب باریک کرکے زیتون کے تیل میں ملا کر اس جگہ مالش کرتے ہیں اور اس کی چند انگلیاں چٹاتے ہیں وہ اس مادہ کو تحلیل کرتا ہے۔ باطنی اعضاء کو قوت دیتا ہے اور سدوں کو کھولتا ہے۔ لیکن قسم حقیقی میں اگر اس کا مادہ بلغمی ہو تو بوقت انحطاط مرض' بالخصوص علاج پذیر

ہو جاتا ہے اور اگر مادہ دموی یا صفراوی ہو تو اس کا علاج اس سے زیادہ سخت کرنا چاہیے جیسا کہ طب کی کتابوں میں مذکور ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض مبارک کو اپنی ذات شریف سے منسوب رکھنا پسند نہ فرمایا (واللہ اعلم)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیبر میں جو زہریلے گوشت کا ٹکڑا کھایا تھا اس کا اثر ہمیشہ معاودت کرتا رہا اور اس وقت انقطاع ابہر معلوم ہوتا ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ ابہر ایک رگ کا نام ہے جو دل کے ساتھ منسلک ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نبوت کے ساتھ شہادت کو بھی جمع فرما دیا۔

حدیث قرطاس: وصل: ایام مرض کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب جمعرات کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض نے شدت کی تو چاہا کہ ایک خط یا عہد نامہ تحریر فرمائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کیلئے لکھوا دوں تاکہ اس میں اختلاف نہ ہو۔ جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ جا کر لائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ مومنین حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف کریں۔ اہل سنت و جماعت کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی تخصیص میں یہی دلیل ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی کہ روز غدیر امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرما دیا ہوتا اور خلیفہ بنا دیا ہوتا تو آخری وقت میں ایسا نہ فرماتے۔ ان واقعات میں سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ جو کتب صحاح میں مذکور و مسطور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتداد مرض کے وقت جبکہ صحابہ کرام حجرہ شریف میں مجتمع تھے فرمایا دوات و کاغذ لاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ خامہ لے کر آؤ۔ تاکہ تمہارے لیے میں ایک وصیت لکھدوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔ اس پر صحابہ نے اختلاف کیا کسی نے کہا "جو حکم ہے اس پر عمل کیا جائے اور دوات و کاغذ لایا جائے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جو چاہیں لکھوائیں اور کسی نے کہا مناسب نہیں ہے کہ ایسی حالت میں آپ کو لکھوانے کی زحمت دی جائے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت تنگ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جانب تھے اور کہا کہ درد والم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آئے اور قرآن کریم ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی ہم کو کافی ہے۔ بعض روایتوں میں اتنا زیادہ بھی آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدت مرض میں ایسی باتیں فرما رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ منافقین وغیرہ کو اس بات میں باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا اور وہ کہیں گے اور خیال کریں گے کہ آپ نے یہ باتیں ہذیان میں فرمائی ہیں۔ جس طرح کہ اور لوگ بیماری کی سختی میں کہا کرتے ہیں۔ ایک جماعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں تھی اور ایک جماعت مخالفت میں۔ یہاں تک کہ اختلاف بڑھ گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے پاس سے تم سب اٹھ جاؤ۔ کیونکہ جھگڑنا اور رسول خدا کے حضور میں آوازیں اونچی کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس کے باوجود تین وصیتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کردو۔ دوسری یہ کہ جو جماعتیں اور وفود تمہارے پاس آئیں ان کو صلہ دیا اور انعام دیا کرو جیسا کہ میں دیتا رہا ہوں اور تیسری وصیت کو راوی بھول گیا یا اس کے اظہار میں مصلحت نہ دیکھی۔ جیسا کہ علماء فرماتے ہیں (واللہ اعلم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے فرمایا "کیسی مصیبت ہے کہ لوگوں نے نہ چھوڑا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصیت نامہ لکھواتے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سعید بن جبیر جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پنج شنبہ کے دن اور وہ پنج شنبہ کا دن کیسا تھا کہ جس میں قضیہ پیش آیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رونے لگے یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے موتیوں کی مانند رخسار مبارک لڑیاں بن کر بہنے لگیں اور مذکورہ بالا قضیہ کو بیان کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فہم میں کیا اور ان کے

خیال میں کیا تھا۔ یعنی کوئی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخری وقت میں تھی اور کوئی ایسی وصیت عالم وجود میں آتی جس سے رفع اختلاف ونزاع کا سبب بنتا۔ زیادہ تر وہ بات جو لوگوں کے سمجھ میں آتی ہے اور اس طرف ان کا خیال جاتا ہے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تعین خلافت تھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو۔ لیکن حدیث کے لفظوں میں اس حالت پر کوئی دلیل نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارادہ تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ احکام وشرائع' فرائض' اس کے ضروریات کی تجدید و بیان فرماتے اور ان کی یاد داشت کیلئے کچھ مواعظ ونصائح مناسب حال بیان فرماتے۔ جیسا کہ ان کا ذکر مذکورہ وصیت میں ہوا ظاہر فرماتے۔ معلوم ہوا کہ وحی نازل تھی اور اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور نہ اس سے عدول وسکوت کی کوئی صورت نہ ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے اور مصالح وقت اور صلاح کار کو خوب جاننے والے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اس سے منع نہ فرمایا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کردو جو کوئی صدق دل سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے گا اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روک دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو عمل کرنے کیلئے چھوڑ دیجئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض کو قبول فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ ''ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے تو سکوت فرمایا اور اطمینان خاطر حاصل ہو گیا اور جان لیا کہ یہ حضرات دین پر راسخ وثابت ہیں۔ مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور بلند آوازی چونکہ اچھا معلوم نہ ہوا تو فرمایا ''اٹھ جاؤ اور چلے جاؤ'' ممکن ہے اہل تشیع کے ذہن میں یہ سمایا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نصب فرمانا چاہتے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روک دیا۔ سیاق کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس پر دلالت کرنے والی ہو۔ بلکہ قرینہء حدیث سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت اقرب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کاغذ دوات لاؤ تاکہ عہد نامہ لکھدوں (واللہ اعلم)

حضرت صدیق کو امامت کا حکم فرمانا: ان میں سے ایک واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرمانا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مدت مرض میں تین دن نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حکم فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ نماز پڑھائیں۔ بعض سترہ نمازیں پڑھانا بیان کرتے ہیں اور جب عشاء کی اذان کہی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کی امامت کریں۔ زہری سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے خطاب فرمایا کہ جاؤ اور کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ باہر آئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں ملے ان سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ چونکہ حضرت فاروق جہیر الصوت تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا کیا یہ عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ہے؟'' عرض کیا گیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہاں'' فرمایا ''اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ نماز پڑھائیں۔'' المنتہیٰ میں ایسا ہی ذکر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں نماز کیلئے اذان دی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''باہر جاؤ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر آئے تو دروازہ پر بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی کو نہ پایا اور ایک جماعت تھی جس میں حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی چونکہ وہ بلند آواز تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی آواز سن لی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "حق تعالیٰ منع فرماتا ہے اور مسلمان بھی بجز ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تین مرتبہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم نے میرے ساتھ برا کیا۔ میں نے خیال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں مجھ سے کہنے کا حکم فرمایا ہے۔" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "خدا کی قسم! مجھے حکم نہ فرمایا کہ میں کس سے کہوں۔" ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑے ہوکر عرض کیا۔ "السلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔" اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنا سر پیٹتے اور فریاد کرتے باہر آئے۔ چونکہ امید ٹوٹ چکی تھی اور کمر شکستہ ہوگئی تھی کہنے لگے کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی اور اگر مجھے جنا تھا تو اس دن کے دیکھنے سے پہلے مجھے موت آجاتی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ دیکھتا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور کہا کہ "اے ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے ہیں کہ آگے بڑھیئے اور لوگوں کو نماز پڑھایئے۔ پھر جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ یہ مسجد شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہے چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ رقیق القلب تھے از حد غمگین ہوئے، خود کو سنبھال نہ سکے اور منہ کے بل گر پڑے بے ہوش ہوگئے۔ تمام صحابہ رونے لگے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں یہ آواز پہنچی تو فرمایا "اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! یہ رونے اور فریاد کرنے کی کیسی آوازیں آرہی ہیں؟" فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یہ آوازیں مسلمانوں کے رونے اور فریاد کرنے کی ہیں۔ کہ وہ آپ کو مسجد میں نہیں دیکھتے۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ ان سے سہارا لیکر باہر تشریف لائے اور مسجد مبارک میں آکر نماز پڑھائی۔ فرمایا "مسلمانو! تم خدا کے وداع، اس کی پناہ، اس کی حفاظت اور اس کی نصرت میں ہو۔ خدا ہی تمہاری حفظ طاعت اور تقویٰ میں میرا خلیفہ ہے۔ بلا شبہ میں دنیا کو چھوڑ دوں گا اور یہاں سے رحلت کر جاؤں گا"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے اور مسجد میں آنے کی طاقت نہ رہی۔ عشاء کی نماز کا وقت تھا مسجد میں لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟" عرض کیا گیا "نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔" فرمایا "برتن میں میرے لیے پانی لاؤ"۔ پانی آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو خود پر بہایا اور اٹھنے کا ارادہ فرمایا" لیکن بیہوش ہوگئے کچھ عرصہ بعد ہوش آیا۔ فرمایا: "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" میں نے عرض کیا لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں"۔ فرمایا "میرے لیے برتن میں پانی لاؤ آپ نے غسل فرمایا اور بیہوش ہوگئے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ اٹھے غسل کیا اور بیہوش ہوگئے۔ تیسری مرتبہ کسی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سات مشکیزے پانی بہایا گیا اور مشکیزے کے منہ کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دیں۔ جیسی کہ ان کی عادت تھی کہ اذان دینے کے بعد در شریف پر آتے، نماز اور مسجد صحابہ کے آجانے کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر

کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمائیں تو ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نرم دل شخص ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عورتو! تم یوسف کی صواحب ہو۔ مطلب یہ کہ تم زبان سے کچھ کہتی ہو اور دل میں کچھ اور ہے' ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔'' پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ میں کچھ افاقہ محسوس فرمایا' اٹھے اور اس حال میں تشریف لے چلے کہ دو آدمیوں کا سہارا لیے ہوئے تھے اور آپ کا قدم اقدس زمین پر نقش کھینچتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد شریف میں تشریف لائے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تو چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ ''اپنی جگہ کھڑے رہو''۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بائیں جانب آ کے بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکبیر کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقالات اور افعال پر مطلع ہو رہے تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر روایتیں متعدد ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خدا کے فضل و نعمت کے ساتھ صبح کو بارگاہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دوں گا۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ آپ کا گھر مقام سخ میں تھا یہ جگہ مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں ہے۔

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتدا میں نماز پڑھنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی بجز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے ایک مرتبہ اور ایک سفر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے ایک رکعت۔ جیسا کہ ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر جہاد میں ساتھ تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے میں بہت دیر ہو گئی۔ تو صحابہ نے تکبیر کہہ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا۔ پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک رکعت کے ساتھ پڑھ چکے تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ جس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ پھر ایک رکعت نماز حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی پھر کھڑے ہو کر نماز کو پورا کیا اور فوت شدہ رکعت ادا فرمائی۔ فرمایا: ''کوئی نبی دنیا سے اس سے پہلے نہیں گیا جب تک کہ اپنی امت کے کسی صالح بندے کے پیچھے اس نے نماز نہ پڑھی اور اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رومی جبہ خلیفۃ الکمین پہننا' پیشانی اور عمامہ پر مسح کرنا' موزوں پر مسح کرنا اور دونوں پاؤں کو دھونا اور لاحق ہونا اور دونوں پاؤں کے دھونے میں احتیاط نہ کرنے پر وعید فرمانا کہ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ واقع ہوا ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کے لیے خاص فرمانے اور اس میں مبالغہ واصرار فرمانے میں اہل سنت و جماعت کیلئے آپ کی تقدیم خلافت پر واضح دلیل ہے باوجودیکہ صحابہ قریش اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی موجود تھے مگر ان کو خاص کیا اور آگے بڑھایا۔ اسی بنا پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللهِ فَمَنِ الَّذِيْ يُؤَخِّرُكَ. اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے بڑھایا اور مقدم فرمایا تو کون ہے جو آپ کو موخر کرے۔ اسد الغابہ میں بروایت حسن بصری، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیم فرمائی اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ میں موجود تھا غائب نہ تھا، تندرست تھا بیمار نہ تھا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو مجھے آگے بڑھا سکتے تھے۔ لہٰذا ہم اپنی دنیا کیلئے اس شخص پر راضی ہوگئے۔ جس پر خدا اور اس کا رسول ہمارے دین کیلئے راضی ہوا۔

رہا خلافت سے دنیا کو موسوم فرمانا تو یہ ظاہری اعتبار سے ہے۔ جس میں دین اور دنیا کے امور دونوں شامل ہیں اور نماز خالص دین ہے۔ نیز ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے زمانہ میں قبا شریف کی جانب بنی عمر کے قضیے اور نزاع کو طے کرنے کیلئے جو وہاں کے رہنے والوں سے تھے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''کیا رائے ہے نماز کا وقت ہوگیا ہے اذان کہہ دوں شاید کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے میں تاخیر ہوگئی تو تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کیلئے آگے بڑھا دیا۔ اچانک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آ ئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائیں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ پر متقدم ومتعین تھے۔

قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت: ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا ''جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے انبیاء وصلحا کی قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ. اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ''اے خدا میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا۔ خدا کا غضب اور اس کا قہر ان لوگوں پر زیادہ ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ بلاشبہ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع فرماتا ہوں اور فرمایا: اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ. خبردار میں نے تمہیں خبردار کر دیا، اے خدا گواہ رہ، اے خدا گواہ رہ'' یہ مخالفت میں مبالغہ وتاکید ہے۔ تاکہ جان لیں کہ یہ بات بہت شنیع وبری ہے۔ اس کلام کی تفصیل یہ ہے کہ قبروں کو مساجد بنانے سے مراد قبر کی جانب سجدہ کرنا ہے۔ یہ دو طرح پر مقصود ہیں ایک یہ کہ قبروں کو سجدہ کریں اور مقصود ان کی پرستش ہو جس طرح کہ بت پرست کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ منظور ومقصود تو حق تعالیٰ کی ہی عبادت ہو لیکن اعتقاد یہ کریں کہ نماز وعبادت کے حق میں ان قبروں کی طرف رخ کرنا موجب قرب حق، باعث رضائے الٰہی ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک موقع عظیم ہے۔ بر بنائے ان کی عبادت کے ساتھ شامل ہونے کے اور یہ بات کہ یہ اپنے نبی کی تعظیم مبالغہ ہے۔ یہ دونوں صورتیں نامقبول اور غیر مشروع ہیں۔ پہلی صورت تو خود شرک جلی اور کفر صریح ہے۔ دوسری صورت بھی حرام وممنوع ہے کیونکہ یہ شرک خفی پر مشتمل ہے۔ دونوں صورتوں پر لعنت متوجہ ہے اور کسی

مرد صالح یا کسی نبی کی قبر کی جانب تبرک وتعظیم کی قصد سے نماز پڑھنا حرام ہے۔علماء میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔اب رہی یہ بات کہ ان کے قرب وجوار میں کوئی مسجد بنانا اور قبر کی طرف رخ کیے بغیر نماز پڑھنا تا کہ اس جگہ کی مجاورت وہمسائیگی حاصل ہو جائے۔جہاں جد مطہرہ انسانی ہے اور ان کی روحانیت ونورانیت کی امداد سے عبادت کامل ومقبول ہو جائے تو اس شکل میں یہ حکم لازم نہیں آتا۔اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ان سب کو شیخ ابن حجر نے شرح مشکوٰۃ میں بیان فرمایا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ بعض لوگ قبرستان ومقبرہ میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اس باب میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں تو ان کا یہ منع کرنا مطلقاً ظاہر حدیث پر نظر کے ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اگر زمین' اس پیپ وخون اور نجاستوں سے پاک وصاف ہو جو اموات سے نکلتی ہیں تو جائز ہے اور مذہب مختار ہے۔

قبر کو بوسہ دینا' اسے سجدہ کرنا اور پیشانی رکھنا حرام وممنوع ہے۔والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

رحلت کی رات چراغ میں تیل تک نہ تھا: زمانہ علالت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں سات دینار تھے۔ظاہر ہے یہ دینار کہیں سے لائے گئے ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو فقراء پر تقسیم کر دیا۔بجز چھ سات درہم کے جو گھر میں باقی رہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ ان سب کو خرچ نہ فرما دیا۔حضرت سہل بن بعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دینار تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رکھے تھے۔جب علیل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سونے کے پتھروں کو بھیج دو تا کہ خرچ ہو جائیں۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو گئے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی مشغولیت نے اس سے باز رکھا۔یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار بیہوشی عارض ہوتی رہی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمل نہ کر سکیں۔اس کے بعد ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں صدقہ کر دیں۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! وہ دنانیر کہاں ہیں؟'' عرض کیا ''میرے پاس ہیں'' فرمایا ''ان کو خرچ کر دو'' اور بے ہوش ہو گئے۔جب ہوش آیا تو فرمایا ''کیا تم نے ان کو خرچ کر دیا'' عرض کیا میں ابھی نہیں کر سکی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا اور ان دنانیر کو اپنے دست میں رکھ کر فرمایا ''اے دنانیر! کیا تیرا خیال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اس حال میں ملے گا کہ تو میرے پاس موجود ہو'' اسے بیہقی نے روایت کیا۔

جب دوشنبہ (پیر) کی شام ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی انصاری عورت کے یہاں کسی کو چراغ لے کر بھیجا اگر تمہارے گھر تیل ہو تو اس میں چند قطرے ڈال دیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔سبحان اللہ! ابھی ابھی سات دینار صدقہ فرمائے گئے ہیں اور گھر میں چراغ کے اندر تیل تک موجود نہیں ہے۔اس میں مدعیان طریقہ اتباع کیلئے نصیحت ہے کہ دیکھیں کہ گھر میں کچھ نہیں رکھتے اور جو مال ہوتا بھی ہے اسے خرچ کر دیتے ہیں۔جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اتباع کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ اس کی پیروی کریں۔

انصار کے حق میں وصیت: ان واقعات میں سے ایک واقعہ انصار کے حق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت فرمانا ہے۔ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ زمانہ علالت میں ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ تھا۔باہر تشریف لائے اور جماعت

کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔فرمایا:اِنَّ الْاَنْصَارَ عَیْبَتِیْ ۔بے شک انصار بمنزلہ غیبہ یعنی بچہ وصندوق کے ہیں جس میں کپڑے اور قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ایک روایت میں ہے ''کَرِشِیْ وَعَیْبَتِیْ'' کرش معدے کو کہتے ہیں یعنی پیٹ۔انصار کو کرش وغیبہ سے تعبیر فرمایا۔گویا وہ میرے خاص اور میرے محل اسرار ہیں'' فرمایا ''میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مجھے جگہ دی' میرے ساتھ محبت واخلاص اور دوستی ومروت کا برتاؤ کیا۔تمہارے ساتھ بھی اس طرح پیش آئے۔قسم ہے اس خدائے عزوجل کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ان سے محبت رکھتا ہوں''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب انصار نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز بروز زیادہ علیل ہوتے جاتے ہیں تو وہ اپنے گھروں میں صبر وقرار سے نہ رہ سکے اور حیران وپریشان مسجد کے گرد گھومنے لگے۔کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے جائیں اور ہم نہیں جانتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔جب انصار کی حالت کی کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ایک دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا اور دوسرا دست مبارک حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا۔قدم اقدس سے زمین پر نقش فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے چلتے تھے یہاں تک کہ مسجد شریف میں آگئے اور منبر شریف کے پہلے درجہ پر نشست فرمائی۔سر مبارک پہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔اس کے بعد صحابہ جمع ہونے لگے۔بعد از حمد وثنائے الٰہی فرمایا۔''اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری وفات سے ڈرتے ہو گویا تم موت کے منکر ہو اور کس طرح تم نبی برحق کی وفات کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تمہیں میری وفات سے اور تمہارے مرنے سے خبردار کر دیا گیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۔اے محبوب تمہیں بھی موت آنی ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے''۔فرمایا: ''کوئی نبی بھی اپنی قوم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہا ہے تو میں تم میں کیسے ہمیشہ ہمیشہ رہوں گا' جان لو' آگاہ ہو جاؤ کہ میری بازگشت اور تم سب کو حق تعالیٰ ہی کی طرف جانا ہے۔میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا اور میں مہاجرین کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی سے رہنا۔اس کے بعد سورۃ والعصر آخر تک پڑھی اور اس آیت کریمہ کو پڑھا۔فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۔تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتہ کاٹ دو۔اس آیہ کریمہ میں ان بادشاہوں اور امراء مروانیہ وعباسیہ کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اہل بیت نبوت کے ساتھ ظلم وستم کیا۔اور فرمایا: ''میں تمہیں انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں'' فرمایا ''اے انصار! میرے بعد ایک جماعت تم سے ایثار واختیار چاہے گی اور وہ تم پر ترجیح چاہیں گے'' انصار نے عرض کیا ''یارسول اللہ! فرمائیے ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟'' فرمایا ''صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے تم سب مجھ سے ملو''

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک انصاری پر ظلم ہوا تو وہ انصاری حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ظلم کی فریاد لے کر پہنچا۔انہوں نے توجہ نہ دی اور فریاد رسی نہیں کی۔انصاری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی خبر دیدی ہے کہ ہم پر ظلم کیا جائے گا۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اس کے بعد تم سے کیا فرمایا'' اس نے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'صبر کرنا'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''تو جاؤ اور صبر کرو''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش کے حق میں بھی وصیت فرمائیے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں وصیت کرتا ہوں اس امر کی یعنی خلافت قریش کیلئے ہے اور فرمایا: اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ خلفاء قریش میں سے ہوں

گے''۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو تا کہ سب جمع ہو جائیں کیونکہ میں چاہتا ہوں انہیں بھی وصیت کر دوں اور کہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت ہے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حکم کے بموجب عمل کیا اور مدینہ طیبہ کے بازاروں میں منادی دی۔تمام لوگ چھوٹے بڑے جنہوں نے اعلان سنا۔اپنے گھروں اور دوکانوں کو یونہی کھلا چھوڑ کر نکل آئے اور اتنے لوگ حاضر ہو گئے کہ مسجد میں ان کی گنجائش نہ رہی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَوۡسِعُوۡا لِمَنۡ وَرَاءَ کُمۡ۔اپنے پیچھے والوں کیلئے جگہ دو۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بلیغ وطویل ارشاد فرمایا اور تمام احکام وشرائع وقت کے مناسب پند ونصائح اور آداب تعلیم فرمائے اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا''اے لوگو!تم سے میرے جدا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے جس کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو وہ مجھ سے اپنا حق لے لے اور جان و مال اور سامان جس سے چاہے اس کا قصاص لے لے۔''ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!میرے آپ پر دو تین درہم ہیں''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''میں کسی کو نہیں جھٹلاتا اور نہ قسم کسی کو دیتا ہوں یہ تین درہم کس سلسلہ کے ہیں؟''اس نے کہا''ایک دن ایک فقیر آپ کے پاس آیا تھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے تین درہم دیدو''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''اے فضل رضی اللہ عنہ اسے تین درہم دیدو اور فرمایا''اے لوگو!جس کسی پر جو حق ہو اس پر چاہیے کہ وہ آج اپنی گردن سے اتار لے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں فضیحت سے ڈرتا ہوں۔جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا کی فضیحت'آخرت کی فضیحت سے آسان ہے''اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں نے تین درہم کی مال غنیمت سے خیانت کی تھی جو میری گردن پر ہے''فرمایا''تو نے کیوں خیانت کی تھی''اس نے کہا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!میں اس کا ضرورت مند تھا''۔فرمایا:''اے فضل رضی اللہ عنہ!اسے اس کی طرف سے اتار دو''اس کے بعد فرمایا''اے لوگو!جس کسی میں کوئی ایسی صفت ہو جسے وہ جانتا ہو چاہیے کہ وہ کھڑا ہو جائے تا کہ میں اس کیلئے دعا کروں''۔ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!میں کذاب'فحش گو اور بہت سوتا ہوں''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔''اے خدا!اسے سچائی نصیب فرما اور اس کی نیند کو اس سے دور فرما جبکہ یہ بیداری چاہتا ہو''ایک اور شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!میں کذاب'منافق ہوں اور کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو مجھ سے وجود میں نہ آئی ہو''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا''اے شخص تو اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''دنیا کی رسوائی'آخرت کی رسوائی سے آسان ہے''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی''اے خدا!اسے صدق وراستی اور ایمان نصیب فرما اور اس کے دل کو برائی سے دور رکھ۔نیکی کی طرف مائل فرما''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی کہی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہے اور میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں اور حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگا جس طرف بھی وہ ہوں گے۔اس کے بعد اسی قسم کے وعظ ونصیحت وتذکیر فرمائی۔کاشانہ اقدس میں تشریف لے آئے۔اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے حق میں فرمایا۔فرمایا:''میں تمہارے کفر وشرک میں مبتلا ہونے سے بے خوف ہوں (کہ تم میرے بعد کفر وشرک میں تو مبتلا نہیں ہوگے) لیکن دنیا سے مامون نہیں ہوں کہ تم اس طرف رغبت نہ کرو گے۔ایک دوسرے کے ساتھ تغافل کرو گے اور اپنی ازواجِ مطہرات کو نصیحت فرمائی۔فرمایا:تم پر لازم ہے کہ تم اپنے گھر کے گوشہ میں محفوظ رہو اور خود کو نامحرم سے مصئون ومستور رکھو اور اس آیۂ کریمہ کو پڑھا۔وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی۔

مسواک فرمانا: منجملہ واقعات'ایک واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات سے قبل مسواک فرمانا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری آغوش اور سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔اچانک حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر مبارک

مسواک کی طرف دراز فرمائی۔ میں نے جان لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مسواک کو پسند فرما رہے ہیں اور اس کی ضرورت محسوس فرما رہے ہیں۔ پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا میں اسے آپ کیلئے لے لوں؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لے لو' میں نے لے کر اسے نرم کیا پھر مسواک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دیدی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب مسواک فرمائی اور اس سے زیادہ فرمائی جتنی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اس کے بعد مجھے واپس کی تو حق تعالیٰ نے اس دنیا کے آخری دن میں میرے لعاب دہن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن میں ملا دیا۔ جو کہ روز آخرت کا پہلا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات پر اس سے فخر کا اظہار کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتوں میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں' میری باری کے دن میں' میرے آغوش میں اور میرے حجرے میں' میرے سحر و نحر میں وفات پائی اور میرا لعاب دہن آپ کے لعاب دہن میں رحلت کے وقت شامل تھا۔

مواہب لدنیہ میں ایک حدیث ہے جسے عقیلی نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میرے لیے تر مسواک لاؤ اور اسے نرم کرو پھر مجھے دو کہ میں اسے چباؤں تا کہ میرا لعاب تمہارے لعاب کے ساتھ مل جائے اور یہ مجھ پر موت آسان کردے۔

(شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چبائی ہوئی مسواک کو استعمال کرنا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک فعل کا بدلہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ صحت کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اس کے بعد وہ مسواک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دی کہ اسے پانی سے دھو دیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک کو اپنے منہ میں لے کر چوسا اس کے بعد دھو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس دن کے عمل کا بدلہ اب آخر وقت میں عطا فرمایا) لیکن اس روایت میں غربت وندرت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسواک کو چبا کر مجھے دو کہ میں چباؤں تا کہ مجھ پر موت آسان ہو جائے'' اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے انتہائی اعزاز واکرام اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ اس بات کی شرح میں اور اس معنی کے بیان میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا چونکہ انسان طبعی طور پر موت کو نا گوار جانتا ہے لیکن حق تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اپنے محبوبوں پر اپنے دیدار کے ذریعہ اور ہر اس چیز کے ذریعہ جس کو وہ تحائف و کرامات امدادات واعانات میں سے پسند کرتے ہیں موجود کر کے آسان فرما دیا۔ یہاں تک کہ ان کی جان ان کے دو پہلوؤں کے درمیان سے قبض کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی روحیں اس حال میں قبض کی جاتی ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ صورت مسلمانوں کی ہے تو انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا کیا مقام ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کو موت و بقا میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بارے میں جو حق تعالیٰ کی سنت جاری ہے۔ اس کی مصلحت بھی یہی ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس وقت بہت خوش ہوئے اور استعانت فرمائی یہ اسی محبت کا ثمرہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے تھی۔ اس لیے کہ محبت الم کو گھلا دیتی ہے۔ بیت۔

یقیں میداں کہ شیران شکاری — دریں رہ خواستند از مور یاری

مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھ پر موت کو آسان کر دیا

گیا ہے اس لیے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتھیلی کی سفیدی کو جنت میں دیکھا ہے''۔ایک اور حدیث میں حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مرسلاً مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''بلاشبہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا ہے حتیٰ کہ مجھ پر موت ان کے سبب آسان کر دی گئی'' گویا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دونوں ہتھیلیوں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کمال درجہ کی انتہائی محبت تھی یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جنت میں متمثل کی گئیں تاکہ آپ کیلئے اس طرح موت آسان ہو جائے۔اس لیے کہ خوشی کی زندگانی دونوں محبوبوں کے اجتماع میں ہے اور بوستان کا ذوق محبوبوں کے دیدار میں ہے۔بلاشبہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت بھی کیا تھا کہ آپ کو لوگوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے۔فرمایا:''عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا''اس نے کہا''مردوں میں کون ہے؟''فرمایا''ان کے والد''اس بنا پر ابتدائے مرض میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا''ہائے میرا سر''تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''نہیں بلکہ میرا سر''اور فرمایا''تم رحلت کر جاؤ اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ سے پہلے اور میں زندہ رہوں تو میں نماز پڑھوں گا اور تمہیں دفن کروں گا''۔یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گراں گزری اور کہنے لگیں''آپ تو میرا مرنا چاہتے ہیں''حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ چونکہ اس جہاں سے میرا جانا مقرر ہو چکا ہے تو چاہا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہنچ جائیں اور اس عالم میں دونوں یکجا ہو جائیں۔صاحب مواہب لدنیہ رحمۃ اللہ کے کلام کا حاصل غایت درجہ دقیق اور ذوق وجداں پر مبنی ہے۔

نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا: ازاں جملہ وقائع در ایام مرض ایک واقعہ رحلت کے دن کا یہ ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے پردے ہٹا کر مسجد میں لوگوں کی جانب نظر مبارک ڈالی۔ملاحظہ فرمایا کہ فجر کی نماز ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں۔پھر دروازے پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کی نظر مبارک ان کی طرف جمی رہی۔گویا کہ آپ کا روئے انور ورق مصحف ہے۔گویا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی نورانیت اور نظافت کو ورق مصحف سے تشبیہ دی۔یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کتنی عمدہ تشبیہ ہے۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے تو صحابہ نے خیال کیا کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا رہے ہیں۔اس پر وہ سب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ آپ نماز کیلئے تشریف لے آئیں۔شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نماز را بگذارم ترا اسلام کنم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آ جائیں۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہیں اور اپنی نماز کو پورا کریں۔پھر دروازہ کا پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

ملک الموت کا اجازت لینا: انہیں واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ وصال حق سے تین روز قبل حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں آئے اور پیغام حق لائے کہ آپ کا رب جل وعلیٰ دریافت فرماتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں۔یہ واقعہ شنبہ کے دن کا ہے۔اس کے بعد ملک الموت آئے اور اجازت طلب کی۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس علالت کے زمانہ میں آئے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے اور کیا حال ہے۔فرمایا:''اے امین اللہ میں درد والم محسوس کرتا ہوں''بعض روایتوں میں آیا

ہے کہ فرمایا ''اے جبرائیل میں غم واندوہ محسوس کرتا ہوں'' دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام پھر آئے اور اسی طرح مزاج پرسی کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب مرحمت فرمایا۔ وہ تیسرے دن آئے ان کے ہمراہ ملک الموت اور ایک اور فرشتہ جس کا نام اسمٰعیل ہے جو اپنے ستر ہزار (ایک روایت میں ہے ایک لاکھ) فرشتوں پر حاکم ہے۔ جن میں ہر ایک فرشتہ ستر ہزار یا ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے۔ وہ بھی جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ عرض کیا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ خود کو کیسا پاتے ہیں'' فرمایا ''درد والم محسوس کرتا ہوں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے جبرائیل علیہ السلام تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟'' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ملک الموت ہیں اور آپ کے بعد یہ میرا عہد دنیا میں آخری ہے۔ اور دنیا میں یہ عہد آپ کا آخری ہے۔ آپ کے بعد میں کسی بنی آدم کے پاس نہیں آؤں گا اور آپ کے بعد میں زمین پر نہیں اتروں گا'' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکرات موت اور اس کی سختی وشدت محسوس فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا ہوا تھا بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے اور اپنے چہرہ انور پر پھیرتے تھے۔ فرماتے جاتے: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرماتے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سکرات موت اتنی دشوار تھی کہ کبھی سرخ اور کبھی زرد ہو جاتے تھے اور کبھی داہنے دست اقدس سے اور کبھی بائیں دست اقدس سے اپنے رخسار پر انوار سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے۔ مسواک کا قصہ جو پہلے لکھا گیا ہے اسی وقت میں تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے تو یہ کلمہ فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آخری کلمہ ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

مواہب میں سہیلی سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے واقدی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ سب سے پہلا کلمہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ رضاعت میں فرمایا ''وہ اللہ اکبر'' ہے اور آخری کلمہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ وَالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر وصیت علالت کے زمانہ میں نماز کے بارے میں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں تھی۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جبکہ آپ کا سینہ انور تجلجلج کر رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک کام نہیں کر رہی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اس وقت جبکہ سکرات کا عالم طاری تھا یہ تھی کہ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یہاں تک کہ اسی کلمہ کے ساتھ آپ کا سینہ انور تغرغر کر رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک آپ کی مدد نہیں کر رہی تھی۔

مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا احمد! حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں جو کچھ بھی آپ فرمائیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں۔ اگر آپ اجازت دیں اور اگر فرمائیں تو قبض نہ کروں۔ اس میں حق تعالیٰ نے آپ کو اختیار مرحمت فرمایا ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے آکر عرض کیا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے اور آپ کو بلاتا ہے'' اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ملک الموت! جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اپنے اس کام میں مشغول ہو جاؤ'' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''زمین پر میرا آنا یہ آخری ہے اور دنیا میں میرے آنے کی ضرورت آپ کا وجود گرامی تھا میں آپ کیلئے دنیا میں آتا تھا۔ بیت

رفت بر بوئے سر زلف تو حقی بچمن ورنہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بالیں پر رکھا اور اپنا روئے انور پیٹتی کھڑی ہوگئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا اور بغیر اجازت آپ کی اجازت کے روح قبض نہ کرنا'' تو قابض ارواح نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدَنِ الرِّسَالَۃِ وَمُخْتَلِفِ الْمَلٰٓئِکَۃِ۔ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بالیں پر موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ دوسری مرتبہ اجازت مانگی۔ یہی جواب سنا' تیسری مرتبہ اجازت مانگی اور آواز بلند اجازت مانگی۔ چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے اور چشمان مبارک کو کھول کر فرمایا کیا بات ہے۔ صورت حال عرض خدمت کی گئی۔ فرمایا: ''اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا' خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا' اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا' بیویوں کو بیوہ کرنے والا' بچوں اور بچیوں کو یتیم بنانے والا ہے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا تو رونے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے میری بیٹی! روؤ نہیں کیونکہ تمہارے رونے سے حاملین عرش روتے ہیں اور اپنے دست مبارک سے فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرہ انور سے اشکوں کو پونچھا اور دلداری و بشارت فرمائی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر اور سیّدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رونے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو تسلی فرماتے۔ یہ کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی اس کی بشارت دینے اور یہ کہ تم جنتی بیبیوں کی سردار ہوگی کی حدیث اسی ایک وقت میں واقع ہوئی ہیں۔ وہ فرمایا ''اے خدا انہیں میری جدائی پر صبر نصیب فرما'' فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پکارا ''واکرباہ' ہائے مصیبت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب واندوہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کرب واندوہ شدت الم اور درد کی صعوبت کی وجہ سے ہے۔ بواسطہ علاقہ جسمانی اور بشری لوازمات کے تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس کے بعد سیّدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا ''اپنے بچوں کو لاؤ'' وہ امام حسن اور امام حسین علیہم التحیۃ والرضوان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائیں۔ جب ان صاحبزادگان نے سب کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے اور اتنی گریہ وزاری کی کہ ان کے گریہ سے گھر کا ہر فرد رونے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوسہ دیا' ان کی تعظیم وتوقیر اور ان سے محبت کے بارے میں صحابہ کرام اور تمام امت کو وصیت فرمائی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش مبارک میں رو رہے تھے۔ جب ان کے رونے کی آواز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو گزشتہ و آئندہ ہر حالت میں مغفور ہیں گریہ فرمانے کی وجہ کیا ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا رونا امت پر رحم وشفقت کیلئے ہے کہ میرے بعد ان کا حال کیا سے کیا ہوگا'' اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے بڑھیں اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! چشم مبارک کھولیے' میری طرف نگاہ کرم اٹھائیے اور وصیت کیجئے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم مبارک کھولی اور فرمایا ''اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میرے قریب ہو'' فرمایا ''کل جو وصیت کی ہے وہی ہے اور اسی پر تم عمل کرنا'' حضرت صفیہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا بھی آگے آئیں اور جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گفتگو فرمائی اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی فرمائی۔ تمام ازواجِ مطہرات کو وصیت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا ''میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور سرہانے بیٹھ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمبارک کو اپنے زانو پر رکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ! فلاں یہودی کے چند درہم میرے ذمہ ہیں جسے اس سے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری کیلئے قرض لیے تھے۔ خبردار اس کے حق کو میری طرف سے تم اتارنا'' اور فرمایا ''اے علی رضی اللہ عنہ! تم ان اشخاص میں پہلے ہو گے جو حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے اور میرے بعد بہت سی ناگوار باتیں تمہیں پیش آئیں گی تمہیں لازم ہے کہ دل تنگ نہ کرنا اور صبر کرنا۔ جب تم دیکھو کہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں تو تم آخرت کو اختیار کرنا''۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کاغذ دوات لاؤ تاکہ تمہارے لیے ایک وصیت لکھ دوں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خوف کیا کہ جب تک میں لکھنے کا سامان مہیا کر کے لاؤں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کوچ کر جائیں گے اور وصیت کی دولت سے محروم رہ جاؤں گا۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مرضی مبارک ہو وصیت فرمایئے میں یاد رکھوں گا'' فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلْبِسُوْ ظُھُوْرَھُمْ وَاَشْبِعُوْا بُطُوْنَھُمْ وَلِیْنُوْا لَھُمْ ۔ بِالْقَوْلَ خبردار ہو، ہوشیار اپنے غلاموں اور باندیوں کے حق میں ان کو لباس پہننے کو دینا ان کو کھانا پیٹ بھر کر کے دینا اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے اور آپ کا لعاب دہن مبارک مجھ پر پہنچ رہا تھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال متغیر ہو گیا، پس پردہ عورتیں بے طاقت ہو گئیں اور میں بھی اس کو برداشت نہ کر سکا جو حال کہ میں نے اس وقت دیکھا۔ میں نے کہا ''اے عباس رضی اللہ عنہ! میری مدد کرو'' تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور دونوں نے مل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لٹایا۔ ذکر ہذا کلمہ فی روضۃ الاحباب' کاتب حروف عفا اللہ عنہ' یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فخر کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک میرے آغوش میں قبض ہوئی ہے۔ مشہور بھی یہی ہے اور محدثین اس حدیث کو صحیح بھی بیان کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ روایت لاتے ہیں کہ آخر وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرمبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زانو پر تھا۔ جسے حاکم اور ابن سعد طرق متعددہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس بیان سے جو اوپر مذکور ہوا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے بیٹھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقدس کو اپنے بازو پہ رکھا اور ظاہر ہوتا ہے کہ آخر عہد یہی ہے۔ ان دونوں مفہوموں کے درمیان مغائرت ہے کہ سرمبارک بازو پہ رکھا یا آغوش میں رکھا۔ اس مغائرت کا ارتفاع آسان ہے کہ یہ راویوں کا اختلاف ہے کہ بعض نے بازو پر رکھنا بیان کیا اور اس بعض نے آغوش میں رکھنا بیان کیا ہے۔ غرضیکہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زمانہ وفات کے قرب کی وجہ سے آخری مرتبہ کا نام رکھا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ سرمبارک کو بالیں پر رکھ کر اپنا روئے انور پیٹھ کھڑی ہو گئیں۔ (واللہ اعلم)

اہل سیر بیان کرت ہیں کہ جب ملک الموت اعرابی کی صورت میں آئے اور اذن طلب کیا تو فرمایا ''کہو کہ آجائیں'' تو انہوں نے آکر السلام علیك ایها النبی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور مجھے حکم فرماتا ہے کہ آپ کی اجازت سے آپ کی روح مبارک قبض کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ملک الموت! اس وقت تک میری روح قبض نہ کرو جب تک کہ میرے بھائی جبرائیل علیہ السلام آ نہ جائیں''۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام روتے ہوئے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے میرے دوست! اس حال میں تم مجھے تنہا چھوڑ دیتے ہو؟'' جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بشارت ہو کہ میں حق

تعالیٰ کی جانب سے ایک خبر لایا ہوں وہ یہ کہ داروغہ دوزخ کو حکم دیدیا گیا ہے کہ میرے حبیب کی روح مطہر آسمان پر آرہی ہے آتش دوزخ کو سرد کردو۔ حورعین کو وحی فرمائی ہے کہ خود کو آراستہ وپیراستہ کریں اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اٹھو صف درصف کھڑے ہو کر روح محمدی کا استقبال کرو اور مجھے حکم ہوا ہے کہ زمین پر جاؤ اور میرے حبیب کو بتاؤ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر جنت اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ آپ اور آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو جائے اور کل قیامت کے دن آپ کی امت آپ کو اتنی دی جائے گی کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ملک الموت! آؤ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو'' پھر ملک الموت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر کو قبض کر کے اعلیٰ علیین لے گئے اور کہا ''یا محمد! یا رسول رب العلمین'' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں آسمان کی جانب سے فرشتوں کی ''وامحمداہ'' کی آواز سنتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر ومطیب جدا ہوئی تو میں نے آپ سے ایسی خوشبو سونگھی کہ اس سے پہلے ایسی خوشبو میں نے کہیں اور نہ سونگھی تھی۔ اس کے بعد میں نے آپ کے جسم اقدس کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرشتوں نے چادر اڑھائی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد کئی جمعہ گزر گئے' میں کھانا کھاتی' وضو کرتی مگر میرے ہاتھ سے اس دن کی خوشبو نہ گئی۔

یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے از حد گریہ وزاری فرمائی۔ وہ کہتیں ''يَا اَبَتَا يَا اَبَتَا'' آپ نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔ وَا اَبَتَاهُ آپ نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔ وا ابتاہ۔'' آپ کی رحلت کی خبر جبرائیل علیہ السلام کو کون پہنچائے۔ وا ابتاہ آپ کے بعد وہ وحی کس پر لائیں گے۔ اے خدا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے ملا۔ اے خدا مجھ اپنے رسول کا دیدار نصیب فرما' اے خدا اپنے حبیب کے ثواب سے دور نہ فرما اور روز قیامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم نہ کرنا'' اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی کسی نے ہنستے نہ دیکھا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی گریہ وزاری کرتی اور کہتی تھیں۔ ''ہائے افسوس! اس نبی محترم نے فقر کو تونگری پر اور درویشی کو مالداری پر اختیار فرمایا'' افسوس! اس دین پروری پر کہ ایک رات بھی امت کے معاصی کے غم وفکر سے بے نیاز ہو کر بستر استراحت پر آرام سے نہ سوئے اور ہمیشہ قدم ثبات وقرار کے ساتھ محاربہ نفس کے مقام صبر واستقامت پر گامزن رہے۔ اسے ترک نہ فرمایا اور کبھی بھی کافروں کے ایذا وستم سے آپ کے ضمیر منیر کے دامن پر ناگواری وملامت کا غبار نہ آیا۔ ارباب فقر واحتیاج کے اوپر احسان اور فضل وامتنان کے دروازوں کو بند نہ فرمایا۔ دشمنوں کی سنگباری سے دندان مبارک اور رخسار مبارک مجروح ہوئے۔ حوادث زمانہ نے آپ کی پیشانی اقدس پر پٹی باندھی اور آپ کا شکم اطہر کئی کئی دن تک جو کی روٹی سے سیر نہ ہوا۔ کاشانہ اقدس کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی گئی لیکن کہنے والے کو کسی نے دیکھا۔ اس نے کہا کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اے نبی کے گھر والو تمہیں سلام ہو اور اللہ کی رحمت وبرکت تم پر ہو۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے بلا شبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ تم جان لو کہ ہر مصیبت کیلئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور ہر فائت کیلئے ایک قائم مقام

ہے۔لہٰذا اللہ عزوجل پر اعتماد واثق رکھو اور وہ تمہیں اس کی طرف لوٹائے گا۔آہ وفغان نہ کرو اور حقیقت یہ ہے کہ وہی مصیبت زدہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہ آواز تعزیت کرنے والے فرشتہ کی تھی۔

حضرت خضر کی آمد: ایک جسیم وصبیح اور گھنی داڑھی شخص آیا۔یہ مردوں کے پاس جا کر رو دیا۔اس کے بعد اس نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر کہا ''بلاشبہ ہر مصیبت کے عوض خدا کے یہاں ایک درجہ ہے۔ہر فائت کا بدل ہے اور ہالک خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔خدا کی طرف رجوع کرو' ہر بلا اور مصیبت میں خدا کی جانب متوجہ۔یہاں وہی شخص مصیبت زدہ ہے جو صبر نہ کر سکے'' یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا۔حضرت ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ''یہ خضر علیہ السلام تھے جو تمہاری تعزیت کیلئے آئے تھے''۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سراسیمہ اور پریشان ہو گئے جیسے ان کی عقلیں سلب کر لی گئی ہوں۔ان کے حواس معطل ہو گئے۔بعض حضرات کی زبان بند ہو گئی' ان کے ہوش وحواس اور قوت گویائی جاتی رہی۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے۔چنانچہ مروی ہے کہ ان کے پاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے انہیں سلام کیا' انہوں نے ان کے سلام کو سنا بھی مگر سلام کا جواب نہ دے سکے (الحدیث) بعض حضرات اپنی جگہ جے بیٹھے رہے' جنبش کی طاقت تک نہ رہی۔چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا۔صحابہ میں سب سے زیادہ ثابت واشجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے حالانکہ وہ بھی آنسو بہا رہے تھے اور آہ ونالہ کر رہے تھے۔اسی کیفیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت پر استدلال کیا گیا۔بعض بیمار اور لاغر ہو کر اور گھل گھل کر اس جہان سے رخصت ہو گئے۔بعض دعا کرتے کہ ''اے خدا! ہمیں اندھا کر دے کہ کسی اور کو دیکھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے'' یہ اس طرح گڑگڑا کر فریاد کرتے تھے اور قسم کھاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صعقہ کی مانند صعقہ ہوا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار کے وعدہ پر گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔فرمایا: کہ میں امید رکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے دن دنیا میں ضرور رہیں گے کہ منافقوں کی زبان اور ہاتھ کاٹیں۔''بعض منافقین کہتے تھے کہ اگر محمد نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو تلوار کھینچ کر مسجد شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ ''جو یہ کہے گا کہ نبی نے وفات پائی ہے میں اس سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا''۔لوگوں نے جب یہ بات سنی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شک وشبہ میں پڑ گئے۔حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان داخل کیا۔انہوں نے مہر نبوت کو نہ پایا۔وہ بلند آواز سے کہنے لگیں کہ مہر نبوت اٹھالی گئی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہان سے انتقال ہو گیا ہے......منقول ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر مقام سخ حوالی مدینہ طیبہ میں تھے۔جب انہیں اس واقعہ کی اطلاع ملی وہ فوراً سوار ہو کر تیزی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔وہ راستہ بھر روتے رہے اور ''وَامُحَمَّدَاهُ'' ''وَانْقِطَاعَ ظَهْرَاهُ'' پکارتے رہے۔یہاں تک کہ مسجد شریف میں آئے' دیکھا کہ لوگ پریشان حال ہیں کسی کی طرف توجہ نہ دی اور نہ کسی سے بات کی سیدھے حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں داخل ہو گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے چادر مبارک اٹھائی اور نورانی پیشانی کو بوسہ دیا۔ایک روایت میں ہے کہ اپنے منہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس پر رکھا' بوسہ دیا اور بوئے مرگ کو سونگھا۔فرمایا کہ ''وَاَنْبِيَاهُ'' اس کے بعد سر اٹھایا اور رونے لگے۔دوسری مرتبہ بوسہ دیا اور کہا ''وَاَصْفِيَاهُ'' پھر سر اٹھایا اور رونے لگے' تیسری مرتبہ پھر بوسہ دیا اور کہا ''واخلیلاہ'' اور کہا: بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَيًّا وَّمَيِّتًا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' آپ ہر حال میں خوش وپاکیزہ رہے'

حیات میں بھی اور وفات میں بھی۔ کہا: لَايَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِىْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ وَجَدْتَّهَا ۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا لیکن وہ موت جو آپ پر لازم کی گئی تھی بلاشبہ اسے آپ نے پالیا۔ آپ اس سے کہیں بزرگ تر ہیں جتنی آپ کی صفات بیان کی جائیں اور آپ اس سے بالاتر ہیں جتنا آپ پر رویا جائے۔ اگر اختیار کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم اپنی جانوں کو آپ پر قربان کر دیتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ نے ہمیں میت پر بین کرنے سے منع فرمایا ہے تو ہم اتنا روتے کہ آنکھوں سے چشمے جاری ہو جاتے۔ اے خدا! ہماری طرف سے سلام پہنچا' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے رب کے پاس یاد رکھنا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول لَايَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ میں۔ بعض میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے اس سے اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جس میں یہ گمان کیا گیا تھا کہ عنقریب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور لوگوں کے ہاتھ کاٹیں گے۔ اس لیے اگر دوبارہ آنا صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ دو مرتبہ موت آئے گی۔ اس لیے خبردار کیا کہ آپ اس سے برتر ہیں کہ حق تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع فرمائے۔ جس طرح کہ ان لوگوں پر جمع کیا جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے۔ یہ ہزاروں تھے۔ پھر حق تعالیٰ نے انہیں موت دی۔ اس کے بعد ان کو زندہ کیا' یا اس شخص کی مانند جو بستی پہ گزرا اور اس نے کہا کہ کس طرح حق تعالیٰ زندہ فرمائے گا تو حق تعالیٰ نے اسے موت دی۔ پھر حق تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا جس طرح کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا پورا قصہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں دوسروں کی مانند دوبارہ موت نہ آئے گی جس طرح کہ دوسروں کو منکر ونکیر کے سوال کیلئے زندہ کیا جاتا ہے پھر انہیں مار دیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسری موت سے مراد آپ کی شریعت ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسری موت سے مراد کرب واندوہ ہے مطلب یہ کہ آج کا کرب واندوہ برداشت کر لینے کے بعد مزید کوئی اور کرب واندوہ نہ ہوگا۔ جس طرح سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب میں فرمایا کہ لَا كَرْبَ عَلٰى اَبِيْكَ بَعْدَ الْيَوْمِ ۔ آج کے بعد تمہارے والد پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ فتح الباری میں یہ تمام معانی بیان کیے گئے ہیں۔

صاحب مواہب نے فرمایا کہ قول اول زیادہ واضح اور تمام جوابات میں زیادہ سلیم ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس اعتبار سے ہو کہ الفاظ ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ آپ پر مشیت الٰہی جاری ہونے کے بعد دوسری موت نہیں ہے۔ مراد وقت موت اور اس کے بعد زندہ کرنا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں اپنے رب کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ مجھے قبر میں چالیس روز چھوڑا جائے اور اس کے بعد حیات باقی و مستمر ہوگی۔ اس پر ظاہری موت نہ آئے گی۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مستمرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مسئلہ تاریخ مدینہ میں شرح اور مبین کر دیا گیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اس کتاب کے آخر میں بھی ذکر کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد حضور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاشانہ اقدس سے باہر آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ لوگوں کے درمیان کھڑے فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے۔ جب تک کہ منافقوں کو قتل نہ کر دیں۔ ان منافقوں نے حضور اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد فتنہ انگیزی برپا کر رکھی تھی اور شوریدہ سری پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''یک لحظہ بیٹھو'' مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلا لائے پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے لوگو! جان لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں' کیا تم نے نہیں سنا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۔ اے حبیب آپ کو بھی موت آنی ہے اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ ۔ آپ سے پہلے کسی بشر کیلئے (دنیا

میں) ہمیشہ رہنا نہ بنایا تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو یہ کیا ہمیشہ رہیں گے"۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر تمام لوگ حضرت صدیق اکرم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ جو حمد و ثنائے الٰہی اور درود بر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھا اس کے بعد فرمایا جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو کوئی حق تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا وہ اب بھی موجود زندہ ہیں۔ اس پر کبھی موت نہ آئے گی اور یہ آیہ کریمہ تلاوت کی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ۔ "اور نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول' بیشک آپ سے پہلے رسول گزر رے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے" تلاوت فرمائی: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ "اے حبیب! آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے" اس کے بعد لوگوں کو یہ دونوں آیتیں یاد آ گئیں اور ایسا خیال کیا کہ گویا یہ دونوں آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ وہ دن آیتوں کو ہر گلی کوچے میں پڑھتے پھرتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا اور فرمایا "اے لوگو! وہ بات جو میں نے پہلے کہی تھی وہ ویسی نہیں ہے جیسی کہ میں نے کہی۔ خدا کی قسم! میں نے وہ بات نہ کتاب الٰہی میں دیکھی اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد یعنی سنت میں دیکھی۔ لیکن ہماری آرزو تو یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں زندہ رہتے اور ہمارے معاملات کی تدبیر فرماتے۔ ہمارے بعد دنیا سے تشریف لے جاتے مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وہی اختیار فرمایا جو اس کی مرضی تھی اور جو تمہاری تمناؤں کے خلاف ہے۔ یہ کتاب الٰہی ہے جس کے ذریعہ اپنے رسول کی ہدایت کی گئی ہے لہٰذا اسے تھام لو تاکہ سیدھی راہ پر قائم رہو۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی۔

ابونصر نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلی بات کہنا' ان کا حال ایسا ہو جانا عظیم فتنہ کے خوف اور منافقوں کی شوریدہ سری کے رونما ہونے کے سبب سے تھا۔ پھر جب انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت کا مشاہدہ کیا تو اس سے تسکین پائی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا گویا میں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے سنی تو مجھ پر لرزہ اور کپکپی طاری ہو گئی اور میں گر پڑا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گویا ہمارے چہروں پر پردہ پڑا ہوا تھا جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے اٹھا دیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کے رہنے والے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جم گیا۔ وہ استرجاع کرنے لگے اور کہنے لگے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعزیت و تسلی بجالائے۔ فرمایا: "تم اہل بیت رسول ہو غسل' اور تجہیز و تکفین کا تعلق تم سے وابستہ ہے اس کا تم انتظام کرو۔ خود اکابر مہاجرین اور اشراف انصار کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں امر خلافت کو طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ امر خلافت اہم دینی معاملہ اور وقوع خلاف ونزاع اور موجب انتظام والنصرام مہام اسلام کا واقعہ تھا۔ اس سلسلہ کی تفصیلی بحث اپنے محل میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مہاجرین وانصار میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ دونوں کہنے لگے تھے کہ ہم میں سے امیر ہو یا تم میں سے۔ اس کے بعد حدیث مبارک الائمة من قریش ۔ سے امامت کو قریش کے حق میں ہونا ثابت ہو گیا۔ چوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ذہنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقدم ورجحان

بیٹھا ہوا تھا خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں نماز کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھانے سے یہ خیال پختہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ دینی و اسلامی معاملات کیلئے بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہوا اور اس پر اجماع منعقد ہوا۔

تنبیہ: پہلے گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض موت میں سکرۃ موت کی سختی و شدت پیش آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ ۔''اے خدا! سکرات موت پر میری مدد فرما'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت دیکھی ہے۔ میں اس شخص کی موت پر رشک کرتی ہوں جو آسانی سے مرجاتا ہے۔ اگرچہ میں جانتی ہوں کہ شدت سے مرنا بہتر ہے اس لیے کہ آسانی سے مرنا ہوتا تو حق تعالیٰ اپنے حبیب کیلئے اس کو ہی اختیار فرماتا۔'' اس مسکین (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ) کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ بات گراں معلوم ہوتی ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کون سی شدت تھی۔ یہی تو تھا کہ ایک پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دست مبارک ڈال کر اپنے روئے انور پر پھیرتے تھے اور آپ کے رخسار شریف کے رنگ میں خاص تغیر واقع ہو رہا تھا۔ آپ کے روئے انور پر پسینہ آجاتا تھا' یہ کونسی شدت تھی۔ شدت تو وہ ہے جو لوگوں کو موت کے وقت میں لاحق ہوتی ہے۔ وہ شدت اور ہی قسم کی ہے بہر تقدیر' وہ خاص تغیر وجود شریف کو لاحق ہوا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں جو علو مقام راسخ ہے اس کے لحاظ سے اس کا مقتضی ہے کہ یہ بھی نہ ہوتا۔ بعض عرفاء نے اس ضمن میں بلند کلام متعدد وجود سے بیان کیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار حال مبارک اور اس مطلب کی وضاحت میں نفیس ترین ہے۔ ''جَزَاهُ اللّٰهُ خَیْرًا'' اول وجہ الم و کرب اور شدت کے پانے میں یہ ہے کہ اگر اس کو سکرات موت سے موسوم کریں تو سبب اعتدال مزاج بھوک اور ادراک و احساس کے قوی ہونے کے سبب سے تھا۔ چونکہ مزاج مبارک نبوی غایت درجہ توسط و اعتدال میں تھا لامحالہ الم کا احساس و ادراک اکثر اور اس کے آثار و علامات اتم اوفر تھے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بخار اتنی شدت کا چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو شخصوں کے ہوتا ہے' جب ترازو کے دونوں پلڑے معتدل و برابر ہوں اور دونوں پلڑوں میں سے کچھ چیز حاصل ہو۔ اگرچہ یہ اقل قلیل ہی ہو تو میل و انحراف کسی ایک پلڑے کا ضرور ظاہر ہوگا۔ وجہ ثانی یہ کہ کرب و الم بہ سبب روح کا بدن شریف سے قوی تعلق اور بدن اقدس کا آپ کی روح مطہر کے ساتھ غایت درجہ محبت رکھنے کی بنا پر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک' صورت حیات اور قوام حقیقت نورانیہ میں مادہ اصلیہ تھا۔ جب جسم اقدس اور روح مطہر سے وہ تعلق منقطع ہونے لگا تو اس کی جدائی کا الم' غایت عشق و محبت اور اس تعلق کے جو دونوں میں موجود تھا۔ سخت و شدید معلوم ہوا وجہ ثالث یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قسم کی حالت وصفت جاری ہونے میں امت مرحومہ کیلئے اس قسم کے شوائد کے نزول میں وجہ تسلی موجود ہے۔ آپ کے خدا کے حبیب ہونے اور ساری مخلوق سے اعز و اکرم ہونے کے باوجود آپ پر ایسی شدید صورت و کیفیت طاری ہوئی تاکہ امت کیلئے آسانی ہو اور وہ سکرات کی شدت برداشت کر سکے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول میں اس طرف اشارہ ہے۔ وجہ رابع یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شریفہ جامع حقائق تمامہ امت بلکہ تمام کائنات ہے۔ منشاء وجودات اصلیہ و فرعیہ ہے اور تمام حقائق' جواہر و اعراض' ارواح و اجسام میں جاری ہیں' لہٰذا گویا آپ کی روح شریف کی جسد لطیف سے جدائی' ہر روح کی ہر جسد ذی حیات سے جدائی ہے۔ اس بنا پر جو شدت و کربت حاصل ہوئی وہ بہت کے مقابلہ تھوڑا اور دریا کے مقابلہ میں قطرہ ہے۔ وجہ خامس یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے تمام اعمال اور ان کے تمام اثقال کے حامل اور اٹھانے والے ہیں۔ ساری امت کا رجوع آپ کی طرف ہے اور سب کی پناہ آپ کے دامن اقدس میں ہے۔ جیسا کہ حق تبارک و تعالیٰ کا ارشاد عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ ۔ اس بارے میں شاہد و ناظر ہے۔ لہٰذا ان کے اعمال و اثقال کا اثر اور ان کے غم و اندوہ کا نشان اس وقت میں ظاہر ہوا

کیوں کہ یہ محل اعمال واثقال کے برداشت کا ہے۔اسی وجہ سے جب جبرائیل علیہ السلام امت کے بخشے جانے کی بشارت لے کر آئے تو پائے راحت بالین استراحت پر رکھا اور روئے مبارک بعالم ثانی لائے۔جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔وجہ سادس یہ ہے کہ یہ انسان کی دائمی عادت ہے کہ جب اسے مملکت وخلافت اور امور سلطنت کی ولایت سونپی جاتی ہے اور پھر اسے بارگاہ میں بلایا جائے۔دوسری مملکت اسے سونپی جائے تو لامحالہ اسے بارگاہ میں حاضر ہونے میں سوال وجواب کی فکر اور تردد اور روبرو ہونے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ہر چند کہ تمام اکناف وآفاق میں اس کے تمام معاملات علی الاطلاق آپ کو تفویض فرمائے گئے ہیں اور بہرحال وبہرلحاظ اس کے حساب وکتاب سے آپ کو بخش دیا گیا ہے۔اس کے باوجود سلطانی ہیبت ودہشت موجود تھی کہ کیا سرانجام ہوگا۔

شیخ اجل اکرم عبدالوہاب اپنے شیخ علی متقی قدس سرہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بوقت رحلت فرماتے تھے اگر تم ہم میں سکرات موت کی شدت دیکھو تو دلگیر نہ ہونا' کوئی خیال دل میں نہ لانا کیوں کہ یہ شدت لازمہ مرتبہ قطبیت اور عہدہ داری ہے۔(واللہ اعلم)

وجہ سابع جو خلاصہ وجوہ مذکورہ اور حاصل قضایائے متعددہ ہے یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (تجلیات صمدیت' تنزلات احدیث سے جو متمکن درعنایت قدس صفات اور مشاہدہ رفیعہ باسماء وصفات تھے) تحفہ فرمائے۔کوئی شک نہیں ہے کہ ان تنزلات کے بوجھ کے ماتحت ماندہ ہو جانا اور ان فتوحات کو بہت عظیم معلوم ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وحی اور نزول قرآن کریم کے وقت آپ کی حالت ہو جاتی تھی۔چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب شدید موسم سرما میں وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنے لگتا تھا اور حق تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔"بے شک ہم آپ پر بھاری قول اتاریں گے"لہٰذا وہ موت جو بافاضات الٰہیہ حیات ابدی ہے اور اس کے سکرات کا مشاہدہ کیا تھا جو کہ جسمانی عدم گویائی کی بنا پر ظاہر ہوتے تھے۔یہ محض عالم عیاں کی قبیل سے سکرات کی ظاہری شدت کی صورت میں تھے۔اس سبب کا خلاصہ ونتیجہ یہ ہے کہ اس حالت میں بے شمار خاص نازل ہوئی تھیں بلکہ وحی کے اختتام اور اتمام کا محل تھا۔وجہ ثامن یہ ہے کہ یہ وقت حق تعالیٰ جل وعلیٰ کی خاص لقا کا تھا اور وہ خشیت وہیبت واجلال کا تھا جو معرفت وعبودیت اور قرب حضور ذی الجلال میں اس حال ووقت کے مناسب تھا۔یہ تمام خصوصیات کسی اور حالت ووقت میں نہ تھیں۔وجہ تاسع یہ کہ یہ بے قراری لقائے روحی کے شوق میں تھی جو لقائے سبوحی کی طرف جلد تر جانے کی بنا پر حاصل تھی۔گویا کہ آپ چاہتے تھے کہ یہ روح' عالم ناسوت سے نکل کر جلد تر غیبت لاہوت میں داخل ہو جائے۔لامحالہ عالم صبیعت کے غلبہ اور مزاج بشریت کے ضغطہ خصیصی سے وہ حالت رونما ہوئی تھی جس سے انفعال قوی ہوتا اور اس حال کا غلبہ ظاہری ہوتا ہے۔اس طرف اپنے اس قول میں اشارہ بھی فرمایا ہے کہ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔جو اللہ کی لقا کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لقاء کو چاہتا ہے۔وجہ عاشر یہ کہ یہ شدت اس عالم والوں کے تعلقات کا پرتو تھا جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کیلئے ایک حصہ تھا اور وہ حصہ ان کے درمیان موجود رہنے کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امداد واعانت فرمانا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات' ہر موجودات کی حیات ہے اور حقیقت کے مرات یعنی آئینہ سے ان تعلقات کو منقطع کرتا ہے۔کون سے آئینہ سے جو کہ اپنی چمک دمک اور صفائی وتابانی میں بے نظیر ہے اور جہاں کا کوئی آئینہ ایسا صاف ومجلےٰ نہیں۔یہ تعلقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال وانتقال کی نقیض ہیں تو یہ دونوں نقیضیں' ضدیں اپنی اپنی حالت میں ایک دوسرے پر عمل کرتی ہیں اور کشمکش پیدا کرتی ہیں۔اس وجہ سے ضغطہ یعنی دباؤ اور تنگی رونما ہوتی ہے۔وجہ احد عشر یہ کہ یہ حق تعالیٰ عزوجل کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عبودیت پر جو کہ اشرف اوصاف اعظم محاسن ومحامد ہے۔القاء واجراء کے سبب ہے۔اسی بنا پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہت اور عبودیت کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے عبودیت کو اختیار فرمایا۔فرمایا: کہ میں پسند

کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ کھانا اس طرح کھاؤں جس طرح غلام کھاتے ہیں' بیٹھوں اس طرح جس طرح غلام بیٹھتے ہیں' مقتضائے مزاج عبودیت' اوامر و احکام شرعیہ کے پہلو میں' آرام و راحت نہ پانا اور شدائد و تکالیف کا نازل ہونا ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حصہ بشریت کے احکام ظاہر ہوتے تھے اور انسانوں کی ہی مانند بچے کے گم ہونے پر روتے اور فرماتے تھے کہ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَاِنَّ الْقَلْبَ تَحْزَنُ۔ ''بے شک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے'' لہٰذا اس حصہ بشریت کا ابقاء اور اس کے لوازم و شدائد کا ادراک ہے۔ یہ اوصاف بشریت کی بزرگی و شرافت اور اس کے تحقق کیلئے ہے جو کہ جالب ضراحت اور داعی افتقار و انکسار ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی سطوت اور اس کی ربوبیت ظاہر ہوتی ہے۔

باب سوم

غسل، تجہیز وتکفین اور نماز گزارنے کے بیان میں

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ علالت میں فرمایا تھا کہ مجھے میری اہل بیت کے مرد حضرات غسل دیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ غسل اور تجہیز وتکفین کا کام ان سے متعلق ہے۔ لامحالہ اہل بیت اطہار' حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کام میں مشغول ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''حجرہ مبارک کا دروازہ غیر اہل بیت پر بند کر دیا گیا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح غسل دیا گیا تھا۔ فرمایا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کلہ پر بردیمانی باندھا' اسی بنا پر غسل کیلئے کلہ باندھنا ہمارے لیے سنت ہوا۔ (کلہ چاروں طرف چادر تاننے کو کہتے ہیں) اس کے بعد کلہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ وقثم رضی اللہ عنہ کو (جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے) بلایا ایک روایت میں ہے کہ بجائے قثم رضی اللہ عنہ کے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث کو بلایا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید جو حب رسول اللہ تھے اور اہل بیت کا حکم رکھتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت صالح حبشی جن کا لقب شقران ہے جمع ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کلہ میں لائے تاکہ غسل دیں۔ اس کے بعد ان سب پر اور دیگر تمام لوگوں پر جو کہ گھر کے اندر تھے اور کلہ کے باہر تھے اونگھ طاری ہوئی۔ کسی منادی نے اطلاع کی کہ غسل نہ دو کیونکہ خدا کے نبی اس سے پاک ہیں اور انہیں غسل کی حاجت نہیں ہے۔ ہر چند کہنے والے کو تلاش کیا گیا مگر معلوم نہ ہو سکا۔ سب نے چاہا بھی کہ ایسا ہی کریں اور غسل نہ دیں۔ مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ایسی آواز کی بنا پر جب کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے کہ کہاں سے آئی ہے۔ سنت کو ترک نہیں کر سکتے پھر ان سب پر دوسری مرتبہ اونگھ طاری ہوئی اور ندا آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دو کہ پہلی ندا کا بولنے والا ابلیس تھا۔ میں خضر علیہ السلام ہوں۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آواز غسل نہ دینے کی کلہ باندھنے سے پہلے تھی اور جب غسل دینا طے پا گیا تو کلہ باندھا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کلہ میں لے گئے۔ اس وقت ان اصحاب میں ایک اور اختلاف واقع ہوا کہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں ہی غسل دیں یا جس طرح دیگر اموات کو برہنہ کرتے اور غسل دیتے ہیں ویسا کریں۔ اس وقت پھر اس پر اونگھ طاری کی گئی اور وہ اس طرح اونگھے کہ جھک کر ان کی تھوڑیاں ان کے سینہ پر آ گئیں۔ اچانک کسی نے گھر کے گوشہ سے آواز دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہ کرو اور پیرہن مبارک میں غسل دو۔ مروی ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ غسل دیں تو چہار زانو ہو کے بیٹھے اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو بھی چہار زانو بیٹھایا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آغوش پر بٹھالیا۔ اس وقت پھر ندا آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی کمر شریف پر لٹا دو اور غسل دو۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح لٹایا کہ آپ کا سر مبارک جانب مشرق اور قدمہائے اقدس جانب مغرب تھے۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ غسل دینے میں مشغول ہو گئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینہ پر لیا اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر ہاتھوں کو پیرہن مبارک کے اندر داخل کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اور شقران رضی اللہ عنہ قمیص مبارک کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وقثم رضی اللہ عنہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر لے جانے پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اعانت وامداد کرتے تھے اور غیب سے بھی غسل میں اعانت واقع ہوئی۔ چنانچہ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور ہاتھ اپنے ہاتھ سے ملاقی ہوتا ہے۔ ان سب کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ غیب سے اور پردہ کے پیچھے سے ایک آواز آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نرمی برتو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے سوا کوئی اور غسل نہ دے اور نہ کوئی میرا ستر دیکھے۔ اگر خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے کوئی شے برآمد نہ ہوئی جس طرح کہ دوسرے لوگوں کے شکم وغیرہ سے خارج ہوتی ہے۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے حیات میں بھی اور ممات میں بھی''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ پاک وصاف پانی بیری کے پتے اور کافور کے پانی سے غسل دیا گیا۔ ابن ماجہ نے بسند جید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مجھے غسل دو تو بیر غرس کے پانی کے ساتھ مشکیزے سے دینا۔ بیر غرس (بفتح غین وسکون را) یہ ایک کنواں ہے جو مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب نصف میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ بہت بڑا کنواں ہے اور اس میں دہ دہ سے زیادہ پانی ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کے ان سات کنوؤں میں سے ایک کنواں ہے جو زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک باقی ہیں۔ اس کے پانی پر سبزی غالب ہے۔ اس میں سیڑھیاں ہیں جس کے ذریعہ کنویں میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں کا پانی پیا تھا' اس سے وضو کیا تھا اور وضو کے بقیہ پانی کو اسی میں ڈالا گیا تھا۔ ابن حبان نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ انس بن مالک بیر غرس سے پانی کھینچ رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کا پانی پیا اور وضو فرمایا۔ ابن میرین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے بہشت کے ایک کنویں پر صبح کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر غرس پر صبح کی اور وضو فرما کر اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا۔ اس وقت بطور ہدیہ کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اسے بھی اس کنویں میں ڈال دیا۔ ابن ماجہ بسند جید روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد از وفات مجھے میرے کنویں کے پانی سے یعنی بیر غرس کے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب میں اس عالم سے سفر کروں تو بیر غرس کے سات مشکیزے پانی سے جن کا دہانہ کھلا ہوا ہو غسل دینا (انتہی) اور یہ زمانہ علالت میں بھی مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سات مشکیزے پانی سے غسل فرما کر باہر مسجد میں تشریف لائے۔ یہ پانی بھی اسی کنویں کا ہوگا (واللہ اعلم)

بعض شراح حدیث کہتے ہیں کہ یہ اس بنا پر تھا کہ دفع سحر میں سات کی گنتی کی خاص تاثیر ہے جس طرح کہ زہر اور سحر کے علاج میں آیا ہے کہ مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور کے سات دانے کھائے۔

مروی ہے کہ غسل کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشہ میں پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے۔

جب غسل مکمل ہو گیا تو مقام سجدہ اور مفاصل شریف کو خوشبو سے معطر کیا گیا اور تین مرتبہ اگر کی دھونی دی گئی۔ اس کے بعد اٹھا کر سر

پرلٹا دیا گیا۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا۔ وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کیوں کہ یہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حنوط سے بچائی ہوئی ہے۔

تکفین کی کیفیت: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی منسوب بہ سحول بمعنی قطار ہے اور یہ روایت کپڑے کے سفید اور دھلے ہونے میں زیادہ مشہور و معروف ہے۔ سحل سفید دھلے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ سحل' سحول کی طرف منسوب ہے جو یمن کے ایک قریہ کا نام ہے۔ نیز منسوب بہ سحول جمع سحل بمعنی جامعہ سعید بھی مروی ہے۔ یہ کپڑا روئی کا ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ''من کرسف'' آیا ہے۔ کرسف پنبہ یعنی روئی کو کہتے ہیں اور ایک قریہ کا نام بھی بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دو سفید کپڑے تھے اور ایک یمنی چادر۔ ترمذی نے کہا کہ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں روایتیں مختلف مروی ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث' اصح احادیث ہے۔ اکثر اہل علم صحابہ کرام وغیرہ کا اس پر عمل ہے۔

بیہقی نے حاکم سے نقل کر کے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے حدیثیں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں تین کپڑے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں ہے۔ ''قمیص عمامہ کے ان میں نہ ہونے کے قول کے مفہوم میں اختلاف کیا ہے اس عبارت کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں قمیص اور عمامہ سرے سے تھے ہی نہیں۔ دوسرا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور قمیص و عمامہ ان تین کپڑوں سے زیادہ تھا۔ یہ مفہوم عبارت کے صریح خلاف واقع ہے اس لیے کہ یہ ثابت شدہ نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں قمیص اور عمامہ بھی شامل تھے۔ اسی بنا پر کفن میں قمیص و عمامہ شامل ہونے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مترتب ہے کہ آیا یہ مستحب ہے یا نہیں' لہٰذا امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑے ہونے چاہئیں۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔ چنانچہ وہ قمیص و عمامہ وغیرہ کی زیادتی کو جو کہ تین لفافوں کے سوا ہو مکروہ کہتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز اور غیر مستحب ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ تین کپڑے ہیں ازار' قمیص اور لفافہ۔ متاخرین علماء' احناف علماء' اہل سنت کیلئے عمامہ جائز رکھتے ہیں اور کفن ہمارے مذہب میں تین کپڑے ہیں۔ دو بھی کافی ہیں اور ضرورت کے وقت جو بھی میسر ہو۔ ایک اور روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں سات کپڑے بھی آئے ہیں۔ یہ روایت ضعیف ہے بلکہ کہتے ہیں کہ بعض روایتوں سے یہ وہم لاحق ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

جس قدر بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر قمیص تھی اور اس میں ہی غسل دیا گیا تھا۔ وہ کفن میں داخل نہ تھا لہٰذا وہ حدیث جو سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا' دو کپڑے اور ایک وہ قمیص مبارک جو وقت وفات آپ کے جسم اقدس پر تھی۔ اس روایت میں ضعف ہے صحیح نہیں ہے۔ صحیح وہی ہے جو مذکور ہوئی۔ اس لیے کہ یزید بن زیاد اس حدیث میں ایک راوی ہیں جس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔ خصوصاً اس حدیث میں جہاں اس کے برخلاف ثقہ راویں سے حدیث موجود ہو البتہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض وفات میں گئی تو میں نے ان کے لباس پر نظر ڈالی جس میں وہ علیل ہوئے تھے تو وہ زعفران سے رنگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا ''اس لباس کو دھو دینا اور دو کپڑے اور بڑھا کر ان تین کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ''میں نے عرض کیا یہ کپڑا جو آپ زیب تن کیے ہوئے ہیں پرانا ہے''۔ زندہ زیادہ لائق

وسزاوار ہے نئے کپڑے کا بہ نسبت مردے کے۔ (رواہ البخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرنا: وصل: لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرنا جماعت کے ساتھ نہ تھا بلکہ ایک جماعت آپ کے قریب آتی اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتی اور نکل جاتی۔ پھر دوسری جماعت آتی اور پڑھتی تھی۔ آپ کا جسد اقدس اسی حجرہ مبارک میں تھا جہاں آپ کو غسل دیا گیا۔ سب سے پہلے مرد داخل ہوئے' جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں اور عورتوں کے بعد بچے آئے۔ جماعت میں صفوں کی ترتیب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ کی کسی نے امامت نہ کی۔

امیر المومنین سیّدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ شریف پر کسی نے امامت نہ کی اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایام حیات وحمات میں تمہارے امام ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ متعدد نمازیں ہوئیں اور تنہا تنہا لوگوں نے پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے جنازہ شریف کی نماز پڑھی وہ اہل بیت نبوت تھے۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد مہاجرین اور ان کے بعد انصار آئے۔ پھر اور لوگ جماعت کی جماعت داخل ہوتی اور نماز ادا کرتی جاتی تھی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت سے پہلے لوگوں کو اپنی وفات کی خبر دیدی تھی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کون غسل دے گا۔ فرمایا: ''میرے اہل بیت میں سے وہ جو مجھ سے زیادہ نزدیکی رکھتا ہے''۔ لوگوں نے دریافت کیا کن کپڑوں میں ہم تکفین کریں۔ فرمایا: ''ان کپڑوں میں جو میں زیب تن کیے ہوئے ہوں' یا مصری کپڑوں میں' یا یمانی چادروں میں' یا سفید کپڑوں میں''۔ مطلب یہ کہ جو بھی میسر ہو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ پر کون نماز پڑھے۔ یہ کہہ کر سب رونے لگے اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صبر کرو' جزع وفزع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے' تمہارے گناہوں کو بخشے اور میری جانب سے تمہیں جزائے خیر دے۔ فرمایا: ''جب تم مجھے غسل دے چکو' کفن پہنا دو تو مجھے میری قبر کے پاس اس حجرے میں چھوڑ دینا اور کچھ عرصہ کیلئے میرے پاس سے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے جو میری نماز جنازہ پڑھے گا وہ میرے دوست جبرائیل علیہ السلام ہوں گے' پھر میکائیل' پھر اسرافیل پھر ملک الموت گروہ ملائکہ کے ساتھ علیہم السلام۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھے گا میرا رب ہے۔ اس کے بعد یہ فرشتے جن کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد فوج درفوج آئیں اور نماز پڑھیں۔ مجھ پر فریاد و نوحہ نہ کریں۔ نماز کی ابتداء میری اہل بیت کرے۔ بعد ازاں اہل بیت کی عورتیں۔ اس کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم۔ لوگوں نے پوچھا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبر شریف میں آپ کو کون اتارے گا؟'' فرمایا ''میرے اہل بیت فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ جوان کو دیکھتے ہوں گے اور وہ انہیں نہ دیکھ سکیں گے''۔

علامہ ابن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی نمازیں پڑھی گئیں؟'' انہوں نے فرمایا ''ستر'' لوگوں نے پوچھا ''آپ کو یہ کہاں سے پتہ چلا۔ فرمایا: ''اس صندوق سے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریر سے چھوڑا اور وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس سے فرشتوں کے سوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نمازیں ہوں گی۔

تدفین میں تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات روز دوشنبہ (پیر کے دن) ہوئی تھی۔ روز سہ شنبہ پورا گزر گیا' آپ کا تخت شریف آپ کے گھر میں رہا اور لوگ نماز پڑھتے رہے۔ آپ کو شب چہار شنبہ میں دفن کیا گیا۔

منقول ہے کہ جس وقت اہل بیت نے نماز پڑھ لی تو لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ کیا پڑھیں اور کیا دعا کریں۔ پھر لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ''ان مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ تم حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے پوچھو' پھر انہوں نے

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔آپ نے فرمایا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی دعا

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ صَلَوٰتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سُبِّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ. خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ.

اس دعا کو شیخ زین الدین مراغی نے اپنی کتاب النضرہ میں بیان کیا ہے اور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی جانب کھڑے ہوئے۔عرض کیا ''اے نبی گرامی آپ پر حق تعالیٰ کی رحمت و برکت نازل ہو۔ اے خدا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ پر نازل ہوا۔اور اپنی امت کے ساتھ نصیحت کے تمام حقوق ادا فرمائے۔اور راہ خدا میں جہاد کیا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب فرمایا''۔اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں بنا کہ ہم اس کی پیروی کریں جو آپ پر نازل ہوا۔ہم کو ع اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن جمع فرما۔لوگوں نے آمین کہی۔

تدفین کی کیفیت: وصل: اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن کرنا تو اس میں بھی اختلاف واقع ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کریں۔ایک جماعت نے کہا کہ اس حجرہ میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقبوض ہوئے ہیں اور ایک جماعت نے کہا مسجد شریف میں، ایک گروہ نے کہا بقیع کے مقبرہ میں اور کچھ لوگوں نے کہا ''قدس'' میں کیونکہ تمام نبیوں کی قبریں وہاں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا کوئی نبی دفن نہیں کیا گیا مگر اسی جگہ جہاں کہ اس کی روح قبض کی گئی۔ایک روایت میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا روئے زمین پر کوئی خطہ خدا کے نزدیک اس خطہ سے گرامی تر نہیں ہے۔جس میں نبی کی روح کو قبض کیا گیا۔اس کے بعد آپ کے بستر مبارک کو اٹھایا گیا اور اسی خاص جگہ قبر کھودنا طے پایا۔

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے۔ایک حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح جو بطریق شق جسے شامی بھی کہتے ہیں قبر کھودتے تھے اور دوسرے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری جو بطریق لحد قبر کھودتے تھے۔اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے خدا! اپنے حبیب کیلئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو۔دو آدمی بھیجے ایک کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بلانے کیلئے اور دوسرے کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بلانے کیلئے۔فرمایا: جو پہلے آجائے وہی اپنے طریقہ پر کام کرے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو نہ ملے جو انہیں بلانے گیا تھا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آگئے۔اس کے بعد بطریق لحد قبر تیار کی گئی۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا۔ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کیلئے شق ہے۔''لنا'' سے مراد مدینہ طیبہ والے ہیں اور ''غیرنا'' سے مراد غیر اہل مدینہ ہیں۔یعنی مکہ مکرمہ وغیرہ کے لوگ۔اس کی توجیہہ میں علماء فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی زمین سخت ہے، وہ لحد کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ اپنی اپنی پسند رواج کا معاملہ ہے اور مسنون بھی نہیں ہے۔اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کیا گیا افضل ہوگا۔بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر زمین

سخت ہو تو لحد افضل ہے اور اگر زمین نرم و کمزور ہو تو شق افضل ہے۔ افضل علماء ''لنا'' سے ملت اسلامیہ کے لوگ اور ''لغیر نا'' سے اہل کتاب مراد لیتے ہیں۔ شق قبر کے درمیان میں کھودنے کو کہتے ہیں اور اس وقت ہمارے شہروں میں قبر کے درمیان میں دیواریں نکالتے ہیں مگر حکم وسط قبر میں کھودنے کا دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

شب چہار شنبہ سحر کا وقت تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قدم اقدس کی جانب سے قبر انور میں داخل کیا۔ اصح یہ ہے کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس' حضرت فضل' اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں داخل ہوئے۔ حضرت قثم رضی اللہ عنہ آخری شخص تھے جو آپ کی قبر انور سے باہر آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ آخری شخص جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور قبر اطہر میں دیکھا' میں تھا۔ میں نے قبر میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لب ہائے مبارک کو جنبش فرما رہے تھے۔ میں نے کانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کے قریب کیا' میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے۔ ''رب امتی امتی'' بحرین کی سرخ مخملی چادر جو خیبر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھی اور اسے آپ اوڑھتے تھے۔ اسے بچھایا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا بچھانے والا شقران رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے کہا میں نہیں پسند کرتا کہ آپ کے بعد اسے کوئی دوسرا اوڑھے۔ امام نووی شافعی' تمام اصحاب شوافع اور دیگر علماء رحمہم اللہ بطور اعزاز قبر میں میت کے نیچے کپڑا یا بچھونا بچھانے کے مکروہ ہونے پر تنصیص کرتے ہیں۔ امام بغوی شافعی فرماتے ہیں کہ ''لا باس بہ'' اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس حدیث سے ثابت ہے اور درست کراہت ہی ہے چنانچہ جمہور کا مذہب یہی ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ فعل شقران کا تھا اور وہ اپنے فعل میں منفرد ہیں۔ کوئی صحابی ان سے متفق نہ تھا وہ اس کام کے عالم نہ تھے۔ شقران رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی طرف سے کیا تھا اور اس نے اس کو مکروہ جانا کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور اوڑھے یا بچھائے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ آخر میں اسے قبر شریف سے باہر نکالا۔ اس روایت کو ابن زبانہ نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ سیرت مغلطائی میں مذکور ہے۔ اگر یہ بات ہو بھی تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ یہ دوسروں کیلئے مکروہ ہے کہ ایسا نہ کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف' خشت خام سے بنائی گئی۔ اس کے بعد لحد مبارک پر مٹی ڈالی گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر شریف پر ایک مشکیزہ پانی چھڑکا اور سرہانے کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف زمین سے ایک بالشت جتنی اونچی کی گئی۔ ایک روایت میں چار انگل آیا ہے اور قبر انور پر سرخ و سفید سنگریزے جمائے گئے۔

دفن کے بعد جب صحابہ کرام سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا ''تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ صحابہ نے عرض کیا ٹھیک فرمایا اے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا! ہم نے بھی یہی خیال کیا تھا اور اسی غم میں مبتلا تھے لیکن کیا کر سکتے حکم شرع سے چارہ نہیں ہے۔ اس کے بعد سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا والد ماجد کی قبر کے سرہانے آئیں' قبر انور سے مٹی اٹھا کر اپنی دونوں چشم گریاں پہ ڈالی اور کہنے لگیں۔ شعر۔

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدُ ۔۔۔ اَنْ لَّایَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا ۔۔۔ صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

مختلف روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف مسنم یعنی مرتفع و بلند (کوہان نما) ہے یا مسطح ''یعنی ہموار و برابر'' اکثر کا مذہب یہی ہے کہ مسنم و مرتفع ہے۔

صحیح بخاری میں ابوبکر بن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے قبر شریف کو مسنم دیکھا۔ ابونعیم نے متخرج میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں بھی مسنم یعنی مرتفع ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبروں کو مسنم رکھنا مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام احمد' مزنی اور بکثرت شوافع رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔ قاضی حسین نے اصحاب شوافع کا اس پر اتفاق کا ادعا کیا ہے لیکن قدما شوافع کی ایک جماعت تسطیح یعنی ہمواری کو مستحب قرار دیتی ہے۔ اسی پر ماوردی اور دیگر جماعت ہے۔

حاکم نے بروایت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آیا اور عرض کیا ''اے میری والدہ محترمہ! میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر سے چادر شریف اٹھایئے''۔ انہوں نے اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ قبر شریف زمین سے نہ بہت بلند تھی اور نہ ہموار تھی۔ اس کے فرش پر سنگریزے جمے ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تسنیم و تسطیح دونوں جائز ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان میں کون سا افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور مسطح تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسنم و مرتفع کر دی گئی۔ وہ جو سفیان انمار کی حدیث میں آیا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو دیکھا تو وہ مسنم و مرتفع تھی۔ وہ اسی پر محمول ہے اور ہمارے شہروں میں ایسا طریقہ رائج ہے جو تسطیح و تسنیم دونوں کا جامع ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کی ایجاد کہاں سے ہے۔ (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حجرہ شریف میں حضرات شیخین کے مدفون ہونے کے بعد ایک جگہ اور باقی ہے۔ خبروں میں آیا ہے کہ اس جگہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام مدفون ہوں گے۔ جب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے التماس کیا گیا کہ یہ حجرہ چونکہ آپ کا ہے اگر آپ اجازت دیں تو امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قبول فرمایا اور کہا مرحبا بہت عمدہ بات ہے لیکن اس زمانہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ طیبہ میں مروان حاکم تھا۔ اس نے مہلت نہ دی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ مجتبیٰ اس جگہ مدفون ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اجازت دیدی کہ وہ مدفون ہو جائیں یہ بھی میسر نہ ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نزول فرمائیں گے اور نکاح کریں گے۔ ان کی اولاد ہوگی وہ روئے زمین پر پینتالیس سال قیام فرمائیں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوگا اور وہ میری قبر کے پاس دفن کیے جائیں گے۔ پھر میں اور عیسیٰ رضی اللہ عنہ بن مریم کے قبر سے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ ایک قبر سے اٹھیں گے۔ اس جگہ قبر سے مراد مقبرہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو صحابہ کرام خاک حسرت و ندامت اپنے وقت وحال کے سر پر ڈالنے لگے' اپنے محبوب دو جہاں کے آتش فراق میں جلنے لگے اور گریہ وزاری کرنے لگے۔ خصوصاً حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سب سے پہلے زیادہ مصیبت زدہ' بیکس تر اور زار ونالاں تر تھیں۔ سیّدنا امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چہروں کی طرف دیکھتیں۔ اپنی یتیمی اور ان فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں۔ دوسرے گوشہ میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی حجرہ میں جس میں سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے وفات پائی تھی۔ مصروف آہ و بکا تھیں یہ گھر بیت الحزن والفراق بنا بے خانما شدہ رات ودن آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی میں انتقال فرمایا روز روشن'

شب دیجور کی مانند ہو گیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی دن مدینہ طیبہ میں اس دن سے زیادہ بہتر و نورانی تر نہ تھا جس دن کہ سیّدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے۔ کوئی دن بدتر و تاریک تر اس دن سے زیادہ نہیں جس دن کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے پردہ فرمایا۔ ابھی ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے دل متغیر ہو گئے ہم پر پردہ پڑ گیا ایسا کہ ہمارے دل ہمارے قابو میں نہ رہے۔

رہ ندیدیم چو بروقت از نظرم صورت دوست ہمچو چشمے کہ چراغش ز مقابل برد

اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار میں سے ہر ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن و ملال میں منظم کر کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ ان میں سے سب سے پہلے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جو بعد از دفن، قبر شریف کی زیارت کو گئیں۔ اس جگہ کی مٹی اٹھا کر غمزدہ آنکھوں پر رکھا اور روتے ہوئے یہ شعر منظوم فرمایا۔

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدَ اَنْ لَّا يَشُمَّ مُدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا
صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظم کردہ ہیں جسے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھا۔ نیز وقت زیارت اور بھی اشعار سیّدہ کے ہیں۔

اِذَا اشْتَدَّ شَوْقِیْ زُرْتُ قَبْرَكَ بَاكِيَا وَذِكْرَكَ وَاَشْكُوْمَا اَرَاكَ مُجَادِيًا
يَاسَاكِنَ الْغَبْرَاءِ عَلَّمْتَنِیْ الْبُكَاءَ وَذِكْرُكَ اَنْسَانِیْ جَمِيْعَ الْمَصَائِبَا
فَاِنْ كُنْتَ عَنْ عَيْنِیْ فِی التُّرَابِ فَعَيْبًا فَمَا كُنْتَ عَلٰی قَلْبِیْ الْحَزِيْنِ بِغَائِبَا

یہ دو بیت بھی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہی غم و حزن کے اظہار میں ہیں۔

نَفْسِیْ عَلٰی زَفَرَاتِهَا مَحْبُوْسَةٌ يَالَيْتَهَا خَرَجَتْ مَعَ الزَّفَرَاتِ
لَاخَيْرَ بَعْدَكَ فِی الْحَيٰوةِ وَاَنَّهَا اَبْكِیْ مَخَافَةَ اَنْ تَطُوْلَ حَيَاتِیْ

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ جو صاحب اذن اور مستجاب الدعوات تھے۔ انہوں نے دعا مانگی کہ اے خدا جہان کو دیکھنے والی میری آنکھ لے لے کیونکہ بغیر میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ جمال کے میں اسے نہیں چاہتا۔ وہ اسی وقت نابینا ہو گئے اور ایک جماعت کو تو مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے بغیر صبر و قرار آتا ہی نہ تھا۔ انہوں نے جہاں نوردی اور مسافرت اختیار کی۔ انہوں لوگوں میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے شام کی جانب کوچ کر لیا تھا۔ چھ مہینہ کامل گزر گئے تھے کہ ایک رات خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بلال رضی اللہ عنہ! ہم پر کیوں ظلم کرتے ہو، ہماری زیارت کیلئے کیوں نہیں آتے۔'' اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیدار ہوتے ہی اسی گھڑی مدینہ طیبہ کی جانب چل دیئے۔ اس اثناء میں سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا چکی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حال پوچھا تو وہ رونے لگے اور فرمایا: اَجَرَكَ اللّٰهُ فِیْ فَاطِمَةَ۔ یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت روئے اور کہا ''اے جگر گوشہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بخدا کتنی جلدی تم اپنے پدر بزرگوار سے ملحق ہو گئیں۔

ذکر غم والم مفارقت: **وصل**: ان نشانیوں میں سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ

دراز گوش جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات سوار ہوا کرتے تھے اس نے مفارقت کا اتنا رنج و ملال کیا کہ اس نے اپنے آپ کو کنویں میں ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اسی طرح اس نے جان دیدی۔ ان خبروں کا ظاہر ہونا جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ میرے بعد ظاہر ہوں گے بہت ہیں اور حدو شمار سے باہر ہیں۔

مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو حق تعالیٰ پہلے ان کے نبی کی روح کو قبض فرماتا ہے۔ اس کے بعد ان کو پیشرو اور سلف قرار دیتا ہے اور جب حق تعالیٰ کسی امت کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو ان پر اس حال میں عذاب نازل کرتا ہے کہ ان کے نبی ان میں زندہ ہوتے ہیں اور نبی کی نگرانی میں امت کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس طرح نبی کی آنکھ کو ان لوگوں کی ہلاکت سے روشن و ٹھنڈی کرتا ہے جنہوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کی نافرمانیاں کیں۔

قبر انور اور مسجد شریف کی زیارت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس اور مسجد نبوی شریف کی زیارت کرنا اعظم عبادت اور اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو استطاعت رکھتا ہے اس پر یہ واجب ہے جیسا کہ امام عبدالحق جو کہ اعاظم محدثین میں سے ہیں نے بیان کیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ واجب سے ان کی مراد سنت موکدہ ہے جو کہ واجب کے مرتبہ میں ہے۔ یہ حکم پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہے۔ فرمایا: کہ مَنْ وَّجَدَ سَعَةً وَّلَمْ يَعُدْ اِلَیَّ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ جس نے استطاعت پائی اور میری طرف وہ نہ آیا۔ اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک ترک زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اس لیے کہ ترک زیارت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جفا و ایذا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جفا و ایذا بالا جماع حرام ہے۔ لہٰذا ازالہ جفا واجب ہے اور وہ زیارت سے ہوگا اس لیے زیارت واجب ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ زَارَ بَعْدَ مَوْتِیْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَيَاتِیْ۔ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں ہی میری زیارت کی۔ اس باب میں احادیث کریمہ بہت ہیں' قبر شریف' مسجد منیف کے فضائل و آداب' اس کے تمام احکام اور اس جگہ کا ادب و احترام سب اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب جو کہ تاریخ مدینہ طیبہ ہے۔ اس رسالہ میں جو "مناسک حج و آداب زیارت" میں تالیف ہے واضح طور پر لکھ دیئے ہیں۔

خصائص نبوت و عدم تقسیم میراث: وقت وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تعدد صلوٰۃ ترک جماعت' دفن در بیت خود وغیرہ کے ماسوا عدم میراث ہے۔ اس حکم میں مخصوص ہونا سنت باقی ہے اور جملہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اس حکم میں شریک ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَآءِ لَانَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ ہم گروہ انبیاء وہ ہیں جو نہ کسی کی میراث لیتے ہیں اور نہ ہماری میراث کوئی لیتا ہے جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور عمدہ جو کچھ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وصال چھوڑا۔ ایک دراز گوش' اسلحہ' قمیص مبارک' چادر شریف اور اسی قسم کے کچھ اور لباس اور ابی نضیر' خیبر اور فدک کی زمین تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص تھی۔ اس سے ازواج مطہرات کے نفقہ' مسلمانوں' فقراء و مساکین کی ضروریات میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتے تھے خرچ فرماتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور میراث طلب فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میراث نہ دی۔ اس پر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

فرمایا کہ جب آپ انتقال فرمائیں گے تو کون آپ کا وارث ہوگا۔فرمایا: میری اہل واولاد۔اس پر فرمایا ''پھر کیا بات ہے کہ میں اپنے والد کی میراث کی وارث نہ بنوں'' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا ہماری میراث نہ ہوگی لیکن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور ہر اس شخص کی میں عیال داری کروں گا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیال داری فرماتے تھے۔میں ان اموال کو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اس جگہ پر خرچ کروں گا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال اور مسلمانوں کے حوائج وضروریات وغیرہ پر خرچ کرتے تھے۔نیز میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو عطا فرماتا ہے تو وہ عطا اس لیے ہے جو نبی کے بعد نبی کے معاملات کو قائم کرتا ہے۔چنانچہ بہت سے لوگ ایسے تھے جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں کچھ دوں گا۔پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو وعدہ کے مطابق شے موعود مرحمت فرمائی۔یہ بات نہیں کہ یہ حکم حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے جو خیبر' فدک اور وہ مال جو مدینہ طیبہ میں تھا یعنی بنی نضیر کی زمین وغیرہ سے اپنی میراث مانگی۔مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ عطا نہ فرمایا اور وہی جواب دیا جو سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا۔یہی حال تمام دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا۔یہ بات بھی نہیں کہ یہ روایت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھی بلکہ تمام صحابہ نے گواہی دی اور اس پر اتفاق کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس مال میں سے بطریق میراث کچھ نہ دیا بلکہ یہ فرمایا کہ آل محمد اس مال کو خرچ کریں جس طرح کہ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خرچ کرتے تھے۔میں اس عمل کو نہیں بدلوں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور خدا کی قسم میرے نزدیک رسول خدا کی قرابت' اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

اس مطالبہ میں عجیب وغریب بات یہ ہے۔کہتے ہیں کہ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سے دل گیر ہوئیں اور ان پر غصہ فرمایا۔اپنے وقت وفات تک ان سے کنارہ کش رہیں' ان کا غصہ فرمانا اور کنارہ کش ہونا کس بنا پر تھا۔اگر فرض کیا جائے کہ یہ حدیث حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں پہنچی تھی تو پہنچنے اور سننے کے بعد کیوں قبول نہ کیا۔مورخین کہتے ہیں کہ آپ کا رنجیدہ ہونا بحکم طبیعت تھا لیکن اس کا دوام واستمرار غرابت وندرت میں سے ہی ہے۔یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مرض وفات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں۔بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت کے زمانہ میں عیادت کیلئے گئے اور ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے۔حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ سے اجازت طلب فرماتے ہیں۔''سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟'' فرمایا ''ہاں'' تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت دیدی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اندر آئے۔اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کو رضامند کیا یہاں تک کہ وہ راضی ہوگئیں۔ایسا ہی کتاب الوفا میں ہے۔

ریاض النضرہ میں منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور ان سے معذرت چاہی۔پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوگئیں اور اوزاعی سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے بیان کیا کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سخت دھوپ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر آئے اور کہا کہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ان کے پاس آئے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راضی ہو جانے کی انہوں نے قسم دی۔ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہوگئیں۔ اسے شیخین نے کتاب الموافقہ میں روایت کیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ پر موجود نہ تھے اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ رات میں اٹھا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر نہ کی تھی کہ رات ہے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بلانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر روایتوں میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں حاضر ہونا اور ان کی نماز پڑھنا بھی آیا ہے۔ جیسا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر میں اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔ کتاب ''فصل الخطاب'' میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ سخت علیل تھیں۔ عیادت کیلئے حاضر ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان سے فرمایا ''یہ ابوبکر آئے ہیں اور دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اگر مرضی ہو تو آنے کی اجازت دیجئے کہ وہ اندر آجائیں'' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا ''کیا تمہارے نزدیک ان کے نہ آنے سے ان کا آنا زیادہ پسندیدہ ہے؟'' حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''ہاں'' اس کے بعد وہ آئے اور ان سے معذرت خواہی کی بات کی پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوگئیں۔

سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں مروی ہے کہ انہوں نے مغرب وعشاء کے درمیان وفات پائی تھی اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوئے۔ پھر جب جنازہ رکھا گیا تا کہ نماز پڑھی جائے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے آؤ''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آگے آؤں حالانکہ تم موجود ہو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں میں موجود ہوں لیکن تمہارے سوا کوئی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائے گا''۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ اس کے بعد رات میں انہیں دفن کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے ابھی اموال مذکورہ کو اسی نہج پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمس کرتے تھے دو سال تک تقسیم کیا اور خرچ کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان اموال کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ ان کی تولیت میں دیا کہ بر نہج مذکور تقسیم اور خرچ کرتے رہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ان میں باہمی نزاع پیدا ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا کہ ان کے درمیان تقسیم کر کے دے دیجئے اور درمیان میں شرکت نہ رکھئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کا اجتماع بلایا اور کہا کہ میں تمہیں اس خدائے عزوجل کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَآءِ لَانَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے اور نہ ہمارے مال کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ سب صدقہ ہے۔ تمام صحابہ نے کہا ''ہاں خدا کی قسم'' اس کے بعد کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال کو تقسیم فرماتے اور اسی مال میں سے سال بھر تک اپنی ازواجِ مطہرات کو نفقہ مرحمت فرماتے۔ جو بچ رہتا

اسے خدا کے مال کی جگہ دیتے' اسے اسلحۂ مسلمانوں کی صلاح وضروریات اور حوائج پر خرچ فرماتے تھے۔اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔اس مال پر قبضہ کر کے ویسا ہی عمل کرتے رہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے۔خدا جانتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس قول وعمل میں صادق یار رشد اور اپنا اتباع کرانے والے تھے۔اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ مقرر ہوا تو میں نے اس میں دوسال تک وہی عمل کیا جیسا کہ رسول اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے۔اس کے بعد تم دونوں آئے اور تم دونوں ایک تھے تمہارا کام مشترک تھا۔اس پر میں نے اس کو تمہارے سپرد کر دیا کہ ویسا ہی عمل کرو جیسا کہ دستور ہے۔میں نے تم سے خدا کا عہد لیا کہ ویسا ہی کرنا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔تو تم نے لے لیا اور خدا کا عہد کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔اب تم کہتے ہو کہ میں تم میں تقسیم کردوں۔ایسا ہرگز نہ ہوگا اور نہ میں اس پر تقسیم کا نام دوں گا۔اب اگر تم خوش نہیں رہتے اور ایسا عمل نہیں کر سکتے تو مجھے لوٹا دو کہ میں اس میں ویسا ہی کروں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے۔اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے قبضہ میں رہا۔پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلبہ پالیا۔پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا۔ان کے بعد حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا۔ان کے بعد علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور حسن بن حسین رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں اور دونوں تداول کرتے تھے۔ان کے بعد زید بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ برادر امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قبضہ میں رہا۔اس کے بعد مروان کے ہاتھ چڑھ گیا جو امیر تھا اور مروانیوں کے ہاتھوں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں پہنچا اور انہوں نے اس عدل وانصاف کے تحت جو ان میں تھا فرمایا کہ میں ایسے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لوں گا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منع فرمایا تھا اور اس میں میرا کوئی حق نہیں۔یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ حیات میں مانگا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا نہ فرمایا تھا۔اسی نہج پر اسے برقرار رکھا تھا واللہ اعلم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں ان کو ان پر لوٹاتا ہوں''اس باب میں اجمالاً یہ تذکرہ ہے اور اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی عدم میراث کا مبنیٰ ومدار ان کی حیات ہے۔خصوصاً سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ابدیہ اور میراث مردوں کی ہوتی ہے نہ کہ زندوں کی۔چونکہ سلسلہ کلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی طرف چل پڑا تو اب ہم اس کتاب کو اس سے مزین وآراستہ کرتے ہیں کیونکہ وفات اور دیگر احکام' غسل ودفن وغیرہ کی بحث گزر چکی ہے۔اور ان الفاظ کی نسبت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کی گئی حالانکہ آپ حقیقت باطنیہ میں سراپا اصل ومبدا حیات وبقائے بنی آدم بلکہ بقائے تمام اجزائے عالم ہیں مگر کیا کریں وقت کی ضرورت نے ان الفاظ کی نسبت کرنے پر مجبور کیا کیونکہ مقصد ومفہوم کی تعبیر وبیان میں بغیر ان الفاظ کے استعمال کیے چارہ ہی نہیں۔ہاں واقعہ یہ ہے کہ حسب ارشاد باری تعالیٰ۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور بحکم اجرائے سنت الٰہی جل وعلیٰ آپ کی ذات کے ساتھ موت کا مزہ چکھنا کہہ سکتے ہیں لیکن بعد از ذائقہ موت واقامت طریقہ عبودیت' حیات ہی حیات ہے اور اب بغیر اس حالت کے ذکر کیے جو کتابوں میں عام طور سے پڑھا اور لکھا جاتا ہے کہ لفظ میت کا اطلاق واسناد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہیں گراں ہے۔اگر اس کے سوا کسی اور طرح پر تعبیر وبیان کریں تو بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ امام مالک رحمۃ اللہ پر رحمت فرمائے جو درگاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص ہمسایوں میں سے ہیں۔وہ مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی

لیے استغفار کرتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چالیس روز کے بعد قبروں میں اپنے حال میں نہیں رہتے بلکہ خدا کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حال میں نفخہ صور واقع ہوگا۔ نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بکثرت احادیث صحیحہ سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسری وہ حدیثیں بیان کیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا واقع ہوا ہے۔

نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مبنیٰ اس پر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح مقدسہ کو ان پر لوٹا دیتا ہے اور بعد ازاں بحکم نص فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ صعق انہیں بھی لاحق ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صعق بہمہ وجوہ اور موت کے معانی میں ہو بلکہ اس حالت میں زیادہ سے زیادہ ذہاب شعور کے حق میں ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے ماتحت ہو کہ اس نے فرمایا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ مگر وہ جسے اللہ چاہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم صعق سے مستثنیٰ ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے حضور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔ اس لیے کہ تمہارا صلوٰۃ وسلام میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے حضور ہمارا صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے روپوش ہوں گے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حق تبارک وتعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے۔ اس فرمان والا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ حسیّ اور دنیاوی ہے۔ محض بقاء ارواح کے ساتھ نہیں ہے جس طرح کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھا جاتا ہے۔

صاحب تلخیص شافعیؒ نے فرمایا کہ جو مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں رہا ہے آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملک میں باقی ہے جس طرح کہ ظاہری حیات میں تھا اور وہ وارثوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جس طرح دیگر اموات میں ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا یہ قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کے موافق ہے جس پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی املاک کے بارے میں عمل کیا۔ (انتہیٰ)

صاحب تلخیص نے فرمایا کہ ''امام الحرمین سے تعجب ہے کہ خود تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَذَا نِسْوَةٍ وَمَاتَ وَهُوَ رَاضٍ عَنِ الْعَشِيْرَةِ۔ گویا وہ خود رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حیات النبی کا بھی اثبات کرتے ہیں۔ ایک شخص سے دو باتیں کیسی ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے وفات پائی پھر حق تعالیٰ نے آپ کو حیات دیدی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ ''شفاء السقام'' میں فرماتے ہیں کہ جسم کی طرف روح کا لوٹنا تو تمام اموات کیلئے ثابت ہے۔ مثلاً قبر میں، لیکن گفتگو تو بدن انسانی میں روح کے دائمی مستقر رہنے میں اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ روح بدن کے ساتھ زندہ ہو جائے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔ (انتہیٰ)

وہ دلائل جو حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتے ہیں ان کا اقتضاء حیات بدنی ہے جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ اس کے باوجود غذا سے بے نیاز اور عالم کے ان اسباب مادی سے مستغنی ہیں جن پر دنیاوی حیات کا دارومدار ہے۔ بایں ہمہ حق تبارک وتعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب مادی

لیے استغفار کرتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چالیس روز کے بعد قبروں میں اپنے حال میں نہیں رہتے بلکہ خدا کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حال میں نفخہ صور واقع ہوگا۔ نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بکثرت احادیث صحیحہ سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسری وہ حدیثیں بیان کیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا واقع ہوا ہے۔

نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مبنیٰ اس پر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح مقدسہ کو ان پر لوٹا دیتا ہے اور بعد ازاں بحکم نص فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ صعق انہیں بھی لاحق ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صعق بہمہ وجوہ اور موت کے معانی میں ہو بلکہ اس حالت میں زیادہ سے زیادہ ذہاب شعور کے حق میں ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے ماتحت ہو کہ اس نے فرمایا إِلَّا مَا شَآءَ اللهُ مگر وہ جسے اللہ چاہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم صعق سے مستثنیٰ ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے حضور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔ اس لیے کہ تمہارا صلوٰۃ وسلام میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے حضور ہمارا صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے روپوش ہوں گے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حق تبارک وتعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے۔ اس فرمان والا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ حسیّ اور دنیاوی ہے۔ محض بقاء ارواح کے ساتھ نہیں ہے جس طرح کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھا جاتا ہے۔

صاحب تلخیص شافعیؒ نے فرمایا کہ جو مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں رہا ہے آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملک میں باقی ہے جس طرح کہ ظاہری حیات میں تھا اور وہ وارثوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جس طرح دیگر اموات میں ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا یہ قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کے موافق ہے جس پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی املاک کے بارے میں عمل کیا۔ (انتہیٰ)

صاحب تلخیص نے فرمایا کہ ''امام الحرمین سے تعجب ہے کہ خود تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مَاتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَذَا نِسْوَةٍ وَمَاتَ وَهُوَ رَاضٍ عَنِ الْعَشِيْرَةِ۔ گویا وہ خود رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حیات النبی کا بھی اثبات کرتے ہیں۔ ایک شخص سے دو باتیں کیسی ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے وفات پائی پھر حق تعالیٰ نے آپ کو حیات دیدی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ ''شفاء السقام'' میں فرماتے ہیں کہ جسم کی طرف روح کا لوٹنا تو تمام اموات کیلئے ثابت ہے۔ مثلاً قبر میں' لیکن گفتگو تو بدن انسانی میں روح کے دائمی مستقر رہنے میں اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ روح بدن کے ساتھ زندہ ہو جائے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔ (انتہیٰ)

وہ دلائل جو حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتے ہیں ان کا اقتضاء حیات بدنی ہے جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ اس کے باوجود غذا سے بے نیاز اور عالم کے ان اسباب مادی سے مستغنی ہیں جن پر دنیاوی حیات کا دار و مدار ہے۔ بایں ہمہ حق تبارک وتعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب مادی

کے بھی زندہ رکھے اور بدن میں بعض احوال واعراض کا احداث وایجاد فرمادے کہ بعد امران کی طرف احتیاج والتفات باقی نہ رہے۔ جس طرح بعض اوقات عنایت فرح وسرور یا انتہائی رنج وغم کی حالت میں عرصہ تک کھانے پینے کی احتیاج نہیں پڑتی بلکہ یاد تک نہیں آتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدیث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوم وصال کے سلسلہ میں حدیث مبارک اَنَا عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور وہی مجھے پلاتا ہے۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں کافی ہے۔ خواہ اس ارشاد سے مرادِ حقیقۃً کھلانا اور پلانا ہو کہ جنت سے اس عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہو یا وہ ذوق وحضور مراد ہو جو اس حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوتا ہو۔

واضح رہنا چاہیے کہ حیات انبیاء علیہم السلام اور ان کیلئے اس صفت کے ثبوت اور اس پر مرتب ہونے والے احکام وآثار میں علماء میں سے کسی ایک کا اختلاف نہیں ہے۔ بجز اس بات کے کہ انبیاء کرام کا وجود گرامی قبروں میں ہو اور مخصوص اس بقعۂ طاہرہ ان کا تمکن و استقرار ہو۔ اس بات میں بعض علماء کلام کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ علاؤ الدین قونوی جو کہ شافعی علماء اور ارباب تصوف میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے حضور میں حیات ہیں۔ یہ حیات ایسی ہے جو اس ظاہری معروف حیات سے اشرف واکمل ہے۔ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کے ساتھ سمٰوات علیٰ میں سورۃ المنتہیٰ کے پاس جنۃ الماویٰ کے قریب موجود ہیں اور یہ حالت اس سے افضل واکمل ہے کہ آپ قبر انور میں مقیم ہوں۔ اگر چہ حدیث نبوی کے مقتضائے بموجب عام مومن کی قبر میں وسعت وکشادگی منتہائے نظر تک ہوتی ہے تو سرور انبیاء سیّد اہل صفا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور شریف کی جگہ کا کیا اندازہ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جنت اعلیٰ میں ہونا جس کا عرض آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ اکمل و اعلیٰ ہے اور یہ جو حدیث مبارک میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو چالیس دن کے بعد قبر انور میں نہیں رکھتے۔ اور یہ جو ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ تین دن کے بعد مجھے قبر انور میں رکھے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر انور میں اس حیات کے ساتھ مذکورہ مدت کے بعد قطعی طور پر اقامت گزیں نہ ہوسکیں گے۔ یہ قونوی کا کلام ہے اور ان کے کلام سے واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ان کا تردد استمرار حیات اور قبروں میں ان کا استقرار ہے۔ لیکن اصل مدعا جو ثبوت حیات حقیقی ہے وہ ان کے نزدیک مسلم ومقرر ہے۔ یہی قونوی اس تردد کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے اس کلام سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں سے التفات منقطع اور ان کا اس سے تعلق مرتفع ہوگیا ہے بلکہ ان کے اور ان کی قبروں کے درمیان خاص علاقہ‘ جو مستمر د غیر منقطع ہے۔ ثابت وبرقرار ہے کہ وہ اس جگہ کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں اور دوسری نئی جگہ کا ثبوت نہیں رکھتے۔

یہی حالت تمام مسلمانوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ہے کہ ایک خاص نسبت موجود رہتی ہے جس سے وہ زائروں کو پہچانتے ہیں۔ اس کی دلیل وہ حکم ہے جس میں تمام اوقات میں زیارت کرنے کا استحباب بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد امام بیہقی بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ”یہ تمام حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل قبور کیلئے ادراک وسماع حاصل ہے اور شک نہیں ہے کہ صفت سمع عرضی ہے جو حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان زندہ ہیں لیکن عام سلمانوں کی حیات‘ مرتبہ میں شہداء کی حیات سے کمتر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ شہداء کی حیات سے کامل تر ہے۔ (انتہیٰ)

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ بعد از اثبات حقیقی دنیاوی‘ اس کے بعد اگر کوئی کہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو ایسی حالت اور ایسی قدرت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں بذات خود تشریف لے جائیں یا مثالی صورت میں آسکتے ہیں...... خواہ آسمان پر یا زمین میں۔ خواہ قبر شریف میں یا کسی اور جگہ تو ایک صورت ہوتی مگر اس کے باوجود ہر حال میں خاص قبر انور کے ساتھ نسبت مروی ہے۔

جیسے کہ جب حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغیوں نے گھیرے میں لے لیا تو بعض اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے کہا کہ مصلحت اور مناسب یہی ہے کہ اہل شام کے ساتھ مل جایئے تاکہ اس بلاؤ محنت سے آپ نجات پائیں۔ آپ نے فرمایا میں جائز نہیں رکھتا کہ اپنے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) سے مفارقت کروں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت و ہمسائیگی کو چھوڑوں' یا جیسے حضرت سعید بن میسّب کا واقعہ حرہ کے زمانہ میں جبکہ تمام لوگ مسجد نبوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تین دن تک حجرہ مقدسہ کے اندر سے اذان کے سننے کا مشہور واقعہ ہے۔ اسی ثبوت میں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی قبر انور میں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ سلطان سعید نورالدین شہید کا واقعہ ہے جو ۵۵۷ھ میں پیش آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں رات میں تین مرتبہ دیکھنا سلطان کو خبردار فرمانا ہے کہ یہ دونوں نصرانی شرکاء ارادہ رکھتے ہیں جسے قبر انور کے ساتھ نسبت ہے اور ان خبیثوں کی صورت خواب میں سلطان کو دکھائی گئی۔ پھر سلطان ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا' ان دونوں ملعونوں کو پایا اور ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس کے بعد سلطان نے حجرہ شریفہ کے چاروں طرف خندق کھود کر اسے سیسہ سے بھر دیا۔ اس قصہ کو مدینہ منورہ کے تمام مورخوں نے مثلاً جمال الدین مطری مجدالدین فیروز آبادی اور ان کے سوا بکثرت علماء اعلام نے بیان کر کے تصریح فرمائی ہے۔ اب رہی قونوی کی وہ تفصیل و ترجیح جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قبر شریف میں اقامت گزیں ہونے پر بہشت اعلیٰ میں استمرار پردی ہے تو ان سب کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کی قبر جنت کے باغوں کا ایک باغ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف افضل ریاض جنت ہے اور ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر شریف میں سے ہی ایسے تصرف و نفوذ کی حالت ہوتی ہو کہ آسمان و زمین اور جنت ہر جگہ سے حجاب مرتفع ہو گئے ہوں۔ بغیر تجاوز و انتقال کے تصرف و نفوذ فرماتے ہوں اس لیے کہ امور آخرت اور احوال برزخ کو دنیا کے احوال پر جو کہ حدود و جہات سے مقید و تنگ ہے قیاس نہیں کر سکتے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا کون سا حصہ ایسا ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر شریف پر افضل قرار دیں۔ قبر شریف ہی تمام اماکن مقدسہ اور مقامات رفیعہ سے افضل ہے خواہ جنت ہو یا کوئی اور جگہ۔ اس کے بعد فرمایا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر انور کو عرش عظیم پر فضیلت دیں تو ہم نہیں جانتے کہ کسی مومن صادق کو اس میں توقف ہوگا کیونکہ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل شریف ہے۔ (واللہ اعلم)

باب اول

قسم پنجم

مدارج النبوۃ کے اس پانچویں حصہ میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد اطہار، ازواج مطہرات، غلامان بارگاہِ رسالت، اعمام وعمات، جدات، خرم، موالی وامراء، رسل وکتاب، عمال وشعرا، خطباء وموذنین، آلات حرب ودواب اور اسباب وغیرہ کا بیان ہے۔ اس قسم میں گیارہ باب ہیں۔

در ذکر اولاد کرام

واضح رہنا چاہیے کہ جن اولاد کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر تمام کا اتفاق بیان کیا گیا ہے۔ وہ چھ رسول زادے ہیں۔ دو فرزند ہیں حضرت قاسم، حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ سیّدہ زینب، سیّدہ رقیہ، سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان کے سواء میں اختلاف ہے اور بعض علماء طیب وطاہر کو بھی شمار کرتے ہیں لہٰذا کل آٹھ رسول زادے ہوئے۔ چار فرزند اور چار صاحبزادیاں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وقاسم رضی اللہ عنہ کے سوا ایک فرزند عبداللہ ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں صغر سنی کے عالم میں جہان سے رخصت ہوگئے۔ طیب وطاہر ان کا لقب ہے چونکہ یہ فرزند عہد اسلام میں متولد ہوئے اور اکثر علماء انساب کا مذہب یہی ہے اور دار قطنی نے کہا کہ یہ قول اثبت ہے لہٰذا کل سات رسول زادے ہوئے۔ تین فرزند اور چار صاحبزادیاں: اس مقام میں جو کچھ کہ مشہور ہے اور زبان زد عام ہے باتیں ہی باتیں ہیں۔

مواہب لدنیہ نے دار قطنی سے نقل کیا ہے کہ طیب وطاہر، عبداللہ کے سواء ہیں۔ اس بناپر صاحبزادگان کی تعداد پانچ ہوجاتی ہے اور کل تعداد نو ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ طیب ومطیب ایک حمل سے اور طیب وطاہر دوسرے حمل سے متولد ہوئے۔ اس قول کو صاحب صفوۃ نے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے کل تعداد گیارہ بن جاتی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک فرزند رسول متولد ہوا تھا اور اس کا نام عبد مناف رکھا گیا تھا۔ اس طرح کل تعداد بارہ ہوجاتی ہے۔ بجز عبد مناف کے سب کے سب عہد اسلام میں پیدا ہوئے اور ابن اسحٰق نے کہا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا سب کے سب فرزندان عہد اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور سب نے شیر خوارگی کے زمانہ میں وفات پائی۔

ایک دوسرے شخص کا قول گزر چکا ہے کہ عبداللہ بعد از نبوت پیدا ہوئے۔ اسی بناپر ان کا نام طیب وطاہر رکھا گیا۔ تمام اقوال سے آٹھ فرزندان رسول کی تعداد حاصل ہوئی جن میں سے دو فرزند حضرت قاسم وابراہیم متفق علیہ ہیں۔ چھ مختلف فیہ، عبد مناف، عبداللہ، طیب، مطیب، طاہر، مطہر۔ اصح یہ ہے کہ تین فرزند ہیں قاسم، ابراہیم، عبداللہ اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ یہ تمام اولاد کرام بجز حضرت ابراہیم کے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متولد ہوئے۔ هٰذَا كُلُّهُ فِي الْمَوَاهِبِ وَلَا يَخْلُوْا عَنْ غَرَابَةٍ۔

علماء نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اکبر اور ان کی ترتیب میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اکبر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد زینب رضی اللہ عنہا، ان کے بعد رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے بعد ابراہیم، ابن عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ صحیح یہی ہے۔ ولادت کی ترتیب بیان کردینے کے بعد اگر فرزندوں کو جدا اور صاحبزادیوں کو جدا جدا بیان کریں تو مناسب رہے گا۔

حضرت قاسم بن رسول: حضرت قاسمؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے فرزند ہیں جو قبل اظہار نبوت متولد ہوئے اور انہیں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ''ابوالقاسم'' مشہور ہوئی۔ یہ پاؤں چلنے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہونے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دو سال کی عمر تک زندہ رہے اور بعض نے سترہ مہینہ کہا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں یہی درست ہے ان کی وفات بھی قبل اظہار نبوت ہے۔ صاحب مواہب نے فرمایا کہ مستدرک میں ایسی روایت ہے جو عہد اسلام میں وفات پانے پر دلالت کرتی ہے اور یہ پہلے فرزند ہیں جس نے اولاد شریف میں سب سے پہلے وفات پائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن رسول: حضرت عبداللہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بعد ظہور اسلام عالم وجود میں تشریف لائے اور عہد طفولیت میں وفات پائی۔ جب عاص بن دائل سہمی جو عمر رضی اللہ عنہ بن العاص کا باپ تھا۔ اسے حضرت عبداللہ کے فوت ہونے کی خبر ملی اس سے پہلے حضرت قاسم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کی خبر سن چکا تھا۔ اس وقت اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندان رحلت کر گئے اور وہ ابتر (بے نسل) رہ گئے۔ ابتر کے لغوی معنیٰ دم بریدہ' بے فرزند' اور بے خبر ہونے کے ہیں۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور آپ پر عیب کنندہ اور آپ کا بدگو وہی ابتر ہے کیونکہ دنیا و آخرت میں کوئی اس کا نام نہ لے گا اور اگر کوئی اس کا نام لے گا بھی تو اس پر لعنت بھیجے گا اور آپ جیسے کو کوئی ابتر کہہ ہی نہیں سکتا کیونکہ دنیا و آخرت کی بھلائی آپ کو اس حد تک حاصل ہے جو حیطہ وصف و بیان سے باہر ہے اور سارا جہاں آپ کے اولاد فرزندوں سے بھر جائے گا اور وہ شرق و غرب ہر جگہ پھیلیں گے۔ یہاں تک کہ روز قیامت ہزار ہا مسلمان آپ کی تمام معنوی اولاد کی زیادت اور ان کے عقب میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (ہم نے آپ کو بہت کثرت دی) کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس میں کثرت و مبالغہ کے معنی ہیں اور تمام دنیا و آخرت کی بھلائیاں جن کی کنہ تک مخلوق کے علم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جو جس قدر بیان کرتا ہے وہ اس کے پہلو میں ایک مجمل حرف اور ایک دفتر اس سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ کوثر کی تعریف میں علماء کے اقوال و تاویل بہت ہیں جس کسی نے نور باطن کا جتنا حصہ پایا اس نے بیان کر دیا۔ نبوت' معجزات' شفاعت' معرفت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے تمام برکات و کمالات اور قیامت تک کے تمام کرامات سب اس لفظ کوثر میں داخل ہیں اور وہ حوض کوثر جو جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جائے گا اور جو اس سے پئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ وہ بھی اسی خیر کا ایک فرد ہے۔

حضرت ابراہیم بن رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت ابراہیم بن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضور اکرم کی آخری اولاد ہیں اور مدینہ طیبہ میں ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں متولد ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو بطور ہدیہ' مقوقس' بادشاہ اسکندریہ نے دیگر ہدایا کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا تھا۔ ان کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بندگان کے ضمن میں مذکور ہے اور مقوقس کے احوال' بادشاہوں اور حاکموں کے نام مکاتب بھیجنے کے سلسلہ میں ۶ ہجری کے واقعات میں مذکور ہو چکے ہیں۔ سلمٰی رضی اللہ عنہ زوجہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مولیٰ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قابلہ یعنی دایہ تھیں۔ سلمٰی رضی اللہ عنہ نے اپنے شوہر ابورافع رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند تولد ہوا ہے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں خبر پہنچائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مژدہ کے پہنچانے پر انہیں غلامی سے آزاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابا ابراہیم کی کنیت سے مخاطب کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش و مسرور ہوئے اور دو بھیڑوں کا عقیقہ فرمایا۔ ایک قول ہے کہ ایک بکری کا عقیقہ کیا' ان کے سر کو مونڈا گیا اور نام رکھا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے ہی دن ان کا نام رکھا گیا۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ''آج رات ایک فرزند پیدا ہوا ہے اس کا نام اپنے جدامجد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے'' سر کے بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے مسکینوں پر صدقہ فرمایا اور زمین میں سر کے بالوں کو دفن کیا۔اس کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کیلئے ام سیف رضی اللہ عنہا جو کہ ایک آہنگر کی بیوی تھی سپرد فرمایا۔ان کا نام ابوسیف رضی اللہ عنہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کیلئے ابوسیف کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے عیال پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہربانی فرماتے نہ دیکھا۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے عوالی میں دودھ پیتے تھے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تو ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہو جاتے ۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ان کو آغوش مبارک میں لے کر انہیں پیار کرتے اور ابوسیف بھٹی میں آگ جلاتے ہوتے اور ان کے گھر میں دھواں پڑتا ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے ان کے گھر تشریف لے جاتے تو میں پہلے جا کر انہیں خبر کر دیتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تا کہ وہ اپنا کام چھوڑ دیں۔عوالی مدینہ میں ہی سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہ کیلئے ایک گھر بنایا ہوا تھا اور آج اس جگہ کو موضع مشربہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نزع کے عالم میں ہیں ۔حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سرہانے پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جانکنی میں ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لیا اور اپنی آغوش میں لٹایا۔پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے ۔فرمایا:''اے ابراہیم رضی اللہ عنہ ہم تیری جدائی کے سبب غمگین ہیں میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے'اس کے سوا کوئی ایسی بات نہ فرمائی جس سے خدا سے ناراضگی ظاہر ہوئی ہو۔حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ستر دن کے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ایک روایت میں سولہ مہینہ آٹھ دن آئے ہیں اور بعض نے ایک سال دومہینہ اور چھ دن کہا ہے۔بعض تقریباً ڈیڑھ سال بتاتے ہیں۔اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ بھی روتے ہیں آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عوف کے فرزند! جس حالت کا تم نے مشاہدہ کیا ہے یہ میت پر رحمت وشفقت کا اظہار ہے جو کہ اس کی حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور میں نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ دو آوازوں کی بنا پر ہے۔ایک وہ آواز جو گانے'لہو ولعب اور شیطانی مزامیر سے ہو اور دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت ہو اور میں منع کرتا ہوں منہ نوچنے' چہرہ پیٹنے' کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے سے لیکن آنکھوں سے پانی جاری ہونا رحم وشفقت کی وجہ سے ہے۔ جو رحم وشفقت نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہ ہوگا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت اپنی والدہ سیرین رضی اللہ عنہا سے جو کہ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سرہانے موجود تھی۔تو یکا یک میں اور میری بہن ماریہ رضی اللہ عنہا فریاد کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا جب ان کی روح قبض ہو گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریاد کرنے سے ہمیں منع فرمایا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا۔انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم! میں نے حضور کو بھی تو گریہ کناں دیکھا ہے؟ فرمایا: اَلْبُكَاءُ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالصُّرَاخُ مِنَ الشَّيْطَانِ رونا رحمت ہے اور چیخنا چلانا شیطانی عمل ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ان کی دایہ نے غسل دیا اور ایک قول میں ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس نے غسل دیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے پانی ڈالا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے اس کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو چھوٹے تخت پر اٹھایا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ علماء اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ پڑھی ہو اور صحابہ کو حکم فرمایا ہو کہ وہ نماز پڑھ لیں۔ یا یہ مراد ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بقیع شریف میں دفن کیا گیا اور فرمایا کہ ''میں نے ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کے پاس دفن کیا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی چھڑکا گیا اور ان کی قبر پر نشان لگایا گیا۔ جس طرح کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر نشان لگا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود پتھر اٹھا کر لائے اور ان کی قبر پر رکھا۔ (الحدیث)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے روز سورج کو گہن لگا تھا اور ان کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ گہن' حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے لگا ہے چونکہ لوگ عام گمان رکھتے تھے کہ چاند وسورج کا گہن کسی عظیم موت یا حادثہ سے لگتا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چاند سورج خدا کی دو نشانیاں ہیں۔ ان کو کسی کے مرنے یا جینے سے گہن نہیں لگتا ہے''۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دو ایسی نشانیاں ہیں جن سے حق تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اس سے عبرت ونصیحت حاصل کریں۔ وہ صدقہ وخیرات دیں اور غلاموں کو آزاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں چونکہ یہ گہن چاند کی دسویں کو واقع ہوا تھا حالانکہ عام طور پر چاند کی اٹھائیس یا انتیس تاریخ کو گہن لگتا ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں کا گمان اس طرف ہوا کہ یہ ان کی وفات کی بنا پر لگا۔ اس حدیث میں منجموں کے قول کے بطلان پر دلیل ہے کیونکہ ان کے حساب کی رو سے آفتاب کو گہن' چاند کو اٹھائیس یا انتیس تاریخ سے پہلے ممکن نہیں ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن فرمایا ''اگر وہ جیتا تو میں اس کی ماں کے تمام اقربا کو آزاد کر دیتا اور تمام قبطیوں سے جزیہ موقوف کر دیتا'' صحاح میں حدیثیں ثبوت کو پہنچی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ میرے فرزند کی وفات' مدت رضاعت پوری کیے بغیر دنیا سے ہوئی ہے اور ان کیلئے ایک دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ہے تاکہ مدت رضاعت پوری کرے۔ ممکن ہے کہ جنت سے مراد عالم برزخ ہو یا وہ فوراً اس وقت جنت میں لے جائے گئے ہوں۔ مرضعہ کی تخلیق اور اتمام مدت رضاعت میں حکمت' علم رسالت کے ساتھ موقوف ہے۔ بعض مشائخ جو اس کے قائل ہیں کہ ''مرنے کے بعد بھی ترقی ہوتی ہے'' ان کا تمسک اسی حدیث کے ساتھ ہے جو کسی کو پورا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بندہ یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کا قائل ہے اور اسی حدیث سے تمسک کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو قرآن کریم کے حفظ میں کوشش کرتا ہے اور وہ تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گزر جاتا ہے تو حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی قبر میں ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس کے حفظ کو مکمل کراتا ہے۔ یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ ظاہر ہے اور سمجھنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کتنے پردے اٹھتے ہیں اور کیسی کچھ نعمتیں منکشف ومشہود ہوتی ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کیا ترقی ہوگی۔ سالک کو اگر عالم غیب سے کوئی چیز منکشف ہوتی ہے تو وہ کتنا

خوش اور مسرور ہوتا ہے اور اس وقت تو سراسر تمام انوار و اسرار ہی ظاہر و روشن ہو جاتے ہیں تو اس خوشی کا کیا حال ہوگا اگر کوئی کہے کہ اس جگہ ترقی سے مراد سلوک کا تمام کرنا مراد ہے جو زوال ظلمات اور صفات بشریہ کی فنا سے تعبیر ہے اور یہ بات تو دنیا میں حاصل نہیں ہوئی اور محقق نہ ہوا؟ تعجب ہے کہ عالم غیب کے ظہور انوار اور بروز اسرار کے باوجود بھی وہ ظلمات اور صفات بشریہ زائل نہ ہوں اور ان سے پاک نہ ہو اور اگر کوئی یہ کہے کہ سلوک کو دنیا میں ہی مکمل کرنا چاہیے اور وہاں بغیر سلوک کی تکمیل کے جانا فائدہ نہیں دیتا؟ اگر یہ بات درست بھی ہو تو یہ عالم آخرت سے متعلق ہوگی حالانکہ عالم برزخ کا حکم اور ہے۔ حضرت شیخ ابن عربی اپنے بعض رسائل میں اس مدعا کے اثبات میں فرماتے ہیں کہ حضرت سہیل تستری قدس سرہ کو میں نے پایا کہ وہ کسی مسئلہ میں ایسا حکم و اعتقاد رکھتے تھے جو میرے علم کے خلاف تھا۔ اس کے بعد میں نے ان کو اس کی تعلیم و تلقین کی اور حضرت سہیل تستری قدس سرہ کیلئے اس علم کا حصول داخل ترقی ہوا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

جاننا چاہیے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ نَبِيًّا اگر ابراہیم زندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے۔

روضۃ الاحباب میں اسے اسی طرح نقل کر کے کہا ہے کہ یہ جو سلف سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت صغر میں وفات پائی اور اگر جیتے رہتے تو نبی ہوتے' صحت کو نہیں پہنچی ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ علم غیب پر جرات و دلیری ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ اس بات کا کیا مطلب ہے حضرت نوح علیہ السلام کے کئی فرزند تھے مگر نبی نہ ہوئے (انتہیٰ) ظاہر ہے کہ یہ قول بعض سلف سے مروی ہے لیکن اس کا رفع حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح نہیں ہے اور جب اس کا رفع حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نا قابل اعتبار ہے اور علم غیب پر جرات کرتا ہے اس کے بعد اس کا محال ہونا ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے۔

مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا:

لَوْ بَقِيَ يَعْنِيْ اِبْرَاهِيْمَ بْنَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَانَ نَبِيًّا لٰكِنَّهٗ لَمْ يَبْقَ لِاَنَّ نَبِيَّكُمْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَآءِ اَخْرَجَهٗ اَبُوْ عُمَرَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک نے فرمایا اگر حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہتے تو یقیناً نبی ہوتے لیکن اللہ نے ان کو باقی نہ رکھا اس لیے کہ تمہارے نبی الآ خر الانبیاء ہیں اور صاحب مواہب نے طبری سے نقل کیا ہے کہ فرمایا اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمایا مگر حضور علیہ السلام سے سن کر وہی جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ یہ لازم نہیں ہے کہ نبی کا فرزند بھی نبی ہو۔ اس دلیل سے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نبی نہ تھے۔ امام نووی سے بھی منقول ہے کہ یہ حدیث بعض متقدمین سے روایت کی گئی ہے لیکن باطل ہے اور مغیبات کے اندر کلام کرنے میں جسارت اور امر عظیم پر لوگوں کو ورغلانا ہے۔ شیخ سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ میں ابن عبدالبر کے قول کی مانند کہا ہے اور شیخ ابن حجر نے کلام امام نووی کے بعد فرمایا کہ یہ کلام عجیب ہے باوجود یہ کہ یہ تین طریقوں سے وارد ہے۔ اور فرمایا گویا ان کو اس کی وجہ اور تاویل ظاہر نہ ہوئی اس بنا پر انہوں نے انکار کی طرف رخ کیا جو کچھ بھی انہوں نے کہا شیخ سخاوی نے ان تین طریقوں کو بیان کیا ہے ایک یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز پڑھی اور فرمایا کہ ان کیلئے جنت میں دودھ پلانے والی مقرر ہے اگر وہ جیتے تو صدیق د نبی ہوتے۔ اس حدیث کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی ہے اور وہ ضعیف ہے اور اسی سند کے ساتھ ابن مندہ نے کتاب المعرفۃ میں روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔ دوسرا

طریقہ یہ ہے کہ ابراہیم شدوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم نے آغوش میں وفات پائی اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے (الحدیث) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بخاری تک جو اس کی سند ہے یہ ہے کہ محمد بن بشیر نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے کہا کہ میں نے عبداللہ بن ابی اولیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے حضرت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ صغرسنی میں فوت ہوئے اگر یہ بات مقدر کی گئی ہوئی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہوتا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند فوت نہ ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں اگرچہ ضعیف و غریب ہوں اور ایسا نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''بعض سلف سے کہا گیا ہے اور یہ کہ بعض متقدمین نے ایسا کہا ہے اور باطل اور یہ جسارت اور علم غیب پر جرات ہے۔'' البتہ اس حدیث میں دشواری و اعتراض دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت نہیں ہے تو اس کا کیا مطلب ہوا کہ اگر ابراہیم جیتے تو نبی ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ' صدق طرفین اور ان کے وقوع کو مستلزم نہیں ہے جس طرح کہ کہتے ہیں کہ اگر عنقا موجود ہوتا تو ایسا ایسا ہوتا اور اگر زید گدھا ہوتا تو ناحق ہوتا۔ اسی طرح اگر زندہ ہوتے تو نبی ہوتے لیکن زندہ نہ رہے تو نبی نہ ہوئے اور دوسرا اشکال ملازمت کا ہے تو اس کی توجیہہ یہ ہے کہ مقصود' حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے شان کی مدح و برتری اور ان کے استعداد کے کمال کا اظہار ہے کہ اگر وہ جیتے اور باب نبوت بند نہ ہوتا تو ان میں شان و استعداد ایسی تھی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے فرزندوں میں نہ تھی۔ (نافہم واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)

دختران سیّدِ عالم

وصل: سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں بقول اکثر علماء سب سے بڑی دختر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور یہی صحیح ہے' صاحب مواہب نے کہا کہ مگر کسائی کے نزدیک ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کہا کہ اختلاف ان میں اور حضرت قاسم میں ہے کہ کون پہلے پیدا ہوا۔ ابن اسحٰق کے نزدیک یہ ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر کی ولادت ۳۰ میں (جو کہ واقعہ فیل سے بھی ہے) پیدا ہوئیں اور اسلام میں داخل ہوئیں اور ہجرت کی اور ان کا نکاح' ان کی خالہ کے فرزند کے ساتھ کیا گیا تھا جن کا نام ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن الربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدالشمس عبد مناف ہے اور ابوالعاص کی ماں ہند بنت خویلد' سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کی بہن ایک ماں باپ سے تھی اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ مشہور اپنی کنیت کے ساتھ ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے۔ لفیظ ہے یا مقسم یا قسم یا یاسر اور ابن عبدالبر نے کہا کہ اکثر کے نزدیک قول اول درست ہے یعنی لفیظ نام ہے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی اور ان کو شرک میں مبتلا چھوڑ دیا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ مکہ اور مدینہ کے درمیان اسلام لائے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی نکاح میں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے سپرد فرما دیا بعض کہتے ہیں کہ نکاح جدید کے ساتھ سپرد کیا اس کا مجمل قصہ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ بدر کے قیدیوں میں داخل تھے۔ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی آزادی کیلئے فدیہ بھیجا تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کے گلے میں لٹکا رہتا تھا جسے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عقد کے وقت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جہیز میں دیا تھا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو ملاحظہ فرمایا تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صحبت کا زمانہ یاد آ گیا اور سخت رقت طاری ہوگئی۔ صحابہ سے فرمایا اگر تم دیکھو کہ رہا کرو تم اسیر زینب رضی اللہ عنہا کو اور لوٹا دو تم فدیہ کے مال کو تم جانو تو ایسا کر لو۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسا ہی کریں گے جس میں آپ کی مرضی مبارک ہوگی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضورِ اکرم کی طرف بھیج دیں گے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اسے مان لیا۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ایک اور انصاری شخص کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے آئیں اور فرمایا مکہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناجج کے بطن میں ٹھہرنا۔ یہ ایک موضع کا نام ہے جو مکہ کے باہر ہے مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ہے جہاں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ نے فرمایا جب وہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو تمہارے حوالہ کر دیں تو ان کے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ جانا اس واقعہ کے ڈھائی سال بعد ابوالعاص رضی اللہ عنہ ایک تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر آئے۔ ان کے ساتھ مکہ والوں کا مال تجارت تھا۔ اس تجارتی قافلہ کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے جب انہوں نے قافلہ پر قابو پالیا تو چاہا کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے مال پر قبضہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ یہ خبر جب سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کو پہنچی تو انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کسی مسلمان کو کسی عہد و آمان میں لینے کا حق نہیں ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں ہے۔'' سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گواہ رہیئے کہ میں نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو امان دیدی ہے جب صحابہ کرام اس صورت حال سے باخبر ہوئے تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور ان کے مال سے دست تعرض کھینچ لیا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ مشرکوں کا یہ تمام مال تمہارے لیے غنیمت ہو جائے ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں شرم کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس ناپاک مال سے پلید کروں۔ اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور اس مال کو ان کے مالکوں کے سپرد کر دیا اور فرمایا اے مکہ والو! آیا میں نے تمہیں تمہارا مال پہنچا دیا تم مجھے اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم گواہ رہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح سابق یا نکاح جدید کے ساتھ ان کے سپرد فرمایا۔ اس جگہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زن و شوہر میں سے کسی کے اسلام لانے پر نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ان کے ساتھ بہت زیادہ شفقت و عنایت فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ابوجہل کی بیٹی آئی جو بہت حسین و جمیل تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چاہا کہ اس سے نکاح فرمائیں۔ جب یہ خبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا۔ اس میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور فرمایا اگر علی مرتضیٰ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو طلاق دیدیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی بیٹی کو اپنے اور اپنے دشمن کی بیٹی کو ایک جگہ جمع کرنا نہیں چاہتا جب امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ نے یہ سنا تو حاضر ہو کر معذرت خواہی کرنے لگے اور عرض کیا یارسول اللہ! نہ میں نے یہ چاہا اور نہ اس سے اس بارے میں کوئی بات کی ہے لوگ ایسا چاہتے تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا میرا جگر گوشہ ہے مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے ساتھ میری محبت میں کوئی خلل واقع ہو۔

سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ایک فرزند تھا جس کا نام علی تھا اور ایک دختر تھی جس کا نام امامہ تھا یہ علی لا بن ابی العاص رضی اللہ عنہ حد بلوغ کے قریب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز فتح مکہ اپنی سواری پر ان کو اپنا ردیف بنایا تھا اور امامہ سے بہت پیار فرماتے تھے جیسا کہ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور امامہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دوش مبارک پر بٹھائے ہوئے تھے جب رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر اتار دیتے اور سجدے سے

سر مبارک اٹھا کر قیام کی طرف جاتے تو اسے اٹھا کر دوش مبارک پر بٹھا لیتے...... شارحین حدیث اس جگہ کلام کرتے ہیں کہ یہ اٹھانا اور زمین پر اتارنا فعل کثیر تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیسے جائز رکھا جواب میں فرماتے ہیں کہ امامہ رضی اللہ عنہا خود آ کر بیٹھیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل و اختیار نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے بموجب امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ''محمد اوسط'' پیدا ہوئے اور محمد اکبر اور محمد اصغر بھی اولادِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سے ہیں اور محمد اکبر محمد بن حنیفہ ہیں اور محمد اصغر ان کی والدہ ام ولد ہیں جو کہ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں ۸ ھ میں واقع ہوئی اور سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعۂ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اُم عطیہ رضی اللہ عنہا انصاریہ نے ان کو غسل دیا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یا تو مراد سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا زوجہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کہا جس وقت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا ان کو غسل دو (الحدیث) یا اس سے مراد سیّدہ ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ابن ماجہ میں باسناد برشرط شیخین مروی ہے۔ (واللہ اعلم)

متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا اس سے زیادہ ایک روایت میں سات مرتبہ آیا ہے اس سے مقصود اختیار دینا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر تین مرتبہ سے نظافت و پاکیزگی حاصل ہو جائے تو یہی مشروع ہے ورنہ اس سے زیادہ مرتبہ کریں یہاں تک کہ نظافت حاصل ہو جائے۔ واجب ایک مرتبہ ہے اور روایت جو یہ ہے کہ ''یا اس سے زیادہ'' اسی معنی کی تائید میں ہے مگر یہ کہ کسی خاص رعایت کی طرف اشارہ ہو نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خالص پانی اور بیری کے پتے ملے ہوئے پانی سے غسل دو اور آخری مرتبہ میں کافور ملو۔ ایک روایت میں مشک بھی آیا ہے تو جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو اے عورتو! مجھے خبر کر دینا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کی راوی ہیں فرماتی ہیں کہ جب ہم غسل سے فارغ ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہہ بند بھیجا کہ اس سے ان کو کفن دو جو جسم سے پیوست ہو۔ اس حدیث سے صالحین کے تبرکات سے تبرک لینے کا استحباب ثابت ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ اور داہنی جانب اور مواضع وضو سے ابتدا کرو۔ اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین لٹیں بنائیں اور ان کو پسِ پشت ڈالا اور تجہیز و تکفین کے بعد نماز ہوئی اور دفن کر دیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو قبر میں اتارا (رضی اللہ عنہا)

رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی ولادت واقعہ فیل سے تینتیسویں برس میں ہے اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت کے تین سال بعد ولادت ہے۔ زبیر بن بکاء وغیرہ نے کہا کہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں اس قول کی تصحیح جرجانی ورنسابہ کی ایک

جماعت نے کی ہے مگر اصح وہی ہے جس پر اکثر اہل سیر ہیں وہ یہ کہ سیّدہ زینب سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا عہد نبوت سے پہلے عتبہ بن ابی الھب کی زوجیت میں تھیں اور ان کی بہن سیّدہ ام کلثوم اس عتبہ کے بھائی عتیبہ کی زوجیت میں تھیں ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے اکثر کتابوں اور اجمع الاصول میں اول عتبہ بصیغۂ بکسر اور ثانی عتیبہ بصیغہ مصغر آیا ہے اور روضۃ الاحباب میں اس کے برعکس مروی ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہی اکثر کتابوں میں ہے اس لیے کہ عتیبہ کا مسلمان ہو کر مقبول الاسلام بن کر صحابہ کی گنتی میں شمار ہوا ہے اور وہ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا قصہ ہے جس کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا مستجاب ہوئی اور اسے شیر نے پھاڑ کر قتل کیا وہ اس کا بھائی عتبہ (باتفاق) بہرحال جب سورہ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولھب نے عتبہ سے کہا او عتبہ تیرا سر حرام ہے۔ مطلب یہ کہ تجھ سے بیزار ہوں اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو اپنے سے جدا نہ کرے۔ اس پر اس نے جدائی کر لی اور علیحدہ ہو گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیّدہ زینب کو جدا کر دینے پر ابھارا۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم میں ہرگز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو جدا نہ کروں گا اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان کے عوض قریش کی کوئی اور عورت ہو۔

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ دو ہجرتیں فرمائیں۔ ایک حبشہ کی طرف دوسری حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی طرف ہجرت کی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ' حسن رفیع اور جمال کریم کے مالک تھے دولابی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سیّدہ رقیہ کے ساتھ نکاح زمانہ جاہلیت میں ہوا تھا مگر اور تمام اہل سیر نے بعد اسلام بیان کیا ہے۔

منقول ہے کہ جب سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو عورتیں روتی تھیں مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ سیّدہ فاطمہ زہرا' سیّدہ رقیہ کی قبر کے سرہانے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھی ہوئی روتی تھیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک کے کنارہ سے ان کی چشم پوشی مبارک سے آنسو پوچھتے تھے اس کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیّدہ رقیہ کی تعزیت کی گئی تو فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دَفْنُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَكْرُمَاتِ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت پر رونا رحمت و رقت کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ میت کے فقدان یعنی رخصت ہو جانے کی وجہ سے کیونکہ یہ تو تقدیر الٰہی سے واقع ہوتا ہے۔ یہ سب روایتیں اس تقدیر پر ہیں جبکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ رقیہ کی وفات کے وقت موجود ہوں لیکن صورت یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے وقت بدر میں تشریف فرما تھے جیسا کہ مشہور ہے لہٰذا غالب گمان یہ ہے کہ یہ واقعات سیّدہ زینب یا سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے متعلق ہوں گے اور راوی نے وہم کی بنا پر سیّدہ رقیہ کا نام لے لیا ہوگا اور اگر یہ واقعۃً ثابت ہو جائے کہ یہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے واقعات ہیں تو ہم کہیں گے کہ ممکن ہے کہ غزوہ بدر کی واپسی کے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ رقیہ کی قبر انور پر تشریف لائے ہوں اس وقت یہ واقعات رونما ہوئے ہوں۔ (واللہ اعلم) اگرچہ ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے دنوں کے نزدیکی زمانہ میں تشریف لائے۔

سیّدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں جو عتبہ بن ابولھب کی زوجیت میں تھیں اہل سیر کہتے ہیں ان کا اپنا نام معلوم نہ ہو سکا بعض لوگ آمنہ بتاتے ہیں۔ منقول

ہے کہ عتبہ نے جب سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے جدائی کی تو وہ بارگاہِ رسالت میں آیا اور کہنے لگا میں کافر ہوا آپ کے دین سے اور نہ آپ کا دین مجھے محبوب ہے اور نہ آپ ہی مجھے پیارے ہیں اور اس بدبخت نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادتی کی اور آپ کی قمیض مبارک کو چاک کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں نے کہا: هُوَ يَكْفُرُ بِالَّذِيْ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ظاہر ہے کہ اس نے یہ الفاظ سورہ والنجم سے حاصل کیے چونکہ مکہ مکرمہ میں ان دنوں یہ سورہ مبارکہ نازل ہوگئی تھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس ملعون نے اتنی گستاخی کی کہ اس نے اس ناپاک منہ کا تھوک حضورِ اکرم کی جانب پھینکا کہا کہ میں نے رقیہ کو طلاق دیدی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ اے خدا اس ملعون پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب اس وقت مجلس میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تجھے کونسی چیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے تیر سے بچا سکے گی۔ یہ ملعون تجارت کی غرض سے شام کی طرف جا رہا تھا راہ میں جب اس نے ایک ایسی منزل میں پڑاؤ ڈالا جہاں درندے تھے تو ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا آج کی رات تم سب ہماری مدد کرو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میرے بیٹے کے حق میں آج کی رات اثر کرے اس پر سب نے اپنے بوجھوں کو اکٹھا کیا اور نیچے اوپر کر کے چنا اور ان بوجھوں کے اوپر عتبہ کے سونے کیلئے جگہ بنائی اور اس کے چاروں طرف گھیرا ڈال کے بیٹھ گئے اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط کیا ایک شیر آیا اور اس نے ایک ایک کے منہ کو سونگھا اور کسی سے اس نے تعرض نہ کیا پھر اس نے جست لگائی اور عتبہ پر پنجہ مارا اور اس کے سینے کو پھاڑ ڈالا ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کی گردن کو دبوچا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ہجرت کے تیسرے سال حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے تزوج فرما دیا اور فرمایا یہ جبریل علیہ السلام کھڑے مجھے خبر دے رہے ہیں کہ حق تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میں ان کو تمہارے حبالہ عقد میں دیدوں۔

سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے نویں سال وفات پائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی وران کی قبر انور کے پاس بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔ اس پر حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہوں فرمایا ان کی قبر میں اترو'' بعض شارحین نے کہا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تعرض تھا کیونکہ انہوں نے اس رات اپنی باندی سے جماع کیا تھا بایں سبب کہ سیّدہ ام کلثوم کی علالت نے طول کھینچا تھا جب وہ بے طاقت ہوگئے تو اپنی باندی کے پاس گئے اور جماع کیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ ام کلثوم کی وفات کے بعد حضرت عثمان نے فرمایا ''اگر میرے پاس تیسری صاحبزادی ہوتی تو اسے بھی تمہارے نکاح میں لے آتا ایک روایت میں ہے کہ اگر دس صاحبزادیاں ہوتیں تو میں ان کو یکے بعد دیگرے دیتا جاتا اور وفات پاتی رہتیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ام کلثوم عرصہ تک حضرت ذوالنورین کی زوجیت میں رہیں لیکن ان سے کوئی فرزند نہ ہوا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دو فرزند متولد ہوئے لیکن زندہ نہ رہے۔ نیز سیّدہ رقیہ سے بھی کوئی فرزند زندہ نہ رہا چنانچہ پہلی ہجرت بجانب حبشہ میں ان کا حمل ساقط ہوا اس کے بعد ایک اور فرزند پیدا ہوا جب وہ دو سال کا ہوا تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری اور وہ فوت ہوگئے لہٰذا حضرت عثمان کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سے کوئی فرزند زندہ نہ رہا دوسری بیویوں سے اولاد پیدا ہوئی جو باقی وزندہ رہیں (واللہ اعلم)

سیّدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی سیّدہ فاطمۃ الزہرا ہیں۔ سیّدہ فاطمہ کی پیدائش ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قول ابوبکر رازی کا ہے اور یہ قول اس کے مخالف ہے جسے ابن اسحاق نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد اظہار نبوت سے قبل پیدا ہوئی ہیں بجز حضرت ابراہیم کے۔ اس لیے کہ اس قول کے بموجب سیّدہ فاطمہ کی ولادت بعد از نبوت ایک سال بعد ہوئی ہے۔

ابن جوزی نے کہا کہ سیّدہ فاطمہ کی ولادت اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے۔ مشہور تر روایت یہی ہے ایک قول کے بموجب سیّدہ فاطمہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور ایک قول سے سیّدہ رقیہ اور ایک قول سے ام کلثوم سب سے چھوٹی تھیں۔

سیّدہ زہرا، سیدۃ نساء العالمین اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں اور فاطمہ اس بنا پر نام رکھا گیا کہ حق تعالیٰ نے ان کو اور ان کے محبین کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا ہے اور بتول اس بنا پر نام رکھا گیا کہ آپ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے فضیلت، دین اور حسن و جمال میں جدا ہیں اور ماسوی اللہ سے بے نیاز ہیں اور زہرا اس بنا پر کہ زہرت بہجت اور جمال میں کمال و مرتبہ میں ہیں اور زکیہ و راضیہ بھی آپ کا لقب ہے سیّدہ زہرا تمام لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ و روش اور صورت و سیرت اور کلام میں سب سے زیادہ مشابہ تھیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب سیّدہ فاطمہ آتیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ تھام لیتے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے۔ اسی طرح جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھڑی ہو جاتیں اور آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتیں اور اپنی جگہ حضور کو بٹھاتیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ہجرت کے دوسرے سال رمضان مبارک میں غزوۂ بدر کی واپسی پر فرمایا بعض غزوہ احد کے بعد کہتے ہیں اور ماہ ذی الحجہ میں شب عروسی واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ماہ رجب میں نکاح ہوا اور ایک قول سے ماہ صفر میں۔ انعقاد نکاح بحکم الٰہی اور اس کی وحی سے تھا اور سیّدہ کی عمر شریف پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ کی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ کی عمر شریف اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ دیگر اقوال بھی ہیں۔ نکاح کا قصہ ہجرت کے دوسرے سال کے واقعات میں بیان ہو چکا ہے۔ سیّدہ فاطمہ سے امام حسن، امام حسین، محسن، زینب، ام کلثوم اور رقیہ پیدا ہوئے۔ محسن اور رقیہ عہد طفولیت میں ہی وفات پا گئے اور سیّدہ زینب، حضرت عبداللہ بن جعفر سے اور سیّدہ ام کلثوم حضرت عمر بن الخطاب کی زوجیت میں آئیں و اران کی اولاد باقی نہ رہی اگرچہ سیّدہ ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم سے ایک فرزند پیدا ہوا اور اس کا نام زید تھا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدُ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اور یہ روایت درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّي مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِي وَمَنْ اَبْغَضَهَا فَقَدْ اَبْغَضِيْ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے ان سے بغض رکھا بلاشبہ اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ نیز فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَغْضَبُ بِغَضَبِ فَاطِمَةَ وَ يَرْضٰى بِرِضَاهَا بے شک اللہ فاطمہ کے غصہ سے غضب فرماتا اور ان کی رضا سے خوش ہوتا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور فاطمہ کو ایک فرش پر بٹھا کر دونوں کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو وہ مجھ سے زیادہ پیاری ہیں یا میں؟'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مجھے تم سے زیادہ پیاری ہیں اور تم ان سے زیادہ مجھے پیارے ہو۔''

سیّدہ عائشہ کی یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ فرمایا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف فرما تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس پر اونی چادر شریف تھی۔ حسن بن علی آئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر شریف میں لے لیا ان کے بعد حسین بن علی آئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی چادر شریف میں لے لیا اور ان کے بعد سیّدہ فاطمہ اور حضرت علی مرتضیٰ آئے حضورِ اکرم نے ان کو بھی اپنی چادر شریف میں لے لیا اس وقت یہ آیہ کریمہ پڑھی: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ناپاکی کو دور فرمائے اور تمہیں خوب پاک وستھرا بنائے اور ان چاروں شخصوں کے بارے میں فرمایا میں اس سے جنگ کروں گا جو ان سے جنگ کرے گا اور میں ان سے صلح کروں گا جو ان سے صلح کرے گا ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور ملاحظہ فرمایا کہ آپ اونٹ کے بالوں کا موٹا لباس پہنے بیٹھی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا: ''اے فاطمہ! آج تم دنیا کی تنگی وسختی پر صبر کرو تاکہ کل روز قیامت جنت کی نعمتیں تمہیں حاصل ہوں۔ مروی ہے کہ ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک سیّدہ فاطمہ کے سینہ مبارک پر رکھ کر دعا مانگی اے خدا ان کو بھوک کی تکلیف سے نجات دے۔ سیّدہ فاطمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد سے میں نے کبھی اپنے دل میں بھوک کی تکلیف محسوس نہ کی۔ حدیث میں اس کا طویل قصہ مذکور ہے۔

حضرت ثوبان مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب کے آخر میں سیّدہ زہرا سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے اپنے اہل بیت میں سے ان سے ملاقات فرماتے ان کے بعد ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محدثین روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آدمیوں میں سے کون حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا تھا فرمایا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے شوہر یہ ہے حضرت صدیقہ کا انصاف' صدق حال اور اہل بیت نبوت کے ساتھ ان کی مصادقت اسے یاد رکھنا چاہیے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آدمیوں میں سے کون رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارا تھا؟ فرمایا عائشہ! لوگوں نے پوچھا مردوں سے کون؟ فرمایا ان کے والد ماجد سب سے زیادہ محبوب تھے۔ سب ہی محبوب تھے لیکن حیثیتیں مختلف ہیں۔

امام حسن مجتبیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے کہ وہ گھر کی مسجد کے محراب میں رات رات بھر نماز میں مشغول رہتیں یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی اور میں نے انہیں مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کے حق میں بہت زیادہ دعا کرتے سنا۔ انہوں نے اپنی ذات کیلئے کوئی دعا نہ مانگی میں نے عرض کیا: اے مادر مہربان! کیا سبب ہے کہ آپ اپنے لیے کوئی دعا نہیں مانگتیں؟ فرمایا: ''اے فرزند! اول الجوار ثم الدار'' پہلے ہمسایہ ہیں پھر گھر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ ایک دن سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے ان سے کہا خدا کی قسم فاطمہ رضی اللہ عنہا! میں نے کسی کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب نہ دیکھا اور قسم ہے خدا کی میں نے آپ کے والد ماجد کے بعد کسی شخص کو اپنے نزدیک آپ سے زیادہ محبوب نہ جانا۔

اہل بیت اطہار کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں کچھ تو مجمل' بعنوان اہل بیت ہیں اور کچھ مخصوص بہ امام حسن وحسین اور علی وفاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں چونکہ اس جگہ مقصود سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اہل بیت اطہار اور تفسیر آیہ کریمہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ کے معنی میں کلام بہت ہے جسے دوسری جگہوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا

ہے وہیں دیکھنا چاہیے۔(وباللہ التوفیق)

وفات سیّدہ زہرا رضی اللہ عنہا: فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ تیسری ماہ رمضان ۱۱ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی یہی قول مشہور وصحیح ہے اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجہ صحت سے دور ہیں اور بقیع شریف میں رات میں مدفون ہوئیں۔ان کی نماز جنازہ ایک قول سے حضرت علی اور ایک قول سے حضرت عباس نے پڑھی کہتے ہیں کہ دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت علی مرتضیٰ سے شکایت کی کہ ہمیں کیوں نہ خبر کی ہم بھی نماز کا شرف پاتے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے عذر خواہی میں فرمایا میں نے فاطمہ کی وصیت کی بنا پر ایسا کیا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ تو رات میں دفن کرنا تاکہ نامحرموں کی آنکھیں میرے جنازہ پر نہ پڑیں لوگوں میں یہی مشہور ہے مگر روضۃ الاحباب وغیرہ میں یہ ہے اور روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن عفان وعبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بھی آئے اور یہ ذکر پہلے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ضمن میں آخر میں کیا جا چکا ہے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محل دفن میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ آپ کا مرقد بقیع میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبہ میں ہے جہاں تمام اہل بیت نبوت آسودہ ہیں (اور بقیع کے تمام مزارات اور قبوں کو ملعون نجدیوں نے اپنے دور استبداد ۱۳۴۳ھ میں شہید کر دیا ہے (مترجم) اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ان کا مدفن ان کے گھر میں ہی ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہے ان کا جنازہ گھر سے باہر نہ نکالا گیا آج بھی ان کی زیارت وہیں مشہور ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا مزار شریف بقیع کی مسجد میں ہے جو قبہ عباسی کے نام سے منسوب ہے اور شرقی کی جانب ہے۔امام غزالی نے بقیع کی زیارت میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی وصیت کی ہے بعض اور حضرات نے بھی اس مسجد شریف کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ ''بیت الحزن'' کے نام سے معروف ہے کیونکہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے غم وجدائی کی مصیبت کے زمانہ میں لوگوں کی صحبت سے پریشان ہو کر تنہائی اختیار کر کے اس جگہ قیام پذیر ہو گئی تھیں نیز کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک گھر ہے جسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بقیع میں لیا تھا (واللہ اعلم) پہلا قول صحیح اور اخبار و آثار کے موافق ہے۔

مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسن، امام زین العابدین امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کی قبروں کی جگہ میں ایک پتھر پاتے ہیں جس پر لکھا ہوا ہے کہ هٰذَا قَبْرُ فَاطِمَه بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَةِ نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ وَقَبْرُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِى بْنِ حُسَيْنُ بْنِ عَلِىٍّ وَجَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ التَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ۔اس پتھر کا ظہور ۳۳۰ھ میں ہوا۔امام المسلمین سیّدنا حسن بن علی مرتضیٰ کے دفن کے قصہ میں مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ اگر لوگ مزاحمت نہ کریں تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا ورنہ بقیع میں اپنی والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دینا۔غرض یہ کہ آپ کی قبر شریف میں یہی جگہ مختار ہے محب طبری 'ذخائر العقبیٰ' میں نقل کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرد صالح نے جو میرے ساتھ خدا کیلئے اخوت رکھتا تھا خبر دی کہ جب شیخ ابوالعاص مرسی جو کہ شیخ ابوالحسن شاذلی کے شاگرد ہیں وہ بقیع کی زیارت کرتے تو وہ حضرت عباس کے قبہ کے آگے کھڑے ہو کر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سلام پڑھتے تھے اور فرماتے کہ شیخ پر اسی جگہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور منکشف ہوئی ہے اور فرماتے ہیں کہ کشف میں حضرت شیخ کو ایک آیت کبریٰ ہے فرماتے ہیں کہ عرصہ دراز تک اس بنا پر کہ جو عتقاد مجھے حضرت شیخ سے تھا اسی اعتقاد پر قائم رہا یہاں تک کہ میں نے وہ روایت ابن عبدالبر سے امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے قضیہ میں منقول سے دیکھی الخ کے بعد شیخ نے جو کشف سے خبر دی تھی اس پر میرا اعتقاد زیادہ ہو گیا اور فرمایا کہ حدیث کی صحت مجھ پر شیخ کے کشف سے ثابت ہوئی اور حدیث کے مطابق حضرت شیخ کا کشف سچا ثابت ہوا۔(واللہ اعلم)

باب دوم

در ذکر امہات المؤمنین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دنیاوی امور کی جو چیزیں زیادہ محبوب تھیں ان میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں اوران کے ساتھ خوش ہوتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ قوت مباشرت آپ کو تیس تا چالیس مردوں کی ودیعت ہوئی تھی لامحالہ آپ کیلئے مباح ہوا کہ اپنے نکاح میں جتنی ازواجِ مطہرات چاہیں رکھیں۔ واضح رہنا چاہیے کہ نکاح کے فوائد میں سے حفظ نسل اور بقائے نوع انسانی کے بعد حصول لذت' تمتع نعمت اور حفظ صحت ہے۔ اس لیے کہ منی کا روکنا اوراسے نکالنے سے بچانا شدید امراض کا مورث موجد ہے اور ضعف قوی اور انسداد اعضائے مجاری کا موجب ہے اور قوت باہ وشہوت جماع کے ساتھ تفاخر ومباہات اور تمادح اور اس کے برعکس میں تنقیص وتحقیر مقررہ امر معروف اور عادت مستمر ومستقر ہے جولوگوں کے درمیان عام ہے اور عورتوں سے محبت اور متعدد نکاح کرنا نوع انسانی کے کمال اور افرادانسانی کے کامل ترین ہونے کی دلیل ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام صاحبان ازواج واولاد ہوئے ہیں بجز حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام روزانہ اپنے براق پر سوار ہوکر شوق صحبت میں شام سے مکہ مکرمہ سیّدہ ہاجرہ والدہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور یہ ان کے ساتھ کمال شغف اوران سے قلت صبر کی بنا پر واقع ہوتا تھا اور حضرت داؤد نبی علیہ السلام کے ننانوے ازواجِ مطہرات تھیں۔ اس کے باوجود وہ ایک اور سے نکاح کرنا چاہتے تھے تا کہ سو پوری ہوجائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو منکوحہ ازواج اور ہزار باندیاں تھیں اور ایک رات میں سو پر دورہ فرماتے تھے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام اَزواج پر دورہ فرماتے تھے اور وہ گیارہ تھیں ایک روایت میں ہے کہ نو تھیں اور تحدیث نعمت میں فرماتے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت عطا کی گئی ہے۔ طاؤس اور مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس مردوں کی قوت دی گئی۔ ایک روایت میں مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس جنتی جوانوں کی قوت دی گئی اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ ہر جنتی جوان کی سو مردوں کی قوت کھانے پینے اور جماع میں ہوتی ہے لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مباح تھا کہ جتنی تعداد میں چاہیں عورتوں کو نکاح میں لائیں اس میں کمال فضل وشرف اور تمام مردوں سے آپ کا امتیاز ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ازواج کی زیادتی میں حکمت یہ تھی کہ اندرونی اور خلوت کے احکام مردوں تک ان کے ذریعہ سکھائے جاسکیں اور وہ امت میں نقل کریں اور قیام حقوق اور حسن معاشرت میں تکلیف کی زیادتی اوران کی صحبت پر صبر فرمانا باوجود بار رسالت کو برداشت فرمانے اور عبادت شاقہ کے ساتھ اس پر قائم رہنے کے آپ کا یہ عالم تھا یہ بھی نکاح کے فوائد میں سے ہے۔

اور یہ جو نقل کیا گیا اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیل لازم نہیں آتی اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات وفضائل اتنے کثیر ہیں کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل کو ایک پہلو میں رکھیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ان سب پر غالب ہوں گے حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حق سبحانہ وتعالیٰ سے ایسی بادشاہت مانگی تھی

جو کسی دوسرے کو میسر نہ ہو۔ تو حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو کوئی چیزیں مثلاً تسخیر ریاح، جن وغیرہ ان کے ساتھ مخصوص فرمائیں کسی دوسرے کو وہ میسر نہ ہوئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک نبی بادشاہ تھے اور یہ سب ان کے معجزات میں سے تھے۔

حدیث مبارک میں آیا ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندے؟ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بندے کو اختیار فرمایا اور نبی بادشاہ کو اختیار نہ فرمایا مطلب یہ کہ بندگی، بادشاہت سے بہتر ہے لہٰذا حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حد بشریت اور فقر وعبودیت پر قائم رکھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت، بادشاہت، ازواج کی کثرت، تخت کا ہوا پر اڑنے اور تسخیر جنات وغیرہ کے ضافہ کے ساتھ نبی بنایا اور یہ سب چیزیں ظاہر میں تھیں لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت وقوت تصرف کائنات سے اور قربت وعزت بارگاہ صمدیت میں ان سے زیادہ تھی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قدرت وقوت اور شکر نعمت ان سے کامل تر تھی لیکن ظاہر میں ان کا وجود حضرت سلیمان کے ساتھ مخصوص تھا اور اسی مفہوم ومطلب پر وہ حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ ایک عفریت جنات میں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں آیا کہ وسواس اور خلل ڈالے پھر حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دوں تا کہ مدینہ طیبہ کے بچے اور اطفال اس سے کھیلیں لیکن اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی ایک دعا یاد آ گئی اور میں نے اسے چھوڑ دیا مطلب یہ کہ مجھے جنات پر قوت وتصرف حاصل ہے لیکن چونکہ یہ تصرف بحکم الٰہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے اس بنا پر میں نے اس سے اعراض کیا۔ (فافہم وبااللہ التوفیق)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب باشی میں باری کا تمام ازواجِ مطہرات میں اور ادائے نفقہ وسکنہ اور ان کے حقوق ومعاملات میں برابری کا لحاظ فرماتے تھے جن پر کہ آپ کو قدرت تھی لیکن محبت کے بارے میں فرماتے اے خدا یہ تقسیم اور انصاف میرا ان چیزوں میں ہے جس میں مجھے قدرت واختیار حاصل ہے اور جن چیزوں میں مجھے مالک نہیں فرمایا ہے ان میں تو مجھے ملامت نہ فرمانا یعنی محبت اور مجامعت میں اور ازواجِ مطہرات کے درمیان مساوات کی رعایت کے وجوب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختلاف ہے آیا یہ آپ پر بھی واجب تھا یا یہ محض آپ کا ان پر کرم تفضّل، مروت اور انکے دلوں کو خوش رکھنا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول یہ ہے کہ باوجود اس کے اتنی رعایت کا پاس ولحاظ فرماتے کہ گویا یہ آپ پر واجب ہے حالانکہ یہ آپ کا محض فضل وکرم تھا (واللہ اعلم)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ از حد بہترین تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تم میں وہ شخص بہترین ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ سیرت ومعاشرت میں بہتر ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہوں جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ان کے درمیان قرعہ ڈالتے جن کا نام قرعہ میں نکل آتا ان کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو امہات المومنین فرمایا یہ ارشاد حرمت نکاح اور وجوب احترام میں ہے نہ کہ دیکھنے اور تنہا رہنے میں۔ اس کے باوجود ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنوں کے حکم میں نہیں ہیں اور نہ ان کی مائیں آباد اجداد اور ... یاں اور نہ ان کی بہنیں اور بھائی ماموں اور خالاؤں کے حکم میں ہیں اور نہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرد وعورت کیلئے باپ کے حکم میں ہیں۔ ازواجِ مطہرات کو امت کی تمام عورتوں پر افضلیت حاصل ہے اور ان کا ثواب وعقاب ان سے دونا ہے۔ ازواجِ مطہرات میں سب سے افضل سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ان دونوں کے درمیان فضل ہیں، اختلاف ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی تعداد اور ان کی ترتیب میں علماء اختلاف رکھتے ہیں اور ان کا شمار جو حضورِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت ہوئیں اور جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئیں اور وہ جن سے دخول ہوا اور وہ جن سے دخول نہ ہوا اور وہ جن کو پیام نکاح دیا اور نکاح نہ ہوا اور وہ جنہوں نے خود کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ان سب میں اختلاف ہے ان میں سے متفق علیہ گیارہ ازواجِ مطہرات ہیں چھ قریش میں سے یعنی سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ' سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق' سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق' سیّدہ ام حبیبہ بنت ابوحنین' سیّدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ' سیّدہ سودہ بنت زمعہ اور چار عربیہ غیر قریشیہ ہیں یعنی سیّدہ زینب بنت جحش' سیّدہ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ' سیّدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ ام المساکین' سیّدہ جویریہ بنت الحارث اور ایک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں وہ سیّدہ صفیہ بنت حیی بنی نضیر سے ہیں اور وہ ازواج جو حضورِ اکرم کے سامنے فوت ہوئیں دو ہیں ایک سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور دوسری زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت بلا اختلاف نو ازواجِ مطہرات وجود تھیں۔

ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: سب سے پہلے جن سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تزوج فرمایا وہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ ہیں اور جب تک وہ حیات رہیں ان کی موجودگی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہ فرمایا ترتیب میں ان کے ذکر کی ابتدا میں یہ بیان ہے۔ ام المؤمنین کا نسب نامہ یہ ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ سیّدہ کا نسب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے قصی میں مل جاتا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصی کی اولاد سے بجز خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ کے کسی کی خواستگاری نہ فرمائی۔ ان کی کنیت ام ہند ہے اور ان کی والدہ فاطمہ بنت زاہدہ بن الاصم بنی عامر بن لوی سے تھیں وہ پہلے ابوہالہ بن نباس بن زرارہ کی زوجیت میں تھیں اور اس سے ان کے دو فرزند ہوئے ایک ہند اور دوسرا ہالہ اور ابوہالہ کا نام مالک تھا اور ایک قول سے زرارہ اور دوسرے قول سے ہند تھا۔ اس کے بعد انہوں نے عتیق بن عایذ مخزومی سے نکاح کیا اس سے ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند رضی اللہ عنہا تھا (کذا فی المواہب) روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک لڑکا ایک لڑکی ہے اور ہند ایسا نام ہے جو مرد و عورت دونوں کیلئے رکھے جاتے ہیں جس طرح جویریہ ہے اور بعض نے عتیق کو ابوہالہ پر مقدم بیان کیا ہے اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا اور ہند رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھی۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال کی تھی اور ایک قول کے بموجب اکیس سال کی تھی۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض نے تیس سال بھی کہا (واللہ اعلم)

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عاقلہ' فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں زمانہ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہتے تھے۔ عالی نسب اور بڑی مالدار تھیں۔ ابوہالہ عتیق کے بعد بہت سے صنادید و اشراف قریش خواستگاری رکھتے تھے کہ وہ ان سے نکاح کر لیں مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنے آپ کو خود پیش کیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے فرمایا اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خویلد بن اسد کے پاس تشریف لائے اور ان کو پیام دیا۔ اس کی پوری تفصیل' ولادت کے پچیسویں سال میں جبکہ شام کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تھا گزر چکی ہے اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر انتیس جوان اونٹ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ اوقیہ سونا تھا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اتر آیا ہے اور اس کا نور ان کے گھر سے پھیل رہا ہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جو اس نور سے روشن نہ ہوا ہو۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا کے لڑکے کے ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ اس نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ نبی آخر الزمان تم سے نکاح کریں گے۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی عورت ہیں جن پر اسلام کی حقیقت سب سے پہلے روشن ہوئی اور انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنا تمام مال و زر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں خرچ کیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد خواہ فرزند ہوں یا دختر سب انہیں سے پیدا ہوئے بجز حضرت ابراہیم کے جو سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس یا چوبیس سال شریک حیات رہیں ان کی وفات ہجرت سے پانچ سال یا تین سال پہلے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر شریف پینسٹھ سال تھی ان کی وفات بعثت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی ہے اور مقبرہ حجون میں مدفون ہوئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں داخل ہوئے اور دعائے خیر فرمائی۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہ ہوئی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات سے بہت ملول و محزوں ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے سال کا نام ''عام الحزن'' ہے ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں بس اتنا کافی ہے سیّدہ فاطمہ زہرا جیسی صاحبزادی ان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار قریش کی تکذیب سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو غم و اندوہ اور تکلیفیں اٹھاتے تھے وہ سب سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی جاتا رہتا تھا اور آپ خوش ہو جاتے تھے اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس خاطر فرماتیں جس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہِ رسالت میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس حضرت خدیجہ دستر خوان لا رہی ہیں جس میں کھانا پانی ہے جب وہ لائیں ان سے ان کے رب کا سلام فرمانا اور میری طرف سے انہیں بشارت دینا کہ ان کیلئے جنت میں قصب کا ایک ایسا گھر ہے جس میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ رنج و مشقت۔ قصب گول موتی کو کہتے ہیں جنت میں ایک ایک موتیوں کے گھر ہوں گے۔

عبد الرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا بلاشبہ میں نوع بشری کا روز قیامت سردار ہوں مگر انبیاء میں سے میری نسل میں ایک شخص ہے جن کا نام اقدس احمد ہے ان کو مجھ پر دو باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ایک یہ کہ ان کی بیوی بھلائی میں ان کی مددگار و معاون ہوگی اور میری بیوی مرے لیے خطا پر برانگیختہ کرنے میں معاون ہوئی کہ درخت کا پھل کھلایا دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے ان کو ان کے شیطان (ہمزاد) پر اعانت فرمائی کہ وہ مسلمان ہو گیا مگر میرا شیطان (ہمزاد) کافر ہوا اسے ذلالی نے بیان کیا ہے جیسا کہ طبری اس کا ذکر کرتے ہیں اور ایسی حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو ایسا ہی فرمایا (اللہ اعلم) ہر تقدیر حاصل یہی ہوتا ہے کہ مراد زوجہ سے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

مسند امام احمد میں سیّدنا ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی عورتوں میں سب سے افضل سیّدہ خدیجہ بنت خویلد، سیّدہ فاطمہ بنت محمد اور حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ امراۃ فرعون رضی اللہ عنہن ہیں۔

ولی الدین بن العراقی نے فرمایا کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ امہات المؤمنین میں بہر قول صحیح و مختار افضل ہیں بعض کہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں (انتہی)

شیخ الاسلام ذکریا انصاری نے ''لہجہ'' میں فرمایا کہ ازواجِ مطہرات میں افضل سیّدہ خدیجہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ان دونوں کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔

ابن عماد نے تصریح کی ہے کہ سیّدہ خدیجہ اس بنا پر افضل ہیں کہ یہ ثابت شدہ ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے آپ کیلئے سیّدہ خدیجہ سے بہتر زوجہ مرحمت فرمائی انہوں نے اس سے اپنے آپ کو مراد لیا

اورخود سیّدہ خدیجہ پر فضیلت دی۔اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہتر مجھے زوجہ مرحمت نہ فرمائی کیونکہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جبکہ لوگ میرے تکذیب کرتے تھے اورانہوں نے اپنے مال سے میری ایسے وقت میں مدد کی جبکہ لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے فرمایا ''سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا!'' اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل علیہ السلام کی معرفت کہلوایا حضرت خدیجہ کو رب تعالیٰ نے سلام جبریل علیہ السلام کی معرفت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا اس بنا پر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہوئیں اس کے بعد ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ کون افضل ہیں حضرت عائشہ یا سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما؟ ابن داؤد نے فرمایا بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا جگر گوشہ ہیں اس بنا پر کوئی بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پارہ گوشت کے برابر نہیں ہے میری اس بات کی گواہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک دیتا ہے جو سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ سیّدہ نساء اہل جنت ہو بجز مریم رضی اللہ عنہ کے وہ حضرات جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت دیتے ہیں انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آخرت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور سیّدہ فاطمہ زہرا حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوں گی۔

حضرت شیخ تاج الدین سبکی سے اس مسئلہ میں پوچھا گیا تو فرمایا جو کچھ کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور جو کچھ کہ خدا کے نزدیک ہم نے اخذ کیا یہ ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ ان کے بعد حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اس سے استدلال کیا جو کہ پہلے گزرا لیکن طبرانی میں ایک حدیث ہے کہ جہان کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران پھر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔ ابن عماد نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت خدیجہ کو جو فضیلت دی گئی ہے وہ باعتبار ماں ہونے کے ہے نہ کہ باعتبار سیادت اور سبکی نے یہ اختیار کیا ہے کہ مریم افضل ہیں اس حدیث کی بنا پر اور ان کی نبوت میں اختلاف کی بنا پر (انتہیٰ)

ابوامامہ بن النقاش نے فرمایا کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سبقت اول اسلام میں ان کی تاثیر اور دین خدا کے قیام ونصرت اور اس کی تقویت میں اپنے مال کو خرچ کرنے میں ہے کوئی ایک بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے نہ سیّدہ عائشہ صدیقہ اور نہ امہات المؤمنین میں کوئی اور ٔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آخر اسلام میں ان کا اثر اور امت کے ساتھ حمل دین اور تبلیغ اسلام میں ان کی تلقین اور امت کا ان سے اسلام کے مسائل واحکام حاصل کرنا یہ سب ایسی خوبیاں ہیں جن میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے نہ سیّدہ خدیجہ اور نہ کوئی اور امہات المؤمنین میں سے۔ یہ ان کی امتیازی شان ہے جو ان کے سوا کسی میں نہیں ہے ہذا کلہ فی المذاہب الحاصل یہ وجوہ باعتبار اختلاف حیثیات ہیں۔(واللہ اعلم)

سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا: ام المؤمنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود قرشیہ عامریہ ہیں ان کا نسب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے لوی میں مل جاتا ہے۔ان کی کنیت ام الاسود ہے اور ان کی ماں شموس بنت قیس ہے۔اوائل بعثت میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام لائیں اور یہ اپنے ابن عم جن کا نام سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو بن عبدالشمس ہے اور وہ سہیل بن عمرو کی بھائی ہیں ان کی زوجیت میں تھیں ان کے شوہر بھی ان کے ساتھ ہی اسلام لائے ان سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے سکران رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی ان کے شوہر مکہ مکرمہ پہنچنے کے

بعد فوت ہوئے ایک روایت میں ہے کہ حبشہ میں ہی فوت ہوئے اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے کے بعد ان سے تزوج فرمایا قبل اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہو یہ قول قتادہ اور ابوعبیدہ کا ہے۔ ابن قتیبہ نے بجز اس قضیہ کے ذکر نہیں کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہو گیا تھا ان دونوں قوموں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا تھا اور دخول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کیوں کہ تزوج اور نکاح کے الفاظ دونوں معنی پر بولے جاتے ہیں مگر عام ذہنوں میں عقد ہی سمجھا جاتا ہے نہ کہ دخول۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ سے مکہ مکرمہ آئیں تو خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور قدم اقدس ان کی گردن پر رکھا ہے یہ خواب اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ سے بیان کیا انہوں نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو تو میں جلد مروں گا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چاہیں گے پھر انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہیں آسمان سے چاند ان پر آ پڑا ہے اس خواب کو بھی اپنے شوہر سے بیان کیا ان کے شعر نے کہا کہ اگر تم سچ کہتی ہو تو عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور نبی کریم تمہیں چاہیں گے۔ اسی دن سے سکران رضی اللہ عنہ خستہ ہو گئے اور چند دن کے اندر وہ وفات پا گئے اور سودہ رضی اللہ عنہا تہی دامن ہو گئیں یہاں تک کہ نبوت کے دسویں سال سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور چار سو درہم ان کا مہر مقرر ہوا اور مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئیں اور جب ان پر بڑھاپے نے غلبہ کیا تو ہجرت کے آٹھویں سال میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دے دی مگر قول صحیح یہ ہے کہ ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا ایک رات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گزرگاہ میں آ کے بیٹھ گئیں اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتی اور اب میری شہوت کی آرزو بھی نہیں رہی ہے لیکن میں چاہتی ہوں اور میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت آپ کی ازواجِ مطہرات میں میں حشر کی جاؤں اور اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سونپتی ہوں اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ ترک فرما دیا یا با اختلاف اقوال رجعت فرمالی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا یہ حجۃ الاسلام تھا جو گردنوں سے اتر گیا۔ اس کے بعد اپنے بستروں کو غنیمت جانو اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حج کو گئیں مگر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش نہ گئیں اور فرمایا ہم حضور کے بعد سواری پر سوار نہ ہوں گے جیسا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔

کتب متداولہ میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی مرویات پانچ حدیثیں ہیں ان میں سے ایک بخاری میں اور باقی سنن اربعہ میں مروی ہیں۔ ان کی وفات ماہ شوال ۵۴ھ زمانہ امارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی کذا فی المواہب ایک روایت کے بموجب ان کی وفات زمانہ خلافت فاروقی کے آخری دور میں ہے۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا طویل القامت اور فربہ و جسیم تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کا جنازہ رات میں اٹھاؤ اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں دیکھا کہ عورتوں کیلئے پردہ دار مسہری (نعش) بناتے ہیں تو انہوں نے ان کیلئے ویسی ہی نعش تیار کی جب اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس کو دعا دی اور فرمایا سترتہا سترک اللہ تم نے ان کو پردے میں ڈھانپا اور اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائے۔ بعض کہتے ہیں کہ پردہ دار مسہری (نعش) سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کیلئے تیار کی گئی (کذا فی روضۃ الاحباب) اور یہ متحقق ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس کا نعش بنانا سیّدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کیلئے تھا اور سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات مقدم

ہےلہٰذاوہ پہلی ہستی ہیں جن کیلئے نعش بنائی گئی ہو۔

ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ: سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کی کنیت ام عبداللہ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہے۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ان کی کنیت مقرر فرمائیں۔حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بہن کے صاحبزادے سے اپنی کنیت رکھ لو یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنیک فرمائی اور لعاب دہن مبارک ان کے منہ میں ڈالا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ عبداللہ ہیں اور تم ام عبداللہ ہو۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ رومان رضی اللہ عنہ بنت عامر بن عویمر قبیلہ بنی کنانہ سے تھیں پہلے جبیر بن مطعم سے نامزد ہوئی تھیں اسکے بعد حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیام نکاح دیا تو ان کا نکاح حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ سال کی عمر میں ہوگیا تھا اور مدینہ طیبہ آکر ۲ ہجری میں اٹھارہویں مہینہ کے آخر میں نو سال کی عمر میں زفاف ہوا تھا تزوج وزفاف کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شوال میں نکاح کرنے کو پسند فرماتی تھیں۔برخلاف اس کے جاہلیت میں اسے ناپسند جانا جاتا تھا آپ نے فرمایا میرا نکاح اور زفاف شوال میں ہوا ہے اور کون سی عورت ہے جو مجھ سے زیادہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تر تھی۔ بعض سفروں میں حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد فرماتے اور کہتے تھے کہ ''واعروساہ'' اسے امام احمد نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ اور حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت صحبت ومعاشرت نو سال تھی اور حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت ان کی عمر شریف اٹھارہ سال تھی اور ان کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی تھی۔واقدی نے کہا کہ منگل کے دن سترہ ماہ رمضان مبارک ۵۸ھ میں ہوئی تھی۔اس وقت ان کی عمر شریف چھیاسٹھ سال کی تھی اور وصیت فرمائی تھی کہ رات کے وقت بقیع شریف میں دفن کیا جائے۔ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔اس زمانہ میں مدینہ طیبہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مروان حاکم تھا اور ان کے متولی قاسم بن محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم تھے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات طبعی تھی یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھود کر اوپر سے منہ بند کردیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضیافت کیلئے بلایا تو وہ اس کنویں میں گر پڑیں اور رحلت فرما گئیں یہ روافض کا جھوٹ اور افترا ہے۔

حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی باکرہ سے نکاح نہ فرمایا ان سے کوئی فرزند تولد نہ ہوا۔مروی ہے کہ ان سے ایک بچہ کا اسقاط ہوا اور جس کی وجہ سے ان کی کنیت ام عبداللہ ہے یہ ثابت نہیں ہے۔صحیح یہ ہے کہ یہ کنیت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہے۔سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب حد وشمار سے باہر ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقہاء وعلماء وفصحاء وبلغاء اکابر صحابہ میں سے تھیں۔بعض سلف سے منقول ہے کہ احکام شریعہ کا رفع یعنی فیصلہ کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع ہونا معلوم ہوا ہے اور حدیثوں میں آیا ہے کہ خُذُوْا ثُلُثَیْ دِیْنِکُمْ مِنْ ھٰذِہِ الْحُمَیْرَاءِ تم اپنے دوتہائی دین کو ان حمیرا یعنی عائشہ صدیقہ سے حاصل کرو صحابہ وتابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔عروہ بن زبیر سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی کو معانی قرآن احکام حلال وحرام اشعار عرب اور علم انصاب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ دو شعر حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں مروی ہیں۔

لو سمعوا فی مصر اوصاف خده　　لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لوامی زلیخا لو راین حبیبہ لاثرن بالقطع القلوب علی الایدی

حضرت صدیقہ کے اعظم فضائل ومناقب میں سے ان کیلئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ محبت فرمانا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت جو پیدا ہوئی وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! پھر پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا ان کے والد۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدمیوں میں سے کون محبوب تر تھا فرمایا فاطمہ زہرا پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمای ان کے شوہر! اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ازواج میں محبوب تر سیّدہ صدیقہ اور اولاد میں محبوب تر سیّدہ فاطمہ زہرا اور اہل بیت میں سے محبوب تر حضرت علی مرتضیٰ اور اصحاب میں سے محبوب تر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ از دیاد محبت کے وجوہ و حیثیات مختلف ہیں۔

سیّدہ صدیقہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین مبارک میں پیوند لگا رہے تھے حالانکہ میں چرخہ کات رہی تھی میں نے حضورِ اکرم کے روئے انور کا مشاہدہ کیا تو آپ کی جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا اور اس پسینہ سے آپ کے جمال میں ایسی تابانی تھی کہ میں حیران تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ کرم اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے تم کیوں حیران ہو؟ سیّدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے بشرۂ نورانی اور آپ کی پیشانی کے پسینہ نے مجھے حیران کر دیا ہے اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میرے پاس آئے اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: جَزَاکِ اللّٰہُ یَا عَائِشَۃُ خَیْرًا مَا سُرِرْتِ مِنِّیْ کَسُرُوْرِیْ مِنْکِ اے عائشہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزادے خیر دے تم اتنا مجھ سے مسرور نہیں ہوئیں جتنا تم نے مجھے مسرور کر دیا۔ مطلب یہ کہ میرا ذوق وسرور تمہارے ذوق وسرور سے جو مجھ سے ہوا زیادہ ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ انصاف وشاباشی ہے کہ محبت ومعرفت کی آنکھ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال دیکھا مصرعہ:

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است' بیت

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست وی ہمایوں دل کہ آن بریان اوست

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں جس وقت سیّد عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے تو فرمایا کرتے: حَدَّثَتْنِیْ الصِّدِّیْقَۃُ بِنْتُ الصِّدِّیْقِ حَبِیْبَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مجھ سے حدیث بیان کی صدیقہ بیٹی صدیق کی محبوبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کبھی اس طرح حدیث بیان کرتے: حَبِیْبَۃُ حَبِیْبِ اللّٰہِ اِمْرَأَۃٌ مِّنَ السَّمَآءِ اللہ کے حبیب کی محبوبہ آسمانی بیوی' حضرت صدیقہ فضیلت اور تمام ازواجِ مطہرات پر زیادتی محبت کے ساتھ مفاخرت فرماتی تھیں اور اس نعمت الٰہی پر تحدیث فرمانا مشہور ہے آپ فرماتیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی باکرہ سے شادی نہ فرمائی اور یہ فضیلت بیویوں میں خاص ہے کہ دوسرے سے دست آلود نہ ہوا اور باکرہ عورت شوہر کے نزدیک محبوب تر اور مانوس تر ہوتی ہے قبل اس کے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے پیام نکاح دیں جبریل علیہ السلام نے ریشمی کپڑے پر میری صورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملاحظہ فرمائی اور کہا کہ یہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آپ کی زوجہ دنیا وآخرت میں ہے مطلب یہ کہ یہ صورت جو منقش ہے آپ کی زوجہ مطہرہ کی ہے۔ اس وقت تک تصویر حرام نہ ہوئی تھی۔ دوسری یہ روایت ہے کہ خواب کی حال تمیں تھی جو کہ عالم مثال ہے بخاری ومسلم

میں مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں نے تمہیں خواب میں تین راتیں دیکھا ہے جس کو فرشتہ نے ریشمی پارچہ میں منقش کیا تھا اس حدیث میں مطلقاً ریشمی پارچہ آیا ہے اور اسی پر محمول کرنا بہتر ہوگا اس لیے کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام سبز ریشمی پارچہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر لائے (واللہ اعلم) تو اس فرشتہ نے کہا کہ یہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہے جو اس شکل وشباہت کی ہے اس کے بعد میں نے اپنے سامنے سے پارچہ کو دور کر دیا تو اب وہی صورت خواب میں میں نے دیکھی تھی وہ تم نکلیں۔ مقصود صورت میں موافقت ہے جو دکھائی گئی تھی میں نے خواب میں کہا اگر یہ خواب خدا کی جانب سے ہے تو ضرور یہ پورا ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ ایسی زوجہ ضرور مرحمت فرمائے گا اس سے مطلب اثبات واظہار اور اس میں شوق ورغبت کا بیان ہے اور یہ حضرت صدیقہ کیلئے بہت بڑی منقبت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے سے پہلے ان کے جمال پرانوار کا محب ومشتاق بنایا۔

زلیخا نے ایک مرتبہ خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا اور وہ عاشق وفریفتہ ہوگئی تھیں اور اس جگہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ دکھایا گیا یہ حالت بھی زیادتی انس ومحبت کی موجب ہے۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بارگاہِ رسالت میں اپنی موانست و فضل کے اظہار میں فرماتی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سیدھی لیٹی رہتی تھی اور یہ سلوک میرے ساتھ ہی خاص تھا اور رات کی نماز میں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے اور سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ سوئی ہوتی تھیں تو سجدہ کے وقت پائے مبارک ان کے سر شریف سے بدن عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ پہنچتا تھا یہ بات اس کو مستلزم نہیں ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مواجہ اور متصل نماز پڑھتے تھے بلکہ ان کے پاؤں کی جانب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب سوئی ہوئی تھیں۔ اگرچہ ظاہر لفظ حدیث اس جگہ ایسے ہی واقع ہوئے ہیں کہ وَاَنَا مُعْتَرِضٌ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللهِ مِثْلَ الْجَنَازَةِ یعنی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جنازہ کی مانند لیٹی ہوتی تھی یہ ایک مزید فضیلت ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حالت کے ساتھ باعتبارِ اختصاص' ان کی فضیلت کا موجب ہے اور اس معنی کا ان کے ساتھ اختصاص یہ ہے کہ اس کا وقوع اتفاقاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کی باری کے دن ہوتا تھا اور یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ جائز تھا اور نہ کسی اور زوجہ مطہرہ کے یہاں ایسا ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی جائز ہوتا آخر حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس کو میرے پاؤں سے چھواتے تو میں اپنے پاؤں کو کھینچ لیتی تھی گویا کہ سجدہ کرنے کی جگہ پاؤں کے قریب تھی۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر مبارک اٹھاتے تو سیّدہ صدیقہ اپنے پاؤں کو دراز کر لیتی تھیں یہ بات یا تو نیند کے غلبہ سے تھی یا کسی اور وجہ سے (واللہ اعلم) اور عذر یہ تھا کہ اس رات گھر میں چراغ روشن نہ تھا علمائے احناف کی اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا (فتدبر)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور فضیلت یہ تھی وہ فرماتی ہیں کہ میں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ کسی اور زوجہ مطہرہ کے ساتھ ایسا نہ کرتے تھے۔ مشکوٰۃ میں معاذہ عدویہ نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جو صرف میرے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سبقت وجلدی فرماتے یہاں تک کہ میں عرض کرتی کہ میرے لیے تو پانی یا برتن چھوڑ یئے تاکہ میں بھی پانی لوں حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ دونوں جنبی ہوتے۔ یہ روایت بھی کمال اتحاد واختلاط اور الفت ومحبت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک اور فضیلت یہ ہے کہ کسی زوجہ مطہرہ کے جامہ خواب میں حضورِ اکرم پر وحی نہیں آئی بجز میرے جامہ خواب کے۔ اس میں صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے کمال فضل اور غایت امتیاز ومزیت ہے جس کے شرح وبیان کی حاجت نہیں ہے کیسے کچھ ان پر انوار واسرار سرایت کرتے ہوں گے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی بات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے ایذا نہ دو بلاشبہ کسی زوجہ مطہرہ کے جامہ خواب میں مجھ پر وحی نہیں آئی بجز عائشہ رضی اللہ عنہا کے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ اَذَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ میں خدا سے توبہ کرتی ہوں کہ کوئی یارسول اللہ آپ کو ایذا دے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا جس سے میں محبت کرتا ہو تم بھی اس سے محبت کرو گی؟ سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں محبت رکھوں گی۔ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھو اس باب میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زوجہ مطہرہ کیلئے نہ چاہا کہ اس کے ماں باپ کو راہ خدا میں ہجرت کرائی ہو بجز میرے اسی کے مشابہ یہ فضیلت ہے جو ان کے والد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے کہ ان کے گھر میں چار صحابی تھے اگر اس کو بھی اپنی فضیلت پر محمول کریں تو وہ اس کی مستحق ہیں۔ سیّدہ صدیقہ کی ایک فضیلت یہ ہے وہ فرماتی ہیں کہ میری برات اور طہارت آسمان سے نازل ہوئی گویا اس میں اس واقعہ اِفک کی جانب اشارہ فرمایا ہے جسے منافقین نے ان کے سر منڈھا تھا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے سترہ' اٹھارہ آیتیں ان کی دامن عزت کی برات وطہارت اور جماعت منافقین کی مذمت وخباثت میں نازل فرمائیں اور یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہی گھر میں زمانہ علالت گزارا اور میری ہی باری کے دن حضورِ اکرم کی روح مقدس قبض کی گئی درآنحالیکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے سینہ اور چھاتی پر آرام فرماتے تھے اور میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدگوئی کرتے سنا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُسْکُتْ مَقْبُوْحًا مَنْبُوْحًا اَتَقَعُ فِیْ حَبِیْبَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. اور ذلیل وخوار خاموش رہ' کیا تو اللہ کے رسول کی محبوبہ پر بدگوئی کرتا ہے۔

سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے تو وہ لڑکیاں شرم وہیبت سے باہر نکل جاتیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لڑکیوں کے پیچھے تشریف لے جاتے اور ان کو دوبارہ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیتے تھے تا کہ ان کے ساتھ کھیلیں۔

یہ بھی سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں اپنی گڑیاں گھر کے ایک دریچہ میں رکھ کر اس پر پردہ ڈالے رکھتی تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے دریچہ کے پردہ کو اٹھایا اور گڑیاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی یہ میری گڑیاں ہیں ان گڑیوں میں ایک گھوڑا ملاحظہ فرمایا جس کے دو بازو تھے فرمایا کیا گھوڑوں کے بھی بازو ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کیا شاید حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے تھے اور ان کے بازو تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اتنا تبسم فرمایا کہ آپ کے دندانہائے مبارک کشادہ ہو گئے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کرنے کی قدرت اور بحث کرنے کی جرات بہت تھی اور یہ بات ان کے فہم وادارک کی بناء پر تھی اور اس قرب ومحبت کی وجہ سے تھی جو ان کے مابین تھی جیسا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ'' جس کا حساب کیا گیا وہ عذاب میں پڑا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ حق تعالیٰ تو فرماتا ہے ''فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا'' تو عنقریب حساب کیا جائے گا آسان حساب' جب حساب آسان ہوگا تو اس پر عذاب کیسے ہوگا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا یہ پیشی ہے حساب نہیں ہے مراد حساب میں مناقشہ ہے۔ایک اور مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا کے لقا کو محبوب رکھتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کے لقا کو پسند فرماتا ہے اور جو اس کے لقا کو برا جانتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کی لقا کو برا جانتا ہے۔لقا سے مراد موت لیتے ہیں۔حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہم تو ناپسند کرتے ہیں مطلب یہ کہ نفس وطبع کے اعتبار سے موت کو برا سمجھتے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ بات ایسی نہیں ہے جیسی تم نے سمجھی ہے بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے موت کی محبت پیدا کر دیتا ہے اگر چہ قریب ایام موت ہو اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر خدا کی رحمت سے؟ فرمایا ہاں میں بھی داخل نہ ہوں گا مگر یہ کہ مجھے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت میں چھپا لیا ہے ایک اور مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جس کا بیان ان کے درمیان پہلے گزر چکا ہے کہ تمہارے قرین شیطان نے تمہیں اس پر آمادہ کیا۔سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آدمی کے ساتھ شیطان بھی ہوتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آدمی کے ساتھ قرین (ہمزاد) شیطان ہوتا ہے۔سیدہ نے عرض کیا کیا آپ کا بھی ہے یا رسول اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرا شیطان میرا مطیع ہو گیا اور مسلمان ہو گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایسا ناز و نیاز تھا جیسا کہ محبّ ومحبوب کے درمیان ہوتا ہے اور وہ جو چاہتیں بلا جھجک عرض کر دیتی تھیں۔انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں جانتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کبھی مجھ سے ناراض میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا جب تم خوش ہوتو کہتی ہو ''لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ'' نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو ''لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ'' نہیں ابراہیم کے رب کی قسم۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے درست وصحیح فرمایا ''وَلٰكِنْ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ'' لیکن میں نہیں چھوڑتی مگر صرف آپ کے نام کو مطلب یہ کہ ناخوشی کی حالت میں صرف آپ کا نام نہیں لیتی لیکن آپ کی ذات گرامی اور آپ کی یاد میرے دل میں ہے اور میری جان آپ کی محبت میں مستغرق ہے اس محبت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور یہ بھی انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر تم چاہتی ہو کہ جنت میں میرے ساتھ رہو تو تمہیں چاہیے کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کہ راہ چلتا مسافر ہوتا ہے کہ وہ کسی کپڑے کو پرانا نہیں سمجھتا جب تک کہ وہ پیوند کے قابل ہے اور وہ اس میں پیوند لگاتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے رکھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس مرتبہ کو چاہتی ہو تو کل کیلئے کھانا بچا کے نہ رکھو اور کسی کپڑے کو جب تک کہ اس میں پیوند لگ سکتا ہے بیکار نہ کرو۔سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت ونصیحت پر جو فقر کی تونگری پر ایثار کرنے میں ہے اتنی کاربند رہیں کہ کبھی آج کا کھانا کل کیلئے بچا کے نہ رکھا۔حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم راہ خدا میں صدقہ کرتے دیکھا ہے حالانکہ ان کی قمیض مبارک کے دامن میں پیوند لگا ہوا تھا ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے اسی دن سب انفاق کر دیئے اور اقارب وفقراء پر تقسیم فرما دیئے۔اس دن وہ روزے سے تھیں۔شام کے کھانے کیلئے ان میں سے کچھ نہ بچایا باندی نے عرض کیا کہ اگر ایک درہم روٹی خریدنے کیلئے بچا لیتیں تو اچھا ہوتا فرمایا یاد نہیں آیا اگر یاد آ جاتا تو میں بچا لیتی۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کتب معتبرہ میں دو ہزار دو سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے بخاری و مسلم میں ایک سو چوہتر متفق علیہ ہیں اور صرف بخاری میں چون اور صرف مسلم میں سڑسٹھ ہیں بقیہ تمام کتابوں میں ہیں۔ صحابہ و تابعین میں سے خلق کثیر نے ان سے روایتیں لی ہیں۔

سیّدہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کاش کہ میں درخت ہوتی کہ مجھے کاٹ ڈالتے' کاش کہ کلوخ ہوتی' کاش کہ میں ایسی ہوتی...... کہ کوئی مجھے یاد نہ کرتا' کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ سبحان اللہ دنیا سے کیسی بیزار دشکستگی اور تواضع و انکسار ہے۔ ان کے والد ماجد جو افضل امت ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا وہ کیوں نہ کہتیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ مقربان بارگاہ اگرچہ مامور و مبشر ہوتے ہیں لیکن بارگاہ لاابالی کا خوف ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سیّدہ صدیقہ نے انتقال فرمایا تو ان کے گھر سے رونے کی آواز برآمد ہوئی۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی کو بھیجا کہ خبر لائیں۔ باندی نے آکر وفات کی خبر پہنچائی تو سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رونے لگیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سب سے زیادہ محبوبہ تھیں اپنے والد ماجد کے بعد۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ میں کیسے جانوں کہ میں نیک ہوں فرمایا جب تم اپنی بدی کو جان لو۔ اس شخص نے کہا میں کیسے جانوں کہ میں برا ہوں فرمایا جب تم جان لو کہ یہ نیکی ہے اور وہ ہمیشہ فرمایا کرتیں کہ تمہارے لیے جنت کے دروازے کھلے رہیں گے۔ پوچھا کس طرح اور کس عمل سے؟ فرمایا بھوک اور پیاس سے ایک مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت کررہی تھیں جب اس آیت کریمہ پر پہنچیں کہ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا مَا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف وہ قرآن نازل فرمایا جس میں تمہاری یاد و نصیحت ہے کہ غور و فکر کیوں نہیں کرتے اس کے بعد ہمیشہ قرآن پڑھتیں اور آیات قرآنی کے معانی میں غور و فکر کرتی تھیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ فرمایا حق تعالیٰ نے میرے ذکر اور میری صفت کی قرآن میں خبر دی ہے لوگوں نے پوچھا وہ کون سی جگہ ہے انہوں نے فرمایا یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْھِمْ۔ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تواضع' انصاف اور ان کی معرفت پر رحمتیں نازل فرمائے۔

ام المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا: سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب قرشیہ عدویہ ہیں (ان کی والدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بہن ہیں یہ اسلام لائیں اور ہجرت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خنیس رضی اللہ عنہ بن خذافہ کی زوجیت میں تھیں اور خنیس رضی اللہ عنہ اہل بدر میں سے تھے۔ سیّدہ حفصہ نے ان کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے بعد واقعہ بدر کے رحلت فرمائی اور ایک قول کے بموجب بعد از غزوہ احد جب حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح کیلئے کہا مگر انہوں نے منظور نہ کیا اسی زمانہ میں سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حضرت عثمان کی زوجہ تھیں فوت ہوئی تھیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں نے ان سے حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیش کش کی تھی مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے تمہاری بیٹی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے اور تمہاری بیٹی کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر عنایت فرمائے اور ایسا ہی واقع ہوا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مرحمت ہوگئی۔ حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی کی مگر انہوں نے جواب نہ دیا تھا اور وہ ناراض ہو کر چلے گئے تھے اس کے بعد ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام بھیجا اور حضرت عمر نے حضور کے ساتھ ان کا نکاح ہجرت کے تیسرے سال میں کر دیا۔ ایک قول میں ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا کہ جب حفصہ بنت عمر خنیس بن خذافہ سہمی سے بیوہ ہوئیں وہ اصحاب رسول میں سے تھے انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی تھی تو حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان بن عفان کے پاس آئے اور حفصہ کی پیشکش کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا مجھے مہلت دو کہ اپنا معاملہ سوچ سمجھ لوں پھر انہوں نے چند راتیں توقف میں گزاریں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے یہ قائم ہوئی ہے کہ چند روز نکاح نہ کروں اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق خاموش رہے اور کوئی جواب مجھے نہ دیا تو میں غصہ میں آیا اور یہ غصہ اس سے زیادہ تھا جتنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر آیا تھا اس کے بعد چند راتیں نہیں گزری تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام دیا اور میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ملاقات فرمائی اور فرمایا کہ شاید تم مجھ سے اس وقت ناراض ہو گئے تھے جبکہ تم نے پیشکش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا میں نے کہا ہاں میں ناراض ہو گیا تھا انہوں نے فرمایا تم نے جو پیشکش کی تھی اس کا جواب میں نے تمہیں انکار میں تو نہیں دیا تھا البتہ بات یہ ہے کہ میں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کو یاد فرمایا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھید کو فاش نہیں کیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبول نہ فرماتے تو میں قبول کر لیتا ایک روایت میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق رجعی دی جب اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو بہت دکھ ہوا اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور وحی لائے کہ حکم الٰہی یہ ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع فرمالیں کیونکہ وہ بہت روزہ دار اور شب بیدار ہیں اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل تھی اور ان کی وفات ۴۵ھ یا ۴۱ھ یا ۴۷ھ زمانہ امارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی تھی اور بعض خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بتاتے ہیں والاولی اصح (واللہ اعلم) اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی کتب متداولہ میں ساٹھ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ان میں سے چار تو متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم میں ہیں اور تنہا مسلم میں چھ حدیثیں اور پچاس دیگر تمام کتابوں میں مروی ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ: ام المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بن الحارث ہلالیہ عامریہ ازواجِ مطہرات میں سے ہیں زمانہ جاہلیت میں ان کو ام المساکین کہتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتیں اور ان پر بڑی شفقت فرماتی تھیں۔ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے کی زوجیت میں تھیں اور وہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے طفیل بن الحارث کی بیوی تھیں انہوں نے ان کو طلاق دے دی تو عبیدہ بن الحارث نے ان کو اپنی زوجہ بنالیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش اسدی نے ان کو پیام دیا بعض اہل سیر اس قول کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے اور مواہب لدنیہ میں فرمایا کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے بہر تقدیر ہجرت کے تیسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے حبالہ عقد میں لائے اس کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت کم مدت حیات رہیں اور حضور اکرم ہی کی حیات ظاہرہ میں وفات پائی (رضی

اللہ عنہما) بعض اہل سیر دو مہینہ بعض چھ مہینہ بعض آٹھ مہینہ مدت بتاتے ہیں اس کو مواہب نے فضائل کے باب میں بیان کیا ہے۔سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ماہ ربیع الآخر ۴ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔بقیع میں ایک قبہ تھا جس کو قبہ ازواج النبی کہا جاتا تھا (جسے ابن سعود ملعون نجدی نے شہید کرادیا اور بقیع کے تمام مزارات کو کھود ڈالا)

ام المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ازواجِ مطہرات میں سے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا بعض رملہ بتاتے ہیں اور اول زیادہ صحیح و مشہور ہے۔ابوامیہ کا نام سہل بن المعزۃ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم ہے اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہے کذافی الجامع' مواہب میں بھی ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ یہ عاتکہ بنت المطلب نہیں ہیں۔اس بنا پر روضۃ الاحباب میں جو عاتکہ بنت عبدالمطلب کہا گیا ہے محل نظر ہی سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے ابوسلمہ عبد بن الاسد کی زوجیت میں تھیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہیں اور یہ اور ان کے شوہر اول ہجرت کرنے والوں میں سے تھے جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان سے ان کے چار بچے پیدا ہوئے۔زینب رضی اللہ عنہا اس کے بعد سلمہ رضی اللہ عنہا' عمر رضی اللہ عنہ اور درہ رضی اللہ عنہا ان چاروں میں سے زینب و عمر و حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب بنے دونوں مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ طیبہ واپس آئیں بعض کہتے ہیں کہ سیّدہ رضی اللہ عنہ ام سلمہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہودج میں سوار ہو کر مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے داخل ہوئیں اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہا غزوۂ احد میں زخمی ہو کر تندرست ہوئے اسکے بعد ان کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا جب وہاں سے واپس آئے تو ان کے زخم پھر تازہ ہو گئے اور نہیں زخموں سے ۴ھ میں وفات پائی۔ایک قول میں ۳ھ ہے۔سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ دعا مانگے اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا اے خدا میری مصیبت میں میرا اجر قائم فرما اور اس سے بہتر میرے لیے اس کا قائم مقام بنا تو جب حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی تو انہوں نے اس دعا کو اپنا ورد بنالیا۔سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس دعا کو اپنے شوہر کی وفات کی مصیبت میں پڑھتی تھی اور جب میں یہ کہتی کہ میرے لیے اس سے بہتر قائم مقام بنا تو میں اپنے دل میں کہتی ابوسلمہ رضی اللہ عنہا سے بہتر مسلمانوں میں کون ہوگا لیکن چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا میں اسے پڑھتی رہی نیز میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ سن رکھا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میت کے سرہانے موجود ہو وہ اچھی دعا مانگے اس لیے کہ اس وقت میں جو بھی دعا مانگی جاتی ہے فرشتے آمین کہتے ہیں۔جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی ان کے فراق میں' میں کیا کہوں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہو: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَہٗ اَعْقِبْنِیْ عَقِبَۃً جَنَّۃً۔اے خدا انہیں اور مجھے بخش دے اور میری عاقبت کو اچھی عاقبت بنا اس کے بعد میں اس دعا پر قائم ہوگئی اور حق تعالیٰ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہا سے بہتر مجھے عوض عطا فرمایا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمِ سلمہ کے گھر تشریف لائے اور تعزیت فرمائی اور دعا فرمائی کہ اے خدا ان کے غم کو تسکین دے اور ان کی مصیبت کو بہتر بنا اور بہتر عوض عطا فرما اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا تھا۔سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کو بھیجا اور انہوں نے مجھے پیام دیا ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا اپنا پیام بھیجا مگر ام سلمہ نے ان کے پیام کو منظور نہ فرمایا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام آیا تو کہا مرحبا برسول اللہ لیکن میں بڑی عمر کی عورت ہوں اور میرے ساتھ یتیم بچے ہیں اور میں بہت غیرت مند ہوں آپ عورتوں کو جمع فرمائیں گے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری عمر تمہاری عمر سے زیادہ ہے

اور تمہارے یتیموں کی پرورش خدا اور رسول خدا کے ذمہ ہے ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بچے میرے بچے ہیں اور یہ جو تم کہتی ہو کہ میں بہت غیرت مند ہوں میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس بات کو تم سے دور فرمائے ان سے تزوج ماہ شوال ۴ھ میں ہوا اور ان کا مہر ایسا سامان جو دس درہم کی قیمت تھا مقرر ہوا۔ امہات المؤمنین میں انہوں نے سب کے آخر میں وفات پائی۔ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی ہے اور بعض ۶۲ھ میں زمانہ یزید بن معاویہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں مگر اول قول اصح ہے (کذا قیل) لیکن دوسرے قول کی موید دہ روایت ہے جو ترمذی نے ایک انصار کی بیوی سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی میں نے دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں میں نے کہا کس بات نے آپ کو رلایا ہے اے ام سلمہ! انہوں نے فرمایا میں نے ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کا سر مبارک اور آپ کے محاسن شریف گرد آلود ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات ہے کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ جہاں حسین کو شہید کیا گیا ہے میں وہاں موجود تھا ظاہر حدیث یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں نیز اہل سیر کہتے ہیں کہ جب امام حسین کی شہادت کی خبر ان کو پہنچی تو انہوں نے ان اہل عراق پر لعنت بھیجی جنہوں نے انہیں شہید کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بقیع میں دفن کیا گیا اور ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھی اور بعض کہتے ہیں کہ سعید رضی اللہ عنہ بن زید نے پڑھی اور ان کی عمر شریف چوراسی سال کی ہوئی ازواجِ مطہرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ سیّدہ عائشہ، حفصہ، سودہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور دوسرا گروہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواجِ مطہرات کا اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس گروہ کی سردار تھیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب سیّدہ ام حبالہ عقد میں آئیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کے گھر کو جو اس زمانہ میں وفات پا گئی تھیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رہنے کیلئے مقرر فرمایا اور جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس میں داخل ہوئیں تو ایک چھوٹا گھڑا دیکھا جس میں تھوڑے سے جو تھے اور ایک پتھر کی ہانڈی اور ایک چکی دیکھی تھوڑے سے جو چکی میں ڈال کے آٹا پیسا اور میدہ تیار کیا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ام سلمہ کے ولیمہ کا یہ کھانا تھا۔

کتب متداولہ میں سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہ سے تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں ان میں سے متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم میں تیرہ حدیثیں ہیں اور صرف بخاری میں تین حدیثیں اور تنہا مسلم میں تیرہ حدیثیں اور باقی دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش: ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں پہلے ان کا نام برہ تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرما کر زینب رکھا یا تو تزکیہ نفس کے ابہام کی بنا پر یا اس کی کراہت کی بنا پر کہ کوئی کہے کہ برہ کے پاس سے آئے ہیں یا کوئی یہ کہے کہ اس گھر میں برہ نہیں ہے۔ برہ کے معنی نیکی و احسان کے ہیں ان کی کنیت ام الحکم تھی ان کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب تھیں وہ پہلے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دیدی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حبالہ عقد میں لے آئے۔

ان کا قصہ یہ ہے مختصراً اور جس کی تفصیل روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کیلئے انہیں پیام دیا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے قبولیت سے اعراض کیا اور رخ پھیرا۔ اس لیے کہ وہ صاحب جمال تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور ان کے مزاج میں بھی ایسی حدت اور سختی تھی جو تکبر اور بڑائی کے مشابہ تھی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! میں زید کو پسند نہیں کرتی اس لیے کہ وہ آزاد کردہ غلام ہیں اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش نے بھی عدم قبولیت میں اپنی بہن کے ساتھ اتفاق کیا چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اظہار نبوت سے پہلے آزاد فرما کر فرزندی میں قبول فرمالیا تھا اور ان پر بے اندازہ لطف وعنایت مبذول فرماتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدم قبولیت کی گنجائش نہیں ہے ماننا ہی چاہیے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اس بارے میں غور وفکر کرنے کی مہلت عنایت فرمایئے ایسی ہی باتیں جاری تھی کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوگئی کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝

کسی مسلمان مرد وعورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ فرمادے ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی بلاشبہ وہ کھلی گمراہی میں ہوا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی دونو نے کہا ہم راضی ہیں ہماری کیا مجال کہ ہم اپنے اختیار کو درمیان میں لائیں اور معصیت کا ارتکاب کریں پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا ایک سال یا کچھ زیادہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں اس کے بعد حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ہمارے علم قدیم میں ایسا ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں داخل ہوں چنانچہ حضرت زید اور سیّدہ زینب کے درمیان ناسازگاری پیدا ہوئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جانب سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی نسبت کج خلقی ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ یہ حد کو پہنچ گئی اور تنگ آکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ارادہ ہے کہ میں زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دوں کیونکہ وہ میرے ساتھ بہت تندخوئی سے پیش آتی ہیں اور اپنی زبان دراز کرتی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کو اس سے باز رکھو اور خدا سے ڈرو لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی جانب سے معلوم ہوگیا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں آئیں گی تو خاطر مبارک نے چاہا کہ زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دے دیں لیکن حیا کی بنا پر زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق کا حکم انہیں نہ دیا نیز اس سے یہ بھی اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے متبنیٰ کی بیوی کو چاہتے ہیں کیونکہ جاہلیت کے لوگ اس شخص کی بیوی کو جس کو اپنا بیٹا بنالیا ہو حرام جانتے تھے اور اس منہ بولے بیٹے کو صلبی بیٹے کی مانند سمجھتے تھے ممکن ہے کہ لوگوں کے اندیشہ سے مراد ان کے ایمان کا خوف ہو کہ مبادا شک وتردد ان کے ایمان میں خلل انداز ہو کر انہیں ہلاک کردے علماء فرماتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے روکنے کا حکم دینے میں مقصود، حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اختیار اور ان کا امتحان کرنا تھا تاکہ معلوم کریں کہ زید رضی اللہ عنہ کے دل میں زینب رضی اللہ عنہا کی رغبت باقی ہے یا بالکل ہی متنفر ہوگئے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زینب رضی اللہ عنہا کو میں نے طلاق دے دی ہے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ۔

اور جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں وہ رکھتے تھے جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے

فرمایا جاؤ اور زینب رضی اللہ عنہا کو میرے لیئے پیام دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس کام کیلئے تخصیص میں حکمت یہ تھی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ عقد بغیر رضامندی زید کے بر سبیل قہر و جبر واقع ہوا ہے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ زید رضی اللہ عنہ کے ول میں زینب رضی اللہ عنہا کی کوئی خواہش نہیں ہے اور وہ اس بات سے راضی وخوش ہیں نیز حضرت زید کو فرمان خدا اور رسول خدا کی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا اور بحکم الٰہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو راضی رکھنا بھی ثابت وموکدہ فرمانا مقصود تھا کیونکہ یہ محل نازک ہے القصہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ارشاد کے بموجب سر صدق واخلاص سے روانہ ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا تو وہ میری آنکھوں میں ایسی بزرگ معلوم ہوئیں کہ میں ان کی طرف نظر نہ اٹھا سکا پھر میں گھر کی طرف پشت کر کے الٹے قدم ان کے پاس گیا اور میں نے کہا تمہیں خوشی ہو کہ رسول خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تمہیں پیام دوں زینب رضی اللہ عنہا نے کہا میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی جب تک کہ میں اپنے رب عزوجل سے مشورہ نہ کرلوں اس کے بعد وہ اٹھیں اور مصلیٰ پر پہنچیں اور سر کو سجدہ میں رکھا بارگاہ بے نیاز میں عرض نیاز کی بعض روایتوں میں آیا ہے دو رکعت نماز پڑھ کے سجدے میں گئیں یہ مناجات کی کہ اے خدا تیرا نبی میری خواستگاری فرماتا ہے اگر میں ان کی زوجیت کے لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت میں دے دے اسی وقت ان کی دعا مقبول ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بارگاہ صمدیت میں خاص قریب واختصاص حاصل تھا اور یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰی زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔

پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دیدی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کیلئے لے پالکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے۔

اور آپ پر آثار وحی ظاہر ہوئے چند لحظہ کے بعد متجلی ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کے فرمایا کون ہے جو زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جائے اور انہیں بشارت دے کہ حق تعالیٰ نے ان کو میری زوجیت میں دے دیا ہے اور یہ نازل شدہ آیت تلاوت فرمائی۔ سلمیٰ جو کہ حضور کی خادمہ تھیں دوڑیں اور سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بشارت دی اور اس خوشخبری سنانے پر وہ زیورات جو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا پہنے ہوئے تھیں اتار کر سلمیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیئے اور سجدہ شکر بجالائیں اور نذر مانی کہ دو مہینے روزہ دار رہوں گی۔

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے درآنحالیکہ وہ سر برہنہ تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے خطبہ اور بے گواہ فرمایا: اَللّٰهُ الْمُزَوِّجُ وَ جِبْرِيْلُ الشَّاهِدُ اللہ نکاح کرنے والا ہے اور جبریل علیہ السلام گواہ ہیں۔ اس کے بعد ولیمہ کا کھانا تیار کیا اور لوگوں کو نان وگوشت سے سیر فرمایا اس طرح کسی بی بی کیلئے نہ کیا تھا اور آپ کے طعام میں کئی معجزے ظاہر ہوئے اور نکاح زینب رضی اللہ عنہا میں لوگوں کو جاہلیت کی عادت سے نکالا اور خاص شریعت وضع فرمائی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: لِكَيْلَا يَكُوْنُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ تاکہ مسلمانوں پر ان کیلئے پالکوں کی بیبیوں میں ان کیلئے کچھ حرج نہ رہے اور حجاب یعنی پردے کی مشروعیت بھی اسی قصہ میں وارد ہوئی یہ قصہ اسی طریقہ پر جو کہ مذکور ہوا محققین اہل سیر کے نزدیک معتبر وثابت ہے بعض اہل سیر واہل تفسیر وتواریخ یہ قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں جو نہ واقع کے مطابق ہے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کے مناسب ہے۔ محققین اس کو مفسرین کی زلات یعنی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں یہ قصہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ کہ زلیخا کے ساتھ خلوت میں گئے اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کے ساتھ کا قصہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا انگشتری گم ہونے کا قصہ یہ تمام قصے محققین کے نزدیک متروک ومحظور اور طریقہ صدق وسداد

اورادب سے دور ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فضائل بہت ہیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ اس بنا پر کہ انہوں نے کوئی سخت بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تھی درشت کلامی کی اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح بات کرتی ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! کچھ نہ کہو کیونکہ یہ اواہہ یعنی بہت خشیت رکھنے والی ہیں ایک مرد موجود تھا اس نے پوچھا ''اواہ'' کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْخَاشِعُ فِی الدُّعَآءِ وَالتَّضَرُّعُ اِلَی اللّٰہِ دعا میں خشوع اور خدا کے حضور گڑگڑانا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی: اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس صفت میں مرتبہ خلیل کے ساتھ مخصوص فرمایا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو بہت زیادہ نیک اعمال کرنے والی، زیادہ صدقہ وخیرات کرنے والی رحمی رشتہ داروں کو زیادہ ملانے والی اور اپنے نفس کو ہر عبادت وتقرب کے کام میں مشغول رکھنے والی نہ دیکھا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے مجھے چند فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی اور زوجہ میں نہیں ہیں ایک یہ کہ میرے جداور تمہارے جدایک ہیں دوسرے میرا نکاح آسمان میں ہوا تیسرے یہ کہ اس قصہ میں جبریل سفیر وگواہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: اَطْوَلُكُنَّ يَدًا اَسْرَعُكُنَّ یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ دراز ہیں وہ مجھ سے ملنے میں تم سب سے پہلے سبقت کرنے والی ہے مطلب یہ کہ اس دنیا سے میرے جانے کے بعد تم سب سے پہلے وفات پائے گی اس کے بعد ازواج مطہرات نے بانس کا ٹکڑا لے کر اپنے اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کر دیا تا کہ جانیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ دراز ہیں۔ انہوں نے جانا کہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کے ہاتھ زیادہ دراز ہیں اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو انہوں نے جانا کہ درازی سے مراد صدقہ وخیرات کی کثرت تھی اس لیے کہ سیّدہ زینب اپنے ہاتھ سے دستکاری کرتیں اور صدقہ دیتی تھیں۔

مروی ہے کہ ان کی وفات کی خبر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو فرمایا: ذَهَبَتْ حَمِيْدَةٌ مُفِيْدَةٌ مَفْزُوْعَةُ الْيَتَامٰى وَالْاَرَامِلِ پسندیدہ خصلت والی فائدہ دینے والی یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنے والی دنیا سے چلی گئی جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اعلان کرایا کہ اہل مدینہ اپنی ماں کی نماز میں حاضر ہوں یہ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کی وفات ہجرت کے بیسویں سال میں تھی بعض کہتے ہیں کہ اکیسویں سال تھی اور ان کی عمر شریف ترپن سال کی ہوئی ان سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے متفق علیہ دو حدیثیں ہیں اور بقیہ نو تمام دیگر کتابوں میں ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث: ازواج مطہرات میں سے سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ابی ضرار تھیں ان کا بھی اصلی نام برہ رضی اللہ عنہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے جویریہ رضی اللہ عنہا رکھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو مکروہ جانتے تھے جیسے کوئی یہ کہے کہ برہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے نکل آئے اس نام کی تغیر میں کچھ بحث سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نام میں بھی گزر چکی ہے اس جگہ وجہ دفع تزکیہ نہ فرمایا ظاہر یہ ہے کہ دونوں جگہ میں یہ وجہ شامل ہے ایک وجہ اور ہے جو فلاح وغیرہ نام رکھنے کی مخالفت میں کہتے ہیں جیسے لوگ یوں کہیں کہ اس گھر میں فلاح نہیں ہے یہ وجہ بھی برہ نام کے بدلنے میں جاری ہے۔

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور ذاکرہ تھیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے بعد سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لائے وہ اپنے مصلّی پر ہی بیٹھی مشغول عبادت تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت ان کے پاس تشریف لائے فرمایا جب سے میں باہر گیا ہوں تم اسی جگہ یونہی بیٹھی ہو عرض کیا ہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت سے میں تمہارے پاس سے گیا ہوں اب تک چار کلمے میں نے پڑھے ہیں اگر ان کو ان کے ساتھ موازنہ کیا جائے جو تم نے اب تک پڑھے ہیں تو یقیناً وہ چار کلمے وزنی ہوں گے وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَنَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ گویا مقصودِ اصلی اس کیفیت کی تعلیم فرمانا تھا تا کہ وہ اپنے ذکر میں اسے بھی شامل کر لیں اور اس پر خبردار کرنا تھا کہ ان کلمات کی کیفیت یہ ہے کہ اس کمیت پر ان کا مدلول زیادہ ہے جو جویریہ نے اب تک پڑھا ہے ورنہ اس میں شک نہیں ہے کہ عمل کا ثواب بقدر مشقت ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ اور دوسرا شخص ہزار مرتبہ اللهم صل علی سیّدنا محمد پڑھے تو بلاشبہ اس کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا البتہ اگر کوئی خاص کامل کیفیت ہو اور غایت مبالغہ میں شامل ہو اور قائل پر اس کی حقیقت ظاہر ہوگئی ہو اور وہ حقیقت کے اعتبار سے کہے جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہ بات دوسری ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَاٰنِ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس اور تحمید کی حقیقت منکشف ہوگئی کہ ان کلمات نے آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیا یہ محض زبان اظہار و بیان نہیں ہے۔ خدا کا فضل بھی وسیع ہے اگر محض ان لفظوں سے ہی اتنا ثواب بخش دے تو وہ قادر ہے۔ (فافہم واللہ اعلم)

منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا وہ روزہ دار تھیں فرمایا کل روزہ رکھا تھا انہوں نے کہا نہیں فرمایا آئندہ کل روزہ رکھنے کا ارادہ تھا انہوں نے کہا نہیں فرمایا پھر تو روزہ افطار کر لو اس سے معلوم ہوا کہ صرف تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اور یہی علماء کا مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ لَا يَصُوْمُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ يَّصُوْمَ قَبْلَهٗ وَ بَعْدَهٗ صرف جمعہ کے دن کا روزہ تم میں سے کوئی نہ رکھے مگر یہ کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد کے دن بھی روزہ رکھے۔ بعض علماء اس کی توجیہہ میں فرماتے ہیں تا کہ روزہ رکھنے سے بدن کمزور اور قوت زائل نہ ہو اور وہ جمعہ کے اوراد و ظائف سے باز نہ رکھے جس طرح کہ ضعفاء کیلئے عرفہ کے دن کے روزہ کے افطار کی اجازت ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ توجیہہ ضعیف ہے اور پہلے یا بعد کے ساتھ روزہ رکھنے میں کوئی مناسبت نہیں رکھتا اس لیے کہ مسلسل دو دن روزہ رکھنا تو اور زیادہ کمزور کرنے اور قوت کو فنا کرنے کا موجب ہے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تلافی اور جبر نقصان کیلئے ہے جو وظائف و اوراد میں واقع ہوا اور دیگر اعمال خیر کے ساتھ بھی اس کی تلافی ہو جاتی ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمعہ کے دن کو بہت عظمت و فضیلت والا قرار دیا گیا ہے باوجود ان عظمتوں کے محتاج رہنے کے لازم ہے کہ شریعت میں جتنا واقع ہوا ہو اس پر اپنی طرف سے زیادتی میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے تا کہ ہمہ وجوہ فضیلت سے محروم نہ رہ جائے اور حد سے تجاوز ہونے کا سبب نہ بنے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کا موجب نہ ہو جائے کیونکہ وہ معین دن کی تعظیم کرتے ہیں یہ معین دن ہفتہ اور اتوار ہیں نیز روز جمعہ روز عید ہے جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے لہٰذا اس دن روزہ مناسب نہ ہوگا اور تخصیص نامناسب تر ہے۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ممانعت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کو ہمیشہ مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے اور شب جمعہ کے قیام کو خاص کر لینے کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسے علماء کو نہ پایا جو اس کے قائل ہوں کہ جمعہ کے دن تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ امام نووی نے فرمایا اس باب میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں اگر

وہ تمہیں نہیں پہنچیں تو ہم کیا کریں اس کی نفی وممانعت میں صحیح حدیث پائے جانے کے باوجود اعتبار نہیں رکھتے (واللہ اعلم) ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے احوال کے ضمن میں یہ بات طول پکڑ گئی پھر اسی طرف رجوع کرتے ہیں۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا خواستگاری فرمانا غزوۂ مریسیع میں تھا جو ماہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ اس غزوہ سے واپسی کے وقت خواستگاری فرمائی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بڑی شیریں، ملیح اور صاحب حسن و جمال عورت تھیں جو کوئی اسے دیکھتا فریفتہ ہو جاتا تھا جنگ اور تقسیم غنایم ومبایا کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چشمہ کے کنارے میرے پاس تشریف فرما تھے کہ اچانک جویریہ رضی اللہ عنہ نمودار ہوئیں مجھ پر آتش غیرت نے غلبہ کیا کہ مبادا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف توجہ خاص مبذول فرمائیں اور اپنے حبالہ عقد میں لے آئیں جب جویریہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہوں نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ یا رسول اللہ میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئی ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُهٗ اور میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں جو اس قبیلہ کا سردار اور پیشوا تھا اب لشکر اسلام کے ہاتھوں میں قید ہوں اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آگئی ہوں اور اس نے مجھے اتنے مال پر مکاتب بنایا ہے کہ میں اسے ادا نہیں کرسکتی میں امید رکھتی ہوں کہ میری اعانت فرمائی جائے تاکہ کتابت کی رقم ادا کرسکوں فرمایا میں ادا کروں گا اور اس سے بھی بہتر تمہارے ساتھ سلوک کروں گا انہوں نے کہا کہ اس سے بہتر کیا ہوگا۔ فرمایا کتابت کی رقم ادا کر کے تمہیں حبالہ عقد میں لا کر زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ اس کے بعد کسی کو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ کتابت کی رقم ادا کرے اس کے بعد ان کو آزاد کر کے حبالہ عقد میں لے آئے اور چار سو درہم مہر کا مقرر فرمایا ایک قول یہ ہے کہ ان کا مہر بنی المصطلق کے قیدیوں کی آزادی کو بنایا اس وقت سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیس سال کی تھیں۔ صحابہ عظام جب اس حقیقت حال سے باخبر ہوئے تو باہم کہنے لگے کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم کے قربا کو جو کہ ان کے اصہار ہیں اسیری، قید اور غلامی میں رکھیں اس کے بعد سب نے آزاد کر دیا اہل سیر بتاتے ہیں کہ بنی المصطلق کے قیدی کی مجموعی تعداد سو سے زیادہ تھی اور سب ہی نے اس قید سے رہائی پائی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ ازواجِ مطہرات میں سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ خیر و برکت والی کوئی اور حرم ہو۔

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے میں نے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا یثرب کی جانب سے چاند چلتا آرہا ہے یہاں تک کہ وہ میرے آغوش میں اتر آیا میں نے اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کیا جب میں اپنے خواب سے بیدار ہوئی تو میں نے خود ہی یہ تعبیر لی جو الحمد للہ پوری ہوئی۔ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ طیبہ میں ۵۰ھ یا ۵۶ھ میں واقع ہوئی اس وقت ان کی عمر شریف پینسٹھ سال کی تھی ان کی نماز جنازہ مروان نے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ طیبہ میں حاکم تھا پڑھی کتب معتبرہ میں ان سے سات حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں دو مسلم میں دو باقی دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں ان کا نام رملہ تھا اور ایک قول سے ہند تھا ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس تھیں جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن العاص کی پھوپھی تھیں۔

سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبید اللہ بن جحش برادر حضرت عبد اللہ بن جحش الہندی کی زوجیت میں تھیں۔ ابتدائے احوال میں مسلمان ہوئیں اور حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی عبید اللہ سے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ تھا اسی سے ان کی کنیت ام حبیبہ ہوئی اس کے بعد عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا اور دین نصرانیت کی طرف رجوع ہو کر شراب خوری کو مشغلہ بنا لیا اسی حال میں وہ مر گیا۔

سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے یا ام المؤمنین کہہ کر مخاطب کر رہا ہے میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حبالہ عقد میں لائیں گے اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیام دیں اور نکاح کریں اس کے بعد سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خالد بن سعید بن العاص کو جو کہ حبشہ میں تھے وکیل بنایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں موجود تھے حاضر ہوئے اور نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ اَصْدَقْتُهَا اَرْبَعَمِائَةِ دِيْنَارًا ذَهَبًا

اس کے بعد دیناروں کو حاضرین کے سامنے ڈال دیا پھر خالد بن سعید نے جو سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل تھے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ زَوَّجْتُهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبِىْ سُفْيَانَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اس کے بعد نجاشی نے دیناروں کو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا انہوں نے انہیں لے لیا اس کے بعد چاہا کہ کھڑے ہو جائیں نجاشی نے کہا بیٹھو اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ مجلس نکاح میں کھانا کھلایا جائے اس کے بعد نجاشی نے کھانا منگایا اور سب نے کھایا اور رخصت ہو گئے (کذا فی المواہب) اور ابوسفیان، سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے باپ ان کے نکاح کے وقت مکہ مکرمہ میں مشرک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محارب تھا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ وہ سلوک مشہور ہے جبکہ حالت کفر میں صلح حدیبیہ کے بعد تجدید صلح کیلئے یہ مدینہ طیبہ میں آیا تھا اور سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر اس نے یہ چاہا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھے سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جائز نہ جانا اور کہا کہ یہ بستر طاہر و مطہر ہے اور تم نجاست شرک سے آلودہ ہو اور نجاشی کے ان کا نکاح پڑھانے سے متعلق ایک اور حکایت بھی ہے جو کہ غزوۂ خیبر کے واقعات میں پہلے ہی بیان ہو چکی ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے ان امور میں معاف کر دو جو ایک شوہر کی بیبیوں کے درمیان ہو جاتے ہیں اس نوع سے جو کچھ میری جانب سے تمہارے متعلق واقع ہوا ہو اسے معاف کر دو انہوں نے کہا حق تعالیٰ تمہارے بوجھ کو بخشے اور معاف کرے ہم بھی معاف کرتے ہیں۔ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے کہ تم نے مجھے خوش کر دیا۔

ام المؤمنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ ذات، حمیدہ صفات، جواد اور عالی ہمت تھیں ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۴۰ھ یا ۴۴ھ میں بقول صحیح واقع ہوئی ایک قول یہ ہے کہ وفات شام میں واقع ہوئی کتب متداولہ میں پینسٹھ حدیثیں ان سے مروی ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں ایک تنہا مسلم ہے باقی حدیثیں دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی: ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب بنی اسرائیل سے سبط ہارون بن عمران قبیلہ بنی نضیر سے ہیں پہلے وہ سلام بن مسلم کی زوجیت میں تھیں جب ان میں جدائی ہو گئی تو

پھر کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق کی زوجیت میں آ گئیں۔ کنانہ غزوۂ خیبر میں قتل ہوگیا اس کے بعد جب فتح خیبر میں صفیہ رضی اللہ عنہا اسیران جنگ کے ساتھ قبضہ میں آئیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے خاص فرمالیا اور آزاد کر کے اپنے حبالہ عقد میں لے آئے یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ غزوۂ خیبر میں گزر چکا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صفیہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہِ رسالت میں لایا گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں خیمہ میں لے جاؤ اس کے بعد خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تشریف لائے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے تشریف لاتے دیکھا تو کھڑی ہوگئیں اور وہ بستر مبارک جو وہاں طے کیا رکھا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بچھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے صفیہ رضی اللہ عنہا! تمہارے باپ نے میرے ساتھ ہمیشہ دشمنی وعداوت رکھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اور وہ فیصلہ کر دیا۔'' انہوں نے عرض کیا ''حق تعالیٰ کسی بندے کے گناہ کے بدلے کسی دوسرے کو نہیں پکڑتا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا اختیار دیا کہ چاہے تو آزاد ہوکر اپنی قوم کے ساتھ مل جائے یا اسلام لے آئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آ کر سرفرازی پائے۔ صفیہ بڑی حلیمہ اور عاقلہ تھیں عرض کرنے لگیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسلام کی آرزو رکھتی تھی اور میں نے آپ کی تصدیق آپ کی دعوت سے پہلے کی ہے اب جبکہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں حاضر ہونے کا شرف پایا ہے تو مجھے کفر واسلام کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے خدا کی قسم! خدا اور اس کا رسول مجھے اپنی آزادی اور اپنی قوم کے ساتھ ملنے سے زیادہ محبوب ہے ممکن ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کے حال کا امتحان اور اختیارِ عقل اور اس کا صدق طلب مقصود ہو نہ کہ حقیقتاً کفر واسلام کے درمیان اختیار دینا ہو اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور عقد فرمایا اور ان کی صداقت کو ان کی آزادی کا سبب بنایا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری لائی گئی تا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پائے مبارک راحلہ پر رکھا تا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے پاؤں کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھ کر سوار ہو جائیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ادب ملحوظ رکھا اور وہ اپنے زانو کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھ کر سوار ہوگئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا ردیف بنایا اور پردہ باندھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ نے ٹھوکر کھائی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں زمین پر آ رہے لیکن کسی ایک شخص کی نظر نہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی اور نہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر...... اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو مستور فرمایا۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے تمام حالات غزوہ خیبر میں گزر چکے ہیں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا تو صحابہ سے فرمایا جس کے پاس جو توشہ موجود ہو لائے پھر سب نے حیس تیار کیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز سے تمام لوگ شکم سیر ہو گئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑی عزت وشان والا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی عنایت اور کرم گستری فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان پر غبطہ کرتی تھیں منقول ہے کہ ایک دن سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی مذمت میں کہا کہ آپ کو تو صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کافی ہیں کہ وہ ایسی ہیں ویسی ہیں مطلب یہ کہ پستہ قد و قامت رکھتی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے دریا میں ڈالیں تو اس کا رنگ بدل جائے۔ مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن ان کے پاس تشریف لائے

ملاحظہ فرمایا کہ وہ رو رہی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا کہ کیا ہے؟ عرض کیا میرے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آ کر مجھے ایذا دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہیں کیونکہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی شرافت حاصل ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیوں نہ کہا کہ تم کیوں کر مجھ سے بہتر ہو حالانکہ میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہمراہ تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر چلنے سے رہ گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اونٹ زیادہ تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا: صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک گیا ہے اسے اونٹ دے دو تا کہ وہ منزل تک پہنچ جائیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں اس یہودیہ کو کوئی چیز نہ دوں گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر غصہ فرمایا اور دو یا تین ماہ تک ان سے ترک تعلق رکھا اور اتنے عرصہ تک ان کے پاس نہیں گئے۔ امہات المؤمنین کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست و تادیب ایسی تھی اگر چہ بعض بعض کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے تھے لیکن حق میں کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے۔

منقول ہے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں انصار کی عورتوں نے ان کے حسن و جمال کا پہلے ہی سے شہرہ سن رکھا تھا ان کو دیکھنے کیلئے وہ سب جمع ہو کر آ گئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نقاب اوڑھے چادر لپیٹے اس لیے کہ انہیں کوئی نہ پہچانے ان کے درمیان آئیں تا کہ وہ بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا جب وہ باہر نکلیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے تشریف لے گئے اور چادر ہٹا کر فرمایا: اے حمیرا! تم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو کیسا دیکھا انہوں نے کہا: ''ایک یہودیہ یہودی عورتوں کے درمیان بیٹھی تھی۔'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) تم ایسا کہتی ہو حالانکہ وہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ان کا اسلام حسن قبول بن گیا ہے۔''

منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں تمام امہات المؤمنین مجتمع تھیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم میں محبوب رکھتی ہوں کہ آپ کا یہ مرض مجھے ہو جائے اس پر تمام ازواجِ مطہرات نے ایک دوسرے کے ساتھ غمزہ کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے واقف ہوئے تو آپ کو ناخوشی ہوئی اور اس سے کراہت کا اظہار فرمایا اور فرمایا خدا کی قسم وہ یعنی صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے دعویٰ سے صادق ہے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۳۶ ھ میں واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۵۳ ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۵۵ ھ میں ہوئی ایک قول یہ بھی ہے کہ خلافت فاروقی میں ہوئی اور سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ ان سے دس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ایک متفق علیہ اور باقی تمام دیگر کتابوں میں ہیں۔

ام المؤمنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا: ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث عامریہ ہلالیہ بھی ہیں ان کی والدہ ہند بنت عوف قبیلہ حمیر سے تھیں ایک قول یہ ہے کہ قبیلہ کنانہ سے تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی برہ تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے یمن بمعنی برکت سے ماخوذ میمونہ رضی اللہ عنہا رکھا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند ایسے داماد رکھتی ہیں جو کسی عورت کو میسر نہیں اس لیے کہ ایک داماد تو سیّد عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دوسرے داماد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن جن کا نام ام الفضل رضی اللہ عنہ تھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ہند کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث کے سوا پہلے ایک اور شوہر تھا جس کا نام عمیس خثعمی تھا اس سے بھی دو لڑکیاں تھیں ایک اسماء بنت عمیس جو صاحبہ حسن و جمال مشہور عورت تھیں اور وہ پہلے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے اپنے تمام شوہروں سے اولاد تھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عون بن علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کی دوسری بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت عمیس ہیں جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں اور عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہ انہیں سے پیدا ہوئی تھیں جن کی پرورش اور حضانت کا حق حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا تھا کیونکہ ان کی خالہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں ایک اور بہن تھی جس کا نام سلمیٰ بنت عمیس تھا جو شداد بن الہاد کی زوجیت میں تھی۔ خشعم کی تمام عورتیں صاحب حسن و جمال تھیں یہ جماعت ہند ام میمونہ رضی اللہ عنہا کے دامادوں کی ہے یہ چار بہنیں تھیں اور ان کے داماد چھ ہوئے۔ ولید بن مغیرہ جو کہ حضرت خالد بن ولید کے والد ہیں وہ بھی ان کا داماد تھا اس کو شمار نہیں کرتے کیونکہ وہ مشرک تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام لبابہ بنت الحارث' بہن میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث رضی اللہ عنہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اس کو لبابہ صغریٰ کہتے ہیں اور حضرت ام الفضل کی بیٹی کا نام بھی لبابہ رضی اللہ عنہا ہے ان کو لبابہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت میں مسعود بن عمر ثقفی کی زوجیت میں تھی باہمی نا اتفاقی ہونے پر جدا ہوگئی اس کے بعد ابورہم یا کسی اور کی زوجیت میں آئیں اس میں اختلاف ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیام دیا اور ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء میں نکاح فرمایا عجیب اتفاق یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح زفاف اور ان کی وفات ایک ہی موضع میں واقع ہوئی جسے سرف کہتے ہیں اور یہ مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے اور اب تک وہاں ان کا مقبرہ تعمیر تھا۔ (معلوم نہیں کہ نجدی ملعونوں نے اسے اب شہید کر دیا یا باقی ہے واللہ اعلم) نکاح کے وقت میں دو روایتیں ہیں وہ یہ کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت حضور احرام سے تھے یا بغیر احرام کے تھے۔ اسی بنا پر علماء میں نکاح محرم کے بارے میں اختلاف ہے اور ہمارے مذہب میں جائز ہے ان دونوں روایتوں میں کسی ایک کی ترجیح اور اس کلام کی تحقیق اصولِ فقہ میں مذکور ہے۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات مشہور تر قول کے بموجب ۵۱ھ ہے اور باقوال مختلفہ ۶۱ھ یا ۶۳ھ یا ۶۲ھ بھی بتایا گیا ہے آخری قول کے بموجب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ مطہرہ قرار پاتی ہیں جنہوں نے سب کے بعد وفات پائی حالانکہ مشہور یہ ہے کہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آخری ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ کی وفات ۳۸ھ میں امیر المؤمنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زمانہ خلافت میں ہوئی اور یہ حضرت میمونہ آخری زوجہ مطہرہ ہیں ان کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نکاح نہ فرمایا ان کی نماز جنازہ ان کے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھی یہ اور دیگر بھانجوں نے ان کو قبر میں اتارا۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میری باری کی ایک رات تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے تشریف لے گئے میں نے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا تھوڑی دیر بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے نہ کھولا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قسم دے کر نوازا کہ دروازہ کھولوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات میں دوسری ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے ہیں؟ حضور اکرم نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں ہے بلکہ میں قضائے حاجت کیلئے گیا تھا بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم اور اس کی رعایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اسے طلب کیا تھا اور وہ رنجیدہ تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر خواہی فرمائی جیسا کہ

مذہب شافعی میں مشہور ہے اور مذہب حنفیہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کی رعایت فرمانا بر سبیل کرم وتفضل تھا اور اس میں اتنی رعایت وکرم فرماتے کہ گویا واجب ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایسی زوجہ مطہرہ ہیں کہ اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بخش دیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام ان کے پاس پہنچا تھا منقول ہے وہ اونٹ پر سوار تھیں آپ نے کہا اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے سب کچھ خدا اور اس کے رسول کا ہے۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی وَامْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ الخ اور یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ آخر کر ایہ کریمہ میں فرمایا: خَالِصَۃً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ایک قول یہ ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ جس نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہبہ کیا وہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ ان کے نکاح کو آسمان پر حق تعالیٰ کا منعقد فرمانا اور اپنے کو ہبہ کرنے کے سبب اور مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہبہ سے مراد مہر کا لازم نہ ہونا ہے یہ بات اس قول میں ہے جو زینت بنت خزیمہ کے بارے میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بنی عامر کی ایک اور عورت تھی جو ام شریک قرشیہ عامریہ تھی اور اس کا نام غزیہ بنت جابر بن عوف بن عامر بن لوی تھا اور بعض نے کہا کہ بنت داؤد بن عوف تھی اور کہا گیا ہے کہ ان کے سوا کئی عورتیں ہیں جنہوں نے خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہبہ کیا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول نہ فرمایا اور نہ نکاح میں لائے۔ (واللہ اعلم)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے چھہتر حدیثیں مروی ہیں ان میں سے سات متفق علیہ ہیں ایک صرف بخاری ومسلم میں ہے باقی دیگر کتابوں میں ہیں۔

مطلقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وصل! یہ گیارہ ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئیں اور آپ نے ان سے زفاف فرمایا ان میں سے چند سے اولاد کرام پیدا ہوئی ان میں سے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں دنیا سے رخصت ہوئیں اور باقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئیں۔ عورتوں کی ایک جماعت اور بھی ہے جو بیس یا زیادہ ہیں جن میں سے کچھ سے نکاح تو کیا مگر زفاف نہ فرمایا اور ان میں بعض وہ ہیں جن سے زفاف بھی ہوا لیکن اختیار دیئے جانے کے وقت آیہ کریمہ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا اے نبی اپنی بیبیوں سے فرمادو اگر تم دنیاوی عیش وعشرت چاہتی ہو تو (کے ماتحت یا) وہ حبالہ نکاح سے نکل گئیں۔ علماء سیر نے ان سب کو علیحدہ رکھا ہے اور بعض نے مقام استیفاء میں بیان کیا ہے۔

ہم ان میں سے ان کو جن کا قصہ نادر ہے اور اس میں عجیب نکتہ ہے جو مفید و نافع ہے بیان کرتے ہیں اگرچہ اس حیثیت سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کا ذکر ہے اور اس بارگاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں سب ہی مفید و نافع اور موجب ذوق و لذت ہیں۔

ان عورتوں میں سے ایک عورت کی بیٹی کلابیہ تھی جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چنتی تھی۔ ایک شخص نے اسے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ اس نے سر اٹھا کر کہا: اَنَا الشَّقِیَّۃُ الَّتِیْ اخْتَرْتُ الدُّنْیَا عَلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا۔

دوسری عورت اسماء کندیہ ہے جسے جامع الاصول میں جونیہ کہا ہے۔ مواہب الدنیہ میں اسماء بنت النعمان بن ابی الجون الکندیہ الجونیہ نام بتایا گیا ہے اور کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا البتہ اس کو اپنے سے علیحدہ

کرنے کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ قتادہ اور ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قرب سے نوازنا چاہا اور اس سے فرمایا کہ قریب آ تو اس عورت نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پناہ تلاش کرتی ہے اور بہت بڑی پناہ مانگتی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے تجھے پناہ دے دی الحقی باھلك جا تو اپنے گھر والوں سے مل جا یہ کلمہ ایسا ہے جو طلاق کی نیت سے بولا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں اسی بنت الجون کے قصہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جسے ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ابنۃ الجون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ تلاش کی ہے جا اپنی اہل کے ساتھ مل جا اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ نسائی میں اس طرح مروی ہے کہ کلابیہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو (الحدیث) سیدہ صدیقہ سے اتنا ہی روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا مطلب یہ کہ کسی دوسرے نے اس کو نہیں سکھایا بلکہ اس نے اپنی طرف سے کہا اور کسی دوسرے کو کیا ضرورت تھی کہ وہ سکھائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تو ایسا گمان ہی نہ کرنا چاہیے کہ انہوں نے اسے سکھایا ہو اور وہ اس قصہ میں داخل ہوں حسن ظن لازم ہے۔ (واللہ اعلم)

ابواسید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں منقول ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک احاطہ میں پہنچے جس کو شوط کہا جاتا ہے اور اس باغ و احاطہ میں ٹھہر گئے اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہیں بیٹھ جاؤ پھر جونیہ کو بلایا گیا فرمایا نخلستان میں لے جاؤ جو وہاں تھا اور اس کے ساتھ ایک جانور تھا جس پر وہ سوار ہو کے آئی تھی جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو فرمایا اپنے آپ کو میرے لیے تیار کر لے اس بدبخت نے کہا ''کیا ملکہ اپنے سے کمتر کو اپنے آپ کے سپرد کر دے گی'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک دراز فرمائے تا کہ اسے خاموش کریں اس نے کہا ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ'' میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے بڑی پناہ گاہ سے پناہ مانگی ہے اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لے آئے اور فرمایا: ''اے اسید رضی اللہ عنہ اس کو دو جامہ اڑھا کر اسے اس کے اہل میں پہنچا دو'' اس عورت کا تکبر کرنا اور اپنے آپ کو ملکہ کہنا اس بنا پر تھا کہ اس کا باپ نعمان بن ابی الجون اہل کندہ کا سردار و رئیس تھا بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم کی بیویوں نے اسے سکھایا تھا کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلائیں اور دست اقدس تیری طرف بڑھائیں تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ کہنا کیونکہ یہ کلمہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا معلوم ہوتا ہے یہ عورت بہت ہی خوبصورت تھی انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ ان پر غالب نہ آ جائے جب اس نے یہ بات کہی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا اور اسے طلاق دے دی اور اس کو اس کے اہل میں بھیج دیا یہ عورت اپنے آپ کو بدبخت کہا کرتی تھی بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام امیہ تھا اور بعض نے کہا امام تھا ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواسید رضی اللہ عنہ ساعدی کو بھیجا کہ اسماء رضی اللہ عنہا کو مدینہ لائے چونکہ اس کی خوبصورتی کا شہرہ مدینہ میں پھیل چکا تھا اور عورتیں اس کو دیکھنے آتی تھیں اس لیے کسی نے اس کو سکھایا کہ تو ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اگر تو یہ چاہتی ہے کہ تیرا شوہر تجھے بہت چاہے تو تو جب خلوت میں پہنچے تو کہنا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ تو شوہر تجھے بہت چاہے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اسے بارگاہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں لائے تو تمام عورتیں اس پر رشک کرنے لگیں اور ظاہر میں اس سے شفقت و مہربانی کی باتیں کرنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا تم ان کے مہندی لگاؤ اور میں ان کے سر کے بال سنواروں اسی اثنا میں اس سے یہ بات کہی کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے خلوت فرمائیں تو تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ کہنا چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے گھر تشریف لائے اور پردہ اٹھا دیا اور چاہا کہ شرف قرب سے نوازیں تو اس نے کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْكَ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

فوراً اس کے پاس سے دور ہو گئے اور فرمایا تو نے بڑی پناہ گاہ سے پناہ مانگی ہے اٹھ اور اپنے لوگوں میں چلی جا اور ابو اسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے اس کے قبیلہ میں پہنچا دو بعد از اں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عورتوں نے اس کے ساتھ ایسا مکر کیا تھا اور اسے اس پر برانگیختہ کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ وَاِنَّ كَيْدَهُنَّ عَظِيْمٌ بے شک یہ عورتیں یوسف والیاں ہیں اور بے شک ان کا مکر بڑا ہے۔

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ یہ جو مکر وفریب ہے اور اس میں ان کے حق میں جنہوں نے کوئی گناہ، خطا اور خلاف ورزی نہیں کی ہے زیاں کاری اور بد اندیشی ہے اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بشری طبع کی فضیلت اور محبت کا مقتضائے غیرت ہے اور یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کی دلیل ہے کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی دوسرا بھی اس میں شریک ہو اور غیرت ورشک کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے سے محبوب کی جدائی دوسرے کیلئے گوارہ نہیں کرتیں مثلاً کسی کے پاس مال ہے یا کسی کا کوئی خاص حال ہے اور چند شخص اس میں شریک ہیں وہ پسند نہیں کرئے گا کہ کوئی اور اس میں شریک ہو یا اس سے وہ مال چھیننے یہی صورت یہاں لازم آتی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ بیویوں نے اس پر جبر واکراہ نہیں کیا تھا اس سے صرف زبانی کہا تھا اس نے کیوں کہا اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ شوہر کی محبت کی خواہش میں عورتوں کیلئے اتنی بات جائز ہو اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سخت وست نہ فرمایا اور نہ جزا وسزا دی اور نہ زجر وتوبیخ فرمائی۔ فرمایا تو صرف اتنا فرمایا کہ عورتوں کے مکر وفریب ہوتے ہیں اور ان کا مکر بہت بڑا ہے جس طرح کہ قرآن کریم میں زنان یوسف علیہ السلام کی شان میں آیا ہے کہ ان کیدکن عظیم بے شک تم عورتوں کے بڑے مکر ہیں۔ (فافہم واللہ اعلم)

ایک اور عورت تھی جس کا نام ملیکہ بنت کعب تھا ایک قول ہے کہ قبیلہ لیث کی لڑکی تھی قبل از دخول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مفارقت فرمائی بعض کہتے ہیں اسی عورت نے استعاذہ کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس سے دخول ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس وفات پائی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ نکاح بھی نہ کیا تھا صرف خوستگاری فرمائی تھی جیسا کہ مواہب میں ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ خلوت فرمائی جب اس سے پوشش دور ہوئی تو اس کے جسم میں سفیدی نظر آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہو گئے اور فرمایا اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے لوگوں میں چلی جاؤ۔ مواہب میں اس طرح ہے کہ قبیلہ غفار کی ایک عورت تھی اس کے بعد آخر تک یہی حکایت بیان کی ہے۔

ایک اور عورت شراف رضی اللہ عنہا بنت خلیفہ کلبیہ تھی جو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی بہن تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور وہ دخول سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔

ایک اور عورت لیلیٰ بن الخطیم قیس کی بہن تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا یہ بڑی غیور عورت تھی پھر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقالہ یعنی فسخ نکاح چاہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اقالہ کیا اس کے بعد اسے بھیڑیئے نے کھالیا بعض کہتے ہیں کہ یہی وہ عورت ہے جس نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔ مواہب میں اتنا ہی مذکور ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پشت برآفتاب تشریف فرما تھے تو لیلیٰ بنت خطیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کی طرف سے آئی اور آپ کی پشت مبارک پر ایک مکہ مارا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کون ہے یہ "اکلتہ الذئب" یعنی جسے بھیڑیا کھائے گا اس نے کہا میں خطیم کی بیٹی ہوں اور پھر اپنے باپ کی تعریفیں کرنے لگی۔ اس نے کہا میں آئی ہوں تا کہ اپنے نفس کو آپ پر ہبہ کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے اپنی زوجیت کیلئے پسند کرتا ہوں لیکن اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف گئی اور ان کو اس سے باخبر کیا۔ قبیلہ کے لوگوں نے کہا تو نے برا کیا تو ایک غیور عورت ہے اور وہ بہت سی بیویاں رکھتے ہیں تو

غیرت میں جلتی رہے گی اور باتیں کرے گی تو وہ تجھ پر غضب فرمائیں گے اور دعائے بد کریں گے ان کی دعا مستجاب و مقبول ہے جا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کر پھر وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور فسخ کا مطالبہ کیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فسخ فرما دیا اس عورت نے دوسرا شوہر کر لیا اور اس سے کئی بچے پیدا ہوئے ایک دن مدینہ طیبہ کے کسی باغ میں نہا رہی تھی اچانک بھیڑیئے نے اس پر جست کی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ایک اور عورت سنا' یا سبا' یا اسماء بنت صلت سلمیہ تھی اہل سیر کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیام دیا تو وہ اس خبر کے سنتے ہی خوشی سے مر گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ بنی سلیم کا ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑکی ہے جو بڑی حسین و جمیل ہے آپ کے سوا کسی اور کیلئے وہ مناسب نہیں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خواستگاری فرمائی یا خواستگاری کا قصد فرمایا اس شخص نے لڑکی کی تعریف کے قصد سے کہا وہ ایک اور صفت بھی رکھتی ہے کہ وہ نہ تو کبھی بیمار ہوئی اور نہ کوئی اسے تکلیف پہنچی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں تیری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے لَا خَیْرَ فِیْ مَالٍ یُرْزَاءُ مِنْهُ وَلَا جَسَدٌ لَّا یَنَالُ مِنْهُ۔

ایک اور عورت قبیلہ مرد بن عوف بن سعد کی تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو پیام بھیجا اس نے کہا یہ لڑکی برص رکھتی ہے یہ بات اس نے جھوٹ کہی تھی تاکہ اسے پیش نہ کرنا پڑے جب وہ گھر لوٹ کر آیا تو وہ برص میں مبتلا ہو چکی تھی اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے باپ نے اس کو اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہ دیا اس سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام شیب بن مرطبا تھا کہتے ہیں کہ وہ شاعر تھا۔ (ذکرہ الطبری)

ایک اور عورت امامہ بنت حمزہ عبدالمطلب پیش کی گئی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے کہ ابولہب کی باندی ثویبہ نے ان کو دودھ پلایا تھا۔

ایک اور عورت غزوہ بنت ابوسفیان جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی پیش کی گئی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ ان کی بہن اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا موجود ہے یہ چند عورتیں ہیں جن سے قبل از نکاح یا بعد از نکاح قبل از دخول مفارقت واقع ہوئی سیر کی کتابوں میں اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ ان اختلافات کے ساتھ جو ان کے ناموں میں واقع ہیں۔

انہیں عورتوں میں سے کچھ وہ ہیں جن کو پیام نکاح دیا لیکن نکاح واقع نہ ہوا ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب جن کا نام فاختہ ہے بعض عاتکہ بتاتے ہیں اور بعض ہند پہلا قول زیادہ مشہور اور صحیح ہے۔ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا: اے میرے چچا! اپنی بیٹی ہبیرہ بن وہب کو دے دی اور مجھے نہ دی ابوطالب نے عرض کیا: اے میرے بھتیجے ان کے ساتھ میری مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ ہے میں نے ان سے بیٹی مانگی تھی طریقہ کرم میں نے اسی میں دیکھا کہ میں ان کا بدلہ اتار دوں اس کے بعد ام ہانی کے ہبیرہ سے جعدہ' عمر' یوسف اور ہانی پیدا ہوئے اسی ہانی کی وجہ سے ان کی کنیت مشہور ہوئی اس کے بعد ام ہانی مسلمان ہو گئیں اور ان کا اسلام لانا عام الفتح میں تھا پھر ان کے اور ہبیرہ کے درمیان اسلام نے جدائی کر دی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیام دیا اس پر ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: خدا کی قسم میں آپ کو زمانہ جاہلیت میں بھی پسند کرتی تھی اب جبکہ میں اسلام سے بھی محبت رکھتی ہوں آپ کو کیسے نہ پسند کروں بلاشبہ آپ میری آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن میں ایک ایسی عورت ہوں جو کئی یتیم بچے رکھتی ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں بچوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہوئی تو آپ کا حق بجا نہ لا سکوں گی اور اگر جیسا کہ آپ کا حق اور آپ کی خدمت

فرض ہے اس کے بجالانے میں مشغول ہوئی تو بچوں کی دیکھ بھال نہ کرسکوں گی اور یہ ضائع ہو جائیں گے اور میں شرم کرتی ہوں کہ آپ میرے بستر پر تشریف لائیں اور میرے ایک بچے کو تو میرے پاس لیٹا ملاحظہ فرمائیں اور دوسرے بچے کو دودھ پلاتا دیکھیں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورتیں بہترین ہیں جو اونٹوں کو سوار کرتی ہیں مطلب یہ کہ عرب کی بیویاں اور قریش کی عورتیں اپنی اولاد پر زیادہ مائل و مہربان اور دل میں اپنے شوہر کی زیادہ امانت دار اور دیکھ بھال کرنے والی ہیں۔ تفسیر میں مرقوم ہے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ یہ ارشاد نازل ہوا کہ۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ تو ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پیام دیا میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت خواہی کی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے معذور رکھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لہٰذا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حلال نہ ہوئی اس لیے کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی اور یہ کہ میں مطلقہ تھی روایت کیا ہے اس کو ان سے حضرت علی' حضرت ابن عباس' ابن ابی لیلیٰ' عکرمہ' شعبی' عطا ان کے مولیٰ ابوصالح ان کے بیٹے جعدہ اس کے پوتے ابن جعدہ اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم اجمعین نے اور وہ بعد میں ۵۰ ھ تک یعنی زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک زندہ رہیں۔ ان کا ذکر فتح مکہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں چاشت کی نماز پڑھی صلوٰۃ الضحیٰ کے باب میں ان کی حدیث اصل ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندیاں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرارسی یعنی باندیاں چار تھیں۔ ایک حضرت ماریہ بنت شمعون قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جنہیں مقوقس قبطی حاکم مصر والی اسکندریہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تحائف کے ساتھ بھیجا تھا اور یہ سفید جلد صاحب جمال تھیں یہ مسلمان ہو گئیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برسم تسری رکھا اور ملک یمین کے تحت ان میں تصرف فرمایا ان کے ساتھ محبت تھی چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان پر رشک کرتی تھیں اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ انہیں سے پیدا ہوئے تھے نیز عوالی مدینہ میں ان کیلئے مکان بنایا تھا جسے آج بھی "مشربہ ام ابراھیم" رضی اللہ عنہا کہتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ بقیہ احوال ٦ ھ میں بعد از فتح حدیبیہ مکاتیب بھیجنے کے ضمن میں مذکور ہو چکے ہیں۔

دوسری جاریہ ریحانہ بنت زید بن عمرو ہیں بعض کہتے ہیں کہ شمعون کی بیٹی ہیں یہ بنی نضیر کی باندیوں میں سے ہیں اور ایک قول سے بنی قریظہ سے۔ پہلا قول اظہر ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمین کے طور پر انہیں شرف صحبت سے نوازا بعض کہتے ہیں کہ آزاد کر کے ہجرت کے سال ہشتم میں نکاح فرمایا واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور ابن عبدالبر وغیرہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی وفات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے قبل حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ہوئی ہے اور بقیع میں مدفون ہیں ایک قول یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئیں۔ قول اول صحیح تر ہے۔

تیسری جاریہ جمیلہ تھیں جو کسی سبایا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھیں۔

چوتھی وہ باندی تھی جسے سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل رضی اللہ عنہ ہے کیونکہ ان کے سب سے بڑے فرزند کا نام فضل تھا ان کی نسبت سے یہ کنیت ہے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جن کا نام عبداللہ ہے بڑے تھے لیکن حضرت عبداللہ ہی ابن عباس سے مشہور ہوئے اور یہی ان کے نام پر غالب آ گیا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام نتیلہ بنت حباب بن کلب ہے بیان کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی عرب عورت ہیں جنہوں نے بیت الحرام پر دیبا کا غلاف چڑھایا اس لیے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بچپنے میں گم ہو گئے تھے تو ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ آ جائیں تو بیت اللہ پر غلاف چڑھائیں گی۔ حضرت عباس بڑے حسین وجمیل دو گیسو والے اور طویل القامت تھے چنانچہ منقول ہے کہ لوگوں کا قد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے کندھوں تک بعض روایتوں میں ان کے وصف میں معتدل بھی لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ مراد معتدل القامت ہے لیکن یہ اعتدال تمام اعضاء جوارح میں مراد ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ان کی ولادت عام الفیل سے تین سال پہلے ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین سال عمر میں زیادہ تھے اور وہ قریش میں سردار تھے اور عمارت بیت الحرام ان کے سپرد تھی ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد اور اس کی دیکھ بھال مراد ہوگی اور منصب سقایۃ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عقبہ کی رات جس میں انصار نے عقد بیعت کی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس مجلس میں انہوں نے فرمایا اے گروہ انصار تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں بزرگ وعظیم ہیں۔ مبادا اس وقت جو تم عہد و پیمان باندھ رہے ہو تم توڑ دو۔ خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر تمام امور میں اعتماد فرماتے تھے جب بدر کے قیدیوں میں ان کے بند سخت ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آہ و نالہ اور ان کی حالت کے تصور سے سو نہ سکے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نیند نہ آنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا عباس کی وجہ سے۔ اس کے بعد ایک شخص اٹھا اور ان کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں اسی طرح صاحب صفوہ ابوعمرو نے بیان کیا ہے اور یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور مشرکوں کے جبر وقہر کی بنا پر ساتھ آئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ جس کسی کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ملیں وہ ان کو قتل نہ کرے اس لیے کہ انہیں جبراً لایا گیا ہے یعنی ناگواری اور عدم رضا سے ساتھ آئے ہیں کیونکہ ابوجہل اور کافروں نے نہیں چھوڑا کہ وہ مکہ میں رہیں اور بدر میں نہ جائیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے راہ میں حضور کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عیال کو مدینہ طیبہ بھیج دیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے وہ فتح مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہارے ساتھ اب ہجرت ختم ہو گئی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بعض بیان کرتے ہیں کہ وہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لے آئے تھے مگر انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا اور حق تعالیٰ نے جو مسلمانوں کو فتح ونصرت عطا فرمائی اس سے وہ بہت خوش ومسرور ہوئے اور اپنے اسلام کو روز فتح ظاہر فرما دیا۔ غزوۂ حنین، طائف اور تبوک میں شریک ہوئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ بدر سے پہلے بھی وہ مسلمان تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے حالات اور ان کی خبریں لکھ کر بھیجا

کرتے تھے اور مکہ مکرمہ میں باقی مسلمانوں کی اطلاعیں دیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اطلاع پر اعتماد فرماتے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے اسی بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ میرے لیے تمہارا مکہ مکرمہ میں رہنا بہتر ہے۔ سہل بن ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگی اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ اے چچا تم اپنی جگہ رہو اللہ تعالیٰ تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا جس طرح کہ مجھ پر نبوت کو ختم فرمایا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عام الفتح میں انہوں نے ہجرت کی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کے مل گئے جیسا کہ معلوم ہوا۔

سہمی کتاب الفضائل میں نقل کرتے ہیں کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ نے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشخبری سنائی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو اسی وقت آزاد کر دیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ان کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے اور ان کی بہت تعریفیں کرتے تھے کہ وہ لوگوں میں سخی ترین اور مہربان ترین ہیں اور فرمایا میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ بمنزلہ میرے والد کے ہیں جس نے انہیں ایذا پہنچائی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی یہ اس وقت فرمایا جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر لوگوں کی شکایت کی اور کہا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے جب بھی میں ان کے پاس جاتا ہوں تو انہیں ناگوار ہوتا ہے اور اپنی ان باتوں کو ہم سے چھپا لیتے ہیں جو وہ باہم کرتے ہوتے ہیں اور ہماری طرف محبت کی آنکھ نہیں اٹھاتے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں آئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں آتے دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو کر بڑھے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنے داہنی جانب ان کو بٹھایا اور فرمایا یہ میرے چچا ہیں ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے چچا پر فخر کرے اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کتنی خوش آئند بات فرما رہے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہ کہوں حالانکہ تم میرے چچا ہو اور بمنزلہ والد کے ہو اور میرے اجداد کے بقیہ اور میرے وارث ہو اور بہترین شخص ہو جسے میں اپنے اہل میں سے چھوڑے جاتا ہوں ایک اور مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے میرے چچا! اپنے گھر رہنا اور اپنے بچوں کو بھی باہر نہ بھیجنا میں کل تمہارے یہاں آؤں گا مجھے تم سے کام ہے۔ پھر جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں رونق افروز ہوئے اپنی چادر مبارک ان سب پر ڈالی ایک روایت میں ہے کہ ان سب کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر شریف میں ڈھانپا اور فرمایا اے خدا! یہ میرے چچا اور میرے والد کے قائم مقام ہیں اور ان کے یہ فرزنداں میری اہل بیت ہیں ان سب کو آتش دوزخ سے ایسا ہی چھپا لے جس طرح میں نے انہیں اپنی چادر میں چھپالیا ہے اس پر ان سب نے آمین کہی اور گھر کے در و دیوار نے بھی آمین آمین کہی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ گھر کا کوئی پتھر اور ڈھیلا ایسا نہ تھا جس نے آمین نہ کہی ہو ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو اپنی چادر شریف میں چھپالیا اس کے بعد فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِيْ وَلَدِهٖ وَلَدِهٖ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندان شریف اور ان کی اولاد کے بارے میں کہ وہ ان کے بعد رہیں گے اور ان کے خلافت کی خبریں اور ان کی مدح، چادر شریف کا اوڑھنا دین کا اعزاز ملت کی تقویت اور ان سے محبت رکھنے پر ترغیب وغیرہ امور کی خبریں اور حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے بہت سے راوی ضعیف و مطلوب ہیں بلکہ کذب و وضع کا ان پر گمان ہے اس قسم کی خبریں، حدیثیں

اورآ ثاران کی خلافت کے زمانہ میں ظاہر ہوئیں۔(واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کے عہد خلافت میں ان کی شہادت سے دوسال پہلے بارہ یا چودہ ماہ رجب یا ماہ رمضان ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر شریف اٹھاسی یا نواسی سال کی تھی۔ وہ بتیس سال زمانہ اسلام میں رہے۔ بقیع شریف میں وہ مدفون ہوئے اوران کوان کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس نے قبر میں اتارا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی عظیم وجلیل اورتر جمان القرآن اورابوالخلفاء کے لقب سے موسوم ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پیدا کیا تو وہ انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اورفرمایا ابوالخلفاء کو لے جاؤ۔ رواہ ابن حبان وغیرہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی اولا دواحفاد زمین میں اتنی پھیلی کہ خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں آٹھ ہزار تک پہنچ گئی اس خبراوراس کثرت کو محال اور بعید جانا گیا ہے مگر یہ کہ لواحقین اور تبعین مرادلیں تو درست ہے۔(واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچاؤں میں سب سے کم عمر تھے۔

جدات یعنی دادااور نانی: جدات کی دوقسمیں ہیں ایک وہ جو باپ کا بالائی نسب ہو دوسرا وہ جو ماں کا بالائی نسب ہو مواہب لدنیہ میں سب کوشمار کیا گیا ہے ان کے تمام احوال حدیث کی کتابوں میں بیان نہیں کیے گئے صرف ان کے اسماء ہی بیان ہوئے ہیں۔

رضاعی بھائی: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائیوں میں سے ایک تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے ابوسلمہ بن عبدالاسد شوہر ام سلمہ ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں ان کو اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثویبہ ابولہب کی باندی نے اپنے بیٹے مسروح بن ثویبہ کا دودھ چار برس کے فرق سے پلایا پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد کو۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث جو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث کے بیٹے ہیں یہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں ان کو اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدہ دایہ حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا اور حلیمہ سعدیہ کی اولاد بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بہن بھائی ہیں ایک مرتبہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہوازن پر تاخت کر رہا تھا تو ان میں ایک عورت قید ہو کر آئی اس نے کہا میں تمہارے آقا کی بہن ہوں جب اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی رضاعی بہن ہوں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مرحبا فرمایا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر اسے بٹھایا اور گزشتہ حالات کی یاد سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو عزت واحترام اور محبت کے ساتھ رہو گی اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے لوگوں کی طرف لوٹا دوں اور حلہ اور انعام واکرام تمہیں عطا فرمادوں؟ اس نے کہا: ''میں اپنی قوم کی طرف جانا چاہتی ہوں'' پھر وہ مسلمان ہو گئی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین غلام وباندی اور بہت سے اونٹ وبکریاں مرحمت فرمائیں۔

مروی ہے کہ بی بی حلیمہ سعدیہ بھی بارگاہِ رسالت میں آئیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی بہت ادب اور احترام اور اکرام وانعام فرمایا اور ابولہب کی باندی ثویبہ کو بھی اکرام وانعام سے نوازا۔ ان کے اسلام لانے میں علماء اختلاف کرتے ہیں جس طرح کہ بی بی حلیمہ سعدیہ کے اسلام میں اختلاف کرتے ہیں بقیع میں ان کا چھوٹا سا قبہ تھا جسے قبہ حلیمہ سعدیہ کہتے تھے (مگر اب نجدی ملعونوں نے اسے بھی شہید کر دیا) کہتے ہیں کہ ان کی قبر پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغرض زیارت تشریف لے جاتے تھے اور بی بی حلیمہ کے شوہر

کے اسلام میں بھی اختلاف ہے ظاہران کا اسلام لانا ہے اور ثویبہ باندی کو ابولہب نے اس وقت آزاد کیا جبکہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا مژدہ لاکر اسے سنایا تھا اسی بنا پر مروی ہے کہ روز دوشنبہ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن ابولہب سے عذاب اٹھادیا جاتا ہے اور ثویبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آئی تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کا احترام فرماتیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ اس کیلئے حلہ اور کپڑے بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ فتح خیبر کے بعد فوت ہوگئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاصہ تھی یعنی وہ دایہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے کر پرورش کرتی تھی وہ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا حبشی ہے ان کا نام برکت ہے ان کے نام پر ان کی کنیت غالب آ گئی۔ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں پھر مدینہ آ گئیں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں جو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی میراث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے ملی تھیں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آزاد کردیا اور ان کا نکاح عبید بن زید بن عمر بنی الحارث سے کردیا۔ ان سے ایمن فرزند پیدا ہوا اسی نسبت سے ان کی کنیت ام ایمن رضی اللہ عنہ قائم ہوئی۔ عبید کے بعد ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمادیا اور ان سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ام ایمن رضی اللہ عنہا ''امی بعدامی'' یعنی میری ماں ہیں میری اپنی ماں کے بعد اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بیس دن بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ان کے فرزند ایمن اور حضرت انس بن مالک اور طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں۔

تیما بنت حلیمہ سعدیہ بھی اپنی ماں حلیمہ سعدیہ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضانت کرتی تھیں۔

باب چہارم

درذکر خدام بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

مردوں میں سب سے زیادہ مشہور اور پابندی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے والے حضرت انس بن مالک بن نضیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوحمزہ ہے حمزہ ایک بقلہ دوانہ ہے جس میں تیزی ہوتی ہے فارسی میں اسے تیرہ تیزک کہتے ہیں۔مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اسے لا رہے تھے اسی حالت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور انہیں ابو حمزہ کنیت کے ساتھ یاد کیا انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے جس وقت ہجرت کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو ان کی والدہ ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ لڑکا انس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے گا چنانچہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سال تک خدمت کی اور سفر و حضر میں حاضر رہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام کیوں نہ کیا اور فلاں کام کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا حضرت انس تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور خلافت فاروقی میں بصرہ میں انتقال فرمایا اور بہت سے لوگوں کو فقیہہ بنایا بصرے میں انتقال کرنے والے یہ آخری صحابی تھے جن کا ۹۳ھ یا ۹۱ھ یا ۹۹ھ میں انتقال ہوا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے ان کی والدہ کی درخواست پر جبکہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا فرمائی ان کی والدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہے اس کیلئے دعا کیجئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر کثرت مال و اولاد میں تو دیکھ ہی لیا ہے مجھے امید ہے کہ تیسری دعا دخول جنت کی ضرور پوری ہوگی اور فرمایا کہ میرے مال میں زیادتی اس حد تک ہوئی کہ میرا انگوروں کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا ان کی عمر سو سال سے متجاوز ہوئی ان کے صلب سے ایک سو چھ بچے پیدا ہوئے جن میں ۷۰ ستر لڑکے اور باقی لڑکیاں تھیں اور ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان سے کثیر جماعت صحابہ نے روایت لی ہے اور پھر ان کے لڑکے پوتے پڑپوتے وغیرہ سے خلق کثیر نے روایت لیں۔انہوں نے ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں وفات پائی اور محمد بن سیرین نے ان کو غسل دیا سیرین ان کے غلاموں میں سے تھے ان کے گرد ان کی ایک سو بیس اولاد جمع ہوئی اور ان کو دفن کر دیا اور حجاج کا انتظار نہ کیا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حجاج کے ساتھ سخت کلامی ہوگئی تھی حجاج ان پر ایذا رسانی کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس بنا پر جوان کو صلابت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی فضیلت حاصل تھی اور دعاء کا اثر تھا جو انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی اس دعا کی قوت سے وہ حجاج پر غالب رہتے تھے وہ دعا مشہور ہے اور فارسی رسالوں میں اس کی شرح کی گئی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

غافل ہذلی تھے یہ سادس الاسلام صاحب نعلین ومسواک وتکیہ اور عصا والے تھے مواہب میں وسادہ یعنی بچھونے کا ذکر کیا ہے تکیہ کا ذکر نہیں کیا یہ تمام چیزیں ان کے سپرد تھیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو یہ نعلین مبارک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہناتے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نسبت فرماتے تو پائے اقدس سے نعلین مبارک اتارتے اور اپنی آستین میں محفوظ رکھتے تھے آپ مقرروان بارگاہ اور حاضرین مجلس مبارک میں سے تھے چنانچہ آنے والے لوگ آپ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل میں سے خیال کرتے تھے آپ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں اس سلسلہ میں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَضِیتُ لِاُمَّتِیْ مَا رَضِیَ بِہٖ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ وَّ سَخِطْتُ لَهَا مَا سَخِطَهٗ (میں اپنی امت میں سے اس سے راضی ہوں جس سے حضرت ابن مسعود راضی ہیں اور میں اس سے ناراض ہوں جس سے وہ راضی نہیں ہیں آپ نے مدینہ طیبہ میں ایک قول ہے کوفہ میں ۳۱ھ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی ان کی عمر شریف باسٹھ سال کی ہوئی آپ سے خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایتیں لی ہیں۔

ایمن ابن ام ایمن رضی اللہ عنہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم ایمن ابن ام ایمن رضی اللہ عنہ تھے یہ پانی کی چھاگل اٹھانے والے تھے یہ روز حنین شہید ہوگئے۔

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ: ایک خادم ربیعہ رضی اللہ عنہ بن کعب اسلمی تھے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وضو کا پانی مہیا کرتے تھے اور اصحاب صفہ میں سے تھے اور صحبت قدیم رکھتے تھے اور سفر وحضر میں خدمت میں حاضر رہتے تھے انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں بیان کی ہیں اور ان سے تابعین کی جماعت نے روایت لی ہیں بخاری نے ان کی ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ: ایک خادم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جو دوران سفر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کھینچتے تھے امام ذہبی نے کاشف میں ان کی تعریف اس طرح بیان کی ہے کہ وہ میر کبیر، شریف، فصیح، مقری، فرضی شاعر صحابی تھے غزوۂ بحرین کا والی بنایا گیا اور انہوں نے مصر میں وفات پائی جبکہ وہ امیر معاویہ کی جانب سے اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کی معزولی کے بعد مصر کے والی ہوگئے تھے وہ مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے روایت کی ہے اور ان سے صحابہ میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے خلق کثیر نے روایت لی ہے (کذا فی جامع الاصول) ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کھینچ رہا تھا اور پہاڑی راستہ تھا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عقبہ رضی اللہ عنہ سوار ہو جاؤ مگر میں نے اسے بزرگ جانا کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکب پر سوار ہوں پھر میں ڈرا کہ معصیت ہو جائے گی حکم شریف بجالانا چاہے چنانچہ میں سوار ہو گیا اور جلدی ہی اتر آیا اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو کھینچا پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی دو سورتیں بتاؤں اور سکھاؤں جنہیں لوگ پڑھیں میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ بتائے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں فرمایا وہ دو سورتیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ہیں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا کہ میں ان دونوں سورتوں سے مسرور نہ ہوا مطلب یہ کہ ان دونوں سورتوں کی افضلیت اور خیریت سے ان تمام قرآنی سورتوں کے مقابلہ میں خصوصاً سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ وغیرہ سے جو کہ تمام سورتوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ میں مسرور نہ ہوا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے اُترے اور ان دونوں سورتوں کے ساتھ نماز صبح پڑھی جو کہ سب سے چھوٹی سورتوں میں سے ہیں اور میری طرف نگاہ کرم کرکے فرمایا تم

نے دیکھ لیا مطلب یہ کہ تم نے دیکھا میں نے انہیں دونوں سورتوں کی خیریت اور افضلیت' استعاذہ کے باب میں ہے جو جسمانی وروحانی تمام آفتوں اور بلاؤں کے دفعیہ کو شامل ہیں سفر میں نماز صبح میں پڑھنا بھی اسی بنا پر ہے اسے امام احمد ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے امام احمد کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں تمہیں تین سورتیں بتاؤں جو توریت وانجیل اور فرقان میں ہیں میں نے عرض کیا ''ضرور یا رسول اللہ'' فرمایا تم قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرو۔

حضرت سعد مولیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہما: ایک خادم سعد مولیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے بعض سعید نام بتاتے ہیں مگر سعد زیادہ صحیح ومشہور ہے انہیں صحبت کا شرف حاصل تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے ان سے امام حسن بصری روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھجوریں پیش ہوئیں پھر لوگوں نے دودو ملا کر اٹھانا شروع کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودو ملا کر نہ کھاؤ ذہبی نے اسی طرح بیان کیا ہے استیعاب میں کہا گیا ہے کہ حسن بصری نے سعد رضی اللہ عنہ مولی ابی بکر سے روایت کی ہے حالانکہ ان سے مروی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی مگر ابی عامر کے نزدیک ابی الحرار صالح بن رستم سے اور انہیں کو سعد بھی کہتے ہیں اور سعید اکثر واضح ہے ان کا شمار اہل بصرہ میں کیا جاتا ہے اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے ان کے حوال میں صرف اتنا ہی لکھا ہوا ہے ان کا نسب وحسب تحریر نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

افلح رضی اللہ عنہ بن شریک: ایک خادم افلح بن شریک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راحلہ والے تھے صاحب مواہب نے کہا کہ طبری نے ربیع بن بدر اور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا مجھ سے ایک شخص نے بتایا جس کا نام افلح تھا اس نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے افلح اٹھو اور اونٹ پر راحلہ باندھو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے پھر جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں آئے اور تیمم کی آیت لائے اور اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے افلح! اٹھو اور تیمم کرو میں نے تیمم کیا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے راحلہ باندھا اور روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک چشمہ پر پہنچے تو فرمایا اے افلح جلدی سے اس شیریں پانی سے غسل کرلو افلح بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کا طریقہ یہ بتایا کہ ایک ضرب منہ کیلئے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کیلئے مارو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ: ایک خادم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام جندب بن جنادہ ہے اعیان صحابہ اور زہاد میں سے ہیں مکہ مکرمہ میں چوتھے یا پانچویں اسلام لانے والے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بہت عبادت الٰہی کیا کرتے تھے ان کا مذہب ذخیرہ کرنے اور روپیہ سونا جمع کرنے کی حرمت پر ہے ان کے حالات عجیب وغریب اور ان کے مناقب بلند ورفیع ہیں۔

ان کے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان آیہ کریمہ: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں کے بارے میں نزاع واقع ہوا اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت اہل کتاب کی شان میں ہے اور انہوں نے ان کی شکایت امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو لکھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو شام سے مدینہ طیبہ بلا کر موضع ربذہ بھیج دیا یہ مقام مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے وہیں انہوں نے سکونت اختیار کی اور ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں وفات پائی اصابہ میں ہے کہ ۳۲ھ پر ہی اکثریت ہے ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھی جبکہ وہ کوفہ سے آئے

تھے۔اوران پر بہت دیر تک روتے رہے اورفرمایا: ''اَخِیْ وَخَلِیْلِیْ عَاشَ وَحْدَہٗ وَفَاتَ وَحْدَہٗ وَیُبْعَثُ وَحْدَہٗ وَطُوْبٰی لَہٗ'' یعنی اے میرے بھائی اور میرے دوست تنہا زندگی گزاری تنہا رحلت پائی اور تنہا اٹھو گے خوشی ہو ان کے لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے ساتھ کئی انصاری اشخاص بھی تھے ان کے ساتھ چادریں تھیں ان کے آنے کے دس دن بعد رحلت فرما گئے اصابہ میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ ربذہ میں پڑھی اس کے بعد وہ مدینہ طیبہ آ گئے اس کے کچھ عرصہ بعد وہ بھی رحلت فرما گئے اور حضرت ابن مسعود کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہی اختلاف لاحق ہوا جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مکہ سے آنے اور ان کے اسلام لانے کا قصہ عجیب وغریب ہے حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ راست گو شخص پر آسمان نے کسی پر سایہ نہ کیا اور نہ زمین نے کوئی بوجھ اٹھایا مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی عبادت میں حضرت عیسیٰ کے ساتھ مساوات رکھتے ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ جسے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے ایک روایت میں آیا ہی کہ جو یہ چاہتا ہے کہ ہدایت زہد نیکی اور عبادت میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ لوگوں میں دیکھے تو وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھے ایک روایت میں بر وصدق نیکی یعنی وراست گوئی ایک روایت میں خلق وخلق یعنی خصلت و پیدائش آیا ہے ابن عبدالبر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر عالم نزع طاری ہوا تو ان کی والدہ اوران کی بیوی رونے لگیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کس چیز نے تم کو رونے پر مجبور کیا؟ انہوں نے کہا ہم کیوں کر آپ پر نہ روئیں جبکہ آپ ایک بیابان افتادہ زمین میں سکونت پذیر ہیں اور ہمارے پاس کپڑا بھی نہیں کہ اس میں ہم آپ کو کفن بھی دے سکیں آپ نے فرمایا میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ایک جماعت سے فرمایا جن میں میں بھی تھا کہ تم میں سے ایک بیابان کی زمین میں رحلت کرے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچے گی چنانچہ اس جماعت میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوا اور سبھی اپنی قوم میں فوت ہوئے لہٰذا خدا کی قسم میں ہی وہ شخص ہوں جس کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور فرمایا جاؤ اور راستہ پر نظر ڈالو کہ کوئی جماعت آ رہی ہے ان کی زوجہ نے کہا یہ کونسا وقت کسی جماعت کے آنے کا ہے کیونکہ حاجی لوگ جا چکے اور راستہ بند ہو گیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ دیکھو اور خوب غور سے دیکھو وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ایک ٹیلہ پر چڑھی اچانک میں نے دیکھا کہ ایک جماعت آ رہی ہے جو کیکر کی لکڑیوں پر چادر تانے ہوئے ہے میں نے اپنے آپ کو ان کے پاس پہنچایا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو انہوں نے کہا اے اللہ کی بندی تیرا کیا حال ہے اور تو کون ہے میں نے کہا ایک مسلمان شخص کے نزع کا عالم ہے اس کیلئے کفن درکار ہے انہوں نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا ابوذر رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی؟ میں نے کہا ہاں اس کے بعد انہوں نے پہلے اپنے آباؤ امہات کی تعزیت کی پھر وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس پر ان سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حضور اکرم نے ایک ایسی جماعت سے فرمایا جس میں میں بھی تھا کہ تم میں سے ایک شخص بیابان کی زمین میں انتقال کرے گا اور اس کے پاس مسلمانوں کی جماعت حاضر آئے گی تو جماعت میں کوئی ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنی قوم وجماعت میں فوت ہوا ہے خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا اور فرمایا اگر ہوتا میرے پاس یا میری بیوی کے پاس اتنا کپڑا جو کفن کو کفایت کرتا تو میں اسی میں کفن دیا جاتا اور میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص مجھے کفن نہ دے جو امیر ہو یا عریف یا نقیب یا قاصد اس جماعت میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس میں ان صفات میں سے کوئی صفت موجود ہوتی اس پر ایک انصاری جوان نے کہا اے چچا میں آپ کو اس چادر کا کفن دوں گا جو میرے پاس ہے اور جامہ دان میں محفوظ ہے جسے میری باندی نے کاتا

اور بنا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم مجھے اس کا کفن دینا چنانچہ اس انصاری نے اسی چادر کا کفن دیا اور نماز کیلئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان کو دفن کیا رضی اللہ عنہم اجمعین وغفرلنا ببرکتہم وذببرکتہ عبادہ الصالحین۔ آمین نیز صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے تھے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا وہ ایسے شخص تھے جو ہر ایسی چیز کا علم یاد رکھتا تھا جس سے لوگ عاجز رہ جاتے تھے اور جب تک وہ زندہ رہے ان کے اسرار کو نہ کھولا اور نہ ان کی کوئی چیز ظاہر کی۔

مہاجر مولیٰ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ایک اور خادم مہاجر نام کے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے صحابہ کرام میں نام کے مہاجر بہت ہیں ایک مہاجر رضی اللہ عنہ بن حبیب ہیں جن سے سمعہ دریا کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے دوسرے مہاجرین قنفذ ہیں جو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور جن کیلئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ھُوَ الْمُھَاجِرُ حَقًّا** اس پر لوگوں نے جانا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کا نام بیان فرمانا ہے تیسرے مہاجر مکی ہیں جن سے مشکوٰۃ میں حدیث مروی ہے ان کا ذکر ان کتابوں میں میں نے نہیں پایا چوتھے مہاجر مولیٰ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان کو اہل مصر میں سے شمار کیا جاتا ہے صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ وہی ہیں جنہوں نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین میں دو۲ تسمے تھے یا وہ مہاجر بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ ہیں جو ربیع بن زیاد کے بھائی ہیں اور ایک مہاجر اور ہیں جن کے بارے میں ''مہاجر رجل من الصحابہ'' مذکور ہے وہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک میں ۲ تسمے تھے اور ایک مہاجر رضی اللہ عنہ بن مسعود ہیں ''اصابہ'' میں کہا گیا ہے کہ ان کو صحابہ میں شمار کرنا وہم ہے۔

حنین: ایک اور خادم حنین (دونوں سے) عبداللہ کے والد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے تو ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بخش دیا اور کاشف میں کہا گیا ہے کہ حنین مولیٰ ابن عباس ہیں لیکن اس کے حاشیہ میں ''تہذیب'' سے لکھا ہوا ہے کہ حنین والد عبداللہ بن حنین ہیں ہاشمی نے اس کو علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا نسائی میں ان سے ایک حدیث معصفر یعنی چڑیوں کی ممانعت میں مروی ہے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا ہے اور کہا کہ عبداللہ بن حنین، علی سے محفوظ ہیں۔

نعیم: ایک اور خادم نعیم رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ اسلمی یا نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بن کعب اسلمی تھے۔ ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے اور ان کی حدیث ابراہیم بن سعد نے محمد ابن اسحٰق سے انہوں نے محمد بن عطا سے انہوں نے نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔

ابوالحمراء: ایک اور خادم ابوالحمراء حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم تھے ان کا نام ہلال رضی اللہ عنہ بن الحارث ہے لیکن یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھے اور حمص آ کے رہے بعض نے کہا کہ بن ظفر نام ہے ابن عیسیٰ نے اس کو تاریخ حمص میں نقل کیا ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے: **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا** استیعاب میں ذکر کیا ہے اصابہ میں بخاری سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کی صحبت تو ثابت شدہ ہے مگر ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

ابو السمح رضی اللہ عنہ: ایک اور خادم ابوالسمح رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام اباذ ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم ہیں ان سے محل بن خلیفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے ابوداؤد ابن ماجہ اور نسائی لائے ہیں اصابہ میں کہا گیا ہے کہ اہل سیر کہتے ہیں

ان کا نام اباد ہے اور نبی کے خادم ہیں ابوذرعہ نے کہا کہ نہ میں ان کو پہچانتا ہوں اور نہ ان کا نام جانتا ہوں البتہ ان کی حدیث معلوم ہوئی ہے جسے ابن خزیمہ ابوداؤد نسائی ابن ماجہ اور بغوی نے بطریق یحییٰ بن ولید بیان کیا ہے وہ یہ کہ ہم سے محل بن خلیفہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا ارادہ فرماتے تو اپنی پشت مبارک مجھ سے ملواتے تھے بزاز نے کہا ابوالسمح کی اس حدیث کو اس سند کے سوا میں نہیں جانتا لوگ کہتے ہیں کہ وہ شہید ہوئے اور معلوم نہ ہوا کہ کیا ہوا یہ تیرہ اصحاب ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے ہیں جسے مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے

بارگاہ نبوت کی خدمت گزار عورتیں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کرنے والی عورتیں بھی تھیں ان میں سے ایک

ام ایمن رضی اللہ عنہا: ام ایمن ہیں جو حبشی ہیں اور ان کا نام برکت ہے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اعمام وعمات کے آخر میں تقریباً گزر چکا ہے اب اس کی اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے جلد کی سیاہی اپنی والدہ کی وجہ سے ہے اگرچہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سفید رو خوبصورت تھے۔

خولہ رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ' حفص کی دادی ہیں۔ مواہب لدنیہ اور روضۃ الاحباب میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا جب میں نے ان کے نام اور ان کے احوال کی بہت جستجو کی تو یہ نام بہت سے پائے یہاں تک کہ شیخ حافظ امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب ''الاصابہ فی معرفتہ الصحابہ'' کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے اس نام کے تقریباً تمیں افراد بیان کیے ہیں اور ایک دوسرے کے اتحاد وتغایر میں بحث فرمائی ہے اور کسی ایک کو اس عنوان کے ساتھ کہ وہ حفص کی دادی تھیں اس سے معنون نہ پایا گیا تا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ خولہ رضی اللہ عنہ تک رسائی ہوئی اور شیخ نے فرمایا کہ ابوعمرو نے کہا کہ ان سے حفص بن سعد نے اپنے والد کے ذریعہ خولہ رضی اللہ عنہا سے تفسیر والضحیٰ میں روایت کی ہے اور ابوعمرو نے کہا کہ اس حدیث کی سند ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ حجت لائی جائے پھر شیخ اس حدیث کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور طبرانی نے بطریق ابی نعیم ملائی حفص سے وہ اپنے والد سے وہ اپنی ماں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں تخریج کی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک کتے کا بچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں گھس کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے آ گیا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح فرمائی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت اندوہ گیں تھے میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا آج رات جبریل علیہ السلام نہیں آئے اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اوڑھی اور گھر سے باہر تشریف لے آئے اور مجھ سے فرمایا جھاڑو سے گھر کو خوب صاف کر دو پھر میں نے جھاڑو لے کر گھر کی صفائی شروع کر دی اچانک میں نے دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے کتے کا بچہ مرا پڑا ہے میں نے اسے نکال کر پھینک دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں گھر میں تشریف لائے کہ آپ کی ریش مبارک لرز رہی تھی جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کانپنے لگے پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے خولہ رضی اللہ عنہا مجھے تنہا چھوڑ دو یعنی گھر سے باہر چلی جاؤ۔ اس وقت سورۃ والضحی واللیل اذا سجی آخر سورۃ تک نازل ہوئی (انتہی) یہ کاتب الحروف عفا اللہ عنہ یعنی صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مانند مشکوٰۃ میں بروایت حضرت ابن عباس' سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور مسلم کی روایت ان لفظوں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک دن سخت رنج وغم میں صبح کی فرمایا مجھ سے جبریل علیہ السلام نے آج رات میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے تمہیں خبردار رہنا چاہیے کہ جبریل علیہ السلام نے خدا کی قسم کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی یعنی بغیر عذر اور بغیر سبب کے تو وہ عذر کیا ہوگا جو وہ نہیں آئے اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خود بخود القا ہوا کہ آپ کے خیمہ میں ایک کتے کا بچہ پڑا ہوا ہے اور حکم دیا کہ اس کو خیمہ سے نکال باہر پھینکو اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں پانی لیا اور اس جگہ چھڑکا پھر جب رات آئی تو جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام تم نے مجھ سے کل رات آنے کا حتمی وعدہ کیا تھا؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے جس میں کتا اور تصویر ہو اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے باغوں کے کتوں کو مارنے اور بڑے باغوں کے کتوں کو ان کی محافظت کی خاطر کہ وہ باغ کی رکھوالی کرے چھوڑنے کا حکم دیا۔ شکار اور حویلی کی حفاظت اور کھیت اور باغ کی رکھوالی کیلئے کتا رکھنا جائز ہے۔ (رواہ مسلم)

ام رافع رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ سلمٰی ام رافع زوجہ ابورافع رضی اللہ عنہا مولٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابیہ ہیں۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور خادمہ ہیں اور اسد الغابہ میں کہا گیا ہے کہ سلمٰی، صفیہ بنت عبدالمطلب کی باندی اور ابورافع کی زوجہ ہیں۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں اور بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دایہ اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں اور انہوں نے ہی سیّدہ فاطمۃ الزہرا کو ان کے شوہر حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ غسل دیا (رضی اللہ عنہما) اور خیبر میں شریک تھیں ان سے ان کے حفید عبداللہ بن علی نے حدیث عذبت امراة فی هرة کو روایت کیا ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابورافع مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ابورافع کی شکایت کرتی ہوئی آئیں کہ وہ اسے مارتے ہیں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع سے فرمایا: اے ابورافع اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو اور کیوں تم اسے مارتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مجھے ایذا پہنچاتی ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمٰی رضی اللہ عنہا تم کیوں انہیں ایذا پہنچاتی ہو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں انہیں کچھ ایذا نہیں پہنچاتی لیکن انہوں نے نماز کی حالت میں حدث کیا یعنی بے وضو ہو گئے اس پر میں نے کہا اے ابورافع اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان کے جسم سے کوئی ہوا وغیرہ نکلے تو وہ وضو کرے اس پر یہ کھڑے ہو کر مجھے مارنے لگے یہ سن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرمانے لگے اور فرمایا اے ابورافع سلمٰی نے تمہیں بھلائی اور خیر کا ہی حکم دیا ہے تم اسے نہ مارو ان سے یہ حکایت عجیب ہے ممکن ہے کہ انہوں نے حدث سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہ سنا ہو اور سلمٰی نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ کیا کہ اللہ کے نبی نے مسلمانوں کو حدث کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا ہے اور ابورافع سے بھی بعید ہے چونکہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفری ساز و سامان ان کے سپرد رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے غلام تھے پھر انہوں نے ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشخبری حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا ان کا نام ثابت یا یزید ہے ان پر ان کی کنیت غالب آ گئی وہ غزوۂ احد اور خندق میں شریک تھے بعض کہتے ہیں کہ ابورافع کا اسلام غزوہ بدر سے پہلے کا ہے مگر وہ بدر میں شریک نہ تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی سے ان کا نکاح کر دیا تھا اور ان سے رافع پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما)

میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہیں ان سے

حدیث روایت کی گئی ہے اور جماعت کثیرہ نے ان سے حدیث اخذ کی ہے ان کی حدیث شام والوں کیلئے اور بیت المقدس کے فضائل اور سخن چینی اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے پر عذاب قبر ہونے اور لباس وغیرہ کے بارے میں ہے۔

ام عیاش رضی اللہ عنہا: ام عیاش سیّدہ رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتی تھی اس طرح کہ میں کھڑی ہوتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوتے تھے اور وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں نے سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح نہیں کیا مگر آسمانی وحی کے ذریعہ۔

یہ ہیں وہ اسماء ان مردوں اور عورتوں کے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے جن کو مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے صاحب روضۃ الاحباب نے کہا ہے کہ اہل سیر کی کتابوں میں اکیس مرد اور گیارہ عورتیں خدام بارگاہ سے نظر سے گزری ہیں ان میں سے جو باقی ہیں ان کو بھی ہم بیان کرتے ہیں اور جس قدر ان کے احوال معلوم ہوسکے ان کو بھی لاتے ہیں (و باللہ التوفیق)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں جو مؤذن تھے ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں ان کی منقبت میں صرف یہی روایت کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ وَبِلَالٌ سَابِقُ الْحَبْشَةِ (الحدیث) اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا اَعْتَقَ سَیِّدَنَا یَعْنِیْ بِلَالًا'' رواہ البخاری وہ دمشق میں ۲۰ھ میں فوت ہوئے ایک قول ہے کہ ۱۸ھ میں فوت ہوئے ان کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ سال کی ہوئی ایک روایت ستر کی بھی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفقات کی خدمت ان کے سپرد تھی مؤذنوں کے بیان میں بھی ان کا ذکر شریف آئے گا۔

دومخمر رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم دومخمر ہیں (بکسر میم وسکون خاوفتح میم ثانی) اور دومخبر باء کے ساتھ بجائے میم کے بتاتے ہیں جو نجاشی شاہ حبشہ کے بھانجے تھے روضۃ الاحباب میں ایسا ہی کہا ہے اور صاحب استیعاب نے ذومخبر بنایا ہے مگر ان کو ذومخمر ہی کہا جاتا تھا اور کہا کہ اوزاعی نے ان کے نام میں انکار کیا ہے مگر ذومخمر میم کے ساتھ ہے اس کے سوا نہیں اور کہا کہ نجاشی کا بھتیجا ہے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور ان کو اخذ کرنے والے شامی حضرات ہیں اور وہ انہیں میں شمار کیے گئے ہیں (انتہی) صاحب قاموس نے بھی نجاشی کا برادرزادہ کہا ہے ''کاشف'' میں بھی ایسا ہی کہا ہے اور کہا کہ وہ صحابی ہیں یہ شام منتقل ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی ان سے حضرت جبیر بن نفیر اور خالد بن معدان وغیرہ بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں جامع الاصول میں کہا گیا ہے کہ ذومخمر (بکسر میم وسکون خاء وفتح باء) نجاشی کے برادرزادہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے ایک قول ہے ذومخمر میم کے ساتھ بجائے باء کے ہے وہ شامیوں میں شمار کیے گئے ہیں اور انہیں میں ان کی حدیثیں ہیں اور یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب روضۃ الاحباب کا یہ قول کہ وہ نجاشی کا خواہرزادہ یعنی بھانجے ہیں سہو ہے۔

بکیر بن شداخ لیثی رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم بکیر رضی اللہ عنہ (بکسر باء بصیغۂ تصغیر) بن شداخ (بشین معجمہ وتشدید دال) روضۃ الاحباب میں ایسا ہی ہے اور اصابہ میں بکیر بن شدخ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے اور بکسر بھی کہتے ہیں یہ ان اصحاب میں سے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے ان کا ایک قصہ ہے جسے اشعث انصاری رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں بطریق ابی بکر ہذلی عبدالملک یعلی لیثی سے بیان کیا گیا ہے کہ بکیر بن شداخ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد معدلت گستر میں ایک یہودی کو قتل کر دیا اس پر حضرت عمر فاروق منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں مجھے اس شخص کی تلاش ہے جس کے علم میں یہ بات ہو کہ وہ مجھے پورے واقعہ کی خبر دے اس پر بکیر بن شداخ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں اس بات کو زیادہ جانتا ہوں اس پر حضرت عمر نے اللہ اکبر کہا بکیر نے کہا کہ فلاں شخص جو غزوے میں تھا وہ باہر آیا اور اس نے اپنی اہل کا مجھے وکیل بنایا

پھر میں اس کے پاس گیا وہاں اس یہود کو میں نے پایا کہ وہ کہتا تھا۔

واشعت عزة الاسلام حتی خلوت بفراسه لیلة الفحام

تو میں نے اسے قتل کر دیا حضرت فاروق اعظم نے اس کے قول کی تصدیق کی اور اس کے قصاص کو باطل کر دیا اور یہی اشعث رضی اللہ عنہ ہے جو لشکر اسلام میں جہاد میں تھا اس کا ایک بھائی تھا اس بھائی کی زوجہ نے اس بھائی سے کہا تو اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ پسند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی مرد ہو یا اس کے بستر پر لیٹے اور یہ اشعار پڑھے اس پر اس کو قتل کر دیا ممکن ہے کہ ان اشعار میں اس کے ساتھ ہونے کا اقرار ہو اور اس پر زنا ثابت ہوتا ہو (واللہ اعلم)

شریک رضی اللہ عنہ: ایک خادم شریک ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں شریک نام کے بہت ہیں جن سے ان کا دیکھنا اور ان کی روایت ثابت ہے اور چند ایسے بھی ہیں جن کی صحابیت میں اختلاف ہے لیکن کسی شخص کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی نسبت نہیں کی گئی ہے (واللہ اعلم)

اسعد بن مالک اسدی رضی اللہ عنہ: ایک خادم اسعد بن مالک اسدی ہیں اسعد نام کے صحابہ میں بہت ہیں لیکن اس عنوان سے معنون کتابوں میں نہیں پایا گیا۔ (واللہ اعلم)

ثعلبہ بن عبدالرحمن انصاری رضی اللہ عنہ: ایک خادم ثعلبہ بن عبدالرحمن انصاری ہیں یہ بھی اس نسبت کے ساتھ کتابوں میں نہیں پائے گئے بجز اس کے کہ استیعاب میں عبدالرحمن بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ سے قطع سرقہ کی حدیث مذکور ہے۔ (واللہ اعلم)

جزرء بن مالک رضی اللہ عنہ: ایک خادم جزرء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں (بفتح جیم وسکون زاد ہمزہ) اور بعض نے (بکسر زاء اور یا) کے ساتھ کہا ہے اور بعض نے زاء مشددہ کہا ہے جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ)

سالم: ایک خادم سالم ہیں سالم نام کے بھی صحابہ میں بہت ہیں ایک سالم مولائے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ فضلائے موالی اور اخیار صحابہ و اکابر اصحاب میں سے ہیں ان کی اصل فارس کے اصطخر سے ہے اور قراء میں ان کا شمار ہے حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کو ابن ام عبد ابن کعب اور سالم مولا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے حاصل کرو اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سیکھو یہ مہاجرین اولین کی امامت کرتے تھے اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہا بن عبدالاسد بھی تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی تعریف میں مبالغہ فرماتے تھے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

ایک اور سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ ہیں اور اہل صفہ میں سے ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے حالانکہ وہ نوجوان تھے اور گیسور کھتے تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے طہارت کی۔

ایک اور سالم ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگاتے اور سینگی کے خون مبارک کو پی جاتے تھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمام خون حرام ہے۔

ایک اور سالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور سالم ان کے سوا بھی بہت ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کون سے سالم کو خدام میں شمار کیا گیا ہے مگر ظاہر یہ ہوتا ہی کہ یہی سالم مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے ان عزیزوں پر تعجب ہے کہ ان اسماء کی موجودگی میں کوئی ایسی علامت نہیں بیان کی جس سے امتیاز ہو سکے تا کہ طالبان علم کو اس کی جستجو و تلاش میں آسانی پیدا ہو جائے خصوصاً جبکہ ناموں میں بہت زیادہ افراد میں اشتراک موجود ہے۔

سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ: ابن عبدالبر سے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں اور ان سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کی صحابیت میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہتے ہیں کہ یہ صحت کو نہیں پہنچا ہے کہ یہ سابق صحابہ میں سے ہیں

سلمٰی رضی اللہ عنہ: سلمٰی رضی اللہ عنہ اسماء میں ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ سلمہ ہو اور سلمہ نام کے بہت ہیں (واللہ اعلم)

ابوسلام رضی اللہ عنہ: کاشف میں کہا گیا ہے کہ ابوسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں تہذیب میں ان سے ابن ناجیہ نے روایت کیا ہے اور کہا کہ ''خلیفہ'' نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے اور ان سے ابن ماجہ نے بروایت سابق ابوسلام رضی اللہ عنہ خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی جو ابوداؤد کے نزدیک ذکر میں واقع ہوا ہے کہ سابق نے ناجیہ سے انہوں نے ابوسلام سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی کہ وہ مسجد دمشق میں تھے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے اور استیعاب میں منقول ہے کہ ابوسلام ہاشمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ہیں ان کو خلیفہ نے صحابہ میں موالی بنی ہاشم بن عبد مناف میں سے بیان کیا ہے اور ابوعقیل نے سابق بن ناجیہ سے انہوں نے ابوسلام خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو تین مرتبہ یہ پڑھے کہ: رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا مگر یہ کہ حق تعالیٰ کے ذمہ اس کے کرم پر ہے کہ اسے روز قیامت راضی فرمائے نیز ابن عبدالبر نے فرمایا کہ جس نے ابوسلام کو ابوسلامہ کہا ہے خطا کی ہے (انتہی) اور یہ جو روضۃ الاحباب میں ابوسلام کو سالم کہا ہے ان کا تذکرہ نہیں پایا جاتا (واللہ اعلم بالصواب)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایک خادم وغلام ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہیں مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھانا پکایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دست کا گوشت مجھے دو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا (الحدیث) قتادہ نے اس حدیث کو شہر بن جوشب سے انہوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جیسا کہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بیان کیا ہے اور فرمایا کہ میں ابوعبیدہ کے نام سے واقف نہیں ہوں (انتہی) ترمذی نے بھی شمائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنِ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدِ عَنْ حَوْشَبْ عَنْ اَبِىْ عُبَيْدَةَ قَالَ لَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَّكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ ۔اور مشکوٰۃ میں مسند امام احمد سے ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور آخر میں کہا گیا رواه الدامی عن ابی عبید اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ ابوعبیدہ مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب میں سے ہیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے اور ان سے ترمذی نے شمائل میں اور دارمی نے بروایت شہر بن حوشب روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں بجز شہر بن حوشب کے بغوی نے کہا کہ ان کو صحبت ملی ہے اور انہوں نے کہا کہ عباس نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ ابوعبیدہ جن سے شہر نے (جو صحابہ میں سے ہیں) روایت کی (انتہی) اکابر کی ان عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حال میں ایک قسم کی پوشیدگی اور خفا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں ہے بخلاف ابورافع رضی اللہ عنہ کے کہ وہ مشہور ومعروف ہیں (واللہ اعلم)

ہند اور اسماء رضی اللہ عنہما: ہند اور اسما حارثہ رضی اللہ عنہما کے لڑکے ہیں استیعاب میں مذکور ہے کہ حارثہ اسلمی کے آٹھ لڑکے تھے اور یہ سب بیعت رضوان میں موجود تھے ہند' اسما' خراش' ذویب' فضالہ' سلمہ' مالک اور عمران رضی اللہ عنہ اور ان سب بھائیوں میں سے کوئی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوا بغوی نے بھی ایسا ہی کہا ہے مقرن کی اولاد نے ان پر اعتراض کیا ہے (کذافی الاصابہ) ان بھائیوں میں سے ہند اور اسما رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے اور ہند یحییٰ بن ہند کے والد ہیں جن سے عبدالرحمٰن بن

حرملہ نے روایت کی ہے ''کاشف'' میں کہا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ تابعی کوفی ہیں جو حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں اور ان سے قاسم بن حسان نے روایت کی ہے اور ان سے ابوداؤد ونسائی نے روایت کی ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے اور اصابہ میں وہ حدیث جو کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ نے یحییٰ بن ہند سے روایت کی ہے یہ کہ منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلم کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو تیراندازی کر رہی تھی ان سے فرمایا اے اسمٰعیل کے فرزندو! تیراندازی کرو اس لیے کہ تمہارے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی تیراندازی کرتے تھے (الحدیث) پوری حدیث مشکوٰۃ میں سلمہ بن اکوع سے از حدیث بخاری کتاب الجہاد میں جہاد کے ساز وسامان کے ضمن میں مذکور ہے۔

ایک انصاری جوان خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی عمر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر کے قریب ہے اس جوان کا نام پانا اشکال سے خالی نہیں ہے ان کا نام ہی جب مذکور نہیں تو اسماء الرجال میں کس طرح تلاش کریں جامع الاصول میں مبہم ناموں کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی نہیں پایا گیا ممکن ہے کہ کسی حدیث میں اسی ابہام کے ساتھ کوئی متعین نام پایا جائے (واللہ اعلم) خدمت کرنے والی عورتوں کے نام گیارہ منقول ہیں ان میں سے پانچ تو مواہب لدنیہ میں لکھے ہوئے ہیں جن کو پہلے لکھدیا گیا ہے باقی نام یہ ہیں۔

ایک خادمہ امتہ اللہ بنت زرینہ بضم راء وسکون راء وسریا تشدید نون وتا در آخر ہیں دوسری خادمہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں ان سے امتہ اللہ بنت زرینہ کسوف میں روایت کی ہے یہ دونوں حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ہیں تیسری خادمہ خضرہ رضی اللہ عنہا ہیں اسلمیٰ ام رافع سے مروی ہے کہ اور خضرہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں خدمت کرتی تھیں اور چوتھی میمونہ رضی اللہ عنہا بنت سعد خادمہ ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد فرمایا پانچویں زربیہ رضی اللہ عنہا ام عتبہ ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ زربیہ امتہ اللہ مذکور کی ماں ہیں (واللہ اعلم) چھٹی خادمہ ماریہ ام الرباب رضی اللہ عنہا ہیں ان کی کنیت ام الرباب ہے اہل بصرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے سر کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جھکایا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیوار پھاند کر باہر تشریف لے جائیں جس رات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے مخفی ہو کر تشریف لے جا رہے تھے مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ہجرت کی رات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر اس دریچہ سے جو ان کی دیوار میں تھا تشریف لے جانا ہوا تھا یہ قصہ اس جگہ کا ہوگا یا کسی اور جگہ کا (واللہ اعلم)

ساتویں خادمہ ماریہ رضی اللہ عنہا دادی مثنیٰ بن صالح ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ میں سے ہیں جو کہ مثنیٰ بن صالح بن مہران مولیٰ عمرو بن رضی اللہ عنہ بن حریث کی دادی تھیں ان سے اہل کوفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے ابوبکر بن عباس نے مثنیٰ بن صالح سے انہوں نے اپنی دادی ماریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ سے مصافحہ کیا ہے اور میں نے کسی کی ہتھیلی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ دیکھی۔

آٹھویں خادمہ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ ام حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر ان کو اس جگہ شمار کرتے تو ہوسکتا تھا لیکن صاحب استیعاب نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی کہا ہے خادمہ نہیں کہا ہے ان کے احوال سراری رسول کے ضمن میں مذکور ہو چکے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی سلاطین وامراء کے نام خطوط بھیجنے کے ضمن میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے اس جگہ استیعاب میں ایک نادر حکایت بیان کی ہے جسے میں لکھتا ہوں وہ ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سیّدہ ماریہ ابراہیم رضی اللہ عنہا ام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متہم کرتا تھا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اس کی گردن اڑا دو اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس شخص کے پاس پہنچے اچانک دیکھا کہ وہ ایک کنویں میں اترا ہوا ہے اور نہا کر اپنے بدن کو ٹھنڈا کر رہا ہے پھر علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس سے فرمایا باہر نکل کے آ حضرت علی

مرتضٰی نے اپنے ہاتھ اسے تھمایا اور وہ باہر آ گیا اچانک دیکھا کہ وہ تو خصی ہے اور جماع کا آلہ ہی نہیں ہے حضرت علی مرتضٰی کرم اس کے قتل سے باز آ گئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ''نہ مجبوب'' یعنی وہ تو نامرد ہے ابو عمرو نے کہا کہ یہ شخص جو متہم ہوا تھا سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے چچا کا لڑکا تھا جسے مقوقس نے سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بطور ہدیہ بھیجا تھا (انتہی) اس کا تذکرہ مقوقس کے تحائف کے ضمن میں مذکور ہو چکا ہے کہ ایک خواجہ سرا بھی اپنے ہدیوں میں اس نے بھیجا تھا وہ یہی شخص تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف پانے والے یہ مرد اور عورتیں ہیں جن کو اہل سیر لکھتے ہیں ورنہ حقیقت یہ کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب خدام بارگاہ اور حاضرین مجلس رسالت پناہ تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس سے جو چاہتے خدمت کیلئے فرما دیتے البتہ کچھ حضرت خدمت کیلئے متعین تھے اور خدمتیں بھی متعین و خاص تھیں مواہب لدنیہ میں ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ زبیر بن العوام محمد بن مسلمہ اور چند دیگر اصحاب ایسے تھے جنکو کافروں کی گردن اڑانے کا (جو دین اسلام میں ان کا بہت بڑا کام ہے) حکم دیتے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نفقات پر مقرر تھے اور معیقب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی انگوٹھی یعنی مہر شریف کی حفاظت کرتے تھے اور قیس رضی اللہ عنہ بن سعد بن عبادہ پاسبان کی حیثیت سے کوتوال کے منصب پر متعین تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

باب پنجم

در ذکر موالی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

موالی مولیٰ کی جمع ہے اور مولیٰ کے معنی بہت ہیں محب دوست مددگار مالک غلام معتق صاحب اور قریب اور ابن عم وغیرہ کے ہیں اور ہمسایہ ہم قسم حلیف ابن عم ودامن (ذیل) شریک ابن اخت اب ناصر منعم علیہ تابع اور صہر کے بھی ہیں (کذافی القاموس) ظاہر ہے کہ اس جگہ معنی معتق یعنی آزاد کردہ غلام کے ہیں جیسا کہ ان کے احوال کے ضمن میں معلوم ہوگا ان کے نام یہ ہیں زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بن شراحیل بن کعب کلبی اور ان کا نسب عمرو بن نخشب بن یعرب بن قحطان پر منتہیٰ ہوتا ہے۔

حضرت ابواسامہ رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور غلام سابقین اولین میں سے ہیں اور ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ قبیلۂ معن بن طے سے تھیں منقول ہے کہ ایک دن ان کی والدہ اپنی قوم سے ملنے کیلئے گئیں اور بنی المعن بن جریر کے ایک گروہ نے جاہلیت میں کسی قوم کو لوٹا تھا اس کے بعد اس گروہ کا گزر بنی معن کی اس بستی پر ہوا جس قوم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اس گروہ نے حضرت زید کو اٹھالیا وہ اس زمانہ میں تقریباً سات آٹھ سال کے تھے اٹھا کر ان کو عکاظ کے بازار میں لائے یہ اس کے نواح میں ایک بازار کا نام تھا جہاں غلاموں کی خرید وفرخت ہوتی تھی یہاں ان کو حکیم بن خرام بن خویلد نے اپنی پھپھی سیّدہ خدیجہ بنت خویلد کیلئے چار سو درہم میں خرید لیا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تزوج فرمایا تو سیّدہ خدیجہ نے حضرت زید کو حضورِ اکرم کو ہبہ کر دیا جب اس کی خبر ان کی قوم کو ملی تو ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا کعب حاضر ہوئے یہ فدیہ لے کر آئے تھے تاکہ ان کو غلامی سے چھڑائیں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم میں جانا پسند کرتے ہیں یا وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس کو اپنی قوم پر ترجیح دیتے ہیں چونکہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان وکرم اور آپ کی رحمت وشفقت دیکھی تھی اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دیتا اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لوگوں کے سامنے لائے اور فرمایا اے لوگو تم گواہ رہو میں نے زید رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنالیا ہے وہ میرا متبنیٰ ہے وہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں اس کے بعد لوگ ان کو زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے یہاں تک کہ اسلام کا دور آیا اور حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اُدْعُوْهُمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی باپ کے نام سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے پھر ان کو زید بن حارثہ کہہ کر بلایا جانے لگا یہ پہلے شخص ہیں جو مردوں میں سب سے پہلے ایک قول کے بموجب اسلام لائے یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمر میں دس سال زیادہ تھے اور ایک قول سے بیس سال اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط وکتابت کے فرائض انجام دیتے تھے (کذا قیل) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا تو ان سے ان کا فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوا اس کے بعد ان کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے کر دیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر وخندق اور حدیبیہ وخیبر میں شریک رہے ہیں اور حضرت زید تیر انداز صحابہ میں معروف تھے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا جبکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسیع کیلئے تشریف لے گئے تھے اور ان کو سات لشکروں پر امیر مقرر کیا گیا قرآن پاک میں کسی صحابی کا نام ذکر نہیں کیا گیا بجز حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چنانچہ آیہ کریمہ میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا. الخ

البتہ بعض تفسیروں میں یہ آیا ہے کہ آیہ کریمہ: كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ میں سجل ایک صحابی شخص کا نام ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی مواخات اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے ساتھ قائم فرمائی تھی ان سے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے یہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے اس روز وہ لشکر کے امیر تھے جیسا کہ گزر چکا ہے انہوں نے پچپن سال کی عمر پائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زید نامی ایک اور بھی تھے یہ زید بن حارثہ کے سوا تھے جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما: حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے فضائل بہت ہیں ان کی فضیلت میں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ لوگ ان کو ''حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہا کرتے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آغوش مبارک میں ایک جانب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اور دوسری جانب حضرت اسامہ بن زید کو لیتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے خدا یہ دونوں میرے محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت فرما حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اسے لازم ہے وہ حضرت اسامہ سے محبت رکھے ان کے حالات اس کتاب میں کئی مقامات پر بیان ہو چکے ہیں اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت انیس یا بیس سال کے تھے اور انہوں نے پچھتر سال کی عمر پائی ان کے سن وفات میں اختلاف ہے ابن صفی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۱ھ میں بزمانہ امارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہوئی اور بعض کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہے اور بعض حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عروہ بن زبیر ابوعثمان انموی اور بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں۔

ثوبان بن بجدومہ رضی اللہ عنہ: یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان کی کنیت ابوعبیدہ ہے اور ایک قول سے ابوعبدالرحمٰن تھے لیکن اول قول اصح ہے یہ ''سرۃ'' کے رہنے والے تھے جو مکہ و یمن کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ حمیر کے رہنے والے تھے منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرمایا تھا اور ہمیشہ سفر و حضر میں یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر رہے یہاں تک کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاں سے تشریف لے گئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ شام چلے گئے اور مقام رملہ میں سکونت اختیار کی اس کے بعد حمص میں منتقل ہو گئے اور وہاں انہوں نے ایک سرائے بنائی تھی یہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یاد کرتے تھے اور جتنی حدیثیں انہیں یاد تھیں وہ یاد کراتے تھے ان کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی تابعین کی ایک جماعت کثیرہ ان سے روایت کرتی ہے اور ان سے چہار محدثین نے روایت کی ہے چنانچہ ابوداؤد نے بروایت عاصم از ابوالعالیہ از ثوبان روایت کی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی میرے حکم کے تحت عہد کرے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں گا اس بنا پر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کسی سے کچھ نہ مانگتے تھے۔

ایک ابوکبشہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: یہ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے ہیں ابن ہشام نے کہا کہ وہ فارس کے رہنے والے تھے ان کے سوا دوسروں نے کہا کہ وہ مکہ مکرمہ پیدا ہونے والوں میں سے ہیں اور بعض نے کہا کہ ''ارض اوس'' کے پیدا ہونے والوں میں سے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد فرمایا تھا ان کا نام سلیم ہے ابن حبان نے

بتایا کہ نام اوس ہے بعض نے کہا کہ سلمہ ہے جس دن حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے وہی دن ان کی وفات کا ہے ۱۳ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

واضح رہنا چاہیے کہ کفار قریش حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے اس کی وجہ میں بعض کہتے ہیں کہ ابو کبشہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے والدہ مطہرہ کی جانب سے کیونکہ ان کو ابو کبشہ کہتے تھے اور شعری کی عبادت کرتے تھے اور کوئی عرب ان کے سوا شعری کی عبادت نہیں کرتا تھا عرب اس میں ان سے اختلاف رکھتے تھے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا تو عرب مخالفت میں کہنے لگے کہ وہ ابن ابی کبشہ ہیں جو کہ ان کے طریقہ پر چلتے ہیں بعض نے کہا کہ آپ کے جد کی طرف نسب کر کے ہے کیونکہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہ بنت وہب کے دادا کا نام ہے وہ اس نسبت سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن زید بن اسد بخاری جو کہ سلمٰی ام عبدالمطلب کے والد ہیں ان کو ابو کبشہ کہتے تھے اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نسبت سے یہ کہتے تھے بعض کہتے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد یعنی حارث بن زید عبدالغری بن رفاعہ سعدی شوہر حضرت حلیمہ سعدیہ کو ابو کبشہ کہتے تھے اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نسبت ابن ابو کبشہ کہتے تھے یہ سب اقوال و توجیہات استیعاب میں مذکور ہیں۔

ایک آنسہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہیں بعض نے ابو آنسہ کہا ہے اور ایک قول ابو مسروح رضی اللہ عنہ بھی ہے مصعب زبیری نے کہا کہ ان کی کنیت ابو سرح ہے اور وہ سراۃ کے رہنے والے تھے انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی تھی خطیب نے کہا ہے کہ میں انہیں نہیں جانتا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز روایت کی ہو موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ وہ بدر میں شریک تھے یا بدر میں ہی شہید ہوئے تھے۔ ابو عمر نے کہا کہ اتنا ہی ہے جو محفوظ ہے اور اتنا ہی ابن اسحٰق نے بھی ذکر کیا ہے واقدی نے کہا کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ اثبات کرتے ہیں کہ وہ احد میں حاضر ہوئے ہیں اور اس کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صدیقی میں حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی (واللہ اعلم) مروی ہے کہ حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ لوگوں کیلئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہونے کی اجازت لیتے تھے جبکہ لوگ اجازت چاہتے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے کہ آنے کی اجازت دے دو یہ سب اصابہ میں مذکور ہے۔

ایک صالح ملقب بہ شقران رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: ان کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ قطیفہ یعنی حضورِ اکرم کی مخملی چادر شریف کو قبر انور میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھا دیا تھا اور نہ چاہا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا اسے اوڑھے یا بچھائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور ان کو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا اور بعض کہتے ہیں ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خریدا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے بعد آزاد کر دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد ماجد سے ام ایمن کے ساتھ ان کے وارث ہوئے تھے اسے امام بغوی نے ذکر کیا اور ابو مشعر نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور انہیں سہم نہ دیا گیا اور اس وقت وہ غلام تھے لیکن وہ بدر کے قیدیوں پر محافظ تھے اور جو کوئی فدیہ دیتا اس میں سے کچھ انہیں مرحمت فرما دیتے تھے اس طرح ان کو اتنا کچھ حاصل ہو گیا جتنا دوسروں کو سہم میں نہ ملا تھا ان سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر تشریف لے جاتے ہوئے دراز گوش پر سوار دیکھا ہے آپ اس پر اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک رباح مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے (جواز واجِ مطہرات سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنارہ کشی کے قصہ میں ہے مروی ہے) ثابت ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا شانہ اقدس میں حاضر ہوا جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے میں نے کہا کہ اے رباح رضی اللہ عنہ میرے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لو یہ حبشی غلام تھے اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کے حاضر ہونے کی اجازت لیا کرتے تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے یسار کے دفن ہونے کے بعد ان کے مکان کو مقرر کیا کیونکہ یسار کو عرنیین نے شہید کیا تھا جبکہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آراضی پر مقرر تھے اور یہ کبھی کبھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اذان بھی دیتے تھے۔

ایک یسار مولائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں استیعاب میں ہے کہ

یَسَارُ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُتِلَ یَوْمَ نَعْرِیًا وَھُوَ الرَّاعِیُ الَّذِیْ قَتَلَہُ الْعُرْنِیُوْنَ الَّذِیْ اِسْتَاقُوْزُ وَرَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَتَلَھُمْ وَقَطَعَ اَیْدِیْھُمْ وَاَرْجُلَھُمْ وَسَھَلَ اَعْیُنَھُمْ وَاَلْقَاھُمْ فِی الْحَرَّۃِ

یہ چراگاہ میں شہید ہوئے اور ان کو عرنیوں نے شہید کیا ان کے احوال ۲ھ کے واقعات میں گزر چکے ہیں ان بدبخت عرنیوں نے ان کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے ان کی آنکھیں پھوڑ دیں اور انہیں تپتی ہوئی زمین میں عرصہ تک ڈالے رکھا اور وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو ہنکال کرلے گئے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ انہوں نے خدام وموالی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ایک ابورافع اسلم رضی اللہ عنہ بھی موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور ہیں ان کے حالات کا تذکرہ خدام بارگاہ کے ضمن میں سلمٰی ام رافع رضی اللہ عنہا زوجہ ابورافع کے بیان میں گزر چکا ہے ان کا نام اسلم یا ثابت یا یزید یا ابراہیم یا ہرمز ہے اور بخاری نے اسلم کے ساتھ جزم کیا ہے مگر مشہور کنیت کے ساتھ ہیں۔

ایک مویہبہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: یہ مزنیہ کے رہنے والے تھے ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید فرمایا پھر آزاد کر دیا استیعاب میں اتنا ہی ہے اصابہ میں ہے کہ ابومویہبہ کو ابومویہبہ اور ابوموہب کہا جاتا ہے یہ قول واقدی کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے جو مزنیہ کے باشندے تھے اور غزوۂ مریسیع میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں سے ہیں جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو کھینچتے تھے ان سے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور وہ ان کے ہم زمانہ تھے امام احمد و دارمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے انہوں نے ابومویہبہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل بقیع کیلئے استغفار کروں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے (الحدیث) اور جب صبح ہوئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ درد سر لاحق ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جہاد سے بلایا۔

ایک ابوالبہی رضی اللہ عنہ اصابہ ہیں: ان کا نام رافع رضی اللہ عنہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کنیت ابوالبہی بتایا ہے اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں ذکر ہے انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں میں خدا کے نزدیک کون افضل ہے فرمایا جس کا دل تپ زدہ بیمار اور راست گو زبان ہو (الحدیث) آخر حدیث میں آیا ہے کہ میں نے کہا یہ اوصاف تو

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رافع میں ہی پائے جاتے ہیں شیخ نے کہا کہ یہ اضافہ جو مذکور ہوا ابن ماجہ میں نہیں ہے بلکہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اس حدیث کو بتمام وکمال بیان کیا ہے بعض اس حدیث کو ابو رافع سے مروی بتاتے ہیں اور بعض رافع بن خدیج سے لیکن درست یہی ہے کہ رافع سے مروی ہے۔

ایک مدعم رضی اللہ عنہ: (بکسر میم وسکون دال وفتح عین) حبشی غلام ہیں جن کو رفاعہ بن زید بن جذامی رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں پیش خدمت کیا اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا یا انہوں نے اسی غلامی میں وفات پائی اور ان کی یہ خبر مشہور ہے کہ خیبر میں انہوں نے چھوٹی سی چادر مالِ غنیمت میں سے بغیر اجازت لے لی تھی خیبر میں ان کے تیر لگا تھا جس سے وہ فوت ہوئے جیسا کہ اصابہ میں ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ حبشی غلام مدعم کے سوا تھا مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی غلام پیش کیا جن کو مدعم کہا جاتا ہے اس اثنا میں کہ مدعم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اتار رہا تھا اچانک ایک تیر آ کے لگا تیر چلانے والے کا پتہ نہ چل سکا اس تیر نے ہی اسے ہلاک کر دیا اس پر لوگوں نے کہا کہ اس کیلئے جنت ہو کیونکہ اس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے ہوئے جان دی ہے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے ہی ایک چادر لے لی تھی یقیناً اس پر آگ کی لپٹیں شعلہ مار رہی ہیں جب لوگوں نے یہ بات سنی تو کسی نے جوتی کا ایک تسمہ کسی نے دو تسمے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کے رکھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک آگ کا تسمہ ہے اور یہ دو تسمے آگ کے ہیں (متفق علیہ) رفاعہ بن زید جذامی بضم جیم قبیلہ جذام کی طرف نسبت ہے کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مدعم کو بارگاہِ رسالت کی خدمت کے لیے بھیجا تھا جیسا کہ مذکور ہوا لیکن اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونا ظاہر نہیں ہوتا اور استیعاب میں رفاعہ بن زید بن وہب جذامی کو صحابہ بھی بیان کیا گیا ہے اور کہا ہے کہ صلح حدیبیہ میں وہ اپنی قوم کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے ایک علم تیار فرمایا انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی غلام جس کا نام مدعم تھا پیش کیا جو کہ مارا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

ایک زید رضی اللہ عنہ: ہلال بن یسار کے دادا ہیں استیعاب میں ہے کہ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور استغفار کے بارے میں حدیث روایت کی گئی ہے ہلال نے اپنے والد یسار بن زید سے روایت کی ہے اصابہ میں کہ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور زید بن بلال (با کیساتھ) بسار کے والد ہیں ان سے ابوداؤد نے روایت کی ہے اور ترمذی نے ان کے بیٹے ہلال بن یسار زید سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ "حدثنی ابی یمن جدی" ابو موسیٰ سے مذکور ہے کہ زید کے والد کا نام بلال (با کیساتھ) ہے اور ابن شاہین نے کہا ہے کہ زید قید خانہ میں محبوس تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بنی ثعلبہ میں پہنچ کر انہیں آزادی بخشی اور بعض اسماء الرجال کی کتابوں میں ہلال کی بجائے بلال (با کیساتھ) ہے۔

ایک عبید رضی اللہ عنہ بن عبدالغفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ان کو عبداللہ بن الغفار بھی کہتے ہیں ان سے سلیمان تیمی نے روایت کی ہے ان کے سوا کسی اور شخص کو ان سے اخذ روایت میں نہیں سنا گیا اصابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور غلام عبید ہیں بغیر نسبت کے بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کو صحبت حاصل ہے اور ابن السکین نے ان کو صحابہ میں ذکر کر کے کہا کہ ان کی حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوئی ہے اور بلاذری نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ایک غلام تھے جن کو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور ان سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک سفینہ رضی اللہ عنہ بروزن سکینہ ابوعبدالرحمٰن ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں بعض کہتے ہیں کہ سیّدہ ام سلمہ امیر المومنین رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں اور ان کو اس شرط پر آزادی دی تھی کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالایا کریں سفینہ رضی اللہ عنہ ان کا لقب ہے ان کے نام میں اختلاف ہے مہربان یا ملہمان یا رومان یا کیسان یا فروخ ہے وہ اعراب کے باشندے تھے بعض ابنائے فارس سے بتاتے ہیں۔

سفینہ ان کا لقب قرار پانے کا سبب یہ ہے کہ ایک سفر میں یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے مسلمانوں میں سے جو بھی کسی چیز کو اٹھانے سے مجبور ہو جاتا تھا وہ چیز ان کے حوالہ کر دی جاتی تھی اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کی چیزیں سنبھال رکھی تھیں اس بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سفینہ یعنی کشتی سے تشبیہ دی اور بعد میں یہی نام ان کا باقی رہا جب ان سے لوگ ان کا نام پوچھتے تو وہ یہی کہتے کہ میرا نام سفینہ ہے کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا یہی نام رکھا اور میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے سوا میرا کوئی اور نام ہو اور یہی اس حدیث کے راوی ہیں کہ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً میرے بعد خلافت راشدہ متواتر تمیں سال تک رہے گی اور ان سے کہا گیا کہ بنوامیہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے انہوں نے فرمایا بنوالزرقا جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ ملوک ہیں بلکہ شر الملوک ہیں ایسا ہی اسد الغابہ میں ہے اور یہ بھی اسی کتاب میں ہے کہ محمد بن المنکدر نے ان سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا میں ایک مرتبہ کشتی میں سوار تھا کشتی ٹوٹ گئی اور میں اس کے ایک تختہ پر سوار ہو گیا اور اس تختہ نے مجھے کسی ساحل پہ ڈال دیا لق ودق بیابان تھا میں نے راہ کو گم پایا اتنے میں ایک شیر میرے سامنے آیا میں نے اس سے کہا اے ابوالحارث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سفینہ ہوں اس پر شیر نے اپنا سر جھکا دیا اور اپنے پہلو اور اپنے کندھوں سے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس کے ساتھ چلوں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ چلنے لگا اور مجھے راستہ پر ڈال دیا اور ہمہمہ کیا میں نے سمجھا کہ وہ رخصت کی اجازت مجھ سے مانگتا ہے اور ان سے ان کے فرزندان عبدالرحمٰن محمد زیاد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

ایک مابور قبطی ہیں یہ خواجہ سرا ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں انہیں مقوقس شاہ اسکندریہ نے سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ایک شخص نے ان کو سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ متہم کیا اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیں جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ خصی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حقیقت حال حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دی صاحب اصابہ نے کہا کہ ان سے مسلم نے روایت کیا ہے اور ابوبکر بن خثیمہ نے مصعب زبیری سے ان کا نام مابور نقل کیا ہے اور ابن عبد الحکم نے فتوح مصر میں اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ان کے عزیز کو پایا جو ان کے ساتھ آئے تھے یہ اکثر حضرت ماریہ کے پاس آتے رہتے تھے اس وقت حضوا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کچھ کبیدگی محسوس ہوئی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے راستہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر کچھ ملال کے آثار دیکھے عرض کیا یا رسول اللہ رضی اللہ عنہ وجہ ملال کیا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماجرا بیان فرمایا وہ تلوار لے کر حضرت ماریہ کے پاس آئے تو وہ عزیز ان کے پاس موجود تھے ارادہ کیا کہ تلوار ان کے اوپر اٹھائیں اچانک اس پر نظر پڑی کہ اس نے اپنا ستر کھول دیا ہے اور وہ خصی اور مجبوب ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور ان کی حالت کی خبر دی اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ابھی جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور خبر دی کہ

حق تعالیٰ نے حضرت ماریہ اوران کے عزیز کوتہمت سے بری کردیا ہے اورخبر دی کہ حضرت ماریہ کےبطن شریف میں ایک بچہ ہے جوتمام لوگوں میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہےاور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس بچہ کا نام ابراہیم رکھوں صاحب اصابہ نے کہا کہ وہ ماریہ کے ساتھ آئے اور انہیں کے ساتھ رہے اسلام لائے اوران کا اسلام نیک ہوا (انتہا) اس کے بعد حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کوآزادی دی اور حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادشدہ غلاموں میں داخل ہوئے مابور کومیم کے بدلے با کے ساتھ اورمیم کے ساتھ بھی کہا گیا ہے۔

ایک واقد یا ابوواقد رضی اللہ عنہ ہیں ابن مندہ نے بیان کیا کہ واقد حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا کہ اس سے زادان نے روایت کیا ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خدا کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے خدا کا ذکر کیا اگرچہ نماز روزہ اورتلاوت قرآن کم ہو اور جس نے خدا کی نافرمانی کی اس نے خدا کا ذکر نہ کیا اگرچہ نماز روزہ اوراس کی تلاوت بہت ہو استیعاب میں ''واقد'' بغیر لفظ کنیت کے لائے ہیں۔

ایک ہشام رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں منقول ہے کہ ہشام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ان سے ابوالزبیر نے روایت کیا ہے اس سے منقول ہے کہ وہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اورعرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کوروکتی نہیں مطلب یہ کہ اپنے نفس کواس شخص سے جو برائی کا ارادہ کرے روکتی نہیں ہے اس پر حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دیدو اس نے کہا وہ عورت مجھے پیاری لگتی ہے میں اس کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا تو فرمایا پھراس سے فائدہ اٹھاؤ اسے ابن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل یہی ہشام ہیں کفایہ میں ہے کہ ابوالزبیر نے ہشام مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کوردنہیں کرتی۔ (آخر حدیث تک) دونوں روایتوں میں فَاسْتَمْتِعْ بِهَا تواس سے فائدہ اٹھاؤ آیا ہے اس حدیث کومشکوٰۃ میں لائے ہیں جوروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابوداؤد سے مروی ہے اورنسائی نے اس طرح تخریج کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک شخص حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا کہ اس کی بیوی ہے جوکسی چھونے والے کے ہاتھ کوردنہیں کرتی حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق دیدو اس نے کہا میں اس سے محبت کرتا ہوں حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تواسے روکے رکھ اس روایت میں فَاسْتَمْتِعْ بِهَا نہیں ہے علماء فرماتے ہیں کہ ''اسے روکے رکھ'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو کہ وہ برائی نہ کرے اور زنا میں نہ پڑے صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ نسائی نے کہا اس حدیث کوبعض نے روایت رفع کرتے ہیں اوربعض نہیں کرتے اور یہ حدیث صحیح اور ثابت نہیں ہے (واللہ اعلم) بعض شراح کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے وہ کسی سائل کے ہاتھ کوردنہیں کرتی اور میرے اموال میں سے جووہ مانگتا ہے دیدیتی ہے اورمنع نہیں کرتی یہ مطلب ظاہر عبارت کے خلاف ہے میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام بطریق غضب فرمایا تھا اور حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس مرد کے انکار پر زجر وتوبیخ فرمانا تھا مطلب یہ کہ اس کی شنیع حالت کی شکایت بھی کرتا ہے اوراسے طلاق بھی نہیں دیتا جب تو اسے چاہتا ہے اوراسے رکھنا چاہتا ہے تو تو جان اور شناعت اور یہ مقصود حقیقت میں نہیں ہے بلکہ اس پر سختی فرماتا ہے۔ (فافہم واللہ اعلم)۔

ابوضمیرہ رضی اللہ عنہ (بضم ضاد وفتح میم سکون یاء) ہیں ان کا نام سود ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام روح ہے (راء کے زبر سے) اورسندر کے بیٹے ہیں یا روح ابن شیرزاد ضمیری کے ہیں روضۃ الاحباب میں ایسا ہی مذکور ہے اوراتنا ہی لکھا ہے استیعاب میں ہے کہ ابوضمیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اس غنیمت میں آئے جسے حق تعالیٰ نے حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال فرمایا تھا

بعض کہتے ہیں ابوضمیرہ کا نام سعد حمیری ہے اور بخاری نے ان کو ذی یزن کی اولاد میں سے کہا ہے اسی طرح ابو حاتم نے بیان کر کے کہا کہ سعد ضمیری ہے بعض کہتے ہیں کہ ابوضمیرہ رضی اللہ عنہ کا نام روح بن سندر ہے اور بعض روح بن شیرزاد بتاتے ہیں۔ انشاء اللہ اول زیادہ صحیح ہے اور وہ حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ بن ابی ضمیرہ کے دادا ہیں اس سے ان کے بیٹے نے حدیث لی ہے ان کا اور ان بیٹے کا شمار اہل مدینہ میں ہے وہ عربی النسل تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی بخشی اور ایک وصیت نامہ ان کیلئے لکھا وہ وصیت نامہ ان کی والدہ کے پاس ہے حسین بن عبداللہ بن ضمرہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصیت نامہ کو جو ابوضمیرہ کیلئے لکھا تھا مہدی کے پاس لائے مہدی نے اس مکتوب گرامی کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور بہت سا مال دیا بعض تین سو اشرفیاں بتاتے ہیں اصابہ میں بھی سی کی مانند مذکور ہے اور کہا کہ ابوضمیرہ حمیری ضمیرہ کے والد ہیں اور کہا کہ ابن ابوضمیرہ ابوضمیرہ حضرت علی مرتضیٰ کے غلام کے سوا ہیں مہدی کی حکایت کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ جب حسین بن عبداللہ ان دیناروں کو لیکر جو مہدی نے انعام میں دیئے تھے روانہ ہوئے تو راستہ میں چوروں نے ان پر حملہ کیا اور وہ مال ان سے چھین لیا اس وقت انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ چوروں کو دکھایا ان چوروں نے جب اسے پڑھا تو چھینا ہوا روپیہ واپس دے دیا اور کوئی تعرض نہ کیا۔

ایک حسین ہیں یہ نام خدام بارگاہِ رسالت کے بیان میں مواہب لدنیہ سے گزر چکا ہے کیونکہ انہوں نے خادموں کے بیان میں لکھا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ابوعسیب رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام احمر یا مرہ ہے استیعاب میں کہا گیا ہے کہ ابوعسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں انہیں صحبت حاصل ہوئی اور دو روایتوں کی اسناد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے ایک حدیث نجار میں اور دوسری طاعون میں ہے اور قاسم بن حمزہ نے کہا کہ میں نے ابوعسیب خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ وہ سر اور داڑھی میں خضاب کرتے ہوں کہتے ہیں کہ ابوعسیب کا نام احمر ہے اصابہ میں ہے کہ ابوعسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں ان کا احمر ہے اور ان سے ایک حدیث سجدے میں تجافی کے بارے میں روایت کی گئی ہے ابوداؤد ابن ماجہ احمد اور طحاوی نے بطریق حسین بصری روایت کیا ہے کہ حَدَّثَنِیْ اَحْمَرُ مَوْلٰی رَسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

ایک ابوعبید رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ابوعبید کا ذکر خادموں کے بیان میں اس عبادت کے ساتھ ہے کہ ابوعبید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں استیعاب و اصابہ میں بھی اسی عنوان کے ساتھ مذکور ہے ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے روضۃ الاحباب میں ابوعبید کو موالی میں بیان کیا گیا ہے ان دونوں صفتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتی ہیں البتہ خادم عام تر مولیٰ سے ہے۔

ایک اسلم رضی اللہ عنہ بن عبید ہیں روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے واضح رہنا چاہیئے کہ اسلم کا نام ابورافع رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان اختلافات کے باوجود ان کے نام کے بارے میں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اصح و مشہور تر ہی ہے کہ ان کا نام اسلم ہے اور ابورافع رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ان کی زوجہ سلمیٰ ام رافع کے بیان میں پہلے گزر چکا ہے اور اس کوئی دوسرے ہوں گے اصابہ میں اسلم نام کے کئی صحابہ کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ اسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں ابن مندہ سے منقول ہے انہوں نے بیان کیا کہ اسحٰق بن سلیمان نے سعد بن عبدالرحمٰن مدنی سے روایت کی ہے ابورافع اور اسلم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خادم تھے دیگر حضرات نے کہا ہے کہ یہ نام رافع کا ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور وہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے اور کہا کہ لوگوں نے جزم کیا ہے کہ ان کا نام اسلم ہے ان میں بخاری بھی ہیں اور ابوراشد قبطی کی کنیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور ابورافع کے نام میں اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا کہ زیادہ مشہور اسلم ہے اور یہ کہ وہ

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے جسے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت عباس کے اسلام لانے کی خوشخبری پہنچانے پر آزادی بخشی تھی پھر ایک اور ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قبطی کے سوا کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابورافع ابی احیحہ سعید بن العاص بن امیہ کا غلام تھا اس کے آٹھ بیٹوں نے اپنا اپنا حصہ چھوڑ کر اسے آزاد کر دیا بجز خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حصہ کو خرید ا یہاں تک کہ اپنے حصہ کو معاف کر کے اسے آزادی بخشی اس پر ابورافع اپنے آپ کو کہتے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں ابی احیحہ کے قصہ کو ابن عبداللہ نے ابورافع رضی اللہ عنہ کے مشہور قصہ میں بیان اختلاف کے طریقہ نقل کیا ہے کہ وہ یا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے یا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے شیخ ابن حجر نے اصابہ میں ابن عبدالبر کی غلطی وخطا بتائی ہے کہ انہوں نے ان کو ابورافع قبطی رضی اللہ عنہ کہا حالانکہ یہ ابورافع ان کے سوا ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ابورافع دو ہیں اسلم بھی کئی ہیں لیکن بقول اصح ابورافع قبطی کا نام اسلم ہے اور یہ معلوم نہ ہوا کہ دوسرے ابورافع کا نام بھی اسلم ہے یا نہیں نیز معلوم ہوا کہ رافع بغیر لفظ کنیت کے بھی غلام ہیں بظاہر یہ وہی ہیں جیسا کہ مذکور ہوا کہ ابوالبہی رافع ہیں لیکن اسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام بھی ہیں جو سفروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے بہر تقدیر اسلم بن عبید کے بارے میں جو روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے معلوم نہ ہو سکا۔

ایک افلح رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ہے کہ افلح رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ہیں اور حضور اکرم کے موالی میں مذکور ہیں اصابہ میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے اور کہا کہ ابوعمر نے یہ کہا ہے کہ یوسف بن خالد نے سالم بن بشر سے روایت کی ہے کہ حنفی نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ میں نے افلح مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں اپنی امت سے اپنے بعد تین باتوں کا اندیشہ رکھتا ہوں ضلالت ہوا اور اتباع شہوات سے اور کہا کہ میں تیسری بات بھول گیا (انتہی) حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں اس تیسری بات کو روایت کیا ہے کہ فرمایا تیسری بات عجب ہے اور ابن شاہین کی روایت میں ہے کہ تیسری بات معرفت کے بعد غفلت ہے۔

ایک انجشہ حبشی غلام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش آواز خادم تھے ان کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یَا اَنْجَشَۃُ رِفْقًا بِالْقَوَارِیْرِ'' ایک روایت میں فرمایا: ''لَا تُکَسِّرِ الْقَوَارِیْرَ'' اور ایک روایت میں ہے۔ رُوَیْدَ سَوْقَکَ بِالْقَوَارِیْرِ مطلب یہ کہ آہستہ اور نرمی سے اونٹوں کو چلایا کرو حدی کو آہستہ اور نرمی سے کہو اس بنا پر کہ شیشوں کی ساتھ نرمی برتی جاتی ہے تاکہ وہ نہ ٹوٹیں اور شیشہ سے مراد عورتیں ہیں اور ان کے نہ ٹوٹنے سے مراد آسودگی ہے اس لیے کہ اونٹوں کو تیز چلانے سے انہیں تکلیف وصدمہ پہنچتا ہے یا مراد رفع خواطر ہے جو غنا کے سننے سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَلْغِنَاءُ رُقْیَۃُ الزِّنَا ''گانا زنا کا منتر ہے'' جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب مردوں کیلئے حدی گاتے تھے اور انجشہ عورتوں کیلئے گاتے تھے استیعاب میں مروی ہے کہ یہ ایک حبشی غلام کا نام تھا جو ازواج مطہرات کے اونٹوں کو حجۃ الوداع کے سال میں کھینچتا تھا اور حدی گاتا تھا اور یہ بہترین حدی گاتا تھا اونٹ بھی اس کی حدی کی حرکت پر دتیز چلتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رُوَیْدًا یَا اَنْجَشَۃُ بِالْقَوَارِیْرِ اصابہ میں ہے کہ حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ میں واقع ہو کہ انجشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخنثوں میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنثوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکالدو اس پر حضرت علی مرتضیٰ نے انجشہ کو باہر نکال دیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فلاں کو نکال دیا (رضی اللہ عنہما)۔

ایک باذام بیا ذال بلفظ میوہ مشہور ہے استیعاب میں ان کا ذکر واقع نہیں ہوا ہے اصابہ میں ہے کہ باذام نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے مولیٰ تھے اور امام بغوی نے موالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ابن عساکر نے ان کی تبعیت کی ہے۔

ایک حاتم ہیں ان کا ذکر استیعاب میں نہیں پایا گیا اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حاتم غیر منسوب دروغ ہیں لیکن جھوٹوں نے ان کو جھوٹا بتایا ہے چنانچہ ابواسحٰق سلمی اور ابوموسیٰ نے روایت کیا انہوں نے نصر بن سفیان بن احمد بن نصیر سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حاتم سے سنا ہے وہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی دینار میں خریدا اور آزاد کیا اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چالیس سال رہا۔ سلمی نے کہا کہ نصر نے کہا حاتم کی عمر ایک سو پینسٹھ برس کی ہوئی ہے شیخ کہتے ہیں کہ ان کو گمان ہوگا کہ حاتم کی عمر دو سو برس تک ہوئی ہوگی مگر یہ بعید ہے اور یہ حکایت ندرت سے خالی نہیں ہے اور اس کا مضمون بھی ظاہر نہیں ایسا ہی اصابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک بدر رضی اللہ عنہ (بلفظ ماہ تمام) ابوعبداللہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے اتنا ہی پایا ہے۔

ایک رویفع رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ہے کہ رویفع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں جانتا اصابہ میں ہے کہ رویفع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ تھے ابواحمد عسکری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں ان کا ذکر کرکے کہا کہ رویفع حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس کے بعد ان کے عقب میں وہ آئے ابن عساکر نے اسے بیان کیا ہے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کسی نے ان کا تذکرہ کیا ہو اور ابوعمرو نے کہا میں نہیں جانتا کہ ان کی کوئی روایت ہے۔

ایک زید بن ہلال رضی اللہ عنہ ہیں روضۃ الاحباب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زید بن ہلال، ہلال بن یسار کے دادا زید رضی اللہ عنہ کے سوا ہیں اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی جد ہلال بن یسار ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اصابہ میں ہے کہ زید بن ہلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اس سے ابوداؤد اور ترمذی کے نزدیک ہلال بن زید کے پوتے سے ایک حدیث ہے اور انہوں نے کہا کہ حدثنی ابی عن جدی حضور اکرم نے ان کو ایک غزوے میں قید خانہ میں دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت زید بن حارثہ کی مانند آزادی بخشی۔

ایک سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں حضرت سعید بن زید مشہور صحابی ہیں جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بہن کے شوہر ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قرشی ہیں کفار میں سے سابقین بالاسلام ہیں حضرت عمر کا اسلام لانا انہیں کے گھر ہوا تھا لہٰذا یہ سعید بن زید جو موالی میں سے ہیں کوئی دوسرے ہوں گے اصابہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ سعید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا گیا کہ ان کا نام مہران یا طہمان یا رومان یا احمر یا رباح یہاں یک کہ اکیس قول ان کے نام میں بیان کیے ہیں اور کہا کہ ان کی اصل فارسی ہے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر اس شرط پر آزادی بخشی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ام سلمہ سے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے اور ان سے ان کے دونوں بیٹے عبدالرحمٰن عمر سالم بن عبداللہ بن عمرو وغیرہ نے روایت کی ہے حماد بن سلمہ نے سعید سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو جن مسلمانوں کو اپنا بوجھ اٹھانا دشوار ہوتا وہ مجھ پر ڈال دیتے تھے یہاں تک کہ میں نے ان کی بہت سی چیزیں اٹھائیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَنْتَ اِلَّا سَفِیْنَةٌ نہیں ہو تم مگر کشتی یہ حکایت سفینہ مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے ان کے نام میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے اور یہ سعید نام بھی تو انہیں کا ہے یا کسی اور کا اور گمان ایسا ہوتا ہے کہ موالی کے ناموں کے بیان کرنے میں تکرار واقع ہوگئی ہے یا تو ان کے نفوس بھی کئی ہیں یا ہر نام کیلئے علیحدہ ذات خیال کر لیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

ایک سعید بن کندیہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ میں نے نہیں پایا بجز اس کے کہ استیعاب میں سعید بغیر نسبت کے لائے ہیں اور کہا سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان سے ابوعثمان نہدی نے روایت کی ہے اور لفظ کندیہ بھی مشخص نہیں ہوا بجز اس کے کہ قاموس میں ہے کہ کندیہ بالکسر فربہ گدھا ہے اور اسے اس نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے وہ فربہ جسیم اور موٹا ہوتا ہے۔

ایک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ہیں اور جلیل القدر اصحاب میں سے عباد اللہ ہیں اگر ان سے پوچھا جاتا تمہارے والد کون ہیں اور تمہارا نسب کیا ہے؟ تو فرماتے میرا نسب اسلام ہے اور میرا باپ اسلام ہے اور میں سلمان بن اسلام ہوں حضرت سلمان فارسی النسل ہرمز کے رہنے والے تھے بعض اصفہان کے بتاتے ہیں اور یہ اس قوم سے تھے جو ابلق گھوڑوں کو پوجتے تھے دین حق کی جستجو میں گھر سے نکلے اور مدت تک جہاں نوردی کی بالآخر جمال سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا اور مسلمان ہوگئے کئی دینوں میں داخل ہوئے اور متعدد جگہوں میں فروخت ہوتے رہے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کے ایک یہودی کے قبضہ میں آئے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر ان کو آزادی بخشی ان کی عمر میں کئی قول ہیں ایک قول سے تین سو ساٹھ سال اور بقول اکثر دو سو پچاس ان کی عمر تھی بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے پایا تھا۔ (واللہ اعلم)

ان کا پہلا غزوۂ خندق ہے اور خندق انہیں کی رائے و تدبیر اور مشورے سے بنائی گئی جیسا کہ گزرا غزوۂ خندق کھودنے کے دوران نزاع واقع ہو مہاجرین کہتے کہ حضرت سلمان ہمارے ساتھ ہوں انصار کہتے کہ ہمارے ساتھ ہوں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں وہ قوی ہیکل طویل القامت اور عظیم الجثہ شخص تھے اور وہ مخدوموں محبوبوں اور مقربان بارگاہ میں سے ہیں یہاں تک کہ بغیر بلائے بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے امام سیوطی جمع الجوامع میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السابق یعنی سبقت کرنے والے چار ہیں میں سابق العرب ہوں اور سلمان سابق الفرس ہیں اور بلال سابق الحبشہ ہیں اور صہیب سابق الروم ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ ان حضرات قدس میں سے ایک ہیں جن کے داخلہ کی جنت مشتاق ہے اور وہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی کو مدائن پر والی مقرر فرمایا تھا جو نوشیرواں کا شہر اور اس کا تعمیر کردہ تھا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور اپنے عطایا وظائف کو تصدق کر دیتے تھے اور فقر سے محبت رکھتے تھے وہ اہل صفہ میں سے تھے اور ان کی صرف ایک عبا تھی اسی کو وہ پہنتے اور اسی کو اوڑھتے تھے اور کسی دیوار یا درخت کے سایہ میں سوتے تھے نہ گھر تھا اور نہ رہنے کی کوئی جگہ تھی ان کے ایک دوست نے چاہا کہ ان کیلئے ایک گھر بنائیں حضرت سلمان نے فرمایا ایسا گھر بناؤ جو کھڑے ہوتے وقت سر کو نہ لگے اور چوڑائی اتنی ہو کہ پاؤں پھیلا کر سو سکیں اور ۳۵ھ یا ۳۶ء میں حضرت عثمان کی خلافت کے آخر زمانہ میں وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ عہد خلافت فاروقی میں وفات ہوئی اور اول زیادہ صحیح و اکثر ہے ان سے حضرت ابو ہریرہ حضرت انس بن مالک اور ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہم نے روایت کی یہ بڑے خوش طبع تھے جیسے کہ عجمی لوگ ہوتے ہیں کبھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزاح وخوش طبعی فرماتے تھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تائید و تقویت فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے درمیان اس پر گفتگو ہوئی کہ کسی شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اپنا نسب بیان کیجئے اسی طرح ہر ایک نے اپنا اپنا نسب بیان کیا یہاں تک کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بیان کرنے کی باری آئی تو فرمایا اپنے لیے اسلام میں کوئی باپ نہیں رکھتا میرا باپ اسلام ہے اور میں

اسلام کا بیٹا مسلمان ہوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ خوب جانتے تھے کہ خطاب لوگوں میں بہت عزت دار تھا اور میں اسلام کا بیٹا عمر ہوں اور سلمان بن اسلام کا بھائی ہوں منقول ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا چلو ہم ان کا استقبال کریں اور تمام مسلمان باہر نکل کر ان سے پہلے ملاقات کریں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں میں شہر ہرمز میں تھا اور مکتب میں پڑھنے کے بعد آتا جاتا تھا راستہ میں ایک راہب تھا میں جب اس کے پاس بیٹھتا تو وہ آسمانوں اور زمین کی خبریں دیتا تھا یہاں تک کہ میں مکتب سے بے پرواہ ہو گیا اور اس راہب کی صحبت کو لازم کر لیا مکتب کے استادوں نے میرے گھر کے لوگوں کو بتایا کہ فلاں راہب نے تمہارے لڑکے کو تباہ کر دیا ہے تو ان لوگوں نے اپنے شہر سے اس راہب کو نکال دیا اس کے بعد میں بھی چھپ کر گھر سے نکلا اور اس راہب کے پاس پہنچ گیا قصہ طویل ہے خلاصہ یہ کہ ہم بیت المقدس پہنچے تو ایک لاچار سائل نے اس سے کوئی سوال کیا اور میں نہیں جان سکا کہ اس نے کیا کہا اس کے بعد آپ نے اس سے کہا تو کھڑا ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو راہب نے دعا کی اور وہ اسی وقت کھڑا ہو گیا اور تندرست ہو گیا راہب چلا گیا میں نے چاہا کہ میں اس کا پیچھا کر کے اس سے مل جاؤں مگر میں اس کو نہ پاسکا اور راستہ گم کر دیا میں بھٹک گیا اس کے بعد مجھے انصاریوں کے سوار ملے میں نے ان سے راہب کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا فلاں شکل وصورت کا کوئی آدمی تم نے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا یہ بھاگا ہوا غلام ہے اسے پکڑ لو تو انہوں نے مجھے اپنا ردیف بنالیا اور اپنی سواری کے پیچھے مجھے بٹھالیا اور مدینہ طیبہ لے آئے اس کے بعد مجھے ایک باغ میں چھوڑ دیا کہ میں یہاں کام کروں تو میں پانی سینچتا تھا اور اپنی روزی کماتا تھا بلاشبہ مجھے راہب نے اس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی خبر دی تھی اور آپ کی نبوت کی نشانیاں اور علامتیں بتائی تھیں اور وصیت کی تھی کہ جب تم انہیں پاؤ تو ان کی تصدیق کر کے ایمان لے آنا تو میں نے وہ نشانیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائیں اور ان پر ایمان لے آیا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قصہ میں طالبان حق اور سالکان طریقت کیلئے عبرت ونصیحت ہے کہ جب تک سب جدا سے ہو کر کسی کی صحبت اختیار نہ کرے مقصود کو وہ نہیں پاتا۔

روزان وشباں بگرد مرداں می گرد مروی گردے جو گرد مردے گردی

جو بھی طلب گار حق ہوا ہے وہ دربدر پھرا ہے مشائخ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں یہ نعمت رکھی گئی ہے تو یا تو اسے راہبر سے ملا دیا جاتا ہے یا راہ بر کو اس کے پاس لے آیا جاتا ہے اور جس کے مقدر میں یہ نعمت نہیں ہوتی ہے وہ در در ماندہ ہو جاتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْحِرْمَانِ وَالْخُزْلَانِ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان دونوں نعمتوں کی قسمت والے موجود ہیں کچھ تو وہ ہیں جن کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود تشریف لائے اور کچھ وہ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اس در اقدس تک پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائی اور دونوں قسم کی جماعتوں نے اس ذات اقدس سے اکتساب فیض کیا۔

باحسان وتبع التابعين اجمعين هذاه طريق الحق ومحيي علوم الدين وصلى الله علے سيّدنا محمد سيّد الكل واستاد الوجود والهادى الى طريق الحق واليقين وسلم.

ایک سندر رضی اللہ عنہ ہیں (وبفتح سین وسکون نون) استیعاب میں منقول ہے کہ سندر زبناع خرامی رضی اللہ عنہ (بکسر راء وسکون نون) کے غلام تھے اور سندر کو صحبت ملی ہے اور ان کی حدیث بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے کہ ایک روز یہ سندر زبناع کی لونڈی سے ملوث ہو گئے اس پر زنباع نے اسے خصی کر کے مثلہ کر دیا پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں آئے دادخواہی

کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو زنباع کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ جس کو مثلہ کیا جائے یا اسے آگ سے جلایا جائے اس کا عذاب اس کے ذمہ ہے اس کے بعد زنباع آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا غلام ہے اسے آزاد فرما کے مجھ سے اسے راضی کرا دیجئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سندر سے فرمایا میں ہر مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تیرے ساتھ بھلائی کرے۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال بحق ہوئے تو سندر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا میرے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا لحاظ فرمایئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اگر تمہاری خواہش ہو تو تم ہمارے پاس رہو میں تمہارا وظیفہ مقرر کردوں گا ورنہ جہاں تم رہنا پسند کرو میں تمہارے لیے ہدایت لکھدوں سندر نے مصر میں رہنا پسند کیا حضرت فاروق اعظم نے حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے لحاظ کی تاکید فرمائی جب سندر قطع مسافت کے بعد حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے ایک کشادہ زمین کا قطعہ ان کے نام کر دیا سندر اس زمین سے کھاتے اور وہیں رہتے تھے جب ان کا انتقال ہوگیا تو اسے بیت المال میں منتقل کر دیا گیا ابن عفیر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ زنباع بڑے متمول اور صاحب دولت اور ان پڑھ تھے عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک زندہ رہے اصابہ میں ہے کہ زنباع سلامہ کے بیٹے تھے اس کے بعد استیعاب کی مانند قصہ بیان کیا۔

ایک شمعون رضی اللہ عنہ تھے استیعات میں شمعون بن خشافہ قرظی یعنی بنی قریظہ کے تھے اور ابو ریحانہ وانصار کے حلیف تھے بعض کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور کہتے ہیں کہ یہ ریحانہ کے والد تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں انہیں کی نسبت سے ان کی کنیت تھی صحبت وسماع پائی ہے اور ان سے روایت بھی لی گئی ہے اور یہ فضلاء زہاد میں سے تھے۔ شام میں سکونت رکھتے تھے اور شامیوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ''کاشف'' میں کہا گیا ہے کہ وہ متورع تھے اور غزوات کے قصے بیان کرتے تھے۔ تہذیب میں ہے کہ بعض نے شمغون (غین کے ساتھ) بھی کہا ہے اور اصابہ میں شمعون کو (عین کے ساتھ اور غین کے ساتھ) دونوں طرح سے بولا گیا ہے۔ ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ ان کی مشہور کنیت ہے بعض نے ان کو ازدی بعض نے انصاری کہا اور بعض قرشی بھی کہتے ہیں۔ ابن عساکر نے کہا کہ اول زیادہ صحیح ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ تمام انصار ازدی ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بعض قریش کے حلیف میں داخل ہوں اس طرح تمام اقوال میں تطبیق وجمع ہو جاتی ہے۔ شام میں سکونت رکھی اور ان کی حدیث مصریوں میں ہے۔ ابوالحسن رازی نے اپنے با اعتماد شیوخ سے نقل کیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جو دمشق میں اس مکان میں آکے رہے جس میں ان کا خاندان آباد تھا ان کو صحبت حاصل ہے اور پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ بیت المقدس میں انہوں نے سکونت اختیار کی اور وہیں ان سے روایتیں لی گئیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے قرآن کریم کی تلاوت' شاق ودشوار ہونے کی شکایت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی تم طاقت نہیں رکھتے اس کا بوجھ اٹھانے پر تم کو مکلّف نہیں کیا گیا اور سجدہ ریزی کو اپنے اوپر لازم کرلو تو ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ بکثرت سجدے کیا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ کشتی میں سوار تھے ان کے ساتھ قرآن کریم تھا اور ایک سوئی تھی سوئی دریا میں گر پڑی انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اے خدا میری سوئی مجھے واپس کردے تو دریا سے سوئی نمودار ہوگئی اور آپ نے اسے لے لیا اصابہ میں اور بھی ان کے حالات بیان کیے ہیں۔ ان کی کنیت ابو ریحانہ بتائی ہے لیکن یہ بیان نہ کیا کہ وہ ریحانہ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تھے پھر کیوں کر ممکن ہے کہ ابو ریحانہ انصاری یا ازدی یا قرشی ہوں البتہ اس قول پر ممکن ہے کہ شمعون ابو ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کنیزوں کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ ریحانہ زید بن عمرو کی بیٹی تھیں بعض کہتے ہیں کہ ریحانہ بنت شمعون بنی نضیر یا بنی قریظہ کے اسیروں میں سے تھیں اور بر طریق ملک یمین ان کو شرف ہمبستری

سے نوازا بعض کہتے ہیں کہ آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہی ریحانہ رضی اللہ عنہا قیدیوں میں سے تھیں یا ان کے باپ بھی تھے جب شمعون کو قرظی بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک ضمیرہ رضی اللہ عنہ ہیں ضمیرہ بصیغہ تصغیر ابوضمیرہ کے فرزند ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ ضمیرہ بن ابی ضمیرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ابوضمیرہ اور ان کے بیٹے ضمیرہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے وہ حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ کے دادا ہیں ان کو اہل مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے اور ابن ابی وہب نے حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضمیرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہی تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کس چیز نے تم کو رلایا ہے' کیا تم بھوکی ہو یا ننگی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا بیٹا مجھ سے جدا کر دیا گیا ہے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی نہ کی جائے اس کے بعد کسی کو اس کے پاس بھیجا جس کے پاس ضمیرہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کو ایک اونٹ کے بدلے خرید لیا۔

منقول ہے کہ ضمیرہ ابن ابی ضمیرہ رضی اللہ عنہ کیلئے ایک گرامی نامی تحریر فرما کر عطا فرمایا کیونکہ وہ اہل عرب میں سے تھے اور اس مال غنیمت میں سے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال فرمایا پھر ضمیرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے لوگوں سے ملاقات کروں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا مگر انہوں نے خدا اور رسول خدا کو اختیار کیا لہٰذا کوئی ان سے تعرض نہ کرے مگر یہ کہ سب خیر و برکت سے پیش آئیں البتہ مسلمان جب ان سے ملاقات کریں تو چاہیے کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اسے ابی ابن کعب اور عبد بن اسلم نے اصابہ میں بیان کیا ہے۔

ایک عبداللہ بن اسلم ہاشمی مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کو بغوی نے ذکر کیا ہے ان کے سوانے صحابہ میں بیان کیا ہے اور امام احمد اور ان کے سوانے بطریق ابن لہیعہ' بکر بن سوادہ نے عبداللہ بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اَشْبَهْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ تم میری شکل و اخلاق میں مشابہ ہو۔

ایک غیلان ہیں اصابہ میں ہے کہ غیلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اسے ابن السکن نے بیان کیا ہے اور کہا کہ ان سے ایک حدیث مروی ہے جسے اہل رقہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دجال اس حال میں خروج کرے گا کہ وہ لوگوں کو اپنے حق و عدل کی دعوت دے گا تو کوئی کافر اس کی پیروی کیے بغیر باقی نہ رہے گا اور لوگ اسے پہچان نہ سکیں گے اس کے بعد یکا یک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نمودار ہوگا کہ وہ کافر ہے جسے ہر مومن پڑھے گا اس کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان اس سے جدا ہو جائیں گے اور کافر اس کی پیروی کریں گے۔

ایک فضالہ رضی اللہ عنہ ہیں جو یمن کے رہنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ جعفر مستغفری سے منقول ہے کہ وہ شام آ کے رہے ہیں ابوبکر بن محمد بن حزم نے ان کا تذکرہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں کیا ہے۔ محمد بن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ شام میں آ کے رہے اور وہیں ان کی اولاد ہے۔ ان کے حالات میں سے صرف اتنا ہی معلوم ہے۔

ایک نفیر رضی اللہ عنہ ہیں نفیر بصیغہ تصغیر دو اشخاص مذکور ہیں ایک استیعاب میں نفیر بن المغلس بن نفر الحضرمی ہیں اور نفر بن مالک بن عامر الحضرمی کہا جاتا ہے وہ جبیر بن نفیر کے والد ہیں اور ابوجبیر ان کی کنیت ہے۔ اہل شام میں ان کا شمار کیا گیا ہے ان کے بیٹے جبیر رضی اللہ عنہ بن نفیر نے حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے کچھ تو وضو کی صفت میں ہیں اور کچھ دجال کی نشانیوں میں اور دوسرے نفیر

(اصابہ میں) نفیر بن نجب شامی دیمانی ہیں کہا جاتا ہے کہ انہیں صحبت حاصل ہے تو رونفر ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے کون سے نفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک کریب رضی اللہ عنہ بصیغہ تصغیر ہیں اصابہ میں ہے کہ کریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور عیدان مروزی نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ خطا اور کتابت کی ہے وہ حرب' ابوسلمہ رضی اللہ عنہا راعی ہیں۔

ایک محمد بن عبدالرحمٰن ہیں ایک محمد اور بھی ہیں کہتے ہیں کہ ان کا نام ناہیہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام کو بدل کر محمد رکھا۔ استیعاب اور اصابہ میں محمد نام کے بہت سے بیان کیے گئے ہیں جو منسوب ہیں اور ایک محمد غیر منسوب بھی بیان کرتے ہیں ان کو کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اسے حاکم نے تاریخ نیشاپور میں ان لوگوں کے درمیان جو خراسان سے وہاں آئے بیان کیا ہے اور ان کے فرزندوں سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ میرے باپ کا نام ناہیہ تھا وہ مجوسی تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو وہ تجارت کی غرض سے گھر سے نکلے اور مدینہ طیبہ پہنچے پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام محمد رکھا پھر وہ مسلمان ہو کر اپنے شہر میں لوٹے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہا جاتا ہے ان کا گھر مرو میں تھا اسے ابوموسیٰ نے حاکم کی سند سے نقل کیا ہے دوسرے محمد بن عبدالرحمٰن ہیں کہا جاتا ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان کو سبطین' عیدان مروزی اور ماوردی نے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ مروی ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی عورت کا ستر کھول لے اس پر مہر واجب ہو جاتا ہے یعنی دخول کے ساتھ ہی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ موالی کے کہنے کی وجہ ظاہر نہ ہوئی ممکن ہے کہ چونکہ وہ مجوسی تھے قید میں آ گئے ہوں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی بخشی ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک مکحول ہیں یہ نام ان کتابوں میں نہیں پایا گیا مگر وہ مکحول جو شامی مشہور ہیں وہ تابعین میں سے ہیں۔

ایک نافع ابوالسائب رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ہے کہ نافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تکبر کرنے والا بہت زیادہ زنا کرنے والا اور اپنے اعمال پر لوگوں پر احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اسے خالد بن امیہ نے ان سے روایت کیا ہے لیکن ابوالسائب جسے روضۃ الاحباب میں نافع کے ساتھ بیان کیا ہے پایا نہیں گیا البتہ ابوالسائب کنیت کے نافع کے سوا بہت سے صحابہ کرام ہیں۔ ابوالسائب غیلان کے غلام تھے اور وہ غیلان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا پھر غیلان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انہیں واپس کر دیا ممکن ہے کہ انہیں اسی بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ کہا گیا ہو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کنیت نافع کی ہے حالانکہ روضۃ الاحباب کی عبارت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ایک نبیر رضی اللہ عنہ ہیں منیہ بنون موحدہ بر صیغہ تصغیر و بعض بروزن عظیم کہتے ہیں۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا ہے کہ میں ان کو اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ بعضوں نے ان کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی کیا ہے اور کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ اصابہ میں صاحب الجوہر سے منقول ہے کہ وہ ''سراۃ'' کے رہنے والے تھے۔

ایک نہیک رضی اللہ عنہ ہیں نہیک رضی اللہ عنہ بنون و باء بروزن شریک ہے۔ اصابہ میں ہے کہ نہیک بن الاسود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مروی ہے کہ جب زمانہ علالت

میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو افاقہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ مسجد شریف میں تشریف لے جائیں اس وقت ایک حبشی غلام نے (جو ہمارے پاس تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیا۔ اصابہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حبشی غلام سے مراد یہی نہیک بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک نفیع رضی اللہ عنہ (بنون و فا بصیغہ تصغیر) ابوبکرہ (بفتح با دسکون کاف و دراحرتا) ہیں ان کا نام نفیع رضی اللہ عنہ بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہیں اور بعض نے نفیع بن مسروح اور بعض نے مسروح بن کلدہ ان کا نام بتایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حارث بن کلدہ ثقفی کے غلام تھے اور انہوں نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ ابوبکرہ کی ماں شمہ حارث کی باندی تھی اور وہ زیاد بن ابوسفیان کی ماں تھی اس نے زمانہ جاہلیت میں اس سے زنا کیا تھا اور ان پر ان کی کنیت غالب آ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت رکھی تھی۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے سامان کو کنویں کے ڈول میں رکھ کر طائف کے روز اتارا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے یہ نفیع رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک کے شوق میں خود کو ڈول میں ڈال کر نیچے اترے تھے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھی تھی۔ (بکرہ کے معنی ڈول کے ہیں) چنانچہ وہ اسی کنیت سے مشہور ہو گئے۔ منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو منادی کو حکم ہوا کہ وہ اعلان کر دے جو کوئی غلام اتر کے ہماری طرف آئے گا اسے آزادی بخش جائے گی اس وقت دس غلام اُتر کے آئے ان میں سے ایک یہ نفیع رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مغلطائی کے نزدیک اس روز تئیس غلام اتر کر آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آنے والے کو آزاد کر کے صحابہ کرام کو ایک ایک کر کے سپرد فرما دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت و خیال رکھیں یہ بات طائف والوں پر بہت دشوار معلوم ہوئی جب طائف کے کچھ لوگ حاضر بارگاہ ہوئے اور اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے غلاموں کو طلب کیا کہ وہ انہیں لوٹا دیئے جائیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب اللہ کے آزاد کردہ ہیں یہ حکایت پہلے غزوہ طائف میں گزر چکی ہے یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ حارث کے غلام تھے اگر نہ بھی ہوں تو وہ خود اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام کہتے تھے اور مسلمانوں سے کہتے میں تمہارا دینی بھائی ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اگر اس بات کا انکار کرو تو میں نفیع رضی اللہ عنہ بن مسروح ہوں یہ نفیع رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ اور اخیار صحابہ میں سے تھے وہ بصرے میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بصرے میں ان کی اولاد اکابر و اشراف ہوئی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بصرے میں حضرت عمران بن حصین اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ افضل صحابی سکونت پذیر نہ ہوا اور انہوں نے روز جمل گوشہ نشینی اختیار کی اور کسی جانب میلان کا اظہار نہ کیا اور نہ کسی فریق کے ساتھ قتال کیا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ۴۹ھ یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں بصرے میں وفات پائی اور وصیت کی کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اسلمی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ایک ہرمز ا ابوکیسان رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ کیسان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں اور ان کو ہرمز بھی کہا گیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ کیسان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں اور ان کا نام ہرمز کہا جاتا ہے ان کی کنیت ابوکیسان رضی اللہ عنہ ہے ان کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے یا تو کیسان ہے یا مہران یا طہمان یا ذکوان ہے یہ سب اقوال اس حدیث میں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریم صدقہ کے بارے میں ہے۔

ایک وردان رضی اللہ عنہ ہیں (بہ فتح واؤ دسکون راء) اصابہ میں ہے کہ وردان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی ہیں۔ ابونعیم نے صحابہ میں ذکر کیا ہے اور حضرت عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کھجور کی

ٹہنی سے گر کر فوت ہوئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی اولاد کو تلاش کرو اور اس کا ترکہ اسے دے دو تو ایک شخص کو پایا اور اسے اس کی میراث دے دی۔

ایک یسار رضی اللہ عنہ ہیں یسار کا تذکرہ پہلے رباح کے حالات میں بیان ہو چکا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے چرواہے تھے جن کو عرنیوں نے شہید کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسار رضی اللہ عنہ کے قصاص میں ان بدبختوں کو واصل جہنم کیا تھا اور رباح رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ مقرر فرمایا تھا اس جگہ جو یسار رضی اللہ عنہ مذکور ہوا ہے یا تو مکرر واقع ہوا ہے یا یہ کوئی دوسرے یسار رضی اللہ عنہ ہیں یسار نام کے بہت سے لوگ بیان کیے گئے ہیں گمان ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی بھی ہوں گے ایک یسار رضی اللہ عنہ حبشی غلام ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثعلبہ کے غطفان کی جماعت پر تاخت فرمائی تھی تو اس راہ میں ایک غلام ملا تھا جس کا نام یسار رضی اللہ عنہ تھا دوسرے یسار ان لوگوں میں ہیں جو طائف کے قلعہ میں سے اتر کے آئے تھے اور وہ مسلمان ہو گئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا لیکن اس جگہ جو یسار رضی اللہ عنہ مذکور ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ طائف میں جتنے غلام اتر کے آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ایک صحابی کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت کریں ان یسار رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ہوگا بالآخر سب کو آزادی بخشی اور فرمایا هُمْ عُتَقَاءُ اللهِ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں تو اگر ان یسار کو حضرت عثمان کا غلام کہا گیا تب بھی درست ہے اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہیں تب بھی جائز ہوگا اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام جانتے تھے ان سب کو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موالی کہیں تو بھی ممکن ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک ابواثیلہ رضی اللہ عنہ ہیں (بصیغہ تصغیر و بے تصغیر دونوں ہیں) ابن جوزی نے تلقیح میں ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اس جگہ ابواثیلہ رضی اللہ عنہ دوسرے ہیں ان کا نام راشد ہے۔ منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام ظالم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انت راشد تم راشد ہو، راشد نام کے دو شخص ہیں ایک راشد بن حفص بن عمرو بن عبدالرحمٰن بن عوف دوسرے راشد بن عبدربہ اسلمی۔ اصابہ میں ہے کہ راشد بن عبدربہ کا نام غوث تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام راشد کر دیا ان دونوں کی کنیت ابواثیلہ ہے۔ وہ ابواثیلہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہتے ہیں ان کا نام مذکور نہیں ہے یہ تمام باتیں اصابہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اصابہ میں یہ نام اور یہ کنیت کچھ مذکور نہیں ہے۔

ایک ابوالبشیر رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب اور اصابہ میں ایک ابوالبشیر صحابہ میں سے انصاری بیان کیے گئے ہیں۔ جن سے طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی حدیث مروی ہے۔ انہوں نے طویل عمر پائی تھی کہتے ہیں کہ ایک کے سوا دوسرے ابوالبشیر صحابہ میں نہیں ہیں لیکن کسی نے ان کا غلام ہونا بیان نہیں کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک ابوصفیہ رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ ابوصفیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا کہ بخاری نے ان کو مہاجرین میں شمار کیا ہے۔ یونس بن عبیدہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے ابوصفیہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے جو مہاجرین میں سے تھے اور کھجوروں کی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھتے تھے اسے بغوی نے روایت کیا دوسری سند میں ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ابوصفیہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ان کے آگے کنکریاں رکھی جاتیں تو وہ شام سے آدھی رات تک اور ظہر سے شام تک اس سے تسبیح کرتے تھے۔ استیعاب میں بھی مروی ہے کہ ابوصفیہ رضی اللہ عنہا مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے

تھے اور گٹھلیوں پر تسبیح کرتے تھے۔

ایک ابوقبیلہ ہیں ابوقبیلہ کا تذکرہ پایا نہیں گیا البتہ ابوقبیلہ کا نام مرشد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی بہر تقدیر مولا اور صحابی ہونا ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اسے محمد بن حبیب نے اپنی کتاب محرز نامی میں بیان کیا ہے اور بلاذری نے بیان کیا ہے کہ وہ بنوقریظہ سے ہیں اور وہ مکاتب تھے جب وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزادی بخشی۔ انہوں نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی یہ پڑھے کہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ کافروں کے مقابلہ سے بھاگا ہو۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ یسار بن زید بن المنذر کے والد ہیں۔ شیخ کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث زید بن ہلال نے روایت کی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے جیسا کہ مذکور ہوا (انتہی) یہ ابولبابہ ابولبابہ بن عبدالمنذر کے سوا ہیں جن کا نام رفاعہ رضی اللہ عنہ ہے اور جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد شریف کے ستون سے باندھ لیا تھا جیسا کہ اپنی جگہ میں مذکور ہو چکا ہے۔

ایک ابولقیط رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ ابولقیط رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبشی یا کوئی غلام ہیں اور یہ زمانہ خلافت فاروقی تک حیات رہے۔ صاحب استیعاب نے فرمایا کہ بعض اہل سیر نے ان کو موالی میں بیان کیا ہے مگر میں ان کو نہیں پہچانتا اور شیخ فرماتے ہیں کہ محمد بن حبیب نے کتاب ''محرز'' میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ جعفر مستغفری نے کہا کہ وہ عہد خلافت فاروقی میں دیوان (دفتر) اٹھاتے تھے۔

ایک ابوالیسر رضی اللہ عنہ (بیاء تحتانیہ وسین مہملہ دونوں زبر سے) ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ استیعاب جامع الاصول اصابہ اور کتب احادیث میں ان کا تذکرہ ہے لیکن اس نام کے کسی ایسے شخص کو جو مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم ہو نہیں جانا گیا۔ استیعاب میں ان کے آباء واجداد کا نسب بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ وہ انصاری اور سلمٰی ہیں اور عقبہ کے بعد بدر میں شریک ہوئے اس بنا پر وہ عقبی اور بدری ہوئے۔ انہوں نے ہی بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اسیر کیا تھا باوجود یہ کہ وہ پستہ قامت کوتاہ گردن اور بڑے پیٹ والے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت زیادہ دراز قامت تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: لَقَدْ اَعَانَكَ عَلَیْهِ مَلَكٌ كَرِیْمٌ بلاشبہ ان کی اسیری پر عزت والے فرشتہ نے تمہاری مدد کی اور انہوں نے ہی بدر کے دن مشرکوں کے ہاتھوں سے علم چھینا تھا اور وہ علم ابوعزیز بن عمر کے ہاتھ میں تھا جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حاضر ہوئے اور مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ ۵۵ھ میں وفات پائی یہ الفاظ استیعاب کے ہیں۔ اصابہ میں اسی طرح بیان کر کے ان کا نام ان کی کنیت اور ان کا نسب بیان کیا ہے اور کہا کہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ (بفتحتین) انصاری ہیں ان کا نام کعب بن عمر رضی اللہ عنہما ہے اور اپنی کنیت کے نام سے مشہور ہیں۔ عقبہ کے بعد بدر میں حاضر ہوئے اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ بخاری نے کہا کہ یہ صحابی ہیں اور بدر میں حاضر ہوئے کوتاہ گردن اور بزرگ شکم کے تھے۔ مدینہ طیبہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی اور بدریوں میں سے فوت ہونے والے یہ آخری صحابی تھے ان سے عبادہ بن ولید بن عبادہ بن الصامت نے روایت بیان کی ان کی حدیث طویل ہے جسے مسلم نے بیان کیا ہے یہ عبارت اصابہ کی ہے اور جامع الاصول میں کنیت کے ذکر میں کہا ہے کہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ (بہ فتح یا فتح سین راء کے ساتھ) کعب بن عمرو انصاری مشہور صحابی ہیں اور اسماء کے ذکر میں کہا ہے کہ ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری سلمی عقبہ اور بدر میں حاضر ہونے والے ہیں اور وہی ہیں جنہوں نے حضرت

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو اسیر کیا تھا۔ مدینہ طیبہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی ان کے سوائی کوئی اور ابوالیسر مذکور نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ سیرت لکھنے والوں نے ان کا مولی ہونا کہاں سے نقل کیا ہے۔

ایک ذکوان رضی اللہ عنہ ہیں یہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں استیعاب اور اصابہ میں بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ان کی حدیث عطا بن اسائب یہ ہے کہ اِنَّ الصَّدْقَةَ لَاتُحِلُّ لِیْ وَلَا لِاَهْلِ بَیْتِیْ وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ بیشک صدقہ کا مال نہ میرے لیے حلال ہے اور نہ میری اہلِ بیت کیلئے اور قوم کے غلام ان کے ساتھ ہیں بعض نے طہمان کہا ہے اور بعض نے شک کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

اب رہا باندیوں کا تذکرہ تو ان کے نام یہ ہے ایک ام رافع رضی اللہ عنہا زوجہ ابورافع رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضورِ اکرم کی خادمہ ہیں کہتے ہیں کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں مگر ان کو مولاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں ان کا تذکرہ خدام بارگاہ کے ضمن میں گزر چکا ہے روضۃ الاحباب میں سلمی وام رافع رضی اللہ عنہا واقع ہوا ہے گویا کہ سلمیٰ مولاۃ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کو سلمیٰ ام رافع رضی اللہ عنہ سے جدا شمار کیا ہے اور شیخ نے اصابہ میں فرمایا ہے کہ میں نے مجموعہ ادبیہ میں ابویعقوب جرمی کا لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے انہوں نے لکھا کہ یہ وہ عورت ہے جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب وہ شکار سے واپس آئے تھے کہ تم دیکھتے نہیں کہ ابوجہل ملعون تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیسی زیادتی کرتا ہے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے اور ابوجہل کے پاس پہنچ کر اس کے سر پر کمان ماری یہاں تک کہ اس ملعون کا سر پھاڑ ڈالا اور اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔

یہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا' صفیہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہتی تھیں دوسری سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی والدہ ہیں ان کا تذکرہ ''سراری'' میں گزر چکا ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی بہن شیریں ہیں ان دونوں کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بھیجا تھا پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیریں کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا ان سے عبدالرحمٰن بن حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت پیدا ہوئے تیسری باندی رضوی ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ رضوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں اور ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ مستغفری نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے حالات میں سے کچھ تذکرہ نہیں کیا چوتھی باندی امیمہ رضی اللہ عنہا ہیں اصابہ میں ہے کہ ابوعمر نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہی تھی اور آپ کے دست مبارک پر پانی ڈال رہی تھی اچانک ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں مجھے کوئی نصیحت فرمایئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ (الحدیث)

پانچویں دریحہ رضی اللہ عنہا (بروزن تصغیر) ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں۔ ابن سعد نے اسے بیان کیا ہے چھٹی سائبہ ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ سائبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں انہوں نے یقظہ کی حدیث حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے طارق بن عبدالرحمٰن نے اپنی تاریخ نسائی میں روایت کیا ہے اسی طرح ابوموسیٰ کی کتاب ذیل میں ہے ساتویں ام ضمیرہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور ابوضمیرہ رضی اللہ عنہا کی زوجہ اور ضمیرہ رضی اللہ عنہ ان کا بیٹا ہے اور ابوضمیرہ کا تذکرہ موالی میں گزر چکا ہے۔

باب ششم

در ذکر محافظین بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حراست کے لغوی معنی حفاظت ونگہبانی کرنے کے ہیں۔حارس کے معنی پاسبان و پہریدار اور خراس اس کی جمع ہے اور احتراس کے معنی اپنی آپ نگہبانی کرنے یا کسی کو اپنی نگہبانی کیلئے مقرر کرنے کے ہیں جس طرح کہ بعض صحابہ کرتے تھے ان کی نگہبانی اس معنی میں نہیں ہے کہ اپنی نگہبانی کیلئے ان کو مقرر کیا تھا بلکہ صحابہ کرام کے کچھ حضرات از خود اس کام میں مشغول ہوتے اور اس سعادت سے مشرف ہوتے تھے۔محدثین نے ایسے محافظین صحابہ کو ضبط کیا ہے ممکن ہے کہ ان میں کچھ حضرات اس سعادت پر ہمیشہ قائم رہے ہوں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باتباع سنت الٰہی عزوجل ایسے اسباب کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے جب آیۂ کریمہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو آپ نے اسے ترک فرمادیا ان پہریداروں میں سے ایک حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو اشہل اوسی ہیں اور اکابر واجلہ اصحاب میں سے ہیں اور مدینہ طیبہ میں عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (جن میں قبل از ہجرت تعلیم اصحاب مدینہ کیلئے بھیجا گیا تھا) کے ہاتھ پر اسلام لائے اور انصار میں سے انہیں کا گھرانا سب سے پہلے اسلام لایا یہ اپنی قوم میں مخدوم و پیشوا اور بزرگ تھے جیسا کہ گزر چکا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''سید الانصار'' کا لقب مرحمت فرمایا تھا اور وہ بدر و احد میں حاضر ہوئے اور روز احد وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔غزوہ خندق میں ان کے رگ اکحل میں تیر لگا اور ایک ماہ کے بعد اسی زخم سے ان کی وفات ہوئی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے آئے اور جبریل علیہ السلام نے آ کے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو خوشخبری پہنچا دیجئے کہ ان کے استقبال کیلئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش الٰہی ان کی وفات پر جنبش میں آ گیا ہے ان تمام حالات کی تفصیل غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ میں گزر چکی ہے ان کی نگہبانی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روز بدر تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک عریش بنایا گیا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عریش میں خواب استراحت فرمایا تھا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس عریش کی نگہبانی کر رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی روز بدر میں عریش میں تیغ برہنہ کشیدہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے پہرہ دے رہے تھے تاکہ کوئی مشرک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آ سکے اسے ابن السماک نے کتاب ''الموافقت'' میں بیان کیا ہے (کذا فی المواہب) حراست ونگہبانی کے معنی اس جگہ بیان کرنا زیادہ بہتر و احق ہے تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں بیان نہیں کیا گیا۔

ایک محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ انصاری مدنی اشہلی ہیں تبوک کے سوا بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے غزوات کے موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ طیبہ میں چھوڑ گئے تھے اور وہ فضلائے صحابہ میں سے تھے اصحاب میں سب سے پہلے انہیں کا نام محمد رضی اللہ عنہ رکھا گیا ان کا رنگ گہرا گندمی تھا اور طویل القامت وجسیم تھے تحقیق یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ اور تنومند تھے اور حضورِ اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فتنہ سے بچنے کیلئے گوشہ نشین ہو گئے تھے جمل وصفین میں شریک نہ ہوئے اصابہ میں منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جسے فتنہ ضرر نہ پہنچائے گا اور محمد بن مسلمہ کو یاد کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے سننے کی صراحت کی ہے اسے بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی بروایت ابوداؤد منقول ہے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار دے کر فرمایا اس تلوار سے مشرکوں کے ساتھ قتال کرو جب تک کہ قتال کیا جائے اور جب امت کا یہ حال ہو کہ وہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کریں تو اس تلوار کو پتھر پر مار کر توڑ دینا اور اپنے گھر میں بیٹھ جانا اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جو حضرات فتنہ کے زمانہ میں گھروں میں بیٹھے رہے ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محمد بن مسلمہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کے دس بیٹے اور چھ لڑکیاں اسلام لائیں یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اول وقت میں قبل از ہجرت اسلام لائے اور ان کی تمام اولاد اسلام لائی ان سے مشکوٰۃ میں بروایت نسائی حدیث مروی ہے کہ فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز کیلئے قیام فرماتے تو پڑھتے: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔

ان کی رحلت ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ستتر سال کی عمر میں ہوئی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہا کی نگہبانی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روز احد تھی۔(کذا فی المواہب)۔

ایک ذکوان بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں ان کو مواہب میں ذکر نہیں کیا گیا ہے روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ذکوان بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روز احد پہریدار تھے لیکن غزوۂ احد کے قضیہ میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ روز احد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ اصحاب باقی رہ گئے تھے سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے ان دونوں زمروں کے اشخاص کو بیان کرنے کے بعد آخر میں کہا کہ اہل سیر بتاتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ بھی انہیں میں سے ایک تھے اور ان میں ذکوان بن عبداللہ بن قیس کا تذکرہ بالکل کیا ہی نہیں اور استیعاب واصابہ میں بھی ذکوان بن قیس کہا ہے اور ذکوان بن عبداللہ بن قیس نہیں کہا اور وہ غزوۂ احد کے شہداء میں سے ہیں اصابہ میں منقول ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کیلئے باہر تشریف لائے تو فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے پاؤں کل کو جنت کے سبزہ زاروں کو روندیں گے وہ اس شخص کو دیکھ لے الفاظ مبارک یہ ہیں مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يَطَأُ قَدَمُهٗ غَدًا خُضْرَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا الحدیث بطولہ اور استیعاب میں کہا گیا ہے کہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں حاضر ہوئے اس کے بعد مدینہ طیبہ سے چل کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضورِ اکرم مکرمہ میں حاضر ہوئے اور وہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اسی بنا پر ان کو مہاجری اور انصاری کہتے ہیں بدر میں حاضر ہوئے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے ان دونوں کتابوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پہرہ داری کرنے کا ذکر نہیں ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ذکوان بن عبداللہ بن قیس جو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہریدار تھے دوسرے شخص ہوں لیکن ان کا تذکرہ کہیں پایا نہیں گیا۔(واللہ اعلم)

ایک حضرت زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن کلاب اسدی قرشی رضی اللہ عنہ ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف قصی میں مل جاتا ہے صفیہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھپھی ہیں یہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور ام المومنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد ان کی پھپھی ہیں اور سماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی زوجہ ہیں یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سولہ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے بعض پچیس سال بتاتے ہیں اصابہ میں بارہ سال اور آٹھ سال بھی منقول ہے اسلام

لانے کے بعدان کے چچا نے ان پر بہت سختیاں کیں ان کو چٹائی میں لپیٹ کر دھواں پہنچاتے تھے تا کہ یہ اسلام کو چھوڑ دیں مگرانہوں نے دامن اسلام نہ چھوڑا اور حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے بدر اور اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے اور روزِ اُحد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور غزوۂ خندق میں وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کرتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے اور ان دس اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے اور وہ اُن چھ اشخاص میں سے ایک ہیں جن کی رائے پر امر خلافت کا مشورہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سپرد کیا تھا کہ ان میں سے کسی ایک پر اتفاق کر کے خلیفہ چن لیں وہ طویل القامت دبلے اور گندمی رنگ کے تھے ان کے بال اتنے طویل تھے کہ جب سوار ہوتے تو ان کے بال زمین میں لٹک جاتے تھے ان کے ہزار غلام تھے جو خراج دیتے تھے اور وہ اس میں سے کچھ گھر نہ لاتے تھے سب کو صدقہ کر دیتے تھے لوگوں نے ان سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کم روایت کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت اور میرا قرب جو تھا وہ میں جانتا ہوں لیکن میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے تو میں اس خوف سے روایت نہیں کرتا مبادا میں کذب میں پڑ جاؤں باوجود یہ کہ مجھے پہلے سے اس کا علم تھا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تلوار اٹھائی اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تیراندازی کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بہت ہیں چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے کچھ حواری یعنی مددگار ہوتے ہیں اور میرے حواری میری امت میں سے زبیر ہیں ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَاَنْتُمَا حَوَارِيَّ ہر نبی کیلئے حواری ہیں اور تم دونوں میرے حواری ہو حواری محب ومخلص شخص کو کہتے ہیں جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے نیز مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے فرمایا اے ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو تمہیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن تمہارے ساتھ ہوں گا تا کہ تم سے جہنم کے شعلوں کو دور کروں یہ عدم دخول جہنم کی طرف اشارہ ہے بوجہ دلیل دخول جنت کی بشارت کے جنگ جمل میں ۳۶ھ میں چونسٹھ سال کی عمر میں شہید ہوئے اور وہ وادی سباع میں دفن کیے گئے اس کے بعد بصرے منتقل کیے گئے حضرت زبیر کی شہادت کا قصہ جیسا کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں یہ ہے کہ جب واقعہ جمل پیش آیا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے آواز دی کہ میرے پاس زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ آئیں حضرت زبیر بن العوام آئے تو حضرت علی مرتضیٰ نے ان سے فرمایا اے زبیر رضی اللہ عنہ! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میں اور تم دونوں سقیفہ بنی فلاں میں باہم نبرد آزمائش کر رہے تھے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس سے گزر ہوا اور آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم علی مرتضیٰ سے محبت رکھتے ہو اس پر تم نے کہا تھا کہ کوئی وجہ ایسی نہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہ رکھوں جبکہ وہ میرے ماموں اور میرے پھپھی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں پھر حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ سے فرمایا تم زبیر سے محبت رکھتے ہو تو میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں کیوں نہ اس سے محبت رکھوں جبکہ وہ میری پھپھی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاللهِ لَتُقَاتِلُهٗ وَاَنْتَ ظَالِمٌ خدا کی قسم تم دونوں جنگ کرو گے دراں حال کہ تمہاری جنگ بیجا ہوگی اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ٹھیک ہے خدا کی قسم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی فرماتے سنا تھا اب مجھے یاد آ گیا خدا قسم میں تم سے جنگ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد حضرت زبیر معرکہ سے لوٹ گئے اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا ہوا کیوں واپس ہو رہے ہیں فرمایا حضرت علی مرتضیٰ نے مجھے وہ حدیث یاد دلائی ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لہٰذا میں ان سے جنگ

نہیں کروں گا حضرت عبداللہ نے کہا آپ تو ان سے جنگ کیلئے نہیں آئے بلکہ لوگوں کی اصلاح کرنے کیلئے آئے ہیں اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں اصلاح فرمائے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے ان سے قسم کھالی ہے میں ان سے جنگ نہیں کروں گا یہ بات لوگوں میں پھیل گئی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹ گئے قتادہ سے مروی ہے کہ جب جنگ جمل میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس ہو گئے اور یہ خبر حضرت علی مرتضٰی کو پہنچی تو فرمایا اگر ابن صفیہ رضی اللہ عنہ جانتے کہ وہ حق پر ہیں تو ہرگز پشت نہ دیتے اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک موضع میں پہنچے اور نماز میں مشغول ہو گئے اتنے میں حضرت علی مرتضٰی کے لشکر کا ایک شخص جرموز نامی ان کے پاس پہنچا اور عین نماز کی حالت میں اس نے ان کا سر مبارک کاٹ لیا پھر وہ حضرت علی مرتضٰی کے پاس آیا اور باریابی کی اجازت مانگی حضرت علی مرتضٰی نے اسے آنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل جہنمی ہے ایک روایت میں ہے کہ اس جرموز نے آکر کہا کہ آپ کو حضرت زبیر کے قتل کی خوشخبری ہو حضرت علی مرتضٰی نے بھی جواب میں فرمایا تجھے بھی دخول جہنم کی خوشخبری ہو اور فرمایا تو ابن صفیہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے پر اتراتا ہے حالانکہ تو نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اس جرموز نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو وہ علی مرتضٰی کے پاس آیا۔ اس کے پاس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی۔ جب حضرت علی کی نظر اس تلوار پر پڑی تو فرمایا آگاہ ہو جاؤ خدا کی قسم! اس تلوار کے مالک نے اس تلوار سے بہت سی سختیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سے دفع کی ہیں ایک روایت میں ہے کہ جرموز کا بیٹا حضرت علی ابن طالب کرم وجہہ کے پاس آیا اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح اہل بلا کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضٰی نے فرمایا تیرے منہ میں خاک ہو بلاشبہ میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر ان لوگوں میں ہوں گے جن کے بارے میں حق تبارک تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَجْمَعِيْنَ.

ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سعد بن مالک ہیں ابی وقاص مالک کی کنیت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور ان دس میں یہ آخری وفات پانے والے ہیں اور مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں سے ایک ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور ان سے اکابر صحابہ کی جماعت کثیرہ نے روایت کی ہے مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن عمر رضی اللہ عنہما جابر بن سمرہ کبار تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب ابوعثمان نہدی علقمہ احنف ان کے سوا بکثرت حضرات نے اور ان کی اولاد نے ابراہیم و عامر و مصعب اور محمد رضی اللہ عنہا اجمعین نے روایت کی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خداہ میں تیراندازی کی اور ان لوگوں کے امیر و سردار ہیں جنہوں نے عراق کو فتح کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے حاکم مقرر ہوئے اور کوفہ کی بنیاد تعمیر رکھی۔ کوفہ بلادِ اسلامیہ میں سے ہے جس کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں رکھی گئی۔ اس کے بعد ان کو معزول کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھے ان کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اللھم اَسْتَجِبْ سَعْدً اِذَا دُعَاكَ اے خدا سعد کی دعا قبول فرما جب وہ تجھ سے دعا مانگیں صحیح بخاری میں واقع ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سات دن تک توقف کیا اور درآنحالیکہ میں اسلام میں تیسرا شخص تھا اور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا ان

کی عمر اس وقت سترہ سال یا انیس سال کی تھی وہ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ان کے ہاتھ پر مداین اور ممالک عجم مفتوح ہوئے اکا سرہ یعنی شاہان فارس کی بنیادیں انہوں نے منہدم کیں۔

ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں کون ہے جو میرے ماں کو میرے پاس لائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو ماموں فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ وہ عبد مناف کی اولاد میں سے زہرہ کے فرزند ہیں اور سیّدہ آمنہ والدہ ماجدہ سیّدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبد مناف کی اولاد سے ہیں اور زہرہ کی اولاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام مشرکوں سے چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے ایک بار حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی میں صحابہ کی جماعت میں نماز پڑھ رہے تھے اس پر مشرکوں نے نفرت کا اظہار کیا اور مسلمانوں پر طعن وتشنیع کرنے لگے یہاں تک کہ مار پیٹ کی نوبت آ گئی اور مشرکوں نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ماری اور ان کا سر پھاڑ دیا اور یہ پہلی خون ریزی ہے جو اسلام میں بہائی گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار تھے اور نیند نہیں آ رہی تھی فرمایا کاش کوئی مرد صالح میرے اصحاب میں سے میری پاسبانی کرے اچانک ہتھیاروں کی آواز سنی فرمایا یہ کون شخص ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سعد ہوں پھر وہ پاسبانی کیلئے استادہ ہو گئے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی اور وہ فتنہ سے بھی دور رہے وہ اس میں مبتلا نہ ہوئے ان سے ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم امیر معاویہ کے ماموں ہو اور اپنی والدہ کی جانب سے ان سے قرابت رکھتے ہو اور ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں تمہیں بھی حق ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسی تلوار چاہتا ہوں جسے اگر کسی مسلمان پر اٹھاؤں تو وہ کارگر نہ ہو اور اگر کسی کافر کے ماروں تو کارگر ہو جائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پستہ قد بھری ہوئی انگلیاں اور گندمی رنگ کے تھے انہوں نے اپنے مکان میں جو مدینہ طیبہ کے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں تھا وفات پائی لوگ ان کے جنازہ کو کندھوں پر اٹھا کے لائے اور مدینہ طیبہ میں بقیع شریف میں دفن کیا ان کی وفات ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں ہوئی ان کی عمر شریف کچھ اوپر ۷۰ سال کی تھی۔

بعض بیاسی سال بتاتے ہیں اور قول کے بموجب جو یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس سال چھوٹے تھے تو ان کی عمر اٹھاسی سال ہوتی ہے بلکہ اکیانوے سال بنتی ہے (کذا قیل واللہ اعلم)۔

ایک عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ہیں عباد بفتح عین دبائے مشددہ اور بشر بکسر یا وسکون شین ہے یہ انصاری اور اشہلی ہیں یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے اور بدر واحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے تھے اور غزوۂ خندق میں آپ کی پاسبانی کرتے تھے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ پاسبانی کرتے تھے پھر جب آیہ کریمہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو انہوں نے پاسبانی ترک کر دی وہ فضلا صحابہ میں سے تھے اصابہ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَبَّادًا اے خدا عباد پر رحم فرما اور ان کے دین کے بارے میں بہت سی خبریں ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا ہے یہ ان دو صحابیوں سے ایک ہیں جن کیلئے ان کی لاٹھیاں روشن ہو گئی تھیں جب بھی یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے اندھیری رات میں اپنے گھروں کو جاتے تھے ان سے حضرت انس

بن مالک اور عبدالرحمٰن بن ثابت نے روایت لی ہے یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان کی عمر شریف پچپن سال کی ہوئی۔

ایک حضرت ابوایواب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام خالد بن زید ہے قبیلہ بنی نجار سے ہیں عقبہ بدر احد خندق اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے زمین روم میں قسطنطنیہ میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانہ میں یزید کے علم کے تحت وفات پائی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اہل روم نے ان مسلمانوں سے جو حضرت ابوایواب انصاری رضی اللہ عنہ کی تدفین کے وقت موجود تھے کہا ان کی بڑی شان تھی اس پر مسلمانوں نے کہا یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ میں سے تھے اور ہم سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے اور ہم نے ان کو اس جگہ دفن کیا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر تم نے ان کی قبر انور کی بےحرمتی کی تو جب تک ہماری سلطنت ہے کبھی تم ناقوس نہ پھونک سکو گے اس کے ہم معنیٰ مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب بھی ان رومیوں نے چاہا کہ ان کی قبر انور کی بےحرمتی کریں اور اسے کھولیں تو ان پر اس قدر مینہ برستا کہ وہ ایسا نہ کرسکتے اور بیان کیا کہ ابن قاسم نے مالک سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ اہل روم ان کی قبر انور کے پاس بیٹھتے ہیں اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے بارش کی دعا مانگتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ شریک تھے اور نہروان کے روز ان کے مقدمہ پر متعین تھے محمد بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں موجود تھے اور کسی غزوے میں کسی وقت بھی بیٹھے نہ رہے یہاں تک کہ انہوں نے ارض روم میں وفات پائی جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے لشکر پر یزید پلید کو سردار بنایا تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم پر جوانوں کو امیر بنایا گیا ہے انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا اس جنگ میں وہ بیمار ہوگئے یزید بن معاویہ عیادت کیلئے آیا اور کہا کہ میرے لیے وصیت فرمائیے حضرت ابوایواب انصاری نے فرمایا جب میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں تو مجھے کفن دینا اس کے بعد لوگوں کو حکم دینا کہ دشمن کی سرزمین میں چلیں جہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو پہنچ کر وہیں مجھے دفن کردینا۔

چنانچہ یزید نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا مروی ہے کہ یزید نے لوگوں کو حکم دیا کہ آتے جاتے گھوڑوں کو دوڑاؤ تاکہ ان کی قبر کا نشان معلوم نہ ہوا سے مجاہد نے روایت کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ اس لیے کیا گیا ہوگا تاکہ دشمن ان کی قبر کے ساتھ دست درازی نہ کریں اور اسے کھود نہ ڈالیں یا یہ بات بھی اس کی خباثت اور اس کے اعمال شنیعہ میں سے ہوگی اور وہ پہلے سے ان کے عداوت رکھتا ہوگا (واللہ اعلم) اس کو ابن عبدالبر نے استیعاب میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی شریف کی تعمیر تک ان کے گھر میں قیام فرمایا اور یہ مشہور ہے اور انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور ان سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ انس ابن عباس رضی اللہ عنہما جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا بہت حضرت نے روایت لی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا جبکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ عراق کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی انہوں نے غزوۂ خیبر میں کی تھی جب حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عروسی کی رات تھی کیوں کہ اس وقت یہودیوں کی شرارت کا بہت خطرہ تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

ایک حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں

جومقرب بارگاہ اور خاصان درگاہ میں سے تھے وہ وادی القری میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاسبان تھے ان کا مفصل تذکرہ مؤذنوں کے بیان میں انشاء اللہ آئے گا۔

ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں

مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعب رضی اللہ عنہ روز حدیبیہ برہنہ شمشیر لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

بابِ ہفتم

در ذکرِ کاتبانِ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

واضح رہنا چاہیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی کاتب تھے بعض وحی کی کتابت کرتے تھے اور بعض سلاطین و امراء وغیرہ کے نام خطوط لکھا کرتے تھے اور بعض صدقات کے اموال کی کتابت کرتے تھے اور بعض مدانیات معاملات اور شروط وغیرہ لکھا کرتے تھے چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خط و کتابت سے پاک و منزہ تھے اور اکثر صحابہ بھی عرب کی عادت کے مطابق اس ہنر سے عاری تھے تو لامحالہ ان اصحاب میں سے جو خط و کتابت کے ہنر سے متصف تھے انہیں اس خدمت پر مقرر کیا جاتا تھا۔

روضۃ الاحباب میں فرماتے ہیں کہ کاتبوں کا تقرر اس طرح تھا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما وحی کی کتابت کرتے تھے اگر یہ دونوں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت لکھا کرتے تھے اگر ان چاروں صحابہ میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے جو موجود ہوتا اس سے لکھواتے تھے۔ (انتہیٰ)

پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ اس ترتیب پر دوام و استمرار محل سخن ہے بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب اکثر وحی لکھنے پر ہیں بلکہ وہ اس کام پر متعین ہی تھے آخر میں تمام اسماء بیان کرنے کے بعد اس پر استیعاب سے ایسی بحث نقل کروں گا جو انشاء اللہ اس باب میں نافع ہوگی اور سیر کی تمام کتابوں میں اور ہر وہ کتاب جو اس سلسلہ میں ہے اسی سے مذکور و منقول ہے۔

روضۃ الاحباب میں کاتبوں کی تعداد چالیس بیان کی گئی ہے خلفاء اربعہ انہیں میں شمار کیے گئے ہیں ان کے فضائل و مناقب مشہور و معروف ہیں اس کے باوجود اگر ان کے اسماء مبارک جدا جدا لکھے جائیں اور ان کے بعض ضروری احوال مثلاً تاریخ وفات و مدت خلافت وغیرہ بیان کر دیئے جائیں تو مناسب ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام جاہلیت میں عبدالکعبہ تھا اور بعض عبدرب الکعبہ نام بتاتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ رکھا ایک قول ہے کہ عتیق رکھا اس بنا پر کہ وہ آتش دوزخ سے آزاد ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا جب یہ پیدا ہوئے تو ان کو قبلہ رو کھڑا کر کے کہا اے خدا ان کو موت سے رستگاری دے اور ان کو میرے لیے بخش دے بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بھی ان کا قدیمی نام ہے درست و صواب یہ ہے کہ یہ نام اور لقب دونوں اسلامی ہیں ترمذی میں مروی ہے کہ مَنْ اَرَادَاَنْ یَنْظُرَ اِلَی الْعَتِیْقِ مِنَ النَّارِ فَیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ جو چاہتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جو جہنم سے آزاد ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے ایک قول یہ ہے کہ لَقَبٌ لُقِّبَ بِہٖ لِعِتَاقِہٖ اَیْ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ اور بعض کہتے ہیں کہ عتیق اس بنا پر لقب تھا کہ ان کے نسب میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ان پر عیب لگایا جاتا کیونکہ وہ پہلے سے ہی خیر پر تھے قاموس میں ہے العتق الکرم والجمال والنجابۃ والشرف والعتیق لقب الصدیق او سمیتہ بہ امتہ اور تمام امت کا آپ کے صدیق نام ہونے میں اتفاق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں انہوں نے سبقت و پہل کی اور تمام احوال میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر انہوں نے تصدیق کو لازم جانا۔ دارقطنی اور حاکم نے ابویحییٰ سے روایت کی

ہے انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو منبر شریف پر فرماتے کتنی مرتبہ میں نے سنا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ابوبکر کا نام صدیق رضی اللہ عنہ رکھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی پیدائش حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے دوسال اور چندہ ماہ بعد ہے اور اتنی ہی مدت ان کی خلافت کی ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری کر کے وفات پائی ہے ان کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: دوسرے کاتب اور خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں عام الفیل کے تیرہ سال بعد محرم کی چاندرات کو آپ کی ولادت ہے وہ اشراف قریش میں سے تھے جاہلیت میں ان کے سپرد سفارت تھی جب قریش میں ان کے درمیان جنگ ہوتی تو ان کو سفیر وقاصد بنا کر بھیجتے تھے اور وہ لوگوں میں طول قامت میں فائق رہتے تھے گویا کہ خود سوار ہیں لوگ پیدل ہیں وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ ان کی صفت توریت میں ہے ہے: قَرْنٌ جَدِيْدٌ شَدِيْدٌ اَمِيْنٌ وَالْقَرْنُ الْجَبَلُ الصَّغِيْرُ وَسُمِّيَ الْفَارُوْقُ بِفُرْقَةٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ. جب وہ اسلام لائے تو جبریل علیہ اسلام نے آ کے عرض کیا یا رسول اللہ آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

ان کی خلافت کے زمانہ میں ایک ہزار چھتیس شہران کے قصبات ودیہات کے ساتھ مفتوح ہوئے چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں اور چار ہزار مندر بت کدے اور آتش کدے منہدم ہوئے اور ایک ہزار نوسو منبر جوامع میں رکھے گئے ان کے مناقب وفضائل میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں اور سب سے بڑی فضیلت جو وارد ہوئی یہ ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ بلاشبہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق رکھا صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ" یعنی بلاشبہ تم سے پہلوں میں محدثین ہوتے تھے اور بلاشبہ میری اُمت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمر ہیں۔ اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كُنَّا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَا نُشُكُّ اَنَّ السَّكِيْنَةَ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم شک نہیں رکھتے کہ سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر گویا ہے ان کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا ان کی مدت خلافت دس سال اور چھ مہینہ ہے ان کی وفات حج سے واپسی کے بعد ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَادِ رَسُوْلِكَ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ اے خدا اپنی راہ میں مجھے شہادۃ نصیب فرما اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک میری وفات کو مقرر فرما کعب احبار کہا کرتے تھے کہ میں آپ کو توریت میں شہید پاتا ہوں۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ: تیسرے کاتب اور تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ولادت عام الفیل سے چھٹے سال میں ہے اور آپ قدیم الاسلام ہیں دار ارقم میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے یہ چوتھے مسلمان تھے سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضٰی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم ہیں حضرت عثمان ذوالنورین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے جب وہ اسلام لائے تو حکم بن العاص نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا اور بڑی اذیتیں پہنچائیں جب دین میں ان کی صلابت و پختگی کو دیکھا تو انہیں چھوڑ دیا ابن عساکر نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت علی نے فرمایا وہ ایسے شخص ہیں جن کو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین دونور والے کہہ کر پکارا جاتا ہے اور یہ بھی ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ

عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرماتے سنا ہے کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو دیتا جاتا اور جب سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے ساتھ فرمایا تو ان سے فرمایا تمہارے شوہر تمہارے جداعلی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد ماجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم نے ان دو زوج سے بہتر کسی زوجین کو دیکھا ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں حضرت عثمان ذوالنورین کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور حیا کرنے کی حدیث ہے ابن عساکر نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس فرشتہ خدا کے فرشتوں میں سے تھا وہ کہتا تھا: شَهِيْدٌ يَقْتُلُهُ قَوْمُهُ فَإِنَّا نَسْتَحْيِ مِنْهُ یہ شہید ہیں ان کو ان کی قوم کے لوگ قتل کریں گے ہم ان سے حیا کرتے ہیں اسے ترمذی و حاکم نے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے ابن ماجہ مرہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس کو بہت نزدیک بتایا اتنے میں ایک شخص سر سے چادر لپیٹے گزرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس دن راہ راست پر ہوگا پھر میں کھڑا ہوا کہ دیکھوں وہ کون ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں ان کے قتل کا قصہ مشہور ہے یہ پہلا فتنہ ہے جو اسلام میں نمودار ہوا حضرت ذوالنورین کی مدت خلافت بارہ سال ہے اور ان کی وفات ۳۵ھ کے ایام تشریق کے وسط میں روز جمعہ ہے اور شب شنبہ کو مغرب و عشاء کے مابین دفن کیے گئے عمر شریف بیاسی سال کی ہوئی بعض چھیاسی اور اٹھاسی اور نواسی بھی بتاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

مولائے کائنات علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ: چوتھے کاتب اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت امیر المومنین مولائے کائنات علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ علی ان کا نام ہے اور ابوالحسن و ابوتراب ان کی کنیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزند اور برادر مواخات ہیں فاطمہ بتول سیدہ نساء رب العالمین کے شوہر اور سبطین سعیدین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ سیدی شباب اہل الجنۃ کے والد نامدار ہیں زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں ان کا نام علی رضی اللہ عنہ ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر جو اسد تھا ان کا نام حیدر رکھا جب ابوطالب تشریف لائے تو انہوں نے یہ نام ناپسند کیا اور علی رضی اللہ عنہ نام رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام صدیق رکھا جیسا کہ ریاض النضرۃ میں ہے اور ان کی کنیت ابوالریحانین رکھی گئی اور آپ کا لقب بضۃ البلد امین' شریف' ہادی' مہدی' ذی الاذن الزرعیۃ' یعسوب الامۃ تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی ولادت جوف کعبہ میں ہوئی تھی یہ قدیم الاسلام تھے حضرت ابن عباس' زید بن ارقم' سلمان فارسی' مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اور بکثرت صحابہ کرام اس پر ہیں کہ وہ اول الاسلام ہیں۔ شیخ ابن حجر نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا قول یہی ہے ابو یعلی نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن مبعوث ہوئے اور میں دوشنبہ کے دن ہی اسلام لایا ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اپنے والد سے انہوں نے اسلام کو چھپایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اس کا اظہار کیا (واللہ اعلم) جس وقت حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اسلام لائے ان کی عمر دس سال یا آٹھ سال کی تھی جیسا کہ علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے جامع الاصول میں ہے کہ اس دن ان کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض کا خیال ہے پندرہ سال تھی بعض کا چودہ سال مگر صحیح یہ ہے کہ صغر سنی میں قبل از بلوغ

ایمان لائے۔انہوں نے کبھی بتوں کی پرستش نہ کی تھی ان کی داڑھی بہت بڑی اور طویل تھی ''فصل الخطاب'' میں تاج الاسلام کی اربعین سے منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چودھویں رات کی مانند حسین الوجیہہ تھے تمام غزوات میں شریک ہوئے بجز غزوہ تبوک کے کیونکہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل بیت کے پاس چھوڑ دیا تھا ان کے فضائل مذکور اور ان کے آثار شجاعت مشہور ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روز خیبر علم دیا اور فرمایا آج میں اسے علم دوں گا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتا ہے جیسا کہ گزرا اور فرمایا جس نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی جس نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مومن ومسلمان ہی محبت رکھیں گے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منافق ہی بغض وعداوت رکھیں گے۔خلافت راشدہ کی تیس سالہ مدت کی تکمیل کے ابتدائی سال میں ان کو شہید کیا گیا ان کی خلافت کی مدت چار سال سات مہینہ اور چھ روز یا بارہ روز ہے بعض چار سال نو مہینے بتاتے ہیں اور پانچویں سال کو ان کے فرزند ارجمند امام حسن مجتبیٰ حسن بن علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہم نے پورا فرمایا۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ: پانچویں کاتب حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔عثمان حضرت ابوقحافہ کا نام ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ہیں لہٰذا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برادرزادہ ہیں اور حضرت ابوبکر اور عبید اللہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرت عثمان ابوقحافہ کے بیٹے ہیں۔حضرت طلحہ کے والد کا نام عبید اللہ بن عثمان ہے۔حضرت طلحہ کی کنیت ابومحمد ہے یہ ان آٹھ افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی ہے اور یہ ان پانچ افراد میں سے ایک ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور یہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے اور یہ ان دس اصحاب میں سے ایک ہیں جن کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے یہ تمام غزوات میں شریک بجز بدر کے کیونکہ اس دن ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی خبر لانے کیلئے (جو ابوسفیان اور قریش کا قافلہ تھا) سعید بن زید کے پاس بھیجا تھا۔روز احد حضرت طلحہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب حفاظت و پاسبانی کی اور اتنی زیادہ مدافعت کی کہ ان کی انگلیاں شل ہوگئیں اس دن انہوں نے چوبیس زخم کھائے تھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن ان کے جسم پر تیر و نیزے کے پچھتر زخم آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن دو زرہ پہنے ہوئے تھے اور اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کوفت پہنچی تھی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ایک پتھر پر چڑھ جائیں مگر چڑھ نہ سکے اور پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنے لیے بٹھا کر قدم رکھ کر پتھر پر چڑھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مژدہ دیا کہ ''اوجب طلحہ'' یعنی طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اس عمل سے جنت واجب کر لی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے طلحہ رضی اللہ عنہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہولنا کیوں میں میں تمہارے ساتھ ہوں گا تاکہ میں تم کو اس سے محفوظ رکھوں روز احد جب لشکر اسلام نے ہزیمت کھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دور ہوئے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہاجر وانصار میں سے صرف بارہ اصحاب رہ گئے تو ان میں ایک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے اس کے بعد ایک مشرک نے حملہ کیا اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تلوار مارے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے حملہ کو روکا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بسم اللہ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ تمہارا گھر جنت میں بنایا گیا ہے حالانکہ تم ابھی دنیا میں ہی ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روز احد ان کا نام ''طلحۃ الخیر'' رکھا اور غزوہ ذات العسیرۃ طلحۃ الفیاض اور روز خیبر طلحۃ الجواد نام رکھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب روز احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے وہ دن تمام تر طلحہ

رضی اللہ عنہ کیلئے تھا وہ جنگ جمل میں جمعرات کے دن جمادی الاخری ۳۶ھ میں شہید ہوئے انہوں نے ساٹھ سال کی عمر پائی بعض نے باسٹھ سال بعض نے چونسٹھ سال بتایا ہے اور کہا کہ ان کو مروان بن الحکم نے اپنے اس کینہ پر شہید کیا جو اسے ان سے پہلے سے تھا۔ اس نے ایسا تیر مارا کہ ان کے حلق میں چھد گیا جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ خطائے اجتہادی کی بنا پر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور ثور بن مجراء سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں جنگ جمل میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ زمین پر گرے ہوئے تھے اور زندگی کی کچھ رمق باقی تھی میں ان کے پاس رکا انہوں نے سر اٹھا کر فرمایا میں ایک ایسے شخص کا چہرہ دیکھ رہا ہوں گویا کہ وہ قمر ہے بتاؤ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہوں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہاری بیعت کروں میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بیعت کی اور اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بات ان سے بیان کی آپ نے فرمایا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' حق تعالیٰ حضرت طلحہ کو جنت میں داخل ہونے سے میری بیعت کے بغیر منع فرماتا۔ منقول ہے کہ جنگ جمل کے دن ایک شخص آیا اس نے کہا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو اذن دیجئے آپ نے فرمایا اسے آتشِ دوزخ کی بشارت دے دو۔

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور طلحہ و زبیر ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ ہم نے ان کے سینوں سے کینے نکال دیئے بھائی بھائی آمنے سامنے فرش پر بیٹھے ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: چھٹے کاتب حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ اور ان کے حالات' پاسبان بارگاہِ رسالت کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: ساتویں کاتب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ اور ان کے حالات پاسبان رسالت میں گزر چکا ہے کاش کہ ایسی حدیثیں مذکور ہوتیں جن میں ان کی وحی کی کتابت کا ذکر معلوم ہوتا۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ: آٹھویں کاتب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ میں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے یہ حبشی غلام تھے ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے اور حسن الاسلام تھے یہ سفر ہجرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے بدر و احد میں حاضر ہوئے ان سے حضرت جابر بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث لی اور بیر معونہ کے دن وہ شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی جب ان کی پشت پر نیزہ مارا گیا تو فرمایا: فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ رب کی قسم میں بامراد ہو گیا میں نے مقصود پالیا اور فیروزمندی حاصل ہوگئی ان کا قصہ چوتھے سال ہجرت میں مذکور ہو چکا ہے۔ منقول ہے کہ ان کی لاش کو مقتولوں میں تلاش کیا گیا مگر کسی کو نہ ملی اس پر لوگوں نے کہا فرشتوں نے ان کو دفن کر دیا۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان کو زمین و آسمان کے درمیان لے جاتے دیکھا یہاں تک کہ وہ آسمان میں روپوش ہو گئے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ: نویں کاتب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس مدنی انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابو محمد ہے اور انہیں ابو عبدالرحمن کہا جاتا تھا وہ احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے اور اکابر صحابہ اور اعلام انصار میں سے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی یہ انصار کے خطیب تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا خطیب کہا جاتا تھا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنوتمیم فخر کرتے اور اتراتے ہوئے آئے اور انہوں نے خطبے دیئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطبوں کا جواب دیں انہوں نے فی البدیہہ بلیغ خطبہ دیا اور تمام لوگ حیران وشرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم غیب سے ایسی تائید ونصرت ہوتی ہے جو کسی کی نہیں ہوتی جیسا کہ غزوۂ حنین میں گزرا باقی احوال اور ان کی شہادت ''خطباء رسول'' کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں نے روایت لی ہے اور ان کی روایتیں بخاری ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب سے شدید جنگ لڑی اور شہادت پائی ان کی شہادت ۱۲ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہے۔

جب آیۂ کریمہ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے اوپر دروازے بند کر لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کی حاضری ترک کر دی چونکہ وہ جہیر الصورت یعنی بلند آواز والے تھے تاکہ ان سے بلند آوازی کا ارتکاب نہ ہو جس کی بنا پر اعمال رائیگاں ہو جائیں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس مبارک میں ان کو ملاحظہ نہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ ثابت رضی اللہ عنہ نہیں آتے کیا حال ہے اور کیا بات ہوئی اور کہاں ہیں؟ پھر ایک شخص کو ان کے پاس بھیجا اس نے دیکھا کہ سر ڈالے بیٹھے ہیں اس شخص نے کہا تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بلند آواز والا آدمی ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میری بلند آوازی سے میرے عمل ضائع نہ ہو جائیں پھر وہ شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور حقیقت حال عرض کی کہ وہ ایسا کہتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ ان سے کہو کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تم خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ وفات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو گے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ بیشک اللہ ہر اترانے والے اور فخر کرنے والے کو محبوب نہیں رکھتا اس موقعہ پر بھی وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور گھر سے باہر نہ آئے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا احوال دریافت فرمایا اور کسی کو ان کے پاس بھیجا انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا آدمی ہوں جو جمال مبارک کو محبوب رکھتا ہوں اور میں خواہشمند ہوں کہ اس بات سے اپنی قوم پر فائق رہوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ مختال وفخور لوگوں میں میرا شمار نہ ہو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو تم محمود زندگی گزارتے ہو اور شہید ہو کر وفات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو گے۔

خالد وابان رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں حضرت خالد بن ابان رضی اللہ عنہ ہیں جو سعید بنُ العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی کے فرزند ہیں ان سعید بن العاص کے آٹھ لڑکے تھے ان میں سے تین تو کفر پر رہے اور ایک اُحیحہ ہے اور اسی کے نام سے سعید بن العاص کی کنیت تھی اور ابو احیحہ سعید بن العاص کہا جاتا تھا دوسرا عاص اور تیسرا عبیدہ تھا پانچ لڑکوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت شریف سے مشرف ہوئے اور حکومت وامارت کے ساتھ مخصوص ہوئے وہ پانچ یہ ہیں خالد عمرو سعید ابان اور حکم لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کے نام کو عبداللہ سے تبدیل فرما دیا لیکن حضرت خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہ قدیم اسلام لانے والوں میں سے ہیں بعض کے نزدیک تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے اسلام لائے اور بعض کے نزدیک تیسرے تھے اور بعض کے نزدیک چوتھے بعض کے نزدیک پانچویں شخص تھے عجیب بات یہ ہے کہ وہ دعویٰ کرتے اور حضرت علی مرتضیٰ سے کہتے تھے

خدا کی قسم میں تم سے پہلے اسلام لایا ہوں اور خدا کی قسم میں تم سے خدا کے حضور جھگڑوں گا لیکن میں باپ کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپایا اور تم نے نہیں چھپایا اسے ابن عسا کرنے بیان کیا ہے اسی طرح اسی کی مانند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام پر تقدم کے بارے میں اہل سیر بیان کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

ام خالد رضی اللہ عنہا ان کی بیٹی ہیں جو چھوٹی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان کپڑوں میں سے چھوٹی سی اوڑھنی ان کو اوڑھائی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تھے اور فرمایا اے ام خالد رضی اللہ عنہا ''ہذہ سنہ'' حبشہ کی زبان میں سنہ کے معنی حسن کے ہیں عوارف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام خالد رضی اللہ عنہ کو یہ کپڑا پہنانا صوفیہ خرقہ پہنانے کے جواز میں سند بتاتے ہیں اور دار قطنی افراد میں تاریخ ابن عسا کر سے بروایت موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ کہتی تھیں کہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا مکہ مکرمہ میں اندھیری ایسی چھا گئی ہے کہ اپنا ہاتھ تک نہیں نظر آتا اسی دوران چاہ زمزم سے ایک نور برآمد ہوا جو آسمانوں کی بلندیوں تک چھا گیا اور اس سے کعبہ منورہ روشن ہوا اور تمام مکہ میں روشنی پھیل گئی یہاں تک کہ یثرب کے کھجوروں کے گچھوں کو میں نے دیکھا جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے بھائی عمرو بن سعید سے اپنا یہ خواب بیان کیا چونکہ وہ خواب کی تعبیر کے اچھے ماہر تھے انہوں نے کہا یہ کوئی ایسی بات ہے جو عبدالمطلب کی اولاد میں سے ظاہر ہوگی اور ان کی اولاد میں سے یہ سب کچھ نمودار ہوگا حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت بخشی اور ام خالد رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سب سے پہلے میرے والد اسلام لائے اور انہوں نے اپنا خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَا خَالِدُ وَاللهِ اَنَا ذٰلِكَ النُّوْرُ وَاَنَا رَسُوْلُ اللهِ اے خالد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں ہی وہ نور ہوں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کو بیان فرمایا جو حق تعالیٰ نے ان پر نازل فرمایا تھا پھر ان کے بھائی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ ان کے بعد السلام لائے علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں اسے بیان کیا ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عمرو بن سعید کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کچھ اوپر دس سال وہاں اقامت کی اور وہیں ان کے بیٹے سعید بن خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی اُم خالد رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے غزوۂ خیبر میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے ان کو صدقات کی وصولی کیلئے یمن بھیجا گیا اور وہ یمن میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے کوچ فرمایا۔

اب رہا ابان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ تو وہ سعید بن العاص بن امیہ کے بیٹے تھے اور وہ اپنے بھائی خالد وعمرو رضی اللہ عنہما کے بعد اسلام لائے وہ ان کو طعنہ دیتے اور عیب لگاتے اور مذمت کرتے تھے کہ کیوں اسلام لائے اس کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام نیک ہوا انہوں نے ہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امان دی تھی جبکہ حدیبیہ کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش کی جانب بھیجا تھا انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور کہا کہ بلاخوف وخطر آیئے اور جایئے سعید کے بیٹے حرم کے عزت دار لوگوں میں سے تھے ابان رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا حدیبیہ اور خیبر کے درمیان ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کا میر بنا کے نجد کی طرف بھیجا اور علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد ان کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا وہ بحرین پر ہی حاکم رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

سعید بن العاص کے ان دونوں بیٹوں کو یعنی خالد رضی اللہ عنہ وابان کو اہل سیر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی فہرست میں داخل کیا ہے کاش کہ وہ ایسے اخبار وآثار بھی بیان کرتے جو کہ اس منصب جلیل پر دلالت کرتے اور ان کے بقیہ تینوں بھائیوں کا حال

بھی یعنی عمرو سعید اور حکم جن کا عبداللہ نام رکھا گیا اسماء الرجال کی کتابوں میں مذکور ہیں استیعاب میں حضرت عبداللہ بن سعید العاص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جاہلیت میں ان کا نام حکم تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور ان کو حکم فرمایا کہ وہ کتابت سیکھیں چنانچہ وہ خوشنویس ہوئے وہ بدر میں شہید ہوئے بعض کہتے ہیں کہ موتہ میں شہید ہوئے بعض نے کہا کہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے سعید بن العاص کے بعد بجز عاص کے جو کہ ان کے بیٹے تھے کوئی نہ رہا اور عاص کے ایک بیٹے ہیں جن کو سعید بن العاص اصغر کہتے ہیں اور سعید بن العاص الاکبر ان کے داد ہیں جو امیہ کا بیٹا ہے اور یہ سعید بن العاص الاصغر رضی اللہ عنہ ہیں جو ہجرت کے سال یا ہجرت کے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اشراف قریش میں سے ہیں فصاحت و بلاغت اور سخاوت کے جامع تھے ان کو عکتہ العسل کہتے ہیں اور یہ اس جماعت کے ایک فرد ہیں جنہوں نے بحکم امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے مصاحف لکھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ میں زیادہ مشابہ تھے اور قرآن کی عربیت ان کی زبان پر خوب سجتی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ پر عامل بنایا اور طبرستان پر جہاد کیا اور اسے فتح کیا اور جرجان پر جہاد کیا اور فتح کیا اور آذربائیجان کو ۲۹ ھ یا ۳۰ ھ میں فتح کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جب فتنے برپا ہوئے تو وہ گوشہ نشین ہو گئے اور جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت مضبوط ہوگئی تو ان کو مدینہ طیبہ پر حاکم مقرر کیا گیا اس کے بعد ان کو معزول کر کے مروان کو حاکم بنایا پھر مروان کو معزول کر کے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ولایت ادلتی بدلتی رہی کبھی مروان کو لکھتے کہ سعید رضی اللہ عنہ کے گھر بار کو تباہ کر دو اور کبھی سعید کو لکھتے کہ مروان کی املاک وجائیداد کو تباہ کر دو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال پر دونوں حیرت و تعجب کرتے اور دونوں اس سلوک سے عاجز آ گئے تھے یہ سعید بن العاص الاصغر رسول اللہ رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس یا نو سال کے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر عہد ۵۷ ھ یا ۵۹ ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک چادر لائی اس عورت نے عرض کیا میری نیت یہ ہے کہ یہ چادر کسی اکرم شخص کو پیش کی جائے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس بچے کو دیدو یعنی سعید بن العاص الاصغر رضی اللہ عنہ کو اسی بنا پر اس قسم کے کپڑے کی چادر کو ''ثیاب سعیدیہ'' کہتے ہیں اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سعید اکرم عرب ہوں گے اور یہ بات گویا ایک قسم کی غیبی بشارت ہے کہ ان میں اکرمیت بہت زیادہ ہوگی چنانچہ مذکور ہوا کہ وہ سخاوت و فصاحت بہت رکھتے تھے یا یہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہدیہ قبول نہ فرمایا اسی بنا پر فرمایا کہ اس بچے کو دیدو۔ (واللہ اعلم) بنی امیہ کے تذکرہ میں بات نے طوالت اختیار کر لی حالانکہ کاتب الحروف کو ان کے تذکرے اور ان کے حالات سے کوئی غرض متعلق نہ تھی بلکہ حق وانصاف کی طبیعت میں اس قوم سے ایک قسم کی بیگانگی ہے لیکن اتنا معلوم ہوا کہ بنو امیہ کے دو فرقے ہیں ایک مروانیہ اور دوسرا ان کی طرف منسوب و مربوط ہے تقدیر الٰہی سے حکومت و امارت کا قصہ ان کے دست تصرف میں پڑ گیا اور دونوں فرقوں کے درمیان ایک فرقہ سعیدیہ ہے جو قدیم الاسلام ہونے صدق لہجہ اور جمع قرآن وغیرہ کی سعادتوں اور نورانیتوں کے ساتھ مخصوص و مشرف ہے اور یہ تمام خوبیاں اس فرقہ میں پائی جاتی ہیں۔ (کمالایخفی)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابن الربیع (بضم راء و فتح با) اور اسے ربیعہ بھی کہتے ہیں اور اسیدی بھی ہیں جو اسید بن عمرو بن تمیم سے منسوب ہیں ان کی کنیت ابو ربعی (بکسر راء سکون بائر کسر عین و تشدید یا) ہے مواہب لدنیہ میں اصابہ سے انہیں کو غسیل ملائکہ کہا ہے اور استیعاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حنظلہ رضی اللہ

عنہ بن الربیع کا تب اور ہیں اور غسیل ملائکہ حنظلہ و ابن ابی عامر راہب اور ہیں۔ (فتدبر)

اہل سیر بتاتے ہیں کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کاتب اکتم ضیفی منسوب بہ صیف کے برادر زادہ ہیں اور اکتم عرب کے دیہات میں سے سن رسیدہ تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ انہوں نے پایا ہے ان کی عمر ایک سو نوے سال کی تھی اور وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اپنی قوم کو بشارت و وصیت کیا کرتے تھے اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو بارگاہِ رسالت میں ایمان لانے کیلئے بھیجا پھر مالک بن نویرہ یربوعی آگے آیا اور اس جماعت کو منتشر کر دیا۔ پھر اکتم نے اپنے بیٹے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جو اس کی اطاعت کرتی تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ قریش میں سے تھے۔ وہ راستہ میں ہی اختلاف کرنے لگے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے اکتم حکیم و دانا شخص تھا ان کے کلمات میں سے ہے کہ جس شخص میں خیر نہیں ہے وہ کسی سے خیر کی توقع نہ رکھے اور یہ بھی ان کے کلمات میں سے ہے کہ جو شخص صاحب اقبال و دولت ہو جاتا ہے تو اس کی عقل اور اس کی تمنائیں اس کی خدمت کرتی ہیں اور جس پر ادبار آتا ہے اور دولت جاتی رہتی ہے تو اس کی عقل دوسروں کی خدمت کرتی ہے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کے ساتھ جنگ کرنے میں جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ سے تخلف کے اور ان کے ہمراہ نہ گئے ان کی حدیث اہل کوفہ میں ہے اور ان سے ابوعثمان نہدی اور زید بن الشجر نے روایت کی ہے اور اوائل عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے۔

ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ابوسفیان بن حرب ہے ان کے دو بیٹے ہیں یزید رضی اللہ عنہ و معاویہ لیکن ابوسفیان اور ابوحنظلہ بھی ان کی کنیت ہے یہ حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے بیٹے ہیں عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور جاہلیت میں اعیان قریش میں سے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی عداوت اور حسد و عناد رکھتے تھے فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور یہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے یہ تمام حالات اپنی جگہ پہلے بھی گزر چکے ہیں ان کے حسن اسلام میں اختلاف کیا گیا ہے اور آثار و اخبار بھی مختلف مروی ہیں بعض حسن اسلام پر دلالت کرتے ہیں بعض عدم حسن اسلام پر چنانچہ مروی ہے کہ جب غزوۂ حنین میں مسلمانوں پر انتشار و ہزیمت نے غلبہ کیا تو اس نے کہا ''بَطَلَ السِّحْرُ'' جادو ٹوٹ گیا اس بارے میں جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم انہیں نقل کرتے ہیں شیخ ابوعمر بن عبدالبر نے استیعاب میں دونوں خبریں کی خبریں نقل کی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ بیان کرتا ہے کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کا اسلام حسن ہو گیا حضرت سعید بن المسیب جو اکابر و قدماء تابعین میں سے ہیں اپنے والد ماجد مسیب سے (جو صحابی ہیں) روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے یرموک میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے جھنڈے تلے دیکھا ہے چونکہ امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزید کو امیر بنا کر علم سپرد کیا تھا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تھا تو میں نے کسی شخص کی آواز سنی جو لڑتا جاتا ہے اور یَا نَصْرَ اللّٰہِ اُقْرُبْ'' اے اللہ کی مدد قریب ہو کہتا جاتا ہے پھر میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے قتال کر رہے تھے اور ''یَا نَصْرَ اللّٰہِ اُقْرُبْ'' کہتے جاتے تھے مروی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں گھوڑے سواروں کی جماعت پر کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اللہ تم عرب سوار ہو اور انصار اسلام ہو اور وہ رومی سوار ہیں نصرانی مشرک ہیں اے خدا! یہ دن تیرے دنوں میں سے ایک ہے اپنی مدد اپنے بندوں پر بھیج۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ اصابہ میں ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی روایتیں بھی لاتے ہیں جو مخالف و بعید ہیں لیکن آخر میں فرماتے ہیں ''وَالْاَوَّلُ هُوَ الْاَصَحُّ'' پہلی روایتیں ہی زیادہ صحیح ہیں (واللہ اعلم)۔

استیعاب میں کہتے ہیں کہ ایک گروہ اس قسم کی روایتیں لاتا ہے جس سے منافقوں کی پشت پناہی اور اسلام سے دوری ثابت ہوتی ہے جاہلیت میں زندقہ سے منسوب تھے حسن سے روایت کی گئی ہے کہ ابوسفیان امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ مسند خلافت پر جلوہ آرا تھے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نابینا تھے اس نے کہا تیم وعدے کے بعد خلافت تماری طرف لوٹ کے آئی ہے لہٰذا بنی امیہ کو زیادہ سے زیادہ حکام بناؤ اور یہ حکومت ہی ہے اور میں جنت و دوزخ کچھ نہیں جانتا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا تیرے ساتھ خدا وہ کرے جس کا تو مستحق ہے اور اسے اپنے پاس سے نکال دیا صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ردی وشنیع باتیں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور بھی مروی ہیں جن کو اہل اخبار نے بیان کیا ہے اور میں ایسی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ انہیں بیان کروں اس لیے کہ ان خبروں میں ایسی چیزیں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اس کا اسلام محفوظ وحسن نہیں تھا حالانکہ حضرت سعید بن المسیب کی حدیث اس کے اسلام پر دلالت کرتی ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے اور اس سے پہلے احد واحزاب میں مشرکوں کے سربراہ تھے اور کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحرین کا عامل بنایا تھا مگر یہ ثابت نہیں ہوا۔ اور ابن اسحاق نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منات کے بت خانہ پر بھیجا یہاں تک کہ اسے منہدم جکر دیا ابن سعد نے بروایت ابوالسفر نقل کیا کہ انہوں نے کہا جب ابوسفیان نے روز فتح مکہ لوگوں کو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو اس نے حسد کیا اور کہا کاش کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لپٹ پڑیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ تعالیٰ اب تجھے رسوا کرے اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ'' جو بات یا خیال میرے دل میں آیا تھا اسے میں اپنی زبان پر تو نہیں لایا تھا اور جب روز فتح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے فرمایا کیا ابھی تیرے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ تو وہ خاموش رہا پھر جب کہا کیا ابھی تیرے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے ''محمد رسول اللہ'' تو اس نے کہا ابھی مجھے اس پر یقین نہیں آیا ہے اور میں ابھی شبہ میں ہوں ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں کہا کس چیز سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر غالب آتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی مدد سے غالب آتے ہیں اس وقت اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے روز ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں ایک تیر لگا تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا کہ میری آنکھ میں تیر لگا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو چاہتا ہے تو آنکھ کی واپسی کی میں دعا کروں اور اگر جنت چاہتا ہے تو صبر کر اس نے کہا میں جنت چاہتا ہوں اور دوسری آنکھ بھی یرموک میں جاتی رہی اور وہ دونوں آنکھوں سے نابینا ہو گیا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تاجر تھے وہ شام اور بلاد عجم میں مال تجارت بھیجا کرتے تھے کبھی خود بھی چلے جاتے تھے اور بدر واحد کی جنگ میں اہل مکہ کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ہی جنگ پر ابھارا تھا اور بہت بخیل و کنجوس تھے جیسا کہ ان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کے شکایت کی تھی کہ وہ بخیل و کنجوس ہے بچوں کو پیٹ بھر کے کھانا نہیں دیتا ہے تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ چرا لوں جس سے بچوں کی ضروریات پوری ہو سکیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کر سکتی ہو لیکن زیادہ نہ کرنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے اور ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قیس بن ابی حازم اور ان کے بیٹے معاویہ نے روایت لی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ روایت لی ہے جو ہرقل شاہ روم کے واقعہ میں ہے جسے اپنی جگہ پر بیان کیا جا چکا ہے وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۳۴ھ یا ۳۱ھ میں مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں مدفون ہوئے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھی ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کی عمر اٹھاسی سال کی تھی ایک قول یہ ہے کہ اوپر نوے سال کی تھی اور بھی کئی قول ہیں۔

یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے یہ روز فتح مکہ اسلام لائے اور حنین میں حاضر ہوئے کہتے ہیں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں یہ بہترین شخص تھے ان کو یزید الخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ان کو رسول اللہ نے بنی اعراس کے صدقات کا عامل بنایا اور یہ قوم ان کی اخوال میں سے تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو ۱۲ھ میں عامل بنایا اور عمرو بن العاص ابوعبیدہ بن الجراح اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کو فلسطین کی طرف بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ بلقاء پر جائیں ہر ایک کا ان میں جدا جدا معاملہ تھا بعض گمان کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ان سب پر امیر تھے اس کے بعد حق تعالیٰ نے اعدائے دین کو ۱۳ھ میں شکست دی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بنائے گئے تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تو حق تعالیٰ نے شامیوں پر فتح عطا فرمائی اور یزید بن ابوسفیان بن الجراح کو فلسطین اور اس سے گردونواح پر حاکم مقرر فرمایا اور جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنایا اور جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا جب وہ بھی وفات پا گئے تو یزید بن ابی سفیان کو حاکم بنایا جب انہوں نے بھی وفات پائی تو ان کے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔ ان سبھوں نے طاعون کی وبا سے وفات پائی جو ۱۸ھ میں پھیلی تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے پیٹ کی طرف نظر ڈالی دیکھا کہ اس کی سطح بلند ہو گئی ہے اس پر درہ اٹھا کر فرمایا کہ او میری کھال تو کافر ہوگئی ہے؟ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہی اور ان سے حضرت عبداللہ اشعری اور عیاض اشعری نے روایت لی ہے یزید بن ابی صفیان رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں وفات پائی ہے۔

امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی وہ اور ان کے والد اور ان کے بھائی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے مؤلفتہ القلوب میں سے ہیں۔

اہل سیر بتاتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا قبل از فتح مکہ اور قبل از تشریف آوری سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم برائے فتح مکہ ہے وہ بدر سے پہلے گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کیا اور اسلام لائے مروی ہے فرمایا کہ میں عمرۃ القضاء کے دن اسلام لایا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کی اور یہ ان اصحاب میں سے ایک ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت کیا کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وحی لکھا کرتے تھے بلکہ وہ خطوط و فرامین کی کتابت کرتے تھے اور ملک شام کے والی اپنے بھائی یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حاکم بنائے گئے اور ملک شام کی حکومت ان کے قبضہ میں چوالیس سال رہی ان میں سے چار سال دور فاروقی میں اور خلافت عثمانی اور خلافت علی مرتضیٰ اور خلافت امام حسن مجتبیٰ کی تمام مدت گویا ان خلافتوں میں بیس سال تک ان کی امارت رہی یہاں تک کہ یہ امارت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ۴۱ھ میں ان کو سپرد کر دینے پر مستبد مستقبل ہوگئی ایسی امارت جو بیس سال رہی اس طرح ان کی مجموعی امارت چوالیس سال تھی۔

حضرت امیر معاویہ نے ماہ رجب ۶۰ھ اٹھتر سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی تھی بعض چھیاسی سال بتاتے ہیں ان کو آخر عمر

میں لقوہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وہ آخر عمر میں کہا کرتے تھے کہ کاش میں وادی ذی طوی میں پڑا ہوا قریش کا ایک شخص ہوتا ذی طوی قبرستان معلیٰ کے قریب مکہ کے باہر ایک جگہ کا نام ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اور قمیص مبارک اور چند موہہائے شریف اور ناخن ہائے شریف تھے انہوں نے وصیت کی کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک پہنا کر چادر شریف میں لپیٹ کر اور آپ کی ازار مبارک دے کر کفنانا اور میری ناک منہ اور مواضع سجود میں موہہائے مبارک اور تراشہائے ناخن شریف رکھ کر ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا دیگر ان کے احوال معلوم ومشہور اور مذکور ومسطور ہیں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ''ادائل'' ہے اس میں انہوں نے ان چیزوں کا بیان کیا ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیں انہیں ان سے پہلے خلفاء میں سے کسی نے نہ کیا تھا حضرت علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی بنیاد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی امیر معاریہ کہتے اور ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی موافقت میں کہتیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں عجلت کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کو خلفاء پر جرات نہ ہو مگر حضرت علی مرتضیٰ نے دیر اور تاخیر میں مصلحت دیکھی تاکہ امر خلافت میں خلل واقع نہ ہو اس اختلاف کی بنیاد یہ بات ہے جس کے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف کی بنیاد اجتہادی غلطی تھی اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے امیر معاویہ کو معزول کر دیا اور روز بروز مخالفت بڑھتی گئی یہاں تک کہ جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' علامہ سیوطی نے مسند امام احمد سے عرباض رضی اللہ عنہ بن ساریہ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ اے خدا معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ملک بن عمیر سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ امیر معاویہ کہتے ہیں میں ہمیشہ امارت کا خواہشمند رہا اس کے بعد مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا مَلَكْتَ فَاَحْسِنْ '' جب تم حاکم بنائے جاؤ تو حسن سلوک کرنا ایک روایت میں آیا ہے ''واسمح'' چشم پوشی اور عفو و درگزر کرنا'' محدثین فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی ہے (واللہ اعلم)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند ومکروہ نہ جانو اگر وہ نہ ہوں تو بہت سے لوگوں کے سران کے جسموں سے اتر جائیں اس سے ان وقائع وشنائع کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کے بیٹے یزید پلید کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت زید بن ثابت انصاری: انہیں کاتبان بارگاہ رسالت میں سے حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری بخاری رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوسعید یا ابوثابت ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے اور وہ اجلۂ فقہائے صحابہ سے اور عالم بہ فرائض تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لائے تو گیارہ سال کے تھے غزوۂ بدر میں (غالباً کم سنی کی بنا پر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شامل نہ کیا احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر شریک رہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر عثمان رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے اور ان سے صحابہ کی جماعت کثیرہ نے حدیث لی مثلاً حضرت ابوہریرہ ابوسعید انس سہیل بن سعد وغیرہ رضی اللہ عنہم تابعین میں سے حضرت سعد بن المسیب ان کے فرزند خارجہ وسلمان وقاسم محمد وغیرہ نے روایت کی اور یہ ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے عہد خلافت صدیقی میں جمع قرآن کیا اور عہد خلافت عثمانی میں مصاحف میں ان کو نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (جبکہ انہوں نے جمع

قرآن سے معذوری ظاہر کی) کہ تم نوجوان اور عقلمند ہو میں تم پر اتہام نہ رکھونگا ان کے فرزند خارجہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ورنق افروز ہوئے تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ بنی نجار کا لڑکا ہے اس نے قرآن کی ستر سورتیں یاد کی ہیں میں نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پڑھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری قرأت سے خوش ہوئے اور فرمایا اے زید رضی اللہ عنہ یہود کی خط و کتابت سیکھ لو کیوں کہ مجھے یہود کی کتابت پر اعتماد نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ کم و زیادہ کر دیں پھر میں نے سریانی زبان کو سیکھا اور پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت لکھا کرتا جب ان کی طرف کوئی خط یا فرمان بھیجنا ہوتا یا ان کی طرف سے کوئی مراسلہ آتا تو میں ہی اسے پڑھ کر سنا تا تھا۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کسی کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر قضا فتویٰ فرائض اور قرأت میں ترجیح نہ دیتے تھے قاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اللہ عنہ اپنے سفر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا قائمقام خلیفہ مقرر کرتے تھے اور فرماتے مجھ پر زید رضی اللہ عنہ کا مقام ساقط نہیں ہے لیکن اہل شہر ان کے محتاج ہیں نیز ان کے پاس علم قضا اور فتوی اتنا وافر ہے کہ کسی دوسرے میں اتنا نہ ہوگا۔

سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اس دن جس روز زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے وفات پائی فرمایا آج عالم الناس کا انتقال ہو گیا حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اس اُمت کا بہترین شخص فوت ہو گیا اور امید ہے کہ حق تعالیٰ ان کا قایم مقام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بنائے گا ابوعبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم پڑھتا تھا مجھ سے انہوں نے فرمایا تم مجھے لوگوں کے معالات میں غور وفکر کرنے سے باز رکھتے ہو تم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے پڑھا کرو کیونکہ وہ اس کام کیلئے فارغ ہیں میری قرأت اور ان کی قرأت ایک ہے اور میرے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے یعقوب بن سفیان نے شعبی سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ایک دن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری کر رہے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (ادب واحترام میں) ان کی رکاب تھام لی اس پر انہوں نے فرمایا "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ایک طرف ہو جاؤ اور رکاب چھوڑ دو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا" ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا کہ ہم علماء ومشائخ کے ساتھ اسی طرح ادب واحترام بجالائیں اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنا ہاتھ قریب لاؤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ تھام کر اس کا بوسہ لے لیا اور فرمایا ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے نبی کی اہل بیت کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ہم اپنے بزرگوں کے ساتھ اسی طرح عمل کریں ابن سعد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بن ثابت اصحاب فتاویٰ میں سے ایک تھے اور اصحاب فتویٰ چھ اشخاص تھے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابوزید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔ حضرت زید بن ثابت ۴۲ھ یا ۴۳ھ یا ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ: انہیں کا تبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام عبداللہ ہے اور وہ بنی جمح میں سے تھے یہ صحابی اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے امیر تھے اعیان قریش میں شمار ہوتے تھے ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ حسنہ ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اور بعض ابوعبدالرحمٰن بتاتے ہیں وہ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن حسنہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں کیونکہ دونوں کی والدہ ایک ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں بھائی حسنہ کے منہ بولے بیٹے

ہیں اوران کی نسبت ان پر غالب ہوگئی ہے ابن ماجہ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے جونماز میں ترک طمانیت کی وعید پر ہے اوراس کا ذکر اس حدیث میں ہے جس میں نجاشی نے سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا سفیر بنا کے مصر بھیجا ابھی وہ مصر میں ہی تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی انہوں نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی اوران سے ان کے بیٹے ربیعہ نے روایت لی ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا ممکن ہے کہ اسی سفارت مصر کے ضمن میں ہی کتابت کیلئے ان سے فرمایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت العلا الحضرمی ہیں یہ مشہور صحابی ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین پر عامل مقرر ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ ۱۴ھ میں انہوں نے وفات پائی بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ارض بصرہ کا حکم بنایا اور ارض بنی تمیم میں اس سن میں وفات پائی بعض کہتے ہیں ۱۱ھ بحرین میں وفات پائی ان کے بعد ان کی جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا۔

ان کے نام اوران کے نسب میں علماء بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حضر موت کے رہنے والے تھے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے اور کاشف میں ہے کہ وہ بنی امیہ کے حلیف تھے اوران کے دس بھائی تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اوران کے سوا اور حضرات بھی بیان کرتے ہیں کہ علا الحضرمی رضی اللہ عنہ چند کلمات پڑھ کر دریا میں داخل ہوئے اور پارنکل گئے ان کی یہ حکایت بہت مشہور ہے وہ کلمات یہ تھے ''یا حلیم یا علیم'' وہ مستجاب الدعوات تھے۔

حضرت خالد بن ولید: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی سیف اللہ ابوسلیمان رضی اللہ عنہ ہیں ان کی والدہ لبابہ رضی اللہ عنہا صغری بنت الحارث الہلالیہ بہن لبابہ رضی اللہ عنہا کبریٰ زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ہیں یہ دونوں بہنیں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہنیں تھیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اشراف داعیان قریش میں سے جاہلیت کے زمانہ میں تھے اور دور جاہلیت میں گھوڑوں کی عنان ان کے ہاتھ میں تھی یہ کافروں کے ساتھ عمرۂ حدیبیہ تک رہے خصوصاً غزوہ احد میں مشرکوں کے لشکر کے مقدمتہ الجیش تھے ۷ھ میں خیبر کے بعد غزوۂ موتہ سے دو ماہ پہلے اسلام لائے اور غزوۂ موتہ کی فتح انہیں کے ہاتھ پر واقع ہوئی خدا کے دین میں ان کی مساعی جمیلہ اوران کی تقویت وتائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ اور بعد وفات بہت ہیں ان کے اسلام لانے کا قصہ اوران کے لشکر وغزوات پہلے ہی اپنے اپنے مقامات میں ۷ھ میں بیان کیے جاچکے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں ٹھیرے ہوئے تھے اس کے بعد لوگ ایک ایک کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کرتے یہ کون ہے یہ کون ہے؟ جواب دیا جاتا کہ یہ فلاں ہے یہ فلاں ہے یہاں تک کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ گزرے حضوا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کون ہیں میں نے عرض کیا یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں؟ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خدا کا نیک بندہ ہے اور اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین کی سرکوبی کیلئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں علم عطا فرمایا تو فرمایا میں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ: نِعْمَ عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُو الْعَشْرَۃِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ اور انہوں نے اس تلوار کو کافروں پر کھینچا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی کو جنگ یرموک میں گم کر دیا پھر انہوں نے حکم دیا کہ اسی ٹوپی کو ڈھونڈ اور خوب تلاش کروانہوں نے اسے بہت تلاش کیا مگر یہ نہ ملی اس کے اس بعد اس کی تلاش میں بہت زیادہ کوشش کی بالآ خروہ ٹوپی مل گئی لوگوں نے دیکھا کہ وہ تو بہت پرانی اور بوسیدہ ہے اس پر لوگوں نے کہا یہ ہے وہ ٹوپی جس کی اتنی جستجو تھی اس کیلئے اتنی کدو کاوش اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا تھا اوراپنے سر مبارک کا حلق فرمایا تھا اس پر لوگوں نے مو یہائے مبارک لینے میں عجلت کی اور میں نے پیشانی مبارک کے موشریف کے لینے میں سبقت کی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مو یہائے مبارک کو اس ٹوپی میں محفوظ کر کے مجھے عنایت فرما دیا اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور حق تعالیٰ نے مجھے اس کی برکت سے ہے جگہ فتح ونصرت عطا فرمائی مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب جرہ کے پاس پہنچے تو ان کے سامنے زہر لایا گیا آپ نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پی گئے اس زہر نے کوئی ضرر نہ پہنچایا نیز مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا جس کے پاس شراب کا بھرا ہوا مشکیزہ تھا انہون نے اس سے پوچھا اس مشکیزے میں کیا ہے اس نے کہا کہ سرکہ ہے انہوں نے کہا اے خدا اسے سرکہ بنادے تو وہ سرکہ بن گیا ایک روایت میں ہے کہا کہ خداوندا اسے شہد بنادے تو وہ شہد ہو گیا مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کوئی رات میرے نزدیک مہاجرین کے لشکر میں سخت تاریک رات سے زیادہ محبوب نہیں ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کوئی رات ایسی نہیں ہے۔ جس میں مجھے اس رات کوئی دلہن دی جائے یا کسی بچے کی ولادت کا مژدہ سنایا جائے اور وہ مجھے اس شب تاریک سے زیادہ محبوب ہو جو لشکر میں آئے وہ فرمایا کرتے مجھے قرآن کریم کی زیادہ تعلیم نے جہاد سے باز رکھا جب بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس مال آتا وہ فوراً اسے تقسیم کر دیتے تھے اور اس کا کچھ حساب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ بھیجتے تھے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے کہ بغیر اجازت کسی کو کچھ نہ دیجے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھ دیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کا یہ جواب لکھا کہ یا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجے میں جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں ورنہ تم جانو اور تمہارا کام چوں کہ ان کے مزاج میں تندی وتیزی وبرتری اور خلق سے یکسوئی تھی جیسا کہ بہادروں میں ہوتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سخت وست کہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے قصد کیا ہے کہ تم سے بات نہیں کروں گا اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خالد! تمہیں عمار سے کیا کام ہے وہ ایک جنتی شخص میں جو بدر میں حاضر ہوئے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خالد رضی اللہ عنہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور معذرت خواہی کی اور استغفار کیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کہ بعد میں ہمیشہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا رہا اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خالد رضی اللہ عنہ کیوں ایسے شخص کو ایذا پہنچاتے ہو جو اہل بدر میں سے ہے اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا صدقہ کرو تو ان کے عمل کے برابر نہیں پہنچ سکتے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ رضی اللہ عنہ یہ میرے پیچھے پڑ گئے اور مجھے ایذا دینے لگے تو میں نے اس کے جواب میں ایسا کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالد کو ایذا نہ دو وہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

القصہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو میں جو چاہوں کروں اور جسے جو چاہوں دوں ورنہ تم جانو اور تمہارا عمل اپنے کام کو مجھ سے لے لو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کا

موقعہ مل گیا چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے مابین بہت دنوں سے کوئی چیز تھی انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کو دیجئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کون ہے جو جا کے میری طرف سے حضرت خالد کو یہ خبر پہنچائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کام میں کروں گا انہوں نے فرمایا تم جانو اور تمہارا کام اس کے بعد سفر کی تیاری شروع کر دی تاکہ باہر جائیں پھر صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہوں نے کہا کیا بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے باہر جا رہے ہیں حالانکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے اور کیا بات ہے کہ آپ خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بتاؤ میں کیا کروں انہوں نے کہا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ باہر نہ جائیں یہیں ٹھہرے رہیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھ دیجئے کہ اپنے عمل پر مستقیم رہو چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق خلیفہ ہوئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کسی کو بھی وہ بکری ہو یا اونٹ میرے حکم کے بغیر نہ دو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی ویسا ہی جواب لکھ دیا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا اس پر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا اور اپنے پاس بلا لیا ایک سبب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی مغرولی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تھا کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کر دیا تھا لوگوں نے اختلاف کیا کہ ابن نویرہ کو حالت اسلام میں قتل کیا ہے اس گمان کی بنا پر جو ان کے کافر ہونے پر انہوں نے کیا تھا۔

اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی مالک کے قتل پر اعتراض کیا اور قسم کھائی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے کافر ہی قتل ہوئے ہیں صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے زیادہ تر مرتدین ہی مارے گئے ہیں مسلم اور مالک انہیں مرتدین میں سے ہیں اصابہ میں نقل کرتے ہیں کہ مالک بن نویرہ تمیمی یربوعی کی کنیت ابوحنظلہ اور لقب حفول تھا وہ اہل زبان فارس کا بزرگ شاعر تھا اور جاہلیت میں یربوع قوم کے سواروں میں شمار ہوتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی قوم پر عامل صدقات مقرر کیا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر اسے پہنچی تو اس نے مال صدقات کو روک لیا اور اپنی قوم میں تفرقہ ڈال دیا اور یہ شعر کہا ۔

فقلت خذوا اموالکم غیر خائف ولا ناظر فیما یحیٰ من الغز

فان قام بالدین المحقق قایم اطعنا وقلنا الدین دین محمد

اور یہ مالک بن نویرہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا تو اس طرح کہتا کہ میں تمہارے آقا پر گمان نہیں رکھتا مگر یہ کہ انہوں نے یہ کہا ہے اور میں نے تمہارے آقا سے سنا ہے کہ ایسا کہا ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی یہ گستاخی گراں گزری اور ضرار بن ازداسدی رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے قتل کر دیا اس سے فارغ ہونے اور جنگ روم سے نپٹنے کے بعد مالک کی بیوی سے جس کا نام ام تمیم بنت المنہال تھا نکاح کر لیا یہ نہایت حسینہ و جمیلہ تھی لیکن مالک کا قتل اس کی بیوی کی بنا پر نہ تھا جیسا کہ لوگ تہمت لگاتے ہیں مالک بن نویرہ کا ایک بھائی متمم بن نویرہ تھا وہ بھی شاعر تھا اس نے مالک بن نویرہ کا مرثیہ کہا ور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ظلم کی تفصیل سنائی زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو لکھا کہ مالک کہ بیوی سے مفارقت کر لو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر مالک کے معاملہ میں سختی و شدت فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معذور جانا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خالد رضی اللہ عنہ کی

تلوار میں منہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ظاہر میں اس کی تاویل کی اور کہا کہ اس نے خطا کی ہے اس کی کشیدہ تلوار پر کوئی گناہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر کھینچا ہے اس بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو اپنے پاس بلایا جب وہ مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تنہا ہیں اور حضرت عمر وہاں نہیں ہیں پھر حضرت خالد سے مالک کے قتل کا سبب پوچھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب بیان کیا پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس کی بیوی سے کیوں نکاح کیا انہوں نے کہا وہ بغیر شوہر کی عورت تھی میں نے اس کو پیام بھیجا پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ فرمایا: خَالِدٌ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ وَھَلْ یَجْرِیْ سَیْفُ اللّٰہِ اِلَّا عَلَی الْحَقِّ خالد رضی اللہ عنہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور وہ حق کے سوا کسی پر نہیں چلتی یہ کہا اور باہر نکل آئے جب وہ باہر نکل رہے تھے تو سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے انہوں نے ان کا حال پوچھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نے رخصت کر دیا ہے اور مجھے وہیں بھیج دیا ہے جہاں میں تھا اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل کی بات خالد رضی ار عنہ سے مخفی رکھی جب خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور زجر دشدت فرمائی وہی عذر جو انہوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بیان کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تہمت کے مقام پر تقویٰ کو اختیار کیوں نہ کیا بہر حال معاف کیا اور شفقت فرمائی اور کہا کہ رحم اللہ خالد اللہ تعالیٰ پر رحم فرمائے اور فرمایا میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر عتاب نہ کرتا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حال پر زیادتی کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عظیم کا کارنامے سرانجام دیئے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ ان کے دل میں عجب اپنا سر نہ اٹھائے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا سبحان اللہ میں سو یا سو سے زیادہ جنگوں میں شریک رہا ہوں اور میرے جسم میں ایک بالشت برابر بھی ایسا حصہ نہیں ہے جہاں نیزہ وتلوار اور تیر کے زخم نہ لگے ہوں مگر آج میں اس حال میں جان دے رہا ہوں جیسے اونٹ مرتا ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات حمص میں ہوئی اور بعض مدینہ طیبہ میں ۲۱ھ یا ۲۳ میں بزمانہ خلافت فاروقی بتاتے ہیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے وصیت کی کہ ان کا تمام اسلحہ اور گھوڑے خدا کی راہ میں کام آئیں پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر آ۔ ... حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے گھر میں بنی مغیرہ کی عورتیں جمع ہیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید پر رو رہی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے ان پر کہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کیلئے روئیں بجز اس بات کے کہ اس میں فریاد اور نوحہ نہ ہو یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

محمد بن سلام نے کہا ہے کہ بنی مغیرہ کی کوئی عورت ایسی باقی نہ رہی جس نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس اپنے سر کے بال نہ ترشوائے اور یہ زمانہ جاہلیت کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا اور بنی مغیرہ میں زمانہ جاہلیت کی رسموں کا بہت غلبہ تھا اور خود ولید بن مغیرہ جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے باپ ہیں شدید کافر اور قریش کے جاہل ترین آدمی تھے اور ان میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہی ایسے تھے جنہوں نے اسلام کی توفیق پائی اور اس مرتبہ پر فائز ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ابن خالد ابن عباس رضی اللہ عنہ علقمہ اور جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ نے روایت لی ہے۔

محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا تذکرہ پاسبان رسالت کے ضمن میں گزر چکا ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابومحمد ہے یہ انصاری خزرجی سابقین اولین میں سے اور انصار کے نقباء میں سے ایک ہیں بعض حضرت ان کی کنیت ابومحمد اور ابورواحہ بتاتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ فرمائی تھی وہ جاہلیت میں عظیم المرتبت تھے عقبہ بدر اُحد خندق اور تمام غزوات میں شریک ہوئے بجز فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات کے اس بنا پر کہ وہ غزوۂ موتہ میں ۸ھ میں شہید ہو گئے تھے منقول ہے کہ رسول اللہ نے جب مسلمانوں کو موتہ کیلئے رخصت فرمایا تو مسلمان دعا کرتے اور ندا کرتے تھے کہ سلامتی کے ساتھ جاؤ اور سلامتی کے ساتھ واپس آؤ لیکن ان حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

لکنی اسأل الرحمن مغفرة — و ضربه ذات فرع تقذف الزند

یہ شہادت طالب اور اس کے مشتاق بن کر نکلے تھے جیسا کہ پہلے بیان میں گزر چکا ہے یہ شعرائے اسلام میں سے تھے اور کفار کی ایذاؤں کو رسول اللہ کی جانب سے ان کی طرف لوٹاتے تھے اور جواب دیتے تھے ان کے اور ان دونوں صحابہ حضرت حسان بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا.

''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا اور بدلہ لیا اس کا جو ان پر ظلم ہوا۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے مثلاً ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عکرمہ وغیرہ نے روایت لی ہے وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کیا کرتے تھے اور وہی فتح بدر کی بشارت مدینہ لے کر آئے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیس سواروں کے ساتھ اسید بن ازام یہودی کی طرف خیبر بھیجا انہوں نے ہی اسے قتل کیا تھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ بن رواحہ بہت اچھے آدمی ہیں یہ حدیث طویل ہے اور حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب کسی صحابی سے ملتے تو ان سے کہتے بیٹھو تاکہ میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی کچھ دیر یاد کروں (الحدیث) اور بیہقی نے بسند صحیح بروایت ثابت از ابویعلی روایت کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ داخل ہوئے اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ وہیں بیٹھ گئے حالانکہ وہ مسجد کے باہر ہی تھے پھر جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے رسول کی فرمانبرداری کی اور زیادہ توفیق بخشے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی سے نکاح کر لیا اس شخص نے انکی بیوی سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا انہوں نے بتایا کہ وہ جب گھر سے باہر نکلتے تو پہلے دو رکعت پڑھتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت پڑھتے تھے یہ عمل انہوں نے کبھی ترک نہ کیا۔ ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ جب آیہ کریمہ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کیا میں ان میں سے ہوں؟ اس پر آیہ کریمہ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الایہ) نازل ہوئی حضرت عبداللہ بن رواحہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو شعر سب سے بہتر کہے ہیں وہ یہ ہے۔

لو لم یکن فیہ آیات مبینة کانت بدیھیة بینك بالخیر

اس شعر میں ایک قسم کی تلمیح ہے جو اس آیہ کریمہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یَكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ جیسا کہ ایک رسالہ میں آیہ کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر میں وضاحت کی گئی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کو کاتبوں کے ضمن میں بھی بیان کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں پاسبان بارگاہِ رسالت میں بھی شمار کیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ حدیبیہ کے روز وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے شمشیر برہنہ لیے کھڑے تھے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اور تقریباً اسی جگہ عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ مغیرہ کے ابتدائے اسلام کی حکایت بھی مذکور ہے نیز معلوم ہوا ہے کہ یہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جن کے بارے میں اہل سنت و جماعت برا کہنے اور زبان طعن دراز کرنے سے ان کی فضیلت اور صحابیت کے حق کی بنا پر روکتے ہیں اور جو کچھ کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے، ہم اسے بیان کرتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وہ ابوعبداللہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ابوعیسیٰ بھی ہے یہ مغیرہ بن شعبہ بن ابی عا ثقفی مدینہ طیبہ میں آ کر عام الخندق میں اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا واقعہ حدیبیہ ہے ان کی کنیت ابوعیسیٰ بھی ہے ان سے ان کی اولاد عروہ حمزہ اور ان کے غلام حرراد اور ابوبردہ بن ابی موسیٰ اشعری و شعبی وغیرہ جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ وہ حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے اور بیعۃ الرضوان میں حاضر ہوئے اس جگہ ان کا تذکرہ ہے اور وہ عرب سے تھے یعنی سخت محنت و مشقت کا کام ہوشیاری سے کرنے والے عرب میں چار اشخاص ہیں ایک معاویہ بن ابی سفیان دوم عمرو بن العاص سوم مغیرہ بن شعبہ چہارم زیاد۔ استیعاب میں مرقوم ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی فضیلت و بزرگی کے باوجود سخت محنت و مشقت کا کام ہوشیاری سے کرنے والوں میں کم نہیں ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دراز اقامت، بڑی آنکھیں، سفید و گھنگریالے بال، موٹے ہونٹ، بڑا سر، فربہ بازو اور چوڑے شانے کے آدمی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرے پر حاکم مقرر فرمایا اور انہوں نے ہمدان اور چند دیگر شہر فتح کیے اس کے بعد ایک عمل فحش صادر ہونے کی بنا پر انہیں معزول کر دیا اور ان پر ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا کسی اور نے گواہی دی اگرچہ بحکم شرع ان کی گواہی مکمل نہ ہوئی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے تین سو عورتوں کو اسلام میں شوہر دار بنایا اور بعض تو ہزار تک ... بتاتے ہیں اس کے بعد ان کو کوفہ پر حاکم بنایا اور یہ ہمیشہ اس پر حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ان کو بدستور برقرار رکھا اور جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صفین وغیرہ کا نزاع واقع ہوا تو انہوں نے یکسوئی اختیار کی اور جب حکمین کا قضیہ لاحق ہوا تو وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے اور جب امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مصالحت ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اجتماع ہو گیا تو امیر معاویہ کی بیعت کر لی اور امیر معاویہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ انہوں نے ہی یزید کی امارت کی تدبیر کی اور لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ سے اپنے پاس بلایا انہوں نے جانے میں تاخیر کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان پر عتاب کیا انہوں نے کہا بھیجا کہ تاخیر کا موجب خدمت میں کوتاہی نہیں ہے میں خدمت میں ہی مشغول ہوں کہ یزید کی امارت کی تدبیر میں مشغول ہوں اس کے بعد وہ کوفہ کی گورنری پر برقرار رہے اور وہاں ان کے احکام برابر جاری رہے حتیٰ کہ وہ ۵۰ھ میں فوت ہو گئے اور انہوں نے اپنے بیٹے عروہ کو اپنی وفات کے وقت اپنا قائم مقام بنایا مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی منظوری نہ دی اور کوفہ و بصرہ پر زیاد کو گورنر بنایا اور

اس پر انہوں نے عراق کے دونوں صوبوں کو مجتمع کر دیا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں آئے اور حاضری کی اجازت طلب کی لوگوں نے کہا کہ ابوعیسیٰ اجازت مانگتے ہیں؟ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا گویا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوعیسیٰ کی کنیت کو مکروہ جانا لوگوں نے کہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کنیت سے یاد فرماتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی مغفور ہیں اللہ تعالیٰ نے ''مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' ان کیلئے فرمایا ہے ہمارے لیے مشکل ہے ہم نہیں جانتے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا صرف مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہو کیا وہ ابوعبد اللہ کنیت رکھنے کو اچھا نہیں جانتے اس حکایت کی صحت میں کلام ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کیلئے میری ایک نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ پر امیر خلافت مستحکم و مستقیم رہے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر حاکم مقرر کر دیجئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ پر شام میں ہی ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیجئے تا کہ وہ آپ کی اطاعت میں ہمیشہ رہیں اور جب امر خلافت مستقیم ہو جائے تو ان کے ساتھ جس طرح چاہے کیجئے اور جیسی کچھ آپ کی رائے ہو اسے عملی جامہ پہنایئے اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا حضرت طلحہ و زبیر کے بارے میں تو میں غور و فکر کر کے رائے قائم کر دوں گا لیکن معاویہ کے بارے میں تو ہرگز نہیں خدا کی قسم میں اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے والا نہیں پاتا اور نہ ان سے کوئی مدد لینے والا دیکھتا ہوں جب تک کہ وہ اپنے حال پر ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ اور مسلمانوں نے اختیار کیا ہے وہ بھی اختیار کریں اگر وہ انکار کریں تو ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں اس پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کے پاس سے غصہ ہو کر چلے گئے کیونکہ ان کی نصیحت کو انہوں نے قبول نہ فرمایا تھا دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہا کہ کل جو کچھ میں نے کہا اور جو کچھ کہ آپ نے جواب دیا اس پر میں نے غور و فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے خیر کی توفیق پائی اور حق کی جستجو فرمائی ہے۔ جب مغیرہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو امام حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ ملے اور وہ اپنے والد بزرگوار کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ یہ اعور آپ سے کیا کہتا تھا انہوں نے فرمایا کل اس نے مجھ سے ایسا کہا تھا اور آج اس نے مجھ سے ایسا کہا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کل اس نے خیر خواہی میں کہا تھا اور آج خوشامد میں کہا ہے اس پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر اسے برقرار رکھوں جو میرے قبضہ و اختیار میں ہے تو میں حق تعالیٰ کے ارشاد کا مصداق بنوں گا کہ فرمایا: وَمَا كُنْتَ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ جس طرح کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المؤمنین سے باتیں کی تھیں اسی طرح طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی باتیں کیں ان کی بات کو بھی قبول نہ فرمایا بالآخر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کا وہی حال ہوا جو سب کو معلوم ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بن وائل قرشی سہمی منسوب بہ قبیلہ سہم بن عمرو بطنی قرشی ہیں ان کی کنیت ابوعبد اللہ ہے ایک قول ہے کہ ابومحمد ہے بقول صحیح ۸ ھ میں اسلام لائے جیسا کہ گزرا بعض کہتے ہیں کہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ حجمی رضی اللہ عنہ آئے اور اسلام لائے اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ مکہ مکرمہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ واقدی نے کہا

کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ۸ھ میں نجاشی کے پاس سے مسلمان آئے تھے اور وہ اسلام نجاشی کے پاس ہی قبول کر چکے تھے اور دین اسلام کے معتقد ہو گئے تھے اس لیے کہ نجاشی نے ان سے کہا۔

اے عمرو رضی اللہ عنہ! تمہارے ابن عم کا دین تم پر کیسے مخفی ہے خدا کی قسم وہ سچے خدا کے رسول ہیں انہوں نے ان سے کہا کیا تم یہ بات حق وصداقت اور یقین سے کہتے ہو۔ نجاشی نے کہا خدا کی قسم میں یقین سے کہتا ہوں اس کے بعد وہ نجاشی کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کے قصد سے فتح مکہ سے چھ ماہ قبل نکلے بقیہ احوال سرایا کے ضمن میں پہلے ہی گزر چکا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حضرت عمر فاروق عثمان ذوالنورین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے عامل رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی طرف بھیجا اور انہوں نے مصر کو فتح کیا اور وہاں کے حاکم رہے جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے تقریباً چار سال برقرار رکھا اس کے بعد ان کو معزول کر کے حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کی طرف بھیجا انہوں نے اسے فتح کیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے مل گئے اور ان کے مدار المہام بن گئے وہ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس میں حکم بنانے کا قصہ پیش آیا تھا جیسا کہ معلوم ومشہور ہے اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ امارت میں مصر کو ان کی جاگیر میں دے دیا اور ۴۳ھ یا ۴۱ھ یا ۵۱ھ میں عید الفطر کے دن مصر میں وفات پائی۔ ۴۳ھ زیادہ صحیح ہے اور ایک قول ہے کہ ۴۱ھ ہے ان کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنایا ان کی عمر نوے سال کی ہوئی بعض ننانوے سال بتاتے ہیں ان کی نماز جنازہ ان کے بیٹے نے پڑھی اس کے بعد عید گاہ آ کے لوگوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کو معزول کر دیا اور اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو وہاں کا گورنر بنایا۔

منقول ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عرب کے دانشوروں اور ان کے روسا میں سے تھے اور وہ صاحب فہم وفراست ذہن رسا اور پستہ قامت کے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ کسی شخص کو بات کرنے اور بات سمجھنے میں عاجز دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ سبحان اللہ خالق هذا و عمرو واحد تعجب ہے کہ ایسی فہم وفراست رکھنے کے باوجود حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی جانب کو چھوڑ کر امیر معاویہ کے تابع ہو گئے حکیم فارابی نے رسالہ تقاسیم عقل میں کہا ہے کہ عقل کو کئی معنی میں بولا جاتا ہے کبھی قوت عاقلہ نفس ناطقہ پر اطلاق کرتے ہیں اور کبھی ایسے امور کے سوچ بچار پر جو مبدا و معاد کی صلاح پر اس میں بولتے ہیں اور کبھی دنیاوی اغراض ومقاصد اور اس کی حرکات وسکنات کے دریافت کرنے پر اگرچہ موافق نفس الامر اور مطابق حق نہ ہو بولتے ہیں جیسا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور اس قسم کے دیگر معاملات وغیرہ دوسرے لوگوں سے واقع ہوا۔

بظاہر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ولادت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے تھی کیونکہ وہ کہتے تھے کہ مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان کی پیدائش کی رات میں دیکھنا یاد ہے۔ اصابہ میں ہے کہ زبیر بن بکار نے بیان کیا کہ کسی شخص نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے اسلام لانے میں دیر کیوں لگائی باوجود یہ کہ تم بڑی فہم وفراست اور عقل والے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے ساتھ تھا اور ان کا غلبہ مجھ پر از حد تھا کیونکہ ان کی عقلیں پہاڑ کی مانند تھیں مطلب یہ کہ پہاڑ کی مانند مضبوط و ثابت اور راسخ وٹھوس تھیں ان کی اس سے مراد جہل وعناد میں ثبوت ورسوخ ہوگا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دشمنی و

عناد کی روش انہوں نے اختیار کی اور انکار و تمرد کو اپنایا ہم نے بھی ان کی متابعت و موافقت میں چلنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا جب وہ لوگ جہاں سے مرکھپ گئے اور معاملہ ہمارے اختیار میں آیا تو ہم نے غور وفکر کیا تو حق بین نظر آیا اور میرے دل میں دین اسلام کی محبت نے جڑ پکڑ لی اور اسے قریش نے بھی میری طرف سے جان لیا اس کے بعد میں ان کا معین و مددگار اس بات میں ہو گیا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوں پھر انہوں نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ وہ اس بارے میں مجھ سے مناظرہ کرے تو میں نے اس شخص کو کہا میں تجھ سے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو تیرا رب ہے اور تجھ سے پہلے اور تجھ سے بعد والوں کا رب ہے بتا کہ ہم راہ راست پر زیادہ ہیں یا فارس و روم کے لوگ؟ اس نے کہا ہم راہ راست پر زیادہ ہیں۔ میں نے کہا: بتاؤ ہم فراخی اور عیش وعشرت میں زیادہ ہیں یا وہ اس نے کہا وہ زیادہ ہیں میں نے کہا ان پر ہماری فضیلت کا کیا فائدہ ہے جبکہ اسی دنیا میں وہ ہیں اور اسی دنیا میں ہم ہیں حالانکہ وہ لوگ اسی دنیا میں ہم سے عظیم تر اور بالاتر ہیں اب میرے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات جاگزیں ہو گئی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہو گا تاکہ نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دیا جائے اور بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے اور یہ بات ہے بھی حق۔ جب وہ ایمان لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی فہم و فراست اور ان کی دانائی و شجاعت کی بنا پر آگے بڑھایا اور اپنا مقرب بنا کر غزوۂ ذات السلاسل میں ان کو لشکر کا امیر بنایا اور حضرت ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے تائید فرمائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دانائی کی خبر تھی یہاں تک کہ اگر کسی معاملہ میں مناقشہ واقع ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر چڑھ دوڑتے اور دخل دے کر انکار و اعتراض کرتے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اے عمر فاروق کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگی مصلحتوں اور اس کی تدبیروں کو بہترین جاننے والا سمجھ کر امیر بنایا ہے ان حالات اور ان امور کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شام حلب انطاکیہ اور فلسطین کو فتح کیا جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی کارکردگی کو دیکھا تو فرمایا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو زمین پر زندگی نہ گزارنی چاہئے مگر امیر ہو کے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں اور ان سے انکے دونوں فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ و محمد اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابوعثمان ہندی اور کثیر تابعین نے روایت کی۔ مسند امام احمد میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریش کے صالحین میں سے ہیں نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو! اپنی زرہ پہن کر اور ہتھیار لگا کر میرے پاس آؤ تاکہ میں تمہیں کسی جانب جہاد کیلئے بھیجوں تاکہ غنیمت ملے اور تمہیں کچھ مال حاصل ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مال کیلئے اسلام نہیں لایا ہوں بلکہ دین اسلام کی محبت و رغبت سے اسلام لایا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ '' صالح مال صالح شخص کیلئے اچھا ہے نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَسْلَمَ النَّاسُ وَاٰمَنَ عَمْرٌو لوگ اسلام لائے اور عمرو ایمان لائے۔ ظاہر ہے کہ لوگ سے مراد قوم ہو گی اور بھی حدیثیں ان کی شان میں مروی ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا قصہ افادیت سے خالی نہیں ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ عمرو بن العاص اس جہان کو چھوڑتے وقت بہت خوف و قلق اور اضطراب کا اظہار کرتے تھے لوگ ان کی عیادت کو آتے تو بہت زیادہ روتے اور اپنے منہ کو دیوار کی جانب پھیر لیتے اس پر ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا اے پدر بزرگوار! یہ خوف و پریشانی کس لئے ہے آپ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے ان کے ساتھ جہاد کئے ہیں اور ان سے بشارتیں پائی ہیں پھر انہوں نے اپنا رخ لوگوں کی طرف پھیر کے کہا ''اے بیٹے! مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں میں ابتدائی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھتا تھا اگر

میں اس حالت میں مرتا تو جہنمیوں میں سے ہوتا اس کے بعد میں مسلمان ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا اور ایسا ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہ تھا یہاں تک کہ انتہائی ادب واحترام اور عزت واکرام کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتا تھا اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کو بیان کرو تو میں بیان نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ مجھ میں اتنی طاقت ہی نہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ سکتا اگر میں اس حالت میں اس جہان سے جاتا تو میں امید رکھتا میں اہل جنت میں سے ہوں اس کے بعد میں امارت وولایت میں رہا اور اس میں بھی گھل مل گیا اور مجھ پر دنیا کی شاہراہوں میں سے جو کچھ پہنچا وہ پہنچا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا پھر جب میں مرجاؤں تو رونے والوں کو میرے ساتھ نہ کرنا اور جب مجھے دفن کردو تو آہستہ سے مجھ پر مٹی ڈالنا اور میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کو کر اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انسیت پکڑوں اور میں دیکھوں کہ میں کیا جواب دیتا ہوں اپنے رب کے فرستادوں کے سوالات کا۔ جامع الاصول میں مسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں شہید ہوئے تو حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر حسرت وندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تَقْتُلَکَ الْفِئَۃُ الْبَاغِیَۃُ تم کو باغی جماعت قتل کرے گی چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہمارے ہاتھ سے قتل ہوئے تو اس لئے ہم باغی جماعت سے ہوئے امیر معاویہ نے کہا تم عجیب آدمی ہو کہ اپنے پیشاب میں آپ ہی لتھڑتے ہو۔ درحقیقت عمار کو علی نے ہی قتل کیا ہے کیونکہ وہ ان کو جنگ میں لائے لوگوں نے کہا یہ تاویل باطل ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے قاتل (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف اور حق بینی موجود تھا۔ صحیح بخاری میں امام حسن مجتبیٰ کی صلح کے قصہ میں مذکور ہے ''وَکَانَ خَیْرَ الرَّجُلَیْنِ'' وہ اچھے آدمیوں میں سے تھے۔ (واللہ اعلم)

عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبداللہ بن ابی مشہور منافق تھا اسے راس المنافقین کہتے ہیں کیونکہ افک عائشہ رضی اللہ عنہا کی جڑ بنیاد یہی تھا اور اس کی دیگر شناعتیں حدوشمار سے باہر ہیں وہ خزرج کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا اور خزرج کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل چاہتے تھے کہ اس کے سر پر تاج رکھ کر اس کو اپنا امیر بنالیں لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو اس نے نفاق وحسد اور بغاوت کی روش اختیار کرلی اس کی موت وزندگی کے حالات ہجرت کے سالوں کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ اس خبیث کا ایک بیٹا تھا جس کا نام عبداللہ بن عبداللہ تھا وہ مومنوں، مخلصوں اور صدیقوں میں سے تھا ان کا نام حباب رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر اور تمام غزوات میں حاضر وشریک رہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراسلت کو لکھا پڑھا کرتے تھے۔ جنگ یمامہ میں بزمانہ خلافت صدیقی ۱۲ھ میں شہید ہوئے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جہم بن سعد نے روایت کی ہے۔ اصابہ میں جہم بن سعد اسلمی لکھا ہے۔ قضاعی نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے بیان کیا ہے وہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اموال صدقات کو لکھا کرتے تھے۔ قرطبی نے ''مولد نبوی'' میں جو کہ ان کی تالیفات میں سے ہے ایسا ہی لکھا ہے۔

جہم بن الصلت رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ایک حضرت جہم بن الصلت بن مخرمہ بن عبدالمطلب بن عبد

مناف قرشی مطلبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ وہ خیبر کے زمانہ میں اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر کی غنیمت میں سے تین وسق مرحمت فرمائے۔ اصابہ میں ہے کہ وہ مراسلت لکھا کرتے تھے اور بلاشبہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط وکتابت لکھی ہے۔ ابن اسحٰق مغازی میں کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحسینہ بن رویدآیا اور اس نے صلح کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے والا نامہ تحریر کرا کے دیا اور وہ والا نامہ انہیں کے پاس ہے اس کے لکھنے والے یہی جہم بن الصلت رضی اللہ عنہ تھے۔ جہم رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر دونوں اموال صدقات کی کتابت کرتے تھے۔

ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ارقم بن ابی ارقم قرشی مخزومی' مہاجرین اولین اور قدیم الاسلام سات میں کے ساتویں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دس کے بعد اسلام لائے۔ ابن عقبہ اور ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے پوشیدہ ہو کر دار ارقم یعنی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں اقامت فرمائی اور ابتدا میں ان کے گھر سے لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے باہر تشریف لائے ان کا گھر کوہ صفا کے اوپر تھا اسی گھر میں اکابر صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ ابتدا اسلام میں اسلام لائی یہاں تک کہ چالیس کا عدد پورا ہوا چالیسویں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب چالیس کا عدد مکمل ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۵۵ھ میں مدینہ طیبہ میں انہوں نے وفات پائی ان کی عمر شریف کچھ اوپر اسی سال کی ہوئی اور انہوں نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پڑھیں۔ مروان نے کہا کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو ایک غیر حاضر شخص کی وجہ سے روکے رکھوں مگر عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے مروان کو باز رکھا اور انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور نماز پڑھائی۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ ابو محمد انصاری خزرجی حارثی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بنی الحارث بن خزرج سے تھے اور صاحب اذان تھے کہ انہوں نے خواب میں اذان کے کلمات سنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھاؤ تا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کو اذان میں کہیں۔

بعض اہل سیر ان کے نسب میں ثعلبہ کا اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ لیکن درست و معروف اس کا نہ ہونا ہے اس لئے کہ ثعلبہ بن عبدربہ لیکن درست ومعروف اس کا نہ ہونا ہے اس لیے کہ ثعلبہ بن عبدربہ حضرت عبداللہ کے چچا اور زید کے بھائی ہیں لوگوں نے ثعلبہ کو ان کے نسب میں داخل کر کے غلطی وخطا کی ہے۔

یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ مشہور صحابی ہیں کیونکہ ان کو صاحب الاذان کہتے ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ عقبہ بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور انہیں کے ہاتھ میں فتح مکہ کے دن بنی الحارث بن خزرج کا علم تھا ان سے حضرت سعید بن المسیب عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور ان کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن زید نے روایت کی ہے جیسا کہ استیعاب میں مذکور ہے اور اصابہ میں بھی اسی طرح ہے نیز انہوں نے کہا کہ ترمذی نے بیان کیا ہے کہ ان کی کوئی حدیث معلوم نہ ہو سکی بجز اذان والی حدیث کے ابن عدی' بغوی اور دیگر حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سوا ان کی کوئی اور حدیث نہیں ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ خطا ہے بلکہ ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں جو کہ چھ یا سات ہیں۔ مداینی نے محمد بن عبداللہ بن زید سے نقل کیا ہے کہ وہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر چونسٹھ سال کی تھی ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ

عنہ نے پڑھائی۔ حاکم نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ احد میں شہید ہوئے تھے اور وہ دلیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زید کی بیٹی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئی اور کہا کہ میں عبداللہ بن زید کی بیٹی ہوں جو بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے فرمایا اپنی جو حاجت ہو مجھ سے کہو تو انہوں نے کچھ حاجت بیان کی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی حاجت پوری فرمادی۔

واضح رہنا چاہئے کہ عبداللہ بن زید ایک اور صحابی بھی ہیں جن کو صاحب وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ تشریح یہ ہے کہ وہ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری مازنی ہیں یہ بنی مازن بنی نجار کے قبیلے سے ہیں ان کی کنیت بھی ابو محمد ہے یہ احد میں حاضر ہوئے لیکن بدر میں حاضر نہ ہوئے حاکم و ابن منذر کا خیال ہے وہ بدر میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حدیث روایت کی ہے چند اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں ان کے ایک بھائی خبیب رضی اللہ عنہ بن زید تھے جن کو مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کیا تھا جب صحابہ نے جنگِ یمامہ لڑی تو عبداللہ بن زید کے بیٹے وحشی بن حرب کے ساتھ مسیلمہ کے قتل کرنے میں شریک تھے یہ ۶۳ ھ میں یوم الحرہ میں مقتول ہوئے ان سے ابن المسیب اور ان کے بھتیجے عباد بن تمیم بن زید بن عاصم اور واضع بن حبان وغیرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔

العلاء بن عتبہ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے العلاء بن عتبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اصابہ میں مذکورہ ہے کہ ان کو مستغفری نے صحابہ میں بیان کیا ہے اور مرزبانی نے بیان کیا ہے کہ وہ اور ارقم انصار کے زمانہ میں تھے اور تاریخ معتصم بن صارح میں ہے کہ علاء بن عتبہ اور ارقم عہود و معاملات کو لکھا کرتے تھے۔

ابو ایوب انصاری: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان جلیل القدر صحابی کا تذکرہ پاسبان بارگاہِ رسالت کے ضمن میں مفصل گزر چکا ہے۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے یہ اکابر صحابہ میں سے صاحب اسرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کو منافقوں کا علم تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقوں کے صفات کی تعلیم دی تھی یہ منافقوں کی ذاتوں اور ان کی شخصیتوں اور ان کے ناموں کو خوب پہچانتے تھے کہ کون کون ہیں۔ مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک تمام ہونے والے واقعات و حوادث اور تمام فتنوں کی خبر دے دی ہے غالباً ان کی مراد کلیات حوادث واقعات کا بیان ہوگا اور کچھ جزئیات بھی جو فتنوں کے واقعات سے متعلق ہوں مراد ہوں گی۔ (واللہ اعلم)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے فتنہ کی حدیث اور نفاق کی علامتیں پوچھا کرتے تھے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے اندر کوئی نفاق کی علامت پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ''میں نہیں پاتا البتہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے دستر خوان پر دو رنگ کے کھانے ہوتے ہیں' فرمایا حاشا ایسا کبھی نہیں ہے'' جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ انڈا تناول فرمارہے تھے اور انڈے میں زردی اور سفیدی تھی اس سے دیکھنے والے کو شبہ ہوا کہ دو رنگ کے کھانے ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان سے نفاق کے صفات اور ان کی علامتیں پوچھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کے پڑھانے میں توقف فرماتے جب تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہ آجاتے جب وہ آجاتے اور نماز میں شریک ہوجاتے تو نماز جنازہ پڑھاتے اور اگر وہ نہ آتے تو بھی نماز میں شریک نہ ہوتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حسل (بکسر حاء وسکون سین) اور بعض حسیل برصیغہ تصغیر بتاتے ہیں وہ جابر بن اسید عسی کے بیٹے ہیں۔ عسی قبیلہ عسی بن بغیض کی طرف سے منسوب ہے اور یمان حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کا لقب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی قوم میں سے کسی کو قتل کر دیا تھا پھر وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ آ گئے اور انصار کے قبیلہ بنی نہشل کے حلیف بن گئے پھر قوم نے ان کا نام یمان رکھ دیا کہ حلیف یمان (قسم) ہو گئے یعنی انصار سے ہو گئے۔

یمان، یمن (قسم) سے بنا ہے۔ حضرت حذیفہ اور ان کے والد احد میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ان کے والد کو شبہ میں شہید کر دیا کیونکہ وہ مشرکوں سے جنگ کرتے ہوئے باہر نکل گئے تھے وہ دھوکے سے قتل ہو گئے تھے باوجودیکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہتے رہے کہ اے خدا کے بندو یہ میرے والد ہیں مگر انہوں نے نہ چھوڑا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ''اللہ تمہیں معاف کرے'' حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد اپنے والد ماجد کے قاتلوں کے حق میں ہمیشہ دعا و استغفار کرتے رہے جب تک کہ وہ دنیا میں زندہ رہے اور اس جہان سے رخصت ہو کر وصال باری تعالیٰ انہیں حاصل ہوا ان کو ان کے باپ نے بدر میں حاضر ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ مشرکوں نے ان کے باپ کو پیچھے چھوڑا تھا اس وجہ سے وہ باز رہے تھے اور غزوہ خندق میں حاضر ہوئے ان کا ذکر جمیل اسی طرح ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تمام مشاہد و غزوات میں حاضر ہوئے اور وہ ۲۲ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا کہ کون سا فتنہ سب سے زیادہ سخت ہے انہوں نے فرمایا جب تمہارے سامنے خیر و شر دونوں پیش کئے جائیں اور تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو دریافت نہ کر سکو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ ہر قبیلہ کے اوپر منافق سردار قائم نہ ہوں۔ انہیں سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر شخص خیر کی باتیں پوچھا کرتا تھا لیکن میں شر کی باتیں پوچھا کرتا تھا تاکہ میں اس سے اجتناب کروں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابوالدردا وغیرہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے روایت بیان کی ہے انہوں نے مداین میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں ہے سن وفات ۳۵ھ ہے ایک قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند راتوں کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ابتدائے خلافت میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں سن وفات ۳۵ھ ہے اور جنگ جمل کا زمانہ نہیں پایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دونوں فرزندان صفوان اور سعید جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی متابعت اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق کی تھی۔

بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ (دونوں نام برصیغہ تصغیر ہیں) اور مشہور بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے نام سے ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے ایک قول سے ابوسہل ہے ایک اور قول سے ابوساسان ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام ابوعامر ہے اور بریدہ ان کا لقب ہے۔ وہ بدر سے پہلے اسلام لائے اور بدر میں حاضر ہوئے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لے چلے اور ''کراع الغیم'' میں پہنچے یہ دونوں حرموں کے درمیان ایک وادی کا نام اور مکہ مکرمہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے اس وقت قریش نے بریدہ کو آمادہ کیا کہ یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹا لائیں یا (معاذ اللہ) شہید کر دیں اور اس معاوضہ میں ان کو سو اونٹ دینا قرار پائے تھے تو وہ ستر سواروں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اور تو کون ہے؟ انہوں نے کہا میں بریدہ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ انور کر کے فرمایا: بردامرنا ہمارے کام نے خوشی و ٹھنڈک پائی پوچھا تو کس قبیلہ سے ہے؟

کسی نداںست کہ آخر بچہ حالت گذرد

استعیاب میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اور اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا اور خلافت اسلام ان سے اس کے بعد کچھ ظاہر نہ ہوا اور وہ قریش کے نجباء اور عقلا میں سے تھے۔

ابوسلمۃ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ابوسلمۃ بن عبدالاسد قرشی ہیں ان کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا مگر یہ اپنی کنیت سے مشہور ہوئے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان سب کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے چار چار سال کے وقفہ سے دودھ پلایا تھا پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو۔ یہ اسلام میں دس سابقین اولین میں سے ایک ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں بدر سے واپس آنے کے بعد وفات پائی جیسا کہ ابن مندہ نے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ احد کے بعد فوت ہوئے اور یہی صحیح ہے۔ احد میں زخمی ہو کر آئے ان کے زخم ٹھیک ہوئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی سعد کی جانب ماہ صفر ۴ھ کو لشکر کا امیر بنا کے بھیجا وہاں ان کے زخم کھل کر ہرے ہو گئے اور وفات پائی۔ ابن عبدالبر نے جمادی الاخریٰ ۳ھ کہا ہے مگر قول اول راجح ہے اور یہ ہجرت کر کے سب سے پہلے مدینہ طیبہ اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں کے بعد آنے والے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانا ازواج مطہرات امہات المومنین کے ضمن میں گزر چکا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے وقت یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلْمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَہٗ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَO وَافْتَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ.

حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حویطب بن عبدالعزیٰ قرشی عامری ہیں ان کی کنیت ابومحمد یا ابوالاصبع ہے یہ فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں اور مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ انہوں نے اسلام پایا ہے اور وہ تقریباً ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ یہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے۔ حنین کے غنایم سے انہیں سو اونٹ ملے تھے یہ ان میں سے ایک ہیں جن کیلئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تحدید حرم کا حکم دیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد دفن کرنے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ایسا ہی بیان کیا ہے لیکن واقدی نے کہا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے بعض ان کی وفات آخر امارت کے زمانہ میں بتاتے ہیں ان سے ابونجیح مکی، سائب بن یزید ان کے بیٹے ابوسفیان اور عبداللہ بن بریدہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ان کی کوئی حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔

واقدی نے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حویطب کہا کرتے تھے کہ میں صلح حدیبیہ سے لوٹ کر آیا میں سہل بن عمرو کے ساتھ قریش کی طرف سے مصالحت کیلئے آیا تھا تو مجھے یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آئیں گے اور پھر طویل تذکرہ بیان کیا انہیں سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مشرکوں کے ساتھ بدر میں موجود تھا میں نے فرشتوں کو آسمان سے اترتے اور جنگ کرتے دیکھا ہے۔ میں نے یہ بات قریش کے کسی شخص سے نہ کہی۔

ایک دن مروان بن الحکم نے حویطب سے کہا کیا وجہ ہے کہ تمہارا اسلام لانا چھوٹوں اور ہم عمروں کے بعد ہے حویطب نے

جواب دیا کہ ''اَللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ'' خدا کی قسم میں نے بار ہا ارادہ کیا کہ اسلام میں سبقت کروں ہر بار تیرے باپ نے مجھے روکے رکھا اور یہی کہتا رہا کہ کیوں اپنے درجہ شرافت سے گرتے ہو اور نئے دین کی خاطر اپنے باپ دادا کے دین اور اپنے دین سے پھرتے ہو اور ایک شخص کے تابع وفرمانبردار بنتے ہو۔ اس پر مروان خاموش اور شرمندہ ہو گیا۔ حویطب کی یہ بات سننے کے بعد مروان اپنے باپ کے آخر انجام کا تصور کر کے بہت زیادہ غمگین ہوا اس کے بعد حویطب نے کہا قریش کے بڑوں میں اپنے دین پر باقی رہنے والا اور اسلام کو ناپسند کرنے والا کوئی مجھ سے زیادہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور جو کچھ تقدیر میں تھا واقع ہوا۔

طبقات ابن سعد میں بروایت ابن المنذر وغیرہ حویطب سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مجھے انتہائی خوف وڈر محسوس ہوا اور پھر طویل قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں عوف کے گھر چلا آیا اور وہاں ٹھہر گیا اچانک مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ملے۔ میری ان سے شناسائی تھی میں نے ان کو سلام کیا اور اپنا حال ان سے بیان کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اپنے اہل وعیال میں جاؤ اور بے خوف ہو کے رہو اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور میری معافی کی درخواست کی۔ پھر وہ میرے پاس آئے اور فرمایا آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بھلائی واحسان فرمانے والے اور تمام لوگوں سے زیادہ ذی حوصلہ ہیں ان کی شرافت تیری شرافت ہے اور ان کی عزت تیری عزت ہے۔ جب تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملو تو کہو: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ'' چنانچہ میں نے اسی طرح عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَعَلَیْکَ السَّلَامُ'' اس کے بعد میں نے دین اسلام کی شہادت دی اس سے حضور اکرم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَھَدَاکَ'' اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے قرض طلب فرمایا تو میں نے آپ کو چالیس ہزار درہم قرض پیش کئے اور آپ کے ساتھ میں حنین وطائف میں حاضر ہوا اور مجھے ان کے غنائم سے عنایت فرمایا پھر حویطب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ چلے آئے اور وہیں رہنے لگے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے مکان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر دیا لوگوں نے کہا اب تو تم بڑے مالدار ہو گئے انہوں نے کہا یہ مال اس کیلئے کیا چیز ہے جس کیلئے کوئی چیز وقعت نہیں رکھتی ان کے ان کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ان مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں جن کا اسلام حسن ہے۔

حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حاطب بن عمرو ہیں۔ استیعاب واصابہ میں ان کے سوا حاطب بن ابی طبقہ بھی بیان کیا ہے کیونکہ دو حاطب مشہور ہیں ایک حاطب بن عمرو بن عبداللہ بن عبدالشمس بن عبدود اس کے بعد صاحب استیعاب نے کہا کہ ان کو ابن عقبہ نے ان لوگوں میں شمار کرایا ہے جو بدر میں بنی عامر سے حاضر ہوئے تھے وہ دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے اور حبشہ کی طرف دونوں ہجرتیں کیں۔ یہ روایت ابن اسحٰق کی ہے اور بعض پہلی ہجرت جانب حبشہ کہتے ہیں۔ واقدی نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی ثابت ہے ابن اسحٰق اور واقدی دونوں ہی حاضرین بدر میں بیان کرتے ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حاطب بن عمرو بن عبدالشمس بن عبدود قرشی عامری' سہیل بن عمرو کے بھائی تھے اور وہ سابقین میں سے بتائے جاتے ہیں کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ زہری نے اسی پر جزم کیا ہے اور وہ بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ ان میں سے تھے جو بدر میں حاضر ہوئے۔ دوسرے حاطب بن عمرو بن عتیک بن امیہ بن زید بن مالک بن اوس ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے۔ ابن اسحٰق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا ہے۔ استیعاب میں اسی قدر کہا گیا ہے اصابہ میں کہتے ہیں کہ حاطب بن عمرو بن عتیک انصاری اوسی ہیں۔ ابوعمرو نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور ابن اسحٰق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا کہتے ہیں کہ ان کے سوا دوسروں کے نزدیک بھی بدری

ہوناد یکھا ہے۔(واللہ اعلم)

حاطب کو صحبت بارگاہِ رسالت حاصل تھی اور ان دونوں کتابوں میں حاطب بن عمرو' واؤ کے ساتھ ہے اور روضۃ الاحباب کے صحیح نسخہ میں جو کہ موجود ہے بغیر واؤ کے ہے۔(واللہ اعلم)

ابن خطل مرتد: کاتبوں میں سے ایک ابن خطل تھا۔ابن خطل کا نام عبدالعزیٰ تھا عام الفتح میں اس کے حالات معلوم ہو چکے ہیں کہ فتح سے پہلے مدینہ طیبہ آیا مسلمان ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور زکوٰۃ کی وصولی کیلئے اس کے قبیلہ میں بھیجا تو وہ مرتد ہو گیا اور صدقہ کے جانوروں کو لے کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور قریش سے کہنے لگا کہ کوئی دین تمہارے دین سے بہتر میں نے نہیں پایا فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کی پناہ تلاش کی اور اس کے غلاف سے لپٹ کر چھپ گیا پھر کسی صحابی نے دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابن خطل خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے فرمایا:''اسے قتل کر دو'' تو بموجب حکم عالی وہیں اسے قتل کر دیا گیا(انتہی) یہ ابن خطل مرتد ہونے سے پہلے جبکہ مسلمان تھا ممکن ہے کتابت کرتا ہو مگر اس کا ذکر نہیں کیا گیا اگر کتابت کی بھی ہو تو مرتد ہونے اور حالت ارتداد میں مبتلا ہو جانے کے بعد صحابہ کے درمیان لکھنے کی کیا ضرورت تھی اسی لئے اسماء الرجال میں اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی بجز اس اختصار کے جو اس کے قصہ کے درمیان ذکر کیا گیا۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ایک ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوالمنذ ر اور ابوالطفیل ہے۔ابی بن کعب ابن المنذ ر ہیں ایک قول ہے کہ ابی ابن کعب بن قیس انصاری' خزرجی' بخاری' مغازی اور مدنی ہیں۔عقبہ ثانیہ میں اور بدر میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور یہ ان چھ اشخاص میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کو حفظ کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جن چار شخصوں نے قرآن کو جمع کیا ان میں ابی بن کعب ایک ہیں اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے فقہاء اور کتاب اللہ کے قاریوں میں سے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابوالمنذ ر کنیت سے یاد فرماتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابوالطفیل کی کنیت سے مخاطب کرتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب سید الانصار رکھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سید المسلمین نام رکھا۔المسلمین سے یا تو انصار مراد ہوں گے یا کوئی خاص جماعت نہ کہ تمام مسلمان جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ قرآن کی تلاوت کروں اور تم کو قرآن سناؤں۔انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حق تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آئیہ کریمہ تلاوت کی قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے آگے سورۂ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھوں۔ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے کیا آپ سے میرا نام لیا ہے؟ فرمایا ہاں! تمہارا نام مجھ سے لیا ہے اس پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ رونے لگے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر گریۂ مسرت طاری ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالمنذ ر رضی اللہ عنہ! تمہیں علم سزاوار ہو یہ بات اس وقت فرمائی جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی سے پوچھا کہ اے ابوالمنذ ر کیا تم جانتے ہو کہ کتاب الٰہی میں کون سی آیت عظیم تر ہے حضرت ابی نے عرض کیا:''اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ''پھر فرمایا: اے ابوالمنذ ر! تمہیں معلوم ہے کہ خدا کی کتاب میں کون سی آیت اعظم ہے؟ اس پر انہوں نے عرض کیا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اس پر فرمایا تمہارا علم سزاوار ہو اور ان کے اس علم پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی مدح و تعریف فرمائی یہ آئیہ کریمہ بطریق الہام و اعلام الٰہی یا یہ بتصرف سید عالم صلی اللہ علیہ

وسلم انہیں معلوم ہوئی جیسا کہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک دوسری مرتبہ حضرت ابی کے سینہ پر رکھا تو انہیں یہ آئیہ کریمہ معلوم ہوگئی۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انجام دی تھی اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آخر خط میں لکھا کہ ''فلاں بن فلاں نے لکھا'' حضرت ابی بن کعب میانہ قد سفید داڑھی اور سر کے بال سفید تھے اپنے سر پر مہدی نہیں لگایا کرتے تھے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے نوازل وحوادث دریافت کیا کرتے اور مفصلات سے تحاکم کرتے تھے۔صحابہ کی ایک جماعت کثیرہ نے ان سے روایت کی ہے اور حضرت ابی بن کعب نے ۱۹ھ یا ۲۰ھ یا ۲۲ھ میں عہدہ خلافت فاروقی میں وفات پائی۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مَاتَ سَیِّدُ الْمُسْلِمِیْنَ'' بعض کہتے ہیں کہ خلافت عثمانی میں ۳۰ھ میں وفات پائی۔یہ قول زیادہ ثابت ہے۔ابن عبدالبر نے کہا کہ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ عہد خلافت فاروقی میں وفات ہوئی۔امام بغوی نے حضرت حسن سے روایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے جمعہ کے دن وفات ہوئی الغرض ان کی سن وفات میں اختلاف ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتلایئے کہ ہمیں جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں کیا ان کا کچھ فائدہ بھی ہے فرمایا ہاں یہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اس پر اس نے کہا اگرچہ بیماری کم ہو فرمایا اگرچہ کانٹا چبھے اس وقت حضرت ابی ابن کعب نے اپنے لئے دعا مانگی کہ آخر وقت تک بخار نہ اترے اور حج وعمرہ، جہاد ونماز اور فرض جماعت سے مانع نہ ہو چنانچہ وہ ہمیشہ بیمار اور تپ زدہ رہے یہاں تک کہ وفات پائی اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور ابن حسان نے اسے صحیح کہا ہے۔

عبداللہ بن ارقم: انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن ارقم بن عبدیغوث بن دہب بن عبدمناف بن زہرہ قرشی زہری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں یہ عام الفتح میں اسلام لائے یہ حضور اکرم رضی اللہ عنہ کے طلقاء میں سے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراسلت لکھا کرتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ اتنے دیانتدار تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ فلاں کی طرف مکتوب گرامی لکھو اور یہ نہ فرماتے یہ لکھو وہ لکھ کر پیش کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دیانت کی وجہ سے بغیر پڑھے مہر لگا دیتے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کتابت کی ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیت المال کے بغیر اجرت کے والی مقرر ہوئے اس کے بعد انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کرلیا مالک نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ارقم کو انعام میں تیس ہزار درہم عطا فرمائے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔انہوں نے کہا میں نے خدا کیلئے خدمت کی ہے۔ایک روایت میں سی صد ہزار آتے ہیں وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مامون ومختار تھے یہاں تک کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے اگر تم لوگ اعتراض نہ کرتے تو میں عبداللہ بن ارقم کو اپنا خلیفہ بناتا میں نے کسی کو ان سے زیادہ خدا سے خائف نہ دیکھا اور ان سے فرماتے اگر تمہاری قوم پہلوں کی مانند ہوتی تو میں کسی کو تم پر تقدیم نہ کرتا ان سے عروہ بن زبیر اور اسلم مولائے عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔اربعہ نے ان سے ایک حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا کہ جب عشا کا وقت آجائے اور قضائے حاجت کی ضرورت ہو تو پہلے قضائے حاجت کرے۔اس حدیث کو مشکوٰۃ نے باب الجماعت اور اس کی فضیلت میں بیان کیا ہے۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔اِذَا اُقِیْمَتِ

الصَّلٰوۃُ وَ وَجَدَ اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے۔

یہ وہ اسماء ہیں جن کو روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے ان میں سے اکثر کو عنوان کتابت کے تحت استیعاب میں بیان نہیں کیا گیا ہے البتہ ایک نام استیعاب ومواہب میں لکھا ہے۔

معیقب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ: معیقب بن ابی فاطمہ دوسی سابقین اولین میں سے ہیں جو تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور خلافت عثمانی یا خلافت مرتضوی میں فوت ہوئے اسی قدر مواہب میں ذکر کیا گیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ معیقب بن ابی فاطمہ سعید بن العاص کے مولیٰ ہیں۔ اسی طرح ان کو موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے اور کہا کہ لوگ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دوس سے ہیں اور ان کے سوائے کہا ہے کہ وہ دوسی ہیں اور سعید بن العاص کے حلیف ہیں مکہ مکرمہ کے قدیمی مسلمان ہیں انہوں نے حبشہ کی جانب دوسری ہجرت کی اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے وہ مدینہ طیبہ آ گئے بعض کہتے ہیں کہ خیبر میں آئے۔ بعض اس سے پہلے آنا بتاتے ہیں اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر شریف پر مقرر تھے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے مدینہ طیبہ میں بیت المال پر ان کو عامل مقرر فرمایا پھر انہیں مرض جذام لاحق ہو گیا اس کا علاج حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر حنظل (اندراین) سے کیا گیا اس کے بعد وہ اپنے کام سے باز رہے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۴۰ھ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں فوت ہوئے ان سے کم حدیثیں مروی ہیں ان سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ "وَیْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" دوسری حدیث موزہ پر مسح کرنے کے بارے میں مروی ہے۔ کاتبین بارگاہِ رسالت کا تذکرہ مکمل ہو گیا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

افادہ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے پھر وہ بھی ان کے ساتھ لکھنے لگے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ وحی کی کتابت کیلئے صحابہ میں لازم ترین شخص تھے اور انہوں نے بکثرت خطوط ومکاتب جو لوگوں کے نام بھیجے گئے لکھے ہیں۔

محمد بن سعد نے بروایت واقدی اپنے مشائخ سے نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی کی کتابت کی ہے وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب حضرت ابی موجود نہ ہوتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلاتے اور ان سے وحی لکھواتے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو زمین کا کوئی قطعہ مرحمت فرماتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے ساتھ بھیجا کرتے قریش میں سے سب سے پہلے جس نے کتابت کی ہے وہ عبداللہ بن ابی سعد بن ابی سرح تھا پھر وہ مرتد ہو گیا اور مکہ کی جانب لوٹ گیا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحٰی اِلَیْہِ شَیْءٌ "اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی حالانکہ اس کی طرف اصلا وحی نہ کی گئی ......" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراسلت لکھنے والے ہیشگی کے طور پر حضرت عبداللہ بن ارقم زہری تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب عہود جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے عہد وصلح کرتے وہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے اور جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کرتے تھے ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے ان کو ابن ابی شیبہ نے کاتبوں کے ضمن میں بیان کیا ہے اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ اور ابان رضی اللہ

عنہ بھی کتابت کرتے تھے۔صاحب استیعاب نے ان میں سے اکثر کو بیان کیا ہے ان تمام تفاصیل کے بعد ان کے حالات لکھے ہیں۔

واضح رہنا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین وامرا کے نام جو نوشتے اور فرامین ارسال فرمائے تھے اور جن کا ذکر ۶ ھ کے واقعات کے ضمن میں قضیہ حدیبیہ کے بعد بیان کیا جا چکا ہے اور جن میں سلاطین وامرا کے ماسوا صحابہ کرام وغیرہم حضرات کے نام صدقات وزکوۃ اور معاملات کے شرائع واحکام بھی لکھے ہیں اگر ان کو یہاں پر عربی زبان میں نقل کیا جائے جیسے کہ وہ ہیں تو یہ وضع کتاب سے مناسبت نہیں رکھتا (چونکہ یہ مدارج النبوۃ فارسی میں ہے اور یہ اس کا ترجمہ ہے) اور اگر اس کا ترجمہ نقل کیا جائے تو اس کی حلاوت وتازگی جو عبارت شریف میں ہے باقی نہیں رہتی اور اس کا حسن ودبدبہ جاتا رہتا ہے۔

دوسری قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتب ورسائل کی وہ ہے جو عرب کے بعض قبائل کی زبان اور ان کی لغت میں لکھے ہیں اور بڑے بڑے فصحاء وبلغاءعرب نے اس کی تحسین وخوبی کا اظہار کیا ہے اور فہم وعقول اس سے خیرہ وحیران ہیں ایسے چند خطوط کتاب الشفاء قاضی عیاض ؒ میں مذکور ومسطور ہیں۔ یہ خطوط درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بین معجزات میں سے ہیں کیونکہ نہ آپ کہیں تشریف لے گئے اور نہ کسی اہل زبان اور اس قبیلہ کے لوگوں سے مصاحبت فرمائی اور نہ ان کے لغات کی جستجو وتلاش فرمائی نہ کسی سے تعلیم لی اور نہ حاصل کیا اور آپ کا یہ اعجاز آپ کے ان سفیروں اور قاصدوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے جن کو آپ ان کے سلاطین وامرا کے پاس بھیجتے تھے کہ وہ سفیر جس قوم اور جس زبان والوں کی طرف جاتے وہ انہیں کی زبان ولغت میں بات کرتے اور جواب دیتے تھے۔(صلی اللہ علیہ وسلم)

باب ہشتم

سفراء اور قاصدوں کے بیان میں

اس باب میں ان سفیروں اور قاصدوں کا تذکرہ ہے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین و امرا کی طرف بھیجا تھا۔ روضۃ الاحباب میں گیارہ اشخاص اور ان کے اسماء کتب و رسائل کے ضمن میں بیان کئے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن ان کے حالات نہیں بیان کئے گئے اور نہ ان کو یکجا بیان کیا گیا ہے اگر اس غرض کی خاطر جتنا کچھ بیان ہو چکا ہے اور جو نہیں ہوا ہے سب کو یکجا بیان کریں تو مناسب رہے گا۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ: ان قاصدوں میں سے ایک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں جو بنی ضمرہ بن عبد مناف کنانی میں سے ہیں اور صحابہ میں دلیروں اور بہادروں میں سے تھے اور جرات و تجربہ کاری میں عرب کے جوانوں میں سے تھے۔ بدر و احد میں مشرکوں کے ساتھ آئے اس کے بعد جب مشرکین احد سے بھاگے تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا ان کا نسب سے پہلا جہاد بیر معونہ کا ہے۔ اس روز ان کو عامر بن طفیل نے اسیر کیا اور ان کی پیشانی کے بال کتر کر چھوڑ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس مکتوب گرامی کے ساتھ بھیجا۔ نجاشی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کا ادب و احترام کیا اور اپنی سعادت مندی سمجھی اور اسلام لے آیا۔ اس کے بعد دوسرا مکتوب گرامی بھیجا تا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منعقد کر دیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کو مسیلمہ کذاب کی طرف بھی مکتوب گرامی دے کر بھیجا گیا تھا اور فردہ بن عمرو جذامی کی طرف جو کہ قیصر شاہ روم کی طرف سے گورنر تھا بھیجا تھا۔ انہوں نے اس کو دعوت اسلام دی اور وہ اسلام لایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک خط لکھ کر بھیجا اور مسعود بن سعد کے ساتھ ایک بغلہ شہباء جس کو فضہ کہتے تھے اور ایک گھوڑا جس کو ضراب کہتے تھے اور کچھ کپڑے اور سندس کی مطلا قبا ہدیہ میں بھیجی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہدایا کو قبول فرمایا اور مسعود بن سعد کو بارہ اوقیہ عطا فرمائے ان سے ان کے دونوں بیٹے جعفر و عبداللہ نے اور شعبی و ابو قلابہ نے حدیث روایت کی ہے ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے ان کا تذکرہ متعدد جگہوں میں واقع ہوا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۶۰ھ میں وفات پائی۔

دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ: ان قاصدان بارگاہِ رسالت میں سے دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ کلب بن ابرہ نامی قبیلہ سے منسوب بہ کلبی ہیں یہ مشہور صحابی ہیں اور اپنے حسن و جمال میں ضرب المثل تھے جب باہر نکلتے تو مرد و عورت ان کے نظارہ کیلئے جمع ہو جاتے تھے یہ پہلے شخص ہیں جن کی شکل و صورت میں جبریل علیہ السلام آئے تھے۔ وہ بدر میں حاضر نہ ہوئے لیکن احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا جہاد غزوہ خندق ہے۔ بیعۃ الرضوان کی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیصر کی جانب بھیجا جس کا طویل قصہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ امام احمد نے بطریق شعبی ان سے روایت کی

ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کیلئے حمار کو گھوڑی پر نہ چھوڑوں تا کہ وہ آپ کی سواری کیلئے بغلہ جنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سواری کیا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کو علم نہیں ہے۔ زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک زندہ رہے۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ: ان سفیران بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ہیں جو قریش کی ایک شاخ سہم بن عمرو سے منسوب ہیں ان کی کنیت ابوحذافہ ہے وہ قدیم الاسلام مہاجرین اور سابقین اولین میں سے تھے۔ حبشہ کی جانب اپنے بھائی قیس بن حذافہ کے ساتھ ہجرت ثانیہ کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسریٰ شاہ فارس کی طرف بھیجا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ وہ پرمزاح اور ظریف الطبع تھے چنانچہ ایک کا مرتبہ ذکر ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا تنگ اس قدر ڈھیلا باندھا کہ قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے نیچے آ رہیں یہ اس لئے کیا کہ سواری کی تنگ کی خدمت کی دوبارہ سعادت میسر آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش طبع ہوں ان کے مزاح میں سے ایک بات یہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنایا تو انہوں نے اپنے لشکریوں کو لکڑیاں جمع کرنے اور آگ جلانے کا حکم دیا جب آگ خوب روشن ہوگئی تو ان کو حکم دیا کہ وہ آگ میں کود پڑیں۔ اس پر قوم نے انکار کیا انہوں نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا ہے اور کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اس پر لوگوں نے کہا ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی لئے ایمان لائے اور آپ کی متابعت کرتے ہیں کہ ہم آگ سے نجات پائیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سنی تو ان کی تصویب فرمائی اور فرمایا: ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ'' کسی مخلوق کی خدا کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے جیسا کہ استیعاب واصابہ میں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو رومیوں نے گرفتار کر لیا اور چاہا کہ ان کو کافر بنالیں ان پر بڑی سختیاں کیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو ثابت قدم اور محفوظ رکھا اور ان سے ان کو نجات دی ایسا ہی استیعاب میں منقول ہے اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے پشیمان ہو کر ان کو چھوڑ دیا اور اصابہ میں اہل سیر لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے یہ ہے کہ ان کو رومیوں نے گرفتار کر لیا۔ شاہ روم نے کہا تم نصرانی ہو جاؤ اور بے خوف وخطر میرے ملک میں رہو مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا پھر شاہ روم نے حکم دیا کہ انہیں سولی پر لٹکا کر تیروں کی باڑھ لگائی جائے مگر وہ اس سے مجروح نہ ہوئے پھر ان کو سولی سے اتارا اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں پانی کھولایا جائے اور ان کو اس میں ڈال دیا جائے تا کہ ان کی ہڈیاں تک سوختہ ہو جائیں مگر وہ اس میں بھی سلامت رہے۔ پھر جب ان کو قیصر کے سامنے لے گئے تو وہ رونے لگا اور کہا کہ ان کو چھوڑ دو اس کے بعد ان کا حال پوچھا اور کہا کہ کوئی آرزو رکھتے ہو فرمایا ہاں آرزو رکھتا ہوں وہ یہ کہ میرے جو ساتھی قید ہیں ان کو بھی ایسی ہی سختی وعذاب راہ خدا میں پہنچے اور اسلام سے محبت ان کی بڑھے۔ اس پر اس نے تعجب کیا اور کہا کہ میرے سر کو بوسہ دو تا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں فرمایا کیا تمام میرے ساتھی قیدیوں کو بھی چھوڑ و گے اس نے اقرار کیا تو وہ اٹھے اور اس کے سر کو بوسہ دیا پھر اس نے ان کو اور تمام مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا وہ سب بارگاہ خلافت فاروقی میں آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ان کے سر کو بوسہ دیا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کی گواہی میں ابن عساکر ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرسلاً لائے ہیں اور دوسری شہادت فوائد ہشام بن عمرو سے زہری سے مرسلاً لائے ہیں۔ (واللہ اعلم)

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں سے ایک حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے ایک قول ہے کہ ابومحمد ہے یہ قریش کے حلیف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے بعض نے کہا کہ قریش کے ایک شخص کے مکاتب غلام تھے جس کا نام عبداللہ بن حمید تھا اس نے ان کو پہلے مکاتب کیا پھر کتابت سے آزاد کر کے انہیں آزادی دے دی وہ اہل یمن میں سے تھے۔ بدر، احد، خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۰ھ میں مدینہ طیبہ میں بزمانہ خلافت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ وفات پائی ان کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اصابہ میں مرزبانی سے نقل کیا ہے کہ معجم الشعرا میں منقول ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ قریش کے سواروں اور ان کے شعرا میں سے زمانہ جاہلیت میں تھے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں ایک یہ کہ مَنْ رَّاٰنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا رَاٰنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ فِی الْاٰمِنِیْنَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ. ''جس نے مجھے میری رحلت کے بعد خواب میں دیکھا تو گویا اس نے مجھے میری حیات ظاہری میں دیکھا اور جو دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں فوت ہوا وہ قیامت میں محفوظ و مامون لوگوں میں اٹھے گا۔''

صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے سوا ان کی کوئی اور حدیث نہیں دیکھی۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ علماء نے صاحب استیعاب کی اس بات کو عجیب وغریب جانا ہے اس لئے کہ اس کے سوا اور بھی کئی حدیثیں ان سے مروی ہیں ابن السکن نے بطریق محمد بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیہ عن جدہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمان کی جنت میں ستر اور تیس بیویاں ہوں گی ستر جنتی بیویاں اور تیس دنیاوی عورتیں۔ صاحب اصابہ نے کہا کہ میں نے ان کی تین اور حدیثیں پائی ہیں ان میں سے ایک تو ابن شاہین نے بطریق یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیہ عن جدہ نقل کی ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے مقوقس شاہ اسکندریہ کی جانب بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لے کر میں گیا (الحدیث)' دوسری حدیث ابن مندہ نے اسی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کی ہے کہ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ (الحدیث) اور تیسری حدیث کو حاکم نے بطریق صفوان بن سلیم از حاطب بن ابی بلتعہ روایت کی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں ڈھال تھی جس میں پانی تھا (الحدیث) ظاہر ہے کہ یہ پانی لانا اس غزوہ میں تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم پہنچے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانی لائے تھے تاکہ اس سے زخم کو صاف کریں اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ اس زخم پر رکھی تھی جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں ایک شجاع بن وہب ہیں ان کو ابووہب الاسدی حلیف بنی عبدشمس کہا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابووہب ہے۔ ابن اسحٰق نے ان کو مہاجرین میں سابقین اولین سے اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے حبشہ ہجرت کی بیان کیا ہے وہ بدر میں حاضر ہوئے۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ میں ان کی کوئی روایت نہیں جانتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حارث بن ابی شمر غسانی کی جانب بھیجا جیسا کہ گزر چکا ہے اور وہ نحیف دراز قد اور کوزہ پشت تھے۔ جنگ یمامہ میں انہوں نے شہادت پائی ان کی عمر کچھ اوپر چالیس کی ہوئی۔

سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں ایک سلیط (بفتح سین وکسر لام وسکون یا) بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ہودہ بن علی حنفی کے نام مکتوب گرامی بھیجا جیسا کہ گزرا ابن اسحٰق نے کہا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جنگ یمامہ میں حاضر ہوئے اور وہاں شہید ہو گئے۔ابومعشر نے کہا وہ شہید نہیں ہوئے۔صاحب استیعاب نے کہا انشاءاللہ درست یہی ہے اور کہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی خبریوں دی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلے پہنائے ایک حلہ زیادہ ہو گیا۔حضرت عمر نے فرمایا مجھے کوئی ایسا جوان بتاؤ جس نے اور اس کے باپ نے ہجرت کی ہو لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ ان کو وہ حلہ پہنا دیا۔

علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں ایک حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ذکر کاتبوں میں گزر چکا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ کاتب بھی تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد وسفیر بھی پہلے ارسال رسل کے باب میں ارباب سیر سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی والی بحرین کی جانب بھیجا اور مکتوب گرامی لکھا۔مواہب لدنیہ میں تفصیل کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی ہیں ان کو طائف کے ایک بادشاہ ذی الکلاع کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ان کا قصہ دسویں سال کے واقعات میں حجۃ الوداع کے بعد مذکور ہو چکا ہے یہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت حسین وجمیل اور صاحب فضل وکمال تھے ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور ایک قول ہے کہ ابوعمر رضی اللہ عنہ ہے۔یہ بجلی اور یمانی تھے۔بجلی قبیلہ بجیلہ کی طرف منسوب ہے جو کہ ام قبیلہ ایک عورت کا نام تھا۔ان کے اسلام لانے کے وقت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سال کے ماہ رمضان میں اسلام لائے جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے چالیس دن پہلے اسلام لائے۔ابن عبدالبر نے اسی پر جزم کیا ہے اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ یہ غلط ہے اس لئے کہ صحیحین میں واقع ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے روز ان سے فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کرو اور واقدی نے جزم کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ماہ رمضان ۱۰ھ میں وفات پائی اس لئے نجاشی نے ۱۰ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

الغرض! جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کا اکرام فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا جب تمہارے پاس کسی قوم کا بزرگ آئے تو اس کا اکرام واحترام کرو ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم ایسے شخص ہو کہ حق تبارک و تعالیٰ نے تمہاری صورت اچھی پیدا فرمائی ہے تو تمہاری سیرت بھی اچھی بنائی۔منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان جلوہ افروز تھے اور ان اصحاب میں زیادہ تر یمن کے لوگ تھے۔یکایک فرمایا بہت جلد تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل یمن میں بہترین شخص ہے اچانک حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نمودار ہوئے اور ثنیۃ الوداع سے وہ ظاہر ہوئے پھر وہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اصحاب پر سلام عرض کیا اس پر سب نے یک زبان ہو کر جواب سلام دیا۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر شریف بچھائی اور فرمایا اے جریر رضی اللہ عنہ اس پر بیٹھو تو وہ بیٹھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو فرمانے لگے جب وہ اٹھ گئے تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج تو ہم نے جریر کیلئے ایسا منظر دیکھا کہ اس سے پہلے کسی کیلئے آپ نے ایسا نہ کیا فرمایا: ''ہاں! یہ اپنی قوم کا سردار ہے اور جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اعزاز واکرام کرو۔'' حضرت جریر ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب مدینہ طیبہ کے قریب ہوا تو میں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا پھر

جامہ دانی سے اپنے کپڑے نکال کر اپنا لباس بدلا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں اس حال میں داخل ہوا کہ حضور اکرم خطبہ دے رہے تھے پھر تمام لوگوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا اس پر میں نے ایک پاس کے بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں پہلے کچھ فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! تمہارا اچھا ذکر فرمایا تھا اس خطبہ کے ہی دوران ایک بات عارض ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ایک بات فرمائی کہ عنقریب تم میں ایک شخص دور دراز علاقہ یمن سے داخل ہوگا جس کا چہرہ پر فرشتہ نے ہاتھ پھیرا ہے (یہ کنایہ حسن و جمال کی طرف ہے) حضرت جریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس نعمت پر جو خدا نے مجھے عطا فرمائی خدا کا شکر بجالایا۔ حضرت جریر سید مطاع اور بدیع الجمال تھے گویا کہ ان کا چہرے کا ٹکڑا ہے۔ ترمذی نے شمائل میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی صورت سے زیادہ حسین صورت کوئی نہ دیکھی بجز اس خبر کے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمیں پہنچی ہے اور حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے کہ جریر اس امت کے یوسف ہیں۔

حضرت جریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب عرب کے وفود آتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلب فرماتے میں عمدہ لباس پہن کر مجلس مبارک میں حاضر ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر فخر فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ ان کا قد چھ ہاتھ تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت جریر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جب سے میں اسلام لایا ہوں آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نگاہ کرم فرماتے تو تبسم فرماتے اور میرے روبرو تبسم کناں رہتے۔ حضرت ابوذرعہ سے مروی ہے کہ حضرت جریر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی نصیحت و خیر خواہی پر بیعت کی ہے۔ حضرت جریر جب کوئی چیز خریدتے تو اپنے ساتھی جو فروخت کرنے والا (بالغ) ہوتا فرماتے واللہ یہ چیز اس قیمت سے زیادہ ہے جتنی کہ میں نے خریدی مثلاً اگر گھوڑا ہوتا اور اس کی قیمت ایک ہزار درہم بتاتا تو وہ اس کی قیمت اتنی بڑھا دیتے کہ چار ہزار تک پہنچا دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر کو ۳۰ مسلمانوں کے ساتھ ذوالحلیفہ میں ایک بت خانہ کو توڑنے کیلئے بھیجا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں گھوڑے کی پشت پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک میرے سینہ کے اندر محسوس ہوئی اور فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا'' خداوند ان کو ثابت و مستحکم بنا اور ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا کر اس کے بعد وہ ذوالحلیفہ گئے بت کو توڑ کر اسے جلا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عراق کی جنگ میں تمام اہل بجیلہ پر حضرت جریر کو فوقیت دیتے اور آگے بڑھاتے تھے اور انہوں نے قادسیہ کی فتح میں بہت بڑا کام کیا تھا اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کوفہ میں رہنے لگے ان کا وہاں ایک گھر تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پیغام بھیجا وہ ان کے پاس نہیں گئے بالآخر وہ دونوں فریقوں سے نہیں ملے اور گوشہ نشینی اختیار کی وہ ۵۴ھ یا ۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

منقول ہے کہ ایک دن وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھے۔ اس مجلس میں کسی کی ریح خارج ہوئی اور بو پھیل گئی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ریح خارج کرنے والے پر لازم ہے کہ اٹھ کر جائے اور وضو کرے۔ حضرت جریر بن عبداللہ نے کہا اے امیر المومنین آپ تمام حاضرین مجلس کو حکم فرمائیں کہ وضو کر کے آئیں تا کہ کسی کا بھید نہ کھلے اور اس کا عیب ظاہر نہ ہو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ سب جائیں اور وضو کر کے آئیں اور انہوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی یہ بات بہت پسند کی اور فرمایا اے جریر تم جاہلیت اور اسلام میں ہمیشہ مرد رشید رہے ہو جیسا کہ استیعاب میں ذکر کیا گیا ہے حضرت امیر المومنین کا اثر کسی قصہ کی

کتاب میں دیکھا تھا اب معلوم ہوا کہ یہ بات حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی فرمائی ہوئی تھی۔

مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں حضرت مہاجر بن امیہ بن المغیرہ قرشی مخزومی برادر سیدہ ام سلمہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ایک ماں باپ سے تھے۔ ان کا نام ولید تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس نام کو مکروہ جانا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بھائی ولید مہاجر ہو کے آ گئے ہیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ھو المھاجر '' ان کا نام مہاجر ہی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید کا نام بدل دیا ہے پھر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب ان کا نام مہاجر ہی ہے یہ ایک طویل حدیث میں ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہاجر بن امیہ کو حارث بن عبد کلال حمیری شاہ یمن کی طرف بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کندہ اور صدف کے صدقات پر عامل مقرر فرمایا اس کے بعد حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یمن کا حاکم بنایا اور انہوں نے ہی حضرت موت میں بحر کے قلعہ کو جہاں زیادہ لبید انصاری کے ساتھ کافروں کے نرغہ میں آ گئے تھے فتح کیا جیسا کہ استیعاب میں ہے۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کے ساتھ بدر آئے تھے اور وہاں ان کے دو بھائی ہشام اور مسعود مارے گئے تھے۔ کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں بیٹھے رہ گئے تھے اس پر سیدہ ام سلمہ برابر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی معذرت خواہی کرتی رہیں یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما دیا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: انہیں سفراء میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملک عمان کے جلندر کے بیٹے جیفر وعبد کی جانب بھیجا ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ سال ششم میں ارسال رسل کے باب میں صلح حدیبیہ کے بعد گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حالات کاتبوں کے ضمن میں لکھے جا چکے ہیں۔

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں عروہ بن مسعود ثقفی ہیں ان کی کنیت ابو مسعود یا ابو یعفور ہے۔ ثقفی ان کے جد کی نسبت سے ہے جس کا نام ثقیف تھا وہ صلح حدیبیہ میں حالت کفر میں آئے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ھ میں طائف سے واپس ہوئے تو وہ آئے اور اسلام لے آئے ان کے پاس کئی بیبیاں تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار کو روک لو باقی کو طلاق دے دو جب اپنے وطن جانے کی اجازت چاہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان میں ان کے اکابر سے زیادہ محبوب ہوں اور وہ اپنے قبیلہ میں محبوب ومطاع تھے پھر جب وہ لوٹ کے گئے تو اپنی قوم کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا پھر جب فجر کا وقت ہوا تو غرفہ میں کھڑے ہو کر جو کہ ان کے گھر میں تھا نماز کیلئے اذان دی۔ شہادتیں کہہ رہے تھے کہ ثقیف کے کسی نامرد نے تیر مارا ایک روایت میں ہے کہ تیروں کی بوچھار کی اور ایک تیر ان کے لگا وہ شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا ان کی مثال اس صاحب جیسی ہے جس نے اپنی قوم کو خدائے عزوجل کی طرف بلایا اور لوگوں نے ان کو شہید کر دیا جب وہ شہید ہو گئے تو لوگوں نے ان سے کہا تم اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہو انہوں نے کہا یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ایک کرامت ہے جو اس نے اکرام فرمایا اور یہ ایسی شہادت ہے جسے خدا نے میری طرف بھیجا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان پر اظہار افسوس کیا اور حضرت ابن عباس وعکرمہ ومحمد بن کعب اور سدی وقتادہ نے حق تعالیٰ کے ارشاد وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٌ ۔ ''ان کافروں نے کہا یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہ ہوا'' فرمایا قریتین سے مراد مکہ اور طائف ہے البتہ کسی خاص شخص کی تعیین میں اختلاف ہے قتادہ نے کہا کہ مراد عتبہ بن ربیعہ اور عروہ بن

مسعود ہیں بعض نے کہا کہ مکہ کا ولید بن مغیرہ ہے اور طائف کا عبد یا لیل ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ولید بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور اکثر کا یہی قول ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے انبیاء علیہم السلام کو لایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھریرے بدن کا دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ وہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ مشابہ تھے پھر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ تمہارے صاحب کے بہت زیادہ مشابہ تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شباہت و جسامت شریف کو مراد لیا اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی مشابہت میں زیادہ قریب دحیہ کلبی ہیں۔

یہ گیارہ اصحاب ہیں جن کو روضۃ الاحباب میں سفیروں کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعد کہتے ہیں کہ بعض اہل سیر حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو اور بعض نے وترہ بن محصن اور خبیب بن زید بن عاصم کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں کے ضمن میں شمار کیا ہے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں کی تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔

مواہب لدنیہ میں امیر المومنین علی مرتضیٰ' عینیہ بن حصین' بریدہ' عباد بن بشر' رافع بن مکیث' ضحاک بن سفیان' بشیر بن سفیان اور عبداللہ بن نسیر جو مرد آزاد تھے ان حضرات کو بھی شمار کیا ہے۔ ان کے حالات یہ ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے یہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سبا سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کے رہے اور سعید بن العاص بن امیہ کے حلیف بنے اس کے بعد مکہ میں اسلام لائے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی اس کے بعد خیبر میں حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ واپس آئے یہ مشہور واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابتدائے عہد میں اسلام لائے اور اپنے وطن (یمن) کی طرف چلے گئے اور حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ اصابہ میں کہتے ہیں کہ اکثر کا قول یہی ہے اس لئے کہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحٰق اور واقدی نے جو کہ علم سیر کے اکابر میں سے ہیں مہاجرین حبشہ میں ان کا تذکرہ نہیں کیا اس کے بعد وہ اپنے پچاس اشعریوں کے ساتھ فتح خیبر کے بعد مدینہ طیبہ آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ کشتی نے ان کو حبشہ میں جا ڈالا تھا۔ وہاں سے وہ مدینہ طیبہ آئے پھر حبسہ سے ان کا حضرت جعفر کے ساتھ آنا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے بعض حصہ پر مثلاً زبید وعون پر حاکم بنایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر حاکم مقرر فرمایا ان کی معزولی کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ کو ۲۰ھ میں مقرر کیا پھر انہوں نے اہواز اور اصفہان کو فتح کیا۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی ابتدائے خلافت تک بصرہ پر حاکم رہے پھر انہوں نے وہاں سے معزول کر کے کوفہ پر حاکم مقرر فرمایا یہاں وہ برابر حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان شہید ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری قضیہ تحکیم تک وہاں رہے ان کو حضرت علی مرتضیٰ نے معزول کیا اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ منتقل ہو کے آ گئے اور گوشہ نشینی اختیار کی اور کسی فریق سے تعلق نہ رکھا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں ایک قول ہے کہ کوفہ میں ۵۰ھ یا ۴۴ ہجری میں وفات پائی ان کی عمر چھیاسٹھ سال کی ہوئی۔

یہ خفیف الجسم اور پستہ قامت کے تھے جیسے کہ عام طور سے یمنی لوگ ہوتے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین علیہم الرضوان اور حضرت ابن مسعود و ابی بن کعب اور عمار رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کی اولاد موسیٰ' ابراہیم' ابو بردہ اور ان کی بیوی ام عبداللہ اور صحابہ میں سے ابوسعید' انس بن مالک' طارق بن شہاب اور تابعین میں سے سعید بن المسیب' ابوعثمان نہدی اور ابوالاسود وغیرہم رضی اللہ عنہم کبار تابعین نے روایت کی ہے۔

اہل بصرہ میں افقہ اور اقرا تھے۔ شعبی نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر علم کی نہایت ہے ان میں سے ایک حضرت ابوموسیٰ کا ذکر فرمایا ہے۔ بکاری نے بطریق شعبی ان لفظوں سے ذکر کیا کہ ''العلماء ستۃ'' اور مدینی نے کہا کہ قاضی چار ہیں۔ حضرت عمر' ابوموسیٰ' زید بن ثابت اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا میں بصرہ والوں کیلئے حضرت ابوموسیٰ سے بہتر کوئی شخص نہیں آیا۔ یہ حسن صوت کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے والے تھے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے ابوعثمان نہدی نے فرمایا حضرت ابوموسیٰ کے قرآن کی حسن صوت سے بہتر بربط ومزمار کی آواز میں نے نہیں سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت ابوموسیٰ کو دیکھتے تو کہتے اے ابوموسیٰ ہمیں اپنے رب کی یاد دلاؤ مطلب یہ کہ قرآن پڑھو تا کہ خدا یاد آئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ہمیں رب تعالیٰ کے حضور لے کے چلو حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز قرآن کریم کے سننے سے زیادہ خدا کی یاد دلانے والی اور اس کا شوق پیدا کرنے والی نہیں ہے کیونکہ اہل عرب اسے خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔ سنت میں مروی ہے کہ ایک رات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن کریم پڑھ رہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز پر اپنے گوش مبارک رکھے ہوئے تھے۔

جب دن نکلا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوموسیٰ تم قرآن کریم کو خوب پڑھتے ہو میں تمہاری تلاوت کو سن کر محظوظ ہو رہا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا افسوس اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرما رہے ہیں تو میں اور بہتر آراستہ ومزین کر کے پڑھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ ''مسلمانو! اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔'' ایک روایت میں ہے کہ بلحون العرب ما اذن الله بشئی کاذنه لنبی لجهر بالقرآن ایک روایت میں یجهر بالقرآن آیا ہے حدیث میں آیا ہے کہ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ اس مقام کی بحث پہلے باب تمنا میں گزر چکی ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ابوعبدالرحمٰن انصاری خزرجی ہشمی رضی اللہ عنہ علم حلال و حرام میں امام مقدم اور بخیاء واخیار صحابہ میں سے تھے بڑے جوانمرد اور عالی ہمت تھے۔ صحابہ میں بڑے بزرگ اور عزت والے تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے ذکر کے وقت بیساختہ تکبیر وتسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان اللہ کی آواز بلند ہو جاتی ہے اور وہ انصار کے ان ستر افراد میں سے تھے جو عقبہ میں حاضر ہوئے تھے اور اس جماعت میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کو جمع کیا۔ صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اِقْرَاءُ وَالْقُرْآنُ مِنْ اَرْبَعَةٍ تم چار آدمیوں قرآن سے سیکھو ان میں اُن کا بھی ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے درمیان مواخاۃ فرمائی اور کہا گیا ہے کہ اٰخی بَيْنَهٗ وَبَيْنَ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ان کے اور حضرت جعفر کے درمیان بھائی چارہ کیا گیا یوں تو تمام مسلمان ہی ایک دوسرے کے بھائی ہیں لیکن خاص مناسبت اور مخصوص نسبت کی رعایت ملحوظ تھی اور بعض کو بعض کے ساتھ خاص فرما دیا اس کی حکمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب زیادہ جاننے والے ہیں ممکن ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو ان دونوں عزیزوں کا بھائی بنایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف اٹھائیس سال کی عمر میں ہی قاضی ومعلم بنا کے بھیجا تھا اور یمن میں جو عمال مقرر تھے ان سے اموال صدقات کو وصول کر کے ان کو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کا اختیار بخشا۔ ان کی فضیلت میں اتنا ہی کافی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی رائے کو کتاب وسنت کے

مترادف و برابر قرار دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ تم کس چیز سے فیصلہ دو گے عرض کیا اس چیز سے جو کتاب اللہ میں ہے فرمایا اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ اور تم پر ظاہر نہ ہو تو پھر کس سے فیصلہ دو گے عرض کیا میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کروں گا فرمایا اگر سنت رسول میں بھی تم نہ پاؤ تو کس طرح عمل کرو گے؟ عرض کیا اجتہاد کروں گا اور راہ صواب پر پہنچنے کی کوشش کروں گا اور اپنی رائے پر عمل کروں گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکرانہ میں دست مبارک اٹھایا اور فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِهٖ بِمَا یَرْضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یہ ارشاد مبارک امت محمدیہ کے تمام مجتہدوں کیلئے ان کے اجتہاد کیلئے دلیل و حجت ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ان مجتہدین کرام کے امام و مقتدا ہیں اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ امام العلماء بن کے اٹھیں گے اور فرمایا جس وقت علماء اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ان کے آگے ہوں گے اور حق تبارک و تعالیٰ حضرت معاذ پر فرشتوں سے مباہات فرمائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ کی ہر چیز ایمان لائی ہے حتی کہ ان کی مہر یعنی انگشتری تک ایمان لائی ہے یہ ارشاد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جو بھی فتویٰ دیں یا لکھیں اور مہر لگائیں اس کی صحت و صداقت کی طرف اشارہ ہے اور فرمایا: اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو لکھا (جب یہ وہاں بھیجے گئے) میں نے تمہارے پاس اپنے پاس سے بہترین شخص کو بھیجا ہے مسروق سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن مسعود نے پڑھا: اِنَّ مُعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ اس پر فروہ بن نوفل نے جو کہ حاضرین مجلس میں تھے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو فراموش کر گئے ہیں اور بھولے سے یوں پڑھ گئے ہیں اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آیت کو بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے تشبیہ کے طریقہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پڑھا ہے اور ہم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ استیعاب میں یہ حکایت اس طرح منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آیہ کریمہ اِنَّ مَعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پڑھا تو فروہ اشجعی نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن حق تعالیٰ کا ارشاد اس طرح ہے کہ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيْفًا اس پر حضرت ابن مسعود نے اعادہ کیا اور پھر یہی پڑھا کہ ان معاذ کان امة جب میں نے دیکھا کہ دوبارہ پھر یہی پڑھ رہے ہیں تو میں نے جان لیا قصداً پڑھا ہے بھول کر نہیں پڑھا ہے اس پر میں خاموش ہو گیا اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم جانتے ہو کہ امت کون ہے اور قانت کون ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے فرمایا امت وہ ہے جو خیر کی تعلیم کرے اور اس کی پیروی کی جائے اور قانت وہ ہے جو خدا کا مطیع و فرمانبردار ہو یہی حال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ خیر کی تعلیم دیتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اطاعت کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تمہارے لئے ہدیہ حلال ہے اگر کوئی تمہارے پاس ہدیہ بھیجے تو اسے قبول کر لینا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ تمہیں تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے اور تمہارے داہنے اور تمہارے بائیں کو محفوظ رکھے اور فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ میں تمہارے لئے پسند کرتا ہوں کہ نماز کے بعد تین مرتبہ یَا رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ پڑھ لیا کرو۔ ابو نعیم نے حیلہ میں ان کی تعریف میں کہا کہ وہ امام الفقہا اور مخزن العلماء ہیں اور وہ عقبہ بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے وہ انصار کے جوانوں میں حلم و حیا اور سخاوت میں افضل تھے وہ حسین و جمیل، نیک خصائل، پاکیزہ ترین

شخص تھے۔ایک روایت میں ایا ہے کہ وہ گورے اور تابندہ چہرے اور درخشندہ دانتوں والے اور سرگیں چشم تھے۔کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جوان جمیل سخی اور اپنی قوم کے جوانوں میں سب سے بہتر شخص تھے۔انہوں نے خدا سے جو مانگا حق تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا واقدی فرماتے ہیں کہ وہ بہت حسین وجمیل تھے اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے عمرو بن العاص' ابن عمر عبداللہ بن عمرو بن العاص' عبدالالہ بن اوفی' انس ابن مالک' ابوقتادہ انصاری' جابر بن سمرہ وغیرہ صحابہ کرام اور کبار تابعین کی جماعت کثیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل بڑے سخی تھے کچھ بچا کے نہیں رکھتے تھے ہمیشہ قرض دار رہتے تھے یہاں تک کہ ان کا تمام مال قرض میں گھر گیا اس کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قرض خواہوں کو بلا کر ان سے قرض معاف کرنے کیلئے فرمایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اگر وہ قرض خواہ کسی کی وجہ سے کسی کیلئے قرض معاف کرتے تو وہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیتے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں واپس آئے اس کے بعد وہ شام کی جانب چلے گئے۔حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام جارہے تھے کہ ان کو جانے سے روکیونکہ اہل مدینہ ان کی فقہ اور ان کے فتوے کے ضرورت مند ہیں اس میں خلل واقع ہوگا لہٰذا ان کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو روک لیا جائے مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ میں کس طرح ایسے شخص کو روک سکتا ہوں جو درجہ شہادت کا خواستگار ہے اس پر میں نے کہا خدا کی قسم آدمی کو اس حال میں بھی کہ وہ اپنے گھر بستر پر پڑا ہو شہادت کا ثواب دیا جاتا ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام پر حاکم مقرر فرمایا پھر وہ بھی اسی سال اردن میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ یا ۱۷ھ میں فوت ہو گئے اس وقت ان کی عمر شریف پینتیس یا چونتیس یا اڑتالیس سال کی تھی (عمواس ایک قریہ ہے جو املہ اور بیت المقدس کے درمیان ہے) ان کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو عامل بنایا جب لوگوں میں طاعون کی بیماری پھیلی تو عمرو بن العاص کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے کہا اس جگہ سے چلے جاؤ کیونکہ یہ آگ کے حکم میں ہے۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل نے فرمایا تم عجب نادان ہو اور تم اور تمہارے لوگ گدھے سے زیادہ بے وقوف ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ یہ امت کیلئے رحمت ہے اے خدا معاذ رضی اللہ عنہ کو اور معاذ رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو ان میں سے یاد فرما جن کو تو نے اس رحمت میں یاد کیا ہے مروی ہے کہ جب طاعون کی بیماری پھیلی تو عرض کیا خداوند یہ تیری جانب سے تیرے بندوں پر رحمت ہے خداوند معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کے گھر والوں کو اس کے حق سے محروم نہ فرما اور جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر طاعون کا حملہ ہوا تو اپنی وفات کے وقت کہا اِخْنِقْ خَلْقِيْ گلے کو سختی کے ساتھ گھونٹ جیسا کہ تو چاہتا ہے وَعِزَّتِكَ لَتَعْلَمُ اَنِّيْ اُحِبُّكَ قسم ہے تیرے عزت وجلال کی یقیناً تو جانتا ہے کہ میں تجھے محبوب رکھتا ہوں۔(كَمَا قال و اللّٰهُ اعلم)

منقول ہے کہ ایک عورت تھی اس کا شوہر دو سال سے غائب تھا جب شوہر واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا اس پر اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔انہوں نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق اعظم سے فرمایا اگر تمہیں سربراہی حاصل ہے تو وہ عورت کی ذات پر ہے اور جو بچہ اس کے پیٹ میں ہے اس پر تمہیں کوئی ولایت حاصل نہیں اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا بچہ کی پیدائش تک قید میں رکھو اس کے بعد عورت نے دو سالہ بچا جنا جب اس بچے کو اس کے باپ نے دیکھا تو اس نے بچہ میں اپنی شباہت پہچان لی اور کہنے لگا اِبْنِيْ وَ رَبِّ

الْکَعْبَۃِ یعنی میرا بیٹا ہے' میرا بیٹا ہے رب کعبہ کی قسم جب یہ خبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر وہ عورت اپنے شوہر کی مانند بچہ نہ جنتی تو وہ عاجز رہتی اور اگر معاذ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کی وفات کا وقت قریب آیا تو جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے رونے لگے انہوں نے فرمایا تم کو کس بات نے رلایا لوگوں نے کہا ہم آپ کے علم پر روتے ہیں جو تمہاری موت کے ذریعہ منقطع ہو جائے گا آپ نے فرمایا علم وایمان اپنی جگہ ہے یہاں تک کہ روز قیامت تک رہے گا جو علم وایمان کی پیروی کے خواستگار ہیں وہ کتاب و سنت میں تلاش کریں اور اپنی ہر بات کو کتاب پر پرکھیں اور کتاب کو اپنی کسی بات پر پیش نہ کریں اور علم کو حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے حاصل کرو اگر تم ان کو نہ پاؤ تو ان چار شخصوں سے علم حاصل کرو۔ عویمر' ابن مسعود' سلمان الخیر اور ابن سلام سے جو پہلے یہودی تھے پھر اسلام لائے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا عبداللہ بن سلام جنت میں داخل ہونے والے دس میں سے دسویں ہیں اور فرمایا عالم کو ذلیل ورسوا کرنے سے اجتناب کرو اور حق کی حفاظت کرو ہر شخص اس پر عمل کرے اور باطل کو دور کرے اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ کا ئنامن کان جیسا ہونا چاہئے ایسا ہوگا۔

حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بنی کلاب کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے اموال کو ان پر تقسیم کردیں اور کچھ بچا کے نہ رکھیں تو وہ تمام مال تقسیم کرنے کے بعد اپنی اسی کملی کے ساتھ واپس آگئے جو وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے یہ ان کے کندھوں پر پڑی ہوئی تھی اس پر ان کی بیوی نے ان سے کہا تم ایسی جگہ سے آرہے ہو جہاں عمال اپنے بیوی بچوں کیلئے بہت کچھ مال لے کر آتے ہیں تم کیا لائے ہو حضرت معاذ نے فرمایا مجھ پر حضرت عمر کی جانب سے ایک نگہبان مقرر تھا بیوی نے کہا تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امین تھے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تم پر نگہبان مقرر کرتے ہیں اس کے بعد ان کی بیوی دوسری عورتوں میں گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی جب یہ خبر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے حضرت معاذ کو بلایا اور فرمایا اے معاذ! میں نے تم پر کون سا نگہبان مقرر کیا تھا حضرت معاذ نے کہا اے امیر المومنین میں اپنی بیوی سے کوئی ایسا عذر نہ پاتا تھا بجز اس بات کے کہنے کے تو میں نے یہ کہہ کر اپنا عذر بیان کردیا اور یہ بات میں نے بطریق رمز وکنایہ کہی ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسے اور کچھ مال دیا اور کہا کہ جاؤ اس سے اپنی بیوی کو راضی کردو۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ کا نگہبان کہنے سے مطلب اپنے رب تبارک وتعالیٰ کا علم تھا ان کے بہت زیادہ مناقب ہیں جو بیان کئے گئے ہیں وہ بارگاہ رب العزت کے مقرب اور خاص بندوں میں سے تھے۔

دبرہ بن محصن: ان کا نام دبرہ بن محصن ہے اور لوگ ابن محصن کہتے ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ ان دبرہ کو براء بن مسہر حنفی کہا جاتا ہے انہیں صحبت حاصل ہے مسیلمہ کذاب نے ان کو اس جماعت کے ساتھ جس میں ابن النواحہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو جو ان میں سے اسلام لائے وہ دبرہ بن محصن تھے۔ محصن خزاعی کہتے ہیں کہ ان کو صحبت حاصل ہے اور یہ وہی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیروز دیلمی اور حشیش دیلمی کے پاس یمن بھیجا کہ وہ اسود عنسی کو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے قتل کردیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسود ومسیلمہ کو اور طلیحہ کو قاصدوں سے قتل کرایا ہے اور ان کو کسی چیز نے جو راہ خدا میں اور دین کی نفرت کے قائم کرنے کی وجہ میں تھا باز نہ رکھا لہٰذا استیعاب کی عبارت سے دبرہ بن محصن یا ابن

محصن کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ دبرہ ابن مسہر حنفی بھی کوئی شخص تھا جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی۔ اصابہ میں پہلے دبر بن مسہر حنفی بیان کیا اس کے بعد دبر بن محصن کلبی لائے ہیں اور دونوں کیلئے صحبت کا اثبات کیا ہے اور براء بن محصن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم صنعا پہنچو تو پہاڑ کے مقابل صنعا میں ایک مسجد ہے اس میں نماز پڑھنا جب اسود کذاب قتل کر دیا گیا تو براء نے کہا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا مجھے حکم فرمایا ہے اور دبر ابن مسہر کے ذکر میں ہے کہ مسیلمہ کذاب نے ان کو ابن نواحہ اور ابن معان حنفی کے ساتھ بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا آنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا اور مسیلمہ کے کذب کا اقرار کرنا بھی بیان کیا ہے۔

خبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ: خبیب بن زید بن عاصم انصاری' مازنی' بخاری برادر عبداللہ بن بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔ بدر واحد اور خندق میں حاضر ہوئے اور ابن اسحٰق نے انہیں عقبہ کے حاضرین میں شمار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسیلمہ کذاب کی طرف یمامہ بھیجا اور جب مسیلمہ کذاب ان سے یہ کہتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد خدا کے رسول ہیں؟ تو وہ کہتے ہاں میں گواہی دیتا ہوں اور جب وہ کہتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ تو وہ کہتے میں بہرہ ہوں کچھ نہیں سنتا اسی طرح کئی مرتبہ اس ملعون نے کہا بالآخر مسیلمہ لعنۃ اللہ علیہ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور وہ شہید ہو کے فوت ہوئے جب روز یمامہ ہوا تو ان کے بھائی عبداللہ بن زید میدان جنگ میں نکلے انکی والدہ نے نذر مانی تھی کہ جب تک مسیلمہ مارا نہ جائے گا غسل نہ دیں گی یہ اسماء روضۃ الاحباب میں بیان کئے گئے ہیں جو تمام ہوئے کچھ اور نام بھی ہیں جن کو مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے ہم ان کو بھی بیان کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ: ایک عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ہیں جن کو بنی سلیم دانیہ کی جانب بھیجا گیا۔ عباد بفتح عین وتشدید با اور بشر بکسر باو سکون شین ہے۔ یہ انصاری اشہلی ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر حضرت سعد بن معاذ سے پہلے اسلام لائے بدر واحد اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے اور آپ کی پاسبانی بھی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو پاسبان بارگاہِ رسالت میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (جیسا کہ مذکور ہوا)

بریدہ رضی اللہ عنہ: ایک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کو حضرت کعب بن مالک کے ساتھ قبیلہ غفار واسلم کی طرف بھیجا۔ بارگاہِ رسالت کے کاتبوں میں تذکرہ گزر چکا ہے۔

رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ: ایک رافع بن مکیث (بفتح میم وکسر کاف وسکون یا) جہنی ہیں۔ بیعت رضوان میں حاضر ہوئے اور یہ ان میں سے ہیں جو قبیلہ جہنیہ کے علم روز فتح مکہ اٹھائے ہوئے تھے اور قبیلہ جہنیہ پر ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصولی صدقات کیلئے عامل بنایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جابیہ میں حاضر ہوئے ابوداؤد میں ان کی ایک حدیث ہے جو کہ ان کے فرزند حارث بن رافع کی سند سے حسن ملکہ میں ہے۔ اسی طرح اصابہ میں مذکور ہے اور استیعاب میں ہے کہ رافع بن مکیث جہنی برادر جندب بن کیث ہیں۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ آگ برآمد ہوگی جو لوگوں کو محشر کی طرف گھیر کر لے جائے گی ان سے ان کے بیٹے بشر بن رافع رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ: ایک ضحاک بن سفیان بن عرف بن ابی بکر بن کلاب الکلابی ہیں۔ ابوسعید ان کی کنیت ہے۔ ابن حبان اور ابن السکن نے کہا ان کو صحبت حاصل ہے ابوعبید نے کہا کہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے ان

کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم تیار کیا تھا۔ واقدی نے کہا کہ وہ اپنی قوم بنی کلاب کے صدقات پر عامل تھے اور قریش پر ان کو حاکم بنایا تھا وہ اہل مدینہ میں شمار کئے گئے ہیں اور ان کو شجاعوں میں شمار کیا جاتا تھا تنہا ان کو سو جوانمردوں کے مقابل سمجھا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لشکر کے پاس بھیجا اور انکی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کا وارث بنائیں کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں غلطی وخطا سے قتل ہوئے تھے اور ضحاک رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی کی طرف سے ان کے شوہر کی دیت دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی دی اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا اور یہ حدیث مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔ حضرت حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ وہ بڑے جواں مرد تھے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے اپنی تلوار حمائل کئے کھڑے ہوتے تھے اسی لحاظ سے اگر ان کو پاسبانوں کے زمرہ میں بیان کیا جاتا تو بھی مناسب ہوتا۔

بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ: ایک اور بشری بن سفیان کعبی ہیں اور ان کو عدوی کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی کعب پر بھیجا۔

عبداللہ بن لبیہ رضی اللہ عنہ: ایک اور عبداللہ بن لبیہ بفتح لام اور بضم لام بھی آیا ہے اور یا کا فتح اور سکون بھی کہا گیا ہے اور با کا زیر اور تشدید تا ہے اگر ضمہ وسکون سے ہے تو منسوب بہ بنی لتب ہے جو کہ معروف ہے اور اتبیہ ہمزہ بجائے لام بھی کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابی حمید ساعدی سے مروی ہے کہ وہ ازد قبیلہ کے ایک شخص تھے جن کو ابن لتبیہ کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی دتیان (بضم دال وسکون تا یائے تحتانیہ کے ساتھ) کے صدقات پر عامل بنایا اس جگہ لوگوں نے ان کیلئے ہدایا وتحائف بھیجے تھے جب وہاں سے (جہاں گئے تھے) لوٹ کے آئے تو مسلمانوں سے کہا یہ مال یعنی اموال صدقہ تمہارے لئے ہے جس کو میں تمہارے لئے لایا ہوں اور یہ میرے لئے ہے یعنی لوگوں نے ہدایا وتحائف میں مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دیانت سے کام لیا اور اپنے گھر نہیں لے گئے اور صحابہ سے کہا کہ جب یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جائے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا تجویز فرمائیں گے میں اسی پر عمل کروں گا چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور حمد وثنائے باری تعالیٰ بجالائے اور فرمایا میں تم میں سے کسی کو کسی ایسے کام کی بجا آوری کیلئے بھیجتا ہوں جس کی ولایت حق تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے پھر تم میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے لئے ہے اور یہ پیشکش ہے جو میرے لئے بھیجی گئی ہے وہ شخص اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا تاکہ دیکھا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اس کیلئے پیشکش بھیجی جاتی ہے؟ مطلب یہ کہ یہ ہدیئے یہ پیشکش جو اسے بھیجے گئے ہیں اسی عمل کے ذریعے اور وسیلہ سے ہے جس پر وہ عامل کیا گیا تھا لہٰذا یہ ہدیئے بھی اسی کے حکم میں ہیں اس کے بعد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس مال زکوٰۃ میں سے کوئی چیز نہ لے ورنہ قیامت کے دن اپنی گردن پہ اٹھا کر اس حال میں لائے گا کہ وہ چیز آواز دیتی اور فریاد کرتی ہوگی۔ خواہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو اتنا بلند کیا کہ ہم نے آپ کی بغل شریف کی سفیدی دیکھ لی فرمایا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ "اے خدا کیا میں نے پہنچا دیا"۔ اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔

عیینہ بن حصین فزاری: ایک عیینہ بن حصین فزاری ہیں جن کو بنی تمیم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا یہ عیینہ بن حصین عرب کے بدمزاج اور درشت خو لوگوں میں سے ہیں یہ مؤلفتہ القلوب میں سے تھے (واللہ اعلم) ان کا اسلام نیک ہوا ان کا تذکرہ متعدد جگہوں پر کیا جا چکا ہے جو کہ ان کی خشونت‘ غفلت اور بدمزاجی پر دلالت کرتا ہے اکثر بنی تمیم کا ایسا ہی حال تھا غرض کہ جب بشر بن سفیان کعبی کو بنی کعب پر ان کے صدقات کی وصولی کیلئے بھیجا گیا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور بنی کعب کو حکم دیا کہ اپنے صدقات کے مویشی

کو جمع کر کے لائیں تو وہ مویشی اور اموال زکوٰۃ کے لائے اور انہوں نے ان کو لے لیا۔ بنی تمیم کو اپنی ذاتی خست و بخل کی بنا پر یہ مال بہت معلوم ہوا اور وہ بنی کعب سے کہنے لگے اتنا زیادہ مال اپنے سے کیوں جدا کرتے اور باہر نکالتے ہو بنو کعب نے کہا ہم دین اسلام کے تابع اور فرمانبردار ہیں اور دین میں زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔ تمیمیوں نے کہا خدا کی قسم ہم ایک اونٹ بھی یہاں سے جانے نہ دیں گے اور ہتھیار باندھ کر آمادہ پیکار ہو گئے۔ بشر بن سفیان نے راہ فرار اختیار کرنے کو بہتر سمجھا اور وہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے جب یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو چاہا کہ بنو تمیم پر لشکر بھیجیں فرمایا کون ہے جو ان کے یہاں جائے اور ان سے سرکشی کا بدلہ لے۔ عیینہ بن حصین جو بنی تمیم سے عداوت اور دشمنی رکھتے تھے عرض کرنے لگے یہ کام میں کروں گا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر و انصار کے پچاس سوار ان کے ہمراہ کر کے بنو تمیم پر بھیجا۔ انہوں نے ان پر حملہ کیا اور تاخت و تاراج کر دیا۔ ان کی عورتوں بچوں کو قید کر کے لے آئے اس کے بعد بنو تمیم روتے پیٹتے فریاد کرتے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہمیں کیوں لٹواتے پٹواتے اور ہمارے بال بچوں کو قید کراتے ہیں پھر وہ بہت جھگڑے اور مفاخرت کرنے لگے یہ قصہ بہت طویل ہے جو سال نہم کے ابتدائی واقعات میں بیان ہو چکا ہے یہ چند اشخاص تھے جن کو مواہب نے قاصدوں میں شمار کیا ہے لیکن مخفی نہ رہنا چاہئے کہ ان اشخاص کو قاصدوں کے زمرہ میں داخل کرنا موزوں و مناسب نہیں ہے ان کو عمال کے زمرہ میں داخل کرنا چاہئے تھا۔

باب نہم

درذکرِعمالِ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

قبائل سے اموال صدقات کو وصول کرنے والے چند افراد تھے جن کے اسماء یہ ہیں

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ: ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ابومحمد قرشی زہری رضی اللہ عنہ ہیں جو بنی کلب کے صدقات پر عامل تھے یہ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدعمرو تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا ان کی والدہ شفا بنت عبدعوف بن حارث بن زہرہ ہے اور وہ ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر قدیم زمانہ میں اسلام لائے اور حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔روز احد ثابت قدم رہے اور غزوہ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اس کا قصہ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضور صحرا میں تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ پیچھے آ جائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی جگہ رہنے کا اشارہ فرمایا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت ان کے ساتھ گزاری اور بعد کو مسبوق کی مانند اپنی نماز مکمل فرمائی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اغنیا صحابہ میں سے تھے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی اور ان کو یہ تونگری اور ساری خیر و برکت مدینہ طیبہ میں تجارت کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے وہ انصاری بھائی جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم فرمائی تھی انہوں نے ان سے کہا میری دو بیویاں اور بہت سے باغات ہیں۔ان میں سے ایک بیوی کو تمہارے۔لئے طلاق دیتا ہوں اور تمام باغات میرے اور تمہارے درمیان مشترک رہیں گے۔حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بیویوں میں برکت دے اور تمہارے اموال کو اور زیادہ کرے۔مجھے تم صرف بازار کی راہ بتادو اور کسی چیز کی مجھے حاجت نہیں ہے پھر وہ بازار گئے اور خرید و فروخت شروع کردی ان کے کام میں اتنی کشائش وفراخی ہوئی اور تونگری کے حدود میں داخل ہوئے کہ کوئی حدوشمار نہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کی چار بیویاں تھیں ان عورتوں کی چوتھائی مال پر صلح کی گئی چونکہ ان کا حصہ میراث سے چوتھائی تھا ہر ایک کو اَسّی ہزار درہم پہنچے تھے بعض کہتے ہیں کہ اسی ہزار دینار تھے (واللہ اعلم) اہل بدر کے سو اصحاب کیلئے وصیت کی تھی اور ہر ایک کو چار چار سو دینار دیئے گئے۔ایک مرتبہ چار ہزار دینار انہوں نے صدقہ کئے۔دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چالیس ہزار صدقہ کئے اور راہ خدا میں پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو راحلہ پر سوار کئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ امہات المومنین کی کفالت کرتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس معنی کا اشارہ بھی پایا گیا ہے۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فرزند سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے والد کو سلسال جنت سے سیراب کرے وہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی کفالت کرتے ہیں سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا میں عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت میں گھٹنے کے بل چلتا دیکھ رہا ہوں پھر انہوں نے اس نعمت کا شکرانہ میں اس تمام قافلہ کو صدقہ کر دیا جو شام سے آ رہا تھا۔

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تھیں اچانک انہوں نے ایک ایسی آواز سنی جس سے مدینہ دہل گیا اور لرز گیا اس پر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یہ کیسا شور و غوغا ہے لوگوں نے کہا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا ایک قافلہ شام سے آیا ہوا ہے اس میں سات سو اونٹ تھے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خبردار ہو جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت میں بچوں کی طرح گھٹنے کے بل چلتے دیکھ رہا ہوں جب حضرت عبدالرحمٰن کو یہ حدیث پہنچی تو وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ مجھے ایسی حدیث پہنچی ہے پھر انہوں نے حدیث بیان کی اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میرے تمام اونٹ مع اپنے ساز و سامان کجاوے اور چادروں کے راہ خدا میں صدقہ ہیں۔ (رواہ احمد، ابونعیم)

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے ابن عوف تم تونگروں میں سے ہو اور تم جنت میں اس طرح داخل ہو گے جس طرح بچے گھٹنوں کے بل چلتے ہیں تم قرض دو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے پاؤں کو کشادہ فرمائے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز قرض میں دوں فرمایا جو مال تم کماتے ہو اس سے الگ ہو جاؤ عرض کیا تمام مال سے فرمایا ہاں تم مال سے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تکمیل کے ارادہ سے باہر نکلے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ان کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ جبریل علیہ السلام نے آکے بتایا ہے کہ ابن عوف کو حکم فرماؤ کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور سائلو کو دو ان کی ابتدا اپنے اہل و عیال سے کرو جب وہ اس پر عمل کریں گے تو جو بات انہیں ہے اس کے ازالہ کا موجب بن جائے گی اسے ابن عدی اور ابن عساکر نے بیان کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رضی اللہ عنہ بنت عتبہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا کہ سید المسلمین یعنی عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح کر دو ابونعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو حواری النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا اور وہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے وہ دراز قد باریک چہرہ رنگت گوری و مائل بہ سرخی اور گداز ہتھیلیوں کے تھے ان کے پاؤں میں لنگ ہو گیا تھا کیونکہ غزوہ احد میں ان کو بیس سے زیادہ زخم لگے تھے اور کچھ زخم ان کے پاؤں میں بھی لگے تھے جس کی وجہ سے یہ لنگ ہو گیا تھا۔ غزوہ اُحد میں ان کے ساتھ فرشتہ بھی جنگ میں مدد کر رہے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں جو کچھ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اس کا فتویٰ دیتے تھے ان کے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے درمیان بتقاضائے بشریت کچھ واقع ہو گیا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے خالد اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کی برابر سونا ہو اور اسے ایک ایک قیراط کر کے راہِ خدا میں خرچ کرو تو وہ عبدالرحمٰن کے ایک دن رات کی برابر نہیں ہو گا جو انہوں نے راہ خدا میں گزاری ہے۔ ابن عساکر نے اسے روایت کیا ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت ابن عباس اور ان کے فرزند ابراہیم حمید و مصعب و ابوسلمہ نے روایت کیا ہے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ائمہ دین اور کبار اعلام میں سے ہیں۔ ان کے بھانجے مسور بن مخرمہ وغیرہ نے ہی روایت کی ہے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کی عمر شریف بہتر یا پچھتر یا اٹھتر سال کی ہوئی۔

منقول ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ علیل ہوئے تو اپنے بعد خلافت کیلئے ان کا نام لکھا اس پر حضرت عبد

الرحمٰن نے دعا مانگی کہ خداوند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے مجھے موت دے دے چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چھ ماہ قبل فوت ہو گئے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی رحلت کے وقت فرمایا: ذَهَبَ ابْنُ عَوْفٍ فَقَدْ اَدْرَكْتَ صَفْوَهَا وَسَبَقْتَ لَهٗ رَهَقَا اے كَدَرَهَا یعنی ابن عوف رخصت ہو گئے جو کہ بلاشبہ پاک وصاف تھے اور اپنی تلچھٹ اور بچا کھچا لوگوں کو چھوڑ گئے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ مرض موت نے ان کو بے ہوش کر دیا جب ہوش آیا تو فرمایا میرے پاس دو فرشتے سخت وخشن آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا آؤ تاکہ تمہارا محاکمہ عزیز وامین کے پاس لے جائیں پھر ان سے ایک اور فرشتہ ملا اس نے ان سے کہا اسے کہاں لئے جاتے ہو انہوں نے کہا ہم اس کا محاکمہ کریں گے۔ اس پر اس فرشتہ نے ان دونوں فرشتوں سے کہا جو لے جانا چاہتے تھے اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ ان میں سے ہیں جن کی سعادت مندی اس وقت ہی لکھ دی گئی تھی جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ اسے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اسلام لانے کا قصہ جیسا کہ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے والد ماجد سے بیان کیا ہے یہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک سال قبل یمن کی جانب سفر کر رہا تھا میں عکان بن عوام حمیری کے پاس ٹھہرا وہ ایک سن رسیدہ شخص تھے ان کی عمر بہت طویل تھی یہاں تک کہ چوزہ کی مانند اس کی کمر کبڑی ہو گئی تھی اور میں ہمیشہ یمن میں اسی کے پاس ٹھہرا کرتا تھا تو وہ مجھ سے ہمیشہ مکہ کے حالات پوچھا کرتے تھے اور استفسار کرتے کہ کیا وہ ہستی مقدس تم میں ظاہر ہو گئی ہے اور تم میں اس کا چرچا شروع ہو گیا ہے؟ کیا تم میں سے کسی نے تمہارے دین کی مخالفت میں اپنا دین حق ظاہر کیا ہے؟ میں کہتا ابھی تک ان کا ظہور نہیں ہوا ہے اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ظہور ہوا اور میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کیا تمہیں ایسی خوشخبری سناؤں جو تمہاری تجارت سے زیادہ بہتر ہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث فرمایا ہے اور اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں بت پرستی کی ممانعت ہے اور اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور وہ نبی مکرم حق کا حکم دیتا ہے اور اس کا اثبات کرتا ہے اور باطل سے منع فرماتا ہے اور اس کا ابطال کرتا ہے وہ بنی ہاشم میں سے ہے اور تم ان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اے عبدالرحمٰن اس بات کو گرہ میں باندھ لے اور ان کے پاس پہنچنے میں جلدی کر اور ان کی تقویت کر اور ان کی تصدیق بجالا اور یہ اشعار میری طرف سے ان کی بارگاہ میں پیش کر دے۔ ابیات

اشهد باللّٰه ذی العالی دفالق اللیل والصباح
انك فی الیسر من القریش یا ابن المسعدی من الذباح
ارسلت مدعوا الٰی یقین ترشد للحق والفلاح
یذکر والسنن رکبی عن بکرة السیر و السرواح
نصرت جلساء الارض بیتی قد قص من فوقی جناحی
اذ نادی بالدیار بعد فانت حرزی و مستراحی
اشهد باللّٰه رب موسٰی انك ارسلت بالبطاح
فکن شفیعی الی ملیك یدعو البرایا الی الفلاح

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان اشعار کو یاد کرلیا اور واپس مکہ مکرمہ لوٹ آیا اس کے بعد میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور سارا حال ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا یہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو حق تعالیٰ نے ساری خلق کی طرف مبعوث فرمایا ہے تو آؤ ان کے حضور حاضر ہوں پھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے گھر تشریف فرما تھے میں نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو تبسم کے ساتھ فرمایا میں تمہارا چہرہ ہشاش بشاش دیکھ رہا ہوں اور اس سے بھلائی کی توقع رکھتا ہوں بتاؤ اے ابو محمد! کیا خبر لائے ہو میں نے عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس خبر کے بارے میں استفسار فرما رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایک امانت لے کے آئے ہو جس کو لے کر تمہیں میری طرف بھیجا گیا ہے تو وہ امانت پہنچاؤ اور بیان کرو اور آگاہ و خبردار ہو جاؤ کہ ابنائے حمیر' خواص مومنین میں سے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اسلام لے آیا اور میں نے شہادت دی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پھر ان اشعار کو سنایا جو کہ اس حمیری شخص نے کہے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے ہی خوش نصیب لوگ ہیں جو بغیر مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لائے اور بغیر حاضر ہوئے میری تصدیق کی یہ لوگ میرے بھائی ہیں اسے ابن عساکر نے بیان کیا ہے اور اس حدیث کے الفاظ کو حافظ امام سیوطیؒ ''جمع الجوامع'' میں لائے ہیں۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ: ایک عامل عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی ہیں جو کہ قبیلہ بنی طے سے ہیں ان کو اپنے قبیلہ پر عامل بنا کر بھیجا یہ جواد بن جواد تھے۔ ان کی کنیت ابوالظریف ہے پہلے نصرانی تھے پھر اسلام لائے اور وہ اپنی قوم میں عزیز' شریف' فاضل' کریم' خطیب اور حاضر الجواب تھے۔ ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ جب میں اسلام لایا ہوں کوئی نماز کا وقت ایسا نہیں آیا جس کا یہ مشتاق نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں وضو کے ساتھ ہوتا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ردت کے زمانہ میں اپنی قوم کے صدقات کو لے کر آئے وہ خود بھی اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کو بھی ثابت قدم رکھا اور اسلام سے برگشتگی سے روکا۔ وہ عراق کی فتوحات میں حاضر ہوئے اس کے بعد کوفہ میں رہنے لگے اور جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئے اس جنگ میں ان کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی۔ جنگ صفین و نہروان میں بھی حاضر ہوئے۔

عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں جب بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے جگہ میں وسعت و کشادگی فرمائی اور مجھے بٹھانے کیلئے جنبش فرمائی ایک روز کا شانہ اقدس میں جلوہ افروز تھے اور وہ صحابہ کرام سے بھرا ہوا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے وسعت فرمائی اور مجھے اپنے پہلوئے مبارک میں بٹھایا۔

شعبی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی قوم کی جماعت میں آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور شخص کی طرف توجہ فرمائی اور میری طرف رخ نہ فرمایا اس پر میں ان کے سامنے ہوا اور عرض کیا آپ نے مجھے پہچانا ہے؟ فرمایا ہاں تم اس وقت ایمان لائے جبکہ لوگ کافر تھے اور تم نے حق کو اس وقت پہچانا جبکہ لوگ حق سے ناآشنا تھے اور تم نے اس وقت وفا کی ہے جبکہ لوگوں نے بے وفائی دکھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلا صدقہ جو صحابہ کرام کو پہنچا وہ طی کا صدقہ تھا۔ حضرت عدی بن حاتم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے اہل بصرہ و کوفہ کی جماعت کثیرہ نے مثلاً ہمام بن الحارث' عامر شعبی' ابواسحٰق ہمدانی' خثیمہ بن عبدالرحمٰن وغیرہم نے روایت کی ہے اور ان کی اکثر روایتیں شکار کے بارے میں ہیں کیونکہ وہ بہت زیادہ شکار کیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکار میں ان کی مشایعت میں وادی عقیق تک تشریف لے جایا کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے سو درہم مانگے انہوں نے فرمایا میں حاتم کا بیٹا ہوں مجھ سے سو درہم مانگتے ہو خدا کی قسم میں تمہیں نہ دوں گا۔ منقول ہے کہ ایک شاعر نے ان کی مدح کرنی چاہی آپ نے فرمایا ٹھہرو پہلے میں دیکھ لوں کہ میرے گھر میں کیا ہے تا کہ اس کے مطابق میری مدح کرو آپ اندر گئے اور گھر میں جس قدر نقد وجنس اور غلام وگھوڑے تھے لائے اور سب اسے دے دیئے بقیہ احوال ملاقات اور قصہ اسلام وغیرہ کا تذکرہ (وفود کے بیان میں) وفد بنی طے میں گزر چکا ہے۔

عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ: ایک عامل عیینہ بن حصین بن فرازہ بفتح فاوزا ہیں ان کا تذکرہ نویں سال کے واقعات کی ابتدا میں گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شروع ماہ محرم ۹ ھ میں ان قبائل کی جانب عمال مقرر فرمائے جو اسلام لے آئے تھے تا کہ یہ ان سے ان کے اموال کا صدقہ وصول کر کے لائیں۔ ایک انمیں سے بشر بن سفیان کعبی تھے جن کو بنی کعب کی شاخ خزاعہ کی جانب بھیجا تھا جس وقت بشر بنی کعب کی زکوٰۃ وصدقات کو جمع کر کے لانے لگے تو بنی تمیم نے اپنی وفاءت وخساست اور بقیہ جہالت و جفا اور شدت وقساوت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر ان اموال کو لے جانے سے روکا تھا اس کا پورا ذکر بیان کیا جا چکا ہے۔ تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت بشر بن سفیان کو ان عاملوں کے ضمن میں بیان نہیں کیا ممکن ہے کہ اس بنا پر بیان نہ کیا ہو کہ وہ گئے بھی مگر بغیر کام کئے بھاگ آئے تھے اور وہ کرتے بھی کیا جبکہ وہ تنہا تھے اور لشکر ساتھ نہ تھا اور حضرت عیینہ بن حصین کے ساتھ لشکر تھا اسی بنا پر اس لشکر کا نام سریۂ عیینہ بن حصین ہوا مع ہذا چند ایسے عاملوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے حالات میں انہوں نے کچھ بیان کیا میں ان لوگوں کے حالات کو تلاش کر کے اس جگہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہوں۔

ایاس بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ: ایک ایاس بن قیس اسدی ہیں جن کو بنی اسد پر بھیجا گیا تھا یہ نام ان سیر کی کتابوں میں میں نے نہیں پایا۔ (واللہ اعلم)

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ: ایک ولید بن عقبہ بن اُبی ابی معیط ہیں جن کو بنی المصطلق پر بھیجا گیا تھا یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بھائی ہیں ان کی کنیت ابو ذہب ہے وہ اور ان کے بھائی خالد بن عقبہ اسلام لائے۔ استیعاب میں اتنا ہی مذکور ہے۔ اصابہ میں عمارہ بن عقبہ کہا گیا ہے۔ ان کو بنی المصطلق پر بھیجنے کا تذکرہ بیان کیا جا چکا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ان کو بنی المصطلق پر ان کے صدقات کی وصولیابی کیلئے بھیجا گیا تو وہ ان کے پاس ہتھیار باندھ کر گئے تو ان کے دل میں ان کی طرف سے خوف بیٹھا ہوا تھا وہ لوٹ آئے اور خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور صدقہ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خبر لائے کہ وہ لوگ اسلام پر مستقیم ہیں اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی نامعتبر شخص خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو اس لئے وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پناہ میں آ گئے جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا جو کہ زمانہ فاروقی سے والی کوفہ تھے۔ یہ بات صحابہ کرام پر گراں گزری جب ولید کوفہ میں پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم ہمارے بعد یہاں کیسے حاکم وعامل رہو گے یا میں تمہارے بعد احمق و نادان رہوں گا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو اسحٰق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ایسا نہ کہیئے اور خود کو اس طرح مخاطب نہ کیجئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ابو اسحٰق' حضرت سعد بن ابی وقاص کی کنیت تھی ملک و دولت صبح کسی کے ساتھ ہے اور شام کسی کے ساتھ کرتی ہے اور فرمایا خدا کی قسم تم بہت جلد خلافت کو ملوکیت کی جانب پلٹ دو گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ

جب ولید رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد نیکو کار رہو گے یا لوگ تمہیں خراب کر دیں گے۔
استیعاب اور اصابہ میں منقول ہے کہ ولید بن عقبہ شاعر فصیح، سخی، کریم، حلیم اور مروان قریش میں سے شجاع شخص تھا۔ یہ ان کے لشکروں میں سے تھا لیکن اس کی بدحالی اور افعال کی برائی میں خبریں بہت مروی و مشہور ہیں اور اس کا شراب پینا تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے شراب خوری کی حد اس پر نافذ کی ہے اور اسے معزول کر دیا ہے۔
صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر حد جاری کر دو۔
استیعاب میں ابن شوذب سے منقول ہے کہ ولید نے صبح کی نماز قوم کو چار رکعت پڑھائی اس کے بعد قوم کی طرف منہ پھیر کے کہا اور زیادہ پڑھاؤں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آج سے ہمیشہ ہی تمہاری طرف سے زیادتی میں ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ بعض اہل کوفہ نے ولید کے ناحق ہونے کی گواہی دی ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس بارے میں جتنی بھی خبریں لائی گئی ہیں وہ سب منکر ہیں۔ (واللہ اعلم)

حارث بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ: ایک عامل حارث بن عوف مزنی ہیں۔ عہد جاہلیت کے فرسان سے بنی مرہ پر بھیجا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان پر ان کی قوم کا خون باقی رہ گیا تھا اسلام نے ان کو چھٹکارا دلوایا۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیٹی کا پیغام دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں کہ اسے آپ کے عقد میں دیا جائے اس لئے کہ وہ برص کے مرض میں مبتلا ہے حالانکہ اسے برص نہ تھا پھر جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھر پہنچے تو اپنی بیٹی کو برص میں مبتلا دیکھا پھر اس نے اپنے چچا کے بیٹے زید بن حمزہ مزنی سے نکاح کر دیا اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ابن البرصا کے نام سے مشہور ہوا۔ بنی مرہ کے وفد میں تیرہ آدمی تھے ان کے سردار حارث بن عوف تھے یہ وفد تبوک کی واپسی پر آیا تھا۔ پھر وہ بیت الحارث میں ٹھہرے اس کے بعد وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی شریف میں جلوہ افروز تھے پھر حارث نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے خاندان اور آپ کی قوم سے ہیں یعنی لوئی بن غالب کی اولاد سے ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی مرہ پر بھیجا۔ حارث نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کسی کو بھیجئے جو آپ کے دین کی ہماری قوم کو دعوت دے ہم اس کے محافظ ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری شخص کو ان کے ساتھ بھیجا پھر حارث کی قوم نے اس کو قتل کر دیا اور حارث رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو اس سے باز نہ رکھ سکے۔ اس کے بعد حارث آئے اور معذرت خواہی کی اور حسان بن ثابت نے ابیات کہے جو حارث رضی اللہ عنہ کی معذرت کے مقبول نہ ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ اس پر حارث رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان سے آپ سے پناہ مانگتا ہوں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت قبول فرمائی اور قاتل نے مقتول کی دیت میں اونٹ بھیجے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو قبول فرمایا اور انصاری شخص کی قوم کی جانب انہیں بھیج دیا۔

مسعود بن رجیل رضی اللہ عنہ: ایک عامل مسعود بن رجیل اشجعی ہیں جن کو اشجع پر بھیجا گیا تھا۔ وہ بنی عبداللہ غطفان سے ہیں اور وہ بنی عبس پر عامل تھے اور وہ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف قوم اشجع کے قائد تھے اس کے بعد وہ اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا۔ ابوجعفر طبری نے اس کا ذکر کیا ہے ایسا ہی استیعاب میں ہے۔

اعجم بن سفیان رضی اللہ عنہ: ایک عامل اعجم بن سفیان ہیں جو عذرہ، سلامان و بلی، جہینہ اور اُبنی پر عامل تھے اس نام کو بھی میں نے سیر کی کتابوں میں نہیں پایا لیکن ان قبائل کا تذکرہ اور عاملوں کو ان کی طرف بھیجنے اور ان کی جانب لشکروں کا بھیجنا وغیرہ مذکور

ہے۔(واللہ اعلم)

عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ: ایک عامل عباس بن مرداس ہیں جن کو بنی سلیم کی جانب بھیجا گیا اس نام کو بھی میں نے نہیں پایا البتہ عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس کا تذکرہ جو مشاہیر مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں اور ایک شاعر ہیں۔ان کا ذکر پہلے بھی بار بار گزر چکا ہے۔اہل سیر کہتے ہیں کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا لیکن ان کا عامل بنانا معلوم نہ ہوا۔ روضۃ الاحباب کے نسخہ صحیحہ میں عباس رضی اللہ عنہ بن مدراس بتقدیم دال برراء لکھا ہوا ہے۔(واللہ اعلم)

لبید بن حاطب رضی اللہ عنہ: ایک عامل لبید بن حاطب ہیں جو قبیلہ دارم پر عامل تھے ان کا نام بھی میں نے نہیں پایا۔

عامر بن مالک رضی اللہ عنہ: ایک عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ عامری کلابی ہیں جو بنی عامر بن صعصعہ پر عامل تھے ان کو''ملاعب الاسنہ'' کہتے ہیں۔ان سے بروایت سلیمان تیمی از ابی عثمان نہدی مروی ہے۔انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون وغرق شہادت ہے۔استیعاب میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ان کو ابن قانع نے صحابہ میں بیان کیا ہے۔ اصابہ میں ان کے حالات میں طویل کلام منقول ہے اور ایک جماعت کثیرہ نے مثلاً دارقطنی' ابن السکن اور ابن الشاہین وغیرہم نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملاعب الاسنہ نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھتیجے کے درد شکم کیلئے دوا معلوم کرائی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد بھیجا انہوں نے شہد پلایا اور وہ تندرست ہو گئے۔دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ عامر بن مالک نے کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور شہد کا التماس کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپی شہد ان کو بھیجا نیز مروی ہے کہ ملاعب الاسنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں غزوہ تبوک کے بعد حاضر آئے حضور نے ان کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ بھیجا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔بعض اسناد میں تبوک کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا ہی ذکر ہے کہ عامر بن مالک آئے ان کو ملاعب الاسنہ کہتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام دی انہوں نے انکار کیا پھر ہدیہ بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اور عامر بن مالک نے کہا آپ میرے ساتھ جس قاصد کو چاہیں بھیج دیں وہ میری پناہ میں ہوگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبطی کو بھیجا بیر معونہ کا طول طویل قصہ بیان کیا جا چکا ہے۔

صاحب اصابہ نے فرمایا جن لوگوں نے جس چیز پر اعتماد کر کے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے وہ چیز جو ان سے مروی ہے ان کے اسلام میں صریح نہیں ہے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی جعفر اور بنی ابی بکر کے پچیس آدمی آئے ان میں عامر بن مالک بن جعفر بھی تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر کرم فرمائی اور فرمایا میں تم پر اس شخص کو عامل مقرر کرتا ہوں اور ضحاک رضی اللہ عنہ بن سفیان کلابی کی طرف اشارہ فرمایا اور عامر بن مالک سے فرمایا تم بنی جعفر پر عامل ہو۔ضحاک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے خیر کی دعا فرمائیے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عامر بن مالک رضی اللہ عنہ پہلے عذر کرتے تھے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔(انتہی کلام الاصابہ)

بیر معونہ کا پورا قصہ ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات میں گزر چکا ہے اسی میں عامر بن مالک کا قصہ ہے وہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی توفیق نہ پائی لیکن لشکر اسلام کی حمایت ورعایت کی ہے اس جگہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں میں بیان کیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ عامل ہونا ان کے اسلام کی روایت کی بنا پر ہے۔(واللہ اعلم)

سعد رضی اللہ عنہ وعوف رضی اللہ عنہ اور ضحاک رضی اللہ عنہ: ان عاملوں میں سے سعد بن مالک اور عوف بن مالک نضری اور ضحاک کلابی ہیں ان کو بنی کلاب پر عامل مقرر کیا گیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں بنی کلاب پر بھیجے گئے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بنی عامر اور بنی کلاب ایک ہی شخص ہیں ان میں سے ایک سعد بن مالک بن سنان جو کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں وہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ دوسرے سعد بن مالک بن خالد انصاری ساعدی ہیں۔ جنہوں نے غزوہ بدر کی تیاری کی پھر وہ بیمار ہو گئے اور جا نہ سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی حصہ مرحمت فرمایا تیسرے سعد بن مالک وہ ہیں جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں چوتھے سعد بن مالک عذری (بضم عین وسکون ذال) منسوب بہ بنی عذرہ ہیں اور وہ بنی عذرہ کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ اصابہ مین ابوعمرو بن حریث العذری سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اجداد کی کتاب میں پایا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۹ھ میں بارہ افراد کے ساتھ وفد بن کے حاضر ہوئے اس وفد میں حمزہ بن نعمان اور سعد وسلیم پسران مالک تھے جیسا کہ گزرا ظاہر ہے کہ اس جگہ سعد بن مالک سے مراد وہی ہیں۔

عوف بن مالک کے بارے میں اصابہ میں کہا گیا ہے کہ عوف بن مالک نضری کو خلیفہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں میں بیان کیا ہے جن کو ہوازن 'نضر اور ثقیف پر بھیجا گیا تھا اور کہا کہ گویا کہ ان کا نام منقلب ہو گیا ہے کہ مشہور تو مالک بن عوف ہیں مگر اصل میں عوف بن مالک بن سعید بن یربوع ابوعلی النضری آیا ہے۔ وہ حنین کے دن مشرکوں کے سردار تھے جب مشرکوں کو شکست ہوئی تو مالک بن عوف طائف پہنچ گئے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرایا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آ جائے تو اس کے اہل وعیال کو اسے واپس کر کے سو اونٹ انعام میں دوں گا جس طرح کہ تمام مؤلفۃ القلوب کو عطا فرمایا ہے پھر مالک بن عوف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ پیش کیا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے قبیلہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان پر عامل بنایا۔ شیخ نے اصابہ میں ایسا ہی کہا ہے۔ (واللہ اعلم)

لیکن ضحاک رضی اللہ عنہ بن سفیان بن عوف بن ابوبکر کلاب' کلابی ان کی کنیت ابوسعید ہے وہ اپنی قوم کے صدقات پر عامل تھے اور وہ شجاعوں میں سے تھے وہ تنہا سو سواروں کے برابر شمار ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنا کے بھیجا۔ امام حسن بصری نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے بغوی نے نقل کیا ہے اور ابن قانع نے بھی نقل کیا ہے کہ وہ بڑے شمشیر زن تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے تلوار حمائل کر کے کھڑے ہوتے تھے اسی بنا پر ان کو پاسبان بارگاہِ رسالت میں بھی شمار کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

لیکن انہوں نے ان اسماء کو جن کو روضۃ الاحباب میں سال نہم کے واقعات میں عاملوں میں بیان کیا ہے اور ان کا ذکر اس جگہ عمال کی فہرست میں نہیں کیا ایک بریدہ ہیں جو کہ کعب بن مالک کی روایت میں کاتبوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

باب دہم

بارگاہِ رسالت کے مؤذنوں، خطیبوں، شاعروں اور حدی خوانوں کے بیان میں

مؤذنین بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مؤذن حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی والدہ حمامہ ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوحازن ہے وہ سراۃ کے رہنے والے تھے۔ یہ مکہ مکرمہ ویمن کے درمیان ایک مقام ہے۔ قدیم وصادق الاسلام اور طاہر القلب تھے اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنا اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اظہار اسلام کرنے والے سات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق، عمار بن یاسر ان کی والدہ سمیہ (بضم سین وتبشد ید یا) صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب کے غم کے سبب اظہار سے منع کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کی وجہ سے منع کر دیا لیکن دیگر حضرات صحابہ کو مشرکوں نے پکڑ کر توحید اور دین اسلام کی بنا پر اذیتیں دینا شروع کر دیں ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں بٹھاتے اور مارتے تھے اور مسلمانوں میں کوئی ایسا نہ تھا جن کو وہ پکڑ کر لاتے اور مشرکین جو چاہتے ان سے سلوک کرتے تھے اور وہ رخصت پر عمل کرتے تھے بجز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وہ اپنے آپ کو بہت کمتر سمجھتے تھے مگر اپنے دین حق میں مضبوطی سے قائم تھے اور راہ خدا میں اذیتوں کو آسان سمجھتے تھے۔ امیہ بن خلف جمحی جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ایک مالک تھا ان کو دوپہر کے وقت مکہ کے ریگزاروں پر لے جاتا اور ان کے گلے میں رسی باندھ کر لٹا دیتا اور بہت بڑا پتھر ان کے سینہ پر رکھ کر اس سے کوٹتا تھا تاکہ یا تو اس کے نیچے جان دے دیں یا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جائیں یہ ان کو رسیوں سے باندھ کر مکہ کے گلی کوچوں میں پھراتا تھا اور وہ احد احد کہتے جاتے تھے ایک روایت میں ہے اللہ اللہ لیکن تقدیر الٰہی اس طرح واقع ہوئی کہ معرکہ بدر میں وہ ملعون حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تو وہ ایک دن اسی طرح اذیتیں پہنچا رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ان کی طرف ہوا انہوں نے ایک حبشی غلام کے بدلے ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس حال میں خریدا کہ بہت بڑے پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو میں بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیتا اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے ملے اور ان سے کہا کہ میرے لیے بلال کو خرید لیجئے اس کے بعد حضرت عباس امیہ رضی اللہ عنہ بن خلف کی بیوی کے پاس گئے کیونکہ وہ اس کے لے پالک تھے انہوں نے فرمایا اپنے اس غلام کو جس کا نام بلال رضی اللہ عنہ ہے قبل اس کے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور تم اس کی قیمت سے محروم ہو جاؤ اس کی فروختگی کی خواہش مند ہوا اس نے کہا تم کیا کرو گے وہ خبیث ہے کسی کام کا نہیں ہے دوسری مرتبہ پھر ملے اور یہی بات دوبارہ کہی اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید لیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا یعنی ان کو دے دیا پھر انہوں نے ان کو آزاد کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا عَتَقَ سَیِّدَنَا یعنی بَلَالًا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور

انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزادی دی۔ مشہور یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام چلے گئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر چند اصرار کیا کہ وہ مدینہ میں رہیں اور ان کیلئے اذان کہیں یہاں تک کہ وہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر تم نے مجھے رضائے الٰہی کیلئے خرید کے آزاد کیا ہے تو اب بھی مجھے چھوڑ دو گے اور آزادی دو گے پھر وہ شام چلے گئے۔ ابن عبدالبر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے اذان کہی مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اس نے کہا تم بھی وہی کہتے ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اور ان کو پکڑ کر منہ کے بل کے اوپر گرا دیا اور دھوپ میں لٹا کر ان کے سینہ پر چکی کا پاٹ رکھ دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ برابر احد احد کہتے رہے اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی دوست کو بھیجا یہاں تک اس نے ان کیلئے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو ان سے اجازت طلب کی۔ حضرت فاروق نے فرمایا کیا چیز تم کو میرے پاس رہنے اور اذان کہنے سے روکتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اذان کہی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق کیلئے اذان کہی ہے کیونکہ ولی نعمت تھے۔ بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے اے بلال رضی اللہ عنہ! راہ خدا میں جہاد سے افضل کوئی عمل نہیں ہے یہ روایت مشہور کے خلاف ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہاں تشریف فرما تھے پھر انہوں نے ان کیلئے اذان کہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ساتھی رونے لگے اور بیان کرتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کسی کو اتنا شدید روتا ہوا نہ دیکھا گیا۔

ایک اور مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے اور اذان دینی شروع کی مگر تمام نہ کر سکے اس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام پہنچے تو چھ مہینہ کے بعد خواب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بلال رضی اللہ عنہ! اتنا ظلم کہ ہماری زیارت کو نہیں آتے۔'' اس کے بعد بلال رضی اللہ عنہ اسی وقت مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہو گئے جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور امام حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کے حالات پوچھے۔ لوگوں نے بتایا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو جنت سدھار گئیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ موجود ہیں جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے چاہا کہ ان کیلئے اذان کی درخواست کریں مگر کسی کو جرات نہ ہوئی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہہ سکے لوگوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے التجا کی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی درخواست کریں ان کے حکم کو وہ ٹال نہ سکیں گے اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہنے کیلئے اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اذان دیا کرتے تھے جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام حیات کے تصور اور یاد سے لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا اور جب اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تو رونے کا شور از حد بڑھ گیا اور جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو شہر میں زلزلہ سا پڑ گیا اور گریہ وفغاں سے کہرام مچ گیا گویا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آج ہی دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اس کے بعد نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ میں اذان کہنے کی طاقت رہی اور نہ لوگوں میں سننے کی برداشت رہی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مواخاۃ فرمائی (کذا فی الاستیعاب) اصابہ میں ہے کہ ان کے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح

کے درمیان مواخات فرمائی تھی اور امام مالک کی موطا میں ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے بلال رضی اللہ عنہ کیا حال ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو تمہاری جوتیوں کی آواز میں نے سنی ہے مجھے بتاؤ کہ تم ایسا کون سا عمل کرتے ہو؟ عرض کیا جو نمازیں مجھ پر فرض کی گئی ہیں میں اسے خوب طہارت کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رونے لگتے تھے۔ علامہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جمع الجوامع میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **السباق اربعة انا سابق العرب و بلال الحبشته** (الحدیث)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں وہ گہرے سیاہ رنگ' نحیف وطویل دبلے بازوؤں والے تھے انہوں نے دمشق میں وفات پائی اور باب صغیر کے پاس مدفون ہوئے ان کی وفات ۲۰ھ یا ۱۸ھ میں ہوئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حلب میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے ان کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ یا تریسٹھ سال کی ہوئی ایک قول ہے کہ ستر سال کی ہوئی ان سے صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے جن میں حضرت ابوبکر و عمر' اسامہ بن زید' عبداللہ بن عمر' کعب بن عجرہ' براء بن عازب وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور مدینہ و شام اور کوفہ کے کبار تابعین کی جماعت نے روایت کی ہے۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ: دوسرے مؤذن حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام عبداللہ بن عمر ایک اور قول سے عمرو بن قیس بن زائدہ ہے اور بعض عبداللہ بن صرتح بن قیس بتاتے ہیں جس نے عبداللہ بن زایدہ کہا ہے اس نے ان کے جد کی طرف نسبت کی ہے وہ قرشی عامری ہیں جو بنی عامر بن لوی سے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ بن مخزومی تھا۔ قدیم الاسلام مکی ہیں اور حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہجرت مدینہ کی واقدی نے کہا ہے کہ بدر کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اکثر غزوات میں ان کو خلیفہ بنایا ہے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ تیرہ مرتبہ ان کو خلیفہ بنایا اور غزوہ تبوک میں بھی ان کو تو خلیفہ بنایا تھا اور امیر المؤمنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو اہل وعیال پر چھوڑا تھا۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اذان کہا کرتے تھے انہیں کے حق میں سورہ **عبس و تولی** نازل ہوئی مدینہ طیبہ میں وفات پائی بعض کہتے ہیں کہ قادسیہ میں شہید ہوئے ان کا تذکرہ کتب احادیث میں بہت ہے۔

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ: تیسرے مؤذن حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام اوس بن مغیرہ جمحی قرشی ہے۔ ان کی کنیت ان کے نام پر غالب آ گئی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مکہ مکرمہ میں اذان دیا کرتے تھے۔ اور مکہ میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے اذان میں ان کے بھائیوں میں سے جو بنی سلامان بن ربیعہ بن سعد بن جمح میں سے تھے وارث ہوئے ابن محیرؒ کہتے ہیں میں نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سر پر بال رکھتے تھے۔ میں نے کہا تم اپنے بال کیوں نہیں کٹواتے۔ انہوں نے فرمایا میں وہ نہیں ہوں کہ میں اپنے ان بالوں کو کٹوا دوں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا ہے۔ اور اس میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔ وہ مکہ مکرمہ میں ۵۹ھ میں فوت ہوئے قول یہ ہے کہ اس کے بعد فوت ہوئے۔ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور ہمیشہ مکہ میں ہی رہے تھے۔ ان سے ان کے بیٹے عبدالملک اور عبداللہ بن محیریز اور ابن ابی ملیکہ نے روایت کی ہے۔ مسلم اور اربعہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع کرتے تھے۔ اور اقامت میں تثنیہ کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع نہیں کرتے تھے اور اقامت میں افراد کرتے تھے اور بعض مؤذن نہ اذان میں ترجیع کرتے تھے اور نہ اقامت میں افراد کرتے تھے۔ ہر ایک نے اس میں سے ایک طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے مذہب میں اذان میں ترک ترجیع اور اقامت میں تثنیہ ہے۔ اس کی تحقیق اپنی جگہ

مذکور ہے۔

سعد قرظ رضی اللہ عنہ: چوتھے مؤذن سعد قرظ ہیں۔ان کو سعد رضی اللہ عنہ قرظی بھی کہتے ہیں۔ان کا نام سعد بن عائذ ہے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کے مولیٰ ہیں۔اور سعد قرظ کے ساتھ مشہور ہیں۔ان کو صحبت حاصل ہے سعد قرظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ قرظ کی تجارت کرتے تھے اور اس سے بہت نفع کماتے تھے اس سے پہلے جس چیز کی بھی تجارت کرتے تھے نقصان اٹھاتے تھے۔پھر انہوں نے قرظ کی تجارت کو لازم کر لیا۔''قرظ'' ورق سلم کو کہتے ہیں جس سے چمڑے کو پکایا جاتا ہے اور ایسے چمڑے کو ادیم قرظی کہتے ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد قبا شریف میں مؤذن مقرر فرمایا۔جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی چھوڑ دی تو حضرت سعد قرظی کو مسجد نبوی شریف میں منتقل کر دیا گیا۔یہاں تک اپنی تمام حیات اذان دیتے رہے ان کے بعد ان کی اولاد میں اذان متوارث ہوئی یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ کے زمانہ تک یہ ان کی اولاد میں رہی اور ان کے بھی بعد بھی۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مسجد نبوی شریف میں اذان دینے کیلئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ قرظی کو منتقل کیا تھا۔بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیلئے وہ اذان دیتے تھے ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے اور یہ اس بات پر مبنی ہو سکتا ہے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے شام کی جانب منتقل ہو گئے یا تو حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جیسا کہ اس طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ قرظی حجاز پر حجاج کی حکومت کے زمانہ تک یعنی ۹۴ھ تک زندہ رہے (واللہ اعلم)

شعرائے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعرائے کرام میں سے جو حضرات کافروں کے شر کو اسلام اور مسلمانوں سے دفع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کافروں کی ہجو و مذمت کرتے تھے۔وہ تین اشخاص شمار کیے گئے ہیں۔حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم، روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام شعرا مردوں میں سے ایک سو ساٹھ تھے عورتوں میں بارہ تھیں (انتہی) مشاہیر شعراء بھی ان تین اشخاص کے سوا تھے مثلاً جاہلیت کا شاعر نابغہ رضی اللہ عنہ جو طویل العمر تھا ۲۰۰ دو سو یا ایک سو ۱۸۰ اسی برس کی عمر پائی تھی اس کی عجیب و غریب حکایتیں اور قصے مشہور ہیں۔دوسرے لبید رضی اللہ عنہ بن ربیعہ ہے جو جاہلیت و اسلام میں شریف تھے جس کی ایک سو چالیس یا ایک سو ستاون سال کی عمر تھی۔تیسرے سحبان وائل ہیں جن کی مثالیں اور کہاوتیں فصاحت و بلاغت میں زبان زد اور مشہور ہیں جیسا کہ ناقل نے شہامت میں اور شیخ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے۔اور کہا ہے کہ سحبان وائل کی کہاوتیں فصاحت و بلاغت میں مشہور ہیں۔ان کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ از قسم محضرمین ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام پایا تھا انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔اور کوئی ثبوت ایسا وارد نہیں ہے کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے۔خواہ وہ حضورِ اکرم کی حیات میں اسلام لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔اور یہ باتفاق محدثین، صحابی نہیں ہیں اگرچہ بعض علما نے ان کو معرفۃ الصحابہ کی کتابوں میں بہت زیادہ ذکر کیا ہو۔لیکن انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان کا تذکرہ طبقہ صحابہ کے متصل ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے ورنہ وہ صحابی کے طبقہ میں سے نہیں ہیں۔اس بات کی ابن عبدالبر نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تصریح کر دی ہے۔شیخ ابن حجر نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بیان کیا ہے کہ صحابہ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو یہی ہے اس کو انہوں نے تیسری قسم قرار دیا ہے قسم اول میں وہ ہیں جن کی صحابیت ثابت ہے خواہ انہوں نے براہ

راست حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہو یا ان سے دوسرں نے روایت کی ہو خواہ ان کی سند صحیح ہو یا بطریق حسن یا ضعیف ہو یا ایسے طریقہ پر مروی ہو جو ان کی صحابیت پر دلالت کرتی ہو۔ بہر تقدیر وہ صحابی ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو صحابہ کرام نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضورِ اکرم کے سامنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شکل میں کیا ہو اور جن کی عمر اس وقت حالت طفلی کی تھیں۔ اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ان کی عمریں سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔ چونکہ ان کا ذکر کیا جاتا ہے باوجود یکہ وہ صحابہ میں سے نہیں ہیں تو بر سبیل الحاق ہے اور اس بنا پر ہے کہ صحابہ کرام اپنی اولاد کو حضورِ اکرم کی بارگاہ میں پیش کرنے کا شوق وجذبہ رکھتے تھے خصوصاً ولادت کے وقت تا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تحنیک وتسمیہ فرمائیں اور دعائے برکت دیں لہٰذا شیخ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بات جو ابن عساکر سحبان وائل کے بارے میں کہی ہے ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ تیسری قسم میں محمول ہوں گے۔ اس لیے کہ مشہور یہ ہے کہ وہ ایک جاہل شخص تھا۔ ابونعیم اپنی کتاب خطبات میں کہتے ہیں کہ سحبان عرب کا غیر مدافع خطیب تھا۔ جب یہ خطبہ دیتا تو وہ ایک حرف کو دوبارہ نہیں کہتا تھا۔ نہ وہ ٹھیرتا اور نہ وہ سوچتا تھا بلکہ تسلسل جاری رہتا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحبان حضورِ اکرم کے شعراء میں سے نہ تھا اس نے نہ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور نہ خلفاء اربعہ کو ہی پایا ہے۔ مگر اس کا مسلمان ہونا محقق ہے خواہ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائے ہوں یا بعد میں' مدت عمر اور زمانہ وفات بھی معلوم نہ سکا (واللہ اعلم)

حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوالولید ہے یا عبدالرحمٰن یا ابوالحسام۔ ان کا نام حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام انصاری بخاری مرزی شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جاہلیت واسلام کے مخول شعراء میں سے ہیں۔ اہل عرب نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اہل بدرو اہل یثرب ہیں یہ اشعر یعنی اول درجہ کے شاعر ہیں ان کے بعد عبدالقیس پھر ثقیف ہیں۔ اور اس پر بھی اجماع کیا ہے کہ اشعر اہل مدینہ' حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ہیں ان کی عمر اور ان والد ثابت' ان کے دادا منذر' ان کے جداعلی حرام کی عمریں ہر ایک کی ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی ہوئیں۔ ابونعیم فرماتے ہیں کہ عرب میں ان کے سوا کوئی کسی اور کا سلسلہ نسب ایسا علم میں نہیں ہے جن کے اجداد کی چار پشتیں مسلسل ایک عمر کی گزری ہوں ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت جب اس کو بیان کرتے تو خود کو سیدھا ڈال کر پاؤں پھیلا دیتے اور خوب ہنستے اور اپنے مرنے سے بے فکر ہو جاتے اور گمان کرتے کہ میں بھی اتنی ہی عمر پاؤں گا لیکن یہ اڑتالیس سال ہی میں فوت ہو گئے۔ اصمعی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت مخول شعراء سے ہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ ان سے ہلکے پھلکے اشعار مروی ہیں اس پر اصمعی نے کہا ان کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جاتی ہے جو ان سے صحیح نہیں ہے اور ابو حاتم۔ ابوعبیدہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعراء خیر پر فضیلت دی جاتی ہے وہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے اور نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے اور اسلام میں ان کی تمام شاعری برکت والی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی جاہلیت کے اشعار' اسلام کے شعروں سے زیادہ اجود وعمدہ تھے۔ اس لیے کہ اسلام کذب سے باز رکھتا اور اس سے منع کرتا ہے۔ اور شعروں کو کذاب اور توصیف میں مبالغہ ہی زینت دیتا ہے۔ اور ایسی تزئین ناحق ہے یہ سب کذب ہے۔

حضرت حسان ۶۰ ساٹھ سال جاہلیت ہیں اور ۶۰ ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے انہوں نے نابغہ رضی اللہ عنہ اور ورعشی کو پایا اور ان کے آگے اپنے اشعار پڑھے اور ان دونوں نے ان کو مسلم رکھا اور کہا تم شاعر ہو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مشرکین قریش کی مذمت کی اور ان لوگوں کی ہجو کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں گستاخی کرتے تھے جیسے عبداللہ بن زبعری اور ابوسفیان رضی

اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ۔ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہم اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ آپ ہم مسلمانوں کی جانب سے ان لوگوں کی مذمت کیجئے جو مسلمانوں کی ہجو کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت مرحمت فرمادیں تو میں ایسا کروں جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی فرمایا علی رضی اللہ عنہ اس کام کے لائق نہیں ہیں جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔ اور نہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس بات کو چاہیں گے جو تم ان سے چاہتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا کون ہے جو مسلمانوں کی مدافعت کرے جس نے اپنے ہتھیاروں سے خدا کے رسول کی مدد کی ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی زبانوں سے مدد کرے؟ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہؐ! میں اس کام کیلئے حاضر ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس طرح ان کی ہجو اور مذمت کرو گے جبکہ تمہارا نسب ان میں ہے۔ میرا نسب بھی ان کے ساتھ ہے اور ان کا نسب مجھ میں داخل ہے اور تم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی کیسے ہجو اور مذمت کرو گے درانحالیکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو ان میں سے ایسا نکال لوں گا جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے اس کے بعد حضورِ اکرم نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے رجوع کرو کیونکہ وہ علم نسب میں تم سے زیادہ عالم ہیں۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے یہاں تک کہ ان کو ان کے نسبوں سے باخبر کیا۔ تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں سے اپنے کو باز رکھ اور فلاں فلاں کو یاد کر۔ اس کے بعد مشرکوں کی ہجو اور مذمت شروع کردی جب قریش نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ عنہ کے شعر سنے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ شعر ان کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ ابن ابی قحافہ کی طرف سے ہیں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن الحارث کی مذمت کی ہے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کے شعر سنے تو کہا یہ ایسا کلام ہے جس سے ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ غائب نہیں ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کیلئے مسجد نبوی شریف میں منبر رکھواتے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضورِ اکرم کی مدحت بیان کریں اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت کریں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَادَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ

بیشک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کرتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔ ایک روایت ''یفاخر'' یعنی حضور کا فخر بیان کرتے ہیں آیا ہے حضورِ اکرمؐ فرماتے ہیں کہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا قول مشرکوں پر تیر کے آنے اور اس کے چبھنے سے زیادہ سخت تر ہے اور فرمایا کہ حق تبارک وتعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت اور قدرت بخشے اسے چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ہجو مذمت میں کوتاہی نہ کرے اس لیے کہ سب سے بہترین عمل یہی ہے اہل سیر فرماتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کام یہی تھا وہ مشرکوں کی وقائع وایام اور مآثر میں معارضہ کرتے اور ان کی مذمت کرتے تھے۔ اور ان کی قباحتوں اور انکی برائیوں کو بیان کر کے انہیں یاد دلاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت حسان پر ہوا وہ اس وقت مسجد نبوی شریف میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ جانب گھور کر دیکھا اور فرمایا مسجد میں شعر خوانی کرتے ہو؟ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے مسجد میں اس ذات مقدس کے حضور شعر پڑھے ہیں جو تم سے بہتر وافضل تھے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق خاموش ہو گئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے منتخب اشعار وہ ہیں جو انہوں نے فی البدیہہ حضورِ اکرم کے سامنے اس وقت پڑھے جبکہ نبی تمیم کا وفد آیا ہوا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے قصیدہ مرتب کیا اور ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس نے

خطبہ دیا اور بنی تمیم نے اپنے عجز وناوانی کا اقرار واعتراف کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعر خطیب سے بہتر ہیں۔منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسان رضی اللہ عنہ مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان علامت ونشانی ہیں منافق ان کو دوست نہیں رکھتا اور مسلمان ان سے دشمنی وعداوت نہیں رکھتا۔اور فرمایا کہ حسان رضی اللہ عنہ کو برا نہ کہو' کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے دشمنوں کے ساتھ منافحت ومخاصحت اور معارضت کرتا ہے۔اور ان کی طرف ایسی نسبت کرتے ہیں کہ وہ کسی غزوے میں حاضر نہ ہوئے۔اہل تشیع اس باب میں ایسی خبریں بیان کرتے ہیں جو کریہہ وناگوار ہیں۔ان کا ذکر کرنا اور انہیں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ابن کلبی نے کہا ہے کہ وہ سخن گو اور شجاع تھے۔ان کو ایک بیماری لاحق ہوئی جس سے ان میں جبن پیدا ہو گیا۔اور یہ اس وقت سے ہوا تھا جبکہ صفوان بن المعطل نے تلوار ماری تھی۔بعض اہل علم ان کی طرف جبن کی نسبت کرنے کے منکر ہیں۔اور ان خبروں کا بھی انکار کرتے ہیں جو ان کی برائی میں ہیں اور وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر ان میں جبن ہوتا تو اعداء دین اس سے ان کی ہجو اور مذمت کرتے۔اس لیے کہ انہوں نے بہت سے قوموں کی ہجو اور مذمت کی ہے۔لہٰذا اگر وہ بزدلوں میں ہوتے تو وہ قومیں ضرور ان کی مذمت کرتیں۔البتہ ان کی خطاؤں میں سے (اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے) سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اہل افک میں شامل ہونا ہے خدا جانتا ہے کہ وہ کیسے اس گرداب میں پڑے۔لیکن اگر کوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کو برا کہتا تو وہ فرماتیں حسان رضی اللہ عنہ کو گالی نہ دو۔کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منافحت مفاخرت کرتے تھے۔ابن العتر یعہ فرماتی ہیں کہ میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت اور اپنی زبان سے ان کے دشمنوں سے منازعت کی بنا پر جنت میں داخل کردے گا قریعہ بنت خالد حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو والدہ ہیں وہ بھی خزرجیہ ہیں۔انہوں نے اسلام کو پایا اور وہی حضرت حسان (رضی اللہ عنہ) کو بارگاہِ مصطفیٰ میں لے کر آئیں اور بیعت کی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی توبہ کرنے کے بعد اور اس فعل شنیع پر حد قذف جاری ہونے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منقبت پڑھا کرتے تھے۔آخر عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں ۴۰ھ میں وفات پائی ایک قول پچاس ۵۰ اور ایک قول ۵۴ کا ہے ان کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی ہوئی (رضی اللہ عنہ)

<u>کعب بن مالک</u>: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے شاعر حضرت کعب بن مالک ہیں۔ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن یا ابوعبداللہ ہے۔یہ انصاری' خزرجی سلمی' مدنی صحابی' عقبی ہیں عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے اور یہ ان ستر اصحاب میں سے ایک ہیں جو عقبہ ثالثہ میں حاضر ہوئے تھے۔غزوۂ بدر میں ان کے حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے اور یہ تمام غزوات میں حاضر ہوئے ہیں بجز غزوۂ تبوک کے بعض کہتے ہیں نہ بدر میں بھی حاضر ہوئے (واللہ اعلم) غزوۂ احد میں گیارہ زخموں سے مجروح ہوئے اور یہ ان تین اصحاب میں سے ایک ہیں جنہوں نے غزوہ تبوک سے تخلف کیا تھا اس کے بعد توبہ کی اور رحمت الٰہی کے خواستگار ہوئے تو حق تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ان کی توبہ مقبول ہوئی۔سال نہم کے واقعات میں غزوہ تبوک کے ضمن میں گزر چکا ہے یہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعروں میں سے تھے اور یہ عمدہ شاعر اور مطبع تھے جاہلیت میں ان پر شعر گوئی غالب آ گئی تھی اور وہ اس میں مشہور ہو گئے تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ وہ کافروں کو جنگ سے ڈراتے تھے جس طرح حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ان کی ہجو کرتے اور ان کی قباحتیں اور برائیاں بیان کرتے تھے (جیسا کہ گزرا) انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں عبداللہ عبدالرحمٰن' محمد' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوجعفر محمد باقر اور بہت سوں نے روایت کی ہے۔۵۰ھ یا ۵۳ھ میں فوت ہوئے

ان کی عمر ستتر (۷۷) سال کی ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں یہ انصاری خزرجی سابقین اولین اور نقباء انصار میں سے تھے عقبہ ثالثہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تھے یہ بھی حاضر ہوئے بجز فتح مکہ اور مابعد کے غزوات کے کیونکہ وہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تھے یہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعروں میں سے ہیں ان کا کام یہ تھا کہ مشرکوں کو کفر و بت پرستی پر توبیخ و تنبیہ کرتے تھے ان کے حالات مکتوبات نبوی کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

دیگر شعرائے اصحابہ: وصل: مذکورہ تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سوا صحابہ میں اور شعراء بھی بیان کیے گئے ہیں مثلاً ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب' عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس سلمی' عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم الطائی ان کے حالات اپنی اپنی جگہوں میں بیان کیے جا چکے ہیں ایک اور حمید رضی اللہ عنہ بن نور الہلالی ہیں جو عمدہ شاعر تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور ایک قصیدہ مرتب کیا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

اصبح قلبی من سلیمی مقصدا ان اخطاء منہا وان تعمدا

اور آخری مقطع یہ ہے۔

حتی اتانا ربنا بحمد نتلوا من اللہ کتابا مرشدا

اہل سیر کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے اور ان سے زہیر بن بکاء نے روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ محمد بن سلام جمحی نے ان کو طبقہ چہارم کے مسلمان شعرا میں بیان کیا ہے اور مرزبانی نے کہا کہ وہ فصحا شعرا میں سے ایک تھے اور ان کا حال یہ تھا کہ جو کوئی ہجو کرتا وہ اس پر غالب آجاتے تھے بلاشبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی صورت میں آئے اور حضرت امیر المؤمنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔

ایک اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بن عامر واثلہ لیثی کنانی ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام عمر بن واثلہ ہے مگر اولیٰ واکثر اور مشہور تر یہی ہے کہ ان کی ولادت روز احد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے آٹھ سال پائے پھر کوفہ میں جا کے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے ان کے ساتھ تمام جنگوں میں حاضر ہوئے جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ مکہ مکرمہ لوٹ گئے اور وفات تک وہیں رہے ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ۱۰۷یا ۱۱۰ ہجری میں فوت ہوئے اس سے ان کی مدت عمر معلوم ہوجاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ کوفہ میں ہی مقیم رہے والاول اصح (واللہ اعلم) اور یہ آخری شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اب روئے زمین پر کوئی شخص نہیں ہے بجز میرے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ عامر بن واثلہ عمدہ و بہترین شاعر' عالم' فاضل اور حاضر الجواب تھے انہوں نے کہا: وَمَا شَابَ رَأْسِی سَنَتَیْنِ مَا بُعِثَ عَلَیَّ وَلٰکِنِّیْ شَیْئًا ابوقانع نے استیعاب میں کہا ہے کہ وہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تشیع و تفصیل کرتے تھے اور شیخین کریمین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ان کو انشاء و استثنا کرتے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر اظہار رحم کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان سے کہا تمہارے دوست ابوالحسن رضی اللہ عنہ پر تمہارا حزن و ملال کا پایا جانا کس قسم کا ہے انہوں نے جواب دیا کہ میرا حزن و ملال ایسا ہے جیسا کہ ام موسیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت موسیٰ پر تھا اور تقصیر کی خدا کی بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا تم ان لوگوں میں شامل تھے جو

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھ کے آئے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں لیکن میں ان لوگوں میں سے تھا جو ان کے حامی و معاون تھے پھر کہا کہ کس چیز نے تمہیں باز رکھا کہ تم ان کی مدد کرتے۔ ابن عامر نے جوب دیا کہ تمہیں کس چیز نے باز رکھا کہ تم ان کی مدد کرتے جبکہ یہ حادثہ پیش آیا تھا باوجود یہ کہ تم شام کے حاکم تھے اور سب تمہارے تابع تھے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا'' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے ان کے خون کا قصاص طلب کیا تھا انہوں نے جواب دیا ہاں میں نے دیکھا ہے لیکن تمہارا حال ایسا ہے جیسا کہ فلاں قبیلہ کے ایک شخص نے کہا ہے کہ۔

لام تفتيك بعد الموت تندى وفـي حيـاتـي مـازوتنـي زادی

ایمن بن خزیمہ اسدی رضی اللہ عنہا: ایک اور شاعر ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ (بصیغہ تصغیر) اسدی ہیں جو بنی اسد بن خزیمہ سے تھے وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور وہ کوالا کے غلام تھے وہ اپنے والد اور اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں بدری ہیں۔ ان سے شعبی نے روایت کی ہے وہ شامی باشندے تھے اور بہترین شاعر تھے۔

شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا مروان کو ایمن بن خزیمہ کے پاس بھیجا کہ تم ہمارے پاس نہیں آتے اور ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

انہوں نے کہا کہ میرے والد اور میرے چچا بدر میں شریک ہوئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ میں کسی مسلمان اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کہنے والے کو قتل نہ کروں اگر تم اپنی مدد کیلئے اس برأت نامہ مجھے دو تو میں تمہارے ساتھ ہوں اس پر مروان نے کہا مجھے تمہاری مدد کی حاجت نہیں ہے۔ دار قطنی نے کہا کہ ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ ابن عبدالبر استیعاب میں فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی کوئی روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پائی البتہ اپنے والد اور چچا سے روایت شدہ مجھے ملی ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ امام ترمذی نے ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ سے ایک حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے غریب کا حکم دیا ہے اور کہا کہ مجھے ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا معلوم نہیں ہوا اور ابن عبدالبر اس حدیث سے مطلع نہ ہوئے اور مردویہ نے کامل میں نقل کیا ہے کہ انہیں صحبت حاصل ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ان کا ایک شعر نقل کر کے کہا گویا انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مرثیہ کہا ہے۔ صوابی سے منقول ہے کہ ایمن رضی اللہ عنہ بن خزیمہ کو خلیل الخلفاء کہا جاتا ہے اس بنا پر کہ ان کو ہر ایک خلیفہ راشد نے ان کی فصاحت کی بنا پر اپنے قریب رکھا ہے یہ مبروص تھے اور اس پر زعفران کا خضاب لگاتے تھے۔ عبدالعزیز بن مروان جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد تھے اور وہ مصر کے حاکم تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور کوئی چیز برص کی بنا پر اٹھا کے دیا کرتے تھے کیونکہ وہ ان کو اپنے قریب رکھتے تھے۔

اعشٰی بن مازن رضی اللہ عنہ: ایک اور شاعر اعشٰی بن مازن بن عمرو بن تمیم ہیں۔ بصرے کے رہنے والے شاعر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آئے اور ایک ایسا شعر پیش کیا جس میں عورتوں کی شکایت تھی اس میں ایک مصرعہ یہ تھا۔

و هن شر غالب لمن غالب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصرعہ کو اس طرح بدل دیا۔

امن شر غالب لمن غلب

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کا نام اعشٰی بن مازن عبداللہ ہے۔

اسود بن سریع رضی اللہ عنہ: ایک اور شاعر ابو عبداللہ اسود بن سریع ساعدی تمیمی ہیں۔ بصرہ میں جا کے رہے اور وہ واعظ اور

بہترین شاعر تھے اور یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بصرہ کی مسجد میں وعظ کہا ان سے حضرت حسن بصری نے روایت کی ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کیلئے ایک حمد لکھوں جس میں اپنے رب کی تعریف ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے رب ہی کی حمد کہی جاتی ہے گویا اس بات کی ادائیگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری مطلب یہ کہ تم کیا حمد کرو گے سارا جہان حق تبارک وتعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ یا ان کی تقریر وتحسین مراد ہے یعنی اچھا کیا سارا جہان اس پر حمد کرتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا استیعاب میں ایسا ہی ہے۔ اصابہ میں مذکور ہے کہ حسن بصری نے اسود بن سریع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار جہاد کیے ہیں اور اس باب میں ایک حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۴۲ھ میں وفات پائی حضرت حسن سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو اسود بن سریع کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے تمام اہل وعیال کو اس میں سوار کر کے کہیں نکل گئے اس کے بعد ان کا کوئی حال معلوم نہ ہوا۔

واضح رہنا چاہیے کہ شعرائے اسلام بہت تھے اور ان میں سے بہت سوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے خواہ ان کی رویت ثبوت کو پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو اب میں لبید ونابغہ کے ذکر پر جو مشہور ہیں اس باب کو ختم کرتا ہوں۔

لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ: ایک شاعر لبید بن ربیعہ عامری ہے ان کی کنیت ابوعقیل ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور اپنے مذموم بنو جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کا رد کیا اور اسلام لائے اور ان کا اسلام حسن ہوا وہ فارس کے شجاع عمدہ وبہترین شاعر اور شریف تھے۔ جاہلیت اور اسلام میں شعر کہے زمانہ جاہلیت میں بہت شعر کہتے تھے جب اسلام لائے تو شعر گوئی ترک کر دی۔ ظاہر ہے کہ بہت کم شعر کہنا مراد ہوگا اور مدح وذم میں شعراء کے طریقہ کو چھوڑ دینا مراد ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر فرمایا: اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا الشَّاعِرُ لَبِیْدٌ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ لبید شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے یعنی فنا ہونے والی ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ شعر اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ عمدہ ہے اس میں اس امر کی دلالت ہے کہ یہ شعر مسلمان ہونے کے بعد کہا ہے (واللہ اعلم) لیکن اکثر اہل اخبار کا خیال یہی ہے کہ لبید نے اسلام لانے کے بعد شعر گوئی نہیں کی ہے بعض کہتے کہ انہوں نے اسلام میں شعر گوئی نہ کی مگر ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الحمد للہ اذلم یاتنی لرجل حق — اکتسب من الاسلام سربالا

بعض کہتے ہیں کہ اس کے سوا بھی چند اشعار کہے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

ماعات المرأۃ الکریم لنفسہ — والمرء یصلحہ والقرین الصالح

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لبید سے فرمایا اے ابوعقیل اپنے کچھ اشعار تو مجھے سناؤ انہوں نے کہا میں اب شعر گوئی نہیں کرتا جب سے میں نے حق تعالیٰ کا ارشاد سورۂ بقرہ اور آل عمران میں پڑھا ہے۔ قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں کی تخصیص ان کی زیادتی فضیلت اور عظیم ثواب کی بناء پر ہوگی (واللہ اعلم) یا یہ کہ اس وقت ان کو صرف یہی دو سورتیں یاد ہوں گی۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے وظیفہ میں پانچ سو بڑھا دیئے پہلے دو ہزار تھے۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہوا تو انہوں نے کہا دو ہزار کافی تھے پانچ سو کی زیادتی کس لیے ہے وہ چاہتے تھے کہ یہ پانچ سو کم کر دیں۔ لبید نے کہا میں عنقریب مرنے والا ہوں یہ دو ہزار بھی بچ رہیں گے چنانچہ لبید کچھ مدت بعد فوت ہو گئے (رضی اللہ عنہ) بعض کہتے ہیں

کہ جب لبید اسلام لائے تو اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں جب ان کی طرف سے ولید بن عقبہ حاکم تھا تو جا کے رہے یہ قول اصح ہے۔ ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بیس اونٹ بھیجے اور انہوں نے ان کو اپنی طرف سے ذبح کیا۔ مبرد وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ لبید بن ربیعہ شاعر نے نذر مانی تھی کہ بادصبا چلے تو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا دیں گے اس کے بعد وہ کوفہ میں اترے اور مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے جب دیکھا کہ بادصبا چلی تو انہوں نے لوگوں کو ضیافت دی وہ اس زمانہ میں کوفہ میں تھے تو ولید بن عقبہ نے یہ سنا اور وہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا اس نے خطبہ دیا کہ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ ابوعقیل رضی اللہ عنہ نے اپنے پر ایک نذر لازم کی ہے لہٰذا تم اپنے بھائی کی اعانت کرو خطبہ کے بعد ممبر سے اترا اور لوگوں کو ان کی طرف بھیجا تو انہوں نے اپنی نذر پوری کی۔ مبرد کے سوا لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہزار سواری جمع ہوئی اس وقت ولید نے اس باب میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

ارلی الجرار فتحد لتصیر بہ هبت ریاح ابی عقیل

اعزا لوجہ ابیض عامری طویل الباع کالسیف العقیل

ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ لبید رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کیا بات کہی ہے۔

ذهب الذین یعاش فی اکنا فهم و بقیت من خلف کحملة الاجزب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اسے لبید رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں کہا ہے تو کیا ہوتا اگر وہ ہمارے اس زمانہ کو دیکھتے اور عروہ کہتے ہیں یہ کیسے ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے زمانہ کو دیکھتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے انہوں نے کہا مجھ سے لبید کے بارہ ہزار اشعار بیان کیے گئے ہیں۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ ولید بن ربیعہ عامری اور علقمہ بن علامہ عامر مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں اور دو علقمہ بھی عمدہ ترین شاعروں مین سے ہیں۔ منقول ہے کہ جب لبید نے کہا کہ

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالة زائل

تو ان سے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو نعیم جنت زائل نہ ہو گی اس پر لبید غصہ میں آئے اور یہ شعر مزید کہا۔

سوای جنت الفردوس این نعمتها سیفی ، ان الموت لا بد فازل

لبید رضی اللہ عنہ کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض ایک سو چالیس سال کہتے ہیں اور بعض ایک سو ستاون سال بتاتے ہیں بعض ایک سو ساٹھ سال (واللہ اعلم)

نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ: نابغہ جعدی کے نام میں اختلاف ہے بعض قیس بن عبداللہ اور بعض صاحبان بن قیس بن عبداللہ بن عمرو بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ کہتے ہیں لیکن نابغہ نام سے وہ مشہور و معروف ہیں کیونکہ وہ عہد جاہلیت میں شعر کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد تیس سال تک کوئی شعر نہ کہا اس کے بعد پھر شعر گوئی شروع کر دی اور ان کا نام نابغہ پڑ گیا۔ نابا بغہ نبغ سے ہے بنوغ کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں بغیر اس کے کہ عمدہ شعر کہنے میں دراصل شاعر ہو نوابغ شعراء کی ایک جماعت ہے مثلاً نابغہ جعدی اور نابغہ زبیانی منسوب بہ ذبیان بن تغیض۔ نابغہ جعدی دراصل شاعر تھا جب عرصہ دراز تک شعر گوئی چھوڑ دی تو گویا شاعر نہ رہا جب دوبارہ شعر گوئی شروع کر دی تو تابغ یعنی ظاہر ہو گئے اور نابغہ مبالغہ کیلئے ہے قاموس میں ہے۔ نَبَغُ فَلَانٌ قَالَ الشِّعْرَا وَجَارَلَمْ یَکُنْ شَاعِرٌ یہ نابغہ شاعر محسن اور جاہلیت و اسلام میں طویل العمر ہے اس نے نابغہ ذبیانی سے بہت زیادہ عمر پائی ہے اس کی عمر ایک سو اسی سال بعض دو سو سال اور بعض دو سو تیس

سال بتاتے ہیں اور اصمعی نے دوسوبیس سال روایت کی ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک رہا یہ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیمی کا ذکر کیا کرتا تھا اور نماز روزہ واستغفار کرتا تھا اس نے ایسے اشعار کہے ہیں جو توحید اور اقرار بعث و جزا آخرت اور جنت و نار پر دلالت کرتے ہیں جس طرح کہ امیہ بن ابی الصلت کے اشعار ہیں اس کے بعد ایسے اشعار ہیں کہ اکثر کا خیال ہے کہ وہ اسی کے ہیں بعض کہتے ہیں امیہ بن ابی الصلت کے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا شَرِیْكَ لَهُ مَنْ لَّمْ یَقُلْهَا فَنَفْسِهٖ ظُلْمَا

مَنْ لَّمْ یَقُلْهَا یُصَلِّی الْجَحِیْمِ یَشْفَعُ دَهَاوَجُهِ دَانَ رَغْمَا

ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یونس بن حبیب، حماد الروایۃ، محمد بن سلام اور علی بن سلیمان الاخفش نے تصحیح کی ہے کہ یہ اشعار نابغہ کے ہی ہیں اور انہیں سے مروی ہے کہ کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا اور میں نے ایک قصیدہ کہہ کر بارگاہِ رسالت میں پیش کیا اس میں وہ کہتا ہے۔

اتیت رسول الله اذا جاء بالهدی ویتلو کتاباً کالمخبرسرا

اس قصیدے میں ایسے اشعار ہیں جو مفاخرت سے خالی نہیں ہیں یہاں تک کہ میں نے یہ شعر پڑھا۔

بغاء السماء یحدنا وعدونا

ایک روایت میں ہے۔

علونا طریقها انا لمرجوفون ذلك مظهرا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا این المظہر یا ابا لیلیٰ یعنی اے ابولیلیٰ وہ مظہر کہاں تک ہے ایک روایت میں ہے۔ اَبِیْ اِبْنٌ وَلَا اَمَّ لَكَ اس نے کہا الی الجنۃ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے انشاء اللہ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن له بوادو یحمیٰ صفوة وان تکدر ولا خیر فی جهلٍ ذالم یکن حلیم اذا ما اور دلامر اصدر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک کہا تم نے اور اچھا کہا اور فرمایا: لَا یُفِیْضُ اللّٰهُ فَاكَ اس کے بعد میں نے ایک سوبیس سال دیکھا ان کے تمام دانت بہترین اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت ترین تھے اگر کوئی دانت اکھڑ جاتا تو دوسرا دانت اس کی جگہ نمودار ہو جاتا اور ان کے تمام دانت ژالہ کی مانت روشن اور چمکدار تھے اور یہ برق کی مانند تاباں تھے یہ اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ کو دعا دی تھی یہاں تک کہ نابغہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنا پورا قصیدہ پڑھ کے سنایا یہ قصیدہ بہت طویل ہے تقریباً دوسو اشعار ہیں۔ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی نعت وصفت پر مشتمل ہیں یہ نابغہ خلفا راشدین کے پاس آتے رہے اور ان کے پاس مسجد حرام میں داخل ہوئے اشعار کثیرہ کہے۔ اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے نابغہ تمہارے یہ اشعار وسیلہ ومددگار ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں اور اس کی جناب میں ذخیرہ ہیں تمہیں اس کی جزا ضرور ملے گی ایک حق تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا ہے اور ایک حق اسلام میں شامل ہونے کا ہے اس کے بعد انہیں شتر خانہ لے گئے اور ایک ناقہ جوان اور کئی عمدہ گھوڑے اور گندم وکھجور اور کپڑوں کے انبار دیئے۔ نابغہ رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کے کھانے میں جلدی کی۔ اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا اے ابولیلیٰ افسوس ہے کہ تمہیں فاقہ کشی کی بڑی مشقت اٹھانی پڑی ہے۔ اس کے بعد نابغہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث روایت کی جو قریش کے مناقب میں ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ انبیاء کے جگر پارے میں کم لوگ جنت میں ایک درجہ میں ہوں گے۔ نابغہ رضی اللہ عنہ کے اس قصیدے کو شعراء کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اور شیخ اجل امام علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع کبیر

میں جو کہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کے تبویب پر کتاب کا نام ہے اس میں اسے بیان کیا ہے اور طرماح شاعر سے فرزدق تک منتہی ہوا ہے کہا کہ میں نے نابغہ رضی اللہ عنہ بن جعدہ شاعر سے ملاقات کی ہے میں نے ان سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے اس قصیدہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا ہے پھر میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو دیکھا تو جلال کے آثار نمودار تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِلٰی اَیْنَ یَا اَبَا لَیْلٰی میں نے عرض کیا: اِلَی الْجَنَّةِ یا رسول اللہ فرمایا: اِلَی الْجَنَّةِ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی روئے انور پر جلال کے آثار کا ظہور ایک قسم کی مفاخرت وتکبر کی بنا پر تھا جو کہ اس قصیدے میں ہے۔

ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں کہا ہے کہ نابغہ قیس بن عبد اللہ اصفہان کا شاعر شخص ہے اور وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اصفہان کا حاکم تھا اس کی بہت سی حکایتیں اور خبریں ہیں۔

خطبائے بارگاہِ رسالت

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباء کا بھی اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور شعراء و مؤذنین و امراء و کتاب کی مانند مشاکلت وموافقت میں جمع کا صیغہ خطباء بولا گیا ہے لیکن سیر کی کتابوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک ہی تھے اور یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہونے سے مراد وہ خطیب نہیں ہیں جو جمعہ اور عیدوں میں خطبے دیتے ہیں اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود جمعہ وعیدین کے خطبے دیا کرتے تھے بلکہ یہ خطیب کسی قوم کے خطیب ہوتے تھے کیونکہ اگر کوئی قوم اپنی مفاخرت ومکابرت اور اپنے تعصب میں کھڑی ہو جائے تو یہ خطیب اسی جانب سے بھی ان کے مقابل کھڑے ہو کر ان سے معارضہ مصادقہ کرتا تھا اور یہ نصرت الٰہی غالب ومظفر رہتا تھا جس طرح کہ بنی تمیم کے جہال آئے اور انہوں نے اپنے خطباء وشعرا کو لا کے مفاخرت کے اظہار کیا تھا اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے شاعروں سے معارضہ کرو اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے قصیدہ غراء بر سبیل ہدایت دار تجال پڑھا اور غالب آئے اس طرح حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطیبوں کا جواب دیں تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا جو ان کے فہم وفراست سے اونچا تھا جس سے وہ لوگ خاموش ہو کے رہ گئے یہ سب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وتقویت اور آپ کی نصرت واعانت تھی۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ جو بنی تمیم کا بزرگ ترین شخص تھا کہنے لگا خدا کی قسم! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ونصرت عالم غیب سے کی جاتی ہے اور اس اقرار میں ہمیں کوئی باک نہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہمارے خطیبوں سے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعروں سے بہت برتر وافضل ہیں پھر وہ حق وانصاف کی راہ پر آ گئے اور سب مطیع و منقاد ہو گئے جیسا کہ اس کا پورا قصہ سال نہم کے واقدات کے شروع میں گزر چکا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ: اب رہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کا تذکرہ تو ان کی کنیت ابو محمد یا ابو عبد الرحمٰن تھی یہ انصار کے خطیب تھے اور ان کو "خطیب رسول اللہ" کہا جاتا تھا جس طرح کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شاعر رسول کہا جاتا تھا وہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ صاحب اصابہ فرماتے ہیں کہ اہل سیر نے ان کو بدر کے اصحاب مغازی میں بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا ان کا غزوۂ احد ہے اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی

بشارت اس مشہور قصہ میں دی ہے جو اس آیہ کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ کے نازل ہونے کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ جانے اور مجلس نبوی میں حاضر نہ ہونے کی بنا پر ہے چونکہ وہ جہیر الصوت تھے اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور بشارت دی جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتوں کے باب میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے فرمایا: نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَیْسٍ ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بہت اچھے آدمی ہیں اور ان کیلئے خاص طور سے فرمایا: یَعِیْشُ حَمِیْدًا وَیُقْتَلُ شَهِیْدًا پسندیدہ زندگی ہے اور شہادت کی موت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلایا انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز سے روکتا اور باز رکھتا ہوں جس سے خود کو اور اپنی اولاد کو منع کرتا ہوں تو اس کی جزا میرے لیے کیا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری جزا جنت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنگ یمامہ گرم ہوئی اور لوگ متفرق و پراگندہ ہو گئے تو میں نے ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس سے کہا میرے چچا لوگوں کو سخت دشواری کا سامنا ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ اپنی رانوں سے اپنے تہبند کو اٹھاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے اور عادت کے مطابق اسی طرح جنگ کرتے تھے کہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن خداوند میں اس سے بیزار ہوں جس طرح کہ لوگ کر رہے ہیں اس کے بعد خوب جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب جنگ یمامہ کا دن ہوا تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی طرف بڑھے جب دونوں لشکر مل گئے اور معرکہ کارزار نے وسعت اختیار کی اور لوگ پراگندہ ومتفرق ہو گئے تو ثابت اور سالم مولائے ابوحذیفہ نے کہا یہ کیا ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اپنے پاؤں اس گڑھے میں خوب جما لیے اور جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اس جگہ ایک عجیب وغریب حکایت ہے جسے طبری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ یمامہ کے روز حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے جسم پر ایک نفیس زرہ تھی ایک مسلمان ان کے پاس سے گزرا اس نے اس زرہ کو اتار لیا تو مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک شخص کے پاس خواب میں آئے اور ثابت بن قیس نے اس شخص کو خواب میں بتایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں اور یہ خواب نیک اور اچھا ہے میری اس وصیت کو ضائع نہ کرنا تم جان لو کہ جب میں شہید ہو گیا تو فلاں شخص نے میری زرہ اتار لی ہے اس کا گھر فلاں گوشہ اور فلاں مقام میں ہے اور اس کے پاس ایسا گھوڑا ہے جو اتنی بڑی رسی کے برابر پھاند جاتا ہے جس سے کہ گھوڑا باندھا جائے اور وہ اسے چھوڑ دیتا ہے کہ جہاں چاہے چرے اور میری اس زرہ کے اوپر ایک دیگ لوٹ رکھی ہے اور اس دیگ کے اوپر ایک اور دیگ ہے اور اس نشان وعلامت کا وہ آدمی ہے اور ایسی زرہ ہے جب حضرت ثابت بن قیس نے اس شخص کو خواب میں یہ سب بتا دیا تو فرمایا تم خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ وہ میری زرہ حاصل کر لیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اس قرض میں دے دیں جو مجھ پر ہے ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت کو مسکین وفقراء پر تقسیم کر دینا اور فلاں فلاں میرے غلام کو آزاد کر دیں جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کسی کو زرہ لانے کیلئے بھیجا پھر وہ زرہ لے کر آیا اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان کیا گیا اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دی

ہم نہیں جانتے کہ کسی نے مرنے کے بعد وصیت کو نافذ کیا ہو۔ بجز حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت کی۔

حداۃ بارگاہِ رسالت: اب رہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی پڑھنے والے صحابہ کرام تو یہ متعدد حضرات تھے جو حدی پڑھتے تھے ان کا تذکرہ سال ہفتم کے واقعات میں کیا جا چکا ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی جانب تشریف لیے جا رہے تھے تو اثنائے سفر میں ایک رات حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ حضرت ابن رواحہ کے رجزیہ اشعار حدی میں پڑھ رہے تھے کہ اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ (آخر تک) یہاں تک کہ تمام صحابہ مست وجھوم اٹھے اور اونٹوں کی رفتار از حد تیز ہوگئی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ حدی پڑھنے والا کون ہے؟ اصحاب نے عرض کیا کہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ ہیں فرمایا: ''رحمۃ اللہ علیہ'' ایک روایت میں ہے غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ جب عامر حدی پڑھنے سے خاموش ہوگئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ سے فرمایا کیا تم ہمارے لیے حدی نہ کہو گے؟ اس کے بعد انہوں نے بھی حدی کہی ان کو بھی جنت کی دعا دی۔

انجشہ رضی اللہ عنہ ایک حبشی غلام تھے جو انتہائی خوش آواز تھے انکا تذکرہ ''موالی نبوت'' کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ بن مالک جوان کے بھائی تھے مردوں کیلئے حدی کہتے تھے اور انجشہ رضی اللہ عنہ عورتوں کیلئے حدی کہتے تھے اور حضور فرماتے اے انجشہ رضی اللہ عنہ اونٹوں کو آہستہ چلا تا کہ آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔ آبگینہ سے مراد عورتیں تھیں چونکہ وہ کمزور ہوتی ہیں اور اونٹوں کے تیز دوڑنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ مقصود رفع خاطر ہے جو تمنا کے سننے سے لاحق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

باب یازدہم

دربیان اسلحہ وآلات حزب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم

شمشیریں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں بیان کی گئی ہیں اور یہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ دس تلواریں ایک ہی وقت میں جمع تھیں یا متعدد اوقات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہی ہیں اور جن کی تعداد مدت العمر میں دس تک پہنچی ہیں۔

ان تلواروں میں سے ایک تلوار کا نام ذوالفقار ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ تلوار روز بدر آپ کے دست مبارک میں آئی اور تمام غزوات میں کام دیتی رہی بعدازاں اس کو امیر المؤمنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمادی اس سے دوسرا مطلب ظاہر ہوتا ہے۔ یہی حال دیگر ہتھیاروں گھوڑوں اور مویشیوں کا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسری تلوار کا نام ماثور تھا (بمثلثہ مضمومہ) قاموس میں ہے **الاثر وا یدسیف ویکسر کالایثر و سیف ماثور فی حسنه ایلك اثر** ہے صراح میں ہے او **ثار بفتح گوهر شمشیر والاثور النسیف الذی یقال انه من عمل الجن و قال الاصمحی و لیس من الاثر الذی هو الفرید کذافیالصحاح**۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلی تلوار ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تیسری تلوار کا نام عضب بفتح عین مہملہ وسکون ضاد معجمہ ہے اس تلوار کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہدیہ کے طور پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا جس وقت کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب سفر فرمارہے تھے۔ قاموس میں ہے العضب القطع والضرب والطعن والسیف صراح میں ہے۔ ''عضب بریدن وشمشیر براں۔''

چوتھی تلوار کا نام مخذم بکسر میم وسکون خامعجمہ وفتح ذال معجمہ ہے قاموس میں ہے۔ **خذمه یخذمه قطعه و سیف خذم ککتف وکصور و معظم قاطع** صراح میں ہے۔ **خذم بریدن و تخذیم پاره پاره کردن مخذم بالکسر تیغ بران**۔

پانچویں تلوار کا نام رسوب بفتح راء وضم سین ہے۔ رسوب پانی میں تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں اور فتح سے تلوار کو کیونکہ ذریبہ میں غائب ہو جاتی ہے۔ ذریبہ تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ رسوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ہے یا ان سات تلواروں کے نام ہیں جو بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے بھیجی تھیں اور حارث بن ابی شمر کی تلوار اور خیل ثابت کے گھوڑے کا نام تھا اور اس تلوار کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فلس سے (بضم فا وسکون لام) جو بنی طے کا بت خانہ ہے ہجرت کے نویں سال لائے تھے جیسا کہ پہلے گزرا بعض کہتے ہیں کہ زید الخیل طائی نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیجی تھی۔

چھٹی تلوار کا نام قلعی بضم قاف وفتح لام جو کہ قلع سے ہے اور یہ صحرا میں ایک موضع ہے وہاں سے پہنچی تھی (کذافی المواہب) صراح میں ہے قلعہ صحر میں ایک جگہ کا نام ہے اور ''سیف قلعی'' اسی کی طرف منسوب ہے۔

ساتویں تلوار کا نام قضب بفتح قاف وکسر ضاد وسکون یا ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے یہ پہلی شمشیر ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمر مبارک پہ باندھی تھی۔ **قضبہ قطعہ کا قبضہ قضب فلانا ضربہ بالقضیب** جو درخت دراز ہو اور اس کی شاخیں پھیل جائیں اوران شاخوں کو تیر وکمان کیلئے کاٹا جائے کذا فی القاموس جراح میں ہے سیف قاضب تیغ براں ہے۔

آٹھویں تلوار ذوالفقار ہے یہ تلوار منبہ بن الحجاج سہمی کی تھی اور بدر کے دن اس کا بیٹا عاص بن منبہ لیے ہوئے تھا اس تلوار کے درمیان میں فقارِ ظہر مہرہائے پشت تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس تلوار کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے یہ ہر جنگ میں ساتھ رہتی تھی اور قبیعہ، کلقح و دابہ، نعل مکراب اور اس کا تمام ساز چاندی کا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عاص بن منبہ کو قتل کیا تو تلوار کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے لیے پسند فرمایا بعد ازاں غزوۂ احزاب میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی یہی وہ تلوار ہے کہ اس کی شان اور اس کے صاحب کی شان میں کہا گیا لَا فَتٰـی اِلَّا عَلِیٌ لَا سَیُف اِلَّا ذُو الْـفِـقَارِ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں کہا ہے کہ یہ وہ تلوار نہیں ہے جو مواہب میں مذکور ہے۔ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ یہ تلوار اور ہے جو ان کو ان کے والد سے میراث میں ملی تھی اور فرماتے ہیں کہ اس فقیر کا گمان یہ ہے کہ وہ تلوار قضب ہے بعض اہل سیر خیال کرتے ہیں کہ قضب اور ذوالفقار دونوں ایک ہی ہیں۔ (انتہی)

زرہ شریف: لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ شریف ایک تو سعدیہ بضم سین وسکون عین اور سعدیہ بفتح سین اور صعدیہ بضم صاد بھی کہتے ہیں اور دوسری فضہ نام کی ہے یہ دونوں زرہیں قینقاع کے یہودیوں کے اسلحہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سعدیہ زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی جسے انہوں نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہنا تھا ایک زرہ ذات الفضول تھی (فا اور ضاد کے ساتھ) یہ نام اس کی درازی اور کشادگی کی بنا پر تھا۔ اسے حضرت سعد بن عبادہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ رونق افروزی کے وقت بطور ہدیہ پیش کی تھی اس زرہ میں چار کڑے چاندی کے تھے دو سینہ کی جانب اور دو کندھے کی طرف۔ یہ وہ زرہ ہے جو ابوشحم یہودی کے پاس تیس صاع جو میں گروی رکھی تھی جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس وقت بھی یہ زرہ گروی تھی روز احد اس کو اور فضہ کو اس کے اوپر پہنا تھا اور روز حنین وخیبر میں بھی سعدیہ اور ذات الفضول دونوں کو پہنا تھا۔ ایک زرہ ''ذات الحواشی وترا'' نام کی تھی اس لیے اس کا یہ نام تھا کہ وہ منفرد تھی ایک زرہ حریف نام کی تھی اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہوئی۔ منقول ہے کہ زرہ ذات الفضول کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تبرک ویمن کے طور پر محفوظ کر رکھا تھا جسے جنگوں میں پہنتے تھے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جنگ جمل میں یہ اس زرہ کو پہنے ہوئے تھے بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وہ زرہ جسے جالوت کے قتل کے وقت انہوں نے پہنا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اسے ''روحا'' کہتے تھے جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے مواہب میں زرہ سعدیہ قینقاعی کو زرہ داؤدی کہا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

مغفر شریف: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مغفر تھے ایک کو موشح دوسرے کو ذوالبوع کہتے تھے۔ مغفر بروزن منبر اور مغفرۃ و غفارت بروزن کتابت بنی ہوئی زرہ کو کہتے ہیں جو ٹوپی کے نیچے پہنی جاتی ہے یا وہ چادر ہے جس سے مسلح اپنے کو ڈھانپتا ہے۔

بعض اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خود بھی تھا جسے اہل عرب بیضہ کہتے ہیں۔ روز احد سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پہ رکھا ہوا تھا اور اس کی کیل رخسار مبارک میں گھس گئی تھی جس سے سر مبارک اور چہرہ لہولہان ہو گیا تھا۔ اہل سیر مغفر اور بیضہ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مغفر طاقیہ کی مانند ہوتا ہے اکثر بنی پر ڈھلک آتا ہے۔ بیضہ میں لمبائی ہوتی ہے اور اوپر کی جانب ابھار ہوتا ہے جس طرح کہ مرغ کا آدھا انڈا ہوتا ہے اور اس میں زنجیریں ہوتی ہیں جو گردن و چہرے اور بعض کندھے

اور سینہ کو چھپاتی ہیں۔

ڈھال مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین سپر تھیں ایک کو ازلق کہتے تھے جو زلق سے بنا ہے بمعنی تصریدن وجنبیدن اور دوسرے کو فتق بمعنی کشادن وشگافتن اور تیسرے کو دوفر بمعنی نام کردن و بسیار کردن کہتے تھے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ور ڈھال بھی تھی جس میں کبش یا عقاب کی تصویر تھی یہ تحفہ کے طور پر بھیجی گئی تھی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویر کو مکروہ جانا اور اس پر اپنا دست مبارک رکھا تو اس کی تصویر معدوم ہوگئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک روز صبح کو اٹھے تو حق تعالیٰ نے اس ڈھال سے تصویر کو مٹا دیا تھا صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ ڈھال ان تینوں میں سے ایک تھی جن کے نام بیان کیے گئے یا کوئی اور تھی دونوں وجہوں کا احتمال ہے۔ (واللہ اعلم)

نیزے: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار نیزے تھے تین تو بنی قینقاع کے یہودیوں کے اسلحہ میں سے پسند فرمائے تھے ایک اور تھا جس کا نام مثوی، ثوی سے ماخوذ بمعنی اقامت تھا اور اسے مثنی، ثنی سے ماخوذ بمعنی دوتا ہونا بھی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام دو نیزوں کے تھے اور دیگر دونوں کے نام نہیں رکھے گئے تھے۔

حربہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی حربہ تھے ایک کو نبعہ کہتے ہیں دوسرے کو بیضہ تیسرے کو عنزہ (بعین ونون وزائے مفتوحات) صراح میں ہے کہ حربہ چوب دستی کو کہتے ہیں بعضوں نے چھوٹے تیر سے تفسیر کی ہے اس کی جمع حراب ہے۔ حدیث میں ہے وَالْحَبَشَةُ كَانُوا يَلْعَبُونَ بِالْحِرَابِ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حربہ تھا جسے نبعہ کہتے ہیں۔ نبع ایک درخت ہے جس سے کمان بنائی جاتی ہے اور اس کی ٹہنیوں سے تیر بنائے جاتے ہیں۔ نبع اس کی لکڑی ہے اور نبعہ اس کا حصہ۔ دوسرا حربہ جسے بیضہ کہتے تھے ظاہر ہے کہ وہ سفید لکڑی کا تھا۔ تیسرا حربہ جسے عنترۃ القر کہتے تھے جو تیر جیسا ہوتا تھا اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام ہمراہ رکھتے تھے تا کہ اس سے سترہ بنائیں یا استنجے کیلئے ڈھیلے کھودیں۔ عید کے دنوں میں انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے گاڑتے تھے۔

کمان: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانیں چھ تھیں جو بنی قینقاع کے اسلحہ سے ملی تھیں ایک کو روحا اور دوسرے کو بیضا اور دو کمانیں درخت شوط کی تھیں اور ایک نبع درخت کی جسے صفرا' کتوم اور پنجکشت کہتے تھے۔ اسے ابوقتادہ نے لیا تھا اسے متصلہ کہتے تھے ان کی کمر چمڑے کی تھی جس میں تین چاندی کے حلقے تھے۔

خیمہ مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خیمہ تھا جسے کن (بکسر کاف وتشدید نون) کہتے تھے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کن ایک قوم کا نام تھا کن اور کیان کے اصل معنی پوشش کے ہیں اس کی جمع اکنان ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ قرآن کریم میں لوگوں پر منت رکھ کر فرماتا ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا بھی کن کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً کنا نہ تیر رواں کو کہتے ہیں اور کانون آتشدان کو کہتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے دبیز رہوتے تھے اور چمڑے کے بھی تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس خیمہ میں تشریف فرما تھے وہ چھوٹا تھا پھر صحابی آئے اور ان کو خیمہ کے اندر طلب فرمایا۔ اس صحابی نے بطریق مزاح ومطائبہ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اپنے پورے وجود کے ساتھ آ جاؤں؟ مطلب یہ کہ یہ خیمہ اتنا تنگ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی ناکافی ہے میں کس طرح مزید اس میں سما سکتا ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خوش طبعی میں فرمایا ہاں اپنے پورے جسم کے ساتھ آ جاؤ۔

علم مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی جھنڈے اور علم تھے ایک علم سیاہ تھا جس کا عقاب نام تھا دوسرا علم سفید تھا اور کبھی اپنی ازواجِ مطہرات کی چادروں کا علم مرتب فرماتے۔

مویشی: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی یعنی گھوڑے' اونٹ' خچر' دراز گوش اور بکریاں بہت کثرت سے تھیں اور یہ ثابت نہ ہوا کہ گائے بھینس میں کچھ رکھتے تھے یا نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس گھوڑے بتائے گئے ہیں ان کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ اول سکب وسکیب دراصل اس کے معنی پانی بہانے کے ہیں۔ **سکب الماء سکباصبه فانصب ماء ساکب و مسکوب** بولتے ہیں اور ساکب نسبت لفظی ہے مثل تامر اور لابن کے اور ''ماء سکب'' بھی بولتے ہیں بہ ہر طریق وصف مصدر' مبالغہ کیلئے ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے نام سکب بھی اسی بنا پر تھا کہ وہ اپنی رفتار میں پانی کے بہاؤ کی مانند رواں دواں تھا سکب ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو رفتار میں عمدہ تیز اور سریع السیر ہو اور پانی کی مانند رواں ہو۔ قاموس میں ہے سکب اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز رفتار دور ثابت قدم ہو اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کا نام ہے اور یہ پہلا گھوڑ ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آیا اور اسے دس اوقیہ میں خرید فرمایا تھا اس پر جہاد فرماتے تھے اور اس گھوڑے کا نام اس کے پہلے مالک کے پاس ضر میں تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر سکب رکھا اسی گھوڑے پر دوڑ فرماتے اور آگے رہتے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش و مسرور ہوتے تھے۔

یہ گھوڑے کمیت اغر محجل طلق الیمنی تھا۔ کمیت ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سیاہی و سرخی کے مابین ہو اور ان دونوں میں سے کوئی خالص رنگ نہ ہو اور اغر اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر ایک درم سے زیادہ سفیدی ہو۔ غرہ بضم غین اس سفیدی کو کہتے ہیں فرس اغر اور رجل اغر بھی بمعنی شریف بولتے ہیں۔ کذافی الصراح اور قاموس میں مطلقاً سفیدی کو کہا گیا ہے۔ محجل وہ گھوڑا ہے جس کے چاروں ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ محجل ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو کہتے ہیں اور طلق الیمین بضم طاولام اور مطلق الیمنی میں بولا جاتا ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کے دونوں پاؤں اور ایک ہاتھ سفید ہوں اور ایک ہاتھ میں سفیدی نہ ہو۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں میں سفیدی نہ ہو۔ ابن الاثیر نے کہا کہ وہ گھوڑا جس کا نام سکیب تھا وہ ادہم تھا یعنی سیاہ رنگ کا گھوڑا تھا جس طرح کہا جاتا ہے کہ فرس ادہم' بغیر ادہم اور ناقہ دہمائی۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ **خیر الخیل ادھم** برکت والا گھوڑا سیاہ ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ **علیکم بکل کمیت اغر و محجل ادا شفر اغر محجل اشفر و کمیت** کے درمیان فرق یہ بتاتے ہیں کمیت میں یال اور دم سیاہ ہوتی ہے اور اشقر میں سرخ۔ صراح کہا گیا ہے کہ شقرہ سرخ و سفیدی کو کہتے ہیں ور اشقر اسی کی لغت ہے اور یہ وہ گھوڑا ہے جس کے ایال اور دم سرخ ہوں اور جس کے ایال اور دم سیاہ ہو اور باقی سارا جسم سرخ ہو اسے کمیت کہتے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا گھوڑا مرتجز (بضم میم وسکون زا و فتح تا و کسر جیم ورا اور آخر) تھا۔ مرتجز' رجز سے ماخوذ ہے جو کہ ایک قسم کا وزن شعری ہے اور اس کا وزن تین بار مستفعلن ہے۔ خلیل جو فن شعر کا استاد اور اس کا موجد ہے اس کو شعر نہیں جانتا بلکہ نصب بیت یا ثلث بیت قرار دیتا ہے اور وہ جو بعض حدیثوں میں ایسے اشعار آئے ہیں اسی قبیل سے ہیں۔ اس گھوڑے کا یہ نام رکھنا اس وجہ سے تھا کہ اس کی ہنہناہٹ اچھی تھی یہ وہ گھوڑا ہے جسے ایک اعرابی سواد بن الحارث بن ظالم سے خریدا تھا اور یہ بنی مرہ یا بنی تمیم سے تھا۔ وہ اعرابی فروخت کرنے کے بعد منکر ہو گیا تھا اور حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی اور ان کی شہادت کو بمنزلہ دو شہادت کے قرار دیا گیا تھا اور ان کا ذوالشہادتین نام ہو گیا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا گھوڑا لزاز ہے جسے مقوقس شاہ اسکندریہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو بہت پسند فرماتے تھے اور اکثر اسی پر سفر کرتے تھے۔ قاموس میں ہے کہ لزاز بمعنی شدت والصاق اور الزام کے ہے اور مزاز بروزن کتاب ہے یہ اس گھوڑے کا نام ہے جسے مقوقس نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔ لزیز

کے معنی پر گوشت کے ہیں۔

مواہب میں ہے کہ اس گھوڑے کا نام بوجہ اپنی شدت تلزز اور اجتماع خلقت کے موسوم ہوا ہے۔ ''ولز بالشیئی اے فرق بہ'' گویا یہ اپنے مطلوب کے ساتھ مل گیا۔ یہ نام اس کی رفتار کی تیزی کی بنا پر ہے۔

روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ لزاز کے معنی سیدھا باندھنے کے ہیں۔ رَجُلٌ الزَّاىٌ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ سخت دشمن شخص کو مرد الز کہتے ہیں اور اس گھوڑے کو لزاز اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ گھوڑا محکم اور تیز رفتار تھا (انتہی) جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لزاز نام رکھنا از قبیل وصف مصدر ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا گھوڑا الحیف (لجاء مہملہ) تھا اسے ربیعہ بن ابی البراء نے ہدیہ کیا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اونٹ اس کے عوض عطا فرمائے تھے۔ لحف کے معنی لحاف میں چھپ جانا اور التحاف کے معنی جسم پر کپڑا لپیٹنا اور لحاف (بکسر) وہ چیز ہے جو لپیٹی جائے اس گھوڑے کا لحیف نام رکھنا اس کے مٹاپے اور اس کے بڑے ہونے کی وجہ سے ہے۔ گویا وہ زمین کو لپیٹ لیتا تھا اور اس کی دم اس کی لمبائی کی وجہ سے زمین پر بچھ جاتی تھی۔ فعیل بمعنی فاعل کے ہے۔ يُقَالُ اَلْحَفَ الرَّجُلَ بِاللِّحَافِ اے طَرَحَهٗ عَلَيْهِ۔

بعض نسخوں میں لحیف بضم لام و فتح حاء ہے مگر صحیح اور راجح بفتح لام اور کسر حا ہے۔ کذافی حاشیۃ روضۃ الاحباب اور یہ لفظ جیم اور خاء کے ساتھ بھی مروی ہے۔ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے مگر ہم نے اس کی تحقیق نہیں کی ہے۔ مشہور و معروف حاء کے ساتھ ہی ہے جیسا کہ مواہب میں ہے۔ قاموس میں اسے حاء مہملہ اور خاء معجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دونوں جگہ کہا ہے کہ امیر و زبیر کے وزن پر ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں گھوڑا ورد بمعنی گلاب ہے اور یہ اسی گھوڑے کو کہتے ہیں جو کمیت اور اشقر کے درمیان ہو چونکہ اونٹ کا بھی یہ رنگ ہوتا ہے اس لیے اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس گھوڑے کو تمیم داری ہدیہ کے طور پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا اور انہوں نے ایک غازی کو راہ خدا میں اس پر سوار ہو کر جہاد کرنے کیلئے دے دیا۔ اس شخص نے اس گھوڑے کو انتہائی لاغر و نحیف کر دیا اور وہ اسے فروخت کرنے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس گھوڑے کو اس سے خرید لیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز خدا کی راہ میں صدقہ کر دی دوبارہ اسے لوٹانا نہیں چاہیے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھٹا گھوڑا ضریس بضاد معجمہ ہے۔ ضریس اس کنویں کو کہتے ہیں جسے پتھر کے ساتھ چوڑا کیا گیا ہو۔ اس گھوڑے کو ضریس اس کی مضبوطی کی بنا پر کہتے ہیں جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرس اس پتھر کو کہتے ہیں جس سے کنویں کی چوڑائی کی گئی ہو یہ اس گھوڑے کا نام ہے جسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراری سے خرید فرمایا تھا اور اس کا نام بدل کر سکب رکھا تھا۔ مخفی نہ رہے کہ اگر یہ بات ایسی ہے تو اس کا ذکر سکب کے ساتھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتواں گھوڑا ظرب بفتح ظاء معجمہ دکہ راء ہے۔ اسے فردہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حذامی نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ قاموس میں ہے ظرب ککتف الخیل المنبط اور الصغیر و فرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں لکھا ہے ظَرُبَتْ حَوَافِرُ الدَّآبَّةِ اَمِے اِشْتَدَّتْ وَصُلِبَتْ اور اس گھوڑے کو صلابت و شدت کی وجہ سے ظرب کہتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھواں گھوڑا ملاوح بضم میم و کسر داد ہے یہ گھوڑا پہلے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں تھا۔ روضۃ

الاحباب کے حاشیہ میں ہے کہ ملواح اور ملاوح اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی کمر پتلی ہو اور فربہ نہ ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواں گھوڑا سبحہ ہے جو سیاحت بمعنی پیرنے سے ماخوذ ہے۔ اَلسَّوَابِحُ الْخَيْلُ يُسَبِّحُهَا يُرِيدُهَا فِيْ سَيْرِهَا ۔مواہب میں ہے۔ فَرَسٌ سَابِحٌ اِذَا كَانَ حُسنَ اَحد الْيَدَيْنِ فِي الْحَبْرِى ابن التین نے کہا کہ یہ گھوڑا اشقر ہے جسے ایک اعرابی سے دس اونٹ کے عوض میں خرید فرمایا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دسواں گھوڑا بحر ہے۔ يُقَالُ فَرَسٌ بَحْرٌ اَیْ وَاسِعُ الْبَحْرِیِّ قاموس میں ہے۔ ''البحر الجواد'' اس گھوڑے کو ان تاجروں سے خریدا تھا جو یمن سے آئے ہوئے تھے۔ اس گھوڑے پر تین مرتبہ مسابقت فرمائی اور تینوں مرتبہ یہ سابق یعنی آگے رہا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کی پیشانی پر پھیر کر فرمایا۔ مَا اَنْتَ اِلَّا بَحْرٌ فَسَمِّيْتُ بَحْرا وَكَانَتْ بَيْضَآءَ۔ روای البخاری تو دریا ہے میں نے تیرا نام بحر رکھا وہ گھوڑا سفید تھا ابن اثیر نے کہا وہ کمیت تھا۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس گھوڑے ہیں جو کہ اکثر کتب سیر میں مسطور ہیں بعض نے اور نام بھی بیان کیے ہیں جیسے ابلق، ذوالعقال، ذوااللمہ، مرتجل، ترادح، سرحان، یعسوب، نجیب، اوہم، سجاء، سجل، طرف اور مندوب وغیرہ۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کو اہل سیر نے بکثرت بیان کیا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں کیا وہ کس جنس کے تھے اس لیے گھوڑوں کی بے شمار جنسیں ہیں مثلاً عراقی گھوڑے، ترکی گھوڑے وغیرہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عربی گھوڑے ہوں گے جیسا کہ ان شہروں میں متعارف ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ازواج مطہرات کے بعد گھوڑا سب سے زیادہ محبوب تھا اور یہی وہ تیسری بات ہے جو حدیث مبارک حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاكُمْ ثَلٰثٌ میں ہے اور وہ تیسری بات متروک ہوگئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک گھوڑوں میں اشقر ارثم اقرح محجل مطلق الیمین بہت محبوب تھا۔ اشقر، محجل اور مطلق الیمین کے معنی تو معلوم ہو گئے ثم ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی ناک اور نچلے ہونٹ سفید ہوں اور اقرح وہ گھوڑا جس کی پیشانی غرہ سے کمتر سفید ہو۔ گھوڑے کی فضیلت میں اخبار و احادیث بکثرت وارد ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی پیشانی کے بال کو بل دیتے اور فرماتے: اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الْاَجْرُ وَ الْغَنِيْمَةُ گھوڑا اپنی پیشانی میں قیامت تک خیر کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور اجر غنیمت کے ساتھ وابستہ ہے ناصیہ سے پیشانی پر لٹکتے ہوئے بال مراد ہیں خاص طور سے ناصیہ کا ذکر فرمانا اس زیب و زینت کی بنا پر ہے جو اس میں ہے یا گھوڑے کے پورے جسم کی جانب اشارہ ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کی پیشانی مبارک ہے اور وہ برکت والی ذات ہے۔ گھوڑے کی فضیلت و شرف میں حق تعالیٰ کا قسم یاد فرمانا کافی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا اِلٰى اٰخر السورة اس سے مراد خیل غزاۃ ہے اور حدیث میں گھوڑے کو ذلیل و خوار کرنے اور اس پر بوجھ لادنے اور اسے اس کام میں استعمال کرنے کی ممانعت واقع ہوئی ہے۔ حیوۃ الحیوان میں حاکم نیشاپوری نے جو کہ عظماء محدثین سے ہیں حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حق تبارک و تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا فرمانا چاہا تو جنوبی ہوا سے فرمایا میں تجھ سے ایسی مخلوق پیدا کروں گا جس سے اپنے دوستوں کی عزت اعدائے دین کی مذلت اور اپنے اہل طاعت کی عزت و عظمت بناؤں گا اس پر باد جنوبی نے عرض کیا یارب ہم میں سے ایسی مخلوق پیدا فرما تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اس سے ایک مٹھی لی اور اس سے گھوڑا پیدا فرمایا ایک روایت میں آیا ہے کہ کمیت گھوڑے کو پیدا فرمایا اور اس سے خطاب فرمایا کہ میں نے تجھے پیدا کیا اور تیری پیشانی میں خیر رکھی جو

تیری پشت پر سوار ہو کر غنایم حاصل کریں گے اور میں نے تجھے ایسا پیدا کیا ہے کہ بغیر پروں کے تو طرارے بھرے فَاَنْتَ الْمُطَّلَبُ وَاَنْتَ الْمُهَيِّرْت اور میں نے تیری پشت کو ان جوانمردوں کیلئے بنایا ہے جو تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کہیں گے۔

جب فرشتوں نے سنا کہ گھوڑے کو پیدا فرمایا ہے تو انہوں نے مناجات کی اے رب ہم بھی تیرے بندے ہیں اور تیری تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کرتے ہیں ہمارے لیے تو نے کیا پیدا کیا ہے؟ اس پر حق تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں ایسے گھوڑے پیدا فرمائے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند ہیں تا کہ حق تعالیٰ کے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی جس کو خدا چاہیے مدد کریں۔

جب گھوڑوں کے پاؤں اور اعضا درست ہوئے تو خطاب ہوا کہ اپنی ہنہناہٹ سے مشرکوں کے دلوں کو ڈرا اور ان سب کے کانوں میں اپنی آواز پہنچا کر ان کی گردنوں کو ذلیل وخوار کر۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کے سامنے تمام مخلوق لائی گئی حق تعالیٰ نے فرمایا میری مخلوق میں سے جس کو چاہیے اور جو اچھا معلوم ہو اپنے لیے پسند کر لو تو انہوں نے گھوڑے کو پسند کیا اس پر فرمایا گیا تم نے اپنی عزت اور اپنے اولاد کی عزت کو ابدالآباد تک اختیار کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا جنوبی ہوا سے ایک مٹھی لو تو انہوں نے ایک مٹھی لی اس کے بعد اس سے کمیت گھوڑا پیدا فرمایا۔ (آخر حدیث تک) جبریل علیہ السلام کو باد جنوبی سے ایک مٹھی لینے کیلئے خاص کرنے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عزرائیل علیہ السلام کو مشت خاک لانے کیلئے خاص کرنے میں گویا حکمت یہ ہے کہ تخلیق آدم کے لیے مشت خاک لانے میں عزرائیل علیہ السلام کو حکم اس لیے دیا کہ خاک کی خاصیت بخل ہے لہٰذا عزرائیل علیہ السلام جن کی سرشت میں قہر وجبر ہے وہ اس سے لیں اور ہوا میں بہ نسبت اس کے سخاوت ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں مروی ہے کہ كَانَ فِي رَمَضَانَ كَالرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ رمضان المبارک میں آپ کی خوبو بادنسیم کی مانند ہو جاتی تھی اس لیے اس جگہ جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا تا کہ رفق نرمی سے لیں۔ جبریل علیہ السلام کو گھوڑے کے ساتھ ایک نسبت وتعلق ہے کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیے ہیں اور جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام حیزوم ہے۔ (واللہ اعلم) نیز صاحب حیوۃ الحیوان فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو گھوڑے پر سوار ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور اسی سبب سے اس کا نام اعراب رکھا گیا۔ اس سے پہلے وہ بھی تمام جانوروں کی مانند وحشی جانور تھا جب حق تبارک وتعالیٰ کا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بنیاد کعبہ بلند کرنے کا حکم ہوا تو حق تعالیٰ نے فرمایا میں تمہیں ایک خزانہ دوں گا جو میں نے تمہارے لیے محفوظ کر رکھا ہے اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ باہر نکلو اور اس خزانہ کو تلاش کرو۔

پھر حق تعالیٰ نے ان کو دعا الہام فرمائی تو اراضی عرب کی سرزمین میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کی پکار پر حاضر نہ ہوتا پھر حق تعالیٰ نے گھوڑوں کی پیشانیوں پر قادر بنایا اور ان کی ان کیلئے مسخر وگرویدہ کر دیا اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِرْكَبُوا الْخَيْلَ فَاِنَّهَا مِيْرَاثُ اَبِيْكُمْ اِسْمَاعِيْلَ (رواہ النسائی) یعنی گھوڑوں کو سواری کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔

بغل یعنی خچر: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر متعدد تھے ایک کا نام دلدل تھا یہ خچر شہبا رنگ کا تھا۔ شیہ سفیدی وسیاہی ممزوج کو کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے اسے مقوقس نے حضرت ماریہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر سواری کرتے رہے ان کے بعد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو ملا جیسا کہ پہلے سلاطین وامراء کے نام خطوط بھیجنے کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب دلدل بارگاہ نبوت میں لایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ کچھ مقدار میں اون اور چھلڑ لاؤں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اون سے اس کے رسی بٹی اور باگ ڈور تیار کی پھر کاشانہ اقدس میں تشریف لے جا کر ایک کملی لائے اور اس کی چار تہہ کر کے اس خچر کی پشت ڈال دیا پھر بسم اللہ کہہ کر سوار ہوئے اور مجھے اپنا ردیف بنایا یہ پہلا خچر تھا جو عہد السلام میں سواری کے کام میں لائے صاحب حیوٰۃ الحیوان فرماتے ہیں کہ محدثین کا اجماع ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خچر نہ نر تھا نہ مادہ۔ (واللہ اعلم)

طبرانی نے معجم اوسط میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ جب مسلمان حنین کے دن منہزم و متزلزل ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بغلہ شہباء پر جسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دلدل فرماتے تھے سوار تھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے دلدل زمین کے قریب ہو تو دلدل نے سینہ زمین پر لگا دیا یہاں تک کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک زمین سے لی اور دشمنوں کے چہروں پر چھڑکی اور فرمایا: هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ وہ مغلوب ہوں گے۔ اسی دم وہ ہزیمت کھا گئے جیسا کہ گزرا۔

ایک اور خچر تھا جسے فضہ کہتے تھے اسے فردہ بن عمرو حذامی نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدیہ میں بھیجا تھا بعض کہتے ہیں کہ دلدل اور فضہ ایک ہی ہے یہ بات اس قول کے زیادہ موافق ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلدل سفید تھا شہباء نہ تھا اس خچر کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کو عطا فرمایا۔

ایک خچر اور تھا جسے ابن العلاء صاحب ایلہ نے بھیجا تھا اور اس خچر کو ایلیہ کہتے تھے۔ ایک اور خچر دومۃ الجندل سے آیا تھا ایک اور خچر نجاشی حبشہ کے پاس سے آیا تھا بعض کہتے ہیں کہ ایک اور خچر بھی تھا جسے کسریٰ نے بھیجا تھا یہ قول بعید از قیاس ہے اس لیے کہ اس بدبخت نے تو فرمان مصطفویٰ کو پارہ پارہ کر کے گستاخی و بے ادبی کی تھی ہدیہ بھیجنا بعید ہے جاننا چاہیے کہ خچر' گدھے اور گھوڑے کا مرکب ہے اس بنا پر اس کے اعضا میں گدھے کے اعضاء کی سختی اور گھوڑے کے اعضا کی طوالت ظاہر ہے اسی طرح اس کی ہنہناہٹ بھی جسے شجیج (بشین دیا اور دو جیم کے ساتھ) کہتے ہیں مرکب ہے گھوڑے کی ہنہناہٹ اور گدھے کی نہق دونوں موجود ہیں۔ خچر عقیم ہوتا ہے اس سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا مشہور یہ ہے کہ خچر کی پیدائش گھوڑی پر گدھے کی جفتی سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر پیش کیا گیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت پسند آیا اس پر صحابہ نے عرض کیا ہم گھوڑوں پر گدھے کو چھوڑ دیں تاکہ اس سے خچر پیدا ہو مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو بے علم ہوتے ہیں اس ممانعت کی علت وغرض میں علماء فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جانور کو غیر جنس پر چھوڑنے کو مکروہ جانا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ موجب تقلیل نوع فرس ہوگا اور گھوڑے کے منافع میں تعطل واقع ہوگا کیونکہ اس سے دارومدار سواری رکض' طلب' حرب' عزت اور حصول غنایم ہیں۔ (واللہ اعلم)

حیوٰۃ الحیوان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خچر کی پیدائش دونوں طریق سے ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر نر گدھا ہو تو گھوڑے سے خچر سخت تر ہوتا ہے اور اگر نر گھوڑا ہو تو گدھی سے خچر مشابہ گدھے کے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے اس کا ہر عضو جو بھی ہو فرس و حمار کے بین بین ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے خارجی صفات کا حال ہے کہ نہ گھوڑے جیسی ذکاوت ہے اور نہ گدھے جیسی حماقت اس کے باوجود اس کی تعریف میں ہے جس راہ سے ایک مرتبہ گزرا ہے اسے وہ یاد رکھتا ہے وہ سواری کا بادشاہ ہے بوجھ اٹھانے اور دور دراز سفر طے کرنے میں فائق ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں پہلے خچر سے تناسل و توالد ہوتا تھا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے لکڑیاں لانے اور تیز رفتار سواری میں یہ مضبوط سواری ثابت ہوئی تو اس کیلئے حق تعالیٰ سے دعا کی حق تعالیٰ نے اس کی نسل کو منقطع کر دیا نیز حیوٰۃ الحیوان میں اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم سے عجیب بات منقول ہے انہوں نے کہا کہ

ہماری بستی میں ایک چکی والا رافضی تھا اس کے دو خچر تھے ایک کا نام اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ رکھا تھا اور دوسرے کا نام اس نے عمر رضی اللہ عنہ رکھا تھا اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ اہانت وتذلیل کرتا تھا تو ایک روز ان دونوں خچروں میں سے کسی نے اس چکی والے پر حملہ کیا اور اسے ہلاک کر دیا جب اس کی خبر میرے دادا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ملی اور ساری کیفیت معلوم ہوئی تو فرمایا جا کے جستجو کرو کہ ان دونوں میں سے کس خچر نے اسے واصل جہنم کیا ہے میرا گمان ہے کہ اس خچر نے اسے ہلاک کیا ہے جس کا نام اس نے عمر رضی اللہ عنہ رکھا تھا چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو ویسا ہی معاملہ تھا جیسا کہ حضرت امام نے خبر دی تھی۔

دراز گوش: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دراز گوش یعنی حمار تھے ایک کا نام عفیر بروزن زبیر تھا اسے مقوقس نے بھیجا تھا دوسرے کا نام فروہ جذامی نے بھیجا تھا کہتے ہیں کہ عفیر اور یعفور ایک ہی دراز گوش ہے۔عفرہ مٹیلے رنگ کو کہتے ہیں اور اعفر از طلبا اسے کہتے ہیں جس کی سرخی پر سفیدی غالب ہو تیسرا دراز گوش وہ جسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ لائے تھے۔

حیوٰۃ الحیوان میں منقول ہے کہ لوگوں کے اقوال اس جانور یعنی حمار کی مدح وذم میں کئی ہیں۔محبت' اغراض اور مصالح کے لحاظ سے یہ مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض اسلاف سے منقول ہے کہ بعض لوگ چھوٹے گدھے کی سواری کو براذین کی سواری پر ترجیح دیتے ہیں براذین ترکی نسل کے گھوڑوں کا نام ہے۔وہ کہتے ہیں کہ بوجھ اٹھاتا اور منزل پہ پہنچا دیتا ہے یہ بیمار کم ہوتا ہے اور چارہ ہلکا ہے۔اس میں مؤونت کم ہے اور معونت زیادہ اس کا نیچے اترنا آسان ہے اور اوپر چڑھنا تیز ہے غرض یہ کہ گھوڑے' خچر اور اونٹ کے بعد لوگوں کیلئے اس کی سواری کی فضیلت وبزرگی کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری کی ہے اور بعض حدیثوں کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تواضع اور ترک تفاخر اس سے ملحوظ ومنظور تھا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دراز گوش پر سواری کرتے پشمینہ کا لباس پہنتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دراز گوش تھا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مقوقس نے بھیجا تھا اس کا نام عفیر تھا۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے غین کے ساتھ لکھا ہے مگر شارحین حدیث' قاضی عیاض کی اس میں غلطی وخطا پر متفق ہیں اور کہا کہ جب خیبر فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دراز گوش پایا جو سیاہ رنگ کا تھا اس نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کا نام پوچھا اس نے کہا میرا نام یزید بن شہاب ہے اللہ تعالیٰ نے میری جد کی نسل سے ساٹھ حمار پیدا کیے ہیں ان پر بجز انبیاء کرام کے کوئی سوار نہ ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر سواری فرمائیں گے میرے جد کی نسل میں بجز میرے کوئی حمار باقی نہیں رہا ہے اور انبیا میں سے بجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی باقی نہیں اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک یہودی کے قبضہ میں تھا میں دانستہ طور پر سواری میں ٹھکرا کر گرا دیتا تھا وہ میرے پیٹ پر الم واذیت پہنچاتا اور میری کمر پر کوڑے برساتا تھا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تو یعفور ہے یعنی تیرا نام یعفور ہے کیا تو مادہ کی خواہش رکھتا ہے اس نے کہا مجھے کوئی خواہش نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات کے وقت اس پر سواری کرتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتر آئے تو اسے کسی شخص کے دروازہ پر بھیجتے تا کہ وہ اسے بلا لائے تو وہ اپنے سر سے دروازہ کو کوٹتا جب مالک مکان باہر نکل کر اس کے پاس آتا تو یعفور اس سے اشارہ کرتا جس سے وہ شخص جان لیتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے بلانے کیلئے بھیجا ہے۔پھر وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو یعفور ایک کنویں پر آیا اور خود کو اس کنویں میں گرا کر ہلاک کر لیا یہ ہلاکت فراق میں بے صبری وناطاقتی کی بنا پر ہے اس کے بعد وہی کنواں اس کی قبر بنا جیسا کہ باب وفات میں گزر چکا ہے۔

بعض ارباب علم حدیث اس حدیث کی صحت میں کلام کرتے ہیں۔ سہیلی نے اس حدیث کو کتاب ''التعریف والاعلام'' میں بیان کیا ہے درحقیقت یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جو اس چوپایہ میں ظاہر ہوا۔

رسالہ قشیری میں ''باب کرامات الاولیاء'' میں کہا گیا ہے کہ میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابونصر سراج سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن احمد رازی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان خواص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن گدھے پر سوار تھا مکھیاں اسے پریشان کر رہی تھیں اور وہ بار بار اپنے سر کو دھنتا تھا اور میں اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اسے مارتا تھا۔ اس پر اس نے سر اٹھا کر کہا تم بھی اپنے سر پر مارو تمہیں بھی مارا جائے گا مطلب یہ کہ میری اس مار کے بدلے تم پر مار ہوگی۔

صاحب حیٰوۃ الحیوان نے ایک عجیب خبر حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے ایک شخص کسی صومعہ میں عبادت کیا کرتا تھا جب بارش ہوئی اور زمین میں گھاس اگی تو باہر نکلا اس نے ایک گدھا دیکھا جو سبزہ چر رہا تھا۔ اس نے کہا اے میرے رب! اگر تیرا کوئی گدھا ہو تو میں اسے اپنے ساتھ چراؤں اور گدھے کی خدمت بجالاؤں جب یہ بات اس زمانہ کے نبی کے کان میں پہنچی تو منع کیا اور اس پر دعائے بدفرمائی اس پر ان پر وحی نازل ہوئی کہ میں اپنے بندوں کو ان کی عقلوں اور ان کی صدق توجہ کے مطابق جزا دیتا ہوں ان احادیث کو ابونعیم نے حلیہ میں زید بن اسلم کی روایت سے نقل کیا اور یہ حکایت اس حکایت کے موافق ہے جو مولانائے روم نے مثنوی شریف میں لکھی ہے فرمایا۔

دید موسیٰ یک شبانے رابراہ   گوہمی نالید و می گفت اے الٰہ

اس بات کی حقیقت از روئے علم یہ ہے کہ وہ شخص جاہل تھا اور بعض ایسے صفات بولتا تھا جو صفات تنزیہہ و تقدیس سے متعلق تھے اور کہتے ہیں کہ اصل ایمان کے حصول میں بالفعل یہ علم شرط نہیں ہے جس طرح کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باندی سے پوچھا: ''این اللہ'' خدا کہاں ہے اس نے کہا وہ آسمان میں ہے۔ اس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مسلمان ہونے کا حکم فرمایا اس لیے کہ اس نے زمین کے باطل معبودوں کی نفی و برات کا اظہار کیا اور یہ ایسا شخص تھا جسے اپنے اعتقاد کے بموجب حق تعالیٰ کے ساتھ انتہائی محبت و عشق اور صدق و اخلاص حاصل تھا اور اسی جذبہ کی حالت میں اس شخص سے یہ کلمات صادر ہوئے اور اسے معذور رکھا گیا اور یہ نسبت مقبول ہوگئی کہ ''كَلَامُ الْمُجَانِيْنَ يَطْوىٰ وَلَا يُرْوىٰ'' دیوانوں کی باتیں حال ہوتی ہیں بیان نہیں کی جاتیں۔

اونٹ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پندرہ سے زیادہ تھے ان میں سے ایک اونٹ کا نام قصوا (بفتح قاف وسکون صاد) تھا۔ قصوا اونٹ کے کان کے گوشہ کو چیرنے کو کہتے ہیں ایسے نر اونٹ کو ''مقصوٗ'' کہتے ہیں اور مادہ کو قصوا اور شاۃ قصوی کہتے ہیں اور جمل کو قصا نہیں کہتے بلکہ مقصو اور مقصیٰ کہتے ہیں اس میں ترک کیا گیا ہے۔ (کذا فی الصحاح) لیکن قاموس میں کہا گیا ہے کہ ناقہ کو قصوا اور مقصو کہتے ہیں اور جمل کو اقصیٰ و مقصو کہتے ہیں جس طرح کہ ''امراۃ حسناء'' کہتے ہیں اور ''رجل احسن'' نہیں کہتے ہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ یعنی اونٹنی مقطوع الاذن نہ تھی بلکہ پیدائشی کان ہی ایسے تھے کہ ایک جانب کان کٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ناقہ کو ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا جیسا کہ ہجرت کے باب میں اس کا ذکر گزر چکا ہے اسی ناقہ پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی اور وہ خدا کی جانب سے مامور تھی کہ جہاں لے جائے اور جہاں وہ بیٹھے۔

حدیبیہ میں بھی اسی ناقہ پر سوار تھے۔ سفر و حضر میں اسی پر سواری فرماتے اور اس ناقہ کی سواری کے وقت وحی بھی نازل ہوتی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں اس قصوا اونٹنی کے سوا کوئی اور ناقہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے نزول کا بوجھ برداشت نہ کرسکتا

تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے ناموں میں عضبا اور جذعا بھی آیا ہے اور عضب بھی بمعنی اونٹ کے کان چیرنے کے آیا ہے اور کبش کا سینگ ٹوٹنے کے آیا ہے۔ جذعا کے بھی یہی معنی ہیں اور ہاتھ' ناک' کان اور ہونٹ چیرنے کے معنی میں آتا ہے بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام اسی ناقہ کے تھے جس کو قصواء کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قصوا کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قصواء عقبیٰ اور جذعا کے معنی کچھ نہ تھا بلکہ اس کے مکان میں ایسی چیز تھی جو اس کے مشابہ تھی جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا۔

ان ناموں میں صرما (صاد وسکون را) اور صلما (صاد ولام کے ساتھ) بھی آیا ہے اور مخضرمہ (بضم میم وفتح حاد سکون ضاد) بھی آیا ہے ان سب کے معنی قطع وبرید کے ہیں اور ناقہ مصرمہ کے معنی سر پستان بریدہ کے ہیں اور صلم جڑ سے کان اکھڑنے کو کہتے ہیں اور مخضرمہ اس ناقہ کو کہتے ہیں جس کے کان کا کونہ کٹا ہوا ان ناموں کے بارے میں بھی اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قصوا کے ہی نام تھے۔

مروی ہے کہ عضبا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی کوئی اونٹنی اس سے سبقت نہیں لیتی تھی اچانک ایک اعرابی شتر جوانہ پر سوار بوجھ لادے آیا اور وہ عضباء پر سبقت لے گیا یہ بات صحابہ پر شاق گزری۔ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ پر حق ہے کہ کسی دنیاوی چیز کو بلند نہ کرے مگر یہ کہ اسے پست کرے۔

ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جو غزوۂ بدر میں مال غنیمت میں قبضہ میں آیا تھا اس کی ناک میں چاندی کا چھلا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو حدیبیہ بھی مشرکوں کو غصہ دلانے کیلئے ہدی میں بھیجا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس اونٹ دودھ والے تھے جو مدینہ طیبہ کے نواح میں مقام غابہ میں چرائے جاتے تھے اور ہر رات دو مشکیزے دودھ لایا جاتا جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کے خرچ میں آتا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اونٹ دودھ والے پینتالیس تھے جن کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے تھے ان کے نام سیر کی کتابوں میں مسطور ہیں۔

گوسفند: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سات بکریاں دودھ والی تھیں جن کو ایمن رضی اللہ عنہا چراتی تھیں اور جس گھر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب باشی فرماتے وہاں ان کا دودھ لے کر آتیں ان کا نام بھی مذکور ہیں۔ (واللہ اعلم)

محجن: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک محجن تھی (بکسر میم وسکون حا دفتح جیم) اس کے معنی چوگان یعنی آکڑے کے ہیں۔ مقولہ "حجن یعنی جذب وعطف وصد وصرف حجن فلا نا صرفہ وجذبہ بالمحجن" محجن بروزن منبر ایک چوبی لکڑی ہوتی ہے جس کا سرا ٹیڑھا ہوتا ہے اور ٹیڑھی چیز کو محجن کہتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ محجن ایک گز یا کچھ زیادہ لمبا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ساتھ لے کر چلتے تھے اور اس کے سہارے سواری پر چڑھتے تھے اور اس کو دونوں دست مبارک کے سامنے اونٹ پر لٹکا دیتے تھے۔ مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اکثر اپنے دست مبارک میں رکھا کرتے تھے (کذا قیل)

مخصرہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مخصرہ تھا جسے عرجون کہتے تھے۔ مخصرہ بکسر میم وسکون خاء معجمہ وفتح صاد مہملہ خصر سے ماخوذ ہے آدمی کا درمیانہ حصہ جسے تہی گاہ کہتے ہیں۔ اختصار کے معنی تہی گاہ پر ہاتھ رکھنے اور اس سے ٹیک لگانے کو کہتے ہیں۔ مخصرہ اسے کہتے ہیں جس سے آدمی ٹیک لگائے تو اس کی عصا ومکارہ ومقرعہ وقصب کی مانند حفاظت کرتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے کہ آپ کے ساتھ آپ کا مخصرہ تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ مخصرہ بادشاہوں کے شعار میں سے تھا۔

عصائے مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصا شریف رکھتے اور اس پر ٹیک لگاتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے عصا پر ٹیک لگانا انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے اور عرجون کھجور کی وہ شاخ ہے جو خشک ہو کر ٹیڑھی ہو جائے گویا مراد

شریف یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصرہ کو عرجون سے تشبیہ دی گئی ہے یا شاخ خرما ہی مخصرہ تھی (واللہ اعلم) اور قضیب شوخط کی لکڑی کا تھا جسے مشوق کہتے ہیں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قضیب درخت کی شاخ کو کہتے ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا یہ نام تھا کبھی درخت کی شاخ بھی اپنے دست مبارک میں رکھتے تھے اور اس درخت کا نام شوخط تھا۔ قاموس میں ہے۔ اَلشُّوْخَطُ شَجَرٌ یُتَّخَذُ مِنْهُ الْقِسِيُّ اَوْ ضَرْبٌ مِنَ التَّبْعِ جیسا کہ گزرا اور قضیب مشوق طویل اور باریک کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے۔

قدح مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کو ریان کہتے تھے۔ ریان ٗرے سے ہے اس کے معنی سیرابی کے ہیں چونکہ قدح یعنی پیالہ میں پانی ٗ دودھ اور شربت وغیرہ پیا جاتا ہے اس لیے ریان نام رکھنا مناسب ہے ایک اور پیالہ تھا جس کو مغیث کہتے تھے۔ ظاہر ہے یہ غیث سے مشتق ہے جس کے معنی بارش کے ہیں ایک اور پیالہ مضیب تھا جس میں تین جگہ چاندی کی کیلیں نصب تھیں اور اس پیالہ میں ایک حلقہ تھا جس سے اسے لٹکاتے تھے ایک اور پیالہ عیدان کا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ عیدان کا تھا جسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے رکھا جاتا تھا اور اس میں بول شریف کرتے تھے۔ لفظ عیدان دو طرح پر ہے بکسر عین کو صحیح بتایا گیا ہے اور یہ جمع عود بمعنی لکڑی کی ہے اور جمع باعتبار اجزا کے ہے دوسرا بفتح عین ہے یہ ایک درخت کا نام ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ عیدان بکسر عین مہملہ عیدانہ کی جمع ہے جو ایک طویل درخت ہے اوپر سے نیچے تک اس میں پتے نہیں ہوتے اور ایک پیالہ زجاج (شیشہ) کا تھا جسے کسی بادشاہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور ایک تورے (بفتح تا وسکون واد) یعنی ایک طفار تھی جو پتھر کی تھی اسے مخضب کہتے تھے۔ مخضب بکسر میم وسکون خا وفتح ضاد معجمہ۔

احادیث میں اس کا تذکرہ بہت ہے اور ایک مرکن (بکسر میم وسکون را) تھا اس کے معنی بھی طغار کے ہیں اور ایک طغار پیتل کی تھی اور ایک مغتسل تھا اسے صادرہ کہتے تھے وہ ایک چمڑہ کا برتن ہے جس سے غسل فرماتے تھے اسے داڑہ بھی کہتے ہیں۔ صادرہ وہ برتن جس سے پانی نکالا جائے اور واردہ وہ برتن ہے جس میں پانی بھرا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ مقصود معنی کے لحاظ سے صادرہ کہنا مناسب ہوگا بہ نسبت واردہ کے۔

گھریلو سامان: ایک مدہن تھا جس میں تیل رکھا جاتا تھا۔ مدہن بضم میم ہے ایک ربعہ اسکندریہ تھا جس میں آئینہ رکھتے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جمال با کمال کا مشاہدہ فرماتے تھے حق یہ ہے کہ آئینہ دیکھنا آپ ہی کو سزاوار ہے۔ اس لیے کہ آپ حق تعالیٰ کے مظہر جلال و جمال تھے۔

ربعہ آئینہ سے مراد آئینہ دان ہے جس میں آئینہ رکھا جاتا تھا۔ قاموس میں ہے کہ ربعہ عطردان اور مصحف کے صندوق کی مانند ہے۔ ربعہ کی صفت اسکندریہ سے کرنا اس بنا پر ہے کہ اسے مقوقس شاہ اسکندریہ نے حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔ روضۃ الاحباب میں اسے طبلہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور کہا کہ اس طبلہ میں کنگھی ٗ مسواک ٗ قینچی ٗ سرمہ دانی اور آئینہ تھا۔

بعض اہل سیر نے استرہ اور چقماق کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئینہ کا نام مدلہ (بضم میم وفتح دال وکسر لام مشددہ) تدلیہ سے رکھا۔ تدلیہ کے معنی عشق میں عقل جاتے رہنا اور بے خود ہو جانا ہے کہ خود آپ اپنے آپ پر عاشق ہو جاتے تھے یا دوسرے لوگ آئینہ میں آپ کے جلوہ جمال کو دیکھ کر بے خود و فریفتہ ہو جاتے تھے۔

اور ایک مشط (بضم میم وسکون شین) یعنی کنگھی تھی یہ کنگھی عاج کی تھی واضح رہنا چاہیے کہ حدیث مبارک میں ہے۔ کَانَ لَهٗ مِشْطٌ مِنْ عَاجٍ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی عاج کی تھی۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ عاج سے مراد ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر ہے کیونکہ ہڈی میں موت سرایت نہیں کرتی بوجہ اس میں عدم حیات کے اور اس حدیث

سے ہاتھی دانت یااس کی ہڈی کی تجارت کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض اسلاف اس سے کنگھی بناتے تھے۔امام شافعی کے نزدیک نجس ہے اور مراد عاج سے دریائی کچھوے کی پشت کی ہڈی ہے یا مویشی کے کمر کی ہڈی ہے اس کو لیتے اور اس سے کنگن دھار اور کنگھی بناتے ہیں اور اسے ذیل کہتے ہیں۔ذیل بفتح ذال معجمہ و باء موحدہ ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کیلئے عاج کا قلبہ خرید فرمایا تو اس سے مراد یہی ذیل ہے۔(واللہ اعلم)

ایک مکحلہ (بضم میم وسکون کاف وبضم حا) یعنی سرمہ دانی تھی جس سے روزانہ رات کو سونے سے پہلے دونوں آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو مرتبہ داہنی آنکھ میں پھر تین مرتبہ بائیں آنکھ میں پھر ایک مرتبہ داہنی آنکھ میں سلائی پھیرتے تھے تاکہ داہنی آنکھ سے شروع ہو کر داہنی آنکھ پر ہی ختم ہو لیکن صحیح ومشہور پہلا ہی طریقہ ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصعہ (بفتح قاف وسکون صاد) تھا اس کا نام غزا تھا اس میں چار حلقے تھے۔قصعہ بڑے برتن کو کہتے ہیں اور جفنہ (بفتح جیم وسکون نا) بھی کاسۂ بزرگ اور صحفہ بھی کاسۂ بزرگ کو کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ صحفہ وہ برتن ہے جس میں پانچ آدمی شکم سیر ہوسکیں اور قصعہ وہ ہے جس میں دس آدمی شکم سیر ہوسکیں۔تینوں لفظوں کی جمع بروزن فعال (بکسر فا) آتی ہے یعنی قصاع، جفان اور صحاف۔صحاح میں کسائی سے منقول ہے کہ برتنوں میں سب سے بڑا برتن جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر صحفہ ہے جو سات آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر ملیکہ ہے جو دو یا تین آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع اور مد تھا جس سے ناپ کے فطرہ نکالا کرتے تھے (کذا قیل) اور کھانا بھی ناپ کر پکایا جاتا ہو تو بعید نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طعام کو ناپ کر خرچ کرو۔صاع اور مد دو پیمانے میں ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد ایک رطل اور تہائی اہل حجاز کے نزدیک ہے اور دو رطل اہل عراق کے نزدیک ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پلنگ تھا جس کے پٹی پائے رشاج کے تھے اور اس پر بستر چمڑے کا تھا جس میں چھلکے بھرے ہوئے تھے اس کے اوپر پلاس یعنی ٹاٹ تھا جس کی دو تہہ کر کے رات کو اس پر تکیہ کرتے تھے۔

انگشتری مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری چاندی کی تھی جس میں چاندی کا ہی نگینہ تھا۔مواہب میں ہے کہ ایک اور انگشتری لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملمع تھا اور احادیث میں آیا ہے کہ لوہے کی انگشتری کی ممانعت فرمائی گئی ہے گو ملمع شدہ یا تو بیان جواز کیلئے ہوگا یا ابتدائے حال کا ذکر کیا گیا ہوگا۔(واللہ اعلم)

موزے اور جبہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موزے سادہ تھے جس کو نجاشی نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفروں میں پہنا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جبے تھے جن کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں زیب تن اقدس فرماتے تھے۔ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور دوسرا جبہ اطلاس کا تھا اور تیسرا جبہ معلوم نہ ہوا کہ کس کپڑے کا تھا جبہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا جاتا ہے اب اگر حبیب والا ہو تو قمیض کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو قبا کہتے ہیں اور جبہ سب کو شامل ہے چادر اور عمامہ کو جبہ نہیں کہتے ہیں۔

طیالمہ جمع طیلسان گویا طیلسان میں بنایا اور بنا جاتا ہے اور یہ عجمی کپڑوں میں سے ہے جو سیاہ اور گول ہوتا ہے اور تانا بانا پشم کا ہوتا ہے۔حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو میں نے اس جبہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے لے لیا اور میں اسے بیماروں کیلئے دھو کر اس کا پانی شفایابی کیلئے دیتی ہوں۔ (رواہ مسلم)

عمامہ مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف تھا جسے سحاب فرماتے تھے ایک اور سیاہ عمامہ شریف تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے کوچ فرمایا اس وقت روبرو، صبرہ، صحاری جامہ، عمانی تہبند، ایک سحولی قمیض، یمنی جبہ، قمیصہ، قطیفہ، سفید چادر اور ایک لحاف تھا جو درس سے رنگا ہوا تھا اور چند طاقیہ خورد آپ کے پاس باقی تھے۔

تشریح یہ ہے کہ برد بضم باء چادر ہے کذافی الصراح اور حبرہ بکسر حاء وفتح باء یہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ برد یمانی اور صحاری منسوب قریہ صحار کی طرف ہے جو یمن میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صحاری کپڑوں کا کفن دیا گیا اور کہتے ہیں کہ صحاری صحر سے ہے اور صحرہ ہلکی سرخی عنبرہ کی مانند ہے اور ثواب اصحر وصحاری بولا جاتا ہے۔ عمان بضم عین و تخفیف میم، یمن کا ایک شہر ہے "عُمَّانُ بِالْمَكَانِ اِذَا قَامَ بِهٖ" اور جو شام میں ہے وہ فتح عین اور تشدید میم کے ساتھ ہے اور قاموس میں ہے کہ غراب کے وزن پر عمان، یمن کا شہر ہے اور شداد کے وزن پر عمان شام کا شہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی بفتح سین ہے یا بضم سین۔ فتح کے ساتھ سحول بمعنی قصار کی طرف منسوب ہے اس لیے وہاں دھویا جاتا ہے اور سفید کیا جاتا ہے یا منسوب قریہ سحول کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور ضمہ کے ساتھ سحل بمعنی ثوب کی جمع ہے جو کہ سوتی صاف ستھرا اور سفید کپڑا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ضمہ کے ساتھ قریہ کی طرف منسوب ہے اور خمیصہ از فر مشہور گھاس کا بنا ہوا ہوتا ہے یا نقشین اون کا بعض سیاہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ صراح میں ہے خمیصہ چوکور سیاہ کمبل ہے۔ اس کے دو نام ہیں اور قطیفہ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور کساء زیر اور مد کے ساتھ چادر سوتی کو کہتے ہیں اور ملحفہ بکسر میم وسکون لام وفتح حاء چادر کو کہتے ہیں اور درس بفتح دادا ایک گھانس ہے اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑے نہ دینار اور نہ بکریاں چھوڑیں اور نہ اونٹ اور راوی کا کہنا ہے کہ میں غلام کے بارے میں شک کرتا ہوں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو کہ مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے، اونٹ، خادم اور غلام تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو صرف فرمایا اور انہیں تقسیم کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور وہ املاک جو بنی نضیر اور فدک کے تھے وہ مسلمانوں پر وقف تھے جو ان کی ضروریات آپ کی اہل بیت کے حوائج اور ان کے نفقہ وغیرہ پر خرچ ہوتے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ ان کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے اور فرماتے کہ مِيْرَاثُ اَكْرَمَكُمُ اللّٰهُ وَاَعَزَّكُمْ بِهٖ۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس مکان میں ایک پلنگ ایک چمڑہ کا گدا جو جھلو سے ملفوف تھا ایک جوڑہ موزے کا، قطیفہ، چکی اور ایک سرکش تھا جس میں چند تیر تھے اور کہتے ہیں کہ اس قطیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی طراوٹ کا اثر موجود تھا۔

ایک شخص بہت بیمار تھا اور اسے شفا نہ ہوتی تھی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تو انہوں نے اس قطیفہ کو تھوڑا سا دھویا اور اس کا پانی اس کی ناک میں ٹپکا دیا وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

تکملہ

یہ تکملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صفات کے بیان میں جن کو اہل معرفت نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توجہ کا طریقہ اور آپ سے استمد اد واستعانت کرنے کے بیان میں ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واوصاف شریف دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ثقہ راویوں کے ساتھ احادیث واخبار میں منقول ہیں اور سیر کی کتابوں میں جو اخلاق وصفات مذکور ومسطور ہیں وہ آپ کی نبوت ورسالت اور تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے آپ کے افضل واکمل ہونے میں بہت کافی روانی ہیں دوسری قسم وہ ہے جو مکاشفان اسرار حقیقت اور مشہدان انوار وحدت نے دیدۂ بصیرت سے پایا ہے اور ان کے اظہار وابراز کی طرف گئے ہیں چونکہ قسم اول بعون عنایت الٰہی ابواب سابقہ میں مرتب ہو چکے ہیں اب قسم دو کے ساتھ بھی اس کی تتمیم وتکمیل کرتا ہوں۔ بیدہ التوفیق۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تبارک وتعالیٰ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور اولیاء کرام اسماء صفاتیہ کی مخلوق ہیں بقیہ ساری کائنات صفات فعلیہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سیّد المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور حق آپ میں بالذات ہے چونکہ صفات واسماء ہیں ظہور وبروز کے اقتضاء سے بیشتر وظاہر تر ہے حق تعالیٰ کی صفات سے ہر صفت میں خوب ظاہر ہوا ہے اور جو کچھ جمال وجلال سے مخصوص تھا ظاہر ہوا اور اسماء حسنیٰ میں سے ہر اسم نے جو اس کے معنوی کمال کے اقتضا میں سے تھا ظہور ہوا اور کنہ ذات الٰہی تعالیٰ وتقدس جس طرح خفا میں حقیقت سریہ پر بطون میں تھی باقی رہی پھر ان اسماء صفات کے حقائق مشہد معنوی میں مجتمع ہوئے۔ ذَاتٌ حَیْثٌ لَا کَیْفَ وَلَا اَیْنَ اور ندا ہوئی اور الہاماً فرمایا اگرچہ میں نے اس کمال کو ظاہر کیا اور ان جمال وجلال کے مقامات کو ہویدا کیا جو حد حصر واحصاء سے باہر ہیں لیکن یہ سب بحر وحدت کا ایک قطرہ ہے اور ذات بیضاء کا ایک ذرہ ہے۔

ہیہات ہیہات! ہمارا اجتماع کہاں اور حقیقت ذات کہاں اور ظہور شیون ذاتیہ حق کہاں اور بروز حقائق اسمائیہ وصفاتیہ کہاں تو پھر کنہ عبارت منہیہ سے اشارہ ہوا کہ میں اپنی ذات سے نکالتا ہوں اور ایک ایسی حقیقت کو پسند کرتا ہوں جو جامع تمام کمالات اسماء وصفات شیونات ذات ہو اور اس میں ایسا بروز برابر کروں جو اپنی مکونات کا عین ہے اور ایسا ظہور ظاہر کروں جو عین بطون ہے جو متصور بصورت بعیہ اور منزل مشاہد رفیعہ میں ہو جو کہ تمہارے لیے نشاۃ رفیع اور جامع انشاء بدیع ہو اور اپنے حد میں ممتاز ہو اور وہ کنہ کمال میں مرموز ہو کہ نہ پہچانا جائے اور نہ حقیقت دریافت میں آئے اور اس کی توصیف نہ کی جا سکے اور اس کی نسبت مظہر اتم، اکمل مجلی اغر وافضل ہو یہ نسبت تمہارے مظاہر عظمیہ محال کریمہ کے جیسی کہ نسبت ذات کی صفات کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ میری برتری پر میری بنا کامل ہو تو میں نے اس کے نام کو محمد سے مشتق کر کے محمد، احمد اور محمود رکھا ہے اور میں نے اسے عابد بنایا اور لواء حمد اس کے ہاتھ میں دیا اور اس کا مقام وسیلہ عظمیٰ بنایا لہٰذا انبیاء علیہم السلام مظہر اسماء وصفات ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام اجلال واکرام کے بالذات ختام ہیں اور انبیاء واولیاء بالواسطہ جبکہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور برحق ان پر بالذات ہے تو ان کے سوا جو بھی ہے سب سے تمام صفات اور جمیع کمالات میں فائق ومنفرد ہیں نیز اسی بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے اس لیے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں رہتے نیز اسی بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج فوق عرش ہے کیونکہ ذات، جمیع اسماء پر فائق ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمانیت حق کے محل ہیں جو کہ عرش سے فوق ووسیع ہے اور عرش محیط اجام ہے اور رحمت ہر شئے پر وسیع ہے رحمتی وسعت کل شئی لہٰذا محمدی حقیقت جمیع موجودات کا مصدر اور تمام کا مبدا اور تمام فیوض وبرکات کا واسطہ

سے لے لیا اور میں اسے بیماروں کیلئے دھو کر اس کا پانی شفایابی کیلئے دیتی ہوں۔ (رواہ مسلم)

عمامہ مبارک: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف تھا جسے سحاب فرماتے تھے ایک اور سیاہ عمامہ شریف تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے کوچ فرمایا اس وقت روبروُ صبرہ، صحاری جامہ، عمانی تہبند، ایک سحولی قمیض، یمنی جبہ، قمیصہ 'قطیفہ' سفید چادر اور ایک لحاف تھا جو درس سے رنگا ہوا تھا اور چند طاقیہ خورد آپ کے پاس باقی تھے۔

تشریح یہ ہے کہ برد بضم باء چادر ہے کذا فی الصراح اور حبرہ بکسر حاء وفتح باء یہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ برد یمانی اور صحاری منسوب قریہ صحار کی طرف ہے جو یمن میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صحاری کپڑوں کا کفن دیا گیا اور کہتے ہیں کہ صحاری صحر سے ہے اور صحرہ ہلکی سرخی عنبرہ کی مانند ہے اور ثواب اصحر وصحاری بولا جاتا ہے۔ عمان بضم عین و تخفیف میم، یمن کا ایک شہر ہے "عُمَّانُ بِالْمَكَانِ اِذَا قَامَ بِهٖ" اور جو شام میں ہے وہ فتح عین اور تشدید میم کے ساتھ ہے اور قاموس میں ہے کہ غراب کے وزن پر عمان، یمن کا شہر ہے اور شداد کے وزن پر عمان شام کا شہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی بفتح سین ہے یا بضم سین۔ فتح کے ساتھ سحول بمعنی قصار کی طرف منسوب ہے اس لیے وہاں دھویا جاتا ہے اور سفید کیا جاتا ہے یا منسوب قریہ سحول کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور ضمہ کے ساتھ سحل بمعنی ثوب کی جمع ہے جو کہ سوتی صاف ستھرا اور سفید کپڑا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ضمہ کے ساتھ قریہ کی طرف منسوب ہے اور خمیصہ از فر مشہور گھاس کا بنا ہوا ہوتا ہے یا نقشین اون کا بعض سیاہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ صراح میں ہے خمیصہ چوکور سیاہ کمبل ہے۔ اس کے دو نام ہیں اور قطیفہ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور کساء زیر اور مد کے ساتھ چادر سوتی کو کہتے ہیں اور ملحفہ بکسر میم وسکون لام وفتح حاء چادر کو کہتے ہیں اور درس بفتح دادا ایک گھانس ہے اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑے نہ دینار اور نہ بکریاں چھوڑیں اور نہ اونٹ اور راوی کا کہنا ہے کہ میں غلام کے بارے میں شک کرتا ہوں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو کہ مذکور ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے، اونٹ، خادم اور غلام تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو صرف فرمایا اور انہیں تقسیم کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور وہ املاک جو بنی نضیر اور فدک کے تھے وہ مسلمانوں پر وقف تھے جو ان کی ضروریات آپ کی اہل بیت کے حوائج اور ان کے نفقہ وغیرہ پر خرچ ہوتے تھے۔ مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ ان کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے اور فرماتے کہ مِيْرَاثُ اَكْرَامَكُمُ اللّٰهُ وَاَعَزَّكُمْ بِهٖ۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس مکان میں ایک پلنگ ایک چمڑہ کا گدا جو جھلو سے ملفوف تھا ایک جوڑہ موزے کا 'قطیفہ' چکی اور ایک سرکش تھا جس میں چند تیر تھے اور کہتے ہیں کہ اس قطیفہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی طراوٹ کا اثر موجود تھا۔

ایک شخص بہت بیمار تھا اور اسے شفا نہ ہوتی تھی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تو انہوں نے اس قطیفہ کو تھوڑا سا دھویا اور اس کا پانی اس کی ناک میں ٹپکا دیا وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

سے ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی کی تجارت کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض اسلاف اس سے کنگھی بناتے تھے۔ امام شافعی کے نزدیک نجس ہے اور مراد عاج سے دریائی کچھوے کی پشت کی ہڈی ہے یا مویشی کے کمر کی ہڈی ہے اس کو لیتے اور اس سے کنگن دھار اور کنگھی بناتے ہیں اور اسے ذیل کہتے ہیں۔ ذیل بفتح ذال معجمہ و باء موحدہ ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کیلئے عاج کا قلبہ خرید فرمایا تو اس سے مراد یہی ذیل ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک مکحلہ (بضم میم وسکون کاف وبضم حا) یعنی سرمہ دانی تھی جس سے روزانہ رات کو سونے سے پہلے دونوں آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو مرتبہ داہنی آنکھ میں پھر تین مرتبہ بائیں آنکھ میں پھر ایک مرتبہ داہنی آنکھ میں سلائی پھیرتے تھے تاکہ داہنی آنکھ سے شروع ہو کر داہنی آنکھ پر ہی ختم ہو لیکن صحیح ومشہور پہلا ہی طریقہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصعہ (بفتح قاف وسکون صاد) تھا اس کا نام غزا تھا اس میں چار حلقہ تھے۔ قصعہ بڑے برتن کو کہتے ہیں اور جفنہ (بفتح جیم وسکون نا) بھی کاسۂ بزرگ اور صحفہ بھی کاسۂ بزرگ کو کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ صحفہ وہ برتن ہے جس میں پانچ آدمی شکم سیر ہو سکیں اور قصعہ وہ ہے جس میں دس آدمی شکم سیر ہو سکیں۔ تینوں لفظوں کی جمع بروزن فعال (بکسر فا) آتی ہے یعنی قصاع، جفان اور صحاف۔ صحاح میں کسائی سے منقول ہے کہ برتنوں میں سب سے بڑا برتن جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر صحفہ ہے جو سات آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر ملیکہ ہے جو دو یا تین آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع اور مد تھا جس سے ناپ کے فطرہ نکالا کرتے تھے (کذا قیل) اور کھانا بھی ناپ کر پکایا جاتا ہو تو بعید نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طعام کو ناپ کر خرچ کرو۔ صاع اور مد دو پیمانے میں ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد ایک رطل اور تہائی اہل حجاز کے نزدیک ہے اور دو رطل اہل عراق کے نزدیک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پلنگ تھا جس کے پٹی پائے رشاج کے تھے اور اس پر بستر چمڑے کا تھا جس میں چھلکے بھرے ہوئے تھے اس کے اوپر پلاس یعنی ٹاٹ تھا جس کی دو تہہ کر کے رات کو اس پر تکیہ کرتے تھے۔

انگشتری مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری چاندی کی تھی جس میں چاندی کا ہی نگینہ تھا۔ مواہب میں ہے کہ ایک اور انگشتری لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملمع تھا اور احادیث میں آیا ہے کہ لوہے کی انگشتری کی ممانعت فرمائی گئی ہے گو ملمع شدہ یا تو بیان جواز کیلئے ہوگا یا ابتدائے حال کا ذکر کیا گیا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

موزے اور جبہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موزے سادہ تھے جس کو نجاشی نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفروں میں پہنا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جبے تھے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں زیب تن اقدس فرماتے تھے۔ ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور دوسرا جبہ اطلاس کا تھا اور تیسرا جبہ معلوم نہ ہوا کہ کس کپڑے کا تھا جبہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا جاتا ہے اب اگر حبیب والا ہو تو قمیض کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو قبا کہتے ہیں اور جبہ سب کو شامل ہے چادر اور عمامہ کو جبہ نہیں کہتے ہیں۔

طیالمہ جمع طیلسان گویا طیلسان میں بنایا اور بنا جاتا ہے اور یہ عجمی کپڑوں میں سے ہے جو سیاہ اور گول ہوتا ہے اور تانا بانا پشم کا ہوتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو میں نے اس جبہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

وصل: صورت و معنی کے لحاظ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال خلقت و اعتدال اور آپ کا جمال و جلال اس حد تک ہے جو حد حصر و احصاء سے باہر ہے اور جتنا کچھ کہ بیان کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور بیضاء کے ساتھ اک...... کو نسبت ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ وجود مطلق بنظر مراتب و مفردات موجودہ منقسم بہ دو قسم ہیں۔ ایک قسم لطیف ہے جس طرح کہ معانی و ارواح وغیرہ ہیں اور دوسری قسم کثیف ہے جیسا کہ صور و اشکال اور اجسام وغیرہ اور ہر ایک ان دونوں قسموں کی دو دو نوعیتیں ہیں ایک نوعیت اعلیٰ دوسری نوعیت ادنیٰ' اعلیٰ معنوی' انسان میں مانند تخلق و تحقق صفات الٰہیہ و اخلاقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ اور تمام مراتب کمالات معنوی سے متصف ہوتا ہے اور اس علو کو علو مکانت کہتے ہیں اور اس کی نہایت خدا کے نزدیک ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ یہ خوبیاں اس میں جمع فرماتا اور اسے عنایت فرماتا ہے جس کی تعظیم کا وہ ارادہ فرمائے اور اپنی بارگاہ میں جسے بزرگ بنائے اور نوع اعلیٰ صوری' فعال حسنہ' اعمال صالحہ' صور حسنہ' اشکال لطیفہ اور اماکن علیہ فیضیہ ہیں۔ اس علو صوری کا نام مکان ہے اور اعلیٰ مکان جنت ہے۔

باوجود تفاوت درجات اور اس کے مراتب کے اور اس کا اعلیٰ درجہ وسیلہ ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دی ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک کے ساتھ اس کا وعدہ فرمایا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علو مکانت ساتھ مخصوص ہیں جس طرح کہ علو مکانت کے ساتھ مخصوص ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اعظم نہیں ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب میں نے تمہارے لیے اپنی شفاعت کو پنہاں کر کے رکھا ہے اور بجز آپ کے کسی نبی کیلئے اسے پنہاں کر کے نہ رکھا۔

حضرت ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین سلام اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آسمانوں اور زمین پر شرف کو کامل فرمادیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روز قیامت عرش کی داہنی جانب کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا کوئی کھڑا نہ ہو سکے گا اور فرمایا میں آدمیوں میں سب سے پہلا نکلنے والا ہوں گا جس وقت کہ وہ اٹھائے جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ درگاہ الٰہی میں آئیں گے اور ان کا بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہو گیا۔ لوا۔الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے گرامی تر ہوں گا و لا فخر۔

ایک روایت میں ہے کہ میں ان کا قاید ہوں گا جبکہ وہ درگاہ الٰہی میں آئیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جبکہ وہ خاموش ہوں اور سنیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا جبکہ ان پر تمام دروازے بند ہو جائیں گے اور ''لوائے کرم'' میرے ہاتھ میں ہے اور میں اکرم اولاد ہوں اپنے رب کے حضور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ ہر آدم یا ان کے سوا سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں۔ ایک روایت میں انہیں سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَلَا فَخْرَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَسَلِّمْ.

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ ڈالا ہے مگر کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل مجھے نظر نہ آیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت اور تمام کمالات صوری و معنوی کے مجتمع ہونے میں احادیث اتنی کثرت سے ہیں ان سب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت میں متنازع اور آپ کی افضلیت میں مدافع نہیں ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علو مکانت کو حقائق اسماء وصفات کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور علوم مکان کو وسیلہ اور مقام محمود کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکان ومکانت کے اعتبار سے اعلیٰ وافضل موجودات ہیں اور باعتبار صورت ومعنی انتہائی علو وجودی کے ساتھ مخصوص ہیں یہ بیان نوع اعلیٰ کا ہی جو مکان ومکانت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی دونوں نوعیتیں دونوں قسموں کی بیان کردی گئیں۔

اب رہی ان دونوں قسموں کی دونوں ادنیٰ نوعیں جسے سقوط مکانت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ دونوں ابلیس کے نصیب میں ہیں، اور ان کا حد ومقام شیطان کے متبعین اشقیاء کیلئے ہے۔ نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذَالِکَ اس باب میں کلام، دو وصل میں کیا ہے۔

وصل اول در کمالات معنوی: اس وصل میں ان کمالات معنوی کا بیان ہے جو بارگاہِ الٰہی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علو مکانت میں حاصل ہے۔ لہٰذا یہ دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک قسم کمالی ہے۔ جس کے ساتھ کاملین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین متخلق و متحقق ہیں جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ۔ دوسری قسم کمال کونی ہے۔ جس کے ساتھ کاملین عظام متصف و متخلق ہیں اور یہ وہ صفات حمیدہ ہیں جن کا مجموعہ ''مکارم اخلاق'' ہے مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق میں اس قدر مکارم اخلاق جمع نہیں کیے جس قدر کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکارم اخلاق اور محامد صفات جمع فرمائے کیونکہ وہ آپ ہی سے پیدا ہوئے اور آپ ہی نے پروان چڑھایا اور آپ ہی پر ختم ہوکر مکمل ہوئے۔ اسی لیے حق تبارک تعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ سیر واحادیث کی کتابیں آپ کے اخلاق حمیدہ خصائل جلیلہ سے اتنی لبریز ہیں۔ جن کا کوئی حد وحساب نہیں۔

عارف کامل شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ صاحب قاموس اعظم وقابوس اقدم فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کے سلسلہ میں کتابوں میں جس قدر ذکر کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے اور وہ جو وارد نہیں ہوا اور بیان نہیں کیا گیا ان سے سوائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی متصف نہیں ہے اور وہ کسی میں جمع نہیں کیے گئے وہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے جامع ہیں۔ اس سے آپ کے خلق معنوی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

اب رہا کمال حقی جو کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے اور ان کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا وہ اس سے زیادہ ہیں جن کو ادراک کیا جائے اور غور وفکر کے بعد ان کو دریافت کیا جائے اور ان کو پہچانا جائے۔ ان کی کوئی حد وغایت نہیں ہے۔ کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق الٰہیہ اور صفات ربوبیہ سے متحقق ہیں۔ شیخ مذکور رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب کمالات الٰہیہ در صفات محمدیہ ہیں صفت صفت اور اسم اسم کر کے بیان کیا ہے اور اس میں ان چیزوں کا بیان کیا ہے جو کتاب عزیز میں ان پر تصریحاً اشارۃ اور تلویحاً دلالت کرتی ہیں۔ منجملہ ازاں اسم اللہ کا ہے اور اس پر دلیل کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اسم کے مظہر ہیں۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی مشت خاک آپ نے نہیں پھینکی جبکہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی، اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ جس نے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی: وَاِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللہَ یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ وہ آپ جو آپ سے بیعت کررہے تھے بلاشبہ وہ اللہ سے بیعت کررہے تھے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔

شیخ قدس فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: انا عبداللہ میں اللہ کا بندہ ہوں کے یہی معنی ہیں۔ یہ عبودیت جو اپنے رب کے نام کے ساتھ ہے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ خاص عبارت ہے۔ اس لیے کہ آپ متخلق باخلاق الٰہیہ ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے تعظیم حق میں بعید ومحال نہ سمجھو اس لیے کہ یہ بات نہ اللہ تعالیٰ کے

نزاہت میں طعن کرتی ہے اور نہ اس کے کمال میں کمی لاتی ہے۔

بندۂ مسکین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین یعنی شیخ محقق شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ قدس سرہ پر تعجب ہے کہ وہ اس بات پر معذرت خواہ ہوئے گویا کہ اسی قدر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت بیان کرنے میں کمال الٰہی کی کمی کا شبہ ہوگیا۔ اس میں کیا بات معذرت کی ہے حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا اور عین کمال الٰہی ہیں کہ حق تعالیٰ اور مظہر کمال نامتناہی ہے۔

بلاشک وشبہ حق تعالیٰ نے اپنے اسماءِ کثیرہ کے ساتھ اپنے حبیب کو موسوم فرمایا اور یہ مشہور ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام اسماءِ حسنیٰ میں تعلق وتحقق دونوں ممکن ہے ورنہ اس اسمِ جلیل میں تو بجز تعلق کے اور حاصل نہیں اور نہ اس کا تحقق ممکن ہے شیخ قدس سرہ کا کلام اس میں ناظر ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اسمِ جلیل کے ساتھ تخلق بھی حاصل ہے اور اس اسمِ جلیل کے مفہوم میں جمیع صفات کمال کا جمع ہونا ماخوذ ہے اور حقیقت محمدیہ کو جمیع کمالات حاصل ہیں۔ چنانچہ جتنا کچھ بیان کیا گیا اس سے واضح ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ مرتبہ الوہیت ذاتِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ خدا خدا ہے اور بندہ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ بندگی خاص جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ شریف کے ساتھ مخصوص ہے جمیع صفات کمال سے متصف ہونے اور اسم باری تعالیٰ کے ساتھ موسوم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ گویا کہ یہ بات فنا وبقا کے معنی پر مبنی ہے۔ چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں فانی ہوئے ہیں لامحالہ ان کے ساتھ باقی ہوں اور ان سے متصف ہوں۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ حقیقت محمدی کے دریائے فضل میں جس کی وحدت تعبیر ہے۔ ایسے مستغرق ہوئے ہیں کہ ان کی نظر بصیرت سے نقش دوئی محو ہوگیا ہی (واللہ اعلم) حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ منجملہ ازاں ایک اسم ''النور'' ہے اور یہ اسم ذاتی ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی مُحَمَّدٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَعْنِي اَلْقُرْآنُ بیشک اللہ کی جانب سے تمہارے پاس نور یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین یعنی قرآن آیا۔

منجملہ ازاں ایک اسم الحق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جَآءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ آیا حق تمہارے رب کی جانب سے اور فرمایا: بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ بلکہ کافروں نے حق کو جھٹلایا جبکہ ان کے پاس تشریف لائے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ منجملہ ازاں ایک اسم الرؤف اور اسم الرحیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ منجملہ ازاں ایک اسم الکریم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یہ عزت والے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا ہے۔ منجملہ ازاں ایک اسم عظیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ خلق اسم عظیم کا وصف ہے تو ان کو عظمت کے ساتھ وصف فرمایا۔

ایک اسم الشہید اور الشاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم کے بارے میں بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطریق حکایت فرمایا: وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا اے خدا تو ہی ہر شے کا گواہ ہے اور حق تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ویکون الرسول علیکم شھیدا اور یہ رسول تم پر گواہ ہیں۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ذکر کیا ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو موسوم فرمایا چنانچہ اسماءِ باری تعالیٰ میں الخبیر' الفتاح' الشکور' العلیم' العلام' الاول' الاخر' القوی' لوالیی' الغفور' الھادی' المومن' المھیمن' الداعی' العزیز وغیرہ اسماء جو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں انہیں ناموں سے اپنے حبیب علیہ السلام کو موسوم فرمایا اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہر نام پر قرآن کریم سے دلیل لائے ہیں۔ تاکہ کوئی معترض اس پر

اعتراض نہ کرے اور کوئی مجادل اس میں نزاع نہ کرے اور فرمایا میں نے اس کتاب میں اسی قدر پر اکتفا کیا ہے اس لیے کہ محققین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ساتھ متصف و متحقق ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے کمالات عطا ہوئے ہیں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے کو سزاوار نہیں ہیں: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ آپ کا خلق قرآن ہے اور قرآن کلام خدا ہے اور یہ اس کی صفت ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خدا کی صفات کو خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا اور انہوں نے اس امر پر مطلع ہونے کی وجہ سے اپنی معرفت و رسائی کی داد دی۔ حق تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں خود فرمایا ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ بلاشبہ قرآن عزت والے اللہ کے رسول کا قول ہے حالانکہ حقیقۃً خدا کا قول ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے صفات عظیمہ کے ساتھ متصف و متحقق ہونے پر غور وفکر کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے صفات اور اپنے اسماء میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام تخلف مین اپنا خلیفہ اور اپنا قایم مقام بنایا۔ اور خوب غور کرنا چاہئے کیونکہ اس کے تحت اسرا شریفہ مضمر ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس کی حقیقت سے باخبر و مطلع فرمائے (آمین واللہ الہادی)

وصل دوم در کمالات صوری: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کمالات صوری جو آپ کیلئے بارگاہِ الٰہی میں علوِ مکان کے تحقق پر شاہد ہیں۔ یہ کمالات صور یہ تین قسموں پر اول ذاتی ہے قسم دوم فعلی ہے مثلاً نماز' روزہ اور صدقہ وغیرہ اور تیسری قسم قولی ہے

قسم اول حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف اور آپ کی صورت جمیل ہے اور آپ کی ذات' اجمل ذوات' اکمل وافضل واطہر اور انور تھی اور آپ کی صورت احسن' اجمل' اجلا اذ کائے صور تھی۔ علماء کرام ''شکر اللہ سعیہم'' کو کچھ آپ کا حلیہ شریف معلوم ہوا اور ان کے فہم میں آیا انہوں نے اس کو جمع کیا اور بیان کر دیا۔ اس سے مقصود آپ کا تصور جمال' مطالعہ کمال اور ہر گھڑی اسے ملحوظ خاطر رکھنا اور اس کام کی مشق کرنا اور اس کا مراقبہ کرنا اور اسے اپنا نصب العین بنانا ہے۔ تا کہ اس جمال جان فزا کو پیش نظر رکھ کر دائمی محبت قایم رہے اور کبھی جدا نہ ہو۔

یہ طریقہ حصول کمال و وصال کیلئے اقرب ہے اور یہ درجہ صحبت کے حصول اور اصحاب وافر النصاب میں شامل ہونے کا ذریعہ ہے اور یہ صحبت معنوی اور سعادت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ اگر اس پر بطریق اتصال و دادم استطاعت نہیں ہے تو صلوٰۃ وسلام کے وقت جو کہ روشنی راہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اقرب طرق ہی اسے نگاہ میں رکھے۔ (وباللہ التوفیق)

لیکن دوسری قسم جو فعلی ہے۔ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال زکیہ اور احوال مرضیہ ہیں جو معلوم و ماثور ہیں اور صحف ودفاتر ان سے مملوو مشحون ہیں اس باب میں یہ بات کافی نہیں ہے کہ سارا جہاں اور ان کے تمام اعمال وصفات آپ کے میزان میں ہیں۔ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رشد و ہدایت کے طریقوں کی بنیاد رکھی اور آپ نے ہی لوگوں کو ضلالت وگمراہی سے باہر نکالا اور احکام کو وضع کر کے سنت قایم فرمائی۔ نماز و روزہ اور حلال وحرام کی روشنی دکھائی اور بھلائی جو اہل جہاں آئی وہ آپ ہی کے دم قائم سے وابستہ ہے چونکہ آپ نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ جس نے کوئی سنت حسن قایم کی تو اس کا اجر اسے ملے گا اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں گے اس سب کا اجر بھی اسے ملے گا تو ان کے تمام اجور آپ کیلئے ہوں گے لہٰذا تمام مخلوق کے اجر آپ کے اعمال کے میزان میں ہیں بلکہ ساری مخلوق کے اجور آپ کے دریائے فضل کا ایک قطرہ ہیں اور آپ سب کے کل اور اصل ہیں اور تمام آپ کے اجزاء اور آپ کی فرع ہیں۔ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی شدت اور آپ کے احوال کی قوت کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔

بس اتنا ہی کافی ہے جو وارد ہوا ہے کہ طول قیام کی وجہ سے آپ کے قدم اقدس ورم کرتے تھے۔ باوجودیکہ ذنوب ماتقدم وما تاخر مغفور ہیں اور یہ کہ خزائن ارض کی کنجیاں دست قدرت میں ہونے کے باوجود شکم اطہر پر پتھر باندھنا وارد ہے حالانکہ جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کیلئے زمین کے پہاڑوں کو سونا کردوں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا۔ آپ کے حضور میں بحرین کا مال لایا گیا آپ نے گوشہ چشم سے بھی نہ دیکھا اور اس سے کچھ بھی تو اپنے گھر نہیں لے گئے۔ حالانکہ اس وقت کھانا تک موجود نہ تھا۔ بجز دو سیاہ کھجور اور پانی کے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری صفات اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہیں جن کو کہ احاطہ میں لایا جاسکے۔ یہ تمام باتیں بطور نمونہ ہیں۔

لیکن تیسری قسم جو کہ قولی ہے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال فصیحہ اور کلمات ملیحہ ہیں جن سے اسلامی کتابیں مملو و مشحون ہیں۔ وہ سب دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور روشنی میں ایک ذرہ کی مانند ہیں۔ آپ کی عظمت شان میں حق تبارک تعالیٰ کا قرآن کریم میں وہ قول جو کہ آپ کا کلام ہے کافی ہے کہ: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ جو ظاہر میں آپ کا کہا ہوا تھا۔ مگر حقیقت میں خدا کا کلام ہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے نہیں ہے وہ مگر وحی جو ان کی طرف کی گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے جس کلمہ کو تم چاہو غور و فکر کرو تا کہ تمہیں اس میں ہر جہت اور ہر حقیقت کے مجامع و محاسن حاصل ہوں اور آپ نے کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی مگر یہ کہ مخلوق خدا کو اس کی طرف ہدایت فرمائی اور کوئی فضیلت ترک نہ فرمائی مگر یہ کہ اس پر آپ نے لوگوں کو تنبیہ فرمائی۔ اسی بناء پر حق تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا اس لیے کہ خبر داری کے ہر دقیقہ کو آپ نے احاطہ فرمایا اور ہر طریقہ پر حقیقت سے روشناس کرایا۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی اور مرشد و رہنما کی حاجت باقی نہ رہی اور آپ آخر میں خاتم النبین ہوئے جس طرح کہ آپ ابتداء و اول میں سابقین النبیین تھے جبکہ: وادم بین الماء والطین حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے آپ کی بزرگی عظیم اور آپ کا مرتبہ کریمہ ہے۔

وصل: اس بیان میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت' تمام موجودات کی نسبت میں ایسی ہے جیسی کہ دریا کی قابلیت قطرہ کی نسبت سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ فیض الٰہی کا تفاوت قبول کرنے والوں کے تفاوت کے اندازہ پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آفتاب کی شعاعیں آئینہ میں کتنی ظاہر ہوتی ہیں اور وہ اسے ایسا روشن کرتا ہے کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کی طرف نظر کر سکے نظر کر سکے وہ آنکھ اس کے نظارہ میں خیرہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے' اس کی شعاعیں جو جمادات پر پڑتی ہیں ان کا یہ حال نہیں ہوگا۔ یہی صورت دکھانے والے آئینہ کی ہے چنانچہ اگر وہ آئینہ معتدل ہے تو چہرہ معتدل نظر آتا ہے اور اگر مستطیل آئینہ ہے تو چہرہ لمبوترا نظر آتا ہے اور اگر عریض ہے تو چہرہ عریض نظر آتا ہے اور اگر چھوٹا ہے تو چہرہ چھوٹا نظر آتا ہے اور اگر بڑا ہے تو چہرہ بڑا نظر آتا ہی تو اس سے معلوم ہوا کہ ثبوت فیض' قابلیت کے اندازہ پر ہے اور حق تعالیٰ حکیم ہے وہ ہر چیز کو اس کے مقام میں ہی رکھتا ہے۔ جبکہ قابلیتیں مختلف و متفاوت ہیں تو مخلوق میں ظہور فیض قوابل کے اندازہ پر ہے اور حق تعالیٰ کا اپنے اسماء و صفات میں ظہور بھی اسی کی شان کے لائق ہے جس طرح بھی اس کی شان قابلیت تقاضا فرمائے لہٰذا اس کا ظہور اسم منعم میں ایسا نہیں ہے جتنا اس کا ظہور اسم منتقم میں ہے اور اس کا ظہور نعمت میں نہیں ہے لہٰذا ظاہر ایک ہے اور اختلاف مظاہر کی بنا پر ظہور مختلف ہیں اور ظہور حق ظاہر میں بقدر قوابل ہیں اور اشیاء کی قابلیتیں ان کے محلوں کے ساتھ متعلق ہیں جو ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔

چند محل نعمت اسم المنعم کے مظہر ہیں اور چند محل نقمت اسم المنتقم کے مظہر ہیں منعم اور منتقم دونوں قدیم اسم الٰہی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات قدیم' اس کے ساتھ قایم ہیں اور عالم کی ہر شئی' اس کے اسماء وصفات کے اثر سے ہے۔ لہٰذا عالم کا ہر فرد حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مقام حدواثر میں ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام' حق تعالیٰ کے اسم ذاتی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ لہٰذا وہ اسماء ان کے محامد ہیں اور اولیا کرام اسماء صفاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں وہ اسماء ان کے محامد ہیں اور بقیہ تمام موجودات' صفات فعلیہ سے مخلوق ہیں وہ ان کے محامد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات عزوجل سے مخلوق ہیں لہٰذا آپ کا حدومقام' ذات حق ہے اور آپ پر ظہور حق' بالذات ہے۔

اسی بناء پر آپ جمیع صفات کے ساتھ منفرد ہیں اس لیے کہ صفات' ذات کی طرف راجع ہیں اور آپ کا دین' تمام دینوں کا ناسخ ہے اس لیے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں ہوتے۔ البتہ ان کا علم باقی رہتا ہے۔ اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی نبوت اپنے حال پر باقی رہی وہ منسوخ نہ ہوئی صرف ان کے ادیان منسوخ ہوئے اور قابلیت محمدیہ کی نسبت بحر کی مانند ہے اور دیگر انبیاء واولیاء کی قابلیت کی نسبت نہروں اور چشموں کی مانند ہیں اور بقیہ عالم کی قابلیت کی نسبت' ان کی قطرات کی مانند ہے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ قدس سرہ کے ہیں۔ اس حقیر (یعنی مؤلف) کی زبان پر ایسا آیا ہے کہ اقرب' کنز ان' اقداح غرف' قطرات اور بحر کی جو مثالیں ہیں اس کا سبب یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ عالم ہیں اس لیے کہ آپ کی روح مقدس' عقل اول ہے اور تمام عالم اسی سے مخلوق ہے لہٰذا صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت' تمام موجودات کی قابلیتوں کے برابر ہوگی۔ آپ مستفیض اول اور مفیض ثانی ہیں اور ذاتی فیض' سب سے پہلے آپ ہی کی جانب متوجہ ہے اور آپ سے تمام بقیہ موجودات ومخلوقات کو ان کی قابلیتوں کے موافق فیض متوجہ ہے۔ لہٰذا آپ تمام موجودات کے کل ہیں اور آپ ہی سے کل شئی ہے وہوالکل' اور آپ ہی کل ہیں اور حق تبارک تعالیٰ کل الکل۔

امام عبداللہ یافعی رضی اللہ عنہ کا قول کتنا اچھا ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے کہ۔

یا واحد الدھر ویا عین الوجودی ویا غیث الانام ھادی کل حیران

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت کل ہے اور تمام اکوان یعنی انبیاء ومرسلین ملائکہ مقربین اور تمام اولیاء صدیقین ومومنین کی قابلیتیں جزئی ہیں۔ لامحالہ وہ سب کے سب حضور اکرم کے مقام رفعت کے انتہائی دریافت وفہم سے قاصر رہیں گے اور آپ کی شان رفیع کے طوق سے عاجز ہوں گے۔

اور جبکہ یہ بات جان لی اور پہچان لی کہ تمام انبیاء ومرسلین نے اپنے سروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِاقدس کی رفعت کے آگے جھکا دیا اور اپنی گردنوں کو ذلت پر آپ کی شان مجد وعظمت کے آگے سرنگوں کر دیا تو اب اس عہد مبارک کا یہی مطلب ہو یعنی انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔

یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت سے نوازوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تمہارے ساتھ کی چیزوں کا تصدیق کرتا تشریف لائے تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

تمام اولیاء مقربین اپنی علوشان کے ساتھ آپ ہی کے عروۃ وثقی کے ذریعہ اور اس کے تمسک سے ترقی وعروج کرتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا در ہر طرف سے بند ہے لیکن سیّد عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا در کھلا ہوا ہے درگاہ حق سبحانہ وتعالیٰ میں داخل ہونے کیلئے کوئی راستہ نہیں بجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے اور کسی کو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ

ظاہر و باطن میں آپ کے در پر حاضر ہو کر آپ کا اتباع کرے تاکہ وہ خدا تک پہنچ سکے۔ اگر درمیان میں یہ بندش نہ ہوتی تو آپ کے بعد کے اولیاء وہی دعویٰ کرتے جو آپ سے نبیوں نے کیا ہے اور اولیاء امت محمدیہ نے باطن میں خدا سے وہ پایا ہے جو انبیاء سابقین علیہم السلام نے ظاہر میں پایا ہے وہ نبوت نہ پا سکے کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم و منقطع ہوگئی۔ اس انقطاع نبوت میں حکمت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ پایا ہے نبوت سے پایا ہے اور ادیان میں جو کچھ بھی مشروع ہوا ہے وہ خدا کے حکم یا خدا کے اذن سے ہوا ہے۔ یہاں تک کہ دین محمدی کے ظہور سے ان کے ادیان منسوخ کر دیئے گئے اس لیے کہ ان کا دین جزئی تھا اور دین محمدی کلی ہے اور جزئی' کل پر غالب نہیں آتا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کلیت اس بناء پر ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہیں اور آپ کے سوا تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام مخصوص قوموں کی جانب مبعوث ہوتے تھے اسی بنا پر ان کے دینوں کا یہ حال تھا۔

لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی قوت میں تمام عالم کی قوت ہے خواہ عرش و کرسی ہو یا لوح و قلم' افلاک واہلاک سموات وارض ہوں یا کواکب وشمس وقمر' نار و ہوا ہوا آب وخاک' اشجار ومعادن ہوں یا حیوانات وجن وانس' جو کچھ بھی پیدا ہوا یا ہوگا۔ سب کچھ اس دین حق کے تحت قوت ہیں۔

پھر ان سب پر جمعیت کبریٰ کو زیادہ کیا گیا جو اس کی مخصوص حقیقت ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی تعبیر قاب قوسین سے کی گئی ہے۔ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے اور آپ کے سوا اس میں کا کچھ بھی حصہ میسر نہیں ہے۔ مگر یہ کہ جس جتنی وسعت وقابلیت تھی اس کے موافق اسے حصہ ملا لہٰذا اس میں خوب غور وفکر کرو اور اس کو سمجھو اور اس میں گم ہو جاؤ اس کے ساتھ اپنے آپ کو ایسا وابستہ کر دو جیسے کہ قطرہ دریا میں گم ہو کر فنا ہو جاتا ہی تاکہ سعادت کبریٰ اور مکان زلفیٰ سے فائز ہو جاؤ۔ اس میں سر جلیل اور امر نبیل کا نکتہ ہی اگر حق تبارک وتعالیٰ نے اس نکتہ کے سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائی ہے تو سمجھ لے گا۔ اور اس بحر محمدی میں گم اور فنا ہونے کی جانب سیدی عارف شیخ ابو الغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ' نے اپنے قول کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے کہ: خَضَيْنَا بَحْرًا وَوَقَفَ الْاَنْبِيَآءِ عَلٰى سَاحِلِهٖ میں نے اس بحر محمدی کی شناوری کی ہے درانحالیکہ انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے۔

اور یہ ان کا دریائے محمدی میں داخل ہونا اور انبیاء علیہم السلام کا اس کے ساحل پر کھڑا ہونا اس لیے ہے کہ طوق حقیقی متحقق نہیں ہوتا مگر اسی کو جو آپ کے بعد آئے اور صورت میں آپ کا تابع ہو۔

لہٰذا کاملین اولیاء محمدی' آپ کی صورت ومعنی کے ساتھ لاحق ہیں اور بحر لحوق میں داخل ہیں بخلاف انبیاء صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے کیونکہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکماً لاحق ہیں اور من حیث المعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ولاحق ہیں نہ کہ من حیث الصورۃ۔ اسی بنا پر انبیاء کرام شکل محمدی' بحر لحوق کے ساحل پر کھڑے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنی حد ذات میں متبوع ہیں اور صورت میں اپنے کسی غیر کے وہ تابع نہیں ہیں۔ لیکن معنیٰ میں تابع ہیں۔

اولیاء محمدی' عینی وحکمی اور صورۃ اور معنی تابع ہیں۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے جس کو یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ اپنے وجودی قطرہ کو بحر محمدی میں غرق وفنا کر دے بلاشبہ اسے سعادت کبریٰ اور مکانت زلفیٰ حاصل ہوگئی اور اسی کو سزاوار ہے کہ وہ یہ کہے جو قطب الوقت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی قدم پاک اٹھایا ہے اسی جگہ آپ کے نشان قدم پر میں نے اپنا قدم رکھا ہے۔ مگر قدم نبوت جو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا کوشش کرو کہ آپ کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور آپ کی متابعت کے دریا میں غرق ہو جاؤ۔ وفقنا اللہ وایاک کذلک۔

وصل: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حبیب خدا نام ہونے کے اسرار کے بیان میں اور مرکز محبوبیت (جو آپ کے مقام حد اسم

میں ہے) کے ذکر میں وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور ان کے قریب پہنچے آپ نے سنا کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا۔ عجیب ہے کہ فرمایا: **وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا** تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

چوتھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو برگزیدگی مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارے تعجب کو دیکھا اور سنا تم نے یہی تو کہا کہ حضرت ابراہیم خدا کے خلیل ہیں حضرت موسیٰ خدا کے کلیم نجی ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں اور حضرت آدم کو خدا نے برگزیدہ فرمایا۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں اور یہ فخر یہ نہیں۔ نہیں حامل لواء الحمد ہوں روز قیامت' یہ فخر یہ نہیں۔ میں پہلا شفیع اور پہلا قبول الشفاعت ہوں یہ فخر یہ نہیں میں پہلا شخص ہوں جو جنت کی کنڈی کھٹکھٹاؤں گا تو میرے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور میں ہی پہلے جنت میں داخل ہوں گا اسحال میں کہ فقراء امت میرے ساتھ ہوں گے میں اکرم اوّلین وآخرین ہوں یہ فخر یہ نہیں۔

یہ حدیث مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں جامع اور آپ کی افضلیت میں اکمل ہے افضل ہے۔ بلاشبہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علو مکان اور علو مکانت کا بیان گزر چکا ہے اس جگہ مقصود آپ کیلئے اسم حبیب کی تخصیص کا بھید بیان کرنا ہے لہٰذا خوب جان لو کہ مقام حبی اعلیٰ مقامات کمالیہ ہے بلاشبہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے: **کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَتَعَرَّفْتُ اِلَیْھِمْ فِیْ عَرَفُوْنِیْ وَعَرَفْتُ بِھِمْ** میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کو اپنے آپ کی پہچان کرائی تو انہوں نے مجھے پہچان لیا۔

توجہ حبی اوّل پیدائش ہے جو جناب الٰہی سے ایجاد مخلوقات میں واقع ہوئی ہے بقیہ تمام مخلوقات اس کی فرع ہیں اور تمام حقائق بواسطۂ حب ہی ظاہر ہوئے۔ اگر حب نہ ہوتی تو مخلوق ہی پیدا نہ ہوتی اور اگر مخلوق پیدا نہ ہوئی تو اسماوصفات الٰہی کو کوئی نہ جانتا اور خلق کا ظہور بواسطہ روح مظہر محمدی ہے جیسا کہ معلوم ہوا لہٰذا اگر روح محمدی نہ ہوتی تو خدا کو کوئی نہ جانتا۔ اس لیے کہ کوئی پیدا ہی نہ ہوتا تو حب وجود موجودات کیلئے واسطہ اولیٰ ہے۔

بلاشبہ وارد ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو آسمانوں کو میں پیدا ہی نہ کرتا تو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخزن مخفی کے پہچاننے کیلئے توجہ حبی کے مقصود ہیں اور جو کچھ آپ کے سوا ہے وہ سب آپ کی مانند ہیں۔

اسی بنا پر حق تعالیٰ نے آپ کو اسم حبیب کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کے سوا کسی اور کو نہ بنایا اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی امت میں سے جس نے آپ کی متابعت کی اسے محبوب بنایا ارشاد باری تعالیٰ ہے: **قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ** اے حبیب تم فرمادو اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں محبوب بنالے تو میرا اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور اُسی کے حکم سے تمام مخلوق آپ ہی سے عالم وجود میں آئی فرمایا: **اَنَا مِنَ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُّوْرِیْ** میں ذات الٰہی سے مخلوق ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں۔ خدا کے ساتھ منسوب ہونیکی یہ خصوصیت امت محمدیہ کو ہی حاصل تمام امتوں میں سے کسی کو یہ حاصل نہیں گزشتہ امتوں میں سے جس نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ: **اَحِبَّاءُ اللّٰہِ** ہم اللہ کے محبوب ہیں حق تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کا انکار فرمایا ہے اور متبعین محمدیہ کیلئے محبت کا اثبات کیا

اس لیے کہ ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ملحق ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی حبیب نہیں لازمی ہے کہ آپ کی امت محبت کے ساتھ مخصوص ہو۔

واضح رہنا چاہیے کہ حب کے علی الاطلاق نو مرتبے ہیں۔ایک مرتبہ خالق میں ہے اور باقی مخلوق میں ہیں تو پہلا مرتبہ جو خالق میں ہے اسے حب کہا جاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے ظہور کے اثر کیلئے حرکت ہو۔

جب یہ حال حب میں حاصل ہو تو ارادہ حاصل ہوتا ہے اور حقیقۃً ارادہ حق تبارک وتعالیٰ ہی کا ہے مرتبہ خلق میں حب کا پہلا مرتبہ میلان ہے اور وہ مطلوب کی جانب دل کا کھچاؤ اور جھکاؤ ہے اور جب زیادہ ہو جائے تو اسے رغبت کہتے ہیں اور رغبت میں اضافہ ہو تو طلب کہتے ہیں اور اگر طلب میں زیادتی ہو تو اسے ولع کہتے ہیں اور جب ولع میں شدت ہو اور دوام کی صورت پکڑ لے تو اسے صابہ کہتے ہیں اور جب یہ قوی ہو جائے اور دل میں اتر جائے اور مراد سے انسیت پکڑے تو اسے ہوا کہتے ہیں جب ہوا غالب ہو جائے اور وہ دل پر چھا جائے تو اسے شغف کہتے ہیں اور وہ اس حیثیت میں ہو کہ محبّ کو اپنے آپ سے فانی کر دے جب وہ نمو پکڑے اس طرح سے کہ اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور اپنی فنا سے فانی ہو جائے تو اسے اعزام کہتے ہیں اور جب یہ مستحکم اور پختہ ہو جائے اور ظاہر و متمکن ہو جائے اور محب اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور حبیب کی طرف سے بھی اس حیثیت میں ہو جائے کہ شئی واحد بن جائے تو اسے حب مطلق کہتے ہیں اور اسی کا نام عشق ہے مخلوق کیلئے محبت میں یہ آخری مقام ہے اور اس مقام میں محبّ حبیب اور حبیب محب بن جاتا ہے اور ہر ایک کا رنگ دوسرے پر ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشق کی روح معشوق کی صورت میں متمکن ہوتی ہے اور وہ صورت روحانیہ اس کے دل سے متعلق ہو جاتی ہے اور اس صورت میں باہمی فک و مفارقت اور انفعال مستحیل ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

رق الزجاج ورق الخمر. (ابیات)

یہ نو مرتبے حقیقۃً مخلوق کیلئے ہیں ان کا اطلاق خدا کیلئے نہیں کیا جائے گا بجز اس کے کہ ان تمام مراتب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

لیکن حب اور ارادہ حقیقۃً خدا کیلئے ہے اور حب کیلئے ایک مرتبہ اور ہے جو حق اور خلق میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کو مرتبہ جامعہ کا نام دیتے ہیں اور اس کو دوم قرار دیتے ہیں۔اسماء الٰہی میں سے ایک نام ودود ہے حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے دوست رکھتا ہے اور بندے اس کو دوست رکھتے ہیں۔

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں تو دونوں مرتبہ میں مشترک ہیں یہ مرتبہ عالم ظہور میں دونوں جانب سے واقع ہونے کی بنا پر مراتب عشق میں انتہائی مقام میں ہے اور خلق میں عشق الٰہی کے مرتبہ سے زیادہ فائق کوئی چیز نہیں ہے۔اِذْهُوَ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ.

وصل: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے کی کیفیت اور آپ کے در پر حاضر ہونے کی برکت کے بارے میں جاننا چاہیے کہ جب حق تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور روز قیامت امت کیلئے آپ کو شفیع بنایا ہے جو قرب و عزت اور محبت کے لوازم میں سے ہے اور اس شفاعت کو آپ کیلئے عام قرار دیا اور آپ کے سوا شفاعت کے عموم میں کوئی مخلوق نہیں ہے اس میں بھید یہ ہے کہ چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی جانب مبعوث اور ان کے پیشتر پیشرو و نگہبان ہیں اور ہر راعی و نگہبان اپنی رعایا و امت کا جوابدہ ہوتا ہے اور اس پر ان کے احوال کی رعایت واجب ہوتی ہے۔اسی بناء پر حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے دنیا و آخرت کے مصالح واجب فرمائے اور اسی بنا پر آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائی اور آپ سے اس وسیلہ کا وعدہ فرمایا جو مقام محمود ہے اور حقیقت میں وسیلہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ مطلوب تک پہنچنے کیلئے واسطہ و ذریعہ ہوں اور وہ شفاعت ہے اور اسی معنی کی ایک

منزلت ہے جس کی صورت فردوس اعلیٰ میں ہے جو کہ منازل جناں میں ارفع منزل ہے آپ وہاں سکونت فرمائیں گے اور معنی ظاہر باطن اور کمالات طواف کریں گے۔

جس طرح کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کیلئے ابتدائے وجود وظہور میں واسطہ ہیں اسی طرح نہایت میں بھی واسطہ ہیں جو کہ جنت میں اقامت کیلئے ہے لہٰذا تمہارے وجود اور ہر وہ چیز جس کا وجود ہے اس کیلئے ازل' ابد' اول اور آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا موجودات میں واسطہ ووسیلہ نہیں ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

تو اے طالب صادق تم پر لازم واجب اور سزاوار ہے کہ اس بارگاہ بے کس پناہ سے متعلق ہو جاؤ اور ان کے دراقدس کے ہو کے بیٹھ جاؤ تاکہ دونوں طرف اور دونوں جانب سے لگاؤ حاصل ہو۔

جب بھی کسی شخص نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں آپ کی رفاقت کی تمنا کا اظہار کیا آپ نے یہی جواب فرمایا: ''اَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ'' اور اسے حکم دیا کہ اپنے نفس پر سجودِ سعدی اور طلب کے ساتھ اعانت کر۔ تاکہ تجھے مطلوب حاصل ہو جائے اور اتم واکمل' مقصود متحقق ہو جائے۔

اسی بنا پر اولیاء کاملین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ آپ کی بارگاہ سے متعلق ہو جاتے اور آپ کے دراقدس پر جبہ سائی کرتے رہتے ہیں اور یہی طریقہ ہمیشہ اہل کمال کا رہا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی مشیت جس کے حق میں تکمیل اور مرتبہ علیا تک رسائی سے متعلق ہوئی اسے اس کی توفیق عنایت فرمائی۔

اور جب اولیاء کاملین رضی اللہ عنہم بارگاہِ اقدس کے منازل میں سے کسی منزل میں حاضر ہوئے جہاں ان کو بارگاہِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نظر کرنا ممکن ہے تو ان انوار کے مشاہدہ کی جانب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پر جناب باری تعالیٰ کی جانب سے بارش ہو رہی ہوتی ڈورتے ہیں۔ اور بارگاہِ الٰہی کے کلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتے ہیں۔ اور ہر چیز سے غافل ہو جاتے ہیں جس کا تقاضا کمالاتِ الٰہیہ میں سے ان کے حقائق کرتے ہیں اور بارگاہِ رسالت کے ادب کی خاطر اپنے کمالات کو گم کر دیتے ہیں اور ان کو اس حالت کی برکت کی بنا پر اس چیز سے زیادہ حاصل ہوتا ہے جس کی شرح ممکن نہیں ہے۔ اس حالت اور اس دوران وہ محمدی سمع و بصر سے ایسی چیز دیکھتے اور سنتے ہیں جو کہ محمدی قابلیت کے مناسب ہوتی ہے۔ جس کی کسی کی ذات میں قوت نہیں ہے اور ان کو محمدی خلعتوں میں سے جن کا حصول بجز اس طریقہ کے ممکن نہیں ہے پہنائے جاتے ہیں۔

شیخ ابوالغیث بن جمیل کی مراد ان کے اپنے قول کی کہ: ''خُضْنَا بَحْراً وَّوَقَفَ الْاَنْبِیَاءُ عَلٰی سَاحِلِهٖ'' ہم نے بحر میں شناوری کی جہاں انبیاء کنارے پر کھڑے تھے۔ یہ ہے اور بحر سے مراد وہ شریعت ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کی شریعت۔

لہٰذا جس کسی کو ظاہر و باطن میں نسبت محمدیہ متحقق ہوگئی تو وہ صورت ومعنی میں کمال اتباع محمدی کی بدولت' حقیقت محمدیہ کے بحر میں داخل ہو گیا۔ اور قابلیت محمدیہ سے حضور بارگاہِ ایزدی میں سے حق سبحانہ وتعالیٰ سے بعض چیزیں حاصل کر لیتے ہیں جب تم نے اس مفہوم مطلب کو جان لیا اور پہچان لیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کو لازم کر لو اور آپ کے درِاقدس پر پڑے رہنے کو واجب بنا لو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ اس تعلق کی کیفیت اور اس بارگاہ عظیم کی ملازمت نہیں پا سکتے تو ہم اسے کیوں کر حاصل کریں تو جان لینا چاہیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے کی دو نوع ہیں۔

پہلی نوع تعلق صوری ہے جو اس جناب کے ساتھ ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم کمال اتباع پر استقامت اور قول وفعل میں کتاب وسنت کے امر ونہی پر مواظبت ہے اور وہ اعتقاد رکھے جو ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے معتقدات ہیں اس لیے کہ علماء محققین کا اجماع واقع ہوا ہے کہ یہ چاروں ائمہ اہل حق ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ روز قیامت یہی فرقہ ناجیہ ہے اور اس قسم کی اتباع صوری کمال اس بات پر ہے کہ عزائم امور کے فعل پر اعتماد کرے اور رخصت کی طرف مائل نہ ہو اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزائم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اور یہ اولوالعزم رسول پانچ ہیں جن کی وضاحت اس آیۂ کریمہ میں کی گئی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ تو یہ اولوالعزم رسول' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور سیّد عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیہم اجمعین وسلم ہیں تو کامل الاتباع تابع کو چاہیے کہ آئے اور عزائم امور کا اتباع کرے اور رخصت وسہولت کی طرف میلان نہ کرے کیونکہ یہی اسلام کا مقام ہے۔

ہم تمہارے لیے وہ چیز چاہتے ہیں جو ہم اپنے لیے چاہتے ہیں اور یہ مقامات قربت اور صدیقیت ہے اور اس کی شرط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزائم امور میں اتباع اور عمل کرنا ہے اور عزائم امور پر عمل کرنے میں اس وقت تک تم قادر نہ ہو گے جیسا کہ عمل واتباع کا حق ہے جب تک کہ تمہیں نفس کی شناسائی اور اس کے علل واسباب کی معرفت نہ حاصل ہو۔

یہ بات اہل اللہ میں سے کسی شیخ کامل ہی کے واسطہ سے حاصل ہوسکتی ہے وہی تمہاری اس میں رہنمائی کرسکتا ہے اور ہر وقت اعمال واحوال کی تمہارے احوال کے مطابق جیسی بھی تمہاری حالت ہوگی معرفت کرا سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدایت امر میں بہت دنوں تک غار حرا کے اندر عبادت الٰہی کرتے رہے جب نہایت ہوئی اور شان عظیم ہوئی تو غار حرا میں عبادت اور خلوت نشینی کو ترک فرما دیا اور تمام سال بجز رمضان کے عشرہ اخیرہ کے اپنے صحابہ کے ساتھ رہتے تھے۔

بلا شبہ طالب کسی ایسی چیز کو جو اس کے حال کے لائق ہے نہ جان سکتا ہے اور نہ پہچان سکتا ہے شیخ مرشد کے واسطہ اور ذریعہ کے سوا وہی اس کی رہنما کرسکتا ہے یا تو بواسطہ جذب الٰہی کے جو اسے اس بارے میں کشف ہوا ہو ہماری باتیں مجذوب کے ساتھ ہیں۔

اے عاقل! طالب اتباع محمدی کیلئے ہمارا کلام تاباں اور واضح ہے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ کسی ایسے شیخ کی جستجو میں کوشش کرو جو تمہیں معرفت الٰہی اور تمہاری اپنی حالت کے پہچاننے میں تمہاری رہنمائی کرے اور جب تمہیں ایسا شیخ مل جائے تو اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو اور اس سے جدا نہ ہو اگرچہ بلائیں اور مصیبتیں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردے اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو اور اس سے اپنا کوئی حال نہ چھپاؤ اگر شومئی قسمت سے تم سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو اپنے شیخ سے عرض کرو تاکہ وہ اس کو دفع کرنے میں کوشش کرے اور تمہاری اقتضائے حال کے مطابق اس کی مداوی کرے یا بارگاہِ الٰہی میں دعا کر کے شفاعت کرے تاکہ وہ تمہیں اس مذلت سے رستگاری کرائے۔

اور اگر کسی ایسے شیخ سے ملنے کا اتفاق نہ ہو اور کوئی اہل اللہ میں سے تمہیں نہ ملے تو اہل اللہ کے طریقہ کو لازم پکڑو اہل اللہ کے تمام طریقے چار ہیں۔

ایک فراغ قلب ہے اور یہ دنیا وآخرت میں ماسوی اللہ کی طرف مائل ہونے سے دل کو خالی کرتا ہے۔

دوسرا اقبال علی اللہ ہے اور یہ مکمل طور پر اللہ سے محبت کرتا ہے جو کہ اغراض وخطرات' عدم التفات اور طلب عوض سے پاک ہو۔

تیسرا مخالفت نفس ہے اور یہ نفس کی ہر ایسی خواہش کی مخالفت کرتا ہے جو وہ اپنی پرورش کیلئے طلب کرے اور نفس کی سب سے بڑی مخالفت ترک ماسوی اللہ ہے اور یہ ترک نظر اعتقاد اور علم میں ہے۔

چوتھا دائمی ذکر ہے یعنی حق تبارک وتعالیٰ کے جلال و جمال پر نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اور ہر حالت میں اس کا ذکر کرنا ہے۔ خواہ ذکر لسانی ہو یا ذکر قلبی خواہ ذکر روحی ہو یا ذکر سری یا ان سب طریقوں سے ہو جیسا کہ اپنی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔

نوع اول کی دوسری قسم تعلق صوری اس بات میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت شدید محبت کے ساتھ کرو تا کہ اپنی محبت کا ذوق جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اپنے تمام وجود میں پاؤ۔

حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دل، اپنی روح اپنے جسم، اپنی جان اور اپنے سر اور بال، بال میں اس طرح پاتا ہوں جس طرح کہ ٹھنڈے پانی کی سیرابی و ٹھنڈک پاتا ہوں جبکہ میں آب سرد سخت پیاس اور شدید گرمی میں پیتا ہوں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر شخص پر فرض عین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** نبی مسلمانوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ اولیٰ ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَنْ يُّؤْمِنُ اَحَدُكُم حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَّفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ** تم میں سے کوئی اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان اس کے مال اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

اب اگر تم اپنے مین ایسی محبت نہیں پاتے جیسا کہ میں نے تمہارے آگے بیان کیا ہے تو جان لو کہ تمہارا ایمان ناقص ہے تم استغفار کرو اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو زیادہ سے زیادہ کرو اور آپ کا انتہائی ادب کیا کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اس سے اجتناب کرتے اور بچتے رہا کرو اور یہ امید دل میں رکھو کہ اگر میں ایسا ہو گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ** آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

اب تم نے جان لیا ہو گا کہ جو کچھ میں نے تم سے نوع اول میں بیان کیا ہے کہ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق صوری ہے اور یہ بات ظاہر میں شریعت پر عمل کرنے اور طریقت میں عزایم پر سلوک کرنے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکمل طور پر مر مٹنے اور ظاہری و باطنی طور سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم شان کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے کے زمرے میں اصحاب کرام اور اہل بیت نبوت کے ساتھ ادب و احترام کرنا اور ان سے محبت رکھنا ہے اور ان سے محبت کرنے اور ان کا ادب کرنے میں ہی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس کا ادب ہے۔ **واللہ الموفق والهادی۔**

وصل: نوع ثانی بارگاہِ رسالت کے ساتھ تعلق معنوی ہے یہ بھی دو قسم پر ہے پہلی قسم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بدیع المثال کو ہمیشہ حاضر رکھنا ہے اگر تم ایسے ہو کہ تم نے کسی زمانہ میں خواب کی حالت میں جمال با کمال کو دیکھا ہے اور آپ کے دیدار سے مشرف ہوئے ہو تو اسی صورت موصوفہ کو جس کو تم نے خواب میں دیکھا ہے حاضر کرو اور اگر کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہے اور اس سے مشرف نہ ہوئے ہو اور اتنی استطاعت نہ رکھتے ہو کہ اس صورت موصوفہ کو ان صفات کے ساتھ بعینہٖ استحضار کر سکو تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کا خوب ذکر کرو اور آپ پر درود و سلام بھیجو اور ذکر کی حالت میں ایسے بن جاؤ گویا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں اور تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلال و عظمت اور حیاؤ ادب کے ساتھ دیکھ رہے ہو اور سمجھ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متصف بصفات اللہ تعالیٰ ہیں اور ایک صفات میں سے یہ ہے کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم مجلس ہوتا ہوں ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس صفت الٰہی کا نصیبہ بہت زیادہ ہے اس لیے کہ وصف الٰہی کا عارف ہونا آپ کی معروف صفت ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ عارف باللہ تعالیٰ ہیں۔

اور اگر تم اپنے کو اس صفت کے ساتھ نہیں بنا سکتے تو اگر تم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی کبھی زیارت کی ہے اور روضہ مبارک اور قبہ منیفہ کو دیکھا ہے اسی کو اپنے ذہن میں اسی بارگاہ مقدس کا تصور جماؤ اور جب بھی تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر درود و سلام بھیجو تو ایسے ہو جاؤ کہ گویا تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کے آگے تعظیم و جلال کے ساتھ کھڑے ہو یہاں تک کہ تم ظاہر و باطن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مشاہدہ کرو۔

اور اگر تم ایسے بھی نہیں ہو کہ تم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کو دیکھا ہو اور قبر شریف کی زیارت نہیں کی ہے تو ہمیشہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو اور تصور کرو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں اور کمال ادب و احترام کی حالت اختیار کرو تا کہ تمہارا درود و سلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے ساتھ اس بارگاہ عالم پناہ میں پیش ہو۔ جمع ہمت اور حضور قلب کا عظیم اثر ہے اور اس بات سے شرم کرو کہ جب تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو تو تم کسی اور مشغلہ میں مشغول ہو اور تمہارا صلوٰۃ و سلام ''جسم بے روح'' کے حکم میں ہو اور ہر وہ عمل جس کو بندہ کرتا ہے اس کا دارومدار حضور قلب کے ساتھ ہے اور ایسا عمل زندہ ہے اور اگر غفلت اور غیر کے ساتھ مشغول ہونے کی حالت میں ہو تو وہ عمل ''جسم بے روح'' کی مانند ہے اسی بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں اور قلبی ارادوں پر موقوف ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی شیخ الشیخ اسمٰعیل جبرتی قدس سرہ سے سنا ہے وہ ایک دن فرماتے تھے کہ جب بندہ ابتدا میں بغیر نیت کے عمل شروع کر دے اور وہ اس سے تقرب الی اللہ چاہے تو لازم ہے کہ عمل کو شروع کرنے کے بعد نیت کر لے یہ ایسے ہوگا کہ اس میں روح پھونک دی گئی ہے اور اگر کسی عمل کو بری نیت کے ساتھ شروع کیا اور اثنائے عمل میں اس نے بری نیت کو بدل کر نیک نیت کر لی تو یہ بھی حسن صورت میں اس کیلئے نافع ہے اور عمل اس کی وجہ سے زندہ اور کامل ہو جاتا ہے بلاشبہ حضرت شیخ قدس سرہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے جو کچھ فرمایا ہے۔

جب تم نے جان لیا جو کچھ ہم نے بیان کیا تعلق معنوی کے قسم اول میں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کو تصور میں لانا ہے اور اس چیز کا تصور جو آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو اس پر مداومت کو ہیبت و جلال و کمال عزت و احترام کے ساتھ لازم کر لو تا کہ سعادت کبریٰ اور مکانت زلفی تمہارے ہاتھ آئے (واللہ الموفق) تعلق معنوی کی دوسری قسم حقیقت کاملہ موصوفہ کا اپنے کمال اوصاف کے ساتھ جو جمال و جلال کا جامع اور اوصاف خدائے کبیر متعال سے آراستہ و پیراستہ اور ابد و ازل میں مشرف بنور ذات الٰہی اور محیط بہر کمال حقی و خلقی اور مستوجب بہر فضلیت وجوہ صورت و معنی حقیقت حکماً عیناً شہادۃً مظاہر اور باطناً تصور میں استحضار کرنا ہے اور تم اس وقت تک ان سب حقائق کا استحضار نہیں کر سکتے جب تک کہ تم جان نہ لو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برزخ کلی میں وجود قدیم و حدیث کے حقائق میں قائم ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہتوں میں سے ہر ایک میں ذاتی و صفاتی حقیقت ہیں اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نور ذات سے مخلوق اور اس کے اسماء وصفات اور افعال وآثار کے حکمی وعینی جامع ہیں اسی موقع پر حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا: ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی.

میں تمہارے لیے اس آیۂ کریمہ قرآنیہ کے معنی کی حقیقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات منیفہ میں سے ہے ایک مثال بیان کرتا ہوں تاکہ تم ذہن میں اس کا تصور کرسکو اور اس مثال کے دیکھنے سے اس کے معنی انشاءاللہ تعالیٰ مستحق ہو جائیں گے۔

اب تم یوں سمجھو کہ تمام وجود ایک دائرے کی مانند ہے جو ایک ایسے خط کے ذریعہ آدھا آدھا تقسیم کیا ہوا ہے جو مرکز دائرہ سے گزرتا ہے تو نصف اعلیٰ وجود قدیم اور واجب الوجود اور حق بزرگ کے نام سے موسوم ہے اور وہ تقسیم وانقسام سے منزہ ہے اور اس کا نصف اصفل وجود محدث وممکن اور خلق کے نام سے موسوم ہے تو دائرہ کا ہر نصف قوس ہے اور خط واحد اس قوس کا وتر ہے پس خط قوس دائرہ کا وتر ہے اور اسی خط کی وجہ سے ہر نصف دائرہ قوس بنتا ہے اور یہ خط جو کہ وتر ہے ''قاب قوسین'' کے نام سے موسوم ہے تو جان لو کہ مقام محمدی' کمالات الٰہیہ اور کمالات خلقیہ کا صورۃً اور معنیً جامع ہے دائرہ وجود مثالیہ کی شکل یہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم برزخ میں حقیقت حق وحقائق کا کہنا اس وجہ سے ہے کہ آپ حقیقت الحقائق میں اور فوق ہیں۔ اسی بنا پر آپ کا مقام شب معراج' عرش ہوا اور عرش مخلوقات کی حد ونہایت ہے۔ عرش کے اوپر کوئی مخلوق نہیں ہے لہٰذا تمام مخلوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہیں اور آپ کا رب آپ کے اوپر اور آپ کے قریب مستوی ہے اس بنا پر حق اور خلق کے درمیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بصورت محسوسہ برزخ ہوئے اور آپ ہر دو صفت اور ہر دو۲ جہت صورت ومعنیٰ سے حکماً وعیناً متصف ہیں۔ جب تم نے اس چیز کو جان لیا اور سمجھ لیا جو میں نے تم سے بیان کیا ہے تو اب کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا استحضار تمہارے لیے آسان ہوگا جیسا کہ اس کے لائق ہے انشاءاللہ۔

تنبیہ: واضح رہنا چاہیے کہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہر عالم میں اس عالم کے مطابق ایک ظہور ہے لہٰذا جس طرح عالم اجسام میں آپ کا ظہور ہے عالم ارواح میں اس کی مانند ظہور نہیں ہے اس لیے کہ عالم اجسام تنگ ہے اور وہ اتنی وسعت نہیں عالم ارواح میں وسعت ہے اور آپ کا ظہور جس طرح عالم ارواح میں ہے اسی کی مانند عالم معنیٰ میں آپ کا ظہور نہیں ہے اس لیے کہ عالم معنی عالم ارواح سے زیادہ لطیف اور زیادہ وسیع ہے اور زمین میں جس طرح آپ کا ظہور ہے اس جیسا آسمان میں ظہور نہیں ہے اور آسمان میں جیسا ظہور ہے اس جیسا ظہور یمین عرش میں نہیں ہے جیسا ظہور ہے اور یمین عرش میں جیسا ظہور ہے اس جیسا ظہور فوق عرش میں نہیں ہے کیونکہ وہاں این وکیف نہیں ہے لہٰذا ہر مقام اعلیٰ میں مقام انزل سے اکمل واتم ظہور ہوتا ہے اور ہر ظہور میں اس کے محل کے مطابق خاص جلالت اور ہیبت واسرار ہیں یہاں تک کہ ایسے محل تک متناہی ہوتا ہے کہ جہاں کسی نبی وولی کی استطاعت نہیں کہ اس جگہ آپ کے ظہور کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کے یہی معنی ہیں کہ: لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ غَیْرُ رَبِّیْ میرے لیے ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ میرے رب کے سوا کسی کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی ایک روایت میں ہے: لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَّا یَسْعِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ تو اے بھائی اپنی ہمت کو بلند رکھ تاکہ تم مظاہر علیا میں بمعاونت حقیقت کبریٰ میں دیکھ سکو فَاِنَّمَا ھُوَ ھُوَ فَافْھَم اے بھائی! میں تمہیں صورت معنی کے ہمیشہ ملاحظہ کرنے وصیت کرتا ہوں اگرچہ تم متکلف ومتحضر ہو۔ تو عنقریب تمہاری روح ان کے ساتھ الفت گیر ہو جائے گی اور تمہیں عیاں طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال باکمال نظر آجائے گا اور تم حضور

کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ہم کلامی کر سکو گے اور حضور تمہیں جواب عنایت فرمائیں گے تم عرض کرو گے اور حضور تمہیں خطاب فرمائیں گے۔

وصل: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ عالیہ میں حاضر ہونا اس صورت لطیفہ کا معانی عزیزہ منیفہ کے ساتھ ہمیشہ مشاہدہ کرنا اگرچہ تصور و تخیل اور بتفکر ہو لیکن بارگاہ عزت میں حاضر رہنے کا باعث اور آپ کی درگاہ قرب کے وصول کا موجب ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اصدق القائلین ہیں فرماتے ہیں کہ: اَكْثَرُكُمْ عَلَىَّ صَلٰوةً اَقْرَبُكُمْ مِنِّىْ تم مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجو وہ تم کو مجھ سے زیادہ قریب کر دیگی۔ مطلب یہ کہ تمہارا بہت زیادہ مجھ پر درود پڑھنا تم کو بہت زیادہ قریب کر دیتی ہے اس وقت وہ حضور کی صورت ورخانیہ پر اپنے دل سے عاشق ہو جاتا ہے لامحالہ وہ حضور کے قریب ہو جاتا ہے پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بن جاتا ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اس جگہ ایک نکتہ اور ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ فرمایا دعا کرنے والا جب اپنے مسلمان بھائی کیلئے دعا کرتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں: لَكَ مِثْلَ ذٰلِكَ تیرے لیے بھی اسی کی مانند ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فرشتوں کی دعائیں مقبول و مستجاب ہیں لہٰذا درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک وتعالیٰ رحمتیں نازل فرماتا ہے تو درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک تعالیٰ کی رحمت دونوں کی لوٹتی ہیں اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: مَنْ صَلّٰى عَلَىَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے اس جگہ سے پتہ چلتا ہے کہ درود پڑھنے والے کو حقیقت قرب حاصل ہوتا ہے اور حضور کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے جب یہ نتیجہ صرف زبان سے کہنے کا برآمد ہوتا ہے تو جو قلب روح اور سر کے ساتھ درود بھیجے گا اس کا کیا حال ہوگا۔ درود وصلوٰۃ کے معنی قرب واجتماع اور اتصال واقبال کے ہیں جیسا کہ لغت میں وارد ہوا ہے اور جب کہ ظاہر عمل (یعنی درود بھیجنا) کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے جنت میں قرب مکانی حاصل ہوتا ہے تو باطنی عمل ان سے تعلق ان سے توجہ ومراقبہ اور ہمیشہ صورت کا تصور میں لانے کا کیا ثمرہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ قرب مکانت ہی ہوگا اور وہ قرب مکانت یہ ہے ''فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ'' یہ وہ مقام ہے جہاں نہ این ہے نہ کیف۔ (فافہم)

اشارہ: واضح ہو کہ ولی کامل کو جس وقت خدا کی معرفت زیادہ ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ اپنے ذکر کو اس کے وجود میں ساکن و برقرار کر دیتا ہے اور وہ اسے فراموش نہیں کرتا اور جب ولی کامل کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زیادہ ہو جاتی ہے تو اس پر حیرانی و پریشانی ہو جاتی ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت اس پر آثار نمودار ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ولی کی معرفت خدا کے ساتھ اس کی اپنی قابلیت کے مطابق ہے۔ اور جو بھی مقام اور محل حد بارگاہِ ایزدی میں رکھتا ہے وہ وہیں ساکن ہو جاتا ہے۔ اور اس کی معرفت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت کے مطابق معرفت الٰہی میں خدا سے قریب تر ہے اس بنا پر وہ ولی اس کی طاقت و برداشت نہیں رکھتا کہ ساکن و ثابت رہے اور اس پر آثار نمودار ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ اس کے اطوار سے مافوق ہیں اور جب ولی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنے غیر سے کامل تر اور بارگاہِ الٰہی میں متمکن تر اور معرفت الٰہی میں علی الاطلاق داخل تر ہو جاتا ہے۔

اشارہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ جو ولی تجلیات الٰہی میں سے کسی تجلی میں حضور کو دیکھتا ہے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خلعت کو جو خلع کمالیہ میں سے ہے اس ولی کو مرحمت فرما دیتے ہیں اسے پہنا دیتے ہیں اور وہ خلعت اس کے پاس رہتی ہے اب اگر وہ دیکھنے والا ولی اتنی طاقت و برداشت رکھتا ہے کہ اس کا پہننا اس کیلئے ممکن ہے تو وہ اسی وقت پہن لیتا ہے ورنہ وہ اسے محفوظ اٹھا رکھتا ہے اور دنیا میں جب بھی اتنی استعداد وقوت ہوتی ہے اسے پہن لیتا ہے نہیں تو آخرت میں پہنتا ہے لہٰذا جس

کسی کو یہ خلعت حاصل ہوئی اور اس نے دینایا آخرت میں اسے پہنا تو یہ قوت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا ہوتی ہے اس کے بعد جو ولی اس ولی تجلیات میں سے کسی تجلی میں دیکھتا ہے جس کے ہاتھ میں وہ خلعت نبویہ ہے تو وہ ولی اس خلوت کو اسے پہنا دیتا ہے اور اس دوسرے دیکھنے والے کو حضور کی طرف سے عطا کر دیتا ہے پھر اس عطا کرنے والے ولی کیلئے مقام محمدی سے اس سے کامل تر خلعت اس عطا کردہ خلعت کے عوض نازل ہوتی ہے اور اگر کوئی دوسرا ولی اس کو اس حالت میں دیکھتا تو وہ اس خلعت کو اسے دے دیتا ہے اور اس کیلئے بارگاہ نبوت سے دوسرا اس سے بہتر خلعت حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح بارگاہ محمدی سے بے حد و نہایت خلعتیں تقسیم ہوتی ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ازل سے جب سے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا جاری ہے یہاں تک کہ انہوں نے مقام نبوت اس کی وجہ سے پایا اور اولیاء کرام کے ہاتھ مقام نبوت تک پہنچنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ اولیاء کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حاصل نہیں ہوئی مگر اس رویت کے بعد جو کہ اس محل کا غیر ہے اسی بناء پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ایسا درجہ سعادت پایا ہے جو ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ پہلے حضرات ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکمل خلعت میں دیکھا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان تھا اور ہمیشہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ اور طریقہ جلیلہ تمام دیکھنے والوں کیلئے وہی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کو دیکھیں اور ابدالآباد تک اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہیں گے (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ) تمت۔

ہزار شکر و سپاس بدرگاہ رب الناس جل وعلیٰ اور لاکھوں درود و سلام بہ بارگاہ حبیب رب الناس صلی اللہ علیہ وسلم کہ ترجمہ کتاب مستطاب فیض انتساب مدارج النبوت در سیرت سیّد المرسلین خاتم النبیین اشرف المخلوقین علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات وعلیٰ آلہ واصحابہ اتباعہ واحبابہ اجمعین۔ از تصنیف منیف افضل المحققین قدوۃ المحدثین عالم برحق شیخ محقق شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آج بتاریخ ۳۰ رجون ۱۹۶۷ء مطابق ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۸۷ھ بروز جمعہ اختتام پذیر ہوا۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

المترجم
غلام معین الدین نعیمی غفرلہ